دروسِ شرح الوقایہ اخیرین (جزءِ رابع)

از کتاب الشفعہ تا کتاب الخنثیٰ و مسائلِ شتی (مکمل ۷۰ اسباق)

تقابلِ عبارات از مکتبۃ الشاملہ • ۱۲ ویکٹر نقشہ جات • ۲۴ فقہی جداول

افادات: حضرت مولانا محمد زہیر روحانی بازی مدظلہ العالی

مرتب و محشی: محمد ساجد اکرم (جامعۃ التوحید، پاکپتن)

دروسِ شرح الوقایہ اخیرین (جزء رابع)

(مکمل ۷۰ اسباق مع حرفِ آغاز: کتاب الشفعہ، کتاب القسمۃ، کتاب المزارعۃ والمساقاۃ، کتاب الذبائح والأضحیۃ، کتاب الکراہیۃ، کتاب إحیاء الموات والأشربۃ والصید، کتاب الرہن، کتاب الجنایات، کتاب الدیات والمعاقل، کتاب الوصایا، کتاب الخنثیٰ ومسائلِ شتیٰ)

مستند صوتی دروس، تقابلِ عبارات در حاشیہ (از محقق نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج)، ۱۲ ویکٹر نقشہ جات اور ۲۴ فقہی جداول کا مرتب و محشی مسودہ

متنِ کتاب: «وقایۃ الروایۃ فی مسائل الہدایۃ» — امام برہان الشریعہ محمود بن صدر الشریعہ المحبوبی رحمہ اللہ تعالیٰ

شرحِ کتاب: «شرح الوقایہ» — امام صدر الشریعہ الاصغر عبید اللہ بن مسعود المحبوبی الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۷۴۷ھ)

افادات و تدریس:

حضرت مولانا محمد زہیر روحانی بازی مدظلہ العالی

ابنِ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ تعالیٰ

جامعہ محمد موسیٰ روحانی بازی، رائیونڈ روڈ، لاہور

طالبِ دعا، مرتب و محشی:

محمد ساجد اکرم

جامعۃ التوحید، چک کانی پور (پاکپتن، پنجاب، پاکستان)

ویب سائٹ: www.dars-e-nizami.com • واٹس ایپ: ۰۳۰۰۸۷۵۰۳۳۹

جامعہ محمد موسیٰ روحانی بازی، رائیونڈ روڈ، لاہور • ۱۴۴۱ھ / ۲۰۱۹ء–۲۰۲۰ء

التماسِ دعا و ایصالِ ثواب

اس علمی و فقہی خدمت سے استفادہ کرنے والے تمام معزز اساتذہ، علماء اور طلبۂ کرام سے عاجزانہ گزارش ہے کہ مرتب کی **والدۂ مرحومہ** اور **ہمشیرۂ مرحومہ** کے لیے دعائے مغفرت فرمائیں:

«یا اللہ! ان کی چھوٹی بڑی تمام لغزشوں کو معاف فرما، ان کی قبروں کو نور سے منور کر، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرما۔ نیز میرے تمام علمی محسنین اور اساتذہ کے درجات بلند فرما۔ آمین!»

اللہ تبارک و تعالیٰ استاذِ محترم **حضرت مولانا محمد زہیر روحانی بازی مدظلہ العالی** کے علم، عمر اور فیوض و برکات میں بے پناہ ترقی عطا فرمائے، اور ان کے والدِ گرامی **شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ تعالیٰ**، مصنفِ وقایہ **امام برہان الشریعہ محمود بن صدر الشریعہ المحبوبی رحمہ اللہ تعالیٰ** اور شارحِ کتاب **امام صدر الشریعہ الاصغر عبید اللہ بن مسعود المحبوبی الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ** (متوفی ۷۴۷ھ) کی قبور کو نور سے بھر دے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

طالبِ دعا، مرتب و محشی:
محمد ساجد اکرم
جامعۃ التوحید، چک کانی پور (پاکپتن، پنجاب، پاکستان)

اجمالی فہرستِ کتب و ابوابِ شرح الوقایہ — جزء رابع (کل ۷۰ اسباق مع حرفِ آغاز)

(ہر عنوان اور صفحہ نمبر کلک ایبل ہے — تفصیلی فہرستِ مضامین کتاب کے آخر میں صفحہ ۱۶۰۶ پر ملاحظہ فرمائیں)

شمار	کتاب / باب / حصہ	شامل اہم فقہی مباحث، ویکٹر نقشہ جات و فقہی جداول	اسباق	صفحہ
۰	حرفِ آغاز و دعائے افتتاحیہ	تعارفِ تدریسِ شرح الوقایہ اخیرین (۱۴۴۱ھ / ۲۰۱۹ء–۲۰۲۰ء)، اجازتِ عامہ برائے اشاعت اور جامع مسنون دعا	مقدمہ	۳
۱	کتاب الشفعہ	تعریف و اسبابِ شفعہ (نقشہ ۱)، مراتبِ طلبِ ثلثہ (نقشہ ۲)، طلبِ خصومت، ثمنِ مثلی و قیمی، مسقطات و حیل	۱ تا ۹	۵
۲	کتاب القسمۃ	افراز و مبادلہ (نقشہ ۳)، طالبِ قسمت کے شرائط، تعدیلِ سہام و قرعہ اندازی، استحقاق فی القسمۃ	۱۰ تا ۱۳	۱۶۳
۳	کتاب المزارعۃ والمساقاۃ	شرائطِ صحتِ مزارعت (نقشہ ۴)، مزارعت کی چار صورتیں، اخراجاتِ زرع، احکامِ مساقات	۱۴ تا ۱۷	۲۴۳
۴	کتاب الذبائح والأضحیۃ	ذکوٰۃ و قطعِ عروقِ اربعہ (نقشہ ۵)، شرائطِ ذابح و آلہ، حلال و حرام حیوانات، شرائط و عیوبِ اضحیہ	۱۸ تا ۲۲	۳۱۱
۵	کتاب الکراہیۃ	مکروہِ تحریمی و تنزیہی (نقشہ ۶)، زیورات و ولیمہ، احکامِ ستر و نظر، استبراء، کسب و معاملات	۲۳ تا ۲۸	۴۲۰
۶	إحیاء الموات، الأشربۃ والصید	حریمِ آبار و عین (نقشہ ۷)، حقِ شرب و شفہ، اشربۂ محرمہ کی ۴ اقسام، شرائطِ صید و کلبِ معلم	۲۹ تا ۳۳	۵۴۷
۷	کتاب الرہن	ضمانِ مرہون (نقشہ ۸)، مؤنتِ حفظ و بقا، رہنِ مشاع، رہن عند العدل، تصرف و جنایت فی الرہن	۳۴ تا ۴۳	۶۴۳
۸	کتاب الجنایات	قتل کی پانچ اقسام (نقشہ ۹)، شرائطِ قصاص فی النفس، قصاص فیما دون النفس، شہادت و عفو فی القتل	۴۴ تا ۵۱	۸۹۳
۹	کتاب الدیات والمعاقل	مقاديرِ دیت و اسنانِ ابل (نقشہ ۱۰)، شجاج کی ۱۱ اقسام، جنایتِ رقیق، قسامت اور معاقل	۵۲ تا ۶۱	۱۰۸۹
۱۰	کتاب الوصایا	مشروعیت و شرائطِ وصیت، وصیت بالثلث و محاصہ، وصیت بمثل النصیب، عتق فی المرض، وصیت بالسکنیٰ	۶۲ تا ۶۷	۱۳۳۷
۱۱	کتاب الخنثیٰ ومسائلِ شتیٰ	میراثِ خنثیٰ بقولِ امام ابو حنیفہؒ (نقشہ ۱۱)، تفسیرِ قولِ شعبیؒ بقولِ صاحبینؒ (نقشہ ۱۲)، اشارۂ اخرس و مسائلِ شتیٰ	۶۸ تا ۷۰	۱۵۳۹

فہرستِ خصوصی ویکٹر نقشہ جات (۱۲ نقشے) اور فقہی جداول (۲۴ جداول)

(مکمل کتاب میں شامل تمام ۱۲ ویکٹر نقشہ جات اور ۲۴ فقہی جداول کا کلک ایبل اشاریہ)

ویکٹر نقشہ / فقہی جدول کا عنوان	سبق	صفحہ	ویکٹر نقشہ / فقہی جدول کا عنوان	سبق	صفحہ
نقشۂ اول (۱): استحقاقِ شفعہ اور ترتیبِ شفعاء	۱	۶	نقشۂ ہفتم (۷): حریمِ عین، بئر اور نہر کے فاصلے	۲۹	۵۴۸
نقشۂ دوم (۲): طلبِ شفعہ کے تین مراتب کا ضابطہ	۲	۱۵	نقشۂ ہشتم (۸): ضمانِ مرہون کی تین صورتیں	۳۴	۶۴۴
نقشۂ سوم (۳): تقسیمِ مشترکات (افراز و مبادلہ)	۱۰	۱۶۴	نقشۂ نہم (۹): قتل کی پانچ اقسام کا جامع شجرہ	۴۴	۸۹۵
نقشۂ چہارم (۴): شرائطِ مزارعت اور جائز و باطل صورتیں	۱۴	۲۴۴	نقشۂ دہم (۱۰): دیتِ مغلظہ و مخففہ اور اسنانِ ابل	۵۲	۱۰۹۰
نقشۂ پنجم (۵): ذکوٰۃِ شرعیہ اور قطعِ عروقِ اربعہ	۱۸	۳۱۲	نقشۂ یازدہم (۱۱): میراثِ خنثیٰ بقولِ امام ابو حنیفہؒ	۶۸	۱۵۷۸
نقشۂ ششم (۶): مکروہِ تحریمی وتنزیہی کے مراتب	۲۳	۴۲۱	نقشۂ دوازدہم (۱۲): قولِ شعبیؒ بقولِ ابو یوسفؒ و محمدؒ	۶۹	۱۵۸۴
جدول (۱): ثمنِ مثلی، قیمی اور مؤجل میں شفعہ	۵	۷۵	جدول (۱۳): رہن عند العدل کے شرعی احکام	۴۰	۷۹۱
جدول (۲): جن اشیاء میں شفعہ واجب ہے یا نہیں	۶	۹۷	جدول (۱۴): راہن اور مرتہن کے تصرفات کا حکم	۴۱	۸۱۹
جدول (۳): مسقطاتِ شفعہ اور شرعی حیلے	۸	۱۳۱	جدول (۱۵): قصاص فی النفس کے وجوب کی شرائط	۴۵	۹۱۴
جدول (۴): قسام کے فرائض اور قرعہ اندازی	۱۲	۲۰۷	جدول (۱۶): اعضاء و اطراف میں قصاص اور مماثلت	۴۷	۹۵۸
جدول (۵): مزارعت اور مساقات کا تقابلی ضابطہ	۱۷	۲۹۸	جدول (۱۷): ثبوتِ قصاص للورثہ اور عفو و سرایت	۵۰	۱۰۴۱
جدول (۶): حلال اور حرام حیوانات کا ضابطہ	۲۰	۳۵۸	جدول (۱۸): شجاج (سر اور چہرے کے زخموں) کی ۱۱ اقسام	۵۳	۱۱۱۳
جدول (۷): قربانی کے جانوروں کی عمریں اور عیوب	۲۱	۳۸۴	جدول (۱۹): غلام کی جنایت میں دفع اور فداء	۵۵	۱۱۸۰
جدول (۸): ستر اور نظر کے شرعی حدود و مراتب	۲۵	۴۶۱	جدول (۲۰): قسامت کی ۵۰ قسمیں اور عاقلہ کے ضوابط	۶۱	۱۳۰۷
جدول (۹): کسب، معاملات اور لباس کے مسائل	۲۷	۵۱۵	جدول (۲۱): وصیت کے ارکان، شرائط اور مراتب	۶۲	۱۳۳۸
جدول (۱۰): اشربۂ محرمہ کی چار اقسام اور احکام	۳۱	۵۸۴	جدول (۲۲): وصیت بالثلث میں محاصہ اور منازعہ	۶۳	۱۳۶۶
جدول (۱۱): کلبِ معلم اور باز سے شکار کی شرائط	۳۲	۶۰۹	جدول (۲۳): مرض الموت کے تصرفات اور عتق و محاباۃ	۶۶	۱۴۵۲
جدول (۱۲): مرہون کے اخراجات (مؤنتِ حفظ و بقا)	۳۶	۶۸۸	جدول (۲۴): اشارۂ اخرس اور متفرق فقہی قواعد	۷۰	۱۵۹۱

حرفِ آغاز و دعائے افتتاحیہ

افادات: حضرت مولانا محمد زہیر روحانی بازی مدظلہ العالی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

محترم طلباءِ کرام! السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ. محمد زہیر ابنِ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى آپ سے مخاطب ہے۔

بندہ کو امسال یعنی ۱۴۴۱ ہجری مطابق ۲۰۱۹ — ۲۰ عیسوی جامعہ محمد موسیٰ البازی رائیونڈ میں فقہ حنفی کی معروف کتاب شرح وقایہ اخیرین جلدِ رابع، از کتاب الشفعہ تا آخرِ کتاب کی تدریس کا موقع ملا اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کتاب احسن طریقے سے اختتام تک پہنچی۔ شرح وقایہ جزِ رابع کے یہ اسباق پیشِ خدمت ہیں۔

بہت سے طلباء و اساتذہ بندہ سے طباعتِ دروس کی خواہش کا اظہار کرتے رہتے ہیں، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ جو بندہ یا جو ادارہ بھی بندہ کے کسی بھی کتاب کے دروس کو کتابی صورت میں چھپوانا چاہے تو اس کی عام اجازت ہے۔

آئیے اب آخر میں دعا فرمائیں: اے اللہ! يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ! اے اللہ! آپ کی توفیق کے بغیر نہ تو کوئی شخص کوئی نیکی کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی گناہ سے بچ سکتا ہے۔ اے اللہ! ہمارے تمام گناہوں کو معاف فرما اور آئندہ زندگی میں گناہوں سے بچنے کی توفیق نصیب فرما۔ اے اللہ! اے خالقِ ارض و سما! اے وہ عظیم ذات جو اس بات پر خوش ہوتی ہے کہ اس سے مانگا جائے۔ اے اللہ! متکلم و سامعین کی تمام حاجات پوری فرما، تمام مشکلات حل فرما، ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرما۔ اے اللہ! ہمارا شمار ان لوگوں میں فرما جن سے آپ کے تمام فرشتے اور آپ کی تمام مخلوقات محبت کرتی ہیں۔ اے اللہ! قبر کی تاریکی اور قیامت کے دن کی شرمندگی سے ہماری حفاظت فرما اور ہمارا شمار ان لوگوں میں فرما جنہیں آپ بلا حساب کتاب جنت الفردوس نصیب فرمائیں گے۔

اے اللہ! جو وبائی بیماری اس وقت دنیا میں پھیل رہی ہے اور جس نے تمام اقوامِ عالم کو خوف و ہراس میں مبتلا کر رکھا ہے، یقیناً یہ ہمارے گناہوں کا نتیجہ ہے۔ اے اللہ! اس وبا کو دور فرما اور سب کو صحت نصیب فرما، سب کی حفاظت فرما۔

اے اللہ! اس زمانے میں جبکہ ہر جگہ پر مسلمانوں پر ظلم کیا جا رہا ہے، شام، برما، فلسطین، کشمیر، ہندوستان وغیرہ میں اور بالخصوص چین میں مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں اور انہیں بے دریغ قتل کیا جا رہا ہے۔ اے اللہ!

اس فتنے کے زمانے میں تمام مسلمانوں کی حفاظت فرما۔ اے اللہ! مجاہدین کو عظیم کامیابیاں نصیب فرما۔ اسلام اور مسلمانوں کو پھر عروج نصیب فرما۔ اے اللہ! ہر شر اور فتنے سے تمام مسلمانوں کی حفاظت فرما۔ اے اللہ! ہمارے ایمان کی حفاظت فرما۔ اے اللہ! قیامت تک ہماری آنے والی نسلوں کے ایمان کی بھی حفاظت فرما اور ہماری اولاد کو دنیا اور آخرت دونوں جگہ ہمارے لیے باعثِ فخر و عزت بنا۔

محترم طلباءِ کرام! میرے لیے بھی آپ تمام حضرات سے دعاؤں کی درخواست ہے کہ اللہ جملہ پریشانیاں دور فرمائے، حاجات پوری فرمائے اور صحت و عافیت کے ساتھ دروس کے سلسلہ کو جاری و ساری رکھے۔ اے اللہ! بندہ کے تمام دروس کو مقبولیتِ عامہ نصیب فرماتے ہوئے طلباء و مدرسین کے لیے بے انتہا نافع فرما۔ میری والدہ بھی بیمار رہتی ہیں، ان کے لیے بھی آپ سب سے دعاؤں کی گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ صحت و عافیت اور مسرت کے ساتھ ان کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے۔

اے اللہ! متکلم و سامعین کی تمام دعائیں قبول فرما، تمام حاجات پوری فرما، تمام مشکلات حل فرما، فَإِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَبِالْإِجَابَةِ جَدِيْرٌ، آمِيْن، آمِيْن، ثُمَّ آمِيْن۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

كِتَابُ الشُّفْعَةِ

شفعہ کی تعریف، اسباب، مراتبِ طلب، دعویٰ اور مسقطات و حیل

سبق نمبر ۱: تمہیدِ جزء رابع، دعائے افتتاحیہ اور کتاب الشفعہ و اسبابِ شفعہ کا اجمالی تعارف

شرح الوقایہ صفحہ: ابتدا — بتاریخ: ۴ ستمبر ۲۰۱۹ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

اس سبق میں ہم شرح وقایہ اخیرین کا دوسرا حصہ، یعنی کِتَابُ الشُّفْعَةِ سے پڑھیں گے۔[۱]

تو آئیے شروع میں دعا پڑھ لیں، میرے ساتھ ساتھ پڑھیے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

---

[۱] نقشۂ فقہی (۱): کتاب الشفعہ — استحقاقِ شفعہ کے اسباب اور شفعاء کی ترتیب:

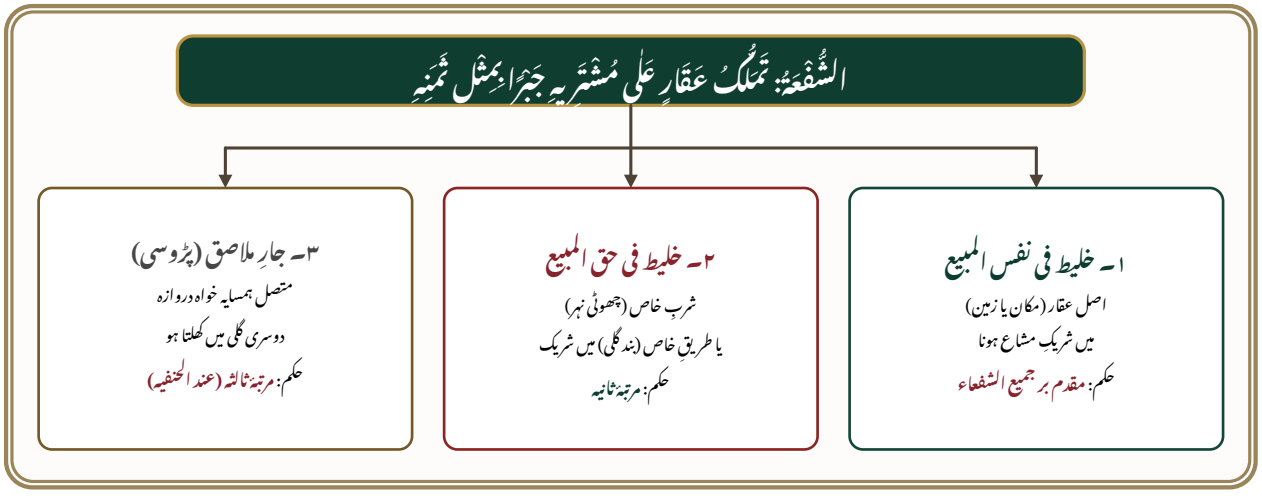

رَبَّنَا يَسِّرْ لَنَا هٰذَا الْكِتَابَ وَلَا تُعَسِّرْهُ وَتَمِّمْهُ بِالْخَيْرِ وَبِكَ نَسْتَعِيْنُ يَا فَتَّاحُ يَا عَلِيْمُ۔ رَبَّنَا يَسِّرْ لَنَا هٰذَا الْكِتَابَ وَلَا تُعَسِّرْهُ وَتَمِّمْهُ بِالْخَيْرِ وَبِكَ نَسْتَعِيْنُ يَا فَتَّاحُ يَا عَلِيْمُ۔ رَبَّنَا يَسِّرْ لَنَا هٰذَا الْعِلْمَ وَلَا تُعَسِّرْهُ وَتَمِّمْهُ بِالْخَيْرِ وَبِكَ نَسْتَعِيْنُ يَا فَتَّاحُ يَا عَلِيْمُ۔ رَبَّنَا يَسِّرْ لَنَا هٰذَا الْعِلْمَ وَلَا تُعَسِّرْهُ وَتَمِّمْهُ بِالْخَيْرِ وَبِكَ نَسْتَعِيْنُ يَا فَتَّاحُ يَا عَلِيْمُ۔ رَبَّنَا يَسِّرْ لَنَا هٰذَا الْكِتَابَ وَلَا تُعَسِّرْهُ وَتَمِّمْهُ بِالْخَيْرِ وَبِكَ نَسْتَعِيْنُ يَا فَتَّاحُ يَا عَلِيْمُ۔ رَبَّنَا يَسِّرْ لَنَا هٰذَا الْكِتَابَ وَلَا تُعَسِّرْهُ وَتَمِّمْهُ بِالْخَيْرِ وَبِكَ نَسْتَعِيْنُ يَا فَتَّاحُ يَا عَلِيْمُ۔

اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ قُلُوْبَنَا بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ وَطَهِّرْ قُلُوْبَنَا عَمَّنْ سِوَاكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ قُلُوْبَنَا بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ وَطَهِّرْ قُلُوْبَنَا عَمَّنْ سِوَاكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ، يَا أَكْرَمَ الْأَكْرَمِيْنَ، يَا أَكْرَمَ الْأَكْرَمِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ قُلُوْبَنَا وَطَهِّرْ قُلُوْبَنَا۔ اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ قُلُوْبَنَا وَطَهِّرْ قُلُوْبَنَا۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ الْأَشْيَاءِ إِلَيْنَا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ الْأَشْيَاءِ إِلَيْنَا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ وَحُبَّ نَبِيِّكَ وَحُبَّ الْقُرْآنِ وَحُبَّ الصَّحَابَةِ أَحَبَّ الْأَشْيَاءِ إِلَيْنَا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ وَحُبَّ نَبِيِّكَ وَحُبَّ الْقُرْآنِ وَحُبَّ الصَّحَابَةِ أَحَبَّ الْأَشْيَاءِ إِلَيْنَا۔

اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ أُمُوْرَنَا وَلَا تُعَسِّرْهَا وَتَمِّمْهَا بِالْخَيْرِ يَا قَاضِيَ الْحَاجَاتِ۔ اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ أُمُوْرَنَا وَلَا تُعَسِّرْهَا وَتَمِّمْهَا بِالْخَيْرِ يَا قَاضِيَ الْحَاجَاتِ۔ يَا قَاضِيَ الْحَاجَاتِ، يَا قَاضِيَ الْحَاجَاتِ، يَا قَاضِيَ الْحَاجَاتِ۔

اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ قُلُوْبَنَا وَاشْرَحْ صُدُوْرَنَا۔ اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ قُلُوْبَنَا وَاشْرَحْ صُدُوْرَنَا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سُنَّةَ رَسُوْلِكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبَّ الْأَشْيَاءِ إِلَيْنَا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سُنَّةَ رَسُوْلِكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبَّ الْأَشْيَاءِ إِلَيْنَا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ أَحْيَا سُنَّةَ رَسُوْلِكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ أَحْيَا سُنَّةَ رَسُوْلِكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ تَوْفِيْقَكَ وَعَوْنَكَ خَيْرَ رَفِيْقِنَا فِي صُعُوْبَتِنَا وَفِي أُمُوْرِنَا وَفِي لَيَالِيْنَا وَفِي نُهُوْرِنَا وَفِي حَرَكَاتِنَا وَسَكَنَاتِنَا وَفِي بُيُوْتِنَا وَخَارِجِ بُيُوْتِنَا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ تَوْفِيْقَكَ وَعَوْنَكَ خَيْرَ رَفِيْقِنَا فِي صُعُوْبَتِنَا وَفِي أُمُوْرِنَا وَفِي لَيَالِيْنَا وَفِي نُهُوْرِنَا وَفِي حَرَكَاتِنَا وَسَكَنَاتِنَا وَفِي بُيُوْتِنَا وَخَارِجِ بُيُوْتِنَا۔

اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ قُلُوْبَنَا وَاشْرَحْ صُدُوْرَنَا فَلَا مُنَوِّرَ إِلَّا أَنْتَ وَلَا شَارِحَ إِلَّا أَنْتَ۔ اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ قُلُوْبَنَا وَاشْرَحْ صُدُوْرَنَا فَلَا مُنَوِّرَ إِلَّا أَنْتَ وَلَا شَارِحَ إِلَّا أَنْتَ۔ اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَبِالْإِجَابَةِ جَدِيْرٌ۔ اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَبِالْإِجَابَةِ جَدِيْرٌ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ، يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ، يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ، يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ، يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ، يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ۔ يَا عَزِيْزُ يَا لَطِيْفُ، يَا عَزِيْزُ يَا لَطِيْفُ، يَا عَزِيْزُ يَا لَطِيْفُ، يَا عَزِيْزُ يَا لَطِيْفُ، يَا عَزِيْزُ يَا لَطِيْفُ، يَا عَزِيْزُ يَا لَطِيْفُ۔ يَا اللّٰهُ، يَا اللّٰهُ، يَا اللّٰهُ، يَا اللّٰهُ، يَا اللّٰهُ، يَا اللّٰهُ۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ۔

رَبَّنَا أَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْكَ الِاعْتِمَادُ وَالتُّكْلَانُ۔ رَبَّنَا أَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْكَ الِاعْتِمَادُ وَالتُّكْلَانُ۔ رَبَّنَا وَفِّقْنَا لِلْخَيْرِ وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ۔ رَبَّنَا وَفِّقْنَا لِلْخَيْرِ وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ۔ رَبَّنَا وَفِّقْنَا لِلْخَيْرِ وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ۔ رَبَّنَا وَفِّقْنَا لِلْخَيْرِ وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ۔ رَبَّنَا وَفِّقْنَا لِلْخَيْرِ وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ۔ رَبَّنَا وَفِّقْنَا لِلْخَيْرِ وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا الْأَعْمَالَ الصَّالِحَةَ وَأَجِرْنَا مِنَ السَّيِّئَاتِ۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا الْأَعْمَالَ الصَّالِحَةَ وَأَجِرْنَا مِنَ السَّيِّئَاتِ۔ رَبَّنَا يَسِّرْ لَنَا فَهْمَ الْعُلُوْمِ وَفَهْمَ أَسْرَارِهَا وَفَهْمَ دَقَائِقِهَا۔ رَبَّنَا يَسِّرْ لَنَا فَهْمَ الْعُلُوْمِ وَفَهْمَ أَسْرَارِهَا وَفَهْمَ دَقَائِقِهَا۔ رَبَّنَا يَسِّرْ لَنَا فَهْمَ الْعُلُوْمِ وَفَهْمَ حَقَائِقِهَا وَفَهْمَ أَسْرَارِهَا وَفَهْمَ دَقَائِقِهَا۔ رَبَّنَا يَسِّرْ لَنَا فَهْمَ الْعُلُوْمِ وَفَهْمَ حَقَائِقِهَا وَفَهْمَ أَسْرَارِهَا وَفَهْمَ دَقَائِقِهَا۔

اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ وَالسَّلَامَةَ الظَّاهِرَةَ وَالْبَاطِنَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ وَالسَّلَامَةَ الظَّاهِرَةَ وَالْبَاطِنَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ اَللّٰهُمَّ اقْضِ لَنَا، اَللّٰهُمَّ اقْضِ لَنَا، اَللّٰهُمَّ اقْضِ لَنَا بِالْخَيْرِ وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَيْتَ وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَيْتَ۔ اَللّٰهُمَّ اقْضِ لَنَا بِالْخَيْرِ وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَيْتَ وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَيْتَ۔

اَللّٰهُمَّ أَصْلِحْ أَحْوَالَنَا۔ اَللّٰهُمَّ أَصْلِحْ أَحْوَالَنَا۔ اَللّٰهُمَّ أَصْلِحْ أَحْوَالَنَا وَقُلُوْبَنَا يَا قَاضِيَ الْحَاجَاتِ، يَا كَافِيَ الْمُهِمَّاتِ، يَا دَافِعَ الْأَمْرَاضِ وَالْبَلِيَّاتِ۔ اَللّٰهُمَّ أَصْلِحْ أَحْوَالَنَا وَقُلُوْبَنَا يَا قَاضِيَ الْحَاجَاتِ، يَا كَافِيَ الْمُهِمَّاتِ، يَا دَافِعَ الْأَمْرَاضِ وَالْبَلِيَّاتِ۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ الصَّالِحِيْنَ الصَّائِمِيْنَ الْمُصَلِّيْنَ الصَّابِرِيْنَ الشَّاكِرِيْنَ الذَّاكِرِيْنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ الصَّالِحِيْنَ الصَّائِمِيْنَ الْمُصَلِّيْنَ الصَّابِرِيْنَ الشَّاكِرِيْنَ الذَّاكِرِيْنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ نَقِّنَا مِنَ الذُّنُوْبِ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ۔ اَللّٰهُمَّ نَقِّنَا مِنَ الذُّنُوْبِ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ۔

اَللّٰهُمَّ آمِنْ رَوْعَاتِنَا وَاسْتُرْ عَوْرَاتِنَا۔ اَللّٰهُمَّ آمِنْ رَوْعَاتِنَا وَاسْتُرْ عَوْرَاتِنَا۔ اَللّٰهُمَّ أَعِذْنَا مِنْ كُلِّ آفَةٍ وَمِنْ كُلِّ مَعْصِيَةٍ نَعْرِفُهَا أَوْ لَا نَعْرِفُهَا وَأَعِذْنَا مِنْ كُلِّ حَادِثَةٍ وَحُزْنٍ وَخَوْفٍ۔ اَللّٰهُمَّ أَعِذْنَا مِنْ كُلِّ آفَةٍ وَمِنْ كُلِّ مَعْصِيَةٍ نَعْرِفُهَا أَوْ لَا نَعْرِفُهَا وَأَعِذْنَا مِنْ كُلِّ حَادِثَةٍ وَحُزْنٍ وَخَوْفٍ۔

رَبَّنَا إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَبِالْإِجَابَةِ جَدِيْرٌ۔ رَبَّنَا إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَبِالْإِجَابَةِ جَدِيْرٌ۔ رَبَّنَا وَفِّقْنَا لِمُطَالَعَةِ هٰذِهِ الْعُلُوْمِ وَالْمَسَائِلِ وَالْأَحْكَامِ وَالْأَسْرَارِ وَالْفَوَائِدِ۔ رَبَّنَا وَفِّقْنَا لِمُطَالَعَةِ هٰذِهِ الْعُلُوْمِ وَالْمَسَائِلِ وَالْأَحْكَامِ وَالْأَسْرَارِ وَالْفَوَائِدِ۔ رَبَّنَا افْتَحْ لَنَا أَسْرَارَ هٰذَا الْعِلْمِ وَحَقَائِقَهٗ وَدَقَائِقَهٗ۔ رَبَّنَا افْتَحْ لَنَا أَسْرَارَ هٰذَا الْعِلْمِ وَحَقَائِقَهٗ وَدَقَائِقَهٗ۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ دَرْسَنَا وَدِرَاسَتَنَا۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ دَرْسَنَا وَدِرَاسَتَنَا۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ دَرْسَنَا وَدِرَاسَتَنَا۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ دَرْسَنَا وَدِرَاسَتَنَا۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ دَرْسَنَا وَدِرَاسَتَنَا۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ دَرْسَنَا وَدِرَاسَتَنَا۔ رَبَّنَا زِدْنَا عِلْمًا، رَبَّنَا زِدْنَا عِلْمًا، رَبَّنَا زِدْنَا عِلْمًا، رَبَّنَا زِدْنَا عِلْمًا، رَبَّنَا زِدْنَا عِلْمًا وَزِدْنَا نُوْرًا وَزِدْنَا حُبًّا لَكَ وَلِرَسُوْلِكَ وَلِصَحَابَةِ رَسُوْلِكَ۔ وَزِدْنَا نُوْرًا وَزِدْنَا حُبًّا لَكَ وَلِرَسُوْلِكَ وَلِصَحَابَةِ رَسُوْلِكَ۔

يَا قَاضِيَ الْحَاجَاتِ، يَا رَافِعَ الدَّرَجَاتِ، يَا دَافِعَ الْبَلِيَّاتِ، يَا شَافِيَ الْأَمْرَاضِ۔ يَا قَاضِيَ الْحَاجَاتِ، يَا رَافِعَ الدَّرَجَاتِ، يَا دَافِعَ الْبَلِيَّاتِ، يَا شَافِيَ الْأَمْرَاضِ۔ يَا شَافِيَ الْأَمْرَاضِ، يَا شَافِيَ الْأَمْرَاضِ، يَا شَافِيَ الْأَمْرَاضِ، يَا شَافِيَ الْأَمْرَاضِ۔ اَللّٰهُمَّ اشْفِنَا عَنْ جَمِيْعِ الْأَمْرَاضِ۔ اَللّٰهُمَّ اشْفِنَا عَنْ جَمِيْعِ الْأَمْرَاضِ۔

يَا مُجِيْبَ الدَّعَوَاتِ أَجِبْ دُعَاءَنَا وَلَا تَجْعَلْنَا مَحْرُوْمِيْنَ۔ يَا مُجِيْبَ الدَّعَوَاتِ أَجِبْ دُعَاءَنَا وَلَا تَجْعَلْنَا مَحْرُوْمِيْنَ۔ يَا مُجِيْبَ الدَّعَوَاتِ أَجِبْ دُعَاءَنَا وَلَا تَجْعَلْنَا مَحْرُوْمِيْنَ۔ يَا مُجِيْبَ الدَّعَوَاتِ أَجِبْ دُعَاءَنَا وَلَا تَجْعَلْنَا مَحْرُوْمِيْنَ۔ يَا مُجِيْبَ الدَّعَوَاتِ أَجِبْ دُعَاءَنَا وَلَا تَجْعَلْنَا مَحْرُوْمِيْنَ۔ فَإِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَبِالْإِجَابَةِ جَدِيْرٌ۔ فَإِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَبِالْإِجَابَةِ جَدِيْرٌ۔ آمِيْنَ، آمِيْنَ، آمِيْنَ ثُمَّ آمِيْنَ۔ آمِيْنَ ثُمَّ آمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

اچھا بھائی، اب کوئی ساتھی آپ میں سے یہ کتاب میں سے بھی عبارت کچھ پڑھ لے بھائی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ كِتَابُ الشُّفْعَةِ۔ هِيَ تَمَلُّكُ عَقَارٍ عَلٰى مُشْتَرِيْهِ جَبْرًا بِمِثْلِ ثَمَنِهٖ، أَيْ بِمِثْلِ ثَمَنِ الْمُشْتَرِيْ، وَهُوَ الثَّمَنُ الَّذِي اشْتَرٰى بِهٖ، وَتَجِبُ بَعْدَ الْبَيْعِ، الْمُرَادُ بِالْوُجُوْبِ الثُّبُوْتُ، وَتَسْتَقِرُّ بِالْإِشْهَادِ، إِذْ حَقُّ الشُّفْعَةِ... حَقُّ الشُّفْعَةِ۔ إِذْ حَقُّ الشُّفْعَةِ قَبْلَ الْإِشْهَادِ مُتَزَلْزِلٌ، جی، لِأَنَّهٗ بِحَيْثُ لَوْ أَخَّرَ الطَّلَبَ تَبْطُلُ، فَإِذَا أَشْهَدَ اسْتَقَرَّ، أَيْ لَا تَبْطُلُ بَعْدَ ذٰلِكَ بِالتَّأْخِيْرِ، وَيُمْلَكُ، وَيُمْلَكُ، وَيُمْلَكُ بِالْأَخْذِ بِالتَّرَاضِي أَوْ بِقَضَاءِ الْقَاضِي بِقَدْرِ رُؤُوْسِ الشُّفَعَاءِ إِلَى الْمِلْكِ۔[۲]

آج بدھ کا دن ہے اور بعض احادیث میں آتا ہے کہ بدھ کے دن جو کام آغاز کیا جائے اللہ اس کو تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ صاحبِ ہدایہ جو تھے، عظیم فقیہ گزرے ہیں احناف کے، وہ بھی عموماً اپنے درس کا آغاز بدھ کے دن سے کیا کرتے تھے۔ تو الحمد للہ آج ہم بھی، بدھ کا دن ہے، بدھ کے دن آغاز کر رہے ہیں اور ہمارے بزرگوں کا طریقہ ہے درس کے آغاز میں دعا پڑھتے ہیں، وہ بھی ہم نے دعا بھی کر لی۔

تو یہ شرح وقایہ اخیرین کا دوسرا حصہ ہے بھائی۔ اور مصنف کے احوال وغیرہ اور کچھ ابتدائی باتیں وہ پہلے حصے کے شروع میں بیان کی جاتی ہیں۔ تو کل سے ہم کتاب شروع کریں گے اور شروع میں میں پھر وہی مصنف کے حالات مختصراً ذکر کر دیتا ہوں تاکہ آپ کو، آپ کے لیے تکرار ہو جائے اور ذہن نشین ہو جائیں۔

یاد رکھیے شرح وقایہ کے مصنف کا نام عبید اللہ ہے، عبید اللہ۔ عُبَيْدُ اللّٰهِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ ابْنُ مَحْمُوْدٍ ابْنُ أَحْمَدَ بھائی۔ اور یہ بہت بڑے فقیہ گزرے ہیں بھائی، بہت بڑے۔ حتیٰ کہ اس زمانے کے علماء نے ان کو صَدْرُ الشَّرِيْعَة کا لقب دیا بھائی۔ اتنے بڑے عالم تھے بھائی، اتنا علم اللہ نے ان کو نصیب فرمایا تھا کہ علماء نے ان کو صَدْرُ الشَّرِيْعَة کا لقب دیا بھائی۔ اور ان کے دادا جو تھے وہ اتنے بڑے عالم تھے کہ وہ تَاجُ الشَّرِيْعَة کا لقب ان کو علماء نے دیا تھا۔ ان کے پردادا بھی اتنے بڑے عالم تھے کہ ان کو علماء نے، ان کو بھی صَدْرُ الشَّرِيْعَة کا لقب دیا تھا بھائی۔ تو پردادا بھی صَدْرُ الشَّرِيْعَة اور ان کا بھی کیا لقب؟ صَدْرُ الشَّرِيْعَة۔ تو پھر فرق کرنے کے لیے علماء پردادا کے نام کے ساتھ اکبر ملا دیتے ہیں: صَدْرُ الشَّرِيْعَة أَكْبَر، اور ان کے نام کے ساتھ صَدْرُ الشَّرِيْعَة أَصْغَر بھائی، اصغر ملا دیتے ہیں۔ اور یہ صحابیِ رسول عُبَادَة بْنِ الصَّامِت رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کی اولاد میں سے ہیں۔ حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، نحو، لغت، ادب، اسی طرح منطق اور فلسفہ کے بہت بڑے ماہر تھے، بہت بڑے ماہر تھے۔ اور ان کی وفات ہوئی ہے ۷۴۷ ہجری میں۔ ۷۴۷ ہجری میں، گویا یہ ساتویں آٹھویں صدی کے عالم گزرے ہیں۔ آٹھویں صدی کہہ لیں۔ سات سو، آپ کہیں گے ۷۴۷ ہجری ہے تو آٹھویں صدی کیسے؟ بھائی ۷۰۰ ہجری کا مطلب کیا ہے کہ ۷۰۰ سال پورے ہو چکے ہجرت کو۔ تو ۷۰۰ جب ہو گئے اس کا مطلب ہے ۷۰۰ سال پورے ہو گئے تو

[۲] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۵۴):** صوتی درس کی قراءت میں «لِأَنَّهٗ بِحَيْثُ لَوْ أَخَّرَ الطَّلَبَ تَبْطُلُ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «لأنّه بحيث لو أخّرَ في الطّلب تبطل،» منقول ہے۔

اگلی کون سی صدی شروع ہو گئی؟ آٹھویں۔ تو یہ ۷۴۷ یہ کون سی صدی چل رہی ہے؟ آٹھویں چل رہی ہے۔ تو یہ آٹھویں صدی یعنی ۷۴۷ ہجری میں ان کا انتقال ہوا۔ تو ساتویں صدی کے آخر میں ان کی پیدائش ہوئی ہوگی اور آٹھویں صدی کے نصف میں تقریباً ان کا انتقال ہوا ہے بھائی۔

اور شرح وقایہ اس کو اللہ نے بڑی قبولیت دی ہے۔ یاد رکھیے اس کا جو، اس میں ایک متن ہے اور پھر اس کے ساتھ وہ شرح کرتے ہیں۔ کتاب میں آپ دیکھ رہے ہیں جن جن الفاظ کے اوپر لکیر کھینچی گئی ہے یہ متن ہے بھائی، متن۔ اور پھر درمیان میں جگہ جگہ وہ اس متن کی شرح کرتے ہیں۔ تو یہ جو متن ہے یہ ان کے دادا تَاجُ الشَّرِيْعَة کا لکھا ہوا ہے۔ انہوں نے یہ متن لکھا تھا بھائی۔ مختصر کتاب لکھی جاتی جس میں سارے مسائل کی طرف اشارہ کیا جاتا اور پھر استاد کو تقریر کرنا پڑتی تھی تفصیلی۔ جیسے انہوں نے اس متن کو دیکھو کھول کھول کر بیان کیا ہے کہ یہاں کیا مسئلہ ذکر کرنا چاہتے ہیں، صورتِ مسئلہ کس طرح ہوگی اور تفصیل بیان کرتے ہیں۔ تو یہ متن ان کے دادا جو ہیں تَاجُ الشَّرِيْعَة کا لکھا ہوا ہے اور اس متن کا نام ہے وِقَايَة، وِقَايَة۔ اور انہوں نے اس کی شرح کی تو وہ کیا بن گئی؟ شرح وقایہ۔ تو یہ ہم شرح وقایہ پڑھ رہے ہیں بھائی۔ اور پھر انہوں نے بعد میں اسی متن جو ہے، جو ان کے دادا کا لکھا ہوا ہے، اس کا بھی انہوں نے اختصار لکھا بھائی، اس متن کا، اور اس کا نام انہوں نے رکھا نِقَايَة، نِقَايَة۔ یہ جو وِقَايَة متن ہے اس کا اختصار لکھا کس نے؟ شارح وقایہ نے، یعنی علامہ صَدْرُ الشَّرِيْعَة أَصْغَر نے اپنے دادا کی کتاب کا اختصار لکھا۔ تو متن پہلے مختصر تھا، اس کو اور بھی زیادہ مختصر کیا، جو اور اس میں بہتری ہو سکتی تھی بہتری لے کر آئے اور اس کا نام نِقَايَة رکھا، اور اس کو عُمْدَة بھی کہتے ہیں۔ وہ متن کیا کہلاتا ہے؟ عُمْدَة، عُمْدَة بھائی۔

اور یہ دیکھو کتنے علم و فضل والا خاندان تھا بھائی کہ ایک کے بعد ایک بڑا علم کا پہاڑ اس میں آ رہا ہے بھائی۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے، یہ وہ زمانہ ساتویں آٹھویں صدی ہجری اور ہر طرف بڑے بڑے جِبَالُ الْعُلُوْم تھے بھائی ہر طرف، لیکن اس زمانے میں بھی ان بڑے علماء نے ان کو صَدْرُ الشَّرِيْعَة کا لقب دیا، معلوم ہوا کہ ان کا تو بہت ہی اونچا مقام ہوگا علم کے اندر بھائی، اور اسی طرح ان کے دادا پردادا وغیرہ سب۔

تو ان کی اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے بڑی مقبولیت نصیب فرمائی، دیکھو یہ داخلِ درس ہے اور پوری دنیا میں علم دین پڑھنے اور پڑھانے والے اس کتاب کو پڑھتے ہیں، پڑھاتے ہیں اور ان کے لیے عظیم اجر کا باعث بنتا ہے۔ اور کسی کتاب کا داخلِ درس ہونا عِنْدَ اللهِ اس کی قبولیت کی علامت ہے بھائی۔ جب تمام طلباء اور علماء ایک کتاب کی طرف متوجہ ہو جائیں بھائی، معلوم ہوا اللہ کے نزدیک یہ کتاب کیا ہے؟ مقبول ہے اور معلوم ہوا کہ اس کا مصنف بھی اللہ کے مقبول بندوں میں سے ہے۔ تو یہ بڑے نیک اور متقی عالم دین تھے۔

اسی طرح انہوں نے فقہ حنفی کے، اصول فقہ کے اندر ایک متن لکھا اس کا نام ہے تَنْقِيْح، تَنْقِيْح۔ اصول فقہ کے اندر۔

فقہ کے جو اصول ہیں، یہ تو فقہ ہے نا، اور جو فقہ کے، تو اصول فقہ میں انہوں نے کتاب لکھی وہ تَنْقِیْح متن لکھا۔ پھر اس تَنْقِیْح متن کی خود ہی شرح لکھی اس کا نام ہے تَوْضِیْح۔ اور پھر اس تَوْضِیْح پر علامہ تفتازانی، جو کہ ایک شافعی المسلک عالم دین گزرے ہیں بہت بڑے عالم، انہوں نے اس تَوْضِیْح کی شرح لکھی اس کا نام ہے تَلْوِیْح، تَلْوِیْح۔ تو جب آپ درجہ سادسہ میں پہنچیں گے تو وہاں آپ پڑھیں گے تَوْضِیْح تَلْوِیْح۔ تو وہ تَنْقِیْح متن ہے اور تَوْضِیْح شرح ہے، دونوں علامہ صَدْرُ الشَّرِیْعَة أَصْغَر کے لکھے ہوئے ہیں اور جو اس کی شرح تَلْوِیْح ہے وہ علامہ تفتازانی کی ہے۔ تو وہ بھی داخل درس ہے، اس کو بھی اللہ نے بڑی قبولیت نصیب فرمائی۔ والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ احناف کے جو اصول فقہ کی کتابیں ہیں ان میں کچھ کمزوری ہے، کچھ کمزوری ہے، اور ایک کتاب جو درس میں داخل ہے ان میں سے بہت زبردست ہے اصول فقہ حنفی میں اور وہ تَوْضِیْح ہے بھائی، تَنْقِیْح اور تَوْضِیْح۔ تو وہ بہت زبردست کتاب انہوں نے لکھی احناف کے اصول فقہ میں۔

یہ بہت بڑے عالم دین تھے بھائی۔ اور قدیم زمانے میں علماء کے درمیان مناظرے ہوا کرتے تھے بھائی۔ کسی علمی مسئلے کے بارے میں مناظرے ہوتے، مباحثے ہوتے، بحثیں ہوتیں، اور جو مناظرے میں جیت جاتا علماء کے اور عوام کی نظروں میں اس کا مقام بڑا بلند ہو جاتا کہ یہ تو بہت بڑا عالم ہے، کوئی اس کا مقابلہ ہی نہیں کر سکتا۔ تو اسی زمانے میں جب کہ یہ علامہ عُبَیْدُ اللّٰہِ ابْنُ مَسْعُوْد صَدْرُ الشَّرِیْعَة أَصْغَر کا زمانہ ہے، یہ ہرات میں رہتے تھے، اسی زمانے میں شہر رے میں قطب الدین رازی گزرے ہیں۔ یہ بہت بڑے عالم اور خاص طور پر منطق کے تو بے انتہا ماہر تھے۔ تو اس زمانے میں میں نے بتایا علماء کے مناظرے ہوتے تھے، تو انہوں نے ارادہ کیا، ان کو بھی شہرت پہنچی صَدْرُ الشَّرِیْعَة کی، سنا کہ اس علاقے میں یہ سب سے بڑے عالم ہیں۔ تو سوچا کہ میں جاتا ہوں اور جا کر ان سے مناظرہ کرتا ہوں، جب مناظرہ کروں گا ان سے جیتوں گا تو پھر ہر طرف میری شہرت ہو جائے گی اور خوب نام ہوگا۔ تو لیکن جانے سے پہلے یوں کیا، اپنا ایک شاگرد بھیجا۔ شاگرد کا نام تھا مبارک شاہ۔ مبارک شاہ، جو قطب الدین رازی کے خاص شاگرد تھے اور یہ اولاً، یہ غلام تھے، غلام تھے، تو ان کو قطب الدین رازی نے ان کی تربیت کی، ان کو علم سکھایا اور چونکہ یہ بہت ذہین تھے تو یہ بھی بڑے عالم بنے بھائی، مبارک شاہ نام تھا۔

تو قطب الدین رازی نے اپنے شاگرد مبارک شاہ کو بھیجا کہ جاؤ، جا کر ہرات شہر میں علامہ صَدْرُ الشَّرِیْعَة کے درس میں بیٹھو اور کچھ عرصہ ان کے درس وغیرہ سنو اور دیکھو کہ یہ کس فن میں کمزور ہیں۔ جس فن میں کمزور ہوں گے میں جا کر اسی فن میں ان سے مناظرہ کروں گا تاکہ ان کو آسانی سے ہرا دوں۔ تو مبارک شاہ اپنے استاد کا حکم سن کر چل پڑے اور وہاں پہنچے اور علامہ صَدْرُ الشَّرِیْعَة کے درس میں شریک ہوئے۔ اتفاق سے ان دنوں علامہ صَدْرُ الشَّرِیْعَة منطق کا درس دے رہے تھے بھائی، منطق کا، اور قطب الدین رازی بھی اصل جو بڑا مقام تھا منطق میں تھا۔ تو صَدْرُ الشَّرِیْعَة ان دنوں منطق کا درس دے رہے تھے۔ مبارک شاہ درس میں شریک ہوئے تو حیران رہ گئے۔ عجیب انداز تھا علامہ صَدْرُ الشَّرِیْعَة کا۔ کوئی

منطقی مسئلہ جب ذکر کرتے تھے تو کہتے تھے کہ اس مسئلے کے بارے میں منطق کے فلاں امام یوں فرماتے ہیں، اور پھر کہتے لیکن ان کے قول میں یہ یہ خرابی ہے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے، یہ اعتراض ہوتا ہے، یہ اعتراض ہوتا ہے۔ پھر دوسرے جو بڑے علماء گزرے ہوتے، بڑے ائمہ گزرے ہوتے، اور فلاں امام جو منطق کے گزرے ہیں وہ اس مسئلے میں یوں کہتے ہیں، لیکن ان کے قول میں پھر یہ خرابی ہے، یہ خرابی ہے، یہ اعتراض ہے۔ اور پھر فلاں عالم اس مسئلے میں یوں کہتے ہیں، تو وہ جو بڑے بڑے علماء ہوتے سب کے قول نقل کرتے اور سب کے اقوال کو رد کرتے ان پر اعتراضات ذکر کرتے چلے جاتے، اور آخر میں کہتے میں اس مسئلے کے اندر یہ کہتا ہوں، اور پھر اپنا قول نقل کرتے تھے اور فرماتے کہ میرے قول پر ان میں سے ایک بھی اعتراض وارد نہیں ہوتا بھائی۔ تو عجیب علمی انداز اللہ نے ان کو دیا تھا۔ تو مبارک شاہ یہ انداز دیکھ کر حیران رہ گئے اور اپنے استاد کو خط لکھا کہ استاذ مکرم، یہ آپ ہرگز مقابلے کے لیے تشریف نہ لے کر آئیں، یہ آدمی تو آگ کا شعلہ ہے، یہ اگر آپ تشریف لائے تو بڑی شرمندگی اٹھانا پڑے گی، یہاں جیتنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تو یہ منطق میں یہ حال تھا ان کا۔

تو میں نے بتایا منطق، لغت، نحو، تفسیر، حدیث، ہر چیز میں یہی عالم تھا ان کے علم کا، جبھی تو علماء نے انہیں صَدْرُ الشَّرِیْعَة کا لقب دیا تھا بھائی۔

اور یہ وہی زمانہ ہے جس میں میر سید السند اور علامہ تفتازانی بھی گزرے ہیں۔ اسی زمانے میں تقریباً، ان کے کچھ عرصے بعد اس، انہی سالوں میں میر سید السند، جو آپ پڑھتے ہیں نحو میر بھائی، نحو میر، یہ میر سید السند کی کتاب ہے، اور یہ بھی بہت بڑے عالم گزرے، اسی طرح علامہ تفتازانی بہت بڑے عالم گزرے جن کا متن تَہْذِیْب، تَہْذِیْبُ الْمَنْطِق، شرح تہذیب کے نام سے آپ پڑھ چکے ہیں بھائی۔ تو میر سید السند بھی اسی زمانے میں تھے اور علامہ تفتازانی بھی، یا یوں کہو ان کے زمانے کے بعد تھا، ان کے ساتھ ہی، ان کے ساتھ ہی زمانہ تھا۔ جو میر سید السند ہیں یہ مبارک شاہ کے شاگرد تھے بھائی۔ یہ میر سید السند جو ہیں یہ حصول علم کے لیے، تحصیل علم کے لیے قطب الدین رازی کے پاس پہنچے، تو قطب الدین رازی بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ اس زمانے میں جو علماء، طلباء تھے وہ بڑے بڑے علماء کو تلاش کرتے، ان کے بارے میں پوچھتے اور ان سے جا کر علم حاصل کیا کرتے تھے۔ تو علامہ قطب الدین رازی اس وقت بہت بوڑھے ہو چکے تھے، میر سید السند ان کے پاس تحصیل علم کے لیے پہنچے، تو وہ فرمانے لگے کہ بھائی میں تو اب بہت بوڑھا ہو گیا ہوں، تم یوں کرو میرے شاگرد مبارک شاہ کے پاس چلے جاؤ اور ان سے علم حاصل کرو، اور پھر ایک خط بھی لکھ کر دیا اپنے شاگرد مبارک شاہ کے نام کہ ان کو درس میں بیٹھنے کی اجازت دو۔ چنانچہ یہ خط لے کر پہنچے مبارک شاہ کے پاس۔ تو مبارک شاہ نے ان کو اپنے درس میں بیٹھنے کی اجازت دے دی کہ میرے استاد کا خط ہے، تو ان کو بیٹھنے کی اجازت دے دی۔ لیکن پابند کیا کہ تمہیں صرف بیٹھنے کی اجازت ہے، بولنے کی اجازت نہیں ہے، کوئی سوال وغیرہ نہیں کر سکتے تم۔ تو چنانچہ یہ ان کے درس میں شریک

ہوئے۔ اور استاد روزانہ درس دیتے، اس زمانے میں بھی یہی انداز، طلباء پھر بیٹھ کر اس درس کا تکرار کیا کرتے، اس کو یاد کیا کرتے تھے۔

تو مبارک شاہ ایک دن رات کے وقت اپنے گھر سے نکلے، طلباء کے کمروں کی طرف گئے کہ دیکھیں طلباء کیا کر رہے ہیں، کیا کر رہے ہیں۔ جیسے استاد اپنے طلباء کا جائزہ لینے کے لیے کبھی نکلتا ہے، تو وہ چلتے چلتے میر سید السند کے کمرے کے قریب سے گزرے۔ تو اندر دیکھا میر سید السند اونچی آواز میں سبق یاد کر رہے ہیں، اور سبق کس طرح یاد کر رہے ہیں؟ کہ میر سید السند فرماتے ہیں کہ یہ فلاں مسئلہ ہے، اس مسئلے کے بارے میں کتاب کے مصنف نے یہ تقریر کی ہے، اور میرے استاد محترم نے اس مسئلے کی یہ تقریر کی ہے، اور میں اس مسئلے کی یہ تقریر کرتا ہوں۔ میر سید السند طالب علم ہیں اور اپنی تقریر کر رہا ہے کہ میں اس مسئلے کی یہ تقریر کرتا ہوں۔

مبارک شاہ نے ان کی تقریر سنی تو جھوم اٹھے کہ اللہ نے کیسا پیارا شاگرد نصیب فرما دیا، کیسا پیارا شاگرد نصیب فرما دیا۔ اچھا شاگرد مل جائے، محنتی اور مبارک اور نیک اور متقی شاگرد مل جائے، تو یہ تو استاد کے لیے بڑی سعادت کی بات ہے جو اس کے علوم کو زندہ کرتا ہے، آگے پھیلاتا ہے اور اس کے لیے نیک نامی کا باعث بنتا ہے۔ تو مبارک شاہ کو اتنی خوشی ہوئی، اتنی خوشی ہوئی کہ انہوں نے وہ باہر صحن کے اندر رقص کرنا شروع کر دیا بھائی، خوشی کی وجہ سے، خوشی کی وجہ سے۔ تو یہ تھے میر سید السند بھائی، میر سید السند۔ اور آپ بھی دیکھتے ہیں بھائی کتنی پیاری کتابیں انہوں نے لکھی ہیں بھائی، جیسے نحو میر آپ پڑھ چکے ہیں بھائی، اسی طرح اور بھی ان کی قیمتی کتابیں ہیں۔

چلیے بس کریں بھائی، باقی ان شاء اللہ کل باقاعدہ کتاب ہم شروع کریں گے بھائی۔ تو آپ نے خوب محنت کرنی ہے بھائی، اللہ آپ میں سے ہر ایک کو بڑا عالم بنائے اور خوب خدماتِ دینیہ کی اللہ توفیق نصیب فرمائے۔

چلیے بس بھائی۔ هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲: کتاب الشفعہ: شفعہ کی تعریف، اسبابِ استحقاق (خلیط، شریک فی الحق، جارِ ملاصق) اور طلبِ مواثبت و اشہاد

شرح الوقایہ صفحہ: ۵ — بتاریخ: ۸ ستمبر ۲۰۱۹ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

کتاب الشفعۃ: درس و شرح[1]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ كِتَابُ الشُّفْعَةِ۔ هِيَ تَمَلُّكُ عَقَارٍ عَلٰى مُشْتَرِيْهِ جَبْرًا بِمِثْلِ ثَمَنِهٖ، أَيْ بِمِثْلِ ثَمَنِ الْمُشْتَرِيْ، وَهُوَ الثَّمَنُ الَّذِي اشْتَرٰى بِهٖ، وَتَجِبُ بَعْدَ الْبَيْعِ، اَلْمُرَادُ بِالْوُجُوْبِ الثُّبُوْتُ، وَتَسْتَقِرُّ بِالْإِشْهَادِ، إِذْ حَقُّ الشُّفْعَةِ قَبْلَ الْإِشْهَادِ مُتَزَلْزِلٌ، لِأَنَّهٗ بِحَيْثُ لَوْ أَخَّرَ الطَّلَبَ تَبْطُلُ، فَإِذَا أَشْهَدَ اسْتَقَرَّ، أَيْ لَا تَبْطُلُ بَعْدَ ذٰلِكَ بِالتَّأْخِيْرِ۔[2]

اچھا بھئی، آج ہم کتاب الشفعہ شروع کریں گے۔ شرح وقایہ اخیرین کا دوسرا حصہ کتاب الشفعہ سے ہے بھئی۔ شفعہ کسے کہتے ہیں؟ پہلے سمجھ لو بھئی۔ سب سے پہلے ایک تو شفعہ کا لغوی معنیٰ ہے اور ایک ہے شفعہ کا اصطلاحی معنیٰ۔ لغوی

[1]

نقشۂ فقہی (۲): طلبِ شفعہ کے تین مراتب اور استقرار و تملیک کا ضابطہ:

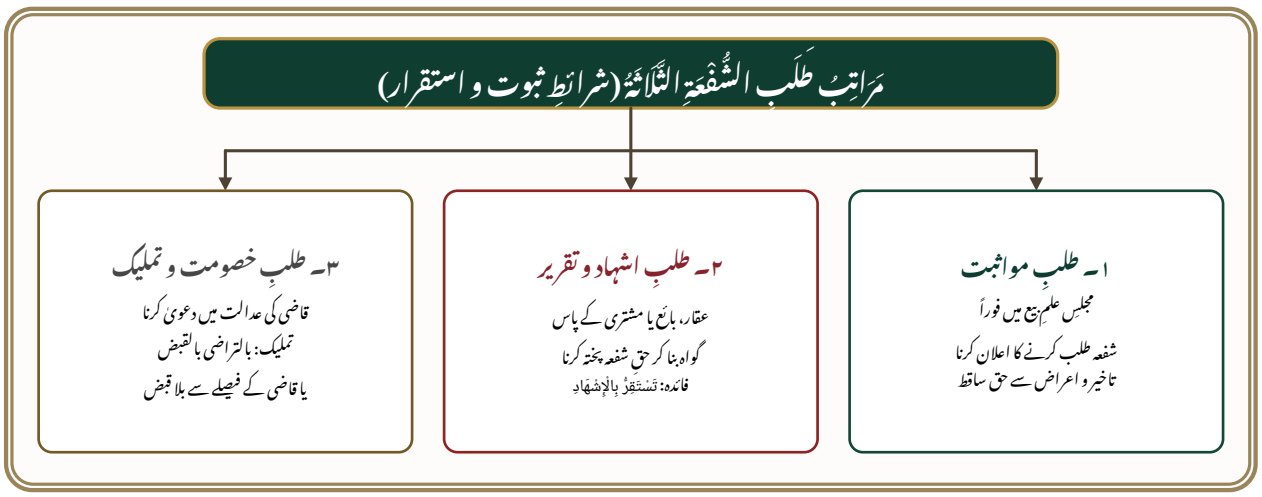

[2] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۵۴): صوتی درس کی قراءت میں «لِأَنَّهٗ بِحَيْثُ لَوْ أَخَّرَ الطَّلَبَ تَبْطُلُ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «لأنّه بحيث لو أخّرَ في الطّلب تبطل،» منقول ہے۔

معنیٰ کیا مطلب؟ یعنی عربی زبان میں ویسے شفعہ کس کو کہتے ہیں، عربی زبان میں۔ اور ایک ہے فقہ کے اندر پھر شفعہ کس کو کہتے ہیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو عربی زبان میں شفعہ کا معنیٰ ہے ملانا، جوڑنا، پیوست کرنا۔ دو چیزوں کو آپس میں ملا دینا، جوڑ دینا، پیوست کر دینا۔ عربی زبان میں یہ معنیٰ ہے شفعہ کا۔ اور فقہ؟ فقہ کے اندر شفعہ اسے کہتے ہیں کہ مثلاً آپ کے ساتھ زید کی زمین ہے۔ آپ کی زمین ہے اور اس کے ساتھ ہی کس کی زمین ہے؟ زید کی زمین۔ زید نے مثلاً اپنی زمین دس لاکھ روپے میں کسی شخص کے ہاتھ فروخت کر دی۔ تو آپ کو شریعت نے حق دیا ہے کہ آپ مشتری کو اتنے ہی پیسے دے کر زبردستی وہ زمین آپ لے لیں۔ مشتری نے زید سے کتنے میں خریدی تھی؟ دس لاکھ۔ تو آپ بھی دس لاکھ اس مشتری کو دیں گے اور وہ زمین اس سے خرید لیں گے۔ اگر وہ رضامندی سے دے دے تو اچھی بات ہے، اگر نہیں تو آپ قاضی کے پاس چلے جائیں گے اور قاضی آپ کے حق میں فیصلہ کر دے گا اور آپ اتنے ہی پیسے وہ دس لاکھ دے کر وہ زمین خرید لیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو فقہ میں شفعہ کسے کہتے ہیں؟ کہ آپ کے ساتھ والی زمین بکی، آپ کے ساتھ والی زمین کسی شخص نے بیچ دی، تو آپ اسی کے مثل ثمن ادا کر کے اس زمین کو جبراً مشتری سے لے سکتے ہیں، یہ حق آپ کو شریعت نے دیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور وہ رضامندی سے دے دے تو اچھی بات ہے، رضامندی سے مشتری نہیں دیتا، تیار نہیں ہے کہ میں نہیں دینا چاہتا، تو آپ قاضی کے پاس جا کر اس کو زبردستی لے سکتے ہیں۔ اس کو کہتے ہیں شفعہ، یہ ہے حقِ شفعہ، حقِ شفعہ۔

یہ حقِ شفعہ شریعت نے کیوں دیا آپ کو؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ آپ کے ساتھ والی زمین بکی ہے۔ ظاہر سی بات ہے جو شخص آئے گا اب وہ آپ کا ہمسایہ بن جائے گا، پڑوسی بن جائے گا۔ اور لوگوں کے اخلاق مختلف ہوتے ہیں۔ اگر وہ شخص اچھا آدمی ہوا، نیک آدمی ہوا پھر تو ٹھیک ہے، اچھی بات ہے، سلسلہ چلتا رہے گا۔ لیکن اگر وہ شخص بد اخلاق ہوا، تنگ کرنے والا ہوا، تکلیف دینے والا ہوا، وہ تو دن رات آپ کے سر پر مسلط ہو جائے گا، اب اس سے جان بھی نہیں چھوٹے گی کیونکہ ہمسایہ بن گیا ہے، اس کی زمین آپ کے ساتھ آگئی۔ تو اب ساری زندگی کے لیے آپ ایک عذاب میں مبتلا ہو گئے بھئی۔ ہمسایہ نیک ہو تو زندگی بڑی راحت ہوتی ہے زندگی میں، اور اگر ہمسایہ خراب ہو تو انسان عذاب میں پڑ جاتا ہے بھئی، جان چھوٹنے کی بھی کوئی صورت نہیں ہوتی۔ دن رات وہ آپ کے سر پر مسلط ہے، کبھی ایک تکلیف پہنچاتا ہے، کبھی دوسری تکلیف پہنچاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ، یہ ضررِ جوار سے بچنے کے لیے، جوار کا معنیٰ پڑوس، پڑوس، ہمسائیگی۔ یہ جوار اور شرکت کے ضرر اور نقصان سے بچنے کے لیے شریعت نے آپ کو حقِ شفعہ دیا ہے۔ اب وہ نیا آدمی آنا چاہتا ہے تو شریعت نے آپ کو حق دیا کہ نئے کو نہ آنے دو، آپ لینا چاہتے ہو آپ لے لو۔ لیکن اتنے ہی پیسے دینے پڑیں گے جتنے اس نے دیے تھے، مثلِ ثمن کے بدلے لیں

گے آپ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ مثلِ ثمن کے بدلے لیں گے۔ تو یہ ضررِ جوار اور ضررِ شرکت سے بچنے کے لیے شریعت نے آپ کو شفعہ کا حق دیا ہے۔

عربی کا ایک شاعر کہتا ہے بھئی: كَمْ مَعْشَرٍ سَلِمُوْا لَمْ يُؤْذِهِمْ سَبُعٌ، وَمَا نَرٰى أَحَدًا لَمْ يُؤْذِهِ بَشَرُ۔ كَمْ مَعْشَرٍ سَلِمُوْا کتنے ہی قبیلے سلامت رہے، سکون سے رہے، اطمینان سے رہے، لَمْ يُؤْذِهِمْ سَبُعٌ ان کو کسی درندے نے تکلیف نہیں دی۔ وَمَا نَرٰى أَحَدًا اور ہمیں کوئی ایک آدمی بھی ایسا دکھائی نہیں دیتا لَمْ يُؤْذِهِ بَشَرُ جس کو کسی بشر نے، کسی انسان نے تکلیف نہ دی ہو۔ تو لوگوں کے اخلاق مختلف ہوتے ہیں، اور خصوصاً یہ تو فتنے و فساد کا زمانہ ہے بھئی۔ اب تو ہر شخص جیسے دوسرے کو تکلیف دینے پر تلا ہوا ہے بھئی۔ بلاوجہ قدم قدم پر مشکلات، رکاوٹیں، تکلیفیں کھڑی کرتے ہیں دوسرے کے لیے۔ تو ایسے موقع پر جب آپ کے ساتھ والی زمین بیچی جا رہی ہو تو آپ حقِ شفعہ کے ذریعے اس کو خود خرید سکتے ہیں جبراً بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اور یہ یاد رکھو، یہ جو شفعہ ہوتا ہے یہ ان چیزوں میں ہوتا ہے جن کی اصل ہو، جن کی بنیاد ہو، جن کی بنیاد ہو، اصل ہو۔ یعنی یوں کہیں جو غیر منقولی جائیداد ہوتی ہے۔ غیر منقولی جائیداد جس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل نہیں کیا جا سکتا، ان میں شفعہ ہوتا ہے۔ اب وہ کون کون سی چیزیں ہیں آپ خود دیکھ لیں: کھیت ہے جس میں فصلیں کاشت کرتے ہیں، کھیت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے؟ نہیں، تو یہ غیر منقولی جائیداد ہے، اس میں آپ شفعہ کر سکتے ہیں۔ آپ کے ساتھ والا کھیت فروخت ہوا تو آپ شفعہ کر کے اس کے مثل ثمن ادا کر کے اسے مشتری سے زبردستی لے سکتے ہیں۔

باغ ہے بھئی باغ، پھلوں کا باغ۔ یہ منقولی ہے یا غیر منقولی؟ غیر منقولی، اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جا سکتا، تو اس میں بھی آپ شفعہ کر سکتے ہیں۔ مکان ہے، گھر ہے، کوٹھی ہے، یہ بھی کیا ہے؟ غیر منقولی ہے، ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل نہیں ہو سکتی بھئی، تو اس میں بھی آپ شفعہ کر سکتے ہیں۔ آپ کے ساتھ والا گھر بکا، یا آپ کے ساتھ والی کوٹھی بک گئی، آپ کے ساتھ والا بنگلہ بک گیا، تو آپ شفعہ کر کے اس کو زبردستی لے سکتے ہیں۔ اسی طرح دکان ہے، فیکٹری ہے، یہ سب بھی کیا ہیں؟ غیر منقولی جائیدادیں، تو ان سب میں آپ شفعہ کر سکتے ہیں۔

لیکن اس کے علاوہ جو عام چیزیں ہیں ان میں شفعہ نہیں کر سکتے بھئی، کیونکہ وہ منقولی چیزیں ہیں، وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل ہو جاتی ہیں۔ آپ کے ہمسائے نے، پڑوسی نے اپنی گاڑی فروخت کی تو آپ شفعہ نہیں کر سکتے بھئی، کیونکہ جو خریدار ہو گا وہ آپ کے سر پر مسلط ہو گا یا وہ گاڑی لے جائے گا بھئی؟ وہ تو گاڑی لے جائے گا بھئی، وہ یہاں تو نہیں رہے گا، آپ کے پاس تو نہیں رہے گا۔ تو لہٰذا گاڑی ہے اور اس طرح کی جتنی چیزیں ہیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل ہو جاتی ہیں ان میں کسی میں شفعہ کا حق نہیں ہے، لیکن غیر منقولی جائیداد میں شریعت نے آپ کو شفعہ کا حق دیا ہے۔

اور اس میں مشتری کی رضامندی ضروری ہے یا جبراً بھی لے سکتے ہیں؟ جبراً بھی لے سکتے ہیں بھئی، جبراً بھی۔ اور پیسے نئے طے کرنے پڑیں گے یا اسی کے برابر دینے پڑیں گے؟ اسی کے برابر دینے پڑیں گے بھئی، برابر دینے پڑیں گے۔ اور یہ ہر چیز میں ہو سکتا ہے یا صرف غیر منقولی چیزوں میں؟ غیر منقولی چیزوں میں ہو سکتا ہے، منقولی چیزوں میں نہیں ہو سکتا بھئی۔

تو شفعہ کا لغوی معنیٰ کیا تھا؟ یعنی عربی زبان میں، عربی لغت میں شفعہ کا کیا معنیٰ تھا؟ ملانا، ملانا اور جوڑنا۔ دیکھو یہاں پر بھی ملانا ہے۔ لغوی معنیٰ کا اصطلاحی معنیٰ کے ساتھ ربط ہوتا ہے، ان میں جوڑ ہوتا ہے بھئی۔ یہاں بھی ملانا ہے۔ آپ نے وہ جو آپ کے ساتھ والی زمین فروخت کی گئی تھی، آپ نے اس کو خرید کر اپنی زمین کے ساتھ ملا لیا، اپنی زمین کے ساتھ جوڑ لیا اس کو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ہے شفعہ کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ بھئی۔

اب دیکھیے کتاب پر، عبارت دیکھیے بھئی: كِتَابُ الشُّفْعَةِ: هِيَ تَمَلُّكُ عَقَارٍ عَلٰى مُشْتَرِيْهِ جَبْرًا بِمِثْلِ ثَمَنِهٖ۔ یہ شفعہ کی تعریف ہے بھئی۔ هِيَ تَمَلُّكُ عَقَارٍ شفعہ جو ہے وہ مالک ہونا ہے۔ ایک ہوتا ہے تَمَلُّك بابِ تَفَعُّل، اور ایک ہے تَمْلِيْك بابِ تَفْعِيْل۔ تَمَلُّك جو بابِ تَفَعُّل ہے اس کا معنیٰ ہے مالک ہونا، مالک بننا، اور تَمْلِيْك جو بابِ تَفْعِيْل ہے اس کا معنیٰ ہے دوسرے کو مالک بنانا۔ تو اس میں شفیع خود مالک بنتا ہے یا کسی دوسرے کو مالک بناتا ہے؟ خود مالک۔ جو شفعہ کرنے والا ہے، شفیع، وہ خود مالک بنتا ہے، اسی لیے کہا هِيَ تَمَلُّكُ عَقَارٍ یہ مالک بننا ہے، عَقَارٍ، عقار کہتے ہیں غیر منقولی جائیداد جس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل نہ کیا جا سکے۔ تو دیکھیے ایک ہی لفظ میں ساری چیزیں آگئیں، اس میں دکان بھی آگئی، اس میں کھیت بھی آ گئے، اس میں باغ بھی آگیا، اس میں فیکٹری بھی آگئی، اس میں گھر، کوٹھی، بنگلہ سب آگئے۔ سب کیا ہیں؟ عقار ہیں، غیر منقولی جائیداد ہیں۔

هِيَ تَمَلُّكُ عَقَارٍ یہ غیر منقولی جائیداد کا مالک بننا ہے عَلٰى مُشْتَرِيْهِ۔ مُشْتَرِيْهِ، یہ مُشْتَرِيْهِ کے آخر میں جو هَاء ضمیر ہے یہ عقار کو راجع ہے، اس عقار کے مشتری پر۔ آپ زمین کے مالک بن گئے، ساتھ والی زمین کے مالک بن گئے، کس سے لی آپ نے؟ کس سے لے لی؟ مشتری سے لے لی۔ یاد رکھو جب بیع ہو جاتی ہے، یہ آگے آپ کو خود بھی بتائیں گے کہ شفعہ بیع کے بعد ثابت ہوتا ہے۔ آپ کو حقِ شفعہ کب ملے گا؟ بیع کے بعد۔ یعنی جب آپ کے ساتھ والے شخص نے اپنی زمین بیچ دی، اب آپ کو حقِ شفعہ ملا ہے، اس سے پہلے حقِ شفعہ نہیں تھا۔ جب تک اس کا ارادہ تھا بیع کا کہ میں زمین بیچنا چاہتا ہوں تو ارادے سے حقِ شفعہ آپ کو نہیں ملتا، ہاں جب وہ بیچ دے گا اب آپ کو کیا مل جائے گا؟ حقِ شفعہ مل جائے گا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟

تو بیع ہونے کے بعد، جب بیع ہوتی ہے بائع اور مشتری کے درمیان، مثلاً میں اپنا قلم آپ کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں، میں آپ سے کہتا ہوں میں نے اپنا یہ قلم سو روپے میں آپ کے ہاتھ فروخت کر دیا، یہ میں نے ایجاب کیا، اور آپ جواب میں مجھے کہتے ہیں میں نے قبول کیا۔ ایجاب و قبول کرتے ہی بیع مکمل ہو گئی۔ اب قلم بے شک میری جیب پر لگا ہوا ہے لیکن

آپ اس کے مالک بن چکے۔ بیع ہوتے ہی مشتری بیع کا مالک بن جاتا ہے۔ اب قلم بے شک میری جیب پر ہے لیکن مالک کون؟ مشتری۔ ہاں، اب مشتری مجھے کہتا ہے لاؤ بھئی یہ قلم تو اب میرا ہو گیا، مجھے میرے حوالے کر دو۔ تو میری مرضی ہے میں دے دوں قلم، اور چاہوں تو کہوں نہیں پہلے سو روپیہ حوالے کرو پھر قلم میں آپ کو دوں گا۔ اور چاہوں تو ویسے ہی دے دوں کیونکہ مجھے اس پر اعتماد ہے کہ وہ بعد میں مجھے کیا کرے گا؟ سو روپیہ ادا کر دے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو بیع ہوتے ہی، ایجاب و قبول ہوتے ہی اس بیع کا مالک کون بن جاتا ہے؟ مشتری بن جاتا ہے۔ تو شفعہ بھی کس کے بعد آئے گا؟ بیع کے بعد۔ اور بیع ہوتے ہی اس زمین جائیداد کا مالک کون بن چکا؟ مشتری بن چکا۔ اسی لیے کہا کہ آپ مالک بنیں گے اس عقار کے عَلٰی مُشْتَرِیْهِ کس پر؟ اس کے مشتری پر، یعنی اس سے لے لیں گے کیونکہ وہ مالک بن چکا ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں هِيَ تَمَلُّكُ عَقَارٍ عَلٰی مُشْتَرِیْهِ یہ مالک ہونا ہے، مالک بننا ہے غیر منقولہ جائیداد کا عَلٰی مُشْتَرِیْهِ اس جائیداد کے مشتری پر جَبْرًا اور کس طریقے پر؟ جبراً، زبردستی، زبردستی، وہ چاہے مانے یا نہ مانے۔ بِمِثْلِ ثَمَنِهٖ اسی کے مثل ثمن کے بدلے، اسی کے مثل ثَمَن کے بدلے۔ بِمِثْلِ ثَمَنِهٖ اس کے ثمن کے مثل۔ بھئی اس کے، یہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ آگے شارح بتلا رہے ہیں: أَيْ بِمِثْلِ ثَمَنِ الْمُشْتَرِيْ۔ دیکھو هَاء ضمیر کی جگہ کیا لفظ لے آئے؟ اَلْمُشْتَرِيْ۔ یہ ضمیر کا مرجع بتلا رہے ہیں، اس عبارت کے ذریعے وہ کیا کر رہے ہیں؟ ضمیر کا مرجع بتلا رہے ہیں، یعنی مشتری کے ثمن کے مثل کے بدلے۔ کتنے پیسے آپ کو ادا کرنے پڑیں گے؟ وہی ثمن جو مشتری نے ادا کیے، اس کے ثمن کے مثل ادا کرنا پڑے گا، کیا ادا کرنا پڑے گا؟ اسی کے ثمن کے مثل ادا کرنا پڑے گا۔ مثلاً اس نے زمین کتنے کی خریدی؟ دس لاکھ کی، تو آپ کو بھی کتنے ادا کرنا پڑیں گے؟ دس لاکھ۔ اور اگر اس نے ایک ہزار من لوہا دیا تھا، کتنا؟ ایک ہزار من لوہا دے کر وہ زمین خریدی تھی تو آپ کو بھی کیا دینا پڑے گا؟ ایک ہزار من لوہا بھئی، یہ معنیٰ ہے بِمِثْلِ ثَمَنِهٖ اس کے ثمن کے مثل دینا پڑے گا۔ أَيْ

بِمِثْلِ ثَمَنِ الْمُشْتَرِيْ مشتری کے ثمن کے مثل کے بدلے۔ یہ بَاء جو ہے نا بَاء، یہ عوض کا معنیٰ ادا کر رہی ہے، عوض کے معنیٰ کے لیے آئی ہے۔ اس کا ترجمہ کس کے ساتھ کریں؟ بدلے میں۔ دوبارہ ترجمہ دیکھیں: هِيَ تَمَلُّكُ عَقَارٍ عَلٰی مُشْتَرِیْهِ جَبْرًا بِمِثْلِ ثَمَنِهٖ یہ مالک بننا ہے جائیداد کا عَلٰی مُشْتَرِیْهِ اس کے مشتری پر جَبْرًا زبردستی بِمِثْلِ ثَمَنِهٖ اس کے ثمن کے مثل کے بدلے، اس کے ثمن کے مثل کے بدلے مالک بننا ہے۔ مثل دیں گے تو مالک بنیں گے نا، مثل کے بدلے مالک بننا ہے۔ أَيْ بِمِثْلِ ثَمَنِ الْمُشْتَرِيْ مشتری کے ثمن کے مثل کے بدلے۔ بھئی مشتری کے ثمن کون سے ہیں؟ کہتے ہیں بھئی وَهُوَ الثَّمَنُ الَّذِي اشْتَرٰى بِهٖ وہ ثمن جس کے ساتھ اس نے خریدا تھا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ وہ ثمن جس کے بدلے اس نے خریدا تھا۔

وَتَجِبُ بَعْدَ الْبَيْعِ اور یہ شفعہ ثابت ہوتا ہے بَعْدَ الْبَيْعِ کس کے بعد؟ بیع کے بعد۔ بیچنے کے بعد جب بائع اور مشتری میں بیع ہو گئی تھی اس کے بعد آپ شفعہ کر سکتے ہیں، اس سے پہلے شفعہ نہیں کر سکتے بھئی۔ اور کیا کہا؟ وَتَجِبُ بَعْدَ الْبَيْعِ عبارت

کیا ہے؟ وَتَجِبُ بَعْدَ الْبَيْعِ اور شفعہ بیع کے بعد ثابت ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ ثابت ہوتا ہے۔ تَجِبُ کا معنیٰ ہے تَثْبُتُ، ثابت ہوتا ہے۔ یاد رکھیے فقہ کی کتابوں میں وَجَبَ يَجِبُ، ثَبَتَ يَثْبُتُ کے معنیٰ میں عام استعمال ہوتا ہے، کس معنیٰ میں؟ تو یہاں پر بھی تَجِبُ کس معنیٰ میں ہے؟ تَثْبُتُ۔ بھئی شفعے کا حق آپ کے لیے ثابت ہے، آپ پر واجب نہیں، آپ پر لازم نہیں۔ آپ پر لازم نہیں ہے۔ آپ کے ساتھ والی زمین بکی ہے تو کیا آپ پر لازمی ہے، واجب ہے کہ آپ شفعہ کرو اور اس کو لو؟ نہیں، یہ لازم اور واجب نہیں۔ معلوم ہوا یہاں تَجِبُ کس معنیٰ میں ہے؟ تَثْبُتُ کے معنیٰ میں ہے۔ دیکھیے شارح خود آپ کو بتلائیں گے۔ تو کہتے ہیں وَتَجِبُ بَعْدَ الْبَيْعِ اور شفعہ ثابت ہوتا ہے بیع کے بعد۔ الْمُرَادُ بِالْوُجُوْبِ الثُّبُوْتُ، وجوب سے کیا مراد ہے؟ ثبوت مراد ہے۔ یہ جو تَجِبُ آیا نا وَجَبَ يَجِبُ وُجُوْبًا مصدر جو آیا، تو یہاں یہ وجوب آیا وہ کس معنیٰ میں ہے؟ ثبوت کے معنیٰ میں ہے بھئی۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

وَتَسْتَقِرُّ بِالْإِشْهَادِ اور یہ پکا ہو جاتا ہے۔ اِسْتَقَرَّ يَسْتَقِرُّ کے معنیٰ پکا ہونا، پختہ ہونا، مضبوط ہونا۔ وَتَسْتَقِرُّ بِالْإِشْهَادِ اور یہ اشہاد سے مضبوط ہو جاتا ہے، اشہاد سے پکا ہو جاتا ہے۔ بھئی یاد رکھیے شفعے میں تین طلبوں کا ہونا ضروری ہے۔ کتنی طلبیں؟ تین طلبوں کا ہونا ضروری ہے۔ وہ طلبیں ہوں گی تو پھر ہی زمین آپ تک پہنچے گی، اگر وہ نہیں تو زمین بھی آپ تک نہیں پہنچ سکتی۔ پہلی طلب ہے طلبِ مواثبت، میم واوٗ الف ثاء ہے، ب ت ث، مواثبت۔ وَثَبَ يَثِبُ سے ہے، وَثَبَ يَثِبُ کا کیا معنیٰ ہے؟ اچھلنا، کودنا، چھلانگ لگانا۔ تو پہلی طلب کا کیا نام ہے؟ مواثبت، بابِ مفاعلہ ہے۔ دوسری طلب کا نام ہے طلبِ تقریر، اسی کو طلبِ اشہاد بھی کہتے ہیں۔ پہلی طلب کا کیا نام؟ ساتھ ساتھ میرے دہرائیں بھئی یاد بھی ہوتا جائے۔ پہلی طلب کا کیا نام؟ طلبِ مواثبت۔ دوسری طلب کا نام؟ طلبِ تقریر یا طلبِ اشہاد بھئی، طلبِ اشہاد۔ اور تیسری طلب ہے طلبِ تملیک بھئی، تملیک۔ ابھی میں نے بتایا مَلَّكَ يُمَلِّكُ تَمْلِيْكًا۔ ایک ہے تَمَلُّك، ایک ہے تَمْلِيْك۔ تَمَلُّك کا کیا معنیٰ؟ مالک ہونا، اور تَمْلِيْك کا کیا معنیٰ؟ دوسرے کو مالک بنانا۔ تو تیسری طلب ہے طلبِ تملیک، یا اسی کو طلبِ خصومت بھی کہتے ہیں، خ ص و ہے، خصومت۔ خصومت کا معنیٰ؟ خصومت یعنی مقدمہ کرنا، مقدمہ کرنا۔ قاضی کے پاس جاتے ہیں اور آپ لیتے ہیں، خصومت کرتے ہیں۔ تو تیسری طلب کیا ہے؟ طلبِ تملیک، اسی کا دوسرا نام کیا؟ خصومت، یا تیسرا نام ہے اس کا طلبِ اخذ، طلبِ اخذ۔ الف خ اور ذال بھئی، اخذ۔ أَخَذَ يَأْخُذُ کا معنیٰ ہوتا ہے لینا، کسی چیز کو لے لینا، پکڑ لینا۔ تو طلبِ اخذ ہے۔ پھر دہرائیں: پہلی طلب کون سی؟ طلبِ مواثبت۔ دوسری؟ طلبِ تقریر، اسی کا دوسرا نام کیا؟ اسی کا نام طلبِ اشہاد ہے۔ اور تیسری کیا ہے؟ طلبِ تملیک، یا طلبِ خصومت، یا طلبِ اخذ بھئی۔

طلبِ مواثبت اسے کہتے ہیں کہ جس مجلس میں آپ کو، جس جگہ بھی آپ کو پتا لگا کہ آپ کے ساتھ والی زمین یا آپ کے ساتھ والی فیکٹری یا آپ کے ساتھ والا گھر بکا ہے، جس جگہ پر بھی آپ کو اس کے بیچے جانے کا علم ہوا، آپ فوراً سنتے ہی کہتے ہیں کہ میں شفعہ طلب کرتا ہوں، میں شفعے کا مطالبہ کرتا ہوں، یہ ہے طلبِ مواثبت۔ اور بیع کا پتا چلتے ہی فوراً آپ نے کہنا

ہے، اگر آپ نے تاخیر کر دی تو آپ کا حقِ شفعہ ختم ہو گیا۔ بعد میں بے شک کوئی شخص قاضی کے پاس بھی جاتا ہے، مقدمے کر کے زمین لے لیتا ہے لیکن وہ ناحق کر رہا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ عِنْدَ اللّٰہِ وہ مجرم ہے، جرم کر رہا ہے، کیونکہ اس کا حقِ شفعہ ختم ہو چکا ہے۔ حقِ شفعہ میں سب سے پہلی طلب کون سی ہے؟ طلبِ مواثبت ہے۔ اور طلبِ مواثبت کیسے کریں گے؟ جیسے ہی آپ کو پتا لگا، مثلاً آپ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے ساتھیوں کے ساتھ مجلس میں، اور اچانک ایک آدمی آیا، باتوں باتوں میں اس نے بتایا کہ بھئی وہ آپ کے ساتھ والا گھر زید نے پینتالیس لاکھ میں فلاں کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے۔ آج بیچا ہے یا کل بیچا ہے یا مہینہ پہلے بیچا ہے، آپ کو تو پتا ہی نہیں ہے۔ تو اس نے وہ گھر بیچ دیا ہے۔ دیکھو جیسے ہی آپ کو علم بالبیع ہوا، بیع کا پتا چلا، آپ فوراً کہیں میں شفعے کا مطالبہ کرتا ہوں، کوئی ایسی بات، کوئی ایسا لفظ جس سے دوسروں کو شفعے کا پتا لگ جائے۔ میں شفعے کا مطالبہ کرتا ہوں، میں اس پہ شفعہ کرتا ہوں، کوئی ایسا لفظ جس سے دوسروں کو شفعے کا پتا لگ جائے کہ یہ شفعے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اس کو کہتے ہیں طلبِ مواثبت۔ اور اس میں تاخیر کی گنجائش نہیں۔ اس نے آکر آپ کو بتا دیا اور بات چلتی رہی آپ کچھ بھی نہیں بولے، پانچ دس منٹ بعد جا کر آپ بولتے ہیں کہ بھئی میں شفعے کا مطالبہ کرتا ہوں، نہیں بھئی آپ کا حق ختم ہو چکا، آپ کا حق ختم ہو چکا۔ بیع کا پتا چلتے ہی فوراً آپ کو کہنا چاہیے تھا۔ حتیٰ کہ علماء فرماتے ہیں، بعض علماء نے لکھا ہے فقہاء نے کہ اگر کسی نے آپ کو رقعہ بھیجا، خط بھیجا، اور اس خط کے شروع میں لکھا ہوا تھا کہ آپ کے ساتھ والا گھر بکا ہے، اور آپ اطمینان سے پورا خط پڑھتے رہے، آخر میں جب خط مکمل کر لیا اب آپ شفعے کی بات کرتے ہیں، نہیں بھئی آپ کا حق ختم ہو چکا۔ جیسے ہی خط میں آپ نے پڑھا پہلے تو فوراً آپ کو کیا کہنا چاہیے تھا؟ میں شفعہ کرتا ہوں، میں شفعے کا مطالبہ کرتا ہوں۔ تاخیر کی گنجائش ہے ہی نہیں۔ اسی لیے اس کا نام طلبِ مواثبت ہے، وَثَبَ یَثِبُ کا کیا معنیٰ؟ اچھلنا، چھلانگ لگانا۔ دیکھا، جیسے ہی آپ کو پتا چلا تو گویا آپ ایک دم اچھل پڑے اور فوراً مطالبہ کر دیا کس چیز کا؟ کہ میں شفعہ کرتا ہوں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اس لیے اس کا نام طلبِ مواثبت رکھا ہے کہ یعنی معنیٰ ہے فوراً کرنا ہے، فوراً کرنا ہے، اس میں تاخیر کی گنجائش نہیں ہے۔ اور اس میں گواہ بنانا ضروری نہیں۔ گواہ بنانا ضروری نہیں، کیونکہ ہو سکتا ہے آپ ایسی جگہ ہوں جہاں کوئی گواہ ہے ہی نہیں۔ لیکن اگر آپ دوستوں کی مجلس میں بیٹھے ہیں، وہاں آپ کو جیسے ہی پتا چلا آپ نے کیا کر دیا؟ آپ نے کیا کہا؟ میں شفعے کا مطالبہ کرتا ہوں، تو وہ سارے گواہ ہو گئے یا نہیں ہو گئے؟ ہاں تو پھر تو ٹھیک ہے، گواہ بن گئے۔ اور آپ پھر ان کو کہہ بھی دیتے ہیں کہ آپ میری اس چیز پہ گواہ رہنا، اگر قاضی کے پاس آپ کو میں بلاؤں تو آپ کو وہاں گواہی دینی پڑے گی بھئی۔ تو یہ جو طلبِ مواثبت ہے اس میں گواہ بنانا ضروری نہیں، کیونکہ بعض اوقات انسان کے پاس کوئی ہوتا بھی نہیں ہے، کس کو گواہ بنائے۔ ہاں گواہ بنا لے تو بہتر ہے، کیا ہے؟ گواہ بنا لے تو بہتر ہے۔

اس کے بعد دوسری ہے طلبِ تقریر، یا اسی کا دوسرا نام ہے طلبِ اشہاد۔ یہ بھی جلدی کرنا پڑے گی، فوراً کرنا پڑے

گی، اس میں بھی تاخیر نہیں کرنی۔ طلبِ مواثبت کرنے کے بعد اب آپ یوں کریں جلد از جلد اولِ فرصت میں ہی، اولِ وقت میں ہی فوراً آپ اس زمین پر یا مشتری کے پاس دو کم از کم دو گواہ لے جائیں بھئی۔ زمین پر یا مشتری کے پاس دو گواہ بنا لیں بھئی، دو آدمیوں کو لے جائیں اپنے ساتھیوں کو اور ان سے کہیں کہ یہ زمین زید نے، یہ مکان زید نے بیچا ہے کسی کے ہاتھ، میں نے اس میں طلبِ مواثبت تو کر لی تھی، اب آپ کو آپ نے گواہ رہنا ہے، آپ کو میں گواہ بناتا ہوں، میں اس زمین پر شفعہ طلب کرتا ہوں۔ تو دو گواہ لے جائے، دو آدمیوں کو گواہ بنا لے۔ کہاں پر؟ اس زمین پر یا اس مکان پر، یا مشتری کے پاس لے جائے ان کو۔ دو آدمی لے گیا مشتری کے پاس اور ان کے سامنے مشتری سے کہا کہ آپ نے وہ مکان خریدا ہے میرے مکان کے ساتھ والا اور میں اس پر شفعہ کرتا ہوں، شفعے کا مطالبہ کرتا ہوں۔ زمین پر بھی گواہ لے جا سکتے ہیں کیونکہ زمین ہی تو مبیعہ ہے، اور آپ چاہیں تو گواہ کہاں بنا لیں؟ مشتری پر بنا لیں، کیونکہ مشتری مالک ہے اس زمین کا، بیع ہوتے ہی کون مالک بن چکا؟ مشتری۔ بائع پر نہیں بنا سکتے گواہ۔ ہاں ایک صورت ہے بائع پر بھی آپ گواہ بنا سکتے ہیں: اگر بائع نے ابھی زمین یا وہ مکان یا کوٹھی یا فیکٹری یا وہ باغ جو ہے مشتری کے حوالے نہیں کیا تو ابھی بھی قبضہ کس کا ہے؟ بائع کا ہے، تو اب آپ بائع پر بھی لے جا سکتے ہیں۔ دو گواہ بنا لیں، بائع کے پاس لے جائیں اور کہیں کہ آپ نے وہ زمین بیچی ہے، میں اس پر شفعے کا مطالبہ کرتا ہوں۔ تو گواہ کس پر پیش کر سکتے ہیں؟ یا زمین پر گواہ بنا سکتے ہیں، لے جا کر شفعے کا مطالبہ کریں گے، یا مشتری پر، اور بائع پر بھی کب؟ اگر ابھی قبضہ اس کے پاس ہو۔ اگر بائع نے بیع بھی کر لی ہے اور وہ زمین یا جائیداد مشتری کے حوالے کر دی ہے پھر بائع بالکل اجنبی ہو گیا، اب اس کا اس معاملے سے کوئی تعلق ہی نہیں، لہٰذا اب بائع پر گواہ نہیں بنائیں گے آپ۔ تو بائع پر صرف اس صورت میں آپ گواہ لے جا کر بنا سکتے ہیں کہ جب زمین یا اس چیز پر اسی کا ابھی قبضہ ہو۔ صورت اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟ یہ ہے طلبِ اشہاد۔ أَشْهَدَ يُشْهِدُ إِشْهَادًا کا معنیٰ ہے گواہ بنانا۔ دیکھو اس طلب میں آپ کیا کر رہے ہیں؟ گواہ بنا رہے ہیں، اس لیے اس کا نام کیا ہے؟ طلبِ اشہاد ہے۔ نیز اسی کو طلبِ تقریر بھی کہتے ہیں، قَرَّرَ يُقَرِّرُ تَقْرِيْرًا۔ یہ اردو والی تقریر نہیں بھئی، اردو میں تو تقریر بیان کو کہتے ہیں، وعظ کو کہتے ہیں۔ قَرَّرَ يُقَرِّرُ تقریر کا معنیٰ ہے پکا کرنا، مضبوط کرنا۔ تو دیکھو آپ نے بھی اپنی اس پہلی طلب کو اب کیا کر لیا؟ تو شفعے کی طلب کو مضبوط کر لیا، پکا کر لیا۔ تو اس لیے اس کا نام طلبِ تقریر بھی ہے اور طلبِ اشہاد بھی ہے۔

تیسری ہے طلبِ تملیک یا طلبِ خصومت یا طلبِ اخذ، الف خ ذال۔ اب تیسری طلبِ اخذیہ ہے کہ اب آپ مشتری کے پاس جاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ بھئی آپ نے یہ بیس لاکھ میں زمین خریدی تھی، میں آپ کو بیس لاکھ روپے دیتا ہوں آپ یہ زمین میرے حوالے کر دیں۔ دیکھا، طلبِ اخذ ہے، طلبِ تملیک ہے، آپ اس سے کیا بات کر رہے ہیں کہ یہ میرے حوالے کر دو، مجھے مالک بنا دو، یہ پیسے لے لو۔ یہ ہے طلبِ اخذ، لے لینا، اخذ کا مطالبہ کر رہے ہیں، اور طلبِ تملیک ہے، مالک بنانے کا آپ مطالبہ کر رہے ہیں کہ مجھے مالک بنا دو، مجھے دے دو، یہ پیسے لے لو۔ یا اسی کو طلبِ خصومت بھی کہتے ہیں، اگر وہ انکار کر دیتا ہے تو پھر آپ قاضی کے پاس جائیں گے اور جا کر وہاں مقدمہ کریں گے اور قاضی کو بتلائیں گے

کہ قاضی صاحب فلاں محلے میں میں فلاں جگہ رہتا ہوں، فلاں میرا مکان ہے، فلاں گلی ہے، پورا نقشہ بتائیں گے کیونکہ قاضی کو کیا پتا ہے آپ کس علاقے کے ہیں اور اس نے پورا شہر تو نہیں دیکھا ہوا، تو وہ آپ بتائیں گے کہ فلاں میرا مکان ہے، اس کا یہ حدود اربعہ وغیرہ ہے اور اس کے ساتھ والا مکان فلاں نمبر جو ہے وہ زید یا وغیرہ کا ہے اور اس نے اس کا مکان کو بیچا ہے اور میں اس پر شفعہ، شفعے کا میں نے طلبِ مواثبت بھی کی تھی اور طلبِ تقریر بھی کیا اور اس میں گواہ بھی میرے پاس موجود ہیں میں نے طلبِ اشہاد کیا تھا، اور اب میں چاہتا ہوں کہ آپ حکم جاری فرمائیں کہ وہ زمین میرے حوالے کر دی جائے۔ تو یہ طلبِ خصومت ہے، طلبِ یہ بھی طلبِ تملیک ہے کہ مجھے مالک بنا دیں، طلبِ اخذ ہے کہ وہ میرے حوالے کر دی جائے، طلبِ خصومت ہے کہ اس میں مقدمے کے ذریعے آپ کیا کر رہے ہیں؟ طلب، تو تینوں نام ہیں اس کے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو قاضی پھر آپ کے حق میں فیصلہ کر دے گا جب وہ ساری تفتیش کر لے گا، تحقیق کر لے گا۔ یہ ہے شفعہ بھئی۔ تو تین طلبیں شفعے میں ضروری ہیں، بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی اب کتاب پر: وَتَسْتَقِرُّ بِالْإِشْهَادِ اور شفعہ پکا ہو جائے گا بِالْإِشْهَادِ کس کے ذریعے؟ گواہ بنانے سے، گواہ بنانے کے ذریعے یعنی وہ طلبِ اشہاد کے بعد پکا ہو جائے گا۔ تو یہ دوسری طلب آگئی۔ إِذْ حَقُّ الشُّفْعَةِ قَبْلَ الْإِشْهَادِ مُتَزَلْزِلٌ بھئی یہ گواہ بنانے کی ضرورت کیوں ہے؟ طلبِ اشہاد یا طلبِ تقریر کیوں ضروری ہے؟ بتلا رہے ہیں شارح: إِذْ حَقُّ الشُّفْعَةِ قَبْلَ الْإِشْهَادِ مُتَزَلْزِلٌ اس لیے کیونکہ شفعے کا حق اشہاد یعنی گواہ بنانے سے پہلے مُتَزَلْزِلٌ ڈگمگا رہا ہے۔ یہ حق آپ کا ڈگمگا رہا ہے۔ ڈگمگانا کیا معنیٰ؟ کوئی چیز گرنے والی ہے، گرنے والی ہے، خطرہ ہے کہ گر نہ جائے، یعنی اس میں گرنے کا خطرہ ہے، اس کے ساقط ہونے کا خطرہ ہے۔ بھئی کیسے گرنے کا خطرہ ہے؟ کہتے ہیں اگر آپ طلبِ اشہاد نہیں کریں گے تو یہ حق آپ کا کیا ہو جائے گا؟ ختم ہو جائے گا۔ آپ نے طلبِ مواثبت تو کر لی، لیکن اس کے وہ بے فکر ہو گئے اور طلبِ اشہاد آپ نے جلدی نہیں کی، فوری نہیں کی، تو آپ کا یہ حقِ شفعہ کیا ہو جائے گا؟ ساقط ہو جائے گا، ختم ہو جائے گا۔ لیکن جب آپ طلبِ اشہاد کر لیں گے اب آپ کا یہ حق پکا ہو گیا، اب نہیں گرتا۔ یہ معنیٰ إِذْ حَقُّ الشُّفْعَةِ قَبْلَ الْإِشْهَادِ مُتَزَلْزِلٌ اس لیے کیونکہ شفعے کا حق گواہ بنانے سے پہلے مُتَزَلْزِلٌ ڈگمگا رہا ہے، یوں ترجمہ کر لیں کیونکہ شفعے کا حق گواہ بنانے سے پہلے گرنے والا ہے، یعنی اس میں گرنے کا خطرہ ہے۔ لِأَنَّهُ بِحَيْثُ لَوْ أَخَّرَ الطَّلَبَ تَبْطُلُ، بِحَيْثُ اس طور پر لَوْ أَخَّرَ الطَّلَبَ اگر اس نے یہ طلب مؤخر کر دی شفیع نے، یہ طلبِ اشہاد کو کیا کر دیا؟ مؤخر کر دیا، تَبْطُلُ تو اس کا حقِ شفعہ باطل ہو جائے گا۔ فَإِذَا أَشْهَدَ جب اس نے گواہ بنا لیے، اسْتَقَرَّ تو اب یہ پکا ہو گیا، پختہ ہو گیا۔ أَيْ لَا تَبْطُلُ بَعْدَ ذٰلِكَ بِالتَّأْخِيْرِ یعنی باطل نہیں ہو گا حقِ شفعہ بَعْدَ ذٰلِكَ اس اشہاد کے بعد بِالتَّأْخِيْرِ تاخیر کی وجہ سے۔ طلبِ اشہاد کے بعد اب تاخیر بھی ہو جائے اب حقِ شفعہ باطل نہیں ہو گا۔

وَيَمْلِكُ بِالْأَخْذِ بِالتَّرَاضِيْ۔ يَمْلِكُ پڑھ لیں یا يُمْلَكُ پڑھ لیں، وَيُمْلَكُ بِالْأَخْذِ بِالتَّرَاضِيْ۔ اچھا بھئی یہ زمین کا مالک کب بنے گا؟ شفیع نے طلبِ مواثبت بھی کر لی، طلبِ اشہاد بھی کر لیا، اب مالک کب بنے گا؟ کہتے ہیں مالک جو ہے وہ طلبِ اخذ یا

طلبِ خصومت کے بعد بنے گا۔ اور طلبِ اخذ میں کیا کرے گا؟ یا تو مشتری سے جا کر کیا کہے کہ وہ زمین میرے حوالے کر دو۔ تو اگر وہ رضامندی سے کیا کر دیتا ہے زمین شفیع کے حوالے کر دیتا ہے تو شفیع اس کا مالک بن جائے گا۔ توجہ ہے؟ مالک کب بنے گا؟ جب وہ زمین کو لے لے، زمین پر قبضہ کر لے۔ اور زبردستی کر لے یا مشتری کی مرضی سے قبضہ کرے؟ ہاں ہاں ہاں، اِنَّا لِلّٰہِ۔ جی؟ اگر وہ اپنی رضامندی کے ساتھ... دیکھو بھئی شفعے میں تو زمین زبردستی لی جاتی ہے لیکن زبردستی قبضہ نہیں بھئی، زبردستی قبضہ نہیں۔ زمین یا تو اگر وہ اپنی مرضی سے دے دیتا ہے، شریعت نے آپ کو حق دیا ہے لیکن اس کا طریقہ بیان ہو رہا ہے کہ پہلے طلبِ مواثبت کر لو، پھر طلبِ تقریر کر لو، اب جا کر مشتری سے کہو وہ زمین میرے حوالے کرو، یہ پیسے لے لو۔ وہ آپ کو زمین دے دیتا ہے اپنی مرضی سے، سکون سے اطمینان سے آپ پیسے دے دیتے ہیں، تو جب آپ اس سے زمین لے لیں گے، زمین پر قبضہ کر لیں گے، اس نے آپ کے حوالے کر دی زمین، تو اب زمین کے آپ مالک بن گئے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ مالک بن گئے۔ گویا جب مشتری زمین آپ کے حوالے کر رہا ہو تو قبضہ کریں گے تو مالک بنیں گے، جب تک قبضہ نہیں کیا آپ مالک نہیں۔ اور قاضی جب فیصلہ کرے گا آپ کے لیے، مثلاً اس نے انکار کر دیا کہ میں تمہیں زمین نہیں دیتا، آپ قاضی کے پاس گئے، ساری آپ نے تفصیل بیان کی، قاضی نے آپ سے گواہ وغیرہ طلب کیے، مقدمہ چلا، اور آخر میں پھر قاضی نے سارا کچھ سننے کے بعد آپ کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ یاد رکھو جیسے ہی قاضی آپ کے حق میں فیصلہ کرے گا آپ اس زمین کے مالک بن جائیں گے۔ اب اس زمین پر قبضہ بھی نہیں ضروری۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ جب مشتری راضی تھا تو کیا ضروری تھا؟ قبضہ۔ آپ قبضہ کریں گے یعنی زمین لے لیں گے تو پھر مالک بنیں گے۔ لیکن جب قاضی فیصلہ کرے گا تو قاضی کو ولایتِ عامہ حاصل ہے۔ قاضی کا حکم سب پر، قاضی کا فیصلہ سب پر نافذ ہوتا ہے۔ تو جب قاضی نے فیصلہ کر دیا تو ساتھ ہی آپ کیا بن گئے؟ مالک بن گئے، اب اس کو لینا یا اس پر قبضہ کرنا بھی ضروری نہیں۔ زمین جہاں بھی موجود ہے موجود رہے، آپ اس کے کیا بن چکے؟ مالک بن چکے ہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں وَيَمْلِكُ بِالْأَخْذِ بِالتَّرَاضِيْ اور شفیع اس زمین کا مالک بن جائے گا بِالْأَخْذِ لے لینے سے، جب اس زمین کو کیا کرے گا؟ لے لے گا یعنی اس پر قبضہ کر لے گا بِالتَّرَاضِيْ، تراضی بابِ تفاعل ہے، بابِ تفاعل، اور بابِ تفاعل جانبین سے فعل چاہتا ہے، یعنی دونوں طرف سے رضامندی ہو۔ شفیع کی تو ہے ہی رضامندی، اور مشتری کی بھی کیا ہونی چاہیے؟ رضامندی۔ تو اس کے لیے اردو میں پھر لفظ بولتے ہیں باہمی رضامندی، یعنی دونوں طرف کی۔ تو وَيَمْلِكُ بِالْأَخْذِ وہ شفیع جو ہے مالک ہو جائے گا اس عقار کا، اس جائیداد کا بِالْأَخْذِ لے لینے سے بِالتَّرَاضِيْ باہمی رضامندی سے، باہمی رضامندی سے جب وہ اس کو لے لے گا۔ یا اس کو پڑھ لیں وَيُمْلَكُ، يُمْلَكُ اور وہ عقار، وہ جو غیر منقولی جائیداد ہے وہ يُمْلَكُ وہ مملوک ہو جائے گی یعنی شفیع کی، وہ شفیع کی مملوک ہو جائے گی بِالْأَخْذِ بِالتَّرَاضِيْ جب وہ اس کو لے لے گا باہمی رضامندی سے۔ تو آپ يُمْلَكُ پڑھ لیں اور چاہے يَمْلِكُ پڑھ لیں۔ يَمْلِكُ پڑھیں تو معنیٰ ہے مالک ہو جائے گا۔ تو کون مالک ہو گا؟ شفیع۔ تو اس کے اندر ضمیر راجع ہو گی شفیع کو۔ اس پر آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا پیچھے تو کہیں شفیع کا ذکر ہی نہیں، جواب یہ کہ مرجع

معنیٰ کے اعتبار سے ذکر ہو چکا۔ جب شفعہ آیا تو شفعہ کرتا ہی شفعہ کرنے والا کہلاتا ہی کیا ہے؟ شفیع۔ تو وہ جو ایک مشتری ہے تو دوسرا ظاہر سی بات ہے شفیع ہے، تو شفیع کا ذکر ہو چکا پیچھے بھئی معنوی اعتبار سے۔ یہ معنیٰ، اور اگر آپ اس کو یُمْلَكُ پڑھیں تو اس صورت میں اس کے اندر جو هُوَ ضمیر ہے نائب فاعل وہ عقار کو راجع ہے، وہ عقار مملوک ہو جائے گی یعنی شفیع کی بِالْأَخْذِ بِالتَّرَاضِيْ جب وہ اس کو لے لے گا باہمی رضامندی سے۔

أَوْ بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ یا وہ مالک بنے گا کب؟ بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ قاضی کے فیصلے سے، قاضی کے فیصلے سے۔ یاد رکھنا یہ بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ اس کا عطف بِالتَّرَاضِيْ پہ نہ کرنا، اس کا عطف بِالتَّرَاضِيْ پر نہیں کرنا بلکہ اس کا عطف کرنا ہے بِالْأَخْذِ پر۔ کس پر کرنا ہے؟ بِالْأَخْذِ پر۔ دیکھو بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ اس پر بھی بَاء جارہ داخل، بِالتَّرَاضِيْ پر بھی بَاء جارہ داخل، اور بِالْأَخْذِ پر بھی بَاء جارہ داخل۔ اور درمیان میں أَوْ آیا عطف کے لیے، تو اب بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ کا عطف کس پر کریں؟ بِالتَّرَاضِيْ پر یا بِالْأَخْذِ پر؟ بِالتَّرَاضِيْ پر کریں تو معنیٰ خراب ہوتا ہے اور بِالْأَخْذِ پر کریں تو معنیٰ صحیح رہتا ہے، معلوم ہوا کس پر عطف کریں گے؟ بِالْأَخْذِ پر۔ معنیٰ کیسے خراب ہوتا ہے اگر ہم بِالتَّرَاضِيْ پر عطف کریں؟ دیکھو بھئی: معطوف کون؟ بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ۔ معطوفٌ علیہ کون؟ بِالتَّرَاضِيْ۔ پہلے ہم دیکھ رہے ہیں نا معنیٰ کیسے خراب ہوتا ہے: بِالتَّرَاضِيْ کو کیا بناؤ؟ معطوفٌ علیہ۔ اچھا، پھر یوں کرو اس کا طریقہ یہ ہے معطوفٌ علیہ کو ذرا ہٹا دو اور اس کی جگہ معطوف کو رکھ دو۔ عبارت پہ نظر ہے؟ بِالتَّرَاضِيْ کو اٹھاؤ اور کیا رکھو؟ بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ۔ اب ذرا ترجمہ کرو: وَيَمْلِكُ بِالْأَخْذِ اور شفیع زمین کو مالک بن جائے گا اس کو لے لینے سے بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ قاضی کے فیصلے سے۔ پھر سنو: وَيَمْلِكُ بِالْأَخْذِ بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ۔ بِالتَّرَاضِيْ کو ہم نے نکال دیا نا؟ اور وہ مالک ہو جائے گا زمین کو لے لینے سے قاضی کے فیصلے کے ساتھ۔ قاضی کے فیصلے کے ساتھ جب وہ زمین کو لے لے گا تب مالک بنے گا۔ بھئی قاضی جب فیصلہ کر دے تو پھر زمین کا لینا ضروری ہے یا فیصلہ کرتے ہی مالک بن جائے گا؟ قاضی کے فیصلہ کرتے ہی شفیع زمین کا مالک بن گیا، اب لینا اور قبضہ کرنا ضروری نہیں۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ لیکن عبارت کو آپ نے کس پر عطف کیا؟ بِالتَّرَاضِيْ پر، تو معنیٰ خراب ہو گیا۔ اب تو عبارت سے یوں لگ رہا ہے کہ قاضی کے فیصلے کے بعد جب آپ جا کر زمین کو لے لیں گے پھر کیا بنیں گے؟ مالک بنیں گے۔ حالانکہ قاضی کے فیصلے کے بعد آپ کا قبضہ ضروری ہے؟ یا فیصلہ کرتے ہی آپ مالک بن جائیں گے؟ تو دیکھو اب ترجمہ خراب ہو رہا ہے: وَيَمْلِكُ بِالْأَخْذِ بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ اور وہ مالک بن جائے گا اور وہ مالک ہو جائے گا بِالْأَخْذِ زمین کو لے لینے سے بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ کس کے ساتھ؟ قاضی کے فیصلے کے ساتھ۔ وہ مالک بن جائے گا زمین کا جب وہ اس کو لے لے گا کس کے ساتھ؟ قاضی کے فیصلے کے ساتھ۔ اس سے تو پتا لگ رہا ہے قاضی کے فیصلے کے بعد جا کر جب وہ زمین لے گا تب مالک بنے گا، اور یہ معنیٰ صحیح ہے یا غلط ہے؟ یہ غلط ہے بھئی، بات سمجھ میں آ گئی؟ تو معلوم ہوا اس بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ کا عطف کس پر کرو؟ بِالْأَخْذِ پر۔ اب بِالْأَخْذِ بِالتَّرَاضِيْ اس سارے کو ہٹا دو اور اس کی جگہ رکھ دو بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ۔ وَيَمْلِكُ بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ اور وہ مالک بن جائے گا قاضی کے فیصلے سے، دیکھا اب لینے

کے اور قبضے کی بھی شرط نہیں ہے۔

بِقَدْرِ رُؤُوْسِ الشُّفَعَاءِ لَا الْمِلْكِ۔ بھئی یہاں سے عبارت سمجھنے کے لیے پہلے شفیع کی قسمیں سمجھ لیں۔ یاد رکھیے شفیع تین قسم کے آدمی ہیں یا یوں کہیں شفیع کی تین قسمیں ہیں۔ تین قسمیں: ایک وہ جو شریک ہوتا ہے فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ، ایک وہ جو شریک ہوتا ہے فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ، اور ایک ہے جَارِ مُلَاصِق۔ شفیع کی کتنی قسمیں؟ تین۔ ایک ہے شَرِيْكٌ فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ، ایک ہے شَرِيْكٌ فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ، اور ایک ہے جَارِ مُلَاصِق۔ زبان سے دہراؤ بھئی، کتنی قسمیں؟ تین۔ پہلی قسم کیا؟ شَرِيْكٌ فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ۔ دوسری قسم؟ شَرِيْكٌ فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ۔ تیسری قسم؟ جَارِ مُلَاصِق۔ میم لام الف صاد اور قاف دو نقطوں والا، جَارِ مُلَاصِق۔ اب سمجھ لیں۔

آپ نے اور زید نے دس دس لاکھ روپے ملائے اور ایک زمین خرید لی بیس لاکھ روپے میں۔ ایک پلاٹ یا ایک گھر خرید لیا کتنے میں؟ بیس لاکھ۔ آپ کے کتنے پیسے؟ دس لاکھ۔ زید کے بھی کتنے پیسے؟ دس لاکھ۔ اب جب وہ زمین خرید لی تو وہ صرف آپ کی ہے یا صرف زید کی ہے یا دونوں کی مشترکہ ہے؟ دونوں کی مشترکہ ہے ظاہر سی بات ہے، اور ابھی آپ نے تقسیم نہیں کی۔ تقسیم کر دی پھر تو آپ کا حصہ الگ الگ ہو گیا، جب تک آپ نے تقسیم نہیں کی تو اس زمین کے ہر ہر جز میں آپ دونوں شریک ہیں۔ زمین کا کوئی ایک فٹ کا ٹکڑا بھی کہیں پر پکڑیں اس میں آپ کا بھی حصہ آدھا اور آدھا کس کا؟ زید کا حصہ۔ زمین کا کوئی ایک گز کا ٹکڑا کسی جگہ بھی پکڑیں اس میں آدھا گز آپ کا حصہ ہے تو آدھا زید کا، یعنی یوں کہیں آپ بھی اس میں شریک زید بھی اس میں شریک۔ زمین کا کوئی حصہ دیکھ لیں ہر ہر جز میں آپ دونوں شریک ہیں۔ اب زید نے کیا کیا؟ اپنا حصہ فروخت کر دیا، اپنا حصہ، وہ پوری زمین میں آپ کے ساتھ شریک ہے اور آدھا حصہ اس کا ہے، تو وہ اپنا حصہ کسی کے ہاتھ بارہ لاکھ میں فروخت کر دیتا ہے۔ تو شریعت نے آپ کو حق دیا ہے کہ آپ مشتری کو بارہ لاکھ ادا کریں اور وہ جو زید کا نصف حصہ جو اس نے بیچا تھا وہ آپ اس سے لے لیں۔ آپ شفیع ہیں، آپ شفعہ کر رہے ہیں، لیکن کیوں شفعہ کر رہے ہیں؟ کیا آپ زید کے پڑوسی تھے یا آپ بیعہ جو اس نے بیچا اس کی ذات میں شریک تھے اس کے ساتھ؟ جی؟ اس کی ذات میں آپ اس کے ساتھ شریک تھے، دیکھو ابھی میں نے بتایا: اس نے جو اپنا حصہ بیچا ہے اس کا حصہ کوئی علیحدہ تھا یا آپ کے ساتھ ملا ہوا تھا؟ ملا ہوا ہے۔ آپ نے ابھی تک زمین کے دو ٹکڑے نہیں کیے، جب دو ٹکڑے ہی نہیں کیے تو زید ہر ہر جز میں آپ کے ساتھ شریک۔ تو زید نے جو اپنا حصہ بیچا وہ کوئی علیحدہ آدھا حصہ بیچا یا اسی جو آپ کے ساتھ پوری زمین میں مکس حصہ ہے اسی کو بیچا؟ پوری زمین کے اندر جو اس کا حصہ پھیلا ہوا ہے، مکس ہے، اس کو بیچا۔ تو گویا اس نے جو بیعہ، جو بیعہ ہے، بیعہ کیا ہے؟ وہ ساری زمین۔ اس میں سے کتنا حصہ بیچا؟ آدھا حصہ بیچا، لیکن کیا وہ آدھا علیحدہ ہے یا پوری طرح پھیلا ہوا ہے پوری زمین میں؟ پوری زمین کے اندر پھیلا ہوا ہے۔ جب پوری زمین کے اندر پھیلا ہے تو آپ نفسِ بیعہ میں شریک ہیں، کس میں؟ نفسِ بیعہ میں۔ بیعہ کیا ہے؟ زمین ہے نا، اور زید نے اپنا حصہ کوئی علیحدہ کر کے تو نہیں بیچا، اسی زمین میں آپ کا حصہ بھی

پھیلا ہوا ہے کہ نہیں؟ زید کا حصہ بھی اس میں پھیلا ہوا ہے، آپ کا حصہ بھی ہر ہر حصے میں پھیلا ہوا ہے، تو آپ نفسِ بیعہ میں شریک ہیں۔ جو چیز اس نے بیچی ہے اس میں آپ کی بھی شرکت ہے۔ تو جب آنے والا آئے گا اس کی بھی ہر ہر جزء میں شرکت ہو جائے گی، آدھا اب پہلے آدھا زید کا تھا اب زید نکل گیا اب آدھا دوسرے کا ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو اب آپ کو شریعت نے شفعے کا حق دیا ہے، اور یہ شفعے کا حق آپ کو کس لیے ملا؟ کیونکہ آپ شریک ہیں نفسِ بیعہ میں۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ آپ کیا ہیں؟ شریک ہیں نفسِ بیعہ کے اندر۔ جو چیز اس نے بیچی ہے اس کی ذات میں ہی آپ اس کے ساتھ شریک ہیں بھئی، اس کے ہر ہر جزء میں آپ کا حصہ پھیلا ہوا ہے جیسے اس کا حصہ پھیلا ہوا تھا بھئی۔ تو آپ کو شریعت نے شفعے کا حق دیا ہے۔ اب جو نیا آدمی آئے گا وہ آپ کا شریک بن جائے گا، شریک بن جائے گا اور پتا نہیں وہ کیسا آدمی ہے، وہ آپ کو اگر بداخلاق ہوا، تنگ کرنے والا ہوا تو آپ تو مصیبت میں پڑ جائیں گے بھئی کہ یہ چیز میں تو میرے تو سارا پیسہ برباد ہو گیا بھئی، اب وہ تو ہر قدم پہ مجھے تنگ کرتا ہے۔ تو لہٰذا آپ شفعہ کر سکتے ہیں۔ تو یہ جو شفیع تھا یہ شریک تھا فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ۔

دوسری صورت ہے کہ نفسِ بیعہ میں تو شریک نہیں لیکن حقِ بیعہ میں شریک ہے، کس میں؟ حقِ بیعہ میں۔ اس کی صورت یہ ہے: مثلاً ایک گلی ہے اور وہ گلی آگے سے بند ہے، آگے سے بند ہے۔ اسی گلی میں آپ کا بھی مکان ہے زید کا بھی مکان ہے، آمنے سامنے ایک دوسرے کے، دیواریں بھی ایک دوسرے کو نہیں لگ رہیں، لیکن یہ گلی آگے سے بند ہے۔ یاد رکھو گلی کھلی ہوئی ہو پھر تو ہر آدمی گزر سکتا ہے ادھر سے، سب سب کا حق ہے وہ سب ادھر سے گزر سکتے ہیں، کھلا راستہ ہے۔ لیکن جب گلی آگے سے بند ہے پھر ہر ایک تو یہاں سے نہیں گزرے گا، یہاں تو اب صرف وہی لوگ آئیں گے جن کے یہاں گھر ہیں۔ اب زید اپنا مکان بیچتا ہے تو آپ کو شریعت نے حق دیا ہے کہ آپ کیا کر سکتے ہیں اس کے گھر پر شفعہ کر سکتے ہیں، بلکہ اس گلی کا ہر فرد شفعہ کر سکتا ہے۔ اور آپ مجھے بتائیے یہ جو آپ لوگ شفعہ اس مکان پر شفعہ کریں گے تو آپ نفسِ بیعہ میں شریک ہیں؟ کیا اس مکان میں آپ کا بھی حصہ ہے؟ نہیں۔ اچھا کیا آپ اس کے ساتھ پڑوسی ہیں، آپ کی دیوار یا زمین اس کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، ملی ہوئی ہے؟ نہیں، آپ کا مکان تو اس کے سامنے وہ ہے، دیواریں ہی الگ الگ ہیں بالکل، درمیان میں گلی ہے۔ لیکن آپ شریک ہیں اس کے ساتھ حقِ بیعہ میں، کس میں؟ حقِ بیعہ میں۔ بیعہ کا حق، حق بیعہ بھئی وہ چیز کہ اس کے بغیر بیعہ سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکے پوری طرح، یا بالکل اٹھایا ہی نہ جا سکے یا پورا فائدہ نہ اٹھایا جا سکے۔ آپ مجھے بتائیں اگر یہ گلی نہ ہوتی، راستہ نہ ہوتا کوئی زید کا مکان خریدتا؟ نہیں۔ یاد رکھو زمین جتنی زبردست جگہ بھی ہو جب تک راستہ نہیں ہو گا کوئی بھی اس کو نہیں خریدے گا بھئی۔ آپ آئیں گے جائیں گے کیسے بھئی اس زمین پر اگر راستہ ہی نہیں ہے، اس زمین سے فائدہ کیسے اٹھائیں گے؟ تو لوگ جب بھی کوئی جگہ خریدتے ہیں پہلے اس کی راستے کا پوچھتے ہیں راستہ کون سا جاتا ہے، راستہ ہے؟ اچھا ہے؟ ٹھیک ہے؟ سب چیزوں کو دیکھتے ہیں بھئی۔ تو زمین جتنی بھی اعلیٰ ہو راستہ نہ ہو تو کوئی بھی نہیں خریدے گا بھئی۔ تو زمین سے فائدہ کب اٹھائیں گے جب اس کے لیے کیا ہو؟ راستہ۔ یا اسی طرح کھیت ہے،

کھیت سے کامل اور پورا فائدہ کب ہو گا جب اس کے لیے پانی بھی ہو، پانی کا انتظام بھی ہو۔ اب ایک آپ کی اور زید کی زمین ہے، ایک ہی چھوٹی نہر آتی ہے اس سے آپ اپنی زمین کو بھی سیراب، آپ بھی اپنی زمین کو سیراب کرتے ہیں اور زید بھی سیراب کرتا ہے اور بکر بھی کرتا ہے۔ اب آپ کی زمین ہے، آپ کے ساتھ بکر کی زمین ہے، بکر کے ساتھ کس کی زمین ہے؟ زید کی زمین۔ اور ایک ہی چھوٹی سی نہر آ کر تینوں زمینوں کو سیراب کر رہی ہے۔ اب زید اپنی زمین بیچتا ہے، اپنا کھیت بیچتا ہے۔ آپ اور زید کی زمین ملی ہوئی ہے؟ جی؟ نہیں۔ کیوں؟ درمیان میں کس کی زمین ہے؟ بکر کی زمین۔ لیکن حقِ بیعہ میں آپ زید کے ساتھ شریک ہیں: ایک ہی پانی کی چھوٹی نہر وہ دونوں تینوں زمینوں کو سیراب کر رہی ہے۔ اور پانی نہیں ہو گا تو زمین سے کامل اور پورا فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا، فصلیں اچھی نہیں ہوں گی۔ تو اب زید اپنی زمین بیچتا ہے تو شریعت نے آپ کو حق دیا ہے آپ شفعہ کر کے زید کی زمین لے سکتے ہیں، کیونکہ اگر کوئی نیا آدمی آیا وہ پھر اس پانی کے مسئلے میں آپ کو اگر اچھے اخلاق والا نہ ہوا آپ کو بہت تکلیف میں مبتلا کر دے گا، تنگ کرے گا، کبھی کہے گا میری باری ہے، تم نے زیادہ پانی لگایا، تم نے تھوڑا، کبھی ایک مسئلہ کبھی دوسرا مسئلہ کبھی کچھ کبھی کچھ۔ تو لہٰذا شریعت نے آپ کو حق دیا ہے کہ آپ اس زمین کو شفعے کے ذریعے لے سکتے ہیں بھئی۔ اب مجھے بتائیے آپ نفسِ زمین میں، نفسِ بیعہ میں شریک تھے یا حقِ بیعہ میں شریک تھے؟ حقِ بیعہ میں شریک تھے۔

اور تیسرا شخص جو شفعہ کر سکتا ہے وہ ہے جار، جار، پڑوسی، پڑوسی۔ لیکن اس کے ساتھ مُلَاصِق کی قید لگائی۔ مُلَاصِق میم لام الف صاد اور قاف دو نقطوں والا، مُلَاصِق کا معنیٰ جڑا ہوا، ملا ہوا۔ ایک گلی ہے، ایک محلہ ہے، سب ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں، لیکن جارِ مُلَاصِق وہ آپ کے وہی ہوں گے دائیں، بائیں اور پیچھے کی جانب جن کی زمین اور دیواریں آپ کے ساتھ ملی ہوئی ہیں، وہ کیا ہیں؟ جارِ مُلَاصِق، جن کی زمین جن کی دیوار جن کے مکان آپ کے ساتھ جڑا ہوا ہے، ملا ہوا ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ جارِ مُلَاصِق۔ اس جارِ مُلَاصِق کو بھی شریعت نے حق دیا ہے کہ وہ کیا کر سکتا ہے؟ شفعہ کر سکتا ہے۔ چاہے راستے الگ الگ ہوں، چاہے پانی کی نہریں الگ الگ ہوں، لیکن حدود ملی ہوئی ہیں زمین کی آپس میں۔ تو یہ شخص جار ہے، جارِ مُلَاصِق ہے، اور اس کو شریعت نے شفعے کا حق دیا ہے۔ مثلاً آپ کے مکان کا دروازہ اس ایک گلی میں ہے، اس ایک گلی میں، اور آپ کے مکان کے پیچھے ایک اور مکان ہے اس کا دروازہ دوسری کسی گلی میں ہے، اور وہ اپنا مکان بیچتا ہے، تو اس کی دیوار آپ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے کہ نہیں جڑی ہوئی؟ جڑی ہوئی ہے۔ تو شریعت نے آپ کو حق دیا ہے آپ شفعہ کر سکتے ہیں۔ اور مجھے بتائیے آپ اس کے ساتھ نفسِ بیعہ میں شریک ہیں؟ کیا اس مکان میں آپ کا کوئی حصہ ہے؟ نہیں۔ اچھا کیا آپ حقِ بیعہ میں شریک ہیں؟ کوئی راستہ ایک ہے؟ نہیں، راستہ بھی ایک نہیں۔ پھر آپ شفعہ کر سکتے ہیں کس وجہ سے؟ کیونکہ آپ کیا ہیں؟ جارِ مُلَاصِق ہیں، یعنی آپ کی زمین کی حد اس کی زمین کی حد کے ساتھ ملی ہوئی ہے، جڑی ہوئی ہے۔ اور وہ اچھا آدمی آیا پھر تو ٹھیک ہے، اگر کوئی بداخلاق آدمی آ گیا اور پھر تو وہ آپ کی زندگی عذاب بنا دے گا، تو

شریعت نے آپ کو حق دیا ہے۔ تو شریعت نے شفعے کا حق کس لیے دیا ہے؟ ضررِ جوار اور ضررِ شرکت سے بچنے کے لیے۔ جوار یعنی پڑوس یا ہمسائے کے ضرر سے بچنے کے لیے یا اسی طرح شرکت کے ضرر سے بچنے کے لیے بھئی۔

اب یہاں عبارت کتاب میں ذکر ہو رہی تھی بِقَدْرِ رُؤُوْسِ الشُّفَعَاءِ لَا الْمِلْكِ۔ اس کا تعلق جو ہے، اس کا تعلق انہوں نے لکھا يَمْلِكُ سے ہے، وَيَمْلِكُ بِقَدْرِ رُؤُوْسِ الشُّفَعَاءِ یا يُمْلَكُ، يُمْلَكُ پڑھیں اس صورت میں، يُمْلَكُ بِقَدْرِ رُؤُوْسِ الشُّفَعَاءِ لَا الْمِلْكِ اور وہ زمین جو ہے وہ مملوک ہو گی بِقَدْرِ رُؤُوْسِ الشُّفَعَاءِ۔ شفعاء کس کی جمع؟ شفیع کی۔ رؤوس، رَأْسٌ کی جمع، رَأْسٌ۔ رؤوس میں بھئی یہ دو واؤ ہونے چاہئیں بھئی اور پہلے واؤ پر ہمزہ، یہ ہمزہ ہے واؤ کی صورت میں لکھا گیا ہے۔ رؤوس، رؤوس جمع ہے رأس کی، رأس سر کو کہتے ہیں، کس کو کہتے ہیں؟ سر کو۔ اور مراد افراد ہے، افراد، عربی زبان میں فرد کے لیے رأس کا لفظ عام استعمال ہوتا ہے۔ سمجھ میں آگئی بات؟ یعنی جزبول کر کل مراد ہے۔ سر تو جسم کا ایک حصہ ہے نا، لیکن صرف سر نہیں مراد ہوتا پوری اس کی ذات مراد ہوتی ہے، فرد مراد ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں بِقَدْرِ رُؤُوْسِ الشُّفَعَاءِ کہ وہ عقار مملوک، يُمْلَكُ پڑھیں اس کو اس صورت میں، وَيُمْلَكُ اور وہ زمین مملوک ہو گی بِقَدْرِ رُؤُوْسِ الشُّفَعَاءِ شفعاء کے افراد کے بقدر، شفعاء کے افراد کی تعداد کے مطابق، لَا الْمِلْكِ ملکیت کے مطابق نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ، بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ جس کی ملکیت زیادہ ہو گی تو شفعے میں اس کو زمین بھی زیادہ ملے گی، اور جس کی ملکیت کم ہو گی شفعے میں اس کو زمین بھی کم ملے گی۔ ہم کہتے ہیں نہیں، ملکیت کو نہیں دیکھنا افراد کو دیکھنا ہے۔ دیکھو صورتِ مسئلہ میں سمجھاتا ہوں، صورت بنا لیتے ہیں پھر آپ کو اچھی طرح بات سمجھ میں آجائے گی۔ آپ نے، زید نے اور عمرو نے تینوں نے مل کر ایک زمین خریدی۔ ساٹھ لاکھ کی زمین تھی چھ کنال، کتنی؟ چھ کنال۔ آپ نے تیس لاکھ ملائے، زید نے بیس لاکھ ملائے اور عمرو نے دس لاکھ ملائے۔ کل چھ کنال ہے، ساٹھ لاکھ میں خریدی، تو ایک کنال کتنے کا بنا؟ دس لاکھ۔ چھ کنال زمین ہے اور ساٹھ لاکھ کی خریدی گئی ہے تو ایک کنال کتنے کا بنا؟ دس لاکھ۔ عمرو کے دس لاکھ ہیں، معلوم ہوا اس چھ کنال میں اس کا حصہ کتنا ہے؟ ایک کنال۔ زید نے بیس لاکھ ملائے تھے، معلوم ہوا اس چھ کنال میں زید کا کتنا حصہ؟ دو کنال۔ اور آپ نے تیس لاکھ ملائے تھے، معلوم ہوا آپ کا کتنا حصہ؟ تین کنال ہے، تین کنال ہے۔ یعنی یوں کہو چھ کنال میں سے عمرو کا کتنا؟ ایک کنال یعنی چھٹا حصہ، کتنا؟ چھٹا، اور زید کے دو کنال یعنی تیسرا حصہ، اور آپ کے تین کنال یعنی نصف حصہ۔ توجہ ہے؟ آپ کا کتنا حصہ اس زمین میں؟ نصف، اور زید کا کتنا؟ تیسرا حصہ، اور عمرو کا کتنا؟ چھٹا حصہ۔ اب آپ یوں کرتے ہیں اپنا حصہ بیچتے ہیں، آپ نے اپنا حصہ بیچ دیا اور زید اور عمرو دونوں نے شفعہ کر دیا۔ اب شفعہ کر دیا اور پھر سارا کچھ ہونے کے بعد قاضی نے ان کے حق میں فیصلہ کر دیا، تو کس کو کتنی زمین ملے گی؟ آپ نے جو حصہ بیچا وہ نصف ہے نصف بھئی، یعنی یوں کہیں تین کنال ہے، تو اگر ملکیت کو دیکھیں تو عمرو کو کتنا ملنا چاہیے؟ ایک ملنا چاہیے، اور زید کو کتنے ملنے چاہئیں؟ دو کنال ملنے چاہئیں، کیونکہ عمرو کی ملکیت کم ہے اور زید کی ملکیت زیادہ ہے۔ اور اگر افراد کو دیکھیں،

ہم کہتے ہیں صرف افراد کو دیکھا جائے گا ملکیتوں کو نہیں، افراد دو ہیں تو جو زمین ہے اس کے بھی دو حصے کر دو، تو اس صورت میں پھر کتنا ملے گا؟ ڈیڑھ ڈیڑھ کنال مل جائے گا۔ آپ نے تین کنال بیچے ہیں نا؟ اور شفعہ کرنے والے کتنے افراد؟ دو افراد، تو دونوں کو اس کے مطابق حصے کر دو، تین کنال کے دو حصے کرو کتنا بنے گا؟ ڈیڑھ ڈیڑھ، تو ڈیڑھ کنال مزید مل گئے عمرو کو، ایک کنال پہلے تھا ڈیڑھ اور مل گیا کتنا حصہ ہو گیا؟ ڈھائی کنال۔ اور زید کے کتنے تھے؟ دو کنال، اس کو ڈیڑھ مزید مل گیا کتنا ہو گیا؟ ساڑھے تین۔ اب زمین میں ساڑھے تین کنال حصہ ہو جائے گا زید کا اور ڈھائی کنال کس کا ہو جائے گا؟ عمرو کا۔ یہ کس کے نزدیک ہے؟ ہمارے نزدیک، احناف کے نزدیک۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں افراد کو نہیں دیکھیں گے کس کو دیکھیں گے؟ ملکیت کو دیکھیں گے، جس کی ملکیت زیادہ اس کو حصہ بھی زیادہ ملے گا، جس کی ملکیت کم اس کو حصہ بھی کم ملے گا۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ تو ماتن فرماتے ہیں کہ بِقَدْرِ رُؤُوْسِ الشُّفَعَاءِ لَا الْمِلْكِ أَيْ يُمْلَكُ اور وہ زمین کیا ہو گی؟ مملوک ہو گی بِقَدْرِ رُؤُوْسِ الشُّفَعَاءِ لَا الْمِلْكِ شفعہ کرنے والے افراد کی تعداد کے بقدر، لَا الْمِلْكِ نہ کہ ان کی ملکیت کے بقدر۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟[۳]

أَيْ إِنَّمَا تُمْلَكُ الْعَقَارُ، دیکھا شرح سے بھی پتا چل رہا ہے بھئی کہ يَمْلِكُ نہیں پڑھنا، معلوم ہوا يَمْلِكُ میں لام کے نیچے جو زیر لگی ہے یہ درست نہیں ہے بھئی اس کو کیا پڑھو؟ وَيُمْلَكُ بِالْأَخْذِ، متن میں جو آیا تھا۔ اور آگے شرح میں بھی، جب بِقَدْرِ رُؤُوْسِ الشُّفَعَاءِ کو جوڑنا ہے تو اس صورت میں بھی يُمْلَكُ ہونا چاہیے، اور آگے شرح میں خود شارح بھی بتلا رہے ہیں أَيْ إِنَّمَا تُمْلَكُ الْعَقَارُ، دیکھا مجہول کا صیغہ پڑھ رہے ہیں اور ضمیر جو پہلے ضمیر تھی مرجع بھی بتلا دیا کہ وہ ضمیر هُوَ کس کو راجع ہے؟ عقار کو راجع ہے، اسی لیے کہا أَيْ إِنَّمَا تُمْلَكُ الْعَقَارُ۔ اور تُمْلَكُ بھی نہیں ہونا چاہیے، يُمْلَكُ الْعَقَارُ ہونا چاہیے بھئی، إِنَّمَا يُمْلَكُ الْعَقَارُ۔ دیکھا اب نائب الفاعل پہلے يُمْلَكُ میں ضمیر تھی نا، کس کو راجع تھی؟ عقار کو۔ اب شارح نے وہ عقار خود ساتھ لگا کر بتلا دیا کہ وہ ضمیر عقار کو راجع تھی، لفظ ہی ساتھ جوڑ دیا۔

تو أَيْ إِنَّمَا يُمْلَكُ الْعَقَارُ إِذَا أَخَذَهُ الشَّفِيْعُ کہ وہ عقار جو ہے مملوک ہو جائے گی إِذَا أَخَذَهُ الشَّفِيْعُ جب اس کو شفیع لے لے بِرِضَاهُ وَبِرِضَا الْمُشْتَرِيْ کہ وہ غیر منقولی جائیداد وہ مملوک ہو جائے گی إِذَا أَخَذَهُ الشَّفِيْعُ جب شفیع کیا کرے اس کو لے لے۔ یہ اوپر والی متن کا اب ترجمہ بیان کرنے لگے ہیں نا اوپر پورا جو متن ہوا، ذکر ہوا اس سارے کا۔ کہتے ہیں إِنَّمَا يُمْلَكُ الْعَقَارُ کہ زمین جو ہے وہ غیر منقولی جائیداد وہ مملوک ہو جائے گی إِذَا أَخَذَهُ الشَّفِيْعُ جب شفیع اس کو لے لے، اس پر قبضہ کر لے بِرِضَاهُ۔ یہ رِضَاهُ ضمیر ایک صورت میں بائع کو راجع کریں، کہ جب شفیع اس کو لے لے بائع کی رضا، بِرِضَاهُ اس کی رضامندی سے، کس کی؟ بائع کی۔ وَبِرِضَا الْمُشْتَرِيْ اور مشتری کی رضامندی سے۔ یہ کون سی صورت ہے اب آپ بتائیں،

---

[۳] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۵۴):** صوتی درس کی قراءت میں «بِقَدْرِ رُؤُوْسِ الشُّفَعَاءِ لَا الْمِلْكِ أَيْ يُمْلَكُ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «بقدرِ رؤوسِ الشُّفعاءِ لا الملك)أي إنّما يملكُ» منقول ہے۔

آپ شفعہ کے ماہر ہو چکے۔ جی؟ وہ صورت کہ جب بائع کے پاس ہی قبضہ ہے ابھی۔ ہاں شاباش، جب بائع کا قبضہ ہو تب اب قبضہ لینے کے لیے تو بائع کی رضامندی ضروری ہے یا نہیں؟ جی، ہاں، اس لیے کہا بِرِضَاهُ بائع کی رضامندی، اور مشتری کی رضامندی کیوں ضروری؟ نہیں نہیں، بائع کی رضامندی دیکھو قبضہ کیوں ضروری؟ کیونکہ ابھی قبضہ کس کا ہے؟ بائع کا ہے، بائع کا ہے۔ تو پھر مشتری کی رضامندی کیوں ضروری؟ کیونکہ مشتری مالک ہو چکا ہے، مالک تو بیع ہوتے ہی کون بن گیا تھا؟ مشتری، تو مالک کی بھی تو رضامندی چاہیے، قبضے والے کی بھی رضامندی اور مالک کی بھی۔ اسی لیے کہا إِذَا أَخَذَهُ الشَّفِيْعُ جب شفیع اس کو لے لے گا بائع کی رضامندی اور مشتری کی رضامندی سے۔ بِرِضَاهُ را کے نیچے زیر پڑھنی ہے۔

یا یہ هَا ضمیر راجع کریں شفیع کو، جب أَخَذَهُ الشَّفِيْعُ جب شفیع اس کو لے لے گا بِرِضَاهُ وَبِرِضَا الْمُشْتَرِيْ اپنی اور مشتری کی رضامندی سے۔ کس سے لے لے گا؟ مشتری سے لے لے گا۔ اپنی، اپنی تو رضامندی ہے ہی جب لے رہا ہے، ساتھ کس کی رضامندی آگئی؟ مشتری کی بھی۔ تو اپنی اور مشتری کی رضامندی سے، یہ جو متن میں آیا نا بِالتَّرَاضِيْ، باہمی رضامندی، دونوں کی رضامندی ہونی چاہیے۔ کس کون دونوں؟ لینے والا اور وہ زمین دینے والا۔ تو لینے والا کون؟ شفیع، اور دینے والا کون؟ مشتری۔ تو ان دونوں کی یہ ہے بِالتَّرَاضِيْ باہمی رضامندی۔ تو باہمی رضامندی اسی لیے کہا بِرِضَاهُ، کن دونوں کی باہمی رضامندی؟ بتلا دیا بِرِضَاهُ شفیع کی رضامندی اور مشتری کی۔ یہ معنیٰ إِذَا أَخَذَهُ الشَّفِيْعُ بِرِضَاهُ جب شفیع اس کو لے لے گا بِرِضَاهُ اپنی رضامندی وَبِرِضَا الْمُشْتَرِيْ اور مشتری کی رضامندی سے۔

وَقَوْلُهُ اور مصنف کا قول متن میں آیا وَبِقَضَاءِ الْقَاضِيْ، کہتے ہیں عَطْفٌ عَلَى الْأَخْذِ اس کا عطف کس پر ہے؟ أَخْذ پر۔ بھئی اوپر متن پر نظر رکھیں وَيُمْلَكُ بِالْأَخْذِ اور آگے ہے بِالتَّرَاضِيْ۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں یہ بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ کا عطف کس پر ہے؟ بِالْأَخْذِ پر ہے، بِالتَّرَاضِيْ پر نہیں، یہی بتلا رہے ہیں۔ کہتے ہیں وَقَوْلُهُ بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ عَطْفٌ عَلَى الْأَخْذِ لَا عَلَى التَّرَاضِيْ یہ أَخْذ پر عطف ہے تَرَاضِيْ پر عطف نہیں، لِأَنَّ الْقَاضِيَ إِذَا حَكَمَ اس لیے کیونکہ قاضی جب فیصلہ کر دیتا ہے يَثْبُتُ الْمِلْكُ لِلشَّفِيْعِ تو ملکیت ثابت ہو جاتی ہے شفیع کے لیے قَبْلَ أَخْذِهِ اس کو لینے سے پہلے ہی۔ قاضی نے جب فیصلہ کر دیا اب آپ کا جا کر زمین پر قبضہ کرنا ضروری ہے؟ نہیں، فیصلہ کرتے ہی آپ کیا بن گئے؟ مالک۔ یہ معنیٰ ہے لِأَنَّ الْقَاضِيَ إِذَا حَكَمَ اس لیے کیونکہ جب قاضی نے جب فیصلہ کر دیا تو يَثْبُتُ الْمِلْكُ لِلشَّفِيْعِ تو شفیع کے لیے اس زمین کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے قَبْلَ أَخْذِهِ اس کے لینے سے پہلے ہی، قبضہ کرنے سے پہلے ہی۔[۴]

لِلْخَلِيْطِ فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ۔ جی اب وہ قسمیں بیان کرنے لگے ہیں کہ شفعے کا حق کس کس کو ہے؟ میں نے کیا بتایا؟ ایک کون ہے؟ شریک فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ، پھر دوسرا کیا ہے؟ شریک فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ، اور تیسرا کیا ہے؟ جارِ مُلَاصِق۔ اور اس میں یاد

[۴] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۵۴):** صوتی درس کی قراءت میں «وَقَوْلُهُ بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ عَطْفٌ عَلَى الْأَخْذِ لَا عَلَى التَّرَاضِيْ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وقوله: أو بقضاءِ القاضي؛ عطفٌ على الأخذِ لا على التَّراضي؛» منقول ہے۔

رکھیں ترتیب بھی یہی ہے۔ اول حق کس کا ہے؟ شریک فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ، پہلے وہ شفعہ کرے گا۔ جب وہ موجود ہے، وہ شفعہ کر رہا ہے تو باقیوں کے شفعوں کا کوئی اعتبار نہیں، باقی شفعہ نہیں کر سکتے۔ اگر شریک فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ اپنا شفعہ چھوڑ دیتا ہے کہ میں نہیں شفعہ کرتا، تو پھر دوسرا حق ہے، دوسرے نمبر پر وہ شریک فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ ہے۔ اور جب وہ شفعہ کرنے والا ہے تو جارِ مُلَاصِق کو شفعے کا حق نہیں ہے۔ اور اگر شریک فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ بھی شفعہ چھوڑ دیتا ہے تو پھر تیسرا حق کس کا ہے؟ جارِ مُلَاصِق کا ہے۔ ترتیب سمجھ میں آگئی؟ اب وہی بیان کرنے لگے ہیں۔

کہتے ہیں لِلْخَلِيْطِ اس کا تعلق ہے تَجِبُ سے، وہ پیچھے آیا تھا نا وَتَجِبُ بَعْدَ الْبَيْعِ، شفعہ کیا ہے؟ ثابت ہو جاتا ہے بیع کے بعد۔ کس کے لیے ثابت ہوتا ہے؟ کہتے ہیں لِلْخَلِيْطِ فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ وہ جو شریک ہے نفسِ بیعہ میں۔ خَلِيْط اور شریک کا ایک ہی معنیٰ ہے، چاہے آپ خلیط بول دیں چاہے شریک بول دیں۔ تو شفعہ ثابت ہو جاتا ہے خلیط کے لیے، اس شخص کے لیے جو خلیط ہے، شریک ہے فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ نفسِ بیعہ میں۔ ثُمَّ لَهُ، یہ لَهُ کی هَا ضمیر خلیط کو راجع، پھر وہ جو خلیط ہے، شریک ہے فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ کس میں؟ حقِ بیعہ میں۔ تو اول کس کے لیے شفعہ ثابت؟ خلیط فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ، پھر خلیط فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ۔

أَيْ ثُمَّ لِلشَّرِيْكِ فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ، دیکھا اس عبارت کے ذریعے کیا بتلانا چاہتے ہیں شارح بھئی؟ ہاں دیکھو عبارت پر نظر رکھو متن میں آیا تھا ثُمَّ لَهُ فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ، شارح کیا بتلا رہے ہیں أَيْ ثُمَّ لِلشَّرِيْكِ فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ، کس کس چیز کو بدلا؟ ضمیر کا مرجع بتلایا، لَهُ کی جگہ کیا لے آئے؟ شَرِيْك، معلوم ہوا یہ لَهُ کی ضمیر کس کو راجع؟ شریک۔ بھئی شریک تو پیچھے کہیں گزرا ہی نہیں؟ ہاں وہ خلیط میں نے ابھی بتایا خلیط کا وہی معنیٰ جو شریک کا ہے بھئی، تو یہ خلیط کو راجع ہے۔

كَالشِّرْبِ وَالطَّرِيْقِ الْخَاصَّتَيْنِ۔ شِرْب کہتے ہیں پانی کا حصہ، پانی کی باری، وَالطَّرِيْق، طریق کہتے ہیں راستے کو۔ كَالشِّرْبِ وَالطَّرِيْقِ جیسے کہ پانی کا حصہ اور راستہ الْخَاصَّتَيْنِ جو خاص ہوں۔ خاصَّتین دونوں کی صفت ہے شِرْب کی بھی اور طَرِيْق کی بھی۔ پانی کے حصہ بھی کیا ہونا چاہیے؟ خاص۔ کیا معنیٰ؟ ایک چھوٹی نہر آ رہی ہے اسی سے دو تین زمینیں سیراب ہو رہی ہیں۔ ایک عام نہر ہے، بڑی نہر جس سے ہر ایک اپنی زمین کو سیراب کرتا ہے، تو اس میں شرکت سے شریک فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ نہیں بنیں گے بھئی۔ اس پہ تو بیسیوں لوگ کی زمینیں کیا ہو رہی ہیں؟ سیراب ہو رہی ہیں، تو وہاں یہ حق آپ کو حاصل نہیں کہ آپ سے آپ کی زمین یہاں پر ہے، بڑی نہر کے پاس ہے، بڑی نہر سے سیراب ہوتی ہے اور اسی بڑی نہر سے ایک کلومیٹر آگے تک جتنی زمینیں ہیں ساری سیراب ہو رہی ہیں، اب وہاں آخر میں کوئی زمین بکتی ہے آپ شفعہ کرنا چاہتے ہیں، نہیں بھئی۔ یہ شِرْبِ خاص ہے؟ نہیں، یہ پانی کا حصہ خاص نہیں، یہ تو عام ہے سارے اس سے سیراب کر رہے ہیں۔ اس لیے میں نے کیا کہا؟ ایک چھوٹی نہر جس سے کتنی زمینیں سیراب ہوں؟ دو تین زمینیں سیراب ہوں۔ اسی طرح راستہ بھئی، ایک گلی ہے میں نے بتلایا اگر کھلی ہوئی ہے تو لوگ ہر ایک کا حق ہے گزرے اس میں سے، اس میں ایک مکان بکتا ہے، مثلاً آپ

کے سامنے والا ہے، آپ شفعہ کرنا چاہتے ہیں، نہیں بھئی۔ کوئی راستہ خاص ہے؟ راستہ خاص تو تب ہوتا جب گلی آگے سے بند ہوتی۔ اس کا مطلب ہے کہ جب راستہ آگے سے بند ہے پھر تو کوئی بھی اور نہیں گزرے گا، اس لیے تو صرف آپ لوگوں کا حق ہے، تو اس صورت میں راستہ بھی خاص ہونا چاہیے پھر شفعے کا حق ہوگا، اور اسی طرح پانی کا حصہ بھی کیا ہونا چاہیے؟ خاص ہونا چاہیے۔ تو کہتے ہیں كَالشِّرْبِ وَالطَّرِيْقِ الْخَاصَّتَيْنِ، بھئی بتلا رہے ہیں حقِ بیعہ میں شرکت کیسے ہوگی؟ حقِ بیعہ میں شرکت کیسے ہوگی؟ کن کن کی شرکت ہوتی ہے؟ کہتے ہیں كَالشِّرْبِ وَالطَّرِيْقِ الْخَاصَّتَيْنِ جیسے کہ پانی کا حصہ وَالطَّرِيْقِ اور راستہ الْخَاصَّتَيْنِ جو، کہ دونوں خاص ہوں۔

پھر مزید تفصیل بیان کر رہے ہیں وضاحت کر رہے ہیں کہ پانی کا حصہ خاص کیسے ہوگا اور راستہ خاص کیسے ہوگا، کہتے ہیں كَشِرْبِ نَهَرٍ لَا تَجْرِيْ فِيْهِ السُّفُنُ جیسے پانی کا حصہ ایسی نہر کا کہ لَا تَجْرِيْ فِيْهِ السُّفُنُ جس میں کشتیاں نہ چلتی ہوں، جس میں عام طور پر کشتیاں نہ چلتی ہوں۔ اور اگر بڑی ہے نہر، دریا ہے جس میں کشتیاں وغیرہ چلتی ہیں تو پھر اس سے تو سینکڑوں لوگ زمینیں سیراب کرتے ہیں، تو وہ حقِ بیعہ میں شرکت وہاں نہیں آئے گی۔ چھوٹی نہر ہے تو وہاں آئے گی۔ كَشِرْبِ نَهَرٍ لَا تَجْرِيْ فِيْهِ السُّفُنُ، سُفُن جمع ہے سَفِيْنَة کی، سفینہ کشتی کو کہتے ہیں۔ كَشِرْبِ نَهَرٍ جیسے کہ ایسی نہر کے پانی کا حصہ لَا تَجْرِيْ فِيْهِ السُّفُنُ جس میں کشتیاں نہیں چلتیں، وَطَرِيْقٍ اور ایسا راستہ لَا يَنْفُذُ جو نافذ نہ ہو، یعنی جو دونوں طرف سے کھلا ہوا نہ ہو، جو دونوں طرف سے یعنی بند ہو، بند ہو، وہ ہے طریقِ خاصہ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو وہ خاص راستہ ہے۔

ثُمَّ لِجَارٍ پھر شفعے کا حق ہوگا لِجَارٍ ایسے پڑوسی کے لیے مُلَاصِقٍ جو ساتھ جڑا ہوا ہے، ملا ہوا ہے۔ پڑوسی ہو تو پڑوسی کو بھی شفعے کا حق لیکن کون سا پڑوسی؟ جی؟ جارِ مُلَاصِق ہے، جس کی زمین، جس کی دیوار اور زمین آپ کے گھر کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ ثُمَّ لِجَارٍ مُلَاصِقٍ پھر ایسے پڑوسی کے لیے مُلَاصِقٍ جو جڑا ہوا ہے، ملا ہوا ہے، بَابُهُ فِيْ سِكَّةٍ أُخْرٰى اس کا دروازہ دوسرے، دوسری گلی میں ہے۔ اس کا دروازہ بَابُهُ فِيْ سِكَّةٍ أُخْرٰى دوسری گلی میں ہے۔ سِكَّة کہتے ہیں تنگ گلی، تنگ راستے کو۔ تو اس کا دروازہ دوسری گلی میں ہے بے شک، لیکن اس کی دیوار آپ کے ساتھ ملی ہوئی ہے، تو اس کو شریعت نے شفعے کا حق دیا۔

اور یہ بھی یاد رکھو اس کا دروازہ دوسری گلی میں ہونا ضروری نہیں ہے، اس کا دروازہ آپ کی گلی میں ہو تو پھر اس میں دو صورتیں بنتی ہیں: یا تو وہ گلی آگے سے بند ہوگی یا وہ گلی آگے سے کھلی ہوگی۔ آپ کے ساتھ زید کا گھر ہے۔ اگر گلی آگے سے بند ہے، گلی آگے سے بند ہے، اور زید اپنا مکان بیچتا ہے تو آپ کو شریعت نے شفعے کا حق دیا ہے، تو آپ شفعہ کریں گے کس حیثیت سے؟ شاباش، کیونکہ آپ شریک ہیں فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ، بات سمجھ میں آگئی؟ فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ۔ اور اگر وہ گلی آگے سے کھلی ہوا ہے پھر ساری گلی والوں کو حق نہیں، کیونکہ پھر تو یہ عام راستہ ہے سب کے گزرنے کا اس میں حق ہے، تو پھر صرف جن کے گھر زید کے گھر کے دائیں بائیں ہیں یا پیچھے کی طرف جڑے ہوئے ہیں صرف وہ شفعہ کر سکتے ہیں جارِ مُلَاصِق

ہونے کی وجہ سے۔

یہ معنیٰ ہے ثُمَّ لِجَارٍ مُلَاصِقٍ پھر ایسا پڑوسی جو اس کے ساتھ جڑا ہوا ہے ملا ہوا ہے بَابُهُ فِيْ سِكَّةٍ أُخْرٰى اس کا دروازہ دوسری گلی میں ہے۔ یہ خوب تاکہ مسئلے کی وضاحت ہو جائے اس لیے یہ قید ساتھ لگا دی، کیونکہ اگر آگے سے گلی بند ہے اور ساتھ والا گھر ہے اور اس کا دروازہ اسی گلی میں کھل رہا ہے وہ تو کیا بن جائے گا؟ ہاں، شریک فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ بن جائے گا، لہٰذا اس کی بات نہیں ہو رہی وضاحت کر دی کہ اس کا دروازہ ہی بالکل دوسری گلی میں ہے اب تو وہ شریک فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ کسی بھی صورت میں نہیں۔ تو لہٰذا پوری طرح پتا چل گیا کہ جارِ مُلَاصِق کون ہے بھئی، یعنی وہ حقِ بیعہ میں شریک نہیں ہونا چاہیے، اگر حقِ بیعہ میں شریک ہے پھر تو وہ دوسرے نمبر والا بن گیا۔

آگے دیکھیے: كَوَاضِعِ جُذُوْعٍ عَلَى الْحَائِطِ۔ وَاضِع کا معنیٰ رکھنے والا۔ جُذُوْع، جُذُوْع جمع ہے جِذْعٌ کی، اور جِذْعٌ کہتے ہیں درخت کے تنے کو۔ درخت کا جو تنا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ جِذْعٌ، جمع کیا؟ جُذُوْع۔ اور یہاں درخت کے تنے یعنی شہتیر مراد ہیں۔ آج کل تو بھئی لینٹر کے ساتھ چھت ڈالتے ہیں یا لوہے کے وہ گارڈر وغیرہ ڈالے جاتے ہیں چھتوں میں، لیکن قدیم زمانے میں درختوں کے تنے استعمال کیے جاتے تھے شہتیر بھئی۔ ایک بڑا شہتیر ایک کمرے میں لمبائی میں ایک بڑا شہتیر لگایا جاتا اور پھر اس پر چھوٹی چھوٹی لکڑیاں وغیرہ ملائی جاتیں اور خاص طریقہ ہوتا تھا ان کے چھتیں بنانے کا۔ كَوَاضِعِ جُذُوْعٍ عَلَى الْحَائِطِ، حائط کہتے ہیں دیوار کو۔ جیسے کہ شہتیر رکھنے والا دیوار پر، جیسے کہ شہتیر رکھنے والا دیوار پر۔

بھئی دیکھیے مثلاً آپ کے ساتھ زید کا گھر ہے اس نے اپنا مکان تعمیر کرتے ہوئے شہتیر کا ایک کنارہ آپ کی دیوار پر رکھا اور آگے پھر پوری اپنی چھت اس پر کھڑی کر لی، آپ نے اجازت دے دی کہ بالکل آپ رکھیں شہتیر کو میری دیوار پر۔ تو یہ وضاحت کرنے کے لیے صرف ذکر کر رہے ہیں، جارِ مُلَاصِق کی پوری وضاحت کر رہے ہیں یعنی وہ پڑوسی جس نے آپ کی دیوار پر شہتیر رکھے ہوئے ہوں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس نے شہتیر رکھے ہوں گے تو پھر ہی جارِ مُلَاصِق ہو گا، نہیں شہتیر رکھنا ضروری نہیں ہے لیکن وضاحت کر رہے ہیں کہ جارِ مُلَاصِق کہتے کس کو ہیں جس کا گھر بالکل آپ کے ساتھ جڑا ہوا ہے، جب اس نے آپ کی دیوار پر اپنے چھت کے شہتیر رکھا ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ کہ اس کا گھر آپ کے گھر کے ساتھ جڑا ہوا ہے، اگر درمیان میں کوئی اور مکان ہوتا تو وہ شہتیر آپ کی دیوار پہ رکھ سکتا تھا؟ نہیں۔ تو یہ صرف وضاحت کے لیے ہے کہ یعنی بالکل ساتھ جو جڑا ہوا گھر ہے وہ ہے جارِ مُلَاصِق بھئی۔

كَوَاضِعِ جُذُوْعٍ عَلَى الْحَائِطِ جیسے کہ شہتیر رکھنے والا عَلَى الْحَائِطِ دیوار پر۔ إِنَّمَا ذَكَرَ وَاضِعَ الْجُذُوْعِ ماتن نے ذکر کیا وَاضِعَ الْجُذُوْعِ کو، شہتیروں کو رکھنے والے کو ذکر کیا لِيُعْلَمَ تاکہ جان لیا جائے أَنَّهُ جَارٌ وَلَيْسَ بِخَلِيْطٍ کہ وہ پڑوسی ہے وَلَيْسَ بِخَلِيْطٍ خلیط یعنی شریک نہیں ہے۔ وَلَا يُشْتَرَطُ لِلْجَارِ الْمُلَاصِقِ وَضْعُ الْجِذْعِ اور شرط نہیں ہے وَلَا يُشْتَرَطُ اور شرط نہیں ہے لِلْجَارِ الْمُلَاصِقِ وہ پڑوسی جو ساتھ ملا ہوا ہے اس کے لیے شرط نہیں ہے وَضْعُ الْجِذْعِ شہتیر کا رکھنا۔ شہتیر کے رکھنے کی

شرط اس کے لیے نہیں ہے، یہ صرف وضاحت کے لیے میں نے بتلایا، صرف وضاحت کے لیے یہ قیدماتن نے ذکر کی ہے تاکہ طالب علم کو، پڑھنے والے کو اچھی طرح پتا لگ جائے کہ یہ جار کی بات ہو رہی ہے شریک کی بات نہیں ہو رہی۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ جار کے لیے شہتیر رکھنا ضروری ہے دیوار پر، شہتیر رکھے ہیں تو وہ جارِ مُلَاصِق ہے شہتیر نہیں رکھے تو جارِ مُلَاصِق نہیں ہے، ایسا نہیں ہے۔ یہ صرف وضاحت کے لیے ہے کہ جب شہتیر دیوار پر رکھے ہیں تو اس سے خود ہی پتا چل گیا معلوم ہوا وہ ساتھ والا پڑوسی ہے اسی کے ساتھ، اسی کی چھت کا شہتیر آپ کی دیوار پر ہو سکتا ہے، کسی اور کا شہتیر آپ کی دیوار پر نہیں ہو سکتا اگر اس کا گھر علیحدہ ہے آپ سے۔

تو اِشْتَرَطَ یَشْتَرِطُ کے معنیٰ شرط ہونا۔ وَلَا یُشْتَرَطُ لِلْجَارِ الْمُلَاصِقِ وَضْعُ الْجِذْعِ اور شرط نہیں ہے جارِ مُلَاصِق کے لیے شہتیر کا رکھنا، حَتّٰی لَوْ لَمْ یَکُنْ لَهُ شَیْءٌ عَلَی الْحَائِطِ یَکُوْنُ جَارًا مُلَاصِقًا یہاں تک کہ اگر دیوار پر اس کی کوئی بھی چیز نہ ہوئی تو بھی وہ جارِ مُلَاصِق ہی ہو گا، کیونکہ شہتیر رکھنا اس کے لیے شرط ہے ہی نہیں، یہ صرف وضاحت کے لیے مصنف نے بتلایا۔ یہ معنیٰ ہے کہ جارِ مُلَاصِق کے لیے شہتیر رکھنے کی شرط نہیں ہے حَتّٰی لَوْ لَمْ یَکُنْ لَهُ شَیْءٌ عَلَی الْحَائِطِ یَکُوْنُ جَارًا مُلَاصِقًا یہاں تک کہ اگر اس کی کوئی چیز بھی دیوار پر نہ ہوئی تو بھی یہ کیا ہو گا؟ جارِ مُلَاصِق ہو گا بھئی۔

وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک لَا تَثْبُتُ الشُّفْعَةُ لِلْجَارِ جار کے لیے شفعہ ثابت نہیں بَلْ لِلْأَوَّلَیْنِ بلکہ صرف پہلے دو کے لیے ہے۔ یعنی امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً بھئی وہ فرماتے ہیں شفعے کا حق صرف کس کس کو ہے؟ نمبر ایک شریک فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ اور شریک فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ ان کو شفعے کا حق ہے، پڑوسی کو شفعے کا حق نہیں ہے۔

وَیَطْلُبُهَا الشَّفِیْعُ فِيْ مَجْلِسِ عِلْمِهِ بِالْبَیْعِ اور مطالبہ کرے گا شفیع بھئی، یَطْلُبُهَا أَيِ الشُّفْعَةَ، هَا ضمیر کس کو راجع؟ شفعے کو، اور شفعے کو طلب کرے گا الشَّفِیْعُ شفیع بھئی فِيْ مَجْلِسِ عِلْمِهِ اپنی علم کی مجلس، کس چیز کے علم کی مجلس؟ بِالْبَیْعِ بیع کی۔ جس مجلس میں اس کو بیع کا علم ہو اسی میں کیا کرے گا؟ شفعے کو طلب کرے گا۔ اور یہ کون سی طلب ہے؟ طلبِ مواثبت ہے۔

تو کہتے ہیں وَیَطْلُبُهَا الشَّفِیْعُ فِيْ مَجْلِسِ عِلْمِهِ بِالْبَیْعِ اور شفیع شفعے کو طلب کرے گا اپنی اس مجلس میں جس میں اس کو بیع کا علم ہو بِلَفْظٍ ایسے لفظ کے ساتھ یُفْهِمُ طَلَبَهَا جو سمجھا دے اس شفعے کی طلب کو۔ ایسے الفاظ بولے جس سے شفعے کی طلب کا پتا چلے، جو لوگ بیٹھے ہوئے ہیں ان کو پتا لگ جائے کہ یہ کیا طلب کر رہا ہے؟ شفعہ۔ یہ معنیٰ ہے بِلَفْظٍ ایسے لفظ کے ساتھ۔ یاد رکھو نکرہ کے بعد جب فعل آجائے تو وہ عموماً اس کے لیے صفت بنتا ہے، کیا بنتا ہے؟ صفت بنتا ہے۔ تو یہاں پر بھی لفظ نکرہ آیا اور یُفْهِمُ فعل آیا تو یہ اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے «ایسا» یا «ایسی» کا لفظ لاتے ہیں۔ وہ طلب کرے گا بِلَفْظٍ ایسے لفظ سے یُفْهِمُ طَلَبَهَا جو شفعے کی طلب سمجھا دے، سننے والوں کو شفعے کی طلب سمجھائے وہ سمجھ جائیں شفعہ طلب کر رہا ہے۔ بھئی کیسے؟ کہتے ہیں کَطَلَبْتُ الشُّفْعَةَ

جیسے یوں کہے کہ میں، طَلَبْتُ الشُّفْعَةَ میں شفعہ طلب کرتا ہوں وَنَحْوُهُ یا اس جیسا کوئی اور لفظ بولے، مِثْلُ مثال کے طور پر أَنَا طَالِبٌ لِلشُّفْعَةِ میں شفعے کا طالب ہوں، أَوْ أَطْلُبُهَا أَيْ أَطْلُبُ الشُّفْعَةَ میں شفعے کو طلب کرتا ہوں۔

وَاعْتِبَارُ مَجْلِسِ الْعِلْمِ اخْتِيَارُ الْكَرْخِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ یاد رکھیے امام کرخی رحمہ اللہ جو بہت عظیم فقیہ گزرے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ طلبِ مواثبت یہ اختیار مجلس تک رہے گا، طلبِ مواثبت۔ یعنی آپ ایک مجلس میں ایک گھنٹہ بیٹھے ہیں، شروع میں کسی نے آکر آپ کو بتلا دیا کہ آپ کے ساتھ والی زمین فروخت ہوئی ہے، آپ فوراً شفعہ نہ بھی کریں کوئی حرج نہیں، آدھے گھنٹے بعد کر لیں، پونے گھنٹے بعد، جب تک اس مجلس میں ہے آپ کی مجلس بدلی نہیں تو آپ کو اختیار ہے آپ کیا کر سکتے ہیں؟ شفعہ کر سکتے ہیں، طلبِ مواثبت کر سکتے ہیں۔ لیکن ہمارے عام مشائخ اور عام فقہا فرماتے ہیں کہ نہیں، مجلس کا اختیار نہیں ہے، فوری کیا کرنا پڑے گا؟ شفعہ کرنا پڑے گا۔ اور فتویٰ مشائخ کے قول پر ہے، آپ کو فوری شفعہ کرنا پڑے گا مجلس کا اختیار نہیں ہے، فوری شفعہ کرنا پڑے گا۔

کہتے ہیں وَاعْتِبَارُ مَجْلِسِ الْعِلْمِ اخْتِيَارُ الْكَرْخِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اور مجلسِ علم کا اعتبار یہ امام کرخی رحمہ اللہ کا اختیار ہے، ان کا، کہ کب تک کر سکتے ہیں؟ مجلسِ علم، جس مجلس میں آپ کو علم ہوا ہے بیع کا اسی میں کیا کر سکتے ہیں؟ شفعہ کر سکتے ہیں۔ تو کہتے ہیں وَاعْتِبَارُ مَجْلِسِ الْعِلْمِ اخْتِيَارُ الْكَرْخِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اور مجلسِ علم کا جو اعتبار ہے یعنی بیع کی علم کی جو مجلس ہے اس کے اعتبار یہ امام کرخی رحمہ اللہ کا اختیار ہے یعنی یہ ان کا مختار ہے پسندیدہ ہے۔ وَعِنْدَ بَعْضِ الْمَشَايِخِ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ لَيْسَ لَهُ خِيَارُ الْمَجْلِسِ جبکہ بعض مشائخ بعض فقہا کے نزدیک اس کو مجلس کا اختیار نہیں ہے، حَتّٰى إِنْ سَكَتَ أَدْنٰى سُكُوْتٍ تَبْطُلُ شُفْعَتُهُ یہاں تک کہ اگر وہ تھوڑی دیر بھی خاموش رہا تَبْطُلُ شُفْعَتُهُ تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اور اسی پر فتویٰ ہے، شامی وغیرہ میں لکھا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے کہ فوراً کرے بھئی مجلس کا اختیار نہیں ہے۔

وَهُوَ طَلَبُ الْمُوَاثَبَةِ اور یہ کیا ہے؟ طَلَبُ الْمُوَاثَبَةِ ہے بھئی، طلبِ مواثبت اس کا نام۔ إِنَّمَا سُمِّيَ بِهٰذَا اس طلب کا نام رکھا گیا بِهٰذَا، اس طلب کو موسوم کیا گیا بِهٰذَا اس نام کے ساتھ۔ إِنَّمَا، سَمّٰى دو مفعول چاہتا ہے۔ إِنَّمَا سُمِّيَ ضمیر راجع ہے یہ جو پیچھے طلب ذکر ہوئی، طلب۔ اس طلب کو سُمِّيَ بِهٰذَا اس کو موسوم کیا گیا اس نام یعنی طلبِ مواثبت کے ساتھ، اس طلب کا کیا نام رکھا گیا؟ طلبِ مواثبت، وجہ ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں إِنَّمَا سُمِّيَ بِهٰذَا اس طلب کو موسوم کیا گیا اس نام یعنی طلبِ مواثبت کے ساتھ لِيَدُلَّ تاکہ یہ دلالت کرے عَلٰى غَايَةِ التَّعْجِيْلِ بے انتہا جلدی پر۔ طلبِ مواثبت نام کیا بتلا رہا ہے؟ اچھلنا ہے کودنا یعنی فوراً اچھل کر گویا فوراً کود کر آپ کیا کہتے ہیں کہ میں شفعہ کرتا ہوں، نام سے ہی پتا چل رہا ہے کہ یہ جلدی ہو گی فوراً ہو گی بھئی۔ كَأَنَّ الشَّفِيْعَ يَثِبُ وَيَطْلُبُ الشُّفْعَةَ گویا کہ شفیع اچھلتا ہے کودتا ہے وَيَطْلُبُ الشُّفْعَةَ اور شفعہ کو طلب کرتا ہے۔

ثُمَّ يُشْهِدُ عِنْدَ الْعَقَارِ پھر وہ گواہ بنائے گا کہاں پر؟ عقار، اس غیر منقولہ جائیداد کے پاس۔ یہ طلبِ اشہاد آگئی بھئی،

دوسری طلب آگئی۔ أَوْ عَلٰى مَنْ مَعَهُ یا اس شخص پر عَلٰى مَنْ اس شخص پر مَعَهُ جس کے پاس وہ عقار ہے، جس کے قبضے میں وہ ابھی وہ عقار ہے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ مِنْ بَائِعٍ أَوْ مُشْتَرٍ یعنی کہ بائع یا مشتری ان پر۔ تو پھر وہ گواہ بنائے گا عِنْدَ الْعَقَارِ اس غیر منقولی جائیداد کے پاس أَوْ عَلٰى مَنْ مَعَهُ یا اس شخص پر کہ جس کے پاس وہ عقار ہے مِنْ بَائِعٍ أَوْ مُشْتَرٍ یعنی بائع یا مشتری۔ اور یہ بھی یاد رکھیں جس کے قبضے میں ہو چاہے بائع ہو چاہے مشتری، اور مشتری چونکہ مالک ہے تو اس پر چاہے اس کے قبضے میں نہ ہو پھر بھی اس پر کیا کر سکتا ہے؟ طلبِ اشہاد اس پر، گواہ اس پر اس کے پاس لے جا سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

مُشْتَرٍ بعض کتابوں میں مشتری کے آخر میں یا لکھی ہوئی ہو گی، یا نہیں بھئی یہ یا گر جائے گی، یا گر جائے گی مُشْتَرٍ را کے نیچے تنوین آجائے گی، التقاءِ ساکنین سے یا گر جائے گی۔ مُشْتَرٍ قاضٍ ہے نا قاضٍ کی طرح۔ قاضٍ اسمِ منقوص ہے۔ اسمِ منقوص حالتِ رفعی جری میں یا گر جاتی ہے جَاءَنِيْ قَاضٍ، مَرَرْتُ بِقَاضٍ، اور حالتِ نصبی میں یا برقرار رہتی ہے رَأَيْتُ قَاضِيًا۔ توجہ ہے؟ جَاءَنِيْ قَاضٍ اصل میں کیا تھا؟ قَاضِیٌ فاعل ہے نا فاعل، جَاءَنِيْ قَاضِیٌ پھر یا پر ضمہ ثقیل تھا تو وہ گرا دیا، تو یا بھی ساکن آگے نونِ تنوین بھی ساکن، قَاضِیْنْ، اجتماعِ ساکنین آیا اور اجتماعِ ساکنین میں اول حرفِ مدہ ہو تو اس کو گراتے ہیں، تو یا گر گئی تو کیسے پڑھیں گے؟ جَاءَنِيْ قَاضٍ۔ اسی طرح مَرَرْتُ بِقَاضٍ با جارہ ہے نا تو یہ قَاضٍ حالتِ جری میں ہے۔ قَاضٍ اصل میں کیا تھا؟ قَاضِیْنْ۔ پھر یا پر کسرہ ثقیل ہے تو کسرہ کو گرایا تو کیا بن گیا؟ قَاضِیْنْ۔ پھر یا اجتماعِ ساکنین، یا بھی ساکن نون بھی ساکن تو یا گر گئی تو کیا بن گیا؟ قَاضٍ، مَرَرْتُ بِقَاضٍ۔ اور حالتِ نصبی میں یا برقرار رہے گی رَأَيْتُ قَاضِيًا۔ تو یہاں پر یہ کیا ہے؟ مِنْ بَائِعٍ أَوْ مُشْتَرٍ۔ تو یہ مشتری بھی قاضی کی طرح ہے۔ اسمِ منقوص ہے۔ آخر میں یا ہے اور یا سے ماقبل کیا ہے؟ کسرہ۔ اور حالتِ جری میں یہ یا گر جاتی ہے جیسے قَاضٍ میں یا گر گئی، تو مُشْتَرٍ پڑھیں گے۔

فَيَقُوْلُ پس وہ شفیع یوں کہے گا، بھئی طلبِ اشہاد کا طریقہ بتلا رہے ہیں، کس کا؟ طلبِ اشہاد کا۔ دو گواہ لے گئے، زمین پہ پاس لے گئے یا بائع کے پاس یا مشتری کے پاس۔ اب کیسے گواہ بنائے؟ کیسے ان کے سامنے کلام کرے؟ کہ یوں کہے گا اِشْتَرٰى فُلَانٌ هٰذِهِ الدَّارَ فلاں آدمی نے یہ والا گھر خریدا ہے، وَأَنَا شَفِيْعُهَا، هَا ضمیر راجع ہے دار کو، اور میں اس گھر کا شفیع ہوں، اس پر شفعہ کرنے والا ہوں، یعنی مستقبل کی بات نہیں، میں اس پر شفعہ کرتا ہوں۔ وَقَدْ كُنْتُ طَلَبْتُ الشُّفْعَةَ اور تحقیق میں نے اس کا شفعہ طلب کیا تھا، یعنی میں نے طلبِ مواثبت بھی کی تھی، وَأَطْلُبُهَا الْآنَ اور اب میں اس کا، اب بھی میں اس کو طلب کرتا ہوں اس کو، اس شفع کو۔ فَاشْهَدُوْا عَلَيْهِ تو تم اس پر گواہ ہو جاؤ، تم دونوں اس پر گواہ ہو جاؤ۔ یہ اس مکان پر کہہ دے، چاہے بائع کے پاس لے جا کر اس طرح کہہ دے یا مشتری کے پاس۔

وَهُوَ طَلَبُ الْإِشْهَادِ اور وہ طلبِ اشہاد ہے۔ اِعْلَمْ یہاں الف ہونا چاہیے بھئی۔ اِعْلَمْ جان لے تو أَنَّ هٰذَا الطَّلَبَ إِنَّمَا يَجِبُ عِنْدَ التَّمَكُّنِ مِنَ الْإِشْهَادِ۔ اچھا یاد رکھیے میں نے آپ کو بتلایا کہ بیع کا پتا چلتے ہی فوراً آپ نے کیا کرنا ہے؟ طلبِ مواثبت

کرنی ہے، اور طلبِ مواثبت کے فوراً بعد کیا کرنا ہے؟ طلبِ تقریر یا طلبِ اشہاد کرنی ہے۔ یہ وہ صورت ہے، اس وقت ضروری ہے جب آپ طلبِ اشہاد پر قادر بھی ہوں، کیا ہوں؟ طلبِ اشہاد پر قادر۔ اگر آپ طلبِ اشہاد پر قادر ہی نہیں ہیں پھر کیا کریں گے؟ بھئی کیسے نہیں قادر؟ بھئی مثلاً آپ سفر کر رہے تھے اور راستے میں ہیں مثلاً مکہ سے آرہے ہیں مثال کے طور پر، مکہ کی طرف جا رہے ہیں، وہاں آپ کو یہ بیع کی خبر مل گئی۔ تو آپ نے طلبِ مواثبت تو وہیں کر لیا، لیکن اب طلبِ اشہاد کیسے کریں؟ وہ بھی تو جلدی کرنا ہے اس میں بھی تو تاخیر کی گنجائش نہیں ہے۔

تو پھر اس صورت میں اگر کسی طرح بھی ممکن ہو طلبِ اشہاد کرنا تو آپ کریں گے۔ اولاً آپ خود کریں گے طلبِ اشہاد۔ اگر خود نہیں کر سکتے، راستے میں ہیں سفر میں ہیں، تو پھر کسی وکیل کو بھیج دو۔ کسی آدمی کو بھیج دو اور اس کو اپنی جانب سے وکیل بنا دو۔ وکیل جس کے ذمے آپ کوئی کام لگائیں وہ آپ کا وکیل ہے، ٹھیک ہے کہ یہ میری طرف سے آپ یہ کام کر لیجیے۔ تو یہ مثلاً کسی کو آپ کہتے ہیں بھئی میرے لیے ایک گاڑی خرید لو، تو وہ آپ کا وکیل بن گیا، وہ دیکھے گا پسند کرے گا اور پھر آپ کے لیے گاڑی خرید لے گا۔ تو آپ کسی آدمی کو وکیل بنا دیتے ہیں کہ بھئی مجھے بیع کا پتا چلا ہے، تم میری طرف سے وکیل بن جاؤ اور جا کر طلبِ اشہاد کرو وہاں پر میری طرف سے۔ چنانچہ وہ جائے گا اور پھر جا کر اسی طرح دو گواہ پیش کرے گا کس پر؟ زمین پر یا بائع پر یا مشتری پر اگر بائع کے قبضے میں اگر زمین ہو تو بائع پر بھی پیش کر سکتا ہے۔ تو اور یہ کہ یہ فلاں زمین بکی ہے اور فلاں شخص جو ہے جو اس کا ہمسایہ یا شریک وغیرہ ہے وہ شفعہ کرتا ہے اور اس نے مجھے وکیل بنایا ہے تو تم دونوں اس بات پر گواہ ہو جاؤ۔ دو گواہ بنا دے گا، کون بنائے گا یہ؟ وکیل۔

اور اگر وکیل نہیں ملتا تو پھر کسی کے ہاتھ پیغام بھجوا دے۔ پیغام آکر وہ مشتری کو جا کر کہہ دے گا کہ بھئی وہ فلاں آدمی نے مجھے پیغام دے کر بھیجا ہے، وہ آپ نے جو نئی زمین خریدی ہے اس کا ہمسایہ ہے یا اس میں شریک ہے اور اس کو بیع کا پتا چلا اور وہ اس پر شفعہ طلب کر رہا ہے۔ اس نے شفعہ طلب کیا ہے اس زمین پر جو آپ کی ہے، اور چونکہ ابھی وہ سفر میں ہے وہ ابھی خود نہیں آسکا تو اس نے مجھے فوری طور پر پیغام دے کر بھیجا ہے، تو میں آپ کو یہ اطلاع دینے آیا ہوں۔ تو وہ بائع یا مشتری کو آکر کیا کرے گا؟ اطلاع دے دے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ بائع اور مشتری کو اطلاع دے دے گا۔ یا یوں کرے گا کوئی خط وغیرہ لکھ دے گا۔ آپ سفر میں ہیں تو آپ کیا کریں گے؟ کوئی خط وغیرہ لکھ کر پیغام بھجوا دیں گے۔ یہ طلبِ اشہاد نہیں ہے، یہ پیغام بھیجا ہے آپ نے یا آپ نے خط لکھا ہے، یہ طلبِ اشہاد نہیں، واپس آتے ہی فوراً کیا کر لینا؟ طلبِ اشہاد کر لینا، لیکن آپ نے کم از کم ان کو اطلاع دے دی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جی۔

یہ دیکھیے بھئی اب یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں اِعْلَمْ جان لے تو أَنَّ هٰذَا الطَّلَبَ إِنَّمَا يَجِبُ کہ یہ طلب جو ہے یعنی طلبِ تقریر یا طلبِ اشہاد جو ہے إِنَّمَا يَجِبُ یہ ضروری ہے عِنْدَ التَّمَكُّنِ مِنَ الْإِشْهَادِ جب وہ اشہاد، گواہ بنانے پر قادر بھی ہو، عِنْدَ

الدَّارِ وَعِنْدَ صَاحِبِ الْيَدِ گھر کے پاس وَعِنْدَ صَاحِبِ الْيَدِ اور کس کے پاس؟ صاحبِ یَد یعنی صاحبِ قبضہ، صاحبِ قبضہ جس کا اس زمین پر کیا ہے؟ قبضہ ہے۔ جب وہ قادر ہو گواہ بنانے پر گھر کے پاس وَعِنْدَ صَاحِبِ الْيَدِ اور صاحبِ قبضہ کے پاس۔

بھئی متن میں بھی آیا أَوْ عَلٰى مَنْ مَعَهُ مِنْ بَائِعٍ أَوْ مُشْتَرٍ، ثُمَّ يُشْهِدُ عِنْدَ عَقَارٍ أَوْ عَلٰى مَنْ مَعَهُ کہ پھر وہ گواہ بنا لے اس غیر منقولی جائیداد پر أَوْ عَلٰى مَنْ یا اس شخص پر مَعَهُ جس کے پاس وہ عقار ہے مِنْ بَائِعٍ أَوْ مُشْتَرٍ یعنی کہ بائع یا مشتری۔ جس کے پاس وہ عقار ہے اس پر گواہ بنا لے یا عقار پر ہی گواہ بنا لے۔ اور شرح میں بھی کہہ رہے ہیں وَعِنْدَ صَاحِبِ الْيَدِ کہ وہ گواہ کہاں بنا لے؟ عِنْدَ الدَّارِ وَعِنْدَ صَاحِبِ الْيَدِ صاحبِ قبضہ کے پاس۔ اور میں نے آپ کو بتلا دیا کہ صاحبِ یَد کے پاس بھی بنا سکتا ہے اور اگر مشتری کے قبضے میں ابھی نہیں آئی زمین تو بھی اس پر وہ گواہ بنا سکتا ہے، اس لیے کیونکہ وہ مالک ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو صاحبِ یَد کا چونکہ بار بار ذکر آیا تو آپ کے ذہن میں یہ شبہ نہ آئے کہ وہ صورت جب زمین ابھی کس کے پاس ہے؟ بائع کے پاس۔ بیع تو ہو چکی ہے مالک تو مشتری ہے لیکن ابھی زمین کس کے پاس ہے؟ بائع کے پاس، تو اس صورت میں آپ کے ذہن میں شبہ آسکتا ہے کہ مشتری تو صاحبِ یَد نہیں، صاحبِ قبضہ نہیں اس کا تو ابھی زمین پر قبضہ ہی نہیں ہے، زمین اس کے حوالے نہیں کی گئی، تو شاید مشتری پر وہ گواہ پیش نہیں کر سکتا۔ نہیں، مشتری مالک ہے بھئی مشتری کیا ہے؟ مالک۔ بے شک اس کا ابھی قبضہ نہیں لیکن مالک وہ ہے، تو مالک پر بھی گواہ پیش کیے جا سکتے ہیں۔ تو عقار پر بھی گواہ پیش کر سکتا ہے، صاحبِ یَد پر بھی گواہ پیش کر سکتا ہے جو بھی ہو چاہے مشتری ہو چاہے بائع ہو، اور مالک پر بھی یعنی مشتری پر بھی گواہ پیش کر سکتا ہے طلبِ اشہاد اور طلبِ تقریر کے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اِعْلَمْ جان لے تو أَنَّ هٰذَا الطَّلَبَ إِنَّمَا يَجِبُ کہ یہ طلب جو ہے یعنی طلبِ تقریر یا طلبِ اشہاد جو ہے إِنَّمَا يَجِبُ یہ ضروری ہے عِنْدَ التَّمَكُّنِ مِنَ الْإِشْهَادِ جب وہ اشہاد، گواہ بنانے پر قادر بھی ہو عِنْدَ الدَّارِ وَعِنْدَ صَاحِبِ الْيَدِ گھر کے پاس وَعِنْدَ صَاحِبِ الْيَدِ اور صاحبِ قبضہ کے پاس، حَتّٰى لَوْ تَمَكَّنَ وَلَمْ يُشْهِدْ یہاں تک کہ اگر وہ قادر تھا وَلَمْ يُشْهِدْ اور اس نے گواہ نہیں بنائے بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔

وَفِي الذَّخِيْرَةِ اور ذخیرہ کتاب میں ہے إِذَا كَانَ الشَّفِيْعُ فِيْ طَرِيْقِ مَكَّةَ کہ جب شفیع جو ہے مکہ کے راستے میں ہو فَطَلَبَ طَلَبَ الْمُوَاثَبَةِ تو اس نے طلبِ مواثبت کر لی، وَعَجَزَ عَنْ طَلَبِ الْإِشْهَادِ اور وہ عاجز ہوا طلبِ اشہاد سے عِنْدَ الدَّارِ أَوْ عِنْدَ صَاحِبِ الْيَدِ اس گھر کے پاس أَوْ عند صَاحِبِ الْيَدِ یا اس صاحبِ قبضہ کے پاس، جو اس کا مشتری یا بائع ہے ان کے پاس طلبِ اشہاد سے وہ عاجز ہوا کیونکہ سفر میں ہے، فَيُوَكِّلُ وَكِيْلًا تو وہ کیا کرے گا؟ وہ ایک وکیل بنائے گا إِنْ وَجَدَ اگر وہ پا لے، کوئی آدمی مل جائے تو اس کو وکیل بنائے گا، وَإِنْ لَمْ يَجِدْ اور اگر نہ ملے کوئی وکیل فَيُرْسِلُ رَسُوْلًا تو پھر وہ کسی پیغام رساں کو بھیجے گا، پیغام پہنچانے والے کو بھیجے گا، أَوْ كِتَابًا یا کوئی خط، کتاب عربی میں خط کو بھی کہتے ہیں، أَوْ كِتَابًا یا کوئی خط بھیجے گا۔ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ اگر اس کو کوئی وکیل یا پیغام پہنچانے والا بھی نہیں ملا فَهُوَ عَلٰى شُفْعَتِهِ تو وہ اپنے شفعے پر ہے، یعنی اس کو ابھی بھی شفعے کا حق ہے کہ، فَإِذَا حَضَرَ طَلَبَ پس جب وہ حاضر ہو جائے تو کیا کرے گا؟ شفعہ طلب کرے گا، پس جب وہ حاضر

ہو جائے تو پھر وہ طلب کرے گا یعنی طلبِ اشہاد پھر کرے گا، طلبِ تقریر کر لے گا وہ اپنے شفعے کا حق اسی طرح اس کے پاس ہے۔ معنیٰ سمجھ میں آیا؟ جی پھر دیکھو فَإِنْ لَمْ يَجِدْ اگر وہ کوئی وکیل یا پیغام رساں نہ پائے فَهُوَ عَلٰى شُفْعَتِهِ تو وہ اپنے شفعے پر ہی ہے فَإِذَا حَضَرَ طَلَبَ پس جب وہ حاضر ہو جائے اپنے شہر میں طَلَبَ تو وہ شفعہ طلب کرے۔ وَإِنْ وَجَدَ وَلَمْ يَفْعَلْ اور اگر اس کو کوئی وکیل یا پیغام رساں مل گیا وَلَمْ يَفْعَلْ اور اس نے نہیں کیا بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا، اب اسے شفعے کا کوئی حق نہیں ہے۔ بھئی بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔

اچھا بھئی سبق تو مکمل ہوا، اب یوں کیجیے جلدی جلدی پورے سبق کا ہم دوبارہ ترجمہ کر لیتے ہیں۔ اس میں سارے سبق کا خلاصہ بھی آجائے گا اور کچھ مزید قیمتی باتیں بھی اس کے اندر ذکر ہو جائیں گی بھئی۔

دوبارہ پورے سبق کا جلدی جلدی ترجمہ دیکھ لیجیے بھئی۔ كِتَابُ الشُّفْعَةِ۔ هِيَ تَمَلُّكُ عَقَارٍ عَلٰى مُشْتَرِيْهِ جَبْرًا بِمِثْلِ ثَمَنِهِ۔ یہ غیر منقولی جائیداد کا مالک بننا ہے اس کے مشتری پر زبردستی بِمِثْلِ ثَمَنِهِ مشتری کے ثمن کے مثل کے بدلے، أَيْ بِمِثْلِ ثَمَنِ الْمُشْتَرِيْ وَهُوَ الثَّمَنُ الَّذِي اشْتَرٰى بِهِ یعنی وہ ثمن جس کے ذریعے اس نے اس جائیداد کو خریدا ہے۔ بھئی دیکھیے متن میں قید آئی جَبْرًا کی، جَبْرًا کی کہ مشتری پر زمین کا مالک بننا ہے، شفعے میں کیا ہوتا ہے؟ شفیع زمین کا مالک بنتا ہے جَبْرًا زبردستی۔ حالانکہ اس میں تو وہ صورت بھی ہے کہ مشتری اپنی رضامندی سے دے دیتا ہے کہ لو بھئی ٹھیک ہے آپ کا حق بنتا ہے شریعت نے آپ کو حق دیا ہے یہ لے لیں آپ زمین۔ تو انہوں نے تو قید لگا دی جَبْرًا کی، اور اب جو وہ حوالے کر رہا ہے وہ تو رضامندی سے حوالے کر رہا ہے تو آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا بھئی کہ وہ صورت تو اس کے اندر داخل نہیں ہو رہی؟ تو جواب یہ کہ بھئی یہ جَبْرًا کی قید جو ہے یہ قید اکثری ہے، یعنی اکثر عموماً شفعے میں جبراً ہی لیا جاتا ہے، مشتری اپنی مرضی سے حوالے نہیں کرتا قاضی کے پاس جانا پڑتا ہے خصومت کرنا پڑتی ہے، تو یہ قید جو ہے یہ احترازی نہیں ہے کہ تراضی والی صورت اس سے خارج ہو جائے بلکہ یہ صرف کیا ہے؟ اکثری قید ہے اکثر ایسا ہوتا ہے۔

وَتَجِبُ بَعْدَ الْبَيْعِ اور شفعہ جو ہے وہ ثابت ہو جاتا ہے بَعْدَ الْبَيْعِ بیع کے بعد۔ الْمُرَادُ بِالْوُجُوْبِ الثُّبُوْتُ شارح نے آپ کو بتلا دیا کہ وجوب سے مراد ثبوت ہے، شفعہ کرنا آپ کے لیے واجب نہیں ہے آپ کریں یا نہ کریں، ہاں آپ کے لیے حقِ شفعہ ثابت کب ہو گا؟ جب بیع ہو جائے گی، بیع سے پہلے آپ کے لیے حقِ شفعہ نہیں ہے۔ وَتَسْتَقِرُّ بِالْإِشْهَادِ اور شفعہ جو ہے پختہ ہو جاتا ہے گواہ بنانے سے، إِذْ حَقُّ الشُّفْعَةِ قَبْلَ الْإِشْهَادِ مُتَزَلْزِلٌ اس لیے کیونکہ شفعے کا حق جو ہے وہ گواہ بنانے سے پہلے ڈگمگا رہا ہے وہ گرنے والا ہے، لِأَنَّهُ بِحَيْثُ لَوْ أَخَّرَ الطَّلَبَ تَبْطُلُ کیونکہ اس طور پر کہ اگر اس نے مؤخر کیا، شفیع نے طلب کو تَبْطُلُ تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔ طلبِ مواثبت تو کر لی لیکن طلبِ اشہاد نہیں کیا تو اس کا حقِ شفعہ باطل ہو جائے گا۔ فَإِذَا أَشْهَدَ اسْتَقَرَّ جب وہ گواہ بنا لے گا تو اس کا حقِ شفعہ پکا ہو جائے گا أَيْ لَا تَبْطُلُ بَعْدَ ذٰلِكَ بِالتَّأْخِيْرِ یعنی شفعہ جو ہے وہ باطل نہیں ہو گا اس کے بعد تاخیر کی وجہ سے۔

وَيُمْلَكُ بِالْأَخْذِ بِالتَّرَاضِيْ اور وہ عقار مملوک ہو جائے گی لے لینے سے باہمی رضامندی سے۔ جب باہمی رضامندی سے شفیع اس کو لے لے گا تو وہ اس کی مملوک ہو جائے گی، أَوْ بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ یا وہ مملوک ہو جائے گی قضائے قاضی سے جب قاضی فیصلہ کر دے، بِقَدْرِ رُؤُوْسِ الشُّفَعَاءِ لَا الْمِلْكِ اور یہ کہ جو مملوک ہو گی یہ شفیعوں کی تعداد کے بقدر ہو گی لَا الْمِلْكِ نہ کہ ان کی ملکیت کے بقدر۔ أَيْ إِنَّمَا يُمْلَكُ الْعَقَارُ إِذَا أَخَذَهُ الشَّفِيْعُ بِرِضَاهُ وَبِرِضَا الْمُشْتَرِيْ کہ وہ عقار مملوک ہو جائے گی جب شفیع اس کو لے لے بِرِضَاهُ وَبِرِضَا الْمُشْتَرِيْ اپنی اور مشتری کی رضامندی سے، یعنی باہمی رضامندی سے۔ وَقَوْلُهُ وَبِقَضَاءِ الْقَاضِيْ اور مصنف کا قول جو ہے وَبِقَضَاءِ الْقَاضِيْ، عَطْفٌ عَلَى الْأَخْذِ لَا عَلَى التَّرَاضِيْ یہ أَخْذ پر عطف ہے تَرَاضِيْ پر عطف نہیں، لِأَنَّ الْقَاضِيَ إِذَا حَكَمَ يَثْبُتُ الْمِلْكُ لِلشَّفِيْعِ قَبْلَ أَخْذِهِ اس لیے کیونکہ جب قاضی نے جب فیصلہ کر دیا تو ملکیت شفیع کے لیے ثابت ہو جائے گی اس کو لینے سے پہلے ہی۔ جب باہمی رضامندی میں دے تو جب لے لے گا تب مالک بنے گا، اور جب قاضی فیصلہ کرے تو پھر قبضہ بھی ضروری نہیں لینا بھی ضروری نہیں، بس فیصلہ کرتے ہی قاضی کا فیصلہ سب پر نافذ ہو گیا اور یہ خود بخود زمین کا مالک فوراً بن گیا بھئی۔

تو یہ طلبِ اشہاد کا ذکر آیا تھا بھئی۔ میں نے آپ کو بتلایا کہ شفعے میں تین طلبیں ہوتی ہیں: ایک طلبِ مواثبت، ایک طلبِ تقریر یا طلبِ اشہاد، اور ایک طلبِ خصومت یا طلبِ تملیک یا طلبِ اخذ۔ یاد رکھو طلبِ مواثبت، وَثَبَ يَثِبُ کا معنیٰ ہے اچھلنا اچھلنا، تو یہ بھی فوراً جس وقت اطلاع ملی فوراً طلب کرنا پڑے گا شفعہ، ایسے لفظ بولے جس سے سننے والوں کو بھی شفعے کا پتا لگ جائے۔ اور اس میں بھی اگر گواہ بنا لے تو اچھی بات ہے، اور اگر گواہ نہیں ہیں تو کوئی حرج نہیں بھئی۔ اور پھر اس کے فوراً بعد یہ طلبِ اشہاد کرے گا اس میں بھی تاخیر نہیں کرنی۔ طلبِ مواثبت کے فوراً بعد کیا کرے گا؟ جا کر گواہ، جا کر گواہ بنائے گا زمین پر یا صاحبِ یَد پر یا مشتری پر جا کر گواہ بنا لے گا۔

اور پھر اس کے بعد ذکر ہوا تھا کہ جو شفعہ کرنے والے ہیں وہ تین قسم پر ہیں: ایک ہے شریک فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ کہ نفسِ بیعہ میں شریک ہو، اور ایک ہے شریک فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ، اور ایک ہے جارِ مُلَاصِق۔ شریک فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ وہ بیعہ کی ذات میں شریک ہے بیعہ کی ذات ہی میں شریک ہے، مثلاً آپ اور زید کی ایک مشترکہ زمین ہے اس کے ہر ہر جز میں آپ کا بھی حصہ اور زید کا بھی حصہ ہے، زید اپنا حصہ بیچتا ہے۔ تو دیکھو اس کا حصہ کوئی الگ ہے یا پوری زمین میں پھیلا ہوا ہے؟ پوری زمین، اور اس پوری زمین میں تو آپ کا بھی حصہ پھیلا ہوا ہے، تو یہ جو بیعہ ہے جو زید بیچ رہا ہے اس کی ذات ہی میں آپ شریک ہیں اس کے ساتھ، صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ ہے شریک فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ شریک فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ ہوں آپ بھئی، اور اس کی صورت یہ کہ بند راستہ ہے بند گلی ہے اس کے اندر آپ کا بھی مکان ہے اور زید کا بھی مکان ہے، تو اب دیکھو یہ جو، بے شک دیواروں کی حدود آپس میں نہ مل رہی ہو لیکن جو بھی نیا شخص آئے گا وہ بھی یہی راستہ استعمال کرے گا جو آپ استعمال کرتے ہیں، تو شریعت نے آپ کو حق دیا ہے کہ آپ کیا کر سکتے ہیں؟ یہاں شفعہ کر سکتے ہیں، کیونکہ اگرچہ آپ نفسِ بیعہ میں بھی نہیں شریک آپ کی دیوار بھی اس کے ساتھ نہیں ملی ہوئی اس کا گھر تو آپ کے

سامنے ہے گلی میں دوسری طرف، لیکن حقِ بیعہ میں آپ شریک ہیں یعنی راستہ دونوں کا ایک ہے۔ یا اسی طرح کھیت ہوں اور ایک چھوٹی سی نہر دونوں کو سیراب کر رہی ہو تو یہ بھی حقِ بیعہ میں شرکت کی صورت ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ اور تیسرا ہے جارِ مُلَاصِق، جارِ مُلَاصِق۔ تو جارِ مُلَاصِق یہ ویسے تو آس پاس والے سارے جار ہیں آپ کے سارے پڑوسی ہیں آپ کے بھئی، لیکن ہر پڑوسی کو شفعے کا حق نہیں بلکہ اگر کھلا راستہ ہے تو صرف جارِ مُلَاصِق جو ہے جس کی دیوار آپ کے گھر کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں ان کو شفعے کا حق ہوگا، آپ کے دائیں بائیں اور پیچھے کی جانب جن کی دیواریں آپ سے جڑی ہوئی ہیں۔

تو کہتے ہیں لِلْخَلِيْطِ فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ میں نے بتایا لِلْخَلِيْطِ کا تعلق تَجِبُ سے ہے وہ جو متن میں آیا تھا شروع میں وَتَجِبُ بَعْدَ الْبَيْعِ، اور شفعہ ثابت ہوگا لِلْخَلِيْطِ وہ جو شریک ہے فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ نفسِ مبیع میں، ثُمَّ لَهُ أَيْ ثُمَّ، یہ لَهُ کی ہا ضمیر پھر خلیط کو راجع، پھر وہ جو شریک ہے فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ کس میں؟ حقِ مبیع میں، أَيْ ثُمَّ لِلشَّرِيْكِ فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ كَالشِّرْبِ وَالطَّرِيْقِ الْخَاصَّتَيْنِ جیسے کہ پانی کا حصہ اور راستہ جو خاص ہوں، كَشِرْبِ نَهَرٍ لَا تَجْرِيْ فِيْهِ السُّفُنُ جیسے کہ ایسی نہر کے پانی کا حصہ جس میں کشتیاں نہ چلتی ہوں، وَطَرِيْقٍ لَا يَنْفُذُ اور ایسا راستہ لَا يَنْفُذُ جس میں، جو دونوں طرف کھلا ہوا نہ ہو جو نافذ نہ ہو، ثُمَّ لِجَارٍ مُلَاصِقٍ پھر اس پڑوسی کے لیے شفعے کا حق ہے جو ساتھ جڑا ہوا ہے، بَابُهُ فِيْ سِكَّةٍ أُخْرٰى اس کا دروازہ دوسری گلی میں ہے۔ میں نے بتایا یہ بھی ضروری نہیں اس کا دروازہ دوسری گلی میں ہو لیکن خوب وضاحت کر دی کہ جب دروازہ ہی دوسری گلی میں ہے تو معلوم ہوا کہ یہ حقِ بیعہ میں بھی شریک نہیں ہے خوب وضاحت ہو گئی بھئی۔ اگر اسی گلی میں اس کا دروازہ ہو لیکن گلی دونوں طرف سے کھل رہی ہو تو اب بھی یہ کیا ہے؟ جارِ مُلَاصِق ہے، شریک فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ نہیں کیونکہ راستہ تو کھلا ہوا ہے راستہ تو کوئی خاص اس کا الگ ہے ہی نہیں۔ اگر گلی آگے سے بند ہو گی پھر تو خاص راستہ ہے اس پر اور لوگ نہیں آتے جاتے، لیکن گلی جب دونوں طرف سے کھلی ہوئی ہے تو پھر تو یہ سب کا حق ہے سب اس میں سے گزر سکتے ہیں، یہ صرف آپ کا یا آپ کے پڑوسی کا حق نہیں ہے۔ تو لیکن جب دروازہ ہی دوسری گلی میں ہے تو پھر تو بات بالکل واضح ہو گئی۔

كَوَاضِعِ جُذُوْعٍ عَلَى الْحَائِطِ جیسے کہ شہتیروں کو رکھنے والا دیوار پر۔ إِنَّمَا ذَكَرَ وَاضِعَ الْجُذُوْعِ مصنف نے جو ہے ماتن نے جو ہے شہتیروں کے رکھنے والے کو ذکر فرمایا لِيُعْلَمَ تاکہ جان لیا جائے کہ أَنَّهُ جَارٌ وَلَيْسَ بِخَلِيْطٍ کہ وہ جار ہے پڑوسی ہے وَلَيْسَ بِخَلِيْطٍ شریک نہیں ہے۔ وَلَا يُشْتَرَطُ لِلْجَارِ الْمُلَاصِقِ وَضْعُ الْجِذْعِ اور جارِ مُلَاصِق کے لیے شہتیر رکھنے کی شرط نہیں ہے، حَتّٰى لَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُ شَيْءٌ عَلَى الْحَائِطِ يَكُوْنُ جَارًا مُلَاصِقًا یہاں تک کہ اگر اس کی کوئی چیز نہ ہوئی دیوار پر تو بھی وہ جارِ مُلَاصِق ہے، تو یہ صرف وضاحت کے لیے قید لگائی کہ پتا لگے یہ جار ہے خلیط نہیں ہے۔ اور یہ بھی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو تین قسم کے شفیع ہیں ان میں سب سے پہلا درجہ شریک فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ ہے، دوسرا درجہ شریک فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ کا ہے، اور تیسرا درجہ جارِ مُلَاصِق کا ہے۔ تو جب تک، جب تک شریک فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ موجود ہے اور وہ شفعہ کرتا ہے تو پھر باقی دو کو شفعے کا حق نہیں۔ اور یہ اگر یہ شریک فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ دو یا تین افراد ہیں تو ان کے افراد کے بقدر وہ زمین ان میں آپس

میں تقسیم ہو جائے گی۔ اور اگر یہ نہیں کرتے چھوڑ دیتے ہیں شفعے کو تو پھر شفعے کا حق مل جائے گا شریک فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ کو۔ اس میں بھی اگر کئی افراد ہیں تو پھر وہ آپس میں اس زمین کو کیا کر لیں گے؟ تقسیم کر لیں گے، اور ان کے دوسرے درجے والوں کے ہوتے ہوئے تیسرے درجے والوں کو شفعے کا حق نہیں ہے۔ ہاں اگر شریک فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ بھی کوئی نہیں پھر جار جو ہیں وہ ان کا حقِ شفعہ ہو گا وہ شفعہ کر سکتے ہیں، اور اس میں بھی پھر اگر وہ کئی افراد ہیں تو ان کی تعداد کے بقدر ان میں وہ زمین تقسیم ہو جائے گی۔

وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا تَثْبُتُ الشُّفْعَةُ لِلْجَارِ بَلْ لِلْأَوَّلَيْنِ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شفعہ جار کے لیے ثابت نہیں ہے بلکہ پہلے دو یعنی شریک فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ اور شریک فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ ان کو شفعے کا حق ہے۔

وَيَطْلُبُهَا الشَّفِيْعُ فِيْ مَجْلِسِ عِلْمِهِ، جی اب وہ طلب کی تفصیل بیان کرنے لگے ہیں طلبِ مواثبت بھئی۔ کہتے ہیں وَيَطْلُبُهَا الشَّفِيْعُ فِيْ مَجْلِسِ عِلْمِهِ بِالْبَيْعِ اور طلب کرے گا شفعے کو شفیع فِيْ مَجْلِسِ عِلْمِهِ اپنے علم کی مجلس میں یعنی جس مجلس میں اسے علم ہو گا بِالْبَيْعِ کس چیز کا؟ بیع کا۔ جیسے ہی اسے پتا چلا کہ ساتھ والا گھر فروخت ہوا ہے ساتھ والا گھر بیچا گیا ہے تو اسی مجلس میں وہ فوراً شفعہ طلب کرے گا بِلَفْظٍ يُفْهِمُ طَلَبَهَا ایسے لفظ کے ساتھ جو شفعے کی طلب سمجھا دے، یعنی سننے والے سمجھ جائیں کہ یہ کیا طلب کر رہا ہے؟ شفعہ طلب کر رہا ہے۔ كَطَلَبْتُ الشُّفْعَةَ جیسے یوں کہے کہ میں، میں شفعہ میں نے طلب کیا، وَنَحْوُهُ یا اس جیسا کوئی لفظ۔ بھئی اس جیسا لفظ کیا معنی؟ شارح خود بتلا رہے ہیں کہ مِثْلُ مثال کے طور پر یوں کہہ دے أَنَا طَالِبٌ لِلشُّفْعَةِ میں شفعے کا مطالبہ کرنے والا ہوں، أَوْ أَطْلُبُهَا یا میں شفعے کو طلب کر رہا ہوں۔

وَاعْتِبَارُ مَجْلِسِ الْعِلْمِ اخْتِيَارُ الْكَرْخِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ اور مجلسِ علم کا اعتبار یہ امام کرخی رحمہ اللہ کا اختیار ہے یعنی ان کا پسندیدہ مختار قول ہے۔ بھئی عام فقہائے احناف فرماتے ہیں کہ جیسے ہی علم ہو فوراً طلبِ مواثبت کی جائے گی، اس میں تاخیر کی گنجائش نہیں۔ اسی لیے اس کا نام طلبِ مواثبت ہے یعنی اچھلنا یعنی جیسے فوراً کوئی ایک چیز پر ایک آدمی اچھل پڑتا ہے اسی طرح فوراً ہی یہ طلب کرنی ہے، جیسے ہی بیع کا پتا چلا کہ آپ کے ساتھ والی زمین فروخت ہوئی ہے فوراً آپ نے طلب کرنی ہے۔ جبکہ امام کرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں مجلسِ علم کا اعتبار کیا جائے گا کہ اس کو اب شفعے کا حق ملا ہے تو اس کو کچھ وقت ملنا چاہیے سوچ بچار کا کہ یہ فیصلہ کرے اس میں اور وہ اختیار اس کی مجلس میں لہٰذا اس کو رہے گا، جب تک اس کی وہ مجلس ہے چاہے دس منٹ تک ہے چاہے دو گھنٹے تک ہے، جتنی دیر تک اس کی وہ مجلس ہے اس کو شفعے کا اختیار ہے اس کے اندر اندر وہ طلبِ مواثبت کر سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ مجلسِ علم کا اعتبار کون فرماتے ہیں؟ امام کرخی رحمہ اللہ، لیکن ہمارے عام فقہا فرماتے ہیں کہ نہیں مجلس کا اعتبار نہیں فوراً کرنا پڑے گا بھئی، یہ کوئی سوچنے والی بات زیادہ نہیں ہے، جیسے ہی انسان کو پتا لگتا ہے کہ میرے ساتھ کوئی اور آنے لگا ہے وہ فوراً ہی کیا کہے؟ کہ میں کسی اور

کو آنے نہیں دوں گا میں شفعہ کرتا ہوں، میں اس زمین کو خود لوں گا۔ اور انہی فقہا کے قول پر فتویٰ ہے۔ تو کہتے ہیں وَاعْتِبَارُ مَجْلِسِ الْعِلْمِ اخْتِيَارُ الْكَرْخِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ اور اس شفع کے علم کی مجلس کا اعتباریہ امام کرخی رحمہ اللہ کا اختیار ہے، وَعِنْدَ بَعْضِ الْمَشَايِخِ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ لَيْسَ لَهُ خِيَارُ الْمَجْلِسِ اور بعض فقہا کے نزدیک اس شخص کو شفیع کو خیارِ مجلس نہیں ہو گا، حَتّٰى إِنْ سَكَتَ أَدْنٰى سُكُوْتٍ تَبْطُلُ شُفْعَتُهُ یہاں تک کہ اگر وہ تھوڑی دیر خاموش رہا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔ وَهُوَ طَلَبُ الْمُوَاثَبَةِ اور یہ کیا ہے؟ طلبِ مواثبت ہے۔ إِنَّمَا سُمِّيَ بِهٰذَا اس طلب کو اس نام کے ساتھ موسوم کیا گیا یعنی اس کا یہ نام طلبِ مواثبت رکھا گیا لِيَدُلَّ عَلٰى غَايَةِ التَّعْجِيْلِ تا کہ یہ بے انتہا جلدی پر دلالت کرے، كَأَنَّ الشَّفِيْعَ يَثِبُ وَيَطْلُبُ الشُّفْعَةَ گویا کہ شفیع اچھلتا ہے اور شفعہ طلب کرتا ہے۔

ثُمَّ يُشْهِدُ عِنْدَ الْعَقَارِ پھر گواہ بنا لے زمین کے پاس۔ طلبِ مواثبت کے فوراً بعد طلبِ اشہاد کرنا ہے، اس میں بھی تاخیر کی گنجائش نہیں الا یہ کہ کوئی عذر ہو عذر ہو، ورنہ فوراً جائے اور اسی وقت گواہ پیش کرے۔ ثُمَّ يُشْهِدُ عِنْدَ الْعَقَارِ پھر گواہ بنائے اس جائیداد کے پاس أَوْ عَلٰى مَنْ مَعَهُ یا اس شخص پر مَعَهُ جس کے پاس وہ جائیداد ہے یعنی جس کا قبضہ ہے، مِنْ بَائِعٍ أَوْ مُشْتَرٍ یعنی بائع یا مشتری۔ فَيَقُوْلُ پس یوں کہے، یہ گواہ لے جائے گا اور ان کے سامنے یوں کہے گا اِشْتَرٰى فُلَانٌ هٰذِهِ الدَّارَ کہ فلاں آدمی نے یہ گھر خریدا ہے، وَأَنَا شَفِيْعُهَا اور میں اس پر شفعہ کرتا ہوں، وَقَدْ كُنْتُ طَلَبْتُ الشُّفْعَةَ اور تحقیق میں نے اس کا شفعہ طلب کیا تھا یعنی میں نے طلبِ مواثبت بھی کی تھی، وَأَطْلُبُهَا الْآنَ اور اب بھی اس شفع کو میں طلب کر رہا ہوں، فَاشْهَدُوْا عَلَيْهِ پس تم اس پر گواہ ہو جاؤ۔ وَهُوَ طَلَبُ الْإِشْهَادِ اور یہ طلبِ اشہاد ہے۔ اِعْلَمْ أَنَّ هٰذَا الطَّلَبَ إِنَّمَا يَجِبُ عِنْدَ التَّمَكُّنِ مِنَ الْإِشْهَادِ جان لے کہ یہ جو طلب ہے یہ واجب ہے عِنْدَ التَّمَكُّنِ قدرت کے وقت، قدرت ہو بھئی مِنَ الْإِشْهَادِ کس چیز پر؟ گواہ بنانے پر، یہ والی طلب جو ہے واجب ہے جب گواہ بنانے پر قدرت ہو عِنْدَ الدَّارِ اس گھر کے پاس وَعِنْدَ صَاحِبِ الْيَدِ اور صاحبِ قبضہ کے پاس۔ یہ دیکھو پہلے طلبِ مواثبت تو فوراً کر لی، اب کیا کر رہے ہیں؟ طلبِ اشہاد، اور وہ بھی میں نے کیا بتلایا؟ فوراً کرنی ہے۔ شارح آپ کو بتلا رہے ہیں کہ یہ طلبِ اشہاد اس وقت واجب ہے جب آپ طلبِ اشہاد پر قادر بھی ہوں، آپ زمین پر یا صاحبِ قبضہ کے پاس گواہ لے جا بھی سکیں۔ اگر وہ قادر ہے اور پھر بھی طلبِ اشہاد نہیں کرتا فوراً تو اس کا حقِ شفعہ باطل ہو جائے گا ساقط ہو جائے گا۔

کہتے ہیں اِعْلَمْ جان لے تو کہ أَنَّ هٰذَا الطَّلَبَ إِنَّمَا يَجِبُ عِنْدَ التَّمَكُّنِ مِنَ الْإِشْهَادِ عِنْدَ الدَّارِ وَعِنْدَ صَاحِبِ الْيَدِ کہ یہ طلب جو ہے واجب ہے اشہاد پر قدرت کے وقت عِنْدَ الدَّارِ اس گھر کے پاس وَعیند صَاحِبِ الْيَدِ یا اس کے صاحبِ قبضہ کے پاس، یعنی اس گھر کے۔ حَتّٰى لَوْ تَمَكَّنَ وَلَمْ يُشْهِدْ بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ یہاں تک کہ اگر وہ اشہاد پر قادر ہوا اور اس نے اشہاد نہیں کیا گواہ نہیں بنائے تو بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔ وَفِي الذَّخِيْرَةِ اور ذخیرہ کتاب میں ہے إِذَا كَانَ الشَّفِيْعُ فِيْ طَرِيْقِ مَكَّةَ کہ جب شفیع جو ہو وہ مکہ کے راستے میں ہو یعنی سفر میں ہو فَطَلَبَ طَلَبَ الْمُوَاثَبَةِ تو اس نے طلبِ مواثبت کی یعنی وہاں اس کو اطلاع ملی تو اس نے طلبِ مواثبت کر لی، وَعَجَزَ عَنْ طَلَبِ الْإِشْهَادِ عِنْدَ الدَّارِ أَوْ عِنْدَ صَاحِبِ الْيَدِ اور وہ

عاجز ہے طلبِ اشہاد سے اس گھر کے پاس یا صاحبِ قبضہ کے پاس، تو يُوَكِّلُ وَكِيْلًا إِنْ وَجَدَ تو وہ وکیل بنا دے کسی آدمی کو إِنْ وَجَدَ اگر پا لے، اگر اس کو کوئی آدمی ملے تو يُوَكِّلُ وَكِيْلًا إِنْ وَجَدَ تو وہ کسی کو وکیل بنا دے اگر اس کو مل جائے، وَإِنْ لَمْ يَجِدْ اور اگر نہ ملے کوئی وکیل کوئی آدمی نہ ملے تو يُرْسِلُ رَسُوْلًا تو پھر کوئی پیغام رساں بھیج دے پیغام پہنچانے والا بھیج دے، أَوْ كِتَابًا یا کوئی خط بھیجے گا۔ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ پس اگر اس کو کوئی پیغام رساں بھی نہ ملا فَهُوَ عَلٰى شُفْعَتِهِ تو وہ اپنے شفعے پر ہی ہے یعنی اس کا حقِ شفعہ باطل نہیں ہوا، کیونکہ حالانکہ اس نے ابھی تک طلبِ اشہاد نہیں کی کیونکہ وہ قادر نہیں ہے اس پر، فَإِذَا حَضَرَ طَلَبَ پس جب وہ اپنے شہر میں حاضر ہو جائے آجائے تو پھر کیا کرلے؟ طلبِ اشہاد کرلے، شفعہ طلب کرلے۔ وَإِنْ وَجَدَ اور اگر اس کو پایا یعنی اس کو وکیل یا رسول مل گیا وَلَمْ يَفْعَلْ اور اس نے نہیں کیا ایسا یعنی وکیل نہیں بنایا یا پیغام نہیں بھجوایا، تو بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔

بات اچھی طرح سب کو سمجھ میں آگئی بھئی؟ جی۔ چلیے بس بھئی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳: طلبِ خصومت و تملیک، مجلسِ قضا میں دعویٰ شفعہ اور مشتری سے استفسار کے احکام

شرح الوقایہ صفحہ: ۷ — بتاریخ: ۹ ستمبر ۲۰۱۹ء

- **تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث**

آگے سبق دیکھیے بھئی۔

ثُمَّ يَطْلُبُ عِنْدَ قَاضٍ فَيَقُوْلُ اشْتَرٰى فُلَانٌ دَارًا كَذَا وَأَنَا شَفِيْعُهَا بِدَارٍ كَذَا لِيْ فَمُرْهُ يُسَلِّمُ إِلَيَّ، وَهُوَ طَلَبُ تَمْلِيْكٍ وَخُصُوْمَةٍ، وَبِتَأْخِيْرِهِ لَا تَبْطُلُ الشُّفْعَةُ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى إِذَا أَخَّرَهُ شَهْرًا بَطَلَتْ وَبِهِ يُفْتٰى.

بھئی شفعہ کا باب ہم نے کل شروع کیا تھا۔ اور آپ نے پڑھا تھا کہ شفعہ کے اندر تین طلبیں ضروری ہیں۔ نمبر ایک طلبِ مواثبت ہے، نمبر دو طلبِ تقریر یا طلبِ اشہاد ہے، اور نمبر تین طلبِ خصومت یا طلبِ تملیک ہے یا طلبِ اخذ ہے بھئی، ا ل خ ذ اخذ بھئی۔

دو طلبوں کی تفصیل بیان ہو گئی تھی کل کے سبق کے آخر میں، طلبِ مواثبت بھی بیان ہوا اور طلبِ اشہاد بھی۔ اب طلبِ خصومت بیان کرنے لگے ہیں۔

وہ کیسے کریں گے؟ اس کا طریقہ آپ کو بتلا رہے ہیں کہ بھئی اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ قاضی کے پاس جا کر اب مقدمہ کریں اور قاضی سے کہیں کہ قاضی صاحب، فلاں آدمی نے فلاں گھر خریدا ہے اور میں اس گھر پر شفعہ کو طلب کرتا ہوں اپنے اس گھر کی وجہ سے جو اس کے ساتھ ہے یعنی میں اس کا پڑوسی ہوں۔ لہٰذا اب آپ اس مشتری کو حکم دیں کہ وہ گھر میرے حوالے کر دے۔ یا اس بائع کے اگر قبضے میں ہے تو بائع کو آپ حکم دیں کہ وہ گھر میرے حوالے کر دے۔

دیکھیے بھئی کتاب پر: ثُمَّ يَطْلُبُ عِنْدَ قَاضٍ پھر وہ طلب کرے گا قاضی کے پاس، یہ تیسری طلب آ گئی۔ فَيَقُوْلُ پس یوں کہے گا، اشْتَرٰى فُلَانٌ دَارًا كَذَا کہ فلاں نے خریدا ہے ایسا گھر، وَأَنَا شَفِيْعُهَا بِدَارٍ كَذَا لِيْ اور میں اس پر شفعہ کرتا ہوں، میں

اس کا شفیع ہوں، ایسے گھر کی وجہ سے، بِدَارٍ كَذَا لِيْ ایک ایسے گھر کی وجہ سے لِيْ جو میرا ہے۔

بھئی بتائے گا نا کہ وہ گھر میرے گھر کے ساتھ ہے۔ وہ فلاں گھر بکا ہے فلاں جگہ پر، فلاں محلے میں، فلاں گلی میں، فلاں پلاٹ نمبر، وہ گھر بکا ہے، اور اس کے ساتھ والا گھر جو ہے وہ میرا ہے، میں اس کا پڑوسی ہوں، تو اس گھر کی وجہ سے میں، وہ جو گھر فروخت ہوا ہے اس پر کیا کرتا ہوں؟ شفعہ کرتا ہوں، شفعہ طلب کرتا ہوں، تو اب آپ ان کو حکم دیں کہ وہ گھر میرے حوالے کر دیں۔ میں طلبِ مواثبت بھی کر چکا ہوں اور طلبِ اشہاد بھی کر چکا ہوں۔ فَيَقُوْلُ تو یوں کہے گا قاضی سے کہ اشْتَرٰى فُلَانٌ دَارًا كَذَا کہ فلاں نے ایسا گھر خریدا ہے، جگہ بتائے گا، وَأَنَا شَفِيْعُهَا بِدَارٍ كَذَا لِيْ اور میں اس پر شفعہ کرتا ہوں ایسے گھر کی وجہ سے جو میرا ہے، وجہ بیان کہ میں کیوں شفیع ہوں، مجھے حقِ شفعہ کیوں ہے؟ کیونکہ میں اس کا پڑوسی ہوں ایسے گھر، تو اس گھر کے ساتھ والے گھر کی وجہ سے میں اس پر شفعہ کرتا ہوں جو میرا ہے۔

فَمُرْهُ، اَمَرَ يَاْمُرُ کا معنی حکم دینا، فَمُرْهُ پس آپ اس کو حکم دیجیے مشتری کو، جو بھی آپ کا فریقِ مخالف ہے، جس پر بھی آپ نے دعویٰ کیا ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ بھئی یہاں دیکھو، اگر تو صاحبِ ید بائع ہے، بائع کے پاس ہی ابھی وہ مکان، اس نے مشتری کے حوالے نہیں کیا، تو آپ بائع پر کے ساتھ بھی خصومت کر سکتے ہیں، اس کو بھی قاضی کے پاس لے جا سکتے ہیں۔ اور اگر مشتری کو لے جانا چاہیں تو مشتری کو بھی لے جا سکتے ہیں کیونکہ وہ مالک ہے بھئی۔ تو فَمُرْهُ آپ اس کو حکم دیجیے يُسَلِّمُ إِلَيَّ، اَیْ اَنْ يُّسَلِّمَ إِلَيَّ کہ وہ اس گھر کو میرے سپرد کر دے۔ سَلَّمَ يُسَلِّمُ تَسْلِيْم کا معنی سپرد کرنا، حوالے کرنا۔ فَمُرْهُ آپ اس کو حکم دیجیے يُسَلِّمُ إِلَيَّ کہ وہ اس کو میرے حوالے کر دے۔ وَهُوَ طَلَبُ تَمْلِيْكٍ وَخُصُوْمَةٍ اور یہ طلبِ تملیک اور طلبِ خصومت ہے۔ میں نے اس کا ایک تیسرا نام بھی بتلایا تھا اور وہ کیا؟ طلبِ اخذ ہے بھئی۔

وَبِتَأْخِيْرِهِ لَا تَبْطُلُ الشُّفْعَةُ اور اس طلب میں تاخیر سے شفعہ باطل نہیں ہوتا۔ شیخین رحمہم اللہ کیا فرماتے ہیں؟ کہ اس طلب میں تاخیر سے بھی شفعہ باطل نہیں ہوتا۔ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إِذَا أَخَّرَهُ شَهْرًا اگر اس نے، شفیع نے مؤخر کیا اس طلب کو شَهْرًا ایک ماہ، بَطَلَتْ تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا، وَبِهِ يُفْتٰى اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

شیخین رحمہما اللہ تو کیا فرماتے ہیں کہ حقِ شفعہ اس کا پکا ہو گیا، جب اس نے طلبِ اشہاد کر لیا اب اس کا حق کیا ہو گیا؟ پکا ہو گیا۔ اب خصومت میں تاخیر بھی کر دے، دیر سے بھی قاضی کے پاس جائے تو کوئی حرج نہیں، اس کا حق ساقط نہیں۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، تاخیر کی اب بھی اجازت ہم نہیں دیں گے، ورنہ تو جو مشتری ہے، وہ بیچارہ اس میں نہ تعمیر کر سکتا ہے نہ کوئی کام کروا سکتا ہے، وہ تو انتظار میں ہے کہ یہ اب کیا کرے گا؟ شفعہ کر کے قاضی کے پاس جائے گا اور مجھ سے زمین لے لے گا۔ تو لہٰذا وہ فرماتے ہیں کہ بس ایک مہینہ ہے، ایک مہینے میں اگر خصومت کرنی ہے کر لو، زمین لے لو، اور اگر ایک مہینے تک تم قاضی کے پاس نہیں گئے تو تمہارا حقِ شفعہ کیا ہو جائے گا؟ ختم ہو جائے گا بھئی،

اور اسی پر فتویٰ ہے۔ خاص کر آج کل تو فتنے کا زمانہ ہے، لوگوں نے زمین لینی نہیں ہوتی بس دوسرے کو تنگ کرنا ہوتا ہے، تو وہ تو طلبِ اشہاد کر لیں گے اور پھر آرام سے بیٹھے رہیں گے، مہینوں پہ مہینے گزر رہے ہیں، اور وہ مشتری بیچارہ پریشان ہے کہ بھئی لینی ہے تو لے لو مجھے میرے پیسے واپس مل جائیں گے، اور میں پھر کوئی اور کام کر لوں گا۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

وَإِذَا طَلَبَ سَأَلَ الْقَاضِي الْخَصْمَ عَنْهَا۔ اب قاضی کے پاس مقدمہ کیسے چلے گا بھئی؟ اللہ آپ سب کو بڑا عالم بنائے، اچھی طرح سیکھ لیں بھئی۔ ان شاء اللہ جلد ہی اسلامی نظام اللہ نصیب فرمائیں گے، آپ قاضی بنیں گے، آپ کے پاس لوگ مقدمات لے کر آئیں گے، اب مقدمات کیسے سننے ہیں، کیسے ان کا فیصلہ کرنا ہے، تو وہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے۔ اب یہ شفعہ کا مسئلہ آیا تو قاضی کیسے فیصلہ کرے گا، کیسے مقدمہ سنے گا؟

تو خلاصہ سن لیں: بھئی جب قاضی، آپ قاضی ہیں، آپ کے پاس مقدمہ آیا شفعہ کا، تو قاضی سب سے پہلے ان زمینوں کا حدودِ اربعہ پوچھے گا، حدودِ اربعہ، چاروں طرف کے حدود۔ یعنی پتہ لگے کس زمین کی بات ہو رہی ہے، اس کے دائیں کیا ہے، بائیں کیا ہے، آگے کیا ہے، پیچھے کیا ہے۔ تو وہاں پوری پھر تفصیل بیان کرے گا وہ کہ قاضی صاحب شہر کا فلاں علاقہ ہے، اس کے اندر فلاں محلہ ہے، فلاں گلی ہے، گلی نمبر فلاں، اور اس گلی کے اندر فلاں نمبر جو مکان ہے وہ بیچا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ والا یا اس کے سامنے والا جو فلاں مکان ہے، فلاں نمبر اسی گلی میں، وہ میرا ہے اور میں اس کی وجہ سے اس پر کیا کرتا ہوں؟ شفعہ کرتا ہوں۔ پوری وضاحت ہوگی کہ مکان کی تعیین ہو جائے بھئی، تعیین ضروری ہے، جب تک تعیین نہیں تو مجہول چیز جس کا علم ہی نہیں ہے اس کا مقدمہ کیسے چلے گا بھئی؟ تو پوری مکمل تفصیل ہو جس کو دیکھ کر کوئی بھی آدمی اس مکان تک پہنچ سکے کہ ہاں اس مکان کی بات ہو رہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو سب سے پہلے اس مکان کی تعیین کی جائے گی جس پر شفعہ کیا جا رہا ہے، اور اسی طرح جو شفعہ کرنے والا ہے، شفیع، اس کے بھی مکان وغیرہ کی تعیین کی جائے گی۔ یہ تو پتہ لگ گیا یہ والا مکان ہے اس پر شفعہ کیا جا رہا ہے، اور ساتھ والا مکان ہے جس کی وجہ سے شفعہ کیا جا رہا ہے، وہ سببِ شفعہ ہے، ساتھ والا مکان کیونکہ وہ پڑوسی ہے، جارِ ملاصق ہے۔ اب قاضی کا کام ہے وہ یہ پتہ کرے کہ یہ ساتھ والا مکان اسی شفیع کا ہے بھی کہ نہیں۔ بھئی اس کا ہے تو پھر تو یہ شفعہ کر سکتا ہے، اگر اس کا مکان ہی نہیں ہے تو پھر یہ شفعہ کیسے کرے گا؟

سب سے پہلے کیا کیا جائے گا؟ ان مکانوں کی تعیین۔ پھر اس کے بعد اس بات کی تعیین کی جائے گی کہ یہ اس مکان کا مالک ہے، واقعی یہ شفعہ کا حق اس کو ہے، حق ہے۔ اس کے بعد، جب یہ بھی پتہ چل گیا کہ مکان کون سی جگہ ہے، پھر یہ بھی پتہ چل گیا کہ ساتھ والا مکان واقعی شفیع کا ہے، یہ بھی پتہ چل گیا۔ اب قاضی وہ جو مشتری ہے اس سے پوچھے گا کہ ہاں بھئی، آپ نے واقعی ساتھ والا مکان خریدا ہے کہ نہیں؟ اگر وہ کہہ دیتا ہے ہاں جی میں نے خریدا ہے، کسی طرح بھی ثابت

ہو جاتا ہے کہ ساتھ والا مکان واقعی اس نے خریدا ہے، تو بس مقدمہ پورا ہو گیا، اب قاضی فیصلہ کر دے گا شفیع کے حق میں۔ مکانوں کی تعیین بھی ہو گئی تھی، یہ بھی پتہ لگ گیا تھا کہ یہ ساتھ والا مکان بکا ہے، اور یہ بھی پتہ لگ گیا کہ اس کے ساتھ والا مکان شفیع کا ہے، وہ واقعی شفعہ کر سکتا ہے، اور پھر مشتری پر بھی یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اس نے وہ مکان خریدا ہے جو ساتھ والا فروخت ہوا تھا وہ اس نے خریدا ہے۔ جب اس نے مکان خریدا ہے اور وہ شفعہ کا حق شریعت نے اس کو حق دیا ہوا ہے، وہ بھی ثابت ہو چکا، پڑوسی کا بھی پتہ چل گیا اور خریدار کا بھی پتہ چل گیا، تو بس اب قاضی جو ہے فیصلہ کر دے گا شفعہ کا اس کے حق میں۔ اور اسی کے بیچ میں وہ طلبِ مواثبت اور طلبِ اشہاد وغیرہ کے بارے میں بھی پوچھے گا کہ طلبِ مواثبت آپ نے کی تھی اور طلبِ اشہاد آپ نے کیا تھا؟ تو یہ ہے خلاصہ مقدمہ، سمجھ میں آگیا بھئی؟

اب دیکھیے کتاب پر: تو کہتے ہیں وَإِذَا طَلَبَ اور جب وہ شفیع طلب کرے شفعہ کو، سَأَلَ الْقَاضِي الْخَصْمَ عَنْهَا تو پوچھے گا قاضی اَلْخَصْمَ، خصم کہتے ہیں فریقِ مخالف کو، خصم کسے کہتے ہیں؟ فریقِ مخالف، جو مدعا علیہ ہے۔ اب تو شفیع تو ہے دعویٰ کرنے والا مدعی، کون ہے؟ مدعی ہے، اور جس پر دعویٰ کیا وہ ہے مدعا علیہ۔ تو شفیع ہوا مدعی دعویٰ کرنے والا، اور جس پر دعویٰ کیا وہ مدعا علیہ ہے، مشتری بھی ہو سکتا ہے اور بائع بھی ہو سکتا ہے۔

مقدمے کی ایک اہم بات یاد رکھیں، آپ پڑھ چکے ہیں جگہ جگہ، حدیث میں آتا ہے: اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ أَنْكَرَ۔ اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ،بینہ گواہ گواہ بھئی، گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے۔ مدعی کیا کرے گا؟ گواہ پیش کرے گا، کوئی دعویٰ کیا کہ یہ چیز میری ہے تو گواہ لے کر آؤ بھئی۔ اور گواہ دو عادل مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں عام مسائل کے اندر بھئی، عام مسائل میں دو مرد ہوں اور قابلِ اعتماد ہوں، قابلِ اعتماد ہوں، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ یعنی فاسق و فاجر نہ ہوں اور نیک آدمی ہوں، تو دو گواہ ہونے چاہئیں۔ اور اس کا یہ معنی بھی نہیں کہ کوئی گواہ فاسق و فاجر ہے، گناہ گار مسلمان ہے، اس کی قاضی گواہی قبول ہی نہیں کرے گا کیونکہ وہ قابلِ اعتماد نہیں، نہیں بھئی، اس کی گواہی بھی قاضی قبول کر سکتا ہے وہ موقع محل کو دیکھا جائے گا بھئی۔ بعض اوقات فاسق و فاجر آدمی بھی ہوتا ہے، بعض گناہوں میں بتلا تو ہے لیکن دنیا والوں کے سامنے اس نے اپنی عزت بنائی ہوئی ہے بھئی، وہ جھوٹ نہیں بولے گا بھئی، جھوٹ سے اپنے آپ کو بچائے گا۔ تو قاضی دیکھے کہ ایسا آدمی ہے، یہ جب سب کے سامنے ایک بات کر رہا ہے معلوم ہوا یہ سچ ہی بول رہا ہو گا، تو قاضی کیا کر سکتا ہے اس کی گواہی بھی قبول کر سکتا ہے، لیکن وہ قاضی کی مرضی ہے۔ اور قابلِ اعتماد ہو گواہ، تو پھر تو ہر حال میں قبول کرنا پڑے گی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ أَنْكَرَ۔بینہ یعنی گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے جو دعویٰ کرنے والا ہے، وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ أَنْكَرَ اور قسم اس شخص پر ہے جو انکار کرنے والا ہے۔

تو یاد رکھو گواہ ہمیشہ اثبات کے لیے ہوتے ہیں، کسی چیز کو ثابت کرنے کے لیے ہوتے ہیں، نفی کے لیے گواہ نہیں ہوتے۔ گواہ کس لیے ہوتے ہیں؟ کسی چیز کو ثابت کرنا ہے، کسی چیز کی نفی کے لیے گواہ نہیں۔ اور قسم اس کے مقابلے

میں اگر مدعی گواہ پیش نہیں کر سکا، تو پھر جو مدعا علیہ ہے، جو اس کے دعوے کا انکار کر رہا ہے اس پر قسم آئے گی، اور وہ قسم نفی پر کھائے گا، قسم نفی کے لیے ہوتی ہے کہ ایسا نہیں ہے، میں قسم کھاتا ہوں۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

تو بینہ کس کے ذمے؟ مدعی کے ذمے، اور قسم کس پر آئے گی؟ مدعا علیہ پر۔ لہٰذا مدعی کو قسم نہیں دی جائے گی۔ قسم انکار پر ہوتی ہے بھئی۔ اثبات کے لیے تو کیا چاہیے؟ گواہ چاہیے، بینہ چاہیے۔ ایک آدمی کہتا ہے قاضی صاحب یہ جو قلم اس کے پاس ہے یہ میرا ہے۔ اب یہ دیکھو دعویٰ کر رہا ہے، اور اثبات کر رہا ہے یا نفی کر رہا ہے؟ اثبات کر رہا ہے کہ یہ قلم میرا ہے، اور وہ مدعا علیہ کیا کہتا ہے یہ قلم اس کا نہیں ہے۔ تو جو دعویٰ کرنے والا ہے کہ یہ قلم میرا ہے، یہ اثبات کر رہا ہے، تو اس کے ذمے ہے بینہ، یہ دو گواہ لے کر آئے کہ یہ قلم اس کا ہے۔ اور اگر یہ گواہ پیش نہیں کر سکا، پھر قاضی کیا کرے گا؟ دوسرے کو قسم دے گا کہ تم قسم اٹھاؤ یہ قلم اس کا نہیں ہے۔ تو اگر وہ قسم اٹھا لیتا ہے تو اس کے حق میں قاضی فیصلہ کر دے گا، اور اگر وہ قسم سے انکار کر دیتا ہے، تو بھی مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا، کہ یہ قسم بھی نہیں اٹھا رہا، معلوم ہوا قلم کس کا ہے؟ مدعی کا ہی ہے بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ تو ہر مقدمے میں آپ نے یاد رکھنا ہے: اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ أَنْكَرَ۔ اور دعویٰ کس پر ہوتا ہے؟ اثبات کے لیے ہوتا ہے، اور قسم کس پر آتی ہے؟ مدعا علیہ پر، اور وہ انکار کرنے والا ہوتا ہے۔ تو جو بھی مسئلہ آئے آپ نے اس میں دیکھنا ہے کہ اثبات کس کے ذمے ہے، وہ مدعی بنے گا، اور انکار کون کر رہا ہے، وہ کیا بن جائے گا؟ مدعا علیہ، اس پر قسم آئے گی، اس پر قسم آئے گی۔

لہٰذا جہاں کہیں یہ عبارت آ جائے فَالْقَوْلُ لَهُ کہ قول اس کا معتبر ہے۔ فَالْقَوْلُ لِلشَّفِيْعِ قول کس کا معتبر؟ شفیع کا۔ اس سے آپ کو ایک بات کا پتہ چل گیا، کیا؟ معلوم ہوا شفیع منکر ہے، قول مَعَ الْحَلْف کس کے ساتھ؟ قسم کے ساتھ، یعنی قسم کس کو کھلائی جائے گی؟ مثلاً ویسے کی ذکر کر رہا ہوں فَالْقَوْلُ لَهُ، مثلاً فَالْقَوْلُ لِلشَّفِيْعِ قول کس کا معتمد؟ شفیع کا، آپ کو خود بخود پتہ چل گیا معلوم ہوا شفیع منکر ہے، کوئی ویسے مثال ذکر کر رہا ہوں کہ شفیع کیا ہے منکر ہے کیونکہ قسم کس کو کھلائی جاتی ہے، قول کس کی مانا جاتا ہے؟ منکر کا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یا مثلاً فَالْقَوْلُ لِلْبَائِعِ قول کس کا معتبر؟ بائع کا، معلوم ہوا بائع کون ہے؟ منکر ہے اور اس کا قول معتمد، اس کا قول مانا جائے گا، ویسے ہی مانا جائے گا یا قسم کے ساتھ؟ قسم کے ساتھ مانا جائے گا۔ تو جہاں کہیں یہ عبارت آ جائے آپ سمجھ جائیں کہ یہ منکر ہے اور قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے گی، اور دوسرے کے ذمے بینہ ہے بھئی، اس کی بات نہیں مانی جائے گی، اس کی قسم کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ اس کے ذمے کیا ہے؟ بینہ ہے، بینہ۔

اور پھر مقدمے کی ایک اور قیمتی بات یاد رکھنا، قاضی غائب کے خلاف مقدمہ نہیں سن سکتا۔ آپ نے زید پر دعویٰ کیا ہے، تو مقدمہ تب ہی آگے چلے گا جب زید وہاں پر حاضر ہو بھئی۔ زید کو بلوایا جائے گا پھر مقدمہ چلے گا۔ قاضی غائب کے

خلاف مقدمہ نہیں سن سکتا۔ اس کے سامنے مقدمہ چلایا جائے گا، اس کے خلاف بینہ نہیں سن سکتا قاضی، زید نہیں ہے اور اس کے خلاف بینہ پیش کی جا رہی ہے، نہیں بھئی، قاضی نہیں سن سکتا۔ اس کے سامنے بینہ پیش کیا جائے گا، اور اس کے خلاف فیصلہ نہیں کر سکتا قاضی بھئی جب تک وہ مدعا علیہ موجود نہ ہو۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے کتاب پر: وَإِذَا طَلَبَ اور جب شفیع طلب کرے یعنی شفعہ کو، سَأَلَ الْقَاضِي تو قاضی پوچھے گا، قاضی پوچھے گا الْخَصْمَ عَنْهَا وہ جو فریقِ مخالف ہے یعنی مدعا علیہ ہے عَنْهَا اس گھر کے بارے میں، ہا ضمیر راجع ہے اَلدَّار کو۔ قاضی فریقِ مخالف، فریقِ مخالف کون ہے؟ مدعا علیہ، وہ بائع بھی ہو سکتا ہے اور مشتری بھی ہو سکتا ہے، اس سے پوچھے گا عَنْهَا کس کے بارے میں؟ اس گھر کے بارے میں۔ کیا معنی اس گھر کے بارے میں؟ یعنی وہ جو شفیع جس گھر کی وجہ سے شفیع شفعہ کر رہا ہے، شفیع کس گھر کی وجہ سے شفعہ کر رہا ہے؟ اپنے گھر کی وجہ سے۔ شفیع اس کا پڑوسی ہے تو شفعہ کر سکتا ہے، پڑوسی نہیں تو شفعہ کر سکتا ہے؟ نہیں۔ تو لہٰذا اس شفیع کے گھر کے بارے میں پوچھے گا قاضی کس سے؟ بھئی دیکھیے نا مقدمہ چل رہا ہے۔ سب سے پہلے تو وہ زمینوں کی تعیین ہو گئی، اس کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ زمینوں کا مسئلہ جب بھی آپ کے پاس آئے گا تو آپ پہلے زمینوں کی تعیین کروائیں گے کہ بھئی کس زمین کی بات ہو رہی ہے، کس کے بارے میں جھگڑا ہے، پہلے پتہ تو چلے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو زمینوں کے مسئلے میں ہمیشہ پہلے کیا کی جائے گی ان کی تعیین کی جائے گی، اس کو وہ ذکر نہیں کر رہے، بس شفعہ سے جو متعلق ہے وہ ذکر کر رہے ہیں۔ اور شفعہ کے اندر میں نے بتایا سب سے پہلے کیا کریں گے؟ جی؟

پہلے یہ پتہ لگائیں گے کہ جو زمین فروخت کی گئی ہے، یہ آدمی اس پر کیا کرنا چاہ رہا ہے؟ شفعہ، تو پہلے پتہ تو چلاؤ کہ یہ ساتھ والی زمین اس کی ہے بھی یا نہیں، یہ جار بھی ہے کہ نہیں، اس کو شفعہ کا حق بھی ہے کہ نہیں۔ تو لہٰذا اس کے گھر کے بارے میں پوچھا جائے گا، تحقیق کی جائے گی کہ یہ واقعی شفیع بن سکتا ہے، یہ واقعی پڑوسی ہے کہ پڑوسی نہیں۔ اب اس کی صورت یہ ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً آپ ہیں شفیع، اور آپ کے ساتھ والا مکان زید نے خریدا ہے۔ توجہ ہے؟ آپ کون ہیں؟ شفیع، آپ کے ساتھ والا مکان کس نے خریدا؟ زید نے۔ اب زید کو آپ قاضی کے پاس لے آئے، اور اب قاضی یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ وہ ساتھ والا گھر آپ کا ہے یا نہیں، یعنی اگر آپ کا ہے تو پھر تو ٹھیک ہے آپ کا حقِ شفعہ بنتا ہے۔ تو لہٰذا قاضی آپ سے پہلے نہیں پوچھے گا، قاضی زید سے پوچھے گا، ہاں بھئی بتاؤ یہ جو ساتھ والا گھر ہے یہ واقعی اس شفیع کا ہے، اس آدمی کا ہے جس کی وجہ سے یہ کیا کر رہا ہے؟ شفعہ کر رہا ہے۔ اگر زید کہہ دیتا ہے جی ہاں وہ گھر اسی کا ہے، تو ثابت ہو گیا یا نہیں ثابت ہو گیا؟ فریقِ مخالف مان گیا، فریقِ مخالف بھی مان گیا کہ وہ ساتھ والا گھر آپ کا ہے۔ اور اگر وہ کہتا ہے نہیں مجھے تو پتہ نہیں، وہ اقرار ہی نہیں کرتا، تو اب قاضی آپ کو کہے گا ہاں بھئی گواہ پیش کرو کہ وہ ساتھ والا گھر تمہارا ہے۔ تو آپ کے ذمے گواہ آجائیں گے۔ اور اگر آپ گواہ پیش نہیں کر سکتے تو پھر وہ جو مدعا علیہ ہے اس پر قسم آئے گی کہ تم قسم

اٹھاؤ کہ میں نہیں جانتا، دیکھو قسم انکار پر آرہی ہے، کہ میں نہیں جانتا کہ یہ گھر اس کا ہے، میں نہیں جانتا کہ یہ گھر اس کا ہے۔ بھئی یہ نہیں کہیں گے، یہ قسم نہیں کھلائیں گے کہ یہ گھر اس کا ہے یا یہ گھر اس کا نہیں ہے، اس کا تو زید کو پتہ نہیں ہے، زید تو اپنے علم پہ قسم اٹھا سکتا ہے کہ مجھے علم ہے یا علم نہیں۔ قطعی طور پر یہ مالک ہے یا مالک نہیں، یہ تو بے شک اس گھر میں رہتا بھی ہو تو کیا رہنے سے یہ مالک ثابت ہو جاتا ہے؟ ہو سکتا ہے کرائے پر رہتا ہو، ہو سکتا ہے اس کے کسی اور عزیز کا ہو اس نے اس کو ویسے دیا ہوا ہے رہنے کے لیے۔ تو قطعی طور پر یہ مالک ہے یا مالک نہیں یہ تو زید کو پتہ نہیں ہو سکتا، لہٰذا اس سے قطعی یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ یہ مالک ہے یا مالک نہیں بلکہ قسم اس بات پر دی جائے گی کہ تمہیں علم ہے یا علم نہیں، تم اپنے علم پر قسم اٹھاؤ۔

تو لہٰذا پھر سنیں: سب سے پہلے قاضی کیا کرے گا؟ وہ ساتھ والے گھر کا پتہ لگائیں گے کہ اس کو شفعہ کا حق ہے یا حق نہیں، تو لہٰذا پہلے مدعا علیہ سے پوچھے گا ہاں بھئی بتاؤ یہ ساتھ والا گھر اسی کا ہے، یہ جو دعویٰ کرنے والا ہے؟ اگر وہ کہہ دیتا ہے ہاں وہ ساتھ والا گھر اسی کا ہے، پھر تو اس سے گواہ لینے کی بھی ضرورت نہیں، گواہ طلب کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔ اگر وہ اقرار نہیں کرتا، پھر قاضی اس سے کیا کہے گا؟ دو گواہ پیش کرو کہ وہ ساتھ والا گھر تمہارا ہے جس کی وجہ سے تم شفعہ کر رہے ہو۔ اگر یہ گواہ پیش کر دیتا ہے تو بھی ثابت ہو گیا، اگر اس کے پاس گواہ بھی نہیں ہیں اس بات پر، تو پھر قاضی جو مدعا علیہ ہے اس سے قسم لے گا، اور قسم کس چیز پر لے گا؟ انکار پر، اور انکار بھی کس چیز کا؟ علم کا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ اس کا گھر ہے، قاضی صاحب میں قسم کھاتا ہوں کہ مجھے پتہ نہیں ہے کہ یہ اس کا گھر ہے۔ اگر وہ قسم اٹھا لیتا ہے تو مقدمہ خارج ہو گیا، بھئی اس کے پاس گواہ بھی نہیں ہیں ساتھ والا گھر میرا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو ساتھ والا گھر ہی نہیں ثابت ہو سکا اس کا تو مقدمہ ختم ہو گیا۔ اور اگر وہ انکار کر دے، نہیں جی میں قسم نہیں اٹھاؤں گا، آج کل تو لوگ ہر بات پہ قسم اٹھاتے ہیں، نہ سچ جھوٹ کو دیکھتے ہیں نہ کسی اور بات کو، قسم کتنی عظیم چیز ہے، ایک مومن کی شان مومن تو ویسے بھی جھوٹ نہیں بولتا اور قسم کا معاملہ تو بڑا ہی سخت ہے بھئی، بڑا ہی سخت ہے۔ بے شک جائیداد سب کچھ ہاتھ سے نکل جائے جھوٹی قسم کھانے کو مومن کبھی نہیں تیار ہوتا۔ تو اس نے بھی انکار کر دیا کہ میں قسم نہیں اٹھا سکتا قاضی صاحب۔ اگر اس نے انکار کر دیا تو گھر اس کا ثابت ہو گیا، اور اگر اس نے قسم کھا لی تو مقدمہ کیا ہو گیا؟ خارج ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ انکار کیا اس نے قسم اٹھانے سے تو گھر شفیع کا ساتھ والا ثابت ہو گیا، اور اگر اس نے قسم اٹھا لی تو مقدمہ خارج ہو گیا، قسم اٹھا لی کہ یہ اس گھر کا مالک نہیں ہے، بس فیصلہ ہو گیا بھئی ختم، جب مالک ہی نہیں ہے تو یہ کہاں سے یہ شفعہ کر سکتا ہے؟

دیکھیے بھئی اب کتاب پر: وَإِذَا طَلَبَ اور جب شفیع طلب کرے، سَأَلَ الْقَاضِي الْخَصْمَ عَنْهَا تو قاضی پوچھے گا فریقِ مخالف یعنی مدعا علیہ سے عَنْهَا اس گھر کے بارے میں، کون سے گھر کے بارے میں؟ جو شفیع کا گھر ہے جس کی وجہ سے وہ

کیا کر رہا ہے؟ شفعہ کر رہا ہے۔ اور کیا پوچھے گا اس گھر کے بارے میں؟ اس کے مالک ہونے کے بارے میں پوچھے گا۔ یہی بیان کر رہے ہیں: أَيْ عَنْ مَالِكِيَّةِ الشَّفِيْعِ اس شفیع کے مالک ہونے کے بارے میں اَلدَّارَ وہ گھر اَلْمَشْفُوْعَ بِهَا جس کی وجہ سے وہ شفعہ کر رہا ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ مَالِكِيَّةِ، مالک بھئی یاد رکھو صفت کے صیغے کے آخر میں یائے مشدد اور گول تا ملا کر اس سے مصدر بنا لیتے ہیں۔ کیا کرتے ہیں؟ صفت کے صیغے کے آخر میں یائے مشدد اور گول تا جوڑ کر اسے مصدر بنا لیا جاتا ہے۔ جیسے ضَارِب، ضَارِب کا کیا معنی؟ پٹائی کرنے والا، یہ صفت کا صیغہ ہے کوئی آدمی کیا ہے پٹائی کرنے والا۔ تو ضَارِب سے میں مصدر بنانا چاہتا ہوں، تو آخر میں میں نے یائے مشدد اور گول تا ملا دی، ضَارِبِيَّة۔ اب یہ مصدر بن گیا، ضَارِبِيَّة کا معنی ہے ضارب ہونا۔ بھئی مصدر کے آخر میں کیا آتا ہے؟ نا آتا ہے نا، کھانا، پینا، سونا، جاگنا، یہ سب کیا ہیں؟ مصدر ہیں۔ تو دیکھو ضارب ہونا، دیکھو کیا بن گیا؟ مصدر۔ مَضْرُوْب، مَضْرُوْب سے میں مصدر بنانا چاہتا ہوں، کیسے بناؤں گا؟ مَضْرُوْبِيَّة، مضروب ہونا۔ مَالِك سے میں مصدر بنانا چاہتا ہوں، مَالِكِيَّة یعنی مالک ہونا۔ اب بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہاں بھی اسی طرح ہے: أَيْ عَنْ مَالِكِيَّةِ الشَّفِيْعِ یعنی شفیع کا مالک ہونا، بھئی کس چیز کا مالک ہونا؟ اَلدَّارَ الْمَشْفُوْعَ بِهَا وہ گھر جس کی وجہ سے وہ شفعہ کر رہا ہے۔ تو سَأَلَ الْقَاضِي الْخَصْمَ عَنْهَا تو قاضی جو ہے مدعا علیہ سے، فریقِ مخالف

مخالف سے پوچھے گا اس گھر کے بارے میں، اس گھر کے بارے میں پوچھے گا کیا معنی؟ کہتے ہیں أَيْ عَنْ مَالِكِيَّةِ الشَّفِيْعِ الدَّارَ الْمَشْفُوْعَ بِهَا یعنی شفیع کے اس دارِ مشفوع کے مالک ہونے کے بارے میں پوچھے گا بھئی۔

فَإِنْ أَقَرَّ اگر اس نے اقرار کر لیا، فریقِ مخالف نے اقرار کر لیا بھئی کس چیز کا؟ بِمِلْكِ مَا شُفِعَ بِهِ۔ مَا سے مراد ہے وہ دار۔ ما موصولہ ہے، مَا وہ گھر شُفِعَ بِهِ جس کی وجہ سے کیا کیا جا رہا ہے؟ جس کی وجہ سے شفعہ کیا گیا ہے۔ فَإِنْ أَقَرَّ بِمِلْكِ مَا، مَا سے مراد کیا ہے؟ گھر۔ لہٰذا ترجمے میں یہاں ہم گھر کا لفظ لے آئیں گے۔ فَإِنْ أَقَرَّ اس نے اگر اقرار کر لیا بِمِلْكِ مَا شُفِعَ بِهِ اس گھر کا جس کی وجہ سے شفعہ کیا گیا ہے، اگر اس نے اقرار کر لیا، مدعا علیہ نے اقرار کر لیا کہ واقعی وہ گھر اس کا ہے۔ فَإِنْ أَقَرَّ بِمِلْكِ مَا شُفِعَ بِهِ پس اس نے اگر اقرار کر لیا اس گھر کے مالک ہونے کا جس کی وجہ سے شفعہ کیا گیا ہے، مالک ہونے کا اقرار کر لیا یہ نہیں کہتا میرا گھر ہے، یعنی یہ اس شفیع کے، اس کے مالک ہونے کا اقرار کر لیا، أَوْ نَكَلَ عَنِ الْحَلْفِ، نَكَلَ کا معنی انکار کرنا، یا اس نے کیا کیا؟ انکار کر دیا عَنِ الْحَلْفِ عَلَى الْعِلْمِ اپنے علم پر قسم اٹھانے سے، کون سا کس چیز کا علم؟ بِأَنَّهُ مَالِكُ كَذَا کہ وہ ایسے گھر کا مالک، وہ اس گھر کا مالک ہے، اس سے اس نے انکار کر دیا۔[1]

بھئی تین صورتیں بیان ہو رہی ہیں نا۔ کیا ثابت کرنا ہے؟ کہ ساتھ والا گھر کس کا ہے؟ شفیع کا۔ تو سب سے پہلے قاضی کس سے پوچھے گا؟ مدعا علیہ سے کہ ہاں بھئی وہ ساتھ والا گھر اس کا ہے؟ وہ اگر اقرار کر لے، تو ثابت ہو گئی بات آگے چلے

[1] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۵۶):** صوتی درس کی قراءت میں «بِمِلْكِ مَا شُفِعَ بِهِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «بملكِ ما يشفعُ به،» منقول ہے۔

گی۔ یا اگر وہ اقرار نہیں کرتا، تو پھر قاضی دوسرے سے کیا پوچھے گا؟ گواہ پیش کرو۔ اگر وہ گواہ پیش کر دیتا ہے تو بھی ثابت ہو گیا۔ اگر گواہ پیش نہیں کر سکا تو دوسرے کو کیا قسم، دوسرے کو کیا کیا جائے گا؟ قسم، اگر وہ قسم سے انکار کر دیتا ہے، تو بھی وہ گھر کا مالک شفیع ثابت ہو گیا۔ دیکھو تینوں وہ صورتیں وہ تینوں یہاں ذکر کر رہے ہیں: فَإِنْ أَقَرَّ بِمِلْكِ مَا شُفِعَ بِهِ پس اس نے اگر اقرار کر دیا اس گھر کے مالک ہونے کا جس کی وجہ سے شفعہ کیا گیا ہے، أَوْ نَكَلَ عَنِ الْحَلْفِ یا اس نے قسم سے کیا کر دیا؟ انکار کر دیا، قسم کس چیز کی؟ عَلَى الْعِلْمِ بِأَنَّهُ مَالِكٌ كَذَا اس بات کے علم پر کہ وہ اس گھر کا مالک ہے، اس قسم سے اس نے انکار کر دیا۔ وَلَوْ بَرْهَنَ الشَّفِيْعُ اور اگر شفیع نے بینہ قائم کر دی، بَرْهَنَ کا کیا معنی؟ بینہ قائم کر دی، گواہ پیش کر دیے۔ تینوں وہ صورتیں: اقرار کر لے تو بھی مالک ثابت ہو گیا شفیع، مالک ثابت۔ اگر قسم سے انکار کر دے تو بھی شفیع مالک ثابت ہو گیا، اور اگر وہ گواہ پیش کر دے تو بھی مالک ثابت ہو گیا۔ تینوں صورتیں یہاں ذکر ہو گئیں، میں نے ترتیب سے بھی ذکر کر دی، طریقہ سمجھ میں آیا؟

تو وَلَوْ بَرْهَنَ الشَّفِيْعُ اگر گواہ، اگر بینہ قائم کر دی، گواہ پیش کر دیے شفیع نے، تو گھر تو ثابت ہو گیا، اب اگلی بات آ گئی: سَأَلَهُ عَنِ الشِّرَاءِ تو قاضی اس مدعا علیہ سے، اس فریقِ مخالف سے پوچھے گا عَنِ الشِّرَاءِ گھر خریدنے کے بارے میں۔ یہ ساتھ والا گھر تو شفیع کا ہے، معلوم ہوا اس کو حقِ شفعہ ملے گا۔ اب یہ بتاؤ یہ گھر تم نے خریدا ہے، ساتھ والا؟ ساتھ والا گھر تم نے خریدا؟ یہ معنی: سَأَلَهُ عَنِ الشِّرَاءِ قاضی اس سے پوچھے گا اس فریقِ مخالف سے، مدعا علیہ سے عَنِ الشِّرَاءِ اس گھر کے خریدنے کے بارے میں۔

فَإِنْ أَقَرَّ بِهِ۔ پھر یہاں وہی تین صورتیں۔ قاضی اس سے پوچھے گا ہاں بتاؤ یہ مکان نمبر ایک تو شفیع کا ہے، یہ مکان نمبر دو تم مجھے بتاؤ ساتھ والا، یہ تم نے خریدا ہے؟ وہی صورتیں اب آئیں گی۔ وہ اقرار کر لیتا ہے ہاں جی میں نے خریدا ہے، تو قاضی کیا کرے گا؟ شفیع کے لیے فیصلہ کر دے گا۔ یا وہ اقرار نہیں کرتا تو پھر قاضی کیا کرے گا؟ شفیع سے کہے گا گواہ پیش کرو۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو بھی کیا کر دے گا؟ اگر وہ گواہ پیش کر دے تو بھی قاضی اس کے لیے فیصلہ کر دے گا۔ اگر وہ گواہ پیش نہیں کر سکا تو پھر کیا کیا جائے گا؟ اس مدعا علیہ کو قسم دی جائے گی، اگر وہ قسم سے انکار کر دیتا ہے تو بھی فیصلہ کس کے حق میں کر دیا جائے گا؟ شفیع کے حق میں کر دیا جائے گا، اور اگر وہ قسم اٹھا لیتا ہے تو پھر اس کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا، بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: فَإِنْ أَقَرَّ بِهِ اگر اس نے کیا کیا؟ اقرار کر لیا اس خریداری کا، اس خریدنے کا، أَوْ نَكَلَ عَنِ الْحَلْفِ عَلَى الْحَاصِلِ أَوِ السَّبَبِ یا اس نے انکار کر دیا قسم سے، قسم عَلَى الْحَاصِلِ قسم کس پر؟ حاصل پر یعنی نتیجے پر، أَوِ السَّبَبِ یا سبب پر۔ حاصل یا سبب پر جو قسم تھی اس سے انکار کر دیا۔

اب یہ حاصل پر کب قسم کھلائیں گے اور سبب پر کب؟ وہ شارح بتلانے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: اِعْلَمْ جان لے أَنَّ ثُبُوْتَ

الشُّفْعَةِ إِنْ كَانَ مُتَّفَقًا عَلَيْهِ کہ شفعہ کا ثبوت اگر متفق علیہ ہو، تو يُحَلَّفُ عَلَى الْحَاصِلِ تو اس کو قسم دی جائے گی عَلَى الْحَاصِلِ کس پر؟ حاصل یعنی نتیجے پر کہ بِاللهِ مَا اسْتَحَقَّ هٰذَا الشَّفِيْعُ الشُّفْعَةَ عَلَيَّ کہ واللہ مستحق نہیں ہے یہ شفیع میرے اوپر شفعہ کا۔ وَإِنْ كَانَ مُخْتَلَفًا فِيْهِ اور اگر وہ مسئلہ مختلف فیہ تھا، ثبوتِ شفعہ کیا تھا؟ مختلف فیہ تھا كَشُفْعَةِ الْجِوَارِ جیسے کہ شفعہ جوار، پڑوسی کی

پڑوس کی وجہ سے جو شفعہ ہوتا ہے، تو يُحَلَّفُ عَلَى السَّبَبِ تو اس کو قسم دی جائے گی سبب پر کہ بِاللهِ مَا اشْتَرَيْتُ هٰذِهِ الدَّارَ کہ واللہ میں نے اس گھر کو نہیں خریدا۔ لِأَنَّهُ رُبَّمَا يَحْلِفُ عَلَى الْحَاصِلِ بِمَذْهَبِ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ اس لیے کیونکہ بسا اوقات وہ قسم اٹھالے گا حاصل پر مذہبِ شافعی کے ساتھ۔ وَقَدْ سَبَقَ فِيْ كِتَابِ الدَّعْوٰى اور تحقیق یہ بات کتاب الدعویٰ میں گزر چکی ہے، پیچھے اسی کتاب کے اندر یہ شرحِ وقایہ کے گزشتہ حصے میں آیا تھا وہاں پر یہ بات بیان ہو چکی ہے، کہ جب بھی مختلف فیہ مسئلہ ہو تو قسم کس پر اٹھواؤ؟ سبب پر، اور جب بھی متفق علیہ مسئلہ ہو تو پھر حاصل پر بھی قسم اٹھانے میں کوئی حرج نہیں، حاصل پر بھی قسم دے سکتے ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو اقرار کر لیا تو بھی شراء ثابت ہو گئی، شفعہ ثابت ہو گیا۔ انکار کر لیا قسم سے تو بھی شفعہ ثابت۔ تیسری صورت تھی: أَوْ بَرْهَنَ الشَّفِيْعُ یا شفیع نے بینہ قائم کر دی، دو گواہ پیش کر دیے، تو قُضِيَ لَهُ بِهَا تو اس کے لیے شفعہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا، بِهَا ضمیر راجع ہے شفعہ کو، قُضِيَ لَهُ بِهَا تو فیصلہ کر دیا جائے گا شفیع کے لیے اس شفعہ کا۔ وَإِنْ لَّمْ يُحْضِرِ الثَّمَنَ وَقْتَ الدَّعْوٰى اگرچہ اس نے ثمن حاضر نہ کیے ہوں دعویٰ کے وقت، اگرچہ اس نے، چلیے بس کرتے ہیں بھئی باقی پھر ان شاء اللہ اگلے سبق میں کر لیں گے۔

یہاں تک بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ کوئی بات ایسی تو نہیں جو سمجھ میں نہ آئی ہو؟

بھئی دیکھیے حاصل اور سبب پر قسم اٹھواتے ہیں، بس آپ نے یہ دیکھنا ہے کہ وہ قسم میں کوئی تاویل نہ کر جائے، کوئی تاویل نہ کر جائے۔ تاویل کر، قسم بھی اٹھالے گا اور تاویل کے ذریعے وہ مثلاً، دیکھو شفعہ کا حق امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کس کس کو ہے؟ شریک فی نفس المبیع کو بھی ہے اور شریک فی حق المبیع کو بھی ہے، اور تو، اور ہمارے نزدیک بھی ہے لیکن جار کو شفعہ کا حق ہمارے نزدیک ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نہیں ہے۔ اب ہم پوچھ رہے ہیں اس سے خریداری کے بارے میں، یہ بتاؤ یہ ساتھ والا گھر آپ نے خریدا ہے؟ اگر وہ اقرار کر لے تو شفعہ کیا ہوا؟ ثابت ہو گیا۔ یا شفیع کیا کر دے؟ دو گواہ قائم کر دے تو بھی شفعہ ثابت ہو گیا، اور یا وہ قسم سے انکار کر دے تو بھی شفعہ ثابت ہو گیا۔ تو اب قسم کیا قسم اس کو دی جائے گی؟ کیونکہ قسم یا تو ایک سیدھا آپ اس سے پوچھ لیں کہ قسم اٹھاؤ تم نے یہ گھر نہیں خریدا، اور یہ قسم بھی اٹھوا سکتے ہیں اس سے کہ قاضی صاحب واللہ اس کو میرے اوپر شفعہ کا حق نہیں ہے۔ تو دونوں، سبب پر

بھی قسم دی جا سکتی ہے اور حاصل پر بھی۔ سبب کیا؟ شفعہ کا سبب کیا ہے؟ بیع۔ بیع ہو گی تو شفعہ آئے گا نا، بیع نہیں تو شفعہ بھی نہیں، شروع میں ہی آیا تھا تَجِبُ بَعْدَ الْبَيْعِ شفعہ کب ثابت ہوتا ہے؟ بیع کے بعد۔ تو شفعہ کا سبب کیا؟ بیع، اور حاصل کیا؟ جب بیع ہو جائے گی تو شفیع کو کیا حاصل ہو جائے گا؟ حقِ شفعہ۔ تو آپ سبب پر بھی قسم دے سکتے ہیں، آپ قاضی ہیں، اور آپ نتیجے پر بھی قسم دے سکتے ہیں، آپ جس طرح بھی قسم دینا چاہیں دے سکتے ہیں۔ لیکن یہ دیکھ لینا کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے یا متفق علیہ، اگر مختلف فیہ ہو تو قسم ہمیشہ سبب پر دینا، قسم سبب پر دینا، اور اگر مسئلہ متفق علیہ ہو تو پھر نتیجے پر بھی قسم دے سکتے ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو اگر آپ اس کو حاصل پر قسم دیتے ہیں اور وہ کس مذہب پر قسم اٹھا لیتا ہے؟ امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب پر قسم اٹھا لے گا، وہ کہے گا واللہ قاضی صاحب اس کو شفعہ کا حق نہیں ہے، کیونکہ وہ تو جارِ ملاصق ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی جارِ ملاصق کو تو شفعہ کا حق ہوتا ہی نہیں۔ تو اس نے سچی قسم اٹھائی یا جھوٹی قسم اٹھائی؟ بات تو سچی، قسم تو اس نے سچی اٹھا لی لیکن قاضی سمجھا شاید یہ ہمارے مذہب پر قسم اٹھا رہا ہے لیکن اس نے تو کس کے مذہب پر قسم اٹھا لی؟ امام شافعی رحمہ اللہ کے، تو شفیع کا حق مارا گیا کہ نہیں مارا گیا؟ شفیع کا حق مارا گیا بھئی، یہ تو اس کے لیے راستہ آپ نے کھول دیا۔ تو راستہ نہ کھولو ایسا، بلکہ اس صورت میں کس چیز پر قسم دو اس کو؟ سبب پر، یہ بتاؤ کہ یہ زمین تم نے خریدی ہے یا نہیں؟ وہ قسم اٹھاتا ہے کہ واللہ قاضی صاحب یہ زمین میں نے نہیں خریدی، پھر تو ٹھیک ہے جب خریدی ہی نہیں ہے بات ہی ختم ہو گئی، شفعہ ختم ہو گیا۔ لیکن اگر وہ قسم سے انکار کر دیتا ہے، نہیں یہ قسم تو میں نہیں اٹھاؤں گا، اس کا مطلب ہے اس نے زمین خریدی ہے، جب زمین خریدی ہے تو شفیع ہمارے نزدیک چاہے شریک ہو فی نفس المبیع، چاہے شریک فی حق المبیع ہو، چاہے جارِ ملاصق ہو تینوں صورتیں اس کے اندر آگئیں اور شفعہ ثابت ہو جائے گا۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں مختلف مسائل آئیں گے وہاں پر ایک مسئلے کا سبب ہوتا ہے، ایک مسئلے کا حاصل ہوتا ہے، تو قاضی نے غور کرنا ہے، فقہا تصریح کرتے ہیں موقع بموقع جہاں ایسے مواقع آتے ہیں کہ سبب پر بھی قسم دے سکتے ہیں اور حاصل پر بھی قسم دے سکتے ہیں۔ بظاہر تو ایک ہی بات لگتی ہے نا، آپ گھر کی خریداری کی بات کر لیں یا آپ شفعہ کے حق کی بات کر لیں بظاہر دونوں ایک جیسے لگتے ہیں، خریدے گا تو کیا آئے گا؟ حقِ شفعہ آئے گا۔ لیکن آپ نے پڑھ لیا کہ دونوں میں فرق آرہا ہے کیونکہ بعض صورتوں میں اختلاف ہے اور بعض میں اتفاق ہے، مسئلہ اس سے بدل رہا ہے۔ تو آپ نے سبب کو بھی دیکھنا ہے اور حاصل کو بھی، اور پھر اگر وہ متفق علیہ مسئلہ ہے تو پھر آپ بے شک حاصل پر قسم دے دیں نتیجے پر قسم دے دیں، اور اگر مختلف فیہ ہے تو پھر سبب پر قسم دینا، ورنہ ہو سکتا ہے وہ تاویلاً دوسرے مذہب پر قسم اٹھا لے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴: اقرار یا بینہ سے قضاءِ شفعہ، ادائیگیِ ثمن، عیب و رؤیت اور وکالت فی الشراء کے مسائل

شرح الوقایہ صفحہ: ۸ — بتاریخ: ۱۱ ستمبر ۲۰۱۹ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی:

«أَوْ بَرْهَنَ الشَّفِيعُ قُضِيَ لَهُ بِهَا وَإِنْ لَّمْ يُحْضِرِ الثَّمَنَ وَقْتَ الدَّعْوَى، وَإِذَا قُضِيَ لَزِمَهُ إِحْضَارُهُ، وَلِلْمُشْتَرِي حَبْسُ الدَّارِ بِقَبْضِ ثَمَنِهِ، فَلَوْ قِيلَ لِلشَّفِيعِ أَدِّ الثَّمَنَ فَأَخَّرَ لَا تَبْطُلُ شُفْعَتُهُ، وَالْخَصْمُ الْبَائِعُ إِنْ لَّمْ يُسَلِّمْ.»[1]

شرحِ وقایہ میں شفعہ کے مسائل ہم پڑھ رہے ہیں بھائی، اور طلبِ خصومت کی تفصیل ذکر ہو رہی تھی کہ سب سے پہلے قاضی جو ہے اس زمین کے حدودِ اربعہ پوچھے گا کہ کہاں پر واقع ہے، پوری تفصیل بیان کی جائے گی، اور پھر شفیع سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس وجہ سے شفعہ کر رہا ہے۔ مثلاً وہ بتلاتا ہے کہ میرے ساتھ والی زمین میری ہے، تو اس سے بھی پوری تفصیل پوچھی جائے گی کہ کون سی زمین، کون سی گلی میں، کون سا پلاٹ آپ کا ہے جس کی وجہ سے آپ شفعہ کر رہے ہیں۔

اس کے بعد مشتری کی طرف متوجہ ہو کر اس سے پوچھا جائے گا کہ ہاں بھائی، کیا یہ وہ ساتھ والی زمین جس کی وجہ سے شفیع شفعہ کر رہا ہے، وہ شفیع ہی کا ہے وہ پلاٹ یا وہ گھر شفیع ہی کا ہے؟ اگر وہ اقرار کر لیتا ہے، تو پھر اگلی چیز کی طرف منتقل ہوں گے، لیکن اگر وہ اقرار نہیں کرتا، مدعیٰ علیہ اقرار نہیں کرتا، تو پھر شفیع سے قاضی گواہ طلب کرے گا کہ گواہ پیش کرو کہ وہ گھر تمہارا ہے جس کی وجہ سے تم شفعہ کر رہے ہو۔ اگر وہ گواہ پیش کر دے تو بھی مقدمہ آگے چل پڑے گا، لیکن اگر وہ گواہ پیش نہیں کر سکا، تو پھر مشتری جو ہے اس پر قسم آئے گی۔

اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ قاضی جو ہے وہ غائب کے خلاف بینہ نہیں سن سکتا بھائی۔ جس کے خلاف بھی بینہ سننا ہے اس کا ہونا ضروری ہے، اور پھر بینہ پیش نہ کر سکے تو دوسرے پر قسم آئے گی بھائی۔ اور بینہ ہمیشہ اثبات کے لیے ہوتا

[1] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۵۶): صوتی درس کی قراءت میں «وَلِلْمُشْتَرِي حَبْسُ الدَّارِ بِقَبْضِ ثَمَنِهِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وللمشتري حبسُ الدَّارِ لقبضِ ثمنِه،» منقول ہے۔

ہے، الزام کے لیے ہوتا ہے، کسی پر کوئی چیز لازم کرنے کے لیے، اور جو قسم ہوتی ہے وہ انکار پر ہوتی ہے، انکار کے لیے ہوتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ قسم کے ذریعے کسی چیز کو ثابت نہیں کیا جائے گا بلکہ قسم کے ذریعے رد کیا جائے گا، ثابت کس کے ذریعے کریں گے؟ بینہ کے ذریعے۔

اچھا تو اس کو قاضی قسم دے گا۔ قسم پھر کس چیز پر دی جائے گی؟ ایک قسم ہے حاصل پر اور ایک قسم ہے سبب پر۔ سبب کیا ہے؟ شراء، کہ اس نے وہ جو مکان یا یوں کہو بیع ہے، وہ جو ساتھ والا مکان بکا ہے، وہ جو فروخت ہوا ہے، وہ اگر فروخت نہ ہوتا تو شفیع کو شفعے کا حق بھی نہ ہوتا، وہ فروخت ہوا تو ہمسائے کو شفعے کا حق مل گیا۔ تو سبب کیا ہے شفعے کا؟ بیع بھائی۔ اور حاصل کیا ہے؟ کہ شفیع کو شفعے کا حق مل گیا، بیع ہوئی تو کیا ملا؟ شفعے کا حق ملا۔ تو بیع ہے سبب اور شفعے کا حق وہ کیا ہے؟ حاصل اور نتیجہ ہے۔

اب قاضی کس پر قسم دے؟ تو آپ کو انہوں نے تفصیل بیان کر دی کہ بھائی اگر تو متفق علیہ مسئلہ ہو، پھر تو آپ حاصل پر بھی قسم دے سکتے ہیں۔ فرض کریں امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی تینوں صورتوں میں شفعہ آتا، بقیہ ائمہ کے نزدیک بھی تمام صورتوں میں شفعہ آتا، تو پھر شفعہ کرنے والا چاہے «شَرِيكٌ فِي نَفْسِ الْمَبِيعِ» ہوتا، چاہے «شَرِيكٌ فِي حَقِّ الْمَبِيعِ» ہوتا، چاہے جار ہوتا، چاہے تینوں کو شفعے کا حق ہوتا یا نہیں ہوتا؟ تو لہٰذا اب آپ حاصل پہ قسم دے سکتے تھے، آپ اس کو کہہ سکتے تھے کہ قسم اٹھاؤ اس کو شفعے کا حق نہیں ہے۔ قسم اٹھاؤ کہ اس کو شفعے کا حق نہیں ہے، اب چاہے یہ «شَرِيكٌ فِي نَفْسِ الْمَبِيعِ» ہو، چاہے یہ «شَرِيكٌ فِي حَقِّ الْمَبِيعِ» ہو، چاہے یہ «جَارٌ مُلَاصِقٌ» ہو، تینوں صورتوں میں یہ تو شفعے کا حق دار ہے، لہٰذا جو مدعیٰ علیہ ہے وہ قسم نہیں اٹھا سکے گا بھائی جب یہ شفعے کا حق دار ہے، وہ یہ نہیں کہہ سکے گا یہ شفعے کا حق دار نہیں ہے۔

لیکن یہاں تو مسئلہ مختلف فیہ ہے بھائی۔ امام شافعی رحمہ اللہ شریکوں کے لیے تو شفعے کے قائل ہیں، «جَارٌ مُلَاصِقٌ» کے لیے شفعے کے قائل نہیں۔ اب اگر آپ اس کو قسم کھلواتے ہیں کہ قسم اٹھاؤ یہ شفعے کا حق دار نہیں ہے، اب یہ «جَارٌ مُلَاصِقٌ» ہے مثلاً، عند الاحناف تو یہ شفعے کا حق دار ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تو شفعے کا حق دار نہیں، تو وہ فریقِ مخالف تو قسم اٹھا لے گا بھائی، اور اس بیچارے کا حق مارا جائے گا بھائی۔ وہ کہے گا واللہ قاضی صاحب یہ شفعے کا حق دار نہیں ہے۔ تو لہٰذا جب متفق علیہ مسئلہ ہو تو قسم جو ہے وہ حاصل پر دیں، حاصل پر دے سکتے ہیں، اور جب مختلف فیہ مسئلہ ہو، جب مختلف فیہ مسئلہ ہو، تو قسم سبب پر دی جائے بھائی۔

جیسے یہاں پر قسم کس پر دی جائے گی؟ اگر «جَارٌ مُلَاصِقٌ» ہے، تو «جَارٌ مُلَاصِقٌ» تو مختلف فیہ ہے، اس کے بارے میں تو اختلاف ہے، لہٰذا آپ قسم کس پر دو؟ سبب پر۔ اور اگر وہ شریک ہے چاہے «فِي نَفْسِ الْمَبِيعِ» ہے چاہے «فِي

حَقِّ الْمَبِيعِ»، تو کس پر آپ قسم دے سکتے ہیں؟ حاصل پر قسم دے سکتے ہیں۔ تو اب اگر یہ «جَارٌ مُلَاصِقٌ» ہے آپ اس کو قسم دیں کہ قسم اٹھاؤ کہ آپ نے یہ مکان نہیں خریدا۔ آپ نے یہ مکان نہیں خریدا، کیونکہ یہ سبب ہے، مکان خریدا ہے معلوم ہوا اس کو شفعے کا حق ہے بھائی۔ تو وہ اب کوئی تاویل وغیرہ نہیں کر سکے گا بھائی۔ تو وہ اس کو تسلیم کرنا پڑے گا، اگر وہ تسلیم کر لے گا، وہ قسم سے انکار کر دے گا، تو شفعہ ثابت ہو جائے گا، قاضی اس کے حق میں فیصلہ کر دے گا۔ صورت اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ جی۔

تو تین صورتیں ہو گئیں: یا تو مشتری کیا کر لے؟ اقرار کر لے، کیا کر لے؟ اقرار کر لے شراء کا۔ یا شفیع کیا کر دے؟ گواہ پیش کر دے، دو گواہ پیش کر دے کہ بیع ہوئی تھی۔ اور آخر میں اگر وہ گواہ پیش نہ کر سکا تو پھر اس سے قسم لیں گے کہ قسم اٹھاؤ تم نے مکان نہیں خریدا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہاں بھی وہی تین صورتیں ہیں، اول اس سے پوچھیں گے کہ کیا تم اقرار کرتے ہو یہ مکان تم نے خریدا ہے؟ تو وہ اقرار نہیں کرتا، تو شفیع سے قاضی کہے گا گواہ لاؤ بھائی کہ یہ مکان آپ کے ساتھ والا فروخت ہوا ہے اس کے کوئی گواہ پیش کرو۔ تو اگر وہ گواہ پیش کر دیتا ہے، اگر پہلی بات اگر وہ اقرار کر لیتا ہے میں نے واقعی، مشتری کہتا ہے میں نے یہ مکان خریدا ہے، تو بھی شفعہ کیا ہوا؟ ثابت۔ اگر وہ اقرار نہیں کرتا تو شفیع پر کیا ہے؟ گواہ۔ اگر وہ گواہ پیش کر دے تو بھی شفعہ ثابت، فیصلہ کر دے گا قاضی۔ اور اگر وہ گواہ پیش نہ کر سکا تو پھر مشتری سے وہ قسم لی جائے گی، اور کون سی قسم لی جائے گی؟ حاصل پر یا سبب پر؟ تو وہ اب موقع محل دیکھیں گے بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ جی۔

تو کہتے ہیں: «أَوْ بَرْهَنَ الشَّفِيعُ قُضِيَ لَهُ بِهَا»، یا شفیع نے بینہ قائم کر دی، «بَرْهَنَ» کا معنی ہے گواہ پیش کرنا، بینہ قائم کرنا، یا شفیع نے گواہ قائم کر دیے، «قُضِيَ لَهُ بِهَا» تو فیصلہ کر دیا جائے گا اس کے لیے «بِهَا» اس شفعے کا، اس شفعے کا اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ «وَإِنْ لَّمْ يُحْضِرِ الثَّمَنَ وَقْتَ الدَّعْوَى» یہ ساتھ ایک اور صورت، مسئلہ بھی ذکر کر رہے ہیں کہ بھائی شفیع کے لیے کیا ثمن قاضی کے پاس پیش کرنا ضروری ہیں؟ قاضی کے پاس مقدمہ لے کر گیا ہے، فیصلہ ہونا ہے، اور شفیع کس طرح لے گا وہ زمین اگر شفعہ ثابت ہو جائے؟ اسی کے مثل ثمن دے گا جتنے مشتری نے ادا کیے تھے، تو کیا اس کے ذمے لازم ہے، واجب ہے کہ وہ ثمن ساتھ لے کر قاضی کے پاس جائے اور قاضی پھر ہی مقدمہ سنے، ثمن نہ ہو تو قاضی انکار کر دے کہ نہیں میں مقدمہ نہیں سنتا ثمن کدھر ہیں؟ کہتے ہیں نہیں نہیں، ایسا نہیں، ثمن لانا ضروری نہیں۔ ثمن بے شک وہ ساتھ لے کر نہ آئے پھر بھی کیا کریں گے؟ پھر بھی فیصلہ اس کے حق میں کر دیا جائے گا بھائی۔ یہ معنی ہے «وَإِنْ لَّمْ يُحْضِرِ الثَّمَنَ وَقْتَ الدَّعْوَى»۔ «إِنْ» آتا ہے شرط کے لیے، اگر، اگر۔ اور ساتھ اس کے واو ہو «وَإِنْ لَّمْ» تو پھر یہ «إِنْ وَصْلِيَّة» کہلاتا ہے، اور اس کا ترجمہ اگرچہ کے ساتھ کرتے ہیں۔ کس کے ساتھ؟ اگرچہ۔ دیکھو اب ترجمہ سننا: «أَوْ بَرْهَنَ الشَّفِيعُ» یا بینہ قائم کر دی شفیع نے، «قُضِيَ لَهُ بِهَا» تو اس کے لیے شفعے کا فیصلہ کر دیا جائے گا «وَإِنْ لَّمْ يُحْضِرِ الثَّمَنَ

وَقْتَ الدَّعْوَى» اگرچہ وہ ثمن حاضر نہ کرے دعوے کے وقت۔ اگرچہ وہ ثمن اگرچہ اس نے دعوے کے وقت حاضر نہیں کیے، پھر بھی «قُضِيَ لَهُ بِهَا» اس کے لیے فیصلہ کر دیا جائے گا۔

بھائی فیصلہ کر دیا، ثمن تو وہ لایا نہیں، تو کہتے ہیں بھائی «وَإِذَا قُضِيَ لَزِمَهُ إِحْضَارُهُ» جب فیصلہ کر دیا جائے تو لازم ہو گا اس پر اس ثمن کا حاضر کرنا۔ اب قاضی اس کو کہہ دے گا کہ بھائی مثلاً آج ہی یا کل ہی فلاں وقت میں تم نے ثمن لے کر آنے ہیں یہاں پر اور کس کے حوالے کرنے ہیں؟ مشتری کے حوالے کرنے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے «وَإِذَا قُضِيَ لَزِمَهُ إِحْضَارُهُ» جب فیصلہ کر دیا جائے تو لازم ہو گا شفیع پر ثمن کو حاضر کرنا۔

«وَلِلْمُشْتَرِي حَبْسُ الدَّارِ بِقَبْضِ ثَمَنِهِ» اور مشتری کے لیے یہ جائز ہے، جائز ہے، کیا جائز ہے؟ «حَبْسُ الدَّارِ» گھر کو روکنا، گھر کو روکنا۔ مشتری یہ کر سکتا ہے کہ جب تک قاضی نے فیصلہ تو کر دیا، زمین کا مالک کس کو بنا دیا؟ شفیع کو، کس کو مالک بنا دیا؟ شفیع کو۔ لیکن بائع کا حق ہوتا ہے، بائع کا حق ہوتا ہے وہ مبیع کو ثمن کی وصولی کے لیے روک سکتا ہے۔ میں نے شروع میں مثال ذکر کی تھی: میری جیب پر ایک قلم لگا ہوا ہے، میں آپ سے ایجاب و قبول کرتا ہوں، میں آپ سے کہتا ہوں میں نے یہ قلم آپ کو سو روپے میں فروخت کر دیا، آپ کہتے ہیں میں نے قبول کیا، بس یہ ایجاب و قبول کرتے ہی آپ قلم کے مالک بن گئے، قلم بے شک میری جیب پر لگا ہوا ہے لیکن مالک آپ بن چکے ہیں۔ اب آپ مجھے کہہ سکتے ہیں کہ لاؤ بھائی یہ قلم میرا ہے اب میرے حوالے کر دو، تو میں قلم آپ کے حوالے کروں گا کیونکہ آپ مالک ہیں۔ لیکن اگر میں اس کو روکنا چاہوں قلم کو کہ نہیں بھائی آپ کے ذمے بھی تو سو روپیہ ثمن جو ہیں وہ آگئے ہیں، پہلے ثمن دو پھر میں قلم آپ کو دوں گا، تو میں قلم کو روک سکتا ہوں۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے، مشتری کے پاس زمین تھی اور اس کا فیصلہ کس کے حق میں ہو گیا؟ شفیع کے حق میں، شفیع اس کا مالک بن گیا، لیکن مشتری اس زمین کو اپنے قبضے میں روک سکتا ہے ثمن کی وصولی کے لیے۔ یہ معنی ہے «وَلِلْمُشْتَرِي حَبْسُ الدَّارِ بِقَبْضِ ثَمَنِهِ» اور مشتری کے لیے جائز ہے گھر کو روکنا «بِقَبْضِ ثَمَنِهِ» «لِقَبْضِ» ہونا چاہیے بھائی، لام ہونا چاہیے ویسے، لیکن سب نسخوں میں با ہے یہاں پر، «بِقَبْضِ ثَمَنِهِ» اس کے ثمن پر قبضہ کرنے کے لیے، اس کے ثمن پر قبضہ کرنے کے لیے مشتری کے لیے جائز ہے گھر کو روکنا۔

«فَلَوْ قِيلَ لِلشَّفِيعِ أَدِّ الثَّمَنَ فَأَخَّرَ لَا تَبْطُلُ شُفْعَتُهُ» اچھا بھائی قاضی نے شفیع کو کہہ دیا کہ ثمن لے کر آنا کل یا پرسوں یا ترسوں، کوئی وقت طے کر دیا جہاں کا وہ رہنے والا ہے وہاں سے آسانی سے ثمن لے کر پہنچ سکے، کہ فلاں دن تم نے یہاں ثمن لے کر پہنچنا ہے اور مشتری بھی آجائے گا اس کو ادا کر دینا۔ اس نے تاخیر کر دی، اس وقت پہ ثمن لے کر حاضر نہ ہوا، تو کیا تاخیر کی وجہ سے اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، شفعہ باطل نہیں، اب اس کے حق میں فیصلہ وغیرہ ہو چکا ہے۔ یہ معنی ہے «فَلَوْ قِيلَ لِلشَّفِيعِ أَدِّ الثَّمَنَ فَأَخَّرَ» پس اگر کہا گیا شفیع کو «أَدِّ الثَّمَنَ» کہ ثمن ادا کر دو «فَأَخَّرَ» تو اس نے تاخیر کر دی، مؤخر کر دیے، «لَا تَبْطُلُ شُفْعَتُهُ» تو اس کا شفعہ باطل نہیں ہو گا، یعنی ثمن کی ادائیگی میں اگر تاخیر بھی

کرتا ہے تو اس سے شفعہ باطل نہیں ہو سکتا۔

«وَالْخَصْمُ الْبَائِعُ إِنْ لَّمْ يُسَلِّمْ» اور فریقِ مخالف یا یوں کہو مدعیٰ علیہ جو ہے «الْبَائِعُ» وہ بائع ہے۔ یہاں ترجمہ اچھی طرح سمجھ لو بھائی، «وَالْخَصْمُ الْبَائِعُ» یہاں پر بات پوری ہو رہی ہے، اور فریقِ مخالف کون ہے؟ بائع ہے۔ بھائی کس وقت؟ کہتے ہیں «إِنْ لَّمْ يُسَلِّمْ» اگر اس نے زمین سپرد نہیں کی، یعنی ابھی زمین کا قبضہ کس کے پاس تھا؟ بائع کے پاس تھا، اس نے مشتری کو زمین دی ہی نہیں تھی، تو اس صورت میں فریقِ مخالف کون ہوگا؟ بائع ہوگا بھائی، اس پر دعویٰ کیا جائے گا۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ صرف اب بائع ہی کو عدالت میں لائیں گے، نہیں نہیں نہیں، اب مشتری کو بھی لانا پڑے گا کیونکہ مشتری مالک ہے بھائی۔ قبضہ کس کا ہے؟ صاحبِ ید کون؟ بائع، صاحبِ ید یعنی قبضے والا۔ صاحبِ ید کون؟ بائع، اور مالک کون؟ مشتری، تو لہٰذا مقدمہ بے شک بائع کے خلاف وہ چلائے گا لیکن مشتری کا بھی حاضر ہونا ضروری ہے۔

تو کہتے ہیں «وَالْخَصْمُ الْبَائِعُ» اور فریقِ مخالف یا یوں کہو مدعیٰ علیہ جو ہے «الْبَائِعُ» وہ بائع ہے، «إِنْ لَّمْ يُسَلِّمْ» اگر اس نے سپرد نہیں کیا، یعنی وہ زمین سپرد نہیں کی مشتری کے۔ «أَيْ خَصْمُ الشَّفِيعِ الْبَائِعُ» شفیع کا فریقِ مخالف یا مدعیٰ علیہ جو ہے «الْبَائِعُ» وہ بائع ہے، «إِنْ لَّمْ يُسَلِّمِ الْمَبِيعَ إِلَى الْمُشْتَرِي» اگر اس نے بیعہ سپرد نہیں کیا مشتری کے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ پوری عبارت شارح نے کھول کر بیان کر دی۔

«وَلَا تُسْمَعُ الْبَيِّنَةُ عَلَيْهِ حَتَّى يَحْضُرَ الْمُشْتَرِي» بھائی دیکھو، ابھی قبضہ بائع کا ہے، تو مدعیٰ علیہ بھی کون؟ دعویٰ بھی کس کے خلاف ہوگا؟ بائع کے۔ تو بائع کو ہم لے آئے قاضی کے پاس، شفیع نے دعویٰ کر دیا، اور میں نے آپ کو ضابطہ بتلایا تھا کہ قاضی غائب کے خلاف بینہ نہیں سن سکتا۔ اور یہاں پر یاد رکھو، جب قاضی فیصلہ کرے گا، بائع کے قبضے سے زمین نکلوا کر کس کو دے گا؟ بائع کے قبضے میں زمین ہے، تو قاضی کیا کر رہا ہے، اس کا مالک کس کو بنا رہا ہے؟ شفیع کو نا، شفعے کا مقدمہ چل رہا ہے۔ تو قاضی نے اس زمین کا مالک بنانا ہے شفیع کو، لیکن اس زمین کا مالک کون ہے؟ مشتری ہے، تو مشتری کا بھی ہونا ضروری ہے بھائی، مشتری۔[۲]

اور ہو گا یہ کہ یہ جو بائع اور مشتری کے درمیان بیع تھی، اچھی طرح سمجھ لیں، بائع اور مشتری کے درمیان جو بیع تھی، قاضی اس بیع کو توڑے گا اور توڑ کر اس بیع کی نسبت کس کی طرف کر دے گا؟ شفیع کی طرف۔ پہلے بائع سے خریدار کون تھا؟ مشتری۔ اب یوں سمجھیں گے خریدار کون ہے؟ شفیع ہے۔ تو جب قاضی نے بائع اور مشتری کے درمیان بیع کو توڑنا ہے، تو یہ فیصلہ اور یہ بینہ مشتری کے بھی خلاف ہوئی یا نہ ہوئی؟ مشتری کے بھی تو خلاف ہوا یہ مقدمہ، کیونکہ اس کی بیع کو آپ توڑ رہے ہیں، فسخ کر رہے ہیں، اس لیے مشتری کا ہونا بھی ضروری ہے بھائی۔

---

[۲] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۵۷):** صوتی درس کی قراءت میں «وَلَا تُسْمَعُ الْبَيِّنَةُ عَلَيْهِ حَتَّى يَحْضُرَ الْمُشْتَرِي» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «ولا يسمعُ البيِّنةُ عليه حتى يحضرَ المشتري» منقول ہے۔

اور پھر یہ بھی یاد رکھنا، قاضی اصلِ بیع کو نہیں توڑ سکتا جو اصلِ بیع تھی کس میں؟ بائع اور مشتری میں۔ بس یوں سمجھو کہ بیع مشتری سے نہیں ہوئی، کس سے ہوئی ہے؟ شفیع سے ہوئی ہے۔ نسبت بدل دے گا، کیا کرے گا؟ نسبت۔ کہے گا یہ نسبت اب گویا یوں سمجھو کہ یہ بیع کی نسبت اب مشتری کی طرف نہ کرو بلکہ سیدھا کس کی طرف کر دو؟ شفیع کی طرف کر دو، گویا شفیع نے خریدا ہے کس سے؟ بائع سے۔ اصلِ بیع کو وہ ختم نہیں کر سکتا، صرف نسبت بدل رہا ہے، مشتری کی طرف نسبت نہ کی جائے بلکہ کس کی طرف کی جائے؟ شفیع کی طرف۔ اصلِ بیع کیوں نہیں توڑ سکتا؟ کیونکہ اگر وہ اصلِ بیع کو توڑ دیتا ہے، پھر تو شفیع کا حقِ شفعہ ہی ختم، بیع ہی نہیں ہوئی تو شفعہ کہاں سے کرتے ہو بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آیا؟ تو اس اصل بیع کو برقرار رکھنا ہے لیکن اس کی نسبت بدل دو، نسبت مشتری کی طرف نہ کرو اب بلکہ یوں سمجھو کس نے خریدا ہے؟ شفیع نے خریدا ہے۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ تو قاضی اصلِ بیع کو ختم نہیں کرے گا بلکہ صرف اس کی نسبت بدل دے گا، تو گویا یوں ہی سمجھو کہ بائع سے مشتری نے خریدا ہی نہیں بلکہ کس نے خریدا ہے؟ شفیع نے خریدا ہے۔

تو کہتے ہیں «وَلَا تُسْمَعُ الْبَيِّنَةُ عَلَيْهِ» اور بینہ نہیں سنی جائے گی «عَلَيْهِ» اس بائع کے خلاف، «عَلَى» کس لیے آتا ہے؟ ضرر اور نقصان کے لیے نا، تو بینہ نہیں سنی جائے گی «عَلَيْهِ» بائع کے خلاف، «حَتَّى يَحْضُرَ الْمُشْتَرِي» یہاں تک کہ مشتری حاضر ہو جائے، «فَيُفْسَخَ بِحُضُورِهِ» تو فسخ کیا جائے گا بیع کو «بِحُضُورِهِ» اس کی موجودگی میں۔ ترجمے پہ نظر ہے؟ «فَيُفْسَخَ بِحُضُورِهِ» تو بیع کو فسخ کیا جائے گا اس مشتری کی موجودگی میں۔

اب آگے شارح بیان کر رہے ہیں کہ بھائی بائع تو ہے مدعیٰ علیہ، مشتری کی موجودگی کیوں ضروری ہے؟ میں نے بتلا دیا کیونکہ وہ مالک ہے۔ کہتے ہیں: «إِنَّمَا يُشْتَرَطُ حُضُورُ الْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِي» کہتے ہیں شرط ہے حاضر ہونا بائع اور مشتری کا «لِأَنَّ الْمِلْكَ لَهُ وَالْيَدَ لِلْبَائِعِ» اس لیے کیونکہ ملکیت مشتری کی ہے اور قبضہ بائع کا ہے۔ «فَإِذَا سَلَّمَ إِلَى الْمُشْتَرِي» پس جب وہ بیعہ اس نے سپرد کر دیا «إِلَى الْمُشْتَرِي» کس کے؟ مشتری کے۔ ہاں، یہ دوسری صورت آگئی۔ کہتے ہیں یہ وہ صورت تھی جب بائع نے ابھی زمین سپرد نہیں کی تھی، اگر بائع زمین مشتری کے سپرد کر چکا ہے، اب وہ خصم نہیں، اب وہ فریقِ مخالف نہیں، اب تو وہ اجنبی بن چکا۔ بائع نے اپنا مکان کس کو بیچا؟ مشتری کو، اور حوالے بھی کر دیا، تو بائع تو بیچ میں سے نکل گیا، اب تو صاحبِ قبضہ بھی مشتری اور مالک بھی مشتری ہے، تو اس سے مقدمہ چلے گا۔ کہتے ہیں «فَإِذَا سَلَّمَ إِلَى الْمُشْتَرِي» پس جب بائع نے سپرد کر دیا وہ بیعہ مشتری کے، «لَا يُشْتَرَطُ حُضُورُ الْبَائِعِ» تو پھر شرط نہیں ہو گا بائع کا حاضر ہونا «لِأَنَّهُ صَارَ أَجْنَبِيًّا» کیونکہ وہ اجنبی ہو گیا، اس شفعے کے مسئلے سے اجنبی ہو گیا۔ شفیع کو زمین چاہیے، صاحبِ قبضہ بھی مشتری اور مالک بھی مشتری، تو بائع کا اب یہاں کوئی دخل ہی نہیں، اس کی بیع جو تھی مشتری سے وہ ختم ہو چکی، گزر گئی۔ «لِأَنَّهُ صَارَ أَجْنَبِيًّا» کیونکہ وہ اجنبی ہو گیا ہے۔

«وَيُقْضَى لِلشَّفِيعِ بِالشُّفْعَةِ» اور فیصلہ کر دیا جائے گا شفیع کے لیے شفعے کا۔ دیکھو اس کو متن سے جوڑو، پیچھے آیا تھا «وَلَا

تُسْمَعُ الْبَيِّنَةُ عَلَيْهِ حَتَّى يَحْضُرَ الْمُشْتَرِي» کہ بینہ بائع کے خلاف نہیں سنی جائے گی یہاں تک کہ مشتری حاضر ہو جائے «فَيُفْسَخَ بِحُضُورِهِ» پھر بیع کو اس کی موجودگی میں فسخ کیا جائے گا، «وَيُقْضَى لِلشَّفِيعِ بِالشُّفْعَةِ» اور فیصلہ کر دیا جائے گا شفیع کے لیے شفعہ۔ وہ بیع فسخ کریں گے بائع اور مشتری کے درمیان اور شفعہ کا فیصلہ کس کے لیے؟ شفیع کے لیے۔ یہ معنی ہے «وَيُقْضَى لِلشَّفِيعِ بِالشُّفْعَةِ» اور فیصلہ کر دیا جائے گا شفیع کے لیے شفعے کا۔

«وَالْعُهْدَةُ عَلَى الْبَائِعِ» اور عہدہ جو ہے وہ بائع پر ہو گا۔ عہدہ کہتے ہیں بیع کے صحیح ہونے کی ضمانت، بیع کے صحیح ہونے کی ضمانت، کہ یہ بیع صحیح ہے اس میں کسی قسم کی کوئی خرابی وغیرہ نہیں ہے۔ بعض اوقات ایک آدمی کوئی زمین وغیرہ لینا چاہتا ہے لیکن اس کو خوف ہوتا ہے کہ زمین میں کوئی مسئلہ نہ نکل آئے، زمین میں کوئی مسئلہ نہ نکل آئے، کسی کوئی اور مالک نہ ہو یا اس نے پہلے کسی اور کو نہ بیچ دی ہو یا کچھ، تو لہٰذا اس صورت میں پھر اس کو کوئی ساتھی مثلاً ضمانت دیتا ہے کہ میں ضمانت دیتا ہوں زمین میں کسی قسم کا مسئلہ نہیں ہو گا، آپ کے پیسے نہیں ڈوبیں گے، اگر آپ کے پیسے ڈوبے میں ضامن ہوں میں دوں گا اپنی طرف سے۔ تو اب وہ ساتھی تیار ہو گیا اور اس نے وہ زمین خرید لی، اب زمین کے اندر پتہ لگا کہ یہ زمین تو کسی اور کی تھی، تو اب یہ ضمان کس پر آئے گا؟ جس نے ضمانت دی تھی بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا صورت یہ بیان ہو رہی ہے کہ شفیع نے بائع پر دعویٰ کیا تھا، ابھی بیان ہوا۔ جی۔ کیوں؟ بائع پر کیوں دعویٰ کیا تھا؟ کیونکہ وہ صاحبِ ید تھا۔ جب صاحبِ ید تھا تو زمین قاضی نے کس سے دلائی؟ بائع سے، بائع سے لی اور کس کے حوالے کی؟ شفیع کے حوالے کر دی، یعنی اس کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ تو اب اگر زمین میں کوئی مسئلہ نکلتا ہے، اس کا کوئی اور مالک نکل آیا، تو پھر یہ جو بیع کے صحیح ہونے کا ضمان ہے یہ کس پر ہو گا؟ تو کہتے ہیں بھائی ظاہر سی بات ہے یہ بائع سے دلوائی ہے تو ضمان بھی بائع پر آئے گا، ضمان بھی کس پر آئے گا؟ بائع پر آئے گا۔ مثلاً چند دنوں بعد پتہ لگا کہ اس زمین کا مالک تو زید ہے، یہ جو بائع جس نے بیچی یہ تو اس کا مالک ہی نہیں ہے بھائی، مالک ہی نہیں ہے، صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ شفیع نے زمین لے لی تھی بائع سے، فیصلہ قاضی نے کر دیا، پھر پتہ چلا کچھ عرصے بعد یہ زمین تو زید کی تھی۔ جب زید کی تھی زید قاضی کے پاس آگیا سیدھا، قاضی صاحب یہ زمین تو میری ہے آپ نے شفیع کے حق میں فیصلہ کیا ہے، اور زید پھر اپنے گواہ لے کر آئے گا، گواہ پیش کرے گا، ثابت ہو گیا کہ واقعی یہ زمین تو زید کی ہے، قاضی زمین اس کو واپس دلا دے گا، لیکن شفیع کے پیسے مارے گئے کہ نہیں مارے گئے؟ شفیع نے تو بائع کو پیسے دیے تھے، تو اب وہ پیسے وصول کرنے ہیں وہ ضمان کس سے لیں گے وہ تاوان؟ تو کہتے ہیں بھائی «وَالْعُهْدَةُ عَلَى الْبَائِعِ» بیع کے صحیح ہونے کا ضمان کس پر ہے؟ بائع پر ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اس سے وصول کیے جائیں گے پیسے، کیونکہ اس نے لیے ہیں اور اس نے ہی زمین حوالے کی ہے۔

کہتے ہیں «وَالْعُهْدَةُ عَلَى الْبَائِعِ» اور بیع کے صحیح ہونے کا ضمان جو ہے «عَلَى الْبَائِعِ» وہ بائع پر ہو گا، «حَتَّى يَجِبَ تَسْلِيمُ الدَّارِ عَلَى الْبَائِعِ» یہاں تک کہ واجب ہے گھر کا سپرد کرنا بائع پر۔ قاضی نے کس کے حق میں فیصلہ کیا؟ شفیع کے حق میں، تو

شفیع کو زمین حوالے کون کرے گا؟ بائع کرے گا۔ تو زمین کا دینا بھی بائع کی ذمہ داری اور اگر کوئی اور مستحق نکل آیا تو ثمن کی واپسی بھی بائع کی ذمہ داری ہے۔ یہ معنی ہے «حَتَّى يَجِبَ تَسْلِيمُ الدَّارِ عَلَى الْبَائِعِ» یہاں تک کہ واجب ہے اس گھر کا سپرد کرنا بائع پر، «وَعِنْدَ الِاسْتِحْقَاقِ تَكُونُ عُهْدَةُ الثَّمَنِ عَلَى الْبَائِعِ» استحقاق، مستحق ہونا، مستحق نکلنا، مثلاً اس گھر کا کوئی اور مستحق نکل آیا زید نکل آیا، تو کہتے ہیں «وَعِنْدَ الِاسْتِحْقَاقِ» اور مستحق ہونے کی صورت میں یا یوں کہو حق دار ہونے کی صورت میں کہ کوئی اور اس گھر کا حق دار ہے، «وَعِنْدَ الِاسْتِحْقَاقِ» اور استحقاق کی صورت میں «تَكُونُ عُهْدَةُ الثَّمَنِ عَلَى الْبَائِعِ» ثمن کا ضمان جو ہے وہ بائع پر ہو گا، «فَيُطْلَبُ مِنْهُ» تو اس سے طلب کیا جائے گا، ثمن کو اس سے طلب کیا جائے گا۔[۳]

بھائی دیکھیے، یہ وہ صورت تھی جب بائع سے اس نے لی ہے زمین اور ثمن بھی کس کو دیے؟ بائع کو۔ اور اگر اس نے زمین کس سے لی؟ مشتری سے اور ثمن بھی کس کو دیے؟ مشتری کو دیے ہیں، تو پھر عہدہ جو ہے وہ مشتری پر ہو گا۔ کس پر ہو گا؟ مشتری پر۔ مثلاً کچھ عرصے بعد ایک آدمی مثلاً کچھ عرصے بعد زید نے مقدمہ کر دیا کہ قاضی صاحب وہ زمین تو میری ہے، تو قاضی وہ شفیع سے زمین اس کو دلوا دے گا بینہ وغیرہ اس نے قائم کر دی۔ اب شفیع کے پیسے ڈوبے ہیں، تو شفیع نے کس سے لیے کس کو دیے تھے پیسے؟ مشتری کو، تو وہ قاضی کے پاس جائے گا اور مشتری سے کیا کرلے گا؟ ثمن وصول کرلے گا۔ اب مشتری بیچارے کے بھی تو پیسے ڈوبے ہیں، اس نے کس کو دیے تھے پہلے؟ بائع کو دیے تھے، مشتری پھر بائع سے وصول کرلے گا یا قاضی کے پاس چلا جائے گا اور بائع سے ان کی وصولی کروا لے گا۔

آگے دیکھیے بھائی: «وَلِلشَّفِيعِ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ وَالْعَيْبِ»، اور شفیع کو خیارِ رؤیت بھی ہو گا اور خیارِ عیب بھی۔ بھائی یاد رکھیے آپ جب بھی کوئی چیز خریدتے ہیں شریعت نے آپ کو خیارِ رؤیت دیا ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے آپ کو بغیر دیکھے کوئی چیز خریدنا پڑ جاتی ہے۔ تو آپ نے چیز خرید لی، پھر جب آپ نے اس چیز کو دیکھا تو وہ آپ کو پسند نہیں آئی، تو شریعت نے آپ کو حق دیا ہے آپ وہ چیز واپس کر سکتے ہیں، اور اس کو کہتے ہیں خیارِ رؤیت، خیارِ رؤیت۔ خیار یعنی اختیار ہے آپ کو، رؤیت دیکھنا، دیکھنا، دیکھنے کا اختیار۔ تو جب آپ کو وہ چیز پسند نہیں آئی آپ وہ واپس کر سکتے ہیں۔ بائع نے آپ سے کہا کیوں بھائی کیوں واپس کر رہے ہو یہ چیز؟ اس میں کیا خرابی ہے؟ آپ کہتے ہیں کوئی خرابی نہیں لیکن مجھے پسند نہیں آئی، تو اس کو واپس لینی پڑے گی وہ چیز۔ ہاں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ نے پہلے وہ چیز دیکھی نہ ہو بھائی، اگر دیکھی ہوئی ہے پھر تو خیارِ رؤیت ہے ہی نہیں آپ کو کیونکہ آپ دیکھ چکے ہیں اس چیز کو۔ یہ وہ صورت ہے جب آپ نے وہ چیز نہ دیکھی ہو، یا اسی طرح آپ نے کوئی مکان خریدا ہے باہر سے تو دیکھا ہے لیکن اندر سے آپ نے اس کو نہیں دیکھا ہوا، آپ نے

---

[۳] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۵۷):** صوتی درس کی قراءت میں «وَعِنْدَ الِاسْتِحْقَاقِ تَكُونُ عُهْدَةُ الثَّمَنِ عَلَى الْبَائِعِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وعند الاستحقاقِ يكون عهدةُ الثَّمنِ على البائع،» منقول ہے۔

خرید لیا بھائی جلدی میں تھے اور پھر جب اندر دیکھا تو پسند نہیں آیا، کوئی خرابی نہیں ہے کوئی عیب نہیں ہے لیکن آپ کو پسند نہیں آیا، تو شریعت نے آپ کو حق دیا ہے کہ آپ اس کو واپس کر سکتے ہیں۔

اور ایک ہے خیارِ عیب۔ خیارِ عیب یہ ہے کہ آپ نے کوئی چیز خریدی اور پھر اس میں کسی عیب کا پتہ چلا آپ کو، اور وہ عیب بائع کی طرف سے آیا تھا، آپ کے پاس نیا عیب پیدا نہیں ہوا بلکہ کہاں سے آیا ہے؟ بائع کے پاس سے ہی یہ عیب آیا ہے۔ تو اس صورت میں بھی شریعت نے آپ کو حق دیا ہے آپ اس چیز کو واپس کر سکتے ہیں خیارِ عیب کی وجہ سے۔ مثلاً آپ نے ایک مکان خریدا، آپ نے اس گھر کو اندر سے بھی دیکھ لیا ہے اور پھر خرید بھی لیا۔ اب آپ کو خیارِ رؤیت تو نہیں لیکن خیارِ عیب ابھی بھی ہے۔ چنانچہ کچھ دنوں بعد بارشیں شروع ہوئیں تو آپ نے دیکھا اس کی تو ساری چھتیں ٹپک رہی ہیں یا اس طرح کے کوئی اور کچھ مسائل ہیں اس کے اندر، تو اس صورت میں شریعت نے آپ کو حق دیا ہے آپ اس عیب کی وجہ سے جو بائع کی طرف سے ہی آیا ہے اس بیع کو واپس کر سکتے ہیں۔

اب مسئلہ یہ چل رہا ہے، کہتے ہیں «وَلِلشَّفِيعِ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ وَالْعَيْبِ»۔ شفیع نے وہ مکان شفعہ کر کے لے لیا، قاضی کے پاس گیا اور وہ مکان لے لیا طلبِ خصومت کر کے۔ تو کیا اس شفیع کو بھی خیارِ رؤیت ہو گا؟ کیا اس کو بھی خیارِ عیب ہو گا؟ کہتے ہیں ہاں بھائی، اس کو بھی خیارِ رؤیت بھی ہے اور خیارِ عیب بھی ہے، اگر اس کو پسند نہ آئے دیکھنے کے بعد واپس کر سکتا ہے یا اس میں کوئی عیب نکل آئے تو بھی واپس لوٹا سکتا ہے۔

تو کہتے ہیں «وَلِلشَّفِيعِ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ وَالْعَيْبِ» اور شفیع کو خیارِ رؤیت اور خیارِ عیب کا حق ہے، «وَإِنْ شَرَطَ الْمُشْتَرِي الْبَرَاءَةَ عَنْهُ» اگرچہ شرط لگا دی ہو مشتری نے اس سے براءت کی، اس کی اس سے بری ہونے کی اگرچہ اس نے شرط لگائی ہو کہ میں اس کا ذمہ دار نہیں، کسی عیب کا میں ذمہ دار نہیں ہوں۔ مثلاً طلبِ خصومت میں مشتری نے گھر اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ ٹھیک ہے یہ گھر آپ لے لیں آپ کا شفعہ ثابت ہو گیا، لیکن میں اس گھر میں کسی عیب کا ذمہ دار نہیں ہوں، اس نے باقاعدہ شرط لگا دی۔ یاد رکھیے عام بیع میں اگر بائع براءت کا اظہار کر دے، براءت کی شرط لگا دے، تو پھر آپ عیب کی وجہ سے واپس نہیں کر سکتے۔ مثلاً آپ کسی سے گاڑی خریدنے لگے، شریعت نے آپ کو حق دیا ہے کہ اگر اس گاڑی میں کوئی ایسے عیب آپ کو مل گیا جو کس کی طرف سے آیا ہے؟ بائع کی طرف سے تو آپ اسے واپس لوٹا سکتے ہیں۔ لیکن بائع نے جب آپ کو گاڑی بیچنے لگا تو اس نے کہہ دیا کہ گاڑی آپ کے سامنے ہے آپ اس کو خوب اچھی طرح دیکھ لیجیے میں بعد میں کسی عیب کا ذمہ دار نہیں ہوں گا۔ بس بھائی، اب آپ کا خیارِ عیب ختم ہو گیا، اب آپ نے گاڑی لے لی اور بعد میں کوئی عیب بھی مل گیا تو بھی آپ واپس نہیں کر سکتے، کیونکہ اس نے عیب سے براءت کا اظہار کر دیا تھا کہ میں ذمہ دار نہیں ہوں گا کسی عیب کا، آپ خود دیکھ لیں اچھی طرح۔

تو یہاں پر بھی اگر مشتری نے براءت کی شرط لگا دی تھی، کہتے ہیں بھائی بے شک براءت کی شرط بھی لگا دے پھر بھی یہاں خیارِ عیب رہے گا۔ بھائی کیوں؟ عام بیع میں ختم ہو جاتا ہے اور یہ بھی تو بیع ہی ہے نا ثمن دے کر کیا لے رہے ہیں؟ زمین لے رہے ہیں، تو یہاں کیوں باقی رہے گا؟ کہتے ہیں یہ عام بیع کی طرح نہیں ہے، عام بیع کی طرح نہیں ہے، عام بیع میں دونوں طرف سے رضامندی ہوتی ہے، اور یہاں پر تو عموماً شفیع تو راضی ہے مشتری تو راضی نہیں ہوتا، اس سے تو جبراً لی جاتی ہے، جبراً لی جاتی ہے۔

اس پر آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ بھائی شفعہ میں ایک وہ صورت بھی تو ہے کہ مقدمے کی ضرورت ہی نہیں پڑی، آپ سیدھا مشتری کے پاس گئے اور مشتری کو کہا کہ میں نے طلبِ خصومت بھی کر لی میں نے طلبِ اشہاد بھی کر لی میں اب اس گھر پر شفعہ طلب کرتا ہوں جو آپ نے خریدا ہے، تو مشتری گھر ویسے ہی اس کے حوالے کر دیتا ہے کہ ٹھیک ہے ثمن مجھے دو یہ گھر لے لو، قاضی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ تو اب تو دونوں طرف سے باہمی رضامندی ہے کہ نہیں؟ اب تو دونوں طرف سے باہمی رضامندی ہے، اب اگر مشتری کہہ دے کہ میں کسی عیب کا ذمہ دار نہیں ہوں گا تو خیارِ عیب ختم ہونا چاہیے، لیکن فقہاء فرماتے ہیں نہیں، یہاں پر بھی بے شک وہ خیارِ عیب سے براءت کی شرط لگا دے پھر بھی شفیع کو خیارِ عیب ہو گا۔ کیوں؟ بھائی یہاں تو باہمی رضامندی بھی ہو گئی اور براءت کی اس نے شرط بھی لگا دی۔ کہتے ہیں بھائی یہاں اگرچہ اس نے براءت کی شرط لگائی ہے لیکن رضامندی صرف شفیع کی طرف سے ہے مشتری کی طرف سے ابھی بھی پوری رضامندی نہیں، کیونکہ بظاہر یہی ذہن میں آتا ہے کہ یہ مقدمے وغیرہ سے بچنے کے لیے زمین ویسے ہی دے رہا ہے۔ ذہن میں آتا ہے یا نہیں آتا؟ کہ یہ مقدمے سے بچنا چاہتا ہے کہ کیا مقدمہ جا کے لڑوں گا اور پھر فیصلہ پھر اسی کے حق میں ہو جانا ہے تو چلو یہیں معاملہ ختم کرتا ہوں جان چھڑاتا ہوں۔ تو لہٰذا گویا پورے طور پر رضا یہاں بھی نہیں ہے بھائی۔

یہ معنی ہے «وَلِلشَّفِيعِ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ وَالْعَيْبِ وَإِنْ شَرَطَ الْمُشْتَرِي الْبَرَاءَةَ عَنْهُ» اور مشتری کو خیارِ رؤیت اور خیارِ عیب ہو گا اگرچہ مشتری نے شرط لگا دی ہو اس سے براءت کی اس کے ذمہ دار نہ ہونے کی۔

«وَإِنِ اخْتَلَفَ الشَّفِيعُ وَالْمُشْتَرِي فِي الثَّمَنِ صُدِّقَ الْمُشْتَرِي» اور اگر اختلاف کیا شفیع نے اور مشتری نے «فِي الثَّمَنِ» ثمن کے بارے میں، «صُدِّقَ الْمُشْتَرِي أَيْ مَعَ الْحَلِفِ» تصدیق کی جائے گی مشتری کی یعنی حلف کے ساتھ، یعنی قسم کے ساتھ۔ دیکھو بھائی کل میں نے ذکر کیا تھا کہ حدیث میں آتا ہے «الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينُ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ»، گواہ پیش کرنا کس کے ذمے ہے؟ مدعی کے ذمے، اور قسم کھانا یہ کس کے ذمے ہے؟ مدعیٰ علیہ یعنی منکر کے ہے جو انکار کرنے والا ہے۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کتابوں میں اگر عبارت آجائے کہ قول فلاں کا معتبر ہے، تو آپ سمجھ جائیں کہ یہ کون ہے؟ منکر ہے، منکر ہے۔ قول کس کا معتبر؟ قسم، قسم میں قول ہے نا، ایک کے پاس تو بھائی مدعی کے قول کا اعتبار نہیں، مدعی گواہ لے کر آؤ بھائی گواہ لے کر آؤ۔ ہاں مدعیٰ علیہ کے قول کا اعتبار ہے، اگر وہ قسم اٹھا لیتا ہے انکار کی تو مقدمہ ختم ہو جائے

گا۔ تو قول کس کا معتبر ہوتا ہے؟ منکر کا، اور قسم کے ساتھ یا بغیر قسم کے؟ قسم کے ساتھ، تو جہاں کہیں یہ عبارت آجائے «فَالْقَوْلُ لَهُ» قول اس کا معتبر ہے تو آپ سمجھ جائیں یہ منکر ہے اور قول ویسے معتبر ہے یا قسم کے ساتھ؟ قسم کے ساتھ، تو وہ ہر جگہ ذکر نہیں کرتے کیونکہ یہ ہر فقہ پڑھنے والا جانتا ہے۔

تو کہتے ہیں «وَإِنِ اخْتَلَفَ الشَّفِيعُ وَالْمُشْتَرِي فِي الثَّمَنِ صُدِّقَ الْمُشْتَرِي أَيْ مَعَ الْحَلِفِ» جب اختلاف ہو جائے شفیع اور مشتری کا ثمن کے بارے میں تو مشتری کی تصدیق کی جائے گی «أَيْ مَعَ الْحَلِفِ» یعنی قسم کے ساتھ۔ کیا پتہ چلا آپ کو؟ «صُدِّقَ الْمُشْتَرِي» مشتری کی تصدیق کی جائے گی، کیا مطلب؟ معلوم ہوا مشتری منکر ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بھائی دونوں میں اختلاف ہو جاتا ہے مثلاً، شفیع کہتا ہے قاضی صاحب اس نے یہ زمین دس لاکھ کی لی ہے، مشتری کہتا ہے نہیں قاضی صاحب میں نے یہ زمین بارہ لاکھ کی لی ہے۔ اب اختلاف آگیا۔ تو شفیع جو ہے اس کے ذمے بینہ ہوگا، وہ دو گواہ پیش کرے گا، وہ دو گواہ آکر کہیں گے قاضی صاحب ہمارے سامنے بیع ہوئی تھی دس لاکھ کے اندر ہوئی تھی، بات سمجھ میں آگئی؟ اور اگر وہ گواہ پیش نہیں کر سکا تو پھر کس کو قسم دی جائے گی؟ مدعیٰ علیہ یعنی وہ جو منکر ہے جو مشتری ہے اس کو قسم دی جائے گی، اور وہ قسم اٹھا لیتا ہے تو اس کی تصدیق کر لی جائے گی اور شفیع کو پھر بارہ لاکھ ہی دینے پڑیں گے۔

«لِأَنَّ الشَّفِيعَ يَدَّعِي اسْتِحْقَاقَ الدَّارِ عِنْدَ نَقْدِ الْأَقَلِّ وَالْمُشْتَرِيَ يُنْكِرُهُ»، «لِأَنَّ الشَّفِيعَ» اس لیے کیونکہ شفیع جو ہے وہ دعویٰ کر رہا ہے «اسْتِحْقَاقَ الدَّارِ» اس گھر کے مستحق ہونے کا «عِنْدَ نَقْدِ الْأَقَلِّ»، نقد کا «نَقَدَ يَنْقُدُ» کا معنی ہے ادا کرنا، ادا کرنا، «عِنْدَ نَقْدِ الْأَقَلِّ» تھوڑے پیسوں کی ادائیگی کے وقت وہ گھر کے مستحق ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے «وَالْمُشْتَرِيَ يُنْكِرُهُ»۔ «وَالْمُشْتَرِيَ» اس کا عطف «الشَّفِيعَ» پر ہے، اور «الشَّفِيعَ» «أَنَّ» کا اسم ہے، وہ منصوب تو یہ بھی منصوب، «وَالْمُشْتَرِيَ يُنْكِرُهُ» اور مشتری اس کا انکار کرتا ہے۔ بھائی بتلانا یہ چاہتے ہیں شارح آپ کو، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ ماتن نے کیا کہا کس کی تصدیق کی جائے گی؟ مشتری کی۔ معلوم ہوا مشتری منکر ہے اور شفیع مدعی ہے۔ اب وہ مدعی کیسے ہے اور یہ منکر کیسے ہے بتلا رہے ہیں۔ مثلاً وہ دس لاکھ کہہ رہا ہے اور یہ بارہ لاکھ مشتری کہہ رہا ہے، تو گویا شفیع اس بات کا دعویٰ کر رہا ہے کہ میں ان تھوڑے پیسوں کی ادائیگی سے گھر کا مستحق ہوا ہوں، میں کس سے؟ یعنی وہ بیع تھوڑے پیسوں میں ہوئی تھی تو میں تھوڑے پیسوں سے گھر کا مستحق بن رہا ہوں، تھوڑے پیسوں سے، اور مشتری اس کا انکار کر رہا ہے کہ یہ تھوڑے پیسوں کی وجہ سے گھر کا مستحق نہیں ہو رہا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ایک مدعی بن گیا دعویٰ کر رہا ہے کہ میں گھر کا مستحق ہوں تھوڑے پیسوں یعنی دس لاکھ کی ادائیگی پر ہی، اور مشتری اس کا انکار کر رہا ہے، تو یہ دیکھو ایک مدعی بن گیا ایک منکر بن گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

«وَلَوْ بَرْهَنَا فَالشَّفِيعُ أَحَقُّ»۔ آپ کی کتابوں میں عبارت اسی طرح ہے «وَلَوْ بَرْهَنَ»؟ جی۔ ہاں؟ جی۔ ہاں، یہ ہونا چاہیے «وَلَوْ بَرْهَنَا» نون کے ساتھ الف ہونا چاہیے بھائی، یہ تصحیح کریں بھائی یہ عبارت درست نہیں ہے، «وَلَوْ بَرْهَنَا» تثنیہ

کا صیغہ ہے۔ اور اگر ان دونوں نے بینہ قائم کر دی، ان دونوں نے، شفیع اپنے گواہ لے آیا کہ قاضی صاحب دس لاکھ میں یہ بیع ہوئی تھی یہ دو گواہ موجود تھے جب بیع ہو رہی تھی، اور مشتری اپنے دو گواہ لے آیا وہ کہتے ہیں قاضی صاحب ہمارے سامنے بیع ہوئی تھی بارہ لاکھ میں۔ یہ معنی ہے «وَلَوْ بَرْهَنَا» ان دونوں نے کیا کیا؟ گواہ پیش کر دیے، تو یہ تثنیہ کا صیغہ ہے۔ تو اب کس کے گواہ قبول کریں؟ کہتے ہیں «فَالشَّفِيعُ أَحَقُّ» شفیع زیادہ لائق ہے، زیادہ حق دار ہے کہ اس کے بینہ کو قبول کیا جائے۔ یعنی شفیع کے بینہ، شفیع کے گواہ کیا کہہ رہے ہیں دس لاکھ میں بیع ہوئی ہے تو شفیع کے گواہوں کو سنا جائے گا بھائی وہ زیادہ حق دار ہیں۔ تو کہتے ہیں «وَلَوْ بَرْهَنَا» اور اگر شفیع اور مشتری دونوں نے بینہ قائم کر دی «فَالشَّفِيعُ أَحَقُّ» تو شفیع زیادہ حق دار ہے، یعنی اس کی بینہ کو سنا جائے گا قبول کیا جائے گا یعنی اس پر پھر فیصلہ ہو گا۔ «هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى» یہ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔

طرفین، شیخین، صاحبین یہ تو آپ جانتے ہوں گے بھائی۔ بھائی دیکھو پھر سن لو مختصراً ذکر کر دیتا ہوں۔ ہمارے تین بڑے ائمہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ، اور اسی طرح امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ان دونوں کے استاد ہیں، امام ابو یوسف کے بھی اور امام محمد کے بھی، تو امام ابو حنیفہ ان دونوں کے استاد ہیں۔ اور امام محمد رحمہ اللہ ان دونوں کے شاگرد ہیں، انہوں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بھی پڑھا اور پھر اس کے بعد امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے بھی پڑھا بعد میں، تو یہ دونوں کے شاگرد۔ تو گویا دو کنارے ہو گئے: ایک ہے طرفِ اعلیٰ، سب سے اعلیٰ کنارہ وہ ہے امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ، وہ دونوں کے استاذ ہیں، وہ دونوں کے استاذ ہیں؛ اور ایک ہے طرفِ ادنیٰ، نچلا کنارہ، اور طرفِ ادنیٰ پر امام محمد ہیں وہ دونوں کے شاگرد ہیں، وہ دونوں کے شاگرد ہیں؛ اور امام ابو یوسف وہ متوسط ہیں، ایک کے استاذ ہیں اور ایک کے شاگرد ہیں۔ تو لہٰذا جب امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا ذکر کرنا ہو تو کہتے ہیں شیخین، کیونکہ یہ دونوں استاذ ہیں کس کے؟ امام محمد کے، شیخین بھائی وہ دو استاذ۔ اور جب دو شاگردوں کا ذکر کرنا ہو تو کہتے ہیں صاحبین، صاحب کا معنی ساتھی، وہ دو ساتھی یعنی شاگرد ہونے میں امام صاحب کے شاگرد ہونے میں یہ دونوں کیا ہیں؟ ساتھی ہیں امام ابو حنیفہ کا شاگرد ہونے میں، تو صاحبین سے کون مراد ہوتے ہیں؟ امام ابو یوسف اور امام محمد۔ اور جب

کسی مسئلے میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد ایک طرف ہو جائیں، تو پھر کہتے ہیں طرفین، کیونکہ طرفِ اعلیٰ کون؟ امام ابو حنیفہ، اور طرفِ ادنیٰ کون؟ امام محمد، تو طرفین دونوں کنارے، ایک اوپر والا ایک نیچے والا، یعنی امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ مراد ہوتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہاں دیکھو «هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ» یہ کس کے نزدیک ہے؟ طرفین۔ یہ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔

«وَحُجَّتُهُمَا مَا ذَكَرْنَا»۔ حجت دلیل کو کہتے ہیں، اور ان دونوں کی دلیل «مَا» وہ ہے «ذَكَرْنَا» جو ہم نے ذکر کر دی، ان دونوں کی دلیل وہ ہے جو ہم نے ذکر کر دی۔ کون سی دلیل؟ بھائی ابھی تو بتایا «صُدِّقَ الْمُشْتَرِي» کے آگے بتایا تھا کہ مدعی

کون بن رہا ہے؟ شفیع، اور منکر کون بن رہا ہے؟ مشتری۔ اور بینہ کس کا سنا جاتا ہے؟ مدعی کا، اور مدعیٰ علیہ کا بینہ نہیں سنا جاتا بلکہ اس کی تو قسم سنی جاتی ہے، قسم کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ تو جب شفیع مدعی ہوا تو بینہ بھی اسی کی زیادہ لائق ہے کہ اس کو سنا جائے اور اس پر فیصلہ کیا جائے۔ دلیل سمجھ میں آئی کہ نہیں سب کو؟ تو یہ جو کتاب میں آیا «وَحُجَّتُهُمَا مَا ذَكَرْنَا» اور ان دونوں کی دلیل یعنی طرفین کی دلیل «مَا» وہ ہے «ذَكَرْنَا» جو ہم نے ذکر کر دی، اس سے اوپر والی سطر میں جو آیا تھا «لِأَنَّ الشَّفِيعَ يَدَّعِي اسْتِحْقَاقَ الدَّارِ عِنْدَ نَقْدِ الْأَقَلِّ وَالْمُشْتَرِيَ يُنْكِرُهُ»، یہ مراد ہے بھائی یہ دلیل ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کہ جس میں انہوں نے بتلایا کہ شفیع کس طرح مدعی بن رہا ہے اور مشتری کس طرح منکر بن رہا ہے، تو «وَحُجَّتُهُمَا مَا ذَكَرْنَا» یہ اس کی طرف اشارہ ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں «وَحُجَّتُهُمَا مَا ذَكَرْنَا» اور ان دونوں کی دلیل وہ ہے جو ہم نے ذکر کر دی، «وَأَيْضًا يُمْكِنُ صِدْقُ الْبَيِّنَتَيْنِ» کہتے ہیں آپ یہاں سے ایک اور چھوٹی سی بات بتلا رہے ہیں کہ بھائی آپ یہ نہ کہیں کہ ایک بینہ سچی ہے اور ایک بینہ جھوٹی ہے، ممکن ہے دونوں گواہیاں سچی ہوں، دونوں گواہیاں کیا ہوں؟ سچی ہوں۔ بھائی کس طرح دونوں گواہیاں کیسے؟ ایک گواہ کہہ رہے ہیں دس لاکھ میں بیع ہمارے سامنے ہوئی ہے، دوسرے کہہ رہے ہیں بارہ لاکھ میں ہمارے سامنے ہوئی ہے، دونوں کیسے سچ ہو سکتے ہیں؟ کہتے ہیں بھائی ہو سکتا ہے پہلے ایک دفعہ عقد ہوا ہو بائع اور مشتری میں، اور اس وقت یہ پہلے دو گواہ تھے اور اس وقت بیع ہوئی تھی دس لاکھ میں۔ پھر بعد میں بائع اور مشتری آپس میں پھر راضی ہوئے، بائع نے کہا نہیں بھائی یہ پیسے آپ نے میں راضی نہیں ہوں ویسے، ٹھیک ہے چیز آپ کی ہو گئی بیع ہو گئی سارا کچھ لیکن میں خوش نہیں ہوں، مشتری نے کہا چلو پھر دوبارہ بیع کر لیتے ہیں اور میں آپ کو بارہ لاکھ دے دیتا ہوں، بات سمجھ میں آگئی؟ وہ نیک آدمی تھا اس نے دوبارہ بیع کر لی، تو اب دوسری بیع بارہ لاکھ میں ہوئی اور یہ والے دو گواہ اس دوسری بیع میں موجود تھے تو انہوں نے اس کی گواہی دے دی۔ تو دونوں گواہیاں درست بھی ہو سکتی ہیں، لیکن بہرحال بینہ کس کی سنی جائے گی یہاں پر؟ شفیع کی۔ تو کہتے ہیں «وَأَيْضًا يُمْكِنُ صِدْقُ الْبَيِّنَتَيْنِ» اور ممکن ہے دونوں بینوں کا سچ ہونا «بِجَرَيَانِ الْعَقْدِ مَرَّتَيْنِ» عقد کے دو مرتبہ جاری ہونے کی وجہ سے، عقد کے دو مرتبہ جاری یعنی عقد دو مرتبہ جاری ہوا ہو تو دونوں بینوں کا سچ ہونا بھی ممکن ہے۔ «فَيَأْخُذُ الشَّفِيعُ بِالْأَقَلِّ» تو شفیع اس گھر کو لے لے گا «بِالْأَقَلِّ» کس کے بدلے؟ اقل ثمن کے بدلے، یعنی دس لاکھ کے بدلے۔

«وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ بَيِّنَةُ الْمُشْتَرِي أَحَقُّ» اور امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک مشتری کا بینہ زیادہ لائق ہے۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ بھائی وہ فرماتے ہیں کہ مشتری کا بینہ زیادہ لائق ہے اس کو سنا جائے۔ توجہ ہے؟ شفیع نے دو گواہ پیش کیے وہ کیا کہہ رہے تھے؟ دس لاکھ میں یہ بیع ہوئی ہے ہمارے سامنے۔ اور مشتری نے دو گواہ پیش کیے وہ دو گواہ کیا کہہ رہے ہیں؟ بارہ لاکھ میں یہ بیع ہوئی تھی ہمارے سامنے۔ طرفین کی بات تو آپ کو سمجھ میں آگئی کہ شفیع جو ہے وہ مدعی ہے اور مشتری جو ہے منکر ہے۔ لیکن امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، یہاں پر مشتری جو ہے وہ مدعی ہے اور شفیع

منکر ہے۔ دیکھا ایک کو مدعی بنانا ہے اور ایک کو منکر بنانا ہے۔ تو وہ کہتے ہیں یہاں مشتری مدعی ہے اور شفیع منکر ہے۔ بھائی وہ کیسے؟ کہتے ہیں دیکھیں، شفیع کتنے کی بات کر رہا ہے؟ دس لاکھ کی، اور مشتری کتنے کی بات کر رہا ہے؟ بارہ لاکھ۔ معلوم ہوا اس بارہ میں سے دس لاکھ تو شفیع بھی مان رہا ہے، اس بارہ میں سے دس لاکھ تو شفیع بھی مان رہا ہے، ہاں مشتری دو لاکھ زائد کی بات کر رہا ہے، دو لاکھ زائد کی بات کر رہا ہے، تو یہ دو لاکھ زائد کا وہ دعویٰ کر رہا ہے اور شفیع اس کا انکار کر رہا ہے۔ معلوم ہوا وہ منکر ہے یہ مدعی ہے، تو لہٰذا بینہ کس کی سنی جائے گی؟ مشتری کی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے «وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى بَيِّنَةُ الْمُشْتَرِي أَحَقُّ» کہ مشتری کی جو بینہ ہے وہ زیادہ لائق ہے کہ اس کو سنا جائے قبول کیا جائے، «لِأَنَّهَا أَكْثَرُ إِثْبَاتًا» اس لیے کیونکہ وہ زیادہ ہے باعتبار اثبات کے، یعنی وہ زیادہ ثمن ثابت کر رہی ہے، وہ شفیع والی دس لاکھ ثابت کر رہی ہے تو یہ بارہ لاکھ ثابت۔ یہ معنی ہے «لِأَنَّهَا» اس لیے کیونکہ اس مشتری کی جو بینہ ہے «أَكْثَرُ» وہ زیادہ ہے «إِثْبَاتًا» کس اعتبار سے زیادہ ہے؟ اثبات کے اعتبار سے کہ یہ زیادہ ثمن ثابت کر رہی ہے۔

«وَإِنِ ادَّعَى الْمُشْتَرِي ثَمَنًا وَبَائِعُهُ أَقَلَّ مِنْهُ بِلَا قَبْضِهِ فَالْقَوْلُ لَهُ» اب اور صورت آگئی بھائی۔ صورتِ مسئلہ یہ کہ اختلاف آگیا مشتری اور بائع میں، مشتری اور بائع میں اختلاف آگیا۔ مشتری کہتا ہے قاضی صاحب یہ زمین میں نے بائع سے بارہ لاکھ میں خریدی، اور بائع کہتا ہے نہیں قاضی صاحب میں نے یہ زمین اس کو دس لاکھ میں بیچی ہے۔ اب بائع کی بات مانیں تو شفیع کو بھی دس لاکھ دینا پڑیں گے، اور مشتری کی بات مانیں تو شفیع کو بارہ لاکھ دینے، مثلِ ثمن دینے ہیں توجہ ہے؟ بائع اور مشتری کی بات ہو رہی ہے شفیع کی نہیں، بائع اور مشتری کا آپس میں اختلاف ہوا، شفیع نے تو شفعہ کیا ہوا ہے، اب ان کا آپس میں وہیں پر قاضی کے پاس اختلاف ہو گیا۔ بائع کیا کہتا ہے؟ دس لاکھ، اور مشتری کیا کہتا ہے میں نے کتنے میں لیا؟ بارہ لاکھ میں۔ تو اب کس کے قول کو لیا جائے گا؟ اگر بائع کا قول لیں تو شفیع نے مثلِ ثمن دینے ہیں تو شفیع پر بھی کتنے آئیں گے؟ دس لاکھ۔ اور اگر مشتری کی بات لیں تو پھر شفیع پر کتنے آئیں گے؟ بارہ لاکھ آئیں گے۔

کہتے ہیں بھائی یہاں دو صورتیں ہیں: یہ جو بائع اور مشتری میں اختلاف آیا، بائع ثمن وصول کر چکا ہے اس کے بعد اختلاف ہو رہا ہے یا ابھی پیسے وصول ہی نہیں کیے اس سے پہلے اختلاف ہو رہا ہے؟ اگر اس سے پہلے اختلاف ہو رہا ہے تو پھر تو بائع کی بات ٹھیک ہے، تھوڑے پیسوں میں کیا کر دو؟ فیصلہ کر دیں۔ اور اگر بائع پیسے وصول کر چکا ہے پھر تو وہ اجنبی ہو چکا ہے اس کا اس معاملے سے تعلق ہی نہیں رہا، اب بات کس کی لی جائے گی؟ مشتری کی لی جائے گی۔ دو صورتیں ہیں، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ کہ بائع وہ پیسے لے چکا ہے اس کے بعد اختلاف ہوا ہے یا ابھی پیسے اس نے لینے ہیں؟ اگر اس نے ابھی پیسے لینے ہیں اور وہ کیا کہہ رہا ہے بیع کتنے میں ہوئی ہے؟ دس لاکھ میں ہوئی ہے، اور مشتری کیا کہہ رہا ہے؟ بارہ لاکھ میں ہوئی ہے، تو ہم یہ نہیں کہتے کہ مشتری جھوٹ بول رہا ہے، ٹھیک ہے بیع بارہ میں ہوئی ہو گی لیکن معلوم ہوتا ہے بائع دو لاکھ چھوڑ رہا ہے اس کے لیے، اور بائع کا ثمن کس کا حق ہے؟ بائع کا، تو وہ اپنے حق میں کمی کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا؟ آپ نے ایک آدمی

سے سو روپیہ لینا ہے، آپ اس کو کہتے ہیں بس مجھے پچاس دے دو باقی آپ رکھو، کر سکتے ہیں یا نہیں کر سکتے؟ کیونکہ یہ آپ کا حق ہے۔ تو یہاں پر بھی جب بائع نے ابھی ثمن وصول نہیں کیے ابھی وصول کرنے ہیں، پھر بھی وہ کم ذکر کر رہا ہے، معلوم ہوا اس نے زائد کیا کر دیے؟ چھوڑ دیے ہیں، اور یہ اس کا حق ہے وہ چھوڑ سکتا ہے، تو جب چھوڑ دیے ہیں تو وہ کمی شفیع کے حق میں بھی ہو گی، لہٰذا شفیع کو بھی تھوڑے ہی پیسے دینے پڑیں گے وہ جو بائع ذکر کر رہا ہے۔

دیکھیے بھائی کتاب پر: «وَإِنِ ادَّعَى الْمُشْتَرِي ثَمَنًا» اگر دعویٰ کیا مشتری نے ایک ثمن کا «وَبَائِعُهُ أَقَلَّ مِنْهُ» اور بائع نے اس سے تھوڑے ثمن کا «بِلَا قَبْضِهِ» بغیر اس کے قبضہ کیے، «فَالْقَوْلُ لَهُ» تو قول کس کا معتبر؟ بائع کا قول معتبر، بائع کا قول معتبر ہے، کیا معنی بائع کا قول معتبر ہے؟ وہی عبارت آ گئی جو میں جگہ جگہ آپ کو بتلا رہا تھا، قسم کے ساتھ، اور دوسرے کے ذمے کیا آئے گا؟ دوسرا بینہ پھر پیش کر سکتا ہے بھائی بینہ پیش کر سکتا ہے۔ تو «فَالْقَوْلُ لَهُ» تو بائع کا قول معتبر ہے «أَيْ بِلَا قَبْضِ الثَّمَنِ فَالْقَوْلُ لِلْبَائِعِ» یعنی بغیر ثمن کے قبضے کے تو قول جو ہے وہ بائع کا معتبر ہے۔ دیکھا پہلے متن دیکھو «وَإِنِ ادَّعَى الْمُشْتَرِي ثَمَنًا» اگر دعویٰ کیا مشتری نے کسی ثمن کا «وَبَائِعُهُ أَقَلَّ مِنْهُ» اور بائع نے اس سے تھوڑے ثمن کا دعویٰ کیا «بِلَا قَبْضِهِ» بغیر اس کے قبضے، یہ «قَبْضِهِ» کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ آگے شرح میں بتلا رہے ہیں «أَيْ بِلَا قَبْضِ الثَّمَنِ» بغیر اس ثمن کے قبضہ کیے یعنی اس نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا تھا تو «فَالْقَوْلُ لِلْبَائِعِ» تو قول کس کا؟ متن میں کیا آیا «فَالْقَوْلُ لَهُ» یہ «لَهُ» ضمیر کس کو راجع؟ شرح میں بتا دیا «فَالْقَوْلُ لِلْبَائِعِ» قول کس کا معتبر ہے؟ بائع کا۔ «وَمَعَ قَبْضِهِ لِلْمُشْتَرِي» دیکھا آگے پھر ضمیر کا مرجع بتلائیں گے «أَيْ مَعَ قَبْضِ الثَّمَنِ فَالْقَوْلُ لِلْمُشْتَرِي» ثمن کے قبضے کے ساتھ مشتری کا قول معتبر ہے۔ جب بائع پیسے لے چکا ہے، بائع کیا کہتا ہے میں نے دس لاکھ میں بیچی اور مشتری کیا کہتا ہے بارہ لاکھ میں بیچی، اور بائع دس لاکھ وصول کر چکا ہے، بھائی اب آپ کا کیا کام ہے؟ اب تو آپ کا مسئلہ ہی یہ نہیں ہے، کس کے درمیان چل رہا ہے؟ شفیع اور مشتری کے درمیان مسئلہ ہے، آپ تو پیسے وصول کر چکے ہیں۔ تو «فَالْقَوْلُ لِلْمُشْتَرِي» تو قول مشتری کا معتبر ہے۔ کیسے صورت ہو گی؟ پھر بناؤ دو صورتیں: بائع نے ابھی دس لاکھ وصول نہیں کیے، بائع نے ابھی اپنے پیسے وصول نہیں کیے، بائع کہہ رہا ہے دس لاکھ اور مشتری کیا کہہ رہا ہے بارہ لاکھ، اس کا مطلب ہے بائع دو لاکھ چھوڑ رہا ہے، جب وہ چھوڑ رہا ہے مشتری کے لیے تو وہ کمی کس کے حق میں آئے گی؟ شفیع کے بھی حق میں آئے گی، وہ بھی اسی کے مثل ثمن دے کر اس نے زمین لینی ہے تو وہ بھی دس لاکھ میں زمین لے لے گا۔ اور اگر بائع وہ دس لاکھ وصول کر چکا ہے اب تو بائع کا یہاں تعلق ہی نہ رہا، اب اختلاف کس میں آ گیا؟ مشتری اور شفیع میں آیا، شفیع کیا کہہ رہا ہے؟ دس لاکھ میں ہوئی ہے بیع اور مشتری کیا کہہ رہا ہے؟ بارہ لاکھ میں ہوئی ہے، تو ابھی گزشتہ مسئلہ گزر چکا کہ شفیع کے ذمے بینہ ہے گواہ لے آئے کہ دس لاکھ میں بیع ہوئی ہے، اور قول کس کا معتبر اگر گواہ یہ پیش نہیں کر سکا تو پھر کس کا قول معتبر ہے؟ منکر یعنی مشتری کا قول معتبر ہے، یہ معنی ہے «فَالْقَوْلُ لِلْمُشْتَرِي» قول کس کا معتبر؟ مشتری کا۔ صورت اچھی طرح سب کو سمجھ میں آ گئی؟

انہوں نے آپ کو بتلایا کہ جب بائع اور مشتری کے درمیان ثمن کے اندر اختلاف آجائے اور بائع کہتا ہے میں نے مثلاً دس لاکھ میں زمین بیچی ہے اور مشتری زیادہ بتلاتا ہے کہ میں نے بارہ لاکھ میں زمین خریدی ہے، تو میں نے بتلایا اس میں دو صورتیں ہیں: یا تو بائع نے پیسوں پر قبضہ کر لیا ہو گا وہ پیسے لے چکا ہے مشتری سے، یا پیسے اس نے ابھی نہیں لیے۔ اگر وہ پیسے لے چکا ہے پھر تو وہ اجنبی بن گیا پھر تو اس کی بات کی طرف توجہ ہی نہیں کی جائے گی، اور اسی طرح شفیع اور مشتری کے درمیان مقدمہ چلے گا، شفیع پر جو ہے وہ بینہ آئے گی کہ وہ ثابت کرے کہ تھوڑے پیسوں میں عقد ہوا ہے، اور مشتری پر کیا آ جائے گی؟ قسم آجائے گی تو وہ قسم کھائے گا۔ لیکن اگر بائع نے ابھی پیسوں پر قبضہ ہی نہیں کیا ابھی اس نے پیسے مشتری سے وصول ہی نہیں کیے، اب وہ کہہ رہا ہے کہ یہ زمین میں نے دس لاکھ میں دی ہے اور مشتری کہہ رہا ہے کہ میں نے بارہ لاکھ میں لی ہے، تو بائع نے تو ابھی پیسے وصول ہی نہیں کیے ابھی اس نے وصول کرنے ہیں، اس کا مطلب ہے کہ وہ دو لاکھ معاف کر رہا ہے،

اپنی طرف سے۔ کیا کر رہا ہے؟ معاف۔ ہاں، تو گویا وہ بتلا ہی یہ رہا ہے کہ میرا حق کتنا بنتا ہے؟ دس لاکھ بنتا ہے، بارہ لاکھ نہیں بنتا، تو اس صورت میں پھر وہ کمی ظاہر ہو گی اور یوں سمجھیں گے کہ بائع نے ثمن کے اندر کمی کر دی ہے لہٰذا وہ جو اقل ہے یعنی بائع کے قول کو لے لیا جائے گا، بائع کا قول لے لیا جائے گا اور اس کے مطابق جو ہے پھر شفیع پر بھی اتنے ہی پیسے آئیں گے۔

«وَأَخَذَ فِي حَطِّ الْكُلِّ بِالْكُلِّ» اور وہ لے لے گا یعنی زمین کو، شفیع لے لے گا زمین کو «فِي حَطِّ الْكُلِّ»۔ حط کا معنی ہے مٹانا، ختم کرنا۔ «حَطَّ يَحُطُّ» کا معنی ہے کم کرنا بھائی، کم کرنا یعنی کسی چیز کے نرخ قیمت وغیرہ کم کرنا بھائی۔ کم کرنا۔ «وَأَخَذَ فِي حَطِّ الْكُلِّ بِالْكُلِّ» اور لے لے گا شفیع اس گھر کو «فِي حَطِّ الْكُلِّ» سارے ثمن کو گرانے کی صورت میں، سارے ثمن یعنی یوں کہو ختم کرنے کی صورت میں «بِالْكُلِّ» کل کے بدلے میں۔ بھائی صورت یہ ہے کہ بائع نے زمین مشتری کو دس لاکھ میں بیچی، اور پھر بائع نے وہ سارے پیسے معاف کر دیے، تو اب شفیع کتنے پیسوں میں لے گا؟ شفیع کتنے پیسوں میں لے گا؟ تو کہتے ہیں بھائی شفیع کو پورے پیسوں میں لینی پڑے گی زمین۔ اگر بائع سارے پیسے معاف کر دے تو پھر شفیع کو پورے ہی پیسوں میں زمین لینی پڑے گی، اور اگر بائع تھوڑے پیسے کم کر دے تو پھر شفیع کے حق میں بھی اتنے ہی پیسے کم ہو جائیں گے۔

کہتے ہیں «وَأَخَذَ فِي حَطِّ الْكُلِّ بِالْكُلِّ» اور لے لے گا شفیع اس زمین کو «فِي حَطِّ الْكُلِّ» کل ثمن کم کرنے کی صورت میں «بِالْكُلِّ» کس کے بدلے لے لے گا؟ کل ثمن کے بدلے لے لے گا۔ بھائی کیا وجہ ہے کہ جب وہ کچھ پیسوں کی کمی کرتا ہے تو آپ کہتے ہیں شفیع کے حق میں بھی پیسوں کی کمی ہو گی، مثلاً بائع نے بیچا تھا دس لاکھ کا اور پھر وہ مشتری کو کہتا ہے آپ مجھے پانچ لاکھ دے دو، پانچ لاکھ میں نے آپ کے لیے چھوڑ دیے، تو شفیع بھی کتنے میں لے لے گا؟ پانچ لاکھ میں۔ اگر اس نے

آٹھ لاکھ چھوڑ دیے اور کہا صرف مجھے کتنے دے دو؟ دو لاکھ، تو شفیع بھی وہ مکان کتنے میں لے لے گا؟ دو لاکھ میں لے لے گا۔ تو کچھ کم کریں تو آپ کہتے ہیں کہ شفیع کو بھی اس کا فائدہ پہنچے گا اور اس کے لیے بھی ثمن میں کمی ہو جائے گی، لیکن جب پورے وہ پیسے کم کر دیتا ہے اور بالکل ختم کر دیتا ہے تو پھر آپ کہتے ہیں نہیں اب کوئی کمی نہیں ہو گی، پورے کے پورے ثمن دینے پڑیں گے۔ بائع نے دس لاکھ کا بیچا تھا اور پھر مشتری کو کہتا ہے بس میں نے سارے پیسے معاف کیے یہ پلاٹ میں نے آپ کو ویسے ہی دے دیا، تو شفیع کو بھی مفت ملنا چاہیے لیکن آپ کیا کہتے ہیں کہ نہیں وہ مفت نہیں لے سکتا اس کو پورے ثمن دینے پڑیں گے۔

بھائی وجہ یہ ہے کہ اگر ہم سارے پیسے معاف کر دیں پھر تو شفیع کا حقِ شفعہ ہی ختم ہو جاتا ہے، شفیع کا حقِ شفعہ ہی ختم ہو گیا۔ اس کا فائدہ ہوا یا نقصان ہو گیا؟ نقصان ہو گیا، زمین اس کے ہاتھ آ رہی تھی نکل گئی بس اب نہیں مل سکتی۔ بھائی وجہ یہ ہے یاد رکھو یہ جو شفعے کا حق ہوتا ہے یہ بیع کی صورت میں ہوتا ہے، اور بیع میں کیا ہوتا ہے کہ مبادلۃ المال بالمال ہوتا ہے، زمین لی ہے تو بدلے میں کوئی چیز بھی لی ہے مفت میں نہیں دی۔ مبادلۃ المال بالمال، مال کے بدلے مال ہو تو اس کو بیع کہتے ہیں۔ زمین بھی مال ہے اور بدلے میں جو کرنسی دی وہ بھی کیا ہے؟ مال ہے، تو مبادلۃ المال بالمال ہوا لہٰذا آپ کو شفعہ کا حق ہے۔ اور شفعہ کا حق صرف بیع میں ہوتا ہے۔ اور اگر آپ ثمن کو پورے طور پر ختم کر دیں، جیسے آپ اپنی کتاب کسی ساتھی کو دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کتاب آپ کی ہو گئی میری طرف سے، اس کو کوئی بیع کہتا ہے؟ نہیں، اس کو تو تحفہ کہتے ہیں تحفہ دیا ہے۔ تو اگر سارے ثمن کے ختم کرنے کا ہم اعتبار کر لیں پھر تو یہ بیع رہے گی نہیں، یہ تو ہبہ بن جائے گا، تحفہ بن جائے گا، اور ہبہ اور تحفہ میں تو حق شفعہ نہیں ہوتا، پھر تو اس کا حقِ شفعہ ہی مارا جائے گا فائدے کے بجائے اس کو نقصان ہو جائے گا۔ لہٰذا کل ثمن معاف کیے تو کل ثمن نہیں معاف ہوں گے کل کے کل ہی دینے پڑیں گے، اور اگر تھوڑے ثمن معاف کیے تو بھی وہ بیع ہی ہے تو اتنی ہی اس کے لیے بھی کمی کر دی جائے گی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں «وَأَخَذَ فِي حَطِّ الْكُلِّ بِالْكُلِّ» اور لے لے گا زمین کو سارے ثمن معاف کرنے کی صورت میں سارے ثمن کے بدلے۔ «وَمَسْأَلَةُ حَطِّ الْبَعْضِ قَدْ مَرَّتْ فِي بَابِ الْمُرَابَحَةِ بِقَوْلِهِ:وَالشَّفِيعُ يَأْخُذُ بِالْأَقَلِّ فِي الْفَصْلَيْنِ»۔ «وَمَسْأَلَةُ حَطِّ الْبَعْضِ» یہ شارح اب بتلا رہے ہیں کہتے ہیں یہاں متن میں تو آیا کل ثمن معاف کرنے کا ذکر آیا «وَأَخَذَ فِي حَطِّ الْكُلِّ بِالْكُلِّ»، بھائی بعض کو معاف کرنے والا مسئلہ یہاں ذکر نہیں کر رہے ماتن وہ کیوں؟ بتلا رہے ہیں کہ بھائی وہ بعض ثمن کو معاف کرنے والا مسئلہ باب المرابحہ میں گزر چکا ہے متن کے اندر ہی، بات سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں «وَمَسْأَلَةُ حَطِّ الْبَعْضِ» اور بعض ثمن کو کم کرنے کا جو مسئلہ ہے «قَدْ مَرَّتْ» تحقیق وہ گزر چکا ہے «فِي بَابِ الْمُرَابَحَةِ» اسی کتاب کی بابِ مرابحہ کے اندر «بِقَوْلِهِ» ماتن کے اس قول کے ساتھ: «وَالشَّفِيعُ يَأْخُذُ بِالْأَقَلِّ فِي الْفَصْلَيْنِ» اور شفیع لے لے گا اقل ثمن کے بدلے دونوں صورتوں میں، شفیع لے لے گا اقل کے بدلے دونوں فصلوں میں۔

بھائی دیکھیے دو صورتیں بنتی ہیں یہاں وہ سمجھ لیں: بیع مثلاً ہوئی دس لاکھ میں، کتنے میں؟ دس لاکھ میں۔ اب یہاں دو صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ بعد میں ثمن میں کمی کر دی گئی، اور ایک صورت یہ ہے کہ بعد میں ثمن میں زیادتی کر دی گئی، دو فصلیں ہیں دو صورتیں ہیں۔ کمی کا حق کس کا ہے؟ بائع کا، بائع کمی کر سکتا ہے مشتری کمی نہیں کر سکتا۔ اور زیادتی کا حق کس کا ہے؟ مشتری کا ہے، آپ نے دس کی چیز لی ہے آپ چاہیں تو بیس دے دیں، لیکن بائع آپ سے زبردستی بیس نہیں نکلوا سکتا۔ توجہ ہے مسئلے کی طرف؟ کمی کا حق کس کا ہوتا ہے؟ بائع کا، اور زیادتی کا حق کس کا ہے؟ مشتری کا۔ تو اب یہ دو صورتیں بن گئیں، دونوں صورتوں میں بیع کے اندر چاہے کمی کی جائے ثمن میں بعد میں چاہے زیادتی کی جائے وہ جو شفیع جو ہے وہ اقل کے بدلے ہی لے گا۔ کس کے بدلے؟ اقل کے بدلے۔

اب ہم دونوں الگ صورتیں بنا لیتے ہیں: مثلاً بائع نے مکان بیچا تھا مشتری کو دس لاکھ کا، اور بعد میں کہتا ہے چلو بھائی میں نے آپ کے لیے ثمن کم کر دیے آپ دس لاکھ نہ دینا آپ پانچ لاکھ دے دینا، تو بائع نے کیا کر دی؟ کمی کر دی۔ تو بیع کس پہ ہوئی؟ دس لاکھ پہ، اور کمی کے بعد کتنے ثمن رہ گئے؟ پانچ لاکھ، تو اقل کیا ہیں؟ پانچ لاکھ، تو شفیع بھی پانچ لاکھ کے بدلے یہ زمین لے گا، یہ جو کمی مشتری کے لیے اس نے کی تھی یہی کمی کس کے لیے ہو جائے گی؟ شفیع کے لیے بھی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ اب دوسری صورت بناؤ: بیع ہوئی دس لاکھ میں، لیکن مشتری بعد میں خوش ہو کر کہتا ہے کہ یہ جگہ اور یہ مکان تو مجھے اور بھی زیادہ پسند آیا ہے یوں کریں آپ کو میں دس لاکھ نہیں دوں گا میں آپ کو پندرہ لاکھ روپے دوں گا، پندرہ لاکھ روپے دوں گا۔ اب بیع کتنے پہ ہوئی تھی؟ دس لاکھ، لیکن اس نے ثمن کتنے بڑھا دیے؟ پندرہ لاکھ، تو اقل کیا ہے؟ دس لاکھ، تو لہٰذا شفیع کتنے میں لے گا؟ دس لاکھ میں لے لے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے کہ «وَالشَّفِيعُ يَأْخُذُ بِالْأَقَلِّ فِي الْفَصْلَيْنِ» شفیع لے لے گا اقل ثمن کے بدلے تھوڑے ثمن کے بدلے «فِي الْفَصْلَيْنِ» دونوں فصلوں میں دونوں صورتوں میں، یعنی چاہے کمی کی جائے چاہے زیادتی کی جائے دونوں صورتوں میں جو اقل ہو گا اس کے بدلے شفیع لے لے گا۔ یعنی شفیع کو فائدہ پہنچ رہا ہے فائدہ تو شریعت دے گی، اگر کوئی اس کو نقصان دینا چاہتا ہے نقصان اس پر لازم نہیں ہو گا۔ بائع نے کمی کی ہے تو اب شفیع کو فائدہ پہنچ رہا ہے تو شریعت وہ فائدہ اس کو دے گی کہ اس کے لیے بھی ثمن میں کیا ہو جائے گی؟ کمی ہو جائے گی بھائی۔ اور بائع نے ثمن زیادہ کیے ہیں، ہو سکتا ہے اس نے اس لیے زیادہ کیے ہوں کہ شفیع لے گا تو اس کو دس کے بجائے پندرہ لاکھ دینے پڑیں، بھائی آپ اپنی طرف سے پانچ لاکھ زائد بے شک دیں لیکن شفیع پر آپ وہ پانچ لاکھ لازم نہیں کر سکتے اس کو نقصان نہیں دے سکتے۔ تو دونوں صورتوں میں وہ اقل کے بدلے لے لے گا بھائی۔

چلیے بس کریں بھائی بس بھائی۔ هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟ کوئی بات ایسی تو نہیں جو سمجھ میں نہ آئی ہو؟

سبق نمبر ۵: ثمنِ مثلی و قیمی، عقار بعقار، ثمنِ مؤجل اور مشتری کے تصرفات (بناء و غرس) کا حکم

شرح الوقایہ صفحہ: ۹ — بتاریخ: ۱۲ ستمبر ۲۰۱۹ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی: وَفِي الشِّرَاءِ بِثَمَنٍ مِثْلِيٍّ بِمِثْلِهِ وَفِي غَيْرِهِ بِالْقِيمَةِ، وَفِي عَقَارٍ بِعَقَارٍ أُخِذَ كُلٌّ بِقِيمَةِ الْآخَرِ، وَفِي ثَمَنٍ مُؤَجَّلٍ بِحَالٍّ أَوْ طَلَبَ فِي الْحَالِ وَأَخَذَ بَعْدَ الْأَجَلِ، هَذَا عِنْدَنَا، وَأَمَّا عِنْدَ زُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى فِي قَوْلِهِ الْقَدِيمِ فَلَهُ أَنْ يَأْخُذَهُ فِي الْحَالِ بِالثَّمَنِ الْمُؤَجَّلِ، وَلَوْ سَكَتَ عَنْهُ بَطَلَتْ۔[1]

شفعہ کے مسائل ذکر ہو رہے ہیں بھائی۔ آگے مسئلہ ذکر کر رہے ہیں: وَفِي الشِّرَاءِ بِثَمَنٍ مِثْلِيٍّ بِمِثْلِهِ وَفِي غَيْرِهِ بِالْقِيمَةِ۔ بھائی آپ جانتے ہیں کہ چیزیں جو ہیں وہ دو قسم پر ہیں، کچھ مثلیات ہیں اور کچھ ذوات القیم ہیں، قیمت والی ہیں، قیمت والی۔ آپ دیکھتے ہیں مختلف چیزوں کو بیچنے کے مختلف طریقے رائج ہیں۔ کچھ چیزوں کو وزن کر کے تول کر بیچا جاتا ہے۔ آپ بازار جاتے ہیں، چینی خریدتے ہیں، وہ آپ کو تول کر دی جاتی ہے۔ آپ گڑ خریدتے ہیں، آپ کو تول کر دیا جاتا ہے۔

[1]

جدول — ثمنِ مثلی، قیمی، عقار بعقار اور ثمنِ مؤجل میں شفعہ کے احکام:

نوعِ ثمن / عوض	صورۃِ مسئلہ	شفیع کے لیے اخذِ شفعہ کا حکم
ثمنِ مثلی (دراہم، دنانیر، مکیلات)	مکان کو مثلی ثمن کے عوض فروخت کیا گیا	شفیع اسی مثلِ ثمن کے بدلے شفعہ لے گا (بِمِثْلِهِ)۔
ثمنِ قیمی (ثوب، حیوان، عبد)	مکان کو کسی قیمی چیز کے بدلے فروخت کیا گیا	شفیع اس قیمی چیز کی قیمت دے کر مکان لے گا (وَفِي غَيْرِهِ بِالْقِيمَةِ)۔
عقار بعقار (مکان کے بدلے مکان)	ایک مکان کو دوسرے مکان کے عوض بیچا گیا	ہر ایک عقار کو دوسرے عقار کی قیمت کے بدلے لیا جائے گا۔
ثمنِ مؤجل (ادھار ثمن)	مکان ادھار ثمن پر فروخت ہوا	شفیع کو اختیار ہے: نقد دے کر فوراً لے یا طلب کر کے میعاد پر لے۔

آپ لوہا خریدتے ہیں، آپ کو تول کر دیا جاتا ہے۔ آپ آٹا خریدتے ہیں، آپ کو تول کر دیا جاتا ہے۔ تو کچھ چیزیں کیا ہیں؟ وزنی ہیں، ان کو وزن کر کے بیچا جاتا ہے۔

اسی طرح کچھ چیزیں جو ہیں، ان کو خاص برتن میں ماپ کر بیچا جاتا ہے۔ مثلاً آپ دودھ خریدنے جاتے ہیں تو وہ آپ کو ایک خاص برتن میں ماپ کر دیتا ہے کہ ایک لیٹر اتنے روپے کا، دو لیٹر اتنے روپے کے۔ اسی طرح یہ جو گندم ہے، گندم جو وغیرہ، اور یہ چیزیں بھی قدیم زمانے میں ایک برتن کے اندر ماپ کر بیچی جاتی تھیں اور اس کو قفیز کہتے تھے، قفیز۔ وزن نہیں کیا جاتا تھا، آج کل تو گندم کا وزن کیا جاتا ہے، لیکن قدیم زمانے میں ان کو برتن میں ماپ کر بیچا جاتا تھا۔ آج بھی پاکستان کے بعض دیہات میں یہی طریقہ رائج ہے، گندم کو ماپ کر وہ بیچتے ہیں، ایک بڑا سا برتن ہوتا ہے اور وہ پورا برتن بھر کر مثلاً سو روپے کا ہے تو دو برتن آپ لیتے ہیں تو دو سو کے ہو جائیں گے، تین لیں گے تو تین سو کے ہو جائیں گے، تو اس طرح اس گندم کا حساب کیا جاتا ہے۔ اور عربی میں اس کو قَفِیْز کہتے ہیں، وہ جو برتن ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ قَفِیْز۔

تو دیکھو یہ ہیں ماپی جانے والی چیزیں۔ دوبارہ سنیں، کچھ چیزوں کو وزن کر کے بیچا جاتا ہے، کچھ چیزوں کو ماپ کر بیچا جاتا ہے برتن وغیرہ میں، اور ان کو کہتے ہیں مکیلی، کیل کیا جاتا ہے۔ کَیْل کا معنی ہے ماپنا، ماپنا، تو برتن میں ان کو ماپا جاتا ہے۔

اور کچھ چیزوں کو گن کر فروخت کیا جاتا ہے۔ مثلاً آپ انڈے خریدنے جاتے ہیں تو گن کر خریدتے ہیں کہ ایک درجن چاہئیں یا دو درجن چاہئیں۔ اسی طرح کیلے ہیں، مالٹے ہیں اور کچھ چیزیں جن کو گن کر بیچا جاتا ہے۔ بعض جگہوں پر ان کو تول کر بیچتے ہیں اور بعض جگہوں پر گن کر بیچتے ہیں۔ تو ان کو معدودات کہتے ہیں، معدوداتِ متقاربہ۔ معدودات جن کو شمار کیا جاتا ہے، گنا جاتا ہے۔ اور متقاربہ جو ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں، ایک دوسرے جیسے ہیں بھائی۔ اب انڈے ہیں، ان کو گن کر بیچا جاتا ہے، اب ہر انڈا بالکل دوسرے انڈے جیسا تو نہیں، تھوڑا بہت فرق تو ہوتا ہے لیکن اس فرق کو شمار نہیں کیا جاتا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو ان کو کیا کہتے ہیں؟ معدوداتِ متقاربہ۔

اور کچھ چیزوں کی پیمائش کر کے ان کو بیچا جاتا ہے، پیمائش کر کے۔ مثلاً آپ کپڑا خریدنے جاتے ہیں تو دکاندار سے آپ ایک گز یا دو گز یا تین گز پیمائش کر کے خریدتے ہیں۔ اسی طرح زمین جو ہے اس کو بھی، اس کی پیمائش کر کے بیچا جاتا ہے کہ ایک کنال ہے، دو کنال ہے یا آدھا کنال ہے یا ایک مرلہ ہے، وہ باقاعدہ پیمائش ہوتی ہے اس کی۔

تو اب یاد رکھیے ان میں سے کچھ چیزیں مثلیات ہیں اور کچھ ذوات القیم ہیں۔ ان میں سے جو، جن چیزوں کو وزن کر کے بیچا جاتا ہے، اور اسی طرح جن چیزوں کو ماپ کر بیچا جاتا ہے برتن کے ذریعے، اور اسی طرح یہ جن چیزوں کو گن کر بیچا جاتا ہے، یہ مثلیات میں داخل ہیں۔ معلوم ہوا موزونات جن کو وزن کیا جاتا ہے، مکیلات جن کو ماپا جاتا ہے، اور اسی طرح یہ جو معدوداتِ متقاربہ ہیں جن کو گن کر بیچا جاتا ہے، یہ مثلیات کے اندر داخل ہیں۔

اب مسئلہ یہ ذکر کر رہے ہیں کہ شفعہ کی تعریف میں آپ نے پڑھا تھا کہ وہ زمین کا مالک بننا ہے مشتری پر یعنی مشتری کے مقابلے میں، اور کیا ادا کریں گے آپ؟ اس کی قیمت کا، اس کے ثمن کا مثل ادا کریں گے، مثل ادا کریں گے۔ تو اب آپ کو آگے بتلائیں گے کہ اگر کسی نے زمین کو یا جائیداد کو مثلیات کے بدلے فروخت کیا ہے تو شفیع بھی وہی مثلی چیز ادا کر کے اس زمین کو لے لے گا۔ اور اگر اس نے زمین کو ذوات القیم کے بدلے فروخت کیا ہے تو اس صورت میں شفیع قیمت دے کر اس کا مالک بن جائے گا۔ مثلیات میں کیا دے گا؟ مثل۔ اور ذوات القیم میں؟ قیمت، ذوات القیم میں تو آتی ہی قیمت ہے۔ مثلاً گائے بیل بکریاں وغیرہ ہیں، ان کی قیمت لگائی جاتی ہے، ان کو فروخت کیا جاتا ہے، گن کر نہیں کوئی فروخت کرتا کیونکہ ہر گائے دوسری گائے سے الگ ہے، ہر بکری دوسری بکری سے الگ ہے، ہر ایک کی قیمت علیحدہ علیحدہ ہے، تو ان کو ذوات القیم کہتے ہیں، ذوات القیم، قیمت والی ہیں۔

تو اب اگر، صورت کیا ذکر ہو رہی ہے؟ کسی شخص نے زمین کو خریدا کس کے بدلے؟ موزونات کے بدلے۔ مثلاً اس نے ایک ہزار من لوہا دے کر ایک گھر خریدا، تو شفیع کو بھی بدلے میں کیا دینا پڑے گا؟ ایک ہزار من لوہا کیونکہ لوہا موزونات میں سے ہے، وزن کر کے بیچا جاتا ہے، آج یہ مسئلہ آپ کو بتلا رہے ہیں کہ ثمن کیا ادا کرنے پڑیں گے؟ مثل، اسی مشتری کے مثل ثمن ادا کرنا پڑیں گے بھائی، تو یہاں بھی وہی ادا کرے گا۔ اسی طرح اگر کسی نے وہ گھر خریدا ہے ایک ہزار قفیز گندم دے کر تو شفیع بھی اسی جیسی ایک ہزار قفیز گندم دے کر وہ مکان لے گا بھائی۔ مثلیات میں کیا دے گا؟ اس ثمن کا مثل دے گا بھائی، مثل دے گا۔ اور باقی صورتوں میں قیمت دے گا۔ کیا دے گا؟ قیمت دے گا بھائی، قیمت دے گا۔ مثلاً کسی شخص نے ایک مکان خریدا دس اونٹ دے کر، اب اونٹ کس میں سے ہے؟ مثلیات میں سے یا ذوات القیم میں سے؟ ذوات القیم میں سے، تو لہٰذا اب اونٹوں کی قیمت لگائی جائے گی اور شفیع وہ قیمت دے کر وہ گھر لے لے گا۔ کیونکہ شفیع تو ویسے اونٹ نہیں کہیں سے لا سکتا بھائی، بہت مشکل ہے ایک جانور دوسرے جانور سے ہمیشہ مختلف ہوتا ہے، اور اگر ظاہری طور پر بڑی مشکل سے تلاش بھی کر لیا جائے تو باطنی صفات جانور کی الگ الگ ہوتی ہیں، تو لہٰذا معلوم ہوا ان کا مثل ملنا ممکن نہیں، یہ ذوات القیم میں سے ہے، تو پھر یہاں ان کی قیمت دے کر وہ زمین لے گا۔ تو مثلیات میں کیا دے گا شفیع؟ مثل دے گا، اور ذوات القیم میں کیا دے گا؟ قیمت دے گا۔

تو کہتے ہیں: وَفِي الشِّرَاءِ بِثَمَنٍ مِثْلِيٍّ، اور ثمنِ مثلی کے بدلے خریدنے کی صورت میں، ترجمے پہ نظر ہے؟ وَفِي الشِّرَاءِ اور خریدنے کی صورت میں، بِثَمَنٍ مِثْلِيٍّ کس کے بدلے؟ ثمنِ مثلی کے بدلے خریدنے کی صورت میں، بِمِثْلِهِ شفیع اس کو لے لے گا اس کے مثل کے بدلے، اسی کے مثل کے بدلے۔ بائع نے خریدی تھی ثمنِ مثلی کے بدلے تو شفیع بھی اسی کے مثل کے بدلے اس کو لے لے گا۔ وَفِي غَيْرِهِ بِالْقِيمَةِ، أَيْ فِي غَيْرِ الْمِثْلِيِّ، اور غیرِ مثلی کے اندر کس کے بدلے لے لے گا؟ قیمت کے بدلے۔ تو یہ غَيْرِهِ کی ہا ضمیر ثمنِ مثلی کو راجع کریں، وَفِي غَيْرِ ثَمَنٍ مِثْلِيٍّ اور غیرِ ثمنِ مثلی کی صورت میں،

بِالْقِيمَةِ کس کے بدلے لے لے گا؟ قیمت کے بدلے لے لے گا۔

وَفِي عَقَارٍ بِعَقَارٍ أُخِذَ كُلٌّ بِقِيمَةِ الْآخَرِ۔ بھائی پہلے ایک بات سمجھ لیں۔ ایک ہے ثمن اور ایک ہے بیعہ۔ ایک ہے ثمن اور ایک ہے بیعہ۔ تین چیزیں ہمیشہ ثمن بنتی ہیں: سونا، چاندی اور کرنسی جو آج کل آپ استعمال کرتے ہیں، جو پیسے ہیں، پیسے۔ سونا، چاندی اور کرنسی۔ تو جب بھی بیع کے اندر ایک طرف سونا، چاندی یا کرنسی ہو تو آپ نے ہمیشہ اس کو ثمن بنانا ہے اور دوسری چیز کو بیعہ بنانا ہے، چاہے بولنے میں انہوں نے برعکس کیا ہو۔ مثلاً ایک تولہ سونا ہے، ایک آدمی دوسرے سے کہتا ہے میں تمہیں یہ ایک تولہ سونا فروخت کرتا ہوں دس بوری گندم کے بدلے۔ کتنے کے بدلے؟ دس بوری گندم کے بدلے میں تمہیں یہ ایک تولہ سونا فروخت کرتا ہوں۔ اب بظاہر یوں لگ رہا ہے یہ سونا ہے بیعہ اور دس بوری گندم کیا ہے؟ ثمن ہے، لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ ایک طرف کیا ہے؟ سونا ہے اور دوسری طرف عام چیز ہے، تو سونا چاندی یا کرنسی کو ہمیشہ کیا بناتے ہیں؟ ثمن۔ تو اس بیع میں بھی یہ سونا جو ہے اس کو ثمن قرار دیا جائے گا اور وہ جو دس بوری گندم ہے اس کو بیعہ قرار دیا جائے گا۔ اور اگر دونوں طرف سونا چاندی اور کرنسی میں سے کوئی ایک چیز ہو، پھر تو یہ بیعِ صَرْف ہے، پھر جس کو مرضی آپ ثمن بنائیں اور جس کو مرضی آپ کیا کریں؟ بیعہ بنائیں۔ اور اگر دونوں طرف سامان ہے، مثلاً آپ نے دس بوری گندم دی اور دس بوری چاول لے لیے اس کے بدلے میں، تو اب دونوں طرف سامان ہے، کسی ایک طرف بھی سونا چاندی یا کرنسی نہیں، تو اب جس کو مرضی چاہیں ثمن قرار دے لیں اور جس کو مرضی چاہیں بیعہ قرار دے دیں، دونوں ثمن بھی ہیں دونوں بیعہ بھی ہیں۔

تو اب صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے ایک زمین خریدی اور بدلے میں اس کو دوسری زمین دے دی۔ آپ نے اسلام آباد میں ایک مکان خریدا اور اس شخص کو بدلے میں لاہور کا اپنا ایک مکان دے دیا۔ تو دیکھو زمین کے بدلے کیا آ گئی؟ زمین، یا گھر کے بدلے کیا آ گیا؟ گھر آ گیا، گھر آ گیا۔ اب یاد رکھو اس میں سے کس کو بیعہ قرار دیں اور کس کو ثمن قرار دیں؟ کیونکہ کسی طرف بھی سونا چاندی یا کرنسی نہیں ہے۔ تو یاد رکھو دونوں من وجہ بیعہ ہیں بعض اعتبارات سے اور دونوں ہی بعض اعتبارات سے ثمن ہیں۔ آپ چاہیں تو اسلام آباد والے کو کیا قرار دے دیں؟ بیعہ، اور لاہور والا مکان جو بدلے میں دیا اس کو کیا قرار دیں؟ ثمن۔ اور اس کا برعکس بھی ہے، دیکھیں تو لاہور والا مکان کیا ہے؟ بیعہ، اور اسلام آباد والا مکان کیا ہے؟ ثمن ہے۔ تو دونوں ثمن بھی ہیں، دونوں بیعہ بھی ہیں، دونوں ثمن بھی ہیں، یا یوں کہو آسان لفظوں میں دونوں بیعہ ہیں، دونوں کو بیچا گیا ہے۔ جب دونوں کو بیچا گیا ہے تو دونوں مکانوں کے جو پڑوسی ہیں وہ ان پر شفعہ کر سکتے ہیں۔ اسلام آباد والے مکان کے جو پڑوسی ہیں وہ کیا کر سکتے ہیں؟ شفعہ کر سکتے ہیں کیونکہ اسلام آباد والا مکان کیا ہے؟ بیعہ ہے، اس کو بیچا گیا ہے، اس کی بیع ہوئی ہے۔ اور لاہور والے مکان کے پڑوسی بھی شفعہ کر سکتے ہیں۔ آپ کہیں گے یہ تو ثمن ہے، نہیں بھائی، ٹھیک ہے اس وقت آپ نے ثمن بنایا لیکن اس میں بیعہ بننے کی صلاحیت ہے یا نہیں؟ تو بعض اعتبار سے یہ بیعہ بھی ہے،

گویا اس کی بیع ہوئی ہے، جب اس کی بیع ہوئی ہے تو اس کے پڑوسی بھی اس پر کیا کر سکتے ہیں؟ شفعہ کر سکتے ہیں۔ تو بات سمجھ میں آگئی؟ دونوں جگہوں کے پڑوسی ان مکانوں پر شفعہ کر سکتے ہیں۔

اب جو اسلام آباد کے پڑوسی ہیں، اسلام آباد والے مکان کے پڑوسی، انہوں نے اسلام آباد والے مکان پر شفعہ کر دیا، اب وہ اس مکان کو لیتے ہیں، قاضی ان کے لیے فیصلہ کرتا ہے، تو ان کو بدلے میں کیا دینا پڑے گا؟ تو کہتے ہیں دیکھیے یہ اسلام آباد والے مکان کے بدلے میں اس نے کیا دیا تھا؟ لاہور والا گھر، تو لاہور والا گھر اس کی ثمن ہے، کیا ہے؟ اس کی ثمن ہے۔ لیکن وہ تو زمین ہے، کہتے ہیں اس کی قیمت لگا لو، اس گھر کی قیمت لگاؤ، وہ جو پیسے بنیں وہ اسلام آباد والے گھر کی قیمت ہے۔ اسلام آباد والے گھر کی اپنی قیمت نہیں لگانی، کیونکہ اس کے بدلے میں کیا دیا تھا؟ لاہور والا گھر دیا تھا تو وہ اس کی ثمن ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اور ثمن ہی دینے ہوتے ہیں کس نے؟ شفیع نے، تو لہٰذا اسلام آباد والے گھر کے جو شفعاء ہیں، جو شفیع ہیں، وہ اسلام آباد والا گھر لے لیں گے لیکن بدلے میں کیا دینا پڑے گا ان کو؟ قیمت، کس گھر کی؟ لاہور والے گھر کی قیمت دینا پڑے گی بدلے میں۔ اور جنہوں نے لاہور والے

گھر پر شفعہ کیا ہے وہ... وہ اسلام آباد کے گھر والی قیمت دے کر یہ لاہور والا گھر لے لیں گے، کیونکہ اسلام آباد والے گھر کا بدل کیا ہے، اس کا ثمن کیا ہے؟ اسلام آباد والا گھر۔ اور اسلام آباد والا گھر ذوات القیم میں سے ہے یا وہ مثلیات میں سے ہے؟ ذوات القیم میں سے۔ اور ذوات القیم میں کیا دی جاتی ہے اس کی؟ قیمت، تو لہٰذا اس کی قیمت دے دیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو ہر گھر دوسرے کا ثمن بن رہا ہے اور وہ جائیداد ہے، زمین ہے، اور زمین اور جائیداد کس میں سے ہوتی ہے؟ وہ ذوات القیم میں سے ہوتی ہے، لہٰذا وہ دوسرے کی قیمت دے کر ایک کو لے لیا جائے گا۔ صورت اچھی طرح سب کو سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَفِي عَقَارٍ بِعَقَارٍ، اور عقار کے بدلے عقار، یہ با عوض پر آرہی ہے، اس کا ترجمہ میں بدلے میں کر رہا ہوں۔ بیع میں بھی کیا کرتے ہیں؟ ایک چیز کو دوسری چیز کے بدلے میں بیچا جاتا ہے، تو اس پر، ثمن پر، عموماً ثمن پر با داخل کرتے ہیں۔ کس پر؟ ثمن پر۔ مثلاً میں کہتا ہوں: اِشْتَرَيْتُ هَذَا الْقَلَمَ بِأَلْفِ رُبِيَّةٍ، میں نے یہ قلم ایک ہزار روپے کے بدلے خریدا۔ عبارت پہ نظر ہے؟ اِشْتَرَيْتُ هَذَا الْقَلَمَ بِأَلْفِ، با لا رہا ہوں میں، ثمن کے اوپر با داخل کرتے ہیں، بِأَلْفِ رُبِيَّةٍ کتنے کے بدلے میں؟ ایک ہزار روپے کے بدلے میں خریدا ہے۔ تو یہاں پر بھی دیکھ لیں: وَفِي عَقَارٍ بِعَقَارٍ، اور جائیداد کے بدلے جائیداد کی صورت میں، غیر منقولی جائیداد کے بدلے جائیداد۔ تو یہ بدلہ میں کس کا ترجمہ کر رہا ہوں؟ با کا، یہ عوض ہے، اور یہ با کس پر داخل ہوتی ہے؟ ثمن پر۔ لیکن میں نے بتایا کہ اگر سونا چاندی یا کرنسی ہوں تو انہی کو ثمن بنانا پڑے گا، چاہے با ان کے اوپر داخل نہ کریں، با دوسری چیز پر داخل کر دیں۔ اور جب دونوں طرف مال ہے، سونا چاندی اور کرنسی کے علاوہ اور چیزیں

ہیں، پھر با کو جس پر بھی داخل کر دیں، دونوں چیزیں بیعہ بھی ہیں اور دونوں چیزیں ثمن بھی ہیں۔

تو کہتے ہیں: وَفِي عَقَارٍ بِعَقَارٍ، اور جائیداد کے بدلے جائیداد کی صورت میں، أُخِذَ كُلٌّ، وہ شفیع لے لے گا كُلٌّ۔ یاد رکھیے یہ جو كُلٌّ ہے نا، یہ مضاف الیہ چاہتا ہے، کیا چاہتا ہے؟ مضاف الیہ۔ کل، کل کا معنی سارا، سارا، بھئی کس چیز کا سارا؟ چاہیے یا نہیں چاہیے آگے لفظ؟ ساری کتاب، سارا قلم، سارے پیسے، سارے پھل، کوئی لفظ تو آگے چاہیے بھئی کس چیز کا سارا، تو اس کے لیے مضاف الیہ چاہیے، کیا چاہیے؟ مضاف الیہ چاہیے۔ اور کبھی کبھار وہ مضاف الیہ حذف کر دیتے ہیں اور اس کے اوپر تنوین لے آتے ہیں، جیسے یہاں پر ہے، كُلٌّ، اس پر کیا آ رہی ہے؟ تنوین، آپ سمجھ جائیں اس کا مضاف الیہ محذوف ہے، أَيْ كُلُّ وَاحِدٍ، كُلُّ وَاحِدٍ۔ أُخِذَ كُلُّ وَاحِدٍ، وہ لے لے گا ہر ایک کو، یعنی لاہور والی زمین کو بھی لے سکتا ہے وہ جو اس کا پڑوسی ہے، اور جو اسلام آباد والے پڑوسی ہیں وہ اسلام آباد والے کو بھی لے سکتے ہیں۔ تو أَخَذَ شفیع لے لے گا كُلٌّ ہر ایک کو، شفیع لے لے گا یعنی شفیع لاہور والا بھی ہو سکتا ہے اور اسلام آباد والا بھی ہو، جو بھی شفیع ہوا، أَخَذَ وہ لے لے گا كُلَّ أَيْ كُلَّ وَاحِدٍ۔ ہاں، أُخِذَ پڑھیں بھائی، كُلٌّ ہے نا، اس کو نائب فاعل بنانا ہے، تو اگر أَخَذَ فاعل بنائیں، أَخَذَ وہ لے لے گا، تو پھر كُلًّا منصوب ہونا چاہیے، کیا ہونا چاہیے؟ منصوب، لیکن یہاں پر مرفوع ہے، تو أُخِذَ پڑھو اور كُلٌّ کو نائب الفاعل بناؤ۔ أُخِذَ لے لیا جائے گا، كُلُّ أَيْ كُلُّ وَاحِدٍ ہر زمین کو، لاہور والی کو بھی لیا جا سکتا ہے اگر شفیع اس پر شفعہ کرے اور اسلام آباد والی پر کوئی شفعہ کرے تو اس کو بھی لیا جا سکتا ہے۔ لیکن کس طرح لیا جائے گا؟ بِقِيمَةِ الْآخَرِ، دوسری زمین کی قیمت کے بدلے۔ اسلام آباد والی پر کوئی شفعہ کرتا ہے تو کس کی قیمت لگائی جائے گی؟ لاہور والی جو اس کا ثمن ہے اس کی قیمت لگائی جائے گی۔ اور اگر شفیع کا گھر لاہور والی زمین کے ساتھ ہے، وہ لاہور والی زمین پر شفعہ کرتا ہے تو کس کے بدلے لے گا؟ اسلام آباد والی زمین کی قیمت کے بدلے۔ مسئلہ سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟ عبارت سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: وَفِي عَقَارٍ بِعَقَارٍ، اور جائیداد کے بدلے جائیداد کی صورت میں، أُخِذَ كُلٌّ ہر ایک کو لے لیا جائے گا، یعنی چاہے جو بیعہ جس کو بنایا ہے چاہے جس کو ثمن بنایا ہے، كُلٌّ ان میں سے ہر ایک کو لے لیا جائے گا بِقِيمَةِ الْآخَرِ، دوسرے کی قیمت کے بدلے میں۔

مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟ حل ہو گیا؟ جی۔

وَفِي ثَمَنٍ مُؤَجَّلٍ بِحَالٍّ أَوْ طَلَبَ فِي الْحَالِ وَأَخَذَ بَعْدَ الْأَجَلِ۔ صورتِ مسئلہ یہ کہ بائع اور مشتری کے درمیان جو بیع ہوئی تھی، مشتری نے بائع سے کہا تھا کہ میں یہ مکان آپ سے خرید رہا ہوں، میں نے یہ مکان آپ سے خریدا لیکن پیسے میں آپ کو ایک سال بعد دوں گا یا چھ ماہ کے بعد دوں گا۔ تو اب دیکھو یہ ثمن جو ہیں مُؤَجَّل ہیں، أَجَل کہتے ہیں مدت کو، مدت کو، ثَمَنِ مُؤَجَّل جس کی مدت طے کی گئی ہے۔ ایک تو فوری پیسوں کی ادائیگی ہے نا، اس کو ثمنِ حالی کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ ثمنِ حالی، کہ فی الحال فوراً جن کی ادائیگی ہو رہی ہے۔ لیکن جو بائع اور مشتری کے درمیان یہاں صورت ذکر کر رہے ہیں کہ بیع ہوئی ہے

ثمنِ مُؤَجَّل کے بدلے، ثمن۔ اب شفیع نے شفعہ کیا، شفیع اس کو لینا چاہتا ہے، تو کیا شفیع بھی ایک سال بعد پیسے ادا کرے گا؟ کیا اس کو بھی اتنی ہی مدت دی جائے گی؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، شفیع کو مدت نہیں دی جائے گی، بائع وہ مدت مشتری کو دینے پر تو راضی تھا، ہر ایک کو وہ مدت دینے پر راضی نہیں۔ تو لہٰذا اگر شفیع زمین کو لینا چاہتا ہے تو اسے فوری پیسے دینا پڑیں گے۔

اگر شفیع چاہتا ہے کہ نہیں، میں بھی سال بعد پیسے ادا کروں، تو کہتے ہیں اس کی بھی صورت ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ آپ شفعہ فی الحال طلب کر لیں، شفعہ فی الحال طلب کر لیں، قاضی آپ کے حق میں فیصلہ بھی دے دیتا ہے، سارا مقدمہ ہو گیا، لیکن آپ زمین لیں نہ، زمین پر قبضہ نہ کریں جب تک وہ مدت پوری نہیں ہو جاتی۔ جب مدت پوری ہو گئی، سال گزر گیا، اب آپ زمین لیں اور فوری کیا کر دیں؟ پیسے دے دیں۔ تو اگر آپ اس مدت کو لینا چاہتے ہیں تو تب تک زمین کو بھی نہ لیں، زمین انہی کے پاس رہنے دیں۔ تو شفعہ فی الحال کرے گا، ہاں زمین اس مدت کے بعد پوری ہونے پر لے گا اور ثمن ادا کرے گا۔ اور اگر اس نے شفعہ میں ہی تاخیر کر دی کہ میں شفعہ ہی کب جا کے کروں گا؟ سال بعد جاؤں گا، کہتے ہیں بھئی پھر تو اس کا حقِ شفعہ باطل ہو جائے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ تو شفعہ فی الحال کرے گا اور زمین کو اس وقت لے لے گا۔

تو کہتے ہیں: وَفِي ثَمَنٍ مُؤَجَّلٍ اور ثمنِ مؤجل کی صورت میں، بِحَالٍّ کس کے بدلے ہو گا؟ ثمنِ حالی کے بدلے ہو گا، أَيْ بِثَمَنٍ حَالٍّ۔ پھر سنیں: وَفِي ثَمَنٍ مُؤَجَّلٍ اور ثمنِ مؤجل کی صورت میں، بِحَالٍّ أَيْ بِثَمَنٍ حَالٍّ، کس کے بدلے لے گا؟ ثمنِ حالی، شفیع جو ہے وہ ثمنِ حالی کے بدلے لے گا، یہ با اسی طرح عوض پر آرہی ہے، ثمنِ مؤجل کی صورت میں، بِحَالٍّ أَيْ بِثَمَنٍ حَالٍّ ثمنِ حالی کے بدلے ہو گا، یعنی وہ ثمنِ حالی دینا پڑے گا شفیع کو۔ أَوْ طَلَبَ فِي الْحَالِ وَأَخَذَ بَعْدَ الْأَجَلِ، یا وہ مطالبہ کرے شفعے کا فی الحال، ابھی مطالبہ کر لے، قاضی کے پاس چلا جائے، وَأَخَذَ بَعْدَ الْأَجَلِ اور لے کب؟ ہاں لے گا اس کو بَعْدَ الْأَجَلِ، کس کے بعد؟ وہ مدت پوری ہونے کے بعد۔

هَذَا عِنْدَنَا، یہ ہمارے نزدیک ہے، یعنی فقہائے احناف کے نزدیک مسئلہ اس طرح ہے، یا تو وہ ثمنِ حالی دے دے یا زمین بھی اس مدت کے بعد پورے ہونے پر لے اور پھر ثمن دے۔ وَأَمَّا عِنْدَ زُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى فِي قَوْلِهِ الْقَدِيمِ، جبکہ امامِ زفر اور امامِ شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک ان کے قدیم قول میں، فِي قَوْلِهِ الْقَدِيمِ اس کا تعلق صرف امامِ شافعی سے ہے بھائی، قَوْلِهِ کی ہا ضمیر امامِ شافعی کو راجع ہے، امامِ شافعی رحمہ اللہ کا پرانا قول جو ہے۔ معلوم ہوا امامِ شافعی رحمہ اللہ کے اس سلسلے میں دو قول ہوں گے بھئی، ایک نیا قول ہو گا اور ایک پرانا قول ہو گا، تو یہ پرانے قول کا ذکر کر رہے ہیں۔ تو کہتے ہیں: وَأَمَّا عِنْدَ زُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى فِي قَوْلِهِ الْقَدِيمِ، اور امامِ زفر اور امامِ شافعی رحمہما اللہ کے پرانے قول میں، فَلَهُ اس شفیع کے لیے یہ جائز ہے أَنْ يَأْخُذَهُ فِي الْحَالِ بِالثَّمَنِ الْمُؤَجَّلِ، ایک شفیع کے لیے جائز ہے کہ وہ اس زمین کو لے لے فی الحال ہی بِالثَّمَنِ الْمُؤَجَّلِ کس کے بدلے؟ ثمنِ مؤجل کے بدلے۔ معلوم ہوا امامِ زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بائع نے مشتری کو جو مدت دی ہے وہ مدت کس کے لیے آجائے گی؟ شفیع کے لیے بھی آجائے گی، اس کو

بھی اختیار ہو گا، وہ بھی مدت پر جب پوری ہو گی تب پیسے دے گا۔ اسی طرح امامِ شافعی رحمہ اللہ کا جو قدیم قول ہے اس میں بھی انہوں نے بھی یہی فرمایا ہے۔

تو یہ معنی ہے: فَلَهُ أَنْ يَأْخُذَهُ فِي الْحَالِ بِالثَّمَنِ الْمُؤَجَّلِ، شفیع کے لیے جائز ہے کہ وہ اس زمین کو لے لے فی الحال ہی بِالثَّمَنِ الْمُؤَجَّلِ ثمنِ مؤجل کے بدلے۔ وَلَوْ سَكَتَ عَنْهُ بَطَلَتْ، اور اگر وہ خاموش رہا اس سے، اس طلب سے، بَطَلَتْ تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔ ابھی میں نے بتایا، متن کو متن سے جوڑیں، أَوْ طَلَبَ فِي الْحَالِ طلب کیا کرے؟ فی الحال، وَأَخَذَ بَعْدَ الْأَجَلِ اور لے گا اس مدت کے بعد یعنی سال بعد، مطالبہ فی الحال کرے، خصومت قاضی کے پاس فی الحال کر لے، قاضی نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا، اب یہ زمین کو لے نہ، بلکہ جب سال پورا ہو، سال کی مدت پوری ہو وہ جو مدت طے ہوئی تھی بائع اور مشتری میں، تو اس وقت پھر زمین لے لے اور ثمن دے دے۔ یہ معنی ہے وَأَخَذَ بَعْدَ الْأَجَلِ اور لے گا کب؟ اس مدت کے پورا ہونے کے بعد۔ تو طلب فی الحال کرنی ہے، وَلَوْ سَكَتَ عَنْهُ اور اگر وہ طلب سے خاموش رہا کہ طلب بھی میں کب کروں گا؟ مدت پوری ہونے کے بعد سال کے بعد کروں گا، تو بَطَلَتْ تو اس کا حقِ شفعہ کیا ہو جائے گا؟ باطل ہو جائے گا۔ أَيْ إِنْ سَكَتَ عَنِ الطَّلَبِ اگر وہ خاموش رہا طلب سے وَصَبَرَ اور اس نے صبر کیا حَتَّى يَطْلُبَ عِنْدَ الْأَجَلِ یہاں تک کہ وہ طلب کرے کب عِنْدَ الْأَجَلِ، مدت کے پورا ہونے کے وقت اس نے طلب کی، تو بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔ یہاں تک بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

وَفِي شِرَاءِ ذِمِّيٍّ بِخَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ وَالشَّفِيعُ ذِمِّيٌّ بِمِثْلِ الْخَمْرِ وَقِيمَةِ الْخِنْزِيرِ، وَالشَّفِيعُ الْمُسْلِمُ بِقِيمَةِ كُلٍّ۔ مسئلہ انہوں نے بیان کر دیا کہ اگر ثمن مثلیات میں سے ہو تو شفیع کو بھی کیا دینا پڑے گا؟ مثل، اور اگر ثمن ذوات القیم میں سے ہو تو شفیع کو بھی کیا دینا پڑے گی؟ قیمت، قیمت دینا پڑے گی۔ اب صورت یہ کہ ایک ذمی نے، ذمی نے کوئی زمین خریدی کسی دوسرے ذمی سے۔ ذمی: وہ کافر، وہ غیر مسلم جو دارالاسلام میں رہتے ہیں اور سال کا جزیہ یعنی ٹیکس ادا کرتے ہیں، اسلامی حکومت ان کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہے اور ان کو جزیہ دینا پڑتا ہے سال کا ٹیکس دینا پڑتا ہے بھئی۔ اور جزیہ یاد رکھیے بڑا ہی تھوڑا سا ہوتا ہے، بڑا معمولی ہوتا ہے، تو یہ نہیں کہ کوئی ٹیکس بہت زیادہ ہوتا ہے، تھوڑا سا ٹیکس ہوتا ہے۔ ہاں اگر مالدار ہو گا تو پھر تھوڑا سا زیادہ ہو گا، لیکن اتنا ہو گا کہ ان کے لیے بالکل یوں سمجھیں نہ ہونے کے برابر ہے، اتنا تھوڑا سا ہوتا ہے بھئی، پورے سال کے چند ایک درہم ہوتے ہیں بھئی، اب پورے سال کے چند درہم کہ اس کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری پورا سال اسلامی حکومت لیتی ہے، تو بہت تھوڑے سے ٹیکس ہوتا ہے۔

اچھا، صورتِ مسئلہ یہ کہ ذمی نے یعنی دارالاسلام میں رہنے والے غیر مسلم نے دوسرے ذمی سے ایک گھر یا زمین خریدی اور بدلے میں اس کو شراب دی، شراب دی، یا بدلے میں اس کو خنزیر دیے۔ اب شراب ان کے نزدیک مثلیات میں سے ہے۔ کس میں سے ہے؟ مثلیات۔ مثلیات وہ چیزیں جن کا مثل مل جاتا ہے، جن کا مثل مل جاتا ہے۔ مثلاً دیکھو گندم ہے، تو گندم ایک شخص نے گندم دے کر زمین خریدی ہے تو آپ کو بازار سے ویسے ہی گندم مل جائے گی کہ نہیں مل

جائے گی؟ مل جائے گی، تو اس لیے ان کو مثلیات کہتے ہیں کہ ان کا مثل مل جاتا ہے۔ ایک آدمی نے ایک ہزار من لوہا دے کر زمین خریدی ہے تو لوہا کس میں سے ہے؟ لوہا وزنی ہے اور اس کا مثل بازار سے مل جاتا ہے، آپ بازار جائیں گے اسی قسم کا ویسا ہی لوہا آپ کو بازار سے مل جائے گا، تو اس لیے ان کو کیا کہتے ہیں؟ مثلیات کہ ان کا مثل مل جاتا ہے۔ تو یہ جو شراب ہے یہ غیر مسلموں کے لیے مثلیات میں سے ہے، ایک شراب جیسی دوسری شراب...

بازار سے ان کو مل جائے گی بھائی۔ اور خنزیر جو ہے یہ ان کے نزدیک ذوات القیم ہے، جیسے مسلمانوں کے لیے بھیڑ بکریاں وغیرہ کس میں سے ہیں؟ ذوات القیم میں سے، اسی طرح خنزیر ان کے لیے کس میں سے ہیں؟ ذوات القیم میں سے۔ تو اب ایک ذمی نے کوئی جائیداد خریدی ہے اور بدلے میں شراب دی ہے، اب دوسرا ذمی اس زمین پر شفعہ کرتا ہے تو اس کو بھی بدلے میں مثل دینا پڑے گا، اب اگر وہ شراب کے بدلے اس نے زمین خریدی ہے تو یہ بھی بدلے میں ویسی ہی شراب دے کر زمین لے لے گا۔ اور اگر وہ زمین کس طرح فروخت ہوئی تھی؟ خنزیر کے بدلے میں، تو خنزیر کس میں سے ہیں؟ ذوات القیم میں سے ہیں ان کے نزدیک، تو دوسرا ذمی جو شفعہ کرتا ہے وہ ان خنزیروں کی قیمت لگا کر وہ بدلے میں دے دے گا بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَفِي شِرَاءِ ذِمِّيٍّ، اور ذمی کے خریدنے کی صورت میں، بِخَمْرٍ کس کے بدلے؟ شراب کے بدلے، أَوْ خِنْزِيرٍ یا خنزیر کے بدلے میں، وَالشَّفِيعُ ذِمِّيٌّ یہ واو حالیہ ہے، اس حال میں کہ شفعہ کرنے والا ذمی ہو، شفعہ کرنے والا ذمی ہو، تو کہتے ہیں بِمِثْلِ الْخَمْرِ خمر کے مثل کے بدلے وہ لے لے گا، وَقِيمَةِ الْخِنْزِيرِ اور خنزیر کی قیمت کے بدلے۔ دوبارہ ترجمہ سنیں، اب یہ وَالشَّفِيعُ ذِمِّيٌّ یہ حال بنے گا بھائی، اس حال میں کہ شفعہ کرنے والا بھی کون ہے؟ ذمی ہے۔ کہتے ہیں: وَفِي شِرَاءِ ذِمِّيٍّ، اور ذمی کے خریدنے کی صورت میں، بِخَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ اس نے کس کے بدلے خریدا ہے؟ اس نے شراب یا خنزیر کے بدلے خریدا ہے، وَالشَّفِيعُ ذِمِّيٌّ اس حال میں کہ شفعہ کرنے والا بھی ذمی ہے، تو وہ اس کو لے لے گا بِمِثْلِ الْخَمْرِ وَقِيمَةِ الْخِنْزِيرِ، اس شراب کے مثل یا خنزیر کی قیمت کے بدلے اس زمین کو لے لے گا۔

وَالشَّفِيعُ الْمُسْلِمُ بِقِيمَةِ كُلٍّ۔ اب یہی صورت ہے، ایک ذمی نے شراب یا خنزیر دے کر ایک زمین کو خریدا ہے، لیکن جو شفعہ کرنے والا ہے وہ مسلمان ہے، وہ کیا ہے؟ مسلمان ہے۔ مسلمان ہے، مسلمان جو ہے اس کے لیے تو... بھئی اگر شفیع ذمی تھا اور زمین کس کے بدلے بیچی گئی ہے؟ شراب کے بدلے، تو اس میں اس کو بھی شراب دینا پڑتی تھی ذمی کو، اور خنزیر ہوتا تو کیا دینی پڑتی تھی؟ قیمت دینا پڑتی تھی۔ اور مسلمان دونوں صورتوں میں قیمت دے گا، اس شراب کی قیمت لگائی جائے گی اور مسلمان شفیع کیا کرے گا؟ اس کو اس شراب کی قیمت دے دے گا، اور خنزیر کی صورت میں بھی اس کی قیمت دے دے گا۔ خنزیر کی صورت میں تو مسئلہ ظاہر ہے، ذمی بھی بدلے میں خنزیر نہیں دیتا تھا بلکہ کیا دیتا تھا؟ قیمت دیتا تھا، اور شراب کی صورت میں وہ شراب دیتا تھا۔ لیکن یاد رکھیں مسلمان کے لیے شراب کا، خمر کا نہ اس کی تملیک جائز ہے

نہ تملک جائز ہے۔ یہ ضابطہ ہمیشہ یاد رکھنا، مسلمان کے لیے شراب کا نہ تملک جائز ہے، تملک کا معنی مالک بننا، اور نہ تملیک جائز ہے، دوسرے کو مالک بنانا۔ مسلمان نہ خود شراب کا مالک بن سکتا ہے نہ دوسرے کو بنا سکتا ہے۔ تو جب نہ تملک ہو سکتا ہے نہ تملیک ہو سکتی ہے تو مسلمان تو شراب دے ہی نہیں سکتا۔ اب وہ خود ہی مالک نہیں بن سکتا تو کہاں سے لائے گا اور پھر کیسے دے گا بھائی؟ مالک بن ہی نہیں سکتا یہ۔ اور بیع کے اندر دوسرے کو چیز کا مالک بنانا پڑتا ہے یا نہیں پڑتا؟ مالک بنانا پڑتا ہے، تو اس میں تملیک ہوتی ہے اور تملیک تو مسلمان کر ہی نہیں سکتا، اس کی بھی کوئی صورت نہیں ہے۔ ہاں، اپنے ہی پاس انگور کا رس پڑا تھا، وہ پڑے پڑے کیا بن گیا؟ شراب بن گیا، یہ تو ٹھیک ہے ملکیت میں ہے لیکن کیا ملک بدلی ہے؟ نہیں، یہ تو پہلے بھی اس کا مالک کون تھا؟ مسلمان تھا۔ لیکن دوسرے سے خرید کر مالک بن ہی نہیں سکتا بھائی، تملک جائز ہی نہیں ہے۔ اور اگر اس کے پاس خود مثلاً انگور کا رس تھا اور پڑے پڑے کیا بن گیا؟ شراب بن گئی، تو وہ شراب دوسرے کو اب مالک نہیں بنا سکتا مسلمان بھائی، تملیک بھی جائز نہیں ہے۔ تو مسلمان کے لیے خمر دینے کی تو کوئی صورت ہی نہیں ہے، تو لہٰذا یہاں پر وہ خمر کے بدلے کیا دے دے گا؟ اس کی قیمت دے دے گا، اور خنزیر کے بدلے تو ذمی بھی قیمت دیتا تھا تو مسلمان بھی کیا دے دے گا؟ قیمت دے دے گا۔

یہ معنی ہے: وَالشَّفِيعُ الْمُسْلِمُ، اور وہ شفعہ کرنے والا جو مسلمان ہو، وہ لے لے گا بِقِيمَةِ كُلٍّ، أَيْ كُلِّ وَاحِدٍ، یہاں پھر كُلٍّ پر تنوین آرہی ہے بھائی، اور كُلٍّ پر تنوین آئے تو یہ عوض ہے کس سے؟ مضاف الیہ سے، أَيْ بِقِيمَةِ كُلِّ وَاحِدٍ، وہ ہر ایک کی قیمت کے بدلے لے لے گا۔ وہ شفیع اگر مسلمان ہو تو وہ ہر ایک کی قیمت کے بدلے زمین کو لے لے گا، خمر کی بھی قیمت کے بدلے لے گا اور خنزیر کی بھی قیمت کے بدلے لے لے گا۔

وَفِي بِنَاءِ الْمُشْتَرِي وَغَرْسِهِ بِالثَّمَنِ وَقِيمَتِهِمَا مَقْلُوعَيْنِ كَمَا فِي الْغَصْبِ، أَوْ كُلِّفَ الْمُشْتَرِي قَلْعَهُمَا۔ صورتِ مسئلہ یہ کہ بائع نے زمین بیچی اور مشتری نے خریدنے کے بعد اس میں ایک عمارت تعمیر کر لی۔ آپ کو دو چار ماہ بعد، شفیع کو دو چار ماہ بعد پتہ چلا کہ وہ زمین فروخت ہوئی ہے، جب تک مشتری اس میں ایک عمارت بنا چکا۔ یا مشتری اس کے اندر ایک باغ لگا چکا ہے بھئی، پودے لگا دیے اور تو اس میں باغ لگا دیا اس نے۔ تو اب کیا کریں گے؟ تو کہتے ہیں کہ اس صورت میں شفیع شفعہ کرتا ہے تو وہ زمین کو اس باغ یا بلڈنگ سمیت لے لے، کیا کرے؟ باغ یا بلڈنگ سمیت لے گا اور اس باغ اور بلڈنگ کی بھی قیمت اس کو ادا کرنا پڑے گی۔ لیکن یاد رکھنا بلڈنگ کے پورے پیسے ادا نہیں کرے گا، باغ کے پورے پیسے ادا نہیں کرے گا، بلکہ اکھڑی ہوئی بلڈنگ یعنی اس کے ملبے کی قیمت دے گا، اسی طرح اکھڑے ہوئے باغ کی یعنی اس کے اکھڑے ہوئے، اکھاڑے ہوئے پودوں کی قیمت دے دے گا اور زمین کو لے لے گا۔ اور چاہے تو مشتری سے کہے کہ میں صرف زمین ہی لوں گا جیسے آپ نے زمین لی تھی، مثلاً آپ نے دس لاکھ کی زمین لی تھی اور آپ نے اس کے اوپر پانچ لاکھ کی عمارت تعمیر کر دی ہے، کوئی کمرہ وغیرہ بنا دیا ہے، یا آپ نے اس پر پانچ لاکھ کے پودے لگا دیے ہیں، مجھے یہ پودے نہیں چاہئیں، مجھے یہ عمارت نہیں چاہیے، دس لاکھ کی زمین آپ نے لی تھی میں بھی دس لاکھ کی زمین جو ہے آپ سے، میں یہ زمین

لے لیتا ہوں، آپ یوں کریں اپنی عمارت کو اکھاڑیں یہاں سے اور ملبے کو لے جائیں، پودوں کو نکالیں اکھاڑیں اور ان کو یہاں سے لے جائیں۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟[۲]

تو دو اختیار ہوں گے شفیع کو: یا تو کیا کرے؟ بلڈنگ اور پودوں سمیت زمین لے لے، یا مشتری کو کیا کہے کہ اپنے پودے اور بلڈنگ یہاں سے اکھاڑو اور لے جاؤ اور زمین میرے حوالے کر دو۔ پہلی صورت کیا ہے؟ شفیع کیا کرے گا؟ بلڈنگ اور پودوں سمیت لے گا، لیکن اس میں بھی میں نے بتلایا ہے کہ پوری بلڈنگ کے پیسے نہیں دے گا بلکہ ملبے کی قیمت لگائی جائے گی اور پورے باغ کے پیسے نہیں دے گا بلکہ اکھڑے ہوئے باغ کی قیمت لگائی جائے گی۔ مثلاً دیکھو بھائی، مشتری نے زمین خریدی دس لاکھ کی اور اس پر جو بلڈنگ یا کمرہ اس نے بنایا وہ اس پر پانچ لاکھ لگ گئے، تو اب کل پیسے کتنے بن گئے؟ پندرہ لاکھ۔ لیکن اگر اس کمرے کو گرایا جائے تو اس کا ملبہ یعنی اینٹیں وغیرہ اور اس کی لکڑی وغیرہ یا اور جو چیزیں ہیں اس کے ساتھ لگی ہوئی وہ ایک لاکھ کی ہیں، وہ کتنے کی بنتی ہیں؟ ایک لاکھ کی۔ اور پھر اس میں ایک اور چیز بھی آجاتی ہے، بھئی کمرہ تیار ہے اب اس کو گرانے پہ بھی کچھ خرچہ ہو گا یا نہیں؟ گرانے پہ بھی خرچہ ہو گا، مزدور بلانے پڑیں گے وہ اس کو گرائیں گے۔ مثلاً اس کے گرانے پر بیس ہزار خرچہ ہو جاتا ہے، تو وہ خرچہ بھی کم کر دیا جائے گا، کیا کیا جائے گا؟ وہ خرچہ بھی کم کیا جائے گا۔ مثلاً دیکھو، زمین کتنے کی خریدی؟ دس لاکھ کی، اور اس پر کمرہ جو بنایا وہ کتنے میں بنایا؟ پانچ لاکھ، اس کا ملبہ جو ہے، ملبہ جو ہے وہ ایک لاکھ بیس ہزار کا بنتا ہے، ملبہ کتنے کا بنتا ہے؟ ایک لاکھ بیس ہزار کا بنتا ہے لیکن بیس ہزار اس پر خرچہ آتا ہے اس کے گرانے کا، تو وہ بھی کاٹے جائیں گے بھئی۔ تو مشتری جو اس کمرے کو لے گا وہ دس لاکھ زمین کے دے دے گا اور ایک لاکھ ملبے کے دے گا، وہ جو گرانے کے پیسے ہیں وہ بھی کاٹے گا اس میں سے، کیونکہ اگر وہ ملبہ خریدتا ہی نہیں ہے اور مشتری کو کیا کہتا ہے کہ اپنی بلڈنگ کو اکھاڑو اور لے جاؤ، تو اس کو بھی وہ ملبہ کتنے کا ملے گا؟ ایک لاکھ کا ہی ملے گا نا ظاہر سی بات ہے، اس کو بھی گرانے کے بیس ہزار لگانے پڑیں گے یا نہیں؟ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہاں پر شفیع کو دو اختیار ہیں: یا تو اس اکھڑی ہوئی بلڈنگ یا اکھڑے ہوئے باغ کے پیسے دے کر ان کو لے لے اور اس میں سے بھی کیا کر لے گا؟ ان کے جو کاٹنے یا گرانے کی مزدوری ہے اس کو منہا کر دیا جائے گا، کم کر دیا جائے گا، اور چاہے تو وہ بلڈنگ یا باغ نہ لے صرف زمین لے لے اور مشتری سے کہے کہ اپنی بلڈنگ اکھاڑو اپنا باغ اکھاڑو اور یہاں سے لے جاؤ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے کتاب پر: وَفِي بِنَاءِ الْمُشْتَرِي وَغَرْسِهِ بِالثَّمَنِ وَقِيمَتِهِمَا مَقْلُوعَيْنِ۔ بِنا بھئی بَنٰی یَبْنِي بِنَاءً اس کے معنی ہیں تعمیر کرنا، عمارت بنانا۔ تو بنایہ مصدر بھی ہے، تعمیر کرنا بھی، اور اس کا معنی عمارت کے بھی آتے ہیں، عمارت کو بھی عربی

[۲] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۵۹):** صوتی درس کی قراءت میں «وَفِي بِنَاءِ الْمُشْتَرِي وَغَرْسِهِ بِالثَّمَنِ وَقِيمَتِهِمَا مَقْلُوعَيْنِ كَمَا فِي الْغَصْبِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وفي بناءِ المشتري وغرسِهِ بالثَّمن وقيمة البناء والغرس مقلوعين، كما في الغصب،» منقول ہے۔

میں کیا کہتے ہیں؟ بِنَاءٌ۔ تو یہاں پر یہ مصدر ہے: وَفِي بِنَاءِ الْمُشْتَرِي، مشتری کی عمارت بنانے کی صورت میں، اور آگے بنا کا لفظ جو آئے گا اس کا معنی عمارت کے ہم کریں گے۔ تو یہ دونوں معنی یاد رکھنا، یہاں پر بنا کا کیا ترجمہ کریں گے؟ مصدری معنی، تعمیر کرنا، اور آگے بنا کا لفظ آئے گا اس کا معنی کیا کریں گے؟ عمارت بھائی جو تعمیر کر لی گئی۔ اسی طرح وَغَرْسِهِ، غَرَسَ يَغْرِسُ غَرْسًا اس کا معنی ہے درخت لگانا، پودے لگانا۔ اور اسی طرح وہ جو پودا لگایا گیا ہے، وہ درخت جو لگایا گیا ہے اس کو بھی غَرْس اور غِرْس کہتے ہیں۔ تو غرس کا معنی درخت یا پودا لگانا یعنی مصدری معنی بھی ہے، اور وہ پودا یا وہ درخت جو لگایا گیا ہے اس کو بھی غَرْس اور غِرْس دونوں لفظ بولتے ہیں بھائی، عین پر فتحہ بھی اور عین پر کسرہ بھی۔ تو یہاں پر غرس کا مصدری معنی کریں گے: وَغَرْسِهِ اور مشتری کا درخت لگانا، مشتری کا پودے لگانا۔ توجہ ہے؟ یہاں بھی بنا کا لفظ آیا، یہاں کون سا ترجمہ کریں گے؟ مصدری، اور آگے کیا ترجمہ کریں گے بنا کا؟ عمارت۔ اور غرس یہاں غرس کا کیا ترجمہ کریں گے؟ پودے لگانا، درخت لگانا، اور آگے بھی غرس یا غرس کا لفظ آئے گا تو اس کا معنی کریں گے وہ درخت یا وہ پودے کریں گے جو لگائے گئے ہیں۔

وَفِي بِنَاءِ الْمُشْتَرِي وَغَرْسِهِ، اور مشتری کے عمارت بنانے کی صورت میں اور درخت اور پودے لگانے کی صورت میں، وہ جو شفیع ہے وہ اس کو لے لے گا بِالثَّمَنِ کس کے بدلے؟ ثمن کے بدلے میں، وَقِيمَتِهِمَا اور ان دونوں کی قیمت، یعنی ثمن بھی دے گا زمین کے اور ان دونوں کی قیمت بھی ساتھ دے گا، لیکن مَقْلُوعَيْنِ اس حال میں کہ وہ اکھاڑے گئے ہوں، یعنی اکھڑے ہوؤں کی قیمت دے دے گا۔

كَمَا فِي الْغَصْبِ، جیسے کہ غصب میں ہے، جیسے کس میں ہے؟ غصب کی صورت میں ہے۔ غصب کہتے ہیں کسی کی چیز پر زبردستی قبضہ کر لینا، اس سے چھین لینا، اس کو غصب کہتے ہیں۔ کسی دوسرے کی چیز چھین لینا، قبضہ کر لینا، اس کو کیا کہتے ہیں؟ غصب کہتے ہیں۔ ایک آدمی نے دوسرے کی زمین پر قبضہ کر لیا اور اس کو پتہ ہی نہیں چلا، یا پتہ بھی چلا لیکن بیچارہ ابھی سوچ رہا ہے کہ میں کیا کروں، اور اس دوران اس نے اس پر عمارت بنا لی یا اس پر باغ لگا دیا۔ اب یہ قاضی کے پاس چلا گیا، تو قاضی وہ زمین اس کو دلوا دے گا۔ بھئی وہ جو غاصب ہے جس نے غصب کی اس نے اس پر بلڈنگ بنائی ہے، اس نے اس کے اوپر باغ لگایا ہے، کہتے ہیں بھئی جو مالک ہے اس کو اختیار ہو گا۔ یا...

تو غاصب کو کہے کہ میری اجازت کے بغیر تم نے یہ بلڈنگ اور پودے لگائے ہیں، ان کو اکھاڑو اور لے جاؤ یہاں سے۔ اور چاہے تو کیا کرے؟ ان کی اکھڑے ہوئے یعنی ملبے کی یا اکھڑے ہوئے درختوں کی قیمت اس غاصب کو دے دے، زمین بھی لے لے اور اس بلڈنگ یا ملبے کی قیمت اور اکھڑے ہوئے درختوں کی قیمت دے کر وہ عمارت بھی پوری کی پوری لے لے اس سے یا وہ پورا باغ اس سے لے لے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو اوپر مشتری کی صورت میں وہ تیار بلڈنگ لے گا، یہ نہیں کہ مشتری اس کے لیے بلڈنگ گرا کے چلا جائے کہ تم نے ملبے کے پیسے دیے ہیں تو میں بھی تمہیں ملبہ دے کر جاؤں

گا، وہ ملبہ بنائے گا تو شفیع کہے گا لے جاؤ اپنا ملبہ مجھے، میرے کس کام کا ہے یہ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تیار بلڈنگ، تیار باغ لے گا لیکن بدلے میں کیا دے گا؟ اکھڑے ہوئے درختوں یا گری ہوئی عمارت کے پیسے دے گا، اس کے ملبے کے پیسے دے گا۔

کہتے ہیں: كَمَا فِي الْغَصْبِ، جیسے کہ غصب میں ہوتا ہے۔ أَوْ كُلِّفَ الْمُشْتَرِي قَلْعَهُمَا، یا مکلف بنایا جائے گا مشتری کو ان دونوں کے اکھاڑنے کا۔ كَلَّفَ يُكَلِّفُ تَكْلِيف کا معنی ہے دوسرے کو پابند بنانا، ذمہ دار بنانا۔ یا تو ایک صورت یہ تھی کہ شفیع کیا کرے؟ وہ تیار عمارت لے لے اور تیار درخت لے لے اور ملبے کے پیسے یا اکھڑے ہوئے درختوں کے پیسے بھی ساتھ دے دے۔ اور دوسری صورت کیا تھی؟ کہ یہ کہے نہیں جی میرے پاس تو دس لاکھ ہیں زیادہ ہیں ہی نہیں، میں دے ہی نہیں سکتا اس سے زیادہ، اپنے بلڈنگ اکھاڑو اور یہاں سے لے جاؤ، اپنے درخت یہاں سے اکھاڑو اور لے جاؤ۔ یہ معنی ہے: أَوْ كُلِّفَ الْمُشْتَرِي قَلْعَهُمَا، یا مکلف بنایا جائے گا، پابند بنایا جائے گا مشتری کو ان دونوں کے اکھاڑنے کا۔

أَيْ أَخَذَ الشَّفِيعُ، اور یعنی لے لے گا شفیع، فِيمَا إِذَا بَنَى الْمُشْتَرِي أَوْ غَرَسَ، اس صورت میں جب مشتری نے کوئی عمارت تعمیر کی یا اس نے کوئی درخت لگائے، بِالثَّمَنِ تو شفیع لے لے گا کس کے بدلے؟ بِالثَّمَنِ اس کے، زمین کے ثمن کے بدلے، وَقِيمَتِهِمَا مَقْلُوعَيْنِ اور ان دونوں کی قیمت یعنی وہ عمارت یا درختوں کی قیمت کے بدلے، مَقْلُوعَيْنِ اس حال میں کہ وہ اکھاڑے گئے ہوں، أَوْ كُلِّفَ الْمُشْتَرِي قَلْعَ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ یا مکلف بنایا جائے گا، پابند کیا جائے گا مشتری کو اس عمارت اور ان درختوں کے اکھاڑنے کا، اس کو مکلف بنایا جائے گا۔

وَالْمُرَادُ بِقِيمَتِهِمَا مَقْلُوعَيْنِ، میں نے آپ کو بتلایا کہ اکھڑے ہوئے درختوں کی قیمت یا اکھڑی ہوئی بلڈنگ کی قیمت کا کیا معنی؟ کہ اس میں سے وہ جو ان کے گرانے پر جو خرچہ آئے اس کو بھی کیا کیا جائے گا؟ کم کیا جائے گا۔ وہی بیان کرنے لگے ہیں، کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ بِقِيمَتِهِمَا مَقْلُوعَيْنِ، کہتے ہیں ماتن کی مراد ان دونوں کی قیمت سے اس حال میں کہ اکھاڑے گئے ہوں، اس سے ان کی مراد قِيمَتُهُمَا ان دونوں کی قیمت ہے مُسْتَحِقِّي الْقَطْعِ، اس حال میں کہ یہ دونوں مستحقِ قطع ہوں، اس حال میں کہ یہ دونوں کیا ہوں؟ مستحقِ قطع ہوں، گرانے کے مستحق ہوں، گرانے کے... مستحق کا معنی حقدار ہیں یعنی ان کو گرانے کے قابل ہیں، گرانے کے لائق ہیں۔ بھئی بلڈنگ کھڑی ہے، اس وقت کتنا خرچہ ہے اس پر؟ پانچ لاکھ، لیکن یہ بلڈنگ جب گرانے کے حقدار ہو گئی، اب اس کا ملبہ کتنے کا؟ ملبہ تو ایک لاکھ بیس کا لیکن خرچہ کتنا ہے؟ خرچہ بھی تو آئے گا نا، تو بتانا یہ چاہتے ہیں کہ وہ خرچہ بھی نکالیں گے، تیار بلڈنگ جب وہ گرانے کے مستحق ہو گئی، جب گرانے کے مستحق ہو گئی تو جب ملبہ ملے گا تو اس میں وہ گرانے کا خرچہ بھی آئے گا یا نہیں آئے گا اس میں؟ اس میں وہ خرچہ بھی آئے گا بھئی، صرف ملبے کی قیمت نہیں، تیار بلڈنگ جب وہ گرائے جانے کے مستحق ہو چکی، جب گرائے جانے کے مستحق ہو گئی تو اب تو اس میں خرچہ بھی ڈالنا پڑے گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

كَمَا مَرَّ فِي الْغَصْبِ، جیسے کہ یہ بات گزر گئی باب الغصب میں۔ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَا يُكَلَّفُ بِالْقَلْعِ، اور امام

ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، اس کو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اپنی بلڈنگ اور درخت اکھاڑو اور یہاں سے لے جاؤ، اس میں تو اس بیچارے کا نقصان ہے مشتری کا، مشتری کا نقصان ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ شفیع کو اختیار دے دیں گے کہ اب تم زمین لینا چاہتے ہو، تمہیں اب پتہ لگا ہے، اب تک تو وہ بلڈنگ بن چکی ہے، اب تک تو وہ درخت لگ چکے ہیں، اب اگر تم وہ زمین لینا چاہتے ہو تو بلڈنگ کے پورے پیسے ادا کرو، درختوں کے پورے پیسے ادا کرو، اب تمہیں یہ بلڈنگ سمیت یہ زمین اب دس لاکھ میں نہیں ملے گی، کتنے کی ملے گی؟ پندرہ لاکھ کی، باغ سمیت یہ زمین اب تم کتنے میں لو گے؟ پندرہ لاکھ میں، لینا چاہتے ہو تو لے لو یا بالکل ہی چھوڑ دو، شفعہ ہی نہ کرو، زمین اس مشتری کے پاس ہی رہنے دو۔ اب لینا چاہتے ہو تو پورے پیسے دو یا چھوڑ دو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: أَنَّهُ لَا يُكَلَّفُ بِالْقَلْعِ کہ مشتری کو مکلف نہیں بنایا جائے گا اکھاڑنے کا، بَلْ يُخَيَّرُ بلکہ شفیع کو اختیار دیا جائے گا بَيْنَ اس چیز کے درمیان کہ أَنْ يَأْخُذَ بِالثَّمَنِ وَقِيمَةِ الْبِنَاءِ أَوِ الْغَرْسِ کہ وہ لے لے اس زمین کو اس کے ثمن کے بدلے اور اس عمارت یا لگائے ہوئے پودوں کی قیمت کے بدلے میں، وَبَيْنَ أَنْ يَتْرُكَ اور اس کے درمیان کہ وہ اس کو کیا کر دے؟ چھوڑ دے، یہ شفیع کو اختیار دے دیں گے۔ تو اس میں دونوں کا لحاظ ہے، مشتری کا بھی نقصان نہیں اور شفیع کا بھی نقصان نہیں، لینا چاہتے ہو تو بالکل لے لو ساری زمین لے لو لیکن بلڈنگ کے بھی ساتھ پیسے دو، درختوں کے بھی ساتھ پیسے دو، اور اگر نہیں لینا چاہتے تو پھر سارا کچھ چھوڑ دو۔

وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ، اور یہی قول ہے امامِ شافعی رحمہ اللہ کا، لِأَنَّ التَّكْلِيفَ بِالْقَلْعِ مِنْ أَحْكَامِ الْعُدْوَانِ، اس لیے کیونکہ وہ فرماتے ہیں اکھاڑنے کا پابند کرنا یہ تو زیادتی کے احکام میں سے ہے، اس لیے کیونکہ اکھاڑنے کا پابند کرنا مِنْ أَحْكَامِ الْعُدْوَانِ، عُدوان کہتے ہیں ظلم اور دشمنی کو، زیادتی کو، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ جو اکھاڑنے کا پابند کرنا یہ تو زیادتی کے احکام میں سے ہے، یہ تو زیادتی اور دشمنی کے احکام میں سے ہے، کس میں سے ہے؟ عدوان کا معنی زیادتی اور دشمنی، یہ زیادتی اور دشمنی کے احکام میں سے ہے۔ اور مشتری جو ہے اس نے جب یہ عمارت بنائی یا اس نے یہ باغ لگایا تو کیا اس نے کسی کے ساتھ زیادتی کی یا اس نے اپنی زمین میں یہ چیزیں لگائی تھیں؟ اپنی زمین میں، اس نے خریدنے کے بعد، تو اس نے کسی قسم کی کوئی زیادتی نہیں کی، لیکن اگر آپ اس کو اکھاڑنے کا حکم دے رہے ہیں یہ تو زیادتی کے احکام میں سے ہے۔ کوئی زیادتی کرے پھر اس کو ایسا کہا جاتا ہے جیسے غصب میں ہوتا ہے، یہاں اس نے تو کوئی غصب نہیں کیا اس نے تو زمین خریدی ہے اور اس میں اپنی زمین میں اس نے عمارت بنائی ہے یا درخت لگائے ہیں۔ تو کہتے ہیں: لِأَنَّ التَّكْلِيفَ بِالْقَلْعِ مِنْ أَحْكَامِ الْعُدْوَانِ، اس لیے کیونکہ اکھاڑنے کا پابند بنانا یہ زیادتی اور دشمنی کے احکام میں سے ہے، وَالْمُشْتَرِي هُنَا مُحِقٌّ فِي الْبِنَاءِ، مُحِقّ حق پر جو ہو، اور مشتری جو ہے وہ یہاں پر وہ حق پر ہے عمارت کے معاملے میں، تعمیر کے معاملے میں وہ یہاں حق پر ہے۔

قُلْنَا، ہم کہتے ہیں، احناف نے کیا مسئلہ بتایا تھا؟ کہ وہ اکھڑی ہوئی بلڈنگ یا اکھڑے ہوئے باغ کے پیسے دے کر لے لے گا یا مشتری کو مکلف بنایا جائے گا، پابند کیا جائے گا کہ اپنی یہ چیزیہاں سے اکھاڑ کر لے جاؤ۔ تو اب اس کی وجہ ذکر کر رہے ہیں کہ آپ نے اس کو کیوں اکھاڑنے کا حکم دیا۔ کہتے ہیں: قُلْنَا ہم کہتے ہیں، بَنَى فِي مَوْضِعٍ تَعَلَّقَ بِهِ حَقٌّ مُتَأَكِّدٌ لِلْغَيْرِ، کہ اس نے تعمیر کی ہے ایک ایسی جگہ میں، مَوْضِعٍ نکرہ ہے اور تَعَلَّقَ فعل آیا اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کے لیے عموماً صفت بنتا ہے، ہم کہتے ہیں بَنَى کہ اس مشتری نے تعمیر کی ہے فِي مَوْضِعٍ ایک ایسی جگہ میں تَعَلَّقَ بِهِ حَقٌّ مُتَأَكِّدٌ لِلْغَيْرِ کہ جس کے ساتھ متعلق ہو گیا ہے ایک ایسا حق مُتَأَكِّدٌ جو پکا ہے، مضبوط ہے لِلْغَيْرِ غیر کا۔ غیر کا ایسا حق اس جگہ کے ساتھ وابستہ ہو گیا ہے جو بڑا پکا ہے۔ شفیع کو شریعت نے کیا دیا ہے؟ اس زمین کو لینے کا حق دیا ہے اور یہ حق بڑا پکا اور بڑا مضبوط ہے بھئی، اس لیے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ مشتری نے تعمیر کی ایک ایسی جگہ پر جس کے ساتھ غیر کا بڑا مضبوط حق متعلق ہو گیا ہے، مِنْ غَيْرِ تَسْلِيطٍ بغیر تسلیط کے۔ سَلَّطَ يُسَلِّطُ تسلیط کا معنی ہے مسلط کرنا۔

بھئی دیکھیے، مشتری نے وہ زمین خریدی اور شفیع نے کیا کیا ہے؟ شفعہ، اور شفیع کا حق اس زمین کے ساتھ وہ مضبوط ہے یا کمزور حق ہے؟ مضبوط حق ہے حتیٰ کہ وہ اس کو لے لیتا ہے بھئی مشتری سے۔ تو یہ ایک ایسی جگہ جس کے ساتھ کسی غیر کا بڑا ہی مضبوط حق وابستہ تھا، اس کے اندر مشتری نے تعمیر کر لی اور تعمیر بھی خود کی، جس کا حق وابستہ تھا اس نے کوئی اس کی اجازت نہیں دی، اس نے اس کو اس پر مسلط نہیں کیا، اس نے اس کو اس کے حوالے نہیں کیا تھا بھئی۔ لہٰذا جب غیر کا مضبوط حق وابستہ تھا اور اس نے اس کو مسلط نہیں کیا تھا، بنانے کی اجازت وغیرہ نہیں دی تھی، اس کے حوالے نہیں کیا تھا، تو لہٰذا مشتری کو کیا کہیں گے کہ اپنی بلڈنگ یا اپنے باغ کو اکھاڑو اور یہاں سے لے جاؤ۔

تو قُلْنَا ہم کہتے ہیں، بَنَى فِي مَوْضِعٍ تَعَلَّقَ بِهِ حَقٌّ مُتَأَكِّدٌ لِلْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ تَسْلِيطٍ کہ مشتری نے تعمیر کی ہے ایک ایسی جگہ میں جس کے ساتھ غیر کا یعنی یوں کہیں کسی دوسرے کا بڑا مضبوط حق متعلق ہے، مِنْ غَيْرِ تَسْلِيطٍ بغیر اس کی طرف سے مسلط کیے، بغیر اس کی طرف سے مسلط کیے اس نے تعمیر خود کی ہے، اس نے اس کو اس پر مسلط نہیں کیا۔[۳]

وَرَجَعَ الشَّفِيعُ بِالثَّمَنِ فَقَطْ إِنْ بَنَى أَوْ غَرَسَ ثُمَّ اسْتُحِقَّتْ. بھئی یاد رکھیے پہلے ایک بیع کا مسئلہ سمجھ لو، شفعے کا مسئلہ نہیں ویسے بیع کا۔ ایک آدمی دوسرے کو کوئی زمین بیچتا ہے اور مشتری خریدنے کے بعد اس گھر پر عمارت تعمیر کر لیتا ہے، اس زمین پر عمارت تعمیر کر لیتا ہے یا کوئی باغ لگا لیتا ہے۔ بعد میں اس زمین کا کوئی اور مستحق نکل آیا، اس نے آکر قاضی کے پاس دعویٰ کر دیا کہ قاضی صاحب یہ تو میری زمین تھی اس شخص نے ویسے ہی اپنی بنا کر بیچ دی۔ قاضی جو ہے مشتری سے

[۳] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۵۹):** صوتی درس کی قراءت میں «بَنَى فِي مَوْضِعٍ تَعَلَّقَ بِهِ حَقٌّ مُتَأَكِّدٌ لِلْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ تَسْلِيطٍ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «بنى في موضعٍ تعلَّقَ به حقٌّ متأكّدٌ من غيرِ تسليط» منقول ہے۔

وہ زمین واپس اس مستحق کو دلوا دے گا۔ اب مشتری بیچارے کا تو نقصان ہو گیا، اس کے تو ایک تو پیسے ڈوبے، پھر اس نے کیا کیا تھا؟ اس پر عمارت بنائی تھی یا باغ لگایا تھا۔ تو بھئی ثمن، وہ عہدہ تو کس پر آئے گا؟ کل لفظ گزرا تھا، عہدۃ البیع بائع پر، جس کو ثمن ادا کیے ہیں ظاہر سی بات ہے وہ ثمن کس سے وصول کیے جائیں گے؟ بائع سے وصول کیے جائیں گے۔ اب یہ جو عمارت ہے اور درخت لگائے ان کا کیا کریں بھئی؟ اس نے تو بائع کو دس لاکھ دیے تھے لیکن یہ بلڈنگ اور باغ پر اس کے پانچ لاکھ لگے ہیں، کہتے ہیں وہ پیسے بھی بائع سے اس کو دلائے جائیں گے، وہ پیسے بھی پوری بلڈنگ کے پانچ لاکھ یا پورے باغ کے جو پانچ لاکھ ہیں وہ بھی کس سے دلائے جائیں گے؟ بائع سے، کیوں؟ کیونکہ دھوکہ بائع کی طرف سے ہوا ہے، بائع نے مسلط کیا اس کو اس زمین پر، اس نے یہ زمین اس کے حوالے کی تھی۔

اب یہی مسئلہ بنا لو شفعہ میں۔ شفیع نے زمین لے لی مشتری سے، اب شفیع نے اس کے اوپر ایک عمارت بنا لی یا باغ لگا لیا۔ توجہ ہے؟ بائع نے زمین کس کو بیچی تھی؟ مشتری کو۔ مشتری سے شفعہ کر کے کس نے لے لی؟ شفیع نے۔ اب شفیع نے اس پر کیا بنا لیا؟ عمارت یا باغ۔ اب اس زمین کا کوئی مستحق نکل آیا اور اس نے کہا قاضی صاحب یہ زمین تو میری ہے انہوں نے آپس میں فروخت کی ہے اور اس نے شفعہ، اس کو پتہ نہیں تھا اس نے شفعہ کر دیا، تو قاضی جو مستحق ہے اس کی بینہ سن کر اس کو زمین دلا دے گا۔ اب شفیع کا نقصان ہو رہا ہے، اس نے زمین کے بھی پیسے دیے تھے اور عمارت۔ بھئی زمین کے پیسے تو ٹھیک ہے جس سے زمین لی تھی اس سے پیسے واپس دلائے جائیں گے، اگر اس نے کس سے لی تھی زمین؟ مشتری سے، ثمن کس کو دیے تھے؟ مشتری کو، تو مشتری سے پیسے اس کو واپس دلا دیں گے اور مشتری کس سے واپس لے لے گا؟ بائع سے لے لے گا۔ اور اگر شفیع نے کس کو پیسے دیے تھے؟ بائع کو دیے تھے تو بائع سے پیسے اس کو واپس دلا دیں گے۔ اور وہ جو اس نے اوپر عمارت تعمیر کی اور باغ لگایا تھا، اس کے پیسے، اس کے بارے میں کس پر رجوع کرے گا؟ کہتے ہیں اس کے لیے وہ کسی پر بھی رجوع نہیں کر سکتا، کسی پر بھی رجوع نہیں کر سکتا۔ ملبہ تو اس کا اپنا ہے، ملبہ تو لے جائے، بات تو ملبے کی نہیں ہو رہی نا، ملبہ تو لاکھ روپے کا ہو گا، بلڈنگ پہ تو اس کے کتنے لگے ہیں؟ پانچ لاکھ، یا باغ پہ بھی پانچ لاکھ لگے ہیں، تو کہتے ہیں بھئی وہ جو نقصان ہوا اس میں وہ کسی پر رجوع نہیں کر سکتا۔ بھئی کیوں نہیں کر سکتا؟ یہ زمین ہم نے بائع سے لی تھی یا مشتری سے لی تھی، کہتے ہیں بھئی یہ شفعے کی بات چل رہی ہے اور شفعے میں کوئی ان کی رضامندی سے زمین لی تھی یا جبراً لی تھی؟ یہ تو جبراً لی تھی، اس نے خود زبردستی کر کے زمین لی تھی، لہٰذا اب اس صورت میں اگر کوئی... تو انہوں نے تو کوئی اس کو دھوکہ نہیں دیا...

اس نے جبراً لی تھی زمین، تو لہٰذا اب اس نقصان کی صورت میں کسی پر بھی رجوع نہیں کر سکتا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

دیکھیے کتاب پر: وَرَجَعَ الشَّفِيعُ بِالثَّمَنِ فَقَطْ، اور شفیع جو ہے وہ رجوع کرے گا ثمن کے ساتھ فقط، صرف ثمن کے ساتھ رجوع کرے گا، صرف ثمن ان سے واپس لے گا، کب؟ إِنْ بَنَى أَوْ غَرَسَ ثُمَّ اسْتُحِقَّتْ، اگر اس نے اس میں عمارت تعمیر

کی یا درخت لگائے، ثُمَّ اسْتُحِقَّتْ پھر وہ زمین کسی کی نکل آئی، وہ گھر کسی کا نکل آیا، تو کس کے ساتھ رجوع کرے گا؟ بِالثَّمَنِ فَقَطْ، کس کے ساتھ؟ صرف ثمن کے ساتھ، صرف ثمن واپس لے گا اور عمارت اور درختوں کے پیسے واپس نہیں لے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں: أَيْ إِنْ أَخَذَ الشَّفِيعُ بِالشُّفْعَةِ، اگر شفیع نے زمین کو لے لیا شفعہ کے ساتھ، وَبَنَى أَوْ غَرَسَ اور اس میں اس نے عمارت بنا لی یا درخت لگا دیے، ثُمَّ اسْتُحِقَّتِ الْأَرْضُ پھر وہ زمین کا کوئی مستحق نکل آیا، رَجَعَ بِالثَّمَنِ فَقَطْ تو شفیع جو ہے وہ ثمن کے ساتھ رجوع کرے گا صرف، وَلَا يَرْجِعُ بِقِيمَةِ الْبِنَاءِ أَوِ الْغَرْسِ عَلَى أَحَدٍ اور وہ رجوع نہیں کرے گا عمارت کی قیمت کے ساتھ یا ان لگائے ہوئے پودوں کی قیمت کے ساتھ کسی ایک پر بھی۔ کسی ایک پر بھی وہ رجوع نہیں کر سکتا، چاہے اس نے بائع سے لی ہو چاہے مشتری سے لی ہو، کیونکہ اس نے جبراً زمین لی ہے۔

بِخِلَافِ الْمُشْتَرِي، بخلاف کس کے؟ مشتری کے۔ وہی مسئلہ جو میں نے پہلے ذکر کیا، کہ بائع نے زمین بیچی اور مشتری نے اس پر کیا کیا؟ گھر بنایا یا درخت لگائے۔ شفعہ کا مسئلہ نہیں ہے، شفعہ کو ذرا نکال دو۔ پھر اس مشتری نے بنا لیا گھر وغیرہ اس پر، اور پھر یہ زمین کسی کی نکل آئی، تو مشتری بائع سے ثمن بھی لے گا اور اس عمارت یا باغ کے پیسے بھی پورے لے گا۔ وہی ذکر کر رہے ہیں: بِخِلَافِ الْمُشْتَرِي بخلاف کس کے؟ مشتری کے، فَإِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيمَةِ الْبِنَاءِ أَوِ الْغَرْسِ عَلَى الْبَائِعِ، وہ رجوع کرے گا اس عمارت کی قیمت کے ساتھ یا لگائے ہوئے درختوں کی قیمت کے ساتھ کس پر؟ بائع پر کرے گا۔ کیوں؟ لِأَنَّهُ مُسَلَّطٌ مِنْ جِهَتِهِ، اس لیے کیونکہ وہ جو مشتری ہے وہ مسلط ہے کس کی جانب سے؟ بائع کی جانب سے، بائع نے اس کو اس زمین پر مسلط کیا ہے، بائع نے وہ زمین اس کو دی تھی۔ بِخِلَافِ الشَّفِيعِ بخلاف کس کے؟ شفیع کے، وہ نہیں رجوع کر سکتا، فَإِنَّهُ أَخَذَ جَبْرًا اس نے اس کو جبراً لیا ہے، زبردستی لیا ہے۔

وَبِكُلِّ الثَّمَنِ إِنْ خَرِبَتْ أَوْ جَفَّ الشَّجَرُ، وَأَخَذَ الْعَرْصَةَ لَا النَّقْضَ بِحِصَّتِهَا إِنْ هَدَمَ الْمُشْتَرِي الْبِنَاءَ۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے: بھئی دیکھو ایک شخص دوسرے سے زمین لیتا ہے اور اس کے اندر پہلے سے ہی ایک عمارت موجود ہے، پہلے سے ہی اس میں باغ لگا ہوا ہے یا یوں کہیں درخت لگے ہوئے ہیں بہت سارے، درخت لگے ہوئے ہیں۔ پھر مشتری خریدنے کے بعد اس عمارت کو گرا دیتا ہے یا ان درختوں کو گرا دیتا ہے، ایک صورت۔ دوسری صورت یہ کہ مشتری نے خریدی اور اس نے اس بلڈنگ کو یا درختوں کو نہیں گرایا، کوئی آسمانی آفت آئی، زلزلہ آیا وہ بلڈنگ گر گئی، یا آگ لگ گئی اور وہ درخت سارے جل گئے، دوسری صورت۔ اب شفیع یہ زمین لینا چاہتا ہے تو کیا اس بلڈنگ کے اور درختوں کے پیسے اب کم کیے جائیں گے؟ ایک صورت کیا تھی؟ کس نے اکھاڑا یہ سارا کچھ؟ مشتری نے۔ دوسری صورت کہ یہ ساری چیزیں کس سے خراب ہوئیں؟ آسمانی آفت سے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ جب یہ چیزیں آسمانی آفت سے خراب ہوئیں تو اس صورت میں پیسوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ مشتری نے یہ زمین دس لاکھ کی خریدی تھی کمرے سمیت، اب کمرہ گر چکا ہے لیکن پھر بھی

شفیع کو کتنے دینے پڑیں گے؟ دس لاکھ۔ اور مشتری نے یہ باغ خریدا تھا درختوں سمیت دس لاکھ کا، اب وہ درخت جل چکے ہیں لیکن شفیع اگر لینا چاہتا ہے تو کتنے دینے پڑیں گے؟ دس لاکھ پورے دینا پڑیں گے۔

بھئی کیوں؟ قیمت میں کمی کیوں نہیں ہوئی؟ کہتے ہیں بھئی دیکھیے شفعہ جو ہوتا ہے اصل میں زمین میں ہوتا ہے، اور اصل یہاں پر ہم یوں سمجھیں گے کہ یہ بیع زمین کے اندر ہوئی تھی، اور چونکہ زمین پر کمرہ بنا ہوا تو کمرہ بھی تبعاً بیع کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو وہ چیزیں جو زمین پر مستقل لگی رہتی ہیں، زمین بیچو تو وہ چیزیں بھی بیع کے اندر داخل ہو جاتی ہیں تبعاً اس زمین کے تابع ہو کر۔ توجہ ہے؟ کچھ چیزیں زمین پر لگے رہنے کے لیے ہوتی ہیں اور کچھ چیزیں زمین سے علیحدہ کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔ تو جو چیزیں لگی رہنے والی ہیں مستقل، جب آپ زمین بیچیں گے تو اس کی بیع میں وہ چیزیں بھی تبعاً داخل ہو جائیں گی۔ آپ ایک زمین بیچتے ہیں، اس زمین میں تین چار کمرے بنے ہوئے ہیں، تو وہ بھی بیع کے اندر تبعاً داخل ہو جائیں گے، آپ بیچ زمین رہے ہیں لیکن یہ کمرے بھی ساتھ ہی چلے جائیں گے۔ دیکھیے زمین پر کمرے بنے ہوئے ہیں تو یہ کمرے زمین پر لگے ہی رہتے ہیں مستقل یا ان کو اتارا جاتا ہے؟ یہ تو لگے رہتے ہیں، یہ تو جڑے رہتے ہیں ساتھ، لہٰذا جب بیچیں گے تو یہ بھی ساتھ ہی فروخت ہوں گے، تبعاً اس بیع کے اندر داخل ہوں گے۔ اسی طرح باغ کے درخت ہیں، کیا ان درختوں کو اتارا جاتا ہے یا یہ اسی طرح مستقل لگے رہتے ہیں زمین پر؟ یہ مستقل لگے رہتے ہیں، تو جب آپ یہ زمین بیچیں گے تو یہ درخت بھی تبعاً بیع کے اندر داخل ہو جائیں گے، آپ ذکر کریں یا نہ کریں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور کچھ چیزیں وہ ہیں جو علیحدہ کرنے کے لیے ہوتی ہیں، جیسے فصل ہے، فصل کاشت کی جاتی ہے وہ لگی رہتی ہے یا پک جائے تو اتار لی جاتی ہے؟ اتار لی جاتی ہے، تو اب آپ زمین بیچتے ہیں اور اس پر فصل لگی ہوئی ہے تو فصل بیع کے اندر نہیں داخل ہوگی، بات سمجھ میں آگئی؟ فصل کا الگ ذکر کرنا پڑے گا پھر داخل ہو سکتی ہے، اگر ذکر نہ کیا تو بیع میں داخل نہیں۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ تو چیزیں کتنی قسم کی ہو گئیں؟ دو، کچھ چیزیں زمین کے ساتھ جڑی رہتی ہیں اور کچھ چیزوں کو علیحدہ کیا جاتا ہے، تو جن کو علیحدہ کیا جاتا ہے وہ بیع میں داخل نہیں ہوں گی الا یہ کہ ان کو ابھی آپ علیحدہ ذکر کر دیں ساتھ کہ یہ بھی بیع میں داخل ہیں، اور جو چیزیں زمین کے ساتھ جڑی رہتی ہیں اور اسی لیے ہوتی ہیں، تو جب آپ بیع کریں گے تو آپ ان کو ذکر نہ بھی کریں وہ تبعاً بیع کے اندر داخل ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

اب صورت یہ کہ مشتری نے وہ زمین خریدی اور اس کے اندر عمارت تھی یا باغ تھا، اور وہ باغ پھر، ایک صورت یہ کہ مشتری نے کیا کیا؟ اس عمارت کو اکھاڑ لیا، گرا دیا یا درختوں کو گرا دیا، اور دوسری صورت کیا کہ وہ باغ یا درخت آسمانی آفت سے برباد ہو گئے۔ تو فقہاء فرماتے ہیں کہ وہ صورت جب وہ باغ آسمانی آفت سے برباد ہوا تو زمین کے ثمن میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی، زمین دس لاکھ کی لی تھی عمارت سمیت، عمارت اب گر چکی ہے لیکن شفیع کو اب بھی کتنے میں لینا پڑے

گی؟ دس لاکھ میں۔ وہ باغ سمیت اس نے وہ زمین دس لاکھ میں لیا تھا، اب وہ باغ سارا جل چکا ہے لیکن شفیع کو کتنے میں لینا پڑے گا؟ دس لاکھ میں۔ ہم کہیں گے کہ گویا اس مشتری نے زمین دس لاکھ کی خریدی تھی، یہ بلڈنگ تو ویسے ہی تبعاً آگئی تھی بیچ میں۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ مشتری نے زمین کتنے کی خریدی تھی؟ دس لاکھ کی، اور بلڈنگ تو ویسے بیچ میں آگئی تھی یا باغ تو ویسے بیچ میں آگیا تھا، اب اگر وہ نہیں بھی ہے تو کوئی حرج نہیں، زمین کتنے کی تھی؟ دس لاکھ کی تھی تو یہ بھی دس لاکھ میں لے۔

لیکن اگر مشتری نے خود اس بلڈنگ کو پھر گرایا یا خود اس باغ کو گرایا، پھر قیمت میں کمی کردی جائے گی۔ جب مشتری نے خود گرایا ہے اس کا مطلب ہے خریدتے وقت یہ بلڈنگ بھی مقصود تھی اور یہ زمین بھی مقصود تھی، یہ زمین بھی مقصود تھی اور یہ اوپر لگے ہوئے درخت بھی مقصود۔ جب یہ مقصود بن گئے تو اب ان کے مقابلے میں قیمت آئے گی۔ جب تک غیر مقصود تھے ان کے مقابلے میں کوئی قیمت نہیں، اور جب مقصود بن گئے تو اب معلوم ہوا کہ بلڈنگ علیحدہ مقصود تھی، زمین علیحدہ مقصود تھی، اور شفعہ تو زمین میں ہوتا ہے بلڈنگ میں نہیں ہوتا تو بلڈنگ کے پیسے کم کردیں گے، اور شفعہ تو زمین میں ہوتا ہے درختوں کے اندر تو نہیں ہوتا تو درختوں کے پیسے کم کردیں گے۔ یہ وہ صورت ہے جب مشتری نے خود وہ بلڈنگ گرائی اور خود ان درختوں کو اکھاڑا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اورہاں، جب اس نے بلڈنگ اکھاڑلی، گرادی، تو شفیع جو ہے وہ صرف زمین لے گا، وہ ملبہ نہیں لے سکتا، یا وہ اکھڑے ہوئے درخت نہیں لے سکتا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ شفیع صرف کیا لے گا؟ زمین لے گا، اکھڑا ہوا ملبہ نہیں لے سکتا یا وہ درخت... معنی یہ ہے جبراً نہیں لے سکتا، شفعے کے اندر نہیں لے سکتا۔ شفعے کے اندر نہیں لے سکتا، اتنی ثمن میں ہم کمی کردیں گے۔ لیکن وہ کہے نہیں جی ملبہ بھی میں نے لینا ہے، نہیں بھئی ملبہ علیحدہ ہوگیا، شفعہ زمین میں ہوا کرتا ہے، جو علیحدہ ہو چیز اس میں نہیں ہوتا۔ شفعہ زمین میں ہوتا ہے، جو درخت وغیرہ زمین سے علیحدہ ہو جائیں ان میں شفعہ نہیں ہوتا، لہٰذا آپ ان کو نہیں لے سکتے۔ یہ ہے جبراً، جبراً نہیں لے سکتا، اسی شفعے کے اندر نہیں لے سکتا، ویسے آپس میں طے کرلیتے ہیں کہ یہ بھی اتنے میں مجھے دے دو تو وہ الگ بات ہے، وہ لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جبراً نہیں لے سکتا کیونکہ وہ اب الگ ہو چکا، اب وہ شفعے کے اندر آتا ہی نہیں ہے، شفعے میں تو زمین اور اس کے ساتھ جڑی ہوئی چیزیں آتی ہیں، علیحدہ چیزیں نہیں آتیں۔

وَبِكُلِّ الثَّمَنِ، اورپورے ثمن کے بدلے لے لے گا، إِنْ خَرِبَتْ اگر وہ گھر برباد ہوگیا، تباہ ہوگیا، أَوْ جَفَّ الشَّجَرُ یا وہ درخت سوکھ گیا، وہ درخت سوکھ گئے۔ أَيِ اشْتَرَى دَارًا فَخَرِبَتْ، یعنی خریدا مشتری نے کوئی گھر تو وہ گھر برباد ہوا، تباہ ہوگیا، أَوْ بُسْتَانًا فَجَفَّ الشَّجَرُ یا اس نے مشتری نے کوئی باغ خریدا تو درخت سوکھ گئے۔ دیکھو گھر خراب ہوا یا باغ سوکھ گیا، مشتری کا کوئی دخل ہے اس میں؟ نہیں، آفتِ سماوی ہے، لہٰذا پورے ثمن کے بدلے لے گا۔ ہم یوں سمجھیں گے یہ چیزیں بیع میں تبعاً آئی

تھیں اور سارے پیسے اصل تو زمین کے بدلے تھے، یہ تو ویسے ہی بیچ میں آئی تھیں، خراب بھی ہو گئی ہیں کوئی حرج نہیں۔ فَالشَّفِيعُ إِنْ أَرَادَ أَنْ يَأْخُذَ بِالشُّفْعَةِ پس شفیع اگر یہ ارادہ کرے کہ وہ ان کو لے لے شفعہ کے ساتھ، يَأْخُذُ بِجَمِيعِ الثَّمَنِ تو اس کو لے لے گا پورے ثمن کے بدلے۔

وَأَخَذَ الْعَرْصَةَ لَا النَّقْضَ بِحِصَّتِهَا إِنْ هَدَمَ الْمُشْتَرِي الْبِنَاءَ۔ اور لے لے گا الْعَرْصَةَ، عرصہ کہتے ہیں کھلا میدان، بھئی عمارت تو گر گئی نا، تو باقی کیا رہ گیا؟ کھلا میدان، وَأَخَذَ الْعَرْصَةَ اور وہ کھلا میدان یا کھلی جگہ جو ہے وہ لے لے گا، لَا النَّقْضَ، نَقْض کہتے ہیں وہ ملبے کو، ملبے کو، ملبہ نہیں لے گا، صرف کیا لے گا؟ وہ کھلا میدان لے گا۔ یہ دوسرا مسئلہ آ رہا ہے، پہلے میں تو کیا تھا؟ پہلے میں تو عمارت گر گئی، درخت سوکھ گئے، وہ کھلا میدان ہی لے رہا ہے لیکن پورے پیسے دینے پڑیں گے۔ اب دوسری صورت ذکر ہو رہی ہے جب مشتری نے خود ان چیزوں کو گرایا ہو، تو پھر تو یہ مقصود بن گئیں، جب مقصود ہوئیں تو پھر ان کے پیسے کم ہوں گے، اب وہ ذکر کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: وَأَخَذَ الْعَرْصَةَ اور اس کھلے میدان کو لے لے گا لَا النَّقْضَ ملبے کو نہیں۔ ملبہ کیوں نہیں لے سکتا؟ لے کیوں نہیں سکتا؟ کیونکہ وہ جدا ہو گیا، اس میں تو شفعہ نہیں ہو سکتا، جدا چیز میں تو شفعہ نہیں۔ تو وہ کھلا میدان لے لے گا لَا النَّقْضَ ملبہ نہیں، اور وہ کھلا میدان لے گا بِحِصَّتِهَا اس کے حصے کے بقدر جو ثمن ہو اس کے بدلے میں۔ یہ کب ہے؟ إِنْ هَدَمَ الْمُشْتَرِي الْبِنَاءَ، اگر مشتری نے گرایا ہو عمارت کو۔

صورت سمجھ میں آ گئی؟ إِنَّمَا يَأْخُذُ بِالْحِصَّةِ، کہ مشتری جو ہے وہ اس کے حصے کے بقدر کے بدلے میں لے لے گا لِأَنَّ الْمُشْتَرِيَ قَصَدَ الْإِتْلَافَ، اس لیے کیونکہ مشتری نے اس کو تلف کرنے کا ارادہ کیا تو وہ چیز کیا بن گئی؟ مقصودی بن گئی۔ وَفِي الْأَوَّلِ اور پہلی صورت میں تَلِفَ بِآفَةٍ سَمَاوِيَّةٍ وہ ہلاک ہوئی ہے، وہ ختم ہوئی ہے آسمانی آفت کی وجہ سے۔ وَلَا يَأْخُذُ النَّقْضَ اور ملبہ نہیں لے سکتا لِأَنَّهُ لَيْسَ عَقَارًا اس لیے کیونکہ وہ عقار نہیں ہے، وہ غیر منقولی چیز نہیں ہے، وہ غیر منقولی جائیداد نہیں ہے، وَلَمْ يَبْقَ تَبَعًا اب وہ زمین کے تابع بھی نہ رہا، اور وہ زمین کے تابع بھی نہ رہا کیونکہ زمین سے تو وہ جدا ہو چکا ہے، ملبہ بن چکا ہے، تو وہ بھی نہیں لے سکتا۔ میں نے بتایا جبراً نہیں لے سکتا، ہاں باہمی رضامندی سے اس کی بھی بیع کر لیتے ہیں تو پھر لے سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ آسمانی آفت سے اگر وہ بلڈنگ گری یا باغ سوکھا اس میں کمی ہو گی؟ نہیں ہو گی، لیکن اگر مشتری نے وہ بلڈنگ گرائی ہے یا باغ گرایا ہے تو پھر قیمت میں کمی ہو گی، معلوم ہوا یہ بھی مقصود بن گئی، یہ بھی اس کا مقصود ہے، تو اس کو علیحدہ پیسے اس کے کم ہو جائیں گے۔

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ بائع نے باغ بیچا مشتری کے ہاتھ، اور اس باغ کے درختوں پر پھل بھی لگا ہوا تھا، یا باغ بیچا پھل تو نہیں تھا لیکن مشتری کے پاس جا کر ان درختوں پر پھل لگ گیا...

اب شفیع شفعہ کرتا ہے۔ شفیع شفعہ کرتا ہے۔ درختوں پر پھل لگا ہوا ہے، یا تو وہ بائع کے پاس سے ہی آیا ہے یا مشتری کے پاس وہ پھل اس پر لگے ہیں۔ تو کہتے ہیں دونوں صورتوں میں وہ شفیع جو ہے پھل سمیت باغ لے لے گا وہی ثمن ادا

کر کے، وہی ثمن ادا کر کے پھلوں سمیت وہ باغ لے لے گا۔ اور اگر مشتری نے وہ پھل اتار لیے تو پھر کیا ثمن میں کمی کی جائے گی یا کمی نہیں کی جائے گی؟ کہتے ہیں اگر وہ پھل آئے تھے بائع کی طرف سے اور پھر مشتری نے اتارے ہیں، معلوم ہوا یہ پھل مقصود تھے، پھل کیا تھے؟ مقصود تھے، لہٰذا ان کی پھر ثمن میں کمی کر دی جائے گی۔ اور اگر یہ پھل بائع کی طرف سے نہیں آئے، مشتری ہی کے پاس پھل پیدا ہوئے اور اس نے پھل اتار لیے، تو پھر تو کوئی کمی نہیں ہو گی بھئی کیونکہ یہ پھل تو پہلے بھی بیع کے اندر داخل نہیں تھے، اب بھی بیع میں داخل نہیں ہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ پھر دہراؤ، کیا صورت؟ کہ بائع نے باغ بیچا اور اس پر پھل لگے ہوئے ہیں، اور یہ بھی یاد رکھنا باغ میں پھل لگے ہوئے ہیں اور وہ پھر بیچ رہا ہے، حالانکہ پھل درختوں پر لگے رہنے کے لیے ہوتے ہیں یا اتارنے کے لیے ہوتے ہیں؟ اتارنے کے لیے، اور جو چیز اتارنے کے لیے ہو وہ بیع میں تبعاً داخل ہوتی ہے؟ نہیں، اس کو علیحدہ ذکر کرنا پڑتا ہے، معلوم ہوا انہوں نے بیع میں اس کو علیحدہ ذکر کیا ہو گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ ہاں، ورنہ پھل داخل نہیں ہوتے، فصل بھی داخل نہیں ہوتی۔ تو اب بائع کے پاس سے پھل آ گئے یا مشتری کے پاس ہی ان پر پھل لگ گئے، اب شفیع شفعہ کرتا ہے۔ تو کہتے ہیں پھر بائع کی طرف سے پھل آئے تو بھی بات ظاہر ہے پھل بیع میں داخل تھے تو یہ بھی وہ پیسے، اس نے بھی دس لاکھ میں دیے تھے اور زمین پھل سمیت لی تھی تو یہ بھی زمین پھل سمیت لے لے گا۔ اور مشتری کے پاس بھی پیدا ہو گئے ہوں تو بھی ہم ان کو کیا شمار کریں گے؟ تابع ہی شمار کریں گے اور وہی دس لاکھ میں پھل سمیت درختوں کو لے لے گا، چاہے بائع کی طرف سے پھل آئے ہوں چاہے یہاں پر پھل پیدا ہوئے ہوں۔ اور اگر مشتری کیا کرتا ہے؟ ان پھلوں کو اتارتا ہے، تو اگر بائع کی طرف سے آئے تھے پھر اس نے پھل اتارے، معلوم ہوا یہ پھل مقصود تھے، ثمن میں کیا کر دی جائے گی؟ کمی کر دی جائے گی۔ اور اگر یہ پھل مشتری ہی کے پاس پیدا ہوئے اور پھر اس نے اتار بھی لیے، پھر تو بھئی یہ پھل بیع میں شروع سے ہی داخل ہی نہیں ہیں، ان کے علاوہ ہی زمین کی قیمت دس لاکھ تھی، اب اس نے اتار بھی لیے پھل تو بھی زمین تو اسی طرح ہے، تو اب بھی اس کی قیمت کتنی ہے؟ دس لاکھ ہی ہے تو وہ پورے میں لے لے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

دیکھیے کتاب پر: وَفِي شِرَاءِ أَرْضٍ مَعَ ثَمَرٍ نَخِيلٍ فِيهَا، اور زمین کو خریدنے کی صورت میں، مَعَ ثَمَرٍ نَخِيلٍ فِيهَا اس میں کھجور کے پھل کے ساتھ، نَخِيل کہتے ہیں کھجور کا درخت، ویسے کھجور کو ذکر کر دیا کوئی بھی پھل ہو سب کا یہی حکم ہے۔ اور وَفِي شِرَاءِ أَرْضٍ مَعَ ثَمَرٍ نَخِيلٍ فِيهَا، اور زمین کو کھجور کے پھل سمیت خریدنے کی صورت میں، یا یوں کہیں وَفِي شِرَاءِ أَرْضٍ اور زمین کو خریدنے کی صورت میں مَعَ ثَمَرٍ نَخِيلٍ فِيهَا ساتھ اس میں کھجور کے پھلوں کے، أَوْ لَا ثَمَرَ عَلَيْهَا یا یہ صورت کہ کوئی پھل اس پر... زمین کو خریدنے کی صورت میں کہ لَا ثَمَرَ عَلَيْهَا ان پر کوئی پھل نہیں ہے، فَأَثْمَرَ تو پھر وہ درخت پھل لے آئے مَعَهُ، أَيْ مَعَ الْمُشْتَرِي کس کے پاس؟ مشتری کے پاس۔ اب شفیع لینا چاہتا ہے، چاہے پھل پہلے سے آئے چاہے پھل بعد میں ہوئے، تو أَخَذَهَا بِثَمَرِهَا تو وہ لے لے گا اس زمین کو پھلوں کے ساتھ ہی۔

وَبِحِصَّتِهَا یہ اب الگ صورت آ گئی، وَبِحِصَّتِهَا اور اس زمین کے حصے کے بقدر مِنَ الثَّمَنِ کس میں سے؟ ثمن میں سے، یعنی کمی ہو گی۔ کب؟ إِنْ جَزَّهُ الْمُشْتَرِي فِي الْأَوَّلِ، جَزَّ یَجُزُّ کا معنی ہے درخت کو پھل سے اتارنا۔ إِنْ جَزَّهُ الْمُشْتَرِي اگر ان پھلوں کو درختوں سے اتار لیا مشتری نے فِي الْأَوَّلِ پہلی صورت میں، جب پھل کہاں سے آئے تھے؟ بائع کے پاس سے، تو اس صورت میں لے لے گا، دوبارہ دیکھیں: وَبِحِصَّتِهَا مِنَ الثَّمَنِ وہ زمین کا جو حصہ ہے ثمن میں سے اس کے بدلے لے لے گا زمین کو، یعنی کمی ہو جائے گی، قیمت میں کمی ہو، پھلوں کے نکال دیں گے۔ وَبِالْكُلِّ فِي الثَّانِي اور کل ثمن کے بدلے لے لے گا فِي الثَّانِي دوسری صورت میں، کون سی صورت؟ جب مشتری کے پاس وہ پھل ہوئے اور اس نے اتار لیے۔

دیکھیے خود بیان کر رہے ہیں: اشْتَرَى أَرْضًا، مشتری نے ایک زمین خریدی، وَذَكَرَ ثَمَرَ النَّخِيلِ فِي الْبَيْعِ اور اس نے ذکر کر دیے کھجور کے پھل بھی بیع میں۔ کیوں ذکر کیے؟ کہتے ہیں: إِذْ لَا يَدْخُلُ بِدُونِ الذِّكْرِ، کیونکہ پھل بغیر ذکر کے بیع میں داخل نہیں ہوتے کیونکہ وہ اتارنے کے لیے ہوتے ہیں۔ أَوْ شَرَى یا اس نے زمین خریدی وَلَمْ يَكُنْ عَلَى الشَّجَرِ ثَمَرٌ اور درختوں پر پھل نہیں تھے، فَأَثْمَرَ فِي يَدِ الْمُشْتَرِي پھر وہ پھل لے آئے مشتری کے قبضے میں۔ تو اب پھل لگے ہوئے ہیں، یا بائع کی طرف سے آئے ہیں یا مشتری کے پاس پیدا ہوئے ہیں، فَالشَّفِيعُ يَأْخُذُ الْأَرْضَ مَعَ الثَّمَرِ فِي الْفَصْلَيْنِ تو شفیع لے لے گا زمین کو پھل سمیت ہی دونوں صورتوں میں، دونوں فصلوں میں، چاہے پھل بائع کی طرف سے آئے ہوں چاہے پھل یہاں مشتری کے پاس درخت پر آئے ہوں۔

وَإِنْ جَزَّهُ الْمُشْتَرِي، اور اگر ان پھلوں کو اتار لیا درختوں سے مشتری نے، ان پھلوں کو کاٹ لیا مشتری نے، فَالشَّفِيعُ يَأْخُذُ الْأَرْضَ تو شفیع زمین کو لے لے گا بِدُونِ ثَمَرِ النَّخِيلِ بغیر کھجور کے پھلوں کے۔ لٰكِنْ فِي فَصْلِ الْأَوَّلِ لیکن پہلی صورت میں، يَأْخُذُ بِحِصَّةِ الْأَرْضِ مِنَ الثَّمَنِ لے لے گا ثمن میں سے جو زمین کا حصہ ہے اس کے بدلے میں، یعنی پھلوں کی کمی کر دیں گے اور صرف زمین کی قیمت جو بنے گی وہ حصہ بنے گا۔ يَأْخُذُ بِحِصَّةِ الْأَرْضِ مِنَ الثَّمَنِ لے لے گا زمین کا جو حصہ ہے ثمن میں سے اس کے بدلے میں۔ وَفِي الْفَصْلِ الثَّانِي اور دوسری صورت میں، جب پھل کس کے پاس آئے تھے؟ مشتری کے پاس اور پھر اس نے اتار لیے تھے، تو اس دوسری صورت میں يَأْخُذُ بِكُلِّ الثَّمَنِ زمین کو لے لے گا کل ثمن کے بدلے میں، لِأَنَّ الثَّمَرَ لَمْ يَكُنْ مَوْجُودًا وَقْتَ الْعَقْدِ اس لیے کیونکہ وہ پھل تو عقد کے وقت موجود نہیں تھے، فَلَا يُقَابِلُهُ شَيْءٌ مِنَ الثَّمَنِ لہٰذا ثمن میں سے بھی اس کے مقابلے میں کوئی چیز نہیں ہو گی، ثمن میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اچھی طرح؟ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔[۴]

[۴] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۶۰): صوتی درس کی قراءت میں «لٰكِنْ فِي فَصْلِ الْأَوَّلِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «لكن في الفصلِ الأوَّلِ» منقول ہے۔

سبق نمبر ٦: باب ما هي فيه أو لا ومايبطلها: کن اشیاء میں شفعہ واجب ہوتا ہے اور کن میں نہیں؟

شرح الوقایہ صفحہ: ۱۲ — بتاریخ: ۱۴ ستمبر ۲۰۱۹ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی کتاب پر:[1]

بَابُ مَا بِهِ يَجِبُ فِيهِ أَوْ لَا وَمَا يُبْطِلُهَا، أَيْ بَابُ مَا يَكُونُ فِيهِ الشُّفْعَةُ أَوْ لَا يَكُونُ وَمَا يُبْطِلُ الشُّفْعَةَ، إِنَّمَا يَجِبُ قَصْدًا فِي عَقَارٍ مُلِكَ بِعِوَضٍ هُوَ مَالٌ وَإِنْ لَمْ يُقَسَّمْ كَرَحًى وَحَمَّامٍ وَبِئْرٍ، أَيِ الشُّفْعَةُ الْقَصْدِيَّةُ تَخْتَصُّ بِالْعَقَارِ بِخِلَافِ غَيْرِ الْقَصْدِيَّةِ فَإِنَّهَا تَثْبُتُ فِي غَيْرِ الْعَقَارِ۔[2][3]

[1]

جدول — جن اشیاء میں شفعہ واجب ہوتا ہے اور جن میں واجب نہیں ہوتا:

واجب فیہا الشفعۃ	لا شفعۃ فیہا (عدمِ وجوب)	علت و فقہی ضابطہ
عقار (زمین، مکان، دکان)	منقولات، کشتی، کھجور و درخت بلا زمین	شفعہ صرف عقار یا ما فی حکم العقار میں قصداً واجب ہوتا ہے۔
عقدِ معاوضۂ مالیہ (بیع، ہبہ بشرطِ عوض)	بلا عوض تملیک (ہبہ، صدقہ، وصیت، میراث)	ملک بواسطۂ معاوضۂ مالیہ ہونا شرطِ وجوبِ شفعہ ہے۔
بناء اور درخت مع اصلِ زمین	مہر، خلع، عتق اور صلح عن دمِ عمد کے بدلے دار	ان عقود میں عوض مالِ متقوم نہیں بلکہ حکمِ اسقاط ہے۔

[2] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ٦٠):** صوتی درس کی قراءت میں «إِنَّمَا يَجِبُ قَصْدًا فِي عَقَارٍ مُلِكَ بِعِوَضٍ هُوَ مَالٌ وَإِنْ لَمْ يُقَسَّمْ كَرَحًى وَحَمَّامٍ وَبِئْرٍ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «إنَّما تجبُ قصدًا في عقارٍ مُلِكَ بعوضٍ هو مال، وإن لم يقسمْ كرحى وحمَّام وبئر» منقول ہے۔

[3] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ٦٠):** صوتی درس کی قراءت میں «أَيِ الشُّفْعَةُ الْقَصْدِيَّةُ تَخْتَصُّ بِالْعَقَارِ بِخِلَافِ غَيْرِ الْقَصْدِيَّةِ فَإِنَّهَا تَثْبُتُ فِي غَيْرِ الْعَقَارِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «أي الشُّفعةُ القصديَّةُ تختصُّ بالعقار، بخلافِ غيرِ القصديَّة فإنَّها تثبتُ في غيرِ العقار،» منقول ہے۔

كِتَابُ الشُّفْعَة چل رہی ہے بھئی۔ اب آگے اسی میں باب آیا بَابُ مَا ہِیَ فِیہِ أَوْ لَا۔ بَابُ مَا یہ باب ہے مَا ان چیزوں کے بیان میں ہِیَ کہ جو شفعہ جو ہے فِیہِ ان میں ہوتا ہے۔ بَابُ مَا یہ باب ہے ان چیزوں کے بیان میں ہِیَ، ہِیَ ضمیر کس کو راجع؟ شفعہ کو، کہ شفعہ جو ہے فِیہِ ان میں ہوتا ہے أَوْ لَا یا نہیں ہوتا۔ یہ باب ہے ان چیزوں کے بیان میں جن میں شفعہ ہوتا ہے اور جن میں نہیں ہوتا، وَمَا یُبْطِلُہَا اور ان چیزوں کے بیان میں یُبْطِلُہَا جو شفعہ کو باطل کر دیتی ہیں۔ تو بَابُ مَا ہِیَ فِیہِ أَوْ لَا وَمَا یُبْطِلُہَا یہ باب ہے ان چیزوں کے بیان میں جن میں شفعہ ہوتا ہے یا جن میں نہیں ہوتا، وَمَا یُبْطِلُہَا اور ان چیزوں کے بیان میں جو شفعہ کو باطل کر دیتی ہیں۔ دیکھیے خود بتلا رہے ہیں بھئی۔ میں نے کیا بتلایا تھا ہِیَ، بَابُ مَا ہِیَ یہ ہِیَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ شفعہ کو، خود بتلائیں گے۔ أَیْ بَابُ مَا یَکُونُ فِیہِ الشُّفْعَۃُ باب ان چیزوں کے بیان میں جن میں شفعہ ہوتا ہے أَوْ لَا یَکُونُ یا جن میں نہیں ہوتا، وَمَا یُبْطِلُ الشُّفْعَۃَ اور وہ چیزیں جو شفعہ کو باطل کر دیتی ہیں ان کے بیان میں۔ تو یُبْطِلُہَا کی ہَا ضمیر بھی شفعہ کو راجع۔

إِنَّمَا یَجِبُ قَصْدًا فِی عَقَارٍ مُلِکَ بِعِوَضٍ ہُوَ مَالٌ۔ یہ بات میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ شفعہ عقار میں ہو گا، کس میں ہو گا؟ عقار میں۔ پھر یاد رکھو یہ آپ کو بتلائیں گے کہ عقار میں شفعہ ہو گا لیکن یہ ضروری ہے کہ وہاں بیع ہوئی ہو، کیا ہوئی ہو؟ بیع ہوئی ہو۔ بیع کس کو کہتے تھے؟ مُبَادَلَۃُ الْمَالِ بِالْمَالِ، مال کے بدلے مال کا تبادلہ کرنا۔ تو عقار بھی مال ہے، زمین بھی مال ہے، اور بدلے میں جو چیز دی جائے وہ بھی کیا ہونی چاہیے؟ مال۔ مُبَادَلَۃُ الْمَالِ بِالْمَالِ، ایک طرف سے مال عقار ہے تو دوسری طرف سے کوئی اور ایسی چیز ہونی چاہیے جو مال شمار ہوتی ہے، جو مال ہے۔ تو لہٰذا شفعہ ایسی زمین میں ہو گا، ایسی غیر منقولی جائیداد میں ہو گا جس میں ملکیت کسی کی، نئی ملکیت آئے اور وہ نئی ملکیت کسی ایسے عوض کے بدلے آئے جو مال ہو بھئی، جو کیا ہو؟ مال ہو۔

لہٰذا اگر کوئی شخص، اگر کوئی شخص اس کو وراثت میں کوئی زمین مل گئی، وارث کو وراثت میں زمین مل گئی، اب دیکھو یہاں بھی ملکیت بدلی ہے، تملکِ عقار تو ہے، زمین کا وہ جائیداد کا مالک تو بن رہا ہے لیکن کیا کسی عوض کے بدلے بن رہا ہے یا ویسے ہی وراثت میں بن رہا ہے؟ وراثت میں بن رہا ہے، لہٰذا اس پر کوئی شفعہ نہیں کر سکتا بھئی۔ شفعہ کے لیے کیا ضروری؟ کہ دونوں طرف سے مال ہونا چاہیے، عوض ہونا چاہیے بھئی۔ ایک طرف سے اگر زمین ہے تو دوسری طرف سے بھی کوئی مال ہونا چاہیے، کوئی چیز ہونی چاہیے، کوئی عوض ہونا چاہیے۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟

اور دوسری بات آپ کو یہ بتلائیں گے کہ ایک ہے شفعہ قصدی اور ایک ہے شفعہ غیر قصدی، یعنی تَبَعًا، تبعی جو ہے۔ بھئی بعض چیزوں میں شفعہ قَصْدًا کیا جاتا ہے اور بعض میں شفعہ تَبَعًا ہو جاتا ہے، قَصْدًا نہیں ہو سکتا۔ مثلاً آپ نے گزشتہ سبق میں پڑھا تھا کہ اگر بائع نے زمین بیچی اور اس پر درخت بھی لگے ہوئے ہیں اور درختوں پر پھل بھی ہے اور مشتری نے شرط لگا لی کہ میں پھلوں سمیت یہ ساری زمین اتنے میں لوں گا، ورنہ تو پھل تو ویسے تو بیع میں داخل نہیں تھے لیکن بائع نے پھر شرط مان لی، بیع کر لی اور وہ پھل بھی بیع میں داخل ہو گئے۔ اب اس نے پھل اتارے نہیں ہیں اور شفیع اس پر شفعہ کر

دیتا ہے، تو آپ نے پڑھا تھا کہ وہ پھلوں سمیت زمین کی بیع ہوئی ہے، پھل ابھی لگے ہوئے ہیں تو یہ شفعہ کر دیتا ہے تو پھلوں سمیت زمین کو لے لے گا۔ تو دیکھو اب یہ پھل، پھل تو حالانکہ علیحدہ کرنے کے لیے ہوتے ہیں لیکن یہ شفعہ کے اندر داخل ہو گئے۔ اور قَصْدًا ہوئے؟ کیا ان کا ارادہ کیا گیا تھا یا یہ تَبَعًا داخل ہوئے ہیں؟ تَبَعًا بھئی۔ اصل شفعہ تو زمین میں تھا، ہاں یہ اس کے تابع ہو کر یہ بھی شفعہ میں داخل ہو گئے۔ یا اور آسان مثال جو پہلے آپ پڑھ چکے، کسی نے زمین بیچی اس میں بلڈنگ تھی، تو زمین جب بیچو تو بلڈنگ تَبَعًا اس کے اندر داخل ہو جاتی ہے، یا اس زمین کے اندر باغ تھا تو وہ باغ کیا ہے تَبَعًا زمین میں داخل ہو جاتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص شفعہ کرنا چاہتا ہے صرف بلڈنگ پر شفعہ نہیں کر سکتا، بلکہ شفعہ کس میں کرے گا؟ زمین میں کرے گا، اور زمین کے تابع بلڈنگ میں بھی کیا ہو جائے گا؟ شفعہ، بلڈنگ بھی آجائے گی اس کے ساتھ۔ یا اصل شفعہ وہ زمین پہ کرے گا اور اس کے تَبَعًا باغ کے اندر بھی شفعہ ہو جائے گا، تو زمین کے ساتھ وہ درخت بھی آجائیں گے۔

تو بعض چیزوں میں شفعہ کیا ہوتا ہے قَصْدًا، اور بعضوں میں شفعہ ہوتا ہے تَبَعًا۔ قَصْدًا کس میں ہوتا ہے؟ زمین میں، زمین میں، اور تَبَعًا کس میں ہو جاتا ہے جو اس زمین کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں مثلاً بلڈنگ ہے، باغ ہے، یا اگر اس پر پھل لگے ہیں اور اس کی شرط بھی باقاعدہ لگا لی مشتری نے خریدتے وقت۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو بعض چیزوں میں شفعہ کیا ہوتا ہے قَصْدًا، اور بعضوں میں کیا ہوتا ہے تَبَعًا۔ اب یہ بلڈنگ اور درخت تَبَعًا ان میں شفعہ تو ہوتا ہے لیکن قَصْدًا ان میں نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اگر ایک آدمی صرف بلڈنگ بیچتا ہے، زمین نہیں بیچتا، تو پھر شفعہ نہیں ہو سکتا۔ یا ایک شخص صرف باغ بیچتا ہے، زمین نہیں بیچتا یعنی اس کے درخت بیچ دیتا ہے، تو ان درختوں میں شفعہ نہیں ہو سکتا کیونکہ شفعہ تو دراصل کس میں ہوتا ہے؟ قَصْدًا زمین میں ہوتا ہے اور زمین تو یہاں بیچی ہی نہیں گئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے اب کتاب پر، إِنَّمَا يَجِبُ قَصْدًا کہ یہ شفعہ جو ہے واجب ہوتا ہے، جی يَجِبُ قَصْدًا۔ تو تَجِبُ ویسے ہونا چاہیے، تو یہ شفعہ جو ہے واجب، واجب ہوتا ہے شفعہ یا ثابت ہوتا ہے؟ ثابت ہوتا ہے، شفعہ کرنا واجب نہیں ہے، ضروری نہیں ہے۔ تو یہاں يَجِبُ بمعنی يَثْبُتُ کے ہے۔ شفعہ جو ہے وہ ثابت ہوتا ہے قَصْدًا یعنی قصدی شفعہ ثابت ہوتا ہے فِي عَقَارٍ ایسی غیر منقولی جائیداد میں مُلِكَ جو مملوک ہو جائے بِعِوَضٍ کس کے بدلے؟ عوض کے بدلے، هُوَ مَالٌ وہ عوض جو مال ہو۔

بھئی یاد رکھیے میں نے آپ کو ضابطہ بتلایا تھا کہ نکرہ کے بعد اگر فعل آجائے تو وہ اس کے لیے صفت بنتا ہے، یعنی وہ فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ بنے گا اور پھر وہ جملہ اس نکرہ کی صفت بن جائے گا۔ معلوم ہوا نکرہ کے بعد جملہ فعلیہ آئے تو وہ عموماً اس کی صفت بنتا ہے۔ توجہ ہے؟ نکرہ کے بعد کیا آیا؟ فعل۔ اس فعل نے اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر کیا بننا ہے؟ جملہ فعلیہ۔ تو گویا نکرہ کے بعد کیا آرہا ہے؟ جملہ فعلیہ۔ تو معلوم ہوا نکرہ کے بعد جملہ فعلیہ آئے تو وہ عموماً اس کی کیا بنتا ہے؟ صفت بنتا ہے۔ اسی طرح یاد رکھو نکرہ کے بعد اگر جملہ اسمیہ آجائے تو وہ بھی دیکھو جملہ ہے، چاہے جملہ فعلیہ ہو چاہے جملہ اسمیہ ہو، دونوں نکرہ کے حکم میں ہوتے ہیں۔ کس کے حکم میں؟ نکرہ کے حکم میں۔ تو گویا نکرہ کے

بعد نکرہ آگیا اور نکرہ کے بعد نکرہ آئے تو وہ عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ تو معلوم ہوا نکرہ کے بعد چاہے جملہ فعلیہ آئے چاہے جملہ اسمیہ آئے وہ عموماً اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت بنے گا۔ تو جملہ کس کے حکم میں ہے؟ نکرہ کے حکم میں۔ جملے کے اندر چاہے بیس معرفہ آرہے ہوں لیکن جب وہ سارا جملہ بن جائے گا جملہ اسمیہ یا جملہ فعلیہ جو بھی بن گیا اب وہ کس کے حکم میں ہے؟ نکرہ کے حکم میں ہے۔ لہٰذا یہاں دیکھو مُلِکَ بِعِوَضٍ، یہ عِوَض کیا ہے؟ نکرہ ہے، نکرہ ہے، اور اس کے بعد ایک جملہ آیا هُوَ مَالٌ۔ هُوَ مبتدا اور مَالٌ اس کی خبر، تو یہ جملہ اسمیہ آیا۔ تو نکرہ کے بعد جملہ آگیا تو یہ اس کے لیے صفت بنے گا، تو بِعِوَضٍ یہ عِوَض ہے موصوف اور هُوَ مَالٌ یہ پورا جملہ کیا ہے اس کی صفت۔ اور موصوف صفت کے ترجمہ کرنے کا طریقہ بھی میں نے بتلایا تھا کہ موصوف سے پہلے کیا لے آؤ؟ ایسا یا ایسی کا لفظ لے آؤ۔ بِعِوَضٍ ایسے عوض کے بدلے هُوَ مَالٌ کہ وہ مال ہو، ایسا عوض جو مال ہو۔ معلوم ہوا اگر عوض ہے اور وہ مال نہیں تو پھر اس میں شفعہ نہیں کر سکتے۔ ایسا عوض ہے جو مال نہیں ہے، تو شفعہ نہیں کر سکتے۔ تو کہتے ہیں إِنَّمَا يَجِبُ قَصْدًا فِي عَقَارٍ مُلِكَ بِعِوَضٍ هُوَ مَالٌ کہ شفعہ ثابت ہوتا ہے قَصْدًا ایسی غیر منقولی جائیداد میں جو مملوک ہو جائے ایسے عوض کے بدلے، یہ بَا کا ترجمہ کیا کرنا ہے؟ بدلے میں، بِعِوَضٍ ایسے عوض کے بدلے میں هُوَ مَالٌ کہ وہ مال ہو، ایسے عوض کے بدلے میں جو مال ہو۔

وَإِنْ لَمْ يُقَسَّمْ۔ إِنْ کس لیے آتا ہے؟ شرط کے لیے، اور اس سے پہلے واؤ آجائے تو پھر اب یہ إِنْ شرطیہ نہیں بلکہ کیا کہلاتا ہے؟ إِنْ وصلیہ۔ کیا کہلاتا ہے؟ إِنْ وصلیہ، اور پھر اس کا ترجمہ کس کے ساتھ کرتے ہیں؟ اگرچہ، اگرچہ۔ وَإِنْ لَمْ يُقَسَّمْ اگرچہ اس کو تقسیم نہ کیا جاتا ہو۔ وہ غیر منقولی جائیداد جس میں آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ شفعہ کرنا چاہتے ہیں، اگرچہ وہ اتنی چھوٹی سی چیز ہے کہ اس کو تقسیم نہیں کیا جاتا، تقسیم کریں تو اس کا فائدہ ختم ہو جاتا ہے، كَرَحًى جیسے کہ پنچکی ہے، رَحًى چکی کو کہتے ہیں، چکی۔ مثلاً بازار میں کسی نے ایک دکان کے اندر چکی لگائی ہوئی ہے، آٹا پیستا ہے، لوگوں سے پیسے لیتا ہے۔ اب اس چکی کو اگر تقسیم کریں تو یہ کسی کام کی رہے گی؟ نہیں۔ تو دیکھو یہ ایسی چیز ہے اس کو تقسیم نہیں کیا جاتا۔ یا پنچکی کی مثال لے لو، اگر آپ پہاڑی علاقے میں گئے ہوں آپ نے دیکھا ہو گا کہ جہاں اوپر سے پانی آتا ہے تو اس پانی پر آگے ایک چھوٹا سا کمرہ بنا کر اس میں چکی بنا لیتے ہیں اور وہ چکی پانی کے پریشر سے گھومتی ہے اور پھر اس میں لوگ اپنا آٹا پیستے ہیں بھئی۔ جس نے بنائی ہو وہ کرائے پر لوگوں کے لیے آٹا پیستا ہے، تو بہرحال وہ اس میں ذرا بھی مشقت نہیں بس بنانے کی مشقت ہے اس کے بعد دن رات پانی اس کو گھماتا رہے گا بھئی۔ تو اب وہ پنچکی ہے، وہ چھوٹا سا کمرہ ہے، اب اس کو اگر کوئی تقسیم کر دے تو وہ کسی کام کی نہیں، پھر اس سے کوئی نفع نہیں اٹھا سکتا۔ آدھی آپ لے لیں، آدھی میں لے لوں، اب تو کسی کام کی نہیں، اس کے دو حصے ہو گئے۔ جب وہ سلامت ہے تو اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، تقسیم کر دو تو پھر فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔

وَحَمَّامٍ اور جیسے حمام ہے، حمام غسل خانے کو کہتے ہیں۔ میم مشدد ہے بھئی، اگر میم پر شد نہ پڑھیں حَمَام، حَمَام تو وہ کبوتر کو کہتے ہیں۔ تو حَمَّام غسل خانہ۔ اب غسل خانہ بعض لوگوں نے بازار میں بنائے ہوتے ہیں اور وہ پیسے لیتے ہیں نہانے کے۔ اب غسل خانے کو اگر دیکھو تقسیم کر دیا جائے تو اس سے فائدہ نہیں ہو سکتا، اس کے دو حصے ہو گئے، پہلے ہی وہ چھوٹا سا تھا اب اس میں کوئی نہانے کے لیے بھی استعمال نہیں کر سکتا۔ وَبِئْرٍ اور اسی طرح کنواں بھئی۔ کنواں بھی چھوٹا سا ہے، اب اس کو تقسیم کر دو تو کسی کام کا نہیں رہے گا بھئی۔ تو دراصل یہ ذکر کر رہے ہیں آگے خود بھی آپ کو بتلائیں گے کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ چیزیں جن کو تقسیم نہیں کیا جاتا ان میں شفعہ نہیں ہوتا، ان میں شفعہ نہیں ہوتا۔ ہم کہتے ہیں نہیں، عقار ہو چاہے تقسیم کیا جاتا ہو چاہے تقسیم نہ کیا جاتا ہو، جیسے چکی ہے، حمام ہے، کنواں ہے، سب میں شفعہ ہو گا کیونکہ یہ سب کیا ہیں؟ عقار ہیں، غیر منقولی جائیداد ہیں، ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل نہیں کیا جاتا۔ تو یہ معنی ہے وَإِنْ لَمْ يُقَسَّمْ اگرچہ اس کو تقسیم نہ کیا جاتا ہو، کس کو تقسیم نہ کیا جاتا ہو؟ اس کا تعلق کس سے ہے؟ عَقَار سے ہے، عقار۔ اگرچہ اس عقار کو تقسیم نہ کیا جاتا ہو كَرَحًى جیسے کہ چکی ہے وَحَمَّامٍ اور غسل خانے ہیں وَبِئْرٍ اور کنواں ہے۔

أَيِ الشُّفْعَةُ الْقَصْدِيَّةُ تَخْتَصُّ بِالْعَقَارِ، قصدی شفعہ جو ہے وہ خاص ہے عقار کے ساتھ۔ میں نے بتا دیا، ایک شفعہ قصدی ہے ایک تبعی ہے۔ قصدی شفعہ تو عقار میں ہوتا ہے اور تبعی اس کے اوپر جو بلڈنگ ہے یا اس کے اوپر جو درخت وغیرہ ہیں ان میں بھی ہو جاتا ہے لیکن وہ تَبَعًا ہوتا ہے قَصْدًا نہیں ہوتا۔ تو کہتے ہیں أَيِ الشُّفْعَةُ الْقَصْدِيَّةُ تَخْتَصُّ بِالْعَقَارِ، شفعہ قصدی جو ہے، جو ارادے کے ساتھ ہو یعنی، وہ خاص ہوتا ہے غیر منقولی جائیداد کے ساتھ، بِخِلَافِ غَيْرِ الْقَصْدِيَّةِ بخلاف غیر قصدی شفعہ کے فَإِنَّهَا تَثْبُتُ فِي غَيْرِ الْعَقَارِ کیونکہ وہ جو ہے ثابت ہو جاتا ہے غیر جائیداد کے اندر بھی۔

فَإِنَّ الشَّجَرَ وَالثَّمَرَ يُؤْخَذَانِ بِالشُّفْعَةِ تَبَعًا لِلْعَقَارِ، اس لیے کیونکہ درخت اور پھل جو ہیں ان کو لے لیا جاتا ہے شفعہ کے ساتھ تَبَعًا لِلْعَقَارِ زمین کے تابع۔ زمین کے تابع ان کو بھی شفعہ کے اندر لے لیتے ہیں یا نہیں لے لیتے؟ تو شفعہ تو ان میں بھی ہوا لیکن وہ تَبَعًا ہوا، أَصْلًا اور قَصْدًا نہیں ہوا۔[٤]

ثُمَّ لَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ الْعَقَارُ مُلِكَ بِعِوَضٍ، پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عقار مملوک ہوئی ہو۔ بھئی اوپر دیکھو نا متن میں إِنَّمَا يَجِبُ قَصْدًا فِي عَقَارٍ، ایک ایک لفظ کی وضاحت کر رہے ہیں کہ قصدی شفعہ ثابت ہوتا ہے فِي عَقَارٍ کس میں؟ غیر منقولی جائیداد میں۔ آگے کیا آیا تھا؟ مُلِكَ بِعِوَضٍ هُوَ مَالٌ، اب اس کا بھی فائدہ بتلانے لگے ہیں۔ کہتے ہیں ثُمَّ لَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ الْعَقَارُ مُلِكَ بِعِوَضٍ، پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ غیر منقولی جائیداد مملوک ہو جائے بِعِوَضٍ کس کے بدلے؟ عوض کے بدلے، کوئی

[٤] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ٦٠):** صوتی درس کی قراءت میں «فَإِنَّ الشَّجَرَ وَالثَّمَرَ يُؤْخَذَانِ بِالشُّفْعَةِ تَبَعًا لِلْعَقَارِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فإنَّ الشَّجرَ والثَّمرَ يؤخذانِ بالشُّفعةِ تبعًا للعقار،» منقول ہے۔

عوض ضرور ہونا چاہیے۔ لہٰذا ایک آدمی نے دوسرے کو عقار ویسے ہی دے دی، کہ یہ مکان آپ کا ہو گیا آج کے بعد میری طرف سے، اس کو ہبہ کہتے ہیں۔ دیکھو دونوں طرف سے مال نہیں ہے، صرف ایک طرف سے وہ زمین دے رہا ہے، دوسری طرف سے کچھ بھی نہیں ہے، تو اس کو اردو میں تحفہ کہتے ہیں اور آپ پڑھ چکے کہ اس کے اندر شفعہ نہیں ہوتا۔ تو اس لیے کہا ثُمَّ لَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ الْعَقَارُ مُلِكَ بِعِوَضٍ پھر یہ ضروری ہے کہ وہ عقار جو ہے مملوک ہوئی ہو عوض کے بدلے، حَتَّى لَوْ مُلِكَ بِهِبَةٍ یہاں تک کہ اگر وہ مملوک ہوئی ہبہ کے ساتھ یعنی تحفے کے طور پر لَا تَثْبُتُ الشُّفْعَةُ تو شفعہ ثابت نہیں ہو گا۔

ثُمَّ، اچھا متن میں کیا آیا تھا؟ مُلِكَ بِعِوَضٍ وہ عقار مملوک ہو کس کے بدلے؟ عوض کے بدلے، اور آگے کیا آیا تھا؟ هُوَ مَالٌ، وہ عوض بھی کیا ہونا چاہیے؟ مال۔ وہی اب بیان کرنے لگے ہیں۔ ثُمَّ الْعِوَضُ لَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ مَالًا، پھر عوض کے لیے ضروری ہے کہ وہ مال ہو۔ حَتَّى لَوْ خُولِعَ عَلَى دَارٍ لَا تَثْبُتُ الشُّفْعَةُ، یہاں تک کہ اگر خلع کر لیا گیا کسی گھر پر تو شفعہ ثابت نہیں ہو گا۔ خلع اسے کہتے ہیں کہ کوئی عورت ہے وہ اپنے خاوند سے تنگ ہے، جان چھڑانا چاہتی ہے۔ اب عورت کو تو شریعت نے طلاق کا اختیار نہیں دیا اور جان چھوٹنے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی، خاوند اس کو طلاق نہیں دے رہا، تو وہ اس سے کہتی ہے خلع کا مطالبہ کرتی ہے۔ خلع میں ہوتا یہ ہے عورت کوئی عوض دے دیتی ہے اور خاوند اس کو قبول کر لیتا ہے، تو خلع ہو جاتا ہے۔ مثلاً عورت اس کو کہتی ہے کہ یہ فلاں میرا مکان ہے وہ لے لو اور میرے ساتھ خلع کر لو۔ وہ کہتا ہے مجھے قبول ہے، اس میں بھی عورت خاوند کیا کر لیتا ہے؟ قبول کر لیتا ہے۔ قبول کیا تو خلع ہو گیا۔ طلاق کا لفظ نہیں بولنا ضروری۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ طلاق نہیں دیتا کہ میں نے تمہیں طلاق دی، لیکن یہ خلع ہوتا طلاقِ بائن کے حکم میں ہے، یوں سمجھیں کہ عورت کو طلاقِ بائن ہو گئی، ایک طلاق ہو گئی۔ تو اس میں خاوند طلاق کا لفظ نہیں بولتا، بس خلع، خلع کا معنیٰ ہی کیا ہے؟ خلع وہی وہ مال کے بدلے عورت کو چھوڑ رہا ہے، تو اس میں طلاق نہیں کہتا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو عورت نے اس کو کیا کہا؟ یہ مکان میرا فلاں جگہ مکان ہے وہ لے لو اور خلع کر لو، خاوند کہتا ہے مجھے قبول ہے، تو عورت آزاد ہو گئی طلاقِ بائن کے ساتھ۔ اب دیکھو یہ مکان مملوک ہو گیا اس آدمی کا، تو ملکیت بدل گئی اور عوض بھی آیا کہ نہیں آیا؟ عوض بھی آ گیا، عوض کیا آیا؟ عورت کو اس نے آزاد کر دیا، چھوڑ دیا، لیکن کیا یہ چھوڑنا یہ مال ہے؟ نہیں، مال نہیں ہے۔ ہم نے کہا ایسا عوض جو کیا ہونا چاہیے؟ مال، لہٰذا اب اس مکان کے پڑوسی اس مکان پر شفعہ کرنا چاہتے ہیں، نہیں کر سکتے بھئی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟ کہتے ہیں حَتَّى لَوْ خُولِعَ عَلَى دَارٍ یہاں تک کہ اگر خلع کر لیا گیا کسی گھر پر تو لَا تَثْبُتُ الشُّفْعَةُ تو شفعہ ثابت نہیں ہو گا۔

وَإِنَّمَا قَالَ وَإِنْ لَمْ يُقَسَّمْ۔ متن میں آیا تھا وَإِنْ لَمْ يُقَسَّمْ اگرچہ اس کو تقسیم نہیں کیا جاتا۔ کہتے ہیں ماتن نے فرمایا وَإِنْ لَمْ يُقَسَّمْ، لِأَنَّ الشُّفْعَةَ لَا تَثْبُتُ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى فِيمَا لَا يُقَسَّمُ اس لیے کیونکہ شفعہ جو ہے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثابت نہیں ہوتا فِيمَا ان چیزوں میں لَا يُقَسَّمُ جن کو تقسیم نہیں کیا جاتا۔ لِأَنَّ الشُّفْعَةَ لِدَفْعِ مُؤْنَةِ الْقِسْمَةِ عِنْدَهُ

اس لیے کیونکہ شفعہ جو ہے وہ دور کرنے کے لیے ہے مُؤْنَةِ الْقِسْمَةِ تقسیم کی مشقت کو۔ مُؤْنَةٌ میم پر ضمہ پڑھیں اور ہمزہ کو ساکن پڑھیں، مُؤْنَةٌ یہ مشقت کو کہتے ہیں، تکلیف کو کہتے ہیں۔ اور مَؤُونَت لفظ اس کا بھی یہی معنیٰ ہے، تو کہیں مُؤْنَت لفظ آئے گا اور کہیں مَؤُونَت، دونوں کا ایک معنیٰ ہے۔ مَؤُونَت میں پھر میم پر فتحہ پڑھیں گے۔

بھئی آپ نے پڑھا تھا کہ عِنْدَ الْأَحْنَاف شفعہ کس لیے شریعت نے شفعہ کا حق کس لیے دیا؟ ضررِ جوار کو دور کرنے کے لیے، کہ جوار کا پڑوسی کا ضرر اس سے انسان بچ جائے، نیا آدمی آنے والا ہے پتا نہیں کیسا ہو گا اور وہ تو پڑوسی بن جائے گا ہمیشہ کے لیے سر پر مسلط ہو جائے گا، تو شریعت نے کس لیے دیا؟ ضررِ جوار کو دور کرنے کے لیے۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، ضررِ جوار کو دفع کرنے کے لیے یہ حق شریعت نے نہیں دیا بلکہ تقسیم کی مشقت کو دور کرنے کے لیے یہ حق شریعت نے دیا ہے۔ کس کے لیے؟ تقسیم کی مشقت سے بچنے کے لیے۔ تقسیم، اسی لیے وہ شفعہ صرف شریک کے لیے ثابت کرتے ہیں، شریک فِي نَفْسِ الْمَبِيْع یا شریک فِي حَقِّ الْمَبِيْع، ان کے لیے شفعہ کا حق ثابت کرتے ہیں جار کے لیے نہیں کیونکہ جار کے ساتھ کسی تقسیم کی ضرورت نہیں، جار کے ساتھ کسی تقسیم کی ضرورت نہیں، ہاں شریک کے ساتھ تقسیم کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً ایک ہی پانی آپ کے کھیت کو اور زید کے کھیت کو سیراب کر رہا ہے، تو زید نے اور آپ نے پانی تقسیم کیا ہوا ہے کہ اتنی دیر آپ نے لگانا ہے اور اتنی دیر پھر میں نے لگانا ہے۔ اب نیا آدمی آئے گا تو پھر دوبارہ تقسیم کرنا پڑے گی یا نہیں کرنا پڑے گی؟ وہ تو پچھلی تقسیم پر راضی نہیں ہوتا وہ کہتا ہے میرے ساتھ نئے سرے سے تقسیم کرو، تو اب تقسیم ایک مشکل معاملہ ہے۔ ایک راضی ہوتا ہے تو دوسرا راضی نہیں ہوتا، بڑا مشکل کام ہے اور پھر تقسیم کے لیے بعض اوقات اور لوگوں کو بلانا پڑتا ہے اور ان کو پیسے دینے پڑتے ہیں اجرت خرچہ وغیرہ بھی اس پر آتا ہے۔ مثلاً آپ کے اور زید کی زمین مشترکہ ہے، آپ اور زید کی زمین مشترکہ، ایک ہی کھیت ہے اس میں آدھا حصہ آپ کا ہے آدھا زید کا لیکن تقسیم نہیں کیا ہوا، حدبندی نہیں کی ہوئی کہ آپ کا حصہ کون سا ہے اور زید کا حصہ کون سا۔ جب حدبندی نہیں کی علیحدہ علیحدہ نہیں کیا تو زمین کے کھیت کے ہر ہر جزو میں آپ کا بھی حصہ اور زید کا بھی حصہ ہے۔ اب نیا شریک آتا ہے، نیا شریک آتا ہے تو اس کا آدھا حصہ آپ کو جدا کر کے دینا پڑے گا، تو تقسیم کی مشقت آجائے گی، کسی کو بلانا پڑے گا اجرت پر، اس کو اجرت بھی دینی پڑے گی اور پھر تقسیم کا معاملہ ویسے ہی بڑا مشکل ہے انسان مشکل میں پڑ جاتا ہے، یہ تو نہیں کہ دونوں حصے جب وہ تقسیم کرے گا دو حصے کرے گا تو دونوں ایک جیسے ہوں گے، نہیں بھئی، دونوں حصے تو مکان کے ایک جیسے نہیں ہوں گے اس زمین کے، ایک جانب ہو سکتا ہے کچھ بہتر ہو ایک جانب کچھ بہتر نہ ہو، تو ہر ایک چاہے گا مجھے بہتر والی جانب ملے فلاں جانب مجھے نہ ملے، تو لہٰذا تقسیم میں مشقت ہے، خرچہ بھی اجرت پر کسی کو بلانا بھی پڑے گا اور مشقت بھی ہے مشکل کام بھی ہے۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شریعت نے شفعہ کا حق دیا ہے وہ تقسیم کی مشقت

سے بچنے کے لیے دیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور تقسیم کی مشقت صرف کہاں آئے گی؟ شریک فِی نَفْسِ الْمَبِیْع میں یا شریک فِی حَقِّ الْمَبِیْع میں، وہاں شرکت ہے۔ اور جار کے لیے وہ شفعہ نہیں مانتے کیونکہ جار، جار کی زمین تو الگ ہے آپ کی زمین الگ ہے بے شک دیواریں آپس میں ملی ہوئی ہیں لیکن کیا جب وہ زمین بیچے گا تو کسی تقسیم کی ضرورت پڑے گی؟ نہیں، تو وہاں تقسیم ہے ہی نہیں۔ تو جب تقسیم کی ضرورت نہیں ہے تو شفعہ بھی وہ فرماتے ہیں یہاں پر نہیں ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ شفعہ کس لیے ہے؟ ضررِ جار سے بچنے کے لیے ہے تو یہاں پر بھی شفعہ آئے گا کیونکہ دیواریں ملی ہوئی ہیں نیا پڑوسی آئے گا پتا نہیں وہ کیسا آدمی ہے تو اس کے ضرر کو دفع کرنے کے لیے شریعت نے کیا حق دیا؟ شفعہ کا، تو شریک کو بھی شفعہ کا حق ہے چاہے فِی نَفْسِ الْمَبِیْع ہو چاہے فِی حَقِّ الْمَبِیْع ہو اور جار کو بھی شفعہ کا حق ہے۔

تو کہتے ہیں وَإِنَّمَا قَالَ وَإِنْ لَمْ يُقَسَّمْ اور ماتن نے فرمایا اگرچہ ان کو تقسیم نہ کیا جاتا ہو، لِأَنَّ الشُّفْعَةَ لَا تَثْبُتُ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى فِيمَا لَا يُقَسَّمُ اس لیے کیونکہ شفعہ جو ہے وہ ثابت نہیں ہوتا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ان چیزوں میں فِيمَا لَا يُقَسَّمُ ان چیزوں میں جن کو تقسیم نہیں کیا جاتا، لِأَنَّ الشُّفْعَةَ لِدَفْعِ مُؤْنَةِ الْقِسْمَةِ عِنْدَهُ اس لیے کیونکہ شفعہ جو ہے وہ تقسیم کی مشقت کو دور کرنے کے لیے ہے، وَعِنْدَنَا لِدَفْعِ ضَرَرِ الْجِوَارِ اور ہمارے نزدیک شفعہ جو ہے ضررِ جوار کو دور کرنے کے لیے ہے، پڑوس کے ضرر کو دور کرنے کے لیے ہے۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان چیزوں میں تو شرکت ہی نہیں ہوتی تقسیم ہی نہیں ہوتی، ان چیزوں میں تو تقسیم ہی نہیں ہوتی، جب تقسیم ہی ان میں نہیں ہوتی تو جن جن چیزوں میں بھی تقسیم نہیں ہوگی وہاں تقسیم کی مشقت کرنا پڑے گی؟ وہاں تقسیم کی مشقت کی ضرورت ہی نہیں، جب تقسیم کی مشقت وہاں نہیں تو وہاں پر شفعہ بھی نہیں ہوگا۔

لَا فِي عَرَضٍ وَفُلْكٍ وَبِنَاءٍ وَنَخْلٍ بَيْعًا قَصْدًا۔ بھئی شفعہ کس میں ثابت ہوگا؟ عقار میں، اس کے علاوہ اور جو منقولی چیزیں ہیں ان میں شفعہ ہو سکتا ہے؟ نہیں ہو سکتا۔ تو لہٰذا سامان وغیرہ کوئی بیچتا ہے اس میں شفعہ نہیں، گاڑی بیچتا ہے، موٹر سائیکل بیچتا ہے اور اسی طرح الماری بیچتا ہے اور کرسیاں میز وغیرہ جو بھی چیزیں بیچتا ہے ان اس سامان کے اندر شفعہ نہیں کیونکہ یہ عقار نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی شخص کشتی بیچتا ہے تو کشتی کے اندر بھی شفعہ نہیں ہے، امام مالک رحمہ اللہ البتہ کشتی میں شفعہ مانتے ہیں بھئی۔ اور اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی عمارت بیچتا ہے صرف عمارت، زمین نہیں بیچی، عمارت بیچ دی جو زمین کے اوپر کھڑی ہے، یا اسی طرح زمین کے اوپر جو باغ ہے اس کو صرف بیچا ہے زمین کو نہیں بیچا، تو اس عمارت یا اس باغ کے اندر بھی شفعہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ان میں تَبَعًا شفعہ ہو سکتا تھا قَصْدًا شفعہ نہیں ہو سکتا۔

تو کہتے ہیں لَا فِي عَرَضٍ نہ تو سامان میں وَفُلْكٍ اور کشتی میں وَبِنَاءٍ اور عمارت میں وَنَخْلٍ، میری کتاب میں ہے وَتَحِلُّ یہ کتابت کی غلطی ہے، اسی طرح بعض جگہ زیریں زبریں لگی ہوئی ہیں وہ غلط لگی ہوئی ہیں میں عبارت پڑھتا جا رہا ہوں تو وہ

درست کرتے جایا کریں بھئی ساتھ، وَنَخْلٍ اور اسی طرح کھجور کے درخت میں، کس میں؟ عمارت میں بھی شفعہ نہیں خالی عمارت زمین کے علاوہ اور صرف کھجور کے درخت میں بھی شفعہ نہیں، کھجور کا درخت ویسے ذکر کر دیا کوئی بھی درخت لگے ہوں زمین کے اوپر وہ سب مراد ہیں۔ تو کہتے ہیں وَبِنَاءٍ وَنَخْلٍ اور عمارت میں اور کھجور کے درخت میں شفعہ نہیں ہے بَيْعًا قَصْدًا جب ان کو بیچا گیا ہو، قَصْدًا بیچا گیا ہو، اس عمارت کو اور اس کھجور کے درخت کو قَصْدًا بیچا گیا ہے۔ ایک ہے تَبَعًا بیچنا، آپ زمین بیچتے ہیں تو زمین کے ساتھ ہی بلڈنگ بھی بک جاتی ہے، زمین کے ساتھ بلڈنگ بھی فروخت ہو جاتی ہے، بیع کے اندر داخل ہو جاتی ہے، یا اسی طرح آپ زمین بیچتے ہیں تو اس پر جو درخت لگے ہوتے ہیں وہ درخت بھی بیع کے اندر داخل ہو جاتے ہیں تو یہ بھی ان کی بیع ہے لیکن یہ بیع ہے تَبَعًا۔ اور ایک بیع کیا ہو گی؟ قَصْدًا کہ آپ بلڈنگ کو صرف بیچتے ہیں زمین کو نہیں بیچتے یا آپ صرف درختوں کو بیچتے ہیں زمین کو نہیں بیچتے، تو جب ان کی بیع قَصْدًا ہو گی پھر ان کے اندر شفعہ نہیں ہے۔ یہ معنیٰ ہے بَيْعًا قَصْدًا کہ جب ان کو بیچا گیا ہو بیع قصدی کے ساتھ۔

حَتَّى إِنْ بِيعَ الْبِنَاءُ وَالنَّخِيلُ بِتَبَعِيَّةِ، دیکھا وَالنَّخِيلُ شرح میں آگیا یا نہیں؟ وہی نخل، نخل کی جگہ کیا لے آئے؟ نخیل۔ نخل اور نخیل یہ کھجور کے درخت کو کہتے ہیں۔ حَتَّى إِنْ بِيعَ الْبِنَاءُ وَالنَّخِيلُ بِتَبَعِيَّةِ الْأَرْضِ یہاں تک کہ اگر عمارت کو اور کھجور کے درخت کو بیچا گیا بِتَبَعِيَّةِ الْأَرْضِ زمین کے تابع کرتے ہوئے تَجِبُ فِيهِمَا الشُّفْعَةُ تو پھر ان دونوں میں بھی شفعہ ثابت ہو گا۔

وَإِرْثٍ وَصَدَقَةٍ وَهِبَةٍ۔ بھئی بات یہ چل رہی ہے کہ کن چیزوں میں شفعہ نہیں ہے؟ بتلا دیا لَا فِي عَرَضٍ سامان میں بھی شفعہ نہیں، وَفُلْكٍ اور...

کشتی میں بھی شفعہ نہیں۔ وَبِنَاءٍ وَنَخْلٍ بَيْعًا قَصْدًا اور اسی طرح وہ عمارت اور کھجور جن کو قَصْدًا بیچا گیا ہو ان میں بھی شفعہ نہیں۔ اسی طرح وَإِرْثٍ، اِرث یعنی وارث ہونا، میراث میں کسی کو زمین ملی، تو اب یہ زمین کا مالک بنا ہے مُلِكَ عَقَارٌ لیکن یہاں کوئی عوض ہے؟ عوض ہی نہیں ہے، اور ہم نے تو کیا کہا تھا؟ عوض ہونا چاہیے اور پھر وہ عوض بھی کیا ہونا چاہیے؟ مال ہونا چاہیے۔ تو وَإِرْثٍ اور اسی طرح میراث کے اندر بھی شفعہ نہیں ہے، وَصَدَقَةٍ اور صدقے کے اندر بھی شفعہ نہیں ہے۔ صدقہ کسے کہتے ہیں؟ اللہ کی رضا کے لیے کسی کو کوئی چیز دینا۔ کوئی شخص غریب تھا دوسرے نے اس کو ایک مکان دے دیا اللہ کی رضا کے لیے صدقے کے طور پر، تو یہ اب وہ غریب شخص اس گھر کا مالک بن گیا لیکن کیا اس نے کوئی عوض دیا؟ نہیں، تو لہٰذا اس میں شفعہ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ معنیٰ ہے وَصَدَقَةٍ اور صدقے میں۔

وَهِبَةٍ اور اسی طرح ہبہ یعنی تحفہ، تحفے کے اندر بھی۔ تو صدقے اور ہبہ میں فرق سمجھ میں آیا؟ صدقہ اللہ کی رضا کے لیے ہوتا ہے اور ہبہ ویسے ہی کسی اپنے ساتھی کو کوئی چیز دے دینا، وہ تحفہ بھئی تحفہ، اس میں بھی عوض نہیں ہوتا۔ تو ہبہ جو ہے تحفہ اس کے اندر بھی شفعہ نہیں ہے، إِلَّا بِعِوَضٍ مگر یہ کہ وہ عوض کے ساتھ ہو، ہبہ کس کے ساتھ ہو؟ عوض کے ساتھ

ہو، اس میں شفعہ ہو گا۔ مثلاً آپ کو اللہ نے بہت مال دیا اور آپ نے اپنے ساتھی سے کہا کہ فلاں مکان میں آپ کو دے دیتا ہوں، آپ کے پاس مکان نہیں ہے لیکن شرط یہ ہے اپنی موٹر سائیکل مجھے دے دو۔ دیکھا، اب موٹر سائیکل تو مکان کی قیمت نہیں ہے، ہاں ویسے ہی آپ نے ایک شرط لگا دی کہ مجھے یہ اپنی چیز یا اپنی جیب پہ جو قلم لگا ہوا ہے وہ قلم مجھے دے دو، تو یہ مکان آپ کا، اس نے قبول کر لیا۔ اب مجھے بتائیے بھئی آپ شفعہ کے ماہر ہو چکے کہ مکان کی ملکیت بدلی کہ نہیں بدلی؟ بدلی ہے، تو مکان تو مال ہے، کیا اس کے بدلے میں بھی کوئی مال، دوسری طرف بھی مال ہے؟ جی ہاں وہ قلم یا موٹر سائیکل بھی کیا ہے؟ مال، لہٰذا اب کہنے میں تو یہ ہبہ ہے لیکن دراصل یہ کیا ہے گویا؟ مُبَادَلَةُ الْمَالِ بِالْمَال، گویا بیع ہی کی ایک شکل ہے، تو اس میں شفعہ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا شفیع شفعہ کرے گا اور جتنا، جتنی چیز عوض میں آپ نے لی تھی وہ عوض دے کر وہ لے لے گا۔ مثلاً آپ نے قلم کے بدلے مکان دیا تھا، وہ بھی قلم کے برابر پیسے دے کر، اگر ذوات مثلیات میں سے ہے تو مثل دے دے گا، اگر ذوات القیم میں سے ہے تو قیمت دے کر اس مکان کو لے لے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ ہاں لہٰذا مکان میں ایسا نہ کرنا بھئی ورنہ تو مکان ویسے ہی ہاتھ سے نکل جائے گا، شریعت نے اس کو شفعہ کا حق دیا ہے اور وہ بھی کس کے؟ اسی مشتری کے مثلِ ثمن دے گا اور مشتری نے تو قلم دے کر لیا تھا تو وہ بھی قلم دے کر یا اس کے برابر قیمت دے کر لے لے گا۔ تو ہبہ گویا دو قسم پر ہو گیا، ایک ہبہ بِلا عوض اور ایک ہبہ مَعَ عوض کے، تو ہبہ مَعَ عوض کی صورت میں شفعہ ہو گا۔ تو کہتے ہیں وَهِبَةٍ ہبہ میں بھی شفعہ نہیں ہے إِلَّا بِعِوَضٍ مگر یہ کہ وہ کس کے ساتھ ہو؟ عوض کے بدلے ہو۔

وَدَارٍ اور ایسا گھر، دیکھا نکرہ آیا دَارٍ اور آگے فعل آ گیا، وَدَارٍ اور ایسا گھر قُسِّمَتْ جس کو تقسیم کیا جائے، جس کو تقسیم کیا گیا بھئی۔ صورت یہ، آپ نے اور زید نے مل کر ایک مکان خریدا بیس لاکھ کا، آدھے پیسے آپ کے آدھے زید کے۔ اب کچھ مدت کے بعد آپ دونوں نے ارادہ کیا اپنا اپنا حصہ علیحدہ کر دیں۔ ابھی تک تو پورے مکان کے ہر جزو میں آپ کا بھی حصہ تھا اور زید کا بھی، آپ نے تقسیم نہیں کی تھی لیکن اب آپ دونوں کیا کرنا چاہتے ہیں؟ تقسیم۔ چنانچہ آپ نے ایک آدمی کو بلایا اور اس نے بتلایا کہ یہ حصہ ایک بنا ہے اور ایک یہ حصہ بنا ہے، آپ دونوں کون کون سا حصہ آپ لینا چاہتے ہیں؟ یا ان میں قرعہ اندازی کروا دی، دو برابر ایک جیسے حصے بنا کر اپنی طرف سے پھر قرعہ اندازی کروا دی۔ ایک حصہ آدھا، آدھا مکان کس کے پاس آ گیا؟ آپ کے پاس اور آدھا مکان زید کے پاس۔ تو اب یہ ایسا گھر ہے جس میں تقسیم آ گئی، تقسیم آ گئی۔ توجہ ہے؟ اب دیکھو دائیں طرف والا حصہ آپ کا مثلاً ہو گیا اور بائیں طرف والا زید کا۔ اس سے پہلے پورے مکان میں آپ کا حصہ پھیلا ہوا تھا، اب آپ نے کون سا لے لیا؟ دائیں طرف والا، تو مثلاً کون سا لیا؟ دائیں طرف، تو بائیں طرف والے کے ہر ہر جزو میں آپ کا حصہ تھا یا نہیں تھا؟ آپ کا حصہ تھا، اور دائیں طرف والے کے ہر ہر جزو میں کس کا حصہ تھا؟ زید کا، تو گویا زید نے دائیں طرف اپنا جو جو حصہ تھا وہ آپ کو دے دیا اور اس کے بدلے میں بائیں طرف والے حصے میں جو جو آپ کا حصہ تھا وہ بدلے میں لے لیا۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو آپ نے اس طرف اپنا حصہ چھوڑ دیا اور زید نے اس

طرف اپنا حصہ چھوڑ دیا، یا یوں کہیں زید نے بائیں طرف والے میں جو آپ کا حصہ تھا وہ لے لیا بدلے میں اپنا حصہ دوسری طرف سے آپ کو دے دیا۔ تو مبادلۃ المال آیا کہ نہیں آیا؟ مُبَادَلَةُ الْمَالِ بِالْمَالِ آگیا، کہ اس طرف والا حصہ زید نے آپ کو اپنا دے دیا اور ادھر آپ کا جو حصہ تھا وہ آپ نے اس کو دے دیا، تو دونوں نے مبادلہ کر لیا کچھ کچھ حصے کا دونوں طرف سے۔ تو مبادلۃ المال بالمال آیا، تو کیا اب اس میں شفعہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں کیا جا سکتا؟ کہتے ہیں بھئی اگر صرف مبادلہ ہوتا پھر تو شفعہ ہو سکتا تھا، لیکن یہاں صرف مبادلہ نہیں ہے، صرف مبادلہ نہیں، اپنے حصے کو علیحدہ کرنا بھی ہے۔ بھئی دایاں حصہ آپ کے پاس آگیا اور یہ سارا زید کا تھا یا آدھا آپ کا تھا؟ آدھا تو پہلے ہی اس میں سے آدھا حصہ آپ کا تھا، تو دیکھو آدھے میں مبادلہ آرہا ہے اور آدھے میں آپ اپنا حصہ الگ کر رہے ہیں۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ دائیں طرف کا حصہ آپ کے پاس آیا نا، اس میں آپ کا بھی حصہ تھا اور زید کا بھی حصہ تھا، تو اپنا حصہ آپ نے جو تھا وہ علیحدہ کر لیا اور زید کا حصہ اس سے بدلے میں لے لیا دوسری طرف اپنا حصہ اس کو دے دیا۔ تو یہ جو دو حصے ہوئے مکان کے اس میں صرف مبادلہ ہے یا مبادلے کے ساتھ ساتھ اپنا حصہ بھی علیحدہ کر لیا؟ مبادلے کے ساتھ ساتھ اپنا حصہ بھی علیحدہ کر لیا۔ بات میرا خیال نہیں سمجھ میں آئی؟ دیکھو پھر سنو، پھر سمجھو۔ یہ دیکھو یہ اپنی کتاب پہ نظر رکھو، دائیں طرف والا حصہ آپ نے لے لیا اور یہ بائیں طرف والا حصہ زید نے لے لیا۔ اب یہ دائیں طرف والا حصہ جو آپ نے لیا اس میں آدھا، اس کے ہر ہر جزو میں آپ کا بھی حصہ تھا اور زید کا بھی، تو جب آپ نے تقسیم کی تو یہ اپنا آدھا حصہ علیحدہ کر لیا، کیا کر لیا؟ آدھا تو تھا ہی آپ کا، اور آدھا زید کا تھا اس کے بدلے دوسری طرف اس کو حصہ دے دیا۔ تو آدھے میں مبادلہ ہے، آدھے میں مبادلہ نہیں اپنا حصہ علیحدہ کرنا ہے اس کو آپ نے گویا کیا کر لیا؟ علیحدہ کر لیا، علیحدہ۔ تو اپنا حصہ علیحدہ کرنا، حصہ الگ کرنا اس کو افراز کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ افراز۔ تو اب مجھے بتائیے یہ جو آپ نے اور زید نے مکان کے آدھا آدھا حصہ کر لیا اس میں صرف اور صرف مبادلہ ہے یا مبادلے کے ساتھ ساتھ افراز بھی ہے؟ افراز بھی ہے، آدھا حصہ تو بدلے میں اور آدھا تو تھا ہی آپ کا اس سائیڈ والا۔ تو، تو شفعہ صرف وہاں ہو گا جہاں صرف مبادلہ ہو اور یہاں تو مبادلے کے ساتھ ساتھ افراز بھی ہے، لہٰذا یہاں کوئی شفعہ نہیں کر سکتا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے وَدَارٍ قُسِّمَتْ اور ایسا گھر جس کو تقسیم کیا جائے، لِأَنَّ فِي الْقِسْمَةِ مَعْنَى الْإِفْرَازِ اس لیے کیونکہ تقسیم کے اندر افراز کا معنیٰ بھی ہے، اپنا حصہ علیحدہ کرنے کا معنیٰ بھی ہے، خالص مبادلہ نہیں۔ اگر خالص مبادلہ ہوتا تو پھر شفعہ ہو سکتا تھا۔ مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟

آگے دیکھیے: أَوْ جُعِلَتْ أُجْرَةً أَوْ بَدَلَ خُلْعٍ أَوْ عِتْقٍ أَوْ صُلْحٍ عَنْ دَمِ عَمْدٍ أَوْ مَهْرٍ، وَإِنْ قُوبِلَ بِبَعْضِهَا مَالٌ۔

بھئی ضابطہ بتا دیا اوپر آپ کو کہ قصدی شفعہ ثابت ہوتا ہے غیر منقولہ جائیداد میں جب وہ مملوک ہوئی ہو ایسے عوض کے بدلے جو کہ مال ہو۔ اب اسی پر مختلف صورتیں، جزئیات جو اس میں آرہی ہیں ان کو بھی، ان کی بھی وضاحت کرتے جا رہے ہیں کہ ان چیزوں میں بھی نہیں ہو گا کیونکہ یہاں پر دونوں طرف سے عوض نہیں ہے، یا عوض تو ہے لیکن وہ مال نہیں۔ اسی میں آگے بیان کر رہے ہیں أَوْ جُعِلَتْ أُجْرَةً یا ایسا گھر جس کو اجرت بنایا گیا ہو، کیا بنایا گیا ہو؟ اجرت۔ مثلاً دیکھیے

آپ کو اللہ نے بڑا مال دے دیا، اب آپ کو کچھ عرصے کے لیے ایک بڑے گھر کی ضرورت پڑی، بڑے گھر کی ضرورت پڑی تو آپ نے وہ گھر کرائے پر لیا اور اس گھر کا کرایہ مثلاً ایک سال کے لیے آپ نے کرائے پر لیا اور وہ ایک سال کا کرایہ دس لاکھ بنتا ہے، اور وہ جو اجرت ہے، وہ جو کرایہ ہے وہ پیسے دینے کے بجائے آپ نے بدلے میں اس کو ایک چھوٹا مکان دے دیا، کرائے کے طور پر کیا دے دیا؟ ایک چھوٹا مکان دے دیا۔ تو کیا اس مکان میں اب کوئی شفعہ کر سکتا ہے؟ کہتے ہیں نہیں شفعہ نہیں کیا جا سکتا اس میں۔ ہاں اگر آپ نے پیسے طے کیے تھے کہ میں آپ کو سال کے دس لاکھ دوں گا اور پھر دس لاکھ کے بجائے بدلے میں کیا دے دیا؟ مکان دے دیا، اب شفعہ ہو سکتا ہے کیونکہ اب یہ مکان وہ پیسوں کے بدلے آپ دے رہے ہیں، کس کے بدلے دے رہے ہیں؟ پیسوں کے بدلے۔ لیکن وہ صورت نہیں، آپ نے ابتدا سے ہی جب معاہدہ کیا اس کے ساتھ تو یہ معاہدہ کیا کہ میں سال کی اجرت کے طور پر یہ مکان آپ کو دے دوں گا۔ اب یہ مکان اس کا مملوک ہو جائے گا، اور مملوک ہوا عوض کے ساتھ یا بغیر عوض کے؟ عوض کے ساتھ، اور عوض کیا ہے؟ وہ اس مکان کے، کے منافع، اس مکان کی رہائش بدلے میں لی ہے آپ نے ایک سال کی۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ یعنی اس مکان کے منافع، مکان کا نفع کیا ہوتا ہے؟ فائدہ کیا ہوتا ہے؟ کہ اس میں انسان رہائش رکھتا ہے، تو آپ نے یہ جو مکان دیا اس کو چھوٹا مکان کس کے بدلے دیا؟ اس بڑے مکان کے منافع کے بدلے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ اور یاد رکھیے یہ جو منافع ہیں نا منافع، ان منافع کو ہم مال شمار کرتے ہیں، کرایہ، گھر میں رہائش کو مال شمار کرتے ہیں، لوگ کرایہ دے کر رہتے ہیں یا نہیں رہتے؟ تو ان منافع کو ہم مال شمار کرتے ہیں لیکن حقیقت میں تو یہ مال نہیں، یہ تو صرف منافع ہیں، فائدے ہیں ایک چیز کے۔ مال، مال میں تو بقا ہونی چاہیے، کیا ہونی چاہیے؟ بقا ہونی چاہیے، وہ باقی رہ سکے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے ایک سال تک کوئی کرایہ دار آپ کے گھر نہیں آیا، آپ نے کرائے کے لیے گھر رکھا ہے اور کوئی آدمی نہیں آیا، تو وہ جو سال کی رہائش ہے آپ اس کو اکٹھا کر کے رکھ سکتے ہیں یا وہ گزرتی جا رہی ہے؟ وہ تو گزرتی جا رہی ہے منافع، تو وہ تو اس میں تو بقا ہی نہیں ہے، ہر ہر لمحے کے نفع اس لمحے کے گزرنے کے ساتھ گزرتے جا رہے ہیں، کوئی کرائے پر آ کر آپ سے لے یا نہ لے وہ منافع کیا ہوتے جا رہے ہیں؟ ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ تو منافع میں بقا نہیں۔ کسی چیز میں بقا ہو تو اس کی قیمت ہوا کرتی ہے، جس میں بقا ہی نہ ہو اس کی کیا، اس کی کیسے قیمت ہو سکتی ہے؟ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ قیمت کس چیز کی ہوتی ہے؟ جس میں بقا ہوتی ہے۔ آپ نے کسی سے گاڑی خریدی، آپ گاڑی لے آئے، کل بھی وہی گاڑی تھی آج بھی وہی گاڑی ہے، سال بعد بھی وہی گاڑی ہو گی، بقا ہے کہ نہیں اس میں؟ تو باقی چیزوں میں تو بقا ہوتی ہے لیکن منافع کے اندر تو بقا نہیں، لہٰذا وہ مال نہیں، مالِ متقوم نہیں، ایسا مال جس کی قیمت ہو۔ جب وہ مال نہیں تو یہاں پر آپ نے اس بڑے مکان کی رہائش کے بدلے اپنا چھوٹا مکان دیا ہے، تو ٹھیک ہے آپ کا چھوٹا مکان وہ تو مال ہے، وہ کیا ہے؟ وہ تو مال ہے، لیکن جو اس مکان میں آپ نے رہائش لی ہے کیا وہ مال ہے؟ وہ مال نہیں، لہٰذا شفعہ نہیں ہو سکتا کیونکہ شفعہ میں کیا ضروری تھا؟ ہاں کہ اس میں عَقَارٌ

مُلِکَ بِعِوَضٍ هُوَ مَالٌ کہ وہ عقار مملوک ہو ایسے عوض کے بدلے جو مال ہو، تو یہاں وہ منافع تو مال نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، یہ جو منافع ہیں یہ بھی مالِ متقوم ہیں، کیا ہیں؟ مالِ متقوم ہیں، اور مالِ متقوم ہیں تو ایسا عوض آگیا، مکان کے بدلے ایسا عوض آگیا جو کہ مال ہے، لہٰذا وہ فرماتے ہیں اس میں شفعہ ہو سکتا ہے، اس میں شفعہ ہو سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ ہم کہتے ہیں نہیں، منافع مالِ متقوم نہیں۔ وہ کہتے ہیں بھئی آپ دیکھتے نہیں لوگ کرائے پر گھر لیتے ہیں؟ تو منافع کی قیمت ہے تو کرایہ پیسے دے رہے ہیں نا بغیر، بغیر پیسوں کے رہتے ہیں گھروں میں؟ دوسروں کے گھروں میں رہتے ہیں تو وہ واقعی پیسے دیتے ہیں، اجرت دیتے ہیں، کرایہ دیتے ہیں، معلوم ہوا منافع مالِ متقوم ہیں۔ ہم کہتے ہیں ہاں ٹھیک ہے ان کو مالِ متقوم لوگ شمار کرتے ہیں لیکن وہ ضرورت کی بنا پر ہے، اور ضرورت کی بنا پر شریعت نے اجازت دے دی۔

اصل میں تو وہ مالِ متقوم نہیں کیونکہ مالِ متقوم تو وہ ہو گا جس میں کوئی بقا ہو، اور منافع میں تو کوئی بقا ہی نہیں۔ لیکن وہاں شریعت چونکہ لوگ مجبور ہیں، لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے منافع کی، تو شریعت نے ضرورت کے بقدر ان منافع کو مالِ متقوم شمار کیا۔ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے ان میں بقا نہیں لہٰذا یہ مال بھی نہیں لیکن شریعت نے اجازت دے دی کہ لوگوں کو ضرورت پڑتی رہتی ہے لہٰذا ان کو کیا شمار کر لو؟ مالِ متقوم شمار کر لو۔ اور ضابطہ ہے الضَّرُورِيُّ يُقَدَّرُ بِقَدْرِ الضَّرُورَةِ، اصولِ فقہ میں آپ پڑھ چکے ہوں گے الضَّرُورِيُّ يُقَدَّرُ بِقَدْرِ الضَّرُورَةِ، جو چیز ضروری ہو یعنی ضرورت کی وجہ سے جس کو ماننا پڑے يُقَدَّرُ تو اس کو فرض کیا جائے گا بِقَدْرِ الضَّرُورَةِ ضرورت کے بقدر ہی۔ جتنی ضرورت ہے اسی قدر اس کو ماننا پڑے گا، اس سے زائد ہر جگہ ماننے کی ضرورت نہیں۔ تو ہم نے مکان کی رہائش کو یعنی یوں کہو منافع کو مالِ متقوم قرار دیا جہاں ضرورت تھی لوگوں کو، اور شفعہ کے مسئلے میں اس کو مالِ متقوم قرار دینے کی ضرورت ہے؟ نہیں ہے، جب ضرورت نہیں ہے تو اب اس وہاں ضرورت تھی وہاں مالِ متقوم شمار کر لو لیکن ہر جگہ اس کو مالِ متقوم شمار نہیں کریں گے۔ ضابطہ سمجھ میں آیا کیا؟ کہ منافع جو ہے ان کو مالِ متقوم شمار کیا جاتا ہے کس وجہ سے؟ ضرورت کی بنا پر، اور جو چیز ضرورت کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے وہ اپنے ضرورت کے محل پر ہی بند رہتی ہے، ہر جگہ پر اس کو مالِ متقوم شمار نہیں کیا جاتا۔ تو ضابطہ کیا پڑھا آپ نے؟ الضَّرُورِيُّ يُقَدَّرُ بِقَدْرِ الضَّرُورَةِ، وہ چیز جو ضرورت کی بنا پر فرض کی جائے، مان لی جائے تو يُقَدَّرُ بِقَدْرِ الضَّرُورَةِ اس کو کتنا مانا جائے گا؟ ضرورت کے بقدر ہی مانا جائے گا۔ عقل تو کہتی ہے یہ منافع مالِ متقوم ہیں ہی نہیں لیکن شریعت نے لوگوں کی وجہ سے اجازت دے دی کہ ٹھیک ہے تم اس کو کیا شمار کر رہے ہو؟ مالِ متقوم، تو ٹھیک ہے مالِ متقوم شمار کرو لیکن جہاں ضرورت ہے اسی کے بقدر مالِ متقوم شمار ہو گا، ہر جگہ ہر لحاظ سے وہ مالِ متقوم شمار نہیں ہو گا، اور شفعہ کے مسئلے میں اس کی ضرورت نہیں، جب ضرورت نہیں تو یہاں پر اس کو مالِ متقوم بھی شمار نہیں کریں گے۔ جب مالِ متقوم شمار نہیں تو ایک طرف سے تو مکان ہے دوسری طرف سے تو مالِ متقوم نہیں ہے، عوض جو ہے وہ مال نہیں ہے،

جب مال نہیں ہے تو اس میں شفعہ بھی نہیں ہو سکتا۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ تو منافع میں بقا نہیں ہوتی، بقا نہیں ہوتی۔ تو آپ جو بھی کرائے پر کوئی چیز لیتے ہیں، اجرت پر کوئی چیز لیتے ہیں، قیاس تو تقاضا کرتا ہے یہاں اجرت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ یہ مالِ متقوم ہی نہیں ہے۔ مثلاً آپ کسی بس میں سفر کرتے ہیں، یہ بس، بس کے مالک بن گئے آپ یا اس کے منافع لے رہے ہیں؟ اس کے منافع لے رہے ہیں اور منافع میں تو بقا نہیں، وہ تو مالِ متقوم نہیں، اس کو تو مال نہیں شمار کرنا چاہیے لیکن لوگوں کو ضرورت پڑتی ہے، اگر یہ بند کر دیں گے کوئی کرائے پر گھر نہیں لے سکتا، کوئی کرائے پر کوئی چیز نہیں لے سکتا، کسی گاڑی میں کرائے پر سفر نہیں کر سکے گا، تو ضرورت کی بنا پر شریعت نے اجازت دی، اور جو چیز ضرورت کی بنا پر شریعت اجازت دے وہ اپنے، اپنے مقام پر بند رہتی ہے ہر چیز کے لیے اس کو مالِ متقوم شمار نہیں کیا جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دوسری صورت ابھی اوپر بیان ہو گیا، ایک عورت نے مکان دے کر خلع کر لیا، خاوند سے خلع لے لیا۔ تو اب شفعہ ہو سکتا ہے اس مکان پر؟ نہیں ہو سکتا، کیونکہ مکان تو مال ہے لیکن وہ خلع تو مال نہیں، چھوڑنا اس کو مال نہیں ہے، تو شفعہ نہیں ہو سکتا۔

یا اسی طرح ایک آدمی نے دوسرے سے کہا کہ تم اپنے اس غلام کو آزاد کر دو تو میں تمہیں یہ مکان دے دوں گا۔ ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے کیا کہا؟ کہ اپنے غلام کو اگر تم آزاد کر دو تو یہ مکان میں تمہیں دے دوں گا۔ چنانچہ اس نے غلام آزاد کر دیا، یہ مکان اس کو مل گیا۔ اب دیکھو یہ عقار مملوک ہو گئی، تو مملوک ہوئی اور عوض بھی ہے، عوض کیا ہے؟ اس غلام کی آزادی، لیکن کیا آزادی مالِ متقوم ہے؟ نہیں، وہ تو مال ہی نہیں ہے، لہٰذا یہاں پر اس مکان میں بھی شفعہ نہیں ہو سکتا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یا اور صورت بھئی، ایک شخص نے دوسرے شخص کو جان بوجھ کر آلۂ قتل سے قتل کر دیا، گولی مار دی یا تلوار سے قتل کیا یا خنجر سے دوسرے کو قتل کیا۔ تو آپ جانتے ہیں کہ دمِ عمد، دم خون یعنی قتل، اور عمد جو ارادے سے ہو، دمِ عمد کے اندر قصاص آتا ہے، قاتل کو بھی قتل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قاضی کے پاس سارا کچھ ثابت ہو گیا اب اس قاتل کو قتل کیا جائے گا۔ اب اس قاتل کے گھر والوں نے مقتول کے گھر والوں سے صلح کر لی کہ ہم آپ کو فلاں مکان دے دیتے ہیں ایک کروڑ روپے کا لیکن آپ ہمارے اس قاتل کو معاف کر دیں، یہ لے لیں اور اس کو چھوڑ اس کی جان نہ لیں۔ چنانچہ مقتول کے ورثا نے وہ مکان لے لیا اور دمِ عمد پر صلح کر لی۔ عمد کا معنیٰ ارادہ، ارادہ، قصد، کیونکہ اس نے جان بوجھ کر خون کیا تھا نا تو اس کو دمِ عمد کہتے ہیں۔ اور اس دمِ عمد پر انہوں نے کیا کر لی مقتول کے ورثا نے؟ صلح کر لی۔ تو اب دیکھو مکان کی ملکیت بدلی، عقار مملوک ہوئی اور عوض بھی ہے، لیکن وہ عوض کیا ہے؟ بدلِ صلح ہے، صلح کے طور پر، تو وہ اور وہ مال نہیں۔ صلح کوئی مال ہے؟ نہیں، صلح تو مال نہیں ہے، لہٰذا اس مکان میں بھی شفعہ نہیں کیا جا سکتا۔

یا ایک عورت نے ایک شخص سے نکاح کیا اور اس شخص نے بطورِ مہر کے اس کو ایک مکان دے دیا، مکان دے دیا۔ تو یہاں پر بھی، تو یہاں پر بھی اس مکان کے اندر شفعہ نہیں ہو سکتا کیونکہ دوسری طرف سے جو عوض ہے وہ مال نہیں ہے، عورت نے اپنی ذات کو اس کے حوالے کیا ہے اور وہ مال نہیں ہے۔

اسی میں ایک اور صورت بنا لیں، ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور کہا کہ میں آپ سے نکاح کرتا ہوں میں آپ کو مہر میں پچاس لاکھ روپے دوں گا بطورِ مہر کے، بطورِ مہر کے۔ اور پھر کہتا ہے کہ میرے پاس تو نقد اس وقت نہیں ہے، مہر میں میں وہ فلاں مکان آپ کو دے دوں گا، لیکن وہ مکان تو ہے ستر لاکھ کا اور میں نے آپ کو مہر کی جو بات کی ہے وہ کتنے کی کی ہے؟ پچاس لاکھ، تو تم یوں کرنا کہ اس میں سے بیس لاکھ مجھے واپس دے دینا، یہ مکان تمہارے نام ہو جائے گا بیس لاکھ تم مجھے دے دینا، تو وہ مہر کے طور پر وہ مکان باقی پھر آپ کا ہو گیا، اس پر نکاح کر لو میرے ساتھ۔ عورت تیار ہو گئی، نکاح ہو گیا۔ اب دیکھو جو مکان مہر ہوا اس پر تو شفعہ نہیں ہو سکتا آپ نے ابھی پڑھا۔ صورت سمجھ میں آئی؟ لیکن یہ مکان خالص مہر نہیں اس کے کچھ حصے کے بدلے پیسے بھی آئے ہیں بھئی، کیا آئے ہیں؟ پیسے بھی آئے ہیں وہ بیس لاکھ۔ ادھر سے مکان کا کچھ حصہ، کچھ حصہ تو بطورِ مہر کے عورت کا ہوا اور کچھ حصہ وہ بیس لاکھ کے بدلے عورت کا ہوا، تو اس میں مُبَادَلَۃُ الْمَالِ بِالْمَالِ آگیا، بیع والا معنیٰ آگیا۔ تو کیا اس بقیہ حصے میں جس میں مبادلۃ المال بالمال آیا ہے کیا شفعہ ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا؟ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، پورے مکان پر ہی شفعہ نہیں ہو سکتا۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ وہ حصہ مکان کا جس حصے کے بدلے مال آیا ہے اس حصے کے بقدر اس میں شفعہ ہو سکتا ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

اب دیکھیے کتاب پر: أَوْ جُعِلَتْ أُجْرَةً یا وہ مکان جس کو اجرت بنا دیا گیا ہو، کیا بنا دیا گیا ہو؟ اجرت بنا دیا یعنی کرایہ کہ آپ نے ایک مکان لیا اور بدلے میں یہ چھوٹا مکان دے دیا۔ تو وہ چیزیں بیان ہو رہی ہیں جن میں شفعہ نہیں ہو سکتا۔ یہ دیکھو یہ جُعِلَتْ یہ صفت اس کا عطف ہے قُسِّمَتْ پر، وَدَارٍ قُسِّمَتْ، اس قُسِّمَتْ کو اٹھاؤ اور یہاں جُعِلَتْ رکھ دو، وَدَارٍ اور شفعہ نہیں ہو سکتا ایسے گھر میں جُعِلَتْ أُجْرَةً جس کو کیا بنا دیا جائے؟ کرایہ بنا دیا اجرت بنا دیا جائے، أَوْ بَدَلَ خُلْعٍ یا اس کو کیا بنا دیا جائے؟ بدلِ خلع بنایا گیا ہو، أَوْ عِتْقٍ أَيْ بَدَلَ عِتْقٍ یا اس کو آزادی کا بدل بنا دیا گیا، أَوْ صُلْحٍ عَنْ دَمِ عَمْدٍ یا اس کو دمِ عمد کے صلح کا بدل بنا دیا گیا ہو، أَوْ مَهْرٍ یا اس کو مہر کا بدل بنا مہر بنا دیا گیا ہو، وَإِنْ قُوبِلَ بِبَعْضِهَا مَالٌ اگرچہ مقابل ہو اس کے بعض کے مال، اس مکان کے کچھ حصے کے مقابل اگرچہ کیا ہو؟ مال ہی کیوں نہ ہو، تو بھی اس پر شفعہ نہیں ہو سکتا۔ عبارت سمجھ میں آرہی ہے؟ أَوْ جُعِلَتْ أُجْرَةً یا اس مکان کو کیا بنا دیا گیا؟ ایسا مکان جس کو اجرت یعنی کرایہ بنا دیا گیا، یا بَدَلَ خُلْعٍ یا اس کو کیا بنا دیا گیا؟ بدلِ خلع بنا دیا گیا، اب آگے جو آرہا ہے نا عِتْقٍ أَوْ صُلْحٍ ان کا عطف خُلْعٍ پر ہے، أَيْ بَدَلَ عِتْقٍ أَيْ بَدَلَ صُلْحٍ عَنْ دَمِ عَمْدٍ۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ یا اس کو بدلِ خلع بنا دیا گیا یا بدلِ آزادی بنا دیا گیا یا دمِ عمد کے صلح کا بدل بنا دیا گیا یا مہر کا بدل بنا دیا گیا، وَإِنْ قُوبِلَ بِبَعْضِهَا مَالٌ اگرچہ اس کے بعض کے مقابلے میں مال ہو، تو ان میں اس ایسے گھر میں شفعہ

نہیں ہو سکتا یعنی وہ بعض میں بھی شفعہ نہیں ہو سکتا یہ متن میں بیان کر دیا۔ اور میں نے اختلاف بتایا، امام صاحب فرماتے ہیں پورے گھر میں ہی شفعہ نہیں ہو سکتا، صاحبین فرماتے ہیں جو مال کے بدلے حصہ ہے اس میں شفعہ ہو سکتا ہے۔

اب دیکھیے شرح: فَمِنْ قَوْلِهِ أَوْ جُعِلَتْ أُجْرَةً کہتے ہیں ماتن کا یہ جو قول آیا أَوْ جُعِلَتْ أُجْرَةً یہاں سے لے کر آگے تک اس میں خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔ بھئی یہ جو آیا نا اوپر متن میں أَوْ جُعِلَتْ أُجْرَةً سے لے کر آخر تک اس سارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں یہ سب مالِ متقوم ہیں، لوگ کرائے پر گھر لیتے ہیں یا نہیں لیتے؟ معلوم ہوا منافع لوگوں کے نزدیک وہ مالِ متقوم ہیں، تو مال کے بدلے مال آگیا لہٰذا شفعہ ہو سکتا ہے۔ ہم کہتے ہیں وہ ضرورت کی وجہ سے شریعت نے اجازت دی ہے اور وہ اپنے مقام پر بند رہیں گے، ہر مقام پر ان کو مال شمار نہیں کیا جائے گا۔ تو یہ بدلِ خلع، بدلِ عتق، بدلِ صلح عن دمِ عمد اور بدلِ مہر وغیرہ ان سب کو وہ فرماتے ہیں یہ مالِ متقوم ہیں بھئی مالِ متقوم۔ تو کہتے ہیں فَمِنْ قَوْلِهِ مصنف کا یہ جو قول ہے اس سے لے کر کون سا قول؟ أَوْ جُعِلَتْ أُجْرَةً یا اس مکان کو کیا بنا دیا جائے؟ اجرت، مصنف کے اس قول سے لے کر اس میں خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے، فَإِنَّ هٰذِهِ الْأَعْوَاضَ مُتَقَوِّمَةٌ عِنْدَهُ اس لیے کیونکہ یہ جو عوض ہیں، یہ جو جتنے بھی ذکر ہوئے چاہے وہ کرایہ ہے، چاہے بدلِ خلع ہے، چاہے بدلِ عتق ہے، چاہے بدلِ صلح ہے، چاہے مہر ہے یہ سب ان کے نزدیک مُتَقَوِّمَةٌ عِنْدَهُ ان کے نزدیک متقوم ہیں یعنی قیمت والے ہیں۔ وَلَنَا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ أَنَّ تَقَوُّمَ الْمَنَافِعِ ضَرُورِيٌّ کہ منافع کا قیمت والا ہونا ضَرُورِيٌّ یہ کیا ہے؟ ضروری یعنی ضرورت کی بنا پر ہے، ضرورت کی وجہ سے ہے فَلَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ الشُّفْعَةِ لہٰذا ان کا متقوم ہونا شفعہ کے حق میں ظاہر نہیں ہو گا۔ ضرورت کے بقدر ہے اور ضرورت جو چیز ضرورت کی وجہ سے ماننا پڑے وہ اپنی ضرورت کے مقام پر ہی بند رہتی ہے، فَلَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ الشُّفْعَةِ لہٰذا ان کا متقوم ہونا ظاہر نہیں ہو گا شفعہ کے حق میں۔ وَكَذَا الدَّمُ وَالْعِتْقُ اور اسی طرح خون ہے اور آزادی ہے۔

وَإِذَا قُوبِلَ بِبَعْضِهَا مَالٌ اور جب اس گھر کے بعض حصے کے مقابلے میں مال ہو كَمَا إِذَا تَزَوَّجَهَا عَلَى دَارٍ عَلَى أَنْ تَرُدَّ عَلَيْهِ أَلْفًا جیسے کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا عَلَى دَارٍ کسی گھر پر عَلَى أَنْ تَرُدَّ عَلَيْهِ أَلْفًا اس شرط پر کہ وہ عورت اس کو ایک ہزار واپس لوٹائے گی، اس کا اس آدمی کو ایک ہزار واپس لوٹائے گی، مثلاً دس ہزار کا گھر ہے اس میں سے ایک ہزار مجھے واپس کرنا ہو گا، آٹھ ہزار پر گویا عقد کیا۔ عَلَى اس شرط پر کہ أَنْ تَرُدَّ عَلَيْهِ أَلْفًا کہ وہ عورت اس کو واپس کر دے گی ایک ہزار یعنی درہم، فَلَا شُفْعَةَ فِي جَمِيعِ الدَّارِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پورے گھر میں ہی شفعہ نہیں ہو سکتا۔ وَقَالَا اور صاحبین فرماتے ہیں تَجِبُ فِي حِصَّةِ الْأَلْفِ کہ شفعہ ثابت ہو گا ایک ہزار والے حصے میں، ایک ہزار کا جو حصہ ہے اس میں شفعہ ہو گا باقی کے میں شفعہ نہیں۔ مثلاً گھر دس ہزار کا ہے تو نو ہزار کا جو حصہ بن رہا ہے اس میں تو شفعہ نہیں لیکن ایک ہزار کا جو حصہ ہے اس میں شفعہ ہو گا۔ تو کہتے ہیں وَقَالَا اور صاحبین فرماتے ہیں تَجِبُ فِي

حِصَّةِ الْأَلْفِ ہزار کے حصے میں شفعہ ثابت ہو گا إِذْ فِيہَا مُبَادَلَةٌ مَالِيَّةٌ اس لیے کیونکہ اس حصے میں مالی مبادلہ ہے، مالی...

مبادلہ ہے، وَہُوَ يَقُولُ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مَعْنَى الْبَيْعِ تَابِعٌ فِيہِ کہ اس میں ٹھیک ہے بیع آ رہی ہے لیکن بیع کا معنیٰ تابع ہے۔ اصل تو نکاح ہو رہا ہے، کیا ہو رہا ہے؟ نکاح ہو رہا ہے بیع کا معنیٰ تابع ہے۔ یاد رکھو آپ کسی سے بیع کر رہے ہیں اور بیع میں کوئی آپ نے ایسی شرط لگا دی جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے، یعنی شرطِ فاسد لگا دی تو بیع ہی فاسد ہو جائے گی، بیع ہی فاسد ہو جائے گی۔ مثلاً آپ ایک شخص کو اپنی گاڑی فروخت کرتے ہیں کہ یہ گاڑی میں نے آپ کو بیس لاکھ میں فروخت کر دی، وہ اس نے قبول کر لیا لیکن آپ نے شرط لگا دی یہ گاڑی میں نے آپ کو بیس لاکھ میں فروخت کر دی لیکن شرط یہ ہے کہ بیس دن تک میں اس کو استعمال کروں گا، بیس دن بعد دوں گا مجھے ابھی اس کی ضرورت ہے بھئی۔ تو یہ آپ نے ایسی شرط لگا دی جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے، عقد تو تقاضا کرتا ہے جیسے ہی آپ نے بیع کی مالک کون بن گیا؟ مشتری، جب وہ مشتری بن مالک بن گیا تو فوراً گاڑی اس کے حوالے کرو اور اس سے پیسے وصول کرو۔ یہ جو آپ شرط لگا رہے ہیں یہ مقتضائے عقد کے خلاف، تو شرطِ فاسد لگا دی اور شرطِ فاسد سے بیع بھی فاسد ہو گئی۔ اور جب بیع فاسد ہو جائے تو اس کو توڑنا ضروری ہے دونوں پر ورنہ دونوں گنہگار ہوں گے، اس بیع کو توڑنا، ہاں بیع فاسد ہو گئی شرعاً انہوں نے غلط کام کیا ہے لہٰذا اس بیع کو توڑنا دونوں پر ضروری ہے کہ اس بیع کو ختم کریں بھئی نئے سرے سے بیع کریں اور اس میں اس طرح کی کوئی شرط نہ لگائیں، اگر نہیں توڑتے تو دونوں گنہگار ہوں گے۔ جبکہ نکاح، نکاح میں اگر کوئی شرطِ فاسد لگا دیں تو نکاح ہو جاتا ہے اور وہ شرط لغو ہو جاتی ہے، شرط کیا ہو جاتی ہے؟ لغو ہو جاتی ہے۔ آپ نے ایک جگہ نکاح کیا اور انہوں نے نکاح میں شرط لگائی کہ ہم اس لڑکی کا عقد آپ سے کرتے ہیں مثلاً آپ یورپ گئے ہوئے تھے وہاں نکاح کی کر رہے ہیں کسی کے ساتھ اور انہوں نے شرط لگا دی کہ ٹھیک ہے آپ اس سے نکاح کر لیں لیکن اس کو ہر ہفتے آپ نے فلم دکھانے لے کر جانا ہے۔ اب انہوں نے ایک فاسد شرط لگا دی، ایک گناہ کی شرط لگا دی، تو آپ کیا کریں؟ نکاح کر لیں، نکاح ہو جائے گا اور وہ شرط کیا ہو جائے گی؟ لغو ہو جائے گی، تو آپ کے ذمے نہیں ہے اس کو لے کر جانا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو ضابطہ کیا ہوا کہ بیع میں فاسد شرط لگاؤ تو بیع ہی فاسد ہو جاتی ہے اور نکاح میں فاسد شرط لگاؤ تو شرط لغو ہو جاتی ہے نکاح اسی طرح باطل... ٹھیک رہتا ہے۔ تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مَعْنَى الْبَيْعِ تَابِعٌ فِيہِ یہاں پر بیع کا معنیٰ تو آ رہا ہے یقیناً لیکن وہ تابع ہے، اصل تو یہاں نکاح ہو رہا ہے، اصل کیا ہے؟ بے شک مبادلۃ المال بالمال آ رہا ہے، بیع آ رہی ہے یہاں پر، مکان کے کچھ حصے کے عوض وہ پیسے دے رہی ہے تو مبادلۃ المال بالمال آ رہا ہے لیکن یہ بیع کیا ہے؟ نکاح کے تابع ہے، اصل کیا ہے یہاں پر؟ نکاح ہے۔

تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مَعْنَى الْبَيْعِ تَابِعٌ فِيہِ بیع کا معنیٰ اس میں تابع ہے، وَلِہٰذَا يَنْعَقِدُ بِلَفْظِ النِّكَاحِ اسی لیے یہ منعقد ہو جاتی ہے لفظِ نکاح سے، کس سے؟ لفظِ نکاح سے منعقد ہو گئی۔ بیع کے آپ نے صیغے پڑھے ہیں میں نے بیچا، میں نے فروخت کیا، دوسرا کہتا ہے میں نے قبول کیا یا میں نے خریدا، اور یہاں جو بیع ہو رہی ہے وہ کس لفظ سے ہو رہی

ہے؟ نکاح۔ انہوں نے کوئی بیع کا لفظ بولا؟ خاوند نے کہا میں نے تم سے نکاح کیا بطورِ مہر کے اس گھر کے عوض اور بدلے میں تم مجھے اور کیا دو گی؟ بیس لاکھ بھی ساتھ دے دو گی یہ گھر ستر لاکھ کا ہے پچاس لاکھ بطورِ مہر کے ہو جائے گا اور بیس لاکھ مجھے واپس دے دو گی۔ تو یہ بیع ہو رہی ہے لیکن کن لفظوں سے ہو رہی ہے؟ نکاح کے لفظوں سے ہو رہی ہے حالانکہ بیع نکاح کے لفظوں سے ہوتی ہے؟ بیع تو نکاح کے لفظ سے نہیں ہوتی، بیع کے تو اپنے الفاظ ہیں جن سے بیع منعقد ہوتی ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو وہ فرماتے ہیں کہ یہاں بیع کا معنیٰ تو موجود ہے لیکن وہ تابع ہے وَلِهٰذَا يَنْعَقِدُ بِلَفْظِ النِّكَاحِ اسی وجہ سے یہ بیع منعقد ہو جاتی ہے لفظِ نکاح سے وَلَا يَفْسُدُ بِشَرْطِ النِّكَاحِ اور نہ نکاح کی شرط سے فاسد نہیں ہوتی۔ حالانکہ بیع میں تو کوئی شرط لگاؤ جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو تو بیع کیا ہو جاتی ہے؟ فاسد، لیکن یہ فاسد نہیں ہو رہی۔ مثلاً آپ اس کو کہتے ہیں میں یہ مکان تمہیں دیتا ہوں اس شرط پر کہ تم میرے ساتھ کیا کر لو؟ نکاح کر لو اور بیس لاکھ بھی ساتھ دے دو۔ اب دیکھو شرط لگا رہا ہے، بیع کر رہا ہے بیع کی صورت بنا لو باقاعدہ، یہ مکان میں تمہیں دیتا ہوں اس شرط پر کہ تم میرے ساتھ کیا کر لو؟ نکاح کر لو، شرط لگا رہا ہے باقاعدہ اس کے اندر، اور بیع تو شرط لگانے سے کیا ہو جاتی ہے؟ شرطِ فاسد سے بیع بھی فاسد، لیکن یہ فاسد نہیں ہو رہی، حالانکہ فاسد ہونا چاہیے تھا، بیع کے ساتھ ایک شرط لگا رہے ہیں ایک زائد اپنے نفع کی شرط لگا رہے ہیں، تو بیع میں ایسی شرط لگانا جس میں ایک کا فائدہ ہو وہ شرط فاسد ہوتی ہے۔ مثلاً آپ نے گاڑی بیچی کہ یہ گاڑی میں آپ کو بیس لاکھ روپے میں فروخت کرتا ہوں لیکن شرط یہ ہے بیس دن میرے پاس رہے گی، اس میں آپ کا فائدہ ہے کہ فائدہ نہیں ہے؟ فائدہ ہے دیکھا، اور جو بھی ایسی شرط لگائے جس میں ایک کا فائدہ ہو تو وہ بیع کیا ہو جاتی ہے؟ فاسد۔ یہاں پر بھی اسی طرح ہے اس نے کہا میں یہ مکان آپ کو دیتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ کیا کرو؟ نکاح کرو، تو دیکھو ایسی شرط لگا رہا ہے جس میں اس کا فائدہ ہے، معلوم ہوا یہاں اصل نکاح ہے اصل بیع نہیں، اگر بیع اصل ہوتی تو پھر تو شرطِ فاسد کی وجہ سے اس کو کیا ہونا چاہیے تھا؟ فاسد ہونا چاہیے تھا لیکن فقہا فرماتے ہیں کہ یہ فاسد نہیں یہ ٹھیک ہے یہ نکاح ہو رہا ہے دراصل، اور نکاح شرطِ فاسد سے فاسد... ہاں نکاح شرطوں سے فاسد نہیں ہوتا۔ تو کہتے ہیں وَلِهٰذَا يَنْعَقِدُ بِلَفْظِ النِّكَاحِ اور اسی وجہ سے یہ لفظِ نکاح سے بیع منعقد ہو جاتی ہے وَلَا يَفْسُدُ بِشَرْطِ النِّكَاحِ اور یہ بیع فاسد نہیں ہوتی شرطِ نکاح سے، وَلَا شُفْعَةَ فِي الْأَصْلِ فَكَذَا فِي التَّبَعِ اور اصل میں شفعہ نہیں تو اسی طرح جو تابع ہے اس میں بھی شفعہ نہیں۔ اصل یعنی نکاح، اصل یعنی نکاح۔ اب مجھے بتائیے اس عورت نے مکان لیا تو ملکیت بدل گئی، یوں سمجھیں کچھ مکان پر نکاح ہوا اور کچھ کے بدلے اس نے مال دیا کچھ میں بیع ہوئی، کچھ مکان پر کیا ہوا؟ نکاح اور کچھ کے بدلے اور کچھ میں اس بیع ہوئی، توجہ ہے؟ کچھ مکان پہ نکاح اور کچھ میں بیع ہوئی، اور نکاح میں کی صورت میں شفعہ ہو سکتا ہے؟ نہیں، جب نکاح میں شفعہ نہیں ہو سکتا تو یہاں نکاح اصل ہے یا وہ بیع اصل ہے؟ نکاح اصل ہے، تو جب اصل جو ہے اس میں شفعہ نہیں ہو سکتا تو جو اس کے تابع ہے یعنی وہ تھوڑا سا حصہ جس میں بیع ہوئی ہے اس میں بھی شفعہ نہیں ہو سکتا۔ یہ معنیٰ ہے وَلَا شُفْعَةَ فِي الْأَصْلِ اور اصل کے اندر یعنی نکاح کے اندر تو شفعہ نہیں ہے فَكَذَا فِي التَّبَعِ تو اسی طرح تابع یعنی اس بیع کے اندر بھی شفعہ نہیں ہو

گا کیونکہ یہاں نکاح اصل ہے اور بیع تابع ہے۔

أَوْ بِيعَتْ بِخِيَارِ الْبَائِعِ وَمَا سَقَطَ خِيَارُهُ حَتَّى إِذَا سَقَطَ الْخِيَارُ ثَبَتَ الشُّفْعَةُ. بھئی یاد رکھیے بعض اوقات بیع میں بائع یا مشتری اپنے لیے اختیار رکھ لیتا ہے، اور اس کو خیارِ شرط کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ خیارِ شرط، اور یہ تین دن تک ہوتا ہے زیادہ سے زیادہ۔ مثلاً آپ کسی جگہ پر بیع کرنے لگے کسی نے کوئی چیز پیش کی اور آپ کو پسند آگئی آپ اس کو خریدنا چاہتے ہیں لیکن پھر بھی آپ کو خوف ہے کہ کہیں میں اپنا نقصان نہ کر بیٹھوں مجھے اس چیز کا پورا تجربہ نہیں ہے، تو آپ بائع کے ساتھ شرط لگا دیتے ہیں کہ یہ چیز میں نے آپ سے بیس لاکھ روپے میں خرید لی لیکن مجھے تین دن کا اختیار ہے، میں جا کر اپنے ساتھیوں سے مشورہ کروں گا یہ چیز ان کو دکھاؤں گا، اگر مجھے پسند نہ آیا یا میرا دل چاہا تو میں تین دن کے اندر یہ چیز آپ کو واپس کر سکتا ہوں، بائع نے کہا مجھے منظور ہے۔ تو دیکھا بیع ہو گئی لیکن خیارِ شرط مشتری نے رکھ لیا اپنے لیے، اب تین دن میں وہ چاہے تو اس بیع کو فسخ کر سکتا ہے، وہ چیز واپس دے دے اور اپنے پیسے لے لے۔ اور یہی خیارِ شرط بائع بھی رکھ سکتا ہے۔ ایک جگہ آپ کو کوئی چیز پسند آئی اب آپ اس کو خریدتے ہیں، آپ نے کہا میں بیس لاکھ روپے میں آپ کو دیتا ہوں اس چیز کے، تو بائع تیار ہو گیا اس نے کہا ٹھیک ہے لیکن مجھے تین دن کا اختیار ہے، مجھے اپنی اس چیز کی اس وقت صحیح قیمت کا پتا نہیں میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کروں گا اگر انہوں نے کہا بیس لاکھ روپے ٹھیک ہیں تو ٹھیک ہے پھر میں اجازت دے دوں گا اور اگر میرا ارادہ نہ بنا تو میں اس بیع کو فسخ کر دوں گا میری چیز مجھے واپس کر دینا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ اختیار بائع بھی رکھ سکتا ہے اور مشتری بھی رکھ سکتا ہے، اور جب یہ اختیار بائع رکھتا ہے کون؟ بائع، تو مبیع اس کی ملک سے نہیں نکلتا۔ توجہ ہے؟ اہم بات کر رہا ہوں۔ جب یہ اختیار کون رکھتا ہے؟ بائع رکھتا ہے، بائع نے کہا کہ مجھے اختیار ہے میں تین دن میں چاہوں تو اس کو فسخ کر دوں، تو جب اس نے اختیار خود رکھا تو مبیع ابھی اس کی ملک سے نہیں نکلا، جب اس کی ملک سے نہیں نکلا تو مشتری کی ملک میں داخل ہوا؟ نہیں، جب ملک میں داخل نہیں ہوا تو آپ مجھے بتائیے تملکِ عقار پایا گیا؟ نہیں پایا گیا، جب تملکِ عقار نہیں تو شفعہ بھی نہیں ہو سکتا۔ اور جب یہ اختیار مشتری رکھتا ہے تو پھر مبیع بائع کی ملک سے نکل جاتا ہے اور مشتری کی ملک میں داخل ہو جاتا ہے، لیکن ابھی بیع تام نہیں ہوئی مکمل نہیں ہوئی اس کو اختیار ہے وہ تین دن میں اس کو کیا کر سکتا ہے؟ فسخ کر سکتا ہے، تو اب شفعہ ہو سکتا ہے جب یہ اختیار کس نے رکھا؟ مشتری نے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

أَوْ بِيعَتْ، اس کا عطف پھر اسی پر ہے جُعِلَتْ پر یا قُسِّمَتْ پر، وَدَارٍ بِيعَتْ، عبارت سمجھ میں آ رہی ہے؟ یا ایسا گھر بِيعَتْ جس کو بیچا گیا بِخِيَارِ الْبَائِعِ بائع کے خیار کے ساتھ وَمَا سَقَطَ خِيَارُهُ یہ واو حالیہ ہے، اس حال میں کہ اس کا خیار ساقط نہیں ہوا۔ بائع نے بیچا ہے کتنی مدت اپنے لیے رکھی؟ تین دن۔ تین دن زیادہ سے زیادہ ہے چاہے ایک دن رکھے چاہے گھنٹے کی رکھے چاہے دو گھنٹے کی چاہے ایک دن کی چاہے دو دن کی لیکن زیادہ سے زیادہ کتنی مدت رکھ سکتا ہے؟ تین دن۔ تو بائع نے

خیار رکھا اور حال یہ ہے کہ اس کا خیار ابھی ساقط نہیں ہوا۔ اگر وہ مشورہ کر کے کہہ دیتا ہے بس ہاں ٹھیک ہے میں نے مشورہ کر لیا ٹھیک ہے میں نے بیع کی اجازت دے دی ہو گئی بیع، تو اس کا خیار ختم ہو جائے گا اس نے خود اپنے خیار کو کیا کر دیا؟ ساقط کر دیا، یا وہ مدت گزر گئی اس نے دو دن کی مدت لی تھی اور دو دن گزر گئے اس نے آپ کو کوئی اطلاع نہیں دی تو مدت تو ختم ہو گئی اب تو اس کا اختیار ختم ہوا لہٰذا بیع پوری ہو گئی بیع اس کی ملک سے نکل گیا، چاہے وہ خود زبان سے کہہ دے چاہے مدت پوری ہو جائے۔ تو جب اس کا مدت پوری ہو جائے گی یا اس کا خیار جب ساقط ہو جائے گا تو تملکِ عقار پایا گیا، بیع کس کی ملک میں داخل ہو گیا؟ مشتری کی، لہٰذا اب شفعہ ہو سکتا ہے۔ تو کہتے ہیں أَوْ بِيعَتْ بِخِيَارِ الْبَائِعِ یا ایسا گھر جس کو بیچا گیا بائع کے خیار کے ساتھ وَمَا سَقَطَ خِيَارُهُ اس حال میں کہ اس کا خیار ابھی ساقط نہیں ہوا تو اس میں شفعہ نہیں ہو سکتا۔ حَتَّى إِذَا سَقَطَ الْخِيَارُ ثَبَتَ الشُّفْعَةُ یہاں تک کہ جب اس کا خیار ساقط ہو جائے تو شفعہ ثابت ہو گا۔

أَوْ بَيْعًا فَاسِدًا یا گھر کو بیچا گیا بیعِ فاسد کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ بیعِ فاسد۔ میں نے آپ کو بتلایا بیعِ فاسد بیع کے اندر کوئی ایسی شرط لگا دینا جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو مثلاً ان دونوں میں سے کسی ایک کا اس کا اس میں فائدہ ہو، ایک آدمی نے مکان بیچا لیکن شرط یہ لگا دی کہ ایک مہینے تک یا چھ مہینے تک میں اس میں رہوں گا، بائع نے کہہ دیا بھئی یہ شرط آپ کیسے لگا رہے ہیں؟ تو اس میں تو آپ کا فائدہ ہے، تو اس صورت میں یہ بیع کیا ہوئی؟ بیعِ فاسد ہو گئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ اور بیعِ فاسد کا حکم میں نے بتلایا کہ شرعاً دونوں گنہگار ہوں گے ان کے لیے ضروری ہے کہ اس بیع کو ختم کریں، نئے سرے سے نیا عقد کریں بغیر کسی خرابی کے۔ اب بیعِ فاسد کے ساتھ ایک مکان بیچا گیا تو کیا شفیع شفعہ کر سکتا ہے؟ کہتے ہیں نہیں شفعہ نہیں کر سکتا، کیونکہ اس بیع کا توڑنا ضروری ہے اور شفعہ کا حق دے دیں تو اس کا تو مطلب ہے آپ نے بیع کو پکا کر دیا۔ تو کہتے ہیں أَوْ بَيْعًا فَاسِدًا أَيْ بِيعَتْ بَيْعًا فَاسِدًا اس گھر کو بیچا گیا بیعِ فاسد کے ساتھ، وَمَا سَقَطَ حَقُّ فَسْخِهِ اور حال یہ ہے کہ اس کا حقِ فسخ ابھی ساقط نہیں ہوا۔ بھئی بعض صورتوں میں بیعِ فاسد ہوتی ہے لیکن حقِ فسخ ختم ہو جاتا ہے، کیا ہو جاتا ہے؟ حقِ فسخ ختم یعنی وہاں واپسی کی کوئی صورت نہیں رہتی، مثلاً مشتری نے زمین خریدی تھی بیعِ فاسد کے ساتھ اس پر ضروری تھا کہ یہ زمین واپس کرے لیکن اس کو مسئلے کا پتا نہیں تھا اس نے اس کے اندر گھر بنا لیا،

اب تو مشتری نے اس پر مال لگا دیا، اس میں اضافہ کر دیا، اب حقِ فسخ ختم ہو گیا۔ حقِ فسخ کیا ہوا؟ ختم ہو گیا۔ اور جب حقِ فسخ ختم ہوا اب اس میں شفعہ ہو سکتا ہے۔ تو کہتے ہیں، اور حال یہ ہے مَا سَقَطَ حَقُّ فَسْخِهِ کہ اس کا حقِ فسخ ساقط نہیں ہوا، فَإِنَّهُ إِذَا بِيعَ بَيْعًا فَاسِدًا بس کیونکہ جب اس کو بیچا گیا بیعِ فاسد کے ساتھ، وَسَقَطَ حَقُّ الْفَسْخِ اور حقِ فسخ ساقط ہو گیا، بھئی کیسے حقِ، حقِ فسخ ساقط کیسے ہو گا؟ باء تصویریہ ہے، صورت بتلا رہے ہیں: بِأَنْ بَنَى الْمُشْتَرِي فِيهَا بایں صورت کہ مشتری نے اس میں تعمیر کر لی، حقِ فسخ ساقط ہو گیا بایں صورت کہ مشتری نے اس میں تعمیر کر لی، تو يَثْبُتُ الشُّفْعَةُ تو شفعہ ثابت ہو جائے گا، کیونکہ اب واپس کرنا ممکن نہ رہا، بیع پکی ہو گئی، ہاں گنہگار ہوں گے اپنی جگہ لیکن اب اس میں شفعہ آ جائے

گا۔

أَوْ رُدَّ بِخِيَارِ رُؤْيَةٍ أَوْ شَرْطٍ أَوْ عَيْبٍ بِقَضَاءٍ بَعْدَ مَا سُلِّمَتْ. صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک گھر بیچا گیا اور خیارِ شرط جو ہے وہ مشتری نے رکھا، مشتری نے۔ اور آپ نے پڑھا کہ مشتری جب خیارِ شرط رکھتا ہے تو مبیع بائع کی ملک سے نکل جاتا ہے، بیع ابھی تام نہیں ہوئی مکمل نہیں ہوئی لیکن مبیع بائع کی ملک سے نکل کر کس کی ملک میں آگیا؟ مشتری، تو تملکِ عقار پایا گیا، اور تو اب اس میں شفعہ ہو سکتا ہے۔ شفعہ ہو سکتا ہے۔ تو مشتری کی ملک میں آگیا اور پڑوسی کو شفعے کا حق مل گیا، لیکن پڑوسی نے شفعہ نہیں کیا چھوڑ دیا شفعہ۔ شفعہ چھوڑ دیا، پھر بعد میں مشتری نے تین دن کے اندر وہ مبیع وہ گھر واپس کر دیا، وہ گھر واپس کر دیا۔ تو کیا شفیع کو پھر حقِ شفعہ ملے گا؟ کیونکہ مبیع بائع کی ملک سے نکلا تھا اور کس کی ملک میں چلا گیا تھا؟ مشتری، اور پھر جب اس کو واپس کرے گا پھر مشتری کی ملک سے نکلے گا اور کس کی ملک میں چلا جائے گا؟ بائع، تو دوبارہ تملکِ عقار آرہا ہے، تو کیا اب پھر اس کو حقِ شفعہ مل جائے گا؟ کہتے ہیں نہیں، خیارِ شرط کی وجہ سے جب کوئی چیز واپس کی جائے تو وہ دراصل فسخِ بیع ہے، کیا ہے؟ بیع کو فسخ کر رہے ہیں، بیع ہوئی ہی نہیں گویا، اور جب بیع ہوئی ہی نہیں تو شفعہ کہاں سے ہو گا؟ شفعہ تو ہوتا ہی کس کے بعد ہے؟ بیع کے بعد۔

یہ اسی طرح مشتری نے ایک مکان خرید لیا اور مکان جب خریدا تو شفیع کو شفعے کا حق مل گیا لیکن اس نے شفعہ چھوڑ دیا کہ میں شفعہ نہیں کرتا، پھر مشتری چند دن کے بعد گیا اور اس نے جا کر مکان دیکھا تو اس کو پسند نہیں آیا۔ کوئی عیب نہیں، کوئی خرابی نہیں لیکن اس کو پسند نہیں آیا، اس نے پہلے اندر سے دیکھا ہی نہیں تھا، پہلے سے دیکھا ہو پھر تو واپس نہیں کر سکتا لیکن اگر اس نے پہلے گھر اندر سے نہیں دیکھا ہوا تو شریعت نے اس کو خیارِ رویت دیا ہے، کوئی چیز پہلی دفعہ دیکھو اور پسند نہ آئے تو آپ وہ واپس کر سکتے ہیں۔ تو اب وہ گھر وہ خیارِ رویت کی وجہ سے واپس کر دیتا ہے۔ بائع کہتا ہے کیوں واپس کر رہے ہو؟ کہتا ہے بس مجھے پسند نہیں آیا، کوئی خرابی نہیں کچھ نہیں لیکن مجھے پسند نہیں آیا۔ تو یہ گھر اب وہ واپس کر رہا ہے کس کی وجہ سے؟ خیارِ رویت کی وجہ سے، اور جب یہ گھر بیچا گیا تھا شفیع نے شفعہ چھوڑ دیا تھا۔ اب یہ خیارِ رویت سے جب واپس کرے گا گھر تو دوبارہ کیا آیا؟ تملکِ عقار آرہا ہے، پہلے گھر کس کی ملک میں تھا؟ شروع میں؟ بائع، پھر کدھر چلا گیا؟ مشتری کی ملک میں، تو شفعے کا حق آیا تھا اس نے شفعے کا حق چھوڑ دیا شفیع نے، اب یہ پھر گھر مشتری کی ملک سے نکل کر واپس کس کی ملک میں جا رہا ہے؟ بائع کی ملک میں جا رہا ہے، تو کیا پھر شفعے کا حق ہو گا؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، خیارِ رویت کی وجہ سے جب کوئی چیز واپس کی جائے تو وہ فسخِ بیع ہے، بیع کو فسخ کرنا ہے اس کو سرے سے ختم کر دینا ہے، گویا بیع ہوئی ہی نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جب بیع ہوئی ہی نہیں تو اس کو شفعے کا حق بھی نہیں ہے۔

تیسری صورت، ایک آدمی نے ایک مکان خریدا اور مکان خریدنے کے بعد اس پر قبضہ بھی کر لیا، کچھ عرصے بعد اس میں ایک عیب کا پتا چلا، مثلاً بارش ہوئی اور اس نے دیکھا کہ اس کی تو ساری چھتیں ٹپکتی ہیں، تو عیب نکل آیا، اور یہ عیب

کس کی طرف سے آیا ہے؟ بائع کی طرف سے، تو اس صورت میں شریعت نے اس کو حق دیا ہے کہ وہ اس مبیع کو عیب کی وجہ سے واپس کر سکتا ہے، اس کو کہتے ہیں خیارِ عیب، کیا کہتے ہیں؟ خیارِ عیب۔ لیکن اس میں یہ ضروری ہے کہ دونوں کی باہمی رضامندی ہو، لہٰذا یہ بائع کے پاس چلا گیا اور کہا کہ یہ مکان آپ نے مجھے بیچا تھا لیکن اس میں یہ عیب ہے، آپ کی طرف سے آیا ہے نیا عیب ابھی نہیں پیدا ہوا یہ چھتیں ٹپکتی ہیں چھتیں، معلوم ہوا یہ پہلے سے ہی عیب آپ کے پاس موجود تھا اور آپ نے اسی طرح مجھے بیچ دیا۔ تو بائع مثلاً نیک آدمی ہے، تبلیغی آدمی ہے، اس نے کیا کیا؟ وہ مکان واپس لے لیا۔ تو یہ خیارِ عیب سے مکان رد ہوا اور باہمی رضامندی سے رد ہو گیا، باہمی رضامندی سے، تو یاد رکھیے اس صورت میں شفیع کو پھر شفعے کا حق مل جائے گا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ پھر صورت سنو، بائع نے مکان بیچا اور مشتری کی ملک میں گیا، جب مشتری کی ملک میں گیا تو شفیع کو شفعے کا حق مل گیا لیکن شفیع نے شفعہ چھوڑ دیا کہ میں شفعہ نہیں کرتا، پھر چند دنوں کے بعد مشتری نے وہی مکان واپس کس کو دے دیا؟ بائع کو دے دیا عیب کی وجہ سے، اور یہ جو مکان واپس کیا آپس کی رضامندی سے کیا قاضی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں پڑی، تو عیب میں باہمی رضامندی ضروری ہے بھئی یہ نہیں کہ آپ بغیر رضامندی کے واپس کریں یہ نہیں ہو سکتا، یا تو باہمی رضامندی ہو گی یا اگر وہ راضی نہیں ہوتا واپس لینے پر تو پھر آپ کو قاضی کے پاس جانا پڑے گا مقدمہ کرنا پڑے گا۔ تو اس نے مکان واپس لے لیا، اب پھر مکان مشتری کی ملک سے نکلا اور کس کی ملک میں آ گیا؟ بائع کی۔ شفیع پہلے شفعہ چھوڑ چکا تھا لیکن دوبارہ تملکِ عقار آیا، مشتری کی ملک سے دوبارہ مبیع نکل کر بائع کی ملک میں جا رہا ہے، تو اس صورت میں شفیع کو پھر شفعے کا حق مل جائے گا، کیونکہ یہ جو باہمی رضامندی سے چیز اس کو واپس کر رہا ہے عیب کی وجہ سے، ان کے آپس کے لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ بیع کو فسخ کر رہے ہیں، کیا کر رہے ہیں؟ فسخ کر رہے ہیں، لیکن اور لوگوں کے اعتبار سے دیکھا جائے اوروں پر تو ان کو ولایت نہیں حاصل اوروں پر تو ان کی بات نافذ نہیں ہو سکتی تو اوروں کے حق میں یہ ایک بیعِ جدید ہو رہی ہے بیع فسخ نہیں ہو رہی۔ اگر عیب کی وجہ سے باہمی رضامندی سے کوئی چیز بائع کو واپس کی جائے تو ان کے اپنے لحاظ سے تو یہ فسخِ بیع ہے لیکن اور لوگوں کے اعتبار سے یہ بیعِ جدید ہے اور جب بیعِ جدید ہے تو شفیع کو دوبارہ شفعے کا حق مل جائے گا وہ شفعہ کر سکتا ہے۔

یہ اسی طرح اقالہ ہے، اقالہ۔ اقالہ اس کو کہتے ہیں کہ آپ کوئی چیز کسی سے خریدتے ہیں اور پھر بعد میں آپ اس چیز کو واپس کر دیتے ہیں اس کو، مثلاً نہ اس میں کوئی عیب ہے، نہ آپ نے خیارِ رویت کی وجہ سے واپس کی، آپ نے پہلے سے چیز دیکھی ہوئی تھی، نہ خیارِ شرط کی وجہ سے واپس کی، آپ نے کوئی اختیار بھی نہیں رکھا تھا اپنے لیے، تو نہ عیب کی وجہ سے واپس کر رہے ہیں، نہ خیارِ رویت کی وجہ سے، نہ خیارِ شرط کی وجہ سے، ویسے ہی مثلاً آپ کو پیسوں کی ضرورت پڑ گئی آپ بائع کے پاس چلے گئے کہ بھئی میں نے آپ سے بیس لاکھ میں یہ چیز لی تھی لیکن آپ کی مہربانی ہو گی آپ یہ چیز واپس لے لیں مجھے میرے پیسے دے دیں مجھے کہیں اور ضرورت پڑ گئی ہے۔ وہ نیک آدمی تھا مثلاً اور اس نے وہ چیز واپس لے لی اور آپ کو آپ کے پیسے واپس کر دیے، اس کو کہتے ہیں اقالہ، کیا کہتے ہیں؟ اقالہ، اور اس کی احادیث میں بڑی فضیلت اور بڑا اجر و

ثواب ذکر ہوا ہے۔ ہمارے ہاں تو آج کل دکاندار کوئی چیز جیسے ہی خریدیں ان کی نگاہیں بدل جاتی ہیں، ان کا لب و لہجہ بدل جاتا ہے، وہ تو عیب کی وجہ سے بھی چیز واپس نہیں کرتے چہ جائیکہ کہ وہ اقالہ کر لیں۔ حالانکہ اقالہ، ایک شخص نے آپ سے چیز لی ہے اور پھر اسی طرح واپس لوٹا رہا ہے اس میں کوئی خرابی بھی نہیں کی اس نے، تو اقالہ کر لینا چاہیے آپ کو بھئی سمجھ میں آیا؟ اس پر اللہ کی طرف سے بڑے اجر اور انعام کا وعدہ ہے، تو اقالہ کر لے بھئی، یقیناً اس کو کوئی ضرورت پیش آگئی بیچارے، اور ہر شخص ہر مسلمان وہ دوسروں کے ہمیشہ کام آتا ہے ان کے لیے مشکلات نہیں بناتا، تو بے شک اس وقت اس بائع سے وہ بیس لاکھ ہاتھ سے نکل جائیں گے چیز واپس مل جائے گی لیکن اس کو اللہ اس کا بہترین اجر بھی دیں گے اور آگے بھی بڑی آسانیاں پیدا فرما دیں گے۔ یاد رکھو جو شخص دوسروں کے لیے جتنی آسانیاں بناتا ہے اللہ بھی اس کے لیے اتنی ہی آسانیاں زندگی میں بناتے ہیں، اور جو شخص دوسروں کے لیے جتنی مشکلات کھڑی کرتا ہے اللہ اس سے کئی گنا زیادہ پھر اس کے لیے مشکلات کھڑی کر دیتے ہیں۔ وہ سمجھتا ہے شاید میں دوسروں کو تنگ کر رہا ہوں اور بڑا مزہ اس کو آتا ہے لیکن یہ نہیں پتا وہ اپنا نقصان کر رہا ہے، آگے اس کے لیے اللہ ایسی ایسی مشکلات کھڑی کر دیں گے کہ اس کو سمجھ ہی نہیں آئے گی کہ میں کروں تو کیا کروں بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ الدِّينُ النَّصِيحَةُ دین تو خیر خواہی ہی کا نام ہے، دوسروں کے لیے خیر ہی خیر کے مواقع بناؤ بھئی کسی کے لیے تکلیف کا باعث نہ بنو، کسی کے لیے تکلیف کا باعث۔ تو اقالہ میں ذکر کر رہا تھا، اقالہ کا تو آج کل آپ سوچ بھی نہیں سکتے، میں نے بتایا عیب کی وجہ سے بھی دکاندار چیز نہیں لیتے بلکہ آپ نے چیز لی اور دکان سے نکل آئے اور ٹھیک پانچ منٹ بعد یا دو منٹ بعد ہی پھر دکان کے اندر گئے، اب اس میں عیب کا آپ کو پتا لگ گیا اسی وقت پتا لگ گیا، وہ اس کا لب و لہجہ ہی اور ہو گا بھئی، وہ آپ کی تحقیر کرے گا اور بے انتہا آپ کو تکلیف دے کر واپس لوٹا دے گا، کسی چیز پر وہ کسی صورت وہ چیز واپس نہیں کرے گا، کہ اب میں ذمہ دار نہیں ہوں۔ تو یہ ہمارے اخلاق کی تباہی ہے بھئی اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح سمجھ نصیب فرمائے بھئی، تو کبھی کسی کو تکلیف نہ دو مومن کی شان ہی نہیں ہے کہ وہ کسی کو تکلیف دے۔ تو اب دیکھو بائع اور مشتری نے اقالہ کر لیا، وہ چیز بائع نے واپس لے لی کوئی عیب نہیں کوئی وجہ نہیں لیکن بس اس بیچارے کو ضرورت تھی اس نے اقالہ کر لیا ٹھیک ہے۔ تو یہ اقالہ ان دونوں کے حق، یہ تو آپس میں تو اس بیع کو فسخ کر رہے ہیں، کیا کر رہے ہیں؟ مشتری لے آیا نا کہ اپنی چیز واپس لے لو میرے پیسے دے دو، تو آپس میں تو بیع کو فسخ کر رہے ہیں لیکن کیا ان کا فیصلہ سب لوگوں پر نافذ ہے؟ نہیں، تو باقی لوگوں کے حق میں یہ ایک بیعِ جدید ہو رہی ہے، لہٰذا شفیع جو پہلے شفعہ چھوڑ چکا تھا اب اقالے کے بعد دوبارہ کیا کر سکتا ہے؟ شفعہ کر سکتا ہے۔

اور اگر وہ مبیع وہ زمین واپس کی گئی عیب کی وجہ سے قضائے قاضی سے، قاضی کے فیصلے سے، تو اب شفیع شفعہ نہیں کر سکتا۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی زمین بیچی اور شفیع کو شفعے کا حق ملا لیکن اس نے شفعہ چھوڑ دیا کہ میں شفعہ نہیں کرتا، بعد میں مشتری کو اس زمین میں عیب کا پتا چلا، وہ اس شخص کے پاس گیا کہ اس زمین میں عیب آپ کی طرف

سے آیا ہے زمین واپس لے لو، بائع نے انکار کر دیا میں واپس نہیں لوں گا، وہ قاضی کے پاس چلا گیا اور قاضی نے فیصلہ کر دیا کہ ہاں واقعی گواہوں سے ثابت ہو گیا کہ یہ عیب کس کی طرف سے آیا ہے؟ بائع کی طرف سے، چنانچہ قاضی نے فیصلہ کر دیا اور وہ زمین بائع کو واپس لوٹا دی گئی۔ اب یہ جو چیز لوٹائی گئی ہے قاضی کے فیصلے کی وجہ سے، عیب کی وجہ سے، قاضی کا فیصلہ تو سب پر نافذ ہوتا ہے، تو جب قاضی نے ان دونوں کے لیے بیع فسخ کی تو سب کے لیے بیع کیا ہو گئی؟ فسخ، سب پر فیصلہ کیا ہوا؟ نافذ ہو گیا، تو گویا سب کے حق میں بیع فسخ ہوئی، وہی بیع ختم ہو گئی، جب بیع ہی ختم ہو گئی تو اب کوئی شفعے کا حق ہے؟ نہیں اب شفعے کا حق نہیں۔ لیکن اگر باہمی رضامندی سے وہ چیز عیب کی وجہ سے واپس کرتا ہے تو آپ کو میں نے ابھی بتایا تھا شفیع جو پہلے شفعہ چھوڑ چکا ہے اس کو دوبارہ شفعے کا حق مل جائے گا۔

دیکھیے بھئی کتاب پر: أَوْ رُدَّ بِخِيَارِ رُؤْيَةٍ یا اس گھر کو واپس لوٹا دیا گیا خیارِ رویت کی وجہ سے، أَوْ شَرْطٍ یا خیارِ شرط کی وجہ سے، معلوم ہوا یہ خیارِ شرط مشتری نے رکھا ہے بائع کا خیارِ شرط پیچھے گزر چکا ہے، واپس کر دیا گیا خیارِ رویت کی وجہ سے أَوْ شَرْطٍ یا خیارِ شرط کی وجہ سے أَوْ عَيْبٍ یا خیارِ عیب کی وجہ سے لیکن بِقَضَاءٍ کس کے، بِقَضَاءٍ کس کی وجہ سے؟ قاضی کے فیصلے کی وجہ سے، بَعْدَ مَا سُلِّمَتْ بعد اس کے کہ شفعہ چھوڑ دیا گیا تھا۔ بیع ہوئی تھی تب شفعہ چھوڑ دیا گیا تھا، اب پھر خیارِ رویت کی وجہ سے واپس ہوا یا خیارِ شرط کی وجہ سے واپس ہوا یا خیارِ عیب میں قضائے قاضی کی وجہ سے، تو ان سب صورتوں میں یہ فسخِ بیع ہے لہٰذا دوبارہ شفعے کا حق نہیں ملے گا۔ أَوْ عَيْبٍ بِقَضَاءٍ یا خیارِ عیب کی وجہ سے بِقَضَاءٍ قاضی کے فیصلے کی وجہ سے بَعْدَ مَا سُلِّمَتْ بعد اس کے کہ شفعے کو چھوڑ دیا گیا تھا، تو ان سب صورتوں میں یہ فسخِ بیع ہے لہٰذا دوبارہ شفعے کا حق نہیں ملے گا۔ أَيْ بِيعَتْ...

وَسُلِّمَتِ الشُّفْعَةُ یعنی بیچا گیا اور شفعہ چھوڑ دیا گیا ثُمَّ رُدَّ الْبَيْعُ بِخِيَارِ الرُّؤْيَةِ پھر بیع کو رد کر دیا گیا خیارِ رویت کی وجہ سے وَبِقَضَاءِ الْقَاضِي اور قضائے قاضی کی وجہ سے فَلَا شُفْعَةَ تو پھر شفعہ نہیں ہے لِأَنَّهُ فَسْخٌ لَا بَيْعٌ اس لیے کیونکہ یہ فسخ ہے، بیع نہیں۔ یعنی بیعِ جدید نہیں ہے۔

بھئی یہ شرح میں آیا ثُمَّ رُدَّ الْبَيْعُ بِخِيَارِ الرُّؤْيَةِ أَوِ الشَّرْطِ، أَوِ الشَّرْطِ، خیارِ شرط بھی تو متن میں آیا تھا، ہاں تو اس کو بھی شرح میں ہونا چاہیے لیکن بہرحال تمام نسخوں میں یہاں شرط کا لفظ نہیں ملتا بھئی، لیکن آپ بہرحال یاد رکھیں متن میں گزر چکا ہے کہ وہ واپس لوٹانا چاہے خیارِ رویت کی وجہ سے ہو اور چاہے خیارِ شرط کی وجہ سے ہو مشتری کے یا قضائے قاضی کی وجہ سے ہو خیارِ عیب کے اندر تو پھر شفعہ نہیں ہے۔

وَتَجِبُ بِرَدٍّ بِلَا قَضَاءٍ وَبِإِقَالَةٍ۔ اور وَتَجِبُ اور شفعہ ثابت ہو جائے گا بِرَدٍّ بِلَا قَضَاءٍ ایسے رد کی وجہ سے جو بغیر قاضی کے فیصلے کے ہو، قاضی کے فیصلے کے بغیر ہی اس نے عیب کی وجہ سے چیز واپس کی اور باہمی رضامندی سے اس نے وہ چیز واپس لے لی تو قاضی کے فیصلے کے بغیر رد ہوا تو اس صورت میں شفعہ، تَجِبُ شفعہ ثابت ہو جائے گا۔ تو کہتے ہیں وَتَجِبُ بِرَدٍّ بِلَا قَضَاءٍ اور شفعہ ثابت ہو گا بِرَدٍّ بِلَا قَضَاءٍ بلا قضا کے رد کی وجہ سے وَبِإِقَالَةٍ اور اسی طرح اقالہ کی وجہ سے بھی شفعہ ثابت

ہو گا۔ أَیْ یَثْبُتُ الشُّفْعَۃُ فِی الرَّدِّ بِالْعَیْبِ بِلَا قَضَاءِ الْقَاضِی یعنی ثابت ہو جائے گا شفعہ فِی الرَّدِّ اس صورت میں جب کہ رد ہو بِالْعَیْبِ عیب کی وجہ سے بِلَا قَضَاءِ الْقَاضِی بغیر قاضی کے فیصلے کے لِأَنَّہُ لَمَّا لَمْ یَجِبِ الرَّدُّ اس لیے کیونکہ جب رد واجب نہیں فَأَخَذَہُ تو پھر لے لیا اس کو بائع نے بِالرِّضَاءِ کس کے ساتھ؟ رضامندی کے ساتھ بائع نے اس کو لے لیا صَارَ کَأَنَّہُ اشْتَرَاہُ تو یہ ایسے ہی ہو گیا گویا اس نے اس کو خرید لیا یعنی بیعِ جدید آ گئی۔ وَکَذَا تَجِبُ الشُّفْعَۃُ بِالْإِقَالَۃِ اور اسی طرح شفعہ جو ہے وہ ثابت ہوتا ہے اقالہ کی وجہ سے بھی لِأَنَّ الْإِقَالَۃَ بَیْعٌ فِی حَقِّ الثَّالِثِ اس لیے کیونکہ اقالہ جو ہے وہ بیع ہے تیسرے شخص کے حق میں۔ بائع اور مشتری تو آپس میں اقالہ کر رہے ہیں لیکن عام لوگوں کے اعتبار سے یہ کیا ہے؟ بیعِ جدید، یہ معنیٰ ہے لِأَنَّ الْإِقَالَۃَ بَیْعٌ فِی حَقِّ الثَّالِثِ اس لیے کیونکہ اقالہ جو ہے وہ بیع ہے تیسرے شخص کے حق میں وَالشَّفِیعُ ثَالِثُہُمَا اور شفیع بھی ان کے علاوہ ہے یعنی شفیع بھی ان کا تیسرا ہے، ان دونوں کے حق میں تو فسخ ہے ٹھیک ہے لیکن تیسرے کے حق میں ان کا یہ فیصلہ نافذ نہیں ہو گا ان کے لیے یہ کیا شمار ہو گا؟ نئی بیع، اور شفیع بھی شفیع بھی تو ان کے علاوہ ہے تیسرا شخص ہے تو اس کے لیے بھی یہ کیا شمار ہو گا؟ بیع شمار ہو گی۔ یہ معنیٰ ہے لِأَنَّ الْإِقَالَۃَ بَیْعٌ فِی حَقِّ الثَّالِثِ وَالشَّفِیعُ ثَالِثُہُمَا اس لیے کیونکہ اقالہ جو ہے وہ تیسرے شخص کے حق میں بیع ہے اور شفیع جو ہے وہ ان کا تیسرا ہے یعنی ان کے، ان دونوں کے علاوہ ہے تو اس کے لیے بھی یہ بیعِ جدید ہے تو وہ دوبارہ شفعہ کر سکتا ہے۔

چلیے بس بھئی ہٰذَا ہُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰہُ أَعْلَمُ بِحَقِیقَۃِ الْکَلَامِ۔

سبق نمبر ۷: عبدِ ماذون مدیون، مالِ مضاربت، بیعِ فاسد اور خیارِ شرط و رؤیت میں شفعہ کے احکام

شرح الوقایہ صفحہ: ۱۴ — بتاریخ: ۱۵ ستمبر ۲۰۱۹ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی:

وَلِلْعَبْدِ الْمَأْذُونِ مَدْيُونًا فِي مَبِيعِ سَيِّدِهِ وَلِسَيِّدِهِ فِي مَبِيعِهِ، أَيْ تَجِبُ الشُّفْعَةُ لِلْعَبْدِ الْمَأْذُونِ حَالَ كَوْنِهِ مَدْيُونًا دَيْنًا مُحِيطًا بِرَقَبَتِهِ وَكَسْبِهِ، فَلَهُ الشُّفْعَةُ فِيمَا بَاعَ سَيِّدُهُ، وَكَذَا لِلسَّيِّدِ حَقُّ الشُّفْعَةِ فِيمَا بَاعَ الْعَبْدُ الْمَأْذُونُ الْمَذْكُورُ، بِنَاءً عَلَى أَنَّ مَا فِي يَدِهِ مِلْكٌ لَهُ.[1]

وَلِلْعَبْدِ الْمَأْذُونِ مَدْيُونًا فِي مَبِيعِ سَيِّدِهِ وَلِسَيِّدِهِ فِي مَبِيعِهِ۔ آگے چند مسائل ذکر ہوں گے اس سے پہلے ایک بات یاد رکھیے بھئی۔ شفیع اگر کوئی ایسا کام کرے جو رغبت پر دلالت کرے، اس زمین کے اندر رغبت پر دلالت کرے کہ وہ اس زمین میں راغب ہے، اس کو پسند ہے، وہ اس کو چاہتا ہے، تو اس صورت میں اس کا حقِ شفعہ ساقط نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ کوئی ایسا کام کرتا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ زمین سے اعراض کر رہا ہے، منہ موڑ رہا ہے، اس سے جان چھڑانا چاہتا ہے، تو ان صورتوں میں اس کا حقِ شفعہ ختم ہو جائے گا۔

شفیع کوئی ایسا کام کرے جو اس جائیداد میں، اس زمین میں رغبت پر دلالت کرتا ہو تو اس کا حقِ شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔ لیکن اگر وہ کوئی ایسا کام کرے جو اعراض پر دلالت کرے، اعراض یعنی منہ موڑنا، کسی چیز سے رخ پھیرنا، اور اگر وہ کوئی ایسا کام کرے جو اس زمین یا جائیداد سے اعراض پر دلالت کرے تو اس کا حقِ شفعہ ختم ہو جائے گا۔

مثلاً میں نے ایک آدمی سے کہا کہ میری یہ زمین بیچ دو، اس کو میں نے اپنا وکیل بنا دیا۔ اس نے میرے لیے وہ زمین بیچ دی اور بیچتے ہی حقِ شفعہ ملتا ہے، تو یہ جو بیچنے والا میرا وکیل تھا، یہ خود ہی اس نے شفعہ کر دیا۔ یہ کیا تھا؟ وکیل تھا، لیکن میرا

[1] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۶۲): صوتی درس کی قراءت میں «وَلِلْعَبْدِ الْمَأْذُونِ مَدْيُونًا فِي مَبِيعِ سَيِّدِهِ وَلِسَيِّدِهِ فِي مَبِيعِهِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وللعبدِ المأذونِ مديونًا في بيعِ سيِّدِه، ولسيِّدِه في مبيعِه،» منقول ہے۔

پڑوسی بھی تھا، تو اس نے زمین تو اس نے زید کو بیچی لیکن خود ہی شفعہ کر دیا۔ اب مجھے بتائیے، اچھا اسی نے زمین بیچی ہے نا؟ جی۔ تو کسی چیز کا بیچنا، اسی جائیداد کا بیچنا، وہ اس جائیداد کو پسند کرنے پر دلالت کرتا ہے یا اس سے اعراض کرنے پر دلالت کرتا ہے؟ اعراض کرنے پر۔ بیچ رہا ہے تو ہاتھ سے تو چیز نکل جائے گی، چلی جائے گی، تو وہ کسی اور کو بیچ رہا ہے، کسی اور کو دے رہا ہے، تو اس کا مطلب ہے وہ اعراض کر رہا ہے۔ لہٰذا اب یہ شفعہ کرنا چاہتا ہے؟ نہیں بھئی، اب اس کو شفعے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے ایک ایسا کام کیا جو کس پر دلالت کر رہا ہے؟ اس عقار سے اعراض پر دلالت کر رہا ہے۔

دوسری صورت: میں نے ایک شخص سے کہا کہ میرے لیے وہ فلاں زمین خرید لو، وہ میرا وکیل ہے۔ اس نے میرے لیے وہ زمین خریدی اور ساتھ ہی خود ہی شفعہ کر دیا کیونکہ وہ زمین کا پڑوسی بھی تھا۔ تو کیا وہ شفعہ کر سکتا ہے؟ فقہاء فرماتے ہیں ہاں وہ شفعہ کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس نے زمین خریدی ہے اور خریدنا کس چیز پر دلالت کرتا ہے؟ رغبت پر اور پسند کرنے پر دلالت کرتا ہے، معلوم ہوا وہ اس زمین میں راغب ہے۔ تو ایسا کوئی کام اس نے نہیں کیا جو اعراض پر دلالت کرے، لہٰذا اس کو حقِ شفعہ حاصل ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب یہ جو اگلا مسئلہ کتاب میں ذکر ہو رہا ہے اس کو سمجھ لیں:

وَلِلْعَبْدِ الْمَأْذُونِ مَدْيُونًا فِي مَبِيعِ سَيِّدِهِ وَلِسَيِّدِهِ فِي مَبِيعِهِ۔

یاد رکھیے ایک عام غلام ہے، عام غلام پر مختلف قسم کی پابندیاں ہوتی ہیں۔ مثلاً وہ کسی چیز کا مالک نہیں ہو سکتا، اس کو جو چیز بھی کہیں سے بھی ملے وہ اس کے آقا کی ہوتی ہے، آقا کی مملوک ہو جاتی ہے، اس کی مملوک نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہ اپنی مرضی سے شادی کہیں نہیں کر سکتا، آقا اجازت دے گا تو شادی کر سکتا ہے، آقا اجازت نہیں دے گا تو شادی بھی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح یہ آقا کی اجازت کے بغیر کاروبار اور تجارت بھی نہیں کر سکتا، آقا اجازت دے گا تو کاروبار یا تجارت کر سکتا ہے، آقا نے اجازت نہیں دی تو نہیں کر سکتا۔ تو یہ جو عام غلام ہے جس پر مختلف پابندیاں ہوتی ہیں اس کو عَبْدِ مَحْجُور کہتے ہیں۔ حِجْر پابندی کو کہتے ہیں، حِجْر: حاء، جیم، راء۔ تو عَبْدِ مَحْجُور، تو یہ جو عام غلام ہوتا ہے یہ عَبْدِ مَحْجُور ہوتا ہے، اس پر پابندیاں ہوتی ہیں۔

اور بعض اوقات غلام ذہین ہوتا ہے تو آقا اس کو تجارت کی اجازت دے دیتا ہے کہ جاؤ کام کرو، پیسے کماؤ، میرے لیے کما کر لے کر آؤ پیسے۔ تو یہ جو غلام جس کو آقا نے تجارت کی اجازت دے دی، کاروبار کی اجازت دے دی، اس کو کہتے ہیں عَبْدِ مَأْذُون، یعنی جس کو آقا نے اجازت دی ہے، إِذْن، إِذْن اجازت کو کہتے ہیں۔ تو یہ کیا ہے؟ عَبْدِ مَأْذُون۔

تو یہ جو عَبْدِ مَأْذُون ہے یہ جا کر تجارت کرے گا، پیسے کمائے گا اور آقا کو لا کر دے گا۔ یہ عَبْدِ مَأْذُون جس نے تجارت شروع کی، تو تجارت شروع کی جو کچھ اس کے پاس ہے جو کچھ اس کا مملوک ہوگا وہ کس کا ہو جائے گا فوراً؟ آقا کا، یہ خود کسی

چیز کا مالک بن ہی نہیں سکتا۔ بس اس کی ملک میں جو چیز آئی وہ آقا کی ملک میں چلی گئی فوراً، وہ آقا مالک بن گیا اس کا۔

تو اس عَبْدِ مَأْذُون کو تجارت میں نقصان ہوا، اور اتنا نقصان ہوا جس نے اس کی گردن کا بھی احاطہ کر لیا، یعنی اس کی جتنی قیمت تھی، یہ غلام خود بھی مثلاً دس لاکھ کا ہے اور اس کے پاس سامانِ تجارت بھی مثلاً دس لاکھ کا ہے۔ تو اس پر اتنا قرضہ چڑھ گیا کہ جس نے اس کے رقبے کا بھی احاطہ کر لیا، اس کی، رقبے سے مراد اس کی ذات ہے، اس کی ذات کا بھی احاطہ کر لیا اور اس کے پاس جو سامانِ تجارت ہے اس کا بھی احاطہ کر لیا۔ مثلاً اس کی قیمت کتنی تھی؟ دس لاکھ، سامانِ تجارت بھی کتنا؟ دس لاکھ، اور اس پر قرضہ بیس لاکھ یا بیس لاکھ سے بھی زیادہ ہو گیا۔

تو یاد رکھیے یہ جو عَبْدِ مَأْذُون ہے اور اب مَدْیُون ہو چکا ہے، کیا ہو چکا؟ مَدْیُون، جس پر دَیْن ہے، قرض ہے۔ ایک ہے مَدْیُون جس پر قرضہ ہو یعنی اس کو کہتے ہیں مقروض، مقروض، یہ اس وقت کیا ہے؟ مقروض۔ اور جس کا قرضہ اس نے دینا ہے، جو قرض دینے والا ہے یعنی قرض خواہ، قرض خواہ، اس کو دَائِن کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ دَائِن۔ تو قرض خواہ کو کہتے ہیں دَائِن اور جس پر قرضہ ہے یعنی مقروض اس کو کہتے ہیں مَدْیُون۔

تو یہ عَبْدِ مَأْذُون مَدْیُون ہو چکا ہے اور اتنا مَدْیُون ہوا کہ اس نے اس کے کمائی کا بھی اور اس کے رقبے کا بھی احاطہ کر لیا ہے، تو یاد رکھیے اس کے پاس اب جو کچھ ہوگا، جو یہ کمائے گا، اب اس کا مالک اس کا آقا نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مالک یہ خود بنے گا، یہ خود بنے گا، کیونکہ اس کے رقبے کے ساتھ وہ دَائِن کا قرضہ متعلق ہو گیا ہے۔ یہ اب پیسے کمائے گا اور اس قرضے کو ادا کرے گا۔ کیا کرے گا؟ اس قرضے کو ادا کرے گا۔ تو اس کے ساتھ اب دَائِن کا قرضہ متعلق ہے، اب یہ جو کمائے گا اس کا مالک یہ خود ہی ہے، آقا کا نہیں ہے، کیونکہ اس نے کیا کرنا ہے؟ اپنے آپ کو اس قرضے سے چھڑانا۔ تو یہ ان چیزوں کا مالک ہوتا جائے گا اور یہ ان کو ادا کر کے اپنی گردن کو اس سے چھڑوائے گا۔ ہاں ایک صورت ہے کہ اس کا سارا قرضہ آقا اس کا مالک ادا کر دیتا ہے تو اس صورت میں پھر یہ اسی عام غلام کی طرح بن جائے گا، یعنی اس کی پاس جو چیزیں ہوں گی وہ ساری اسی طرح آقا کی مملوک ہو جائیں گی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ لیکن جس وقت یہ مَدْیُون ہو گیا اتنا زیادہ، اب اس کے پاس جو کچھ ہے وہ آقا کے نہیں ہے، آقا کا نہیں، یہ اس سے اپنے آپ کو چھڑوائے گا، قرضہ ادا کرے گا۔

اس عَبْدِ مَأْذُون نے کوئی گھر بیچا، کیا کیا؟ کوئی گھر بیچا، تو اس کا اپنا ہی آقا اس پر شفعہ کرنا چاہتا ہے، کہتے ہیں شفعہ کر سکتا ہے، کیا کر سکتا ہے؟ شفعہ کر سکتا ہے۔ اور اس کا آقا کوئی گھر بیچتا ہے، تو یہ غلام جو ہے جو مَدْیُون ہے یہ اس آقا کے گھر پر شفعہ کر سکتا ہے۔ اس کا گھر اس کے ساتھ تھا، اس نے خریدا، کاروبار کر رہا ہے اس کے زمین بیچ رہا ہے، خرید رہا ہے، تو اگر یہ غلام کوئی گھر بیچے تو اس کا آقا اگر پڑوسی ہے تو وہ کیا کر سکتا ہے؟ اس پر شفعہ کر سکتا ہے۔ اور آقا اگر کوئی گھر بیچے اور غلام اس کا پڑوسی ہے، ساتھ والی زمین اس نے خریدی ہوئی ہے، تو غلام کیا کر سکتا ہے؟ اس پر شفعہ کر سکتا ہے۔ حالانکہ بیچنا اعراض پر دلالت کرتا ہے۔ کس پر؟ اعراض پر، کہ ایک آدمی ایک چیز سے کیا کر رہا ہے؟ منہ موڑ رہا ہے، اور میرا ہی

غلام ایک چیز کو بیچ رہا ہے تو اس کو میں نے ہی اجازت دی ہے تو اس کا بیچنا اسی طرح ہے جیسے میرا بیچنا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ غلام کا بیچنا اسی طرح ہے جیسے کس کا بیچنا؟ آقا کا بیچنا، کیونکہ آقا نے اجازت دی ہے اور بیچنے کی صورت میں تو شفعے کا حق نہیں ہوتا کیونکہ بیچنا تو اعراض پر دلالت کرتا ہے، لیکن یہاں پر آقا وہ شفعہ کر سکتا ہے غلام کے بیچے ہوئے گھر پر کیونکہ اب وہ چیز اس کی ملکیت، آقا کی ملکیت نہیں ہے بلکہ کس کی ملکیت ہے؟ غلام کی ملکیت۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ اسی طرح آقا کوئی چیز بیچے تو وہ کس کی طرح ہے؟ غلام کے بیچنے کی طرح ہی ہے کیونکہ غلام اسی کا ہے، تو آقا بیچے تو غلام کیا کر سکتا ہے اس پر؟ شفعہ کر سکتا ہے۔ حالانکہ بیچنا تو کس پر دلالت کرتا ہے؟ اعراض پر، لیکن یہاں پر غلام چونکہ ان چیزوں کا مالک ہو رہا ہے لہٰذا اب ان کو الگ الگ شمار کیا جائے گا۔ آقا کا فعل اپنا شمار ہوگا غلام کے لیے اس کا اعتبار نہیں ہوگا اور غلام کا فعل اپنے لیے معتبر ہوگا آقا کے لیے اس کا اعتبار نہیں ہوگا، یعنی آقا کا بیچنا وہ شمار نہیں ہوگا۔ تو دونوں ایک دوسرے کی بیچی ہوئی جائیداد پر شفعہ کر سکتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے کتاب پر۔

وَلِلْعَبْدِ الْمَأْذُونِ اور وہ غلام جو کہ مَأْذُون ہو جس کو اجازت دی گئی ہو، مَدْیُونًا اس حال میں کہ وہ مَدْیُون ہے، مقروض ہے، یعنی اس کے لیے حقِ شفعہ ثابت ہے فِي مَبِيعِ سَيِّدِهِ۔ سَیِّد کہتے ہیں آقا کو، مالک کو، فِي مَبِيعِ سَيِّدِهِ۔ مَبِيع، بَاعَ يَبِيعُ کا کیا معنی؟ بیچنا، اور مَبِيع جس چیز کو بیچا گیا۔ تو وہ عَبْدِ مَأْذُون جو مَدْیُون ہے اس کو حق ہے شفعے کا فِي مَبِيعِ سَيِّدِهِ اپنے آقا کے مَبِيع میں یعنی اس کی بیچی ہوئی جائیداد میں۔ وَلِسَيِّدِهِ فِي مَبِيعِهِ اور اس آقا کو حقِ شفعہ ہے فِي مَبِيعِهِ أَيْ فِي مَبِيعِ الْعَبْدِ الْمَأْذُونِ اس عَبْدِ مَأْذُون کی بیچی ہوئی جائیداد میں اس کو شفعے کا حق ہے۔

دیکھیے خود بتلا رہے ہیں: أَيْ تَجِبُ الشُّفْعَةُ لِلْعَبْدِ الْمَأْذُونِ کہ شفعہ ثابت ہوگا اس عَبْد کے لیے جو مَأْذُون ہے، حَالَ كَوْنِهِ مَدْيُونًا اس حال میں کہ وہ غلام جو ہے مقروض ہے، دَيْنًا مُحِيطًا بِرَقَبَتِهِ وَكَسْبِهِ ایسا دَیْن، مُحِيطًا، مُحِيطًا جس نے احاطہ کیا ہوا ہے، گھیرا ہوا ہے بِرَقَبَتِهِ اس کے رقبے کو یعنی اس کی ذات کو بھی وَكَسْبِهِ اور اس کی کمائی کو بھی، فَلَهُ الشُّفْعَةُ فِيمَا بَاعَ سَيِّدُهُ تو اس غلام کو شفعے کا حق ہے اس عقار میں، مَا سے مراد کیا ہے؟ عقار، اس عقار میں بَاعَ سَيِّدُهُ جس کو اس کا آقا بیچ دے۔ وَكَذَا لِلسَّيِّدِ حَقُّ الشُّفْعَةِ اور اسی طرح آقا کو شفعے کا حق ہے فِيمَا اس عقار میں، اس جائیداد میں بَاعَ الْعَبْدُ الْمَأْذُونُ الْمَذْكُورُ جس کو وہ عَبْدِ مَأْذُون، جس کو ذکر کیا گیا، وہ بیچے۔ وہ عَبْدِ مَأْذُون جس کو ذکر کیا گیا، کیا معنی ذکر کیا گیا؟ یعنی وہ مَدْیُون ہے بھئی اور ایسا دَیْن ہے جس نے اس کی ذات اور اس کی کمائی کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ تو وہ آقا اس کے اس زمین پر شفعہ کر سکتا ہے۔ بِنَاءً عَلَى أَنَّ مَا فِي يَدِهِ بنا بر اس کے کہ وہ جو اس غلام کے ہاتھ میں ہے اس کے قبضے میں ہے مِلْكٌ لَهُ وہ اس غلام ہی کی ملکیت ہے، آقا کی ملکیت نہیں ہے۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

وَلِمَنْ شَرَىٰ أَوِ اشْتُرِيَ لَهُ لَا بِمَنْ بَاعَ أَوْ بِيعَ لَهُ أَوْ ضَمِنَ لِلدَّرْكِ۔

وَلِمَنْ شَرَىٰ اور اسی طرح شفعہ ثابت ہے لِمَنْ اس شخص کے لیے شَرَىٰ جس نے خریدا۔ جس نے کسی جائیداد کو خریدا اس کو شفعے کا حق ہے اس جائیداد میں۔ کیونکہ خریدنا وہ اعراض پر دلالت کرتا ہے یا اس جائیداد میں رغبت پر دلالت کرتا ہے؟ اس جائیداد میں رغبت پر دلالت کرتا ہے، اس جائیداد سے اعراض پر دلالت نہیں کرتا۔ تو جب رغبت پر دلالت کر رہا ہے تو یہ جو خریدار ہے اس کو شفعے کا حق ہے، اس کو شفعے کا حق ہے۔ یہ معنی ہے وَلِمَنْ شَرَىٰ اور شفعہ ثابت ہے لِمَنْ اس شخص کے لیے شَرَىٰ جو خریدے۔

اور خریدنے کی دو صورتیں ہیں، کوئی یا تو اپنے لیے خریدے گا یا کسی دوسرے کے لیے خریدے گا۔ دوسرے کے لیے خرید رہا ہے اس کا مطلب ہے اس نے اس کو وکیل بنایا تھا کہ یہ میرے لیے زمین خرید لو۔ تو خریدنا دو طرح سے ہو سکتا ہے، کوئی یا تو بطورِ اصیل کے خرید رہا ہے یعنی خود اپنے لیے خرید رہا ہے تو اس کو کیا کہیں گے؟ اصیل۔ اور اگر دوسرے کے لیے خرید رہا ہے، اس نے اس کو کہا تھا خریدنے کا، تو یہ خریدنا ہے بطورِ وکیل کے، بطورِ وکیل کے۔ تو خریدنے والا وہ چاہے اصیل ہو چاہے وکیل ہو وہ اس زمین پر شفعہ کر سکتا ہے۔ مثلاً میں نے ایک آدمی کو وکیل بنایا کہ فلاں زمین میرے لیے خریدو یا کوئی بھی زمین میرے لیے خریدو اور اس نے زمین خریدی اور اس زمین کے ساتھ ہی اس وکیل کی اپنی بھی زمین تھی، اور خریدنے کے بعد اس نے اس پر شفعہ کر دیا۔ تو یہ اس نے خریدا ہے اصالۃً یا وکالۃً؟ وکالۃً، وکیل ہو کر خریدا ہے۔ تو اب کہیں گے وکیل ہو کر خریدے اور پھر شفعہ کر لے یہ تو ہمیں سمجھ میں آتا ہے، کوئی اصیل ہو کر شفعہ کیسے کرے گا؟ اپنے لیے خریدے اور پھر اس پر کیا کر دے؟ شفعہ کر دے؟ نہیں بھئی اس کی صورت بھی بن جاتی ہے۔ فقہاء کو اللہ ان کے کروڑہا درجات بلند فرمائے، ایک ایک مسئلے کو انہوں نے ضبط کر کے کتنے پیارے انداز میں اکٹھا ایک ایک باب کے اندر ان کو جمع کر کے ہمارے لیے آسان فرما دیا۔

اپنے لیے خریدے کوئی اور پھر اس پر شفعہ کر دے، اصیل ہو اور شفعہ کر دے، شفعہ کر دے۔ صورت یہ ہے کہ میں اور زید اور بکر ایک زمین میں شریک ہیں۔ میں ہوں اور میرے ساتھ زید ہے اور بکر۔ میں نے زید سے اس کا حصہ خرید لیا، زمین میں حصہ پھیلا ہوا ہے ہم نے ابھی تقسیم نہیں کی، حدبندی نہیں کی، اس ایک ہی زمین میں ہم تینوں شریک ہیں، ہر ہر جز میں میرا بھی حصہ، زید کا بھی حصہ اور بکر کا بھی حصہ۔ تو میں اس میں سے ایک حصہ زید سے خریدتا ہوں اور اپنے لیے خریدتا ہوں، زید کا حصہ میں خرید لیتا ہوں۔ تو زید کا حصہ جیسے ہی میں خریدتا ہوں بکر شفعہ کر دیتا ہے، اور میں بھی شریک تھا یا نہیں اس میں؟ تو مجھے بھی کیا حق ہوگا؟ شفعے کا حق ہوگا تو میں بھی شفعہ کر دوں گا۔ لہٰذا اب وہ جو زید کا حصہ آئے گا وہ آدھا بکر کے پاس چلا جائے گا شفعے کی وجہ سے اور آدھا میرے پاس آجائے گا۔ اگر مجھے شفعے کا حق نہ ہوتا تو سارا کس کے پاس چلا جاتا؟ بکر کے پاس۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جی۔ تو معلوم ہوا جو شخص خریدے وہ زمین پر شفعہ کر سکتا ہے، چاہے بطورِ

اصیل کے خریدے چاہے بطورِ وکیل کے خریدے۔

ایک تیسرا شخص رہ گیا، وہ جو مُؤَکِّل ہے، کیا وہ شفعہ کر سکتا ہے؟ وکیل تو شفعہ کر سکتا ہے، لیکن جس نے پیچھے اس آدمی کو وکیل بنایا ہے، میں نے ایک آدمی کو وکیل بنایا کہ میرے لیے کیا کرو؟ زمین خریدو۔ وہ وکیل خود کیا کر سکتا ہے؟ شفعہ کر سکتا ہے۔ تو کیا میں بھی شفعہ کر سکتا ہوں جو مُؤَکِّل ہے جس نے وکیل بنایا ہے؟ اب تو میں خریدنے والا نہیں نا، خریدنے کی تو دو ہی صورتیں تھیں: یا بطورِ اصیل کے یا بطورِ وکیل کے۔ ہاں میرے لیے خریدا گیا ہے، میں مُؤَکِّل ہوں، تو کیا میں بھی شفعہ کر سکتا ہوں؟ یہ تیسری صورت آ گئی۔ کہتے ہیں ہاں مُؤَکِّل کے کہنے پر خریدا جا رہا ہے اور خریدنا کس چیز پر دلالت کرتا ہے؟ رغبت پر اور پسند کرنے پر، معلوم ہوا اس کو وہ عقار یا جائیداد کیا ہے؟ پسند ہے، تو یہ شفعہ کر سکتا ہے اس کو حقِ شفعہ ہے۔ لہٰذا وکیل شفعہ کرتا ہے اگر تو وہ بھی کر سکتا ہے اور مُؤَکِّل کرنا چاہے تو مُؤَکِّل بھی کر سکتا ہے۔ مثلاً وکیل نے میرے لیے زمین خریدی، میرے لیے زمین خریدی اور میرے ساتھ والا پڑوسی اس پر کیا کرتا ہے؟ شفعہ کرتا ہے، اور ساتھ ہی میرا بھی گھر ہے میں بھی اس پر کیا کر سکتا ہوں؟ شفعہ کر سکتا ہوں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو دیکھیے کتاب پر: وَلِمَنْ شَرَىٰ اور شفعہ ثابت ہے اس شخص کے لیے شَرَىٰ جس نے خریدا، اس میں کتنی صورتیں آ گئیں؟ دو، چاہے بطورِ وکیل کے خریدے چاہے بطورِ اصیل کے۔ اور اسی طرح شفعہ ثابت ہے اس شخص کے لیے اشْتُرِيَ لَهُ، أَوِ اشْتُرِيَ لَهُ یا اس کے لیے خریدا گیا، اس سے کون داخل ہو گیا؟ مُؤَکِّل داخل ہو گیا۔

لَا لِمَنْ بَاعَ نہ کہ اس شخص کو، شفعہ اس کے لیے ثابت نہیں ہے مَنْ بَاعَ جس نے زمین کو بیچا۔ اس میں کتنی صورتیں آ گئیں؟ دو، بیچنے والا یا تو اپنے لیے بیچ رہا ہے یعنی اصالۃً بیچ رہا ہے یا بطورِ وکالت کے بیچ رہا ہے یعنی اصیل ہے یا وکیل۔ کوئی اپنی زمین بیچے اور اس کے ساتھ ہی اس کی اور بھی زمین ہے اور اس کے ساتھ ایک اور شخص بھی ہے اس کی بھی زمین ہے، تو وہ ساتھ والا شفعہ کرتا ہے، بھئی اس بیچنے والے کی اپنی اور بھی تو ساتھ زمین ہے، تو کیا یہ خود شفعہ کر سکتا ہے؟ کہتے ہیں نہیں یہ خود شفعہ نہیں کر سکتا کیونکہ بیچنا کس پر دلالت کرتا ہے؟ اعراض پر، معلوم ہوا یہ زمین اس کو ناپسند ہے اس سے جان چھڑانا چاہتا ہے اور شفعہ تو کس پر دلالت کرتا ہے؟ رغبت پر کہ وہ راغب ہے، تو لہٰذا اب یہ شفعے کا حق اس کو نہیں ہوگا بھئی۔

یا میں نے ایک آدمی سے کہا کہ میرے لیے یہ زمین بیچ دو، وہ وکیل بن گیا۔ اس نے میرے لیے وہ زمین بیچی اور اس زمین کے ساتھ ہی وکیل کا اپنا گھر تھا، اب وہ شفعہ کرنا چاہتا ہے، کہتے ہیں نہیں بھئی شفعہ نہیں کر سکتا کیونکہ اسی نے تو بیچی ہے، وکیل ہے نا؟ جی۔ اور بیچنا کس پر دلالت کرتا ہے؟ اعراض پر۔

تیسری صورت مُؤَکِّل بھئی: میں نے زید سے کہا کہ میری یہ زمین بیچ دو۔ اب اس نے زمین بیچی اور ساتھ والا آدمی شفعہ

کرنا چاہتا ہے، اور یہ مُؤَکِّل کا بھی ساتھ اس کی زمین ہے یا مکان ہے تو وہ بھی شفعہ کرنا چاہتا ہے، تو کیا مُؤَکِّل شفعہ کر سکتا ہے؟ کہتے ہیں نہیں وہ بھی شفعہ نہیں کر سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: لَا لِمَنْ بَاعَ أَوْ بِيعَ لَهُ اور شفعے کا حق نہیں ہوگا اس شخص کے لیے جس نے بیچا، چاہے اصیل کے طور پر بیچا ہو چاہے وکیل کے طور پر۔ أَوْ بِيعَ لَهُ یا وہ شخص جس کے لیے زمین کو بیچا گیا یعنی چاہے وہ مُؤَکِّل ہو، اس کو شفعے کا حق نہیں ہے۔ أَوْ ضَمِنَ لِلدَّرْكِ یا وہ دَرْک کا ضامن ہوا، تو اس کو بھی شفعے کا حق نہیں۔ دَرْک کہتے ہیں تاوان اور نقصان کو، تاوان اور نقصان۔ بھئی ایک آدمی ایک زمین خریدنا چاہتا ہے لیکن اس کو خوف ہے کہ پتا نہیں یہ زمین کسی اور کی نہ نکل آئے، میرے پیسے نہ ڈوب جائیں۔ تو میں اس کو ضمانت دیتا ہوں کہ بھئی آپ بے فکر ہو کر زمین خریدیں، اگر اس میں کوئی نقصان ہوا تو زمین چھڑا کر دینا میرا کام ہے یا پیسے دینا میرا کام ہے۔ تو میں نے اس سے کہا کہ میں زمین چھڑا کر دینا میرا کام ہے، تو دیکھو میں نے اس کو دَرْک کی ضمانت دے دی، نقصان کی ضمانت دے دی۔ اب اس نے زمین خرید لی اور زمین خریدی اب میں اس زمین پر شفعہ کرنا چاہتا ہوں، ساتھ ہی میری بھی زمین ہے، تو کیا میں شفعہ کر سکتا ہوں؟ فقہاء فرماتے ہیں نہیں، بھئی آپ ہی نے تو ضمانت دی تھی دَرْک کی، آپ کیسے شفعہ کر سکتے ہیں؟ کیوں؟ کیونکہ ضمان دَرْک کا کیا معنی تھا؟ کہ آپ اس کو زمین چھڑا کر دیں گے، نقصان اس کا نہیں ہونے دیں گے، تو آپ کے ذمے تو تھا چھڑا کر دینا اور شفعہ کریں گے پھر تو آپ اس کو قبضہ کر کے لیں، قبضہ کر لیں گے اپنے پاس روک لیں گے، تو یہ تو اس کے بالکل برعکس ہو گیا، آپ نے تو کیا وعدہ کیا تھا؟ میں چھڑا کر دوں گا اور یہ تو آپ کیا کر رہے ہیں اس پر قبضہ کر رہے ہیں اپنے پاس روک رہے ہیں، تو یہ اس کے بالکل مخالف ہے لہٰذا اس صورت میں آپ کو شفعے کا حق نہیں ہے بھئی۔ آپ ہی نے تو ضمانت دی تھی بیع کی کہ بیع ہو جائے، اور بیع کی جب آپ نے ضمانت دے دی تو بیع تو کس پر دلالت کرتی ہے؟ اعراض پر دلالت کرتی ہے، آپ چاہتے ہیں یہ زمین بک جائے، اس کا مطلب ہے آپ اس سے اعراض کر رہے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔ یہ معنی ہے أَوْ ضَمِنَ لِلدَّرْكِ یا وہ ضامن ہوا دَرْک کا تو اس کو بھی شفعے کا حق نہیں۔

أَيْ تَجِبُ الشُّفْعَةُ لِلْمُشْتَرِي شفعہ ثابت ہے مشتری کے لیے، سَوَاءٌ اشْتَرَىٰ أَصَالَةً أَوْ وَكَالَةً برابر ہے کہ اس نے خریدا ہو أَصَالَةً یا وَكَالَةً یعنی اصیل ہو کر یا وکیل ہو کر۔ وَكَذَا تَجِبُ الشُّفْعَةُ لِمَنِ اشْتُرِيَ لَهُ اور اسی طرح شفعہ ثابت ہوگا اس شخص کے لیے جس کے لیے وہ عقار خریدی گئی، أَيْ لِمَنْ وَكَّلَ آخَرَ بِالشِّرَاءِ یعنی اس شخص کے لیے شفعہ ثابت ہوگا کہ جس نے وَكَّلَ آخَرَ دوسرے شخص کو وکیل بنایا بِالشِّرَاءِ خریدنے کا، فَاشْتَرَىٰ لِأَجْلِ الْمُوَكِّلِ تو اس وکیل نے خرید لیا اس جائیداد کو لِأَجْلِ الْمُوَكِّلِ کس کے لیے؟ مُؤَکِّل کی وجہ سے، مُؤَکِّل کے لیے خرید لیا، وَالْمُوَكِّلُ شَفِيعٌ اس حال میں کہ مُؤَکِّل ہی شفیع ہے، یہ مُؤَکِّل میری کتاب میں لکھا ہے یہ غلط لکھا ہے بھئی مُؤَکِّل، اس حال میں کہ وہ مُؤَکِّل ہی شفیع ہے فَكَانَ لَهُ الشُّفْعَةُ تو اس کو شفعے کا حق ہے۔

وَفَائِدَتُهُ اور فائدہ اس کا یہ ہے، فائدہ اس کا یہ ہے۔ بھئی بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ جو اپنے لیے خریدے یا جو خود خریدے اس کو شفعے کا حق دینے کا کیا فائدہ؟ تو میں نے صورت بتا دی، فائدہ ہو رہا تھا یا نہیں شفعے کا؟ ہاں، تو وہی اب فائدہ ذکر کرنے لگے کہ بھئی اس کا فائدہ ہے شفعے کا حق اس کو ملے گا۔ کہتے ہیں وَفَائِدَتُهُ اور فائدہ اس کا یہ ہے، كَأَنَّهُ لَوْ كَانَ الْمُشْتَرِي أَوِ الْمُوَكَّلُ بِالشِّرَاءِ شَرِيكًا۔ اچھا، انہوں نے اور صورت بنائی۔ صورت یہ ہے کہ زید اور بکر میں ایک زمین مشترکہ ہے، دونوں اس میں شریک ہیں، تقسیم نہیں کی ہوئی، ہر ہر جز میں دونوں کا حصہ ہے۔ بکر کا حصہ زید نے خرید لیا، بکر کا حصہ زید نے خرید لیا۔ اب وہ ساتھ والا پڑوسی اس پر شفعہ کرنا چاہتا ہے۔ کہتے ہیں بھئی خریدا کس نے ہے؟ زید نے، اور زید کیا تھا اس زمین میں شریک، یعنی وہ شریک ہے فِي نَفْسِ الْمَبِيعِ اور جو ساتھ والا پڑوسی وہ ہے جَارِ مُلَاصِق، اور شریک فِي نَفْسِ الْمَبِيعِ کا درجہ سب سے مقدم ہے، لہٰذا پہلا حق شفعے کا اس کو ہوگا اور آخری حق کس کو ہوگا؟ جَار کو۔ اور جب تک یہ شریک فِي نَفْسِ الْمَبِيعِ موجود ہے جَار کو شفعے کا حق نہیں، لہٰذا اس صورت میں اب دیکھو جَار شفعہ نہیں کر سکتا۔ تو زید نے جس نے خریدا ہے وہ تو شریک فِي نَفْسِ الْمَبِيعِ ہے لہٰذا شفعے کا حق اس کا اول بنتا ہے لہٰذا اس کے ہوتے ہوئے جَار کو شفعے کا حق نہیں، جب جَار کو شفعے کا حق نہیں تو جَار اب اس سے وہ زمین نہیں لے سکتا اور وہ زمین اسی کے پاس رہے گی۔ اس نے بکر سے خرید لی، اب ساری زمین کا یہ مالک بن گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جی۔

تو یہ معنی ہے وَفَائِدَتُهُ أَنَّهُ لَوْ كَانَ الْمُشْتَرِي أَوِ الْمُوَكَّلُ بِالشِّرَاءِ شَرِيكًا کہ اگر مشتری خود یا وہ جو مُؤَكِّل بِالشِّرَاءِ ہے جس نے وکیل بنایا تھا شراء کا، یہ وہ جو مُؤَكِّل وہ شریک ہیں وَلِلدَّارِ شَرِيكٌ آخَرُ اور گھر کا ایک گھر میں ایک اور بھی شریک ہے۔ انہوں نے تین شریکوں والی صورت بنا لی: زید، عمرو، بکر، یہ تینوں کیا ہیں؟ شریک ہیں۔ اور صورتِ مسئلہ میں نے بتلا دی تھی کہ مثلاً ان میں سے ایک شخص زمین دوسرے کے ہاتھ فروخت کرتا ہے تو باقی دونوں کو شفعے کا حق ہوگا، خریدار کو بھی اور دوسرے کو بھی، تو وہ زمین آپس میں آدھی آدھی تقسیم کر لیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: أَنَّهُ لَوْ كَانَ الْمُشْتَرِي أَوِ الْمُوَكَّلُ بِالشِّرَاءِ شَرِيكًا اگر مشتری یا مُؤَكِّل بِالشِّرَاءِ جو ہیں وہ شریک ہیں وَلِلدَّارِ شَرِيكٌ آخَرُ اور اس گھر کا ایک اور شریک بھی ہے، فَلَهُمَا الشُّفْعَةُ تو دونوں کو شفعے کا حق ہوگا، یہ خریدار یا مُؤَكِّل بِالشِّرَاءِ کو بھی اور وہ جو دوسرا شریک ہے اس کو بھی شفعے کا حق ہوگا۔ صورت ذہن میں آئی کہ نکل گئی؟ میں نے بتلایا تھا زید، عمرو، بکر تینوں ایک زمین میں شریک ہیں، زید نے اپنا حصہ بیچ دیا کس کو؟ بکر کو، اور اب عمرو شفعہ کرنا چاہتا ہے تو بکر بھی شفعہ کر سکتا ہے، خریدار بھی بکر اور شفعہ بھی وہی کر رہا ہے، تو اب وہ جو حصہ ہے بکر اور عمرو کے درمیان آدھا آدھا تقسیم ہو جائے گا۔

وَلَوْ كَانَ هُوَ شَرِيكًا۔ ہاں دوسری صورت کہ جو خریدار ہے، مثلاً زید اور عمرو صرف شریک ہیں اور زید نے عمرو سے اس کا سارا حصہ خرید لیا، اب جَار شفعہ کرنا چاہ رہا ہے، تو زید جس نے خریدا ہے وہ ہے شریک فِي نَفْسِ الْمَبِيعِ، اور شریک فِي نَفْسِ الْمَبِيعِ کے ہوتے ہوئے جَارِ مُلَاصِق کو شفعے کا حق نہیں ہے لہٰذا مَبِيع اسی کے پاس رہے گا۔ تو کہتے ہیں: وَلَوْ كَانَ هُوَ

شَرِيكًا اور اگر وہ خریدار جو ہے وہ شریک ہوا وَلِلدَّارِ جَارٌ اور اس گھر کا کوئی جار بھی ہے، فَلَا شُفْعَةَ لِلْجَارِ مَعَ وُجُودِهِ تو جار کے لیے شفعے کا حق نہیں ہے مَعَ وُجُودِهِ اس شریک کے ہوتے ہوئے۔

وَلَا تَكُونُ لِلْبَائِعِ شُفْعَةٌ اور بائع کو شفعے کا حق نہیں ہوگا، بائع کے لیے شفعہ نہیں ہوگا، سَوَاءٌ كَانَ أَصِيلًا أَوْ وَكِيلًا چاہے وہ بائع اصیل ہو یعنی اپنے لیے بیچنے والا ہو أَوْ وَكِيلًا یا وکیل ہو دوسرے کے لیے بیچنے والا ہو۔ وَكَذَا لَا شُفْعَةَ لِمَنْ بِيعَ لَهُ اور اسی طرح شفعے کا حق نہیں ہے اس شخص کے لیے جس کے لیے اس زمین کو بیچا گیا یعنی وہ جو مُؤَكِّل ہے، مُؤَكِّل بِالْبَيْعِ۔ أَيْ إِنْ وَكَّلَ بِالْبَيْعِ وَالْمُوَكِّلُ شَفِيعٌ، دیکھا اوپر بھی آیا تھا وَالْمُوَكِّلُ شَفِيعٌ اس حال میں کہ مُؤَكِّل کیا ہو؟ شفیع، یہاں بھی آرہا ہے وَالْمُوَكِّلُ شَفِيعٌ۔ تو کہتے ہیں أَيْ إِنْ وَكَّلَ بِالْبَيْعِ اگر اس نے وکیل بنایا بیع کے لیے وَالْمُوَكِّلُ شَفِيعٌ اور حال یہ ہے کہ مُؤَكِّل ہی شفیع ہے، فَلَا شُفْعَةَ لَهُ تو اس کو شفعے کا حق نہیں ہے۔[۲]

وَكَذَا إِذَا ضَمِنَ الدَّرْكَ اسی طرح اگر اس نے دَرْک کی یعنی نقصان اور تاوان کی ضمانت دی فَبِيعَ تو اس گھر کو یا جائیداد کو بیچا گیا وَهُوَ شَفِيعٌ لَهُ اور یہی ضمانت دینے والا اس کا شفیع بھی ہے، یہ شفعہ کرتا ہے، فَلَا شُفْعَةَ لَهُ اس کے لیے شفعے کا حق نہیں ہوگا، لِأَنَّ الِاسْتِخْلَاصَ عَلَيْهِ اس لیے کیونکہ چھڑانا اس پر ہے، اس کے ذمے تو چھڑانا ہے اس نے تو ضمانت دی ہے، اور شفعہ کر کے تو یہ اس پر قبضہ کر رہا ہے اپنے پاس روک رہا ہے تو یہ تو اس کے بالکل برعکس ہو گیا لہٰذا اس کو شفعے کا حق نہیں ہوگا۔

چلیے بس بھئی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

[۲] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۶۲):** صوتی درس کی قراءت میں «وَلَا تَكُونُ لِلْبَائِعِ شُفْعَةٌ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «ولا يكونُ للبائعِ شفعةٌ» منقول ہے۔

سبق نمبر ۸: تفاوتِ ثمن پر صلح، اسقاطِ شفعہ کے شرعی حیلے اور مسقطاتِ شفعہ کا بیان

شرح الوقایہ صفحہ: ۱۵ — بتاریخ: ۱۶ ستمبر ۲۰۱۹ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

درس: مسائل شفعہ اور اسقاطِ شفعہ کے حیلے[۱]

آگے سبق دیکھیے بھائی:

«وَلَا فِيمَا بِيعَ إِلَّا ذِرَاعًا مِنْ طُولِ حَدِّ الشَّفِيعِ، هَذِهِ حِيلَةٌ لِإِسْقَاطِ شُفْعَةِ الْجِوَارِ، وَهِيَ أَنْ تُبَاعَ الدَّارُ إِلَّا مِقْدَارَ عَرْضِهِ ذِرَاعٌ أَوْ شِبْرٌ أَوْ أُصْبُعٌ، وَطُولُهُ تَمَامُ مَا يُلَاصِقُ مِنَ الدَّارِ الْمَبِيعَةِ دَارَ الشَّفِيعِ، فَإِنَّهُ إِذَا لَمْ يَبِعْ مَا لَا يُلَاصِقُ دَارَ الشَّفِيعِ لَا تَثْبُتُ الشُّفْعَةُ»۔[۲][۳]

---

[۱]

جدول — مسقطاتِ شفعہ اور اسقاطِ شفعہ کے شرعی حیلے:

مسقط / حیلہ	فقہی تفصیل	شرعی حکم و مذہبِ مختار
صریح یا دلالۃً تسلیم و اعراض	علمِ بیع کے بعد طلبِ مواثبت چھوڑ دینا یا مشتری کو مبارکباد دینا	حقِ شفعہ بالاتفاق ساقط ہو جاتا ہے۔
صلحِ شفعہ علی العوض	شفیع کا حقِ شفعہ چھوڑنے کے بدلے مال لینا	شفعہ باطل ہو جائے گا اور لیا ہوا عوض واپس کرنا لازم ہوگا۔
حیلۂ ذراع (شفعۂ جوار کے لیے)	شفیع کی حد کی طرف ایک ہاتھ زمین چھوڑ کر باقی مکان بیچنا	امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مباح، امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ۔
حیلۂ ثمنِ کثیر و دفعِ عرض	ہزار درہم ثمن مقرر کر کے سو درہم کے بدلے کپڑا دے دینا	شفیع پر پورا ہزار درہم لازم ہوگا (عند أبی یوسف رحمہ اللہ)۔

[۲] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۶۳): صوتی درس کی قراءت میں «هَذِهِ حِيلَةٌ لِإِسْقَاطِ شُفْعَةِ الْجِوَارِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «هذه حيلةٌ أخرى لإسقاط شفعةِ الجوار،» منقول ہے۔

[۳] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۶۳): صوتی درس کی قراءت میں «فَإِنَّهُ إِذَا لَمْ يَبِعْ مَا لَا يُلَاصِقُ دَارَ الشَّفِيعِ لَا تَثْبُتُ

شفعے کے مسائل ہم پڑھ رہے ہیں، اب کچھ حیلے بتلائیں گے جن کے ذریعے شفعے سے بچا جا سکتا ہے۔ وہ حیلہ اس پر آپ عمل کر لیں گے تو جو شفیع ہوگا وہ شفعہ نہیں کر سکے گا۔ لیکن یہ یاد رکھنا آگے چل کر یہ بھی آپ کو بتائیں گے کہ حیلے کا مقصد کسی کو تکلیف دینا نہیں ہونا چاہیے بھائی۔ تکلیف دینے کا مقصد نہ ہو، کسی کو نقصان دینے کا مقصد نہ ہو۔ اور صاحب شرح وقایہ بتائیں گے کہ اگر جو شفیع ہے وہ لوگوں کو تکلیف دینے والا ہے، لوگوں کو تکلیف دیتا ہے، بداخلاق ہے تو اب وہ شفعہ کرے گا اور زمین لے لے گا اور یہ سارے ہمسائے تنگ ہوں گے تو اس صورت میں شفعے کا حیلہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کو شفعے کا حق ملے ہی نا۔ اور اگر وہ نیک آدمی ہے جو شفیع ہے، جس کی طرف سے خطرہ ہے کہ یہ شفعہ کر دے گا، اگر وہ نیک آدمی ہے، سب کا خیال رکھتا ہے، پڑوسیوں کا خیال رکھتا ہے، سب اس سے خوش ہیں تو پھر اس صورت میں شفعے کو ساقط کرنے کے لیے حیلہ نہیں کرنا چاہیے۔

تو پہلی صورت ذکر کر رہے ہیں: «وَلَا فِيمَا بِيعَ إِلَّا ذِرَاعًا مِنْ طُولِ حَدِّ الشَّفِيعِ»۔ صورت مسئلہ یہ ہے: آپ کی اور ایک شخص کی زمین آپس میں ملی ہوئی ہے، وہ آپ کا پڑوسی ہے۔ اب آپ زمین بیچتے ہیں زید کے ہاتھ اور آپ کو یہ خوف ہے کہ یہ ساتھ والا شخص شفعہ کر دے گا، یہ پڑوسی کیا کرے گا؟ شفعہ کرے گا۔ تو آپ یوں کریں، زید کو اپنی ساری زمین بیچ دیں لیکن زمین کی وہ حد جو پڑوسی کے ساتھ ملی ہوئی ہے وہ زمین کی وہ ایک پٹی نہ بیچیں۔ مثلاً وہ جو پڑوسی ہے اس کی آپ کے ساتھ ساٹھ گز زمین ملی ہوئی ہے، کتنے گز؟ ساٹھ گز۔ تو یہ جو ساٹھ گز زمین آپ کی اس کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، یہ ایک فٹ کی پٹی پورے ساٹھ گز میں آپ نہ بیچیں۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ وہ جو یعنی زمین کا آپ کی زمین کا جتنا حصہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہے، ایک فٹ کی چوڑائی یا ڈیڑھ فٹ کی چوڑائی یا ایک گز کی چوڑائی یا ایک بالشت کے برابر یہ آپ نہ بیچیں، اور باقی زمین آپ زید کو بیچ دیں۔ اب وہ شفعہ نہیں کر سکتا، کیونکہ جو زمین آپ نے بیچی وہ تو اس کے ساتھ جڑی ہوئی ہے ہی نہیں۔ اور پھر جو باقی پٹی بچ گئی ہے وہ پھر آپ زید کو ہبہ کر دیں، تحفے کے طور پر دے دیں کہ یہ میں نے آپ کو تحفے کے طور پر دے دی۔ اور ہبہ کے اندر بھی شفعہ نہیں ہو سکتا۔ اس طرح ساری زمین زید کے پاس بھی چلی گئی اور شفیع شفعہ بھی نہیں کر سکتا۔ تو شفعے کے اس طریقے میں جار ملاصق کے شفعے سے بچا جا سکتا ہے۔ کس کے؟ جار ملاصق کے۔ صورت سب کو سمجھ میں آ گئی؟ اب دیکھیے کتاب پر۔

«وَلَا فِيمَا» اور شفعے کا حق نہیں ہوگا اس زمین کے اندر «بِيعَ» جس کو بیچا گیا «إِلَّا ذِرَاعًا» مگر ایک ذراع۔ بھائی ذراع یہ شرعی گز کو کہتے ہیں۔ یہ ہاتھ کی کہنی سے لے کر ہاتھ کی کہنی سے لے کر یہ انگلیوں کے سروں تک، یہ جو لمبائی ہے یہ تقریباً ڈیڑھ فٹ بنتی ہے اور یہ ہے شرعی گز بھائی۔ تو شرعی گز ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے۔ اور آج کل جو انگریزی گز رائج ہے وہ تین فٹ کا

الشُّفْعَةُ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فإنَّهُ إذا لم يبعْ مالًا يلاصقُ دارَ الشَّفيع، لا يثبتُ الشُّفعة.» منقول ہے۔

ہوتا ہے، وہ شرعی گز سے دگنا ہے۔ اور پھر آج کل گز کے بجائے میٹر آ گئے ہیں، میٹر جو ہے وہ گز سے بھی تین انچ زیادہ ہوتا ہے بھائی۔ تو ویسے مثال کے طور پر انہوں نے ذراع کہہ دیا، یہ ذراع کس کو کہتے ہیں؟ شرعی گز کو۔

تو کہتے ہیں «وَلَا فِيمَا» اور شفعے کا حق نہیں ہوگا «فِيمَا» اس عقار کے اندر، میں نے بتلایا یہ «مَا» سے کیا مراد ہے؟ عقار بھائی۔ اس عقار کے اندر «بِيعَ» جس کو بیچا گیا «إِلَّا ذِرَاعًا» مگر ایک ذراع اس میں سے یعنی وہ نہیں بیچا گیا «مِنْ طُولِ حَدِّ الشَّفِيعِ» شفیع کی حد کی لمبائی میں۔ وہ جس کی طرف سے خطرہ ہے کہ شفعہ کرے گا اس کی حد کی لمبائی میں، یعنی اس کی جتنی زمین کی حد ہے اس ساری کی لمبائی کے اندر ایک ذراع نہیں بیچا گیا۔

کہتے ہیں «هَذِهِ حِيلَةٌ لِإِسْقَاطِ شُفْعَةِ الْجِوَارِ» یہ حیلہ ہے شفعہ جوار کو ساقط کرنے کے لیے، «وَهِيَ» اور وہ یہ کہ «أَنْ تُبَاعَ الدَّارُ» کہ بیچا جائے اس گھر کو «إِلَّا مِقْدَارَ عَرْضِهِ» مگر اس کی چوڑائی کی مقدار «ذِرَاعٌ» جو کتنا ہو ایک ذراع، «أَوْ شِبْرٌ» یا ایک بالشت، «أَوْ أُصْبُعٌ» یا ایک انگلی۔ بالشت جانتے ہو بھائی «شِبْرٌ»، «شِبْرٌ»؟ آپ بعض اوقات عام لوگ کسی چیز کی پیمائش کرتے ہیں، انگوٹھے اور چھوٹی انگلی کو پورا پھیلا دیا، انگوٹھے اور چھوٹی انگلی کے سروں کے درمیان جتنا فاصلہ آ گیا اس کو بالشت کہتے ہیں، «شِبْرٌ»، «شِبْرٌ»۔ اور «أُصْبُعٌ» انگلی کی چوڑائی بھائی، یہ کوئی ایک انگلی ہو۔ انگلی کی لمبائی نہیں، لمبائی نہیں اس کی چوڑائی مراد ہے۔ سمجھ میں آیا؟ چوڑائی جو ہے اور یہ میرا خیال ہے کوئی آدھا پونا انچ کے قریب بنتی ہوگی ایک انگلی کی موٹائی بھائی، انگلی کی موٹائی۔

تو کہتے ہیں «وَهِيَ أَنْ تُبَاعَ الدَّارُ إِلَّا مِقْدَارَ عَرْضِهِ ذِرَاعٌ أَوْ شِبْرٌ أَوْ أُصْبُعٌ» اور وہ یہ کہ بیچا جائے کوئی گھر مگر اس کی چوڑائی کی مقدار ایک ذراع یا ایک بالشت یا ایک انگلی اس کو نہ بیچا جائے، «وَطُولُهُ تَمَامُ مَا يُلَاصِقُ مِنَ الدَّارِ الْمَبِيعَةِ» اور اس کی لمبائی جو ہے وہ ساری جو ملی ہوئی ہے بیچے ہوئے گھر میں سے «وَطُولُهُ» اور اس کی لمبائی کتنی ہو؟ چوڑائی تو بتا دی اتنی چوڑی پٹی نہ بیچنا، اور کتنی لمبی ہونی چاہیے وہ پٹی؟ کہتے ہیں «تَمَامُ مَا يُلَاصِقُ مِنَ الدَّارِ الْمَبِيعَةِ» وہ ساری لمبائی جو ملی ہوئی ہے بیچے ہوئے گھر میں سے کس کے ساتھ ملی ہوئی ہے؟ «دَارَ الشَّفِيعِ» شفیع کے گھر کے ساتھ، یعنی اس کی زمین کے ساتھ پوری جو پٹی ملی ہوئی ہے وہ ساری وہ ایک ذراع کی چوڑائی کے برابر نہ بیچو، یا ایک بالشت کے برابر نہ بیچو، یا ایک انگلی کے برابر آدھا انچ، ایک انچ جو ہے، ایک انگلی کے مقدار کے برابر اس کی چوڑائی کی مقدار یعنی آدھا یا پونا انچ یا ایک انچ کی ایک پوری پٹی جو اس کی زمین کے ساتھ ملی ہوئی ہے آپ نے اس کو بیع میں داخل نہیں کیا کہ یہ پٹی میں تمہیں نہیں بیچ رہا اس کے علاوہ باقی یہ ساری زمین میں آپ کو بیچتا ہوں۔ اور پھر بعد میں وہ پٹی بھی کیا کر دیجیے گا اس کو تحفے کے طور پر دے دیجیے گا۔

«فَإِنَّهُ إِذَا لَمْ يَبِعْ» پس کیونکہ جب نہیں بیچی گئی «مَا لَا يُلَاصِقُ دَارَ الشَّفِيعِ» بھائی یہ «لَا» نہیں ہونا چاہیے، یہ کتابت کی غلطی ہے۔ جب نہیں بیچی گئی «مَا» وہ عقار «يُلَاصِقُ دَارَ الشَّفِيعِ» جو شفیع کے گھر کے ساتھ ملی ہوئی۔ جو شفیع کے گھر کے ساتھ ملی ہوئی ہے وہ بیچی ہے یا نہیں بیچی؟ وہ نہیں بیچی۔ تو «لَمْ يَبِعْ» آ رہا ہے، نہیں بیچی۔ نہیں بیچی «مَا» وہ عقار وہ حصہ، وہ

حصہ نہیں بیچا کون سا حصہ نہیں بیچا؟ شفیع کے گھر کے ساتھ ملا ہوا ہے، تو ادھر تو لکھا ہوا ہے «لَا يُلَاصِقُ» جو نہیں ملا ہوا، تو یہ «لَا» غلط ہے کتابت کی غلطی ہے۔ تو یہ «لَا» ہٹاؤ اب عبارت درست ہو گئی۔ پس کیونکہ «إِذَا لَمْ يَبِعْ» جب نہیں بیچا گیا «مَا» اس عقار کو «يُلَاصِقُ دَارَ الشَّفِيعِ» جو شفیع کے گھر کے ساتھ ملی ہوئی۔ وہ حصہ عقار کا جو شفیع کے گھر کے ساتھ ملا ہوا ہے جب اس کو نہیں بیچا گیا «لَمْ يَبِعْ» اس کو نہیں بیچا گیا تو «لَا تَثْبُتُ الشُّفْعَةُ» تو شفعہ ثابت نہیں ہوگا۔ عبارت سمجھ میں آ گئی؟ معلوم ہوا یہ «لَا» کتابت کی غلطی ہے، یہ نہیں ہونا چاہیے۔

آگے دیکھیے: «أَوْ شَرَى سَهْمًا مِنْهُمَا بِثَمَنٍ ثُمَّ بَاقِيَهَا إِلَّا فِي السَّهْمِ الْأَوَّلِ»۔ دوسری صورت بھائی۔ پہلی صورت میں کیا تھا؟ آپ نے ایک پٹی نہیں بیچی اور وہ پھر بعد میں ہبہ کی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آپ اپنا گھر فروخت کرنے لگے ہیں کسی زید کو مثلاً، اور پڑوسی کی طرف سے خطرہ ہے کہ وہ کیا کر دے گا؟ شفعہ کر دے گا۔ تو اس کا اب طریقہ یہ ہے کہ اس گھر کا ایک حصہ، ایک حصہ مہنگے داموں زید کو فروخت کر دیں۔ مثلاً اس پورے گھر کو آپ نے بیچنا ہے، اس پورے گھر کی قیمت ہے پچاس لاکھ، پچاس لاکھ۔ تو آپ یوں کریں اس گھر کا ایک سواں حصہ وہ انچاس لاکھ میں اس کو بیچ دیں۔ کتنا حصہ؟ سواں بھی نہ کرو، ہزارواں کر لو۔ اس گھر کا ہزارواں حصہ میں نے آپ کو کتنے میں بیچا؟ انچاس لاکھ کا۔ حالانکہ اگر اس گھر کے ہزار حصے کرو اور پورا گھر ہے پچاس لاکھ کا تو ہزارواں حصہ ہاں وہ تو چند ہزار کا بھی مشکل سے بنے گا، اور یہ اس کو کتنے میں بیچ رہا ہے؟ انچاس لاکھ میں۔ تو ظاہر سی بات ہے وہ پڑوسی شفعہ نہیں کرے گا کہ اتنا تھوڑا سا حصہ ایک ہزارواں یا ایک سواں حصہ اور قیمت کتنی ہے تقریباً پوری زمین جتنی ہے، تو وہ شفعہ نہیں کرے گا وہ شفعہ چھوڑ دے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اس کے بعد جو باقی گھر کے جو نو سو ننانوے حصے ہیں اگر آپ نے ہزار حصے کیے یا سو حصے کیے تھے تو باقی جو ننانوے حصے ہیں وہ صرف ایک لاکھ میں اس کو دے دو۔ کتنے میں دے دو؟ ایک لاکھ میں اس کو دے دو۔ اب بھی وہ شفعہ نہیں کر سکتا۔ کیوں؟ کیونکہ جو زید تھا اس نے جب ایک ہزارواں حصہ خریدا انچاس لاکھ میں، ایک ہزارواں حصہ، تو وہ حصہ آپ نے کوئی علیحدہ حدبندی کر کے نہیں دی کہ یہ والا حصہ ہے، بلکہ وہ پوری زمین میں حصہ اس کا پھیلا ہوا ہے گویا وہ شریک فی نفس المبیع بن گیا۔ کیا بن گیا؟ چنانچہ جب دوسری دفعہ اب آپ اس کو باقی ننانوے حصے فروخت کر رہے ہیں تو وہ شریک فی نفس المبیع ہو چکا ہے، اور ساتھ والا جو شفعہ کرنا چاہتا ہے وہ تو جار ملاصق ہے اور شریک فی نفس المبیع کے ہوتے ہوئے جار ملاصق کو شفعے کا حق نہیں ہے۔ لہٰذا اس طرح پوری زمین پچاس لاکھ میں زید کو پہنچ گئی اور شفیع شفعہ بھی نہ کر سکا جو جار ملاصق ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں «أَوْ شَرَى سَهْمًا مِنْهُمَا» یا خریدا اس شخص نے، «شَرَى سَهْمًا مِنْهُمَا» اس نے خریدا ایک حصہ «مِنْهُمَا» اس گھر میں سے یا اس زمین میں سے۔ کس میں سے؟ اس گھر یا زمین میں سے ایک حصہ خرید لیا «بِثَمَنٍ» کسی ثمن کے بدلے، اور میں نے بتایا ثمن بھی خوب زیادہ رکھو، کتنی رکھو؟ اصل کے قریب قریب ہی رکھو۔ پوری زمین پچاس لاکھ کی ہے تو یہ ایک

حصہ آپ اس کو انچاس لاکھ میں دے دو یا انچاس لاکھ ننانوے ہزار نو سوننانوے میں دے دو، اور باقی کا حصہ ایک روپے میں دے دو۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ مطلب خوب مہنگا دو تاکہ وہ شفعہ کرے ہی نا۔ اگر سستا دیں گے پھر بھی وہ کیا کر سکتا ہے؟ شفعہ کر سکتا ہے۔

تو کہا «أَوْ شَرَى سَهْمًا مِنْهُمَا بِثَمَنٍ» یا بیچا اس نے ایک حصہ اس زمین یا گھر میں سے «بِثَمَنٍ» کسی ثمن کے بدلے۔ یہاں «مِنْهُمَا» ہے متن میں، اور اس کے نیچے انہوں نے بتلایا یہ ضمیر کا مرجع ہے دار یا ارض۔ دار یا ارض۔ تو بہرحال بظاہر یہی لگتا ہے یہ بھی کتابت کی غلطی ہے، «مِنْهُمَا» نہیں ہونا چاہیے، «مِنْهَا» ہونا چاہیے، کیا ہونا چاہیے؟ «مِنْهَا» ہونا چاہیے یا «مِنْهُ» ہونا چاہیے، اس عقار میں سے ایک حصہ بیچا، یا «مِنْهَا» ہا ضمیر اس دار کو راجع کر لیں، اس دار میں سے ایک حصہ بیچا۔

تو خریدا اس نے اس میں سے ایک حصہ ایک ثمن کے بدلے «ثُمَّ بَاقِيَهَا» «بَاقِيَهَا» یا پر فتحہ پڑھنا بھائی، یہ انہوں نے سکون دیا ہوا ہے درست نہیں ہے۔ «ثُمَّ شَرَى بَاقِيَهَا» پھر اس نے خرید لیا باقی کا حصہ۔ باقی کس کی طرح ہے؟ قاضی کی طرح، قاضی۔ اور قاضی حالت نصبی میں اس پر نصب آتا ہے، حالت رفعی جری میں تو اعراب اس کا تقدیری ہے۔ «جَاءَنِي قَاضٍ»، «رَأَيْتُ قَاضِيًا»، «مَرَرْتُ بِقَاضٍ»۔ تو رفع اور جر یہ تو تقدیری آئے گا لیکن نصب تو فتحہ لفظی کے ساتھ آئے گا، تو یہ بھی منصوب ہے، یہ مفعول بن رہا ہے، «ثُمَّ بَاقِيَهَا» أَيْ «ثُمَّ شَرَى بَاقِيَهَا» پھر اس نے اس باقی کو بھی خرید لیا۔ اس باقی کے گھر کو بھی خرید لیا، دیکھو یہاں بھی مفرد کی ضمیر لائے ہیں، معلوم ہوا پیچھے بھی مفرد کی ضمیر ہونی چاہیے واحد مؤنث کی۔ تو شفعہ نہیں ہے، شفعہ نہیں ہے «إِلَّا فِي السَّهْمِ الْأَوَّلِ» مگر کس میں؟ پہلے حصے میں۔ شفیع جو شفعہ کرنا چاہتا ہے جو جار ملاصق ہے وہ صرف کس میں شفعہ کر سکتا ہے؟ پہلے حصے میں کر سکتا ہے جو سواں حصہ یا ہزارواں حصہ آپ نے بیچا، باقی والے حصوں میں اس میں تو پھر وہ خریدار کیا بن چکا شریک فی نَفْسِ الْمَبِيعِ بن چکا ہے، تو پھر جار ملاصق کو شفعے کا حق ہی نہیں ہوگا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ عبارت سمجھ میں آئی؟ پیچھے کیا آیا تھا «وَلَا فِيمَا بِيعَ إِلَّا» کہ شفعے کا حق نہیں ہے، تو اسی «لَا» کے تحت یہ بھی ہے، اور شفعے کا حق نہیں ہے کس میں؟ اس زمین میں «شَرَى سَهْمًا مِنْهَا بِثَمَنٍ» جس میں سے ایک حصہ ثمن کے بدلے خرید لیا، پھر باقی کو خرید لیا، اس میں شفعے کا حق نہیں ہے «إِلَّا فِي السَّهْمِ الْأَوَّلِ» مگر کس کے اندر؟ پہلے حصے میں۔[۴]

«هَذِهِ حِيلَةٌ أُخْرَى لِإِسْقَاطِ شُفْعَةِ الْجِوَارِ» یہ ایک دوسرا حیلہ ہے شفعہ جوار کو ساقط کرنے کے لیے، اس کو ختم کرنے کے لیے، «وَهِيَ أَنَّهُ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَشْتَرِيَ الدَّارَ بِأَلْفٍ» اور وہ یہ کہ اس نے جب ارادہ کیا کہ وہ خریدے کسی گھر کو ایک ہزار کے بدلے، مثلاً ایک ہزار دینار میں لے رہا ہے، میں نے تو پچاس لاکھ بتائے، قدیم زمانے میں تو دینار اور درہم چلتے تھے تو یہ اس طرح بتا رہے ہیں، اس نے گھر خریدنے کا ارادہ کیا ایک ہزار درہم کے بدلے، «يَشْتَرِي شَيْئًا قَلِيلًا مِنْهَا» تو اس میں

[۴] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۶۳):** صوتی درس کی قراءت میں «شَرَى سَهْمًا مِنْهَا بِثَمَنٍ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «شرى سهمًا منهما بثمنٍ» منقول ہے۔

سے تھوڑا سا حصہ خرید لے «كَسَهْمٍ وَاحِدٍ مِنْ أَلْفِ سَهْمٍ» جیسے ایک حصہ ایک ہزار حصوں میں سے یعنی ہزارواں حصہ خرید لے، «مَثَلًا» مثال کے طور پر «بِأَلْفٍ إِلَّا دِرْهَمًا» کتنے کے بدلے؟ ایک ہزار مگر ایک درہم، ایک درہم کم ایک ہزار یعنی نو سو ننانوے درہم میں کتنا حصہ خرید لے؟ ایک ہزار، بھائی دیکھو پورا گھر کتنے کا ہے؟ ہزار درہم کا۔ تو ہزار حصے اس کے کر دو، علیحدہ نہ کرو بس جز، ہر جز کتنے کا بنے گا؟ ایک دینار کا، ایک درہم کا۔ اب اس میں سے ہزار میں سے ایک جز بیچ رہا ہے تو ایک جز کتنے کا ہونا چاہیے؟ ایک درہم کا، لیکن وہ ایک کے بجائے کتنے کا بیچ رہا ہے؟ نو سو ننانوے درہم کے۔ اور جو نو سو ننانوے باقی بچ گئے ہیں حصے، ان کو پھر بعد میں ایک درہم کے بدلے خرید لے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے «كَسَهْمٍ وَاحِدٍ مِنْ أَلْفِ سَهْمٍ مَثَلًا بِأَلْفٍ إِلَّا دِرْهَمًا» جیسے کہ ایک حصہ ایک ہزار حصوں میں سے مثال کے طور پر ایک کم ایک ہزار کے بدلے، «ثُمَّ يَشْتَرِي الْبَاقِيَ بِدِرْهَمٍ» پھر باقی کو بھی وہ خرید لے کتنے کے بدلے؟ ایک درہم کے بدلے۔ «فَالشَّفِيعُ لَا يَأْخُذُ الشُّفْعَةَ إِلَّا فِي السَّهْمِ الْأَوَّلِ بِثَمَنِهِ» تو شفیع جو ہے وہ شفعہ نہیں لے سکتا مگر پہلے ہی حصے میں «بِثَمَنِهِ» اس کے ثمن کے بدلے، اور پہلے حصے کے تو ثمن بہت زیادہ تھے۔ تو اس کو صرف اسی کو لے سکتا ہے، «لَا فِي الْبَاقِي» باقی کے اندر شفعہ وہ نہیں کر سکتا۔ صورت سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ «لِأَنَّ الْمُشْتَرِيَ صَارَ شَرِيكًا» اس لیے کیونکہ خریدار جو ہے وہ شریک ہو چکا ہے، وہ شریک بن گیا ہے، «وَهُوَ أَحَقُّ مِنَ الْجَارِ» اور وہ زیادہ لائق ہے جار ملاصق کے مقابلے میں۔

«أَوْ شَرَى بِثَمَنٍ ثُمَّ دَفَعَ عَنْهُ ثَوْبًا إِلَّا بِالثَّمَنِ»۔ اب تیسرا حیلہ بتلا رہے ہیں۔ اور یہ حیلہ عام ہے، یہ شفعہ جوار میں بھی چل سکتا ہے اور شفعہ شرکت میں بھی چل سکتا ہے۔ شریک فی نفس المبیع ہو، شریک فی حق المبیع ہو یا جار ہو، تینوں کے لیے یہ شفعہ کارآمد ہے۔ اور وہ کیا؟ صورت یہ ہے: آپ کا، زید کا اور عمرو تینوں ایک مکان میں شریک ہیں۔ اب آپ اپنا حصہ مثلاً خالد کو بیچنا چاہتے ہیں۔ جب آپ بیچیں گے تو ظاہر سی بات ہے یہ دونوں شریک فی نفس المبیع ہیں، یہ شفعہ کریں گے اور لے لیں گے وہ حصہ۔ اور آپ اس سے بچنا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً آپ کا حصہ بنتا ہے ہزار درہم کا، کتنے کا بنتا ہے؟ ہزار درہم کا بنتا ہے، آپ اس کو پچاس ہزار درہم کے بدلے فروخت کر دو کسی کے ہاتھ۔ اب کوئی شفعہ کرے گا؟ ایک ہزار کی چیز کوئی پچاس ہزار میں لے گا؟ کبھی بھی نہیں لے گا۔ اس میں تو پچاس گھر آجائیں گے اس جیسے۔ تو لہٰذا وہ شفعہ چھوڑ دیں گے۔

اچھا، اب جب خالد جو ہے وہ پھر آپ کو پچاس ہزار ادا نہ کرے، پچاس ہزار کے بجائے ایک ہزار جو اصل قیمت ہے، ایک ہزار کے برابر کوئی سامان آپ کو دے دے۔ کیا کرے؟ یعنی یوں کہو اس پچاس ہزار کے بدلے آپ کو ایک ہزار درہم کا کپڑا دے دے، یا ایک ہزار درہم کی کوئی اور چیز دے دے۔ اب اگر ان میں سے کوئی شفعہ کرنا چاہتا ہے، شفعہ کرنا چاہتا ہے تو وہ اس ثمن اول، وہ جو ثمن طے ہوئے تھے اس پر شفعہ کر سکتا ہے، یہ جو سامان آپ نے لیا اس کے مطابق شفعہ نہیں کر سکتا۔ سامان تو ایک ہزار کا ہے اور ثمن کتنے طے ہوئے تھے؟ پچاس ہزار طے ہوئے تھے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

پھر سنو: آپ اور زید اور عمرو یہ سارے ایک مکان میں شریک ہیں۔ آپ کا جو حصہ ہے وہ ایک ہزار درہم کا ہے، اور آپ وہ بیچتے ہیں اور شفعے سے جان بچانا چاہتے ہیں تو وہ ایک ہزار درہم کے بجائے آپ اس کو دس ہزار یا پچاس ہزار درہم خوب زائد قیمت میں آپ کسی کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ اور پھر بیچنا تو ہزار میں تھا لیکن طے کیا کرتے ہو بیع کے اندر قیمت؟ پچاس ہزار۔ تو پچاس ہزار آپ نے طے کر دی لیکن اب اس سے پچاس ہزار تو نہیں لینے، مشتری تو کبھی بھی پچاس ہزار نہیں لے گا وہ تو دے اس سے تو آپ نے پہلے بات کر لی تھی اس کو سمجھا دیا تھا کہ یہ شفعہ کر کے لے لیں گے، لہٰذا بیع میں ہم پچاس ہزار طے کریں گے، لیکن بعد میں ان پچاس ہزار درہموں کے بدلے آپ مجھے ایک ہزار درہم کا سامان دے دینا۔ کیا دے دینا؟ سامان، کوئی کپڑا دے دو، کوئی بھی چیز ایک ہزار کی دے دو۔ اب زمین گویا کتنے میں چلی گئی؟ ایک ہزار میں گئی۔ لیکن بیع میں ثمن کیا طے ہوئے تھے؟ پچاس ہزار۔ تو اب جب یہ شفعہ کرنا چاہتے ہیں تو یہ وہ ثمن کے بدلے جو طے ہوئے تھے اسی میں شفعہ کر سکتے ہیں، اس سامان کے بدلے شفعہ نہیں کر سکتے۔ یہ تو آپ انہی پچاس ہزار کا بدل لے رہے ہیں۔ کیا کر رہے ہیں؟ وہ پچاس ہزار کی آپ ایک ہزار کی چیز پچاس ہزار میں لیں کوئی آپ کو روک سکتا ہے؟ جی؟ بھائی آپ کا حق ہے، ایک چیز سو روپے کی ہے آپ اس کو کہتے ہیں نہیں بھائی میں ہزار میں لیتا ہوں، یہ لو ہزار اور مجھے یہ سو والی چیز دے دو۔ کوئی آپ کو کچھ کہہ سکتا ہے؟ روک سکتا ہے؟ نہیں، وہ آپ کا حق ہے۔ تو آپ نے بھی گویا ایسے ہی کیا، گویا طے تو پچاس ہزار کیے اور کتنے والی چیز لے لی؟ ہزار والی۔ تو پچاس ہزار والی چیز آپ نے ہزار میں لے لی۔ اور یہ سارا آپ نے چکر کس لیے چلایا؟ حیلہ کرنے کے لیے تاکہ کوئی شفعہ نہ کر سکے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ آپ کہیں گے کہ پچاس ہزار طے کر دیں ثمن اور پھر ہزار درہم براہ راست لے لیں؟ نہیں بھائی، درہم نہیں ہزار براہ راست لے سکتے۔ پچاس ہزار طے کرو اور لے لو کتنے؟ ہزار۔ پچاس ہزار طے کر کے ہزار لے لو اس کا تو مطلب ہوگا کہ آپ نے انچاس ہزار کم کر دیے۔ کیا کر دیے؟ کم کر دیے۔ اور جب مشتری کے لیے بیع کی قیمت میں کمی ہوتی ہے وہ تو شفیع کے لیے بھی کیا ہو جاتی ہے؟ کمی ہو جاتی ہے، وہ تو پھر شفعہ کر لیں گے بھائی۔ لہٰذا آپ یہاں سامان لے رہے ہیں، اور یہ نہ کہیں یہ سامان ہزار کے بدلے لے رہا ہوں، سامان تو ہے ہزار کا لیکن کس کے بدلے لے رہے ہیں؟ پچاس ہزار کے بدلے لے رہے ہیں، اور وہ آپ کی مرضی ہے پچاس ہزار کے بدلے چاہے آپ ایک سوئی لے لیں چاہے ایک قلم لے لیں وہ آپ کی مرضی ہے بھائی۔ تو آپ نے ہزار کی جتنی قیمت بنتی تھی اصل، اس کے مطابق سامان اس سے لے لیا۔ مسئلہ سب کو سمجھ میں آگیا؟

«أَوْ شَرَى بِثَمَنٍ» یا خریدا زمین کو کسی ثمن کے بدلے «ثُمَّ دَفَعَ عَنْهُ ثَوْبًا» پھر دے دیا اس ثمن کے بدلے «ثَوْبًا» کوئی کپڑا دے دیا، تو شفعہ نہیں ہو سکے گا، یہ سب اس «لَا» کے تحت آرہے ہیں کہ اس میں حق شفعہ نہیں ہے، «إِلَّا بِالثَّمَنِ» مگر کس کے بدلے؟ ثمن کے بدلے، یعنی وہ سامان کے بدلے شفعہ نہیں ہو سکتا یہ تو آپ اس کا بدل لے رہے ہیں، اصل جو عقد

ہوا ہے وہ تو پچاس ہزار میں ہوا ہے۔

«هَذِهِ حِيلَةٌ أُخْرَى تَعُمُّ الْحِوَارَ وَغَيْرَهُ» یہ ایک اور حیلہ ہے جو عام ہے جوار کو بھی اور اس کے علاوہ یعنی شرکت وغیرہ کو بھی، «وَهِيَ مَا إِذَا أُرِيدَ بَيْعُ الدَّارِ بِمِائَةٍ» اور وہ یہ کہ جب ارادہ کیا جائے کسی گھر کو بیچنے کا «بِمِائَةٍ» کتنے کے بدلے؟ مثلاً سو کے بدلے، سو درہم۔ «بِمِائَةٍ» میری کتاب میں با، میم، ہمزہ ہے اور پھر گول تا ہے۔ حالانکہ میم کے بعد الف ہونا چاہیے، «بِمِائَةٍ»، «بِمِائَةٍ»۔ مائۃ کو عربی میں اس طرح لکھتے ہیں: میم، الف اور پھر آگے ہمزہ اور گول تا۔ ہمزہ اور گول تا۔ یہ اس لیے کہ تاکہ فرق ہو جائے «مِائَةٌ» اور «مِنْهُ» سے، «مِنْهُ» سے۔ اگر الف نہیں لکھیں گے تو میم، ہمزہ اور گول تا لکھ دیں گے تو بعض اوقات کاتب اگر کوئی جلدی میں لکھ رہا ہے اس سے غلطی ہو گئی ہمزہ کے بجائے وہ کیا پڑھ جائے گا اس کو؟ «مِنْهُ» پڑھ جائے گا، «مِنْهُ»۔ تو کتابت کی غلطی آجائے گی۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو پرانے علماء ایسے مقام پر بڑے احتیاط کرتے تھے، ایسی ایسی نشانیاں مقرر کر دیں کہ پھر کسی سے غلطی نہیں ہوتی۔ انہوں نے بیچ میں الف بڑھا دیا، اب اس کو کوئی بھی «مِنْهُ» نہیں پڑھے گا جب الف ہے، تو اب اس کو مائۃ ہی پڑھے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ہاں آج کل جدید عربی میں، جدید عربی میں اس الف کو گرا دیتے ہیں، الف نہیں لکھتے۔ الف نہیں لکھتے، چنانچہ سعودیہ وغیرہ عام ملکوں کے جب آپ ریال دیکھیں نا اس پر جب مائۃ ریال لکھا ہوگا تو الف کے بغیر عموماً اب وہ لکھ دیتے ہیں، الف کے بغیر۔ تو یہ بھی کتابت کی جنہوں نے تصحیح کی یہاں الف ہوگا، انہوں نے اس جدید کے مطابق کیا کر دیا ہے؟ یہاں کتاب میں الف کو گرا دیا ہے، حالانکہ کتاب میں تو وہی قدیم رسم الخط جس طرح قدیم انداز ہی کیا تھا کہ مائۃ کو کس کے ساتھ لکھتے تھے؟ الف کے ساتھ، تو یقیناً باقی نسخوں میں بھی آپ دیکھیں گے یہ الف کے ساتھ ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں «وَهِيَ مَا إِذَا أُرِيدَ بَيْعُ الدَّارِ بِمِائَةٍ» اور وہ یہ کہ جب ارادہ کیا گیا کسی گھر کو بیچنے کا سو درہم کے بدلے «فَيَشْتَرِي الدَّارَ بِأَلْفٍ» تو خرید لے اس کو ہزار کے بدلے۔ بیچنا کتنے کا ہے؟ قیمت کتنی ہے؟ سو، اور بیچا کتنے کا؟ ہزار۔ «فَيَشْتَرِي الدَّارَ» تو وہ خرید لے گھر کو «بِأَلْفٍ» کتنے کے بدلے؟ ہزار کے بدلے خرید لے۔ «ثُمَّ يَدْفَعُ ثَوْبًا يُسَاوِي مِائَةً» پھر دے حوالے کر دے ایک ایسا کپڑا جو برابر ہو ایک سو درہم کے «فِي مُقَابَلَةِ الْأَلْفِ» ہزار کے مقابلے میں۔ ہزار کے مقابلے میں ایسا کپڑا دے دے جو کتنے کے برابر ہے؟ سو درہم کے برابر ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ «فَالشَّفِيعُ لَا يَأْخُذُهُ إِلَّا بِأَلْفٍ» تو شفیع نہیں لے سکتا اس زمین کو مگر ہزار کے بدلے ہی یعنی جو ثمن طے ہوئے تھے۔

اب آگے آپ کو بتلانے لگے ہیں کہ حیلہ کر سکتے ہیں، کرنا مکروہ ہے یا مکروہ نہیں؟ تو آپ کو بتلا رہے ہیں دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: «وَلَا يُكْرَهُ حِيلَةُ إِسْقَاطِ الشُّفْعَةِ وَالزَّكَاةِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ» اور مکروہ نہیں ہے حیلہ کرنا شفعے کو ساقط کرنے کے لیے اور زکوٰۃ کو ساقط کرنے کے لیے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شفعہ

ساقط کرنے کے لیے حیلہ کر سکتے ہو، اسی طرح زکوٰۃ کو ساقط کرنے کے لیے حیلہ کر سکتے ہو، کوئی ایسا طریقہ اختیار کر لو کہ آپ پر زکوٰۃ آئے ہی نا، آئے ہی نا۔ «وَبِهِ يُفْتَى فِي الشُّفْعَةِ» اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے شفعے کے اندر، «وَبِضِدِّهِ فِي الزَّكَاةِ» اور زکوٰۃ میں اس کی ضد پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ یعنی شفعے کے اندر اس کو ساقط کرنے کے لیے حیلہ کرنا مکروہ نہیں ہے اور زکوٰۃ میں اس کو ساقط کرنے کے لیے حیلہ کرنا مکروہ ہے۔

بھائی اصل میں «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ»، اعمال کا دارومدار کس پر ہے؟ نیتوں پر ہے، نیتوں پر ہے۔ آپ جو بھی دنیا کا کام کرنے لگے ہیں آپ کی نیت کو شریعت مدنظر رکھے گی، آپ کی نیت کو دیکھا جائے گا اس میں بھائی۔ نیکی کا کام بھی اگر خراب نیت سے کر رہے ہیں تو آپ کی گرفت ہوگی اس پر، اس کا کوئی اجر آپ کو نہیں ملے گا۔ اور بعض اوقات بظاہر ایک کام درست نہیں لگتا شرعاً لیکن اگر آپ کی نیت اچھی ہے تو امید ہے کہ آپ کی اس اچھی نیت کی وجہ سے اللہ آپ کو معاف فرما دیں گے اور ہو سکتا ہے اجر بھی ملے، اجر ملے۔ تو جو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شفعے کو ساقط کرنے کے لیے بھی حیلہ کر سکتے ہو اور زکوٰۃ کو ساقط کرنے کے لیے بھی حیلہ کر سکتے ہو، یہ کسی مجبوری اور ضرورت کی صورت میں ہے۔ اور اگر آپ حیلہ کس لیے کر رہے ہیں؟ کسی کو تکلیف دینا چاہتے ہیں، نقصان دینا چاہتے ہیں، یا زکوٰۃ سے بالکل اپنے آپ کو چھڑانا چاہتے ہیں تو پھر بات وہی ہو گئی آپ کی تو نیت ہی ٹھیک نہیں ہے، اس صورت میں اس صورت میں وہ فقہاء اجازت نہیں دے رہے، وہ صرف ضرورت کی صورت میں اجازت دے رہے ہیں۔ جیسے میں ابھی مثال میں نے بیان کر دی، صاحب شرح وقایہ بھی آپ کو بتائیں گے، ایک شفعہ کرنے والا اگر لوگوں کو تکلیف دینے والا آدمی ہے ضدی ہے، بداخلاق ہے، وہ شفعہ کرے گا اور یہ لوگوں کا ہمسایہ ان لوگوں کا بھی ہمسایہ بن جائے گا اور تو اب آپ کیا کر سکتے ہیں؟ حیلہ کر سکتے ہیں بھائی، کر سکتے ہیں آپ۔ اور اسی طرح زکوٰۃ ہے۔ ایک انسان ایک ایسے موقع میں مسئلے میں پھنس گیا کہ اب زکوٰۃ کسی طرح وہ چاہتا ہے کہ زکوٰۃ اس پر نہ آئے، نہ آئے۔ تو وہ حیلہ کر سکتا ہے اگر مجبوری ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس غریبوں کا حق مارنے کے لیے وہ حیلے کرتا ہے کہ مجھے کچھ مال دینا ہی نہ پڑے، نہیں نہیں ایسا نہیں۔ اس کی مثال حاشیے میں انہوں نے بڑی پیاری مثال ذکر کی کہ مثلاً ایک آدمی ہے، اس پر حج فرض ہے، اور اس کے پاس پیسے بھی جمع ہو گئے ہیں حج کے۔ اور ادھر اس کی بیٹیاں جوان ہیں، جوان ہیں، اور ان کے رشتے بھی موجود ہیں۔ اب اگر وہ حج پر جائے تو سارے پیسے ختم ہو جائیں گے۔ اور اگر وہ زکوٰۃ دے دے تو پیسے کم پڑ جائیں گے۔ حج پر نہیں جا سکتا۔ اور نیز حج پر جائے گا تو بیٹیوں کی شادی بھی رہ جائے گی، پھر پتا نہیں مناسب رشتے کب ملتے ہیں کب نہیں ملتے۔ تو اس صورت میں وہ حیلہ کرتا ہے کہ سال پورا ہونے والا تھا، ابھی سال پورا نہیں ہوا۔ تو سارے مال کا مالک اپنی بیٹیوں کو بنا دیتا ہے۔ اور زکوٰۃ تو کب آتی ہے؟ جب نصاب کے بقدر مال پر پورا سال گزر جائے، اور ابھی تو سال پورا ہی نہیں ہوا تھا اس نے کس کو مالک بنا دیا؟ بیٹیوں کو۔ اور بیٹیوں کے پاس اب پھر مال پر سال گزرے گا تو پھر زکوٰۃ آئے گی۔ تو زکوٰۃ کیا ہو گئی؟ ساقط، زکوٰۃ آئی ہی

نہیں اس پر، اور پھر اس نے اسی میں جلدی سے بیٹیوں کی شادی کر دی۔ اور پھر اگلے سال وہ پھر اور جو پیسے جمع کرتا ہے پھر اس میں وہ زکوۃ بھی دیتا ہے اور حج پر بھی چلا جاتا ہے۔ تو دیکھو یہاں پر اس نے انتہائی مجبوری میں کیا کیا؟ حیلہ کیا۔ یہ نہیں کہ جب دل چاہے وہ حیلے کرے اور اپنے آپ کو زکوۃ سے بچائے۔ گیارہ مہینے تک مال اپنے پاس رکھا، گیارہ مہینے کے بعد بیوی کو کہتا ہے آج سے سارے مال کی مالک تم ہو۔ پھر بیوی نے رکھا، گیارہ مہینے بعد بیوی کہتی ہے آج کے بعد سارے مال کے مالک تم ہو۔ نہیں بھائی، یہ تو آپ غریبوں کا حق مار رہے ہیں بھائی۔ اس کے ذریعے آپ اپنے آپ کو نہیں چھڑا سکتے بھائی، عند اللہ آپ کی پکڑ ہوگی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو فقہاء نے اگر کہیں کسی چیز کی اجازت دی ہے تو انہوں نے اس طرح کے مواقع میں جہاں انتہائی شدید ضرورت پڑ جائے، انسان مجبور ہو جائے تو انہوں نے ایک راستہ بتا دیا کہ ہاں یہ راستہ ہے تم اس طریقے سے اس سے نکل سکتے ہو۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ اب وہ اس راستے کو ہر جائز ناجائز صورت کے لیے استعمال کیا جائے۔ اور یہ فقہاء کا زمانہ، یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریب تھا۔ یاد رکھیے آج کل فسق و فجور دنیا میں بڑھتا جا رہا ہے، گناہ بڑھتے جا رہے ہیں، ہر طرف گندگی اور نجاستیں پھیلتی جا رہی ہیں۔ وجہ یہ کہ ہم حضور کے زمانے سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ جتنا دور ہوتے جائیں گے اس آفتاب و ماہتاب نبوت کے جو برکات و انوارات ہیں، ظاہر سی بات ہے جتنا دور ہوں گے اس میں فرق پڑتا جائے گا۔ سورج کے جتنا قریب ہوں گے اتنی ہی اس کی روشنی زیادہ ہوگی، دور ہوں گے تو روشنی کم ہوگی۔ تو وہ زمانہ تو پاکیزہ زمانہ تھا۔ اس وقت تو مسلمان کوئی ایسے کام کرنے کا سوچتے بھی نہیں تھے، خیال بھی نہیں آتا تھا بھائی، خیال بھی نہیں آتا تھا۔ اور آج کل، آج کل تو اکثر کی سوچ ہی منفی ہوتی ہے، غلط طریقہ، غلط کام کے لیے ہی ایسے حیلے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن میں نے بتایا ان حیلوں سے کوئی اپنے آپ کو، یہ اس طرح کے حیلے کرنے سے بغیر وجہ کے اللہ کے ہاں اس کی جان نہیں چھوٹ سکتی بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ شفعے کے اسقاط کے لیے حیلہ کرنا جائز ہے، اور اسی طرح زکوۃ کے اسقاط کے لیے بھی حیلہ کرنا جائز ہے۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ دونوں حیلے مکروہ ہیں۔ اور انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ شفعے کے مسئلے میں فتویٰ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر ہے، اور زکوۃ کے مسئلے میں فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے بھائی۔ دوبارہ دیکھیے عبارت: کہتے ہیں «وَلَا يُكْرَهُ حِيلَةُ إِسْقَاطِ الشُّفْعَةِ وَالزَّكَاةِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى» اور مکروہ نہیں ہے شفعے اور زکوۃ کو ساقط کرنے کا حیلہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک۔ «وَبِهِ يُفْتَى فِي الشُّفْعَةِ وَبِضِدِّهِ فِي الزَّكَاةِ» اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے شفعے کے اندر، اور اس کی ضد پر یعنی اس کے مخالف پر فتویٰ دیا جاتا ہے «فِي الزَّكَاةِ» زکوۃ کے مسئلے میں۔

«اعْلَمْ أَنَّ حِيلَةَ إِسْقَاطِهِمَا لَا تُكْرَهُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ وَيُكْرَهُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ» جان لے کہ ان دونوں کو

ساقط کرنے کا جو حیلہ ہے وہ مکروہ نہیں ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک، اور مکروہ ہے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک۔ «وَيُفْتَى فِي الشُّفْعَةِ بِقَوْلِ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ» اور فتویٰ دیا جاتا ہے شفعے کے مسئلے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر «لِأَنَّهُ مَنْعٌ عَنْ وُجُوبِ الْحَقِّ لَا إِسْقَاطٌ لِلْحَقِّ الثَّابِتِ»۔ پھر ایک اور بات بھی یاد رکھو بھائی: ایک ہے حیلہ کرنا کہ شفعے کا حق دوسرے کو ملے ہی نا، حیلہ کرنا کہ دوسرے کو شفعے کا حق ملے ہی نا، اور ایک یہ ہے کہ دوسرے کو شفعے کا حق مل چکا ہے، اور اس نے طلب مواثبت بھی کر لی ہے، طلب اشہاد بھی کر لی ہے، اب آ کر آپ کوئی حیلہ اور طریقہ اختیار کرتے ہیں اور اس کا وہ حق ختم کروا دیتے ہیں۔ دونوں میں فرق ہے۔ ایک میں کیا ہے؟ پہلے سے ہی آپ نے ایسی صورت اختیار کی کہ اس کو شفعے کا حق ملا ہی نہیں، جیسے ابھی بتایا تھا زمین بیچو لیکن ساتھ والی پٹی نہ بیچو، اس کو شفعے کا حق ملے گا ہی نہیں۔ اور ایک صورت یہ کہ اس کو شفعے کا حق مل گیا، اس نے طلب مواثبت بھی کر لی، اس نے طلب اشہاد بھی کر لی، اب آپ کوئی طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ اس کا شفعہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ تو ایک شفعے کا اسقاط ہے قبل الثبوت، اور ایک شفعے کا اسقاط ہے بعد الثبوت۔ تو قبل الثبوت آپ شفعے کو ساقط کرتے ہیں تو کہتے ہیں پھر ٹھیک ہے، پھر ٹھیک ہے کہ ابھی اس کو شفعے کا حق ملا ہی نہیں آپ نے پہلے سے ہی ایک تدبیر لڑا لی۔ اور جب اس کو شفعے کا حق مل گیا، اس نے طلب مواثبت بھی کر لی، طلب اشہاد بھی کر لی، اب آپ کوئی طریقہ ایسا اختیار کرتے ہیں کہ اس کے شفعے کا حق ساقط ہو جائے، اس کا جو ملا ہوا حق ہے، ثابت شدہ حق ہے آپ اس کو کیا کرنا چاہتے ہیں؟ ساقط کرتے ہیں، تو اس صورت میں پھر یہ صحیح نہیں ہے کہ آپ اس کے حق کو ضائع کر رہے ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں «لِأَنَّهُ مَنْعٌ عَنْ وُجُوبِ الْحَقِّ» اس لیے کیونکہ یہ حیلہ جو کیا جا رہا ہے یہ «مَنْعٌ عَنْ وُجُوبِ الْحَقِّ» یہ وجوب حق یعنی ثبوت حق کو روکنے والا ہے، حق ثابت ہی نہیں ہوگا شفعے کا، «لَا إِسْقَاطٌ لِلْحَقِّ الثَّابِتِ» یہ ثابت شدہ حق کو ساقط کرنا نہیں ہے کہ حق شفعہ ثابت ہو چکا ہو پھر اس کو کیا جائے، یہ نہیں ہے۔ صورت بھی سمجھ میں آ رہی ہے کہ نہیں؟ آپ نے زمین کی ایک پٹی بیچی نہیں تو اس کو شفعے کا حق ملا ہی نہیں۔ اور دوسری صورت ہے اس کو شفعے کا حق مل گیا، طلب اشہاد طلب مواثبت بھی کر لی، طلب اشہاد بھی کر لیا، اب وہ جائے گا قاضی کے پاس اور زمین لے لے گا، آپ نے درمیان میں کوئی ایسا راستہ نکالا کہ اس بیچارے کا حق ختم ہو گیا۔ آگے خود بتائیں گے، مثلاً آپ اس کے پاس چلے گئے، خریدار، خریدار خود اس کے پاس چلا گیا اور اس کو کہتا ہے کہ بھئی یہ زمین میں نے بیس لاکھ میں خریدی اور آپ نے اس پر شفعہ کیا ہے، آپ یوں کرو شفعہ چھوڑ دو میرے سے زمین خرید لو۔ شفعہ چھوڑ دو اور زمین خرید لو۔ اس نے کہا ٹھیک ہے۔ بس مولانا، حق شفعہ ختم ہو گیا۔ خود اس نے چھوڑ دیا یا نہیں؟ اور پھر اس کی مرضی ہے اس کو بیچے نہ بیچے، کیونکہ ایک دفعہ اس نے خود کہہ دیا کہ ٹھیک ہے میں شفعہ چھوڑ دیتا ہوں۔۔ یا دوسری صورت یہ ہے کہ خریدار اس کو جا کر کہتا ہے کہ بھئی آپ نے میری زمین پر شفعہ کیا ہے، قاضی کے پاس آپ جا رہے ہیں تو بیس لاکھ کی زمین ہے آپ کو بیس لاکھ ہی دینے پڑیں گے، یوں کریں آپ یہ شفعہ چھوڑ دیں یہ لیں میرے سے پانچ لاکھ روپے آپ لے لیں۔ اس نے کہا ٹھیک ہے پانچ لاکھ مجھے مفت کے مل

رہے ہیں۔ بس مولانا، حق شفعہ ختم ہو گیا۔ اس نے چھوڑ دیا یا نہیں چھوڑ دیا؟ اور وہ پانچ لاکھ بھی دینے پڑیں گے واپس۔ بھئی یہ کس چیز کے پیسے آپ لے رہے ہو؟ شفعہ تو صرف ایک حق تھا آپ کا، کوئی چیز تو نہیں ہے کہ جو دے کر آپ اس کے بدلے مال لے لیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اس طرح کا اب ثابت شدہ حق شفعہ تھا اس کا، طلب مواثبت بھی کر چکا ہے، طلب اشہاد بھی کر چکا ہے، قاضی کے پاس جانے والا ہے اور اس شخص نے اس کا شفعہ ثابت شدہ حق ختم کروا دیا، تو یہ درست نہیں ہے بھائی۔ اور جو ابھی شفعہ ثابت ہی نہیں ہوا، پہلے سے ہی آپ کوئی طریقہ اختیار کر لیتے ہیں اس میں بھی میں نے بتایا کہ نیک آدمی ہو تو ایسا نہیں کرنا چاہیے، اور اگر تکلیف دینے والا ہے تو پھر کیا جا سکتا ہے۔

کہتے ہیں «لِأَنَّهُ مَنْعٌ عَنْ وُجُوبِ الْحَقِّ» اس لیے کیونکہ یہ حیلہ جو کیا جا رہا ہے یہ «مَنْعٌ عَنْ وُجُوبِ الْحَقِّ» یہ وجوب حق یعنی ثبوت حق کو روکنے والا ہے، حق ثابت ہی نہیں ہوگا شفعے کا، «لَا إِسْقَاطٌ لِلْحَقِّ الثَّابِتِ» یہ ثابت شدہ حق کو ساقط کرنا نہیں ہے کہ حق شفعہ ثابت ہو چکا ہو پھر اس کو کیا جائے، یہ نہیں ہے۔ «وَهَكَذَا يَقُولُ فِي الزَّكَاةِ» اور اسی طرح کہتے ہیں زکوۃ کے بارے میں بھی امام ابو یوسف رحمہ اللہ، «لَكِنْ هَذَا فِي غَايَةِ الشَّنَاعَةِ» صاحب شرح وقایہ خود فرما رہے ہیں کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے زکوٰۃ کو ساقط کرنے کے حیلے کی اجازت دی ہے لیکن ایسا نہیں کرنا چاہیے بھائی، یہ انتہائی برا ہے، یہ تو آپ غریبوں کا حق مار رہے ہیں۔ انہوں نے ضرورت کی بنا پر اجازت دی ہے، تو کہیں اشد ضرورت پیش آجائے اور ہے وہ شخص نیک آدمی، ہمیشہ زکوٰۃ دیتا ہے لیکن اب ایک ایسی مجبوری آگئی کہ اس کو کوئی صورت سمجھ میں نہیں آرہی اور جیسے میں نے مثال ذکر کر دی حج ایک طرف ہے، بیٹیوں کی شادی ایک طرف ہے، زکوٰۃ ایک طرف ہے، تو اب ان میں سے زکوٰۃ دے گا تو وہ بیٹیوں کی شادی ہو نہیں سکتی، تو پھر اس صورت میں حیلہ کر سکتا ہے ان کی شادی کروا دے اور اگلے سال پھر دے، زکوٰۃ وغیرہ بھی دے، حج بھی کرے، سارا کچھ کرے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں کہ «وَهَكَذَا يَقُولُ فِي الزَّكَاةِ» اور اسی طرح امام ابو یوسف رحمہ اللہ زکوٰۃ کے بارے میں بھی فرماتے ہیں، «لَكِنْ هَذَا فِي غَايَةِ الشَّنَاعَةِ» شناعت کہتے ہیں خرابی، برائی۔ لیکن یہ انتہائی درجے کی برائی ہے «لِأَنَّهُ إِيثَارٌ لِلْبُخْلِ» ایثار کا معنی ہے ترجیح دینا، «لِأَنَّهُ» کیونکہ یہ ترجیح دینا ہے بخل کو یعنی کنجوسی کو، یہ تو کیا کر رہا ہے؟ کنجوسی کو ترجیح دے رہا ہے زکوٰۃ نہ دے کر۔ «لِأَنَّهُ إِيثَارٌ لِلْبُخْلِ» کیونکہ یہ بخل کو ترجیح دینا ہے، «وَقَطْعُ رِزْقِ الْفُقَرَاءِ» اور یہ فقراء کے رزق کو کاٹنا ہے، فقراء کے رزق کو کاٹنا ہے۔ آگے کیا ہے؟ جی؟ «الَّذِينَ» ہے یا «اللَّذَيْنِ» ہے؟ دو لام ہیں، دو لام؟ جی، پھر اس کا مطلب ہے یہ «اللَّذَيْنِ» ہے، «الَّذِينَ» میں ایک لام آتا ہے۔ تثنیہ ہو تو پھر دو لام لکھتے ہیں، دیکھا یہ پرانے علماء کا طریقہ ہے رسم الخط کا، دو لام سے پتا چل جاتا ہے کہ یہ تثنیہ والا ہے ورنہ تو اگر وہ بھی اس پر صرف ایک ہے «الَّذِينَ» اور ایک ہے «اللَّذَيْنِ»، صرف ذال پر زیر زبر کا فرق ہے تو لکھنے میں تو دونوں ایک جیسے ہونے چاہئیں تو کسی کو پتا ہی نہیں چلے گا یہ تثنیہ ہے یا جمع۔ تو نحو کی

کتابوں میں یہ آپ کو بتا چکے کہ پھر فرق کیسے کرتے ہیں؟ جمع کو ایک لام کے ساتھ لکھتے ہیں کیونکہ وہ زیادہ استعمال ہوتا ہے اور تثنیہ والا تو کبھی کبھار استعمال ہوتا ہے تو وہاں پھر دو لام لکھتے ہیں۔ تو یہاں بھی کیا ہے؟ دو لام، اور یہ کتابت کی غلطی ہے۔ یہ اصل میں ہونا چاہیے «الَّذِي»، «الَّذِي» یہ صفت ہے رزق کی۔ «وَقَطْعُ رِزْقِ الْفُقَرَاءِ» اور فقراء کے، فقیروں کے، محتاجوں کے اس رزق کو کاٹنا ہے، وہ رزق «الَّذِي قَدَّرَهُ اللهُ تَعَالَى» جو اللہ نے مقرر فرمایا ہے «فِي مَالِ الْأَغْنِيَاءِ» مالداروں کے مال میں، مالداروں کے مال میں۔

یاد رکھو عربی میں، عربی میں جو مالدار ہو اس کو غنی کہتے ہیں، غنی۔ اردو میں تو ہم کہتے ہیں نا امیر ہے وہ، بڑا امیر ہے۔ عربی میں امیر سردار کو کہتے ہیں بھائی، «أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» پڑھتے ہیں یا نہیں آپ؟ مسلمانوں کے امیر ہیں، ان کے سردار ہیں۔ تو عربی میں امیر سردار کو کہتے ہیں اور اردو میں امیر مالدار کو کہتے ہیں۔ عربی میں مالدار کو غنی کہتے ہیں، غنی جمع أغنیاء آگئی۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ «وَالِانْخِرَاطُ» انخراط کا معنی ہے منسلک ہونا، جڑنا «فِي سِلْكِ» «فِي سِلْكِ الَّذِينَ» یہاں پھر انہوں نے دو لام لکھے ہیں، ایک لام ہونا چاہیے، یہ «الَّذِينَ» ہے۔ سلک کہتے ہیں لڑی کو، لڑی۔ بھائی وہ دھاگہ جس کے اوپر موتی پروئے جاتے ہیں اور ہار بناتے ہیں، تو ہار کے اندر جو دھاگہ ہے اس دھاگے کو کہتے ہیں لڑی، سلک۔

تو وہ لڑی بھائی۔ تو کہتے ہیں «وَالِانْخِرَاطُ» اور یہ جڑنا ہے، منسلک ہونا ہے «فِي سِلْكِ الَّذِينَ» ان لوگوں کی لڑی میں، وہ لوگ «يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ» وہ لوگ جو جمع کرتے ہیں سونے کو اور چاندی کو «وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ» اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کے راستے میں، «وَالِاسْتِبْشَارُ بِمَا بَشَّرَهُمُ اللهُ تَعَالَى» استبشار کا معنی ہے خوش ہونا، بَشَّرَ يُبَشِّرُ تبشیر کا معنی ہے بشارت دینا، خوشخبری سنانا، اور یہ «وَالِاسْتِبْشَارُ» اور یہ خوش ہونا ہے «بِمَا بَشَّرَهُمُ اللهُ تَعَالَى» اس چیز پر جو ان کو اللہ نے خوشخبری دی ہے۔

یہ دراصل اشارہ ہے سورہ توبہ کی آیت نمبر چونتیس کی طرف۔ تو یہ اشارہ ہے سورہ توبہ میں جو ذکر آتا ہے، قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: «وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ» اور وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں «وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ» اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کے راستے میں، یہ سورہ توبہ میں آیت چوبیس میں اللہ فرما رہے ہیں: «وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ» اور وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کے راستے میں «فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ» تو اے پیغمبر آپ ان کو خوشخبری سنا دیجیے دردناک عذاب کی، آپ ان کو بشارت دے دیجیے دردناک عذاب کی۔ «يَوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ» جس دن ان کے لیے اس لوہے کو گرم کیا جائے گا جہنم کی آگ میں، وہ جو دولت انہوں نے جمع کی تھی سونا اور چاندی وغیرہ اس کو کس میں گرم کیا جائے گا؟ جہنم کی آگ میں۔ «فَتُكْوَى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ» پھر ان کے ساتھ ان کی پیشانیوں کو اور پہلوؤں کو اور پشتوں کو داغا جائے گا۔ اس سونے کو گرم کر کے اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں کو اور ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا اس

کے ساتھ، اور پھر ان سے کہا جائے گا: «هَذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ» یہ ہے وہ خزانہ جو تم اپنے لیے جمع کرتے تھے، «فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ» پس چکھو وہ جو خزانہ تم جمع کرتے تھے، اس کا مزا چکھو اب تم لوگ۔ تو دیکھو قرآن میں ان کو دردناک عذاب کی بشارت دی گئی ہے۔ تو مصنف شرح وقایہ بھی فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ، زکوٰۃ جو نہیں دیتا کہ زکوٰۃ کا حیلہ کرنا انتہائی برا ہے، یہ تو فقراء کے رزق کو کاٹنا ہے اور ان لوگوں کی لڑی میں داخل ہونا ہے جن کے لیے اللہ نے قرآن میں اس اس طرح فرمایا ہے بھائی۔

پھر ترجمہ دیکھ لیجیے، کہتے ہیں: «لَكِنْ هَذَا فِي غَايَةِ الشَّنَاعَةِ» لیکن یہ انتہائی درجے کا برا ہے «لِأَنَّهُ إِيثَارٌ لِلْبُخْلِ» کیونکہ یہ حیلہ کرنا جو ہے یہ «إِيثَارٌ لِلْبُخْلِ» یہ بخل کو، کنجوسی کو ترجیح دینا ہے «وَقَطْعُ رِزْقِ الْفُقَرَاءِ الَّذِي قَدَّرَهُ اللهُ تَعَالَى فِي مَالِ الْأَغْنِيَاءِ» اور یہ کاٹنا ہے فقراء کے اس رزق کو جس کو اللہ نے مقرر فرمایا ہے مالداروں کے مال میں، تو یہ اس کو «الَّذِي» پڑھیں، «وَالِانْخِرَاطُ فِي سِلْكِ الَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ» اور یہ منسلک ہونا ہے اور یہ جڑنا ہے ان لوگوں کی لڑی میں جو «يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ» جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں «وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ» اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، «وَالِاسْتِبْشَارُ بِمَا بَشَّرَهُمُ اللهُ تَعَالَى» اور یہ خوش ہونا ہے اس پر وہ جو بشارت دی ہے ان کو اللہ تعالیٰ نے۔ اللہ نے ان کو دردناک عذاب کی بشارت دی ہے، یہ تو گویا آدمی اس میں خود کو داخل کرنا چاہتا ہے اور اس بشارت پر بجائے عبرت حاصل کرنے کے وہ اس پر خوش ہو رہا ہے۔

اب آگے صاحب شرح وقایہ فرماتے ہیں: «أَقُولُ» میں کہتا ہوں «الشُّفْعَةُ إِنَّمَا شُرِعَتْ لِدَفْعِ ضَرَرِ الْجِوَارِ» کہ شفعہ جو ہے اس کو مشروع کیا گیا ہے ضرر جوار کو دور کرنے کے لیے، «فَالْمُشْتَرِي إِنْ كَانَ مِمَّنْ يَتَضَرَّرُ بِهِ الْجِيرَانُ» اگر مشتری ان لوگوں میں سے ہے کہ «يَتَضَرَّرُ بِهِ الْجِيرَانُ»، «فَالْمُشْتَرِي» پس مشتری جو ہے، خریدار جو ہے «إِنْ كَانَ مِمَّنْ يَتَضَرَّرُ بِهِ الْجِيرَانُ» ان لوگوں میں سے ہے جن سے تکلیف ہوتی ہے پڑوسیوں کو، خریدار، خریدار، وہ جو نیا خریدار آرہا ہے وہ لوگوں کو تکلیف دینے والا ہے، تو پھر حیلہ نہیں کرنا چاہیے، پھر شفعہ کرنے والے کو شفعہ کرنے دو، یہ آدمی آئے گا یہ تو تکلیف دے گا سب کو۔ جو مشتری ہے وہ کیا ہے؟ بھائی ایک تو پڑوسی ہے نا جس نے شفعہ کرنا ہے اس کی بات نہیں کر رہے کہ وہ خراب ہے، بلکہ کون خراب ہے جو مشتری آنے والا ہے، تو آپ شفعے کو ساقط نہ کرو ورنہ شفعے کو ساقط کرو گے وہ تو آجائے گا سب کے سر پہ مسلط ہو جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے، کہتے ہیں: «فَالْمُشْتَرِي إِنْ كَانَ مِمَّنْ يَتَضَرَّرُ بِهِ الْجِيرَانُ» پس مشتری جو ہے ان لوگوں میں سے ہے کہ اس سے تکلیف ہوتی ہے پڑوسیوں کو «لَا يَحِلُّ إِسْقَاطُهَا» تو اس شفعے کو ساقط کرنا حلال نہیں۔ «وَإِنْ كَانَ رَجُلًا صَالِحًا» اور اگر وہ نیک آدمی ہے، وہ جو خریدار ہے، «يَنْتَفِعُ بِهِ الْجِيرَانُ» فائدہ اٹھاتے ہیں اس سے پڑوسی، پڑوسیوں کو اس کے آنے سے فائدہ ہوتا ہے، وہ سب کا خیال رکھتا ہے، سب کی مدد کرتا ہے، «وَالشَّفِيعُ مُتَعَنِّتٌ» متعنت کہتے ہیں تکلیف دینے والا، اس حال میں کہ جو شفیع ہے وہ تکلیف دینے والا ہے۔ مشتری کیا ہے؟ نیک۔ اور جو شفعہ کرے گا وہ؟ وہ تکلیف دینے والا ہے۔ تو اب کیا کرو؟ حیلہ کر سکتے ہو تاکہ یہ شفعہ نہ کرے، وہ نیک آدمی آجائے

اور یہ شفعہ کر کے اس گھر پر قبضہ نہ کر سکے۔ یہ معنی ہے «وَإِنْ كَانَ رَجُلًا صَالِحًا» اور اگر مشتری نیک آدمی ہے «يَنْتَفِعُ بِهِ الْجِيرَانُ» پڑوسی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، «وَالشَّفِيعُ مُتَعَنِّتٌ» اس حال میں کہ جو شفعہ کرنے والا ہے وہ تکلیف دینے والا ہے «لَا يُحِبُّ جَارَهُ» وہ اپنے پڑوسیوں سے محبت نہیں کرتا، جو شفیع ہے وہ تکلیف دینے والا ہے، اپنے پڑوسیوں سے محبت نہیں کرتا یعنی ان کا خیال نہیں رکھتا، ان کے حقوق ادا نہیں کرتا، «فَحِينَئِذٍ» تو اس وقت جو ہے «يُحْتَالُ فِي إِسْقَاطِهَا» حیلہ کیا جا سکتا ہے اس کے ساقط کرنے کے لیے، حیلہ کیا جائے گا اس کو ساقط کرنے کے لیے۔

«وَيُبْطِلُهَا تَرْكُهُ طَلَبَ الْمُوَاثَبَةِ أَوِ الْإِشْهَادِ»۔ بھائی یہ آپ پڑھ چکے کہ شفیع کو بیع کی خبر ملی، اس نے طلب مواثبت فوری نہیں کیا تو اس کا حق شفعہ کیا ہو جائے گا؟ ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر اس نے طلب مواثبت تو کر لی لیکن پھر طلب اشہاد کو چھوڑ دیا تو بھی اس کا حق شفعہ ختم ہو جائے گا، باطل۔ تو چاہے طلب مواثبت کو چھوڑ دے، چاہے طلب اشہاد کو چھوڑ دے، چاہے دونوں کو چھوڑ دے، ان سب صورتوں میں اس کا حق شفعہ کیا ہو جائے گا؟ باطل ہو جائے گا۔ کہتے ہیں «وَيُبْطِلُهَا تَرْكُهُ طَلَبَ الْمُوَاثَبَةِ» اور شفعے کو باطل کر دیتا ہے شفیع کا چھوڑ دینا طلب مواثبت کو «أَوِ الْإِشْهَادِ» یا طلب اشہاد کو چھوڑ دینا، «وَتَسْلِيمُهَا بَعْدَ الْبَيْعِ فَقَطْ» اور اس کو سپرد کرنا یعنی چھوڑنا ہے بیع کے بعد صرف۔ بھائی شفعہ ثابت ہی کب ہوتا ہے؟ بیع کے بعد۔ لہٰذا بیع سے پہلے اگر کوئی کہہ بھی دے میں شفعہ نہیں کرتا، اس سے شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔ شفعے کا حق ملے گا ہی کس وقت؟ بیع کے بعد۔ تو بیع کے بعد وہ چھوڑ سکتا ہے۔ تسلیم کا معنی ہے سپرد کر دینا، چھوڑ دینا، حوالے کر دینا کہ میں شفعہ نہیں کرتا۔ تو کہتے ہیں «وَتَسْلِيمُهَا بَعْدَ الْبَيْعِ فَقَطْ» اور شفعے کو سپرد کرنا ہے صرف بیع کے بعد «أَيِ التَّسْلِيمُ قَبْلَ الْبَيْعِ لَا يُبْطِلُهَا» یعنی سپرد کر دینا یعنی چھوڑ دینا «قَبْلَ الْبَيْعِ» بیع سے پہلے «لَا يُبْطِلُهَا» یہ حق شفعہ کو باطل نہیں کرتا۔

«وَلَوْ مِنَ الْأَبِ أَوِ الْوَصِيِّ أَوِ الْوَكِيلِ» اگرچہ یہ باپ کی طرف سے ہو، یا وصی کی طرف سے ہو، یا وکیل کی طرف سے۔ بھائی صورت یہ ہے: ایک شخص نے طلب شفعہ کے لیے وکیل مقرر کر دیا، تو وہ وکیل جب شفعہ چھوڑ دے گا تو اس موکل کا بھی حق شفعہ کیا ہو گیا؟ ختم ہو گیا۔ کیونکہ اسی نے وکیل بنایا تھا نا کہ تم یہ کام کرنا میری طرف سے، تو وکیل نے پھر کیا کیا؟ شفعے کو چھوڑ دیا کہ میں شفعہ نہیں کرتا، تو اس صورت میں حق شفعہ کیا ہو جائے گا؟ باطل ہو جائے گا۔ اسی طرح ایک بچہ ہے، اس کو کسی نے زمین دے دی، کسی نے زمین دے دی۔ بچہ ہے مثلاً اس نے حفظ کر لیا بھائی، حفظ کر لیا، دس بارہ سال کا ہے، ایک مالدار شخص نے خوش ہو کر اس کو ایک بڑا سا گھر دے دیا، بڑا سا گھر دے دیا۔ تو اب اس گھر کا مالک بچہ ہے۔ لیکن بچے کے تمام امور کا نگران اس کا باپ ہوتا ہے۔ یا ہو سکتا ہے یہ بچہ یتیم ہو تو قاضی نے اس کے لیے ایک نگران مقرر کر دیا، وصی جس کو کیا کہتے ہیں وصی، نگران، سرپرست۔ تو اب اس بچے کا جو گھر ہے اس کے ساتھ والا گھر فروخت ہوا، تو بچے کے امور کا نگران اور ذمہ دار کون ہے؟ باپ یا وصی۔ تو باپ یا وصی کیا کرتے ہیں؟ شفعے کو چھوڑ دیتے ہیں۔ تو کیا اس بچے کا حق شفعہ ختم ہو گیا؟ تو شیخین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ہاں اس کا حق شفعہ ختم ہو گیا۔ جبکہ امام محمد

رحمہ اللہ اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، بچے کا حق شفعہ ختم نہیں، یہ جب بڑا ہوگا، بالغ ہوگا تو اس کو پھر حق شفعہ مل جائے گا، حق شفعہ مل جائے گا۔

دلائل، تفصیل آگے کتاب میں آ رہی ہے دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: «وَلَوْ مِنَ الْأَبِ أَوِ الْوَصِيِّ أَوِ الْوَكِيلِ» اگرچہ باپ کی طرف سے ہو، یا وصی یعنی نگران و سرپرست کی طرف سے ہو، «أَوِ الْوَكِيلِ» یا کس کی طرف سے ہو؟ وکیل۔ پیچھے کہا نا «وَتَسْلِيمُهَا بَعْدَ الْبَيْعِ فَقَطْ» شفعے کو چھوڑنا ہے صرف بیع کے بعد، چاہے وہ چھوڑنے والا کون ہو؟ باپ ہو، یا وصی ہو، یا وکیل۔ «أَيِ الْوَكِيلُ بِطَلَبِ الشُّفْعَةِ» یعنی وکیل سے مراد ہر وکیل نہیں، وکیل «بِطَلَبِ الشُّفْعَةِ» وہ شخص جس کو وکیل بنایا ہے کس کے لیے؟ طلب شفعہ کے لیے۔ «فَإِنَّ تَسْلِيمَ هَؤُلَاءِ يُبْطِلُ الشُّفْعَةَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى» اس لیے کہ ان لوگوں کا شفعے کو چھوڑ دینا یہ شفعے کو باطل کر دیتا ہے شیخین رحمہم اللہ کے نزدیک، «خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ وَزُفَرَ رَحِمَهُمَا اللهُ» بخلاف امام محمد اور امام زفر رحمہم اللہ کے۔ «فَإِنَّ هَذَا إِبْطَالُ حَقٍّ ثَابِتٍ لِلصَّغِيرِ» وہ فرماتے ہیں کہ یہ صغیر کے لیے ثابت شدہ حق کو باطل کرنا ہے۔ یہ تو صغیر کے لیے، بچے کے لیے ثابت شدہ حق کو باطل کرنا ہے۔ اگر آپ کہیں کہ باپ بھی اس کا شفعہ چھوڑ سکتا ہے، اس کا وصی بھی شفعہ چھوڑ سکتا ہے، تو حالانکہ بچے کو کس چیز کا حق ملا تھا؟ شفعے کا، تو یہ تو آپ نے اس کے لیے ایک ثابت شدہ حق کو باطل کر دیا، اور ان کو، ان میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ بچے کے حق کو باطل کر دیں، لہٰذا بالغ ہونے کے بعد بچے کو حق ملے گا۔ تو وہ کہتے ہیں یہ بچے کے ثابت شدہ حق کو باطل کرنا ہے اور اس کی اجازت ان کو نہیں ہے۔ یہ شفعہ کرنا چاہیں شفعہ کر دیں بے شک، باپ بھی کر سکتا ہے اور وصی بھی کر سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آئی؟ یہ شفعہ کر سکتے ہیں، شفعہ کر کے ساتھ والا گھر بھی لے لیں بچے کے لیے، لیکن شفعے کو چھوڑ دیں یہ حق ان کو نہیں ہے۔ تو وہ کہتے ہیں «فَإِنَّ هَذَا إِبْطَالُ حَقٍّ ثَابِتٍ لِلصَّغِيرِ» کہتے ہیں کیونکہ یہ بچے کے لیے ثابت شدہ حق کو باطل کرنا ہے «وَإِنَّهَا شُرِعَتْ لِدَفْعِ الضَّرَرِ» اور یہ حق، یہ شفعہ یہ تو مشروع ہوا ہے یعنی شریعت نے اس کی اجازت دی ہے «لِدَفْعِ الضَّرَرِ» کس لیے؟ ضرر جوار کو دور کرنے کے لیے۔ تو یہ نہ ہو وہ نیا پڑوسی آئے اور وہ اس کے لیے تکلیف کا باعث بن جائے، لہٰذا بچے کا یہ حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا، یہ بڑا ہوگا تو اس کو مل جائے گا یہ حق۔

جبکہ شیخین رحمہم اللہ کیا فرماتے تھے؟ کہ ان کا چھوڑنا یہ شفعے کو ختم کر دیتا ہے، بچے کا یہ حق ختم ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بھائی یہ جو شفعہ ہے اس میں جبراً کسی کی زمین خرید لی جاتی ہے، ساتھ والے کی زمین جبراً خرید لی جاتی ہے۔ اور جیسے باپ اور وصی وغیرہ کو یہ حق ہے، شریعت نے حق دیا ہے، وہ بچے کے لیے جو چیز مناسب سمجھیں خرید سکتے ہیں اور جو چیز مناسب نہ سمجھیں اس کو چھوڑ سکتے ہیں، تو یہاں پر بھی شفعے میں بھی اسی طرح ہے: وہ مناسب سمجھیں تو وہ شفعہ کر کے زمین لے سکتے ہیں اور مناسب نہ سمجھیں تو زمین کو چھوڑ سکتے ہیں۔ تو جیسے ان کو ترک شراء کی اجازت ہے عام معاملات میں، تو ترک شفعہ کے اندر بھی ترک شراء ہے، شراء کو چھوڑنا ہے، خرید کو چھوڑنا ہے، تو لہٰذا ان کو یہ حق ہے یہ چھوڑ سکتے

ہیں، اور جب یہ چھوڑ دیں گے تو بچے کا حق شفعہ کیا ہو جائے گا؟ ختم ہو جائے گا۔

«وَلَهُمَا» اور شیخین رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے «أَنَّهُ فِي مَعْنَى تَرْكِ الشِّرَاءِ» کہ یہ شفعے کو چھوڑنا جو ہے یہ ترک شراء کے معنی میں ہے، اور ترک شراء کی اجازت تو بالاتفاق باپ وصی وغیرہ کو ہے، تو یہاں پر بھی ترک شفعہ کی بھی ان کو اجازت ہوگی۔

چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۹: عوض پر صلحِ شفعہ، موتِ شفیع یا مشتری، اور بیعِ بشرطِ خیار میں بطلانِ شفعہ کے مسائل

شرح الوقایہ صفحہ: ۱۷ – بتاریخ: ۱۷ ستمبر ۲۰۱۹ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔

وَصُلْحُهُ مِنْهَا عَلَى عِوَضٍ وَرَدَّ عِوَضَهُ، أَيِ الصُّلْحُ عَلَى الْعِوَضِ يُبْطِلُ الشُّفْعَةَ لِأَنَّهُ تَسْلِيمٌ، لٰكِنَّ الصُّلْحَ غَيْرُ جَائِزٍ لِأَنَّهُ مُجَرَّدُ حَقِّ التَّمَلُّكِ فَيَجِبُ رَدُّ الْعِوَضِ. وَمَوْتُ الشَّفِيعِ لَا الْمُشْتَرِي.

شفعہ کے مسائل ذکر ہو رہے ہیں۔ گذشتہ سبق میں انہوں نے بتلایا تھا کہ طلبِ مواثبت یا طلبِ اشہاد کو چھوڑنے کی صورت میں شفعہ باطل ہو جاتا ہے، حقِ شفعہ ختم ہو جاتا ہے، اور بیع کے بعد شفعہ چھوڑنے سے ختم ہوتا ہے، بیع سے پہلے چھوڑ دیں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ شفعہ ثابت ہی بیع کے بعد ہوتا ہے۔ اسی طرح آج آپ کو بتلا رہے ہیں: وَصُلْحُهُ مِنْهَا عَلَى عِوَضٍ۔ اس کا عطف وہ تَرْكُهُ پر ہے، اوپر جو متن میں آیا، أَيْ وَيُبْطِلُهَا صُلْحُهُ مِنْهَا عَلَى عِوَضٍ۔

یاد رکھو کوئی شخص اگر شفعہ کے عوض صلح کر لیتا ہے کسی مال پر تو اس صورت میں اس کا حقِ شفعہ باطل ہو جائے گا۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کے گھر کے ساتھ والا گھر فروخت ہوا، اس نے شفعہ کر دیا۔ تو مشتری اس شفیع کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ بھئی آپ یہ شفعہ چھوڑ دیں اور اس کے عوض میں آپ کو پانچ لاکھ روپے دے دیتا ہوں۔ اس شفعہ چھوڑنے کے عوض میں آپ کو پانچ لاکھ روپے مثلاً دے دیتا ہوں، آپ شفعہ نہ کریں میرے گھر، جو میں نے گھر خریدا ہے اس پہ شفعہ نہ کریں۔ تو وہ تیار ہو گیا، وہ راضی ہو گیا۔ بس مولانا اس کا حقِ شفعہ کیا ہوا؟ باطل ہوا، ساقط ہوا، ختم ہو گیا، کیونکہ اس نے خود چھوڑ دیا، پیسوں کے بدلے چھوڑ دیا۔ تو جب حقِ شفعہ چھوڑ دیا تو وہ ختم ہو گیا اور نیز یہ پیسے بھی اس کو واپس کرنا پڑیں گے، اس لیے کیونکہ شفعہ وہ تو صرف ایک حق کا نام تھا، کسی چیز کا نام نہیں، کوئی کس چیز کے بدلے وہ پیسے لے رہا ہے؟ تو یہ پیسے بھی اس کو واپس کرنا پڑیں گے۔ حقِ شفعہ بھی ہاتھ سے نکل گیا اور پیسے بھی واپس لوٹانا پڑیں گے۔

تو کہتے ہیں: وَصُلْحُهُ مِنْهَا۔ میں نے بتلایا اس کا عطف تَرْكُهُ پر ہے، أَيْ وَيُبْطِلُهَا صُلْحُهُ مِنْهَا عَلَى عِوَضٍ، اور شفعہ کو باطل کر دیتا ہے صُلْحُهُ مِنْهَا اس شفیع کا صلح کر لینا مِنْهَا اس شفعہ کے بدلے میں۔ اس شفعہ کے بدلے اگر وہ صلح کر لے تو حقِ شفعہ کیا ہو جائے گا؟ باطل ہو جائے گا۔ عَلَى عِوَضٍ کسی عوض پر مثلاً اس نے صلح کر لی۔ وَرَدَّ عِوَضَهُ اور اس کا عوض بھی وہ لوٹائے گا، واپس کرے گا۔ أَيِ الصُّلْحُ عَلَى الْعِوَضِ يُبْطِلُ الشُّفْعَةَ یعنی کسی عوض پر صلح کر لینا یہ شفعہ کو باطل کر دیتا ہے، لِأَنَّهُ تَسْلِيمٌ کیونکہ یہ شفعہ کو چھوڑ دینا ہے، سپرد کرنا ہے، حوالے کرنا ہے۔ لٰكِنَّ الصُّلْحَ غَيْرُ جَائِزٍ لیکن یہ صلح جائز نہیں ہے، لِأَنَّهُ مُجَرَّدُ حَقِّ التَّمَلُّكِ اس لیے کیونکہ شفعہ وہ تو صرف مالک ہونے کا حق ہے۔ مالک ہونے کا حق ہے۔ صرف مالک ہونے کے ایک حق کا نام ہے تو اس کے عوض پیسے نہیں لے سکتا۔ فَيَجِبُ رَدُّ الْعِوَضِ تو اس پر واجب ہے کہ اس عوض کو واپس کرے۔

وَمَوْتُ الشَّفِيعِ لَا الْمُشْتَرِي اور شفیع کی موت، یعنی شفعہ کو باطل کر دیتی ہے شفیع کی موت نہ کہ مشتری کی موت۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے: ایک شخص نے کوئی زمین خریدی اور اس کے پڑوسی نے شفعہ کر دیا اس گھر پر۔ تو شفعہ کر دیا، اس نے طلبِ مواثبت بھی کر لی، طلبِ اشہاد بھی کر لیا اور قاضی کے پاس بھی مثلاً مقدمہ لے گیا۔ لیکن ابھی فیصلہ نہیں ہوا، یا قاضی کے پاس ابھی لے کر ہی نہیں گیا، صرف اس نے کیا کیا ہے؟ طلبِ اشہاد و مواثبت، طلبِ مواثبت کی ہے اور طلبِ اشہاد، یعنی ابھی زمین کا اس کے حق میں فیصلہ نہیں ہوا، اس سے پہلے پہلے اس کا انتقال ہو گیا۔ تو کیا یہ حق وارثوں کی طرف منتقل ہو گا؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، یہ حق وارثوں کی طرف منتقل نہیں ہو گا، تو اس صورت میں شفعہ اس کا باطل ہوا، ختم ہو گیا بھئی۔

اس کے بجائے اگر مشتری مر گیا، اس نے شفعہ کر دیا، طلبِ مواثبت بھی کر لی، طلبِ اشہاد بھی کر لیا، ابھی قاضی کے پاس نہیں گیا اور زمین کا فیصلہ اس کے حق میں نہیں ہوا، اس سے پہلے ہی مشتری کا انتقال ہوا، تو کہتے ہیں مشتری کے انتقال سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، کیونکہ حق تو شفیع کا ہے، تو یہ مشتری کی موت سے یہ باطل نہیں ہو گا۔ تو یہ جائے، قاضی کے پاس جائے، مقدمہ کرے اور وارثوں سے وہ زمین لے لے جو مشتری نے خریدی تھی اس کے پڑوس میں۔

ہاں اگر قاضی نے فیصلہ کر دیا شفیع کے حق میں، تو اب شفیع مر بھی جائے تو اب اس کے وارث اس زمین کے مالک بن جائیں گے۔ کیونکہ جب قاضی نے فیصلہ کر دیا تو قاضی کے فیصلہ کرتے ہی یہ شفیع اس زمین کا مالک بن گیا، چاہے اس نے ابھی پیسے ادا کیے ہیں چاہے پیسے ادا نہیں کیے۔ جب یہ مالک بن گیا تو جو مورث ہوتا ہے اس کی جو ملکیت ہوتی ہے وہ کس کی طرف منتقل ہوتی ہے؟ وارثوں کی طرف۔ تو لہٰذا اس کے جو وارث ہیں وہ زمین کے مالک بن جائیں گے اور پھر وہ اس کی قیمت ادا کریں گے۔

تو کہتے ہیں: وَمَوْتُ الشَّفِيعِ لَا الْمُشْتَرِي۔ اس کا عطف بھی اسی تَرْكُهُ پر ہے: أَيْ وَيُبْطِلُهَا مَوْتُ الشَّفِيعِ اور شفعہ کو باطل

کر دیتی ہے شفیع کی موت، لَا الْمُشْتَرِي نہ کہ مشتری کی موت۔ فَإِنَّ الشَّفِيعَ إِذَا مَاتَ تَبْطُلُ الشُّفْعَةُ کیونکہ شفیع جب وہ مر جاتا ہے تو اس کا شفعہ باطل ہو جاتا ہے، وَلَا تُورَثُ عَنْهُ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی اور یہ اس سے بطورِ میراث نہیں پایا جاتا بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وارثوں کی طرف یہ حق منتقل ہو گا۔ کس کی طرف منتقل ہو گا؟ وارثوں کی طرف منتقل ہو گا، اب وہ خصومت کر سکتے ہیں اور زمین لے سکتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں نہیں، یہ تو صرف ایک حق کا نام تھا، یہ صرف ایک حق کا نام تھا، یہ کوئی مال تو نہیں تھا۔ مال ہوتا تو وارثوں کی طرف منتقل ہوتا، یہ تو صرف ایک حق ہے، تو صاحبِ حق مر گیا تو حق بھی ختم ہو گیا۔ تو کہتے ہیں: وَلَا تُورَثُ عَنْهُ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی اور یہ میراث نہیں ہو گا، یعنی وارثوں کی طرف منتقل نہیں ہو گا، بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِمَالٍ کیونکہ یہ مال نہیں ہے۔ ترجمہ کیا ہے: وَلَا تُورَثُ عَنْهُ یہ اس کی طرف سے موروث نہیں ہو گا، یعنی وراثت اس میں نہیں جاری ہو گی۔ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِمَالٍ کیونکہ یہ مال نہیں ہے۔

وَهٰذَا إِذَا مَاتَ بَعْدَ الْبَيْعِ قَبْلَ الْقَضَاءِ اور یہ اس وقت ہے جب وہ شفیع مر جائے بیع کے بعد قَبْلَ الْقَضَاءِ فیصلے سے پہلے۔ بیع کے بعد مرا، حقِ شفعہ مل گیا، اور قَبْلَ الْقَضَاءِ مرا تو ابھی زمین کا مالک نہیں، تو لہٰذا یہ وارثوں کی طرف منتقل نہیں، حقِ شفعہ ختم۔ وَأَمَّا إِذَا مَاتَ بَعْدَ قَضَاءِ الْقَاضِي اور جب وہ مرے شفیع قاضی کے فیصلے کے بعد، قَبْلَ نَقْدِ الثَّمَنِ أَوْ بَعْدَهُ چاہے پیسوں کی ادائیگی سے پہلے ہو یا پیسوں کی ادائیگی کے بعد ہو، قاضی فیصلہ کر چکا ہے، فَتَصِيرُ لِلْوَرَثَةِ تو اس صورت میں یہ جائیداد کس کے لیے ہو گی؟ ورثاء کے لیے، یہ گھر وارثوں کے لیے ہو جائے گا۔

وَبَيْعُ مَا يُشْفَعُ بِهِ قَبْلَ الْقَضَاءِ بِهَا۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کے پڑوس میں زمین فروخت ہوئی، اس شخص نے جار ہونے کی وجہ سے شفعہ کر دیا۔ ابھی قاضی نے فیصلہ نہیں کیا تھا کہ اس نے وہ زمین بیچ دی جس کی وجہ سے شفعہ کر رہا تھا۔ گھر نمبر ایک ہے شفیع کا اور گھر نمبر دو فروخت ہوا ہے۔ اب یہ گھر نمبر ایک کی وجہ سے شفعہ کر رہا ہے، کس کی وجہ سے؟ گھر نمبر ایک کی وجہ سے اس زمین پر شفعہ کر رہا ہے، پڑوسی ہے اس کا، لیکن ابھی قاضی نے فیصلہ نہیں کیا، اس نے اپنا گھر نمبر ایک جس کی وجہ سے یہ شفعہ کر رہا تھا، اس نے اس گھر کو بیچ دیا۔ تو یاد رکھیے اس صورت میں حقِ شفعہ ختم ہو جائے گا، کیونکہ شفعے کا سبب ہی یہ گھر تھا۔ یہ شفعے کا حق شریعت نے اس کو کیوں دیا تھا؟ کیونکہ یہ اس گھر نمبر دو کا پڑوسی تھا، جارِ ملاصق تھا۔ تو اس گھر کی وجہ سے تو یہ شفعہ کر رہا تھا، اب یہ گھر اس نے فروخت کر دیا تو اب اس کو شفعے کا حق نہیں ملے گا، ختم ہو گیا۔

ہاں اگر اس نے خیارِ شرط کے ساتھ وہ گھر بیچا، اس شفیع نے اپنا وہ گھر جس کی وجہ سے یہ شفعہ کر رہا ہے، اس کو اس نے خیارِ شرط کے ساتھ بیچا۔ مثلاً مشتری کو کہا: یہ گھر میں تمہیں فروخت کرتا ہوں لیکن مجھے تین دن تک اختیار ہے، میں تین دن میں چاہوں تو اپنی یہ بیع فسخ کر سکتا ہوں۔ یہ کون کہہ رہا ہے؟ شفیع۔ شفیع وہ اپنا گھر بیچتے ہوئے کس کو کہہ رہا ہے؟ مشتری

کو۔ تو خیارِ شرط کس نے رکھا؟ شفیع نے یعنی بائع نے، اور آپ نے پڑھا ہے کہ بائع جب خیارِ شرط رکھتا ہے تو مبیع اس کی ملک سے نہیں نکلتا۔ تو ابھی تک وہ گھر اس کی ملک میں ہے اور اس کے قبضے میں ہے، تو اب اس دوران اگر قاضی فیصلہ کرتا ہے تو پھر ٹھیک ہے، اب تو گھر اس کے قبضے میں ہی ہے، اس کے قبضے سے نکلا ہی نہیں ہے، تو اب اس کا شفعہ ساقط نہیں ہو گا۔ لیکن اگر وہ خیار استعمال کرتے ہوئے اس نے بیع کو نافذ کر دیا، یا وہ مدت پوری ہو گئی اور ابھی قاضی کا فیصلہ نہیں آیا تھا تو اس کا حقِ شفعہ کیا ہو جائے گا؟ ساقط ہو جائے گا، کیونکہ سبب ختم تو مسبب بھی ختم۔

وَبَيْعُ مَا يُشْفَعُ بِهِ قَبْلَ الْقَضَاءِ بِهَا اور بیچنا مَا اس عقار کا يُشْفَعُ بِهِ جس کی وجہ سے وہ شفعہ کر رہا ہے، قَبْلَ الْقَضَاءِ بِهَا، قَبْلَ الْقَضَاءِ بِالشُّفْعَةِ شفعے کا فیصلہ ہونے سے پہلے۔ تو کہتے ہیں وَبَيْعُ مَا يُشْفَعُ بِهِ قَبْلَ الْقَضَاءِ بِهَا اور اسی طرح باطل کر دیتا ہے شفعہ کو بَيْعُ مَا اس عقار کا بیچ دینا يُشْفَعُ بِهِ جس کی وجہ سے وہ شفعہ کر رہا ہے، قَبْلَ الْقَضَاءِ بِهَا شفعے کا فیصلہ ہونے سے پہلے ہی وہ بیچ دیتا ہے۔

ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ یہ بَيْعُ کا عطف کس پر ہے؟ وہی پیچھے جو تَرْكُهُ آیا تھا، وَيُبْطِلُهَا تَرْكُهُ طَلَبَ الْمُوَاثَبَةِ۔ دوبارہ دیکھیں بھئی: وَبَيْعُ مَا يُشْفَعُ بِهِ قَبْلَ الْقَضَاءِ بِهَا۔ ترجمہ آخر سے کریں، قَبْلَ الْقَضَاءِ بِهَا، اور بِهَا کی ہا ضمیر راجع ہے شفعہ کو۔ شفعے کا فیصلہ ہونے سے پہلے اس شفیع کا بیچ دینا اس عقار کو جس کی وجہ سے وہ شفعہ کر رہا ہے، یہ اس کے حقِ شفعہ کو باطل کر دیتا ہے۔ لِزَوَالِ سَبَبِ الِاسْتِحْقَاقِ قَبْلَ التَّمَلُّكِ سببِ استحقاق زائل ہونے کی وجہ سے قَبْلَ التَّمَلُّكِ مالک ہونے سے پہلے ہی۔ لِزَوَالِ سَبَبِ الِاسْتِحْقَاقِ قَبْلَ التَّمَلُّكِ سببِ استحقاق زائل ہونے کی وجہ سے مالک بننے سے پہلے ہی، کیونکہ اس کا سببِ استحقاق ہی کیا ہوا؟ زائل ہو گیا، ختم ہو گیا۔ یہ شفعے کا مستحق کس کی وجہ سے تھا؟ اس گھر کی وجہ سے، تو وہی سبب ہی ختم ہوا اس شفعے کا۔ بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الْبَيْعُ بِشَرْطِ الْخِيَارِ بخلاف اس کے کہ جب کہ وہ بیع کس کے ساتھ ہو؟ خیارِ شرط کے ساتھ ہو تو پھر نہیں، کیونکہ پھر مبیع اس کے ملک سے نہیں نکلا۔[1]

فَإِنْ سَمِعَ شِرَاءَكَ فَسَلَّمَ فَظَهَرَ شِرَاءُ غَيْرِكَ، أَوْ بَيْعَهُ بِأَلْفٍ فَسَلَّمَ وَكَانَ بِأَقَلَّ، أَوْ بِكَيْلِيٍّ أَوْ وَزْنِيٍّ أَوْ عَدَدِيٍّ مُتَقَارِبٍ قِيمَتُهُ أَلْفٌ أَوْ أَكْثَرُ فَهِيَ لَهُ، وَبِعَرَضٍ كَذٰلِكَ لَا.[2]

بھئی اس متن میں کئی مسائل وہ ذکر کر رہے ہیں۔ ایک مسئلہ یہ ہے کہ شفیع کو پتہ چلا کہ اس کے پڑوس والا گھر فروخت ہوا ہے اور وہ زید نے خریدا ہے۔ اس نے شفعہ چھوڑ دیا کہ زید تو اچھا آدمی ہے، نیک آدمی ہے، میرا پڑوسی بن جائے گا، اچھی بات ہے آنے دو، اس نے شفعہ چھوڑ دیا۔ پھر اسے پتہ چلا کہ نہیں یہ گھر تو زید نے نہیں خریدا، یہ تو بکر نے خریدا ہے

[1] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۶۴):** صوتی درس کی قراءت میں «وَيُبْطِلُهَا تَرْكُهُ طَلَبَ الْمُوَاثَبَةِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «ويبطلُهَا ترك طلب المواثبة» منقول ہے۔

[2] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۶۴):** صوتی درس کی قراءت میں «أَوْ بِكَيْلِيٍّ أَوْ وَزْنِيٍّ أَوْ عَدَدِيٍّ مُتَقَارِبٍ قِيمَتُهُ أَلْفٌ أَوْ أَكْثَرُ فَهِيَ لَهُ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «أو بكيليّ أو وزنيّ أوعدديّ متقاربٍ قيمتُهُ ألف أو أكثرُ فهي له،» منقول ہے۔

یا یہ خالد نے خریدا ہے، تو اب اس کو پھر حقِ شفعہ مل جائے گا۔ پھر کیا مل جائے گا؟ اگرچہ پہلے کے لیے وہ چھوڑ چکا ہے لیکن پتہ چلا کہ وہ پہلی خبر جھوٹی تھی۔ جب خبر جھوٹی تو اس پر شفعے کا حق چھوڑنے سے فرق نہیں پڑے گا، اب جو اس کو خبر ملی ہے اب ہے شفعے کی سچی خبر، تو اب اس کو شفعے کا حق مل جائے گا۔

اور نیز اس لیے بھی شفعے کا حق ملے گا کیونکہ تمام لوگ ایک جیسے نہیں ہیں۔ تو زید کا سن کر اس نے شفعہ چھوڑ دیا تھا کیونکہ یہ زید کے پڑوس پر راضی تھا، اور اب پتہ چلا خریدار کوئی اور ہے تو اب پھر اس کو یوں کہیں شفعے کا حق مل جائے گا، کیونکہ ہو سکتا ہے زید کے پڑوس پر تو یہ راضی ہو لیکن وہ جو دوسرا خریدار جس کا پتہ چلا، اس کے پڑوس پر راضی نہ ہو۔ ایک مشتری کا پتہ لگا اور اس نے شفعہ چھوڑ دیا، پھر پتہ چلا کہ نہیں وہ تو مشتری نہیں ہے، کوئی اور ہے مشتری، تو پھر اس کو شفعے کا حق مل جائے گا، یعنی اس کا حقِ شفعہ باطل نہیں ہو گا۔

دوسری صورت: ایک آدمی کو پتہ چلا کہ اس کے پڑوس والا گھر دس لاکھ میں فروخت ہوا ہے، اس نے شفعہ چھوڑ دیا۔ پھر اس کو پتہ چلا کہ نہیں وہ دس لاکھ میں نہیں وہ تو سات لاکھ روپے میں فروخت ہوا ہے، تو اس کو شفعے کا حق مل جائے گا بھئی، یہ پھر کیا کر سکتا ہے؟ شفعہ کر سکتا ہے۔ تو دس لاکھ پر اس نے شفعہ چھوڑا تھا کیونکہ ہو سکتا ہے اس کے پاس دس لاکھ نہ ہوں، اس لیے شفعہ چھوڑ دیا ہو، اور سات لاکھ اس کے پاس ہوں تو یہ شفعہ کر سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پہلے ایک ثمن کا پتہ چلے اور بعد میں اس سے کم ثمن کا پتہ چلے، پہلے ایک ثمن کا پتہ چلے اور اس پر انسان شفعہ چھوڑ دے اور پھر پتہ چلے کہ نہیں ثمن تو کم ہیں تو کم پر ہو سکتا ہے وہ قادر ہو دینے پر تو اس کو دوبارہ کیا مل جائے گا؟ حقِ شفعہ مل جائے گا۔

تیسری صورت: ایک آدمی کو پتہ چلا کہ اس کے ساتھ والا گھر دس لاکھ کا فروخت ہوا ہے۔ اس نے شفعہ چھوڑ دیا۔ لیکن پھر پتہ چلا کہ نہیں یہ تو دس لاکھ روپے کے بدلے فروخت نہیں ہوا بلکہ یہ ایک ہزار قفیز گندم کے بدلے فروخت ہوا ہے، یعنی مکیلی چیز کے بدلے فروخت ہوا ہے، یا اس کو پتہ چلا کہ ایک ہزار من لوہے کے بدلے فروخت ہوا ہے، اور یا اس کو پتہ چلا کہ مثلاً کسی عددیِ متقارب کے بدلے فروخت ہوا ہے، مثلاً موٹر سائیکل لے لیں۔ بھئی یاد رکھیے مثلیات کی بات آئی۔ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ مثلیات تین چیزیں ہیں: موزونات، مکیلات اور معدوداتِ متقاربہ۔ معدوداتِ متقاربہ۔

مکیلات: کچھ چیزوں کو ماپ کر برتن میں بیچتے ہیں، جیسے پٹرول آپ خریدتے ہیں یا آپ دودھ خریدتے ہیں تو وہ ایک برتن میں ماپ کر آپ کو دیتے ہیں کہ اتنے ملی لیٹر ہے، ایک لیٹر اتنے کا، دو اتنے کے، تین اتنے کے۔ اسی طرح میں نے بتلایا کہ قدیم زمانے میں یہ جو گندم ہے، گندم، جو وغیرہ ان کو بھی برتن میں ماپ کر بیچا جاتا تھا اور اس کو قفیز کہتے تھے، قفیز۔ اور آج کل ان کو وزن کر کے بیچا جاتا ہے گندم، جو وغیرہ کو۔ لیکن بہرحال شریعت میں یہ اب بھی مکیلات شمار ہوتی ہیں، مکیلات، تو بعض مسائل میں پھر جب برابری کرنا پڑے گی تو وہ کیل ہی کی صورت میں کرنا پڑے گی، وزن کی صورت میں برابری کا اعتبار نہیں ہو گا۔

تو بہرحال میں بات کر رہا تھا مکیلات کی۔ مکیلات جن چیزوں کو ماپ کر بیچا جائے، برتن میں ان کی مقدار ماپ کر، فی برتن اتنے کا ہے، اس کی قیمت سے بیچا جائے۔ اور کچھ چیزیں موزونات ہیں جن کا وزن کر کے بیچا جاتا ہے، جیسے لوہا اس کو وزن کر کے بیچا جاتا ہے، چینی ہے اس کو وزن کر کے بیچا جاتا ہے، اسی طرح اور بہت سی چیزیں آپ بازار سے خریدتے ہیں جن کو وزن کر کے بیچا جاتا ہے۔ اور تیسری کچھ چیزیں ہیں معدوداتِ متقاربہ۔ معدودات جن کو شمار کیا جاتا ہے اور متقاربہ جو ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں، ایک دوسرے جیسی ہیں، جیسے انڈے جو ہیں وہ گن کر فروخت کیے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک درجن آپ خریدتے ہیں یا دو درجن یا تین درجن، تو وہ گن کر فروخت کیے جا رہے ہیں۔ اور اسی طرح کیلے اور مالٹے وغیرہ ہمارے ہاں ان کو گن کر فروخت کرتے ہیں، ایک درجن اتنے کا ہے، دو درجن اتنے کے اور تین درجن اتنے کے۔ جب کہ بعض علاقوں میں ان کو وزن کر کے فروخت کرتے ہیں، تو جہاں وزن کرتے ہیں تو وزنی شمار ہوں گے، جہاں ان کو گن کر بیچتے ہیں تو معدودات میں شمار ہوں گے، بہرحال دونوں صورتوں میں یہ مثلیات میں سے ہیں۔

اور آج کل تو اور بھی بہت سی چیزیں مثلیات میں داخل ہو گئیں۔ مثلی جس کا مثل بازار سے ملتا ہو۔ جیسے موبائل فون ہیں، موبائل فون، تو یہ جو ڈبہ پیک موبائل فون ہیں یہ مثلیات میں سے ہیں، اور جب ڈبہ کھل گیا بس اب یہ ذوات القیم میں چلے گئے۔ کس میں چلے گئے؟ ذوات القیم۔ کیونکہ اب اس کا ریٹ بدل گیا بھئی۔ اور وہ ایک جیسے بھی ہوں تو بھی ان کی قیمت ایک جیسی نہیں ہوتی بھئی، وہ استعمال وغیرہ کو دیکھتے ہیں اور چیزوں کو دیکھتے ہیں، کس نے زیادہ استعمال کیا ہے۔ مثلاً آپ ایک مہینے بعد موبائل بیچتے ہیں تو اب وہ اس کی کوئی فکس قیمت نہیں ہوگی، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ لیکن اگر ڈبہ پیک ہوں، فیکٹری سے آ رہے ہیں، وہ تو سارے ایک جیسے ہیں، تو وہ سب کس میں سے ہیں؟ معدوداتِ متقاربہ میں سے، ایک لیں تو مثلاً دس ہزار کا، دو لیں تو بیس کے ہوں گے، تین لیں تو تیس کے ہوں گے۔ تو اس طرح ان کی قیمت۔ یا موٹر سائیکلیں جو نئی فیکٹری سے آئیں، نئی نئی، بالکل نئی، تو وہ معدوداتِ متقاربہ میں سے ہیں۔ مثلاً ایک پچاس ہزار کی ہے تو آپ دو لیں گے تو ایک لاکھ کی، تین لیں گے تو ڈیڑھ لاکھ کی۔ اسی طرح گاڑیاں ہیں، بالکل نئی جب مارکیٹ میں آئیں تو وہ بھی سب کی ایک ہی قیمت ہوتی ہے اور سب ایک دوسرے کے مثل ہوتی ہیں۔ بات سمجھ بھی آ رہی ہے کہ نہیں؟ اسی طرح آج کل آپ قلم لیتے ہیں، کتابیں خریدتے ہیں، ایک مکتبے کی چھپی ہوئی کتاب ہے تو وہ ساری ایک جیسی ہیں، تو آپ ایک کتاب لیتے ہیں سو روپے کی، دو لیں گے تو دو سو کی، تین لیں گے تو تین سو کی، گن کر بیچا جاتا ہے۔ لیکن یہ سب جب نئی ہوں، یہ چیزیں نئی ہوں، اور جب ایک دفعہ یہ کسی نے خرید لیں اور استعمال میں آ گئیں، جیسے موبائل ہے، موبائل کا ڈبہ ہی کھول لیں تو قیمت فوراً بدل جاتی ہے یا نہیں؟ اسی طرح موٹر سائیکل آپ نے خریدی، آپ نے اس کو ایک منٹ صرف چلایا لیکن فوراً اب وہ ذوات القیم بن گئی۔ پہلے کیا تھی؟ پہلے مثلیات میں سے معدوداتِ متقاربہ میں سے تھی، اب کیا بن گئی؟ ذوات القیم بن گئی۔

تو لہٰذا ایک شخص کو پتہ چلا کہ ساتھ والا گھر فروخت ہوا ہے اور اس کو مثلاً پتہ چلا کہ یہ دس لاکھ میں یہ گھر فروخت ہوا ہے اور اس نے شفعہ چھوڑ دیا۔ لیکن پھر پتہ چلا کہ یہ دس لاکھ روپے کے بدلے نہیں فروخت ہوا، کسی وزنی چیز کے بدلے، دس لاکھ کی فلاں وزنی چیز ہے، موزونات میں سے کوئی چیز ہے یا مکیلات میں سے کوئی چیز ہے یا معدوداتِ متقاربہ میں سے کوئی چیز ہے، اس کے بدلے فروخت ہوا ہے۔ اب وہ اس کی قیمت چاہے دس لاکھ ہی ہو، چاہے دس لاکھ سے زیادہ بھی کیوں نہ ہو، اس کو پھر حقِ شفعہ مل جائے گا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ اس کو پھر حقِ شفعہ مل جائے گا۔ مثلاً دس لاکھ میں کتنی موٹر سائیکلیں آئیں گی؟ فرض کرو ایک موٹر سائیکل پچاس ہزار کی ہے۔ بیس آگئیں، بیس آگئیں۔ اس کو پتہ چلا کہ میرا ساتھ والا گھر دس لاکھ میں فروخت ہوا ہے، اس نے شفعہ چھوڑ دیا۔ پھر اس کو پتہ چلا کہ نہیں یہ تو دس لاکھ نقد کے بدلے فروخت نہیں ہوا بلکہ دس لاکھ کی فلاں والی نئی موٹر سائیکلیں اس نے اس کو دی تھیں، یعنی معدوداتِ متقاربہ دی تھیں، یا دس لاکھ کی بھی موٹر سائیکلیں نہیں تھیں، بارہ لاکھ کی فلاں موٹر سائیکلیں اس کو اس نے دی ہیں مشتری نے، خریدار نے۔ تو گویا گھر نقد کے بدلے نہیں فروخت ہوا، کس کے بدلے فروخت ہوا ہے؟ مثلی چیز کے بدلے۔ چاہے اس مثلی چیز کی قیمت اس کے برابر ہو چاہے اس سے زیادہ ہو، جو خبر اس کو ملی تھی چاہے اس سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو، پھر بھی اس کو حقِ شفعہ دوبارہ مل جائے گا۔ وجہ یہ کیونکہ ہو سکتا ہے اس نے شفعہ اس لیے چھوڑا ہو کہ اس کے پاس دس لاکھ روپے نقد نہیں تھے، لیکن اس کے پاس اپنی دکان کے اندر دس یا بیس جتنی موٹر سائیکلیں تھیں وہ اس کے پاس نئی موجود ہیں۔ تو یہ لہٰذا اس کو دوبارہ شفعے کا حق مل جائے گا۔ جب اس کو خبر ملی کہ مثلی چیز کے بدلے گھر فروخت ہوا ہے تو اب یہ وہ مثلی چیز دے کر وہ گھر لے سکتا ہے، چاہے اس مثلی چیز کی قیمت دس لاکھ ہو چاہے دس لاکھ سے بھی زیادہ ہو، کیونکہ بعض اوقات انسان کے لیے نقد ادائیگی مشکل ہوتی ہے اور مثلی چیز زیادہ ہی کیوں نہ ہو اس کے پاس پڑی ہوتی ہے، وہ دے کر وہ اس کو لے سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو جب مثلی چیز کی قیمت اسی نقد کے برابر یا اس سے زیادہ ہو تو بھی اس کو حقِ شفعہ مل رہا ہے، تو کم ہونے کی صورت میں تو بطریقِ اولیٰ اس کو حقِ شفعہ مل جائے گا۔ بھئی پتہ لگا کہ گھر دس لاکھ میں نہیں فروخت ہوا بلکہ وہ تو صرف چھ لاکھ کے موٹر سائیکلوں کے بدلے فروخت ہوا ہے، تو بھئی جب دس لاکھ کی چاہے موٹر سائیکلیں ہوں چاہے بارہ لاکھ کی موٹر سائیکلیں ہوں، اس میں اس کو حقِ شفعہ دوبارہ مل جاتا تھا، تو چھ لاکھ میں تو بطریقِ اولیٰ اس کو حقِ شفعہ مل جائے گا کہ تھوڑے پیسوں میں ہے۔ صورت سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ کیا مسئلہ ہوا کہ خریدار کو کیا پتہ چلا، شفیع کو کیا پتہ چلا؟ دس لاکھ۔ مثلاً گھر ایک ثمن میں فروخت ہوا ہے، نقد ادائیگی ہوئی ہے، نقد پیسے، اور اس نے کیا کیا؟ شفعہ چھوڑ دیا۔ پھر پتہ چلا کہ نہیں یہ گھر تو نقد کے بدلے نہیں فروخت ہوا، مثلی چیز کے بدلے فروخت ہوا ہے، چاہے وہ موزونات میں سے ہو یا مکیلات میں سے یا معدوداتِ متقاربہ میں سے، ان کے بدلے فروخت ہوا ہے اور ان کی قیمت چاہے اس نقدی کے برابر ہو یا اس سے بھی زیادہ ہو، ہر صورت میں اس کو پھر حقِ شفعہ مل جائے گا اور یہ پھر شفعہ کر سکتا ہے۔

جب کہ اس سے پچھلے مسئلے میں آیا تھا کہ اس کو مثلاً پتہ چلا کہ یہ گھر دس لاکھ میں فروخت ہوا ہے، اس نے شفعہ چھوڑ

دیا، پھر پتہ چلا کہ دس لاکھ میں نہیں فروخت ہوا، کتنے میں فروخت ہوا ہے؟ سات لاکھ میں یا چھ لاکھ میں فروخت ہوا ہے، تو پھر اس کو حقِ شفعہ مل جائے گا، کیونکہ ہو سکتا ہے اس نے وہ جو شفعہ چھوڑا تھا کیونکہ اس کے پاس دس لاکھ نہیں تھے، لیکن چھ یا سات لاکھ تو اس کے پاس ہیں، تو یہ پھر شفعہ کر کے اس گھر کو لے سکتا ہے۔ لیکن اگر پتہ چلا گھر دس لاکھ میں فروخت ہوا ہے، اس نے شفعہ چھوڑ دیا، پھر اس کو پتہ چلا کہ دس لاکھ میں فروخت نہیں ہوا بلکہ بارہ لاکھ روپے میں فروخت ہوا ہے، اب آپ مجھے بتائیے کیا اس کو حقِ شفعہ ملے گا؟ نہیں ملے گا، کیونکہ جب اس نے دس لاکھ میں یہ شفعہ کرنے پر تیار نہیں تو بارہ لاکھ میں بطریقِ اولیٰ یہ تیار نہیں ہو گا بھئی۔

اگلی صورت: ایک شخص کو پتہ چلا کہ میرے ساتھ والا گھر دس لاکھ روپے نقد میں فروخت ہوا ہے، نقد میں فروخت ہوا ہے، اور اس نے شفعہ چھوڑ دیا۔ پھر اس کو پتہ چلا کہ دس لاکھ نقد میں گھر فروخت نہیں ہوا بلکہ دس لاکھ کا سامان جو ہے بدلے میں طے ہوا ہے، دس لاکھ کا سامان بدلے میں طے ہوا۔ کوئی بھی قیمت والی چیز سامان میں لے آؤ، مثلاً دس لاکھ کی بھیڑ بکریاں، دس لاکھ کی بھیڑ بکریاں، کوئی بھی سامان لے آؤ جو ہو ذوات القیم، مثلیات میں سے نہ ہو۔ تو پہلے کیا پتہ لگا تھا یہ گھر کتنے میں فروخت ہوا ہے؟ دس لاکھ نقد میں۔ پھر پتہ چلا کہ دس لاکھ کا سامان ہے، کوئی بھی سامان ہے۔ تو کیا اب اس کو حقِ شفعہ دوبارہ ملے گا؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، اب حقِ شفعہ دوبارہ نہیں ملے گا۔ اس لیے کیونکہ اس نے مکان کیوں چھوڑا؟ کیونکہ اس کے خیال میں دس لاکھ روپے زیادہ تھے۔ اور اب کیا پتہ چلا کہ نقد نہیں ہے بلکہ سامان ہے، سامان ہے، اور سامان کے اندر سامان کا تو مثل نہیں ہوتا، تو بھی اس پر گویا کیا آ رہے ہیں؟ قیمت ہی آ رہی ہے، دس لاکھ روپے ہی آ رہے ہیں۔ ویسی ہی بھیڑ بکریاں یہ کہیں سے لا سکتا ہے؟ جی؟ ہاں تو وہ جہاں سے بھی لائے گا دس لاکھ کی بھیڑ بکریاں ہی لائے گا نا؟ جی۔ دس لاکھ کی لائے گا۔ تو دس لاکھ نقد ہو یا دس لاکھ بھیڑ بکریاں ہوں، بات تو ایک ہی ہے بھئی۔ مثلیات میں تو یہ ہے نا اس کا مثل ملتا ہے، تو لہٰذا یہاں سامان کے بدلے جب علم ہوا تو اس صورت میں اس کو دوبارہ حقِ شفعہ نہیں ملے گا۔ یا اس کو پتہ چلا کہ میرے ساتھ والا گھر دس لاکھ روپے میں فروخت ہوا ہے اور پھر بعد میں پتہ چلا کہ نہیں نہیں، نقد پیسوں کے بدلے فروخت نہیں ہوا بلکہ بارہ لاکھ کے سامان کے بدلے فروخت ہوا ہے، تو کہتے ہیں اب بھی حقِ شفعہ نہیں ملے گا۔ کیونکہ جب یہ دس لاکھ میں شفعے پر تیار نہیں، اس نے چھوڑ دیا تھا، تو بارہ لاکھ میں تو بطریقِ اولیٰ یہ شفعہ نہیں کرے گا بھئی۔ ہاں کم کی صورت میں حقِ شفعہ مل جائے گا، مثلاً اس کو پتہ چلا کہ یہ ساتھ والا گھر دس لاکھ روپے میں فروخت ہوا ہے، پھر پتہ چلا کہ نہیں نقد کے بدلے نہیں فروخت ہوا بلکہ آٹھ لاکھ کے سامان کے بدلے فروخت ہوا ہے، تو اب اس کو حقِ شفعہ مل جائے گا، کیونکہ دس لاکھ کی تو ادائیگی اس کے لیے مشکل تھی لیکن آٹھ لاکھ کے سامان دینا یا آٹھ لاکھ دینا تو اس کے لیے مشکل نہیں ہے، تو اس کو شریعت دوبارہ شفعہ کا حق دے دے گی، یہ کرے چاہے یا چاہے نہ کرے۔

صورتِ مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں: فَإِنْ سَمِعَ شِرَاءَكَ فَسَلَّمَ پس اگر شفیع نے سنا شِرَاءَكَ آپ کے

خریدنے کے بارے میں کہ آپ نے گھر خریدا ہے، فَسَلَّمَ تو اس نے شفعہ چھوڑ دیا، فَظَهَرَ شِرَاءُ غَيْرِكَ پھر ظاہر ہوا آپ کے علاوہ کسی کے خریدنے کے بارے میں کہ آپ نے نہیں خریدا بلکہ کسی اور نے خریدا ہے۔ آگے آرہی ہے ایک سطر کے بعد: فَهِيَ لَهُ۔ مل گئی عبارت؟ یہ سب کی جزا ہے۔ کئی صورتیں ذکر کریں گے اور ان سب میں کہتے ہیں فَهِيَ لَهُ۔ فَهِيَ، هِيَ ضمیر راجع ہے شفعہ کو، تو شفعہ جو ہے لَهُ وہ اس کے لیے ہو گا، اس آدمی کے لیے۔ صورت پہلی کیا ذکر ہوئی؟ اس کو پتہ چلا آپ نے خریدا ہے، اس نے شفعہ چھوڑ دیا، پھر پتہ چلا آپ نے نہیں خریدا کسی اور نے خریدا ہے، تو پھر اس کو شفعے کا حق مل جائے گا۔ یہ معنی ہے فَإِنْ سَمِعَ شِرَاءَكَ فَسَلَّمَ اگر اس نے سنا آپ کے خریدنے کے بارے میں تو اس نے شفعہ چھوڑ دیا، فَظَهَرَ شِرَاءُ غَيْرِكَ پھر ظاہر ہوا آپ کے علاوہ کا خریدنا، تو اس کو شفعہ مل جائے گا۔ أَوْ بَيْعَهُ بِأَلْفٍ یا اس نے سنا سَمِعَ بَيْعَهُ، اس کا عطف شِرَاءَكَ پر ہے، یا اس نے سنا اس عقار کے بیچنے کے بارے میں بِأَلْفٍ ہزار کے بدلے، فَسَلَّمَ تو اس نے چھوڑ دیا شفعہ، وَكَانَ بِأَقَلَّ اور وہ کس کے بدلے تھا؟ اس سے کم کے بدلے گھر فروخت ہوا تھا، تو اس کو پھر شفعے کا حق مل جائے گا۔

أَوْ بِكَيْلِيٍّ أَوْ وَزْنِيٍّ أَوْ عَدَدِيٍّ مُتَقَارِبٍ، یا کم کے بدلے تھا یا وہ کس کے بدلے تھا؟ پتہ چلا کہ یہ تو ہزار کے بدلے نہیں ہے بلکہ کسی بِكَيْلِيٍّ کسی کیلی چیز کے بدلے ہے، أَوْ وَزْنِيٍّ یا کسی وزنی چیز کے بدلے ہے، أَوْ عَدَدِيٍّ مُتَقَارِبٍ یا ایسی عددی چیز جو ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں ان کے بدلے میں ہے، قِيمَتُهُ، ایسی کیلی چیز یا ایسی وزنی چیز یا ایسی عددی متقارب چیز قِيمَتُهُ أَلْفٌ جس کی قیمت کتنی ہے؟ ہزار ہے، ہزار۔ پہلے کیا پتہ چلا گھر کتنے میں بکا ہے؟ گھر کتنے میں فروخت ہوا ہے؟ ہزار کے بدلے۔ پھر پتہ چلا ہزار کے بدلے نہیں فروخت ہوا، کم کے بدلے فروخت ہوا ہے، تو بھی اس کو حقِ شفعہ مل جائے گا۔ اور اگر یہ پتہ چلا ہزار نقد کے بدلے نہیں بیچا گیا بلکہ ایک ہزار کے برابر کیلی چیز ہے کوئی یا وزنی چیز ہے یا عددیِ متقارب ہے، قِيمَتُهُ أَلْفٌ أَوْ أَكْثَرُ چاہے ان مثلیات کی قیمت ہزار ہو یا ہزار سے بھی زیادہ ہو، ان تمام صورتوں میں فَهِيَ لَهُ تو اس کو شفعے کا حق ہو گا۔ وَبِعَرَضٍ كَذٰلِكَ لَا اور سامان کے بدلے ایسے ہی لَا اب اس کو شفعے کا حق نہیں ہو گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اس کو پتہ چلا گھر ایک ہزار کے بدلے فروخت ہوا ہے اور پھر پتہ چلا کہ ہزار نقد نہیں ہے بلکہ ہزار کا سامان ہے، چاہے وہ ہزار کا ہے یا ہزار سے بھی زیادہ کا ہے، تو اب اس صورت میں اس کو شفعے کا حق نہیں ملے گا۔[۳]

أَيْ سَمِعَ الْبَيْعَ بِأَلْفٍ شفیع نے سنا بیع کے بارے میں بِأَلْفٍ ہزار کے بدلے، فَسَلَّمَ تو اس نے شفعہ چھوڑ دیا، وَكَانَ بِأَقَلَّ اس حال میں کہ وہ بیع جو ہے وہ اقل کے بدلے تھی یعنی ہزار سے کم کے بدلے تھی، ایک صورت۔ أَوْ كَانَ بِكَيْلِيٍّ یا اس نے ہزار کے بدلے بیع کا سنا اور وہ بیع جو ہے بِكَيْلِيٍّ کسی کیلی چیز کے بدلے تھی، أَوْ وَزْنِيٍّ یا وزنی چیز کے بدلے تھی، أَوْ عَدَدِيٍّ

[۳] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۶۵):** صوتی درس کی قراءت میں «أَوْ بِكَيْلِيٍّ أَوْ وَزْنِيٍّ أَوْ عَدَدِيٍّ مُتَقَارِبٍ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «أو كان بكيليّ أو وزنيّ أو عدديّ متقاربٍ» منقول ہے۔

مُتَقَارِبٍ یا عددی متقارب کے بدلے تھی، قِيمَتُهُ أَلْفٌ جس کی قیمت کتنی تھی؟ جس کی قیمت ہزار ہے۔ بھئی میں نے آپ کو بتلایا تھا، نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ اسی طرح نکرہ کے بعد جملہ اسمیہ آجائے، وہ بھی اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ تو یہاں متن میں بھی اسی طرح ہے، شرح میں بھی اسی طرح ہے، قِيمَتُهُ أَلْفٌ، قِيمَتُهُ مبتدا اور أَلْفٌ اس کی خبر، اور یہ مبتدا خبر مل کر جملہ، اور یہ جملہ پیچھے جو کیلی، وزنی اور عددیِ متقارب آیا ان کی صفت ہے۔ تو ایسا کیلی یا ایسا وزنی یا ایسا عددیِ متقارب قِيمَتُهُ أَلْفٌ جس کی قیمت ایک ہزار ہے أَوْ أَكْثَرُ یا ایک ہزار سے بھی زیادہ ہے، فَالشُّفْعَةُ ثَابِتَةٌ لَهُ تو شفعہ اس کے لیے ثابت ہے۔ مسائل بھی سمجھ میں آرہے ہیں کہ نہیں سمجھ میں آرہے؟

لِأَنَّ هٰذِهِ الْأَشْيَاءَ مِنْ ذَوَاتِ الْأَمْثَالِ اس لیے کیونکہ یہ چیزیں جو ہیں ذوات الامثال میں سے ہیں، یعنی مثلیات میں سے ہیں، فَالشَّفِيعُ يَأْخُذُ بِهَا پس شفیع لے لے گا ان کے بدلے اس کو۔ وَرُبَّمَا يَكُونُ لَهُ الْأَخْذُ بِهٰذِهِ الْأَشْيَاءِ أَيْسَرَ۔ سوال: بھئی ایک ہزار نقد کا پتہ چلا تو اس نے شفعہ چھوڑ دیا، اور پھر ایک ہزار یا اس سے بھی زیادہ کیلی چیز کا پتہ لگا تو پھر اس کو شفعے کا حق کیسے مل گیا؟ یہ تو ایک ہزار سے بھی زیادہ کی چیز ہے یا یہ بھی چیز ہزار ہی کی ہے؟ کہتے ہیں بھئی بسا اوقات نقد ادائیگی انسان کے لیے مشکل ہوتی ہے اور کوئی کیلی یا وزنی چیز کی ادائیگی اس کے لیے آسان ہوتی ہے، چاہے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ پہلے ہو سکتا ہے شفعہ اس نے اس لیے چھوڑ دیا ہو کہ اس کے لیے ہزار نقد ادائیگی مشکل تھی لیکن کیلی وغیرہ کی ادائیگی اس کے لیے آسان ہے چاہے زیادہ پیسوں کی ہی کیوں نہ ہو، تو اس لیے اس کو دوبارہ کیا مل جائے گا؟ شفعے کا حق مل جائے گا۔ تو کہتے ہیں: وَرُبَّمَا يَكُونُ لَهُ الْأَخْذُ بِهٰذِهِ الْأَشْيَاءِ أَيْسَرَ اور بسا اوقات اس کے لیے لینا ان چیزوں کے بدلے زیادہ آسان ہوتا ہے، وَإِنْ كَانَتْ قِيمَتُهَا أَكْثَرَ مِنَ الْأَلْفِ اگرچہ ان کی قیمت وہ ہزار سے بھی زیادہ ہو، فَيَكُونُ لَهُ حَقُّ الشُّفْعَةِ تو اس کو حقِ شفعہ ہو گا۔

بِخِلَافِ مَا إِذَا ظَهَرَ أَنَّ الْبَيْعَ كَانَ بِعَرَضٍ قِيمَتُهُ أَلْفٌ أَوْ أَكْثَرُ بخلاف اس کے کہ جب یہ بات ظاہر ہوئی کہ بیع جو ہے وہ ایسے سامان کے بدلے تھی قِيمَتُهُ أَلْفٌ جس کی قیمت ایک ہزار تھی أَوْ أَكْثَرُ یا زیادہ تھی، فَلَا يَبْقَى لَهُ الشُّفْعَةُ تو شفعہ اس کے لیے باقی نہیں رہے گا۔ لِأَنَّ الشَّفِيعَ يَأْخُذُ هُنَا بِالْقِيمَةِ اس لیے کیونکہ یہاں پر بھی شفیع جو ہے وہ قیمت کے بدلے ہی لے گا، کیونکہ سامان تو ذوات القیم میں سے ہے، تو قیمت ہی دینا پڑے گی نا۔ فَإِنْ كَانَتْ قِيمَتُهُ أَلْفًا فَقَدْ سَلَّمَ الْبَيْعَ بِهِ پس اگر اس سامان کی قیمت ایک ہزار ہو تو تحقیق وہ تو بیع کو چھوڑ چکا ہے اس کے بدلے، اس پر بیع ایک ہزار کا تو اس کو پتہ لگ گیا تھا، سامان بھی ہزار کا ہے اور خبر بھی کیا ملی تھی ایک ہزار نقد کی، تو ایک ہزار نقد پر اس نے شفعہ چھوڑ دیا ہے، اور اب کیا پتہ چلا کہ ایک ہزار کا سامان ہے، تو وہ سامان کے لیے، اس میں بھی تو پیسے ہی آئیں گے، تو وہ تو چھوڑ چکا ہے اس کے بدلے۔ فَإِنْ كَانَتْ قِيمَتُهُ أَلْفًا پس اگر اس سامان کی قیمت بھی ایک ہزار ہو، فَقَدْ سَلَّمَ الْبَيْعَ بِهِ تو تحقیق وہ بیع کو اس کے بدلے چھوڑ چکا ہے، وَإِنْ كَانَتْ قِيمَتُهُ أَكْثَرَ اور اگر اس کی قیمت ایک ہزار سے زیادہ ہے یعنی ایک ہزار درہم سے، فَتَسْلِيمُ الْمَبِيعِ بِأَلْفٍ تَسْلِيمُ الْمَبِيعِ بِالْأَكْثَرِ بِالطَّرِيقِ الْأَوْلٰى تو ہزار کے بدلے بیع کو چھوڑ دینا، سپرد کر دینا یہ اکثر کے بدلے بیع کو چھوڑنا ہو گا بطریقِ

اولیٰ۔ کہتے ہیں اگر سامان ہزار کا ہے تو بھی قیمت آئے گی، اور ہزار نقد میں تو وہ شفعہ کو چھوڑ چکا، ہزار کا سامان بھی اگر دینا ہے تو اس میں بھی کیا آرہی ہے؟ قیمت ہی آرہی ہے، تو وہ ہزار پر شفعہ کو چھوڑ چکا ہے۔ اور اگر سامان ہزار سے زیادہ کا ہوا، تو اس نے تو ہزار کی بیع پر شفعہ چھوڑ دیا تھا تو زیادہ کی صورت میں تو بطریقِ اولیٰ یہ شفعہ چھوڑے گا، لہٰذا اس سے اس کو شفعے کا حق دوبارہ نہیں ملے گا۔ یہ معنی ہے فَتَسْلِيمُ الْمَبِيعِ بِأَلْفٍ تو ہزار کے بدلے بیع کو چھوڑ دینا، سپرد کر دینا یہ تَسْلِيمُ الْمَبِيعِ بِالْأَكْثَرِ بِالطَّرِيقِ الْأَوْلٰى یہ تو اکثر کے بدلے میں بیع کو چھوڑنا ہو گا بطریقِ اولیٰ۔

وَلِلشَّفِيعِ حِصَّةُ أَحَدِ الْمُشْتَرِينَ لَا أَحَدِ الْبَاعَةِ۔ یہ مُشْتَرِينَ ہونا چاہیے بھئی، ایک یا ہونی چاہیے، ایک یا۔ مُشْتَرِيَيْنِ، یہ تو تثنیہ انہوں نے بنا دیا، تثنیہ نہیں ہے، یہ جمع ہے۔ گردان کیسے ہو گی اسمِ فاعل کی؟ مُشْتَرٍ، مُشْتَرِيَانِ، مُشْتَرُونَ۔ اور اس کو حالتِ نصبی جری میں لے جائیں؟ مُشْتَرِينَ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ پھر سنو: مُشْتَرٍ، مُشْتَرِيَانِ، مُشْتَرُونَ۔ مُشْتَرُونَ اصل میں کیا تھا؟ مُشْتَرِيُونَ۔ مُشْتَرِيُونَ، یا تھی نا؟ مُشْتَرِيُونَ، پھر یا پر ضمہ ثقیل تھا، لہٰذا ماقبل میں جو را ہے اس کا کسرہ گرایا اور ضمہ اس کو دے دیا۔ مُشْتَرُونَ بنانا ہے نا؟ کس سے بنانا ہے؟ مُشْتَرِيُونَ سے، اور کیا بنانا ہے؟ مُشْتَرُونَ، را پر ضمہ لانا ہے، تو لہٰذا اسی یا کا ضمہ لے آؤ ادھر۔ تو یا پر ضمہ ثقیل تھا وہ کس کو دیا؟ را، را کی حرکت کسرہ گرا دیا اور اس کو ضمہ دے دیا۔ اور پھر ماقبل ضمہ کی وجہ سے اس یا کو کس سے بدلا؟ واو سے۔ اور پھر دو واو جمع ہوئے، اجتماعِ ساکنین آیا تو اول واو کو گرا دیا تو کیا بن گیا؟ مُشْتَرُونَ، اور پھر حالتِ نصبی جری میں واو کس سے بدلا؟ یا سے، تو کیا بن گیا؟ مُشْتَرِينَ۔

تو کہتے ہیں: وَلِلشَّفِيعِ حِصَّةُ أَحَدِ الْمُشْتَرِينَ لَا أَحَدِ الْبَاعَةِ۔ بَاعَة یہ جمع ہے بَائِع کی۔ صورتِ مسئلہ یہ کہ آپ کے پڑوس میں زید رہتا ہے، اس نے اپنا مکان پانچ آدمیوں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ کتنے آدمیوں کے ہاتھ؟ پانچ آدمی۔ مطلب الگ الگ حصے نہیں کیے، ان پانچوں نے پیسے ملائے اور ملا کر وہ زید کا پلاٹ اور گھر خرید لیا۔ تو اب مشتری کتنے ہیں؟ پانچ۔ اور اب اگر آپ شفعہ کرنا چاہتے ہیں تو کیا سب پہ آپ کو شفعہ کرنا پڑے گا یا کسی ایک یا دو یا بعض پر بھی آپ شفعہ کر سکتے ہیں؟ کہتے ہیں بھئی آپ کی مرضی ہے، چاہے سب پر شفعہ کریں چاہے ایک یا دو پر شفعہ کریں۔ سب پر بھی شفعہ کر سکتے ہیں کیونکہ آپ جارِ ملاصق ہیں، آپ کے ساتھ والی زمین فروخت ہوئی ہے، آپ شفعہ کر کے اس کو لے سکتے ہیں۔ اور آپ چاہیں تو صرف ایک پر شفعہ کرتے ہیں، کس پر کرتے ہیں؟ ایک پر شفعہ کر کے اس ایک کے حصے کو شفعہ کے ذریعے آپ لے لیتے ہیں، باقیوں کے حصے کو نہیں لیتے۔ کیوں؟ کیونکہ شفعہ ضررِ جوار سے بچنے کے لیے ہے، تو ہو سکتا ہے جو نئے آدمی آرہے ہیں ان میں سے چار کے پڑوس پر تو آپ راضی ہیں وہ سارے نیک آدمی ہیں، لیکن ایک شریر آدمی ہے، تنگ کرنے والا ہے، اس کے پڑوس پر آپ راضی نہیں، تو صرف اس کے حصے پر بھی آپ شفعہ کر سکتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اس کا برعکس کریں۔ آپ کے ساتھ والا پلاٹ یا زمین پانچ آدمیوں کی مشترکہ ہے۔ کس کی؟ پانچ آدمی۔ ان پانچوں نے مل کر وہ سارا پلاٹ یا وہ گھر ایک آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیا، مثلاً زید آگیا، زید آگیا۔ تو اب کیا آپ ان پانچ میں سے ایک

کے حصے پر شفعہ کر سکتے ہیں؟ جو بائع تھے، بائع کتنے تھے؟ پانچ، اور مشتری کتنے ہیں؟ ایک ہے۔ تو اب مشتری ایک ہے لیکن بیچنے والے پانچ افراد تھے، تو کیا ان بیچنے والوں میں سے ایک کے حصے پر شفعہ کر سکتے ہیں؟ کہتے ہیں نہیں۔ شفعہ ضررِ جوار سے بچنے کے لیے ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ اور وہ پانچوں تو جا رہے ہیں، یہاں تو ایک نیا آدمی آرہا ہے، لہٰذا پوری زمین پر آپ شفعہ کریں تو اس کو لے سکتے ہیں، کسی ایک کے حصے کو اس میں سے نہیں لے سکتے۔ تو لہٰذا آپ کیا کریں؟ یا تو پوری زمین پر شفعہ کریں یا اس کو چھوڑ دیں شفعہ کو۔ اگر آپ ایک کے حصے کو لیتے ہیں فرض کریں، اگر شریعت آپ کو اجازت دیتی آپ کیا کر سکتے ہیں؟ ایک بائع کا حصہ لے سکتے، تو اس میں آپ کا کیا فائدہ تھا؟ ضررِ جوار کوئی دفع ہو رہا ہے اس سے؟ نہیں۔ باقی حصے بھی زید کے ہیں، وہ حصہ بھی زید کا ہے، تو پڑوسی تو آرہا ہے اسی طرح۔ تو اس میں ضررِ جوار کا دفع بھی نہیں ہے، اور نیز اس کے اندر زید پر عقد بھی متفرق ہو جاتا ہے، اس نے تو ساری زمین اس نے اکٹھی خریدی، اس کو اکٹھی چاہیے تھی، لیکن آپ کے شفعہ سے اس پر زمین کیا ہو جائے گی؟ تقسیم ہو جائے گی، وہ عقد کیا ہو جائے گا اس پر؟ تقسیم ہو جائے گا، کچھ زمین اس کو ملے گی، کچھ زمین آپ شفعہ کر کے لے لیں گے۔ اور نیز اس میں تو نقصان بھی زیادہ ہے اس کا۔ ایک نقصان تو یہ تھا کہ آپ شفعہ کر کے کیا لے لیں؟ زمین لے لیں۔ لیکن یہاں اس سے بھی بڑھ کر اس کو نقصان ہو رہا ہے، آپ ایک کا حصہ لے لیں گے تو آپ تو اس کے شریک بن جائیں گے۔ کیا بن جائیں گے؟ شریک۔ اور یاد رکھو چیزوں کے اندر شرکت عیب شمار ہوتی ہے تاجروں کے ہاں۔ تاجر نے زمین خریدنی ہے اور صرف آپ اکیلے مالک ہیں تو بڑی خوشی سے خریدے گا، لیکن اگر اس کو پتہ چلتا ہے کہ اس میں پانچ چھ شریک ہیں تو وہ پیچھے ہٹ جائے گا کہ یہ تو اور شریک ہیں، مشکل ہو جائے گا مسئلہ بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو صورت کیا ہوئی؟ اگر مشتری ایک ہو تو ساری پر شفعہ کرنا پڑے گا یا چھوڑنا پڑے گا، اور اگر مشتری کئی ہوں تو پھر ساروں پر بھی شفعہ کر سکتا ہے اور بعض پر بھی شفعہ کر سکتا ہے۔

تو کہتے ہیں: وَشَفِيعُ حِصَّةِ أَحَدِ الْمُشْتَرِينَ لَا أَحَدِ الْبَاعَةِ۔ اور شفعہ کرنے والا... کس پر؟ حِصَّةِ أَحَدِ الْمُشْتَرِينَ خریداروں میں سے کسی ایک کے حصے پر۔ خریداروں میں سے، یعنی کئی خریدار ہیں، ان میں سے کسی ایک کے حصے پر... بھئی یہ تو عبارت درست نہیں، عبارت درست کر لیں بھئی: وَلِلشَّفِيعِ، وَلِلشَّفِيعِ، شفیع پر دو لام داخل کریں۔ اب سنیں بھئی: وَلِلشَّفِيعِ حِصَّةُ أَحَدِ الْمُشْتَرِينَ لَا أَحَدِ الْبَاعَةِ۔ اور میری کتاب میں یہ حِصَّةِ اس پر زیر لگی ہے، اس پر زیر نہیں اس پر پیش آئے گی، پیش آئے گی، یہ مبتدا مؤخر ہے بھئی۔ تو دیکھیے بھئی عبارت کیا بن گئی: وَلِلشَّفِيعِ حِصَّةُ أَحَدِ الْمُشْتَرِينَ لَا أَحَدِ الْبَاعَةِ اور شفیع کے لیے ہو گا خریداروں میں سے ایک کا حصہ۔ شفیع کے لیے ہو گا خریداروں میں سے ایک کا حصہ، یعنی کئی خریدار ہیں تو وہ ایک کا حصہ لے سکتا ہے، دو کا بھی لے سکتا ہے، تین کا بھی لے سکتا ہے۔ لَا أَحَدِ الْبَاعَةِ بیچنے والوں میں سے کسی ایک کا حصہ نہیں ہو گا۔ بیچنے والوں میں سے کسی ایک کا حصہ نہیں لے سکتا، خریداروں میں سے ایک کا حصہ لے سکتا ہے۔

صورت خود بتلا رہے ہیں: أَيِ اشْتَرَى جَمَاعَةٌ مِنْ وَاحِدٍ خریدا ایک پوری جماعت نے مِنْ وَاحِدٍ کسی ایک سے، ایک آدمی سے، فَلِلشَّفِيعِ أَنْ يَأْخُذَ نَصِيبَ أَحَدِهِمْ تو شفیع کے لیے جائز ہے کہ وہ لے لے ان میں سے کسی ایک کے حصے کو یعنی اس ایک پر ہی صرف شفعہ کرے۔ وَإِنْ بَاعَ جَمَاعَةٌ مِنْ وَاحِدٍ اور اگر بیچا پوری ایک جماعت نے کسی ایک آدمی پر یعنی مشتری ایک ہے، تو لَا يَأْخُذُ حِصَّةَ أَحَدِ الْبَائِعِينَ تو شفیع جو ہے وہ نہیں لے سکتا بیچنے والوں میں سے کسی ایک کے حصے کو، وَيَتْرُكُ حِصَّةَ الْبَاقِيَةِ اور یہ کہ وہ چھوڑ دے باقیوں کے حصے کو، ایک کے حصے کو لے لے اور باقیوں کے حصے کو چھوڑ دے، وہ یہ نہیں کر سکتا۔ إِنْ شَاءَ أَخَذَ كُلَّهَا أَوْ تَرَكَ وہ چاہے تو سارا لے لے گا یا سارا چھوڑ دے گا۔ لِأَنَّ هُنَا تَتَفَرَّقُ الصَّفْقَةُ عَلَى الْمُشْتَرِي۔ صفقہ کہتے ہیں عقد کو، سودا، سودا۔ آپ کہتے ہیں نا سودا طے پا گیا ہے، عقد طے پا گیا ہے، یعنی خرید و فروخت کا معاملہ ہو گیا۔ صفقہ کہتے ہیں خرید و فروخت کا جو معاملہ ہے، جو عقد ہے۔ لِأَنَّ هُنَا تَتَفَرَّقُ الصَّفْقَةُ عَلَى الْمُشْتَرِي اس لیے کیونکہ یہاں پر جو صفقہ ہے، جو خرید و فروخت کا معاملہ ہے وہ متفرق ہو گا مشتری پر۔ کس پر؟ مشتری پر۔

بھئی وہی بات جو میں نے بیان کر دی۔ بیچنے والے ہیں کئی اور خریدار ہے ایک۔ مثلاً اس نے سو کنال کی زمین خریدی، سو کنال زمین خریدی، اور یہ زمین پانچ آدمیوں کی مشترکہ تھی، پانچ آدمیوں کی مشترکہ۔ تو اب خریدار ایک ہی ہے، تو آپ بیچنے والوں میں سے کسی ایک کے حصے پر شفعہ نہیں کر سکتے، شفعہ نہیں کر سکتے۔ کرنا ہے شفعہ تو ساری زمین پہ کرنا پڑے گا یا ساری زمین کو چھوڑنا پڑے گا۔ کیونکہ اگر کسی ایک کے حصے پر شریعت آپ کو شفعہ کی اجازت دے تو مثلاً زید کو تو سو کنال ہی چاہیے تھی زمین اور آپ شفعہ کر کے اگر اس میں سے بیس لے لیں گے تو اس کا سودا اس پر متفرق ہو گیا یا نہیں؟ جی؟ اب اس کو بیس کیا کرنا پڑیں گے؟ علیحدہ خریدنے پڑیں گے۔ تو لہٰذا اس لیے یہاں اس کی اجازت نہیں ہو گی۔ کہتے ہیں لِأَنَّ هُنَا تَتَفَرَّقُ الصَّفْقَةُ عَلَى الْمُشْتَرِي اس لیے کیونکہ یہاں پر جو صفقہ ہے وہ مشتری پر متفرق ہوتا ہے، جدا ہوتا ہے۔ وَثَمَّتَ لَا تَتَفَرَّقُ۔ ثَمَّتَ یہ ذٰلِكَ کی طرح استعمال ہوتا ہے، ذٰلِكَ وہ یا وہاں، اس معنی میں۔ وَثَمَّتَ لَا تَتَفَرَّقُ اور وہاں متفرق نہیں ہوتا۔ توجہ ہے؟ یہاں صفقہ متفرق ہوتا ہے، وہاں متفرق نہیں ہوتا۔ یعنی پہلی صورت میں، پہلی کیا صورت تھی؟ مشتری پانچ تھے اور آپ نے ایک مشتری کے حصے پر شفعہ کیا ہے، تو وہ مشتری بیچ میں سے نکل جائے گا، تو باقیوں پر صفقہ متفرق ہوا؟ نہیں، باقیوں کا جتنا حصہ تھا وہ ابھی بھی ان کے پاس ہی ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو وہاں صفقہ متفرق نہیں ہوتا۔

وَأَيْضًا يَتَحَقَّقُ فِي الْأَوَّلِ دَفْعُ ضَرَرِ الْجَارِ لَا فِي الثَّانِي اور نیز پہلی صورت میں تو ضررِ جار کا دفع پایا جاتا ہے، لَا فِي الثَّانِي دوسری صورت میں ضررِ جار کا دفع نہیں ہے۔ کس طرح؟ پہلی صورت میں پانچ خریدار تھے، تو جب آپ ایک کے حصے پر شفعہ کریں گے وہ ایک بیچ میں سے نکل جائے گا، تو ہو سکتا ہے وہ شریر تھا اسی لیے آپ نے صرف اس ایک پر شفعہ کیا ہو، تو ضررِ جار دفع ہوا؟ جی۔ لیکن یہاں پر اگر آپ، بیچنے والے کئی ہیں اور خریدار ایک ہی ہے، آپ صرف ایک بیچنے والے کے حصے کو شفعہ کر کے لے بھی لیں باقی حصے تو پھر بھی اسی خریدار کے پاس ہیں جو ایک آدمی ہے، تو ضررِ جوار تو دفع نہیں ہوتا۔ یہ معنی ہے وَأَيْضًا يَتَحَقَّقُ فِي الْأَوَّلِ دَفْعُ ضَرَرِ الْجَارِ لَا فِي الثَّانِي اور نیز پہلی صورت میں ضررِ جار کو دور کرنا

تو ہے، دوسری صورت میں نہیں ہے۔ مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟

آگے دیکھیے: وَالنِّصْفَ مُفْرَزًا بِبِيعَ مُشَاعًا مِنْ دَارٍ فَقَسَّمَا۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ زید آپ کا پڑوسی ہے، اس نے اپنا مکان آدھا کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ پورا مکان نہیں یا پورا پلاٹ نہیں، اس کی زمین آدھی۔ آدھی زمین اس نے فروخت کی مُشَاع، یعنی پھیلا ہوا حصہ فروخت کیا، علیحدہ نہیں کر کے دیا۔ کس نے بیچا؟ زید نے۔ اب بکر بھی آگیا، اور اس نے مُشَاع، مُشَاع کا معنی پھیلا ہوا، پھیلا ہوا ہو جو۔ تو اب زید اور بکر اس پورے مکان میں شریک بن گئے۔ حدبندی نہیں کی کہ یہ والا آدھا آپ کا ہے، یہ والا آدھا میرا ہے۔ بس پورے مکان میں زید کا بھی اب حصہ پھیلا ہوا ہے اور بکر کا حصہ بھی پھیلا ہوا ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ ایک ہے مُشَاع پھیلا ہوا، ایک ہے مُفْرَز علیحدہ کیا ہوا۔ ایک صورت بیع کی یہ تھی کہ زید مکان کے دو حصے کر دیتا باقاعدہ اور پھر ایک حصے کو بیچ دیتا، تو یہ بیچنا ہوتا مُفْرَز، علیحدہ حصہ ہے۔ اور اب کیا کر رہا ہے؟ اس نے علیحدہ حصہ نہیں بیچا بلکہ مُشَاع حصہ بیچا ہے، اب پورے گھر میں زید اور بکر دونوں شریک بن گئے۔

اور پھر اس کے بعد بائع اور مشتری نے اس گھر کو آپس میں تقسیم کر لیا۔ دو حصے بنا دیے، دو حصے بنا دیے۔ قاضی کی طرف سے جو لوگ مقرر تھے، جو حصے تقسیم کرتے ہیں، ان کے پاس وہ گئے، وہ آئے، انہوں نے باقاعدہ پورے مکان کی پیمائش کی اور پھر اس کے دو حصے کر دیے انہوں نے، اور پھر ایک زید کو دے دیا اور دوسرا بکر کو دے دیا۔ اب پہلے بکر کا حصہ مُشَاع تھا، اب بکر کا حصہ مُفْرَز ہو گیا، علیحدہ ہو گیا، اس نے اپنا حصہ علیحدہ کر لیا۔ اور شفیع نے شفعہ کیا ہوا ہے۔ اس نے طلبِ مواثبت بھی کر لی تھی، طلبِ اشہاد بھی کر لیا تھا، لیکن قاضی کے فیصلے سے پہلے ہی انہوں نے آپس میں اس مکان کو کیا کر لیا؟ تقسیم کر لیا۔ قاضی نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ اب جب یہ حصہ لینے آیا تو اب حصہ مُشَاع نہیں مل رہا اس کو۔ ظاہر سی بات ہے، زید کا تو مکان تھا، خریدار کون آیا ہے نیا؟ بکر۔ بکر آیا ہے، تو بکر کا جو علیحدہ حصہ ہے، مُفْرَز حصہ ہے اس کو یہ لے لے گا۔ کس کو لے لے گا؟ مُفْرَز کو۔ ہاں یہ نہیں وہ کہہ سکتا کہ میں اس تقسیم پر راضی نہیں ہوں، نئے سرے سے تقسیم کی جائے۔ مسئلہ بتلانے کا مقصد یہ ہے کہ اس نے شفعہ کیا اور اس کے بعد کیا ہوا؟ مکان تقسیم ہوا۔ اور تقسیم ہونے کے بعد اب اس کو علیحدہ حصہ مل رہا ہے، یہ کہتے ہیں نہیں نہیں، بیچتے وقت یہ مُشَاع تھا تو مجھے بھی کیسا حصہ چاہیے؟ مُشَاع چاہیے، پھر میں اس کے ساتھ تقسیم کروں گا اپنی مرضی سے، یہ تقسیم مجھے پسند نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، وہ ایسا نہیں کر سکتا، اس کو وہ مُفْرَز یعنی علیحدہ حصہ ہی لینا پڑے گا، یہ اس تقسیم کو ختم نہیں کروا سکتا۔

بھئی کیوں نہیں کروا سکتا؟ خریدار نے تو مُشَاع حصہ خریدا تھا۔ کہتے ہیں بھئی جو انہوں نے حصے آپس میں علیحدہ کیے، علیحدہ حصے ہوں گے تو پورا قبضہ آئے گا۔ پورا قبضہ آئے گا۔ بھئی پہلے تو پورے مکان کے اندر زید کا بھی حصہ پھیلا ہوا ہے بکر کا بھی حصہ پھیلا ہوا ہے، تو پورا کامل قبضہ ہو سکتا ہے؟ نہیں۔ کامل قبضہ تو تب ہی ہو گا جب آپ کا حصہ ہم آپ کو علیحدہ

کر کے دے دیں، اب آپ کے پورے قبضے میں آگیا، آپ اس میں جو کچھ کرنا چاہتے ہیں، بنانا چاہتے ہیں سب کچھ کر سکتے ہیں۔ تو لہٰذا یہاں گویا یہ جو انہوں نے حصے علیحدہ کیے، اس سے قبضہ کامل ہوا، اور بیع بھی کامل ہوتی ہے جب قبضہ پورا ہو جائے، تو گویا یہ بیع ہی کا حصہ گویا شمار کریں، یوں سمجھیں بیع اب آکر تام ہوئی ہے جب ہر ایک نے اپنا اپنا حصہ الگ کر لیا۔ گویا کہ یوں ہے بیع اب آکر پوری ہوئی ہے، اور جب بیع پوری ہوگی تو پھر آپ کو کیا ملے گا؟ حقِ شفعہ۔ اور بیع جب پوری ہوئی تو حصے الگ ہو چکے ہیں کہ نہیں ہوئے؟ حصے الگ ہو چکے ہیں، لہٰذا اب الگ حصہ ہی آپ کو لینا پڑے گا۔

تو کہتے ہیں: وَالنِّصْفَ مُفْرَزًا اور... وَالنِّصْفُ مُفْرَزًا پڑھیں، اور اس کو بھی اسی طرح حِصَّةُ پر عطف کریں، اوپر جو متن میں آیا حِصَّةُ أَحَدِ الْمُشْتَرِينَ، تو اس کو جوڑیں اوپر وَلِلشَّفِيعِ سے: وَلِلشَّفِيعِ النِّصْفُ مُفْرَزًا، شفیع کے لیے کیا ہو گا؟ نصف ہو گا اس حال میں کہ وہ مُفْرَز ہو، علیحدہ کیا ہوا ہو، بِيعَ مُشَاعًا جس کو بیچا گیا تھا مُشَاع مِنْ دَارٍ ایک گھر میں سے، فَقَسَّمَا پھر ان دونوں نے اس کو کیا کر لیا بائع اور مشتری نے؟ تقسیم کر لیا۔

أَيِ اشْتَرَى نِصْفًا مُشَاعًا مِنْ دَارٍ ایک شخص نے خریدا نصفِ مُشَاع کو ایک گھر میں سے، فَقَسَّمَهُ الْبَائِعُ وَالْمُشْتَرِي تو اس کو تقسیم کر لیا بائع اور مشتری نے، فَالشَّفِيعُ يَأْخُذُ النِّصْفَ مُفْرَزًا تو شفیع لے لے گا اس نصف کو اس حال میں کہ وہ مُفْرَز ہے، علیحدہ کیا ہوا ہے، لِأَنَّ الْقِسْمَةَ مِنْ تَمَامِ الْقَبْضِ اس لیے کیونکہ تقسیم جو ہے وہ تمامِ قبض میں سے ہے، یعنی قبضہ اس کے ذریعے تام ہوتا ہے، پورا ہوتا ہے۔ بات سمجھ بھی آرہی ہے کہ نہیں؟ دیکھو، بیع ہوتی ہے، بیع کے بعد مشتری جب مبیع پر قبضہ کر لیتا ہے تو پھر بیع تام ہو جاتی ہے، کامل ہو جاتی ہے۔ تو یہاں پر بھی اس نے تو حصہ مُشَاع بیچا، تو اس کا مبیع الگ ہے یا پھیلا ہوا ہے؟ جب پھیلا ہوا ہے تو اب جب اس حصے کو انہوں نے آپس میں تقسیم کیا تو اس کا حصہ علیحدہ ہو گیا، بائع کا علیحدہ، مشتری کا علیحدہ۔ جب علیحدہ ہو گیا، اب اس نے کامل طور پر اس پر اب قبضہ آیا۔ تو گویا اس سے کامل قبضہ آیا، تو گویا یوں سمجھو کہ بیع اب کامل ہوئی ہے، اب آکر بیع تام ہوئی ہے، کیونکہ بیع بھی کس سے پوری ہوتی ہے؟ قبضے سے، اور کامل قبضہ اب آیا ہے یا پہلے آیا تھا؟ اب آیا ہے جب اس کا حصہ باقاعدہ الگ کر کے اس کو دے دیا۔ تو گویا یوں سمجھو اب آکر بیع کامل ہوئی ہے، تام ہوئی ہے، تو شفیع جو ہے وہ بیع کے بعد جو حصہ ہوتا ہے اس کو لیتا ہے اور بیع اب آکر تام ہوئی ہے جب حصے علیحدہ ہیں، تو یہ بھی کیا کرے گا؟ علیحدہ حصہ ہی لے لے گا، اب یہ اس تقسیم کو فسخ نہیں کروا سکتا۔ یہ معنی ہے لِأَنَّ الْقِسْمَةَ مِنْ تَمَامِ الْقَبْضِ اس لیے کیونکہ تقسیم جو ہے وہ تمامِ قبض میں سے ہے یعنی اس سے قبضہ تام ہوتا ہے، کامل ہوتا ہے، مکمل ہوتا ہے۔

چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

كِتَابُ الْقِسْمَةِ

تقسیمِ مشترکات کے شرائط، قسام کے فرائض، قرعہ اندازی اور استحقاق

سبق نمبر ۱۰: کتاب القسمۃ: تقسیم کی ماہیت، افراز و مبادلہ، قسام کا تقرر اور اجرتِ قسام

شرح الوقایہ صفحہ: ۱۹ — بتاریخ: ۲۵ ستمبر ۲۰۱۹ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

اچھا بھائی آگے سبق دیکھیے بھائی:[1]

كِتَابُ الْقِسْمَةِ

هِيَ تَعْيِينُ الْحَقِّ الشَّائِعِ، وَغَلَبَ فِيهَا الْإِفْرَازُ فِي الْمِثْلِيِّ وَالْمُبَادَلَةُ فِي غَيْرِهِ، فَيَأْخُذُ كُلُّ شَرِيكٍ حِصَّتَهُ بِغَيْبَةِ صَاحِبِهِ فِي الْأَوَّلِ لَا فِي الثَّانِي، وَإِنْ أُجْبِرَ عَلَيْهَا فِي مُتَّحِدِ الْجِنْسِ فَقَطْ عِنْدَ طَلَبِ أَحَدِهِمْ.

آج ہم كِتَابُ الْقِسْمَةِ پڑھیں گے بھائی۔ قسمت کا معنیٰ ہے بانٹنا، تقسیم کرنا۔ بعض اوقات کوئی چیز لوگوں کے درمیان مشترک ہوتی ہے، وہ اب اس کو آپس میں بانٹنا چاہتے ہیں، تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ مجھے میرا حصہ علیحدہ

[1]

نقشۂ فقہی (۳): کتاب القسمۃ — تقسیمِ مشترکات میں افراز و مبادلہ اور قضاءِ قاضی کا شجرہ:

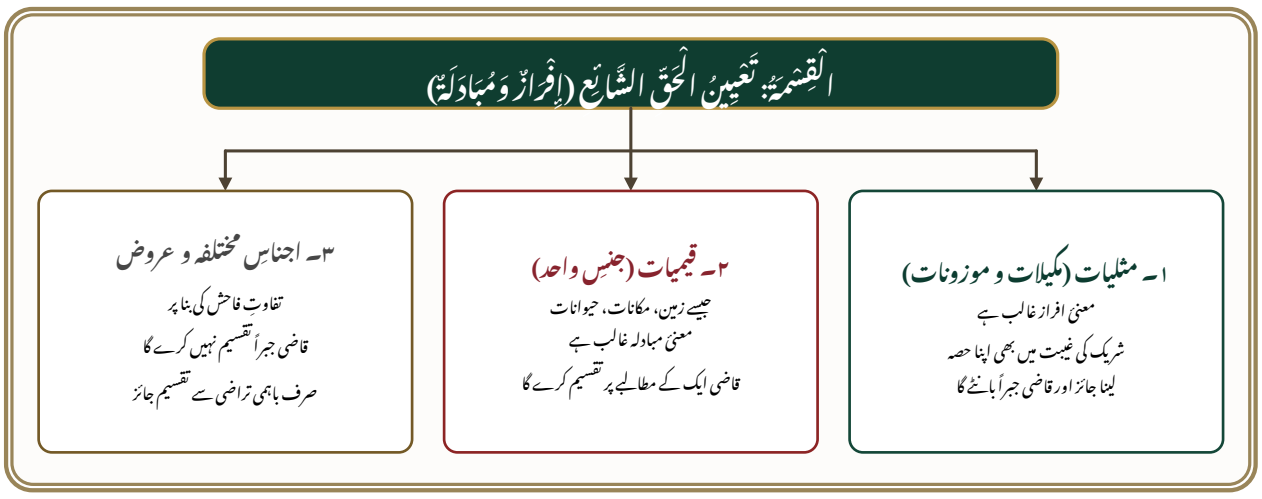

مل جائے، اس کو قسمت کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ قسمت، یعنی تقسیم کرنا، بانٹ لینا، اپنا حصہ الگ کرنا۔ مثلاً جائیداد ہے اور باپ کا انتقال ہوا، تو جو جائیداد آئی وہ بچوں میں مشترکہ ہے، جو جو وارث ہیں ان میں، وہ سارے اس میں شریک ہیں۔ اب اس میں سے ہر ایک کا حصہ علیحدہ کرنا، اس کو قسمت کہتے ہیں، تقسیم کرنا۔ یا آپ اور زید نے مل کر کوئی تجارتی سامان خریدا، مثلاً سو بکریاں خریدیں۔ دو چار لاکھ آپ نے ملائے، دو چار لاکھ زید نے ملائے، اور پھر یہ سو بکریاں خرید لیں۔ اب ان کو آپس میں آپ تقسیم کرنا چاہتے ہیں، تو یہ ہے قسمت بھائی، تقسیم کرنا، اپنا اپنا حصہ الگ کرنا، الگ کرنا۔

تو دیکھیے کتاب پر، كِتَابُ الْقِسْمَةِ۔ هِيَ تَعْيِينُ الْحَقِّ الشَّائِعِ، یہ متعین کرنا ہے اس حق کو جو شائع ہے، جو پھیلا ہوا ہے، اس حق کو متعین کرنا ہے۔ یہ اصطلاحی تعریف آگئی قسمت کی بھائی۔ دیکھیے، میں نے اور زید نے دس دس لاکھ روپے ملائے اور بیس لاکھ روپے کی دس کنال زمین خرید لی۔ میرے بھی دس لاکھ، زید کے بھی دس لاکھ، اور ہم نے مل کر بیس کنال کی ایک زمین خرید لی۔ اب اس زمین میں سے آدھا حصہ میرا اور آدھا حصہ زید کا۔ اور میں آپ کو پہلے بتا چکا کہ ساری زمین کے ہر ہر جز میں زید بھی شریک ہے اور میں بھی شریک ہوں۔ زمین کا کوئی ایک انچ ٹکڑا بھی اس میں سے دیکھ لیں، اس میں میرا بھی حصہ اور زید کا بھی حصہ۔ ایک فٹ حصہ دیکھ لیں، اس میں بھی آدھا زید کا حصہ، آدھا میرا حصہ۔ ہم نے مشترکہ خریدی ہے، مل کر خریدی ہے، تو دونوں اس پوری زمین کے اندر شریک ہیں۔

اب ہم اس کو تقسیم کرتے ہیں۔ دو اس کے برابر حصے کر دیتے ہیں مثلاً، اور آدھا حصہ میں لے لیتا ہوں اور آدھا حصہ زید لے لیتا ہے۔ تو دیکھو، پہلے میرا حصہ پورے دس کنال میں پھیلا ہوا تھا۔ اب میرے حصے میں کتنے آئے؟ پانچ کنال۔ بھائی دیکھو، دس کنال زمین ہے نا، پانچ کنال میرے ہیں اور پانچ کنال کس کے؟ زید کے۔ لیکن کیا الگ الگ ہیں یا پھیلے ہوئے ہیں حصے؟ ہاں، ابھی تقسیم سے پہلے، تقسیم سے پہلے۔ پھیلے ہوئے ہیں۔ زمین کے ہر جز میں میرا بھی حصہ اور زید کا بھی حصہ۔ اب جب ہم نے دو حصے کر دیے، پانچ کنال میرے حصے میں آگئے اور پانچ کنال زید کے حصے میں۔ تو دیکھو، وہ جو میرا حصہ پھیلا ہوا تھا دس کنال کے اندر، اور تھا کتنا؟ پانچ کنال۔ پانچ کنال، اور پھیلا ہوا تھا دس کنال میں۔ اس کو اب میں نے متعین کر دیا کہ یہ والا حصہ میرا ہے یہ پانچ کنال۔ تو وہ جو حصہ پھیلا ہوا تھا، اب کیا کر دی؟ تعیین۔ اور وہ پھیلا ہوا کتنا تھا؟ پانچ کنال، اور یہ بھی کتنا ہے؟ پانچ کنال۔ تو دیکھا اس پانچ کنال، وہ جو حصہ میرا پھیلا ہوا تھا دس کنال کے اندر، اب اس کی تعیین کر دی، علیحدہ کر دیا کہ یہ والے پانچ کنال آپ کے ہیں۔ اور اسی طرح زید کا جو حصہ دس کنال میں پھیلا ہوا تھا، تو دوسرا حصہ پانچ کنال والا اس کو دے دیا کہ یہ آپ کا وہ حصہ ہے جو پھیلا ہوا تھا، اب متعین کر دیا۔ پہلے کیا تھا؟ پھیلا ہوا تھا۔ اب کیا کر دیا؟ متعین کر دیا کہ اب یہ والا حصہ ہے، دوسرے حصے میں اب آپ کا، آپ کی کوئی شرکت نہیں، اور مجھے پہلا حصہ دے دیا کہ اب دوسرے حصے میں میری کوئی شرکت نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے هِيَ تَعْيِينُ الْحَقِّ الشَّائِعِ، یہ متعین کرنا ہے اس حق کو، الشَّائِعِ جو کیا تھا؟ پھیلا ہوا تھا، اب متعین کر دیا۔ پہلے کیا تھا؟ پھیلا ہوا تھا، اب اس

کو متعین کر دیا، علیحدہ کر دیا۔

وَغَلَبَ فِيهَا الْإِفْرَازُ۔ اب یاد رکھیے، یہ جو تقسیم ہے نا، تقسیم، اس کے اندر مِنْ وَجْهٍ افراز ہوتا ہے اور مِنْ وَجْهٍ مبادلہ ہوتا ہے۔ افراز کا معنیٰ ہے اپنا حصہ الگ کر لینا، اپنا حصہ لے لینا، اپنا حصہ متعین کر لینا۔ تو حصہ متعین کرنے کو، الگ کرنے کو کیا کہتے ہیں؟ افراز۔ جیسے میں نے اور زید نے اپنے اپنے حصے الگ کر لیے، تو یہ کیا ہے؟ افراز ہے، یہ حصے جو الگ کر لیے۔ تو جو، یہ جو تقسیم ہے، اس میں افراز بھی ہوتا ہے اور مبادلہ بھی ہوتا ہے۔ دونوں چیزیں ہوتی ہیں۔ افراز بھی ہوتا ہے اور مبادلہ بھی ہوتا ہے۔

دیکھو، یہ جو ابھی ہم نے دس کنال زمین لی تھی، دس کنال میں سے پانچ کنال مجھے دے دیے اور پانچ کنال کس کو دے دیے؟ زید کو۔ مجھے بتاؤ، یہ جو پانچ کنال مجھے دیے، یہ سارے پانچ کنال پہلے میرے ہی تھے یا اس کے اندر زید کا بھی حصہ تھا؟ اس میں زید کا بھی حصہ تھا۔ کیا تھا؟ زید کا حصہ۔ اور دوسری طرف زید کو جو پانچ کنال دیے ہیں، کیا وہ سارا زید کا تھا یا اس میں میرا بھی حصہ تھا؟ اس میں میرا بھی حصہ تھا۔ تو یہ جو مجھے، اب پھر دیکھو، یہ جو مجھے حصہ دیا، اس میں کچھ تو میرا اپنا حصہ تھا، اس کو علیحدہ کر دیا۔ اور کچھ حصہ زید کا تھا، اس میں مبادلہ کر دیا۔ وہ زید کا جو یہاں حصہ تھا میں نے لے لیا، اور اس کے حصے میں جو میرا حصہ آرہا تھا وہ میں نے اس کو دے دیا۔ تو اس طرف جو حصہ میرا بنتا تھا وہ میں نے اسے دے دیا، اور اس طرف جو اس کا حصہ تھا وہ میں نے لے لیا، تو مبادلہ بھی ہوا۔ کیا ہوا؟ مبادلہ۔ صورت سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ تقسیم کے اندر افراز بھی ہوتا ہے، حصے بھی الگ ہو رہے ہیں، اور مبادلہ بھی۔ افراز بایں لحاظ کہ یہ جو آدھا مجھے ملا، اس میں پہلے، اس کے ہر جزمیں تو میں تھا ہی شریک، تو میں نے اس حصے کو کیا کر لیا؟ علیحدہ کر لیا۔ اور مبادلہ بھی ہے کہ اس کے اندر زید کا بھی تو حصہ تھا، تو زید کا حصہ میں نے رکھ لیا، اور میرا جو حصہ تھا وہ زید نے رکھ لیا۔ تو ہم نے دونوں میں گویا مبادلہ کر لیا، ادھر والا زید کا حصہ زید نے مجھے دے دیا اور ادھر والا میرا حصہ زید نے لے لیا، مبادلہ آپس میں کر لیا، تبادلہ کر لیا آپس میں۔ کیا کر لیا؟ تبادلہ کر لیا۔

پھر سمجھو۔ مثلاً بھائی، میں نے اور زید نے مل کر دس کنال زمین خریدی۔ پیسے ملائے اور دونوں نے مل کر زمین خرید لی۔ تو اب یہ دس کنال زمین میرے اور زید کے درمیان مشترکہ ہے۔ اس کے ایک ایک جز کے اندر میں بھی شریک اور زید بھی شریک ہے۔ اب ہم دونوں نے اس زمین کی تقسیم کر دی۔ پانچ کنال زمین میں نے لے لی اور پانچ کنال زمین زید نے لے لی۔ تو دیکھو، زمین کے ہر ہر جز میں ہم دونوں شریک تھے، لیکن اب ہم نے کیا کیا؟ اپنا اپنا حصہ الگ کر لیا، پانچ کنال میں نے لے لیے اور پانچ کنال زید نے لے لیے۔ اب جو میرے حصے میں پانچ کنال آئے، تو کیا یہ سارا میرا ہی حصہ تھا اس کے اندر یا اس میں زید کا حصہ بھی تھا؟ اس میں زید کا بھی حصہ تھا۔ اسی طرح زید نے بھی پانچ کنال لے لیے، لیکن کیا وہ سارا زید ہی کا حصہ تھا یا اس کے ہر ہر جز میں میرا بھی حصہ تھا؟ اس کے ہر ہر جز میں میرا بھی حصہ تھا۔

تو یہاں پر دیکھو مبادلہ بھی ہے اور افراز بھی ہے، دونوں چیزیں پائی جا رہی ہیں۔ جو میرے حصے میں پانچ کنال آئے، توجہ ہے؟ پانچ کنال جو میرے حصے میں آئے، اس پانچ کنال کے ہر ہر جزیں میرا بھی حصہ تھا اور زید کا بھی حصہ۔ گویا اس پانچ کنال میں بھی ڈھائی کنال میرے تھے اور ڈھائی کنال زید کے تھے۔ اسی طرح زید کے پاس جو پانچ کنال گئے ہیں، اس میں بھی ہر ہر جزیں میرا حصہ تھا، گویا اس میں بھی ڈھائی کنال زید کے تھے اور ڈھائی کنال میرے تھے۔ توجہ ہے؟ میں نے پانچ کنال لیا ہے، لیکن یہ پہلے سارا میرا نہیں تھا، اس میں ڈھائی کنال میرا تھا تو ڈھائی کنال زید کا تھا۔ اسی طرح زید کے پاس پانچ کنال گئے ہیں، لیکن وہ پانچ کنال سارے اس کے نہیں تھے، اس میں میری بھی شرکت تھی، تو ڈھائی کنال اس میں میرا تھا اور ڈھائی کنال زید کا تھا۔

تو جو میرے حصے میں پانچ کنال آیا، میرے حصے میں، اس میں سے ڈھائی کنال میرے تھے۔ اور زید کے پاس جو پانچ کنال گئے، اس میں بھی زید کے ڈھائی کنال تھے۔ تو یہ دیکھو افراز ہے، ہر ایک نے اپنا اپنا حصہ الگ کر لیا۔ اس میں ڈھائی کنال تھے ہی میرے، وہ میں نے الگ کر لیے، اور زید کے پاس جو حصہ گیا اس میں ڈھائی کنال تھے ہی زید کے، وہ اس نے کیا کر لیا؟ الگ، تو دیکھو افراز آیا۔ اور مبادلہ بھی ہے، کیونکہ میں نے جو پانچ کنال لیے، اس میں سے ڈھائی کنال تو میرے تھے، لیکن ڈھائی کنال تو زید کے تھے۔ یہ زید والا حصہ میں نے لے لیا، ڈھائی کنال والا بھی۔ ڈھائی تو تھے ہی میرے، یہ زید والے ڈھائی کنال بھی میں نے لے لیے، اور بدلے میں جو اس کے پانچ کنال میں میرا ڈھائی کنال حصہ تھا، وہ میں نے اس کو دے دیا۔ ادھر والے ڈھائی کنال جو زید کا حصہ تھا وہ میں نے لے لیا، اور ادھر والا جو ڈھائی کنال میرا حصہ تھا وہ میں نے کس کو دے دیا؟ زید کو۔ تو دیکھو مبادلہ بھی ہے، ہم نے اپنے، ایک دوسرے کے حصے کا آپس میں تبادلہ کر لیا۔ تو پانچ کنال جو میرے حصے میں آئے، اس میں ڈھائی کنال تو تھے ہی میرے، اور ڈھائی کنال میں نے بدلے میں زید سے لے لیے اور اپنا جو ڈھائی کنال تھا اس کے حصے میں، وہ اس کو دے دیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو تقسیم کے اندر کیا ہوتا ہے؟ افراز بھی ہوتا ہے، اپنا حصہ بھی انسان الگ کرتا ہے، اور مبادلہ بھی ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ جو پانچ کنال مجھے ملے، اس میں سارا افراز ہے یا مبادلہ بھی ہے؟ اس میں افراز بھی ہے اور مبادلہ بھی ہے۔ اور زید کو جو پانچ کنال ملے، اس میں بھی ڈھائی کنال تو تھے ہی اس کے، وہ تو اس میں افراز ہوا، اور ڈھائی کنال میرا حصہ اس نے لے لیا اور بدلے میں اپنا حصہ مجھے دیا، تو وہ ڈھائی کنال میں مبادلہ ہوا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو جب بھی مشترکہ چیزیں تقسیم کی جاتی ہیں، تو وہاں افراز بھی ہوتا ہے اور مبادلہ بھی ہوتا ہے۔ مبادلہ بھی ہوتا ہے۔

یا دوسری مثال لے لو۔ میں نے اور زید نے پانچ من گندم مل کر خریدی، پیسے ملائے۔ آدھے پیسے اس کے، آدھے میرے۔ تو اس پانچ من کے اندر ہر ہر دانے میں میرا بھی حصہ اور زید کا بھی حصہ۔ ہر دانے میں۔ حتیٰ کہ دانے کا آدھا کر دیں پھر اس آدھے کو آدھا کر دیں، اس میں بھی، ہر جزیں میرا بھی حصہ اور زید کا بھی حصہ۔ کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ والا حصہ یا یہ دانہ تو میرا ہے، نہیں، نہیں، دونوں شریک ہیں اس میں۔ ہاں، پھر ہم اس کو کیا کر دیتے ہیں؟ تقسیم کر دیتے ہیں۔

آدھی گندم وہ لے لیتا ہے، آدھی گندم میں لے لیتا ہوں۔ اب دیکھو افراز بھی ہے۔ یہ جو آدھی گندم مجھے ملی، اس میں آدھا حصہ تو تھا ہی میرا۔ اور آدھا حصہ کس کا تھا؟ زید کا۔ تو زید کا وہ حصہ میں نے لے لیا اور بدلے میں اس کے حصے میں جو میری شرکت تھی، وہ میں نے اس کے حوالے کر دی، تو مبادلہ بھی پایا گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب مزید یاد رکھیے کہ میں پہلے بیان کر چکا، چیزیں دو قسم پر ہیں: کچھ مثلیات ہیں، کچھ ذوات القیم ہیں۔ مثلیات جن کا مثل بازار سے مل جاتا ہے، ان جیسی چیزیں بازار سے مل جاتی ہیں۔ اور وہ تین چیزیں ہیں، تین قسم کی: ایک موزونات، ایک مکیلات، اور ایک معدوداتِ متقاربہ۔ مکیلات جن کو ماپا جاتا ہے، برتن کے اندر ان کی پیمائش کی جاتی ہے۔ میں نے بتایا گندم قدیم زمانے میں ماپی جاتی تھی، ایک خاص برتن ہوتا تھا بھائی، وہاں من یا کلو کا حساب نہیں ہوتا تھا اس زمانے میں، گندم ماپ کر ایک برتن میں ایک قفیز ایک درہم کا ہے، دو قفیز دو درہم کے، تین قفیز تین درہم کے، تو وہ قفیز ماپے جاتے تھے۔ آج بھی دنیا کے بہت سے حصوں میں اسی طرح اس کی بیع ہوتی ہے بھائی، گندم کی۔ تو یہ ہیں مکیلات، جن کو برتن سے ماپا جاتا ہے، جیسے دودھ ہے یا جیسے پٹرول ہے، یہ سب کیا ہیں؟ لیٹر کے حساب سے وہ برتن میں پیمائش کر کے دیے جاتے ہیں۔ اور کچھ چیزیں ہیں جن کا وزن کیا جاتا ہے، جو وزن کر کے آپ بازار سے خریدتے ہیں۔ اور کچھ چیزیں ہیں جو آپ گن کر خریدتے ہیں، وہ معدوداتِ متقاربہ ہیں۔ گنے جانے والی چیز ہے، اور ان کے افراد ایک دوسرے کے قریب قریب ہوتے ہیں، ایک دوسرے جیسے ہی ہوتے ہیں۔ جیسے معدوداتِ متقاربہ انڈے ہیں، انڈے بازار میں گن کر بیچے جاتے ہیں، اور ہر انڈا دوسرے انڈے جیسا ہی ہوتا ہے یا کچھ فرق بھی ہوتا ہے معمولی سا؟ معمولی فرق تو ہوتا ہے، لیکن اس کو کوئی شمار نہیں کرتا، تو ان کو کہتے ہیں معدوداتِ متقاربہ، یعنی ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں، ایک دوسرے جیسے ہی ہیں، یوں سمجھو بھائی۔

تو یہ مثلیات ہیں، کیونکہ ان کا مثل بازار سے مل جاتا ہے۔ مثلاً آپ سے کسی کی گندم ضائع ہوئی، تو آپ بالکل ویسی ہی گندم اسی قسم کی، اسی کوالٹی کی بازار سے لے کر آپ اسے دے سکتے ہیں۔ یا کسی کی کوئی اور وزنی چیز آپ سے خراب ہوئی، آپ بالکل ویسی ہی چیز بازار سے لے کر اس کو دے سکتے ہیں۔ یا کسی کے مثلاً معدوداتِ متقاربہ میں سے کوئی چیز خراب ہوگئی، آپ اس کو وہ دینا چاہتے ہیں، تو آپ بازار سے جائیں گے، آرام سے وہی چیز آپ کو مل جائے گی، آپ اس کے حوالے کر دیں گے۔ جیسے آج کل کتابیں جو پریس سے نئی چھپ کر آتی ہیں، سب ایک جیسی ہوتی ہیں، تو یہ معدوداتِ متقاربہ ہیں۔ قدیم زمانے میں تو کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں، ہر کتاب کا نسخہ دوسری کتاب سے الگ ہوتا تھا، لیکن اب تو فیکٹریوں میں چیزیں بنتی ہیں، تو بہت سی چیزیں معدوداتِ متقاربہ کے اندر آگئیں۔ جیسے گاڑیاں، جو بھی فیکٹری سے گاڑی آرہی ہے، ہر گاڑی دوسری گاڑی کی طرح ہے، تو یہ کیا ہیں معدوداتِ اور ان کا ریٹ بتاتے ہیں بھائی یہ دس لاکھ کی، آپ ایک لیں، دو لیں، تین لیں، چار لیں، دس دس لاکھ کا اضافہ کرتے چلے جائیں۔ موٹر سائیکلیں ہیں بالکل ایک جیسی ہیں، موبائل ہیں

بالکل ایک جیسے ہیں، کوئی بھی چیز ہے جو ایک جیسی بن کر آتی ہیں اور تو ان کو کیا کہتے ہیں معدودات، وہ سب کس میں سے ہیں؟ وہ معدوداتِ متقاربہ میں سے ہیں۔ کیونکہ ان کا مثل مل جاتا ہے، بازار سے مل جاتا ہے۔

تو یہ ہیں مثلیات، اور باقی چیزیں جو ہیں وہ ذوات القیم ہیں، قیمت والی ہیں۔ جیسے بھیڑ بکریاں، اب ہر بھیڑ بکری دوسری سے الگ ہے۔ الگ ہے، ہر ایک کی الگ قیمت طے کی جاتی ہے۔ اور اسی طرح استعمال شدہ گاڑی، یہ بھی کیا ہے ذوات القیم، ہر گاڑی کا اپنا ریٹ لگتا ہے جب وہ استعمال شدہ ہو گئی۔ اور اسی طرح اور بھی جتنی چیزیں ہیں، وہ سب کیا ہیں؟ ذوات القیم۔ تو گویا چیزیں دو قسم کی ہو گئیں، ایک مثلیات اور ایک ذوات القیم۔

اب یاد رکھو۔ تقسیم میں کیا ہوتا ہے؟ افراز بھی ہوتا ہے اور مبادلہ بھی۔ توجہ ہے؟ تقسیم میں دونوں چیزیں آتی ہیں، ہر جگہ پر افراز بھی آئے گا اور مبادلہ بھی آئے گا۔ میں نے مثلیات کی مثال بھی دے دی۔ جیسے گندم تھی، ہم دونوں نے تقسیم کی، لیکن ہر جز میں اس کی بھی شرکت تھی، میری بھی شرکت تھی۔ تو دیکھا جائے، بعض اعتبار سے دیکھیں تو ہم نے کیا کیا ہے؟ افراز۔ اور دوسرے اعتبار سے دیکھیں تو ہم نے کیا کیا ہے؟ مبادلہ کیا ہے۔ تو ہر تقسیم میں مبادلہ بھی ہوتا ہے اور افراز بھی ہوتا ہے۔

لیکن یاد رکھو، مثلیات میں افراز غالب ہے اور ظاہر ہے۔ اور ذوات القیم کے اندر مبادلہ ظاہر ہے اور غالب ہے۔ مثلیات میں کیا غالب؟ مثلیات میں افراز غالب ہے اور ظاہر ہے۔ اور ذوات القیم میں مبادلہ غالب اور ظاہر ہے۔ دہراؤ بھائی۔ مثلیات میں کیا غالب؟ افراز، افراز غالب، افراز ظاہر ہے۔ اور ذوات القیم میں؟ مبادلہ ظاہر ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح، یہ اصول ہے، یہ اصول یاد رہے گا؟

اب دیکھو، میں نے اور زید نے گندم تقسیم کر دی۔ تو ہم یوں کہیں گے کہ افراز ہوا ہے۔ اب مبادلہ نہیں کہیں گے۔ ہے تو مبادلہ، میں نے تو آپ کو سمجھا دیا ہر جگہ کیا ہے؟ افراز بھی ہے اور مبادلہ بھی ہے، لیکن جو گندم ہے وہ کس میں سے ہے؟ مثلیات۔ اور مثلیات میں کیا غالب اور کیا ظاہر ہے؟ افراز ظاہر ہے۔ تو یوں ہی سمجھیں گے کہ زید نے اپنا حصہ الگ کر دیا، میں نے اپنا حصہ الگ کر دیا، یہ دانے تھے ہی میرے اور دوسرے دانے تھے ہی زید کے۔ یوں سمجھو، یوں سمجھو۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یوں سمجھا جائے گا گویا یہاں ہوا ہی کیا ہے؟ افراز ہوا ہے، مبادلہ نہیں۔ مبادلہ ہے تو، لیکن غالب کیا ہے؟ افراز اور ظاہر کیا ہے؟ افراز۔ تو اس کو کیا سمجھیں گے؟ افراز ہی سمجھیں گے۔

اور دوسری طرف، دو بکریاں ہیں۔ اب بکریاں کس میں سے ہیں؟ ذوات القیم میں سے۔ تو وہاں پر، ایک بکری میں لے لیتا ہوں، ایک بکری زید لے لیتا ہے۔ تو بکریاں کس میں سے؟ ذوات القیم میں سے ہیں، تو یہاں پر یوں سمجھیں گے مبادلہ ہوا ہے، کیا ہوا ہے؟ مبادلہ ہوا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ہوا تو افراز اور مبادلہ دونوں جگہ ہے، لیکن مثلیات میں کیا ظاہر؟

افراز۔ تو یوں سمجھیں گے افراز ہوا، حصے الگ کیے۔ اور ذوات القیم میں کیا سمجھیں گے؟ کہ مبادلہ ہوا ہے بھائی، مبادلہ ہوا ہے۔

اچھا تو آپ کو پتہ لگ گیا کہ مثلیات کے اندر افراز غالب ہے۔ لہٰذا زید نے اور بکر نے آپس میں گندم تقسیم کی، تو یوں سمجھا جائے گا ہر ایک نے اپنا حصہ الگ کر لیا۔ مبادلہ سمجھیں گے نہیں یہاں پر، بلکہ کیا سمجھیں گے ہر ایک نے اپنا حصہ علیحدہ کر لیا، یہاں گویا افراز ہی افراز ہوا ہے، مبادلہ ہوا ہی نہیں۔ اور ذوات القیم کے اندر مبادلہ غالب ہے۔ تو زید اور بکر نے اگر بکریاں آپس میں تقسیم کر لیں، تو یوں سمجھا جائے گا کہ انہوں نے آپس میں مبادلہ کیا ہے، یعنی مبادلہ ہی مبادلہ ہے یہاں پر، افراز ہے ہی نہیں، یوں سمجھیں گے بھائی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو مثلیات میں تقسیم کو کیا سمجھا جائے گا؟ افراز۔ اور ذوات القیم میں تقسیم کو کیا سمجھا جائے گا؟ مبادلہ۔

اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ بھائی مثلیات کے ابعاض ایک دوسرے جیسے ہوتے ہیں۔ مثلیات کے حصے ایک دوسرے جیسے ہوتے ہیں۔ بھائی زید نے اور بکر نے آپس میں گندم تقسیم کر لی۔ آپس میں گندم تقسیم کر لی، تو جو گندم زید کے پاس آئی وہ بعینہ ویسی ہی گندم ہے جو بکر کے پاس آئی۔ یا دونوں کے دانوں میں فرق ہوگا؟ نہیں، دونوں کے دانے کیا ہوں گے؟ بالکل ایک جیسے۔ تو جیسے دانے، جیسی گندم زید کو ملی، ویسے ہی دانے، ویسی ہی گندم بکر کو ملی۔ دونوں کے حصے بالکل ایک جیسے ہیں، تو یوں نہیں سمجھیں گے کہ مبادلہ ہوا ہے بلکہ دونوں نے اپنے حصے کیا کر لیے؟ علیحدہ کر لیے۔ ویسی ہی چیز زید کو مل گئی اور ویسی ہی چیز بکر کو بھی مل گئی، دونوں نے اپنے حصے کیا کر لیے؟ علیحدہ کر لیے۔ مبادلہ کیا ہی نہیں کیونکہ ان کے حصے، یہ ایک دوسرے جیسے ہیں۔ جو حصہ زید کو ملا وہ ویسا ہی ہے جو بکر کے پاس ہے، اور بکر کو ویسا ہی حصہ ملا جو کس کے پاس ہے؟ جیسا زید کے پاس ہے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو مثلیات کے ابعاض یعنی حصے ایک دوسرے جیسے ہوتے ہیں۔ ایک کے پاس جو آیا، دوسرے کے پاس بھی ویسا ہی حصہ آیا ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں، لہٰذا مبادلہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، یوں سمجھو گویا کیا ہوا ہے؟ افراز ہوا، حصے الگ کر لیے۔

جبکہ ذوات القیم کے ابعاض الگ الگ ہوتے ہیں۔ جیسے زید اور بکر کے درمیان بکریاں تقسیم کی گئیں۔ دس بکریاں تھیں، پانچ کس کو دے دی گئیں؟ زید کو اور پانچ بکر کو دے دی گئیں۔ اب جو زید کے پاس بکریاں آئیں وہ بکر کی بکریوں جیسی نہیں ہیں، کیونکہ ہر بکری دوسری بکری سے مختلف ہوتی ہے۔ تو یہاں دیکھو ابعاض ایک دوسرے جیسے نہیں ہیں۔ زید کے پاس اور قسم کا حصہ آیا، بکر کے پاس اور قسم کا حصہ آیا، تو معلوم ہوا مبادلہ پایا گیا۔ ان بکریوں کے اندر جو زید کا حصہ تھا وہ اس نے اس کو دے دیا، اور ان بکریوں کے اندر جو بکر کا حصہ تھا وہ زید نے لے لیا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہاں مبادلہ ہی ماننا پڑے گا کیونکہ مبادلہ ظاہر زیادہ ہے، جو حصے دونوں کو ملے ہیں وہ ایک دوسرے جیسے نہیں ہیں۔ زید کو جو بکریاں ملیں وہ اور طرح کی، بکر کو جو بکریاں ملیں وہ اور طرح کی ہیں۔ تو یوں نہیں کہیں گے حصے الگ کیے بلکہ یوں سمجھیں

گے کیا ہوا ہے؟ مبادلہ ہوا ہے۔ ایک جیسے ہوتے تو ہم کہتے الگ کر لیے حصے۔ ایک ہی جیسی گندم تھی، زید نے اپنا حصہ الگ کر لیا، بکر نے اپنا حصہ الگ کر لیا۔ لیکن بکریاں وغیرہ اور چیزیں ہیں، ذوات القیم ہیں، تو زید اور بکر میں جب آپ نے تقسیم کر دی، تو یوں سمجھیں گے کہ بکر کے پاس جو بکریاں گئیں ان میں زید نے اپنا حصہ چھوڑ دیا، اور بدلے میں کیا لے لیا؟ اپنے پاس جو بکریاں آئی تھیں، بکر کا جو ان میں جو حصہ تھا وہ اس کے بدلے میں لے لیا، اور بکر نے بھی اسی طرح کیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو مثلیات کے اندر افراز غالب ہے کیونکہ ان کے ابعاض ایک دوسرے جیسے ہوتے ہیں، فرق ہی کوئی نہیں ہے، تو یوں سمجھیں گے حصہ ہی الگ الگ کیا ہے، افراز ہی کیا ہے، مبادلہ کیا ہی نہیں۔ اور ذوات القیم میں حصے الگ الگ ہیں، بالکل مختلف ہیں، تو لہٰذا وہاں پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ حصہ الگ کیا ہے، حصہ الگ کیا ہوتا پھر تو ایک جیسے ہونے چاہیے تھے، وہ تو ایک جیسے ہیں ہی نہیں، تو یوں سمجھیں گے کہ وہاں کیا ہوا ہے؟ مبادلہ ہوا ہے، تو وہاں مبادلہ غالب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

اب ایک اور بات یاد رکھنا۔ مبادلے پر کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ افراز پہ مجبور کر سکتے ہیں، مبادلے پر مجبور نہیں۔ مبادلے پر مجبور کسی کو نہیں کر سکتے۔ میں آپ کو کہوں میرا یہ قلم لے لو اور اپنا قلم مجھے دے دو، یہ کیا ہے؟ مبادلہ۔ اس پہ میں آپ کو مجبور نہیں کر سکتا، باہمی رضامندی ضروری ہے، میں بھی راضی تو آپ بھی راضی ہوں، پھر ہی یہ ممکن ہے ورنہ نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیا؟ کہ مبادلے پر کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا، دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔ البتہ افراز میں مجبور کیا جا سکتا ہے، کیونکہ میں اپنا حصہ نکالنا چاہتا ہوں، الگ کرنا چاہتا ہوں تاکہ اس سے پورا فائدہ اٹھا سکوں، تو اس پہ میں آپ کو مجبور کر سکتا ہوں کہ میرا حصہ الگ کرو۔ لیکن مبادلے پر آپ کو کہوں کہ یہ میری کتاب لے لو اپنی کتاب مجھے دے دو، اس پر میں آپ کو مجبور نہیں کر سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو مبادلے پر کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا، حتیٰ کہ قاضی بھی کسی کو مجبور نہیں کر سکتا کہ یہ کتاب لو اور وہ کتاب دے دو اس کو، نہیں کر سکتا قاضی۔ ہاں، یہاں تقسیم کے اندر جب دو شریک ہیں ایک چیز کے اندر اور وہ چیز ایک ہی جنس سے ہے، تو پھر قاضی مجبور کر سکتا ہے۔ کیا ہے؟ پھر قاضی مجبور کر سکتا ہے، ایک ہی جنس ہے۔ مثلاً ساری بکریاں ہیں، اب ہر بکری دوسری سے الگ ہے، بھیڑ بکریاں، بکریاں بھی ہیں بھیڑیں بھی ہیں۔ تو ہر بکری اور بھیڑ دوسری سے الگ ہے، لیکن ہیں تو ایک ہی جنس، بھیڑ بکریوں کو تو ایک ہی شمار کیا جاتا ہے، تو یہاں پر کیا کیا جا سکتا ہے؟ مجبور کیا جا سکتا ہے۔ کوئی شخص قاضی کے پاس جائے اور کہے کہ قاضی صاحب اس میں سے آدھی بکریاں میری ہیں، بھیڑ بکریاں، اور آدھی اس کی ہیں، لہٰذا ان کا ہمیں تقسیم کروائیں، الگ الگ کروا دیں۔ اب دیکھا جائے تو یہ کس میں سے؟ ذوات القیم۔ اور ذوات القیم میں کیا غالب ہے؟ مبادلہ۔ اور مبادلے پہ تو کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا، لیکن یہ ایک ہی جنس والی ہیں، تو یہاں قاضی کیا کر سکتا

ہے؟ مجبور کر سکتا ہے کہ ہاں بھائی اس کا حصہ الگ کرو، اپنا حصہ الگ کرو، تقسیم کرو ان کی۔

دیکھیے بھائی کتاب پر۔ کہتے ہیں وَغَلَبَ فِيهَا الْإِفْرَازُ، اور غالب ہے تقسیم کے اندر افراز، اپنا حصہ الگ کرنا، فِي الْمِثْلِيِّ، کن چیزوں میں؟ مثلی چیزوں میں۔ وَالْمُبَادَلَةُ فِي غَيْرِهِ، اور مبادلہ غالب ہے فِي غَيْرِهِ غیر مثلی کے اندر یعنی ذوات القیم میں۔

فَيَأْخُذُ كُلُّ شَرِيكٍ حِصَّتَهُ، اچھا، ضابطہ کیا بتایا کہ مثلی چیزوں میں افراز غالب ہے، اور ذوات القیم میں مبادلہ، اور مبادلے پر کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ تو مثلی کے اندر افراز غالب ہے، تو یوں ہی سمجھیں گے کوئی اپنا حصہ الگ کیا۔ لہٰذا میں اور زید، ہم دونوں نے مل کر پانچ من گندم خریدی، آدھی میری ہے اور آدھی اس کی ہے۔ اب وہ ہو چاہے وہ نہ ہو، میں اپنا حصہ الگ کر سکتا ہوں۔ میں اپنا حصہ الگ کر سکتا ہوں۔ اگر مبادلہ ہوتا پھر تو اس کی رضامندی ضروری تھی، لیکن یہاں تو مبادلہ سمجھیں گے ہی نہیں، کیا سمجھیں گے؟ افراز۔ میں اپنا حصہ الگ کر رہا ہوں اور اپنا حصہ میں الگ کر سکتا ہوں بھائی، تو میں نے اپنا حصہ الگ کیا، وہ چاہے ہے چاہے نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ معنیٰ ہے فَيَأْخُذُ كُلُّ شَرِيكٍ حِصَّتَهُ بِغَيْبَةِ صَاحِبِهِ، تو لے سکتا ہے ہر شریک اپنا حصہ بِغَيْبَةِ صَاحِبِهِ اپنے ساتھی کی غیر موجودگی میں، فِي الْأَوَّلِ پہلی صورت میں، پہلی چیزوں میں اور وہ کون سی ہیں؟ مثلیات۔ لَا فِي الثَّانِي دوسری چیزوں کے اندر وہ ایسا نہیں کر سکتا یعنی مبادلہ کے اندر یا یوں کہو غیر مثلیات میں وہ ایسا نہیں کر سکتا، اس میں اس کا ہونا ضروری ہے بھائی، ہونا ضروری ہے۔

وَإِنْ أُجْبِرَ عَلَيْهَا، یہ إِنْ سے پہلے وَ آگیا اور یہ پھر عموماً کون سا إِنْ ہوتا ہے؟ إِنْ وصلیہ، اور اس کا ترجمہ کس کے ساتھ کرتے ہیں؟ اگرچہ، اگرچہ۔ وَإِنْ أُجْبِرَ عَلَيْهَا فِي مُتَّحِدِ الْجِنْسِ فَقَطْ، اگرچہ مجبور کیا جائے گا عَلَيْهَا أَيْ عَلَى الْقِسْمَةِ تقسیم پر، اگرچہ تقسیم پر مجبور کیا جائے گا فِي مُتَّحِدِ الْجِنْسِ فَقَطْ، متحد الجنس میں صرف۔ کس میں؟ متحد الجنس۔ کیا معنیٰ؟ مبادلے پہ تو مجبور نہیں کیا جا سکتا، لیکن اگر وہ متحد الجنس ہیں تو اس میں مجبور کیا جا سکتا ہے۔ ایک ساتھی کہتا ہے میں اپنا حصہ الگ کرنا چاہتا ہوں، دوسرا کہتا ہے میں نے نہیں کرنا۔ بھائی ایک جنس ہے، آپ قاضی کے پاس جائیں اور کہیں کہ مجھے الگ کروا کے دیں، قاضی آپ کو جبراً کروا کے دے گا۔ یہ ہے زبردستی کروائی، زبردستی تقسیم کروائی جا رہی ہے۔

اور اگر کئی جنسیں ہیں، کئی جنسیں ہیں، مثلاً ایک گائے ہے، ایک بکری ہے، ایک اونٹ ہے، یہ تو الگ الگ جنسیں ہیں ساری اور اس میں دو آدمی شریک ہیں، انہوں نے پیسے ملا کر تینوں خریدے ہیں۔ تو ہر ایک میں دونوں کا حصہ۔ اب ایک ساتھی کہتا ہے میرا حصہ ان میں سے الگ کر کے دو۔ تو یہ اب متحد الجنس ہیں یا مختلف الجنس ہیں؟ مختلف الجنس ہیں۔ لہٰذا اب ان کے اندر جب تک دوسرا راضی نہیں ہوگا تقسیم نہیں کی جائے گی، کیونکہ ظاہر سی بات ہے تقسیم کریں گے، مثلاً ایک کو صرف اونٹ دے دیں گے اور ایک کو گائے اور بکری دے دیں گے، اونٹ کی قیمت پچاس ہزار ہے، گائے اور

بکری کی فرض کریں وہ بھی ملا کر پچاس ہزار بن رہی ہے، تو دیکھو ایک کو گائے اور بکری دے دی اور ایک کو اونٹ دے دیا، دیکھو مبادلہ ہے کہ نہیں؟ جی، مبادلہ ہے، ظاہری طور پر مبادلہ نظر آرہا ہے۔ تو اس صورت میں اب وہ جب دوسرا ساتھی راضی ہوگا تو پھر ہی تقسیم ہوگی، بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ معنیٰ ہے وَإِنْ أُجْبِرَ عَلَيْهَا فِي مُتَّحِدِ الْجِنْسِ فَقَطْ اگرچہ مجبور کیا جا سکتا ہے تقسیم پر متحد الجنس کے اندر صرف، عِنْدَ طَلَبِ أَحَدِهِمْ، جب کہ ان میں سے کوئی ایک طلب کرے، کوئی ایک ساتھی کیا کر لے؟ طلب، تو دوسرے کو کیا کیا جا سکتا ہے؟ مجبور کیا جا سکتا ہے۔

أَيِ الْمُبَادَلَةُ غَالِبَةٌ، جی اب شرح آگئی۔ کہتے ہیں مبادلہ جو ہے غالب ہے فِي غَيْرِ الْمِثْلِيِّ، غیر مثلی میں۔ مَعَ أَنَّهُ يُجْبَرُ عَلَى الْقِسْمَةِ فِي غَيْرِ الْمِثْلِيِّ إِذَا كَانَ مُتَّحِدَ الْجِنْسِ، ساتھ اس کے کہ مجبور کیا جائے گا تقسیم پر غیر مثلی میں بھی جب وہ متحد الجنس ہو، مَعَ أَنَّ الْمُبَادَلَةَ لَا يَجْرِي فِيهَا الْجَبْرُ، باوجود اس کے کہ مبادلہ کے اندر تو جبر یعنی[۲]

زبردستی جاری نہیں ہوتی، اس میں تو زبردستی نہیں کی جاتی۔

فَإِنَّهُ إِنَّمَا يُجْبَرُ عَلَيْهَا لِأَنَّ فِيهَا مَعْنَى الْإِفْرَازِ. بھائی اس میں کیوں مجبور کیا جائے گا؟ ذوات القیم اگر ایک جنس والے ہوں تو ان میں کیوں مجبور کیا جائے گا؟ کہتے ہیں بھائی اس لیے کہ یہاں پر افراز کا معنیٰ بھی ہے۔ کیا ہے؟ افراز کا معنیٰ بھی ہے۔ ہر بکری کے اندر دوسرے کا حصہ ہے، تو گویا وہ اپنے حصے کو کیا کر رہا ہے؟ الگ کر رہا ہے۔ اور نیز وہ جو مطالبہ کر رہا ہے، وہ اپنے حصے سے پورا نفع اٹھانا چاہتا ہے، کہ میں جس طرح چاہوں رکھوں، بیچوں، جو مرضی کروں ان بکریوں کا۔ اور پورا نفع اٹھانا کب ہوگا؟ جب صرف، جب صرف ایک کے ہوں یا اس کے ساتھ دوسرے بھی شریک ہوں؟ جب صرف ایک کے ہوں تب ہی وہ اپنے حصے سے اپنی مرضی کے مطابق کامل نفع اٹھا سکتا ہے۔ تو وہ علیحدہ کروانا چاہتا ہے تاکہ اپنے حصے سے پورا فائدہ اٹھا سکے۔ تو اس وجہ سے بھی اور نیز اس کے اندر افراز بھی ہے، اس لیے یہاں پر قاضی کیا کرے گا؟ ایک کے مطالبے پر جب متحد الجنس ہو تو دوسرے کو ذوات القیم میں مجبور کر سکتا ہے۔

یہ معنیٰ ہے فَإِنَّهُ إِنَّمَا يُجْبَرُ عَلَيْهَا، کہ اس پر مجبور کیا جائے گا، تقسیم پر مجبور کیا جائے گا، کس میں؟ متحد الجنس میں مجبور کیا جائے گا۔ لِأَنَّ فِيهَا مَعْنَى الْإِفْرَازِ، اس لیے کیونکہ اس میں افراز کا معنیٰ بھی ہے کہ ہر ایک اپنا حصہ الگ کر رہا ہے، کیونکہ ہر بکری میں دونوں کا حصہ ہے، تو جو آدھی بکریاں ایک کے پاس جائیں گی آدھی دوسری کے پاس جائیں گی، تو گویا ہر ایک نے کیا کیا؟ اپنا حصہ علیحدہ کیا ہے، اپنا، ہر بکری میں اس کا حصہ تھا۔ دوسرے کا بھی تھا، لیکن اس کا بھی تھا، تو افراز کا معنیٰ بھی

[۲] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ٦٦):** صوتی درس کی قراءت میں «الْمُبَادَلَةَ لَا يَجْرِي فِيهَا الْجَبْرُ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «المبادلة لا يجري فيه الجبر،» منقول ہے۔

یہاں ظاہر، افراز کا معنیٰ بھی ہے یہاں۔ تو لِأَنَّ فِيهَا مَعْنَى الْإِفْرَازِ اس لیے کیونکہ اس میں افراز کا معنیٰ بھی ہے یعنی اپنا حصہ الگ کرنے کا۔ مَعَ أَنَّ الشَّرِيكَ يُرِيدُ الِانْتِفَاعَ بِحِصَّتِهِ، ساتھ اس کے وہ شریک جو ہے وہ چاہتا ہے کہ وہ نفع اٹھائے اپنے حصے سے، اور کامل نفع تب ہی اٹھا سکتا ہے جب کہ اس کے حصے کو علیحدہ کر کے اسے دے دیا جائے۔ فَأَوْجَبَ الْجَبْرَ، پس واجب ہو گیا جبر، ضروری ہو گیا جبر۔

عَلَى أَنَّ الْمُبَادَلَةَ قَدْ يَجْرِي فِيهَا الْجَبْرُ۔ باقی آپ نے یہ کہا کہ مبادلہ پہ کبھی جبر جاری نہیں ہوتا، توجہ ہے؟ اشکال یہ ہوتا ہے نا کہ یہاں تو مبادلہ ہے، ذوات القیم ہیں، اور ذوات القیم میں تو مبادلہ ظاہر ہے، مبادلہ ہوتا ہے، اور مبادلے پر تو کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا، تو پھر یہاں آپ کیسے مجبور کر رہے ہیں؟ کہتے ہیں بھائی مبادلے پر بھی کبھی کبھار، بعض اوقات قاضی مجبور کر سکتا ہے، بعض صورتیں ایسی ہیں۔ مثلاً، مثلاً قضائے دین ہے، دین کی ادائیگی۔ دین کی ادائیگی پر قاضی دوسرے کو مجبور کر سکتا ہے، زبردستی اس سے نکلوا سکتا ہے۔

مثلاً زید نے ایک آدمی کو دس لاکھ روپے دیے۔ اب وہ آدمی اس کو سال بعد وہ قرض واپس لوٹاتا ہے اور دس لاکھ ہی دیتا ہے۔ کیا دیتا ہے؟ دس لاکھ۔ زید نے کتنے دیے تھے؟ دس لاکھ۔ اور آپ، اور اب وہ آدمی کتنے واپس کر رہا ہے؟ دس لاکھ۔ مجھے بتاؤ، یہ دس لاکھ، کیا یہ وہی نوٹ ہیں جو زید نے دیے تھے یا اور نوٹ ہیں؟ اور نوٹ۔ یہ تو اور نوٹ ہیں۔ یا درہم دیے، زید نے سو درہم دیے تھے، وہ بھی سو درہم دے رہا ہے، تو کیا یہ وہی درہم ہیں جو زید نے دیے تھے یا یہ دوسرے درہم ہیں؟ یہ دوسرے درہم ہیں۔ تو یہاں مبادلہ ہے کہ مبادلہ نہیں ہے؟ مبادلہ ہے۔ مبادلہ ہے نا، زید کے درہم اس نے لے لیے تھے اور اب دوسرے درہم زید کو دے رہا ہے، تو یہ مبادلہ ہی تو ہے؟ لیکن اس پر قاضی دوسرے کو مجبور کر سکتا ہے، کیا کر سکتا ہے؟ مجبور کر سکتا ہے، ادائیگیِ دین پر۔ کس طرح؟ دیکھو۔

مثلاً زید نے اس کو پیسے دے دیے، اب وقت آ گیا، اس نے تو بطور قرض کے لیے تھے، اب وہ ادائیگی نہیں کر رہا۔ یا کوئی اور صورت بنا لو، زید نے، اس نے زید سے کوئی چیز خریدی تھی، اب اس نے زید کے پیسے دینے ہیں، اب وہ ٹال مٹول کر رہا ہے، پیسے نہیں دے رہا، اور اس کے پاس پیسے بھی ہیں، سب کچھ ہے، لیکن وہ نہیں دے رہا، تو زید قاضی کے پاس چلا جائے گا، اور قاضی پھر اس شخص سے وہ پیسے زبردستی نکلوا کر اس کو دے گا بھائی۔ حتیٰ کہ اگر وہ نہیں دیتا تو قاضی اس کو جیل میں بھی ڈال سکتا ہے۔ تو دیکھو اب یہاں مبادلہ ہے، کیونکہ زید کے درہم اور تھے اور جو واپس کرے گا وہ اور ہوں گے تو مبادلہ ہے، اور مبادلے پر کیا کر رہا ہے قاضی؟ جبر کروا رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ مبادلے کی بعض صورتوں میں قاضی جبر کروا سکتا ہے۔ تو یہاں پر بھی اگرچہ مبادلہ ہی کیوں نہ ہو، پھر بھی قاضی یہاں پر جبر کروا سکتا ہے تاکہ اس کا حصہ الگ ہو جائے اور وہ اس سے اپنا فائدہ اٹھا سکے کامل طور پر۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنیٰ ہے عَلَى أَنَّ الْمُبَادَلَةَ قَدْ يَجْرِي فِيهَا الْجَبْرُ، علاوہ اس کے کہ مبادلہ جو ہے تو تحقیق اس میں بھی جبر یعنی زبردستی

جاری ہوتی ہے، إِذَا تَعَلَّقَ حَقُّ الْغَيْرِ بِهِ، جبکہ غیر کا حق اس کے ساتھ متعلق ہو۔ كَمَا فِي قَضَاءِ الدَّيْنِ، جیسے کہ دین کی ادائیگی میں، دین کی ادائیگی میں۔

دین صرف قرض کو نہیں کہتے۔ ایک تو ہے نا قرض، تو اس کو کہتے ہیں کہ آپ کسی کو پیسے دیتے ہیں اور بعد میں وہی پیسے وہ آپ کو، آپ کو پیسے ہی واپس کرتا ہے۔ دین ہر وہ چیز جو دوسرے پر، اس میں وہ ساری چیز، پیسے اور چیز آگئی جو دوسرے کے ذمے ہو۔ دوسرے کے ذمے۔ مثلاً ایک شخص نے آپ سے گاڑی خریدی اور دس لاکھ میں، تو گاڑی آپ نے اسے دے دی، اب وہ دس لاکھ اس کے ذمے دین ہے جو اس نے آپ کو ادا کرنا ہے۔ تو اردو میں تو اس کو قرض نہیں کہتے، لیکن عربی میں ان سب کے لیے کیا لفظ استعمال کرلیتے ہیں؟ دین۔ ہاں، پھر قرض الگ ہے، عربی میں بھی قرض کا لفظ بولا جاتا ہے۔ قرض وہ ہے جو آپ کسی کو پیسے یا چیز دیتے ہیں اور بعد میں اس سے وہ چیز واپس، ویسے آج دس لاکھ دیے، چھ مہینے بعد وہ پھر آپ کو آپ کے پیسے دس لاکھ واپس لوٹا دیتا ہے، یہ ہے قرض۔ اور دین میں باقی سب صورتیں دین کے اندر آگئیں جو بھی کسی چیز کے، کسی کے ذمے ہو بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَيُنْصَبُ قَاسِمٌ يُرْزَقُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ۔ یاد رکھو یہ جو چیزوں کو تقسیم کرنا ہے لوگوں کے درمیان، یہ بھی قضا کا ایک شعبہ ہے۔ لوگوں کے درمیان فیصلے کروانے کا ایک شعبہ ہے، کیونکہ اس سے جھگڑے ختم ہوتے ہیں۔ جائیداد ہے، وراثت میں جائیداد ملی ہے، اب وہ آپس میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ اب وہ ایک جیسی تو نہیں ہوتی کہ اس کے اتنے ہی حصے کرکے سب کو دے دیں، بلکہ ایک ہی گھر ہے اگر اس کے دو حصے کرنے ہیں، ایک کہے گا مجھے اس طرف والا حصہ چاہیے، دوسرا کہے گا مجھے اس طرف والا حصہ چاہیے، تو جھگڑے ہوں گے، تو پھر یہ قاضی کا کام ہے تقسیم کرنے والے لوگوں کو مقرر کرے، متعین کرے۔ اور پھر وہ لوگوں کے درمیان جا کر اس طرح کے فیصلے کروائیں، تقسیم کیا کریں۔ مثلاً گھر کی زمین، دو کنال کے اندر گھر ہے اور دو کنال کے اندر مثلاً چار کمرے ہیں ایک طرف، تو ان کمروں کی بھی قیمت لگائیں گے کہ نہیں لگائیں گے؟ کمروں کی بھی قیمت لگائیں گے، اور ظاہر سی بات ہے پھر ایک طرف صرف زمین کا ٹکڑا آئے گا، ایک طرف وہ کمرے بھی بیچ میں آئیں گے، تو ان کے حصے میں پھر زمین میں کچھ کمی کریں گے تھوڑی سی تاکہ برابری ہو جائے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو اس طرح تقسیم، بڑے بڑے مشکل صورتیں آجاتی ہیں تقسیم کی، تو قاضی لہٰذا لوگوں کو مقرر کرے گا، جیسے آج کل پٹواری سمجھ لو۔ پٹواری کیا کرتے ہیں؟ زمینوں کی پیمائش کرتے ہیں، تعیین کرتے ہیں، یہ اس کی، یہ یہاں سے یہاں تک اس کی زمین اور یہاں سے یہاں تک اس کی زمین۔ تو یہ تقسیم کے لیے، تقسیم چونکہ قضا کا ایک شعبہ ہے اور تقسیم والا قاضی کا معاون ہے، قاضی کی مدد کر رہا ہے فیصلوں کے اندر، قاضی کہے گا تقسیم کرو اور وہ آدمی جا کر پھر تقسیم کروا کر دے گا۔

تو یہ جو تقسیم کرنے والے ہیں، یہ پھر ان کو تقسیم کی جو اجرت ہے اور جو پیسے ہیں، وہ کہتے ہیں بیت المال سے دینے چاہئیں۔ کہاں سے دینے چاہئیں؟ بیت المال سے۔ جیسے قاضی کی تنخواہ بیت المال سے جاتی ہے، ادا کی جاتی ہے، اسی طرح یہ جو قاسم ہیں تقسیم کرنے والے، ان کی تنخواہ بھی کہاں سے جائے گی؟ بیت المال سے۔ یہ قاضی کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کو مقرر کرے اور بیت المال سے ان کی تنخواہ جاری کی جائے۔ لیکن اگر بیت المال میں اتنا مال نہیں، اتنا پیسہ نہیں، تو پھر جن کے لیے وہ تقسیم کر رہا ہے، ان پر بھی اجرت ڈالنا ٹھیک ہے۔ ان پر بھی اجرت ڈالنا ٹھیک ہے۔ جن کے لیے جا کر زمین کو تقسیم کر رہا ہے، انہی سے اجرت وصول کر لے۔

یہ معنیٰ ہے وَيُنْصَبُ قَاسِمٌ يُرْزَقُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ، اور مقرر کیا جائے گا ایسا تقسیم کرنے والا کہ جس کو رزق دیا جائے گا یعنی تنخواہ وغیرہ دی جائے گی مِنْ بَيْتِ الْمَالِ بیت المال سے، لِيُقَسِّمَ بِلا أَجْرٍ تاکہ وہ تقسیم کرے بغیر اجرت کے۔ وَهُوَ أَحَبُّ، اور یہ زیادہ پسندیدہ ہے۔ کیا زیادہ پسندیدہ؟ کہ اس کی اجرت کہاں سے مقرر کی جائے؟ بیت المال سے۔ وَإِنْ نُصِبَ بِأَجْرٍ، اور اگر اس کو مقرر کیا گیا اجر کے بدلے یعنی اجرت کے بدلے، صَحَّ تو یہ بھی صحیح ہے، کہ لوگوں سے اجرت لیا کرے۔

وَهُوَ عَلَى عَدَدِ الرُّؤُوسِ، اور وہ، وہ جو اجر جو ہے، هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ اجر کو۔ تو وہ جو اجرت ہے عَلَى عَدَدِ الرُّؤُوسِ وہ عددِ رؤوس پر ہوگی۔ کس پر ہوگی؟ عددِ رؤوس۔ یعنی جتنے افراد ہوں گے، ان پر وہ اجرت تقسیم ہوگی۔ حصوں کو نہیں دیکھیں گے۔ مثلاً میرے اور زید کے درمیان ایک زمین مشترکہ ہے، مشترک، دس کنال زمین ہے، لیکن اس میں سے نو حصے میرے اور ایک حصہ کس کا ہے؟ زید کا ہے۔ تو دس کنال میں سے گویا نو کنال میرے اور ایک کنال زید کا۔ اب وہ آئے گا، آکر پیمائش کرے گا اور پھر میرے اور زید کے درمیان حصے تقسیم کر دے گا، بتا دے گا یہ ایک کنال علیحدہ یہ زید کا، اور یہ والے نو کنال علیحدہ یہ آپ کے۔ تو اس نے پوری زمین کی پیمائش کی اور حصے الگ کر دیے، نشان لگا دیے۔ اب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اجرت جو اگر لوگوں نے، پہلے اول تو کیا تھا کہاں سے ادا کی جائے؟ بیت المال سے۔ اگر بیت المال سے ادا نہیں کر سکتے تو انہی لوگوں پر آئے گی جن کے لیے تقسیم کا عمل وہ کر رہا ہے، تو وہ دیں گے اجرت بھائی۔ اب کس پر کتنی آئے گی؟ امام صاحب فرماتے ہیں کہ جتنے افراد اس کے، ان پر وہ تقسیم کر دیں گے۔ اب یہاں پر حصے لینے والے کتنے افراد؟ میں اور زید، دو افراد ہیں۔ تو لہٰذا فرض کرو وہ دس ہزار لیتا ہے، دس ہزار روپیہ اجرت لیتا ہے، تو پانچ ہزار میرے اوپر آجائیں گے اور پانچ ہزار کس پر؟ زید پر آجائیں گے۔

جبکہ صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، افراد کو نہیں دیکھیں گے، حصوں کو دیکھیں گے، ملکیت کو دیکھیں گے۔ جس کا حصہ زیادہ، اس پر اجرت بھی زیادہ آئے گی، جس کا حصہ کم، اس پر اجرت بھی کم۔ تو لہٰذا دس کنال میں سے نو کنال میرے ہیں، تو دس ہزار میں سے نو ہزار میرے اوپر آجائیں گے، اور ایک کنال اس زید کا ہے، تو ایک ہزار زید کے ذمے آ

جائیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَهُوَ عَلَى عَدَدِ الرُّؤُوسِ، اور اجر جو ہے وہ عددِ رؤوس پر ہے۔ هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، یہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ وَقَالَا، اور صاحبین فرماتے ہیں: الْأَجْرُ يَجِبُ عَلَى قَدْرِ الْأَنْصِبَاءِ، کہ اجرت جو ہے وہ واجب ہوگی حصوں کے بقدر۔ أَنْصِبَاء جمع ہے نَصِیب کی، حصوں کے بقدر۔ جس کا حصہ زیادہ اس پر اجرت بھی زیادہ، جس کا حصہ کم اس پر اجرت بھی کم۔ لِأَنَّهُ مُؤْنَةُ الْمِلْكِ لَهُ، اس لیے کیونکہ وہ ملک کا بوجھ ہے، اس کی مشقت ہے۔ لِأَنَّهُ مُؤْنَةُ الْمِلْكِ کیونکہ وہ ملکیت کا بوجھ ہے، کس کا؟ ملکیت کا بوجھ ہے، ملکیت کی مشقت ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں دیکھو، وہ دس کنال زمین اس نے ماپی، اس کی پیمائش کی، اور دس کنال زمین کو پیمائش کرنے کی جو مشقت تھی وہ اس نے کتنی مانگی؟ اجرت کتنی مانگی؟ دس ہزار۔ اور اس دس کنال میں سے نو کنال تو آپ کے ہیں، تو گویا آپ کے حصے کی مشقت زیادہ ہے، تو وہ آپ کو نو ہزار دینے پڑیں گے۔ اور زید کا تو ایک کنال ہے، اس کے لیے تو مشقت تھوڑی ہے تو اس پر اجرت بھی تھوڑی آئے گی۔ یہ معنیٰ ہے لِأَنَّهُ مُؤْنَةُ الْمِلْكِ اس لیے کیونکہ وہ ملکیت کی مشقت ہے وہ جو اجرت ہے۔

لَهُ، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ إِنَّ الْأَجْرَ مُقَابِلٌ بِالتَّمْيِيزِ۔ تَمْيِيز ایک یا ہے آپ کی کتابوں میں؟ ایک یا؟ دو یا ہونی چاہئیں۔ یہ تو ہے بِالتَّمَيُّزِ، تَمَيُّز کا معنیٰ ہے جدا ہونا، اور تَمْيِيز دو یا ہوں، بابِ تفعیل ہو، تو اس کا معنیٰ ہے جدا کرنا۔ یہاں حصے جدا ہو رہے ہیں یا جدا وہ کر رہا ہے؟ جدا کر رہا ہے۔ تو یہاں جو اجرت ہے، مُقَابِلٌ بِالتَّمْيِيزِ یہ جدا کرنے کے مقابلے میں ہے۔ امام صاحب کی دلیل کیا؟ امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ جو اجرت آرہی ہے یہ حصے جدا کرنے کے مقابلے میں ہے، مشقت کے مقابلے میں نہیں، بلکہ کس میں ہے؟ حصے علیحدہ کرنا۔ اور حصے علیحدہ کرنا سب کے لیے برابر ہے، جیسے میرا حصہ علیحدہ ہوا اسی طرح زید کا بھی حصہ تو علیحدہ ہو گیا۔ ملکیت کو نہ دیکھو کس کی ملکیت زیادہ ہے کس کی تھوڑی، بس یہ دیکھو حصہ علیحدہ ہوا؟ میرا بھی علیحدہ، زید کا بھی علیحدہ۔ مثلاً بکر اور خالد تھے ان کا بھی علیحدہ۔ تو حصہ الگ کرنا یہ تو سب کے لیے برابر ہے۔ زید کا حصہ الگ ہوا کہ نہیں؟ میرا بھی الگ۔ مثلاً بکر کا بھی الگ، خالد کا بھی الگ۔ تو حصہ الگ کرنا یہ تو سب کے لیے برابر ہے، اس میں تو کوئی کمی بیشی نہیں۔ حصے بے شک تھوڑے ہیں، لیکن الگ کرنا تو سب کے لیے ایک جیسا ہے، ایک ہی چیز ہے، ایک ہی بات ہے۔ میرے لیے بھی کیا کیا؟ الگ۔ زید کے لیے بھی کیا کیا؟ الگ۔ تو یہ الگ کرنے کے مقابلے میں اجرت ہے اور وہ تو سب کے لیے برابر ہے، لہٰذا اجرت برابر تقسیم ہوگی، آدھی زید کو دینا پڑے گی اور آدھی دوسرے شخص کو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو وہ فرماتے ہیں

إِنَّ الْأَجْرَ مُقَابِلٌ بِالتَّمْيِيزِ، کہ اجرت جو ہے وہ جدا کرنے کے مقابلے میں ہے۔ وَهُوَ لَا يَتَفَاوَتُ، اور وہ مختلف نہیں ہے، وہ سب کے لیے یکساں ہے، سب کا حصہ الگ ہو رہا ہے، سب کے لیے برابر ہے۔ بَلْ قَدْ يَصْعُبُ فِي الْقَلِيلِ وَقَدْ

يَنْعَكِسُ۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ اجرت کس کے مقابلے میں ہے؟ الگ کرنے کے مقابلے میں ہے، تمیز کے مقابلے میں ہے، اور تمیز سب کے لیے برابر ہے، سب کے لیے برابر ہے، حصوں کو نہیں دیکھیں گے، الگ کرنے کو دیکھیں گے۔ آپ نے کہا حصے تھوڑے تو اجرت بھی تھوڑی، حالانکہ کبھی کبھار تو حصہ تھوڑا ہوتا ہے لیکن اس کی تقسیم مشکل ہوتی ہے، اور بعض اوقات حصہ زیادہ ہوتا ہے لیکن تقسیم آسان ہوتی ہے۔ جیسے مثلاً ایک زمین ہے دس کنال، پانچ آدمی اس میں شریک ہیں، تو دس کنال کو پانچ آدمیوں میں تقسیم کرے گا آسانی کے ساتھ، ہر ایک کو کتنا دے دے گا؟ دو کنال۔ تو دو کنال ہر ایک کا حصہ بن رہا ہے۔ اب حصے کو ذرا کم کر دو، یہی زمین چھ آدمی اس میں شریک ہیں، کتنے کنال ہیں؟ دس کنال، اور چھ آدمی شریک ہیں اور سب کا حصہ برابر ہے، اب ہر ایک کا حصہ دیکھو دو کنال سے کم ہے، لیکن اب اس کو بڑا حساب لگانا پڑے گا۔ حساب مشکل ہو گیا یا نہیں؟ دس کے پانچ ٹکڑے کرنا تو آسان تھا، لیکن دس کے چھ ٹکڑے کرنا مشکل ہے، اس کو باریکی میں گہرائی میں جانا پڑے گا، سمجھ رہے ہو، گہرائی میں جانا پڑے گا اور تقسیم وغیرہ کا عمل کرنا پڑے گا، پھر جا کر مسئلہ حل ہوگا۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ آپ نے کہا کہ جس کے حصے زیادہ ہوں مشقت زیادہ ہوتی ہے جس کے حصے کم ہوں مشقت کم ہوتی ہے، ایسا نہیں ہے بلکہ بعض اوقات حصہ تھوڑا ہوتا ہے لیکن مشقت زیادہ ہوتی ہے اور حصہ بعض اوقات زیادہ ہوتا ہے لیکن مشقت تھوڑی ہوتی ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے بَلْ قَدْ يَصْعُبُ فِي الْقَلِيلِ، اور بلکہ کبھی کبھار تقسیم جو ہے وہ تھوڑے حصے میں مشکل ہوتی ہے، وَقَدْ يَنْعَكِسُ اور کبھی اس کا برعکس ہوتا ہے کہ تھوڑے حصے میں آسان ہوتی ہے۔ کبھی تقسیم کیا ہوتی ہے تھوڑے حصے میں مشکل اور کبھی تقسیم تھوڑے حصے میں آسان ہوتی ہے۔ جیسے دیکھو دس کنال ہیں میرے اور زید کے درمیان مشترکہ ہیں، دس میں سے نو حصے میرے ہیں اور ایک حصہ کس کا ہے؟ زید کا ہے۔ یہ تقسیم آسانی سے ہو جائے گی، نو حصے میرے کر دے گا اور ایک حصہ زید کا کر دے گا۔ اور کبھی کبھار مشکل ہو جاتی ہے، حصہ تھوڑا ہوتا ہے لیکن تقسیم مشکل ہو جاتی ہے، جیسے دس کنال زمین ہے اور اس کے اندر گیارہ شریک ہیں، گیارہ شریک ہیں، اب ہر ایک کا حصہ برابر ہے، تو ایک ایک کنال سے بھی کم ہے ہر ایک کا حصہ لیکن دیکھو اب تقسیم مشکل ہو گئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کبھی کبھار تقسیم تھوڑے میں آسان ہوتی ہے اور کبھی تھوڑے میں مشکل ہوتی ہے۔ تو یہ معنیٰ ہے بَلْ قَدْ يَصْعُبُ فِي الْقَلِيلِ وَقَدْ يَنْعَكِسُ اور کبھی کبھار تقسیم مشکل ہوتی ہے تھوڑے میں وَقَدْ يَنْعَكِسُ اور کبھی اس کا برعکس ہوتا ہے یعنی تھوڑے میں تقسیم آسان ہوتی ہے۔ فَتَعَذَّرَ اعْتِبَارُهُ، لہٰذا حصوں کا اعتبار کرنا متعذر ہو گیا، ممکن نہ رہا۔ صاحبین نے کیا فرمایا تھا؟ کس کا

اعتبار کرو؟ حصوں کا۔ ہم نے بتا دیا کہ حصوں کا اعتبار نہیں کر سکتے، کبھی حصہ تھوڑا ہوتا ہے اور تقسیم مشکل ہوتی ہے اور کبھی حصہ تھوڑا ہوتا ہے اور تقسیم آسان ہوتی ہے، لہٰذا اس کا اعتبار نہیں کریں گے۔ فَاعْتُبِرَ أَصْلُ التَّمْيِيزِ، لہٰذا اعتبار کیا جائے گا اصلِ تمیز کا، وہ جدا کرنے کا، اور جدا کرنا تو سب کے لیے برابر ہے، جیسے میرا حصہ جدا کیا، اسی طرح زید کا بھی جدا کیا ہے، اسی طرح بکر کا بھی مثلاً جدا کیا ہے، خالد کا بھی جدا کیا ہے، تو جتنے افراد ہیں سب پر اجرت برابر برابر آجائے گی۔ مسئلہ سب کو سمجھ میں آگیا؟

وَيَجِبُ كَوْنُهُ عَدْلًا عَالِمًا بِهَا۔ بھائی یاد رکھیے جس کو قاضی قاسم مقرر کرے، وہ عادل قابلِ اعتماد آدمی ہونا چاہیے، اور نیز تقسیم کو جاننے والا ہو، اس کو تقسیم کے طریقوں کا علم ہونا چاہیے بھائی۔ اس علم کا، اس فن کا، اس طریقے کا ماہر ہو بھائی۔ تو کہتے ہیں وَيَجِبُ كَوْنُهُ عَدْلًا، اور واجب ہے کہ وہ قاسم جو ہے وہ عادل ہو، قابلِ اعتماد ہو، عَالِمًا بِهَا اور اس تقسیم کو جاننے والا ہو کہ کیسے تقسیم کرتے ہیں۔ بھائی یہ کوئی آسان کام نہیں، آپ کہیں کہ دس کنال ہے دو آدمیوں میں تقسیم کر دینا ہے، نہیں نہیں میں نے بتایا گھروں کو تقسیم کرنا ہے، زمینوں جائیدادوں کو تقسیم کرنا ہے، ایک گائے ہے، ایک بکری ہے، ایک اونٹ ہے، اس کو دو آدمیوں میں تقسیم کرنا ہے، دیکھو ہر چیز میں قیمتوں، قیمت وغیرہ چیزوں کا حساب لگانا پڑے گا۔ اور زمینوں کو تقسیم کر رہا ہے، کئی افراد ہوتے ہیں، پھر وہاں باقاعدہ اس زمین کا نقشہ بنانا پڑتا ہے، اس کے برابر ایسے حصے کرنے پڑتے ہیں کہ تقریباً وہ آپس میں کیا ہوں؟ برابر برابر ہوں اور پھر، تو یہ بڑا مشکل کام ہے، تو کہتے ہیں عَالِمًا بِهَا وہ کیا ہونا چاہیے؟ اس تقسیم کو جاننے والا ہو، اس کا ماہر ہو۔ اور عادل ہو بھائی، قابلِ اعتماد ہو، امانت دار آدمی ہو بھائی۔

وَلَا يُعَيَّنُ وَاحِدٌ لَهَا، اور کسی ایک کو اس کے لیے متعین نہیں کیا جائے گا۔ بھائی قاضی ایک ہی تقسیم کرنے والے کو مقرر کرتا ہے، اب سارے اس کے پاس جاتے ہیں، یہ تو لوگ بڑی تکلیف میں پڑ گئے بھائی، لائنیں لگی ہوں گی۔ تقسیم کے مسئلے تو ہر ہر جگہ پیش آتے ہیں، لوگ تکلیف میں اور مشکل میں پڑ جائیں گے۔ لہٰذا ایک کو مقرر نہ کرے، بہت سے لوگوں کو مقرر کرے ضرورت کے مطابق بھائی، جتنے چاہئیں اتنے مقرر کر دے۔ اور نیز ایک کو مقرر کرے گا تو پھر تو اجرت بھی بڑھ جائے گی۔ اس ایک کو پتہ ہے کہ میرے پاس ہی آنا ہے جس نے بھی آنا ہے، اور تو کوئی ہے نہیں یہاں پر، تو وہ ہر تقسیم کے منہ مانگے پیسے مانگے گا، اور لوگ مجبور ہوں گے دینے کے لیے۔ تو تقسیم کی اجرت بڑھ جائے گی، لہٰذا ایسا نہ کرے۔

وَلَا يُعَيَّنُ وَاحِدٌ لَهَا، اور کسی ایک کو اس کے لیے مقرر نہ کیا جائے، لِأَنَّ الْأَمْرَ قَدْ يَضِيقُ عَلَى النَّاسِ اس لیے کیونکہ معاملہ جو ہے لوگوں پر تنگ ہو جائے گا، لوگ تکلیف میں پڑ جائیں گے، وَالْأَجْرُ يَصِيرُ غَالِيًا اور اجرت جو ہے وہ مہنگی ہو جائے گی، وہ بڑھ جائے گی۔

وَلَا يَشْتَرِكُ الْقُسَّامُ، اور تقسیم کرنے والے جو ہیں وہ شریک نہیں ہوں گے، وہ شرکت نہیں کریں گے۔ بھائی دیکھو قاضی نے بہت سے آدمیوں کو مقرر کر دیا، پورے شہر میں فرض کرو پچاس آدمی یا سو آدمی مقرر کر دیے کہ یہ تقسیم کیا کریں گے۔ اب ان کو اشتراک نہیں کرنے دیا جائے گا کہ یہ مل کر اشتراک کر لیں۔ اشتراک کس طرح کر لیں؟ کہ آپس میں بیٹھیں، انجمن بنا لیں، طے کر لیں کہ بھائی جو بھی تقسیم کرنے جائے گا جو اجرت ملے گی لا کر ہم سارے اکٹھی کریں گے اور پھر آپس میں تقسیم کر لیا کریں گے برابر برابر۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ کہتے ہیں ایسا نہیں کرنے دے گا قاضی، اس لیے کیونکہ اگر قاضی نے ایسا کرنے دیا تو لوگ تکلیف میں پڑ جائیں گے، اجرت بڑھ جائے گی۔ تکلیف میں لوگ اس طرح پڑیں گے کہ جو تقسیم کرنے والے ہیں وہ پورے شوق سے اور اچھے طریقے سے کام نہیں کریں گے۔ مثلاً ایک تقسیم کرنے والے کے پاس کوئی شخص جاتا ہے اور کہتا ہے آکر ہمارا یہ معاملہ حل کر دو، یہ تقسیم کروا دو، اور وہ سوچتا ہے کہ اگر میں چلا بھی جاؤں، جو بھی اجرت ملے گی وہ شام کو اکٹھی کرنی ہے وہ تو میری تو ہے نہیں، لہٰذا وہ کترائے گا کہ کسی طرح دوسرے کے پاس چلا جائے وہ جا کر اس کے لیے تقسیم کر دے۔ تو لوگ مشکل میں پڑ جائیں گے۔ اور کوئی تقسیم والا جانا چاہے گا کبھی نہیں جانا، ذرا ذرا سی بات پر بہانے بنائے گا اور نہیں جائے گا لوگوں کی تقسیم کرنے کے لیے۔ لیکن اگر اس کو پتہ ہو میں جاؤں گا جو پیسے ملیں گے وہ میرے ہی ہیں، تو وہ دوڑتا ہوا ہر جگہ جلدی سے پہنچے گا کہ کہیں دوسرا نہ آجائے، وہ پیسے تو اس کے ہو جائیں گے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ اور نیز اشتراک کرنے دیں گے تو اجرت بھی بڑھ جائے گی۔ اس لیے کیونکہ وہ آپس میں مل کر طے کر لیں گے کہ یہ اتنے اتنے ہم لیا کریں گے، جب وہ خود اپنی اجرت طے کر رہے ہیں پھر تو ظاہر سی بات ہے وہ اپنی مرضی سے طے کریں گے، اونچا ریٹ رکھیں گے۔ اور جب یہ اشتراک ان کو نہ کرنے دیا جائے، پھر؟ پھر اجرت کم رہے گی۔ آپ ایک کے پاس گئے کہ یہ تقسیم کر دو، وہ کہتا ہے میں اس کے دس ہزار لوں گا۔ آپ اس کو کہتے ہیں نہیں آٹھ ہزار ہم دے دیں گے، وہ فوراً تیار ہو جائے گا۔ چلو ٹھیک ہے آٹھ ہزار، کیونکہ اسے پتہ ہے اگر میں نہ کروں گا وہ دوسرے کے پاس چلے جائیں گے، دوسرا چلا جائے گا بھائی۔ تو ریٹ کم ہو جائیں گے، تو لوگوں کے لیے آسانی ہوگی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَلَا يَشْتَرِكُ الْقُسَّامُ، اور شریک نہیں، شرکت نہیں کریں گے تقسیم کرنے والے۔ أَيْ إِنْ قَسَّمَ وَاحِدٌ لَا يَكُونُ الْأَجْرُ مُشْتَرَكًا بَيْنَهُمْ، یعنی اگر تقسیم کرے ایک تو وہ اجرت جو ہے وہ ان کے درمیان مشترک نہیں ہوگی، یعنی ان کو شرکت نہ کرنے دی جائے کہ وہ اجرت مشترک ہو ان کے درمیان۔ فَإِنَّهُ يُفْضِي إِلَى غَلَاءِ الْأَجْرِ، اس لیے کیونکہ یہ پہنچا دے گی اجرت کے مہنگا ہونے کی طرف، اس سے اجرت بڑھ جائے گی اگر وہ اشتراک کریں گے۔

وَصَحَّتْ بِرِضَاءِ الشُّرَكَاءِ إِلَّا عِنْدَ صِغَرِ أَحَدِهِمْ، اور تقسیم صحیح ہے، صَحَّتْ أَيْ صَحَّتِ الْقِسْمَةُ، اور تقسیم صحیح ہے بِرِضَاءِ الشُّرَكَاءِ شریکوں کی رضامندی سے، إِلَّا عِنْدَ صِغَرِ أَحَدِهِمْ مگر یہ کہ ان میں سے کوئی ایک چھوٹا ہو، ان میں سے ایک چھوٹا ہو۔ صورت یہ ہے کہ کچھ لوگ ان کے پاس کوئی مشترکہ چیز ہے یا جائیداد ہے یا کچھ ہے، اس کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں، وہ قاضی کے پاس جاتے ہی نہیں ہیں، وہ خود ہی آپس میں اس کو کیا کر لیتے ہیں؟ تقسیم کر لیتے ہیں، وہ خود ہی اس کو آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں، تقسیم کرنے والے کو بھی نہیں بلاتے، خود ہی آپس میں کیا کر لیتے ہیں؟ تقسیم کر لیتے ہیں، کہتے ہیں ہاں بھائی کر سکتے ہیں۔ وہ آپس میں اگر تقسیم کرنا چاہتے ہیں، سارے راضی ہیں، تو آپس میں تقسیم کر سکتے ہیں، یہ ضروری نہیں ہے کہ جائیں ہر مسئلے میں قاضی کے پاس اور قاسم کو بلانا پڑے، نہیں کر سکتے۔ ہاں، اگر ان میں سے کوئی بچہ ہے، اب خود نہیں کریں گے، اب قاضی کے پاس جانا پڑے گا، کیونکہ وہ نابالغ ہے، اور پھر قاضی اس کے لیے کوئی وصی، کوئی نگران مقرر کرے گا کوئی، اور پھر وہ وصی، تاکہ اس بچے کی حق تلفی نہ ہو، کہیں ایسا نہ ہو اس کو اس کا حصہ صحیح طرح نہ ملے، تو اس صورت میں پھر قاضی کے حکم کی ضرورت ہوگی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟[۳]

یہ معنیٰ ہے وَصَحَّتْ بِرِضَاءِ الشُّرَكَاءِ اور صحیح ہے تقسیم شریکوں کی رضامندی سے إِلَّا عِنْدَ صِغَرِ أَحَدِهِمْ مگر جس وقت کوئی ایک ان میں سے صغیر ہو چھوٹا ہو یعنی نابالغ ہو، إِذْ حِينَئِذٍ لَا بُدَّ مِنْ أَمْرِ الْقَاضِي اس لیے کیونکہ اس وقت ضروری ہے قاضی کا حکم۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

وَقُسِّمَ نَقْلِيٌّ يَدَّعُونَ إِرْثَهُ بَيْنَهُمْ وَعَقَارٌ يَدَّعُونَ شِرَاءَهُ أَوْ مِلْكَهُ مُطْلَقًا فَإِنِ ادَّعَوْا إِرْثَهُ عَنْ زَيْدٍ لَا حَتَّى يُبَرْهِنُوا عَلَى مَوْتِهِ وَعَدَدِ وَرَثَتِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى۔ بھائی دیکھو، کچھ چیزیں ہیں نقلی اور یعنی منقولات، اور کچھ چیزیں ہیں غیرِ نقلی یعنی غیرِ منقولات جن کو نقل نہیں کیا جا سکتا۔ اور غیرِ منقولات جو ہے وہ صرف زمین ہے، زمین ہے، پھر اسی زمین پر چاہے گھر بنا ہو چاہے کھیت ہو چاہے باغ ہو سب اس کے اندر آگئے۔ تو یہ جو زمین ہے یہ کس میں سے ہے؟ زمین، گھر، جائیداد وغیرہ کس میں سے ہیں؟ غیرِ منقولات۔ اور باقی چیزیں ساری منقولات ہیں، چاہے گاڑی ہے، موٹر سائیکل ہے، گائے، بھینس، بکری، گندم، چاول، جتنی چیزیں ہیں ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے، تو وہ ہیں منقولات اور یہ جائیداد کیا ہے؟ غیرِ منقولات۔

اب قاضی کے پاس جو لوگ مسئلہ لے کر آتے ہیں اس میں چھ صورتیں بن سکتی ہیں، چھ صورتیں۔ ایک صورت یہ کہ یا تو وہ تقسیم کے لیے آئیں گے منقولات کی یا تقسیم کے لیے آئیں گے غیرِ منقولات کی، دو قسمیں ہو گئیں؟ پھر دونوں کے

---

[۳] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ٦٧):** صوتی درس کی قراءت میں «وَصَحَّتْ بِرِضَاءِ الشُّرَكَاءِ إِلَّا عِنْدَ صِغَرِ أَحَدِهِمْ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وصحَّت برضا الشُّركاء إلا عند صغرِ أحدِهم،» منقول ہے۔

اندر چاہے منقولات ہوں چاہے غیرِ منقولات ہوں تین صورتیں بن سکتی ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ وہ کہیں یہ ہمیں بطور وراثت کے ملی ہے، یہ چیز یا یہ جائیداد، یہ منقولات یا یہ غیرِ منقولہ جائیداد ہمیں بطور وراثت کے ملی ہے، زید جو ہمارا فلاں عزیز تھا یا رشتے دار تھا یا باپ تھا اس کا انتقال ہوا ہے اب ہم وارث ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ بتلاتے ہیں کہ یہ چیز ہم نے خریدی ہے، مثلاً بکر سے خریدی ہے، چاہے منقولات ہوں اور چاہے غیرِ منقولات ہوں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ وہ آکر کہتے ہیں کہ یہ چیز ہمارے درمیان تقسیم کر دیں اور تفصیل نہیں ذکر کرتے کہ یہ ہم نے خریدی ہے یا وراثت میں ملی ہے یا کیا ہوا ہے۔

تو کل کتنی صورتیں؟ چھ۔ کس طرح؟ منقولات میں تین صورتیں، تینوں بنا لو، کیا؟ ایک صورت، کہتے ہیں یہ ہمیں بطور وراثت کے ملی، دوسری صورت یہ ہم نے خریدی، تیسری صورت تفصیل بیان نہیں کرتے، ملک مطلق کہتے ہیں، بس اتنا کہتے ہیں یہ ہماری چیز ہے ہمیں تقسیم کر دو۔ کس میں یہ؟ منقولات میں، کتنی صورتیں؟ تین۔ دہراؤ بھائی۔ منقولات میں کتنی؟ تین۔ نمبر ایک: وراثت ذکر کرتے ہیں، نمبر دو: یعنی سببِ ملک ذکر کرتے ہیں، نمبر ایک کیا؟ وراثت، نمبر دو خریداری، خریدنا، نمبر تین کوئی تفصیل نہیں، ملک مطلق، بس یہ تقسیم کر دو، تفصیل نہیں بیان کرتے۔ غیرِ منقولات یعنی جائیداد اور عقار میں بھی یہی تین صورتیں۔ یا کہتے ہیں ہماری یہ تقسیم کر دیں ہاں زمین ہمارے درمیان اور ساتھ بتاتے بھی ہیں یہ ہمیں کیسے ملی؟ وراثت کے طور پر، یا کیسے ملی؟ ہم نے خریدی ہے، یا کیسے ملی؟ یہ تفصیل بیان ہی نہیں کرتے۔ تو تین صورتیں عقار میں ہو گئیں اور تین ہی صورتیں منقولات میں ہو گئیں، تو کل چھ صورتیں ہو گئیں۔ کتنی صورتیں؟ چھ صورتیں۔

یاد رکھو، توجہ سے بھائی، یاد رکھو زمین کے مسئلے میں، عقار کے مسئلے میں چاہے گھر ہو، زمین ہو، فیکٹری ہو، کھیت ہو، اس میں جب آکر وہ کہیں کہ یہ ہمیں بطور وراثت کے ملی ہے، تو پھر قاضی ان کو کہے گا

کس کی وراثت؟ پہلے بینہ قائم کرو، گواہ لاؤ کہ وہ مر چکا ہے۔ پھر گواہ لے کر آؤ کہ تم ہی لوگ وارث ہو، کوئی اور وارث نہیں۔ دو بینہ طلب کرے گا۔ کب؟ جب وراثت ہو۔ کس میں؟ عقار میں، کس میں؟ عقار، غیر منقولات یعنی عقار میں آکر وہ کہتے ہیں کہ یہ جائیداد ہمیں، اس کو ہمارے درمیان تقسیم کر دیں اور ہمیں ملی کیسے ہے؟ وراثت کے طور پر۔ تو قاضی دو بینہ طلب کرے گا، نمبر ایک: اس مورث کی موت پر، کہ گواہ لاؤ کہ زید کا انتقال ہوا ہے جس کے تم وراثت کا دعویٰ کر رہے ہو۔ دوسرے گواہ لاؤ کہ تم ہی لوگ وارث ہو کوئی اور وارث نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور باقی کتنی صورتیں رہ گئیں؟ پانچ صورتیں۔ چھ صورت، توجہ ہے؟ منقولات میں کتنی صورتیں تھیں؟ تین۔ اور غیر منقولات میں تین، کل کتنی صورتیں؟ چھ۔ ان چھ میں سے ایک میں میں نے تفصیل بیان کر دی، اور وہ کون سی صورت ہے؟ کس لیے آئیں تقسیم کے لیے؟ کس چیز میں؟ عقار میں، کس میں؟ عقار یعنی غیر منقولات میں، اور کیا ذکر کریں؟ وراثت۔

تو وہاں کیا چیزیں ضروری؟ دو چیزیں، نمبر ایک: بینہ کس چیز پر؟ موتِ مورث پر، نمبر دو: کہ ہم ہی وارث ہیں اور کوئی وارث نہیں۔ اس میں، باقی پانچ صورتیں رہ گئیں، پانچ صورتیں رہ گئیں، ان پانچوں صورتوں میں کہتے ہیں قاضی کوئی بینہ وغیرہ طلب نہیں کرے گا، چیز ان میں تقسیم کر دے گا۔ چاہے عقار ہو اور کہیں ہم نے خریدی تھی، تو خریدنے پر گواہ نہیں لانے کی ضرورت نہیں ہے، بس اس کو کیا کر دو ان میں؟ تقسیم کر دو۔ یا کہ عقار ہے اور کہتے ہیں تقسیم کریں، کوئی تفصیل نہیں بیان کی کہ وراثت میں ملی ہے یا ہم نے خریدی ہے، قاضی کیا کر دے؟ تقسیم کر دے۔ یا منقولات کے اندر آکر وہ کہتے ہیں، اس میں تینوں صورتیں آگئیں، منقولات ہیں مثلاً بکریاں ہیں، گائے ہیں اور اس طرح کی چیزیں ہیں، تو ان میں آکر کہتے ہیں ہمارے لیے تقسیم فرما دیں، تو چاہے وراثت ذکر کریں، چاہے خریدنا ذکر کریں، چاہے کچھ بھی ذکر نہ کریں، تینوں صورتوں میں قاضی ان سے کوئی بینہ طلب نہیں کرے گا، ان کے درمیان اس کو تقسیم کر دے گا۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ چھ میں سے پانچ صورتوں میں قاضی کوئی بینہ طلب نہیں کرے گا، وہ چیزیں ان میں تقسیم کر دے گا۔ ایک صورت میں دو بینہ طلب کرے گا: جب وہ تقسیم چاہیں عقار کی اور سببِ ملک ذکر کر دیں کہ ہمیں بطور وراثت کے ملی ہے، تو پھر موتِ مورث پر بھی گواہ طلب کیے جائیں اور تعدادِ ورثاء پر بھی بینہ طلب کی جائے۔ موتِ مورث پر بھی بینہ طلب کی جائے اور تعدادِ ورثاء پر بھی بینہ طلب کی جائے۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ چھ میں سے کتنی صورتوں میں؟ ایک میں۔ باقی سب میں کوئی بینہ نہیں، ان چیزوں کو ان میں تقسیم کر دے۔

کہتے ہیں وَقُسِّمَ نَقْلِيٌّ، اور تقسیم کر دیا جائے گا نَقْلِيٌّ، وہ چیز جو نقلی ہے یعنی منقولات میں سے ہے، اس کو تقسیم کر دیا جائے گا يَدَّعُونَ إِرْثَهُ جس کی وہ وراثت کا دعویٰ کر رہے ہیں بَيْنَهُمْ ان کے درمیان۔ توجہ ہے؟ چھ صورتیں ذکر ہو رہی ہیں، وہ ساری متن میں آئیں گی بھائی، تفصیل دیکھتے جانا جو میں بیان کروں پھر آپ کو سمجھ میں آئے گا۔ وَقُسِّمَ نَقْلِيٌّ يَدَّعُونَ إِرْثَهُ بَيْنَهُمْ، اور اس نقلی کو جس کی وہ وراثت کا دعویٰ کر رہے ہیں اس کو ان کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔ کون سا نقلی؟ جو وراثت میں۔ چھ صورتیں بنائیں، چھ صورتیں بتائیں۔ کون سا منقول جس کو تقسیم کر دیا جائے گا؟ جس میں وراثت کو ذکر کریں۔ باقی دو کو ذکر کیا؟ نہیں۔ نہیں کیا، جس کے، جس میں خریدنے کا کہیں یا جس میں ملک مطلق ذکر کریں، کوئی تفصیل ذکر نہ کریں، اس کا حکم ذکر نہیں کیا متن میں، لیکن وہ خود بخود سمجھ میں آرہا ہے۔ آگے، آگے تفصیل جب آئے گی، شرح میں بھی پھر آپ کو بتائیں گے۔

وَعَقَارٌ، اس کا عطف عَقَارٌ کا عطف نَقْلِيٌّ پر ہے۔ تو وَقُسِّمَ عَقَارٌ اور اس عقار کو بھی تقسیم کر دیا جائے گا يَدَّعُونَ شِرَاءَهُ جس کے وہ خریدنے کا دعویٰ کریں أَوْ مِلْكَهُ مُطْلَقًا یا جس کی ملکِ مطلق کا وہ دعویٰ کریں کہ یہ ہماری ہے، بس تفصیل بیان،

مطلق یعنی اس میں کوئی قید نہیں لگائی کہ ہمیں کیسے ملی ہے، خریداری سے ملی ہے یا وراثت کے طور پر ملی۔ تو ملکِ مطلق کا دعویٰ کریں اس کو بھی ان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ تو عقار کی کتنی صورتیں ذکر ہو گئیں؟ دو۔ ایک رہ گئی، اس کو آگے ذکر کریں: فَإِنِ ادَّعَوْا إِرْثَهُ عَنْ زَيْدٍ، اگر وہ دعویٰ کریں عقار کے وارث ہونے کا عَنْ زَيْدٍ زید سے، تو لَا پھر تقسیم نہیں کریں گے حَتَّى يُبَرْهِنُوا عَلَى مَوْتِهِ یہاں تک کہ وہ بینہ قائم کر دیں اس مورث اس زید کی موت پر وَعَدَدِ وَرَثَتِهِ اور اس کے وارثوں کی تعداد پر عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، امام صاحب کے نزدیک۔

کل کتنی صورتیں تھیں؟ چھ۔ چھ میں سے چار ذکر ہو گئیں متن میں۔ عقار کی تینوں صورتیں ذکر ہو گئیں، وراثت میں بینہ لاؤ، خریدنے کا یا ملک مطلق کہیں تو اس کو مطلقاً کیا کر دو؟ تقسیم۔ اور نقلی کے اندر صرف وراثت والی صورت ذکر کی، باقی دو صورتیں ذکر نہیں۔ کیوں؟ کہتے ہیں وہ خود بخود آپ کو سمجھ میں آ رہی ہیں، کس طرح سمجھ میں آ رہی ہیں؟ بھائی دیکھو، عقار کے اندر صرف کس وقت بینہ طلب کرے گا قاضی؟ جب وراثت ہو، باقی دو صورتوں میں بینہ طلب نہیں کرے گا۔ اور جو منقولی ہے، اس میں تو وراثت میں بھی بینہ نہیں ہے۔ بتایا کہ نہیں؟ وَقُسِّمَ نَقْلِيٌّ يَدَّعُونَ إِرْثَهُ، نقلی کے اندر تو وراثت والی میں بھی بینہ نہیں ہے، تو معلوم ہوا باقی دو صورتوں میں تو بطریقِ اولیٰ بینہ نہیں ہوگی۔ بات سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی؟

تو کہتے ہیں حَضَرَ جَمَاعَةٌ عِنْدَ الْقَاضِي، ایک جماعت لوگوں کی حاضر ہوئی قاضی کے پاس، وَطَلَبُوا قِسْمَةَ مَا فِي أَيْدِيهِمْ، اور انہوں نے مطالبہ کیا اس چیز کو تقسیم کرنے کا جو ان کے قبضے میں تھی۔ فَإِنْ كَانَ نَقْلِيًّا، تو اگر وہ چیز نقلی ہے یعنی منقولات میں سے ہے، فَإِنِ ادَّعَوْا شِرَاءَهُ أَوْ مِلْكَهُ مُطْلَقًا، پس اگر انہوں نے دعویٰ کیا اس کے خریدنے کا یا ملکِ مطلق کا یعنی ملک ذکر ہی نہیں کی کہ ہم کیسے مالک بنے، تو قُسِّمَ تو اس چیز کو ان کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور یہ شراء کس کی شراء؟ نقلی یا غیرِ نقلی؟ عبارت پہ نظر رکھو نا، فَإِنْ كَانَ نَقْلِيًّا، نقلی کیا ہو؟ اس کی کس چیز کا دعویٰ کیا ہے؟ شراء کا، اور یا نقلی کی ملک مطلق کا دعویٰ کیا ہے، یہ متن میں ذکر تھا؟ نہیں۔ متن میں تو صرف کون سی صورت ذکر تھی؟ وراثت والی۔ تو یہ دو صورتیں تو متن میں ذکر نہیں، یہی ذکر کر رہے ہیں۔ تو کہتے ہیں اس صورت میں قاضی تقسیم کر دے گا، لَكِنَّ هَذَا غَيْرُ مَذْكُورٍ فِي الْمَتْنِ، لیکن یہ صورت متن میں مذکور نہیں ہے، اور یہ کیوں مذکور نہیں ہے یہ آگے چل کر آپ کو بتائیں گے۔ میں نے بتا دیا، کہ دیکھو پھر سمجھ لو کہ عقار میں کتنی صورتیں ہیں؟ تین، اور عقار کے اندر وراثت والی صورت میں بینہ ہے، باقی دو صورتوں میں بینہ نہیں۔ تو جو نقلی ہے اس کے اندر تو ذکر کر دیا وراثت والی صورت میں بھی بینہ نہیں ہے، تو معلوم ہوا باقی دو صورتوں میں تو بطریقِ اولیٰ بینہ نہیں ہوگی۔

تو کہتے ہیں فَإِنِ ادَّعَوْا إِرْثَهُ عَنْ زَيْدٍ قُسِّمَ أَيْضًا، پس اگر انہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ جو نقلی ہے وہ ان کی وراثت ہے زید سے، تو قُسِّمَ أَيْضًا تو بھی اس کو کیا کر دیا جائے گا؟ تقسیم کر دیا جائے گا۔ وَإِنْ كَانَ عَقَارًا، اور اگر وہ چیز غیرِ منقول یعنی

عقار ہے، فَإِنِ ادَّعَوْا شِرَاءَهُ أَوْ مِلْكَهُ مُطْلَقًا قُسِّمَ أَيْضًا، تو اگر انہوں نے دعویٰ کیا اس کے خریدنے کا یا ملکِ مطلق کا تو بھی تقسیم کر دی جائے گی۔ أَمَّا إِذَا ادَّعَوْا إِرْثَهُ عَنْ زَيْدٍ، باقی انہوں نے جب دعویٰ کیا اس کی وراثت کا عَنْ زَيْدٍ زید سے، تو لَا يُقْسَمُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، تو تقسیم نہیں کی جائے گی امام صاحب کے نزدیک، حَتَّى يُبَرْهِنُوا عَلَى الْمَوْتِ وَعَدَدِ الْوَرَثَةِ، یہاں تک کہ وہ بینہ قائم کر دیں اس مورث یعنی زید کی موت پر وَعَدَدِ الْوَرَثَةِ اور اس کے وارثوں کی تعداد پر کہ ہم ہی وارث ہیں اور کوئی وارث نہیں۔

وَعِنْدَهُمَا، اور صاحبین کے نزدیک، يُقْسَمُ کہ تقسیم کر دیا جائے گا۔ صاحبین فرماتے ہیں چھ کی چھ صورتوں میں بس تقسیم کر دو، کوئی بینہ نہ مانگو۔ وہ فرماتے ہیں يُقْسَمُ کہ وراثت والی صورت میں بھی جائیداد کو تقسیم کر دیا جائے گا كَمَا فِي الصُّوَرِ الْأُخَرِ جیسے دوسری صورتوں میں تھا، وراثت کے علاوہ باقی صورتوں میں بغیر بینہ کے جیسے تقسیم کرتے تھے، تو وراثت والی صورت میں بھی کیا کر دیں گے؟ تقسیم کر دیں گے۔

لَهُ، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ إِنَّ مِلْكَ الْمُوَرِّثِ بَاقٍ بَعْدَ مَوْتِهِ۔ بھائی یاد رکھیے، امام صاحب فرماتے ہیں کہ بھائی ضابطہ میں آپ کو پہلے بیان کر چکا ہوں کہ قاضی غائب کے خلاف فیصلہ نہیں کر سکتا۔ غائب کے خلاف فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اور یہاں پر جو فیصلہ ہے وہ میت کے خلاف ہو رہا ہے۔ بھائی میت کے خلاف کیسے ہے؟ وہ تو مر چکا ہے۔ کہتے ہیں بے شک وہ مر گیا، لیکن چیزیں ابھی بھی اس کی ملکیت میں باقی ہیں، وہ ابھی بھی ان کا مالک ہے۔ بھائی کیسے مالک ہے وہ مر چکا ہے؟ کہتے ہیں بھائی آپ دیکھتے نہیں؟ کوئی مر جائے، اسی کے مال میں سے اس کا کفن دفن سارا کرتے ہیں۔ وارثوں میں سے کوئی روک سکتا ہے؟ کوئی نہیں روک سکتا۔ معلوم ہوا ابھی بھی مالک ہے، کسی اور کا مال ہوتا وہ تو روک سکتا تھا، لیکن یہ اسی کا مال ہے اس لیے کوئی بھی نہیں روک سکتا۔ روکنا چاہے بھی تو نہیں روک سکتا۔ معلوم ہوا اس کی ملکیت ابھی بھی سارے مال میں ہے۔

نیز یاد رکھو، جب کوئی شخص مرتا ہے تو سارا مال فوراً وارثوں کو نہیں دے دیتے کہ ان کو تقسیم کر لو، نہیں نہیں۔ سب سے پہلے اس کا کفن دفن اسی کے مال میں سے کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد پوچھا جاتا ہے اس کے ذمے کوئی قرضے تو نہیں؟ اگر کوئی قرضے تھے وہ سارے اسی کے مال میں سے ادا کیے جاتے ہیں، چاہے سارا مال ہی ختم ہو جائے۔ پھر قرضے بھی دے دیے، مال پھر بھی بچ گیا، اب جو مال بچ گیا ہے تو پتہ کریں گے اس نے کوئی وصیت تو نہیں کی؟ اگر اس نے وصیت کی ہے کہ مثلاً میرے مرنے کے بعد پانچ لاکھ روپے زید کو دے دینا، تو تیسرے حصے میں، جو مال بچا ہوا ہے قرضے ادا کرنے کے بعد، اب جو مال بچ گیا ہے اس کے تیسرے حصے میں وہ وصیت نافذ کر دی جائے گی۔ اس کا کل مال دیکھیں گے کہ پندرہ لاکھ یا پندرہ لاکھ سے زیادہ ہے، تو پندرہ لاکھ کا تیسرا حصہ کیا؟ پانچ لاکھ، تو پانچ لاکھ کی جو وصیت کی اب نافذ کر دیں گے کیونکہ یہ

تیسرے حصے میں آرہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور اگر تیسرے حصے میں وہ پانچ لاکھ نہیں آرہے، تو جتنا آرہا ہے وہ دے دیں گے، مثلاً اس کی کل جائیداد ہی نو لاکھ ہے، تو اب اس کا تیسرا حصہ کتنا ہے؟ تین لاکھ، تو تین لاکھ دے دیں گے بس۔ ہاں اگر باقی وارث راضی ہو جاتے ہیں پھر پانچ لاکھ بھی دے سکتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ ہم نے تین لاکھ کیوں دیے؟ تاکہ باقی کے دو ثلث بچ جائیں وارثوں کے لیے، کس کے لیے بچ جائیں؟ وارثوں کے لیے۔ اگر وارث وہ خود راضی ہیں کہ نہیں نہیں دے دو جو اس نے جو وصیت کی ہے وہ پوری کر دو، پھر تو انہوں نے اپنا حق خود چھوڑ دیا لہٰذا پھر سارا بھی دے سکتے ہو۔ تو پھر وصیت نافذ کرنے کے بعد جو مال بچے گا، اب وہ وارثوں کو ملے گا۔ کس کو ملے گا؟ وارثوں کو۔

پھر سنو، کیا تفصیل ہوئی؟ کوئی شخص مر جائے، سب سے پہلے کیا کرتے ہیں؟ کفن دفن، پھر اس کے بعد اس کے قرضے ادا کیے جاتے ہیں، پھر اس کے بعد اس کی وصیت ثلث میں نافذ کی جاتی ہے جو باقی بچا ہے اس کے ثلث میں، اور پھر اس کے بعد چوتھے نمبر پر وارث آتے ہیں ان کو وہ مال دے دیا جاتا ہے جو بچ جائے۔ اب دیکھو سب سے پہلے کیا بندوبست کرتے ہیں؟ کفن دفن۔ دیکھو یہ اپنے مال کا مالک ہے جب ہی کفن دفن اس کے مال سے ہو رہا ہے، کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ پھر اسی کے سارے قرضے بھی ادا کر رہے ہیں، معلوم ہوا یہ ابھی بھی اپنے مال کا مالک ہے جب ہی قرضے ادا کیے جا رہے ہیں، وارثوں میں سے کسی کو روکنے کا حق نہیں ہے۔ پھر اسی کی وصیت تیسرے حصے میں نافذ کی جا رہی ہے، معلوم ہوا یہ اپنے مال کا مالک ہے جب ہی اس کی وصیت نافذ کی جا رہی ہے، ورنہ اگر وارثوں کا مال ہو چکا ہوتا پھر تو ان سے اجازت لینا پڑتی بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو معلوم ہوا کوئی شخص مرنے کے بعد بھی اپنے مال کا مالک رہتا ہے۔ جب وہ اپنے مال کا مالک ہے، اب یہ لوگ آئے ہیں کہ قاضی صاحب یہ ہماری جائیداد ہمارے درمیان تقسیم کر دیں اور یہ ہمیں اپنے والد مثلاً زید سے وراثت میں ملی ہے، تو قاضی کہے گا بینہ لاؤ، ثابت تو کرو کہ زید مر چکا ہے۔ جب بینہ آجائے گی، اب زمین زید کی ملک سے نکلے گی اور کدھر، کس کی ملک میں آجائے گی؟ ورثاء کی ملکیت کی طرف۔ تو دیکھو زید کی ملک سے ایک چیز کو نکالنا ہے، تو یہ زید کے خلاف فیصلہ ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور یہ جو وارث ہیں یہ زید کے نائب بن جائیں گے۔ مسئلہ یہ بھی ہے نا کسی کے خلاف فیصلہ نہیں ہو سکتا جب تک وہ موجود نہ ہو، اب زید تو مر چکا ہے وہ تو موجود نہیں، لیکن یہ وارث اس کے نائب ہیں، تو نائب کی موجودگی میں گویا کیا ہو رہا ہے؟ فیصلہ ہو رہا ہے۔ تو ایک چیز زید کی موت پر بینہ قائم کریں گے، اور دوسری کیا چیز؟ تعدادِ ورثاء پر بھی پھر وہ بینہ پیش کریں گے کہ ہم چار ہی وارث ہیں کوئی اور وارث نہیں۔ یہ نہ ہو بھائی کوئی دو تین اور بھی وارث ہوں وہ اس وقت یہاں نہیں ہیں اور یہ جائیداد لینا چاہتے ہیں ساری۔

تو کہتے ہیں لَهُ إِنَّ مِلْكَ الْمُوَرِّثِ بَاقٍ بَعْدَ مَوْتِهِ، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ مورث کی ملکیت باقی ہے اس کی موت کے بعد بھی، فَالْقِسْمَةُ قَضَاءٌ عَلَى الْمَيِّتِ تو تقسیم جو ہے یہ قضا یعنی فیصلہ ہے عَلَى الْمَيِّتِ میت کے خلاف۔ یہ تقسیم کیا ہے؟

فیصلہ ہے میت کے خلاف کہ اس کی ملکیت ختم ہوگی۔ فَلَا بُدَّ مِنَ الْبَيِّنَةِ، تو ضروری ہے بینہ۔

بِخِلَافِ صُورَةِ الشِّرَاءِ، بخلاف صورتِ شراء۔ کہتے ہیں بھائی خریدنے کی صورت میں بھی تو ایسا ہے، یہ لوگ آکر کہتے ہیں یہ زمین ہم نے بکر سے خریدی ہے۔ تو اب یہ تقسیم جب آپ کریں گے ان میں، تو یہ تو بکر کے خلاف فیصلہ ہوا۔ کہتے ہیں نہیں بھائی، بکر کے خلاف فیصلہ نہیں ہے۔ جب بیع ہوئی تھی، زمین بکر کی ملک سے نکل کر ان کی ملک میں داخل ہو چکی ہے، اب بکر بالکل اجنبی ہے، تو یہ تقسیم کوئی بکر کے خلاف فیصلہ نہیں ہے، لہٰذا یہاں بینہ کی نہیں ضرورت ہوگی۔

کہتے ہیں بِخِلَافِ صُورَةِ الشِّرَاءِ، بخلاف خریدنے کی صورت میں، لِأَنَّ الْمِلْكَ بَعْدَ الشِّرَاءِ غَيْرُ بَاقٍ لِلْبَائِعِ، اس لیے کیونکہ ملکیت جو ہے خریدنے کے بعد وہ بائع کے لیے باقی نہیں ہے۔ وَبِخِلَافِ غَيْرِ الْعَقَارِ إِذَا ادَّعَوْا إِرْثَهُ۔ اچھا چلیں ٹھیک ہے، جائیداد کے مسئلے میں تو ہمیں بات سمجھ میں آگئی۔ منقولات میں آپ نے کہا کہ اگر وہ وراثت کا بھی دعویٰ کر دیں کہ یہ ہمیں بطور وراثت کے ملی ہے، تو بھی منقولات آپ ان میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ وہاں بھی تو میت کے خلاف فیصلہ ہے، وہاں بھی کیا چاہیے؟ بینہ چاہیے، وہاں آپ بینہ طلب نہیں کرتے؟ کہتے ہیں بھائی منقولات کا مسئلہ مختلف ہے۔ منقولات، اگرچہ مورث ان کا مالک لیکن اس وقت تقسیم کر دو اور ان لوگوں کو دے دو۔ اس لیے کیونکہ اگر آپ فوری ایسا نہیں کریں گے تو اس چیز کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں ہے، لیکن جب آپ تقسیم کر دیں گے، ہر ایک کا حصہ ہر ایک کو دے دیں گے، تو ہر ایک حفاظت کرے گا اس چیز کی۔ مثلاً وہ لوگ آگئے کہ یہ بھیڑ بکریاں ہیں، یہ ہمارے درمیان تقسیم کر دیجیے اور یہ ہمیں بطور وراثت کے ملی ہے۔ تو یہاں پر بینہ نہیں طلب کریں گے کیونکہ وہ چیز حفاظت کی محتاج ہے، جلدی سے ان کے درمیان تقسیم کر کر ان کے حوالے کر دیا جائے گا، تاکہ ہر ایک ان کی کیا کرے؟ حفاظت۔ ہر ایک حفاظت کرے اپنے حصے کی۔ اور ان سے تعدادِ ورثاء بھی نہیں پوچھی جائے گی کہ اور کوئی وارث ہے یا نہیں، کیونکہ وہی بات جلد سے جلد ان کو دے دو، وارثوں کے بارے میں نہ پوچھو، بینہ نہ پوچھو۔ ہاں باقی قاضی اپنے رجسٹر میں لکھ لے گا کہ یہ یہ لوگ وارث تھے ان میں ہم نے تقسیم کیا، اگر بعد میں کوئی اور وارث نکل آتا ہے، تو پھر ہر ایک سے ان کے حصے کے بقدر لے کر اس کو دلا دیا جائے گا، اور اگر کسی کے پاس وہ ساری بکریاں ختم ہو چکی ہیں وہ چیز ساری ختم ہو چکی ہے تو اس سے اتنا ضمان وصول کر لیا جائے گا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ان کے حوالے کرنے میں چیز محفوظ ہو گئی، ضائع نہیں ہوتی بھائی، اب بھی کسی کا حق نہیں مارا جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَبِخِلَافِ غَيْرِ الْعَقَارِ، بخلاف غیرِ عقار کے إِذَا ادَّعَوْا إِرْثَهُ جب انہوں نے اس میں وراثت کا دعویٰ کیا، یعنی منقولی چیزوں میں وہاں بینہ نہیں مانگیں گے کیونکہ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ تُفِيدُ زِيَادَةَ الْحِفْظِ، اس لیے کیونکہ تقسیم جو ہے وہ زیادہ حفاظت کا فائدہ دیتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو بھائی یہ بات تو زمین میں بھی چل سکتی ہے، کہ زمین بھی ان میں تقسیم کر دو تاکہ محفوظ ہو جائے زمین بھائی جلدی سے دے دو۔ کہتے ہیں زمین کی حفاظت کی کوئی ضرورت نہیں، زمین خود محفوظ ہے، کوئی اس کو اٹھا کر لے جا نہیں سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں وَالْعَقَارُ مُحْصَنٌ بِنَفْسِهِ، اور عقار جو ہے وہ محفوظ ہے خود ہی، فَلَا احْتِيَاجَ إِلَى الْقِسْمَةِ، تو کوئی ضرورت نہیں ہے تقسیم کی۔ یعنی جب اس میں وراثت کا دعویٰ کریں تو کوئی ضرورت نہیں ہے تقسیم کی جلدی کرنے کی، پہلے ان سے بینہ مانگو موتِ مورث پر اور پھر عددِ ورثاء پر، زمین محفوظ پڑی ہوئی ہے، پھر اس کے بعد تقسیم کر دو۔

فَالْمَسْأَلَةُ الَّتِي لَمْ تُذْكَرْ فِي الْمَتْنِ، پس وہ مسئلہ جو متن میں ذکر نہیں کیا گیا، يُفْهَمُ حُكْمُهَا مِنْ قِسْمَةِ النَّقْلِيِّ الْمَوْرُوثِ، اس کا حکم سمجھ میں آگیا کس سے؟ مِنْ قِسْمَةِ النَّقْلِيِّ الْمَوْرُوثِ، وہ منقولی چیز جو موروث ہو اس کی تقسیم سے۔ وہ نقلی چیز جو موروث ہے۔ بھائی دیکھو نا عقار کے اندر تین صورتیں تھیں، اس میں صرف وراثت والی صورت میں بینہ تھی، باقی دو صورتوں میں بینہ نہیں۔ تو منقولی کے اندر وراثت والی صورت ذکر کر دی کہ اس میں، منقولی میں تو وہاں بھی بینہ کی ضرورت نہیں ہے، کون سی صورت میں؟ وراثت والی صورت میں بینہ کی ضرورت نہیں ہے۔ تو جب وراثت والی صورت میں بینہ کی ضرورت نہیں ہے تو باقی دو صورتوں میں تو عقار میں بھی بینہ کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، یہاں بطریقِ اولیٰ کسی بینہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے فَالْمَسْأَلَةُ الَّتِي لَمْ تُذْكَرْ فِي الْمَتْنِ يُفْهَمُ حُكْمُهَا مِنْ قِسْمَةِ النَّقْلِيِّ الْمَوْرُوثِ، وہ مسئلہ جو ذکر نہیں کیا گیا متن میں اس کا حکم مفہوم ہو جاتا ہے، سمجھ میں آجاتا ہے مِنْ قِسْمَةِ النَّقْلِيِّ الْمَوْرُوثِ اس نقلی کی تقسیم سے جو موروث ہے، وَكَذَا مِنْ قِسْمَةِ الْعَقَارِ الْمُشْتَرَى بِطَرِيقِ الْأَوْلَى، اور اسی طرح وہ عقار جو خریدی گئی اس سے بھی، اس کی تقسیم سے بھی بِطَرِيقِ الْأَوْلَى بطریقِ اولیٰ۔ بھائی عقارِ مشترا، وہ عقار جو خریدی گئی ہے اس میں کوئی بینہ ہے؟ نہیں۔ جب اس میں بینہ نہیں، تو نقلی مشترا کے اندر بطریقِ اولیٰ کوئی بینہ نہیں ہوگا۔ تو فَلِهَذَا لَمْ يُذْكَرْ، اس وجہ سے وہ ذکر نہیں کیا گیا، کہ وہ بطریقِ اولیٰ سمجھ میں آجاتا ہے کہ نقلی موروث میں بھی بینہ کی ضرورت نہیں اور عقارِ مشترا میں بھی بینہ کی ضرورت نہیں، تو نقلی مشترا میں بطریقِ اولیٰ کسی بینہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔[۴]

وَلَا إِنْ بَرْهَنَا أَنَّهُ مَعَهُمَا حَتَّى يُبَرْهِنَا أَنَّهُ لَهُمَا۔ وَلَا، اور تقسیم نہیں کیا جائے گا عقار کو، إِنْ بَرْهَنَا اگر ان دونوں نے بینہ قائم کر دی، اگر ان دونوں نے، صورتِ مسئلہ یہ ہے: دو شخص قاضی کے پاس آئے اور کہا کہ فلاں زمین ہے ہمارے قبضے میں ہے، اس کو آپ ہمارے درمیان تقسیم فرما دیں، اور انہوں نے بینہ بھی پیش کر دی اس بات پر کہ یہ زمین ہمارے قبضے

[۴] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ٦٧):** صوتی درس کی قراءت میں «فَالْمَسْأَلَةُ الَّتِي لَمْ تُذْكَرْ فِي الْمَتْنِ يُفْهَمُ حُكْمُهَا مِنْ قِسْمَةِ النَّقْلِيِّ الْمَوْرُوثِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فالمسألةُ التي لم تذكرْ في المتن فُهِمَ حكمُها من قسمةِ النَّقلي الموروث،» منقول ہے۔

میں ہے، لوگوں نے آکر گواہی دی کہ انہی کے پاس ہے، یہی اس میں کھیتی باڑی وغیرہ کرتے ہیں بھائی۔ تو کہتے ہیں اس زمین کو قاضی ان دونوں میں تقسیم نہیں کرے گا جب تک یہ بینہ قائم نہ کر دیں اس بات پر کہ یہ ان کی ملکیت ہے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ انہوں نے بینہ کس بات پر قائم کی؟ کہ یہ ہمارے قبضے میں ہے۔ قاضی کہے گا قبضہ نہیں، ملکیت پر بینہ پیش کرو، پھر ملکیت کے لیے دو گواہ لاؤ۔ کیونکہ ایک زمین کسی کے پاس ہو اس کا یہ مطلب نہیں وہ اس کا مالک ہے، ہو سکتا ہے کسی نے اس کے حوالے کی ہو ویسے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ لہٰذا قبضے کی بینہ پر صرف تقسیم نہیں کی جائے گی بلکہ کس چیز کا بینہ طلب کیا جائے گا؟ ملکیت کا۔

تو کہتے ہیں وَلَا، اور تقسیم نہیں کیا جائے گا إِنْ بَرْهَنَا اگر ان دونوں آدمیوں نے بینہ قائم کر دی کہ أَنَّهُ مَعَهُمَا کہ وہ عقار جو ہے ان دونوں کے پاس ہے یعنی ان کے قبضے میں ہے، تقسیم نہیں کیا جائے گا، حَتَّى يُبَرْهِنَا یہاں تک کہ وہ دونوں بینہ قائم کر دیں کہ أَنَّهُ لَهُمَا کہ وہ انہی کی ہے یعنی وہ اس کے مالک ہیں۔ الضَّمِيرُ فِي أَنَّهُ يَرْجِعُ إِلَى الْعَقَارِ، کہتے ہیں أَنَّهُ کے اندر جو ضمیر آئی تھی وہ لوٹ رہی ہے عقار کی طرف۔ فَقِيلَ، پس کہا گیا ہے هَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، کہ یہ قول ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا۔ وَالْأَصَحُّ، اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ أَنَّهُ قَوْلُ الْكُلِّ کہ یہ سب کا قول ہے، یہ سب کا قول ہے یعنی امام صاحب اور صاحبین سب کا یہی قول ہے۔ اصح یہ ہے، زیادہ صحیح بات یہ ہے۔

بھائی کتابوں میں بعض اوقات آتا ہے هَذَا صَحِيحٌ یہ صحیح ہے، اور بعض اوقات آتا ہے هَذَا أَصَحُّ یہ زیادہ صحیح ہے۔ جی، تو کس میں قوت زیادہ ہے بھائی؟ اصح۔ ہاں، تمام طلباء کہتے ہیں اصح میں قوت زیادہ ہے۔ نہیں بھائی، صحیح کے اندر قوت زیادہ ہے، کس میں؟ صَحِيحٌ۔ اس لیے کیونکہ جب ماتن یا شارح کہہ دے یہ قول صحیح ہے، اس کا مطلب ہے دوسرے قول کو بالکل ہی رد کر دیا، وہ غیرِ صحیح ہے، وہ کیا ہے؟ غیرِ صحیح۔ جب ایک کو صحیح کہہ رہا ہے، معلوم ہوا دوسرا صحیح نہیں۔ لیکن جب ماتن یا شارح کہہ دے هَذَا الْقَوْلُ أَصَحُّ یہ قول زیادہ صحیح ہے، اس کا مطلب ہے جو دوسرا قول ہے وہ بھی صحیح ہے، لیکن یہ والا زیادہ صحیح ہے۔ دوسرے قول کو پورے طور پر رد نہیں کیا، بلکہ اس کو بھی کیا قرار دے دیا؟ صحیح، لیکن یہ والا کیا ہے؟ زیادہ صحیح۔ تو اب مجھے بتاؤ، ایک ہے کہ جس میں دوسری بات بالکل رد ہو جائے اس میں قوت زیادہ ہے یا ایک وہ ہے کہ جس میں تھوڑا سا ان میں فرق بیان کر دیں اور کہیں دونوں صحیح ہیں لیکن یہ والی زیادہ صحیح؟ ظاہر سی بات ہے، جب دوسری بات کو بالکل رد کر دیا جائے تو اس میں زیادہ قوت آجاتی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ قَوْلُ الْكُلِّ، اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ سب کا قول ہے۔ لِأَنَّهُمَا إِذَا بَرْهَنَا أَنَّهُ مَعَهُمَا، اس لیے کیونکہ جب دونوں نے بینہ قائم کر دی اس بات پر کہ عقار ان کے قبضے میں ہے، كَانَتِ الْقِسْمَةُ قِسْمَةَ الْحِفْظِ تو پھر یہ تقسیم حفظ والی، حفاظت والی تقسیم ہے، یہ کون سی تقسیم ہے؟ حفاظت والی تقسیم ہے۔ بھائی یہ تقسیم کرنا چاہ رہے ہیں اور کیا

کہہ رہے ہیں کہ ہمارے قبضے میں ہے، ہم دونوں میں تقسیم کر دیں، جب تقسیم ہو گئی تو ان کی ملکیت میں چیز آئے گی تو زیادہ محفوظ ہو جائے گی نا، زیادہ، لیکن یہ تو ہے زمین، اور زمین تو خود محفوظ ہے، اس کو اور زیادہ حفاظت کی ضرورت نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں کہ جب انہوں نے یہ بینہ قائم کر دی کہ زمین ان کے قبضے میں ہے تو كَانَتِ الْقِسْمَةُ قِسْمَةَ الْحِفْظِ، تو یہ جو تقسیم جس کا وہ مطالبہ کر رہے ہیں یہ تقسیم حفاظت والی تقسیم ہے، وَالْعَقَارُ غَيْرُ مُحْتَاجٍ إِلَى ذَلِكَ اور عقار تو اس کی محتاج نہیں ہے، فَلَا بُدَّ مِنْ إِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ عَلَى الْمِلْكِ، لہٰذا ضروری ہے بینہ کا قائم کرنا ملکیت پر۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح؟ بھائی دیکھیے، پہلے بتایا تھا کہ اگر آئیں کچھ لوگ اور تقسیم کا کہیں زمین کے بارے میں کہ یہ زمین ہمارے درمیان تقسیم کر دیجیے، وراثت کی صورت میں تو بینہ طلب کی تھی، باقی دو صورتوں میں تو بینہ طلب نہیں کی۔ اور یہاں کہہ رہے ہیں کہ ملکیت پر بھی بینہ ان سے طلب کی جائے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ پہلے کیا کہا تھا؟ وراثت کی صورت میں تو بینہ ہے، شراء کی صورت میں بھی بینہ نہیں اور ملکِ مطلق کی صورت میں بھی بینہ نہیں۔ اب یہاں پر آ رہا ہے کہ اگر بینہ قبضے کی قائم کر بھی دیں تو بھی کس پر بینہ قائم کرنا پڑے گی؟ ملکیت پر، ملکیت پر۔ یہ یاد رکھیے، یہ روایت ہے، یہ روایت ہے جامعِ صغیر کی، اور وہ روایت تھی مبسوط کی۔ مبسوط، میم، با، سین، واو اور طا، طا ظا، مبسوط۔ یہ امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب ہے، اور اسی طرح جامعِ صغیر یہ بھی امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب ہے۔ توجہ ہے؟ تو ایک روایت تھی مبسوط کی، وہ پہلے ذکر کی، اور یہ جو روایت ہے یہ ہے جامعِ صغیر کی، اور فتویٰ اسی پر ہے کہ عقار کی تقسیم کے لیے آئیں صرف قبضے پہ بینہ کافی نہیں ہے بلکہ کیا ضروری ہے کہ ملکیت بھی انہی کی ہے، ہو سکتا ہے کسی نے ویسے بطور امانت ان کو دی ہوئی ہو زمین، تو قبضہ تو انہی کا ہے لیکن ملکیت تو ان کی نہیں، لہٰذا تقسیم سے پہلے قاضی ملکیت پر بینہ قائم کروائے ان سے بھائی کہ گواہ پیش کرو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ، وہ روایت تھی مبسوط کی وہ بھی امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب ہے، اور یہ جامعِ صغیر کی روایت ہے یہ بھی امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب ہے، اور فتویٰ اسی پر ہے بھائی۔

بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس فَهَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۱: طالبِ قسمت کے شرائط، ورثاء میں صغیر یا غائب کی موجودگی اور تقسیمِ عقار و منقولات

شرح الوقایہ صفحہ: ۲۱ — بتاریخ: ۲۶ ستمبر ۲۰۱۹ء

- **تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث**

جی، آگے سبق دیکھیے بھئی:

وَلَوْ بَرْهَنَا عَلَى الْمَوْتِ وَعَدَدِ الْوَرَثَةِ وَهُوَ مَعَهُمَا وَمِنْهُمْ طِفْلٌ أَوْ غَائِبٌ قُسِّمَ وَنَصَبَ مَنْ يَقْبِضُ لَهُمَا.

تقسیم کے مسائل آپ پڑھ رہے ہیں بھئی۔ اور آپ نے پڑھا تقسیم کسے کہتے ہیں؟ کہ وہ شائع حق کو متعین کرنا، اس کو علیحدہ کرنا یہ کیا ہے؟ تقسیم ہے، تقسیم ہے۔ اور تقسیم کے اندر افراز بھی ہوتا ہے اور مبادلہ بھی ہوتا ہے۔ لیکن مثلیات میں افراز غالب ہے اور ذوات القیم میں مبادلہ غالب ہے بھئی، مبادلہ غالب ہے۔

آگے جو متن آرہا ہے اس کو حل کرنے سے پہلے ایک دو باتیں سمجھ لیں۔ قاضی کے پاس اگر دو چار آدمی آئیں اور آ کر زمین کی تقسیم کا مطالبہ کریں اور بتلائیں کہ یہ زمین ہمیں بطورِ وراثت کے ملی ہے اور اس وقت ہمارے قبضے میں ہے، ہمارے پاس ہے۔ البتہ وارثوں میں سے ایک یا چند ایک غائب ہیں، یا ان میں سے کوئی ایک یا زیادہ نابالغ بھی ہیں بھئی، وارثوں میں سے۔ سببِ ملک جو انہوں نے بیان کیا وہ وراثت کیا اور پھر یہ بھی بتایا کہ زمین ہمارے قبضے میں ہے اور ان وارثوں میں سے کوئی ایک نابالغ ہے، ایک یا زیادہ، یا کوئی ایک غائب ہے، کیا ہے؟ ایک یا زیادہ غائب ہیں، اس وقت موجود نہیں۔

تو کہتے ہیں اس صورت میں قاضی ان میں تقسیم کروالے گا، قاضی۔ لیکن وہ جو غائب ہے اس کی طرف سے کسی وکیل کو مقرر کردے گا، بچے کی طرف سے بھی کسی وکیل کو مقرر کردے گا، جو ان کا حصہ لے کر اس پر قبضہ کرلیں گے۔ اور پھر جب وہ غائب آئے گا تو اس کے حوالے کردیں گے، یا بچہ جب بالغ ہو جائے گا تو اس کے حوالے کردیں گے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ کیا صورت ہوئی؟ دو یا زیادہ افراد آئے ہیں اور انہوں نے سببِ ملک کیا بیان کیا؟ وراثت کا۔ اور جس

زمین کی وہ تقسیم چاہتے ہیں وہ زمین ان ہی دونوں کے قبضے میں ہے، جو جو افراد آئے ہیں، وہ زمین ان ہی کے قبضے میں ہے۔ البتہ وارثوں میں سے ایک یا زیادہ غائب ہیں یا ان میں سے کوئی بچہ ہے نابالغ ہے بھئی۔ تو اس صورت میں قاضی تقسیم کروا دے گا کیونکہ زمین ان کے قبضے میں ہے، کیا ہے؟ قبضے میں ہے۔ اور وہ جو ایک نہیں ہے غائب ہے، اس کے لیے قاضی کسی وکیل کو مقرر کر دے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جو ان کے لیے قبضہ کر لے گا۔

اور پھر یاد رکھیے وراثت کے مسئلے میں، وراثت کے مسئلے میں، ایک وارث دوسرے وارث کا نائب بن جاتا ہے، جیسے ایک وارث میت کا نائب بن جاتا ہے۔ کل آپ نے مسئلہ پڑھا تھا کہ ایک تو موتِ مورث پر کیا قائم کریں گے؟ بینہ، بینہ قائم کریں گے۔ اور قاضی تو غائب کے خلاف فیصلہ نہیں کر سکتا اور میت اس کا تو انتقال ہو چکا ہے وہ تو غائب ہے، تو اس کے خلاف فیصلہ ہو رہا ہے کیونکہ اس کی ملکیت سے زمین کو نکالنا ہے۔ جب اس کی ملکیت سے نکالیں گے تو اس کے خلاف فیصلہ ہوا۔ تو اس صورت میں اس کی موجودگی بھی ضروری۔ تو وراثت کے اندر جو وارث ہوتا ہے وہ میت کا نائب بن جاتا ہے، یا کوئی وارث غائب ہے تو اس کا بھی وارث کیا بن جاتا ہے؟ نائب بن جاتا ہے۔ لیکن اس میں ضروری ہے، ضروری ہے کہ کم از کم دو افراد ہوں۔ تاکہ ایک مقاسم بنے، ایک مقاسم بنے، یا یوں کہو ایک مدعی بنے، ایک مدعا علیہ بن جائے۔ کیونکہ مقدمے کے لیے کم از کم کتنے افراد چاہئیں؟ دو چاہئیں۔ ایک وہ جو دعویٰ کرنے والا ہے اور ایک جس پر دعویٰ کیا ہے، ایک مدعی اور ایک مدعا علیہ۔

بات سمجھ میں آرہی ہے؟ کل کے سبق میں آپ نے صورت پڑھی زمین کی تقسیم کا مطالبہ کرنے آئے دو افراد، کم از کم دو افراد، زیادہ ہوں جتنے بھی ہوں وہ آسکتے ہیں۔ دو افراد آئے، مثلاً زید اور بکر آگئے، کون آئے؟ زید اور بکر آئے کہ یہ زمین ہمارے درمیان تقسیم کر دیں، یہ ہمارے والد سے ہمیں وراثت میں ملی ہے۔ تو پھر انہیں پہلے تو اپنے والد کی وفات پر بینہ پیش کرنا پڑے گا۔ اور اس بینہ کی وجہ سے پھر قاضی کا فیصلہ ہو گا، وہ زمین ان کی ملک سے نکلے گی اور ان وارثوں کی ملک میں داخل ہو گی۔ تو اس وقت اب دیکھو میت تو موجود نہیں اس کے خلاف فیصلہ ہو رہا ہے۔ اس کی زمین کا کچھ حصہ کس کو دے رہے ہیں؟ زید کو۔ اور کچھ حصہ کس کو دے رہے ہیں؟ بکر کو دے رہے ہیں۔ تو یاد رکھیے زید کے لیے جب حصہ لیا جا رہا ہے تو بکر جو ہے وہ میت کی طرف سے نائب بنا ہوا ہے اس وقت، یوں سمجھو۔ بکر کیا بن جائے گا؟ میت کی طرف سے نائب بن جائے گا۔ اور بکر کو جب حصہ دیں گے تو زید میت کی طرف سے کیا بن جائے گا؟ نائب بن جائے گا۔

تو یوں کہیں مدعی بھی پایا گیا اور مدعا علیہ بھی پایا گیا۔ مثلاً زید کو حصہ دے رہے ہیں تو زید ہوا مدعی اور بکر میت کی طرف سے کیا بن گیا؟ مدعا علیہ بن گیا۔ تو دو افراد ضرور چاہئیں۔ تاکہ ایک کو مدعی بنائیں اور ایک کو مدعا علیہ بنائیں۔ اور نیز دو افراد چاہئیں تاکہ ایک کو مقاسم بنائیں ایک کو مقاسم بنائیں۔ آپس میں زمین تقسیم کر رہے ہیں نا؟ جی، زمین تقسیم کر رہے

ہیں اب ورثا کی تعداد پر بھی کیا بینہ پیش کر دی، زمین اب تقسیم کر رہے ہیں۔ تو زمین تقسیم کرنے کے لیے ضروری ہے کم از کم دو افراد ہوں، تاکہ ایک بنے مقاسم، ایک بنے مقاسم۔ مقاسم اپنا حصہ لینے والا، مقاسم جس سے اپنا حصہ لیا۔ کتنے افراد چاہئیں؟ دو۔ ایک مقاسم اور ایک مقاسم۔ مقاسم کس کو کہتے ہیں؟ جو اپنا حصہ لے رہا ہے۔ اور مقاسم کس کو کہتے ہیں؟ جس سے لے رہا ہے۔ تو دو افراد چاہئیں۔

تو اب آئیے آج کے مسئلے پر بھئی۔ صورت کیا ہے؟ دو یا زیادہ افراد آئے اور وہ زمین ان کے قبضے میں ہے، یہ ضروری شرط ہے، زمین ان کے قبضے میں، ان کے قبضے میں ہے، اور یہ کہتے ہیں ہم ہی نہیں وارث، ایک یا دو وارث غائب ہیں، وہ مثلاً تبلیغ پر گئے ہوئے ہیں، سال لگا رہے ہیں۔ تو اب قاضی کیا کرے؟ وارث غائب ہے، کیا فیصلہ کر دے؟ کہتے ہیں ہاں بھئی، قاضی اس غائب کی طرف سے ایک وکیل مقرر کر دے گا اور زمین پھر اس کے حوالے کرے گا۔ اور جب تقسیم کرے گا تو یہ جو مثلاً زید اور بکر موجود ہیں اور ان کا تیسرا بھائی خالد موجود نہیں ہے، وہ تبلیغ میں گیا ہوا ہے، تو قاضی کیا کرے گا؟ ان میں تقسیم کرے گا۔ زید کو جب زمین دے رہا ہے تو زید ہوا مقاسم وہ اپنا حصہ لے رہا ہے اور بکر کیا بن گیا؟ مقاسم۔ اور نیز بکر نائب بن گیا اس غائب کی طرف سے بھی، کیا بن گیا؟ غائب کی طرف سے بھی کیا بن گیا؟ نائب بن گیا ہے۔ تو نائب بن گیا ہے گویا سارے وارث موجود ہیں جب نائب بن گیا، جب سارے وارث موجود ہیں تو ہر ایک کو اپنا حصہ دے دو۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ بکر کی اپنی حیثیت بھی اور وہ دوسرے کی طرف سے نائب بھی بن گیا۔ اور جب ہم بکر کو حصہ دے رہے ہیں تو بکر اپنا حصہ لے رہا ہے وہ بن گیا مقاسم اور زید کون ہوا؟ مقاسم۔ اور نیز وہ جو غائب ہے اس کا نائب بھی یہ بن گیا زید۔

تو ایک کی طرف سے دیکھیں تو دوسرا غائب کا نائب بنے گا۔ اور دوسرے کی طرف سے دیکھیں تو پہلا کیا ہے غائب کا نائب بن جائے گا۔ تو دو افراد ضرور چاہئیں، تاکہ ایک کو مقاسم بنائیں ایک کو مقاسم بنائیں، یا ایک کو مدعی بنائیں دوسرے کو مدعا علیہ بنائیں، یا یوں کہیں دوسرے کو اس غائب کا نائب بنایا جا سکے۔ اس کا مطلب ہے اگر ایک آدمی صرف آجائے تو پھر تقسیم نہیں کریں گے۔ کیوں؟ پھر مقاسم تو ہے، مقاسم تو ہے ہی نہیں۔ تو مقاسم کا ہونا بھی ضروری ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح؟ کہ تقسیم کے وقت کیا ہونا چاہیے؟ دو افراد ہوں، تاکہ ایک کو ہم کیا بنائیں؟ مقاسم اور ایک کو کیا بنائیں؟ مقاسم بنائیں۔ اور وراثت کے مسئلے میں ایک شخص دوسرے کا نائب ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جو دوسرا شخص ہو گا وہ میت کی طرف سے ایک وقت پر نائب بنے گا، اور دوسرے وقت میں کس کی طرف سے نائب بنے گا؟ وہ غائب کی طرف سے نائب بن جائے گا۔ لیکن شرط یہ ہے زمین ان ہی دونوں کے قبضے میں ہونی چاہیے جو تقسیم کے لیے آئے ہیں۔ اگر زمین اس غائب کے قبضے میں ہے یا کچھ زمین کا حصہ اس کے قبضے میں ہے تو پھر اس صورت میں قاضی فیصلہ نہیں کرے گا،

تقسیم نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ تو فیصلہ ہوا کس کے خلاف؟ غائب کے خلاف۔ اور یہاں پر اس کی ملک سے زمین کو نکالنا ہے، اب یہاں کسی کو اس کا نائب نہیں قرار دیں گے، اس کا اپنا خود موجود ہونا ضروری ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہاں خود موجود، کیونکہ یہاں کوئی تقسیم نہیں اس کے خلاف فیصلہ ہو رہا ہے بھئی۔ اس کے قبضے سے زمین نکال کر کیا کر رہا ہے قاضی؟ تقسیم کر رہا ہے تو اس کے خلاف فیصلہ ہو رہا ہے اور جب خلاف فیصلہ ہو تو مدعا علیہ کا موجود ہونا ضروری ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر سنو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ اگر وراثت کے مسئلے میں دو افراد آجائیں اور وہ تقسیم کا مطالبہ کریں تو قاضی ان میں کیا کر دے گا؟ تقسیم کر دے گا کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک میت کی طرف سے نائب بنے گا، ایک کی طرف سے دیکھیں تو دوسرا جو ہے میت کا نائب بنے گا اور دوسرے کی طرف سے دیکھیں تو پہلا کیا ہے میت کا نائب بن جائے گا۔ اور تقسیم کے وقت بھی کتنے افراد کا ہونا ضروری؟ دو افراد، تاکہ ایک کو کیا بنائیں مقاسم تو دوسرے کو کیا بنائیں مقاسم۔ اور وراثت کے مسئلے میں اگر کوئی غائب بھی ہے تو پھر بھی قاضی ان میں تقسیم کرے گا کیونکہ وراثت کے مسئلے میں ایک وارث دوسرے وارث کا نائب بن جاتا ہے، جیسے وہ میت کا نائب بن جاتا ہے اسی طرح وہ دوسرے وارث کا بھی نائب بن جاتا ہے۔ لیکن میں نے بتلایا یہ ضروری ہے کہ وہ زمین یہ جو تقسیم کے لیے آئے ہیں ان کے قبضے میں ہونی چاہیے، وہ جو غائب ہے اس کے قبضے میں زمین نہ ہو، زمین کا کچھ حصہ بھی اس کے قبضے میں نہ ہو۔ اگر زمین اس کے قبضے میں ہے یا زمین کا کچھ حصہ اس کے بھی قبضے میں ہے پھر قاضی تقسیم نہیں کرے گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یا اسی طرح غائب کی جگہ بچے کو لے آئیں۔ جو غائب کا حکم تھا وہی بچے کا بھی حکم ہے، بچہ نابالغ ہے۔ اس صورت میں بھی دوسرا وارث اس کی طرف سے نائب بن جائے گا، تقسیم کر دیں گے۔ اسی طرح اگر وہ بچہ ہے جو نابالغ ہے اگر اس کے قبضے میں کوئی زمین ہے تو بھی قاضی تقسیم نہیں کرے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ہاں۔ تو جو تقسیم کے لیے آئے ہیں ان کا قبضہ ہونا ضروری ہے۔ تو بچے کی طرف سے بھی ایک وارث کیا ہے اس کی طرف سے نائب بن جائے گا۔ ہاں پھر جب ان کے حصے علیحدہ کر دے قاضی، غائب کا حصہ علیحدہ کر دے تو یا بچے کا حصہ علیحدہ کرتا ہے تو کوئی وکیل مقرر کرے گا جو ان کے حصے کو قبضہ کر کے اپنے پاس رکھے گا اور وہ غائب جب آجائے گا اس کو دے دے گا یا وہ بچہ جب بالغ ہو جائے گا تو اس کے حوالے کر دے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

لیکن اگر شراء کی صورت میں یہی مسئلہ ہوا، وراثت کا مسئلہ نہیں ہے، دو آدمی آئے اور انہوں نے آکر کہا قاضی صاحب ہمارے درمیان یہ زمین تقسیم کر دیں اور یہ زمین ہم نے خریدی ہے، ہم نے خریدی ہے، اور زمین ان کے قبضے

میں ہے، زمین ان کے قبضے میں ہے، لیکن ایک شریک غائب ہے۔ اب یہ وراثت کے مسئلے میں نہیں ہے بلکہ کس مسئلے میں؟ شراء کے مسئلے میں ہے، خریدنے کے مسئلے میں ہے، ایک شریک غائب ہے، تو پھر اس شراء کے مسئلے میں ایک شخص دوسرے کا نائب نہیں بن سکتا۔ لہٰذا جب ایک غائب ہے تو قاضی ایسا نہیں کرے گا کہ کسی کو اس کا وکیل بنا دے اور تقسیم کروا کے اس کو زمین دے دے، نہیں نہیں، اب اس کا آنا ضروری ہے۔ تو شراء کی بات چل رہی تھی تو شراء کے مسئلے میں ایک شخص دوسرے کا نائب نہیں ہو سکتا۔

دیکھیے بھئی اب کتاب پر، کہتے ہیں: «وَلَوْ بَرْهَنَا عَلَى الْمَوْتِ» اور اگر ان دونوں نے بینہ قائم کر دی «عَلَى الْمَوْتِ» موت پر بھی یعنی مورث کی موت پر بھی، «وَعَدَدِ الْوَرَثَةِ» اور وارثوں کی تعداد پر بھی انہوں نے بینہ قائم کر دی، «وَهُوَ مَعَهُمَا» اس حال میں کہ وہ عقار ان دونوں کے پاس ہے یعنی ان کے قبضے میں ہے۔ میں نے بتایا جو تقسیم کے لیے آئے ہیں یہ ضروری ہے کہ زمین کیا ہو ان کے قبضے میں ہو، اگر وہ غائب کے قبضے میں زمین ہو یا بچے کے قبضے میں زمین ہو تو پھر تقسیم قاضی نہیں کرے گا۔ «وَهُوَ مَعَهُمَا» اس حال میں کہ وہ زمین جو ہے وہ عقار جو ہے ان دونوں کے پاس ہے ان کے قبضے میں ہے۔ «وَمِنْهُمْ طِفْلٌ أَوْ غَائِبٌ» اور ان وارثوں میں سے ایک بچہ ہے نابالغ ہے «أَوْ غَائِبٌ» یا غائب ہے، تو «قُسِّمَ» زمین تقسیم کر دی جائے گی، «وَنَصَبَ» اور قاضی مقرر کرے گا «مَنْ يَقْبِضُ لَهُمَا» جو ان دونوں کے لیے قبضہ کر لے، کوئی وکیل کو مقرر کرے گا، اگر کوئی بچہ ہے تو وہ بچے کے لیے قبضہ کر لے گا، اگر کوئی غائب ہے تو اس غائب کے لیے وہ قبضہ کر لے گا اور زمین تقسیم کر دے گا، اگرچہ وارث صرف دو ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ وراثت کے مسئلے میں ایک وارث دوسرے وارث کا نائب بن جاتا ہے، جیسے وراثت کے مسئلے میں وارث جو ہے میت کا نائب بن جاتا ہے، لیکن شراء کے مسئلے میں ایک مشتری دوسرے مشتری کا نائب نہیں بنے گا۔ تو کہتے ہیں «وَنَصَبَ مَنْ يَقْبِضُ لَهُمَا» اور مقرر کر دے گا قاضی کسی شخص کو جو ان کے لیے قبضہ کر لے۔ «أَيْ إِنْ حَضَرَ وَارِثَانِ» اگر حاضر ہوئے دو وارث «وَبَرْهَنَا عَلَى الْمَوْتِ وَعَدَدِ الْوَرَثَةِ» اور ان دونوں نے بینہ قائم کر دی مورث کی موت پر بھی اور وارثوں کی تعداد پر بھی، «وَالْعَقَارُ مَعَهُمَا» دیکھو ضمیر کا مرجع بتلا دیا، اوپر متن میں کیا تھا «وَهُوَ مَعَهُمَا» شرح میں کیا بتلایا «وَالْعَقَارُ» معہما» تو شارح نے «وَالْعَقَارُ مَعَهُمَا» کہہ کر ضمیر کا مرجع بتلا دیا کہ «هُوَ» ضمیر کس کو راجع ہے؟ عقار کو۔ اور یہ واؤ جو ہے حالیہ ہے، اس حال میں کہ عقار ان دونوں کے ساتھ ہے یعنی ان کے پاس ہے۔ «وَمِنَ الْوَرَثَةِ طِفْلٌ أَوْ غَائِبٌ» اور وارثوں میں سے ایک بچہ ہے، «أَوْ غَائِبٌ» یا کوئی غائب ہے۔ «قَسَّمَهُ» تو قاضی کیا کر دے گا؟ اس کو تقسیم کر دے گا۔ «وَنَصَبَ مَنْ يَقْبِضُ لِلطِّفْلِ أَوِ الْغَائِبِ» اور مقرر کر دے گا کسی شخص کو جو قبضہ کر لے گا اس بچے کے لیے یا اس غائب کے لیے۔ «وَعِبَارَةُ الْهِدَايَةِ» کہتے ہیں ہدایہ کی عبارت یہ ہے، صاحبِ شرحِ وقایہ فرما رہے ہیں: «وَالدَّارُ فِي أَيْدِيهِمْ» اس حال میں کہ وہ گھر وہ جائیداد «فِي أَيْدِيهِمْ» ان وارثوں کے قبضے میں ہو۔

توجہ ہے؟ صاحبِ ہدایہ نے «أَيْدِيهِمْ» جمع کی ضمیر ذکر کر دی۔ دو وارث آئے، ایک وارث غائب ہے یا ایک وارث بچہ

ہے، اور زمین ان سب کے قبضے میں ہے۔ دیکھو «هُمْ» ضمیر سے کیا پتا لگا؟ کہ صرف ان دو کے قبضے میں نہیں ہے، وہ جو غائب ہے اس سمیت ان تینوں کے قبضے میں ہے، یا اس بچے سمیت ان تینوں کے قبضے میں ہے۔ تو اس صورت میں تو کیا کیا جائے گا؟ تقسیم نہیں کی جائے گی۔ تو معلوم ہوا کہتے ہیں یہاں صاحبِ ہدایہ سے سہو ہوا ہے، غلطی ہوئی ہے۔ «هُمْ» ضمیر نہیں ہونی چاہیے تھی بلکہ «هُمَا» ہونی چاہیے تھی۔ «هُمْ» ضمیر ہو یعنی غائب کے پاس کچھ حصہ ہے یا بچے کے پاس، پھر تو زمین تقسیم نہیں کریں گے۔ سہو کا پتا چل گیا؟ جی سر۔

تو کہتے ہیں: «وَعِبَارَةُ الْهِدَايَةِ» اور ہدایہ کی عبارت جو ہے یہ ہے: «وَالدَّارُ فِي أَيْدِيهِمْ» اس حال میں کہ وہ گھر جو ہے ان کے قبضے میں ہو، «فَقِيلَ هٰذَا سَهْوٌ» تو کہا گیا ہے کہ یہ غلطی ہے۔ «وَالصَّوَابُ فِي أَيْدِيهِمَا» اور درست یہ ہے کہ «فِي أَيْدِيهِمَا» ہونا چاہیے بھئی، «فِي أَيْدِيهِمَا» ہونا چاہیے۔ «حَتَّى لَوْ كَانَ فِي أَيْدِيهِمْ» حتیٰ کہ اگر ان سب کے قبضے میں ہوا، وہ عقار ان سب کے قبضے میں ہوئی، «لَكَانَ الْبَعْضُ فِي يَدِ الطِّفْلِ أَوِ الْغَائِبِ» تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ زمین جو ہے وہ «فِي يَدِ الطِّفْلِ» بچے کے قبضے میں ہوگی «أَوِ الْغَائِبِ» یا غائب کے قبضے میں ہوگی۔ «وَسَيَأْتِي» اور عنقریب یہ بات آجائے گی اس بات کا بیان آجائے گا، «أَنَّهُ إِنْ كَانَ كَذٰلِكَ لَا يُقَسَّمُ» کہ اگر ایسا ہوا تو زمین تقسیم نہیں کی جائے گی۔ اگر اس غائب یا بچے کے قبضے میں زمین ہو تو پھر تقسیم نہیں کی جائے گی۔ معلوم ہوا کہ یہاں صاحبِ ہدایہ سے سہو ہوا یا کسی نے جو ان سے نسخہ نقل کیا اس سے لکھنے میں غلطی ہو گئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ہدایہ فقہِ حنفی کی عظیم کتاب ہے بھئی، عظیم کتاب۔

آگے دیکھیے بھئی، یہی مسئلہ بیان ہو رہا ہے، کہتے ہیں: «فَإِنْ بَرْهَنَ وَاحِدٌ» اگر بینہ پیش کی ایک نے، بینہ پیش کی ایک نے، یعنی ایک آیا ہے، مطالبہ ایک آدمی کر رہا ہے، تو تقسیم کریں گے؟ نہیں۔ تو تقسیم نہیں کریں گے۔ کیوں نہیں کریں گے؟ ایک دوسرے کے نائب... ہاں، کیونکہ یہاں مدعی تو موجود لیکن مدعا علیہ موجود نہیں، مقاسم تو موجود لیکن مقاسم موجود نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں: «فَإِنْ بَرْهَنَ وَاحِدٌ» اگر ایک نے بینہ قائم کی، «أَوْ شَرَوْا» یا ان سب نے خریدا «وَغَابَ أَحَدُهُمْ» اور ان میں سے کوئی ایک غائب ہے، ایک غائب ہے اور باقی قاضی کے پاس آکر کیا کہہ رہے ہیں؟ تقسیم کر دیں۔ تو تقسیم کریں گے؟ نہیں۔ جی؟ وراثت کے مسئلے میں تو ایک وارث دوسرے کا نائب بن سکتا ہے، لیکن شراء کے مسئلے میں ایک شخص دوسرے شخص کا نائب نہیں بن سکتا۔ تو جب تک وہ غائب آئے گا نہیں زمین کو تقسیم نہیں کریں گے۔ یہ معنیٰ ہے «أَوْ شَرَوْا» اور اگر ان سب نے خریدا «وَغَابَ أَحَدُهُمْ» اور ان میں سے کوئی ایک غائب ہے، «أَوْ كَانَ مَعَ الْوَارِثِ الطِّفْلِ أَوِ الْغَائِبِ» یا وہ جو عقار ہے وہ اس وارث بچے کے پاس یا غائب کے پاس، وہ جو وراثت کے مسئلے میں جو وارث کیا ہے بچہ ہے یا وہ وارث کیا ہے غائب، غائب کا عطف طفل پر کریں۔ «أَوْ كَانَ مَعَ الْوَارِثِ» یا وہ زمین کس کے قبضے میں ہے؟ اس وارث کے «الطِّفْلِ» جو کیا ہے؟ بچہ ہے، «أَوِ الْغَائِبِ» یا وہ وارث جو غائب، اس کے قبضے میں زمین ہے پوری زمین، «أَوْ

شَيْءٌ مِنْهُ» یا اس میں سے کچھ حصہ، تھوڑا حصہ، تو «لَا» پھر زمین کو تقسیم نہیں کریں گے۔ کیونکہ یہ ان کے خلاف فیصلہ ہو گا، ان کے قبضے سے زمین نکالنی پڑے گی، اور کسی کے خلاف بینہ قاضی نہیں سن سکتا جب تک وہ خود موجود نہ ہو۔ غائب کے خلاف نہ بینہ سن سکتا ہے نہ فیصلہ کر سکتا ہے۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آ رہی ہے؟ جی۔

تو کہتے ہیں: «أَيْ إِنْ حَضَرَ وَاحِدٌ وَأَقَامَ الْبَيِّنَةَ» اگر ایک شخص حاضر ہوا یعنی ایک وارث حاضر ہوا اور اس نے بینہ قائم کر دی، «لَا يُقَسَّمُ» تو زمین تقسیم نہیں کی جائے گی، «إِذْ لَا بُدَّ مِنِ اثْنَيْنِ» اس لیے کیونکہ ضروری ہے دو کا ہونا، «لِأَنَّ الْوَاحِدَ لَا يَصْلُحُ مُقَاسِمًا وَمُقَاسَمًا» اس لیے کیونکہ ایک ہی شخص وہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ وہ مقاسم بھی ہو جائے اور مقاسم بھی ہو جائے۔ ایک ہی شخص آپ کہیں حصہ لیا کس نے؟ زید نے، اور لیا کس سے؟ زید سے ہی۔ بھئی یہ بات بنتی نہیں ہے، زید نے ہی لیا اور زید سے ہی لیا یہ تو ہو نہیں سکتا، تو ایک ہی شخص مقاسم اور مقاسم نہیں ہو سکتا۔ «لِأَنَّ الْوَاحِدَ لَا يَصْلُحُ مُقَاسِمًا وَمُقَاسَمًا» کیونکہ ایک شخص وہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ وہ مقاسم بھی ہو اور مقاسم بھی ہو، «وَمُخَاصِمًا وَمُخَاصَمًا» اور ایک ہی شخص مخاصم بھی ہو اور مخاصم بھی ہو۔ ایسا نہیں ہو سکتا، ایک ہی شخص صلاحیت نہیں رکھتا کہ وہ مخاصم بھی ہو اور مخاصم بھی ہو، یعنی مدعی بھی ہو اور مدعا علیہ بھی ہو، یہ نہیں ہو سکتا۔ «وَلَوْ كَانَ مَقَامَ الْإِرْثِ شِرَاءٌ» اور اگر وراثت کی جگہ پر خریدنا ہوا، شراء ہوئی، خریداری ہوئی، «وَغَابَ أَحَدُهُمْ» اور غائب ہے ان میں سے کوئی ایک، مالک بنے ہیں وراثت سے نہیں بلکہ خریدنے سے، اور ایک شخص غائب ہے تو «لَا يُقَسَّمُ» تو زمین کو تقسیم نہیں کیا جائے گا، «لِأَنَّ فِي الْإِرْثِ يَنْتَصِبُ أَحَدُ الْوَرَثَةِ خَصْمًا عَنِ الْبَاقِينَ» اس لیے کیونکہ وراثت کے مسئلے میں قائم ہو جاتا ہے وارثوں میں سے کوئی ایک خصم، بن جاتا ہے یوں کہیں بن جاتا ہے وارثوں میں سے کوئی ایک وہ خصم بن جاتا ہے «عَنِ الْبَاقِينَ» باقیوں کی طرف سے، یعنی ان کا نائب بن جاتا ہے، انہی کی طرف سے فریقِ مخالف بن جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ مخاصم بن جاتا ہے۔

«وَإِنْ كَانَ فِي صُورَةِ الْإِرْثِ الْعَقَارُ أَوْ شَيْءٌ مِنْهُ فِي يَدِ الْغَائِبِ أَوِ الطِّفْلِ لَا يُقَسَّمُ أَيْضًا» اور اگر وراثت کی صورت میں وہ زمین یا زمین کا کچھ حصہ وہ غائب شخص کے قبضے میں تھا یا بچے کے قبضے میں تھا، تو اس صورت میں بھی زمین کو تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ جب قبضہ غائب کا ہے یا بچے کا قبضہ ہے تو وہ نابالغ ہے اور اس کے خلاف بینہ نہیں سنی جائے گی، یا وہ غائب ہے اس کے خلاف بینہ نہیں سنی جائے گی، کیونکہ زمین کو ان کے قبضے سے نکالنا ہے، لہٰذا بچے کا بالغ ہونا ضروری اور غائب کا حاضر ہونا ضروری۔ یہ وہ صورت ہے جب وہ ان کے قبضے میں ہو، وہ غائب کے یا بچے کے قبضے میں ہو جائیداد۔ پھر دیکھ لیں ترجمہ، کہتے ہیں: «وَإِنْ كَانَ فِي صُورَةِ الْإِرْثِ الْعَقَارُ أَوْ شَيْءٌ مِنْهُ فِي يَدِ الْغَائِبِ أَوِ الطِّفْلِ لَا يُقَسَّمُ أَيْضًا» اور اگر وراثت کی صورت میں وہ جائیداد یا کوئی حصہ اس میں سے وہ غائب یا اس بچے کے قبضے میں ہو تو اس کو تقسیم نہیں کیا جائے گا، «لِأَنَّ الْقِسْمَةَ تَصِيرُ قَضَاءً عَلَى الْغَائِبِ أَوِ الطِّفْلِ» اس لیے کیونکہ یہ تقسیم جو اس صورت میں اگر کی جائے، کیونکہ یہ

تقسیم جو ہے «تَصِيرُ قَضَاءً عَلَى الْغَائِبِ» یہ قضاء علی الغائب ہو جائے گی، غائب کے خلاف فیصلہ ہو جائے گا، «أَوِ الطِّفْلِ» یا کس کے خلاف فیصلہ ہو جائے گا؟ بچے کے خلاف فیصلہ ہو جائے گا یہ جو تقسیم ہے، «مِنْ غَيْرِ خَصْمٍ حَاضِرٍ عَنْهُمَا» بغیر اس کے کہ خصم حاضر ہے ان کی طرف سے، یعنی ان کی طرف سے کوئی نائب حاضر نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اگر غائب کی طرف سے کوئی وکیل حاضر ہے، اس نے کسی کو اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے پھر تو الگ بات ہے، وکیل تو اس کا موجود ہے۔ ہم وہ صورت ذکر کر رہے ہیں جب غائب موجود نہیں۔ جب غائب نہیں تو پیچھے کوئی اس کا نائب ہے اس وقت؟ نہیں۔ یا بچہ ہے نابالغ ہے تو کیا اس کا کوئی نائب ہے؟ نہیں۔ جب نائب نہیں تو لہٰذا ان کے خلاف فیصلہ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ معنیٰ ہے «لِأَنَّ الْقِسْمَةَ تَصِيرُ قَضَاءً عَلَى الْغَائِبِ أَوِ الطِّفْلِ مِنْ غَيْرِ خَصْمٍ حَاضِرٍ عَنْهُمَا» اس لیے کیونکہ یہ تقسیم جو ہے یہ قضاء ہو جائے گی فیصلہ ہو جائے گا غائب کے خلاف یا بچے کے خلاف، بغیر اس کے کہ وہ خصم جو ہے وہ حاضر ہو، کوئی خصم کوئی مدعا علیہ حاضر ہو ان کی طرف سے، کوئی مخاصم ان کی طرف سے حاضر ہو۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

وَقُسِّمَ بِطَلَبِ أَحَدِهِمْ أَيْ أَحَدِ الشُّرَكَاءِ إِنِ انْتَفَعَ كُلٌّ بِحِصَّتِهِ وَبِطَلَبِ ذِي الْكَثِيرِ فَقَطْ إِنْ لَمْ يَنْتَفِعِ الْآخَرُ.

آگے ایک اور مسئلہ بیان کر رہے ہیں بھئی۔ کوئی زمین یا جائیداد دو یا زیادہ آدمی اس میں شریک ہیں، اور ان میں سے ایک آکر قاضی صاحب کے پاس مطالبہ کرتا ہے کہ میرا حصہ علیحدہ کر دیا جائے، تقسیم کر دی جائے۔ تو کیا قاضی تقسیم کر دے گا اس کے کہنے پر؟ کہتے ہیں بھئی آپ یہ دیکھ لیں اس میں کہ جب دونوں کے حصے علیحدہ کر دیں گے کیا ہر ایک اپنے حصے سے نفع اٹھا سکتا ہے؟ دو ہیں یا زیادہ فریق ہیں، مثلاً دس کنال زمین ہے اس میں پانچ آدمی شریک ہیں اور ان میں سے ایک آ کر مطالبہ کرتا ہے کہ قاضی صاحب اس زمین کو کیا کر دیں؟ میرا حصہ علیحدہ کر دیں۔ تو کیا اس ایک کے مطالبے پر قاضی ان میں اس زمین کو ان لوگوں میں تقسیم کر دے گا؟ کہتے ہیں بھئی دیکھیں کہ تقسیم کے بعد کیا ان کا حصہ قابلِ انتفاع رہتا ہے یا نہیں، یہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں یا نہیں۔ اب مجھے بتائیے دس کنال میں پانچ آدمی شریک ہیں تو جب ہر ایک کو دو دو کنال مل جائے گا تو اس سے نفع اٹھا سکتے ہیں یا نہیں اٹھا سکتے؟ نفع اٹھا سکتے ہیں، دو کنال اچھی خاصی زمین ہے، تو اس صورت میں قاضی پھر تقسیم کر دے گا۔

اور اگر ایسی صورت ہے کہ کچھ تو اپنے حصے سے نفع اٹھا سکتے ہیں اور کچھ لوگ تقسیم کے بعد اپنے حصے سے نفع نہیں اٹھا سکتے۔ مثلاً زید اور بکر میں ایک مکان مشترک ہے، ایک کنال کا مکان ہے، اور اس مکان کے اندر ننانوے حصے زید کے

ہیں اور ایک حصہ کس کا ہے؟ بکر کا ہے۔ مطلب ایک کروڑ کا خریدا، اور ننانوے لاکھ کس کے تھے؟ زید کے، اور ایک لاکھ کس کا تھا؟ بکر کا۔ تو گویا بکر کے حصے میں یوں سمجھو دو گز زمین آتی ہے صرف، اور باقی ساری کس کے حصے میں آتی ہے؟ زید کے حصے میں۔ تو زید کے حصے میں زیادہ آئی تو تقسیم کے بعد زید اس سے فائدہ اٹھا سکے گا، اور بکر کے حصے میں تو صرف دو گز آئے وہ تو کسی کام کے نہیں وہ تو اس سے فائدہ ہی نہیں اٹھا سکے گا۔ تو کہتے ہیں اگر ایسی صورت ہو کہ ایک آکر مطالبہ کرتا ہے اور صورت ایسی ہے کہ تقسیم کے بعد کچھ لوگ تو زمین سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے، تو اس صورت میں اگر وہ کثیر والا آکر مطالبہ کرے تو پھر تو تقسیم کر دی جائے گی، معلوم ہوا وہ اپنے حصے سے کامل فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ اور قلیل والا اگر آکر مطالبہ کرتا ہے جس کے صرف دو گز ہیں کہ جی میرا حصہ علیحدہ کر دیں، بھئی یہ تو دو گز لے گا تو اس کو تو کوئی فائدہ ہی نہیں ہے، اس سے تو وہ فائدہ اٹھا ہی نہیں سکتا۔ اس وقت مثلاً اگر گھر ہم کرائے پر دے دیتے ہیں، دونوں شریک ہیں تو جتنے پیسے آئیں گے اس میں سے مثلاً ہر سو میں سے ننانوے روپے زید لے لیا کرے گا اور ایک روپیہ بکر لے لیا کرے گا۔ اسی طرح حصے ہیں نا ان کے؟ ایک کے ننانوے اور ایک کا ایک حصہ۔ تو اس وقت تو کم حصے والا زیادہ حصے والے کے ساتھ شریک ہے تو اس وقت تو وہ اپنے حصے سے فائدہ اٹھا رہا ہے، لیکن اگر اس کا حصہ ہم الگ کر کے اس کو دے دیں پھر تو وہ قابلِ انتفاع رہتا ہی نہیں، لیکن اس کے باوجود وہ آکر کہتا ہے کہ میرا حصہ مجھے علیحدہ کر کے دے دیں، تو کہتے ہیں اس صورت میں تقسیم نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ معلوم ہوا کہ وہ دوسرے کو صرف تنگ کرنا چاہتا ہے، تکلیف دینا چاہتا ہے۔ کیونکہ تقسیم میں اس کا کوئی فائدہ نہیں، نقصان ہی نقصان ہے، لیکن پھر بھی یہ تقسیم کا مطالبہ کر رہا ہے، معلوم ہوا دوسرے کو تکلیف دینا چاہتا ہے، تنگ کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں قاضی تقسیم نہیں کرے گا۔ بات سب کو سمجھ میں آگئی؟ جی۔

تو کہتے ہیں: «وَقُسِّمَ بِطَلَبِ أَحَدِهِمْ» اور جائیداد کو عقار کو تقسیم کر دیا جائے گا، یا مالِ مشترک اس میں بھی یہی مسئلہ ہو گا، بات سمجھ میں آگئی؟ تو جائیداد یا مالِ مشترک جو ہے اس کو تقسیم کر دیا جائے گا «بِطَلَبِ أَحَدِهِمْ أَيْ أَحَدِ الشُّرَكَاءِ» شریکوں میں سے کسی ایک کے بھی مطالبے پر اس کو قاضی کیا کر دے گا؟ تقسیم کرے گا، تو اس کو تقسیم کر دیا جائے گا کہ ایک بھی اگر مطالبہ کر دے شریکوں میں سے، کب؟ «إِنِ انْتَفَعَ كُلٌّ بِحِصَّتِهِ» اگر فائدہ اٹھا سکتا ہے ہر ایک اپنے حصے سے۔ جب ہر ایک اپنے حصے سے تقسیم کے بعد فائدہ اٹھا سکتا ہے تو کوئی ایک بھی آکر مطالبہ کر دے تو اس زمین کو یا مالِ مشترک کو ان میں کیا کر دیا جائے گا؟ تقسیم کر دیا جائے گا۔ «وَبِطَلَبِ ذِي الْكَثِيرِ فَقَطْ» اور زیادہ حصے والے کے مطالبے پر صرف تقسیم کریں گے «إِلَّمْ يَنْتَفِعِ الْآخَرُ» اگر دوسرا فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ جی سر۔ ایک کا حصہ زیادہ اور ایک کا تھوڑا۔ تقسیم کے بعد زیادہ والا فائدہ اٹھا سکتا ہے، تھوڑے والا تو فائدہ اٹھا ہی نہیں سکتا۔ اتنا کم حصہ ہے اس

کا کہ وہ تقسیم کے بعد اس سے کوئی فائدہ ہی نہیں اٹھا سکتا۔ تو اس صورت میں جو «ذِي الْكَثِيرِ» ہے، زیادہ حصے والا ہے، وہ آکر قاضی سے کہتا ہے کہ تقسیم کر دیجیے تو قاضی تقسیم کر دے گا۔ اور صرف اسی کے کہنے پر تقسیم کرے گا۔ قلیل حصے والے کے کہنے پر تقسیم نہیں کرے گا، کیونکہ معلوم ہوا وہ صرف ضد کر رہا ہے، تکلیف دے رہا ہے۔

یہ معنیٰ ہے «وَبِطَلَبِ ذِي الْكَثِيرِ فَقَطْ» اور تقسیم کر دیا جائے گا زیادہ حصے والے کے مطالبے پر صرف «إِلَّمْ يَنْتَفِعِ الْآخَرُ» اگر دوسرا اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا «لِقِلَّةِ حِصَّتِهِ» اپنے حصے کے کم ہونے کی وجہ سے۔ «أَيْ لَا يُقَسَّمُ بِطَلَبِ ذِي الْقَلِيلِ» یعنی تقسیم نہیں کیا جائے گا قلیل حصے والے کے طلب کرنے پر «لِأَنَّهُ لَا فَائِدَةَ لَهُ» اس لیے کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، «فَهُوَ مُتَعَنِّتٌ فِي طَلَبِ الْقِسْمَةِ» تو وہ تکلیف دینے والا ہے، تنگ کرنے والا ہے «فِي طَلَبِ الْقِسْمَةِ» تقسیم کے طلب کرنے میں۔ یہ تقسیم وہ طلب کر رہا ہے، معلوم ہوا وہ صرف کیا کرنا چاہتا ہے؟ تنگ کرنا چاہتا ہے۔

یہ تو تھا متن میں مسئلہ، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ کہ اگر ایسی صورت ہو کہ دو شریک ہیں یا زیادہ شریک ہیں اور اس وقت تو سب فائدہ اٹھا رہے ہیں جب شریک ہیں، لیکن اگر علیحدہ کریں گے تو جو تھوڑے حصے والے ہیں ان کو کوئی فائدہ ہی نہیں رہتا، وہ زمین بے کار ہو جاتی ہے ان کے لیے۔ تو زیادہ والے حصوں والا اگر کوئی آکر تقسیم کا مطالبہ کرے تو قاضی تقسیم کر دے گا، اور تھوڑے والا آکر مطالبہ کرے تو پھر قاضی تقسیم نہیں کرے گا۔

جبکہ امام جصاص اس کے برعکس فرماتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں اگر صاحبِ قلیل آکر مطالبہ کرے تو قاضی تقسیم کر دے، صاحبِ کثیر آکر مطالبہ کرے تو پھر قاضی تقسیم نہ کرے۔ ان کی کیا دلیل؟ وہ فرماتے ہیں کہ کثیر والا آکر مطالبہ کر رہا ہے کہ میرا حصہ کیا کر دو؟ الگ کر دو۔ اس کا مطلب ہے یہ اپنے ساتھی کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے کیونکہ اس کا حصہ تو تقسیم کے بعد کسی فائدے کے قابل ہی نہیں رہے گا، اور قاضی کا کام ہے کہ سب کے نفع اور ضرر کا خیال رکھے، لہٰذا قاضی تقسیم نہیں کرے گا، وہ اپنے ساتھی کو نقصان دینا چاہتا ہے۔ ہاں، کہتے ہیں اگر قلیل والا آکر مطالبہ کرتا ہے کہ میرا حصہ الگ کر دیں، ماتن نے فرمایا تھا کہ پھر تقسیم نہیں کرنی، امام جصاص فرماتے ہیں کہ قلیل والا آکر مطالبہ کرے تو پھر قاضی تقسیم کر دے، کیونکہ وہ اپنے ضرر پہ خود راضی ہے، اپنے نقصان پر خود راضی ہے، اب ہم اس میں کوئی دخل نہیں دے سکتے وہ خود اپنا نقصان کرنا چاہتا ہے۔ «وَقِيلَ عَلَى الْعَكْسِ» اور اس کے برعکس کہا گیا ہے یعنی امام جصاص اس کے برعکس فرماتے ہیں۔ اب ان کی دلیل آ رہی ہے امام جصاص کی، کہتے ہیں: «لِأَنَّ صَاحِبَ الْكَثِيرِ يَطْلُبُ ضَرَرَ صَاحِبِهِ» کہ صاحبِ کثیر جو ہے یعنی زیادہ حصے والا جو ہے وہ طلب کر رہا ہے اپنے ساتھی کے نقصان کو۔ تو لہٰذا اس کثیر والے کے کہنے پر تقسیم نہیں کرے گا قاضی، اور قلیل والے کے کہنے پر تقسیم کر دے گا کیوں؟ «وَصَاحِبُ الْقَلِيلِ يَرْضَى بِضَرَرِهِ» تھوڑے حصے والا وہ

خود اپنے نقصان پر راضی ہے، وہ خود مطالبہ کر رہا ہے۔

«وَقِيلَ» یہ تیسرا قول ہے بھئی، تیسرا قول۔ اور یہ حاکم شہید رحمہ اللہ کا ہے، وہ فرماتے ہیں «يُقَسَّمُ بِطَلَبِ كُلِّ وَاحِدٍ» ہر ایک کے مطالبے پر تقسیم کر دیا جائے گا، چاہے کثیر والا آکر مطالبہ کرے، چاہے قلیل والا آکر مطالبہ کرے۔ کثیر والا آ کر مطالبہ کرتا ہے تو تقسیم کر دیں کیونکہ معلوم ہوا وہ اپنے حصے سے پورا فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، کامل، اور کامل فائدہ انسان اپنی چیز سے کب اٹھاتا ہے؟ جب اس میں کوئی اور شریک نہ ہو۔ اور قلیل کے کہنے پر بھی تقسیم کر دے قاضی، کیونکہ معلوم ہوا قلیل حصے والا خود اپنے نقصان پر راضی ہے، جب وہ خود راضی ہے تو قاضی تقسیم کر دے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو وہ فرماتے ہیں دونوں میں سے جو بھی آکر مطالبہ کر دے تقسیم کر دی جائے۔

آگے دیکھیے: «وَلَا يُقَسَّمُ إِلَّا بِطَلَبِهِمْ إِنْ تَضَرَّرَ كُلٌّ لِلْقِلَّةِ».

صورت یہ: ایک چیز کے اندر کئی آدمی شریک ہیں اور ان میں سے ایک آکر مطالبہ کرتا ہے کہ اس چیز کو قاضی صاحب ہمارے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔ وہ چیز ایسی ہے کہ اگر اس کو تقسیم کر دیا جائے تو کوئی بھی اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا، سب کا نقصان ہے۔ تو اب کسی ایک یا دو کے مطالبے پر اس کو تقسیم نہیں کریں گے، سب کی رضامندی ضروری ہے، کیونکہ سب کا نقصان ہے لہٰذا سب کی رضامندی ضروری ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَلَا يُقَسَّمُ» اور تقسیم نہیں کیا جائے گا جائیداد یا مالِ مشترک کو «إِلَّا بِطَلَبِهِمْ» مگر ان سب کے طلب کرنے پر، کب؟ «إِنْ تَضَرَّرَ كُلٌّ لِلْقِلَّةِ» اگر نقصان ہو ہر ایک کو قلیل ہونے کی وجہ سے، تو پھر ان سب کے مطالبے پر تقسیم کریں گے، کسی ایک یا دو کے مطالبے پر تقسیم نہیں کریں گے۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

وَقُسِّمَ عُرُوضٌ اتَّحَدَ جِنْسُهَا لَا الْجِنْسَانِ.

بھئی یہ بات پہلے بیان ہو چکی کہ مثلیات میں افراز غالب ہے، اور ذوات القیم میں مبادلہ غالب ہے۔ اور مبادلے پر کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا، لیکن اگر وہ ذوات القیم ایک ہی جنس والی ہوں تو پھر قاضی وہاں تقسیم کر سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور اگر ایک سے زیادہ جنسیں ہیں تو پھر سب کا راضی ہونا ضروری ہے، کسی ایک کے مطالبے پر تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَقُسِّمَ» تقسیم کر دیا جائے گا «عُرُوضٌ» ایسا سامان «اتَّحَدَ جِنْسُهَا» جس کی جنس کیا ہو؟ متحد ہو۔ عروض سامان، جو ذوات القیم چیزیں اس میں سب آ

گئیں۔ «لَا الْجِنْسَانِ» دو جنسیں ہوں تو پھر نہیں، دو یا زیادہ جنسیں ہوں تو پھر تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

تو ایک جنس ہے جب، جب ایک جنس ہے، مثلاً ساری بھیڑ بکریاں ہیں یا سارا ایک جیسا سامان ہے، جی، سارا ایک جیسا سامان ہے، ایک ہی جنس ہے، مثلاً ساری کرسیاں ہیں، یا سارے میز بنے ہوئے ہیں، یا اس طرح کی کوئی ایک ہی چیز ہے، تو جب ایک جنس ہے تو پھر تقسیم کر دیں گے، تقسیم کر دیں گے، کیونکہ وہ وہی جنس ایک کو مل رہی ہے، وہی جنس دوسرے کو بھی مل رہی ہے۔ اور اگر دو جنسیں ہوں پھر تو ایک کو ایک چیز دینی پڑے گی، دوسرے کو دوسری چیز دینی پڑے گی، جنسیں ہی الگ الگ ہیں، ہر لحاظ سے مبادلہ ہی مبادلہ ہے، تو پھر وہاں پر زبردستی نہیں کی جائے گی، بلکہ سب کی رضامندی ضروری ہے۔ «وَقُسِّمَ عُرُوضٌ اتَّحَدَ جِنْسُهَا» اور تقسیم کر دیا جائے گا ایسے سامان کو جس کی جنس متحد ہو یعنی ایک ہی جنس ہو «لَا الْجِنْسَانِ» نہ کہ دو جنسیں، دو جنسیں ہوں یا زیادہ ہوں پھر تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

«وَالرَّقِيقُ وَالْجَوَاهِرُ وَالْحَمَّامُ وَالْبِئْرُ وَالرَّحَى إِلَّا بِرِضَاهِمْ».[1]

«وَالرَّقِيقُ» اور غلام «وَالْجَوَاهِرُ» اور جواہرات یعنی قیمتی پتھر جو ہیں جیسے زمرد، یاقوت، جواہرات وغیرہ جو چیز پتھر ہیں قیمتی۔ «وَالْحَمَّامُ» اور اسی طرح حمام۔ حمام ویسے غسل خانے کو کہتے ہیں اور وہ جو بازار میں حمام بنے ہوں اور، تو وہ مراد ہے بھئی، جہاں لوگ آکر نہاتے ہوں۔ «وَالْبِئْرُ» اور کنواں «وَالرَّحَى» رحیٰ چکی کو کہتے ہیں جس میں دانے پیسے جاتے ہیں گندم وغیرہ کے، آٹا بنایا جاتا ہے۔ یہاں مراد پن چکی ہے بھئی۔ پن چکی پہاڑی علاقوں میں عموماً بنائی جاتی ہے، جہاں اوپر سے پانی آتا ہے اور وہ پن چکی کو گھماتا ہے وہ پانی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو وہ پن چکی مراد ہے۔ یہ جو ہیں: غلام، کئی غلام ہیں، دو تین چار غلام ہیں، والجواہر، قیمتی پتھر ہیں، حمام ہے یا کنواں ہے یا پن چکی ہے، ان کو تقسیم نہیں کیا جائے گا «إِلَّا بِرِضَاهِمْ» مگر ان سب کی رضامندی سے، ان سب کی رضامندی سے۔

اس لیے کیونکہ حمام، بئر اور رحیٰ پن چکی جو ہیں یہ تو چھوٹی چیزیں ہیں، اس کو تقسیم کریں گے اس سے تو پھر کوئی فائدہ ہی نہیں اٹھا سکتا۔ اور ابھی بتایا جس ایسی چیز جس کے چھوٹی ہو اور جس سے تقسیم کے بعد کوئی بھی فائدہ نہ اٹھا سکے اس میں سب کی رضامندی ضروری ہے، کسی ایک کے مطالبے پر اس کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ معلوم ہوا وہ دوسروں کو نقصان دینا چاہتا ہے۔ اور باقی جو غلام اور قیمتی پتھر ہیں، کہتے ہیں غلام اگر دو ہیں اور دو ہی شریک ہیں تو قاضی ایسا نہیں کرے گا ایک غلام ایک کو دے دے دوسرا غلام دوسرے کو دے دے۔ اگرچہ جنس ایک ہی ہے دیکھو، دونوں کیا ہیں؟

---

[1] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۶۹):** صوتی درس کی قراءت میں «وَالرَّقِيقُ وَالْجَوَاهِرُ وَالْحَمَّامُ وَالْبِئْرُ وَالرَّحَى إِلَّا بِرِضَاهِمْ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «والرَّقيقُ والجواهرُ والحمَّامُ إلا برضاهم،» منقول ہے۔

غلام۔ لیکن بالخصوص ان کا ذکر کیا کیونکہ غلاموں میں بڑا فرق ہوتا ہے بھئی، عادات کے اندر، ایک مضبوط ہو گا دوسرا ہو سکتا ہے کمزور ہو، ایک امانت دار ہے دوسرا پتا نہیں امانت دار ہے یا نہیں۔ اور اسی طرح ایک کئی ہنر جاننے والا ہے دوسرا پتا نہیں کون کون سے ہنر جانتا ہے۔ تو برابری ہو ہی نہیں سکتی، تو غلام دو یا تین یا چار بھی ہوں تو ان کو ایک جنس نہیں شمار کریں گے، ہر غلام کو الگ جنس شمار کریں گے بھئی۔ یہ امام صاحب فرماتے ہیں کیونکہ غلاموں کے اندر بہت فرق ہوتا ہے ان کی عادات کے اندر، ان کی مہارتوں کے اندر، ان کی قوت کے اندر، امانت داری ہر چیز میں فرق ہوتا ہے۔ تو لہٰذا ان کو ایک جنس شمار نہیں کریں گے بلکہ علیحدہ جنس شمار کریں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا اس میں سب کی رضامندی ضروری ہے پھر تقسیم کریں گے۔

اسی طرح جواہرات، جو قیمتی پتھر ہیں، وہ بھی اگر ایک ہی نوع کے ہوں تو بھی ان کو تقسیم نہیں کرے گا قاضی ایک کے مطالبے پر جب تک سارے راضی نہ ہوں۔ کیونکہ پتھر، پتھر جو ہیں وہ بھی اگرچہ ایک جنس کے ہیں ایک نوع کے ہیں لیکن ہر پتھر دوسرے پتھر سے بہت زیادہ مختلف ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات ایک چھوٹا پتھر، چھوٹا زمرد یا یاقوت ہے، دوسرا ذرا بڑا ہے لیکن وہ چھوٹا اتنا نفیس ہوتا ہے کہ وہ اس بڑے سے کئی گنا زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ تو لہٰذا ان کو الگ جنس شمار کریں گے، ہر پتھر کو الگ جنس۔ اور جب الگ جنسیں الگ ہوں پھر تو قاضی سب کی رضامندی کے بغیر تقسیم نہیں کرے گا بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں «وَالرَّقِيقُ» غلاموں کو کیوں نہیں کرے گا؟ کیونکہ جنسیں الگ سمجھی جائیں گی، ہر غلام کو الگ جنس۔ «وَالْجَوَاهِرُ» جواہر کو کیوں نہیں تقسیم کریں گے؟ کیونکہ ہر پتھر کو الگ جنس سمجھا جائے گا۔ «وَالْحَمَّامُ وَالْبِئْرُ وَالرَّحَى» حمام، کنواں اور پن چکی کو کیوں نہیں تقسیم کرے گا؟ کیونکہ چھوٹی چیز ہے، اگر اس کو تقسیم کرتے ہیں تو سب کا نقصان ہے لہٰذا سب کی رضامندی ضروری ہے۔ «إِلَّا بِرِضَاهِمْ» مگر ان سب کی رضامندی سے۔ ویسے ان کو تقسیم نہیں کریں گے، سب کی رضامندی سے کر دیں گے۔

«قَالَا يُقَسَّمُ الرَّقِيقُ وَالْجَوَاهِرُ بِطَلَبِ الْبَعْضِ» صاحبین فرماتے ہیں کہ غلام اور جواہر جو قیمتی پتھر ہیں وہ بعض کے طلب کرنے پر بھی ان کو تقسیم کر دیا جائے گا۔ صاحبین فرماتے ہیں، لیکن متن میں گزر گیا کہ امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ ان کو تقسیم نہیں کریں گے جب تک سب راضی نہ ہوں۔ تو وہ فرماتے ہیں صاحبین فرماتے ہیں کہ غلام اور جواہر کو تقسیم کر دیا جائے گا بعض کے طلب کرنے پر «كَمَا يُقَسَّمُ الْإِبِلُ وَسَائِرُ الْعُرُوضِ» جیسے کہ اونٹوں کو اور باقی سامانوں کو تقسیم کیا جاتا ہے۔

«لَهُ» امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ «إِنَّ التَّفَاوُتَ فَاحِشٌ فِي الْآدَمِيِّ» کہ فرق جو ہے وہ بہت زیادہ ہے انسان میں،

فاحش حد سے بڑھا ہوا، بہت زیادہ۔ اس لیے کیونکہ فرق بہت زیادہ ہے آدمی کے اندر، «فَصَارَ كَالْأَجْنَاسِ الْمُخْتَلِفَةِ» تو وہ مختلف جنسوں کی طرح ہو گیا۔ یعنی دو آدمی ہیں تو دو جنسوں کی طرح ہو گئے، تین ہیں تو تین جنسوں کی طرح ہو گئے۔ اور یہی میں نے بتلا دیا جوہر کے، جواہرات میں بھی اسی طرح ہے۔ «وَفِي الْجَوَاهِرِ قَدْ قِيلَ» اور جواہر میں تحقیق کہا گیا ہے: «إِذَا اخْتَلَفَ الْجِنْسُ لَا يُقَسَّمُ» کہ جب جنس مختلف ہو تب تقسیم نہیں کیا جائے گا، اگر معلوم ہوا جنس ایک ہو تو تقسیم کر دیا جائے گا۔ لیکن متن میں امام صاحب کی بات گزر گئی کہ وہ ایک جنس ہو تو بھی ان کو تقسیم نہیں کریں گے، کیونکہ ان میں بھی بہت زیادہ فرق ہوتا ہے تو ہر پتھر کو گویا الگ جنس شمار کریں گے۔ تو سب کی رضامندی ضروری ہے، ایک کے مطالبے پر تقسیم نہیں کریں گے۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

وَدُورٌ مُشْتَرَكَةٌ أَوْ دَارٌ وَضَيْعَةٌ أَوْ دَارٌ وَحَانُوتٌ قُسِّمَ كُلٌّ وَحْدَهَا

«قُسِّمَ كُلٌّ وَحْدَهَا» بھئی صورت یہ ہے: کئی گھر ہیں، تین یا چار گھر ہیں زید اور بکر میں مشترکہ، سب میں وہ شریک ہیں۔ تو کس طرح تقسیم کریں گے؟ دو گھر زید کو دے دیں، دو بکر کو دے دیں؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں نہیں، ہر گھر دوسرے گھر سے مختلف ہے منافع وغیرہ کے اعتبار سے، لہٰذا ہر گھر کی الگ تقسیم کی جائے گی۔ ہر گھر کی الگ۔ پہلے گھر میں بھی آدھا حصہ کس کا ہو جائے گا؟ زید کا، آدھا حصہ بکر کا ہو جائے گا۔ دوسرے میں بھی اسی طرح، تیسرے میں بھی، ہر گھر کو علیحدہ تقسیم کریں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ہر گھر کو۔ ہاں اور اگر وہ راضی ہیں کہ ٹھیک ہے کوئی سے دو ایک کو دے دیں اور دو دوسرے کو دے دیں، اس پر بھی راضی ہیں پھر تو ٹھیک ہے، لیکن اگر راضی نہ ہوں تو پھر کیا کرنا پڑے گا؟ ہر گھر کو علیحدہ علیحدہ تقسیم کرنا پڑے گا۔ یا دوسری صورت، گھر کئی نہیں ہیں، ایک گھر ہے اور ایک کھیت ہے، یعنی کس الگ الگ قسم کی جائیداد ہے۔ ایک کیا ہے؟ گھر، اور ایک ہے کھیت ہے، ضیعہ۔ ضیعہ کہتے ہیں قابلِ کاشت زمین بھئی جس میں فصل اگائی جائے، کھیت بھئی۔ تو اگر ایک گھر ہے اور ایک کھیت ہے تو پھر کیسے تقسیم کریں گے؟ ایک کو گھر دے دیں گے اور ایک کو کھیت دے دیں گے؟ کہتے ہیں نہیں، گھر الگ نوع کا ہے اس کے منافع بالکل الگ ہیں، کھیت کے منافع بالکل الگ ہیں، لہٰذا دونوں کی الگ الگ تقسیم کریں گے۔ گھر آدھا آدھا دونوں میں الگ تقسیم کریں گے، اور کھیت بھی آدھا آدھا دونوں میں الگ تقسیم کریں گے۔ ہاں اگر وہ دونوں راضی ہیں کہ ایک کو گھر دے دیں ایک کو کھیت دے دیں تو پھر تو الگ بات ہے، پھر ٹھیک ہے، پھر اس طرح بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن بہرحال رضامندی نہ ہو تو پھر الگ الگ ہی تقسیم ہو گی۔

«أَوْ دَارٌ وَحَانُوتٌ» اچھا، یا ایک گھر ہے اور ایک دکان ہے، تو کہتے ہیں گھر کی الگ تقسیم ہوگی اور دکان کی الگ تقسیم ہوگی، کیونکہ دونوں کے منافع بالکل الگ الگ ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ میں نے بتلا دیا یہ وہ صورت ہے جب ایک چیز ایک کو دے دی جائے، دوسری چیز دوسرے کو دے دی جائے، اس پر راضی نہیں ہیں تو قاضی کیا کرے گا؟ اس طرح تقسیم، اور اگر وہ راضی ہیں پھر تو ٹھیک ہے ان کا اپنا حق ہے وہ اس کو۔

تو کہتے ہیں «وَدُورٌ مُشْتَرَكَةٌ» دُور جمع ہے دار کی، گھر کو کہتے ہیں، اور ایسے گھر «مُشْتَرَكَةٌ» جو مشترک ہوں۔ «أَوْ دَارٌ وَضَيْعَةٌ» دوسری صورت، ایک گھر ہو «وَضَيْعَةٌ» اور ایک کاشت والی زمین ہو، میں نے بتایا ضیعہ کسے کہتے ہیں؟ وہ زمین جس میں فصلیں کاشت کی جاتی ہیں۔ تیسری صورت «أَوْ دَارٌ وَحَانُوتٌ» یا گھر ہو اور دکان ہو، تو «قُسِّمَ كُلٌّ» تو تقسیم کیا جائے گا ہر ایک کو «وَحْدَهَا» اکیلا، ہر ایک کو الگ اکیلا تقسیم کیا جائے گا۔ «أَيْ إِذَا كَانَتِ الدُّورُ قَرِيبَةً بِأَنْ كَانَتْ كُلُّهَا فِي مِصْرٍ وَاحِدٍ» جب گھر قریب ہوں بایں صورت کہ وہ سب ایک ہی شہر میں ہیں، تو «قُسِّمَ كُلٌّ وَحْدَهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ» تو ہر ایک کو الگ تقسیم کیا جائے گا امام صاحب کے نزدیک، «وَقَالَا يُقَسَّمُ بَعْضُهَا فِي بَعْضٍ» کہ تقسیم کیا جائے گا ان میں سے بعض کو بعض میں، بعض کو بعض میں، یعنی چار مکان ہیں تو دو زید کو دے دو اور دو کس کو دے دو؟ بکر کو دے دو۔ تو بعض کو بعض میں تقسیم کر دیا جائے گا یعنی بعض کو بعض کو دے دیا جائے گا۔ «وَإِنْ كَانَتِ الدُّورُ بَعِيدَةً أَيْ فِي مِصْرَيْنِ» اور اگر وہ گھر دور ہیں یعنی دو شہروں میں ہیں، «فَقَوْلُهُمَا كَقَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ» تو صاحبین کا قول بھی امام صاحب کے قول کی طرح ہے۔ صاحبین بھی کیا فرماتے ہیں؟ کہ ہر گھر کو علیحدہ تقسیم کیا جائے جب الگ شہروں میں ہیں، کیونکہ ان کے منافع الگ بھئی ہر لحاظ سے۔

تو انہوں نے آپ کو بتلایا «وَدُورٌ مُشْتَرَكَةٌ أَوْ دَارٌ وَضَيْعَةٌ أَوْ دَارٌ وَحَانُوتٌ قُسِّمَ كُلٌّ وَحْدَهَا» کئی گھر مشترک ہوں یا ایک گھر اور ایک کھیت ہو قابلِ کاشت زمین ہو، «أَوْ دَارٌ وَحَانُوتٌ» یا ایک گھر ہو اور ایک دکان ہو، دکان ہو۔ بتلایا کہ کئی گھر مشترک ہوں تو ان کو علیحدہ علیحدہ تقسیم کریں گے، توجہ ہے؟ کئی گھر ہوں تو سب کو علیحدہ علیحدہ تقسیم کریں گے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک۔ اور جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ ان کو آپس میں تقسیم کر دیں گے، یعنی اگر چار گھر ہیں تو دو گھر ایک کو دے دو دو گھر دوسرے کو دے دو۔ امام صاحب فرماتے ہیں نہیں، چار گھر ہیں تو ہر گھر کو آدھا آدھا کر کے دیا جائے گا دونوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ تو گویا امام صاحب نے گھروں کو علیحدہ جنس شمار کیا، ہر گھر کو علیحدہ جنس شمار کیا، اور صاحبین نے ان گھروں کو ایک ہی جنس شمار کیا، کیا شمار کیا؟ ایک ہی جنس۔ اور ایک ہی جنس میں جب تقسیم کرتے ہیں تو کیسے کرتے ہیں؟ کہ کچھ ایک کو دیتے ہیں کچھ دوسرے کو۔ اور علیحدہ جنسوں میں جب تقسیم کرتے ہیں تو کیسے کرتے ہیں؟ ہر جنس کو الگ الگ تقسیم کرتے ہیں۔ تو امام صاحب بھی فرماتے ہیں ہر گھر کو علیحدہ علیحدہ تقسیم کرو کیونکہ ہر گھر الگ

جنس ہے، الگ جنس کس طرح ہے میں نے ذکر کر دیا بھئی، کیونکہ ہر گھر کے منافع الگ ہیں، اس کی وہ کس جگہ پر ہے، کس طرح کا راستہ ہے، وہاں رہنے والے کس طرح کے لوگ ہیں، ہمسائے کس طرح ہیں، اور یہ اتنی بہت سی چیزوں کا تعلق ہوتا ہے گھر کے ساتھ کہ گھر ہر گھر گویا الگ جنس ہے۔ جب الگ جنس ہے تو ہر گھر الگ الگ تقسیم کرو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اور جب کہ گھر ہو اور کھیت ہو اشتراک، ایک گھر بھی ہے اور ساتھ ایک کھیت بھی ہے قابلِ کاشت زمین ہے، تو یہ تو پھر دو علیحدہ جنسیں ہیں تو دونوں کی الگ الگ تقسیم ہوگی۔ اسی طرح اگر ایک گھر ہے اور ایک دکان ہے تو اس صورت میں بھی علیحدہ علیحدہ جنسیں ہیں ان کی الگ الگ تقسیم ہوگی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ».

سبق نمبر ۱۲: فصل فی کیفیۃ القسمۃ: تعدیلِ سہام، ذرع و تقویم، قرعہ اندازی اور خیارِ شرط و رؤیت و عیب

شرح الوقایہ صفحہ: ۲۳ — بتاریخ: ۲۷ ستمبر ۲۰۱۹ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی:[1]

«وَيُصَوِّرُ الْقَاسِمُ مَا يُقَسِّمُ، وَيَعْدِلُهُ، وَيَذْرَعُهُ، وَيُقَوِّمُ الْبِنَاءَ، وَيُفْرِزُ كُلَّ قِسْمٍ بِطَرِيقِهِ وَشِرْبِهِ، وَيُلَقِّبُ السِّهَامَ بِالْأَوَّلِ وَالثَّانِي وَالثَّالِثِ، وَيَكْتُبُ أَسْمَاءَهُمْ وَيُقْرِعُ، وَالْأَوَّلُ لِمَنْ خَرَجَ اسْمُهُ أَوَّلًا، وَالثَّانِي لِمَنْ خَرَجَ ثَانِيًا.»[2][3]

[1]

جدول — کیفیتِ قسمت: قسام کے فرائض، قرعہ اندازی اور خیاراتِ ثلثہ:

مرحلہ / عنوان	قسام کا طریقۂ کار	شرعی حکم و اثر
تصویر، تعدیل اور ذرع	زمین کا نقشہ بنانا، حصوں کو مالیت میں برابر کرنا اور پیمائش کرنا	عمارت اور درختوں کی قیمت لگا کر سہام متعین کیے جائیں گے۔
افرازِ طریق و شرب	ہر حصے کا راستہ اور پانی کا حق الگ کر کے متعین کرنا	تاکہ تقسیم کے بعد کسی شریک کا دوسرے پر تعلق باقی نہ رہے۔
تلقیبِ سہام اور قرعہ	حصوں کو اول، ثانی، ثالث کا لقب دے کر ناموں کی پرچیاں نکالنا	قرعہ نکلنے سے تعیینِ ملک مکمل ہو جاتی ہے (تطییباً للقلوب)۔
خیاراتِ ثلثہ فی القسمۃ	خیارِ شرط، خیارِ رؤیت اور خیارِ عیب	مکیلات و موزونات کے سوا قیمیات میں خیارِ عیب و رؤیت ثابت ہوتا ہے۔

[2] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۶۹):** صوتی درس کی قراءت میں «وَيُصَوِّرُ الْقَاسِمُ مَا يُقَسِّمُ، وَيَعْدِلُهُ، وَيَذْرَعُهُ، وَيُقَوِّمُ الْبِنَاءَ، وَيُفْرِزُ كُلَّ قِسْمٍ بِطَرِيقِهِ وَشِرْبِهِ، وَيُلَقِّبُ السِّهَامَ بِالْأَوَّلِ وَالثَّانِي وَالثَّالِثِ، وَيَكْتُبُ أَسْمَاءَهُمْ وَيُقْرِعُ، وَالْأَوَّلُ لِمَنْ خَرَجَ اسْمُهُ أَوَّلًا، وَالثَّانِي لِمَنْ خَرَجَ ثَانِيًا.» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «(ويصوِّرُ القاسمُ ما يقسّمُ ويعدلُه ويذرعُه ويقوِّمُ بناءه ويفرزُ كلَّ قسمٍ بطريقهِ وشربِه، ويلقّبُ الأقسامَ بالأوّل والثّاني والثّالث، ويكتبُ أسماءهم ويقرع، والأوّلُ لمن خرجَ اسمه أوّلًا، والثّاني لمن خرجَ ثانيًا،» منقول ہے۔

[3] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۶۹):** صوتی درس کی قراءت میں «وَيُلَقِّبُ السِّهَامَ بِالْأَوَّلِ وَالثَّانِي وَالثَّالِثِ» ہے، جبکہ

تقسیم کے مسائل ذکر فرما رہے ہیں بھئی صاحبِ وقایہ بھئی۔ اب تقسیم کا طریقہ بیان کرنے لگے ہیں کہ جو قاسم ہوگا، جسے قاضی نے مقرر کیا ہے تقسیم کے لیے، وہ تقسیم کیسے کرے گا؟ کہتے ہیں: «وَيُصَوِّرُ الْقَاسِمُ مَا يُقَسِّمُ» اور صورت بنا لے گا تقسیم کرنے والا «مَا» اس چیز کی، اس زمین کی «يُقَسِّمُ» جس کو وہ تقسیم کر رہا ہے۔ «وَيَعْدِلُهُ» اور اس کو برابر کر لے گا۔ «وَيَذْرَعُهُ» اور اس کی پیمائش کر لے گا۔ «وَيُقَوِّمُ الْبِنَاءَ» اور عمارت کی قیمت لگا لے گا۔ ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے بھئی؟ یہ سارا شرح میں چونکہ آئے گا، اس لیے صرف یہاں لفظی ترجمہ آپ کو آنا چاہیے، شرح میں تفصیل آ رہی ہے۔

دوبارہ دیکھیں: «وَيُصَوِّرُ الْقَاسِمُ مَا يُقَسِّمُ» اور صورت بنا لے، یعنی نقشہ بنا لے تقسیم کرنے والا «مَا» اس چیز کی، اس زمین کی «يُقَسِّمُ» جس کو وہ تقسیم کر رہا ہے۔ «وَيَعْدِلُهُ» اور اس کو برابر کر لے، یعنی حصے وغیرہ اس کے کر لے۔ «وَيَذْرَعُهُ» اور اس کی پیمائش کر لے۔ «وَيُقَوِّمُ الْبِنَاءَ» اور قیمت لگا لے عمارت کی۔ زمین کی تو پیمائش کر لی، اس کی تقسیم کرنی ہے اور اس کے بیچ میں ایک جگہ عمارت بھی ہے تو اس کی قیمت لگا لے۔ «وَيُفْرِزُ كُلَّ قِسْمٍ بِطَرِيقِهِ وَشِرْبِهِ» اور علیحدہ کر دے ہر قسم کو، یعنی ہر حصے کو، «بِطَرِيقِهِ وَشِرْبِهِ» اس کے راستے کے ساتھ اور پانی کے حصے کے ساتھ۔ ہر زمین کے ہر حصہ، جو جو حصہ زید، عمرو، بکر جن جن کو ملنا ہے، ہر ایک کا اپنا راستہ ہونا چاہیے، ہر ایک کا پانی کا اپنا حصہ ہونا چاہیے۔

«وَيُلَقِّبُ السِّهَامَ» اور نام رکھ دے حصوں کے «بِالْأَوَّلِ وَالثَّانِي وَالثَّالِثِ» اول، ثانی اور ثالث۔ «وَيَكْتُبُ أَسْمَاءَهُمْ»۔ اچھا حصے بنا دیے، چار آدمی تھے مثلاً، اور مکان کے بھی کتنے حصے اس نے کر دیے؟ چار حصے کر دیے، زمین کے چار حصے کر دیے۔ اگر برابر ہیں تو برابر برابر حصے ہو جائیں گے، اور اگر کمی بیشی ہے تو اس کے اعتبار سے اس نے حصے بنانے ہیں، صورت سمجھ میں آ گئی؟ حصے بنا لے گا، پھر اس کے بعد اب دینا کیسے ہے ان کو؟ مثلاً چار شریک ہیں، مکان کے چار حصے دینے ہیں، اب حصے بنا دیے: پہلا حصہ، دوسرا حصہ، تیسرا حصہ اور چوتھا حصہ، تو اس کی مرضی ہے یاد رکھیے۔ ایک حصہ ایک کو دیا، اس کے ساتھ والا دوسرے کو دیا، اس کے ساتھ والا تیسرے کو دیا۔ لیکن بہتر یہ ہے، بہتر یہ ہے کہ قرعہ اندازی کروائے، تاکہ کسی قسم کی بدگمانی کسی کے دل میں نہ آئے، یہ نہ کہیں کہ اس نے کسی ایک کا ساتھ دیا ہے، اس کو اچھا والا حصہ دیا ہے، لہٰذا بہتر صورت کیا ہے کہ کیا کروا دے؟ قرعہ اندازی کروائے۔

یہ معنیٰ ہے کہ «وَيَكْتُبُ أَسْمَاءَهُمْ» اور ان کے نام لکھ لے «وَيُقْرِعُ» اور قرعہ اندازی کر لے۔ «وَالْأَوَّلُ لِمَنْ خَرَجَ اسْمُهُ أَوَّلًا» اور وہ پہلا حصہ جس کا نام اس نے اول رکھا تھا، «لِمَنْ» اس شخص کے لیے ہے «خَرَجَ اسْمُهُ أَوَّلًا» جس کا نام پہلے نکلے۔ اول حصہ اول قرعہ والے کو دے دے۔ «وَالثَّانِي لِمَنْ خَرَجَ ثَانِيًا» اور دوسرا حصہ جس کا نام دوسری مرتبہ نکلے، دوسرا حصہ جس کا نام دوسری مرتبہ نکلے اس کو دے دے، اور تیسرا تیسرے کو دے دے۔

محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «ويلقّبُ الأقسامَ بالأوّل والثّاني والثّالث،» منقول ہے۔

اب دیکھیے، تفصیل بیان کر رہے ہیں: «أَيْ تُصَوِّرُ الدَّارَ الْمَقْسُومَةَ عَلَى قِرْطَاسٍ» صورت بنا لے اس گھر کی «الْمَقْسُومَةِ» جو تقسیم کیا جا رہا ہے، «عَلَى قِرْطَاسٍ» کس پر؟ کاغذ پر۔ قرطاس کاغذ کو کہتے ہیں بھئی۔ کاغذ پر اس کی صورت بنا لے، صورت بنا لے یعنی نقشہ بنا لے اس کا۔ «لِيَرْفَعَ إِلَى الْقَاضِي» تاکہ اس کو لے جائے قاضی کے پاس۔ بھئی یاد رکھیے، اس نے تقسیم کرنی ہے، زمین جائیداد وغیرہ تقسیم کرنی ہے، پھر یہ، اس کو کس نے بھیجا؟ قاضی نے بھیجا ہے۔ تو یہ قاضی نے مقرر کیا ہے، اور قاضی حکم دیتا ہے کہ جا کر ان میں کیا کرو؟ تقسیم کرو۔ تو پھر یہ جا کر وہ کاغذ جو تقسیم کیے، جو حصے بنا دیے، وہ قاضی کو دے گا، وہ پھر اپنے ریکارڈ میں اپنے پاس رکھ لے گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟[۴]

یہ معنیٰ ہے کہ اس کا نقشہ بنا لے اس گھر کا جس کو تقسیم کیا جا رہا ہے کاغذ پر «لِيَرْفَعَ إِلَى الْقَاضِي» تاکہ اس کو کس کے پاس لے جائے؟ قاضی کے پاس۔ «وَيَعْدِلُهَا» بھئی «يَعْدِلُهَا» کا کیا معنیٰ؟ متن میں آیا تھا اس کو میں نے بتلا دیا کہ اس کا کیا معنیٰ ہے، برابر کر دے۔ خود بتلا رہے ہیں: «أَيْ يُسَوِّيهَا» یعنی اس کو برابر کر دے «عَلَى سِهَامِ الْقِسْمَةِ» تقسیم کے حصوں پر، اس کو برابر کر لے تقسیم کے حصوں پر۔ مثلاً دیکھو، ایک کو ملنا ہے نصف، ایک کو ملنا ہے ثلث، اور ایک کو ملنا ہے سدس۔ نصف یعنی آدھا حصہ، ثلث یعنی تیسرا حصہ، اور سدس یعنی چھٹا حصہ۔ اب وہ کس طرح کرے، کیسے اس مکان کے حصے بنائے؟ کہتے ہیں بھئی سب سے چھوٹا حصہ جو ہے، اس کے اعتبار سے مکان کو تقسیم کر لے۔ سب سے چھوٹا حصہ کون سا؟ سدس، چھٹا حصہ۔ آپ خود بتائیے کہ سو روپے کے، سو روپے کو آدھا کریں تو کتنا بنتا ہے؟ پچاس۔ سو کے اگر تین حصے کریں تو ایک حصے میں کتنا آئے گا؟ تقریباً تینتیس، تینتیس اور کچھ زائد آئے گا۔ اور سو کے اگر چھ حصے کریں تو پھر ایک حصے میں کتنا آئے گا؟ اٹھارہ یا سولہ۔ تو یہ ایک حصے میں آئے گا، تو یہ چھٹا حصہ ہے۔ تو اب خود آپ دیکھ لیں، کون سا حصہ سب سے چھوٹا؟ سدس، چھٹا حصہ۔ تو لہٰذا جو سب سے چھوٹا حصہ ہے، اس کے اعتبار سے زمین کی تقسیم کر دے، زمین کے حصے بنا دے، یعنی چھ حصے بنا دے۔ کتنے بنا دے؟ چھ حصے بنا دے۔ اب جب چھ حصے بنا دیے، تو چھ کا نصف کتنا ہوتا ہے؟ چھ کا نصف کتنا؟ تین، تو اس میں سے تین حصے نصف والے کو مل جائیں گے۔ چھ کا ثلث کتنا ہوتا ہے؟ تین حصے کرو چھ کے، ایک میں کتنا آئے گا؟ چھ کو تین آدمیوں میں تقسیم کرو، دو آ جائے گا۔ تو دیکھو، دو حصے ایک کو مل جائیں گے۔ اور ایک حصہ رہ گیا وہ سدس والے کو مل گیا۔ تقسیم ٹھیک ہو گئی یا نہیں ہو گئی؟ تو یہ معنیٰ ہے کہ ان کو برابر کر لے، یعنی ان کی پیمائش وغیرہ کر کے سب سے چھوٹا جو حصہ ہے، اس کے اعتبار سے اس زمین کے، اس مکان کے حصے بنا دے، یہ معنیٰ ہے۔

---

[۴] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۷۰):** صوتی درس کی قراءت میں «أَيْ تُصَوِّرُ الدَّارَ الْمَقْسُومَةَ عَلَى قِرْطَاسٍ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «أي يُصَوِّرُ الدَّارَ المقسومةَ على قرطاس؛» منقول ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَيَعْدِلُهَا، أَيْ يُسَوِّيهَا عَلَى سِهَامِ الْقِسْمَةِ» یعنی اس کو برابر کرلے تقسیم کے حصوں پر۔ «وَيَذْرَعُهَا، وَيُصَوِّرُ الذُّرْعَانَ عَلَى ذٰلِكَ الْقِرْطَاسِ بِقَلَمِ الْجَدْوَلِ»۔ «وَيَذْرَعُهَا» اور اس کی پیمائش کرلے۔ مکان کا نقشہ بنانا ہے کاغذ پر، تو ویسے ہی نہیں بنانا کہ ہاتھ سے لکیریں کھینچ دیں اور بنا دیا، نہیں نہیں، باقاعدہ پیمائش کرنی ہے۔ آپ نے کبھی نقشے دیکھے ہیں؟ نقشوں پر غور کیا ہے؟ ہر نقشے کے ساتھ اس کا پیمانہ دیا ہوتا ہے کہ مثلاً اس نقشے پر ایک انچ دس میل کے برابر ہے۔ ایک انچ کتنے کے برابر؟ دس میل کے برابر ہے۔ تو اب آپ نقشے کے اندر دو جگہوں کے درمیان فاصلہ معلوم کرنا ہو تو آپ اس کو پیمانہ لے کر، فٹا لے کر اس کو ناپ لیں گے۔ اور آپ نے دیکھا تو ان کے درمیان مثلاً ساڑھے تین انچ کا فاصلہ ہے۔ اور ایک انچ کتنے کے برابر تھا؟ دس میل کے، تو ساڑھے تین کو دس سے ضرب دی تو کیا آیا؟ پینتیس۔ تو گویا ان دو جگہوں کے درمیان پینتیس میل کا فاصلہ ہے، سیدھا سیدھا فاصلہ، سڑک کا راستہ کی بات نہیں ہو رہی، سڑک تو ٹیڑھی میڑھی کہیں سے گزر کر جائے گی، سیدھا ان دونوں شہروں میں، ان دو جگہوں میں کتنا فاصلہ ہے مثلاً؟ پینتیس میل ہے۔ تو یہ معنیٰ ہے کہ اس گھر کی پیمائش کرے گا، اس کے لیے ایک پیمانہ مقرر کرے گا اور پھر اس کے مطابق گھر کو اس کاغذ پر بنائے گا۔ مثلاً وہ گھر سو گز کا ہے، لمبائی بھی سو گز، چوڑائی بھی سو گز، تو اب یوں کرلے کہ ہر دس گز کو ایک انچ بنا لے پیمانہ۔ سو گز ایک طرف، تو اس نقشے پر گھر کی چوڑائی کتنے انچ بن جائے گی؟ دس انچ، اور لمبائی بھی کتنی بن جائے گی؟ دس انچ۔ تو اس طرح وہ اس گھر کو بنائے گا پوری پیمائش کرکے، بات سمجھ میں آرہی ہے سب کو؟

تو یہ معنیٰ ہے: «وَيَذْرَعُهَا» اور اس کی پیمائش کرلے۔ «وَيُصَوِّرُ الذُّرْعَانَ عَلَى ذٰلِكَ الْقِرْطَاسِ بِقَلَمِ الْجَدْوَلِ» اور صورت بنا لے ان ذراعوں کی، وہ جو پیمائش کی ہے ان کی، «عَلَى ذٰلِكَ الْقِرْطَاسِ» اس کاغذ کے اوپر «بِقَلَمِ الْجَدْوَلِ» جدول کے قلم سے۔ کس سے کرلے؟ جدول کے قلم سے اس کی صورت بنا لے۔ بھئی یہ جدول جو ہے نا، جدول نقشے کو کہتے ہیں، ایسا نقشہ جس میں خانے بنے ہوں، ڈبے بنے ہوں۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ جدول، یا تو نقشے کو کہہ لیں، یا وہ جو ڈبے بنے ہوتے ہیں۔ اور تو یہاں پر بھی دیکھو: سو گز چوڑائی اور سو گز لمبائی، اور کاغذ پر کتنا بنایا؟ دس انچ چوڑائی اور دس انچ لمبائی۔ ہر انچ کتنے گز کے برابر؟ دس گز کے برابر۔ یہ ہے وہ قلمِ جدول، وہ جو پیمائش کرکے خانوں کے حساب سے، گویا ایک طرف چلیں تو بھی دس خانے بنیں گے ایک ایک انچ والے، اور چوڑائی میں بھی چلیں تو کتنے خانے بنیں گے؟ دس خانے بنیں گے ایک ایک انچ والے۔ یہ ہے قلمِ جدول، یعنی وہ جو خانوں کے ساتھ نقشے میں بنایا جاتا ہے، صورت بنائی جاتی ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَيُصَوِّرُ الذُّرْعَانَ عَلَى ذٰلِكَ الْقِرْطَاسِ بِقَلَمِ الْجَدْوَلِ» اور صورت بنا لے ان ذراعوں کی اس صفحے پر جدول کے قلم سے۔ «فَيَكُونُ كُلُّ ذِرَاعٍ فِي ذِرَاعٍ بِشَكْلِ لَبِنَةٍ» تو ہوگا ہر ذراع فی ذراع، یعنی «كُلُّ ذِرَاعٍ مَضْرُوبٍ فِي ذِرَاعٍ» ذراع ضرب ذراع۔ بھئی یہ جو زمینیں بیچی جاتی ہیں، اگر آپ کو پتہ ہو، یہ مربع فٹ یا مربع گز کے حساب سے بیچی جاتی ہیں۔ کس

حساب سے؟ مربع گز۔ مثلاً ایک دکان آپ خریدنا چاہتے ہیں، آپ گئے تو وہ آپ کو کہے گا بھئی یہ سو مربع فٹ ہے یہ دکان۔ سو مربع فٹ۔ وہ کس طرح؟ مربع فٹ کا مطلب یہ ہے: چوڑائی بھی ایک فٹ اور لمبائی بھی ایک فٹ۔ تو دیکھو یہ ایک چوکور ڈبہ سا بن گیا، یہ ہے مربع فٹ، جس کی چوڑائی بھی کتنی ہے؟ ایک فٹ، لمبائی بھی کتنی ہے؟ ایک فٹ۔ تو اب ایک طرف سے آپ ناپنا، مثلاً دکان ہے سو مربع فٹ، تو لمبائی بھی اس کی کتنی ہے فرض کریں؟ دس فٹ۔ چوڑائی بھی کتنی ہے؟ دس فٹ۔ تو ہر لمبائی کے اندر آپ دس فٹ آئیں تو ہر فٹ پر ایک ایک مربع فٹ آتا جا رہا ہے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے کہ ایک ڈبہ بن رہا ہے، ایک، کہ نہیں صورت سمجھ میں آ رہی؟ یوں سمجھیں جیسے ایک، یہ اینٹیں ہیں جن سے دیوار بنائی جاتی ہے، یہ تو ایک طرف لمبی ہے اور ایک طرف چوڑی ہے نا، اس کو دونوں طرف برابر کر لیں، لمبائی بھی برابر ہو اور چوڑائی بھی برابر۔ تو ایک فٹ چوڑائی، ایک فٹ لمبائی، یہ اب اس دکان کے اندر آپ رکھنا شروع کریں، تو ایک طرف سے پٹی سی بنتی چلی جائے گی دوسری۔ یہ ہے جی دس مربع فٹ۔ کتنی ہے؟ دس مربع فٹ۔ اس کے ساتھ ایسی ہی دس اینٹوں والی ایک اور پٹی ساتھ بنا دو، اب کتنی ہو گئی؟ بیس مربع فٹ۔ اس کے ساتھ ایک تیسری لائن لگا دیں دس اینٹوں والی، ہر اینٹ ایک مربع فٹ کی ہے۔ تیسری لائن لگا دی دس اینٹوں کی، یہ کتنی بن گئی؟ تیس مربع فٹ۔ تو یہ اس طرح سو مربع فٹ ایک دکان بن گئی: دس فٹ چوڑائی، دس فٹ لمبائی۔

اور اگر چوڑائی صرف پانچ فٹ ہے، تو لمبائی کتنی ہوگی؟ دیکھو، خود دیکھو، سو مربع فٹ ہے نا، پانچ فٹ کتنی ہے؟ چوڑائی کتنی ہے؟ پانچ فٹ۔ کتنی اینٹیں آئیں گی چوڑائی میں؟ پانچ اینٹیں آئیں گی۔ ہر اینٹ ایک فٹ کی ہے، تو پانچ اینٹیں آ گئیں، یہ پانچ مربع فٹ ہو گئے۔ اس کے ساتھ ایک اور اینٹ کی قطار لگائیں، پانچ اور اینٹیں لگیں تو کتنی ہو گئیں؟ دس۔ پھر ایک اور لگائیں، پندرہ۔ معلوم ہوا کتنی لائنیں لگیں گی کہ سو فٹ بنے؟ ہاں، بیس لائنیں، بیس لائنیں۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ معلوم ہوا چوڑائی اگر پانچ فٹ ہے تو لمبائی بیس فٹ ہے اس دکان کی، جب وہ سو مربع فٹ آپ کو کہہ رہا ہے۔ اور اگر چوڑائی دس فٹ ہے، معلوم ہوا لمبائی بھی کتنی ہے؟ دس فٹ ہے۔ اور صورت بنا لیں، اور صورت بنا لیں، مثلاً اس کی چوڑائی جو ہے نا وہ بیس فٹ ہے، چوڑائی کتنی ہے؟ بیس فٹ ہے، تو ایک قطار اینٹوں کی اس میں لگائیں مربع فٹ والی، بیس اینٹیں لگ گئیں، یہ کتنا ہے؟ بیس مربع فٹ۔ اس کے ساتھ ایک اور لائن لگا دیں اینٹوں کی: چالیس۔ ایک اور: ساٹھ۔ ایک اور: اسی۔ ایک اور: سو۔ معلوم ہوا پانچ، پانچ لائنیں، یعنی پانچ فٹ اس کی لمبائی ہے اور بیس فٹ اس کی چوڑائی ہے، تو یہ سو مربع فٹ بن رہے ہیں۔ تو یہ ہے مربع فٹ۔ مربع فٹ کو کیا کہتے ہیں؟ فٹ ضرب فٹ۔ ایک طرف سے بھی فٹ، دوسری طرف سے بھی فٹ۔ اور یہ

ذراع ذکر کر رہے ہیں۔ «فَيَكُونُ كُلُّ ذِرَاعٍ فِي ذِرَاعٍ»، ذراع ضرب ذراع یوں کہو۔ ذراع کتنا ہوتا ہے؟ ڈیڑھ فٹ کا، شرعی گز ہے، ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے۔ تو ڈیڑھ فٹ ضرب ڈیڑھ فٹ بھائی۔ یہ اس زمانے میں یہ پیمانے رائج تھے۔ آج کل،

آج کل فٹوں کا حساب چلتا ہے، یا گزوں کا، یا میٹر، میٹر چلتے ہیں۔ تو اس طرح زمین کی پیمائش ہوتی ہے۔

تو «فَيَكُونُ كُلُّ ذِرَاعٍ فِي ذِرَاعٍ بِشَكْلِ لَبِنَةٍ»، تو لَبِنَہ کہتے ہیں خام اینٹ کو بھائی، جس سے دیوار یا گھر کمرے بنائے جاتے ہیں، کچی اینٹ مٹی کی، جس کو فارسی میں خشت کہتے ہیں، خشت۔ «فَيَكُونُ كُلُّ ذِرَاعٍ فِي ذِرَاعٍ بِشَكْلِ لَبِنَةٍ»، تو ہر ذراع ضرب ذراع جو ہے، «كُلُّ ذِرَاعٍ» میں نے بتلا دیا عبارت کیا ہے: «كُلُّ ذِرَاعٍ مَضْرُوبٍ فِي ذِرَاعٍ»، وہی ہے ذراع ضرب ذراع۔ تو ہر ذراع ضرب ذراع جو ہے، «بِشَكْلِ لَبِنَةٍ» ایک اینٹ کی شکل میں ہوگا۔ کس شکل میں ہوگا؟ اینٹ کی شکل میں۔ میں نے ابھی بتلایا ایک اینٹ فرض کرو چوڑائی بھی کتنی ہو؟ ایک فٹ، لمبائی بھی کتنی ہو؟ ایک فٹ۔ اور یہ کتنا کہہ رہے ہیں؟ یہ تو ذراع بتا رہے ہیں تو ذراع ایک اینٹ ہے، ڈیڑھ فٹ چوڑائی، ڈیڑھ فٹ لمبائی۔ یہ وہ خانے بن گئے، کاغذ پر خانے بن گئے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو وہ ہر خانہ گویا ایک مربع ذراع کے برابر ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ ہر خانہ ایک مربع ذراع کے برابر ہے۔ ہم نے تو فٹ فرض کیے نا، لمبائی بھی فٹ اس اینٹ کی، چوڑائی بھی فٹ۔ ہاں، لیکن یہ کتنا بتا رہے ہیں؟ ذراع۔ تو ڈیڑھ فٹ، لمبائی بھی کتنی؟ ڈیڑھ فٹ، چوڑائی بھی کتنی؟ ڈیڑھ فٹ۔ تو یہ جو ذراع ضرب ذراع ہے، ذراع ضرب ذراع کا کیا معنیٰ؟ لمبائی بھی ڈیڑھ فٹ، چوڑائی بھی ڈیڑھ فٹ۔ تو یہ جو ذراع ضرب ذراع ہوگا، «بِشَكْلِ لَبِنَةٍ» کس شکل میں ہوگا؟ اینٹ کی شکل میں ہوگا یعنی خانے کی شکل میں ہوگا، کاغذ پر خانہ بن جائے گا اس کا۔

«وَيُقَدِّرُ الْبُيُوتَ وَالصُّفَّةَ وَغَيْرَهُمَا بِتِلْكَ الذُّرْعَانِ» اور گھروں کا اندازہ لگائے۔ «قَدَّرَ يُقَدِّرُ» کا معنیٰ اندازہ لگانا، اندازہ لگانا، تخمینہ لگانا یا مقرر کرنا بھائی، مقدار مقرر کرنا۔ «وَيُقَدِّرُ الْبُيُوتَ وَالصُّفَّةَ»، صُفَّہ کہتے ہیں سائبان بھائی، سائبان، جو چھپر وغیرہ جو مکانوں وغیرہ کا سائے کے لیے بنایا ہوتا تھا قدیم زمانے میں، آج کل جیسے برآمدہ ہے یوں سمجھ لیں، جو کھلا ہوتا ہے، ہر طرف سے ہوا اس میں لگتی ہے بھائی۔ «وَيُقَدِّرُ الْبُيُوتَ وَالصُّفَّةَ» اور مقدار مقرر کرلے گھروں کی «وَالصُّفَّةَ» اور سائبانوں کی، وہ جو برآمدہ یوں کہو برآمدے کہہ لو، اور تو ان کی مقدار مقرر کرے یا ان کا اندازہ لگا لے۔

بھائی پیمائش کرلی نا، زمین ہے سو گز ضرب سو گز، اور اس میں جو چار کمرے بنے ہوئے ہیں وہ پچیس گز ضرب پچیس گز کے ہیں کل، پچیس گز ضرب پچیس گز کے، باقی زمین خالی پڑی ہے، اور ہاں بلکہ اس میں ایک دس ضرب دس کا ایک برآمدہ بھی ہے۔ تو یہ ساری دیکھو ان سب کی وہ پیمائش کرے گا۔ پھر جو اس نے نقشہ بنایا، جو جدول بنایا ہے، اس کے مطابق وہ پیمائش کے مطابق ان کی صورتیں اس نقشے پر بنا دے گا کہ نقشہ دیکھتے ہی پتہ لگ جائے دیکھنے والے کو کہ یہ یہاں تو دس گز کتنے انچ کے برابر ہیں؟ ایک انچ کے برابر ہیں، تو یہاں پر یہ ڈھائی انچ ضرب ڈھائی انچ کا کمرہ بنا ہوا ہے، معلوم ہوا یہ پچیس ذراع ضرب پچیس ذراع ہے بھائی۔ تو اس طرح یہ معنیٰ ہے۔

«وَيُقَدِّرُ الْبُيُوتَ وَالصُّفَّةَ وَغَيْرَهُمَا بِتِلْكَ الذُّرْعَانِ» اور مقدار مقرر کرلے ان کمروں کی اور ان برآمدوں کی اور ان کے علاوہ اور چیزوں کی «بِتِلْكَ الذُّرْعَانِ» ان ذراعوں سے، وہ جو ذراع ضرب ذراع کا پیمانہ بنایا اس کے ساتھ ان کی مقدار مقرر

کرلے، ان کا اندازہ لگا کر ان کو بنا لے۔

«وَيُقَوِّمُ الْبِنَاءَ» اور اس عمارت کی قیمت لگا لے۔ یہ جو پچیس ضرب پچیس گز کے کمرے ہیں ان کی قیمت کیا ہے؟ کیونکہ زمین کے ساتھ ساتھ اس مکان کو بھی تقسیم کرنا ہے تو کسی کے حصے میں وہ آئے گا، کسی کے حصے میں نہیں آئے گا، تو پھر وہ ایک کہے گا مجھے تو میرے حصے میں تو کمرہ نہیں آیا۔ تو جب قیمت لگی ہوگی تو اس قیمت کے اعتبار سے اس کے حصے میں اتنی ہی زیادتی کر دی جائے گی جس کو کمرہ نہیں ملا۔ تو «وَيُقَوِّمُ الْبِنَاءَ» اور عمارت کی قیمت لگا لے۔

«وَيَبْتَدِئُ الْقِسْمَةَ مِنْ أَيِّ طَرَفٍ شَاءَ» اور ابتدا کرے، آغاز کرے قسمت کا جس طرف سے وہ چاہے۔ جس طرف سے چاہے تقسیم کا آغاز کرے، چاہے دائیں طرف سے، چاہے بائیں طرف سے، یا یوں کہو چاہے شمالی طرف سے، چاہے جنوبی طرف سے۔ جس طرف سے جیسے بھی اس نے حصے بنائے ہیں تو جس طرف سے وہ چاہے ان کی تقسیم شروع کر دے۔

«وَيَبْتَدِئُ الْقِسْمَةَ مِنْ أَيِّ طَرَفٍ شَاءَ» اور جس طرف سے چاہے وہ تقسیم شروع کر دے۔ «فَإِنْ جَعَلَ الْجَانِبَ الْغَرْبِيَّ أَوَّلًا، يَجْعَلُ مَا يَلِيهِ ثَانِيًا» پس اگر وہ بنا دیتا ہے مغربی جانب کو اول، مغربی جانب کو اگر وہ اول قرار دے دیتا ہے تو «يَجْعَلُ مَا يَلِيهِ» تو بنا دے وہ جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہے اس کو «ثَانِيًا» دوسرا۔ حصوں کے نام رکھنے ہیں نا: اول، ثانی، ثالث اور رابع مثلاً۔ تو اگر ایک جانب سے شروع کر رہا ہے تو جو پہلا بنایا وہ اس کا نام کیا رکھ دیا؟ اول۔ اس کے ساتھ والے کا نام کیا رکھ دیں گے؟ ثانی۔ اور اس کے ساتھ والے کا؟ ثالث۔ یہ معنیٰ ہے۔ تو «فَإِنْ جَعَلَ الْجَانِبَ الْغَرْبِيَّ أَوَّلًا، يَجْعَلُ مَا يَلِيهِ ثَانِيًا» پس اگر وہ بنا دیتا ہے مغربی جانب کو اول، تو بنا دے اس کے ساتھ والے کو ثانی۔ «ثُمَّ مَا يَلِيهِ ثَالِثًا» پھر جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہے اس کو ثالث بنا دے۔ «وَهٰكَذَا» اور اسی طرح۔

«وَيَكْتُبُ أَسْمَاءَ أَصْحَابِ السِّهَامِ إِمَّا عَلَى الْقُرْعَةِ أَوْ غَيْرِهِمَا» اور لکھ لے «أَسْمَاءَ أَصْحَابِ السِّهَامِ» حصے والے جو ساتھی ہیں، وہ اصحاب ہیں ان کے نام لکھ لے، «إِمَّا عَلَى الْقُرْعَةِ» یا تو قرعے پر لکھ لے، «أَوْ غَيْرِهِمَا» یا اس کے علاوہ کسی چیز پر۔ یعنی کیا کروا دے؟ قرعہ اندازی کروا دے، قرعے پر لکھ لے، کاغذ وغیرہ پر ان کے نام لکھ لے۔

«فَمَنْ خَرَجَ اسْمُهُ أَوَّلًا، يُعْطَى نَصِيبُهُ مِنَ الْجَانِبِ الْغَرْبِيِّ» پس جس کا نام پہلے نکلے، «يُعْطَى نَصِيبُهُ مِنَ الْجَانِبِ الْغَرْبِيِّ» تو اس کو دے دے اس کا حصہ مغربی جانب سے۔ مغربی جانب والے سے آغاز کیا تھا، پہلے کا نام کیا رکھا تھا؟ اول۔ دوسرے کا؟ ثانی۔ تیسرے کا؟ ثالث۔ اور اسی طرح آگے چلتے جائیں گے نام۔ تو جب جس کا نام سب سے پہلے نکلے اس کو مغربی جانب سے پہلا حصہ دے دے۔ معنیٰ سمجھ میں آیا؟ یہ معنیٰ ہے: «فَمَنْ خَرَجَ اسْمُهُ أَوَّلًا» پس جس کا نام پہلے نکلے، «يُعْطَى نَصِيبُهُ مِنَ الْجَانِبِ الْغَرْبِيِّ» تو اس کو دے دے اس کا حصہ مغربی جانب سے، «جُمْلَةً مِنَ الْعَرْصَةِ وَالْبِنَاءِ» مجموعہ صحن اور عمارت میں سے، مجموعہ صحن اور عمارت میں سے۔ یعنی حصے تقسیم کر دیے تھے، اس پہلے حصے میں جو عمارت آ

رہی تھی وہ بھی اس کے حوالے کردے، اس کو دے دے، یہ اس کے پہلے حصے میں ہے۔ صحن بھی اس میں آئے گا، خالی زمین بھی آئے گی اور کچھ عمارت بھی مثلاً اس کے اندر آرہی ہے وہ بھی اس کے اندر دے دے گا۔ پہلے حصے میں جو جو کچھ آرہا تھا وہ اس کو دے دے گا۔ پھر دوسرے حصے میں جو کچھ آرہا ہے وہ بھی دے دے گا، پھر تیسرے حصے میں جس کا نام نکلے اس کو تیسرے حصے والا دے دیں گے۔

یہ معنیٰ ہے: «جُمْلَةً مِنَ الْعَرْصَةِ وَالْبِنَاءِ» جملہ یعنی مجموعہ صحن اور عمارت میں سے، «إِلَى أَنْ يَتِمَّ نَصِيبُهُ» یہاں تک کہ اس کا حصہ پورا ہو جائے۔ صحن میں سے بھی اس کا جو حصہ بنتا ہے وہ دے دے اور عمارت میں سے بھی جو حصہ بنتا ہے وہ دے دے، یہاں تک کہ اس کا حصہ کیا ہو جائے؟ پورا ہو جائے، جی۔ بھائی وہ حصے کیے تھے نا، چھ حصے کیے تھے۔ ایک کو کتنا دینا ہے؟ سدس۔ ایک کو؟ ثلث۔ اور ایک کو؟ نصف۔ تو جس کا نام پہلے نکلے، اس کا اگر سدس بنتا ہے تو سدس اس پیمانے کے مطابق جہاں بنتا ہے وہ اس کو دے دے۔ اور ساتھ کیا ہو، اگر عمارت آسکتی ہے، عمارت میں سے بھی حصہ دے۔ اگر نہ آسکے، پھر تو وہ آگے تفصیل آجائے گی جی۔

یہاں تک: «إِلَى أَنْ يَتِمَّ نَصِيبُهُ» یہاں تک کہ اس کا حصہ پورا ہو جائے۔ «ثُمَّ مَنْ خَرَجَ اسْمُهُ ثَانِيًا، يُعْطَى نَصِيبُهُ مُتَّصِلًا بِالْأَوَّلِ» پھر جس کا نام دوسرے نمبر پر نکلے، «يُعْطَى نَصِيبُهُ مُتَّصِلًا بِالْأَوَّلِ» تو دے دے اس کو اس کا حصہ «مُتَّصِلًا بِالْأَوَّلِ»۔ چلیں «يُعْطِي» میں پڑھ رہا ہوں، «يُعْطِي» بھی پڑھ لیں ٹھیک ہے، وہ قاسم دے دے گا کہ یہ تمہارا حصہ ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ یا مجہول بنا لیں «يُعْطَى»، اوپر بھی ہے «يُعْطَى نَصِيبُهُ» اس کا حصہ اس کو دے دیا جائے گا۔ تو «يُعْطَى نَصِيبُهُ مُتَّصِلًا بِالْأَوَّلِ» اس کو دے دیا جائے گا اس کا وہ اس کا حصہ جو ملا ہوا ہے اول حصے کے ساتھ، «وَهٰكَذَا إِلَى أَنْ يَتِمَّ» اور اسی طرح یہاں تک کہ پورا ہو جائے، یعنی تقسیم پوری ہو جائے، ہر ایک کو اس کا حصہ دے دے۔ «سَوَاءً كَانَتِ الْأَنْصِبَاءُ مُتَسَاوِيَةً أَوْ مُتَفَاوِتَةً» برابر ہے کہ حصے برابر ہوں یا مختلف ہوں۔ اس طریقے سے تقسیم کرلے، چاہے حصے برابر ہوں، چاہے کمی بیشی ہو، کیا کرلے؟ اس مکان کے حصے بنا لے جیسے میں نے بتایا کہ سب سے چھوٹے حصے کا اعتبار کر کے اس اعتبار سے اس کو تقسیم کردے۔

یہاں تک صورت سب کو سمجھ میں آگئی؟ «وَلَا يَدْخُلُ الدَّرَاهِمُ فِي الْقِسْمَةِ إِلَّا بِرِضَاهُمْ» اور داخل نہیں ہوں گے درہم تقسیم کے اندر مگر ان سب کی رضامندی سے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو مثلاً ایک ان میں سے کہتا ہے کہ بھائی یوں کرو، یہ مکان میرے حصے میں دے دو مجھے اور میں تمہیں اس کے بدلے کیا دے دوں گا؟ پیسے دے دوں گا، پانچ لاکھ روپے دے دوں گا یہ جو دو کمرے بنے ہوئے ہیں اس کے بدلے میں میں آپ کو۔ اب وہ دیکھو کیا داخل کرنا چاہتا ہے تقسیم کے اندر؟ پیسے، درہم، دینار یا کرنسی، پیسے داخل کرنا چاہتا ہے۔ کہتے ہیں یہ اگر دونوں راضی ہیں پھر تو داخل کیے جائیں گے پیسے، اگر دونوں راضی نہیں تو پیسے داخل نہیں کریں گے۔ کیونکہ یہ جو قاسم تقسیم کرنے آئے ہیں، یہ تو جس چیز میں شرکت ہے اس کو،

اس کی تقسیم کرنے آئے ہیں۔ اور پیسوں میں کوئی شرکت ہے؟ نہیں، وہ تو ایک اپنی طرف سے دے رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا اگر دونوں کی رضامندی ہو پھر ٹھیک ہے، پھر پیسے داخل کر دیں اس میں، اور اگر دونوں راضی نہیں ہیں تو پھر پیسے نہیں داخل کریں گے۔

یہ معنیٰ ہے: «وَلَا يَدْخُلُ الدَّرَاهِمُ فِي الْقِسْمَةِ إِلَّا بِرِضَاهُمْ» اور داخل نہیں ہوں گے درہم تقسیم کے اندر مگر ان سب کی رضامندی سے۔ «أَيْ لَا يَدْخُلُ فِي قِسْمَةِ الْعَقَارِ الدَّرَاهِمُ إِلَّا بِالتَّرَاضِي» یعنی داخل نہیں ہوں گے جائیداد کی تقسیم کے اندر درہم مگر باہمی رضامندی سے۔

«حَتَّى إِذَا كَانَ أَرْضٌ وَبِنَاءٌ، يُقَسَّمُ بِطَرِيقِ الْقِيمَةِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ» یہاں تک کہ اگر زمین ہوئی «وَبِنَاءٌ» اور عمارت بھی ہوئی، تو «يُقَسَّمُ بِطَرِيقِ الْقِيمَةِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ» تو تقسیم کیا جائے گا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک قیمت کے طریقے پر۔

یہاں سے اختلاف ذکر کر رہے ہیں بھائی۔ اختلاف ہے ہمارے ائمہ ثلاثہ میں کہ اگر ایک ایسی زمین تقسیم کرنے لگے جس میں عمارت بھی ہے، کچھ حصے پر عمارت ہے، باقی کھلی جگہ ہے۔ اب اس کو تقسیم کرنے لگے تو کیسے تقسیم کریں گے؟ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قیمت لگائی جائے گی۔ اس زمین کی قیمت الگ لگا لو، اس عمارت کی قیمت الگ لگا لو۔ مثلاً وہ زمین ہے ایک کروڑ کی، اور وہ جو درمیان میں عمارت بنی ہوئی ہے وہ دس لاکھ کی ہے۔ تو کل کتنی قیمت ہو گئی گویا اس ساری جائیداد کی؟ ایک کروڑ دس لاکھ۔ اب اس کے مثلاً دو آدمیوں میں تقسیم کرنا تھا تو دو حصے کر دے۔ ایک حصہ کتنے کا بن گیا؟ پچپن لاکھ۔ پچپن لاکھ ایک حصہ ہوا اور پچپن لاکھ کا ہی دوسرا حصہ۔ اب اس اعتبار سے تقسیم کر دے، ایک کو زمین میں سے اتنا حصہ دے جو پچپن لاکھ کا بن رہا ہو، اور دوسرے کو بھی اتنا حصہ دے جو کتنے کا بن رہا ہو؟ پچپن لاکھ کا بن رہا ہو۔ عمارت جس طرف چلی گئی ظاہر سی بات ہے اس طرف زمین پھر کم جائے گی اور دوسرے کی طرف زمین ذرا زیادہ آئے گی۔ لیکن بہرحال وہ فرماتے ہیں قیمت کا اعتبار کرنا ہے، پیمائش وغیرہ کا اعتبار نہیں کرنا۔

جب کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ زمین کو بیچا جا رہا ہے اور زمین جو ہے وہ ممسوحات میں سے ہے، یعنی وہ اس کی پیمائش کی جاتی ہے۔ مختلف پیمانے ہیں نا ہر چیز کے بیچنے کے، کچھ چیزوں کو وزن کیا جاتا ہے، کچھ چیزوں کو گنا جاتا ہے اور کچھ چیزوں کی پیمائش کی جاتی ہے۔ تو زمین کس میں سے ہے؟ ممسوحات میں سے جن کی پیمائش کی جاتی ہے۔ تو لہٰذا اس کی تقسیم بالمساحت ہوگی، پیمائش کے ساتھ تقسیم کریں گے۔ کس کے ساتھ؟ پیمائش کے ساتھ۔ مثلاً سو گز کی زمین ہے اور درمیان میں کچھ کمرے بھی بنے ہوئے ہیں، تو سو گز کے اعتبار سے کیا کر لیں گے؟ تقسیم کریں گے یعنی پچاس

گز ایک کو دیں گے، پچاس گز دوسرے کو دے دیں گے۔ اور پھر ایک کے اندر اگر، عمارت ایک کے حصے میں آ رہی ہے، تو اب وہ اس عمارت کی قیمت لگا کر آدھے پیسے دوسرے کو دے دے گا۔ کتنے پیسے؟ مثلاً وہ عمارت جو بیچ میں آ رہی تھی وہ تھی دس لاکھ کی، وہ ایک کے حصے میں آئی۔ تو گویا اس کو دس لاکھ زائد مل رہے ہیں، تو یہ پانچ لاکھ یعنی اس عمارت کے آدھے پیسے، پانچ لاکھ اپنے ساتھی کو دے دے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ اب برابری ہو گئی کہ نہیں ہو گئی؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں اصل تقسیم پیمائش کے ذریعے کرنی ہے کیونکہ زمین ممسوحات میں سے ہے، تو اس کی تقسیم بالمساحت ہوگی۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تو فرما رہے تھے کہ قیمت لگا لو، مساحت کی ضرورت نہیں، قیمت کے اعتبار سے تقسیم کرو۔ امام صاحب فرماتے ہیں: نہیں، تقسیم مساحت کے اعتبار سے ہوگی۔ ہاں ضرورت کی بنا پر درہم داخل ہو سکتے ہیں، ضرورت کی بنا پر درہم اور دینار اور کرنسی اس کے اندر داخل ہو سکتی ہے۔ اور یہاں ضرورت پیش آ گئی کہ ایک میں عمارت ہے، ایک میں نہیں ہے، تو اب کرنسی داخل کر دو، پانچ لاکھ روپے بھی دے دے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو بھائی زمین کتنے کی تھی؟ زمین تھی ایک کروڑ کی اور اس کے اندر جو عمارت ہے وہ دس لاکھ کی ہے۔ تو میں نے آپ کو کیا بتلایا کہ عمارت ایک کے حصے میں آئی ہے تو وہ دوسرے کو پانچ لاکھ دے دے گا۔ پانچ لاکھ۔ آپ کہیں گے بھائی دس لاکھ کی عمارت آئی ہے تو پانچ لاکھ کیوں دے گا؟ بھائی ظاہر سی بات ہے، دس لاکھ اس کے پاس زائد گئے ہیں تو اس دس لاکھ کو دونوں میں تقسیم کریں گے، آدھا ایک کے لیے ہوگا، آدھا دوسرے کے لیے، تو پانچ لاکھ تو اس کا اپنا حصہ ہو گیا اور پانچ لاکھ زائد ہیں وہ دوسرے کو دے دے، تو دونوں طرف مساوات ہو جائے گی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پیمائش کے ذریعے ہی تقسیم ہوگی۔ ایک کو بھی پچاس گز دیے اور دوسرے کو بھی پچاس گز۔ اب ایک کے حصے میں کمرہ آیا، عمارت آ گئی کچھ، تو وہ اس کمرے کی قیمت کے نصف کے بقدر زمین دوسرے کو دے دے گا۔ کمرہ کتنے کا؟ دس لاکھ کا۔ دوسرے کو دے نہیں دے گا یعنی اس کے حصے میں قاسم کیا کر دے گا؟ وہ ایک حصہ اس طرح بنا دے گا، ایک حصہ اس طرح۔ تو اس میں پھر کیا کرے؟ ایک حصے میں عمارت آ رہی ہے، تو، اور عمارت کتنے کی ہے؟ دس لاکھ کی۔ تو عمارت والے حصے میں سے دس لاکھ کا نصف کتنا؟ پانچ لاکھ، پانچ لاکھ کی زمین دوسرے حصے میں شامل کر دے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ اب ایک حصہ تھوڑا سا بڑا ہے، دوسرا حصہ تھوڑا سا چھوٹا ہے لیکن اس میں عمارت ہے، اب ان کی تقسیم دے دے، ایک حصہ ایک کو، دوسرا حصہ دوسرے کو جس کا نام نکلتا ہے دے دے۔ تو یہ معنیٰ نہیں ہے کہ وہ تقسیم کر دے گا پھر وہ آپس میں حصے بناتے رہیں گے کہ میرے حصے میں عمارت، نہیں، نہیں، یہ سارا کام کون کر رہا ہے؟ قاسم کر رہا ہے، وہ اس طرح کر کے دے دے گا ان کو۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ درہم و دینار داخل کرو ابتدا سے ہی ضرورت، یہاں پر قیمت، قیمت لگاؤ اور قیمت کے اعتبار سے زمین تقسیم کر دو۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، تقسیم مساحت کے اعتبار سے کرو، البتہ ضرورت پیش آجائے تو پھر درہم و دینار کو بھی داخل کر لو۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، تقسیم کس کے ذریعے کرو؟ مساحت کے ذریعے کرو، اور پھر ایک کے حصے میں عمارت آرہی ہے تو دوسرے کے حصے میں اسی قدر زمین کے اندر کیا کر دی جائے گی؟ زیادتی کر دی جائے گی۔ ہاں اگر پھر بھی بالکل برابری نہیں ہوئی، ابھی بھی کوئی پچاس ہزار کا فرق آرہا ہے، تو اب صرف وہ پچاس ہزار داخل کر دو، اس کا آدھا وہ اس کو دے دے گا۔ ابھی بھی ایک کا حصہ کیا ہے؟ پچاس ہزار زائد بن رہا ہے، وہ زمین سے حساب پورا نہیں ہو رہا، برابر نہیں ہو رہا بھائی، تقسیم صحیح نہیں بن رہی، تو اب صرف وہ پچاس ہزار اس کے اندر داخل کر دو اور یہ ایک کی طرف زیادہ بن رہے ہیں تو وہ پچیس ہزار اس میں سے کیا کر دے؟ دوسرے کو دے دے۔ اب کیا ہو گئی؟ برابری ہو گئی۔ امام صاحب نے تو فرمایا تھا نا کہ دس لاکھ کی بلڈنگ ہے تو پانچ لاکھ ہی داخل کر دو تقسیم میں۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نہیں، پانچ لاکھ شامل کرنے کی ضرورت نہیں، درہم و دنانیر آپ داخل کر رہے ہیں ضرورت کی بنا پر، ضرورت صرف وہ پچاس ہزار کو شامل کر لو جو تھوڑا سا حصہ جس میں مساوات نہیں ہو سکتی، مجبوراً داخل کرنا پڑا، اور جہاں تک مساوات ہو سکتی ہے پیمائش کے ذریعے تو پیمائش سے ہی مساوات کر لیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب عبارت دیکھیے: «حَتَّى إِذَا كَانَ أَرْضٌ وَبِنَاءٌ» یہاں تک کہ اگر زمین تھی «وَبِنَاءٌ» اور عمارت تھی، تو «يُقَسَّمُ بِطَرِيقِ الْقِيمَةِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ» تقسیم کیا جائے گا قیمت کے طریقے پر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک۔ «وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ» اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک، «أَنَّهُ يُقَسَّمُ الْأَرْضُ بِالْمَسَاحَةِ» کہ زمین کو تقسیم کیا جائے گا پیمائش کے ساتھ۔ کس کے ساتھ؟ قیمت کے ساتھ نہیں بلکہ پیمائش کے ساتھ، یہ امام صاحب فرماتے ہیں۔ «فَالَّذِي وَقَعَ الْبِنَاءُ فِي نَصِيبِهِ» پس وہ شخص جس کے حصے میں عمارت واقع ہو، «يَرُدُّ عَلَى الْآخَرِ دَرَاهِمَ» وہ لوٹائے گا دوسرے کو درہم، «حَتَّى يُسَاوِيَهُ» یہاں تک کہ وہ اس کے برابر ہو جائے۔ «فَيَدْخُلُ الدَّرَاهِمُ ضَرُورَةً» تو دراہم جو ہیں وہ ضرورت کی بنا پر داخل ہوں گے، ویسے داخل نہیں ہوں گے۔

«وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ» اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «أَنَّهُ يَرُدُّ عَلَى شَرِيكِهِ مِنَ الْعَرْصَةِ فِي مُقَابَلَةِ الْبِنَاءِ» کہ وہ لوٹا دے گا اپنے شریک پر «مِنَ الْعَرْصَةِ» صحن میں سے یعنی خالی زمین میں سے «فِي مُقَابَلَةِ الْبِنَاءِ» عمارت کے مقابلے میں۔ عمارت دس لاکھ کی ہے تو دوسرے کو پانچ لاکھ کی زمین دے دے، اس کی آدھی زمین دے دے گا۔ «فَإِذَا بَقِيَ فَضْلٌ» پس اگر کچھ زائد بچ گیا «وَلَا يُمْكِنُ التَّسْوِيَةُ» اور اس میں برابری نہیں ہو سکتی زمین کی تقسیم کے ذریعے برابری نہیں ہو سکتی، مثلاً صرف چالیس پچاس ہزار کا فرق ابھی بھی رہ گیا ہے، تو «فَحِينَئِذٍ يُرَدُّ لِلْفَضْلِ دَرَاهِمُ» لوٹائے جائیں گے زائد کے لیے

درہم بھائی، «لِأَنَّ الضَّرُورَةَ فِي هٰذَا الْقَدْرِ» کیونکہ ضرورت صرف اتنی مقدار میں ہے، صرف یہ چالیس ہزار درہم، چالیس ہزار کے درہم داخل کرنے کی ضرورت ہے، زائد کے داخل کرنے کی ضرورت نہیں۔

«فَإِنْ وَقَعَ مَسِيلٌ فِي قِسْمٍ وَطَرِيقُهُ فِي قِسْمٍ آخَرَ بِلَا شَرْطٍ فِيهَا صُرِفَ إِنْ أَمْكَنَ وَإِلَّا فُسِخَتْ» بھائی یہ سارا متن ہونا چاہیے بھائی «فَإِنْ وَقَعَ مَسِيلٌ»۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ یہ سارا متن ہے۔ «فَإِنْ وَقَعَ مَسِيلٌ فِي قِسْمٍ»۔ مَسِیل کہتے ہیں پانی کے بہنے کی جگہ، اور راستہ۔ بھائی دیکھیے قاسم نے مکان کے، زمین کے دو حصے کر دیے۔ یاد رکھو وہ ایسی تقسیم کرے کہ ہر ایک کو راستہ بھی ملے، وہ اپنی جگہ پر آ جا سکے، اور پانی کے بہنے کی جگہ بھی ملے بھائی۔ پانی کا حصہ بھی اس کے، پانی کا حصہ ہو یا اس میں سے جو پانی بہہ کر نکلے گا تو اس کی بھی جگہ ہو، اس کا حصہ ہونا چاہیے۔ اور اگر اس کو دونوں نے کہا کہ بس ہماری زمین کے دو حصے کر دو، راستے بھی ہماری مشترکہ رہے گی، پانی کے بہانے کا حصہ بھی، پانی کا مسیل جو ہے، پانی بہانے کی جگہ بھی مشترکہ رہے گی، کوئی ایک دوسرے کی زمین میں پانی بہا سکتے ہیں۔ تو پھر تو ٹھیک ہے، پھر تو دو حصے کر دے۔ لیکن اگر یہ طے نہیں ہوا کہ ایک دوسرے کے راستے کو، میں، ایک دوسرے کی زمین میں آ جا سکتے ہیں یا پانی کے مسیل بنا سکتے ہیں، تو پھر اس صورت میں ہر ایک کے لیے راستہ بھی الگ کر دے اور پانی کا مسیل بھی الگ کر دے، تاکہ تقسیم پورے طور پر ہو جائے بھائی، بعد میں کوئی جھگڑا وغیرہ نہ ہو۔

تو کہتے ہیں: «فَإِنْ وَقَعَ مَسِيلٌ فِي قِسْمٍ» اگر مسیل یعنی پانی بہانے کی جگہ جو ہے ایک حصے میں آئی، «وَطَرِيقُهُ فِي قِسْمٍ آخَرَ» اور راستہ جو ہے دوسرے حصے میں آیا، «بِلَا شَرْطٍ فِيهَا» بغیر اس میں شرط لگائے، یعنی اشتراک کی شرط نہیں لگائی تھی کہ راستہ مشترکہ ہی ٹھیک ہے، پانی کا مسیل مشترکہ ہی ٹھیک ہے۔ اگر شرط لگائی تھی پھر تو الگ بات ہے، اگر شرط نہیں لگائی تھی اور پھر بھی مسیل اور حصہ ایک دوسرے کے اندر آ رہا ہے، تو «صُرِفَ» تو اس تقسیم کو کیا کیا جائے گا؟ پھیر دیا جائے گا، «إِنْ أَمْكَنَ» اگر ممکن ہو۔ تقسیم کو پھیر دیا جائے گا یعنی پانی اور راستے اور مسیل کو الگ الگ کر دیا جائے گا۔ پانی اور مسیل کو الگ الگ کر دیا جائے گا، اس کو پھیر کر تقسیم کو، «إِنْ أَمْكَنَ» اگر ممکن ہو۔ «وَإِلَّا» اور اگر ایسا ممکن نہ ہو، «فُسِخَتْ» تو اس تقسیم کو فسخ کر دیا جائے گا، نئے سرے سے نئی تقسیم کرو کہ ہر ایک کا راستہ بھی الگ ہو اور پانی کا مسیل بھی الگ ہو بھائی۔

آگے دیکھیے بھائی: «سِفْلٌ ذُو عُلْوٍ»۔ «سُفْلٌ»۔ سُفل کا معنیٰ ہے نیچے والی منزل۔ یہ «سِفْلٌ» بھی پڑھ سکتے ہیں آپ اور «سُفْلٌ» بھی، سین پر ضمہ بھی اور سین پر کسرہ بھی۔ یہ نیچے والی منزل۔ «عُلْوٌ» یہ اوپر والی منزل کو کہتے ہیں اور اس میں عین پر تینوں حرکتیں جائز ہیں: «عَلْوٌ، عُلْوٌ، عِلْوٌ»۔ اور جس کلمے کے فا میں تینوں حرکتیں جائز ہوں اس کو کہتے ہیں مُثَلَّثُ الْفَاء۔ کیا کہتے ہیں؟ مُثَلَّثُ الْفَاء، یعنی اس میں تینوں حرکتیں ہیں فا کے اندر۔ تو آپ کو اگر کوئی یہ کہہ دے کہ یہ «عُلْوٌ» مثلث الفاء ہے، تو بس آپ سمجھ جائیں کہ عین پر تینوں حرکتیں جائز ہیں، اب وہ تفصیل بیان نہ بھی کرے کہ «عُلْوٌ» بھی پڑھ سکتے ہو، «عِلْوٌ»

بھی پڑھ سکتے ہو، «عَلْوٌ» بھی پڑھ سکتے ہو، صرف مثلث الفاء کہنا ہی کافی ہے، وہ ان سب پر دلالت کر رہا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: «سِفْلٌ ذُو عُلْوٍ، وَسِفْلٌ وَعُلْوٌ مُجَرَّدَانِ، قُوِّمَ كُلُّ وَاحِدٍ وَقُسِمَ بِهَا عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى وَبِهِ يُفْتَى.»

بھائی دیکھیے تین صورتیں ہیں یہاں پر۔ ایک جائیداد دو آدمیوں میں مشترکہ ہے تو اس میں تین صورتیں بن سکتی ہیں: کہ وہ مکان ہی ایک منزلہ ہے، اس میں دونوں کی شرکت ہے۔ دوسری صورت: مکان تو دو منزلہ ہے لیکن شرکت صرف اوپر والی منزل میں ہے، نیچے والی منزل میں نہیں ہے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ مکان دو منزلہ اور دونوں کے اندر شرکت ہے، نیچے والی منزل میں بھی اور اوپر والی منزل میں بھی۔ تو تین صورتیں یا یوں کہو تینوں صورتوں میں دو منزلہ مکان ہے، ایک صورت میں شرکت صرف نچلی منزل میں ہے، ایک صورت میں شرکت صرف اوپر والی منزل میں ہے، اور تیسری صورت میں شرکت دونوں منزلوں کے اندر ہے۔

تو اب تقسیم کیسے کریں گے؟ بھائی اگر صرف نیچے والی منزل میں شرکت ہے تو آسان ہے، ابھی ہم نے آپ کو طریقہ بتا دیا، دونوں پیمائش کر دے اور برابر حصے کر دے۔ اوپر والی منزل میں صرف شرکت ہے، تو بھی آسان ہے، ایک منزل ہے، حصے بنا لے، برابر تقسیم کر دے، ایک حصہ ایک کو، دوسرا حصہ دوسرے کو۔ اگر دو منزلہ ہے تو پھر تقسیم کیسے کریں گے؟ کیا ایک کو نیچے والا حصہ دے دیں، ایک کو اوپر والا حصہ دے دیں؟ یا دونوں کو آدھا آدھا کریں؟ کیا صورت بنائیں گے؟ نیچے اور اوپر والے الگ الگ تقسیم ہوں گے یا اکٹھے تقسیم ہوں گے؟

تو امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قیمت لگائی جائے گی۔ کس اعتبار سے؟ قیمت لگائی جائے گی اس صورت میں ہر ایک کی۔ نیچے والے حصے کی قیمت لگا لو، فرض کرو نیچے والا حصہ پچاس لاکھ کا ہے، اور اوپر والا تیس لاکھ کا ہے، تو گویا کل مکان کی قیمت اسی لاکھ ہو گئی۔ تو اب اسی لاکھ میں سے ایک حصہ چالیس لاکھ والا بنا دو اور دوسرا حصہ بھی چالیس لاکھ والا بنا دو اور ان میں تقسیم کر دو۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قیمت نہیں لگائیں گے، پیمائش کے ساتھ تقسیم کریں گے، پیمائش کریں گے۔ اور پیمائش کس طرح کریں گے؟ کہتے ہیں نیچے والا ایک گز اوپر والے ایک گز کے برابر ہے۔ یعنی ایک کو نیچے والا حصہ دے دو، ایک کو اوپر والا حصہ دے دو، یا دونوں کو آدھا آدھا کر دو پیمائش کے اعتبار سے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تقسیم پیمائش کے۔ امام محمد رحمہ اللہ نے کیا فرمایا تھا؟ قیمت کے اعتبار سے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ پیمائش کے اعتبار سے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ پیمائش کے اعتبار سے تقسیم ہوگی، لیکن نیچے والا ایک گز اوپر والے دو گز کے

برابر ہوگا، کیونکہ نیچے والی منزل کے فائدے زیادہ ہیں۔ نیچے والی منزل میں آپ کنواں کھود سکتے ہیں، اوپر والی منزل میں تو کنواں نہیں کھودا جا سکتا۔ اسی طرح نیچے والی منزل میں آپ جانور وغیرہ باندھ سکتے ہیں، اور اوپر والی منزل میں تو جانور نہیں لے کر جا سکتے، وہ نہیں باندھ سکتے۔ تو اس طرح نیچے والے حصے کے فائدے زیادہ ہیں اور اوپر والے حصے کے فائدے کم ہیں، تو اوپر والے دو گز نیچے والے ایک گز کے برابر ہوں گے۔ نیچے اگر کسی کو پچاس گز زمین دی ہے تو اوپر اس کو کتنا حصہ دیں گے؟ سو گز دے دیں گے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟

دیکھیے کتاب پر: «سِفْلٌ ذُو عُلْوٍ» ایسی نیچے والی منزل «ذُو عُلْوٍ» جس کی اوپر والی منزل بھی ہے۔ «ذُو مَالٍ» کا کیا معنیٰ ہوتا ہے؟ مال والا۔ «سِفْلٌ» کا کیا معنیٰ؟ نیچے والی منزل۔ اور «ذُو عُلْوٍ» اس کی صفت ہے۔ «سِفْلٌ» ایسی نیچے والی منزل «ذُو عُلْوٍ» جس کے اوپر والی منزل بھی ہو۔ «وَسِفْلٌ» دوسری صورت کیا ہے؟ «سِفْلٌ» صرف نیچے والی منزل ہے۔ تیسری صورت کیا ہے؟ «وَعُلْوٌ» صرف اوپر والی منزل ہے۔ «مُجَرَّدَانِ» اکیلی، یہ دونوں اکیلی ہیں۔ ایک صورت تو ہے نا «سِفْلٌ ذُو عُلْوٍ» نیچے والی منزل کے ساتھ اوپر والی منزل بھی ہے، اور دوسری کیا ہے؟ صرف نیچے والی یا صرف اوپر والی، یہ ہے «مُجَرَّدَانِ» کا معنیٰ صرف، صرف۔ اس کا تعلق «سِفْلٌ» اور «عُلْوٌ» سے ہے جو آخر میں آیا: «سِفْلٌ وَعُلْوٌ مُجَرَّدَانِ»، صرف نیچے والی اور صرف اوپر والی۔ بھائی آپ حیران ہوں گے، صرف اوپر والی منزل؟ بھائی مطلب یہ ہے کہ شرکت صرف اوپر والی منزل میں ہے، یہ نہیں کہ وہ ہوا میں کھڑی ہوئی ہے اوپر والی منزل اور نیچے کچھ نہیں ہے۔ معنیٰ کیا ہے؟ پہلے میں بتایا شرکت کی ایک صورت کیا: «سِفْلٌ ذُو عُلْوٍ» ایسی نیچے والی منزل جس کے اوپر والی منزل بھی ہے، یعنی اس میں شرکت ہے۔ دوسری صورت صرف «سِفْلٌ» ہے، «سِفْلٌ مُجَرَّدٌ» خالی نیچے والی منزل میں یعنی شرکت ہے، چاہے اوپر والی منزل ہو یا نہ ہو اس سے بحث ہی نہیں۔ اور تیسری صورت کیا: «عُلْوٌ مُجَرَّدٌ» صرف اوپر والی منزل، یعنی صرف اس میں شرکت ہے، نیچے والی میں شرکت نہیں۔ عبارت سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: «سِفْلٌ ذُو عُلْوٍ» ایسی نیچے والی منزل جس کے اوپر والی منزل بھی ہے، یعنی دونوں میں شرکت ہے، «وَسِفْلٌ» اور صرف نیچے والی منزل یعنی اس میں شرکت ہے، «وَعُلْوٌ» اور صرف اوپر والی منزل، «مُجَرَّدَانِ» خالی یعنی صرف ان میں شرکت ہے، تو «مُجَرَّدَانِ» کا تعلق پتہ لگ گیا کس سے ہے؟ «سِفْلٌ مُجَرَّدٌ، عُلْوٌ مُجَرَّدٌ»، اور دو ہو گئے اس لیے «مُجَرَّدَانِ» تثنیہ کہہ دیا۔ تو یہ دونوں نیچے والی اور اوپر والی، «قُوِّمَ كُلُّ وَاحِدٍ» قیمت لگائی جائے گی ہر ایک کی «وَقُسِمَ بِهَا» اور اس قیمت سے تقسیم کیا جائے گا «عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى» امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک، «وَبِهِ يُفْتَى» اور اسی پر فتویٰ ہے، اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ یعنی قیمت کے اعتبار سے۔

«أَيْ قُسِمَ بِالْقِيمَةِ عِنْدَهُ» یعنی قیمت کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک۔ «وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ يُقَسَّمُ بِالذِّرَاعِ، كُلُّ ذِرَاعٍ مِنَ السُّفْلِ فِي مُقَابَلَةِ ذِرَاعَيْنِ مِنَ الْعُلْوِ»۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اوپر اور

نیچے کا ذراع برابر ہے۔ ان کے نزدیک اوپر اور نیچے کا ذراع برابر، نیچے کسی کو پانچ گز دیے ہیں تو دوسرے کو اوپر پانچ گز دے دو، ایک ہی بات ہے، برابر ہے بھائی۔ اور جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ نیچے والے ایک گز کے مقابلے میں اوپر والے دو گز آئیں گے، کیونکہ نیچے والی زمین کے فائدے زیادہ ہیں۔ تو کہتے ہیں: «وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ» اور امام صاحب کے نزدیک، «يُقَسَّمُ بِالذِّرَاعِ» تقسیم کیا جائے گا ذراع کے ساتھ، «كُلُّ ذِرَاعٍ مِنَ السُّفْلِ فِي مُقَابَلَةِ ذِرَاعَيْنِ مِنَ الْعُلْوِ» ہر ایک ذراع نیچے والی منزل میں سے وہ اوپر والی منزل میں سے دو ذراع کے مقابلے میں ہوگا۔ «وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ يُقَسَّمُ بِالذِّرَاعِ أَيْضًا» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ذراع سے ہی تقسیم کیا جائے گا، «لٰكِنَّ الْعُلْوَ وَالسُّفْلَ مُتَسَاوِيَانِ» لیکن اوپر والی اور نیچے والی منزل برابر ہیں۔ نیچے والی منزل میں سے ایک گز مل رہا ہے تو دوسرے کو اوپر والی منزل میں سے ایک ہی گز دے دو، برابر ہیں۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

فَإِنْ أَقَرَّ أَحَدُ الْمُتَقَاسِمَيْنِ بِالِاسْتِيفَاءِ ثُمَّ ادَّعَى أَنَّ بَعْضَ حِصَّتِهِ وَقَعَ فِي يَدِ صَاحِبِهِ غَلَطًا لَا يُصَدَّقُ إِلَّا بِحُجَّةٍ.

صورتِ مسئلہ یہ کہ تقسیم کرنے والوں نے زمین تقسیم کر دی اور ان لوگوں کے حوالے کر دی، ان شریکوں کے حوالے کر دی۔ اور انہوں نے اقرار، ہر ایک نے اقرار کر لیا کہ ہاں جی ہمارا حصہ ہمیں مل گیا ہے۔ اس کے بعد پھر ان میں سے کوئی بعض جو ہیں وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ میرا جو حصہ بنتا تھا وہ کچھ حصہ غلطی سے دوسرے ساتھی کے حصے میں شامل ہے، وہ اس کے پاس چلا گیا۔ میرا کچھ حصہ کس کے پاس چلا گیا ہے؟ میرے دوسرے ساتھی کے پاس غلطی سے۔ تو کہتے ہیں کیا اس کی تصدیق کی جائے گی، اس کی بات تسلیم کر لی جائے گی؟ کہتے ہیں: نہیں بھائی، اس نے پہلے کیا کیا تھا کہ میں وصول کر چکا ہوں، پہلے اقرار کیا، اب کیا کہہ رہا ہے؟ میں نے وصول پورا حصہ نہیں کیا۔ تو اس کی دونوں باتوں میں تناقض ہے، لہٰذا اب اس کو کہیں گے بینہ لے کر آؤ۔ کیا لے کر آؤ؟ بینہ۔ یہ صاحبِ ہدایہ تو فرماتے ہیں کہ اس کی بات کو تو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ پہلے کچھ کہا تھا، اب کچھ کہہ رہا ہے۔ پہلے کہا تھا میرا پورا حصہ مل گیا، میں نے اس پہ قبضہ کر لیا، مل گیا مجھے، ٹھیک ہے، اس نے اقرار کر لیا تھا اور اب کیا کہہ رہا ہے کہ اب مجھے پورا حصہ نہیں ملا، بعد میں کہہ رہا ہے۔ تو اس کی دونوں باتوں میں تناقض ہے، اس کی بات سنی ہی نہیں جائے گی سرے سے۔ لیکن متن میں آپ کو بتلائیں گے کہ اگر وہ بینہ پیش کرتا ہے تو اس کی بات مان لی جائے گی بھائی، بینہ پیش کرتا ہے تو اس کی بات مان لی جائے گی۔

«فَإِنْ أَقَرَّ أَحَدُ الْمُتَقَاسِمَيْنِ بِالِاسْتِيفَاءِ» پس اگر اقرار کر لیا متقاسمین میں سے ایک نے «بِالِاسْتِيفَاءِ» اپنا حصہ وصول

کرنے کا۔ استیفاء کا معنیٰ وصول کر لینا حصہ۔ پس اگر اقرار کر لیا متقاسمین میں سے یعنی دو تقسیم کرنے والوں میں سے ایک نے حصہ وصول کرنے کا، «ثُمَّ ادَّعَى» پھر اس نے دعویٰ کر دیا کہ «أَنَّ بَعْضَ حِصَّتِهِ وَقَعَ فِي يَدِ صَاحِبِهِ غَلَطًا» کہ اس کا کچھ حصہ جو ہے وہ واقع ہو گیا ہے اس کے ساتھی کے قبضے میں «غَلَطًا» غلطی سے، «لَا يُصَدَّقُ إِلَّا بِحُجَّةٍ» اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی مگر دلیل کے ساتھ۔

«قَالُوا» فقہاء فرماتے ہیں: «لِأَنَّهُ يَدَّعِي فَسْخَ الْقِسْمَةِ فَلَا يُصَدَّقُ إِلَّا بِالْبَيِّنَةِ» کیونکہ وہ دعویٰ کر رہا ہے تقسیم کے فسخ کرنے کا، لہٰذا اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی مگر بینہ کے ساتھ۔ کس کے ساتھ؟ بینہ کے ساتھ۔ بھائی دیکھیے فقہاء فرماتے ہیں یہ تو تقسیم کو ہی گویا فسخ کرنا چاہتا ہے۔ کیا کہہ رہا ہے؟ پہلے کیا کہا تھا؟ مجھے حصہ مل چکا۔ اب کیا کہہ رہا ہے؟ میرا حصہ کس کے پاس گیا ہے؟ ساتھی، میرے ساتھی کے پاس آگیا ہے، میرا حصہ پورا مجھے ملا نہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ تقسیم کو فسخ کرنا چاہتا ہے کہ یہ تقسیم ختم کریں، نئے سرے سے تقسیم کریں بھائی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ نئے سرے سے تقسیم کریں۔ بھائی دیکھیے نا یہ کہہ رہا ہے میرا حصہ میرے ساتھی کے پاس گیا ہے، یعنی میرا حصہ مجھے پورا نہیں ملا۔ اور ساتھی کیا کہہ رہا ہے؟ اس کا حصہ اس کو پورا مل چکا ہے اور یہ جو میرے پاس ہے یہ میرا ہی حصہ ہے، یہ میرا حصہ ہے۔ اور وہ کیا کہہ رہا ہے؟ جو مجھے ملا ہے وہ میرا پورا کامل حصہ نہیں۔ تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ دوبارہ تقسیم کی جائے، یہ جو حصے بنائے ہیں یہ پورے پورے نہیں۔ یہی معنیٰ ہے نا اس کے کہنے کا؟ تو لہٰذا اس صورت میں یہ معلوم ہوا وہ فسخِ قسمت کا دعویٰ کر رہا ہے اور بینہ کے بغیر اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ بینہ پیش کر دیتا ہے پھر اس کے دعوے کو قبول کر لیا جائے گا۔

«قَالُوا» فقہاء فرماتے ہیں: «لِأَنَّهُ يَدَّعِي فَسْخَ الْقِسْمَةِ» کیونکہ وہ دعویٰ کر رہا ہے قسمت کو فسخ کرنے کا، «فَلَا يُصَدَّقُ» تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی «إِلَّا بِالْبَيِّنَةِ» مگر بینہ کے ساتھ۔

«قَالَ فِي الْهِدَايَةِ» میں نے بتایا بھائی صاحبِ ہدایہ تو کیا فرماتے ہیں؟ اس کی بات کو سنا ہی نہ جائے، پہلے اقرار کیا تھا قبضے کا اور حصہ وصول کرنے کا اور اب کیا کر رہا ہے؟ اس کے خلاف بات کر رہا ہے۔ تو کہتے ہیں: «قَالَ فِي الْهِدَايَةِ» صاحبِ ہدایہ ہدایہ میں فرماتے ہیں: «يَنْبَغِي أَنْ لَا يُقْبَلَ دَعْوَاهُ لِلتَّنَاقُضِ» مناسب تو یہ ہے کہ اس کا دعویٰ ہی قبول نہ کیا جائے کیونکہ اس کی دونوں باتوں میں تناقض ہے، یعنی ٹکراؤ ہے، پہلے ہاں کی اور اب گویا نا کر رہا ہے۔ «وَفِي الْمَبْسُوطِ وَفِي فَتَاوَى قَاضِي خَانَ مَا يُؤَيِّدُ هٰذَا» اور مبسوط کے اندر اور اسی طرح فتاویٰ قاضی خان، جو احناف کے نہایت معتبر فتاویٰ ہیں، ان میں وہ چیز ہے «يُؤَيِّدُ هٰذَا» جو اس کی تائید کرتی ہے۔ یعنی صاحبِ ہدایہ کی بات کی تائید ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے فقہاء کی بھی یہی رائے ہے کہ ان مفتی حضرات کی بھی یہی رائے ہے کہ اس کی بات کو نہ سنا جائے۔ بینہ نہیں، بینہ لے بھی آئے تو بھی نہیں سنیں گے کیونکہ اس کی باتوں میں کیا ہے؟ تناقض ہے۔ پہلے کہا تھا میں نے حصہ وصول کر لیا اور اب

کئی دن کے بعد آکر یا کچھ عرصے کے بعد آکر کہتا ہے میں نے حصہ وصول نہیں کیا، تو دونوں باتوں میں ٹکراؤ ہے، لہٰذا بینہ کو بھی نہیں سنا جائے گا۔ تو صاحبِ ہدایہ نے بھی یہ فرمایا اور مبسوط اور فتاویٰ قاضی خان میں بھی یہ ہے۔

«وَجْهُ رِوَايَةِ الْمَتْنِ» اور متن میں کیا آیا کہ بینہ کے ساتھ اس کی بات کو قبول کر لیا جائے گا، وہ ذکر کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: «وَجْهُ رِوَايَةِ الْمَتْنِ» متن کی روایت کی وجہ یہ ہے: «أَنَّهُ اعْتَمَدَ عَلَى فِعْلِ الْقَاسِمِ فِي إِقْرَارِهِ بِاسْتِيفَاءِ حَقِّهِ»۔ بھائی متن کی وجہ یہ ہے، صاحبِ شرح وقایہ فرماتے ہیں کہ اس کی بینہ کے ساتھ اس کی بات کو قبول کر لیا جائے گا۔ وجہ اس کی یہ کہ اس نے جب پہلے کہا تھا کہ میں نے حصہ وصول کر لیا ہے، یہ اس نے دراصل وہ جو تقسیم کرنے والے تھے ان کی بات پر اعتماد کرتے ہوئے کہہ دیا تھا۔ ان کی بات پر اعتماد کرتے ہوئے کہ انہوں نے حصہ دیا اس نے لے لیا، اس نے ان پر اعتماد کرتے ہوئے کیا کہا؟ میں نے حصہ وصول کر لیا، مجھے مل گیا ہے۔ لیکن بعد میں جب اس نے غور کیا تو پتہ چلا اسے کہ غلطی ہوئی ہے بھائی، میں نے تو اپنا پورا حصہ وصول نہیں کیا، مجھے تو یہ دو گز یہ بھی ساتھ ملنے چاہیے تھے بھائی، میرا حصہ تو یہ بھی بنتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا اس کے اس اول اقرار کی وجہ سے اس کا مواخذہ نہیں ہوگا، اس اول اقرار کی وجہ سے بعد والے اس کے دعوے کو رد نہیں کیا جائے گا، بلکہ اگر وہ بینہ لے آتا ہے تو بعد والے دعوے کو قبول کر لیا جائے گا کیونکہ اس نے جو اقرار کیا تھا وہ کن کے کہنے پر کیا تھا؟ وہ تقسیم کرنے والے ہیں، جو قاسم تھے، ان پر اعتماد کرتے ہوئے کہا تھا، اور بعد میں جب غور کیا تو پتہ لگا کہ نہیں مجھ سے تو غلطی ہوئی ہے، میں نے اپنا پورا حصہ وصول نہیں کیا۔

تو کہتے ہیں: «وَجْهُ رِوَايَةِ الْمَتْنِ» متن کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ «أَنَّهُ اعْتَمَدَ عَلَى فِعْلِ الْقَاسِمِ» کہ اس نے اعتماد کیا تھا تقسیم کرنے والے کے فعل پر «فِي إِقْرَارِهِ بِاسْتِيفَاءِ حَقِّهِ» اپنے حق کو وصول کرنے کے اقرار میں۔ اپنے حق کو وصول کرنے کا جو اقرار کیا تھا اس نے، یہ اقرار اس نے کیوں کیا تھا؟ کس پر اعتماد کیا تھا؟ قاسم کے فعل پر۔ قاسم نے کہا تھا تمہیں تمہارا یہ حصہ مل گیا، اس نے بھی کہا ٹھیک ہے مل گیا۔ لیکن بعد میں غور کیا، کہا نہیں نہیں، جو اس نے حصے بنائے تھے اس اعتبار سے تو یہ ایک ڈیڑھ گز مزید بھی اس کے اندر آنا چاہیے تھا بھائی۔ تو یہ معنیٰ ہے «أَنَّهُ اعْتَمَدَ عَلَى فِعْلِ الْقَاسِمِ» اس نے اعتماد کیا تقسیم کرنے والے کے فعل پر «فِي إِقْرَارِهِ بِاسْتِيفَاءِ حَقِّهِ» وہ جو اس نے اپنا حق وصول کرنے کا اقرار کیا اس میں۔ «ثُمَّ لَمَّا تَأَمَّلَ حَقَّ التَّأَمُّلِ» پھر جب اس نے غور کیا حقِ تامل، صحیح تامل، صحیح غور کیا، تو «ظَهَرَ الْغَلَطُ فِي فِعْلِهِ» تو غلطی ظاہر ہوئی اس کے فعل میں۔ «فَلَا يُؤْخَذُ بِذٰلِكَ الْإِقْرَارِ عِنْدَ ظُهُورِ الْحَقِّ» تو اس کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا اس اقرار کی وجہ سے «عِنْدَ ظُهُورِ الْحَقِّ» جب حق ظاہر ہو جائے۔ اب اس کو اقرار کی بنیاد پر اس کے دعوے کو رد نہیں کیا جائے گا بھائی۔ ہوتا ہے بعض اوقات انسان سے ایک وقت غلطی ہو جاتی ہے، وہ کہتا ہے ہاں جی ٹھیک ہے مجھے حصہ مل گیا، لیکن بعد میں غور کرتا ہے، تو اول جب اس اول مرتبہ اس نے زیادہ غور نہیں کیا، دوسری مرتبہ اب غور کیا تو پتہ لگا کہ نہیں پورا حصہ تو اس کو ملا ہی نہیں ہے، تو اس پہلے اقرار کو بنیاد بنا کر اس کے بعد کے دعوے کو رد کر دیا جائے ایسا نہیں۔

جب بینہ موجود ہے تو حق ظاہر ہو رہا ہے، معلوم ہوا کہ واقعی اس کی بات ٹھیک ہے، تو لہٰذا اس کی بات کو سنا جائے گا بینہ کے ساتھ۔

«وَشَهَادَةُ الْقَاسِمَيْنِ حُجَّةٌ فِيهَا أَيْ فِي الْقِسْمَةِ»۔ ضمیر کا مرجع بتلا دیا کہ «فِيهَا» کی ہا ضمیر قسمت کو راجع ہے۔ اور تقسیم کرنے والوں کی گواہی «حُجَّةٌ فِيهَا» وہ دلیل ہے اس «فِيهَا أَيْ فِي الْقِسْمَةِ» تقسیم میں۔ «هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ»۔

بھائی صورت یہ، صورت یہ کہ اس آدمی نے کہا کہ مجھے میرا حصہ نہیں ملا پورا۔ اب وہ جو تقسیم کرنے والے تھے وہ دو آدمی تھے یا تین تھے، انہوں نے آکر گواہی دے دی قاضی صاحب کے، قاضی کے پاس کہ قاضی صاحب اس نے، اس نے اپنا حصہ وصول کر لیا تھا، اس نے اپنا حصہ وصول کر لیا تھا۔ تو کیا ان قاسموں کی گواہی معتبر ہے تقسیم پر؟ تقسیم کے معاملے میں ان کی گواہی معتبر ہے، اس کو مانا جائے گا؟ تو شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ہاں ان کی گواہی کو تسلیم کیا جائے گا۔ جبکہ امام محمد اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، ان کی گواہی اس معاملے میں تسلیم نہیں، یہ کوئی دلیل نہیں۔ اس وجہ سے کیونکہ یہ اپنے فعل پر گواہی دے رہے ہیں۔ یہ شہادت، تقسیم کرنے والے آئے اور کیا گواہی دی؟ کہ ہم نے اس کو حصہ پورا دے دیا، اس کو اس کا حصہ، ہم نے تو حصہ پورا پورا دیا تھا۔ یہ تو اپنے فعل پر گواہی دے رہے ہیں اور اپنے فعل پر تو انسان کی گواہی نہیں ہوتی، بلکہ غیر کی گواہی چاہیے اس کے لیے تو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ وہ کس چیز پر گواہی دے رہے ہیں؟ اپنے فعل پر۔ کس فعل پر؟ کہ ہم نے پورا پورا حصہ دے دیا، اس کو پورا حصہ دے دیا تھا ہم نے۔ تو وہ اپنے فعل پر گواہی دے رہے ہیں اور اپنے فعل پر تو گواہی قبول نہیں۔ اپنے فعل پر تو اقرار ہوتا ہے بھائی، گواہی تو نہیں ہوتی نا، اقرار ہوتا ہے کہ میں نے یوں کیا ہے، اس کو تو گواہی نہیں کہا جاتا۔ گواہی تو کسی غیر کی چاہیے ہوتی ہے جو آکر گواہی دے کہ ہاں جی میں نے بھی دیکھا اس نے ایسا کیا تھا۔ تو یہ تو اپنے فعل پر گواہی دے رہے ہیں اور اپنے فعل پر تو گواہی مقبول نہیں، وہ نہیں سنی جائے گی۔ جبکہ شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں، یعنی امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ، کہ نہیں ان کی گواہی سنی جائے گی، وہ مقبول ہے۔ اور یہ نہ کہیں وہ اپنے فعل پر گواہی دے رہے ہیں، نہیں، وہ متقاسمین کے فعل پر گواہی دے رہے ہیں۔ ان کا کیا فعل ہے؟ کہ انہوں نے جو حصہ وصول کیا ہے اور اس پر قبضہ کر لیا ہے۔ کس چیز کی گواہی دے رہے ہیں؟ کہ ہم نے تقسیم کر دی تھی، ہر ایک نے اپنا حصہ وصول کر کے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ تو یہ دوسرے کے فعل پہ گواہی دے رہے ہیں، اپنے فعل پر گواہی نہیں دے رہے۔ دوسروں کا کیا فعل؟ انہوں نے حصہ وصول کر کے اس پر قبضہ کر لیا تھا، اس پر گواہی دے رہے ہیں، اپنے فعل پر کہ ہم نے تقسیم کر دی تھی اس پر یہ گواہی نہیں۔

تو کہتے ہیں: «وَشَهَادَةُ الْقَاسِمَيْنِ حُجَّةٌ فِيهَا» تقسیم کرنے والوں کی گواہی حجت ہے وہ «فِيهَا» اس تقسیم کے معاملے میں۔ «هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى. وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى لَيْسَتْ بِحُجَّةٍ»

وہ فرماتے ہیں کہ یہ حجت نہیں ہے، تقسیم کے اندر ان کی گواہی حجت نہیں، «لِأَنَّهَا شَهَادَةٌ عَلَى فِعْلِ أَنْفُسِهِمَا» اس لیے کیونکہ یہ گواہی ہے اپنے ہی فعل پر۔ «قُلْنَا» ہم کہتے ہیں (یہ شیخین کی طرف سے جواب ہے)، ہم کہتے ہیں: «لَا» نہیں، «بَلْ شَهَادَةٌ عَلَى فِعْلِ غَيْرِهِمَا» بلکہ یہ غیر کے فعل، اپنے علاوہ کے فعل پر گواہی ہے۔ بھائی غیر کا فعل کیا ہے؟ کہتے ہیں: «وَهُوَ الِاسْتِيفَاءُ» اور وہ وصول کرنا ہے، زمین کو وصول کرنا ہے اور اس پر قبضہ کرنا ہے۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

وَإِنْ قَالَ قَبَضْتُهُ ثُمَّ أَخَذَ بَعْضَهُ حُلِّفَ خَصْمُهُ.

دوسری صورت۔ پہلی صورت کیا تھی؟ اس نے کہا کہ میں نے شروع میں کہا تھا میں نے حصہ وصول کر لیا، اور بعد میں کہتا ہے میرا حصہ پورا مجھے ملا نہیں۔ دوسری صورت: آکر کہتا ہے کہ جی مجھے حصہ شروع میں مل گیا تھا، لیکن بعد میں میرے ساتھی نے ایک ڈیڑھ گز مزید قبضہ کر لیا، مجھ سے لے لیا اس نے۔ تو اس صورت میں کہتے ہیں: دیکھیے عبارت: «وَإِنْ قَالَ قَبَضْتُهُ» اور اگر اس نے یہ کہا کہ میں نے قبضہ کر لیا تھا، «ثُمَّ أَخَذَ بَعْضَهُ» پھر اس دوسرے نے اس کا بعض لے لیا۔ میں نے لے لیا تھا، مجھے مل گیا تھا حصہ پورا، لیکن پھر اس میں سے کچھ حصہ دوسرے نے لے لیا۔ «وَإِنْ قَالَ قَبَضْتُهُ» میں نے اس پر قبضہ کر لیا تھا، «ثُمَّ أَخَذَ بَعْضَهُ» پھر اس نے اس کا کچھ حصہ لے لیا ہے دوسرے شریک نے، «حُلِّفَ خَصْمُهُ» تو اس کے مقابل کو، اس کے خصم کو یعنی فریقِ مخالف کو قسم دی جائے گی۔ کیا دی جائے گی؟ قسم دی جائے گی۔ اس سے آپ کو پتہ چل گیا۔ کیا پتہ چلا؟ میں نے شروع میں بیان کیا تھا کہ جب حلف کا ذکر آجائے (بینہ موجود نہ ہو)، ہاں، معلوم ہوا یہ بینہ جب نہ ہو، اور معلوم ہوا دوسرے کے ذمے میں کیا ہے؟ بینہ ہے، اور اگر بینہ نہ ہو تو پھر اس کو قسم دی جائے گی۔ تو معلوم ہوا اگر یہ بینہ پیش کر دیتا ہے تو بھی اس کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا، اگر نہیں تو دوسرے کو قسم دی جائے گی، یعنی قول اس کا معتبر ہے۔

تو یہ معنیٰ ہے: «حُلِّفَ خَصْمُهُ» اس کے فریقِ مخالف کو قسم دی جائے گی۔ «أَيْ قَالَ» یعنی وہ کہتا ہے: «قَبَضْتُ حَقِّي» میں نے اپنے حق پر قبضہ کر لیا تھا، «وَلٰكِنْ أَخَذَ بَعْضَهُ بَعْدَ مَا قَبَضْتُهُ» لیکن اس نے کچھ حصہ لے لیا بعد اس کے جب میں نے اس پر قبضہ کر لیا تھا، «حُلِّفَ خَصْمُهُ» تو اس کے خصم، فریقِ مخالف کو قسم دی جائے گی۔

وَإِنْ قَالَ قَبْلَ إِقْرَارِهِ أَصَابَنِي كَذَا وَلَمْ يُسَلِّمْ إِلَيَّ تَحَالَفَا وَفُسِخَتْ.

صورت یہ، اب تیسری صورت یہ کہ اس نے اقرار نہیں کیا کہ مجھے اپنا حصہ مل چکا ہے۔ پہلی صورت میں تو کیا تھا؟ اس نے اقرار کر لیا، دونوں صورتوں میں اقرار کر لیا۔ اور ایک میں کیا کہا کہ مجھے میرا حصہ مل گیا، بعد میں غور کیا تو پتہ لگا غلطی سے

کچھ حصہ دوسرے کے پاس چلا گیا ہے؛ یا مجھے حصہ تو مل گیا تھا لیکن بعد میں ساتھ والے نے میرے کچھ حصے پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اب تیسری صورت آگئی کہ اس نے اقرار کیا ہی نہیں ہے اور یہ کہتا ہے کہ اتنا حصہ میرے حصے میں آیا تھا، اتنی زمین میرے حصے میں آئی تھی لیکن میرے اس نے پوری حوالے نہیں کی۔ جو میرا حصہ بنتا تھا وہ اس نے میرے حوالے نہیں کیا، اور شروع میں اقرار بھی نہیں کیا، کبھی نہیں اس نے کہا کہ میں اپنا حصہ وصول کر چکا ہوں۔ تو کہتے ہیں اس صورت میں دونوں کو قسم دی جائے گی اور تقسیم کو فسخ کر دیا جائے گا۔

بات سمجھ میں آرہی ہے؟ یہ کیا کہتا ہے کہ میرا اتنا حصہ بنا تھا، اقرار نہیں کیا، اتنا حصہ میرا بنا تھا لیکن مجھے میرا پورا حصہ نہیں دیا گیا۔ اس سے پہلے اس نے یہ بھی نہیں کہا کہ میں اپنے حصے پر قبضہ کر چکا ہوں، اگر وہ کیا ہوتا پھر تو وہ پچھلی صورت بن گئی تھی، لیکن یہاں تو اس نے ایسا کوئی اقرار نہیں کیا اور آکر کیا کہتا ہے کہ اتنا میرا حصہ بنتا تھا لیکن میرا حصہ مجھے پورا دیا ہی نہیں گیا۔ تو اس صورت میں کہتے ہیں دونوں کو قسم دے دی جائے گی، اس کو بھی اور اس کے شریک جو دوسرا ہے، دونوں کو قسم دیں گے اور دونوں جب قسم کھا لیں گے تو تقسیم کو فسخ کر دیا جائے گا۔

«وَإِنْ قَالَ قَبْلَ إِقْرَارِهِ» اور اگر اس نے اپنے اقرار سے پہلے ہی کہا کہ «أَصَابَنِي كَذَا» کہ مجھے اتنا حصہ پہنچا ہے، «وَلَمْ يُسَلِّمْ إِلَيَّ» اس حال میں کہ اس نے وہ حصہ میرے حوالے نہیں کیا، یا «وَلَمْ يُسَلَّمْ إِلَيَّ» وہ حصہ میرے حوالے نہیں کیا گیا، «تَحَالَفَا» تو دونوں قسم اٹھائیں گے، «وَفُسِخَتْ» اور وہ تقسیم فسخ کر دی جائے گی۔

«لِأَنَّهُ اخْتِلَافٌ فِي مِقْدَارِ مَا حَصَلَ لَهُ بِالْقِسْمَةِ» اس لیے کیونکہ یہ اختلاف ہے اس چیز کی مقدار میں جو تقسیم سے حاصل ہوئی، جو کس سے حاصل ہوئی؟ تقسیم سے۔ مثلاً اس کو زمین کا ایک حصہ ملا ہے، دوسرے کو ایک حصہ ملا ہے، یہ کہہ رہا ہے، اس نے اقرار بھی نہیں کیا پہلے، اور اب کیا کہہ رہا ہے کہ میرے حصے میں تو زیادہ زمین آتی تھی، میرے تو اتنا حصہ بنتا تھا لیکن ملا تھوڑا ہے، مجھے دیا تھوڑا گیا ہے، حصہ میرا زیادہ بنتا تھا۔ اور وہ کیا کہہ رہا ہے؟ نہیں، یہ تو حصہ ہی میرا ہے۔ تو دونوں کو قسم دیں گے اور تقسیم کو فسخ کر دیں گے، اس لیے کیونکہ یہاں پر جو حصہ ہر ایک کو ملا، جو حصہ ہر ایک کے حصے میں آیا اسی میں اختلاف آرہا ہے۔ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ مجھے پورا حصہ نہیں ملا۔ اور وہ کہہ رہا ہے: نہیں، اس کو پورا حصہ ملا ہے۔ تو تقسیم میں جو حصے ہیں اسی میں اختلاف آگیا۔ تو جب اس صورت میں جب ایسا ہو، اختلاف آجائے، تو پھر تقسیم کو فسخ کر دیا جاتا ہے۔

یہ اسی طرح ہے جیسے بیع کی مقدار میں اختلاف آجائے تو بیع کو فسخ کر دیا جاتا ہے۔ بائع کہے بیع اتنا ہے اور مشتری کہے بیع اتنا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ مثلاً آپ خریدنے گئے اور آپ نے بکریاں خریدیں ایک لاکھ روپے کی، آپ نے گنیں تو وہ سات بکریاں تھیں، تو آپ کہتے ہیں نہیں بھائی بیع تو آٹھ بکریوں کی ہوئی تھی، بائع کہتا ہے نہیں سات بکریوں کی بیع

ہوئی تھی۔ تو دیکھو مبیع کی مقدار ہی میں اختلاف آگیا، تو اس صورت میں پھر دونوں کو قسم دے کر بیع کو کیا کر دیا جاتا ہے؟ فسخ کر دیا جاتا ہے۔

تو کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ اخْتِلَافٌ فِي مِقْدَارِ مَا حَصَلَ لَهُ بِالْقِسْمَةِ» اس لیے کیونکہ یہ اختلاف ہے اس مقدار کے اندر جو اس کو حاصل ہوئی ہے تقسیم سے، «فَصَارَ كَالِاخْتِلَافِ فِي مِقْدَارِ الْمَبِيعِ» تو یہ اسی طرح ہو گیا جیسے کہ مبیع کی مقدار میں اختلاف ہوتا ہے۔ جیسے وہاں بیع کو فسخ کر دیا جاتا ہے تو یہاں پر بھی تقسیم کو فسخ کر دیا جائے گا، نئے سرے سے پھر تقسیم کی جائے گی۔

بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۱۳: تقسیم کے بعد بعض حصے میں استحقاق (شائع یا معین) اور دعویٰ ہلاک و عدمِ قبض کے احکام

شرح الوقایہ صفحہ: ۲۵ – بتاریخ: ۱ اکتوبر ۲۰۱۹ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

جی دیکھیے کتاب پر: «فَإِنِ اسْتُحِقَّ بَعْضُ حِصَّةِ أَحَدِهِمَا شَاعَ أَوْ لَا لَمْ تُفْسَخْ وَرَجَعَ بِقِسْطِهِ فِي حِصَّةِ شَرِيكِهِ وَتُفْسَخُ فِي بَعْضِ مُشَاعٍ فِي الْكُلِّ».

تقسیم کے مسائل ذکر کر رہے ہیں بھئی۔ اب صورت یہ کہ شریکوں نے آپس میں زمین کو مثلاً آپس میں تقسیم کر لیا اور پھر بعد میں اس کا کوئی مستحق نکل آیا، کوئی اور شخص درمیان میں آگیا اور اس نے کہا کہ یہ اس میں تو میرا بھی حصہ ہے، میرا بھی حصہ ہے، تو پھر کیا کریں گے؟ تو بعض صورتوں میں تقسیم کو فسخ کریں گے اور بعض صورتوں میں تقسیم کو فسخ نہیں کریں گے، وہ ساری تفصیل بیان کرنے لگے ہیں۔ بھئی دیکھیے یہاں چار صورتیں بنتی ہیں، چار صورتیں۔ مثلاً دو آدمی شریک تھے، انہوں نے مکان کو آپس میں آدھا آدھا تقسیم کر لیا، اب کوئی مستحق نکل آیا جس نے آکر دعویٰ کر دیا کہ اس میں میرا حصہ ہے بھئی۔ تو اس صورت میں یا تو وہ دعویٰ کرے گا مجموعے کے اندر مشاع حصے کا۔ وہ کہے گا اس پورے مکان میں اتنا حصہ میرا بھی تھا، کوئی مقدار بیان کرتا ہے پورے مکان میں، صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ اس وقت تو دونوں نے آدھا آدھا تقسیم کر لیا، لیکن وہ کسی ایک کے حصے میں دعویٰ نہیں کر رہا کہ میرا حق اس طرف والے حصے میں ہے، وہ کیا کہہ رہا ہے پورے مکان میں میرا بھی اتنا حصہ ہے، کوئی بیان کرتا ہے ثلث ہے ربع ہے جتنا بھی بیان کرتا ہے۔

دوسری صورت کہ وہ کسی ایک کے حصے میں شائع حصے کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ پہلی صورت کیا تھی کہ اس کا جو مستحق ہے، اس کا حصہ مجموعے کے اندر یعنی دونوں کے حصے میں پھیلا ہوا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک کے حصے میں پھیلا ہوا ہے۔ کہ مثلاً جو زید کو حصہ ملا ہے اس میں میرا اتنا حصہ ہے پھیلا ہوا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ دو صورتیں ہو گئیں۔

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ معین جگہ کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ والا کونا جو ہے اتنے گز میرا ہے۔ معین جگہ، اب حصہ شائع نہیں ہے پھیلا نہیں ہوا بلکہ متعین کہ یہ والا فلاں کمرہ ہے یا فلاں جگہ ہے اس کے اندر یہ میری ہے بھئی۔ تو اس میں بھی پھر وہی دو صورتیں: یا تو وہ جو معین حصہ ہے دونوں کے حصوں میں آرہا ہوگا، کچھ ایک طرف ہے اور کچھ دوسری طرف ہے، یا کسی ایک کے حصے میں ہوگا، یا کسی ایک کے حصے میں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ کہ دعویٰ کرنے والا یا تو مشاع حصے کا دعویٰ کرے گا یا معین حصے کا دعویٰ کرے گا۔ اگر مشاع کا دعویٰ کرتا ہے تو بھی وہ دو حال سے خالی نہیں، وہ مشاع یا تو کل کے اندر ہوگا یا کسی ایک کے حصے میں ہوگا مشاع۔ اور اگر وہ معین حصے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ معین بھی کسی ایک کے حصے میں ہوگا یا دونوں کے حصے میں ہوگا۔

پھر سمجھ لو۔ زید اور بکر نے آپس میں ایک مکان تقسیم کر لیا اور آدھا مکان زید کے حصے میں آیا اور آدھا مکان بکر کے حصے میں آیا۔ خالد نے بعد میں آکر دعویٰ کر دیا کہ میرا حصہ بھی تھا اس مکان کے اندر۔ پوچھا گیا کون سا حصہ؟ اس نے دعویٰ کیا، اس نے کہا اس پورے مکان میں ربع میرا بھی ہے۔ ربع میرا بھی۔ تو دیکھو اب کون سا ربع اس نے تعیین نہیں کی، شائع حصہ پورے میں پھیلا ہوا ہے لیکن کتنا ہے؟ ربع ہے، دونوں کے حصوں میں پھیلا ہوا ہے۔ یا وہ کہتا ہے کہ جو زید کے حصے میں جو مکان کا مشرقی حصہ آیا ہے، اس حصے زید والے حصے میں میرا زید کو مثلاً آدھا مکان ملا ہے، اس آدھے کا آدھا یعنی ربع جو ہے وہ میرا ہے اس زید والے حصے میں۔ یعنی زید کا حصہ آدھا میرا ہے، کون سا حصہ آپ کا؟ کہتا ہے پھیلا ہوا ہے مشاع ہے الگ نہیں۔ تو مشاع کی دو صورتیں ہو گئیں یا سارے میں مشاع ہوگا یا کسی ایک کے حصے میں۔

متعین کی بھی پھر دو صورتیں ہو گئیں۔ مثلاً زید اور بکر نے مکان کو تقسیم کر لیا اور پھر خالد نے آکر دعویٰ کر دیا کہ یہ جو مکان کے اندر فلاں کمرہ ہے پانچ ضرب پانچ گز کا یہ کمرہ میرا ہے۔ اب اس کمرے کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ دونوں کے حصوں میں آرہا ہوگا، مثلاً انہوں نے تقسیم ایسی کی کہ وہ کمرہ یا کمرہ کہہ لیں یا ٹکڑا کہہ لیں، ایک زمین کا ٹکڑا پانچ ضرب پانچ گز کا یہ میرا ہے اور وہ ٹکڑا آدھا زید کے حصے میں آرہا ہے اور آدھا بکر کے، یا آدھا ہے یا تھوڑا زید کے حصے میں ہے اور زیادہ بکر کے حصے میں، بہرحال ہے دونوں کے حصوں میں، متعین حصے کا دعویٰ کیا مشاع کا دعویٰ نہیں کیا۔ یہ تیسری صورت یہ ہے کہ اس نے جس متعین پانچ ضربے پانچ گز کا دعویٰ کیا ہے یا کمرے کا جو دعویٰ کیا ہے وہ مثلاً ایک یعنی صرف زید کے حصے میں ہے۔ تو کتنی صورتیں بن گئیں؟ چار صورتیں بن گئیں، اب ان چاروں کو تفصیل سے یہ بیان کریں گے بھئی چاروں کو۔

دیکھیے بھئی کتاب پر: «فَإِنِ اسْتُحِقَّ بَعْضُ حِصَّةِ أَحَدِهِمَا»، ان دونوں میں سے کسی ایک کا بعض حصہ مستحق نکل آیا، اس کا کوئی مستحق نکل آیا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ دونوں میں سے ایک کے حصے میں، ایک کا حصہ مستحق، اس کا کوئی مستحق نکل آیا۔ «فَإِنِ اسْتُحِقَّ بَعْضُ حِصَّةِ أَحَدِهِمَا»، اگر ان متقاسمین میں سے ایک کے حصے کا بعض جو ہے اس کا استحقاق نکل آیا، «شَاعَ أَوْ لَا»، چاہے وہ پھیلا ہوا ہو چاہے پھیلا ہوا نہ ہو۔ ایک کے حصے میں نکلا ہے اور اس میں پھر دو

صورتیں یا پھیلا ہوا ہوگا یا متعین ہوگا، تو کہتے ہیں چاہے پھیلا ہوا ہو یا پھیلا ہوا نہ ہو، «لَمْ تُفْسَخْ» تقسیم کو فسخ نہیں کیا جائے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آیا؟ کون سی صورتیں، دو صورتیں ذکر ہو گئیں جب استحقاق کس میں نکلا ہے؟ کسی ایک کے حصے میں، یا صرف وہ زید والے حصے میں ہے یا صرف بکر والے حصے میں ہے، چاہے وہ کیا ہو پھیلا ہوا ہو چاہے متعین ہو، چاہے پھیلا ہوا ہو چاہے متعین ہو، دونوں صورتوں میں «لَمْ تُفْسَخْ» تقسیم کو فسخ نہیں کیا جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ «لَمْ تُفْسَخْ» کا یہ معنی نہیں فسخ کریں گے ہی نہیں، یعنی فسخ کرنا ضروری نہیں ہے، فسخ کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ آگے چل کے بتائیں گے آپ کو کہ ایک صورت میں اس متقاسم کو اختیار ہوگا وہ تقسیم کو فسخ بھی کروا سکتا ہے، تو لہٰذا ان دو صورتوں میں جب کسی ایک کے حصے میں کسی کا استحقاق نکلا ہے تو «لَمْ تُفْسَخْ» اس تقسیم کو فسخ نہیں کیا جائے گا یعنی اس کو فسخ کرنا ضروری نہیں۔

«وَرَجَعَ بِقِسْطِهِ فِي حِصَّةِ شَرِيكِهِ» اور وہ رجوع کرے گا «بِقِسْطِهِ» اپنے حصے کے ساتھ «فِي حِصَّةِ شَرِيكِهِ» اپنے شریک کے حصے میں۔ جتنا اس کے حصے میں کمی آگئی اس کے بقدر دوسرے ساتھی سے رجوع کر کے لے لے گا۔ مثلاً فرض کریں دو سو گز کا مکان ہے اور وہ دو سو گز کا مکان سو گز کس کے حصے میں آیا زید کے اور سو گز بکر کے حصے میں آیا، انہوں نے آپس میں تقسیم کر لیا۔ بعد میں خالد آیا اور اس نے آکر کہا کہ یہ جو زید کا حصہ ہے اس کے اندر میرے دس گز مشاع ہیں، کتنے؟ دس گز مشاع ہیں، اور یا دوسری صورت یہ کہ دس گز مشاع نہیں کہتا، دس ضربے دس کا فلاں ٹکڑا جو ہے ایک فلاں کونے والا وہ میرا ہے۔ تو اس صورت میں کیا کرے گا زید؟ وہ جو دوسرا ساتھی ہے اس سے اس کا آدھا لے لے گا۔ مثلاً زید کے حصے میں سے اس نے دس ضربے دس گز لے لیے، تو زید اس کا آدھا، دس ضربے دس کا آدھا کتنا ہو جائے گا؟ دس ضربے پانچ ہو جائے گا، تو وہ جو آدھا حصہ ہے زید وہ بکر سے لے لے گا، کیونکہ دونوں شریک تھے نا دونوں نے تقسیم کی ہے، تو زید کے حصے میں دس ضربے دس گز کی کمی آرہی ہے تو اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اس کا آدھا وہ کس سے لے لے گا؟ بکر سے لے لے گا۔ تو دیکھا وہ حصہ دونوں پر آدھا آدھا آگیا۔ وہ لے لے گا، تو چاہے معین ہو اس میں بھی اسی طرح کر لے گا اور چاہے مشاع ہو تو بھی اسی طرح کر لے گا، جتنا استحقاق نکلا اس کا آدھا دوسرے سے لے لے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں «وَرَجَعَ بِقِسْطِهِ فِي حِصَّةِ شَرِيكِهِ» اور وہ رجوع کرے گا اپنے حصے کے بقدر اپنے شریک کے حصے میں۔

«وَتُفْسَخُ فِي بَعْضِ مُشَاعٍ فِي الْكُلِّ» اور تقسیم کو فسخ کر دیا جائے گا بعض مشاع کے اندر «فِي الْكُلِّ» کس کے اندر؟ کل میں۔ اگر خالد نے آکر کہا کہ یہ پورے مکان میں جو زید اور بکر دونوں نے تقسیم کر لیا ہے، اس پورے مکان میں میرا چوتھا حصہ ہے اور پورے مکان میں پھیلا ہوا ہے، تو اس صورت میں تقسیم کو کیا کر دیں گے؟ فسخ، جب کون سی صورت ہو؟ جب کل کے اندر مشاع حصے کا دعویٰ کیا تو فسخ کر دیا جائے گا۔ کیوں فسخ کیا جائے گا؟ آگے بھی یہ آجائے گا ابھی سے

سمجھ لیں، وجہ یہ کہ زید اور بکر نے اس مکان کو آپس میں تقسیم کیا ہے اور اب تیسرا آدمی آکر کیا کہہ رہا ہے کہ اس پورے مکان میں تو میرا بھی حصہ تھا، معلوم ہوا شریک تین تھے، شریک دو نہیں تھے اور ہم نے تو کتنے میں تقسیم کر دیا؟ دو میں تقسیم کر دیا، حالانکہ تیسرا بھی آگیا ہے اور مینہ وغیرہ سارا کچھ اس کے پاس ہے، معلوم ہوا تین شریک تھے تو مکان کو تین میں تقسیم کرنا چاہیے تھا دو کے اندر تقسیم نہیں کرنا چاہیے تھا، اس لیے تقسیم کو فسخ کریں گے اور نئے سرے سے ان تینوں کے اندر اس کو تقسیم کر دیں گے حصوں کے بقدر جس کا جتنا حصہ بنتا ہے۔ یہ معنی ہے «وَتُفْسَخُ» اور تقسیم کو فسخ کر دیا جائے گا «فِي بَعْضِ مُشَاعٍ» اس بعض مشاع میں «فِي الْكُلِّ» جو کس کے اندر ہو کل کے اندر ہو۔

اب وہ چاروں صورتیں ذکر کریں گے، کہتے ہیں: «اِعْلَمْ» تو جان لے «أَنَّ الِاسْتِحْقَاقَ إِمَّا فِي بَعْضِ نَصِيبِ أَحَدِهِمَا» کہ استحقاق جو ہے یا تو وہ کسی ایک کے بعض حصے میں ہوگا، کسی ایک کے بعض حصے میں ہوگا مثلاً صرف زید کے حصے میں۔ اور وہ آکر کیا کہہ رہا ہے؟ زید کا سارا حصہ میرا ہے یا اس کا بعض حصہ میرا ہے؟ بعض حصہ، یہ معنی ہے «بَعْضِ نَصِيبِ أَحَدِهِمَا»، دونوں میں سے کسی ایک کے حصے کے بعض میں کچھ حصے میں استحقاق نکل آیا۔ تو پھر اس میں کتنی صورتیں تھیں؟ دو صورتیں: یا وہ استحقاق جو نکلا ہے یا مشاع ہوگا یا متعین۔ تو پہلے مشاع ذکر کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: «فَإِنْ كَانَ بَعْضًا شَائِعًا» اگر وہ بعض شائع تھا پھیلا ہوا تھا مثلاً پورے زید کے حصے میں، تو «لَمْ تُفْسَخْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ» تو تقسیم کو فسخ نہیں کیا جائے گا امام صاحب کے نزدیک، «وَتُفْسَخُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس تقسیم کو فسخ کر دیا جائے گا، «وَالْأَصَحُّ» اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ «أَنَّ مُحَمَّدًا رَحِمَهُ اللهُ مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ» وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں۔ معلوم ہوا طرفین کے نزدیک فسخ نہیں کریں گے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک فسخ کریں گے۔

«وَصُورَتُهُ» صورت اس کی یہ ہے کہ «أَنَّهُمَا اقْتَسَمَا دَارًا» کہ ان دونوں شریکوں نے آپس میں تقسیم کر لیا ایک گھر کو، «فَوَقَعَ النِّصْفُ الْغَرْبِيُّ لِأَحَدِهِمَا» تو مغربی نصف جو ہے ایک کے حصے میں آیا مثلاً زید کے حصے میں مغربی حصہ آیا، «فَاسْتُحِقَّ النِّصْفُ الشَّائِعُ مِنْ هَذَا النِّصْفِ الْغَرْبِيِّ» تو استحقاق نکل آیا نصف شائع کا اس نصف غربی میں۔ استحقاق نکل آیا نصف شائع کا کس میں؟ مغربی نصف حصے میں۔ دیکھو صورت بناؤ کہ مکان تھا دو سو گز کا، زید اور بکر نے آپس میں تقسیم کر لیا آدھا آدھا، زید کے حصے میں بھی سو مربع گز اور بکر کے حصے میں بھی سو مربع گز۔ اب زید کے حصے کے اندر ایک شخص کا استحقاق نکل آیا خالد کا اور کتنا ہے مثلاً «فَاسْتُحِقَّ النِّصْفُ الشَّائِعُ» نصف اس کا، اور زید کا حصہ کتنا؟ سو گز اور اس کا نصف کتنا؟ پچاس، تو پچاس مربع گز کا خالد نے آکر دعویٰ کر دیا کہ زید کے سو گز میں سے پچاس گز میرے ہیں اور شائع ہیں پھیلے ہوئے ہیں پچاس گز۔ تو کہتے ہیں: «فَاسْتُحِقَّ النِّصْفُ الشَّائِعُ» تو استحقاق نکل آیا نصف کا جو کہ پھیلا ہوا تھا «مِنْ هَذَا النِّصْفِ الْغَرْبِيِّ» اس مغربی نصف کے اندر۔ «فَإِذَا لَمْ تُفْسَخْ» پس جب تقسیم کو فسخ نہیں کیا جائے گا تو «فَالْمُسْتَحَقُّ مِنْهُ

بِالْخِيَارِ» تو مستحق منہ کو جو ہے وہ اختیار ہے۔ مستحق منہ کو اختیار ہے۔ مستحق کون ہے؟ مستحق کون ہے؟ جو نکلا ہے، مستحق کون سا آدمی مستحق ہے؟ خالد، خالد کیا ہے مستحق۔ اور وہ جو زمین ہے یعنی زید کا نصف وہ ہے مستحق جس کا استحقاق نکلا ہے اور زید کیا ہوا؟ مستحق منہ کہ اس کی زمین میں سے کیا ہے حصے کا استحقاق نکلا ہے تو زید کیا ہوا مستحق منہ۔ تو کہتے ہیں «فَالْمُسْتَحَقُّ مِنْهُ بِالْخِيَارِ» مستحق منہ کو اختیار ہے «إِنْ شَاءَ نَقَضَ الْقِسْمَةَ» چاہے تو تقسیم کو توڑ دے نئے سرے سے تقسیم کروائے، کیوں؟ «دَفْعًا لِضَرَرِ التَّشْقِيصِ»۔ تشقیص شقص سے ہے شین قاف اور صاد، شقص کہتے ہیں ٹکڑے کو حصہ، حصہ، تو تشقیص کا معنی ہے ٹکڑے کرنا، بابِ تفعیل ہے «شَقَّصَ يُشَقِّصُ تَشْقِيصًا». تو «فَالْمُسْتَحَقُّ مِنْهُ بِالْخِيَارِ»، مستحق منہ کو اختیار ہے «إِنْ شَاءَ نَقَضَ الْقِسْمَةَ»، چاہے تو وہ تقسیم کو توڑ دے نئے سرے سے تقسیم کروا دے، مثلاً خالد کو اس کا حصہ دے اور باقی میں تقسیم کو توڑ کر نئے سرے سے تقسیم کروائے، «دَفْعًا لِضَرَرِ التَّشْقِيصِ»، کس لیے؟ تشقیص کے ضرر کو دور کرنے کے لیے، تشقیص کے ضرر کو دور کرنے۔ بھئی دیکھو نا زید کا مکان کتنا کتنا ملا تھا اس کو؟ سو گز۔ اس سو گز میں سے پچاس مربع گز کون لے گیا؟ خالد۔ جب خالد پچاس مربع گز لے گیا، تو زید کتنا حصہ بکر سے لے گا؟ پچیس۔ شاباش، پچیس مربع گز، پچیس مربع گز۔ زید کا کل حصہ کتنا تھا؟ سو گز۔ اس سو گز میں سے پچاس گز کون لے گیا؟ خالد۔ تو خالد کے جو پچاس گز لے گیا، وہ پچاس کس پر آنے چاہئیں؟ پچاس میں سے آدھا زید پہ آنا چاہیے اور آدھا بکر پہ آنا چاہیے، تو معلوم ہوا زید پر بھی پچیس آنے چاہئیں اور بکر پر بھی پچیس مربع گز آنے چاہئیں۔ اور زید کے حصے میں سے تو وہ پچاس گز لے گیا ہے، تو زید کتنا حصہ بکر سے وصول کر لے گا؟ پچیس مربع گز وصول کر لے گا۔ اور یہ پچیس مربع گز زید کے حصے کا کتنا بنتا ہے؟ زید کا شروع میں کتنا حصہ تھا؟ سو گز۔ تو یہ پچیس گز اس کا ربع بنتا ہے، کیا بنتا ہے؟ تو یہ آپ کو آگے چل کر کتاب میں بتائیں گے کہ زید بکر سے اس کے حصے کا ربع لے لے گا۔ کیا کرے گا؟ ربع لے، ربع حصہ بکر سے لے لے گا۔ تو آپ حیران ہوں گے کہ یہ ربع کا کیا مطلب ربع کیوں لے گا؟ میں نے بات آپ کو سمجھا دی کہ زید کا کل حصہ کتنا ہے؟ سو گز ہے، تو سو میں سے کتنے کا استحقاق نکلا ہے؟ پچاس گز کا، تو پچاس گز میں سے پچیس گز زید پہ آنے چاہئیں اور پچیس گز کس پہ آنے چاہئیں؟ بکر پر، اور یہ پچیس گز جو بکر پر آئے یہ بکر کی زمین کا ربع ہے، کتنا ہے؟ اس کو سو گز ملے ہیں تو یہ معنی ہے کہ اس سے ربع لے لے گا۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟

تو دیکھو بھئی بات یہ چل رہی تھی کہ اس نے پچاس گز لے لیے۔ اب زید کو اختیار ہے چاہے تو اس تقسیم کو فسخ کروا کے نئے سرے سے تقسیم کروائے اور چاہے تو بکر سے ربع لے لے یعنی پچیس گز لے لے۔ کتنی چیزوں کا اختیار ہے زید کو؟ دو چیزوں کا۔ یہ وہ صورت چل رہی ہے جب استحقاق شائع حصے میں ہوا ہے، شائع حصے میں نکلا ہے، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو اس میں مستحق منہ کو کتنے اختیار؟ دو چیزوں کا اختیار ہے۔ یا تو وہ کیا کرے تقسیم کو فسخ کروا دے تاکہ تشقیص کے نقصان سے بچ جائے۔ تشقیص کا معنی یہ ہے ٹکڑے کرنا تاکہ اس کے حصے الگ الگ نہ ہوں۔ مثلاً زید بکر سے کہتا ہے

کہ مجھے پچیس گز دے دو۔ بکر اس کو دوسری طرف سے پچیس گز دے دیتا ہے۔ اب زید کا ایک زمین کا ایک ٹکڑا ایک طرف اور ایک ٹکڑا دوسری طرف تو تشقیص آگئی یا نہیں؟ زید کے حصے میں تشقیص آگئی وہ ٹکڑے ہو گیا اور تشقیص تو چیزوں میں عیب شمار ہوتا ہے۔ کوئی آپ سے ایک چیز خریدنے آیا زمین لینے آیا اور آپ نے کہا کہ یہ پچاس گز ایک طرف ہے اور پچاس گز دوسری طرف ہے، تو وہ کہے گا نہیں بھئی یہ تو مجھے تو سو گز اکٹھی ہی چاہیے بھئی۔ تو تشقیص یہ چیزوں میں زمین وغیرہ میں عیب شمار ہوتا ہے، تو تشقیص کے ضرر سے بچنے کے لیے زید کو اختیار ہے کہ وہ کیا کر لے تقسیم کو فسخ کروا دے۔ اور اگر وہ اس پر راضی ہے تو پھر ٹھیک ہے اس سے ربع حصہ مانگ لے ربع لے لے اس سے، وہ جس طرف بھی دے اس پر قناعت کر لے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھئی۔

تو کہتے ہیں «فَالْمُسْتَحَقُّ مِنْهُ بِالْخِيَارِ»، تو مستحق منہ جو ہے وہ اس کو اختیار ہے، «إِنْ شَاءَ نَقَضَ الْقِسْمَةَ»، اگر چاہے تو وہ تقسیم کو توڑ دے، یعنی نئے سرے سے تقسیم کروائے۔ بھئی کیوں توڑ دے تقسیم کو؟ کہتے ہیں: «دَفْعًا لِضَرَرِ التَّشْقِيصِ»، دور کرنے کے لیے تشقیص کے نقصان کو تاکہ تشقیص کے، ٹکڑے کرنے کے نقصان سے وہ بچ جائے۔ «وَإِنْ شَاءَ رَجَعَ عَلَى الْآخَرِ بِالرُّبْعِ»، اور اگر چاہے تو وہ رجوع کر لے دوسرے ساتھی پر «بِالرُّبْعِ» کتنے کے ساتھ؟ ربع کے ساتھ، اس مکان کا ربع یعنی پچیس مربع گز اس سے لے لے۔

«وَإِنْ كَانَ بَعْضًا مُعَيَّنًا مِنْ نَصِيبِ أَحَدِهِمَا»، اور اگر وہ جو مستحق نکلا ہے وہ بعض معین نکلا ہے مشاع نہیں نکلا، «مِنْ نَصِيبِ أَحَدِهِمَا» ان دونوں میں سے ایک کے حصے میں۔ خالد نے آکر دعویٰ کیا کہ زید کے حصے میں جو وہ سو مربع گز آئے ہیں اس میں دس مربع گز میرے، دس گز میرے ہیں، کتنے ہیں؟ دس مربع گز۔ میں نے بتایا نا مکانوں، زمینوں، جائیدادوں کی جو بیع ہوتی ہے وہ مربع فٹ یا مربع گز کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ مربع گز کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ چوڑائی بھی ایک گز، لمبائی بھی ایک گز۔ مربع فٹ کا کیا مطلب؟ چوڑائی بھی ایک فٹ، لمبائی بھی ایک فٹ۔ تو آنے والے نے کتنا دعویٰ کیا زید کی زمین میں؟ دس مربع گز۔ ہم اس آسان لفظوں میں ایک یوں کہہ دیتے ہیں دس گز کا دعویٰ کیا، صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ لیکن معنی وہی ہے مربع ہے بھئی مربع گز ہیں۔ تو خالد نے آکر دعویٰ کیا کہ زید کے حصے میں میرے دس گز ہیں، دس گز کون سے ہیں؟ کہتا ہے وہ جو فلاں کمرہ ہے فلاں کونے پر وہ کمرہ میرا ہے۔ تو اب دیکھو ایک معین حصے کا اس نے دعویٰ کیا ہے، اس کا استحقاق نکلا ہے۔ تو کہتے ہیں «وَإِنْ كَانَ بَعْضًا مُعَيَّنًا مِنْ نَصِيبِ أَحَدِهِمَا»، اور اگر وہ بعض معین ہے کسی ان دونوں میں سے کسی ایک کے حصے میں، «فَقَدْ قِيلَ»، تو تحقیق کہا گیا ہے کہ «إِنَّهُ عَلَى الِاخْتِلَافِ» کہ یہ بھی اسی اختلاف پر ہے یعنی اس میں بھی اسی طرح اختلاف ہے: چاہے زید تقسیم کو فسخ کروا دے اور چاہے تو آدھا بکر سے لے لے۔ لیکن آپ کو بتائیں گے نہیں بھئی، اس میں اختلاف نہیں ہے، یہاں پر ہمارے تینوں ائمہ اکٹھے ہیں کہ تقسیم کو فسخ نہیں کیا جائے گا بلکہ نصف کے

ساتھ رجوع کرلے گا بکر پر۔ «فَقَدْ قِيلَ» تحقیق کہا گیا ہے «إِنَّهُ عَلَى الِاخْتِلَافِ» کہ یہ صورت بھی اسی اختلاف پر ہے، لیکن «وَالصَّحِيحُ» صحیح قول یہ ہے کہ دیکھا «الصَّحِيحُ» کہا اس کا مطلب ہے وہ قول صحیح نہیں ہے، صحیح قول یہ ہے کہ «أَنَّهَا لَا تُفْسَخُ بِالْإِجْمَاعِ» کہ اس تقسیم کو فسخ نہیں کیا جائے گا بالاِجماع۔ بالاِجماع کا معنی ہے ہمارے ائمہ ثلاثہ کا اجماع ہے تمام فقہاء کی بات نہیں ہو رہی، کہ بالاِجماع اس کو فسخ نہیں کیا جائے گا، «بَلْ يَرْجِعُ بِقِسْطِهِ فِي حِصَّةِ شَرِيكِهِ» بلکہ یہ اپنے حصے پر رجوع کرے گا اپنے شریک کے حصے میں، اس سے اتنا لے لے گا۔ دس گز اس کی زمین میں نکلے ہیں تو پانچ گز کس سے لے گا؟ بکر سے لے لے گا۔

اب صورت بھی بنا رہے ہیں: «كَمَا إِذَا كَانَتِ الدَّارُ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ»، جیسے کہ مثلاً کوئی وہ گھر ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا تھا، «فَقُسِمَتْ» تو اس گھر کو تقسیم کر دیا گیا، «فَاسْتُحِقَّ مِنْ يَدِ أَحَدِهِمَا بَيْتٌ» تو استحقاق نکل آیا «مِنْ يَدِ أَحَدِهِمَا» دونوں میں سے کسی ایک کے قبضے میں «بَيْتٌ» کس چیز کا؟ ایک کمرے کا، «وَهُوَ خَمْسَةُ أَذْرُعٍ» اور وہ کمرہ کتنا تھا؟ پانچ گز کا تھا یعنی پانچ مربع گز کا، «رَجَعَ بِنِصْفِ مَا اسْتُحِقَّ فِي نَصِيبِ صَاحِبِهِ» تو وہ رجوع کرے گا نصف «مَا» اس کا جو مستحقہ جس کا استحقاق نکلا ہے اس کے نصف کے ساتھ وہ رجوع کرے گا «فِي نَصِيبِ صَاحِبِهِ» اپنے ساتھی کے حصے میں۔

بھئی ادھر دیکھیے، زید اور عمرو نے یہ مکان تقسیم کیا تھا، دونوں کا حصہ کتنا کتنا تھا؟ نصف نصف۔ لہٰذا جب استحقاق بھی نکلا ہے اس کو بھی آپس میں کس طرح بانٹیں گے؟ نصف نصف ہی بانٹیں گے نا؟ تو اس لیے جب زید کے حصے میں جتنی زمین نکلی ہے اس کی نصف وہ کس سے لے لے گا؟ بکر سے لے لے گا۔ اور اگر دونوں میں شرکت جو تھی وہ ایک کا حصہ ثلث تھا ایک کا ثلثان تھا۔ یہ تو ضروری نہیں کوئی چیز دونوں میں برابر برابر شریک ہو سکتا ہے کمی بیشی ہو۔ مثلاً فرض کرو وہ مکان تھا تین سو گز کا، اور زید کا حصہ سو گز تھا اور بکر کا حصہ دو سو گز تھا، یعنی زید کا حصہ ایک تہائی اور بکر کا حصہ دو تہائی، تین میں سے دو حصے۔ تو زید کو ملے سو گز اور بکر کو ملے دو سو گز۔ اب کوئی شخص آکر دعویٰ کرتا ہے اور زید کے حصے میں دس گز کے کمرے کا دعویٰ کیا یا دوسری صورت یہ کہ وہ بکر کے حصے میں دس گز کا دعویٰ کرتا ہے۔ اگر زید کے حصے میں اس نے دس گز کے کمرے کا دعویٰ کیا تو زید بکر پر کتنے کا رجوع کرے گا؟ ایک تہائی کا؟ جی؟ زید کا حصہ تھا ایک تہائی اور بکر کے حصے کتنے تھے؟ دو تہائی۔ تو نقصان بھی دو تہائی بکر پر آئے گا۔ لہٰذا زید دو تہائی اس کمرے کا بکر سے لے لے گا۔ مثلاً وہ جو حصہ اس نے خالد نے دعویٰ کیا تیس گز کا، تو تیس گز میں سے دس گز ایک تہائی کس پر آئے گا؟ زید پر اور دو تہائی کس پر آئے گا؟ بکر پر، لہٰذا وہ بکر سے بیس گز لے لے گا۔ کل زمین میں زید کا حصہ ایک تہائی تھا اور بکر کا حصہ دو تہائی تھا، تو نقصان کے اندر بھی زید کا حصہ کتنا ہوگا؟ ایک تہائی اور بکر کا کتنا ہوگا؟ دو تہائی۔ تو ایک تہائی والے کے حصے میں اگر کوئی مستحق نکل آیا، توجہ ہے؟ ایک تہائی والے کے حصے میں اگر کوئی مستحق نکل آیا، تو وہ جو مستحق حصہ نکلا ہے اس کا دو تہائی دوسرے سے لے لے گا۔ اور اگر دو تہائی والے کے حصے میں کوئی مستحق نکل آیا، مثلاً تیس گز کا حصہ اس نے بکر والے حصے میں لے لیا

خالد نے، تو اس تیس گز میں سے بیس گز بکر ہی پر آئیں گے کیونکہ بکر کا حصہ دو تہائی ہے اور دس گز کس پر آئیں گے؟ زید پر، تو یہ دس گز زید سے وصول کر لے گا۔ تو کہا، خلاصۂ کلام کیا ہوا کہ ایک تہائی والا کتنے حصے میں رجوع کرے گا؟ دو تہائی کے۔ ایک تہائی حصے والا مثلاً زید ہے وہ دوسرے پر کتنا دوسرے سے کتنا لے لے گا اس کا؟ دو تہائی، اور دو تہائی والے میں اگر کسی کا حق نکلا ہے تو وہ ایک تہائی والے سے ایک تہائی لے لے گا۔ یعنی یوں کہو دوسرے لفظوں میں ادھر سنو: اگر زید ہے ایک تہائی والا، بکر ہے دو تہائی والا، تو ایک تہائی والے کے حصے میں استحقاق نکل آیا تو وہ دوسرے سے دو تہائی لے گا، اور دو تہائی والے کے حصے میں استحقاق نکل آیا تو وہ دوسرے سے ایک تہائی لے گا۔ پھر سنو کیا؟ ایک تہائی والے میں کسی کا استحقاق نکلا ہے، حصہ اس کا کتنا؟ ایک تہائی، لیکن دوسرے سے لے گا کتنا؟ دو تہائی۔ اور دو تہائی والے میں کسی کا حصہ نکلا ہے تو اس کا حصہ تو دو تہائی لیکن دوسرے سے کتنا لے لے گا؟ ایک تہائی لے گا، یعنی اپنا جو حصہ ہے اس کے برعکس لے گا، صورت سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھیے اب کتاب پر، کہتے ہیں: «وَإِنْ كَانَتْ أَثْلَاثًا»، اور اگر وہ گھر تین حصے تھا یعنی اس میں شرکت کتنی تھی؟ تین حصے تھی یعنی ایک حصہ ایک کا تھا اور دو حصے دوسرے کے تھے، تو «ثُلُثٌ لِأَحَدِهِمَا» اس گھر میں شرکت تین حصوں میں تھی بھئی تین حصوں کے طور پر تھی، «ثُلُثٌ لِأَحَدِهِمَا وَثُلُثَانِ لِلْآخَرِ» ایک ثلث ایک کا تھا اور دو ثلث دو تہائی دوسرے کے، ایک تہائی ایک کا تھا اور دو تہائی دوسرے کے۔ «فَإِنِ اسْتُحِقَّ مِنْ يَدِ صَاحِبِ الثُّلُثِ» اگر استحقاق نکل آیا صاحبِ ثلث کے قبضے سے کہ ایک تہائی والے کے حصے میں استحقاق نکل آیا، تو «رَجَعَ بِثُلُثَيْ مَا اسْتُحِقَّ» تو وہ «مَا اسْتُحِقَّ» جس کا استحقاق نکلا ہے اس کے دو ثلث کے ساتھ رجوع کرے گا۔ جو اس کے حصے میں استحقاق نکلا ہے مثلاً تیس گز نکلے ہیں، زید کا حصہ کتنا؟ سو گز، بکر کا حصہ دو سو گز، اب زید کے حصے میں مثلاً تیس گز کا استحقاق نکل آیا تو تیس میں سے زید پر کتنا آئے گا؟ دس گز، اور بکر پر کتنا آئے گا؟ بیس گز۔ تو دیکھا صاحبِ ثلث یعنی زید جو ہے اس مستحق کا دو تہائی کس سے لے لے گا؟ بکر سے، یہی بیان کر رہے ہیں: «فَإِنِ اسْتُحِقَّ مِنْ يَدِ صَاحِبِ الثُّلُثِ» اگر استحقاق نکل آیا صاحبِ ثلث کے قبضے میں، تو «رَجَعَ بِثُلُثَيْ» تو وہ رجوع کرے گا دو ثلث کے ساتھ کس چیز کا دو ثلث؟ «مَا اسْتُحِقَّ» وہ جس کا استحقاق نکلا ہے یعنی جو حصہ کسی کا نکلا ہے اس کا دو ثلث اس کے ساتھ رجوع کرے گا اور اپنے ساتھی سے لے لے گا۔ «وَإِنِ اسْتُحِقَّ مِنْ يَدِ صَاحِبِ الثُّلُثَيْنِ» اور اگر استحقاق نکل آیا «مِنْ يَدِ صَاحِبِ الثُّلُثَيْنِ» دو تہائی والے ساتھی کے حصے میں، دو تہائی والے کے حصے میں اس کے قبضے میں سے استحقاق نکل آیا، تو دو ثلث والا ہے لیکن «رَجَعَ بِثُلُثِ مَا اسْتُحِقَّ» وہ رجوع کرے گا ایک تہائی «مَا اسْتُحِقَّ» اس حصے کا جو جس کا استحقاق نکلا ہے، اس کا ایک تہائی دوسرے سے لے لے گا۔[1]

[1] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۷۲): صوتی درس کی قراءت میں «ثُلُثٌ لِأَحَدِهِمَا وَثُلُثَانِ لِلْآخَرِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «ثُلُثٌ لأحدِهما، والثُلُثان للآخر،» منقول ہے۔

«وَإِنِ اسْتُحِقَّ الْبَعْضُ مِنْ نَصِيبِ كُلِّ وَاحِدٍ»، اور اگر استحقاق نکل آیا البعض بعض کا «مِنْ نَصِيبِ كُلِّ وَاحِدٍ» ہر ایک کے حصے میں، تیسری صورت آگئی۔ پہلی صورت کیا تھی؟ صرف زید کے حصے میں تھا اور حصہ بھی کیا تھا استحقاق کا شائع تھا پھیلا ہوا تھا، تو اس میں زید کو اختیار تھا چاہے تو تقسیم کو فسخ کر دے اور چاہے تو ربع وصول کر لے اپنے شریک ساتھی سے۔

اور دوسری صورت کیا تھی؟ اگر زید کے حصے میں ایک معین مکان نکلا ہے تو معین جگہ، تو پھر اس صورت میں زید کیا کرے گا؟ اپنے ساتھی سے اس کے جو اس پر بنتا ہے اس کے بقدر اس سے وصول کر لے گا۔ اب تیسری صورت آگئی کہ خالد نے آکر دعویٰ کیا کہ اس پورے مکان میں بعض میرا حصہ ہے، یہ جو زید اور بکر نے آپس میں تقسیم کیا ہے اس سارے مکان میں چوتھا حصہ میرا ہے، تو پھر تقسیم کو فسخ کریں گے کیونکہ معلوم ہوا شریک دو نہیں تھے کتنے تھے؟ تین تھے۔ تو کہتے ہیں: «وَإِنِ اسْتُحِقَّ الْبَعْضُ»، اور اگر استحقاق نکل آیا البعض بعض کا «مِنْ نَصِيبِ كُلِّ وَاحِدٍ» ہر ایک کے حصے میں نکل آیا یعنی سارے گھر میں نکل آیا، تو «فَإِنْ كَانَ شَائِعًا» تو اگر وہ شائع تھا پھیلا ہوا تھا وہ حصہ، تو «فُسِخَتِ الْقِسْمَةُ» تقسیم کو فسخ کر دیا جائے گا۔

«وَإِنْ كَانَ مُعَيَّنًا»، اور اگر وہ معین تھا، مثلاً خالد نے آکر کہا کہ اس مکان میں پچاس گز میرے ہیں، اور پچاس گز وہ کچھ حصہ زید والے میں آرہا ہے اور کچھ حصہ بکر والے میں آرہا ہے، تو کہتے ہیں یہ صورت متن میں ذکر نہیں کی، یہ صورت متن میں ذکر نہیں کی۔ کہتے ہیں: «وَإِنْ كَانَ مُعَيَّنًا»، اور اگر وہ جو مستحق حصہ ہے وہ متعین ہے، تو «لَمْ يَذْكُرْ هَذِهِ الْمَسْأَلَةَ» تو ماتن نے ذکر نہیں کیا اس مسئلے کو اس صورت کو۔ «فَأَقُولُ»، اب شارحِ وقایہ فرما رہے ہیں، کہتے ہیں: «فَأَقُولُ»، پس میں کہتا ہوں «لَا تُفْسَخُ الْقِسْمَةُ»، اس صورت میں بھی تقسیم کو فسخ نہیں کیا جائے گا، «بَلْ يُجْعَلُ هَذَا الْمُسْتَحَقُّ» تو بلکہ کر دیا جائے گا اس مستحق کو «كَأَنْ لَمْ يَكُنْ» گویا کہ یہ تھا ہی نہیں۔ یہ جو مستحق حصہ نکلا ہے اس کو یوں شمار کریں گے گویا تھا ہی نہیں۔ کل مکان مثلاً کتنا تھا؟ تین سو گز۔ اور آدھا کس کے حصے میں آیا؟ زید کے حصے میں، تقسیم کی اور آدھا آدھا تھا، اور آدھا کس کے حصے میں آیا مثلاً؟ بکر کے۔ اب خالد نے آکر کیا دعویٰ کیا کہ اس مکان میں پچاس گز میرے ہیں اور معین حصے کا دعویٰ کیا کہ فلاں والے پچاس گز جو ہیں فلاں کونے میں وہ میرے ہیں۔ اور اس کو ہم نے دیکھا تو کچھ زید والے میں آرہے تھے وہ جگہ اور کچھ بکر والے میں، تو کہتے ہیں اگر دونوں طرف برابر برابر حصہ ہے، برابر برابر حصہ ہے، تو پھر تو برابر ہے ٹھیک ہے، ایک کے حصے میں بھی پچیس گز کمی ہو رہی ہے دوسرے کے حصے میں بھی پچیس گز کمی ہو رہی ہے، تو کوئی فرق نہیں پڑتا، یوں سمجھیں گے یہ حصہ تھا ہی نہیں، یہ حصہ تھا ہی نہیں، باقی مکان کی تقسیم اسی طرح رہے گی۔ تو صاحبِ شرحِ وقایہ فرما رہے ہیں کہ جو مستحق حصہ نکلا ہے اس کو یوں سمجھو گویا وہ تھا ہی نہیں، تقسیم کو نہیں توڑیں گے بلکہ دیکھ لیں گے کہ وہ حصہ دونوں کے حصوں میں برابر برابر آرہا ہے، پھر تو اسی طرح ٹھیک ہے اور اگر برابر نہیں آتا ایک کے حصے میں کچھ زیادہ

ہے ایک کے حصے میں کم، مثلاً اس نے پچاس گز کا دعویٰ کیا اور پچاس گز میں سے دس گز زید کے حصے میں ہیں زید کے حصے میں سے تھے اور چالیس گز کس کے حصے میں تھے؟ بکر کے حصے میں، بکر کے حصے میں۔ تو اب کیا کریں؟ کہتے ہیں بھئی جو جس کا حصے میں کمی آرہی ہے جس پر زیادہ بوجھ آرہا ہے وہ اسی کے بقدر دوسرے سے لے لے۔ اب آپ مجھے بتائیں، زید والے حصے میں دعویٰ کتنے کا بن گیا؟ دس کا، اور بکر والے میں کتنے کا بن گیا؟ چالیس کا۔ تو بکر کتنا حصہ لے لے گا زید سے؟ حساب کر کے بتاؤ سوچ کر۔ زید لے لے گا پندرہ گز بکر سے؟ ہاں بکر لے لے گا پندرہ گز شاباش زید سے۔ کیونکہ دس گز تو زید کے حصے میں آئے تھے، تو وہ دس گز بکر کے حصے میں بھی وہ آگئے اور باقی تیس گز بکر کے حصے میں زائد آرہے تھے اور اس تیس میں سے آدھا کس پر آنا چاہیے؟ آدھا زید پہ آنا چاہیے تو وہ پندرہ گز وہ زید سے لے لے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یعنی یوں کہو آسان لفظوں میں جب پچاس گز کا دعویٰ ہے تو دونوں پر کتنے آنے چاہئیں؟ پچیس پچیس گز آنے چاہئیں بھئی، اور زید کے حصے میں دس گز تو آگئے ہیں باقی پندرہ بھی وہ لے وہ کس کو دے دے گا؟ بکر کو دے دے گا، تو اس طرح حساب برابر ہو جائے گا۔ طریقہ سب کو سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں «فَأَقُولُ» میں کہتا ہوں «لَا تُفْسَخُ الْقِسْمَةُ» کہ تقسیم کو فسخ نہیں کیا جائے گا، «بَلْ يُجْعَلُ هَذَا الْمُسْتَحَقُّ» بلکہ کر دیا جائے گا یہ جو مستحق یعنی یہ جو ٹکڑا استحقاق جس کا نکلا ہے «كَأَنْ لَمْ يَكُنْ» گویا یہ تھا ہی نہیں، یہ ٹکڑا تھا ہی نہیں۔ «فَإِنْ كَانَ الْبَاقِي فِي يَدِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِقَدْرِ نَصِيبِهِ» اگر وہ جو باقی ہے «فِي يَدِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا» ان دونوں میں سے ہر ایک کے قبضے میں «بِقَدْرِ نَصِيبِهِ» وہ اس کے حصے کے بقدر ہے، «فَلَا رُجُوعَ لِأَحَدِهِمَا عَلَى صَاحِبِهِ» تو کوئی رجوع نہیں ہے ان دونوں میں سے کسی ایک کا اپنے ساتھی پر۔ دونوں کو اگر اپنے اپنے حصے کے برابر مل رہا ہے، مطلب اس نے پچاس گز کا دعویٰ کیا اس میں سے پچیس گز کس کے حصے میں تھے؟ زید کے، اور پچیس کس کے حصے میں تھے؟ بکر کے، تو دونوں کے پاس اپنا اپنا حصہ پورا ہے لہٰذا کوئی ایک دوسرے پر رجوع نہیں کرے گا۔ یہ معنی ہے «فَإِنْ كَانَ الْبَاقِي فِي يَدِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِقَدْرِ نَصِيبِهِ فَلَا رُجُوعَ لِأَحَدِهِمَا عَلَى صَاحِبِهِ» پس اگر وہ جو باقی ہے ان دونوں میں سے ہر ایک کے قبضے میں وہ اس کے حصے کے بقدر ہے تو «فَلَا رُجُوعَ» تو کوئی رجوع نہیں ہوگا ان دونوں میں سے کسی ایک کا بھی اپنے ساتھی پر۔

«وَإِنْ نَقَصَ مِنْ نَصِيبِ أَحَدِهِمَا رَجَعَ بِالْحِصَّةِ» اور اگر نقصان آیا کسی ایک کے حصے میں تو وہ رجوع کرے گا اس کے حصے کے بقدر۔ «كَمَا إِذَا كَانَتِ الدَّارُ نِصْفَيْنِ» جیسے کوئی ایک گھر ہے وہ نصف نصف ہے آدھا آدھا ہے یعنی دو آدھا آدھا شریک ہیں اس میں، «وَالْمُسْتَحَقُّ عَشَرَةُ أَذْرُعٍ» اور وہ جس کا استحقاق نکلا ہے وہ دس گز ہیں، «خَمْسَةٌ مِنْ نَصِيبِ هَذَا وَخَمْسَةٌ مِنْ نَصِيبِ ذَلِكَ» پانچ گز اس کے حصے میں ہیں اور پانچ گز اس دوسرے کے حصے میں ہیں، «فَلَا رُجُوعَ لِأَحَدِهِمَا عَلَى صَاحِبِهِ» تو رجوع نہیں ہے کسی ایک کا بھی اپنے ساتھی پر کیونکہ آدھا آدھا دونوں پر آگیا بوجھ۔ «وَإِنْ كَانَتْ أَرْبَعَةٌ مِنْ هَذَا وَسِتَّةٌ مِنْ ذَلِكَ» اور اگر چار گز اس کی زمین میں ہیں «وَسِتَّةٌ مِنْ ذَلِكَ» اور چھ گز دوسرے کی زمین۔ مثلاً دس گز کا استحقاق

نکلا ہے چار گز کس میں سے کس کی زمین میں نکلے؟ زید کی، اور چھ گز بکر کی، حالانکہ دس گز میں آدھا آدھا آنا چاہیے دونوں پر کتنا آنا چاہیے؟ پانچ پانچ۔ تو زید پر تو چار آیا اور بکر پر کتنا آیا؟ چھ۔ تو اب کیا کریں گے؟ بکر زید سے کتنا لے لے گا؟ ایک گز لے لے گا۔ تو کہتے ہیں «يَرْجِعُ الثَّانِي عَلَى الْأَوَّلِ بِذِرَاعٍ» تو رجوع کر لے گا دوسرا پہلے پر ایک ذراع کے ساتھ۔[۲]

صورت اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ حاصلِ کلام کیا ہوا کہ اگر مشاع حصہ دو کل کے اندر ہے تو تقسیم کو فسخ کریں گے۔ اور اگر مشاع کسی ایک کے حصے میں ہے جو استحقاق نکلا ہے تو اس کو دو اختیار ہیں: چاہے تو تقسیم کو فسخ کر دے اور چاہے تو اپنے حصے کے بقدر دوسرے پر رجوع کر لے۔ اور اگر جو استحقاق نکلا ہے وہ معین حصے کا ہے تو پھر اس صورت میں چاہے وہ ایک کے حصے میں ہو یا دونوں کے حصوں میں ہو اس میں برابری کر لی جائے گی اگر برابری نہ ہو۔ ایک کے حصے میں ہے پھر تو ظاہر سی بات ہے اس کا آدھا وہ دوسرے سے لے لے گا، اور اگر دونوں کے حصوں میں ہے تو پھر اگر برابری ہو رہی ہے پھر تو ویسے ہی ٹھیک ہے اور اگر برابری نہیں ہو رہی تو دوسرے سے اتنے ہی لے کر وہ کیا کر لے گا حساب کو برابر کر لے گا۔

آگے دیکھیے: «وَصَحَّتِ الْمُهَايَأَةُ». مہایات بھئی۔ بھئی ایک ہے تقسیم، ایک ہے مہایات۔ مہایات کہتے ہیں منافع کو آپس میں تقسیم کرنا۔ تقسیم کے اندر تو ابھی جو قسمت پڑھی، قسمت کے اندر تو ذاتِ شے کو تقسیم کر دیتے ہیں جیسے مکان تھا اس کی ذات ہی کو زید اور بکر نے آدھا آدھا آپس میں تقسیم کر لیا۔ اور مہایات میں صرف منافع تقسیم کرتے ہیں۔ مثلاً زید اور بکر ایک مکان کے اندر شریک ہیں، آدھا حصہ زید کا ہے اور آدھا حصہ بکر کا ہے، تو دونوں آپس میں فیصلہ کرتے ہیں کہ بھئی مکان کو اسی طرح رہنے دیتے ہیں ہاں اس کے منافع آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ مثلاً کرایہ پر دے دیں گے آدھا کرایہ تم لے لیا کرو آدھا کرایہ میں لے لیا کروں گا، یا اس میں رہائش رکھ لیتے ہیں ایک سال تم رہنا ایک سال میں رہوں گا یا ایک دن تم رہنا ایک دن میں رہوں گا جیسے بھی تقسیم کرنا چاہیں۔ یا مکان کا ایک اوپر کا حصہ ایک نیچے کا حصہ ہے، آپس کی رضامندی کر لیتے ہیں نیچے والے حصے میں تم رہو اوپر والے حصے میں میں رہوں گا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہاں اب دیکھو مکان کی ذات کو نہیں آپس میں تقسیم کر رہے بلکہ اس کے صرف منافع کو آپس میں تقسیم کر رہے ہیں تو یہ جائز ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مہایات کا کیا معنی؟ منافع کو آپس میں تقسیم کرنا ایک مشترک چیز کے، مشترک چیز کے منافع کو آپس میں تقسیم کرنا۔

کہتے ہیں: «وَصَحَّتِ الْمُهَايَأَةُ»، مہایات صحیح ہے، کیونکہ احادیث وغیرہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ «اَلْمُهَايَأَةُ مُفَاعَلَةٌ مِنَ التَّهْيِئَةِ أَوْ مِنَ التَّهَيُّؤِ». «اَلْمُهَايَأَةُ مُفَاعَلَةٌ» یہ بابِ مفاعلہ ہے «مِنَ التَّهْيِئَةِ» تہیہ سے۔ تو تہیہ بھئی یہ اس کا مادہ جو ہے وہ ہا، یا

[۲] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۷۳): صوتی درس کی قراءت میں «وَإِنْ نَقَصَ مِنْ نَصِيبِ أَحَدِهِمَا رَجَعَ بِالْحِصَّةِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وإن نقصَ من نصيبِ أحدِهما يرجعُ بالحصَّة،» منقول ہے۔

اور ہمزہ ہے۔ تہیئۃ، مادہ کیا ہے؟ ہا، یا اور ہمزہ بھئی۔ اور تہیئۃ یہ بابِ تفعیل سے ہے بھئی۔ آپ نے پڑھا ہے کہ بابِ تفعیل کا ایک مصدر تَفْعِلَۃٌ بھی آتا ہے، اور یہ ناقص، لفیف اور مہموز اللام سے آتا ہے۔ کس سے، توجہ ہے؟ ناقص، لفیف اور مہموز اللام سے بابِ تفعیل کا مصدر کیا آتا ہے؟ تَفْعِلَۃٌ، جیسے آپ نے کیا پڑھا اس کی مثال؟ سَمّٰی یُسَمِّیْ تَسْمِیَۃً، دیکھا تَفْعِلَۃٌ۔ تو یہ بھی یہاں پر بھی «التَّهْيِئَةُ»، مادہ کیا ہے اس کا؟ ہا، یا اور ہمزہ۔ اصل میں کیا تھا؟ تَہْیِئَۃٌ، تَہْیِئَۃٌ جی، اور پھر یا کا کسرہ کس کو دیا؟ ہا کو دے دیا، اور ہمزہ کو یا کر کے یا میں ادغام کر دیا تو کیا بن گیا تَہِیَّۃٌ، تَہِیَّۃٌ۔[۳]

تو کہتے ہیں: «اَلْمُهَايَأَةُ مُفَاعَلَةٌ مِنَ التَّهْيِئَةِ أَوْ مِنَ التَّهَيُّؤِ» کہ مفاعلہ کا باب ہے یہ مہایات جو ہے یہ بابِ مفاعلہ ہے تَہِیَّۃٌ یا تَہَیُّؤٌ سے۔ جی، کیسے؟ تَہِیَّۃٌ یا تَہَیُّؤٌ سے کیسے ہے؟ کہتے ہیں دیکھو، بھئی مہایات بابِ مفاعلہ ہے نا اور بابِ مفاعلہ جانبین سے فعل کو چاہتا ہے کس سے؟ جانبین سے۔ «ضَارَبَ زَيْدٌ عَمْرًا» کیا معنی؟ ضَارَبَ، بابِ مفاعلہ میں لے گیا ضَارَبَ یُضَارِبُ مُضَارَبَۃً، «ضَارَبَ زَيْدٌ عَمْرًا» معنی یہ ہے کہ زید نے عمرو کی پٹائی کی ہے اور عمرو نے زید کی پٹائی کی ہے یعنی یوں کہو دونوں نے باہم ایک دوسرے کی پٹائی کی ہے۔ تو اگر اس کو تہیہ سے مانیں، تَہِیَّۃٌ کا کیا معنی تھا؟ دوسرے کے لیے دوسرے کو تیار کرنا، دوسرے کو تیار کرنا، تو اس میں بھی ایک کیا کرتا ہے دوسرے کو تیار کرتا ہے۔ دیکھو نا زید اور عمرو میں یہ گھر مشترک ہے۔ یہ دونوں آپس میں رضامندی کر لیتے ہیں ایک سال اس میں رہائش تم رکھو گے اور ایک سال رہائش اس میں میں رکھوں گا۔ تو دیکھو دونوں میں سے ہر ایک مکان کو تیار کرتا ہے دوسرے کے لیے۔ اس نے اپنی رہائش پوری کر لی تو مکان کو تیار کر دیا کس کے لیے؟ دوسرے کے لیے۔ دوسرے نے بھی جب سال گزار لیا اب مکان کو تیار کر کے کس کو دیا؟ دوسرے کو۔ تیار کرنا ڈیکوریشن مراد نہیں ہے یعنی اس کے حوالے کر دیا اس کے حوالے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ دونوں یعنی آپس میں رضامند ہو جاتے ہیں، ایک منافع کو دوسرے کے لیے تیار کر دیتا ہے یعنی اس کے حوالے کر دیتا ہے اور دوسرا منافع کو پہلے کے حوالے کر دیتا ہے یعنی اس کے لیے تیار کر دیتا ہے۔ تو دیکھو تیار کرنا، زید نے تیار کیا کس کو؟ مکان کو، کس کے لیے؟ اپنے شریک کے لیے، اور شریک نے مکان کو تیار کیا کس کے لیے؟ زید کے لیے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ اس صورت میں یہ تَہِیَّۃٌ سے ماخوذ ہے، تَہِیَّۃٌ سے مہایات بنا۔

اور اگر اس کو کس سے بنائیں؟ تَہَیُّؤٌ سے بنائیں، تو تَہَیُّؤٌ کا کیا معنی؟ خودتیار ہونا، خودتیار ہونا۔ تو گویا مکان خودتیار ہوتا ہے کس کے لیے؟ دوسرے کے لیے۔ زید نے ایک سال رہائش کر لی یا ایک دن کی رہائش کر لی اب کس کو دے بکر کو دے رہا ہے، تو مکان نے گویا خود کو تیار کر لیا کس کے لیے؟ بکر کے لیے۔ تو دونوں جانب سے، ایک کے لیے تیار کرتا ہے اور پھر دوسرے کے لیے، ایک کے لیے تیار ہوتا ہے اور پھر دوسرے کے لیے۔ دیکھیے بھئی۔

---

[۳] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۷۳):** صوتی درس کی قراءت میں «اَلْمُهَايَأَةُ مُفَاعَلَةٌ مِنَ التَّهْيِئَةِ أَوْ مِنَ التَّهَيُّؤِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «المُهايأةُ مفاعلةٌ من الهيئة، أو من التهيؤ،» منقول ہے۔

تو کہتے ہیں: «اَلْمُهَايَأَةُ مُفَاعَلَةٌ مِنَ التَّهْيِئَةِ أَوْ مِنَ التَّهَيُّؤِ»، یہ مہایات جو ہے یہ بابِ مفاعلہ ہے تَہیِّئٌ سے یعنی فعلِ متعدی سے، «أَوْ مِنَ التَّهَيُّؤِ» یعنی فعلِ لازم سے۔ «فَكَأَنَّ أَحَدَهُمَا يُهَيِّئُ الدَّارَ» پس گویا کہ ان دونوں میں سے ایک وہ تیار کرتا ہے «الدَّارَ» اس گھر کو «لِانْتِفَاعِ صَاحِبِهِ» اپنے ساتھی کے نفع کے لیے۔ ایک تیار کرتا ہے مکان کو ساتھی کے نفع کے لیے۔ یہ تو تھا اس صورت میں جب یہ تَہیِّئٌ سے ماخوذ ہو، تیار کرتا ہے تیار کرتا ہے دیکھا۔ اور اگر یہ تَہَیُّؤٌ سے ہو پھر کیسے؟ کہتے ہیں «أَوْ يَتَهَيَّأُ» یا وہ مکان تیار ہوتا ہے «لِلِانْتِفَاعِ بِهِ» کہ اس سے نفع اٹھایا جائے، «كَمَا إِذَا فَرَغَ مِنِ انْتِفَاعِ صَاحِبِهِ» جس وقت وہ فارغ ہو جاتا ہے اس کے ساتھی کے انتفاع سے۔ ایک ساتھی کے انتفاع سے مکان فارغ ہوا تو وہ مکان تیار ہو جاتا ہے دوسرے ساتھی کے انتفاع کے لیے۔ یہ معنی ہے «يَتَهَيَّأُ» وہ مکان تیار ہو جاتا ہے «لِلِانْتِفَاعِ بِهِ» کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے «كَمَا إِذَا فَرَغَ مِنِ انْتِفَاعِ صَاحِبِهِ» جس وقت کہ وہ فارغ ہو جاتا ہے، یہ کاف وقت کے معنی میں ہے یہاں جس وقت، جس وقت وہ فارغ ہو جاتا ہے اپنے اس کے ساتھی کے انتفاع سے۔

اچھا بھئی انتفاع ہوگا کیسے؟ مہایات صحیح ہے، کس چیز میں صحیح ہے؟ بتلا رہے ہیں: «فِي سُكُونِ هَذَا بَعْضًا مِنْ دَارٍ وَهَذَا بَعْضًا». سکون سکونت سے ہے، رہنا، رہائش اختیار کرنا۔ تو مہایات صحیح ہے کس چیز میں؟ «فِي سُكُونِ هَذَا» اس کے سکونت اختیار کرنے میں رہائش اختیار کرنے میں «بَعْضًا مِنْ دَارٍ» گھر کے بعض حصے میں «وَهَذَا بَعْضًا» اور اس دوسرے کا بعض حصے میں۔ بھئی دونوں تیار ہو جاتے ہیں راضی ہو جاتے ہیں، مکان کے دو حصے ہیں کہ آدھے حصے میں تم رہو گے آدھے میں میں رہوں گا، یعنی نیچے والے حصے میں میں رہوں گا اوپر والے حصے میں تم رہنا۔ تو دیکھو مہایات کر لی اور کس چیز میں کی؟ بعضِ دار میں کی یا کل دار میں کی؟ بعض۔ بایں صورت کہ بعض اس سے فائدہ ایک اٹھائے گا اور بعض سے فائدہ دوسرا اٹھائے گا، بعض میں سکونت ایک رکھے گا اور بعض میں سکونت ایک رکھے گا۔ یہ معنی ہے: «فِي سُكُونِ هَذَا»، ہذا سے مراد ایک شریک ہے اور اگلے ہذا سے مراد دوسرا شریک ہے، «فِي سُكُونِ هَذَا» اس ایک شریک کا کی سکونت اختیار کر لینا «بَعْضًا مِنْ دَارٍ» اس گھر کے بعض میں، «وَهَذَا» اور دوسرے شریک کا سکونت اختیار کرنا «بَعْضًا» اس کے بعض میں۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے کہ نہیں؟

یا دوسری صورت: «وَهَذَا عُلْوَهَا وَهَذَا سُفْلَهَا»، یعنی اسی سے اس سے جوڑیں، پیچھے کیا آیا تھا؟ «فِي سُكُونِ هَذَا بَعْضًا». اس «هَذَا بَعْضًا» کو اٹھاؤ اور اس کی جگہ یہ «هَذَا عُلْوَهَا وَهَذَا سُفْلَهَا» رکھ دو۔ أَيْ «فِي سُكُونِ هَذَا عُلْوَهَا» وَ «فِي سُكُونِ هَذَا سُفْلَهَا». مہایات صحیح ہے «فِي سُكُونِ» سکون کا کیا معنی؟ سکونت اختیار کرنے میں، کس چیز میں؟ «هَذَا» کہ یہ جو شریک ہے یہ سکونت اختیار کرتا ہے «عُلْوَهَا» اس مکان کے اوپر والے حصے میں، «وَهَذَا سُفْلَهَا» اور یہ سکونت اختیار کرتا ہے نیچے والے میں، تو اس میں بھی مہایات صحیح ہے۔

«أَوْ خِدْمَةِ عَبْدٍ هَذَا يَوْمًا وَهَذَا يَوْمًا»، اور اسی طرح مہایات صحیح ہے کس چیز میں؟ یہ خدمت کا عطف سکون پر ہے، أَيْ «فِي خِدْمَةِ عَبْدٍ هَذَا يَوْمًا وَهَذَا يَوْمًا»، اس بات کے اندر مہایات صحیح ہے کہ خدمت کرے گا غلام «هَذَا» اس شریک

کی ایک دن «وَهَذَا يَوْمًا» اور اس شریک کی ایک دن۔ ایک غلام ہے دونوں اس میں شریک ہیں تو کیا کر سکتے ہیں؟ کہ یہ غلام ایک دن تمہاری خدمت کیا کرے گا اور ایک دن میری خدمت کیا کرے گا۔ تو یہ مہایات صحیح ہے، جیسے مکان کے اندر سکونت کے اندر مہایات صحیح تھی کہ کس طرح کہ ایک مکان کے کچھ حصے میں رہے اور ایک مکان کے کچھ حصے یعنی دائیں طرف والے حصے میں زید رہتا ہے اور بائیں طرف والے حصے میں بکر رہتا ہے یا نیچے والے حصے میں زید رہتا ہے اوپر والے حصے میں بکر رہتا ہے تو یہ مہایات صحیح ہے، اسی طرح اگر وہ مہایات کرتے ہیں غلام کی خدمت میں کہ یہ غلام ایک دن ایک کی خدمت کرے گا اور دوسرے دن دوسرے کی تو یہ مہایات بھی صحیح ہے۔ یہ معنی ہے: «أَوْ خِدْمَةِ عَبْدٍ هَذَا يَوْمًا وَهَذَا يَوْمًا»، اور مہایات صحیح ہے «فِي خِدْمَةِ عَبْدٍ» غلام کی خدمت میں کہ وہ خدمت کرے گا «هَذَا» اس کی «يَوْمًا» ایک دن «وَهَذَا يَوْمًا» اور ایک دن اس کی۔

أَيْ «خِدْمَةِ عَبْدٍ زَيْدًا»، دیکھا ہذا سے مراد ایک شریک ہے تو زیداً نکال دیا، اور اگلے ہذا سے مراد دوسرا شریک ہے تو اس کی جگہ «وَعَمْرًا يَوْمًا» نکال دیا، صورت سمجھ میں آگئی؟ یعنی یہ اس بات میں کہ خدمت کرے گا ایک غلام زید کی ایک دن «وَعَمْرًا يَوْمًا» اور عمرو کی ایک دن۔ «كَسُكْنَى بَيْتٍ صَغِيرٍ»، جیسے کہ رہائش ہے ایک چھوٹے گھر کی، رہائش ہے ایک چھوٹے گھر کی۔ بھئی چھوٹا گھر ہے چھوٹا کمرہ ہے چھوٹا گھر ہے اس میں تو دو فیملیاں رہ ہی نہیں سکتیں تو وہ یا دو آدمی رہ ہی نہیں سکتے بھئی، چھوٹا کمرہ ہے دو آدمی اس میں رہ ہی نہیں سکتے تو وہ آپس میں مہایات کر لیتے ہیں کہ ایک دن تم رہ لیا کرو ایک دن میں رہ لیا کروں گا یا ایک مہینہ تم رہ لیا کرو ایک مہینہ میں رہ لیا کروں گا یا ایک ہفتہ تم رہ لیا کرو ایک ہفتہ میں رہ لیا کروں گا جیسے بھی وہ تقسیم کر لیں۔ «وَكَسُكْنَى بَيْتٍ صَغِيرٍ» جیسے کہ ایک چھوٹے گھر کی رہائش ہے، «بِأَنْ يَسْكُنَ فِيهِ زَيْدٌ يَوْمًا وَعَمْرٌو يَوْمًا» بایں صورت کہ سکونت کرے گا رہائش رکھے گا اس میں زید ایک دن اور عمرو ایک دن۔

«وَعَبْدَيْنِ»، یا دو غلاموں کی خدمت اس میں مہایات صحیح ہے، اس عبدین کا عطف ہے عبدٍ پر۔ پیچھے کیا تھا؟ صحت دیکھو عبارت جوڑو: «صَحَّتِ الْمُهَايَأَةُ فِي خِدْمَةِ عَبْدٍ»، جڑ گئی عبارت؟ «صَحَّتِ الْمُهَايَأَةُ» عبارت مل گئی؟ آگے تھا «فِي سُكُونٍ» اس سکون پر اگلی خدمت کا عطف ہو رہا تھا تو سکون کی جگہ خدمت لے آؤ: «صَحَّتِ الْمُهَايَأَةُ فِي خِدْمَةِ عَبْدٍ هَذَا يَوْمًا وَهَذَا يَوْمًا»، عبارت مل گئی؟ جی۔ اب اس خدمت کے بعد جو عبدٌ آرہا تھا اس کی جگہ اب عبدین لے آؤ اگلی عبارت لے آؤ: «وَصَحَّتِ الْمُهَايَأَةُ فِي خِدْمَةِ عَبْدَيْنِ»، اور مہایات صحیح ہے دو غلاموں کی خدمت میں کہ «هَذَا هَذَا الْعَبْدُ وَالْآخَرَ الْآخَرُ»، کہ یہ والا غلام ادھر دیکھو یہ دو غلاموں میں شریک ہیں تو آپس میں مہایات کر لیتے ہیں کہ شرکت اسی طرح رکھتے ہیں ہاں خدمت تقسیم کر لیتے ہیں یہ ایک غلام میری خدمت کیا کرے گا اور یہ دوسرا تمہاری خدمت کیا کرے گا، یہ مہایات کیا ہے؟ صحیح ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے کہ مہایات دو غلاموں میں بھی صحیح ہے: «هَذَا» یہ جو ہے یہ پہلے ہذا سے

مراد وہ شریک ہے مثلاً زید، کہ «هَذَا» یعنی «أَنْ يَخْدِمَ هَذَا» خدمت کرے گا اس کی یعنی زید کی ہذا۔ آگے شرح میں بتلا رہے ہیں «أَيْ يَخْدِمُ زَيْدًا»، دیکھا ہذا کی جگہ کیا نکال دیا؟ زید، کہ اور اس سے پہلے فعل کیا نکالا؟ یخدم، اور یہ جو «هَذَا الْعَبْدُ» ہے یہ اس کا فاعل بن جائے گا۔ اب متن پہ ذرا نظر رکھو: یخدم ہذا ہذا العبد، خدمت کرے گا اس کی یعنی زید کی «هَذَا الْعَبْدُ» یہ والا غلام، «وَالْآخَرَ الْآخَرُ» اور دوسرا یعنی دوسرا جو ہے دوسرا شخص دوسرا شریک جو ہے یعنی «وَالْآخَرَ» پہلا جو آخر آیا وہ مفعول ہے اور مثلاً اس سے عمرو مراد ہے کون مراد ہے؟ عمرو، یعنی خدمت کرے گا دوسرے شریک کی یعنی عمرو کی «الْآخَرُ» أَيْ «الْعَبْدُ الْآخَرُ» دوسرا غلام۔ عبارت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو کہتے ہیں «أَيْ يَخْدِمُ زَيْدًا هَذَا الْعَبْدُ» خدمت کرے گا زید کی یہ والا غلام، «وَيَخْدِمُ عَمْرًا الْعَبْدُ الْآخَرُ» اور خدمت کرے گا عمرو کی دوسرا غلام۔

صورت اچھی طرح سب کو سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا حاصلِ کلام یہ کہ مہایات صحیح ہے اور یہ مہایات رہائش کے مکانات، غلاموں وغیرہ ہر چیز کے اندر مہایات صحیح ہے، جب دو ساتھی کسی چیز میں شریک ہوں اور اس کے نفع کو آپس میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو اس کو زمانے کے اعتبار سے بھی تقسیم کر سکتے ہیں اور جگہ کے اعتبار سے بھی تقسیم کر سکتے ہیں، اور بھی جس طرح خدمت کے اعتبار سے بھی تقسیم کر سکتے ہیں۔ مثلاً زمانے کے اعتبار سے تقسیم کر لیتے ہیں کہ ایک دن تم رہ لیا کرو مکان میں اور ایک دن میں رہ لیا کروں گا، دیکھا منافع تقسیم کیے زمانے کے اعتبار سے، یا ایک مہینہ میں رہ لیا کروں گا اور ایک مہینہ تم رہ لیا کرو، یا ایک سال میں رہ لیا کروں گا ایک سال تم رہ لیا کرو تو یہ زمانے کے اعتبار سے تقسیم۔ اور جگہ کے اعتبار سے تقسیم کرنا چاہیں وہ بھی ٹھیک ہے، نیچے آپ کی فیملی رہ لیا کرے اوپر میری فیملی رہ لیا کرے گی، اوپر اور نیچے دونوں میں شرکت ہے نا دونوں منزلوں میں، تو نیچے والی منزل میں آپ کی فیملی رہ لیا کرے اوپر والی منزل میں میری فیملی رہ لیا کرے تو یہ تقسیم بھی صحیح ہے۔ یا غلام کے اندر تقسیم کرتے ہیں کہ ایک دن میری خدمت کرے گا ایک دن تمہاری، یا ایک ہفتہ میری خدمت کیا کرے گا ایک ہفتہ تمہاری خدمت کرے گا، یا غلاموں کی خدمت ہی آپس میں بانٹ لیتے ہیں دو غلام ہیں بھئی یہ ایک غلام تمہاری خدمت کیا کرے گا اور یہ دوسرا غلام میری خدمت کیا کرے گا، تو جو بھی صورت بنانا چاہیں کر سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ چلیے بس بھئی، «هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ».

كِتَابُ الْمُزَارَعَةِ وَالْمُسَاقَاةِ

مزارعت و مساقات کی شرائطِ صحت، صورتیں اور فساد و اخراجات کے احکام

سبق نمبر ۱۴: کتاب المزارعۃ: مزارعت کی تعریف، امام ابو حنیفہ و صاحبین کا اختلاف اور شرائطِ صحت

شرح الوقایہ صفحہ: ۲۷ — بتاریخ: ۲۶ اکتوبر ۲۰۱۹ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

جی، آگے سبق دیکھیے بھئی۔ كِتَابُ الْمُزَارَعَةِ: هِيَ عَقْدُ الزَّرْعِ بِبَعْضِ الْخَارِجِ، وَلَا تَصِحُّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى لِمَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُخَابَرَةِ، وَلِأَنَّهَا اسْتِئْجَارُ الْأَرْضِ بِبَعْضِ مَا يَخْرُجُ مِنْ عَمَلِهِ، فَكَانَ فِي مَعْنَى قَفِيزِ الطَّحَّانِ. وَصَحَّتْ عِنْدَهُمَا وَبِهِ يُفْتَى لِتَعَامُلِ النَّاسِ وَلِلِاحْتِيَاجِ بِهَا وَالْقِيَاسِ عَلَى الْمُضَارَبَةِ۔[1]

آج ہم كِتَابُ الْمُزَارَعَةِ پڑھیں گے بھئی۔ مُزَارَعَة کہتے ہیں کھیت وغیرہ کو بٹائی پر دینا۔ کھیت کو بٹائی پر دینا، یہاں بھی عام طور پر رائج ہے، لوگوں کی زمین ہوتی ہے، وہ دوسروں کو بٹائی پر دیتے ہیں اور پھر وہ اس میں فصل کاشت کرتے ہیں اور پھر اس میں طے ہوتا ہے کہ جتنی فصل پیدا ہوگی، آدھی آپ کی ہوگی محنت کرنے والے کی اور آدھی زمین والے کی، یا دو ثُلُث جو ہیں وہ زمین والے کے ہوں گے اور ایک ثُلُث محنت کرنے والے کا، جو بھی طے ہو جائے اس کے مطابق بھئی۔ تو یہ کیا ہے؟ مُزَارَعَت ہے بھئی، اس کو مُزَارَعَة کہتے ہیں اور اردو میں کہیں گے کھیت کو بٹائی پر دینا۔

[1]

نقشۂ فقہی (۴): کتاب المزارعۃ — مزارعت کی شرائطِ صحت اور جائز و فاسد صورتوں کا نقشہ:

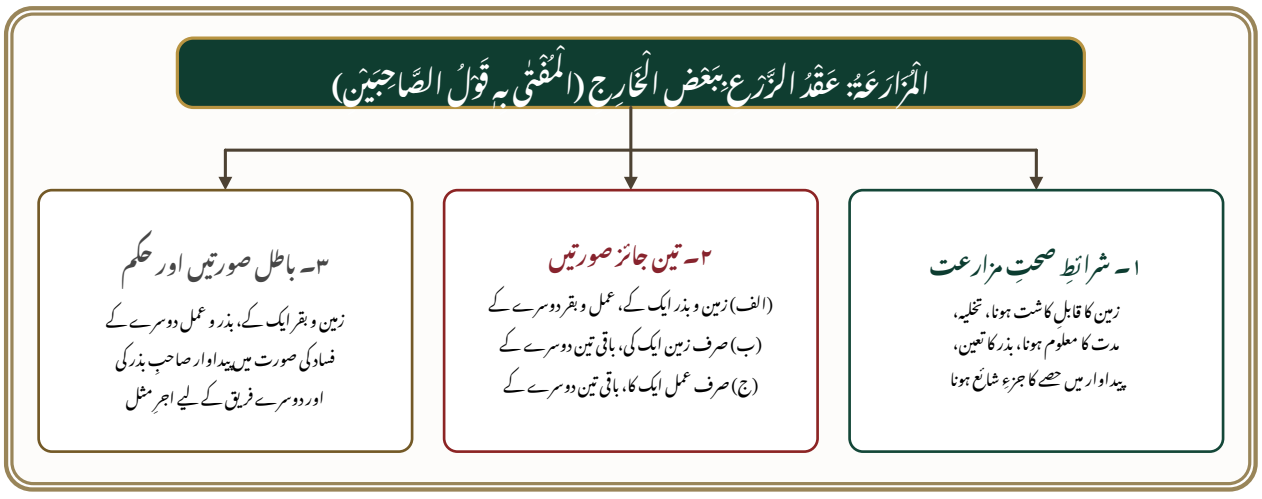

تو کہتے ہیں هِيَ عَقْدُ الزَّرْعِ بِبَعْضِ الْخَارِجِ۔ زَرْعٌ کہتے ہیں کاشت کرنا بھئی، کھیت میں فصل کاشت کرنا۔ اور خَارِج یاد رکھیے، خَارِج کہتے ہیں پیداوار کو، جو فصل حاصل ہوئی، یہ جو پیداوار حاصل ہوئی اس کو عربی میں کیا کہتے ہیں؟ خَارِج۔ تو مُزَارَعَة کسے کہتے ہیں؟ بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں هِيَ عَقْدُ الزَّرْعِ یہ کاشت کا عقد کرنا ہے بِبَعْضِ الْخَارِجِ بعض خَارِج کے بدلے، کچھ پیداوار کے بدلے، کچھ پیداوار پر کاشت کا عقد کرنا، کچھ پیداوار پر۔ بھئی میری زمین ہے، میں کسی شخص کو دیتا ہوں کہ آپ اس میں فصل کاشت کر لیں تو میں اسے کیا کہوں گا؟ کچھ فصل آپ کی یا ساری فصل آپ کی؟ ظاہر سی بات ہے کچھ فصل دوں گا، کچھ میرا حصہ ہوگا اور کچھ اس کا حصہ ہوگا، مثلاً آدھا آدھا طے کر لیتے ہیں یا ایک ثُلُث ایک کا دو ثُلُث دوسرے کے، یا چار حصے کریں گے جی ایک رُبُع تمہارا ہوگا تین رُبُع میرے ہوں گے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو ساری فصل پر یہ عقد نہیں ہوتا بلکہ کتنے پر ہوتا ہے؟ بعض فصل پر، کچھ حصے پر، وہ یا نِصف ہوگا یا ثُلُث یا رُبُع وغیرہ۔ تو کہتے ہیں هِيَ عَقْدُ الزَّرْعِ بِبَعْضِ الْخَارِجِ یہ کاشت کا عقد ہے بِبَعْضِ الْخَارِجِ کچھ پیداوار کے بدلے، کچھ پیداوار پر۔

وَلَا تَصِحُّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مُزَارَعَت صحیح نہیں ہے۔ وہ اس کو ناجائز فرماتے ہیں، ناجائز قرار دیتے ہیں۔ یاد رکھو یہ جو مُزَارَعَت ہے نا مُزَارَعَت، اس کا ایک نام مُخَابَرَة بھی ہے، مُزَارَعَة، مُخَابَرَة، یہ آگے حدیث میں بھی آ رہا ہے، مُخَابَرَة، اور ایک تیسرا نام اس کا ہے مُحَاقَلَة، میم، حا، الف، قاف دو نقطوں والا، لام اور گول تا، مُحَاقَلَة۔ تو مُزَارَعَة لفظ آجائے یا مُخَابَرَة آجائے یا مُحَاقَلَة، تینوں کا ایک ہی معنی ہے، تینوں مُزَارَعَت کو کہتے ہیں بھئی۔

پہلے سمجھ لیں مسئلہ، امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مُزَارَعَت درست نہیں، یہ جائز نہیں ہے بھئی۔ جبکہ صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جائز ہے بھئی، جائز ہے۔ اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے بھئی۔ فتویٰ کس کے قول پر ہے؟ صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے، چنانچہ یہ اب عام رائج ہے اور یہ لوگ کرتے ہیں تو یہ جائز ہے شرعاً بھئی۔ جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں نہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں، دو دلیلیں ان کی ذکر کی ہیں امام صاحب کی۔ ایک دلیل یہ ذکر کی کہ حضور علیہ السلام نے مُخَابَرَة سے منع فرمایا ہے۔ حدیث میں کیا آیا ہے؟ کہ حضور علیہ السلام نے مُخَابَرَة سے منع فرمایا ہے اور مُخَابَرَة کس کو کہتے ہیں؟ مُزَارَعَت کو ہی کہتے ہیں۔ تو معلوم ہوا مُزَارَعَت سے حضور نے منع فرمایا ہے۔ مدینہ والے مُزَارَعَت کو مُخَابَرَة کہتے تھے بھئی، تو حضور نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ایک دلیل امام صاحب کی یہ ہے۔

اور دوسری دلیل امام صاحب کی وہ ذکر کریں گے کہ یہ قَفِيزُ الطَّحَّان کی طرح ہے بھئی۔ کس کی طرح ہے؟ قَفِيزُ الطَّحَّان۔ قَفِيزُ الطَّحَّان بھئی، قَفِيزُ الطَّحَّان۔ بھئی قَفِيزُ الطَّحَّان، قَفِيز تو آپ جانتے ہیں، وہ غلہ ماپنے کا ایک پیمانہ ہوتا تھا، آج بھی بہت سے دیہات میں رائج ہے۔ تو قدیم زمانے میں یہ غلہ تول کر نہیں بیچا جاتا تھا، آج کل تو تول کر بیچتے ہیں، قدیم زمانے میں ایک

برتن ہوتا تھا، جیسے دودھ کا ایک برتن ہے، اس میں ایک لیٹر ماپ کر دیتے ہیں یا دو لیٹر یا تین لیٹر جتنا آپ نے لینا ہو، یا جیسے پیٹرول گاڑی میں ڈلواتے ہیں تو وہ بھی اسی لیٹر کے حساب سے ہوتا ہے کہ ایک لیٹر ڈلوانا ہے یا دو، تو وہاں وزن کی بات نہیں ہوتی کہ ایک کلو یا دو کلو۔ اسی طرح یہ گندم اور غلہ ماپنے کا ایک پیمانہ ہوتا تھا، اچھا خاصا بڑا ہوتا تھا اور یہ مثلاً ایک قَفِیز ایک دِرْھَم کا ہے، دو قَفِیز ہوں گے تو دو دِرْھَم کے، تین قَفِیز ہوں گے تو تین دِرْھَم کے، اس طرح ان کو بیچا جاتا تھا۔ تو اس کو کہتے ہیں کَیْل بھئی، کَیْل، ماپنا، ماپنا۔ یہ دودھ بھی کس طرح بیچا جاتا ہے؟ کَیْل کر کے، ماپ کر۔ اسی طرح پیٹرول بھی کس طرح بیچا جاتا ہے؟ ماپ کر، کَیْل کر کے۔ کچھ چیزیں وزنی ہیں، کچھ چیزیں کَیْلِي ہیں بھئی، ان کو کَیْل کر کے بیچا جاتا ہے۔ تو یہ غلہ بھی کس میں سے ہے؟ کَیْلِي چیزوں میں سے ہے، یا یوں کہیں کچھ چیزیں مَوْزُونَات ہیں اور کچھ مَکِیلَات ہیں بھئی، مَکِیلَات۔

تو امام صاحب فرماتے، ہاں تو میں کَیْل کی بات کر رہا تھا، تو وہ جو پیمانہ ہے اس کو عربی میں کہتے ہیں قَفِیز بھئی، قَفِیز۔ اور طَحَّان کہتے ہیں گندم پیسنے والا۔ طَحْن کا معنی ہوتا ہے نا طا، حا، نون، طَحْن کا معنی ہوتا ہے پیسنا، پیس کر آٹا بنانا۔ تو طَحَّان وہ جو پیسنے والا ہے، بازار میں بعض لوگ بیٹھے ہوتے ہیں، وہ کام ہی یہ کرتے ہیں، آپ ان کے پاس اپنی گندم لے جاتے ہیں وہ آپ کو پیس کر دیتے ہیں اور اس کے عوض پیسے لیتے ہیں، مثلاً ایک من ہے تو سو روپیہ لیں گے، دو من ہے تو دو سو لے لیں گے۔ صورت سب کو سمجھ میں آ رہی ہے بھئی؟ تو یہ جو طَحَّان ہے اس کے ساتھ عموماً لوگ یوں کرتے کہ اس کے پاس ایک من گندم لے جاتے اور کہتے اس کو پیس دو، پیسنے کے بعد اس میں سے مثلاً مثلاً ایک کلو یا ایک پیمانہ، ایک قَفِیز جو ہے آٹا آپ کا ہوگا، ہر چالیس قَفِیز میں سے ایک قَفِیز آپ کا ہوگا۔ تو دیکھو یہ ایک قَفِیز کس کا ہوا؟ گندم پیسنے والے کا، تو یہ ہوا قَفِیزُ الطَّحَّان، پیسنے والے کا قَفِیز۔ ہر چالیس، مثلاً ہر چالیس میں سے ایک قَفِیز، اسی ہوئے تو کتنے اس کے؟ دو، اگر ایک سو بیس ہوئے تو اس کے کتنے؟ تین قَفِیز۔ تو اس طرح وہ اجرت لیتے تھے۔ اس سے منع فرمایا ہے شریعت نے بھئی، یہ جائز نہیں ہے بھئی۔ قَفِیزُ الطَّحَّان جائز نہیں۔

اس لیے کیونکہ آپ اس کو اجرت میں کیا دے رہے ہیں؟ آٹا، اور اس کا کام بھی کیا ہے؟ آٹا بنا کر دینا۔ تو ایسی چیز کو اجرت کے طور پر طے کرنا جو اس عَامِل، اس کام کرنے والے کے عمل سے بنے، اس کو اجرت میں طے کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ کوئی چیز جو کسی مزدور کے عمل سے بنے اور آپ اسی کو اجرت کے طور پر دیں، یہ ٹھیک نہیں۔ اب اس کا کام کیا تھا؟ آٹا بنانا، اور اجرت میں بھی اسے کیا دے رہے ہیں؟ آٹا دے رہے ہیں۔ تو دیکھا یہ اسی کے جو عمل وہ کرتا ہے وہی چیز آپ اس کو دے رہے ہیں، یہ جائز نہیں ہے۔

بھئی کیوں نہیں جائز؟ وجہ یہ ہے کہ آپ اس کے ادا کرنے پر قادر نہیں ہیں جب تک وہ اپنا کام نہ کر لے۔ جب تک وہ پیسے گا نہیں، آپ آٹا دے سکتے ہیں؟ آپ کے پاس آٹا ہے ہی نہیں، وہ پیسے گا تو آٹا بنے گا نا۔ تو آپ ایک چیز کے ادا کرنے پر

قادر ہی نہیں ہیں، اس کو اجرت کیسے ٹھہراتے ہو بھئی؟ اجرت ایسی چیز کو ٹھہراؤ جس کے آپ ادا کرنے پر قادر ہوں جب بھی دینا چاہیں، چاہے پہلے دینا چاہیں چاہے بعد میں دینا چاہیں۔ یہاں بعد میں تو ہو سکتا ہے پہلے تو نہیں، تو گویا آپ اس پر قادر ہی نہیں ہیں ادا کرنے پر۔ یہ اسی طرح ہے جیسے ایک شخص کو آپ کہیں کہ یہ چالیس من، یہ چالیس بوری گندم یہاں سے اٹھاؤ اور فلاں میرے گاؤں میں پہنچا دو تو ایک بوری آپ کی، چالیس بوری پہنچاؤ گے تو کتنی بوری آپ کی؟ ایک بوری، اسی پہنچاؤ گے تو کتنی بوریاں آپ کی؟ دو بوریاں۔ وہ جب پہنچائے، آپ نے کیا کہا ہے؟ پہنچاؤ گے تو اس میں سے ایک آپ کا۔ تو آپ اس بوری کو اس کے دینے پر قادر ہی نہیں ہیں یعنی آپ اس کو ادا نہیں کر سکتے، ابھی تو بوریاں یہاں پڑی ہیں نا گاؤں میں تو آپ کے موجود نہیں ہیں، منزل پر تو موجود نہیں ہیں، تو آپ اس کو ادا کرنے پر قادر نہیں۔

تو ایک تو اس میں یہ خرابی کہ ایسی چیز کو اجرت ٹھہرا رہے ہیں کہ وہ شخص مزدور کو وہ اجرت ادا کرنے پر قادر ہی نہیں ہے اس وقت، اس وقت جب عقد کر رہا ہے اس وقت ادا کرنے پر قادر نہیں۔ اور نیز آپ نے اس کو کیا کہا؟ چالیس قَفِیز کو پیسو گے تو ایک قَفِیز آپ کا۔ بھئی چالیس میں سے جب وہ ایک لے لے گا تو آپ کے کتنے ہو گئے؟ انتالیس، انتالیس۔ تو گویا انتالیس قَفِیز اس نے آپ کے لیے پیسے، ایک قَفِیز تو اس نے اپنے لیے پیسا ہے۔ اور آپ نے تو کیا کہا تھا؟ چالیس پر ایک ہوگا۔ تو اس نے تو انتالیس پیسے اور ان میں سے ایک اس کا، انتالیس آپ کے ہوئے، ایک تو اس کا اپنا ہے بھئی، وہ تو خود اپنے لیے عمل گویا اس کا ہو گیا بھئی۔

کہ مزدور کے عمل سے یا محنت کرنے والے کے عمل سے جو چیز تیار ہو، جو چیز حاصل ہو، اسی کو اجرت ٹھہرانا، یہ شریعت نے اس سے منع کیا ہے۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ قَفِیزُ الطَّحَّان۔ کیا کہتے ہیں؟ قَفِیزُ الطَّحَّان۔ بس مختصر لفظ بول دیتے ہیں اور اس کے اندر وہ ساری صورتیں آ گئیں جس میں اسی کے عمل کا دخل ہوتا ہے۔ اور کوئی چیز آپ کسی کے پاس لے جاتے ہیں، اس چیز میں یوں کر دو اور پھر جب یہ ساری تیار ہو جائیں تو ہر چالیس میں سے ایک آپ کی ہو جائے گی۔ تو یہ سب کس میں شامل ہو گئیں؟ قَفِیزُ الطَّحَّان، یعنی وہ چیز اجرت میں متعین کرنا جو اسی کے عمل سے بنے، اسی کے عمل سے وجود میں آئے۔

تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دو دلیلیں ہو گئیں، ایک تو حدیث ہو گئی کہ حضور علیہ السلام نے مُخَابَرَة سے منع فرمایا اور اہلِ مدینہ مُزَارَعَت کو کیا کہتے تھے؟ مُخَابَرَة کہتے تھے بھئی، مُخَابَرَة۔ اور دوسری دلیل امام صاحب کی، وہ فرماتے ہیں یہ مُزَارَعَة میں اجرت کے طور پر کیا دیں گے؟ مثلاً آپ کی زمین ہے، کسی شخص کو آپ نے دے دی کہ آپ محنت کرنا یہ والی فصل اس میں، مثلاً گندم اگاؤ اور پھر جب فصل حاصل ہوگی آدھی فصل آپ کی ہوگی اور آدھی فصل میری ہوگی۔ اب دیکھیے یہ فصل کس کی محنت سے حاصل ہو رہی ہے؟ اسی مزدور کے، اور اسی کو آپ اجرت میں دے رہے ہیں بھئی۔ تو یہ قَفِیزُ الطَّحَّان کے معنی میں ہوا، وہ چیز جو اسی کے عمل سے وجود میں آئی، اسی کے عمل کی وجہ سے بنی، آپ نے کیا کیا؟

اسی کو اجرت میں ٹھہرایا اور یہ جائز نہیں ہے، شریعت نے اس سے منع کیا ہے۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ قَفِيزُ الطَّحَّان بھئی۔

دیکھیے اب کتاب پر ترجمہ، کہتے ہیں وَلَا تَصِحُّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مُزَارَعَت صحیح نہیں ہے لِمَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ مَا، مَا سے مراد مَا رُوِيَ، یہ جو مَا ہے نا مَا سے مراد ہے حدیث، حدیث، کیونکہ یہ اسمِ موصول ہے نا اور اسمِ موصول آپ نے پڑھا ہے معرفہ ہوتا ہے، اور معرفہ وہ ہے جو کسی ذاتِ معین پر دلالت کرے۔ تو اسمِ موصول ہے یہ بھی کسی ذات پر دلالت کرے گا، یہ کوئی چیز اس کا مدلول ہوگی، اور یہاں پر اس کا مدلول کیا ہے؟ کیا مراد ہے اس سے؟ حدیث بھئی۔ تو اس مَا کا ترجمہ کس کے ساتھ کر لو؟ حدیث کے ساتھ کر لو۔ تو کہتے ہیں لِمَا رُوِيَ بوجہ اس حدیث کے جو روایت کی گئی عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ کون سی حدیث؟ کہ نَهَى عَنِ الْمُخَابَرَةِ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا مُخَابَرَة سے، اور مُخَابَرَة تو اہلِ مدینہ کس کو کہتے ہیں؟ مُزَارَعَت کو، تو معلوم ہوا مُزَارَعَت سے منع فرمایا۔

دوسری دلیل: وَلِأَنَّهَا اسْتِئْجَارُ الْأَرْضِ بِبَعْضِ مَا يَخْرُجُ مِنْ عَمَلِهِ، اور نیز اس لیے کیونکہ یہ جو مُزَارَعَت ہے، اسْتِئْجَارُ الْأَرْضِ یہ زمین کو کرایہ پر لینا ہے، یہ زمین کو کرایہ پر لینا ہے۔ مُزَارَعَت میں زمین ایک کی ہوتی ہے نا اور محنت دوسرے کی ہوتی ہے تو یہ کوئی شخص، یہ اسی طرح جیسے زمین کو کرایہ پر لیا جائے بِبَعْضِ مَا يَخْرُجُ اس بعض پر جو اس سے پیدا ہو، جو فصل اس سے اگے، جو پیداوار اس سے نکلے مِنْ عَمَلِهِ اس کرایہ پر لینے والے کے عمل سے، اس کرایہ پر لینے والے کے عمل سے۔ اس نے کرایہ پر زمین لی ہے اور اجرت کیا طے کی؟ فصل، اور یہ فصل خود اس کے اپنے عمل سے پیدا ہوگی، یہ جو مزدور ہے جس نے کرایہ پر زمین لی ہے۔ معنی سمجھ میں آ رہا ہے؟ تو کہتے ہیں وَلِأَنَّهَا اسْتِئْجَارُ الْأَرْضِ بِبَعْضِ مَا يَخْرُجُ مِنْ عَمَلِهِ اور اس لیے کیونکہ یہ زمین کو کرایہ پر لینا ہے بِبَعْضِ مَا يَخْرُجُ بعض اس فصل کے جو اس سے اگے، جو اس سے پیدا ہو مِنْ عَمَلِهِ اس کرایہ پر لینے والے کے عمل سے فَكَانَ فِي مَعْنَى قَفِيزِ الطَّحَّانِ تو یہ قَفِيزُ الطَّحَّان کے معنیٰ میں ہے بھئی، یہ جو اجرت ہے یہ قَفِيزُ الطَّحَّان کے معنیٰ میں ہے۔

آگے دیکھیے: وَصَحَّتْ عِنْدَهُمَا وَبِهِ يُفْتَى۔ اور مُزَارَعَة صحیح ہے صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک وَبِهِ يُفْتَى اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، اسی پر فتویٰ ہے۔ بھئی صاحبین کی کیا دلیل ہے؟ صاحبین کی تین دلیلیں ذکر فرما رہے ہیں، نمبر ایک: لِتَعَامُلِ النَّاسِ لوگوں کا تعامل ہے اس پر، لوگ باہم اس کا معاملہ کرتے ہیں۔ یاد رکھیے شریعت میں بہت سی جگہ لوگوں کے تعامل کی وجہ سے ایک چیز کی اجازت دے دی جاتی ہے، یہ لوگوں میں رائج ہے، لوگ اس طرح کرتے ہیں، اگرچہ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے، عقل تو یہ کہتی ہے کہ اس کو ناجائز ہونا چاہیے، شرعی اصولوں کی روشنی میں اسے ناجائز ہونا چاہیے لیکن شریعت اس کی اجازت دے دیتی ہے لوگوں کے تعامل کی وجہ سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں لِتَعَامُلِ النَّاسِ لوگوں کے تعامل کی وجہ سے، تعامل یعنی باہم آپس میں معاملات کرتے ہیں، اس طرح کرتے ہیں لوگ، زمینیں ایک دوسرے کو ٹھیکے پر دیتے

ہیں، بٹائی پر دیتے ہیں۔

وَلِلاحْتِيَاجِ بِهَا دوسری وجہ لِلاحْتِيَاجِ بِهَا کہ اس کی ضرورت بھی ہے، اس کی ضرورت بھی ہے۔ بھئی دیکھیے نا ایک شخص کے پاس زمین تو ہے لیکن وہ محنت نہیں کر سکتا، ضعیف ہے، کمزور ہے، اور ایک شخص ہے وہ مضبوط ہے، طاقتور ہے، محنت تو کر سکتا ہے لیکن اس بیچارے کے پاس زمین نہیں۔ تو دونوں محتاج ہوئے، زمین والا محتاج ہوا کہ کوئی محنت کرنے والا ہو اور محنت کرنے والا محتاج ہوا کہ کوئی زمین اس کے پاس ہو، تو لہٰذا دونوں محتاج ہوئے اور ضرورت کی بنا پر بھی شریعت بہت سی چیزوں کی اجازت دے دیتی ہے جس کے لوگ محتاج ہوں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ آپ نے مشہور ضابطہ پڑھا ہوگا: اَلضَّرُورَةُ تُبِيحُ الْمَحْظُورَاتِ، اَلضَّرُورَةُ تُبِيحُ، تُبِيحُ الْمَحْظُورَاتِ، کہ ضرورت جو ہے تُبِيحُ مباح کر دیتی ہے، جائز کر دیتی ہے کس چیز کو؟ اَلْمَحْظُورَاتِ ممنوعہ چیزوں کو۔ جو چیز ممنوع ہونی چاہیے تھی شرعی اصولوں کی روشنی میں لیکن ضرورت کیا کر دیتی ہے؟ ان کو مباح کر دیتی ہے، جائز قرار دے دیتی ہے۔ اور پھر وہ فقہاء بتلاتے ہیں کہاں ضرورت ہے یا نہیں، ورنہ تو ہر شخص کہے گا مجھے اس چیز کی ضرورت ہے، مجھے اس چیز کی ضرورت ہے، وہ ہر جگہ کیا کرے گا؟ وہ اپنے لیے راستے، نہیں بھئی نہیں، شرعی اصولوں کا لحاظ رکھنا ہوگا، قوانین کا لحاظ رکھنا ہوگا جس میں لوگ واقعی جس کے محتاج ہوں، ضرورت ہو ان کو اور تو وہ فقہاء بتلائیں گے بھئی۔ تو کیا ضابطہ کیا ہوا؟ اَلضَّرُورَةُ تُبِيحُ الْمَحْظُورَاتِ۔ تو کہتے ہیں لِتَعَامُلِ النَّاسِ لوگوں کے تعامل کی وجہ سے وَلِلاحْتِيَاجِ بِهَا اور نیز اس مُزَارَعَت کے احتیاج کی وجہ سے، اس کی ضرورت کی وجہ سے، وَالْقِيَاسِ عَلَى الْمُضَارَبَةِ اور مُضَارَبَة پر قیاس کرتے ہوئے۔

کس پر قیاس کرتے ہوئے؟ تیسری دلیل صاحبین کی یہ ہے کہ وہ اس کو قیاس کرتے ہیں مُضَارَبَة پر۔ مُضَارَبَة آپ جانتے ہیں، ایک شخص ہے اس کے پاس پیسہ تو ہے لیکن کاروبار کا تجربہ نہیں اور دوسرا شخص ہے اس کو کاروبار کا تجربہ تو ہے لیکن اس کے پاس پیسہ نہیں، تو دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہوئے، تو شریعت نے مُضَارَبَة کی اجازت دی ہے کہ پیسہ ایک کا ہو اور محنت دوسرے کی ہو اور نفع کو آپس میں طے کر لیں کہ مثلاً نِصْف نِصْف آپس میں دونوں تقسیم کریں گے۔ تو آپ سرمایہ اس کے حوالے کر دیتے ہیں، وہ کاروبار کرتا ہے، دن رات لگا رہتا ہے اور پھر جتنا نفع آتا جاتا ہے مثلاً آدھا آدھا طے ہوا تھا تو وہ آدھا نفع آپ کو دیا کرے گا اور آدھا نفع خود رکھا کرے گا، دیکھو اس سے دونوں کی ضرورت پوری ہو رہی ہے۔ تو جیسے مُضَارَبَة میں پیسے والے کو محنت کرنے والے کی ضرورت تھی اور محنت والے کو پیسے کی ضرورت تھی، یہاں بھی اسی طرح ہے بھئی کہ زمین والے کو محنت کرنے والے کی ضرورت ہے اور محنت کرنے والے کو زمین کی ضرورت ہے، مُزَارَعَت بھی کس کی طرح ہوئی؟ مُضَارَبَة کی طرح، لہٰذا یہ جائز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی: بِشَرْطِ صَلَاحِيَّةِ الْأَرْضِ لِلزَّرْعِ وَأَهْلِيَّةِ الْعَاقِدَيْنِ وَذِكْرِ الْمُدَّةِ وَرَبِّ الْبَذْرِ وَجِنْسِهِ وَقِسْطِ الْآخَرِ وَالتَّخْلِيَةِ بَيْنَ الْأَرْضِ وَالْعَامِلِ وَالشَّرِكَةِ فِي الْخَارِجِ۔

اب مُزَارَعَت کی شرائط ذکر کرنے لگے ہیں، کہ پہلی شرط کیا؟ بِشَرْطِ صَلَاحِيَّةِ الْأَرْضِ، بایں شرط مُزَارَعَت اور اس کا تعلق

ہے صَحَّتْ سے، اوپر جو آیا نا متن میں صَحَّتْ یہ کہ مُزَارَعَت صحیح ہے بِشَرْطِ صَلَاحِيَّةِ الْأَرْضِ بَایں شرط کہ زمین میں صلاحیت ہو لِلزَّرْعِ کاشت کی۔ زمین کیا ہو؟ قابلِ کاشت ہو، یہ نہ ہو ایسی زمین دے دے بھئی کہ جہاں کاشت ہو ہی نہیں سکتی۔ تو پہلی شرط یہ ہے کہ زمین میں صلاحیت ہو لِلزَّرْعِ کاشت کی۔

وَأَهْلِيَّةِ الْعَاقِدَيْنِ دوسری شرط یہ کہ وہ جو عقد کرنے والے ہیں وہ اہل بھی ہوں، ان میں اہلیت بھی ہو، یعنی وہ عاقل ہوں۔ کیا ہوں؟ عاقل ہوں۔ ویسے تو عاقل بالغ دونوں شامل ہوتے ہیں، دونوں کو ذکر کیا جاتا ہے لیکن یہاں صرف عاقل کافی ہے، عاقل کافی ہے، کیونکہ اگر بچہ سمجھدار ہے تو وہ تو، وہ بھی یہ عقد کر سکتا ہے بھئی، اس کو اجازت دی ہوئی ہے بڑوں نے اور وہ سمجھدار ہے، اس کی اپنی زمین ہے تو وہ یہ عقد کر سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ہاں عاقل ضروری ہے، تو مجنون نکل گیا بھئی اس سے، مجنون نکل گیا۔ تو پہلی شرط کیا تھی کہ زمین کیا ہو؟ کاشت کے قابل ہو، اس میں صلاحیت ہو کاشت کی۔ وَأَهْلِيَّةِ الْعَاقِدَيْنِ دوسری شرط کیا کہ عقد کرنے والے اہل ہوں یعنی عاقل ہوں بھئی۔

وَذِكْرِ الْمُدَّةِ تیسری شرط یہ ہے کہ مدت کو ذکر کیا جائے، أَيْ بِشَرْطِ ذِكْرِ الْمُدَّةِ یہ سب شرط کے تحت آرہے ہیں بھئی اور یہ شرط کہ مدت ذکر کی جائے۔ بھئی مدت طے کرنا ضروری ہے کہ میں تین ماہ کے لیے زمین آپ کو دے رہا ہوں یا چھ ماہ کے لیے دے رہا ہوں یا سال کے لیے دے رہا ہوں یا پانچ سال کے لیے دے رہا ہوں، وہ مدت طے کرنا ضروری ہے۔ لیکن یاد رکھیے ہمارے علاقے میں یہاں لوگوں میں عرف میں مدت طے نہیں کرتے۔ عرف میں ہمارے ہاں مدت طے نہیں کرتے، لہٰذا یہ مدت کی شرط ہمارے ہاں نہیں ہوگی کیونکہ عرف میں ایسا نہیں ہے، لوگوں کی عادت نہیں ہے۔ کسی کو زمین فصل کے لیے دیتے ہیں تو یہ نہیں کہتے کہ تین ماہ کے لیے ہے یا ساڑھے تین ماہ کے لیے ہے یا چار ماہ کے لیے ہے، مدت طے نہیں کرتے۔ تو پھر اس صورت میں یہاں ہمارے ہاں مدت کی شرط نہیں ہوگی، ہاں پہلی فصل ہوتے ہی عقد ختم ہو جائے گا۔ فصل ہوتے ہی عقد کیا ہو جائے گا؟ ختم ہو جائے گا۔ مثلاً میں کسی کو اپنی زمین دیتا ہوں، ذکر ہی نہیں کرتا مدت، کیونکہ یہ موسم ہی کس کا ہے؟ مثلاً گندم کا موسم ہے تو میں کس کے لیے دے رہا ہوں اسے؟ گندم، جب میں نے ذکر کر دی تو پتا ہے گندم اس موسم میں ہوتی ہے چار مہینے، پانچ، جتنے بھی عرصہ ہے اس فصل کا، اتنے تک رہے گی اتنے، اور جب وہ فصل پک کر تیار ہو گئی تو عقد کیا ہو جائے گا؟ ختم ہو جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو ہمارے ہاں مدت تو ذکر، مدت شرط نہیں ہے لیکن پہلی فصل ہوتے ہی وہ عقد کیا ہو جائے گا؟ ختم ہو جائے گا۔ ہاں اگر آپ لمبا عقد کرنا چاہتے ہیں تو پھر باقاعدہ مدت طے کرو کہ ایک سال کے لیے دے رہا ہوں یا پانچ سال کے لیے دے رہا ہوں۔ یہ معنیٰ ہے وَذِكْرِ الْمُدَّةِ اور مدت کو ذکر کرنے کی شرط پر صحیح ہو جائے گی۔

وَرَبِّ الْبَذْرِ، بَذْر کہتے ہیں بیج کو بھئی۔ رَبُّ الْمَال کا کیا معنیٰ ہوتا ہے؟ مال والا، تو رَبّ والا کے معنیٰ میں آتا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ جیسے ذُو مَال کا کیا معنیٰ ہوتا ہے؟ مال والا، تو رَبُّ الْمَال کا معنیٰ بھی مال والا، تو رَبُّ الْبَذْر کسے کہیں گے؟ بَذْر ذال

کو ساکن پڑھنا ہے، رَبُّ الْبَذْرِ بیج والا۔ بھئی عقد میں یہ بھی طے کرنا ضروری ہے کہ بیج کون لائے گا بھئی۔ بھئی بڑا کھیت ہے ظاہر سی بات ہے اس میں دو بوری یا تین بوری بیج تو ڈلے گا، اگر طے نہیں کرو گے تو پھر تو بعد میں جھگڑا ہوگا بھئی، ایک کہے گا بیج تم لے کر آؤ، دوسرا کہے گا بیج تم لے کر آؤ، اس کا اچھا خاصا خرچہ ہوتا ہے۔ تو وَرَبِّ الْبَذْرِ بیج کا ذکر کرنا یہ بھی شرط ہے۔

وَجِنْسِهِ اور اس کی جنس کو ذکر کرنا بھی شرط ہے کہ کس چیز کی، کون سی فصل کاشت کریں گے؟ گندم ہے یا چنے ہیں یا کوئی اور فصل ہے، اس کی جنس متعین ہونی چاہیے کہ فلاں فصل۔

وَقِسْطِ الْآخَرِ اور قِسْط کہتے ہیں حصے کو، اور دوسرے کے حصے کو ذکر کرنا بھی ضروری ہے بھئی کہ مثلاً کتنا حصہ دیں گے؟ نِصْف آپ کا ہوگا اور نِصْف میرا ہوگا، یا دو ثُلُث آپ کے ہوں گے اور ایک ثُلُث میرا ہوگا، یا رُبُع آپ کا ہوگا اور تین رُبُع میرے ہوں گے، جو بھی طے کر لیں بھئی لیکن طے کرنا ضروری ہے بھئی۔

وَالتَّخْلِيَةِ بَيْنَ الْأَرْضِ وَالْعَامِلِ، جی۔ اگلی شرط ہے کہ زمین اور عَامِل، عَامِل یعنی محنت کرنے والا جو اس کو فصل اس میں اگائے گا، جو محنت کرے گا، وَالتَّخْلِيَةِ خالی کرنا، خالی چھوڑنا بَيْنَ الْأَرْضِ وَالْعَامِلِ زمین اور عمل کرنے والے کو، یعنی زمین اس کے حوالے کر دینا پورے طور پر۔ اگر ایک شخص دوسرے کو زمین دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہر مہینے کے آخری جمعرات کو یہاں پر ہمارے کھیل تماشے ہوا کریں گے اس زمین کے اندر بھئی، یہ تو آپ نے زمین پوری طرح حوالے نہیں کی بھئی، وہ کیسے فصل اگائے گا بھئی؟ تو زمین پورے طور پر اس کے حوالے کر دے، یہ معنیٰ ہے، تَخْلِيَة کا معنیٰ ہے خالی چھوڑنا، خالی کرنا۔ وَالتَّخْلِيَةِ بَيْنَ الْأَرْضِ وَالْعَامِلِ خالی کر دینا، خالی چھوڑ دینا زمین کو اور عَامِل کو۔

وَالشَّرِكَةِ فِي الْخَارِجِ اور شرکت ہو کی شرط ہے، اگلی شرط کیا ہے کہ شرکت ہونی چاہیے فِي الْخَارِجِ پیداوار میں، پیداوار میں شرکت ہونی چاہیے مثلاً جو بھی پیداوار حاصل ہوگی اس کا آدھا آپ کا ہوگا آدھا میرا، تو شرکت ہے یا نہیں؟ پوری پیداوار میں شرکت ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ کہہ دیتا ہے کہ بھئی پیداوار جو حاصل ہوگی تو پہلے سو من وہ تو ہوں گے میرے، زمین والا کیا کہتا ہے؟ سو من نکال کے الگ رکھیں گے وہ میرے ہوں گے، باقی کے اس میں آدھا تم لے لینا آدھا میں لے لوں گا۔ یہ تو آپ نے وہ سو من میں شرکت ختم کر دی یا نہیں؟ یہ سو من تو آپ نے اپنے لیے کر لیے اور ہو سکتا ہے زمین میں کوئی آفت آجائے، کوئی فصل خراب ہو جائے، کوئی آندھی طوفان آئے اور وہ صرف سو من ہی حاصل ہوں یا سو من سے بھی کم حاصل ہوں، وہ تو سارے آپ لے جائیں گے بھئی، اس بیچارے کو تو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ تو لہٰذا اس میں کیا ضروری ہے کہ جو بھی پیداوار ہو اس میں کیا ہونی چاہیے؟ شرکت ہونی چاہیے بھئی، سارے کے اندر شرکت ہو۔ حتیٰ کہ اگر آپ نے کسی کو زمین دی اور اس کو کہا کہ بھئی زمین کا وہ جو فلاں کونا ہے نا، فلاں کونا، وہ ایک ایکڑ جو زمین ہے اس کی پیداوار میری ہوگی باقی میں ہم دونوں شریک ہیں، تو بھی یہ عقد فاسد ہو گیا۔ ایسی شرط لگائی جو مُقْتَضَائے عَقْد کے خلاف ہے۔ عقد تو کیا، مُزَارَعَت تو کیا تقاضا کرتا ہے کہ ساری پیداوار میں کیا ہونی چاہیے؟ شرکت ہونی چاہیے۔ اور آپ نے ایک مخصوص حصے کو

اپنے لیے الگ کر لیا۔ بھئی ہو سکتا ہے ساری فصل خراب ہو جائے، اسی حصے کی ایک فصل باقی رہ جائے، وہ تو ساری آپ لے جائیں گے بھئی اس بیچارے کو تو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ تو دیکھا آپ نے ایک حصے میں شرکت کو کیا کر دیا؟ ختم کر دیا، حالانکہ شرکت تو شرائط میں سے ہے۔ شرط ہے تو شے ہے، شرط نہیں، شرط ہے تو مشروط ہے، شرط نہیں تو مشروط بھی نہیں۔ یہ معنیٰ ہے وَالشَّرِكَةِ فِي الْخَارِجِ اور شرکت ہو خارِج میں، خارِج میں شرکت کی شرط پر۔

بھئی عبارت کو ذرا جوڑو۔ پیچھے کیا آیا تھا؟ صَحَّتْ بِشَرْطِ صَلَاحِيَّةِ الْأَرْضِ، یہ بِشَرْطِ کا تعلق کس سے ہے؟ صَحَّتْ سے، صحیح ہو جائے گی اس شرط پر کہ زمین میں کیا ہو؟ صلاحیت ہو۔ اس أَهْلِيَّة کا عطف صَلَاحِيَّة پر ہے: اَيْ بِشَرْطِ أَهْلِيَّةِ الْعَاقِدَيْنِ، عبارت جوڑ رہے ہیں؟ عقد کرنے والوں کی اہلیت کی شرط پر۔ آگے کیا آیا؟ وَذِكْرِ الْمُدَّةِ، اس کا عطف پھر اسی صَلَاحِيَّة پر ہے: بِشَرْطِ ذِكْرِ الْمُدَّةِ اور اس شرط پر کہ مدت کیا کی جائے؟ ذکر کی جائے۔ آگے جو آرہا ہے نا رَبِّ الْبَذْرِ، رَبِّ الْبَذْرِ وَجِنْسِهِ وَقِسْطِ الْآخَرِ، یہ تینوں، ان تینوں کا عطف ہے مُدَّة پر۔ کس پر؟ مُدَّة پر، کیونکہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کو ذکر کیا جائے گا، تو ذِکْر کے تحت آجائیں گی: ذِكْرِ الْمُدَّةِ وَذِكْرِ رَبِّ الْبَذْرِ وَذِكْرِ جِنْسِهِ وَذِكْرِ قِسْطِ الْآخَرِ۔ اَيْ اور سب پر شَرْط پھر داخل ہو رہا ہے: بِشَرْطِ ذِكْرِ الْمُدَّةِ، بِشَرْطِ ذِكْرِ رَبِّ الْبَذْرِ، بِشَرْطِ ذِكْرِ جِنْسِهِ، اور بِشَرْطِ ذِكْرِ قِسْطِ الْآخَرِ دوسرے کے حصے کو ذکر کرنے کی شرط پر صحیح ہوگی۔ پھر آگے آگیا تَخْلِيَة، تَخْلِيَة کا عطف پھر اسی صَلَاحِيَّة پر ہے اَيْ بِشَرْطِ التَّخْلِيَةِ بَيْنَ الْأَرْضِ وَالْعَامِلِ۔ تَخْلِيَة کو ذکر نہیں کرنا، تَخْلِيَة فعل ہے اس کو کرنا ہے، زمین کو خالی حوالے اس کے کرنا ہے، اس پر کوئی کام خود نہیں اور کرنا۔ اور شَرِكَة کا عطف بھی پھر اسی صَلَاحِيَّة پر ہے: بِشَرْطِ الشَّرِكَةِ فِي الْخَارِجِ کپیداوار میں شرکت کی شرط پر صحیح ہوگی۔ تو یہ کتنی شرطیں ہو گئیں؟ ذرا گنیں بھئی۔ صلاحیتِ ارض ایک، اہلیتِ عاقدین دو، ذکرِ مدت تین، ذکرِ ربُّ البذر چار، ذکرِ جنس پانچ، ذکرِ قسطِ آخر چھ، تخلیہ سات، اور شرکت آٹھ۔ تو یہ آٹھ شرطیں ہو گئیں بھئی۔

آگے دیکھیے: فَتَبْطُلُ إِنْ شُرِطَ لِأَحَدِهِمَا قُفْزَانٌ مُسَمَّاةٌ تو مُزَارَعَت باطل ہو جائے گی اگر شرط لگائی گئی لِأَحَدِهِمَا کسی ایک کے لیے قُفْزَانٌ مُسَمَّاةٌ کیسے قَفِيز؟ قُفْزَان جمع ہے قَفِيز کی وہ جو پیمانہ ہے، مُسَمَّاة کا معنیٰ ہے معین۔ اور تو مُزَارَعَت باطل ہو جائے گی اگر شرط لگا دی گئی ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے قُفْزَانٌ مُسَمَّاةٌ معین قَفِيز، کسی کے لیے معین قَفِیزوں کی شرط لگا دی تو یہ عقد کیا ہو جائے گا؟ باطل۔ مثلاً ابھی میں نے ذکر کیا کہ جتنی پیداوار ہوگی پہلے سو من میرے ہوں گے، پہلے سو، پہلے سو قَفِيز میرے ہوں گے، تو یہ معین قَفِيز کی ایک کے لیے شرط لگا دی تو یہ عقد کیا ہو جائے گا؟ باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے وہی سو قَفِيز ہی گندم پیدا ہو اور پیدا ہی نہ ہو کوئی، طوفان آیا فصل ضائع ہو گئی، اور تو اس میں شرکت ختم ہو جاتی ہے۔ فَتَبْطُلُ إِنْ شُرِطَ لِأَحَدِهِمَا قُفْزَانٌ مُسَمَّاةٌ تو مُزَارَعَت باطل ہو جائے گی اگر شرط لگا دی گئی ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے معین قَفِیزوں کی۔

أَوْ مَا يَخْرُجُ مِنْ مَوْضِعٍ مُعَيَّنٍ یا شرط لگا دی گئی دونوں میں سے کسی ایک کے لیے مَا وہ پیداوار يَخْرُجُ مِنْ مَوْضِعٍ مُعَيَّنٍ

جوپیدا ہو کسی معین جگہ سے، کسی معین جگہ کی پیداوار کی شرط ایک کے لیے لگا دی، جیسے ابھی ذکر کیا کہ فلاں جو کونے والی فصل ہوگی ایک ایکڑ کی وہ ساری میری ہوگی، تو اس میں شرکت کو ختم کر دیا، لہٰذا یہ عقد کیا ہو گیا؟ باطل۔ یہ معنیٰ ہے یا شرط لگا دی گئی دونوں میں سے کسی ایک کے لیے مَا اس فصل کی يَخْرُجُ جوپیدا ہو مِنْ مَوْضِعٍ مُعَيَّنٍ کسی معین جگہ سے۔

أَوْ رَفْعُ رَبِّ الْبَذْرِ بَذْرَهُ یا شرط لگا دی گئی کس چیز کی؟ رَفْعُ رَبِّ الْبَذْرِ بَذْرَهُ کہ رَبُّ الْبَذْر جو ہے بیج والا جو ہے، وہ اٹھائے گا بَذْرَهُ اپنے بیج کو۔ رَبُّ الْبَذْر کے بیج اٹھانے کی شرط لگا دی گئی، مثلاً اس نے کیا کہا کہ بیج میری طرف سے ہوگا، بیج میں لگاؤں گا، لیکن فرض کرو مثلاً دیکھو اس کھیت میں تین بوری بیج ڈلے گا تو جب پیداوار حاصل ہوگی تو پہلے میں تین بوری بیج کے بدلے خود رکھوں گا، باقی فصل ہم دونوں آدھی آدھی کریں گے۔ تین بوری جو میں نے بیج ڈالا ہے وہ میں پہلے نکال کر الگ کروں گا، تین بوری میں اپنے لیے الگ کر لوں گا۔ اب دیکھو یہ اسی طرح ہو گیا نا جیسے وہ اپنے لیے کچھ معین قَفِيز علیحدہ کر لیتا تھا، اس نے بھی کیا کر لیے کچھ معین قَفِيز علیحدہ کر لیے، ہو سکتا ہے فصل ساری خراب ہو جائے پیداوار ہی اتنی حاصل ہو، اور نیز اس حصے میں جو بیج علیحدہ کر رہا ہے اس میں شرکت ختم ہو گئی یا نہیں ہو گئی؟ اس نے کہا کہ مثلاً تین بوری میری ہوگی شروع والی، تو اس تین بوری میں تو شرکت اس نے ختم کر دی، حالانکہ مُزَارَعَت کے تو عقد میں تو شرط ہی کیا ہے کہ ساری پیداوار میں شرکت ہونی چاہیے۔ یہ معنیٰ ہے أَوْ رَفْعُ رَبِّ الْبَذْرِ بَذْرَهُ یا شرط لگا دی گئی بیج والے کے بیج اٹھانے کی۔

أَوْ رَفْعُ الْخَرَاجِ وَتَنْصِيفُ الْبَاقِي، اَيْ شُرِطَ رَفْعُ الْخَرَاجِ، ان کا عطف وہ قُفْزَان پر ہو رہا ہے پیچھے بھئی، اور یا شرط لگا دی گئی رَفْعُ الْخَرَاجِ خَراج کے اٹھانے کی، خَراج کے نکالنے کی وَتَنْصِيفُ الْبَاقِي اور باقی کو آدھا آدھا کرنے کی۔ بھئی دیکھیے بعض زمینیں عُشْرِي ہیں، ہوتی ہیں اور بعض کیا ہوتی ہیں؟ خَرَاجِي۔ خَرَاج وہ جو ٹیکس غیر مسلموں پر لگاتے تھے مسلمان جب کسی علاقے کو فتح کر لیتے تو زمینیں جب انہی لوگوں کے پاس رہنے دیتے تھے تو ان پر ٹیکس لگا دیتے تھے کہ ہر ایکڑ پر مثلاً فصل کا، جتنا بھی طے کر لیں، بیسواں حصہ دینا ہے یا تیسواں حصہ فصل کا دینا ہے یا دسواں حصہ دینا ہے، یا بعض اوقات وہ معین خَراج مثلاً لگا دیا کہ ایک ایکڑ پر مثلاً سو قَفِيز ادا کرنے ہوں گے آپ کو۔ ایک تو صورت کیا تھی کہ حصہ مقرر کیا جاتا ہے مثلاً، تو حصہ مقرر کر دیا کہ فصل کا دسواں حصہ دینا ہے، دسویں حصے کے دینے کا مطلب یہ ہے کہ معلوم ہوا نو حصے باقی بچ جائیں گے اس آدمی کے پاس، تھوڑی فصل ہو یا زیادہ ہو۔ جب دسواں نکالنا ہے تو تھوڑی ہوگی تو دسواں بھی تھوڑا نکلے گا اور باقی نو حصے اس کے پاس رہ جائیں گے۔ اور اگر آپ متعین کیا کرتے ہیں کہ ہر ایکڑ پر کتنے دینے ہیں؟ سو من، تو گویا یہ جو خَراج ہے یہ دو قسم کا ہو گیا: ایک خَرَاجِ مُوَظَّف اور ایک خَرَاجِ مُقَاسَمَة، یہ آگے ذکر بھی آ رہا ہے، کتنی قسم کا ہو گیا؟ دو قسم، ایک خَرَاجِ مُوَظَّف جو متعین خَراج ہے کہ مثلاً ایک ایکڑ پر آپ نے سو قَفِيز ادا کرنے ہیں، دو ایکڑوں پر دو سو ادا کرو گے، تین ایکڑوں پر تین سو ادا کرو گے، یہ کیا ہے؟ خَرَاجِ مُوَظَّف۔ اور ایک خَرَاجِ مُقَاسَمَة ہے جس میں تقسیم ہوتی ہے کہ دسواں حصہ

دینا ہے نو حصے آپ کے ہوں گے، جتنی بھی پیداوار ہوئی دسواں حصہ ادا کریں گے اور نو حصے آپ کے ہوں گے۔

تو کہتے ہیں بھئی اگر، اگر مُزَارَعَت کے اندر خَرَاجِ مُوَظَّف کے، خَراج کے نکالنے کی شرط لگائی تو یہ عقد باطل ہو جائے گا۔ مثلاً مالک نے کیا کہا؟ میری زمین پر خَراج ہے، کتنا خَراج ہے؟ خَرَاج خا کے فتحہ کے ساتھ ہے ٹھیک ہے؟ خَ۔ ہاں عموماً ہمارے ہاں رائج کیا ہے خا کے کسرہ کے ساتھ، خِراج، تو خَرَاج کیا؟ مالک نے کیا کہا میری زمین ہے اس پر خَرَاج ہے اتنے مجھے ہر ایکڑ پر کتنا دینا پڑتا ہے؟ سو قَفِیز دینے پڑتے ہیں، سو قَفِیز دینے پڑتے ہیں، تو پہلے وہ خَرَاج نکالیں گے، باقی فصل تمہارے اور میرے درمیان آدھی آدھی ہوگی۔ تو وہ جو سو قَفِیز نکالنے ہیں اس میں شرکت کیا کر دی اس نے؟ ختم کر دی۔ تو اس صورت میں عقد کیا ہو جائے گا؟ باطل ہو جائے گا، کیونکہ مُزَارَعَت کا تقاضا تو یہ تھا کہ فصل کے ہر چیز، ہر حصے میں چاہے تھوڑی ہو یا زیادہ ساری فصل، ساری پیداوار میں شرکت ہونی چاہیے۔ یہ معنیٰ ہے أَوْ رَفْعُ الْخَرَاجِ اور اگر شرط لگا دی گئی خَرَاج کو نکالنے کی وَتَنْصِيفُ الْبَاقِي اور باقی کو آدھا آدھا کرنے کی تو پھر اس صورت میں بھی یہ کیا ہو جائے گی؟ باطل ہو جائے گی۔

کہتے ہیں هٰذَا إِذَا كَانَ الْخَرَاجُ خَرَاجًا مُوَظَّفًا یہ اس وقت ہے جب وہ خَرَاج خَرَاجِ مُوَظَّف ہو، کیا ہو؟ خَرَاج خَرَاجِ مُوَظَّف۔ کون سا خَرَاجِ مُوَظَّف کیا معنیٰ؟ یعنی ایک ایکڑ کے بدلے مثلاً سو قَفِیز ہیں، یہ والی صورت جو خَرَاجِ مُوَظَّف والی ہے۔ أَمَّا إِذَا كَانَ الْخَرَاجُ خَرَاجَ مُقَاسَمَةٍ اور اگر وہ خَرَاج خَرَاجِ مُقَاسَمَة ہو یعنی حصہ دینا ہے، نواں حصہ دینا ہے یا پندرہواں دینا ہے یا بیسواں دینا ہے جو بھی مقرر ہے، تو دیکھیے کتاب پر: أَمَّا إِذَا كَانَ الْخَرَاجُ خَرَاجَ مُقَاسَمَةٍ اور اگر خَرَاج جو ہے وہ خَرَاجِ مُقَاسَمَة ہو كَالرُّبُعِ وَالْخُمُسِ جیسے رُبُع ہو یا خُمُس ہو، تو لَا يَفْسُدُ الْعَقْدُ تو اس صورت میں عقد فاسد نہیں ہوگا۔ كَمَا شُرِطَ رَفْعُ الْعُشْرِ جیسے کہ شرط لگائی جائے عُشر کو اٹھانے کی۔ کس کو؟ عُشر کو اٹھانے کی۔ بھئی آپ جانتے ہیں کہ جو بھی پیداوار زمین سے حاصل ہو اس پر کیا دینا پڑتا ہے؟ عُشر دینا پڑتا ہے، دسواں حصہ، یہ اس کی زکوۃ ہے ادا کرنی پڑتی ہے فقراء مساکین کو دیں گے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ اور اگر آپ زمین کو سیراب کرتے ہیں، اس پر آپ کا خرچہ ہوتا ہے پانی وغیرہ کا خرچہ ہوتا ہے، تو پھر شریعت نے آسانی کر دی پھر بیسواں حصہ دو، انیس حصے آپ کے اور صرف ایک حصہ کیا کرو وہ، وہ دو غرباء کو، فقراء کو۔ تو اگر عقدِ مُزَارَعَت میں شرط لگا لی کہ جو بھی پیداوار ہوگی پہلے عُشر نکال کے الگ کریں گے، باقی فصل تمہارے اور میرے درمیان آدھی آدھی ہوگی، تو کہتے ہیں یہ ٹھیک ہے بھئی کیونکہ عُشر کتنا حصہ ہے؟ مثلاً دسواں حصہ ہے تو نو حصے ان کے پاس بچ جائیں گے بھئی۔ تو شرکت کوئی معین مقدار کا استثناء کیا؟ نہیں، نہیں کوئی، سو قَفِیز اگر ہوتے کہ سو قَفِیز نکال لیں تو پھر تو بھئی سو قَفِیز، بھئی عُشر جب بھی نکالنا ہے، ساری فصل ہی دس قَفِیز ہوئی تو ایک قَفِیز دیں گے نو قَفِیز بچیں گے یا نہیں؟ کیونکہ عُشر کتنا حصہ دینا ہے؟ دسواں، تو اس میں شرکت ختم نہیں ہو رہی، کہیں پر بھی شرکت ختم نہیں ہو رہی، عُشر دے دیا باقی سارے نو حصے ان دونوں کے پاس بچ جائیں گے، کہیں پر بھی شرکت ختم نہیں۔ لیکن جب آپ معین قَفِیز طے کر دیتے ہیں کہ سو قَفِیز میں لوں گا یا سو قَفِیز نکال کے الگ کریں گے اور باقی میں آدھا آدھا ہوگا،

تو ہو سکتا ہے فصل ہو ہی کتنی؟ سو قَفِیز یا اس سے بھی کم ہو، تو ان سو قَفِیز میں تو آپ نے کیا کر دی ہے؟ شرکت ختم کر دی۔ فرق دونوں میں سمجھ میں آرہا ہے؟

تو کہتے ہیں كَمَا شُرِطَ رَفْعُ الْعُشْرِ جیسے کہ شرط لگائی جائے عُشر کے اٹھانے کی، عُشر کے نکالنے کی، تو جیسے اس سے عقد فاسد نہیں ہوتا تو خَرَاجِ مُقَاسَمَة سے بھی عقدِ مُزَارَعَت فاسد اور باطل نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لِأَنَّ هٰذَا لَا يُؤَدِّي، یہ اس کی دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ خَرَاجِ مُقَاسَمَة اور عُشر نکالنے کی صورت میں یہ عقد فاسد نہیں، خَرَاجِ مُقَاسَمَة کی شرط لگائی یا عُشر نکالنے کی شرط لگائی، کیوں؟ لِأَنَّ هٰذَا لَا يُؤَدِّي إِلَى قَطْعِ الشَّرِكَةِ اس لیے کیونکہ یہ قَطْعِ شَرِكَة کی طرف لے جانے والا نہیں، اس کی وجہ سے شرکت ختم نہیں ہوتی۔ عُشر نکالو گے، ایک عُشر ایک حصہ نکالو گے تو باقی نو حصے بچ گئے، اس میں کیا ہے؟ شرکت ہے سارے کے اندر۔ لِأَنَّ هٰذَا لَا يُؤَدِّي إِلَى قَطْعِ الشَّرِكَةِ اس لیے کیونکہ یہ پہنچانے والا نہیں ہے شرکت کے ختم کرنے کی طرف۔

أَوِ التِّبْنُ لِأَحَدِهِمَا وَالْحَبُّ لِلْآخَرِ۔ بھئی اب اور صورتیں ذکر کر رہے ہیں کچھ، کہ اگر شرط لگا دی، فصل مثلاً گندم وغیرہ ہے تو اس میں ایک تو وہ دانے ہوتے ہیں جو غلہ ہے اور ایک اس کا جو بھس بچ جاتا ہے جسے پھر چارے وغیرہ کے طور پر لوگ استعمال کرتے ہیں، جو تنکے وغیرہ ہیں اس کے فصل کے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو ایک ہے دانے اور ایک ہے بھس۔ آپ مجھے بتائیے فصل جب کوئی کاشت کرتا ہے تو دانے مقصود ہوتے ہیں یا بھس مقصود ہوتا ہے؟ دانے مقصود ہوتے ہیں بھئی، ہاں بھس بھی طبعاً ساتھ حاصل ہو جاتا ہے۔ تو اب مثلاً دانے اور بھس جو ہے ان کی آپس میں شرط طے کرتے ہیں، شرط کیا طے کی کہ فصل ہوگی دانے سارے میرے ہوں گے بھس تمہارا ہوگا، یا دانے آدھے آدھے کر لیں گے اور بھس سارا میں رکھوں گا، یا بھس آدھا آدھا کر لیں گے اور دانے سارے تمہارے ہو جائیں گے، کئی صورتیں بن جاتی ہیں بھئی، کئی صورتیں۔

تو یاد رکھیے ایک ضابطہ، کہ جب یہ عقدِ مُزَارَعَت فاسد ہوتا ہے نا فاسد ہوتا ہے، ویسے تو یہ دونوں اس میں شریک ہیں، جو فصل آرہی ہے دونوں اس میں کیا ہیں؟ شریک ہیں۔ لیکن اگر یہ مُزَارَعَت فاسد ہو جائے تو یہ جو فصل ہوتی ہے یہ بیج والے کی شمار ہوتی ہے۔ کوئی ایسی شرط لگا دی جو مُقْتَضَائے عَقْد کے خلاف تھی، مثلاً کیا شرط لگا دی؟ ہاں ایک ایکڑ میں میری ہوگی یا فلاں، یا اتنے قَفِیز میرے ہوں گے، اس طرح کوئی صورت کر لی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو جو بھی شرط مُقْتَضَائے عَقْد کے خلاف لگائی تو یہ عقد فاسد ہو جائے گا، اور جب عقدِ مُزَارَعَت فاسد ہو جائے تو یہ ساری فصل جو ہے بیج والے کی شمار ہوگی، یہ ساری فصل کا مالک یہ ہے، اور دوسرے کو پھر وہ کرایہ دے دے گا۔ مثلاً اگر بیج کس کا تھا؟ زمین والے کا، زمین بھی اس کی تھی بیج بھی اس کا تھا، اور بیج میں کوئی ایسی شرط لگا دی تھی جو مُقْتَضَائے عَقْد کے خلاف، تو عقد کیا ہو گیا؟ فاسد ہو گیا۔ تو اب یہ فصل کس کی شمار ہوگی؟ زمین والے کی شمار ہوگی جو بیج والا ہے جس کا بیج تھا۔ جب اس کا بیج ہے تو دوسرے نے

بھی تو محنت کی ہے، چھ مہینے تک لگا رہا ہے محنت کرتا رہا ہے، کہتے ہیں بھئی اس کو اس کا اَجْرِ مِثْل دے دیں گے۔ اس جیسے شخص کی اتنی محنت کی جو مزدوری بنتی ہے وہ دے دی جائے گی، مزدوری دے دی جائے گی، اور پھر وہ مزدوری بھی جتنا اس کا حصہ بنتا ہے اس سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ مثلاً جو فصل حاصل ہوئی اس کے مطابق اس کے سو من بنتے تھے، کتنے من؟ سو من، اور وہ سو من پچاس ہزار کے ہیں، محنت کرنے والے کا حصہ کتنا بن رہا ہے؟ پچاس ہزار کا حصہ بن رہا ہے، لیکن عقدِ مُزَارَعَت تو فاسد ہو گیا، اب اس کو فصل تو نہیں دینی ہم نے کیا دینا ہے؟ اَجْرِ مِثْل۔ اَجْرِ مِثْل کا ہم نے حساب کیا، اس جیسا آدمی اتنے مہینے تک کام کرے تو اس کو اجرت کتنی دی جاتی ہے؟ تو دیکھا گیا وہ ساٹھ ہزار بن رہا ہے۔ اب یہ اس کا جو حصہ تھا اس سے بڑھ گیا، لہٰذا جو زائد ہے وہ نہیں دیں گے، کتنا دیں گے؟ پچاس ہزار ہی دیں گے، جتنا اس کا حصہ بن رہا ہے اتنا ہی دیں گے اس سے زیادہ نہیں دیں گے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ یہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک، آگے آپ کو بتائیں گے بھی، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، اَجْرِ مِثْل دیں گے جتنا بھی بنتا ہے چاہے ساٹھ بنتا ہے چاہے ستر چاہے اسی جتنا بھی زائد بنتا ہے وہ اس کو دیا جائے گا بھئی۔

کہ جب عقدِ مُزَارَعَت فاسد ہو جائے تو یہ فصل کس کی شمار ہوگی؟ جس کا بیج ہے، جس کا بیج ہے، چاہے زمین والے کا بیج ہے چاہے محنت کرنے والے کا، اور اگر محنت کرنے والے کا بیج ہے جو مزدور ہے بیج اس کا ہے تو فصل اس کی، پھر وہ زمین والے کو زمین کا کرایہ دے دے گا اتنے عرصے کا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اَجْرِ مِثْل بھئی۔

اب یاد رکھو، فصل میں اصل مقصود دانے ہوتے ہیں، اصل مقصود دانے، لہٰذا دانوں میں شرکت ضروری ہے، اگر دانوں میں شرکت کو ختم کرتے ہیں عقد فاسد ہو جائے گا۔ ایک کہتا ہے دانے میرے ہوں گے، نہیں بھئی دانے ہی تو مقصود ہیں، دانوں کے لیے تو فصل اگائی جاتی ہے، تو آپ نے تو شرکت کیا کر دی؟ مقصود کے اندر ہی شرکت ختم کر دی، لہٰذا یہ عقد کیا ہو جائے گا؟ فاسد ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ دانوں میں شرکت کی ختم کرنے کی شرط لگائی تو عقد کیا ہو جائے گا؟ فاسد ہو جائے گا۔ تو میں نے آپ کو کیا بتلایا کہ یہ جو مقصود ہے، اس میں تو شرکت ضرور چاہیے، اور یہ جو بھس ہے یاد رکھو اگر عقد فاسد ہوتا ہے تو یہ کس کی فصل ہے؟ بیج والے کی۔ تو لہٰذا عقد کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بھس بھی اسی کا ہونا چاہیے۔ دانے تو آدھے آدھے، ٹھیک ہے، اسی پہ تو عقد ہوا ہے، اور بھس کس کا ہونا چاہیے؟ اگر ذکر نہیں کیا تو یہ کس کا ہونا چاہیے؟ بیج والے کا کیونکہ فصل اس کی ہے، فصل اس کی ہے، جب اگر فاسد ہو۔ اس وقت تو شریک ہیں دونوں لیکن اگر عقد فاسد ہوتا تو، تو فصل کس کی ہوتی؟ بیج والے کی۔ لہٰذا دانوں میں بھی شرکت ضروری اور بھس کو اگر ذکر نہیں کرتے تو بھس بیج والے کا ہوگا، یا بھس کو ذکر تو کیا لیکن کیا کہا کہ یہ بیج والے کا ہوگا، بیج والا کیا کہتا ہے یہ بھس بھی میرا ہوگا، تو بالکل ٹھیک ہے یہ شرط لگا سکتے ہیں کیونکہ یہ مُقْتَضَائے عَقْد کے مطابق شرط لگائی، عقد بھی یہی تقاضا کر رہا ہے بیج اس کا ہے تو بھس بھی اس کا ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ہاں اگر بھس کی شرط لگائی دوسرے آدمی کے لیے، مثلاً زمین والا کہتا ہے بھس

میرا ہوگا اور بیج دوسرے کا ہے، تو یہ ایسی شرط لگا دی جو مُقْتَضَائے عَقد کے خلاف ہے، لہٰذا یہ عقدِ مُزَارَعَت کیا ہو جائے گا؟ فاسد ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی، صورت سمجھ میں آگئی، اب دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: أَوِ التِّبْنُ لِأَحَدِهِمَا وَالْحَبُّ لِلْآخَرِ، یہ تِبْن کا عطف پیچھے جو آیا تھا نا قُفْزَانٌ اَيْ إِنْ شُرِطَ التِّبْنُ لِأَحَدِهِمَا وَالْحَبُّ لِلْآخَرِ۔ اور اگر، تِبْن کہتے ہیں تنکے، تنکے، وہ بھس مراد ہے بھئی جو تنکے وغیرہ فصل کے بچ جاتے ہیں۔ أَوِ التِّبْنُ لِأَحَدِهِمَا یا شرط لگا دی گئی بھس کی ایک کے لیے وَالْحَبُّ لِلْآخَرِ اور دانوں کی دوسرے کے لیے، تو اس صورت میں بھی یہ کیا ہو جائے گا؟ عقد فاسد ہو جائے گا۔ لِقَطْعِ الشَّرِكَةِ فِيمَا هُوَ الْمَقْصُودُ بوجہ شرکت کے ختم ہو جانے کے اس چیز کے اندر جو کہ مقصود ہے، یعنی دانوں کے اندر شرکت ختم ہو رہی ہے۔

أَوْ تَنْصِيفُ الْحَبِّ وَالتِّبْنُ لِغَيْرِ رَبِّ الْبَذْرِ یا شرط لگا دی گئی کہ دانے آدھے آدھے کریں گے وَالتِّبْنُ لِغَيْرِ رَبِّ الْبَذْرِ اور جو بھس ہوگا وہ غیرِ رَبُّ الْبَذْر کا ہوگا، لِغَيْرِ رَبِّ الْبَذْرِ بیج والے کے علاوہ دوسرے کا ہوگا، تو اس صورت میں بھی یہ عقد کیا ہو جائے گا؟ باطل ہو جائے گا کیونکہ ایسی شرط لگائی جو مُقْتَضَائے عَقد کے خلاف۔ کہتے ہیں لِأَنَّهُ خِلَافُ مُقْتَضَى الْعَقْدِ کیونکہ یہ شرط جو ہے مُقْتَضَائے عَقد کے خلاف ہے، عقد تو یہ تقاضا کر رہا ہے کہ یہ بھس بیج والے کا ہونا چاہیے نہ کہ دوسرے کا۔

وَتَنْصِيفُ التِّبْنِ وَالْحَبُّ لِأَحَدِهِمَا یا شرط لگا دی گئی کہ بھس آدھا آدھا ہوگا وَالْحَبُّ لِأَحَدِهِمَا اور دانے ایک کے ہوں گے، تو بھی مقصود میں شرکت ختم ہوئی لہٰذا یہ عقد صحیح نہیں۔ یہ معنیٰ ہے لِقَطْعِ الشَّرِكَةِ فِي الْمَقْصُودِ بوجہ شرکت کے قَطْع ہو جانے کے، ختم ہو جانے کے مقصود کے اندر۔[۲]

فَإِنْ شُرِطَ تَنْصِيفُ الْحَبِّ وَالتِّبْنُ لِصَاحِبِ الْبَذْرِ اور اگر شرط لگا دی گئی کہ دانے آدھے آدھے ہوں گے اور تِبْن جو ہے وہ کس کا ہوگا؟ بھس جو ہے وہ، دانے آدھے آدھے ہوں گے وَالتِّبْنُ لِصَاحِبِ الْبَذْرِ اور بھس جو ہے وہ بیج والے کا ہوگا، أَوْ لَمْ يَتَعَرَّضْ لِلتِّبْنِ یا تِبْن کے پیچھے نہیں پڑے یعنی اس کو ذکر ہی نہیں کیا سرے سے۔ دانوں کا تو ذکر ہوا دانے کیا کریں گے؟ آدھے آدھے تقسیم کریں گے لیکن بھس کو ذکر ہی نہیں کیا، کہتے ہیں تو بھی عقد صحیح ہو جائے گا۔ کہتے ہیں بھئی پھر یہ کس کا ہوگا بھس؟ کہتے ہیں بھئی یہ بیج والے کا ہوگا۔ بعض فقہاء کیا فرماتے ہیں؟ یہ کس کا ہوگا؟ بیج والے کا۔ جبکہ بعض فرماتے ہیں کہ نہیں، بھس بیج کے تابع ہے، لہٰذا جب بیج آدھے آدھے ہیں تو بھس بھی آدھا آدھا ہوگا، یا جس طرح تقسیم کیا ہے اگر دانے ایک کا ایک ثُلُث ہے اور دوسرے کے دو ثُلُث ہیں تو بھس بھی اسی حساب سے تقسیم ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بعض کیا فرماتے ہیں کہ بھس کس کا ہوگا؟ بیج والے کا، اور جب اس کو ذکر نہیں کیا اور، جبکہ بعض فرماتے ہیں کہ بھس جو ہے وہ بھی

[۲] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۷۵):** صوتی درس کی قراءت میں «لِقَطْعِ الشَّرِكَةِ فِي الْمَقْصُودِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «لقطعِ الشَّركة في(ما هو)المقصود،» منقول ہے۔

دانوں کی طرح تقسیم ہوگا اس کے تابع ہوگا۔

تو کہتے ہیں: فَإِنْ شُرِطَ تَنْصِيفُ الْحَبِّ اگر شرط لگا دی گئی دانوں کو آدھا آدھا کرنے کی وَالتِّبْنُ اور شرط لگا دی گئی تِبْن کی لِصَاحِبِ الْبَذْرِ کس کے لیے؟ بیج والے کے لیے، أَوْ لَمْ يَتَعَرَّضْ لِلتِّبْنِ یا تِبْن کے درپے نہیں ہوئے یعنی اس کو ذکر ہی نہیں کیا، صَحَّتْ تو بھی مُزَارَعَت صحیح ہو جائے گی۔ لِأَنَّ فِي الْأَوَّلِ الشَّرْطَ مُقْتَضَى الْعَقْدِ اس لیے کیونکہ پہلی صورت میں شرط جو ہے وہ مُقْتَضَائے عَقْد ہے، شرط کیا ہے؟ مُقْتَضَائے عَقْد ہے، تو شرط جو ہے مُقْتَضَائے عَقْد کے مطابق ہے۔ فَإِنَّهُ نَمَاءُ مِلْكِهِ کیونکہ، کیا شرط لگائی پہلی؟ بھئی دو صورتیں ذکر کیں نا، پہلی صورت کیا ذکر کی کہ دانے آدھے آدھے ہوں گے اور بھس بیج والے کا، تو عقد بھی یہی تقاضا کر رہا ہے بیج اس کا ہے تو بھس بھی اسی کا ہونا چاہیے، تو ایسی شرط لگائی جو مُقْتَضَائے عَقْد کے مطابق ہے۔ اور اگر بھس کو ذکر ہی نہیں کیا تو پھر اس صورت میں بھی بھس اسی کا ہوگا بیج والے کا ہوگا۔

تو کہتے ہیں: لِأَنَّ فِي الْأَوَّلِ اس لیے کیونکہ پہلی صورت میں الشَّرْطَ مُقْتَضَى الْعَقْدِ شرط جو ہے وہی مُقْتَضَائے عَقْد بھی ہے کہ فَإِنَّهُ نَمَاءُ مِلْكِهِ کیونکہ وہ اسی کی ملکیت کی افزایش ہے۔ نَمَاء کا معنیٰ بڑھوتری، زیادتی۔ بیج کس کا تھا؟ بیج والے کا، تو یہ تنکے کہاں سے آئے؟ یہ اسی کے بیجوں کی بڑھوتری ہوئی، اسی کے بیج بڑھ گئے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو بیج کا مالک یہ تھا تو جو، آپ جس چیز کے مالک ہیں اس چیز میں جب زیادتی ہو تو اس کے بھی مالک آپ ہی ہوں گے بھئی۔ گائے بھینسیں آپ کی ہیں تو ان کے جب بچے ہوں گے وہ بھی کس کے ہوں گے؟ آپ کے ہوں گے کیونکہ وہ آپ کی ملکیت میں زیادتی ہوئی ہے، تو یہاں بیج جو اس کی ملکیت تھے ان میں زیادتی ہوئی ہے اور بھس بھی ملا ہے تو بھس بھی اسی کا ہونا چاہیے بیج والے کا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے فَإِنَّهُ نَمَاءُ مِلْكِهِ کیونکہ یہ اسی کی ملکیت یعنی بیجوں کی افزایش ہے، بڑھوتری ہے۔

وَفِي الثَّانِي اور دوسری صورت کون سی تھی؟ جب بیج، جب بھس کا ذکر ہی نہیں کیا، تو کہتے ہیں وَفِي الثَّانِي دوسری صورت میں الشَّرِكَةُ فِيمَا هُوَ الْمَقْصُودُ حَاصِلَةٌ کہ شرکت اس چیز کے اندر جو کہ مقصود ہے یعنی دانے جو ہیں حَاصِلَةٌ ان میں شرکت حاصل ہو رہی ہے۔ وَحِينَئِذٍ التِّبْنُ لِصَاحِبِ الْبَذْرِ اس صورت میں بھس جس کو ذکر ہی نہیں کیا، اس کو وہ بھس جو ہے لِصَاحِبِ الْبَذْرِ وہ کس کے لیے ہوگا؟ بیج والے کے لیے ہوگا۔ وَعِنْدَ الْبَعْضِ اور بعض کے نزدیک مُشْتَرَكٌ تَبَعًا لِلْحَبِّ وہ بھس جو ہے مشترک ہوگا دانوں کے تابع ہوتے ہوئے۔ دانے آدھے آدھے تھے تو بھس بھی آدھا آدھا، تو بھس اس کے تابع ہے وہ بھی آدھا آدھا ہوگا، یا جتنے حصے طے کیے ہیں اس کے مطابق جیسے دانے تقسیم ہوں گے اسی طرح بھس بھی تقسیم ہوگا، تو یہ بعض فقہاء فرماتے ہیں بھئی۔

بھئی آپ نے مُزَارَعَت کے بارے میں پڑھا کہ مُزَارَعَت میں وہ زمین جو ہے بٹائی پر دی جاتی ہے کہ فصل دونوں کے درمیان آدھی آدھی تقسیم ہوگی۔ یہاں ایک اور بات یاد رکھنا کہ یہ بات مُزَارَعَت کی چل رہی ہے اور اس کے اندر یہاں مُزَارَعَت کی بات چل رہی ہے زمین بٹائی وغیرہ پر دینا، جبکہ ایک ہے زمین کو ٹھیکے پر دینا، اس میں فصل کی تقسیم کی بات نہیں

ہوتی بلکہ اس میں یہ ذکر ہوتا ہے کہ اتنے پیسوں میں میں یہ کھیت تمہارے حوالے کرتا ہوں، تو وہاں پر کرنسی یا درہم دینار وغیرہ طے ہوتے ہیں اور اس کو ٹھیکہ کہتے ہیں، ٹھیکے پر زمین کو دینا، اور یہ بالاتفاق تمام ائمہ کے نزدیک جائز ہے۔ تو یہ جو اختلاف ہے وہ کس کے اندر ہے؟ مُزَارَعَت کے اندر ہے جس میں فصل جو ہے بٹائی پر دی، جس میں زمین بٹائی پر دی جاتی ہے کہ جو فصل حاصل ہوگی وہ آدھی آدھی ہوگی یا اتنے اتنے حصے کے مطابق، جبکہ ٹھیکے پر زمین کو دینا جس میں حاصل ہونے والی فصل کی بات نہیں وہ حاصل ہونے والی فصل اسی شخص کی ہوگی جس نے ٹھیکے پر زمین لی ہے، تو وہ بالاتفاق جائز ہے اور وہ اس میں عوض کے طور پر کرنسی، سونا چاندی جو بھی طے کر لیا جائے وہ جائز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

خلاصۂ کلام یہ ہوا بھئی: مُزَارَعَت آپ نے پڑھا کہ زمین کو بٹائی پر دینا، کھیت وغیرہ کو بٹائی پر دینا، یعنی کسی کو کاشت کے لیے دینا کہ وہ اس میں محنت کرے گا اور جب فصل تیار ہو جائے گی تو جو طے ہوا تھا اس کے مطابق حصے تقسیم ہوں گے، اگر نِصْف نِصْف کی بات ہوئی تھی تو آدھی فصل محنت کرنے والے کی، عَامِل کی، اور آدھی زمین کے مالک کی، یا جس طرح طے ہوا تھا ثُلُث اور دو ثُلُث طے ہوئے تھے یا رُبُع اور تین رُبُع طے ہوئے تھے تو ایک کو رُبُع مل جائے گا دوسرے کو تین رُبُع بھئی۔

اور آپ نے پڑھا کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ عقد جائز نہیں ہے بھئی، عقد جائز نہیں ہے۔ ایک دلیل تو ان کی یہ ذکر فرمائی امام صاحب کی کہ حضور علیہ السلام نے مُخَابَرَة یعنی مُزَارَعَت سے منع فرمایا ہے، اور دوسری دلیل یہ کیونکہ یہ قَفِيزُ الطَّحَّان کے معنیٰ میں ہے۔ میں نے بتلایا قَفِيزُ الطَّحَّان کسے کہتے ہیں؟ کہ کسی شخص کی مزدوری جو ہے اسی چیز کو متعین کرنا، مقرر کرنا جو اس کے عمل سے بنے بھئی، جو اس کے عمل سے حاصل ہو۔ تو جیسے آٹا پیسنے والے سے لوگ عموماً کیا معاملہ کرتے ہیں کہ چالیس قَفِيز کا مثلاً آٹا بنوانا ہے تو اس میں سے ایک قَفِيز آپ لے لیجیے گا۔ تو وہ اس کا کام بھی کیا ہے؟ آٹا بنانا، اور اجرت میں بھی آپ کیا دے رہے ہیں؟ آٹا ہی دے رہے ہیں، تو یہ آٹا تو اسی کے عمل سے بن رہا ہے، تو اجرت میں ایسی چیز طے کرنا جو اسی عمل کرنے والے کے عمل سے حاصل ہو یہ جائز نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ کیونکہ فی الحال آپ اس کے ادا کرنے پر قادر نہیں ہیں بھئی، حالانکہ اجرت تو ایسی چیز ہونی چاہیے جس کے ادا کرنے پر آپ قادر ہوں بھئی۔ اور جب تک وہ عمل نہیں کرے گا آٹا نہیں حاصل ہوگا، جب تک آٹا نہیں حاصل ہوگا آپ آٹا دے ہی نہیں سکتے، تو اجرت ایسی چیز طے کر لی جو اس کے عمل سے حاصل ہو رہی ہے، وہ آٹا پیسے گا تو آپ اس کے ادا کرنے پر قادر ہیں کیونکہ آپ نے اجرت کیا طے کی ہے؟ آٹا طے کیا ہے اور آٹا تو اس کے عمل سے حاصل ہو رہا ہے، وہ عمل نہیں کرتا تو آپ یہ آٹا ادا کرنے پر قادر بھی نہیں۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کسی شخص سے آپ کہتے ہیں کہ یہاں سے یہ چالیس بوری گندم فلاں گاؤں میں میرے پہنچا دو تو اس میں سے پھر ایک بوری آپ کی۔ اب آپ نے اس کو اجرت کہاں دینے کا ارادہ کیا ہے؟ گاؤں کے اندر، چالیس بوری جب لے جاؤ گے تو اس میں سے ایک بوری آپ کی ہو جائے گی بھئی۔ تو آپ اس

وقت اس کے ادا کرنے پر قادر نہیں ہیں کیونکہ بوریاں تو یہاں ہیں اور آپ نے کیا کہا ہے جب لے جاؤ گے تو وہاں آپ کی ایک بوری، دیکھا صورت سمجھ میں آ رہی ہے بھئی؟ تو بوری اور گندم تو اس وقت یہاں پر ہے وہاں پر ہے ہی نہیں، آپ اس کے ادا کرنے پر گویا قادر ہی نہیں ہیں بھئی۔ تو یہاں پر بھی مُزَارَعَت کے اندر بھی امام صاحب فرماتے ہیں کہ عَامِل یعنی مزدور کی محنت سے فصل حاصل ہو رہی ہے اور اسی فصل کو آپ اس کو اجرت کے طور پر دے رہے ہیں، مثلاً نِصْف دیں گے یا ثُلُث دیں گے یا رُبُع دیں گے۔ تو جو چیز اس عَامِل کے عمل سے حاصل ہو اسی کو اجرت میں طے کیا جا رہا ہے تو یہ کس معنیٰ میں ہوا؟ قَفِيزُ الطَّحَّان کے معنیٰ میں ہوا بھئی۔

جبکہ صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مُزَارَعَت جائز ہے، ایک تو تعامل ہے لوگ یہ معاملہ کرتے ہیں آپس میں، ہر جگہ اس طرح کا معاملہ لوگ کرتے ہیں بھئی، چاہے عرب ہو چاہے عجم ہو ہر جگہ یہ معاملہ چلتا ہے، لوگ زمینیں بٹائی پر دیتے ہیں بھئی، زمین ایک کی ہوتی ہے محنت دوسرے کی ہوتی ہے اور فصل کے بارے میں طے کر لیتے ہیں کہ اتنا اتنا حصہ آپس میں تقسیم کریں گے۔ اور دوسری دلیل یہ تو پہلی دلیل ان کی تعامل ہے لوگوں کا، دوسری دلیل جو ہے کہ لوگوں کو اس کی ضرورت بھی ہے، محتاج بھی ہیں اس کے کیونکہ ایک شخص کے پاس زمین تو ہوتی ہے لیکن وہ ضعیف ہے محنت نہیں کر سکتا اور دوسرا شخص مضبوط ہے طاقتور ہے لیکن اس کے پاس زمین نہیں ہے، تو دونوں محتاج ہوئے ایک دوسرے کی مدد کے، تو لہٰذا اس عقد کی گنجائش ہوگی۔ اور نیز وہ اس کو قیاس کرتے ہیں مُضَارَبَة پر، مُضَارَبَة کے اندر بھی پیسہ ایک کا ہوتا ہے محنت اور تجارت اور تجربہ دوسرے کا ہوتا ہے اور پھر جو نفع حاصل ہوتا ہے اس کو آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں، تو یہ مُضَارَبَة کی طرح ہوا اور مُضَارَبَة جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے بھئی۔

اور میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا کہ یہ جو، کہ یہ جو فصل ہے یہ بیج والے کی ہے بھئی، کس کی ہے؟ کیونکہ اسی بیج سے پیدا ہوئی، بیج جس کا تو، اور جس کا بیج اور جس کی چیز ہوتی ہے اس میں جو، اس چیز کے اندر جو زیادتی ہو جائے وہ بھی اسی شخص کی ہوتی ہے۔ آپ کی گائے بھینسیں ہیں تو اس کے جو بچے پیدا ہوں گے وہ بھی آپ ہی کے ہوں گے بھئی۔ تو یہاں پر بھی اسی بیج کے اندر افزایش ہوئی، زیادتی ہوئی ہے، وہ بڑھ گیا اور بڑھ کر پودا بنا اور اس پر وہ دانے لگ گئے، تو فصل گویا کس کی ہے؟ بیج والے کی۔ لہٰذا اگر کسی وجہ سے فساد آیا اور یہ عقد اس کو فاسد قرار دینا پڑا، تو پھر اس صورت میں یہ فصل اس شخص کی شمار ہوگی جس کا بیج تھا۔ اگر وہ عَامِل کا بیج تھا تو عَامِل کی فصل شمار ہوگی اور اگر زمین والے کی طرف سے بیج تھا تو زمین والے کی فصل شمار ہوگی، اور دوسرے کو پھر اَجْرِ مِثْل دیا جائے گا۔ مثلاً اگر بیج زمین والے کا ہے تو یہ عَامِل کے اتنے دنوں کی جو محنت کی اجرت بنتی ہے وہ اجرت اس کو دے دی جائے گی۔ اور اگر بیج جو ہے عَامِل کا ہے تو پھر فصل عَامِل کی شمار ہوگی اور زمین والے کو اتنی مدت زمین کا جو کرایہ بنتا ہو وہ کرایہ دے دیا جائے گا۔

پھر اس کے بعد انہوں نے اس مُزَارَعَت کی شرطیں ذکر کیں، اور آٹھ شرطیں ذکر کیں: پہلی شرط یہ ذکر کی کہ زمین کے اندر

کاشت کی صلاحیت ہونی چاہیے۔ یہ نہ ہو زمین جو ہے ریت کا، ریت کا ایک ٹکڑا ہے اس، یا پتھریلی زمین ہے، تو زمین میں کیا ہونی چاہیے؟ کاشت کی صلاحیت ہونی چاہیے۔ اور نیز دونوں عقد کرنے والے، ان میں وہ اہل ہونے چاہئیں یعنی، یعنی بالغ، عاقل بالغ ہونے چاہئیں، البتہ میں نے بتلایا کہ اگر بچہ ہے سمجھدار ہے اور وہ، وہ بھی یہ عقد کر سکتا ہے، اسی طرح عَبْدِ مَأْذُون وغیرہ ہوں تو وہ بھی یہ عقد کر سکتے ہیں، تو عاقل ہونا چاہیے بھئی عاقل بھئی۔ اور تیسری شرط یہ تھی کہ مدت کو ذکر کیا جائے کہ کتنی مدت کے لیے ہے۔ میں نے بتلایا کہ ہمارے علاقوں کے اندر، اب یہاں برصغیر میں، یہاں مدت کو عموماً ذکر نہیں کیا جاتا، بس جو پہلی فصل ہوتی ہے اس مدت تک یہ مُزَارَعَت شمار ہوتی ہے۔ مدت کو ذکر نہیں کرتے تو پہلی فصل جو ہوتی ہے وہ جیسے ہی فصل حاصل ہوگی، پک جائے گی تو یہ عقد مکمل ہو جائے گا۔ اور اسی طرح بیج کون دے گا یہ بھی ذکر کرنا ضروری ہے۔ وَجِنْسِهِ اَيْ جِنْسِ الْبَذْرِ بَذْر کی جنس یعنی بیج کی جنس بھی ذکر کرنا ضروری ہے تاکہ پتا چلے کون سی فصل کاشت کر رہے ہیں، تو جِنْسِهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ بَذْر کو راجع بھئی۔ اور دوسرے کو کتنا حصہ دیں گے؟ یعنی نِصْف نِصْف ہوگا یا ثُلُث اور دو ثُلُث یا رُبُع اور تین رُبُع کے اعتبار سے جس طرح بھی تقسیم کریں گے۔ اور نیز زمین اور عَامِل کے درمیان خلوت کر دی جائے، یعنی زمین کو عَامِل کے حوالے کر دیا جائے بھئی اس میں پھر کوئی دخل نہ دیا جائے۔ اور پھر انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا کہ پیداوار میں شرکت ہونی چاہیے۔

لہٰذا اگر کسی نے کچھ مخصوص، کچھ مخصوص قَفِیز جو ہیں ان کی، ان کو علیحدہ کر دیا، نکال دیا شرکت سے کہ پہلے مثلاً سو قَفِیز میرے ہوں گے اور باقی دو، باقی جتنا ہوگا اس میں آدھا آدھا ہمارا حصہ ہوگا، تو اس صورت میں یہ عقد فاسد ہو جائے گا کیونکہ، کیونکہ شرکت ختم ہو رہی ہے، وہ جو، فرض کرو اگر سو ہی قَفِیز حاصل ہوئے فصل خراب ہو گئی، تو اس سو میں تو شرکت ہے ہی نہیں وہ سو تو پہلے ایک شخص کے لیے طے ہوئے ہیں اس کو مل جائیں گے دوسرے کو تو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟

اسی طرح اگر طے کیے کہ مثلاً فلاں مقام پر جو فصل ہوگی، فلاں ایک کونے پر جو ایک ایکڑ کے اندر یا دس کنال کے اندر جو فصل ہوگی وہ ساری میری ہوگی زمین والا کہتا ہے، اور باقی فصل ہم دونوں کے درمیان آدھی آدھی ہوگی۔ تو بھئی ہو سکتا ہے باقی ساری فصل خراب ہو جائے کوئی آفت آ جائے صرف وہیں سے کچھ فصل حاصل ہو جائے، اور وہ ساری تو کس کی ہے؟ زمین والے کی، تو دیکھو شرکت تو بالکل ختم ہو گئی۔ تو ایسی کوئی شرط لگانا جو شرکت کو ختم کرنے والی ہو وہ اس عقد کو فاسد کر دے گی۔ یا بیج والے نے کہا پہلے میں اپنے بیج کے بقدر فصل نکال لوں گا وہ میری ہوگی، باقی پھر آدھی آدھی تقسیم کریں گے۔ یا خَراج کے اٹھانے کی شرط لگائی کہ پہلے خَراج نکال کر الگ کریں گے باقی فصل آدھی آدھی ہوگی۔ تو کہتے ہیں اس صورت میں بھی یہ عقد فاسد ہو جائے گا کیونکہ کچھ معین مقدار کی تخصیص کر لی جس میں شرکت نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے

باقی فصل خراب ہو جائے صرف اتنی ہی مقدار حاصل ہو تو شرکت تو ختم ہو گئی اس کے اندر بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ لیکن انہوں نے آپ کو بتلایا کہ خَراج جو ہے وہ دو قسم پر ہے: ایک خَرَاجِ مُوَظَّف ہے اور ایک خَرَاجِ مُقَاسَمَة ہے۔ خَرَاجِ مُوَظَّف یہ ہے زمین کے اعتبار سے کہ مثلاً ہر ایکڑ پر سو قَفِیز، ہر ایکڑ پر سو قَفِیز۔ تو یہ اس، یہ جو خَرَاجِ مُوَظَّف ہے اس کے اٹھانے کی شرط لگائی کہ پہلے یہ نکالیں گے اور پھر باقی فصل آدھی آدھی ہوگی، تو اس صورت میں عقد کیا ہو جائے گا؟ فاسد ہو جائے گا، کیونکہ ہو سکتا ہے سو قَفِیز ہی حاصل ہوں بھئی فی ایکڑ اس سے زیادہ حاصل ہی نہ ہوں اور وہ سارا تو کس میں چلا جائے گا؟ خَراج میں چلا جائے گا، تو دیکھو شرکت ختم ہو گئی۔ ہاں اگر اس کے بجائے خَرَاجِ مُقَاسَمَة کی شرط لگائی کہ، خَرَاجِ مُقَاسَمَة یہ کہ مثلاً دسواں حصہ دیں گے یا بیسواں حصہ ہے، تو پھر اس صورت میں، پھر اس صورت میں عقد فاسد نہیں ہوگا کیونکہ دسواں حصہ اگر خَرَاجِ مُقَاسَمَة ہے تو دسواں حصہ نکال بھی لو تو نو حصے باقی بچ گئے بھئی، اس میں تو شرکت ہے۔ اسی طرح، یہ اسی طرح کہتے ہیں جیسے عُشر کے اٹھانے کی شرط لگا لو، مثلاً پہلے عُشر نکالیں گے اور پھر باقی فصل آدھی آدھی تقسیم کریں گے یا ایک ثُلُث تمہارا ہوگا دو ثُلُث میرے ہوں گے جیسے بھی طے ہو جائے، تو اس صورت میں بھی عقد فاسد نہیں کیونکہ عُشر نکال لو گے تو باقی نو حصے میں شرکت باقی رہے گی بھئی۔

ابھی بھی شاید آپ کے ذہن میں اشکال ہو کہ خَرَاجِ مُوَظَّف میں شرکت کیسے بالکل ختم ہو جاتی ہے اور خَرَاجِ مُقَاسَمَة میں یا عُشر اٹھانے کی صورت میں شرکت کیسے ختم نہیں ہوتی؟ بھئی دیکھو پھر سمجھو۔ دیکھو خَرَاجِ مُوَظَّف کیا تھا؟ کہ شرط لگا دی مثلاً فی ایکڑ سو قَفِیز وہ الگ کریں گے اور باقی فصل ہمارے اور تمہارے درمیان آدھی آدھی ہوگی۔ دیکھو، فرض کرو ہر ایکڑ سے سو قَفِیز یا اس سے بھی کم نکلتے ہیں باقی فصل خراب ہو گئی بھئی، تو دیکھو یہ جو سو قَفِیز یا اس سے کم پیدا ہوئے یہ تو کس میں چلے جائیں گے؟ خَرَاجِ مُوَظَّف میں اور اس میں شرکت ہے؟ نہیں۔ کچھ باقی حصہ بچا جس میں شرکت ہو؟ نہیں۔ کچھ بچا ہی نہیں، شرکت ہی ختم ہو گئی بالکل۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ لیکن اگر خَرَاجِ مُقَاسَمَة ہو کہ دسواں حصہ دینا ہے، جب دسویں حصے کی بات کی اب شرکت نہیں ختم ہو سکتی، بالکل نہیں ختم ہو سکتی۔ اب فصل، پوری فصل اگر دس قَفِیز بھی پیدا ہو جائے ساری تباہ ہو گئی صرف دس قَفِیز پیدا ہوئے، اس دس میں سے بھی ایک قَفِیز کدھر چلا جائے گا؟ دسواں حصہ خَراج میں، اور نو حصوں میں ابھی بھی شرکت ہے یا نہیں؟ دیکھو شرکت ختم ہوگی ہی نہیں۔ صرف ایک قَفِیز گندم پیدا ہوئی بھئی صرف ایک قَفِیز تو بھی شرکت ختم نہیں، ایک قَفِیز کا دسواں حصہ تو خَراج میں چلا جائے گا نو حصوں میں تو ابھی بھی شرکت ہے۔ اس پہلی صورت میں تو شرکت کے لیے کچھ بچتا ہی نہیں تھا، شرکت والا حصہ ہی ختم ہونے کا احتمال تھا، یہاں ایسا کوئی احتمال نہیں۔ عُشر میں بھی اسی طرح، عُشر کے اٹھانے کی شرط لگائی بھئی عُشر کتنا حصہ ہے؟ دسواں حصہ، تو فصل تھوڑی ہو یا زیادہ ہو دسواں نکالو گے تو باقی نو حصے بچیں گے یا نہیں بچیں گے؟ نو حصے تو ہر حال میں بچیں گے۔

سو قَفِیز ہوئے تو عُشر کتنا؟ دس قَفِیز، نوے قَفِیز شرکت والے بچ گئے۔ اگر صرف دس قَفِیز گندم ہوئی تو بھی ایک قَفِیز یعنی دسواں حصہ عُشر میں، نو قَفِیز ابھی بھی اس میں کیا ہے؟ شرکت ہے۔ اگر صرف ایک قَفِیز پیدا ہوا تو بھی ایک قَفِیز کا دسواں حصہ عُشر میں اور نو حصے کس میں؟ شرکت۔ تو اس میں شرکت ختم نہیں ہوتی، جب حصہ بیان کر دیا جائے پھر شرکت ختم نہیں ہوتی۔ لیکن اگر معین مقدار ذکر کر دی جائے پھر شرکت ختم ہو سکتی ہے، جیسے ابھی ذکر کیا کہ کس نے کہا کہ اس فصل میں سو قَفِیز میرے ہوں گے شروع میں ہی نکال لیں گے اور باقی ہم آدھا آدھا کریں گے، تو بھئی ہو سکتا ہے سو ہی قَفِیز پیدا ہوں باقی کچھ بچا ہی نہیں، شرکت تو ختم ہو گئی۔ اب فرق سمجھ میں آگیا؟ تو یہ معنیٰ ہے کہ خَرَاجِ مُوَظَّف کی شرط لگائی یا معین مقدار کی شرط لگائی کسی ایک کے لیے تو اس صورت میں یہ عقد فاسد ہو جائے گا، اور اگر عُشر کے اٹھانے کی شرط لگائی پہلے یا خَرَاجِ مُقَاسَمَة کے پہلے نکالنے کی شرط لگائی تو اس صورت میں یہ عقد فاسد نہیں ہوگا کیونکہ یہ شرکت کو ختم نہیں کرتے۔

اسی طرح انہوں نے آپ کو یہ بھی بتایا کہ ایک ہے دانے اور ایک ہے بھس جو تنکے وغیرہ بچ جاتے ہیں فصل کے۔ فصل اگائی ہی کس لیے جاتی ہے؟ دانوں کے لیے، لہٰذا دانوں میں شرکت ضروری ہے، لہٰذا دانوں کی کسی ایک کے لیے اگر شرط لگا دی، ایک کہتا ہے دانے میرے ہوں گے بھس تمہارا ہوگا، یہ تو مقصود کے اندر ہی شرکت ختم کر دی لہٰذا یہ عقد بھی فاسد ہے۔ تو دانے کی ایک کے لیے شرط نہیں لگا سکتے۔ اور بھس؟ کہتے ہیں بھس کی ایک کے لیے شرط لگا سکتے ہیں، لیکن وہ کس کے لیے؟ بیج والے کے لیے۔ اگر یہ شرط لگاتا ہے بیج والا کہ بھس میرا ہوگا تو پھر ٹھیک ہے، یہ شرط مُقْتَضَائے عَقْد کے مطابق ہے، کیونکہ بیج جس کا ہے تو یہ فصل بھی اسی کی، تو جب فصل اسی کی ہے تو بھس بھی اسی کا ہونا چاہیے، اور اس نے شرط بھی کیا لگائی ہے کہ بھس میرا ہوگا۔ لیکن اگر دوسرا شخص، بیج ایک کا ہے اور دوسرا شخص شرط لگاتا ہے کہ بھس میرا ہوگا، تو یہ شرط تو مُقْتَضَائے عَقْد کے خلاف ہے، یہ زیادتی کس میں ہوئی بھس کہاں سے آیا؟ بیج میں زیادتی ہوئی، اور بیج تو دوسرے کا تھا تو لہٰذا یہ زیادتی بھی اس کی ہونی چاہیے اس دوسرے کی نہیں ہونی چاہیے بھئی۔ اور اگر بھس کے بھی آدھا آدھا تقسیم کرنے کی شرط لگائی یا دانوں کے مطابق تو بھی ٹھیک ہے، کہ بھس اور دانے دونوں آدھے آدھے ہوں گے یا ایک ثُلُث تمہارا ہوگا اور دو ثُلُث میرے جیسے بھی طے کر لیں۔ یا اگر بھس کو سرے سے ذکر ہی نہیں کیا تو بھی یہ عقد ٹھیک ہے، لیکن پھر اس صورت میں بعض فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ بھس جو ہے وہ بیج والے کا ہوگا، بھس کس کا ہوگا؟ بیج والے کا ہوگا، اور جبکہ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ نہیں بھس دانوں کے تابع ہوگا، بھس کو ذکر نہیں کیا تو جیسے دانوں کی تقسیم کر رہے ہیں بھس کی بھی اسی طرح تقسیم کریں گے۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس کرتے ہیں بس بھئی، باقی ان شاء اللہ کل پڑھیں گے۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۵: مزارعت کی چار صورتیں (صحیح اور باطل صورتوں کا فرق) اور مزارعتِ فاسدہ کے احکام

شرح الوقایہ صفحہ: ۲۸ — بتاریخ: ۲۷ اکتوبر ۲۰۱۹ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے دیکھیے بھئی سبق:

وَكَذَا لَوْ كَانَ الْأَرْضُ وَالْبَذْرُ لِزَيْدٍ وَالْبَقَرُ وَالْعَمَلُ لِآخَرَ، وَالْأَرْضُ أَوِ الْعَمَلُ لَهُ وَالْبَقِيَّةُ لِآخَرَ، وَبَطَلَتْ لَوْ كَانَتِ الْأَرْضُ وَالْبَقَرُ لِزَيْدٍ أَوِ الْبَذْرُ وَالْبَقَرُ لَهُ وَالْآخَرَانِ لِلْآخَرِ، أَوِ الْبَذْرُ لَهُ وَالْبَاقِي لِآخَرَ۔[1]

گزشتہ سبق میں ہم نے کِتَابُ الْمُزَارَعَةِ شروع کی تھی، اور اس مزارعت کے اندر آخر میں انہوں نے آپ کو بتلایا کہ اگر کسی ایک کے لیے دانوں کی شرط لگائی کہ دانے ایک کے ہوں گے تو یہ عقد کیا ہو جائے گا؟ فاسد۔ اور اسی طرح اگر بھس ہے، بھس کی کسی ایک کے لیے شرط لگائی اور وہی شخص بیج والا بھی ہے پھر تو عقد ٹھیک ہے، اور اگر بیج والے کے علاوہ دوسرا آدمی جو ہے اس کے لیے اگر بھس کی شرط لگا دی تو پھر، تو اس صورت میں بھی عقد فاسد ہو جائے گا کیونکہ یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے بھئی۔ کیونکہ عقد تو یہ تقاضا کر رہا ہے یہ بھس کہاں سے آیا؟ بیج میں زیادتی ہوئی، اور بیج جس کا ہے تو بھس بھی اس کا ہونا چاہیے دوسرے کا نہیں ہونا چاہیے۔

اب آگے کچھ اور صورتیں ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: وَكَذَا لَوْ كَانَ الْأَرْضُ وَالْبَذْرُ لِزَيْدٍ وَالْبَقَرُ وَالْعَمَلُ لِآخَرَ، وَالْأَرْضُ أَوِ الْعَمَلُ۔ یہ عبارت میں نظر ہے بھئی! پھر دیکھیں عبارت: وَكَذَا لَوْ كَانَ الْأَرْضُ وَالْبَذْرُ لِزَيْدٍ وَالْبَقَرُ وَالْعَمَلُ لِآخَرَ، وَالْأَرْضُ أَوِ الْعَمَلُ۔ میری کتاب میں ہے: وَالْأَرْضُ وَالْعَمَلُ، یہ کتابت کی غلطی ہے، أَوِ الْعَمَلُ ہونا چاہیے، ارض اور عمل کے درمیان أَوْ ہونا چاہیے۔ وَالْأَرْضُ أَوِ الْعَمَلُ لَهُ وَالْبَقِيَّةُ لِآخَرَ۔ تو یہ وَاوْ کے ساتھ الف لگا دیں، أَوْ بنا دیں اس کو أَوْ بھئی۔

---

[1] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۷۵): صوتی درس کی قراءت میں «وَكَذَا لَوْ كَانَ الْأَرْضُ وَالْبَذْرُ لِزَيْدٍ وَالْبَقَرُ وَالْعَمَلُ لِآخَرَ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وكذا لو كانتِ الأرضُ والبذرُ لزيد والبقرُ والعملُ لآخر،» منقول ہے۔

بھئی اس سے پہلے کہ یہ مقام سمجھیں، بھئی ذرا کاپیاں نکالیں اور جلدی جلدی لکھیں، مختصر سا تھوڑا سا میں لکھواؤں گا دو چار سطریں، ان شاء اللہ پھر یہ مقام پوری طرح آپ کو سمجھ میں آجائے گا۔

سب سے پہلے اوپر لکھیے بھئی کہ یہاں پر چار چیزیں ہیں: زمین،بیج، عمل، اور بیل۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے بھئی؟ مزارعت کے اندر چار چیزیں جو خاص ہیں، اہم ہیں: ایک زمین ہوگی اس کے لیے زمین چاہیے، دوسرا اس کے لیے بیج چاہیے، تیسرا عمل چاہیے کہ کون فصل کاشت کرے گا، کون اس کی حفاظت کرے گا، کون اس کا خیال رکھے گا، اور چوتھی چیز ہے بیل بھئی۔ آج کل جس کو یوں کہہ لیں ٹریکٹر ہو، ٹریکٹر وغیرہ جو جو مشینری چاہیے وہ ساری اس کے اندر آگئی بھئی۔ تو یہ آلہ ہوا عمل کا بھئی،بیل بھئی۔

اب یاد رکھیے بھئی، پہلے ادھر سن لیں۔ یاد رکھیے یہاں کل سات صورتیں بنیں گی۔ کتنی صورتیں؟ سات صورتیں بنیں گی۔ کچھ صورتیں جائز ہیں، کچھ صورتیں ناجائز ہیں بھئی۔ تو وہ اب ہم بیان کرنے لگے ہیں۔ لہٰذا اب اس سے نچلی سطر میں لکھیں، ایک نمبر دیں، ایک نمبر لکھیں بھئی۔ سطر کے شروع میں لکھیں ایک نمبر۔ جی اس ایک کے آگے لکھ دیں: زمین۔ اس سے نچلی سطر میں لکھیں دو نمبر، اور اس کے ساتھ لکھیں:بیج۔ اس سے نچلی تیسری سطر میں لکھیں تین نمبر اور اس کے آگے لکھیں: عمل۔ اس سے نچلی سطر میں چار نمبر ڈالیں اور اس کے آگے لکھیں:بیل۔ لکھ لیا؟

اب پہلی سطر میں آؤ کیا لکھا؟ دیکھو یہ وہی چار چیزیں ہیں: زمین،بیج، عمل،بیل۔ دیکھ رہے ہیں آپ؟ اچھا اب اس زمین جو پہلے نمبر پر لکھا، اس زمین سے کچھ فاصلہ دیں، تقریباً کوئی ایک انچ کا فاصلہ ہو، خوب نمایاں نظر آئے کہ الگ لکھ رہے ہیں، اور اس زمین سے آگے باقی تین چیزیں کیا بچ گئیں؟بیج، عمل،بیل۔ ہاں وہ لکھ لیں، اکٹھی لکھ لیں:بیج، پھر ساتھ عمل، پھر بیل اکٹھا لکھو۔ زمین سے ایک ڈیڑھ انچ فاصلہ دو، اسی سطر میں، ادھر سنو! جس سطر میں زمین لکھا ہے اس زمین سے ایک ڈیڑھ انچ فاصلہ دے کر آگے تینوں اکٹھے لکھ لو:بیج، عمل،بیل۔

نچلی سطر میں کیا تھا دو نمبر؟بیج۔ اس بیج سے بھی آگے ٹھیک اتنا ہی ڈیڑھ انچ کا کوئی فاصلہ چھوڑ کر اگلی چیزیں تینوں لکھ لو: زمین، عمل،بیل۔ باقی چیزوں کو اکٹھا لکھنا ہے، ان میں فاصلے نہیں دینے بھئی۔ زمین، عمل،بیل۔

تیسرے نمبر پر کیا لکھا تھا؟ عمل۔ باقی تین چیزیں کیا ہیں؟ زمین،بیج،بیل۔ وہ بھی اسی طرح اس سے ایک ڈیڑھ انچ کا فاصلہ دے کر اکٹھا لکھیں: زمین،بیج،بیل۔

چوتھے نمبر پر آپ نے لکھا تھا:بیل۔ اس بیل سے پھر اسی طرح ایک ڈیڑھ انچ فاصلہ دے کر اسی سطر میں لکھیں باقی تین چیزیں یعنی زمین،بیج، عمل اکٹھا لکھیں۔ ہاں بھئی مجھے دکھاؤ کیسا لکھا آپ نے؟ ہاں ٹھیک ہے بھئی۔ جی آپ بھی دکھاؤ بھئی۔ ہاں ٹھیک ہے شاباش بھئی۔

اچھا اب ان سے نیچے ایک سطر چھوڑ دیں، اور اب نمبر دیں پانچ نمبر۔ ایک سطر سب سے نیچے چھوڑ دیں اور اس کے آگے لکھیں پانچ نمبر، چار کے نیچے پانچ۔ اور اس پانچ کے آگے لکھیں: زمین،بیج۔ دو اکٹھے لکھیں: زمین،بیج۔ پانچ نمبر پہ کیا لکھا؟ زمین،بیج۔ اچھا اس کے نیچے لکھیں چھ نمبر، وہاں لکھ لیں: زمین، عمل۔ زمین اور عمل اکٹھا لکھیں۔ اب فاصلہ نہیں دینا بھئی، یہ پانچ چھ سات میں فاصلہ نہیں دینا۔ پہلے میں کیا لکھا پانچ میں؟ زمین،بیج۔ چھ میں کیا لکھا؟ زمین، عمل۔ اور نمبر سات میں لکھیں: زمین،بیل۔ لکھ لیا؟

اچھا اب یوں کریں، جو پہلی سطر میں آپ نے لکھا تھا زمین، پھر فاصلے پر لکھا تھا بیج، عمل اور بیل، اسی بیل سے تھوڑا سا فاصلہ دے کر آگے لکھ لیں: یَجُوْزُ۔ یہ جائز ہیں یا ناجائز، اب وہ حکم میں بیان کر رہا ہوں۔ پہلی سطر میں جو آپ نے لکھا تھا بھئی بیج، عمل،بیل، پہلی سطر میں، اس سے تھوڑا سا فاصلہ دیں تاکہ علیحدہ نظر آئے، اور وہاں لکھ دیں: یَجُوْزُ۔ اس سے نیچے والی صورت کیا تھی؟ بیج، زمین۔۔۔ دو نمبر والے، اس میں تھوڑا فاصلہ دے کر آگے لکھ لیں: لَا یَجُوْزُ۔ تیسرے نمبر پر جو تھا اسی لائن میں فاصلہ دے کر لکھ لیں: یَجُوْزُ۔ اور چوتھے نمبر پر جو آپ نے لکھا تھا بیل علیحدہ تھا، زمین،بیج، عمل علیحدہ، اسی کے آگے چوتھے نمبر کے آخر میں لکھ لیں: لَا یَجُوْزُ۔ اور ساتھ ہی لکھ لیں: غیر مذکور۔ اسی لَا یَجُوْزُ کے ساتھ لکھ لیں: غیر مذکور۔ لکھ لیا؟

جی اب پانچ نمبر پہ آئیے، کیا لکھا تھا؟ زمین اور بیج۔ اب اس سے کوئی ڈیڑھ دو انچ دور کر کے لکھ لیں: یَجُوْزُ۔ چھٹے نمبر پر جو لکھا زمین اور عمل، اس سے بھی کوئی ڈیڑھ انچ فاصلے پر اسی کے سامنے لکھ دیں: لَا یَجُوْزُ۔ اور ساتویں نمبر پر جو لکھا تھا زمین اور بیل، اس سے بھی کچھ اسی کے سامنے ایک ڈیڑھ انچ دور لکھ لیں: لَا یَجُوْزُ۔ لکھ لیا بھئی؟

تو کتنی صورتیں جائز؟ تین صورتیں جائز، اور کتنی صورتیں ناجائز؟ چار صورتیں ناجائز، چار صورتیں ناجائز۔ اب اس میں دیکھو ذرا غور کرو، بھئی دیکھو ادھر دیکھیے: زمین ایک کی طرف سے ہونی چاہیے اور عمل دوسرے کی طرف سے۔ ہاں یہ جو پہلی صورت ہے ذرا پہلے سمجھ لو۔ نمبر ایک: اس صورت کا مطلب یہ ہے زمین ایک آدمی کی ہے،بیج، عمل اور بیل تینوں دوسرے کی طرف سے ہیں، اس لیے تینوں کو اکٹھا لکھا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ دوسری صورت میں بیج ایک کی طرف سے ہے، زمین، عمل اور بیل یہ تینوں دوسرے کی طرف سے ہیں۔ تیسری صورت میں عمل ایک کی طرف سے ہے، زمین،بیج اور بیل تینوں دوسرے کی طرف سے ہیں، اس لیے تینوں کو اکٹھا لکھا۔ چوتھی صورت میں بیل ایک آدمی کی طرف سے ہے، زمین،بیج، عمل تینوں دوسرے آدمی کی طرف سے ہیں، اس لیے ان کو اکٹھا لکھا۔ پانچویں صورت میں زمین اور بیج ایک کی طرف سے ہیں اور باقی دو دوسرے کی طرف سے۔ چھٹی صورت میں زمین اور عمل ایک کی طرف سے ہے اور دوسری دو چیزیں دوسرے کی طرف سے۔ اور ساتویں صورت میں زمین اور بیل ایک کی طرف سے ہیں اور باقی دو چیزیں دوسرے کی طرف سے۔ تو یہ ہے اس طرح تقسیم بھئی۔

اب یاد رکھیے بھئی کہ ادھر دیکھیے بھئی: یہ جو زمین ہے، یہ مزارعت، مزارعت کی اجازت کیوں دی فقہاء نے؟ کیونکہ ضرورت تھی۔ ایک آدمی کے پاس زمین ہے لیکن وہ محنت نہیں کر سکتا، اور ایک آدمی وہ محنت کر سکتا ہے لیکن اس کے پاس زمین نہیں۔ لہٰذا ضروری ہے محنت ایک کی ہونی چاہیے اور زمین دوسرے کی۔ اگر زمین اور محنت ایک ہی کی ہے تو وہ تمام صورتیں ناجائز ہیں۔ ذرا دیکھو: دوسری صورت میں دیکھو، زمین، عمل اور بیل، تو زمین اور عمل دونوں ایک کی طرف سے ہو گئے لہٰذا یہ صورت کیا ہو گئی؟ لَا یَجُوْزُ، اس کی ضرورت نہیں ہے بھئی۔ اس سے نیچے پھر چوتھی صورت دیکھو، اس میں بھی زمین، بیج اور عمل، دیکھو زمین اور عمل ایک کی طرف سے ہے تو یہ صورت بھی ناجائز ہے۔ اور اس سے نیچے آؤ، چھٹی صورت میں دیکھو زمین اور عمل ایک کی طرف سے ہے اور باقی دو چیزیں دوسرے کی طرف سے، لہٰذا یہ صورت بھی جائز نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اب ایک اور بات سمجھ لو: یاد رکھو زمین کے اندر اللہ نے چیزوں کو بڑھانے کی، افزائش کی قوت رکھی ہے، اس میں بیج ڈالو زمین اس کو اگا دے گی، اور اسی طرح بیج کے اندر بھی اگانے کی قوت ہے بھئی۔ تو بیج کی گویا مشابہت ہے کس کے ساتھ؟ زمین کے ساتھ۔ اور یہ جو بیل ہے اس میں قوتِ عمل ہے، اس کو قوت دی ہے کہ یہ عمل کر سکتا ہے، کوئی کام کر سکتا ہے، اور یہی قوتِ عمل عامل کے اندر بھی ہے وہ بھی کیا کر سکتا ہے؟ اپنے اختیار سے کوئی کام وغیرہ کر سکتا ہے۔ تو لہٰذا بیل کی مشابہت ہو گئی عامل کے ساتھ: ایک میں بھی قوتِ حیوانیہ، دوسرے میں بھی قوتِ حیوانیہ۔ تو گویا بیل کی مشابہت کس سے؟ عامل کے ساتھ، اور بیج کی مشابہت کس کے ساتھ؟ زمین کے ساتھ۔

لہٰذا جب زمین اور عمل ایک کی طرف ہوتا تھا، کیا؟ زمین اور عمل۔ یہ کون سی صورت ہے؟ چھٹی صورت۔ چھٹی صورت جس میں صرف دو چیزیں ہیں زمین اور عمل ایک کی طرف، جب یہ صورت جائز نہیں تو زمین اور بیل والی ساتویں صورت بھی جائز نہیں، کیونکہ بیل اور زمین میں کوئی مناسبت نہیں ہے بھئی۔ بیل اور عامل میں تو مناسبت ہے کس میں؟ بیل اور عامل میں۔

بھئی پھر دیکھو: پانچویں صورت کیا ہے؟ زمین کے ساتھ صرف بیج ایک کہ زمین بھی ایک کی بیج بھی اس کا، یہ بھی جائز ہے، کیوں؟ کیونکہ بیج کی مشابہت ہے کس کے ساتھ؟ زمین کے ساتھ۔ چھٹی صورت میں زمین کے ساتھ عمل آیا، زمین اور عمل عامل، زمین اور عمل میں کوئی مشابہت، عامل کے اندر کوئی مشابہت نہیں ہے، کیونکہ ایک میں قوتِ نما ہے تو ایک میں قوتِ حیوانیہ ہے، الگ الگ قوتیں جنس ہی الگ ہے، لہٰذا ان میں کوئی مشابہت نہیں تو یہ جائز نہیں۔ اور ساتویں صورت میں زمین کے ساتھ بیل آیا یہ بھی جائز نہیں، کیونکہ بیل کی عامل کے ساتھ تو مشابہت ہے زمین کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں، زمین کی قوت اور طرح کی ہے قوتِ نما ہے، اور بیل کی قوت قوتِ حیوانیہ ہے، دونوں الگ الگ ہیں کوئی مناسبت نہیں تو وہ بھی جائز نہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

حاصلِ کلام کیا ہوا کہ زمین اور عمل جب بھی ایک کی طرف سے اکٹھے ہوں گے تو لَا یَجُوْزُ، جی جائز نہیں ہو گا، جائز نہیں ہو گا۔ ہاں، تیسری صورت میں آپ دیکھیں زمین، بیج اور بیل اس کی گنجائش ہے، اس میں بھی دیکھو زمین کے ساتھ بیل جمع ہو رہا ہے، ہے نا؟ تو اس میں بھی زمین کے ساتھ بیل جمع ہو رہا ہے لیکن اس کی گنجائش ہے، کیوں گنجائش ہے؟ کیونکہ دوسری طرف عمل آرہا ہے، جو اصل ہے وہ دوسرے کی طرف سے ہونا چاہیے تھا وہ تو ہے دوسرے کی طرف سے ابھی بھی، لہٰذا اس صورت کی بھی گنجائش ہے، یہ بھی ٹھیک ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا وہ صورتیں جن میں زمین اور عمل ایک کی طرف سے ہوں وہ صورتیں جائز نہیں، اور اسی طرح وہ صورت جس میں ایک کی طرف سے صرف زمین اور بیل ہے وہ صورت بھی جائز نہیں ہے بھئی۔ تو یہ چار صورتیں جائز نہیں۔ بات اچھی طرح سب کو سمجھ میں آگئی؟

تو کل یہاں یہ سات ہی صورتیں یہاں بن سکتی ہیں، سب کا حکم آپ کو پتا چل گیا۔ کل کتنی صورتیں ممکن ہیں؟ سات۔ سات کیسے؟ کتنی چیزیں ہیں کل؟ چار۔ کتنی چیزیں ہیں؟ چار۔ اب ان چاروں میں سے باری باری ہر ایک کو، ایک: سب سے پہلے زمین ایک کی طرف سے، باقی تینوں دوسرے کی طرف سے۔ پھر اس کے بعد بیج ایک کی طرف سے، باقی تینوں چیزیں دوسرے کی طرف سے۔ تیسری صورت میں عمل ایک کی طرف سے، باقی تینوں دوسرے کی طرف سے۔ چوتھی صورت بیل ایک کی طرف سے اور باقی تینوں دوسرے کی طرف سے۔ تو چاروں کو الگ الگ ایک ایک فرد کی طرف کرتے گئے اور باقی تینوں کو دوسرے کی طرف کرتے گئے، یہ چار صورتیں یہ ہو گئیں۔ کتنی صورتیں ہو گئیں؟ چار۔ اور تین صورتیں یہ ہیں کہ جس میں زمین کے ساتھ یا صرف کیا آئے گا؟ بیج آئے گا، یا صرف بیج آئے گا، یا صرف عمل آئے گا، یا صرف بیل آئے گا۔ تو تین ہی صورتیں، زمین کے علاوہ کل کتنی چیزیں ہیں؟ تین ہیں۔ تو زمین کے ساتھ باری باری ایک ایک کو کرتے جاؤ، کتنی صورتیں بن گئیں؟ تین۔ زیادہ صورتیں تو بن ہی نہیں سکتیں۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

اچھا اب آئیے بھئی کتاب پر۔ نقشے کو بھی سامنے رکھنا اور کتاب پر بھی نظر رکھنا، پھر خوب اچھی طرح آپ کو سمجھ میں آئے گا بھئی۔ جی دیکھیے کتاب پر: وَكَذَا لَوْ كَانَ الْأَرْضُ وَالْبَذْرُ لِزَيْدٍ وَالْبَقَرُ وَالْعَمَلُ لِآخَرَ، اور اسی طرح ہے۔ پیچھے کیا ذکر ہوا تھا؟ أَوْ لَمْ يَتَعَرَّضْ لِلتِّبْنِ صَحَّتْ۔ آخری متن دیکھ رہے ہیں؟ ایک ڈیڑھ سطر پہلے آیا تھا آخری متن، دوبارہ دیکھو یہ والا متن اوپر آیا تھا: فَإِنْ شُرِطَ تَنْصِيفُ الْحَبِّ وَالتِّبْنُ لِصَاحِبِ الْبَذْرِ أَوْ لَمْ يَتَعَرَّضْ لِلتِّبْنِ صَحَّتْ۔ اس صورت میں مزارعت صحیح ہو جائے گی۔ تو کہتے ہیں: وَكَذَا لَوْ كَانَ الْأَرْضُ وَالْبَذْرُ لِزَيْدٍ، اور اسی طرح ہے یعنی جیسے پچھلی صورت صحیح تھی یہ آگے آنے والی صورت بھی صحیح ہے، اس میں مزارعت صحیح ہے۔ تو کہتے ہیں: وَكَذَا لَوْ كَانَ الْأَرْضُ وَالْبَذْرُ لِزَيْدٍ، اور اسی طرح ہے یعنی مزارعت صحیح ہو گی اگر زمین اور بیج زید کے ہوں، زمین اور بیج زید کے، وَالْبَقَرُ وَالْعَمَلُ لِآخَرَ، اور بیل اور عمل دوسرے کا ہو۔ یہ کون سی صورت ہے بھئی؟ وہ نقشے پہ ذرا نظر ڈالیں، زمین اور بیج ایک کا ہو۔ پانچویں صورت۔ زمین اور بیج ایک کا ہے تو بیل اور عمل دوسرے کا ہے، یہ صورت جائز ہے، ہم نے بھی اس کے آگے کیا لکھا؟ یَجُوْزُ بھئی۔

دوسرا: وَالْأَرْضُ أَوِ الْعَمَلُ لَهُ، یا صرف زمین اور صرف کیا؟ عمل۔ زمین یا عمل لَهُ ایک کا ہو، زید کا ہو، وَالْبَقِيَّةُ لِآخَرَ، اور باقی چیزیں دوسرے کی۔ کون سی صورت صرف زمین کس کی ہو؟ زید کی۔ وہ صورت نکالو جس میں صرف زمین ایک طرف ہے: پہلی صورت بھئی، اور یہ بھی کیا ہے؟ جائز۔ نقشے پہ نظر ہے؟ صرف زمین ایک کی ہے باقی تینوں دوسرے کی۔ أَوِ الْعَمَلُ لَهُ، یا صرف عمل اس کا ہو۔ یہ کون سی صورت ہے؟ تیسری صورت، جس میں صرف عمل اکیلا ہے اور باقی تینوں دوسرے، یہ صورت بھی کیا ہے؟ جائز۔ دیکھا یہ تین صورتیں بیان ہو گئیں۔ تو کہتے ہیں: وَالْأَرْضُ أَوِ الْعَمَلُ لَهُ، یا زمین اور عمل جو ہے اس زید کا ہو، وَالْبَقِيَّةُ لِآخَرَ، اور باقی تینوں چیزیں دوسرے کی ہوں۔ تو یہ تین جائز صورتیں ذکر ہو گئیں۔

وَبَطَلَتْ، اور مزارعت باطل ہو گی، لَوْ كَانَتِ الْأَرْضُ وَالْبَقَرُ لِزَيْدٍ، اگر زمین اور بیل کس کے ہوں؟ زید کے ہوں۔ یہ کون سی صورت ہے؟ زمین اور بیل زید کے۔ سات نمبر صورت، زمین اور بیل ایک کا ہے اور باقی دو دوسرے کے۔ أَوِ الْبَذْرُ وَالْبَقَرُ لَهُ، یا بیج اور بیل زید کے ہوں۔ یہ کون سی صورت ہے؟ جی؟ بیج اور بیل۔ چھٹی صورت ہے شاباش۔ بھئی چھٹی میں آپ کہیں گے زمین اور عمل ہے، تو دوسرے کی کیا بن گئی؟ ایک کے لیے زمین اور عمل تو دوسرے کے لیے بیج اور بیل۔ یہی صورت ذکر کر رہے ہیں: أَوِ الْبَذْرُ وَالْبَقَرُ لَهُ، یا بیج اور بیل دوسرے کا ہو، وَالْآخَرَانِ لِلْآخَرِ، اور دوسری دو چیزیں دوسرے کی ہوں، یعنی زمین اور عمل دوسرے کا ہو۔ أَوِ الْبَذْرُ لَهُ، یا صرف بیج زید کا ہو، وَالْبَاقِي لِآخَرَ، اور باقی دوسرے کے لیے۔ وہ صورت نکالو جس میں صرف بیج ایک کا ہو اور باقی تینوں دوسرے کی ہوں: دوسری صورت۔ دیکھو یہ بھی جائز نہیں آپ نے دیکھ لیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

آگے اب دیکھیے، اب صاحبِ شرحِ وقایہ تشریح کر رہے ہیں، شرح کر رہے ہیں: اِعْلَمْ جان لے تو، أَنَّهَا بِالتَّقْسِيمِ الْعَقْلِيِّ عَلَى سَبْعَةِ أَوْجُهٍ، کہ عقلی تقسیم کے اعتبار سے یہ سات قسم پر ہے۔ کتنی صورتیں کل بنتی ہیں؟ سات صورتیں بنتی ہیں۔ بھئی سات کس طرح بنتی ہیں؟ میں نے بتایا: چاروں میں سے ہر ایک باری باری ایک کی ہو اور باقی تینوں دوسرے کی، چار صورتیں اس کی بن جائیں گی۔ اور پھر اس کے بعد تین صورتیں وہ ہیں کہ زمین کے ساتھ ایک ایک کو جمع کرتے جاؤ: زمین کے ساتھ بیج کو لے آؤ یہ ایک کا اور باقی دو دوسرے کے، زمین اور عمل ایک کا اور باقی دو دوسرے کے، زمین اور بیل ایک کا اور باقی دو دوسرے کے۔ تو زمین کے علاوہ تین ہی چیزیں ہیں، ان تینوں کو ایک ایک ساتھ جوڑتے جاؤ تو تین مزید صورتیں بن گئیں بھئی۔

تو کہتے ہیں: أَنَّهَا بِالتَّقْسِيمِ الْعَقْلِيِّ عَلَى سَبْعَةِ أَوْجُهٍ، کہ عقلی تقسیم کے اعتبار سے سات قسم پر ہے، لِأَنَّهُ إِمَّا أَنْ يَكُونَ الْوَاحِدُ مِنْ أَحَدِهِمَا وَالثَّلَاثَةُ مِنَ الْآخَرِ، اس لیے کیونکہ یا تو ان میں سے ایک جو ہے ایک کی طرف سے ہو گا اور تین دوسرے کی طرف سے ہوں گے، وَهٰذَا عَلَى أَرْبَعَةِ أَوْجُهٍ، اور یہ چار صورتوں پر ہے، چار قسم پر ہے، وَهُوَ إِمَّا أَنْ يَكُونَ الْأَرْضُ أَوِ الْعَمَلُ أَوِ الْبَذْرُ أَوِ الْبَقَرُ مِنْ أَحَدِهِمَا وَالْبَاقِي مِنَ الْآخَرِ، اور وہ یہ چاروں ایک کی طرف سے اور تین دوسروں کی طرف سے، وہ

چار صورتیں یہ ہیں کہ یا تو زمین یا عمل یا بیج یا بقر جو ہے بیل جو ہے مِنْ أَحَدِهِمَا ان دونوں میں سے ایک کی طرف سے وَالْبَاقِي مِنَ الْآخَرِ اور باقی تینوں دوسرے کی طرف سے۔

وَالْأَوَّلَانِ جَائِزَانِ، اور پہلی دو صورتیں جائز ہیں۔ پہلی دو صورتیں کون سی؟ کہ زمین ایک کی طرف سے ہو اور باقی تینوں دوسرے کی طرف سے، یہ کون سی صورت ہے؟ پہلی۔ دوسری صورت کیا؟ أَوَّلَانِ کی بات کر رہا ہوں نا: ایک صورت کہ زمین ایک کی طرف سے ہو اور باقی تین دوسرے، اور دوسری صورت کیا؟ عمل ایک کی طرف سے ہو اور باقی تینوں دوسرے کی طرف، یہ کون سی صورت ہے نقشے میں؟ تیسری صورت۔ یہ دو صورتیں جائز ہیں، ان کے آگے ہم نے یَجُوْزُ لکھا۔ تو کہتے ہیں: وَالْأَوَّلَانِ جَائِزَانِ، تو پہلی دو صورتیں جائز ہیں۔ وَالثَّالِثُ لَا، تیسری صورت جائز نہیں، لِاحْتِمَالِ الرِّبَا، سود کے احتمال کی وجہ سے کیونکہ اس میں سود کا احتمال ہے۔ کون سی صورت میں؟ وَالثَّالِثُ، اوپر کتاب پہ دیکھیں۔ پیچھے کیا آیا تھا؟ إِمَّا أَنْ يَكُونَ الْأَرْضُ أَوِ الْعَمَلُ أَوِ الْبَذْرُ أَوِ الْبَقَرُ مِنْ أَحَدِهِمَا، یہ چاروں باری باری ایک کی طرف سے کریں اور باقی تینوں دوسرے کی طرف سے، تو ان میں سے تیسری صورت کون سی ہے؟ کہ بیج ایک کی طرف سے ہے اور باقی تینوں دوسرے کی طرف سے۔ یہاں پر کون سی صورت ہے نقشے میں؟ دوسری صورت، اور کتاب میں ہے تیسری صورت۔ تو یہ صورت جو ہے یہ جائز نہیں ہے۔

اب اس نقشے پہ ذرا رکھیں نظر: دوسری صورت کیا ہے؟ بیج ایک کی طرف سے، زمین، عمل اور بیل دوسرے کی طرف سے، یہ جائز نہیں۔ کیوں نہیں جائز؟ انہوں نے بتلایا کیونکہ اس میں سود کا احتمال ہے۔ سود کا احتمال کس طرح؟ کہ دیکھو یہ بیج دے گا اور پھر اس بیج کو کاشت کرے گا، مثلاً اس کے پورے کھیت میں اس کی دس بوری، دس بوری بیج لگ گئے۔ اور پھر بعد میں جب فصل حاصل ہوگی وہ سو بوری حاصل ہوگی۔ تو ایک ہی جنس ہے، جو اس نے خرچ کیا وہ بھی کیا تھا؟ بیج، یعنی گندم کے دانے تھے، اور جو حاصل ہوا وہ بھی کیا ہے؟ گندم کے دانے، اور جب ایک ہی جنس ہو تو آپ نے پڑھا ہے کہ برابری ضروری ہے بھئی ورنہ تو کیا لازم آئے گا؟ سود لازم آئے گا۔ کسی کو آپ سو روپیہ دے کر ایک سو دس روپے لیتے ہیں، ادھر بھی روپے ادھر بھی روپے تو برابری ضروری ہے بھئی، لہٰذا یہ سود ہو گیا جو دس روپے آپ نے زائد لیے۔ یہاں پر بھی اسی طرح ہے: دس بوری اس نے بیج خرچ کیے اور بدلے میں اس کو سو بوری مل گئے، بھئی دس بوری تو دس بوری کے بدلے ہو گئے، یہ نوے بوری زائد ہے یہ کیا ہے؟ سود ہے۔ تو کہتے ہیں: وَالثَّالِثُ لَا، تیسری صورت جائز نہیں ہے، لِاحْتِمَالِ الرِّبَا، ربا کے احتمال کی وجہ سے کیونکہ اس میں سود کا احتمال ہے۔

وَالرَّابِعُ غَيْرُ مَذْكُورٍ فِي الْهِدَايَةِ، چوتھی صورت ہدایہ میں مذکور نہیں۔ ہدایہ فقہِ حنفی کی عظیم کتاب، مولانا انسان دیکھتا ہے حیران رہ جاتا ہے، اور عجیب فصاحت و بلاغت اللہ نے صاحبِ ہدایہ کو نصیب فرمائی تھی۔ تو یہ چوتھی صورت جو ہے ہدایہ میں مذکور نہیں ہے، کون سی صورت ہے چوتھی؟ میں نے نقشے میں لکھوایا تھا: بیل ایک کا ہو، زمین، بیج اور عمل تینوں دوسرے کے ہوں۔ یہ جائز نہیں اور یہ ہدایہ میں مذکور نہیں۔ متن میں بھی دیکھو ذرا، متن میں یہ صورت ہے کوئی؟ ذرا متن دوبارہ

نکالو اور اپنے ہاتھ میں قلم بھی پکڑو۔ یہ متن چونکہ ہدایہ میں نہیں تو متن میں بھی نہیں آئی۔ کیسے دیکھو: پہلی صورت کیا؟ لَوْ كَانَ الْأَرْضُ وَالْبَذْرُ لِزَيْدٍ، متن پہ نظر ہے؟ وَكَذَا لَوْ كَانَ الْأَرْضُ وَالْبَذْرُ لِزَيْدٍ وَالْبَقَرُ وَالْعَمَلُ لِآخَرَ، یہ کون سی صورت ہے؟ بیج اور زمین ایک کی طرف سے: پانچ نمبر پر نشان لگاؤ، یہ آگئی متن میں، پانچ نمبر پہ ہلکا سا نشان لگاؤ۔ لگا دیا؟ اگلی صورت: وَالْأَرْضُ أَوِ الْعَمَلُ لَهُ، یا صرف زمین یا صرف عمل ایک کی طرف سے ہو، یہ کون کون سی صورت ہے؟ پہلی اور تیسری، اس پہ بھی نشان لگاؤ۔ لگا دیا نشان؟ اور اگلی صورت: وَبَطَلَتْ اور باطل ہوگی، لَوْ كَانَتِ الْأَرْضُ وَالْبَقَرُ لِزَيْدٍ، اگر زمین اور بیل زید کے ہوں، یہ کون سی صورت ہے؟ ساتویں صورت، اس پہ بھی نشان لگائیں۔ أَوِ الْبَذْرُ وَالْبَقَرُ لَهُ، یا بیج اور بیل جو ہے وہ زید کا ہو، یہ کون سی صورت؟ جی؟ چھٹی صورت۔ بیج اور بیل: زمین اور عمل ایک کا چھٹی صورت میں، تو دوسرے کے لیے کیا رہ جائے گا؟ بیج اور بیل رہ جائے گا، تو یہ چھٹی صورت ہے اس پہ بھی نشان لگائیں۔ وَالْآخَرَانِ لِلْآخَرِ. أَوِ الْبَذْرُ لَهُ، یا بیج ایک کا ہو، وَالْبَاقِي لِآخَرَ، اور باقی دوسروں کے لیے ہو، وہ صورت جس میں صرف بیج ایک کا ہو: دوسری صورت۔ جی نشانات لگ گئے؟ کون سی صورت رہ گئی؟ چوتھی بیل والی۔ وہی یہی ذکر کر رہے ہیں کہ یہ ہدایہ میں مذکور نہیں، اب بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَالرَّابِعُ غَيْرُ مَذْكُورٍ فِي الْهِدَايَةِ، اور چوتھی صورت وہ ہدایہ میں مذکور نہیں ہے، وَهُوَ أَيْضًا غَيْرُ جَائِزٍ، اور وہ بھی جائز نہیں ہے، لِأَنَّهُ اسْتِئْجَارُ الْبَقَرِ بِأَجْرٍ مَجْهُولٍ، کیونکہ یہ کرائے پر لینا ہے بیل کو مجہول اجرت کے بدلے۔ کس کے بدلے؟ مجہول اجرت کے بدلے۔ بھئی دیکھو اس کو سمجھ لو، یہ چوتھی صورت پہ بھی ذرا نظر رکھیں۔ اس میں بیل ایک کی طرف سے ہے، زمین، بیج اور عمل دوسرے کی طرف سے ہیں۔ اول تو یہ بات ہی ٹھیک نہیں کہ زمین جس کی ہے عمل بھی اس کا ہو، عمل تو دوسرے کا ہوا کرتا ہے بھئی۔ عمل دوسرے کا ہوتا ہے اور بیل، اگر کسی سے بیل وغیرہ یا ٹریکٹر لیے جاتے ہیں تو وہ کرائے پر لیے جاتے ہیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ محنت بھی خود کرنی ہے، ٹریکٹر صرف کسی سے لے کر آپ آ رہے ہیں تو کیا آپ فصل اس کے ساتھ بٹائی پر کریں گے یا آپ صرف اس کو کرایہ دے دیں گے اس کے ٹریکٹر اور بیل کا؟ کرایہ دیتے ہیں لوگ بھئی، وہاں بٹائی وغیرہ نہیں کرتے، اس پر لوگ ایسا کرتے ہی نہیں ہیں۔ اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ ضرورت بھی نہیں ہے، وہاں تو ضرورت تھی ایک آدمی محنت نہیں کر سکتا اور دوسرا محنت کر سکتا ہے، لیکن یہاں تو محنت بھی وہ خود کر رہا ہے زمین بھی اس کی ہے، محنت بھی وہ خود کر سکتا ہے، صرف کیا چیز کم ہے؟ ٹریکٹر یا بیل نہیں ہے، تو وہ بیل اس کے لیے زمین بٹائی پر کوئی بھی نہیں دیتا۔ تو اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے، لہٰذا یہ صورت جائز نہیں ہے۔ تو یہاں پر دیکھو اب ٹریکٹر لا رہا ہے اور مثلاً عقد کیا کر رہا ہے کہ جو فصل حاصل ہوگی چوتھا حصہ آپ کا تین حصے میرے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ مثلاً کوئی صورت بنا لو: کیا لایا؟ بیل یا ٹریکٹر لایا اور کیا شرط طے کی؟ کہ چوتھا حصہ آپ کا ہوگا اور تین چوتھائی، تین چوتھائی وہ میرے ہوں گے۔ تو ایک تو اس پر کوئی عمل نہیں کرتا اور نیز اس کی ضرورت بھی نہیں ہے، اور نیز اس لیے کیونکہ یہاں اجرت بھی مجہول ہے۔ اجرت کیسے مجہول ہے؟ کیونکہ کتنا طے کیا؟ چوتھا حصہ، اب وہ چوتھا تو پتا نہیں ہے۔ اگر دو سو من گندم حاصل ہوئی تو چوتھا حصہ کتنا ہوگا؟ پچاس من۔ اور

اگر سو من گندم حاصل ہوئی تو چوتھا حصہ کیا ہو گا؟ پچیس من۔ اور اگر چالیس من فصل حاصل ہوئی تو چوتھا حصہ کیا ہو گا؟ دس من۔ تو کوئی متعین تو نہیں ہے دس من ہوں گے یا پچیس ہوں گے یا پچاس ہوں گے، کوئی متعین ہی نہیں، تو اجرت مجہول ہو گئی، اور مجہول اجرت تو بیل وغیرہ یا ٹریکٹر کی جائز نہیں، وہ تو طے ہونی چاہیے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اس پر آپ کہیں گے کہ یہ تو مزارعت بھی ناجائز ہونی چاہیے اس میں بھی اجرت مجہول ہے۔ اس میں بھی اسی طرح ہے ناپتا نہیں کتنی فصل ملتی ہے عامل کو، ایک عامل ہے ایک زمین ہے، اور آدھا آدھا طے ہوا تھا۔ اگر پانچ سو من گندم حاصل ہوئی تو وہ ڈھائی سو من لے جائے گا محنت کرنے والا اور زمین والا بھی کتنے لے جائے گا؟ ڈھائی سو من۔ اور اگر دو سو من گندم حاصل ہوئی تو یہ بھی سو من وہ بھی سو من۔ اور اگر پچاس من گندم حاصل ہوئی باقی ساری خراب ہو گئی تو پچیس من ایک لے جائے گا پچیس من دوسرا۔ تو کبھی پچیس من بھی ہو سکتا ہے پچاس بھی ہو سکتا ہے سو بھی ہو سکتا ہے دو سو بھی ہو سکتا ہے وہ بھی مجہول ہے، تو مزارعت کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ یہاں بھی اجرت مجہول ہو رہی ہے تو یہ کیا ہونا چاہیے؟ جائز نہیں ہونا چاہیے۔ تو جواب یہ کہ ہاں عقل تو یہی کہتی ہے یہ جائز نہیں ہونا چاہیے، شروع میں بتا تو دیا امام صاحب بھی کیا فرماتے ہیں؟ یہ جائز نہیں ہے، لیکن لوگ عمل کرتے ہیں ضرورت ہے مضاربت کی طرح ہے اس لیے صاحبین نے کیا دی، صاحبین فرماتے ہیں جائز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ لیکن یہاں بیل میں کوئی ضرورت نہیں ہے بھئی، بیل میں تو ضرورت نہیں، اور وہاں ضرورت کی وجہ سے گنجائش تھی، میں نے کل ضابطہ بتایا تھا: اَلضَّرُوْرَةُ تُبِيْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ، ضرورت جو ہے وہ ممنوعہ چیزوں کو بھی جائز قرار دیتی ہے، لیکن ضرورت کہاں ہو گی میں نے بتایا وہ فقہاء بتائیں گے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے کتاب پر۔ کہتے ہیں: وَالرَّابِعُ غَيْرُ مَذْكُورٍ فِي الْهِدَايَةِ، اور چوتھی صورت ہدایہ میں مذکور نہیں ہے، وَهُوَ أَيْضًا غَيْرُ جَائِزٍ، اور وہ بھی جائز نہیں ہے، لِأَنَّهُ اسْتِئْجَارُ الْبَقَرِ بِأَجْرٍ مَجْهُولٍ، کیونکہ وہ کرائے پر لینا ہے بیل کو مجہول اجرت کے بدلے، اور ایسا کوئی بھی نہیں کرتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور تو یہ جائز نہیں۔

وَإِمَّا أَنْ يَكُونَ اثْنَانِ مِنْ أَحَدِهِمَا، یہ تو چار صورتیں ہو گئیں نا، کل کتنی ہیں؟ سات۔ اب وہ بتلانے لگے ہیں باقی تین صورتیں۔ کہتے ہیں: وَإِمَّا، میری کتاب میں أَمَّا ہے، إِمَّا ہونا چاہیے۔ وَإِمَّا أَنْ يَكُونَ اثْنَانِ مِنْ أَحَدِهِمَا، یا ان چار میں سے جو دو ہیں وہ ایک کی طرف سے ہیں، وَاثْنَانِ مِنَ الْآخَرِ، اور باقی دو دوسرے کی طرف سے ہیں، وَهٰذَا عَلَى ثَلَاثَةِ أَوْجُهٍ، اور یہ تین قسم پر ہے۔ وَذٰلِكَ إِمَّا أَنْ يَكُونَ الْأَرْضُ مَعَ الْبَذْرِ أَوْ مَعَ الْبَقَرِ أَوْ مَعَ الْعَمَلِ مِنْ أَحَدِهِمَا، اور وہ یہ کہ یا تو زمین بیج کے ساتھ یا بیل کے ساتھ یا عمل کے ساتھ مِنْ أَحَدِهِمَا ایک کی طرف سے ہو گی، وَالْبَاقِيَانِ مِنَ الْآخَرِ، اور باقی دو دوسرے کی طرف سے۔ وَالْأَوَّلُ جَائِزٌ دُونَ الْآخَرَيْنِ، ان تین میں سے جو پہلی صورت ہے وہ تو جائز ہے، دُونَ الْآخَرَيْنِ باقی دو جائز نہیں ہیں۔ آپ بھی نقشے میں دیکھ لیں: ایک صورت جائز ہے اور دو صورتیں جائز نہیں ہیں آخری تین میں۔ إِذْ لَا مُنَاسَبَةَ بَيْنَ الْأَرْضِ

وَالْعَمَلِ، اس لیے کیونکہ زمین اور عمل میں کوئی مناسبت نہیں۔ زمین اور عمل میں کوئی مناسبت نہیں ہے بھئی، زمین اور عمل جہاں اکٹھے ہوں گے یہ عقد ناجائز ہو جائے گا، کیونکہ زمین کے اندر قوتِ نما ہے اور عمل میں قوتِ حیوانیہ ہے، دونوں کی جنس ہی الگ ہے لہٰذا یہ دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ وَكَذَا بَيْنَ الْأَرْضِ وَالْبَقَرِ، اور اسی طرح زمین اور بیل جو ہیں ان میں بھی کوئی مناسبت نہیں ہے، کیونکہ زمین میں قوتِ نما ہے اور بیل کے اندر قوتِ حیوانیہ ہے بھئی، دونوں میں مناسبت نہیں تو یہ صورت بھی جائز نہیں ہو گی۔[۲]

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ جَوَازُ هٰذَا، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے اس کا جواز۔ اس صورت کا جواز روایت کیا گیا وہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زمین اور بیل ہوں تو جائز ہے ایک کی طرف سے۔ یعنی یہ جو ساتویں صورت ہے نقشے کے اندر زمین اور بیل، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ صورت جائز ہے، یہ صورت جائز ہے۔ لیکن عام فقہاء کیا فرماتے ہیں اور طرفین کیا فرماتے ہیں؟ کہ جائز نہیں۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہماری دلیل تو ذکر ہو گئی کہ زمین اور بیل میں کوئی مناسبت نہیں، اسی طرح زمین اور عامل کے اندر یا عمل کے اندر بھی کوئی مناسبت نہیں۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ذرا نقشے پہ نظر رکھو، تیسری صورت پہ نظر رکھو۔ تیسری صورت پہ: تیسری صورت میں عمل ایک کی طرف سے ہے، توجہ ہے؟ عمل ایک کی طرف سے ہے، زمین، بیج اور بیل تینوں دوسرے کی طرف سے ہیں بھئی، تینوں دوسرے کی طرف سے۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب زمین کے ساتھ بیج اور بیل دونوں جمع ہونا جائز تو ایک ایک کا جمع ہونا بھی زمین کے ساتھ جائز۔ تو زمین کے ساتھ کون کون ہے؟ بیج اور بیل۔ ذرا ایک ایک کو لے آؤ زمین کے ساتھ، زمین کے ساتھ بیج لے آؤ صرف، یہ کون سی صورت؟ پانچویں، دیکھو یہ جائز ہے وہ فرماتے ہیں، تو زمین کے ساتھ صرف بیل بھی جائز ہونا چاہیے جو کون سی صورت ہے؟ ساتویں صورت۔ اب دلیل سمجھ میں آ گئی بھئی؟ یہ معنی ہے: وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ جَوَازُ هٰذَا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے اس کا جواز روایت کیا گیا ہے، وہ فرماتے ہیں جب ان دونوں کا اکٹھا ہونا زمین کے ساتھ جائز ہے تو علیحدہ علیحدہ ہونا بھی جائز ہے، جبکہ ہم کہتے ہیں ان میں کوئی مناسبت نہیں ہے اس لیے یہ جائز نہیں ہے بھئی۔

اچھا انہوں نے کتنی صورتیں ذکر کیں؟ سات صورتیں، یہاں کل کتنی صورتیں ہیں؟ سات صورتیں۔ تو ایک اور قیمتی بات بھی آپ کو بتلا دوں، کوئی مطالعہ کرے گا حاشیہ اس کے سامنے آئے گا اور حاشیے سے وہ پریشان ہو گا۔ اوپر جہاں آیا تھا نا عَلَى سَبْعَةِ أَوْجُهٍ، یہ تقسیم کتنی قسم پر ہے؟ سات قسم پر۔ یہاں پر یہ حاشیہ ہے گیارہ نمبر، اور یہاں محشی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ دس قسم پر ہے۔ کتنی قسم پر ہے؟ دس قسم پر۔ کہتے ہیں تمام کتابوں والوں نے لکھا ہے سات صورتیں

[۲] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۷۶):** صوتی درس کی قراءت میں «وَهٰذَا عَلَى ثَلَاثَةِ أَوْجُهٍ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وهذا على أربعةِ أوجه،» منقول ہے۔

بنتی ہیں لیکن میرے نزدیک کتنی بنتی ہیں؟ دس صورتیں بنتی ہیں۔ یہ صاحبِ، یہ جو محشی ہیں ان کو ان سے تسامح ہوا ہے ان کی شاید توجہ نہیں تھی، بھئی سات ہی صورتیں بنتی ہیں دس بن ہی نہیں سکتیں بھئی، دس بن ہی نہیں سکتیں۔ ذرا دیکھو انہوں نے کیسے ذکر کیا: گیارہ نمبر حاشیہ، کہتے ہیں: هٰذَا مَا قَالَهُ الشَّارِحُ وَكَذٰلِكَ فِي الْكُتُبِ، أَمَّا عِنْدِي عَشَرَةٌ بِهٰذَا النَّمَطِ، میرے نزدیک دس ہیں اس طریقے پر۔ السَّبْعَةُ الْمَذْكُورَةُ، سات تو وہ جو ذکر ہو گئیں اوپر شرح کے اندر۔ وَالثَّامِنُ، آٹھویں صورت کیا ہے؟ الْبَقَرُ وَالْعَمَلُ لِزَيْدٍ وَالْبَاقِي لِلْآخَرِ، بقر اور عمل کس کا ہو؟ توجہ ہے؟ حاشیے پہ نظر ہے؟ آٹھویں صورت یہ ذکر کر رہے ہیں کہ بیل اور عمل کس کا ہو؟ زید کا ہو۔ بیل اور عمل، بیل اور عمل۔ ذرا پانچویں صورت پر آؤ: زمین اور بیج ایک کا ہے تو دوسرے کا کیا بن گیا؟ بیل اور عمل۔ بیل عمل، یہ تو وہی صورت آپ دوبارہ ذکر کر رہے ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ جس کو تو ہم ذکر کر چکے ہیں پانچویں نمبر پر۔ آگے ہے: وَالتَّاسِعُ الْبَقَرُ وَالْبَذْرُ لِزَيْدٍ، بیل اور بیج کس کا ہو؟ زید کا ہو۔ یہ کون سی صورت ہے؟ چھٹی صورت ہے۔ زمین اور عمل جب ایک کا ہے تو بیل اور بیج دوسرے کا۔ یہ چھٹی صورت آپ نے ذکر کر دی، آپ اس کو نویں سمجھے حالانکہ یہ تو وہی چھٹی صورت ہے۔ آگے: وَالْعَاشِرُ الْعَمَلُ وَالْبَذْرُ لِزَيْدٍ، عمل اور بذر کس کا ہو؟ عمل اور بیج زید کا ہو، عمل اور بیج۔ یہ کون سی صورت ہے؟ یہ وہی ساتویں صورت ہے، جب زمین اور بیل ایک کے ہیں تو ظاہر سی بات ہے عمل اور بیج دوسرے کا ہو گا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ سات صورتیں ہیں میں نے ذکر کیا تھا بھئی۔ یہ ہمارے فقہائے کرام، اللہ ان پر کروڑہا رحمتیں نازل فرمائے بھئی، اتنے اتنے مشکل اور پیچیدہ مسائل اور ان کو انہوں نے اتنا آسان انداز میں اور ترتیب دے کر ایک ایک باب میں قیمتی مسائل ان سب کو جمع کر دیا اور ہمارے لیے آسانی فرما دی۔

اچھا بھئی آگے دیکھیے بھئی: وَإِذَا صَحَّتْ فَالْخَارِجُ عَلَى الشَّرْطِ۔ کہتے ہیں جب مزارعت صحیح ہو گئی، صحیح ہو جائے یعنی ساری شرطیں پوری ہیں، فَالْخَارِجُ عَلَى الشَّرْطِ تو جو پیداوار ہو گی وہ شرط کے مطابق ہو گی۔ یعنی اگر آدھا آدھا طے ہوا تھا تو آدھی آدھی تقسیم کر لیں گے، اور اگر ایک کے لیے ثلث اور دوسرے کے لیے دو ثلث طے ہوئے تھے تو اس طرح تقسیم کر لیں گے، جو بھی شرط طے ہوئی تھی۔ تو کہتے ہیں: وَإِذَا صَحَّتْ فَالْخَارِجُ عَلَى الشَّرْطِ، جب مزارعت صحیح ہو جائے تو پیداوار جو ہے وہ شرط کے مطابق تقسیم ہو گی۔ وَلَا شَيْءَ لِلْعَامِلِ إِنْ لَمْ يَخْرُجْ، اور عامل کے لیے کچھ بھی نہیں ہو گا اگر پیداوار نہ ہوئی بھئی۔ بھئی ساری فصل ہی تباہ ہو گئی، آفت آئی، آندھی آئی، بارش آئی، طوفان آیا، ساری فصل خراب ہو گئی یا آگ لگ گئی، فصل تباہ ہو گئی، تو اب عامل، اس نے محنت کی ہے بیچارے نے، کہتے ہیں نہیں بھئی اس کے لیے اجرت کیا طے ہوئی تھی؟ فصل کا حصہ تھا نصف یا ثلث اور وہ تو فصل جل گئی، تو لہٰذا اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ یہ نہیں کہ وہ بعد میں جھگڑا کرے کہ مجھے کچھ نہ کچھ دینا پڑے گا، بھئی اس میں زمین والے کا تو کوئی دخل نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں: وَلَا شَيْءَ لِلْعَامِلِ، اور عمل کرنے والے کے لیے کچھ نہیں ہو گا، إِنْ لَمْ يَخْرُجْ، اگر پیداوار نہ ہوئی۔

وَيُجْبَرُ مَنْ أَبَى عَنِ الْمُضِيِّ إِلَّا رَبُّ الْبَذْرِ۔ بھئی ایک ضابطہ یاد رکھو: دو آدمی جب آپس میں عقد اجارے کر لیں اور پھر اس عقد میں ایک کا نقصان ہو، اور وہ انکار کر دے کہ یہ عقد میں نے نہیں پورا کرنا بھئی، بس یہ چھوڑ دو عقد بس ختم میری طرف سے، تو اس کو قاضی بھی مجبور نہیں کر سکتا کیونکہ اس عقد میں اس کا کیا ہے؟ کیونکہ جب وہ اس پر عمل کرے گا تو اس کا نقصان ہو گا بھئی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ کوئی عمل کرتا ہے کوئی عقد مثلاً کرائے پر کوئی چیز اجارے کا کوئی عقد کرتا ہے اور اس عقد میں اس کا نقصان ہے، یا عقد تو کر لیتا ہے لیکن بعد میں انکار کر دیتا ہے کہ نہیں یہ عقد ختم میری طرف سے میں عمل اس پر نہیں کروں گا، تو اس پر قاضی بھی اس کو مجبور نہیں کر سکتا کیونکہ اس عقد میں اس کا نقصان۔ اور اگر نہیں، ایسا نقصان نہیں ہے پھر قاضی مجبور کر سکتا ہے کہ نہیں تم نے عقد کیا ہے تمہیں کرنا پڑے گا اب۔

تو یہاں پر بھی اگر بیج والا انکار کر دے تو قاضی اس کو مجبور نہیں کر سکتا، ہاں زمین والا انکار کر دے تو قاضی اس کو مجبور کر سکتا ہے کہ تم نے عقد کیا ہے تمہیں اب چلنا پڑے گا اس کے مطابق بھئی۔ بیج والے کا نقصان ہے، کیوں؟ کیونکہ اس کو دس بوری بیج کھیت میں ڈالنا پڑے گا یا نہیں ڈالنا پڑے گا؟ تو وہ اس کا بیج جا رہا ہے، ہو سکتا ہے اگے ہی نہ، خراب ہو جائے، تو اس کا چونکہ نقصان کا احتمال ہے لہٰذا اب اگر وہ انکار کرتا ہے تو قاضی اس کو مجبور نہیں کر سکتا۔ مثلاً اس نے عقد کر لیا تھا، بعد میں جا کر اس نے کھیت کا اچھی طرح معائنہ کیا تو اندازہ ہوا کہ یہ زمین تو ایسی ہے یہ تو بیج کھا جاتی ہے یہاں تو فصل ہی نہیں اگتی، بہت تھوڑی اگتی ہے میرا تو سارا بیج ضائع ہو جائے گا، تو اس نے انکار کر دیا، اب قاضی بھی اس کو مجبور نہیں کر سکتا کیونکہ اس عقد پر چلنے میں اس کا نقصان ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے زید کسی شخص کو مزدور لاتا ہے دس مزدور، اور ان سے عقد کرتا ہے کہ یہ جو میرا سامنے گھر ہے اس کو گرا دو، عقد کر لیا، اور میں آپ کو اتنے پیسے دوں گا۔ پھر ایک دم اس کو خیال آتا ہے کہ اوہو پھر میں رہوں گا کہاں پر؟ اس نے کہا بس بھئی عقد میری طرف سے ختم۔ اب مزدور قاضی کے پاس جا کر اس کو مجبور نہیں کر سکتے کیونکہ اس عقد پر چلنے میں اس کا نقصان ہے اس کا گھر گر جاتا ہے۔

تو کہتے ہیں: وَيُجْبَرُ مَنْ أَبَى عَنِ الْمُضِيِّ، اور مجبور کیا جائے گا مَنْ اس شخص کو أَبَى جو انکار کر دے عَنِ الْمُضِيِّ عقد پر چلنے سے، جو عقد پر چلنے سے انکار کر دے اس کو کیا کیا جائے گا؟ مجبور، یعنی قاضی اس کو مجبور کرے گا، إِلَّا رَبُّ الْبَذْرِ، مگر بیج والے کو نہیں، سوائے بیج والے کے کہ اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ لِأَنَّ الْمُضِيَّ عَلَيْهِ لَا يَخْلُو عَنْ ضَرَرٍ، اس لیے کیونکہ اس عقد پر چلنا وہ خالی نہیں ہے نقصان سے، وَهُوَ إِهْلَاكُ الْبَذْرِ، اور وہ بیج کو ہلاک کرنا ہے کہ وہ اپنے بیج کو کیا کر رہا ہے؟ ہلاک کر رہا ہے۔

وَمَتَى فَسَدَتْ فَالْخَارِجُ لِرَبِّ الْبَذْرِ۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ عقدِ مزارعت اگر فاسد ہو جائے تو فصل کس کی شمار ہو گی؟ بیج والے کی، اور دوسرے شخص کو اس کا اجرِ مثل دیا جائے گا۔ اگر بیج زمین والے کا تھا اور عقدِ مزارعت فاسد ہوا، کوئی ایسی شرط لگا دی تھی انہوں نے بیچ میں، بعد میں پتا چلا کہ اوہو اس شرط سے تو عقد فاسد ہو جاتا ہے پہلے تو ان کو پتا ہی نہیں تھا، تو اب عقد فاسد ہو گیا لہٰذا یہ بیج زمین والے کا ہے تو فصل بھی اسی کی شمار ہو گی، فصل بھی اسی کی ساری ہو گی

اور وہ جو مزدور ہے جس نے محنت کی ہے اس کو اس کا اجرِ مثل دے دیا جائے گا کہ اس جیسا آدمی اتنے عرصے تک محنت کرے کام کرے تو اس کو کیا اجرت دی جاتی ہے وہ اجرت دی جائے گی۔ لیکن وہ اجرت اس کے حصے سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے، میں نے کل بھی ذکر کیا تھا: فرض کرو جو فصل حاصل ہوئی اس اعتبار سے، اور طے کیا ہوا تھا؟ نصف نصف۔ فصل حاصل ہوئی تو عامل کا حصہ کتنا بنتا ہے؟ پچاس ہزار۔ لیکن عقد فاسد ہے تو ساری فصل کون لے جائے گا؟ زمین والا، اور یہ جو عامل ہے اس کو اس کی اجرِ مثل دینا ہے اس کو۔ اجرِ مثل کا حساب لگایا تو پتا چلا وہ بنتا ہے ستر ہزار بھئی اتنے عرصے کا، تو اس کو ستر ہزار نہیں دیں گے، فصل اس وقت جو ملی ہے اس اعتبار سے اس کا حصہ کتنا بنتا ہے؟ پچاس ہزار، تو پچاس ہزار ہی دے دیں گے زائد نہیں دیں گے۔ اسی طرح اگر بیج عامل کا تھا، محنت کرنے والے کا، تو فصل ساری وہ لے جائے گا اور زمین والے کو اس عرصے کا کرایہ دیا جائے گا کہ مثلاً چار مہینے اس کی زمین مشغول رہی تو اس عرصے کا جتنا عموماً لوگ کرایہ لیتے ہیں وہ کرایہ اس کو دیا جائے گا، اور اس میں بھی یہی بات کہ اس کے حصے سے زائد نہیں دیں گے۔ مثلاً زمین کا کرایہ بنتا ہے ستر ہزار اس عرصے کا، لیکن فصل جو حاصل ہو رہی ہے اس اعتبار سے اس کا نصف جو ہے وہ کتنا بن رہا ہے؟ پچاس ہزار، تو اس کا حصہ تو پچاس ہزار، اگر یہ عقد صحیح بھی ہوتا تو اس کو کتنا ملتا؟ پچاس ہزار۔ لہٰذا اب بھی اس کو پچاس ہزار ہی دیں گے، زائد نہیں دیں گے۔ یہ شیخین رحمہم اللہ کے نزدیک یعنی امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کے نزدیک، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اجرِ مثل دیں گے دونوں کو: چاہے عامل کو دینا پڑے بیج دوسرے کا ہے، یا زمین والے کو دینا پڑے اور بیج دوسرے کا ہے، دونوں صورتوں میں اجرِ مثل دیں گے جتنا بھی بنتا ہے دینا پڑے گا، چاہے ستر بنتا ہے، چاہے اسی ہزار بنتا ہے، چاہے نوے ہزار بنتا ہے۔

دیکھیے کتاب پر۔ کہتے ہیں: وَمَتَى فَسَدَتْ، اور جب عقدِ مزارعت فاسد ہو جائے، فَالْخَارِجُ لِرَبِّ الْبَذْرِ، تو پیداوار جو ہے بیج والے کی ہوگی، وَلِلْآخَرِ مِثْلُ أَرْضِهِ أَوْ عَمَلِهِ، اور دوسرے کے لیے اس کی زمین کا مثل ہوگا، زمین کا مثل یعنی زمین کے اجرت کا مثل ہوگا، أَوْ عَمَلِهِ یا اس کے عمل کی اجرت کا مثل ہوگا۔ وَلَا يُزَادُ عَلَى مَا شُرِطَ، اور اس کو بڑھایا نہیں جائے گا مشروط پر، جو طے ہوا تھا اس سے زیادہ نہیں دیا جائے گا یعنی جتنا حصہ بن رہا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ بَالِغًا مَا بَلَغَ، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جہاں تک بھی وہ پہنچے وہ دیا جائے گا۔ تو کہتے ہیں: وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ بَالِغًا مَا بَلَغَ، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جہاں تک بھی وہ پہنچے وہ ادا کیا جائے گا بھئی وہ اجرت جو ہے۔[۳]

وَلَوْ أَبَى رَبُّ الْبَذْرِ وَالْأَرْضِ وَقَدْ كَرَبَ الْعَامِلُ فَلَا شَيْءَ لَهُ حُكْمًا وَيُسْتَرْضَى دِيَانَةً۔ صورت یہ بھئی: بیج والا، زمین والا جو ہے وہ انکار کر دیتا ہے۔ عقد کر لیا تھا، مزدور وہ جو عامل تھا مزارع تھا اس نے اپنا کام شروع کر دیا، کھیت میں ہل چلا دیا، کھیت کو تیار کر دیا اور اب وہ بیج والا انکار کر دیتا ہے۔ اور آپ نے پڑھا ہے بیج والے کو مجبور نہیں کر سکتا، قاضی بھی مجبور

[۳] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۷۶): صوتی درس کی قراءت میں «وَلِلْآخَرِ مِثْلُ أَرْضِهِ أَوْ عَمَلِهِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وللآخرِ أجرُ مثل أرضه، أو عملِه،» منقول ہے۔

نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں اس کے بیج کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے، اہلاکِ بیج ہے۔ تو اب اس عامل کو کیا دیا جائے گا؟ اس نے تو ہل چلایا ہے، محنت کی ہے، زمین کو تیار کیا ہے اور اب آپ نے انکار کر دیا۔ تو کہتے ہیں بھئی: حکماً کچھ بھی نہیں ملے گا، قاضی کے پاس جائیں گے تو قاضی کچھ بھی نہیں دلائے گا، کچھ بھی نہیں دلائے گا، کیونکہ اس کی اجرت کیا طے ہوئی تھی؟ فصل میں سے حصہ ملے گا بھئی۔ وہ تو فصل میں سے، فصل ہوتی تو حصہ ملتا، اب تو فصل ہی نہیں۔ تو حکماً قاضی کے حکم کے اعتبار سے، فیصلے کے اعتبار سے اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا، لیکن دوسرے شخص کے لیے ضروری ہے کہ اس کو راضی کرے، یہ اللہ کا اور اس کا معاملہ ہے۔ کس کا معاملہ ہے؟ یہ جو انکار کر رہا ہے اس کا اور اللہ کے مابین معاملہ ہے، یہ نہ ہو قیامت کے دن اللہ پکڑ لیں بھئی کہ اس سے تم نے کام کروایا تھا اور اس کو تم نے اجرت کیوں نہیں ادا کی۔ لہٰذا حکماً تو اس کو کچھ نہیں ملے گا، لیکن دیانتاً، دیانتاً یعنی اس کے اور اللہ کے مابین جو معاملہ ہے، دیانتاً وہ اس کو راضی کرنا چاہیے اس کو بھئی کچھ نہ کچھ دینا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: وَلَوْ أَبَى رَبُّ الْبَذْرِ وَالْأَرْضِ، اور اگر انکار کر دیا بیج والے نے اور زمین والے نے، وَقَدْ كَرَبَ الْعَامِلُ، كَرَبَ يَكْرُبُ کا معنی ہوتا ہے ہل چلانا، اس حال میں کہ عامل جو ہے وہ ہل چلا چکا ہے، فَلَا شَيْءَ لَهُ حُكْمًا، تو اس کے لیے کچھ بھی نہیں ہو گا حکماً، باعتبارِ حکم یعنی قاضی کے فیصلے کے اعتبار سے اس کے لیے کچھ نہیں ہو گا، وَيُسْتَرْضَى دِيَانَةً، لیکن اس کو راضی کیا جائے گا، اس کی رضامندی چاہی جائے گی دیانتاً، دیانتاً بھئی یعنی اس بندے کے، جو انکار کرنے والا ہے اس کا اور اللہ کا معاملہ ہے اس کو راضی کرنا چاہیے۔

وَتَبْطُلُ بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا، اور یہ عقدِ مزارعت باطل ہو جائے گا دونوں میں سے کسی ایک کی موت سے۔ بھئی عقد کر لیا، پھر ایک کا انتقال ہو گیا، چاہے زمین والا چاہے عامل، بس عقدِ مزارعت کیا ہو جائے گا؟ ختم ہو جائے گا، ختم ہو جائے گا۔ اس میں تفصیل یاد رکھیے، یہ جو انہوں نے کہا کہ کسی ایک کے مرنے سے یہ عقد فاسد ہو جائے گا، کہ یہ اس وقت ہے جب ابھی بیج نہیں ڈالے، فصل وغیرہ نہیں اگی بھئی۔ اور اگر فصل اگ آئی ہے تو پھر اس کے ورثاء جو ہیں وہ اس عقد پر چلتے رہیں گے اور اسی، جو شرط طے ہوئی تھی اس کے مطابق پھر سارا کچھ ہو گا بھئی۔ اور اگر صرف ہل چلایا تھا اور اس کا انتقال ہو گیا تو پھر اس صورت میں عقد کیا ہو جائے گا؟ فاسد ہو جائے گا، ختم ہو جائے گا۔ اور اگر کئی سال کا اجارہ کیا تھا تو پھر اس سال کا اجارہ فسخ نہیں ہو گا، اگلے سالوں کا کیا ہو گا؟ فسخ ہو جائے گا۔

وَتُفْسَخُ بِدَيْنٍ مُحْوِجٍ إِلَى بَيْعِهَا. صورت یہ کہ ایک شخص نے دوسرے کو زمین دی مزارعت کے لیے اور پھر اس شخص پر اتنا دین چڑھ گیا کہ وہ اس کو قاضی کے پاس لے گئے، اور قاضی نے کہا کہ بھئی ان کا قرضہ ادا کرو۔ اس نے کہا میرے پاس تو اور کچھ بھی نہیں ہے میں کیسے قرضہ ادا کروں؟ ان لوگوں نے کہا قاضی صاحب اس کے فلاں جگہ کھیت موجود ہیں،

وہ کھیت فروخت کر کے یہ ہمارا قرضہ ادا کر سکتا ہے۔ تو قاضی اس کو مجبور کرے گا کہ کیا کرو؟ کھیت فروخت کرو اور قرضہ ادا کرو، اور اس کو جیل میں بھی ڈال سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو اب یہ ایسا دین ہے جس نے اس کو محتاج بنا دیا کہ وہ زمین کو بیچے، ادھر وہ عقدِ مزارعت بھی کر چکا ہے، تو کہتے ہیں اس صورت میں اگر تو کھیتی ابھی نہیں اگی تو پھر تو عقدِ مزارعت کو کیا کر دیا جائے گا؟ فسخ کر دیا جائے گا۔ اور اگر کھیتی اگ آئی ہے تو پھر اس صورت میں جب وہ فصل پک جائے گی تیار ہو جائے گی اس کے بعد اس کو بیچا جائے گا، جب تک اس کو، عقدِ مزارعت کو فسخ نہیں کیا جائے گا کیونکہ اب مزارع بیچارے کی محنت ہے اس کا حق اس کے ساتھ وابستہ ہو گیا ہے، فصل اگ آئی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَتُفْسَخُ بِدَيْنٍ مُحْوِجٍ، مُحْوِجٍ کا معنی ہے محتاج بنانے والا، وَتُفْسَخُ اور مزارعت فسخ کر دی جائے گی، بِدَيْنٍ مُحْوِجٍ إِلَى بَيْعِهَا، ایسے دین کی وجہ سے جو محتاج کرنے والا ہے اس کو اس زمین کے بیچنے کی طرف۔ هٰذَا قَبْلَ أَنْ يَنْبُتَ الزَّرْعُ، کہتے ہیں یہ فصل کے اگنے سے پہلے، عقدِ اجارہ کو کیا کر دیں گے؟ فسخ۔ فصل اگنے سے پہلے اگر زمین کو بیچنے کی ضرورت پیش آئی تو پھر عقدِ مزارعت کو کیا کر دیں گے؟ فسخ کر دیں گے۔ لٰكِنْ يَجِبُ دِيَانَةً أَنْ يَسْتَرْضِيَ، لیکن دیانتاً اس شخص پر واجب ہو گا، یہ جو زمین بیچ رہا ہے، اس پر واجب ہو گا أَنْ يَسْتَرْضِيَ کہ اس مزارع کو کیا کرے؟ راضی کرے، اس نے جو کچھ محنت کی ہے کچھ اس کو دے دے، إِذَا عَمِلَ الْعَامِلُ، جب عامل نے کیا کیا ہو؟ عمل کیا ہو۔ أَمَّا إِذَا نَبَتَ الزَّرْعُ وَلَمْ يَسْتَحْصِدْ، لیکن اگر جب کھیتی اگ آئی وَلَمْ يَسْتَحْصِدْ، بھئی میری کتاب میں لکھا ہے يُسْتَحْصَدُ، يُسْتَحْصَدُ یہ غلط ہے بھئی يَسْتَحْصِدُ ہونا چاہیے، يَسْتَحْصِدُ۔ عربی میں کہتے ہیں اسْتَحْصَدَ الزَّرْعُ، توجہ ہے؟ عربی میں کیا کہتے ہیں؟ اسْتَحْصَدَ الزَّرْعُ، دیکھو یہ فعلِ لازم ہے، الزَّرْعُ اس کے لیے کیا ہے؟ فاعل۔ اور مضارع پھر کیا آئے گا؟ يَسْتَحْصِدُ الزَّرْعُ۔ اور اسْتَحْصَدَ کا معنی ہے کھیتی کا پکنے کے وقت کو پہنچ جانا، یعنی کھیتی تیار ہو جائے تو عربی میں کہتے ہیں اسْتَحْصَدَ الزَّرْعُ۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو لہٰذا یہاں مجہول نہیں معروف پڑھیں گے۔ تو کہتے ہیں: أَمَّا إِذَا نَبَتَ الزَّرْعُ، جب کھیتی اگ آئے، وَلَمْ يَسْتَحْصِدْ، اور اس حال میں کہ ابھی وہ تیار نہیں ہوئی، پکی نہیں ہے، لَا يُبَاعُ الْأَرْضُ، تو زمین کو بیچا نہیں جائے گا، کیوں؟ لِتَعَلُّقِ حَقِّ الْمُزَارِعِ، کیونکہ مزارع کا حق اس سے متعلق ہو گیا ہے، اس فصل میں اس کا حصہ ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

چلیے بس کریں، بس بھئی۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھئی؟

سبق نمبر ١٦: مزارعت میں مدت کا گزرنا، اخراجاتِ زرع (حصاد، دیاس، تصفیہ)، موتِ احد المتعاقدین اور اجرِ مثل

شرح الوقایہ صفحہ: ٢٩ — بتاریخ: ٣٠ اکتوبر ٢٠١٩ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔

فَإِنْ مَضَتِ الْمُدَّةُ وَلَمْ يُدْرِكِ الزَّرْعُ فَعَلَى الْعَامِلِ أَجْرُ مِثْلِ نَصِيبِهِ مِنَ الْأَرْضِ حَتّٰى يُدْرِكَ،أَيْ أَجْرُ مِثْلِ مَا فِيهِ نَصِيبُهُ. وَنَفَقَةُ الزَّرْعِ عَلَيْهِمَا بِالْحِصَصِ، مِثْلُ أُجْرَةِ السَّقْيِ وَغَيْرِهِ مِنَ الْعَمَلِ يَكُونُ عَلَيْهِمَا بِقَدْرِ الْحِصَّةِ۔[1]

بھئی ہم نے کِتَابُ الْمُزَارَعَةِ پڑھنا شروع کی تھی، اور انہوں نے آپ کو بتلایا کہ مزارعت کہتے ہیں زمین کو بٹائی پر دینا، یعنی کاشت کے لیے کسی کو زمین دینا اس شرط پر کہ پیداوار میں دونوں شریک ہوں گے، دونوں شریک ہوں گے۔ اور آپ نے پڑھا تھا کہ یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں، جبکہ صاحبین رحمہما اللہ وہ اس کو جائز قرار دیتے ہیں اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

آگے سبق دیکھیے۔ فَإِنْ مَضَتِ الْمُدَّةُ وَلَمْ يُدْرِكِ الزَّرْعُ، اگر مدت گزر گئی وَلَمْ يُدْرِكِ الزَّرْعُ اور فصل تیار نہ ہوئی، فصل نہ پکی۔ میری کتاب میں وَلَمْ يُدْرَكْ لکھا ہے بھئی، را پر فتحہ لکھا ہے بھئی، یہ درست نہیں ہے بھئی۔ أَدْرَكَ يُدْرِكُ، عربی میں کہتے ہیں کھیتی جب پک کر تیار ہو جائے یا پھل جب پک کر تیار ہو جائے تو کہتے ہیں أَدْرَكَ الزَّرْعُ، دیکھو معروف پڑھ رہے ہیں، أَدْرَكَ الزَّرْعُ کھیتی پک گئی، یا پھل أَدْرَكَ الثَّمَرُ پھل پک گیا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو یہ فعلِ لازم ہے، تو یہ معروف ہی استعمال ہو گا کھیتی کے لیے بھئی۔[2]

---

[1] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ٧٦): صوتی درس کی قراءت میں «فَإِنْ مَضَتِ الْمُدَّةُ وَلَمْ يُدْرِكِ الزَّرْعُ فَعَلَى الْعَامِلِ أَجْرُ مِثْلِ نَصِيبِهِ مِنَ الْأَرْضِ حَتّٰى يُدْرِكَ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «(فإن مضَتِ المدَّةُ ولم يدركِ الزُّرعُ فعلى العاملِ أجرُ مثل نصيبه من الأرض حتَّى يدرك،» منقول ہے۔

[2] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ٧٦): صوتی درس کی قراءت میں «فَإِنْ مَضَتِ الْمُدَّةُ وَلَمْ يُدْرِكِ الزَّرْعُ» ہے، جبکہ محقق

آپ نے پڑھا کہ عقدِ مزارعت میں مدت کا متعین کرنا ضروری ہے اور شرط ہے۔ مثلاً مدت ذکر کی چار ماہ کی۔ چار ماہ کی مدت ذکر کی اور چار ماہ گزر گئے پورے ہو گئے لیکن ابھی کھیتی پکی نہیں، تیار نہیں ہوئی۔ تو کہتے ہیں اس صورت میں پھر جو زائد وقت ہو گا، زائد وقت، اس زائد وقت کا اجرِ مثل دینا پڑے گا عامل کو۔ کس کو دینا پڑے گا؟ بھئی وہ شخص جو کھیتی کی حفاظت کر رہا ہے، محنت کر رہا ہے، اس کی دیکھ بھال میں لگا ہوا ہے، مدت تو پوری ہو گئی، مثلاً چار ماہ کا وقت طے ہوا تھا، چار ماہ میں فصل تیار نہیں ہو سکی، ابھی کم از کم ایک ماہ اور لگے گا بھئی، یا جتنے بھی دن اور لگیں گے، تو یہ باقی دن بھی وہ عمل کرے گا اور اس عمل کی اس کو علیحدہ سے اجرتِ مثل دی جائے گی کہ اس جیسا کام کوئی شخص کرے تو اس کو کتنی اجرت دی جاتی ہے، وہ اجرت اس کو دی جائے گی۔

اور نیز یہ بھی یاد رکھنا کہ اب چار ماہ تو گزر گئے، اب جو ایک ماہ زائد لگ رہا ہے تو اس دوران اس زمین والے کی زمین بھی تو مشغول ہے۔ عقد تو کتنے کا ہوا تھا؟ چار ماہ کا۔ اب ایک ماہ مزید اس کی زمین مشغول رہے گی تو اس کا کرایہ اجرِ مثل دینا پڑے گا اس زمین کے مالک کو۔ عامل دے گا۔ عامل کیا کرے گا؟ زمین کے مالک کو اس زمین کا کرایہ دے گا، اجرِ مثل دے گا، اس جیسی زمین کا جو کرایہ بنتا ہے ایک مہینے کا وہ دے گا۔

اور پھر اس میں یہ بھی یاد رکھنا، یہ جتنا حصہ اس کا ہے اس کے بقدر کرایہ دے گا۔ پورا کرایہ نہیں دے گا۔ مثلاً نصف نصف طے ہوا تھا کہ فصل کتنی ہو گی؟ نصف نصف طے ہو گی۔ تو یہ جو ایک مہینے کے زمین کا کرایہ دینا ہے، اب یہ ساری فصل کا نہیں دینا، کیونکہ اس میں سے آدھی فصل تو زمین والے کی ہے اور آدھی کس کی ہے؟ عامل کی ہے، تو عامل اپنی فصل کا کرایہ دے گا یعنی یوں کہو آدھی زمین کا کرایہ دے گا اس کو، پوری زمین کا کرایہ نہیں دے گا کیونکہ آدھی فصل تو زمین والے کی اپنی ہے بھئی۔ اور اگر حصے ثلث اور دو ثلث طے ہوئے تھے، مثلاً کام کرنے والے کو ایک تہائی ملے گا، ثلث ملے گا، اور جو زمین کا مالک ہے اس کو دو ثلث ملیں گے، تو کرایہ بھی اسی کے بقدر ہو گا۔ معلوم ہوا اب جو فصل کھڑی ہے زمین پر اس میں سے دو ثلث زمین والے کے ہیں اور ایک ثلث کس کا ہے؟ عامل کا ہے کام کرنے والے کا، تو وہ اب اس زمین کا جو تیسرا حصہ کرایہ بنتا ہے وہ دے گا کیونکہ تیسرے حصے میں اس کی فصل ہے اور دو حصوں میں تو زمین کے مالک کی اپنی فصل ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اب دیکھیے کتاب پر۔ تو کہتے ہیں فَإِنْ مَضَتِ الْمُدَّةُ اگر وہ مدت جو طے کی تھی وہ گزر گئی وَلَمْ يُدْرِكِ الزَّرْعُ اور فصل پکی نہیں ہے، تیار نہیں ہوئی۔ تو أَدْرَكَ يُدْرِكُ کا کیا معنی ہے؟ فصل کا پک جانا، فصل کا پختہ ہو جانا، تیار ہو جانا۔ تو فَإِنْ مَضَتِ الْمُدَّةُ پس اگر وہ طے شدہ مدت گزر گئی وَلَمْ يُدْرِكِ الزَّرْعُ اس حال میں کہ کھیتی تیار نہیں ہوئی، پختہ نہیں ہوئی فَعَلَى الْعَامِلِ أَجْرُ

نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فإن مضَتِ المدَّةُ ولم يدرِكِ الزَّرعُ» منقول ہے۔

مِثْلِ نَصِيبِهِ مِنَ الْأَرْضِ تو عامل پر یعنی کام کرنے والے پر أَجْرُ مِثْلِ نَصِيبِهِ جو اس کا حصہ ہے اس کے اجرِ مثل آئے گی، اس کے مثل اس پر، أَجْرُ مِثْلِ نَصِيبِهِ لفظوں پر توجہ کریں بھئی، أَجْرُ مِثْلِ نَصِيبِهِ ترجمہ آخر سے کروں گا، اس کا جو حصہ ہے اس کے برابر اجرت اس پر آئے گی، اس کا جو حصہ ہے اس کی اجرت آئے گی مِنَ الْأَرْضِ زمین میں۔ یعنی زمین میں جتنی زمین میں اس کی فصل لگی ہوئی ہے اتنی ہی اجرت اس پر آئے گی، اور زمین میں ساری تو اس کی فصل نہیں ہے، آدھی یا دو ثلث تو کس کے ہیں؟ زمین والے کے ہیں، تو بس جتنا یعنی حصے طے ہوئے اس حصے کے اعتبار سے دیکھیں گے کہ اس پر کتنا کرایہ بنتا ہے عامل پر، ساری کی ساری زمین کا کرایہ وہ نہیں دے گا۔ تو اس کا اجر اس کی اجرت اس پر آئے گی حَتّٰى يُدْرِكَ یہاں تک کہ وہ فصل پک جائے، وہ فصل پختہ ہو جائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ وہ چاہے بیس دن میں پختہ ہوتی ہے چاہے ایک مہینے میں پختہ ہوتی ہے اس کا کرایہ دینا پڑے گا۔

أَيْ أَجْرُ مِثْلِ مَا فِيهِ نَصِيبُهُ، دیکھو خود بتلا رہے ہیں: أَيْ أَجْرُ مِثْلِ وہ اجرِ مثل، أَجْرُ مِثْلِ مَا مَا سے مراد زمین ہے، اس زمین کی کا اجرِ مثل، اس زمین کے کا اجرِ مثل فِيهِ نَصِيبُهُ جس میں اس کا حصہ ہے۔ جتنی زمین میں اس عامل کا حصہ ہے، اور اس عامل کی ساری فصل ہے یا آدھی فصل ہے؟ ہاں، تو گویا آدھی زمین میں اس کا حصہ ہے تو آدھی زمین کا کرایہ دے گا۔ اور اگر یہ طے ہوا تھا کہ یہ عامل کو چوتھا حصہ ملے گا اور تین چوتھائی فصل کس کی ہوگی؟ مالک کی، تو اس وقت کتنی زمین میں اس کا حصہ ہے؟ چوتھے حصے میں ہے، تو اس پر صرف چوتھا حصہ کرایہ آئے گا بھئی۔ تو أَيْ أَجْرُ مِثْلِ مَا فِيهِ نَصِيبُهُ تو اس پر اجرِ مثل ہوگا مَا اس زمین کا فِيهِ نَصِيبُهُ جس میں اس کا حصہ ہے۔

وَنَفَقَةُ الزَّرْعِ عَلَيْهِمَا، جی، یہاں سے ایک اور ضابطہ بھی بتلا رہے ہیں کہ بھئی اب تک تو جو طے ہوا تھا ساری محنت، دیکھ بھال، خرچہ وغیرہ کس کے ذمے تھا؟ عامل کے ذمے تھا۔ عامل کے ذمے تھا۔ اب جو زائد مدت ہے اس میں جو خرچہ آئے گا وہ دونوں پر ان کے حصوں کے بقدر آئے گا۔ دونوں پر حصوں کے بقدر آئے گا، اور جو جو خرچہ ہوتا ہے، مثلاً پانی کا خرچہ ہے، کوئی دوائی وغیرہ اوپر سپرے کرنی ہے اس کا خرچہ ہے یا کوئی اور چیز ہے جس کا خرچہ کرنا ہے تو وہ سارا خرچہ جتنا جس کا فصل میں حصہ اس پر اتنا آئے گا اور دوسرے پر اس کے مطابق آئے گا۔ اگر فصل آدھی آدھی طے ہوئی ہے تو آدھا خرچہ ایک پہ آئے گا آدھا خرچہ دوسرے پر، اور اگر ایک کے لیے ثلث تھا دوسرے کے لیے دو ثلث تھے تو خرچہ بھی اس ثلث والے پر ثلث آئے گا اور دو ثلث والے پر دو ثلث کا خرچہ آئے گا۔

یہ معنی ہے وَنَفَقَةُ الزَّرْعِ عَلَيْهِمَا اور فصل کا خرچہ ان دونوں پر آئے گا بِالْحِصَصِ ان کے حصوں کے بقدر، مِثْلُ أُجْرَةِ السَّقْيِ جیسے کہ پانی پلانے کی اجرت ہے یعنی سیراب کرنے کی اجرت ہے وَغَيْرِهِ یا اس کے علاوہ مِنَ الْعَمَلِ عمل میں سے، اس کے علاوہ عمل میں سے، يَكُونُ عَلَيْهِمَا بِقَدْرِ الْحِصَّةِ وہ ان دونوں پر ہوگا ان کے حصوں کے بقدر۔ كَأَجْرِ الْحَصَادِ وَالرِّفَاعِ وَالدَّوْسِ وَالتَّذْرِيَةِ، جیسے کہ حصاد، حصاد کا معنی ہے کاٹنا، کھیتی کا کاٹنا، حا کے فتحہ کے ساتھ ہے، كَأَجْرِ الْحَصَادِ جیسے کہ کھیتی کاٹنے کی اجرت ہے، وَالرِّفَاعِ، رفاع کا معنی ہے اٹھانا، اٹھانا، وَالدَّوْسِ، دوس کا معنی ہے گاہنا، فصل کو گاہنا،

وَالتَّذْرِيَةِ، تذریہ کا معنی ہے اڑانا بھئی، فصل کو اڑانا۔

یہ کیا معنی؟ بھئی دیکھو بھئی۔ آج کل تو بڑا آسان ہے فصلوں کا بھئی فصل پک کر تیار ہوتی ہے اور مشینوں کی مدد سے اور مشینوں وغیرہ کی مدد سے ایک ہی دن میں ساری فصل کٹ بھی جاتی ہے، دانے بھی الگ ہو جاتے ہیں اور منڈی میں بھی پہنچ جاتی ہے۔ حالانکہ قدیم زمانے میں یہ کئی دن کا عمل ہوتا تھا اور بڑا مشکل، کیونکہ اس وقت دھوپ سخت ہوتی ہے تو دھوپ کے اندر کام کرنا اور کئی دن تک یہ سلسلہ چلتا تھا بھئی۔ سب سے پہلے کیا کیا جاتا تھا کہ فصل کو کاٹا جاتا تھا۔ اب کئی آدمی مل کر فصل کاٹتے بھئی، پورے کھیت ہے، چھوٹا کھیت ہو وہ تو آسان ہے لیکن بڑے کھیت ہیں پھر تو بہت تکلیف مشکل کام ہے، تو کئی آدمی مل کر کاٹتے اور وہ، وہ جو کاٹتے جا رہے ہیں فصل اس کے بنڈل بناتے جا رہے ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ وہ باندھتے جا رہے ہیں، رکھتے جا رہے ہیں۔ تو یہ ہوا حصاد بھئی، کھیتی کا کاٹنا، اور یہ بڑا مشکل اور محنت طلب کام ہے، بعض اوقات اور مزدوروں کو بلوایا جاتا ہے ان کے ذریعے ساری فصل کٹوائی جاتی ہے۔ پھر ان سارے جو بنڈل تیار ہو گئے، کھیتی باندھی ہوئی پڑی ہے جگہ جگہ پورے کھیت میں پھیلی ہوئی ہے، اس سارے کو اکٹھا کرتے ایک جگہ پر، اس کے لیے پھر کام کرنے والے چاہئیں بھئی۔ تو یہ ہے رفاع بھئی۔ پہلا کیا تھا کہ کھیتی کا کاٹنا، وہ تھا حصاد، اور یہ جو پھر ساری فصل کو اٹھا کر ایک جگہ اکٹھا کیا جاتا، اس کو کہتے ہیں رفاع بھئی، رفاع۔

اس کے بعد تیسرا مرحلہ آتا کہ کوئی سخت اور ہموار زمین کے ٹکڑے پر جہاں وہ فصل اکٹھی کی ہے، وہ اسی جگہ پر اکٹھی کرتے تھے جہاں ہموار اور سخت زمین ہوتی، اس زمین پر وہ اس فصل کے بنڈل کھول کھول کر پھیلا دیے جاتے اور پھر اس کے اوپر بیلوں کو چلاتے۔ بیلوں کو اس فصل کے اوپر چلاتے، چلاتے جا رہے ہیں، مسلسل چلا رہے ہیں بھئی، مسلسل چلاتے جا رہے ہیں۔ تو اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ جو فصل چونکہ خشک ہے تو اس کے اوپر جب بیلوں کو چلا رہے ہیں تو وہ بیلوں کے قدموں میں روندنے سے وہ دانے فصل سے نکلتے جا رہے ہیں، نکلتے جا رہے ہیں۔ تو وہ سارا دن ان کے اس کے اوپر چلاتے رہتے تھے بھئی اور مزید فصل ڈالتے جا رہے ہیں آہستہ آہستہ مزید۔ سارا دن جب وہ اپنے قدموں سے ان کو روندتے رہے تو اب فصل اور دانے الگ الگ ہو گئے۔ دانے فصل سے نکل آئے، لیکن سارے پڑے اکٹھے ہی ہیں، وہیں دانے ہیں وہیں بھوسہ ہے، سارا کچھ وہیں پڑا ہوا ہے، مکس پڑے ہیں۔ جب سارے یہ دانے علیحدہ ہو گئے تو یہ اس کو کہتے ہیں گاہنا، دوس بھئی، دوس، دوس کا معنی ہوتا ہے قدموں تلے کسی چیز کو روندنا۔ تو یہ جو گاہنا، یہ جو بیل کے قدموں تلے یہ ساری فصل کو روندا جاتا تھا، یہ ہے دوس بھئی دوس، اور اردو میں کیا کہتے ہیں؟ گاہنا، فصل کا گاہنا۔

اس کے بعد اگلا مرحلہ آتا تھا کہ وہ جو فصل اور دانے یعنی یوں کہو بھوسہ اور دانے اکٹھے پڑے ہیں، تو وہ بیلچہ نما چیزیں لے کر بیلچے جیسی، اس فصل کو بیلچے میں اٹھاتے اور ذرا سات آٹھ گز دور، سات آٹھ گز دور اس کو زور سے ہوا میں اچھال

دیتے۔ اب وہ ہوا چل رہی ہوتی تھی کچھ نہ کچھ، تو وہ جو بھوس ہوتا تھا وہ پیچھے ہی رہ جاتا اور دانے سخت ہوتے تھے وہ سات آٹھ گز دور جا کر گرتے تھے۔ اس طرح سارا آہستہ آہستہ لگے ہوئے ہیں کرتے جا رہے ہیں کرتے جا رہے ہیں یہاں تک کہ وہ سارے دانے سامنے ڈھیر لگ جائے گا اور جو بھوس ہے وہ درمیان میں ہی رہ جائے گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ پھر وہ مزید صفائی کی ضرورت ہوئی تو دوبارہ بھی اس کو اسی طرح کرتے تھے، تو اس طرح پھر وہ دانے علیحدہ ہو جاتے تھے اور بھوس علیحدہ ہو جاتا تھا۔ اس کو کہتے تھے تذریہ، تذریہ، یہ ہوا میں جو اڑا رہے ہیں اس کو پھینک رہے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں یہ سارے ان دونوں پر ہوں گے، كَأَجْرِ الْحَصَادِ جیسے کہ، بھئی دیکھو بات انہوں نے کیا کی کہ جب زائد مدت لگے تو زائد مدت میں خرچہ دونوں پر آئے گا، صرف عامل پر نہیں آئے گا۔ پہلے تو صرف عامل پہ تھا لیکن اب جو زائد مدت لگ رہی ہے اس میں خرچہ دونوں پر آئے گا، جیسے کہ کھیتی کے کاٹنے کی اجرت ہے، اٹھانے کی اجرت ہے، گاہنے کی اجرت ہے اور اس کو ہوا میں اڑانے کی اجرت ہے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟

سوال: کہ بھئی یہ تو اس کام کرنے والے پر اجر آنا چاہیے، آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ گاہنا وغیرہ دانے علیحدہ کرنا یہ اجرت بھی کس پر آئے گی؟ دونوں پر آئے گی؟ تو یاد رکھنا بھئی چاہے کھیتی وقت کے اندر تیار ہو چاہے وقت کے بعد تیار ہو، یہ جو عقدِ مزارعت کیا جاتا ہے جب کھیتی پک جاتی ہے تو عقد ختم ہو جاتا ہے۔ کھیتی

جب پک جاتی ہے تیار ہو جاتی ہے تو عمل ختم ہوا، اب اس کے بعد یہ جو کھیتی کا کاٹنا ہے، گاہنا ہے اور وغیرہ جو جو عمل ہے وہ چاہے ابھی مدت باقی ہی کیوں نہ ہو، یہ دونوں پر آئے گا بھئی۔ کیونکہ عقد کہاں تک مکمل ہو گیا؟ کھیتی کے پکنے تک۔ تو یہ اس کے اوپر زائد عمل ہے۔ لہٰذا یہ دونوں پر آئے گا چاہے مدت کے اندر تیار ہو فصل چاہے مدت کے بعد تیار ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا، لیکن یہ بھی یاد رکھو، آگے آپ کو بتلائیں گے کہ اس عمل میں دونوں شریک ہوں گے، یہ کھیتی کاٹنے میں، اٹھانے میں، گاہنے میں اور اس کے دانے الگ کرنے میں، اس میں دونوں شریک ہوں گے۔ اگر اس کی شرط، عقد کرتے ہوئے شرط لگا دی یہ سارا عامل کو کرنا پڑے گا، سارے کام تم نے کرنے ہیں بھئی آخر تک، کہتے ہیں اس صورت میں یہ عقدِ مزارعت فاسد ہو جائے گا۔ لیکن امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فاسد نہیں ہو گا۔ اگر شرط لگا دی اور لوگ ایسا کرتے ہیں تو پھر شرط کے مطابق عامل ہی کو سارا کچھ کرنا پڑے گا۔ اور آگے یہ بھی آپ کو بتلائیں گے کہ امام سرخسی بھی فرماتے ہیں کہ ہمارے علاقے میں بھی یہی رواج ہے، تعامل ہے، اور تعامل میں نے بتلایا تھا شرعی دلیلوں میں سے ہے۔ کہ تعامل کی وجہ سے بہت سے ایسے مسائل جو جائز نہیں ہوتے تعامل کی وجہ سے ان کو جائز قرار دیا جاتا ہے لوگوں کی سہولت اور آسانی کے

لیے، لوگوں کی سہولت اور آسانی کے لیے۔ تو امام سرخسی فرماتے ہیں کہ ہمارے علاقے میں بھی یہ شرطیں کس پر لگائی جاتی ہیں؟ عامل پر کہ وہ یہ سارے کام کرے گا۔ اور لوگوں کا اس پر تعامل ہے، لہٰذا یہ جائز ہے بھئی۔ اور ہمارے علاقوں میں بھی عموماً اسی طرح ہوتا ہے کہ یہ کھیتی کاٹنا وغیرہ سارا کس کے ذمے ہوتا ہے؟ عامل کے ذمے ہوتا ہے۔ تو اگر تعامل ہے تو یہ عامل ہی کے ذمے ہو گا اور اس سے عقد فاسد بھی نہیں ہو گا، لیکن اگر تعامل نہیں ہے پھر، پھر اس کی شرط لگانے سے عقد کیا ہو جائے گا؟ فاسد ہو جائے گا۔

اب دیکھیے کتاب پر۔ کہتے ہیں كَأَجْرِ الْحَصَادِ جیسے کہ کھیتی کاٹنے کی اجرت ہے، وَالرِّفَاعِ اور اس کے اٹھانے کی اجرت ہے، وَالدَّوْسِ اور گاہنے کی اجرت ہے، وَالتَّذْرِيَةِ اور ہوا میں اڑانے کی یا یوں کہو دانوں کو الگ کرنے کی جو اجرت ہے، فَإِنَّهُ عَلَيْهِمَا بِقَدْرِ حِصَّةِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا کیونکہ یہ جو ہے ان دونوں پر آئے گی بِقَدْرِ حِصَّةِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ان دونوں میں سے ہر ایک کا جو حصہ ہے اس کے بقدر۔ اگر آدھا آدھا حصہ ہے تو آدھا خرچہ ایک پر آدھا خرچہ دوسرے پر، اور اگر ثلث اور دو ثلث کی تقسیم کرنی ہے تو ثلث والے پر ثلث خرچہ اور دو ثلث والے پر دو ثلث خرچہ آئے گا۔[۳]

فَإِنْ شُرِطَ عَلَى الْعَامِلِ پس اگر یہ عامل پر شرط لگائی گئی فَسَدَتْ تو عقد کیا ہو جائے گا؟ فاسد ہو جائے گا۔ یہ جو مذکورہ چیزیں ہیں بھئی، مذکورہ چیزوں کی شرط کس پر لگائی گئی؟ عامل پر لگائی گئی، جیسے حصاد، رفاع، دوس، تذریہ وغیرہ، ان کی شرط اگر عامل پر لگائی گئی کہ یہ کام بھی اس کو کرنا پڑیں گے تو فَسَدَتْ تو عقد فاسد ہو جائے گا، لِأَنَّهُ شَرْطٌ مُخَالِفٌ لِمُقْتَضَى الْعَقْدِ کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جو مقتضائے عقد کے مخالف ہے، مقتضائے عقد کے، بھئی عقد کے مخالف کیوں ہے؟ کہتے ہیں فَإِنَّ الزَّرْعَ إِذَا أُدْرِكَ، نہیں بھئی أُدْرِكَ نہیں أَدْرَكَ، فَإِنَّ الزَّرْعَ إِذَا أَدْرَكَ اس لیے کیونکہ فصل جب پک گئی اِنْتَهَى الْعَقْدُ تو عقد کیا ہو گیا؟ انتہا کو پہنچ گیا، عقد ختم ہو گیا۔ توجہ ہے؟ بتلا رہے ہیں بھئی کہ یہ جو شرط لگا دی نا کہ یہ کاٹنے وغیرہ کی اجرت کس پر ہے؟ عامل پر، یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے۔ اس لیے کیونکہ جب کھیتی پک گئی تو عقد کیا ہوا؟ ہاں، عقد ختم ہو گیا، پورا ہو گیا۔ اب اس عقد کے پورا ہو جانے کے بعد کے کاموں کی شرط آپ کس پر لگا رہے ہیں؟ عامل پر، یہ تو مقتضائے عقد کے خلاف ہے، عقد تو یہ تقاضا کرتا ہے عقد کے دوران کوئی کام آئے وہ تو ٹھیک ہے آپ لگا سکتے ہیں شرط، لیکن عقد کے مکمل ہونے کے بعد کی چیزوں کی شرط تو کسی پر نہیں لگا سکتے، تو یہ شرط ایسی ہوئی یہ مقتضائے عقد کے خلاف ہے، عقد اس کا تقاضا نہیں کرتا، عقد تو تقاضا کرتا ہے جب عقد ختم ہو گیا اب بعد کی چیزوں کو اس میں داخل نہیں کیا جا سکتا۔

یہ معنی ہے فَإِنَّ الزَّرْعَ إِذَا أَدْرَكَ اس لیے کیونکہ کھیتی جب وہ پک گئی اِنْتَهَى الْعَقْدُ تو عقد مکمل ہوا۔ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ

[۳] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۷۷): صوتی درس کی قراءت میں «فَإِنَّهُ عَلَيْهِمَا بِقَدْرِ حِصَّةِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فإنَّه يكون عليهما بقدْرِ حصَّةِ كُلِّ واحدٍ منهما.» منقول ہے۔

رَحِمَهُ اللهُ أَنَّهُ يَصِحُّ، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ سے یہ روایت ہے کہ أَنَّهُ يَصِحُّ کہ یہ صحیح ہے، أَیْ يَصِحُّ الشَّرْطُ یہ شرط صحیح ہے بھئی۔ دیکھو أَنَّهُ يَصِحُّ کہ یہ صحیح ہے بھئی، کیا چیز صحیح ہے؟ شارح نے بتلا دیا أَیْ يَصِحُّ الشَّرْطُ شرط صحیح، تو يَصِحُّ کے اندر جو ہُوَ ضمیر ہے وہ شرط کو راجع ہے، ایسی شرط لگانا صحیح ہے، وَلَزِمَهُ اور یہ اس پر لازم ہوگی لِلتَّعَامُلِ کس کی وجہ سے؟ تعامل کی وجہ سے کہ لوگ باہم اس طرح معاملہ کرتے ہیں۔

قَالَ الْإِمَامُ السَّرَخْسِيُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى هُوَ الْأَصَحُّ فِي دِيَارِنَا امام سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں هُوَ الْأَصَحُّ یہی زیادہ صحیح قول ہے فِي دِيَارِنَا، یہی زیادہ صحیح ہے فِي دِيَارِنَا ہمارے علاقوں میں۔ ہمارے علاقوں میں اسی طرح رائج ہے، لوگ کھیتی کے کاٹنے وغیرہ کی سارا یہ کس کے ذمے ہوتا ہے؟ عامل کے ذمے، تعامل ہے، تو لہٰذا یہ جائز ہے۔ تو کہتے ہیں هُوَ الْأَصَحُّ یہی قول زیادہ صحیح ہے فِي دِيَارِنَا ہمارے علاقوں میں لِوُقُوعِ التَّعَامُلِ تعامل کے واقع ہونے کی وجہ سے کہ لوگ ایسا کرتے ہیں یہاں پر۔

فَالْحَاصِلُ جی اب حاصل بتلانے لگے ہیں، مزارعت کے باب کا حاصل یعنی خلاصہ، خلاصہ بتلانے لگے ہیں۔ کہتے ہیں فَالْحَاصِلُ تو حاصل یہ، خلاصہ یہ کہ أَنَّ كُلَّ عَمَلٍ قَبْلَ الْإِدْرَاكِ فَهُوَ عَلَى الْعَامِلِ کہ ہر وہ عمل جو فصل پکنے سے پہلے ہو فَهُوَ عَلَى الْعَامِلِ تو وہ عامل پر ہوگا، وَمَا بَعْدَهُ فَعَلَيْهِمَا بِالْحِصَصِ اور فصل پکنے کے بعد جو ہے وہ فَعَلَيْهِمَا بِالْحِصَصِ وہ ان دونوں پر ہو گا ان کے حصوں کے بقدر، وَاللهُ أَعْلَمُ اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حاصلِ کلام کیا ہوا؟ عقد کب ختم ہوتا ہے عقدِ مزارعت؟ جب کھیتی پک جائے، پختہ ہو جائے۔ تو کھیتی کے پختہ ہونے سے پہلے جو بھی عمل ہے وہ کس کے ذمے ہوگا؟ عامل کے ذمے، اور کھیتی کے پکنے کے بعد جو بھی عمل ہوگا وہ ان دونوں پر جن میں عقدِ مزارعت ہوا ہے ان دونوں میں ان کے حصوں کے بقدر ان دونوں پر آئے گا۔

آگے دیکھیے بھئی۔ كِتَابُ الْمُسَاقَاةِ۔ هِيَ دَفْعُ الشَّجَرِ إِلٰى مَنْ يُصْلِحُهُ بِجُزْءٍ مِنْ ثَمَرِهِ، وَهِيَ كَالْمُزَارَعَةِ حُكْمًا وَخِلَافًا وَشُرُوطًا۔ آگے مساقات کا باب آگیا بھئی۔ مساقات بھئی باغ دینا کسی کو بھئی۔ مساقات اور مزارعت بالکل ایک ہی چیز ہیں، فرق صرف اتنا کہ مزارعت میں فصل کے بارے میں عقد ہوتا ہے۔ کس کے بارے میں؟ فصل۔ اور مساقات میں باغ پر یہی عقد ہوتا ہے۔ مثلاً آپ کا ایک باغ ہے اور اس میں سینکڑوں درخت لگے ہوئے ہیں، اب آپ کسی شخص سے عقد کرتے ہیں کہ بھئی اس باغ کا آپ نے خیال رکھنا ہے، حفاظت کرنی ہے، زائد شاخیں وغیرہ درختوں کی جو ہوں ان کی صفائی کرنی ہے، ان کو کاٹنا ہے اور دیکھ بھال کرنی ہے، درختوں کو پانی لگانا ہے اور جو اس سے پھل حاصل ہوگا وہ ہم دونوں آدھا آدھا کریں گے۔ تو اس کو کہتے ہیں مساقات۔ کیا کہتے ہیں؟ مساقات۔ مساقات سَقْیٌ سے ہے، سَقْیٌ، اور سَقٰی کسے کہتے ہیں؟ سیراب کرنا، پانی پلانا۔ تو اس میں بھی کیا ہے؟ وہ صرف پانی پلاتا ہے۔ مزارعت میں تو وہ فصل بھی کاشت کرتا تھا نا، فصل بھی کاشت کرنا پڑتی تھی، تو یہاں پر صرف وہ کیا کرتا ہے؟ حفاظت کرتا ہے، زائد شاخوں کو کاٹتا ہے اور

پانی اس کو درختوں کو پانی لگاتا ہے، تو اس لیے اس کو مساقات کہتے ہیں۔ یہ مزارعت سے بایں لحاظ الگ ہے کہ وہ فصل کے بارے میں ہے اور یہ باغ کے بارے میں۔ وہاں باقاعدہ بیج لگانے پڑتے ہیں پھر فصل اگتی ہے، یہاں بیج لگانے کی کوئی ضرورت نہیں، درخت پہلے سے ہی تیار کھڑے ہیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو کِتَابُ الْمُسَاقَاةِ۔ ہِیَ دَفْعُ الشَّجَرِ إِلٰی مَنْ یُصْلِحُہٗ یہ حوالے کرنا ہے درختوں کو إِلٰی مَنْ اس شخص کے یُصْلِحُہٗ جو ان کی دیکھ بھال کرے، جو ان کی اصلاح کرے، کَجُزْءٍ مِنْ ثَمَرِہٖ یہ کَجُزْءٍ بھئی یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، بِجُزْءٍ مِنْ ثَمَرِہٖ۔ یہاں کاف کے بجائے با ہونی چاہیے۔ بِجُزْءٍ مِنْ ثَمَرِہٖ پھلوں کے کچھ حصے کے بدلے، پھلوں کے کچھ حصے کے بدلے ہوتا ہے یہ عقد کہ جو پھل تیار ہو گا آدھا آپ کا ہو گا آدھا میرا، یا ایک ثلث آپ کا ہو گا دو ثلث میرے، یا ربع آپ کا ہو گا تین ربع میرے۔ تو یہ پھلوں کے کچھ حصے پر ہوتا ہے، تو کاف کے بجائے یہاں کیا ہونا چاہیے؟ یہاں با ہونی چاہیے بھئی۔ تعریف سمجھ میں آگئی بھئی؟ ہِیَ دَفْعُ الشَّجَرِ إِلٰی مَنْ یُصْلِحُہٗ بِجُزْءٍ مِنْ ثَمَرِہٖ یہ درخت کو حوالے کرنا ہے اس شخص کے جو اس کی اصلاح کرے یعنی دیکھ بھال کرے، خیال رکھے بِجُزْءٍ مِنْ ثَمَرِہٖ اس کے پھل کے کچھ حصے کے بدلے۔

وَہِیَ کَالْمُزَارَعَۃِ اور یہ مساقات کس کی طرح ہے؟ مزارعت کی طرح ہے حُکْمًا حکم کے اعتبار سے بھی، وَخِلَافًا اور اختلاف کے اعتبار سے بھی، وَشُرُوطًا اور شرطوں کے اعتبار سے بھی۔ کیا بتلایا؟ کہ مساقات کس کی طرح ہے؟ مزارعت کی طرح۔ کس اعتبار سے؟ حکم کے اعتبار سے۔ کس کے اعتبار سے؟ جیسے مزارعت میں فتویٰ اس کے صحیح ہونے پر ہے اسی طرح مساقات میں بھی فتویٰ اس کے صحیح، تو دونوں کا حکم ایک ہے: مزارعت جائز تو مساقات بھی جائز۔ اور نیز اختلاف بھی اس میں اسی کی طرح ہے، جیسے وہاں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ مزارعت جائز نہیں اسی طرح وہ فرماتے ہیں مساقات بھی جائز نہیں، اور جیسے وہاں پر صاحبین فرماتے تھے کہ مزارعت جائز ہے یہاں پر بھی صاحبین کیا فرماتے ہیں کہ مساقات جائز ہے۔ وَشُرُوطًا اور شرطوں کے اعتبار سے بھی مساقات مزارعت کی طرح ہے۔ جیسے اس کی جو شرطیں تھیں وہی ساری شرطیں یہاں پر بھی ہوں گی، بشرطیکہ یہاں ممکن ہوں۔ بشرطیکہ یہاں ممکن ہوں۔ اگر ممکن ہی نہیں ہے تو الگ بات ہے بھئی۔ مثلاً بیج کی، وہاں بیج کی بھی شرط تھی کہ بیج کون لگائے گا، بھئی یہاں تو بیج کی شرط لگ ہی نہیں سکتی، تو جو شرطیں ممکن ہیں وہ اسی طرح ہوں گی، جو ممکن نہیں وہ نہیں بھئی۔

دیکھیے بھئی کتاب پر۔ اب یہی تفصیل بیان کرنے لگے ہیں جو میں نے بیان کی۔ میں نے کیا بتایا؟ حکم سے کیا مراد ہے؟ جو فتویٰ ہے اس کے جواز پر۔ اور خلاف سے کیا مراد ہے؟ صاحبین اور امام صاحب کا اختلاف۔ اور شرطوں سے کیا مراد ہے؟ جو یہاں پر ممکن ہیں وہ سب۔ تو اسی کی تفصیل اب کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں فَإِنَّ حُکْمَ الْمُسَاقَاةِ حُکْمُ الْمُزَارَعَۃِ کہ مساقات کا حکم مزارعت کے حکم کی طرح ہے فِی أَنَّ الْفَتْوٰی عَلٰی صِحَّتِہَا اس بات میں کہ فتویٰ جو ہے اس کے صحیح

ہونے پر ہے۔ وَفِی أَنَّہَا اور اس بات میں، انہوں نے کہا نا مساقات کس کی طرح ہے؟ مزارعت کی طرح۔ وہ تین چیزیں ذکر کی تھیں: حُکمًا وَخِلَافًا وَشُرُوطًا، اسی کی تفصیل اب بیان کر رہے ہیں۔ حکم بتلا دیا کہ دونوں کا حکم ایک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فتویٰ اس کے صحیح ہونے پر ہے۔ اور اختلاف سے کیا مراد ہے؟ وہ بتلانے لگے ہیں: وَفِی أَنَّہَا بَاطِلَۃٌ عِنْدَ أَبِی حَنِیفَۃَ رَحِمَہُ اللہُ خِلَافًا لَہُمَا کہ یہ مساقات باطل ہے امام صاحب کے نزدیک بخلاف صاحبین کے کہ ان کے نزدیک باطل نہیں۔

وَفِی أَنَّ شُرُوطَہَا کَشُرُوطِہَا اور اس بات میں کہ اس کی شرطیں جو ہیں مساقات کی کَشُرُوطِہَا وہ مزارعت کی شرطوں کی طرح ہیں فِی کُلِّ شَرْطٍ یُمْکِنُ وُجُودُہَا فِی الْمُسَاقَاۃِ ہر اس شرط میں جس کا وجود ممکن ہو، جس کا ہونا ممکن ہو فِی الْمُسَاقَاۃِ کس میں؟ مساقات میں، تو اس کا حکم اسی کی طرح ہو گا۔ کَأَہْلِیَّۃِ الْعَاقِدَیْنِ جیسے عقد کرنے والوں کا اہل ہونا، ان کا اہل ہونا یعنی عاقل ہونا، وَبَیَانِ نَصِیبِ الْعَامِلِ اور جیسے کہ عامل کا حصہ بیان کرنا، مزارعت میں بھی کیا تھا؟ عامل کا حصہ بیان کیا جاتا تھا، وَالتَّخْلِیَۃِ بَیْنَ الْأَشْجَارِ وَبَیْنَ الْعَامِلِ اور نیز خلوت کرنا یعنی خالی چھوڑ دینا درختوں کو اور عامل کو، عامل کو اور درختوں کو خالی چھوڑ دینا کہ وہ اس میں عمل کر سکے، وَالشَّرِکَۃِ فِی الْخَارِجِ اور جیسے کہ پیداوار میں شرکت، جیسے وہاں فصل میں شرکت ہوتی تھی یہاں پیداوار یعنی پھلوں میں شرکت ہو گی۔ فَأَمَّا بَیَانُ الْبَذْرِ وَنَحْوُہُ باقی بیج کو بیان کرنا یا اس جیسی اور کوئی شرط ہے فَلَا یُمْکِنُ فِی الْمُسَاقَاۃِ وہ تو مساقات میں ممکن ہی نہیں کیونکہ یہاں تو درخت تیار کھڑے ہیں۔

وَعِنْدَ الشَّافِعِیِّ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی الْمُسَاقَاۃُ جَائِزَۃٌ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مساقات جائز ہے، وَالْمُزَارَعَۃُ إِنَّمَا تَجُوزُ، جی۔ بھئی یاد رکھیے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً وہ فرماتے ہیں کہ مزارعت جائز نہیں، مزارعت جائز نہیں۔ مساقات جائز ہے، مساقات جائز ہے۔ ہاں اسی مساقات کے ضمن میں مزارعت بھی جائز ہے۔ وہ کیا فرماتے ہیں؟ مزارعت جائز نہیں، لہٰذا آپ اپنی زمین دے کر کسی سے کام کروائیں اور پھر طے کریں کہ فصل آدھی آدھی ہو گی، امام شافعی رحمہ اللہ

فرماتے ہیں یہ جائز نہیں، یہ عقد جائز نہیں، اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہاں، آپ اپنا باغ کسی کو دیتے ہیں، سینکڑوں درخت ہیں، لیکن درختوں کے درمیان جو فاصلہ ہے اس زمین پر ساتھ ہی فصل کاشت کرنے کا معاہدہ بھی کر لیتے ہیں کہ بیچ میں تم نے فصل بھی کاشت کرنی ہے، تو یہاں اصل معاہدہ کس کے بارے میں ہو رہا ہے؟ کس کے بارے میں ہو رہا ہے؟ مساقات۔ وہ باغ کے بارے میں ہو رہا ہے، لیکن ضمناً جو خالی جگہ ہے بیچ میں درختوں کے وہاں مزارعت کا بھی عقد کر لیا جائے تو پھر اس کی گنجائش ہے۔ اب یہ مزارعت کا عقد مستقل نہیں ہے بلکہ تابع ہے کس کے؟ مساقات کے۔ اگر مستقل ہوتا پھر جائز نہیں تھا، گنجائش نہیں تھی، لیکن مساقات کے ضمن میں اس کے تابع رکھتے ہوئے اس کی گنجائش ہے اور جائز ہے۔

اور وہ دلیل دیتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ دراصل یہاں پر اصل عقد جو ہے وہ ہے مضاربت، اس کے ساتھ مشابہت ہم دیکھیں گے۔ مضاربت بالاتفاق تمام فقہاء کے جائز ہے۔ مضاربت کسے کہتے ہیں؟ مال ایک کا ہوتا ہے، محنت دوسرے کی

ہوتی ہے کاروبار میں، اور پھر جو نفع حاصل ہوتا ہے اس کو حصوں کے بقدر تقسیم کرتے ہیں، آدھا آدھا طے کیا یا ثلث اور دو ثلث طے کیا، جتنا بھی طے کر لیں، اس کو کہتے ہیں مضاربت۔ اور مضاربت جائز ہے بالاتفاق تمام فقہاء کے نزدیک۔ تو یہاں پر ہم نے دیکھا کہ مزارعت جو ہے اس کی، توجہ ہے؟ امام شافعی رحمہ اللہ کس کو جائز قرار دیتے ہیں؟ مساقات۔ اور مزارعت کو جائز قرار نہیں دیتے۔ وہ فرماتے ہیں دیکھو اصل مشابہت دیکھیں گے مضاربت کے ساتھ۔ جس کی مشابہت مضاربت کے ساتھ ہے وہ جائز، اور جس کی مشابہت مضاربت کے ساتھ نہیں وہ جائز بھی نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مساقات کی مشابہت مضاربت کے ساتھ زیادہ ہے اور مزارعت کی مشابہت زیادہ نہیں۔ کس طرح؟ اس بات کو سمجھ لو۔

کہتے ہیں دیکھو مضاربت میں پیسے ایک کے ہوتے ہیں، محنت دوسرے کی ہوتی ہے، کس میں؟ مضاربت۔ پیسے، مال ایک کا ہوتا ہے، محنت دوسرے کی ہوتی ہے اور جو نفع حاصل ہو وہ آپس میں تقسیم کرتے ہیں۔ اصل مال کو تقسیم کرتے ہیں آپس میں؟ نہیں، اصل کو نہیں کرتے، صرف شرکت کس میں ہوتی ہے؟ نفع کے اندر بس۔ اور بعینہٖ اسی طرح مساقات میں بھی ہے۔ باغ یعنی درخت سارے زمین، درخت ایک کے ہیں، اور شرکت صرف کس کے اندر ہے؟ نفع یعنی پھلوں کے اندر شرکت ہے۔ درختوں میں کوئی شرکت ہو گی، کچھ درخت عامل کے ہو جائیں گے؟ نہیں، درختوں میں کوئی شرکت نہیں ہے بلکہ شرکت کس میں ہے؟ صرف پھلوں میں، یعنی نفع کے اندر شرکت ہے۔ تو یہ بالکل مضاربت کی طرح ہوا۔ مضاربت میں مال ایک کا تھا، محنت دوسرے کی تھی اور نفع دونوں کے درمیان اس میں شرکت تھی، تو مساقات میں بھی اسی طرح ہے: زمین اور درخت ایک کے ہیں، محنت دوسرے کی ہے اور نفع میں دونوں شریک ہیں۔

جبکہ مزارعت میں ایسا نہیں ہے۔ مزارعت میں مثلاً میں نے آپ کو اپنی زمین دی کہ اس زمین میں بیج لگاؤ، بیج آپ کا ہو گا، یا بیج میرا ہو یا آپ کا ہو جس کا بھی ہو، بیج لگانا ہے، آپ نے محنت کرنی ہے، فصل تیار کرنی ہے اور فصل آدھی آدھی ہو گی۔ لیکن شرط یہ ہے پہلے میں اپنے بیج علیحدہ کروں گا، دس بوری بیج لگ رہے ہیں اس کھیت میں تو میں دس بوری علیحدہ کروں گا، باقی میں پھر ہم دونوں شریک ہوں گے۔ اب مجھے بتائیے اگر بیجوں کے اٹھانے کی شرط لگا دی تو عقدِ مزارعت کیا ہو جاتا تھا؟ فاسد ہو جاتا تھا، آپ نے پڑھا تھا، کیونکہ ہو سکتا ہے کھیت سے حاصل ہی دس بوری ہو کوئی آفت آجائے اور اس دس بوری میں تو شرکت ختم کر دی آپ نے۔ تو اب معلوم ہوا مزارعت میں ساری فصل میں شرکت کرنا پڑے گی۔ جب ساری فصل میں شرکت کریں گے تو اصل کے اندر بھی شرکت آگئی یا نہیں، وہ جو دس بوری ہے بیج میں؟ جی، شرکت صرف نفع میں ہے یا اصل سمیت سارے میں شرکت ہے؟ بھئی کھیت سے سو بوری حاصل ہوئے تو دس بوری تو میرا اصل ہے نا، میں نے لگائے ہیں کہ نہیں لگائے اس میں؟ وہ تو میں نے لگائے ہیں، تو لیکن جب فصل حاصل ہوتی ہے تو فقہاء فرماتے ہیں ساری فصل میں شریک ہونا پڑے گا، وہ دس بوری علیحدہ نہیں کر سکتے۔ تو اب مجھے بتاؤ شرکت صرف نفع میں آئی یا اصل بھی ساتھ ہی شامل ہے، اصل میں بھی شرکت آگئی؟ اصل میں بھی شرکت آگئی۔ حالانکہ مضاربت جس کے ساتھ مشابہت

ہم دیکھ رہے ہیں، مضاربت میں تو صرف نفع کے اندر شرکت ہوتی ہے، اصل کے اندر یعنی رأس المال کے اندر شرکت نہیں ہوتی۔ جبکہ مزارعت میں نفع کے ساتھ ساتھ اصل میں بھی شرکت لازمی ہوتی ہے، اور اگر آپ اصل کو استثنا کر دیں کہ اصل میں شرکت نہیں ہے میں دس بوری علیحدہ پہلے نکالوں گا تو اس صورت میں تو عقد ہی کیا ہو جاتا ہے؟ فاسد۔ تو وہاں صرف نفع میں شرکت نہیں بلکہ اصل میں بھی شرکت ضروری ہے، تو لہٰذا کس کی مشابہت ہوئی؟ مساقات کی زیادہ مشابہت ہے مضاربت کے ساتھ یا مزارعت کی زیادہ مشابہت ہے مضاربت کے ساتھ؟ مساقات کی۔ تو اس لیے وہ فرماتے ہیں کہ مزارعت کی مشابہت نہیں لہٰذا وہ جائز بھی نہیں، اور مساقات کی مشابہت پوری ہے لہٰذا وہ جائز بھی ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ ہاں، اسی مساقات کے ضمن میں اگر آپ مزارعت بھی کرنا چاہتے ہیں درختوں کے بیچ فصل بھی لگانا چاہتے ہیں تو اس کی بھی گنجائش ہے وہ بھی جائز ہو گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

تو دیکھیے کتاب پر۔ کہتے ہیں وَعِنْدَ الشَّافِعِیِّ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی الْمُسَاقَاۃُ جَائِزَۃٌ کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں الْمُسَاقَاۃُ جَائِزَۃٌ مساقات جائز ہے، وَالْمُزَارَعَۃُ إِنَّمَا تَجُوزُ فِی ضِمْنِ الْمُسَاقَاۃِ اور مزارعت وہ تو مساقات کے ضمن میں ہی جائز ہے یعنی ویسے جائز نہیں، لِأَنَّ الْأَصْلَ ہُوَ الْمُضَارَبَۃُ کیونکہ اصل کیا ہے اس باب کے اندر؟ مضاربت ہے، اس کے ساتھ مشابہت دیکھیں گے۔ لِأَنَّ الْأَصْلَ ہُوَ الْمُضَارَبَۃُ کیونکہ یہاں اصل جو ہے وہ مضاربت ہے، وَالْمُسَاقَاۃُ أَشْبَہُ بِہَا اور مساقات اس کے زیادہ مشابہ ہے، لِأَنَّ الشَّرِکَۃَ فِی الرِّبْحِ فَقَطْ اس لیے کیونکہ یہاں شرکت صرف کس میں ہوتی ہے؟ نفع میں، وَفِی الْمُزَارَعَۃِ لَا تَجُوزُ الشَّرِکَۃُ فِی مُجَرَّدِ الرِّبْحِ اور مزارعت کے اندر تو صرف نفع کے اندر شرکت جائز نہیں ہے، نفع کے اندر تو شرکت جائز نہیں ہے۔ بھئی نفع کیا؟ کہتے ہیں وَہُوَ مَا زَادَ عَلَی الْبَذْرِ وہ جو بیج پر زائد ہے، وہ جو بیج پر زائد ہے صرف اس میں شرکت جائز نہیں، ساری میں شرکت کرنا پڑے گی۔ آپ کہتے ہیں جی دس بوری تو میرا بیج ہے، دس میں شرکت نہیں باقی میں صرف نفع میں ہم کیا ہو جاتے ہیں شریک، تو آپ نے پڑھا تھا کہ اس صورت میں یہ عقد صحیح نہیں۔ عبارت بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں؟ تو کہتے ہیں وَفِی الْمُزَارَعَۃِ لَا تَجُوزُ الشَّرِکَۃُ فِی مُجَرَّدِ الرِّبْحِ مزارعت کے اندر صرف نفع کے اندر شرکت جائز نہیں ہے، صرف نفع کیا ہے؟ کہتے ہیں وَہُوَ مَا زَادَ عَلَی الْبَذْرِ وہ جو بیج پر زائد ہے، سو بوری حاصل ہوئی تو اس میں نفع کیا ہے؟ دس بوری تو بیج کے ہیں تو نوے بوری یعنی نفع ہے، لیکن صرف اس نوے میں شرکت جائز نہیں بلکہ سارے میں شرکت ضروری ہے۔

إِلَّا الْمُدَّۃَ، سوائے مدت کے۔ بھئی بتلا یہ رہے ہیں کہ مساقات مزارعت کی طرح ہے حکم کے اعتبار سے بھی، متن کو متن سے ملاؤ، حکم کے اعتبار سے بھی، اختلاف کے اعتبار سے بھی اور شرطوں کے اعتبار سے بھی، اور شرطوں میں تو ایک شرط مدت کی بھی تھی مزارعت میں، مدت کا متعین کرنا بھی ضروری تھا، تو اس کا استثنا کر دیا کہ باقی شرطوں کے اعتبار سے تو مساقات مزارعت کی طرح ہے إِلَّا الْمُدَّۃَ سوائے کس کے؟ مدت کے۔ مدت کی شرط یہاں نہیں ہے بھئی، مدت کی شرط

یہاں نہیں، فَإِنَّهَا تَصِحُّ بِلَا ذِكْرِهَا مساقات صحیح ہو جاتی ہے بغیر مدت ذکر کیے۔ مزارعت میں مدت کا ذکر ضروری تھا لیکن مساقات مدت ذکر کیے بغیر بھی صحیح ہو جاتی ہے۔

وجہ اس کی یہ، وجہ اس کی یہ آگے آپ کو بتلائیں گے۔ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ فصلوں کے پکنے کا وقت مختلف ہوتا ہے، فصلوں کے پکنے کا وقت مختلف ہوتا ہے، اور پھر ایک کھیت والا اگر بیس دن پہلے فصل کاشت کرتا ہے تو اس کی فصل بھی بیس دن پہلے تیار ہو جائے گی، اور آپ ایک مہینہ لیٹ کرتے ہیں، کچھ دنوں کا فرق ہوتا ہے یا نہیں ہوتا بھئی، کہ ایک ہی دن سارے فصل کاشت کرتے ہیں؟ نہیں، کچھ نہ کچھ فرق ہوتا ہے دس پندرہ دن، بیس دن کا، تو جب فصل جلدی لگائی جائے تو تیار بھی جلدی ہو جاتی ہے، فصل مہینہ لیٹ لگائی ہے لیکن ابھی وقت ہے، وقت ہوتا ہے نا فصل لگانے کا، اس وقت سے لیٹ ہو جائے پھر تو نہیں ہو سکتا، لیکن وقت کے اندر اندر تاخیر کچھ ہو جائے تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا، تو اگر فصل جلدی لگاؤ گے تو فصل جلدی تیار ہو جائے گی اور اگر ذرا دیر سے لگاؤ گے اسی مدت کے اندر اندر تو دیر سے تیار ہو گی، تو لہٰذا فصل کے پکنے کا وقت متعین نہیں۔ آپ نے زمین اپنی کاشت کے لیے دی، اس نے اگر جلدی بیج بویا اور مدت کتنی مثلاً مقرر کی؟ چار مہینے، اگر اس نے جلدی فصل کاشت کی تو چار مہینے میں فصل تیار ہو جائے گی، اور اگر ذرا لیٹ کرتا ہے تو فصل کیا ہو جائے گی؟ اس سے اتنے ہی دن زیادہ لے لے گی۔ تو مزارعت جو ہے اس میں مدت متعین کرنا پڑتی ہے کیونکہ فصل کے پکنے کا وقت مختلف ہوتا ہے، نیز علاقوں کا بھی فرق ہوتا ہے۔

جبکہ مساقات، درختوں پر جو پھل آنا اور پکنا ہے اس کا وقت معلوم ہوتا ہے۔ سب لوگوں کو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت میں کیونکہ وہاں تو آپ نے بیج نہیں لگانا، وہ تیار درخت لگے ہوئے ہیں، خود ہی ان پر پھول آئیں گے خود ہی ان پر، آپ نے صرف حفاظت کرنی ہے، پانی پلانا ہے، خود ہی اس پر پھل لگیں گے اور وہ پھل اسی مدت پر اسی وقت پر پک کر تیار ہو جائیں گے۔ تو لہٰذا مساقات کا وقت ہے معلوم، اور مزارعت کا وقت کیا ہوتا ہے؟ مجہول، تو لہٰذا وہاں مدت متعین کرنا ضروری تھا، یہاں مدت متعین کرنا ضروری نہیں کیونکہ مدت پہلے ہی معلوم ہے۔

یہ معنی ہے إِلَّا الْمُدَّةَ سوائے مدت کے۔ تو انہوں نے آپ کو بتلایا کہ مساقات کے اندر مدت کو متعین کرنا ضروری نہیں، اس کے طے کرنے کی شرط نہیں ہے، بغیر مدت کو مقرر کیے بھی یہ عقدِ مساقات صحیح ہو جائے گا۔ تو کہتے ہیں إِلَّا الْمُدَّةَ سوائے مدت کے فَإِنَّهَا تَصِحُّ بِلَا ذِكْرِهَا یہ عقدِ مساقات صحیح ہو جاتا ہے بِلَا ذِكْرِهَا أَيْ بِلَا ذِكْرِ الْمُدَّةِ مدت کو ذکر کیے بغیر ہی اِسْتِحْسَانًا، استحساناً یہ جائز ہے بھئی بغیر مدت کے بھی، فَإِنَّ لِإِدْرَاكِ الثَّمَرِ وَقْتًا مَعْلُومًا اس لیے کیونکہ پھلوں کے پکنے کا وقت معلوم ہوتا ہے بھئی، کیونکہ پھلوں کے پکنے کا وقت معلوم ہوتا ہے، یہاں کوئی بیج لگانے کی ضرورت نہیں ہے، سب کو پتہ ہے کہ اس موسم میں پھول آتے ہیں اور اس موسم میں پھل پک کر تیار ہو جاتے ہیں، درخت پہلے سے ہی تیار ہیں، آپ نے صرف حفاظت کرنی ہے اور پانی وغیرہ لگانا ہے، زائد شاخوں کو کاٹنا ہے وغیرہ۔

یہاں بھئی استحسان کا لفظ آیا اس کو سمجھ لیں، یہ جگہ جگہ آئے گا بھئی، خوب اچھی طرح اس کو سمجھ لو۔ یاد رکھو استحسان، جو بھی شرعی دلیل، ہر وہ شرعی دلیل جو قیاس کے مقابلے میں آئے اس کو استحسان کہتے ہیں۔ شرعی ادلہ چار ہیں نا: قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔ تو جو بھی شرعی دلیل اس کے مقابلے میں قیاس آئے تو اس شرعی دلیل کو استحسان کہتے ہیں۔ مثلاً ایک مسئلہ ہے آپ ایک دلیل ذکر کرتے ہیں قیاس سے، قیاس عقلی دلیل، آپ ایک عقلی دلیل ذکر کرتے ہیں اور مخالف جو ہے وہ قرآن سے کوئی دلیل ذکر کرتا ہے۔ توجہ ہے؟ قرآن سے کوئی آیت ذکر کرتا ہے، تو دیکھو یہاں پر قرآنی دلیل آگئی کس کے مقابلے میں؟ قیاس کے مقابلے میں، تو اس کو استحسان کہیں گے، یہ جو قرآنی دلیل ہے، یہ جو آیت آپ نے ذکر کی اس کو کیا کہیں گے؟ استحسان۔ یا آپ نے ایک مسئلے میں ایک عقلی دلیل پیش کی یعنی قیاس پیش کیا کہ عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے، اور دوسرے نے مقابلے میں کوئی حدیث پیش کر دی، تو دیکھو یہ جو دلیل ہے، یہ جو حدیث دوسرے نے ذکر کی اس کے مقابلے میں کیا ہے؟ قیاس ہے، تو اس حدیث کو کیا کہیں گے؟ استحسان، کیا کہیں گے؟ استحسان۔ یا آپ نے کوئی عقلی دلیل ذکر کی اور مخالف نے اجماع کو ذکر کیا دلیل کے طور پر، تو دیکھو یہ اجماع ایسی دلیل ہے جس کے مقابلے میں اس وقت کیا پیش کیا گیا تھا؟ قیاس، تو اس اجماع کو کیا کہیں گے؟ استحسان کہیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو استحسان ہر وہ دلیل ہے، ہر وہ شرعی دلیل ہے جس کے مقابلے میں قیاس ہو۔ اگر قیاس مقابلے میں نہیں ہے پھر اس کو استحسان نہیں کہیں گے۔ تو ہر وہ شرعی دلیل جس کے مقابلے میں کیا آجائے؟ قیاس آجائے تو اس شرعی دلیل کو کیا کہیں گے؟ استحسان۔

لیکن زیادہ تر استحسان کا اطلاق ہوتا ہے قیاسِ خفی پر۔ کس پر؟ قیاسِ خفی پر۔ یاد رکھو قیاس جو ہے عقلی دلیل، یہ دو قسم پر ہے۔ یہ جو قیاس ہے نا قیاس، یہ دو قسم پر ہے: ایک کو کہتے ہیں قیاسِ جلی، ایک کو کہتے ہیں قیاسِ خفی، ایک کو قیاسِ جلی اور ایک کو قیاسِ خفی۔ قیاسِ جلی، نام سے

پتہ چل رہا ہے جو جلی ہو، ظاہر ہو، ظاہر ہو، عقل جلدی اس تک پہنچ جائے۔ عقلی دلیل ہے اور عقل جلدی اس تک پہنچ جاتی ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ قیاسِ جلی۔ اور بعض اوقات عقلی دلیل ہوتی ہے لیکن غور ذرا زیادہ کرنا پڑتا ہے، گہری بات ہوتی ہے، اس کو کہتے ہیں قیاسِ خفی۔ کیا کہتے ہیں؟ قیاسِ خفی۔ ہے عقلی دلیل لیکن تھوڑا سا غور زیادہ کرنا پڑتا ہے، ذہن فوراً نہیں پہنچتا، خوب غور و فکر کریں گے پھر پہنچے گا، تو اس کو کہتے ہیں قیاسِ خفی۔ نام سے ہی پتہ چل رہا ہے: قیاسِ جلی جو ظاہر ہے، جلدی عقل پہنچتی ہے؛ اور قیاسِ خفی، خفی کا معنی چھپا ہوا، پوشیدہ، جو ذرا چھپا ہوا ہے، گہری بات ہے اور غور و فکر کریں تو پھر ذہن وہاں تک پہنچتا ہے۔ تو قیاس کتنی قسم کا؟ دو قسم کا: ایک قیاسِ جلی اور ایک قیاسِ خفی، ہیں دونوں قیاس ہی، عقلی دلیلیں ہیں۔

تو یہ جو قیاسِ خفی ہے، زیادہ تر اس پر استحسان کا اطلاق ہوتا ہے۔ تو عموماً جب کتابوں میں استحسان آئے تو زیادہ تر

یہی مراد ہوتا ہے، قیاسِ خفی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن قیاسِ خفی کو بھی تب استحسان کہیں گے جب اس کے مقابلے میں قیاسِ جلی ہو۔ ابھی میں نے بتایا تھا ہر وہ شرعی دلیل جس کے مقابلے میں کیا آجائے؟ قیاس، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ استحسان۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے: ہر وہ قیاسِ خفی جس کے مقابلے میں کیا ہو؟ قیاسِ جلی ہو، تو اس قیاسِ خفی کو کیا کہتے ہیں؟ استحسان۔ یہ یاد رکھو قیاس چاہے کتنا بھی گہرا کیوں نہ ہو، کتنا ہی خفی کیوں نہ ہو، اس کے مقابلے میں اگر قیاسِ جلی نہیں ہے تو اس کو قیاس ہی کہیں گے، استحسان نہیں کہیں گے۔ استحسان کب کہیں گے؟ جب اس کے مقابلے میں کیا ہو؟ قیاسِ جلی ہو بھئی، قیاسِ جلی ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو قیاس اگر خفی ہو تو ہر حال میں اس کو استحسان کہیں گے؟ نہیں۔ کب کہیں گے؟ جب مقابلے میں قیاسِ جلی ہو۔ اگر مقابلے میں قیاسِ جلی نہیں ہے تو اس کو بھی قیاس ہی کہیں گے استحسان نہیں کہیں گے چاہے جتنی بھی گہری بات کیوں نہ ہو۔ تو یہ زیادہ تر قیاسِ خفی مراد ہوتا ہے اس سے۔

اور نیز اس کو استحسان اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ پسندیدہ ہوتا ہے۔ کیا ہوتا ہے؟ پسندیدہ ہوتا ہے۔ اِسْتَحْسَنَ یَسْتَحْسِنُ استحسان کا معنی پسندیدہ ہونا، اچھا ہونا۔ مستحسن اس کام کو کہتے ہیں جو اچھا ہو، پسندیدہ ہو۔ تو اس کو بھی استحسان اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ پسندیدہ ہوتا ہے، کیونکہ اس میں لوگوں کے لیے آسانی ہوتی ہے۔ کیا ہوتی ہے؟ اس میں لوگوں کے لیے آسانی ہوتی ہے اس لیے اس کو استحسان کہتے ہیں۔ مجھے بتائیے آپ کہ مساقات میں مدت کی شرط لگائی جائے کہ شرط ذکر کرنا پڑے گی، شرط جس نے ذکر نہ کی تو عقد کیا ہو جائے گا؟ فاسد۔ ایک صورت یہ ہے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ آپ کہیں جی مدت لگانے کی، مدت کی قید لگانے کی کوئی ضرورت نہیں، لوگوں کے لیے کس میں آسانی ہے؟ جس میں مدت کی شرط نہ ہو بھئی۔ تو دیکھا یہ اس لیے مستحسن ہوا، پسندیدہ ہوا۔ اس یہاں پر بھی مدت کے ذکر نہ کرنے کی بات ہو رہی ہے، اس کو استحسان کہا جا رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے تو کہتے ہیں اِسْتِحْسَانًا یہ کہ یہ استحساناً صحیح ہو جاتا ہے، فَإِنَّ لِإِدْرَاكِ الثَّمَرِ وَقْتًا مَعْلُومًا اس لیے کیونکہ پھل کے پکنے کے لیے ایک معلوم وقت ہے۔ تو یہاں استحسان سے کیا مراد ہے؟ قیاسِ خفی۔ توجہ ہے؟ میں نے کیا کہا تھا؟ استحسان کا زیادہ تر اطلاق کس پر ہوتا ہے؟ قیاسِ خفی پر، لیکن مقابلے میں کیا ہو؟ قیاسِ جلی۔ تو یہاں پر بھی مقابلے میں قیاسِ جلی موجود ہے۔ قیاسِ جلی یہ تقاضا کرتا ہے کہ مدت ذکر کرو، مدت مجہول ہو گی تو عقد فاسد ہونا چاہیے۔ قیاسِ جلی کیا تقاضا کر رہا ہے؟ کہ مدت کو، مدت ذکر کرو، مدت متعین ہونی چاہیے، اگر آپ ذکر نہیں کریں گے مدت تو مجہول ہو جائے گی تو لہٰذا اس صورت میں اس کو کیا ہونا چاہیے؟ فاسد ہونا چاہیے۔ لیکن استحساناً بتلایا کہ استحسان، قیاسِ خفی کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا۔ قیاسِ خفی کیا؟ کہ پھلوں کے پکنے کے عموماً وقت کیا ہوتا ہے؟ سب کو معلوم ہوتا ہے۔ تو یہ قیاسِ خفی ہے اور اسی لیے اس کو استحسان کہا۔ اور اس کے مقابلے میں قیاسِ جلی میں نے ذکر کر دیا۔

وَتَقَعُ عَلٰى أَوَّلِ ثَمَرٍ يَخْرُجُ اور یہ واقع ہوگی یہ مساقات عَلٰى أَوَّلِ ثَمَرٍ پہلے پھل پر يَخْرُجُ جو پیدا ہو۔ بھئی دیکھیے آپ نے مدت طے نہیں کی، میں نے اپنا باغ آپ کو دے دیا کہ تم نے درختوں کا خیال رکھنا ہے، زائد شاخیں وغیرہ کاٹنی ہیں، صفائی کرنی ہے، پانی لگانا ہے اور جو پھل آئے گا وہ آدھا آدھا ہم دونوں تقسیم کریں گے۔ ہم نے مدت نہیں مقرر کی، اس کو ذکر ہی نہیں کیا، تو اس صورت میں یہ عقد صحیح ہو جائے گا اور پہلا، پہلے پھل کے پیدا ہونے تک یہ عقد رہے گا۔ میں نے اور آپ نے عقد کر لیا، تو اب صرف اسی سال پھل آئیں گے یا ہر سال پھل آتے ہیں؟ ہر سال، اس سال بھی آئے گا، اگلے سال بھی آئے گا، اس سے اگلے سال بھی آئے گا۔ لیکن یہ پہلے ہی پھل پر واقع ہو گا یہ عقد جب ہم نے مدت مقرر نہیں کی۔ لہٰذا اس دفعہ اس سیزن میں جو پھل آجائے گا تو یہ عقد ختم ہو جائے گا جب وہ پھل پک جائے گا۔ اگلے سال کے لیے علیحدہ پھر عقد کرنا پڑے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو پہلے پھل سے یہ مراد ہے جو اس سیزن کے اندر جو پھل آئیں۔ یہ معنی نہیں کہ شروع والے دو چار پھل پک گئے تو آپ کہیں یہ شروع والے پھل ہیں، نہیں نہیں، اس سیزن میں جو پھل آئے گا وہ سارا مراد ہے۔ اگلے سیزن کے لیے پھر الگ معاہدہ کرنا پڑے گا۔ پہلے موسم کے اندر، یعنی پھل تو ہر سال اس موسم میں وہ پھل اس درخت پر لگتا ہے اور آپ نے بغیر مدت بیان کیے عقد کر لیا تو اس صورت میں جو پہلے موسم میں پہلی مرتبہ جب پھل آجائے گا، تیار ہو جائے گا تو یہ عقد مکمل ہو جائے گا، اگلے موسم میں دوبارہ جب پھل آئے گا اس کے لیے علیحدہ عقد کرنا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو جب مدت مقرر نہیں کی تو وَتَقَعُ عَلٰى أَوَّلِ ثَمَرٍ يَخْرُجُ کہ یہ عقد واقع ہو جائے گا پہلے پھل پر جو پیدا ہو، جو پہلا اس مرتبہ پھل آئے گا درختوں پر اس سیزن میں وہ مراد ہو گا۔

وَإِدْرَاكُ بَزْرِ الرُّطْبَةِ كَإِدْرَاكِ الثَّمَرِ۔ وَإِدْرَاكُ بَزْرِ الرُّطْبَةِ، رطبہ جو ہے نا رطبہ، ویسے تو کہتے ہیں سبزی اور ترکاری، سبزی کو کہتے ہیں جس سے سالن وغیرہ بنایا جاتا ہے، لیکن یہاں رطبہ سے مراد ایک خاص گھاس ہے بھئی گھاس، جو جانوروں کے لیے بطورِ چارے کے استعمال ہوتی ہے اور یہ آگے آپ کو بتلائیں گے بھی کہ اس کو سال میں کئی دفعہ کاٹتے ہیں۔ چارے کے طور پر کاٹ لیا، پھر ایک دو مہینے میں پھر دوبارہ وہ اگ آتی ہے، پھر کاٹ لیتے ہیں، پھر اگ آتی ہے، تو یہ جانوروں کے لیے بطورِ چارے کے استعمال ہوتی ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ رطبہ، رطبہ۔ اور اسی میں پھر بعض اوقات کہتے ہیں اس کو کچھ عرصے کے لیے چھوڑ دیا جائے، تو شروع میں تو یہ سبز ہے نا، چارے کے طور پر استعمال ہوتی ہے، لیکن چھوڑ دیا جائے تو پھر آہستہ اس پہ بیج بھی آجاتے ہیں اور پھر یہ خشک بھی ہوتی ہے اور پھر اس کے بیج حاصل کر لیے جاتے ہیں، پھر کہیں اور پر کسی اور جگہ اگانی ہو تو یہ بیج کام آئیں گے۔ تو یہ چارے کے طور پر بھی استعمال ہوتی ہے اور بیج حاصل کرنے کے لیے بھی اس کو اگایا جاتا ہے بھئی۔

اب کوئی اس یہ جو گھاس ہے، یہ جو چارہ ہے، اس پر عقدِ مساقات کرتا ہے، اور یہ بھی ایک دفعہ اگا دیا بس یہ لگا ہوا ہے، آپ کاٹتے جائیں ہر دو مہینے میں یہ پھر آجائے گا، بار بار بیج نہیں ڈالنا پڑتا، تو اس میں بھی دیکھو صرف مساقات ہو گی، بیج ڈالنا

پڑتا ہے؟ نہیں۔ تو کیا اس کے اندر مساقات کر سکتے ہیں، ہو گی؟ کہتے ہیں ہاں بھئی، اس میں بھی مساقات کر سکتے ہیں اور اس کے اندر جب بیج پک جائے وہ اسی طرح ہے جیسے درختوں پر پھل پک جائے۔ تو جیسے درختوں پر پھل پکنے سے عقدِ مساقات پورا ہو جاتا ہے اسی طرح یہاں پر بھی اس رطبہ کے جب بیج پک جائیں گے تو اس پر بھی عقدِ مساقات پورا ہو جائے گا، ختم ہو جائے گا۔

تو کہتے ہیں وَإِدْرَاکُ بَزْرِ الرُّطْبَةِ اور پک جانا رطبہ کے یہ اس چارے کے بیجوں کا كَإِدْرَاكِ الثَّمَرِ یہ اسی طرح ہے جیسے پھلوں کا پک جانا، جیسے پھلوں کے پک جانے سے عقدِ مساقات پورا ہو جاتا تھا اسی طرح یہاں پر بھی بیج کے پکنے پر عقدِ مساقات پورا ہو جائے گا۔ تو کہتے ہیں اَلرُّطْبَةُ بِالْفَارِسِيَّةِ سِپِسْتِ تَرْ رطبہ جو ہے اس کو فارسی میں سپستِ تر کہتے ہیں، سپستِ تر، تر کا معنی گیلا، گیلا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ ایک یہ ہے نا کہ گیلا وہ سبز ہی ہوتا ہے، سبز ہی اس کو کاٹتے ہیں اور چارے کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اور ایک یہ ہے کہ اس کو خشک ہونے دیں، تو وہ تو پھر خشک ہو جائے گا۔ تو یہ سپستِ تر یہ جو تر، گیلی گھاس ہے یعنی سبز گھاس ہے یوں کہو سبز گھاس ہے، کوئی سبزی کوئی پتے وغیرہ یا کچھ ہو گی بھئی صورت اس کی۔ تو کہتے ہیں اَلرُّطْبَةُ بِالْفَارِسِيَّةِ سِپِسْتِ تَرْ رطبہ جو ہے اس کو فارسی میں سپستِ تر کہتے ہیں۔

فَإِنَّهُ إِذَا دُفِعَتِ الرُّطْبَةُ مُسَاقَاةً کیونکہ جب حوالے کر دی جائے، دفع کا معنی حوالے کرنا، کہ جب حوالے کر دی جائے اَلرُّطْبَةُ یہ چارہ جو ہے یہ حوالے کر دیا جائے مُسَاقَاةً بطورِ مساقات کے لَا يُشْتَرَطُ بَيَانُ الْمُدَّةِ تو شرط نہیں ہے مدت کو بیان کرنا، اس میں بھی مدت کو بیان کرنا شرط نہیں، فَيَمْتَدُّ إِلٰى إِدْرَاكِ بَزْرِ الرُّطْبَةِ تو یہ عقد لمبا ہو گا، بھئی اس میں بھی تو مدت ہونی چاہیے؟ کہتے ہیں نہیں بھئی مدت کی ضرورت نہیں، جیسے وہاں پر پھلوں کے پکنے کا وقت معلوم ہے اسی طرح اس کے بیج کے پکنے کا وقت بھی معلوم ہے۔ تو کہتے ہیں فَيَمْتَدُّ إِلٰى إِدْرَاكِ بَزْرِ الرُّطْبَةِ تو یہ عقد لمبا ہو گا اس چارے کے اس گھاس کے بیجوں کے پکنے تک، فَإِنَّهُ كَإِدْرَاكِ الثَّمَرِ فِي الشَّجَرِ کیونکہ یہ جو بیجوں کا پک جانا ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے پھلوں کا پک جانا فِي الشَّجَرِ درختوں میں۔

أَقُولُ یہاں سے اب شارح وقایہ فرما رہے ہیں، کہتے ہیں بھئی ماتن نے تو یہ ذکر کیا کہ رطبہ میں بھی مساقات جائز ہے، اس میں بھی مدت کو متعین کرنا ضروری نہیں اور یہ کب تک مدت ہو گی؟ جب بیج پک جائیں، بیج پک جائیں۔ تو شارح آپ کو بتلائیں گے صاحبِ شرحِ وقایہ کہ بھئی یہ جو رطبہ ہے نا اس میں ہمیشہ بیج ہی نہیں مقصود ہوتے، کبھی چارہ بھی مقصود ہوتا ہے، چنانچہ اس کو بار بار کاٹتے ہیں اور وہ اگتا جاتا ہے، حتیٰ کہ سال میں چھ سات دفعہ یا اس سے بھی اس کو زیادہ کاٹ لیتے ہیں اور یہ بار بار اگ آتا ہے، تو کبھی چارہ ہی مقصود ہوتا ہے اور کبھی بیج مقصود ہوتا ہے۔ جب بیج مقصود ہوتا ہے تو ایک دفعہ کاٹ کے بس چھوڑ دیتے ہیں اور پھر اگلی دفعہ یہ جب خشک ہو جاتا ہے بیج تیار ہو جاتے ہیں اس کے اندر۔ تو اگر بیج کے لیے ہے پھر تو بات ظاہر ہے جب بیج پکے گا یہ عقدِ مساقات کیا ہو جائے گا؟ پورا ہو جائے گا۔ اور اگر بیج مقصود نہیں ہے بلکہ

چارہ ہی مقصود ہے، گھاس ہی مقصود ہے، تو کہتے ہیں پھر پہلے جو سال ہے اس میں عقد صحیح ہو گا، کس میں؟ پہلے سال میں، کس میں؟ مدت نہیں مقرر کی لیکن بیج نہیں لینے، چارہ ہی لینا ہے، تو کہتے ہیں پہلے سال کے اندر کا عقد صحیح ہو گا۔ پہلے سال کا مطلب یہ نہیں کہ پورا سال کیونکہ سال تو ذکر ہی نہیں کیا، سال ذکر کر دیتے پھر تو ٹھیک تھا، سال تو ذکر ہی نہیں کیا، معنی یہ ہے کہ اسی سال اس عقد کے بعد جب پہلی مرتبہ چارہ تیار ہو جائے گا پورا اور پھر کاٹا جائے گا تو اس پر عقد ختم ہو جائے گا، پہلی دفعہ چارہ جب کیا ہو جائے؟ تیار ہو جائے تو پھر عقد ختم ہو گا۔ یہ وہ صورت ہے جب بیج مقصود نہیں، چارہ ہی مقصود ہے، تو پہلی دفعہ جب یہ چارہ تیار ہو گیا تو یہ عقد کیا ہو جائے گا؟ پورا ہو جائے گا کیونکہ اس کو کاٹیں گے تو پھر دوبارہ یہ تیار ہو گا، پھر کاٹیں گے پھر دوبارہ تیار ہو گا۔ جب مدت متعین نہیں کی تو پہلی مرتبہ جب چارہ تیار ہے اس وقت تک یہ عقد رہے گا۔

تو کہتے ہیں أَقُولُ میں کہتا ہوں، یہ صاحبِ شرحِ وقایہ فرما رہے ہیں کہ أَقُولُ میں کہتا ہوں اَلْغَالِبُ أَنَّ الْبَزْرَ فِيهَا غَيْرُ مَقْصُودٍ کہ غالب یہ ہے یعنی زیادہ تر اس کے رطبہ کے اندر یہ جو چارہ ہے اس میں زیادہ تریوں ہوتا ہے کہ أَنَّ الْبَزْرَ فِيهَا غَيْرُ مَقْصُودٍ کہ بیج اس کے اندر مقصود نہیں ہوتا، بَلْ تُحْصَدُ فِي كُلِّ سَنَةٍ سِتَّ مَرَّاتٍ أَوْ أَكْثَرَ بلکہ اس کو کاٹا جاتا ہے ہر سال میں چھ مرتبہ یا زیادہ، چھ یا زیادہ مرتبہ کاٹتے ہیں بھئی، پھر یہ اگ آتا ہے۔ فَإِنْ أُرِيدَ الْبَزْرُ اگر بیج کا ارادہ کیا جائے تو تُحْصَدُ مَرَّةً تو اس کو ایک ہی دفعہ کاٹا جاتا ہے وَتُتْرَكُ فِي الْمَرَّةِ الثَّانِيَةِ اور پھر اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے دوسری مرتبہ میں إِلَى أَنْ يُدْرِكَ الْبَزْرُ یہاں تک کہ بیج پک جائے، پھر چھوڑ دیتے ہیں، پھر نہیں کاٹتے، یہاں تک کہ بیج پک جائے۔ فِيمَا لَا يُؤْخَذُ الْبَزْرُ وہ صورت جس میں بیج نہیں لیا جاتا، وہ صورت جس میں بیج نہیں یعنی چارہ ہی مقصود ہے، اب میں نے بیان کر دیا، اس میں عقد کرو گے تو پہلی مرتبہ پر عقد ہو گا وہ یہ ذکر کرنے لگے ہیں: فِيمَا لَا يُؤْخَذُ الْبَزْرُ وہ صورت میں کہ جب بیج نہ لیا جائے يَنْبَغِي أَنْ يَقَعَ عَلَى السَّنَةِ الْأُولَى تو مناسب یہ ہے کہ یہ عقد واقع ہو پہلے سال پر۔ بھئی پہلے سال سے کیا مراد ہے؟ کہتے ہیں عَلَى السَّنَةِ الَّتِي تَنْتَهِي الرُّطْبَةُ فِيهَا وہ پہلا سال جس میں رطبہ جو ہے وہ چارہ جو ہے انتہا کو پہنچ جائے یعنی تیار ہو جائے بَعْدَ الْعَقْدِ کس کے بعد؟ عقد کے بعد۔

آگے دیکھیے بھئی۔ وَذِكْرُ مُدَّةٍ لَا يَخْرُجُ الثَّمَرُ فِيهَا يُفْسِدُهَا، وَمُدَّةٍ قَدْ يَبْلُغُ فِيهَا وَقَدْ لَا يَصِحُّ. صورت یہ کہ کسی نے کسی سے عقدِ مساقات کیا اور اس میں مدت بھی باقاعدہ مقرر کی۔ لیکن وہ پھل مثلاً تیار ہوتا ہے تین ماہ میں اور اس نے مدت طے کر لی دو ماہ۔ تو یہ دو ماہ تو ایسی مدت ہے جس میں یہ پھل

پکتا ہی نہیں ہے، تیار ہی نہیں ہوتا، تو کہتے ہیں ایسی مدت عقد میں شرط لگانا جس میں پھل تیار نہیں ہوتا تو یہ عقد فاسد ہے، یہ عقد کیا ہے؟ فاسد ہے۔ اور اگر ایسی مدت طے کی، ایسی مدت طے کی جس میں کبھی پھل تیار ہوتا ہے اور کبھی پھل تیار نہیں ہوتا۔ مثلاً تین ماہ کی مدت طے کر لی، ہاں تین ماہ میں کبھی پھل تیار ہو جاتا ہے کبھی پندرہ بیس دن اوپر بھی لگ جاتے ہیں۔ توجہ ہے؟ یعنی ایسی مدت متعین کی ہے جس میں دونوں چانس ہیں، دونوں احتمال ہیں: ہو سکتا ہے پھل پک جائے، ہو سکتا ہے نہ پکے۔ تو کہتے ہیں ایسی مدت طے کی تو پھر عقد صحیح ہو جائے گا، کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ شاید پھل پک

جائے۔

تو کہتے ہیں وَذِكْرُ مُدَّةٍ اور ایسی مدت کو ذکر کرنا لَا يَخْرُجُ، دیکھو مُدَّةٍ نکرہ ہے اور نکرہ کے بعد لَا يَخْرُجُ فعل آیا تو یہ اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت۔ تو لہٰذا مدت سے پہلے «ایسی» کا لفظ لے آؤ۔ اور ایسی مدت ذکر کرنا لَا يَخْرُجُ الثَّمَرُ فِيهَا جس میں پھل نکلتا نہیں، نکلنے سے مراد ہے پکنا، پکنا، جس میں پھل پکتا نہیں ہے، پختہ نہیں ہوتا، يُفْسِدُهَا تو یہ ایسی مدت ذکر کرنا یہ اس عقد کو فاسد کر دے گا۔ وَمُدَّةٍ اور ایسی مدت ذکر کرنا قَدْ يَبْلُغُ فِيهَا کہ کبھی کبھار اس میں پھل پک جاتا ہے وَقَدْ لَا اور کبھی نہیں پکتا تو يَصِحُّ تو یہ مدت ذکر کرنا صحیح ہے بھئی، اس سے عقد صحیح ہو جائے گا۔ أَيْ ذِكْرُ مُدَّةٍ كَذَا يَصِحُّ یعنی اتنی مدت ذکر کرنا صحیح ہے۔

بھئی پھر کیا کریں گے؟ آپ نے تین مہینے طے کیے ہیں اور تین مہینے میں کبھی پھل پک جاتا ہے کبھی نہیں پکتا۔ کہتے ہیں بھئی اگر پھل پک گیا پھر تو شرط کے مطابق تقسیم کر لینا، تین مہینے طے ہوئے تھے تین مہینے میں پھل پک بھی گیا ہے تو اب تقسیم کر لو، عقد صحیح ہو گیا۔ اور اگر زائد دن لگتے ہیں تو پھر اس صورت میں، اس صورت میں وہ جو عامل ہے اس کو اجرِ مثل دیا جائے گا، کیا دیا جائے گا؟ اجرِ مثل دیا جائے گا جتنے زائد دن وہ کام کرتا ہے۔ پھل اسی طرح تقسیم ہوں گے، آدھے آدھے کی بات ہوئی تھی تو پھل پھر بھی آدھے آدھے تقسیم ہوں گے، لیکن جو زائد بیس دن وہ کام کرتا ہے اس کا اجرِ مثل یعنی اس جیسا کام جو کوئی کرے اتنے دن تک اس کو جو اجرت رائج ہے لوگ دیتے ہیں وہ اجرت اس کو بھی دی جائے گی۔

فَلَوْ خَرَجَ فِي وَقْتٍ سَمَّى اگر پھل نکل آیا اس وقت میں، نکل آیا یعنی پک گیا، تیار ہو گیا، پس اگر پھل تیار ہو گیا فِي وَقْتٍ سَمَّى اس وقت میں جو ذکر کیا تھا، جو وقت ذکر کیا تھا اسی میں پھل تیار ہو گیا فَعَلَى الشَّرْطِ تو پھل کس کے مطابق ہو گا؟ شرط کے مطابق یعنی تقسیم ہو گا۔ وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو یعنی پھل پک کر تیار نہیں ہوا اس مدت میں، ابھی بھی کچھ دن اور چاہئیں تو فَلِلْعَامِلِ أَجْرُ الْمِثْلِ تو پھر عامل کے لیے اجرِ مثل ہو گا، أَيْ لِيَعْمَلَ إِلَى إِدْرَاكِ الثَّمَرِ یعنی تاکہ وہ عمل کرے پھلوں کے پکنے تک، جو زائد دن ہیں اس کا اجرِ مثل اس کو دیا جائے گا۔

اور یہ بھی یاد رکھیں کہ مزارعت کے اندر جب زائد دن لگتے تھے تو اس کو اجرِ مثل بھی ملتا تھا اور زمین کا کرایہ بھی دینا پڑتا تھا جتنے حصے میں اس کی فصل ہوتی تھی، لیکن یہاں درختوں کا کرایہ نہیں ہو گا۔ یہ کہے کہ مجھے درختوں کا بھی کرایہ دو، بھئی مزارعت میں زمین کا کرایہ وصول ہوتا تھا تو درختوں کا بھی مجھے کرایہ دیا جائے، نہیں بھئی۔ زمین سے تو بہت سے کام لیے جا سکتے ہیں، اور درختوں کو اگر خالی بھی کر دیا جائے تو کیا اس سے کوئی اور کام لے سکتا ہے وہ درختوں سے؟ نہیں۔ تو لہٰذا یہاں پر درختوں کا کرایہ نہیں ہو گا کیونکہ درخت یہ پھل ہی کے لیے لگائے جاتے ہیں اور تو ان کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ تو جو

زائد مدت ہے عامل کو اس کی اجرت دی جائے گی، لیکن باغ والے کو درختوں کا کرایہ نہیں دیا جائے گا۔

چلیے بس کریں بھئی۔ بات یہاں تک اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی۔ ہٰذَا ہُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔ کوئی بات ایسی تو نہیں جو سمجھ میں نہ آئی ہو؟

كَأَجْرِ الْحَصَادِ جیسے کہ کھیتی کاٹنے کی اجرت، وَالرِّفَاعِ اور کھیتی کو اٹھانے کی اجرت، وَالدَّوْسِ اور کھیتی کو گاہنے کی اجرت، وَالتَّذْرِيَةِ اور کھیتی کے دانوں کو بھوس سے الگ کرنے کی اجرت۔ اور کوئی بات؟ حل ہو گیا سارا اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی، چلیے۔

سبق نمبر ۱۷: کتاب المساقاۃ: مساقات کی تعریف، شرائطِ صحت، مزارعت سے مناسبت اور فساد و فسخ کے مسائل

شرح الوقایہ صفحہ: ۳۱ — بتاریخ: ۳۱ اکتوبر ۲۰۱۹ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: وَتَصِحُّ فِي الْكَرْمِ وَالشَّجَرِ وَالرِّطَابِ وَأُصُولِ الْبَاذِنْجَانِ وَالنَّخْلِ وَإِنْ كَانَ بَاقِيَةً ثَمَرًا لَا مُدْرِكًا كَالْمُزَارَعَةِ هَذَا عِنْدَنَا وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى لَا تَصِحُّ إِلَّا فِي الْكَرْمِ وَالنَّخِيلِ وَإِنَّمَا تَصِحُّ فِيهِمَا بِحَدِيثِ خَيْبَرَ وَفِي غَيْرِهِمَا بَقِيَ عَلَى الْقِيَاسِ وَعِنْدَنَا تَصِحُّ فِي جَمِيعِ مَا ذُكِرَ لِحَاجَةِ النَّاسِ۔[1]

اچھا بھئی مساقات کا باب ہم نے گزشتہ سبق میں شروع کیا تھا بھئی۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مساقات بِعَیْنِہٖ وہی مزارعت ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں زمین جو ہے وہ بٹائی پر دی جاتی ہے فصل کے لیے اور یہاں باغ جو ہے یعنی اس کے درخت، وہ باغ دیا جاتا ہے کچھ پھلوں کے عوض، مُعَیَّنَہ پھلوں کی مقدار کے عوض کہ مثلاً آپ اس کو نصف دیں

[1]

جدول — کتاب المساقاۃ — مزارعت اور مساقات کا تقابلی ضابطہ:

پہلو / حکم	المزارعۃ (بٹائی پر کھیت دینا)	المساقاۃ (معاملہ علی الاشجار)
تعریف و محلِ عقد	زمین کی کاشت پر پیداوار کے بعض حصے کے عوض عقد	پھل دار درختوں، انگور، کھجور اور سبزیوں کی نگہداشت پر عقد۔
مذہبِ ائمۂ احناف	امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ناجائز، صاحبینؒ کے نزدیک جائز (مفتیٰ بہ)	امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ناجائز، صاحبینؒ کے نزدیک جائز (مفتیٰ بہ)۔
شرطِ مدت کا بیان	مزارعت میں مدت کا بیان شرط ہے	مساقات میں مدت کا ترک استحساناً جائز ہے (پہلے پھل پکنے تک)۔
فساد کی صورت میں حکم	پیداوار صاحبِ بذر کی اور عامل کے لیے اجرِ مثل	پھل صاحبِ شجر کے اور عامل کے لیے اجرِ مثل واجب ہوگی۔

گے یا ثلث دیں گے یا ربع دیں گے۔ اور انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ اس میں، کہ اس کا حکم اور اس میں اختلاف اور اس کی شرائط وہی ہیں جو مزارعت کے اندر تھیں بھئی۔ البتہ وہ شرطیں جو یہاں جاری نہیں ہو سکتیں ان کا اعتبار نہیں۔ مثلاً مزارعت میں بیج کی بھی شرط تھی کہ کون سا بیج ہوگا اور کون بیج دے گا، لیکن یہاں تو درخت تیار کھڑے ہیں، کسی بیج وغیرہ کی ضرورت نہیں، لہٰذا بیج کی شرط یہاں نہیں ہوگی، نہ اس کی جنس بیان کرنے کی شرط ہوگی۔

اور نیز امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب بھی انہوں نے ذکر کیا کہ ان کے نزدیک مساقات جائز ہے اور مزارعت جائز نہیں ہے۔ البتہ وہ فرماتے ہیں کہ مساقات کے ضمن میں مزارعت بھی جائز ہے۔ باغ کے درختوں کے درمیان فاصلہ ہے، اگر باغ کا عقد کرتے وقت اگر آپ اس زمین کا بھی عقد کر لیتے ہیں کہ یہاں پر وہ فصل لگائے گا تو پھر یہ اصل عقد تو ہوا مساقات میں اور تبعاً مزارعت بھی جائز ہو جائے گی۔ الگ سے علیحدہ سے مستقلاً مزارعت کا عقد کرنا ان کے نزدیک سرے سے جائز ہی نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کیونکہ یہ اس باب میں اصل جو ہے وہ مضاربت ہے، جس پر تمام فقہا کا اتفاق ہے کہ وہ جائز ہے۔ اور مضاربت کے اندر مال ایک کا ہوتا ہے، محنت دوسرے کی ہوتی ہے اور نفع آپس میں تقسیم کرتے ہیں۔ تو مساقات میں بھی اسی طرح ہے: باغ اور درخت ایک کے ہیں اور محنت دوسرے کی ہے، اور جو نفع یعنی پھل حاصل ہوا اس کو آپس میں تقسیم کرتے ہیں۔ جبکہ مزارعت میں ایسا نہیں ہے۔ مزارعت میں تو اگر خالص نفع تقسیم کرنے کی شرط لگائی تو مزارعت تو پھر فاسد ہو جائے گی کہ اگر وہ بیج والا کہتا ہے میں پہلے اپنا بیج علیحدہ کروں گا، باقی میں ہم شریک ہوں گے، جو نفع ہے صرف اس میں شریک ہوں گے، تو پھر تو ہو سکتا ہے فصل ہی اتنی ہو کہ صرف بیج جتنی فصل حاصل ہو، تو اس میں تو شرکت ہے ہی نہیں، تو یہ ایسی شرط ہے جو شرکت کو ختم کر دیتی ہے، لہٰذا مزارعت میں یہ جائز نہیں۔ جب مزارعت میں یہ جائز نہیں تو مزارعت کی مشابہت مضاربت کے ساتھ زیادہ نہیں۔ کس کی زیادہ مشابہت ہے؟ مساقات کی۔ اس لیے وہ فرماتے ہیں مساقات جائز ہے۔

اسی طرح انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا کہ مساقات میں مدت کا بیان کرنا بھی ضروری نہیں ہے، بغیر مدت کے بھی صحیح ہو جائے گی اور یہ استحساناً ہے۔ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ مدت بیان کی جائے بھئی، ورنہ تو مدت مجہول رہے گی۔ لیکن استحساناً یہاں جائز ہے بغیر مدت کے بھی اس لیے کیونکہ پھلوں کے پکنے کا وقت معلوم ہوتا ہے بھئی، جبکہ ادھر فصلیں، فصلوں کے تو موسم بھی مختلف ہیں: ایک علاقے میں ایک وقت میں ہوتی ہے، دوسرے علاقے میں کچھ تاخیر سے ہوتی ہے، اس سے اگلے علاقے میں مزید تاخیر سے ہوتی ہے، تو وہاں چونکہ وقت متعین اور معلوم نہیں ہوتا اس لیے متعین کرنا پڑتا ہے۔

اور پھر یہ بھی بتلایا تھا کہ جب بغیر مدت ذکر کیے مساقات کا عقد کر لے گا تو پھر جو پہلا پھل حاصل ہوگا، جو پہلے موسم کے اندر جو پھل آجائے گا درختوں پر پہلی مرتبہ، اس کے پک جانے پر یہ عقد ختم ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے بھئی؟

پہلے موسم کے اندر۔ یعنی پھل تو ہر سال اس موسم میں وہ پھل اس درخت پر لگتا ہے، اور آپ نے بغیر مدت بیان کیے عقد کر لیا۔ عقد کر لیا تو اس صورت میں جو پہلے موسم میں پہلی مرتبہ جب پھل آجائے گا، تیار ہو جائے گا، تو یہ عقد مکمل ہو جائے گا۔ اگلے موسم میں دوبارہ جب پھل آئے گا اس کے لیے علیحدہ عقد کرنا پڑے گا۔

اور انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا کہ رطبہ جو ہے یعنی وہ جو چارہ ہے، اس کے بیج کا پکنا اسی طرح ہے جیسے پھل کا پکنا۔ تو جیسے پھل کے پکنے کے اندر مساقات درست تھی، اسی طرح یہ چارہ جو سبز گھاس ہے خاص قسم کی، اس کے اندر بھی بیج کے پکنے تک عقد مساقات کرنا صحیح ہے۔

اور اگر ایسی مدت کی شرط لگائی جس میں پھل پکتا ہی نہیں تو یہ عقد ہی فاسد ہو جائے گا۔ اور اگر ایسی مدت کی شرط لگائی جس میں کبھی پھل پک جاتا ہے اور کبھی نہیں پکتا، یعنی دونوں احتمال ہیں پھل پکنے کا بھی اور نہ پکنے کا بھی، تو اس صورت میں کہتے ہیں کہ عقد صحیح ہو جائے گا۔ اور اگر اسی وقت کے اندر اندر پھل پک گیا تو شرط کے مطابق اس کو تقسیم کر لیں گے۔ اور اگر اس وقت میں پھل پک کر تیار نہیں ہوا، ابھی پختہ نہیں ہے، تو پھر جو زائد مدت لگے گی، اس زائد مدت میں عامل کو اجر مثل دیا جائے گا۔ مثلاً بیس دن اوپر لگے تو بیس دن کی اس کی محنت کا اجر مثل دیا جائے گا، اور اگر تیس دن لگے تو تیس دن جو زائد ہیں ان کا اجر مثل اس کو دیا جائے گا بھئی۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ مزارعت کے اندر جب زائد دن لگتے تھے تو اس کو اجر مثل بھی ملتا تھا اور زمین کا کرایہ بھی دینا پڑتا تھا جتنے حصے میں اس کی فصل ہوتی تھی، لیکن یہاں درختوں کا کرایہ نہیں ہوگا۔ یہ کہے کہ مجھے درختوں کا بھی کرایہ دو بھئی، مزارعت میں زمین کا کرایہ وصول ہوتا تھا تو درختوں کا بھی مجھے کرایہ دیا جائے، نہیں بھئی! زمین سے تو بہت سے کام لیے جا سکتے ہیں، اور درختوں کو اگر خالی بھی کر دیا جائے تو کیا اس سے کوئی اور کام لے سکتا ہے وہ درختوں سے؟ نہیں۔ تو لہٰذا یہاں پر درختوں کا کرایہ نہیں ہوگا کیونکہ درخت یہ پھل ہی کے لیے لگائے جاتے ہیں اور تو ان کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ تو جو زائد مدت ہے عامل کو اس کی اجرت دی جائے گی، لیکن باغ والے کو درختوں کا کرایہ نہیں دیا جائے گا۔

جی اب آگے دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَتَصِحُّ فِي الْكَرْمِ وَالشَّجَرِ وَالرِّطَابِ وَأُصُولِ الْبَاذِنْجَانِ وَالنَّخْلِ۔ اب کن کن پھلوں سبزیوں وغیرہ میں مساقات کا عقد صحیح ہے؟ کہتے ہیں: وَتَصِحُّ عقد مساقات صحیح ہے فِي الْكَرْمِ انگوروں میں۔ كَرْم کسے کہتے ہیں؟ انگور کو بھئی۔ را ساکن ہے بھئی۔ فِي الْكَرْمِ انگوروں میں۔ كَرْم انگور کو بھی کہتے ہیں اور انگور کے درخت کو، وہ جو اس کی بیل ہوتی ہے اس کو بھی کہتے ہیں۔ تو یہ انگور میں بھی صحیح ہے عقد مساقات۔ وَالشَّجَرِ اور درختوں میں بھی صحیح ہے، درخت وغیرہ کوئی۔ وَالرِّطَابِ، رِطَاب کہتے ہیں بھئی سبزیاں، ترکاریاں جن سے سالن بنایا جاتا ہے۔ وَالرِّطَابِ اور سبزیوں میں بھی صحیح ہے۔ وَأُصُولِ الْبَاذِنْجَانِ، أُصُول جمع ہے أَصْل کی اور أَصْل کہتے ہیں جڑ کو، درخت کی جو جڑ ہوتی ہے، اور بَاذِنْجَان

کہتے ہیں بینگن کو۔ تو عقد مساقات صحیح ہے کس میں؟ وَأُصُولِ الْبَاذِنْجَانِ بینگن کی جڑوں میں، بینگن کی جڑوں میں بھی عقد مساقات صحیح ہے۔

آپ حیران ہوں گے کہ یوں کہہ دیتے کہ بینگن میں بھی صحیح ہے، یہ کیا کہہ رہے ہیں بینگن کی جڑوں میں؟ بھئی دراصل یہ جس علاقے میں بینگن ہوتے ہوں وہی آپ کو صحیح سمجھا سکتا ہے۔ یہ جو بینگن ہے اس کا پودا ہوتا ہے بھئی اور اس پودے پر بینگن لگتے ہیں، اور بینگن جب پک کر تیار ہو جاتے ہیں بینگن اتار لیے جاتے ہیں اور پودے کو بھی توڑ کر اتار لیا جاتا ہے جس کام میں بھی آجائے چاہے چارے کے طور پر یا کسی بھی کام میں آجائے۔ تو اب صرف وہ بینگن کا جو چھوٹی سی ڈنڈی رہ گئی زمین کے اوپر، چھوٹا سا تنا، وہ چھوٹا سا تنا رہ گیا اور نیچے زمین میں اس کی جڑیں ہیں۔ اس کو پھر اسی طرح چھوڑ دیتے ہیں، رہنے دیتے ہیں۔ پھر اگلے سال جب وہ موسم آئے گا، اسی تنے سے پھر بینگن کا پودا اگے گا اور اس پر پھر دوبارہ بینگن لگ جائیں گے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اس لیے کہا بینگن کی جڑوں میں کیونکہ اس کی جڑیں باقی چھوڑ دی جاتی ہیں۔ اب یہ جڑیں کوئی کسی کو مساقات کا عقد کرتا ہے کہ تم نے ان کا خیال رکھنا ہے، پودے آئیں گے، کوئی جانور وغیرہ ان کو خراب نہ کریں، ان کی حفاظت کرنی ہے، ان کو سیراب پانی پلانا ہے اور چیزوں کی اصلاح کرنی ہے، تو یہ بینگن کی جڑوں میں یہ عقد مساقات کرنا صحیح ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے وَأُصُولِ الْبَاذِنْجَانِ اور عقد مساقات صحیح ہے بینگن کی جڑوں میں۔ وَالنَّخْلِ اور کھجور میں۔ کھجور کے بارے میں عقد مساقات کرتا ہے، کھجور پر پھل آئے گا، پکے گا، کھجوریں تیار ہوں گی، تو اس میں بھی صحیح ہے۔

وَإِنْ كَانَ بَاقِيَةً اگر وہ جو باقی ہے، ثَمَرًا وہ پھل ہو۔ یعنی درخت پر چاہے پھل لگ چکا ہے، اب آپ عقد مساقات کرنا چاہتے ہیں کسی کے ساتھ، کہتے ہیں ہاں بھئی ابھی بھی آپ کر سکتے ہیں عقد مساقات۔ یہ ضروری نہیں کہ پھل کے آنے سے پہلے ہی آپ عقد مساقات ضرور کریں گے، نہیں نہیں۔ سب سے پہلے پھول آتے ہیں اور پھر پھولوں سے پھل بنتے ہیں، تو چاہے پھل لگ چکے ہیں تو بھی عقد مساقات آپ کر سکتے ہیں۔ مگر اس میں یہ ضروری ہے کہ پھل اپنی پوری، پورے طور پر بنا نہ ہو۔ پورے طور پر بنا نہ ہو۔ اگر پھل پورا بن گیا، پک گیا، اب عقد مساقات کا کیا معنی بھئی؟ اگر پھل پورا بن چکا ہے، پک چکا ہے، پھر تو عقد مساقات نہیں بھئی، اب تو پھل تیار ہو گیا ہے، اب عامل کی محنت کا اثر اس میں ظاہر ہی نہیں ہو گا۔ ہاں پھل چھوٹا ہے یا کچا ہے تو اب عامل اس کا خیال رکھے گا اور پھل آہستہ آہستہ پکتا چلا جائے گا، تو اب اس کی محنت اور اس کا عمل اس میں ظاہر ہو گا بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو پھل کے پکنے کے بعد عقد مساقات صحیح نہیں، اس سے پہلے چاہے پھل کچھ بن بھی چکا ہو تو بھی عقد مساقات صحیح ہے۔ یہ معنی ہے وَإِنْ كَانَ بَاقِيَةً ثَمَرًا اگرچہ وہ جو باقی ہے وہ پھل ہو۔ لَا مُدْرِكًا پکا ہوا نہ ہو، پختہ نہ ہو۔ میں نے بتایا أَدْرَكَ يُدْرِكُ إِدْرَاك کا کیا معنی ہے؟ أَدْرَكَ الثَّمَرُ پھل پختہ ہو گیا۔ تو اسی سے اسم فاعل مُدْرِك کا کیا معنی ہو گا؟ تیار پھل، پکا ہوا پھل، پختہ پھل بھئی۔ تو مُدْرِك پڑھنا اس کو بھئی مُدْرَك نہیں۔

تو لَا مُدْرِكًا پکا ہوا نہ ہو، پختہ نہ ہو۔ كَالْمُزَارَعَةِ جیسے کس میں تھا؟ مزارعت میں۔ وہاں پر بھی فصل آگئی آپ عقد مساقات کر سکتے ہیں، لیکن اگر پوری تیار ہو گئی اس کے بعد عقد مساقات درست نہیں ہے بھئی۔

کہتے ہیں هَذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے۔ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى لَا تَصِحُّ إِلَّا فِي الْكَرْمِ وَالنَّخِيلِ۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عقد مساقات صحیح نہیں ہے سوائے انگور کے اور کھجور کے۔ صرف انگور میں اور کھجور کے درختوں میں صحیح ہے، اور چیزوں میں نہیں۔ وہ دراصل دلیل میں حدیث، حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے جو خیبر کے یہود تھے ان سے یہ عقد مساقات کر لیا تھا، اور ان کے جو انگور اور کھجور کے درخت تھے اس پر عقد مساقات کیا۔ تو لہٰذا چونکہ یہ حدیث سے ثابت ہے اور حدیث میں صرف انہی دو چیزوں کا ذکر ہے، لہٰذا انہی میں عقد مساقات جائز ہے اور چیزوں میں جائز نہیں ہے بھئی۔ کہتے ہیں وَإِنَّمَا تَصِحُّ فِيهِمَا بِحَدِيثِ خَيْبَرَ ان دونوں میں ہی عقد مساقات صحیح ہے حدیث خیبر کی وجہ سے۔ وَفِي غَيْرِهِمَا بَقِيَ عَلَى الْقِيَاسِ اور باقی چیزوں کے اندر یہ مساقات باقی رہے گی اپنے قیاس پر، کس پر؟ قیاس پر باقی ہے بھئی، اور قیاس تو یہی تقاضا کرتا ہے کہ یہ جائز نہیں ہونا چاہیے، جیسے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہ مزارعت جائز اور نہ مساقات جائز ہے، کیونکہ قَفِيزُ الطَّحَّانِ پایا جا رہا ہے، قَفِيزُ الطَّحَّانِ کا معنی ہے کہ عامل کی محنت سے، عامل کے عمل سے جو چیز حاصل ہو رہی ہے وہی اس کو بطور اجرت کے دی جا رہی ہے۔

تو کہتے ہیں وَفِي غَيْرِهِمَا بَقِيَ عَلَى الْقِيَاسِ اور باقی چیزوں کے اندر، ان دونوں کے علاوہ کے اندر یہ مساقات اپنے قیاس پر باقی رہے گی، یعنی حرام ہے۔ وَعِنْدَنَا تَصِحُّ فِي جَمِيعِ مَا ذُكِرَ اور ہمارے نزدیک مساقات صحیح ہے ان تمام چیزوں میں جن کو ذکر کیا گیا، انگور، درخت ہیں، سبزیاں ہیں، بینگن کی جڑیں ہیں، کھجور وغیرہ، ان سب میں کیا ہے عقد مساقات؟ صحیح ہے۔ بھئی کیوں صحیح ہے، حدیث میں دو چیزوں کا ذکر ہے؟ کہتے ہیں لِحَاجَةِ النَّاسِ لوگوں کی حاجت کی وجہ سے، لوگوں کی حاجت کی وجہ سے، اور حضور علیہ السلام نے جو خیبر والوں کے ساتھ معاملہ فرمایا تو خیبر والے صرف کھجور اور انگور میں ہی مساقات نہیں کرتے تھے، وہ سبزیوں میں بھی مساقات کرتے تھے۔ اور اس حدیث سے جب اتنا پتہ چل گیا کہ عقد مساقات جائز ہے، تو حاجت صرف کھجور اور انگور میں ہے یا باقی چیزوں میں بھی ہے؟ باقی چیزوں میں بھی حاجت ہے، ہر طرح کی فصلیں ہوتی ہیں، سبزیاں ہوتی ہیں، پھل ہوتے ہیں، تو ان سب میں بھی جب جواز پتہ چل گیا، جواز کا ایک جگہ یا دو جگہ جواز کا پتہ چل گیا، تو اسی پر قیاس کرتے ہوئے باقیوں میں بھی وہ جائز ہو گا کیونکہ حاجت صرف ان دو چیزوں میں نہیں ہے، حاجت تو سب کو شامل ہے۔ یہ معنی ہے۔ کہتے ہیں لِحَاجَةِ النَّاسِ لوگوں کی حاجت اور ضرورت کی وجہ سے۔ ثُمَّ إِذَا صَحَّتْ پھر جب عقد مساقات صحیح ہو جائے، عقد مساقات صحیح ہو جائے، تَصِحُّ وَإِنْ كَانَ الثَّمَرُ عَلَى الشَّجَرِ تو وہ صحیح ہو گا اگرچہ پھل درختوں پر لگا ہوا ہو، إِلَّا أَنْ يَكُونَ الثَّمَرُ مُدْرِكًا مگر یہ کہ پھل پکا ہوا ہو، پختہ ہو، پھر صحیح نہیں۔ لِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إِلَى الْعَمَلِ قَبْلَ

الْإِدْرَاكِ لَا بَعْدَهُ اس لیے کیونکہ پھل جو ہے وہ محتاج ہے عمل کا، کام کا، کہ اس کی حفاظت کی جائے، خیال رکھا جائے، پانی پلایا جائے درختوں کو، کیونکہ وہ محتاج ہے عمل کا قَبْلَ الْإِدْرَاكِ پکنے سے پہلے، پختہ ہونے سے پہلے، لَا بَعْدَهُ بعد میں وہ محتاج نہیں ہے۔ بعد میں وہ محتاج نہیں ہے، تو پھر لہٰذا بعد میں عقد کرنا بھی صحیح نہیں جب پھل ایک دفعہ پک جائے۔ كَالْمُزَارَعَةِ جیسے مزارعت ہے بھئی۔ تَصِحُّ إِذَا كَانَ الزَّرْعُ بَقْلًا یہ صحیح ہے جبکہ فصل جو ہے وہ سبز ہو، کچی ہو، چھوٹی ہو۔ فصل کیا ہو؟ کچی ہو۔ بَقْل ویسے سبزی کو کہتے ہیں، یہاں مراد کچی کے معنی میں ہے۔ إِذَا كَانَ الزَّرْعُ بَقْلًا جبکہ فصل جو ہے وہ کھیتی جو ہے وہ کچی ہو۔ وَلَا تَصِحُّ إِذَا اسْتَحْصَدَ بھئی پھر یہاں میری کتاب میں أُسْتُحْصِدَ لکھا ہے، یہ درست نہیں ہے۔ وَلَا تَصِحُّ إِذَا اسْتَحْصَدَ اور مزارعت صحیح نہیں ہے جب فصل پک جائے، کٹنے کے وقت کو پہنچ جائے۔ اسْتَحْصَدَ کا معنی کھیتی کا پکنے کے وقت کو پہنچ جانا، کھیتی کا کٹنے کے وقت کو پہنچ جانا، یعنی تیار ہو جانا کھیتی کا۔ تو کہتے ہیں وَلَا تَصِحُّ إِذَا اسْتَحْصَدَ اور عقد مزارعت صحیح نہیں ہے جب کھیتی کٹنے کے وقت کو پہنچ جائے، یعنی کھیتی پک کر تیار ہو جائے۔ لَكِنْ إِجَارَةُ الْأَرْضِ لَا تَصِحُّ إِلَّا وَأَنْ تَكُونَ خَالِيَةً عَنْ زَرْعِ الْمَالِكِ۔[۲]

یہ اب سوال کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال یہ کہ کھیتی پک کر تیار ہو چکی ہے، تو اب کوئی کسی کو مزارعت کے طور پر دینا چاہتا ہے وہ کھیتی۔ لیکن آپ نے پڑھ لیا کہ کھیتی جب پک کر تیار ہو جائے تو پھر تو عقد مزارعت صحیح نہیں۔ تو کیا زمین کرائے پر دے سکتا ہے پھر اس دوران؟ مثلاً ابھی کچھ دن باقی ہیں، دس پندرہ دن، کھیتی پک گئی ہے لیکن ابھی دس پندرہ دن بعد اس کو اتاریں گے۔ تو کیا یہ ان باقی دنوں کے، اس دوران زمین کو کرائے پر دے سکتے ہیں کیونکہ عقد مزارعت تو صحیح نہیں ہے؟ تو وہ تو نہیں کر سکتے تو کیا یہ زمین کرائے پر دے سکتے ہیں؟ کہتے ہیں بھئی زمین جب مشغول ہے کھیتی کے ساتھ تو اس طرح کسی کو کرائے پر دینا جائز نہیں ہے۔ زمین جب آپ کھیتی سے خالی کر دیں پھر کرائے پر دے سکتے ہیں، جب کھیتی اس کے اندر کھڑی ہے تو کرائے پر نہیں دے سکتے۔ یہ معنی ہے کہ لَكِنْ إِجَارَةُ الْأَرْضِ لَا تَصِحُّ لیکن زمین کو اجارہ یعنی اس کو کرائے پر دینا وہ صحیح نہیں ہے۔ إِلَّا وَأَنْ تَكُونَ، یہ واو غالب کتابت کی غلطی معلوم ہو رہی ہے، إِلَّا أَنْ تَكُونَ خَالِيَةً عَنْ زَرْعِ الْمَالِكِ مگر یہ کہ وہ زمین جو ہے وہ خالی ہو مالک کی کھیتی سے، پھر دے سکتے ہیں۔

فَإِنْ مَاتَ أَحَدُهُمَا أَوْ مَضَتْ مُدَّتُهَا وَالثَّمَرُ نِيءٌ يَقُومُ الْعَامِلُ عَلَيْهِ أَوْ وَارِثُهُ وَإِنْ كَرِهَ الدَّافِعُ أَوْ وَرَثَتُهُ۔ آپ نے مزارعت میں پڑھا تھا کہ عقد کرنے والوں میں سے کوئی مر جائے، چاہے زمین کا مالک ہو، چاہے وہ عامل ہو، تو پھر وہ عقد مزارعت کیا ہو جائے گا؟ ختم ہو جائے گا، فسخ ہو جائے گا۔ ہاں اگر وہ ابھی کھیتی اگ آئی ہے تو پھر وہ عامل کے ورثاء وغیرہ جو ہیں

[۲] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۷۹): صوتی درس کی قراءت میں «تَصِحُّ إِذَا كَانَ الزَّرْعُ بَقْلًا» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «تصحُّ إذا كان بقلًا،» منقول ہے۔

وہ اس کو سنبھالیں گے اور اس کو اختتام تک، تیار ہونے تک اس کا خیال رکھیں گے۔ اب یہاں پر بھی اسی طرح ہے۔ صورت یہ کہ مثلاً دونوں میں سے کوئی ایک مرجاتا ہے، باغ کا مالک یا وہ عامل جو خیال رکھنے والا ہے جس کے ساتھ عقد ہوا ہے۔ تو کہتے ہیں اگر دونوں میں سے کوئی ایک مرجائے یا مدت پوری ہو جائے عقد کی، لیکن پھل ابھی کچا ہے، دونوں میں سے کوئی ایک مرگیا یا مدت پوری ہو گئی لیکن پھل درختوں پر ابھی کچا ہے، پکا نہیں ہے، تو کہتے ہیں اس صورت میں وہ عامل اس کو سنبھالے گا یا اس کے ورثاء سنبھالیں گے اگرچہ باغ کا مالک یا اس کے وارث اس کو ناپسند کرتے ہوں۔ تو یہاں دو صورتیں آگئیں۔ ایک صورت یہ بناؤ کہ عامل مرجاتا ہے۔ دوسری صورت یہ بناؤ کہ وہ باغ کا مالک مرجاتا ہے۔ پہلی صورت بناتے ہیں کہ عامل مرجاتا ہے۔ عامل مرگیا، پھل ابھی کچے ہیں، تو اب اس کو کون سنبھالیں گے؟ عامل کے ورثاء سنبھالیں گے اگرچہ باغ کے مالک کو ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔ وہ کہے نہیں بھئی میں تو، عامل تو ٹھیک تھا، اس کو میں نے باغ دے دیا تھا، اس کے بچوں کو میں نہیں دوں گا۔ کہتے ہیں نہیں بھئی اب چاہے اس کو ناپسند ہی کیوں نہ ہو، عامل کے ورثاء جو ہیں وہ اس باغ کو سنبھالیں گے، اس کا خیال رکھیں گے۔ وجہ یہ کہ ان کا جو مورث تھا، اس مورث نے اس میں محنت کی ہے، تو اگر ان سے باغ لے لیا جائے تو ان کی تو ساری محنت ضائع چلی جائے گی بھئی۔ لہٰذا نقصان کو دور کیا جائے گا، نقصان سے یوں کہیں بچانے کے لیے باغ ان کو دیا جائے گا بھئی۔ ہاں اگر کوئی اور عذر ہے تو پھر آگے آپ کو بتائیں گے کہ چوری وغیرہ کا اگر خطرہ ہے، ان پر اعتماد نہیں ہے، پھر فسخ کیا جا سکتا ہے۔ دوسری صورت بناؤ کہ باغ کا مالک مرگیا۔ باغ کا مالک مرگیا، عامل زندہ ہے، پھل ابھی کچے ہیں، تو عامل ہی کے پاس باغ رہے گا اگرچہ مالک کے ورثاء اس کو ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔ کیونکہ اس نے محنت کی ہے، اگر آپ اس کو نکالیں گے تو اس بیچارے کا نقصان لازم آئے گا۔ تو نقصان سے بچانے کے لیے دونوں صورتوں میں وہ باغ عامل یا عامل کے ورثاء کے پاس رہے گا بھئی۔[۳]

دیکھیے کہتے ہیں: فَإِنْ مَاتَ أَحَدُهُمَا اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک مرگیا جنہوں نے عقد کیا تھا، أَوْ مَضَتْ مُدَّتُهَا یا عقد کی مدت، اس معاملے کے مساقات کی مدت گزر گئی، وَالثَّمَرُ نِيءٌ، نِيءٌ کا معنی ہے کچا ہونا، وَالثَّمَرُ نِيءٌ اس حال میں کہ پھل کچا ہے، يَقُومُ الْعَامِلُ عَلَيْهِ تو عامل اس پر قائم ہو گا یعنی عامل اس کو سنبھالے گا، اس کا ذمہ دار ہو گا، أَوْ وَارِثُهُ یا اس کا وارث۔ وَإِنْ كَرِهَ الدَّافِعُ اگرچہ ناپسند کرے دینے والا یعنی باغ کا مالک، وارثوں کے پاس باغ آگیا، اگرچہ باغ والا اس کو ناپسند کرے۔ أَوْ وَرَثَتُهُ یا اس کے وارث ناپسند کریں، یعنی دافع خود مرگیا، اس کے ورثاء ناپسند کرتے ہیں کہ عامل کے پاس باغ ہو، تو بھی وہ لے نہیں سکتے اس سے۔ دیکھیے خود دونوں صورتیں الگ الگ کر کے بتا رہے ہیں: أَيْ مَاتَ الْعَامِلُ عامل مر

[۳] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۷۹):** صوتی درس کی قراءت میں «فَإِنْ مَاتَ أَحَدُهُمَا أَوْ مَضَتْ مُدَّتُهَا وَالثَّمَرُ نِيءٌ يَقُومُ الْعَامِلُ عَلَيْهِ أَوْ وَارِثُهُ وَإِنْ كَرِهَ الدَّافِعُ أَوْ وَرَثَتُهُ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فإن ماتَ أحدُهما، أو مضتْ مدَّتُها والثَّمر نيٌّ يقومُ العاملُ عليه أو وارثُه، وإن كَرِهَ الدَّافعُ أو ورثتُه» منقول ہے۔

گیا، وَالثَّمَرُ نِيءٌ اس حال میں کہ پھل کچا ہے، يَقُومُ وَرَثَةُ الْعَامِلِ عَلَيْهِ تو قائم ہوں گے یعنی سنبھالیں گے اس کو عامل کے ورثاء، وَإِنْ كَرِهَ الدَّافِعُ اگرچہ وہ باغ کا مالک جو ہے، جو دینے والا، دافع کا معنی دینے والا، وہ جو باغ دینے والا ہے وہ اس کو ناپسند کرے۔ وَإِنْ مَاتَ الدَّافِعُ اور اگر باغ دینے والا مر جائے، تو يَقُومُ الْعَامِلُ كَمَا كَانَ تو عامل اسی طرح قائم رہے گا جیسے وہ تھا، عامل کام کرتا رہے گا، وَإِنْ كَرِهَ وَرَثَةُ الدَّافِعِ اگرچہ ناپسند کریں دینے والے کے وارث، اسْتِحْسَانًا۔ اور یہ حکم کیا ہے؟ استحساناً ہے۔ کہ اگر عامل مر گیا ہے تو عامل کے ورثاء ہی سنبھالیں گے، اور اگر مالک مرا ہے تو عامل ہی سنبھالے گا چاہے اس کے وارث ناپسند ہی کیوں نہ کرتے ہوں۔ کہتے ہیں یہ حکم استحساناً ہے۔ یہ حکم کیا ہے؟ استحساناً ہے۔ اور استحسان کی کیا ہے استحسان کی وجہ؟ کہتے ہیں دَفْعًا لِلضَّرَرِ نقصان کو دور کرنے کے لیے، نقصان سے بچانے کے لیے۔

ایک تو قیاس تھا، میں نے بتایا تھا استحسان کسے کہتے ہیں؟ قیاس خفی کو زیادہ تر۔ ویسے تو جو بھی شرعی دلیل، اس کے مقابلے میں کیا آجائے؟ قیاس۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ استحسان۔ لیکن زیادہ تر اس کا اطلاق کس پر ہوتا ہے؟ قیاس خفی پر۔ اور قیاس خفی یعنی جس میں ذرا زیادہ غور کرنا پڑتا ہے۔ ایک قیاس جلی ہے جو واضح ہوتا ہے، زیادہ غور نہیں کرنا پڑتا، اور ایک قیاس خفی ہے جس میں خوب غور کرنا پڑتا ہے۔ لیکن قیاس خفی کو بھی استحسان تب کہیں گے جب اس کے مقابلے میں کیا ہو؟ قیاس جلی۔ اگر وہاں مقابلے میں قیاس ہے ہی نہیں اور صرف قیاس خفی ہے تو پھر اس کو قیاس ہی کہیں گے، استحسان نہیں کہیں گے، کیونکہ استحسان کے لیے ضروری ہے اس کے مقابلے میں کیا ہو؟ قیاس جلی۔ یہاں بھی دیکھو، قیاس جلی ہے۔ قیاس تو یہ تقاضا کر رہا ہے، مزارعت میں جب دونوں میں سے کوئی، دونوں عقد کرنے والوں میں سے کوئی ایک مرتا تھا تو عقد کیا ہو جاتا تھا؟ عقد فسخ ہو جایا کرتا تھا۔ تو یہاں بھی جب دونوں میں سے ایک مر گیا تو عقد کو فسخ ہو جانا چاہیے بھئی، ختم ہو جانا چاہیے۔ لیکن استحساناً جو ہے باغ کو ان کے پاس رہنے دیا جائے گا، اور وجہ کیا ہے؟ نقصان سے بچانے کے لیے بھئی، نقصان سے بچانے کے لیے۔ اور میں نے بتایا تھا اس کو استحسان کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ یہ مستحسن ہوتا ہے، پسندیدہ ہوتا ہے، اس میں لوگوں کے لیے آسانی ہوتی ہے۔ تو اب کس میں بہتری ہے، کس میں آسانی ہے؟ عقد کو ختم کر دیا جائے یا باقی رکھا جائے؟ باقی رکھا جائے، انہوں نے محنت کی ہے اس پر بھئی کافی۔ وہ محنت ساری ان کی ضائع جائے گی ان کو، تو نقصان سے بچانے کے لیے۔

آگے دیکھیے بھئی: وَلَا تُفْسَخُ إِلَّا لِعُذْرٍ اور اس عقد کو، کوئی بھی عقد مساقات ایک دفعہ کر لیا جائے، تو وَلَا تُفْسَخُ إِلَّا لِعُذْرٍ اس کو فسخ نہیں کیا جائے گا مگر کسی عذر کی وجہ سے۔ وہاں پر تو آپ نے پڑھا تھا کہ اگر بیج والا انکار کر دے بیج لگانے سے تو اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں مجبور قاضی کرے گا دونوں کو کیونکہ یہاں کسی کا بیج نہیں لگ رہا، کوئی نقصان کسی کا نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی عذر آجائے پھر اس صورت میں اس کو فسخ کیا جا سکتا ہے۔ عذر یہ مثلاً کہ جو عامل ہے وہ بیمار ہو گیا، اب وہ بیچارہ کام کر ہی نہیں سکتا، تو اب مجبور ہے، اس عقد کو کیا کریں گے؟ فسخ کریں گے۔ یا مالک کو خطرہ ہے کہ یہ جو عامل

ہے، اسے اطلاعات ملیں کہ یہ تو پھل چوری کرتا ہے یا درختوں کی شاخیں کاٹ کر لے جاتا ہے، تو یہ بھی عذر ہے، لہٰذا اس صورت میں بھی وہ عقد کو کیا کر سکتا ہے؟ فسخ کر سکتا ہے۔ کہتے ہیں وَلَا تُفْسَخُ إِلَّا لِعُذْرٍ اور عقد مساقات فسخ نہیں کیا جائے گا مگر کسی عذر کی وجہ سے۔ وَكَوْنُ الْعَامِلِ مَرِيضًا اور عامل کا مریض ہونا، مَرِيضًا لَا يَقْدِرُ، دیکھو مَرِيض نکرہ آیا، آگے لَا يَقْدِرُ فعل آیا، تو اب اس کو صفت بناؤ، اور عامل کا ایسا مریض ہونا کہ لَا يَقْدِرُ عَلَى الْعَمَلِ کہ وہ عمل پر قادر ہی نہیں، قادر ہی نہ ہو یعنی زیادہ بیمار ہو جائے، أَوْ سَارِقًا یا عامل کا چور ہونا، ایسا چور کہ يَخَافُ عَلَى سَعَفِهِ أَوْ ثَمَرِهِ، سَعَف کہتے ہیں کھجور کی شاخ کو بھئی، لیکن یہاں مطلق شاخوں کی، شاخ مراد ہے کسی بھی درخت کی ہو پھلدار۔ أَوْ سَارِقًا یا اس کا ایسا چور ہونا کہ يَخَافُ عَلَى سَعَفِهِ أَوْ ثَمَرِهِ کہ اس پر خوف ہو درختوں کی شاخوں کا یا ان درختوں کے پھلوں کا کہ وہ ان کو چوری کرتا ہے، تو عُذْرٌ یہ کیا ہے؟ عذر ہے۔ تو یہ عامل کا مریض یا ایسا چور ہونا یہ عذر ہے۔

وَدَفْعُ فَضَاءٍ مُدَّةً مَعْلُومَةً لِيَغْرِسَ وَيَكُونَ الْأَرْضُ وَالشَّجَرُ بَيْنَهُمَا لَا يَصِحُّ۔ صورت یہ کہ آپ کے پاس ایک زمین ہے مثلاً پانچ سو کنال، اور بالکل بنجر اور خراب پڑی ہوئی ہے۔ اب آپ چاہتے ہیں کہ اس کے اندر اگر وہ فلاں قسم کے پھلوں کے درخت لگا دیے جائیں، لیکن آپ میں اتنی محنت کی ہمت نہیں اور یہ زمین ایسی جگہ ہے کہ بیکار ہی پڑی رہے گی، کسی کام کے آپ کے نہیں۔ اب آپ چاہتے ہیں کسی طرح اس میں باغ لگ جائے درختوں کا، تو آپ ایک شخص سے عقد کرتے ہیں اور اس کو کہتے ہیں کہ بھئی تم اس زمین میں اگر درخت لگاؤ، مثلاً پانچ سو درخت اس کے اندر لگا دو، فلاں مثلاً بادام کے لگا دو یا انار کے لگا دو یا کوئی بھی باغ یا کھجور کے لگا دو، جو اس علاقے کا پھل ہے جو ہو سکتا ہے وہاں پر، تو اگر یہ اتنے درخت آپ لگا دو پانچ سال کے اندر، تو آدھی زمین بھی آپ کی، آدھے درخت بھی آپ کے۔ آدھی زمین بھی آپ کی، آدھے درخت بھی آپ کے۔ اب یہ عقد وہ کوئی کسی سے کرنا چاہتا ہے تو کہتے ہیں یہ عقد صحیح نہیں ہے بھئی۔ دیکھیے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ کہتے ہیں وَدَفْعُ فَضَاءٍ، فَضَاء کہتے ہیں کھلی زمین، خالی زمین۔ وَدَفْعُ فَضَاءٍ اور کھلی زمین کو دینا مُدَّةً مَعْلُومَةً ایک معلوم مدت تک، متعین مدت تک مثلاً تین سال یا پانچ سال جتنے بھی طے کر لیں، لِيَغْرِسَ تاکہ وہ اس میں پودے لگائے، وَيَكُونُ الْأَرْضُ وَالشَّجَرُ بَيْنَهُمَا اور جو زمین اور پھل ہیں وہ دونوں کے بیچ ہوں گے، یعنی دونوں کا حصہ ہو گا اس میں، زمین بھی آدھی اس کی اور پھل اور درخت بھی آدھے اس کے۔ لَا يَصِحُّ تو یہ صحیح نہیں۔ بھئی کیوں؟ یہ صحیح کیوں نہیں؟ کہتے ہیں لِاشْتِرَاطِ الشَّرِكَةِ فِيمَا هُوَ حَاصِلٌ قَبْلَ الشَّرِكَةِ اس لیے کیونکہ اس میں شرکت کی شرط لگائی گئی ہے اس زم، فِيمَا، مَا سے مراد زمین ہے، اس زمین کے اندر وَهُوَ حَاصِلٌ قَبْلَ الشَّرِكَةِ جو حاصل ہے شرکت سے پہلے ہی، جو شرکت سے پہلے ہی موجود ہے۔ عقد کر رہے ہیں اور عقد کیا کر رہے ہیں کہ آدھی زمین بھی آپ کی ہو جائے گی۔ بھئی زمین کے اندر اس کا کیا عمل دخل ہے؟ زمین تو پہلے سے ہی موجود ہے، تو ایسی چیز میں شرکت کی شرط لگا رہے ہیں جو عمل سے پہلے ہی موجود ہے، عامل کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ کیا عامل زمین بنائے گا؟ نہیں، زمین تو پہلے سے موجود ہے۔ تو عامل کے عمل

کا ایک چیز میں دخل نہیں اور آپ اسی میں شرکت کی شرط لگا رہے ہیں، اس لیے یہ عقد جائز نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں لِاشْتِرَاطِ الشَّرِكَةِ فِيمَا هُوَ حَاصِلٌ قَبْلَ الشَّرِكَةِ بوجہ شرط لگانے شرکت کے اس زمین کے اندر جو کہ شرکت سے پہلے ہی حاصل ہے یعنی موجود ہے۔

وَالثَّمَرُ وَالْغَرْسُ لِرَبِّ الْأَرْضِ۔ بھئی اگر یہ کوئی اس طرح کر لیتا ہے تو پھر کریں گے کیا؟ تو بتلا رہے ہیں۔ کہتے ہیں وَالثَّمَرُ وَالْغَرْسُ لِرَبِّ الْأَرْضِ جو پھل ہوں گے وَالْغَرْسُ اور وہ جو پودے اور درخت لگائے گئے ہیں لِرَبِّ الْأَرْضِ وہ سارے زمین کے مالک کے ہوں گے۔ وَلِلْآخَرِ قِيمَةُ غَرْسِهِ اور دوسرا شخص جس کے ساتھ اس نے عقد کیا تھا اس کے لیے قِيمَةُ غَرْسِهِ ان درختوں کی قیمت ہوگی، جو پودے اس نے لگائے ان کی قیمت دی جائے گی اس کو، وَأَجْرُ عَمَلِهِ اور اس کے عمل کی اجرت دی جائے گی۔ جو تین سال یا پانچ سال وہ محنت کرتا رہا، اس محنت کی اجرت اس کو۔ باغ پودے لگا کے خود ہی تیار ہو جاتا ہے یا حفاظت کرنا پڑے گی، پانی پلانا پڑے گا، صفائی کرنا پڑے گی شاخوں وغیرہ کی؟ تو یہ سارا کچھ کرنا پڑے گا، تو یہ جو اس مدت کے اندر جتنی وہ محنت کرتا رہا وہ اجر مثل اس کو ملے گا، اور نیز جو اس نے درخت لگائے، پودے لگائے، اس کی بھی قیمت اس کو دی جائے گی۔ کہتے ہیں لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى قَفِيزِ الطَّحَّانِ اس لیے کیونکہ یہ قَفِيزُ الطَّحَّان کے معنی میں ہے۔ کیونکہ یہ کس معنی میں ہے؟ قَفِيزُ الطَّحَّان کے معنی میں ہے۔ بھئی وہی جو مزارعت کے اندر امام صاحب فرماتے تھے کہ مزارعت اور مساقات کس معنی میں ہے؟ قَفِيزُ الطَّحَّان، اس چیز میں شرکت کر رہے ہیں جو اسی کے عمل سے پیدا ہوئی ہے، اسی کے عمل سے پیدا ہوئی ہے۔ تو یہاں پر بھی یہ جو پودے ہیں یہ کس کی محنت سے حاصل ہوئے؟ عامل کی۔ لہٰذا ان پودوں میں شرکت نہیں ہوگی، یہ پودے سارے زمین کے مالک کے ہوں گے۔ اگر یہ پودے آپ اس کو دیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ پودے اس کے ہیں، یہ درخت اس کے ہیں، یہ تو قَفِيزُ الطَّحَّان کے معنی میں ہوا بھئی۔ کس معنی میں ہوا؟ قَفِيزُ الطَّحَّان کے معنی میں ہوا۔ اور قَفِيزُ الطَّحَّان کی شریعت اجازت دیتی ہے؟ نہیں، شریعت اجازت نہیں دیتی کہ وہ چیز اجرت کے طور پر دینا جو اسی عامل کے عمل سے پیدا ہو، اس کو اجرت کے طور پر متعین نہیں کیا جا سکتا بھئی۔ تو لہٰذا یہاں پر بھی یہ جو درخت ہیں یہ زمین کے مالک کے ہوں گے، اس کو بطور اجرت کے نہیں، اس کے نہیں ہوں گے۔ ہاں یہ لگائے اس نے ہیں تو ان کی قیمت اس کو دی جائے گی، قیمت اس کو دی جائے گی، اور یہ درخت اس نے زمین کے مالک کی اجازت سے اپنی مرضی سے لگائے ہیں۔ کس سے لگائے ہیں؟ مالک کی اجازت سے، اپنی مرضی سے۔ اپنی مرضی سے، تو لہٰذا یہ زمین کے ساتھ جڑ گئے۔ درخت زمین کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں یا ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جاتا ہے؟ جڑے ہوئے ہوتے ہیں وہ تو۔ تو لہٰذا یہ اب زمین کے تابع ہو گئے، اور زمین مالک کی تو یہ درخت بھی کس کے؟ مالک کے۔ ہاں ان کے لگانے کی، ان پودوں کی جو قیمت ہوگی وہ اس کو دی جائے گی، اور جتنے عرصہ وہ محنت کرتا رہا اس محنت کی اجرت اس کو دی جائے گی۔ یہ معنی ہے لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى قَفِيزِ الطَّحَّانِ اس لیے کیونکہ یہ قَفِيزُ الطَّحَّان کے معنی میں ہے۔ لِأَنَّهُ اسْتِئْجَارٌ بِبَعْضِ مَا يَخْرُجُ مِنْ عَمَلِهِ اس لیے کیونکہ یہ کرائے پر لینا ہے اس بعض کے بدلے میں جو اس کے عمل سے نکلی ہے، جو

اس کے عمل سے پیدا ہوئی ہے یعنی وہ درخت جو ہیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

وَهُوَ نِصْفُ الْبُسْتَانِ اور اس کی محنت سے جو نکلا ہے، بھئی وہ کیا نکلا ہے، کیا پیدا ہوا ہے اس کے عمل سے؟ کہتے ہیں وَهُوَ نِصْفُ الْبُسْتَانِ اور وہ آدھا باغ ہے، آدھا باغ اس کو دے رہے ہیں نا؟ جی۔ کیا دینا تھا اس کو؟ کیا شرط طے ہوئی تھی؟ کہ آدھا باغ۔ آدھا، آدھا باغ آپ کو دیں گے، اور یہ آدھا باغ کہاں سے آیا؟ اس کی اپنی محنت سے حاصل ہوا، تو لہٰذا یہ کس معنی میں ہوا؟ قَفِيزُ الطَّحَّانِ۔ لہٰذا اس لیے یہاں پر یہ باغ اس کو نہیں دیں گے، یہ پودے اس کو نہیں دیں گے بھئی۔ اور وہاں بھئی مزارعت اور مساقات میں ضرورت تھی، لوگوں کو ہر جگہ وہ مسئلہ پیش آتا تھا، اور یہ مسئلہ تو ہر جگہ پیش نہیں آتا، لہٰذا یہاں ضرورت نہیں ہے، اس کی گنجائش نہیں دی جا سکتی۔ ورنہ تو ہر شخص کو جو مسئلہ پیش آئے گا وہ اس کی ضرور کہے گا مجھے اس کی ضرورت ہے تو وہ اس کو جائز قرار دے لے گا۔ تو ضرورت کہاں ہے اور کہاں نہیں، میں نے بتلایا تھا یہ فقہا بتلائیں گے بھئی۔ لِأَنَّهُ اسْتِئْجَارٌ اس لیے کیونکہ یہ کرائے پر لینا ہے، یعنی اس نے زمین کو کیا کیا؟ کرائے پر لیا تین یا پانچ سال کے لیے، اور کس عوض کیا ٹھہرا؟ بِبَعْضِ مَا يَخْرُجُ مِنْ عَمَلِهِ وہ بعض درخت جو اسی کے عمل سے نکلیں گے، پیدا ہوں گے۔ اور خود بتلایا وَهُوَ نِصْفُ الْبُسْتَانِ وہ کیا ہے؟ آدھا باغ ہے، لہٰذا یہ جائز نہیں۔

وَإِنَّمَا لَا يَكُونُ الْغَرْسُ لِصَاحِبِهِ۔ بھئی آپ نے یہ حکم کیوں نہیں دیا کہ یہ درخت اس کے ہیں، ٹھیک ہے زمین تو زمین والے کی ہے، لیکن درختوں میں تو شرکت ہو سکتی ہے نا، درخت آپ یوں کہہ دیتے کہ یہ جو عامل ہے آدھے درخت اس کے؟ کہتے ہیں بھئی یہ جو درخت اس نے لگائے اپنی زمین میں لگائے یا دوسرے کی؟ دوسرے کی۔ اور اپنی مرضی سے لگائے یا جبراً لگوائے گئے؟ اپنی مرضی سے اس نے لگائے۔ جب اپنی مرضی سے لگائے تو یہ درخت زمین کے تابع ہو گئے کیونکہ درخت زمین کے ساتھ جڑے رہتے ہیں۔ جب تابع ہو گئے تو یہ زمین والے کے ہو گئے، اور جب زمین والے کے ہو گئے تو اب اس کو بھی ان کی قیمت دے گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں وَإِنَّمَا لَا يَكُونُ الْغَرْسُ لِصَاحِبِهِ وہ جو پودے لگائے گئے ہیں وہ اس صاحبِ غرس کے لیے نہیں ہوں گے، لگانے والے کے لیے نہیں ہوں گے، لِأَنَّهُ غَرَسَ، تو یہ لِصَاحِبِهِ کے نیچے کیا لکھا ہے؟ لِصَاحِبِ الْأَرْضِ؟ نہیں یہ غلط ہے بھئی صاحب ارض نہیں، صاحب غرس مراد ہے، لگانے والا، لگانے والا۔ کہتے ہیں وَإِنَّمَا لَا يَكُونُ الْغَرْسُ لِصَاحِبِهِ أَيْ لِصَاحِبِ الْغَرْسِ اور وہ پودے لگانے والے کے لیے نہیں ہوں گے، لِأَنَّهُ غَرَسَ بِرِضَاهُ وَرِضَا صَاحِبِ الْأَرْضِ اس لیے کیونکہ اس نے وہ پودے لگائے ہیں اپنی مرضی سے، کوئی اس پر جبر نہیں تھا، اس نے اپنی مرضی سے لگائے ہیں، وَرِضَا صَاحِبِ الْأَرْضِ اور کس کی مرضی سے؟ زمین والے کی۔ ہاں، زمین والے، یا یوں کہو وَرَضِيَ صَاحِبُ الْأَرْضِ اس حال میں کہ صاحب ارض بھی کیا تھا؟ راضی تھا۔ فَصَارَ تَبَعًا لِلْأَرْضِ تو یہ پودے جو اس نے لگائے یہ زمین کے تابع ہو گئے، لہٰذا زمین کے تابع ہوئے تو زمین والے کے ہو گئے۔ متن میں اوپر آیا تھا نا وَالْغَرْسُ لِرَبِّ الْأَرْضِ۔

وَحِيلَةُ الْجَوَازِ۔ اب جواز کا حیلہ بھی بتلا رہے ہیں کہ بھئی کسی کو اگر ضرورت پیش آجائے، ایسا کرنا پڑے تو وہ کیا کرے

کہ یہ عقد ٹھیک ہو جائے؟ کہتے ہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ عقد میں یہ شرط نہ لگائے کہ پھر جب تیار ہو جائیں گے تو آدھی زمین تمہاری ہو جائے گی اور آدھی زمین میری، کیونکہ زمین کے اندر تو اس کے عمل کا کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ عقدیوں کرے کہ تم جو پودے لگا رہے ہو ان پودوں کے عوض میں میں آدھی زمین تمہیں دیتا ہوں بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں وَحِيلَةُ الْجَوَازِ اور جواز کا حیلہ یہ ہے أَنْ يَبِيعَ نِصْفَ الْأَغْرَاسِ بِنِصْفِ الْأَرْضِ کہ وہ بیچے آدھے پودے جو لگانے ہیں بِنِصْفِ الْأَرْضِ کس کے بدلے؟ زمین کے بدلے، نصف زمین کے بدلے۔ وَيَسْتَأْجِرَ صَاحِبُ الْأَرْضِ الْعَامِلَ اور کرائے پر رکھ لے زمین والا عامل کو، یعنی ملازم کے طور پر رکھ لے، فِي ثَلَاثِ سِنِينَ مَثَلًا مثال کے طور پر تین سالوں میں بِشَيْءٍ قَلِيلٍ تھوڑی سی چیز کے بدلے، لِيَعْمَلَ فِي نَصِيبِهِ تاکہ وہ عمل کرے اس کے حصے میں، تاکہ وہ کیا کرے؟ عمل کرے۔

بھئی دیکھو، زمین اس کو دینی ہے تو زمین کے دینے کا طریقہ یہ ہے کہ اس سے کہو کہ یہ پودے لگائے ساری زمین میں، اور پھر تین سال تک ان کا خیال رکھے کہ یہ باغ بن جائے، تیار ہو جائیں۔ تو جو وہ پودے لگائے، اس کو آدھی زمین عوض کے طور پر دے دے، آدھی زمین عوض کے طور پر دے دے کہ یہ جو پودے لگائے ہیں آپ نے محنت کی ہے اس کے عوض کے طور پر آدھی زمین آپ کی ہو گئی۔ تو زمین آدھی اس کی ہوئی کس کے عوض میں؟ جو اس نے پودے لگائے ہیں۔ اور باقی اس نے جو محنت کرنی ہے تین سال تک، اس کے لیے ذرا تھوڑی جو ضرورت کے مطابق وہ اس کو اجرت پر رکھ لے۔ آدھی زمین تو اب اس کی ہو گئی، اور آدھی زمین اس کی ہے، تو اس میں بھی وہ محنت کرے گا یا نہیں کرے گا؟ محنت تو ساری میں کرے گا، تو اس کے حصے میں بھی آئے گی جو زمین کا مالک ہے، تو اس کے لیے اس کو تھوڑی سی اجرت مقرر کر دے، اس اجرت کو دیتا رہے، اور اس طرح اس کا باغ بھی تیار ہو جائے گا اور اس کے بھی زمین اور باغ اپنا تیار ہو جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں وَيَسْتَأْجِرَ صَاحِبُ الْأَرْضِ اور کرائے پر رکھ لے زمین والا الْعَامِلَ عامل یعنی مزدور کو فِي ثَلَاثِ سِنِينَ مَثَلًا مثلاً تین سال کے اندر، تین سال میں مثال کے طور پر، تین ہوں یا چار یا پانچ جو بھی ہو، فِي ثَلَاثِ سِنِينَ مَثَلًا مثلاً تین سالوں میں بِشَيْءٍ قَلِيلٍ تھوڑی سی چیز کے بدلے، کس کے بدلے؟ تھوڑی سی چیز کے۔ مثلاً بھئی انہوں نے عقد کیا طے کیا تھا شروع میں؟ یہ کیا کرنا چاہ رہے تھے؟ آدھی زمین اور آدھا باغ ملے گا، ٹھیک ہے؟ اب تو آدھی زمین کس کے بدلے ہو گئی؟ آدھے باغ کے، جو پودے لگائے، اور تو اس کا بھی، زمین بھی تیار ہو جائے گی اور باغ بھی تیار ہو جائے گا۔ پھر دیکھو، کون سی صورت ناجائز تھی؟ کہ جب باغ تیار ہو جائے تین سال کے اندر یا پانچ سال میں تو آدھا باغ آدھی زمین تمہاری اور آدھا میرا، یہی شرط طے ہوئی تھی نا؟ اب بھی زمین جب آدھی اس کی ہو گئی تو اس کے اندر جو باغ ہے وہ بھی اسی کا ہو گا، تو اس کو آدھی زمین بھی مل رہی ہے اور آدھا باغ بھی مل گیا ہے۔ اور یہ دوسرے کی زمین میں محنت کر رہا ہے، دوسرے کی زمین میں بھی محنت کر رہا ہے ابھی تو باغ تیار ہونا ہے تین سال کا عرصہ ہے۔ تو اب اس کو اگر پوری اجرت دیں پھر تو وہ تو اچھی خاصی بن جائے گی بھئی تین سال کی اجرت۔ فاسد صورت میں اس کو کیا مل رہا تھا؟ آدھی زمین اور آدھا باغ، وہ اب تو اس کو مل چکا ہے، لہٰذا اب اس کو مزید اجرت، یہ تو مالک پر بوجھ بن جائے گی، تو کہتے

ہیں بھئی تھوڑی سی اجرت طے کر دو، مثلاً سال کا سو روپیہ دے دیا کروں گا آپ کو میں۔ اب سال کا سو روپیہ؟ بھئی سو روپیہ تو ایک دن کا بھی کوئی نہیں لیتا، لیکن اب دیکھو یہ مالک پر بوجھ بھی نہیں اور اجرت بھی اس کو مل رہی ہے، اور گویا اجرت صرف وہی باغ اور زمین ہے بس، وہی اس کو دے دی، باقی یہ سو روپیہ سال کا یہ تو کوئی چیز ہی نہیں، برائے نام بھئی یعنی اجرت، جو کسی مالک پر بوجھ ذرا بھی نہ ہو بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے بِشَيْءٍ قَلِيلٍ تھوڑی سی چیز کے بدلے، لِيَعْمَلَ فِي نَصِيبِهِ تاکہ وہ عمل کرے اس کے حصے میں۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔ صورت اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ تمام مسائل سمجھ میں آگئے بھئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

كِتَابُ الذَّبَائِحِ وَالْأُضْحِيَةِ

ذبحِ اختیاری و اضطراری، قطعِ عروق، ماکول اللحم حیوانات اور قربانی کے مسائل

سبق نمبر ۱۸: کتاب الذبائح: ذکوٰۃِ اختیاری و اضطراری، تسمیہ کے احکام اور چار رگوں (حلقوم، مری، ودجین) کا قطع

شرح الوقایہ صفحہ: ۳۳ — بتاریخ: ۵ نومبر ۲۰۱۹ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے کتاب پر بھیَ، كِتَابُ الذَّبَائِحِ، حَرُمَ ذَبِيْحَةٌ لَمْ تُذَكَّ، أَرَادَ بِالذَّبِيْحَةِ حَيَوَانًا مِنْ شَأْنِهِ الذَّبْحُ حَتّٰى يَخْرُجَ السَّمَكُ وَالْجَرَادُ إِذْ لَيْسَ مِنْ شَأْنِهِمَا الذَّبْحُ، وَإِنَّمَا حَمَلْنَاهُ عَلٰى ذٰلِكَ لَا عَلَى الْمَعْنَى الْحَقِيْقِيِّ إِذْ لَوْ حُمِلَ عَلَيْهِ لَكَانَ الْمَعْنٰى حَرُمَ مَذْبُوْحٌ لَمْ يُذَكَّ أَيْ لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ فَلَا يَتَنَاوَلُ حُرْمَةَ مَا لَيْسَ بِمَذْبُوْحٍ كَالْمُتَرَدِّيَةِ وَالنَّطِيْحَةِ وَنَحْوِهِمَا۔[۲۱]

[۱]

نقشۂ فقہی (۵): کتاب الذبائح — ذکوٰۃِ اختیاری و اضطراری اور قطعِ عروقِ اربعہ کا نقشہ:

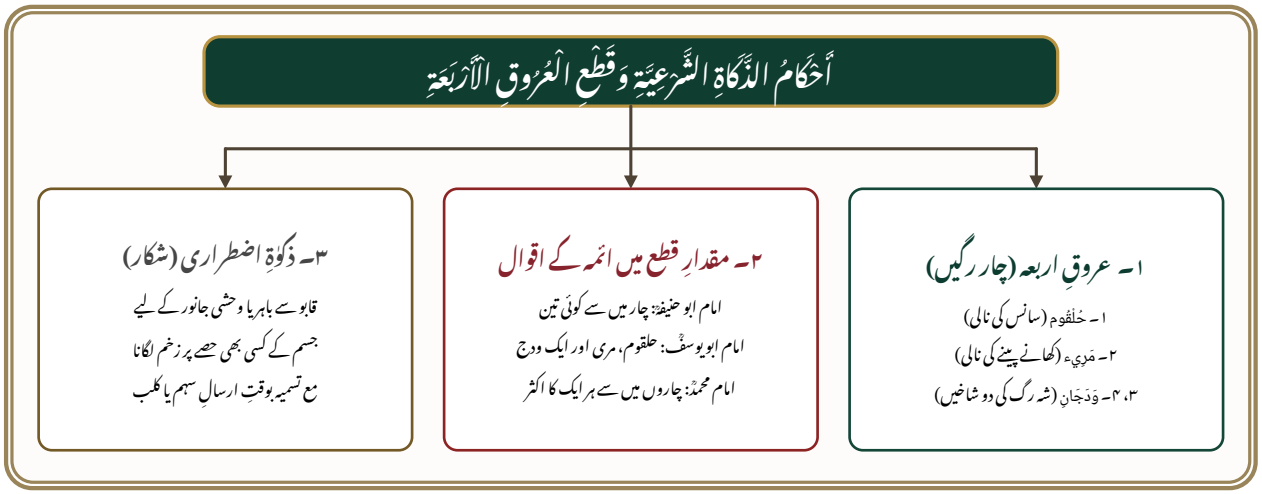

[۲] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۸۱): صوتی درس کی قراءت میں «وَإِنَّمَا حَمَلْنَاهُ عَلٰى ذٰلِكَ لَا عَلَى الْمَعْنَى الْحَقِيْقِيِّ إِذْ لَوْ حُمِلَ عَلَيْهِ لَكَانَ الْمَعْنٰى حَرُمَ مَذْبُوْحٌ لَمْ يُذَكَّ أَيْ لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ فَلَا يَتَنَاوَلُ حُرْمَةَ مَا لَيْسَ بِمَذْبُوْحٍ كَالْمُتَرَدِّيَةِ وَالنَّطِيْحَةِ وَنَحْوِهِمَا» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وإنّما حملْناهُ على ذلك لا على المعنى الحقيقيّ، إذ لو حُمِلَ على المعنى الحقيقي لكان المعنى حرم مذبوحٌ لم يذكَّ:أي لم يذكرْ اسمُ الله تعالى عليه، فلا يتناولُ حرمةَ ما ليس بمذبوح:كالمتردِّية، والنَّطيحة، ونحوهما،» منقول ہے۔

آج ہم کِتَابُ الذَّبَائِحِ پڑھیں گے بھئی، ذبائح۔ یاد رکھیے ذَبَائِح جمع ہے ذَبِیْحَة کی، ذبیحہ۔ اور ذبیحہ کا حقیقی معنی ہے مَذْبُوْح بھئی، مذبوح۔ تو یہ ذبیحہ کس معنی میں ہوا؟ مَذْبُوْحٌ کے معنی میں، یعنی جس کو ذبح کیا گیا۔ ایک حیوان ہے، آپ نے اس کو ذبح کر دیا، تو یہ کیا ہے؟ ذبیحہ ہے، مذبوح ہے، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ آپ نے حیوان کو کیا کر دیا؟ ذبح کر دیا۔ اب یہ کیا ہے؟ مذبوح ہے اور اسی کا دوسرا نام کیا؟ ذبیحہ بھئی، ذبیحہ۔

اور ایک ذبیحہ کا معنی ہے، ذبح کا جو جانور ہے، ذبح کے لائق ہے، جس کو ذبح کیا جاتا ہو، اس کو کیا کہتے ہیں؟ اس کو بھی ذبیحہ کہتے ہیں۔ مثلاً آپ قربانی کے لیے ایک جانور لائے۔ آپ نے اس کو کیا کرنا ہے؟ ذبح کرنا ہے۔ ابھی ذبح کیا نہیں، لیکن اس کو ذبح کرنا ہے، یعنی یہ لائقِ ذبح ہے، ذبح کے قابل ہے، تو اس کو بھی کیا کہیں گے؟ ذبیحہ، اگرچہ ابھی ذبح نہیں کیا گیا۔ تو ذبیحہ کا حقیقی معنی مذبوح، یعنی وہ حیوان جس کو ذبح کیا گیا۔ اور اس کا مجازی معنی کیا؟ وہ جانور جس کو ذبح کیا جاتا ہو، یعنی حلال جانور ہے، اس کو ذبح کیا جاتا ہے، کھایا جاتا ہے، تو اس کو بھی ذبیحہ کہتے ہیں بھئی۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ تو گویا ذبیحہ کے دو معنی ہو گئے، ایک ذبح شدہ جانور، اور ایک لائقِ ذبح، یا یوں کہو ذبح کا جو جانور ہے، جس کی شان یا جس کا حال یہ ہے کہ اس کو ذبح کیا جاتا ہو۔

اب دیکھیے کتاب پر، کہتے ہیں حَرُمَ ذَبِیْحَةٌ لَمْ تُذَكَّ، حرام ہے وہ ذبیحہ، لَمْ تُذَكَّ جس کو ذبح نہ کیا جائے۔ حرام ہے وہ ذبیحہ، لَمْ تُذَكَّ جس کو ذبح نہ کیا جائے۔ اگر ذبح کا حقیقی معنی مراد لیں، تو ذبیحہ سے کیا مراد؟ ذبح شدہ جانور، جس کو آپ ذبح کر چکے ہیں۔ کہتے ہیں حَرُمَ ذَبِیْحَةٌ حرام ہے وہ ذبح شدہ جانور، لَمْ تُذَكَّ جس کو ذبح نہیں کیا گیا۔ بھئی ذبح تو کیا گیا ہے، اسی لیے تو اس کو کیا کہہ رہے ہیں؟ ذبیحہ کہہ رہے ہیں۔ مراد ہے جس کو شرعی طریقے سے ذبح نہیں کیا گیا، یعنی اللہ کا نام نہیں لیا۔ بالارادہ اللہ کا نام اس پر نہیں لیا، تو یہ اگرچہ مذبوح ہے جانور، ذبح کیا گیا ہے، لیکن یہ حرام ہے۔ معنی سمجھ میں آ گیا؟ حَرُمَ ذَبِیْحَةٌ حرام ہے وہ ذبح شدہ جانور، لَمْ تُذَكَّ جس کو ذبح نہیں کیا گیا، یعنی اس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ ذَكّٰی یُذَكِّيْ، تَذْكِیَة کا کیا معنی کر لیں؟ اللہ کا نام لینا۔ کیونکہ ذبح شدہ تو ہے، ذبح تو کیا گیا ہے، لیکن اس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا، یعنی شرعی طریقے سے ذبح نہیں کیا گیا۔

تو یہ ذَكّٰی یُذَكِّيْ تَذْكِیَة کا معنی ہے ذبح کرنا۔ یاد رکھیے ایک لفظ ہے ذَبْحٌ، ایک ہے ذِبْحٌ۔ ذَبْحٌ کا معنی ہے ذبح کرنا، یہ مصدر ہے۔ ذَبْحٌ کا کیا معنی ہے؟ ذبح کرنا۔ ہاں، ہم تو اردو میں ذبح بولتے ہیں نا ذال کے کسرہ کے ساتھ، حالانکہ عربی میں صحیح لفظ ہے ذَبْحٌ۔ ذبح کرنا، ذال کے فتحہ کے ساتھ۔ اور ذِبْحٌ ذال کے کسرہ کے ساتھ جو ہے، وہ اس حیوان کو کہتے ہیں جس کو ذبح کیا جائے۔ قربان، یعنی قربانی کا جانور، وہ ہے ذِبْحٌ۔ اور وہ جو اس کو ذبح کرنا ہے، وہ ہے ذَبْحٌ۔ قربانی کا جانور ذِبْحٌ، اور جو ذبح کرنا وہ ذَبْحٌ۔

اب دیکھیے بھئی یہ عبارت ہے، آپ کو شارح بتلائیں گے کہ ذبیحہ سے حقیقی معنی مراد نہ لو۔ ہم نے تو ابھی ترجمہ کیا حقیقی

معنی کے ساتھ، حَرُمَ ذَبِيْحَةٌ وہ ذبیحہ، وہ مذبوح حرام ہے، لَمْ تُذَكَّ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ آپ کو بتلائیں گے شارح کہ نہیں بھئی، ذبیحہ کا حقیقی معنی مراد نہ لو۔ کیونکہ اگر آپ اس سے حقیقی معنی مراد لیتے ہیں، تو اس صورت میں اس عبارت سے کوئی حیوان مثلاً بلندی سے گر کر، کوئی بکری وغیرہ بلندی سے گر کر مر جائے، پہاڑ سے گری یا چھت سے گری مر گئی، یا ایک حیوان نے دوسرے حیوان کو سینگ مارا، گائے وغیرہ نے سینگ مارا اور بکری مر گئی، تو وہ حیوان جو سینگ لگنے سے مر گیا، یا وہ حیوان جو بلندی سے گر کر مر گیا، اس کی حرمت کا ان لفظوں سے پتا نہیں چل رہا۔ کیونکہ اس میں تو صرف کیا آیا؟ حَرُمَ حرام ہے، ذَبِيْحَةٌ وہ ذبح شدہ جانور، لَمْ تُذَكَّ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ معلوم ہوا اس میں بلندی سے گرنے والے کا ذکر ہے؟ نہیں۔ اس کا تو ذکر ہی نہیں، معلوم ہوا وہ حرام نہیں۔ یا کسی جانور کو کسی دوسرے جانور نے سینگ مارے اور وہ مر گیا، اس کا بھی یہاں پر ذکر نہیں، معلوم ہوا وہ بھی حرام نہیں ہے۔ حالانکہ عبارت ایسی ہو جس میں ساری حرام آجائیں بھئی، جتنے حیوان، یعنی صرف حلال صورت رہ جائے، باقی صورتیں اس کے اندر آجائیں۔ تو کہتے ہیں لہٰذا ذبیحہ کا یہاں معنی کرو وہ حیوان جو قابلِ ذبح ہو، جس کو ذبح کیا جاتا ہو۔ ذبح کیا تو نہیں، لیکن ذبح کے لائق ہے، اس کو کھایا کیسے جاتا ہے؟ شرعی طریقہ کیا ہے؟ ذبح کر کے۔ تو وہ حیوان مراد لو، مذبوح مراد نہ لو۔

تو اب ساری صورتیں آگئیں۔ دیکھو عبارت، حَرُمَ ذَبِيْحَةٌ حرام ہے وہ ذبح کے لائق جانور، لَمْ تُذَكَّ جس کو ذبح نہ کیا جائے شرعی طریقے سے۔ ذبح کے لائق وہ جانور حرام ہے جس کو ذبح نہ کیا جائے۔ اب بلندی سے بکری گری، بھئی یہ ذبح کے لائق ہے کہ نہیں؟ اس بکری کو ذبح کیا جاتا ہے کہ نہیں؟ کیا جاتا ہے۔ اور اس کو ذبح کیا؟ نہیں، تو یہ بھی حرام، اس کے اندر داخل ہو گئی۔ حرام، وہ ذبح کے لائق جانور بھی حرام ہے، لَمْ تُذَكَّ جس کو ذبح نہ کیا جاتا ہو۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ کوئی گائے یا بکری بلندی سے گری اور مر گئی، وہ بھی اس میں داخل ہو گئی، کیونکہ وہ ذبیحہ ہے، لیکن اس کو ذبح نہیں کیا گیا۔ اسی طرح ایک بکری کو گائے نے سینگ مارے اور وہ بکری مر گئی، وہ بھی اس کے اندر داخل ہو گئی، معلوم ہوا وہ بھی حرام ہے، کیونکہ وہ بھی کیا تھا؟ ذبیحہ تھا، ذبح کے لائق جانور تھا، لیکن اس کو ذبح نہیں کیا گیا۔

اسی طرح حیوان سے اگر عضو کاٹ لیا جائے، زندہ حیوان سے۔ زندہ حیوان سے عضو کاٹ لیا، اب بتائیے، یہ حرام ہے یا حلال ہے؟ تو یاد رکھیے یہ ہے تو حرام، ظاہر سی بات ہے، کیونکہ جانور حلال صرف کس سے ہوتا ہے؟ ذبح سے۔ اور یہ جو عضو کو کاٹا گیا، اس کو کوئی ذبح کہتا ہے؟ نہیں، اس کو تو کاٹنا کہتے ہیں، قَطْع تو کہتے ہیں، ذبح کوئی بھی نہیں کہتا۔ معلوم ہوا کہ یہ بھی کیا ہے؟ حرام۔ تو اب ذبیحہ کا معنی جب مجازی لے لو گے کہ وہ حیوان جو ذبح کے لائق ہو، جس کی شان یہ ہے کہ اس کو ذبح کیا جاتا ہو، تو اب ساری صورتیں اس کے اندر داخل ہو گئیں۔ اس سے معلوم ہو گیا، بلندی سے گرنے والا حیوان بھی کیا، گر کر مر جائے جو حیوان وہ بھی کیا ہے؟ حرام ہے، اِلَّا یہ کہ ابھی وہ زندہ ہو، آپ پہنچ گئے اور آپ نے ذبح کر

دیا۔ اب تو کیا ہوا؟ حلال، کیونکہ آپ نے ذبح کیا ہے، زندہ تھا آپ نے ذبح کر دیا۔ یا کسی حیوان نے سینگ مارا اور مر گیا، وہ بھی اس سے پتا چلا حرام ہے، اِلَّا یہ کہ آپ پہنچ گئے اور آپ نے مرنے سے پہلے اس کو کیا کر دیا؟ ذبح کر دیا، تو یہ بھی حلال ہوا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھیے اب کتاب پر بھئی، حَرُمَ ذَبِيْحَةٌ لَمْ تُذَكَّ حرام ہے ذبح کے لائق وہ جانور، لَمْ تُذَكَّ جس کو ذبح نہ کیا جائے۔ أَرَادَ بِالذَّبِيْحَةِ حَيَوَانًا مِنْ شَأْنِهِ الذَّبْحُ ارادہ کیا ماتن نے ذبیحہ کے ذریعے ایسے حیوان کا مِنْ شَأْنِهِ الذَّبْحُ جس کی شان کیا ہو؟ ذبح ہو۔ شان سے مراد ہے حال، جس کا حال یہ ہو کہ اس کو ذبح کیا جاتا ہو۔ حَتّٰى يَخْرُجَ السَّمَكُ وَالْجَرَادُ یہاں تک کہ مچھلی اور ٹڈی نکل گئی۔ مچھلی اور ٹڈی، بھئی مچھلی میں تو ذبح نہیں۔ مچھلی میں ذبح نہیں۔ اسی طرح ٹڈی بھئی، ٹڈی، جس کو فارسی اور پشتو میں ملخ یا ملخ کہتے ہیں، یہ اچھل اچھل کر چلتی ہے بھئی، سمجھ میں آیا؟ حَشَرَة ہے، یہ اس میں چھوٹی بڑی مختلف ہوتی ہیں، یہ بڑی ہوتی ہے، جو یہاں مراد ہے، جو فصلوں پر بھی حملہ آور ہوتی ہے بھئی، اور یہ کوئی انگلی کے لگ بھگ بڑی ہوتی ہے بھئی۔ ایک انگلی کے برابر۔ اور یہ ہزاروں، لاکھوں کی تعداد میں بعض اوقات کسی علاقے میں آتی ہیں، فصلوں پر حملہ کرتی ہیں اور پوری کی پوری فصل کو ایک آدھ دن میں کھا جاتی ہیں، اتنی زیادہ لاکھوں کی تعداد میں ہوتی ہیں۔ تو بعض علاقوں میں آپ نے بھی سنا ہو گا، بعض علاقوں میں یہ ٹڈیاں حملہ آور ہوتی ہیں اور سارے علاقے کی فصلوں کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہیں۔ تو یہ جو ہے اس کا کھانا حلال ہے۔ کھانا حلال ہے، اور یہ جو دو حیوان ہیں، جن کو بغیر ذبح کے ہی شریعت نے حلال قرار دیا، وہ ایک مچھلی ہے اور ایک ٹڈی ہے بھئی، ٹڈی ہے۔

تو اب انہوں نے کیا کہا؟ ذبح کے لائق وہ جانور حرام ہے جس کو ذبح نہ کیا جائے۔ اس سے مچھلی اور ٹڈی نکل گئے، کیونکہ ان کو تو ذبح کیا ہی نہیں جاتا، وہ ویسے ہی حلال ہیں، بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں حَتّٰى يَخْرُجَ السَّمَكُ وَالْجَرَادُ یہاں تک کہ مچھلی اور ٹڈی نکل گئی، إِذْ لَيْسَ مِنْ شَأْنِهِمَا الذَّبْحُ اس لیے کیونکہ ان کی شان جو ہے ذبح نہیں ہے، ان کو ذبح نہیں کیا جاتا۔

وَإِنَّمَا حَمَلْنَاهُ عَلٰى ذٰلِكَ لَا عَلَى الْمَعْنَى الْحَقِيْقِيِّ یہ سوال کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال یہ کہ آپ نے ذبیحہ سے مَذْبُوْح مراد نہیں لیا، حقیقی معنی مراد نہیں لیا، بلکہ کون سا معنی لیا؟ مجازی معنی، یعنی وہ حیوان جس کی شان یہ ہو کہ ذبح کیا جاتا ہو۔ کہتے ہیں وَإِنَّمَا حَمَلْنَاهُ عَلٰى ذٰلِكَ اور ہم نے اس کو اس معنی پر محمول کیا، یعنی معنی مجا، جو ہم نے معنی ذکر کر دیا، لَا عَلَى الْمَعْنَى الْحَقِيْقِيِّ معنی حقیقی پر اس کو محمول نہیں کیا، یعنی ذبیحہ سے ہم نے حقیقی معنی مراد نہیں لیا بلکہ مذکورہ معنی مراد لیا۔ إِذْ لَوْ حُمِلَ عَلَيْهِ اس لیے کیونکہ اگر ذبیحہ کو اس معنی پر محمول کر لیا جائے تو لَكَانَ الْمَعْنٰى تو عبارت کا معنی یہ ہو جائے گا، حَرُمَ مَذْبُوْحٌ لَمْ يُذَكَّ حرام ہے وہ ذبح شدہ جانور، لَمْ يُذَكَّ جس کو ذبح نہ کیا جائے۔ بھئی ذبح تو کیا گیا ہے، اسی لیے تو مذبوح ہے۔ پھر لَمْ يُذَكَّ کا کیا معنی؟ میں نے بتلایا تھا، یعنی اس پر شرعی طریقے سے ذبح نہیں کیا، یعنی اللہ کا نام نہیں لیا۔ تو حرام ہے وہ مَذْبُوْحٌ لَمْ يُذَكَّ جس کو ذبح نہ کیا جائے، أَيْ لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ یعنی اللہ کا نام اس پر ذکر نہ

کیا جائے۔ تو فَلَا يَتَنَاوَلُ حُرْمَةَ مَا لَيْسَ بِمَذْبُوْحٍ تو یہ شامل نہ ہوا، یا یوں کہیے عبارت شامل نہ ہوئی، حُرْمَةَ مَا لَيْسَ بِمَذْبُوْحٍ حرمت اس حیوان کی جو ذبح شدہ نہیں ہے، جو ذبح شدہ نہیں ہے۔ كَالْمُتَرَدِّيَةِ جیسے، مُتَرَدِّيَة کہتے ہیں بلندی سے گر کر ہلاک ہونے والا حیوان، وَالنَّطِيْحَةِ، نَطِيْحَة کہتے ہیں وہ حیوان جو سینگ مارنے سے ہلاک ہو جائے، مر جائے، کسی، ایک حیوان نے دوسرے کو سینگ مارا اور وہ مر گیا۔ تو اس صورت میں یہ شامل نہیں ہو گا حرمت ان چیزوں کی جو مذبوح نہیں ہیں، كَالْمُتَرَدِّيَةِ وَالنَّطِيْحَةِ وَنَحْوِهِمَا جیسے مُتَرَدِّيَة، نَطِيْحَة اور اس جیسے اور حیوان ہیں۔ اب مُتَرَدِّيَة دیکھو، انہوں نے کیا کہا؟ کون سا حیوان حرام ہے؟ اگر حقیقی معنی لو، تو حرام ہے وہ مذبوح جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ اور یہ تو بلندی سے گرا ہے، یا یہ تو سینگوں سے مرا ہے، یہ تو سرے سے مذبوح ہی نہیں، اور انہوں نے صرف بتلایا کہ مذبوح حرام ہے، معلوم ہوا یہ حرام نہیں۔ توجہ ہے؟ حَرُمَ ذَبِيْحَةٌ، ذبیحہ کا اگر حقیقی معنی مراد لے لیں تو اس کا کیا معنی بنے گا؟ وہ ذبح شدہ جانور حرام ہے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ تو یہ تو ذبح شدہ ہیں ہی نہیں، یہ تو اس کے اندر ہی داخل نہیں۔ تو اس کے اندر داخل ہوتے تو حرمت کا پتا چلتا، وہاں حرمت بیان ہو رہی ہے نا۔ معلوم ہوا یہ حرام نہیں، حالانکہ یہ بھی حرام ہیں بھئی۔ تو لہٰذا ذبیحہ سے حقیقی معنی مذبوح نہ لو، بلکہ وہ حیوان جس کی شان یہ ہو کہ اس کو کیا کیا جاتا ہو؟ ذبح کیا جاتا ہو، یعنی ذبح کا جو جانور ہے۔ تو ذبح کا جانور جب اس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے تو وہ حرام ہے، اب اس میں مُتَرَدِّيَة بھی شامل، یہ بھی ذبح کا جانور ہے، لیکن اس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا، ویسے ہی گر کر مر گیا، اور نَطِيْحَة یہ بھی ذبح کا جانور ہے، لیکن یہ بھی بلند، یہ سینگ لگنے سے مر گیا، اس کو ذبح نہیں کیا گیا، یہ بھی حرام، سب اس کے اندر داخل ہو گئے۔ معنی سمجھ میں آ رہا ہے؟

وَلَا مَا إِذَا قُطِعَ مِنَ الْحَيَوَانِ الْحَيِّ عُضْوٌ اور نہ ہی یہ اس کو شامل ہے جب کاٹ لیا جائے کسی حیوان، مِنَ الْحَيَوَانِ الْحَيِّ کسی زندہ حیوان سے عُضْوٌ کوئی عضو، اس کو بھی شامل نہیں۔ کیونکہ زندہ حیوان سے عضو کاٹ لو، تو اس عضو کو کوئی ذبح شدہ کہتا ہے؟ نہیں۔ توجہ ہے؟ اس کو کوئی ذبح شدہ نہیں۔ اور عبارت میں تو ہم نے، اگر ذبح کا حقیقی معنی مراد لیں، تو کیا معنی تھا عبارت کا؟ حرام ہے وہ ذبح شدہ جانور جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ ذبح شدہ جانور ہی صرف گویا حرام ہیں، باقی یہ عضو جو کاٹا گیا یہ تو ذبح شدہ ہی نہیں ہے، یہ بھی حلال ہوا اس کا مطلب ہے۔ حالانکہ یہ بھی حرام ہے، تو عبارت کا ایسا ترجمہ کرو کہ یہ بھی اس میں داخل ہو جائے۔ تو اب عبارت کا کیا ترجمہ؟ کیسے؟ حَرُمَ ذَبِيْحَةٌ لَمْ تُذَكَّ حرام ہے وہ ذبح کے لائق جانور جس کو ذبح نہ کیا جاتا ہو۔ اور یہ عضو، اس کا کاٹنا یہ تو ذبح ہے ہی نہیں، لہٰذا یہ بھی کیا ہوا؟ حرام ہوا۔

تو کہتے ہیں وَلَا مَا إِذَا قُطِعَ مِنَ الْحَيَوَانِ الْحَيِّ عُضْوٌ اور نہ ہی یہ اس صورت کو شامل ہے کہ جب حیوان سے، زندہ حیوان سے عضو کو کاٹ لیا جائے۔ وَإِذَا حُمِلَ عَلَى الْمَعْنَى الْمَجَازِيِّ اور جب اس کو محمول کر لیا جائے، یعنی ذَبِيْحَة کے لفظ کو محمول کر لیا جائے معنی مجازی پر، وَهُوَ مَا مِنْ شَأْنِهِ أَنْ يُذْبَحَ اور وہ، وہ حیوان جس کی شان یہ ہو کہ اس کو ذبح کیا جاتا ہو، تو يَتَنَاوَلُ الصُّوَرَ الْمَذْكُوْرَةَ تو اس صورت میں یہ مذکورہ تمام صورتوں کو شامل ہو گا۔ اس سے مُتَرَدِّيَة کی حرمت کا پتا بھی چل

جائے گا، اس سے نَطِیْحَۃ کی حرمت کا پتا بھی چل جائے گا اور اس جیسی چیزوں کا بھی، جیسے زندہ حیوان سے عضو کاٹ لیا جائے، یہ سب اس کی حرمت کے اندر داخل ہو گئے۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

حاصلِ کلام یہ ہوا کہ مصنف رَحِمَہُ اللّٰہُ نے آپ کو بتلایا، متن میں آیا تھا حَرُمَ ذَبِیْحَۃٌ لَمْ تُذَکَّ حرام ہے وہ ذبح کے لائق جانور جس کو ذبح نہ کیا جائے، یعنی جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے۔ شارح نے آپ کو بتلایا کہ ذبیحہ کے دو معنی آتے ہیں، ایک حقیقی معنی ہے اور ایک مجازی معنی۔ حقیقی معنی جو ہے وہ ذبح شدہ جانور، جس کو آپ نے ذبح کر دیا، تو یہ جو مَذْبُوْح ہے اس کو ذبیحہ کہتے ہیں۔ اور وہ یہاں پر مراد نہیں لے سکتے، کیونکہ اگر وہ مراد لیں گے تو ترجمہ یوں ہو جائے گا کہ حرام ہے وہ ذبح شدہ جانور، لَمْ تُذَکَّ جس کو آپ نے ذبح نہیں کیا، یعنی جس پر اللہ کا نام نہیں لیا۔ ذبح شدہ جانور اور جس، اس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو تو یہ کیا ہے؟ حرام۔ تو کچھ اور بھی تو جانور ہیں، مثلاً جو بلندی سے گر کر مر جاتا ہے، اس کو تو سرے سے ذبح ہی نہیں کیا گیا، اس کی حرمت تو معلوم نہ ہوئی۔ انہوں نے کیا کہا؟ حرام ہے وہ جانور، کون سا؟ جس کو ذبح کیا گیا ہے اور اس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا، وہ حرام ہے۔ معلوم ہوا جو بلندی سے گرے اس کا تو یہاں ذکر ہی نہیں، اس کی تو بات ہی نہیں، وہ تو ذبح شدہ، اس کو تو ذبح کیا ہی نہیں ہے، وہ تو بلندی سے گرا ہے۔ تو لہٰذا معلوم ہوا اس کی حرمت یہاں سے معلوم نہیں ہوئی، کیونکہ یہاں سے صرف کس کی حرمت پتا چلی؟ جس کو ذبح کیا گیا ہے، لیکن اس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ اور جو بلندی سے گرا ہے، اس پر، اس کو کوئی ذبح کیا؟ اس کو تو ذبح ہی نہیں کیا سرے سے، تو اس کی حرمت تو یہاں سے معلوم نہ ہوئی۔

اسی طرح اگر ایک حیوان ہے، بکری وغیرہ، اس کو گائے وغیرہ نے سینگ مارا اور اس سے وہ بکری مر گئی، اس کی حرمت کا بھی پتا نہ چلا۔ کیونکہ یہاں تو صرف کیا ذکر ہوا؟ وہ ذبح شدہ جانور جس پر اللہ کا نام نہیں لیا، وہ حرام ہے۔ اور یہ بکری اس کو تو ذبح ہی نہیں کیا گیا سرے سے، اس کو تو گائے نے سینگ مارا اور اس سے یہ مر گئی، اور وہاں پر حرمت صرف کس کی بیان ہو رہی ہے؟ وہ ذبح شدہ جانور جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا، اور یہ تو ذبح شدہ ہے ہی نہیں۔ ذبح شدہ ہوتا تو پھر ہم دیکھتے اللہ کا نام اس پر لیا گیا یا اللہ کا نام نہیں لیا گیا، تو یہ تو ذبح شدہ ہے ہی نہیں۔

اسی طرح اگر کسی حیوان کو چوٹ لگا کر مار دیا گیا ہو، یا اسی طرح کوئی حیوان ہے اس کا گلا دبا دیا، تو دیکھو یہ بھی چوٹ سے یا گلا دبانے سے مرے ہیں، یہ تو مذبوح ہیں ہی نہیں، ان کو تو ذبح کیا ہی نہیں گیا، اور متن میں جو حرمت بیان ہو رہی ہے وہ تو صرف کس کی بیان ہو رہی ہے؟ وہ مذبوح جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا، تو اس متن سے ان میں سے کسی کی بھی حرمت کا پتا نہیں چل رہا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ یہ کس صورت میں؟ جب اس کا حقیقی معنی لیں۔ اسی طرح اگر کسی حیوان سے کیا کر لیا گیا؟ زندہ حیوان سے اس کا عضو کاٹ لیا گیا۔ تو اس کی حرمت کا بھی پتا یہاں نہیں چل رہا کہ وہ بھی حرام ہے۔ حالانکہ یہ سب حرام ہیں، کوئی بلندی سے حیوان گر جائے وہ بھی حرام، کوئی سینگ مارنے سے مر جائے وہ بھی حرام،

کوئی چوٹ لگا کر مار دیا جائے وہ بھی حرام، اور اسی طرح کسی کا گلا دبا کر اس کو مار دیا جائے وہ بھی حرام۔ تو یہ سب حرام ہیں، لیکن متن میں تو صرف ہم نے ذبیحہ کا اگر حقیقی معنی لیں تو متن میں تو صرف اتنا بتایا گیا کہ وہ ذبح شدہ جانور حرام ہے جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ ان میں سے تو کوئی بھی چیز اس کے اندر داخل نہیں، تو ان کی حرمت متن سے معلوم نہیں ہو رہی، حالانکہ متن میں ان سب کی حرمت بتانا مقصود ہے، متن میں بتلانا یہ ہے کہ یہ والے جانور جو ذبح کے والے ہیں یہ حرام ہوتے ہیں اور یہ والے حلال۔ جن کا گوشت کھایا جاتا ہے بات ان کی ہو رہی ہے، ذبیحہ جس کو ذبح کیا گیا۔

تو کہتے ہیں ذبیحہ کا دوسرا معنی مراد لے لیں، اور وہ کیا تھا؟ ذبح کے لائق جانور، یعنی وہ جانور جس کو ذبح کیا جاتا ہے، اس کا گوشت کھایا جاتا ہے، تو وہ ذبح شدہ، وہ ذبح کے لائق جانور، جس کو ابھی آپ نے بے شک ذبح نہیں کیا، جیسے بکری۔ بکری کیا ہے؟ ذبح کے لائق ہے، اس کو کیا کیا جاتا ہے؟ ذبح کیا جاتا ہے۔ گائے، گائے کیا ہے؟ یہ ذبح کے لائق ہے۔ تو اب اس کا معنی دوسرا کر لیں، مجازی معنی کر لیں کہ ذبح کے لائق جانور جو ہے وہ حرام ہے، لَمْ تُذَكَّ جس کو ذبح نہ کیا جائے۔ اب ساروں کی حرمت اس میں آگئی۔ ترجمہ کیا بن گیا؟ حرام ہے ذبح کے لائق وہ جانور جس کو ذبح نہ کیا گیا ہو شرعی طریقے سے۔ اب سینگ مارنے سے مر گیا حیوان، یہ دیکھو یہ تھا تو ذبح کے لائق، لیکن اس کو ذبح نہیں کیا گیا، تو یہ بھی کیا؟ حرام۔ بلندی سے گرا، یہ بھی کیا تھا؟ ذبح کے لائق تھا، اس کو ذبح کیا جا سکتا تھا، لیکن اس کو ذبح نہیں، یہ بھی حرام۔ اسی طرح وہ حیوان جس کو چوٹ مار کر قتل کیا گیا، وہ بھی ذبح کے لائق تو تھا، لیکن اس کو ذبح نہیں کیا گیا، وہ بھی حرام۔ اسی طرح کسی حیوان کا گلا دبا کر مار دیا، تو دیکھو یہ بھی تھا تو ذبح کے لائق، لیکن اس کو ذبح نہیں کیا گیا، تو یہ بھی کیا ہوا؟ حرام۔ اور اسی طرح جو عضو زندہ حیوان سے کاٹا گیا، وہ بھی حرام، کیونکہ وہ تو ذبح کے لائق ہی نہیں، کیا عضو کو ذبح کیا جاتا ہے؟ ذبح تو حیوان کو کیا جاتا ہے، اس کے ایک عضو کو الگ کیا جائے، اس کو تو کوئی ذبح کہتا ہی نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھا اب ہم نے اس کا جب مجازی معنی کیا تو تمام کی حرمت کا اس سے پتا چل گیا۔ صرف وہ ذبح کے لائق جانور حلال ہوں گے جن کو شرعی طریقے سے ذبح کیا جائے اور ان پر اللہ کا نام لیا جائے۔ اب عبارت اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

ثُمَّ فَسَّرَ التَّزْكِيَةَ بِقَوْلِهِ پھر تزکیہ، بھئی اوپر متن میں آیا تھا نا لَمْ تُذَكَّ، یہ ذال کے ساتھ، اس کا معنی ہوتا ہے ذبح کرنا، ذَكّٰى يُذَكِّيْ تَذْكِيَةً۔ تو تذکیہ وہی میں نے ترجمہ کر دیا، شرعی طریقے سے ذبح کرنا۔ اور شرعی طریقے سے ذبح کیا ہوتا ہے؟ حیوان کی گردن میں چار یا تین رگیں کاٹی جاتی ہیں، اور اس پر اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ تو تذکیہ وہ ذبح کو کہتے ہیں۔ اب اس کی تفسیر کرنے لگے ہیں کہ تذکیہ کسے کہتے ہیں، ذَكّٰى يُذَكِّيْ تَذْكِيَةً۔ تو کہتے ہیں ثُمَّ فَسَّرَ التَّزْكِيَةَ بِقَوْلِهِ پھر ماتن نے تفسیر کی تذکیہ کی اپنے اس قول کے ساتھ: وَذَكَاةُ الضَّرُوْرَةِ جَرْحٌ أَيْنَ كَانَ مِنَ الْبَدَنِ وَالِاخْتِيَارِيُّ ذَبْحٌ بَيْنَ الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ۔ ذَبْحٌ ذال کے فتحہ کے ساتھ پڑھنا بھئی، اوپر بھی دو تین جگہ آیا، وہاں بھی ذَبْحٌ ذال کے فتحہ کے ساتھ پڑھنا، یہ مصدر ہے۔ میں نے بتایا ذِبْحٌ ہو ذال کے کسرہ

کے ساتھ، تو یہ قربانی کے جانور کو کہتے ہیں۔ اور ذَبْحٌ ہو تو یہ مصدر ہے، ذبح کرنا۔[۴۳]

بھئی یاد رکھیے یہ جو ذبح ہے، یہ دو قسم پر ہے۔ یہ ذَبْحٌ کیا ہے؟ ذبح دو قسم پر ہے: ایک اختیاری اور ایک اضطراری، اضطراری یعنی ضرورت کی بنا پر۔ ذبحِ اختیاری یہ ہے کہ حیوان کے حلق اور لبہ کے درمیان چھری کے ساتھ اس کو ذبح کیا جائے۔ حلق بھئی، حلق یہ جو آپ کے منہ کا آخری گردن کی طرف حصہ ہے، جہاں گردن جڑی ہوئی ہے یہ جبڑوں کے ساتھ بھئی، یہ ہے حلق بھئی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ یہ ہے حلق، اور اسی حلق پر ذرا گردن پر ہاتھ لگائیں، آپ کو ایک گرہ سی نظر آئے گی، گرہ سی ملے گی، تھوڑی سی ابھری ہوئی جگہ ہے۔ آپ لعاب نگلیں تو یہ ہلتی ہے، اوپر نیچے ہوتی ہے۔ لعاب نگل کر تھوڑا سا دیکھیں۔ محسوس ہوئی بھئی؟ ہاں، یہ ہے گرہ، اس کا آگے ذکر آنے والا ہے، میں اس لیے ذکر کر رہا ہوں کہ ابھی سے اس کو بار باریبان کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ تو یہ جو حلق ہے، یہ بالکل حلق کے ساتھ ہی ہے۔ اور آگے لَبَّة یاد رکھیں، یہ جو سینے کے اوپر جہاں گردن جڑی ہوئی ہے سینے کے ساتھ، یہاں ایک نرم سا گڑھا ہے بھئی، نرم سا شگاف سا ہے، نرم جگہ ہے، اس کو کہتے ہیں لَبَّة۔ کیا کہتے ہیں؟ لَبَّة۔ اور یہ ہے نَحْر کا مقام، اونٹ کو اس مقام پر نیزہ یا چھری مارتے ہیں، تو اس کا سارا خون بہہ جاتا ہے بھئی۔ تو یہ جو نرم سینے کے اوپر، یہ گردن جہاں سینے سے لگ رہی ہے، یہاں ہڈی کے بیچ میں بالکل درمیان میں بالکل نرم سا گڑھا ہے بھئی، یہ ہے لَبَّة بھئی۔

تو ذبحِ اختیاری کی بات میں کر رہا تھا، ذبحِ اختیاری جو ہے، وہ حلق اور لبہ کے درمیان ذبح کرنا حیوان کو۔ کس کے درمیان؟ حلق اور لبہ کے درمیان۔ حلق، جو جبڑے جہاں، سر جہاں جڑا ہوا ہے کس کے ساتھ؟ گردن کے ساتھ جبڑے، اور جو لبہ ہے نیچے، اس، ان دو جگہوں کے درمیان حیوان کو ذبح کرنا، چھری سے اس کو ذبح کرنا۔ اور یہ ہے ذبحِ اختیاری، کوئی حیوان آپ کے قابو میں ہے، آپ کے پاس ہے، تو اس کو اس طرح ذبح کرنا پڑے گا۔ ذبح بھی کریں گے اور اللہ کا نام بھی لیں گے، بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، یا بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ بھی روایات میں آتا ہے، تو اس کے ساتھ ذبح کریں گے۔

اور ایک ہے ذبحِ اضطراری، یعنی مجبوری کی ذبح، اور وہ شکار میں دیکھتے ہیں آپ۔ آپ شکار کھیلنے جاتے ہیں، حیوان دور ہوتا ہے، وہ جنگلی جانور وہ تو آپ کو قریب نہیں آنے دیتا، تو آپ دور سے تیر چلاتے ہیں، اور تیر کے ذریعے اس کو زخمی کر دیتے ہیں، اس کا خون بہہ جاتا ہے اور وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ یہ ہے ذبحِ اضطراری، تو ذبحِ اضطراری میں حیوان کو کہیں پر

---

[۳] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۸۱):** صوتی درس کی قراءت میں «ثُمَّ فَسَّرَ التَّزْكِيَةَ بِقَوْلِهِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «ثُمَّ فَسَّرَ التَّذكيَّة بقوله:» منقول ہے۔

[۴] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۸۱):** صوتی درس کی قراءت میں «وَذَكَاةُ الضَّرُوْرَةِ جَرْحٌ أَيْنَ كَانَ مِنَ الْبَدَنِ وَالِاخْتِيَارِيُّ ذَبْحٌ بَيْنَ الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وذكاةُ الضَّرورةِ جرحٌ أين كان من البدن، والاختيارُ ذبحٌ بين الحلقِ واللَّبة،» منقول ہے۔

سے بھی زخمی کر کے اس کا خون نکال دو۔

شریعت کے ہر حکم میں ہمارا اپنا فائدہ ہے۔ یاد رکھیے یہ جو خون ہے یہ نجس ہے اور بڑا ہی نقصان دہ ہے۔ شریعت نے ہمارے فائدے کے لیے حکم دیا کہ حیوان کو ذبح کرو تاکہ اس سے خون نکل جائے۔ اب جب خون نکل جائے گا، تو پیچھے پاکیزہ گوشت رہ جائے گا، اب اسے کھاؤ، اب وہ نقصان دہ نہیں۔ اور اگر کوئی ویسے ہی مار دے گا، خون اندر ہی جم گیا، وہ تو فوراً ہی جم جائے گا خون اندر، تو وہ خون بہت نقصان دہ ہے انسانی صحت کے لیے۔ اور آج کے دور میں سائنسدانوں نے تجربات کے ذریعے بھی یہ ثابت کر دیا کہ جب جانور کو ذبح کر کے خون نکال دیا جائے تو اس کا گوشت جلدی خراب نہیں ہوتا، اور اگر ویسے ہی اس کو مار دیا جائے خون اس کے اندر ہی ہو، تو بڑی جلدی وہ حیوان جو ہے، ایک دو گھنٹے میں ہی وہ سارا گوشت جو ہے کالا ہونا شروع ہو جاتا ہے اور خراب ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بعض ممالک، فرانس وغیرہ میں تو انہوں نے باقاعدہ کفار کے ذبح خانے ہیں، اور وہاں وہ حیوانات کو ذبح کرتے ہیں، لیکن طریقہ اسلامی ہوتا ہے، مسلمانوں کو باقاعدہ وہاں رکھا ہوا ہے، کیونکہ وہ اپنا فائدہ دیکھتے ہیں کہ اس طرح تو گوشت زیادہ دیر تک خراب نہیں ہو گا بھئی، اچھے طریقے سے لوگوں تک پہنچ جائے گا، کئی گھنٹوں میں بھی خراب نہیں ہو گا اگر ٹھنڈا کر کے رکھیں۔ اور دوسری صورت میں چاہے اس کو ٹھنڈا بھی کر کے رکھیں گوشت کو، وہ پھر بھی بڑی جلدی سیاہ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

اور دوسرا عجیب بھئی، یہ ذبح کے اندر کہتے ہیں حیوان کو تکلیف بھی نہیں ہوتی، اللہ نے ایسا عجیب نظام بنایا ہے، مطلب معمولی ہوتی ہے کوئی خاص نہیں۔ اور جو بھی طریقہ آزما لیں، حتیٰ کہ بعض سر میں گولی مارتے ہیں، بعض ان کو گردن سے ذبح کرتے ہیں، بعض کسی اور طریقے سے، سائنسدانوں نے کہتے ہیں اس کے بھی ماہرین نے تجربات کیے بھئی۔ بعض حیوانات کو انہوں نے باقاعدہ ان کے آپریشن کیے اور ان کے دماغ کے اندر وہ، دماغ کے اندر وہ آلات انہوں نے لگا دیے کہ جس سے دماغ کی کچھ نہ کچھ کیفیت کا پتا چلتا تھا مشینوں کے ذریعے۔ اور پھر ان حیوانات کو آپریشن کر کے ٹھیک کر دی، آپریشن کر دیے، اور پھر ان کو، ان کے زخم ٹھیک ہونے تک ان کا خیال رکھتے رہے۔ پھر جب وہ سارے ٹھیک ہو گئے، اور اب وہ تاریں لگی ہوئی ہیں، مشینوں پر ان کا سارا کچھ آ رہا ہے، تو اب ان کو مختلف طریقوں سے ان کو مارا گیا۔ انہوں نے دیکھا جو بھی طریقہ ہم نے آزمایا، مشینوں پر دماغ کی کیفیت نظر آ رہی تھی کہ دماغ پر شدید تکلیف کے اثرات نظر آنے لگ پڑے، کہ حیوان بڑی تکلیف میں ہے۔ جو بھی طریقہ انہوں نے آزمایا، حیوان کی شدید تکلیف کے اثرات وہ نظر آتے کمپیوٹر پر۔ اور پھر جس حیوان کو شرعی طریقے سے انہوں نے ذبح کیا، اس میں دیکھا کہ حیوان پر تکلیف کے کوئی آثار نہیں نظر آئے۔ وہ جو دماغ کی لکیریں چل رہی تھیں، بالکل آرام سے چل رہی ہیں، اور یعنی ابتدائی ذبح کریں نا تو فوراً تکلیف آئے گی، فوراً، جیسے ہی چھری گردن پہ پھرے گی، پہلے سیکنڈ کے اندر ہی درد اور تکلیف کا احساس ہو گا یا نہیں؟ کہتے ہیں پہلے تین سیکنڈ تک کوئی

تکلیف کا اثر ہی نہیں تھا اور۔ اور پہلے تین سیکنڈ میں تو پوری گردن کٹ جاتی ہے۔ کوئی تکلیف کا اثر نہیں تھا۔ اور پھر اگلے تین سیکنڈ کے اندر آہستہ آہستہ دماغ کی وہ لکیریں ایسے ہوتی چلی گئیں جیسے ان پہ نیند طاری ہوتی جا رہی ہے بھئی۔ وہ یعنی جیسے وہ نیند میں چلے گئے، سو گئے اور اسی بے ہوشی میں ختم ہو گئے۔

تو یہ اللہ کا عجیب نظام ہے بھئی۔ یہ ابھی، یہ کفر کا نظام ہے، یہ مسلمانوں کے خلاف ہر طرف سے لگا ہوا ہے، اپنی کوشش کر رہا ہے۔ اگر، اگر یہ انصاف سے کام لیتے تو پوری دنیا میں چرچے ہو جاتے اس بات کے بھئی، کہ ایسا تجربات کیے اور اس میں یہ یہ چیزیں سامنے آئیں۔ لیکن وہ ان چیزوں کو ظاہر ہی نہیں کرتے بھئی، کوئی میڈیا پر آنے ہی نہیں دیتے، اِلَّا کہیں تھوڑی، ایک آدھ جگہ، چار جگہ آیا، سب تک بات پہنچنے ہی نہیں دیتے۔ تو جو چیز اسلام کے حق میں ہو اس کو وہ سامنے ہی نہیں آنے دیتے، اور جو مسلمانوں کے خلاف ہو اس کو خوب اچھالتے ہیں بھئی۔

بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ تجربات باقاعدہ کیے گئے، ماہرین نے کیے بھئی۔ اور میں نے بتایا باقاعدہ فرانس کے اندر بعض ذبح خانے ہیں، ہیں کفار کے لیکن وہاں انہوں نے مسلمانوں کو ذبح کے لیے باقاعدہ رکھا ہوا ہے، مقرر کیا ہوا ہے، اپنے فائدے کے لیے، لیکن دنیا میں اس کی شہرت نہیں ہونے دی بھئی، کہ مسلمانوں کا طریقہ سب سے زبردست ہے۔

بات چل رہی تھی ذبح کی، کہ ذبح دو قسم پر ہے۔ ایک ذبحِ اختیاری ہے، کہ اپنے اختیار میں ہے، قابو میں ہے جانور، تو اس کو پھر حلق اور لبہ کے درمیان ذبح کرنا ہے۔ اور ایک ذبحِ اضطراری ہے کہ حیوان آپ کے قابو میں نہیں ہے، مثلاً شکار وغیرہ، تو اس کو اب تیر وغیرہ کوئی ایسی چیز مارو، نیزہ مارو کہ جس سے اس کا خون بہہ جائے جسم کے جس حصے سے بھی بہہ جائے۔ لیکن اس میں یہ ضروری ہے بھئی، جیسے ذبحِ اختیاری کے اندر چھری چلاتے ہوئے اللہ کا نام ذکر کرنا ضروری ہے، اگر جان بوجھ کر ذکر نہیں کرتے تو وہ حرام ہو جائے گا، اور بھولے سے رہ جائے تو بھی وہ حلال ہے عِنْدَ الْأَحْنَافِ۔ ذبح کرتے ہوئے اگر جان بوجھ کر اللہ کا نام چھوڑ دیا، ذکر نہیں کیا، پرواہ ہی نہیں کی تو یہ جانور کیا ہے؟ حرام۔ اور اگر اللہ کا نام بھولے سے رہ گیا، خیال نہیں رہا جلدی کے اندر، تو اس صورت میں وہ حیوان حلال ہے بھئی۔

اسی طرح ذبحِ اضطراری کے اندر بھی ہے، ذبحِ اضطراری میں بھی، کہ اس میں بھی تیر چلاتے ہوئے اللہ کا نام لینا ضروری ہے۔ اگر جان بوجھ کر اللہ کا نام نہ لیا، تو اس صورت میں وہ حیوان، وہ شکار حرام ہو جائے گا اگر آپ کے پہنچنے سے پہلے مر گیا، اور اگر آپ پہنچ گئے اور پھر آپ نے پھر شرعی طریقے سے ذبح کر لیا اس کو، پھر تو حلال ہے، لیکن اگر مر گیا تو پھر حرام ہے آپ کے پہنچنے سے پہلے۔ اور وہاں بھی اسی طرح اگر بھولے سے رہ گیا، تو پھر وہ حیوان کیا ہے؟ حلال ہے، حلال ہے۔

اسی طرح آپ شکار کھیلنے جاتے ہیں بھئی، بعض لوگ کتوں کے ذریعے شکار کھیلتے ہیں۔ اب دیکھو یہ آلۂ قتل کیا ہے

اس وقت؟ کتا۔ تو لہٰذا کتے کو چھوڑتے ہوئے یا کسی بھی جس چیز کے ذریعے شکار کھیل رہے ہیں، بعض اوقات وہ عُقاب کے ذریعے شکار کھیلا جاتا ہے بھئی، تو یہ کتا یا عقاب چھوڑتے ہوئے اللہ کا نام لینا ضروری ہے، تو پھر ہی حیوان کیا ہو گا؟ حلال ہو گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

یا جیسے اسی طرح مثلاً آپ کا اپنا کوئی گائے، بیل وغیرہ ہے قابو سے باہر ہو گیا، یا کوئی اونٹ قابو سے باہر ہو گیا، اب قابو میں ہی نہیں آ رہا، کسی کی ہمت نہیں ہو رہی اس کے قریب جائے، تو اس صورت میں ذبحِ اضطراری جائز ہے۔ کوئی نیزہ وغیرہ یا ایسی چیز مارو کہ اس کے بدن سے کیا نکل آئے؟ خون نکل آئے، زخمی ہو جائے اور اس کی وجہ سے یہ ہلاک ہو جائے۔ تو یہ ذبحِ اضطراری ہے مجبوری کی حالت میں۔ یا اسی طرح کوئی حیوان ہے وہ کنویں کے اندر گر گیا، اب اس کو نکالنے کی کوئی صورت نہیں ہے، نکالیں گے تو زندہ نہیں بچے گا، مر جائے گا بھئی۔ تو لیکن ابھی ہے زندہ، نظر آ رہا ہے، آثار نظر آ رہے ہیں کہ ہے زندہ، تو آپ اوپر سے ہی کوئی چھری وغیرہ یا ایسی چیزیں ماریں کہ جس سے اس کا خون نکل جائے بھئی۔ اور یہ مارتے ہوئے اللہ کا نام لیں، چھری یا نیزہ مارتے ہوئے اللہ کا نام لیں، تو وہ حلال ہے۔

ہاں، بندوق کے ذریعے بھئی، گولی کے ذریعے شکار کیا جائے تو اس میں علماء کہتے ہیں کہ یہ جو بندوق کی گولی ہے یہ تیز دھار والی نہیں ہوتی، تو یہ جو حیوان کو ہلاک کرتی ہے یہ اس کو ذبح یعنی کاٹتی نہیں ہے، یہ ذبحِ اضطراری نہیں ہے بلکہ یہ اپنی ضرب کی وجہ سے اس کو ہلاک کرتی ہے۔ یہ اتنی زور کی جا کر لگتی ہے کہ وہ حیوان مر جاتا ہے۔ تو یہ جو جسم کو پھاڑتی ہے اپنے ضرب کی وجہ سے پھاڑتی ہے، کوئی تیز دھار والی چیز نہیں۔ تیز دھار والی، لہٰذا یہ ذبیحہ، اس کے ذریعے کوئی شکار کھیلا جائے اور آپ کے پہنچنے سے پہلے وہ مر جائے تو وہ بھی حرام ہے، حرام ہے۔ جبکہ بعضوں نے، تو اب بعض لکھتے ہیں کہ بعض گولیاں بڑی نوک دار ہوتی ہیں، تیز نوک والی، ان کے ذریعے اگر شکار کھیلا جائے تو وہ پھر شکار کیا ہو گا؟ حلال ہو گا بھئی۔

دیکھیے کتاب پر، ثُمَّ فَسَّرَ التَّزْكِيَةَ بِقَوْلِهِ پھر تفسیر بیان کی ماتن نے تذکیہ کی اپنے اس قول کے ساتھ: وَذَكَاةُ الضَّرُوْرَةِ اور ضرورت والا ذبح جو ہے، ضرورت کی ذبح جو ہے، یعنی ذبحِ اضطراری، ذبحِ اضطراری جو ہے جَرْحٌ أَيْنَ كَانَ مِنَ الْبَدَنِ وہ زخم لگانا ہے أَيْنَ كَانَ مِنَ الْبَدَنِ جہاں بھی بدن میں ہو۔ جہاں کہیں بھی بدن میں زخم لگا دو، جیسے شکار ہے یا کوئی بے قابو جانور ہے۔ وَالِاخْتِيَارِيُّ أَيْ ذَكَاةُ الِاخْتِيَارِيِّ اور اختیاری ذبح جو ہے، ذکاۃ کا معنی ذبح ہے۔ ذکاۃ کا کیا معنی ہے؟ ذبح۔ تو کہتے ہیں وَذَكَاةُ الِاخْتِيَارِيِّ اور اختیاری ذبح جو ہے ذَبْحٌ بَيْنَ الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ وہ حلق اور لبہ کے درمیان ذبح کرنا ہے۔ کہتے ہیں اَللَّبَّةُ مَنْحَرٌ مِنَ الصَّدْرِ، لبہ جو ہے وہ نحر کی جگہ ہے سینے میں سے۔ مَنْحَر، بھئی وہ جو اونٹ کو نیزہ مارتے ہیں نا اس کو نَحْر کہتے ہیں۔ اور میں نے بتایا یہ جو گردن کے آخر میں نیچے سینے کی طرف گہری نرم جگہ ہے، اس کو لَبَّة کہتے ہیں، اور اسی مقام پر اونٹ کو نحر کیا جاتا ہے، تو یہ مَنْحَر ہوا، نحر کی جگہ ہوئی، مَنْحَر اسمِ ظرف کا صیغہ ہے۔ تو کہتے ہیں اَللَّبَّةُ الْمَنْحَرُ مِنَ الصَّدْرِ یہ منحَر کی جگہ ہے سینے میں سے۔

وَعُرُوْقُهُ اور ذبح کی جو رگیں ہیں، اَلْحُلْقُوْمُ وَالْمَرِيْءُ وَالْوَدَجَانِ۔ اچھا بھئی ذبح میں کون سی رگیں کاٹی جائیں گی؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ چار رگیں ہیں، ان کو کاٹنا ہے ذبح میں۔ ایک تو سانس کی نالی ہے، اس کو حُلْقُوْم کہتے ہیں، جس سے ہم سانس لیتے ہیں۔ آپ ذرا اپنی گردن پر ہاتھ لگائیے بھئی۔ دیکھیے یہ گردن کے درمیان ایک ذرا سخت سی ہڈی سی نیچے کو جا رہی ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ ہے حُلْقُوْم بھئی، حُلْقُوْم، گول دائرے کی شکل میں نیچے کو جا رہی ہے۔ یہ کیا ہے؟ حُلْقُوْم، اس سے ہم سانس لیتے ہیں۔ خوراک اس میں سے نہیں گزرتی۔ خوراک اس کے پیچھے ایک رگ ہے، اس کو مَرِيْءٌ کہتے ہیں، میم، را، یا اور ہمزہ، مَرِيْءٌ۔ وہ اس کے پیچھے جو رگ ہے، اس حلقوم کے پیچھے گردن کے اندر کی طرف، اس میں سے خوراک گزرتی ہے، اس میں سے خوراک گزرتی ہے۔ یہ جو گول دائرے سے بنے ہوئے ہیں یہ حلقوم، یہ سانس اس میں سے لیتے ہیں ہم، اس میں ہڈی نہیں ہے، یعنی اس کو، یہ جو، بھئی سانس لینے کے لیے راستہ کھلا ہونا چاہیے، اور کھانا گزرنے کے لیے راستے کا کھلا ہونا ضروری نہیں، وہ تو آپ نگلیں گے زور لگائیں گے، وہ نیچے اتر جائے گا حلق سے۔ تو لہٰذا اس میں اس طرح کی ہڈیاں نہیں ہیں کہ اس کو کھولا، وہ رگ کھلی رہے، لیکن سانس کے لیے رگ چاہیے تھی جو کھلی رہے ہر وقت بھئی، ہم آرام سے سانس لیں، تو اللہ نے اس کے لیے اس کے، میں ہڈیاں پیدا فرما دیں کہ یہ راستہ کھلا رہتا ہے بھئی۔ جیسے پانی کا پائپ نہیں ہوتا، یہ درمیان سے کھلا ہوتا ہے، تو اس طرح یہ سانس کی جگہ بھی کھلی ہوئی ہے جس سے ہم سانس لیتے ہیں، اور اس کو حُلْقُوْم کہتے ہیں۔ اور اس کے پیچھے جو ہے وہ ہے خوراک کی رگ، خوراک کی نالی، اور اس کو کیا کہتے ہیں؟ مَرِيْءٌ۔ اور پھر ان دونوں کے دائیں اور بائیں، یہ تو درمیان میں آگئی نا، تو دائیں طرف ایک رگ جا رہی ہے جس میں خون دماغ کی طرف جاتا ہے اور ایک بائیں طرف ہے بھئی۔ ان کو وَدَجَانِ کہتے ہیں۔ وَدَج، وَدَج، تثنیہ کیا بن جائے گا؟ وَدَجَانِ۔

تو یہ جو چار رگیں ہیں، ان چار کو کاٹا جاتا ہے ذبح کے اندر۔ سانس کی نالی بھی، خوراک کی نالی بھی اور جن سے خون دماغ کی طرف جاتا ہے۔ اور تو اس کو شہ رگ کہتے ہیں، اردو میں شہ رگ، یہ دو ہیں بھئی، یہ حلقوم کے دائیں طرف بھی ہے ایک اور ایک بائیں طرف ہے بھئی۔ امام اعظم ابو حنیفہ رَحِمَهُ اللّٰهُ فرماتے ہیں کہ ان میں سے کوئی سی تین کٹ جائیں ذبح کے اندر تو جانور حلال ہے، یہ ذبح کافی ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف رَحِمَهُ اللّٰهُ فرماتے ہیں کہ نہیں، کوئی سی تین نہیں، بلکہ حلقوم اور مری ء کا کٹنا ضروری ہے، اور ودجان دو میں سے ایک بھی کٹ جائے تو یہ کافی ہے، ایک بھی کٹ جائے کافی ہے۔ جبکہ امام محمد رَحِمَهُ اللّٰهُ فرماتے ہیں کہ چاروں کا اکثر حصہ کٹنا چاہیے، پوری نہ بھی کٹیں لیکن اکثر حصہ کٹنا چاہیے یا پوری کٹنی چاہئیں۔

دیکھیے کتاب پر، کہتے ہیں وَعُرُوْقُهُ اور ذبح کی جو رگیں ہیں، اَلْحُلْقُوْمُ وہ حلقوم ہے، یہ جو سانس کی نالی ہے، وَالْمَرِيْءُ اور خوراک کی نالی ہے، وَالْوَدَجَانِ یہ دال پر بھی فتحہ ہے بھئی، وَالْوَدَجَانِ اور دو خون کی رگیں ہیں جو، شہ رگیں۔ اَلْحُلْقُوْمُ مَجْرَى النَّفَسِ، حلقوم جو ہے وہ سانس کے چلنے کی جگہ ہے، سانس کے چلنے کے راستہ ہے، سانس کے چل، راستہ ہے، مَجْرٰى

راستہ بھئی۔ مَجْرَى النَّفَسِ وہ سانس کے چلنے کی جگہ یعنی سانس کا راستہ ہے، وَالْمَرِيْءُ مَجْرَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ اور مریء جو ہے وہ کھانے اور پینے کا راستہ ہے۔

وَفِي الْهِدَايَةِ عَكْسُ هٰذَا کہتے ہیں ہدایہ جو فقہِ حنفی کی عظیم کتاب ہے اس میں اس کا برعکس لکھا ہے، ہدایہ میں ہے کہ حلقوم کھانے پینے کی نالی ہے، اور مریء جو ہے وہ سانس کی نالی ہے۔ کہتے ہیں وَهُوَ سَهْوٌ مِنَ الْكَاتِبِ یہ سہو، یہ غلطی ہے کس سے؟ کاتب سے، لکھنے والے کسی کاتب نے، جو پہلے زمانے میں تو کتابیں ہاتھ سے نقل کی جاتی تھیں، تو کسی لکھنے والے نے غلطی سے مریء کی جگہ حلقوم لکھ دیا اور حلقوم کی جگہ مریء لکھ دیا بے خیالی میں، اور پھر وہی کتاب آگے نقل ہوتی چلی آئی۔ تو کہتے ہیں وَهُوَ سَهْوٌ مِنَ الْكَاتِبِ اور یہ غلطی ہے کاتب کی طرف سے، أَوْ غَيْرِهِ یا غیرِ کاتب سے، یعنی کسی اور سے یہ غلطی ہوئی ہے، اشارہ ہے صاحبِ ہدایہ کی طرف، کہ شاید ان سے غلطی ہو گئی ہے، لیکن ادب کے طور پر ایک تو اس کو مؤخر کیا، کاتب کے بعد لکھا، اور صرف غَيْرِهِ کے ذریعے اشارہ کر دیا، ان کا نام نہیں لیا کہ ان سے غلطی ہوئی ہے، لیکن اشارہ انہی کی طرف کیا، تو یہ ادب کا طریقہ، ادب سے بھئی۔ بھئی انسان سے غلطی ہو جاتی ہے بعض اوقات بے خیالی میں، ہم بولتے ہوئے ذہن میں ایک لفظ ہوتا ہے، زبان پر کوئی دوسرا آجاتا ہے بھئی، تو اسی طرح ہو سکتا ہے صاحبِ ہدایہ سے بھی احتمال، یہاں بے خیالی میں ایک لفظ کی جگہ دوسرا لکھ گئے ہوں۔

آگے دیکھیے، فَلَمْ يُجْزِ فَوْقَ الْعُقْدَةِ پس کافی نہیں ہے عقدہ، گرہ، عُقْدَة کہتے ہیں گرہ کو۔ عُقْدَةٌ کسے کہتے ہیں؟ گرہ۔ بھئی آپ دھاگے کے درمیان گرہ لگا دیں، باندھ دیں، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ عُقْدَةٌ، عُقْدَةٌ۔ یا اسی طرح انگلی کے اندر یہ جو جوڑ ہیں، یہ بھی دیکھو کیا ہے؟ عُقْدَة، ہر ایک کیا ہے؟ گرہ جیسے بنی ہوئی ہے درمیان میں انگلی کے۔ یا جیسے بانس کا پودا ہے، آپ نے دیکھا ہو گا، ہر ایک ڈیڑھ فٹ کے بعد اس بانس میں گرہ ڈلی ہوئی، گرہ بنی ہوتی ہے، جو ابھری ہوئی جگہ ہوتی ہے۔ تو بہرحال یہاں عُقْدَة سے مراد ہے ابھری ہوئی جگہ، ابھری ہوئی، گرہ بھئی۔ اور میں نے آپ کو ابھی بتایا کہ گردن پر آپ ہاتھ رکھیں گے حلق کی طرف، اور آپ لعاب نگلیں تو آپ کو گردن میں ایک گرہ سی حرکت کرتی ہوئی محسوس ہو گی، جیسے ہی لعاب نگلیں گے آپ کو فوراً محسوس ہو جائے گی، یہ گرہ ہے بھئی، اور یہ بالکل حلق کے ساتھ ہے بھئی، حلق کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ تو بتلا رہے ہیں فَلَمْ يُجْزِ فَوْقَ الْعُقْدَةِ کہ کافی نہیں ہے گرہ سے اوپر۔ گرہ سے اوپر ذبح کافی نہیں، گرہ سے نیچے ذبح کرنا پڑے گی، حیوان میں بھی یہ گرہ ہوتی ہے۔ تو چونکہ یہ بالکل حلق کے ساتھ ہے، تو لہٰذا اس سے نیچے ذبح کرو، اس سے اوپر ذبح نہ کرو۔ تو کہتے ہیں فَلَمْ يُجْزِ فَوْقَ الْعُقْدَةِ تو گرہ سے اوپر کافی نہیں ہے۔

وَالْبَعْضُ أَفْتَوْا بِالْجَوَازِ اور بعض فقہاء نے فتویٰ دیا جواز کا، وہ فرماتے ہیں کہ گرہ سے اوپر بھی جائز ہے۔ گرہ سے اوپر ذبح کرنا بھی جائز ہے، اس لیے لِقَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بوجہ حضور علیہ السلام کے اس فرمانِ مبارک کے کہ حضور نے فرمایا، اَلذَّكَاةُ بَيْنَ اللَّبَّةِ وَاللَّحْيَيْنِ کہ ذبح کرنا جو ہے وہ لبہ اور دو جبڑوں کے درمیان ہے۔ اور یہ عقدہ بھی کیا ہے؟ اسی کے

بیچ میں آتا ہے، دو جبڑوں اور لبہ کے درمیان میں آتا ہے اس لیے۔ اور علماء فرماتے ہیں کہ گرہ سے اوپر بھی جائز ہو جائے گا اگر گرہ سے اوپر ذبح کرے اور کم از کم وہ تین رگیں کٹ جائیں بھئی، تو پھر کیا ہو جائے گا؟ ذبح جائز ہو جائے گی، اور اگر وہ نہ کٹیں پھر جائز نہیں ہے۔

وَحَلَّ بِقَطْعِ أَيِّ ثَلَاثٍ مِنْهَا اور حلال ہے بِقَطْعِ أَيِّ ثَلَاثٍ کوئی سی تین کے کاٹنے سے مِنْهَا ان میں سے۔ ان چار رگوں میں سے کوئی سی تین کاٹنے سے وہ جانور کیا ہو جائے گا؟ حلال ہو جائے گا، کوئی سی تین۔ جبکہ میں نے بتایا یہ امام صاحب کا مذہب ہے، امام ابو یوسف رَحِمَهُ اللهُ کیا فرماتے ہیں؟ کہ ودجان میں سے ایک رہ جائے تو خیر ہے، لیکن حلقوم اور مریء میں سے کوئی رہ جائے تو یہ جائز نہیں ہے۔ بہرحال فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے بھئی، اسی لیے متن میں یہ ذکر کیا۔

بھئی کیوں؟ چار میں سے تین کٹ جائیں تو کافی کیوں ہے؟ کہتے ہیں إِقَامَةً لِلْأَكْثَرِ مَقَامَ الْكُلِّ اکثر کو کل کے قائم مقام کرتے ہوئے۔ آپ نے بھی پڑھا ہے، لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ اکثر کے لیے کل کا حکم ہے۔ جب اکثر شے آپ کر لیں تو گویا کل شے ہی کر لی، کل شے۔ تو چار میں سے دو ہوتا، دو کٹ جائیں، تو یہ تو نصف ہے، نصف کٹ گئیں، نصف رہ گئیں، لیکن جب چار میں سے تین کٹ گئیں تو گویا اکثر کٹ گئیں، اور جب اکثر کٹ گئیں تو لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ گویا یوں سمجھو کل ہی کٹ گئیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی إِقَامَةً لِلْأَكْثَرِ مَقَامَ الْكُلِّ اکثر کو کل کے قائم مقام کرتے ہوئے۔

وَبِكُلِّ مَا أَفْرَى الْأَوْدَاجَ وَأَنْهَرَ الدَّمَ وَلَوْ بِلِيطَةٍ وَمَرْوَةٍ اب بتلانے لگے ہیں کہ ذبح کس چیز کے ذریعے جائز ہے، کس کس چیز سے آپ حیوان کو ذبح کر سکتے ہیں؟ تو آپ کو بتلائیں گے کوئی بھی تیز دھار والی چیز جس کے ذریعے یہ رگیں کٹ جائیں اور خون بہہ جائے، اس کے ساتھ ذبح کرنا جائز ہے۔ حتیٰ کہ یہ جو نرکل ہے نرکل، بھئی جس سے ہم قلم بناتے ہیں، یہ بانس کی شکل کا ایک پودا جو ہے چھوٹا سا باریک سا ہوتا ہے، اور اس سے قلم بنائے جاتے ہیں، نیز اسی سے وہ چک بھی بناتے ہیں جو کھڑکیوں اور دروازوں میں لٹکائے جاتے ہیں پردہ کے طور پر۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اس کو اردو میں نرکل کہتے ہیں، نرکل۔ اور یہ جو نرکل ہے اس کا اگر چھلکا اتارا جائے وہ بہت تیز دھار والا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں اگر اس نرکل کے چھلکے سے، یا یوں کہو بانس کے چھلکے سے، بانس کا چھلکا بھی بہت تیز دھار والا ہوتا ہے، بانس کے چھلکے یا نرکل کے چھلکے سے بھی اگر کسی حیوان کو ذبح کیا جائے تو یہ کافی ہے، کیونکہ یہ رگیں کاٹ دیتا ہے اور خون بہا دیتا ہے، چھری کی طرح کام کرتا ہے۔ یا اسی طرح اگر کوئی تیز دھار والا پتھر ہو چھری کی طرح، جس سے حیوان کی رگیں کٹ جائیں، اس سے بھی ذبح کرنا جائز ہے۔ تو حاصلِ کلام یہ کہ کوئی بھی تیز دھار والی چیز ہو جو رگوں کو کاٹ دے اور خون کو بہا دے، تو اس سے ذبح جائز ہے۔

کہتے ہیں وَبِكُلِّ مَا أَفْرَى الْأَوْدَاجَ وَأَنْهَرَ الدَّمَ اور ہر اس چیز کے ذریعے، ہر وہ چیز أَفْرَى الْأَوْدَاجَ، وَبِكُلٍّ نہیں وَبِكُلِّ ہونا چاہیے، وَبِكُلِّ مَا أَفْرَى الْأَوْدَاجَ وَأَنْهَرَ الدَّمَ اور ہر وہ چیز، وہ أَفْرَى الْأَوْدَاجَ جو رگوں کو کاٹ دے، أَفْرٰى کا معنی کاٹ دینا،

أَفْرٰى يُفْرِيْ، أَوْدَاج وہ رگیں جن کا ابھی ذکر ہوا بھئی۔ ہر وہ چیز جو رگوں کو کاٹ دے، وَأَنْهَرَ الدَّمَ اور خون کو بہا دے، وَلَوْ بِلِيْطَةٍ اگرچہ لیطہ کے ذریعے کیوں نہ ہو، لیطہ وہ جو نرکل کا چھلکا ہے اس کو لِيْطَةٌ کہتے ہیں، اگرچہ نرکل کے چھلکے سے ہو، وَمَرْوَةٍ اور تیز دھار کے پتھر سے ہو۔

تو کہتے ہیں اَللِّيْطَةُ قِشْرُ الْقَصَبِ، لِيْطَة جو ہے وہ نرکل کا چھلکا ہے، وَالْمَرْوَةُ الْحَجَرُ الَّذِيْ فِيْهِ حِدَّةٌ اور مَرْوَة وہ پتھر ہے جس کے اندر تیز دھار ہو، حِدَّةٌ دھار کو کہتے ہیں، وہ پتھر جس میں دھار ہو۔

إِلَّا سِنًّا وَظُفُرًا قَائِمَيْنِ مگر یہ کہ دانت ہو، وَظُفُرًا اور ناخن ہو، قَائِمَيْنِ اس حال میں کہ یہ لگے ہوئے ہوں، لگے ہوئے ہوں۔ بھئی حبشی لوگ جو ہیں، حبشی لوگ یوں کرتے تھے کہ وہ حیوان کی گردن دانتوں سے ہی کاٹ لیتے تھے، یا ناخنوں سے، انہوں نے ناخن کچھ بڑے رکھے ہوتے تھے، ناخن سے ہی اس کی گردن کاٹ دیتے تھے۔ اس سے حدیث میں منع کیا گیا کہ کسی بھی تیز دھار والی چیز سے حیوان کو ذبح کر لو، لیکن دانتوں اور ناخن کے ساتھ نہیں، کیونکہ یہ حبشیوں کی چھریاں ہیں بھئی، کیا ہیں؟ حبشیوں کی چھریاں ہیں، حدیث میں آتا ہے، تو اس سے منع کیا گیا۔ جبکہ ہمارے فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ جو حدیث میں دانتوں اور ناخنوں کا ذکر آیا اس سے مراد لگے ہوئے دانت اور لگے ہوئے ناخن ہیں جو بدن میں ابھی لگے ہوئے ہیں، انگلیوں پر لگے ہیں یا جبڑوں میں جو دانت، وہ ناخن جو انگلیوں پر لگے ہوئے ہیں، یا وہ دانت جو جبڑوں میں لگے ہوئے ہیں، اس کے ساتھ اسی طرح دانتوں سے کاٹ کر گردن کاٹنا، یا اسی طرح اسی اپنے ناخن کے ساتھ اس کی گردن کاٹنا، اس سے منع آیا ہے۔ لیکن اگر ناخن یا دانت اکھڑے ہوئے ہیں، بدن سے الگ ہیں، پھر ان کے ساتھ ذبح کر سکتے ہیں، لیکن یہ ہے مکروہ، کیونکہ بہرحال حدیث میں منع آئی ہے بھئی۔ لیکن حدیث میں جو آئی ہے مراد کون سے ہیں؟ جو جسم میں ابھی لگے ہوئے ہوں۔ اسی لیے کہا إِلَّا سِنًّا وَظُفُرًا قَائِمَيْنِ مگر دانت اور ناخن اس حال میں کہ وہ لگے ہوئے ہوں۔

أَمَّا إِذَا كَانَا مَنْزُوْعَيْنِ، میری کتاب میں لکھا ہے ملزومین، لام ہے، لام نہیں بھئی نون نون، أَمَّا إِذَا كَانَا مَنْزُوْعَيْنِ، مَنْزُوْع کا معنی اکھڑے ہوئے بھئی، اکھاڑے گئے ہیں۔ أَمَّا إِذَا كَانَا مَنْزُوْعَيْنِ اور اگر وہ اکھڑے ہوئے، اکھاڑے گئے ہیں، یعنی دانت اور ناخن اکھاڑے ہوئے ہیں، تو تَحِلُّ الذَّبِيْحَةُ عِنْدَنَا تو وہ ذبیحہ حلال ہے ہمارے نزدیک، لٰكِنْ يُكْرَهُ لیکن وہ مکروہ ہے، مکروہ ہے۔ وجہ یہ کہ یہ بھی اگرچہ کاٹتے ہیں، دانت اکھڑا ہوا ہو یا ناخن اکھڑا ہوا ہو، یہ کاٹ دے گا جلد کو لیکن بہرحال اتنی آسانی سے نہیں کاٹے گا، اس میں حیوان کو تکلیف ہو گی بھئی۔ بہت تیز دھار والی چیز ہو، جیسے نرکل کا چھلکا ہے یا تیز دھار والا پتھر ہے وہ تو جلدی کاٹ دے گا گردن، لیکن یہ جو ناخن اور دانت ہیں، اگر اکھڑے بھی ہوئے ہوں، تو بھی ان کے ذریعے اتنی آسانی سے وہ گردن نہیں کٹے گی تو حیوان کو تکلیف ہو گی۔

تو کہتے ہیں أَمَّا إِذَا كَانَا مَنْزُوْعَيْنِ تَحِلُّ الذَّبِيْحَةُ عِنْدَنَا لٰكِنْ يُكْرَهُ اور اگر یہ اکھڑے ہوئے ہوں تو پھر ذبیحہ حلال ہے ہمارے نزدیک لیکن مکروہ ہے۔ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ الذَّبِيْحَةُ مَيْتَةٌ جبکہ امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ فرماتے ہیں کہ ذبیحہ مردار

ہے، یعنی اگر ناخن یا دانت چاہے اکھڑے ہوئے ہی کیوں نہ ہوں، اس سے بھی کسی حیوان کو ذبح کیا تو حیوان حرام ہے، مردار ہے، کیونکہ حدیث میں منع آیا ہے۔ کہتے ہیں لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے، مَا خَلَا الظُّفُرَ وَالسِّنَّ سوائے ناخن اور دانت کے، فَإِنَّهُمَا مُدَى الْحَبَشَةِ اس لیے کیونکہ یہ حبشیوں کی چھریاں ہیں، یہ دونوں حبشیوں کی چھریاں ہیں۔ حَبَشَة حبشیوں کو کہتے ہیں، اور مُدٰی جمع ہے مُدْيَةٌ کی، مُدْيَةٌ چھری کو کہتے ہیں، تو مُدٰی جمع یعنی چھریاں۔ تو حدیث میں، تو امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ فرماتے ہیں کہ دانت اور ناخن سے، چاہے اکھڑے ہوئے کیوں نہ ہوں، ان سے ذبیحہ جو ہوگا وہ مردار ہو جائے گا لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: مَا خَلَا الظُّفُرَ وَالسِّنَّ فَإِنَّهُمَا مُدَى الْحَبَشَةِ علاوہ ناخن اور دانت کے، کیونکہ یہ مُدَى الْحَبَشَةِ یہ حبشیوں کی چھریاں ہیں۔ وَنَحْنُ نَحْمِلُهُ عَلٰى غَيْرِ الْمَنْزُوْعِ اور ہم اس کو محمول کرتے ہیں غیرِ منزوع پر، جو اکھڑے ہوئے نہ ہوں۔ ہم کہتے ہیں حدیث میں جو منع کیا گیا ہے کہ ان کے ذریعے نہ کرو، اس سے وہ دانت اور وہ ناخن مراد ہیں جو اکھڑے ہوئے نہ ہوں، جسم کے ساتھ لگے ہوئے ہوں۔ فَإِنَّ الْحَبَشَةَ كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ کیونکہ حبشی لوگ وہ ایسا کرتے تھے۔ تو منع کی، ان کی چھریاں ذکر کی گئیں، اور وہ لگے ہوئے دانتوں اور لگے ہوئے ناخنوں سے حیوان کو ذبح کرتے تھے، اس لیے حدیث میں اس سے منع کیا گیا کہ اس میں حیوان کو تکلیف ہے، ظلم ہے۔ تو اگر اکھڑے ہوئے ہوں پھر تو وہ کچھ نہ کچھ تیز ہوتے ہیں، کاٹتے ہیں، تو وہ جائز تو ہے لیکن مکروہ ہے۔

وَنُدِبَ إِحْدَادُ شَفْرَتِهِ قَبْلَ الْإِضْجَاعِ اور مستحب ہے، پسندیدہ ہے، إِحْدَاد، إِحْدَاد کا معنی تیز کرنا، شَفْرَة کہتے ہیں چھری کو، اور مستحب ہے۔ بھئی بعض لوگ کیا کرتے ہیں؟ حیوان کو پکڑ کر گرا دیا، لٹا دیا، اب چھری تیز کر رہے ہیں حیوان کے سامنے ہی۔ بھئی یہ تو حیوان پر آپ ظلم کر رہے ہیں بھئی، اس کے سامنے چھری کو تیز کر رہے ہیں، لہٰذا چھری پہلے تیز کرنی چاہیے۔ حدیث میں بھی آتا ہے، حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ایک شخص پر گزرے اور اس نے بکری وغیرہ کو لٹایا ذبح کے لیے اور پھر اس کے سامنے ہی چھری تیز کرنے لگا، تو حضور ناراض ہوئے اور فرمانے لگے کہ تم اس کو، تم چاہتے ہو کہ اس کو کئی موتیں دو؟ بات سمجھ میں آئی؟ اس حیوان پر خوف اور دہشت طاری ہوگی بھئی وہ چھری کو جب دیکھے گا، اور آپ اس کے سامنے مسلسل چھری تیز کر رہے ہیں، تو یہ تو آپ نے ایک دفعہ نہیں مارا، گویا اس کو کئی دفعہ مار دیا، اتنا ظلم کیا آپ نے اس کے اوپر۔ تو حضور نے فرمایا تو نے لٹانے سے پہلے چھری کو تیز کیوں نہیں کر لیا؟

تو ہمیں ہر چیز میں احسان کا حکم دیا گیا ہے، حتیٰ کہ حدیث ہے بھئی، حدیث میں ہے، یہ حاشیے میں بھی دی ہوئی ہے، کہ إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ ہر چیز پر احسان اللہ نے لکھا ہے، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ جب تم کسی چیز کو قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو۔ اچھے طریقے سے قتل کرو بھئی، بعض اوقات کوئی موذی چیز ہوتی ہے، موذی جانور ہے، موذی حشرہ ہے، تو آپ نے اس کو مارنا ہے تو ظلم کر کے نہ مارو، اس کو فوراً مار دو۔ مثلاً سانپ آیا ہے، اب

آپ اس کو تھوڑا تھوڑا زخمی کر کے مار رہے ہیں؟ نہیں بھئی مارنا ہے تو جلدی سے مار دو اس کو، ختم کر دو۔ اسی طرح کوئی بھی چیز ہو جو اذیت یا تکلیف دینے والی ہے، مارنا ہو تو جلدی مارو اور اچھے طریقے سے مارو بھئی، یہ نہیں کہ تھوڑا سا زخمی کر کے اب آپ اس کا تماشا دیکھ رہے ہیں، آپ نے تو اس کو تکلیف میں مبتلا کر دیا، حالانکہ ہمیں تو احسان کا حکم ہے، ہر چیز کے ساتھ کیا کرو؟ احسان کرو بھئی۔ تو یہ حدیث دیکھو بھئی، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ جب تم قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ اور جب تم ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ اور چاہیے کہ تیز کرے تم میں سے کوئی ایک اپنی چھری کو، یعنی چھری کو بھی پہلے تیز کر لو تاکہ حیوان جلدی سے ذبح ہو جائے، گردن کٹنے میں وقت نہ لگے، وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ اور اسے چاہیے کہ وہ اپنے ذبیحے کو آرام دے بھئی، یعنی اس پر ظلم نہ کرے بھئی۔

تو دیکھیے اب اوپر متن میں، کہتے ہیں وَنُدِبَ إِحْدَادُ شَفْرَتِهِ قَبْلَ الْإِضْجَاعِ، إِضْجَاع کا معنی ہے پہلو پر لٹانا، اور مستحب ہے چھری کو تیز کرنا قَبْلَ الْإِضْجَاعِ لٹانے سے پہلے، وَكُرِهَ بَعْدَهُ اور مکروہ ہے اس کے بعد بھئی، ناپسندیدہ ہے، آپ اس پر ظلم کر رہے ہیں۔ شارح وجہ بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں إِرْفَاقًا بِالْمَذْبُوحِ مذبوح پر، اس ذبیحے پر شفقت کرتے ہوئے، نرمی کرتے ہوئے، کہ اس کے سامنے نہ تیز کرو۔

آج کل تو لوگ پرواہ ہی نہیں کرتے، انسان حیران رہتا ہے۔ قربانی کے اندر مدارس کے اندر بھی دیکھو تو عجیب نظام ہوتا ہے کہ ایک گائے کے سامنے دوسری کو ذبح کیا جا رہا ہوتا ہے، ایک کو ذبح کر دیا دوسری کو پکڑ کے لے آئے اس کے سامنے، ایک کا خون بہہ رہا ہے دوسری کو اب لا کر اس کے سامنے کھڑا کیا، اب اس کو گرا رہے ہیں۔ بھئی کیوں ظلم کرتے ہو بھئی؟ یا تو کیا کرو؟ سب کو اکٹھا لاؤ، تین چار چھ کو اکٹھا لاؤ، اور پھر سب کو گرا کر جلدی، ایک ساتھ ہی جلدی سب کو ذبح کر دو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ظلم ہے بھئی، ظلم۔ وہاں حدیث میں، حدیث میں اس کے سامنے چھری تیز کرنے پر حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ناراض ہو گئے، اور یہاں ایک کے سامنے دوسری کو باقاعدہ ذبح کیا جا رہا ہوتا ہے، تو آپ خود اندازہ لگائیے یہ کتنا بڑا ظلم ہو گا بھئی اس حیوان کے ساتھ۔

آگے دیکھیے بھئی، وَالْجَرُّ بِرِجْلِهَا إِلَى الْمَذْبَحِ۔ جَرٌّ کا معنی آتا ہے کھینچنا، بِرِجْلِهَا اس کے پاؤں سے، إِلَى الْمَذْبَحِ ذبح کی جگہ تک۔ بھئی یہ بھی مکروہ ہے کہ حیوان کو پاؤں سے پکڑ کر کھینچا جائے ذبح خانے تک۔ مثلاً بکری ہے یا بکری کا بچہ ہے، اس کو لے کر جا رہے ہیں، اب وہ نہیں چل رہا تو وہ اس کو ٹانگ سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے لے جا رہے ہیں، بھئی یہ تو احسان کے خلاف ہے، ہمیں تو ہر چیز کے ساتھ احسان کا، اچھے طریقے کا حکم دیا گیا ہے، تو اس میں جانور کو، حیوان کو تکلیف ہو گی، لہٰذا یہ بھی مکروہ ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَالْجَرُّ اور مکروہ ہے کھینچنا، یہ جَرّ کا عطف ہے کُرِہَ پر، کُرِہَ کے اندر ھُوَ ضمیر ہے نائب فاعل، ھُوَ ضمیر اس کے اندر ہے نائب فاعل اور یہ جَرّ کا اسی پر عطف ہو رہا ہے، کُرِہَ ھُوَ وَکُرِہَ الْجَرُّ، تو یہ ھُوَ پر عطف ہے جو کُرِہَ کے اندر ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ تو مکروہ ہے اس کو کھینچنا بِرِجْلِهَا اس حیوان کو اس کے پاؤں سے، اس ذبیحہ کو اس کے پاؤں سے، إِلَى الْمَذْبَحِ ذبح خانے تک، ذبح کی جگہ تک۔

قَوْلُهُ اب یہاں سے ترکیب بتلا رہے ہیں شارح بھئی، میں نے آپ کو بتا دیا کہ یہ جَرّ کا عطف کس پر ہے؟ کُرِہَ کے اندر جو ھُوَ ضمیر ہے، کُرِہَ کے اندر جو ھُوَ ضمیر ہے۔ بھئی یاد رکھیے نحو کا ایک ضابطہ یاد رکھیں۔ ایک ہے ضمیرِ متصل، ایک ہے ضمیرِ منفصل۔ أَنْتَ قَائِمٌ، یہ أَنْتَ کیا ہے؟ منفصل ہے، کسی سے جڑی ہوئی نہیں۔ أَنْتَ سے مراد بھی مخاطب ہے، لیکن یہ أَنْتَ منفصل ہے، کسی لفظ کے ساتھ جڑا ہوا نہیں۔ اور ایک میں کہتا ہوں ضَرَبْتَ، تو نے پٹائی کی، اس ضَرَبْتَ کے اندر جو تَا آرہی ہے یہ بھی مخاطب کی ضمیر ہے، لیکن یہ متصل ہے، یہ ضَرَبَ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ تو یہ ضمیریں بعض متصل ہوتی ہیں اور بعض منفصل ہوتی ہیں۔ اور یاد رکھیے ضمیرِ متصل پر عطف جائز نہیں۔ میں کہنا چاہتا ہوں آپ نے بھی پٹائی کی اور زید نے بھی پٹائی کی۔ کس نے؟ آپ نے بھی پٹائی کی تو کہا ضَرَبْتَ، اور آگے کہنا چاہتا ہوں اور زید نے بھی، تو میں کیا کہوں گا؟ وَزَيْدٌ۔ توجہ ہے؟ ضَرَبْتَ وَزَيْدٌ۔ اب آپ سے کوئی پوچھے یہ زَيْدٌ مرفوع کیوں؟ تو آپ کیا کہیں گے؟ اس کا عطف کس پر ہے؟ تَا، تَا پر، ضمیرِ متصل پر، اور وہ فاعل ہے مرفوع ہے، تو زید بھی کیا ہوا؟ فاعل ہے مرفوع ہے۔ لیکن یاد رکھیے نحوی حضرات آپ کو بتلائیں گے کہ یہ جائز نہیں ہے، آپ کس پر عطف کر رہے ہیں؟ ضمیرِ متصل پر، اور ضمیرِ متصل پر عطف جائز نہیں، اِلَّا یہ کہ دو چیزوں میں سے ایک چیز کر لیں۔ یا تو اس کی تاکید لے آئیں منفصل ضمیر کے ساتھ بھی۔ ضَرَبْتَ یہ تَا کون سی ضمیر ہے؟ واحد مذکر مخاطب۔ تو ایک مذکر مرد جو ہے تو نے پٹائی کی، واحد مذکر مخاطب۔ مُخاطِب نہیں، مُخاطِب متکلم ہوتا ہے بات کرنے والا، میں مخاطِب ہوں آپ مخاطَب ہیں، جی بات سمجھ میں آگئی؟ تو آپ مخاطَب ہیں۔ تو میں نے کیا کہا؟ ضَرَبْتَ، یہ تَا کون سی ضمیر ہے؟ مرفوع ہے لیکن متصل ہے۔ اب میں اس پر زید کا عطف کرنا چاہتا ہوں، تو دو کاموں میں سے ایک کرنا پڑے گا، یا تو اس کے ساتھ اس کی تاکید لے آؤ، اور تاکید مخاطب کی ضمیر ہی لاؤ لیکن منفصل لے آؤ۔ ضَرَبْتَ تو کیا ہے؟ متصل ہے، اور کون سی ضمیر ہے؟ واحد مذکر مخاطب۔ اب ایسی ضمیر لے آؤ جو واحد مذکر مخاطب ہی کی ہو لیکن منفصل ہو اور مرفوع ہو، کیونکہ ضَرَبْتَ میں تَا بھی کیا ہے؟ مرفوع ہے، فاعل ہے نا، فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، تو مرفوع ضمیر لے آؤ، اور وہ ہے أَنْتَ، أَنْتَ۔ تو اب یوں کہیں گے: ضَرَبْتَ أَنْتَ وَزَيْدٌ۔ عبارت سمجھ میں آرہی ہے؟ اب درمیان میں میں أَنْتَ لے آیا، یہ أَنْتَ کیا ہے آپ سے کوئی پوچھے؟ آپ کہیں گے یہ اسی ضَرَبْتَ کی تَا کی تاکید ہے۔ ایک ہی لفظ کو دو دفعہ لائیں تو پہلے کو، دوسرے کو کیا کہتے ہیں؟ یہ پہلے کی تاکید ہے۔ تو وہ بھی تَا سے مذکر مخاطب مراد ہے اور أَنْتَ سے بھی مذکر مخاطب مراد ہے، تو یہ اسی کی تاکید ہے۔ تو ترکیب کیسے کریں گے؟ ضَرَبْتَ فعل با فاعل، تَا ضمیر مرفوع محلاً مؤکد، اور

أَنْتَ ضمیر مرفوع اس کی تاکید، مؤکد اپنی تاکید سے مل کر معطوفٌ علیہ، اور وَزَيْدٌ، یہ زید کا اس پر عطف ہے، یہ معطوف ہے۔ عبارت، ترکیب سمجھ میں آرہی ہے؟ آپ کس پر عطف کرنا چاہتے ہیں؟ ضمیرِ متصل پر، تو کیا ضروری؟ کہ اس کی تاکید لاؤ ضمیرِ منفصل کے ساتھ۔ تو ضَرَبْتَ کی تاکید میں أَنْتَ کے ساتھ لے آیا۔

یا میں غائب کی ضمیر لے آؤں، یا متکلم کی لے آؤں۔ میں کہنا چاہتا ہوں میں نے بھی پٹائی کی اور زید نے بھی کی، تو ضَرَبْتُ وَزَيْدٌ میں کہہ سکتا ہوں؟ ضَرَبْتُ وَزَيْدٌ نہیں کہہ سکتا بھئی، کیونکہ آپ زید کا عطف کس پر کر رہے ہیں؟ ضمیرِ متصل پر، اور ضمیرِ متصل پر تو عطف جائز نہیں۔ پھر کیا کرتے ہیں؟ اس کی تاکید لاتے ہیں۔ ضَرَبْتُ میں تَا ضمیر ہے، کس کی ضمیر ہے یہ؟ متکلم کی، تو متکلم کی منفصل ضمیر ساتھ لے آؤ، أَنَا، ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ، اب کلام ٹھیک ہو گیا۔ اب آپ سے کوئی پوچھے یہ أَنَا کیا ہے؟ تو آپ کہیں گے کہ یہ تَا ضمیر جو ہے اس کا، اس کی تاکید ہے۔

یا غائب کی لے آؤ، اس نے بھی پٹائی کی اور زید نے بھی پٹائی کی، ضَرَبَ وَزَيْدٌ، ضَرَبَ وَزَيْدٌ، یہ بھی نہیں میں کہہ سکتا، کیونکہ یہ زید کا عطف میں کس پر کر رہا ہوں؟ ضَرَبَ کے اندر جو هُوَ ضمیر ہے میں اس پر عطف کر رہا ہوں، اور وہ تو ضمیرِ متصل ہے، اور ضمیرِ متصل پر تو عطف جائز نہیں، تو پھر اس کے لیے کیا کرتے ہیں؟ اسی کی تاکید لے آتے ہیں، تو اسی کے لیے تاکید ساتھ لے آؤ، غائب کی ضمیر لاؤ بھئی جو غائب کے لیے ہو، هُوَ، تو ضَرَبَ هُوَ وَزَيْدٌ، اس نے بھی پٹائی کی اور زید نے بھی۔ یہ هُوَ آپ سے کوئی پوچھے یہ کیا ہے؟ آپ کہیں گے جو ضَرَبَ کے اندر هُوَ ہے یہ اس کی تاکید ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ آپ یہ نہ کہیں یہاں تو دونوں کی شکل ایک جیسی، ایک تھی، وہاں بھی اندر بھی هُوَ اور باہر بھی کیا هُوَ؟ بھئی وہ ضمیر، کچھ ضمیریں متصل ہیں، آپ نے یاد کی ہوں گی نحو میں پانچ قسم کی ضمیریں ہیں، مرفوع کبھی منفصل ہوتی ہے کبھی متصل، منصوب بھی کبھی منفصل ہوتی ہے کبھی متصل، اور مجرور صرف متصل ہوتی ہے۔ تو وہاں آپ نے پڑھا ہو گا غائب کی ضمیر کیا ہے؟ هُوَ، هُوَ، هُمَا، هُمْ، هِيَ، هُمَا، هُنَّ، یہ مرفوع منفصل ہیں بھئی۔ اور ضَرَبَ کے اندر جو متصل ضمیر نکالتے ہیں وہ بھی کیا ہے؟ هُوَ ہے، تو یہ ایک متصل ہے ایک منفصل ہے۔ چونکہ ضَرَبَ کے اندر وہ ضمیر چھپی ہوئی ہے، ضَرَبْتَ میں تو تَا نظر آرہی تھی، ظاہر تھی، تلفظ ہوتا تھا اس پہ، لیکن ضَرَبَ کے اندر تو چھپی ہوئی ہے، تو اس کے لیے کوئی علیحدہ لفظ ہے ہی نہیں، تو اسی هُوَ سے اس کو ذکر کر دیتے ہیں، کس سے ذکر کر دیتے ہیں؟ هُوَ سے۔ هُوَ تو اصل میں تو منفصل ہے لیکن اسی هُوَ کو کس کے لیے استعمال کر لیتے ہیں؟ متصل، تو یوں سمجھو هُوَ متصل بھی ہوتا ہے اور هُوَ منفصل بھی ہوتا ہے۔ تو ضَرَبَ کے اندر جو چھپا ہوا ہے وہ ہے هُوَ متصل، اور جو باہر ہے وہ ہے هُوَ منفصل بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

ایک صورت یہ کہ آپ درمیان میں اس کی تاکید لے آئیں جیسے ابھی آپ نے دیکھا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ درمیان میں فصل لے آؤ، ضَرَبْتُ عَمْرًا وَزَيْدٌ، ضَرَبْتُ عَمْرًا وَزَيْدٌ۔ اب آپ سے کوئی پوچھے یہ وَزَيْدٌ یہ معطوف ہے کس پر عطف ہو رہا ہے؟ آپ کہیں گے یہ ضَرَبْتُ کی تَا ضمیر پر عطف ہو رہا ہے۔ تو اس پر پھر اشکال ہو گا، وہ تو ضمیرِ متصل ہے، اور ضمیرِ

متصل پر تو بغیر تاکید کے عطف جائز نہیں، تو یہاں تو اس کی کوئی تاکید نہیں، أَنَا کوئی ساتھ آئی ضمیر؟ نہیں آئی، تو پھر کیوں جائز؟ تو جواب یہ کہ یہاں فصل آگیا، فصل بھی آجائے تو کافی ہے، فصل کا معنی جدائی، جدائی۔ بھئی ضَرَبْتَ کے بعد یا ضَرَبْتُ کے بعد عَمْرًا آگیا یا نہیں؟ تو معطوف اور معطوفٌ علیہ میں کچھ فاصلہ آگیا، فصل آگیا، تو اب بھی عطف جائز ہے۔

تو یہاں بھی یہی اشکال ہوتا ہے، عبارت دیکھو: وَكُرِهَ، كُرِهَ کے اندر هُوَ ضمیر، اور اس پر عطف ہو رہا ہے وَالْجَرُّ کا، اور یہ عطف کس پر ہو رہا ہے؟ ضمیرِ متصل پر۔ بات بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ ویسے پریشان بیٹھے ہیں؟ سب کو سمجھ میں آ، جی۔ تو یہ كُرِهَ کے اندر ضمیرِ متصل، اور اس پر عطف کس کا کر رہے ہیں؟ اَلْجَرُّ کا۔ تو کیا ضروری؟ یا تاکید لاؤ یا فصل کرو، اور یہاں پر کیا ہے؟ فصل ہے، یہ بَعْدَهُ یہ متن کا لفظ ہے، إِرْفَاقًا بِالْمَذْبُوْحِ یہ تو شرح ہے اس کو نکال دو، تو یہاں فصل بَعْدَهُ کے ذریعے فصل آگیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہی بیان کر رہے ہیں، اب دیکھیے شارح فرماتے ہیں: قَوْلُهُ وَالْجَرُّ بِالرَّفْعِ کہ وَالْجَرُّ کا لفظ جو ہے رفع کے ساتھ، عَطْفٌ عَلَى الضَّمِيْرِ فِيْ كُرِهَ یہ عطف ہے اس ضمیر پر فِيْ كُرِهَ جو کس کے اندر ہے؟ كُرِهَ کے اندر ہے، یعنی ضمیرِ متصل پر، وَهُوَ جَائِزٌ لِوُجُوْدِ الْفَصْلِ اور یہ جائز ہے فصل کے پائے جانے کی وجہ سے۔

وَذَبْحُهَا مِنْ قَفَائِهَا، یہ دیکھا، وَذَبْحُهَا اس کا بھی اسی پر عطف ہے، اور مکروہ ہے اس ذبیحہ کو ذبح کرنا مِنْ قَفَائِهَا۔ قَفَا گدی کو کہتے ہیں، ذبح کدھر کیا جا، ذبح کیسے کرتے ہیں حیوان کو؟ جو سینے کی جانب حصہ ہے گردن کا وہاں ذبح کرتے ہیں، اور قَفَا گردن کا پچھلا حصہ جو کمر کی طرف ہے، کمر کی طرف جو حصہ ہے اس سے حیوان کو ذبح کرنا، کہتے ہیں یہ بھی مکروہ ہے۔ اس میں تفصیل یاد رکھو، اگر بکری کو کوئی گدی کی طرف سے ذبح کرتا ہے اوپر کی طرف سے، تو یاد رکھو اگر وہ رگیں کٹنے تک بکری مری نہیں تو حلال ہے، البتہ مکروہ ہے، کیا ہے؟ مکروہ ہے۔ اور اگر وہ رگیں کٹنے سے پہلے ہی بکری مر گئی، تو اس صورت میں وہ حرام ہے، مردار ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی سر۔

اور اسی طرح اگر گردن کاٹ رہا تھا، اور وہ گردن زیادہ گہرائی تک کاٹ دے، یہاں تک کہ گردن کے اندر جو ہڈی ہوتی ہے اس ہڈی کے اندر ایک سفید رگ سی ہوتی ہے جس کو حرام مغز کہتے ہیں، حرام مغز۔ یہ وہ دماغ کا ربط ہے پورے جسم کے ساتھ۔ تو اس، اگر اس حرام مغز کو بھی کاٹ دیا، یہاں تک چھری پہنچ گئی، تو یہ بھی مکروہ ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ اگر کسی حیوان کو گدی کی طرف سے ذبح کیا یعنی جو گردن کا حصہ کمر کی طرف ہے اس طرف سے ذبح کیا، تو گدی کی طرف سے اگر حیوان کو ذبح کیا تو یہ مکروہ ہے ایسے کرنا، اور اگر اس حیوان کے مرنے سے پہلے وہ رگیں کٹ گئیں جن کا کٹنا ضروری ہے ذبح کے اندر تو یہ حیوان حلال ہو گا، بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن اگر اس سے پہلے ہی حیوان مر گیا تو پھر تو یہ حرام ہو جائے گا۔ تو گدی کی طرف سے حیوان کو ذبح کرنا یہ مکروہ ہے بھئی۔ اسی طرح ذبح تو سینے کی جانب سے کیا گردن پر، لیکن اتنی گہرائی تک چھری لے گیا کہ حرام مغز تک چھری پہنچ گئی، حرام مغز بھی کٹ گیا، تو یہ بھی مکروہ ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَذَبْحُهَا مِنْ قَفَائِهَا اور اسی طرح مکروہ ہے اس ذبیحہ کو ذبح کرنا مِنْ قَفَائِهَا اس کی گدی کی طرف سے۔ وَالنَّخْعُ، نَخْعٌ یہ مصدر ہے یاد رکھنا بھئی، نَخَعَ يَنْخَعُ نَخْعًا کا معنی ہے حرام مغز تک چھری کا پہنچ جانا ذبح کے وقت، اور اسی طرح نَخْعُ یعنی حرام مغز تک چھری کا پہنچنا بھی مکروہ ہے۔ أَيِ الذَّبْحُ الشَّدِيْدُ حَتّٰى يَبْلُغَ النُّخَاعَ اور یعنی شدید ذبح، زیادہ ذبح، یہاں تک کہ کہاں تک وہ پہنچ جائے؟ نُخَاعَ تک، وَهُوَ بِالْفَارِسِيَّةِ حَرَامْ مَغْزْ اور اس کو فارسی زبان میں حرام مغز کہتے ہیں، وہاں تک چھری پہنچ جائے۔ وہاں تک پہنچ جائے یعنی وہ بھی کٹ جائے بھئی، وہ بھی کٹ جائے، کیونکہ اس سے حیوان جلدی ٹھنڈا ہو گا، خون پوری طرح بدن سے نہیں نکلے گا ایک تو یہ، خون پوری طرح بدن سے نہیں نکلے گا، اور نیز اس میں تکلیف بھی حیوان کو زیادہ ہے، بھئی جب تین چار رگیں کاٹنا تھا اسی پر اکتفا ضروری ہے، بلاوجہ مزید تکلیف حیوان کو نہیں دینی چاہیے۔

وَالسَّلْخُ اور اسی طرح کھال کا اتارنا، یہ بھی مکروہ ہے قَبْلَ أَنْ يَبْرُدَ قبل اس کے کہ وہ حیوان ٹھنڈا ہو جائے۔ ابھی وہ حیوان تڑپ رہا ہے اور وہ شخص اس کی کھال اتارنا شروع کر دیتا ہے، بھئی یہ تو آپ اس کو مزید تکلیف دے رہے ہیں، تو لہٰذا کچھ تھوڑی دیر ذرا ٹھہر جاؤ، وہ جب ٹھنڈا ہو جائے، روح پوری طرح نکل جائے، اب اس کی کھال اتاریں۔ یہ معنی ہے وَالسَّلْخُ اس کا عطف بھی اسی ماقبل پر ہے اور یہ کھال کا اتارنا بھی مکروہ ہے، کب مکروہ ہے؟ قَبْلَ أَنْ يَبْرُدَ قبل اس حیوان کے ٹھنڈا ہونے کے۔ بھئی أَنْ يَبْرُدَ ٹھنڈا ہونے سے کیا مراد ہے؟ کہتے ہیں أَنْ يَسْكُنَ عَنِ الْاِضْطِرَابِ یعنی وہ ساکن ہو جائے تڑپنے سے، تڑپنے سے ساکن ہو، تڑپے نہ، رک جائے۔

جی، یہاں تک ساری بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس کرتے ہیں بس بھئی، بس بھئی۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۹: ذابح کی شرائط (مسلم، کتابی، صبی، اخرس)، آلۂ ذبح (سن و ظفر) اور ذبح من القفا کے احکام

شرح الوقایہ صفحہ: ۳۴ — بتاریخ: ۱۱ نومبر ۲۰۱۹ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی سبق آگے:

وَشُرِطَ كَوْنُ الذَّابِحِ مُسْلِمًا أَوْ كِتَابِيًّا ذِمِّيًّا أَوْ حَرْبِيًّا، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾، وَذٰلِكَ لِأَنَّهُمْ يَذْكُرُونَ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهَا، فَحَلَّ ذَبِيحَتُهُمَا وَلَوْ مَجْنُونًا أَوِ امْرَأَةً أَوْ صَبِيًّا يَعْقِلُ وَيَضْبِطُ۔

ذبیحہ سے متعلقہ مسائل ذکر ہو رہے ہیں بھئی۔ آگے آپ کو بتلا رہے ہیں کہ ذبح کرنے والے کا مسلمان ہونا شرط ہے بھئی، ذبح کرنے والا کون ہو؟ مسلمان ہو یا کتابی یعنی اہلِ کتاب ہو، عیسائی یا یہودی ہو۔ اور پھر اہلِ کتاب آپ جانتے ہیں جو دارالاسلام کے اندر ہوں، وہ جو بھی کفار جزیہ دے کر رہتے ہیں دارالاسلام میں ان کو ذمی کہتے ہیں، ذمی۔ اور جو غیر مسلم دارالحرب میں رہتے ہیں ان کو حربی کہا جاتا ہے، حربی۔ تو یہ جو عیسائی یا یہودی جن کا ذبیحہ حلال ہے، یہ چاہے ذمی ہوں چاہے حربی، ان کا ذبیحہ کیا ہے؟ حلال ہے بھئی۔ حلال ہے۔

اور وجہ یہ کہ یہ بھی اللہ کا نام لیتے ہیں ذبح کرتے ہوئے حیوان کو۔ لیکن علماء فرماتے ہیں کہ آج کل کے زمانے میں بالخصوص جو عیسائی ہیں وہ تو بالکل ہی لامذہب ہو چکے ہیں، برائے نام عیسائی ہیں، نام کے عیسائی ہیں، انہیں اپنے مذہب کا نہ علم ہے نہ اس پر عمل کرتے ہیں۔ لہٰذا اس زمانے میں اہلِ کتاب کے ذبیحے کی، خصوصاً عیسائیوں کے ذبیحے کی تحقیق کی جائے گی۔ جبکہ یہودیوں کا ذبیحہ، وہ ٹھیک ہے وہ اسی طرح اپنے مذہب پر عمل کرتے ہیں، وہ اللہ کا نام لیتے ہیں، لہٰذا دوسرے ممالک میں جو یہودیوں کا ذبیحہ ہے باقاعدہ کوشر، کوشر۔ جیسے ہمارے مسلمانوں کا جو حلال گوشت فروخت ہوتا ہے تو اس پر لکھا ہوتا ہے حلال، یہودیوں کے اس پر لکھا ہوتا ہے کوشر بھئی، کوشر۔ کاف، واؤ، شین، را، کوشر۔ تو یہ بھی حلال

ہے بھئی، یہ بھی حلال۔ البتہ عیسائیوں کے بارے میں تحقیق کی جائے گی، ان کے ذبیحے کو ایسے نہیں کھایا جائے گا، دیکھیں گے آپ کہ یہ لوگ اپنے ذبیحے پر اللہ کا نام ذکر کرتے ہیں یا ذکر نہیں کرتے۔ اگر یہ اللہ کا نام ذکر کرتے ہیں پھر تو ذبیحہ حلال ہو گا ورنہ ان کا ذبیحہ حلال نہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں وَشُرِطَ كَوْنُ الذَّابِحِ مُسْلِمًا اور شرط لگائی گئی ہے ذبح کرنے والے کے مسلمان ہونے کی، أَوْ كِتَابِيًّا یا کتابی ہونے کی یعنی اہلِ کتاب ہونے کی، پھر وہ کتابی جو ہے ذِمِّيًّا أَوْ حَرْبِيًّا چاہے ذمی ہو اور چاہے ذمی ہو یا حربی ہو۔ قَالَ اللهُ تَعَالٰی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ ، دلیل ذکر کر رہے ہیں بھئی کہ ان کا ذبیحہ کیسے حلال ہے؟ کہتے ہیں قرآن میں اللہ فرماتے ہیں ﴿ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ اور کھانا ان لوگوں کا جن کو کتاب دی گئی وہ تمہارے لیے حلال ہے، ان لوگوں کا کھانا ان لوگوں کا طعام تمہارے لیے حلال ہے جو اہلِ کتاب ہیں، جن کو کتاب دی گئی۔ اور ظاہر سی بات ہے کہ طعام سے مراد غلہ وغیرہ یا یہ سبزی وغیرہ مراد نہیں ہے، کیونکہ غلہ یا سبزی تو اگر مشرک نے بھی بنائی ہو وہ بھی کھانا کیا ہے؟ وہ، وہ کھانا درست ہے، بشرطیکہ کوئی حرام چیز اس میں نہ ملائی ہو۔ اور معلوم ہوا یہاں پر کس کی بات ہو رہی ہے؟ ذبیحے کے، ذبیحے کی اور اس کے گوشت کی بات ہو رہی ہے، اللہ فرما رہے ہیں کہ وہ تمہارے لیے حلال ہے۔

اور بھئی کیوں اللہ نے اس کو حلال کیوں قرار دیا اس کی وجہ بھی ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں وَذٰلِكَ لِأَنَّهُمْ يَذْكُرُونَ اسْمَ اللهِ تَعَالٰی عَلَيْهَا اس لیے کیونکہ یہ لوگ اللہ کا نام ذکر کرتے ہیں اس پر، یعنی اس ذبیحے پر۔ فَحَلَّ ذَبِيحَتُهُمَا پس ان کا، ان دونوں کا ذبیحہ حلال ہے بھئی، ذمی ہو یا حربی ہو، یعنی اہلِ کتاب میں سے ہو۔

وَلَوْ مَجْنُونًا اگرچہ وہ مجنون ہو بھئی، وہ ذبح کرنے والا مسلمان ہے بھئی۔ وَلَوْ مَجْنُونًا اس کو متن کو متن سے جوڑیں بھئی: وَشُرِطَ كَوْنُ الذَّابِحِ مُسْلِمًا اور شرط لگائی گئی ہے ذبح کرنے والے کے مسلمان ہونے کی، وَلَوْ مَجْنُونًا اگرچہ وہ مجنون ہو یعنی پاگل ہو، أَوِ امْرَأَةً یا عورت ہو، أَوْ صَبِيًّا یا بچہ ہو، يَعْقِلُ وَيَضْبِطُ یعنی سمجھتا ہو وَيَضْبِطُ اور اس کو محفوظ ہو، اس کو یاد ہو۔ کیا سمجھتا ہو اور اس کو کیا یاد ہو؟ تو یاد رکھیے صاحبِ کتاب صاحبِ شرحِ وقایہ آگے آپ کو بتلائیں گے کہ وہ تسمیہ کو سمجھتا ہو اور اسے تسمیہ یاد ہو۔ اسے پتہ ہو کہ ذبح کے وقت کیا کیا جاتا ہے؟ اللہ کا نام لیا جاتا ہے اور اسے یاد ہو کس طرح ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا ہے بھئی۔ تو، تو یہ شرط ہے بھئی۔ یہ کس کے لیے؟ مجنون اور بچے کے لیے ہے۔ عورت کا تو ظاہر ہے وہ عقل والی ہے تو اس کو تو طریقہ معلوم ہو گا، لیکن بچہ، بچہ اس میں دیکھا جائے گا کہ وہ ان چیزوں کو سمجھتا ہے یا سمجھتا نہیں ہے۔ اسی طرح مجنون، معلوم ہوا مجنون سے مراد بالکل پاگل نہیں مراد بھئی، کیونکہ اس کو تو کسی چیز کا پتہ نہیں ہوتا، کھانے، پینے، سردی، گرمی، کپڑوں کسی چیز کا ہوش نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا یہاں ناسمجھ شخص مراد ہے، یا وہ شخص مراد ہے جو کبھی کبھی مجنونوں جیسی حرکتیں کرتا ہے، اگرچہ چیزوں کو سمجھتا بھی ہے لیکن کچھ حرکتیں اس کی کس سے ملتی جلتی

ہیں؟ مجنونوں سے۔ تو وہ مراد ہے، اسی لیے کہا کہ بچہ اور مجنون جو ہے وہ سمجھتا ہو یعنی تسمیہ یَعْقِلُ تسمیہ کو سمجھتا ہو کہ اللہ کا نام لیا جاتا ہے وَیَضْبِطُ اور اسے یاد ہو کہ کس طرح اللہ کا نام لینا ہے۔

بات سمجھ میں آگئی، دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں وَلَوْ مَجْنُونًا اگرچہ مجنون ہو، أَوِ امْرَأَةً یا عورت ہو، أَوْ صَبِيًّا یا ایسا بچہ یَعْقِلُ وَیَضْبِطُ جو سمجھتا ہو وَیَضْبِطُ اور اس کو محفوظ ہو، اس کو یاد ہو۔ اور یہ یاد رکھیے میں نے بتلا دیا یَعْقِلُ اور یَضْبِطُ کا تعلق مجنون اور صبی دونوں سے ہے، دونوں سے ہے۔ حَتّٰى لَوْ كَانَ الْمَجْنُونُ أَوِ الصَّبِيُّ بِحَيْثُ لَا يَعْقِلُ وَلَا يَضْبِطُ، دیکھا شرح میں بھی دونوں کو ذکر کر دیا: حَتّٰى لَوْ كَانَ الْمَجْنُونُ أَوِ الصَّبِيُّ یہاں تک کہ اگر مجنون یا بچہ جو ہے بِحَيْثُ اس طور پر ہوں کہ لَا يَعْقِلُ وَلَا يَضْبِطُ التَّسْمِيَةَ کہ وہ سمجھتے نہ ہوں اور ان کو یاد نہ ہو تسمیہ کہ کیسے لیتے ہیں نام، تو لَا يَحِلُّ ذَبِيحَتُهُمَا تو ان کا ذبیحہ پھر حلال نہیں ہے، اگر وہ سمجھتے ہی نہیں ہیں تسمیہ کو، ان کو پتہ ہی نہیں ہے کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جاتا ہے اور کیسے لیا جاتا ہے تو پھر ان کا ذبیحہ حلال نہیں بھئی۔[1]

یہ تو تقریر کی شارحِ وقایہ نے، کس کی؟ یَعْقِلُ اور یَضْبِطُ کی، کہ وہ بچہ اور مجنون تسمیہ کو سمجھتے ہوں اور ان کو یاد ہو، ان کو محفوظ ہو کہ کیسے پڑھنا ہے کس طرح۔ جبکہ اور شارحین جو ہیں جو اس کی تقریر کرتے ہیں وہ یَعْقِلُ اور یَضْبِطُ سے مراد یہ لیتے ہیں کہ ان کو یہ سمجھ ہو کہ تسمیہ سے ذبیحہ حلال ہو جاتا ہے، یہ تو خیر اس میں بھی آجائے گا، شارحِ وقایہ کی تقریر میں بھی آجائے گا، کہ وہ سمجھتے ہوں کہ تسمیہ سے ذبیحہ کیا ہو گا؟ حلال ہو گا، ہم اللہ کا نام نہیں لیں گے تو یہ کیا ہو جائے گا؟ حرام۔ یہ تو خیر صاحبِ شرحِ وقایہ۔ ہاں یَضْبِطُ کا معنی یہ ہے ان کو محفوظ ہو، تو اور شارحین فرماتے ہیں ان کو یاد ہو کہ کس طرح حیوان کو ذبح کرنا ہے، کس طرح اس کی کون کون سی رگیں کاٹیں گے تو حیوان حلال ہو گا ورنہ حلال نہیں ہو گا، یہ چیز ان کو یاد ہو، ان کو اس کا طریقہ آتا ہو، ان کو محفوظ ہو یعنی ان کو یہ طریقہ آتا ہو، بات سمجھ میں آگئی۔

اچھا آگے دیکھیے بھئی: أَوْ أَقْلَفَ أَوْ أَخْرَسَ یا وہ غیر مختون ہو، أَوْ أَخْرَسَ یا گونگا ہو۔ غیر مختون جس کے ختنے نہ ہوئے ہوں، اگر وہ ذبح کرے حیوان کو تو وہ بھی کیا ہے؟ حلال ہے، کیونکہ وہ ایک سنت کا تارک ہے، اس سے اس کے ذبیحے پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ایک سنت کو اس نے چھوڑا ہے اس سے اس کے ذبیحے پر کوئی اثر نہیں پڑتا، تو اس کا ذبیحہ حلال ہے۔ أَوْ أَخْرَسَ، أَخْرَسَ کہتے ہیں گونگا بھئی۔ گونگا مسلمان ہے وہ ذبح کرتا ہے تو وہ بیچارہ تو قادر ہی نہیں ہے زبان سے تسمیہ کہنے پر، تو وہ باقی اس کو طریقہ آتا ہے، تو یقیناً اس کے قلب میں کیا ہو گا؟ اللہ کا نام ہے بھئی، تو لہٰذا اس کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔

لَا ذَبِيحَةُ وَثَنِيٍّ وَمَجُوسِيٍّ وَمُرْتَدٍّ۔ وَثَنِيٍّ کہتے ہیں بت پرست بھئی، جو بتوں کی عبادت کرتا ہے۔ مَجُوسِيٍّ، مجوسی کہتے ہیں

---

[1] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۸۴):** صوتی درس کی قراءت میں «حَتّٰى لَوْ كَانَ الْمَجْنُونُ أَوِ الصَّبِيُّ بِحَيْثُ لَا يَعْقِلُ وَلَا يَضْبِطُ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «حتّٰى ولو كان المجنونُ أو الصَّبيُّ بحيث لا يعقلُ ولا يضبطُ» منقول ہے۔

بھئی جو آگ کی عبادت کرتا ہے، آتش پرست ہے۔ وَمُرْتَدٌّ مرتد جو اسلام سے، اسلام کو چھوڑ دیا جس نے، وَتَارِكِ التَّسْمِيَةِ اور جو تسمیہ کو چھوڑنے والا ہے عَمْدًا ارادے سے یعنی جان بوجھ کر۔ کہتے ہیں لَا ذَبِيحَةُ وَثَنِيٍّ بت پرست کا ذبیحہ نہیں یعنی وہ حلال نہیں، تو بت پرست کا ذبیحہ حلال نہیں، وَمَجُوسِيٍّ اور مجوسی کا، وَمُرْتَدٌّ اور مرتد کا، وَتَارِكِ التَّسْمِيَةِ عَمْدًا اور جان بوجھ کر تسمیہ کو چھوڑنے والا، ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے بھئی۔

هٰذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے۔ یاد رکھیے تسمیہ کو جان بوجھ کر چھوڑنے والا، اس سلسلے میں امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو تسمیہ کو چھوڑ دے چاہے ارادے سے چھوڑے، مسلمان ہے جانور کو ذبح کرنے لگا تو اس نے تسمیہ یعنی اللہ کا نام لیا ہی نہیں، چاہے ارادے سے نہیں لیا یا یعنی اس کو یاد تو تھا، ذہن میں تو تھا لیکن پرواہ ہی نہیں کی ویسے ذبح کر دیا، تو چاہے جان بوجھ کر چھوڑے چاہے بھولے سے تسمیہ رہ جائے دونوں صورتوں میں جو ذبیحہ ہے وہ حرام ہو گیا، اب اس کو نہیں کھا سکتے۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں حیوان حلال ہے، ذبیحہ حلال ہے، آپ اس کو کھا سکتے ہیں، چاہے جان بوجھ کر تسمیہ کو چھوڑ دے چاہے بھولے سے رہ جائے بھئی۔ جبکہ ہمارا مذہب، احناف کا مذہب متوسط ہے، ہم کہتے ہیں کہ اگر بھولے سے تسمیہ رہ جائے تو پھر ذبیحہ حلال ہے، کیونکہ اگر بھولے سے رہنے کی صورت میں بھی ہم کہیں کہ ذبیحہ حرام ہے، حالانکہ بھولنا، بھولنا تو اکثر پیش آتا ہے لوگوں کو، تو ایک چیز اور ذبح کے اندر تو چند لمحے لگتے ہیں بھئی، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ چند لمحے لگتے ہیں تو بس ذرا ادھر ادھر کہیں توجہ ہوئی اس کا خیال نہیں رہا تو وہ تسمیہ اس نے اس وقت ذکر ہی نہیں کیا، اللہ کا نام لیا ہی نہیں، تو لہٰذا بھولنا چونکہ ایک عذر ہے، اکثر پیش آتا رہتا ہے، اگر ہم بھولے سے تسمیہ رہنے والے ذبیحے کو بھی حرام قرار دے دیں پھر تو لوگ مشکل میں پڑ جائیں گے بھئی، ہر جگہ یہ جگہ جگہ اس طرح پیش آئے گی یہ بات۔ اور حرج کو تو شریعت نے دور کیا ہے، تنگی کو دور کیا ہے لوگوں سے کہ تنگی کو لوگوں سے دور کیا ہے، شریعت کے کسی چیز میں حرج نہیں، تکلیف نہیں لوگوں کے لیے، لہٰذا یہاں بھی بھولے سے اگر تسمیہ رہ جائے تو ذبیحہ حلال ہو گا۔ ہاں اگر کوئی جان بوجھ کر اللہ کا نام نہیں لیتا، اسے یاد ہے، جانتا ہے، لیکن پرواہ ہی نہیں کرتا، ویسے ہی حیوان کو ذبح کر دیتا ہے، جیسے آج کل اکثر جو یہ حیوان ذبح کرنے والے ہیں وہ پرواہ ہی نہیں کرتے بھئی، تو اس صورت میں یاد رکھیے وہ ذبیحہ حرام ہو جائے گا، اس کا کھانا جائز نہیں۔ لہٰذا جب بھی کوئی حیوان ذبح کروائیں، کہیں آپ جاتے ہیں اور کوئی حیوان ذبح کرواتے ہیں کسی اور کو بلواتے ہیں تو اس کو خوب تاکید کریں کہ وہ تسمیہ ذکر کرے اور باقاعدہ بلند آواز سے کہ سنیں بھئی۔ تو ہمارا مذہب متوسط ہوا، بسم اللہ کو چھوڑنے والا اگر نسیاناً، بھولے سے اس نے چھوڑا ہے تو ذبیحہ حلال، اور اگر جان بوجھ کر چھوڑا ہے تو ذبیحہ حرام ہے بھئی۔

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں هٰذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے کہ جان بوجھ کر تسمیہ کو چھوڑے گا تو وہ بھی ذبیحہ حرام ہے، لِقَوْلِهِ تَعَالٰی بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے: ﴿ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ﴾ اور تم نہ کھاؤ اس ذبیحے میں

سے جس پر اللہ کا نام ذکر نہیں کیا گیا، دیکھو قرآن میں اللہ صراحتاً فرما رہے ہیں جس پر اللہ کا نام ذکر نہیں کیا گیا اسے نہ کھاؤ۔ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے۔ وَأَقْوٰى حُجَّتِهِ قَوْلُهُ تَعَالٰى اور امام شافعی رحمہ اللہ کی سب سے قوی دلیل جو ہے، حجت دلیل کو کہتے ہیں، اور سب سے قوی دلیل امام شافعی رحمہ اللہ کی وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿ قُل لَّا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا ﴾۔

دیکھیے بھئی یہ حاشیے میں یہ پوری آیت دی ہوئی ہے ذرا اس پر نظر رکھیں اس کا ترجمہ دیکھ لیں: ﴿ قُل لَّا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهِ ﴾۔ قُلْ اے پیغمبر آپ فرما دیجیے، آپ ان لوگوں سے کہہ دیجیے، لَا أَجِدُ کہ میں نہیں پاتا یعنی مجھے نہیں ملتا فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ اس کے اندر جو میری طرف وحی کی گئی، جو چیز میری طرف وحی کی گئی میں اس میں نہیں پاتا، اس میں مجھے نہیں ملتا، کیا چیز نہیں ملتی؟ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ کوئی حرام چیز

عَلٰى طَاعِمٍ کسی کھانے والے پر يَطْعَمُهُ جو اس کو کھاتا ہو، کوئی کھانے والا کوئی چیز جو کھاتا ہو وہ اس کو میں حرام نہیں پاتا، وہ جو میری طرف وحی کی گئی۔ میری طرف جو وحی کی گئی ہے اس میں میں کوئی کھائی جانے والی چیز حرام نہیں پاتا اِلَّا سوائے ان چیزوں کے، یعنی صرف یہ چیزیں حرام پاتا ہوں، یہ چیزیں حرام ہیں یہ مجھے وحی میں ملتا ہے، باقی چیزوں کی حرمت کا مجھے وحی میں، ان کی حرمت کا حکم نہیں ملتا۔ وہ کون کون سی چیزیں ہیں؟ إِلَّا أَن يَكُونَ مَيْتَةً مگر یہ کہ وہ مردار ہو، کوئی حیوان ہے ذبح ہی نہیں کیا ویسے مر گیا یا کسی نے مار دیا کسی بھی طریقے سے، أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا یا بہتا ہوا خون ہو، أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ یا خنزیر کا گوشت ہو، یا خنزیر کا گوشت ہو، فَإِنَّهُ رِجْسٌ کیونکہ وہ ناپاک ہے۔ خنزیر کا گوشت بھی کیا ہے؟ حرام، کیونکہ وہ ناپاک ہے۔ أَوْ فِسْقًا، فِسْق کا معنی ہے ناجائز ذبیحہ بھئی۔ فِسْق کا کیا ترجمہ کرنا ہے؟ ناجائز۔ أَوْ فِسْقًا یا ایسا ناجائز ذبیحہ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهِ کہ پکارا جائے اس پر غیر اللہ کا نام، اللہ کے علاوہ، اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام اس پر پکارا جائے وہ ذبیحہ، وہ ناجائز ذبیحہ ہے، وہ بھی حرام ہے۔

تو چار چیزیں قرآن میں ذکر ہو گئیں وہ حرام ہیں۔ اے پیغمبر آپ لوگوں سے کہہ دیجیے کہ قرآن میں یہ وحی کے اندر مجھے صرف چار حرام چیزیں ملتی ہیں باقی اور کوئی چیز حرام نہیں کھانے والی چیزوں میں۔ اور وہ چار چیزیں کیا؟ نمبر ایک مردار ہے، نمبر دو کیا ہے؟ دمِ مسفوح ہے، بہتا ہوا خون جو ہے۔ یہ جو حیوان کو ذبح کرنے کا شریعت نے حکم دیا اسی لیے دیا کہ اس سے اس کے جسم سے وہ جو خون ہے جو کہ نجس ہے اس کو نکال دیا جائے بھئی، ذبح کرتے ہیں تو وہ سارا خون نکل جاتا ہے۔ اور پھر یہ بھی شریعت نے کہا ساری رگیں وہ حرام مغز وغیرہ اور رگیں نہ کاٹو صرف یہ والی رگیں کاٹو، کیونکہ حرام مغز کاٹ دیں گے تو حیوان تو فوراً ٹھنڈا ہو جائے گا، خون پوری طرح بدن سے نکلے گا ہی نہیں، لہٰذا جب صرف یہ تین چار

رگیں کاٹیں تو چند سیکنڈ وہ حیوان تھوڑا سا تڑپے گا اور اس کی وجہ سے اور جو خون کچھ باقی بھی ہو گا وہ بھی سارا بدن سے نکل جائے گا بھئی، نکل جائے گا۔

تو پہلی کیا حرام؟ مردار۔ اور نمبر، دوسرے نمبر پر بہتا ہوا خون۔ اور تیسرا جو ہے وہ خنزیر کا گوشت۔ اور چوتھے نمبر پر وہ حیوان جس پر اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ دیکھو یہ ذبح کرتے ہوئے ہم اس پر اللہ کا نام لیتے ہیں، اللہ کا نام اس پر پکارتے ہیں۔ اگر کسی اور کا نام پکارا گیا، چاہے کسی ولی کا نام پکارا گیا، کسی پیغمبر کا نام پکارا گیا، یا کسی کا بھی نام پکارا گیا یاد رکھیے وہ حیوان جو ہے وہ حرام ہو جائے گا بھئی۔ تو یہ چار چیزیں حرام ہیں۔ اور اس کو فسق کہا جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، فِسْقًا۔

أَوْ فِسْقًا دیکھو فِسْقًا نکرہ ہے اور اس کے آگے فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ عموماً اس کی صفت بنتا ہے، أَوْ فِسْقًا یا ایسا ناجائز ذبیحہ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهِ جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، یعنی اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام اس پر پکارا گیا ہو یعنی ذبح کے وقت۔

تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کی سب سے قوی دلیل یہ آیت ہے، وہ کہتے ہیں دیکھو اس میں تارک التسمیہ عمداً کا ذکر نہیں، جان بوجھ کر جو تسمیہ کو چھوڑ دے اس کا ذکر نہیں۔ بتلایا حضور کیا فرما رہے ہیں لَا أَجِدُ کہ میں نہیں پاتا، لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا وہ جو میری طرف وحی کی گئی ہے اس میں میں کوئی چیز حرام نہیں پاتا مگر یہ چار چیزیں ہیں اور ان میں وہ ذبیحہ جس پر اللہ کا نام جان بوجھ کر چھوڑ دیا گیا ہو اس کو ذکر نہیں کیا گیا، معلوم ہوا وہ حرام نہیں ہے، جب ذبح کرنے والا مسلمان ہے تو بس وہ ذبیحہ حلال ہے ورنہ اس کو بھی ذکر کرنا چاہیے تھا یہاں۔ دلیل سمجھ میں آئی؟

قرآن میں دوسری جو ہم نے ہماری دلیل ذکر کی: ﴿ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ ﴾ اور تم نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام ذکر نہ کیا گیا ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے ترکِ تسمیہ عمداً مراد نہیں ہے، جان بوجھ کر تسمیہ چھوڑنا مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد وہی ہے مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهِ۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ جس پر کیا اللہ کیا فرما رہے ہیں دوسری جگہ جو ہماری دلیل ذکر ہو گئی ابھی کتاب میں وہ دیکھیے: ﴿ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ ﴾ اور تم لوگ نہ کھاؤ اس ذبیحے میں سے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہی مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهِ ہے۔ کیا مراد ہے؟ مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهِ، وہ ذبیحہ جس پر اللہ کے علاوہ کا نام لیا گیا ہو، کسی اور کا نام لیا گیا، اور جب کسی اور کا نام لیا گیا تو اللہ کا نام نہیں لیا گیا، اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ اسی کا ذکر ہو رہا ہے ﴿ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ ﴾ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا یعنی کسی اور کا نام لیا گیا ہے، اس کو نہ کھاؤ۔ اور مزید فرماتے ہیں کہ جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا تھا اس کو فسق قرار دیا ہے قرآن نے، وہ ناجائز ذبیحہ ہے، اور نیز مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ اس کے آگے بھی اللہ فرماتے ہیں وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ، یہ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا یہ کیا ہے؟ فسق ہے، یہ ناجائز ذبیحہ ہے۔ معلوم ہوا یہ اسی ذبیحے کی بات ہو رہی ہے جس

کو قرآن نے ناجائز ذبیحہ قرار دیا تھا، اور ناجائز ذبیحہ کس کو قرار دیا تھا؟ جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، تو جب غیر اللہ کا نام لیا تو اللہ کا نام اس پر نہیں لیا، تو معلوم ہوا یہ وہی مراد ہے اور اس کو بھی فسق کہا گیا معلوم ہوا دونوں ایک ہی چیز ہیں، دلیل ان کی سمجھ میں آگئی؟

تو گویا یوں کہو، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ﴾ یہ جو آیت ہے، یہ آیت محمول ہے کس پر؟ مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ پر محمول ہے، اور دلیل کیا ہے کہ آپ نے اس سے وہی کیوں مراد لیا؟ کہ وہ فرماتے ہیں کہ اس کو بھی فسق کہا گیا، اس کو بھی فسق کہا گیا، اور معلوم ہوا ایک ہی چیز ہے، اسی کا یہاں ذکر دوسرے لفظوں میں ہو رہا ہے، دلیل سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَأَقْوٰى حُجَّتِهِ قَوْلُهُ تَعَالٰى اور ان کی سب سے قوی دلیل وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿ قُل لَّا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا ﴾ سے لے کر إِلٰى قَوْلِهِ تَعَالٰى اللہ تعالیٰ کے اس قول تک ﴿ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ ﴾ یہاں تک یہ ان کی دلیل ہے۔ فَيُحْمَلُ قَوْلُهُ تَعَالٰى تو محمول کیا جائے گا اللہ کا قول، کون سا قول؟ وہ جو ہماری دلیل ہے اس کو بھی اسی پر محمول کرتے ہیں، تو کہتے ہیں پس محمول کیا جائے گا اللہ تعالیٰ کے قول ﴿ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ﴾ اس سے بھی وہی مراد ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ کیوں اس کو محمول کیا جائے گا کس پر؟ عَلٰى مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ، مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ پر محمول کیا جائے گا کہ اس سے بھی وہی مراد ہے۔ بھئی کیوں، اس سے وہی کیوں مراد ہے؟ کہتے ہیں بِقَرِينَةِ قَوْلِهِ تَعَالٰى وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے قرینے کی وجہ سے جو اللہ آگے فرما رہے ہیں وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ کہ یہ کیا ہے؟ فسق ہے، اور فسق تو اللہ نے اس کو قرار دیا تھا معلوم ہوا یہ وہی چیز ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ قرینہ کہتے ہیں وہ چیز جو مراد کی طرف اشارہ کر دے، وہ چیز جو مراد کی طرف کیا کر دے؟ اشارہ کر دے، تو یہ بھی اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ یہ اور وہ ایک ہی چیز ہیں، یہ فسق سے لفظ سے پتہ چل رہا ہے۔

اور نیز وَأَيْضًا إِذَا لَمْ يُوجَدْ، اور نیز إِذَا لَمْ يُوجَدْ یوں کہیں، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تو ہم نے ثابت کر دیا کہ ﴿ وَلَا تَأْكُلُوا ﴾ میں مراد ترکِ تسمیہ عمداً مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ ہے۔ اور نیز وہاں پر جو حرام چار چیزیں ذکر ہوئیں ان میں تو ترکِ تسمیہ عمداً کا ذکر نہیں، جان بوجھ کر جو تسمیہ کو چھوڑ دے اس کا ذکر تو وہاں پر نہیں، جب وہاں ذکر نہیں، وہی چار چیزیں حرام ہوں گی، ترکِ تسمیہ عمداً والا ذبیحہ حرام نہیں ہوگا۔ دوسری دلیل سمجھ میں آئی؟ تو کہتے ہیں وَأَيْضًا إِذَا لَمْ يُوجَدْ اور جب وہ نہیں پایا گیا وہاں پر وہ یہ والا حیوان جس پر تسمیہ کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا گیا ہو، وَأَيْضًا إِذَا لَمْ يُوجَدْ هٰذَا فِي الْمُحَرَّمِ اور جب یہ نہیں پایا گیا محرّم یعنی حرام کے اندر، تو يَكُونُ حَلَالًا تو یہ حلال ہوگا۔

قُلْنَا سے اب جواب دے رہے ہیں۔ احناف جواب دیتے ہیں، جواب پہلے سمجھ لیں۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ ﴿ وَلَا تَأْكُلُوا ﴾ کو آپ نے کس پر محمول کیا؟ مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ پر۔ ہم کہتے ہیں نہیں، حمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ادھر چار حرام ذکر تھے، یہ پانچواں حرام الگ ذکر ہو گیا۔ وہ چار چیزیں بھی حرام: مردار، بہتا خون، خنزیر کا گوشت اور مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهِ، ایک وہ چار چیزیں حرام، اور پانچواں حکم یہ آگیا کہ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کو بھی نہ کھاؤ۔ اور اس میں نسیاناً مراد نہیں ہے بلکہ جان بوجھ کر جس کو، جس پر تسمیہ کو چھوڑا گیا، کیونکہ نسیاناً کو اگر مراد لیں کہ بھولے سے جو تسمیہ چھوڑ دے پھر تو حرج لازم آئے گا، لوگ تکلیف میں پڑ جائیں گے بھئی، یہ تو جگہ جگہ پیش آئے گا اس طرح، تو نسیاناً جو بھول جائے وہ، نسیاناً جس سے تسمیہ رہ جائے معلوم ہوا وہ مراد نہیں ہے، تو پھر کون رہ گیا؟ تارکِ تسمیہ عمداً جو ہے وہ شخص رہ گیا، معلوم ہوا اس کا ذبیحہ حرام ہے، اس کے لیے اللہ فرما رہے ہیں ﴿ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ ﴾ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو یعنی جان بوجھ کر تو اس کو نہ کھاؤ، وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ یہ کیا ہے؟ ناجائز ذبیحہ ہے، یاد تھا پھر بھی نام نہیں لے رہا تو یہ ذبیحہ کیا ہو گیا؟ حرام ہو گیا، ناجائز ذبیحہ ہے۔ تو ہم کہتے ہیں ﴿ وَلَا تَأْكُلُوا ﴾ کو اس دوسری آیت لَا أَجِدُ پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس آیت پر۔

قُلْنَا ہم کہتے ہیں لَا ضَرُورَةَ فِي الْحَمْلِ کہ حمل کرنے میں کسی قسم کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا اس آیت کو اس پر محمول نہ کریں، پہلی آیت جو تھی اس میں چار چیزوں کے حرام ہونے کا ذکر تھا اور اس آیت میں ایک پانچویں چیز کے بھی حرام ہونے کا ذکر آگیا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ اس پر پھر اشکال ہوتا ہے کہ اگر پانچ چیزیں حرام ہیں تو وہاں پر تو وحی میں کیا آیا؟ ﴿ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ ﴾ کہ مجھے تو اور کوئی حرام نہیں ملتا صرف کتنی چیزیں حرام ہیں؟ چار ہیں۔ اور یہاں تو یہ پانچویں بھی ہے۔ تو پھر تو معلوم ہوا کہ وہاں کذب ہے بھئی، کذب لازم آتا ہے کس کے اندر؟ وحی کے اندر، اور وحی میں تو کذب ممکن ہی نہیں ہے، تو وحی میں تو کذب ممکن ہی نہیں ہے، تو ہم جواب دیتے ہیں کہ نہیں بھئی، کذب نہیں ہے، یہ آیت جو ہے یہ بعد میں نازل ہوئی، پہلے کون سی آیت نازل ہوئی؟ قُل لَّا أَجِدُ والی، اور اس وقت وہی چار چیزیں حرام تھیں، اور بعد میں پھر مزید حکم نازل ہوا کہ یہ پانچویں چیز بھی کیا ہے؟ حرام ہے، تو یہ حکم بعد میں نازل ہوا ہے اس وقت تو وہی چار چیزیں تھیں، تو اس کو بعد میں مانا جائے تو پھر کذب بھی لازم نہیں آتا، بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں فَإِذَا لَمْ يُحْمَلْ پس جب محمول نہیں کیا گیا، تو فَيَكُونُ، تو قُل لَّا أَجِدُ، تو یہ والی جو آیت ہے نَازِلًا یہ نازل ہوئی ہو گی قَبْلَ قَوْلِهِ وَلَا تَأْكُلُوا اللہ کے قول وَلَا تَأْكُلُوا سے پہلے نازل ہوئی ہو گی قُل لَّا أَجِدُ جس میں چار حرام کا ذکر ہے وہ پہلے نازل ہوئی ہو گی، کس سے پہلے؟ وَلَا تَأْكُلُوا سے جس میں پانچویں چیز کے حرام ہونے کا ذکر آیا، لِئَلَّا يَلْزَمَ الْكَذِبُ تاکہ جھوٹ لازم نہ آئے۔

فَإِن تَرَكَهَا نَاسِيًا حَلَّ لِعُذْرِ النِّسْيَانِ پس اگر چھوڑ دیا اس کو، تسمیہ کو نَاسِيًا بھولے سے، میں نے آپ کو پہلے بتلا دیا کہ

ہمارے نزدیک بھولے سے تسمیہ رہ جائے تو ذبیحہ حلال، لیکن امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بھولے سے بھی رہ جائے تو حرام ہے، حرام ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ کہتے ہیں فَإِن تَرَكَهَا نَاسِيًا اگر تسمیہ کو چھوڑ دیا بھولے سے، حَلَّ تو ذبیحہ حلال ہے لِعُذْرِ النِّسْيَانِ نسیان کے عذر کی وجہ سے، کیونکہ نسیان عذر ہے بھئی۔ خود اللہ، قَالَ اللّٰهُ اللہ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ﴾، اللہ اہلِ ایمان کی دعا ذکر فرما رہے ہیں قرآن میں کہ وہ اللہ سے کیا دعا کرتے ہیں کہ رَبَّنَا اے ہمارے پروردگار لَا تُؤَاخِذْنَا آپ ہمارا مواخذہ نہ فرمائیں، آپ ہماری گرفت نہ فرمائیں، آپ ہماری پکڑ نہ فرمائیں إِن نَّسِينَا اگر ہم بھول جائیں أَوْ أَخْطَأْنَا یا ہم سے کوئی غلطی ہو جائے یعنی بھولے سے، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو دیکھا اس میں اللہ فرما رہے ہیں کہ وہ یہ دعا کرتے ہیں معلوم ہوا نسیان پر اللہ بھی گرفت نہیں فرمائیں گے بھئی۔

فَقَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ تو حضور

علیہ السلام کا یہ قول تَسْمِيَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي قَلْبِ كُلِّ مُسْلِمٍ، اللہ کا نام جو ہے ہر مسلمان کے دل میں ہوتا ہے، یہ بھی امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں بھی آیا ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں تَسْمِيَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي قَلْبِ كُلِّ مُسْلِمٍ کہ اللہ کا نام ہر مسلمان کے دل میں ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں معلوم ہوا کوئی زبان سے نہ بھی پڑھے، جان بوجھ کر اللہ کا نام نہ بھی لے اس کے دل میں تو کیا ہے؟ اللہ کا نام ہے، لہٰذا اس کا ذبیحہ حلال۔ ہم کہتے ہیں نہیں، یہ حدیث جو ہے بھولنے والے کے بارے میں ہے، کہ بھول، اگر بھولے سے رہ جائے تو ذبیحے کو کھا لو کیونکہ ہر مسلمان کے دل میں اللہ کا نام ہوتا ہے۔ اور باقی جان بوجھ کر جو تسمیہ کو چھوڑ دے اس کا تو قرآن میں بصراحت آگیا ﴿ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ﴾، تو آیت اور حدیث میں ٹکراؤ آگیا، آیت اور حدیث میں تعارض آگیا۔ آیت سے پتہ چلا کہ اس کو نہ کھایا جائے اور حدیث سے پتہ چل رہا ہے کہ اللہ کا نام ہر مسلمان کے دل میں ہوتا ہے، تو اس تعارض کو دور کریں گے کہ کس طرح؟ کہ آیت میں تارکِ تسمیہ عمداً کا ذکر ہے اور یہاں پر تارکِ تسمیہ نسیاناً کا ذکر ہے، اب ٹکراؤ ختم ہو گیا، دونوں کا الگ چیز کے بارے میں ذکر ہے دونوں میں۔

تو کہتے ہیں فَقَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ حضور علیہ السلام کا یہ قول تَسْمِيَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي قَلْبِ كُلِّ مُسْلِمٍ کہ اللہ کا نام ہر مسلمان کے دل میں ہوتا ہے، يُحْمَلُ عَلٰى حَالَةِ النِّسْيَانِ یہ محمول ہے نسیان کی حالت پر یعنی بھولے سے اگر رہ جائے۔ وَعِنْدَ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَا يَحِلُّ فِي النِّسْيَانِ أَيْضًا اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک نسیان کی صورت میں بھی حلال نہیں، بھولے سے بھی کوئی تسمیہ چھوڑ دے تو ذبیحہ حرام ہے، حرام ہے۔ یہ عموماً کتابوں میں امام مالک رحمہ اللہ کی طرف یہی ان کا یہی قول ذکر کیا جاتا ہے، لیکن علامہ شامی وغیرہ اور علماء فرماتے ہیں کہ مالکیہ کی جو مذہبِ مالکی والے ہیں ان کی کتابوں کو اگر دیکھا جائے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور قول ہماری طرح ہی ہے، یعنی جیسے احناف کے نزدیک تارکِ تسمیہ عمداً کا ذبیحہ حرام اور تارکِ تسمیہ نسیاناً کا ذبیحہ حلال، اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ کے بھی مشہور قول

یہی ہے جو ان کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تارکِ تسمیہ عمداً ہو تو ذبیحہ حرام اور نسیاناً ہو تو حلال ہے۔ بہرحال متون وغیرہ اور شروحات میں عام یہی قول ملتا ہے جو آپ نے یہاں شرح کے اندر متن میں پڑھ لیا بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟

اور یہ بھی یاد رکھیے بھئی، امام شافعی رحمہ اللہ سے قبل، امام شافعی رحمہ اللہ سے قبل تارکِ تسمیہ عمداً کے ذبیحے کے حرام ہونے پر سب کا اجماع تھا، تمام علماء، تمام فقہاء سب کا اجماع تھا کہ جان بوجھ کر جو تسمیہ کو چھوڑتا ہے اس کا ذبیحہ حرام ہے۔ ہاں نسیاناً والے میں اختلاف تھا، بعض کہتے تھے جو بھولے سے رہ جائے تو حلال اور بعض کہتے تھے وہ بھی حرام بھئی۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ نے آکر اس اجماع کو توڑا بھئی اور انہوں نے کہا کہ نہیں، کہ تارکِ تسمیہ عمداً کا ذبیحہ بھی حلال ہے بھئی۔ لیکن بہرحال بھئی امام شافعی رحمہ اللہ جلیل القدر امام ہیں بھئی، عظیم مقام ہے کہ قیامت تک کے لیے آنے والے لوگوں کے لیے مقتدا بنا دیا بھئی۔

تو لہٰذا یاد رکھیے بھئی کہ اللہ آپ میں سے ہر ایک کو بڑا مدرس بنائے، بڑا مدرس بنائے، جب پڑھانے بیٹھیں کبھی ان ائمہ کے بارے میں توہین آمیز انداز اختیار نہ کرنا بھئی۔ بعض مدرسین جوشِ درس میں آکے کہتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کو پتہ نہیں چلا بھئی! امام شافعی رحمہ اللہ آپ کو یہ نظر نہیں آیا! بھئی یہ طریقہ ہے بات کرنے کا؟ آپ ہیں کون؟ آپ کی حیثیت کیا ہے کہ آپ ایک امامِ دنیا کو اس طرح اس انداز میں ان کا ذکر کر رہے ہیں بھئی؟ تو ہمیشہ تمام ائمہ کا نام انتہائی ادب کے ساتھ لو، انتہائی ادب، انتہائی محبت کے ساتھ۔ یہ سب عظیم اولیاء تھے، اتنے عظیم اولیاء کہ آگے آنے والے لاکھوں کروڑوں اولیاء انہی کے اقوال کے مطابق پوری پوری زندگی گزار دی ان لوگوں نے بھئی۔ تو یوں سمجھو ہر امام کے لیے اس وقت ثواب کے سمندر کے سمندر چل رہے ہیں بھئی، جو جو شخص ان کے مذہب پر چل رہا ہے اس شخص کے ایک ایک عمل کا اجر وہ ان ائمہ کو مل رہا ہے بھئی۔ تو آپ تصور تو کریں کہ ان کا کیا مقام ہو گا اور کوئی شخص اس انداز میں گفتگو کرے وہ اس کی کتنی بڑی حماقت ہے بھئی۔

والد صاحب رحمہ اللہ بھئی، ان کو اللہ نے عجیب ادب نصیب فرمایا تھا بھئی۔ اتنے بڑے محقق اور اتنا بڑا مقام، حتیٰ کہ علماء فرماتے ہیں کہ حضرت اس زمانے میں تشریف لائے جس زمانے میں نہ علم کی قدر ہے اور نہ علماء کی قدر ہے، ورنہ اتنا بڑا مقام، علمی مقام تھا حضرت کا کہ اگر یہ قدیم زمانے میں گزرے ہوتے تو حضرت کا نام اسی طرح تمام کتابوں میں جگہ جگہ ملتا ہمیں جیسے امام غزالی وغیرہ، امام رازی وغیرہ اور بڑے بڑے ائمہ کا ذکر کتابوں میں ہر جگہ ملتا ہے ہمیں، تو حضرت کا نام بھی اسی طرح ہمیں ہر جگہ کتابوں میں ملتا، لیکن افسوس وہ اس زمانے میں آئے کہ جس زمانے میں نہ علم کی قدر ہے اور نہ علماء کی قدر ہے۔

والد صاحب کو وفات کے بعد، والد صاحب شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ تعالیٰ،

وفات کے بعد، سن ۱۹۹۸ میں ان کی وفات ہوئی اکتوبر میں، اور وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ فرمایا اللہ نے میری مغفرت فرما دی۔ تو خواب میں فرمانے لگے، اور باتیں کچھ ذکر کیں اور یہ بھی فرمایا کہ میری عمر ابھی ایک ہزار سال باقی تھی کہ میرا انتقال ہو گیا بھئی۔ تو بعد میں جب وہ بیدار ہوئے جنہوں نے خواب میں دیکھا، حیران ہوئے، ذکر کیا اس خواب کو اور علماء سے اس کی تعبیر پوچھی، تو علماء فرمانے لگے کہ اس خواب کا معنی یہ ہے کہ حضرت کے جانے سے اتنا علمی نقصان ہوا ہے کہ ایک ہزار سال تک اس کی کمی پوری نہ ہو سکے گی بھئی۔

اور ان کی کتابیں دیکھیں انسان حیران رہ جاتا ہے۔ آپ جتنے بھی تاریخِ اسلام کے اندر بڑے بڑے علماء اور ان کو دیکھیں، آپ دیکھیں گے عموماً علماء جو ہیں وہ کسی ایک علم یا فن کے ماہر ہوں گے، ایک یا دو کے۔ جبکہ والد صاحب کا وہ مقام تھا، اگر آپ ان کے علمی مقام پر غور کریں آپ کو پوری تاریخِ اسلام میں بہت کم ایسے علماء نظر آئیں گے۔ جتنے بھی آپ دیکھیں گے، آپ دیکھیں گے باقی علماء کوئی بہت بڑا فقیہ ہے، کوئی بہت بڑا محدث ہے، کوئی بہت بڑا منطقی ہے، کوئی بہت بڑا اصولی ہے، کوئی بہت بڑا نحوی ہے، کوئی بہت بڑا صرفی ہے، لیکن ایسے علماء جو تمام علوم و فنون میں تمام علوم و فنون میں امام کی حیثیت رکھتے ہوں، مجتہد کی حیثیت رکھتے ہوں، ایسے علماء آپ کو بہت کم ملیں گے۔ اور حضرت شیخ رحمہ اللہ کو اللہ نے تمام علوم میں ایسا ہی ملکہ نصیب فرمایا تھا۔ وہ جس علم پر، ان کی جس علم، ہر فن کے اندر ہر علم میں ان کی تصانیف موجود ہیں اور انسان جو بھی تصنیف ان کی اٹھاتا ہے حیران رہ جاتا ہے، یوں لگتا ہے جیسے اس شخص کی ساری زندگی اسی ایک فن کے اندر گزری ہے، ایسی ایسی باتیں۔ لیکن جب دیکھتا ہے دوسری کتاب بھی اسی انداز کی، تیسرے فن میں دیکھتا ہے وہاں بھی یہی انداز۔ اس فن کے اصول و قواعد جو بنیادی اصول ہوتے ہیں ان پر بحث کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کو یوں نہیں ہونا چاہیے، اس کو یوں ہونا چاہیے، اور اتنی پیاری تقریر کرتے ہیں ایسے ایسے دلائل ذکر کرتے ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے بھئی۔ تو عجیب علمی مقام تھا۔

جیسے مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ، جن کا نام آپ سب نے سنا ہو گا، بہت بڑے عالم تھے بھئی اور علوم و فنون میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ تو والد صاحب رحمہ اللہ نے جب اپنی پہلی تصنیف کی تدریس کا آغاز کیا، طالب علمی کے بعد جب اپنی پہلی تصنیف کی، وہ علمِ نحو میں تھی بھئی۔ شرح جامی کے اندر ایک مشکل مقام آتا ہے ایک ڈیڑھ صفحے کا ہے حاصل محصول کی بحث ہے، اور اس کی والد صاحب نے تقریر کی اور اس کی شرح کی، تقریباً آج کل جو مطبوعہ ہے کوئی پانچ سو صفحات کے لگ بھگ، اس ڈیڑھ صفحے کی شرح تقریباً پانچ سو صفحات میں کی بھئی۔ اور پھر یہ کتاب تقریظ کے لیے مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ کی خدمت میں لے گئے، حضرت اس وقت آخری عمر میں تھے۔ تو علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ نے اس کے مقدمے میں جو لکھا انسان پڑھتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس کتاب نے مجھے حیران کر دیا، حیران کر دیا۔ اور فرمانے لگے کہ میرا نحو کے اندر بڑا وسیع مطالعہ ہے اور صرف پاکستان نہیں بیرونِ ملک بھی جہاں

کہیں میں جاتا ہوں لائبریریوں میں ہمیشہ کتابوں کا مطالعہ کرتا ہوں اور ڈھونڈتا ہوں کہیں کوئی لائبریری ملے کوئی نئی کتابیں ملیں اور میں ان کا مطالعہ کروں۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اب نحو کی کتابیں مجھے فائدہ دیتی ہی نہیں ہیں، جہاں کہیں چلا جاؤں، کوئی کتاب مل جائے جب بھی میں اس کو اٹھاتا ہوں مطالعہ کرتا ہوں تو وہ جو کچھ اس میں لکھا ہوتا ہے سارا تقریباً مجھے پہلے سے ہی پتہ ہوتا ہے بھئی۔ تو مجھے یوں لگتا تھا کہ اب تو شاید نحو کی کوئی کتاب زندگی بھر مجھے نفع دے گی ہی نہیں، لیکن اس کتاب، کتاب کا نام تھا والد صاحب کی کتاب بُغْيَةُ الْكَامِلِ فِي شَرْحِ الْمَحْصُولِ وَالْحَاصِلِ، تو اس کتاب بغیۃ الکامل نے مجھے بے انتہا حیران کر دیا۔ اور پھر یہ ان کے الفاظ ہیں اس کتاب نے میرے علم میں بہت زیادہ اضافہ کیا اور میں تو سمجھتا تھا کہ اب شاید کبھی ایسی کتاب نہ ملے جس سے میرے نحوی علم میں اضافہ ہو۔ اور پھر فرمایا کہ اور اس مصنف نے اس کو اتنی عمدہ ترتیب دی ہے کہ اس سے عمدہ ترتیب تو ممکن ہی نہیں ہے، یہ تو انسانی عقل کی انتہا ہے، اتنے کمال انداز میں اس کتاب کو لکھا ہے۔ اور پھر مزید لکھا کہ مجھے حیرت ہے اس کے مصنف پر، وہ جوان ہے بلکہ نوجوان ہے، ابھی والد صاحب کی داڑھی بھی پوری نہیں آئی تھی بھئی، جوان ہے بلکہ نوجوان ہے، اور پھر فرمایا آگے کہ میں پیشن گوئی کرتا ہوں کہ اگر اس کی نوجوانی میں اس کے علم کا یہ حال ہے تو ایک وقت آئے گا کہ یہ شخص یہ جو ہے یہ اپنے زمانے کے علماء کا امام بنے گا۔ یہ علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ نے اس کتاب کی تقریظ میں لکھا۔

پھر ایک اور واقعہ والد صاحب نے ذکر فرمایا، کہتے ہیں کہ انہی دنوں یہ کتاب نئی نئی چھپ کر جب آئی تو میں ٹرین میں سفر کر رہا، ٹرین میں مجھے مفتی محمود رحمہ اللہ کے ساتھ سفر کرنا پڑا کسی موقع پر۔ کتاب ابھی نئی نئی چھپ کر آئی تھی، تو مفتی محمود رحمہ اللہ تھے، سفر میں میں تھا اور ان کے ساتھ ایک بوڑھے عالمِ دین کوئی تھے۔ تو میں نے وہ کتاب میرے پاس تھی، ایک وہ نسخہ بغیۃ الکامل کا ابھی جو نئی چھپ کر آئی تھی، میں نے وہ نسخہ لیا اور وہ جو عالمِ دین تھے بوڑھے ان کو میں نے ان کی خدمت میں پیش کیا کہ یہ میری کتاب ہے۔ انہوں نے کتاب لے لی، یہ اپنی جگہ بیٹھ گئے وہ اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ انہوں نے ویسے ہی بیٹھے بیٹھے کتاب کو اٹھا کر کھول کر دیکھنا شروع کر دیا۔ کہتے ہیں ابھی ایک آدھا منٹ نہیں گزرا تھا اچانک اپنی جگہ سے اٹھے، جیب سے غالباً غالباً دس روپے نکالے، دس روپے، اور مجھے بطور انعام کے دیے، کہنے لگے یہ میری طرف سے بطور انعام کے رکھیں۔ دس روپے، اس زمانے میں تو دس روپے شاید پوری تنخواہ ہوتی تھی کسی آدمی کی بھئی، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ یہ آج سے میں کوئی پچاس سال پہلے سے بھی قبل کی بات کر رہا ہوں، پچاس بھی نہیں زیادہ۔ تو مفتی محمود رحمہ اللہ حیران ہو گئے کہ بھئی ابھی تو ایک منٹ نہیں ہوا، ابھی تو آپ نے کتاب لی، ابھی تو آپ نے اس کا ایک صفحہ بھی نہیں پڑھا ہو گا اور آپ انعام دے رہے ہیں ان کو؟ تو وہ عالم کہنے لگے کہ میں چالیس سال سے شرح جامی پڑھا رہا ہوں اور یہ بغیۃ الکامل کے پہلے صفحے پر ہی جو بات لکھی ہے مجھے اس کا علم نہیں تھا۔ تو پہلے صفحے سے ہی اتنا وہ متاثر ہو گئے بھئی۔ تو بات میں کر رہا تھا کہ والد صاحب کو اتنا اونچا علمی مقام تھا۔

بھئی، اور اس کے باوجود علماء کا بے انتہا اکرام کرتے۔ علماء بڑے بڑے علماء آتے والد صاحب سے ملنے کے لیے، کسی بھی جماعت کے ہوتے سب کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ اور حتیٰ کہ یہ جمعیت کے لوگ آتے یا سپاہِ صحابہ کے لوگ آتے یا ختمِ نبوت والے آتے یا مجاہدین آتے، کسی بھی جماعت والے آتے تو فرماتے، ایک جملہ جو میں نے بار بار ان سے سنا کرتا تھا۔ جو بھی آتا وہ دعاؤں کے لیے آتا تھا کہ حضرت ہمارے لیے دعا فرمائیں، اور والد صاحب کیا فرماتے آگے سے؟ کہ بھئی دین کا اصل کام تو آپ لوگ کر رہے ہیں، ہم تو بیٹھے روٹیاں کھا رہے ہیں۔ یہ ہے، مسلمان کے دل میں عاجزی ہونی چاہیے، وہ جو بھی دین کا کام کرے ذہن میں ہمیشہ یہی ہو کہ باقی تو مجھ سے زیادہ کام کر رہے ہیں۔ آج کل برعکس ہو گیا، جو دین کا کام کرتا ہے کہتا ہے میں ہی کر رہا ہوں باقی تو ویسے ہی ہیں بھئی۔ یہ بالکل غلط سوچ ہے۔ دین کا کام جب بھی کریں تو اپنے دل میں عاجزی ہو بھئی، عاجزی، جو اللہ کو پسند ہے کہ میں نے تو کوئی خاص کام کیا ہی نہیں۔ تو علماء کا سب کا اکرام فرماتے۔

اور طلبہ بتلاتے ہیں درسِ ترمذی کے اندر، کہتے ہیں حضرت بڑے بڑے ائمہ، علماء کا ذکر فرماتے تھے بڑے ادب اور احترام سے، بڑے ادب اور احترام سے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات دلائل دیتے تو بعض علماء پر جو بعد والے علماء تھے یعنی متاخرین علماء، تو ان پر بڑے جلال میں آجاتے بھئی اور بڑے غصے میں آکر کہتے کہ یہ انہوں نے اس مقام پر جو ہے وہ انصاف سے کام نہیں لیا اور اپنے مذہب کو یہاں ترجیح دے دی ہے حالانکہ یہاں ہمارے پاس مضبوط قوی دلائل ہیں، ان کے پاس قوی دلائل نہیں۔ لیکن طلبہ بتلاتے ہیں کہ جلال کے باوجود حضرت کے، طلبہ وہ ایسے پھر بعد میں الفاظ بھی بولتے کہ کسی طالبِ علم کے ذہن میں کسی بھی عالم کی ادنیٰ درجے کی بھی تنقیص نہیں ہوتی تھی بھئی، اور تمام ائمہ کا نام بڑے ادب سے لیتے تھے۔

کہتے ہیں ایک دن درس کے لیے تشریف لائے تو سبق پڑھاتے پڑھاتے اچانک پتہ نہیں درمیان میں کیا بات ہوئی، حضرت ایک دم خاموش ہو گئے اور رقت طاری ہو گئی اور جیسے رونے کی کیفیت بن جاتی ہے انسان کی۔ بہت کوشش کی سبق پڑھانے کی اور بولنے کی، لیکن اتنی کیفیت، اتنے رونے کی حالت، کیفیت ان پر طاری ہو گئی کہ بولا ہی نہیں جا رہا بھئی، جیسے رونے کو بہت انسان کا دل کر رہا ہو، آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور بڑی کوشش کی، کئی منٹ تک بار بار رک جاتے، پھر کوشش کرتے سبق پڑھانے کی لیکن نہیں پڑھا سکے، آخر سبق بند کیا اور تشریف لے گئے۔

اگلے دن پھر اسی طرح سبق پڑھاتے پڑھاتے ایک دم جیسے کچھ ایک دم ہوا اور پھر خاموش ہو گئے، پھر وہی کیفیت حضرت پر طاری ہو گئی، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، پھر بار بار پڑھانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن پڑھایا نہیں جا رہا، آخر پھر سبق بند کیا، تشریف لے گئے۔ اور دوسرے درجوں کے طلبہ، موقوف علیہ میں بیضاوی وغیرہ پڑھاتے تھے اور علمِ فلکیات، انہوں نے بتایا کہ صبح کے درس میں بھی حضرت کی یہی کیفیت ہو گئی تھی۔ تیسرے دن پھر حضرت پر یہی کیفیت طاری

ہوئی اور پھر کسی نہ کسی طرح کچھ سبق جاری کر دیا حضرت نے، اور پھر طلبہ سے فرمانے لگے کہ دراصل میں نے ایک خواب دیکھا ہے دو تین دن قبل، اور مجھے جب وہ خواب یاد آتا ہے تو مجھ سے پھر سبق نہیں پڑھایا جاتا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں سبق پڑھا رہا ہوں، میں سبق پڑھا رہا ہوں اور میرے سبق میں امام شافعی رحمہ اللہ تشریف لائے ہوئے ہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ مجھ سے فرما رہے ہیں، خواب میں مجھ سے کہتے ہیں کہ آپ کا درس بڑا علمی درس ہوتا ہے اور آپ تمام ائمہ کی رعایت رکھتے ہیں اور مجھے آپ کا درس بڑا پسند ہے۔ اور پھر فرمانے لگے والد صاحب رحمہ اللہ طلبہ سے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے آخر میں ایک جملہ فرمایا، وہ جملہ تو مجھے جب یاد آتا ہے پھر میرے لیے سبق پڑھانا مشکل ہو جاتا ہے۔ آخری جملہ امام شافعی رحمہ اللہ فرمانے لگے کہ میں بھی کبھی کبھار آپ کے درس میں آتا ہوں۔ کہتے ہیں جب مجھے یہ خیال آتا ہے کہاں امام شافعی رحمہ اللہ جیسے عظیم امام اور کہاں میرے جیسا ایک انسان، تو مجھے جب یہ خیال آتا ہے تو مجھے رونا آجاتا ہے۔

تو تمام ائمہ کی رعایت رکھو، ان کا لحاظ رکھو، آپ حنفی ہیں اس کا یہ معنی نہیں کہ اب آپ دوسرے ائمہ یا دوسرے بڑے علماء کے بارے میں تحقیر والا انداز اپنائیں بھئی۔

اچھا جی، آگے دیکھیے بھئی کتاب پر:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

وَكُرِهَ أَنْ يُذْكَرَ مَعَ اسْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى غَيْرُهُ وَصْلًا لَا عَطْفًا، كَقَوْلِهِ: بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ فُلَانٍ۔

آگے مسئلہ پہلے سمجھ لیجیے۔ یاد رکھیے ذبح کے وقت اللہ کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام نہیں ملایا جائے گا۔ اگر اللہ کے نام کے ساتھ کسی اور نام کو بھی ذکر کرتا ہے تو اس کی دو تین صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ کہ ذبح سے کچھ پہلے ذکر کر دیا یا ذبح کے کچھ دیر بعد ذکر کر دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ نام ملا کر نہیں پڑھا، پہلے کچھ پڑھ، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ کچھ پہلے کسی کو ذکر کر دیا، مثلاً یہ کہہ دیا کہ اے اللہ تعالیٰ میں اس حیوان، اس ذبیحے کا، اس کو ذبح کر رہا ہوں جو قربانی کر رہا ہوں مثلاً، اس کا ثواب فلاں کو ہماری طرف سے پہنچا دیجیے۔ دیکھا، اب کسی اور کو ذکر کر دیا یا نہیں کر دیا؟ لیکن یہ کچھ لمحے، کچھ دیر پہلے ذکر کیا یا ذبح کے بعد یہ ذکر کر دیا، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اور ایک صورت یہ ہے کہ ذبح کے وقت ہی ملا کر ذکر کرتا ہے۔ اس میں پھر دیکھا جائے گا کہ اس نے عطف کے ساتھ ذکر کیا ہے یا بغیر عطف کے ملا کر ذکر کیا ہے۔ اگر عطف کے ساتھ ذکر کیا پھر تو یاد رکھیے اس صورت میں ذبیحہ حرام ہو جائے گا۔ مثلاً یوں کہتا ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ وَاسْمِ فُلَانٍ، اللہ کے نام اور فلاں فلاں شخص کے نام پر میں ذبح کرتا ہوں، اللہ کے نام

اور فلاں شخص کے نام پر ذبح کرتا ہوں، یاد رکھو یہ ذبیحہ حرام ہو گیا، کیونکہ ملا کر ذکر کیا اور عطف کے ساتھ، کہ ذبیحہ اللہ کے نام پر بھی ہے اور فلاں کے نام پر بھی ہے بھئی، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

اور تیسری صورت یہ ہے کہ نام کو ساتھ تو ملایا لیکن عطف نہیں کیا، عطف نہیں کیا۔ تو اس صورت میں پھر یہ ذبیحہ مکروہ ہو جائے گا، کیونکہ اگر صورتاً تو ساتھ ہے اگرچہ معنیً کے اعتبار سے ساتھ جڑا ہوا نہیں۔ بھئی دیکھو عطف کی صورت میں تو صورتاً بھی ملا ہو گا، معنیً بھی ملا ہو گا۔ میں ذبح کرتا ہوں کس پہ؟ اللہ کے نام پر اور فلاں شخص کے نام پر۔ اکٹھا ملے ہوئے ہیں یا نہیں ملے ہوئے؟ درمیان میں اور کا لفظ ہے لیکن ملے ہوئے ہیں کہ نہیں؟ ایک ہی وقت میں ملا کر بول رہا ہے یہ سارا کلام، علیحدہ علیحدہ نہیں ہے، درمیان میں وقفہ وغیرہ نہیں، تو ملا کر کہہ رہا ہے اور عطف کی صورت ہے اللہ کے نام پر اور فلاں شخص کے نام، تو صورتاً بھی دوسرے کا نام ساتھ جڑا ہوا ہے اللہ کے نام کے، صورتاً بھی لفظوں میں بھی دوسرا نام اللہ کے نام کے ساتھ جڑا ہوا۔ ایک تو یہ ہے نا کلام، ایک کلام آپ تھوڑا سا کہیں، پھر رک جائیں، پھر تھوڑی دیر بعد دوسرا کلام کہیں، پھر تو جدا جدا ہیں، لیکن ایک ہی کلام مسلسل بات کر رہے ہیں تو گویا جڑا ہوا ہے، یہ کیا ہے؟ جڑا۔ تو صورتاً بھی جڑا ہوا ہے دوسرے کا نام، مثلاً وہ یوں کہتا ہے اللہ کے نام پر اور فلاں آدمی کے نام پر، تو صورت میں بھی جڑا ہوا ہے اللہ کے نام کے ساتھ دوسرے کا نام اور معنیً میں بھی جڑا ہوا ہے، اللہ کے نام اور، صرف اللہ کے نام پر ذبح کر رہا ہے یا فلاں کے نام پر بھی ذبح کر رہا ہے؟ دیکھا معنیً میں بھی اس کے ساتھ جڑا ہوا ہے، اس کے نام پر بھی باقاعدہ ذبح کر رہا ہے یہ۔ تو صورت میں بھی جڑا ہوا اور معنیً کے اعتبار سے بھی جڑا ہوا ہے، لہٰذا یہ حرام ہے۔

اور ایک صورت یہ تھی کہ کچھ پہلے یا کچھ بعد میں ذکر کر دے، وہ نہ صورتاً جڑا ہوا ہے نہ معنیً جڑا ہوا ہے۔ لفظ بھی الگ، درمیان میں وقفہ آ گیا کچھ دیر کا، تو صورتاً بھی نہیں جڑا اور معنیً بھی جڑا ہوا نہیں ہے، دوسرے کے نام پر وہ ذبح نہیں کر رہا، اگر دوسرے کے نام پر ذبح کر رہا ہوتا تو پھر ہم کہتے معنیً بھی جڑا ہوا ہے۔ تو صورتاً بھی نہیں جڑا اور معنیً بھی نہیں جڑا، یہ حلال ہے بھئی، اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ صورتاً تو جڑا ہو لیکن معنیً نہ جڑا ہو، یعنی عطف نہ ہو، عطف نہ ہو۔ مثلاً مثلاً جیسے، جیسے یوں ذبح کرتا ہے: بِسْمِ اللّٰهِ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ۔ تو اب دیکھو محمد کا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اللہ کے نام کے ساتھ جڑا ہوا ہے، لیکن صورتاً جڑا ہے معنیً جڑا ہوا نہیں، یہ نہیں کہا کہ حضور کے نام پر بھی ذبح کرتا ہوں، ویسے حضور کی رسالت کو ساتھ ذکر کر دیا، تو اس صورت میں دیکھو معنیً تو نہیں جڑا لیکن صورتاً تو جڑا ہوا ہے نا۔ اللہ کے نام کے ساتھ ہی حضور کے نام کو جوڑ دیا حالانکہ ذبح کے وقت حضور نے بھی منع فرمایا کہ میرا نام ذکر، ایک چھینکتے وقت اور ایک ذبح کے وقت میرا نام ذکر مت کیا کرو، تو یہاں صرف اللہ کا نام ذکر ہو گا۔ تو لہٰذا صورتاً تو جڑا ہوا ہے اگرچہ معنیً

جڑا ہوا نہیں، لہٰذا یہ ذبیحہ مکروہ ہوگا، مکروہ ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَكُرِهَ اور مکروہ ہوگا، اور مکروہ کیا؟ مکروہِ تحریمی بھئی، تحریمی جو حرام کے قریب ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں وَكُرِهَ أَنْ يُذْكَرَ مَعَ اسْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى غَيْرُهُ اور مکروہ ہے یہ کہ ذکر کیا جائے اللہ کے نام کے ساتھ غَيْرُهُ غیر اللہ کا یعنی کسی اور کا وَصْلًا، کس طرح ذکر کیا جائے؟ وَصْلًا ملا کر، لَا عَطْفًا عطف کی صورت میں نہ ہو۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ ایک تو ہے نا درمیان میں حرفِ عطف لے آؤ وَاو، عطف کے ساتھ نہ ہو، ملا کر ہو لیکن عطف کے ساتھ نہ ہو، تو مکروہ ہے، كَقَوْلِهِ جیسے کہ کسی شخص کا قول: بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ فُلَانٍ کہ اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ فلاں کی طرف سے قبول فرما، فلاں کی طرف سے قبول فرما، دیکھو یہ ساتھ جوڑ کر بول رہا ہے، تو یہ مکروہ ہے بھئی۔

وَحَرُمَ الذَّبِيحَةُ إِنْ عُطِفَ اور حرام ہوگا ذبیحہ اگر عطف کیا جائے، نَحْوُ بِسْمِ اللّٰهِ وَاسْمِ فُلَانٍ أَوْ فُلَانٍ کہ یوں، بھئی یہ دو عبارتیں بن جائیں گی: بِسْمِ اللّٰهِ وَاسْمِ فُلَانٍ اللہ کے نام اور فلاں کے نام پر، عبارت پہ نظر ہے؟ بِسْمِ اللّٰهِ وَاسْمِ فُلَانٍ اللہ کے نام اور فلاں کے نام پر۔ یا دوسری صورت یہ ہے کہ اِسْمِ فُلَانٍ کو اٹھاؤ، اس کی جگہ صرف فُلَانٍ کو رکھو: بِسْمِ اللّٰهِ وَفُلَانٍ، أَوْ فُلَانٍ آرہا ہے نا؟ اس کا عطف اِسْمِ فُلَانٍ پر ہے، اِسْمِ فُلَانٍ کو ہٹاؤ اور اس کی جگہ وَفُلَانٍ: بِسْمِ اللّٰهِ وَفُلَانٍ اللہ اور فلاں کے نام کے ساتھ۔ تو یہ دونوں صورتوں میں یہ عطف کے ساتھ ہے، ملا کر ہے تو ذبیحہ کیا ہو جائے گا؟ حرام۔

تو کہتے ہیں إِنْ عُطِفَ اگر عطف کیا جائے، نَحْوُ مثال کے طور پر بِسْمِ اللّٰهِ وَاسْمِ فُلَانٍ أَوْ فُلَانٍ، أَيْ بِسْمِ اللّٰهِ وَفُلَانٍ دیکھا خود بتلا دیا أَوْ فُلَانٍ کا کیا معنی؟ أَيْ بِسْمِ اللّٰهِ وَفُلَانٍ اللہ کے اور فلاں کے۔ بھئی دیکھو نا عبارت پہ دیکھو، پھر دیکھو: بِسْمِ اللّٰهِ وَاسْمِ فُلَانٍ یہ اِسْمِ فُلَانٍ کا عطف کس پر ہے؟ بِسْمِ اللّٰهِ میں اِسْمِ اللّٰهِ پر ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ میں بَا جارّہ ہے نا، باقی کیا ہے؟ اِسْمِ اللّٰهِ، تو اِسْم کو ادھر بھی ذکر کر دیا اِسْمِ فُلَانٍ، تو اس کا عطف کس پر ہوا؟ اِسْمِ اللّٰهِ پر۔ اور اگر اِسْمِ فُلَانٍ کے بجائے صرف یہاں فُلَانٍ ہوتا بِسْمِ اللّٰهِ وَفُلَانٍ تو اب اس فُلَانٍ کا عطف ہو جاتا لفظِ اللّٰهِ پر، اور لفظِ اللّٰهِ کے سے پہلے اِسْم ہے تو گویا اس سے پہلے بھی کیا ہے؟ اِسْم ہے، تو بات وہی ہے بس صرف عربی عبارت تھوڑی سی بدل دی، دونوں صورتوں میں عطف ہو رہا ہے تو یہ حرام ہوگا۔ معنیً بھی ساتھ ملا دیا یعنی عطف بھی کر دیا کہ اللہ کے نام کے ساتھ اور فلاں کے ساتھ، تو صورتاً بھی ملا ہوا ہے اور معنیً کے اعتبار سے بھی ملا ہوا ہے کہ دوسرے کے نام پر بھی میں ذبح کر رہا ہوں، تو لہٰذا اس صورت میں وہ ذبیحہ حرام ہو جائے گا بھئی حرام، اور یہ ہے مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہے بھئی۔ أَيْ بِسْمِ اللّٰهِ وَفُلَانٍ یعنی اللہ اور یہ فلاں کے نام کے ساتھ۔

فَإِنْ فَصَلَ صُورَةً وَمَعْنًى اگر جدا کر دیا صورت کے اعتبار سے بھی یعنی لفظوں کے اعتبار سے بھی، وَمَعْنًى اور معنیً کے اعتبار سے بھی، كَالدُّعَاءِ قَبْلَ الْإِضْجَاعِ جیسے کہ دعا کرنا لٹانے سے پہلے، حیوان کو لٹانے سے پہلے۔

کیا کر رہا ہے؟ اللہ سے دعا کر رہا ہے کہ اے اللہ آپ کا فلاں بندہ ہے اس کی طرف سے یہ قربانی قبول فرمائیں۔ تو یہ اب

ذکر تو کر رہا ہے لیکن دعا کے طور پر ہے اور علیحدہ کر رہا ہے، ابھی ذبح کا تو عمل شروع ہی نہیں کیا۔

تو کہتے ہیں كَالدُّعَاءِ قَبْلَ الْإِضْجَاعِ جیسے دعا کرنا لٹانے سے پہلے، اِضْجَاع کہتے ہیں پہلو پر لٹانا، وَقَبْلَ التَّسْمِيَةِ اور اللہ کا نام لینے سے پہلے، تو لَا بَأْسَ بِهِ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وَحُبِّبَ نَحْرُ الْإِبِلِ اور محبوب ہے یعنی پسندیدہ ہے نَحْرُ الْإِبِلِ اونٹ کو نحر کرنا۔ اونٹ یاد رکھیے بھئی آپ اپنی گردن پر ذرا اگر آپ دیکھیں تو بالکل گردن جہاں سینے کے ساتھ جڑی ہوئی ہے درمیان میں ایک نرم سا گڑھا ہے بھئی، یہ ہے مَنْحَر، نحر کی جگہ۔ تو یہاں پر اونٹ کو نیزہ مارتے ہیں یا تیز چھری مارتے ہیں اور اس اونٹ کا سارا خون نکل آتا ہے۔ اور اونٹ کی چونکہ گردن لمبی ہے تو وہاں اونٹ میں نحر پسندیدہ ہے، اس میں خون آسانی سے نکل جاتا ہے ورنہ گردن لمبی ہے ذبح کرنا پڑے تو پھر دو تین جگہ سے اس کو ذبح کرتے ہیں بھئی، وہاں خون اس طرح پوری طرح نہیں نکل سکتا بھئی، تو وہ پھر دو تین جگہ اس کو ذبح کرتے ہیں۔ تو اونٹ میں نحر پسندیدہ ہے، نحر کیا جائے اونٹ کو۔ اور اونٹ کا طریقہ یہ ہے کہ اونٹ کا ایک قدم گھٹنے سے باندھ دیا جاتا ہے آپس میں گھٹنا موڑ کر، گھٹنا موڑ کر ران کے ساتھ پنڈلی کو جوڑ کر باندھ دیا جاتا ہے اور تاکہ اونٹ ادھر ادھر حرکت نہ کر سکے آسانی سے، اور پھر اس کے وہ یہ منحر پر نیزہ یا چھری ماری جاتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر سو اونٹ قربان کیے بھئی، سو اونٹ، اور تریسٹھ کو آپ نے خود نحر فرمایا اور باقی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کیے۔ اور عجیب بھئی، لوگوں نے عجیب منظر دیکھا بھئی، سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نحر فرما رہے ہیں، ایک اونٹ کو نحر فرمایا اس کا خون نکلا وہ گرا، دوسرا اونٹ خود ہی دوڑتا ہوا آیا اور آکر کھڑا ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نحر فرمایا، تیسرا دوڑتا ہوا آیا آکر کھڑا ہو گیا۔ وہ حضور نحر فرماتے جا رہے ہیں اور اونٹ دوڑتے ہوئے آتے ہیں اور آکر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ ہمیں سرورِ کونین کے ہاتھوں نحر کی سعادت نصیب ہو جائے بھئی۔ عجیب منظر! حیوان تو بھاگتا ہے بھئی اور وہاں خود دوڑتے ہوئے آ رہے ہیں اور آکر کھڑے ہو جاتے ہیں بھئی۔ تو حضور نے تریسٹھ اونٹوں کو نحر فرمایا، اس میں اشارہ بھی تھا اپنی عمر کی طرف بھئی، اور اسی پھر اسی میں حضور کا انتقال ہوا تریسٹھ سال کی عمر میں۔

تو کہتے ہیں وَحُبِّبَ نَحْرُ الْإِبِلِ اور محبوب ہے اونٹوں کا نحر، اونٹ کا نحر، وَكُرِهَ ذَبْحُهَا اور اونٹ کا ذبح کیا ہے؟ مکروہ ہے بھئی مکروہ ہے۔ وَفِي الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ عَكْسُهُ اور بَقَر میں، بَقَر گائے بیل بھئی، گائے بیل اور اسی میں بھینس اور بھینسا بھی داخل ہیں کیونکہ وہ بھی اسی جنس سے ہیں۔ وَالْغَنَمِ، غنم کہتے ہیں بھیڑ بکری۔ شَاۃ کا کیا معنی؟ شَاۃٌ؟ ہاں بھیڑ بکری، شَاۃٌ بھیڑ بکری یاد رکھو۔ عام رائج یہی ہے ہر سب میں بار بار اپنی ہر کتاب میں ذکر کرتا ہوں جہاں بھی شَاۃ کا لفظ آئے اس کا ترجمہ صرف بکری کے نہیں کرنے، بھیڑ بکری، یہ دونوں جنسوں کو بولا جا، پر بولا جاتا ہے۔ غنم کا بھی یہی معنی بھیڑ بکری، تو شَاۃ اور غنم کا ایک ہی معنی ہے۔ تو کہتے ہیں وَفِي الْبَقَرِ گائے بھینس میں، گائے بیل میں وَالْغَنَمِ اور بھیڑ بکری میں عَكْسُهُ اس کا

برعکس ہے، یعنی ان میں ذبح جو ہے وہ محبوب ہے اور نحر مکروہ ہے۔ هٰذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے۔

وَعِنْدَ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى إِنْ ذُبِحَ الْإِبِلُ أَوْ نُحِرَ الْبَقَرُ وَالْغَنَمُ لَا يَحِلُّ جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر اونٹ کو ذبح کیا گیا أَوْ نُحِرَ الْبَقَرُ وَالْغَنَمُ یا گائے بیل اور بھیڑ بکری کو نحر کیا گیا، لَا يَحِلُّ تو وہ حلال ہی نہیں، وہ حرام ہے۔ یہ کس کے نزدیک؟ امام مالک رحمہ اللہ۔ وہ فرماتے ہیں اونٹ میں نحر ہے تو نحر ہی کرنا پڑے گا اور گائے بیل اور بھیڑ بکریوں میں ذبح ہے تو ذبح ہی کرنا پڑے گا، عکس نہیں کر سکتے، صورت سمجھ میں آگئی؟ یہاں تو یہ لکھا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اونٹ کا ذبح اور گائے بیل اور بھیڑ بکری کے نحریہ حرام ہے، جائز ہی نہیں۔ لیکن دیگر علماء فرماتے ہیں، علامہ شامی وغیرہ، کہ ان کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور قول یہ ہے کہ اونٹ میں نحر اور گائے بیل اور بھیڑ بکری میں ذبح، یہ اگر ان میں برعکس کر دیا جائے کسی ضرورت کی بنا پر، اونٹ کو کسی ضرورت کی بنا پر نحر کے بجائے ذبح کیا جائے اور گائے بیل اور بھیڑ بکری کو ذبح کے بجائے نحر کیا جائے کسی ضرورت کی وجہ سے تو پھر کراہت بھی نہیں ہے، کراہت بھی نہیں ہے، لیکن اگر برعکس کیا جائے تو پھر کراہت ہے، حرام نہیں ہے بلکہ کراہت ہے۔ معلوم ہوا ان کا قول بھی ہمارے قول کے قریب ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی: وَلَزِمَ ذَبْحُ صَيْدٍ اسْتَأْنَسَ اور لازم ہے ذبح کرنا ایسے شکار کو اِسْتَأْنَسَ جو مانوس ہو گیا ہو۔ بھئی آپ کو میں نے بتلایا تھا کہ ذبح کے، ایک ذبحِ اختیاری ہے ایک ذبحِ اضطراری ہے۔ اختیاری ذبح کیا ہے؟ جو کس کے درمیان ہو؟ حلق اور لبّہ کے درمیان ہو، یعنی گلے پر چھری چلائی جائے اور وہ چار رگیں یا ان میں سے کم از کم تین رگیں کاٹی جائیں۔ یہ ہے ذبحِ اختیاری جب حیوان آپ کے اختیار میں ہے، قابو میں ہے۔ اور ایک ذبحِ اضطراری ہے جب حیوان آپ کے قابو میں نہیں، مثلاً کوئی بڑا حیوان ہے بے قابو ہو گیا، اب بڑی کوشش کی قابو میں ہی نہیں آرہا اور کسی کو قریب نہیں آنے دیتا، ہر ایک کو اپنی جان کا خوف ہے کہ میں کیسے آگے جاؤں، قوی گائے بیل وغیرہ ہے، تو پھر اس صورت میں فقہاء فرماتے ہیں کہ دور سے ہی اس کو نیزہ یا چھری مار دی جائے، یا جیسے شکار ہے وہاں بھی دیکھو شکار بھی قابو میں نہیں آتا تو اس میں بھی کیا کیا جائے؟ دور سے اس کو تیر مارا جاتا ہے یا نیزہ مارا جاتا ہے یا شکاری کتے کے ذریعے یا عقاب کے ذریعے حیوانات کو شکار کیا جاتا ہے، تو یہ سب بھی کیا کرتے ہیں؟ آپ نیزہ ماریں یا تیر ماریں وہ حیوان زخمی ہو گا اور اسی میں اگر اس کا خون سارا نکل جاتا ہے تو بھی وہ حلال ہو گا بشرطیکہ آپ نے وہ تیر یا نیزہ چلاتے وقت یا اس کتے کو شکار پر چھوڑتے وقت یا عقاب کو شکار پر چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا ہو، اللہ کا نام لیا ہو، کیونکہ اس وقت یہ ہے آلۂ ذبح، اور یہ ذبحِ اضطراری ہے مجبوری کی حالت میں۔ اختیار میں ہوتا، قابو میں ہوتا پھر تو ہم ذبح کرتے لیکن وہ تو قابو میں ہی نہیں ہے، شکار تو دیکھتے ہی بھاگ جاتا ہے، تو اب آپ دور سے کوئی تیز دھار والی چیز مارتے ہیں اللہ کا نام لے کر، تو یہ ذبحِ اضطراری ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو اس میں بھی اللہ کا نام لینا ضروری ہے۔

لیکن اگر کبھی ایسا ہوا کوئی شکار ہے اور وہ مانوس ہو گیا، مثلاً کوئی ہرن ہے کسی نے پال لیا، اب ہرن تو کیا ہے؟ شکار ہے، لیکن اس وقت وہ مانوس ہے، لوگوں کے ساتھ انہی کے ساتھ گھل مل کر رہتا ہے، تو کیا اس میں بھی ذبحِ اضطراری جائز ہے؟ کہتے ہیں نہیں نہیں، اب اس کو عام طریقے سے ذبح ہی کرنا پڑے گا، اب تیر یا نیزے سے اگر اس کو مارا تو یہ حرام ہو جائے گا۔ معلوم ہوا شکار میں ذبحِ اضطراری جائز، لیکن جب وہ مانوس ہو تو پھر ذبحِ اضطراری جائز نہیں بلکہ پھر ذبحِ اختیاری کرنا پڑے گی۔ جبکہ عام حیوان میں بھی اسی طرح، وہ جب قابو میں ہے تو اس میں ذبحِ اختیاری اور جب وہ قابو سے باہر ہو گیا اور طاقتور ہے، بھیڑ بکری نہیں، بھیڑ بکری بے قابو ہو جائے اور کوئی اس کو نیزہ مار کے مارے، نہیں بھئی یہ تو چھوٹا سا جانور ہے یہ تو آرام سے قابو میں آجائے گا، کوئی بڑا جانور جو قابو میں ہی نہیں آرہا بھئی، کوئی اس کے قریب جانے کی ہمت نہیں کر رہا، کوئی صورت نظر نہیں آرہی تو بالآخر تھک ہار کر یہی طریقہ اختیار کیا جائے کہ کیا کیا جائے؟ چھری یا نیزے کو اللہ کا نام لے کر اس پر پھینکا جائے اور جس سے وہ کہیں سے بھی زخمی ہو جائے اور اس کا خون وغیرہ نکل جائے اور اس میں وہ ہلاک ہو جائے تو پھر وہ حلال ہے۔ ویسے تو اگر آپ پہنچ گئے، وہ صرف زخمی ہوا ہے پھر تو آپ ذبح بھی کر سکتے ہیں، پھر آپ کو ذبح ہی کرنا پڑے گا۔ شکار میں بھی اسی طرح ہے، شکار تک اگر آپ پہنچ گئے اور وہ آپ کے قابو میں آگیا ہے تو پھر آپ کو ذبح ہی کرنا پڑے گا، اگر ویسے ہی وہ مر گیا پھر تو حرام ہو جائے گا۔ تو جب تک اختیار ہے ذبحِ اختیاری کے علاوہ کوئی صورت جائز نہیں، ہاں جب اختیار نہیں، جب قابو میں نہیں پھر ذبحِ اضطراری جائز ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَلَزِمَ ذَبْحُ صَيْدٍ اسْتَأْنَسَ اور لازم ہے ذبح کرنا ایسے شکار کو اِسْتَأْنَسَ جو مانوس ہو، لوگوں کے ساتھ مانوس ہو، گھل مل گیا ہو۔ وَكَفٰى جَرْحُ نَعَمٍ تَوَحَّشَ اور کافی ہے زخمی کرنا ایسے مویشی، ایسے چوپائے کو تَوَحَّشَ جو وحشی ہو گیا ہو، کوئی گائے بیل کیا ہو جائے؟ وحشی ہو جائے تو اس کو زخمی کرنا بھی کافی ہے۔ بھئی مراد ہے ذبحِ اضطراری، اس کو ذبحِ اضطراری بھی اس میں جائز ہے کہ دور سے کوئی نیزہ یا چھری وغیرہ مار دی اور اس کو مارتے ہوئے باقاعدہ ذبح کی نیت کی، تسمیہ اللہ کا نام لیا بھئی۔ اور اس میں میں نے یہ تفصیل بھی آپ کو بتلا دی کہ اگر قریب پہنچ گئے اور وہ زندہ تھا پھر تو ذبحِ اختیاری پر قادر ہو گئے، پھر ذبح کرنا ضروری ہے، اگر پھر ذبح نہ کیا تو وہ حرام ہو جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ شکار میں بھی اسی طرح ہے، اگر آپ قریب پہنچ گئے شکار پر اور وہ زخمی پڑا ہوا ہے لیکن ابھی ہے زندہ، تو اب آپ ذبحِ اختیاری پر قادر ہو گئے تو آپ کو ذبح کرنا پڑے گا بھئی، بغیر ذبح کیے وہ مر گیا تو وہ حرام ہو جائے گا۔

أَوْ سَقَطَ فِي بِئْرٍ یا وہ گر جائے کس کے اندر؟ کنویں کے اندر، وَلَمْ يُمْكِنْ ذَبْحُهُ اور ممکن نہ ہو اس کو ذبح کرنا۔ بھئی بعض کنویں تو بڑے کھلے ہوتے ہیں، بعض اوقات حیوان ایسا گرا اب اس کو نکالنے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے، کوئی نکالنے کی

صورت ہی نہیں ہے اور نکالتے بھی ہیں تو وہ مرجائے گا بچے گا نہیں بھئی، یا کنواں بڑا تنگ سا ہے اس میں وہ گر کر پھنس گیا ہے بھئی اور کوئی صورت نہیں ہے، ذبح ممکن ہی نہیں ہے تو پھر اس کو کسی طرح بھی ایسا زخمی کر دو کہ خون نکل جائے، لیکن وہ زخمی کرتے وقت نیزہ یا چیز جو چیز ماریں اللہ کا نام لیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے أَوْ سَقَطَ فِي بِئْرٍ یا کنویں میں گر گیا کوئی مویشی چوپایہ وَلَمْ يُمْكِنْ ذَبْحُهُ اور ممکن نہیں اس کو ذبح کرنا۔ هٰذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے، یعنی ذبحِ اضطراری اب جائز ہے۔ وَعِنْدَ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يَحِلُّ إِلَّا بِالذَّكَاةِ الْاِخْتِيَارِيَّةِ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک حلال نہیں ہے مگر ذکاۃِ اختیاری کے ساتھ، ذکاۃ ذبح کو کہتے ہیں، مگر ذبحِ اختیاری کے ساتھ۔ ان کے نزدیک ذبحِ اختیاری ہی کے ساتھ اس کو ذبح کرنا پڑے گا چاہے حیوان وحشی ہو جائے چاہے کنویں میں گر جائے، وہ زخمی کرنے سے وہ حلال نہیں ہو گا، یعنی کسی نیزے وغیرہ کے ساتھ اس کو دور سے ہی مار کر ہلاک کر دیا جائے زخمی کر کے تو وہ ان کے نزدیک ذبحِ اضطراری یہاں کافی نہیں۔

وَلَا يَحِلُّ جَنِينٌ مَّيِّتٌ وُّجِدَ فِي بَطْنِ أُمِّهِ اور حلال نہیں ہے ایسا جنین مَيِّتٌ جو مردار ہے وُجِدَ پایا گیا فِي بَطْنِ أُمِّهِ اپنی ماں کے پیٹ میں، جو کہاں پایا گیا؟ اپنی ماں کے پیٹ میں مردہ پایا گیا۔ اچھا جی یاد رکھیے بھئی جنین، جنین اس حمل کا نام ہے، اس حمل کا نام جو ابھی پیٹ میں ہو، جنین کسے کہتے ہیں؟ وہ حمل جو ماں کے پیٹ میں ہے اس کو جنین کہتے ہیں، باہر آ جائے تو اس کو، تو وہ وَلَد کہلاتا ہے، ولد کہلاتا ہے۔ اب مسئلہ یاد رکھیے اگر کسی حلال جانور کو ذبح کیا گیا اور اس کے پیٹ سے کوئی بچہ نکلا، اس میں دو صورتیں ہیں یا وہ زندہ ہو گا یا مردہ ہے۔ جانور کو ذبح کر دیا ہے اب اس کا پیٹ چاک کیا تو اندر سے ایک بچہ نکل آیا اس کا، معلوم ہوا حاملہ جانور کو ذبح کیا۔ تو اب اس میں دو صورتیں ہیں یا وہ زندہ ہو گا یا مردہ مر چکا ہے، ماں کے ذبح کے ساتھ وہ بھی مر چکا ہے۔ تو اس میں یاد رکھیے اگر وہ زندہ ہے پھر تو بالاتفاق اس کو بھی اسی طرح ذبح کیا جائے گا جیسے اس کی ماں کو ذبح کیا گیا تھا، اگر ذبح نہیں کرو گے تو پھر یہ حرام ہو جائے گا۔ اور اگر یہ مر چکا ہے ماں کے ذبح کے ساتھ یہ بھی پیٹ میں مر چکا ہے تو اس میں اختلاف ہے فقہاء کا۔ ہمارے نزدیک یہ مردار ہے، اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ جبکہ جبکہ امام شافعی اور باقی ائمہ وغیرہ کے نزدیک یہ حلال ہے، صاحبین اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حلال ہے چاہے اس کے اوپر بال آئے ہوں یا بال ابھی اس پر نہ آئے ہوں۔ جبکہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ تام خلقت تام ہو چکی ہے اس پر بال آگئے ہیں پھر تو اس کو کھایا جائے گا یہ حلال ہے، اور اگر خلقت تام نہیں ہوئی ابھی بال وغیرہ اس پر نہیں آئے تو وہ فرماتے ہیں کہ یہ حرام ہے۔

تفصیل سمجھ میں آگئی؟ ہمارے نزدیک یہ مردہ جنین کیا ہے؟ حرام۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ اور صاحبین کے نزدیک حلال ہے چاہے اس پر بال آئے ہوں یا بال نہ آئے ہوں، جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک وہ بال آگئے ہیں یعنی خلقت تام ہے، پورا بن گیا ہے تو پھر تو یہ حلال ہے، اگر خلقت تام نہیں تو پھر یہ حرام ہے۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟

اور یاد رکھیے ان سب کی جو دلیل ہے وہ حدیث ہے بھئی، دلیل۔ حدیث میں آتا ہے، حدیث میں آتا ہے: ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ، توجہ ہے؟ ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ، ذَكَاة کا معنی ہے ذبح کرنا ذال کے ساتھ، ذبح کرنا۔ ہم احناف اس حدیث کا ترجمہ اور کرتے ہیں، جبکہ باقی ائمہ اس کا ترجمہ اور کرتے ہیں۔ حدیث کیا ہے؟ یہ لکھ لیجیے بھئی آپ اپنے سامنے لکھ لیں، اس کے بارے میں ساری تقریر ہوگی تاکہ آپ کو خوب اچھی طرح سمجھ میں آجائے بھئی: ذَكَاةُ الْجَنِينِ (ذال کے ساتھ چھوٹا کاف، چھوٹی سی حدیث ہے بس دو لفظوں میں ہے، چار لفظوں میں ہے یہ لکھ لیجیے) ذَكَاةُ الْجَنِينِ (گول تاء ہے بھئی) ذَكَاةُ أُمِّهِ۔ بس یہ حدیث ہے بھئی: ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ۔ یہ حدیث وہ ذکر کرتے ہیں، لیکن اس حدیث کا ترجمہ وہ اور کرتے ہیں، ہم اس کا ترجمہ اور طرح کرتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ ذَكَاةُ الْجَنِينِ کہ جو بچہ ہے اس کا ذبح کرنا ذَكَاةُ أُمِّهِ وہ بعینہ اس کی ماں کا ذبح کرنا ہے، یعنی ماں کو ذبح کر دیا تو گویا بچے کو بھی کیا کر دیا ہے؟ ذبح کر دیا، اب مردہ نکل بھی آیا ہے جب ماں کو ذبح کر دیا ماں حلال ہو گئی تو بچہ بھی کیا ہے؟ حلال ہو گیا۔ گویا وہ اس کو عینیت پر محمول کرتے ہیں کہ بچے کا ذبح وہ عین ماں کا ذبح ہی ہے۔ کیا ہے؟ عین ماں کا ذبح ہی ہے، اور ماں کو ذبح کیا یا نہیں کیا؟ تو گویا بچے کو بھی ذبح کر دیا۔ تو وہ اس کو عینیت پر محمول کرتے ہیں۔

ہم جواب میں کہتے ہیں، ہمارے پاس بہت سے دلائل ہیں، ایک آدھ میں بس ذکر کروں گا، یاد رکھیے بھئی احناف کے پاس ہر مسئلے میں بہت سے دلائل موجود بھئی اور بڑے قوی دلائل۔ ہم دلیل میں اول تو قرآن کو پیش کرتے ہیں، قرآن کو پیش کرتے ہیں۔ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں سورۂ مائدہ کے اندر کہ ﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ ﴾ کہ تمہارے اوپر حرام کر دیا گیا ہے مردار کو وَالدَّمُ اور خون کو وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ اور خنزیر کے گوشت کو ﴿ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ﴾ اور وہ حیوان جس پر اللہ کے علاوہ کسی کا نام پکارا جائے ﴿ وَالْمُنْخَنِقَةُ ﴾ اور اسی طرح وہ حیوان جس کا گلا گھٹ گیا ہو یعنی گلا گھونٹ کر جسے کیا گیا؟ مار دیا گیا یا وہ گلا گھٹنے سے وہ مر گیا ہے، تو کہتے ہیں وَالْمُنْخَنِقَةُ اور گلا گھٹنے سے مرنے والا حیوان، ﴿ وَالْمَوْقُوذَةُ ﴾ اور جسے ضرب لگا کر مارا گیا ہو، ہلاک کیا گیا ہو، کوئی ضرب وغیرہ لگائی جس سے حیوان کیا ہوا؟ ہلاک ہو گیا، ﴿ وَالْمُتَرَدِّيَةُ ﴾ اور اسی طرح جو بلندی سے حیوان گر کر ہلاک ہو جائے وہ بھی کیا ہے؟ وہ حرام ہے، ﴿ وَالنَّطِيحَةُ ﴾ اور اسی طرح وہ حیوان جو کسی جانور کے سینگ مارنے سے ہلاک ہو جائے، گائے نے کسی بکری کو سینگ وغیرہ مارا اور بکری مر گئی، یہ کیا ہے؟ نَطِيحَة ہے، یہ حرام ہے۔ اسی طرح ﴿ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ ﴾ اور جس کو درندہ کھا لے وہ بھی کیا ہے؟ حرام ہے، ﴿ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ﴾ مگر وہ جس کو تم ذبح کر دو، إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ۔ تو دیکھو قرآن، کیا فرما رہے ہیں اللہ؟ ﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ﴾ اور حرام کر دیا گیا تمہارے اوپر مردار کو اور خون کو اور خنزیر کے گوشت کو اور وہ جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہے، اور گلا گھٹنے سے ہلاک ہونے والا، اور جسے ضرب لگا کر ہلاک کیا گیا ہو، اور بلندی سے گر کر ہلاک ہونے

والا، اور سینگ مارنے سے ہلاک ہونے والا، اور جس کو کسی درندے نے کھایا ہو، یہ سارے حرام ہیں إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ مگر وہ جس کو تم نے ذبح کیا۔ معلوم ہوا کون سا ذبیحہ حلال ہے؟ جس کو ہم نے ذبح کیا ہو۔ اور یہ جنین، اس کو ہم نے ذبح کیا ہے؟ نہیں، معلوم ہوا یہ حرام ہے، یہ کیا ہے؟ حرام ہے۔ تو لہٰذا اس حدیث کا تعارض آیا قرآن سے، اور عِنْدَ التَّعَارُض ترجیح کس کو ہوتی ہے؟ قرآن کو، لہٰذا معلوم ہوا یہ حرام ہے ہمارے نزدیک بھئی۔

دوسرا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ آپ نے کیا کہا کہ یہ حدیث عینیت پر محمول ہے، گویا یہ بتلایا جا رہا ہے ذَكَاةُ الْجَنِينِ کہ بچے کا ذبح کرنا ذَكَاةُ أُمِّهِ یہ بعینہ اس کی ماں کا، اس کی ماں کو ذبح کرنا ہے۔ توجہ ہے؟ ان لفظوں پہ نظر رکھنا یہ جو میں نے لکھوائے، بچے کا ذبح کرنا یہ بعینہ ماں کا ذبح کرنا ہے۔ ہم جواب میں کہتے ہیں کہ اگر عینیت مراد ہوتی تو برعکس ہونا چاہیے تھا، ذَكَاةُ أُمِّهِ اس کو پہلے ہونا چاہیے تھا اور ذَكَاةُ الْجَنِينِ کو بعد میں ہونا چاہیے تھا، یوں ہونی چاہیے تھی عبارت: ذَكَاةُ أُمِّهِ یا ذَكَاةُ أُمِّ الْجَنِينِ کہ بچے کی ماں کا جو ذبح ہے وہ بعینہ جنین کی ذبح ہے۔ اب بات بنتی ہے، دیکھو بچے کی ماں کی ذبح بعینہ بچے کی ذبح ہے، ماں کو گویا ذبح کر دیا تو یوں سمجھو بچے کو بھی ذبح کر دیا۔ تو اس میں تو ذَكَاةُ أُمِّهِ کو پہلے ہونا چاہیے تھا اور ذَكَاةُ الْجَنِينِ کو بعد میں ہونا چاہیے تھا اگر عینیت مراد ہوتی، کیونکہ یہی مقتضیٰ ہے بلاغت و فصاحت اور قواعدِ نحو کا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

توجہ رکھنا بھئی اب، تقریر ذرا مشکل ہے آپ نے اس کو سمجھنا ہے، کیونکہ میں نے کیا کہا؟ کیونکہ یہ بلاغت و فصاحت اور نحو کا مقتضیٰ ہے، بلاغت اور فصاحت اور نحو کا مقتضیٰ ہے۔ کیونکہ قانون یہ ہے کہ مبتدا جو ہے وہ معلوم اور متعین ہوتا ہے یعنی معرفہ ہوتا ہے، اور خبر اور خبر کی نسبت یعنی اس کی عینیت مَعَ الْمُبْتَدَا مجہول ہوتی ہے۔ بھئی میں کہتا ہوں زید کھڑا ہے، زَيْدٌ قَائِمٌ، تو زید کیا ہے؟ مبتدا، اور مبتدا میں اصل کیا ہے وہ کیا ہونا چاہیے؟ معرفہ، کیونکہ آپ اس کے بارے میں آگے ایک بات بتلانے والے ہیں، تو اگر مبتدا کا پتہ ہو گا تو خبر کا فائدہ بھی ہو گا، اگر اس کا پتہ ہی نہیں تو خبر کا کیسے فائدہ ہو گا؟ تو لہٰذا جو مبتدا ہوتا ہے وہ کیا ہوتا ہے؟ معرفہ ہوتا ہے، معرفہ معرفت سے ہے یعنی جس کی پہچان ہوتی ہے، جس کا پتہ ہوتا ہے۔ میں نے کہا زَيْدٌ، جیسے ہی زید کہا آپ کے ذہن میں فوراً آ گیا آپ کے مثلاً ایک ساتھی کا نام زید ہے، وہ فوراً ذہن میں آ گیا، اب میں کہتا ہوں قَائِمٌ وہ کھڑا ہے۔ اب دیکھو قَائِمٌ یہ خبر ہے اور خبر نکرہ ہوتی ہے، نکرہ کا کیا معنی؟ آپ کو اس کا پتہ نہیں ہے، اگر آپ کو پہلے سے ہی پتہ ہے پھر تو بتانے کا کوئی فائدہ نہیں، تو لہٰذا اس کو نکرہ پھر لاتے ہیں۔ تو میں نے کہا زَيْدٌ قَائِمٌ، تو میں نے جیسے ہی کہا زید آپ کے ذہن میں زید آ گیا کیونکہ آپ کو اس کی معرفت ہے، آپ اسے پہچانتے ہیں، وہ معرفہ ہے، اور پھر آگے جس چیز کا نہیں پتہ وہ پھر میں نکرہ لاتا ہوں قَائِمٌ کہ وہ کھڑا ہے، یا میں کہتا ہوں عَالِمٌ وہ عالم ہے۔ معلوم ہوا کہ مبتدا معلوم اور متعین ہوتا ہے یعنی معرفہ، اور خبر اور خبر کی نسبت جو ہے یعنی اس کی عینیت مَعَ الْمُبْتَدَا مجہول ہوتی ہے۔ قَائِمٌ کا معنی تو آپ کو پتہ ہے لیکن یہ قَائِمٌ زید قائم ہے، کسی اور کی بات نہیں کر رہے کس کی کر رہے ہیں؟ زید کی، تو یہ جو خبر

کی آپ عینیت کس کے ساتھ جوڑ رہے ہیں خبر کو؟ مبتدا کے ساتھ، اس کا آپ کو پتہ نہیں تھا، تو اس لیے اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو۔

تو یہاں لوگوں کو کس کا پتہ ہے؟ ذَکَاۃُ الْأُمِّ کا پتہ ہے یا ذَکَاۃُ الْجَنِینِ کا پتہ ہے؟ کس کو سب نے دیکھا ہے؟ کس کی معرفت ہے ان کو؟ ذَکَاۃُ الْأُمِّ، ماں کو ابھی ذبح کیا سب نے دیکھا ہے بھئی، تو ماں کا ذبح تو معلوم اور مشاہد ہے اس کا تو سب کو پتہ ہے۔ ذَکَاۃُ الْجَنِینِ میں ابہام تھا کہ اس کو کیسے ذبح کرنا ہے؟ تو لہٰذا یوں ہونا چاہیے تھا، جو متعین ہے اس کو پہلے لاؤ جس کا پتہ نہیں اس کو بعد میں لاؤ، تو یوں ہونا چاہیے: ذَکَاۃُ الْأُمِّ ذَکَاۃُ الْجَنِینِ، ماں کا ذبح کرنا ہی کس کا ذبح ہے؟ جنین کا بھی ذبح ہے، یعنی ماں کو ذبح کر دیا تو یوں سمجھو جنین کو بھی ذبح کر دیا، تو عبارت یوں ہونی چاہیے تھی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو اگر آپ اس کو عینیت پر محمول کرتے ہیں کہ ماں کی ذبح بعینہ جنین کی ذبح ہی ہے تو اس صورت میں الفاظ برعکس ہونے چاہیے تھے، لیکن حدیث میں تو کیا آیا؟ ذَکَاۃُ الْجَنِینِ وہ پہلے آیا اور ذَکَاۃُ الْأُمِّ کیا آیا؟ بعد میں آیا، معلوم ہوا یہاں عینیت مراد نہیں ہے، یہاں تشبیہ مراد ہے، کیا مراد ہے؟ تشبیہ مراد ہے، تشبیہ مراد ہے۔

دیکھو، ذَکَاۃُ الْ... پھر دیکھو حدیث، حدیث میں کیا آیا پہلے؟ ذَکَاۃُ الْجَنِینِ اور بعد میں کیا آیا؟ ذَکَاۃُ أُمِّهِ کہہ لو یا ذَکَاۃُ الْأُمِّ بعد میں آیا۔ تو معلوم کیا ہے ان دونوں میں سے؟ پہلے کون آیا؟ ذَکَاۃُ الْجَنِینِ، وہ معلوم ہے یا اس میں ابہام ہے؟ اس میں ابہام ہے، اور ذَکَاۃُ الْأُمِّ جو بعد میں آیا اس میں ابہام نہیں ہے، وہ سب کو پتہ ہے۔ تو یہ تشبیہ کے اندر ہوتا ہے، ایک ہوتا ہے مشبّہ ایک ہوتا ہے مشبّہ بہ۔ مثلاً زید ہے، اب آپ کو پتہ نہیں کہ زید بہادر ہے یا بہادر نہیں ہے، اب میں اس کو آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ وہ تو شیر جیسا بہادر ہے، تو میں کہوں گا زَیْدٌ کَالْأَسَدِ، زید کس کی طرح ہے؟ شیر جیسا ہے، اور پھر درمیان سے کبھی کاف کو بھی اڑا دیتے ہیں: زَیْدٌ أَسَدٌ، زید تو شیر ہے۔ اب مجھے بتائیے زَیْدٌ أَسَدٌ، مشبّہ کون؟ زید، جس کو تشبیہ دیں اس کو کہتے ہیں مشبّہ، اور جس سے تشبیہ دیں اس کو کہتے ہیں مشبّہ بہ، تو کس کو تشبیہ دی؟ زید کو، تو یہ ہوا مشبّہ، اور کس سے تشبیہ دی؟ اسد سے یعنی شیر کے ساتھ، تو وہ مشبّہ بہ۔ یاد رکھو مشبّہ اور مشبّہ بہ کے اندر مشبّہ کے اندر ابہام ہوتا ہے اور مشبّہ بہ معلوم ہوتا ہے مِنْ وَجْهٍ بعض اعتبارات سے۔ زید تو ٹھیک ہے آپ جانتے ہیں اس کو آپ کا ساتھی ہے، لیکن وہ بہادر ہے یا نہیں اس میں ابہام تھا، اس میں کیا تھا؟ ہاں، اور شیر کے بہادر ہونے میں کوئی ابہام ہے؟ نہیں، تو اس لیے یہاں پر زید پہلے آیا اور شیر بعد میں آیا زَیْدٌ أَسَدٌ۔ کس کی بہادری میں ابہام؟ زید کی، اور کس کی بہادری معروف اور معلوم؟ اسد کی، تو جب جس میں ابہام ہے اس کو پہلے ذکر کیا جائے اور جس چیز میں ابہام نہیں اس کو بعد میں ذکر کیا جائے وہاں دراصل تشبیہ ہوتی ہے۔ تو یہاں پر بھی کیا آیا؟ ذَکَاۃُ الْجَنِینِ ذَکَاۃُ الْأُمِّ، ذَکَاۃُ الْجَنِینِ کیا ہے؟ اس میں ابہام کہ کیسے ذبح کرنا ہے پتہ ہی نہیں، تو حدیث میں آ گیا ذَکَاۃُ الْجَنِینِ کہ بچے کی ذبح کیا ہے؟ ذَکَاۃُ الْأُمِّ کس کی طرح ہے؟ ماں کی طرح ہے، جیسے ماں کو ذبح کیا تھا بعینہ اس کو بھی کیا کر دو؟ ذبح کر دو۔ تقریر سمجھ میں آئی بھئی؟

جی، احناف کے دلائل بھئی عجیب دلائل! اور یہ تقریر علماء نے بھی ذکر کی لیکن اتنے واضح الفاظ میں والد صاحب رحمہ اللہ کی جو تقریرِ ترمذی میں تھے وہاں مجھے ملی، وہ میں نے ذکر کر دی، کچھ الفاظ ان کے کچھ میں نے اپنی طرف سے وضاحت کے لیے بیان کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے کتاب پر بھئی۔ کہتے ہیں وَلَا يَحِلُّ جَنِينٌ مَّيِّتٌ اور حلال نہیں ہے ایسا جنین مَيِّتٌ جو مردہ ہے (زندہ ہے اس کو تو ذبح کریں گے میں نے بتایا، زندہ بچہ نکل آئے تو اس کو تو ذبح کریں گے) تو حلال نہیں ہے ایسا جنین مَيِّتٌ جو مردہ ہے وُجِدَ فِي بَطْنِ أُمِّهِ پایا گیا اپنی ماں کے پیٹ میں۔ هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ یہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ وَعِنْدَهُمَا وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى اور صاحبین اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک إِذَا تَمَّ خَلْقُهُ جب اس کی تخلیق پوری ہو گئی ہو، إِذَا تَمَّ خَلْقُهُ جب اس کی تخلیق پوری ہو گئی ہو أُكِلَ اس کو کھایا جائے گا، وَذَكَاةُ الْأُمِّ ذَكَاةٌ لَهُ اور ماں کی ذبح وہ ذَكَاةٌ لَهُ وہ اس کی بھی ذبح ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جب یہ پورا بن گیا ہو، بال بے شک آئے ہوں یا بال نہ آئے ہوں پورا بن گیا ہو تو پھر اس کا کھانا حلال ہے بھئی۔

تو حاصلِ کلام یہ ہوا کہ یہ جو حدیث آئی جنین کے بارے میں کہ ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ، صاحبین اور امام شافعی رحمہ اللہ یہ اس کو عینیت پر محمول کرتے ہیں تو یوں ترجمہ کرتے ہیں کہ ذَكَاةُ الْجَنِينِ کہ جنین کی ذکاۃ اس کا یعنی ذبح کرنا ذَكَاةُ أُمِّهِ یہ بعینہ اس کی ماں کا ذبح کرنا ہے، یعنی ماں کو ذبح کر دیا تو یوں سمجھو جنین کو بھی ذبح کر دیا۔ اب اگرچہ وہ مردہ نکلا ہے لیکن ماں کو تو ذبح کیا ہے اور ماں کی ذبح ہی کیا ہے؟ جنین کی بھی ذبح ہے، لہٰذا یہ اب حلال ہے حلال ہے۔ تو گویا وہ اس کو عینیت پر محمول کرتے ہیں کہ ماں کی ذبح وہ بعینہ جنین کی ذبح ہے۔ جبکہ ہم اس کو تشبیہ پر محمول

کرتے ہیں، تشبیہ پر محمول کرتے ہیں کہ ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ، أَيْ مِثْلُ ذَكَاةِ أُمِّهِ، کہ ذَكَاةُ الْجَنِينِ جو جنین کے ذبح کرنا ہے مِثْلُ ذَكَاةِ أُمِّهِ وہ کس کی طرح ہے؟ ماں کے ذبح کی طرح ہے، اس جیسا ہے، یعنی جیسے ماں کو ذبح کیا تھا اس کو بھی کیا کرنا پڑے گا؟ ذبح کرنا پڑے گا، اور یہ تو مردہ نکلا ہے اس کو تو ذبح نہیں کیا لہٰذا یہ حرام ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو وہ اس حدیث کو عینیت پر محمول کرتے ہیں، اور ہم اس کو کس پر محمول کرتے ہیں؟ تشبیہ پر محمول کرتے ہیں۔ لیکن میں نے بتلایا کہ بھئی اگر عینیت پر محمول کریں تو یہ کلام برعکس ہونا چاہیے تھا اور یوں ہونا چاہیے تھا: ذَكَاةُ الْأُمِّ ذَكَاةُ الْجَنِينِ، یعنی ماں کا ذبح بعینہ یہ جنین کا ذبح ہے، ماں کو ذبح کر دیا تو جنین بھی ذبح ہی ہے۔ تو عینیت اگر مقصود ہوتی تو پھر عبارت برعکس ہوتی بھئی، جو خبر ہے وہ مبتدا ہوتی اور جو مبتدا ہے وہ خبر ہوتا اور کلام یوں ہوتا: ذَكَاةُ الْأُمِّ ذَكَاةُ الْجَنِينِ، ماں کا ذبح بعینہ جنین کا ذبح ہے، ماں کو ذبح کر دیا تو جنین کو بھی ذبح ہی سمجھو۔ اور حالانکہ عبارت تو برعکس ہے اور ہم اس کو محمول کرتے ہیں تشبیہ پر، کہ یہاں تشبیہ بیان کی جا رہی ہے کہ ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ، أَيْ مِثْلُ ذَكَاةِ أُمِّهِ کہ جنین کی ذبح بھی کس کی طرح

ہے؟ ماں کے ذبح کی طرح ہے، یعنی جیسے ماں کو ذبح کیا تھا جنین کو بھی اسی طرح ذبح کرنا پڑے گا۔ اور یہ تو مردہ پیدا ہوا، مردہ نکلا ہے ماں کے پیٹ سے اور اس میں تو ذبح کیا نہیں ماں کی طرح، تو یہ کیا ہو گا ہمارے نزدیک؟ حرام ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۰: فصل فیما یحل أکلہ وما لا یحل: حلال و حرام حیوانات، ذو ناب و مخلب، خیل، جلالہ اور جنین کے مسائل

شرح الوقایہ صفحہ: ۳۶ — بتاریخ: ۱۲ نومبر ۲۰۱۹ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے دیکھیے سبق بھی: وَلَا ذُوْ نَابٍ أَوْ مِخْلَبٍ مِنْ سَبُعٍ أَوْ طَيْرٍ، وَلَا الْحَشَرَاتُ وَالْحُمُرُ الْأَهْلِيَّةُ وَالْبَغْلُ وَالْخَيْلُ وَالضَّبُعُ وَالزُّنْبُوْرُ وَالسُّلَحْفَاةُ وَالْأَبْقَعُ الَّذِيْ يَأْكُلُ الْجِيَفَ وَالْغُدَافُ وَالْفِيْلُ وَالْيَرْبُوْعُ وَابْنُ عِرْسٍ، وَلَا حَيَوَانٌ مَائِيٌّ سِوَى سَمَكٍ لَمْ يَطْفُ وَالْجِرِّيْثِ وَالْمَارْمَاهِيْ.[۲۱]

[۱]

جدول — ماکول اللحم (حلال) اور غیر ماکول اللحم (حرام) حیوانات کا ضابطہ:

قسمِ حیوان	شرعی حکم	علت و تفصیلِ مذہب
ذو ناب من السباع (درندے)	حرام (شیر، بھیڑیا، چیتا، کتا، بلی، بجو)	کچلی دانت سے شکار کرنے والے تمام چوپائے بالاتفاق حرام ہیں۔
ذو مخلب من الطیر (شکاری پرندے)	حرام (باز، شاہین، عقاب، شکرا، چیل)	پنجے سے شکار پکڑنے والے اور مردار خور پرندے حرام ہیں۔
حشرات الارض اور خبائث	حرام (سانپ، بچھو، چوہا، گوہ، کچھوا، زنبور)	آیتِ کریمہ {وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ} کے تحت حرام۔
فرس (گھوڑا)	امام ابو حنیفہؒ: مکروہ؛ صاحبینؒ: حلال	تقلیل آلۂ جہاد یا کراہتِ تنزیہی / تحریمی کی بنا پر اختلاف۔
مائی حیوانات (دریائی جانور)	مچھلی کے سوا تمام دریائی جانور حرام	طافی (خود بخود مر کر الٹی تیرنے والی) مچھلی بھی مکروہ / غیر حلال۔

[۲] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۸۶):** صوتی درس کی قراءت میں «وَلَا الْحَشَرَاتُ وَالْحُمُرُ الْأَهْلِيَّةُ وَالْبَغْلُ وَالْخَيْلُ وَالضَّبُعُ وَالزُّنْبُوْرُ وَالسُّلَحْفَاةُ وَالْأَبْقَعُ الَّذِيْ يَأْكُلُ الْجِيَفَ وَالْغُدَافُ وَالْفِيْلُ وَالْيَرْبُوْعُ وَابْنُ عِرْسٍ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «ولا الحشرات والحمر الأهليَّة، والبغل، والخيل، والضَّبع والزُّنبور والسُّلحفاة، والأبقع الذي يأكل الجيف، والغِذاف والفيل، واليربوع وابن عرس،» منقول ہے۔

ذبح کے مسائل چل رہے ہیں بھئی۔ اب آگے آپ کو یہ بتلا رہے ہیں کہ کون سے حیوانات حلال ہیں، ان کا کھانا جائز ہے، اور کون سے حیوانات حرام ہیں کہ ان کا کھانا جائز نہیں۔ تو بتلا رہے ہیں وَلَا ذُوْ نَابٍ، ناب والے، پیچھے آیا تھا وَلَا یَحِلُّ، حلال نہیں ہے، جَنِیْنٌ، جَنِیْنٌ مَیِّتٌ وہ جنین جو مردہ ہو وہ حلال نہیں۔ اسی طرح آگے کہتے ہیں وَلَا ذُوْ نَابٍ، اسی طرح ذوناب بھی حلال نہیں۔ وَمِخْلَبٍ، یہ مِخْلَب کا عطف ہے نَاب پر، اور اس نَاب پر ذُوْ داخل ہے تو مِخْلَب پر بھی ذُوْ داخل ہوگا۔ تو کہتے ہیں وَلَا ذُوْ نَابٍ أَوْ مِخْلَبٍ أَيْ ذُوْ مِخْلَبٍ، ذوناب بھی حلال نہیں اور ذو مخلب بھی حلال نہیں۔

نَاب، یاد رکھیے نَاب جو ہے، نَاب کچلی کے دانت کو کہتے ہیں بھئی، کچلی کے دانت، اور اس کی جمع أَنْیَاب آتی ہے۔ تو ذُوْ نَابٍ جیسے تھا ذُوْ مَالٍ، ذُوْ مَالٍ کا کیا معنیٰ؟ مال والا۔ تو ذُوْ نَابٍ کا معنیٰ کچلی کے دانت والا۔ نَاب، بھئی نَاب کہتے ہیں کچلی کے دانت کو، کچلی کا دانت، نوکدار دانت۔ اگر آپ اپنے دانتوں پر غور کریں تو سامنے اوپر کے چار دانت، ان چار دانتوں کے ساتھ والے جو دائیں اور بائیں دانت ہیں بھئی، ایک ایک دانت یہ نوکدار ہیں۔ نیچے والے بھی اسی طرح دو نوکدار ہیں اور اوپر والے بھی چار دانتوں کے ساتھ جو دائیں بائیں ایک ایک دانت ہے وہ کیا ہے؟ نوکدار۔ اس کو کہتے ہیں کچلی کا دانت، کچلی کا دانت۔

اور اگر آپ غور کریں تو جتنے یہ شکار کرنے والے حیوانات ہیں، شیر، چیتا، کتا، بلی، بھیڑیا وغیرہ، آپ دیکھیں گے ان سب کے تمام دانت نوکدار ہیں۔ کیونکہ ان کو شکار کرنے کی ضرورت ہے اور ان کے لیے نوکدار دانت چاہئیں بھئی، تاکہ اس کے ذریعے وہ چیزوں کو پکڑ سکیں اور اس کو کاٹ سکیں اور اس کو چیر پھاڑ سکیں۔ اور باقی جو سبزی کھانے والے اور گھاس کھانے والے حیوانات ہیں جیسے گائے، بیل، بکری وغیرہ، آپ ان کے دانتوں پر غور کریں تو آپ دیکھیں گے کہ ان کے سارے دانت ہموار ہیں۔ ایک بھی دانت نوکدار نہیں، کیونکہ سبزی کھانے کے لیے یا گھاس کھانے کے لیے ہموار دانتوں کی ضرورت ہے، نوکدار دانتوں کی ضرورت نہیں، تو اللہ نے ان کو سارے دانت ہموار دیے۔ جب کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے دونوں طرح کے دانت دیے ہیں، ہموار دانت بھی اور نوکدار دانت بھی۔ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ انسان وہ سبزی بھی کھا سکتا ہے اور گوشت بھی کھا سکتا ہے۔

چنانچہ آپ کو بہت سے لوگ ملیں گے دنیا میں آپ دیکھیں گے کہ وہ صرف سبزی کھاتے ہیں، سبزی خور ہیں بھئی، اور کہتے ہیں کہ انسان کے اندر یہ انسان جو ظلم کرتا ہے یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ حیوانات کا گوشت کھاتا ہے، یا اس وجہ سے کہ یہ حیوانات کا گوشت کھاتا ہے تو یہ حیوانات پر ظلم کرتا ہے بھئی۔ تو وہ صرف سبزی کھاتے ہیں کہ انسان کو صرف سبزی کھانی چاہیے۔ لیکن دیکھو اللہ نے دونوں طرح کے دانت دے کر اشارہ فرما دیا کہ انسان صرف سبزی نہ کھائے، سبزی بھی کھا سکتا ہے اور گوشت بھی کھا سکتا ہے، اور کچھ حیوانات کو ہم نے پیدا ہی انسان کے کھانے کے لیے کیا ہے، جیسے گائے، بیل، بکری وغیرہ بھئی۔ اور فائدے بھی ہیں لیکن بڑا فائدہ کیا ہے ان کا؟ کہ ان کا گوشت کھایا جاتا ہے۔

تو ذُوْ نَابٍ کہتے ہیں وہ حیوانات جو کچلی کے دانتوں والے، یعنی نوکدار دانتوں والے ہیں، نوکدار دانتوں والے۔ تو یاد رکھیے وہ تمام حیوانات جو نوکدار دانتوں والے ہیں یعنی شکار کرنے والے ہیں، وہ سب حرام ہیں۔ اسی طرح مِخْلَب کہتے ہیں پنجے کو، پنجے کو، تو ذُوْ مِخْلَبٍ کا معنیٰ ہوا پنجے والے۔ جیسے ذُوْ مَالٍ کا کیا معنیٰ تھا؟ مال والا، تو ذُوْ نَابٍ کا معنیٰ کچلی کے دانت یعنی نوکدار دانتوں والے یوں ترجمہ کر لیں نوکدار دانتوں والے، اور ذُوْ مِخْلَبٍ کا کیا ترجمہ کر لیں؟ پنجوں والے۔ پنجے تو بھئی ہر پرندے کے ہوتے ہیں، لیکن مراد وہ پرندے ہیں جو پنجوں کے ذریعے شکار کرتے ہیں، یہ عقاب، شکرا وغیرہ، یہ کیا کرتے ہیں؟ اور چھوٹے پرندے یا چھوٹے حیوانات پر حملہ آور ہوتے ہیں اور اپنے پنجوں کے ذریعے ان کو اٹھا کر لے جاتے ہیں، ان کو کھا لیتے ہیں۔ تو یہ سب حرام ہیں۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ دیکھیے بھئی کتاب پر: وَلَا ذُوْ نَابٍ اور نہ ہی نوکدار دانتوں والے، یعنی وہ بھی حلال نہیں۔ پیچھے کیا آیا تھا وَلَا یَحِلُّ جَنِیْنٌ مَیِّتٌ، مردہ جنین حلال نہیں۔ وَلَا ذُوْ نَابٍ اور اسی طرح کچلی کے دانتوں والے بھی حلال نہیں، أَوْ مِخْلَبٍ اور اسی طرح پنجوں والے بھی، مِنْ سَبُعٍ أَوْ طَیْرٍ، درندوں یا پرندوں میں سے۔ تو درندوں یا پرندوں میں سے جو نوکدار دانتوں والے ہیں یا پنجوں والے ہیں وہ حلال نہیں، یعنی ان کے ذریعے جو شکار کرتے ہیں۔

وَلَا الْحَشَرَاتُ، اسی طرح حشرات بھی حلال نہیں ہیں بھئی۔ حشرات کہتے ہیں چھوٹے جانور، چھوٹے حیوانات جو زمین پر چلتے ہیں اور زمین میں رہتے ہیں، جیسے چوہا ہے، اور جیسے نیولا ہے، اور اسی طرح جیسے بچھو ہے، کچھوا ہے، اور اسی طرح گوہ ہے، گوہ بھئی یہ بڑی سی چھپکلی ہوتی ہے دو تین فٹ تک بڑی ہوتی ہے، تو یہ سب کیا ہیں؟ حشرات ہیں، تو یہ سب بھی حرام ہیں، جائز نہیں ان کا کھانا۔ تو کہتے ہیں وَلَا الْحَشَرَاتُ اور حشرات بھی حلال نہیں ہیں۔

وَالْحُمُرُ الْأَهْلِيَّةُ، حُمُرِ أَهْلِيَّة بھئی، حُمُرِ أَهْلِيَّة یعنی پالتو گدھے، پالتو گدھے بھئی۔ گھریلو گدھے یعنی پالتو گدھے جو جن کو انسان جن سے کام لیتے ہیں، بوجھ ان پر لادتے ہیں، تو یہ بھی یاد رکھیے یہ حرام ہیں، ان کا کھانا جائز نہیں بھئی۔ ایک جنگلی گدھا ہے بھئی، جنگلی گدھا، وہ بالاتفاق حلال ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں وَالْحُمُرُ الْأَهْلِيَّةُ، حُمُر جمع ہے حِمَار کی، اور نہ ہی پالتو گدھے۔

وَالْبَغْلُ اور نہ ہی خچر۔ بَغْل کہتے ہیں خچر کو بھئی، وہ بھی حلال نہیں، اس کا کھانا بھی جائز نہیں۔ بَغْل، خچر وہ ہے جو گھوڑے اور گدھے کی جنس کے ملاپ سے پیدا ہو، تو یہ بھی حرام ہے۔

وَالْخَيْلُ اور گھوڑے۔ گھوڑے بھی حلال نہیں، گھوڑے بھی حلال نہیں، ان کا کھانا جائز نہیں۔ لیکن یاد رکھیے یہ متن مبنی ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قدیم قول پر، قدیم قول پر۔ گھوڑوں کے بارے میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف تھا بھئی۔ امام صاحب فرماتے کہ گھوڑے کا کھانا مکروہ تحریمی ہے۔ مکروہ تحریمی جو حرام کے قریب ہو، یوں سمجھو گویا حرام ہی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو امام صاحب فرماتے کہ گھوڑے جو ہیں ان کا کھانا مکروہ تحریمی ہے، جب کہ

صاحبین فرماتے ہیں کہ مکروہ تنزیہی ہے۔ مکروہ تنزیہی وہ جو حلال کے قریب ہے، یعنی یوں سمجھو آسان لفظوں میں گویا حلال ہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو امام صاحب کا دیکھو یہ پہلا قول تھا جس میں کیا فرمایا کہ گھوڑے کا کھانا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ آلۂ جہاد ہے، اور اگر گھوڑے لوگ ذبح کریں گے تو یہ آلۂ جہاد ختم کم ہو جائے گا، ختم ہو جائے گا، اور نیز آگے اور بھی دلیل ذکر ہو رہی ہے بھئی۔ لیکن روایات میں ہے کہ امام صاحب نے اپنی وفات سے تین دن قبل رجوع فرما لیا تھا صاحبین کے قول کی طرف، کہ گھوڑے کا کھانا مکروہ تحریمی نہیں ہے بلکہ مکروہ تنزیہی ہے یعنی حلال ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ فتویٰ بھی اسی پر ہے کہ گھوڑے کا کھانا حلال ہے، حلال ہے۔ چنانچہ یہاں تو نہیں کھایا جاتا، یہ روس وغیرہ کی جو ریاستیں ہیں مسلمان ریاستیں، وہاں آپ جائیں سفر کریں گے تو وہاں وہ باقاعدہ ان کو ذبح کرتے ہیں، ان کا گوشت ملتا ہے بھئی، جو اہلِ سنت والجماعت ہیں احناف ہیں ان کی بات کر رہا ہوں بھئی۔ کہتے ہیں وَالْبَغْلُ وَالْخَيْلُ اور خچر حلال نہیں ہے اور اسی طرح گھوڑے بھی حلال نہیں ہیں۔

وَالضَّبُعُ، ضَبُع اور ضَبْع، باء کو ساکن پڑھنا بھی ٹھیک اور ضمہ کے ساتھ پڑھنا بھی ٹھیک۔ ضَبُع بھئی اس کا معنیٰ لکھا ہے ہماری کتابوں میں عموماً اس کا معنیٰ لکھا ہوا ملتا ہے بجو، بجو، اور کہ یہ کوئی حیوان ہے جو قبروں سے مردے نکال کر کھا جاتا ہے۔ اور اس کو عام زبان میں لگڑ بگڑ کہتے ہیں بھئی، لگڑ بگڑ یا دوسرا نام ہے اس کا لگڑ بگا، لگڑ بگا۔ اور یہ بالکل بھیڑیے کی طرح کا ایک خوفناک جانور ہے بھئی، بھیڑیے کی طرح، لیکن اس کی شکل بڑی کریہہ بڑی خوفناک شکل ہوتی ہے بھئی۔ اور یہ بھی درندہ ہے، لیکن اس میں اس کی ایک تو شکل خوفناک، دوسرا بھیڑیا یا کتا وغیرہ ہیں اور حیوانات ہیں، ان میں اگلے اور پچھلے پاؤں برابر ہوتے ہیں، حیوان کی کمر برابر ہوتی ہے زمین کے ساتھ۔ کتے اور بھیڑیے وغیرہ کی کمر کیا ہے؟ زمین کے ساتھ برابر۔ لیکن یہ جو لگڑ بگا ہے اس کی پچھلی ٹانگیں چھوٹی ہوتی ہیں، تو اس کی کمر پیچھے کی طرف جھکی ہوئی ہوتی ہے، یعنی ہموار برابر نہیں ہوتی بلکہ اگلا حصہ اونچا اور پچھلا حصہ کچھ نیچے ہوتا ہے۔ تو اسی کو بجو کہتے ہیں بھئی کتابوں میں، کیونکہ اور بجو کی کہیں نہ کوئی صورت دیکھی نہ کہیں اور اس کے بارے میں سنا، تو یہ غالباً اسی کا نام ہے بھئی۔ تو یہ بھی حرام ہے، یہ درندہ ہے۔

وَالزُّنْبُوْرُ، زُنْبُوْر کہتے ہیں بھڑ کو بھئی، بھڑ جو کاٹنے والی بھڑ ہے، جیسے شہد کی مکھی کاٹتی ہے اسی طرح یہ بھڑ شہد کی مکھی کی طرح کے حشرات یہ کاٹتے ہیں بھئی، یہ موذی وہ ہے، حشرے ہیں۔

وَالسُّلَحْفَاةُ، سُلَحْفَاة کہتے ہیں کچھوے کو بھئی۔ تو بھڑ بھی حرام، وَالسُّلَحْفَاةُ اور اسی طرح کچھوا بھی حرام ہے، اس کا کھانا بھی جائز نہیں۔

وَالْأَبْقَعُ الَّذِيْ يَأْكُلُ الْجِيَفَ اور وہ کوا جو مردار کھاتا ہے، جِيَف مردار بھئی، وہ کوا جو مردار کھاتا ہے اس کا کھانا بھی جائز نہیں ہے، وہ بھی حرام ہے۔ یاد رکھیے آپ کو بتلائیں گے کہ وہ پرندے جو دانے وغیرہ کھاتے ہیں وہ حلال ہیں، اور وہ پرندے

جو مردار کھاتے ہیں وہ حرام ہیں، اور وہ پرندے جو دانے بھی کھاتے ہیں اور مردار بھی کھاتے ہیں تو بعض ان کو مکروہ کہتے ہیں اور بعض ان کو حلال کہتے ہیں بھئی۔ تو کہتے ہیں وَالْأَبْقَعُ الَّذِيْ يَأْكُلُ الْجِيَفَ اور حلال نہیں ہے وہ أَبْقَع یعنی وہ کوا جو مردار کھاتا ہے۔

وَالْغُدَافُ، غُدَاف ذال کے ساتھ نہیں بھئی یہ دال کے ساتھ ہونا چاہیے وَالْغُدَافُ، اور غُدَاف کہتے ہیں یہ بڑا سیاہ پہاڑی کوا ہوتا ہے بھئی، سیاہ رنگ کا ہوتا ہے اور عام کوے سے ذرا بڑا ہوتا ہے، یہ بھی حرام ہے اس کا کھانا جائز نہیں۔ تو یہ دال ہے بھئی، وَالْغُدَافُ اور غُدَاف بھی حلال نہیں ہے۔

وَالْفِيْلُ اور فِيْل، ہاتھی بھئی، ہاتھی بھی حلال نہیں ہے۔

وَالْيَرْبُوْعُ، يَرْبُوْع بھی حلال نہیں ہے بھئی، يَرْبُوْع کہتے ہیں جنگلی چوہا بھئی، جنگلی چوہا۔ یہ بھی حلال نہیں، اس کے اگلے پاؤں چھوٹے ہوتے ہیں بھئی۔

وَابْنُ عِرْسٍ، اِبْنُ عِرْسٍ جو ہے وہ نیولے کو کہتے ہیں بھئی۔ یہ چوہے جیسا جانور ہے، چوہے سے کچھ ذرا بڑا ہوتا ہے اور چوہے کی دم پر تو بال نہیں ہوتے اس کی دم پر بھی اور جسم پر بھی ذرا بڑے بال ہوتے ہیں، اور یہ سانپ کے ساتھ خوب مقابلہ کرتا ہے بھئی، سانپ اس سے ڈرتا ہے بھئی، تو یہ سانپ پر غالب ہوتا ہے۔ تو یہ بھی حرام ہے۔ کہتے ہیں وَابْنُ عِرْسٍ اور حلال نہیں ہے نیولا۔

وَلَا حَيَوَانٌ مَائِيٌّ اور نہ کوئی آبی حیوان، کوئی آبی حیوان بھی حلال نہیں ہے، سِوَى سَمَكٍ سوائے مچھلی کے۔ وَلَا حَيَوَانٌ مَائِيٌّ اور نہ کوئی آبی حیوان، سِوَى سَمَكٍ علاوہ مچھلی کے۔ مچھلی کے علاوہ اور کوئی آبی حیوان حلال نہیں۔ بھئی یاد رکھیے باقی جو ائمہ ہیں ان کے نزدیک اکثر آبی جانور، آبی حیوانات حلال ہیں، سوائے چند ایک، چند ایک کا وہ استثنا کرتے ہیں، باقی جتنے سمندری حیوانات ہیں آبی حیوانات ہیں ان کو وہ جائز کہتے ہیں۔ جب کہ عند الاحناف آبی حیوانات میں سے صرف مچھلی حلال ہے، باقی کوئی بھی حلال نہیں ہے۔ تو اسی لیے کہا وَلَا حَيَوَانٌ مَائِيٌّ اور کوئی آبی حیوان، پانی میں رہنے والا کوئی حیوان جو ہے وہ حلال نہیں، سِوَى سَمَكٍ سوائے مچھلی کے، لَمْ يَطْفُ۔ سَمَك نکرہ ہے بھئی اور نکرہ کے بعد لَمْ يَطْفُ فعل آیا تو یہ اس کی صفت بنے گی، نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کی صفت بنتی ہے، اور پھر ترجمے میں موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لاتے ہیں۔ طَفَا يَطْفُوْ کا معنیٰ ہے مچھلی کا مر کر پانی کے اوپر آجانا۔ مچھلی مر جائے اور پانی کے اوپر تیرنے لگے، اس کو سَمَكٍ طَافِي کہتے ہیں، سَمَكٍ طَافِي، اور اس کے کھانے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔ تو کہا مچھلی بھی، مچھلی وہ حلال ہے جو طَافِي نہ ہو، جو مر کر پانی کے اوپر تیرنے والی نہ ہو بھئی۔ تو کہتے ہیں وَلَا حَيَوَانٌ مَائِيٌّ اور کوئی پانی کا حیوان حلال نہیں ہے سِوَى سَمَكٍ لَمْ يَطْفُ علاوہ اس مچھلی کے جو طَافِي نہ ہو، علاوہ اس مچھلی کے جو طَافِي نہ ہو یعنی مر کر پانی کے اوپر نہ تیر رہی ہو۔

وَالْجِرِّيْثِ وَالْمَارْمَاهِيْ، میری کتاب میں جَرِيْس ہے بھئی، یہ جِرِّيْث لفظ ہے بھئی جِرِّيْث۔ اور جِرِّيْث یاد رکھیے یہ بھی

مچھلی کی ایک قسم ہے کالے رنگ کی مچھلی، یہ بھی حلال ہے، یہ بھی حلال ہے۔ اور اسی طرح مَارْمَاهِيْ، مَارْمَاهِيْ اس کو اردو میں بام مچھلی کہتے ہیں، بام مچھلی۔ سانپ جیسی مچھلی ہوتی ہے اور بڑی طاقتور مچھلی ہے، تو یہ بھی حلال ہے۔ مَارْمَاهِيْ یہ فارسی کا لفظ ہے بھئی، اسی طرح عربی میں استعمال ہوتا ہے، مَار سانپ کو کہتے ہیں اور مَاهِيْ مچھلی کو بھئی، سانپ جیسی جو مچھلی ہے تو اس کو مَارْمَاهِيْ کہتے ہیں۔ تو جِرِّيْث بھی حلال اور مَارْمَاهِيْ بھی حلال، کیونکہ یہ مچھلی ہی ہیں، اور انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ پانی کے حیوانات میں سے صرف کیا حلال ہے؟ مچھلی۔ اور یہ کالی بھی مچھلی ہے اور اسی طرح وہ بام مچھلی بھی مچھلی ہے تو وہ بھی حلال ہیں۔ لہٰذا وَالْجِرِّيْثِ، اس پر میری کتاب میں وَالْجِرِّيْسُ ہے بھئی، یہ درست نہیں، وَالْجِرِّيْثِ ہونا چاہیے کیونکہ اس کا عطف سَمَكِ پر ہے، سَمَكِ پر، سِوَى سَمَكِ وَالْجِرِّيْثِ وَالْمَارْمَاهِيْ۔[۳]

اب شرح کرنے لگے ہیں، میں نے ساری باتیں بیان کر دیں۔ کہتے ہیں اَلنَّابُ، نَاب جو ہے اَلْفَارِسِيَّةُ دَنْدَانِ نِيْش، نَاب جو ہے فارسی میں دَنْدَانِ نِيْش کو کہتے ہیں یعنی نوکدار دانت، نوکدار دانت، نِيْش نوکدار بھئی سوئی کی طرح۔ تو نَاب جو ہے فارسی میں دَنْدَانِ نِيْش نوکدار دانت، وَذُوْ نَابٍ تو ذُوْ نَابٍ پھر کسے کہیں گے؟ کہتے ہیں حَيَوَانٌ يَنْتَهِبُ بِالنَّابِ وہ حیوان جو حملہ کرتا ہے اور پکڑتا ہے دوسرے حیوان کو بِالنَّابِ نوکدار دانتوں کے ذریعے، کچلی کے، نوکدار دانت کہیں بس، نوکدار دانتوں کے ذریعے۔ اِنْتَهَبَ يَنْتَهِبُ کا ویسے معنیٰ ہے لوٹ مار کرنا، لوٹ مار کرنا، لیکن یہاں پر کیا معنیٰ ہے؟ دوسرے حیوان پر حملہ کرنا، اس کو پکڑنا، اس کو کھانا۔ تو ذُوْ نَابٍ جو ہے حَيَوَانٌ يَنْتَهِبُ بِالنَّابِ وہ حیوان جو حملہ کرتا ہے اور پکڑتا ہے نوکدار دانتوں کے ذریعے۔

وَذُوْ الْمِخْلَبِ اور پنجوں والے، پنجوں والے سے کیا مراد ہے؟ کہتے ہیں طَائِرٌ يَخْتَطِفُ بِالْمِخْلَبِ وہ پرندہ جو اچک لیتا ہے پنجوں کے ذریعے۔ اچک لیتا ہے یعنی اچانک چیز کو پکڑ کر اٹھا کر لے جاتا ہے، یہ عقاب، شکرا، باز وغیرہ یہ کیا کرتے ہیں؟ چھوٹے حیوانات پر یا چھوٹے پرندوں پر حملہ آور ہوتے ہیں اور ایک دم ان کو اپنے پنجوں میں پکڑتے ہیں اور اٹھا کر لے جاتے ہیں اور ان کو پھر کھا لیتے ہیں۔ تو ذُوْ مِخْلَبٍ سے مراد ہے ایسا پرندہ يَخْتَطِفُ بِالْمِخْلَبِ جو اچک لیتا ہے، اٹھا کر لے جاتا ہے بِالْمِخْلَبِ پنجوں کے ذریعے۔

وَفِي الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ خِلَافُ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللهُ اور حُمُرُ الْأَهْلِيَّةِ یعنی پالتو گدھوں میں اختلاف ہے امام مالک رحمہ اللہ کا۔ یاد رکھیے بھئی امام مالک رحمہ اللہ کے اس بارے میں، ان مالکیہ کے دو قول ہیں بھئی، بعض کہتے ہیں کہ اس کا کھانا جائز نہیں حُمُرِ أَهْلِيَّہ، ہمارے نزدیک تو بتلا دیا کہ حرام ہے، پالتو گدھے ہمارے نزدیک کھانا حرام ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے یا یوں کہیں مالکیہ کے اس میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس کا کھانا جائز نہیں اور ایک قول ان کا یہ ہے کہ کھانا جائز ہے

[۳] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۸۷):** صوتی درس کی قراءت میں «سِوَى سَمَكِ وَالْجِرِّيْثِ وَالْمَارْمَاهِيْ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «سوى سمك لم يطفُ، والجريث، والمارماهيّ،» منقول ہے۔

کراہت کے ساتھ، کراہت کے ساتھ۔ تو یہ معنیٰ ہے کہ حُمُرِ أَهْلِيَّہ پالتو گدھوں میں خِلَافُ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللهُ امام مالک رحمہ اللہ کا خلاف ہے۔

وَفِي الْخَيْلِ خِلَافُهُمَا وَخِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالَىٰ اور گھوڑوں کے بارے میں اختلاف ہے صاحبین کا اور امام شافعی رحمہ اللہ کا، یعنی ان کا آپس میں نہیں اختلاف وہ اکٹھے ہیں، امام صاحب سے ان کا اختلاف ہے۔ امام صاحب نے گھوڑوں کے بارے میں ان کا پہلا قول کیا تھا؟ کہ گھوڑے مکروہ تحریمی ہیں، مکروہ تحریمی ہیں، اور اس میں اختلاف تھا کس کا؟ صاحبین کا بھی اور امام شافعی رحمہ اللہ کا، ان کے نزدیک وہ مکروہ تحریمی نہیں ہے بلکہ مکروہ تنزیہی ہے یعنی یوں کہو حلال ہے۔ تو یہ ایک طرف ہیں۔ اور میں نے یہ بھی بتایا امام صاحب نے وفات سے تین دن پہلے رجوع کر لیا تھا صاحبین کے قول کی طرف اور اسی پر فتویٰ بھی ہے گھوڑوں کا کھانا جائز ہے بھئی مکروہ تنزیہی ہے۔ تو کہتے ہیں وَفِي الْخَيْلِ خِلَافُهُمَا وَخِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمُ اللهُ اور گھوڑوں کے بارے میں صاحبین اور امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔

وَلَنَا اور ہماری دلیل جو ہے قَوْلُهُ تَعَالَىٰ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے، پہلا قول جو امام صاحب کا تھا اس کی دلیل بھئی: وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا اور ہم نے پیدا کیا گھوڑوں کو، وَالْبِغَالَ اور خچروں کو، وَالْحَمِيْرَ اور گدھوں کو، لِتَرْكَبُوْهَا تاکہ تم ان پر سواری کرو، تاکہ تم ان پر کیا کرو؟ سواری کرو۔ تو یہ دلیل ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان کا کھانا جائز نہیں۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ان حیوانات کو ذکر فرمایا اور آگے ان کا فائدہ ذکر فرما رہے ہیں بطور احسان کے کہ ہم نے تمہاری سواری کے لیے ان حیوانات کو پیدا فرمایا۔ اور ظاہر سی بات ہے کہ اگر ان کا کھانا جائز ہوتا تو ان کا سب سے بڑا فائدہ کیا ہوتا؟ کھانے کا، کیونکہ کھانے کے لیے ہر انسان کھانے کا محتاج ہے ہر روز بھئی، جب کہ سواری کی ضرورت تو کبھی کبھی پیش آئے گی بھئی اور کسی کسی کو پیش آئے گی۔ تو لیکن یہاں اللہ کھانے کو ذکر نہیں فرما رہے، حالانکہ اگر کھانا جائز ہوتا تو سب سے بڑا فائدہ ان کا کیا تھا؟ ان کا کھانا۔ لیکن کھانے کو یہاں ذکر ہی نہیں فرمایا، سوار ہونے کو ذکر فرمایا، معلوم ہوا کہ ان کا کھانا جائز نہیں اگر جائز ہوتا تو اس کو بھی اللہ ضرور ذکر فرماتے۔ تو کہتے ہیں وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا اور ہم نے پیدا کیا گھوڑوں کو اور خچروں کو اور گدھوں کو تاکہ تم ان پر سواری کرو، الْآيَةَ أَيْ اِقْرَإِ الْآيَةَ کہ باقی آیت آپ پڑھ لیجیے۔

وَفِي الضَّبُعِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ اور ضَبُع یعنی لگڑ بگے میں اختلاف ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا، یعنی وہ فرماتے ہیں کہ وہ جائز ہے اس کا کھانا، جب کہ ہم نے پیچھے بتلا دیا کہ وہ درندہ ہے اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ بھئی وہ کس کو کہتے ہیں؟ کہتے ہیں وَهُوَ بِالْفَارِسِيَّةِ كَفْتَار فارسی زبان میں وہ کَفْتَار ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ کفتار، یہ وہی لگڑ بگا ہے۔

وَالسُّلَحْفَاةُ سَنگ پشت بھئی۔ سُلَحْفَاة جو ہے وہ کچھوے کو کہتے ہیں، فارسی میں کیا ہے؟ سنگ پشت، یہ گاف ہونا چاہیے سین، نون، گاف بھئی، سنگ پشت۔ سنگ پتھر کو کہتے ہیں فارسی زبان میں اور پشت کمر کو کہتے ہیں۔ کچھوے کی بھی

چونکہ کمر کے اوپر وہ خول ہوتا ہے سخت مضبوط ہڈی کا، تو اس کو کیا کہتے ہیں فارسی میں؟ سنگ پشت، پتھر جیسی کمر والا۔

وَالْأَبْقَعُ، أَبْقَع جو آیا پیچھے متن میں، کہتے ہیں كَلَاغِ بِيْشَه۔ کلاغ، کلاغ کوے کو کہتے ہیں فارسی زبان میں اور بیشہ جنگل کو بھئی، کلاغِ بیشہ، جنگلی کوا، جنگلی کوا جو مردار کھاتا ہے، تو یہ حلال نہیں۔

وَالْغُدَافُ بھئی دال ہونا چاہیے، وَالْغُدَافُ كَلَاغِ سِيَاه بُزُرگ، یہ آخر میں گاف ہونا چاہیے بھئی بزرگ کا معنیٰ ہے فارسی میں بڑا، کلاغِ سیاہ سیاہ کوا، بزرگ بڑا، بڑا سیاہ کوا۔ میں نے بتایا یہ پہاڑی کوا ہے اور یہ عام کوے سے نسبتاً کچھ بڑا ہوتا ہے، تو وہ مراد ہے اور اس کا کھانا بھی جائز نہیں۔

وَالْيَرْبُوْعُ، يَرْبُوْع جو ہے مُوْشِ دَشْتِیْ، موش فارسی زبان میں چوہے کو کہتے ہیں اور دشت جنگل کو کہتے ہیں، موشِ دشتی، موشِ دشتی یعنی جنگلی چوہا، یہ حرام ہے۔ وَهُوَ حَلَالٌ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ کیا ہے؟ حلال۔ تو کہتے ہیں وَهُوَ حَلَالٌ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ اور وہ حلال ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک۔

وَابْنُ عِرْسٍ اور اِبْنُ عِرْسٍ جو ہے رَاسُوْ، اس کو فارسی میں کیا کہتے ہیں؟ راسو، اور اردو زبان میں نیولا، نیولا۔

قَوْلُهُ لَمْ يَطْفُ مصنف کا قول لَمْ يَطْفُ متن میں آیا، کہتے ہیں مِنَ الطَّفْوِ یہ کس سے ہے؟ طَفْوٌ سے ہے، طَفَا يَطْفُوْ طَفْوٌ، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ ناقص ہے، ناقص ہے، آخر میں کیا آرہا ہے؟ حرفِ علت آرہا ہے، لَمْ يَطْفُ کے اندر وہ واو گر گیا تو اس سے پتا نہیں چل رہا تھا، تو انہوں نے بتلا دیا مِنَ الطَّفْوِ یہ کس سے ہے؟ طَفْوٌ سے ہے، مادہ اس کا طاء، فاء اور واو ہے۔ اور اس کا معنیٰ کیا ہے؟ تو لَمْ يَطْفُ کا کیا معنیٰ ہے؟ کہتے ہیں أَيْ لَمْ يَعْلُ عَلَى الْمَاءِ مَيِّتًا جو پانی کے اوپر نہ آئے مردہ ہو کر۔ لَمْ يَطْفُ کا کیا معنیٰ؟ طافی کسے کہتے ہیں؟ وہ مچھلی جو مر کر پانی کے اوپر آجائے، تو لَمْ يَطْفُ جو مر کر پانی کے اوپر نہ آئے بھئی، جو یعنی طافی نہیں ہے۔ یہ معنیٰ ہے أَيْ لَمْ يَعْلُ، عَلَا يَعْلُوْ کے معنیٰ اوپر چڑھنا اوپر ہونا، أَيْ لَمْ يَعْلُ عَلَى الْمَاءِ مَيِّتًا جو مر کر پانی کے اوپر نہ آئے۔ حَتَّى إِنْ طَفَا الْمَاءَ مَيِّتًا حَرُمَ یہاں تک کہ اگر وہ طَفَا الْمَاءَ پانی کے اوپر آگئی مَيِّتًا مر کر حَرُمَ تو وہ حرام ہے۔

وَالْجِرِّيْثُ نَوْعٌ مِنَ السَّمَكِ اور جِرِّيْث جو ہے مچھلی کی ایک قسم ہے وَهُوَ غَيْرُ الْمَارْمَاهِيْ اور یہ بام مچھلی کے علاوہ ہے، یعنی وہ کالے رنگ کی مچھلی۔ كَذَا فِي الْمُغْرِبِ اسی طرح ہے مُغْرِب کتاب میں۔ مغرب یہ لغت کی کتاب ہے بھئی، تو اس میں اسی طرح یہ ان کے معانی درج ہیں۔

وَحَلَّ الْجَرَادُ وَأَنْوَاعُ السَّمَكِ بِلَا ذَكَاةٍ اور حلال ہے ٹڈی، جَرَاد کہتے ہیں ٹڈی کو، وَأَنْوَاعُ السَّمَكِ اور مچھلی کی اقسام بِلَا ذَكَاةٍ بغیر ذبح کے۔ یاد رکھیے بھئی یہ دو حیوانات ہیں، ایک مچھلی اور ایک ٹڈی جو بغیر ذبح کے ہی حلال ہیں، باقی تمام حیوانات کو ذبح کرنا پڑتا ہے جو جو حلال ہیں، لیکن یہ دونوں بغیر ذبح کے ہی حلال ہیں۔ مچھلی کو پانی سے نکالیں اور وہ مر گئی بس وہ

حلال ہے، اس کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح ٹڈی بھئی، ٹڈی یہ اچھل اچھل کر چلتی ہے اور اس کی مختلف اقسام بعض بہت چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں بھئی، اور اس کو فارسی میں مَلَخ کہتے ہیں، فارسی اور پشتو میں اس کو مَلَخ کہتے ہیں اور یہ اچھل اچھل کر چلتی ہے، لیکن یہاں جو مراد ہے یہ فصلوں پر حملہ آور ہوتی ہے اور یہ کوئی ایک انگلی کے برابر بڑی ہوتی ہے بھئی، انگلی کے برابر بڑی۔ اور یہ کسی علاقے میں حملہ آور ہوتی ہیں بعض اوقات اور لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں ہوتی ہیں، اور پورے پورے علاقے کی فصلوں پر حملہ آور ہوتی ہیں، ایک آدھ دن میں پورے کھیت کو یہ صاف کر کے رکھ دیتی ہیں اتنی زیادہ ہوتی ہیں بھئی۔ اور جب کسی علاقے میں آتی ہیں پورے پورے علاقے کے کھیتوں کو ڈھانپ لیتی ہیں بھئی اور پھر فصل بچانے کی کوئی صورت نہیں ہوتی بھئی۔ آنن فانن یہ فصلوں کو ختم کر دیتی ہیں اتنی زیادہ تعداد میں ہوتی ہیں، تو لوگ ان کو پھر پکڑتے ہیں بھئی اور پھر بوریوں کی بوریاں ان کو پکڑتے ہیں اور اس کو یہ حلال ہے کھاتے ہیں اس کو بھئی۔ اور گزشتہ دنوں شاید آپ نے ویڈیو وغیرہ بھی دیکھی ہو، وہ عرب کے اندر ان کو بیچ رہے تھے بھئی، ان کو بیچ رہے تھے، معلوم ہوا کسی علاقے میں حملہ آور ہوئی ہوں گی تو لوگوں نے پکڑا ہوگا تو وہ ان کو چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں بند کر کے بیچ رہے تھے بھئی، تو یہ ہے وہ ٹڈی بھئی۔ تو کہتے ہیں وَحَلَّ الْجَرَادُ وَأَنْوَاعُ السَّمَكِ بِلَا ذَكَاةٍ اور حلال ہے ٹڈی اور مچھلی کی اقسام بِلَا ذَكَاةٍ بغیر ذبح کے ہی۔

وَغُرَابُ الزَّرْعِ، غُرَاب کہتے ہیں کوے کو، زَرْعٌ کہتے ہیں کھیتی اور فصل کو، اور کھیتی کا کوا جو ہے، فصلوں کا کوا جو ہے، وَالْأَرْنَبُ اور خرگوش جو ہے، وَالْعَقْعَقُ اور عَقْعَق پرندہ جو ہے، یہ بھی کوئی پرندہ ہے کوے سے کچھ چھوٹا ہوتا ہے اور یہ مردار اور دانے دونوں کھاتا ہے، دونوں کھاتا ہے، تو یہ بھی حلال ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں حلال ہے ٹڈی بھی اور مچھلی کی تمام قسمیں بغیر ذبح کے، وَغُرَابُ الزَّرْعِ اور کھیتی کا کوا، وَالْأَرْنَبُ اور خرگوش اور وَالْعَقْعَقُ اور عقعق، مَعَهَا أَيْ مَعَ الذَّكَاةِ یہ ذبح کے ساتھ حلال ہے، مچھلی اور ٹڈی بِلَا ذَكَاةٍ بغیر ذبح کے اور یہ جو کھیتی کا کوا ہے اور خرگوش ہے اور یہ عقعق پرندہ ہے یہ مَعَهَا أَيْ مَعَ الذَّكَاةِ، یہ ذبح کے ساتھ حلال ہیں ویسے حلال نہیں ہیں۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح یاد رکھیے یہ طوطا، مینا، فاختہ وغیرہ یہ بھی حلال ہیں کیونکہ یہ بھی دانے وغیرہ کھاتے ہیں مردار نہیں کھاتے۔

كِتَابُ الْأُضْحِيَّةِ: هِيَ شَاةٌ مِنْ فَرْدٍ، وَبَقَرَةٌ أَوْ بَعِيْرٌ مِنْهُ إِلَى سَبْعَةٍ إِنْ لَمْ يَكُنْ لِفَرْدٍ أَقَلَّ مِنْ سُبُعٍ، حَتَّى لَوْ كَانَ لِأَحَدِ السَّبْعَةِ أَقَلَّ مِنَ السُّبُعِ لَا يَجُوْزُ عَنْ أَحَدٍ، لِأَنَّ وَصْفَ الْقُرْبَةِ لَا يَتَجَزَّأُ. وَعِنْدَ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً تَجُوْزُ عَنْ أَهْلِ بَيْتٍ وَاحِدٍ وَإِنْ كَانُوْا أَكْثَرَ مِنْ سَبْعَةٍ، وَلَا يَجُوْزُ عَنْ أَهْلِ بَيْتَيْنِ وَإِنْ كَانُوْا أَقَلَّ مِنْ سَبْعَةٍ.

كِتَابُ الْأُضْحِيَّةِ۔ أُضْحِيَّة کے اندر یاد رکھیے ہمزہ پر پیش ہے، کسرہ بھی جائز، کسرہ بھی، اور اس یاء مشدد ہے بھئی تو

أُضْحِيَّة۔ اور أُضْحِيَّة قربانی کا وہ جانور بھئی جس کو قربانی کے لیے، قربانی جس کی قربانی کی جاتی ہے بھئی، تو وہ قربانی کا جانور اس کو أُضْحِيَّة کہتے ہیں۔

بھئی قربانی کا جانور کیا ہے؟ تو بتلا رہے ہیں هِيَ شَاةٌ مِنْ فَرْدٍ وہ، شَاة کسے کہتے ہیں بھئی؟ بھیڑ بکری۔ دیکھو آپ خود غور کرو: هِيَ شَاةٌ مِنْ فَرْدٍ یہ بھیڑ بکری ہے مِنْ فَرْدٍ ایک آدمی کی طرف سے۔ بھئی آپ جانتے ہیں کہ بھیڑ بکری اگر کوئی ذبح کرنا چاہے، اس کی قربانی کرنا چاہے، تو ایک فرد کی طرف سے ہوگی وہ بھیڑ بکری۔ اور اگر گائے یا بیل اور اونٹ کرنا چاہیں، تو اس میں کتنے آدمی زیادہ سے زیادہ شریک ہو سکتے ہیں؟ سات آدمی زیادہ سے زیادہ شریک ہو سکتے ہیں، اور سات سے کم ہوں تو چاہے دو ہوں، تین ہوں، چار ہوں، پانچ ہوں، چھ ہوں، وہ بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے، یہ یاد رکھنا، کسی کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہ ہو۔ سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں معلوم ہوا ہر ایک کا ایک ایک حصہ ہوگا، تو ایک کا کم سے کم حصہ کتنا ہوا؟ ساتواں، ساتویں سے کم جائز نہیں ہے۔ لہٰذا مثلاً ایک گائے لے کر آئے ستر ہزار روپے کی اور ہر ایک پر کتنا آ رہا ہے خرچہ؟ دس دس ہزار، سات آدمی شریک ہیں، لیکن ان میں سے ایک آدمی غریب ہے اس نے کہا بھئی میں تو صرف پانچ ہزار شامل کروں گا۔ دوسرے نے کہا کوئی بات نہیں تم پانچ ہزار شامل کرو میں پندرہ ہزار شامل کر دیتا ہوں۔ تو ستر ہزار تو بن گئے، لیکن ایک کا حصہ ساتویں حصے سے کم ہے۔ یاد رکھیے اس صورت میں کسی کی بھی قربانی صحیح نہیں ہوئی۔ کیونکہ حیوان تو ایک ہی ہے نا، حیوان تو ایک ہی ہے، قربانی تو ایک ہی ہے اس میں تقسیم نہیں ہو سکتی۔ تو لہٰذا جب اس کا حصہ خراب ہوا تو سب کا حصہ خراب ہو گیا، ساتویں حصے سے کم کی گنجائش نہیں ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ صرف اس کا حصہ خراب باقیوں کا حصہ صحیح، کیونکہ قربانی ایک عبادت ہے اس میں تقسیم نہیں ہو سکتی۔ جیسے نماز ہے، نماز کوئی شخص پڑھتا ہے کہتا ہے جی چار رکعت نماز میں نے پڑھی لیکن آخری رکعت میں میرا وضو نہیں تھا چلو تین تو ہو گئی ہوں گی نا میری۔ آپ کیا کہیں گے اس کو؟ تین ہوئیں؟ نہیں بھئی اس میں تقسیم نہیں وہ ایک عبادت ہے، یا تو ساری کی ساری صحیح ہوگی یا ساری ہی کیا ہوگی؟ خراب ہوگی۔ تو یہاں بھی اسی طرح ہے۔

لہٰذا ایک تو ساتویں حصے سے کم کسی کا حصہ نہیں ہونا چاہیے۔ ہاں اگر کسی کے پاس کم ہے اور آپ اس کو بھی شامل کرنا چاہتے ہیں تو پھر اس کو پیسے دے دو، اس کا حصہ پورا کر دو، پھر وہ شامل ہو جائے۔ یہ نہیں کہ آپ اپنا حصہ ساتویں سے بڑھا دیں اور اس کا حصہ ساتویں سے کم ہی رہے، نہیں نہیں۔ اور اسی طرح چونکہ اس میں تقسیم نہیں ہو سکتی، تو اگر قربانی کرنے والوں میں کوئی شخص ایسا شامل ہو گیا جس کا ارادہ صرف گوشت کا ہے کہ چلو مجھے گوشت مل جائے گا، تو یاد رکھیے سب کی قربانی خراب ہو گئی، کیونکہ سب کی نیت قربانی کی ہونی چاہیے۔ اور یہاں تو تقسیم نہیں ہو سکتی اگر خرابی آئے گی تو سب کی قربانی کیا ہو جائے گی؟ خراب، یعنی وہ پوری گائے یا اونٹ خراب ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ وہ قربانی

قبول نہیں۔ یا اسی طرح اگر کوئی شخص سود کا کام کرتا ہے خالص سودی کمائی ہے تو وہ اگر ساتھ شامل ہو جاتا ہے تو اس صورت میں بھی ساری قربانی خراب ہو گئی، کسی کی بھی قربانی نہیں ہوئی سات کے سات جو افراد شریک ہیں۔

مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آگیا کہ قربانی میں تقسیم نہیں ہے، ایک حیوان کی، ایک حیوان کی بات کر رہا ہوں بھئی۔ تو کہتے ہیں هِيَ شَاةٌ مِنْ فَرْدٍ یہ بھیڑ بکری ہے ایک فرد کی جانب سے، وَبَقَرَةٌ أَوْ بَعِيْرٌ، بَقَرَة یہ گائے بیل بھئی اسی میں بھینس اور بھینسا بھی آگئے، أَوْ بَعِيْرٌ یا اونٹ جو ہے، گائے بیل یا اونٹ جو ہے مِنْهُ إِلَى سَبْعَةٍ وہ ایک فرد سے لے کر سات تک کے لیے ہے، ایک فرد سے لے کر کے زیادہ سے زیادہ کتنے اس میں ہو سکتے ہیں؟ سات افراد تک، إِنْ لَمْ يَكُنْ لِفَرْدٍ أَقَلَّ مِنْ سُبُعٍ اگر نہ ہو کسی فرد کے لیے أَقَلَّ مِنْ سُبُعٍ ساتویں حصے سے کم۔ کسی فرد کے لیے ساتویں حصے سے کم نہ ہو تو پھر ایک سے لے کر سات تک جتنے بھی اس میں شریک ہونا چاہیں شریک ہو سکتے ہیں، لیکن شرط وہی ہے کہ کسی کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہ ہو۔ تو سُبُع کہتے ہیں ساتواں حصہ۔

حَتَّى لَوْ كَانَ لِأَحَدِ السَّبْعَةِ أَقَلَّ مِنَ السُّبُعِ یہاں تک کہ اگر ان سات میں سے کسی ایک کے لیے أَقَلَّ مِنَ السُّبُعِ ساتویں سے کم حصہ ہوا، تو لَا يَجُوْزُ عَنْ أَحَدٍ تو کسی ایک کی طرف سے بھی جائز نہیں، یعنی کسی ایک کی بھی قربانی نہیں ہوئی، لِأَنَّ وَصْفَ الْقُرْبَةِ لَا يَتَجَزَّأُ اس لیے کیونکہ قربت کا جو وصف ہے یعنی عبادت کا جو وصف ہے لَا يَتَجَزَّأُ وہ تقسیم قبول نہیں کرتا، وہ تقسیم نہیں ہوتا۔ یا تو کہیں گے ساری قربانی صحیح یا کہنا پڑے گا ساری قربانی فاسد، تو قربت یعنی عبادت جو ہے وہ تقسیم کو قبول نہیں کرتی کہ کچھ حصے کو صحیح قرار دیا جائے ایک ہی عبادت اس کے کچھ حصے کو صحیح قرار دیا جائے اور کچھ کو فاسد قرار دیا جائے، ایسا نہیں۔ کہتے ہیں لِأَنَّ وَصْفَ الْقُرْبَةِ لَا يَتَجَزَّأُ اس لیے کیونکہ قربت کا جو وصف ہے وہ تقسیم کو قبول نہیں کرتا، وہ تقسیم نہیں ہوتا۔

وَعِنْدَ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ۔ جی آگے امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب بیان ہو رہا ہے۔ یاد رکھیے امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گائے، بیل یا اونٹ یا اونٹنی جو ہے وہ پورے ایک گھرانے کے لیے کافی ہے چاہے وہ سات سے زیادہ افراد ہی کیوں نہ ہوں، لیکن ہونے ایک ہی گھرانے کے چاہئیں۔ ایک ہی گھر والے سات سے زیادہ افراد بھی ہوں تو وہ ایک اونٹ کر سکتے ہیں ایک گائے کر سکتے ہیں مل کر۔ اور اگر دو خاندانوں والے ہیں، دو گھرانے ہیں، تو ان کے لیے یہ ایک اونٹ یا ایک گائے کافی نہیں ہوگی چاہے ان کی تعداد سات سے کم ہی کیوں نہ ہو۔ تو وہ گھرانے کا اعتبار کرتے ہیں، افراد کو نہیں دیکھتے۔ ایک گھر والے چاہے دس افراد ہیں وہ ایک گائے یا ایک اونٹ کر سکتے ہیں مل کر، اور دو گھر والے چاہے سات سے کم ہی کیوں نہ ہوں وہ ایک اونٹ یا ایک گائے نہیں کر سکتے۔ مثلاً ایک گھرانے کے بھی تین افراد دوسرے گھرانے کے بھی تین افراد،

یہ چھ افراد ہو گئے، تو لیکن وہ فرماتے ہیں نہیں، بے شک یہ سات سے کم ہیں لیکن دو گھرانوں والے ہیں اس لیے ایک گائے ان کے لیے کافی نہیں، ایک اونٹ ان کے لیے کافی نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں وَعِنْدَ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک تَجُوْزُ عَنْ أَهْلِ بَيْتٍ وَاحِدٍ جائز ہے ایک گھر والوں کی طرف سے وَإِنْ كَانُوْا أَكْثَرَ مِنْ سَبْعَةٍ اگرچہ یہ سات سے زیادہ ہوں، وَلَا يَجُوْزُ عَنْ أَهْلِ بَيْتَيْنِ اور یہ جائز نہیں ہے دو گھر والوں کی طرف سے وَإِنْ كَانُوْا أَقَلَّ مِنْ سَبْعَةٍ اگرچہ یہ سات سے کم ہوں یہ دو گھروں والے۔

وَيُقَسَّمُ اللَّحْمُ وَزْنًا لَا جُزَافًا إِلَّا إِذَا ضُمَّ مَعَهُ مِنْ أَكَارِعِهِ أَوْ جِلْدِهِ۔ آگے آپ کو بتلا رہے ہیں کہ جب قربانی کا گوشت آپس میں تقسیم کریں وہ افراد، سات افراد، تو اندازے سے تقسیم ٹھیک نہیں ہے، اندازے سے تقسیم کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ پورا پورا برابر وزن کر کے تقسیم کیا جائے۔ اور اگر پورا پورا وزن کرنا مشکل ہے تو پھر اس کا آسان حل یہ ہے کہ گوشت کے علاوہ بھی کچھ چیزیں ہر ایک میں شامل کر دو، مثلاً پائے ہیں سری پائے جیسے ہوتے ہیں، تو یہ جو پاؤں ہیں پائے ہیں حیوان کے وہ ان کے ساتھ شامل کر دیے جائیں یا اس کی کھال کچھ شامل کر دی جائے وغیرہ بھئی۔ اب ہر ایک کے حصے میں کیا کرو؟ ایک ایک پایا شامل کر دو یا ایک پائے کے دو حصے کر دو، ایک پائے کے دو حصے کر دو، تو ہر ایک کو کچھ گوشت ملے گا اور کچھ پایا مل جائے گا۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ یا ہر ایک کو کھال کا کچھ کچھ حصہ دے دو، تو ہر ایک کو کچھ گوشت ملے گا اور کچھ تھوڑا سا کھال کا حصہ مل جائے گا۔

بھئی یہ کیوں، کیا وجہ ہے برابری کیوں ضروری ہے اور آپ یہ کیوں کہتے ہیں کہ پائے یا کھال وغیرہ یا کلیجی وغیرہ یہ چیز ساتھ تھوڑی تھوڑی شامل کر دیں؟ کہتے ہیں بھئی یہاں ہم تقسیم کر رہے ہیں، اور تقسیم جب کر رہے ہیں جس میں سب شریک تھے تو یہاں مِن وَجْهِ اِفْرَاز ہے اور مِن وَجْهٍ مُبَادَلَہ ہے۔ مِن وَجْهٍ کیا ہے؟ تقسیم میں آپ نے پڑھا تھا یا نہیں پڑھا تھا؟ اِفْرَاز ہے، اپنا اپنا حصہ الگ کر رہے ہیں، اور مِن وَجْهٍ دیکھیں تو مبادلہ بھی پایا جا رہا ہے۔ مثلاً دیکھو، سات آدمی شریک ہیں، گوشت کے ہم نے سات حصے دے دیے ہر ایک کو۔ اب مجھے بتائیے مثلاً ایک فرد ہے ان میں سے زید، یہ جو زید کو گوشت ملا، زید کو گوشت دیا، لیکن یہ جو زید کے حصے میں گوشت آیا یہ زید ہی کا تھا یا اس میں پہلے سارے شریک تھے؟ یہ تو سارے شریک تھے اس کے اندر۔ تو زید کو جو حصہ ملا اس میں زید کا کچھ اپنا حصہ اور کچھ دوسروں کا حصہ تھا۔ پھر بکر کو ساتھ جو حصہ ملا تو اس میں بکر کا کچھ اپنا حصہ تھا اور کچھ دوسروں کا حصہ تھا۔ تو گویا زید والے میں بکر کا کچھ حصہ تھا اور بکر والے میں زید کا کچھ حصہ تھا۔ تو زید نے بکر والے میں جو حصہ تھا وہ اس کو دے دیا اور بدلے میں اپنے گوشت کے اندر جو بکر کا حصہ تھا وہ زید نے لے لیا۔ تو دیکھو مبادلہ پایا گیا، کیا پایا گیا؟ مبادلہ پایا گیا۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے کہ جب سارے

شریک ہیں تو گوشت کے ہر ہر جز میں ہر ایک کا حصہ ہے، گوشت کا ایک ٹکڑا بھی اٹھا لیں تقسیم سے پہلے تو اس میں ساتوں کے ساتوں کا حصہ ہے، بلکہ ایک چھوٹا ٹکڑا لے لیں اس کے اندر بھی ساتوں کا حصہ ہے۔ تو جب آپ تقسیم کر رہے ہیں ہر ایک کو اپنا حصہ دے رہے ہیں تو یہاں اِفْرَاز بھی ہے اور مبادلہ بھی ہے۔ گویا زید نے جو اپنا حصہ لیا، اپنا حصہ لیا، اس میں کچھ اس کا اپنا اور کچھ باقیوں کا، زید نے وہ باقیوں کا حصہ لے لیا اور بدلے میں ان کے گوشت کے اندر جو اپنا حصہ تھا وہ ان کو دے دیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ کیا ہوا؟ مبادلہ، مبادلہ پایا گیا، اور مبادلہ گویا بیع پائی گئی، مبادلہ بیع کے اندر ہوتا ہے نا تو گویا بیع پائی گئی یا مبادلہ کہہ لو جو بھی کہہ لیں بہرحال بیع پائی گئی۔ اور یہاں جنس بھی ہے اور قدر بھی ہے، اور لہٰذا جب جنس اور قدر دونوں چیزیں پائی جائیں تو آپ نے پڑھا ہے کہ مساوات ضروری ہے ورنہ سود لازم آئے گا، ربا لازم آئے گا۔ جنس بھی ہے اور قدر بھی ہے، مبادلہ کر رہے ہیں، زید نے بکر کے حصے کا گوشت لے لیا اور بدلے میں اس کو بھی کیا دیا؟ اپنے حصے کا گوشت دے دیا۔ تو دونوں طرف دیکھو ایک ہی جنس ہے، جنس بھی پائی گئی اور نیز قدر بھی ہے، گوشت کو کیا کیا جاتا ہے؟ وزن کیا جاتا ہے، مکیلات اور موزونات بھئی جانتے ہو کہ نہیں؟ تو وزنی، وزن بھی ہے اور جنس بھی ہے، جب وزن اور جنس ہے، جنس اور قدر پائی گئی، تو ایسی صورت میں مساوات ضروری ہے اندازے سے نہیں دے سکتے۔ اگر اندازے سے دیں گے تو معلوم ہوا مثلاً بکر کے پاس کچھ گوشت زیادہ چلا گیا، زید کے پاس کچھ گوشت کم آ گیا، تو دیکھو سود لازم آیا بکر کے پاس جو حصہ زائد گیا۔ مثلاً بکر کے پاس فرض کرو پانچ کلو گیا اور زید کے پاس چار کلو آیا، تو چار کلو تو چار کلو کے مقابلے میں ہو گیا لیکن یہ جو ایک کلو بکر کے پاس زائد آیا اس کے مقابلے میں تو اس نے کچھ بھی نہیں دیا، تو یہ کیا ہے؟ سود ہے، کیا ہے؟ سود ہے۔ لہٰذا جب جنس اور قدر دونوں پائی جا رہی ہیں تو اب مساوات ضروری ہے۔ اور مساوات بڑا مشکل کام ہے یہاں پر بھئی، کوئی آسان کام تو نہیں ہے کہ آپ سات کے سات حصے بالکل برابر کریں، ہر ایک کو تول کر دیں۔ تو پھر اس کا طریقہ بتلا دیا کہ بھئی ساتھ کچھ پائے کا حصہ ملا دو، یا ساتھ کچھ کھال کا حصہ ملا دو، یا کلیجی کا کچھ حصہ ملا دو۔ اب ہم جنس کو خلافِ جنس کی طرف پھیر دیں گے۔ مثلاً زید کو ایک پایا ملا اور ساتھ بیس کلو گوشت، بکر کو بھی ایک پایا ملا اور بیس کلو گوشت یا پائے کا ایک ٹکڑا ملا جو بھی ملا۔ تو ہم یوں کہیں گے کہ بکر کو جو پایا ملا وہ کس کے بدلے ہے؟ وہ زید کے پاس جو گوشت ہے اس کے بدلے اس بکر کا پایا ہے۔ اور زید کے پاس جو پایا ہے وہ بکر کے پاس جو گوشت ہے اس کے بدلے میں ہے۔ تو دیکھو گوشت کو گوشت کے مقابلے میں ہم نے نہیں کیا ورنہ تو سود لازم آتا، بلکہ گوشت کو پائے کے مقابلے میں کر دیا اور جب جنس الگ ہو گئی پھر تو کمی بیشی جائز ہے جتنی بھی ہو جائے، تو اب سود لازم نہیں آئے گا۔ بات سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی؟

دیکھیے کتاب پر: وَيُقَسَّمُ اللَّحْمُ وَزْنًا لَا جُزَافًا اور تقسیم کیا جائے گا گوشت کو وزن کے اعتبار سے، لَا جُزَافًا اندازے سے نہیں۔ جُزَاف کہتے ہیں اندازے سے بھئی، اندازے سے نہیں۔ إِلَّا إِذَا ضُمَّ مَعَهُ مگر یہ کہ جب اس کے ساتھ ملا دیا جائے

مِنْ أَكَارِعِهِ اس کے پائے بھئی۔ أَكَارِع جمع ہے كُرَاع کی اور یہ پائے کو کہتے ہیں پائے، جو حیوان کے قدم کا نچلا، پنڈلی کا آخری حصہ ہے گوشت سے خالی بھئی۔ أَوْ جِلْدِهِ یا اس کی جلد یعنی کھال کو۔ إِلَّا إِذَا ضُمَّ مَعَهُ مِنْ أَكَارِعِهِ أَوْ جِلْدِهِ مگر یہ کہ جب اس کے ساتھ ملا دیا جائے اس کے پایوں کو أَوْ جِلْدِهِ یا اس کی کھال کو۔ أَيْ يَكُوْنُ مَعَ اللَّحْمِ أَكَارِعُ أَوْ جِلْدٌ یعنی گوشت کے ساتھ پائے ہوں أَوْ جِلْدٌ یا کھال ہو، فَفِيْ كُلِّ جَانِبٍ شَيْءٌ مِنَ اللَّحْمِ وَشَيْءٌ مِنَ الْأَكَارِعِ تو ہر ایک کی جانب میں کچھ حصہ گوشت میں سے ہوگا اور کچھ جو ہے پایوں میں سے، أَوْ يَكُوْنُ فِيْ كُلِّ جَانِبٍ شَيْءٌ مِنَ اللَّحْمِ وَبَعْضٌ مِنَ الْجِلْدِ یا ہر ایک کی جانب جو ہے کچھ حصہ گوشت میں سے ہوگا وَبَعْضٌ مِنَ الْجِلْدِ اور کچھ حصہ کھال میں سے، أَوْ يَكُوْنُ فِيْ جَانِبٍ لَحْمٌ وَأَكَارِعُ وَفِيْ آخَرَ لَحْمٌ وَجِلْدٌ یا ہوگا ایک جانب میں گوشت اور پائے وَفِيْ آخَرَ لَحْمٌ وَجِلْدٌ اور دوسری جانب میں گوشت اور کھال۔ وَإِنَّمَا يَجُوْزُ اور یہ جائز ہے، یہ جائز ہے صَرْفًا لِلْجِنْسِ إِلَى خِلَافِ الْجِنْسِ پھیرتے ہوئے ایک جنس کو دوسری جنس کے خلاف، ایک جنس کو دوسری جنس کے۔ ہم یہاں پھر یہ کہیں گے کہ گوشت، گوشت کے بدلے نہیں ہے بلکہ گوشت کھال کے بدلے ہے اور یا گوشت پائے کے بدلے ہے بھئی اور پھر کمی بیشی جائز ہو جائے گی۔[۴]

وَصَحَّ اشْتِرَاكُ سِتَّةٍ فِيْ بَقَرَةٍ مُشْتَرَاةٍ لِأُضْحِيَّةٍ اِسْتِحْسَانًا۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے: ایک شخص نے ایک گائے خریدی، اور اکیلے گائے خرید کر یہ اکیلا شخص لے آیا، اور پھر یہاں لا کر وہ اور باقی افراد کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیتا ہے کہ مثلاً مجھے یہ گائے ستر ہزار کی پڑی ہے، ستر ہزار میں میں نے یہ خریدی ہے تو جو جو شریک ہونا چاہے وہ دس دس ہزار میں حصہ مجھ سے لے لے بھئی۔ تو چنانچہ اس کے ساتھ اور افراد بھی شریک ہو گئے اور اس نے ان سے دس دس ہزار فی حصے کے لے لیے۔ تو کیا ایسا کرنا جائز ہے یا جائز نہیں؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی قیاس تو تقاضا یہ کرتا ہے کہ یہ جائز نہیں ہونا چاہیے لیکن استحساناً اس کی اجازت دی گئی۔ میں نے بتایا تھا استحسان کسے کہتے ہیں؟ قیاسِ خفی کو، جو قیاس جو گہرا ہو ذرا گہری بات ہو، لیکن بات گہری ہو تو اس کو ہمیشہ استحسان نہیں کہیں گے جب تک اس کے مقابلے میں قیاس موجود نہ ہو قیاسِ جلی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ نہیں؟ تو یہاں پر بھی قیاس بھی موجود اور قیاسِ خفی بھی موجود، تو لہٰذا اس قیاسِ خفی کو پھر استحسان کہیں گے کیونکہ مقابلے میں قیاسِ جلی موجود ہے۔

تو قیاس تو یہ تقاضا کر رہا ہے کہ شرکت نہیں ہونی چاہیے، شرکت جائز نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ یہ قربانی کے لیے گائے کو خرید کر لایا ہے۔ اب اس گائے کے وہ حصے بیچ رہا ہے، اور جو حیوان قربانی کے لیے خریدا جائے اس کو تو بیچنا جائز نہیں ہے۔ تو قیاس تو یہ تقاضا کر رہا ہے اب یہ حصوں کو بیچنا جائز نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن استحساناً اجازت دی گئی، استحسان کی

[۴] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۸۸):** صوتی درس کی قراءت میں «أَوْ يَكُوْنُ فِيْ جَانِبٍ لَحْمٌ وَأَكَارِعُ وَفِيْ آخَرَ لَحْمٌ وَجِلْدٌ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «أو يكونَ في جانبٍ لَحْمٌ وأركاع، وفي آخر لحمٌ وجلد،» منقول ہے۔

وجہ یہ کیونکہ بعض اوقات کہتے ہیں انسان کو کوئی گائے موٹی تازی گائے مل جاتی ہے یا موٹا بیل، اور اس وقت اور ساتھی ہوتے نہیں اور وہ چاہتا ہے کہ میں اس کو خرید لوں پھر میرے ساتھ اور شریک ہو جائیں گے ورنہ تو یہ ہاتھ سے نکل جائے گی پھر ایسا حیوان نہیں ملے گا، اور قیمت بھی کم ہوتی ہے، تو چنانچہ مجبوری کی وجہ سے اس کی اجازت ہوگی کہ وہ اس کو لے لے اور بعد میں اور ساتھیوں کو شریک کر لے۔ لیکن یاد رکھیں اس میں یہ ضروری ہے کہ اس کی خریدتے وقت ہی یہ نیت تھی کہ میں اوروں کو اپنے ساتھ شریک کروں گا۔ اگر اس نے لی اپنے لیے اور بعد میں اوروں کو شریک کرتا ہے، تو پھر یاد رکھیے یہ وہ درست نہیں کر رہا۔ اس صورت میں کیونکہ پہلے اس نے اپنے لیے حیوان کو خریدا کہ پوری کی پوری گائے کی میں قربانی کروں گا، تو اس پر یہ اب واجب ہو گیا اس کی قربانی کرنا، ایک چیز خود ہی اس نے اپنے اوپر واجب کر لی۔ اب اس کو بیچنا چاہتا ہے اوروں کو شریک کرنا چاہتا ہے، ہاں شریک کر سکتا ہے اوروں کو لیکن جو پیسے ملیں گے اب وہ خود رکھنا اس کے لیے جائز نہیں ان کو صدقہ کرنا پڑے گا اس کو، شریک ابھی بھی کر سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَصَحَّ اشْتِرَاكُ سِتَّةٍ اور صحیح ہے شریک ہونا چھ آدمیوں کا فِيْ بَقَرَةٍ مُشْتَرَاةٍ ایسی گائے یا بیل میں مُشْتَرَاةٍ جس کو خریدا گیا ہے لِأُضْحِيَّةٍ قربانی کے لیے۔ چھ آدمیوں کا شریک ہونا صحیح، کیا معنیٰ چھ آدمی؟ یعنی ایک تو خریدار ہے نا اور چھ مزید بھی اس میں آسکتے ہیں تو وہ بھی شریک ہو سکتے ہیں تو کل سات ہو جائیں گے۔ تو کہتے ہیں وَصَحَّ اشْتِرَاكُ سِتَّةٍ فِيْ بَقَرَةٍ مُشْتَرَاةٍ لِأُضْحِيَّةٍ اِسْتِحْسَانًا اور صحیح ہے چھ افراد کا شریک ہونا ایسی گائے میں جس کو خریدا گیا قربانی کے لیے استحساناً، استحساناً یہ صحیح ہے۔

وَفِي الْقِيَاسِ لَا يَجُوْزُ اور قیاس میں جائز نہیں ہے، وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ رَحِمَهُ اللهُ اور یہی قول ہے امام، یہ قول ہے امام زفر رحمہ اللہ کا، لِأَنَّهُ أَعَدَّهَا لِلْقُرْبَةِ اس لیے کیونکہ اس نے اس کو تیار کیا ہے قربانی کے لیے۔ اس نے تو کس لیے خریدا اس گائے کو؟ قربانی، قیاس یہ تقاضا کر رہا ہے، میں نیت کی بات نہیں کر رہا کہ اس کی نیت کیا تھی کیا نہیں، لیکن اس نے جب گائے کو خریدا ہے کس نیت سے خریدا ہے کہ اس کی کیا کرنی ہے؟ قربانی۔ لِأَنَّهُ أَعَدَّهَا، أَعَدَّ کا معنیٰ تیار کرنا، لِأَنَّهُ أَعَدَّهَا لِلْقُرْبَةِ اس لیے کیونکہ اس آدمی نے خریدار نے اس گائے کو تیار کیا ہے لِلْقُرْبَةِ قربانی کے لیے، فَلَا يَجُوْزُ بَيْعُهَا لہٰذا اس کا بیچنا جائز نہیں۔

وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ اور استحسان کی وجہ یہ ہے أَنَّهُ قَدْ يَجِدُ بَقَرَةً سَمِيْنَةً کہ کوئی شخص جو ہے کبھی کبھار پا لیتا ہے بَقَرَةً سَمِيْنَةً کوئی موٹی گائے یا موٹا بیل، وَلَا يَجِدُ الشُّرَكَاءَ وَقْتَ الْبَيْعِ اور وہ شریکوں کو نہیں پاتا خریدتے وقت، یعنی کوئی شریک اس وقت ہوتا نہیں، فَالْحَاجَةُ مَاسَّةٌ إِلَى هٰذَا تو حاجت پیش آتی ہے اس کی، تو اس کی حاجت پیش آتی ہے اور حاجت کی بنا پر شریعت اجازت دیتی ہے چیزوں کی۔

وَذَا قَبْلَ الشِّرَاءِ أَحَبُّ۔ وَذَا اور أَيْ هٰذَا، هٰذَا آپ هٰذَا استعمال کرتے ہیں نا، هٰذَا کے اندر آپ نے پڑھا تنبیہ کی ہے اور

ذَا کیا ہے؟ اسمِ اشارہ۔ تو یہاں ذَا صرف کہہ دیا۔ وَذَا اور یہ یعنی یہ جو شرکت ہے قَبْلَ الشِّرَاءِ أَحَبُّ یہ خریدنے سے پہلے زیادہ پسندیدہ ہے۔ پہلے ہی شریک ہو جائیں پیسے ملا لیں اور پھر گائے کو خریدیں یہ زیادہ پسندیدہ ہے، بجائے اس کے کہ پہلے خرید کر لائیں اور پھر اس میں لوگوں کو شریک کریں۔ تو کہتے ہیں وَذَا قَبْلَ الشِّرَاءِ أَحَبُّ اور وہ یعنی شرکت جو ہے وہ خریدنے سے پہلے پسندیدہ ہے۔ ذَا کہتے ہیں إِشَارَةٌ إِلَى الْاِشْتِرَاكِ کہ ذَا جو ہے وہ اشارہ ہے اشتراک یعنی شرکت کی طرف۔ وَعَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ يُكْرَهُ الْاِشْتِرَاكُ بَعْدَ الشِّرَاءِ اور امام صاحب سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ مکروہ ہے شرکت خریدنے کے بعد۔

وَلَا تَجِبُ إِلَّا عَلَى مَنْ عَلَيْهِ الْفِطْرَةُ اور قربانی واجب نہیں ہے مگر اس شخص پر جس پر فطرہ واجب ہے یعنی صدقۂ فطر۔ قربانی اسی شخص پر واجب ہے جس پر صدقۂ فطر واجب ہو۔ بھئی ایک ہے زکوٰۃ، ایک ہے صدقۂ فطر۔ یاد رکھو زکوٰۃ ایسے مال پر واجب ہوتی ہے جو مالِ نامی ہو، بڑھنے والا ہو اور اس پر سال گزر جائے۔ اور مالِ نامی کیا ہے؟ یاد رکھو سونا، چاندی، کرنسی اور اسی طرح سامانِ تجارت، یہ چار چیزیں ہیں۔ سونا، چاندی، کرنسی کوئی سی بھی کرنسی ہو، پاکستانی ہو، امریکی ہو، برطانوی ہو، کرنسی، اور اسی طرح سامانِ تجارت مثلاً دکان کے اندر بیچنے کے لیے جتنا سامان رکھا ہوا ہے یہ سارا بھئی، یہ سارا کیا ہے؟ سامانِ تجارت ہے۔ تو ان کی قیمت لگائی جائے گی سونا، چاندی، کرنسی وغیرہ اور سامانِ تجارت، اگر ان سب کی قیمت ملا کر ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر ہو جائے، جو غالباً آج کل میرا خیال چالیس پچاس ہزار کے لگ بھگ بنتے ہیں، تو ان کی مالیت اگر چالیس پچاس ہزار ہو اور سال گزر جائے تو پھر ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔

جب کہ صدقۂ فطر اس میں ضرورت سے زائد سامان کو بھی شامل کرنا ہے۔ زکوٰۃ میں تو ضرورت سے زائد سامان کو شامل نہیں کرتے صرف کس کو دیکھتے ہیں؟ مالِ نامی کو، اور یہ سارے مال بڑھنے والے ہیں، کرنسی میں بھی کیا ہوتا ہے؟ سونا، چاندی، درہم، دینار ہیں، کرنسی ہے، مالِ تجارت ہے یہ سب کیا ہیں؟ سال میں ان میں اضافہ ہوتا ہے، آپ کسی بھی کام میں لگائیں گے تو اس میں کیا ہو جائے گا؟ اضافہ ہو جائے گا اور سامانِ تجارت کو بیچیں گے تو نفع کمائیں گے، تو یہ سب کیا ہیں؟ مالِ نامی۔ لیکن صدقۂ فطر میں ضرورت سے جو زائد سامان ہے اس کو بھی شامل کریں گے۔ مثلاً آپ کے پاس اگر ایک گاڑی ہے وہ تو ضرورت ہے آپ کی، ایک سے زائد گاڑی ہے تو یہ تو زائد گاڑی کیا ہے؟ ضرورت سے۔ زکوٰۃ میں اس کو شامل نہیں کریں گے کیونکہ یہ آپ کے استعمال میں ہے، سامانِ تجارت یہ نہیں ہے، یہ دوسری گاڑی آپ نے بیچنے کے لیے نہیں رکھی خود ہی شوق ہے دو قسم کی گاڑیاں آپ نے رکھی ہوئی ہیں۔ تو زکوٰۃ میں تو اس کا حساب نہیں کریں گے کیونکہ یہ مالِ تجارت نہیں، سونا بھی نہیں، چاندی بھی نہیں، کرنسی بھی نہیں، گاڑی ہے۔ لیکن صدقۂ فطر میں اس کا حساب کرنا پڑے گا کیونکہ یہ ضرورت سے زائد ہے، ایک گاڑی کی تو آپ کو ضرورت ہے دوسری کی تو ضرورت نہیں۔ تو اس طرح جو بھی چیزیں عام استعمال میں آرہی ہیں جن کی ضرورت ہے وہ تو شامل نہیں کریں گے، گاڑی بھی شامل نہیں کریں گے کیونکہ گاڑی بھی کیا ہے؟ آپ کی ضرورت۔ لیکن اس سے جو عام استعمال سے زائد چیزیں ہیں ان کو دیکھیں گے بھئی اور اگر ان

کی قیمت اور یہ سونا، چاندی، کرنسی وغیرہ یہ چیزیں ہیں ان کو تو ملانا ہی ملانا ہے، سامانِ تجارت وغیرہ ان کو سب کو تو ملانا ہی ہے، ساتھ ضرورت سے جو زائد سامان ہے اس کو بھی ملانا ہے۔ مثلاً سونا، چاندی یا کرنسی یا سامانِ تجارت وہ سارا مل ملا کے پچیس ہزار ہے لیکن ضرورت سے زائد سامان بھی پچیس ہزار کا ہے تو نصاب بن گیا اب اس پر صدقۂ فطر آجائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ زکوٰۃ تو نہیں آئے گی لیکن صدقۂ فطر آجائے گا۔ اور تو جس شخص پر صدقۂ فطر واجب اس پر قربانی بھی واجب ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَلَا تَجِبُ إِلَّا عَلَى مَنْ عَلَيْهِ الْفِطْرَةُ اور واجب نہیں ہے قربانی مگر اس شخص پر جس پر صدقۂ فطر واجب ہو، وَقَدْ مَرَّ فِي الْفِطْرَةِ اور تحقیق وہ گزر چکا ہے فطرہ میں یعنی صدقۂ فطر میں اس کا بیان گزر چکا ہے کہ اس میں کیا کچھ ہونا چاہیے جو نصاب کیا ہے جس سے وہ واجب ہوگا۔ وَإِنَّمَا تَجِبُ اور قربانی جو ہے وہ واجب ہے لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حضور علیہ السلام کے اس فرمانِ مبارک کی وجہ سے کہ آپ نے فرمایا: مَنْ وَجَدَ سَعَةً وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا، جو شخص گنجائش پائے اور قربانی نہ کرے تو وہ ہرگز قریب نہ آئے ہماری عیدگاہ کے۔ دیکھو کتنی وعید ہے حضور علیہ السلام کتنی ناراضگی کا اظہار فرما رہے ہیں کہ جو شخص وسعت اور گنجائش ہو قربانی کر سکتا ہے اور پھر بھی قربانی نہیں کرتا تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔ تو کہتے ہیں حدیث میں آیا مَنْ وَجَدَ سَعَةً جس کو، جو گنجائش پائے یعنی جس کے پاس اتنا مال ہو صدقۂ فطر کے برابر وَلَمْ يُضَحِّ اور وہ قربانی نہ کرے فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا تو ہرگز قریب نہ آئے ہماری عیدگاہ کے۔ مُصَلّٰی جہاں نماز پڑھی جاتی ہے بھئی، اور آپ جانتے ہیں کہ پہلے سارے مل کر ایک ہی جگہ عید کی نماز ادا کرتے تھے، سارے شہر والے، ساری بستی والے باہر نکلتے اور عیدگاہ ہوتی مخصوص جگہ ہوتی، وہاں سارے مل کر عید کی نماز ادا کرتے تھے۔ لیکن اب تو شہر بہت بڑے ہو گئے اب باہر نکلنا مشکل ہو گیا، تو فقہا نے اجازت دی کہ اپنی اپنی مسجد میں بھی عید کی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ تو مُصَلّٰی وہ عیدگاہ بھئی۔

آگے دیکھیے: وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ هِيَ سُنَّةٌ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قربانی جو ہے وہ سنت ہے۔ وہ دلیل میں وہ حدیث پیش کرتے ہیں جس میں حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مَنْ أَرَادَ أَنْ يُضَحِّيَ جو تم میں سے قربانی کرنے کا ارادہ کرے۔ دیکھا، معلوم ہوا ارادہ کرے، مرضی ہے کوئی شخص ارادہ کرے یا ارادہ نہ کرے اس کو اختیار ہے۔

آگے دیکھیے: لِنَفْسِهِ لَا لِطِفْلِهِ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، اپنے لیے، لَا لِطِفْلِهِ نہ کہ اپنے بچے کے لیے یعنی نابالغ بچے کے لیے نہیں۔ یعنی قربانی کسی شخص پر واجب ہوگی اس کے اپنے لیے، اس کی اگر کوئی نابالغ اولاد ہے اس کے لیے اس پر قربانی واجب نہیں ہوگی۔ بھئی صدقۂ فطر بتلایا نا صدقۂ فطر جس پر ہے اس پر قربانی بھی واجب، اور صدقۂ فطر تو چھوٹے بچوں کا بھی واجب ہوتا ہے غلاموں کا بھی دینا پڑتا ہے بھئی۔ تو بتلا دیا کہ نہیں بھئی یہاں پر قربانی صرف اپنے لیے اس پر واجب ہوگی، چھوٹے بچے کی قربانی اس پر، نابالغ بچے کی قربانی باپ پر واجب نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں لِنَفْسِهِ اپنے لیے لَا لِطِفْلِهِ نہ کہ اپنے بچے کے لیے فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، یہ کس میں ہے؟ ظاہرِ روایت میں ہے۔ ظاہرِ روایت یاد رکھیے امام محمد رحمہ اللہ کی چھ کتابیں ہیں جن میں کوئی مسئلہ ذکر ہو تو کہتے ہیں ظاہرِ روایت میں یوں ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ کی چھ کتابیں، امام محمد رحمہ اللہ کی بہت زیادہ تصانیف ہیں لیکن ان میں سے چھ کتابیں ہیں، اور وہ کون سی؟ مَبْسُوْط، طاء ہے آخر میں، مَبْسُوْط، زِيَادَات، جَامِعِ صَغِيْر، جَامِعِ كَبِيْر، سِيَرِ كَبِيْر اور سِيَرِ صَغِيْر۔ یہ کتابیں یاد رہیں گی کون کون سی؟ یہ ہمیشہ یاد رکھو جگہ جگہ آتا ہے، آپ کے ذہن میں ہوگا تو پریشان نہیں ہوں گے۔ امام محمد رحمہ اللہ کی بہت سی تصانیف ہیں لیکن چھ کتابیں ہیں کہ ان میں اگر کوئی مسئلہ ذکر ہو تو کہتے ہیں ظاہرِ روایت میں یہ ہے، اور اس کو ترجیح ہوتی ہے، ان چھ کتابوں میں کوئی مسئلہ ذکر ہو تو باقیوں پر اس کو ترجیح ہوتی ہے۔ اور وہ چھ کتابیں کون سی؟ بسوط، زیادات، سیرِ کبیر، سین یا را، سیرِ کبیر، سیرِ صغیر، جامعِ کبیر اور جامعِ صغیر، آسان ہے۔ ان چھ کے اندر، ان کی تخصیص کیوں ہے؟ وجہ یہ کہ یہ چھ کتابیں امام محمد رحمہ اللہ سے بتواتر منقول ہیں، اس کے نقل کرنے والے بہت زیادہ ہیں، تو معلوم ہوا اس میں کسی قسم کا شک اور شبہ نہیں ہے، اس میں کسی غلطی کا امکان ایسے نہیں ہے، اتنے لوگ جیسے قرآن ہے بھئی، قرآن میں کسی قسم کا شک اور شبہ نہیں کیونکہ ہر زمانے میں ہزاروں لاکھوں مسلمان اس کو حفظ کرنے والے اور اس کو نقل کرنے والے موجود ہیں، تو یہ متواتر ہے بھئی، اس کا نقل کیا ہے؟ تواتر کے ساتھ ہے۔ تو امام محمد رحمہ اللہ کی یہ جو چھ کتابیں ہیں یہ بتواتر منقول ہیں، بتواتر، تو ان کو ظاہرِ روایت کہتے ہیں۔

تو کہتے ہیں لِنَفْسِهِ اپنے لیے قربانی واجب ہوگی لَا لِطِفْلِهِ نہ کہ اپنے چھوٹے نابالغ بچے کے لیے فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، کس میں؟ ظاہرِ روایت میں۔ ظاہرِ روایت کے مطابق صرف اپنے لیے قربانی واجب ہوگی اپنے نابالغ بچے کے لیے قربانی اس شخص پر واجب نہیں ہوگی۔ وَفِيْ رِوَايَةِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ اور حسن ابنِ زیاد رحمہ اللہ کی روایت ہے امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے، وہ فرماتے ہیں کہ تَجِبُ عَلَى طِفْلِهِ کہ اس کے بچے پر بھی قربانی واجب ہوگی كَمَا فِي الْفِطْرَةِ جیسے کس میں تھا؟ صدقۂ فطر میں تھا۔

اچھا دیکھا، یہ دوسری روایت آگئی، لیکن یہ ظاہرِ روایت نہیں ہے، دوسری روایت میں ہے کہ امام صاحب سے ہے کہ بچے کے لیے بھی اس پر قربانی واجب ہوگی باپ پر۔ قُلْنَا تو ہم جواب میں کہتے ہیں: سَبَبُ الْفِطْرَةِ رَأْسٌ يَمُوْنُهُ وَيَلِيْ عَلَيْهِ کہ صدقۂ فطر کا جو سبب ہے رَأْسٌ، رَأْس سے مراد ہے ذات۔ رَأْس تو صرف سر کو کہتے ہیں نا لیکن کبھی کبھی جزبول کر کل مراد لے لیتے ہیں، تو عربی میں عام رائج ہے کسی فرد کو رَأْس کہہ دیتے ہیں، یا یوں کہو ذات کو رَأْس کہہ دیتے ہیں۔ تو جتنے رَأْس افراد ہوں گے ظاہر سی بات ہے اتنے ہی رَأْس ہوں گے اتنے ہی سر ہوں گے، تو سر بول کر جزبول کر کل مراد ہے۔

تو ہم کہتے ہیں سَبَبُ الْفِطْرَةِ کہ صدقۂ فطر کا جو سبب ہے رَأْسٌ وہ ایسا رَأْس ہے، ایسا فرد ہے، یا یوں کہو ایسی ذات ہے

یَمُوْنُهُ جس کی وہ مشقت اٹھاتا ہے، کیا کرتا ہے؟ باپ اولاد کی مشقت اٹھاتا ہے یا نہیں ان کا خرچہ پورا کرتا ہے بھئی، ان کو کھلاتا ہے پلاتا ہے سارے انتظامات کرتا ہے، تو ایسی ذات یَمُوْنُهُ جس کی وہ مشقت اٹھاتا ہے وَيَلِيْ عَلَيْهِ اور جس پر اس کو ولایت حاصل ہے، بچے پر باپ تصرف کرتا ہے یا نہیں کہیں اس کا نکاح کروانا چاہے تو نکاح کروا سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اسی طرح غلام ہے، بیوی ہے، سب کی طرف سے اس شخص پر واجب ہوتا ہے کیونکہ یہ سارے وہ رَأْس ہیں، یہ وہ افراد ہیں جن کا وہ فرد مشقت جن کی اٹھاتا ہے، ان کے خرچے اٹھاتا ہے اور ان سب پر اس کو ولایت حاصل ہے بھئی۔

تو ہم کہتے ہیں سَبَبُ الْفِطْرَةِ رَأْسٌ يَمُوْنُهُ وَيَلِيْ عَلَيْهِ۔ جواب دے رہے ہیں، امام صاحب نے کیا فرمایا تھا؟ ایک قول، ایک روایت، ظاہرِ روایت میں تو بتا دیا کہ صرف کس پر آئے گا؟ اپنی ذات پر قربانی آئے گی، نابالغ بچے کی طرف سے باپ پر قربانی واجب نہیں، جب کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت حسن ابن زیاد سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ بچے کی طرف سے بھی باپ پر قربانی واجب ہوگی۔ تو اب اس کا جواب بھی دینے لگے ہیں، ظاہرِ روایت کو ترجیح ہے اس کی وجہ کیا ہے اس کی؟ تو وہ دلیل بھی ذکر کرنے لگے ہیں کہ صدقۂ فطر جو ہے وہ ایسے فرد، ایسی ذات کی وجہ سے واجب ہوتا ہے جس کا انسان، جس کا خرچہ اٹھاتا ہے اور جس پر اس کو ولایت حاصل ہوتی ہے۔ تو صدقۂ فطر کا سبب کیا ہوا؟ ایسی ذات یَمُوْنُهُ جس کی مشقت اٹھاتا ہے یعنی جس کا خرچہ اٹھاتا ہے وَيَلِيْ عَلَيْهِ اور جس پر اس کو ولایت یعنی تصرف حاصل ہے، تصرف حاصل ہے۔ اور قربانی کا سبب تو یہ نہیں، قربانی کا سبب تو مال ہے، نصاب کے بقدر مال ہوگا تو قربانی ہوگی، اس میں رَأْس کا دخل نہیں۔ صدقۂ فطر میں تو سبب کیا ہے؟ وہ رَأْس ہے، اور قربانی میں سبب کیا ہے؟ مال ہے، کہ آپ کے پاس ضرورت سے زائد ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر سامان اور مال وغیرہ ہے تو آپ پر قربانی واجب ہوگی۔ تو قربانی کا سبب کیا ہے؟ مال، اور صدقۂ فطر کا سبب کیا ہے؟ وہ رَأْس ہے۔ تو جب دونوں کے سبب الگ الگ ہیں تو لہٰذا یہاں قربانی رَأْس کی وجہ سے نہیں آئے گی، چھوٹے بچے کی وجہ سے نہیں آئے گی، مال کی وجہ سے آئے گی اور مال تو باپ کے پاس ہے بچے کے پاس تو کوئی مال نہیں ہے۔

ہاں آگے آپ کو بتائیں گے اگر بچے کے پاس بھی مال ہے، آپ کہیں گے بچے کے پاس کیسے مال ہو سکتا ہے؟ بھئی سیدھی سی بات ہے کسی نے وصیت کر دی میرے مرنے کے بعد اس کا فلاں جو بچہ ہے اس کو میری طرف سے دس لاکھ روپے دے دینا، کوئی قریبی رشتہ دار تھا اس نے وصیت کر دی کہ بچہ محبوب تھا اس کو اپنے بچوں کی طرح سمجھتا تھا تو اس نے اس کے لیے وصیت کر دی۔ اب باپ کے پاس اگر دس لاکھ ہے تو بیٹے کے پاس بھی کیا ہے؟ دس لاکھ آگیا۔ تو لہٰذا اگرچہ وہ اس کے ہاتھ میں نہیں ہے اس کو تو جب بالغ ہوگا تب مال حوالے کریں گے، لیکن مال ہے تو اس کے پاس باپ کے ہاتھ میں ہے بے شک، تو باپ اب اس کی طرف سے قربانی کرے گا کیونکہ قربانی کس کی وجہ سے واجب ہے؟ مال کی وجہ سے اور مال بچے کے پاس ہے تو باپ کو کرنی پڑے گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں قُلْنَا ہم جواب میں کہتے ہیں: سَبَبُ الْفِطْرَةِ رَأْسٌ يَمُوْنُهُ وَيَلِيْ عَلَيْهِ کہ صدقۂ فطر کا سبب جو ہے وہ ایسی ذات ہے جس کا وہ خرچہ اٹھاتا ہے اور جس پر اس کو ولایت یعنی تصرف حاصل ہے۔ بَلْ يُضَحِّيْ عَنْهُ أَبُوْهُ أَوْ وَصِيُّهُ مِنْ مَالِهِ بلکہ قربانی کرے گا عَنْهُ اس بچے کی، اس نابالغ بچے کی طرف سے أَبُوْهُ اس کا باپ، أَوْ وَصِيُّهُ یا اس کا سرپرست، اگر باپ فوت ہو چکا ہے تو جو سرپرست ہوگا أَوْ وَصِيُّهُ یا اس کا سرپرست، مِنْ مَالِهِ کس میں سے کرے گا؟ اس بچے کے مال میں سے اگر اس کے پاس مال ہے۔ هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَأَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللهُ یہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔ وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى اور امام محمد اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں: يُضَحِّيْ عَنْهُ أَبُوْهُ مِنْ مَالِ نَفْسِهِ کہ قربانی کرے گا اس نابالغ مالدار بچے کی طرف سے أَبُوْهُ اس کا باپ قربانی کرے گا مِنْ مَالِ نَفْسِهِ اپنے ذاتی مال میں سے، باپ اپنے مال میں سے اس بچے کے لیے قربانی کرے گا، لَا مِنْ مَالِهِ بچے کے مال میں سے نہیں کرے گا۔ بچے کا مال ہے باپ کو خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ قربانی کرنی ہے اب باپ اپنے مال میں سے اس کے لیے بھی قربانی کرے، کیونکہ چھوٹے بچے کا خرچہ کس پر ہوتا ہے؟ باپ پر ہوتا ہے۔ لیکن بہرحال اوپر متن میں بتلا دیا کہ باپ یا سرپرست اس کے مال میں سے کریں گے بھئی جو متن میں آگیا۔

وَأَكَلَ مِنْهُ الطِّفْلُ وَمَا بَقِيَ يُبْدَلُ بِمَا يُنْتَفَعُ بِعَيْنِهِ۔ بھئی بچے کے لیے قربانی کر دی، اب کیا کریں؟ کہتے ہیں قربانی کے گوشت میں سے جتنا بچہ کھا سکتا ہے وہ اس کے لیے رکھ لیا جائے، اس کو کھلایا جائے، اس کے لیے رکھ لیا جائے، اور جو زائد گوشت ہے اس کا کیا کریں؟ صدقہ کر دیتے ہیں؟ کہتے ہیں نہیں نہیں، بچے کے مال کو ہلاک کرنے اور صدقہ کرنے کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔ تو پھر کیا کریں؟ کہتے ہیں اس گوشت کے بدلے کوئی ایسی چیز لے لو کہ جس سے بچہ یا جو کام میں آتی رہے، استعمال میں آنے والی ہو۔ کہتے ہیں اس کو قیاس کرتے ہیں کھال پر، کھال پر۔ جب کوئی شخص قربانی کرتا ہے تو کھال بیچنے کی اجازت نہیں ہے، قصائی کو بطورِ اجرت کے دینے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ تو اس سے نفع کما رہا ہے حالانکہ اس نے تو سارے حیوان کو کس کے لیے مختص کیا تھا؟ قربانی کے لیے مختص کیا تھا۔ تو اب کھال وغیرہ یا تو صدقہ کر سکتا ہے بھئی، لیکن اس کو بیچنا چاہے تو بیچنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اور ہاں اگر وہ کھال کو بیچتا نہیں اپنے ہی کام میں لے آتا ہے، یعنی اس کو دباغت دے کر اس کو تیار کر لیتا ہے اور جائے نماز بنا لیتا ہے، یا اس سے کوئی کوٹ وغیرہ بنا لیتا ہے، یا اس سے کوئی تھیلا وغیرہ یا مشکیزہ بنا لیتا ہے، تو یہ اس کی گنجائش ہے وہ کر سکتا ہے ایسا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟

تو لہٰذا بچے کے حق میں جو گوشت تھا اس کا اس کی قربانی کا وہ اس کھال کی طرح ہے، اور کھال کو قربانی کرنے والا اپنے استعمال میں لا سکتا ہے یا نہیں لا سکتا؟ اپنے استعمال میں لا سکتا ہے، تو یہاں پر بھی اس بچے کے گوشت کو صدقہ نہیں کریں گے، اس کے بدلے میں ایسی چیز لے لیں گے جو استعمال میں آنے والی ہو۔ خرچ ہونے والی نہ ہو، مثلاً گوشت دے کر روٹی لے لی۔ بھئی روٹی تو وہ کھائے گا اسی وقت ختم ہو جائے گی۔ چاول لے لیے چاول تو وہ کھائے گا وہ ختم ہو جائیں

گے۔ تو ایسی چیز جو ہلاک ہونے والی ہے، ختم ہونے والی ہے فوراً، اس سے نفع ہی تب حاصل ہوتا ہے جب اس کو ختم کیا جائے اس کو کھایا جائے، تو ایسی چیز نہیں لیں گے بلکہ ایسی چیز لیں گے جو مسلسل استعمال میں کام میں آسکے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَأَكَلَ مِنْهُ الطِّفْلُ اور اس قربانی کے گوشت میں سے بچہ بھی کھائے گا، وَمَا بَقِيَ اور جو باقی ہوگا يُبْدَلُ اس کو بدل دیا جائے گا، اس کو تبدیل کر دیا جائے گا بِمَا يُنْتَفَعُ بِعَيْنِهِ کہ جس کی ذات سے، جس کی عین سے فائدہ اٹھایا جائے، جس کی ذات سے فائدہ اٹھایا جائے اس کے استہلاک سے فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ روٹی ہے، روٹی کو تو استہلاک ختم کرو گے کھاؤ گے تو پھر کیا ہوگی؟ وہ نفع دے گی، اور مثلاً آپ اس سے کیا بنا لیں، وہ گوشت دے کر کھال لے لی، کھال لے لی اس کھال سے چمڑے کا کوئی تھیلا بنا لیا جو گھر میں استعمال میں آتا ہے، یا اس کی جائے نماز بنا لی وہ کام میں آتی ہے، یا اس بچے کے لیے اس سے کوئی گرم کوٹ وغیرہ بنا لیا وہ بھی کام میں آئے گا۔ تو ایسی چیز کر سکتے ہو کہ کھانے پینے والی چیز اس کے بدلے نہیں لے سکتے۔ یہ معنیٰ ہے تو وَمَا بَقِيَ اور جو باقی گوشت ہو يُبْدَلُ بِمَا يُنْتَفَعُ بِعَيْنِهِ اس کو بدل لیا جائے گا ایسی چیز کے ساتھ کہ جس کی ذات سے نفع اٹھایا جاتا ہو، كَالثَّوْبِ جیسے کہ کپڑا ہے، وہ گوشت دے کر کپڑا لے لو بچے کے لیے، وَالْخُفِّ اور جیسے موزہ ہے کہ موزہ لے لے وہ پہنتا رہے، لَا بِمَا يُنْتَفَعُ بِهِ بِالْاِسْتِهْلَاكِ نہ ایسی چیز کہ جس کے استہلاک سے نفع اٹھایا جاتا ہو یعنی جس کو ہلاک کر کے ختم کر کے نفع اٹھایا جاتا ہو، كَالْخُبْزِ وَنَحْوِهِ جیسے کہ روٹی ہے وَنَحْوِهِ اور اس جیسی اور چیزیں ہیں بھئی۔

وَإِنَّمَا يَجُوْزُ أَنْ يُبْدَلَ بِذٰلِكَ لَا بِهٰذَا اور جائز ہے اس کو بدلنا اس چیز کے ساتھ نہ کہ اس چیز کے ساتھ۔ اس کے ساتھ یعنی کپڑے یا موزے کے ساتھ بدلنا تو جائز ہے، اس چیز یعنی روٹی وغیرہ کے ساتھ بدلنا جائز نہیں۔ کہتے ہیں قِيَاسًا عَلَى الْجِلْدِ اس پر قیاس کرتے ہوئے ہے؟ جلد یعنی کھال پر۔ فَإِنَّ الْجِلْدَ يَجُوْزُ أَنْ يُنْتَفَعَ بِهِ اس لیے کیونکہ کھال جو ہے، جائز ہے اس سے نفع اٹھانا بِأَنْ يُتَّخَذَ جِرَابًا (جِرَابًا جیم کے کسرہ کے ساتھ) بایں صورت کہ اس سے کوئی تھیلا بنا لیا جائے۔ جلد سے نفع اٹھانا جائز ہے بایں صورت کہ اس سے کوئی تھیلا بنا لیا جائے۔ جب عام آدمی اپنی قربانی کے چمڑے سے اپنے لیے تھیلا یا جانماز یا کوٹ بنا سکتا ہے، تو بچے کا گوشت بھی یہاں کھال کے درجے میں ہے، اس سے بھی کوئی ایسی چیز بنائی جائے یا ایسی چیز سے اس کو بدلا جائے جس سے وہ مسلسل فائدہ اٹھا سکے۔

تو کہتے ہیں: فَإِنَّ الْجِلْدَ يَجُوْزُ أَنْ يُنْتَفَعَ بِهِ بِأَنْ يُتَّخَذَ جِرَابًا کہ کھال جو ہے جائز ہے کہ اس سے نفع اٹھایا جائے بایں صورت کہ اس سے چمڑے کا تھیلا بنا لیا جائے۔ وَإِذَا بَدَّلَهُ بِمَا يُنْتَفَعُ بِعَيْنِهِ اور جب اس کو بدل لیا ایسی چیز کے ساتھ کہ جس کی ذات سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، گوشت کو دے کر ایسی چیز لے لی جس کی ذات سے کیا کیا جاتا ہے؟ فائدہ اٹھایا جاتا ہے، فَتَبَدُّلٌ — تَبَدُّلٌ ہے آپ کی کتابوں میں؟ ہاں، غلط، یہ کتابت کی غلطی ہے — فَلِلْبَدَلِ حُكْمُ الْمُبْدَلِ تو بدل کے لیے کس کا حکم ہے؟ مبدل کے لیے۔ مبدل، دیا کیا؟ گوشت، وہ تھا مبدل۔ وہ کیا تھا؟ مبدل۔ اور یہ جو کپڑا یا موزہ لیا یہ کیا ہے؟ بدل۔

تو اس بدل کے لیے بھی کس کا حکم ہے؟ مبدل، گوشت والا۔ اور گوشت کا حکم کس کی طرح تھا بچے کے لیے؟ کھال کی طرح تھا۔ اور تو کھال سے تو مسلسل نفع اٹھانا جائز تھا، تو یہ جو بدل ہے اب اس سے بھی مسلسل نفع اٹھانا جائز۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو فَلِلْبَدَلِ حُكْمُ الْمُبْدَلِ تو بدل کے لیے مبدل والا حکم ہے؛ بدل وہ جو کپڑا یا موزہ لیا، اور مبدل کیا تھا وہ جو گوشت تھا۔

فَهُوَ كَالْاِنْتِفَاعِ بِعَيْنِهِ تو یہ نفع اٹھانا ہے اس کی ذات سے ہی۔ یہ اسی طرح ہے جیسے آپ اسی چیز کی ذات سے ہی، گوشت کی ذات سے ہی یعنی کھال کی ذات سے ہی کیا کر رہے ہیں؟ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ لٰكِنَّ التَّبْدِيْلَ بِالدَّرَاهِمِ تَمَوُّلٌ لیکن بدلنا درہموں کے بدلے یہ تَمَوُّل ہے، یہ مالدار ہونا ہے، مال حاصل کرنا ہے۔ تَمَوُّل کا معنیٰ مالدار ہونا، مال حاصل کرنا۔ درہموں کے بدلے گوشت کو بیچنے کی اجازت نہیں، کیونکہ یہ تو مالدار ہونا ہے، اور مالدار ہونے کے لیے قربانی کے گوشت کو تو ویسے بیچنے کی اجازت نہیں کہ انسان اس کے ذریعے مال کمائے۔

تو کہتے ہیں: لٰكِنَّ التَّبْدِيْلَ بِالدَّرَاهِمِ تَمَوُّلٌ لیکن بدلنا درہموں کے بدلے یہ مالدار ہونا ہے اور یہ جائز نہیں۔ وَبِمَا يُنْتَفَعُ بِهِ بِالْاِسْتِهْلَاكِ اور وہ چیز جس کے ذریعے نفع اٹھایا جائے استہلاک کے ساتھ، فِيْ حُكْمِ الدَّرَاهِمِ وہ بھی کس کی طرح ہے؟ وہ بھی دراہم کے حکم میں ہے۔ کس کے حکم میں ہے؟ دراہم کے حکم میں ہے۔ یعنی اس میں بھی وہ نفع اٹھا رہا ہے، فائدہ اٹھا رہا ہے۔ بھئی دیکھو، دراہم جو ہیں نا دراہم، اگر آپ روٹی لے لیتے ہیں، کیا لے لیتے ہیں؟ روٹی۔ روٹی لے لیتے ہیں، تو یہ دراہم کے لینے کی طرح ہے، اور دراہم کے لینے کی گنجائش ہے؟ نہیں۔ کھال دے کر درہم کوئی لینا چاہے، قربانی کی کھال بیچنا چاہے، اس کی اجازت نہیں۔ اسی طرح گوشت بیچ کر اگر وہ بچے کے لیے درہم لینا چاہیں، تو بیچ کر درہم لینے کی گنجائش نہیں، اور روٹی کا بھی یہی حکم دراہم والا۔ کیونکہ روٹی سے انسان نفع کیسے اٹھاتا ہے؟ اس کو ہلاک کر کے۔ اسی طرح درہم و دینار سے بھی انسان فائدہ کیسے اٹھاتا ہے؟ ہلاک کر کے۔ آپ درہم دیں گے تو آپ کو کوئی چیز ملے گی، تو درہم کو بھی ہلاک کرو گے، آپ کے ہاتھ سے نکلے گا تو آپ کو فائدہ حاصل ہو گا۔ آپ کے پاس صندوق بھی بھرا ہوا پڑا ہے درہم کا، کوئی فائدہ ہے؟ اس کو کھا سکتے ہیں؟ اس کو پہن سکتے ہیں؟ نہیں۔ ہاں، اس کو جب آپ کسی کو دیں گے، ہلاک کریں گے، آپ کے ہاتھ سے وہ نکلے گا تو آپ کو کیا کرے گا؟ فائدہ پہنچائے گا۔ تو یہاں روٹی وغیرہ بھی جب آپ ان کو کھاتے ہیں، اس کو ہلاک کریں گے، ختم کریں گے تو وہ آپ کو فائدہ دے گی، ورنہ فائدہ نہیں دے گی۔ تو درہم کے ساتھ جیسے بدلنا جائز نہیں، اسی طرح روٹی وغیرہ کے ساتھ بدلنا بھی جائز نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے۔

تو کہتے ہیں: وَبِمَا يُنْتَفَعُ بِهِ بِالْاِسْتِهْلَاكِ اور وہ چیز جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہو اس کو ہلاک کر کے، تو فِيْ حُكْمِ الدَّرَاهِمِ وہ بھی دراہم کے حکم میں ہے۔ فَإِذَا كَانَ الْحُكْمُ فِي الْجِلْدِ هٰذَا جب کھال کے اندر یہ حکم ہے، تو قَاسُوْا عَلَيْهِ اللَّحْمَ تو اسی پر

قیاس کر لیا کس کو؟ گوشت کو، إِذَا كَانَ لِلصَّبِيِّ ضَرُوْرَةٌ جب بچے کو ضرورت ہو۔ بچے کو تو ضرورت ہے نا، وہ گوشت تو زائد ہے، صدقہ تو کر نہیں سکتے۔ تو کھال کے اندر یاد رکھو، عام آدمی یا تو کھال اپنے استعمال میں لائے، یا کھال دے کر ایسی چیز بھی لے سکتا ہے جس کو اپنے استعمال میں لاتا رہے۔ توجہ ہے؟ کھال کو بھی اپنے استعمال میں لا سکتا ہے، اور کھال دے کر ایسی چیز لے لیتا ہے جس کو اپنے استعمال میں لاتا رہے، تو یہ بھی اس کے لیے جائز ہے۔ جب کھال کے اندر ایسی چیز لینا جائز، تو یہاں پر بچے کے لیے گوشت بھی کھال کے درجے میں، تو گوشت کے بدلے بھی ایسی چیز لینا جو اپنے استعمال میں آتی رہے، یہ جائز ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

پھر دیکھو، فَإِنَّ الْجِلْدَ يَجُوْزُ... معلوم ہوا یہاں سے وہ جلد یعنی کھال کی ساری بات کر رہے ہیں بھئی، دوبارہ دیکھو: فَإِنَّ الْجِلْدَ يَجُوْزُ أَنْ يُنْتَفَعَ بِهِ بِأَنْ يُتَّخَذَ جِرَابًا کھال سے خود بھی فائدہ اٹھانا جائز ہے بایں صورت کہ اس سے کیا بنا لو؟ کوئی چمڑے کا تھیلا یا جانماز یا کوٹ کچھ بھی بنا لو۔ وَإِذَا بَدَّلَهُ اور جب کھال کو بدل لے بِمَا يُنْتَفَعُ بِعَيْنِهِ ایسی چیز کے بدلے جس کی ذات سے نفع اٹھایا جاتا ہے؛ کھال دے کر کیا لے لیا؟ کپڑا لے لیا، یا کھال دے کر اور کوئی ایسی چیز لے لی جو مسلسل استعمال میں آنے والی ہے، تو فَلِلْبَدَلِ حُكْمُ الْمُبْدَلِ تو وہ جو چیز بدلے میں آئی وہ بدل بھی، اس کا بھی وہی حکم ہے جو کس کا تھا؟ مبدل یعنی کھال کا، کس کا؟ کھال کا۔ فَهُوَ كَالْاِنْتِفَاعِ بِعَيْنِهِ تو یہ اسی طرح ہے جیسے آپ اسی کی ذات سے نفع اٹھا رہے ہیں۔ لیا تو بدلے میں کپڑا، لیکن کپڑے سے نفع اٹھانا اسی طرح ہے جیسے آپ اس اصل یعنی مبدل یعنی کھال سے نفع اٹھا رہے ہوں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ تو جائز، لیکن لٰكِنَّ التَّبْدِيْلَ بِالدَّرَاهِمِ تَمَوُّلٌ لیکن درہموں کے ساتھ کھال کو بدلنا یہ تو مالدار ہونا ہے، یہ تو آپ بیع کر رہے ہیں، نفع کما رہے ہیں، مالدار ہونا ہے، اور یہ جائز نہیں۔ وَبِمَا يُنْتَفَعُ بِهِ بِالْاِسْتِهْلَاكِ اور اس چیز کے ساتھ بدلنا جس کے استہلاک سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، فِيْ حُكْمِ الدَّرَاهِمِ یہ بھی کس کے حکم میں ہے؟ دراہم کے حکم میں ہے۔ تو جیسے دراہم کو خریدنا کھال کے بدلے ٹھیک نہیں تھا، اسی طرح روٹی وغیرہ کو بھی خریدنا کھال کے بدلے جائز نہیں۔ فَإِذَا كَانَ الْحُكْمُ فِي الْجِلْدِ هٰذَا جب کھال کے اندر یہ حکم ہے کہ اس کو درہموں اور روٹی وغیرہ کے علاوہ مسلسل استعمال ہونے والی چیزوں کے بدلے بدلنا جائز ہے کھال کے اندر، تو قَاسُوْا عَلَيْهِ اللَّحْمَ تو گوشت کو بھی اسی پر قیاس کر لیا، إِذَا كَانَ لِلصَّبِيِّ ضَرُوْرَةٌ جب بچے کو ضرورت ہو، کیونکہ بچے کو تو ضرورت ہے، وہ گوشت تو ضائع ہو جائے گا، یہ تو سارا کھا ہی نہیں سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَأَوَّلُ وَقْتِهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ إِنْ ذَبَحَ فِيْ مِصْرٍ۔ اب بھئی قربانی کا وقت بتلا رہے ہیں کہ کس وقت قربانی جائز ہے کرنا۔ تو آپ کو بتلائیں گے کہ قربانی اگر شہر میں کی تو عید کی نماز کے فوراً بعد قربانی کا وقت شروع ہو گیا۔ عید کی نماز سے پہلے اگر کسی نے شہر میں قربانی کر لی تو یاد رکھیں اس کی قربانی نہیں ہوئی، اس کو دوبارہ قربانی کرنا پڑے گی۔ تو شہر کے اندر، جہاں یعنی یوں کہیں جس بستی میں عید کی نماز ہوتی ہے، چاہے شہر ہے چاہے چھوٹی بستی ہے، جہاں عید کی نماز ہوتی ہے، وہاں قربانی

کا وقت عید کی نماز کے بعد شروع ہو گا بھئی۔ اور جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی، کوئی چھوٹا دیہات ہے گاؤں ہے، تو پھر وہاں فجر طلوع ہوتے ہی قربانی کا وقت شروع ہو جاتا ہے، تو وہ فجر کے وقت بھی کر سکتا ہے قربانی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر اس میں یہ بھی یاد رکھیں، اس میں قربانی کے محل کا اعتبار کیا جائے گا، قربانی کرنے والے کے محل یا جگہ کا اعتبار نہیں۔ کس کا اعتبار ہے؟ قربانی کے جانور کا، کہ وہ کہاں پر ہے۔ قربانی کرنے والا شخص جو ہے وہ کہاں پر ہے یہ نہیں دیکھا جائے گا۔ مثلاً آپ شہر کے رہنے والے ہیں، آپ دیہات میں چلے گئے، اور ادھر آپ کی قربانی کا جانور شہر میں ہی ہے، تو آپ ہیں دیہات میں اور دیہات میں تو قربانی کا وقت کب شروع ہو جاتا ہے جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی؟ وہ دیہات، فجر کے بعد۔ تو آپ کسی کو کہیں جی فجر کے بعد ہی میری قربانی کا جانور شہر کے اندر کر دینا، نہیں بھئی، جانور شہر کے اندر ہے تو شہر کا اعتبار کریں گے، اب عید کی نماز کے بعد ہی قربانی کرنا پڑے گی۔ آپ کا اعتبار نہیں، آپ تو دیہات میں ہیں لیکن کرنے والے کا اعتبار نہیں۔ یا اس کا برعکس کر لو، ایک دیہاتی آدمی ہے، وہ شہر آگیا، اور قربانی کا جانور کہاں پر ہے؟ دیہات میں، گاؤں میں ہے، تو شہر میں تو قربانی کا وقت عید کی نماز کے بعد شروع ہوتا ہے، لیکن اس فرد کا اعتبار نہیں، اس جانور کا اعتبار ہے، اور وہ تو اس دیہات میں ہے جہاں عید کی نماز ہوتی نہیں ہے، تو وہاں فجر کے بعد بھی اس کو کیا کر سکتے ہیں؟ قربانی اس کی کر سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَأَوَّلُ وَقْتِهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ قربانی کا اولِ وقت جو ہے وہ عید کی نماز کے بعد ہے، إِنْ ذَبَحَ فِيْ مِصْرٍ اگر ذبح کرے اس کو شہر کے اندر، أَيْ بَعْدَ صَلَاةِ الْعِيْدِ يَوْمَ النَّحْرِ یعنی عید کی نماز کے بعد یوم النحر کو یعنی قربانی والے دن یعنی دسویں تاریخ کو، دسویں تاریخ کو یوم النحر کہتے ہیں بھئی۔ وَبَعْدَ طُلُوْعِ فَجْرِ يَوْمِ النَّحْرِ اور طلوعِ فجر کے بعد ہے قربانی کا وقت يَوْمَ النَّحْرِ دسویں تاریخ کو دسویں ذی الحجہ کو، کب؟ إِنْ ذَبَحَ فِيْ غَيْرِهِ أَيْ فِيْ غَيْرِ مِصْرٍ اگر شہر کے علاوہ چھوٹے دیہات یا بستی میں اس کو ذبح کرے جہاں پر عید کی نماز نہیں ہوتی، تو طلوعِ فجر کے بعد ہے۔

وَآخِرُهُ بھئی قربانی کا آخری وقت کب ہے، کب تک قربانی کر سکتے ہیں؟ کہتے ہیں تیسرے دن غروبِ آفتاب سے پہلے تک۔ غروبِ آفتاب سے تھوڑا پہلے بھی اگر کوئی قربانی کرتا ہے اس کی قربانی ہو گئی، لیکن غروبِ آفتاب کے بعد قربانی صحیح نہیں۔ وَآخِرُهُ اور اس کا آخری وقت جو ہے قربانی کا، قُبَيْلَ غُرُوْبِ الْيَوْمِ الثَّالِثِ (قُبَيْلَ یہ تصغیر ہے قَبْلَ کی، قَبْلَ کا معنیٰ پہلے اور قُبَيْلَ کا معنیٰ تھوڑا سا پہلے، یعنی غروب سے پہلے بہرحال ہونا چاہیے) تو قُبَيْلَ غُرُوْبِ الْيَوْمِ الثَّالِثِ تیسرے دن کے غروب سے تھوڑا سا پہلے۔

فَالْمُعْتَبَرُ فِيْ هٰذَا مَكَانُ الْفِعْلِ تو اس کے اندر اعتبار جو ہے وہ فعل کی جگہ کا ہے، لَا مَكَانُ مَنْ عَلَيْهِ نہ کہ جگہ مَنْ اس شخص کا عَلَيْهِ جس پر قربانی؛ اس میں اس قربانی کی جگہ کا اعتبار ہے جہاں پر یہ قربانی کی جائے گی، اس قربانی کرنے والے یعنی جس پر قربانی واجب ہے اس کی جگہ کا اعتبار نہیں۔ تو کہتے ہیں: فَالْمُعْتَبَرُ فِيْ هٰذَا اس قربانی کے اندر اعتبار جو ہے مَكَانُ

الْفِعْلِ وہ اس قربانی کے فعل کی جگہ کا ہے، لَا مَكَانُ مَنْ عَلَيْهِ اس شخص کی جگہ کا اعتبار نہیں جس پر قربانی واجب ہے۔

لٰكِنَّ الْأُضْحِيَّةَ لَا تَجِبُ عَلَى الْمُسَافِرِ لیکن قربانی مسافر پر واجب نہیں۔ جگہ کا اعتبار ہے، قربانی کرنے والے کا اعتبار نہیں، ہاں لیکن ایک بات ہے بتلا رہے ہیں، قربانی مسافر پر واجب نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اگر حیوان گاؤں میں ہے اور یہ کہاں پر ہے؟ شہر میں ہے، مسافر ہے، دور ہے، شرعی مسافت ہے ۷۷-۸۰ کلومیٹر دور ہے اپنے علاقے سے، تو یہ تو مسافر ہے، اور مسافر پر تو قربانی واجب ہی نہیں۔ یہ معنیٰ ہے: لٰكِنَّ الْأُضْحِيَّةَ لَا تَجِبُ عَلَى الْمُسَافِرِ لیکن قربانی جو ہے وہ مسافر پر واجب نہیں۔ كَذَا فِي الْهِدَايَةِ جیسا کہ ہدایہ کے اندر ہے۔

وَعِنْدَ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لَا تَجُوْزُ بَعْدَ الصَّلَاةِ قَبْلَ نَحْرِ الْإِمَامِ کہ قربانی جائز نہیں ہے عید کی نماز کے بعد قَبْلَ نَحْرِ الْإِمَامِ امام کے نحر کرنے سے پہلے، امام کے یعنی وہ امام جس نے عید کی نماز پڑھائی، وہ بادشاہ یا گورنر عموماً ہوتا تھا بھئی، وہ بادشاہ یا گورنر جو امام ہے اس کے نحر اس کی قربانی سے پہلے کسی اور کی قربانی جائز نہیں، وہ آغاز کرے گا اور پھر باقی کیا کریں گے قربانی کریں گے۔ جبکہ ہمارے نزدیک نہیں، بلکہ اب تو ہر بستی میں ایک شہر میں سینکڑوں مساجد ہوتی ہیں بھئی۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ امام کے نحر سے پہلے عید کی نماز کے بعد بھی قربانی جائز نہیں جب تک امام نحر نہ کرلے۔

وَتَجُوْزُ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قربانی جائز ہے فِيْ أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ چار دنوں میں۔ ہمارے نزدیک تو عید کے دن تین ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چار دن ہیں، وہ چوتھے دن کے غروب تک قربانی کو جائز قرار دیتے ہیں۔

وَاعْتُبِرَ الْآخِرُ لِلْفَقْرِ وَضِدِّهِ وَالْوِلَادَةِ وَالْمَوْتِ اور اعتبار کیا گیا ہے آخر کا یعنی آخری دن کا لِلْفَقْرِ فقر کے لیے یعنی کوئی فقیر ہو جائے۔ بھئی یاد رکھیے، قربانی کس پر واجب ہے اور واجب نہیں، اس میں اعتبار آخری دن کا ہے۔ اگر کوئی شخص پہلے دن مالدار تھا، لیکن کوئی آفت آئی تیسرے دن مال سارا ہلاک ہو گیا، تو اس پر قربانی واجب نہیں۔ قربانی نہیں کی تھی، تیسرا دن آیا اور مال سارا ہلاک ہو گیا، تو اس پر قربانی واجب نہیں۔ اور ایک شخص پہلے دن تو فقیر تھا، قربانی واجب نہیں تھی، لیکن تیسرے دن کہیں سے مال آگیا بہت سارا، مالدار ہو گیا، اور نصاب کے بقدر مال آگیا، تو اس پر قربانی واجب ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص پہلے دن تو وہ زندہ ہے قربانی واجب ہے، لیکن ابھی کی نہیں، تیسرے دن اس کی وفات ہو گئی، تو اس پر قربانی واجب نہیں بھئی۔ یعنی اس کا پھر مؤاخذہ نہیں ہوگا عِنْدَ اللّٰهِ۔ یا اسی طرح کوئی بچہ ہے، اگر وہ تیسرے دن پیدا ہوا اور مالدار ہے، تو اس پر بھی قربانی کیا ہو جائے گی؟ واجب ہو جائے گی۔ پہلے دن تو پیدائش ہی نہیں ہے، قربانی واجب ہی نہیں ہے، لیکن کسی نے وصیت کی ہوئی ہے اس کا جو بچہ پیدا ہوگا میری طرف سے کتنے پیسے اس کو؟ دس لاکھ ہیں۔ تو تیسرے دن جب وہ پیدا ہوا ہے تو مالدار ہے، اب اس پر کیا واجب ہوگی؟ قربانی واجب ہوگی۔

یہ معنیٰ ہے وَاعْتُبِرَ الْآخِرُ اور آخری دن کا اعتبار کیا گیا ہے، لِلْفَقْرِ فقیر ہونے میں، وَضِدِّہٖ اور اس کی ضد یعنی مالدار ہونے میں، وَالْوِلَادَۃِ اور پیدائش میں، وَالْمَوْتِ اور موت میں۔ أَيْ إِذَا كَانَ غَنِيًّا فِيْ أَوَّلِ الْأَيَّامِ اگر کوئی شخص مالدار تھا پہلے دن میں، فَقِيْرًا فِيْ آخِرِهَا اور فقیر تھا آخری دن میں، لَا تَجِبُ عَلَيْهِ تو اس پر قربانی واجب نہیں۔ وَعَلَى الْعَكْسِ تَجِبُ اور اس کے برعکس صورت میں قربانی واجب ہوگی کہ پہلے دن فقیر تھا اور آخری دن کیا ہو گیا؟ مالدار، تو اس پر قربانی واجب ہے۔ وَإِنْ وُلِدَ فِي الْيَوْمِ الْآخِرِ تَجِبُ عَلَيْهِ اور اگر کوئی پیدا ہوا آخری دن تو اس پر قربانی واجب ہوگی جب اس کے پاس کیا ہو؟ مال ہو۔ وَإِنْ مَاتَ فِيْهِ لَا تَجِبُ عَلَيْهِ اور اگر وہ آخری دن مر گیا تو اس پر قربانی واجب نہیں، یعنی عِنْدَ اللہِ اس کا مؤاخذہ نہیں ہے، یا اس پر قربانی واجب نہیں یعنی یہ نہیں کہ پھر اس کے ورثاء اس کی طرف سے قربانی کریں، ایسا نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

چلیے بس بھئی۔ هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۲۱: کتاب الأضحیۃ: قربانی کے وجوب کی شرائط، وقتِ تضحیہ، قربانی کے جانوروں کی عمریں اور عیوب

شرح الوقایہ صفحہ: ۴۰ — بتاریخ: ۱۷ نومبر ۲۰۱۹ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی کتاب پر:[1]

وَكُرِهَ الذَّبْحُ لَيْلًا فَإِنْ تُرِكَتْ أَيِّ التَّضْحِيَةُ وَمَضَتْ أَيَّامُهَا تَصَدَّقَ النَّاذِرُ وَفَقِيرٌ شَرَاهَا لِلْأُضْحِيَّةِ بِهَا حَيَّةً وَالْغَنِيُّ بِقِيمَتِهَا شَرَاهَا أَوْ لَا الْمُرَادُ أَنَّهُ نَذَرَ أَنْ يُضَحِّيَ بِهٰذِهِ الشَّاةِ فَإِنَّهُ حِينَئِذٍ يَتَعَلَّقُ بِالْمَحَلِّ۔

قربانی سے متعلقہ مسائل کا باب چل رہا ہے، اور گزشتہ سبق کے آخر میں انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ قربانی کے اندر آخری دن کا اعتبار ہے، یعنی وجوب کا اعتبار آخری دن سے ہے۔ تو اگر کوئی اولِ دن مالدار ہے، لیکن کسی آفت کی وجہ سے اس کا مال ختم ہوا اور آخری دن وہ فقیر ہے، تو اس پر قربانی واجب نہیں۔ اور اگر کوئی اولِ دن کے اندر، اولِ یوم میں

[1]

جدول — کتاب الأضحیۃ — قربانی کے جانوروں کی عمریں، حصے اور مانعِ قربانی عیوب:

عنوان	شرعی ضابطہ و مقدار	فقہی تفصیلات
شرائطِ وجوبِ اضحیہ	اسلام، اقامت، حریت اور نصابِ فطر کی ملکیت	ایامِ نحر (۱۰ تا ۱۲ ذی الحجہ غروب تک) میں واجب ہوتی ہے۔
جانوروں کی عمریں (اسنان)	بکری/دنبہ: ۱ سال (دنبہ فربہ ۶ ماہ)؛ گائے: ۲ سال؛ اونٹ: ۵ سال	اس سے کم عمر جانور کی قربانی شرعاً درست نہیں۔
حصوں کی تعداد	بکری/بھیڑ میں صرف ۱ حصہ؛ گائے اور اونٹ میں ۷ حصے تک	سب شرکاء کی نیت تقرب و عبادت ہونا شرط ہے (گوشت خوری نہیں)۔
مانعِ قربانی عیوب	اندھا پن، واضح کانا پن، واضح لنگڑا پن، شدید لاغری، تہائی سے زائد کان/دم کٹا ہونا	امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تہائی سے زائد اور صاحبینؒ کے نزدیک نصف سے کم معاف۔

یعنی دسویں ذی الحجہ کو فقیر ہے، لیکن آخری دن اس کے پاس کہیں سے مال آگیا ہے، وہ مالدار ہو گیا ہے، تو اس پر قربانی واجب ہے۔ اسی طرح اگر کوئی آخری دن پیدا ہوا اور اس کے پاس مال ہے، یعنی کسی نے وصیت کی ہے یا کچھ اس کو مال مل گیا، تو اب وہ مالدار ہے، اگرچہ آخری دن وہ بچہ ہے، لیکن اس پر قربانی واجب ہوگی، اس کے مال میں سے کی جائے گی قربانی۔ یا اسی طرح اگر آخری دن کسی شخص کا انتقال ہوتا ہے، تو اس پر قربانی واجب نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

آگے دیکھیے بھئی، وَكُرِهَ الذَّبْحُ لَيْلًا اور مکروہ ہے ذبح کرنا رات کے وقت۔ رات کے وقت ذبح کرنا مکروہ ہے بھئی، مکروہ۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ رات ہے، اول تو یہ پتا نہیں، ہو سکتا ہے یہی پتا نہ چلے کہ یہ اپنا جانور ہے یا کسی اور کا، یا ہو سکتا ہے ذبح کرتے ہوئے رگوں کا صحیح پتا نہ لگے، اور رگیں صحیح طرح نہ کٹ سکیں، تو اس لیے رات کے وقت مکروہ ہے بھئی۔ اور اگر آج کل جیسے روشنی ہوتی ہے، بلب وغیرہ ہیں، خوب روشنی ہے، اس کے اندر اگر اس طرح کا امکان نہیں ہے، تو پھر کراہت بھی نہیں ہوگی بھئی، رات کو بھی کیا کر سکتے ہیں؟ قربانی کر سکتے ہیں۔

تو کہتے ہیں وَكُرِهَ الذَّبْحُ لَيْلًا اور مکروہ ہے ذبح کرنا رات کے وقت۔ فَإِنْ تُرِكَتْ أَيِ التَّضْحِيَةُ وَمَضَتْ أَيَّامُهَا۔ صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے منت مانی تھی کہ میں یہ بکری جو ہے، اس کی میں قربانی کروں گا اس عید پر۔ اس پر قربانی واجب نہیں، فقیر ہے، اتنا مال نہیں اس کے پاس، لیکن ایک بکری جو ضرورت کی تھی اس نے اسی کی منت مان لی، کہ میں اس عید پر کیا کروں گا؟ اس کی قربانی کروں گا۔ لیکن وہ تین دن گزر گئے، وہ قربانی نہ کر سکا، اب کیا کرے؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ اس زندہ بکری کو وہ صدقہ کر دے۔ کیا کر دے؟ صدقہ۔ یعنی اس بکری کو اب وہ صدقہ کر دے گا جس صورت میں بھی کر دے، بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ صدقہ کر دے گا۔ یا اسی طرح کوئی فقیر ہے، کوئی محتاج ہے، اور اس پر قربانی واجب نہیں، لیکن اس نے جیسے تیسے کر کے کچھ پیسے جمع کیے اور قربانی کا جانور، کوئی بکری وغیرہ خرید لی، اور پھر وہ تین دن قربانی کے گزر گئے اور وہ بکری کو ذبح نہ کر سکا کسی وجہ سے، تو اب اس پر یہ بکری کو صدقہ کرنا واجب ہے بھئی۔ صدقہ کرے گا اس کو۔

اور اگر کوئی مالدار تھا، اس پر قربانی کے تین دن گزر گئے، تو وہ کیا کرے گا، اور وہ قربانی نہ کر سکا؟ تو کہتے ہیں بھئی منت ماننے والا تھا اور فقیر تھا، ان پر چونکہ قربانی واجب نہیں تھی لیکن انہوں نے منت کے ذریعے یا حیوان کو خرید کر اپنے اوپر قربانی واجب کی، تو ان پر وہ قربانی کا تعلق اس مَحَلّ کے ساتھ یعنی اس جانور کے ساتھ ہے جو انہوں نے قربانی کے لیے متعین کر دیا ہے۔ فقیر کیا ہے؟ ایک بکری خرید کر لے آیا، تو اب قربانی کا تعلق اس بکری سے ہے، لہٰذا اسی کو کیا کرنا تھا اس نے؟ صدقہ، اب اسی کو وہ صدقہ کرے گا۔ اور منت ماننے والے نے بھی ایک بکری کو مختص کیا تھا کہ یہ والی بکری میں کیا کروں گا؟ اس عید پر قربان کروں گا، تو لہٰذا اب قربانی کا تعلق کس سے ہے؟ اس مَحَلّ سے ہے، یعنی اس... قربانی کا محل، قربانی کا محل کیا ہوتا ہے؟ بکری ہے، وہ بکری جو بھی حیوان ہے، تو اس بکری کے ساتھ متعلق ہو گا قربانی کا، اور اسی

کو کیا کرے گا؟ صدقہ کرے گا۔ جبکہ مالدار جو ہے، اس کی ذات کے ذمے قربانی ہوتی ہے، وہاں حیوان کے ساتھ قربانی کا تعلق نہیں ہوتا، بلکہ مالدار ہے، اس پر قربانی واجب ہے بھئی، تو اس کے ذمے قربانی واجب ہے۔ اب اگر وہ کوئی بکری خرید کر لے آیا قربانی کے لیے، اور وہ قربانی والے دن گزر گئے، تو اب اس پر عین بکری کو صدقہ کرنا ضروری نہیں، کیونکہ یہاں قربانی کا تعلق اس مَحَلّ یعنی حیوان کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ اس شخص کی ذات کے ساتھ ہے۔ تو لہٰذا اب اس کے ذمے ہے کہ اس کی قیمت صدقہ کرے۔ چاہے وہ بکری کو صدقہ کر دے وہ بھی ٹھیک، لیکن اگر بکری کو صدقہ نہیں کرتا، اس کی قیمت کیا کر دیتا ہے؟ صدقہ کر دیتا ہے، تو وہ بھی ٹھیک ہے۔ اور پھر چاہے اس نے بکری خریدی ہو یا نہ خریدی ہو، اس کے ذمے ایک بکری کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہو گا۔ مالدار نے بکری خریدی یا نہیں خریدی، اس پر تو قربانی واجب تھی، اس کے ذمے ہے، لہٰذا ایک بکری کی قیمت اس پر صدقہ کرنا ضروری ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ تو فقیر میں اور منت ماننے والے میں ان کے ذمے تو قربانی نہیں تھی، لیکن انہوں نے ایک حیوان کو مخصوص کر دیا تھا قربانی کے لیے، تو قربانی کا تعلق اس حیوان سے ہے، لہٰذا وہ حیوان زندہ ہے تو اسی کو کیا کریں گے؟ صدقہ کریں گے۔ اور مالدار کے، اس کے ذمے کے ساتھ تعلق ہوتا ہے قربانی کا، حیوان کے ساتھ نہیں، تو اس نے چاہے حیوان خریدا ہو یا نہ خریدا ہو، اس کے ذمے کیا ہے؟ اس ایک بکری کی قیمت صدقہ کرنا ہے۔

اور ایک اور بات یاد رکھیں کہ منت ماننے والا، ہم تو منت ماننے والا صرف اس کو سمجھتے ہیں نا، کوئی شخص یہ منت مانے کہ اے اللہ اگر میرا یہ کام ہو گیا، تو میں اتنے پیسے آپ کی راہ میں فقراء کو دوں گا، اتنا صدقہ کروں گا۔ میرا اگر یہ کام ہو گیا تو میں بیس ہزار صدقہ کروں گا۔ اور وہ کام ہو جاتا ہے، تو اس پر وہ بیس ہزار صدقہ کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ ہم تو صرف اس کو منت سمجھتے ہیں، نہیں! منت ہے کوئی غیرِ واجب چیز، کوئی غیرِ واجب عبادت اپنے ذمے واجب کر لے انسان کسی بھی طریقے سے، اس سب کو منت کہتے ہیں، اس سب کو نَذر کہتے ہیں فقہاء کی اصطلاح میں۔ مثلاً یہ شخص جس نے منت مانی، اس کے پاس ایک بکری تھی، اس نے یہ منت نہیں مانی کہ میرا کام ہو گیا تو میں کیا کروں گا؟ بکری کو ذبح کروں گا۔ بس ویسے ہی کہہ دیا کہ اے اللہ! اس سال میرے اوپر واجب ہے میں اس بکری کی قربانی کروں گا۔ کسی کام وغیرہ کی شرط نہیں لگائی، اے اللہ مجھ پر کیا ہوا، ضروری ہے کہ میرے اوپر لازم ہے میں اس بکری کی قربانی کروں گا۔ بس یہ کہتے ہی اب اس پر اس بکری کی قربانی واجب ہو جائے گی عید کے دنوں میں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کوئی بھی غیرِ واجب عبادت کو اپنے اوپر لازم کر لینا، کسی بھی طریقے سے، یہ سب منت میں داخل ہیں۔ یا جیسے کوئی شخص کہہ دیتا ہے کہ اے اللہ آج میں ضرور آپ کے لیے دس نفل پڑھوں گا۔ ایک ویسے ارادہ ہوتا ہے، ارادہ اور چیز ہے، کسی کا ارادہ ہے کہ آج میں کیا کروں گا؟ دس نفل پڑھوں گا، تو ارادہ اور چیز ہے۔ ایک ہے باقاعدہ زبان سے اپنے اوپر اس کو کیا کر لے؟ لازم کر لے، کہ اے اللہ آج میرے اوپر لازم ہے میں کیا کروں گا؟ آپ کے لیے دس رکعت نفل پڑھوں گا۔ تو اب اس پر وہ نفل کیا ہو گئے؟

واجب ہو گئے، اس نے خود اپنے اوپر لازم کر لیے۔ تو فرق سمجھ میں آیا؟ ایک ہے ارادہ، ارادہ اور چیز ہے۔ ایک آدمی تھا، اس کا ویسے ہی ارادہ بنا میں اس بکری کی کیا کروں گا؟ قربانی کروں گا، ارادہ بنا، لیکن اس نے اپنے اوپر لازم نہیں کی، تو اس پر وہ لازم بھی نہیں ہے اس بکری کی قربانی۔ اور ایک ہے کہ وہ خود زبان سے کیا کر لیتا ہے؟ اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے کہ میں اس بکری کی اس سال، میرے اوپر ضروری ہے میں اس کی کیا کروں گا؟ قربانی، یعنی یوں کہے اللہ سے عہد کر لیتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی کتاب پر، فَإِنْ تُرِكَتْ اگر چھوڑ دیا گیا، بھئی ضمیر کس کو راجع ہے؟ کس کو چھوڑا گیا؟ آگے شرح میں بتلا دیا أَيِ التَّضْحِيَةُ یعنی کہ قربانی۔ یعنی وہ تین دن گزر گئے اور قربانی چھوٹ گئی، رہ گئی۔ فَإِنْ تُرِكَتْ أَيِ التَّضْحِيَةُ اگر چھوڑ دیا گیا یعنی قربانی کو، وَمَضَتْ أَيَّامُهَا اور قربانی کے دن گزر گئے، تَصَدَّقَ النَّاذِرُ تو صدقہ کرے گا منت ماننے والا۔ نَذَر کسے کہتے ہیں؟ منت کو۔ تو نَاذِر منت ماننے والا۔ تَصَدَّقَ النَّاذِرُ تو صدقہ کرے گا وہ منت ماننے والا۔ وَفَقِيرٌ اور ایسا فقیر، فَقِيرٌ نکرہ آیا اور اس کے بعد شَرَاهَا فعل آگیا تو یہ اس کی صفت بنے گا، اور ایسا فقیر شَرَاهَا جس نے اس قربانی کے جانور کو خریدا یا بکری کو خریدا، لِلْأُضْحِيَّةِ کس کے لیے؟ قربانی کے لیے۔ تو یہ منت ماننے والا بھی صدقہ کرے گا اور یہ فقیر جس نے قربانی کے لیے جانور کو خریدا ہے یہ بھی کیا کرے گا؟ صدقہ کرے گا، بِهَا اس حیوان کو۔ اس بِهَا کا تعلق تَصَدَّقَ سے ہے، تَصَدَّقَ بِهَا اس قربانی کے جانور کو کیا کرے گا؟ صدقہ کرے گا، حَيَّةً اس حال میں کہ وہ کیا ہو؟ زندہ ہو۔ یعنی وہ زندہ تھا، تین دن گزر گئے، تو اب اس کو کیا کرے گا؟ زندہ ہے تو اس کو صدقہ کرے گا۔

وَالْغَنِيُّ بِقِيمَتِهَا اور مالدار جو ہے وہ اس کی قیمت کو۔ بھئی عربی زبان میں مالدار کو غَنِيّ کہتے ہیں، غَنِيٌّ۔ امیر نہیں بھئی، اردو میں تو امیر کہتے ہیں مالدار کو، لیکن عربی میں اَمِیر سردار کو کہتے ہیں، مالدار کو غَنِيّ کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں وَالْغَنِيُّ بِقِيمَتِهَا اور مالدار جو ہے وہ اس بھیڑ بکری کی قیمت صدقہ کرے گا، اس قربانی کے جانور کی قیمت صدقہ کرے گا، شَرَاهَا أَوْ لَا چاہے اس نے اسے خریدا ہو یا نہ خریدا ہو، کیونکہ اس کے ذمے قربانی ہے، تو اس قربانی کی قیمت صدقہ کرے گا۔

الْمُرَادُ مرادیہ ہے أَنَّهُ نَذَرَ أَنْ يُضَحِّيَ بِهٰذِهِ الشَّاةِ کہ منت مانی اس منت ماننے والے نے کہ وہ قربانی کرے گا بِهٰذِهِ الشَّاةِ اس بھیڑ بکری کی بھئی۔ اس بھیڑ بکری کی، میں نے بتلایا شَاة کا معنیٰ بھیڑ بکری دونوں اس میں داخل ہیں بھئی، عموماً طلبہ اس کا معنیٰ صرف بکری کے کرتے ہیں۔ تو الْمُرَادُ أَنَّهُ نَذَرَ أَنْ يُضَحِّيَ بِهٰذِهِ الشَّاةِ مرادیہ ہے کہ اس نے منت مانی کہ وہ قربانی کرے گا اس بھیڑ بکری کی، فَإِنَّهُ حِينَئِذٍ يَتَعَلَّقُ بِالْمَحَلِّ تو اس وقت یہ جو قربانی ہے اس کا تعلق اس مَحَلّ کے ساتھ ہو گا، یا اس نذر کا تعلق اس مَحَلّ کے ساتھ ہو گا یعنی قربانی کے جانور کے ساتھ۔ وَالْفَقِيرُ إِنَّمَا يَجِبُ عَلَيْهِ بِالشِّرَاءِ اور فقیر جو ہے اس پر قربانی واجب ہوتی ہے خریدنے سے، بِنِيَّةِ الْأُضْحِيَّةِ قربانی کی نیت سے۔ فقیر پر قربانی واجب نہیں، لیکن جب وہ قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لے گا، اب اس پر اس جانور کی قربانی واجب ہو گئی۔ یہ معنیٰ ہے کہ وَالْفَقِيرُ إِنَّمَا يَجِبُ

عَلَيْهِ بِالشِّرَاءِ بِنِيَّةِ الْأُضْحِيَّةِ فقیر جو ہے اس پر قربانی واجب ہوتی ہے قربانی کی نیت سے خریدنے کی وجہ سے۔ فَأَمَّا الْغَنِيُّ فَالْوَاجِبُ يَتَعَلَّقُ بِذِمَّتِهِ شَرَى شَاةً أَوْ لَا اور باقی مالدار جو ہے، تو مالدار جو ہے فَالْوَاجِبُ يَتَعَلَّقُ بِذِمَّتِهِ واجب جو ہے اس کا تعلق اس کے ذمے کے ساتھ ہے، شَرَى شَاةً أَوْ لَا چاہے وہ بھیڑ بکری خریدے یا نہ خریدے۔ تو اس کے ذمے اس پر اس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہوگی۔[۲]

وَصَحَّ الْجَذَعُ مِنَ الضَّأْنِ، جَذَع کہتے ہیں، آگے شرح میں بتلائیں گے کہ ضَأْن، ضَأْن کا لفظ بھی آرہا ہے۔ ضَأْن کہتے ہیں یہ بھیڑ اور دنبہ جو ہے، بھیڑ اور دنبہ، اور مذکر مؤنث دونوں اس میں شامل ہیں۔ ان کا چھ ماہ کا جو بچہ ہے اس کو جَذَعٌ کہتے ہیں۔ تو بھیڑ اور دنبے کا بچہ اگر وہ چھ ماہ کا ہو، تو اس کی بھی قربانی صحیح ہے۔ آگے آپ کو بتلائیں گے کہ بھیڑ بکری قربانی کے لیے کم از کم اس کی عمر ایک سال ہونی چاہیے، یعنی وہ ثَنِيّ ہونا چاہیے۔ ثَنِيّ کہتے ہیں وہ حیوان، وہ بھیڑ بکری جس پر ایک سال گزر گیا ہو۔ تو بھیڑ بکری اگر ایک سال کے ہوں تو پھر ان کی قربانی جائز ہے۔ گائے اور بیل، بھینس اور بھینسا، یہ کم از کم دو سال کے ہوں تو پھر ان کی قربانی جائز ہے۔ اور اونٹ کم از کم پانچ سال کے جب پورے ہو جائیں، پھر اس کی قربانی جائز ہے۔ اور ان سب کو ثَنِيّ کہتے ہیں۔ بھیڑ یا دنبہ ایک سال کا ہو تو کیا کہیں گے؟ ثَنِيٌّ ثاء کے ساتھ، آگے آرہا ہے بھئی ابھی سے سمجھ لیں۔ اور اگر گائے بیل وغیرہ دو سال کے ہوں تو ان کو ثَنِيّ کہتے ہیں۔ اور اونٹ جو ہے پانچ سال کا ہو تو اس کو ثَنِيّ کہتے ہیں۔ اور یہ ان کے دانت ہوتے ہیں، دانتوں میں مخصوص علامت ہوتی ہے بھئی۔ جو حیوان لوگ خریدنے بھی جاتے ہیں، تو ان کے دانت دیکھتے ہیں بھئی، ایک سال کی بھیڑ بکری ہو تو اس کے دانتوں میں کوئی علامت دیکھتے ہیں، اور اسی طرح گائے بیل ہو اس میں بھی علامت دیکھتے ہیں، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو ان کو ثَنِيّ کہا جاتا ہے۔ تو یہ جو چھ ماہ کا بھیڑ کا بچہ ہے اس کو جَذَع کہتے ہیں، جَذَعٌ۔ کہتے ہیں وَصَحَّ الْجَذَعُ اور صحیح ہے جَذَع، نیچے لکھا ہوا ہے ابْنُ سِتَّةِ أَشْهُرٍ، یہ کتنا؟ چھ ماہ والا۔ مِنَ الضَّأْنِ کس میں سے؟ ضَأْن بھئی ہمزہ ساکن ہے۔ اچھا، اور اس کو آپ نے پڑھا ہے پھر الف کے ساتھ بدلنا بھی جائز ہے۔ تو مِنَ الضَّأْنِ، ضَأْن میں سے چھ ماہ والا بچہ بھی صحیح ہے۔ جَذَع کسے کہتے ہیں؟ خود بتلا رہے ہیں شرح میں الْجَذَعُ شَاةٌ، جَذَع جو ہے وہ، یہاں بھیڑ مراد۔

ہے۔ کیا مراد ہے؟ بھیڑ مراد ہے۔ ویسے تو بھیڑ بکری دونوں کو بولا جاتا ہے نا، دیکھا، یہاں سے بھی پتا لگ گیا۔ طلبہ اس کا ترجمہ صرف کیا کرتے ہیں؟ بکری کے۔ بکری کے، حالانکہ یہاں بکری ہے؟ متن میں کیا آیا؟ مِنَ الضَّأْنِ یہ جَذَع کس میں سے ہو؟ بھیڑ اور دنبے میں سے، ہاں، تو جَذَع صحیح ہے بھیڑ اور دنبے میں سے، اور بتلایا الْجَذَعُ شَاةٌ وہ بھیڑ یا دنبہ لَهَا سِتَّةُ أَشْهُرٍ جس

[۲] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۹۰):** صوتی درس کی قراءت میں «فَأَمَّا الْغَنِيُّ فَالْوَاجِبُ يَتَعَلَّقُ بِذِمَّتِهِ شَرَى شَاةً أَوْ لَا» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فأمَّا الغنيُّ فالواجبُ يتعلَّق بذمتِه شَرَى الشَّاة أو لا.» منقول ہے۔

کے چھ ماہ ہوں، یعنی چھ ماہ کا ہو گیا ہو۔ اور ضَأن کہتے کس کو ہیں؟ کہتے ہیں، بھیڑ اور دنبے دو قسم کے ہیں نا، بعض وہ ہیں جن کی ایک عام دم ہوتی ہے، اور ایک وہ جس کے پیچھے وہ بڑی سی چربی کا حصہ ہوتا ہے دم کی جگہ، جسے وہ چکی کہتے ہیں، وہ چربی کا حصہ ہوتا ہے، دیکھا ہوا ہے آپ نے؟ تو کہتے ہیں وَالضَّأْنُ مَا تَكُونُ لَهُ أَلْيَةٌ، یہ اِلْيَةٌ لفظ نہیں ہے أَلْيَةٌ ہے، أَلْيَةٌ۔ اس کو أَلْيَة کہتے ہیں۔ وہ جو پیچھے چربی کا حصہ ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ أَلْيَة۔ تو کہتے ہیں وَالضَّأْنُ مَا تَكُونُ لَهُ أَلْيَةٌ، ضَأن وہ ہے جس کا أَلْيَة ہو، یعنی جس کے پیچھے وہ چکی ہو، وہ بھیڑ ہے۔

اور یاد رکھیں چھ ماہ کا ویسے نہیں، چھ ماہ کا ہو جو بھی بھیڑ کا بچہ آپ اس کی قربانی کر دیں، نہیں! وہ اتنا صحت مند ہو کہ سال والوں کے بیچ اس کو چھوڑیں تو دور سے دیکھنے والے کو فرق نظر نہ آئے بھئی۔ ورنہ تو چھ مہینے اور سال والے میں بڑا نمایاں فرق ہوتا ہے۔ لیکن وہ اتنا صحت مند ہو کہ دور سے دیکھنے والے کو کوئی فرق محسوس نہ ہو بھئی، تو اتنا پلا ہوا ہو، اتنا صحت مند ہو، پھر چھ ماہ کا بھی کافی ہے، ورنہ پھر اس میں بھی چھ ماہ کی گنجائش نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں وَالضَّأْنُ مَا تَكُونُ لَهُ أَلْيَةٌ ضَأْن جو ہے وہ بھیڑ ہے کہ جس کی چکی ہو۔ وَالثَّنِيُّ فَصَاعِدًا مِنَ الثَّلَاثَةِ اور ثَنِيّ یا زیادہ ہونا چاہیے مِنَ الثَّلَاثَةِ تینوں میں سے۔ بھئی یاد رکھیے ویسے تو کئی جانور حلال ہیں، لیکن قربانی صرف بھیڑ بکری، چاہے مذکر ہو چاہے مؤنث، چاہے بکری ہو چاہے بھیڑ ہو، اور اسی طرح گائے بیل، بات سمجھ میں آگئی؟ اور اسی طرح بھینس یا بھینسا، وہ بھی انہی کی جنس میں سے ہے، اور اسی طرح اونٹ، بس یہ تین قسمیں ہیں جن کی قربانی جائز ہے۔ ورنہ تو ہرن بھی حلال ہے، لیکن ہرن کی آپ قربانی نہیں کر سکتے، قربانی صرف انہی کی ہو گی، بات سمجھ میں آگئی؟ اور ان میں کیا ہونا چاہیے؟ ثَنِيّ۔ ثَنِيّ کا کیا معنیٰ میں نے بتلایا؟ بھیڑ بکری کتنے سال کی ہو؟ ایک سال۔ اور گائے بیل؟ دو سال۔ اور اونٹ؟ پانچ سال۔ وہی بیان کریں گے۔ تو کہتے ہیں وَالثَّنِيُّ فَصَاعِدًا مِنَ الثَّلَاثَةِ اور ثَنِيّ یا اس سے زیادہ ہو، کس میں سے؟ تینوں میں سے۔ ثَنِيّ ہونا چاہیے، یعنی کم از کم بھیڑ بکری پر ایک سال ہو یا زیادہ، گائے بیل پر دو سال ہوں یا زیادہ، فَصَاعِدًا کا معنیٰ زیادہ، یا اونٹ میں پانچ سال ہوں یا زیادہ۔ تو کہتے ہیں وَالثَّنِيُّ فَصَاعِدًا مِنَ الثَّلَاثَةِ ثَنِيّ یا زیادہ ہو تینوں میں سے، أَيْ مِنَ الشَّاةِ یعنی کس میں سے؟ تینوں کون ہیں؟ بتلانے لگے ہیں: أَيْ مِنَ الشَّاةِ یعنی کہ... میں نے شَاة کا کیا ترجمہ کروایا؟ بھیڑ بکری، شارحِ وقایہ وہی کرنے لگے ہیں: مِنَ الشَّاةِ أَعَمَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ ضَأْنًا أَوْ مَعْزًا۔ شَاة عام ہے اس سے کہ وہ ضَأْن ہو، دنبہ یا بھیڑ ہو، أَوْ مَعْزًا یا بکرا بکری ہوں۔ دیکھا؟ بکرا بکری کو بھی لے آئے اس کے بیچ میں، کس کا معنیٰ یہ کر رہے ہیں؟ شَاة کا، شَاة کا۔ تو ضَأْن کہتے ہیں بھیڑ اور دنبہ وغیرہ، اور مَعْز کہتے ہیں بکری اور بکرے کی جو جنس ہے، اس میں بھیڑ داخل نہیں۔ تو کہتے ہیں أَيْ مِنَ الشَّاةِ، شَاة میں سے أَعَمَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ ضَأْنًا أَوْ مَعْزًا، اور وہ عام ہے اس سے کہ وہ بھیڑ یا دنبہ ہو أَوْ مَعْزًا یا بکرا بکری ہوں، وَمِنَ الْبَقَرِ اور کس میں سے؟ أَيْ مِنَ الشَّاةِ وَمِنَ الْبَقَرِ وَمِنَ الْإِبِلِ، عبارت سمجھ میں آرہی ہے؟ وہ تین بیان کر رہے ہیں، یعنی بھیڑ بکری، وَمِنَ الْبَقَرِ اور گائے بیل میں سے، وَمِنَ الْإِبِلِ اور اونٹ میں سے۔

وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ مِنَ الْإِبِلِ اور بھئی وہ ثَنِيّ کیا ہے؟ ثَنِيّ بتلانے لگے ہیں، کہتے ہیں وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ مِنَ الْإِبِلِ وہ پانچ سال والا ہے کس میں سے؟ اونٹ میں سے، وَحَوْلَيْنِ مِنَ الْبَقَرِ اور دو سال والا ہے کس میں سے؟ گائے بیل میں سے، وَحَوْلٍ مِنَ الشَّاةِ اور ایک سال والا ہے بھیڑ بکری میں سے۔ قِيلَ کہا گیا ہے الثَّنَايَا، ثَنَايَا جو ہے ابْنُ حَوْلٍ وہ ایک سال والا ہے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ ابْنُ حَوْلٍ ایک سال والا، وَابْنُ ضِعْفٍ اور اس... حَوْل کسے کہتے ہیں؟ ایک سال، اور ضِعْف کا معنیٰ دگنا، تو وَابْنُ ضِعْفٍ یعنی اس کو دگنا کر دو، دو سال والا، وَابْنُ خَمْسٍ اور پانچ سال والا، مِنْ ذَوِي ظِلْفٍ وَخُفٍّ۔ ذَوِي ظِلْفٍ، ذَوِي جمع ہے ذُو کی، ذُو مَالٍ کا کیا معنیٰ؟ مال والا، اور جمع لائیں گے ذَوُونَ، اور حالتِ نصبی جری میں کہیں گے ذَوِينَ، مُسْلِمُونَ کی طرح ذَوُونَ اور ذَوِينَ، اور یہاں ذَوِي، نون پھر اضافت کی وجہ سے گر گیا، تو مِنْ ذَوِي ظِلْفٍ وَخُفٍّ جو کھر والے ہیں وَخُفٍّ اور موزے والے ہیں۔ بھئی یاد رکھیے یہ جو گائے بیل، ان کے اگر، گائے بیل اور بکری ان کے کھر اگر آپ نے دیکھے ہوں، غور کیا ہو، ان کا کھر سامنے سے پھٹا ہوتا ہے، یعنی ان کے پاؤں کا ناخن درمیان سے پھٹا ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں گھوڑے، خچر اور گدھے کو آپ دیکھ لیں، ان کا ناخن گول ہوتا ہے، وہ کٹا ہوا نہیں ہوتا، لیکن گائے بیل اور بھیڑ بکری کا ناخن درمیان سے کٹا ہوا ہوتا ہے، تو اس کو ظِلْف کہتے ہیں، یہ جو ان کا پھٹا ہوا کھر ہے، جو پھٹا ہوا ان کا ناخن ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ظِلْفٌ۔ تو ذَوِي ظِلْفٍ پھٹے ہوئے کھر والے، پھٹے ہوئے ناخن والے، یہ کون کون مراد ہوئے؟ بھیڑ بکری اور گائے بیل، وہی بھینس وغیرہ اسی میں آگئے گائے کے ساتھ ہی۔ وَخُفٍّ، خُفّ کہتے ہیں موزے کو بھئی، موزہ۔ یہ جو اونٹ کا پاؤں ہے نا، اس کو، اونٹ کو کہتے ہیں ذُو خُفٍّ بھئی، موزے والا، اس کے پاؤں کی ساخت تھوڑی سی الگ ہوتی ہے، پاؤں نیچے سے بہت چوڑا سا ہوتا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ جیسے پاؤں پر جوتا پہن لیں تو پاؤں کی چوڑائی کچھ بڑھ گئی یا نہیں بڑھ گئی بھئی؟ تو اس کا بھی پاؤں نیچے سے چوڑا ہوتا ہے خوب، تو جیسے اس نے کوئی چیز اوپر پاؤں پہ پہنی ہوئی ہو، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ ذُو خُفٍّ، موزے والا۔ تو کہتے ہیں قِيلَ کہا گیا ہے الثَّنَايَا، ثَنَايَا جو ہے ابْنُ حَوْلٍ وَابْنُ ضِعْفٍ وَابْنُ خَمْسٍ مِنْ ذَوِي ظِلْفٍ وَخُفٍّ کہ وہ ایک سال والا ہے اور دو سال والا ہے اور پانچ سال والا ہے پھٹے ہوئے کھر والوں میں سے اور موزے والوں میں سے، یعنی گائے بیل، بھیڑ بکری اور اونٹ میں سے۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟ تو ذَوِي ظِلْفٍ میں گائے بیل اور بھیڑ بکری آگئے، اور اسی طرح بھینس اور بھینسا بھی، اور ذُو خُفٍّ میں کون آگئے؟ اونٹ آگئے بھئی۔[۳]

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

كَالْجَمَّاءِ وَالْخَصِيِّ وَالثَّوْلَاءِ دُونَ الْعَمْيَاءِ وَالْعَوْرَاءِ وَالْعَجْفَاءِ وَالْعَرْجَاءِ الَّتِي لَا تَمْشِي إِلَى الْمَنْسَكِ۔

[۳] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۹۰): صوتی درس کی قراءت میں «وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ مِنَ الْإِبِلِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وهو ابن خمسٍ من الإبل» منقول ہے۔

كَالْجَمَّاءِ، بھئی پیچھے آیا تھا وَصَحَّ الْجَذَعُ اور اسی پر عطف تھا ثَنِيّ کا، جَذَع بھی صحیح ہے اور وَالثَّنِيُّ اور ثَنِيّ بھی صحیح ہے مِنَ الثَّلَاثَةِ تینوں میں سے، بات سمجھ میں آگئی؟ اب اسی کی تفصیل بیان کر رہے ہیں كَالْجَمَّاءِ جیسے کہ جَمَّاء ہے۔ جَمَّاء کہتے ہیں وہ جانور جس کے سینگ نہ ہوں پیدائشی سینگ نہیں ہیں اس کے بھئی۔ یاد رکھیے قربانی آپ اللہ کے لیے کر رہے ہیں اللہ کی رضا کے لیے، تو اچھا اور بہترین حیوان ہونا چاہیے، جتنا اعلیٰ سے اعلیٰ ہو اتنا بہتر ہے۔ لیکن آج کل تو دکھلاوا بن گیا ہے، ریاکاری بن گئی ہے، اچھا حیوان خرید کر لوگوں میں گھماتے ہیں، پھراتے ہیں بھئی، جو انسان کی نیکیوں کو برباد کر کے رکھ دیتا ہے بھئی۔ وہاں دکھاوے کا مقابلہ ہوتا ہے، اللہ کی رضا جیسے مقصود ہی نہیں ہے، لوگوں کو دکھلا رہے ہیں، اور پھر لاکھوں کا خریدا جاتا ہے، اور اعلانات گویا سب کو باقاعدہ بتایا جاتا ہے کہ ایسا ایسا حیوان ہم نے اتنے لاکھ کا خریدا ہے۔ بھئی اتنے لاکھ کا حیوان خریدنے کے بجائے اگر آپ اتنے لاکھ کی عام گائے بھینسیں خرید لیتے اور قربانی کرتے، تو دیکھو کتنے زیادہ لوگوں تک گوشت پہنچ جاتا۔ یہ جو قربانی کے دن ہیں یہ اللہ کی طرف سے مہمان نوازی کے دن ہیں بھئی۔ مالدار تو سارا سال نعمتوں سے لطف اٹھاتے ہیں، غریب لوگ سال بھر میں عام کھانا ان کو صحیح نہیں ملتا، تو گوشت کھانے کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہاں، ان تین دنوں میں پھر غرباء کو بھی کہیں نہ کہیں سے کچھ نہ کچھ گوشت ضرور مل جاتا ہے۔ تو یہ مہمان نوازی کے دن ہیں اللہ کی طرف سے۔ تو اس میں لہٰذا زیادہ سے زیادہ حیوان کر لو، اجر بھی زیادہ، اور ریاکاری بھی نہ ہو اس کے اندر، اور زیادہ سے زیادہ غریبوں تک وہ گوشت پہنچ جائے بھئی۔ تو عبادت تو وہ ہے جتنی چھپا کر کی جائے، اس میں اتنا ہی اخلاص زیادہ ہے۔ جب لوگوں کو دکھا کر کریں گے تو اخلاص کہاں رہا بھئی؟ آپ لوگوں کی واہ واہ چاہتے تھے، واہ واہ تو آپ کو مل گئی بھئی، اللہ کی رضا تو پھر نہیں ملے گی بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ جیسے ایک شخص تھا وہ، واقعات بھئی بزرگوں نے لکھے ہیں کہ ایک شخص تھا وہ بڑا فقیر تھا، محتاج تھا، مسکین تھا، کہیں کھانے کو کچھ ملتا ہی نہیں تھا۔ ایک دفعہ اس کا بڑا دل کیا کہ کہیں سے بکری کی کلیجی مل جائے اور میں وہ کھا لوں۔ اب غریب آدمی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ تو خیر، اس کی حسرت رہی اور پھر ایک مرتبہ جہاد پر مسلمان جا رہے تھے، تو اس نے سوچا چلو مسلمان جب فتح حاصل کریں گے، حیوانات آئیں گے تو ہو سکتا ہے مجھے کوئی بکری مل جائے، تو میں اس کی کلیجی پکا کر کھاؤں گا بھئی۔ یہ ساتھ شامل ہو گیا۔ چنانچہ وہ گئے مسلمان، یہ بھی ساتھ گیا اور پھر مسلمانوں کو فتح ہوئی، اور پھر اس کو واقعی ایک بکری مل گئی، اور بھی کچھ مال ملا ہو گا وہ جو مالِ غنیمت تھا۔ تو یہ غالباً یہ سویا اور رات کو خواب میں دیکھا بھئی، ابھی بکری کو ذبح وغیرہ نہیں کی، تھکا ہوا لڑائی سے واپس آیا، لیٹ گیا، سو گیا۔ خواب میں دیکھا فرشتے ہیں اور وہ لوگوں کے نام لکھ رہے ہیں کہ فلاں شخص شہید ہوا، فلاں شہید ہوا یا فلاں کو اتنا اجر ملے گا اس نے اللہ کے لیے لڑائی کی۔ اور پھر اس کی باری آتی ہے تو فرشتہ کہتا ہے: لکھو بھئی، یہ بیچارہ مسکین بکری کی کلیجی کھانے آیا تھا، وہ اس کو مل گئی۔ یعنی اجر والوں سے نام نکال کے علیحدہ لکھ دیا بھئی، یہ تو کلیجی کھانے آیا تھا وہ اس کو مل گئی ہے۔ تو بعد میں جب یہ بیدار ہوا تو رونے لگ پڑا اور معافیاں مانگنے لگا، توبہ کرنے

لگا کہ اے اللہ میری توبہ ہے، میری توبہ۔ تو دیکھا؟ تو دکھاوے یا مقصد بدل جائے، اخلاص نہ ہو تو اللہ کے نزدیک کوئی عمل قبول نہیں بھئی۔ اخلاص جو ہے وہ عبادت کی روح ہے، اور آج کل لوگ دکھاوے پر زور دیتے ہیں بھئی، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے اور ہم سب کے دلوں کی اصلاح فرمائے۔

تو جَمَّاء کہتے ہیں وہ حیوان جس کا پیدائشی سینگ نہ ہو۔ ہاں، بات میں یہ بیان کر رہا تھا کہ قربانی کا جانور اعلیٰ سے اعلیٰ ہونا چاہیے، بہترین ہونا چاہیے، لیکن دکھاوا نہ ہو، صرف اللہ کی رضا کے لیے کہ اے اللہ آپ نے اتنی نعمتیں دی ہیں اور اب آپ کی خاطر میں بہترین حیوان جو ہے اس کو ذبح کر رہا ہوں آپ کی رضا کے لیے۔ اچھا حیوان لے گا ظاہر سی بات ہے پیسے بھی زیادہ خرچ ہوں گے۔ تو اب اس حیوان میں عیب نہیں ہونا چاہیے۔ تھوڑے بہت عیب تو ہر ایک میں ہوں گے۔ اگر بالکل عیب سے پاک جانور تلاش کیا جائے وہ تو بڑی مشکل بات ہو جائے گی، ہر ایک کو نہیں ملے گا۔ تو تھوڑے بہت عیب کی خیر ہے، لیکن کوئی بڑا عیب نہیں ہونا چاہیے یعنی لنگڑا نہ ہو، یا یہ نہ ہو اس کا کان پورا کٹا ہوا ہے، یا آنکھوں سے اس کو دکھائی ہی نہیں دے رہا، یا پوری اس کی دم کٹی ہوئی ہے، تو اس طرح کا حیوان نہیں ہونا چاہیے۔ اب وہ کچھ حیوان بتلائیں گے کہ جن کی قربانی جائز ہے۔ کچھ چیزیں ہیں لیکن وہ عیب نہیں شمار ہوتیں یا ان کی وجہ سے کوئی نقصان ایسا نہیں حیوان کے اندر ہوتا، تو وہ بتلانے لگے ہیں كَالْجَمَّاءِ، جَمَّاء کہتے ہیں وہ حیوان جس کے سینگ نہ ہوں، پیدائشی سینگ نہ آئے ہوں بھئی، تو اس کی بھی قربانی جائز ہے بھئی۔ تو سینگ نہ ہو۔ ہاں، اگر سینگ ٹوٹا ہوا ہو تو تھوڑا اگر ٹوٹا ہوا ہے تو قربانی ٹھیک ہو جائے گی، لیکن اگر سینگ بالکل جڑ سے ٹوٹا ہوا ہے تو یہ پھر بڑا عیب ہے، اس جانور کی قربانی صحیح نہیں ہے۔ لیکن جَمَّاء وہ ہے جس کے سینگ ہی نہیں ہیں، پیدائشی نہیں ہیں۔ تو كَالْجَمَّاءِ جیسے جَمَّاء جو ہے بغیر سینگوں والا یعنی اس کی بھی قربانی صحیح۔ وَالْخَصِيِّ اور خصی حیوان بھئی، جس کے خُصْيَتَيْن کو کچل دیا گیا ہو اس کی قربانی بھی صحیح ہے بھئی، کیونکہ کہتے ہیں اس کا گوشت زیادہ مزیدار ہوتا ہے، تو لہٰذا اس کی قربانی صحیح ہے بھئی، صحیح ہے۔ وَالثَّوْلَاءِ، ثَوْلَاء کہتے ہیں وہ حیوان جو مجنون ہو، مجنون ہو، وہ حیوان بھی صحیح ہے۔ مطلب حیوان ہے جو ویسے ہی چکر لگاتا رہتا ہے، جہاں باندھا ہوا ہے، جس جگہ پر حیوانوں کو رکھا ہوا ہے وہ کیا کرتا رہتا ہے؟ ہر وقت چکر لگاتا ہے۔ تو بہرحال نشانیاں ہوں گی، پہچان لیتے ہوں گے دیکھ۔ ہاتھ والے کہ یہ حیوان کیا ہے؟ مجنون ہے۔ البتہ جنون اس حد تک اس کا نہ پہنچا ہو کہ وہ گھاس ہی نہ چر سکے، یہ پھر عیب ہے، اگر وہ گھاس ہی نہیں چرتا اور نہیں چر سکتا تو یہ پھر عیب ہے، یہ تو پھر بڑا لاغر ہو گا اور اس کی قربانی صحیح نہیں۔

تو وَالثَّوْلَاءِ اور مجنون حیوان اس کی بھی قربانی جائز ہے، میں نے بتلا دیا بشرطیکہ اس کا جنون حد سے زیادہ نہ ہو کہ وہ چرتا ہی نہ ہو۔ دُونَ الْعَمْيَاءِ نہ کہ اندھا بھئی، عَمْيَاء کہتے ہیں اندھا بھئی، جس کو دونوں آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا اس کی قربانی صحیح نہیں۔ نہ کہ دونوں آنکھوں سے اندھا، وَالْعَوْرَاءِ اور نہ ہی ایک آنکھ سے جو اندھا ہو، اس کی بھی قربانی صحیح نہیں۔ وَالْعَجْفَاءِ، عَجْفَاء کہتے ہیں لاغر بھئی، کمزور بھئی، حد سے زیادہ لاغر ہو، اس کی بھی قربانی صحیح نہیں۔ یعنی اتنا لاغر ہے کہ اس کی ہڈیوں

میں گودا ہی باقی نہ رہے بھئی، تو اس کی قربانی صحیح نہیں۔ تو وَالْعَجْفَاءِ، عَجْفَاء کہتے ہیں لاغر جانور، تو اس کی ہڈیوں میں گودا ہی باقی نہ رہا ہو۔ وَالْعَرْجَاءِ، عَرْجَاء کہتے ہیں لنگڑا جانور، الَّتِي لَا تَمْشِي إِلَى الْمَنْسَكِ وہ جو چل ہی نہیں سکتا إِلَى الْمَنْسَكِ قربان گاہ تک۔ مَنْسَك اور مَنْسِك سین پر فتحہ اور کسرہ دونوں صحیح ہیں، یہ قربان گاہ کو کہتے ہیں جہاں حیوان کو قربان کیا جاتا ہے بھئی۔ تو لنگڑا جانور اتنا لنگڑا ہے، بھئی ایک تو ہے تھوڑا بہت پاؤں میں لنگڑاپن ہے لیکن کچھ نہ کچھ پاؤں وہ زمین پر لگاتا ہے، پاؤں زمین پر کچھ تھوڑی بہت مدد لیتا ہے، وہ اس کی قربانی ٹھیک ہے، لیکن اگر لنگڑاپن زیادہ ہے، وہ پاؤں بالکل ہی بیکار ہے، تو اس کی بھی قربانی صحیح نہیں۔

اب خود معنیٰ بیان کرنے لگے ہیں: الْجَمَّاءُ الَّتِي لَا قَرْنَ لَهَا، جَمَّاء وہ حیوان ہے جس کے سینگ نہ ہوں۔ وَالثَّوْلَاءُ الْمَجْنُونَةُ، ثَوْلَاء جو ہے مجنون ہے۔ وَالْعَوْرَاءُ ذَاتُ عَيْنٍ وَاحِدَةٍ، عَوْرَاء جو ہے وہ ایک آنکھ والا بھئی حیوان۔ وَقَدْ قُيِّدَتِ الْعَجْفَاءُ بِأَنَّهَا لَا تُنْقِي اور تحقیق قید کیا گیا ہے عَجْفَاء کو کہ اس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو بھئی۔ یہ بابِ اِفْعَال سے پڑھیں اس کو لَا تُنْقِي بھئی۔ انہوں نے تو کہا نا لاغر، بھئی لاغر تو حیوان اور بھی ہوتے ہیں، تھوڑا لاغر ہے، مراد عام لاغر نہیں، بلکہ اتنا لاغر ہو کہ اس کی ہڈیوں میں گودا ہی نہ رہا ہو۔ وَقَدْ قُيِّدَتِ الْعَجْفَاءُ بِأَنَّهَا لَا تُنْقِي اور تحقیق قید کیا گیا ہے عَجْفَاء کو یعنی لاغر کو کہ اس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔ لَا تُنْقِي کا کیا معنیٰ بھئی؟ خود بتلانے لگے ہیں: أَيْ مَا يَكُونُ عَجَفُهَا إِلَى حَدٍّ یعنی اس کا لاغرپن جو ہے، اس کی لاغری جو ہے إِلَى حَدٍّ اس حد تک ہو کہ لَا يَكُونُ فِي عِظَامِهَا نِقْيٌ أَيْ مُخٌّ کہ نہ ہو فِي عِظَامِهَا اس کی ہڈیوں میں نِقْيٌ أَيْ مُخٌّ یعنی کہ مغز۔ اس کی ہڈیوں میں مُخّ یعنی گودا اور مغز نہ ہو، بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو نِقْيٌ یہ لفظ ہے بھئی نِقْيٌ، یہ یاء پر شد درست نہیں ہے۔ تو نِقْيٌ کا معنیٰ بھی بتلا دیا مُخٌّ بھئی، مغز ہے یعنی اس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔

وَمَقْطُوعِ يَدِهَا أَوْ رِجْلِهَا جی، اور وہ حیوان جس کا ہاتھ کٹا ہوا ہو أَوْ رِجْلِهَا أَيْ مَقْطُوعِ رِجْلِهَا جس کا پاؤں کٹا ہو۔ بھئی حیوان کے، ہم اردو میں تو چاروں پاؤں کو حیوان کے جو ہیں پاؤں ہی کہتے ہیں، پائے کہتے ہیں، لیکن عربی میں حیوان کے جو اگلے دو پاؤں ہیں ان کو يَد کہا جاتا ہے اور پچھلے دو پاؤں کو رِجْل کہا جاتا ہے۔ تو حیوان کے ہاتھ یا پاؤں کوئی کٹا ہوا نہ ہو یعنی اگلا یا پچھلا کوئی پاؤں کٹا ہوا نہ ہو۔ اگر کٹے ہوئے ہیں پھر اس کی قربانی جائز نہیں۔ اور کہتے ہیں وَمَقْطُوعِ يَدِهَا کے پڑھیں بھئی، دُونَ، اسی دُونَ کے تحت ہے نا، دُونَ مَقْطُوعِ يَدِهَا أَوْ رِجْلِهَا نہ کہ وہ حیوان جس کا ہاتھ کٹا ہو أَوْ رِجْلِهَا یا اس کا پاؤں کٹا ہو۔

وَمَا ذَهَبَ أَكْثَرُ مِنْ ثُلُثِ أُذُنِهَا أَوْ ذَنَبِهَا أَوْ عَيْنِهَا أَوْ أَلْيَتِهَا اور وہ حیوان کہ جس کا ثلث سے زیادہ چلا گیا ہو یعنی کٹ گیا ہو۔ مَا ذَهَبَ جو چلا گیا ہو أَكْثَرُ مِنْ ثُلُثٍ ثلث سے زیادہ، ثُلُثِ أُذُنِهَا کان کے ثلث سے، یہ کان کے یعنی تیسرے حصے سے زیادہ چلا گیا ہو یعنی کٹ گیا ہو، أَوْ ذَنَبِهَا یا اس کی دم کے تیسرے حصے سے زیادہ کٹ گیا ہو، چلا گیا ہو، أَوْ عَيْنِهَا یا اس کی آنکھ میں سے تیسرا حصہ یعنی اس کی بینائی تیسرا حصہ چلی گئی ہو، أَوْ أَلْيَتِهَا یا اس کی جو پچھے دنبے کی جو چکی ہوتی ہے وہ چربی والی، اگر اس میں سے ثلث سے زیادہ چلا گیا ہو یعنی کٹ گیا ہو، تو ان کی بھی قربانی صحیح نہیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ أَكْثَرُ مِنْ

ثُلُثِ، أَكْثَرُ مِنْ ثُلُثِ أُذُنِهَا، یہ ثُلُث کا تعلق سب سے ہے: ثُلُثِ أُذُنِهَا، ثُلُثِ ذَنَبِهَا، ثُلُثِ عَيْنِهَا اور ثُلُثِ أَلْيَتِهَا۔ أَلْيَة الف کے اوپر زبر پڑھیں بھئی، نیچے ہمزہ درست نہیں لگا۔

معلوم ہوا اگر ثلث تک کان کٹا ہے تو وہ جائز ہے۔ انہوں نے کہا أَكْثَرُ مِنْ ثُلُثِ أُذُنِهَا ثلث سے زیادہ حصہ، حیوان کا اگر کان تہائی سے زیادہ کٹا ہوا ہے پھر اس کی قربانی صحیح نہیں۔ اور اگر صرف ثلث تک کان کٹا ہے، تیسرے حصے تک، پھر قربانی صحیح ہے۔ اسی طرح اگر دم جو ہے، ذَنْبٌ اگر نون کو ساکن پڑھیں تو یہ گناہ کو کہتے ہیں، اور نون پر فتحہ پڑھیں ذَنَبٌ تو یہ دم کو کہتے ہیں۔ دم کا اگر تیسرے حصے تک دم کٹی ہے تو قربانی صحیح، تیسرے سے زیادہ کٹی ہے تو قربانی صحیح نہیں۔ اسی طرح آنکھ ہے یعنی نگاہ، اگر اس کی بینائی تیسرے حصے تک گئی ہے تو قربانی صحیح، تیسرے حصے سے زیادہ چلی گئی ہے تو پھر قربانی صحیح نہیں۔ اسی طرح اس کی چکی جو ہے وہ چربی والی، اگر وہ تیسرے حصے تک کٹ گئی ہے تو پھر تو قربانی صحیح، لیکن تیسرے حصے سے زیادہ کٹ گئی ہے تو پھر قربانی صحیح نہیں۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں هٰذِهِ رِوَايَةُ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ یہ روایت ہے جامعِ صغیر کی۔ میں نے بتلایا تھا بھئی ظاہرُ الروایت کے اندر امام محمد رحمہ اللہ کی چھ کتابوں میں جو مسئلہ آئے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ظاہرُ الروایت۔ کیونکہ اس کو نقل کرنے والے بڑے قابلِ اعتماد بڑے بڑے علماء اور اس کی روایت کرنے والے اتنے زیادہ ہیں کہ وہ شہرت یا حدِ تواتر تک پہنچے ہوئے ہیں۔ تو لہٰذا اس میں جو بات آجائے وہ بڑی ہی قابلِ اعتماد اور مضبوط ہے، جبکہ باقی کتابیں اس طریقے پر منقول ان کی نہیں ہیں۔ تو وہ چھ کتابیں کون سی ہیں؟ یاد ہے یا بھول گئے؟ نمبر ایک کیا ہے؟ ہاں؟ مبسوط، پھر زیادات، جامعِ صغیر، جامعِ کبیر، سِیَرِ کبیر اور سِیَرِ صغیر، بھئی شاباش، یہ ہر وقت آپ کو یاد ہونی چاہئیں۔ کہتے ہیں یہ روایت ہے جامعِ صغیر کی۔ تو کہتے ہیں یہ روایت ہے جامعِ صغیر کی۔ کیا معنیٰ جامعِ صغیر کی؟ کہ ثلث سے زیادہ ہو، تو پھر یہ عیب، یہ کان کٹا ہے یا دم کٹی ہے یا چکی کٹی ہے یا بینائی چلی گئی ہے، کس سے زیادہ؟ ثلث سے زیادہ۔ معلوم ہوا ثلث اگر کٹا ہے، تو ثلث قلیل ہے۔ بھئی ضابطہ یاد رکھو، اگر عیب قلیل ہے تو معاف ہے، اگر عیب کثیر ہے تو معاف نہیں، اس کی قربانی صحیح نہیں۔ اب عیبِ قلیل کسے کہتے ہیں اور کثیر کسے کہتے ہیں، خود بتلا دیا انہوں نے متن سے، کیا بتلایا؟ کہ ثلث سے زیادہ کٹی ہو تو پھر قربانی صحیح نہیں، معلوم ہوا ثلث سے زیادہ کثیر ہے، یہ عیب کیا ہے؟ کثیر ہے۔ معلوم ہوا ثلث خود کیا ہے؟ قلیل ہے۔ ثلث سے کم ہو یا ثلث ہو تو قلیل، اور ثلث سے زیادہ ہو تو وہ کثیر۔

اچھا، پھر سنیں بھئی اب یہ۔ تو انہوں نے کہا یہ روایت ہے جامعِ صغیر کی کہ ثلث سے زیادہ اگر چلا جائے، معلوم ہوا ثلث کیا ہے؟ قلیل ہے۔ اگر ثلث جو ہے وہ دم، یا ثلث جو ہے اس کا کان کٹا ہوا ہو تیسرا حصہ، یا تیسرا حصہ اس کی دم کٹی ہو، یا تیسرا حصہ اس کی بینائی چلی گئی، یا تیسرا حصہ اس کی چکی کٹ گئی ہے، تو اس کی قربانی صحیح ہے۔ معلوم ہوا ثلث کیا

ہے؟ قلیل ہے، اور ثلث سے زیادہ کثیر، جیسے متن میں آیا مَا ذَهَبَ أَكْثَرُ مِنْ ثُلُثٍ ثلث سے زیادہ چلا گیا ہے حصہ، تو پھر قربانی صحیح نہیں۔ معلوم ہوا خود ثلث قلیل ہے، ثلث حصہ گیا ہے تو قربانی صحیح۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یاد رکھیے آگے آپ کو بتلائیں گے بھی، امام صاحب سے اس سلسلے میں تین روایتیں ہیں، تین روایتیں۔ ایک روایت یہ امام صاحب کی جو متن میں گزر گئی کہ ثلث سے زیادہ کٹا ہوا ہے حصہ تو قربانی صحیح نہیں، معلوم ہوا ثلث خود کیا ہے؟ قلیل ہے۔ امام صاحب کی دوسری روایت یہ ہے کہ ثلث کثیر ہے۔ پہلے کیا تھا ثلث؟ قلیل تھا، اب کیا ہے ثلث؟ کثیر ہے۔ معلوم ہوا، پہلی روایت کے مطابق ثلث سے زیادہ کٹا ہو پھر قربانی جائز نہیں، ثلث کٹا ہو تو قربانی جائز، لیکن دوسری روایت یہ ہے کہ اگر ثلث بھی کٹا ہو تو قربانی جائز نہیں، معلوم ہوا ثلث کثیر ہے۔ تو قربانی کے جانور میں اگر عیب کثیر ہو گا تو قربانی جائز نہیں، اور عیب قلیل ہو گا تو قربانی جائز ہے۔ تو پہلے قول کے مطابق ثلث والے کی قربانی جائز، معلوم ہوا ثلث کیا ہے؟ قلیل۔ اور دوسرے قول کے مطابق ثلث والے کی قربانی جائز نہیں، تو ثلث کیا ہے؟ کثیر ہے۔ اور تیسری روایت امام صاحب سے یہ ہے کہ ربع جو ہے وہ کثیر ہے۔ کان یا دم کا چوتھا حصہ کٹ جائے، تو یہ بھی کثیر ہے، اس کی قربانی صحیح نہیں۔ ہاں، ربع سے کم کم کٹا ہو تو پھر قربانی صحیح ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ جو حصہ باقی ہے وہ نصف سے زیادہ ہونا چاہیے۔ صاحبین کیا فرماتے ہیں؟ جو حصہ باقی ہے وہ نصف سے زیادہ ہونا چاہیے، پھر قربانی صحیح ہے۔ اور اگر نصف یا نصف سے زیادہ کٹ گیا ہے، تو پھر قربانی جائز نہیں۔ معلوم ہوا ان کے نزدیک نصف کثیر ہے۔ نصف کیا ہے؟ نصف یا نصف سے زیادہ کیا ہے؟ کثیر ہے۔ نصف سے زیادہ اگر باقی ہے، معلوم ہوا جو کٹا ہے وہ نصف سے کم ہے، تو پھر قربانی صحیح۔ اور اگر نصف کٹا یا نصف سے زیادہ کٹا ہے، تو پھر قربانی صحیح نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں دیکھیے هٰذِهِ رِوَايَةُ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ یہ روایت ہے جامعِ صغیر کی، یہ جو متن میں آیا نا أَكْثَرُ مِنْ ثُلُثِ أُذُنِهَا ثلث سے زیادہ جو ہے، معلوم ہوا وہ کثیر ہے، یہ کس کی روایت ہے؟ جامعِ صغیر کی۔ وَقِيلَ اور کہا گیا ہے الثُّلُثُ، کہا گیا ہے ثلث جو ہے، بھئی یہ أَكْثَرُ کی جگہ اٹھا کر ثُلُث رکھ دیں متن میں، وَمَا ذَهَبَ ثُلُثُ یا وَمَا ذَهَبَ ثُلُثُ أُذُنِهَا اس کی قربانی جائز نہیں جس کا ثلثِ اذن چلا جائے، معلوم ہوا ثلث کیا ہے؟ کثیر ہے۔ وَقِيلَ الرُّبُعُ اور کہا گیا، اور کیا کہا گیا ہے؟ ربع کہا گیا ہے، یہ تیسری روایت آگئی امام صاحب کی کہ ربع کٹ جائے تو پھر اس کی قربانی جائز نہیں، معلوم ہوا ربع کثیر ہے۔ وَعِنْدَهُمَا اور صاحبین کے نزدیک إِنْ بَقِيَ أَكْثَرُ مِنَ النِّصْفِ أَجْزَأَهُ اگر باقی جو ہے وہ نصف سے زیادہ ہے تو یہ کافی ہے۔ کان یا دم کٹ گئے، لیکن نصف سے زیادہ باقی ہے، معلوم ہوا جو کٹا ہے وہ نصف سے کم ہے، تو یہ کافی ہے، یہ حیوان آپ قربانی اس کی کر سکتے ہیں۔[۴]

[۴] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۹۱): صوتی درس کی قراءت میں «وَمَا ذَهَبَ ثُلُثُ أُذُنِهَا» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وما ذَهَبَ أكثرُ من ثُلُث أُذنِها،» منقول ہے۔

ثُمَّ طَرِيقُ مَعْرِفَةِ ذَهَابِ ثُلُثِ الْعَيْنِ اب بھئی طریقہ بتلانے لگے ہیں کہ بھئی ٹھیک ہے دم کٹی ہوئی ہے تو اس کا اندازہ آرام سے لگا سکتے ہیں کہ یہ ثلث کٹی ہے یا ثلث سے زیادہ کٹی ہے، اور کان کٹا ہوا ہے اس کا بھی آپ دیکھ کر مشاہدے سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آدھا کٹا ہے یا آدھے سے کم کٹا ہے۔ اسی طرح وہ چکی کٹی ہے دنبے کی جو چربی ہے، تو وہ بھی اندازہ کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ آنکھ جو ہے یعنی اس کی بینائی ثلث چلی گئی ہے یا ثلث سے زیادہ چلی گئی ہے، یا نصف گئی ہے یا نصف سے زیادہ، اس کا پتا کیسے چلے گا؟ اس کا پتا کیسے چلے گا؟ اس کا طریقہ بتلانے لگے ہیں کہ چونکہ اس کا پتا چلانا مشکل تھا تو اس کی تفصیل بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً حیوان کی ایک آنکھ کی بینائی چلی گئی ہے، ایک آنکھ کی۔ بھئی پوری بینائی ایک آنکھ کی چلی جائے پھر تو اوپر بتلا دیا وَالْعَوْرَاءِ اس کی قربانی تو جائز ہی نہیں۔ ہاں، ایک آنکھ کی بینائی کچھ کم ہو گئی ہے، تو کہتے ہیں اس کا طریقہ یہ ہے...

کہ حیوان کو بھوکا رکھیں بھئی، ایک دن تک اس کو بھوکا رکھیں تاکہ خوب بھوک لگ جائے اس کو۔ اور پھر اس کی جو خراب آنکھ ہے جس کی بینائی کم ہو گئی ہے، اس کو پٹی وغیرہ سے ڈھانپ دیں، باندھ دیں، اور پھر اس کو دور سے گھاس دکھلائیں۔ ظاہر سی بات ہے جب اس کی گھاس پر نظر پڑے گی یہ زور لگائے گا گھاس کی طرف۔ تو دیکھ لیں اس کو گھاس کہاں سے دکھائی دیتی ہے۔ مثلاً فرض کریں اس کو گھاس ساٹھ فٹ کے فاصلے سے اس کو گھاس نظر آ رہی ہے، اس سے دور لے جائیں پھر تو نظر ہی اس کو نہیں آتی، بات سمجھ میں آ گئی؟ ساٹھ فٹ۔ اور ساٹھ فٹ پر اس کو گھاس نظر آنے لگتی ہے اور یہ زور لگاتا ہے کیونکہ بھوک لگی ہے اس کو بہت زیادہ۔ تو اب اس جگہ نشان لگا لیں اور فاصلہ ناپ لیں کہ یہ ساٹھ فٹ فاصلہ ہے۔ اب اس کی یہ ٹھیک والی آنکھ کو ڈھانپ دیں پٹی وغیرہ سے باندھ دیں، اور جو عیب والی آنکھ ہے جس کی بینائی ختم ہوئی ہے کچھ اس کو کھول دیں۔ اب اس کو گھاس دکھائیں اور دیکھیں کہ اب اس کو گھاس کتنے فاصلے سے نظر آتی ہے۔ اب آپ نے دیکھا تو چالیس فٹ کے فاصلے سے اس کو گھاس نظر آنے لگ پڑی اس آنکھ سے۔ اور ٹھیک آنکھ کی بینائی کتنی تھی؟ ساٹھ فٹ۔ اور اس کی بینائی کتنی ہے؟ چالیس فٹ۔ معلوم ہوا ایک ثلث بینائی اس کی چلی گئی ہے اس آنکھ کی، بیس فٹ کا فرق ہے نا، تیسرے حصے کا فرق آ رہا ہے، تو ایک ثلث اس کی بینائی چلی گئی ہے۔ تو اب آپ دیکھ لیں گے کہ متن میں جو، یاد رکھیں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ فتویٰ کس کے قول پر ہے؟ صاحبین، یعنی نصف کو دیکھا جائے گا۔ اگر نصف سے زائد چیز باقی ہے تو قربانی صحیح، اور یہاں پر بھی حیوان کی نصف سے زیادہ بینائی ابھی باقی ہے تو اس کی قربانی صحیح ہو جائے گی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اور آپ حیران نہ ہوں اس بات پر کہ بکرے کو ساٹھ فٹ کے فاصلے سے گھاس نظر آئے گی، دور سے نہیں نظر آئے گی۔ بھئی آپ اپنی آنکھوں پر قیاس نہ کریں، اللہ نے ہر چیز کو الگ نظریں دی ہیں، آپ کو دنیا جیسی نظر آتی ہے باقی سب

کو ویسی نہیں نظر آتی۔ آپ کو تو میلوں دور تک بھی چیز ہو آپ اس کو دیکھ لیتے ہیں، لیکن حیوانات مختلف ہیں۔ بعضوں کو اللہ نے اتنی تیز نظر دی ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے، جیسے یہ عقاب، گدھ وغیرہ۔ یہ کتنی بلندی پر اڑتے ہیں، اور نیچے زمین پر چھوٹی سی ایک چیز بھی ہو ان کو نظر آجاتی ہے۔ کوئی جھاڑیوں کے اندر ایک چھوٹا سا چوہا بھی حرکت کرتا ہوا نظر آئے تو عقاب وہاں سے حملہ کرتا ہے اس کے اوپر۔ اور گدھ، گدھ جانتے ہو مردار خور جانور ہوتا ہے، مردار، اور یہ کہتے ہیں یہ بہت بلندی کے اوپر پرواز کرتا ہے۔ اور ہر وقت اوپر پرواز کرتا ہے اور نظر رکھتا ہے کہیں حیوان مرا ہوا نظر آجائے اس کو۔ اب دیکھو سینکڑوں فٹ دور ہے اس سے لیکن اس کو نظر بھی آجاتا ہے، اور اس کو یہ بھی پتا چل جاتا ہے کہ یہ حیوان ویسے نہیں لیٹا ہوا اس کی روح نکل گئی ہے، پھر وہ اس پر آکر حملہ کرتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ زندہ ہو، لیٹا ہو پھر بھی نہیں آتا قریب بھئی، وہ مردہ تک کو پہچان لیتا ہے۔ تو عجیب نظریں دی ہیں، اور پھر بعضوں کی نظریں بڑی مختص، چھوٹی، تھوڑی سی جگہ ان کو نظر آتی ہے اور یہ سارے رنگ جو ہمیں نظر آتے ہیں مختلف چیزوں کے، ہر حیوان کو یہ رنگ بھی نہیں نظر آتے بھئی۔ بعض پر سائنس دانوں نے تجربات کیے ہیں، ابھی تو سب پر تو وہ جان ہی نہیں سکتے بھئی۔ تو مثلاً جیسے خرگوش ہے، خرگوش کو کہتے ہیں چند فٹ سے زیادہ دور تک اس کو دکھائی نہیں دیتا، اور یہ پھر ہاں لیکن اس کے کان بہت تیز اللہ نے بنا دیے، اور اس کے سونگھنے کی حس بھی تیز بنا دی۔ تو اللہ نے ہر ایک کو مختلف قسم کے آلات دے دیے، جیسے کتا ہے اس کو سونگھنے کی زبردست حس اللہ نے دے دی۔ چیونٹی، چیونٹی کے بارے میں پورا تو اللہ جانتے ہیں لیکن سائنس دان کہتے ہیں اس چیونٹی کو نظر نہیں آتا بھئی، نظر نہیں آتا۔ اس کو اللہ نے ایسے حواس دے دیے کہ اس کو دور سے ہی چیز کی خوشبو اور مہک پہنچ جاتی ہے، آپ جہاں بھی چیز رکھیں یہ وہاں پہنچ جاتی ہے۔ تو ہر ایک کو اللہ نے اور طرح کے آلات دیے، انسان کو اور طرح کے، لیکن یہ نہیں کہ آپ سب کے بارے میں سوچیں کہ شاید یہ بھی سب انسانوں کی طرح ہیں، نہیں! پورا تو کسی کو بھی ابھی نہیں پتا، سائنس دان تجربات کر رہے ہیں، کچھ حیوانات پہ تجربات کیے ہیں انہوں نے۔ تو مثلاً یہ خرگوش کا میں بتا رہا تھا۔ کہتے ہیں یہ خرگوش جو ہے اس کو زیادہ قریب اور دور کی چیز کا زیادہ پتا بھی نہیں چلتا، اور اس کو سارے رنگ بھی نظر نہیں آتے۔ چند ایک رنگ ہیں جو اس کو نظر آتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں پھر یہ اپنے سر کو اوپر نیچے ہلاتا رہتا ہے ہر وقت۔ جب سر ہلاتا ہے تو جو قریب والی چیز ہو نا وہ زیادہ ہلے گی، اور جو دور والی ہے، دور ہے، اس میں حرکت نہیں نظر آئے گی، تو اس سے وہ اندازہ لگاتا ہے کہ یہ چیز میرے قریب ہے اور وہ چیز مجھ سے دور ہے بھئی۔ بلکہ یہ تو ہمارے ہاں خرگوش تھے اس میں بھی تجربہ، خرگوش کے لیے کوئی چیز ہم پھینکتے، تو خرگوش کے آگے چیز لگ کر تھوڑی سی آگے نکل جاتی تو خرگوش ادھر ادھر دیکھتا رہتا، اسے وہ چیز نظر نہیں آتی تھی، پھر سونگھتے سونگھتے وہاں تک پہنچتا تھا۔ حالانکہ کوئی اور چیز ہو وہ تو اس کے سامنے سے گزرے گی اس کو نظر آئے گی یا نہیں، فوراً اس کے پیچھے تک چلا جائے گا، نہیں، اس میں ایسا نہیں ہوتا، اس کے پیچھے ہی نہیں جاتا تھا۔ تو ہر ایک کو اللہ نے مختلف نگاہیں دی ہیں، تو اب یہ بھیڑ بکری کی کیسی نگاہیں

ہیں وہ اللہ جانتے ہیں، ان کو کیا کیا نظر آتا ہے اور کیا نہیں نظر آتا وہ بھی اللہ جانتے ہیں۔ اور جیسے حدیث میں بھی آپ نے پڑھا ہے کہ مردے کو قبر میں عذاب ہوتا ہے، انسان اور جنوں کے علاوہ سب اس کو سنتے ہیں، معلوم ہوا یہ حیوانات کے کان بڑے تیز ہیں، وہ ان کو سنتے ہیں بھئی، سنتے ہیں لیکن انسان اور جن اس کو نہیں دیکھتے بھئی۔ تو لہٰذا یہ بکری کی بھی اپنی نگاہ ہوگی، اس کی کوئی حد ہوگی، کچھ فاصلے تک۔

جی دیکھیے بھئی، ثُمَّ طَرِيقُ مَعْرِفَةِ ذَهَابِ ثُلُثِ الْعَيْنِ ترجمہ آخر سے ہوگا: پھر آنکھ کے ثلث کے چلے جانے کی معرفت جو ہے، اس کے جاننے کا جو طریقہ ہے، کہ أَنْ يُشَدَّ الْعَيْنُ الْمَؤُوفَةُ کہ باندھا جائے الْعَيْنُ الْمَؤُوفَةُ آفت زدہ آنکھ کو، خراب آنکھ کو۔ مَؤُوفَة کہتے ہیں خراب بھئی، آفت والی جس پر یعنی مرض آیا ہے تکلیف آئی ہے، اور باب ہے آفَ يَؤُوفُ، آفَ يَؤُوفُ أَوْفًا وَآفَةً۔ تو أَنْ يُشَدَّ الْعَيْنُ الْمَؤُوفَةُ کہ باندھا جائے اس کی خراب آنکھ کو، فَيُقَرَّبَ إِلَيْهَا الْعَلَفُ پس قریب کیا جائے اس کے چارہ إِذَا كَانَتْ جَائِعَةً جب یہ بھوکی ہو، بھیڑ بکری کیا ہو؟ بھوکی ہو یا وہ حیوان بھوکا ہو، فَيُنْظَرَ پھر دیکھا جائے کہ أَنَّهَا مِنْ أَيِّ مَكَانٍ رَأَتِ الْعَلَفَ کہ اس نے کتنی دور سے کس جگہ سے اس چارے کو دیکھا، ثُمَّ تُشَدَّ الْعَيْنُ الصَّحِيحَةُ پھر باندھا جائے اس کی صحیح آنکھ کو، وَيُقَرَّبَ إِلَيْهَا الْعَلَفُ اور چارہ اس کے قریب کیا جائے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ يُقَرَّبَ میں نے پڑھا بھئی، ثُمَّ تُشَدَّ پیچھے میں نے پڑھا بھئی، اس سے پیچھے فَيُنْظَرَ میں نصب پڑھ رہا ہوں فعل پر، پیچھے آیا تھا أَنْ يُشَدَّ، أَنْ ناصبہ سب پر داخل ہے۔ تو کہتے ہیں وَيُقَرَّبَ إِلَيْهَا الْعَلَفُ اور چارہ جو ہے وہ اس کے قریب کیا جائے گا، فَيُنْظَرَ أَنَّهَا مِنْ أَيِّ مَكَانٍ رَأَتِ الْعَلَفَ پھر دیکھا جائے گا کہ اس نے کس جگہ سے اس چارے کو دیکھا، فَيُنْظَرَ إِلَى تَفَاوُتِ مَا بَيْنَ الْمَكَانَيْنِ پھر نظر کی جائے گی وہ جو فرق ہے دو جگہوں کے درمیان، کہ صحیح آنکھ سے کہاں سے دکھائی دیا تھا اور خراب آنکھ سے کہاں سے، ان دو جگہوں میں جو فرق ہے اس کو دیکھا جائے گا۔ فَإِنْ كَانَ ثُلُثًا اگر وہ فرق کتنا تھا؟ ثلث تھا، تو فَقَدْ ذَهَبَ الثُّلُثُ تو اس کی آنکھ کا ثلث یعنی تیسرا حصہ بینائی کا چلا گیا ہے، وَهٰكَذَا اور اسی طرح۔ طریقہ سمجھ میں آگیا بھئی؟ جی۔

دیکھو بھئی انہوں نے آپ کو بتلایا کچھ حیوانات ہیں جن میں عیب وغیرہ ہو تو ان کی قربانی صحیح نہیں، اور کچھ حیوانات ہیں ان میں معمولی عیب ہوں تو ان کی قربانی صحیح ہے بھئی، معمولی ہوں۔ تو ہاں، تو جس حیوان میں عیب ہو اس کی قربانی صحیح نہیں، لیکن اگر کسی شخص نے صحیح حیوان خریدا قربانی کے لیے اور پھر اس کے اندر کوئی عیب پیدا ہو گیا، مثلاً اب اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی، یا اس کا کان کٹ گیا، یا اس کا سینگ ٹوٹ گیا جڑ سے، تو پھر کہتے ہیں پھر اگر یہ مالدار تھا یہ شخص، تو اس کو دوسرا جانور ذبح کرنا پڑے گا، اس کی قربانی کافی نہیں۔ اور اگر یہ غریب تھا تو یہی قربانی اس کے لیے کافی ہو جائے گی، کیونکہ غریب کے ذمے تو قربانی واجب ہی نہیں تھی، اس حیوان کو اس نے اس نیت سے خریدا تھا تو اس پر یہ حیوان واجب ہے، تو اس کو کرے گا۔ اور جبکہ اگر جانور کو ذبح کے لیے جب گرا رہے ہیں، لٹا رہے ہیں، اس وقت اگر کوئی نقصان اور عیب آتا ہے، مثلاً ٹانگ ٹوٹ گئی یا کچھ ہو گیا، تو یاد رکھو پھر چاہے وہ مالدار کی طرف سے ہو یا غریب کی طرف سے، وہ

معاف ہے بھئی، اس صورت میں وہ قربانی ہو جائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

فَإِنْ مَاتَ أَحَدُ سَبْعَةٍ۔

اچھا بھئی یہاں تک بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۲: قربانی میں شرکتِ سبعہ، ایک شریک کی موت، کھال و گوشت کے مصارف اور ہدی و نذر کے احکام

شرح الوقایہ صفحہ: ۴۱ — بتاریخ: ۱۸ نومبر ۲۰۱۹ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی کتاب پر:

فَإِنْ مَاتَ أَحَدُ سَبْعَةٍ وَقَالَ وَرَثَتُهُ: اذْبَحُوهَا عَنْهُ وَعَنْكُمْ، صَحَّ. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: لَا يَصِحُّ، وَهُوَ الْقِيَاسُ، لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ بِالْإِتْلَافِ، فَلَا يَجُوزُ عَنِ الْغَيْرِ، كَالْإِعْتَاقِ عَنِ الْمَيِّتِ. وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ: أَنَّ الْقُرْبَةَ قَدْ تَقَعُ عَنِ الْمَيِّتِ كَالتَّصَدُّقِ، بِخِلَافِ الْإِعْتَاقِ، فَإِنَّ فِيهِ إِلْزَامَ الْوَلَاءِ عَلَى الْمَيِّتِ.

قربانی کے مسائل ذکر ہو رہے ہیں بھئی۔ تو آگے مسئلہ ذکر کر رہے ہیں۔ صورتِ مسئلہ یہ کہ کچھ لوگ ایک گائے میں یا اونٹ کے اندر شریک ہوئے بھئی۔ اور آپ جانتے ہیں گائے اور اونٹ میں سات افراد شریک ہو سکتے ہیں۔ تو چاہے سات شریک ہوں، متن میں تو سات کا ذکر ہے لیکن چاہے سات شریک ہوں یا سات سے کم شریک ہوں لیکن کسی کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہیں ہونا چاہیے۔ پھر ابھی قربانی کی نہیں تھی کہ ان میں سے ایک شخص کا انتقال ہو گیا۔ عید سے ایک دو دن پہلے ہی اس کا انتقال ہو گیا۔ قربانی کی گائے خرید چکے ہیں یا اونٹ خرید چکے ہیں، اور ایک شخص کا انتقال ہو گیا۔ اب اس کے وارثوں نے کہا، اجازت دے دی کہ آپ میت کی طرف سے قربانی کر لیجیے گا، اپنی طرف سے اور میت کی طرف سے یہ قربانی، ایک حصہ کس کا تھا؟ میت مرنے والے کا ایک حصہ تھا، تو اس کے وارثوں نے کہا کہ آپ لوگ میت کی طرف سے اور اپنی طرف سے یہ قربانی کر لیجیے گا۔ یعنی انہوں نے اجازت دے دی، میت کی طرف سے قربانی کرنے کی اجازت دے دی، تو کہتے ہیں اس صورت میں یہ قربانی صحیح ہو جائے گی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اور اگر اجازت نہ دی تو پھر قربانی صحیح نہیں ہو گی بھئی۔ تو اجازت ضروری ہے۔

ہاں دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: فَإِنْ مَاتَ أَحَدُ سَبْعَةٍ اگر مر گیا سات میں سے کوئی ایک، وَقَالَ وَرَثَتُهُ اور اس کے وارثوں نے

کہا: اذْبَحُوهَا عَنْهُ وَعَنْكُمْ کہ تم اس قربانی کے جانور کو ذبح کر لو عَنْهُ میت کی طرف سے بھی وَعَنْكُمْ اور اپنی طرف سے، صَحَّ تو یہ قربانی صحیح ہے بھئی۔ تو مسئلہ سمجھ میں آگیا بھئی، حیوان میں کوئی شخص شریک تھا، قربانی کا ارادہ تھا، حیوان کو لے چکے ہیں اور پھر شریکوں میں سے ایک کا انتقال ہو گیا اور اس کے ورثاء اجازت دے دیتے ہیں تو قربانی صحیح ہو جائے گی۔ اور میں نے بتلا دیا کہ اگر وہ ان سے اجازت نہیں لیتے تو پھر کسی کی بھی قربانی صحیح نہیں ہو گی۔

دیکھیے اب اسی کی تفصیل بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى أَنَّهُ لَا يَصِحُّ وَهُوَ الْقِيَاسُ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے یہ روایت ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے وَهُوَ الْقِيَاسُ اور یہی قیاس ہے، لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ بِالْإِتْلَافِ کیونکہ یہ تبرع بالاتلاف ہے، فَلَا يَجُوزُ عَنِ الْغَيْرِ تو یہ غیر کی طرف سے جائز نہیں، کسی دوسرے کی طرف سے یہ جائز نہیں، كَالْإِعْتَاقِ عَنِ الْمَيِّتِ جیسے کہ آزاد کرنا میت کی طرف سے۔ کسی غلام یا باندی کو میت کی طرف سے آزاد کرنا جیسے صحیح نہیں ہے، تو یہ بھی صحیح نہیں ہے۔

سب سے پہلے تو یہ یاد رکھیے کہ تبرع کسے کہتے ہیں؟ تبرع کہتے ہیں وہ کام جو کسی کے ذمے واجب نہ ہو، ثواب کی نیت سے کیا جائے اور اس کے ذمے واجب نہیں تھا، یوں کہہ لیں نفلی عبادت بھئی۔ نفلی، اللہ کی رضا کے لیے کوئی کام کرتا ہے، ثواب کے لیے کوئی کام کرتا ہے اور اس پر واجب نہیں تھا، تو اس کو کیا کہیں گے؟ تبرع کہیں گے تبرع۔ اور ایک ہے اتلاف، أَتْلَفَ يُتْلِفُ إِتْلَافًا کا معنی ہے تلف کرنا، کسی چیز کو ہلاک کر دینا، تلف کر دینا۔ اب دیکھیے یہ جب ہم صدقہ وغیرہ کرتے ہیں تو یہ گویا اپنے مال کو ہم تلف کر رہے ہیں، ہمارے ہاتھ سے تو نکل گیا، لیکن ہم کس کے لیے، یہ کس لیے خرچ کر رہے ہیں اس مال کو؟ ثواب کی نیت سے، اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے۔ تو یہ کیا ہے؟ تبرع بالاتلاف ہے۔ اسی طرح ہم قربانی کرتے ہیں، حیوان کو ذبح کرتے ہیں اللہ کی رضا کے لیے ثواب کی نیت سے، تو یہ بھی کیا ہے؟ اتلاف ہے۔ لیکن یہ تو اگر کسی پر واجب ہے تو واجب ہو گی، اگر کوئی ویسے نفلی کرنا چاہتا ہے تو یہ کیا ہو جائے گا؟ تبرع بالاتلاف ہو جائے گا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ نفلی قربانی اگر کرتا ہے۔ اور اسی طرح اگر کوئی شخص اپنا غلام آزاد کرتا ہے، دیکھو غلام کو جیسے ہی کہے گا تم میری طرف سے آزاد ہو، اللہ کی رضا کے لیے مثلاً آزاد کرتا ہے، تو دیکھو غلام اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ تو یہ بھی کیا ہے؟ تبرع بالاتلاف ہے۔ چیز کیا ہو رہی ہے؟ اس کے ہاتھ سے نکل رہی ہے، خرچ ہو رہی ہے، تلف ہو رہی ہے، اور کس نیت سے، کس مقصد سے؟ ثواب کی نیت سے، اللہ کی رضا کی نیت سے۔ تو یہ سب کیا ہیں؟ تبرع بالاتلاف۔ اب اس میں یاد رکھیے تبرع بالاتلاف اپنے لیے تو انسان کر سکتا ہے، غیر کے لیے نہیں کر سکتا۔

جی، تو تبرع بالاتلاف سمجھ میں آیا بھئی؟ کوئی نفلی عبادت ہو اور اس میں کوئی مال تلف یعنی خرچ کرنا پڑتا ہو یہ ہے تبرع بالاتلاف۔ نفلی عبادت نفلی طور پر ہو، واجب نہ ہو کسی کے ذمے، بات تبرع کی ہو رہی ہے۔ تو تبرع بالاتلاف میں مال خرچ

کرنا پڑتا ہے، نفلی عبادت ہو اور اس میں کیا کرنا پڑے؟ مال خرچ کرنا پڑے، یہ اپنی طرف سے تو جائز ہے، غیر کی طرف سے جائز نہیں ہے۔ مثلاً ایک شخص جو ہے وہ اپنی طرف سے کچھ صدقہ کرتا ہے ثواب کے لیے، اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے، تو یہ صدقہ اس کی طرف سے ٹھیک ہوگا، اس کو ثواب ملے گا اور یہ کیا ہے؟ یہ صدقہ اس پر واجب تھا؟ واجب نہیں تھا بھئی، واجب صدقے کی بات نہیں کر رہا، عام سا نفلی صدقہ۔ تو یہ صدقہ اس پر واجب نہیں تھا، یہ اپنی طرف سے کر رہا ہے تو یہ ہے تبرع، اور اس میں اتلافِ مال بھی ہے کہ مال کو تلف کر رہا ہے یعنی خرچ کر رہا ہے، مال اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا بھئی، تو اس کے لیے تو گویا تلف ہی ہو گیا مال، بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ تبرع بالاتلاف یہ انسان اپنے لیے تو کر سکتا ہے، غیر کے لیے یہ کرنا جائز نہیں ہے، غیر کے لیے نہیں کر سکتا بھئی۔ مال آپ کا تلف ہو اور صدقہ آپ کے ساتھی زید کی طرف سے ہو جائے، یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ مالی عبادت ہے، مالی عبادت میں مال خرچ کرنا پڑتا ہے، مال آپ کا خرچ ہو اور ثواب اور ادا کس کی طرف سے ہو جائے؟ زید کی طرف سے ہو جائے یہ نہیں ہو سکتا۔ زید کا اپنا مال خرچ ہو پھر تو ٹھیک ہے۔ مثلاً زید آپ کو اپنا وکیل بنا دیتا ہے کہ آپ میری طرف سے جا کر یہ کام کر دیں، میرے مال میں سے خرچ کر دیں، وہ تو پھر الگ بات ہے۔ پھر تو آپ وکیل ہیں اور وکیل کا فعل گویا موکل ہی کا فعل ہوتا ہے، گویا وہ خود ہی کیا کر رہا ہے؟ اپنے مال کو خرچ کر رہا ہے۔ لیکن یہاں وہ صورت نہیں ہے، بلکہ صورت یہ ہے کہ یہاں پر نفلی چیز کی بات ہو رہی ہے، نفلی خرچہ کرتا ہے اور اس میں کیا کرتا ہے؟ مال کو تلف کرتا ہے یعنی خرچ کرتا ہے۔ تو یہ ہوا تبرع بالاتلاف، اور تبرع بالاتلاف اپنی طرف سے تو ہو سکتا ہے، کسی دوسرے کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ یا اسی کی دوسری مثال لے لیں جیسے کسی کی طرف سے غلام کو آزاد کرنا۔ ایک آپ کا غلام ہے یا آپ ایک غلام خرید کر اس کو آزاد کرتے ہیں اپنے ساتھی زید کی طرف سے، تو یہ کیا ہے؟ تبرع بالاتلاف ہے۔ ویسے ہی آپ کوئی واجب وغیرہ نہیں تھا غلام کو آزاد کرنا، ویسے ہی کیا کرتے ہیں اس کو آزاد کرتے ہیں تو یہ تبرع ہوا ثواب کی نیت سے اور نفلی ہے واجب نہیں ہے، اور اس میں دیکھو غلام آپ کے ہاتھ سے نکل جائے گا، تو یہ کیا ہے تبرع بالاتلاف۔ تو یہ تبرع بالاتلاف آپ نے غلام خریدا ہے، اپنے لیے تو یہ تبرع بالاتلاف کر سکتے ہیں، آپ اس کو آزاد کریں گے آپ کو اس کا اجر و ثواب مل جائے گا، لیکن غلام کو آپ خود آزاد کریں اور یہ زید کی طرف سے ہو جائے ایسا نہیں ہے بھئی۔ تو حاصلِ کلام کیا کہ تبرع بالاتلاف اپنے لیے تو ہو سکتا ہے، غیر کی طرف سے، غیر کے لیے نہیں ہو سکتا۔

تو یہاں پر بات چل رہی تھی کہ ایک شخص کا انتقال ہو گیا، وہ جو قربانی کے شریکوں میں سے ایک شریک تھا، اس کا انتقال ہو گیا، تو طرفین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اگر وارثوں نے اجازت دے دی تو پھر یہ قربانی میت کی طرف سے صحیح ہو جائے گی۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، یہ تبرع بالاتلاف ہے۔ یہ کیا ہے؟ یاد رکھو قربانی کر رہے ہیں، آپ کو میں نے بتلایا تھا کہ سب کی نیت، سب قربت ہونی چاہیے۔ کیا ہونی چاہیے؟ قربت ہونی چاہیے، اللہ کی رضا مقصود

ہونی چاہیے۔ اور یہاں پر وہ ایک شخص تو مر چکا ہے بھئی۔ جب وہ شخص مر گیا تو اس کا مال کس کی طرف منتقل ہو گیا؟ وارثوں کی طرف منتقل ہو گیا۔ اب اس حصے کے مالک وارث ہیں، میت نہیں ہے۔ اور یہ قربانی کس کی طرف سے کرنا چاہ رہے ہیں؟ میت کی طرف سے۔ تو جب یہ مال وارثوں کی طرف منتقل ہو گیا تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب وارثوں نے اجازت دے دی تو یہ قربانی کس کی طرف سے ہو گئی؟ وارثوں کی طرف سے ہو گئی، میت کی طرف سے نہیں ہو سکتی کیونکہ اگر میت کی طرف سے شمار کرنا چاہو تو یہ تو تبرع بالاتلاف ہے۔ تبرع بالاتلاف ہو جائے گا۔ دیکھو مالک کون بن گئے؟ ورثاء بن گئے۔ جب ورثاء بن گئے اور کرنا وہ کس کی طرف سے چاہتے ہیں؟ میت کی طرف سے۔ اور دیکھو اس میں حیوان تلف ہو گا یا نہیں؟ وہ حیوان تلف ہو رہا ہے، تو لہذا یہ تبرع بالاتلاف ہوا۔ تبرع بالاتلاف، وہ وارث کرنا چاہتے ہیں نا میت کی طرف سے، اور میت نے کوئی وصیت کی تھی؟ نہیں۔ وصیت کی ہو پھر معاملہ اور ہو گا بھئی، پھر تو وصیت آپ نے پڑھا ہے ثلثِ مال کے اندر نافذ کرنا پڑتی ہے بھئی وارثوں کے ذمے ضروری ہے کہ مال کے تیسرے حصے میں کریں، تو اس صورت میں تو پھر اس میں تو کوئی شک ہے ہی نہیں، پھر تو وارث کریں گے، کس کی طرف سے ہو جائے گا؟ میت کی طرف سے۔ کب؟ جب اس نے کیا کی ہو؟ وصیت کی ہو۔ لیکن یہاں وصیت کی بات نہیں چل رہی، ویسے اچانک اس کا انتقال ہو گیا، وصیت اس نے کی ہی نہیں، وصیت کا موقع ہی نہیں ملا۔ تو اب یہ وارث اس کے مالک بن گئے، مال ہے اب وارثوں کا، اور ہو جائے یہ کس کی طرف سے قربانی؟ میت کی طرف سے، تو یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ تبرع بالاتلاف ہے، وارثوں کی طرف سے کیا ہے؟ تبرع بالاتلاف ہے، اور تبرع بالاتلاف اپنی طرف سے تو ہو سکتا ہے، غیر کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس کو قیاس کرتے ہیں اعتاق عن المیت پر، جیسے اعتاق عن المیت، میت کی طرف سے کسی غلام کو آزاد کرنا، یہ فقہاء فرماتے ہیں یہ تبرع بالاتلاف ہے۔ کیا ہے؟ یہ وہ صورت ہے جب اس نے وصیت وغیرہ نہیں کی بھئی، تو کوئی شخص، کوئی وارث کیا کرتے ہیں کسی غلام کو آزاد کرتے ہیں کس کی طرف سے؟ میت کی طرف سے، تو یہ میت کی طرف سے غلام آزاد نہیں شمار ہو گا بھئی کیونکہ یہ کیا ہے تبرع بالاتلاف ہے۔ میت تو اب مال کی مالک ہی نہیں ہے، اب تو وارث مالک بن گئے ہیں، اور وارث چاہتے ہیں ایک غلام کو آزاد کریں اور غلام کس کی طرف سے شمار ہو آزاد؟ میت کی طرف سے آزاد شمار ہو، تو یہ تو تبرع بالاتلاف ہوا اور تبرع بالاتلاف غیر کی طرف سے ہوا اور غیر کی طرف سے تو تبرع بالاتلاف صحیح نہیں ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ اپنی طرف سے تو، اپنے لیے تو انسان تبرع بالاتلاف کر سکتا ہے، غیر کے لیے تبرع بالاتلاف نہیں کر سکتا۔

تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وارث بے شک اجازت دے دیں لیکن پھر بھی یہ تبرع بالاتلاف ہے اور تبرع بالاتلاف اپنے لیے تو ٹھیک ہے، غیر کے لیے ٹھیک نہیں۔ تو وارثوں کا اپنے لیے تو ٹھیک ہو گا لیکن میت کی طرف سے وہ کرنا ٹھیک نہیں۔ اور اس کو وہ قیاس کرتے ہیں غلام کے آزاد کرنے پر میت کی طرف سے، وہ بھی تبرع بالاتلاف ہے، وہ

وارثوں کی طرف سے تو ہو سکتا ہے لیکن میت کی طرف سے یعنی غیر کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے پہلے اس کو دیکھ لیں کتاب پر: وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے أَنَّهُ لَا يَصِحُّ کہ یہ صحیح نہیں ہے، یعنی میت کی طرف سے قربانی، یعنی یہ قربانی صحیح نہیں ہوگی بھئی۔ وَهُوَ الْقِيَاسُ اور یہی قیاس بھی ہے، لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ بِالْإِتْلَافِ کیونکہ یہ تبرع بالاتلاف ہے، فَلَا يَجُوزُ عَنِ الْغَيْرِ تو یہ غیر کی طرف سے جائز نہیں، یعنی کسی دوسرے کی طرف سے یہ جائز نہیں ہے، كَالْإِعْتَاقِ عَنِ الْمَيِّتِ جیسے میت کی طرف سے آزاد کرنا، یعنی کسی غلام اور باندی کو۔

جبکہ طرفین فرماتے ہیں کہ یہ جائز ہے۔ یہ جائز ہے، یہ قربانی صحیح ہو جائے گی۔ اور استحساناً فرماتے ہیں کہ یہ جائز ہے۔ کہتے ہیں جیسے میت کی طرف سے صدقہ صحیح ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہاں پر بھی یہ صحیح ہو جائے گی۔ بھئی دیکھیے کہتے ہیں کہ میت کی طرف سے صدقہ وغیرہ صحیح ہو جاتا ہے، معنی یہ ہے کہ میت کو اس کا ثواب پہنچ جاتا ہے۔ کیا ہو جاتا ہے؟ آپ میت کی طرف سے صدقہ وغیرہ کرتے ہیں اور ثواب کس کو بخشتے ہیں کہ اے اللہ اس کا ثواب میری طرف سے فلاں میت کو پہنچا دیجیے۔ تو وہ ثواب اس کو پہنچ جاتا ہے، تو دیکھو میت کی طرف سے، میت کی طرف سے صدقہ صحیح ہو گیا یعنی اس کو ثواب پہنچ گیا بھئی۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے یہ قربانی جو ہے، یہ قربانی یہ وارثوں کی طرف سے ہو جائے گی لیکن ثواب کس کو مل جائے گا؟ میت کو، تو میت کی طرف سے یہ شمار ہوگی، بات سمجھ میں آگئی؟ جب، تو جیسے وہ صدقہ گویا میت کی طرف سے شمار ہوتا ہے، اسی طرح یہ قربانی بھی کس کی طرف سے شمار ہوگی؟ میت کی طرف سے شمار ہوگی۔ اور آپ نے اس کو قیاس کیا تھا اعتاق عن المیت پر کہ اعتاق عن المیت، میت کی طرف سے کسی غلام یا باندی کو آزاد کرنا صحیح نہیں۔ تو اس پر قیاس کیا تھا، تو اس کے بارے میں اب بتلائیں گے آپ کو کہ بھئی اس میں میت پر ولاء کو لازم کرنا آتا ہے، اور ایک شخص جس کا انتقال...

ہو چکا ہے اس پر آپ ولا کو لازم نہیں کر سکتے۔ ولا جانتے ہو بھئی؟ ولا آپ کتابوں میں جگہ جگہ پڑھتے ہیں۔ ولا کہتے ہیں بھئی مالِ میراث کو۔ کس کو کہتے ہیں؟ مالِ میراث، اور وہ مالِ میراث جو کسی آزاد کردہ غلام سے یا باندی سے کسی کو ملے۔ مثلاً آپ کا ایک غلام تھا، آپ نے اس غلام کو آزاد کر دیا، تو جب آپ نے اس غلام یا باندی کو آزاد کیا تو آپ نے اس کو ایک نئی زندگی دے دی۔ غلام تو حیوان کی طرح ہوتا ہے، اس کے اپنے اختیارات نہیں ہوتے، وہ، اس کو کسی چیز کی اجازت نہیں ہوتی، سارے تصرفات، اس کے تصرفات کا مالک کون ہوتا ہے؟ اس کا آقا۔ تو غلام حیوان کی طرح، تو جب آپ نے اس غلام کو آزاد کیا تو آپ نے اس کو ایک نئی زندگی دے دی، نئی زندگی دے دی، لہذا اب شریعت نے آپ کو اس کا وارث بنا دیا۔ اور اس کے مرنے پر اس کا مال آپ کو ملے گا، اور یہ مال ولا کہلاتا ہے۔ کیا کہلاتا ہے؟ یہ جو مالِ

میراث اس آزاد کردہ غلام یا باندی سے آزاد کرنے والے کو ملتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ولا۔ ولا کہتے ہیں۔ دیکھو باپ جو ہے وہ اپنی اولاد کا وارث بنتا ہے۔ اگر اولاد مالدار ہو گئی اور باپ سے پہلے ہی انتقال ہو گیا تو باپ کو وراثت ملے گی، باپ میں، وراثت میں باپ کا بھی حصہ ہو گا۔ کیوں؟ کیونکہ باپ اس اولاد کی زندگی کا سبب ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو جیسے باپ اولاد کی زندگی کا سبب ہوتا ہے اس لیے وہ وارث بنتا ہے، اسی طرح جو مُعْتِق ہے آزاد کرنے والا، وہ بھی غلام یا باندی جس کو اس نے آزاد کیا ان کی زندگی کا گویا سبب بن گیا، لہذا وہ بھی کیا بنے گا؟ وارث بنے گا۔ اور ان کے، اگر یہ غلام یا باندی یہ، یہ ان کا انتقال ہوتا ہے آقا سے پہلے ہی تو ان کی ولا یعنی ان کا جو مالِ میراث ہے وہ کس کو ملے گا؟ آقا کو ملے گا۔ لیکن یہ نہیں کہ فوراً غلام کے مرتے ہی سارا مال اٹھائیں اور آقا کو دے دیں، نہیں نہیں، ترتیب ہے باقاعدہ شریعت نے ذکر کی ہے۔ غلام یا باندی ہے، آپ نے اس کو آزاد کر دیا، وہ مالدار ہو گئے، تو مرنے کے بعد سب سے پہلے اس کے مال میں سے اس کے کفن دفن کا انتظام کریں گے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ اس کے بعد اس کے ذمے اگر کوئی قرضے ہیں وہ سارے قرضے ادا کریں گے۔ اور اس کے بعد جو مال بچے گا اس میں پھر تیسرے حصے میں دیکھیں گے اس نے کوئی وصیت تو نہیں کی؟ اگر وصیت کی ہے تو مال کے تیسرے حصے تک وہ نافذ کریں گے۔ پھر جو باقی مال بچ جائے گا پھر اس کے وہ وارثوں میں تقسیم ہو گا۔ پھر وارث کون کون ہیں؟ یا تو کچھ، کچھ وارث ہیں جن کے باقاعدہ حصے مقرر ہیں شریعت میں، کسی کو نصف ملتا ہے، کسی کو ثلث ملتا ہے، کسی کو سدس ملتا ہے وغیرہ، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو ان کو کہتے ہیں ذوی الفروض، حصوں والے، کچھ کے باقاعدہ حصے شریعت نے مقرر کیے ہیں، اور کچھ وہ ہیں جن کے حصے مقرر نہیں اور وہ باقی بچنے والا سارا مال لے جاتے ہیں، جیسے بیٹا ہے۔ بیٹے کا شریعت نے حصہ نہیں مقرر کیا، باقی جو وارث ہیں ان کو دے دو جو دینا ہے، باقی جتنا مال بچے گا سارا بیٹا لے جائے گا۔ تو یہ جو بیٹا وغیرہ اور کچھ رشتہ دار ہیں ان کو عصبات کہتے ہیں، یہ دوسرے درجے والے ہوتے ہیں۔ پہلے درجے والے کون؟ ذوی الفروض، ان کے باقاعدہ حصے مقرر ہیں کہ اس کو اتنا دینا ہے اتنا دینا ہے۔ اور پھر دوسرے نمبر والے ہیں عصبات، عصبات وہ مرد جن کا میت اور ان کے درمیان کسی عورت کا واسطہ نہ آئے بھئی، تو لہذا بیٹا ہے، باپ ہے، دادا ہے، پردادا ہے، نیچے کی طرف بیٹا ہے، پوتا ہے، پڑپوتا ہے وغیرہ، جانب میں ہے، میت کا بھائی ہے، اور اوپر کی طرف باپ ہے پھر اس کے ساتھ چچا ہے، چچا کے بچے ہیں، بیٹے جو ہیں، تو دیکھو یہ ان میں اور میت کے درمیان کسی عورت کا واسطہ نہیں، مردوں کا واسطہ ہے صرف۔ تو یہ سب عصبات کہلاتے ہیں۔ تو دوسرے درجے والے ہیں عصبات۔ تو سب سے پہلے کیا کیا؟ کفن دفن، پھر اس کے بعد سارے قرضے ادا کر دیے اس کے، پھر اس کے بعد جو مال بچا، پھر اس کے ثلث میں، تیسرے حصے میں کیا کر دی؟ وصیت اگر اس نے کی تھی کہ مثلاً فلاں مدرسے میں بیس لاکھ دے دینا یا فلاں شخص کو دس لاکھ دے دینا، تو اس کے جو مال بچا ہوا ہے قرضوں کے بعد، اس کے تین حصے کر کے دیکھو تیسرے حصے میں وصیت پوری ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوتی ہے تو اس میں سے ادا کر دو، اگر پوری نہیں

ہوتی تو زیادہ سے زیادہ تیسرے حصے تک دے دو، باقی کس کا ہے؟ مثلاً ساٹھ لاکھ سارے اس کے وراثت ہے تو بیس لاکھ تک اس کی وصیت نافذ کر دو، باقی چالیس لاکھ کس کا ہے؟ ورثاء کا ہے، پھر ورثاء میں سب سے پہلا درجہ ذوی الفروض کا ہے، اور اس میں جیسے بیٹی ہے، اور بیوی ہے، ماں ہے، باپ ہے، تو یہ، اور باپ ذوی الفروض میں سے بھی ہے اور عصبات میں سے بھی ہے۔ تو ان کو ذوی الفروض کو مال دے دیتے ہیں۔ ذوی الفروض سے اگر مال بچ جائے یا ذوی الفروض نہ ہوں تو مال کس کو دیں گے؟ عصبات کو دیں گے۔ اور اگر عصبات بھی نہ ہوں تو پھر اس کے بعد یہ مال دیں گے مُعْتِق کو، آزاد کرنے والے کو دیں گے۔ دیکھا، اور یہ جو ہے اس کو ولا کہتے ہیں، اب یہ جو مُعْتِق کو مال مل رہا ہے اس کو کیا کہیں گے؟ ولا۔ تو یہ تیسرے نمبر پر ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

تو بات چل رہی تھی کہ إِعْتَاقٌ عَنِ الْمَيِّتِ صحیح نہیں کیونکہ میت کی طرف سے اگر اعتاق مانا جائے تو میت پر ولا کو لازم کرنا آئے گا۔ یہ ولا کس کے لیے ہے؟ ولا کس کو ملے گی؟ میت کو ملے گی، تو گویا میت پر ولا لازم کر رہے ہیں آپ، اور کسی پر کوئی شخص کوئی چیز لازم نہیں کر سکتا۔ آپ یہ نہ کہیں اس میں تو میت کا نفع ہے، ہم نفع نقصان کی بات نہیں کر رہے، آپ ایک چیز اس پر کیا کر رہے ہیں؟ لازم کر رہے ہیں، ولا اس کے لیے لازم ہو جائے گی، اور کیا آپ کسی پر کوئی چیز لازم کر سکتے ہیں؟ نہیں، کوئی شخص کسی دوسرے پر کوئی چیز لازم نہیں کر سکتا۔ تو اس لیے ہم کہتے ہیں إِعْتَاقٌ عَنِ الْمَيِّتِ تو نہیں ہو سکتا کیونکہ اس میں میت کے ذمے ولا لازم ہوتی ہے، البتہ قربانی میت کی طرف سے ہو سکتی ہے کیونکہ اس میں اور اسی طرح صدقے کرنے میں میت کی طرف سے اس میں میت پر کوئی چیز لازم نہیں ہوتی تو دونوں میں فرق ہے۔ تو آپ کا اس قربانی کو إِعْتَاقٌ عَنِ الْمَيِّتِ پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے جی، تو کہتے ہیں: وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ أَنَّ الْقُرْبَةَ قَدْ تَقَعُ عَنِ الْمَيِّتِ كَالتَّصَدُّقِ کہ قربت جو ہے وہ کبھی کبھار میت کی طرف سے واقع ہو جاتی ہے كَالتَّصَدُّقِ جیسے صدقہ کرنا، بِخِلَافِ الْإِعْتَاقِ بخلاف اعتاق کے، فَإِنَّ فِيهِ إِلْزَامَ الْوَلَاءِ عَلَى الْمَيِّتِ کیونکہ اس کے اندر ولا جو ہے وہ میت پر لازم کرنا ہے، اور وہ درست نہیں۔

بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ دیکھو استحسان کو اچھی طرح یاد کر لو۔ میں نے کیا بتلایا تھا؟ استحسان کسے کہتے ہیں؟ ہر وہ دلیل جو قیاس کے مقابلے میں آئے اس کو کیا کہتے ہیں؟ استحسان۔ چاہے کوئی آیت ہو، ایک شخص نے قیاس پیش کیا ایک مسئلے میں اور آپ نے آیت پیش کر دی تو آپ کی دلیل کو ترجیح ہو جائے گی، لیکن اس دلیل کو کیا کہیں گے؟ استحسان۔ آپ یہ نہ کہیں کہ استحسان تو قیاسِ خفی کو کہتے ہیں، ہاں زیادہ تر اطلاق اس کا قیاسِ خفی پر ہوتا ہے، لیکن میں نے بتلایا تھا کہ استحسان ہر اس شرعی دلیل کو کہتے ہیں جس کے مقابلے میں کیا آجائے؟ قیاس آجائے۔ تو یہاں مقابلے میں قیاس تھا تو آپ کی دلیل کو کیا کہیں گے؟ استحسان۔ یا ایک شخص نے قیاس پیش کیا اور آپ اس کے مقابلے میں حدیث

پیش کر دیتے ہیں تو آپ کی دلیل کو ترجیح ہو گی، اور اس کو کیا کہیں گے؟ استحسان، کیونکہ اس کے مقابلے میں کیا ہے؟ قیاس ہے۔ یا ایک شخص نے ایک قیاس پیش کیا ایک مسئلے میں اور آپ نے مقابلے میں اجماع پیش کر دیا بھئی، سب کی یہی رائے ہے تمام علماء فقہاء کی اس پر اتفاق ہے، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ اجماع، تو آپ نے دلیل کے طور پر اجماع پیش کیا، تو دیکھو اس اجماع کے مقابلے میں کیا ہے؟ قیاس، لہذا اس کو کیا کہیں گے؟ استحسان کہیں گے۔ تو ہر وہ دلیل جو قیاس کے مقابلے میں آجائے اس کو استحسان کہتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر استحسان کا اطلاق جو ہے وہ قیاسِ خفی پر ہوتا ہے۔ کس پر؟ قیاسِ خفی۔ یاد رکھیے قیاس، میں پھر بیان کر دیتا ہوں، قیاس ایک قیاسِ جلی ہے، جلی یعنی ظاہر ہے، اور ایک قیاسِ خفی، چھپا ہوا ہے یعنی پوشیدہ ہے۔ قیاس بعض اوقات ذرا گہرا ہوتا ہے، ایک تو قیاس آسان ہے فوراً ذہن اس تک پہنچ جائے، اس کو کہتے ہیں قیاسِ جلی، اور ایک ذرا گہری بات ہو، غور و فکر کرنا پڑتا ہو پھر ذہن وہاں تک پہنچتا ہے، تو اس کو کہتے ہیں قیاسِ خفی۔ تو قیاسِ خفی کو استحسان کہتے ہیں۔ لیکن قیاسِ خفی کو بھی تب استحسان کہیں گے جب اس کے مقابلے میں قیاسِ جلی ہو۔ ورنہ قیاس جتنا بھی خفی ہو اگر اس کے مقابلے میں قیاسِ جلی نہیں تو پھر اس کو استحسان نہیں اس کو قیاس ہی کہیں گے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو استحسان کون سا قیاس ہے؟ قیاسِ خفی، اور اس کو استحسان کب کہیں گے؟ جب اس کے مقابلے میں کیا ہو؟ قیاسِ جلی۔ دیکھو یہاں پر بھی اس مسئلے میں بھی دیکھ لیجیے، اوپر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قیاس آیا اور نیچے جو طرفین کا ہے وہ قیاسِ خفی اس کو استحسان کہا۔ اور اس کو استحسان اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ مستحسن ہوتا ہے، پسندیدہ ہوتا ہے۔ مستحسن کا کیا معنی؟ پسندیدہ۔ پسندیدہ اس لیے ہوتا ہے کہ اس میں لوگوں کے لیے آسانی ہوتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو استحسان کو استحسان اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں لوگوں کے لیے آسانی ہوتی ہے اور یہ پسندیدہ ہوتا ہے۔ جیسے اب اس مسئلے میں بھی آپ دیکھ رہے ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ اس قربانی کو صحیح نہ مانا جائے میت کی طرف سے، اور ایک صورت یہ ہے کہ صحیح مان لیا جائے، کس میں آسانی ہے لوگوں کے لیے؟ کہ میت کی طرف سے مان لیا جائے، تو اس لیے اس کو استحسان کہتے ہیں۔

تو کہتے ہیں: وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ أَنَّ الْقُرْبَةَ قَدْ تَقَعُ عَنِ الْمَيِّتِ كَالتَّصَدُّقِ کہ قربت جو ہے، قربت کہتے ہیں وہ کام جو اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے یعنی عبادت وغیرہ، یعنی جو اللہ کے قرب کا باعث ہو، جس سے اللہ کا تقرب حاصل ہو، کہ أَنَّ الْقُرْبَةَ قَدْ تَقَعُ عَنِ الْمَيِّتِ کہ قربت جو ہے یعنی عبادت جو ہے کبھی کبھار میت کی طرف سے بھی ہو جاتی ہے كَالتَّصَدُّقِ جیسے صدقہ کرنا، بِخِلَافِ الْإِعْتَاقِ بخلاف اعتاق کے، فَإِنَّ فِيهِ إِلْزَامَ الْوَلَاءِ عَلَى الْمَيِّتِ کیونکہ اس میں میت پر ولا کو لازم کرنا ہے، اور وہ درست نہیں۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

كَبَقَرَةٍ عَنْ أُضْحِيَّةٍ وَمُتْعَةٍ وَقِرَانٍ۔

بھئی دیکھیے، مسئلہ یہ ذکر ہو رہا ہے کہ قربانی کے جانور میں جتنے بھی لوگ شریک ہیں، تو ہر ایک کی نیت قربت کی ہونی چاہیے، اللہ کی رضا مقصود ہو۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو ہر ایک کی نیت قربت کی ہونی چاہیے پھر ہی قربانی صحیح ہو گی۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ جب اس شخص کا انتقال ہو گیا تو اب یہ کیا بن گیا؟ یہ مال کس کا بن گیا؟ وارثوں کا بن گیا، تو لہذا اب یہ قربت نہ رہا، یہ تبرع بالاتلاف بن گیا، اور تبرع بالاتلاف اپنی طرف سے تو ٹھیک ہے غیر کی طرف سے صحیح نہیں ہے۔ تو اس کا جواب دے دیا کہ بھئی بعض اوقات میت کی طرف سے بھی یہ تبرع بالاتلاف ٹھیک ہو جاتا ہے جیسے صدقہ ہے۔ اور جیسے صدقہ ہے، تو اس میں بھی صدقہ انسان کرتا ہے گویا اور ثواب کس کو بخش رہا ہے؟ میت کو، تو یہاں پر بھی یہ قربانی کس کی طرف سے ہو جائے گی؟ وارثوں کی طرف سے اور ثواب کس کو مل جائے گا؟ میت کو مل جائے گا، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو دیکھو وارثوں نے اجازت دی تو یہ قربت کس کی طرف سے ہو گئی؟ وارثوں کی طرف سے ہو گئی، تو قربت بن گئی یا نہیں بن گئی؟ جب قربت بن گئی تو سب کی نیت قربت والی ہے تو قربانی ٹھیک ہو جائے گی اور ثواب کس کو مل جائے گا؟ میت کو مل جائے گا۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرما رہے تھے کہ یہ قربت ہی نہیں یہ تو تبرع بالاتلاف ہے اور تبرع بالاتلاف غیر کی طرف سے صحیح نہیں۔ ہم نے جواب دے دیا کہ بعض اوقات میت کی طرف سے بھی تبرع بالاتلاف صحیح ہو جاتا ہے جیسے صدقہ ہے۔ تو یہاں پر بھی یہ جو قربانی دراصل یہاں کس کی طرف سے ہو جائے گی؟ وارثوں کی طرف سے اور وارث تو اجازت دے رہے ہیں تو یہ قربت بن گئی، تو یہ قربت ہوئی وارثوں کی طرف سے اور ثواب کس کو مل گیا؟ میت کو مل گیا، تو دیکھو سب کی نیت گویا قربت کی ہو گئی۔

اور کہتے ہیں تو سب کی نیت قربت کی ہونی چاہیے، ہاں چاہے جہت الگ الگ ہو۔ جہت کیا ہو؟ یعنی قسم الگ الگ ہو، لیکن ہونی قربت کی نیت چاہیے۔ مثلاً ایک شخص جو ہے جو شریک ہے وہ دمِ متعہ کی نیت کرتا ہے، اور ایک شخص جو شریک ہے وہ دمِ قران کی نیت کرتا ہے، یا اسی طرح ایک شخص جو شریک ہے، ایک شخص جو شریک ہے وہ عقیقے کی نیت کرتا ہے اپنے بچے کی، تو سب کی نیت کیا ہے؟ قربت کی ہے، لہذا صحیح ہو جائے گا۔ دمِ متعہ جانتے ہو دمِ قران؟ دمِ متعہ، بھئی آپ نے پڑھا ہو گا حج کی تین قسمیں ہیں: ایک حجِ افراد، ایک حجِ تمتع، اور ایک حجِ قران۔ حجِ افراد کا طریقہ سمجھ لو، یاد رکھو بیت اللہ کے ارد گرد کوئی پندرہ بیس تیس میل کا یہ سارا علاقہ جو ہے یہ حرم کہلاتا ہے۔ یہ کیا کہلاتا ہے؟ حرم۔ یہ ایک خاص حد ہے بیت اللہ کے ارد گرد جس کی نشان دہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ اور اس حرم کے اندر رہنے والے اہلِ حرم کہلاتے ہیں۔ پھر اس سے باہر ایک اور حدبندی ہے، یعنی وہ بیت اللہ سے بعض طرف سوا ڈیڑھ سو میل بعض طرف دو تین سو...

میل دور جو ہے وہ ایک اور حدبندی ہے بھئی۔ وہ جو حدبندی ہے، یہ اندر والا حصہ حل کہلاتا ہے، وہ دو ڈھائی سو میل

کے اندر والا سارا علاقہ کیا کہلاتا ہے؟ حل، اور اسی حل کے بیچ میں ایک حصہ کیا تھا؟ حرم تھا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ بیت اللہ کے ارد گرد کچھ علاقہ حرم، اس حرم کے ارد گرد کچھ علاقہ ہے وہ کیا کہلاتا ہے؟ حل، لام مشدد ہے، حِلٌّ۔ اور پھر اس حل سے باہر کا جو علاقہ ہے وہ آفاق ہے، وہاں سے آنے والے آفاقی کہلاتے ہیں۔

اچھا یہ تو بات زیادہ تفصیل کی طرف چلی گئی، چلیں سمجھ لیں اس کو بھی۔ تو یاد رکھو آفاقی آدمی جب بیت اللہ کی طرف جاتا ہے تو جب وہ حل سے اندر، حل کی حدود میں داخل ہوتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ بیت اللہ کے پاس جا رہا ہے یا مکہ مکرمہ جا رہا، چاہے مکہ کی نیت ہی کیوں نہ ہو، مکہ مکرمہ جا رہا ہے اور وہاں تو بیت اللہ ہے، لہذا بیت اللہ کی تعظیم کے لیے اس پر لازم ہے کہ احرام باندھ کر یہاں سے گزرے۔ اگر احرام کے بغیر یہاں سے گزرے گا تو اس پر دم یعنی ایک قربانی واجب ہو جائے گی بطور جرمانہ کے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بیت اللہ کی تعظیم کا تقاضا یہ ہے کہ تم اس شہر میں جا رہے ہو جہاں اللہ کا سب سے قدیم گھر ہے زمین پر، تو اس گھر کی جا کر تعظیم یہاں یعنی احرام باندھ کر جاؤ اور احرام باندھا جاتا ہے یا تو عمرے کے لیے یا حج کے لیے۔ تو لہذا جا کر اگر حج کے ایام ہیں تو حج کرو اور اگر حج کے ایام نہیں تو کیا کر لو؟ عمرہ کر لو۔ تو یہ کس کے لیے ہے؟ آفاقی، جو باہر دنیا سے کہیں سے پاکستان، بنگلہ دیش وغیرہ جہاں سے بھی جاتے ہیں یہ ہیں آفاقی۔ اور اہلِ حل جو ہیں وہ جو قریب والے ہیں وہ مکہ جانا چاہتے ہیں حرم کے اندر، پھر ان پر احرام باندھنا ضروری نہیں کیونکہ وہ قریب والے لوگ ہیں، ان کو آنا جانا پڑتا ہے ضرورت کی وجہ سے، تو اگر ان پر بھی ہم لازم کر دیں کہ آپ نے احرام ضرور باندھنا ہے تو وہ تکلیف میں پڑ جائیں گے اور شریعت کے کسی حکم میں تکلیف نہیں، حرج نہیں ہے۔ تو لہذا ان پر احرام باندھنا ضروری نہیں جب وہ حرم جائیں۔

تو لہذا یہ جو حج کرنے والے ہیں یہ تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں بھئی: ایک حجِ افراد ہے، ایک حجِ تمتع ہے، اور ایک حجِ قران۔ اچھا، حجِ افراد والا مثلاً یہاں سے جاتا ہے اس کو احرام باندھنا پڑتا ہے حل سے آگے گزرتے ہوئے۔ اور احرام یاد رکھنا، یہ احرام جو دو چادریں ہم باندھتے ہیں، لوگ سمجھتے ہیں شاید ان دو چادروں کا نام احرام ہے۔ ان دو چادروں کا نام احرام نہیں، بلکہ احرام اس حالت کا نام ہے جو یہ چادریں باندھنے کے بعد تلبیہ کہہ کر نیت کرنے سے شروع ہو جائے گی۔ وہ حالت جیسے عام حالت میں آپ، اس وقت آپ کے لیے اپنے ناخن کاٹنا بھی جائز، بال کاٹنا بھی جائز، خوشبو لگانا بھی جائز وغیرہ۔ لیکن احرام کی نیت کرتے ہی اور تلبیہ پڑھتے ہی احرام شروع ہو جائے گا۔ اور احرام میں انسان کے لیے خوشبو لگانا بھی جائز نہیں، ناخن کاٹنا بھی جائز نہیں، بال کاٹنا بھی جائز نہیں بھئی۔ آپ اللہ کے گھر جا رہے ہیں اور محبوب کے گھر جا رہے ہیں، لہذا کسی حیوان کو بھی اب تکلیف نہیں دینی، اب آپ کے لیے شکار کرنا بھی جائز نہیں ہے بھئی، کسی حیوان کو بھی کوئی تکلیف نہیں دینی۔ تو یہ اس حالت کا نام احرام ہے، اور اس حالت میں سلے ہوئے کپڑے بھی آپ نہیں پہن

سکتے۔ اگر آپ نے سارا دن سلے ہوئے کپڑے پہن لیے تو آپ پر دم واجب ہو گا، قربانی واجب ہو جائے گی ایک حیوان کی بطور جرمانہ کے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو یہ احرام اس حالت کا نام ہے۔ آپ وہ دو چادریں اتار دیں، آپ چل پڑے مکہ کے قریب پہنچ گئے اور کوئی شخص وہ دو چادریں اتارتا ہے اور سلے ہوئے کپڑے پہن لیتا ہے، تو آپ کیا کہیں گے اس کا احرام ختم ہو گیا؟ نہیں نہیں، احرام وہ دو چادروں کا نام نہیں تھا، احرام اس کی اس حالت کا نام ہے۔ یہ ابھی بھی احرام میں ہے بے شک اس نے سلے ہوئے کپڑے پہن لیے ہیں، اور اب اگر یہ سارا دن اس نے یا دن کا اکثر حصہ پہنے رکھے تو اس پر دم واجب ہو جائے گا، ہے ابھی بھی احرام میں۔ جب تک جا کر یہ عمرہ نہیں کرے گا یا حج نہیں کر لے گا، اس کا یہ احرام ختم نہیں ہو گا۔ تو احرام کس کا نام ہے؟ اس حالت کا نام ہے، دو کپڑوں کا نام نہیں۔ لیکن چونکہ اس حالت میں سلے ہوئے کپڑے نہیں پہنے جاتے، دو چادریں اوڑھی جاتی ہیں پہنی جاتی ہیں، لہذا ان کو ہی لوگ سمجھتے ہیں شاید یہ احرام ہے۔

تو یاد رکھیے اب حج کرنے والے تین قسم کے: ایک حجِ افراد ہے، ایک حجِ تمتع ہے، ایک حجِ قران۔ حجِ افراد میں حج کے دنوں میں انسان یہ حل کی حدود سے باہر سے احرام باندھ کر جاتا ہے اور جا کر حج کے افعال سرانجام دیتا ہے۔ اور پھر جب حج پورا ہو جاتا ہے تو پھر یہ اپنے بال کٹواتا ہے اور احرام اتار دیتا ہے۔ احرام سے نکلتے کیسے ہیں؟ سر کے بال کٹوا دیتے ہیں، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ بال کٹوا دیے، احرام ختم ہو گیا، اب سلے ہوئے کپڑے آپ پہن سکتے ہیں، حج کے آپ نے سارے افعال کر لیے۔ اگر درمیان میں ایسا کیا پھر تو دم لازم ہو جائے گا، قربانی کرنا پڑے گی ایک حیوان کی۔ تو یہ حجِ افراد ہے۔ حجِ افراد میں صرف حج ہوتا ہے انسان کے ذمے، یعنی جب انسان نیت کرتا ہے نا جانے کہ احرام پہن کر، احرام کی دو چادریں اوڑھ کر جب وہ نیت کرتا ہے احرام کو شروع کرنے کا، تو اس میں وہ دو نفل پڑھ لیتا ہے سنت، دو سنتیں پڑھ لیتا ہے نفل، اور اس کے بعد، اس کے بعد وہ تلبیہ کہہ لیتا ہے زبان سے، لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، اور پھر اس کے بعد ساتھ نیت کر لیتا ہے۔ یہ نیت کر لے گا اور تلبیہ کہہ لے گا تو احرام شروع ہو گا۔ صرف نیت سے بھی شروع نہیں، صرف تلبیہ سے بھی شروع نہیں، نیت بھی باقاعدہ کرے کہ اے اللہ میں حج کی نیت کرتا ہوں میرے لیے آسان فرما یا میں احرام کی نیت کرتا ہوں، اور پھر تلبیہ بھی زبان سے کہہ لے گا۔ حج کا احرام بھی اسی طرح ہوتا ہے، عمرے کا احرام بھی اسی طرح ہوتا ہے اور پھر شروع ہو جاتا ہے وہ پابندیاں شروع ہو جاتی ہیں اس کے بعد۔ تو حجِ افراد میں صرف حج کرتا ہے انسان جا کر، اور عمرہ اس میں نہیں ہوتا۔ لہذا حجِ افراد والے پر حج کی قربانی واجب نہیں۔ حج کی قربانی اس پر واجب نہیں۔

ہاں، دوسری قسم ہے حج کی حجِ تمتع۔ حجِ تمتع میں یوں ہوتا ہے کہ انسان جب حل کی حدود سے اندر آتا ہے تو احرام باندھ کر اس کی نیت کر کے اندر آتا ہے، بیت اللہ کے پاس جا کر وہ عمرہ کرتا ہے۔ عمرے میں صرف جو ہے بیت اللہ کے گرد ایک طواف کیا جاتا ہے یعنی سات چکر، ایک طواف میں کتنے چکر ہوتے ہیں؟ سات۔ سات چکر لگا لیے اور یہ ایک طواف

مکمل ہوا اور اس ہر طواف کے بعد دو رکعت واجب الطواف پڑھے جاتے ہیں۔ اور پھر اس کے بعد صفا مروہ ساتھ ہی دو پہاڑیاں ہیں ان کے درمیان سات چکر لگائے جاتے ہیں، اس کو سعی کہتے ہیں۔ تو بس عمرہ ان دو چیزوں کا نام ہے: احرام کی حالت میں آپ کو کیا کرنا پڑے گا؟ طواف بھی اور سعی بھی۔ بس سعی، طواف کیا، سعی کی، عمرہ مکمل ہوا، دو گھنٹے تین گھنٹے لگ گئے اس کے اندر، آرام سے ہو جائے گا، بال کٹوائیں اور احرام ختم ہو گیا۔ اب عام سلے ہوئے کپڑے پہن لیں، ساری پابندیاں ختم، اب آپ ناخن بھی کاٹ سکتے ہیں، بال بھی کاٹ سکتے ہیں، خوشبو بھی لگا سکتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ اور پھر جب حج کے ایام آتے ہیں، ابھی حج میں مثلاً دس پندرہ دن ہیں آپ وہاں پہنچ گئے تھے، تو یہ دس پندرہ دن میں آپ جتنے طواف وغیرہ کرنا چاہیں آپ پر احرام کی پابندیاں نہیں۔ اور ہاں پھر جب حج کے ایام آتے ہیں تو پھر اس وقت پھر انسان احرام باندھتا ہے حج کے لیے وہیں مکہ سے ہی، اور پھر اس میں حج کے افعال سرانجام دیتا ہے۔ تو دیکھو اس کو اللہ نے دو عبادتوں کی توفیق دے دی: عمرے کی بھی اور حج کی بھی۔ تو اس پر بطور شکرانہ کے ایک قربانی واجب ہے۔ حجِ افراد والے پر حج کی قربانی نہیں تھی، لیکن یہ جو حجِ تمتع کر رہا ہے اس پر بطور شکرانے کے کہ اللہ نے اس کو دو عبادتوں کی توفیق دے دی ایک ہی سفر کے اندر، تو اس پر دمِ تمتع واجب ہے، اس کو عید کے دن قربانی کرنا پڑے گی، یہ دم، یہ اس کو، اس کو کہتے ہیں دمِ متعہ بھئی، کیا کہتے ہیں؟ دمِ متعہ یا دمِ تمتع کہہ لو۔

اور اسی طرح تیسری قسم ہے حج کی حجِ قران۔ حجِ قران اور تمتع میں صرف اتنا فرق ہے کہ حجِ قران میں جب نیت کرے گا تو حج اور عمرے دونوں کی کرے گا، اور یہ جا کر عمرہ کرے گا پھر عمرہ کر کے حلال نہیں ہو گا، احرام نہیں اتارے گا، احرام کی پابندیوں میں ہی رہے گا مکہ کے اندر، خوشبو نہیں لگانی، بال نہیں کاٹنے جتنے دن بھی ہیں۔ اور پھر اسی احرام کے ساتھ وہ حج کے افعال بھی کرے گا۔ اور پھر اس کے بعد آخر میں چونکہ اس کو بھی اللہ نے دو عبادتوں کی توفیق دی حج کی بھی اور عمرے کی بھی ایک ہی سفر میں، تو اس پر بھی دمِ قران واجب ہے۔ تو حجِ افراد میں صرف حج کا احرام باندھتا ہے انسان، توجہ ہے؟ اس میں صرف حج کرنا ہے۔ حجِ تمتع میں صرف عمرے کا احرام باندھتا ہے حل سے باہر، اور جا کر عمرہ کرتا ہے اور حلال ہو جاتا ہے یہ صرف عمرے کا احرام تھا، حج کا احرام پھر جب حج کے دن آئیں گے پھر باندھے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ اور حجِ قران میں شروع سے ہی دونوں کا احرام باندھ لیتا ہے، عمرے کا بھی اور حج کا اکٹھا احرام چلتا ہے۔ اور اس میں پھر یہ بھی یاد رکھو، کوئی حج میں بعض غلطیاں ہوتی ہیں، کوئی واجب چھوٹ جائے تو پھر دم آتا ہے اس پر، قربانی اس کو کرنا پڑتی ہے۔ ایک تو حج کی مثلاً حجِ دمِ تمتع ہے دمِ قران ہے وہ الگ ہے، اور اگر کوئی واجب چھوٹ گیا کوئی ایسی بڑی غلطی ہو گئی تو پھر ایک الگ دم اس پر آئے گا، الگ دم آئے گا۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو حجِ تمتع والے کا پہلا احرام کس کا؟ عمرے کا، لہٰذا اگر اس سے اس میں کوئی واجب چھوٹ گیا کوئی غلطی ہوئی تو ایک دم اس پر آئے گا۔ پھر وہ

حلال ہو گیا پھر دوبارہ اس نے دوبارہ جب حج کے دنوں میں حج کا احرام باندھا تو یہ صرف کس کا احرام؟ صرف حج کا، لہذا اب اگر غلطی ہوئی تو اس پر کوئی بڑی غلطی ہوئی تو ایک دم آئے گا اس پر۔ لیکن حجِ قران والے کا احرام یک وقت حج کا بھی احرام ہے اور عمرے کا بھی ہے، لہذا اس سے اگر کوئی ایسی جرم، غلطی ہو گئی تو اس پر یک وقت دو دم آئیں گے بھئی: ایک عمرے کی جنایت کے طور پر اور ایک حج کی، کیونکہ یہ احرام دونوں کا ہے۔ اور اسی لیے حجِ قران کی میں چونکہ مشقت بھی زیادہ تو اس کا ثواب بھی، ہمارے نزدیک افضل طریقہ وہ ہے، لیکن وہ ہے بڑا مشکل بھئی، جتنے دن آپ رہیں احرام کی ساری پابندیاں آپ پر لاگو ہوں، بڑا مشکل کام ہے۔ اور پھر حج کے اندر کوئی، چلو لوگ کم ہوں تو بھی آسانی ہو جاتی ہے، لیکن لاکھوں لوگ پوری دنیا سے آئے ہوتے ہیں تو ہجوم زیادہ ہوتا ہے تو ہر کام میں بہت زیادہ مشقت ہو جاتی ہے، بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اب تو اللہ نے بہت آسانیاں فرما دیں لیکن پھر بھی ہجوم کی وجہ سے بڑی مشقت اور تکلیف ہوتی ہے۔ تو لہذا اس لیے حجِ قران ہمارے نزدیک افضل ہے، دوسرا درجہ حجِ تمتع کا ہے، اور تیسرا درجہ کس کا ہے؟ حجِ افراد کا ہے بھئی۔

تو دمِ متعہ کس کو کہتے ہیں؟ جو دم حجِ تمتع والے پر آتا ہے بطور شکرانے کے، اور دمِ قران کس کو کہتے ہیں؟ جو حجِ قران والے پر آتا ہے بطور شکر کے کہ اللہ نے دو عبادتوں کی توفیق دی ایک ہی سفر میں۔ تو اب لہذا ایک شخص قربانی کے اندر قربانی کی نیت کرتا ہے، دوسرا شخص دمِ تمتع کی نیت کرتا ہے، تیسرا دمِ قران کی نیت کرتا ہے، تو کہتے ہیں یہ سب ٹھیک ہیں کیونکہ سب کیا ہیں؟ قربت ہیں، ہر ایک کی نیت کس کی ہونی چاہیے؟ قربت کی ہونی چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: كَبَقَرَةٍ عَنْ أُضْحِيَّةٍ وَمُتْعَةٍ وَقِرَانٍ جیسے ایک ایسی گائے جو قربانی سے بھی ہو وَمُتْعَةٍ اور متعہ سے بھی ہو اور وَقِرَانٍ اور قران سے بھی ہو، تو یہ ایک گائے جیسے صحیح ہے۔ پیچھے سے جوڑو اس کو، پچھلے متن سے جوڑو: صَحَّ یہ صورت اگر ایک مر جائے اور اس کے وارثوں نے کہا اس گائے کو اپنی طرف سے اور اس کی طرف سے ذبح کر دو، صَحَّ تو یہ قربانی صحیح ہے، كَبَقَرَةٍ جیسے وہ گائے بھی صحیح ہے جو قربانی اور متعہ اور دمِ متعہ اور دمِ قران سے ہو، جیسے وہ بھی صحیح، اس کی قربانی بھی صحیح کیونکہ سب کی نیت قربت کی ہے۔

وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمْ كَافِرًا أَوْ مِمَّنْ يُرِيدُ اللَّحْمَ، لَا۔ اور اگر ان میں سے کوئی ایک کافر ہوا یا وہ گوشت کا ارادہ کرنے والا ہے، گوشت کا مقصود ہے اس کا، تو یاد رکھیے یہ قربانی میں تجزی نہیں، ایک ہی حیوان ہے تو اس میں کچھ حصہ قبول ہو کچھ حصہ قبول نہ ہو ایسا نہیں۔ جب ایک کی نیت قربانی کی نہیں تو لہذا یہ قربانی کسی کی بھی صحیح نہ ہوئی۔ چھ افراد کی نیت قربت کی، لیکن ساتواں تو کافر ہے اور کافر تو قربت کا اہل ہی نہیں ہے، اللہ کی عبادت کا وہ اہل ہی نہیں، لہذا سب کی قربانی خراب۔ یا چھ کی نیت تو قربانی کی ہے، ساتویں کی نیت جو ہے گوشت کھانے کی ہے کہ گوشت مل جائے گا چلو، تو لہذا اس کی نیت

قربانی کی، اس کی نیت قربت کی نہیں اور قربت تو شرط تھی تو لہذا کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟[1]

یہ معنی وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمْ كَافِرًا أَوْ مِمَّنْ يُرِيدُ اللَّحْمَ لَا اور اگر ان میں سے کوئی ایک کافر ہوا یا گوشت کا ارادہ کرنے والا ہوا لَا تو پھر صحیح نہیں ہے۔ لِأَنَّ الْبَعْضَ لَيْسَ بِقُرْبَةٍ اس لیے کیونکہ بعض جو ہے وہ قربت نہیں ہے، وَهِيَ لَا تَتَجَزَّأُ اور اس میں تجزی نہیں، تقسیم نہیں ہو سکتی۔ جیسے میں نے مثال دی تھی نماز ہے، کوئی شخص نماز پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ بھئی تین رکعتوں میں تو میرا وضو تھا چوتھی میں وضو نہیں تھا لیکن چلو تین تو قبول ہو جائیں گی، آپ کیا کہیں گے؟ نہیں بھئی پوری نماز ہی آپ کی نہیں ہوئی کیونکہ ایک عبادت ہے اس میں تجزی نہیں ہو سکتی کہ کچھ حصہ قبول ہو کچھ حصہ قبول نہ ہو، یا تو پوری ہی قبول ہوگی یا پوری ہی رد ہوگی۔ تو یہاں پر بھی یا تو پوری ہی قربانی، ایک ہی حیوان ہے، اس میں تقسیم نہیں، یا تو پورا حیوان قبول ہوگا یا پورا ہی رد ہوگا۔

آگے دیکھیے: وَيَأْكُلُ مِنْهَا وَيُؤْكِلُ وَيَهَبُ مَنْ يَشَاءُ۔ اور وَيَأْكُلُ مِنْهَا قربانی کرنے والا خود بھی اس میں سے کھا سکتا ہے اس قربانی کے گوشت میں سے، وَيُؤْكِلُ اور خود بھی کھائے وَيُؤْكِلُ اور دوسروں کو بھی کھلائے، وَيَهَبُ مَنْ يَشَاءُ اور جس کو چاہے تحفے کے طور پر ہدیے کے طور پر دے دے، چاہے مالدار ہو چاہے غریب۔ آپ کہیں گے مالدار کو کیوں دے سکتا ہے؟ بھئی قربانی کرنے والا خود کھا سکتا ہے یا نہیں کھا سکتا؟ اگر وہ مالدار ہوا تو پھر بھی کھا سکتا ہے کہ نہیں؟ جب وہ خود مالدار ہو کے کھا سکتا ہے تو دوسرے مالدار دوست کو کیوں نہیں کھلا سکتا بھئی؟ تو اس کو بھی کھلا سکتا ہے۔

وَنُدِبَ التَّصَدُّقُ بِثُلُثِهَا وَنُدِبَ اور مستحب ہے التَّصَدُّقُ بِثُلُثِهَا اس گوشت کے تیسرے حصے کو صدقہ کرنا۔ قربانی کے گوشت میں مستحب یہ ہے کہ اس کے تین حصے کیے جائیں بھئی، تین حصے: ایک کیا کرے؟ خود کھائے، ایک عزیز و رشتہ دار و اقارب وغیرہ کو دے، اور ایک حصہ صدقہ کرنا چاہیے۔ یہ مستحب ہے، ضروری نہیں، کوئی سارا گوشت بھی رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے اپنے لیے۔

تو کہتے ہیں: وَنُدِبَ التَّصَدُّقُ بِثُلُثِهَا اور مستحب ہے صدقہ کرنا اس گوشت کے تیسرے حصے کو۔ وَتَرْكُهُ لِذِي عِيَالٍ اور چھوڑنا مستحب ہے اس تیسرے حصے کو لِذِي عِيَالٍ بچوں والے کے لیے، اس کے لیے مستحب ہے۔ بھئی ایک آدمی ہے، ذو عیال ہے، بال بچوں والا ہے، تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ کیا کرے؟ اس کو بچوں کے لیے ہی رکھ لے، چھوڑ دے، گھر والے ہی کھائیں گے، بچے ہی کھا لیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یعنی صدقے کو چھوڑ دے اور کس پر خرچ کر دے؟ اپنے بیوی بچوں پر ہی خرچ کر دے۔ اب عبارت ذرا دیکھو: نُدِبَ التَّصَدُّقُ، التَّصَدُّقُ کیا ہے؟ فاعل، مستحب ہے، کیا مستحب ہے؟ صدقہ کرنا بِثُلُثِهَا کتنے حصے کا؟ تیسرے حصے کا۔ وَتَرْكُهُ، یہ تَرْكُهُ کا عطف ہے التَّصَدُّقُ پر۔ اور مستحب ہے

[1] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۹۱): صوتی درس کی قراءت میں «وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمْ كَافِرًا أَوْ مِمَّنْ يُرِيدُ اللَّحْمَ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وإن كان أحدُهم كافرًا، أو مريد اللحم» منقول ہے۔

تَرْكُهُ، ہا ضمیر راجع ہے التَّصَدُّقُ کو، وَتَرْكُهُ اور صدقے کو چھوڑنا مستحب ہے لِذِي عِيَالٍ کس شخص کے لیے؟ بال بچوں والے کے لیے، اس کے لیے مستحب کیا ہے؟ صدقے کو چھوڑ دے، کس کو کھلا دے؟ بال بچوں کو کھلائے بھئی۔ ہاں لیکن اگر وہ مالدار ہے تو پھر صدقہ ہی اس کے لیے افضل ہے بھئی، صدقہ ہی مستحب ہے۔ وَتَرْكُهُ اور صدقے کو چھوڑ دینا مستحب ہے لِذِي عِيَالٍ بال بچوں والے کے لیے تَوْسِعَةً عَلَيْهِمْ ان پر وسعت کرنے کے لیے تاکہ بچوں پر کیا ہو جائے؟ وسعت ہو جائے، وہ کچھ دن گوشت وغیرہ کھا لیں سب بھئی۔

وَالذَّبْحُ بِيَدِهِ إِنْ أَحْسَنَ اور ذبح کرے اپنے ہاتھ سے، وَالذَّبْحُ ذال پر فتحہ پڑھنا، میں نے بتایا ذال کے نیچے اگر کسرہ پڑھو گے ذِبْحٌ تو یہ اس قربانی کے جانور کو کہتے ہیں، تو ذَبْحٌ یہ مصدر ہے۔ وَالذَّبْحُ اور ذبح کرنا بِيَدِهِ اپنے ہاتھ سے إِنْ أَحْسَنَ اگر وہ اچھے طریقے سے ذبح کر سکتا ہے یعنی جانتا ہے ذبح کرنا تو خود اپنے ہاتھ سے قربانی کا جانور ذبح کرنا چاہیے۔ وَإِلَّا أَمَرَ غَيْرَهُ اور اگر ایسا نہ ہو یعنی خود اچھی طرح نہیں جانتا تو أَمَرَ غَيْرَهُ تو اپنے علاوہ کسی اور کو حکم دے دے وہ اس کے لیے ذبح کر دے۔ وَكُرِهَ إِنْ ذَبَحَهَا كِتَابِيٌّ اور مکروہ ہے اگر اس قربانی کے جانور کو ذبح کر دے کوئی اہلِ کتاب میں سے۔ کسی عیسائی کو یا یہودی سے ذبح کرواتا ہے کوئی مسلمان تو یہ مکروہ ہے، البتہ قربانی ہو جائے گی کیونکہ وہ اہلِ ذبح ہیں یعنی ذبح کر سکتے ہیں یا نہیں کر سکتے؟ آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں، ہاں تو لہذا حرام نہیں ہو گا البتہ یہ مکروہ ہے بھئی، مکروہ، اور آپ پڑھ چکے فقہ کی کتابوں میں مکروہ کا لفظ آئے مطلق کوئی قید نہ ہو تو اس سے مکروہِ تحریمی مراد ہوتا ہے، حرام کے قریب ہے بھئی، بات سمجھ میں آ گئی؟

وَيَتَصَدَّقُ بِجِلْدِهَا اور صدقہ کرے اس حیوان کی، اس قربانی کے جانور کی کھال کو۔ أَوْ يَعْمَلُهُ آلَةً یا اس سے کوئی ایسا آلہ، کوئی ایسی چیز بنا لے كَجِرَابٍ جیسے کہ چمڑے کا تھیلا، جراب کہتے ہیں چمڑے کے تھیلے کو، أَوْ خُفٍّ یا موزہ، أَوْ فَرْوٍ، فَرْوٌ کہتے ہیں پوستین کو۔ پوستین، یہ جانور کی کھال سے بھئی کپڑا بنا لیتے ہیں، یہ، یہ دنبے وغیرہ کی کھال ہے اس پر خوب وہ بال ہوتے ہیں بڑے بڑے، تو اس کو دباغت دے کر ان سے باریک چمڑا اس سے بنا لیتے ہیں، بال اس کے اوپر ہی ہوتے ہیں، گویا چمڑے کو ہی کپڑے کی صورت دے دی جاتی ہے، اتنا نرم اس کو بنا لیا جاتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں فَرْوٌ، پوستین، بات سمجھ میں آ گئی؟ تو وہ کھال ہی ہوتی ہے۔ یاد رکھیے بھئی یہ آپ پہلے بھی پڑھ چکے کہ کھال وغیرہ اس کو بیچنا جائز نہیں، قربانی، اور قصائی کو بھی بطور اجرت کے دینا جائز نہیں۔ ہاں ویسے آپ دینا چاہتے ہیں دے دیں، لیکن اس کے، اس اجرت کے طور پر نہیں دے سکتے، صدقے کے طور پر آپ دے سکتے ہیں، اجرت علیحدہ دیں اور یہ، یہ ساتھ علیحدہ دیں، لیکن اس کی وجہ سے اس کی اجرت میں کچھ کمی کرتے ہیں تو یہ تو آپ اس کو اجرت ہی گویا ایک لحاظ سے دے رہے ہیں تو یہ درست نہیں ہے۔ ہاں اپنے استعمال میں بھی انسان اس کھال کو لا سکتا ہے، اس سے کوئی ایسی چیز بنا لے جو اس کے کام آتی رہے۔ اور اگر اس چمڑے کو دے کر کوئی اور ایسی چیز لینا چاہتا ہے جو اس کے استعمال میں آتی رہے گی تو بھی ٹھیک ہے۔ لیکن ایسی چیز نہیں لے سکتا اس کھال کے بدلے جو خرچ ہو جائے، مثلاً اس کھال کے بدلے گندم لے لے۔ بھئی گندم تو آپ کھائیں گے

ختم ہو جائے گی، چاول لے لیے، چاول تو آپ کھائیں گے ختم ہو جائیں گے۔ تو ایسی چیز جو ختم ہو جائے وہ نہیں لے سکتا بلکہ ایسی چیز لے جو مسلسل کام میں آتی رہے۔ جیسے چمڑے کا تھیلا بنا لیا، یہ مسلسل کام میں آتا رہے گا، یا موزے بنا لیے، یہ مسلسل کام میں آئیں گے، یا پوستین بنا لی، پوستین بنا لی یہ مسلسل کام میں آئے گی، یا اسی طرح کھال دے کر کوئی ایسی مثلاً کپڑا لے لیا، کپڑا جو ہے مسلسل استعمال میں آئے گا، یا اس کے بدلے کوئی جوتا لے لیا، جوتا کیا ہے مسلسل استعمال۔ تو ایسی کوئی چیز اس کے بدلے لے سکتا ہے، خود اس کو بھی اس استعمال میں لا سکتا ہے اور اس کے بدلے میں بھی کوئی چیز لے سکتا ہے، تو یہ درست ہے۔

تو کہتے ہیں: أَوْ يَعْمَلُهُ آلَةً یا اس سے کوئی آلہ بنا لے كَجِرَابٍ جیسے کہ چمڑے کا تھیلا، أَوْ خُفٍّ یا موزہ، أَوْ فَرْوٍ یا پوستین۔ أَوْ يُبَدِّلُهُ بِمَا يُنْتَفَعُ بِهِ بَاقِيًا اور یا اس کو بدل ڈالے بِمَا ایسی چیز کے بدلے يُنْتَفَعُ بِهِ کہ جس سے نفع اٹھایا جاتا ہو بَاقِيًا اس حال میں کہ وہ باقی رہے، وہ چیز باقی رہے اور اس سے فائدہ اٹھاتا رہے، جیسے یہ کھال دے دی اور جوتے لے لیے، اب وہ باقی ہیں اور ان سے وہ پہنتا ہے استعمال کرتا ہے۔ لَا بِمَا يُنْتَفَعُ بِهِ مُسْتَهْلَكًا ایسی چیز کے ساتھ اس کو نہ بدلے کہ جس سے نفع اٹھایا جاتا ہو مُسْتَهْلَكًا اس کو ہلاک کر کے، جیسے چاول ہیں یا روٹی ہے یا سرکہ، کوئی بھی چیز جو استعمال سے ختم ہو جاتی ہے، كَخَلٍّ جیسے کہ سرکہ ہے وَنَحْوِهِ اور اس جیسی اور چیزیں، یہ نہیں کر سکتا، یہ ان سے نہیں بدل سکتا۔ فَإِنْ بِيْعَ اللَّحْمُ أَوِ الْجِلْدُ بِهِ اگر اس قربانی کا گوشت بیچا گیا یا کھال کو بِهِ اس چیز کے ساتھ جس کے، جس کو ہلاک کر کے نفع اٹھایا جاتا ہے، کھال کو دے کر چاول لے لیے یا کھال کو دے کر گندم لے لی، تو اس صورت میں یاد رکھیے جو ثمن کھال کے بدلے ملے تھے اس کے برابر پیسے جو ہیں اس کو صدقہ کرنے پڑیں گے۔ تو کہتے ہیں: فَإِنْ بِيْعَ اللَّحْمُ أَوِ الْجِلْدُ بِهِ اگر بیچ دیا گیا گوشت کو یا کھال کو ایسی چیز کے بدلے جو استعمال سے ہلاک ہونے والی ہے، تَصَدَّقَ بِثَمَنِهِ تو اس کے ثمن کو صدقہ کرے گا، یعنی اس کے برابر کیا کرے گا؟ صدقہ کرے گا۔

وَلَوْ غَلِطَ اثْنَانِ وَذَبَحَ كُلٌّ شَاةَ صَاحِبِهِ صَحَّ بِلَا غُرْمٍ۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ زید اور بکر دونوں اپنی اپنی قربانی کے لیے بکری لے کر آئے تھے اور عید کے دن غلطی سے زید نے بکر کی بکری ذبح کر دی اور بکر نے زید کی بکری ذبح کر دی، تو کیا یہ قربانی ٹھیک ہو جائے گی یا نہیں ہو گی؟ اور کیا کسی دوسرے کے جانور کو ذبح کیا ہے تو کیا اس پر ضمان آئے گا یا نہیں؟ کہتے ہیں نہیں، دونوں کی قربانی صحیح ہو گئی اور دونوں میں سے کسی پر ضمان بھی نہیں۔ بھئی کیوں نہیں ضمان؟ بغیر اجازت کے کسی کا حیوان ذبح کر دیا تو اس کو اس پر کیا آنا چاہیے؟ ضمان آنا چاہیے، قربانی صحیح نہیں ہونی چاہیے۔ کہتے ہیں بھئی جب دونوں اس حیوان کو قربانی کی نیت سے خرید کر لائے ہیں تو یہ حیوان اب متعین ہو گیا کس کے لیے؟ قربانی کے لیے متعین ہو گیا، اور قربانی کا جانور انسان ہمیشہ خود ہی ذبح کرتا ہے یا دوسروں سے بھی مدد لیتا ہے؟ دوسروں سے بھی مدد لیتا ہے، جو بھی اس کی مدد کرے وہ تیار ہے کہ آؤ میری مدد کرو۔ تو لہذا یہاں پر بھی جب بکر نے زید کی بکری کو ذبح کیا تو گویا بکر نے مدد کر دی اس کی بکری کے ذبح کرنے میں، اور زید نے بکر کی بکری کو ذبح کیا تو زید نے گویا بکر کی مدد کر دی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: وَلَوْ غَلِطَ اور اگر غلطی ہو گئی اثْنَانِ دو آدمیوں سے وَذَبَحَ كُلٌّ اور ذبح کر دیا ہر ایک نے، یاد رکھیے كُلٌّ اور بَعْضٌ ہمیشہ مضاف الیہ چاہتے ہیں۔ كُلٌّ کا معنی سارا، بھئی کس چیز کا سارا؟ آگے مضاف الیہ چاہیے یا نہیں؟ تو كُلُّ مثلاً كُلُّ الْكِتَابِ ساری کی ساری کتاب، كُلُّ الدَّرَاهِمِ سارے کے سارے دراہم، كُلُّ الطَّلَبَةِ سارے کے سارے طلبہ، تو آگے مضاف الیہ چاہیے بھئی۔ اور اسی طرح بعض، بھئی کس چیز کا بعض؟ اس کے لیے بھی کیا چاہیے؟ مضاف الیہ۔ لیکن کبھی کبھار ان کے مضاف الیہ کو حذف کر لیتے ہیں اور اس کے عوض ان پر تنوین لے آتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی ہے وَذَبَحَ كُلٌّ یہ تنوین عوض ہے کس سے؟ مضاف الیہ سے، أَيْ كُلُّ وَاحِدٍ، وَذَبَحَ كُلٌّ اور ذبح کر دیا ہر ایک نے شَاةَ صَاحِبِهِ اپنے ساتھی کی بھیڑ بکری کو، صَحَّ بِلَا غُرْمٍ تو صحیح ہو جائے گی قربانی بِلَا غُرْمٍ بغیر کسی ضمان کے، غرم ضمان کو کہتے ہیں، کسی پر ضمان نہیں آئے گا جرمانہ نہیں آئے گا۔ وَفِي الْقِيَاسِ أَنْ لَا يَصِحَّ وَيَضْمَنَا اور قیاس میں تو صحیح نہیں ہونی چاہیے، قیاس تو یہ ہے کہ صحیح نہ ہو وَيَضْمَنَا اور وہ ضامن ہوں ایک دوسرے کے لیے، لِأَنَّهُ ذَبَحَ شَاةَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ أَمْرِهِ اس لیے کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کی بھیڑ بکری کو ذبح کیا ہے بِغَيْرِ أَمْرِهِ اس کے حکم کے بغیر۔ لیکن وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ، دیکھا استحسان آیا لیکن ساتھ کون ذکر ہوا؟ قیاس بھی ذکر ہوا، استحسان کے ساتھ ہمیشہ قیاس ضرور آئے گا۔ وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ أَنَّهَا تَعَيَّنَتْ لِلْأُضْحِيَّةِ کہ یہ جو جانور ہے بھیڑ بکری ہے یہ متعین ہو گئی کس کے لیے؟ قربانی کے لیے۔ وہ جب خرید کر لایا ہے تو یہ متعین ہے قربانی کے لیے۔ وَدَلَالَةُ الْإِذْنِ حَاصِلَةٌ اور دلالت الاذن حاصل ہے، دلالت الاذن حاصل ہے۔ یعنی دلالتاً اجازت ہر ایک کو حاصل ہے۔ ایک ہے صراحتاً اجازت دینا، میں اپنی زبان سے کہوں آپ کو میری قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کی اجازت ہے، اس کو کہتے ہیں صراحتاً، کیا کہتے ہیں؟ لفظوں سے باقاعدہ صراحت کر دی، واضح لفظوں میں کہہ دیا۔ اور ایک ہے دلالتاً، دلالت کہ حال دلالت کر رہا ہے کہ سب کو اجازت ہے، کیونکہ قربانی کے جانور میں دوسروں سے مدد، یہ جانور متعین ہے قربانی کے لیے، اس کو میں نے کرنا ہی ذبح ہے عید کے دن۔ تو ایک تو یہ قربانی کے لیے متعین ہے اور دوسرا قربانی میں دوسروں سے مدد بھی لی جاتی ہے تو دلالتاً اجازت بھی حاصل ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ أَنَّهَا تَعَيَّنَتْ لِلْأُضْحِيَّةِ کہ یہ بھیڑ بکری متعین ہو گئی قربانی کے لیے وَدَلَالَةُ الْإِذْنِ حَاصِلَةٌ اور دلالت الاذن حاصل ہے یعنی اجازت جو ہے وہ دلالتاً حاصل ہے۔ بھئی کیسے اجازت دلالتاً حاصل ہے؟ کہتے ہیں: فَإِنَّ الْعَادَةَ جَرَتْ کیونکہ یہ عادت جاری ہے یعنی لوگوں میں یہ عادت جاری ہے بِالْاِسْتِعَانَةِ بِالْغَيْرِ کہ وہ غیر سے مدد مانگتے ہیں فِي أَمْرِ الذَّبْحِ ذبح کرنے کے معاملے میں، وہ غیر سے مدد مانگتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی، یہ اسی طرح ہے قربانی کے علاوہ کہتے ہیں جیسے قصاب نے کیا کیا؟ بکری لٹائی اس کی ٹانگیں باندھیں اور اس کو ذبح کرنے والا تھا تو ساتھ والے نے اس نے ذبح کر دیا اس نے چھری چلا دی، تو اب اس پر ضمان نہیں آئے گا۔ کیوں نہیں آئے گا؟ بھئی اس نے اس کی بکری ذبح کی ہے، کہتے ہیں بھئی دلالتاً وہ دلالت حال دلالت کر رہا ہے وہ خود بھی کیا کرنے لگا تھا؟ بکری کو ذبح ہی کرنے

لگا تھا بھئی، تو اس نے اس کا کوئی نقصان نہیں کیا، وہ خود بھی اس کو ذبح ہی کرنے والا تھا۔

تو کہتے ہیں: وَصَحَّتِ التَّضْحِيَةُ بِشَاةِ الْغَصْبِ لَا الْوَدِيعَةِ وَضَمِنَهَا۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے: فقہاء فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے دوسرے کی بکری غصب کر لی، غصب کا معنی ہوتا ہے چھین لینا، کسی چیز کو چھین لینا اس پر قبضہ کر لینا، تو کسی نے کسی کی بکری چھین لی اور اس پر قبضہ کر لیا۔ اب یہ قربانی کے ایام میں، اب یہ شخص قربانی کے ایام میں یہ جو غاصب ہے اس بکری کی قربانی کرتا ہے، تو کہتے ہیں قربانی ٹھیک ہو جائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ قربانی ٹھیک ہو جائے گی۔ ہاں لیکن ٹھیک ہونے کا یہ معنی نہیں کہ اس...

اس سے، یہ اس سے اللہ کی رضا اس کو حاصل ہو جائے گی۔ ہاں، اس کے ذمے سے وہ قربانی کے وجوب جو ہے وہ ساقط ہو جائے گا۔ اس کی طرف، اگر اس پر قربانی واجب تھی تو قربانی اس کی طرف سے ادا، اس پر سے وہ وجوب ساقط ہوا، ہاں البتہ یہ کوئی اللہ کی رضا کا سبب نہیں بنے گا بھئی کیونکہ اس نے غصب کیا ہے۔ لیکن بہرحال قربانی ہو جائے گی، واجب ذمے سے ساقط ہو جائے گا۔ تو قربانی اس کی طرف سے صحیح ہو جائے گی۔ لیکن اس کے برخلاف اگر کوئی، کسی شخص کے پاس آپ نے اپنی بکری بطور امانت کے رکھوا دی اور اس شخص نے عید کے دن اس بکری کو قربانی کی نیت سے ذبح کیا، تو کہتے ہیں اس کی طرف سے یہ بکری کی قربانی نہیں ہوگی۔ اس کے ذمے اگر قربانی واجب ہے تو وہ واجب اس کے ذمے سے ساقط نہیں ہوگا۔

بھئی کیا وجہ ہے؟ غاصب نے بھی دوسرے کی بکری کو زبردستی کیا کیا تھا عید کے دنوں میں ذبح کر دیا، آپ نے کہا قربانی اس کی طرف سے ہو گئی، واجب اس کے ذمے سے ساقط ہو گیا۔ اور اس نے بھی کیا کیا ہے؟ دوسرے کی بکری زبردستی عید کے دن ذبح کر لی ہے تو آپ کہہ رہے ہیں اس کے ذمے سے واجب ساقط نہیں ہوا۔ کہتے ہیں بھئی دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔ فرق اس لحاظ سے ہے کہ جس وقت غاصب نے دوسرے کی بکری کو غصب کیا، چھین لیا، اس پر قبضہ کر لیا، تو اسی وقت اس پر ضمان واجب ہو گیا۔ کیا واجب ہو گیا؟ ضمان واجب ہو گیا۔ اب اس کو، اس شخص اگر یہ بکری واپس کر دے تو ٹھیک، نہیں کرے گا تو اس کو بکری کی قیمت دینا پڑے گی۔ وہ اس کے ذمے واجب ہو چکا ہے اور یہ کس وقت واجب ہوا؟ گویا یہ جس، تو ضمان اس وقت آگیا گویا اس کے ذمے بیس ہزار روپے واجب ہو گئے، گویا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ یہ اسی وقت سے بکری کا مالک بن گیا۔ ورنہ حقیقت میں تو نہیں، گویا یوں سمجھو کہ اس وقت سے مالک بن گیا۔ اور گویا جب یہ بکری کو عید پہ قربان کر رہا ہے تو اپنی، یہ اس کا مالک ہے یہ اپنی بکری کو کیا کر رہا ہے ذبح کر رہا ہے کیونکہ اس کے ذمے ضمان ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ جبکہ جس شخص کے پاس بطور امانت کے بکری رکھوائی ہے وہ جب اس بکری کو ذبح کرتا ہے تو وہ اپنی ملک میں نہیں غیر کی ملک میں، وہ بکری ابھی بھی دوسرے کی ہے تو یہ غیر کی بکری ذبح کر رہا ہے اور جب غیر کی بکری ذبح کر رہا ہے تو اس کی طرف سے قربانی نہیں ہوگی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ غاصب تو مالک بن گیا تھا نا، اور اس کے ذمے کیا تھا اسی بکری کو واپس کرے، واپس نہیں کرے گا تو اس پر ضمان آجائے گا اور ضمان کی نسبت

اس وقت کی طرف کی جاتی ہے جس وقت اس نے بکری کو غصب کیا تھا، گویا اسی وقت سے اس پر ضمان آگیا، گویا اسی وقت سے یہ مالک بن گیا۔ جب مالک بنا ہے تو کس کو ذبح کر رہا ہے؟ غیر کی بکری کو یا اپنی بکری کو؟ اپنی بکری کو ذبح کر رہا ہے اور جب اپنی بکری ذبح کر رہا ہے تو اس کی طرف سے وہ واجب قربانی ساقط ہو جائے گی، قربانی اس کی ہو جائے گی۔ اور جبکہ امانت جس کے پاس ہے وہاں ایسا معاملہ نہیں ہے بھئی، وہ غیر کی بکری ذبح کر رہا ہے۔ ذبح کے بعد یہ بکری اب اس کی ہو جائے گی، اب اس کے، اس پر ضمان آئے گا لیکن کب آئے گا؟ ذبح سے پہلے یا ذبح کے بعد؟ ذبح کے بعد اس پر ضمان آئے گا، تب یہ مالک بنے گا۔ تو ذبح کے بعد یہ مالک بنے گا بھئی، ذبح کے بعد۔

کہتے ہیں، دیکھیے کتاب پر: وَصَحَّتِ التَّضْحِيَةُ بِشَاةِ الْغَصْبِ لَا الْوَدِيعَةِ وَضَمِنَهَا۔ اور صحیح ہے قربانی کرنا غصب کی بھیڑ بکری کے ساتھ، لَا الْوَدِيعَةِ امانت والی بھیڑ بکری کے ساتھ قربانی صحیح نہیں، وَضَمِنَهَا اور یہ اس کا ضامن ہوگا، اس پر ضمان آئے گا۔ لِأَنَّ فِي الْغَصْبِ يَثْبُتُ الْمِلْكُ مِنْ وَقْتِ الْغَصْبِ اس لیے کیونکہ غصب میں ملکیت ثابت ہو جاتی ہے غصب کے وقت سے۔ وَفِي الْوَدِيعَةِ يَصِيرُ غَاصِبًا بِالذَّبْحِ اور ودیعت یعنی امانت کے معاملے میں وہ غاصب بنے گا ذبح کے وقت، اس وقت غاصب بنے گا۔ فَيَقَعُ الذَّبْحُ فِي غَيْرِ الْمِلْكِ تو ذبح واقع ہوگی غیر ملک میں، اس کی ملکیت میں نہیں کسی دوسرے کی ملکیت میں ذبح واقع ہوگی یعنی دوسرے کی ملکیت، دوسرے کی بھیڑ بکری کو وہ ذبح کر رہا ہے تو اس کی طرف سے قربانی صحیح نہیں۔

أَقُولُ، آگے شارح وقایہ فرماتے ہیں، شارح وقایہ بھئی یہ بھی بہت بڑے فقیہ، بہت بڑے عالم تھے، یہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ہو جانی چاہیے قربانی۔ کیوں؟ کہتے ہیں جب یہ ذبح کے مقدمات شروع کرے گا، جیسے بکری کو لٹا رہا ہے اس کی ٹانگیں باندھ دی ہیں وغیرہ، تو ان مقدمات کے وقت یہ غاصب بن گیا، اور یہ جب غاصب بنا بکری کا مالک بن گیا تو ذبح سے پہلے ہی مالک بن گیا، چند لمحے پہلے ہی کیا بن گیا مالک اور اب اپنی بکری ذبح کر رہا ہے اب اس پر ضمان آئے گا۔ لیکن فقہاء فرماتے ہیں کہ نہیں، جب بکری کو گرا، لٹا دیا، گرا دیا، پاؤں باندھ دیے، تو بھی یہ غاصب نہیں بنا ہاں غصب کے قریب پہنچ گیا۔ غصب کے قریب پہنچ گیا اور واپس ہو سکتا ہے یا نہیں یہ؟ واپس اس کو کھول دے تو غصب ختم، غصب تو ہے ہی نہیں۔ تو یہ غصب کے قریب پہنچا ہے ابھی بھی غصب کیا اس نے نہیں۔ لہذا جب غصب ابھی تک نہیں کیا تو جو بکری ذبح کرے گا وہ غیر کی ہے اور غیر کی بکری سے اس کی قربانی ادا نہیں ہوگی۔

تو شارح وقایہ فرماتے ہیں: أَقُولُ میں کہتا ہوں بَلْ يَصِيرُ غَاصِبًا کہ وہ غاصب بن جائے گا بِمُقَدِّمَاتِ الذَّبْحِ ذبح کے مقدمات سے ہی یعنی اس کے شروع میں جو چیزیں کر رہا ہے انہی سے وہ غاصب بن جائے گا كَالْإِضْجَاعِ جیسے کہ اس کو لٹانا پہلو کے بل، وَشَدِّ الرِّجْلِ اور اس کے پاؤں باندھنا، فَيَكُونُ غَاصِبًا قَبْلَ الذَّبْحِ تو یہ غاصب بن جائے گا ذبح سے پہلے ہی۔ لیکن میں نے جواب ذکر کر دیا کہ یہ غصب کے قریب پہنچ گیا لیکن ابھی غاصب بنا نہیں ہے بھئی۔ بات اچھی طرح

سمجھ میں آگئی؟

تو حاصلِ کلام یہ ہوا کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کی بکری غصب کی اور یہ غاصب شخص اس کو عید کے دن قربانی کے طور پر ذبح کرتا ہے، اس غاصب پر بھی قربانی واجب ہے وہ کیا ہے صاحبِ نصاب ہے، اب وہ قربانی میں اسی غصب شدہ بکری کو ذبح کرنا چاہتا ہے اپنی طرف سے، تو حاصلِ کلام یہ کہ جب وہ اس بکری کو ذبح کرے گا تو یہ قربانی اسی کی طرف سے ہو گئی اور اس کے ذمے سے وہ قربانی ساقط ہو گئی، قربانی اس کی طرف سے ادا ہو گئی۔ کیونکہ آپ کو انہوں نے بتلا دیا کہ غصب کے اندر ملکیت کی نسبت وقتِ غصب کی طرف کی جاتی ہے۔ گویا جس وقت اس نے بکری غصب کی تھی اسی وقت یہ اس جانور کا مالک بن گیا تھا، تو جب اب قربانی میں ذبح کر رہا ہے تو اپنی قربانی میں اپنی ہی بکری کو ذبح کر رہا ہے، لہذا اس کی طرف سے یہ قربانی ہو گئی۔ لیکن میں نے بتلایا یہ اللہ کی رضا کا باعث نہیں، اس سے اللہ کی رضامندی اسے حاصل نہیں ہو گی۔ ہاں البتہ اس کے سر سے وہ قربانی کیا ہو گئی؟ ساقط ہو گئی یعنی اس کی طرف سے ادا ہو گئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جبکہ اس کے مقابلے میں اگر کسی شخص کے پاس کسی نے بکری امانت رکھوائی تھی اس پر قربانی واجب ہے اور وہ اپنی قربانی کے طور پر اس امانت بکری کو ذبح کرتا ہے تو اس سے اس کی قربانی ادا نہیں ہو گی، یوں ہی سمجھا جائے گا اس نے غیر کی بکری، غیر کی بکری ذبح کی ہے، اور غیر کی بکری ذبح کرنے سے تو کسی کے ذمے سے قربانی ساقط نہیں ہوتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لہذا اس صورت میں وہ اس کی قربانی اس سے ساقط نہیں ہوئی بھئی، اور اس پر ضمان بھی آجائے گا کہ اس نے غیر کی بکری کو ذبح کیا بھئی، جیسے غاصب پر بھی ضمان آگیا تھا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

كِتَابُ الْكَرَاهِيَةِ

مکروہِ تحریمی و تنزیہی، لباس، ستر و نظر، استبراء اور کسب و معاملات کے آداب

سبق نمبر ۲۳: کتاب الکراہیۃ: مکروہ کی حقیقت (تحریمی و تنزیہی)، سونے چاندی کے برتن اور ریشمی لباس کے احکام

شرح الوقایہ صفحہ: ۴۲ — بتاریخ: ۱۴ دسمبر ۲۰۱۹ء

▪ متنِ وقایہ و شرح الوقایہ کی قراءت

كِتَابُ الْكَرَاهِيَةِ

مَا كُرِهَ حَرَامٌ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى وَلَمْ يَتَلَفَّظْ بِهِ لِعَدَمِ الْقَاطِعِ، فَنِسْبَةُ الْمَكْرُوهِ إِلَى الْحَرَامِ كَنِسْبَةِ الْوَاجِبِ إِلَى الْفَرْضِ، وَعِنْدَهُمَا إِلَى الْحَرَامِ أَقْرَبُ. الْمَكْرُوهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى لَيْسَ بِحَرَامٍ، لٰكِنَّهُ إِلَى الْحَرَامِ أَقْرَبُ. هٰذَا هُوَ الْمَكْرُوهُ كَرَاهَةَ تَحْرِيمٍ، وَأَمَّا الْمَكْرُوهُ كَرَاهَةَ تَنْزِيهٍ فَإِلَى الْحِلِّ أَقْرَبُ.[1]

كِتَابُ الْكَرَاهِيَةِ آج ہم شروع کریں گے بھئی۔ اور اس میں صاحبِ کتاب کچھ وہ چیزیں آپ کو بتلائیں گے جن کا کرنا ممنوع ہے، کچھ وہ چیزیں جن کا کرنا جائز ہے، تو وہ کسی ایک باب میں، کسی باب کے تحت داخل نہیں تھیں، کچھ الگ

[1]

نقشۂ فقہی (٦): کتاب الکراہیۃ — مکروہِ تحریمی و تنزیہی اور مراتبِ احکام کا فقہی شجرہ:

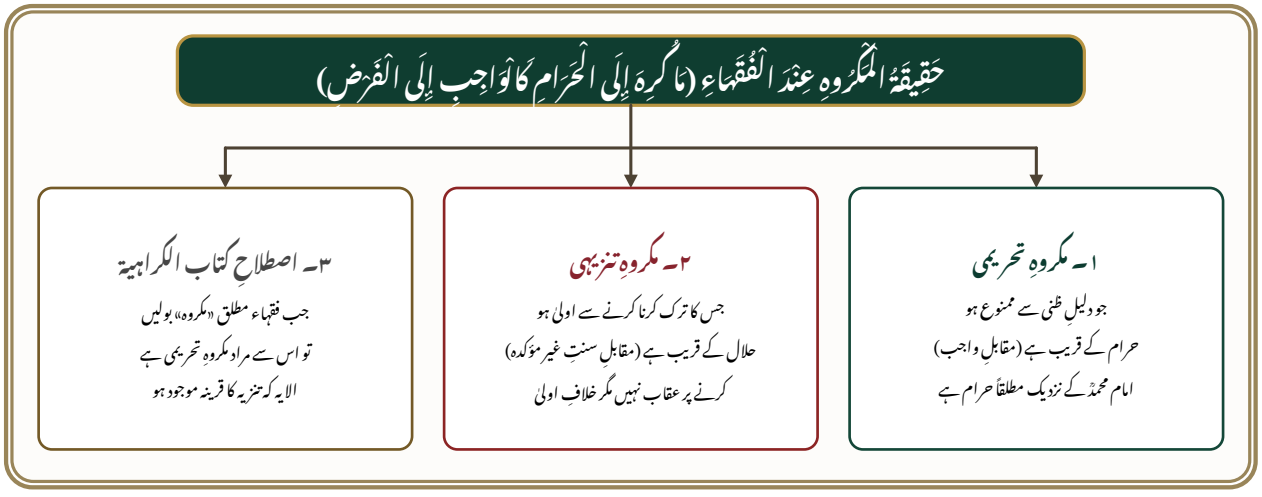

چھوٹے چھوٹے متفرق قسم کے مسائل ہیں، تو ان کو یہاں پر وہ کِتَابُ الْکَرَاھِیَۃِ میں ذکر کریں گے اور بتلائیں گے کہ یہ چیز مکروہ ہے یا حرام ہے اور یہ چیز جائز ہے، وغیرہ بھئی۔

تو سب سے پہلے مکروہِ تحریمی، اس کا فرق بیان کر رہے ہیں بھئی۔ تو کہتے ہیں: مَا کُرِہَ حَرَامٌ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالَی۔ مَا کُرِہَ وہ جو مکروہ ہے حَرَامٌ وہ حرام ہے عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَہُ اللہُ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک۔ وَلَمْ یَتَلَفَّظْ بِہِ اور انہوں نے اس حرام پر تلفظ نہیں کیا، یعنی حرام نہیں کہا اسے، لِعَدَمِ الْقَاطِعِ بوجہ قطعی دلیل کے نہ ہونے کے۔ یاد رکھیے فقہاء جو کسی چیز کو سنت، مستحب اور مکروہ، حرام وغیرہ جو کہتے ہیں یہ سب دلائل کی روشنی میں بھئی۔ اور دلیل جتنی قوی ہوگی، قطعی ہوگی تو اس سے فرض اور حرام ثابت ہوگا۔ کوئی کام کرنے والا ہے اور دلیلِ قطعی سے ثابت ہے تو اس کو کہیں گے کہ یہ فرض ہے، اور کوئی کام نہ کرنے والا ہے اور دلیلِ قطعی سے ثابت ہے، اس سے روکا گیا ہے، منع کیا گیا ہے، تو اس کو حرام کہیں گے۔ اور اگر دلیل کچھ کم درجے کی ہے تو پھر اس کو فرض نہیں کہیں گے بلکہ واجب کہیں گے۔ اور دوسری طرف جس سے روکا گیا ہے اگر اس میں دلیل کم درجے کی ہے ذرا، تو پھر اس کو حرام نہیں کہیں گے بلکہ مکروہِ تحریمی کہیں گے بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ مکروہِ تحریمی بھی حرام ہی ہے۔ ہر وہ چیز جو مکروہِ تحریمی ہے وہ حرام ہے کس کے نزدیک؟ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک۔ اور وہ آگے آپ کو بتلائیں گے کہ یہ مکروہ کی نسبت حرام کی طرف یہ ایسے ہی ہے جیسے واجب کی نسبت ہے فرض کی طرف۔ تو جیسے حرام سے بچنا ضروری، اسی طرح مکروہِ تحریمی سے بچنا بھی ضروری ہے۔ یہ بھی اسی کی طرح حرام ہے، البتہ امام محمد نے اس کو حرام نہیں کہا، اس کو مکروہِ تحریمی کہا، اس لیے کیونکہ دلیل اس درجے کی نہیں تھی بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو دلیل میں کچھ کمی تھی اس لیے اس کو مکروہِ تحریمی کہا، لیکن ہے یہ اسی طرح حرام، جیسے حرام کے کرنے پر سزا ہے، اسی طرح مکروہِ تحریمی بھی حرام ہے تو اس کے کرنے پر بھی کیا ہے؟ سزا ہے بھئی، سزا ہے۔

جیسے واجب ہے بھئی اور فرض۔ فرض، جیسے فرض کے چھوڑنے پر سزا ہے، اسی طرح واجب کے چھوڑنے پر بھی سزا ہے بھئی، البتہ واجب میں دلیل اس درجے کی نہیں ذرا کم درجے کی ہے۔ یا یوں کہو کہ حرام وہ ہے جس کا اعتقاد بھی ہو جس میں کہ اس کا کرنا کیا ہے؟ جائز نہیں، اور عمل بھی اس میں اس کو چھوڑنا ضروری ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔ اسی طرح دیکھو فرض اور واجب۔ فرض وہ ہے جس کا کرنا بھی ضروری اور اس کا اعتقاد رکھنا بھی ضروری، اعتقاد بھی یہ ہونا چاہیے کہ یہ چیز ہمارے اوپر لازم ہے۔ دیکھو ایک ہے عمل نہ کرنا اور ایک ہے اعتقاد نہ رکھنا، دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ایک شخص ہے وہ نماز نہیں پڑھتا، ہاں البتہ اس کا اعتقاد ہے کہ نماز مسلمانوں پر پانچ نمازیں فرض ہیں بھئی۔ تو اب اعتقاد

تو ہے اس کا لیکن عمل نہیں کرتا، تو بھی وہ مومن ہے اور البتہ یہ عمل نہ کرنے پر اللہ کی طرف سے سزا بھگتنا پڑے گی بھئی، اور ہو سکتا ہے اللہ معاف بھی فرما دیں۔ البتہ یاد رکھو جو حَقُّ الْعَبْدِ ہوتا ہے وہ کبھی اللہ معاف نہیں فرمائیں گے جب تک جس کا حق ہے وہ معاف نہ کر دے۔ بات میں کر رہا تھا فرض کی، مثلاً نماز ہے، نماز کا پڑھنا بھی ضروری اور اس کا اعتقاد رکھنا بھی ضروری۔ کوئی اگر نماز نہیں پڑھتا البتہ اس کا اعتقاد ہے کہ یہ نماز کیا ہے ہم پر؟ فرض ہے، تو یہ گنہگار ہے۔ لیکن اگر کوئی نماز کے فرض ہونے کا اعتقاد ہی نہیں رکھتا، تو یاد رکھیے وہ کافر ہے، دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔

جبکہ واجب جو ہوتا ہے، واجب، اس میں عمل ضروری ہوتا ہے اعتقاد ضروری نہیں ہوتا بھئی، اعتقاد ضروری نہیں ہوتا۔ اگر اعتقاد بھی ضروری ہوتا پھر تو اس کو فرض کہا جاتا، واجب نہ کہا جاتا۔ تو دیکھو واجب کے اندر عمل ضروری ہے، اعتقاد ضروری نہیں، کیونکہ دلیل ذرا کم درجے کی ہے، دلیل کم درجے کی ہے۔ تو یہاں پر بھی، جیسے واجب اور فرض میں جو نسبت ہے وہی نسبت ہے حرام اور مکروہِ تحریمی میں امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک۔

دیکھیے دوبارہ ترجمہ: مَا كُرِهَ حَرَامٌ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ وہ چیز جو مکروہ ہے حرام ہے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک۔ اور یہ بھی یاد رکھنا فقہ کی کتابوں میں مکروہ کا لفظ آجائے تو عموماً اس سے مکروہِ تحریمی مراد ہوتا ہے، عموماً کیا مراد ہوتا ہے؟ مکروہِ تحریمی۔ ہاں کہیں کہیں مکروہِ تنزیہی بھی آئے گا لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں مَا كُرِهَ حَرَامٌ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ وہ چیز جو مکروہ ہے وہ حرام ہے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک، یا یوں ترجمہ کر لو زیادہ بہتر: ہر مکروہِ تحریمی حرام ہے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک، وَلَمْ يَتَلَفَّظْ بِهِ اور انہوں نے اس کو حرام نہیں کہا لِعَدَمِ الْقَاطِعِ بوجہ قطعی دلیل کے نہ ہونے کے۔ فَنِسْبَةُ الْمَكْرُوهِ إِلَى الْحَرَامِ كَنِسْبَةِ الْوَاجِبِ إِلَى الْفَرْضِ تو مکروہِ تحریمی کی نسبت حرام کی طرف یہ ایسے ہی ہے جیسے واجب کی نسبت ہو فرض کی طرف۔

وَعِنْدَهُمَا إِلَى الْحَرَامِ أَقْرَبُ جبکہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک إِلَى الْحَرَامِ أَقْرَبُ مکروہ جو ہے، مکروہِ تحریمی وہ حرام کے قریب ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک تو حرام ہی ہے، لیکن چونکہ دلیل میں کچھ کمی تھی اس لیے حرام نہیں کہا انہوں نے۔ جبکہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک مکروہِ تحریمی حرام نہیں ہے، حرام کے قریب ہے، حرام نہیں ہے بھئی۔ تو یوں کہو آسان لفظوں میں کہ ممانعت دونوں کے نزدیک ہے، امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک بھی مکروہِ تحریمی کا کرنا ممنوع اور شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک بھی مکروہِ تحریمی کا کرنا ممنوع، لیکن ممانعت جو ہے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک زیادہ سخت ہے اور یہ ممانعت جو ہے مکروہِ تحریمی کی یہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک کچھ کم درجے کی ہے، اس کے مقابلے میں کچھ کم درجے کی ہے۔ تو کہتے ہیں وَعِنْدَهُمَا إِلَى الْحَرَامِ أَقْرَبُ اور شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک مکروہِ تحریمی جو ہے وہ حرام کے زیادہ قریب ہے۔

الْمَكْرُوهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى لَيْسَ بِحَرَامٍ، مکروہ جو ہے یعنی مکروہِ تحریمی وہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک وہ حرام نہیں ہے، لٰكِنَّهُ إِلَى الْحَرَامِ أَقْرَبُ لیکن وہ حرام کے زیادہ قریب ہے۔ هٰذَا هُوَ الْمَكْرُوهُ كَرَاهَةَ تَحْرِيمٍ یہ مکروہ ہے مکروہِ تحریمی۔ دیکھو ایک کراہت، کراہت دو قسم پر ہے: ایک کراہتِ تحریمی، ایک کراہتِ تنزیہی۔ کراہتِ تحریمی جس میں، کراہت ویسے ناپسندیدہ ہونا بھئی، برا ہونا، ناپسند ہونا، تو کراہتِ تحریمی جس کی ناپسندیدگی جس کی بہت زیادہ ہے یعنی وہ حرام کے قریب ہے، بہت ناپسندیدہ ہے ایک چیز کا کرنا تو کہیں گے اس میں کیا ہے؟ کراہتِ تحریمی ہے، اس سے بچنا چاہیے۔ اور ایک ہے کراہتِ تنزیہی، کہ اس کا بھی کرنا ناپسندیدہ ہوتا ہے لیکن اس میں جو کراہت ہوتی ہے وہ کم درجے کی ہوتی ہے اور وہ حلال کے زیادہ قریب ہے، حلال کے زیادہ قریب ہے۔

تو کہتے ہیں هٰذَا هُوَ الْمَكْرُوهُ كَرَاهَةَ تَحْرِيمٍ یہ مکروہ جو ہے یعنی یہ ہے مکروہِ تحریمی۔ وَأَمَّا الْمَكْرُوهُ كَرَاهَةَ تَنْزِيهٍ اور کراہتِ تنزیہ والا مکروہ جو ہے فَإِلَى الْحِلِّ أَقْرَبُ وہ حلال ہونے کے زیادہ قریب ہے۔ ترجمے پہ نظر ہے؟ هٰذَا هُوَ الْمَكْرُوهُ یہ مکروہ ہے كَرَاهَةَ تَحْرِيمٍ کون سا مکروہ؟ مکروہِ تحریمی۔ یاد رکھو اس کا با محاورہ ترجمہ یوں کرو کہ یہ مکروہِ تحریمی ہے۔ هٰذَا هُوَ الْمَكْرُوهُ كَرَاهَةَ تَحْرِيمٍ یہ مکروہِ تحریمی ہے، یا یوں کہو یہ مکروہِ تحریمی ہے۔ كَرَاهَةَ تَحْرِيمٍ کا الگ سے ترجمہ نہ کرنا، یہ مفعولِ مطلق ہے، اور مفعولِ مطلق کا الگ سے ترجمہ نہیں کرتے۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا میں نے زید کی پٹائی کی، ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرْبًا شَدِيدًا کیسے ترجمہ کریں گے؟ طلباء عموماً یوں ترجمہ کرتے ہیں: ضَرَبْتُ زَيْدًا میں نے زید کی پٹائی کی ضَرْبًا شَدِيدًا بڑی سخت پٹائی کرنا۔ بھئی اس طرح کوئی بولتا ہے؟ نہیں، یہ مفعولِ مطلق کو جملے کے اندر ہی لے آؤ، ضَرَبْتُ کے ساتھ ہی اس شَدِید کو لا کر جوڑ دو۔ میں نے زید کی سخت پٹائی کی۔ ہاں، میں نے زید کی سخت پٹائی کی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر بھی اسی طرح مَكْرُوه یہ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے اور كَرَاهَةَ تَحْرِيمٍ یہ مفعولِ مطلق ہے، اور اس کو پھر اس کے اندر ہی لے آؤ اور یوں کہو هٰذَا هُوَ الْمَكْرُوهُ كَرَاهَةَ تَحْرِيمٍ یہ مکروہِ تحریمی ہے، ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ تو کہتے ہیں یہ مکروہِ تحریمی ہے، وَأَمَّا الْمَكْرُوهُ كَرَاهَةَ تَنْزِيهٍ اور باقی مکروہِ تنزیہی جو ہے فَإِلَى الْحِلِّ أَقْرَبُ وہ حلال کے زیادہ قریب ہے، ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ جی۔ تو اس کو یہ مفعولِ مطلق ہے اس کا الگ سے ترجمہ نہیں کرنا ساتھ ہی ملا کر کرنا ہے۔ تو کہتے ہیں هٰذَا هُوَ الْمَكْرُوهُ كَرَاهَةَ تَحْرِيمٍ یہ مکروہِ تحریمی ہے وَأَمَّا الْمَكْرُوهُ كَرَاهَةَ تَنْزِيهٍ فَإِلَى الْحِلِّ أَقْرَبُ اور جو مکروہِ تنزیہی ہے تو وہ حلال کے زیادہ قریب ہے۔

تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک بھی مکروہِ تحریمی جو ہے ممنوع ہے، سخت ناپسندیدہ ہے، حرام کے قریب ہے، البتہ حرام نہیں ہے، اس سے کم درجے کی، کم درجہ ہے اس کا۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہِ تحریمی حرام ہی ہے اور اس پر بھی اسی طرح عَذَابُ النَّارِ ہوگا جس طرح حرام کے کرنے پر عَذَابُ النَّارِ ہے بھئی۔ تو کراہتِ تنزیہی حلال کے زیادہ قریب، ناپسندیدہ ہے لیکن اس میں ممانعت اس سخت درجے کی نہیں ہے بھئی، تو یہ حلال کے زیادہ قریب ہے۔ البتہ نیک آدمی کو مکروہِ تنزیہی سے بھی بچنا چاہیے بھئی، یہ نہ ہو وہ اس کو اپنی عادت بنا لے اور پھر یہ عادت اس کو کہیں حرام کی طرف

نہ لے جائے، تو فقہاء فرماتے ہیں کہ نیک آدمی کو مکروہِ تنزیہی سے بھی اپنے آپ کو بچانا چاہیے بھئی اور کم از کم اس کی عادت تو کبھی بھی نہیں ڈالنی چاہیے ورنہ یہ انسان کو آہستہ آہستہ حرام کی طرف لے جاتا ہے۔

آگے دیکھیے بھئی: فَصْلٌ۔ الْأَكْلُ فَرْضٌ إِنْ دَفَعَ بِهِ هَلَاكَهُ، وَمَأْجُورٌ عَلَيْهِ إِنْ مَكَّنَهُ مِنْ صَلَاتِهِ قَائِمًا وَمِنْ صَوْمِهِ، وَمُبَاحٌ إِلَى الشِّبَعِ لِيَزِيدَ قُوَّتُهُ، وَحَرَامٌ فَوْقَهُ إِلَّا لِقَصْدِ قُوَّةِ صَوْمِ الْغَدِ أَوْ لِئَلَّا يَسْتَحْيِيَ ضَيْفُهُ۔

کھانے کا بتلا رہے ہیں بھئی کہ کھانا پینا، کتنا کھانا فرض ہے اور اس پر اجر بھی ملتا ہے اور کتنا کھانا مباح ہے اور کتنا کھانا حرام ہے بھئی۔ یاد رکھیے مُبَاح، مُبَاح جس کی شریعت نے اجازت دی ہو یعنی جس کے کرنے پر ثواب نہیں اور چھوڑنے پر کوئی گناہ نہیں اس کو کیا کہتے ہیں؟ مُبَاح، مُبَاح، جس کو ہم آسان لفظوں میں کہتے ہیں کہ جائز ہے، یہ کرنا مثلاً جائز ہے۔ اچھا تو الْأَكْلُ فَرْضٌ کہتے ہیں کھانا فرض ہے إِنْ دَفَعَ بِهِ هَلَاكَهُ اگر وہ دور کرتا ہے اس کے ذریعے اپنی ہلاکت کو۔ اتنا کھانا کھانا جس کے ذریعے انسان کیا کرے؟ ہلاکت سے بچ جائے، ہلاکت کو دور کر دے اپنی، وہ کھانا اس پر فرض ہے۔ جان بچانا انسان پر فرض ہے۔ وَمَأْجُورٌ عَلَيْهِ اور تو یہ تو فرض ہے بھئی، فرض ہے۔ وَمَأْجُورٌ عَلَيْهِ إِنْ مَكَّنَهُ مِنْ صَلَاتِهِ قَائِمًا وَمِنْ صَوْمِهِ اور اتنا کھانا کہ جو اس... اگر إِنْ مَكَّنَهُ اگر وہ اس کو قدرت دے دے مِنْ صَلَاتِهِ اس کی نماز پر قَائِمًا کھڑے ہو کر وَمِنْ صَوْمِهِ اور اس کے روزے کی، تو یہ مَأْجُورٌ عَلَيْهِ ہے، اس پر کیا ہے؟ اجر دیا جائے گا، اجر ملے گا۔

بھئی پہلا کھانا جس سے جان بچ جائے وہ تو فرض ہے، وہ تو اس میں فرض ہے، فرض کا درجہ تو سب سے زیادہ۔ معلوم ہوا اس میں اگر وہ کھائے گا نہیں، اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالے گا، تو گنہگار ہوگا اور جہنم میں داخل ہوگا بھئی۔ کیونکہ جان کا بچانا کیا ہے؟ فرض ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص شدید بھوک کی وجہ سے مجبور ہو جائے، کوئی کھانے کی چیز نہیں، تو یاد رکھو اب اتنا بھوکا ہو گیا کہ اب نہیں کھاتا تو جان ہی چلی جائے گی، مر ہی جائے گا، تو اس صورت میں جو حرام چیز ہے وہ بھی حلال ہو گئی۔ حرام چیز بھی کیا ہو گئی؟ حلال ہو گئی، اب وہ حرام رہی ہی نہیں۔ اب اگر وہ حرام چیز کو کھا کر اپنی جان نہیں بچاتا، تو گنہگار ہے، مجرم ہے عِنْدَ اللہِ بھئی، اس نے اپنی جان نہیں بچائی۔ حالانکہ آپ کو فقہاء نے مسئلہ بتلا دیا کہ اتنی مقدار کھانا جس سے انسان اپنے آپ کو ہلاکت سے بچا لے وہ اس پر فرض ہے۔ اور میں نے یہ بھی بتایا کہ شدید بھوک کے عالم میں جو حرام چیز ہوگی وہ بھی کیا ہو جائے گی؟ حلال۔ حتیٰ کہ خنزیر کا گوشت اگر پڑا ہوا ہے اور کوئی شخص اتنا بھوک سے اس کی بری حالت کہ اسے یقین ہے کہ اب میں نے کچھ نہ کھایا تو میں مر جاؤں گا بھئی۔ کئی دن گزر گئے کچھ نہیں کھایا۔ ایک آدھ دن سے نہیں، ایک دن تک تو آپ روزہ رکھتے ہیں پتہ بھی نہیں چلتا۔ یہ جب کئی دن گزر جاتے ہیں پھر انسان کے لیے ہلنا دشوار ہو جاتا ہے بھئی، ہلنا جلنا دشوار، اب اس کو پتہ ہے اب میں مرنے لگا ہوں، اب اگر میں نے کچھ نہ کھایا۔ تو اس وقت اتنی مقدار کھانا جس سے جان بچ جائے بس۔ پیٹ بھر کر کھانے کی اجازت نہیں ہے، ہاں اتنی مقدار جس سے کیا ہو جائے؟ جان بچ جائے، ایک دو لقمے کھا لیے جس سے جان بچ جائے، یہ کھانا اس کی گنجائش بلکہ گنجائش نہیں یہ فرض

ہے، اس وقت وہ خنزیر کا گوشت بھی حرام رہا ہی نہیں، اس کے لیے کیا بن گیا ہے؟ حلال بن گیا ہے۔ تو گویا اس نے حلال کو چھوڑ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا، لہٰذا کیا بن گیا؟ مجرم ہو گیا۔ خنزیر کے گوشت کو کھانے کو کس نے حرام قرار دیا ہے؟ اللہ نے۔ اور وہی شریعت ہی، وہی شریعت اللہ ہی کی شریعت آپ کو بتلا رہی ہے کہ شدید بھوک کے عالم میں یہ اب حرام رہا ہی نہیں، یہ کیا بن گیا؟ حلال بن گیا ہے، اس کو کھاؤ اور اپنی جان بچا لو۔ لیکن اتنی ہی مقدار کی گنجائش ہے کھانے کی جس سے اپنی جان بچا سکو، پیٹ بھر کر کھانے کی گنجائش نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: الْأَكْلُ فَرْضٌ إِنْ دَفَعَ بِهِ هَلَاكَهُ، کھانا فرض ہے اگر دور کر دے، دور کرے اس کے ذریعے اپنی ہلاکت کو، یعنی اپنے آپ کو ہلاکت سے بچائے۔ وَمَأْجُورٌ عَلَيْهِ اور کھانا جو ہے اس پر اجر دیا جائے گا إِنْ مَكَّنَهُ مِنْ صَلَاتِهِ قَائِمًا وَمِنْ صَوْمِهِ اگر وہ اس کو قدرت دے دے اس کی نماز کے کھڑے ہو کر وَمِنْ صَوْمِهِ اور اس کے روزے کی۔ اس شخص کو وہ اتنا کھانے کی مقدار کہ جس سے وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکے بھئی اور روزہ رکھ سکے، تو اس اتنی مقدار کھانا اس پر اس کو اجر ملے گا، ثواب ملے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟

وَمُبَاحٌ إِلَى الشِّبَعِ اور یہ کھانا مباح ہے، کھانا جائز ہے إِلَى الشِّبَعِ پیٹ بھرنے تک۔ پیٹ بھرنے تک۔ شَبِعَ يَشْبَعُ شَبْعًا وَشِبَعًا کا معنی ہے کھانے سے سیر ہو جانا، پیٹ کا بھر جانا، شکم سیر ہو جانا۔ تو مُبَاحٌ إِلَى الشِّبَعِ أَيِ الْأَكْلُ مُبَاحٌ إِلَى الشِّبَعِ کھانا پینا مباح ہے، جائز ہے کتنی مقدار؟ پیٹ بھرنے تک۔ یعنی اس پر کوئی ثواب بھی نہیں اور کوئی گناہ بھی نہیں ہے۔ وَمُبَاحٌ إِلَى الشِّبَعِ اور پیٹ بھرنے تک کھانا جو ہے یہ مباح ہے لِيَزِيدَ قُوَّتُهُ تاکہ اس کی قوت بڑھ جائے، اس میں طاقت آ جائے، کام وغیرہ کر سکے اور۔

وَحَرَامٌ فَوْقَهُ اور اس سے بڑھ کر کھانا حرام ہے۔ پیٹ بھر گیا، پھر اس سے آدمی مزید کھاتا ہے تو یہ کھانا کیا ہے؟ حرام ہے، کیونکہ یہ، کیونکہ یہ، یہ تو اپنے آپ کو نقصان دے رہا ہے، زیادہ کھاؤ گے یہ تو معدے کو خراب کرے گا، جسم کو نقصان پہنچائے گا۔ ہاں، إِلَّا لِقَصْدِ قُوَّةِ صَوْمِ الْغَدِ اگلے دن کے، کل کے روزے کی قوت کے ارادے سے اگر کچھ زیادہ کھاتا ہے تو پھر حرام نہیں، پھر جائز ہے بھئی۔ کل مثلاً اس کا ارادہ ہے روزہ رکھوں گا، گرمیوں کے دن ہیں، لمبے دن اور شدید گرمی ہوگی، محنت کرے گا، کام کاج کرے گا، اور اس کو پتہ ہے کہ یہ جو عام مقدار میں کھاتا ہوں یہ تو پھر مجھے جلدی بھوک لگ جائے گی، میرے لیے کام مشکل ہو جائے گا، تو پھر اس صورت میں کچھ زیادہ بھی کھا سکتا ہے، پیٹ بھر کر، پیٹ بھر گیا لیکن مزید بھی کچھ کھا سکتا ہے۔ یہ معنی ہے وَحَرَامٌ فَوْقَهُ اور اس پیٹ بھرنے کی مقدار سے زیادہ حرام ہے إِلَّا لِقَصْدِ قُوَّةِ صَوْمِ الْغَدِ مگر کل کے روزے کی قوت کے ارادے سے۔ ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ لِقَصْدِ قُوَّةِ صَوْمِ الْغَدِ یہ ترجمہ آخر سے ہوگا: کل کے روزے کی قوت کے ارادے سے۔

أَوْ لِئَلَّا يَسْتَحْيِيَ ضَيْفُهُ یا تاکہ کہیں اس کا مہمان، تاکہ اس کا مہمان جو ہے وہ شرم نہ کرے۔ اِسْتَحْيَى يَسْتَحْيِي کا معنی شرم کرنا، ضَيْف مہمان کو کہتے ہیں۔ تو مثلاً آپ کا کوئی مہمان آیا اور آپ مہمان کے لیے آپ نے کھانے کا انتظام کیا، اب آپ بھی اس کے ساتھ بیٹھ کر کھا رہے ہیں، اب آپ کا پیٹ جلدی بھر گیا، اور لیکن مہمان ابھی کھا رہا ہے، اب آپ نے صرف اس لیے اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہیں تاکہ کہیں مہمان جب میں کھانا چھوڑوں تو وہ بھی شرم کی وجہ سے کھانا نہ چھوڑ دے، اس کا تو ابھی پیٹ نہیں بھرا، تو اس صورت میں پھر پیٹ بھرنے کے باوجود کچھ زائد بھی آپ کھا لیتے ہیں تو یہ آپ کے لیے جائز ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے أَوْ لِئَلَّا يَسْتَحْيِيَ ضَيْفُهُ یا تاکہ اس لیے کہ کہیں اس کا مہمان جو ہے وہ شرم نہ کرے۔

وَكُرِهَ لَبَنُ الْأَتَانِ اور مکروہ ہے لَبَنُ الْأَتَانِ گدھی کا دودھ۔ گدھی کا دودھ جو ہے وہ مکروہ ہے بھئی، مکروہِ تحریمی بھئی۔ وَبَوْلُ الْإِبِلِ اور اسی طرح اونٹ کا پیشاب جو ہے وہ بھی کیا ہے؟ مکروہ ہے بھئی، مکروہِ تحریمی۔ تو کہتے ہیں أَمَّا لَبَنُ الْأَتَانِ تو گدھی کا دودھ جو ہے فَحُكْمُهُ حُكْمُ لَحْمِهِ یاد رکھو یہ جو دودھ ہے اس کا وہی حکم ہوتا ہے جو گوشت کا ہوتا ہے۔ اگر وہ حیوان حلال ہے تو یہ دودھ بھی کہاں سے بنا؟ گوشت سے ہی، لہٰذا اس کا دودھ بھی کیا ہوگا؟ حلال۔ اور اگر وہ حیوان حرام ہے تو دودھ بھی کس سے بنا ہے؟ گوشت سے، تو وہ بھی کیا ہوگا؟ حرام۔ تو کہتے ہیں فَحُكْمُهُ حُكْمُ لَحْمِهِ تو دودھ جو ہے اس کا حکم وہی گوشت ہی کا حکم ہے۔ دودھ کا جو حکم ہے وہ وہی حکم ہے جو اس کے گوشت کا حکم ہے۔ اور گدھے کا تو گوشت کھانا حرام، لہٰذا اس کا دودھ جو ہے وہ بھی کیا ہوا؟ حرام ہوا۔

وَأَمَّا بَوْلُ الْإِبِلِ فَحَرَامٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ اور تو جو اونٹ کا پیشاب ہے فَحَرَامٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ۔ یاد رکھیے اونٹ کے پیشاب کے بارے میں ہمارے ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اونٹ کا پیشاب حلال ہے۔ حلال ہے۔ حلال ہے تو لازمی بات ہے معلوم ہوا پاک ہے، حلال ہے۔ اور جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دوا کے طور پر اس کا استعمال جائز ہے، ویسے یہ حلال نہیں۔ اگر کوئی طبیب بتلا دے کہ کسی شخص کی شفا کس کے اندر ہے؟ اونٹ کے پیشاب میں ہے، اگر اس کو پیے گا تو اس کو شفا مل جائے گی، تو پھر اس صورت میں ضرورت پیش آگئی، اور آپ نے فقہ کا مشہور ضابطہ پڑھا ہے: الضَّرُورَةُ تُبِيحُ الْمَحْظُورَاتِ کہ ضرورت جو ہے تُبِيحُ وہ مباح کر دیتی ہے الْمَحْظُورَات، مَحْظُورَات، ظا ہے درمیان میں، مَحْظُور بھئی، مَحْظُور کسے کہتے ہیں؟ ممنوع کو، ممنوع کو۔ تو الضَّرُورَةُ تُبِيحُ الْمَحْظُورَاتِ ضرورت جو ہے وہ ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہے، جائز کر دیتی ہے۔ تو یہاں بھی کیا پیش آگئی؟ ایک شخص بیمار ہے، تو ضرورت پیش آگئی، تو ضرورت کی وجہ سے وہ حلال ہو جائے گا، وہ مباح ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن یہ ضرورت کہاں ہے اور کہاں نہیں، یہ فقہاء ہی بتلائیں گے بھئی، ہر شخص نہیں۔ ورنہ تو ہر شخص اپنے لیے راستہ نکالے گا، جو بھی چیز اس

کو پیش آئے گی کہے گا مجھے اس کی ضرورت تھی، دیکھا، لیکن یہ فقہاء بتلائیں گے کہاں ضرورت ہے اور کہاں ضرورت نہیں ہے بھئی۔

جبکہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں حرام ہے، حرام ہے۔ اور دراصل اس میں ایک واقعہ پیش آیا تھا، آپ نے پڑھا بھی ہوگا کہ عُرَیْنَة والے، حدیثِ عُرَنِیِّین جو ہے، کہ عُرَیْنَة والے کچھ لوگ آئے تھے اور آکر مدینے میں مسلمان ہوئے، یہاں رہنے لگ پڑے، لیکن ان کے رنگ زرد پڑ گئے، مدینے کی آب و ہوا ان کو موافق نہ آئی، رنگ ان کے زرد پڑ گئے پیٹ پھول گئے، تو انہوں نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم تو، ہماری تو یہاں بری حالت ہو گئی، سب بیمار ہیں۔ تو حضور نے ان کو پھر مدینے سے باہر جہاں وہ صدقے وغیرہ کے اونٹ تھے مسلمانوں کے، وہاں ان کو بھیج دیا کہ وہاں جا کر رہو اور وہ اونٹوں کا پیشاب پیو۔ تو چنانچہ وہاں جا کر رہنے لگ پڑے اور وہ اونٹوں کا پیشاب پیتے اور پھر اس سے ان کو شفا مل گئی، وہ ٹھیک ہو گئے۔ تو چنانچہ جب وہ ٹھیک ہو گئے لیکن ایسے بدبخت لوگ تھے کہ انہوں نے وہ چرواہوں کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے، بھگا کر لے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو آپ نے صحابہ کو ان کے پیچھے دوڑایا، صحابہ گئے اور ان کو پکڑ کر لے آئے بھئی۔ تو چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کٹوا دیے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر دی گئیں، یعنی نابینا کر دیا گیا اور پھر ان کو اسی طرح باہر جنگل میں، صحرا میں، وہ دھوپ میں زمین پر ڈال دیا گیا اور وہیں پر ان کو چھوڑ دیا گیا اور پھر اسی طرح اس گرمی میں وہ تڑپ تڑپ کر مر گئے بھئی۔

تو یہ جو حدیثِ عُرَنِیِّین ہے اس میں دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اونٹوں کے پیشاب پینے کا حکم دیا تھا شفا کے لیے۔ تو اس پر ایک اشکال البتہ ذہن میں آتا ہے کہ اتنی سخت سزا ان کو دی گئی کہ ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے گئے اور آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر دی گئیں اور زبان پر کانٹے چبھوئے گئے، اتنی سخت سزا؟ تو فقہاء لکھتے ہیں، علماء لکھتے ہیں، کہتے ہیں دراصل انہوں نے بھی چرواہوں کو اسی طرح قتل کیا تھا۔ تو اس لیے ان کو، ایک تو انہوں نے غدر کیا وہ الگ، باقی انہوں نے، انہوں نے بھی دیکھو کیسے ظالم لوگ تھے بھئی کہ چرواہوں کو کتنے ظلم کے ساتھ انہوں نے قتل کیا تھا، ایک ویسے قتل کر دے اور ایک ہاتھ پاؤں کاٹنا، آنکھیں ختم کرنا اور زبان کاٹنا وغیرہ۔ تو اتنے ظلم کے ساتھ انہوں نے چرواہوں کو قتل کیا تھا اس لیے حضور نے بھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے لیے وہی سزا تجویز فرمائی۔

تو یہ حدیثِ عُرَنِیِّین کہلاتی ہے، وہ عُرَیْنَة والے تھے، قبیلہ عُرَیْنَة، تو یہ حدیث کیا کہلاتی ہے جس میں اس واقعے کا ذکر آتا ہے؟ حدیثِ عُرَنِیِّین بھئی، عُرَنِیِّین، عُرَیْنَة والوں کی حدیث بھئی۔ تو حدیثِ عُرَنِیِّین میں دیکھو اونٹوں کے پیشاب کے پینے کا حکم دیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں معلوم ہوا اونٹوں کا پیشاب پاک ہے، ورنہ

کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس کے پینے کا حکم نہیں دیتے، اس لیے کیونکہ دوسرے حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: مَا وُضِعَ شِفَاؤُكُمْ فِيمَا حُرِّمَ عَلَيْكُمْ، یہ آگے متن میں، یہ کتاب میں ہی آرہی ہے ایک آدھ سطر کے بعد، مَا وُضِعَ شِفَاؤُكُمْ نہیں رکھی گئی تمہاری شفا فِيمَا حُرِّمَ عَلَيْكُمْ اس چیز میں جو تم پر حرام کی گئی ہے۔ معلوم ہوا حرام کے اندر شفا نہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کیا پینے کا حکم دے رہے ہیں؟ اونٹوں کا پیشاب۔ معلوم ہوا وہ حرام نہیں ہو سکتا کیونکہ حرام میں تو شفا نہیں، معلوم ہوا یہ حلال ہے۔ یہ کس کی دلیل؟ امام محمد رحمہ اللہ کی۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب ضرورت پیش آگئی تو الضَّرُورَةُ تُبِيحُ الْمَحْظُورَاتِ ضرورت کیا ہے؟ ممنوع چیز کو بھی مباح کر دیتی ہے، تو وہ حرام رہا ہی نہیں، حرام رہا ہی نہیں ضرورت کی بنا پر، لہٰذا حضور نے ان کو پینے کا حکم دیا۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت جو ہے یعنی کہ علاج معالجے کے طور پر اس کا استعمال کیا ہو جائے گا؟ جائز ہو جائے گا، جبکہ کوئی طبیب کہہ دے اس کے علاوہ اور کسی چیز میں تمہاری شفا نہیں ہے۔ جبکہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں حرام ہے اور وہی دلیل: مَا وُضِعَ شِفَاؤُكُمْ فِيمَا حُرِّمَ عَلَيْكُمْ تمہاری شفا جو ہے وہ کسی حرام چیز میں نہیں رکھی گئی۔ اور یہ جو ان کو شفا، ان کو جو ان کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پینے کا حکم دیا، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے پتہ چلا۔ وحی...

کے ذریعے بتلایا گیا کہ ان کی شفا کس میں ہے؟ اونٹوں کے پیشاب میں ہے۔ اونٹوں کے تو چونکہ یہ بدبخت اور بدباطن لوگ تھے، لہٰذا ان کی شفا بھی اللہ نے بری چیز ہی کے اندر رکھی بھئی۔ اور اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ مدینے کی مثال بھٹی کی طرح ہے، بھٹی کی طرح۔ جیسے بھٹی کے اندر لوہا یا کوئی دھات ڈالی جاتی ہے تو وہ اس کو پگھلا دیتی ہے اور اس میں سے میل کچیل الگ ہو جاتا ہے، تو اسی طرح مدینے کے اندر بھی جب کوئی ایسا بدباطن شخص جاتا ہے تو مدینہ اس کو اپنے اندر رہنے نہیں دیتا، اس کو نکال باہر پھینکتا ہے۔ اسی لیے وہ لوگ بھی بیمار ہو گئے تھے مدینے کے اندر رہ کر، مدینے نے ان کو اپنے اندر سے نکال پھینکا بھئی۔

تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ حرام کے اندر شفا نہیں ہو سکتی بھئی، اور یہ حضور کو وحی کے ذریعے بتلایا گیا تھا، اور باقی کسی اور کے لیے حلال ہو جائے؟ کہتے ہیں نہیں، باقی کے لیے تو احتمال ہوگا، وہ طبیب کیا کہے گا؟ اس سے شفا ہو سکتی ہے۔ لیکن کیا اس سے شفا ہونا یقینی ہوگا؟ نہیں، وہ تو یقینی نہیں ہے، وہاں تو یقینی بات تھی وحی کے ذریعے بتلا دیا گیا تھا اس لیے وہ حلال ہو گیا، لیکن دوسری جگہ تو یقینی نہیں ہے اور حرام کے اندر شفا اللہ نے نہیں رکھی، لہٰذا باقی جگہ ضرورت کی بنا پر بھی ہم اس کو حلال قرار نہیں دیں گے بھئی کیونکہ حرام میں شفا ہے ہی نہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور یاد رکھو والد صاحب رحمہ اللہ عجیب بات بیان فرماتے تھے۔ آپ فقہ کے مسائل پڑھتے ہیں، جگہ جگہ اختلاف آتا

ہے امام اعظم ابو حنیفہ کا اور صاحبین کا۔ تو والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ یہ اختلاف وہاں آتا ہے، اس مسئلے میں آتا ہے جہاں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ مسئلے کی اتنی گہرائی میں چلے گئے کہ صاحبین کے لیے اس گہرائی تک جانا ان کے بس میں ہی نہیں رہا، تو مجبوراً پھر وہ اس تک ان تک پہنچ ہی نہیں سکے، تو اختلاف کر لیا انہوں نے۔ تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو اللہ نے عظیم مقام نصیب فرمایا تھا بھئی، عظیم مقام، اور وہ مسئلے کی اتنی گہرائی میں چلے جاتے کہ کسی کے لیے اس تک پہنچنا ان کے بس میں ہی نہ رہتا، جب وہاں تک پہنچتے ہی نہ تو مجبوراً پھر کیا کرنا پڑتا؟ جہاں تک خود پہنچتے اسی کے مطابق مسئلہ بیان کرتے، تو پھر اختلاف ظاہر ہوتا بھئی۔

مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ تو کہتے ہیں وَأَمَّا بَوْلُ الْإِبِلِ فَحَرَامٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، تو اونٹوں کا پیشاب جو ہے وہ حرام ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک۔ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يَحِلُّ بِهِ التَّدَاوِي، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حلال ہے اس کے ذریعے تداوی، دوا کرنا، علاج معالجہ کرنا، لِحَدِيثِ الْعُرَنِيِّينَ حدیثِ عُرَنِیِّین کی وجہ سے۔ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى يَحِلُّ مُطْلَقًا، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک حلال ہے مطلقاً۔ مطلقاً یعنی کوئی قید نہیں ہے کہ علاج کے لیے ہو یا بغیر علاج کے ہو، کوئی قید نہیں، ہر حال میں کیا ہے؟ حلال ہے بھئی، حلال ہے۔ لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ حَرَامًا لَا يَحِلُّ بِهِ التَّدَاوِي، اس لیے کیونکہ اگر یہ حرام ہوتا... امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل چل رہی ہے، لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ حَرَامًا اس لیے کیونکہ اگر یہ اونٹوں کا پیشاب حرام ہوتا، لَا يَحِلُّ بِهِ التَّدَاوِي تو اس کے ذریعے علاج معالجہ بھی حلال نہ ہوتا، دوا بھی جائز نہ ہوتی۔ قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا وُضِعَ شِفَاؤُكُمْ فِيمَا حُرِّمَ عَلَيْكُمْ، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مَا وُضِعَ شِفَاؤُكُمْ نہیں رکھی گئی تم لوگوں کی شفا فِيمَا حُرِّمَ عَلَيْكُمْ اس چیز میں جو تمہارے اوپر حرام کی گئی ہے۔

وَأَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ يَقُولُ لَا يَبْقَى حِينَئِذٍ حَرَامًا لِلضَّرُورَةِ، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ حرام ہو کر باقی نہیں رہتی لِلضَّرُورَةِ کس وجہ سے؟ ضرورت کی وجہ سے، جب علاج معالجے کے لیے ضرورت پیش آگئی، دوا کے لیے ضرورت پیش آگئی، تو اب وہ حرام رہا ہی نہیں، جب حرام نہ رہا تو کیا بن گیا؟ حلال۔ تو اب شفا حرام میں ہے یا حلال میں آگئی؟ حلال میں آگئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَأَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ يَقُولُ الْأَصْلُ فِي الْبَوْلِ الْحُرْمَةُ، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: الْأَصْلُ فِي الْبَوْلِ الْحُرْمَةُ کہ اصل جو ہے پیشاب کے اندر حرمت ہے، ہر چیز کے پیشاب میں اصل کیا ہے کہ وہ حرام ہے۔ وَهُوَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ عَلِمَ شِفَاءَ الْعُرَنِيِّينَ وَحْيًا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق عُرَیْنَۃ والوں کی شفا کو جان لیا وَحْيًا باعتبار وحی کے، وحی کے اعتبار سے۔ وَأَمَّا فِي غَيْرِهِمْ فَالشِّفَاءُ فِيهِ غَيْرُ مَعْلُومٍ، جبکہ ان کے علاوہ جو ہے باقی لوگوں کے لیے تو شفا اس کے اندر معلوم نہیں، کیونکہ اب وحی نہیں تو پتہ بھی نہیں چل سکتا کہ اس سے یقینی شفا ملے گی یا نہیں ملے گی، فَلَا يَحِلُّ تو یہ حلال نہیں ہوگا، یعنی علاج کے طور پر بھی حلال نہیں ہوگا۔

وَالْأَكْلُ وَالشُّرْبُ وَالِادِّهَانُ وَالتَّطَيُّبُ مِنْ إِنَاءِ ذَهَبٍ وَفِضَّةٍ۔ وَالْأَكْلُ اور کھانا، کیا معنی؟ اس کا عطف کس پر ہے؟ اس کا عطف پیچھے جو آیا تھا نا لَبَنُ الْأَتَانِ وَبَوْلُ الْإِبِلِ أَيْ كُرِهَ لَبَنُ الْأَتَانِ تو یہاں بھی ہے كُرِهَ الْأَكْلُ، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ اور مکروہ ہے کھانا وَالشُّرْبُ اور پینا وَالِادِّهَانُ اور تیل لگانا، دُهْن تیل کو کہتے ہیں، اور تیل لگانا، وَالتَّطَيُّبُ، تَطَيُّب کا معنی خوشبو لگانا، طِیب کس کو کہتے ہیں؟ خوشبو کو، اور خوشبو لگانا، مِنْ إِنَاءِ ذَهَبٍ وَفِضَّةٍ سونے اور چاندی کے برتن سے۔ سونے یا چاندی کے برتن سے کھانا پینا یہ بھی مکروہِ تحریمی، تیل لگانا مکروہِ تحریمی، اور اسی طرح خوشبو لگانا بھی مکروہِ تحریمی ہے۔ اور یہ صرف یاد رکھو یہ صرف مردوں کے لیے حکم نہیں ہے، عورتوں کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ عورتوں کے لیے سونا چاندی بطورِ زیور کے تو استعمال کرنا جائز ہے، لیکن کھانے پینے کے لیے، خوشبو کے لیے یا تیل لگانے کے لیے سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا یہ عورتوں کے لیے بھی جائز نہیں، کیونکہ یہ مشرکین کا طریقہ تھا، یہ کفار اور متکبرین کا طریقہ ہے تو شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی بھئی۔

أَيْ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ، یعنی کہ مردوں اور عورتوں کے لیے، یعنی دونوں کے لیے یہ مکروہِ تحریمی ہے، جائز نہیں ہے۔ قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ، کہ وہ تو جَرْجَرَ يُجَرْجِرُ۔ جَرْجَرَ يُجَرْجِرُ اس کا معنی یہ پانی پیتے ہوئے کوئی شخص شدید پیاسا ہو اور وہ پانی پیتا ہے، تیز تیز پانی پیتا ہے تو اس کے گلے سے ایک آواز سی نکلتی ہے پانی جب ادھر سے گزرتا ہے، تو وہ جو آواز ہے وہ ہے جَرْجَرَة، کیا ہے؟ جَرْجَرَة۔ تو کہتے ہیں إِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ لیکن یہاں یہ وہ آواز کے معنی میں نہیں، یہاں یہ انڈیلنے کے معنی میں ہے، اتارنے کے معنی میں ہے، جیسے ایک برتن سے دوسرے برتن میں پانی انڈیل دیا جائے۔ تو کہتے ہیں إِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ وہ انڈیل رہا ہے فِي بَطْنِهِ اپنے پیٹ میں نَارَ جَهَنَّمَ جہنم کی آگ۔ جو سونے چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ اتارتا ہے، جہنم کی آگ انڈیل رہا ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں وَحَلَّ مِنْ إِنَاءِ رَصَاصٍ وَزُجَاجٍ وَبِلَّوْرٍ وَعَقِيقٍ وَمِنْ إِنَاءٍ مُفَضَّضٍ۔ اور حلال ہے، حلال ہے۔ حَلَّ اس کے اندر هُوَ ضمیر ہے، کیا حلال ہے؟ کہتے ہیں یہ جو پیچھے چیزیں ذکر ہوئیں کھانا، پینا، تیل لگانا اور خوشبو لگانا۔ تو بھئی وہ تو چار چیزیں ہیں اور حَلَّ کے اندر تو هُوَ مفرد کی ضمیر ہے؟ تو جواب کہ كُلُّ وَاحِدٍ کی تاویل میں، أَيْ وَحَلَّ كُلُّ وَاحِدٍ ان میں سے ہر ایک۔ تو كُلُّ وَاحِدٍ تو دیکھو کیا ہے؟ مفرد ہے نا، تو اس کے لیے مفرد کی ضمیر لوٹائے، یا یہ حَلَّ کی ضمیر راجع ہے ان چاروں کو عَلَى سَبِيلِ الْبَدَلِ، عَلَى سَبِيلِ... یعنی پہلے یہ راجع ہوگی صرف أَكْل کو، پھر دوبارہ راجع ہوئی کس کو؟ شُرْب کو، پھر ادِّهَان کو اور پھر تَطَيُّب کو باری باری بھئی۔

تو کہتے ہیں وَحَلَّ مِنْ إِنَاءِ رَصَاصٍ، رَصَاص بھئی، رَصَاص یہ کوئی دھات ہے جس سے برتن بنائے جاتے ہیں۔ لغت کی کتابوں میں اس کا نام انہوں نے لکھا ہے رانگ بھئی، را الف نون گاف، رانگ، قلعی بھی لکھا ہے قلعی۔ بچپن میں مجھے یاد ہے وہ برتن قلعی کرواتے تھے لوگ بھئی، وہ سائیکلوں پر گھومتے تھے لوگ اور وہ برتن پرانے برتن ہوتے تھے ان کو چمکا

دیتے تھے۔ تو لغت کی کتابوں میں اس کا کیا نام لکھا رَصَاص کا؟ رانگ۔ اور شاید یہ جو جس کو ہم اردو میں سلور کہتے ہیں، سلور کے جو برتن ہیں، دھات ہے نا چاندی جیسی دھات ہے چمکدار سفید اور ہلکے پھلکے برتن ہوتے ہیں، عام بازار میں اکثر برتن اسی کے بکتے ہیں عام لوگ جو خریدتے ہیں، تو یہ شاید یہ اسی سلور کو رَصَاص کہتے ہیں۔

تو کہتے ہیں وَحَلَّ مِنْ إِنَاءِ رَصَاصٍ اور حلال ہے یعنی یہ چیزیں کھانا پینا، تیل لگانا اور خوشبو لگانا مِنْ إِنَاءِ رَصَاصٍ رانگ کے برتن سے، یا یوں کہو سلور کے برتن سے، وَزُجَاجٍ اور شیشے، زُجَاج کہتے ہیں شیشے کو، اور شیشے کے برتن سے بھی کھانا پینا وغیرہ حلال ہے، وَبِلَّوْرٍ، بِلَّوْر کہتے ہیں یہ پتھر ہے بھئی کوئی پتھر، تو اس پتھر کے برتن سے بھی کھانا پینا، تیل لگانا اور خوشبو لگانا جائز ہے، وَعَقِيقٍ اور عقیق، عقیق یہ قیمتی پتھر ہے سرخ رنگ کا، یہ انگوٹھیوں میں بھی لوگ لگواتے ہیں، تو اس کے برتن اگر ہو کوئی بڑا پتھر ہو اسے برتن بنا لیا تو اس میں بھی یہ کھانا پینا اور خوشبو اور تیل وغیرہ لگانا حلال ہے، جائز ہے۔ وَمِنْ إِنَاءٍ مُفَضَّضٍ، مُفَضَّض جس پر چاندی چڑھائی گئی ہو، إِنَاء مُفَضَّض جس پر چاندی چڑھائی گئی ہو۔ ایک تو برتن ہے نا کہ پورا ہی چاندی سے بنایا یا سونے سے بنایا، اور ایک برتن بنایا کسی اور چیز کا ہے، کسی اور دھات کا ہے، اوپر کیا چڑھا دی؟ چاندی چڑھا دی، چاندی چڑھا دی۔ لیکن اس میں یہ بھی یاد رکھنا پورے برتن پہ چاندی چڑھی ہو تو اس کا تو وہی حکم ہو گیا جو چاندی والے برتن کا تھا، تو یہ مراد نہیں ہے کہ پورے برتن کے اوپر چاندی چڑھا دی، نہیں، معنی یہ ہے اس برتن پر کچھ نقش و نگار چاندی کے بنا دیے، کچھ حصے پر کچھ تھوڑی بہت کیا کر دی؟ چاندی چڑھا دی، وہ ہے إِنَاءٍ مُفَضَّض۔ اور اگر پورے برتن پہ چاندی چڑھا دی تو اس کا وہی حکم ہے جو پہلے بیان ہو گیا کہ سونے اور چاندی کے برتن، یہ بھی کس کی طرح ہو گیا؟ چاندی کا برتن ہو گیا یہ تو۔ تو إِنَاءٍ مُفَضَّض سے کیا مراد ہے؟ جس پر کچھ حصے پر کچھ نقش و نگار تھوڑے بہت چاندی کے بنے ہوئے ہوں۔

تو دوبارہ ترجمہ دیکھ لیں وَحَلَّ مِنْ إِنَاءِ رَصَاصٍ وَزُجَاجٍ وَبِلَّوْرٍ وَعَقِيقٍ اور حلال ہے کھانا پینا، تیل لگانا اور خوشبو لگانا مِنْ إِنَاءِ رَصَاصٍ رانگ کے برتن سے اور شیشے کے برتن سے، وَبِلَّوْرٍ اور بلور پتھر کے برتن سے، وَعَقِيقٍ اور عقیق وہ سرخ رنگ کے قیمتی پتھر کے برتن سے بھی یہ سب کام جائز ہیں، وَمِنْ إِنَاءٍ مُفَضَّضٍ اور چاندی چڑھائے ہوئے برتن میں سے بھی یہ جائز ہے۔ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى يُكْرَهُ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ وہ کیا فرماتے ہیں کہ چاندی چڑھے ہوئے برتن سے یہ چیزیں، ان کاموں کے لیے اس کو استعمال کرنا مکروہ ہے، چاہے پورا برتن چاندی کا ہو چاہے اس کے کچھ حصے پر چاندی ہو، دونوں صورتوں میں ایک ہی حکم ہے، وہ فرماتے ہیں یہ مکروہ ہے۔ جبکہ ہمارے نزدیک آپ نے پڑھ لیا کہ یہ حلال ہے۔

اور امام صاحب سے اس کی دلیل... فقہاء بیٹھے تھے بھئی فقہاء، تو وہ یہی بات ذکر کر رہے تھے کہ جس برتن پر اگر چاندی

وغیرہ چڑھائی گئی ہو تو کیا اس سے کھانے پینے کے لیے استعمال کرنا جائز ہے یا جائز نہیں؟ تو تمام فقہاء کی رائے تھی کہ جائز نہیں ہے۔ امام صاحب خاموش بیٹھے تھے۔ آخر میں امام صاحب سے پوچھا گیا تو امام صاحب فرمانے لگے کہ جائز ہے۔ تو وہ حیران ہوئے کہ وہ کیسے جائز ہے؟ کیسے جائز ہے؟ تو امام صاحب کا ذرا قیاس دیکھو بھئی، قیاس دیکھو، انسان حیران رہ جاتا ہے کہاں کہاں سے جزئیہ، صورت نکال کر لے آتے ہیں۔ فرمایا: یہ بتاؤ چاندی کی انگوٹھی مرد کے لیے معمولی مقدار جائز ہے یا جائز نہیں؟ سب نے کہا کہ وہ معمولی مقدار کی چاندی کی انگوٹھی مرد کے لیے جائز ہے بھئی، جائز ہے۔ تو فرمایا: اگر ایک شخص نے چاندی کی انگوٹھی پہنی ہوئی ہو اور وہ اپنے ہاتھ سے چلو بھر کر پانی پیے، کیا کرے؟ چلو سے بھر کر پانی پیے، یہ تو پانی کا پینا جائز ہے یا نہیں؟ کہنے لگے جائز ہے۔ تو کہتے ہیں یہ بھی اسی برتن کی مثال ہے جیسے اس برتن کے ایک حصے پر کیا لگی ہو؟ چاندی، یہاں بھی اس کے جو ہاتھوں کا اس نے برتن بنا لیا اس کے ایک حصے پر کیا لگی ہوئی ہے؟ چاندی، اور کوئی بھی اس کو ناجائز نہیں کہہ سکتا۔ تو فقہاء حیران رہ گئے امام صاحب کی ذہانت پر بھئی۔

وَجُلُوسُهُ عَلَى مُفَضَّضٍ اور حلال ہے جُلُوسُهُ اس شخص کا بیٹھنا عَلَى مُفَضَّضٍ کسی...

چاندی چڑھی ہوئی کرسی وغیرہ پر، مُتَّقِيًا مَوْضِعَ الْفِضَّةِ اس حال میں کہ وہ بچنے والا ہو چاندی کے مقام سے، چاندی کے... بھئی چاندی کسی چیز پر چڑھائی گئی ہے اور اس پر وہ بیٹھتا ہے، تو کہتے ہیں بیٹھنا جائز ہے بشرطیکہ چاندی اس حصے پر نہ ہو جہاں وہ بیٹھتا ہو۔ یہ اسی طرح کرسی وغیرہ ہے، اگر اس پر اور جگہ چاندی لگی ہے تو ایک تو بیٹھنے کی جگہ چاندی نہیں ہونی چاہیے اور دوسرا جہاں ہاتھ رکھتا ہے یا ہاتھ سے پکڑتا ہے بیٹھتے ہوئے وہاں پر بھی چاندی نہیں ہونی چاہیے۔ اسی طرح گھوڑے کی اگر زین ہے، زین پر کچھ کسی نے چاندی کے نقش و نگار بنوائے ہیں خوبصورتی کے لیے، تو کہتے ہیں یہ بھی جائز ہے لیکن بشرطیکہ زین پر جس جگہ بیٹھتا ہو وہاں چاندی نہیں ہونی چاہیے۔ یعنی یوں کہو استعمال کے وقت وہ چاندی اس کے جسم کو مس نہ کرے، ٹچ نہ کرے بھئی، اس کے جسم کے ساتھ وہ چاندی نہ لگ رہی ہو۔ اگر بیٹھے گا پھر تو لگ رہی ہے یا نہیں؟ یا اگر ہاتھ رکھنے کی جگہ ہے کرسی پر وہاں چاندی لگی ہے تو یہ تو چاندی ہاتھ پر لگ رہی ہے۔ یا برتن پر، برتن ہے چاندی چڑھا ہوا اس پر نقش و نگار ہیں چاندی کے کچھ، یاد رکھو اس میں بھی ضروری ہے کہ جہاں منہ لگا کر پینا ہے یا کھانا ہے اس سے وہاں پر چاندی نہ ہو بھئی۔ تو استعمال کی جو جگہ ہے جو جسم کو لگنے والی ہے وہاں چاندی نہیں ہونی چاہیے، پھر جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔ یہ تفصیل یاد رکھنا بھئی۔

تو کہتے ہیں وَجُلُوسُهُ، جی، یہ جُلُوس کا عطف ہے یاد رکھیے حَلَّ پیچھے گزرا تھا اور حَلَّ کے اندر هُوَ ضمیرِ متصل ہے، فاعل کی ضمیرِ... حلال ہے وہ، کیا وہ؟ پیچھے میں نے بتلایا تھا الْأَكْلُ وَالشُّرْبُ وَالِادِّهَانُ وَالتَّطَيُّبُ کو هُوَ ضمیر راجع ہے، اور وہ ضمیرِ متصل ہے۔ اور ضمیرِ متصل پر وَجُلُوسُهُ کا عطف ہے۔ حَلَّ هُوَ وَجُلُوسُهُ وہ بھی حلال اور اس پر بیٹھنا بھی... کس پر بیٹھنا؟

عَلَى مُفَضَّضٍ وہ آگے آرہا ہے، اس چیز پر بیٹھنا جس پر چاندی چڑھی ہوئی ہو۔ یہاں بھی اشکال ہوتا ہے، اشکال یہ کہ ضمیرِ متصل پر تو عطف جائز نہیں۔ یہ مسئلہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے اسی کتاب کے اندر بھئی کچھ صفحات قبل ذکر ہوا تھا، تو میں نے آپ کو تفصیل بتلائی تھی کہ ضمیر، ایک ہے ضمیرِ متصل ایک ہے ضمیرِ منفصل۔ ضمیرِ منفصل پر تو عطف جائز ہے اس میں کوئی اعتراض نہیں، کوئی شک و شبہ نہیں۔ أَنْتَ، أَنْتَ وَزَيْدٌ مُجْتَهِدَانِ، أَنْتَ وَزَيْدٌ... دیکھو اب زَيْدٌ کا عطف کس پر ہے؟ أَنْتَ پر، أَنْتَ وَزَيْدٌ۔ دیکھو أَنْتَ ہے مبتدا اور زَيْدٌ کا اسی پر عطف ہے، تم اور زید دونوں کیا ہو؟ محنتی ہو، محنتی ہو۔ مُجْتَهِد کا کیا معنی؟ محنتی۔ تو أَنْتَ وَزَيْدٌ مُجْتَهِدَانِ۔ تو زید کا عطف کس پر ہو رہا ہے؟ أَنْتَ پر، اور أَنْتَ کیا ہے؟ ضمیر ہے، لیکن ضمیرِ منفصل ہے، کسی کے ساتھ جڑی ہوئی ہے یا علیحدہ ہے؟ علیحدہ ہے۔ بعض اوقات ضمیر کسی لفظ کے ساتھ جڑی ہوئی آتی ہے جیسے ضَرَبْتُ یہ ضَرَبْتُ کے آخر میں تَا جڑی ہوئی ہے، یا ضَرَبْتُهُ یہ ضَرَبْتُ کے ساتھ هَا ضمیر جڑی ہوئی ہے، تو یہ سب کیا ہیں؟ ضمیرِ متصل جو کسی لفظ کے ساتھ جڑی ہوئی ہو۔ اور ایک ہے منفصل جو علیحدہ ہو کسی سے جڑنے کی محتاج نہ ہو، جیسے هُوَ، أَنَا، أَنْتَ، نَحْنُ وغیرہ۔ دیکھو، نَحْنُ مُسْلِمُونَ دیکھو نَحْنُ، نَحْنُ علیحدہ ہے، کسی کی لفظ سے ماقبل کوئی ایسا لفظ نہیں جس کے ساتھ یہ جڑی ہوئی ہو۔

تو ضمیر ایک متصل ہے اور ایک منفصل۔ یاد رکھو ضمیرِ منفصل پر تو عطف کیا جا سکتا ہے، میں نے ابھی أَنْتَ پر کس کا عطف کیا؟ زید کا، زید کا۔ اور لیکن ضمیرِ متصل پر عطف جائز نہیں، عطف جائز نہیں۔ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں میں نے بھی پٹائی کی اور زید نے بھی پٹائی کی، تو ضَرَبْتُ وَزَيْدٌ میں نہیں کہہ سکتا، کیونکہ ضَرَبْتُ کی تَا ضمیر کیا ہے؟ متصل، اور اسی پر میں زید کا عطف کرنا چاہتا ہوں تو یہ تو میں عطف کر رہا ہوں ضمیرِ متصل پر، اور ضمیرِ متصل پر تو عطف جائز نہیں۔ ہاں دو صورتوں میں سے ایک صورت آجائے پھر عطف جائز ہوگا۔ ایک صورت تو یہ کہ درمیان میں فصل آجائے: ضَرَبْتُ بَكْرًا وَزَيْدٌ، ضَرَبْتُ بَكْرًا وَزَيْدٌ۔ دیکھا؟ میں نے کس کی پٹائی کی؟ بکر کی، وَزَيْدٌ اور کس نے پٹائی کی؟ زید نے۔ بھئی زَيْدٌ کا رفع بتلا رہا ہے کہ یہ فاعل پر عطف ہو رہا ہے مفعول پر عطف نہیں۔ تو ضَرَبْتُ بَكْرًا میں نے کس کی پٹائی کی؟ بکر کی، اور زید... یا یوں کہو دوسری مثال لے لو: ضَرَبْتُ أَمْسِ وَزَيْدٌ میں نے گزشتہ کل پٹائی کی تھی، وَزَيْدٌ اور کس نے کی تھی؟ زید نے۔ تو دیکھو اب زید کا عطف کس پر ہے؟ ضمیرِ متصل پر، لیکن درمیان میں کچھ فصل آگیا یا نہیں؟ کچھ جدائی آگئی، تو کوئی بھی لفظ درمیان میں آجائے تھوڑی سی جدائی آجائے تو پھر اس صورت میں عطف جائز ہو جاتا ہے۔ یا اسی ضمیر کی تاکید لے آؤ، ضمیرِ متصل کی تاکید لے آؤ ضمیرِ منفصل کے ساتھ، پھر بھی عطف جائز ہو جاتا ہے۔ ضَرَبْتُ وَزَيْدٌ، میں زید کا عطف کس پر کرنا چاہتا ہوں؟ ضَرَبْتُ کی تَا ضمیر پر، تو اس تَا ضمیر کے لیے ضمیرِ منفصل لے آؤ۔ ضَرَبْتُ سے کون مراد ہے؟ کس کی ضمیر ہے؟ متکلم کی، تو متکلم اور واحد متکلم ہے جمع متکلم ہے؟ واحد، تو واحد متکلم کی منفصل لے آؤ: أَنَا، أَنَا۔ تو ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ، ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ۔ اب دیکھو ضَرَبْتُ میں تَا ضمیر کیا ہے؟ مؤکَّد، فاعل ہے لیکن کیا ہے؟ مؤکَّد، اور أَنَا ضمیر کیا ہے اس کی؟ تاکید، اور

مؤکّد تاکید مل کر یہ کیا ہوئے؟ معطوف، اور آگے زید کا اس پر کیا ہو گیا؟ عطف ہو گیا۔ تو دیکھو دو صورتوں میں عطف جائز ہوتا ہے ضمیرِ متصل پر: یا تو فصل آجائے درمیان میں کوئی اور لفظ آجائے معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان، یا ضمیرِ متصل کی تاکید لے آؤ کس کے ساتھ؟ ضمیرِ منفصل کے ساتھ۔ اور یہاں پر کہتے ہیں حَلَّ کے اندر ضمیرِ متصل ہے هُوَ اور اس پر عطف ہے جُلُوسُهُ کا، لیکن درمیان میں فصل آگیا، کتنے ہی لفظ بیچ میں آگئے، تو اب یہ جائز ہے۔

تو کہتے ہیں وَجُلُوسُهُ اور حلال ہے اس کا بیٹھنا اس شخص کا عَلَى مُفَضَّضٍ چاندی چڑھی ہوئی چیز پر مُتَّقِيًا مَوْضِعَ الْفِضَّةِ اس حال میں کہ وہ بچنے والا ہو چاندی کی جگہ سے۔ فَقَوْلُهُ کہتے ہیں مصنف کا قول جو ہے وَجُلُوسُهُ عَطْفٌ عَلَى الضَّمِيرِ فِي حَلَّ اس کا عطف ہے اس ضمیر پر جو حَلَّ کے اندر ہے یعنی ضمیرِ متصل پر، وَهٰذَا يَجُوزُ اور یہ جائز ہے لِوُجُودِ الْفَصْلِ کس وجہ سے؟ فصل کی وجہ سے۔

فَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک الْأَكْلُ وَالشُّرْبُ مِنَ الْإِنَاءِ الْمُفَضَّضِ کہ کھانا اور پینا چاندی کے چڑھے ہوئے برتن سے، وَالْجُلُوسُ عَلَى الْكُرْسِيِّ أَوِ السَّرِيرِ أَوِ السَّرْجِ أَوْ نَحْوِهِ مُفَضَّضًا یا بیٹھنا کرسی پر أَوِ السَّرِيرِ، سَرِیر کہتے ہیں چارپائی یا تخت بھئی، یا بیٹھنا تخت پر، أَوِ السَّرْجِ، سَرْج کہتے ہیں زین بھئی، گھوڑے پر جو چمڑے کی بیٹھنے کے لیے جگہ بنائی جاتی ہے اس کو سَرْج کہتے ہیں زین بھئی، یا بیٹھنا أَوِ السَّرْجِ کس پر؟ زین پر، أَوْ نَحْوِهِ یا اس جیسی چیزوں پر مُفَضَّضًا اس حال میں کہ یہ کیا ہوں؟ مُفَضَّض ہوں، ان پر چاندی کے نقش و نگار بنے ہوں، کہتے ہیں إِنَّمَا يَحِلُّ کہ یہ حلال ہے إِذَا كَانَ مُتَّقِيًا مَوْضِعَ الْفِضَّةِ جب کہ وہ بچنے والا ہو چاندی کی جگہ سے، چاندی کی جگہ سے بچنے... بھئی کیا معنی بچنے والا ہو؟ کہتے ہیں أَيْ لَا تَكُونُ الْفِضَّةُ فِي مَوْضِعِ الْفَمِ کہ وہ چاندی جو ہے منہ لگانے کی جگہ میں نہ ہو، منہ کی جگہ میں نہ ہو، کس میں؟ کھانے پینے کی صورت میں، وَفِي مَوْضِعِ الْيَدِ عِنْدَ الْأَخْذِ اور ہاتھ کی جگہ پر نہ ہو عِنْدَ الْأَخْذِ اٹھاتے وقت، پکڑتے وقت۔ وہ برتن پر باقاعدہ ایک دستہ بنا ہوا ہے اور اس دستے پر چاندی چڑھی ہے، اب تو آپ جب پکڑیں گے تو چاندی ہاتھ میں آئے گی یا نہیں آئے گی؟ تو لہٰذا یہ صورت جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر ہاتھ والی جگہ اور منہ والی جگہ پر چاندی نہیں ہے تو پھر جائز ہے۔ یہ معنی ہے کہ أَيْ لَا تَكُونُ الْفِضَّةُ فِي مَوْضِعِ الْفَمِ چاندی جو ہے وہ منہ کے مقام میں نہ ہو وَفِي مَوْضِعِ الْيَدِ عِنْدَ الْأَخْذِ اور پکڑتے وقت ہاتھ کے مقام میں نہ ہو، وَفِي مَوْضِعِ الْجُلُوسِ عَلَى الْكُرْسِيِّ اور بیٹھنے کی جگہ میں نہ ہو کرسی پر، یہ کرسی اور اسی طرح زین میں بھی بھئی بیٹھنے کی جگہ پر نہ ہو۔[۲]

وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ يُكْرَهُ مُطْلَقًا جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ مطلقاً مکروہ کہتے ہیں، وہ کیا کہتے ہیں؟ مطلقاً مکروہ ہے بھئی، مکروہ ہے، یعنی چاندی کے نقش و نگار والے برتن یا کرسی وغیرہ استعمال کرنا مکروہ ہے، لیکن فتویٰ امام ابو حنیفہ

[۲] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۹۴):** صوتی درس کی قراءت میں «أَيْ لَا تَكُونُ الْفِضَّةُ فِي مَوْضِعِ الْفَمِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «أي لا يكون الفضةُ في موضعِ الفَمِ،» منقول ہے۔

رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔ اور امام محمد وہ کس کے ساتھ ہیں؟ کہتے ہیں بھئی ان کے بارے میں بعض علماء تو کہتے ہیں کبھی کہتے ہیں امام ابو حنیفہ کے ساتھ ہیں اور کبھی کہتے ہیں امام ابو یوسف، یعنی ان کے بارے میں دونوں طرح کے روایات علماء ذکر کرتے ہیں، بعض کہتے ہیں وہ کس کے ساتھ ہیں؟ اس مسئلے میں امام صاحب کے ساتھ ہیں اور بعض کہتے ہیں وہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ۔ تو کہتے ہیں وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ قَدْ قِيلَ اور محمد اور امام محمد رحمہ اللہ جو ہیں تو قَدْ قِيلَ تو کبھی کہا گیا ہے کہ إِنَّهُ مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ کہ وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں وَقَدْ قِيلَ اور کبھی کہا گیا ہے کہ إِنَّهُ مَعَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ کہ وہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں۔

وَقُبِلَ قَوْلُ كَافِرٍ قَالَ شَرَيْتُ اللَّحْمَ مِنْ مُسْلِمٍ أَوْ كِتَابِيٍّ فَحَلَّ أَوْ مَجُوسِيٍّ فَحَرُمَ۔ بھئی ایک مسئلہ یاد رکھیے: ایک ہیں معاملات اور ایک ہیں دیانات۔ معاملات وہ ہیں جو لوگوں کے درمیان معاملات ہوتے ہیں، جیسے خرید و فروخت ہوتی ہے، آپ کسی کے پاس جاتے ہیں کوئی چیز خریدتے ہیں، وہ آپ کو چیز بیچتا ہے، یا آپ کسی کو اپنا وکیل بناتے ہیں، یا اسی طرح آپ کسی کو کوئی ہدیہ دے کر بھیجتے ہیں کہ فلاں کو میری طرف سے یہ ہدیہ پہنچا دو، تو یہ آپس کے معاملات ہیں جو یعنی معاملات وہ ہیں جن کا آپس میں لوگوں کے درمیان جو مختلف قسم کے امور پیش آتے ہیں وہ ہیں معاملات۔ وہ کیا ہیں؟ معاملات۔ اور ایک ہیں دیانات، دیانات یعنی دین سے متعلق جو چیزیں ہیں دین سے، یعنی کوئی چیز حلال ہے یا حرام، کوئی گوشت پڑا ہے کوئی آپ کو کہتا ہے یہ حلال ہے دوسرا کہتا ہے یہ حرام ہے، یا پانی ہے کوئی کہتا ہے یہ پانی پاک ہے یا نجس ہے، تو یہ جو چیزیں ہیں یہ ہیں دیانات، اس کا تعلق دین سے ہے، دین سے ہے بھئی۔

تو یاد رکھو دینی امور کے اندر، دینی امور کے اندر کسی قابلِ اعتماد ہونا ضروری، جس اس شخص کی بات کو قبول کیا جائے گا جو قابلِ اعتماد ہوگا۔ اور جبکہ معاملات کے اندر ہر ایک کی بات کو قبول کیا جا سکتا ہے چاہے مسلمان ہو چاہے کافر ہو، قابلِ اعتماد ہو یا قابلِ اعتماد نہ ہو، لیکن دینی امور میں ہر ایک کی بات کو قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ حلال و حرام کا مسئلہ ہے، دین کا معاملہ ہے۔ تو لہٰذا اگر کوئی شخص آپ کو کسی چیز کی خبر دیتا ہے، تو وہ اطلاع دینے والا ہو سکتا ہے مسلمان ہو، ہو سکتا ہے مسلمان نہ ہو، مرد ہو یا عورت ہو، غلام ہو یا بچہ ہو، یا نیک ہو یا فاسق اور فاجر ہو، کتنی ہی صورتیں پیش آگئیں، تو آپ کو یہ بتلائیں گے کہ معاملات کے اندر چاہے کافر ہو، چاہے فاسق ہو، ہر ایک کی بات کو قبول کیا جا سکتا ہے۔ ہر ایک کی بات کو قبول... لیکن دینی معاملات میں مسلمان ہو اور مسلمان بھی قابلِ اعتماد ہو، نیک آدمی ہو، تو اس کی بات کو قبول کیا جائے گا کیونکہ وہ حلال اور حرام کا معاملہ ہے بھئی۔ فاسق اور فاجر ہو، ایک مسلمان ہے لیکن گناہوں کی پرواہ ہی نہیں کرتا، تو دینی معاملے میں اس کی بات کو قبول نہیں کیا جائے گا بھئی، اس لیے کیونکہ جو شخص خود دین کی پرواہ نہیں کرتا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم دین کے معاملے میں اس کی باتوں پر کیا کر لیں؟ اعتماد کر لیں۔

تو کہتے ہیں وَقُبِلَ قَوْلُ كَافِرٍ اور قبول کیا جائے گا کافر کے قول میں، قَالَ جس نے یہ کہا شَرَيْتُ اللَّحْمَ مِنْ مُسْلِمٍ أَوْ كِتَابِيٍّ کہ میں نے یہ گوشت خریدا ہے کسی مسلمان سے أَوْ كِتَابِيٍّ یا کسی اہلِ کتاب سے فَحَلَّ تو وہ گوشت کیا ہوگا؟ حلال۔ أَوْ مَجُوسِيٍّ یا میں نے گوشت خریدا ہے کسی مجوسی سے، آتش پرست بھئی، فَحَرُمَ تو وہ کیا ہوگا؟ حرام۔ بھئی معاملات میں کافر کا قول قبول کیا جائے گا، ابھی آپ نے پڑھ لیا۔ لہٰذا اب اگر ایک کافر آکر کہتا ہے کہ میں نے یہ گوشت کس سے خریدا ہے؟ مسلمان سے، تو یہ گوشت حلال ہے، آپ لے کر استعمال کر سکتے ہیں۔ یا کہتا ہے یہ گوشت میں نے اہلِ کتاب سے خریدا ہے... وہ کس چیز کی اطلاع دے رہا ہے؟ ہاں حلال حرام کی اطلاع نہیں دے رہا، اگر وہ حلال حرام کی اطلاع دے گا پھر تو یہ دینی معاملہ بن گیا۔ وہ معاملے کی خبر دے رہا ہے، میں نے خریدا یہ اپنی خرید کی...

بات کر رہا ہے خرید و فروخت کی، یہ میں نے کس سے خریدا؟ مسلمان سے۔ تو یہ خریدنا یہ کیا ہے؟ معاملہ ہے یا دینی چیز ہے؟ معاملہ ہے، تو ان معاملات کے اندر کافر کی بات کو قبول کیا جائے گا۔ تو اس نے کہا اگر میں نے یہ مسلمان سے خریدا، یا وہ کہتا ہے میں نے اہلِ کتاب سے خریدا ہے اور آپ کو پتہ ہے کہ مثلاً وہ جو اہلِ کتاب ہیں آپ کے علاقے میں وہ اللہ کا نام لیتے ہیں حیوان کو ذبح کرتے ہوئے، ورنہ آج کل تو اہلِ کتاب جو ہیں خصوصاً عیسائی انہوں نے تو دین کو بالکل چھوڑ دیا ہے، تو جب تک یہ تحقیق نہ ہو جائے کہ وہ اپنے ذبیحے پر اللہ کا نام لیتے ہیں تب تک ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ ہاں یہود جو ہیں وہ خیال رکھتے ہیں ابھی بھی، ہاں وہ اللہ کا نام لیتے ہیں تو ان کا ذبیحہ جو ہے وہ مسلمان استعمال کر سکتے ہیں۔ اور میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا کہ یورپ وغیرہ اور دیگر ممالک میں وہاں باقاعدہ وہ یہودیوں کے ذبیحے جیسے مسلمانوں کا ذبیحہ حلال کے نام سے وہاں ملتا ہے، یہودیوں کا ذبیحہ کوشر (کاف واؤ شین را) کوشر کے نام سے بکتا ہے، تو وہ بھی مسلمان کے لیے استعمال کرنا جائز ہے۔ لیکن عیسائی انہوں نے تو دین کو بالکل ہی چھوڑ دیا ہے، یہ تو بس صرف نام کے عیسائی ہیں اور ان کو کچھ بھی اپنے مذہب کا بھی نہیں پتہ ہوتا، اور تو لہٰذا ان کے بارے میں جب تک تحقیق نہ ہو جائے کہ یہ ذبیحے پر اللہ کا نام لیتے ہیں یا نہیں لیتے تب تک ان کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے۔

تو کافر نے آپ کو کیا اطلاع دی کہ یہ گوشت میں نے کس سے خریدا ہے؟ مسلمان سے یا کسی اہلِ کتاب سے۔ اب وہ گوشت کے حلال حرام ہونے کا نہیں بتا رہا کہ یہ حلال ہے یا حرام، وہ صرف اپنے ایک معاملے کی خبر دے رہا ہے، یہ جو اس نے بیع و شرا کی ہے اس کی اطلاع دے رہا ہے، اور بیع و شرا معاملات میں سے ہے یا دیانات میں سے؟ معاملات میں سے ہے، لہٰذا معاملات کے اندر کافر کی بات کو قبول کیا جائے گا۔ تو اگر وہ کہتا ہے میں نے یہ مسلمان یا اہلِ کتاب سے یہ گوشت خریدا تو وہ گوشت حلال ہوگا۔ اور اگر وہ کہتا ہے میں نے یہ مجوسی سے خریدا ہے، آتش پرست بھئی، تو اس کی بات کو، یہ وہ اپنے معاملے کی خبر دے رہا ہے، اس کو قبول کیا جائے گا اور وہ گوشت کیا ہوگا؟ حرام ہوگا۔

ہاں اگر وہ آپ کو کافر ایک گوشت آپ کے سامنے لاتا ہے اور یہ آپ کو دیتا ہے یا آپ خریدنے گئے، آپ ایک کافر

سے گوشت خریدنے لگے اور وہ آپ کو کہتا ہے کہ یہ گوشت، کہ یہ مسلمان نے ذبح کیا ہے، یہ جانور کس نے ذبح کیا تھا؟ مسلمان۔ اب وہ معاملے کی اطلاع دے رہا ہے یا حِلّت و حرمت کی اطلاع دے رہا ہے؟ حِلّت و حرمت کی اطلاع دے رہا ہے، تو یہ دینی معاملہ آگیا، اور حِلّت و حرمت وغیرہ دینی معاملات میں اس کی بات کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ وہ کہے اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے لہٰذا یہ گوشت آپ خرید لیں یہ حلال ہے، تو اس کی بات کو قبول نہیں کریں گے۔ لیکن اگر کافر کہتا ہے میں یہ گوشت کس سے خرید کر لایا؟ مسلمان سے یا اہلِ کتاب سے یا مجوسی سے، تو اس کے مطابق اس کی بات کو قبول کر لیا جائے گا کہ حلال ہے۔ اس پر آپ کہیں گے کہ بھئی بات تو ایک ہی ہے، وہ اگر کہتا ہے میں نے کس سے خریدا ہے؟ مسلمان سے، تو اگرچہ وہ اپنے معاملے کی اطلاع دے رہا ہے جو خرید و فروخت کے لیکن حِلّت بھی آرہی ہے ساتھ کہ نہیں آ رہی؟ یا وہ کہتا ہے میں نے یہ گوشت مجوسی سے خریدا ہے، تو حرمت بھی ساتھ آرہی ہے، اگرچہ وہ اپنے معاملے کی اطلاع دے رہا ہے؟ تو جواب یہ کہ بھئی بات یہ ہے کہ یہاں حِلّت و حرمت ضمناً معلوم ہو رہی ہے، اس نے تو حِلّت و حرمت کی اطلاع نہیں دی۔ اگر وہ حِلّت و حرمت کی اطلاع دے گا پھر ہم اس کی بات قبول نہیں کریں گے، لیکن وہ صرف کیا بیان کر رہا ہے کہ میں نے یہ مسلمان سے خریدا ہے یا مجوسی سے خریدا ہے، وہ صرف اپنے معاملے کی اطلاع دے رہا ہے، تو معاملے کے اندر اس کی بات کو قبول کیا جائے گا۔ اگرچہ ضمناً حِلّت اور حرمت بھی معلوم ہو رہی ہے لیکن وہ ضمناً ہو رہی ہے صراحتاً نہیں۔ اگر وہ صراحتاً حِلّت اور حرمت بیان کرے گا پھر ہم قبول نہیں کریں گے۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں وَقُبِلَ قَوْلُ كَافِرٍ اور قبول کیا جائے گا کافر کے قول کو، قَالَ جس نے کہا شَرَيْتُ اللَّحْمَ مِنْ مُسْلِمٍ أَوْ كِتَابِيٍّ کہ میں نے یہ گوشت خریدا ہے مسلمان سے یا کتابی سے، تو اس کی بات کو قبول کیا جائے گا فَحَلَّ تو وہ گوشت کیا ہوگا؟ حلال ہوگا۔ أَوْ مَجُوسِيٍّ یا اس نے کہا یہ میں نے گوشت کس سے خریدا ہے؟ مجوسی سے، تو اس کی بات کو قبول کیا جائے گا فَحَرُمَ تو گوشت کیا ہوگا؟ حرام۔ فَإِنَّ قَوْلَ الْكَافِرِ مَقْبُولٌ فِي الْمُعَامَلَاتِ اس لیے کیونکہ کافر کا قول جو ہے وہ مقبول ہے یعنی اس کو قبول کیا جائے گا فِي الْمُعَامَلَاتِ معاملات میں لِلْحَاجَةِ إِلَيْهِ کیونکہ اس کی حاجت ہے ضرورت ہے، إِذِ الْمُعَامَلَاتُ كَثِيرَةُ الْوُقُوعِ کیونکہ معاملات کثیر الوقوع ہیں بھئی۔ اگر ہر جگہ ہم مسلمان اور عادل ہونے کی شرط لگا دیں تو لوگ تکلیف میں پڑ جائیں گے بھئی۔ ٹھیک ہے یہاں تو مسلمان زیادہ ہیں، باقی جگہوں پر تو مسلمان اور کافر کہیں کافر زیادہ ہوتے ہیں، اب آپ ہر معاملے میں کہیں کہ مسلمان، خبر دینے والا مسلمان ہو، عادل ہو، پھر ہی ہم بات قبول کریں گے تو اب لوگ تکلیف میں پڑ جائیں گے۔ تو معاملات، معاملات تو دن رات چلتے ہیں بھئی دن رات معاملات پیش آرہے ہیں، کسی کی طرف کوئی چیز بھیج رہے ہیں، کسی سے کوئی چیز خرید رہے ہیں، کسی کو وکیل بنا رہے ہیں، کسی کے ساتھ کوئی اور معاملہ کر رہے ہیں، کسی کے ساتھ تجارت کے لین دین کر رہے ہیں، بیسیوں معاملات دن رات آپ کرتے ہیں۔ اب اگر ہر ایک میں یہ شرط لگا دی جائے کہ مسلمان ہونا چاہیے اور کون ہونا چاہیے؟ عادل، قابلِ اعتماد ہونا چاہیے، تو لوگ مشکل میں پڑ جائیں گے۔

تو چونکہ معاملات میں ضرورت تھی وہ کثیر الوقوع ہیں، تو ضرورت کی بنا پر تو لہٰذا تو حاجت پیش آگئی اور حاجت کی وجہ سے شریعت نے اجازت دے دی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے إِذِ الْمُعَامَلَاتُ كَثِيرَةُ الْوُقُوعِ کیونکہ معاملات کثیر الوقوع ہیں، تو حاجت کی وجہ سے جائز ہوگا کافر کے قول کو قبول کرنا۔

وَقَوْلُ فَرْدٍ اور ایک فرد کے قول کو۔ بھئی ویسے تو گواہی میں کم از کم کتنے ہونے چاہئیں؟ دو مرد ہونے چاہئیں، ایک مرد اور دو عورتیں، لیکن یہاں عدد کی بھی نہیں شرط کہ اطلاع دینے والے دو ہوں، بلکہ کافر کا بھی قول اور ایک ہی فرد کے قول کو بھی کیا کر لیا جائے گا معاملات کے اندر؟ قبول کر لیا جائے گا۔ تو کہتے ہیں وَقَوْلُ فَرْدٍ اور اس کا عطف بھی اسی پر ہے قَوْلُ كَافِرٍ پر، اور قبول کر لیا جائے گا ایک ہی فرد کے قول کو كَافِرٍ أَوْ أُنْثَى کافر ہو چاہے وہ أَوْ أُنْثَى یا مؤنث عورت ہو، مرد ہو یا عورت، أَوْ فَاسِقٍ یا کیا ہو؟ فاسق ہو، أَوْ عَبْدٍ یا عَبْد غلام ہو فِي الْمُعَامَلَاتِ معاملات کے اندر، كَشِرَاءٍ ذُكِرَ جیسے وہ خرید ذُكِرَ جس کو ذکر کیا گیا۔ اوپر جیسے کافر نے ابھی ذکر کیا تھا، جیسے اس کو قبول کیا گیا تھا، تو چاہے کافر ایک ہی مرد ہو یا کوئی عورت ہو، چاہے وہ مسلمان ہے چاہے کافرہ ہے، چاہے فاسق ہے مسلمان چاہے غلام ہے جو بھی خبر دے، سب کے معاملات کے اندر سب کی بات کو، ایک ہی فرد کی بات کو قبول کر لیا جائے گا۔ كَشِرَاءٍ ذُكِرَ جیسے کہ وہ خرید جس کو اوپر ذکر کیا گیا۔ وَالتَّوْكِيلِ اور جیسے توکیل ہے، وکیل بنانا۔ ایک شخص آیا وہ آپ کو آکر زید کی گاڑی آپ کے ہاتھ فروخت کرتا ہے۔ آپ کہتے ہیں بھئی یہ تو زید کی گاڑی ہے، تو وہ کہتا ہے مجھے زید نے وکیل بنایا ہے کہ میری کہ اس کی گاڑی فروخت کر دوں۔ تو اب آپ کے لیے جائز ہے کہ اس کی بات مانتے ہوئے اس سے وہ گاڑی خرید لیں۔ كَمَا إِذَا أَخْبَرَ جیسے کسی نے خبر دی أَنِّي وَكِيلُ فُلَانٍ فِي بَيْعِ هٰذَا کہ میں فلاں کا وکیل ہوں اس چیز کو بیچنے میں، فَيَجُوزُ الشِّرَاءُ مِنْهُ تو اس سے وہ چیز خریدنا جائز ہے۔

وَقَوْلُ الْعَبْدِ وَالصَّبِيِّ فِي الْهَدِيَّةِ وَالْإِذْنِ اور قبول کیا جائے گا غلام کے قول کو اور بچے کے قول کو فِي الْهَدِيَّةِ ہدیہ یعنی تحفے کے اندر، ہدیہ کسے کہتے ہیں؟ تحفہ، وَالْإِذْنِ اور اجازت میں۔ کوئی غلام کوئی چیز لایا اور آپ کو کہا آپ کے لیے زید نے، زید کا غلام ہے، زید نے یہ آپ کے لیے تحفہ بھیجا ہے، یا زید نے مجھے اجازت دی ہے تجارت کی، میرے ساتھ تجارتی معاملات کرو، تو آپ اس کے لیے اس کی بات کو کیا کر سکتے ہیں؟ قبول کر سکتے ہیں۔ یا بچہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ زید نے یہ چیز آپ کے لیے بطورِ تحفے کے بھیجی ہے، تو اس میں بھی کیا کیا جائے گا؟ بچے کے قول کو قبول کیا جائے گا۔ تو کہتے ہیں كَمَا إِذَا جَاءَ بِهَدِيَّةٍ جیسے کہ وہ جب وہ آیا ہدیے کے ساتھ وَقَالَ اور کہا، چاہے بچہ ہو چاہے غلام، اور کہا اس نے أَهْدَى فُلَانٌ إِلَيْكَ هٰذِهِ الْهَدِيَّةَ کہ ہدیہ بھیجا ہے فلاں نے آپ کی طرف یہ والا ہدیہ، فَيَحِلُّ قَبُولُهُ مِنْهُ تو حلال ہے اس کو قبول کرنا اس سے۔ یہ اجازت کی مثال ہے: أَوْ قَالَ یا اس نے کہا أَنَا مَأْذُونٌ فِي التِّجَارَةِ کہ میں مأذون ہوں یعنی مجھے اجازت دی گئی ہے تجارت میں، فَيُقْبَلُ قَوْلُهُ تو اس کی بات کو قبول کیا جائے گا۔

وَشُرِطَ الْعَدْلُ فِي الدِّيَانَاتِ اور شرط لگائی گئی ہے عادل آدمی کی، عادل ہونے کی فِي الدِّيَانَاتِ دینی معاملات میں۔

اور شرط ہوگی عادل ہونے کی دیانات دینی معاملات میں۔ دینی معاملات کی کوئی خبر دے کسی چیز کے حلال ہونے کی یا حرام ہونے کی یا نجس اور پاک ہونے کی یا چاند کو دیکھنے کی وغیرہ، یہ اس طرح دینی معاملات سے جن کا تعلق ہو، تو اس میں مسلمان بھی ہونا چاہیے اور عادل بھی ہونا چاہیے۔ عادل یعنی قابلِ اعتماد، عادل قابلِ اعتماد، یعنی وہ شخص وہ مسلمان جو قابلِ اعتماد ہے یعنی گناہوں سے بچتا ہے، جھوٹ نہیں بولتا وغیرہ وغیرہ صفات بھئی برے اور گھٹیا کاموں سے اپنے آپ کو بچاتا ہے، تو یہ کیا ہے؟ نیک اور متقی مسلمان بھئی قابلِ اعتماد ہے، تو اس کو کہتے ہیں رَجُلٍ عَادِل بھئی۔ تو کہتے ہیں وَشُرِطَ الْعَدْلُ فِي الدِّيَانَاتِ اور شرط ہوگی عدل کی دیانات دینی معاملات میں، كَالْخَبَرِ عَنْ نَجَاسَةِ الْمَاءِ جیسے کہ خبر دینا پانی کے نجس ہونے کے بارے میں۔ فَتَيَمَّمَ، صورت یہ کہ پانی ہے ایک مقام پر تھوڑا سا ہی پانی ہے اور پانی ہے ہی نہیں آس پاس کہیں پر بھی، اور ایک مسلمان آپ کو عادل خبر دیتا ہے کہ یہ پانی کیا ہے؟ نجس ہے۔ تو پھر آپ کے لیے اس سے وضو جائز نہیں کیونکہ عادل مسلمان کا قول آگیا، اب اس کو قبول کرنا پڑے گا اور اب آپ تیمم ہی کریں گے۔ چاہے وہ غلام ہی کیوں نہ ہو، مسلمان غلام ہے قابلِ اعتماد ہے، جب اس نے آپ کو بتا دیا یہ پانی نجس ہے تو اس اب پانی سے آپ کے لیے وضو کرنا جائز نہیں، اب آپ تیمم کریں گے اور پھر نماز پڑھیں گے۔

لیکن اگر اطلاع دینے والا کوئی فاسق ہے، فاسق ہے یا کافر ہے، کافر ہے، کافر کی تو بات قبول ہی نہیں کی جائے گی۔ لیکن اگر وہ اطلاع دینے والا وہ فاسق ہے ایسا مسلمان ہے جو گناہ کرتا رہتا ہے، اور یا وہ مَسْتُورُ الْحَال ہے، مَسْتُورُ الْحَال جس کا پتہ ہی نہیں ہے، مستور ہے چھپا ہوا پوشیدہ حال، یعنی کوئی نیا آدمی ہے آپ اس کو جانتے ہی نہیں آپ کو پتہ ہی نہیں یہ کیسا آدمی ہے، مسلمان تو ہے لیکن اس کے حال وہ عادل ہے یا عادل نہیں یہ آپ کو پتہ نہیں۔ تو اگر فاسق یا مَسْتُورُ الْحَال مسلمان آپ کو خبر دیتا ہے اس پانی کے بارے میں تو پھر کیا کیا جائے گا؟ کہتے ہیں اس صورت میں ان کے قول کو قبول کرنا ضروری نہیں، یہ نہیں کہ ان کے قول کو رد کریں گے، نہیں نہیں یہ معنی نہیں، ضروری نہیں ہے، ضروری نہیں بلکہ آپ تَحَرِّي کریں گے، تَحَرِّي کر لیں گے ان کے قول... اور اگر آپ کا غالب گمان یہ ہو کہ یہ سچ بول رہا ہے، پانی واقعی یہ کیا ہوگا؟ نجس ہوگا، آپ کا غالب گمان بن گیا تو پھر آپ تیمم کر لیں، آپ کے لیے تیمم جائز ہے۔ تو پانی پڑا ہوا ہے لیکن آپ کیا کر رہے ہیں؟ تیمم، کیونکہ آپ نے تَحَرِّي کر لی۔ اس نے کیا کہا تھا یہ پانی نجس ہے اور آپ کا بھی غالب گمان کیا ہوا کہ یہ سچ بول رہا ہے تو آپ نے تیمم جائز... اب اگرچہ پانی موجود ہے لیکن آپ کے لیے تیمم کیا ہو گیا؟ جائز ہو گیا، تیمم کر سکتے ہیں۔ یا آپ نے تَحَرِّي کی، تَحَرِّي کا معنی غور و فکر کیا اور غالب گمان جو ہے اس پر جو بن جائے اس پر عمل کرے۔ تو تَحَرِّي کی آپ نے غور و فکر کیا اور آپ کا غالب گمان یہ بنا کہ یہ شخص شاید یہ تو جھوٹ بول رہا ہے، تو اب آپ کیا کریں گے؟ اس سے وضو کر لیں، اب آپ کے لیے تیمم جائز نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اچھا یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ جی دیکھیے آگے میں مزید تفصیل بیان کرتا ہوں۔

كَالْخَبَرِ عَنْ نَجَاسَةِ الْمَاءِ جیسے کہ خبر دینا پانی کے نجس ہونے کے بارے میں۔ فَتَيَمَّمَ إِذَا أَخْبَرَ بِهَا مُسْلِمٌ عَدْلٌ وَلَوْ عَبْدًا تو تیمم کرے جب اس کو خبر دے کوئی مسلمان عادل، جب کوئی عادل مسلمان اس کو خبر دے، وَلَوْ عَبْدًا اگرچہ غلام ہو۔ وَيَتَحَرَّى فِي الْفَاسِقِ وَالْمَسْتُورِ اور تحری کرے گا، تحری میں نے بتلایا غور و فکر کر کے رائے قائم کرنا جو غالب رائے بن جائے، وَيَتَحَرَّى فِي الْفَاسِقِ اور تحری کرے گا فاسق کے بارے میں وَالْمَسْتُورِ اور وہ جو مَسْتُورُ الْحَالِ ہو۔ مسلمان کی بات ہو رہی ہے، کافر کی بات نہیں ہو رہی۔ ثُمَّ يَعْمَلُ بِغَالِبِ رَأْيِهِ پھر وہ عمل کر لے اپنی غالب رائے پر، غالب رائے غالب گمان جو بن جائے اس پر عمل کر لے۔ وَلَوْ أَرَاقَ اچھا بھئی، ادھر دیکھیے کیا صورت تھی؟ پانی پڑا تھا، اس مَسْتُورُ الْحَالِ یا فاسق مسلمان نے کیا خبر دی؟ کہ یہ نجس ہے۔ تو جب نجس ہے، اس نے تحری کی اور اس کا گمان کیا بنا؟ اس کی غالب رائے کیا بنی؟ کہ یہ سچ بول رہا ہے، یہ سچ بول رہا ہے۔ تو یہ کیا کر سکتا ہے؟ تیمم کر سکتا ہے۔ آپ کو فقہاء بتلائیں گے کہ زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ جب آپ کو غالب رائے یہ بن جائے کہ یہ کیا کر رہا ہے؟ سچ بول رہا ہے، تو بھی اس پانی کو پہلے انڈیل دو، گرا دو اس کو، اب پانی ہے ہی نہیں، اب آپ کے لیے تیمم کیا ہو گیا؟ قطعی طور پر جائز ہو گیا، پھر تیمم کر لو۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ جی۔ اور اگر آپ کا یہ گمان ہے کہ یہ تو جھوٹ بول رہا ہے، یہ پانی کیا ہے؟ پاک ہے، تو پھر اس پانی سے وضو کریں اور پھر اس کے بعد تیمم بھی کر لیں، اس میں زیادہ احتیاط ہے، کیونکہ اگر ہو سکتا ہے وہ کیا ہو؟ نجس، تو بعد میں کیا آ گیا؟ تیمم آ گیا، تو تیمم تو پایا گیا تو پھر بہر حال آپ کا وضو ہو جائے گا، نماز ہو جائے گی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ جی۔

یہ معنی ہے: وَلَوْ أَرَاقَ فَتَيَمَّمَ اور اگر اس نے پانی بہا دیا پھر تیمم کیا فِي غَلَبَةِ صِدْقِهِ اس کے سچا ہونے کے غلبے کی صورت میں کہ اس کا غالب گمان کیا ہے وہ سچا ہے، یہ پانی نجس ہے، تو اس صورت میں کیا کرے؟ اس کو بہا کر پھر کیا کر لے؟ تیمم کر لے تو اس میں احتیاط زیادہ ہے، یہ آگے چل کر آپ کو کہیں گے۔ أَوْ تَوَضَّأَ یا اس نے، أَوْ تَوَضَّأَ فَتَيَمَّمَ یا وضو کیا پھر تیمم کیا فِي كَذِبِهِ اس کے جھوٹ بولنے کی صورت میں، فَأَحْوَطُ تو اس میں احتیاط زیادہ ہے۔ کیسے؟ اس نے کیا کہا تھا یہ پانی؟ نجس ہے۔ جی؟ نجس ہے۔ نجس ہے۔ اور اس کا کیا خیال ہوا؟ کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ تو پھر کیا کرے؟ وضو بھی کرے اور تیمم بھی، لیکن وضو پہلے کرے اور تیمم بعد میں کرے تو اس میں احتیاط زیادہ ہے۔ تو أَحْوَط کا معنی ہے زیادہ احتیاط بھئی، اسمِ تفضیل کا صیغہ ہے، تو فَأَحْوَطُ تو اس میں احتیاط زیادہ ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہوا کہ لوگوں کے امور جو لوگوں سے ہی تعلق ہو ان کو کہتے ہیں معاملات، اور جن کا تعلق اللہ سے ہو، دین سے ہو، ان کو کہتے ہیں دیانات۔ معاملات کے اندر ہر ایک کے قول کو قبول کیا جائے گا، چاہے کافر ہو، چاہے مسلمان ہو، چاہے فاسق ہو، چاہے غلام ہو، چاہے عورت ہو، سب کے قول کو معاملات میں قبول کیا جائے گا، اس لیے کیونکہ معاملات كَثِيرُ الْوُقُوعِ ہیں۔ تو لوگوں کے درمیان جو معاملات ہوں، جیسے خرید و فروخت ہے، تجارت ہے، لوگوں کا آپس میں معاملات ہوتے ہیں تجارت میں، خرید و فروخت میں ہوتے ہیں، اسی طرح وکیل بنایا کسی کو، کسی کو وکالت سے ہٹایا،

یہ توکیل ہے، تو یہ سب کیا ہیں؟ معاملات ہیں۔ اور وہ معاملات جن کا تعلق دین سے اور اللہ سے ہے ان کو دیانات کہتے ہیں، جیسے کسی چیز کی کوئی پاکی یا ناپاکی کی خبر دے، تو یہ پاکی ناپاکی کا تعلق کس سے ہے؟ دین سے ہے، یا کسی چیز کے حلال اور حرام ہونے کی کوئی خبر دے، تو یہ حلال اور حرام کس سے ہے؟ اس کا تعلق دینی معاملے سے ہے، یا چاند دیکھنے کی خبر دے تو اس کی وجہ سے مثلاً رمضان کے روزے رکھنے ہیں یا اس کی وجہ سے عید منانی ہے، تو یہ کس سے متعلق ہے؟ دین سے متعلق چیزیں۔ تو دین سے متعلق جو چیزیں ہیں ان کو دیانات کہتے ہیں اور ان میں عادل مسلمان کا قول ہونا ضروری ہے، اس میں کافر کا قول بھی قبول نہیں کیا جائے گا اور اس میں فاسق کے قول کو بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ ہاں انہوں نے بتلایا اگر دینی معاملے کی خبر کوئی فاسق آدمی آپ کو دیتا ہے یا وہ مَسْتُورُ الْحَالِ ہے یعنی آپ اس کو جانتے ہی نہیں، آپ کو پتہ ہی نہیں کہ یہ عادل ہے یا عادل نہیں ہے، تو اس صورت میں آپ خود غور و فکر کریں۔ مثلاً آپ کے، پانی پڑا ہے اور کوئی پانی وہاں پر نہیں، تھوڑا سا پانی ایک جگہ آپ کو مل گیا، لیکن ایک شخص نے آپ کو بتایا یا وہ فاسق ہے یا مَسْتُورُ الْحَالِ اور اس نے آپ کو بتایا کہ یہ پانی نجس ہے، تو اب آپ خود تحری کریں گے یعنی غور و فکر کریں گے اور جو غالب رائے آپ کی بن جائے اس پر عمل کریں گے۔

تو آپ نے غور و فکر کیا، اس نے کیا کہا تھا کہ یہ پانی نجس ہے، تو آپ نے غور و فکر کیا اور آپ کو لگا کہ یہ آدمی سچ بول رہا ہے، واقعی یہ پانی کیا ہوگا؟ نجس ہوگا، تو اب آپ تیمم کرنا چاہتے ہیں، تو ایک صورت یہ ہے کہ ویسے ہی تیمم کر لیں، پانی بھی پڑا ہوا ہے لیکن چونکہ اس نے کیا کہا تھا نجس ہے، آپ اس سے وضو نہیں کرتے بلکہ کیا کر لیتے ہیں؟ تیمم کر لیتے ہیں۔ کہتے ہیں زیادہ احتیاط یہ ہے جب آپ کو اس کے سچ کا غالب گمان ہو تو پہلے اس پانی کو انڈیل دو، گرا دو، اب پانی رہا ہی نہیں، اب تو ہر صورت میں تیمم آپ کے لیے جائز ہو گیا، تو اب آپ تیمم کر لیں، تو دیکھو اس میں احتیاط زیادہ۔ اور اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے، اس نے تو کہا یہ پانی نجس ہے اس فاسق نے یا مَسْتُورُ الْحَالِ نے، اور آپ کا خیال ہے یہ جھوٹ بول رہا ہے یہ پانی تو کیا ہے؟ تحری کی اور خیال کیا آیا کہ یہ پانی تو پاک ہے، تو اب آپ کیا کریں گے؟ وضو کریں گے، لیکن احتمال تو ہے کہ ہو سکتا ہے یہ پانی کیا ہو؟ نجس ہو، تو لہٰذا احتیاط اس میں یہ ہے کہ جب اس کے جھوٹا ہونے کا غالب گمان ہو تو آپ اس پانی سے وضو بھی کر لیں اور پھر اس کے بعد تیمم بھی کر لیں، اب اگر وہ پانی نجس بھی ہوا، وضو نہ بھی ہوا، تیمم تو ہو گیا نا اس کے بعد، تو لہٰذا احتیاط زیادہ یہ اس کے جھوٹا ہونے کی صورت میں زیادہ احتیاط یہ ہے کہ وضو کے بعد تیمم بھی آپ کر لیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

چلیے بس کریں بھئی، یہاں تک مسائل سمجھ میں آ گئے بھئی اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۲۴: زیورات، عزل، احتکار، اسراف فی الاکل، دعوتِ ولیمہ میں لہو و لعب اور آدابِ معاشرت

شرح الوقایہ صفحہ: ۴۶ — بتاریخ: ۱۵ دسمبر ۲۰۱۹ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: وَمُقْتَدًى دُعِيَ إِلَى وَلِيْمَةٍ فَوَجَدَ ثَمَّ لَعِبًا أَوْ غِنَاءً لَا يَقْدِرُ عَلَى مَنْعِهِ يَخْرُجُ الْبَتَّةَ، وَغَيْرُهُ إِنْ قَعَدَ وَأَكَلَ جَازَ، وَلَا يَحْضُرُ إِنْ عَلِمَ مِنْ قَبْلُ، وَقَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى: أُبْتُلِيْتُ بِهٰذَا مَرَّةً فَصَبَرْتُ، وَذَا قَبْلَ أَنْ يُقْتَدَى بِهِ، وَدَلَّ قَوْلُهُ عَلَى حُرْمَةِ كُلِّ الْمَلَاهِيْ؛لِأَنَّ الْإِبْتِلَاءَ بِالْمُحَرَّمِ يَكُوْنُ.[1]

كِتَابُ الْكَرَاهِيَة کا آغاز کیا تھا ہم نے، اور میں نے بتلایا تھا کہ اس میں مصنف جو ہیں مختلف قسم کے متفرق مسائل ذکر کریں گے کہ کیا کیا چیزیں کرنا ممنوع ہیں اور کیا کیا چیزیں کرنا جائز ہیں۔ تو وہ مختلف قسم کے مسائل تھے، وہ کسی ایک باب کے تحت نہیں آتے تھے، تو ان کے لیے علیحدہ كِتَابُ الْكَرَاهِيَة کے عنوان سے کتاب ذکر کر دی بھئی۔

دیکھیے آگے سبق کہتے ہیں: وَمُقْتَدًى دُعِيَ إِلَى وَلِيْمَةٍ۔ صورتِ مسئلہ یہ کہ ولیمے کی دعوت کسی شخص کو دی گئی اور ولیمے میں وہ حاضر ہوا اور وہاں پر گانا بجانا اور ڈھول باجے وغیرہ تھے۔ تو اب گانا بجانا اور ڈھول باجے وغیرہ یہ تو شریعت نے منع ہیں، تو اب جس کو دعوت دی گئی وہ کیا کرے؟

کہتے ہیں اگر وہ شخص مقتدیٰ ہے — مقتدیٰ وہ جس کی پیروی کی جائے، جس کے طریقے پر لوگ چلتے ہوں، یعنی یوں کہیں امام ہے یا بڑا عالمِ دین ہے، اور لوگ اس کو دیکھ کر اس سے دین کی باتیں سیکھتے ہیں، اس کی پیروی کرتے ہیں، اس کے بتلائے ہوئے طریقے پر عمل کرتے ہیں — تو اگر وہ مقتدیٰ ہے پھر تو اس کو چاہیے کہ اس کو منع کرے، اس گانے بجانے کو منع کر دے، روک دے۔ اور اگر روک نہیں سکتا تو پھر وہاں نہ بیٹھے، نکل جائے بھئی۔ کیونکہ اگر وہ بیٹھے گا تو دوسرے لوگ دیکھ کر اس سے اس کے راستے پر چلیں گے کہ معلوم ہوا بھئی اس مسئلے میں اتنی سختی نہیں ہے، اتنی شدت نہیں ہے،

[1] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۹۵):** صوتی درس کی قراءت میں «وَمُقْتَدًى دُعِيَ إِلَى وَلِيْمَةٍ فَوَجَدَ ثَمَّ لَعِبًا أَوْ غِنَاءً لَا يَقْدِرُ عَلَى مَنْعِهِ يَخْرُجُ الْبَتَّةَ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «ومقتديٌ دُعِي إلى وليمةٍ فَوَجَدَ ثَمَّة لعبًا أو غناءً لا يَقْدِرُ على منعِهِ يخرجُ البتة،» منقول ہے۔

تو دوسرے لوگ بھی اس کو دیکھ کر گانے بجانے کو ہلکا سمجھیں گے اور ان مجلسوں میں بیٹھیں گے، شرکت کریں گے۔ تو لہٰذا اس کو وہاں سے اٹھ جانا چاہیے اور چلے جانا چاہیے۔ اول تو روکنے کی کوشش کرے، منع کرے، اگر نہیں رکتے تو پھر چلا جائے وہاں سے۔

اور اگر مقتدیٰ نہیں ہے، عام آدمی ہے، تو پھر وہ بیٹھ کر کھا سکتا ہے، اس کے لیے گنجائش ہے۔ جائز ہے کہ وہ بیٹھ جائے اور کھانا کھا لے۔ لیکن یہ وہ صورت ہے جب اس کو پہلے پتا نہ ہو۔ اگر پہلے سے پتا ہو کہ جس مجلس میں مجھے دعوت دی گئی ہے وہاں گانا بجانا اور ڈھول باجے وغیرہ بھی ہوں گے، تو پھر وہاں جانا جائز ہی نہیں ہے، حاضر ہو ہی نہ، وہاں جائے ہی نہ بھئی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں: وَمُقْتَدًى دُعِيَ إِلَى وَلِيْمَةٍ، اور مقتدیٰ یعنی وہ شخص جس کی پیروی کی جائے، ایسا مقتدیٰ—دیکھو مُقْتَدًى نکرہ ہے اور اس کے بعد فعل آیا—ایسا مقتدیٰ دُعِيَ إِلَى وَلِيْمَةٍ اس کو دعوت دی گئی ولیمے کی۔ ولیمے کی دعوت مراد نہیں ہے کہ صرف ولیمے میں ہی ایسا ہو، ہر دعوت کا یہی حکم ہے، لیکن عموماً دعوت جو زیادہ تر دی جاتی ہے وہ ولیمے کی ہوتی ہے، اس لیے اس کو ذکر کیا۔ تو وہ مقتدیٰ جس کو ولیمے کی دعوت دی گئی فَوَجَدَ ثَمَّ تو پایا اس نے وہاں پر—ثَمَّ یاد رکھو ایک ہے ثُمَّ، ثُمَّ حرفِ عطف ہے، اور ثَمَّ ثاء کے فتحہ کے ساتھ یہ اسمِ اشارہ ہے بھئی، ذٰلِكَ کی طرح، وہ یا وہاں—فَوَجَدَ ثَمَّ تو اس نے وہاں پر پایا لَعِبًا أَوْ غِنَاءً۔ لَعِبْ کہتے ہیں کھیل تماشے کو، مراد گانے بجانے کے آلات ہیں بھئی۔ تو اس نے وہاں یعنی ڈھول باجے وغیرہ پائے أَوْ غِنَاءً یا گانا پایا، گانا گایا جا رہا تھا، لَا يَقْدِرُ عَلَى مَنْعِهِ اس حال میں کہ یہ قادر نہیں ہے اس کو روکنے پر، تو يَخْرُجُ الْبَتَّةَ وہ نکل جائے اَلْبَتَّةَ قطعی طور پر۔ قطعی طور پر وہ کیا کرے؟ وہاں سے نکل جائے، وہاں نہ بیٹھے بھئی۔

وَغَيْرُهُ اور اس کے علاوہ ہو اگر کوئی، یعنی مقتدیٰ نہیں ہے، عام آدمی ہے، إِنْ قَعَدَ وَأَكَلَ جَازَ اگر وہ بیٹھ گیا اور اس نے کھانا کھا لیا جَازَ تو یہ جائز ہے بھئی۔ معلوم ہوا مقتدیٰ کے لیے یہ جائز نہیں ہے بھئی۔ وَلَا يَحْضُرُ إِنْ عَلِمَ مِنْ قَبْلُ اور حاضر نہ ہو اگر پہلے سے معلوم ہو۔ اگر یہ بات پہلے سے معلوم ہے کہ وہاں گانا بجانا ہو گا، ڈھول باجے وغیرہ ہوں گے، تو وہاں وہ حاضر ہی نہ ہو، یہ جائز نہیں ہے۔

وَقَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: أُبْتُلِيْتُ بِهٰذَا مَرَّةً کہ ایک مرتبہ میں بھی اس آفت میں مبتلا ہوا فَصَبَرْتُ تو میں نے صبر کیا۔ یعنی مجھے بھی کسی دعوت میں بلایا گیا تھا اور وہاں پر یہ ڈھول باجے اور گانا وغیرہ تھا، تو میں نے صبر کیا۔ معلوم ہوا بیٹھے رہے، بیٹھے رہے اس دعوت میں۔ لیکن آگے آپ کو بتلا رہے ہیں صاحبِ کتاب، کہتے ہیں: وَذَا قَبْلَ أَنْ يُقْتَدَى بِهِ یہ اس سے پہلے کی بات ہے جب ان کی پیروی کی جاتی تھی۔ یہ ان کے مقتدیٰ بننے سے، ان کی پیروی کرنے سے پہلے کا واقعہ ہے، معلوم ہوا ابتدائی زندگی کا یا طالبِ علمی کا کوئی واقعہ ہے، یہ شروع کی زندگی کا واقعہ ہے جب وہ ابھی مقتدیٰ نہیں بنے تھے، لوگ ان کی پیروی ابھی نہیں کرتے تھے۔ تو پھر ان کا وہی حکم جو عام آدمی کا حکم، لہٰذا

ان کے لیے بیٹھنا کیا ہوا؟ گنجائش تھی، لیکن اگر دوسرے لوگ ان کو دیکھتے ہیں، ان سے طریقہ سیکھتے ہیں، پھر گنجائش نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: قَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اُبْتُلِيْتُ بِهٰذَا مَرَّةً کہ میں ایک مرتبہ اس میں بتلا کیا گیا فَصَبَرْتُ تو میں نے صبر کیا، یعنی میں رکا رہا وہاں، وَذَا قَبْلَ أَنْ يُقْتَدَى بِهِ اور یہ اس سے پہلے تھا کہ ان کی پیروی کی جاتی۔ وَدَلَّ قَوْلُهُ عَلَى حُرْمَةِ كُلِّ الْمَلَاهِيْ۔ مَلَاهِيْ کہتے ہیں گانے بجانے کے جو آلات ہیں بھئی، ڈھول باجے وغیرہ جتنے بھی آلات ہیں وہ سب اس کے اندر داخل ہو گئے۔ تو کہتے ہیں: وَدَلَّ اور دلالت کرتا ہے قَوْلُهُ ان کا قول عَلَى حُرْمَةِ كُلِّ الْمَلَاهِيْ۔ یا تو یہ قَوْلُهُ سے مراد ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول کہ اُبْتُلِيْتُ بِهٰذَا مَرَّةً کہ میں اس میں ایک مرتبہ اس آفت میں میں بتلا ہوا۔ تو یہ کہتے ہیں امام صاحب کا یہ قول دلالت کرتا ہے عَلَى حُرْمَةِ كُلِّ الْمَلَاهِيْ کہ تمام گانے بجانے کے آلات حرام ہیں۔ تمام گانے بجانے کے آلات حرام ہیں۔ تو کیوں؟ کیونکہ وہاں انہوں نے کوئی تفصیل نہیں ذکر کی کہ کیا تھا اور کیا نہیں تھا، اور فرما رہے ہیں اُبْتُلِيْتُ اور ابتلا اور آزمائش وہیں پر ہو گی جہاں حرام ہو بھئی، اگر جائز ہو تو وہاں تو ابتلا نہیں ہے بھئی۔ تو معلوم ہوا تمام گانے بجانے کے آلات کیا ہیں؟ وہ حرام ہیں بھئی۔ تو یہ نہیں کہ ڈھول ہوں یا صرف باجے ہوں یا کوئی اور قسم کے آلات ہوں تو ان میں تفصیل ہے، نہیں! تمام مَلَاهِيْ، تمام گانے بجانے کے آلات وہ حرام ہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَدَلَّ قَوْلُهُ عَلَى حُرْمَةِ كُلِّ الْمَلَاهِيْ اور دلالت کرتا ہے امام صاحب کا قول تمام گانے بجانے کے آلات کے حرام ہونے پر لِأَنَّ الْاِبْتِلَاءَ بِالْمُحَرَّمِ يَكُوْنُ اس لیے کیونکہ آزمائش جو ہے وہ حرام کے ذریعے ہو گی۔ آزمائش کس کے ذریعے ہوتی ہے؟ حرام کے ذریعے، اگر حرام نہ ہوتا تو پھر اُبْتُلِيْتُ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ میں آزمائش میں پڑ گیا بھئی۔ تو وہاں گئے دعوت میں اور وہاں پر گانے بجانے کے آلات تھے تو فرمانے لگے میں کس میں پڑ گیا؟ یہ تو آزمائش میں پڑ گیا۔ ایک تو دعوت قبول کرنے کا حکم ہے، یاد رکھو، دعوت کو قبول کرنے کا حکم دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے، اور حدیث میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس نے دعوت کو قبول نہ کیا اس نے ابو القاسم کی نافرمانی کی۔ ابو القاسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ہے بھئی۔ تو جس نے دعوت کو قبول نہ کیا اس نے میری نافرمانی کی بھئی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ یا وَدَلَّ قَوْلُهُ، قَوْلُهُ کی ضمیر میں یہ احتمال بھی کہ یہ راجع ہے پیچھے جو امام محمد رحمہ اللہ کا قول ذکر ہوا، جو مسائل وہ ان کی کتاب سے لے کر ذکر کر رہے ہیں کہ فَوَجَدَ ثَمَّ لَعِبًا أَوْ غِنَاءً۔ یہ جو امام محمد رحمہ اللہ کا قول جو انہوں نے ذکر کیا ہے اپنی کتاب میں، انہوں نے کیا ذکر کیا ہے؟ لَعِبْ اور غِنَاء۔ دیکھو لَعِبْ سے مراد کیا ہے؟ گانے بجانے کے آلات۔ اور غِنَاء سے مراد ہے گانا۔ اور گانے بجانے کے آلات میں انہوں نے کوئی تفصیل نہیں کی، لَعِبْ سے مراد ہے لَهْو، اور لَهْو کیا ہے؟ وہ حرام ہے۔ تو انہوں نے کوئی تفصیل بیان نہیں کی، تو امام محمد رحمہ اللہ کا یہ قول دلالت کرتا ہے معلوم ہوا ہر

طرح کے گانے بجانے کے آلات وہ حرام ہیں۔ اور اسی لیے امام صاحب بھی فرماتے ہیں مجھے، مجھ پر آزمائش آئی بھئی، مجھ پر آزمائش آئی، میں اس آفت میں بتلا ہوا۔ تو معلوم ہوا یہ سب حرام ہیں، وہاں بھی انہوں نے کوئی تفصیل نہیں کی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو قَوْلُهُ کی ضمیر زیادہ احتمال تو یہی ہے کہ امام صاحب کے قول کی طرف راجع ہے، لیکن پیچھے فَوَجَدَ ثَمَّ لَعِبًا أَوْ غِنَاءً یہ امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب کی عبارت وہاں سے نقل کر رہے ہیں تو ہو سکتا ہے اس کو راجع ہو بھئی۔ تو بہر حال دونوں جگہ تفصیل نہیں ہے کہ فلاں چیز ہے تو حرام، فلاں چیز ہے تو حرام نہیں، معلوم ہوا ہر طرح کے گانے بجانے کے آلات جو ہیں وہ حرام ہیں۔

اب دیکھیے یہ تھا متن بھئی، اب شارحِ وقایہ اسی کی شرح کریں گے، کہتے ہیں: اِعْلَمْ جان لے أَنَّهُ لَا يَخْلُوْ کہ یہ بات خالی نہیں ہے، یعنی اس میں دو صورتیں ہیں: یا تو پہلے سے پتا ہو گا کہ وہاں گانا بجانا ہے یا پہلے سے پتا نہیں ہو گا۔ یہی دو صورتیں ہیں نا کسی نے کہ آپ کو دعوت دی تو آپ کو یا تو پہلے سے پتا ہو گا یا پہلے سے پتا نہیں ہو گا، وہی بیان کرنے لگے ہیں۔ اِعْلَمْ تو جان لے أَنَّهُ لَا يَخْلُوْ اس بات سے خالی نہیں ہے کہ أَنَّهُ إِنْ عَلِمَ قَبْلَ الْحُضُوْرِ کہ اگر اس نے جان لیا حاضر ہونے سے پہلے ہی کہ أَنَّ هُنَاكَ لَهْوًا کہ وہاں پر لَهْو ہے یعنی گانے بجانے، کھیل تماشے ہیں، تو لَا يَجُوْزُ الْحُضُوْرُ تو جائز نہیں ہے اس کے لیے حاضر ہونا، وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ پھر چاہے عام مسلمان ہو چاہے مقتدیٰ ہو، اس کے لیے وہاں حاضر ہونا جائز نہیں ہے اگر پہلے سے پتا ہو۔

وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ قَبْلَ الْحُضُوْرِ اور اگر وہ نہیں جانتا تھا حاضر ہونے سے پہلے لٰكِنْ هُجِمَ بَغْتَةً، لٰكِنْ هُجِمَ بَغْتَةً یاد رکھو هَجَمَ يَهْجُمُ کا معنی ہے کسی چیز کا اچانک آنا، کسی چیز کا اچانک آنا۔ جیسے ابھی دیکھو اچانک بارش ہوئی اور ایک دم سردی زیادہ آ گئی، تو عربی میں کہیں گے هَجَمَ الْبَرْدُ، اچانک سردی آ گئی۔ تو اچانک کوئی چیز آئے اس کے لیے کیا لفظ بولتے ہیں؟ هَجَمَ، هَجَمَ يَهْجُمُ۔ اور اسی هَجَمَ کا ایک معنی ہے لانا، کسی چیز کو سامنے لانا۔ تو آپ چاہیں اس کو لازمی پڑھ لیں لٰكِنْ هَجَمَ بَغْتَةً لیکن وہ لَهْو آ گیا، اچانک آ گیا بَغْتَةً حاضر ہونے کے بعد، یا اس کو مجہول پڑھ لیں اگر اس کو فعلِ متعدی بناتے ہیں لانا، لٰكِنْ هُجِمَ بَغْتَةً لیکن وہ لَهْو لایا گیا بَغْتَةً أَيْ بَعْدَ الْحُضُوْرِ حاضر ہونے کے بعد۔ تو دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔

تو کہتے ہیں: وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ قَبْلَ الْحُضُوْرِ اور اگر وہ حاضر ہونے سے پہلے اس کو علم نہیں تھا لٰكِنْ هُجِمَ بَغْتَةً لیکن سامنے لایا گیا وہ لَهْو بَغْتَةً حاضر ہونے کے بعد، فَإِنْ كَانَ قَادِرًا عَلَى الْمَنْعِ يَمْنَعُهُ اگر وہ شخص قادر تھا اس کو روکنے پر تو اس کو روکے۔ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ قَادِرًا اور اگر وہ قادر نہیں تھا فَإِنْ كَانَ الرَّجُلُ مُقْتَدًى يَخْرُجُ تو اگر وہ شخص مقتدیٰ ہے تو نکل جائے، چلا جائے وہاں سے لِئَلَّا يَقْتَدِيَ النَّاسُ بِهِ تاکہ کہیں لوگ اس کی پیروی نہ کریں۔ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُقْتَدًى اور اگر وہ مقتدیٰ نہیں ہے، فَإِنْ قَعَدَ وَأَكَلَ جَازَ تو اگر وہ بیٹھا اور اس نے کھایا کھانا جَازَ تو جائز ہے لِأَنَّ إِجَابَةَ الدَّعْوَةِ سُنَّةٌ اس لیے کیونکہ دعوت کو قبول کرنا یہ سنت ہے—اجابت کا کیا معنی؟ قبول کرنا—اس لیے کیونکہ دعوت کو قبول کرنا سنت ہے، فَلَا تُتْرَكُ بِسَبَبِ بِدْعَةٍ لہٰذا دعوت

کو ترک نہیں کیا جائے گا، اس اجابتِ دعوت کو ترک نہیں کیا جائے گا بِسَبَبِ بِدْعَةٍ کسی بدعت کی وجہ سے۔

کہتے ہیں: كَصَلَاةِ الْجِنَازَةِ کہتے ہیں اسی طرح جیسے کہ نمازِ جنازہ تَحْضُرُهَا نِيَاحَةٌ کہ اس کے پاس ماتم حاضر ہو، یعنی ماتم ہو۔ بھئی جنازے میں شرکت کے لیے کوئی شخص گیا اور دیکھا تو وہاں تو ماتم ہو رہا ہے، لوگ چیخ و پکار کر رہے ہیں، نوحہ کر رہے ہیں بھئی۔ نوحہ جانتے ہو بھئی؟ چیخ و پکار کرنا، کپڑے پھاڑ لینا، اور بے انتہا غم کے اظہار کے لیے حد سے تجاوز کرنا بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں جیسے جنازے کے لیے کوئی شخص جائے اور وہاں پر ماتم ہو رہا ہو، تو اب اس ماتم کی وجہ سے جنازے کو نہیں چھوڑا جائے گا، بدعت کی وجہ سے سنت کو یہاں دیکھو۔ تو کہتے ہیں: كَصَلَاةِ الْجِنَازَةِ تَحْضُرُهَا نِيَاحَةٌ۔ نِيَاحَة یہ مصدر ہے، مصدر ہے، ماتم کرنا، ماتم ہونا۔ كَصَلَاةِ الْجِنَازَةِ جیسے کہ جنازے کی نماز تَحْضُرُهَا النِّيَاحَةُ وہاں پر کیا حاضر ہو جائے؟ نوحہ کرنا، یعنی نوحہ وہاں نوحہ کرنے والے حاضر ہو جائیں، وہاں ماتم حاضر ہو۔

، یعنی ماتم ہو رہا ہو۔

قَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں—اب وہی شرح کرتے جا رہے ہیں، دیکھو متن میں امام صاحب کا بھی قول آیا تھا وہ بھی ذکر کر رہے ہیں—تو کہتے ہیں امام صاحب فرماتے ہیں: أُبْتُلِيْتُ بِهَا مَرَّةً فَصَبَرْتُ کہ مجھ پر یہ آزمائش آئی ایک مرتبہ تو میں نے صبر کیا۔ قَالُوْا فقہا فرماتے ہیں قَوْلُهُ أُبْتُلِيْتُ يَدُلُّ عَلَى الْحُرْمَةِ کہ امام صاحب کا قول أُبْتُلِيْتُ جو ہے وہ دلالت کر رہا ہے حرمت پر۔ معلوم ہوا انہوں نے قَوْلُهُ کی ضمیر کس کو لوٹا دی؟ امام صاحب کے قول کو۔ کہ یہ دلالت کر رہا ہے حرمت پر، معلوم ہوا کہ وہ کیا ہے؟ گانا بجانا اور اس کے آلات حرام ہیں، کیونکہ ابتلا، آزمائش حرام پر ہی ہو گی، حلال پر نہیں۔

تو یہ امام صاحب کا قول جو ہے دلالت کر رہا ہے حرمت پر۔ وَيُمْكِنُ أَنْ يُقَالَ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کہا جا سکے کہ الصَّبْرُ عَلَى الْحَرَامِ لِإِقَامَةِ السُّنَّةِ لَا يَجُوْزُ، یعنی یہ اعتراض بھی کوئی کر سکتا ہے کہ دعوت میں شرکت سنت ہے اور گانے بجانے کی چیزوں کے پاس ٹھہرنا یہ تو حرام ہے، تو سنت قائم کرنے کے لیے حرام کا ارتکاب تو درست نہیں۔ ایک طرف ہے سنت اور ایک طرف ہے حرام، تو سنت کو قائم کرنے کے لیے حرام پر صبر کرنا، حرام کے پاس ٹھہرنا تو جائز نہیں۔ تو اب وہ اشکال کرنے لگے ہیں۔ تو کہتے ہیں وَيُمْكِنُ أَنْ يُقَالَ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے—یعنی يُمْكِنُ أَيْ يَجُوْزُ، جائز ہے کہ یوں کہا جائے—کہ الصَّبْرُ عَلَى الْحَرَامِ لِإِقَامَةِ السُّنَّةِ لَا يَجُوْزُ کہ حرام پر صبر کرنا سنت کو قائم کرنے کے لیے تو جائز نہیں ہے۔ اور وہ صبر الَّذِيْ، یعنی یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے یہاں پر۔ انہوں نے تو کیا کہا؟ اگر حاضر ہو جائے اور وہاں گانا بجانا ہو اور عام آدمی ہو تو پھر وہ ٹھہر کر کھا سکتا ہے۔ لیکن اس میں بھی یاد رکھو فقہا تفصیل فرماتے ہیں، کہتے ہیں اگر جس کمرے کے اندر یہ کھانا کھا رہا ہے وہیں پر لَهْو و لَعِبْ ہے پھر تو عام آدمی کے لیے بھی وہاں بیٹھنا جائز نہیں ہے، اس کو بھی فوراً وہاں سے نکل

آنا چاہیے۔ اور اگر جس کمرے میں یہ کھانا کھا رہے ہیں، لَهْو و لَعِبْ جو ہے وہ ساتھ والے دوسرے کسی کمرے میں ہے، تو پھر وہ بیٹھ کر، عام آدمی وہاں بیٹھ کر کھانا کھا لے۔ مقتدیٰ کے لیے نہیں، مقتدیٰ کے لیے چاہے اسی کمرے میں ہو یا دوسرے کمرے میں ہو، کسی صورت وہاں ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ ورنہ پھر لوگ جو ہے اس کو معمولی سمجھنے لگیں گے اور اس پر اور جرأت کریں گے بھئی۔

تو کہتے ہیں یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ حرام پر صبر سنت کو قائم کرنے کے لیے تو جائز نہیں ہے، وَالصَّبْرُ الَّذِيْ قَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اور وہ صبر جو امام صاحب نے فرمایا وہ یہ تھا کہ أَنْ يَكُوْنَ جَالِسًا اس حال میں کہ وہ بیٹھے بھئی مُعْرِضًا عَنْ ذٰلِكَ اللَّهْوِ اس حال میں کہ وہ اعراض کرنے والا ہو عَنْ ذٰلِكَ اللَّهْوِ کس سے؟ اس لَهْو سے، اس گانے بجانے اور ڈھول باجوں سے اعراض، ان سے رخ پھیرنے والا ہو، یعنی ان کی طرف رخ پھیرنے والا ہو، ان کی طرف متوجہ نہ ہو، مُنْكِرًا لَهُ اس کو ناپسند کرنے والا ہو، مطلب بیٹھا تو ہے لیکن دل میں ناپسند ہے سخت۔ تو یہ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ نہیں کہ بیٹھا ہوا ہے اور اس سے لذت اٹھا رہا ہے، خود بھی پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہے، بھئی اللہ تو دلوں کے حال جانتا ہے بھئی! لوگوں کے سامنے تو اگر مطلب وہ ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے لیکن بیٹھتے ہوئے وہ پورے کان اس طرف لگائے ہوئے ہیں اور اس سے لذت اٹھا رہا ہے، تو یاد رکھیے یہ تو وہ گناہ کر رہا ہے۔ تو اللہ چونکہ دلوں کے حال جانتے ہیں، تو اگر بیٹھنا ہے، مجبوری ہے، بیٹھنا پڑ رہا ہے، تو اس میں بھی اس کی طرف رخ نہ کرے، رخ دوسری طرف کرے، اور دل میں بھی اس کو برا سمجھے، دل کو بھی اس کی طرف متوجہ نہ کرے اور اس سے لذت نہ اٹھائے بھئی۔

تو کہتے ہیں وہ جو صبر جس کو امام صاحب نے ذکر کیا وہ یہ ہے کہ أَنْ يَكُوْنَ جَالِسًا کہ وہ بیٹھا ہو مُعْرِضًا عَنْ ذٰلِكَ اللَّهْوِ اعراض کرنے والا ہو، رخ پھیرنے والا ہو اس لَهْو سے، مُنْكِرًا لَهُ اس کو ناپسند کرنے والا ہو، غَيْرَ مُشْتَغِلٍ اس میں مشغول نہ ہو یعنی اس کی طرف متوجہ نہ ہو، وَلَا مُتَلَذِّذٍ بِهِ اور اس سے لذت اٹھانے والا نہ ہو۔ یہ ہے صبر، جس میں دل سے بھی برا سمجھے، اس کی طرف توجہ بھی نہ کرے، اور اس سے لذت بھی نہ اٹھائے، دل میں اس کو برا سمجھے بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی: فَصْلٌ، لَا يَلْبَسُ رَجُلٌ حَرِيْرًا إِلَّا قَدْرَ أَرْبَعَةِ أَصَابِعَ، نہیں پہنے آدمی، نہیں پہن سکتا آدمی حَرِيْرًا ریشم کو إِلَّا قَدْرَ أَرْبَعَةِ أَصَابِعَ مگر چار انگلی کی مقدار۔ مرد کے لیے یاد رکھو ریشم حرام ہے بھئی۔ حدیث میں آتا ہے جس نے یہ ریشم پہنا، استعمال کیا، اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں بھئی۔ دنیا میں مرد کے لیے یہ اسی طرح دوسری حدیث میں بھی آتا ہے کہ یہ سونا اور ریشم مرد کے لیے دنیا میں حرام ہیں اور عورت کے لیے حلال۔

تو فرماتے ہیں: لَا يَلْبَسُ رَجُلٌ حَرِيْرًا نہیں پہن سکتا مرد ریشم إِلَّا قَدْرَ أَرْبَعَةِ أَصَابِعَ مگر چار انگلی کی مقدار۔ اب چار انگلی کی مقدار سے کیا مراد ہے؟ ایک ہے انگلی کی چوڑائی، انگلی کی چوڑائی تقریباً یہ دیکھو پونا انچ کے لگ بھگ ہے، آدھا انچ، آدھے

سے زیادہ پونا انچ تقریباً ہوگی انگلی کی چوڑائی۔ اور ایک ہے انگلی کی لمبائی، لمبائی تو انگلی کی تقریباً تین انچ کے لگ بھگ ہے۔ تو اگر چار انگلیاں مراد ہیں لمبائی میں، یہ تو بارہ انچ بن گئے بھئی۔ اور اگر چوڑائی میں لیں، تو پھر یہ تقریباً کوئی تین کوئی انچ بن جائیں گے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہ کوئی تین انچ تک کے لگ بھگ بن جائے گا۔ تو کیا مراد ہے؟ چوڑائی میں انگلیاں مراد ہیں یا لمبائی میں؟ تو آپ کو بتلائیں گے أَيْ فِي الْعَرْضِ، شرح میں کیا فرما رہے ہیں؟ أَيْ فِي الْعَرْضِ یعنی چوڑائی میں چار انگلیاں۔

بھئی یاد رکھو مرد کے لیے ریشم پہننا حرام ہے۔ ہاں چار انگلی کی مقدار یا اس سے کم ہو، ریشم کی کوئی پٹی لگی ہوئی ہے قمیص پر، کپڑے پر، جیسے لوگ ریشم کی پٹی ڈیزائن بنا لیتے ہیں کپڑے پر، تو اگر اتنی مقدار ہے کہ جبہ کوئی چوغہ وغیرہ ہے، تو اس کی گنجائش ہے، اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے بھئی۔ مطلب چار انگلی کے برابر یا اس سے کم کم چوڑی پٹی ہے اور پورے اوپر سے لے کر نیچے تک لمبائی میں گئی ہوئی ہے، تو اس کی گنجائش ہے۔ یا جیسے آپ بھی دیکھتے ہیں آج کل لوگ جو ہیں وہ گریبان پر وہ نقش و نگار بنوا لیتے ہیں، ڈیزائن بنوا لیتے ہیں، تو یہ نقش و نگار اگر کوئی بنوا لیتا ہے تو یاد رکھو چار انگلی سے کم مقدار ہو تو اس کی گنجائش ہے، اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: إِلَّا قَدْرَ أَرْبَعَةِ أَصَابِعَ مگر چار انگلی کی مقدار، أَيْ فِي الْعَرْضِ یعنی چوڑائی میں۔ أَرَادَ مِقْدَارَ الْعَلَمِ ارادہ کیا ماتن نے عَلَم، عَلَم علامت کو کہتے ہیں، علامت۔ عَلَم جھنڈے کو بھی کہتے ہیں، اور عَلَم نقش و نگار کو بھی کہتے ہیں، یہ جو قمیص پر بیل بوٹے بنائے جاتے ہیں، ڈیزائن بنایا جاتا ہے گلے کے ارد گرد، اس کو بھی کیا کہتے ہیں؟ عَلَم۔ تو کہتے ہیں: أَرَادَ مِقْدَارَ الْعَلَمِ ارادہ کیا ماتن نے اس نقش و نگار کی مقدار کا، کہ یہ جو نقش و نگار یا پٹی کوئی لگواتا ہے تو کتنی لگوا سکتا ہے زیادہ سے زیادہ؟ چار انگلی کے برابر چوڑائی میں یا اس سے کم کم ہونی چاہیے، اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: أَرَادَ مِقْدَارَ الْعَلَمِ ماتن نے ارادہ کیا نقش و نگار کی مقدار کا۔ وَرُوِيَ اور روایت کیا گیا ہے أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ جُبَّةً مَكْفُوْفَةً بِالْحَرِيْرِ کہ حضور علیہ السلام نے ایسا جبہ پہنا—جبہ بھئی یہ قمیص کے اوپر کوئی پہنا جاتا تھا، جیسے آج کل قمیص کے اوپر واسکٹ پہن لیتے ہیں، یا اسی طرح کوٹ پہن لیتے ہیں، یا شیروانی پہن لیتے ہیں، لیکن واسکٹ، کوٹ، شیروانی یہ تو تنگ تنگ سے ہوتے ہیں، اس زمانے میں کھلے کپڑے پہنے جاتے تھے، اور چوغہ ہوتا تھا وہ اور بھی زیادہ کھلا ہوتا، قمیص کے اوپر پہنا جاتا تھا، یا جیسے عرب کے چوغے آپ دیکھتے ہیں بھئی، وہ قمیص کے اوپر کیا کرتے ہیں؟ چوغہ پہنتے ہیں، لیکن یہ تو خیر آج کے زمانے کے ہیں، اس زمانے میں پتا نہیں کیا شکل ہوگی، کس صورت میں ہوں گے—تو حضور نے ایک چوغہ پہنا مَكْفُوْفَةً بِالْحَرِيْرِ اس پر گوٹ لگائی گئی تھی ریشم کی۔ اس پر گوٹا لگایا گیا تھا کس کا؟ ریشم کا۔ بھئی آپ نے دیکھا ہے کہ عورتیں کیا کرتی ہیں؟ اپنے دوپٹے کے ارد گرد وہ گوٹا لگا لیتی ہیں کناروں پر بھئی خوبصورتی کے لیے۔ اور اسی طرح

گریبان کے ارد گرد بھی، آستینوں پر بھی، قمیص کے نچلے کنارے پر بھی، وہ جو دامن ہوتا ہے، وہاں پر بھی وہ گوٹا لگا لیتی ہیں ایک دو انچ کی یا تین انچ کی چوڑی پٹی۔ تو اسی طرح جو جبہ چوغہ ہوتا تھا اس پر بھی اس طرح کا کوئی ڈیزائن بنائے جاتے ہوں گے، یا بعض اوقات اس کے جو کنارے ہوتے ہیں، آپ نے دیکھا ہو گا کوئی موٹا کپڑا ہوتا ہے، اس کا جو آخری کنارہ ہوتا ہے اس آخری کنارے پر ایسی گوٹ لگی ہوتی ہے کہ ایسا ریشمی کپڑا جو اس کنارے کو اپنے اندر بند کر دیتا ہے، دونوں طرف یعنی آگیا، تاکہ وہ کنارہ کھلے نہ بھئی، کنارہ بند ہو جائے اس کے اندر۔ تو زینت بھی آگئی اس میں اور وہ کپڑا بھی کیا ہو گیا؟ موٹا کپڑا جو کوٹ جیسا ہے وہ بھی محفوظ ہو گیا۔ تو حضور علیہ السلام نے کوئی جبہ پہنا اور اس کے کنارے پر اس طرح کی گوٹ لگی ہوئی تھی ریشم کی بھئی۔ تو کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ تھوڑی بہت اگر گوٹ لگی ہو لباس پر مرد کے تو اس کی گنجائش ہے بھئی، ہاں ریشمی لباس تو جائز نہیں لیکن معمولی سی گوٹ وغیرہ لگی ہو مرد کے لباس میں تو اس کی گنجائش ہے۔

تو کہتے ہیں: أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ جُبَّةً مَكْفُوْفَةً بِالْحَرِيْرِ کہ حضور علیہ السلام نے ایسا چوغہ پہنا کہ جس پر گوٹ لگائی گئی تھی ریشم کی۔

وَعِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا فَرْقَ بَيْنَ حَالَةِ الْحَرْبِ وَغَيْرِهِ اور امام صاحب کے نزدیک کوئی فرق نہیں ہے جنگ کی حالت میں اور غیرِ جنگ کی حالت میں۔ بھئی متن میں مسئلہ بتلا دیا کہ مرد ریشم نہیں پہن سکتا۔ البتہ صاحبین فرماتے ہیں کہ جنگ میں پہن سکتا ہے، جنگ میں پہن سکتا ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں نہیں، کوئی فرق نہیں ہے، چاہے جنگ ہو چاہے جنگ کے علاوہ عام زمانہ ہو، کسی صورت اس کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ جو احادیث آئی ہیں جن میں منع کیا گیا ہے ان میں کوئی تفصیل نہیں ہے کہ جنگ کے بغیر اجازت نہیں ہے اور جنگ میں اس کی اجازت ہے، وہاں مطلقاً آیا ہے کہ یہ چیزیں کیا ہیں مردوں کے لیے؟ یہ حرام ہیں، منع ہیں بھئی۔ اور تو اس میں جنگ کا کوئی استثنا نہیں، لہٰذا جنگ میں بھی ریشم کا پہننا جائز نہیں۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں جنگ میں ضرورت ہے، اور الضَّرُوْرَاتُ تُبِيْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ ضرورت کی وجہ سے ممنوع چیز بھی جائز ہو جاتی ہے۔ جنگ میں ریشم پہنا جاتا ہے بھئی، وجہ اس کی یہ کہ قدیم زمانے میں جنگیں تلواروں سے لڑی جاتی تھیں، اور ریشمی لباس جب جسم پر پہن لیا تو اب تلوار اس کو لگ کر پھسل جائے گی۔ تو جسم کٹنے سے بچ جائے گا، ضرب تو لگ گئی، اس نے تلوار ماری بڑے زور سے، وہ لگے گی تو ضرور، لیکن کم از کم جسم کٹنے سے بچ جائے گا بھئی، تو کچھ نہ کچھ حفاظت ہو گئی ریشمی کپڑے پر، اور اگر کچھ تلوار ٹیڑھی لگی پھر تو بالکل ہی پھسل جائے گی بھئی، کیونکہ ریشمی کپڑا ہے اس پر تلوار پھسل جاتی ہے۔ تو لہٰذا وہ فرماتے ہیں جنگ میں ریشمی لباس پہنا جا سکتا ہے حفاظت کے لیے۔ اور نیز اس لیے بھی کہ ریشمی، جنگ دن کے وقت جنگ ہوتی تھی، رات کو تو نہیں ہوتی تھی، اور دن کے وقت اوپر سورج بھی چمک رہا ہے اور آپ نے ریشمی لباس پہنا ہوا ہے، اور تو وہ ریشمی لباس کی تو چمک بہت زیادہ ہو گی سورج میں، تو وہ چمک دشمن کی آنکھوں میں پڑے گی، اور اس سے ایک تو ان کو دکھائی نہیں دے گا اور دوسرا ان پر ہیبت طاری ہو جائے گی بھئی ایسا زبردست

لباس پہنا ہو گا۔ تو لہٰذا اس لیے جنگوں میں ریشمی لباس پہننے کی اجازت ہے، صاحبین فرماتے ہیں۔

تو کہتے ہیں: وَعِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا فَرْقَ بَيْنَ حَالَةِ الْحَرْبِ وَغَيْرِهِ امام صاحب کے نزدیک جنگ اور غیرِ جنگ کی حالت میں کوئی فرق نہیں ہے، دونوں صورتوں میں حلال نہیں ریشم کا پہننا۔ وَعِنْدَهُمَا يَحِلُّ فِي الْحَرْبِ ضَرُوْرَةً اور صاحبین کے نزدیک حلال ہے جنگ میں ضرورت کی بنا پر۔ قُلْنَا ہم جواب دیتے ہیں، یعنی امام صاحب کی طرف سے ہم جواب دیتے ہیں—یاد رکھیے فتویٰ امام صاحب کے قول پر—قُلْنَا ہم جواب دیتے ہیں: الضَّرُوْرَةُ تَنْدَفِعُ بِمَا لُحْمَتُهُ إِبْرَيْسَمٌ وَسَدَاهُ غَيْرُهُ۔ میری کتاب میں سُدَاهُ ہے سین پر پیش لگی ہے، یاد رکھیے یہ غلطی ہے کتابت کی، سَدَاهُ سین پر فتحہ پڑھنا ہے۔

اچھا، اب یہاں یہ کپڑے کی، بنایا کیسے جاتا ہے وہ ذرا سمجھ لو۔ یاد رکھو اگر آپ نے کپڑے پر غور کیا ہو تو اس میں دو دھاگے، دو طرح پر چلتے ہیں: کچھ دھاگے لمبائی میں چل رہے ہیں اور کچھ دھاگے چوڑائی میں چل رہے ہیں۔ تو یہ جو دھاگے لمبائی میں چل رہے ہیں ان کو کہتے ہیں سَدًی، عربی میں کیا کہتے ہیں؟ سَدًی، سین، دال اور یا، یا کے اوپر کھڑی زبر آجائے گی، سَدًی۔ اور جو دھاگے چوڑائی میں چل رہے ہیں اس کو کہتے ہیں لُحْمَةٌ، لُحْمَةٌ۔ تو سَدًی جو لمبائی میں ہے

اور لُحْمَة جو چوڑائی میں ہے۔ اور اردو زبان میں یہ جو دھاگے لمبائی میں چل رہے ہیں اس کو کہتے ہیں تانا، تانا، تا الف نون الف، تانا۔ اور جو دھاگے چوڑائی میں چل رہے ہیں اس کو کہتے ہیں بانا، با الف نون الف، بانا۔ تو گویا تانا اور بانا یہ کپڑے کی بنیاد بناتے ہیں، انہی سے کپڑا بنتا ہے۔ تانا اور بانا ملیں گے، لمبائی میں اور چوڑائی میں دھاگے ملیں گے تو کپڑا تیار ہو جائے گا۔

اب دیکھو جو دھاگے لمبائی میں ہیں، عربی میں کیا کہتے ہیں؟ سَدًی۔ اور جو چوڑائی میں ہیں وہ؟ لُحْمَة۔ اس، طلبہ پریشان ہو جاتے ہیں، بھول جاتے ہیں کون سا لمبائی میں ہے، کون سا چوڑائی میں۔ اسی طرح اردو میں جو لمبائی میں چل رہے ہیں اس کو کہتے ہیں تانا، اور جو چوڑائی میں ہے اس کو کہتے ہیں بانا۔ تو وہ بھی طلبہ بھول جاتے ہیں کہ پتا نہیں تانا کون سا والا تھا اور بانا کون سا والا تھا، کیونکہ عام تو یہ لفظ استعمال ہوتے ہی نہیں، کبھی فقہ کی کتاب میں لفظ آگیا تو ٹھیک ہے۔ تو اس کے لیے ایک لفظ یاد رکھنا بھئی، میں نے تو بڑا غور کیا اور کوئی صورت ذہن میں نہیں آئی، آپ کے ذہن میں اور کوئی بہتر صورت آجائے یاد رکھنے کے لیے تو آپ بے شک اس کو کر لیں، اور چاہیں تو یہ میرے طریقے کے مطابق یاد کر لیں۔

سب سے پہلے یہ یاد رکھو کہ یہ جب کپڑا بناتے ہیں نا کپڑا، دیکھو چوڑائی تو تھوڑی سی ہوتی ہے، ایک گز ہو گی یا دو گز ہو گی یا تین گز ہو گی۔ اور لمبائی تو بہت زیادہ ہوتی ہے، بیس پچیس گز تک پورے تھان کی لمبائی ہو گی۔ تو سب سے پہلے لمبائی میں دھاگوں کو سیٹ کیا جاتا ہے، ان کو لمبائی میں سارے دھاگے لگا دیے مشین کے اندر۔ اب صرف دیکھو یہ دھاگے ہیں، دھاگے ہیں، اس کو کوئی کپڑا کہے گا؟ نہیں، لمبائی میں بے شمار، سینکڑوں، ہزاروں دھاگے لگے ہوئے ہیں لمبائی میں۔ لیکن

کپڑا بننے جا رہا ہے تو گویا یہ کپڑے کی بنیاد بن رہی ہے یا نہیں بن رہی؟ تو بننا تو اسی سے کپڑا ہے، لیکن یہ سببِ بعید ہے کپڑے کا، پہلے لمبائی، اور پھر اس کے بعد اس میں سے چوڑائی میں دھاگے گزارتے چلے جاتے ہیں اور کپڑا بنتا چلا جا رہا ہے۔

تو اولاً بنیاد کس نے رکھی؟ لمبائی والے دھاگوں نے، اور پھر کپڑا بنایا کس نے؟ چوڑائی والے دھاگے۔ جب تک چوڑائی والا دھاگہ نہیں آیا، کپڑا بنا؟ نہیں، دھاگے ہی دھاگے تھے۔ تو جو لمبائی میں دھاگے تھے یعنی جو تانے تھے، تانے وہ تھے سببِ بعید کپڑے کے لیے۔ بنیاد تو بن رہا ہے، سبب تو بن رہے ہیں لیکن بعید سبب ہے۔ اور سببِ قریب کیا ہے کپڑے کے بننے کا؟ بانا ہے۔ جوں جوں بانے جس جس حصے میں سے گزرتے جا رہے ہیں وہ کپڑا بنتا چلا جا رہا ہے۔ تو لہٰذا یاد رکھنا اس کپڑے کے اندر اعتبار بانے کا ہے۔ کس کا اعتبار ہے؟ بانے کا اعتبار ہے، کیونکہ وہ علتِ قریبہ ہے، وہ کپڑے کو بناتا جا رہا ہے، اس سے پہلے تو دھاگے ہی دھاگے ہیں لمبائی کے اندر۔ تو کپڑے کے لیے علتِ بعیدہ—علت یہی سبب جس سے کوئی چیز بن، جو کسی چیز کو وجود دے—علتِ بعیدہ کیا کپڑے کے لیے؟ تانا۔ اور علتِ قریبہ کیا؟ بانا۔ یا عربی میں کہو کپڑے کے لیے علتِ بعیدہ کیا؟ سَدًی۔ اور علتِ قریبہ کیا؟ لُحْمَة بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب یہ لُحْمَة اور سَدًی بھول جاتا ہے کس کو کہتے ہیں، تانا اور بانا کس کو کہتے ہیں، طلبہ کو بھول جاتا ہے۔ تو میں نے ایک طریقے سے کوشش کی ہے کہ تاکہ آپ کو یاد رہیں۔ یاد رکھو عربی میں ایک فعل ہے سَتِلَ یَسْتَلُ، سین، تا ہے دو نقطوں والی، اور لام، سَتِلَ یَسْتَلُ کا معنی کسی کے پیچھے چلنا، کسی کے پیچھے لگنا۔ تو سَتِلَ بِالْعَصَا، سَتِلَ بِالْعَصَا یعنی وہ لاٹھی لے کر اس کے پیچھے لگا۔ تو سَتِلَ بِالْعَصَا وہ لاٹھی لے کر اس کے پیچھے لگا۔ اب اس میں سَتِلَ بِالْعَصَا کیا کیا حروف آرہے ہیں؟ سین، تا، لام، اور پھر بِالْعَصَا میں آرہی ہے با۔ یہ وہ چار حروف ہیں جس سے یہ بن رہا ہے سَدًی، سین سے کہ سَتِلَ، سین سے کیا بنا؟ سَدًی۔ آگے کیا ہے؟ تا، تا سے کیا بنا؟ تانا۔ آگے کیا ہے؟ سَتِلَ، لام ہے، لام سے کیا بنا؟ لُحْمَة۔ اور بِالْعَصَا آگے کیا ہے؟ با، با سے کیا بنا؟ بانا۔ سَتِلَ بِالْعَصَا۔ جس ترتیب سے یہ ہیں اسی ترتیب سے کپڑے کی بنیاد بھی ہے۔ پہلے کون سا دھاگہ لگاتے ہیں؟ لمبائی والا، اس کو سین کو سب سے پہلے میں لایا، سَدًی، سَدًی۔ اور اس سَدًی کو اردو میں کیا کہتے ہیں؟ تانا، دیکھو سَتِلَ سین کے بعد فوراً تا ہے، تانا۔ اور پھر جو چوڑائی میں آیا اس کو کیا کہتے ہیں؟ لُحْمَة، وہ آگے میں لایا، اور لُحْمَة کو اردو میں کیا کہتے ہیں؟ بانا، وہ با میں آخر میں لے آیا اس کے ساتھ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ اگر لفظ یاد رہے آپ کو تو اس سے آپ کو یاد کرنے میں آسانی، اور اگر کوئی اور لفظ اچھا سا اور ذہن میں آتا ہے جس سے اور اچھے طریقے سے یاد ہو جائے تو وہ یاد کر لیجیے گا۔ تو سَتِلَ بِالْعَصَا وہ لاٹھی لے کر اس کے پیچھے لگا، اس کے پیچھے چلا۔

اور میں نے کیا بتلایا؟ کہ کپڑے کی اصل بنیاد جو ہے وہ ہے لُحْمَة، بانے کو سمجھا جاتا ہے، کس کو؟ بانے کو۔ وہ جو بانا ہے جو چوڑائی میں آرہا ہے، وہ جوں جوں آتا جا رہا ہے کپڑا بنتا جا رہا ہے، اس سے پہلے تو لمبائی میں دھاگے ہی دھاگے ہیں، کپڑا نہیں ہے۔ لہٰذا اس میں تفصیل یاد رکھو، آگے وہ بھی آپ کو بتائیں گے۔ کہ اگر مخلوط کپڑا ہو، مخلوط خلط یعنی مکس، مکس

کپڑا ہو، ایک دھاگہ ریشمی ہے اور ایک دھاگہ کپاس یا روئی کا ہے یا اون کا ہے بھئی، تو اس میں اعتبار جو ہے وہ لُحْمَة یعنی بانے کا ہو گا۔ کس کا ہو گا؟ بانے کا اعتبار ہو گا، کیونکہ بانا علتِ قریبہ ہے، وہ کپڑے کو بنا رہا ہے۔

لہٰذا اب ایک شخص نے کپڑا بنایا، اس کا سَدًی یعنی تانا جو ہے وہ کپاس کا ہے، وہ کس کا ہے؟ کپاس کا۔ اور جو لُحْمَة جو کپڑا بنا رہا ہے وہ ریشمی دھاگہ ہے، تو یاد رکھو اس کو ریشمی سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اعتبار کس کا ہے؟ لُحْمَة کا ہے، بانے کا ہے، اور بانا کیا ہے؟ ریشمی۔ لہٰذا یہ کپڑا عام حالات میں مرد کے لیے پہننا جائز نہیں، اس کو کیا سمجھا جائے گا؟ ریشمی ہی سمجھا جائے گا بھئی۔ اور امام صاحب فرماتے ہیں کہ جنگ میں ریشمی لباس کی ضرورت نہیں ہے، اس کپڑے کے لیے، یہ جو مخلوط کپڑا ہے جس کا بانا کس کا ہے؟ ریشم کا ہے، اس کے ذریعے ضرورت پوری ہو جاتی ہے، لہٰذا یہ والا کپڑا پہن لے جس میں تانا کیا ہو؟ اون کا یا روئی کا ہو، اور بانا کس کا ہو؟ ریشم کا ہو، تو اس سے ضرورت پوری ہو جائے گی۔ اور چونکہ اعتبار بانے کا ہے تو اس کپڑے کو بھی کیا سمجھیں گے؟ ریشمی سمجھیں گے، لہٰذا عام حالات میں مردوں کے لیے یہ بھی جائز نہیں۔

اور اگر اس کا برعکس ہو، یعنی تانا جو ہے وہ ریشمی ہے اور بانا جو ہے وہ روئی یا کپاس کا ہے یا اون کا ہے، روئی وہی کپاس ایک ہی چیز ہے، وہ بانا جو ہے وہ کس کا ہے؟ روئی کا ہے یا اون کا ہے، لیکن تانا کس کا ہے؟ ریشم کا۔ تو اعتبار کس کا؟ بانے کا، اور بانا تو روئی یا اون کا ہے، لہٰذا اس کپڑے کو ریشمی نہیں سمجھا جائے گا، اور یہ عام حالت میں بھی کوئی بھی مرد پہن سکتا ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ جس کا لُحْمَة یعنی بانا اگر اونی ہے تو اس کو اونی ہی سمجھیں گے، مرد یہ پہن سکتا ہے، عام حالتوں میں بھی پہن سکتا ہے۔ اور جس کا بانا کیا ہو؟ ریشمی ہو، اس کو ریشمی سمجھا جائے گا، مرد کے لیے عام دنوں میں پہننا، عام حالات میں پہننا جائز نہیں، ہاں جنگ کے دنوں میں پہن سکتا ہے۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں جنگ میں ریشمی، پورا ریشمی جس کا تانا بھی ریشمی ہو بانا بھی ریشمی ہو، وہ عام حالت میں بھی جائز نہیں، جنگ کے اندر بھی جائز نہیں ہے۔ اور صاحبین فرماتے ہیں جنگ میں چونکہ ضرورت ہے، اور الضَّرُوْرَاتُ تُبِيْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ ضرورت ممنوع چیزوں کو جائز کر دیتی ہے، اس کو مباح کر دیتی ہے، تو لہٰذا جنگ میں ریشمی کپڑا پہنا جا سکتا ہے۔ تو امام صاحب کی طرف سے جواب دیا کہ جنگ کے اندر ضرورت ہے اور ضرورت اس کپڑے سے پوری ہو جاتی ہے جس کا، جس کا بولیں؟ جس کا تانا ان کا ہو اور بانا... ہاں، جس کا بانا ریشم کا ہو، تو وہ بھی کپڑا کیا شمار ہو گا؟ ریشمی شمار ہو گا، تو اس کے ذریعے ضرورت پوری ہو جاتی ہے، لہٰذا مکمل ریشمی کپڑا جس میں تانا بھی ریشم کا ہو بانا بھی ریشم کا ہو اس کی جنگ میں بھی گنجائش نہیں ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

یہی بیان کر رہے ہیں: قُلْنَا ہم جواب میں کہتے ہیں: الضَّرُوْرَةُ تَنْدَفِعُ بِمَا لُحْمَتُهُ إِبْرَيْسَمٌ کہ ضرورت پوری ہو جاتی ہے اس کپڑے سے لُحْمَتُهُ إِبْرَيْسَمٌ جس کا لُحْمَة یعنی بانا کیا ہو؟ ریشم کا ہو—إِبْرَيْسَمْ یہ کس کو کہتے ہیں؟ ریشم—لُحْمَتُهُ إِبْرَيْسَمٌ جس کا لُحْمَة کیا ہو، جس کا بانا ریشم کا ہو، وَسَدَاهُ غَيْرُهُ اور اس کا تانا ریشم کے علاوہ ہو۔ تو اس سے ضرورت پوری ہو جاتی ہے، لہٰذا اس کو پہن لے۔

وَيَتَوَسَّدُهُ اور اس کا تکیہ بنا سکتا ہے، وَيَفْتَرِشُهُ اور اس کا بچھونا بنا سکتا ہے۔ ریشمی کپڑے کا تکیہ بنانا جائز ہے اور اس سے بستر بنانا بھی جائز۔ تکیہ بنانا یعنی تکیے کے اوپر ریشمی کپڑے کا غلاف چڑھا دیا، اور بستر پر ریشمی کپڑے کا غلاف چڑھا دیا، تو کیا اس کی گنجائش ہے؟ مرد یہ استعمال کر سکتا ہے؟ تو آپ کو بتلا دیا کہ امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ تکیہ بھی بنا سکتا ہے اور بستر پر اس کا غلاف بھی چڑھا سکتا ہے، مرد کے لیے جائز ہے۔ یہ معنی ہے وَيَتَوَسَّدُهُ اور اس کا تکیہ بھی بنا سکتا ہے ریشم کا، وَيَفْتَرِشُهُ اور اس کا بچھونا بھی بنا سکتا ہے۔ هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ لِمَا رُوِيَ بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا کہ أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ عَلَى مِرْفَقَةٍ مِنْ حَرِيْرٍ کہ حضور علیہ السلام تشریف فرما ہوئے عَلَى مِرْفَقَةٍ مِنْ حَرِيْرٍ ریشم کے بستر پر، ریشم کے گدے پر آپ تشریف فرما ہوئے۔ کہیں حضور تشریف لے گئے ہوں گے اور وہ کسی شخص نے گدے یا بستر پر کیا چڑھایا ہوا تھا؟ ریشم، اور حضور علیہ السلام نے منع نہیں فرمایا اور اس پر تشریف فرما ہوئے، معلوم ہوا اس کا استعمال جائز ہے۔ مِرْفَقَة یاد رکھو مِرْفَقَة تکیے کو بھی کہتے ہیں اور بستر کو بھی کہتے ہیں، بستر اور گدا جو ہے، لیکن یہاں بستر ہی کے معنی میں مناسب ہے کیونکہ بیٹھا کس پر جاتا ہے؟ بستر پر بیٹھا جاتا ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟ ورنہ یہ لفظ تکیے پر بھی بولا جاتا ہے اور بستر پر بھی۔ تو کہتے ہیں لِمَا رُوِيَ بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا کہ أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ عَلَى مِرْفَقَةٍ مِنْ حَرِيْرٍ کہ حضور علیہ السلام تشریف فرما ہوئے ریشم کے بستر پر۔ وَقَالَا اور صاحبین فرماتے ہیں يُكْرَهُ مکروہ ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں ریشمی کپڑے کا، خالص ریشمی کپڑے کا تکیہ بنانا بھی مکروہ اور بستر بنانا بھی مکروہ۔ لیکن امام صاحب فرماتے ہیں جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

وَيَلْبَسُ مَا سَدَاهُ إِبْرَيْسَمٌ وَلُحْمَتُهُ غَيْرُهُ، ہاں اور پہن سکتا ہے مَا وہ کپڑا سَدَاهُ إِبْرَيْسَمٌ جس کا تانا ریشم کا ہو وَلُحْمَتُهُ غَيْرُهُ اور اس کا بانا غیرِ ریشم کا۔ دیکھا، لُحْمَة کا اعتبار ہے، لُحْمَة بانا غیرِ ریشم کا ہے تو مرد وہ کپڑا پہن سکتا ہے۔ وَعَكْسُهُ فِي الْحَرْبِ فَقَطْ اور اس کا برعکس صرف جنگ میں، جس کا یوں کہو جس کا لُحْمَة کس کا ہو؟ ریشم کا، اور سَدًی کس کا ہو؟ غیرِ ریشم کا، یہ صرف جنگ میں جائز ہے، ویسے جائز نہیں۔ کہتے ہیں: إِنَّمَا اعْتُبِرَ فِي الْمَخْلُوْطِ اللُّحْمَةُ اعتبار کیا گیا ہے مخلوط کپڑے میں— مخلوط یعنی مکس کپڑا جس میں ایک دھاگہ ریشمی ہے اور ایک دوسرے قسم کا ہے—تو اس میں اعتبار کیا گیا ہے اللُّحْمَةُ کس کا اعتبار کیا گیا؟ لُحْمَة کا۔ حَتَّى لَوْ كَانَتْ مِنَ الْإِبْرَيْسَمِ لَا يَحِلُّ یہاں تک کہ اگر وہ ریشم کا ہوا لُحْمَة لَا يَحِلُّ تو مرد کے لیے وہ جائز نہیں۔ وَإِنْ كَانَتْ مِنْ غَيْرِهِ اور اگر وہ لُحْمَة غیرِ ریشم کا ہوا تو يَحِلُّ مرد کے لیے اس کا پہننا جائز ہے، اِعْتِبَارًا لِلْعِلَّةِ الْقَرِيْبَةِ اعتبار کرتے ہوئے کس کا؟ علتِ قریبہ کا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ یہ علتِ بعیدہ کیا ہے؟ سَدًی جو لمبائی میں دھاگے ہیں۔ اور علتِ قریبہ کیا ہے کپڑے کی؟ لُحْمَة ہے، بانا ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟[۲]

[۲] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۹۷):** صوتی درس کی قراءت میں «إِنَّمَا اعْتُبِرَ فِي الْمَخْلُوْطِ اللُّحْمَةُ» ہے، جبکہ محقق

وَلَا يَتَحَلَّى بِذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ إِلَّا بِخَاتَمٍ وَمِنْطَقَةٍ وَحِلْيَةِ سَيْفٍ مِنْهَا، وَلَا يَتَحَلَّى اور مرد زینت حاصل نہیں کر سکتا بِذَهَبٍ سونے کے ساتھ أَوْ فِضَّةٍ یا چاندی سے۔ سونے یا چاندی سے مرد زینت حاصل نہیں کر سکتا، یعنی سونے یا چاندی کے زیور کوئی مرد پہن لے یہ جائز نہیں، جیسے آج کل آپ دیکھتے ہیں لوگوں نے گلے میں سونے کی یا چاندی کی چین ڈالی ہوتی ہے، یہ جائز نہیں ہے، حرام ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَلَا يَتَحَلَّى اور زینت حاصل نہیں کر سکتا بِذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ سونے سے یا چاندی سے إِلَّا بِخَاتَمٍ مگر کس کے ساتھ؟ مگر کس سے؟ انگوٹھی سے، وَمِنْطَقَةٍ مِنْطَقَة کہتے ہیں کمربند بھئی، یہ کمر پر، کمر پر کوئی پیٹی وغیرہ باندھ لی جائے اور اس پر اگر کچھ سونا یا چاندی ہے تو اس کی گنجائش—ہاں سونا یا چاندی نہیں، صرف چاندی، چاندی، اس پر کمر بند ہے اور اس پر صرف کچھ کیا

لگی ہے چاندی، تو اس کی گنجائش ہے۔ اور اسی طرح انگوٹھی، انگوٹھی میں بھی بھئی بڑی تھوڑی سی مقدار چاندی کی ہے، خوب بڑی اور موٹی سی انگوٹھی وہ حرام ہے، وہ جائز نہیں ہے، بہت تھوڑی سی مقدار ہے چاندی کی جس انگوٹھی میں جو جائز ہے۔

تو کہ، ہاں: إِلَّا بِخَاتَمٍ مگر انگوٹھی کے ساتھ، وَمِنْطَقَةٍ اور کمربند، وَحِلْيَةِ سَيْفٍ اور تلوار کا زیور۔ تلوار میں بھی بعض لوگ جو ہیں نا وہ چاندی وغیرہ لگا لیتے ہیں، جیسے تلوار کا دستہ ہے، اس پر کچھ چاندی لگا دی۔ کیونکہ روایات میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک تلوار تھی جس کا دستہ کیا تھا؟ چاندی کا تھا، اس پر کچھ چاندی وغیرہ لگی ہو گی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ تلوار میں بھی چاندی کی کچھ نہ کچھ گنجائش ہے۔

یہ معنی ہے کہ زینت حاصل نہیں کر سکتا مرد سونے یا چاندی سے، مگر انگوٹھی، وَمِنْطَقَةٍ اور کمربند، وَحِلْيَةِ سَيْفٍ اور تلوار کا زیور، مِنْهَا اس میں سے ہو۔ هَا ضمیر کس کو راجع؟ پیچھے ذَهَب بھی آیا تھا اور فِضَّة بھی آیا تھا، دونوں میں سے مذکر کون ہے مؤنث کون ہے؟ فِضَّة مؤنث ہے، گول تا جڑی ہوئی ہے، اور ذَهَب کا لفظ تو مذکر ہے، اور یہاں مِنْهَا آیا، معلوم ہوا مؤنث کو ضمیر فِضَّة کو راجع ہے۔ وہ انگوٹھی یا کمربند اور تلوار کا زیور مِنْهَا کس سے ہو؟ کس سے بنا ہو؟ چاندی سے۔ معلوم ہوا سونے کی تو بالکل ہی گنجائش نہیں ہے بھئی۔ مِنْهَا، میں نے بتلایا هَا ضمیر کس کو راجع؟ فِضَّة کو، اور اس کا تعلق یاد رکھو یہ خَاتَم، مِنْطَقَة اور حِلْيَةُ السَّيْف تینوں سے ہے، کہ یہ جو انگوٹھی اور کمربند اور تلوار کا زیور کس سے ہو؟ چاندی سے۔ چاندی کی ان میں اجازت ہے، سونے کی ان کے اندر اجازت نہیں ہے۔

وَمِسْمَارِ ذَهَبٍ، اور مِسْمَار کہتے ہیں کیل بھئی، میخ، میخ۔ وَمِسْمَارِ ذَهَبٍ اور سونے کی میخ سے زینت حاصل کرنا لِثَقْبِ فَصٍّ۔ ثَقْب کہتے ہیں سوراخ کو بھئی، سوراخ۔ اور فَصٌّ، فَصٌّ کہتے ہیں نگینے کو، فا اور صاد ہے، فَصٌّ، اور یہ مثلث الفاء ہے۔

نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «إنَّما اعتبروا في المخلوطِ اللَّحمةِ» منقول ہے۔

یہ فَصّ کا لفظ کیا ہے؟ مثلث الفاء۔ میں نے شاید بتلایا ہو آپ کو، کیا معنی مثلث الفاء کا؟ کہ اس کے فا میں تینوں حرکتیں عرب سے سنی گئی ہیں: فَصٌّ، فِصٌّ، فُصٌّ، تو یہ مثلث الفاء ہے۔ مثلث الفاء کا یہ معنی نہیں ادھر تو ہے ہی فا، یعنی جو پہلا حرفِ اصلی ہے وہ کچھ بھی ہو، چاہے فا ہو یا ہو کچھ بھی ہو، اس پر وہ تینوں حرکتیں پھر جائز ہوتی ہیں۔

تو کہتے ہیں: وَمِسْمَارِ ذَهَبٍ اور جائز ہے، یہ اسی إِلَّا کے تحت آرہا ہے کہ زینت حاصل نہیں، دوبارہ ترجمہ دیکھیں، زینت حاصل نہیں کر سکتا بِذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ سونے یا چاندی سے، إِلَّا اب استثنا کر رہے ہیں کیا کیا زینت حاصل کر سکتا ہے ان سے، إِلَّا مگر انگوٹھی وَمِنْطَقَةٍ اور کمربند وَحِلْيَةِ سَيْفٍ مِنْهَا اور تلوار کا زیور اس حال میں کہ اس چاندی سے بنا ہو، وَمِسْمَارِ ذَهَبٍ اور سونے کی میخ لِثَقْبِ فَصِّ نگینے کے سوراخ کے لیے۔ انگوٹھی میں نگینہ لگایا ہو۔ انگوٹھی کس کی مثلاً؟ چاندی کی۔ یاد رکھو چاندی کی انگوٹھی جائز ہے، پتھر، پیتل، لوہا، کسی چیز کی انگوٹھی جائز نہیں مرد کے لیے، صرف کس کی جائز ہے؟ چاندی کی۔ اور اس چاندی کی انگوٹھی میں وہ نگینہ لگواتا ہے۔ تو یہاں پتھر لگا سکتا ہے، ویسے تو پتھر کی انگوٹھی بھی جائز نہیں۔ اس میں اب وہ کوئی نگینے کے طور پر کوئی پتھر لگواتا ہے، اور مضبوطی کے لیے اس نگینے میں کوئی سوراخ ہے اس میں چھوٹی سی کوئی سونے کی میخ کے ذریعے اس کو باندھ دیتا ہے، مضبوط کر دیتا ہے، تو وہ سونے کی معمولی چھوٹی سی میخ وغیرہ لگا کر نگینے کی مضبوطی کے لیے اس انگوٹھی میں وہ میخ لگاتا ہے تو اس کی گنجائش ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن آپ جانتے ہیں وہ بڑی تھوڑی سی مقدار ہو گی بھئی، نگینہ خود ہی چھوٹا سا ہوتا ہے اور پھر اس کے لیے اس میں سوراخ ہو وہ اور زیادہ چھوٹا ہو گا، تو تھوڑی سی مقدار ہو گئی۔

یہ معنی ہے: وَمِسْمَارِ ذَهَبٍ اور سونے کی میخ لِثَقْبِ فَصِّ نگینے کے سوراخ کے لیے، اس کی بھی گنجائش ہے۔ وَحَلَّ لِلْمَرْأَةِ كُلُّهَا اور حلال ہے عورت کے لیے یہ سب، یعنی ریشم بھی حلال اور سونے اور چاندی سے زینت حاصل کرنا بھی حلال۔

وَلَا يَتَخَتَّمُ بِالْحَجَرِ وَالْحَدِيْدِ وَالصُّفْرِ۔ تَخَتُّم کا معنی ہے انگوٹھی پہننا۔ تَخَتَّمَ بِالْحَجَرِ اس نے پتھر کی انگوٹھی پہنی، عربی میں کہتے ہیں: تَخَتَّمَ بِالْحَجَرِ اس نے پتھر کی انگوٹھی پہنی۔ یا کہتے ہیں: تَخَتَّمَ بِالْحَدِيْدِ اس نے لوہے کی انگوٹھی پہنی۔ یا کہتے ہیں: تَخَتَّمَ بِالصُّفْرِ اس نے پیتل کی انگوٹھی پہنی۔ تو یہاں تَخَتُّم کا معنی ہے انگوٹھی پہننا۔ وَلَا يَتَخَتَّمُ بِالْحَجَرِ وَالْحَدِيْدِ وَالصُّفْرِ اور انگوٹھی نہیں پہن سکتا پتھر کی اور لوہے کی اور پیتل کی۔ صُفر کہتے ہیں پیتل کو، پیتل یہ ایک دھات ہے اور زرد رنگ کی، سرخی مائل۔ تو یہ پیتل سے، پیتل کی بھی انگوٹھی نہیں بنا سکتا، لوہے کی بھی نہیں، پتھر کی بھی، مرد کے لیے صرف چاندی کی انگوٹھی کی گنجائش ہے اور وہ بھی تھوڑی سی مقدار ہے۔ لوگوں نے بڑی بڑی انگوٹھیاں چاندی کی بنائی ہوتی ہیں، مسئلہ سن لیتے ہیں کہ چاندی کی انگوٹھی کی تو جائز ہے، تو بڑی سی بنوا لیتے ہیں، نہیں بھئی وہ بڑی تھوڑی سی مقدار ہے۔

تو کہتے ہیں: وَلَا يَتَخَتَّمُ بِالْحَجَرِ وَالْحَدِيْدِ وَالصُّفْرِ اور انگوٹھی نہیں پہن سکتا پتھر کی اور لوہے کی اور پیتل کی۔ لٰكِنْ يَجُوْزُ إِنْ كَانَ الْحَلْقَةُ مِنَ الْفِضَّةِ وَالْفَصُّ مِنَ الْحَجَرِ لیکن جائز ہے اگر حلقہ وہ چاندی کا ہو اور نگینہ جو ہے مِنَ الْحَجَرِ پتھر سے ہو، نگینہ پتھر کا ہو۔ بھئی انگوٹھی میں اصل کیا ہے؟ نگینہ ہے یا وہ حلقہ ہے جو انگلی کے گرد ہے؟ تو یاد رکھیے اصل تو حلقہ ہے، انگوٹھی کا وجود ہی کس سے ہے؟ اس حلقے سے ہے، وہ حلقہ ہے تو انگوٹھی ہے، وہ حلقہ نہیں تو انگوٹھی نہیں۔ تو لہٰذا وہ حلقہ چاندی کا ہونا چاہیے، اس پر اگر کوئی پتھر نگینہ لگوا لیتا ہے تو وہ جائز ہے بھئی۔ یہ معنی ہے: اور جائز ہے اگر حلقہ جو ہے چاندی کا ہو اور نگینہ پتھر سے۔

وَتَرْكُهُ لِغَيْرِ الْحَاكِمِ أَحَبُّ اور چھوڑ دینا، انگوٹھی پہننے کو چھوڑ دینا لِغَيْرِ الْحَاكِمِ حاکم کے علاوہ کے لیے أَحَبُّ زیادہ پسندیدہ ہے۔ بھئی حاکم یا قاضی ہے ان کے لیے تو وہ تو انگوٹھی بنوا سکتے ہیں یہ چاندی کی، کیونکہ اس انگوٹھی میں پھر وہ مہر لگوا لیں گے۔ انہوں نے خطوط لکھنے ہوتے ہیں، احکام جاری کرنے ہوتے ہیں، تو اب کس، یہ قاضی کا خط ہے یا نہیں پتا ہی نہیں چلے گا، تو پھر وہ مہر لگاتے ہیں اس کے اوپر۔ جیسے آج کل بھی آپ دیکھتے ہیں مختلف محکموں کی اپنی اپنی مہریں ہوتی ہیں، اس کے ذریعے پہچانا جاتا ہے کہ یہ اس محکمے کا خط ہے یا خط نہیں۔ تو اسی طرح قاضی اور جو حاکم ہے، گورنر ہے، تو ان کو تو مہر کی ضرورت ہے لہٰذا یہ تو انگوٹھی بنوا لیں۔ لیکن عام آدمی کے لیے پسندیدہ یہ ہے کہ بنوائے نہ، جائز تو ہے بنوا بھی لے ٹھیک ہے لیکن بہتر کیا ہے کہ نہ بنوائے۔ یہ معنی ہے: وَتَرْكُهُ أَيْ تَرْكُ التَّخَتُّمِ انگوٹھی پہننے کو چھوڑ دینا لِغَيْرِ الْحَاكِمِ أَحَبُّ غیرِ حاکم کے لیے یعنی عام لوگوں کے لیے أَحَبُّ یہ زیادہ پسندیدہ ہے۔ أَيْ تَرْكُ التَّخَتُّمِ لِغَيْرِ السُّلْطَانِ وَالْقَاضِيْ أَحَبُّ یعنی انگوٹھی پہننے کو چھوڑ دینا سلطان اور قاضی کے علاوہ باقی لوگوں کے لیے أَحَبُّ یہ زیادہ پسندیدہ ہے لِكَوْنِهِ زِيْنَةً اس لیے کیونکہ انگوٹھی تو کیا ہے؟ زینت ہے، زینت ہے لہٰذا پسندیدہ یہ ہے کہ مرد اس سے اپنے آپ کو بچائے۔ وَالسُّلْطَانُ وَالْقَاضِيْ يَحْتَاجُ إِلَى الْخَتْمِ اور بادشاہ اور قاضی جو ہے وہ تو محتاج ہوتے ہیں مہر کے، کیونکہ انہوں نے احکام جاری کرنے ہوتے ہیں، مہر لگانی ہوتی ہے۔

وَلَا يَشُدُّ سِنَّهُ بِذَهَبٍ اور نہ باندھے اپنے دانت کو– سِنٌّ کہتے ہیں دانت کو– اور نہ باندھے اپنے دانت کو بِذَهَبٍ کس سے؟ سونے سے، بَلْ بِفِضَّةٍ بلکہ چاندی سے باندھے۔ بھئی آپ نے دیکھا ہو گا بعض لوگوں کا دانت ہلنے لگتا ہے تو قدیم زمانے میں کیا کرتے تھے؟ اس کو کسی تار سے، سونے یا چاندی کی تار سے باندھ دیتے تھے، یا بعض اس پورے دانت پر سونے یا چاندی کا خول چڑھا لیتے ہیں، آپ نے بھی کسی کو دیکھا ہو گا۔ تو یہ امام صاحب فرماتے ہیں چاندی کو تو استعمال کر سکتا ہے، سونے کو اس کے لیے استعمال کرنے کی اجازت نہیں، جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں چاندی کے ساتھ ساتھ سونے کو بھی استعمال کر سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: وَلَا يَشُدُّ سِنَّهُ بِذَهَبٍ اور نہ باندھے اپنے دانت کو سونے کے ساتھ، بَلْ بِفِضَّةٍ بلکہ چاندی کے ساتھ باندھے، هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ یہ کس کے نزدیک ہے؟ امام صاحب کے نزدیک۔

وَكُرِهَ إِلْبَاسُ الصَّبِيِّ ذَهَبًا أَوْ حَرِيْرًا اور مکروہ ہے پہنانا بچے کو ذَهَبًا سونا أَوْ حَرِيْرًا یا ریشم۔ بچے کو، چھوٹا بچہ ہے، اور اس کو سونا یا چاندی پہنانا مکروہ ہے۔ جو پہنانے والے ہیں وہ مجرم ہیں، ان کا عند اللہ مؤاخذہ ہوگا، ان کو گناہ ہوگا۔ اور یاد رکھو صَبِيّ ذکر کیا، صَبِيّ مذکر بچہ، مذکر، اگر بچی ہو اس کے لیے لفظ ہوگا صَبِيَّةٌ، اس کے ساتھ گول تا آئے گی۔ اور متن میں صَبِيّ مذکر بچے کا ذکر ہو رہا ہے بچی کا نہیں۔ بچی عورت ہے، عورت کے لیے جیسے ریشم پہننا جائز تو بچی کو پہنانا بھی جائز، عورت کے لیے زیور پہننا جائز تو بچی کو بھی زیور پہنانا جائز۔ لیکن مرد کے لیے زیور پہننا اور ریشم پہننا جائز نہیں تو جو مذکر بچہ ہے، چھوٹا بچہ، اس کو بھی زیور یا ریشم پہنانا جائز نہیں ہے۔

یہ معنی ہے: وَكُرِهَ إِلْبَاسُ الصَّبِيِّ اور مکروہ ہے، اِلْبَاس کا معنی پہنانا، دوسرے کو کچھ پہنانا، اور مکروہ ہے إِلْبَاسُ الصَّبِيِّ بچے کو پہنانا ذَهَبًا أَوْ حَرِيْرًا سونا یا ریشم۔ كَمَا أَنَّ—اِنَّ نہیں بھئی أَنَّ ہونا چاہیے—كَمَا أَنَّ شُرْبَ الْخَمْرِ حَرَامٌ جیسے شراب کا پینا حرام ہے، فَكَذَا إِسْقَاؤُهَا حَرَامٌ تو اسی طرح شراب کا پلانا بھی حرام ہے۔ بھئی ٹھیک ہے مرد تو وہ تو مکلف ہے، وہ تو مکلف ہے، تو لہٰذا اس کے لیے تو ٹھیک ہے ریشم بھی حرام اور سونا بھی حرام، بچہ تو چھوٹا ہے، کہتے ہیں بھئی یہاں بچے کے مؤاخذے کی بات نہیں ہو رہی، پہنانے والے کی بات ہو رہی ہے۔ جیسے شراب کو دیکھ لو، شراب کا پینا حرام تو پلانا بھی، کسی دوسرے کو پلانا بھی حرام ہے۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح جب ریشم اور سونے کا استعمال مرد کے لیے مکروہ ہے تو بچے کو استعمال کروانا بھی مکروہ ہوگا۔

لَا خِرْقَةٌ لِوَضُوْءٍ أَوْ مُخَاطٍ۔ خِرْقَة، خِرْقَة کہتے ہیں کپڑے کا ٹکڑا بھئی۔ لوگ ہاتھوں میں بھئی رومال وغیرہ استعمال کرتے ہیں، چھوٹا کپڑا، پسینہ پونچھنے کے لیے یا وضو کا پانی خشک کرنے کے لیے یا ناک صاف کرنے کے لیے، تو کیا وہ جائز ہے یا جائز نہیں؟ قدیم زمانے میں ہو سکتا ہے یہ متکبرین کا طریقہ ہو، کس کا طریقہ ہو؟ متکبر لوگ اس طرح کرتے ہوں، تو کہتے ہیں اگر یہ ویسے کرتا ہے تکبر کی نیت سے تو پھر جائز نہیں ہے، اور اگر ضرورت کی بنا پر ایسا رومال رکھتا ہے تو پھر وہ جائز ہے بھئی۔

تو خِرْقَة کہتے ہیں کپڑے کا چھوٹا ٹکڑا، مراد وہ رومال یا چھوٹا تولیہ وغیرہ ہے۔ لِوَضُوْءٍ، ایک ہے وُضُوْء واو کے ضمہ کے ساتھ، اور ایک ہے وَضُوْء واو کے فتحہ کے ساتھ، دونوں میں فرق ہے۔ یاد رکھو وُضُوْء واو کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے وضو کرنا، یہ مصدر ہے، یہ کیا ہے؟ مصدر ہے وضو کرنا۔ اور ایک ہے وَضُوْء واو کے فتحہ کے ساتھ، یہ وضو کے پانی کو کہتے ہیں، وضو کا جو پانی ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ وَضُوْء، اور وُضُوْء کسے کہتے ہیں؟ وضو کرنا، یہ مصدر ہے۔ تو یہاں وَضُوْء پڑھنا، وَضُوْء واو کے فتحہ کے ساتھ۔ أَوْ مُخَاطٍ، مُخَاط کہتے ہیں ناک سے جو ریزش نکلے، جس کو رینٹ کہتے ہیں، ناک سے جو گندگی نکلے اس کو کیا کہتے ہیں؟ مُخَاطٌ، مُخَاطٌ۔

تو کہتے ہیں: لَا خِرْقَةٌ لِوَضُوْءٍ أَوْ مُخَاطٍ اور مکروہ نہیں ہے وہ کپڑا جو وضو کے پانی کے لیے ہو أَوْ مُخَاطٍ یا ناک کو صاف

کرنے کے لیے ہو۔ وضو کے پانی کے لیے بھئی وضو کیا، ہاتھ اور چہرہ گیلا ہے تو وہ تولیے سے اس کو کیا کر لیتا ہے؟ خشک کر لیتا ہے، کپڑا رکھا ہوا ہے، تو یہ جائز ہے، مکروہ نہیں۔ آگے دیکھیے کہتے ہیں: عِنْدَ الْبَعْضِ يُكْرَهُ ذٰلِكَ بعض فقہا کے نزدیک یہ بھی مکروہ ہے لِأَنَّهُ نَوْعُ تَجَبُّرٍ کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا تکبر ہے، یہ بھی کیا ہے ایک قسم کا... معلوم ہوا یہ قدیم زمانے میں متکبرین کا طریقہ ہوگا، آج کل تو یہ بظاہر میرا خیال متکبرین کا طریقہ نہیں، لیکن پھر بھی نیت کو دیکھا جائے گا اور ضرورت کو دیکھا جائے گا، اگر کسی نے تکبر کی نیت سے اور دکھانے کے لیے رکھا ہوا ہے صرف تو پھر یہ جائز نہیں، یہ مکروہ ہوگا، اور اگر ضرورت ہے اس کو تو پھر مکروہ نہیں ہے، جائز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَعِنْدَ الْبَعْضِ يُكْرَهُ ذٰلِكَ بعض کے نزدیک یہ مکروہ ہے لِأَنَّهُ نَوْعُ تَجَبُّرٍ، تَجَبُّر کا معنی تکبر، اس لیے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا تکبر ہے۔ لٰكِنَّ الصَّحِيْحَ لیکن صحیح یہ ہے أَنَّهَا إِذَا كَانَتْ لِلْحَاجَةِ لَا تُكْرَهُ کہ اگر یہ ضرورت کے لیے ہو تو یہ مکروہ نہیں ہے۔ وَإِنْ كَانَتْ لِلتَّكَبُّرِ تُكْرَهُ اور اگر یہ کس کے لیے ہو؟ تکبر کے لیے ہو تو یہ مکروہ ہے۔

وَلَا الرَّتْمُ، اور اسی طرح رَتْم بھی مکروہ نہیں ہے، رَتْم بھی مکروہ نہیں ہے۔ بھئی رَتْم کسے کہتے ہیں؟ رَتْم، رَتْم تا ساکن ہے۔ وَلَا الرَّتْمُ اور رَتْم بھی مکروہ نہیں ہے۔ کہتے ہیں: هُوَ الْخَيْطُ الَّذِيْ يُعْقَدُ عَلَى الْإِصْبَعِ—اِصْبَع یا اَصْبُع دونوں طرح کئی لغتیں ہیں اس میں—یہ وہ دھاگہ ہے، خَیْط دھاگے کو کہتے ہیں، هُوَ الْخَيْطُ الَّذِيْ يُعْقَدُ عَلَى الْإِصْبَعِ یہ وہ دھاگہ ہے جس کو باندھا جاتا ہے انگلی پر لِتَذَكُّرِ شَيْءٍ کسی چیز کو یاد رکھنے کے لیے۔

بھئی بعض لوگوں کو بات بھول جاتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص جانے لگا سفر پر، اب آپ اس کو کہتے ہیں آپ فلاں جگہ جا رہے ہیں وہاں میرے لیے بھی ایک چیز آپ نے لانی ہے۔ تو اب ہو سکتا ہے اس کو وہ بات بھول نہ جائے، تو بعض لوگ پھر کیا کرتے تھے؟ انگلی پر دھاگہ باندھ لیتے تھے۔ اب دیکھو ہلکا سا دھاگہ باندھا ہوا ہے، کسی کام میں بھی رکاوٹ نہیں، وضو میں بھی کوئی رکاوٹ نہیں، لیکن یہ اس کو یاد کرواتا رہے گا کہ کسی نے آپ کو ایک کام کہا ہوا ہے، فلاں چیز منگوائی ہے۔ اس کو رَتْم کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ رَتْمٌ۔ تو یہ جائز ہے، کیونکہ ضرورت کی وجہ سے ہے۔

تو کہتے ہیں: وَلَا الرَّتْمُ اور رَتْم بھی مکروہ نہیں ہے، هُوَ الْخَيْطُ الَّذِيْ يُعْقَدُ عَلَى الْإِصْبَعِ لِتَذَكُّرِ شَيْءٍ وہ دھاگہ ہے جس کو باندھا جائے انگلی پر کسی چیز کو یاد رکھنے کے لیے، فَعَقْدُهُ لَا يُكْرَهُ تو اس کا باندھنا مکروہ نہیں ہے لِأَنَّهُ لَيْسَ بِعَبَثٍ اس لیے کیونکہ یہ عبث نہیں، بیکار نہیں، بیکار کام سے تو شریعت نے منع کیا ہے، لایعنی کام سے، لِأَنَّ فِيْهِ غَرَضًا صَحِيْحًا اس لیے کیونکہ اس میں ایک صحیح غرض، صحیح مقصد ہے، وَهُوَ التَّذَكُّرُ اور وہ یاد رکھنا ہے، یاد کرنا ہے۔

بھئی مصنف نے یہ کیوں ذکر کیا کہ دھاگہ باندھنا مکروہ نہیں ہے؟ یہ تو سب کو پتا ہے لوگ کس لیے باندھتے ہیں؟ کسی چیز کو یاد رکھنے کے لیے۔ کہتے ہیں بھئی بعض لوگ مختلف دھاگے وغیرہ باندھتے ہیں عبث بھئی، جیسے آج کل بھی آپ لوگوں

کو دیکھتے ہیں: کسی نے پاؤں میں کوئی کالے دھاگے باندھے ہوتے ہیں، کسی نے ہاتھ میں مختلف قسم کے رنگ برنگے دھاگے باندھے ہوتے ہیں، بعضوں نے ہاتھ میں کڑے پہنے ہوتے ہیں، یا بعضوں نے پاؤں میں کڑے پہنے ہوتے ہیں، تو یہ لوگ مختلف قسم کے عبث دھاگے جسم پر باندھتے ہیں یا اسی طرح زنجیریں، یہ کڑے وغیرہ باندھتے ہیں، تو یہ سب عبث ہیں، یہ سب مکروہ ہیں۔ تو رَثم، تو کیا رَثم بھی مکروہ ہے یا نہیں؟ تو ماتن نے آپ کو بتلا دیا کہ نہیں رَثم عبث اور بیکار نہیں، وہ تو ضرورت کی وجہ سے ہے، وہ مکروہ نہیں، وہ جائز ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں: إِنَّمَا ذَكَرَ هٰذَا ماتن نے اس کو ذکر کیا لِأَنَّ مِنْ عَادَةِ بَعْضِ النَّاسِ اس لیے کیونکہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے شَدُّ الْخُيُوْطِ عَلَى بَعْضِ الْأَعْضَاءِ کہ وہ دھاگے باندھتے ہیں بعض اعضا پر، وَكَذَا السَّلَاسِلُ وَغَيْرُهَا اور اسی طرح زنجیریں وغیرہ بھی، زنجیریں اور کڑے وغیرہ بھی باندھتے ہیں، وَذٰلِكَ مَكْرُوْهٌ اور یہ مکروہ ہے لِأَنَّهُ مَحْضُ عَبَثٍ یہ کیا ہے؟ محضِ عبث، بیکار لایعنی کام ہے، فَقَالَ تو اس لیے ماتن نے فرمایا: إِنَّ الرَّثَمَ لَيْسَ مِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ کہ رَثم وہ اس قبیل سے نہیں ہے، وہ مقصد کے لیے ہے لہٰذا وہ مکروہ نہیں، وہ جائز ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۲۵: فصل فی النظر واللمس: مرد و عورت، محارم، اجنبیہ اور امہات و باندیوں کے ستر و نظر کے احکام

شرح الوقایہ صفحہ: ۵۰ – بتاریخ: ۱۷ دسمبر ۲۰۱۹ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے دیکھیے بھئی سبق، فَصْلٌ۔[1]

وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنَ الرَّجُلِ سِوٰى مَا بَيْنَ سُرَّتِهٖ إِلٰى تَحْتِ رُكْبَتِهٖ۔ اَلسُّرَّةُ لَيْسَتْ بِعَوْرَةٍ عِنْدَنَا وَالرُّكْبَةُ عَوْرَةٌ، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَى الْعَكْسِ۔ وَمِنْ عِرْسِهٖ وَأَمَتِهِ الْحَلَالِ إِلٰى فَرْجِهِمَا، وَمِنْ مَحْرَمِهٖ إِلَى الرَّأْسِ وَالْوَجْهِ وَالصَّدْرِ وَالسَّاقِ وَالْعَضُدِ إِنْ أَمِنَ مِنْ شَهْوَتِهٖ وَإِلَّا فَلَا۔

كِتَابُ الْكَرَاهِيَةِ چل رہی ہے۔ اور آج ہم فصل پڑھیں گے کہ کسی شخص کا دوسرے شخص کے بدن کے کتنے حصے کو دیکھنا جائز ہے اور کتنے کو دیکھنا جائز نہیں۔

[1]

جدول – فصل فی النظر واللمس – ستر اور نظر کے شرعی حدود و مراتب:

مراتبِ نظر	جائز حدِ نظر	ممنوع حد و شرائط
مرد کا مرد کی طرف دیکھنا	ناف کے نیچے سے گھٹنے کے نیچے تک کے سوا پورا بدن	عند الحنفیہ ناف ستر نہیں جبکہ گھٹنا ستر میں داخل ہے۔
عورت کا مرد یا عورت کو دیکھنا	ناف سے گھٹنے کے سوا (بشرطِ امنِ شہوت)	شہوت کا اندیشہ ہو تو مرد کے چہرے کی طرف دیکھنا بھی ممنوع۔
مرد کا محرم عورتوں کو دیکھنا	سر، چہرہ، گردن، سینہ، بازو اور پنڈلی (مواضعِ زینت)	پیٹ، پیٹھ اور ران کا دیکھنا محارم کے لیے بھی حرام ہے۔
مرد کا اجنبیہ حرہ کو دیکھنا	صرف چہرہ اور ہتھیلیاں (عند خوفِ الفتنۃ وہ بھی ممنوع)	مخطوبہ، گواہی، قضا اور علاج کی ضرورت میں بقدرِ حاجت رخصت۔

یاد رکھیے نظر کے جو مسائل ہیں، دیکھنے کے مسائل جو ہیں وہ چار قسم پر ہیں۔ نمبر ایک: مرد کا عورت کو دیکھنا۔ نمبر دو: مرد کا مرد کو دیکھنا۔ نمبر تین: عورت کا عورت کو دیکھنا۔ نمبر چار: عورت کا مرد کو دیکھنا۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ جی۔ کتنی قسم پر ہیں؟ چار۔ مرد کا عورت کو یا مرد کا مرد کو دیکھنا، اور عورت کا عورت کو یا عورت کا مرد کو دیکھنا، تو یہ چار قسم پر ہیں۔

اور یہ تفصیل یہاں بیان کریں گے۔ اور اس میں سے پہلی قسم جو ہے، مرد کا عورت کو دیکھنا، یہ پھر چار قسم پر ہے۔ کہ مرد یا تو دیکھے گا اجنبیہ عورت کو تو کتنا دیکھ سکتا ہے، یا مرد دیکھے گا اپنی بیوی یا باندی کو اس کے کتنا بدن کا حصہ دیکھ سکتا ہے، یا مرد کا دیکھنا اپنی محرم عورتوں کو ان کے بدن کا کتنا حصہ دیکھ سکتا ہے، یا مرد کا دیکھنا غیر کی باندی کو۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ جی۔ مرد کا عورت کو دیکھنا اس میں پھر تفصیل ہے کہ وہ چار قسم کے مسائل آئیں گے۔ نمبر ایک کیا؟ مرد کا اجنبیہ عورت کو دیکھنا۔ نمبر دو: اپنی بیوی یا باندی کو دیکھنا۔ اور نمبر تین: مرد کا اپنی محرم عورتوں کو دیکھنا۔ اور نمبر چار: مرد کا غیر کی باندی کو دیکھنا۔ تو یہ ساری تفصیل وہ بیان کریں گے اس فصل کے اندر بھئی۔

فقہاء پر اللہ کروڑہا رحمتیں نازل فرمائے کہ انہوں نے قرآن و حدیث سے مسائل کا استنباط کر کے ایک چھوٹے سے چھوٹے مسئلے کو بھی بہترین ترتیب کے ساتھ اپنے مقام پر درج فرما دیا۔ اب جب ہمیں کوئی مسئلہ دیکھنا ہوتا ہے، اس کتاب کا وہ باب نکالتے ہیں، وہ فصل نکالتے ہیں اور ہمیں وہ مسئلہ آرام سے مل جاتا ہے۔ حالانکہ انہوں نے عمریں گزار دیں بھئی۔ ایک ایک مسئلے کے لیے اتنی محنت کی کہ انسان حیران رہ جاتا ہے بھئی۔ بعض اوقات ایک ایک مسئلے کے لیے فقہاء بیسیوں مرتبہ قرآن پڑھتے تھے، شروع سے آخر تک۔ اور ہماری اور آپ کی طرح نہیں کہ تلاوت کرتے جا رہے ہیں، نہیں نہیں، غور کرتے ہوئے جا رہے ہیں کہ کس آیت سے، کسی جگہ سے یہ مسئلہ تو نہیں معلوم ہو رہا۔ تو کئی کئی دفعہ قرآن، بیسیوں دفعہ پڑھنے کے بعد جا کے پھر ایک جگہ اللہ ذہن کھول دیتے، کھول دیتے کہ ہاں یہ ہے، یہ ہے اس مسئلے کی دلیل، ان کو کہیں نہ کہیں وہ مل جاتی تھی بھئی۔

دیکھیے اب کتاب پر بھئی۔ فَصْلٌ، أَيْ هٰذَا فَصْلٌ، یہ فصل ہے۔ وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنَ الرَّجُلِ، اور دیکھ سکتا ہے مرد، مِنَ الرَّجُلِ، مرد میں سے، سِوٰى مَا بَيْنَ سُرَّتِهٖ إِلٰى تَحْتِ رُكْبَتِهٖ، علاوہ وہ جو بیچ ہے بَيْنَ سُرَّتِهٖ اس کی ناف کے، إِلٰى تَحْتِ رُكْبَتِهٖ اس کے گھٹنے کے نیچے تک۔ یعنی ناف سے لے کر گھٹنے کے نیچے تک، اس کے علاوہ باقی جو بدن کا حصہ ہے، تو ایک مرد دوسرے مرد کے اس حصے کو دیکھ سکتا ہے۔

اور یاد رکھیے یہ جو ناف ہے نا، یہ ہمارے نزدیک یہ عورت نہیں۔ عورت کا لفظ بھی بولیں گے بھئی۔ عورت ستر کو کہتے ہیں، یعنی بدن کا وہ حصہ جس کا چھپانا ضروری ہے، چھپانا ضروری ہے، جس کا دوسروں کے سامنے ظاہر کرنا عیب ہو، اس کو عورت کہتے ہیں عربی زبان میں۔ اور دیکھو معلوم ہوا اردو زبان کی فضیلت کہ خاتون کو بھی عورت کہتے ہیں بھئی۔ خاتون کو بھی کیا کہتے ہیں؟ عورت۔ معلوم ہوا اس کا بھی ظاہر کرنا عیب ہے کہ اس کو پردے میں رکھا جائے، چھپا کر رکھا جائے۔

تو ناف جو ہے ہمارے نزدیک وہ ستر میں داخل نہیں، اس کا چھپانا ضروری نہیں۔ البتہ گھٹنے جو ہیں وہ ستر کے اندر داخل ہیں، وہ عورت ہیں، ان کو چھپایا جائے گا۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول اس کے برعکس ہے۔ ان کے نزدیک ناف جو ہے وہ عورت ہے اور گھٹنے عورت نہیں ہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنَ الرَّجُلِ سِوٰى مَا بَيْنَ سُرَّتِهٖ إِلٰى تَحْتِ رُكْبَتِهٖ، اور دیکھ سکتا ہے ایک مرد دوسرے مرد کا اس کی ناف اور گھٹنوں کے نیچے تک کے حصے کے علاوہ کو۔ اَلسُّرَّةُ لَيْسَتْ بِعَوْرَةٍ عِنْدَنَا، ناف جو ہے وہ ہمارے نزدیک عورت نہیں ہے یعنی ستر نہیں ہے۔ وَالرُّكْبَةُ عَوْرَةٌ، اور گھٹنا جو ہے وہ ستر ہے، تو گھٹنے کو چھپا کر رکھا جائے گا۔ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى رَحْمَةً وَاسِعَةً عَلَى الْعَكْسِ، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے برعکس ہے، یعنی ناف جو ہے وہ عورت ہے ان کے نزدیک اور گھٹنا عورت نہیں۔

وَمِنْ عِرْسِهٖ وَأَمَتِهِ الْحَلَالِ إِلٰى فَرْجِهِمَا۔ میری کتاب میں عُرْس لکھا ہے، عُرْس نہیں بھئی، عین کے نیچے زیر ہونی چاہیے، وَمِنْ عِرْسِهٖ۔ عِرْس کہتے ہیں بیوی کو۔ اور عِرْس خاوند کو بھی کہتے ہیں۔ تو بیوی کی نسبت سے بولیں گے تو عِرْس سے مراد ہے اس کا خاوند۔ اور مرد کی نسبت سے بات کریں گے تو عِرْس جو ہے وہ اس کی بیوی ہے بھئی۔ تو وَمِنْ عِرْسِهٖ، اور مرد جو ہے وہ اپنی بیوی میں سے، وَأَمَتِهِ الْحَلَالِ، اور حلال باندی میں سے، إِلٰى فَرْجِهِمَا، ان کی شرمگاہ کی طرف بھی دیکھ سکتا ہے۔ یعنی مرد کا اپنی بیوی کے یا اپنی باندی کے سارے بدن کو دیکھنا جائز ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

آپ کہیں گے شرمگاہ کی طرف دیکھنا جائز ہے؟ بھئی جب اس کے ساتھ وطی کرنا جائز ہے، تو نظر تو اس سے کم درجے کا ہے، لہٰذا وہ بطریقِ اولیٰ جائز۔ لیکن فقہاء فرماتے ہیں دیکھنا نہیں چاہیے بھئی۔ مرد اور عورت آپس میں صحبت کریں، ہمبستری کریں، تو میاں بیوی کو اپنا ایک دوسرے سے جہاں تک ہو سکے اپنے بدن کو چھپانا چاہیے بھئی، حدیث آئی ہے بھئی، حدیث میں، کہ چھپانا چاہیے، لیکن بہرحال جائز ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَمِنْ عِرْسِهٖ وَأَمَتِهِ الْحَلَالِ، یہ اَلْحَلَالُ صفت ہے أَمَة کی بھئی۔ اور وہ باندی جو اس کے لیے حلال ہو۔ یاد رکھو، ہر باندی انسان کے لیے حلال نہیں۔ آپ کوئی باندی خرید کر لائیں اور آپ کہیں یہ باندی میرے لیے حلال ہے، نہیں بھئی نہیں۔ اس کی شرائط ہیں وہ، ان کا خیال رکھنا پڑے گا پھر ہی حلال ہو گی۔

نمبر ایک: کہ وہ باندی مسلمان ہونی چاہیے یا اہلِ کتاب میں سے۔ اگر وہ مشرکہ ہے یا مجوسی ہے، تو اس کے ساتھ وہ جائز نہیں انسان کے لیے اس کے ساتھ صحبت۔ جیسے مشرکہ عورت کے ساتھ نکاح جائز نہیں، اسی طرح مشرکہ اور مجوسیہ عورت کے ساتھ، باندی کے ساتھ وطی بھی مالک کے لیے جائز نہیں ہے بھئی۔

نیز باندی خرید کر لایا ہے، وہ کسی کی منکوحہ نہ ہو۔ آپ جانتے ہیں کہ آقا کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی باندی کا کسی سے نکاح

دروسِ شرح الوقایہ (جزء رابع) – افادات: مولانا محمد زہیر روحانی بازی سبق نمبر ۲۵: فصل فی النظر واللمس: مرد و عورت،...

کروا دے۔ نکاح وہ کروا سکتا ہے۔ لیکن جیسے ہی نکاح کرے گا، یہ باندی اب اس آقا پر حرام ہو گئی۔ اس نے اس کو کسی کے عقد میں دے دیا، کسی کی زوجیت میں دے دیا، اب اس کے لیے اس سے وطی کرنا حرام ہے بھئی۔

اور اسی طرح اگر مشترکہ باندی ہو، وہ بھی انسان پر حرام ہے۔ آپ نے اور زید نے مل کر ایک باندی خریدی ہے، آدھے پیسے آپ نے مثلاً ملائے آدھے زید نے۔ تو اب یہ نہیں کہ دونوں کے لیے وطی حلال، نہیں بھئی دونوں کے لیے وطی حرام ہے۔ جب تک باندی کے کامل مالک انسان نہیں بنے گا، اس کے لیے اس کے ساتھ وطی بھی حلال نہیں ہے بھئی۔ کامل مالک ہو۔

اسی طرح اگر باندی کو مکاتب بنا دیا، تو اس کے ساتھ بھی وطی حرام ہے۔ مکاتب آپ جانتے ہیں، وہ غلام جس کو آقا یہ کہہ دے کہ اتنے پیسے اتنی مدت میں لے آؤ تو تم میری طرف سے آزاد ہو۔ اب یہ جو غلام ہے یہ معاملات میں آزاد کی طرح ہو گیا، بااختیار ہو گیا۔ اب آقا اس سے، باندی ہے تو اس سے وطی نہیں کر سکتا، اور نیز باندی اور غلام ہوں ان سے خدمت نہیں زبردستی لے سکتا۔ وہ خود اپنی مرضی سے خدمت کر لیں ان کی، وہ کر سکتے ہیں، لیکن زبردستی ان سے جیسے غلام سے خدمت لی جاتی ہے اور باندی سے، ان سے زبردستی خدمت نہیں لے سکتا۔ یہ جائیں گے، جا کر پیسے کمائیں گے، ادائیگی کریں گے اور اپنے آپ کو آزاد کروائیں گے۔ تو یہ جو عقد ہوا آقا کا غلام یا باندی سے کہ اتنے پیسے اتنی مدت میں لے آؤ تو تم آزاد ہو، اس عقد کو عقدِ کتابت کہتے ہیں۔ یہ نہیں کہ اس میں لکھنا ضروری ہے، بس اس عقد کا نام ہی کیا ہے؟ عقدِ کتابت، چاہے لکھا جائے چاہے نہ لکھا جائے بھئی۔ تو لہٰذا وہ باندی جس کو مکاتبہ بنا دیا اس کے ساتھ بھی آقا کے لیے وطی حلال نہیں ہے بھئی۔ تو دیکھا کئی صورتوں، آپ کئی صورتیں آپ نے پڑھ لیں کہ بعض اوقات باندی مالک پر حلال نہیں رہتی، اسی لیے کہا وَأَمَتِهِ الْحَلَالِ، اس کی وہ باندی جو اس کے لیے حلال ہو، اس کے فرج شرمگاہ کی طرف دیکھنا جائز ہے، ویسے جائز نہیں۔

یاد رکھنا آگے چل کر آپ کو بتائیں گے کہ شرمگاہ کی طرف دیکھنا یہ دواعیِ وطی میں سے ہے۔ کس طرف؟ یہ وطی تک لے جانے والے ہیں، وطی تک پہنچانے والے ہیں۔ اور جب وطی حرام، تو دواعیِ وطی بھی حرام ہیں۔ تو لہٰذا ان کی طرف نہیں دیکھ سکتا جب یہ حلال نہ ہو بھئی۔

اور بعضوں نے، بعض شارحین نے حلال کو عِرْس کی بھی صفت بنایا کہ دونوں کی صفت بن سکتی ہے۔ کہ اپنی حلال بیوی کی شرمگاہ کی طرف دیکھ سکتا ہے۔ بھئی بیوی، بیوی تو ہوتی حلال ہے، حرام ہونے کا کیا معنیٰ؟ کہتے ہیں بھئی بعض اوقات بیوی بھی حرام ہو جاتی ہے۔ جیسے کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کر لے بھئی، اس کو اپنی ماں بہن وغیرہ کے ساتھ تشبیہ دے دے۔ آپ نے مسئلہ پڑھا ہو گا اصولِ فقہ کے اندر، تو اس کو تو کہہ دیا کہ تو میری ماں کی طرح ہے میرے لیے یا میری بہن کی طرح ہے یا أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي۔ تو یہ ظہار ہے بھئی، ظہار ہے اور اس میں آپ جانتے ہیں کہ انسان کو کفارہ دینا پڑتا ہے پھر بیوی حلال ہو گی۔ جب تک بیوی حلال نہیں ہے بھئی، تو اس لیے حلال کہہ کر اس حرام کو نکال دیا جس

مرتب و محشی: محمد ساجد اکرم (جامعۃ التوحید، چک کانی پور، پاکپتن) صفحہ ۴۶۴

سے ظہار کیا ہے۔

تو مرد دیکھ سکتا ہے مِنْ عِرْسِہٖ اپنی بیوی میں سے، وَأَمَتِہِ الْحَلَالِ اور اپنی حلال باندی میں سے، إِلٰی فَرْجِھِمَا ان کی شرمگاہ کی طرف۔

وَمِنْ مَحْرَمِہٖ إِلَی الرَّأْسِ وَالْوَجْہِ وَالصَّدْرِ وَالسَّاقِ وَالْعَضُدِ، اور اپنی محرم عورتوں میں سے۔ محرم وہ عورت جس کے ساتھ شریعت نے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام قرار دیا ہو۔ وہاں نکاح کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ جیسے اپنی بیٹی ہے، اپنی ماں ہے، بہن ہے، خالہ ہے، پھوپھی ہے، وغیرہ۔ نانی ہے، دادی ہے، یہ سب کیا ہیں؟ محرم ہیں۔ اور اسی طرح بھائی بہنوں کی جو اولاد ہیں، بھانجی، بھتیجی وغیرہ، یہ سب کیا ہیں؟ محرم ہیں، کیونکہ بھائی بہنوں کی اولاد اپنی اولاد کی طرح ہی ہے بھئی۔ تو یہ سب محرم ہیں اور محرم کے ساتھ نکاح کی کوئی صورت ہی نہیں۔

تو اب اس محرم میں سے عورت میں سے کتنا بدن کا حصہ انسان دیکھ سکتا ہے؟ کہتے ہیں وَمِنْ مَحْرَمِہٖ، اور اپنی محرم میں سے، إِلَی الرَّأْسِ اس کے سر کی طرف دیکھ سکتا ہے، وَالْوَجْہِ اور چہرے کی طرف، وَالصَّدْرِ اور سینے کی طرف، وَالسَّاقِ اور پنڈلی کی طرف، وَالْعَضُدِ اور بازو کی طرف۔ عَضُد کہتے ہیں یہ کندھے سے لے کر کہنی تک جو بازو کا حصہ ہے بھئی، اس کو کیا کہتے ہیں؟ عَضُد۔ اس کی طرف بھی دیکھ سکتا ہے محرم عورتوں میں سے۔ لیکن شرط ہے إِنْ أَمِنَ مِنْ شَھْوَتِہٖ اگر وہ محفوظ ہو اپنی شہوت سے۔ یعنی شہوت کا خوف نہ ہو پھر جائز ہے، اور اگر شہوت کا خوف ہو تو کہتے ہیں وَإِلَّا فَلَا، اگر اپنی شہوت سے محفوظ نہ ہو تو پھر اس کو دیکھنے کی بھی اجازت نہیں ہے بھئی۔

تو محرم عورتوں کے سر، چہرے، سینے، پنڈلی اور بازو کی طرف دیکھنا جائز۔ وجہ یہ کہ انسان گھر میں آتا جاتا ہے، یہ گھر میں خواتین ہوتی ہیں، یہ کام کاج میں مصروف ہوتی ہیں تو کبھی کچھ بدن کا تھوڑا سا حصہ کھلا ہو گا کبھی دوسرا حصہ کھلا ہو گا، کام کاج کے کپڑے پہنے ہوں گے انہوں نے، کام میں مصروف ہوں گی، تو شریعت نے اس میں آسانی کر دی بھئی کہ یعنی ایسی یہ نظر پڑتی ہے یہ گناہ کی نظر نہیں ہے بھئی۔ لیکن شرط وہی ہے کہ انسان کیا ہو اپنی شہوت سے محفوظ ہو۔ یہ شرط ہر جگہ آپ نے یاد رکھنی ہے، شہوت سے اگر محفوظ نہیں پھر بازو کی طرف، پنڈلی کی طرف، سینے کی طرف دیکھنا جائز نہیں، یہ جو چیزیں انہوں نے ذکر کر دیں ان کی طرف دیکھنا جائز نہیں۔

یہ معنی ہے وَمِنْ مَحْرَمِہٖ إِلَی الرَّأْسِ وَالْوَجْہِ وَالصَّدْرِ وَالسَّاقِ وَالْعَضُدِ۔

إِنْ أَمِنَ مِنْ شَھْوَتِہٖ وَإِلَّا فَلَا۔ اور اپنی محرم میں سے اس کے سر کی طرف اور اس کے چہرے کی طرف اور اس کے سینے کی طرف اور اس کی پنڈلی کی طرف وَالْعَضُدِ اور اس کے بازو کی طرف۔ اور بازو کی طرف إِنْ أَمِنَ مِنْ شَھْوَتِہٖ اگر وہ شخص اپنی شہوت سے محفوظ ہو وَإِلَّا فَلَا اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر نہیں، یعنی پھر نہیں دیکھ سکتا۔

وَإِلَّا میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ إِلَّا جو ہے اس سے پہلے اگر و آجائے تو پھر یہ حرفِ استثنا نہیں ہے۔ کوئی آپ سے پوچھ لے کہ یہ جو إِلَّا آیا یہ کون سا إِلَّا ہے، مستثنیٰ متصل کے لیے ہے یا منقطع کے لیے ہے؟ اور آپ غور کرنا شروع ہو جائیں، نہیں بھئی آپ فوراً جواب میں کہیں گے کہ یہ إِلَّا استثنا والا نہیں ہے۔ اس سے پہلے و آیا ہے اور ہم نے پڑھا ہے کہ یہ دراصل إِنْ اور لَا سے مرکب ہے، تو اس نون کو بھی لام کر کے لام میں کیا کر دیا گیا؟ ادغام۔ أَيْ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كَذٰلِكَ اگر ایسا نہ ہو، یعنی شہوت سے محفوظ نہ ہو، فَلَا تو أَيْ فَلَا يَنْظُرُ پھر وہ نہیں دیکھ سکتا۔

وَلَا إِلَى الظَّهْرِ وَالْبَطْنِ وَالْفَخِذِ، اور نہیں دیکھ سکتا إِلَى الظَّهْرِ ان کی پشت کی طرف، وَالْبَطْنِ اور پیٹ کی طرف، وَالْفَخِذِ اور ران کی طرف۔ ان کی پشت، پیٹ اور ران کی طرف نہیں دیکھ سکتا كَأَمَةِ غَيْرِهِ جیسے کسی دوسرے کی باندی۔ یعنی جیسے دوسرے کی باندی میں، غیر کی باندی میں بھی یہی غیر کی باندی کا وہی حکم ہے جو اپنی محرم کا حکم ہے۔ اپنی محرم عورت کے بدن کا جتنا حصہ دیکھنا جائز ہے، اتنا ہی حصہ غیر کی باندی کا دیکھنا بھی جائز ہے۔ اور اپنی محرم کے پشت، پیٹ اور رانوں کی طرف دیکھنا جائز نہیں، تو غیر کی باندی کی بھی ان حصوں کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے بھئی۔

دراصل غیر کی باندی میں بھئی تخفیف ہے، باندی کے معاملے میں شریعت نے آسانی رکھی ہے۔ وجہ یہ کہ باندی کو رکھا جاتا ہے گھر میں کام کاج کے لیے۔ تو وہ گھر میں کام کاج کرے گی اور ظاہر سی بات ہے آپ کے گھر کام کاج کر رہی ہے، تو وہ ضروری تو نہیں کہ وہ آپ کے لیے حلال بھی ہو۔ ہو سکتا ہے آپ کی اور زید کی مشترکہ ہو، ایک دن آپ کے گھر کام کرتی ہے ایک دن اس کے گھر کام کرتی ہے۔ یا آپ نے اس کو مکاتبہ بنایا ہے لیکن وہ کام کرنے آگئی پھر بھی آپ کی کچھ نہ کچھ مدد کر رہی ہے۔ یا آپ نے کسی کے نکاح میں دے دیا ہے تو کام تو وہ آپ ہی کا کرے گی، خدمت تو آپ ہی کی کرے گی۔ باندی جب کسی کے منکوحہ ہو جائے، کسی سے نکاح کر دیں تو یہ معنی نہیں کہ وہ خاوند کی خدمت کرے گی۔ نہیں نہیں، خاوند کے لیے صرف صحبت جائز ہے اس کے ساتھ، باقی آقا کی مرضی ہے سارا دن اس سے خدمت لیتا رہے بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو لہٰذا ہو سکتا ہے وہ ایسی باندی ہے جو آپ کے لیے حلال نہیں، تو وہ غیر کی باندی جیسا ہی حکم ہو گیا اس کا بھی۔ یا غیر کوئی کبھی تو باندی سے گھر میں بھی کام کاج لیا جاتا ہے، پھر کسی دوسرے کی طرف کسی کام کے لیے بھیجنا ہو تو باندی ہی کو بھیجتے ہیں گھر سے باہر بھی کاموں کے لیے، کہ یہ چیز لے جاؤ فلاں کو دے آؤ یا فلاں کے گھر سے فلاں چیز لے آؤ۔ تو یہ باندی کا آنا جانا گھروں میں ہوتا ہے۔ لہٰذا وہاں شریعت نے آسانی فرما دی اور غیر کی باندی کا وہی حکم ہے جو اپنی محرم عورت کا ہے۔ جیسے محرم عورت کے بدن کے کئی حصوں کو دیکھنا جائز، اسی طرح غیر کی باندی کے بھی کئی حصوں کو دیکھنا جائز، لیکن شرط وہی ہے کہ شہوت سے کیا ہو؟ محفوظ ہو۔

تو کہتے ہیں وَلَا إِلَى الظَّهْرِ وَالْبَطْنِ وَالْفَخِذِ، پشت اور پیٹ اور رانوں کی طرف نہیں دیکھ سکتا كَأَمَةِ غَيْرِهِ جیسے کسی، جیسے

اپنے غیر کی باندی ہے۔ یا یوں ترجمہ کر لو كَأَمَةِ غَيْرِهٖ جیسے اپنے علاوہ کی باندی ہو۔ فَإِنَّ حُكْمَ أَمَةِ الْغَيْرِ حُكْمُ الْمَحْرَمِ۔ مُحَرَّم نہیں مَحْرَم ہے مَحْرَم بھئی۔ فَإِنَّ حُكْمَ أَمَةِ الْغَيْرِ اس لیے کیونکہ غیر کی باندی کا حکم جو ہے حُكْمُ الْمَحْرَمِ کس کا حکم ہے؟ کس کے حکم کی طرح ہے؟ محرم کے حکم کی طرح ہے۔

فَإِنَّ، فَإِنَّ یہ جگہ جگہ عبارتوں میں آتا ہے، یہ ف آتی ہے اور ف کے ذریعے دیکھو متن میں دیکھو متن مختصر ہوتا ہے۔ متن مختصر۔ متن میں صرف اتنا کہا كَأَمَةِ غَيْرِهٖ جیسے کہ غیر کی باندی ہوتی ہے۔ سارا مسئلہ اسی سے خود ہی سمجھ میں آگیا کہ اپنی، کہ غیر کی باندی کا وہی حکم ہے جو کس کا حکم ہے؟ محرم کا، اور محرم کی پیچھے تفصیل بیان کر دی ساری، تو دیکھو كَأَمَةِ غَيْرِهٖ سے غیر کی باندی کی پوری تفصیل سمجھ میں آگئی۔ لیکن شارح آگے اس کی مزید شرح کر رہے ہیں فَإِنَّ حُكْمَ أَمَةِ الْغَيْرِ حُكْمُ الْمَحْرَمِ، یہ شرح کا حصہ ہے متن کا حصہ نہیں، تو یہ اس کی شرح کر رہے ہیں کہ غیر کی باندی کا وہی حکم ہے جو اپنی محرم کا حکم ہے۔

اور یاد رکھو میں بات کر رہا تھا یہ ف کی، یہ ف جگہ جگہ عبارتوں میں آتی ہے۔ آپ نے اصولِ فقہ کی کتابوں میں پڑھا ہو گا کہ یہ ف جو ہے علت بیان کرنے کے لیے بھی آتی ہے۔ کس لیے آتی ہے؟ اس کے بعد کبھی کسی مسئلے کی علت اور وجہ ذکر کی جاتی ہے۔ لہٰذا اس طرح کے آپ نے خیال رکھنا ہے کہ اگر علت ذکر کی جا رہی ہو تو وہاں ف کا ترجمہ «کیونکہ» کے ساتھ کریں، کیونکہ یا «اس وجہ سے»۔ دیکھو فَإِنَّ حُكْمَ أَمَةِ الْغَيْرِ حُكْمُ الْمَحْرَمِ، کیونکہ دیکھا؟ کیونکہ غیر کی باندی کا حکم حُكْمُ الْمَحْرَمِ وہ محرم کا حکم ہے، اس جیسا حکم ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ یا فَإِنَّ اس وجہ سے کہ غیر کی باندی کا حکم حُكْمُ الْمَحْرَمِ وہ محرم کے حکم کی طرح ہے۔ تو اس ف کا ترجمہ بہت سے مواقع پر آپ دیکھیں گے کہ «کیونکہ» یا «اس وجہ» کے ساتھ آپ ترجمہ کریں گے تو بڑا پیارا ترجمہ ہو جائے گا۔ لیکن اگر ف کا عام ترجمہ جو طلبہ کرتے ہیں تو پھر تو معنی، پھر تو ترجمہ یہ ہو گا فَإِنَّ حُكْمَ أَمَةِ الْغَيْرِ پس باندی کا حکم، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ پس نہیں، کیونکہ یہ علت بیان کر رہے ہیں اس کی، علت بیان کر رہے ہیں۔ اس پر تفریع نہیں کر رہے۔

فَإِنَّ حُكْمَ أَمَةِ الْغَيْرِ حُكْمُ الْمَحْرَمِ کیونکہ غیر کی باندی کا حکم حُكْمُ الْمَحْرَمِ محرم کے حکم کی طرح ہے لِضَرُوْرَةِ رُؤْيَتِهَا فِيْ ثِيَابِ الْمِهْنَةِ۔ لِضَرُوْرَةِ رُؤْيَتِهَا بوجہ اس کی دیکھنے کی ضرورت ہونے کے فِيْ ثِيَابِ الْمِهْنَةِ، ثِيَاب کپڑے، ثِيَابُ الْمِهْنَةِ کہتے ہیں کام کاج کے کپڑے، کام کاج کے کپڑے۔ ایک آپ عام لباس پہنتے ہیں باہر کے لیے تو اس میں صاف ستھرا لباس پہنتے ہیں، بعض اوقات لباس کے اوپر زینت کے لیے بھی کوئی چیز واسکٹ وغیرہ یا اور چیز پہن لیتے ہیں۔ اور ایک ہے کام کاج کے وقت، تو کام کاج کے وقت انسان ہلکا پھلکا لباس پہنتا ہے جس سے کام کرنے میں آسانی ہو۔ تو باندی نے تو کام کاج کرنا ہے تو اس نے بھی کام کاج کے ہلکے کپڑے پہنے ہوں گے، تو بدن کے کچھ نہ کچھ حصے پر نظر پڑے گی نظر آئے گا، تو بتلا

دیا کہ اسی لیے اس کا حکم اپنی محرم کے حکم کی طرح ہے۔

یہ معنی ہے لِضَرُوْرَةِ رُؤْيَتِهَا فِيْ ثِيَابِ الْمِهْنَةِ بوجہ اس کو دیکھنے کی ضرورت، دیکھنے کی حاجت کی وجہ سے کام کاج کے کپڑوں میں۔ یعنی اس کام کاج کے کپڑوں میں اس کو دیکھنے کی حاجت پڑتی ہے، ضرورت ہے، اس کے بغیر معاملات مشکل ہو جائیں گے اگر آپ باندی پر بھی اسی طرح کے احکام کر دیں جیسے اجنبیہ عورت کے ہیں، تو پھر تو لوگ حرج میں پڑ جائیں گے، باندی کو کہیں ادھر ادھر بھیج ہی نہیں سکتے بھئی۔ تو اس میں ضرورت ہے۔

وَمَا حَلَّ نَظَرًا مِنْهَا حَلَّ مَسًّا۔ وَمَا اور وہ حصہ جو کہ حَلَّ حلال ہے نَظَرًا باعتبار دیکھنے کے مِنْهَا ان میں سے، حَلَّ مَسًّا وہ حلال ہے چھونے کے اعتبار سے بھی، ہاتھ لگانے کے بھی، ہاتھ لگانے کے اعتبار سے بھی۔ تو یہ مِنْهَا، هَا ضمیر پیچھے جو محرم اور باندی کا ذکر آیا غیر کی باندی کا، یہ سب اس میں داخل ہیں۔ یعنی محرم اور باندی کے بدن کے، غیر کی باندی کے بدن کے جتنے حصے کو دیکھنا جائز ہے اس کو ہاتھ لگانا بھی جائز ہے۔ اگر کسی وجہ سے ہاتھ لگتا ہے اور شہوت سے محفوظ ہے تو یہ کوئی گناہ نہیں ہے بھئی۔[۲]

وَمَا حَلَّ نَظَرًا مِنْهَا حَلَّ مَسًّا اور وہ جو حلال ہے دیکھنے کے اعتبار سے وہ حلال ہے چھونے کے اعتبار سے۔ وَلَهٗ مَسُّ ذٰلِكَ إِنْ أَرَادَ شِرَاهَا۔ اور اگر وہ شخص اس کو، کوئی شخص باندی کو خریدنا چاہتا ہے، ویسے تو شرط لگا دی کہ جس حصے کو دیکھنا جائز اس کو ہاتھ لگانا بھی جائز بشرطیکہ شہوت سے محفوظ ہو، اور اگر شہوت سے محفوظ نہیں تو پھر دیکھنا بھی جائز نہیں اور چھونا بھی جائز نہیں۔ لیکن اگر ایک شخص ایک باندی کو خریدنا چاہتا ہے تو اب اس کو چاہے شہوت کا خوف ہی کیوں نہ ہو پھر بھی اس کے لیے چھونا جائز ہے۔ وَلَهٗ مَسُّ ذٰلِكَ اور اس کے لیے اس کو چھونا، اس حصے کو چھونا جائز ہے إِنْ أَرَادَ شِرَاهَا اگر وہ اس کو خریدنے کا ارادہ کرے وَإِنْ خَافَ شَهْوَتَهٗ اگرچہ اس کو اپنی شہوت کا خوف ہے۔ جب خریدنے کا ارادہ ہے پھر چاہے شہوت کا خوف ہی کیوں نہ ہو، اس کو چھو سکتا ہے، ہاتھ لگا سکتا ہے بھئی۔

وَأَمَةٌ بَلَغَتْ لَا تُعْرَضُ فِيْ إِزَارٍ وَاحِدٍ۔ وَأَمَةٌ اور ایسی باندی بَلَغَتْ جو بالغہ ہو جائے، بالغہ ہو جائے، لَا تُعْرَضُ اس کو پیش نہیں کیا جائے گا فِيْ إِزَارٍ وَاحِدٍ ایک ہی ازار میں۔ وہ باندی جو بالغ ہو گئی ہے اس کو بیچنے کے لیے ایک ہی ازار میں، یعنی صرف تہبند میں پیش نہیں کیا جائے گا۔

قدیم بھئی آج کل تو یہ، دنیا سے جو غلامی کا دور ختم ہوا یہ سارا اسلام کی وجہ سے ہے، یہ اسلام کی برکات ہیں بھئی۔ وہاں پہلے تو غلام نسلوں کی نسلیں غلام ہی چلتی رہتی تھیں ان کی بھئی۔ اور اسلام نے ہر چیز کے اندر کہا کہ اس پر یہ جرم ہوا تو

---

[۲] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۹۸):** صوتی درس کی قراءت میں «وَمَا حَلَّ نَظَرًا مِنْهَا حَلَّ مَسًّا» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وما حلَّ نظرًا منهما، حلَّ مسًّا،» منقول ہے۔

کفارے میں غلام آزاد کرو، یہ جرم ہوا تو کفارے میں غلام یا باندی آزاد کرو، اور پھر کیا غلام آزاد کرو گے تو اتنا زیادہ عظیم ثواب ہے۔ تو جگہ جگہ ترغیب دی اسلام نے ان کو آزاد کرنے کی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آہستہ آہستہ یہ غلامی دنیا سے ختم ہو گئی۔ ورنہ یہ کفار مشرکین یہ تو ابھی قریب کے زمانے میں بھی کہیں پر قبضہ کرتے تھے تو ان کو غلام بنا لیا کرتے تھے بھئی، سو دو سو سال قبل تک ان کا یہی سلسلہ چل رہا تھا۔

تو کہتے ہیں جب باندی، تو باندی کو بیچا جاتا تھا تو بیچنے کے لیے ظاہر سی بات ہے جو خریدار ہے اس کو دکھانا پڑتا تھا، تو کہتے ہیں اس کو صرف یوں کہو ایک تہبند میں یا صرف شلوار میں دوسرے کے سامنے پیش کرنا جائز نہیں خریدار کے سامنے۔ اس لیے کیونکہ آپ کو انہوں نے مسئلہ بتلا دیا کہ اس کے پیٹ اور پشت کی طرف نظر کرنا اجنبی کے لیے جائز نہیں ہے بھئی۔ یہ معنی ہے وَأَمَةٌ بَلَغَتْ، أَمَةٌ نکرہ ہے اور بَلَغَتْ فعل اس کے بعد آیا یہ اس کی صفت بنے گا، تو باندی سے پہلے «ایسا» کا لفظ ہم لے آئیں گے موصوف صفت کا ترجمہ کرنے کے لیے۔ وَأَمَةٌ بَلَغَتْ اور ایسی باندی جو بالغ ہو گئی لَا تُعْرَضُ فِيْ إِزَارٍ وَاحِدٍ اس کو پیش نہیں کیا جائے گا ایک تہبند میں۔

وَمِنَ الْأَجْنَبِيَّةِ إِلٰى وَجْهِهَا وَكَفَّيْهَا فَقَطْ۔ اور مرد دیکھ سکتا ہے اجنبیہ عورت میں سے إِلٰى وَجْهِهَا اس کے چہرے کی طرف وَكَفَّيْهَا اور اس کی ہتھیلیوں کی طرف فَقَطْ۔ صرف اجنبیہ کے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف دیکھ سکتا ہے۔ ہتھیلیاں ہاں ہاتھ کی جو ہتھیلیاں ہیں بھئی، ہتھیلی تو ہاتھ کا اندر والا حصہ ہے تو وہی ہاتھ کے باہر والے حصے کا بھی وہی حکم ہے، یعنی ہاتھ کو دیکھ سکتا ہے اردو زبان کے اعتبار سے یوں کہو۔ کس کو دیکھ سکتا ہے؟ صرف ہاتھ کو یعنی کلائی تک بھئی، کلائی جوڑ تک بس یہ ہاتھ کا حصہ۔ تو اجنبیہ کے چہرے کو بھی دیکھ سکتا ہے اور اس کے ہتھیلیوں کو بھی، اور جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں قدم بھی، قدم میں بھی ضرورت ہے تو پاؤں کو بھی دیکھ سکتا ہے۔

وجہ یہ کہ عورت کو بعض اوقات مختلف کام یا معاملات کے لیے گھر سے باہر جانا پڑتا ہے بھئی، انسان ہے آخر کوئی ضرورت پیش آجاتی ہے گھر میں کوئی ہے نہیں یا کوئی اور مسئلہ ہوتا ہے، تو اب اس کو معاملات کرنے کے لیے، کوئی معاملات وغیرہ خرید و فروخت کوئی معاملات کرنے ہوں، تو بعض اوقات چہرے کو دیکھنے کی ضرورت پڑے گی، مثلاً وہ ادھار پر کوئی چیز لے کر آتی ہے اب پتا ہی نہیں کہ یہ ہے کون کچھ اس طرح، بعض مسائل میں، تو وہاں چہرے کو دیکھنے کی گنجائش ہے۔ ہاتھ بھی اسی طرح ہاتھوں سے کوئی چیز کسی سے لے گی کوئی چیز دے رہی ہے ہاتھوں۔ اسی طرح پاؤں میں بھی ضرورت ہے کیونکہ چلے گی گھر سے نکلے گی، تو یہ تو ضروری نہیں کہ اس بیچاری کے پاس ایسے جوتے ہوں جو پورے پاؤں کو ڈھانپ لیں، یا اس کے پاس موزے ہوں کہ موزے پہن لے پاؤں کا ذرا حصہ بھی اس میں سے نظر ہی نہ آئے، تو لہٰذا وہاں ضرورت تو قدم میں بھی گنجائش ہے بھئی۔

اور یاد رکھو یہ بیان ہو رہا ہے ستر کا، ستر۔ ستر وہ ہے جس کا چھپانا ضروری ہے۔ اس سے آپ یہ نہ کہیں چہرے کا پردہ

ہی نہیں ہے، چہرہ دیکھ سکتا ہے دوسرا اجنبی اس کا۔ یاد رکھو پردہ اور چیز ہے، وہ ستر پر ایک زائد چیز ہے۔ ستر پر زائد، جیسے نماز کے اندر دیکھو ایک ہے ستر اور ایک ہے پردہ۔ ستر تو یہ ہے عورت کا سارا بدن ستر ہے نماز میں، سارا بدن ستر ہے، صرف اس کا چہرہ نظر آسکے، آئے ٹھیک ہے، ہاتھ نظر آئیں وہ

ٹھیک ہے، پاؤں نظر آئیں وہ ٹھیک ہے۔ لیکن اس سے زائد کوئی حصہ نماز میں نظر آئے گا اس کی نماز ہی نہیں ہوگی۔ مثلاً دیکھو یہ سر کے بال ہیں، عورت کے لمبے بال ہوتے ہیں لیکن یہ بال بھی کس میں داخل ہیں؟ ستر میں داخل۔ لہٰذا ایک عورت نے ایک باریک دوپٹہ اوڑھا اور اس کے اندر وہ نماز پڑھ رہی ہے اور اس دوپٹے میں سے اس کے بال نظر آرہے ہیں۔ گھر کے اندر ہے کوئی مرد دیکھنے والا نہیں ہے، لیکن دوپٹے میں سے بال دکھائی دے رہے ہیں یا نہیں دے رہے؟ لہٰذا تو اس نے ستر کو ڈھانپا نہیں پوری طرح، لہٰذا اس کی نماز ہی نہیں ہوگی۔ تو اس کے لیے پھر موٹے، موٹا دوپٹہ ہو جس میں سے بال وغیرہ دکھائی نہ دیں بھئی۔

تو یہ تو ستر ہے اور پردہ تو اس سے زائد ہے بھئی، پردہ تو یہ اپنے پورے بدن کو وہ چھپا کر رکھے بھئی۔ اور خصوصاً چہرے کو بھئی۔ بعض کہتے ہیں کہ چہرے کا پردہ نہیں ہے، بھئی نہیں، یہ تو ستر کی بات ہو رہی ہے۔ پردہ، بھئی سارے فتنے کا آغاز ہی چہرے سے ہوتا ہے کیونکہ چہرہ انسان کے حسن و جمال کا مرکز ہے بھئی۔ تو چہرے پر ہی نظر پڑتی ہے اور وہیں سے پھر خرابی کا آغاز ہوتا ہے، تو چہرے کا پردہ ہے بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ اور یہاں بھی دیکھو، شرط بھی انہوں نے اوپر ذکر کر دی اگر شہوت سے محفوظ ہو پھر نظر کی گنجائش نکلتی ہے بعض مواقع پر، ہر جگہ پر وہ گنجائش نہیں ہے۔ اور عورت کا چہرہ ہو اور پردہ نہ ہو تو وہ مقامِ شہوت بھئی جو بھی مرد کی نظر پڑے گی یقیناً وہ شہوت کا وہاں شہوت آئے گی اور یہ نظر حرام ہوگی، تو لہٰذا اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ چہرے کو کبھی پردہ کرے، اس کو چھپا کر رکھے۔

تو کہتے ہیں وَمِنَ الْأَجْنَبِيَّةِ إِلٰى وَجْهِهَا وَكَفَّيْهَا فَقَطْ، اور مرد دیکھ سکتا ہے اجنبیہ عورت میں سے اس کے چہرے کی طرف وَكَفَّيْهَا فَقَطْ اور اس کی دو ہتھیلیوں کی طرف صرف۔ هٰذَا فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، یہ کس میں ہے؟ ظاہرِ روایت میں ہے۔ ظاہرِ روایت کسے کہتے ہیں میں نے یاد کروایا تھا؟ امام محمد۔ شاباش، شاباش۔ ہاں، امام محمد رحمہ اللہ کی بہت سی کتابیں ہیں اور ان میں سے جو چھ کتابیں ہیں وہ تواتر کے ساتھ بڑے علماء سے منقول ہیں، تو ان میں جو مسئلہ آجائے وہ بڑا مضبوط ہے اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں، تو ان کو ظاہرِ روایت کہتے ہیں۔ اور وہ چھ کتابیں کون سی؟ نمبر ایک: بسوط ہے۔ بسوط، زیادات، اور؟ سیرِ کبیر، سیرِ صغیر، جامعِ کبیر، اور جامعِ صغیر بھئی۔ تو بسوط یہ امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب ہے۔ ایک اور بسوط کتاب بھی ہے وہ امامِ سرخسی کی ہے بھئی یاد رکھنا۔

تو کہتے ہیں هٰذَا فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ یہ ظاہرِ روایت کے اندر ہے یعنی یہ مسئلہ۔ وَعَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى أَنَّهُ يَحِلُّ النَّظَرُ إِلٰى قَدَمِهَا، امام صاحب سے روایت ہے کہ اس کے قدموں کی طرف یعنی پاؤں کی طرف دیکھنا بھی حلال ہے۔ میں

نے بتلا دیا وجہ یہ کہ عورت کو مختلف کام کاج کے لیے کبھی نکلنا پڑتا ہے تو ہر وقت اس کے پاس ہو سکتا ہے جوتے ہی نہ ہوں، موزے تو بڑی دور کی بات ہے۔ تو ہو سکتا ہے اب تو دیکھو اللہ نے آسانیاں فرما دیں بھئی، کپڑے قسم قسم کے کپڑے ہیں، غریب سے غریب آدمی بھی ہوتا ہے اس کے پاس کئی جوڑے ہوتے ہیں۔ اور قدیم زمانے میں تو یہ کپڑے ہاتھ سے بنے جاتے تھے بھئی، مالداروں کے پاس ہی ہوتے تھے۔ اور آج کل سویٹر، کوٹ وغیرہ پتا نہیں کیا کچھ ہر جگہ مل رہا ہے، سستے سے سستے بھی مل رہے ہیں۔ قدیم زمانے میں یہ شدید سردی میں بھی لوگوں کے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا، زیادہ سے زیادہ ایک چادر ہوتی چادر اوپر لے لیتے تھے، وہ بھی کسی کسی کے پاس ہوتی تھی۔ اور جو زیادہ مالدار ہوتا تھا وہ بھی کوئی سویٹر وغیرہ انہوں نے ہاتھ سے بنا خریدا ہے بنوایا ہے، بعض لوگ تو یہی اپنے دو دو یا تین تین قمیصیں پہن لیتے تھے سردی سے بچنے کے لیے، کیونکہ یہ چیزیں اتنی عام نہیں تھیں۔ اب تو اللہ کی رحمتیں دیکھو کہ آسانیاں ہی آسانیاں فرما دیں۔ اور اس زمانے میں جوتے اور موزے کا ملنا وہ تو اور بھی زیادہ مشکل کام تھا۔ تو لہٰذا ضرورت ہے کہ عورت اسی وجہ سے امام صاحب فرماتے ہیں کہ عورت کے، اجنبیہ کے قدم کی طرف دیکھنا بھی جائز کیونکہ اس کی اس میں ضرورت ہے اس کو کام کاج کے لیے کبھی نکلنا پڑے گا۔

تو یہ معنی ہے کہ وَعَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهُ يَحِلُّ النَّظَرُ إِلٰى قَدَمِهَا کہ حلال ہے دیکھنا اس کے قدم کی طرف۔ وَقَدْ مَرَّ فِيْ كِتَابِ الصَّلَاةِ اور تحقیق یہ بات گزر چکی ہے کتاب الصلاۃ کے اندر، کیا بات گزری ہے؟ کہ إِنَّ الْقَدَمَ لَيْسَتْ بِعَوْرَةٍ کہ قدم یعنی پاؤں جو ہے عورت کا وہ عورت نہیں ہے، وہ ستر نہیں ہے نماز میں بھئی۔ قُلْنَا صاحبِ شرحِ وقایہ فرماتے ہیں، ہم کہتے ہیں، اب اس کو رد کر رہے ہیں، کہ متن میں جو آیا نا چہرہ اور ہتھیلیاں یہ ستر میں داخل نہیں باقی سارا بدن کس میں داخل؟ ستر میں۔ اور امام صاحب سے ایک روایت کیا ہے کہ قدم بھی ستر میں داخل نہیں، لیکن شارحِ وقایہ فرمائیں گے کہ نماز میں تو ضرورت ہے لہٰذا نماز کے اندر تو وہ ستر سے خارج لیکن نماز سے باہر ضرورت نہیں ہے لہٰذا نماز سے باہر وہ ستر میں داخل ہیں۔ تو بہرحال صاحبِ شرحِ وقایہ کے نزدیک قدم بھی ستر میں داخل ہے عام حالات میں، اس کو چھپانا ضروری عورت کے لیے۔

قُلْنَا فِي الصَّلَاةِ ضَرُوْرَةٌ، ہم کہتے ہیں کہ نماز میں تو ضرورت ہے، نماز میں تو وہ بھئی رکوع سجدے وغیرہ میں وہ قدم کچھ نہ کچھ پاؤں اس کے نظر آئیں گے تو وہ ہر وقت موزے پہن کر رکھے وہ تو مشکل ہے۔ اس کہتے ہیں اس میں تو ضرورت ہے، وَلَيْسَ فِيْ نَظَرِ الْأَجْنَبِيِّ إِلَى الْقَدَمِ ضَرُوْرَةٌ اور اجنبی کا اس کے پاؤں کی طرف دیکھنے میں اس میں کوئی ضرورت نہیں ہے بِخِلَافِ الْوَجْهِ وَالْكَفِّ بخلاف چہرے اور ہتھیلی کے، کہ ان میں ضرورت ہے، لوگوں سے معاملات کرنا پڑیں گے، کوئی چیز لینی ہے دینی ہے تو ہاتھوں سے اٹھا کر دے گی، تو وہاں ہاتھوں پر نظر پڑے گی اس لیے وہاں ضرورت کی بنا پر شریعت کی

طرف سے گنجائش ہے۔ ضرورت کی وجہ سے شریعت میں گنجائش ہے۔

وَكَذَا السَّيِّدَةُ اور اسی طرح مالکن ہے بھئی۔ ایک عورت ہے اور اس کا ایک غلام ہے، وہ تو غلام مرد ہے تو کیا اس غلام کے لیے، تو اس غلام کے لیے اپنی مالکن کے بدن کا کتنا حصہ دیکھنا جائز؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ مالکن جو ہے غلام کے لیے اجنبیہ کی طرح ہے، لہٰذا جیسے اجنبیہ کے صرف چہرے اور ہاتھ کی طرف دیکھنے کی گنجائش ہے، غلام کے لیے بھی یہی گنجائش ہوگی، اس سے زائد گنجائش نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں وَكَذَا السَّيِّدَةُ اور اسی طرح مالکن ہے، فَإِنَّهَا فِي النَّظَرِ إِلٰى قَدَمَيْهَا كَالْأَجْنَبِيَّةِ اس لیے کیونکہ باندی جو ہے، دیکھا؟ کیونکہ، فَإِنَّ کا ترجمہ میں کیا کر رہا ہوں؟ کیونکہ۔ فَإِنَّهَا کیونکہ مالکن جو ہے فِي النَّظَرِ إِلٰى قَدَمَيْهَا اپنے قدموں کی طرف دیکھنے کے مسئلے میں كَالْأَجْنَبِيَّةِ کس کی طرح ہے؟ اجنبیہ کی طرح ہے یعنی اپنے غلام کے لیے۔

فَإِنْ خَافَ أَيِ الشَّهْوَةَ، اگر اس کو خوف ہو یعنی شہوت کا، تو لَا يَنْظُرُ إِلٰى وَجْهِهَا إِلَّا بِحَاجَةٍ، تو پھر نہ دیکھے اس کے چہرے کی طرف مگر کسی حاجت کی وجہ سے۔ اجنبیہ کا چہرہ اور ہتھیلیاں انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ چہرہ اور ہتھیلیاں وہ ستر سے خارج ہیں۔ لیکن فَإِنْ خَافَ أَيِ الشَّهْوَةَ اگر دیکھنے والے کو شہوت کا خوف ہو تو لَا يَنْظُرُ إِلٰى وَجْهِهَا تو پھر اس کے چہرے کی طرف بھی نہ دیکھے إِلَّا بِحَاجَةٍ مگر کسی حاجت کی وجہ سے، ضرورت کی بنا پر۔ ضرورت کی بنا پر اجنبیہ کے چہرے کی طرف پھر دیکھ سکتے ہیں، پھر چاہے شہوت کا خوف بھی کیوں نہ ہو لیکن جب ضرورت ہو تو دیکھ سکتے ہیں۔

بھئی کیا ضرورت ہے؟ کہتے ہیں مثلاً قاضی نے فیصلہ کرنا ہو ایک عورت کے خلاف۔ ایک عورت کے خلاف مقدمہ چل رہا ہے تو قاضی جب اس کے خلاف فیصلہ کرے گا تو قاضی اس کے چہرے کو دیکھ سکتا ہے تاکہ پتا، کیونکہ وجہ یہ کہ جس کے خلاف فیصلہ کیا جا رہا ہے اس کا حاضر ہونا ضروری ہے، حاضر ہونا ضروری ہے۔ تو اب اگر وہ عورت حاضر ہے تو قاضی اس کے چہرے کو دیکھے گا تو اس کو پتا چلے گا نا کہ یہ وہی عورت ہے یا کوئی اور عورت ہے، تو یہاں اگرچہ شہوت کا خطرہ ہی کیوں نہ ہو قاضی کو پھر بھی وہ اس کے چہرے کو دیکھ سکتا ہے تاکہ لوگوں کو انصاف فراہم کیا جا سکے بھئی۔ یا کوئی گواہ ہے اس نے کسی عورت کے خلاف گواہی دینی ہے۔ عورت کے حق میں گواہی دے رہا ہے پھر تو چہرے کو دیکھنے کی ضرورت نہیں، لیکن عورت کے خلاف گواہی دے رہا ہے تو اس میں بھی وہ گواہ اس کے چہرے کو دیکھ سکتا ہے تاکہ پتا چلے یہ وہی عورت ہے جس کے خلاف میں گواہی دے رہا ہوں یا یہ کوئی اور عورت کھڑی ہے۔

اسی طرح کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو بہتر ہے کہ اس کو دیکھ لے ایک مرتبہ اس کو، دیکھ لے، اور اگرچہ اس میں شہوت کا خوف ہی کیوں نہ ہو لیکن چونکہ حاجت ہے لہٰذا شریعت نے دیکھنے کی گنجائش دی۔ اسی طرح باندی ہے، باندی کو خریدنا چاہتا ہے تو پھر چاہے شہوت کا خوف کیوں نہ ہو اس کی طرف، چہرے کی طرف دیکھ سکتا ہے۔ یا

کوئی شخص ہے وہ طبیب ہے، حکیم ہے، ڈاکٹر ہے، علاج کرتا ہے، اب کوئی عورت ہے وہ اس سے علاج کرواتی ہے تو اب اس کے لیے بھی وہ مرض کے مقام کو دیکھنا جائز ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں فَإِنْ خَافَ أَيِ الشَّهْوَةَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى وَجْهِهَا إِلَّا بِحَاجَةٍ، اگر اس دیکھنے والے کو خوف ہو شہوت کا تو وہ نہ دیکھے اس کے، اجنبیہ کے چہرے کی طرف إِلَّا بِحَاجَةٍ مگر کسی ضرورت سے، كَقَاضٍ يَحْكُمُ جیسے وہ قاضی جو فیصلہ کرتا ہے وَشَاهِدٍ يَشْهَدُ اور ایسا گواہ جو گواہی دیتا ہے عَلَيْهَا، یہ عَلَيْهَا کا تعلق دونوں سے ہے، يَحْكُمُ قاضی يَحْكُمُ عَلَيْهَا، قاضی کیا کر رہا ہے اس کے خلاف فیصلہ، عَلٰی ضرر کے لیے آتا ہے نا، تو كَقَاضٍ يَحْكُمُ عَلَيْهَا وَشَاهِدٍ يَشْهَدُ عَلَيْهَا۔ تو یہ دونوں سے یعنی، یعنی یوں سمجھیں ایک پر اکتفا کر لیا، ایک کے لیے محذوف نکال لیں گے بھئی۔ یا یہ عَلٰى سَبِيْلِ الْبَدَلِ دونوں سے جڑے گا بھئی، پہلے ایک سے جڑ جائے گا اور پھر دوسرے۔ كَقَاضٍ يَحْكُمُ جیسے وہ قاضی جو فیصلہ کرتا ہے وَشَاهِدٍ يَشْهَدُ اور وہ گواہ جو گواہی دیتا ہے عَلَيْهَا اس عورت کے خلاف، وَمَنْ يُرِيْدُ نِكَاحَ امْرَأَةٍ اور اسی طرح وہ شخص، یہ مَنْ کا عطف بھی قَاضٍ پر ہے، جیسے وہ قاضی جو کسی عورت کے خلاف فیصلہ کرتا ہے اور جیسے وہ گواہ جو کسی عورت کے خلاف گواہی دیتا ہے اور جیسے مَنْ يُرِيْدُ نِكَاحَ امْرَأَةٍ جیسے وہ شخص جو کسی عورت سے نکاح کا ارادہ کرتا ہے یا أَوْ شِرَاءَ أَمَةٍ وہ شخص جو ارادہ کرتا ہے کسی باندی کے خریدنے کا، یہ شِرَاءَ کا عطف ہے نِكَاحَ پر، نکاح، باندی کو خریدنے کا ارادہ کرتا ہے، وَرَجُلٍ يُدَاوِيْهَا اور ایسا شخص جو کیا کر، اس کا علاج معالجہ کر رہا ہے، اس عورت کا علاج معالجہ کر رہا ہے۔

فَإِنَّ هٰؤُلَاءِ يَحِلُّ لَهُمُ النَّظَرُ، یہ جو لوگ ہیں ان کے لیے دیکھنا جائز ہے، حلال ہے، مَعَ خَوْفِ الشَّهْوَةِ باوجود شہوت کے خوف کے لِلْحَاجَةِ ضرورت کی بنا پر۔ لیکن پھر تفصیل بیان کر رہے ہیں کہ وہ شخص جو اس کا علاج کر رہا ہے فَيَنْظُرُ إِلٰى مَوْضِعِ مَرَضِهَا بِقَدْرِ الضَّرُوْرَةِ، اس کے لیے چہرے کی طرف دیکھنا جائز نہیں یہ صرف اس مقام کو دیکھ سکتا ہے جہاں پر مرض ہے، مثلاً عورت کی پنڈلی پر پھوڑا ہے یا زخم ہے یا ران پر ہے تو صرف اس مقام کو دیکھ سکتا ہے جہاں پر وہ جہاں اس کو دیکھنے کی حاجت ہے علاج کے لیے بھئی۔ یہ معنی ہے فَيَنْظُرُ إِلٰى مَوْضِعِ مَرَضِهَا بِقَدْرِ الضَّرُوْرَةِ تو وہ دیکھ سکتا ہے اس کے مرض کے مقام کو ضرورت کے بقدر۔[۳]

وَتَنْظُرُ الْمَرْأَةُ۔ جی اب عورت، عورت کا کتنا بدن دیکھ سکتی ہے اور عورت مرد کے بدن کا کتنا حصہ دیکھ سکتی ہے اب وہ بیان کرنے لگے۔ وَتَنْظُرُ الْمَرْأَةُ مِنَ الْمَرْأَةِ كَالرَّجُلِ مِنَ الرَّجُلِ، اور عورت دیکھ سکتی ہے عورت میں سے جیسے کہ مرد مرد میں سے۔ مرد مرد کا جتنا حصہ دیکھ سکتا تھا عورت بھی دوسری عورت کا، کے بدن کا اتنا حصہ دیکھ سکتی ہے۔ یعنی ایک عورت دوسری عورت کے ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں کے نیچے تک اس حصے کو چھوڑ کر ایک عورت دوسری عورت کے باقی

[۳] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۹۹):** صوتی درس کی قراءت میں «فَإِنَّ هٰؤُلَاءِ يَحِلُّ لَهُمُ النَّظَرُ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فإنَّ لهؤلاءِ يحلُّ لهم النَّظرُ» منقول ہے۔

بدن کو دیکھ سکتی ہے۔

وَكَذَا مِنَ الرَّجُلِ، اور اسی طرح عورت مرد میں سے بھی اتنا حصہ دیکھ سکتی ہے إِنْ أَمِنَتْ شَهْوَتَهَا اگر یہ محفوظ ہو اپنی شہوت سے۔ اگر اس کو شہوت کا خوف نہ ہو تو ایک عورت کو مرد کے بدن کا وہی حصہ دیکھنا جائز ہے جو ایک مرد کا دوسرے مرد کے بدن کو دیکھنا جائز ہے۔ معلوم ہوا ایک مرد دوسرے مرد کے بدن کا جتنا حصہ دیکھ سکتا ہے، عورت بھی مرد کے بدن کے اتنے حصے کو دیکھ سکتی ہے بشرطیکہ شہوت سے محفوظ ہو۔ اور ایک عورت بھی دوسری عورت کے بدن کے اتنے حصے کو دیکھ سکتی ہے، ہاں اور شرط وہی ہے شہوت سے محفوظ ہو بھئی۔

وَالْخَصِيُّ وَالْمَجْبُوْبُ وَالْمُخَنَّثُ فِي النَّظَرِ إِلَى الْأَجْنَبِيَّةِ كَالْفَحْلِ۔ خَصِيّ، وَالْخَصِيُّ وَالْمَجْبُوْبُ یہ ی پر تشدید ہے۔ مشدد ہے۔ خَصِيّ وہ شخص جس کے خصیتین نکال دیے گئے ہوں، یعنی نامرد بنا دیا گیا ہو وہ۔ وَالْمَجْبُوْبُ، مَجْبُوْب کہتے ہیں وہ شخص جس کا آلہ تناسل کٹ گیا ہو، اس کو مجبوب کہتے ہیں۔ مُخَنَّث، مُخَنَّث جس کو ہیجڑا کہتے ہیں بھئی، جو نہ کامل مرد ہے نہ کامل عورت ہے، مرد اور عورت دونوں کے اعضا ہیں، تو اس کو مخنث کہتے ہیں۔

اب ان کا کیا حکم ہے؟ خصی وہ تو صحبت کر ہی نہیں سکتا، مجبوب اس کا آلہ تناسل کٹا ہے وہ بھی نہیں کر سکتا، مخنث ہیجڑا ہے وہ بھی مرد نہیں ہے وہ بھی نہیں کر سکتا۔ تو یہ ان کے لیے اجنبیہ کے بدن کے کتنے حصے کو دیکھنا جائز ہے؟ تو کہتے ہیں بھئی ان کا حکم وہی ہے جو مرد کا حکم ہے۔ كَالْفَحْلِ، فَحْل نر کو کہتے ہیں نر، مذکر۔ یہاں مراد ہے مرد۔ یہ بھی مرد کی طرح ہی ہیں، مرد والا حکم ہے، اور مرد کے لیے جتنا حصہ دیکھنا جائز ہوتا تھا ان کے لیے بھی اتنا حصہ ہی دیکھنا جائز ہے، یعنی صرف چہرے اور ہتھیلی کی طرف بھئی اجنبیہ کے۔ تو کہتے ہیں وَالْخَصِيُّ وَالْمَجْبُوْبُ وَالْمُخَنَّثُ فِي النَّظَرِ إِلَى الْأَجْنَبِيَّةِ كَالْفَحْلِ، اور خصی اور مجبوب اور مخنث جو ہے فِي النَّظَرِ إِلَى الْأَجْنَبِيَّةِ اجنبیہ کی طرف دیکھنے میں كَالْفَحْلِ مرد کی طرح ہیں۔

وَيَعْزِلُ عَنْ أَمَتِهِ بِلَا إِذْنِهَا وَعَنْ عِرْسِهِ بِهِ۔ عزل، عزل اس کو کہتے ہیں بھئی جس کو کہہ لیں قدیم زمانے کی فیملی پلاننگ بھئی کہ اولاد نہ ہو، اولاد نہ ہو۔ آج کل تو بہت سے طریقے آ گئے، قدیم زمانے میں پھر وہ جب انزال ہونے لگتا تو عضو کو باہر نکال لیتے اور اخراجِ منی باہر کرتے تھے بھئی، شرمگاہ میں نہیں، تو یہ تھا یہ ہے عزل، عزل۔ اب باندی سے کیا عزل کر سکتا ہے، اس سے اجازت لینی پڑے گی؟ کہتے ہیں نہیں، وطی میں باندی کا کوئی حق نہیں۔ وطی میں، صحبت میں باندی کا کوئی حق نہیں، آقا کی مرضی ہے صحبت کرے نہ کرے اس کے ساتھ اگرچہ اس کے لیے حلال ہو۔ تو چونکہ وطی میں اس کا کوئی حق نہیں لہٰذا اولاد میں بھی اس کا کوئی حق نہیں، لہٰذا باندی سے بغیر اجازت کے ہی وہ عزل کر سکتا ہے تاکہ اولاد نہ ہو۔ اور اپنی بیوی جو ہے، کہتے ہیں بیوی میں اس کی رضامندی اور اس کی اجازت ضروری ہے۔ اس لیے کیونکہ جیسے یہ جو وطی ہے صحبت جیسے خاوند کا حق ہے اسی طرح بیوی کا بھی حق ہے، اور خاوند وطی کس لیے کرتا ہے؟ شہوت پوری کرنے کے لیے

اور اولاد کے لیے، تو بیوی کا بھی یہی چیزیں اس کا بھی حق ہے وہ بھی شہوت پوری کرنے کے ساتھ ساتھ اولاد حاصل کرنا بھی اس کا مقصد ہوتا ہے۔ لہٰذا جب بیوی کا بھی حق ہے تو اب یہاں پر بیوی کی اجازت ہو گی پھر عزل کر سکتا ہے، اگر اس کی اجازت نہیں تو عزل نہیں کر سکتا۔

تو کہتے ہیں وَيَعْزِلُ عَنْ أَمَتِهِ بِلَا إِذْنِهَا، اور عزل کر سکتا ہے اپنی باندی سے بغیر اس کی اجازت کے وَعَنْ عِرْسِهِ اور اپنی بیوی سے عزل کر سکتا ہے بِهِ أَيْ بِإِذْنِهَا، یہ ہ ضمیر اِذْن کو راجع ہے، اس کی اجازت کے ساتھ۔ عزل کا معنی میں نے بیان کر دیا، یہ خود بیان کر رہے ہیں شرح میں بھی۔ کہتے ہیں اَلْعَزْلُ أَنْ يَطَأَ عزل یہ ہے کہ ایک مرد وطی کرے فَإِذَا قَرُبَ، فَإِذَا قَرُبَ إِلَى الْإِنْزَالِ أَخْرَجَ ذَكَرَهُ کہ جب وہ قریب ہو جائے انزال کے تو اپنے ذکر کو باہر نکال لے وَلَا يُنْزِلُ فِي الْفَرْجِ اور شرمگاہ میں انزال نہ کرے۔

وَمَنْ مَلَكَ أَمَةً بِشِرَاءٍ أَوْ نَحْوِهِ كَالْوَصِيَّةِ وَالْإِرْثِ وَنَحْوِهِمَا وَلَوْ بِكْرًا وَمَشْرِيَّةً مِنِ امْرَأَةٍ أَوْ عَبْدٍ أَوْ مَحْرَمِهَا۔ جی دیکھنے کے مسائل گزر گئے بھئی۔ اب استبرا کے مسائل بیان کرنے لگے ہیں، استبرا۔ جیسے بھئی ایک شخص کسی عورت کو طلاق دیتا ہے اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے، تو وہ بیوی پھر فوراً کسی دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی، بلکہ وہاں اس کو تین حیض گزارنے پڑتے ہیں، عدت پوری کرنی پڑتی ہے پھر اس کے بعد جب تین حیض آجائیں حیض والی کو اور غیرِ حیض والی ہے تو تین ماہ گزر جائیں تو پھر اس کے بعد وہ کسی اور مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔ یہ اس لیے کیا شریعت نے کہ تاکہ پتا لگ جائے کہ عورت کے رحم میں کوئی پچھلے خاوند کی اولاد وغیرہ تو نہیں، حمل تو نہیں ہے۔

تو اسی طرح باندی کے اندر ہے، باندی کے اندر اتنی سختی نہیں اس میں ذرا نرمی ہے لیکن پھر بھی وہاں استبرا کیا جائے گا۔ عورت میں تو اس کو عدت کہتے ہیں نا عدت، اور باندی میں اس کو استبرا کہتے ہیں۔ استبرا براءت سے ہے۔ تو اس براءت طلب کرنا، یعنی یوں کہو صفائی حاصل کرنا، تاکہ اس کے رحم کی صفائی ہو جائے۔ ایک ماہ، ایک حیض انتظار کیا جائے گا۔ کسی نے باندی خریدی اور خریدنے کے بعد اب یہ اس سے صحبت کرنا چاہتا ہے، نہیں بھئی فوراً صحبت نہیں کر سکتے بلکہ ایک حیض کا انتظار کرنا پڑے گا۔ ایک حیض جب کامل اس کی ملکیت میں آجائے گا اور پھر جب وہ پورا ہو جائے گا حیض، اب پتا چل گیا کہ اس باندی کے رحم میں جو ہے وہ کوئی حمل وغیرہ نہیں ہے یہ حاملہ نہیں ہے، تو اب جب حیض پورا ہو گیا یہ ہے استبرا، اب اس کے لیے وطی حلال ہو گئی اپنی باندی سے۔

مسئلہ سمجھ میں آیا؟ تو استبرا کا کیا معنی ہے؟ صفائی حاصل کرنا، صفائی، یعنی یوں کہو صفائی کرنا، رحم کی صفائی حاصل کرنا، رحم کی پاکی حاصل کرنا۔ یاد رکھو آگے چل کر آپ کو بتائیں گے کہ یہ جو استبرا ہے استبرا، اس کی علت جو ہے وہ استحداثِ ملک ہے۔ توجہ ہے؟ جی۔ یہ جو استبرا ہے اس کی علت اور وجہ جس کی وجہ سے یہ استبرا والا حکم آئے گا، کہاں آئے گا؟ آپ جانتے ہیں جہاں علت پائی جائے وہاں حکم آتا ہے جہاں علت نہیں وہاں حکم بھی نہیں۔ تو یہ استبرا والا حکم

جو ہے یہ اس کی علت جو ہے وہ استحداثِ ملک ہے۔ استحداث کا معنی ہے کوئی نئی چیز پانا، استحداثِ ملک یعنی نئی ملکیت کا پایا جانا۔ جہاں بھی باندی کے اندر نئی ملکیت آئے گی، کوئی نیا مالک بنے گا وہاں پر استبرا آجائے گا۔ ضابطہ سمجھ میں آیا؟ استبرا کی علت کیا ہے؟ استحداثِ ملک۔ لفظ یاد کرو، کیا علت ہے؟ استحداثِ ملک۔ ہاں یعنی نئی ملکیت کا پایا جانا، یہ آگے لفظ آجائے گا دو چار سطروں بعد۔ نئی ملکیت کا پایا جانا، جب بھی باندی میں نئی ملکیت پائی جائے گی کیا ضروری ہوگا؟ استبرا، یعنی ایک حیض انتظار کرنا پڑے گا، پتا لگ جائے کہ اس کا رحم صاف ہے اور اس میں کوئی حمل وغیرہ نہیں ہے۔

پھر جب یہ علت شریعت نے قرار دے دی، اب چاہے وہاں پر حمل کا احتمال نہ ہو پھر بھی استبرا کرنا پڑے گا۔ مثلاً آپ نے ایک شخص سے باندی خریدی۔ باندی خریدی اور وہ جس سے خریدی وہ بھی مرد ہے عاقل بالغ ہے تو ہو سکتا ہے وہ اس کے ساتھ صحبت کرتا ہو، لہٰذا خریدنے کے بعد اب آپ کو کیا کرنا پڑے گا؟ ایک حیض انتظار کرنا پڑے گا تب تک آپ اس سے صحبت نہیں کر سکتے اور یہ ہے استبرا۔ اور کیوں؟ استبرا کیوں واجب ہوا آپ پر؟ کیونکہ آپ نئے مالک بنے ہیں، تو استحداثِ ملک ہوا، نئی ملکیت پائی گئی، نیا مالک پایا گیا، نیا مالک بن گیا تو اب استبرا ضروری ہوگا۔ اب دیکھو یہاں پر تو احتمال تھا کہ رحم میں رحم وہ رحم جو ہے اس کا مشغول ہو اس کے ماءِ محترم کے ساتھ یعنی منی کے ساتھ۔ منی کو وہ کیا کہیں گے؟ ماءِ محترم سے تعبیر کریں گے کیونکہ یہ حرمت والا پانی ہے جو آگے اولاد کا سبب بنتا ہے اولاد کا باعث بنتا ہے۔ تو جب ایک شخص باندی خریدتا ہے تو وہاں احتمال ہوتا ہے کہ شاید اس کا رحم مشغول ہو اس دوسرے کے ماءِ محترم کے ساتھ۔ تو پھر اگر وطی فوراً کر لے گا تو پھر تو ماءِ محترم کا اختلاط لازم آئے گا، ماءِ محترم کا اختلاط اس کا مل جانا یوں کہیں مکس ہو جانا لازم آئے گا، یوں کہو آسان لفظوں میں کہ پیدا ہونے والے بچے کا پتا ہی نہیں چلے گا کہ یہ کس کی اولاد ہے کس کا بچہ ہے۔ حاصلِ کلام سمجھ میں آیا؟

تو جہاں بھی استحداثِ ملک ہوگا وہاں استبرا ضروری ہوگا، چاہے ایسا مقام ہو جہاں باندی کے رحم میں حمل کا بظاہر احتمال ہی نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص کسی عورت سے باندی خریدتا ہے، تو وہ باندی کس کی تھی؟ عورت کی تھی، تو وہاں پر تو دیکھو اس کا مالک تو مرد ہے ہی نہیں، تو وہاں پر تو اس کے رحم کا مشغول ہونے کا احتمال نہیں ہے لیکن پھر بھی شریعت نے حکم کا دارومدار کس پر کر دیا؟ علت پر، اور علت جہاں پائی جائے گی چاہے اس کے اندر وہ حکمت ہو یا حکمت نہ ہو۔ تو استبرا کا میں حکمت کیا تھی، فائدہ کیا تھا؟ رحم کا پاک ہونا معلوم ہو جائے، پاک ہونا معلوم ہو جائے۔ تو اب دیکھو یہاں پر تو حکمت نہیں ہے، اس کا رحم تو پہلے سے ہی پاک ہے لیکن پھر بھی شریعت نے حکم کا دارومدار کس پر کر دیا؟ علت پر، اور علت کیا ہے؟ استحداثِ ملک، اور آپ نے جب خریدا اس کو تو استحداثِ ملک پایا گیا لہٰذا اب کیا کرنا پڑے گا؟ استبرا کروانا پڑے گا۔

یا دوسری مثال لے لو کہ باندی کو خریدا جس کا مالک اس کا اپنا محرم تھا۔ کون تھا؟ محرم۔ مثلاً وہ جو اس کا مالک ہے

وہ اور یہ جو اس کی باندی ہے انہوں نے بچپن میں ایک ہی عورت کا دودھ پیا تھا، تو دونوں رضاعی بھائی بہن ہو گئے۔ تو رضاعی بھائی بہن ہو گئے، اور رضاعی بھائی بہن ہو گئے تو یہ بہن اس پر کیا ہوئی؟ وہ حقیقی بہن کی طرح حرام ہے اس پر، تو اب وہ شخص وہ جو مالک ہے وہ اس کا محرم ہے۔ اب کوئی تیسرا شخص اس باندی کو اس باندی کے محرم سے خریدتا ہے، اب یہاں پر بھی دیکھو اس کا رحم کا صاف ہونا بظاہر یقینی ہے لیکن پھر بھی استحداثِ ملک تو پایا جا رہا ہے، نیا مالک تو آیا نئی ملکیت تو پائی جا رہی ہے، لہٰذا اس پر کیا ضروری ہو گا مشتری پر کہ وہ کیا کرے؟ استبرا کرے بھئی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

وَمَنْ مَلَكَ أَمَةً، اور جو شخص مالک ہوا کسی باندی کا بِشِرَاءٍ خریدنے کی وجہ سے أَوْ نَحْوِهٖ یا اس جیسی کوئی چیز، یعنی کسی بھی طریقے سے مالک بن جائے۔ كَالْوَصِيَّةِ جیسے کہ وصیت ہے، دیکھو وصیت سے بھی کوئی شخص کسی چیز کا مالک بنتا ہے، زید نے مرتے ہوئے وصیت کی تھی کہ میری یہ جو باندی ہے میرے مرنے کے بعد بکر کو دے دی جائے، تو دیکھو وہ وصیت کے اندر وہ باندی کس کو مل گئی؟ بکر کو مل گئی۔ بکر تو اس کا وارث نہیں تھا لیکن وصیت کی وجہ سے وہ کیا بن گیا باندی کا مالک۔ اب جب مالک بن گیا تو استحداثِ ملک پایا گیا لہٰذا استبرا ہو گا۔ یا وصیت نہیں کی بکر اس کا وارث ہی تھا خود ہی وہ کیا بن گیا وراثت میں اس کو وہ باندی مل گئی، تو کیا ہوا یہ استحداثِ ملک؟ تو یہ استحداثِ ملک ہوا تو اس صورت میں بھی استبرا ہو گا۔

تو کہتے ہیں جو کوئی شخص باندی کا مالک ہوا خریدنے کی وجہ سے أَوْ نَحْوِهٖ یا اس جیسی چیز کی وجہ سے كَالْوَصِيَّةِ جیسے کہ وصیت ہے وَالْإِرْثِ اور وراثت ہے وَنَحْوِهِمَا یا اس جیسی کوئی چیز وَلَوْ بِكْرًا اگرچہ وہ باندی باکرہ ہو، وہ باندی باکرہ ہو۔ بھئی دیکھو صورتِ مسئلہ یہ آگے یہ خود بھی بیان کریں گے، باندی باکرہ ہو۔ اب باکرہ باندی کسی سے خریدی تو اس کا باکرہ ہونا ہی بتلا رہا ہے کہ اس کے اندر اس کے رحم کا مشغول ہونا ہونے کا یہاں مشغول نہیں ہے دوسرے کے ماءِ محترم کے ساتھ، اس کا رحم صاف ہے کیونکہ اس کے ساتھ صحبت ہی نہیں ہوئی باکرہ ہے بھئی۔ لیکن پھر بھی آپ کو بتائیں گے شریعت کا یہاں حکم کا دارومدار کس پر ہے؟ علت پر ہے، اور علت استحداثِ ملک تو پایا جا رہا ہے لہٰذا باکرہ ہی کیوں نہ ہو استبرا ضروری ہو گا جب استحداثِ ملک ہو۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

یہ معنی ہے وَلَوْ بِكْرًا اگرچہ وہ باکرہ ہو، اور وَمَشْرِيَّةً، یہ وہ صورتیں ذکر کر رہے ہیں جس میں رحم کے مشغول ہونے کا احتمال نہیں ہے بظاہر بھئی، وہ سب اکٹھی کر رہے ہیں، اگرچہ باکرہ ہو، دیکھو اس میں بھی رحم کے مشغول ہونے کا احتمال نہیں، وَمَشْرِيَّةً، مَشْرِيٌّ یہ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے، شَرٰی يَشْرِيْ کا معنی خریدنا، جیسے رَمٰی يَرْمِيْ رَمْيًا فَهُوَ رَامٍ وَرُمِيَ يُرْمٰى رَمْيًا فَذَاكَ مَرْمِيٌّ تو یہ بھی مَشْرِيٌّ بھئی اور ت گول مونث کے لیے ساتھ ملا دی۔ اگرچہ وہ باکرہ ہو وَمَشْرِيَّةً مِنِ امْرَأَةٍ یا اس

کو خریدا گیا ہو عورت سے، اس میں بھی دیکھو رحم کے مشغول ہونے کا احتمال بظاہر نہیں۔ أَوْ عَبْدٍ یا اس کو کس سے

خریدا گیا ہو؟ کسی غلام سے۔ بھئی میں نے اپنے غلام کو اجازت دی کہ تم کاروبار کر سکتے ہو تجارت کر سکتے ہو۔ یہ غلام جو تھا بڑا تجارت میں ماہر تھا اور یہ تجارت میں پیسے اب خوب کمانے لگ پڑا، مجھے مالک کو لا کر پیسے دیتا ہے، یہ باندیوں کی بھی تجارت خرید و فروخت کرنے لگا۔ تو کیا یہ غلام جو باندی کو خریدے گا تو کیا اس کا مالک بن گیا؟ نہیں نہیں مالک تو وہی آقا ہے اس کا، لہٰذا غلام کے لیے اس باندی سے صحبت جائز نہیں۔ تو اب اس غلام سے کوئی شخص کیا کرتا ہے؟ باندی خریدتا ہے۔ استحداثِ ملک تو ہے، لیکن باندی تو اس کے رحم کے مشغول ہونے کا تو بظاہر احتمال نہیں ہے لیکن پھر بھی استحداثِ ملک تو ہے لہٰذا استبرا کرنا پڑے گا۔

یہ معنی ہے وَمَشْرِيَّةً مِنِ امْرَأَةٍ یا خریدا ہو اس کو کسی عورت سے أَوْ عَبْدٍ یا کسی غلام سے أَوْ مَحْرَمِهَا یا اس باندی کے محرم سے اس کو خریدا ہو۔ مَحْرَمِهَا ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ شارح بتلا رہے ہیں أَيْ مَحْرَمِ الْأَمَةِ، یہ ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ أَمَة کو راجع ہے، باندی کے محرم سے خریدا۔ لٰكِنْ غَيْرِ ذِيْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ لَهَا لیکن وہ غیرِ ذی رحم محرم ہو اس کا۔ یہ ایک اور بات یہاں سمجھ لیں، حدیث میں آیا ہے: مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ عَتَقَ عَلَيْهِ۔ مَنْ مَلَكَ جو شخص مالک ہوا ذَا رَحِمٍ قریبی رشتے دار کا، ذو رحم کا یعنی؟ ذو مال کا کیا معنی ہوتا ہے؟ مال والا، اور حالتِ نصبی میں کیا کہیں گے؟ ذَا مَالٍ، اور حالتِ جری میں کیا کہیں گے؟ ذِيْ مَالٍ، تو یہاں بھی ہے مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ، یہ مفعول ہے نا تو ذَا رَحِمٍ، ذُوْ رَحِمٍ، ذِيْ رَحِمٍ، رشتے والا رشتے دار یعنی۔ جو شخص مالک ہوا کس کا؟ ذَا رَحِمٍ اپنے قریبی رشتے دار کا مَحْرَمٍ مِنْهُ اور وہ اس کا محرم بھی ہو، قریبی رشتے دار بھی ہو اور محرم، یہ دو چیزیں ذکر ہوئیں حدیث میں۔ مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ عَتَقَ عَلَيْهِ جو شخص اپنے قریبی محرم رشتے دار کا مالک بنا عَتَقَ عَلَيْهِ تو وہ اس پر آزاد ہو جائے گا۔ وہ جس کا مالک بنا ہے وہ اس پر آزاد، لیکن دو شرطیں ہیں کہ وہ اس کا قریبی رشتے دار بھی ہو اور محرم بھی ہو۔ مثلاً ایک شخص ہے وہ، وہ اور اس کی بہن دونوں قیدی ہو کر ان کو غلام بنا لیا گیا۔ جنگیں ہوتی تھیں جو پکڑے جاتے ان کو غلام بنا لیتے تھے قیدی بنا، تو ان کو غلام بنا لیا بھئی، قیدی بنا لیا۔ اب یہ جو مرد تھا جو بھائی تھا اس کو کسی مسلمان نے خرید کر آزاد کر دیا، اور یہ پھر بعد میں مالدار ہو گیا اب اس نے اپنی بہن کو خریدا۔ اب بہن جو ہے دیکھو وہ اس کی قریبی رشتے دار بھی ہے، نسبی رشتہ ہے یا نہیں قریبی؟ قریبی رشتے دار بھی ہے اور محرم بھی ہے، بہن کے ساتھ کیا نکاح جائز ہے؟ نہیں، تو محرم بھی ہے۔ دونوں شرطیں پوری ہو گئیں، قریبی رشتے دار بھی ہے اور محرم، اور مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ جو اپنے ایسے قریبی رشتے دار کا مالک بنا جو اس کا محرم بھی ہو، قریبی رشتے دار بھی ہو اور محرم بھی ہو، عَتَقَ عَلَيْهِ اس پر آزاد ہو جائے گا۔ لہٰذا جیسے ہی بہن کو خریدے گا جس لمحے میں خریدا اگلے ہی لمحے میں بہن خود بخود آزاد ہو گئی۔ اس کو کرنا نہیں پڑے گا یہ کہے کہ تو آزاد ہے، نہیں نہیں نہیں، جس لمحے میں ایجاب و قبول ہوا اگلے ہی لمحے کے اندر بہن آزاد ہو گئی۔ کیونکہ حدیث میں کیا آیا؟ جو اپنے قریبی محرم کا مالک بنا وہ اس پر کیا ہو جاتا ہے؟ آزاد۔

تو دونوں شرطیں ضروری ہیں، قریبی رشتے دار بھی ہو اور محرم بھی ہو، محرم بھی ہو۔ ایک شرط پوری ہو تو پھر آزاد نہیں ہو گا۔ کسی نے اپنے قریبی رشتے دار کو خریدا لیکن محرم نہیں ہے، مثلاً اپنے چچا کی بیٹی کو کسی نے خرید لیا وہ باندی تھی، اب چچا کی بیٹی قریبی رشتے دار تو ہے لیکن محرم ہے؟ اس سے تو نکاح جائز ہے تو محرم نہیں، لہٰذا وہ آزاد نہیں ہو گی بھئی۔ یا دوسری صورت محرم ہو لیکن قریبی رشتے دار نہ ہو، جیسے کسی نے اپنی رضاعی بہن کو خرید لیا۔ اب قریبی رشتہ تو کوئی بھی نہیں اجنبی ہیں لیکن دودھ ایک عورت کا پیا ہے تو حرام ایک تو وہ حقیقی بھائی بہن کی طرح بن گئے اور یہ رضاعی بہن انسان پر کیا ہے حقیقی بہن کی طرح حرام ہوتی ہے۔ تو محرم تو ہے لیکن قریبی رشتے دار نہیں، لہٰذا کوئی اپنی رضاعی بہن کو خریدتا ہے تو یہ اس پر آزاد نہیں ہو گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو اسی لیے کہا، متن میں کیا مسئلہ ذکر ہوا تھا؟ کہ باندی کو خریدا کس سے؟ باندی کے محرم سے، باندی کو خریدا کس سے؟ محرم سے، تو بھی استبرا ضروری ہے۔ شارح آپ کو بتائیں گے کہ باندی کو جس سے خریدا وہ اس کا محرم ہو صرف، قریبی رشتے دار اور محرم دونوں نہ ہوں، کیونکہ اگر دونوں ہیں پھر تو باندی خود ہی آزاد ہو جائے گی پھر خریدنے کا کیا معنی بھئی؟ پھر اس کا بیچنا ہی جائز نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ وہ تو آزاد ہو چکی ہے۔ اس لیے کہا لٰكِنْ غَيْرِ ذِيْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ لَهَا لیکن یہ باندی جو ہے اس کی ذی رحم محرم نہ ہو۔ ذی رحم کس کو کہا؟ قریبی رشتے دار، اور مَحْرَمٍ لَهَا اس کی محرم، اس کی قریبی رشتے دار محرم نہ ہو، یہ غیر کو صرف ذی رحم پر داخل کریں، لیکن وہ غیرِ ذو رحم ہو جو اس کی محرم ہے۔ وہ باندی جو ہے کہا نا اس کی محرم ہو، أَوْ مَحْرَمِهَا محرم تو ہو لیکن غیرِ ذی رحم ہو، قریبی رشتے دار نہ ہو۔ لٰكِنْ غَيْرِ ذِيْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ لَهَا لیکن اس کے غیرِ ذی رحم محرم ہو حَتّٰى لَا تَعْتِقَ الْأَمَةُ عَلَيْهِ یہاں تک کہ باندی اس پر آزاد نہ ہو، ورنہ تو آزاد ہو جائے گی اگر دونوں شرطیں پوری ہوئیں۔

أَوْ مِنْ مَالِ صَبِيٍّ، أَوْ مَشْرِيَّةً مِنْ مَالِ صَبِيٍّ، یا وہ خریدا ہے اس کو مِنْ مَالِ صَبِيٍّ کس سے؟ بچے کے مال سے، یعنی بچے کے مال میں تھی وہ باندی۔ بچہ چھوٹا ایک دو سال کا تین سال کا چھوٹا بچہ صبی ہے بچہ ہے، اس کو مال کہیں سے کسی نے وراثت میں مل گیا ہے یا کسی نے وصیت کر دی تھی۔ بچہ ہے اس کے والد فوت ہو گئے لیکن والد کروڑپتی تھے اس کی باندیاں بھی تھیں، وہ باندیوں کا مالک بیٹا بن گیا۔ اب اس بچے کے مال میں باندی تھی اس کو کسی نے خریدا۔ اب بچے جب بچے کی باندی تھی یہاں تو وطی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جب وطی نہیں تو باندی کے رحم کا پاک ہونا یقینی ہے بظاہر لیکن پھر بھی جب اس سے خریدا تو استحداثِ ملک تو پایا گیا لہٰذا کیا کرنا پڑے گا؟ استبرا کرنا پڑے گا۔ یہ معنی ہے أَوْ مِنْ مَالِ صَبِيٍّ یا ایسی اگرچہ اس کو خریدا ہو بچے کے مال میں سے أَيْ كَانَتِ الْأَمَةُ مِنْ مَالِ صَبِيٍّ یعنی وہ باندی جو ہے بچے کے

مال میں سے تھی اس کو خریدا ہے۔[۴]

فَحَرُمَ عَلَيْهِ وَطْؤُهَا، تو حرام ہے اس شخص پر وہ جو مالک ہے اس پر اس باندی سے وطی کرنا صحبت کرنا وَدَوَاعِيْهِ اور دواعیِ وطی بھی حرام، دواعیِ وطی بھی حرام۔ دواعیِ وطی کیا؟ وہ چیزیں جو وطی کی طرف دعوت دینے، وطی کی طرف لے جانے والی ہیں۔ جیسے بوسہ لینا، بوسہ لینا اور شہوت سے ہاتھ لگانا، اور شرمگاہ کی طرف دیکھنا، یہ سب چیزیں کس طرف لے جانے والی ہیں؟ وطی کی طرف لے جانے والی ہیں یہ سب دواعیِ وطی ہیں۔ یعنی یوں کہو ہر وہ فعل جو بیوی کے ساتھ تو جائز غیر عورت کے ساتھ جائز نہیں وہ جو وطی کی طرف لے جانے والے ہیں وہ افعال، بیوی کے ساتھ جائز غیر عورت کے ساتھ جائز نہ ہوں، تو یہ تو یہ دواعیِ وطی ہیں۔ اور جو حکم وطی کا ہے وہی حکم کس کا ہے؟ دواعیِ وطی، جب وطی اس باندی کے ساتھ حرام تو دواعیِ وطی یعنی اس کا بوسہ لینا یا اس کو چھونا وغیرہ یہ سب بھی حرام ہیں۔

فَحَرُمَ عَلَيْهِ وَطْؤُهَا وَدَوَاعِيْهِ حرام ہے اس پر اس باندی سے وطی کرنا وَدَوَاعِيْهِ اور دواعیِ وطی بھی حَتّٰى يَسْتَبْرِئَ بِحَيْضَةٍ فِيْمَنْ تَحِيْضُ، یہاں تک کہ استبرا کرلے یعنی اس کے رحم کی پاکی حاصل کرلے بِحَيْضَةٍ ایک حیض کے ساتھ فِيْمَنْ تَحِيْضُ ان عورتوں میں جن کو حیض آتا ہو۔ بھئی جو باندی خریدی اس میں تین احتمال ہیں: یا تو وہ بالغہ ہے اس کو حیض آتا ہے، حیض والی ہے۔ یا وہ بہت کم عمر ہے جس کو حیض آتا ہی نہیں۔ یا بہت زیادہ عمر والی ہے اس کو بھی حیض نہیں آتا۔ تو اگر حیض والی ہے تو اس میں استبرا ایک حیض کے ذریعے ہوگا۔ اگر ایسی ہے جس کو حیض نہیں آتا تو وہاں پر ایک مہینے کا اعتبار کریں گے، ایک مہینہ پورا اس کے ساتھ صحبت نہیں کر سکتا۔ اور اگر وہ باندی حاملہ ہے پہلے سے ہی حمل ہے تو جب تک وضعِ حمل نہ ہو جائے وہ حمل کو جنم نہ دے دے اس وقت تک اس کے ساتھ صحبت جائز نہیں۔ تو اسی لیے کہا کہ حَتّٰى يَسْتَبْرِئَ بِحَيْضَةٍ یہاں تک کہ رحم کی پاکی حاصل کرلے بِحَيْضَةٍ ایک حیض کے ساتھ فِيْمَنْ تَحِيْضُ ان عورتوں میں، ان باندیوں میں جن کو حیض آتا ہے، وَبِشَهْرٍ اور ایک ماہ کے ساتھ فِيْ ذَوَاتِ شَهْرٍ مہینوں والیاں، ذَوَاتِ شَهْر مہینوں والیاں یعنی جن کو حیض نہیں آتا وہ تو اس میں پھر ایک ماہ کا اعتبار کریں گے، وَبِوَضْعِ الْحَمْلِ فِي الْحَامِلِ اور استبرا کرلے وضعِ حمل کے ساتھ یعنی حمل کو جنم دینے کے ساتھ فِي الْحَامِلِ اس باندی میں جو حاملہ ہے۔

فِي الْحَامِلِ، حَامِل میں گول ت ساتھ نہیں جوڑی، کیونکہ گول ت فرق کرنے کے لیے لاتے ہیں بَيْنَ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ اور حاملہ ہونا یہ تو صرف عورتوں کی صفت ہے لہٰذا یہاں گول ت جوڑنے کی ضرورت بھی نہیں۔ جیسے طَالِقٌ، طَالِقٌ طلاق والی، طلاق تو صرف عورت کی صفت ہوتی ہے لہٰذا وہاں بھی گول ت جوڑنے کی ضرورت نہیں۔ یا جیسے حَائِضٌ، حیض والی، حیض بھی چونکہ صرف عورت کو آتا ہے تو وہاں بھی گول ت جوڑ کر فرق کرنے کی ضرورت نہیں۔

---

[۴] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۰۰): صوتی درس کی قراءت میں «أَوْ مَشْرِيَّةً مِنْ مَالِ صَبِيٍّ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «أو من مالِ صبيّ،» منقول ہے۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں فَإِنَّ الْحِكْمَةَ فِي الْاِسْتِبْرَاءِ تَعَرُّفُ بَرَاءَةِ الرَّحِمِ۔ رَحْم اور رَحِم دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، ح کو ساکن بھی اور ح کے نیچے زیر بھی۔ فَإِنَّ الْحِكْمَةَ فِي الْاِسْتِبْرَاءِ کیونکہ حکمت جو ہے استبرا کے اندر بھئی استبرا کیوں کیا جاتا ہے، اس کی حکمت کیا ہے فائدہ کیا ہے اس کا فلسفہ کیا ہے؟ کہتے ہیں بھئی فَإِنَّ الْحِكْمَةَ فِي الْاِسْتِبْرَاءِ تو استبرا کے اندر حکمت جو ہے تَعَرُّفُ بَرَاءَةِ الرَّحِمِ وہ جاننا ہے رحم کی پاکی کو، رحم کے پاک ہونے کو جاننا ہے کہ رحم پاک ہے، صِيَانَةً لِلْمَاءِ الْمُحْتَرَمِ عَنِ الْاِخْتِلَاطِ، صِيَانَة کا معنی بچانا، بچانے کے لیے لِلْمَاءِ الْمُحْتَرَمِ حرمت والے پانی کو یعنی منی کو عَنِ الْاِخْتِلَاطِ کس سے؟ اختلاط سے، ملنے سے۔

وَذٰلِكَ عِنْدَ حَقِيْقَةِ الشُّغْلِ أَوْ تَوَهُّمِ الشُّغْلِ بِمَاءٍ مُحْتَرَمٍ لٰكِنَّهٗ أَمْرٌ خَفِيٌّ۔ لیکن یہ جو ہے یہ، یہ اس وقت ہو گا یہ حکمت اس وقت پائی جائے گی جب رحم حقیقتاً ماءِ محترم کے ساتھ مشغول ہو، یعنی حقیقتاً مالک نے اس کے ساتھ وطی کی تھی پچھلے مالک نے وطی کی تھی، تو اب تو یہ جب وطی کی ہے تو یقیناً اس کا رحم کس کے ساتھ مشغول ہے؟ ماءِ محترم کے ساتھ مشغول ہے۔ اور بعض جگہ حقیقتاً مشغول تو نہیں ہوتا یا یوں کہیں حقیقتاً وہاں وہم ہوتا ہے، احتمال ہے، احتمال ہے، تو اس وقت پھر یہ استبرا ہوتا ہے استبرا کیا جائے گا۔

استبرا میں حکمت کیا ہے کہ رحم کی پاکی کو پہچانا جائے، اور رحم کی پاکی کو پہچاننا اسی جگہ پر ہو گا جہاں پر یہ احتمال ہو کہ رحم شاید واقعی ماءِ محترم کے ساتھ کیا ہے؟ مشغول ہے، یعنی پچھلے مالک نے اس کے ساتھ وطی کی ہے، یا جہاں احتمال ہے امکان ہے، امکان ہے تو وہاں استبرا کیا جائے گا استبرا۔ لیکن کہتے ہیں یہ تو امرِ خفی ہے اس کا پتا چل ہی نہیں سکتا۔ آپ خرید رہے ہیں پتا نہیں مالک آپ کو بتاتا ہے یا نہیں بتاتا کہ میں نے اس کے ساتھ اس طہر میں وطی کی ہے یا وطی نہیں کی۔ تو چونکہ یہ ایک امرِ خفی ہے اور شریعت امرِ خفی کو علت نہیں بناتی وہ امرِ ظاہر کو علت بناتی ہے تاکہ لوگوں کو پتا تو چلے۔ جیسے دیکھو نیند کے اندر، نیند کے اندر چونکہ احتمال ہے خروجِ نجاست یعنی ہوا کے خارج ہونے کا، لیکن وہ تو امرِ خفی ہے کوئی شخص سو گیا پتا نہیں اب خروجِ ہوا ہو خروجِ ریح ہے یا نہیں۔ اگر خروجِ ریح ہے تو وضو ٹوٹ گیا، اگر خروجِ ریح نہیں تو وضو بھی نہیں ٹوٹا۔ لیکن

چونکہ ایک امرِ خفی ہے وہ سو گیا اسے تو پتا ہی کچھ نہیں ہے، تو شریعت نے اس امرِ خفی پر علت کا، اس کو علت نہیں بنایا بلکہ نیند ہی کو علت بنا دیا جو امرِ ظاہر تھا، بس سونے ہی کو کیا بنا دیا؟ جو سو گیا اس کا وضو ٹوٹ گیا، اور تفصیل آپ وضو وغیرہ کے مسائل میں پڑھ چکے ہیں۔ تو یہاں پر بھی، یہاں پر بھی استبرا کیا جائے گا کہ جب وہ رحم کیا ہو ماءِ محترم کے ساتھ مشغول ہو یا اس میں ماءِ محترم کے ساتھ مشغول ہونے کا احتمال ہو، لیکن چونکہ یہ ایک امرِ خفی ہے یہ تو پتا چل ہی نہیں سکتا کہ رحم مشغول ہے یا مشغول نہیں ہے، لہٰذا شریعت نے جو علت قرار دیا وہ امرِ ظاہر کو بنا دیا اور وہ ہے استحداثِ ملک۔ کس کو بنا دیا؟ استحداثِ ملک۔ یہ جو خریدنے کے بعد اب استحداثِ ملک یہ تو معلوم ہے نا؟ نئی ملکیت آئی ہے یہ تو سب کو

پتا لگ رہی ہے کہ اس نے نئی خریدی ہے یا اس کو ملی ہے، تو اس صورت میں بھی اسی کو شریعت نے علت قرار دے دیا۔ وہ امرِ خفی کو علت نہیں بنایا کیونکہ اس کا تو پتا چل ہی نہیں سکتا، یہ اس امرِ ظاہر کو یعنی استحداثِ ملک کو استبرا کی علت بنا دیا۔ اب جہاں استحداثِ ملک ہو گا وہاں پر استبرا ہو گا، اور جہاں استحداثِ ملک نہیں، نئی ملکیت نہیں پائی جا رہی، وہاں استبرا بھی نہیں ہو گا۔

تو کہتے ہیں وَذٰلِكَ اور یہ جو حکمت ہے استبرا کی عِنْدَ حَقِيْقَةِ الشُّغْلِ یا تو یہ حقیقتاً اس کے رحم کے مشغول ہونے کی صورت میں ہو گا أَوْ تَوَهُّمِ الشُّغْلِ یا جہاں پر مشغول ہونے کا وہم ہو کس کے ساتھ؟ بِمَاءٍ مُحْتَرَمٍ ماءِ محترم کے ساتھ، لٰكِنَّهٗ أَمْرٌ خَفِيٌّ لیکن یہ تو ایک پوشیدہ معاملہ ہے، فَأُدِيْرَ الْحُكْمُ عَلٰى أَمْرٍ ظَاهِرٍ تو حکم کا مدار رکھا گیا عَلٰى أَمْرٍ ظَاهِرٍ کس پر؟ امرِ ظاہر پر، وَهُوَ اسْتِحْدَاثُ الْمِلْكِ اور وہ ملکِ جدید کا پایا جانا ہے نئی ملکیت کا پایا جانا ہے، وَإِنْ كَانَ عَدَمُ وَطْءِ الْمَوْلٰى مَعْلُوْمًا اگرچہ آقا کا وطی نہ کرنا معلوم ہو۔ بعض صورتوں میں تو آقا کا وطی نہ کرنا یقینی طور پر معلوم ہے، جیسے باندی کس سے خریدی ہے؟ عورت سے، یا باندی کس سے خریدی ہے؟ بچے کے مال میں سے، یا باندی کس سے خریدی ہے؟ غلام سے، یا باندی کس سے خریدی؟ اپنے محرم سے، ان سب صورتوں میں تو اگرچہ آقا جو تھا پچھلا مالک تھا اس کا وطی نہ کرنا یقینی طور پر معلوم ہے لیکن دارومدار شریعت نے کس پر رکھ دیا؟ امرِ ظاہر، اور وہ ہے استحداثِ ملک۔ تو کہتے ہیں وَإِنْ كَانَ عَدَمُ وَطْءِ الْمَوْلٰى مَعْلُوْمًا اگرچہ آقا کا وطی نہ کرنا وہ معلوم ہو كَمَا فِي الْأُمُوْرِ الَّتِيْ عَدَّهَا جیسے کہ ان امور میں جن کو ماتن نے شمار کیا، پیچھے جو آیا تھا اگر وہ باکرہ ہو یا بچے سے خریدا یا عورت سے خریدا یا اپنے محرم سے خریدا، یہ جن کو جو اس نے شمار کروا دیا متن میں۔ جیسے کہ ان امور میں جن کو ماتن نے شمار کروایا، وَهِيَ قَوْلُهٗ وَلَوْ بِكْرًا اور یہ ماتن کا قول وَلَوْ بِكْرًا سے لے کر إِلٰى آخِرِهٖ آخر تک ہے۔

فَإِنَّ الْحِكْمَةَ تُرَاعٰى فِي الْجِنْسِ لَا فِيْ كُلِّ فَرْدٍ اس لیے کیونکہ حکمت جو ہے فائدہ ہے، فائدہ جو ہے اس کی رعایت پوری جنس میں رکھی جاتی ہے لَا فِيْ كُلِّ فَرْدٍ ہر فرد میں نہیں۔ بھئی جب حکم لگایا جاتا ہے تو پورے تمام افراد پر حکم، پوری جنس پر حکم لگتا ہے، ہر ہر فرد پر علیحدہ حکم نہیں لگتا، کیونکہ بعض افراد تو اس کے اندر داخل ہی نہیں ہو رہے تو اگر ان کو ہم نکالیں گے تو بڑی مشکل پیش آئے گی۔ بس ایک عمومی حکم لگا دیا جاتا ہے تمام افراد پر، کس پر؟ تمام افراد پر، پوری جنس پر لگا دیا جاتا ہے۔ یہاں پر بھی پوری جنس پر کہ جب بھی باندی میں کیا ہو گا؟ استحداثِ ملک، جس جو بھی باندی ہے پوری باندیوں کی جنس، اب چاہے وہ باکرہ ہو چاہے وہ باندی کسی بچے سے خریدی گئی ہو چاہے وہ محرم سے خریدی گئی ہو چاہے غلام سے خریدی گئی ہو، سب اس کے اندر آگئیں۔ تمام باندیوں میں جب بھی استحداثِ ملک ہو گا کیا ضروری؟ استبرا ضروری ہے۔ یہ معنی ہے فَإِنَّ الْحِكْمَةَ تُرَاعٰى فِي الْجِنْسِ لَا فِيْ كُلِّ فَرْدٍ حکمت جو ہوتی ہے اس کی رعایت پوری جنس میں رکھی جاتی ہے لَا فِيْ كُلِّ فَرْدٍ ہر فرد میں نہیں۔

وَلٰكِنْ يَّرِدُ عَلَيْهِ لیکن اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے۔ اشکال یہ کریں گے آگے آپ کو بتائیں گے کہ بھئی پوری جنس پر تو ٹھیک ہے، حکم پوری جنس پر لگایا جاتا ہے لیکن یہ تو وہاں پر ہے نا جہاں پر مختلف قسم کی مختلف قسم کی انواع نہ ہوں، مختلف قسم کی انواع نہ ہوں۔ اگر مختلف قسم کی انواع اور اقسام بن سکتی ہیں پھر تو رعایت رکھی جا سکتی ہے۔ مثلاً باندیوں کے اندر کئی قسمیں بن سکتی ہیں: ایک وہ باندیاں جو ایسے شخص سے خریدی گئیں جو وطی کر سکتا ہے، ایک وہ باندی جو خریدی گئی وہ کیا ہے باکرہ ہے یہ ایک الگ قسم، ایک وہ باندی جو کس سے خریدی گئی محرم سے خریدی گئی وہ الگ قسم، تو کئی کئی قسمیں بن سکتی ہیں۔ تو قسموں کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ حکم بیان کر دو۔ قسموں کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ حکم۔ جس میں وطی کا احتمال ہے وہاں استبرا لازم قرار دے دو، جہاں وطی کا احتمال نہیں ہے وہاں استبرا کو لازم قرار نہ دو۔ قسمیں بن سکتی ہیں کہ نہیں بن سکتی تفصیل؟ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو ایک ایک فرد میں تو ٹھیک ہے حکم لگانا مشکل ہے لیکن جب کئی انواع بن سکیں تو انواع تو آرام سے بن سکتی ہیں نا اس میں تو ساری باکرہ انواع باکرہ باندیاں، ساری دنیا کی باکرہ باندیاں اس کے اندر داخل ہو گئیں، جب بھی خرید و فروخت ہو گی ان پہ کہہ دو کہ استبرا نہیں ہونا چاہیے۔ یہ جو بھی باندیاں بچے سے خریدی جائیں ان کا یہ تو ایک نوع ہو گئی اس کا حکم دے دو کہ اس میں استبرا نہیں ہونا چاہیے۔

تو کہتے ہیں وَلٰكِنْ يَّرِدُ عَلَيْهِ لیکن اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ إِنَّ الْحِكْمَةَ لَا تُرَاعٰى فِيْ كُلِّ فَرْدٍ کہ حکمت کی رعایت ہر فرد میں تو نہیں رکھی جاتی لٰكِنْ تُرَاعٰى فِي الْأَنْوَاعِ الْمَضْبُوْطَةِ لیکن اس کی رعایت رکھی جاتی ہے ان اقسام میں الْمَضْبُوْطَةِ جو محفوظ ہوں، منضبط ہوں محفوظ یعنی الگ الگ اقسام منضبط ہوں مرتب ہوں، تو اس کی رعایت رکھی جا سکتی ہے ان انواع میں جو مضبوط ہوں یعنی محفوظ ہوں۔ فَإِنْ كَانَتِ الْأَمَةُ بِكْرًا اگر باندی جو ہے وہ باکرہ ہو یہ ایک نوع، أَوْ مَشْرِيَّةً مِّمَّا لَا يَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا مِنْهُ یا وہ خریدی گئی ہو اس شخص سے کہ اس سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوتا، لَا يَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا مِنْهُ کہ اس سے اس کے باندی کے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوتا۔ وَهُوَ أَنْ يَّكُوْنَ الْوَلَدُ ثَابِتَ النَّسَبِ، وَهُوَ یہ عبارت ذرا مشکل ہے اس کو سمجھ لیں۔ دیکھو ایک شخص نے ایک باندی خریدی اور کس سے خریدی؟ غلام سے خریدی، اب غلام کا تو وطی کا احتمال وہاں نہیں کیونکہ غلام تو اس کا مالک ہی نہیں عبدِ مأذون کی بات کر رہا ہوں۔ یا باندی کو اسی کے باندی کے محرم سے خرید لیا اس کا رضاعی بھائی تھا اس سے کیا کیا باندی کو خریدا، اب اس باندی کا بچہ ہے اور یہ بات یقینی ہے یہ بچہ اس سے نہیں ہے کیونکہ یہ تو اس کا رضاعی بھائی ہے، تو اس بچے کا نسب معلوم ہوا کسی اور سے ثابت ہے کوئی، کوئی جو پچھلا مالک تھا اس سے ثابت ہے یا اس کا کسی سے نکاح کروایا تھا کچھ مدت پہلے بعد میں اس نے بے شک طلاق دے دی یا چاہے ہو، تو بچے کا نسب کس سے ثابت ہے؟ اس دوسرے شخص سے، اس مالک جس سے خرید رہا ہے اس سے بچے کا نسب ثابت نہیں ہے۔ تو پھر اس صورت میں تو استبرا واجب نہیں ہونا چاہیے۔ بے شک اولاد بھی ہے لیکن اس مالک

سے تو نہیں ہے، یہاں پر تو وطی کا احتمال نہیں کیونکہ یہ تو اس کا رضاعی بھائی ہے یا یہ تو غلام ہے۔ تو اس صورت میں تو اس صورت میں تو استبرا واجب نہیں ہونا چاہیے۔ تو آگے آپ کو جواب دیں گے کہ بھئی دراصل اس میں نص آئی ہے۔ ٹھیک ہے آپ کی بات، انواع یہاں بنائی جا سکتی تھیں: کچھ وہ باندیاں جہاں احتمال مشغولیت کا ماءِ محترم کے ساتھ ہو کچھ وہ ہیں جن میں مشغولیت کا احتمال نہ ہو، لیکن یہاں دراصل نص آئی ہے اور نص وہ یہ ہے کہ وہ قبیلہ اوطاس کے ساتھ مسلمانوں کی جنگ ہوئی اور وہاں سے جو قیدی عورتیں آئیں تو وہ باندیاں جو بنائی گئیں تو حضور علیہ السلام نے وہاں پر فرمایا کہ خبردار جو ان میں سے حاملہ ہیں ان وہ جب تک وہ حمل کو جنم نہ دے دیں جنم نہ دے دیں اس وقت تک مالک ان کا وہ پھر صحابہ میں تقسیم ہوئیں نا قیدی وہ مالِ غنیمت کے طور پر، تو حضور نے فرمایا خبردار ان میں سے جو حاملہ ہیں ان کے ساتھ مالک جو ہے وہ صحبت نہ کرے جب تک وہ حمل کو جنم نہ دے دیں، اور جو ان میں سے حمل والیاں نہیں ہیں ان سے بھی خبردار کوئی وطی نہ کرے جب تک استبرا نہ کر لے جب تک استبرا نہ کر لے۔ تو دیکھو اس میں تو حالانکہ ہر طرح کی باندیاں تھیں وہاں، اس میں باکرہ بھی ہونے کا احتمال تھا اس میں محرم سے خرید محرم جو کسی محرم کی باندی تھی اس کا بھی احتمال تھا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی فرق نہیں کیا سب کا ایک ہی حکم بیان کر دیا کہ حمل والیاں ہیں تو وضعِ حمل تک انتظار کرو اور جو غیرِ حمل والیاں ہیں ان سے کیا کرو استبرا ان میں کرو۔

فَإِنْ كَانَتِ الْأَمَةُ بِكْرًا اگر باندی جو ہے وہ باکرہ ہو أَوْ مَشْرِيَّةً یا خریدی گئی ہو مِمَّنْ لَّا يَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا مِنْهُ اس شخص سے کہ اس کے بچے کا نسب اس سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ وَهُوَ یہ هُوَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ اس میں علماء بڑے پریشان ہوتے ہیں۔ بعض شارحین نے اچھا ترجمہ کیا وہ فرماتے ہیں یہ هُوَ ضمیر راجع ہے یہ لَا يَثْبُتُ سے جو عدمِ ثبوت معلوم ہو رہا ہے۔ پیچھے کیا آیا؟ لَا يَثْبُتُ۔ لَا يَثْبُتُ سے کیا معلوم ہوا؟ عدمِ ثبوت۔ جیسے قرآن میں آیا تھا اِعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا کے ضمن میں کیا پتا لگ گیا تھا؟ عدل، تو اِعْدِلُوْا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى تو هُوَ ضمیر اِعْدِلُوْا کے ضمن میں جو عدل۔ یہاں پر بھی لَا يَثْبُتُ کے ضمن میں کیا معلوم ہو گیا؟ عدمِ ثبوت، تو عدمِ ثبوتِ نسب اس کو یہ هُوَ ضمیر راجع ہے۔ اور أَنْ يَّكُوْنَ یہاں پر ب محذوف ہے بِأَنْ يَّكُوْنَ۔ اور وہ عدمِ ثبوت کس طرح ہے؟ وَهُوَ اور وہ عدمِ ثبوت اس شخص سے بِأَنْ يَّكُوْنَ بایں صورت ہے کہ الْوَلَدُ ثَابِتَ النَّسَبِ کہ وہ بچہ جو باندی کا ہے وہ کیا ہے ثابت النسب ہو یعنی پچھلے مالک سے ہو یا کسی سے نکاح کروایا تھا۔ تو يَنْبَغِيْ أَلَّا يَجِبَ تو مناسب یہ ہے ان صورتوں میں استبرا واجب نہیں ہونا چاہیے لِأَنَّ عَدَمَ الشُّغْلِ بِالْمَاءِ الْمُحْتَرَمِ مُتَيَقَّنٌ فِيْ هٰذِهِ الْأَنْوَاعِ اس لیے کیونکہ مشغول نہ ہونا رحم کا ماءِ محترم کے ساتھ یہ یقینی ہے ان انواع میں۔

وَالْجَوَابُ اور جواب یہ کہ أَنَّهٗ إِنَّمَا يَثْبُتُ بِالنَّصِّ کہ یہ جو ہے استبرا ثابت ہے نص کی وجہ سے، کس کی وجہ سے؟ نص کی وجہ سے۔ لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَبَايَا أَوْطَاسٍ بوجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک کے اوطاس کے قیدیوں کے بارے میں قبیلہ اوطاس کے قیدیوں کے بارے میں۔ حضور نے فرمایا: أَلَا لَا تُوْطَأُ الْحَبَالٰى، حُبَالٰی ح پر

ضمہ ہے میری کتاب میں یہ غلط ہے بھئی، ح پر فتحہ ہونا چاہیے، أَلَا سنو یا أَلَا خبردار، خبردار لَا تُوْطَأُ الْحَبَالٰی وطی نہ کی جائے صحبت نہ کی جائے حاملہ باندیوں سے حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ یہاں تک کہ وہ حمل کو جنم دے دیں، وَلَا الْحَیَالٰی، حَیَالٰی جو غیرِ حاملہ ہیں، اور نہ غیرِ حاملہ سے صحبت کی جائے حَتّٰی یَسْتَبْرِئْنَ بِحَیْضَةٍ یہاں تک کہ وہ اپنے رحم کو پاک کر لیں صاف کر لیں ایک حیض کے ساتھ۔ فَإِنَّ السَّبَایَا لَا تَخْلُوْ، اب وہی بات بیان کر رہے ہیں کہ یہ باندیاں ہر طرح کی تھیں لیکن حضور نے سب کے لیے ایک ہی حکم دے دیا۔ فَإِنَّ السَّبَایَا لَا تَخْلُوْ مِنْ أَنْ یَّكُوْنَ فِیْهَا بِكْرٌ کہ یہ باندیاں جو تھیں وہ خالی نہیں تھیں اس سے کہ ان میں کیا ہوں باکرہ ہوں أَوْ مَسْبِیَّةٌ مِّنِ امْرَأَةٍ یا وہ قیدی بنائی گئی ہو کسی عورت سے یعنی کسی عورت کی باندی تھی اب اس کو قیدی بنا لیا گیا وَنَحْوُ ذٰلِكَ یا اس جیسی ہو۔ وَمَعَ هٰذَا اور اس کے باوجود حَكَمَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حُكْمًا عَامًّا حضور علیہ السلام نے ایک عام حکم ارشاد فرمایا عام حکم دیا فَلَا یَخْتَصُّ بِالْحِكْمَةِ لہٰذا یہ حکم جو ہے حکمت کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ جہاں براءت کی ضرورت ہے وہاں براءت ہو جہاں ضرورت نہیں وہاں نہ ہو نہیں نہیں نہیں، حکمت کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ یعنی جہاں دیکھو حکمت کیا تھی استبرا کی؟ کہ رحم کا پاک ہونا معلوم ہو جائے، اور کچھ کا تو یقینی ہے پہلے سے ہی یقینی ہے پاک ہونا، لیکن حکمت کو نہیں دیکھا جائے گا یہاں کہ یہاں حکمت ہے اس کی یہاں فائدہ ہو رہا ہے اس کا یہاں فائدہ نہیں۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ کہ بعض میں تو ضرورت ہی نہیں ہے تو یہاں تو فائدہ ہی نہیں ہو رہا استبرا کا، کہتے ہیں نہیں بھئی حکمت کو نہیں دیکھیں گے بس ایک عام حکم حضور نے دے دیا اب سب پر یہ لاگو ہو گا۔ تو کہتے ہیں فَلَا یَخْتَصُّ بِالْحِكْمَةِ تو یہ حکم جو ہے علت کے ساتھ یہ حکم جو ہے حکمت کے ساتھ خاص نہیں ہے کہ جہاں حکمت ہو پایا جائے اور جہاں نہ ہو نہ پایا جائے بلکہ ہر جگہ پایا جائے گا۔

كَمَا أَنَّهُ تَعَالٰی بَیَّنَ الْحِكْمَةَ فِیْ حُرْمَةِ الْخَمْرِ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے حکمت کو فِیْ حُرْمَةِ الْخَمْرِ شراب کی حرمت میں۔ شراب کو اللہ نے حرام قرار دیا اور قرآن میں اللہ فرماتے ہیں اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ شراب کو کیوں حرام قرار دیا گیا، اس کو حرام قرار دینے میں کیا فائدہ ہے؟ تو قرآن میں اللہ فرماتے ہیں کہ إِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطَانُ

أَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ، کہ شیطان چاہتا ہے کہ وہ واقع کر دے تمہارے درمیان الْعَدَاوَةَ دشمنی وَالْبَغْضَاءَ اور بغض فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ کس کے کس کے ذریعے؟ شراب اور جوئے کے ذریعے۔ شراب اور جوئے کے ذریعے شیطان چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کر دے وَیَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اور وہ تمہیں روک دے اللہ کے ذکر سے وَعَنِ الصَّلٰوةِ اور نماز۔ شیطان یہ چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان دشمنی بھی پیدا کر دے شراب اور جوئے کے ذریعے اور تمہیں اللہ کے ذکر سے بھی روک دے وَعَنِ الصَّلٰوةِ اور نماز سے بھی روک دے فَهَلْ أَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ پس کیا تم باز آؤ گے؟ کیا تم رک جاؤ گے؟

تو یہ حکمت بیان ہوئی کہ یہ شراب اور جوئے سے کیوں روکا گیا؟ کیونکہ شراب اور جوا آپس میں دشمنی پیدا کرتی ہے اور یہ تمہیں نماز سے روکتی ہے۔ شراب ہوگا انسان ہوش میں ہی نہیں ہوگا کسی کو کچھ کہہ رہا ہے کسی کو کچھ کہہ رہا ہے تو ظاہر سی بات ہے وہ لڑائی ہوگی دشمنیاں ہوں گی۔ جیسے آپ یورپ وغیرہ میں بھی دیکھتے ہیں کتنے ہی انہوں نے قوانین بنا لیے لیکن چونکہ شراب نوشی پر پابندی نہیں لگاتے کیونکہ اس کے ذریعے وہ ارب ہا روپے کماتے ہیں پابندی نہیں لگاتے، تو ان کے ہاں دن رات اسی پر جھگڑے چل رہے ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح یہ نماز سے بھی روکنے والی ہے اس کا نشہ تو کتنی دیر تک رہے گا انسان نماز کے لیے جا ہی نہیں سکتا اس کو ہوش ہی کوئی نہیں اپنا۔

اب ایک شخص کہتا ہے کہ بھئی میں تو تھوڑی سی شراب پیتا ہوں۔ جب تھوڑی سی پیتا ہوں تو اتنا مدہوش نہیں ہوتا کہ مجھے برے بھلے کی تمیز نہ رہے لہٰذا میری کسی سے پھر لڑائی اور دشمنی بھی نہیں ہوتی۔ اور نیز تھوڑی سی پیتا ہوں نماز سے بھی مجھے نہیں روکتی مجھے پورا ہوش ہوتا ہے اپنا۔ تو کہتے ہیں نہیں اب آپ کہیں کہ یہاں چونکہ حکمت نہیں ہے، اس سے شراب سے روکنے کا فائدہ نہیں ہے، یہاں اگرچہ حکمت نہ بھی ہو ایک حکم عام دے دیا گیا کہ بس شراب کیا ہے اس سے روک دیا گیا منع کر دیا گیا۔ ورنہ تو اگر بعض جگہ اجازت ہو پینے کی اور بعض جگہ اجازت نہ ہو پھر تو بڑی خرابی پیدا ہو جائے گی لوگ بڑی جرات کرنے لگیں گے ہر جگہ راستہ نکال کر شراب نوشی شروع کر دیں گے۔

تو کہتے ہیں كَمَا أَنَّهُ تَعَالٰى بَيَّنَ الْحِكْمَةَ فِيْ حُرْمَةِ الْخَمْرِ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کے حرام ہونے کی حکمت بیان فرمائی ہے بِقَوْلِهٖ اپنے اس قول کے ذریعے إِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُّوْقِعَ الْآيَةَ کہ شیطان جو ہے وہ چاہتا ہے کہ واقع کر دے تمہارے درمیان، الْآيَةَ أَيِ اقْرَإِ الْآيَةَ یہ مفعول ہے اِقْرَأْ فعل محذوف ہے کہ آیت باقی آپ پڑھ لیجیے، یا الْآيَةُ مَعْلُوْمَةٌ یہ آیت آپ کو معلوم ہے مبتدا بنا لو خبر محذوف ہے۔ فَلَا يُمْكِنُ أَنْ يَّقُوْلَ أَحَدٌ لہٰذا یہ ممکن نہیں ہے یعنی یہ جائز نہیں ہے کوئی شخص یہ کہے إِنِّيْ أَشْرَبُهَا میں تو شراب پیتا ہوں بِحَيْثُ اس طور پر کہ لَا يَقَعُ الْعَدَاوَةُ کہ دشمنی واقع نہیں ہوتی یعنی تھوڑی سی پیتا ہوں وَلَا يَصُدُّنِيْ عَنِ الصَّلٰوةِ اور نیز تھوڑی سی پیتا ہوں یہ مجھے نماز سے بھی نہیں روکتی۔ فَإِذَا كَانَتِ الْمَصْلَحَةُ غَالِبَةً فِيْ تَحْرِيْمِهٖ جب مصلحت یعنی فائدہ غالب ہے شراب کے حرام کرنے میں، اس کے حرام کرنے میں فائدہ غالب ہے ہر جگہ فائدہ ہے، اب ایک دو جگہ کوئی شخص یہ کہہ کر اس کے اس سے اپنے آپ کو نکال لے یہ جائز نہیں۔ جب مصلحت جو ہے غالب ہے شراب کے حرام کرنے میں یعنی فائدہ اس کا زیادہ ہے تو فَالشَّرْعُ يُحَرِّمُ عَلَى الْعُمُوْمِ تو شریعت اس کو حرام قرار دیتی ہے عمومی طور پر یعنی پورے طور پر لِمَا أَنَّ فِي التَّخْصِيْصِ مَا لَا يَخْفٰى مِنَ الْخَبْطِ اس وجہ سے کہ اس کی تخصیص کے اندر، یعنی اگر خاص کر دیا جائے ان ان صورتوں میں حرام ہے باقی صورتوں میں حرام نہیں تخصیص کر دی جائے، تو کہتے ہیں لِمَا أَنَّ فِي التَّخْصِيْصِ مَا بوجہ اس کے کہ اس کی تخصیص کرنے میں مَا لَا يَخْفٰى وہ ہے جو مخفی نہیں بھئی وہ کیا چیز؟ مِنَ الْخَبْطِ

یعنی خرابی۔ اس میں وہ خرابی ہے جو کسی پر پوشیدہ نہیں اگر تخصیص کر دی جائے تو اتنی خرابی پیدا ہو جائے گی ہر شخص پیے گا اپنے لیے راستہ نکالے گا۔ لِمَا أَنَّ فِي التَّخْصِيْصِ مَا لَا يَخْفٰى مِنَ الْخَبْطِ بوجہ اس کی تخصیص کے اندر وہ خرابی ہے، تو یہ خَبْط کا یہ مِنَ الْخَبْطِ یہ بیان ہے مَا لَا يَخْفٰى کا۔ أَنَّ فِي التَّخْصِيْصِ اس کی تخصیص میں مَا لَا يَخْفٰى وہ چیز ہے جو کسی پر مخفی نہیں، بھئی وہ کیا چیز ہے؟ مِنَ الْخَبْطِ یعنی کہ خرابی۔ تو یہ خبط یہ مِنَ الْخَبْطِ یہ بیان ہے مَا کا کہ مَا سے کیا مراد ہے بتلا دیا مَا سے مراد خبط ہے خرابی ہے۔ تو یوں کرو اس مَا کی جگہ اس خبط کے لفظ کو لے آؤ اور اب ترجمہ کرو: لِمَا أَنَّ فِي التَّخْصِيْصِ اس لیے کیونکہ اس کی تخصیص کرنے میں مَا لَا يَخْفٰى وہ خرابی ہے جو کسی پر پوشیدہ نہیں ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟

وَتَجَاسُرِ النَّاسِ اور نیز یہ لوگوں کی جرات کرنا، تَجَاسُر کہتے ہیں یہ بھی اسی کا بیان ہو رہا ہے، اس کی تخصیص میں وہ خرابی ہے اور لوگوں کی وہ جرات ہے جو کسی پر مخفی نہیں۔ دیکھو وَتَجَاسُرِ النَّاسِ اور لوگوں کی جرات کرنا بِحَيْثُ تَرْتَفِعُ الْحِكْمَةُ اس طور پر کہ حکمت اٹھ ہی جائے گی، حکمت تو ختم ہی ہو جائے گی، ہر ایک اپنے لیے راستہ نکالے گا یعنی لوگ جرات کریں گے۔ تو اس کی تخصیص میں مَا لَا يَخْفٰى وہ چیز ہے جو کسی پر مخفی نہیں، اب مَا سے کیا مراد ہے؟ دو چیزیں: ایک تو مِنَ الْخَبْطِ خرابی وَتَجَاسُرِ النَّاسِ اور لوگوں کی جرات، کیونکہ اس کی تخصیص میں وہ خرابی اور جرات ہے لوگوں کی جو کسی پر مخفی نہیں ہے۔

فَإِذَا ثَبَتَ الْحُكْمُ فِي السَّبْيِ عَلَى الْعُمُوْمِ، جب یہ حکم ثابت ہو گیا قید کرنے کے بارے میں عَلَى الْعُمُوْمِ عمومی طور پر۔ اب یہ پھر اسی واپس مسئلے کی طرف چلے گئے وہ جو باندیوں کا مسئلہ چل رہا تھا۔ پس جب یہ حکم ثابت ہو گیا قید کرنے میں عَلَى الْعُمُوْمِ کس طریقے پر؟ حضور نے تمام باندیوں کے لیے عمومی طور پر استبرا کا حکم دیا اور وضعِ حمل کا یا خاص کے لیے حکم دیا؟ تمام۔ تو وہی بیان کہ جب یہ حکم ثابت ہو گیا فِي السَّبْيِ قید کرنے میں عَلَى الْعُمُوْمِ عمومی طور پر ثَبَتَ فِيْ سَائِرِ أَسْبَابِ الْمِلْكِ تو یہی حکم ثابت ہو جائے گا تمام اسبابِ ملک میں كَذٰلِكَ اسی طرح قِيَاسًا قیاس کرتے ہوئے۔ جہاں بھی کوئی مالک بنے گا باندی کا، جیسے وہ کس میں بنے تھے مالک؟ مالِ غنیمت کے اندر مالک بنے، تو جہاں بھی مالک بنے گا کوئی باندی کا کسی بھی انداز میں تو وہ وہاں یہی حکم آجائے گا یعنی استبرا۔

فَإِنَّ الْعِلَّةَ مَعْلُوْمَةٌ کیونکہ علت معلوم ہے، دیکھو فَ کا ترجمہ میں کیا کر رہا ہوں؟ کیونکہ، کیونکہ۔ فَإِنَّ الْعِلَّةَ مَعْلُوْمَةٌ کیونکہ اس کی علت معلوم ہے اور وہ کیا؟ استحداثِ ملک۔ ثُمَّ تَأَيَّدَ ذٰلِكَ بِالْإِجْمَاعِ پھر اس کی تائید ہو گئی اجماع کے ذریعے۔ ایک تو علت ویسے معلوم تھی، حدیث، حدیث اور حدیث خبرِ واحد تھی، لیکن پھر اس پر تمام علماء فقہاء کا اجماع ہو گیا کہ جہاں بھی استحداثِ ملک ہو گا وہاں کیا ہو گا؟ استبرا، تو اجماع بھی ہو گیا اور اجماع تو قطعی دلیل ہے بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا اس کی تائید ہو گئی اجماع سے۔

بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھئی؟ ہاں۔ تو اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئی ہو تو کل پھر اس کو ذرا مختصر طور پر کر لیں گے ان شاء اللہ پھر پورا آپ کو سمجھ میں آجائے گا۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، اللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۶: فصل فی الاستبراء: باندی کے استبرائے رحم کے احکام، شرائط اور وطی و عزل کے مسائل

شرح الوقایہ صفحہ: ۵۳ — بتاریخ: ۱۹ دسمبر ۲۰۱۹ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

اچھا آگے دیکھیے سبق بھئی، پہلے یاد رکھیے کل کے سبق میں سے کچھ آخر میں جو عبارت تھی ذرا ہم نے جلدی جلدی کر لی، تو شاید کسی کو سمجھ میں پوری طرح بات نہ آئی ہو۔ تو کل کے سبق کی آخر کی عبارت دوبارہ کر لیں گے اور ساتھ اگلا سبق بھی کر لیں گے۔ ابھی ذرا اگلی عبارت دیکھ لیں جہاں سے پھر ہم نیا سبق شروع کریں گے۔

وَلَمْ تَكْفِ حَيْضَةٌ مَلَكَهَا فِيهَا وَلَا الَّتِي قَبْلَ الْقَبْضِ، وَلَا الْوِلَادَةُ كَذٰلِكَ، وَتَجِبُ فِي شِرَاءِ أَمَةٍ إِلَّا شِقْصًا هُوَ لَهُ لِأَنَّ الْمِلْكَ تَمَّ لَهُ، وَالْحُكْمُ يُضَافُ إِلَى الْعِلَّةِ الْقَرِيبَةِ، لَا عِنْدَ عَوْدِ الْآبِقَةِ، وَرَدِّ الْمَغْصُوبَةِ وَالْمُسْتَأْجَرَةِ وَفَكِّ الْمَرْهُونَةِ، لِأَنَّهُ لَمْ يُوجَدِ اسْتِحْدَاثُ الْمِلْكِ.

استبراء کے مسائل کل کے سبق میں ہم نے پڑھنا شروع کیے تھے بھئی۔ اور انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جو شخص بھی کسی باندی کا مالک بنے، چاہے خریدنے کے ذریعے مالک بنے یا کسی اور سبب سے مالک بنے، چاہے وصیت سے بنے، چاہے وراثت سے بنے وغیرہ۔ تو اس باندی میں جب ملکِ جدید آگئی تو اس کے اندر اس شخص پر استبراء واجب ہے۔ استبراء کا معنیٰ یہ ہے، ویسے تو اس کا لغوی معنیٰ ہے پاکی حاصل کرنا۔ اور لیکن اصطلاح میں استبراء اسے کہتے ہیں کہ باندی کو خریدنے کے بعد ایک پورا حیض انتظار کیا جائے، اور جب وہ حیض گزر جائے تو اس سے پتہ چل جائے گا کہ اس کا رحم پاک ہے اور کوئی حمل وغیرہ نہیں اس کا پچھلے مالک سے، تو اس کو استبراء کہتے ہیں۔ یہ جو پورا ایک حیض جو گزر جائے اس نئے مالک کی ملکیت میں۔

اور انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا چاہے پچھلے مالک سے اس کے بظاہر حمل کا احتمال ہی نہ ہو، وطی کا اور صحبت کا احتمال ہی نہ ہو۔ مثلاً باندی جو خریدی استحداثِ ملک تو ہے لیکن باندی تو باکرہ ہے۔ جب باکرہ ہے تو پھر تو یہ بات یقینی

ہے کہ سابقہ مالک نے صحبت نہیں کی۔ یا اسی طرح اس کو کسی عورت سے خریدا ہے، یا اس باندی کو کسی غلام سے خریدا ہے اور غلام کو بھی باندی کے ساتھ عبدِ ماذون کو بھی باندی کے ساتھ وطی کا حق نہیں ہے۔ یا اس باندی کو اس کے اپنے کسی محرم سے خریدا جو اس باندی کا محرم تھا، تو وہاں پر بھی وطی جائز نہیں۔ تو معلوم ہوا ان صورتوں میں تو وطی کا احتمال نہیں بظاہر، لیکن پھر بھی اس صورتوں میں بھی استبراء کرنا پڑے گا ایک حیض کے ساتھ۔

ایک حیض کے ذریعے یہ ان عورتوں میں جن کو حیض آتا ہو۔ اور جن کو حیض نہیں آتا یعنی بہت کم عمر ہیں یا جن کی عمر پچاس پچپن سے زیادہ ہے جب حیض رک جاتا ہے، تو پھر ان باندیوں میں ایک ماہ جو ہے یہ ایک حیض کے قائم مقام ہو گا۔ ایک ماہ انتظار کیا جائے گا، پھر اس کے بعد صحبت جائز ہو گی نئے مالک کے لیے۔ اور اگر باندی حاملہ تھی تو پھر اس میں استبراء جو ہو گا وہ وضعِ حمل کے ذریعے ہو گا جب یہ اپنے حمل کو جنم دے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔

آگے جو یہ عبارت آئی تھی اس کو ذرا جلدی جلدی دیکھ بھی لیں گے اور اس کا خلاصہ بھی ساتھ ساتھ پھر سمجھ لیں گے۔ فَإِنَّ الْحِكْمَةَ فِي الِاسْتِبْرَاءِ تَعَرُّفُ بَرَاءَةِ الرَّحِمِ۔ مل گئی عبارت بھئی؟ گزشتہ سبق کے آخر میں جو آیا تھا وَبِوَضْعِ الْحَمْلِ فِي الْحَامِلِ اس سے آگے بھئی۔ عبارت مل گئی؟ فَإِنَّ الْحِكْمَةَ فِي الِاسْتِبْرَاءِ تَعَرُّفُ بَرَاءَةِ الرَّحِمِ۔

جی جہاں مشکل ہو گی وہاں میں عبارت بھی بیان کر دوں گا۔ اور خلاصے اور ترجمے کے ساتھ بات کو پھر سمجھ لیں۔ کہتے ہیں:

فَإِنَّ الْحِكْمَةَ فِي الِاسْتِبْرَاءِ تَعَرُّفُ بَرَاءَةِ الرَّحِمِ صِيَانَةً لِلْمَاءِ الْمُحْتَرَمِ عَنِ الِاخْتِلَاطِ۔

کہتے ہیں حکمت اور فائدہ جو ہے استبراء کے اندر وہ رحم کی پاکی کو جاننا ہے، کہ پتہ چل جائے کہ یہ جو باندی ہے اس کا رحم پاک ہے۔ اور تاکہ جو ماءِ محترم ہے اس کو اختلاط سے بچایا جائے بھئی۔ کس سے؟ اختلاط سے بچایا جائے۔ اور اس لیے کیونکہ اگر ماءِ محترم کا اختلاط آیا اور آگے بچہ پیدا ہوا اس باندی سے تو پھر اس کے نسب کا پتہ نہیں چلے گا کہ یہ اس گزشتہ مالک کا بچہ ہے یا اس نئے مالک کا بچہ ہے۔ تو لہٰذا اس لیے استبراء کو شریعت نے ضروری قرار دیا۔

اور یہ جو ماءِ محترم آیا، ماءِ محترم سے مراد ہے مرد کا مادہ منویہ۔ اور اس کو ماءِ محترم کہا یعنی اس کا احترام ہے، اس کی حرمت ہے، اس کی عزت ہے کیونکہ یہ آگے اولاد کا سبب بنتا ہے۔ اس کے ذریعے انسان کو اللہ اولاد جیسی عظیم نعمت نصیب فرماتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس ماءِ محترم کی حفاظت کی جائے اختلاط سے تاکہ بچے کا نسب محفوظ ہو، معلوم ہو۔

اور کہتے ہیں یہ اس وقت ہو گا عِنْدَ حَقِيقَةِ الشُّغْلِ أَوْ تَوَهُّمِ الشُّغْلِ بِمَاءٍ مُحْتَرَمٍ۔ کہتے ہیں استبراء ویسے تو اسی وقت ہو گا جب وہ عورت کا رحم حقیقتاً کیا ہو؟ مشغول ہو، بایں صورت کہ وہ عورت حاملہ ہو یا اس کے آقا نے اس کے ساتھ

صحبت کی ہو، تو یہ رحم کیا ہوا حقیقتاً مشغول ہوا۔ یا اس میں توہمِ شغل ہو، احتمال ہو اس کے مشغول ہونے کا، اس میں باقی صورتیں آگئیں۔ تو حقیقتِ شغل میں کون سی صورت آئی جبکہ وہ باندی کیا ہو؟ حاملہ ہو، یا اس کے ساتھ آقا نے اس میں صحبت کی ہو۔ اور توہمِ شغل جو ہے اس میں باقی تمام صورتیں آگئیں جہاں مشغول ہونے کا وہم ہو۔ تو ایک ہے حقیقتِ شغل، حقیقتاً وہ مشغول ہو۔ اور ایک ہے توہمِ شغل کہ مشغول ہونے کا وہم ہو۔

تو ان صورتوں کے اندر شریعت نے استبراء کو لازم قرار دیا۔ اب یہ جو رحم کا حقیقتاً مشغول ہونا یا اس کے مشغول ہونے کا وہم ہونا، اس کا پتہ نہیں چل سکتا۔ یہ تو ایک امرِ خفی ہے، اور جب امرِ خفی ہے تو شریعت امرِ خفی کو علت نہیں بناتی جس کا انسان کو پتہ ہی نہ چل سکے۔ جیسے میں نے اس کی مثال ذکر کر دی کہ یہ جو نیند ہے، یہ عِنْدَ الْأَحْنَافِ یہ نیند ناقض للوضو ہے۔ اب حالانکہ نیند تو نواقضِ وضو میں سے کوئی چیز نہیں ہے۔ ناقضِ وضو تو کیا ہے؟ مثلاً خروجِ نجاست ہے۔ لیکن نیند کے اندر چونکہ احتمال ہے خروجِ نجاست کا، خروجِ ریح کا، اور وہ نیند میں جو خروجِ ریح ہو گا وہ ایک امرِ خفی ہے انسان کو پتہ ہی نہیں وہ تو سویا ہوا ہے۔ تو شریعت نے اس امرِ خفی کو علت قرار نہیں دیا بلکہ یہاں پر نیند جو امرِ ظاہر تھا اسی کو علت قرار دے دیا کس کے لیے؟ نقضِ وضو کے لیے کہ اب نیا وضو کرنا پڑے گا۔

تو یہاں پر بھی یہ جو باندی خریدی اس کا رحم حقیقتاً بھی مشغول ہو سکتا ہے اور اس میں مشغول ہونے کا وہم بھی۔ تو دونوں صورتوں میں یہ ایک امرِ خفی ہے اس کا پتہ نہیں چل سکتا۔ تو شریعت نے امرِ ظاہر کو علت قرار دے دیا استبراء کے لیے جس کو سب جانتے ہوں جس کا پتہ چل سکتا ہو، اور وہ کیا ہے؟ استحداثِ ملک، نئی ملکیت کا پایا جانا۔

تو کہتے ہیں اگرچہ بعض صورتوں میں تو یہ بات بالکل ظاہر ہوتی ہے کہ گزشتہ مالک کی طرف سے وطی نہیں پائی گئی، وہاں وہ رحم حقیقتاً مشغول ہو ہی نہیں سکتا، لیکن اس کے باوجود جہاں بھی یہ استحداثِ ملک پایا جائے گا، تو استحداثِ ملک ہی کو دیکھا جائے گا اور استحداثِ ملک تو ہے۔ تو اس صورت میں اس پر استبراء لازم ہو گا۔

تو شریعت نے حقیقتِ شغل اور توہمِ شغل کو علت قرار دیا ہی نہیں کیونکہ وہ امرِ خفی ہے، تو حکم کا دارومدار ایک امرِ ظاہر پر کر دیا اور وہ استحداثِ ملک۔ تو جہاں استحداثِ ملک ہو گا وہاں پر جو ہے استبراء واجب ہو گا، اور جہاں استحداثِ ملک نہیں وہاں پر استبراء بھی واجب نہیں ہو گا۔

اس پر اشکال کیا تھا انہوں نے کہ بعض صورتوں میں تو اس باندی کے رحم کا عدمِ مشغول ہونا یقینی ہے، جب وہ باکرہ ہو۔ اب ظاہر سی بات ہے یہاں پر تو نہ حقیقتِ شغل ہے اور نہ توہمِ شغل ہے۔ لیکن پھر بھی اس کے اندر واجب قرار دیا شریعت نے استبراء کو، حالانکہ یہاں تو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اسی طرح کسی عورت سے خریدا یا غلام سے خریدا یا اپنے محرم سے خریدا، تو یہاں پر بھی نہ حقیقتِ شغل ہے اور نہ توہمِ شغل ہے۔ تو یہاں پر تو استبراء واجب نہیں ہونا چاہیے تھا۔

کہتے ہیں بھئی دیکھیے شریعت جو حکم لگاتی ہے وہ جس حکمت کی وجہ سے، اس کی رعایت پوری جنس میں رکھی جاتی ہے۔

پوری جنس کے اندر اس کی رعایت رکھی جاتی ہے، ایک ایک فرد نہیں۔ افراد میں تو بعض اوقات کوئی خلل آجاتا ہے، کوئی رکاوٹ کوئی مانع آجاتا ہے، تو ہر فرد کے لیے الگ الگ حکم شریعت نہیں دیتی بلکہ پوری جنس کے لیے وہ حکم ہوتا ہے شریعت کی طرف سے۔

تو اس پر پھر انہوں نے اشکال کیا کہ ٹھیک ہے ہر فرد کے لیے الگ حکم تو نہیں ہوگا، لیکن اگر پوری جنس کے لیے حکم ہو وہاں تو اگر مختلف اقسام بن سکتی ہوں وہاں تو رعایت رکھی جا سکتی ہے۔ جیسے وہ باندیاں جن کے اندر حقیقتِ شغل یا توہمِ شغل ہے وہاں تو استبراء کو واجب قرار دینا چاہیے، اور وہ قسم باندیوں کی جہاں پر نہ حقیقتِ شغل ہے اور نہ توہمِ شغل وہاں پر تو استبراء کو شریعت واجب قرار نہ دے، دو قسمیں بنا دے آسان سی بات ہے۔

تو پھر اس کا جواب انہوں نے دے دیا کہ بھئی یہ دراصل حدیث سے ثابت ہے۔ اور قبیلہ اوطاس کے ساتھ ان کے ساتھ جب جنگ ہوئی اور وہ قیدی عورتیں لائی گئیں تو اس وقت حضور علیہ السلام نے صحابہ میں اعلان فرمایا کہ جو حاملہ ہیں ان میں سے ان کے ساتھ اس وقت تک وطی نہ کی جائے جب تک وہ اپنے حمل کو جنم نہ دے دیں، اور جو ان میں سے غیر حمل والیاں ہیں ان کے ساتھ وطی نہ کی جائے جب تک وہ ایک حیض کے ساتھ اپنے رحم کو پاک نہ کر لیں۔ تو دیکھو وہاں ہر قسم کی باندیاں تھیں، کچھ وہ تھیں جن میں حقیقتِ شغل یا توہمِ شغل تھا، اور کچھ ایسی بھی یقیناً ہوں گی جن میں نہ حقیقتِ شغل ہوگا اور نہ توہمِ شغل، لیکن شارع کی طرف سے ایک عام حکم آیا، سب کے سب اس میں داخل ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ سب پر یہ استبراء واجب ہوگا چاہے وہاں حقیقتِ شغل اور توہمِ شغل ہو یا نہ ہو بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں یہ اسی طرح ہے جیسے قرآن کے اندر اللہ تعالیٰ نے شراب سے منع فرمایا اور اس کی حکمت کیا بیان فرمائی؟ کہ یہ جو شراب اور جوا ہے اس کے ذریعے شیطان تمہارے اندر دشمنی اور بغض پیدا کرنا چاہتا ہے اور وہ تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روکنا چاہتا ہے۔ اب یہ حکمت ہے شراب سے روکنے میں، یہ فائدہ ہے۔ تو اب کسی شخص کے لیے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ بھئی میں تو تھوڑی سی شراب پیتا ہوں نہ اس کی وجہ سے میں ایسا مدہوش ہوتا ہوں کہ دشمنی کا باعث بن جائے اور نہ ایسا مدہوش ہوتا ہوں کہ جس کی وجہ سے نماز یا ذکر میں کوئی رکاوٹ آجائے، تو کہتے ہیں یہ کسی کے لیے کہنا جائز نہیں۔ تو جب اس کے اندر مصلحت غالب تھی اس کے حرام کرنے میں تو شریعت نے بھی عموم کے طریقے پر حرام قرار دے دیا کہ تمام افراد کے لیے حرام ہے، یہ نہیں کہ جہاں مصلحت ہے وہاں حرام، جہاں یہ والی مصلحت نہیں وہاں حرام نہیں، بلکہ عمومی حکم دے دیا۔ اس لیے کیونکہ اگر یہ تخصیص کر دی جاتی، یہ تخصیص کر دی جاتی پھر تو بڑی خرابی ہوتی اور لوگ بڑی جرات کرتے بھئی ہر شخص اپنے لیے شراب پینے کا راستہ نکالتا بھئی۔

تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے کہ جب قید کرنے کی صورت میں حکم علی العموم ثابت ہے۔ قید کرنے کی صورت میں

دیکھو وہ باندیاں مالِ غنیمت میں آئی تھیں تو ملکِ جدید پائی گئی۔ جب یہاں پر تمام کے اندر جہاں جہاں ملکِ جدید آرہی ہے یعنی تمام قیدی باندیوں کے اندر جب وہاں استبراء کو ضروری قرار دیا گیا تو اسی پر قیاس کرتے ہوئے جہاں بھی یہ استحداثِ ملک والی علت پائی جائے گی ان سب کے اندر بھی استبراء واجب ہوگا۔ چاہے کوئی خریدنے سے مالک بنے، چاہے کوئی وراثت سے مالک بنے، چاہے کوئی وصیت سے مالک بنے، چاہے کوئی کسی کو ہدیے کے طور پر باندی کوئی دے دے اور وہ نیا مالک بنے، تو جہاں بھی استحداثِ ملک ہوگا تمام صورتوں کے اندر استبراء لازم ہوگا بھئی۔ کیونکہ علت معلوم ہے، اور پھر کہتے ہیں اجماع سے بھی اس کی تائید ہو گئی، تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ یہاں پر یہ باندی کے اندر استبراء واجب ہوگا اور اس کی علت کیا ہے؟ استحداثِ ملک ہے۔

اور یہ عبارت ذرا دیکھ لیں بھئی، کہتے ہیں: وَلٰكِنْ يَرِدُ عَلَيْهِ، لیکن اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ إِنَّ الْحِكْمَةَ لَا تُرَاعَى فِي كُلِّ فَرْدٍ کہ حکمت کی رعایت ہر فرد میں تو نہیں رکھی جاتی، لٰكِنْ تُرَاعَى فِي الْأَنْوَاعِ الْمَضْبُوطَةِ لیکن وہ انواع جو محفوظ ہیں جن کو ضبط کیا جا سکتا ہے، یعنی جو علیحدہ علیحدہ بیان کی جا سکتی ہیں،

ان میں تو رعایت رکھی جا سکتی ہے: فَإِنْ كَانَتِ الْأَمَةُ بِكْرًا أَوْ مَشْرِيَّةً، اگر باندی ایسی ہے جو باکرہ ہے أَوْ مَشْرِيَّةً یا ایسی باندی ہے جس کو خریدا گیا ہے مِمَّنْ اس شخص سے لَا يَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا مِنْهُ کہ اس کے ولد کا نسب اس سے ثابت نہیں ہو سکتا، اس کے بچے کا نسب اس سے ثابت نہیں ہو سکتا، وَهُوَ أَنْ يَكُونَ الْوَلَدُ ثَابِتَ النَّسَبِ.

بھئی دیکھو، کہتے ہیں حکمت کی رعایت مختلف اقسام میں تو رکھی جا سکتی ہے۔ ایک قسم باندیاں وہ جہاں حقیقتِ شغل یا توہمِ شغل، اور ایک باندی کی وہ قسم جہاں پر توہمِ شغل نہیں ہے، رحم کے ماءِ محترم کے ساتھ مشغول ہونے کا وہم نہیں، تو وہاں پر استبراء کو واجب نہیں ہونا چاہیے۔ جیسے کہ اگر مثلاً باندی کیا ہو، فَإِنْ كَانَتِ الْأَمَةُ بِكْرًا، اگر باندی کیا ہو؟ باکرہ ہو۔ أَوْ مَشْرِيَّةً یا باندی کو خریدا گیا ہو مِمَّنْ اس شخص سے لَا يَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا کہ ثابت نہیں ہوتا اس کے بچے کا نسب مِنْهُ اس شخص سے۔ مثلاً باندی کو عورت سے خرید لیا۔ اب عورت سے تو بچے کا نسب ثابت نہیں ہو سکتا، اس کی مالکن کون تھی باندی کی؟ عورت تھی۔ تو دیکھو یہ جو سابقہ مالکن ہے، آقا ہے، اس سے تو بچے کا نسب ثابت نہیں ہو سکتا۔ یا باندی کو خریدا عبدِ ماذون سے، عبدِ ماذون کو بھی باندی کے ساتھ وطی کا حق حاصل نہیں، لہٰذا اس سے بھی بچے کا نسب ثابت نہیں ہو سکتا۔ یا باندی کو خریدا باندی ہی کے محرم سے یعنی اس کے رضاعی بھائی سے خرید لیا، تو اس سے بھی نسب ثابت نہیں ہو سکتا۔

تو اس صورت میں استبراء کو واجب نہیں ہونا چاہیے۔ عبارت میں عبارت حل کروا رہا ہوں ذرا عبارت پر غور کرنا۔ فَإِنْ كَانَتِ الْأَمَةُ بِكْرًا اگر باندی باکرہ ہو، أَوْ مَشْرِيَّةً یا وہ خریدی گئی ہو مِمَّنْ اس شخص سے لَا يَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا مِنْهُ کہ اس کی اولاد کا، اس کے بچے کا نسب اس شخص سے ثابت نہیں ہو سکتا، وَهُوَ أَنْ يَكُونَ الْوَلَدُ ثَابِتَ النَّسَبِ.

وَهُوَ، هُوَ ضمیر لوٹائیں۔ ایک تو میں نے صورت بیان کر دی، یہ هُوَ ضمیر لوٹائیں بھئی یہ لَا يَثْبُتُ سے جو عدمِ ثبوت مفہوم ہو رہا ہے۔ کس سے؟ پیچھے آیا نا مِمَّنْ لَا يَثْبُتُ۔ لَا يَثْبُتُ سے کیا معلوم ہوا؟ عدمِ ثبوت۔ جیسے قرآن میں آیا ہے اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى. اب هُوَ أَقْرَبُ، یہ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ تو علماء مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ عدل کو راجع۔ اس پر اشکال ہوتا ہے پیچھے تو کہیں عدل کا ذکر نہیں۔ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ پیچھے اعْدِلُوا فعل آیا، اور فعل کے ضمن میں مصدر بھی آگیا۔ فعل کے ضمن میں مصدر۔ تو عدل، اعْدِلُوا تم لوگ عدل کرو، هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى عدل جو ہے وہ تقوٰی کے زیادہ قریب ہے۔ تو هُوَ ضمیر عدل کو راجع، اور عدل کہاں پر آیا؟ اعْدِلُوا کے ضمن میں۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح لَا يَثْبُتُ فعل آیا، اور لَا يَثْبُتُ فعل کے ضمن میں مصدر عدمِ ثبوت آگیا۔ لَا يَثْبُتُ سے کیا معلوم ہو رہا ہے؟ عدمِ ثبوت۔ تو هُوَ ضمیر جو ہے یہ عدمِ ثبوت کو راجع ہے۔ اور أَنْ يَكُونَ یہاں با مقدر ہے بِأَنْ يَكُونَ، بِأَنْ يَكُونَ۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو کہتے ہیں وَهُوَ اور وہ جو عدمِ ثبوت ہے بِأَنْ يَكُونَ بایں صورت ہے، یہ با تصویریہ صورت بتلا رہے ہیں، کہ بِأَنْ يَكُونَ الْوَلَدُ ثَابِتَ النَّسَبِ بایں صورت کہ اس کا ولد جو ہے وہ ثابت النسب ہے۔ اس کا ولد کیا ہے؟ ثابت النسب۔ بھئی صورت یہ مثلاً یہ باندی ہے، باندی کو کسی عورت سے خریدا۔ اب اس عورت سے اس باندی کے بچے کا نسب ثابت نہیں ہو سکتا۔ کہ وَهُوَ وہ جو بچہ ہے، مثلاً باندی کا بچہ بھی ہے۔ بھئی یہ تو عورت کی باندی ہے اس کا بچہ کیسے ہے؟ بھئی یہ ہو سکتا ہے سابقہ مالک سے ہو، عورت نے کسی سے خریدا ہو۔ تو بچہ ثابت النسب ہے، لیکن اس عورت سے نہیں سابقہ مالک سے، عورت سے تو ثابت النسب ہو ہی نہیں سکتا، یا اپنے محرم سے تو ہو ہی نہیں سکتا۔ یا دوسری صورت، باندی عورت سے خریدی ہے لیکن اس عورت نے اس باندی کا کسی سے نکاح کروایا تھا، تو اس کا جو بچہ ہے وہ اس کے خاوند سے ہے، باندی کا بچہ باندی کے خاوند سے۔ تو دیکھو بچہ ثابت النسب ہے، خاوند سے ہے یا سابقہ مالک سے ہے، لیکن جس سے خریدا ہے اس سے بچے کا نسب ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس میں وہ ساری صورتیں آگئیں کہ چاہے رضاعی بھائی سے خریدا، یا عورت سے خریدا، یا عبدِ ماذون سے خریدا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟

تو ان صورتوں میں یہ جو مالک جس سے خرید رہا ہے جو بائع ہے، اس سے تو باندی کے بچے کا نسب ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ باندی کے بچے کا نسب کس سے ثابت ہے؟ سابقہ مالک سے یا اس کے خاوند سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ عبارت پھر دیکھ لیں غور سے۔ وَهُوَ اور وہ جو عدمِ ثبوت ہے بائع سے، بِأَنْ يَكُونَ وہ بایں صورت ہے، جو اس سے نسب ثابت نہیں ہے وہ بایں صورت ہے کہ الْوَلَدُ ثَابِتَ النَّسَبِ کہ اس کا بچہ جو ہے وہ ثابت النسب ہے یعنی اس سابقہ مالک سے یا اپنے خاوند سے۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟

تو اس صورت میں يَنْبَغِي أَلَّا يَجِبَ، مناسب یہ ہے کہ استبراء واجب نہیں ہونا چاہیے، لِأَنَّ عَدَمَ الشُّغْلِ بِالْمَاءِ الْمُحْتَرَمِ مُتَيَقَّنٌ فِي هٰذِهِ الْأَنْوَاعِ اس لیے کیونکہ ماءِ محترم کے ساتھ رحم کا مشغول نہ ہونا مُتَيَقَّنٌ وہ یقینی ہے فِي هٰذِهِ الْأَنْوَاعِ ان اقسام میں۔

بات سمجھ میں آگئی؟ عبارت حل ہو گئی؟ وَهُوَ أَنْ يَكُونَ الْوَلَدُ ثَابِتَ النَّسَبِ. هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ عدمِ ثبوت، اور أَنْ يَكُونَ دراصل کیا ہے؟ بِأَنْ يَكُونَ اور یہ با کیا ہے؟ تصویر یہ، صورت بتلائی جا رہی ہے، کہ وہ جو عدمِ ثبوت ہے بِأَنْ يَكُونَ بایں صورت ہے اس طور پر ہے کہ الْوَلَدُ ثَابِتَ النَّسَبِ کہ اس کا جو ولد ہے وہ ثابت النسب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ هُوَ ضمیر ہم نے پہلے راجع کی عدمِ ثبوت کو۔ دوسری صورت، وہ زیادہ آسان ہے، کہ یہ هُوَ ضمیر استبراء کو راجع کر لیں۔ کس کو؟ استبراء۔ اور أَنْ يَكُونَ یہاں لام مقدر نکال لیں، لِأَنْ يَكُونَ، لِأَنْ. اچھا پہلی صورت ابھی ہم نے کیا بنائی؟ هُوَ ضمیر کس کو راجع کی تھی؟ عدمِ ثبوت کو۔ اور یہ وہ صورت تھی مثلاً اگر باندی کی اولاد ہے، باندی کی اولاد ہے تو یہ اولاد اس بائع کے پاس سے نہیں ہے بلکہ سابقہ مالک سے ہے یا اس کے سابقہ خاوند سے ہے۔ اور یہاں پر اس صورت میں پھر ساری صورتیں جمع ہو جائیں گی کہ هُوَ ضمیر راجع کر لیں آپ استبراء کو، اور أَنْ يَكُونَ دراصل کیا ہے لِأَنْ يَكُونَ۔ دوسری ترکیب بیان کر رہا ہوں۔ وہ استبراء جو ہے لِأَنْ يَكُونَ اس لیے ہوتا ہے تاکہ الْوَلَدُ ثَابِتَ النَّسَبِ تاکہ بچہ ثابت النسب رہے۔ استبراء کس لیے ہوتا ہے؟ تاکہ بچہ ثابت النسب رہے۔ دیکھو اب یہ بہترین عبارت بن گئی۔ تو دونوں ترکیبیں جو آپ کو پسند آئیں لیکن یہ دوسری ترکیب زیادہ آسان ہے کہ هُوَ ضمیر کس کو راجع کرو؟ استبراء کو، اور أَنْ يَكُونَ دراصل کیا ہے؟ لِأَنْ يَكُونَ۔ اور یہ جو استبراء ہے لِأَنْ يَكُونَ اس لیے ہوتا ہے اس لیے ہو گا تاکہ الْوَلَدُ ثَابِتَ النَّسَبِ تاکہ اس کی اولاد باندی کی ثابت النسب رہے۔ کیونکہ اگر استبراء نہیں ہو گا تو ماءِ محترم کا اختلاط لازم آئے گا اور آگے جو بچہ پیدا ہو گا پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہ اس مشتری کی اولاد ہے یا اس بائع کی اولاد ہے بھئی۔ تو اس لیے استبراء شریعت نے واجب کیا۔ استبراء کس لیے کیا؟ تاکہ بچہ ثابت النسب رہے، پتہ لگ جائے یہ جو اب بچہ ہو گا یہ مشتری ہی کا ہے بائع کا نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں وَهُوَ أَنْ يَكُونَ الْوَلَدُ ثَابِتَ النَّسَبِ، اور استبراء اس لیے ہوتا ہے تاکہ بچہ جو ہے وہ ثابت النسب ہو، تو يَنْبَغِي ان صورتوں میں يَنْبَغِي أَلَّا يَجِبَ مناسب یہ ہے کہ استبراء واجب نہیں ہونا چاہیے لِأَنَّ عَدَمَ الشُّغْلِ بِالْمَاءِ الْمُحْتَرَمِ مُتَيَقَّنٌ فِي هٰذِهِ الْأَنْوَاعِ اس لیے کیونکہ عورت کے رحم کا ماءِ محترم کے ساتھ مشغول نہ ہونا یقینی ہے ان انواع میں۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ جی۔

دوسری یہ عبارت دیکھ لیں بھئی یہ جو آئی تھی کہ كَمَا أَنَّهُ تَعَالٰى بَيَّنَ الْحِكْمَةَ فِي حُرْمَةِ الْخَمْرِ بِقَوْلِهِ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ الْآيَةَ. میں نے یہاں بتلایا تھا الْآيَةَ بھی پڑھ سکتے ہیں اور الْآيَةُ۔ نصب بھی پڑھ سکتے ہیں الْآيَةَ، اور رفع بھی پڑھ سکتے ہیں الْآيَةُ۔ اب نصب پڑھیں تو اس کی وجہ یہ کہ یہ فعلِ محذوف کے لیے مفعول بن جائے گا، أَيِ اقْرَأِ الْآيَةَ، اقْرَأْ فعلِ امر کہ تو پڑھ لے الْآيَةَ اس آیت کو، یعنی ہم نے تو تھوڑا سا حصہ ذکر کیا باقی پوری آیت آپ پڑھ لیجیے۔ تو اقْرَأِ الْآيَةَ اس میں نصب پڑھیں گے۔ یا اس کو بتدا بنا لو اور بتدا مرفوع ہوتا ہے، تو الْآيَةُ مَعْلُومَةٌ، مَعْلُومَةٌ خبر نکال لیں۔ کہ ہم نے تو تھوڑا سا حصہ ذکر کر دیا اور الْآيَةُ مَعْلُومَةٌ یہ آیت معلوم ہے، معروف ہے، آپ کو پتہ ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے آگے یہ دوسری جگہ یہ عبارت آئی تھی لِمَا أَنَّ فِي التَّخْصِيصِ مَا لَا يَخْفٰى مِنَ الْخَبْطِ وَتَجَاسُرِ النَّاسِ. میں نے بتلایا تھا کہ مَا لَا يَخْفٰى، یہ جو مَا ہے یہ مبہم ہے کہ اس سے کیا مراد ہے۔ لِمَا أَنَّ فِي التَّخْصِيصِ اس لیے کیونکہ تخصیص کے اندر مَا وہ چیز ہے لَا يَخْفٰى جو پوشیدہ نہیں، جو چھپی ہوئی نہیں۔ بھئی وہ کیا چیز ہے؟ آگے مِنْ کے ذریعے اس کا بیان آیا مِنَ الْخَبْطِ وَتَجَاسُرِ النَّاسِ. تو یہ مِنْ بیان کر رہا ہے مَا لَا يَخْفٰى کو۔ وہ چیز جو مخفی نہیں ہے وہ کیا ہے؟ خبط اور تجاسرِ ناس ہے۔ خبط کا معنیٰ میں نے بتلایا خرابی، تجاسرِ ناس یعنی لوگوں کے جرات کرنا۔

تو یہ عبارتوں میں جگہ جگہ آپ دیکھیں گے کہ مَا آتا ہے اور اس میں ابہام ہوتا ہے اور آگے مِنْ کے ذریعے اس کا بیان کیا جاتا ہے کہ اس مَا سے کیا مراد ہے۔ تو اس کے ترجمے کے دو طریقے ہیں یاد رکھنا۔ ایک تو یہ کہ مِنْ کا ترجمہ یعنی کے ساتھ کر دو، کس کے ساتھ؟ یعنی۔ تو یہ ترجمہ یوں ہوگا لِمَا أَنَّ فِي التَّخْصِيصِ مَا لَا يَخْفٰى اس وجہ سے کہ تخصیص کے اندر وہ چیز ہے جو مخفی نہیں جو پوشیدہ نہیں مِنَ الْخَبْطِ وَتَجَاسُرِ النَّاسِ یعنی کہ خرابی اور لوگوں کی جرات۔ تو یعنی کے ساتھ میں نے ترجمہ کیا۔ اور دوسرا آسان طریقہ جس میں اور بہتر ترجمہ ہو جائے گا کہ یہ جو بیان ہے اس کو اٹھا کر اس مَا کی جگہ پر لے آئیں۔ مَا کا بیان کیا ہے؟ مِنَ الْخَبْطِ وَتَجَاسُرِ النَّاسِ. تو خبط اور تجاسرِ ناس کو اٹھائیں اور یہ جو مَا لَا يَخْفٰى اس میں یہ جو مَا آرہا ہے، اس مَا کی جگہ خبط اور تجاسرِ ناس کا لفظ بول دیں اس کا ترجمہ کر دیں۔ کیسے؟ لِمَا أَنَّ فِي التَّخْصِيصِ مَا لَا يَخْفٰى اس لیے کیونکہ تخصیص کے اندر وہ خرابی اور لوگوں کی جرات ہے لَا يَخْفٰى جو کسی پر پوشیدہ نہیں۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ جی۔

اور پھر اب اس کے ساتھ بِحَيْثُ تَرْتَفِعُ الْحِكْمَةُ یہ آگے والی عبارت اب جوڑ دیں۔ اب میں ترجمہ کروں گا دیکھنا اور مَا کی جگہ میں خبط اور تجاسرِ ناس لاؤں گا، اور اس کے بعد پھر آگے جو بِحَيْثُ تَرْتَفِعُ الْحِكْمَةُ اس کو میں ساتھ جوڑوں گا اب ذرا ترجمہ سننا۔ لِمَا أَنَّ فِي التَّخْصِيصِ مَا لَا يَخْفٰى مِنَ الْخَبْطِ وَتَجَاسُرِ النَّاسِ اس وجہ سے کہ تخصیص کے اندر وہ خرابی ہے اور لوگوں کی جرات ہے لَا يَخْفٰى جو کسی پر پوشیدہ نہیں، بِحَيْثُ تَرْتَفِعُ الْحِكْمَةُ اس طور پر کہ حکمت اٹھ جائے گی، حکمت ختم ہو جائے گی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ یعنی کہتے ہیں اگر اس کی تخصیص کر دی جائے کہ جہاں پر یہ حکمت ہے، جہاں پر شراب جو ہے وہ ذکر اللہ سے اور نماز سے روکتی ہے اور جہاں پر شراب جو ہے دشمنیاں پیدا کرتی ہے وہاں تو شراب حرام ہے، اور جہاں یہ خرابیاں نہیں وہاں پر شراب حلال ہے، اگر یہ تخصیص کر دی جائے تو اس میں وہ خرابی ہے اور لوگوں کی جرات ہے کہ لوگ جرات کرنے لگیں گے، ہر ایک اپنے لیے راستہ نکالے گا کہ میں بھی پی رہا ہوں لیکن یہ خرابی نہیں ہے، میں بھی پی رہا ہوں اور اس میں یہ خرابی یہاں پر نہیں ہے۔ تو اس کے اندر وہ خرابی ہے کہ جو وہ خرابی اور وہ لوگوں کی جرات ہے جو کسی پر پوشیدہ نہیں، بِحَيْثُ تَرْتَفِعُ الْحِكْمَةُ اس طور پر کہ حکمت اٹھ جائے گی، حکمت تو ختم ہی ہو جائے گی۔ ہر شخص جرات کر کے شراب پینے لگے گا۔ تو شراب سے روکنے کی حکمت کیا تھی؟ کہ وہ تو شراب تو نماز سے روکتی ہے اور وہ لوگوں میں دشمنیاں پیدا کرتی ہے، تو جب لوگ جرات کرنے لگیں گے ہر آدمی شراب پینے لگے گا اور کہے گا میں تو ان

خرابیوں سے اپنے آپ کو بچا کر پیتا ہوں، تو حکمت تو پوری ختم ہو جائے گی، شراب سے روکنے کی حکمت تو ختم ہی ہو جائے گی۔ ہر آدمی کیا کرے گا؟ اپنے لیے راستہ نکالے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔

آگے سبق دیکھیے بھئی: وَلَمْ تَكْفِ حَيْضَةٌ مَلَكَهَا فِيهَا وَلَا الَّتِي قَبْلَ الْقَبْضِ وَلَا الْوِلَادَةُ كَذٰلِكَ[1]

وَتَجِبُ فِي شِرَاءِ أَمَةٍ إِلَّا شِقْصًا هُوَ لَهُ لِأَنَّ الْمِلْكَ تَمَّ لَهُ، وَالْحُكْمُ يُضَافُ إِلَى الْعِلَّةِ الْقَرِيبَةِ، لَا عِنْدَ عَوْدِ الْآبِقَةِ، وَرَدِّ الْمَغْصُوبَةِ وَالْمُسْتَأْجَرَةِ وَفَكِّ الْمَرْهُونَةِ، لِأَنَّهُ لَمْ يُوجَدِ اسْتِحْدَاثُ الْمِلْكِ.

استبراء کے مسائل چل رہے ہیں بھئی۔ اور استبراء کی علت انہوں نے آپ کو گزشتہ سبق میں بتلا دی کہ استبراء کی علت جو ہے وہ استحداثِ ملک ہے۔ اور استبراء کی حکمت انہوں نے آپ کو بتلا دی کہ استبراء میں فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے باندی کے رحم کے صاف ہونے کا پتہ چل جاتا ہے کہ اس کا رحم صاف ہے، ماءِ محترم کے ساتھ مشغول نہیں ہے۔ استبراء کی علت استحداثِ ملک ہے، تو جہاں پر بھی استحداثِ ملک ہو گا، جہاں پر بھی نئی ملکیت پائی جائے گی باندی کے اندر، وہاں پر استبراء واجب ہو جائے گا بھئی۔

اب کچھ ایسے حیض اور کچھ وہ صورتیں ذکر کر رہے ہیں جہاں پر استبراء واجب نہیں ہوتا۔ ایک صورت یہ مثلاً ایک شخص نے باندی خریدی اس حال میں کہ باندی کا حیض شروع ہو چکا تھا۔ تو یاد رکھیے یہ والا حیض کافی نہیں، بلکہ مالک بننے کے بعد پورا حیض آنا چاہیے باندی کو، ابتدا سے لے کر انتہا تک پورا حیض نئے مالک کی ملکیت میں آنا چاہیے۔ اور اس نے باندی کو جب خریدا تو حیض کا کچھ حصہ پہلے ہی گزر چکا ہے بھئی، حیض کے اندر ہی خریدا نا۔ چاہے بے شک چند لمحات ہی گزرے ہیں ابھی حیض کو شروع ہوئے، لیکن پورا حیض تو اس مشتری کی ملکیت کے اندر نہیں آیا، جبکہ پورے حیض کا آنا ضروری ہے اس مشتری کی ملکیت میں۔ تو لہٰذا یہ حیض اس استبراء کے لیے کافی نہیں بلکہ یہ حیض بھی گزر جائے اور پھر اس کے بعد اب ایک کامل حیض مشتری کی ملکیت میں باندی کو آجائے گا آغاز سے انتہا تک، تو جب وہ اس حیض پورا ہو گا تو پھر استبراء ہوا، پھر اس کے لیے وطی حلال ہو گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور آپ جانتے ہیں آپ پڑھ چکے ہیں کہ استبراء سے پہلے باندی کے ساتھ وطی حلال نہیں ہے بھئی نئے مالک کے لیے۔ اور دواعی وطی کا بھی وہی حکم ہے جو وطی کا حکم ہے۔ دواعی وطی یعنی وہ چیزیں جو وطی کی طرف یعنی صحبت کی طرف لے جانے والی ہیں، جیسے بوسہ لینا یا اسی طرح شہوت سے ہاتھ لگانا یا شرمگاہ کی طرف دیکھنا، یہ چیزیں کس کی طرف لے

[1] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۰۱):** صوتی درس کی قراءت میں «وَلَمْ تَكْفِ حَيْضَةٌ مَلَكَهَا فِيهَا وَلَا الَّتِي قَبْلَ الْقَبْضِ وَلَا الْوِلَادَةُ كَذٰلِكَ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «ولم تكف حيضةٌ ملكها فيها، ولا التي قبلَ القبض، ولا ولادةٌ كذلك،» منقول ہے۔

جانے والی ہیں؟ وطی کی طرف۔ تو ان کا بھی وہی حکم ہے۔ تو استبراء سے پہلے جیسے باندی کے ساتھ وطی حرام، اسی طرح اس کا بوسہ لینا یا اس کو شہوت سے چھونا یا اس کی شرمگاہ کی طرف دیکھنا یہ سب بھی کیا ہیں؟ حرام ہیں کیونکہ یہ دواعی وطی، اور دواعی وطی کا وہی حکم جو وطی کا حکم۔ وطی حلال تو دواعی وطی بھی حلال، اور وطی حرام تو دواعی وطی بھی حرام۔ لہٰذا مشتری نے باندی خریدی اور حیض شروع ہو چکا تھا تو یہ حیض کافی نہیں کیونکہ اس کا کچھ حصہ پہلے ہی گزر چکا ہے، بلکہ اب پورا نئے حیض، اگلا جب حیض آئے گا وہ پورا گزر جائے گا تو پھر یہ باندی حلال ہو گی اس نئے مشتری کے لیے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اور یہی صورت قبضے میں بھی ہے۔ ایک شخص نے باندی خرید لی دوسرے شخص سے لیکن ابھی اس نے باندی حوالے نہیں کی، اس مشتری نے ابھی اس باندی پر قبضہ نہیں کیا کہ قبضے سے پہلے ہی باندی کو حیض شروع ہو گیا۔ باندی کہاں ہے؟ بائع کے پاس، اور مشتری اس کو خرید چکا ہے اور آپ جانتے ہیں ایجاب و قبول کرتے ہی مشتری جو ہے مبیع کا مالک بن جاتا ہے۔ بائع نے کہا یہ باندی ہے میرے پاس خریدنا چاہتے ہو؟ مشتری کو پتہ تھا کون سی باندی ہے تو وہیں پر ایجاب و قبول ہو گیا، باندی ابھی اس کے گھر پر ہے مثلاً۔ ایجاب و قبول ہوتے ہی مشتری مالک بن گیا لیکن مشتری نے ابھی باندی پر قبضہ نہیں کیا، ادھر باندی کو گھر پر حیض شروع ہو گیا۔ اب اس نے لا کر باندی حوالے کی، مشتری نے اس پر قبضہ کر لیا لیکن حیض شروع ہو چکا ہے، اگرچہ چند لمحے پہلے ہی شروع ہوا ہے لیکن اس حیض کا کوئی اعتبار نہیں، بلکہ پورا حیض قبضے کے بعد آنا چاہیے۔ تو صرف مالک ہونے کے بعد ہی نیا حیض نہیں بلکہ قبضہ بھی ضروری ہے اس کے بعد پورا حیض آنا چاہیے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اور اسی طرح ولادت کا بھی یہی حکم ہے بھئی، ولادت کا۔ آپ نے پڑھا ہے کہ اگر حاملہ ہو تو استبراء وضعِ حمل سے حاصل ہو جائے گا، جب وہ باندی بچے کو جنم دے دے تو اب کیا ہو گئی؟ مشتری کے لیے حلال۔ لیکن صورت یہ کہ مشتری نے باندی خریدی، باندی خریدی ابھی قبضہ نہیں کیا تھا بائع کے پاس ہی تھی کہ وہاں اس نے بچے کو جنم دے دیا۔ تو یہ بچے کو جنم دیا اس نے قبضے سے پہلے۔ پہلے جنم دیا لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں، اب یہ جب مشتری کے پاس آئے تو اب پھر استبراء ضروری ہو گا جب اس کے قبضے میں آ جائے۔ تو اب یہ پورا نفاس بھی گزارے گی اور پھر نفاس کے بعد طہر آئے گا، اور پھر اس کے بعد جب پورا حیض گزر جائے گا تو پھر یہ اس نئے مشتری کے لیے حلال ہو گی۔ تو قبضے سے پہلے جو ولادت ہوئی اس کا بھی کوئی اعتبار نہیں، چاہے تھوڑی دیر پہلے ہی کیوں نہ ہو۔

اسی طرح مالک بننے سے پہلے ہی جو ولادت ہوئی اس کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔ مثلاً بائع مشتری کو باندی بیچ رہا ہے لیکن کچھ دیر پہلے ہی اس نے بائع کے پاس ایک بچے کو جنم دے دیا باندی نے۔ اب مشتری نے اس باندی کو خرید لیا۔ اب یہ ولادت کہاں ہوئی؟ بائع کے پاس اور ملکیت سے پہلے، اگرچہ تھوڑی دیر پہلے ہی ہے لیکن پھر بھی اس ولادت کا کوئی اعتبار

نہیں بلکہ اس کے بعد پھر استبراء کرنا ضروری ہے مشتری پر۔

تو کہتے ہیں وَلَمْ تَكْفِ حَيْضَةٌ، كَفَى يَكْفِي کا معنیٰ کافی ہونا۔ وَلَمْ تَكْفِ حَيْضَةٌ، حَيْضَةٌ نکرہ ہے اور مَلَكَهَا اس کے بعد فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو یہ اس کے لیے صفت بنتا ہے، اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لاتے ہیں۔ وَلَمْ تَكْفِ اور کافی نہیں ہے حَيْضَةٌ مَلَكَهَا فِيهَا ایسا حیض کہ مالک ہوا ہے اس باندی کا فِيهَا اس حیض کے اندر۔ وہ حیض جس کے اندر مالک بنا۔ حیض تو شروع ہو چکا ہے اس کے اندر اس نے بیع کر کے وہ باندی کا مالک بنا ہے تو اس کا وہ حیض کافی نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں وَلَمْ تَكْفِ حَيْضَةٌ مَلَكَهَا فِيهَا کافی نہیں ہے ایسا حیض جس کے اندر مشتری جو ہے مالک بنا ہے اس باندی کا، وَلَا الَّتِي قَبْلَ الْقَبْضِ اور نہ ہی وہ حیض کافی ہے جو قبضے سے پہلے آجائے یعنی مشتری نے ابھی قبضہ نہیں کیا۔ وَلَا الْوِلَادَةُ اور نہ ہی ولادت جو ہے وہ كَذٰلِكَ اس طرح، جو ایسی ولادت ہو وہ بھی کافی نہیں، یعنی مالک بننے سے پہلے ولادت ہو گئی یا قبضے سے پہلے ولادت ہو گئی وہ بھی ایسی ہی ہے، وہ کافی نہیں۔

وَتَجِبُ فِي شِرَاءِ أَمَةٍ إِلَّا شِقْصًا هُوَ لَهُ. صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ زید اور ایک شخص نے مل کر باندی خریدی۔ تو اب نصف زید کی ہے اور نصف اس دوسرے شخص کی ہے۔ تو یاد رکھو آپ جانتے ہیں کہ جو باندی مشترک ہو کئی افراد میں تو کسی ایک کے لیے بھی اس کے ساتھ صحبت جائز نہیں ہوتی۔ تو زید اور اس شخص دونوں میں سے کسی کے لیے بھی اس کے ساتھ صحبت جائز نہیں تھی۔ پھر زید نے اس باندی کو اس شخص سے پورا خرید لیا، باقی حصہ بھی اس آدمی سے خرید لیا۔ تو اب زید پورا مالک بن گیا۔ پورا مالک بن گیا، تو بھئی اس باندی کے کچھ حصے کا تو یہ پہلے سے ہی مالک تھا، تو کیا اب اس پر بھی استبراء واجب ہو گا زید پر بھی؟ کہتے ہیں ہاں بھئی، اس لیے کیونکہ جب ملک تام ہوتی ہے پھر باندی کے ساتھ وطی حلال ہو سکتی ہے، اور ملک اس کی اب تام ہوئی ہے اب وطی حلال ہو سکتی ہے اس سے پہلے تو اس کے لیے وطی حلال ہونے کی صورت ہی نہیں تھی۔ تو اب وطی جب حلال ہو سکتی ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے کیا کرے؟ استبراء کرے۔

تو دیکھو وہ جو آدھی باندی کا پہلے مالک تھا، آدھی باندی کا اب مالک بنا ہے۔ تو سبب جو ہے وہ ملک کا، وہ مالک بن رہا ہے نا، تو یہ جو ملکیت ہے پہلے آدھی باندی میں آئی وہ بھی سبب بن رہی ہے وطی کے لیے، اور دوسری ملکیت آئی وہ بھی کیا ہے؟ سبب بن رہی ہے۔ لیکن وہ جو پہلے مالک بنا تھا وہ تھی علتِ بعیدہ، وہ کیا تھی؟ علتِ بعیدہ۔ اس کو کہیں گے علت، علت بمعنیٰ سبب کے، وہ علتِ بعیدہ تھی۔ اور یہ جو اب باقی باندی کا مالک بنا ہے یہ کیا ہے؟ علتِ قریبہ۔ اور جو حکم ہے اس کی نسبت علتِ قریبہ کی طرف کی جاتی ہے، علتِ بعیدہ کی طرف نہیں کی جاتی۔ اور علتِ قریبہ کیا ہے؟ جو اب باقی باندی خریدی۔ تو اب جب باقی باندی خرید لی، اب استبراء والا حکم آئے گا کہ تم پر استبراء واجب ہے۔ تم پر استبراء واجب ہے۔ لہٰذا اگر وہ جو پہلا نصف حصہ خریدا تھا جب زید کی آدھی تھی اور آدھی دوسرے شخص کی، اس کے بعد کئی

حیض آ چکے ہیں اس کو، کئی حیض، لیکن اس وقت تو استبراء واجب ہی نہیں تھا بھئی کیونکہ وہ حلال ہو ہی نہیں سکتی کسی ایک کے لیے بھی، تو ان حیضوں کا کوئی اعتبار نہیں، بلکہ اب جب کامل مالک بن گیا پوری باندی کا تو اب حکم آئے گا استبراء والا اور اس شخص پر استبراء واجب ہو گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو استبراء حکم ہوا شریعت کی طرف سے آیا، اور اس کی نسبت علتِ قریبہ کی طرف کی جائے گی اور علتِ بعیدہ کی طرف نہیں۔ تو جو علتِ قریبہ ہے جو باقی کا حصہ خریدا ہے اس کی طرف نسبت ہو گی، اور اس کے بعد یعنی استبراء واجب ہو گا۔ وہ جو پہلے تھا اس سے استبراء واجب ہی نہیں تھا تو ان حیضوں کا کوئی اعتبار بھی نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں وَتَجِبُ اور استبراء واجب ہو گا فِي شِرَاءِ أَمَةٍ باندی کو خریدنے میں إِلَّا شِقْصًا، شِقْص کہتے ہیں حصہ۔ إِلَّا شِقْصًا اور شِقْص جو ہے یہ نکرہ ہے، اور نکرہ کے بعد جملہ آیا هُوَ لَهُ، هُوَ مبتدا لَهُ اس کی خبر۔ اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ کیوں؟ کیونکہ وہ جملہ فعلیہ بنتا ہے، وہ فعل کیا بنتا ہے؟ اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ، تو معلوم ہوا جملہ کس کے حکم میں؟ نکرہ۔ پھر سنو نکرہ کے بعد کیا آئے؟ فعل۔ وہ فعل اس نکرہ کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ کیوں بنتا ہے صفت؟ کیونکہ وہ جو فعل ہے، فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل چاہیے ہوتا ہے تو اس کا آگے فاعل یا نائب فاعل آئے گا اور فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ بن جائے گا اور جملہ کس کے حکم میں؟ نکرہ۔ تو گویا نکرہ کے بعد جملہ فعلیہ یعنی نکرہ کے بعد نکرہ آگیا۔ تو نکرہ کے بعد نکرہ آئے تو عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ اس سے پتہ چلا کہ جملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ جملے کے اپنے اندر بیس چاہے معرفہ آجائیں لیکن جب پورا جملہ بن جائے تو وہ کس کے حکم میں؟ نکرہ۔ تو یہاں پر بھی شِقْصًا نکرہ آیا اور هُوَ لَهُ اس کے بعد جملہ اسمیہ آیا، هُوَ مبتدا لَهُ اس کی خبر، اور پورا جملہ کس کے حکم میں؟ نکرہ۔ تو گویا نکرہ کے بعد نکرہ آیا تو یہ هُوَ لَهُ یہ پورا جملہ اسمیہ شِقْص کے لیے صفت بنے گا۔

إِلَّا شِقْصًا مگر ایسا حصہ هُوَ لَهُ جو اس کا اپنا تھا، جو اس کا اپنا تھا۔ زید اور اس شخص نے باندی مل کر خریدی، تو آدھی باندی تو پہلے ہی زید کی تھی تو اب جو زید نے باندی کو خریدا ہے پوری کو خریدا ہے یا وہ حصہ جو پہلے ہی اس کا تھا اس کو چھوڑ کر باقی حصے کو خریدا ہے؟ باقی حصے کو خریدا ہے۔ یہی بتانا چاہ رہے ہیں: وَتَجِبُ فِي شِرَاءِ أَمَةٍ استبراء واجب ہو گا باندی کے خریدنے میں إِلَّا شِقْصًا هُوَ لَهُ، باندی کو تو خریدا مگر کچھ وہ حصہ هُوَ لَهُ جو اس کا اپنا تھا، مگر کچھ وہ حصہ جو اس کا اپنا تھا۔ تو یعنی باندی کو خریدا مگر کچھ وہ حصہ جو اس کا اپنا تھا یعنی اس کو چھوڑ کر باقی حصہ خریدا اس کو نہیں خریدا۔ تو یعنی کچھ حصہ خریدا تو اس میں استبراء واجب ہو گا، لِأَنَّ الْمِلْكَ تَمَّ لَهُ اس لیے کیونکہ ملکیت اس کے لیے پوری ہو گئی۔ اب ملکیت پوری ہوئی اور جب ملکیت پوری ہو اس کے بعد ہی وطی جائز ہوتی ہے اس سے پہلے تو وطی کے جواز کی کوئی صورت ہی نہیں۔ تو لہٰذا جب ملکیت اب پوری ہوئی تو لہٰذا استبراء بھی اب واجب ہو گا، پھر وطی اس کے لیے حلال ہو جائے

گی۔

تو کہتے ہیں لِأَنَّ الْمِلْكَ تَمَّ لَهُ اس لیے کیونکہ ملکیت جو ہے اس کے لیے پوری ہو گئی، وَالْحُكْمُ يُضَافُ إِلَى الْعِلَّةِ الْقَرِيبَةِ اور حکم جو ہے اس کی نسبت علتِ قریبہ کی طرف کی جاتی ہے، کس کی طرف؟ علتِ قریبہ۔ اب یہ اس باندی کا مالک بن رہا ہے بھئی، پوری باندی کا مالک بن رہا ہے یا آدھی کا اس وقت مالک بن رہا ہے اس وقت؟ آدھی کا تو یہ مالک پہلے ہی ہے۔ تو جب پوری باندی کا مالک ہو گا تو یہ کیا آئے گا؟ استبراء، کیا آئے گا؟ استبراء۔ تو استبراء کا سبب صرف یہ والی ملکیت بنی جو ابھی نئی آئی ہے یا پہلی والی ملکیت بھی ملا کر ساتھ؟ پہلی والی بھی ملا کر ساتھ۔ پہلے والی آدھی، یہ والی آدھی، مل کر ہو گئی پوری، اب کیا آیا؟ استبراء۔ تو استبراء صرف اس خرید کی وجہ سے صرف اس ملکیت کی وجہ سے نہیں آیا بلکہ اس میں اس پچھلی ملکیت کا بھی دخل ہے۔ توجہ ہے؟ جی۔ استبراء کیوں آیا؟ کیونکہ

پوری باندی کا مالک بنا ہے اور جب پوری باندی کا مالک بنے گا تو پھر اس پر کیا واجب ہو گا؟ استبراء۔ لیکن یہ جو پوری باندی کا مالک بنا، یہ پوری کا ابھی اکٹھا بنا ہے یا آدھی کا مالک پہلے بنا تھا؟ آدھی کا۔ تو یہ گویا استبراء کے اندر اس خرید، اس ملکیت کا بھی دخل یہ جو آدھی خریدی، اور وہ جو پہلے آدھی خریدی تھی اس کا بھی دخل۔ گویا وہ بھی علت استبراء کی، یہ بھی علت استبراء کی، لیکن وہ علتِ بعیدہ اور یہ علتِ قریبہ۔ اور حکم کی نسبت کس کی طرف کی جاتی ہے؟ علتِ قریبہ کی طرف کی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ جس میں، یہ جو باقی آدھی باندی خریدی، جس میں کی وجہ سے ملکیت تام ہو گئی، اس کی طرف استبراء کی نسبت کریں گے۔ اور جب یہ والی حصے کا مالک بنے گا تو اب استبراء واجب ہوا۔ حالانکہ علت تو وہ پہلے والی بھی تھی، لیکن اس وقت تو پورا مالک ہی نہیں بنا تھا تو وہ سبب وہ علت بھی نہیں بنے گا استبراء کا، اور اس کے بعد چاہے کتنے ہی حیض گزر جائیں وہ استبراء میں شمار نہیں ہوں گے۔

یہ معنیٰ ہے وَالْحُكْمُ يُضَافُ إِلَى الْعِلَّةِ الْقَرِيبَةِ اور حکم جو ہے اس کی نسبت کی جاتی ہے علتِ قریبہ کی طرف۔

لَا عِنْدَ عَوْدِ الْآبِقَةِ وَرَدِّ الْمَغْصُوبَةِ وَالْمُسْتَأْجَرَةِ وَفَكِّ الْمَرْهُونَةِ. پیچھے کیا آیا تھا؟ وَتَجِبُ، استبراء کیا ہو گا؟ واجب۔ آگے آ رہا ہے لَا، استبراء واجب نہیں ہو گا کب؟ عِنْدَ عَوْدِ الْآبِقَةِ. عَابِقَة کہتے ہیں بھاگی ہوئی، وہ باندی جو بھاگ گئی ہو۔ عَابِق وہ غلام جو آقا سے بھاگ جائے، نافرمان غلام۔ تو باندی ہے صورت یہ بھئی ایک باندی ہے وہ بھاگ گئی آقا سے، اور پھر ایک مہینے بعد پھر خود ہی واپس آ گئی یا دس دن بعد خود ہی واپس آ گئی۔ تو اب آپ مجھے بتائیے کیا جب باندی واپس آ گئی استحداثِ ملک ہوا؟ نہیں۔ کوئی نئی ملکیت پائی گئی؟ نہیں، وہی شخص پہلے بھی مالک تھا اب بھی وہی مالک ہے۔ لہٰذا استحداثِ ملک نہیں پایا گیا۔ اور جب استحداثِ ملک نہیں تو پھر اب استبراء بھی واجب نہیں۔ لہٰذا بھاگی ہوئی باندی واپس آ جائے تو آقا پر استبراء واجب نہیں ہے۔

تو یہ معنیٰ ہے لَا عِنْدَ عَوْدِ الْآبِقَةِ کہ استبراء واجب نہیں ہے، عَوْد کا معنیٰ واپس لوٹنا، عِنْدَ عَوْدِ الْآبِقَةِ جب بھاگی ہوئی باندی واپس لوٹ آئے۔ وَرَدِّ الْمَغْصُوبَةِ، رَدّ کا معنیٰ لوٹانا، مَغْصُوبَة غصب کی ہوئی۔ غصب کا معنیٰ ہوتا ہے چھیننا، کسی کی چیز کو چھین لینا، قبضہ کر لینا۔ اب ایک شخص نے کسی دوسرے کی باندی کو چھین لیا، اس پر قبضہ کر لیا، اور پھر چند دن بعد وہ باندی واپس کر دی۔ تو اب آپ بتائیے کیا استبراء ہو گا؟ نہیں ہو گا کیونکہ بے شک اس نے چھین لی تھی لیکن وہ غاصب تو مالک نہیں بنا، مالک تو یہی پرانا شخص ہے، لہٰذا جب واپس اس نے کی تو استحداثِ ملک نہیں، جب استحداثِ ملک نہیں تو لہٰذا استبراء بھی واجب نہیں۔ یہ معنیٰ ہے وَرَدِّ الْمَغْصُوبَةِ اور غصب کی ہوئی باندی کو واپس لوٹانے کے وقت بھی استبراء واجب نہیں۔

وَالْمُسْتَأْجَرَةِ أَيْ رَدِّ الْمُسْتَأْجَرَةِ، اس کا مُسْتَأْجَرَة کا عطف مَغْصُوبَة پر ہے۔ اور مُسْتَأْجَرَة وہ باندی جس کو اجرت پر کسی کو دیا خدمت کے لیے۔ مثلاً زید بیمار تھا تو عمر نے اس کو اپنی باندی خدمت کے لیے دے دی۔ وہ کئی دن تک زید کی خدمت کرتی رہی۔ اس کے بعد زید نے وہ باندی واپس کر دی۔ تو اب کیا ملکیت بدلی؟ نہیں، وہ تو اس نے صرف خدمت کے لیے دی تھی۔ لہٰذا خدمت کے لیے دی ہوئی باندی کو جب واپس لوٹایا تو استحداثِ ملک نہیں۔ جب استحداثِ ملک نہیں تو اب آقا پر استبراء بھی واجب نہیں۔ یہ معنیٰ ہے وَالْمُسْتَأْجَرَةِ اور اجرت پر دی ہوئی باندی کو واپس کرتے وقت بھی استبراء واجب نہیں۔

وَفَكِّ الْمَرْهُونَةِ، فَكّ کا معنیٰ ہے چھڑانا، چھڑانا۔ الْمَرْهُونَة وہ باندی جس کو بطورِ رہن کے رکھوایا جائے۔ مثلاً زید کو، زید کو قرض کی ضرورت پڑی۔ وہ بکر کے پاس گیا کہ مجھے قرض دے دو۔ بکر نے کہا اپنی کوئی قیمتی چیز میرے پاس بطورِ رہن رکھواؤ بھئی تاکہ میں اپنے پیسے واپس وصول کر سکوں۔ چنانچہ زید نے اپنی باندی اس کے پاس بطورِ رہن رکھوا دی۔ پھر چند دن بعد جب زید نے قرض واپس کیا تو بکر نے اس کی وہ مرہونہ باندی واپس کر دی۔ تو اس صورت میں بھی استبراء واجب نہیں ہے، کیونکہ استحداثِ ملک نہیں، رہن رکھوانے سے کوئی ملکیت نہیں بدل گئی تھی، مالک ابھی بھی زید ہی تھا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنیٰ ہے وَفَكِّ الْمَرْهُونَةِ اور مرہونہ باندی کے چھڑاتے وقت اس وقت بھی استبراء واجب نہیں ہو گا۔ تو ان تمام صورتوں میں استبراء واجب نہیں لِأَنَّهُ لَمْ يُوجَدِ اسْتِحْدَاثُ الْمِلْكِ اس لیے کیونکہ نئی ملکیت نہیں پائی گئی۔

وَرُخِّصَ حِيلَةُ إِسْقَاطِ الِاسْتِبْرَاءِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ. بھئی استبراء میں کوئی حیلہ کرنا کہ جس سے استبراء ساقط ہو جائے۔ کوئی مشتری ہے وہ باندی خریدنا چاہتا ہے لیکن چاہتا ہے کہ استبراء نہ کرنا پڑے، میں فوراً ہی اس کے ساتھ وطی کر سکوں۔ تو کیا اس کے لیے کوئی حیلہ کرنا جائز ہے کہ حیلہ نہیں کر سکتے؟ تو یاد رکھیے امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ استبراء کے لیے حیلہ کرنا جائز ہے، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ استبراء کے لیے حیلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ تفصیل آپ کتاب الشفعہ میں پڑھ چکے ہیں۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ وہ حیلے کی رخصت دیتے ہیں جبکہ امام محمد رحمہ اللہ حیلے کی رخصت نہیں دیتے۔

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جو حیلہ کیا جاتا ہے یہ دراصل کوئی شخص شریعت کے حکم سے بھاگنا چاہتا ہے، اور یہ کسی مسلمان کے شایانِ شان نہیں کہ وہ شریعت کے حکم سے راہِ فرار اختیار کرے۔ لہٰذا حیلہ جائز نہیں۔ تو یہاں بھی وہ فرماتے ہیں کہ استبراء کو ساقط کرنے کے لیے حیلہ جائز نہیں۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حیلہ جو ہے وہ حکمِ شریعت سے فرار کے لیے نہیں ہے بلکہ وہ حکمِ شریعت کو اپنے اوپر لازم ہونے سے روکنے کے لیے ہے، شریعت کا حکم آپ پر لازم ہی نہ ہو۔ شریعت کی طرف سے ایک حکم آنا ہے ایک صورت کے اندر، آپ ایسی صورت اختیار کر لیتے ہیں کہ وہ حکم آپ پر آتا ہی نہیں ہے۔ ایک تو یہ ہے نا حکم آپ پر آجائے، لازم ہو جائے، پھر اب آپ اس سے کوئی بچاؤ کی صورت اختیار کریں۔ یہ تو ٹھیک ہے مناسب نہیں ہے حکم آگیا اب آپ اس سے نکلنا چاہیں، یہ تو ٹھیک نہیں ہے، لیکن اگر آپ کوئی ایسی صورت اختیار کریں کہ حکم آپ پر آئے ہی نا، لازم ہی نہ ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ بعض اوقات ضرورت پڑ جاتی ہے اس طرح کی صورت کی۔ تو یہ دیکھو فقہاء پر اللہ کی کروڑہا رحمتیں نازل ہوں بھئی۔ اگر یہ سارے ائمہ اتفاق کر لیتے کہ رخصت ہے ہی نہیں تو پھر راستہ ہی نہ بچتا۔ اب ایک نے کہا رخصت نہیں اور دوسرے نے کہا رخصت ہے حیلے کی، تو گنجائش نکل آئی بھئی۔ تو ضرورت کے موقع میں انسان کیا کر سکتا ہے؟ رخصت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

تو کہتے ہیں وَرُخِّصَ حِيلَةُ إِسْقَاطِ الِاسْتِبْرَاءِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ اور رخصت دی گئی ہے استبراء کو ساقط کرنے کے حیلے کی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک، بخلاف امام محمد رحمہ اللہ کے۔

وَأَخَذْنَا بِالْأَوَّلِ. فقہاء بھئی پھر فیصلہ فرماتے ہیں کہ اب کس کے قول کو لیا جائے؟ تو فقہاء بتلاتے ہیں کہ اگر مشتری نے جب باندی کو خریدا اور یہ بات معلوم ہو کہ یہ طہر جس کے اندر مشتری باندی کو خرید رہا ہے، اس طہر میں اس بائع نے اس کے ساتھ وطی کی ہے، صحبت کی ہے، تو پھر امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو اختیار کیا جائے گا، اب حیلہ کرنا ٹھیک نہیں۔ حیلہ کرنا ٹھیک نہیں کیونکہ اس نے وطی کی ہے تو ماءِ محترم کا اختلاط لازم آئے گا۔ اور اگر یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس طہر میں جس میں بائع اس کو بیچ رہا ہے اور مشتری خرید رہا ہے، اس میں بائع نے اس کے ساتھ وطی نہیں کی، معلوم ہوا اس کا رحم ماءِ محترم کے ساتھ مشغول نہیں، تو اس صورت میں حیلہ کرنا جائز ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَأَخَذْنَا بِالْأَوَّلِ إِنْ عُلِمَ عَدَمُ وَطْءِ بَائِعِهَا فِي ذٰلِكَ الطُّهْرِ. تو فرماتے ہیں وَأَخَذْنَا اور ہم لیتے ہیں بِالْأَوَّلِ پہلے کو یعنی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کو لیتے ہیں إِنْ عُلِمَ اگر یہ بات معلوم ہو، کیا بات؟ عَدَمُ وَطْءِ بَائِعِهَا کہ اس باندی کے بائع نے اس کے ساتھ وطی نہیں کی فِي ذٰلِكَ الطُّهْرِ اس طہر میں جس میں وہ بیچ رہا ہے۔ اگر یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس طہر میں بائع نے اس کے ساتھ وطی نہیں کی تو ہم کس کے قول کو لے لیتے ہیں؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے کہ اب حیلہ کیا

جا سکتا ہے کیونکہ اس کا رحم ماءِ محترم کے ساتھ مشغول نہیں ہے۔

وَبِالثَّانِي إِنْ أَقَرَّ بِهَا. اور دوسرے یعنی امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو لیتے ہیں اگر وہ اس کا اقرار کرلے، اگر وہ اس باندی کے ساتھ صحبت کا اقرار، بائع کہے میں نے اس طہر میں اس کے ساتھ صحبت کی تھی۔ تو میری کتاب میں ہے أَقَرَّ بِهَا، اگر وہ بائع کیا کرلے؟ إِنْ أَقَرَّ اگر وہ اقرار کرلے بِهَا، هَا ضمیر راجع کردیں وہ باندی کو اور اس سے پہلے وطی کا لفظ مضاف محذوف نکال لیں، أَيْ بِوَطْئِهَا. إِنْ أَقَرَّ بِوَطْئِهَا اگر وہ بائع کیا کرلے؟ اقرار کرلے بِوَطْئِهَا اس باندی سے اس باندی کی وطی کا اقرار کرلے۔ لیکن عام کتابوں کے اندر یہ أَقَرَّ، یہ أَقَرَّ کے ساتھ ہمزہ نہیں ہے۔ اور وہ زیادہ بہتر عبارت ہے، اور عبارت یوں ہے عام کتابوں میں اور دیگر نسخوں میں اسی متن کے: وَبِالثَّانِي إِنْ قَرِبَهَا. قَرِبَ يَقْرَبُ کے معنیٰ ہوتے ہیں خاوند کا بیوی سے صحبت کرنا۔ قَرِبَ يَقْرَبُ قُرْبَانًا وَقُرْبًا وَقِرْبَانًا، بیوی سے صحبت کرنا۔ وَبِالثَّانِي اور ہم دوسرے قول یعنی امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو لیتے ہیں إِنْ قَرِبَهَا اگر بائع نے باندی کے ساتھ صحبت کی تھی اس طہر میں۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟

وَهِيَ، یہاں سے اب وہ حیلہ بیان کرنے لگے ہیں کہ کیا حیلہ کیا جا سکتا ہے استبراء کے لیے۔ اب وہ حیلہ بیان کرنے لگے ہیں۔ سب سے پہلے یاد رکھنا شریعت نے آزاد شخص کو اجازت دی ہے کہ وہ آزاد عورت سے بھی نکاح کر سکتا ہے اور باندی سے بھی نکاح کر سکتا ہے، آزاد عورت سے بھی اور باندی سے بھی۔ لیکن جب ایک مرتبہ آزاد عورت سے نکاح کر لیا اور اب اس کے عقد میں آزاد عورت موجود ہے، تو اب باندی کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوا ایک شخص جس کے عقد میں آزاد عورت نہ ہو وہ تو باندی سے نکاح کر سکتا ہے، اور ایک وہ شخص جس کے عقد میں آزاد عورت اس وقت موجود ہے، اس کی ایک آزاد عورت بیوی جو ہے وہ آزاد عورت اس کی موجود ہے، تو اس کے لیے باندی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا اب حیلے کی دو صورتیں بتائیں گے۔ ایک وہ صورت، حیلہ وہ آدمی کرنا چاہتا ہے جس کے عقد میں کوئی آزاد عورت نہیں، کوئی اس کی اس وقت بیوی موجود نہیں۔

تو کہتے ہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ یہ جس باندی کو خریدنا چاہتا ہے، خریدنے سے پہلے اس کے ساتھ نکاح کرلے۔ جیسے ہی نکاح کرے گا اس کے ساتھ اس باندی کے ساتھ وطی حلال ہو جائے گی، کیونکہ نکاح میں استبراء نہیں ہے۔ خریدو گے مالک بنو گے پھر تو استبراء واجب ہے، لیکن باندی سے اگر نکاح کرو تو نکاح کے اندر استبراء واجب نہیں ہوتا۔ کوئی شخص نکاح کرتا ہے تو پہلے عدت گزارنا پڑتی ہے کہیں پر؟ نہیں بھئی۔ تو نکاح کے اندر استبراء نہیں۔ لہٰذا جیسے ہی باندی سے نکاح کرے گا یہ باندی اس کے لیے حلال ہو گئی۔ اب اس باندی کو خرید لے۔ اب اس باندی کو خرید لے۔ اب جب باندی کو خریدا تو استبراء کب واجب ہوتا ہے؟ جب پہلے باندی حرام تھی اور خریدنے سے کیا ہو رہی ہے؟ حلال ہو رہی ہے۔ لیکن یہاں تو باندی جب خریدے گا تو یہ کس کو خرید رہا ہے؟ اپنی منکوحہ کو۔ تو وطی تو پہلے ہی حلال تھی۔ تو وطی پہلے ہی حلال، اور آپ خریدنے کے بعد کہیں اب وطی حرام اب کیا کرنا پڑے گا؟ استبراء۔ تو لہٰذا وہ وطی حرام نہیں ہو سکتی۔

جب وطی حرام نہیں تو استبراء بھی واجب نہیں۔ صورت سمجھ میں آئی؟ پھر سنو۔ استبراء کب واجب ہوتا ہے؟ جب کوئی شخص کسی دوسرے کی باندی کو خریدتا ہے۔ خریدنے سے پہلے باندی اس پر کیا تھی وطی؟ باندی کے ساتھ وطی اس مشتری کے لیے حرام تھی۔ خریدے گا تو وطی حلال ہونی تھی، لہٰذا اس لیے شریعت نے کیا حکم دیا؟ کہ پہلے حرام تھی اب کیا ہو رہی ہے؟ حلال ہو رہی ہے تو پہلے کیا کر لو؟ استبراء کر لو۔ اور اب جب اس نے، یہ جو حیلے کے اندر، اس نے کیا کیا؟ اس باندی سے پہلے مشتری نے نکاح کر لیا۔ نکاح سے وہ باندی اس کے لیے کیا ہو گئی؟ حلال۔ اب اس حلال باندی کو وہ خریدتا ہے تو خریدتے وقت، خریدتے وقت پہلے سے ہی حلال اور خریدنے کے بعد آپ کیا کہہ دیں؟ اب استبراء کرنا پڑے گا اب ایک مہینے کے لیے حرام ہو گئی؟ تو ایسا نہیں ہے۔ لہٰذا حلال باندی کو اپنے لیے خرید رہا ہے تو اب استبراء واجب نہیں ہو گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَهِيَ اور وہ حیلہ یہ ہے، کتاب پہ دیکھیے بھئی، وَهِيَ اور وہ حیلہ یہ ہے إِنْ لَمْ تَكُنْ تَحْتَهُ حُرَّةٌ کہ اگر اس شخص کے تحت آزاد عورت نہ ہو، یعنی مشتری کے تحت کوئی آزاد عورت اس کی بیوی نہ ہو، تو أَنْ يَنْكِحَهَا تو وہ کیا کرے؟ اس باندی سے نکاح کر لے وہ مشتری، ثُمَّ يَشْتَرِيَهَا پھر کیا کر لے؟ اس کو خرید لے، إِذْ بِالنِّكَاحِ لَا يَجِبُ الِاسْتِبْرَاءُ اس لیے کیونکہ نکاح کی وجہ سے استبراء

واجب نہیں ہوتا۔ پہلے نکاح کیا تھا نا تو اس میں استبراء واجب نہیں تھا۔ ثُمَّ إِذَا اشْتَرٰى زَوْجَتَهُ تو لَا يَجِبُ أَيْضًا، پھر جب اس نے اپنی بیوی کو خریدا تو پھر بھی استبراء واجب نہیں ہو گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اب آپ اس پر یہ حیران نہ ہوں یہ تو اپنی بیوی کو خرید لیا، اب یہ اس کی بیوی بھی ہے اور اب یہ اس کی باندی بھی ہے۔ نہیں بھئی، یاد رکھو جیسے ہی خریدے گا رشتۂ نکاح اسی وقت ختم ہو گیا۔ اس نے جیسے ہی اپنی منکوحہ باندی کو خریدا، اب وہ خریدتے ہی، جیسے ہی ایجاب و قبول کیا، نکاح ٹوٹ گیا اور باندی اس کی، وہ اس کی باندی بن گئی۔ اب بیوی نہیں ہے بلکہ صرف کیا ہے؟ باندی ہے۔

آگے دیکھیے بھئی: وَإِنْ كَانَتْ. پیچھے کیا آیا تھا؟ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَحْتَهُ حُرَّةٌ اگر اس کے نیچے آزاد عورت نہ ہو یعنی مشتری کی بیوی نہ ہو، آزاد عورت نہ ہو۔ وَإِنْ كَانَتْ اور اگر مشتری کے تحت آزاد عورت ہو یعنی کوئی بیوی ہے اس کی، تو پھر کیا کرے؟ تو اس کے بتلائیں گے کہ اس میں دو صورتیں ہیں۔

ایک صورت یہ کہ خریدنے سے پہلے ہی بائع اس باندی کا کسی شخص سے نکاح کروا دے۔ بائع کیا کرے؟ کسی دوسرے شخص سے نکاح کروا دے۔ بھئی زید ایک باندی کو خریدنا چاہتا ہے لیکن چاہتا ہے کہ استبراء نہ کرنا پڑے، خریدتے ہی میرے لیے وطی جائز ہو میں اس کے ساتھ وطی کر سکوں۔ تو وہ جو بکر جو بیچنے والا ہے بائع، بائع اس باندی کا کسی شخص سے نکاح کروا دے، اور وہ شخص قابلِ اعتماد ہونا چاہیے۔ کیا ہونا چاہیے؟ قابلِ اعتماد، بایں لحاظ کہ اس کو کہہ دیا کہ بھئی ہم یہ

حیلہ کر رہے ہیں ہم اس باندی کا آپ سے نکاح کروائیں گے، اور پھر آپ نے کیا کرنا ہے؟ جب ہم آپ سے کہیں آپ نے اس کو طلاق دے دینی ہے۔ تو وہ طلاق دینے کا اس پر اعتماد ہو کہ یہ طلاق دے دے گا۔ یہ نہ ہو وہ بعد میں طلاق ہی نہ دے بھئی، پھر تو اور مشکل میں زید پھنس جائے گا بھئی۔ خرید بھی لی باندی اور وطی بھی اس کے لیے حلال نہیں۔ تو شخص جو قابلِ اعتماد ہے۔

تو بائع کیا کرے؟ باندی کا نکاح کروا دے کسی قابلِ اعتماد آدمی سے، یہ مشتری کے خریدنے سے پہلے۔ تو یہ باندی اس شخص کی زوجہ بن گئی، اور بائع کے لیے وطی حرام ہو گئی اور وہ جو خاوند ہے اس کے لیے وطی حلال۔ لیکن باندی ہے ابھی بائع کے پاس ہی، وہ اس خاوند کو دینی نہیں کیونکہ یہ تو ہم حیلہ کر رہے ہیں۔ اب، اب مشتری اس کو خرید لے۔ اب جب مشتری خریدے گا تو مشتری کے لیے ابھی بھی وطی حرام ہے کیونکہ یہ تو غیر کی بیوی ہے۔ غیر کی بیوی ہے۔ تو جب استحداثِ ملک ہوا، تو استحداثِ ملک سے پہلے، توجہ ہے؟ جی۔ مشتری نے خرید لی، تو کس کو خریدا؟ غیر کی منکوحہ کو خرید رہا ہے۔ تو استحداثِ ملک آیا کہ نہیں آیا؟ جی۔ استحداثِ ملک تو ہے، نئی ملکیت آ گئی مشتری نے خرید لیا۔ استحداثِ ملک سے پہلے یہ باندی مشتری کے لیے حلال تھی، حرام تھی؟ حرام۔ حرام تھی، وطی حرام تھی۔ خریدنے کے بعد وطی حلال ہے یا حرام؟ حرام۔ حرام۔ ہاں؟ حرام۔ غیر کی منکوحہ ہے۔ جی۔ ہاں، خریدنے کے بعد بھی وطی حرام۔ دیکھا؟ تو اس خریدنے سے وطی حلال ہو ہی نہیں رہی، اگر حلال ہو رہی ہوتی تو استبراء واجب ہوتا۔ جی۔ تو یہ تو غیر کی منکوحہ ہے لہٰذا استبراء واجب نہیں۔ جب استبراء واجب نہیں، یہ اس کا مالک بن گیا مشتری، اب اس خاوند کو کہیں گے بھئی اب طلاق دے دو۔ اور وہ طلاق دے دے گا۔ جب اس نے طلاق دے دی تو اب استحداثِ ملک ہے؟ نہیں۔ نہیں، یہ تو پہلے سے ہی کس کی ہے؟ زید کی ہے۔ لہٰذا اس صورت میں استبراء واجب نہیں ہو گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ نکاح کس نے کروایا تھا؟ بائع نے۔

دوسری صورت اسی کے اندر یہ ہے کہ مشتری نکاح کروائے۔ بھئی مشتری کیسے نکاح کروائے گا؟ کہتے ہیں بھئی مشتری اس کو خرید لے، لیکن قبضہ نہ کرے ابھی۔ باندی ہے بائع کے گھر پر ہی، مشتری نے ایجاب و قبول کر کے اس کو خرید لیا۔ اب خریدتے ہی مشتری مالک بن گیا اور اب یہ اپنی باندی کا نکاح ایک قابلِ اعتماد آدمی سے کرواتا ہے کہ میں نکاح کروا رہا ہوں لیکن تم نے بعد میں طلاق دینی ہے جب ہم کہیں گے۔ چنانچہ جیسے ہی مشتری نے نکاح کروایا باندی اس شخص کی بیوی بن گئی، اب مشتری اس پر قبضہ کر لیتا ہے۔ قبضہ کر لیا تو بھی باندی اس کے لیے حلال نہیں کیونکہ یہ غیر کی منکوحہ ہے۔ اب وہ خاوند اس کو طلاق دے دے۔ تو اب طلاق دی تو استحداثِ ملک نہیں آیا۔ استحداثِ ملک نہیں، جب استحداثِ ملک نہیں یہ تو پہلے سے مالک ہے، تو لہٰذا استبراء بھی واجب نہیں ہو گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اور پھر بعض علماء فرماتے ہیں کہ قابلِ اعتماد آدمی ہے اور وہ اس سے کیا کہا ہے کہ آپ نے، ہم جب کہیں گے آپ

نے طلاق دینی ہے، پھر بھی خوف ہے پتہ نہیں ہو سکتا ہے وہ طلاق دیتا ہے یا نہیں۔ تو اس کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ جو خاوند ہے اس سے نکاح کرواتے وقت یہ شرط رکھ دی جائے کہ اس شرط پر تمہارے ساتھ ہم نکاح کرواتے ہیں کہ ہمیں طلاق دینے کا اختیار ہو گا۔ اب وہ نکاح کرتا ہے کہ ہاں مجھے قبول ہے، میری طرف سے، چاہے وہ بائع ہو چاہے مشتری، میری طرف سے اس آدمی کو پورا اختیار ہے یہ جو باندی ہے جو میری بیوی ہے اس کو میری طرف سے یہ طلاق دے سکتا ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ اختیار تو کسی کو بھی دیا جا سکتا ہے، خاوند بھی طلاق کا اختیار کسی کو دے سکتا ہے۔ تو جب طلاق کا اختیار ان کو دے دیا تو اب فکر کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے، اب وہ طلاق نہ بھی دے، یہ جس کو اختیار ملا ہے یہ اس اختیار کو استعمال کرتے ہوئے باندی کو طلاق دے دے گا خاوند کی طرف سے اور طلاق ہو جائے گی اور پھر حیلہ پورا ہو جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے کتاب پر: وَإِنْ كَانَتْ أَيْ وَإِنْ كَانَتْ تَحْتَهُ حُرَّةٌ اور اگر اس مشتری کے تحت کوئی آزاد عورت ہے یعنی اس کی بیوی ہے، تو أَنْ يُنْكِحَهَا الْبَائِعُ قَبْلَ الشِّرَاءِ تو نکاح کروا دے اس باندی کا بائع خریدنے سے پہلے ہی، أَوِ الْمُشْتَرِي یا مشتری کروا دے، مشتری کروا دے یعنی خریدنے کے بعد قَبْلَ قَبْضِهِ اس پر قبضہ کرنے سے پہلے نکاح کروا دے۔ بھئی کس سے نکاح کروائیں؟ مَنْ يُوثَقُ بِهِ ایسے شخص پر جس پر اعتماد کیا جاتا ہو، جو قابلِ اعتماد ہو۔ ثُمَّ يَشْتَرِي پھر مشتری اس کو کیا کر لے؟ خرید لے، وہ صورت جب بائع نے نکاح کروایا تھا۔ وَيَقْبِضُ اور اس پر کیا کر لے؟ قبضہ کر لے، کون سی صورت؟ جب مشتری نے اس کا نکاح کروایا تھا قبضے سے پہلے۔ پھر فَيُطَلِّقُ الزَّوْجُ تو خاوند پھر کیا کر دے؟ اس کو طلاق دے دے۔

أَيْ إِنْ كَانَتْ تَحْتَهُ حُرَّةٌ، دیکھو یہ اوپر متن میں کیا آیا تھا؟ وَإِنْ كَانَتْ۔ باقی عبارت محذوف تھی شارح نے نکال کر بتلا دی أَيْ إِنْ كَانَتْ تَحْتَهُ حُرَّةٌ اگر اس مشتری کے تحت جو ہے کوئی آزاد عورت ہو، فَالْحِيلَةُ تو حیلہ یہ ہے أَنْ يُنْكِحَهَا الْبَائِعُ قَبْلَ شِرَاءِ الْمُشْتَرِي رَجُلًا عَلَيْهِ اعْتِمَادٌ کہ بائع نکاح کروا دے اس باندی کا مشتری کے خریدنے سے پہلے ہی رَجُلًا ایک ایسے آدمی سے عَلَيْهِ اعْتِمَادٌ جس پر کیا ہے؟ اعتماد۔ دیکھو رَجُلًا نکرہ آیا اور عَلَيْهِ اعْتِمَادٌ یہ ہے پورا جملہ، عَلَيْهِ ہے خبرِ مقدم اور اعْتِمَادٌ کیا ہے مبتدا مؤخر۔ خبرِ مقدم اپنے مبتدا سے مل کر جملہ اسمیہ، اور رَجُلًا کے بعد جملہ اسمیہ آیا اور نکرہ کے بعد جملہ اسمیہ آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ اور موصوف سے پہلے کیا لاتے ہیں؟ ایسا یا ایسی۔ لہٰذا ترجمہ یوں ہو گا کہ بائع نکاح کروا دے قَبْلَ شِرَاءِ الْمُشْتَرِي مشتری کے خریدنے سے پہلے ہی رَجُلًا ایسے آدمی سے عَلَيْهِ اعْتِمَادٌ جس پر یہ اعتماد ہو کہ أَنْ يُطَلِّقَهَا وہ اس کو کیا کرے گا؟ طلاق دے دے گا۔ ثُمَّ يَشْتَرِيَ الْمُشْتَرِي پھر مشتری اس کو خرید لے، ثُمَّ يُطَلِّقَ الزَّوْجُ پھر خاوند اس کو طلاق دے دے۔ فَإِنَّهُ لَا يَجِبُ الِاسْتِبْرَاءُ پس استبراء واجب نہیں ہو گا، لِأَنَّهُ اشْتَرَى مَنْكُوحَةَ الْغَيْرِ وَلَا يَحِلُّ وَطْؤُهَا اس لیے کیونکہ مشتری نے غیر کی منکوحہ خریدی ہے وَلَا يَحِلُّ وَطْؤُهَا اور اس کے ساتھ تو وطی حلال نہیں تھی جو غیر کی منکوحہ تھی۔ توجہ ہے؟ جی۔ فَلَا اسْتِبْرَاءَ لہٰذا استبراء بھی نہیں۔ توجہ ہے؟ جی۔ بائع نے کیا کیا؟ کسی غیر سے نکاح کروا دیا، اب مشتری نے خرید لی۔ اب مشتری نے خرید لی تو بھی اس کے لیے وطی حلال نہیں کیونکہ غیر کی منکوحہ ہے۔

تو استحداثِ ملک تو ہے، لیکن وطی تو حلال ہو ہی نہیں رہی لہٰذا استبراء بھی واجب نہیں ہو گا۔ پھر جب خرید لے گا، قبضہ کر لے گا، تو اب استحداثِ ملک نہیں لہٰذا استبراء بھی واجب نہیں۔ نہیں آئی صورت سمجھ میں؟ نہیں آئی صورت سمجھ میں۔ پھر سنو، پھر سنو۔ بائع نے کسی غیر سے کیا کروا دیا؟ نکاح۔ اب مشتری نے اس کو خرید لیا۔ جب خرید کر مشتری لے آیا تو مشتری کے لیے وطی حلال ہے؟ نہیں۔ کیوں نہیں حلال؟ کیونکہ غیر کی منکوحہ ہے۔ جب مشتری کے لیے وطی ہی نہیں حلال تو استبراء واجب ہے؟ نہیں۔ استبراء بھی واجب نہیں۔ یہی بیان کر رہے ہیں: لِأَنَّهُ اشْتَرٰى مَنْكُوحَةَ الْغَيْرِ اس لیے کیونکہ اس نے غیر کی منکوحہ خریدی ہے وَلَا يَحِلُّ وَطْؤُهَا اور اس کے ساتھ تو وطی حلال نہیں ہے فَلَا اسْتِبْرَاءَ لہٰذا اس پر استبراء بھی نہیں۔

اب طلاق کی، بعد کی بات اب آ رہی ہے: فَإِذَا طَلَّقَهَا الزَّوْجُ قَبْلَ الدُّخُولِ پس جب اس کو خاوند نے طلاق دے دی قَبْلَ الدُّخُولِ کس سے پہلے؟ دخول، صحبت سے پہلے۔ یہ بھی ضروری ہے صحبت نہ کی ہو خاوند نے، کیونکہ اگر خاوند نے صحبت کر لیا تو پھر تو عدت آ جائے گی۔ عدت، طلاق دے گا اب طلاق دے گا اور صحبت کر چکا ہے پھر تو کیا آتی ہے؟ عدت۔ لیکن آپ جانتے ہیں اگر رخصتی سے پہلے کسی کا نکاح ہوا ہے اور رخصتی سے پہلے وہ کیا کر دیتا ہے بیوی کو طلاق دے دیتا ہے، تو وہاں عدت نہیں ہوتی اس عورت پر۔ تو یہاں پر بھی دخول سے پہلے خاوند نے کیا کیا؟ طلاق دے دی، تو عدت کوئی نہیں۔ یہ معنیٰ ہے فَإِذَا طَلَّقَهَا الزَّوْجُ قَبْلَ الدُّخُولِ حَلَّتْ عَلَى الْمُشْتَرِي پس جب خاوند اس کو طلاق دے دے گا دخول سے پہلے تو حلال ہو جائے گی مشتری پر، وَحِينَئِذٍ لَمْ يُوجَدْ حُدُوثُ الْمِلْكِ اور اس وقت تو حدوثِ ملک یعنی نئی ملکیت، حُدُوث کا معنیٰ نئی پایا جانا کسی چیز کا، تو اس وقت تو حدوثِ ملک نہیں پایا گیا، فَلَا اسْتِبْرَاءَ لہٰذا استبراء بھی واجب نہیں ہو گا۔[۲]

یا دوسری صورت یہ تھی: أَوْ يُنْكِحَهَا الْمُشْتَرِي قَبْلَ قَبْضٍ یا نکاح کروا دے مشتری اس کا قبضے سے پہلے۔ مشتری نے خرید تو لی لیکن ابھی قبضہ نہیں کیا بائع کے گھر ہی ہے، تو مشتری قبضے سے پہلے ہی کیا کر دے؟ نکاح کروا دے۔ تو قَبْلَ قَبْضٍ یہ تنوین پڑھنا قَبْضٍ پر، نکاح کروا دے مشتری قبضے سے پہلے ہی ذٰلِكَ الرَّجُلَ یہ مفعول ہے، نکاح کروائے کس سے؟ اس قابلِ اعتماد آدمی سے نکاح کروا دے۔ ثُمَّ يَقْبِضُهَا تو پھر اس پر مشتری قبضہ کر لے۔ اب مشتری نے قبضہ کر لیا ثُمَّ يُطَلِّقُهَا الزَّوْجُ پھر خاوند اس کو کیا کرے؟ طلاق دے دے۔ فَإِنَّ الِاسْتِبْرَاءَ يَجِبُ بَعْدَ الْقَبْضِ استبراء جو ہے وہ قبضے کے بعد واجب ہوتا ہے۔ استبراء تو کب واجب ہوتا ہے؟ قبضے کے بعد۔ اور قبضے کے بعد تو یہ غیر کی منکوحہ تھی اس وقت تو وطی حلال نہیں، جب وطی حلال نہیں تو استبراء بھی واجب نہیں تھا۔ پھر جب اس نے طلاق دے دی تو طلاق کے بعد استحداثِ ملک ہے؟ نہیں، یہ تو پہلے سے اس کا مالک ہے لہٰذا استبراء واجب نہیں۔ کہتے ہیں فَإِنَّ الِاسْتِبْرَاءَ يَجِبُ بَعْدَ الْقَبْضِ استبراء جو ہے وہ تو

[۲] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۰۲):** صوتی درس کی قراءت میں «فَإِذَا طَلَّقَهَا الزَّوْجُ قَبْلَ الدُّخُولِ حَلَّتْ عَلَى الْمُشْتَرِي» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فإذا طلّقها الزّوجُ قبلَ الدُّخولِ حلَّ على المشتري،» منقول ہے۔

قبضے کے بعد واجب ہوتا ہے وَحِينَئِذٍ لَا يَحِلُّ الْوَطْءُ اور اس وقت تو وطی ہی حلال نہیں، تو لہٰذا استبراء بھی واجب نہیں۔ وَإِذَا حَلَّ بَعْدَ طَلَاقِ الزَّوْجِ اور جب حلال ہو گئی خاوند کے طلاق دینے کے بعد، تو لَمْ يُوجَدْ حُدُوثُ الْمِلْكِ تو اس وقت تو حدوثِ ملک نہیں پایا گیا لہٰذا استبراء بھی واجب نہیں ہو گا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟ جی۔

وَمَنْ فَعَلَ بِشَهْوَةٍ إِحْدٰى دَوَاعِي الْوَطْءِ بِأَمَتَيْهِ لَا تَجْتَمِعَانِ نِكَاحًا، حَرُمَ عَلَيْهِ وَطْؤُهُمَا بِدَوَاعِيهِ حَتّٰى يُحَرِّمَ عَلَيْهِ إِحْدَاهُمَا. بھئی یاد رکھو کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ دو بہنوں کو اپنے نکاح میں جمع کر لے یعنی دونوں کے ساتھ نکاح کر لے۔ شریعت نے اس سے منع کیا ہے، قرآن میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بہنوں کے درمیان محبت ہوتی ہے، تعلق ہوتا ہے، انس ہوتا ہے، اور جب یہ دونوں کو نکاح میں جمع کرے گا تو دونوں ایک دوسرے کی سوکن بن گئیں، اور سوکنوں کے درمیان آپ جانتے ہیں وہ ہمیشہ لڑائی جھگڑا ناراضگی وغیرہ رہتی ہے۔ تو دیکھو یہ جو رشتہ ہوا جس میں دونوں بہنوں کو ایک شخص نے نکاح میں جمع کیا، تو اس رشتے کی وجہ سے دونوں بہنوں میں نفرت آئے گی، بغض آئے گا، توڑ آئے گا۔ اور شریعت وہ تو جوڑنے کا حکم دیتی ہے، کہیں پر بھی رشتوں کو توڑنے اور نفرت کا حکم نہیں دیتی۔ اس لیے شریعت نے منع کیا کہ دو بہنوں کو کسی ایک شخص کے لیے نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں۔

اور صرف یہ دو بہنوں کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ہر وہ دو عورتیں جن میں محرمیت والا رشتہ ہو ان کو جمع کرنا جائز نہیں۔ مثلاً ایک لڑکی اور اس کی خالہ، یا لڑکی اور اس کی پھوپھی، ان کو بھی ایک شخص نکاح میں جمع نہیں کر سکتا کیونکہ یہ آپس میں نفرت کا سبب بنے گا، آپس میں لڑائی کا، جھگڑے کا اور توڑ کا سبب بنے گا۔

اور یاد رکھو یہی حکم باندی میں بھی ہے۔ دو بہنیں جو ہیں وہ ایک شخص کی مملوکہ ہیں، دونوں بہنیں اس کی باندیاں ہیں اور وہ دونوں کے ساتھ وطی کرتا ہے یا دواعی وطی کرتا ہے یا

یاد رکھیے جائز نہیں ہے، یہ جائز نہیں۔

ایک شخص کی دو باندیاں ہیں جو آپس میں بہنیں ہیں، اس میں پھر تین صورتیں بنتی ہیں، تین۔ ایک شخص ہے اور اس کی دونوں باندیاں آپس میں بہنیں ہیں۔ تو ایک صورت تو یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی وہ وطی نہیں کرتا، پھر تو رکھے ٹھیک ہے دونوں کو باندیاں بنا کر رکھے۔ اور میں نے پہلے بتلا دیا کہ دواعی وطی کا بھی وہی حکم جو کس کا حکم ہے؟ وطی۔ دونوں کے ساتھ وطی بھی نہیں کرتا اور دواعی وطی بھی نہیں ہیں یعنی کسی کا بوسہ بھی نہیں لیتا، شہوت سے ہاتھ بھی نہیں لگاتا یا شرمگاہ کی طرف بھی نہیں دیکھتا، تو پھر ان دونوں بہنوں کو وہ باندی کے طور پر رکھ سکتا ہے۔

ایک صورت یہ کہ دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی وطی نہیں کرتا۔ دوسری صورت یہ کہ ان میں سے صرف ایک کے ساتھ وطی کرتا ہے، تو بھی ٹھیک ہے دونوں کو رکھے باندی بنا کر۔ تیسری صورت یہ ہے کہ وہ دونوں کے ساتھ وطی کر لیتا ہے، یا دونوں کے ساتھ دواعی وطی کر لیتا ہے، دونوں کا بوسہ لے لیتا ہے۔ تو یاد رکھو اس صورت میں بھی اب ان دو بہنوں کو

جمع کر کے اکٹھا رکھنا اس شخص کے لیے جائز نہیں۔ اب جب اس نے دونوں کے ساتھ وطی یا دواعی وطی کر لیے اب اس پر لازم ہے کہ ان میں سے ایک کو اپنے اوپر حرام کر دے۔ دونوں حرام ہو گئیں، یہ نہیں کہ ایک حرام ہوئی، دونوں کے ساتھ وطی بھی حرام ہوئی اور دواعی وطی بھی حرام ہو گئے جب اس نے دونوں کے ساتھ تعلق رکھا۔ اور اب ایک کو اپنے اوپر حرام کرے گا تو پھر دوسری والی اس کے لیے حلال ہو جائے گی۔ اور حرام کس طرح کرے؟ اس باندی کو کل کا کل کسی کو بیچ دے یا اس کا نصف کسی کو بیچ دے۔ پورا بیچ دے گا تو بھی اس کی ملکیت سے نکل گئی اس کے لیے حرام ہو گئی لہٰذا پہلی باندی پھر حلال ہو جائے گی۔ اگر آدھا حصہ بیچ دے تو آپ جانتے ہیں مشترکہ باندی کے ساتھ وطی حلال نہیں ہوتی، لہٰذا اس صورت میں بھی ایک بہن حرام ہو گئی تو دوسری بہن اس کے لیے حلال۔ یا اس ایک بہن کا کسی سے نکاح کروا دے، نکاح کرواتے ہی آقا کے ساتھ باندی کے لیے صحبت حرام ہو جاتی ہے، تو ایک بہن حرام ہو گئی تو اب دوسری بہن کیا ہو جائے گی؟ حلال ہو جائے گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

وَمَنْ فَعَلَ بِشَهْوَةٍ إِحْدٰى دَوَاعِي الْوَطْءِ بِأَمَتَيْهِ لَا تَجْتَمِعَانِ نِكَاحًا، حَرُمَ عَلَيْهِ وَطْؤُهُمَا بِدَوَاعِيهِ حَتّٰى يُحَرِّمَ عَلَيْهِ إِحْدَاهُمَا. اور جس شخص نے کیا شہوت کے ساتھ إِحْدٰى دَوَاعِي الْوَطْءِ وطی کے دواعی میں سے کوئی ایک کام جس نے شہوت کے ساتھ کیا بِأَمَتَيْهِ اپنی دو باندیوں کے ساتھ، ایسی دو باندیاں لَا تَجْتَمِعَانِ نِكَاحًا جو جمع نہیں ہو سکتیں نکاح کے اعتبار سے۔ یعنی دو بہنیں نہیں ضروری، بلکہ دو عورتیں، دو ایسی رشتہ دار ہیں جو جمع نہیں ہو سکتیں نکاح کے اعتبار سے، جیسے میں نے بتلایا تھا کہ جیسے بھتیجی اور پھوپھی، یا بھانجی اور خالہ، یہ بھی۔ تو ایسی باندیاں کہ لَا تَجْتَمِعَانِ نِكَاحًا جو جمع نہیں ہو سکتیں باعتبار نکاح کے، تو ان دونوں سے اس نے دواعی وطی کر لیے، تو حَرُمَ عَلَيْهِ وَطْؤُهُمَا تو اس پر وہ دونوں کی وطی حرام ہو گئی بِدَوَاعِيهِ ساتھ دواعی وطی کے، وطی بھی حرام اور اب دواعی وطی بھی حرام۔ حَتّٰى يُحَرِّمَ عَلَيْهِ إِحْدَاهُمَا یہاں تک کہ وہ حرام کر دے اپنے اوپر إِحْدَاهُمَا ان دونوں میں سے کسی ایک کو۔ پھر جب حرام کر دے گا تو پھر دوسری حلال ہو گی ورنہ تب تک دونوں حرام ہیں۔

اب دواعی وطی کسے کہتے ہیں وہ بتلانے لگے ہیں۔ کہتے ہیں دَوَاعِي الْوَطْءِ وطی کے جو دواعی ہیں هِيَ الْقُبْلَةُ وہ بوسہ لینا ہے، وَالْمَسُّ بِشَهْوَةٍ اور شہوت کے ساتھ چھونا ہے، ہاتھ لگانا ہے، وَالنَّظَرُ إِلٰى فَرْجِهَا بِشَهْوَةٍ اور دیکھنا ہے اس کی شرمگاہ کی طرف شہوت کے ساتھ۔ یہ سب دواعی وطی ہیں یعنی وطی تک لے جانے والے ہیں۔ فَإِنَّ لِدَوَاعِي الْوَطْءِ حُكْمَ الْوَطْءِ اس لیے کیونکہ جو دواعی وطی ہیں ان کا وطی والا حکم ہے۔

وَتَحْرِيمُ أَحَدِهِمَا بھئی کیسے حرام کرے گا اپنے اوپر ان میں سے ایک کو؟ کہتے ہیں وَتَحْرِيمُ أَحَدِهِمَا، إِحْدَاهُمَا ہونا چاہیے تھا بھئی، اور ان میں سے کسی ایک کو حرام کرنا يَكُونُ بِإِزَالَةِ الْمِلْكِ بایں صورت ہو گا کہ وہ ملکیت کو زائل کر دے، اپنی

ملکیت اس پر سے ختم کر دے، كُلًّا أَوْ بَعْضًا پوری ملکیت ختم کر دے یعنی پوری کسی کو بیچ دے، أَوْ بَعْضًا یا بعض ملکیت ختم کر دے یعنی اس کا کچھ حصہ کسی کو بیچ دے۔ تو اب یہ دیکھو حرام ہو جائے گی۔ أَوْ بِإِنْكَاحِهَا یا اس کا نکاح کروا دے، تو اس صورت میں بھی وہ اس پر کیا ہو جائے گی؟ حرام۔ جب ایک حرام ہو گی تو اب دوسری حلال ہو جائے گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی: وَكُرِهَ تَقْبِيلُ الرَّجُلِ وَاعْتِنَاقُهُ فِي إِزَارٍ وَاحِدٍ وَجَازَ مَعَ قَمِيصٍ وَمُصَافَحَتُهُ. وَكُرِهَ تَقْبِيلُ الرَّجُلِ. قَبَّلَ يُقَبِّلُ تَقْبِيلًا کا معنیٰ ہے بوسہ لینا۔ اور مکروہ ہے مرد کا بوسہ لینا، ایک مرد دوسرے مرد کا بوسہ لے یہ مکروہ ہے بھئی مکروہ۔ وَاعْتِنَاقُهُ. اِعْتِنَاق کہتے ہیں گلے لگانا، وَاعْتِنَاقُهُ عُنُق سے ہے نا عُنُق، عُنُق کس کو کہتے ہیں؟ گردن کو۔ تو اعتناق میں بھی گلے جب ملتا ہے تو ایک گردن دوسری گردن کے ساتھ ملتی ہے گویا اس کے قریب آجاتی ہے تو گویا ملتی ہے۔ تو بہرحال یہ اعتناق کا معنیٰ گلے ملنا۔ اسی طرح وَاعْتِنَاقُهُ مکروہ ہے ایک مرد کا دوسرے مرد کو گلے لگانا فِي إِزَارٍ وَاحِدٍ ایک ہی ازار میں، یعنی صرف تہبند میں، یا یوں کہیں صرف شلوار پہنی ہے قمیص نہیں پہنی، اس حالت میں گلے ملتے ہیں یہ مکروہ ہے بھئی۔ بوسہ لینا بھی مکروہِ تحریمی، اور یہ گلے ملنا بھی مکروہِ تحریمی جبکہ ایک ہی ازار میں ہوں۔

ہاں وَجَازَ مَعَ قَمِيصٍ قمیص کے ساتھ جائز ہے، قمیص کے ساتھ جائز۔ وجہ اس کی یہ کہ کیونکہ قمیص جب نہیں ہو گی گلے ملیں گے تو بدن کی حرارت ایک دوسرے کو پہنچے گی، تو اس میں احتمال ہے شہوت کا بھئی۔ لہٰذا اس لیے اس کو منع کیا گیا ہے۔ ہاں قمیص کے ساتھ ہو تو پھر یہ جائز ہے۔ جبکہ آگے آپ کو بتلائیں گے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے بھئی، یہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور یہ وہ صورت ہے جب یہ گلے ملنا وغیرہ محبت کی وجہ سے ہو، محبت کی وجہ سے ویسے مل رہے ہیں، اور اگر شہوت کی وجہ سے ہو پھر تو بالاتفاق حرام ہے۔ تو شہوت کی قید یاد رکھنا کہ یہاں کہ جب شہوت نہ ہو پھر یہ صورت ہے، شہوت ہو پھر تو حرام ہے، حرام ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَمُصَافَحَتُهُ اور مصافحہ بھی جائز ہے یعنی ہاتھ ملانا۔ اس کا عطف کس پر ہے؟ کہتے ہیں عَطْفٌ عَلَى الضَّمِيرِ فِي جَازَ کہ جَازَ کے اندر جو هُوَ ضمیر تھی اس پر عطف ہے۔ وَجَازَ مَعَ قَمِيصٍ اور وہ جائز ہے کس کے ساتھ؟ قمیص کے ساتھ۔ تو مصافحہ کا عطف کس پر ہوا؟ جَازَ کے اندر هُوَ ضمیر پر۔ اور هُوَ کیا ہے؟ ضمیرِ متصل۔ اور ضمیرِ متصل پر تو عطف جائز ہونے کے لیے دو شرطوں میں سے ایک شرط ضروری ہے: یا تو کیا اس ضمیرِ متصل کی تاکید لائی جائے ضمیرِ منفصل کے ساتھ، یا درمیان میں کیا آجائے؟ فصل آجائے۔ اور یہاں مَعَ قَمِيصٍ یہ فصل آگیا اس لیے یہ جائز ہے۔ تو کہتے ہیں عَطْفٌ عَلَى الضَّمِيرِ فِي جَازَ یہ جَازَ کے اندر جو ضمیر ہے اس پر عطف ہے۔

کہتے ہیں هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالٰى یہ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے یہ جو متن میں حکم بیان ہوا۔

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ لَا بَأْسَ بِهِمَا فِي إِزَارٍ وَاحِدٍ ایک ازار میں بھی اس میں کوئی حرج نہیں ہے بھئی۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کوئی حرج نہیں ہے ان میں، یعنی مرد مرد کا بوسہ لیتا ہے محبت کی وجہ سے یا اسی طرح ایک شلوار میں وہ گلے ملتے ہیں تو جب محبت سے ہے شہوت کا خطرہ نہیں ہے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور اگر کوئی عالمِ دین ہے اس کے ہاتھ کو کوئی بوسہ دیتا ہے یا بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے یا اسی طرح کسی بزرگ کے ہاتھ کو کوئی شخص بوسہ دیتا ہے تو یہ جائز ہے بھئی۔ ہاں عِنْدَ الْبَعْضِ یہ وہ بھی بعض تو اس کو بھی منع کرتے ہیں لیکن عام فقہاء کیا فرماتے ہیں؟ یہ جائز ہے بھئی۔

وَأَمَّا مَعَ الْقَمِيصِ فَلَا بَأْسَ بِالْإِجْمَاعِ اور باقی قمیص کے ساتھ یہ گلے لگانا، تو کہتے ہیں فَلَا بَأْسَ تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بالاجماع، لوگ جب بھی ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے ہیں تو ایک دوسرے کو گلے ملتے ہیں۔ وَالْخِلَافُ فِيمَا يَكُونُ لِلْمَحَبَّةِ کہتے ہیں اختلاف اس گلے ملنے میں ہے جو محبت کے لیے ہو۔ وَأَمَّا بِالشَّهْوَةِ اور وہ جو باقی جو شہوت کے ساتھ ہو فَلَا شَكَّ فِي الْحُرْمَةِ إِجْمَاعًا تو اس کی حرمت میں کوئی شک نہیں ہے اجماعاً بھئی، اس پر اجماع ہے سب کا کہ وہ حرام ہے۔

وَكُرِهَ بَيْعُ الْعَذِرَةِ خَالِصَةً وَصَحَّ فِي الصَّحِيحِ مَخْلُوطَةً. اور مکروہ ہے بیع عذرہ کی۔ عَذِرَة کہتے ہیں انسان کا جو فضلہ ہے یعنی پاخانہ جو ہے، اس کی بیع مکروہ ہے، مکروہِ تحریمی، خَالِصَةً اس حال میں کہ وہ خالص ہو۔ صرف پاخانے کی یعنی انسانی فضلے کی بیع یہ مکروہِ تحریمی ہے۔ وَصَحَّ اور صحیح ہے فِي الصَّحِيحِ صحیح قول میں مَخْلُوطَةً جبکہ وہ کیا ہو؟ ملا جلا ہو، ملا جلا ہو۔ بھئی یاد رکھو انسانی فضلہ جب خالص ہو اس کی بیع مکروہ ہے، اور اگر وہ مٹی یا ریت کے ساتھ ملا ہوا ہے پھر اس کی بیع جائز ہے۔ تو گویا اصل بیع تو ہو رہی ہے وہ مٹی اور ریت کی اور اس کے اندر کیا ملی ہوئی ہے؟ نجاست ملی ہوئی ہے۔ تو انسانی فضلہ یہ نجس ہے اور نجس چیز سے انتفاع یا اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں وَصَحَّ فِي الصَّحِيحِ، فِي الصَّحِيحِ سے مراد صحیح قول ہے، یعنی بعض تو فرماتے ہیں کہ مخلوط کی بیع بھی جائز نہیں، لیکن صحیح قول کے مطابق مخلوط کی، ملا جلا ہو جو ریت اور مٹی کے ساتھ، اس کی بیع صحیح ہے یعنی جائز ہے۔

وَصَحَّ فِي الصَّحِيحِ مَخْلُوطَةً اور صحیح ہے صحیح قول کے مطابق اس حال میں کہ وہ ملا جلا ہو، كَبَيْعِ السَّرْقِينِ. سَرْقِين کہتے ہیں بھئی یہ گوبر جو گائے بھینس وغیرہ کا فضلہ ہے۔ اور اس کی بیع جائز ہے اس لیے کیونکہ ہے تو یہ بھی نجاست لیکن ضرورت ہے، لوگ اس سے نفع اٹھاتے ہیں، اس کو آگ جلانے کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اسی طرح اس کو کھیتوں میں ڈالتے ہیں بھئی تاکہ زمین بہتر ہو جائے پیداوار اچھی دے، تو اس وجہ سے ضرورت کی بنا پر اس کی اجازت ہے، ورنہ نجس چیز کی بیع کی اجازت نہیں بھئی۔ كَبَيْعِ السَّرْقِينِ جیسے کہ گوبر کی بیع ہے۔

وَالِانْتِفَاعُ بِمَخْلُوطَتِهَا لَا بِخَالِصَتِهَا. اور نفع اٹھانا، اس کا عطف کس پر ہے؟ وَصَحَّ، صَحَّ کے اندر جی؟ هُوَ ضمیر ہے، اس پر کہ صحیح ہے نفع اٹھانا بِمَخْلُوطَتِهَا. هَا ضمیر کس کو راجع؟ پیچھے دو چیزیں ذکر ہوئیں: ایک سَرْقِين اور ایک عَذِرَة. مؤنث

کیا ہے؟ عَذِرَة مؤنث ہے بھئی، لہٰذا تو وَالِانْتِفَاعُ بِمَخْلُوطَتِهَا اور صحیح ہے نفع اٹھانا انسانی فضلہ سے جب وہ مخلوط ہو، ملا جلا ہو، یعنی اس سے نفع اٹھانا پودوں وغیرہ میں ڈالنا تاکہ پودے اچھی طرح بڑھ جائیں، لَا بِخَالِصَتِهَا خالص انسانی فضلے کے ساتھ نفع اٹھانا جائز نہیں، صحیح نہیں ہے۔ فَإِنَّ بَيْعَ السَّرْقِينِ جَائِزٌ عِنْدَنَا کیونکہ سرقین یعنی گوبر کی بیع جو ہے وہ جائز ہے ہمارے نزدیک، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ لَا يَجُوزُ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک گوبر کی بیع جائز نہیں۔

وَجَازَ أَخْذُ دَيْنٍ عَلَى كَافِرٍ مِنْ ثَمَنِ خَمْرٍ بَاعَهُ بِخِلَافِ الْمُسْلِمِ. صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک مسلمان نے کافر سے قرضہ لینا ہے، اس کو قرض دیا ہوا ہے۔ یہ اس کے پاس قرض لینے کے لیے پہنچا۔ اب اس کافر کے پاس اور تو مال تھا نہیں، شراب پڑی ہوئی تھی۔ اس نے وہ شراب اسی وقت ایک آدمی کے ہاتھ فروخت کی اور جو پیسے اور ثمن ملے اسی وقت وہ مسلمان کے حوالے کر دیے۔ تو کیا مسلمان کے لیے ثمن لینا جائز ہے؟ کہتے ہیں ہاں بھئی یہ ثمن لینا مسلمان کے لیے قرضے کی وصولی میں جائز ہے۔ اس لیے کیونکہ شراب ہمارے لیے تو حرام ہے استعمال بھی اور بیع بھی، لیکن کافروں کے لیے تو وہ مالِ متقوم ہے، لہٰذا یہ مسلمان کے لیے اب اس سے یہ پیسے لینا جائز ہے۔

جبکہ اس کے برعکس اگر ایک شخص کا دوسرے شخص پر قرضہ ہے، مسلمان ہے جس پر قرضہ ہے، اور یہ اس کے پاس قرضہ لینے کے لیے پہنچا۔ تو اس نے کہا میرے پاس تو اس وقت پیسے نہیں ہیں، ہاں میرے پاس یہ شراب پڑی ہے۔ کون کہہ رہا ہے؟ یہ مسلمان کہہ رہا ہے۔ میرے پاس یہ شراب پڑی ہے میں اس کو ابھی بیچتا ہوں پیسے آپ کو دے دیتا ہوں۔ تو کہتے ہیں کہ وہ شراب بیچتا ہے اور اس کے پیسے جو ہے وہ مسلمان کو دیتا ہے جو اس نے قرضہ اس سے لیا تھا اس کو واپس کرتا ہے، کہتے ہیں یہ لینا جائز نہیں یہ حرام ہے۔ کیوں حرام ہے؟ کہتے ہیں وجہ یہ کہ کافر کے لیے تو شراب مالِ متقوم ہے، مسلمان کے لیے تو یہ مالِ متقوم نہیں۔ مالِ متقوم وہ مال جس کی کوئی قیمت ہو، وہ مال جس کی قیمت۔ مسلمان کے لیے شراب مالِ متقوم نہیں ہے بھئی، یہ شریعت نے تو اس کی اہانت کا حکم دیا ہے اور مالِ متقوم تو وہ ہے جو قیمتی چیز ہوتی ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو لہٰذا مسلمان نے، تو کافر کے لیے تو وہ مالِ متقوم تھی شراب، لیکن مسلمان کے لیے تو مالِ متقوم نہیں۔ مسلمان کے لیے تو شراب نہ خریدنا جائز نہ بیچنا، نہ خرید سکتا ہے نہ بیچ سکتا ہے، مالک بن ہی نہیں سکتا اس کا۔ تو جب

شراب بیچی، تو بیع ہوئی؟ نہیں۔ بیع ہوئی ہی نہیں، بیع تو باطل ہے۔ جب بیع نہیں ہوئی تو جو پیسے لیے وہ لینا بھی اس کے لیے جائز نہیں۔ جب پیسے لینا ہی نہیں جائز، تو وہی پیسے کس کو دے رہا ہے؟ اس دوسرے مسلمان کو، تو یہ بھی اس کے لیے لینا حرام ہے۔

تو کہتے ہیں وَجَازَ أَخْذُ دَيْنٍ عَلَى كَافِرٍ اور جائز ہے وہ لینا، وہ دین عَلَى كَافِرٍ جو کس پر تھا؟ کسی کافر پر تھا وہ دین لینا، مِنْ ثَمَنِ خَمْرٍ بَاعَهُ ایسے شراب کے ثمن میں سے بَاعَهُ جس کو اس نے بیچا۔ دیکھو یہ میرے اصول اور ضابطے لگاؤ گے تو بڑا ترجمہ بہترین ہو جائے گا، ورنہ ترجمہ ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ وَجَازَ اور جائز ہے أَخْذُ دَيْنٍ ایسے دین کو لینا عَلَى كَافِرٍ جو کس پر تھا؟

کافر، کسی کافر پر تھا، مِنْ ثَمَنِ خَمْرٍ بَاعَهُ. خَمْرٍ نکرہ، بَاعَهُ اس کے بعد کیا آیا؟ فعل۔ ایسے خمر کے ثمن میں سے بَاعَهُ جس کو اس نے بیچا ہے۔ تو یہ جائز ہے، بِخِلَافِ الْمُسْلِمِ بخلاف کس کے؟ مسلمان کے، یعنی اس پر جو دین تھا اور اس نے جو خمر بیچ کر، شراب بیچ کر اس کے ثمن وصول کر کے دیے وہ جائز نہیں لینا۔

أَيْ بِخِلَافِ دَيْنٍ عَلَى الْمُسْلِمِ بخلاف اس قرض کے جو مسلمان پر ہے۔ فَإِنَّهُ لَا يُؤْخَذُ مِنْ ثَمَنِ خَمْرٍ بَاعَهُ الْمُسْلِمُ کیونکہ فَإِنَّهُ لَا يُؤْخَذُ کیونکہ لیا نہیں جائے گا مِنْ ثَمَنِ خَمْرٍ ایسے شراب کے ثمن میں سے بَاعَهُ الْمُسْلِمُ جس کو مسلمان نے بیچا، اس کے ثمن میں سے اس دین کو نہیں لیا جائے گا۔ لِأَنَّ بَيْعَهُ بَاطِلٌ کیونکہ مسلمان کا اس شراب کو بیچنا باطل ہے۔ فَالثَّمَنُ الَّذِي أَخَذَهُ حَرَامٌ پس وہ ثمن جو اس نے لیے وہ کیا تھے؟ حرام تھے۔ تو وہ ثمن جو اس نے لیے وہ حرام ہیں۔

وَتَحْلِيَةُ الْمُصْحَفِ. چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۲۷: فصل فی الکسب والمعاملات: تزیینِ مساجد و مصاحف، ذمی کا مسجد میں داخلہ، اور بیعِ عصیر و سلاح

شرح الوقایہ صفحہ: ۵۶ — بتاریخ: ۱۹ دسمبر ۲۰۱۹ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے آگے سبق:[1]

وَتَحْلِيَةُ الْمُصْحَفِ بِالرَّفْعِ عَطْفٌ عَلٰى أَخْذِ دَيْنٍ، وَدُخُولُ الذِّمِّيِّ الْمَسْجِدَ هٰذَا عِنْدَنَا، وَعِنْدَ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى يُكْرَهُ، لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ﴾. قُلْنَا: لَا يُرَادُ نَهْيُ الْكُفَّارِ عَنْ هٰذَا، لِأَنَّ قَوْلَهٗ ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ﴾ لَا يُوجِبُ الْحُرْمَةَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا، بَلِ الْمُرَادُ بِشَارَةُ الْمُسْلِمِينَ بِأَنَّ الْكُفَّارَ لَا يَتَمَكَّنُونَ مِنَ الدُّخُولِ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا.

متفرق قسم کے مسائل ذکر ہو رہے ہیں بھائی کتاب الکراہیہ کے اندر۔ تو آگے فرماتے ہیں: وَتَحْلِيَةُ الْمُصْحَفِ۔ یہ جو پیچھے آیا تھا ایک ڈیڑھ سطر قبل: وَجَازَ أَخْذُ دَيْنٍ۔ یہ أَخْذُ دَيْنٍ یہ فاعل ہے جَازَ کے لیے، اور جائز ہے دَيْن کا لینا۔ اسی أَخْذِ دَيْنٍ

[1]

جدول — کسب، معاملات، لباس اور آدابِ معاشرت کے اہم فقہی مسائل:

مسئلہ / باب	مذہبِ امام ابو حنیفہؒ	مذہبِ صاحبینؒ / تفصیل
سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال	مرد و عورت دونوں کے لیے کھانا پینا اور تیل/خوشبو لگانا حرام	بالاتفاق حرام؛ البتہ چاندی سے جڑاؤ (ضبہ) بقدرِ حاجت جائز۔
ریشم (حریر) پہننا	عورتوں کے لیے حلال، مردوں کے لیے حرام (مگر ۴ انگل تک علم)	جنگی ضرورت یا خارش میں رخصت؛ دیباج کے تکیے پر سونا عند أبی حنیفہ جائز۔
بیعِ عصیر ممن یتخذہ خمراً	انگور کا رس شراب بنانے والے کے ہاتھ بیچنا جائز (بلا کراہت)	صاحبینؒ کے نزدیک مکروہ؛ کیونکہ کہ معصیت خریدار کے اپنے فعل سے ہے۔
سواد میں بیتِ نار یا کنیسہ کے لیے اجارہ	سواد (دیہات) میں غیر مسلم کو مکان کرائے پر دینا جائز	صاحبینؒ کے نزدیک مکروہ؛ امصارِ مسلمین میں بالاتفاق ممنوع۔

پر عطف ہے تَحْلِيَةُ الْمُصْحَفِ کا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ یعنی جائز ہے، جائز ہے تَحْلِيَةُ الْمُصْحَفِ، مصحف کا تَحْلِيَة۔ تَحْلِيَة کہتے ہیں مزین کرنا بھائی، زیور پہنانا۔ مُصْحَف یعنی قرآن بھائی، قرآن۔ قرآن کو مزین کرنا، اس پر سونے یا چاندی کی چیزیں چڑھانا، یا سونے چاندی کے تاروں سے اس کے اوپر کوئی چیز بنانا، کہتے ہیں یہ جائز ہے بھائی۔ کیونکہ یہ تعظیم کے لیے کیا جاتا ہے، اور یہ جائز ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں اور جائز ہے تَحْلِيَةُ الْمُصْحَفِ، قرآن کو زیور سے آراستہ کرنا۔ بِالرَّفْعِ، کہتے ہیں یہ تَحْلِيَةُ الْمُصْحَفِ رفع کے ساتھ پڑھیں، اس پر رفع پڑھیں، عَطْفٌ عَلٰى أَخْذِ دَيْنٍ، یہ رفع کے ساتھ ہے، أَخْذِ دَيْنٍ پر عطف ہے۔ وَدُخُولُ الذِّمِّيِّ الْمَسْجِدَ، یہ بھی اسی پر عطف ہے۔ آگے کافی دور تک عبارت جائے گی، یہ سب کا عطف اسی أَخْذِ دَيْنٍ پر ہے بھائی، اور وہ مرفوع تھا تو یہ سب بھی مرفوع، اور وہ جائز تھا تو یہ سب چیزیں جو آگے ذکر ہوں گی یہ بھی کیا ہوں گی؟ جائز ہوں گی۔

تو دُخُولُ الذِّمِّيِّ الْمَسْجِدَ، اور جائز ہے ذمی کا داخل ہونا مسجد میں۔ ذمی آپ جانتے ہیں وہ کفار جو دارالاسلام میں رہتے ہیں اور جزیہ ادا کرتے ہیں، سالانہ ٹیکس ادا کرتے ہیں، کہ اسلامی مملکت جو ہے وہ ان کی حفاظت کی ذمہ دار ہوتی ہے، تو اس کی وجہ سے وہ ان سے کچھ سالانہ ٹیکس لیتی ہے جو بڑا ہی معمولی اور تھوڑا سا ہوتا ہے۔ تو ان کفار کو جو دارالاسلام میں رہتے ہیں ان کو ذمی کہتے ہیں۔ تو ذمی کا مسجد میں داخل ہونا عِنْدَ الْأَحْنَافِ جائز ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَدُخُولُ الذِّمِّيِّ الْمَسْجِدَ، اور جائز ہے ذمی کا مسجد میں داخل ہونا۔ هٰذَا عِنْدَنَا، یہ ہمارے نزدیک ہے۔ وَعِنْدَ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى يُكْرَهُ، اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ یاد رکھیے امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ذمی جو ہے وہ مسجد الحرام میں داخل نہیں ہو سکتا، باقی مساجد میں داخل ہو سکتا ہے۔ اور ان کی دلیل یہ جو آگے آیت آ رہی ہے کہ ﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ ﴾، یہاں صرف مسجد حرام کا ذکر ہے، اس لیے وہ فرماتے ہیں کہ مسجد حرام میں داخل نہیں ہو سکتا، باقی مسجدوں میں داخل ہو سکتا ہے۔ جبکہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ذمی کسی بھی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہاں سے پتہ چل گیا کہ ﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ ﴾، مشرک کیا ہیں؟ نجس ہیں۔ اس لیے ان کا مسجد میں داخل ہونا منع ہے بھائی۔ تو وہ تمام مساجد کا یہی حکم بیان فرماتے ہیں۔

تو کہتے ہیں: وَعِنْدَ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُكْرَهُ، امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک مکروہ ہے، لِقَوْلِهِ تَعَالٰى، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے: ﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ ﴾، کہ مشرکین جو ہیں وہ نجس ہیں، ﴿ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ ﴾، پس وہ قریب نہ جائیں کس کے؟ مسجد الحرام کے۔ اور آگے آیت میں ہے: ﴿ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ﴾، اس سال کے بعد۔ ﴿ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ﴾، وہ قریب نہ جائیں مسجد الحرام کے اس سال کے بعد۔ تو یہ ان کی دلیل ہے، کہتے ہیں دیکھو اس میں مشرکین کو نجس قرار دیا گیا ہے، اور ان کو مسجد الحرام کے قریب جانے

سے منع کیا گیا ہے، تو لہٰذا وہ داخل نہیں ہو سکتے۔

قُلْنَا، ہم جواب میں کہتے ہیں۔ ہمارا کیا مذہب تھا؟ کہ ذمی مسجد میں داخل ہو سکتا ہے۔ یاد رکھو، ہم احناف جو ہیں، ہم کہتے ہیں کہ یہاں جو مشرکین کو نجس قرار دیا گیا، اس سے ان کے یہ مراد نہیں ہے کہ ان کے بدن نجس ہیں، ان کے بدن ناپاک ہیں اور نجس ہیں۔ بلکہ اس سے مراد ان کے عقیدے کی ناپاکی مراد ہے، کہ ان کا عقیدہ جو ہے وہ بڑا ناپاک ہے۔ عقیدہ؟ عقیدہ جو ہے وہ ان کا نا... تو اس سے مراد عقیدے کی نجاست ہے بھائی، ان کے بدن کی نجاست مراد نہیں کہ ان کے بدن نجس ہیں۔

اور عِنْدَ الْأَحْنَافِ جو ذمی ہیں، مسجد الحرام میں بھی آ جا سکتے ہیں اور مسجدوں میں بھی آ جا سکتے ہیں۔ تو حرم اور مسجد الحرام کا ایک ہی حکم ہے، حرم میں بھی آ سکتے ہیں اور مسجد الحرام میں بھی آ سکتے ہیں۔ اور جو یہاں آیت میں آیا: ﴿ فَلَا يَقْرَبُوا ﴾، پس وہ قریب نہ جائیں کس کے؟ مسجد الحرام کے۔ احناف کہتے ہیں یہ نہی صورتاً نہی ہے، لیکن حقیقت میں یہ نفی ہے۔ کہ یہ نہی ہے بصورتِ... نہیں، یہ نفی ہے بصورتِ نہی۔ ایک ہوتی ہے نہی، ایک ہے نفی، فرق جانتے ہو؟ نہی جس میں دوسرے کو کسی کام سے روکا جاتا ہے: لَا تَضْرِبْ زَيْدًا، تو زید کی پٹائی نہ کر۔ امر اور نہی، امر میں کام کا حکم دیا جاتا ہے اور نہی میں کام سے روکا جاتا ہے۔ اور نفی؟ نفی میں خبر دی جاتی ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں: مَا جَاءَنِي زَيْدٌ، زید میرے پاس نہیں آیا۔ اب یہ میں آنے سے روک نہیں رہا، بلکہ میں صرف آپ کو ایک خبر اور اطلاع دے رہا ہوں کہ زید میرے پاس نہیں آیا۔ اس کو کہتے ہیں نفی۔ تو نفی میں خبر دی جاتی ہے، بات بتلائی جاتی ہے، اور نہی کے اندر روکا جاتا ہے۔

اور یہاں پر صیغے تو نہی والے: ﴿ لَا يَقْرَبُوا ﴾، یہ قریب نہ جائیں، صیغہ تو نہی والا، لیکن ہم احناف کہتے ہیں یہ ہے نفی، صورت کس کی؟ نہی کی، لیکن درحقیقت یہ کیا ہے؟ نفی۔ یعنی اللہ مسلمانوں کو خوشخبری سنا رہے ہیں کہ مشرکین جو ہیں وہ مسجد الحرام کے قریب نہیں آئیں گے بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا اس سال کے بعد۔ قریب نہیں آئیں گے یہ معنی نہیں کہ بالکل قریب نہیں، معنی یہ ہے بطور غلبے کے قریب نہیں آئیں گے۔ ابھی تک تو غالب کون تھے یہاں پر؟ مشرکین غالب تھے، لیکن آج کے بعد، اس... آج کے بعد نہیں، اس سال کے بعد مشرکین یہاں پر غالب ہو کر دوبارہ نہیں آئیں گے مکہ میں۔ یہ اللہ خوشخبری سنا رہے ہیں مسلمانوں کو۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ نہی نہیں ہے حقیقت میں، بلکہ یہ حقیقت میں کیا ہے؟ نفی ہے، ایک خبر دی جا رہی ہے، خوشخبری دی جا رہی ہے۔

تو عِنْدَ الْأَحْنَافِ ذمی آ سکتے ہیں، حرم میں بھی آ سکتے ہیں، مسجد الحرام میں بھی آ سکتے ہیں، اور مسجدوں میں بھی آ سکتے ہیں۔ البتہ حرم میں ان کو عمرہ، طواف اور حج کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ ویسے آ سکتے ہیں، بطور عبادت کے نہیں آ سکتے، عبادت نہیں کر سکتے، ان کو اس کو منع کیا گیا ہے۔ اور نیز آ سکتے ہیں بطور مسافر کے آ سکتے ہیں، اس جگہ کو وطن نہیں بنا سکتے،

یہیں پر رہائش اختیار کر لیں، اس کی اجازت نہیں ہو گی ان کو۔ اور نیز یہاں مغلوب ہو کر آسکتے ہیں، ہمارے غلام ہیں یا ہمارے خادم ہو کر تو آسکتے ہیں، لیکن وہ غالب ہوں یہاں پر ان کو ان کا حکم چلے اور یہاں آکر وہ رہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو یہاں معلوم ہوا عِنْدَ الْأَحْنَافِ وہ اس کو یہاں وطن بنانے کے طور پر، یعنی یوں کہیں توطن، توطن کا معنی وطن بنانا، اور استیلاء، استیلاء کا معنی غالب ہونا، وہ بطور توطن کے اور بطور استیلاء کے یہاں نہیں آسکتے، بلکہ مسافر کے طور پر آسکتے ہیں یا بطور خادم یا غلام وغیرہ کے آسکتے ہیں۔

اب جواب دینے لگے ہیں احناف کی طرف سے: قُلْنَا، ہم کہتے ہیں: لَا يُرَادُ نَهْيُ الْكُفَّارِ عَنْ هٰذَا، کہ مراد نہیں ہے کفار کی نہی عَنْ هٰذَا اس آیت سے، اس نص سے یعنی اس آیت سے۔ نص یاد رکھو نَصٌّ، نون صاد مشدد ہے، نَصٌّ۔ نص جو ہے قرآن اور حدیث کو کہتے ہیں۔ قرآن اور حدیث، اس کو نص کہتے ہیں۔ کہتے ہیں عَنْ هٰذَا النَّصِّ، اس نص سے کفار کی نہی مراد نہیں ہے۔ میں نے ابھی بتایا ہمارے نزدیک یہ نہی نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ نفی، صورت نہی کی ہے لیکن حقیقت میں یہ نفی ہے۔ تو ہم کہتے ہیں: لَا يُرَادُ نَهْيُ الْكُفَّارِ عَنْ هٰذَا، کہ اس سے کف... اس نص سے، اس آیت سے کفار کی نہی مراد نہیں ہے۔

لِأَنَّ قَوْلَهٗ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ جو قول ہے: ﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ ﴾، کہ مشرکین جو ہیں وہ نجس ہیں، لَا يُوجِبُ... احناف کے دلائل عجیب ہوتے ہیں بھائی، انسان حیران رہتا ہے۔ والد صاحب جب احناف کے دلائل لکھواتے تھے بھائی ترمذی شریف کے اندر، ایسے ایسے قوی دلائل! ہمارے علم میں کوئی چیز نہ ہو وہ علیحدہ بات ہے، جب آپ مطالعہ کریں گے بزرگوں کی کتابیں پڑھیں گے، آپ حیران رہ جائیں گے، احناف کے دلائل اتنے مضبوط ہیں کہ جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا بھائی، لفظوں میں۔

اور والد صاحب جب دلائل ذکر فرماتے تھے، ان کا چونکہ مطالعہ بہت وسیع تھا، اتنا وسیع مطالعہ شاید ہی کوئی ایسا شخص آپ کو ملے۔ دن رات مطالعے میں اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے تھے، وہ ذرا بھی وقت ضائع نہیں کرتے تھے۔ کسی کے ساتھ بیٹھ کر گپ شپ لگا لیں، اس کا تو تصور ہی نہیں تھا۔ میں نے بڑے بڑے مطالعہ کرنے والے دیکھے ہیں، لیکن وہ بھی جب عید کے دن آتے ہیں، عید کے دنوں میں مطالعہ نہیں ہوتا، وہ ملاقات ہوتی ہے یا گھر والوں کے ساتھ بیٹھے ہیں یا کچھ۔ لیکن والد صاحب پر میں حیران ہوتا تھا، ان کے عام دنوں میں اور عید کے دن میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ جیسے عام دن میں ایک لمحہ ادھر ادھر ضائع نہیں، بس دین ہی کے کاموں میں ہر وقت مشغول، عید کا دن بھی بعینہٖ اسی طرح ہم نے دیکھا۔ تمام زندگی جب تک ہم دیکھتے رہے انہیں، ایک ہی معمول ہوتا تھا ان کا۔ اور بیٹھے رہیں، کبھی ویسے نہیں بیٹھتے تھے، ہر وقت دین کے کام میں مشغول ہیں، یا مطالعے میں، یا تصنیف و تالیف میں، یا پھر تدریس کے اندر بھائی۔ اور عموماً، عموماً ہم دیکھتے تھے کہ وہ مطالعہ کرتے کرتے ہی وہ سو جاتے تھے، ان کو یعنی نیند کا بے... بہت کم نیند کرتے تھے، بہت کم

نیند کرتے تھے۔ اور سنتوں پر اتنا عمل تھا کہ انسان حیران ہوتا تھا، حتیٰ کہ قیلولے کی سنت، چھوٹی سے چھوٹی سنت، ہم تو سنتیں پڑھتے ہیں، کچھ عمل ہو جاتا ہے، کبھی سستی ہو جاتی ہے، غفلت ہو جاتی ہے، کبھی رہ جاتی ہے۔ اور وہ، وہ جو سنت، وہ جو ان کا مطالعہ اتنا وسیع، لیکن جو جو سنت ان کو معلوم ہوتی چلی گئی وہ ان کی زندگی کا حصہ بنتی چلی گئی، حتیٰ کہ قیلولے کی سنت کو تمام زندگی کبھی ترک نہیں کیا بھائی۔ اور قیلولہ بھی ایسا نہیں کہ باقاعدہ کتابیں رکھ دیں اور سو گئے آرام سے، نہیں نہیں نہیں۔ وہ بس اس وقت قیلولے کے وقت جو ہے وہ اپنا کمرہ بند کر لیتے اور کتاب لے کر لیٹ جاتے بھائی۔ اب لیٹ کر مطالعہ کر رہے ہیں، اسی میں اگر نیند آگئی تو کتاب سینے پر کھلی ہوئی ہے، کچھ دیر سو گئے، اور اگر نیند نہ آئی تو اسی طرح وہ وقت گزر گیا، تھوڑا سا جو تھوڑی دیر کے لیے کرتے تھے۔

تو وہ، وہ جب دلائل لکھواتے تھے، اتنا وسیع مطالعہ، اور پھر جب وہ دلائل لکھواتے تھے انسان جھوم اٹھتا تھا بھائی۔ ایسے قوی پہاڑ کی طرح مضبوط دلائل احناف کے ہوتے تھے۔ اور پھر یہ دلائل لکھواتے لکھواتے کبھی کبھار یہ الفاظ ان کی زبان پر آجاتے کہ مولانا یہ ہے حنفی مذہب بھائی، یوں لگتا ہے براہِ راست آسمان سے نازل ہو رہا ہے بھائی۔ ایسے قوی دلائل ہیں احناف کے پاس۔ تو ہمارے دلائل بڑے قوی ہیں، وہ الگ بات ہے ہم اگر مطالعہ نہ کریں ہمیں پتہ ہی نہیں ہمارے بزرگوں نے کتابوں میں کیا کیا لکھا ہے، تو وہ ہمارے علم کی کمی ہو سکتی ہے۔ احناف کے دلائل کسی مسئلے میں کمزور ہوں ایسا نہیں ہے بھائی، احناف کے دلائل بڑے قوی اور بڑے مضبوط ہیں بھائی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

لیکن یہ بھی یاد رکھنا، جہاں کہیں بھی دلائل کی بات ذکر کریں احناف کے، تو پھر یہ خیال رکھنا کہیں دوسرے ائمہ کی، کوئی ایسے انداز نہ اختیار کرنا جس سے دوسرے ائمہ کی توہین کا، توہین ہو رہی ہو، ان کی اہانت ہو رہی ہو۔ میں نے پہلے بھی شاید ذکر کیا ہو، بعض مدرسین عجیب انداز اپناتے ہیں، احناف کی دلیل دیتے ہوئے کہتے ہیں: «اے امام شافعی رحمہ اللہ، آپ کو ہماری یہ دلیل نظر نہیں آئی؟» بھائی یہ کیسا انداز ہے؟ آپ کیا، کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ! آپ امام دنیا کے سامنے بول رہے ہیں، ایک وہ شخص جس کو اللہ نے مقتدا بنایا ہے، کروڑوں لوگ جن کے مذہب پر چل رہے ہیں، آپ کسی دو آدمیوں کو نیکی پر لگاتے ہیں آپ کو کتنی خوشی ہوتی ہے کہ اب چلو یہ نیکی کریں گے مجھے ثواب ملے گا۔ اور وہ شخص جس کے تمام، کروڑوں لوگ سینکڑوں سال سے ان کے مذہب پر چل رہے ہیں، ان کے لیے ثواب کے سمندر کے سمندر چل رہے ہیں، اور کتنا اونچا مقام ہے ان کا، اور آپ دوسرے کی کتاب سے مطالعہ کر کے، یا تو آپ نے خود قرآن و حدیث سے دلیل نکالی ہو پھر بھی چلو کوئی بات ہوتی کچھ نہ کچھ، مطالعہ کرتے ہو شرح سے دیکھ کر آتے ہو، دلیل بتاتے ہو، اور ٹکر لیتے ہو امام شافعی رحمہ اللہ سے! بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو کبھی یاد رکھو بے انتہا ادب والا انداز ہو۔ یہ تمام ائمہ، یہ تمام علماء، یہ تمام فقہاء، یہ سب، یہ سب یہ اللہ کے عظیم اولیاء ہیں بھائی، عظیم علمی شخصیات ہیں، تو ان کی بات بھی کرتے ہوئے بے انتہا ادب،

محبت اور عقیدت ہونی چاہیے۔

تو بات چل رہی تھی احناف کے دلائل کی، اب دیکھیے بھائی ہماری دلیل ذکر ہونے لگی ہے۔ کہتے ہیں: لِأَنَّ قَوْلَهٗ... ان کی دلیل کیا تھی؟ کہ ﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ ﴾، مشرکین کیا ہیں؟ نجس ہیں، ناپاک ہیں، لہٰذا وہ مسجد میں داخل نہ ہوں۔ ہم کہتے ہیں کہ ناپاکی سے ان کے بدن کی ناپاکی نہیں مراد، بدن ناپاک نہیں ہیں، بلکہ ناپاکی سے مراد ان کے عقیدے کی ناپاکی ہے کہ ان کے عقیدے ناپاک ہیں، کفر و شرک والے ان کے عقیدے ہیں، بدن ان کے ناپاک نہیں ہیں۔

خود دیکھیے دلیل کیسے: لِأَنَّ قَوْلَهٗ، اس لیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ جو قول ہے: ﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ ﴾، کہ مشرکین نجس ہیں، لَا يُوجِبُ الْحُرْمَةَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا، اس کے ترجمے پہ نظر رکھنا، یہاں طلباء پریشان ہوتے ہیں کہ یہ ترجمہ کیسے کریں گے۔ لَا يُوجِبُ الْحُرْمَةَ، یہ حرمت کو، يُوجِبُ أَيْ لَا يُثْبِتُ، یہ حرمت کو ثابت نہیں کرتا۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ وَجَبَ يَجِبُ، ثَبَتَ يَثْبُتُ کے معنی میں عام کتابوں میں استعمال ہوتا ہے، اور أَوْجَبَ يُوجِبُ، أَثْبَتَ يُثْبِتُ کے معنی میں عام استعمال ہوتا ہے۔ تو یہاں لَا يُوجِبُ بمعنی لَا يُثْبِتُ ہے، کہ یہ نص ثابت نہیں کرتی۔

تو ہم کہتے ہیں: لِأَنَّ قَوْلَهٗ کہ اللہ کا یہ جو قول ہے: ﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ ﴾ کہ مشرکین نجس ہیں، لَا يُوجِبُ الْحُرْمَةَ، یہ حرمت کو ثابت نہیں کرتا بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا اس سال کے بعد۔ یہ حرمت کو ثابت نہیں کرتا اس سال کے بعد۔ کچھ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ جی سر۔ جی؟ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ یہ حرمت کو ثابت نہیں کرتا اس سال کے... آیت میں آ رہا تھا نا آخر میں بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا؟ جی۔ دیکھا؟ تو یہ ترجمہ طالب علم پریشان ہوتا ہے کہ کیا ترجمہ کرنا ہے بھائی بات ہی نہیں سمجھ میں آ رہی۔ اب سنو ترجمہ کیا کرنا ہے، یہ کہنا کیا چاہ رہے ہیں۔

کہتے ہیں یہ جو اللہ کا قول ہے ﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ ﴾، یہ لَا يُوجِبُ الْحُرْمَةَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا، یہ حرمت کو ثابت نہیں کرتا اس سال کے بعد، بلکہ یہ اسی سال میں حرمت کو ثابت کرتا ہے۔ یہ اس سال کے بعد حرمت نہیں ثابت کرتا، بلکہ اسی سال میں۔ اللہ کیا فرما رہے ہیں؟ مشرکین کیا ہیں؟ نجس ہیں۔ جب نجس ہیں، آگے اللہ فرما رہے ہیں اس سال کے بعد وہ مسجد میں داخل نہ ہوں۔ بھائی اگر یہ نجس ہیں تو ابھی سے نجس ہیں یا سال بعد نجس ہوں گے؟ ابھی سے۔ ابھی سے نجس ہیں۔ جب ابھی سے نجس ہیں تو آگے تو اللہ فرما رہے ہیں اس سال کے بعد وہ داخل نہیں ہوں گے، تو ہونا تو یہ چاہیے تھا جب یہ نجس ہیں ابھی سے یہ داخل نہ ہوں۔

﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ ﴾ کیا بتلا رہا ہے؟ کہ ان کا مسجد میں داخل ہونا حرام ہے، اسی سال سے حرام ہونا چاہیے یا اگلے سال سے حرام ہونا چاہیے؟ جب یہ نجس ہیں تو ابھی سے حرام ہونا چاہیے داخل ہونا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو معلوم ہوا کہ... پھر دیکھیے ترجمہ: لِأَنَّ قَوْلَهٗ اس لیے کیونکہ یہ جو اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ ﴾ کہ مشرکین نجس ہیں، کیا پتہ چلا؟ کب سے نجس ہیں؟ ابھی سے ہی نجس ہیں۔ جب ابھی سے نجس ہیں تو قریب ابھی سے نہیں آنا چاہیے، نہ

کہ اگلے سال سے۔ حالانکہ آیت میں تو کیا آرہا ہے؟ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا۔ معلوم ہوا کہ وہاں پر وہ نہی نہیں ہے، اگر منع کرنا ہوتا پھر تو ابھی سے ہی داخل نہیں ہونا چاہیے، بلکہ یہ کیا ہے؟ نفی ہے۔ بتلایا جا رہا ہے اگلے سال سے یہ نہیں آسکیں گے، اللہ خوشخبری سنا رہے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: لِأَنَّ قَوْلَهٗ ﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ ﴾، اس لیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ جو قول ہے کہ مشرکین نجس ہیں، لَا يُوجِبُ الْحُرْمَةَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا، یہ حرمت کو ثابت نہیں کرتا اس سال کے بعد۔ کیا حرمت؟ یعنی مسجد میں ان کا داخل ہونا حرام ہے، یہ ثابت نہیں کرتا حرمت کو اس سال کے بعد، یعنی یوں کہو اس سال کے بعد یہ حرمت کو ثابت نہیں کرتا بلکہ اسی سال میں حرمت کو ثابت کر... اس سے تو معلوم ہوا یہ ابھی نجس ہیں، جب ابھی نجس ہیں تو ابھی سے ان کا داخلہ کیا ہونا چاہیے؟ حرام ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

بَلِ الْمُرَادُ، بلکہ مراد جو ہے، بِشَارَةُ الْمُسْلِمِينَ، مسلمانوں کو خوشخبری دینا ہے، بِأَنَّ الْكُفَّارَ لَا يَتَمَكَّنُونَ مِنَ الدُّخُولِ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا، کہ کفار جو ہیں وہ قادر نہیں ہوں گے مِنَ الدُّخُولِ داخل ہونے میں بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا اس سال کے بعد۔ اللہ مسلمانوں کو خوشخبری دے رہے ہیں کہ یہ جو کفار ہیں لَا يَتَمَكَّنُونَ مِنَ الدُّخُولِ یہ داخل ہونے پر قادر نہیں ہوں گے اس سال کے بعد۔ اس سال کے بعد یہ حرم میں مسجد الحرام میں داخل ہونے پر قادر نہیں ہوں گے۔ ساتھ ایک قید بڑھا دیں: بِالْاِسْتِيلَاءِ، غلبے کے ساتھ۔ اس سال کے بعد یہ غلبے کے ساتھ مسجد الحرام میں داخل ہونے پر قادر نہیں ہوں گے۔ آئیں گے تو مغلوب ہو کر آئیں گے، آئیں گے تو غلام اور خادم بن کر آئیں گے، آئیں گے تو مسافرانہ طور پر آئیں گے۔ احناف کے مذہب کو بیان کر رہا ہوں، بات سمجھ میں آگئی؟ کہ یہ مسافر بن کر تو آسکتے ہیں، یا غلام اور خادم بن کر آسکتے ہیں، لیکن غالب ہو کر نہیں آسکتے۔ یہ معنی ہے بَلِ الْمُرَادُ بِشَارَةُ الْمُسْلِمِينَ بلکہ اس سے مراد مسلمانوں کو یہ خوشخبری ہے بِأَنَّ الْكُفَّارَ لَا يَتَمَكَّنُونَ مِنَ الدُّخُولِ کہ کفار جو ہیں وہ قادر نہیں ہوں گے داخل ہونے پر بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا اس سال کے بعد بِالْاِسْتِيلَاءِ کس طرح؟ غلبے کے ساتھ۔

﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ ﴾، اللہ کا یہ قول اس سال کے بعد اس حرمت کو ثابت نہیں کرتا، بلکہ اسی سال میں کیا کرتا ہے حرمت کو ثابت کر رہا ہے۔ لیکن اللہ تو فرما رہے ہیں کہ اس سال کے بعد وہ مسجد میں داخل نہ ہوں، مسجد کے قریب نہ آئیں۔ اور ﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ ﴾ یہ قول کیا کر رہا ہے؟ یہ اسی سال میں ان کی حرمت کو ثابت کر... اس سے تو ثابت ہو رہا ہے کہ اسی سال ان کو نہیں آنا چاہیے کیونکہ مشرکین کیا ہیں؟ نجس ہیں۔ لیکن اللہ کیا فرما رہے ہیں؟ اس سال کے بعد یہ مسجد کے قریب نہ آئیں۔ تو دیکھا احناف کا مذہب ثابت ہو گیا۔ معلوم ہوا ﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ ﴾، نجاست سے مراد ان کے بدن کی نجاست نہیں ہے، ان کے بدن ناپاک نہیں ہیں، اگر بدن ناپاک ہوتے پھر تو اسی سال سے ان کو داخل نہیں ہونا چاہیے تھا۔ معلوم ہوا نجاست سے مراد ان کے عقیدے کی نجاست ہے، ان کا عقیدہ نجس ہے۔ یہاں تک بات

سمجھ میں آگئی؟

وَعِيَادَتُهٗ وَإِخْصَاءُ الْبَهَائِمِ وَإِنْزَاءُ الْحَمِيرِ عَلَى الْخَيْلِ وَالْحُقْنَةُ۔ یہ سب بھی اسی أَخْذُ دَيْنٍ پر عطف ہے اور یہ بھی فاعل ہیں سب جَازَ کے بھائی، اور وہ اور جائز ہے۔ وَعِيَادَتُهٗ، أَيْ عِيَادَةُ الذِّمِّيِّ۔ ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ ذمی کو۔ ذمی کی عیادت جائز ہے۔ کوئی مسلمان... کوئی کافر رہتا ہے اس کے اڑوس... اس کے پڑوس میں کوئی، اور وہ اس کی عیادت کے لیے جاتا ہے تو یہ جائز ہے بھائی۔ کیونکہ یہ اس کے اسلام کی طرف آنے کا سبب بنے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی روایات میں آتا ہے، وہ ایک یہودی تھا، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔ تو وہ بیمار ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اور پھر وہاں آپ نے اس سے فرمایا کہ مسلمان ہو جاؤ بھائی، تو وہ مسلمان ہو گیا۔ حضور نے فرمایا، اللہ کا شکر ادا کیا کہ جس نے اس کو جہنم کی آگ سے آزادی نصیب فرما دی۔ تو معلوم ہوا کہ ذمی یعنی کافر جو ہیں ان کی عیادت کے لیے مسلمان جا سکتا ہے۔[۲]

تو کہتے ہیں: وَعِيَادَتُهٗ أَيْ عِيَادَةُ الذِّمِّيِّ، اور جائز ہے ذمی کی عیادت کرنا۔ وَإِخْصَاءُ الْبَهَائِمِ۔ بَهَائِم بھائی مویشی، چوپائے۔ إِخْصَاء خصی کرنا، خصی بنانا۔ تو چوپایوں اور مویشیوں کو خصی بنانا جائز ہے بھائی، جائز ہے۔ ان کو خصی بنایا جاتا ہے کہتے ہیں اس میں، اس سے وہ حیوان اس کا گوشت جو ہے بڑا لذیذ ہو جاتا ہے، وہ حیوان موٹا تازہ ہو جاتا ہے اور اس کا گوشت لذیذ ہو جاتا ہے، تو یہ جائز ہے بھائی۔ اور نیز حدیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے بھی ایسے دنبوں کی قربانی کی، ایسے مینڈھے جو خصی تھے بھائی، معلوم ہوا کہ خصی کرنا جائز ہے بھائی۔ تو جائز ہے إِخْصَاءُ الْبَهَائِمِ چوپایوں کو خصی کرنا۔

وَإِنْزَاءُ الْحَمِيرِ عَلَى الْخَيْلِ۔ إِنْزَاء، إِنْزَاء کہتے ہیں جفتی کروانا، یعنی نر حیوان کی مادہ حیوان کے ساتھ جفتی کروانا تاکہ وہ بچہ پیدا ہو ان کا، تو وہ إِنْزَاءُ الْحَمِيرِ۔ حَمِير کہتے ہیں گدھے کو، خَيْل جو ہے گھوڑوں کی جماعت کو کہتے ہیں، تو یہ جائز ہے گدھے کی جفتی گھوڑے کے ساتھ کروانا۔ اس لیے کیونکہ گدھے کی جفتی جب گھوڑی سے کروائی جائے گی تو اس سے خچر پیدا ہو گا، خچر۔ اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خچر پر سواری فرمائی ہے۔ حضور کا خچر پر سواری فرمانا یہ دلیل ہے اس بات کی، معلوم ہوا کہ یہ معلوم ہوا خچر کا پیدا کروانا جائز ہے، اور وہ اسی طرح ہو گا کہ انزائے حمیر کروایا جائے عَلَى الْخَيْلِ کس پر؟ خیل پر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ وَإِنْزَاءُ الْحَمِيرِ عَلَى الْخَيْلِ، اور جفتی کروانا گدھوں کی عَلَى الْخَيْلِ گھوڑیوں سے، یہ جائز ہے۔

وَالْحُقْنَةُ، اور حقنہ بھی جائز ہے۔ حقنہ بھائی یہ طریقہ علاج تھا کہ بعض امراض کی صورت میں انسان کے پاخانے کے راستے دوا اس کو اوپر کو چڑھائی جاتی تھی، داخل کی جاتی تھی، اس کو حقنہ کہتے۔ تو کہتے ہیں حقنہ بھی جائز ہے کیونکہ یہ ایک

---

[۲] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۰۳):** صوتی درس کی قراءت میں «وَعِيَادَتُهٗ وَإِخْصَاءُ الْبَهَائِمِ وَإِنْزَاءُ الْحَمِيرِ عَلَى الْخَيْلِ وَالْحُقْنَةُ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وعيادته، وخصاءُ البهائم، وإنزاءُ الحميرِ على الخيل، والحقنة،» منقول ہے۔

علاج ہے، بعض مرض کا علاج ہی اسی سے ہوتا تھا، تو اس لیے یہ جائز ہے۔ تو کہتے ہیں وَالْحُقْنَةُ اور حقنہ جائز ہے۔

وَرِزْقُ الْقَاضِي، اور قاضی کی تنخواہ یہ بھی جائز ہے، یعنی قاضی کے لیے تنخواہ مقرر کرنا جائز ہے کہ بیت المال سے اس کی تنخواہ دی جائے۔ أَيْ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ یعنی کہ بیت المال سے۔ فَإِنَّ الْقَضَاءَ وَإِنْ كَانَ عِبَادَةً، بھائی دیکھیے یہ جو قضا ہے نا، فیصلے کرنا لوگوں کے درمیان، یہ عبادت ہے، اور عبادت پر تو اجرت نہیں لی جاتی، تو پھر اس کی اجرت کیوں ہے؟ کہتے ہیں بھائی اگرچہ یہ عبادت ہے لیکن اگر آپ اس کی اجرت نہیں دیں گے تو پھر تو کوئی قاضی بنے گا ہی نہیں، اپنے گھر کا خرچہ کہاں سے چلائے گا بھائی؟ قاضی تو دن رات مصروف رہتا ہے، اتنے سائلین ہوتے ہیں، انصاف کے لیے دور دور سے لوگ اس کے پاس آتے ہیں، تو وہ گھر کا خرچہ کیسے چلائے گا؟ تو اگر آپ اسے تنخواہ نہیں دیں گے تو یہ تو پھر کوئی دوسرا شخص قاضی بننے کے لیے تیار ہی نہیں ہوگا۔ اور نیز اس لیے بھی تنخواہ جائز ہے کیونکہ یہ تنخواہ آپ اس کو یہ فیصلے کرنے پر تنخواہ نہیں دے رہے، فیصلے کرنا یہ تو عبادت ہے، یہ تنخواہ آپ دے رہے ہیں یہ جو اس نے اپنا وقت جو ہے آپ کو دے دیا، تو یہ اس کے وقت کا عوض ہے، اس کے یہ فیصلوں کا عوض نہیں۔ اس نے اپنا وقت دیا، اپنے گھر بار اور بچوں کے ساتھ مشغول ہونے کے بجائے اس کام کے لیے اپنا سارا وقت دے دیا، تو یہ آپ اس کے وقت کی اجرت دے رہے ہیں، اس کے قضا کی اجرت نہیں دے رہے۔

تو کہتے ہیں: فَإِنَّ الْقَضَاءَ وَإِنْ كَانَ عِبَادَةً اور قضا جو ہے اگرچہ وہ عبادت ہے، وَلَا أَجْرَ عَلَى الْعِبَادَةِ اور عبادت پر تو کوئی اجرت نہیں ہوتی، فَهٰذَا يَجُوزُ تو یہ جائز ہے یعنی یہاں قاضی کو تنخواہ دیں گے، لِأَنَّ فِي الْمَنْعِ الْاِمْتِنَاعَ عَنِ الْقَضَاءِ، اس لیے کیونکہ روکنے میں الْاِمْتِنَاعُ باز رہنا ہے قضا سے۔ تنخواہ کو روکنے میں باز رہنا ہے قضا سے کہ لوگ باز رہیں گے، رک جائیں گے، قاضی بنیں گے ہی نہیں۔ تو منع کرنا، مَنَعَ يَمْنَعُ کا معنی روکنا، اور اِمْتِنَاع کا معنی ہے خود رکنا۔ تو منع کرنے میں، یعنی تنخواہ کے روکنے میں الْاِمْتِنَاعُ رکنا ہے لوگوں کا عَنِ الْقَضَاءِ کس سے؟ قضا سے۔

وَسَفَرُ الْأَمَةِ وَأُمِّ الْوَلَدِ بِلَا مَحْرَمٍ، اور باندی کا سفر کرنا اور ام ولد کا سفر کرنا بغیر محرم کے یہ بھی جائز ہے۔ بھائی بات...

باندی جو ہے، باندی، غیر مردوں کا اس کی طرف نظر کرنا کس کی طرح ہے؟ محرم کی طرح، محرم کی طرح۔ تو لہٰذا باندی بغیر محرم کے بھی سفر کر سکتی ہے بھائی۔

اور اسی طرح ام ولد۔ ام ولد کسے کہتے ہیں؟ باندی سے اولاد بچہ پیدا ہو جائے۔ جی۔ ایک شخص ہے، اس کی باندی نے ایک بچے کو جنم دیا، تو یہ توجہ ہے؟ جی۔ ام ولد کسے کہتے ہیں؟ ایک شخص ہے اس کی باندی نے بچے کو جنم دیا تو یہ باندی اس کی کیا بن گئی؟ ام ولد۔ نہیں بھائی، ایسے نہیں بنے گی باندی ام ولد۔ ایک شخص کی باندی ہے وہ اس کے ساتھ وطی کرتا ہے اور اس باندی نے ایک بچے کو جنم دیا، اب آپ کہیں یہ اس کی ام ولد بن گئی، نہیں نہیں صرف بچے کو جنم دینے

سے ام ولد نہیں بنے گی، جب تک آقا یہ نہ کہہ دے یہ میرا بچہ ہے۔ جب وہ مان جائے گا یا اقرار کرلے گا یہ میرا بچہ ہے، اب یہ اس کی ام ولد بن گئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بیوی سے جو بچہ ہو وہ خود بخود خاوند کا شمار ہوتا ہے، لیکن باندی سے جو بچہ ہو اس میں آقا کا اقرار ضروری ہے، اور جب تک وہ اقرار نہیں کرے گا تو یہ اس کی ام ولد نہیں بنے گی۔

اور پھر ام ولد جو ہے اس کو بیچنا جائز نہیں، اب اس نے آزاد ہونا ہے۔ آقا جس دن مرے گا یہ کیا ہو جائے گی؟ آزاد، کیونکہ اس کا بچہ آقا کا بچہ ہے اور وہ بچہ آزاد ہے۔ وہ بچہ آزاد ہے کیونکہ آقا کا بچہ ہے نا، تو وہ آزاد ہے۔ ورنہ جو باندی کا بچہ ہوتا ہے وہ غلام یا باندی ہی ہوتا ہے۔ یاد رکھو غلامی اور آزادی میں جو بچہ ہوتا ہے وہ ماں کے تابع ہوتا ہے، اگر ماں آزاد تو بچہ بھی آزاد، اگر ماں باندی ہے تو بچہ بھی غلام یا باندی ہوگا۔ اور یہاں، یہاں تو چونکہ آقا کا بچہ ہے اس لیے وہ آزاد ہے، کسی اور کا بچہ یہ ہوتا، یہ آقا نے کسی سے نکاح کروایا ہوتا اور اس نکاح کی وجہ سے اس باندی کا بچہ پیدا ہوتا، تو وہ اسی آقا کا غلام شمار ہونا تھا، بچہ تو خاوند کا لیکن غلام کس کا؟ آقا کا۔ لیکن یہاں پر تو آقا کا بچہ ہے تو اس لیے یہ اب ام ولد بن گئی، اور اس کا یہ بچہ آزاد کیونکہ آقا کا بچہ ہے، آقا نے کہہ دیا یہ میری اولاد ہے۔ اور یہ باندی، اس باندی کے لیے یہ بچہ اب آزادی کا سبب بن جائے گا، یہ چونکہ مالک کے بچے کی ماں بن گئی، ام ولد بن گئی، اس کے بچے کی ماں بن گئی، لہٰذا اب جب آقا اگر مر گیا تو یہ باندی آزاد ہو جائے گی۔ تو آزادی اس کا حق ہو چکا ہے، لہٰذا آقا کے لیے اس کو بیچنا جائز نہیں ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَسَفَرُ الْأَمَةِ وَأُمِّ الْوَلَدِ، اور جائز ہے باندی کا سفر کرنا اور ام ولد کا بِلَا مَحْرَمٍ بغیر کسی محرم کے۔

فَإِنَّ مَسَّ أَعْضَائِهِمَا فِي الْإِرْكَابِ كَمَسِّ أَعْضَاءِ الْمَحَارِمِ، اس لیے کیونکہ، مَسّ کا معنی چھونا، فَإِنَّ مَسَّ أَعْضَائِهِمَا فِي الْإِرْكَابِ، اس لیے کیونکہ ان کے اعضاء کو چھونا، یہ جو باندی ہے یا ام ولد ہے، ان کے اعضاء کو چھونا فِي الْإِرْكَابِ سوار کروانے میں۔ رُكُوب کا معنی خود سوار ہونا اور إِرْكَاب کا معنی دوسرے کو سوار کرنا۔ سوار کروانے میں ان کے اعضاء کو چھونا كَمَسِّ أَعْضَاءِ الْمَحَارِمِ، یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ اپنی محرم کے اعضاء کو چھونا۔

بھائی اب تو اللہ تعالیٰ نے آسانیاں فرما دیں، اب تو بہت سی، بہت سی قسم کی سواریاں آگئیں اور آسانی سے انسان اس میں سوار ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ کسی کے سہارے وغیرہ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ لیکن قدیم زمانے میں تو اونٹ، خچر یا گدھے وغیرہ پر، گھوڑے وغیرہ پر سفر کیا جاتا تھا، اور ان پر سوار ہونے کے لیے ظاہر سی بات ہے عورت کو سہارا دینا پڑتا تھا بھائی کہ گھوڑے پر یا گدھے پر یا اونٹ پر سوار ہو رہی ہے تو سہارا دینا پڑتا تھا۔ تو اب یہ جو باندی ہے یا ام ولد ہے، اس کو ظاہر سی بات ہے اس سواری پر سوار ہونے کے لیے کیا کرنا پڑے گا؟ سہارا دینا پڑے گا، اب اس کے ساتھ اس کا محرم وغیرہ نہیں تو پھر کون سہارا دے؟ کہتے ہیں بھائی آپ پڑھ چکے ہیں کہ غیر کی باندی لوگوں کے لیے کس کی طرح ہے؟ ان کے محرم کی طرح ہے۔ لہٰذا جب یہاں کوئی بھی سہارا دے دے تو سہارا دے سکتا ہے، یہ اسی طرح ہے جیسے اپنی محرم کو سہارا

دے رہا ہو۔ یہ معنی ہے: فَإِنَّ مَسَّ أَعْضَائِهِمَا فِي الْإِرْكَابِ، اس لیے کیونکہ ان کے اعضاء کو چھونا فِي الْإِرْكَابِ سوار کروانے میں كَمَسِّ أَعْضَاءِ الْمَحَارِمِ یہ ایسے ہی ہے جیسے محارم کے اعضاء کو چھونا۔

وَشِرَاءُ مَا لَا بُدَّ لِلطِّفْلِ مِنْهُ وَبَيْعُهُ لِأَخٍ وَعَمٍّ وَأُمٍّ وَمُلْتَقِطٍ۔ بھائی صورتِ مسئلہ یہ: بھائی ایک چھوٹا بچہ ہے اور یہ چھوٹا بچہ مثلاً مالدار ہے، اس کا باپ فوت ہو گیا اور بچے کو مال مل گیا ہے، لیکن یہ ابھی چھوٹا سا ہے ایک دو سال کا ہے تین سال کا ہے۔ یا کسی نے اس کے لیے وصیت کر دی کہ میرے مرنے کے بعد اس بچے کو میرے مال میں سے ایک کروڑ روپیہ دے دینا، اور وہ شخص مر گیا تو اس بچے کو مال مل گیا۔ اب جن لوگوں کی یہ بچہ حفاظت میں ہے، پرورش میں ہے، وہ اس کے مال میں سے اس پر ضرورت کے بقدر خرچ کریں گے۔ بچے کے مال میں سے، اس بچے نے بھی تو کھانا پینا ہے، اس کے لیے کپڑوں کی ضرورت، کھانے پینے کی ضرورت اور ضرورت کی چیزیں چاہئیں، تو وہ جن کی حفاظت میں یعنی جن کی پرورش اور سرپرستی میں ہے وہ اس بچے پر اس بچے کے مال میں سے ضرورت کے بقدر خرچ کر سکتے ہیں۔

اور پھر بچے کی چیزوں میں سے اگر کسی چیز کو، بچے کے لیے جیسے کسی چیز کے خریدنے کی ضرورت پڑتی ہے، اسی طرح کبھی اس کی کسی چیز کو بیچنے کی بھی ضرورت پڑتی ہے، تو ضروریات کو خریدنا یا بیچنا یہ سب یہ کام کر سکتے ہیں۔ ہاں، ان میں سے اگر کوئی بچے کو اجارے پر دینا چاہے یعنی کسی کا ملازم، کسی کے پاس بچے کو رکھوا دیتا ہے، دس بارہ سال کا بچہ ہے وہ اس کو کسی کے پاس ملازم رکھوا دیتا ہے، تاکہ کچھ پیسے حاصل ہو جائیں بچے کے۔ مطلب مال والی شرط ذرا ختم کر دو۔ بچہ ہے، باپ فوت ہو چکا ہے اور وہ چچا کی پرورش میں ہے یا بھائی کی پرورش میں ہے یا ماں کی پرورش میں ہے، تو یہ بچے پر کی ضروریات کے لیے چیزیں خرید بھی سکتے ہیں اور اس پر اور ان کو بیچ بھی سکتے ہیں، اور اسی طرح یہ بچے کو اجارے پر کسی ملازمت پر رکھواتے ہیں تو یاد رکھو ماں کو تو اس کی اجازت ہے، چچا یا بھائی وغیرہ کو اس کی اجازت نہیں، چچا یا بھائی کو اس کی اجازت نہیں کہ وہ کیا کریں بچے کو ملازم رکھوائیں، اس سے کام کروائیں، اس سے مزدوری کروائیں۔

دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: وَشِرَاءُ مَا لَا بُدَّ لِلطِّفْلِ مِنْهُ، اور خریدنا مَا وہ چیز لَا بُدَّ لِلطِّفْلِ مِنْهُ جو ضرور... لَا بُدِّی چیز جو ضروری ہو، لَا بُدَّ ضروری ہو۔ وَشِرَاءُ مَا لَا بُدَّ لِلطِّفْلِ مِنْهُ، اور خریدنا اس چیز کو جو ضروری ہے بچے کے لیے، وَبَيْعُهُ، اور بیچنا اس کا، جو ضروری ہے بچے کے لیے جن کا بیچنا۔ تو جو ضروری چیز ہے وہ بچے کے لیے خریدنا اور اس کو بیچنا لِأَخٍ، یہ جائز ہے کس کے لیے؟ بھائی کے لیے، اگر بھائی کی پرورش میں ہے، وَعَمٍّ، اور چچا کے لیے، جبکہ وہ چچا کی پرورش میں ہے، وَأُمٍّ، اور ماں کے لیے، جبکہ وہ کیا ہو بچہ اس ماں کی پرورش میں ہو، وَمُلْتَقِطٍ، اور اس کو اٹھانے والا، وہ بچہ کیا ہو اس کی پرورش میں ہو۔ میں سب کے ساتھ قید لگا رہا ہوں بچہ کیا ہو ان کی بچہ ان کی پرورش میں ہو، خود آگے آ رہا ہے: هُوَ فِي حِجْرِهِمْ، اس حال میں کہ وہ بچہ ان کی پرورش میں ہو۔ تو پھر ان کے لیے بچے کی ضروریات خریدنا بھی جائز اور بیچنا بھی جائز ہے بھائی۔

مُلْتَقِط لفظ آیا بھائی۔ مُلْتَقِط، اِلْتَقَطَ يَلْتَقِطُ کے معنی ہیں زمین سے کوئی چیز اٹھانا، تو مُلْتَقِط اٹھانے والا۔ بعض اوقات

کسی... ایسا ہوتا ہے کسی کو راستے میں کوئی بچہ مل گیا، نومولود بچہ کوئی راستے میں چھوڑ گیا، تو اس بچے کو کہتے ہیں لَقِیط بھائی، لَقِیط، لام قاف دو نقطوں والا یا اور طا، لَقِیط۔ اور اصل میں لَقَطَ یَلْقُطُ کے معنی ہوتے ہیں زمین سے کوئی چیز اٹھانا، تو یہ بھی زمین سے اٹھایا گیا ہے چونکہ اس بچے کو اس لیے اس کو کیا کہتے ہیں؟ لَقِیط کہتے ہیں، اور جو اٹھانے والا ہے وہ کیا ہے؟ مُلْتَقِط۔ تو یہ ایسا بچہ ہے جس کے ماں باپ کا کوئی پتہ نہیں، نسب کا کوئی پتہ نہیں، کوئی راستے میں چھوڑ گیا اس کو، تو یہ جو نومولود ہے اس کو کیا کہیں گے؟ لَقِیط۔ تو اس لقیط کے لیے بھی کوئی چیز خرید... ضروریات کو خریدنا یا بیچنا، مثلاً کسی نے اس کو مال دے دیا، مال کا مالک بنا دیا، تو اس لقیط کے لیے بھی ضروریات کی چیزیں خریدنا اور اس کے مال میں سے کوئی ضرورت کی وجہ سے کسی چیز کو بیچنا یہ ملتقط کے لیے جائز ہے، جبکہ یہ اس کی پرورش میں ہو، کیا ہو اس کی پرورش میں ہو۔

تو کہتے ہیں: وَمُلْتَقِطٍ اور ملتقط کے لیے، هُوَ فِي حِجْرِهِمْ۔ حِجْر کہتے ہیں گود کو، جیسے کہتے ہیں بچہ ماں کی گود میں ہے، ماں نے بچے کو اٹھایا ہو تو کیا کہتے ہیں؟ بچہ ماں کی... بچہ ماں کی گود میں ہے۔ اسی طرح حِجْر حفاظت کو بھی کہتے ہیں، اور یہاں یہ حفاظت کے معنی میں ہے، کوئی بچہ کسی کی پرورش میں ہو حفاظ... تو کہتے ہیں هُوَ فِي حِجْرِهٖ، یہ بچہ اس کی حفاظت میں ہے یعنی اس کی پرورش میں ہے، معنی سمجھ میں آیا؟

پھر دیکھ لو ترجمہ: وَشِرَاءُ مَا لَا بُدَّ لِلطِّفْلِ مِنْهُ وَبَيْعُهٗ لِأَخٍ وَعَمٍّ وَأُمٍّ وَمُلْتَقِطٍ هُوَ فِي حِجْرِهِمْ، اور خریدنا ضروریات کو بچے کے لیے وَبَيْعُهٗ اور ان کا بیچنا لِأَخٍ جائز ہے بھائی کے لیے اور چچا کے لیے اور ماں کے لیے اور ملتقط کے لیے، اس حال میں کہ وہ بچہ ان کی پرورش میں ہو ان کی حفاظت میں ہو۔ اگر حفاظت میں نہ ہو پھر بھائی چچا وغیرہ اور یہ ملتقط کے لیے ان چیزوں کو خریدنا بیچنا اس کے لیے جائز نہیں ہے۔

وَإِجَارَتُهٗ لِأُمِّهٖ فَقَطْ، أَيْ جَازَ إِجَارَتُهٗ لِأُمِّهٖ فَقَطْ۔ میں نے بتلایا یہ سب اس جَازَ کے تحت آرہے ہیں، اور جائز ہے بچے کو اجارے پر دینا یعنی ملازمت پر ملازم رکھوانا مزدوری پر دینا لِأُمِّهٖ فَقَطْ صرف اس کی ماں کے لیے۔ مزدوری کروانی ہے وہ صرف ماں کروا سکتی ہے، چچا یا بھائی یا ملتقط نہیں کروا سکتے۔ بھائی کیوں؟ کیا وجہ ہے؟ کہتے ہیں: فَإِنَّ الْأُمَّ تَمْلِكُ إِتْلَافَ مَنَافِعِهٖ بِالْاِسْتِخْدَامِ۔ بھائی دیکھیے ماں کہتے ہیں بچے سے خدمت لے سکتی ہے، ماں بچے سے... ماں کو اللہ نے بڑا مقام اور رتبہ دیا ہے، اس نے اس بچے کے لیے بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں بڑی مشکلات برداشت کی ہیں، لہٰذا شریعت نے اس کے لیے جائز قرار دیا کہ وہ اپنے بچے سے اپنی خدمت لے سکتی ہے۔ اور دیکھو جب یہ ماں بچے سے خدمت لے گی تو دیکھو یہ بچے کے منافع کو تلف کر رہی ہے، کیا کر رہی ہے؟ بھائی اسی بچے سے اگر مزدوری کروائی جاتی تو پیسے آتے یا نہ آتے؟ جی۔ لیکن مزدوری کروانے کے بجائے یہ اپنی خدمت لے رہی ہے، تو یہ بچے کے جو منافع ہیں جو فائدے ہیں جو اس سے کمائی ہو سکتی ہے ان کو کیا کر رہی ہے؟ تلف کر رہی ہے، یوں کہیں اپنے اوپر خرچ کر رہی ہے، یعنی دوسرے الفاظ میں کیا کہو؟ تلف کر رہی ہے، تلف کر رہی ہے نا؟ مزدوری تو کر نہیں رہا پیسے تو آنہیں رہے۔ تو جب ماں اپنی خدمت لے کر بچے کے منافع کو بغیر

عوض کے تلف کر سکتی ہے، اب بچے کے منافع تلف ہو رہے ہیں یا نہیں؟ جی۔ اور کوئی پیسے آرہے ہیں؟ بچے کو کوئی پیسے مل رہے ہیں؟ نہیں۔ تو جب بغیر عوض کے ماں بچے کے منافع تلف کروا سکتی ہے بایں صورت کہ اس سے اپنی خدمت لیتی رہے، تو جب ماں بغیر عوض بچے کے منافع تلف کروا سکتی ہے تو عوض کے بدلے بطریقِ اولیٰ منافع تلف کروا سکتی ہے، یعنی عوض لے لے کہ جا کر فلاں کا کام کرو پیسے آجائیں گے۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: فَإِنَّ الْأُمَّ تَمْلِكُ إِتْلَافَ مَنَافِعِهِ بِالْاِسْتِخْدَامِ، اس لیے کیونکہ ماں جو ہے وہ مالک ہے اس بات کی کہ وہ بچے کے منافع کو تلف کروائے بِالْاِسْتِخْدَامِ اس سے خدمت لے کر۔ وَلَا كَذٰلِكَ غَيْرُهَا، اور اس طرح کوئی اور نہیں ہے، ماں کے علاوہ کسی اور کے لیے یہ جائز نہیں ہے، تو اس کے لیے مزدوری کروانا بھی جائز نہیں۔

وَبَيْعُ الْعَصِيرِ مِمَّنْ يَتَّخِذُ خَمْرًا۔ صورت یہ، ایک شخص جو ہے اس کے پاس انگور کا رس پڑا ہے، انگور کا شیرہ پڑا ہے، وہ اس رس کو بیچتا ہے ایک دوسرے شخص کے ہاتھ اور اس کو پتہ ہے کہ یہ اس سے لے جا کر شراب بنائے گا۔ تو کیا یہ بیچنا جائز ہے اس کے ہاتھ؟ کہتے ہیں ہاں بھائی، بیچ سکتا ہے، بیچ سکتا ہے۔ اس لیے کیونکہ یہ تو اس کو شیرہ بیچ رہا ہے، آگے جا کر وہ اس سے شراب بنائے گا، تو اس چیز کی حقیقت ہی بدل گئی، پہلے شیرہ تھا اب کیا بن گئی؟ شراب۔ تو جو شیرہ ہے، عین شیرے سے گناہ ہو گا یا حقیقت بدلنے کے بعد شراب سے گناہ ہو گا؟ حقیقت جب بدل گئی شراب بن گئی اب اس کو کوئی پیے گا تو گناہ ہو گا، تو یہ جس چیز کو بیچ رہا ہے اس کی ذات کے ساتھ گناہ وابستہ نہیں ہے بلکہ اس کی حقیقت بدلنے کے بعد اب اس سے گناہ کا تعلق آئے گا، لہٰذا اس لیے اس کے لیے وہ بیچنا جائز ہے۔

جبکہ اس کے مقابلے میں اگر کوئی شخص اسلحہ بیچتا ہے، تو اور فتنے والے لوگوں میں سے کوئی آکر اس سے اسلحہ خریدتا ہے، تو یاد رکھو اس کے لیے ان کے ہاتھ اسلحہ فروخت کرنا جائز نہیں۔ کہتے ہیں بھائی یہاں بھی تو، یہ تو صرف بیچ رہا ہے، گناہ تو دوسرا لے جا کر اس سے کرے گا تو جائز ہونا چاہیے۔ کہتے ہیں نہیں بھائی دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔ یہاں جو اسلحہ بیچ رہا ہے، بعینہٖ اسی اسلحے سے گناہ کیا جائے گا، اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، جبکہ پچھلے مسئلے میں جو اس نے شیرہ بیچا...

، اس شیرے کی وجہ سے گناہ نہیں، اس کا تعلق اس سے نہیں آیا، بلکہ گناہ اس کی حقیقت بدلنے کے بعد پھر گناہ اس... کا تعلق اس سے ہوا، صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَبَيْعُ الْعَصِيرِ مِمَّنْ يَتَّخِذُ خَمْرًا۔ عَصِير کہتے ہیں انگور کا رس بھائی، شیرہ۔ اور جائز ہے انگور کے رس یعنی شیرے کو بیچنا مِمَّنْ اس شخص کے ہاتھ يَتَّخِذُ خَمْرًا جو اس سے شراب بناتا ہے، اس کے ہاتھ بیچنا جائز ہے۔ یہ سب اسی جَازَ کے تحت ہے، أَيْ جَازَ بَيْعُ الْعَصِيرِ، یہ اسی أَخْذِ دَيْنٍ پر عطف ہے۔

اور ایک اور بات یاد رکھنا۔ بَاعَ کا صلہ مِنْ آتا ہے۔ بَاعَ کا صلہ مِنْ۔ وہ جو حرفِ جر کسی فعل کے ساتھ استعمال ہو اس

کو اس کا صلہ کہتے ہیں۔ تو بَاعَ کا صلہ کیا آتا ہے؟ مِنْ۔ مثلاً میں کہتا ہوں: میں نے یہ کتاب زید کے ہاتھ فروخت کی، یہ کتاب میں نے زید کے ہاتھ فروخت کی۔ تو میں ہوا بائع، تو میں کہوں گا بِعْتُ میں نے بیچا، کس کے ہاتھ، کس کو بیچا؟ کتاب کو۔ بِعْتُ کِتَابًا یا بِعْتُ الْکِتَابَ میں نے یہ والی کتاب بیچی۔ کس کے ہاتھ؟ زید کے ہاتھ، تو کہیں گے مِنْ زَیْدٍ۔ بِعْتُ الْکِتَابَ مِنْ زَیْدٍ۔ تو اب آپ حیران نہ ہوں، میں نے کتاب بیچی زید سے، کیونکہ مِنْ کا ترجمہ تو اردو میں عموماً طلباء «سے» کرتے ہیں، نہیں، یہاں مِنْ کا ترجمہ کریں گے «زید کے ہاتھ»: بِعْتُ الْکِتَابَ یہ میں نے کتاب زید کے ہاتھ بیچی۔ یا اس کا ترجمہ «پر» کے ساتھ کریں گے «پر»: میں نے یہ کتاب زید پر بیچی، زید پر بیچی۔ اور جہاں اشتباہ نہ ہو وہاں «کو» کے ساتھ بھی ترجمہ کر سکتے ہیں: یہ میں نے کتاب زید کو بیچی۔

تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے: وَبَیْعُ الْعَصِیرِ، انگور کے رس کو بیچنا مِمَّنْ یَتَّخِذُ... دیکھو مِنْ آ رہا ہے، مِمَّنْ اس شخص کے ہاتھ یَتَّخِذُ خَمْرًا جو اس سے شراب بناتا ہے۔ فَإِنَّ الْمَعْصِیَةَ لَا تَقُومُ بِعَیْنِ الْعَصِیرِ، اس لیے کیونکہ گناہ جو ہے وہ قائم نہیں ہے عین رس کے ساتھ، اسی کی ذات کے ساتھ نہیں گناہ قائم، بلکہ اس کی حقیقت بدلے گی، پھر یعنی شراب بنے گا، پھر اس سے گناہ قائم ہو گا، لہٰذا جائز ہے۔ بِخِلَافِ بَیْعِ السِّلَاحِ، بخلاف اسلحے کا بیچنا مِمَّنْ اس شخص کے ہاتھ یُعْلَمُ جس کے بارے میں یہ معلوم ہے أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ کہ یہ کس میں سے ہے؟ فتنے والوں میں سے ہے، اس کے ذریعے وہ لوگوں کو اور مسلمانوں کو قتل کرے گا، یہ جائز نہیں۔ فَإِنَّ الْمَعْصِیَةَ تَقُومُ بِعَیْنِهِ، اس لیے کیونکہ وہاں پر جو گناہ ہے وہ عین اسلحے کے ساتھ ہی قائم ہو گا، عین اسلحے کے ذریعے ہی گناہ کیا جائے گا، اس کی حقیقت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، جبکہ یہاں پر عین شیرے کے ساتھ گناہ قائم نہیں عین شیرے کے ذریعے گناہ نہیں، بلکہ اس کی حقیقت بدل جائے گی پھر اس کے ساتھ گناہ قائم ہو گا۔ فرق سمجھ میں آ گیا؟

وَحَمْلُ خَمْرِ ذِمِّيٍّ بِأُجْرَةٍ، أَيْ جَازَ حَمْلُ... اور جائز ہے اٹھانا... صورت یہ ہے بھائی، ایک ذمی ہے، اس کے پاس شراب کا ایک مٹکا ہے، ایک مسلمان مزدور اس کی شراب کا مٹکا اٹھاتا ہے اور اس کے گھر تک یا اس کی منزل تک پہنچاتا ہے اور اجرت لیتا ہے اس سے۔ تو کیا مسلمان کے لیے جائز ہے یہ جو شراب اٹھا کر لے جا رہا ہے اور اس کی اجرت لے رہا ہے؟ تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے، وہ اٹھا کر لے جا سکتا ہے۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں، اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟ امام صاحب فرماتے ہیں کہ جائز ہے، اس لیے کیونکہ یہ جو شراب اٹھا کر لے جا رہا ہے یہ تو صرف اٹھانے کا کام ہے، اور باقی آگے اس سے گناہ جو ہو گا وہ ان کا اپنا الگ فعل ہے، ان کا اپنا الگ فعل ہے، تو لہٰذا ان کی اس کی نسبت انہی کی طرف کی جائے گی اس کی طرف نہیں کی جائے گی۔ لیکن صاحبین فرماتے ہیں نہیں، یہ گناہ میں مدد ہے، گناہ میں اعانت بن رہا ہے، لہٰذا اس کے لیے جائز نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: وَحَمْلُ خَمْرِ ذِمِّيٍّ، اور ذمی کی شراب اٹھانا بِأُجْرَةٍ اجرت کے بدلے، یہ بھی جائز ہے۔ هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

رَحِمَهُ اللّٰهُ، یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ وَعِنْدَهُمَا لَا يَجُوزُ، اور صاحبین کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے، وَلَا يَحِلُّ لَهُ الْأَجْرُ، اور اس کے لیے وہ اجرت حلال نہیں ہے، یہ صاحبین فرما رہے ہیں۔ چلیے بس بھائی: هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۲۸: سواد و امصار میں غیر مسلم عبادت گاہ کے لیے اجارہ، تصویر کشی، شطرنج اور سلام و عیادت کے احکام

شرح الوقایہ صفحہ: ۵۸ — بتاریخ: ۱۹ دسمبر ۲۰۱۹ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

جی آگے دیکھیے بھئی۔

وَإِجَارَةُ بَيْتٍ بِالسَّوَادِ لِيُتَّخَذَ بَيْتُ نَارٍ أَوْ كَنِيسَةٌ أَوْ بِيْعَةٌ أَوْ يُبَاعَ فِيهِ الْخَمْرُ

وَإِجَارَةُ بَيْتٍ، سَوَاد لفظ آیا سَوَاد۔ سَوَاد کہتے ہیں شہر کے جو اطراف ہیں، یعنی دیہات وغیرہ جو ہیں، دیہات مراد ہیں، شہر کے اطراف میں کیا ہوتے ہیں؟ دیہات ہوتے ہیں۔ تو کہتے ہیں کہ دیہات کے اندر اگر کسی شخص کے پاس کوئی کمرہ ہے، کوئی عمارت ہے، اور وہ کمرہ دوسروں کو، ذمیوں کو کرایہ پر دیتا ہے تاکہ وہ اس کے اندر شراب خانہ بنائیں، اس میں شراب کو بیچیں، اس کے لیے ان کو کرایہ پر دینا، یا اس لیے ان کو کرایہ پر دینا تاکہ وہ اس کے اندر اپنی عبادت گاہ بنا لیں، عبادت گاہ بنا لیں، تو کیا دے سکتے ہیں یا نہیں؟ امام صاحب فرماتے ہیں کہ دے سکتے ہیں بھئی، کمرہ وغیرہ کرایہ پر دے دیا دیہات میں، شہر میں نہیں بھئی، دیہات میں، دیہات میں دے سکتے ہیں تاکہ وہ اس میں کیا بنا لیں، شراب بیچنے کے لیے اس کو جگہ بنا لیں، یا اس کے اندر اپنی عبادت گاہ بنا لیں۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں، جائز نہیں ہے۔ اس مقصد کے لیے کمرہ کرایہ پر دینا جائز نہیں۔

جبکہ امام صاحب نے اس کی اجازت دی، اجازت دی دیہات میں، اس لیے کیونکہ امام صاحب کے زمانے میں جو ان کے شہر تھے وہاں تو مسلمانوں کی کثرت تھی، البتہ آس پاس کے جو دیہات تھے اس میں ذمی رہا کرتے تھے۔ تو ذمیوں کو اگر کوئی کمرہ دیتا ہے تو امام صاحب فرماتے ہیں یہ جائز ہے، اس لیے کیونکہ یہاں پر وہ جو شخص اجرت لے رہا ہے وہ کمرہ کرایہ پر دینے کی اجرت لے رہا ہے، اور جیسے ہی کمرہ کرایہ پر دے گا اگرچہ ابھی انہوں نے اس میں عبادت خانہ بنایا ہی نہیں، ابھی اس میں شراب بیچنا شروع بھی نہیں کی، پھر بھی اس کا کرایہ ان پر واجب ہو جائے گا یا نہیں ہو جائے گا؟ ان پر کرایہ واجب

ہو جائے گا۔ معلوم ہوا تو یہ تو اپنے کمرے کی اجرت ان سے لے رہا ہے اور یہ لے سکتا ہے، اور باقی اگر اس میں شراب بیچتے ہیں یا عبادت کرتے ہیں اپنے مذہب کے مطابق تو یہ ان کا اپنا فعل ہے، یہ کیا ہے ان کا؟ اپنا فعل ہے، اور اپنے فعل پر انہی کا مواخذہ ہوگا، جو کمرہ کرایہ پر دینے والا ہے ان کا، اس کا مواخذہ نہیں۔ لیکن صاحبین فرماتے ہیں نہیں، اس طرح کمرہ کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَإِجَارَةُ بَيْتٍ بِالسَّوَادِ، بَیْت کمرے کو کہتے ہیں، اور کرایہ پر دینا کمرہ بِالسَّوَادِ شہر کے اطراف یعنی دیہات وغیرہ میں لِيُتَّخَذَ بَيْتُ نَارٍ تاکہ اس میں آتش کدہ بنا لیا جائے۔ بَيْتُ نَارٍ آتش کدہ، جس میں مجوسی جو ہیں عبادت کرتے ہیں۔ مجوسی جن کو اردو میں پارسی کہتے ہیں، پارسی۔ جس میں پارسی اپنی عبادت کریں، آگ اس میں جلاتے ہیں اور پھر اس آگ کے آگے وہ سجدے کرتے ہیں، آگ کو اپنا خدا سمجھتے ہیں۔ تو وہ جو کمرہ جس میں وہ آگ جلاتے ہیں، عبادت خانہ ہوتا ہے، آگ جس میں جل رہی ہوتی ہے، اس کو آتش کدہ کہتے ہیں، آتش کدہ۔

اور اسی طرح آگے كَنِيسَة کا لفظ آرہا ہے۔ كَنِيسَة یاد رکھیے یہ یہودیوں کی عبادت گاہ کو بھی کہتے ہیں اور عیسائیوں کی عبادت گاہ کو بھی کہتے ہیں، لیکن یہاں پر كَنِيسَة سے مراد عیسائیوں کی عبادت گاہ ہے۔ تو یہاں یہ گرجے کے معنی میں ہے، گرجا، عیسائیوں کی عبادت گاہ کو کیا کہتے ہیں؟ گرجا۔ اور آگے بِيْعَة کا لفظ آرہا ہے، بِيْعَة جو ہے یہ خاص طور پر یہودیوں کی عبادت گاہ کو کہتے ہیں۔ تو كَنِيسَة تو دونوں کی عبادت گاہ کو کہتے ہیں، یہودیوں کی بھی اور عیسائیوں کی بھی، لیکن آگے چونکہ یہودیوں کی عبادت گاہ کا الگ باقاعدہ ذکر آرہا ہے لہٰذا یہاں پر كَنِيسَة سے صرف عیسائیوں کی عبادت گاہ مراد ہے۔ تو بِيْعَة کس کو کہتے ہیں؟ یہودیوں کی عبادت گاہ بھئی، عبادت گاہ، اور اس کو کلیسا بھی کہتے ہیں۔ عیسائیوں کی عبادت گاہ کو اردو میں کیا کہتے ہیں؟ گرجا۔ گرجا۔ اور یہودیوں کی عبادت گاہ؟ کلیسا، کلیسا۔ کاف چھوٹا ہے، لام یا سین الف، کلیسا۔

وَإِجَارَةُ بَيْتٍ بِالسَّوَادِ اور کمرہ کرایہ پر دینا شہر کے اطراف یعنی دیہات میں لِيُتَّخَذَ بَيْتُ نَارٍ تاکہ اس میں آتش کدہ بنا لیا جائے، أَوْ كَنِيسَةٌ یا اس میں گرجا بنا لیا جائے، أَوْ بِيْعَةٌ یا اس میں کلیسا بنا لیا جائے، أَوْ يُبَاعَ فِيهِ الْخَمْرُ یا اس میں شراب بیچی جائے، یہ جائز ہے۔ وہ پیچھے آیا تھا نا وَجَازَ أَخْذُ دَيْنٍ جائز ہے دَيْن کا لینا، اسی جَازَ کے تحت یہ سارے آرہے ہیں، أَخْذُ دَيْنٍ پر عطف ہے، اور جائز ہے دیہات میں کمرہ کرایہ پر دینا۔ عبارت سمجھ میں آرہی ہے؟

تو کہتے ہیں هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ یہ امام صاحب کے نزدیک ہے کہ اس طرح کمرہ کرایہ پر دینا جائز ہے لِتَخَلُّلِ فِعْلِ الْفَاعِلِ الْمُخْتَارِ بوجہ بیچ میں آنے فاعل مختار کے فعل کے، بوجہ بیچ میں آنے فعل کس کا؟ فاعل مختار کا۔ بھئی دیکھیے فاعل مختار، فاعل ہے کوئی کام کرنے والا، فاعل مختار جو اپنے اختیار سے کوئی کام کرتا ہے۔ تو یہ جو کفار اس میں گرجا بنائیں گے یا کلیسا بنائیں گے یا اس کے اندر آتش کدہ بنائیں گے یا اس کو شراب خانہ، اس میں شراب بیچیں گے، شراب خانہ بنائیں گے، تو یہ کس کا فعل ہے؟ فاعل مختار، وہ جو یہ کام کرنے والے ہیں اور اپنے اختیار سے کرنے والے ہیں تو وہ کون ہوئے؟

فاعل مختار۔ تو یہ فاعل مختار کا فعل ہے۔ کس کا فعل ہے؟ اس میں یہ عبادت خانہ بنانا یا شراب خانہ بنانا یہ کس کا فعل ہے؟ فاعل مختار کا۔ تو اس دیکھو کمرہ دینے والے نے کمرہ کرایہ پر دیا، اور آگے اس کمرے کے اندر اب گناہ کا کام ہو رہا ہے، لیکن وہ اس گناہ کا کام کون کر رہا ہے؟ وہ کس کا فعل ہے؟ فاعل مختار کا فعل ہے جو اپنے اختیار سے یہ کام کر رہے ہیں۔ تو لہٰذا جب بیچ میں فاعل مختار کا فعل آگیا، تو یاد رکھو یہ جو فاعل مختار کا فعل ہوتا ہے اس کی نسبت کسی دوسرے کی طرف نہیں کی جاتی، اسی شخص کی طرف کی جاتی ہے جو اس کو کرنے والا ہے، جو فاعل ہے۔ فاعل مختار کے فعل کی نسبت اس فاعل ہی کی طرف کی جاتی ہے، کسی دوسرے کی طرف نہیں کی جاتی۔ تو یہاں بھی، تو تَخَلُّل کا معنی ہے بیچ میں آنا۔ تو یہاں پر بھی کمرہ کرایہ پر دینے کے بعد بیچ میں کس کا فعل آگیا؟ فاعل مختار کا فعل آگیا، لہٰذا اس گناہ کی نسبت اس فاعل مختار کی طرف کی جائے گی، کمرے کو کرایہ پر دینے والے کی طرف نہیں کی جائے گی۔ یہ کس کی دلیل ہے؟ امام صاحب کی دلیل ہے بھئی۔ هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لِتَخَلُّلِ فِعْلِ الْفَاعِلِ الْمُخْتَارِ یہ امام صاحب کے نزدیک ہے بوجہ فاعل مختار کے فعل کے بیچ میں آنے کی وجہ سے۔

وَقَالَا اور صاحبین فرماتے ہیں لَا يَجُوزُ جائز نہیں ہے۔ وَإِنَّمَا قَالَ بِالسَّوَادِ کہتے ہیں ماتن نے بِالسَّوَادِ کہا کہ دیہات میں یہ کمرہ کرایہ پر اس طرح دے سکتا ہے لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ فِي الْأَمْصَارِ اس لیے کیونکہ شہروں میں یہ جائز نہیں، اس کی وجہ یہ ہے بھئی کہ شہروں میں مسلمانوں کی وہاں کثرت تھی بھئی، تو شہروں میں وہاں ان کو اپنے عبادت خانے وغیرہ بنانے کی یا شراب بیچنے کی اجازت نہیں ہوگی، جبکہ اطراف جو تھے کوفہ وغیرہ کے اطراف، وہاں پر اکثر ذمی غیر مسلم تھے بھئی، وہ تو شراب بیچتے بھی تھے عبادت بھی اپنی کیا کرتے تھے، تو ان کو وہاں پر کمرہ ایسا کرایہ پر دینا امام صاحب کے نزدیک جائز ہے۔ وَإِنَّمَا قَالَ بِالسَّوَادِ ماتن نے جو ہے وہ دیہات کی قید لگائی، سَوَاد کو ذکر کیا لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ فِي الْأَمْصَارِ اس لیے کیونکہ یہ شہروں میں جائز نہیں اِتِّفَاقًا یعنی بالاتفاق، علماء کا اس پر اتفاق ہے۔

وَفِي سَوَادِنَا اور ہمارے دیہات میں، اب یہ ماتن فرما رہے ہیں بھئی صاحب وقایہ فرما رہے ہیں، وَفِي سَوَادِنَا لَا يُمَكَّنُونَ مِنْهَا فِي الْأَصَحِّ کہ ہمارے دیہات میں لَا يُمَكَّنُونَ ان کو قدرت نہیں دی جائے گی مِنْهَا ان چیزوں کی أَيْ مِنْ بِنَائِهَا ان چیزوں کے بنانے کی ان کو قدرت نہیں دی جائے گی، یعنی اجازت نہیں دی جائے گی فِي الْأَصَحِّ زیادہ صحیح قول کے مطابق بھئی۔ وجہ اس کی یہ کہ ہمارے دیہات میں اسلام غالب ہے، یہاں کون ہیں؟ اکثر اور غالب مسلمان ہیں، لہٰذا اب وہاں پر ان کفار کو شراب خانہ یا عبادت خانہ بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ فَإِنَّ مَا قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَخْتَصُّ بِسَوَادِ الْكُوفَةِ اس لیے کیونکہ وہ جو امام صاحب نے فرمایا وہ خاص ہے کوفہ کے دیہات کے ساتھ فَإِنَّ أَكْثَرَ أَهْلِهَا ذِمِّيُّونَ اس لیے کیونکہ اس کے اکثر رہنے والے جو ہیں وہ ذمی ہیں، فَأَمَّا فِي سَوَادِنَا فَأَعْلَامُ الْإِسْلَامِ فِيهِ ظَاهِرَةٌ باقی ہمارے جو دیہات ہیں تو ان میں اسلام کی جو علامتیں ہیں، وہ اسلام کے جو شعائر ہیں وہ اس میں ظاہر ہیں، اسلام کی علامتیں اس میں ظاہر ہیں تو وہاں اجازت نہیں ہوگی۔

وَبَيْعُ بِنَاءِ بُيُوتِ مَكَّةَ اور جائز ہے بَيْعُ بِنَاءِ بُيُوتِ مَكَّةَ۔ یاد رکھو مکہ کے اندر مکہ کی ایک ہے زمین اور ایک ہے اس کی عمارتیں اور کمرے۔ تو مکہ کی عمارتوں کو بیچنا بالاتفاق جائز ہے۔ مکہ کی عمارتوں کو زمین کے بغیر صرف عمارت اس کو بیچنا بالاتفاق جائز ہے۔ جبکہ جو مکہ کی زمین ہے اس کو بیچنا یا کرایہ پر دینا، تو یہ مکروہ ہے بھئی، امام صاحب کے نزدیک مکہ کی زمین بیچنا یا کرایہ پر دینا مکروہ ہے، جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ جائز ہے اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں وَبَيْعُ بِنَاءِ بُيُوتِ مَكَّةَ اور جائز ہے بیچنا، بِنَاء کہتے ہیں عمارت کو، بُيُوت کہتے ہیں، بَيْت کمرے کو کہتے ہیں، یہ گھروں کے معنی میں کر رہے ہیں، مکہ کے گھروں کی عمارت بیچنا، ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ مکہ کے گھروں کی عمارت بیچنا یہ جائز ہے۔

اسی طرح وَتَقْيِيدُ الْعَبْدِ غلام کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالنا۔ قَيَّدَ يُقَيِّدُ تَقْيِيد کا معنی ہے پاؤں میں بیڑیاں ڈالنا، کسی کو باندھنا بھئی زنجیروں کے ساتھ۔ یہ غلام کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالنا جائز ہے، یہ اس وقت جب غلام کے بھاگنے کا خوف ہو کہ یہ بھاگ جائے گا، پھر اس کو کہاں تلاش کریں گے، کون پکڑ کے لائے گا۔ ایسا غلام ہے تو پھر اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر اس کو باندھنا جائز ہے۔ یہ معنی ہے وَتَقْيِيدُ الْعَبْدِ اور أَيْ جَازَ تَقْيِيدُ الْعَبْدِ جائز ہے غلام کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالنا۔

وَقَبُولُ هَدِيَّتِهِ تَاجِرًا وَإِجَابَةُ دَعْوَتِهِ وَاسْتِعَارُ دَابَّتِهِ۔ صورت یہ، ایک غلام ہے اس کو آقا نے اجازت دے دی کہ تم تجارت کر سکتے ہو۔ یہ عبدِ ماذون تجارت کرتا ہے۔ اب یہ عبدِ ماذون کسی کو ہدیہ، تحفہ وغیرہ دیتا ہے، تو یہ ہدیہ قبول کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح یہ غلام جو ہے کسی کی دعوت کرتا ہے کھانے کی تو وہ دعوت قبول کی جائے گی، اس کو قبول کرنا جائز ہے۔ اور اسی طرح یہ غلام جو ہے اس کے پاس کوئی سواری ہے تو کوئی اس سے سواری مانگتا ہے کہ یہ مجھے کچھ دیر استعمال کے لیے دے دو، اجرت پر نہیں، استعارۃً استعمال کے لیے ویسے مانگتا ہے، تو وہ غلام دیتا ہے تو یہ اس سے سواری لینا، سواری مانگنا جائز ہے۔ بھئی کیوں جائز ہے؟ غلام کیوں کسی کو ہدیہ دے سکتا ہے؟ غلام کیسے کسی کی دعوت کر سکتا ہے؟ یہ غلام کے پاس تو سارا مال کس کا ہے؟ آقا کا ہے۔ تو یہ تو اس آقا کا مال اڑائے گا، ختم کرے گا۔ کہتے ہیں بھئی آقا نے اس کو تجارت کی اجازت دی ہے، یہ عام غلام نہیں ہے، اور تجارت کے اندر ان ساری چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے، کچھ خرچہ کہیں بعض جگہ کرنا پڑتا ہے، تعلقات بنانے پڑتے ہیں، پھر ہی تجارت کا سلسلہ چلتا ہے۔ آپ بھی دکان میں جاتے ہیں وہ فوراً آپ کے لیے بوتل منگوا لیتا ہے یا چائے منگوا لیتا ہے کہ اب یہ بوتل یا چائے پیے گا تو اب خریداری کے بغیر یہاں سے نہیں جا سکے گا۔ تو دیکھا اس طرح وہ اپنے گاہک بناتے ہیں۔ اور یا اسی طرح دوسرے تاجروں سے وہ اپنا سامان لیتے ہیں تو جن سے سامان لیتے ہیں تو وہ یقیناً ان کو بھی کیا کرنا پڑتا ہے؟ کبھی کچھ تھوڑا ہدیہ دینا پڑتا ہے، یا کبھی ان کو کھانا بھی کھلانا پڑتا ہے، یا وہ کوئی سواری مانگ لیتے ہیں تو سواری بھی ان کو دینا پڑتی ہے۔ تو عبدِ ماذون جو تاجر ہے اس کے لیے بھی ان چیزوں کی ضرورت ہوگی، ان چیزوں کی گنجائش ہوگی کیونکہ تجارت میں یہ چیزیں پیش آتی ہیں۔ ہاں اگر یہ غلام کوئی قیمتی چیز کسی کو دیتا ہے، مثلاً

اس زمانے میں کپڑے قیمتی ہوتے تھے کیونکہ ہاتھ سے بنے جاتے تھے، کسی کو کپڑے پہناتا ہے، کہتے ہیں اس کی اجازت نہیں ہوگی۔ یا کسی، یہ غلام کسی کو درہم اور دینار تحفے کے طور پر نقدی دیتا ہے، پیسے دیتا ہے، نہیں بھئی اس کی اجازت نہیں ہوگی۔[1]

تو کہتے ہیں وَقَبُولُ هَدِيَّتِهِ، هَدِيَّتِهِ کی هَا ضمیر راجع ہے پیچھے جو عَبْد آیا، اور غلام کا ہدیہ قبول کرنا یہ بھی جائز ہے تَاجِرًا اس حال میں کہ وہ غلام کیا ہو؟ تاجر ہو یعنی عبدِ ماذون ہو۔ وَإِجَابَةُ دَعْوَتِهِ اور اسی طرح جائز ہے اس غلام کی دعوت قبول کرنا، وَاسْتِعَارَةُ دَابَّتِهِ اور اسی طرح اس غلام کی سواری کو مانگنا استعمال کے لیے یہ بھی جائز ہے۔ وَفِي الْقِيَاسِ لَا يَجُوزُ اور قیاس میں تو جائز نہیں ہے۔ قیاس کے مطابق تو جائز نہیں کیونکہ یہ سارا کچھ کس کا ہے؟ اس کے آقا کا ہے بھئی۔ لیکن استحساناً جائز ہے، استحسان کی وجہ کیا؟ کہتے ہیں وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبِلَ هَدِيَّةَ سَلْمَانَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَبَرِيرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی اور حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہدیہ قبول فرمایا۔ حضرت سلمان فارسی حالانکہ وہ شروع میں غلام تھے، حضرت بریرہ وہ شروع میں باندی تھیں مکاتبہ، تو ان کے ہدیے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔ معلوم ہوا غلام کے ہدیے کو قبول کیا جا سکتا ہے بھئی۔

اور عجیب بات بھئی انہوں نے کیا کہا وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ، استحسان ذکر کر رہے ہیں، کیا؟ اور آپ نے آج تک کیا پڑھا ہے؟ استحسان کسے کہتے ہیں؟ قیاس خفی کو، کس کو؟ اور میں نے آپ کو کیا بتلایا تھا؟ کہ استحسان ہر اس دلیل کو کہتے ہیں جس کے مقابلے میں کیا آئے؟ قیاس آئے، قیاس جلی نہیں، اس کے مقابلے میں قیاس آئے، چاہے وہ جلی ہو خفی ہو اس کو چھوڑ دیں۔ ہر وہ دلیل، شرعی دلیل جس کے مقابلے میں کیا آئے؟ قیاس آئے، اس کو استحسان کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک شخص نے قیاس پیش کیا، آپ نے قرآن سے دلیل پیش کر دی تو یہ جو آپ کی دلیل ہے اس کو استحسان کہیں گے، حالانکہ یہ تو نص ہوگی قرآن کی کوئی۔ یا کوئی شخص قیاس پیش کرتا ہے، آپ مقابلے میں حدیث ذکر کر دیتے ہیں تو اس حدیث کو کیا کہیں گے؟ استحسان کیونکہ اس کے مقابلے میں کیا ہے؟ قیاس۔ یہاں دیکھو تائید ہو گئی میری اس وجہ کی، قیاس ذکر کیا اور اس کے مقابلے میں استحسان جو ہے وہ کیا ہے؟ حدیث ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ہر وہ شرعی دلیل چاہے وہ قرآن ہو چاہے حدیث ہو اس کے مقابلے میں جب قیاس آجائے تو اس کو استحسان کہتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر استحسان کا اطلاق قیاس خفی پر ہوتا ہے۔ میں نے بتلایا تھا، ایک قیاس جلی ہے ایک قیاس خفی۔ قیاس جلی جو بات ظاہر ہو، ذہن فوراً جہاں تک پہنچ جائے، اور قیاس خفی وہ قیاس جو ذرا گہرا ہو، گہری بات ہو، خوب غور و فکر کرنا پڑتا ہو، پھر ذہن وہاں تک پہنچتا ہو۔ صورت

[1] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۰۴): صوتی درس کی قراءت میں «وَقَبُولُ هَدِيَّتِهِ تَاجِرًا وَإِجَابَةُ دَعْوَتِهِ وَاسْتِعَارُ دَابَّتِهِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وقبولُ هديَّتِهِ تاجرًا، وإجابةُ دعوتِه، واستعارةُ دابَّتِه» منقول ہے۔

سمجھ میں آگئی؟ اور تو قیاس جلی اور ایک قیاس خفی۔ اور قیاس خفی کو بھی تب استحسان کہیں گے جب اس کے مقابلے میں قیاس جلی موجود ہو، اگر اس کے مقابلے میں قیاس جلی نہیں ہے پھر جتنی مرضی گہری بات ہو، جتنا مرضی گہرا قیاس ہو اس کو استحسان نہیں کہیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اس کو قیاس ہی کہیں گے۔ تو معلوم ہوا استحسان کے مقابلے میں ہمیشہ کیا ہوگا؟ قیاس ہوگا۔

آگے دیکھیے وَكُرِهَ كِسْوَتُهُ ثَوْبًا اور مکروہ ہے كِسْوَتُهُ اس غلام کا پہنانا ثَوْبًا کپڑا۔ اس غلام کا کسی کو کپڑا پہنانا مکروہ کیونکہ یہ تو مہنگی چیز ہے بھئی، قیمتی چیز ہے، یہ اس زمانے میں تھا بھئی۔ اسی طرح وَإِهْدَاؤُهُ النَّقْدَيْنِ اسی طرح اس غلام کا ہدیہ کرنا بھی مکروہ ہے النَّقْدَيْنِ دونوں نقدیاں، دو نقدیاں یعنی سونا اور چاندی ان کو یہ نقدی کہتے ہیں کیونکہ یہ درہم اور دینار کی صورت میں انہی کے ذریعے ساری تجارت کی جاتی ہے، تو یہ دو نقدیاں ہیں۔ تو إِهْدَاؤُهُ النَّقْدَيْنِ اس غلام کا کسی کو دو نقدی، یہ دونوں نقدیاں یعنی سونا یا چاندی یعنی درہم اور دینار کسی کو ہدیہ کرنا یہ بھی مکروہ ہے۔ أَيْ كُرِهَ أَنْ يَكْسُوَ الْعَبْدُ غَيْرَهُ ثَوْبًا مکروہ ہے یعنی مکروہ تحریمی ہے کہ پہنائے وہ غلام غَيْرَهُ کسی دوسرے کو ثَوْبًا کپڑا، یہ مکروہ ہے کہ وہ غلام کسی دوسرے کو کپڑا پہنائے وَأَنْ يُهْدِيَهُ النَّقْدَيْنِ یا وہ غلام کسی کو وہ دو درہم اور دینار جو ہے وہ ہدیہ کرے۔

وَاسْتِخْدَامُ الْخَصِيِّ اور مکروہ ہے خصی سے خدمت لینا، وہ مرد جس کو جو خصی ہے اس سے خدمت لینا مکروہ ہے۔ وجہ اس کی یہ کہ اگر خصی سے خدمت لی جائے گی تو پھر خدمت لینے والے کو پتہ ہوگا کہ یہ تو کیا ہے؟ خصی ہے، نامرد ہے، تو وہ اس سے عموماً گھر کے اندر بھی کام لیں گے باورچی خانے وغیرہ میں پکانے، کھانا پکانے کے لیے، ان چیزوں کے لیے رکھ لیا، اور اس کو فوراً وہ رکھ لیں گے۔ لوگ کیا کریں گے کہ یہ تو خصی ہے اس سے تو خواتین کو کوئی خوف اور خطرہ نہیں تو اس کو خدمت کے لیے رکھ لیں گے، تو غریب لوگ جب دیکھیں گے کہ خصی آدمی کو تو فوراً ہی کام مل جاتا ہے اور اچھی جگہ کام مل جاتا ہے تو وہ بھی اپنے بچوں کو اس طرح کروائیں گے، حالانکہ یہ تو مثلہ ہے، اللہ کی تخلیق کو بگاڑنا ہے، لہٰذا اس سے اس کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تاکہ راستہ ہی بند ہو جائے، تو خصی کو خدمت کے لیے رکھنا یہ مکروہ ہے۔ تو کہتے ہیں وَاسْتِخْدَامُ الْخَصِيِّ اور خصی سے خدمت لینا یہ مکروہ ہے فَإِنَّهُ حَثٌّ عَلَى إِخْصَاءِ الْإِنْسَانِ، حَثٌّ کا معنی ہے ابھارنا، اس تو کیونکہ یہ تو ابھارنا ہوگا عَلَى إِخْصَاءِ الْإِنْسَانِ انسان کے خصی کرنے پر، وَهُوَ غَيْرُ جَائِزٍ اور انسان کا اِخْصَاء تو جائز نہیں ہے۔[۲]

وَإِقْرَاضُ بَقَّالٍ شَيْئًا يَأْخُذُ مِنْهُ مَا شَاءَ اور اسی طرح مکروہ ہے إِقْرَاضُ بَقَّالٍ، بَقَّال کہتے ہیں سبزی فروش، سبزی فروش کو

[۲] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۰۵): صوتی درس کی قراءت میں «فَإِنَّهُ حَثٌّ عَلَى إِخْصَاءِ الْإِنْسَانِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فإنَّهُ حثٌّ على خصاءِ الإنسان،» منقول ہے۔

قرضہ دینا شَیْئًا کچھ، شَیْئًا کچھ یعنی کچھ نقدی، کچھ پیسے وغیرہ، سبزی فروش کو قرضہ دینا کچھ پیسے کہ یَأْخُذُ مِنْهُ مَا شَاءَ کہ اس سے لیتا رہے گا جو چاہے گا، جو سبزی وغیرہ چاہے گا اس سے لیتا رہے گا۔ صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص ہے مثلاً وہ تنخواہ لیتا ہے تو اس کی تنخواہ جلدی ختم ہو جاتی ہے، دس دن میں ختم ہو جاتی ہے، اب وہ باقی کے بیس دن کیسے گزارے گا؟ تو اس کا حل وہ یہ نکالتا ہے کہ جیسے ہی تنخواہ آتی ہے تو اس میں سے مثلاً پانچ ہزار وہ سبزی والے کو دے دیتا ہے فوراً کہ یہ میرے پیسے اپنے پاس رکھو اور میں تم سے پورا مہینہ جو سبزی چاہوں گا لیتا رہوں گا اور تم حساب کرتے جانا یہاں تک کہ یہ پیسے پورے ہو جائیں۔

یاد رکھو یہ کروانا مکروہ ہے مکروہ تحریمی۔ ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے بھئی۔ فقہاء پر اللہ کی کروڑہا رحمتیں نازل ہوں، کتنے کتنے کیسے کیسے مسائل انہوں نے نکال کر بیان فرما دیے اور ہمارے لیے آسانی کر دی۔ بظاہر آپ کہیں گے بھئی کیا خرابی ہے؟ پیسے ہم نے دیے ہیں وہ پیسے اس میں سے کاٹ رہا ہے، کوئی زائد چیز تو ہم نہیں لے رہے، لیکن فقہاء فرماتے ہیں نہیں اس میں ربا ہے، سود ہے، سود ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا فَهُوَ رِبًا ہر ایسا قرضہ جو نفع کو کھینچے، جس سے نفع اٹھایا جائے تو وہ ربا ہے، سود ہے۔ اور یہ بھی آپ قرضہ دے رہے ہیں، یہ جو آپ نے اس کو پیسے دیے، ابھی تو سبزی لی نہیں، تو یہ پیسے اس کو بطور قرض کے دیے اور قرض کے بدلے اب آپ اس سے تھوڑی تھوڑی سبزی لیتے جا رہے ہیں، تو یہ آپ نفع اٹھا رہے ہیں اپنے قرضے سے اور یہ سود ہے، جائز نہیں۔ ابھی بھی آپ کی تسلی نہیں ہوئی ہوگی کہ سود کیسے ہے؟ بھئی یہ تو اپنے پیسے وہ کاٹتا جا رہا ہے، تو ابھی بھی آپ کے ذہن میں اشکال ہوگا کہ کہاں نفع اٹھا رہا ہے بھئی وہ، کہاں پر؟ تو سب سے پہلے تو ایک اصول یاد رکھیں كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا فَهُوَ رِبًا ہر وہ قرضہ جس کے ذریعے کوئی نفع اٹھایا جائے تو وہ ربا ہے۔ ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ آپ اس قرضے سے نفع اٹھا رہے ہیں۔ کس طرح نفع اٹھا رہے ہیں؟ دیکھو آپ نے اس کو پانچ ہزار روپے دے دیے، پانچ ہزار روپے۔ اب اس میں سے ٹھیک ہے آپ سبزی لیتے رہیں گے، آہستہ آہستہ یہ ختم ہوتے جائیں گے، جب ختم ہوں گے وہ آپ کو بتا دے گا آپ کے پیسے پورے ہو گئے۔ لیکن آپ نفع کیا اٹھا رہے ہیں؟ یہ جو آپ سبزی لے رہے ہیں یہ نفع نہیں اٹھا رہے، آپ نفع یہ اٹھا رہے ہیں کہ آپ کے وہ پیسے ہلاکت سے، تلف سے محفوظ ہو گئے۔ آپ کے وہ پیسے ہلاکت اور تلف سے محفوظ ہو گئے۔ اب اس کے گھر چوری ہو گئی، وہ سارے پیسے کوئی اٹھا کر لے گیا، آپ کے پیسے ڈوب گئے کہ ہیں ابھی بھی اس کے ذمے؟ ابھی بھی اس کے ذمے ہیں یا نہیں ہیں اس کے ذمے؟ آپ نے قرض دیا تھا کوئی امانت تو نہیں رکھوائی تھی کہ کوئی لے گیا تو ختم ہو گئے، نہیں، وہ پیسے گئے تو وہ اس کے ڈوبے، آپ کا کوئی پیسہ نہیں ڈوبا، آپ کی رقم محفوظ ہے یا نہیں؟ ہاں آپ کے پاس گھر پڑے ہوتے کوئی سارا کچھ لے جاتا تو آپ کے پیسے ڈوب جاتے یا نہ ڈوب جاتے؟ آپ کے پیسے ختم ہو جاتے۔ لیکن اب آپ نے اس کو قرضہ دیا، آپ کے پیسے محفوظ ہو گئے۔ دیکھا اب بات سمجھ میں آگئی؟ کہ یہ اس قرض کے ذریعے، یہ آپ نے دیا تو قرض ہے کیونکہ آپ نے تو اس کے ابھی سبزی لی ہی نہیں، تو

پیسے اس کو دے دیے تو یہ قرض ہے اور جب قرض ہے اس کے ذریعے آپ نفع اٹھا رہے ہیں کہ وہ پیسے ہلاکت سے محفوظ ہو گئے، ہلاکت سے محفوظ ہو گئے۔ اور کُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا فَهُوَ رِبًا ہر وہ قرض جس کے ذریعے نفع اٹھایا جائے وہ ربا ہے، تو اس قرض کے ذریعے بھی آپ پیسوں کی حفاظت کا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

ہاں ایک صورت اس میں جائز ہے، آپ اس کو ہزار روپے بطور امانت کے دے دیں، یہ امانت میری اپنے پاس رکھ لو، امانت اپنے پاس رکھ لو، اور پھر مہینے بعد ہم حساب کر لیں گے اور جو آپ کے پیسے ہوئے اس میں سے لے لینا باقی مجھے دے دینا وہ میں آپ سے واپس لے لوں گا۔ اب ٹھیک ہو گیا مسئلہ۔ اب ٹھیک اس طرح ہوا کہ اب اگر اس کے گھر چوری ہوئی مثلاً وہ آپ نے اس کو پیسے امانت کے طور پر دیے تھے یا اس نے جیب میں رکھے ہوئے تھے وہ پیسے چوری ہو گئے تو اب اس پر ضمان نہیں آئے گا، وہ آپ کے پیسے چلے گئے کیونکہ امانت کا ضمان نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو یہ معنی ہے وَإِقْرَاضُ بَقَّالٍ شَيْئًا يَأْخُذُ مِنْهُ مَا شَاءَ اور قرضہ دینا سبزی فروش کو شَيْئًا کوئی چیز یعنی کوئی پیسے وغیرہ يَأْخُذُ مِنْهُ مَا شَاءَ کہ وہ اس سے لیتا رہے گا مَا شَاءَ جو چاہے گا یعنی جو سبزی چاہے گا، فَإِنَّهُ قَرْضٌ جَرَّ نَفْعًا اس لیے کیونکہ یہ ایسا قرضہ ہے جَرَّ نَفْعًا جو نفع کھینچ رہا ہے یعنی جس سے نفع اٹھایا جا رہا ہے۔

وَاللَّعِبُ بِالشَّطْرَنْجِ وَالنَّرْدِ وَكُلُّ لَهْوٍ اور اسی طرح مکروہ ہے کھیلنا شطرنج، شطرنج کھیلنا مکروہ ہے مکروہ تحریمی، وَالنَّرْدِ اور نرد کھیلنا بھی مکروہ، یہ بھی کوئی شطرنج جیسا یا لڈو جیسا یا اس جیسا کوئی کھیل ہوگا بھئی، اس کو اردو میں چوسر کہتے ہیں، چ و س ر، تو چوسر یہ کیا ہے؟ یہ بھی مکروہ تحریمی ہے۔ وَكُلُّ لَهْوٍ اور اسی طرح مکروہ ہے ہر لہو، لہو کہتے ہیں بیکار، بیکار کھیل بھئی، بیکار تفریح کھیل وغیرہ، تو ہر طرح کا بیکار کھیل جو ہے وہ بھی سب کیا ہیں؟ مکروہ ہیں بھئی۔

شطرنج بھئی، یاد رکھیے آگے آپ کو بتائیں گے کہ امام شافعی رحمہ اللہ جو ہیں ان کے نزدیک شطرنج جائز ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ اس سے انسان کا ذہن تیز ہوتا ہے، ذہن تیز ہوتا ہے۔ لیکن فقہاء احناف فرماتے ہیں کہ شطرنج جو ہے یہ انسان کو ہر چیز سے غافل کر دیتا ہے، حتیٰ کہ وہ کھانے پینے سے غافل ہو جاتا ہے، نماز سے غافل ہو جاتا ہے، وہ اپنا وقت ضائع کر رہا ہے اور باطل فضول سوچیں اس کے دماغ پر سوار ہیں، وہ کھیل کے بارے میں سوچ رہا ہے ہر وقت، تو لہٰذا اس لیے یہ مکروہ ہے مکروہ تحریمی بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں وَاللَّعِبُ بِالشَّطْرَنْجِ وَالنَّرْدِ اور شطرنج اور نرد کھیلنا یہ بھی مکروہ ہے وَكُلُّ لَهْوٍ، پیچھے آیا تھا نا وَكُرِهَ كِسْوَتُهُ ثَوْبًا تو یہ سب کا عطف اسی كِسْوَتُهُ پر ہے کہ مکروہ ہے، اور اسی طرح كُلُّ لَهْوٍ ہر بیکار کھیل جو ہے وہ بھی مکروہ ہے۔ هٰذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى يُبَاحُ اللَّعِبُ بِالشَّطْرَنْجِ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک شطرنج کھیلنا مباح ہے یعنی جائز ہے إِذْ فِيهِ تَشْحِيذُ الْخَاطِرِ اس لیے کیونکہ اس میں ذہن کی تیزی ہے، تَشْحِيذ کا معنی تیز کرنا اور خَاطِر جو

ہے دل اور تصور اور فکر کو کہتے ہیں، اس میں فکر اور تصور تیز ہوتا ہے یعنی ذہن تیز ہوتا ہے۔ لٰكِنْ بِشَرْطِ أَنْ لَا تَفُوتَهُ الصَّلَاةُ لیکن وہ فرماتے ہیں کہ یہ مباح ہے لیکن بایں شرط کہ أَنْ لَا تَفُوتَهُ الصَّلَاةُ کہ یہ اس کی نماز فوت نہ کر دے، اس سے اس کی نماز فوت نہ ہو کھیلنے والے کی، وَلَا يَكُونُ فِيهِ مَيْسِرٌ اور اس شرط پر کہ اس میں جوا بھی نہ ہو، وہ فرماتے ہیں نماز بھی ضائع نہ ہو اس کی وجہ سے اور اس میں جوا بھی نہ ہو پھر یہ جائز ہے۔ قُلْنَا ہم کہتے ہیں هُوَ مَظَنَّةُ فَوْتِ الصَّلَاةِ، مَظَنَّة جائے گمان، گمان کرنے کی جگہ، گمان کرنے کی جگہ، ہم کہتے ہیں هُوَ مَظَنَّةُ فَوْتِ الصَّلَاةِ یہ نماز کے فوت ہونے کی جائے گمان ہے، یہ نماز کے فوت ہونے کی جائے، کیونکہ یہاں زیادہ گمان یہی ہے کہ اس میں نماز فوت ہوگی، وَتَضْيِيعُ الْعُمُرِ اور اس کے اندر عمر کا ضائع کرنا ہے وَاسْتِيلَاءُ الْفِكْرِ الْبَاطِلِ، اِسْتِيلَاء کا معنی ہے غالب ہونا

اور اس میں فکر باطل کا غالب ہونا ہے، کہ انسان پر باطل فکر، باطل سوچیں غالب ہوتی ہیں،.بیکار سوچیں بھئی وہ کھیل کے اندر لگا ہوا ہے، سارا دماغ اس میں خرچ کر رہا ہے، تو یہ سوچیں اس پر غالب ہوتی ہیں اور کسی چیز کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ تو کہتے ہیں وَاسْتِيلَاءُ الْفِكْرِ الْبَاطِلِ اور اس میں باطل سوچیں جو ہیں وہ اس پر غالب ہوتی ہیں حَتّٰى لَا يَحُسَّ بِالْجُوعِ وَالْعَطَشِ یہاں تک کہ وہ محسوس نہیں کرتا بھوک اور پیاس کو بھی، فَكَيْفَ بِغَيْرِهِمَا تو ان کے علاوہ کا کیا پوچھتے ہو؟ بھوک اور پیاس کا اس کو پتہ نہیں ہوتا تو نماز کی فکر اسے کہاں سے ہوگی بھئی؟ تو ہمارے نزدیک شطرنج مکروہ تحریمی، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر جوا نہ ہو اور نماز فوت نہ ہو اس کی وجہ سے تو پھر جائز ہے۔

چنانچہ اسی پر ایک پہیلی بھی ہے، طلبہ پوچھتے ہیں ایک دوسرے سے، پہیلی یہ: أَبَاحَنِي، أَبَاحَ يُبِيحُ کا کیا معنی؟ مباح کرنا، أَبَاحَنِي مباح کر دیا میرے لیے، أَبَاحَنِي، ی متکلم کی ہے نا، أَبَاحَنِي مباح کر دیا میرے لیے شَطْرَنْجَ کس چیز کو؟ شطرنج کو، کس نے؟ الشَّافِعِيُّ امام شافعی، أَبَاحَنِي مباح کر دیا میرے، نہیں، نہیں، أَبَاحَنِي مباح کر دیا میرے لیے فَتًى ایک جوان نے، میرے لیے ایک جوان، توجہ کرنا، أَبَاحَنِي میرے لیے جائز کر دیا فَتًى ایک جوان نے، فَتًى جوان کو کہتے ہیں نا فَتٰى، اور کیا مباح کیا؟ شَطْرَنْجَ، ایک جوان نے میرے لیے شطرنج کو مباح کر دیا، وہ کون ہے؟ الشَّافِعِيُّ وہ امام شافعی رحمہ اللہ ہیں۔ اب اسی جملے کو ذرا تیز میں بولوں گا آپ سننا: أَبَاحَنِي فَتًى شَطْرَنْجَ الشَّافِعِيُّ۔ أَبَاحَنِي فَتًى شَطْرَنْجَ الشَّافِعِيُّ۔ أَبَاحَنِي فَتًى، تو سننے والا طالب علم سمجھتا ہے کہ شاید امام ابو حنیفہ اور امام شافعی شطرنج کھیلے۔ أَبَا حَنِيفَةَ بن رہا ہے یا نہیں؟ أَبَاحَنِي فَتًى شَطْرَنْجَ الشَّافِعِيُّ۔ تو طلبہ یہ جملہ بولتے ہیں اور کہتے ہیں بھئی اس کا معنی کرو، تو جس کو پتہ نہیں ہوتا وہ حیران ہوتا ہے کہ اس کا کیا ترجمہ، امام صاحب نے امام شافعی رحمہ اللہ سے شطرنج کھیلی بھئی۔

اچھا جی، آگے دیکھیے وَجَعْلُ الْغُلِّ فِي عُنُقِ عَبْدِهِ۔ غُلٌّ، غُلٌّ کہتے ہیں طوق بھئی، طوق، لوہے کا ایک یہ کڑا ہوتا تھا اور یہ غلام کے اس کے ہاتھوں یا گلے میں ڈالا جاتا تھا، اور اس کی وجہ سے اس کی گردن اوپر اٹھی رہتی، وہ گردن نیچے کو جھکا ہی

نہیں سکتا تھا، یہ کسی غلام کی گردن میں ڈالنا یہ مکروہ تحریمی ہے، اس لیے کیونکہ یہ جہنمیوں کی سزا ہے، ان کو یہ سزا دی جائے گی، تو یہاں کسی کو اس طرح سزا نہیں دی جا سکتی۔ تو کہتے ہیں وَجَعْلُ الْغُلِّ فِي عُنُقِ عَبْدِهِ اور طوق ڈالنا اپنے غلام کے گلے میں یہ بھی مکروہ ہے۔

وَبَيْعُ أَرْضِ مَكَّةَ اور مکہ کی زمین کو بیچنا یہ بھی مکروہ ہے، وَإِجَارَةُ أَرْضِ مَكَّةَ اور مکہ کی زمین کو کرایہ پر دینا یہ بھی، یہ بھی مکروہ ہے۔ هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ یہ امام صاحب کے نزدیک ہے لِأَنَّ مَكَّةَ حَرَامٌ اس لیے کیونکہ مکہ کیا ہے؟ حرام یعنی حرمت والی جگہ ہے، معزز ہے، حرام سے یہاں کیا معنی؟ حرام یعنی محترم ہے، محترم ہے، حرم ہے نا، مکہ کیا ہے؟ حرم، تو یہ حرمت والی جگہ ہے، عزت والی جگہ ہے، اللہ کی مسجد الحرام وہاں پر ہے، تو یہ علاقہ حرم کا ہے، تو یہاں کی زمین کو بیچا نہیں جائے گا، کرایہ پر کسی کو نہیں دیا جائے گا، یہ امام صاحب فرماتے ہیں۔ وَعِنْدَهُمَا يَجُوزُ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ جائز ہے، مکہ کی زمین بیچنا بھی جائز اور کرایہ پر دینا بھی جائز ہے اور اسی پر یاد رکھیے فتویٰ ہے۔ تو وہ صاحبین فرماتے ہیں يَجُوزُ جائز ہے لِأَنَّ أَرْضَهَا مَمْلُوكَةٌ اس لیے کیونکہ مکہ کی زمین مملوک ہے، جو وہاں کے رہنے والے ہیں وہ اس کے مالک ہیں اور مالک کے لیے جائز ہوتا ہے اپنی چیز بیچے یا اس کو کرایہ پر دے۔

وَقَوْلُهُ فِي دُعَائِهِ اور اسی طرح کسی شخص کا دعا میں یہ کہنا بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ وَبِحَقِّ رُسُلِكَ وَأَنْبِيَائِكَ کہتے ہیں یہ بھی دعا کے اندر کہنا مکروہ ہے، یہ لفظ دعا میں کہنا مکروہ ہے۔ بھئی یہ لفظ کیا ہیں، ان کا معنی کیا ہے؟ ذرا اس کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ یاد رکھو بِمَعْقِدِ، عَقَدَ یہ گرہ کو کہتے ہیں، گرہ باندھنا، تو مَعْقِد گرہ باندھنے کی جگہ، یوں کہو وابستہ ہونے کی جگہ، جوڑنے کی جگہ۔ گرہ باندھ کر کیا کیا جاتا ہے؟ کسی چیز کو دوسری چیز کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے، تو یہاں وابستہ اور جوڑنے کے معنی میں ہے۔ تو بِمَعْقِدِ الْعِزِّ، کوئی شخص دعا کرتا ہے کہ اے اللہ میں آپ سے دعا کرتا ہوں بِمَعْقِدِ الْعِزِّ آپ کی عزت کی جو، عزت کے وابستہ ہونے کی جگہ ہے مِنْ عَرْشِكَ اور یہ مِنْ بیان کے لیے بنا لیں، مِنْ بیان کے لیے ہے، وہ عزت کے وابستہ ہونے کی جگہ کیا ہے؟ مِنْ عَرْشِكَ یعنی کہ آپ کا عرش۔ تو مِنْ بیان کے لیے آتا ہے، ایک چیز میں ابہام ہو مِنْ کے ذریعے اس ابہام کو دور کیا جاتا ہے، تو یہاں پر بھی بِمَعْقِدِ الْعِزِّ آپ کے عزت کے وابستہ ہونے کی جو جگہ ہے، اب اس میں ابہام تھا کہ وہ کیا چیز ہے، مِنْ عَرْشِكَ، مِنْ کے ذریعے اس کو بیان کر دیا یعنی کہ آپ کا عرش۔ تو ترجمہ یوں ہو گیا کہ اے اللہ میں آپ سے دعا کرتا ہوں آپ کے عزت کے وابستہ ہونے کی جو جگہ ہے یعنی کہ آپ کا عرش جو ہے اس کے وسیلے سے، یا یوں کہو بامحاورہ یوں کہو ترجمہ یوں کرو، اے اللہ آپ کا عرش جو آپ کے عزت کے وابستہ ہونے کی جگہ ہے، جس کے ساتھ آپ کی عزت وابستہ ہے، میں اس کے وسیلے سے آپ سے دعا کرتا ہوں۔ اے اللہ آپ کا وہ عرش جس کے ساتھ آپ کی عزت وابستہ ہے اس کے وسیلے سے میں آپ سے دعا کرتا ہوں۔

تو اس میں گویا عزت کو وابستہ کیا گیا کس کے ساتھ؟ عرش کے ساتھ، اور عرش تو ہے حادث اور اللہ کی ذات کیا ہے؟

قدیم ہے، اور قدیم، تو اس سے وہم پڑتا ہے، جب اللہ کی عزت کا تعلق عرش سے ہے، عرش تو حادث ہے، تو وہم پڑتا ہے شاید عزت بھی اللہ کی کیا ہے؟ حادث ہے۔ توجہ ہے؟ جی۔ تو اے اللہ میں آپ سے کس وسیلے سے دعا کرتا ہوں؟ عرش سے جس کے ساتھ آپ کی عزت وابستہ ہے اس کے وسیلے سے آپ سے دعا کرتا ہوں، مانگتا ہوں۔ تو عرش، عرش تو حادث ہے، حادث ہے، اور اللہ کی عزت وہ تو قدیم ہے، قدیم ہے۔ حادث اور قدیم جانتے ہو؟ قدیم وہ جس پر کبھی عدم نہ آیا ہو، اور وہ صرف اللہ کی ذات اور اللہ کی صفات ہیں، یعنی اللہ کی ذات اور صفات ہمیشہ سے ہیں، کبھی بھی کوئی بھی ایسا زمانہ نہیں تھا جس میں اللہ کی ذات یا اس کی صفات نہ ہوں، تو اللہ کی ذات اور صفات پر کبھی عدم نہیں آیا۔ جبکہ اللہ کی ذات اور صفات کے علاوہ باقی تمام چیزیں جو ہیں عالم کے اندر تمام چیزیں وہ حادث ہیں، حادث اس کو کہتے ہیں جس پر کوئی عدم آیا ہو۔ تو تمام چیزیں یہ عرش ہے، آسمان، کرسی ہر چیز یہ کیا ہے؟ حادث، ایک زمانہ تھا کہ ان کا وجود نہیں تھا پھر اللہ نے ان کو پیدا فرمایا۔ تو اللہ بھی قدیم اور اللہ کی عزت بھی قدیم، اور عرش کیا ہے؟ حادث ہے، اور دعا میں کیا کہہ رہا ہے؟ اے اللہ آپ کا وہ عرش جس کے ساتھ آپ کی عزت وابستہ ہے اس کے وسیلے سے میں آپ سے دعا کرتا ہوں، تو عزت کو کس سے جوڑ دیا؟ عرش کے ساتھ، اور عزت ہے قدیم اور عرش کیا ہے؟ حادث ہے، تو اس سے تو اللہ کی صفت میں بھی حادث ہونے کا وہم آگیا، اللہ کی صفت میں بھی، کیونکہ جب حادث کے ساتھ وہ تعلق ہے اس کا تو معلوم ہوا وہ بھی کیسی ہوگی؟ حادث ہوگی، تو حادث ہونے کا وہم آگیا اس لیے یہ جائز نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جی۔

جبکہ بعض جگہ قاف مقدم ہے عین پر: بِمَقْعَدِ الْعِزِّ، بِمَقْعَدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ۔ یہ کہتے ہیں یہ بھی اس کا بھی یہی حکم ہے، یہ بھی مکروہ تحریمی ہے، اس لیے کیونکہ مَقْعَد یہ قُعُود سے ہے بیٹھنا، تو مَقْعَد بیٹھنے کی جگہ، بیٹھنے کی جگہ، کہ اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں، آپ سے مانگتا ہوں بِمَقْعَدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ تیرے عرش پر جو تیری عزت کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ حالانکہ بیٹھنا، بیٹھنے سے تو یہ وہم پڑتا ہے کہ اللہ کا جسم ہے، اور جس کا جسم ہوگا وہ مرکب ہوگا، اور جو مرکب ہوگا وہ حادث ہوگا، اور جو حادث ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا بھئی۔ تو لہٰذا دیکھو اب مَقْعَد کہہ دیں اس صورت میں بھی اللہ کے حادث ہونے کا وہم پڑتا ہے کیونکہ اللہ عرش پر بیٹھے نہیں۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ جی۔ اے اللہ جو آپ کے عزت کے، آپ کے عزت کے بیٹھنے کی جگہ ہے مِنْ عَرْشِكَ یعنی کہ آپ کا عرش جو ہے، یعنی اے اللہ وہ عرش جو آپ کے بیٹھنے کی عزت والی جگہ ہے، میں اس کے وسیلے سے آپ سے دعا کرتا ہوں۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ جی۔ یہ مِنْ کو کیا بناؤ؟ بیان بناؤ، عزت کے بیٹھنے کی جگہ یعنی کہ آپ کا عرش، اے اللہ آپ کا عرش جو آپ کے عزت کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ مَقْعَدِ الْعِزِّ یہ جو ہے اضافت ہے موصوف کی صفت کی طرف، آپ کے بیٹھنے کی وہ جگہ جو عزت والی ہے، آپ کے بیٹھنے کی وہ جگہ جو عزت والی ہے۔ ایک ہے موصوف اور ایک ہے صفت، تو یہاں پر بِمَقْعَدِ الْعِزِّ مَقْعَد مضاف، الْعِزِّ مضاف الیہ، اور مَقْعَد کا کیا معنی؟ بیٹھنے کی جگہ، یہ قُعُود سے ہے، تو عزت کے بیٹھنے کی جگہ یہ تو لفظی ترجمہ ہے اضافت کے ساتھ لیکن اس میں اضافت ہے کس کی؟ موصوف کی کس

کی طرف؟ صفت کی طرف، تو اس کو صفت بنا لو، آپ کے بیٹھنے کی وہ جگہ جو عزت والی ہے، جس کی عزت ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔ اور وہ کون سی جگہ ہے؟ مِنْ کے ذریعے بیان کر دیا مِنْ عَرْشِكَ یعنی کہ آپ کا جو عرش ہے۔ اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں آپ کے عزت کی جگہ یعنی آپ کے عرش کے وسیلے سے، اس کے ذریعے میں دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ میری دعا قبول فرما۔ تو یہ دعا بھی درست نہیں ہے، مکروہ تحریمی ہے بھئی، کیونکہ اس میں بھی بیٹھنا ذکر ہو رہا ہے اور بیٹھنا یہ اللہ کے لیے بیٹھنے کو ثابت کرنا یہ کفر ہے، کیونکہ جو بیٹھتا وہ ہے جس کا کوئی جسم ہو بھئی، اور اللہ کی ذات جسم سے پاک ہے۔

قرآن میں بھی جہاں ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وہاں مفسرین تقاریر کرتے ہیں کہ یہاں بیٹھنا مراد نہیں ہے بلکہ حکومت چلانا مراد ہے کہ اللہ نے یہ عظیم نظام بنایا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ اللہ تخت نشین ہوئے، مطلب عرش پر بیٹھنا مراد نہیں ہے بلکہ مراد ہے حکومت سنبھالنا، اللہ تخت نشین ہوئے یعنی اللہ نے ان کا نظام اور ان کی حکومت سنبھال لی، اللہ نے ان کو پیدا فرمایا اور پھر ان کی حکومت اللہ نے سنبھال لی۔ یا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ اس کا پھر یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ اللہ جو ہیں وہ عرش پر مستوی ہوئے، کیا ہوئے؟ حالانکہ عربی میں استواء کہتے ہیں اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کا معنی ہوتا ہے بیٹھنا، بیٹھنا، لیکن قرآن میں جہاں اللہ کے لیے استواء آیا ہے وہاں بیٹھنے کا ترجمہ نہیں کریں گے کیونکہ میں نے ابھی بتا دیا کہ بیٹھنے کا معنی یہ ہے جو بیٹھنے والا ہے اس کا جسم ہے، اس کا جسم، اور جس کا جسم ہے وہ مرکب ہوگا اور جو مرکب ہوگا وہ حادث ہوگا اور جو حادث ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا بھئی۔ تو اس سے تو اللہ کے حادث ہونے کا وہم اور شبہ پڑتا ہے، تو مفسرین کیا فرماتے ہیں؟ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کا ایک معنی کیا؟ کہ اللہ نے حکومت سنبھال لی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔ جیسے کہتے ہیں نا وہ بادشاہ تخت نشین ہو گیا، تو یہاں مراد کیا لیتے ہیں تخت نشین ہونے کا؟ اس نے حکومت سنبھال لی، بادشاہی سنبھال لی۔ تو یہاں بھی معنی یہی کریں گے کہ اللہ نے تمام مخلوقات کو اور یہ نظام کو پیدا فرمایا اور پھر اللہ نے ان کی بادشاہی سنبھال لی، ان کی حکومت سنبھال لی۔ اور جبکہ بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ متشابہات میں سے ہے کیونکہ اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کا معنی تو ہمیں معلوم ہے، اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کا معنی تو عربی میں ہوتا ہے تخت پر بیٹھنا، لیکن اس سے مراد کیا ہے؟ اللہ نے اس سے کس چیز کا ارادہ فرمایا ہے؟ ہمیں اس کا علم نہیں، کیونکہ جو حقیقی معنی ہے عرش پر بیٹھنا وہ اللہ کے لیے ثابت نہیں مان سکتے، وہ تو کفریہ معنی ہے، تو پھر اس کی کیا مراد ہے؟ کہتے ہیں ہمیں اس کی مراد کا پتہ نہیں، معنی تو ہمیں معلوم لیکن مراد ہمیں معلوم نہیں، مراد اللہ ہی جانتے ہیں، یہ متشابہات میں سے ہے۔ کس میں سے ہے؟ متشابہات میں سے جس کا معنی ہمیں معلوم نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔ اور بھی جوابات دیتے ہیں، یہ ایک دو میں نے یہاں ذکر کر دیے بھئی۔ تو یہاں پر بھی یہ شبہ پڑتا تھا، تو چاہے بِمَعْقِدِ الْعِزِّ کہیں یا بِمَقْعَدِ الْعِزِّ کہیں دونوں صورتوں میں یہ شبہ پڑتا ہے۔

اسی طرح یہ کہنا کہ اے اللہ میں آپ سے یہ دعا کرتا ہوں بِحَقِّ رُسُلِكَ آپ کے رسولوں کا جو حق ہے آپ پر یا بِحَقِّ

أَنْبِيَائِكَ آپ کے نبیوں کا جو حق ہے آپ پر، اس کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں، اے اللہ میری دعا قبول فرما لیں۔ تو یہ حق کا لفظ لاتا ہے، کہتے ہیں یہ بھی مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ اللہ خالق ہیں اور انبیاء مخلوق ہیں، اور مخلوق کا کوئی حق نہیں ہے خالق پر، خالق جو کچھ ہمیں دے رہے ہیں یہ اللہ کا فضل ہے، اللہ کی رحمت ہے، یہ کوئی حق ہمارا اللہ پر نہیں ہے، لہٰذا اس سے تو یہ شبہ پڑتا ہے کہ شاید انبیاء اور رسولوں کا اللہ پر کوئی حق ہے، اللہ کے ذمے ہے، لہٰذا اس لیے یہ کہنا مکروہ تحریمی ہے۔

تو کہتے ہیں وَقَوْلُهُ فِي دُعَائِهِ اور کسی شخص کا دعا میں یہ کہنا یہ بھی مکروہ ہے بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ وَبِحَقِّ رُسُلِكَ وَأَنْبِيَائِكَ یہ کہنا بھی مکروہ ہے لِأَنَّهُ يُوهِمُ تَعَلُّقَ عِزِّهِ بِالْعَرْشِ اس لیے کیونکہ یہ کلام یہ وہم ڈالتا ہے کہ اللہ کی عزت کا تعلق اس کے عرش کے ساتھ ہے، حالانکہ عرش تو حادث ہے، تو یہ درست نہیں ہے۔ دوسرا بِحَقِّ رُسُلِكَ اور أَنْبِيَائِكَ کہنا بھی مکروہ ہے، کیوں؟ کیونکہ وَلَا حَقَّ لِأَحَدٍ عَلَى اللهِ تَعَالٰى کوئی حق نہیں ہے کسی ایک کا بھی اللہ تعالیٰ پر۔

جبکہ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ يَجُوزُ الْأَوَّلُ لِلدُّعَاءِ الْمَأْثُورِ کہ اول جائز ہے بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ کہنا جائز ہے لِلدُّعَاءِ الْمَأْثُورِ بوجہ دعائے ماثور کے، دعائے ماثور وہ دعا جو احادیث میں آئی ہو۔ اثر، اثریہ حدیث کا ایک نام ہے تو ماثور وہ چیز جو کس میں آئی ہو؟ حدیث میں آئی ہو۔ تو بعض احادیث میں ایک حدیث ہے اس کے اندر آیا ہے بِمَعْقِدِ الْعِزِّ کا ذکر آیا ہے، لیکن فقہاء فرماتے ہیں کہ وہ خبر واحد ہے، خبر واحد ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے، بچا جائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بہرحال امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک کہنا جائز ہے بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ کہنا۔

اور اسی طرح فقہاء یہ بھی فرماتے ہیں کہ بِحَقِّ رُسُلِكَ وَأَنْبِيَائِكَ اگر اس کا یہ معنی کیا جائے کہ اللہ کے رسولوں اور نبیوں کا اللہ پر حق ہے اس کے وسیلے سے اللہ میں دعا کرتا ہوں، پھر تو یہ مکروہ تحریمی ہے، لیکن اگر اس کا دوسرا معنی کر لیا جائے پھر یہ جائز بھی بن جاتی ہے۔ یوں ترجمہ کیا جائے کہ اے اللہ آپ کے رسولوں کا جو ہمارے اوپر حق ہے، بندہ کہے، دعا کرنے والا کہے، آپ کے رسولوں کا، رسولوں نے ہمیں دین پہنچایا یا نہیں پہنچایا؟ تو ان کا ہم پر بہت بڑا انبیاء کا حق ہے، تو اے اللہ آپ کے رسولوں کا جو ہمارے اوپر حق ہے اس کے وسیلے سے میں آپ سے دعا کرتا ہوں، تو پھر معنی ٹھیک بن جاتا ہے۔

آگے دیکھیے وَتَعْشِيرُ الْمُصْحَفِ اور مکروہ ہے تَعْشِيرُ الْمُصْحَفِ۔ تَعْشِير عَشَرَة سے ہے عَشَرَة، عَشَرَة دس کو کہتے ہیں، تو تعشیر مصحف کا معنی ہے کہ قرآن میں ہر دس آیتوں کے بعد کوئی نشانی لگا دینا، یاد کرتے ہوئے یا پڑھنے کے لیے، تو یہ ہے تعشیر مصحف۔ کہتے ہیں یہ مکروہ ہے اس لیے کیونکہ قرآن کے اندر غیر قرآن کے ملنے کا خطرہ ہے، قرآن تاکہ محفوظ رہے، ایک حرف کا بھی اس میں اضافہ نہ ہو، لہٰذا اس لیے فقہاء نے لکھا کہ قرآن کے اندر غیر قرآن کو کسی بھی لحاظ سے نہ لکھا جائے، تو اس لیے تعشیر مصحف بھی کیا ہے؟ مکروہ ہے۔

وَنَقْطُهُ، اسی طرح مصحف کا نقطہ، یہ بھی مکروہ ہے، نَقط نَقَطَ يَنْقُطُ نَقْطًا کا معنی ہوتا ہے قرآن میں نقطے لگانا یا اسی طرح قرآن میں اعراب لگانا، زیر، زبر، پیش، حرکات، سکون وغیرہ یہ لگانا۔ اگر آپ نے قدیم عربی دیکھی ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطوط بادشاہوں کو لکھے تھے ان کی نقل آج بھی مل جاتی ہے اور لوگ ان کو بطور برکت کے فریم کروا کر اپنے گھروں میں لگاتے ہیں برکت کے لیے، تو اس میں اگر آپ غور کریں اس میں آپ کو ایک بھی نقطہ نہیں نظر آئے گا اور ایک بھی زیر زبر اور پیش نظر نہیں آئے گی۔ یہ جو نقطے لگوائے ہیں قرآن پر اور یہ جو اعراب لگائے گئے ہیں، حرکتیں لگوائی گئی ہیں، یہ حجاج ابن یوسف نے کروایا، علماء کو بٹھایا، اس نے کروایا۔ وجہ اس کی یہ کہ عربوں کی اپنی زبان ہے عربی، وہ تو بغیر نقطوں اور اعراب کے بھی پڑھ لیں گے عربی کو، لیکن عجمی لوگ جو عربی نہیں جانتے تو ان کے لیے تو ویسے قرآن پڑھنا بڑا مشکل ہو جائے گا۔ تو دیکھو آج ہم میں سے کوئی حافظ نہیں ہوتا لیکن پھر بھی وہ بہترین قرآن پڑھتا ہے کیونکہ حروف پر نقطے لگے ہوئے ہیں، پتہ لگ جاتا ہے یہ با ہے یا تا ہے یا ثا ہے یا یہ عین ہے یا غین ہے یا یہ را ہے یا یہ زا ہے، ایک ایک نقطے کی وجہ سے پتہ چل جاتا ہے یہ حا ہے یا یہ جیم ہے نقطہ لگا ہوا ہے، اسی طرح زبر پڑھنا ہے زیر پڑھنی ہے وہ علامت لگی ہوتی ہے، اعراب لگے ہوتے ہیں، حرکات لگی ہوتی ہیں۔ تو یہ عجمیوں کے لیے کتنی زیادہ آسانی ہو گئی، اگر یہ نقطے نہ ہوتے، یہ حرکات نہ ہوتیں تو پھر ہمارے لیے قرآن کا پڑھنا ممکن ہی نہ رہتا الا یہ کہ خوب کئی سالہا سال لگا کر کوئی قرآن پڑھنا سیکھتا بھئی۔ اور اب، اب تو آسانی سے ایک چھوٹا سا بچہ بھی ہوتا ہے وہ پڑھتا بھی ہے اور اس کو یاد بھی کر لیتا ہے۔ تو اسی لیے آپ کو بتلائیں گے کہ عجمیوں کے لیے یہ تعشیر مصحف، یہ نقط مصحف یہ پسندیدہ ہے، عجمیوں کے لیے۔ تو کہتے ہیں وَتَعْشِيرُ الْمُصْحَفِ وَنَقْطُهُ، نہیں وَنَقْطِهِ نہیں نَقْطُهُ پڑھیں، اور مصحف میں تعشیر یہ بھی مکروہ ہے وَنَقْطُهُ اور اس میں نقطے اور اعراب لگانا بھی مکروہ ہے إِلَّا لِلْعَجَمِ مگر کس کے لیے؟ عجمیوں کے لیے، فَإِنَّهُ حَسَنٌ لَهُمْ یہ ان کے لیے اچھا ہے۔

وَاحْتِكَارُ قُوتِ الْبَشَرِ وَالْبَهَائِمِ فِي بَلَدٍ يَضُرُّ بِأَهْلِهِ۔ اِحْتِکَار بھئی، اِحْتَکَرَ يَحْتَكِرُ اِحْتِکَار کے معنی ہیں ذخیرہ کرنا، غلے وغیرہ کا ذخیرہ کرنا۔ بھئی ایک شخص ہے وہ بہت ساری گندم خرید کر اس کو ذخیرہ کر لیتا ہے کہ ابھی اس کا ریٹ کم ہے، یہ سستی ہے، اور دو مہینے بعد یہ مہنگی ہو جائے گی تو پھر میں اس کو بیچوں گا اور نفع کماؤں گا۔ تو یاد رکھیے یہ ہے احتکار، اور احتکار میں اصول یاد رکھیے اگر اس کی وجہ سے لوگوں کو نقصان ہوتا ہے پھر تو یہ مکروہ ہے، اگر لوگوں کو نقصان نہیں ہوتا پھر جائز ہے۔ اگر اس نے یہ جو گندم سٹور کر لی، ذخیرہ کر لیا، اس گندم کی وجہ سے، یہ جو اس نے سٹور کی ہے، اس کی وجہ سے مارکیٹ پر اثر پڑا، اتنی گندم اس نے سٹور کر لی کہ مارکیٹ کے اندر گندم کم ہو گئی، تو خود بخود اس کا ریٹ اوپر چلا گیا، تو دیکھو یہ اس کی وجہ سے لوگوں کو نقصان اور تکلیف ہوئی، لہٰذا اس صورت میں یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر کوئی فرق نہیں پڑتا، گندم ہر طرف سے وافر آ رہی ہے، لوگوں کو کوئی نقصان نہیں، ریٹ پر کوئی اثر نہیں پڑتا تو پھر یہ احتکار جائز ہے۔ تو کہتے ہیں وَاحْتِكَارُ قُوتِ الْبَشَرِ، قُوت کہتے ہیں غذا اور خوراک کو، اور ذخیرہ کرنا انسان کی خوراک کو وَالْبَهَائِمِ اور مویشیوں کی خوراک

کو فِي بَلَدٍ ایسے شہر میں یَضُرُّ بِأَهْلِهِ جو اس کے رہنے والوں کو نقصان دے، تو پھر یہ بھی مکروہ ہے۔

کہتے ہیں التَّخْصِيصُ بِالْقُوتِ کہتے ہیں یہ جو تخصیص ہے خوراک کے ساتھ کہ آدمیوں یا مویشیوں کی خوراک صرف اس میں ذخیرہ اندوزی مکروہ ہے، باقی چیزیں اس میں داخل نہیں، تو یہ صرف کس کا قول ہے؟ یہ امام صاحب کا قول ہے۔ کہتے ہیں التَّخْصِيصُ بِالْقُوتِ یہ جو احتکار کی، یہ ذخیرہ اندوزی کی تخصیص ہے خوراک اور غلے کے ساتھ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ یہ امام صاحب کا قول ہے، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ كُلُّ مَا أَضَرَّ بِالْعَامَّةِ حَبْسُهُ فَهُوَ احْتِكَارٌ امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز أَضَرَّ بِالْعَامَّةِ کہ نقصان دیتا ہے عوام کو حَبْسُهُ اس کا روکنا، ہر وہ چیز کہ جس کا روکنا عوام کو نقصان دیتا ہے فَهُوَ احْتِكَارٌ تو وہ کیا ہے؟ وہ احتکار ہے، وہ ذخیرہ اندوزی ہے۔ وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا احْتِكَارَ فِي الثِّيَابِ امام محمد فرماتے ہیں کپڑوں میں ذخیرہ اندوزی نہیں ہے۔ امام صاحب تو فرماتے تھے ذخیرہ اندوزی صرف کس میں ہے؟ خوراک اور غلے میں، انسانوں یا مویشیوں کی خوراک میں۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر چیز میں ذخیرہ اندوزی ہو سکتی ہے جس سے بھی شہر والوں کو نقصان ہوتا ہو، آپ کوئی چیز خوب بہت ساری مقدار میں سٹور کر لیتے ہیں جس کی وجہ سے شہر میں وہ چیز کم ہو گئی، مہنگی ہو گئی، تو یہ لوگوں کو نقصان ہے، تو وہ فرماتے ہیں یہ جائز نہیں ہے۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ باقی چیزوں میں تو ٹھیک ہے ذخیرہ اندوزی ہے، لیکن کپڑے کے اندر ذخیرہ اندوزی نہیں، آپ جتنا بھی مرضی کپڑا روک کر جمع کر لیں اس میں یہ ذخیرہ اندوزی میں داخل نہیں ہے۔

وَمُدَّةُ الْحَبْسِ اور یہ روکنے کی مدت وہ کتنی ہے؟ روکنے کی، یعنی جس پر قاضی سزا دے گا، قاضی کو پتہ لگ گیا کہ فلاں نے یہ چیز سٹور کی ہوئی ہے تو کتنی مدت پر اس کو سزا دے گا؟ تو بعضوں نے کہا چالیس دن اور بعضوں نے کہا ایک مہینہ، اگر چالیس دن تک وہ روکتا ہے، نہیں بیچتا، تو پھر قاضی اس کو سزا دے سکتا ہے۔ تو کہتے ہیں وَمُدَّةُ الْحَبْسِ اور روکنے کی مدت جو ہے قِيلَ کہا گیا ہے مُقَدَّرَةٌ بِأَرْبَعِينَ يَوْمًا کہ اس کا اندازہ لگایا گیا ہے چالیس دن کے ساتھ، وَقِيلَ اور کہا گیا ہے بِالشَّهْرِ مہینے کے ساتھ۔ وَهٰذَا فِي حَقِّ الْمُعَاقَبَةِ فِي الدُّنْيَا، مُعَاقَبَت کہتے ہیں سزا کو، کہتے ہیں یہ سزا کے حق میں ہے دنیا میں، یعنی اتنے دنوں کے بعد پھر سزا دی جائے گی۔ لٰكِنْ يَأْثَمُ وَإِنْ قَلَّتِ الْمُدَّةُ لیکن وہ گناہ گار ہوگا اگرچہ تھوڑی مدت ہی کیوں نہ ہو، یعنی دنیاوی اعتبار سے چالیس دن یا ایک مہینے تک اتنی مدت اس کو دی جائے گی، اتنے دنوں تک وہ روکے گا تو پھر وہ مجرم ہے اور اگر اس سے کم ہے تو پھر مجرم نہیں، جبکہ آخرت کے اعتبار سے وہ دو چار دن بھی اگر روکتا ہے اور لوگوں کو اس کی وجہ سے نقصان ہوتا ہے تو وہ گناہ گار ہے۔ یہ معنی ہے لٰكِنْ يَأْثَمُ وَإِنْ قَلَّتِ الْمُدَّةُ لیکن وہ گناہ گار ہوگا اگرچہ تھوڑی ہی مدت ہو۔

وَيَجِبُ أَنْ يَأْمُرَهُ الْقَاضِي بِبَيْعِ مَا فَضَلَ، اچھا قاضی اس کو حکم دے گا، قاضی کو لوگوں نے جا کر شکایت کی کہ اس نے بہت سارا غلہ سٹور کیا ہوا ہے اور اس کی وجہ سے شہر پر اثر پڑ رہا ہے تو قاضی اس کو حکم دے گا کہ بھئی اپنا اور اپنے

بچوں کا جو سال کا تمہارا خرچہ بنتا ہے، جتنی گندم کی تمہیں ضرورت ہوگی وہ روک لو، باقی ساری کیا کر دو؟ بیچ دو، قاضی اس کو حکم دے گا۔ تو کہتے ہیں وَيَجِبُ اور واجب ہے کہ أَنْ يَأْمُرَهُ الْقَاضِي کہ قاضی اس کو حکم دے دے بِبَيْعِ مَا فَضَلَ عَنْ قُوتِهِ وَقُوتِ أَهْلِهِ کہ بیچنے کا، قاضی اسے حکم دے گا بیچنے کا مَا فَضَلَ وہ جو زائد ہے عَنْ قُوتِهِ وَقُوتِ أَهْلِهِ اس کے اور اس کے گھر والوں کے خوراک سے، اس کے بیچنے کا قاضی اسے حکم دے دے یہ واجب ہے۔ فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ اگر وہ نہ کرے ایسا عَزَّرَهُ تو قاضی اس کو سزا دے گا، عَزَّرَ يُعَزِّرُ تَعْزِير کا معنی ہے سزا۔ یاد رکھو قاضی جو سزائیں دیتا ہے نا دو قسم کی ہیں، ایک کچھ کو کہتے ہیں حدود، جو من جانب اللہ مقرر ہیں، اللہ کی طرف سے مقرر ہیں کہ چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹ دو اور اللہ کی طرف سے مقرر ہے کہ اگر شادی شدہ زنا کرے تو اسے رجم کرو اور غیر شادی شدہ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے لگاؤ، اسی طرح کوئی شراب پیتا ہے تو اس کو بھی کوڑے لگائے، اسی کوڑے لگائے جاتے ہیں، تو یہ سزائیں کس کی طرف سے مقرر؟ اللہ کی طرف سے، ان کو حدود کہتے ہیں، اور جو اللہ کی طرف سے مقرر نہیں ان کو تعزیر کہتے ہیں، وہ قاضی اپنی مرضی کے مطابق دے سکتا ہے۔ تو کہتے ہیں فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ اگر وہ ایسا نہ کرے گا عَزَّرَهُ تو قاضی اسے، تو قاضی اسے سزا دے گا، دیکھا یہ تعزیر کا ذکر آگیا۔ وَالصَّحِيحُ اور صحیح یہ ہے قول کہ أَنَّ الْقَاضِيَ يَبِيعُ کہ قاضی بیچ دے گا إِنِ امْتَنَعَ اگر وہ باز رہتا ہے اِتِّفَاقًا یہ بالاتفاق ہے، بالاتفاق صحیح قول یہ ہے کہ قاضی خود کیا کر دے گا؟ یعنی قاضی نے اسے کہا وہ بیچ ہی نہیں رہا، رک گیا ہے، باز، وہ بیچتا ہی نہیں، تو یہ نہیں کہ اب ہم اس کا انتظار کرتے رہیں گے اور وہ نہیں بیچ سکتا تو قاضی بھی نہیں کچھ کر سکتا، نہیں، قاضی جبراً کیا کر دے؟ اس کا وہ غلہ بیچ دے۔ یہ معنی ہے وَالصَّحِيحُ اور صحیح قول یہ ہے أَنَّ الْقَاضِيَ يَبِيعُ کہ قاضی بیچ دے گا إِنِ امْتَنَعَ اگر وہ رکا رہا یعنی بیچنے سے اِتِّفَاقًا یہ بالاتفاق ہے۔

لَا غَلَّةُ أَرْضِهِ اپنی زمین کا غلہ اس کو روکنا یہ احتکار نہیں، یہ مکروہ نہیں۔ اپنی زمین کا صرف غلہ آدمی کوئی روک لے تو یہ احتکار، ذخیرہ اندوزی میں داخل نہیں، یہ تو اس کی اپنی زمین ہے۔ اپنی زمین میں کوئی چاہے تو کچھ کاشت کرے ہی نہ، حکومت سزا دے سکتی ہے؟ نہیں، تو جب اپنی زمین میں بالکل کچھ نہ کاشت کرنا یہ بھی اس کی مرضی ہے تو کاشت کے بعد اس کو روک لینا یہ بھی اس کی مرضی۔ یہ معنی ہے لَا غَلَّةُ أَرْضِهِ یعنی نہ کہ اپنی زمین کا غلہ یعنی اس کو روکنا یہ احتکار نہیں ہے۔ وَمَجْلُوبُهُ مِنْ بَلَدٍ آخَرَ اور اس کا لانا کسی دوسرے شہر سے، جَلَبَ يَجْلُبُ کا معنی ہے کسی دوسرے شہر سے کوئی غلہ وغیرہ لے کر آنا بھئی۔ بھئی ایک آدمی ہے وہ کسی دوسرے شہر سے لے کر آیا ہے اس شہر میں غلہ اور آکر اس نے مارکیٹ میں نہیں دیا بلکہ سٹور کر لیا، ذخیرہ کر لیا تو کیا یہ بھی احتکار میں ہے؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، دوسرے شہر سے جو لا کر لایا ہے یہ اس کا اپنا ہے، یہ اس کو کیا کر سکتا ہے؟ ذخیرہ کر سکتا ہے۔ لیکن آگے بتلائیں گے، آگے آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی اگر اس سے بھی، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر شہر والوں کو، اس شہر والوں کو نقصان ہوتا ہے تو اس کا روکنا بھی ذخیرہ اندوزی

ہے، تو یہ گناہ گار ہے اور مجرم ہے۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شہر سے عموماً غلہ اس شہر میں لایا جاتا ہو تو اس شہر سے اگر غلہ لا کر سٹور کرتا ہے، مثلاً لاہور میں غلہ ہے وہ عموماً فرض کرو گوجرانوالہ سے لایا جاتا ہے تو گوجرانوالہ سے اگر کوئی غلہ لا کر سٹور کرے یہ تو احتکار ہے کیونکہ وہاں سے لا کر شہر میں دیا جاتا ہے، سٹور نہیں کیا جاتا۔ اور اگر کوئی کراچی سے غلہ لے کر آتا ہے مثلاً، تو پھر کراچی سے تو عام غلہ کوئی بھی نہیں لے کر آتا، تو یہ لے کر آیا ہے تو اس غلے کے ساتھ اس شہر والوں کا کوئی حق اور تعلق نہیں ہے، لہٰذا اس کو وہ ذخیرہ کر سکتا ہے۔

تو کہتے ہیں کہ اپنی زمین کا غلہ اور اسی طرح دوسرے شہر سے جو لے کر آیا ہے اس کا ذخیرہ کرنا بھی مکروہ نہیں۔ هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ كُلُّ ذٰلِكَ يُكْرَهُ اور امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ سب مکروہ ہے، چاہے اپنی زمین کا غلہ ہی کیوں نہ ہو، چاہے دوسرے شہر سے کیوں نہ لایا ہو۔ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں كُلُّ مَا يُجْلَبُ مِنْهُ إِلَى الْمِصْرِ غَالِبًا ہر وہ شہر کہ يُجْلَبُ مِنْهُ کہ جس سے غلہ لایا جاتا ہے إِلَى الْمِصْرِ اس شہر تک غَالِبًا اکثر اوقات فَهُوَ حُكْمُ الْمِصْرِ تو وہ بھی اس شہر کے حکم میں ہے، لہٰذا اس کو ذخیرہ نہیں کر سکتا۔

وَلَا يُسَعِّرُ حَاكِمٌ إِلَّا إِذَا تَعَدَّى الْأَرْبَابُ عَنِ الْقِيمَةِ۔ بھئی کیا، کیا بادشاہ لوگوں پر چیزوں کی قیمتیں مقرر کر سکتا ہے؟ کہ یہ چیز تمہیں اتنی میں بیچنی پڑے گی یہ غلہ وغیرہ، گندم اتنے روپے کلو بیچنی پڑے گی اور چاول اس طرح بیچنے پڑیں گے؟ کہتے ہیں بھئی بادشاہ غلہ، قیمت مقرر نہیں کر سکتا بھئی۔ بادشاہ یہ قیمت مقرر نہیں کر سکتا، یہ معاملہ اللہ کے سپرد ہے بھئی، یہ سب کچھ کرنے والی اللہ کی ذات ہے۔ ہاں اگر بادشاہ دیکھے کہ یہ جو غلوں والے ہیں یہ بہت زیادہ زیادتی کر رہے ہیں، بہت مہنگا مہنگا غلہ لوگوں کو بیچ رہے ہیں، تو پھر اس صورت میں وہ سمجھدار لوگوں سے مشورہ کر کے ان کی قیمت مقرر کر دے۔ یہ معنی ہے وَلَا يُسَعِّرُ حَاكِمٌ اور نرخ مقرر نہیں کر سکتا حاکم یعنی بادشاہ إِلَّا إِذَا تَعَدَّى الْأَرْبَابُ مگر جس وقت جو ارباب غلہ ہیں، غلے والے جو ہیں، جب وہ زیادتی کریں عَنِ الْقِيمَةِ قیمت سے فَاحِشًا بہت زیادہ، قیمت سے بہت زیادہ تجاوز کریں، تو فَلْيُسَعِّرْ یہاں یا بھی ہونی چاہیے، فَلْيُسَعِّرْ بِمَشْوَرَةِ أَهْلِ الرَّأْيِ تو پھر اس بادشاہ کو نرخ مقرر کرنے چاہئیں بِمَشْوَرَةِ أَهْلِ الرَّأْيِ اہل رائے، جو رائے رکھنے والے لوگ ہیں یعنی سمجھدار لوگ جو ہیں ان کے مشورے سے بادشاہ کو نرخ مقرر کرنے چاہئیں، پھر اس کے لیے یہ جائز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

كِتَابُ إِحْيَاءِ الْمَوَاتِ وَالْأَشْرِبَةِ وَالصَّيْدِ

احیائے موات، حریمِ آبار و انہار، حقِ شرب، اشربۂ محرمہ اور شکار کے احکام

سبق نمبر ۲۹: کتاب إحیاء الموات: موات کی تعریف، اذنِ امام، تحجیر کی تین سالہ مدت اور حریمِ بئر و عین کے فاصلے

شرح الوقایہ صفحہ: ۶۱ — بتاریخ: ۱۹ جنوری ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی کتاب پر۔[1]

كِتَابُ إِحْيَاءِ الْمَوَاتِ هِيَ أَرْضٌ بِلَا نَفْعٍ لِانْقِطَاعِ مَائِهَا أَوْ غَلَبَتِهِ عَلَيْهَا وَنَحْوِهِمَا كَمَا إِذَا نَزَّتْ أَوْ صَارَتْ سَبْخَةً عَادِيَّةً أَوْ مَمْلُوكَةً فِي الْإِسْلَامِ لَا يُعْرَفُ مَالِكُهَا بَعِيدَةً مِنَ الْعَامِرِ بِحَيْثُ لَا يُسْمَعُ صَوْتُ مِنْ أَقْصَاهَا۔

آج ہم إِحْيَاءُ الْمَوَاتِ کے بارے میں پڑھیں گے بھئی إِحْيَاءُ الْمَوَاتِ۔ یاد رکھیے مَوَات بروزن سَحَاب غیر آباد اور بنجر زمین کو کہتے ہیں جو کاشت کے قابل نہ ہو۔ غیر آباد اور بنجر زمین، تو اس کو مَوَات کہتے ہیں اور یہ لفظ موت سے ہے موت۔ جیسے

[1]

نقشۂ فقہی (۷): کتاب إحیاء الموات — حریمِ عین، بئرِ عطن، بئرِ ناطح اور نہر کے شرعی فاصلے:

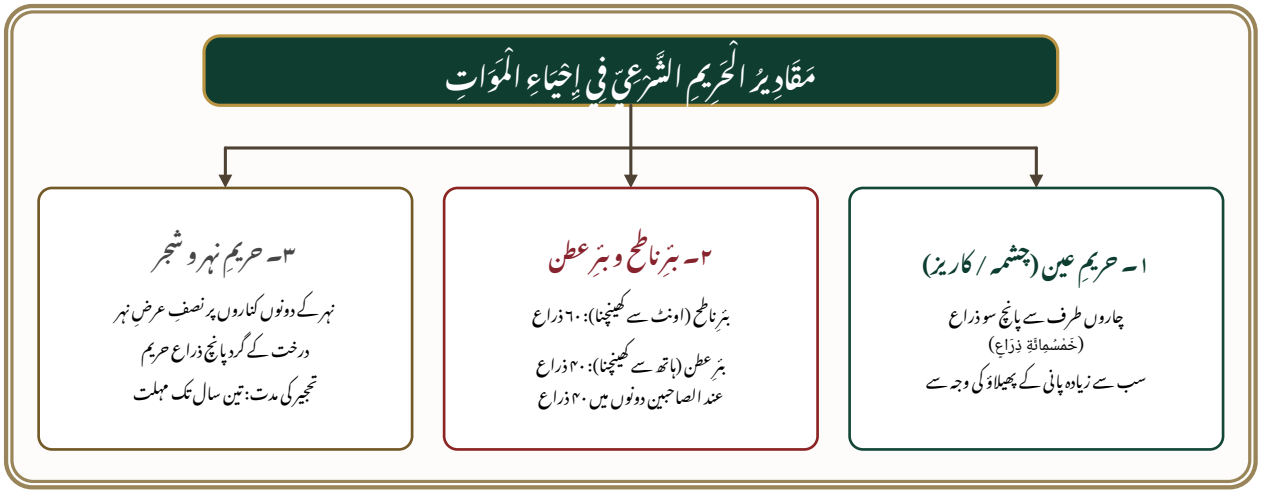

حیوان پر موت آجائے تو وہ کسی نفع کے قابل نہیں رہتا، تو اسی طرح وہ زمین جو کاشت وغیرہ کسی نفع کے قابل نہ ہو اس کو مَوَات کہتے ہیں۔ اور إحْيَاء کا معنی لفظی معنی تو ہے زندہ کرنا اور یہاں إحْيَاءِ مَوَات سے مراد یہ ہے کہ اس بنجر یا کاشت کے قابل جو زمین نہیں ہے اس کو کاشت کے قابل بنانا، اس کو کیا کہتے ہیں إحْيَاءِ مَوَات بھئی۔ اس کو کاشت کے قابل بنانا، زراعت کے قابل بنانا، اس کو تیار کرنا یہ کیا ہے إحْيَاء ہے إحْيَاء۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔

اور اس کی تفصیل پھر یاد رکھیں کہ جب کوئی مسلمان یا ذِمِّي کسی غیر آباد زمین کو بنجر زمین کو آباد کرے تو وہ اس کا مالک بن جاتا ہے لیکن بِشُرُوطِ ثَلَاثَةٍ۔ جب کوئی مسلمان ہو یا ذِمِّي وہ غیر مملوکہ یعنی غیر آباد زمین کو آباد کرے گا تو وہ اس کا مالک بن جائے گا بِشُرُوطِ ثَلَاثَةٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ زمین جو ہے وہ غیر مملوکہ ہو بھئی، کوئی اس کا مالک نہ ہو، مالک نہ ہو۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ زمین آبادی سے دور ہو، بستی سے دور ہو، بستی سے دور ہو۔ اور دوری کی تفصیل یہ بیان کرتے ہیں کہ بستی کے آخری کنارے پر کوئی بلند آواز والا شخص اونچی آواز دے بھئی، بستی کے آخری کنارے پر کھڑے ہو کر کوئی بلند آواز والا اونچی آواز سے آواز دے اور وہاں تک آواز نہ پہنچے تو اس کا مطلب ہے یہ بستی سے دور ہے بھئی، بستی سے دور ہے۔

اور جب کہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ بستی سے دور یا قریب کی قید نہیں لگاتے بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ زمین بستی والوں کے مشترک نفع کے لیے نہیں ہونی چاہیے۔ بھئی دیکھو بستی کے جو قریب زمین ہوتی ہے عموماً بستی والوں کے مشترک نفع کے لیے ہوتی ہے۔ وہاں شام کے وقت میں ان کے بچے کھیلتے ہیں اور اسی طرح لوگ بھی آپس میں باہر نکل کر وہاں بیٹھتے ہیں گپ شپ لگاتے ہیں۔ اسی طرح بعض جگہیں قریب ہوتی ہیں وہاں وہ فصلیں وغیرہ کاٹ کر لاتے ہیں وہاں ڈالتے ہیں اور پھر دانوں کو بھس سے علیحدہ کرتے ہیں یا ان کو بوریوں وغیرہ میں بند کرتے ہیں یا اور جگہ جہاں پہنچانا ہو تو ایک جگہ لا کر اکٹھی کرتے ہیں۔ تو ایسی جگہیں بستیوں میں عموماً ہوتی ہیں مشترک نفع سب اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں پوری بستی والے۔

تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ بستی سے دور ہو یعنی جہاں تک بلند آواز والے کی آواز نہ پہنچتی ہو اور جہاں آواز پہنچتی ہے تو یہ بستی کے قریب ہے اور یہ بستی والوں کے لیے مشترک نفع کے لیے ہے وہ اس سے مختلف قسم کے ان کے کام آتی ہے یہ زمین۔ اور جب کہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قریب یا بعید کی شرط نہیں ہے بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ بس بستی والوں کے مشترک نفع کے لیے وہ زمین نہیں ہونی چاہیے جس کو وہ شخص کیا کرنا چاہتا ہے کوئی شخص آباد کرنا چاہتا ہے اور بنجر پڑی ہے تو اس کی شرط یہ ہے کہ پہلی شرط کیا ذکر کی کہ وہ کسی کی مملوک نہ ہو، دوسری شرط یہ کہ وہ بستی والوں کے مشترک نفع کے لیے نہ ہو چاہے بستی کے قریب ہو چاہے دور ہو۔ بعض اوقات جگہ بستی سے ذرا دور ہوتی ہے لیکن وہاں ساری بستی والے وہاں کیا کرتے ہیں اپنے فصلوں کو کاٹ کر لاتے ہیں، دانوں کو بھس سے علیحدہ کرتے ہیں وغیرہ مختلف قسم کے کام ان کے آتی ہے وہ زمین۔ تو وہ فرماتے ہیں امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں قرب و بُعد کی قید نہیں ہے بلکہ یہ دیکھا

جائے گا کہ وہ زمین بستی والوں کے لیے مشترکہ نفع کے لیے نہ ہو بھئی۔ اگر مشترکہ نفع کے لیے پھر چاہے دور ہی کیوں نہ ہو اس کو کوئی آباد کرے تو اس کا مالک نہیں بن سکتا۔

اور تیسری شرط یہ ہے کہ إِذْنِ إِمَام بھی ہو یعنی بادشاہ یا حاکمِ وقت جو ہے اس کی اجازت بھی ضروری ہے بھئی۔ اگر وہ اجازت دے گا تو یہ آباد کرنے والا مالک بنے گا، اگر وہ اجازت نہیں دے گا تو یہ آباد کرنے والا مالک بھی نہیں بنے گا اور یہ شرط ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک، جب کہ صاحبین جو ہیں وہ إِذْنِ إِمَام کی شرط نہیں لگاتے۔ امام یا حاکمِ وقت کی شرط صاحبین نہیں لگاتے۔ لیکن فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے کہ حاکمِ وقت کی اجازت ضروری ہے۔ اس لیے کیوں کہ اگر حاکمِ وقت کی اجازت کے بغیر ہی کوئی بھی شخص زمین کو کاشت کے قابل بنائے اور اس کو اس کا مالک قرار دے دیا جائے پھر تو قتل و قتال کا ایک دروازہ کھل جائے گا بھئی، جس کا جی جہاں چاہے گا زمین پر قبضہ کر لے گا۔ اور نیز دوسری وجہ یہ کہ اس سے تو ضروریاتِ مملکت کے لیے جگہ کم پڑ جائے گی بھئی۔ حکومت کو مملکت کو جگہ کی ضرورت پڑتی ہے مختلف کاموں کے لیے تو وہ اگر ہر جگہ لوگ قبضے شروع کر دیں آباد کر دیں آباد کر کے قبضہ کر لیں پھر تو مملکت کے کاموں کے لیے جگہ تنگ پڑ جائے گی اس لیے إِذْنِ إِمَام ضروری ہے بھئی۔

تو کتنی شرطیں ہو گئیں؟ تین شرطیں۔ پہلی شرط کیا؟ کہ غیر مملوکہ ہو کوئی اس کا مالک نہ ہو۔ دوسری شرط یہ کہ وہ بستی سے دور ہو یا بستی والوں کے مشترک نفع کے لیے نہ ہو اور اس میں بھی یاد رکھیں کہ فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں قرب و بُعد کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ بستی والوں کے مشترکہ نفع کے لیے نہ ہو وہ زمین۔ اور تیسری شرط امام صاحب کے نزدیک یہ ہے کہ حاکمِ وقت کی بھی اجازت ضروری ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی اب دیکھیے کتاب پر بھئی۔ كِتَابُ إِحْيَاءِ الْمَوَاتِ یہ کتاب ہے بے آباد زمین کو آباد کرنے کے بارے میں۔ هِيَ أَرْضٌ بِلَا نَفْعٍ لِانْقِطَاعِ مَائِهَا أَوْ غَلَبَتِهِ عَلَيْهَا وَنَحْوِهِمَا۔ سب سے پہلے مَوَات زمین کہتے کس کو ہیں بتلا رہے ہیں، میں نے بتلا دیا بنجر زمین، بے آباد زمین جو کاشت کے قابل نہیں ہے جس پر فصلیں وغیرہ نہیں ہوتیں تو کہتے ہیں هِيَ أَرْضٌ بِلَا نَفْعٍ یہ ایسی زمین ہے جو بغیر کسی فائدے کے ہو۔ بھئی بغیر کسی فائدے کے کیوں ہے؟ کہتے ہیں وجہ بھی ذکر کر رہے ہیں لِانْقِطَاعِ مَائِهَا بوجہ پانی کے اس سے منقطع ہو جانے کے کہ پانی وہاں سے منقطع ہو گیا ہے پانی وہاں آتا ہی نہیں اور فصلوں کے لیے تو پانی کی ضرورت پڑتی ہے تو پانی چونکہ وہاں نہیں آسکتا اس لیے وہ زمین بنجر پڑی ہے۔ اور أَوْ غَلَبَتِهِ عَلَيْهَا یہ اس وجہ سے بغیر نفع کے ہے کیوں کہ پانی اس پر غالب آگیا ہے وہاں پانی زیادہ ہے جس کی وجہ سے بیکار پڑی ہے، پانی وغیرہ کھڑا ہے اس پر۔ وَنَحْوِهِمَا یا اس جیسے اور کوئی وجہ ہے جس کی وجہ سے وہ زمین قابلِ نفع نہیں، مثلاً کیا؟ كَمَا إِذَا نَزَّتْ أَوْ صَارَتْ سَبْخَةً۔ نَزَّتْ، نَزُّ الْأَرْضِ کا معنی ہے زمین کا سیم والی ہو جانا۔ بھئی بعض علاقوں میں زمین میں سیم آجاتا ہے کچھ نمی سی آجاتی ہے نمی

ہوتی ہے یعنی کچھ پانی ہوتا ہے معمولی سا، اس کو سیم والی زمین کہتے ہیں بھئی اور یہ پھر کاشت کے قابل نہیں ہوتی بھئی اس میں کوئی فصل کاشت نہیں ہو سکتی۔

یا اسی طرح بعض اوقات زمین جو ہے اس پر نمکیات زیادہ ہوتے ہیں اس میں۔ آپ نے بھی بعض اوقات سفر کرتے ہوئے دیکھا ہو گا کہ زمین پر سفید سفید پاؤڈر سا جیسے پڑا ہوا ہو بھئی۔ یہ نمکیات ہیں یہ زمین نیچے سے پانی آتا ہے وہ پانی تو اڑ جاتا ہے لیکن اس پانی کے اندر جو نمکیات ہوتے ہیں وہ زمین کی سطح پر آہستہ آہستہ جمع ہوتے چلے جاتے ہیں اور پھر یہ زمین شور والی زمین کہلاتی ہے یا تھور، تھور بھی کہتے ہیں اور شور بھی، تھور والی زمین یعنی وہ نمکیات والی زمین یا شور والی زمین بھئی اس کو کہتے ہیں۔ تو یہ زمین میں نمکیات زیادہ ہوتے ہیں نیز یہ کچھ نرم دلدلی سی بھی ہو جاتی ہے اور نرم نرم زمین ہوتی ہے سخت نہیں ہوتی تو اس میں بھی فصلیں نہیں ہو سکتیں بھئی۔ تو کہتے ہیں كَمَا إِذَا نَزَّتْ جیسے کہ کوئی زمین جو ہے وہ سیم والی ہو گئی اس میں نمی اور پانی کچھ آگیا أَوْ صَارَتْ سَبْخَةً۔ سَبْخَة کہتے ہیں وہ زمین جس میں نمکیات زیادہ ہوں وہ دلدلی ہو یعنی وہی شور والی اور تھور والی زمین۔ أَوْ صَارَتْ سَبْخَةً یا وہ شور والی زمین ہو گئی۔ یہ وہ صورتیں ذکر کر رہے ہیں جس کی وجہ سے زمین کا نفع نہیں ہے یعنی وہ کسی کام کے قابل نہیں۔

تو کہتے ہیں عَادِيَّةٌ أَوْ مَمْلُوكَةٌ فِي الْإِسْلَامِ۔ عَادِيَّةٌ، عَادِيَّةٌ یعنی بہت پرانی ہو پرانی اسی طرح پڑی آرہی ہے کبھی کسی نے اس کو کاشت کے قابل بنایا ہی نہیں۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ عَادِيَّةٌ کا کیا معنی؟ پرانی۔ یہ اصل میں نسبت ہے قومِ عاد کی طرف قومِ عاد جس کا ذکر قرآن میں آپ نے پڑھا ہے اور وہ ایک قدیم زمانے میں ایک قوم گزری تھی بھئی۔ تو یہ چونکہ وہ قوم قدیم زمانے میں گزری تھی اس لیے یہ عَادِي کا لفظ پرانی کے لیے استعمال کر لیتے ہیں تو یہاں کس معنی میں ہے؟ پرانی کے معنی میں۔ یعنی وہ زمین بغیر نفعے کے ہے عَادِيَّةٌ أَوْ مَمْلُوكَةٌ فِي الْإِسْلَامِ وہ پرانی ہے یعنی پرانی اسی طرح پڑی ہے یعنی پرانی ہی ایسی پڑی ہے کوئی اس کا مالک نہیں۔ أَوْ مَمْلُوكَةٌ فِي الْإِسْلَامِ یا وہ مملوک ہے اسلام میں لیکن لَا يُعْرَفُ مَالِكُهَا کہ اس کے مالک کی پہچان نہیں، اس کے مالک کا پتا نہیں۔ یعنی پرانی زمین پڑی ہے کسی کی یہ مملوک تھی لیکن اب عرصہ ہو گیا ہماری زندگی گزر گئی ہم نے کبھی کسی کو یہاں آتے جاتے نہیں دیکھا بالکل بیکار پڑے پڑے بنجر ہو گئی ہے، لوگ ذکر کرتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا کے زمانے سے ہم اس زمین کو ایسا ہی دیکھ رہے ہیں کوئی نہیں آتا بنجر ہو گئی ہے بالکل بنجر پڑی ہے۔ تو چاہے پرانی بنجر پڑی ہو چاہے اسلام میں مملوک تو تھی لیکن اس کے مالک کا پتا ہی نہیں اور پرانے عرصے سے ہوتے ہوتے یہ اب کیا ہو چکی ہے بالکل بنجر اور غیر آباد ہو چکی ہے۔

نیز بَعِيدَةٌ مِنَ الْعَامِرِ کہ وہ آبادی سے دور ہو بھئی۔ عَامِر آبادی کو کہتے ہیں۔ بَعِيدَةٌ مِنَ الْعَامِرِ آبادی سے دور ہو بِحَيْثُ اس طور پر کہ لَا يُسْمَعُ صَوْتٌ مِنْ أَقْصَاهَا کہ ایک آواز نہ سنی جائے مِنْ أَقْصَاهَا۔ أَقْصَى کہتے ہیں آخری کنارے کو اور مِنْ أَقْصَاهَا

اس بستی کے اس جگہ کے آخری کنارے سے آواز نہ سنی جاتی ہو یعنی بلند آواز والا شخص بھی کوئی آواز دے تو وہاں تک آواز نہیں پہنچتی۔

آگے متن سے ذرا متن ملاؤ۔ وَمَنْ أَحْيَا مَلَكَهُ اور جو اس زمین کو آباد کرتا ہے مَلَكَهُ جو آباد کرے گا مَلَكَهُ وہ اس کا مالک بن جائے گا مالک بن جائے گا إِنْ أَذِنَ لَهُ الْإِمَامُ اگر امام یعنی حاکمِ وقت اس کو اجازت دے دے وَلَوْ ذِمِّيًّا اگرچہ وہ ذِمِّي ہو یعنی آباد کرنے والا اگرچہ ذِمِّي ہے غیر مسلم ہے اور اسلامی حکومت میں رہتا ہے وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو یعنی امام نے اجازت نہ دی فَلَا تو پھر مالک نہیں بنے گا۔

وہ ساری شرائط جو میں نے ذکر کی تھیں وہ یہاں پر اس متن کے اندر آگئیں بھئی۔ مَوَات پہلے تعریف بتلا دی کہ هِيَ أَرْضٌ بِلَا نَفْعٍ ایسی زمین ہے جس کا کوئی فائدہ نہ ہو کاشت کے قابل نہ ہو اور نیز بتلا دیا کہ عَادِيَّةٌ پرانی پڑی ہے یعنی غیر مملوک ہے پرانی اسی طرح پڑی ہے أَوْ مَمْلُوكَةٌ فِي الْإِسْلَامِ یا اسلام میں مملوک تو ہے لیکن لَا يُعْرَفُ مَالِكُهَا اس کے مالک کا کوئی پتا نہیں اور نیز کہ بَعِيدَةٌ مِنَ الْعَامِرِ کہ وہ کیا ہو بستی سے دور ہو بستی سے دور ہو بِحَيْثُ لَا يُسْمَعُ صَوْتٌ مِنْ أَقْصَاهَا کہ اس کے آخری کنارے سے جو ہے وہ آواز وہاں نہیں سنی جا سکتی نہیں سنی جاتی۔ تو بستی سے دور ہونے کی شرط یہ کس نے لگائی؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے۔ اور میں نے بتلایا امام محمد رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں کہ مشترکہ نفع کے لیے نہ ہو۔ وہ بھی اب ذکر کرنے لگے ہیں شرح کے اندر، کہتے ہیں وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ مَا كَانَ مَمْلُوكًا لِمُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ لَا يَكُونُ مَوَاتًا۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ادھر دیکھیے بھئی، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں انہوں نے تو بتلا دیا کہ مَوَات کے اندر شرط کیا ہے وہ غیر مملوک ہو۔ اور بتلا دیا عَادِيَّةٌ پرانی ہی ایسی پڑی ہے پرانا ہی کوئی اس کا مالک نہیں ہے یا مملوک تو تھی اسلام میں لیکن اب مالک کا پتا نہیں۔ تو یہ بھی کس میں داخل کی؟ مَوَات میں داخل کی۔ جو اس کو بھی زندہ کرے گا، جو اس کو بھی آباد کرے گا وہ کیا بن جائے گا اس کا؟ مالک بن جائے گا۔ لیکن بتلائیں گے کہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، اسلام کے اندر جب یہ مملوک تھی کوئی اس کا مالک تھا اب چاہے پتا نہیں ہے لیکن پہلے کوئی اس کا مالک تھا تو پھر اس صورت میں یہ مَوَات نہیں۔ اور یہ زمین اس کو کوئی آباد کرے تو وہ اس کا مالک بھی نہیں بن سکتا اور یہ مملکت کے مشترکہ کاموں کے لیے، عام لوگوں کے فائدے کے لیے یہ زمین اسی طرح رکھی رہے گی اور لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اور اگر کسی نے اس کو آباد کیا تو یہ تو مَوَات تو ہے ہی نہیں، کسی نے اس پہ قبضہ کیا اور اس کو آباد کر لیا تو امام محمد تو کیا فرماتے ہیں یہ تو مَوَات ہے ہی نہیں۔ لہٰذا اگر اس کے مالک کا پتا چل گیا تو زمین واپس لوٹانی پڑے گی بھئی۔ اور نیز اگر اس نے جو کاشت کے قابل بنایا، اس کو تیار کیا، اس کی وجہ سے زمین کو کچھ نقصان پہنچا ہے جو محنت کرتا رہا اس کی وجہ سے کچھ نقصان بھی زمین کو پہنچا تھا تو وہ نقصان کی بھی اس کو ضمان اس کو دینا پڑے گا، کیوں کہ یہ تو مَوَات ہے ہی نہیں۔ تو امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو اسلام کے اندر مملوک تھی وہ مَوَات نہیں ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ مَا كَانَ مَمْلُوكًا لِمُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ لَا يَكُونُ مَوَاتًا۔ کہ وہ زمین جو مملوک تھی کسی مسلمان یا کسی ذِمِّي کی لَا يَكُونُ مَوَاتًا یہ زمین مَوَات نہیں ہے فَإِذَا لَمْ يُعْرَفْ مَالِكُهَا جب اس کے مالک کا پتا نہیں ہے تو كَانَ لِعَامَّةِ الْمُسْلِمِينَ تو یہ عام مسلمانوں کے لیے ہے، یہ مَوَات نہیں ہے یہ عام مسلمانوں کے لیے ہے۔ وَلَوْ ظَهَرَ مَالِكُهَا تُرَدُّ إِلَيْهِ اگر اس کا مالک ظاہر ہو گیا یعنی اس کا پتا چل گیا تُرَدُّ إِلَيْهِ تو یہ زمین اس کو واپس لوٹائی جائے گی وَيَضْمَنُ نُقْصَانَ الْأَرْضِ اور وہ جو آباد کرنے والا ہے وہ ضامن ہو گا زمین کے نقصان کا، اگر کوئی نقصان ہوا ہے تو اس نقصان کا وہ ضامن ہو گا۔ وَالْبُعْدُ عَنِ الْعَامِرِ شَرَطَهُ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ اور آبادی سے دور ہونے کی یہ شرط امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے لگائی ہے بخلاف امام محمد رحمہ اللہ کے۔ آبادی سے دور ہونے کی شرط کس نے لگائی؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ۔ اور امام محمد رحمہ اللہ میں نے بتلایا کہ وہ آبادی سے دور ہونے کی شرط نہیں لگاتے بلکہ کیا شرط لگاتے ہیں؟ کہ آبادی کے مشترکہ نفع کے لیے نہ ہو بھئی۔

تو کہتے ہیں وَمَنْ أَحْيَا جس نے ایسی زمین کو آباد کیا مَلَكَهُ تو وہ اس کا مالک بن جائے گا۔ لیکن تیسری شرط کیا ہے؟ إِنْ أَذِنَ لَهُ الْإِمَامُ تو یہ مالک بن جائے گا اگر امام یعنی حاکمِ وقت نے اس کو اجازت دی وَلَوْ ذِمِّيًّا اگرچہ وہ ذِمِّي ہو وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو یعنی اگر حاکم نے اجازت نہیں دی فَلَا تو پھر یہ شخص اس کا مالک نہیں بنے گا۔ یہاں ایک اور قیمتی بات یاد رکھیں، یہ حاکمِ وقت کی اجازت چاہیے کس کے نزدیک؟ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک۔ اور صاحبین کے نزدیک حاکمِ وقت کی اجازت نہیں، یہ مسلمان کے بارے میں ہے۔ اگر ذِمِّي ہے آباد کرنے والا پھر تو بالاتفاق حاکمِ وقت کی اجازت ضروری ہے یعنی اس میں پھر صاحبین بھی فرماتے ہیں کہ وہاں پر إِذْنِ إِمَام شرط ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیا فرق ہوا؟ کہ اختلاف صرف کس کے بارے میں ہے جب آباد کرنے والا مسلمان اور اگر آباد کرنے والا کوئی ذِمِّي یا کوئی کافر ہے جو مملکتِ اسلام میں رہتا ہے تو پھر اس میں اس کے لیے اجازت صاحبین بھی فرماتے ہیں کہ إِذْنِ إِمَام شرط ہے۔

بھئی متن کے آخر میں آیا تھا وَإِلَّا فَلَا۔ میں نے آپ کو پہلے بتلایا تھا کہ إِلَّا سے پہلے وَاوْ آجائے تو یہ دراصل حرفِ استثناء نہیں بلکہ یہ إِنْ اور لَا سے مرکب ہے وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ۔ تو یہ پوری عبارت کیا بن رہی ہے وہ آپ کو شرح میں بتلا رہے ہیں: أَيْ إِنْ لَمْ يَأْذَنِ الْإِمَامُ لَا يَمْلِكُهُ اگر امام اجازت اس کو نہ دے تو وہ اس کا مالک نہیں بنے گا۔ هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ یہ امام صاحب کے نزدیک ہے وَهُمَا لَمْ يَشْتَرِطَا إِذْنَ الْإِمَامِ اور صاحبین جو ہیں وہ شرط نہیں لگاتے امام کی اجازت کی، امام کی اجازت کی وہ شرط نہیں لگاتے۔

آگے دیکھیے بھئی۔ وَلَمْ يَجُزْ إِحْيَاءُ مَا عَدَلَ عَنْهُ الْمَاءُ وَجَازَ عَوْدُهُ فَإِنْ لَمْ يَجُزْ جَازَ۔ صورت یہ کہ ایک جگہ دریا بہتا تھا بستی کے قریب سے اور آپ جانتے ہیں کہ دریا کبھی کبھار اپنا رخ بدلتا ہے بھئی، خصوصاً اگر موڑ وغیرہ ہو جہاں پانی مڑ رہا ہو تو دریا جہاں مڑ رہا ہو وہاں اپنا رخ بدلتا رہتا ہے بھئی، پانی ذرا زیادہ آتا ہے وہ زمین کو کاٹتا ہوا آگے کی طرف چلا جاتا ہے اور

پیچھے جو زمین ہوتی ہے وہ خالی رہ جاتی ہے۔ تو اب پانی زمین سے چلا گیا وہ زمین خالی رہ گئی تو کیا اس زمین یہ بھی مَوَات ہے؟ کوئی اس کو آباد کرے گا تو اس کا مالک بن جائے گا؟ کہتے ہیں بھئی اگر زمین سے پانی مڑ کر چلا گیا اور زمین خالی پڑی رہ گئی تو پھر دیکھیں گے کہ دریا کے پھر یہاں آنے کا احتمال ہے یا نہیں، پانی کے پھر آنے کا چانس ہے یا نہیں۔ اگر پانی کے واپس آنے کا احتمال ہے کہ کسی وقت پھر بھی ہو سکتا ہے آہستہ آہستہ پانی پھر ادھر کو آجائے تو پھر تو اس کو آباد کرنے کی پھر یہ مَوَات نہیں، اس کو کوئی آباد کرے تو اس کا مالک نہیں بنے گا۔ کیوں کہ اگر وہ مالک بن جائے گا وہ تو پکا بندوبست کر دے گا کہ ادھر کسی طرح دریا دوبارہ آئے ہی نہ بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ حالانکہ مسلمانوں کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے ہر طرف ہر جگہ کی زمین والوں کو تو اس کی وجہ سے دیکھو وہ مَانِع بن جائے گا، رکاوٹ بن جائے گا تو وہ ایسے طریقے اختیار کرے گا کہ کسی طرح پانی دوبارہ ادھر کا رخ نہ کرے۔ تو لہٰذا اگر پانی واپس آنے کا احتمال ہو تو اس زمین کو آباد کرنے سے اس زمین کو آباد کرنا جائز نہیں، اس پر قبضہ کرنا جائز نہیں۔ اور ہاں اگر پانی وہاں آ ہی نہیں سکتا اب دوبارہ دریا نے ایسا رخ بدل لیا اب کوئی صورت نہیں یہاں پانی آئے تو پھر اس زمین کو آباد کرنا جائز ہے، جائز ہے لیکن اس میں بھی پھر یہ دیکھیں گے کہ یہ کسی بستی کے مشترکہ نفع کے لیے تو یہ نہیں جگہ، اگر ساتھ ہی بستی ہے تو یہ تو ان کے مشترکہ نفع کے لیے ہو گئی لہٰذا پھر اس کو آباد کرنا جائز نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَلَمْ يَجُزْ إِحْيَاءُ مَا عَدَلَ عَنْهُ الْمَاءُ اور جائز نہیں ہے آباد کرنا مَا اس زمین کو عَدَلَ عَنْهُ الْمَاءُ جس سے پانی پھر گیا ہو پانی پلٹ گیا ہو۔ عَدَلَ کا کیا معنی؟ پھرنا، پلٹنا۔ جس سے پانی پلٹ گیا ہے رخ بدل گیا ہے وَجَازَ عَوْدُهُ اور جائز ہے یعنی ممکن ہے عَوْدُهُ اس کا واپس لوٹنا۔ جہاں سے پانی پلٹ گیا ہے لیکن پھر اس کا واپس لوٹنا ممکن ہے وَلَمْ يَجُزْ إِحْيَاؤُهُ اس کو آباد کرنا جائز نہیں۔ فَإِنْ لَمْ يَجُزْ اور اگر ممکن نہ ہو پانی کے واپس آنا تو جَازَ تو جائز ہے یعنی اس کو آباد کرنا جائز ہے۔ أَيْ إِنْ لَمْ يَجُزْ عَوْدُ الْمَاءِ جَازَ إِحْيَاؤُهُ اگر ممکن نہ ہو۔ یہاں دیکھو لَمْ يَجُزْ میں اس کا ترجمہ کر رہا ہوں اگر جائز نہ ہو یعنی اگر ممکن نہ ہو، بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں یہ آپ نے ترجمہ کرنا ہے۔ أَيْ إِنْ لَمْ يَجُزْ عَوْدُ الْمَاءِ اگر ممکن نہ ہو پانی کا واپس لوٹنا جَازَ إِحْيَاؤُهُ تو اس کو آباد کرنا جائز ہے۔

وَمَنْ حَجَّرَ أَرْضًا وَلَمْ يُعَمِّرْهَا ثَلَاثَ حِجَجٍ دَفَعَهَا الْإِمَامُ إِلَى غَيْرِهِ. اب تَحْجِير آگئی بھئی۔ تَحْجِير حَجَر سے ہے حَجَر، حَجَر پتھر کو کہتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص نے حاکمِ وقت سے اجازت لی کہ میں اس زمین کو آباد کرتا ہوں، حاکمِ وقت نے اجازت دی کہ آباد کر لو تو تم مالک اس کے۔ اب اس نے زمین پر پتھروں سے نشان لگا دیے جیسے دیہات والے نشان لگاتے ہیں نا زمینوں پر، پتھر لگا کر حدبندی کر دی کہ یہ زمین ہے جو حاکم نے مجھے دی ہے آباد کرنے کے لیے۔ اس کو کہتے ہیں تَحْجِير بھئی وہ جو پتھروں کی علامتیں لگا دیں ساری زمین کے ارد گرد پتھر لگا دیے چھوٹے چھوٹے درمیانے سے کہ دیکھنے والوں کو نظر آئیں بھئی، اس کو کہتے ہیں تَحْجِير۔ لیکن پھر یہ تَحْجِير صرف پتھر کے ساتھ نہیں کوئی بھی علامت کے ساتھ

کوئی بھی علامت لگا لی جائے جس سے زمین کے نشانات وغیرہ کا اس کا زمین کا پتا لگے اس سب کو تَحْجِیر کہتے ہیں۔ مثلاً بعض لوگ پھر کیا کرتے ہیں درختوں کی شاخیں کاٹ کاٹ کر لگا لیتے ہیں زمین پر جگہ جگہ پر جس سے حدبندی کا پتا لگتا ہے یا بعض یوں کرتے ہیں کہ وہ کانٹوں والی شاخیں لگا لیتے ہیں زمین کی حدبندی کر دیتے ہیں تاکہ سب دیکھنے والوں کو پتا لگ جائے کہ یہ زمین جو ہے یہ اب میری ہے یا میں اس کو آباد کر رہا ہوں، تو تَحْجِیر میں یہ سب داخل ہے صرف پتھر لگانا نہیں بلکہ جو بھی علامت لگا کر زمین کی حدبندی کر لی جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ تَحْجِیر۔

اب صورت یہ کہ ایک شخص کو حاکمِ وقت نے اجازت دے دی کہ آپ یہ زمین آباد کر لیں، اس نے تَحْجِیر کر لی کوئی علامتیں لگا لیں، لوگوں کو پتا لگ گیا یہ اس کو ملی ہے یہ اس کو کیا کرے گا اب آباد کرے گا کاشت کے قابل بنائے گا۔ لیکن تین سال گزر گئے اس نے کوئی کام اس پر نہیں کیا، آباد نہیں کیا اس کو، تو پھر کہتے ہیں تو حاکمِ وقت اس کو لے کر کسی اور کو دے دے بھئی۔ معلوم ہوا اس کا آباد کرنے کا ارادہ نہیں ہے، تین سال بہت لمبا عرصہ ہے اس کو خوب وقت دے دیا لیکن اس نے اس سے معلوم ہوا اس کا ارادہ نہیں ہے اس کو آباد کرنے کا تو حاکمِ وقت کسی اور کو دے دے تاکہ زمین کاشت کے قابل ہو جائے اور اس سے پیداوار حاصل ہو اور عام لوگوں کو پھر اس کا نفع پہنچنا شروع ہو جائے۔

تو کہتے ہیں وَمَنْ حَجَّرَ أَرْضًا اور جس نے زمین میں تَحْجِیر کی یعنی اس پر علامتیں لگا لیں اس کی حدبندی کر لی وَلَمْ يُعَمِّرْهَا اور اس کو آباد نہیں کیا قابلِ کاشت نہیں بنایا ثَلَاثَ حِجَجٍ تین سال تک دَفَعَهَا الْإِمَامُ إِلَى غَيْرِهِ تو دے دے امام وہ زمین إِلَى غَيْرِهِ اس کے علاوہ کسی اور کو بھئی۔ حِجَج یاد رکھو حِجَج جمع ہے حِجَّةٌ کی حِجَّةٌ کی اور حِجَّةٌ سال کو کہتے ہیں۔ ایک لفظ ہے حَجَّةٌ، ایک حُجَّةٌ اور ایک حِجَّةٌ۔ حَجَّةٌ جو ہے یہ حج کو کہتے ہیں، ایک حج۔ حَجَّةُ الْوَدَاع بھئی حضور صلی الله علیہ وسلم کا آخری حج تو وہ حَجَّةٌ۔ اور ایک ہے حُجَّةٌ، حُجَّة دلیل کو کہتے ہیں بھئی دلیل۔ اور ایک لفظ ہے حِجَّةٌ، حِجَّةٌ حج کو بھی کہتے ہیں اور سال کو بھی کہتے ہیں تو حَجَّةُ الْوَدَاع کہہ لیں یا حِجَّةُ الْوَدَاع کہہ لیں دونوں کا ایک ہی معنی ہے، اور حِجَّةٌ سال کو بھی کہتے ہیں اور تو یہ حِجَّةٌ سے حِجَج اس کی جمع ہے بھئی، ثَلَاثَ حِجَجٍ تین سال۔

کہتے ہیں التَّحْجِيرُ فِي الْأَصْلِ وَضْعُ الْأَحْجَارِ کہتے ہیں تَحْجِیر اصل میں وَضْعُ الْأَحْجَارِ پتھر رکھنا ہے، پتھر رکھنے کو تَحْجِیر کہتے ہیں لِيَعْلَمَ النَّاسُ تاکہ یہ لوگ جان لیں کہ أَنَّهُ أَخَذَهَا کہ اس شخص نے زمین کو لے لیا ہے۔ ثُمَّ سُمِّيَ الْأَعْلَامُ الَّتِي لَا يَكُونُ بِوَضْعِ الْأَحْجَارِ پھر نام رکھا گیا ان علامتوں کا بھی جو پتھروں کے رکھنے سے نہ ہوں، یعنی صرف پتھروں والی علامتیں ہی نہیں اور بھی جو بھی علامت لگا دی چاہے کانٹوں والی شاخیں لگا دیں یا ویسے شاخیں لگا دیں یا کوئی اور چیزیں لگا دیں جس سے پتا لگ جائے لوگوں کو کہ یہ زمین فلاں کی ہے یہ اس کی حدبندی ہے ان سب کو تَحْجِیر کہتے ہیں صرف پتھر رکھنے کو ہی اب نہیں کہتے۔ یہ معنی ہے ثُمَّ سُمِّيَ الْأَعْلَامُ الَّتِي لَا يَكُونُ بِوَضْعِ الْأَحْجَارِ پھر ان علامتوں کو بھی تَحْجِیر کہنے لگے جو

پتھروں کے رکھنے سے نہ ہوں۔ وَقِيلَ اور بعضوں نے کہا یہ تو صاحبِ شرح وقایہ نے آپ کو بتلا دیا کہ تَحْجِیر کس سے ہے؟ حَجَر سے ہے، اصل میں علامتیں پہلے کس سے لگاتے تھے عموماً؟ پتھر سے، تو اسی سے تَحْجِیر بنا لیا اور باقی کانٹے وغیرہ ان کو بھی تَحْجِیر کہہ دیتے ہیں جو بھی علامت لگائی ہو۔ جبکہ بعضوں نے کہا بعض علماء فرماتے ہیں کہ تَحْجِیر حَجَر سے نہیں ہے حَجَر، بلکہ یہ حَجْر سے ہے۔ حَجْر میں جِیم ساکن ہے دیکھو حَجَر میں تو جِیم پر فتحہ ہے لیکن حَجْر کیا ہے؟ جِیم ساکن۔ کہتے ہیں یہ حَجْر سے ہے اور حَجْر کا معنی ہوتا ہے کسی چیز کو روکنا، رکاوٹ ڈالنا۔ تو یہ رکاوٹ ڈالنے سے یہ حَجَر سے ہے ہی نہیں یہ تو کس سے ہے؟ حَجْر، رکاوٹ ڈالنا یعنی روکنا، زمین کی حدبندی کر دی اس کو دوسروں سے کیا کر لیا؟ روک دیا۔ تو یہ حَجْر روکنے سے ہے جو مصدر ہے اور وہ لہٰذا وہ چاہے پتھروں سے ہو چاہے کانٹوں سے ہو چاہے شاخوں سے ہو کسی بھی چیز کے ذریعے ہو تو اس کو تَحْجِیر ہی کہیں گے کیوں کہ یہ تو حَجَر سے ہے ہی نہیں، حَجَر سے یہ ہے ہی نہیں۔ جبکہ شارح وقایہ نے بتلا دیا کہ یہ کس سے ہے؟ حَجَر سے ہے البتہ بعد میں اس کا استعمال اور چیزوں پر بھی ہونے لگا چاہے پتھر کے علاوہ کوئی کانٹے ہوں شاخیں ہوں اور کوئی چیز بھی ہو۔ تو کہتے ہیں وَقِيلَ اشْتِقَاقُهُ مِنَ الْحَجْرِ بِالسُّكُونِ اور کہا گیا ہے کہ اس کا اشتقاق یعنی تَحْجِیر کا جو اشتقاق ہے وہ حَجْر بِالسُّكُونِ سکون کے ساتھ ہے۔ سکون کیا معنی؟ حَجْر کا جِیم کیا ہے؟ ساکن ہے یعنی یہ مصدر ہے حَجَر اس میں جِیم پر فتحہ ہے وہ پتھر کو کہتے ہیں اس سے یہ لفظ تَحْجِیر کا نہیں بنا۔ تو کہتے ہیں وَقِيلَ اشْتِقَاقُهُ مِنَ الْحَجْرِ بِالسُّكُونِ کہ یہ تَحْجِیر جو ہے اس کا اشتقاق حَجْر بِالسُّكُونِ سے ہے۔

فَإِنْ كَرَبَهَا وَسَقَاهَا۔ اچھا بھئی تَحْجِیر کسے کہیں گے اور إِحْيَاء کسے کہیں گے فرق کیسے ہو گا؟ تو کہتے ہیں بھئی امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے زمین میں ہل بھی چلا لیا اور اس کو پانی بھی لگا دیا پانی بھی پہنچا دیا تو یہ إِحْيَاء ہے۔ کیا کیا؟ ہل بھی چلایا ہاں پانی بھی لگا دیا۔ یعنی صرف ہل چلانا نہیں ہوتا إِحْيَاء کے اندر بھئی یہ تو ویسے خلاصہ کلام سنا رہے ہیں۔ اس کو زمین کو کیا کرنا پڑے گا پوری زمین سے پتھر وغیرہ چیزیں نکالنی پڑیں گی اس کی صفائی کرنی پڑیں گی، بڑا مشکل اور لمبا کام اور پھر آخر میں پتھر وغیرہ یہ چیزیں ہٹا کر پھر اس نے زمین میں ہل چلایا، اب ہل چلانا بھی کوئی آسان نہیں پہلی دفعہ تو زمین بہت زیادہ سخت ہو گی بھئی حد سے زیادہ مشقت اور تکلیف ہو گی ہل چلاتے ہوئے۔ تو اس نے زمین میں ہل بھی چلا لیا اور پھر اس کو پانی بھی لگایا، پانی سے سیراب بھی کیا تو امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب ہل بھی چلا لے اور پانی سے سیراب بھی کر دے تو یہ إِحْيَاء ہے، یہ کیا ہے؟ إِحْيَاء۔ لہٰذا یہ شخص مالک بن گیا، اس نے إِحْيَاء کر دیا یہ کیا بن گیا؟ مالک۔ ہاں اگر ان میں سے کوئی ایک کام کیا صرف ہل چلایا ہے پانی نہیں لگایا یا پانی لگایا ہے لیکن ہل نہیں چلایا، تو وہ فرماتے ہیں یہ تَحْجِیر ہے إِحْيَاء نہیں، یہ تَحْجِیر ہے إِحْيَاء نہیں۔ فرق کیا ہوا؟ بھئی فرق یہ إِحْيَاء سے مالک بنتا تھا تَحْجِیر سے تو مالک نہیں بنے گا، تین سال تک اگر آباد نہیں کرتا امام لے کر کسی اور کو دے دے گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی، فرق سمجھ میں آیا؟

تو کہتے ہیں فَإِنْ كَرَبَهَا۔ كَرَبَ يَكْرُبُ کے معنی ہل چلانا۔ فَإِنْ كَرَبَهَا اگر اس شخص نے اس زمین کے اندر ہل چلایا وَسَقَاهَا

اور اس کو سیراب بھی کیا فَهُوَ إِحْيَاءٌ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ تو یہ إِحْيَاء ہے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک وَإِنْ فَعَلَ أَحَدُهُمَا فَهُوَ تَحْجِيرٌ اور اگر ان میں سے کوئی ایک کام کیا یعنی صرف ہل چلایا یا صرف سیراب کیا فَهُوَ تَحْجِيرٌ تو یہ تَحْجِير ہے لہٰذا اس میں یہ مالک نہیں بنے گا۔

وَمَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِي مَوَاتٍ بِالْإِذْنِ فَلَهُ حَرِيمُهَا لِلْعَطَنِ وَالنَّاضِحِ أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا مِنْ كُلِّ جَانِبٍ فِي الْأَصَحِّ. مَنْ حَفَرَ بِئْرًا۔ حَفْر کا معنی ہے کھودنا، بِئْر کنویں کو کہتے ہیں۔ وَمَنْ حَفَرَ بِئْرًا جس شخص نے کنواں کھودا فِي مَوَاتٍ بنجر زمین میں بِالْإِذْنِ حاکمِ وقت کی اجازت سے دیکھو اِذْن اجازت یہاں بھی ضروری فَلَهُ حَرِيمُهَا تو اس کے لیے اس کنویں کا حَرِيم ہے اس کنویں کا حَرِيم ہے۔ یاد رکھو بھئی مسئلہ سمجھ لیں۔ کوئی شخص غیر آباد مَوَات زمین میں کنواں کھودتا ہے اور کس کی اجازت سے کھودتا ہے؟ حاکمِ وقت کی اجازت سے، خود کھودے گا تو پھر وہ مالک نہیں بنے گا۔ تو حاکمِ وقت کی اجازت سے اس نے کنواں کھودا، تو اب یاد رکھو اس کنویں کے ارد گرد ہر طرف چالیس گز زمین وہ اس کنویں کا حَرِيم ہے، چالیس شرعی گز بھئی۔ یعنی ایک شرعی گز ڈیڑھ فٹ کا ہے تو چالیس شرعی گز کتنے ہو گئے؟ ساٹھ فٹ، ساٹھ فٹ۔ گویا آج کل کے جو گز رائج ہیں تو وہ بیس گز ہو گئے یہ بھئی۔ آج کل جو گز رائج ہے وہ تین فٹ کا ہوتا ہے اور شرعی گز کتنے کا ہے؟ ڈیڑھ فٹ۔ اور ایک آج کل دکانوں میں بلکہ میٹر زیادہ رائج ہے میٹر، میٹر جو ہے وہ گز سے بھی کوئی تین انچ زیادہ ہوتا ہے گز سے بھی تین انچ زیادہ۔ تو ایک شرعی گز ہے ایک عام گز ہے اور ایک میٹر ہے۔ شرعی گز کتنا؟ ڈیڑھ فٹ۔ عام گز کتنا؟ تین فٹ۔ اور میٹر تین فٹ سے بھی کچھ زائد ہے دو تین انچ زائد ہے بھئی۔

تو لہٰذا اس شخص کو اس کنویں کے گرد چالیس شرعی گز کا جو حَرِيم زمین ہے ہر طرف وہ بھی ان کی وہ اس کنویں کا حَرِيم ہو گیا۔ یعنی حَرِيم کہیں گے اس کنویں کی متعلقہ زمین ہو گئی۔ کیا ہو گئی؟ اس کنویں کی متعلقہ زمین ہو گئی۔ کیوں کہ جب وہ اس کنویں سے وہ حیوانات لائے گا تو کنویں سے پانی نکال کر اس نے حیوانات کو پلانا ہے تو کنویں کے ساتھ کچھ جگہ بھی چاہیے یا نہیں چاہیے جہاں وہ حیوانات جہاں بٹھائے ان کو پانی پلائے؟ تو لہٰذا اس کو اور نیز اس لیے بھی یہ جگہ چاہیے کہ اگر کوئی اور شخص وہ کنواں کھودنا چاہے کوئی اور کھودنا چاہے تو یاد رکھو ایک کنویں کے بالکل قریب اگر دوسرا کنواں کھودا جائے تو پھر ایک دوسرے پر اثر پڑتا ہے۔ اگر وہ ساتھ والا کنواں ذرا گہرا کھود لیتا ہے تو ادھر اس کنویں کا سارا پانی ادھر چلا جایا کرے گا تو یہ والا تو بیچارہ اس کا کنواں تو خشک ہی ہو جائے گا۔ لہٰذا شریعت نے پھر کچھ حدبندی بیان کر دی کہ اس حد کے اندر اندر کیا ہے دوسرے کو کنواں وغیرہ کھودنے کی اجازت نہیں، یہ اس کنویں کا حَرِيم ہے۔ لہٰذا اس کنویں کا حَرِيم کتنا ہوا؟ چالیس گز ہر طرف سے، یعنی دائیں طرف بھی بائیں طرف بھی یا یوں کہو شمال کی طرف بھی چالیس گز مشرق کی طرف بھی چالیس گز مغرب کی طرف بھی چالیس گز شمال کی طرف بھی اور جنوب، ہر ہر طرف چالیس چالیس گز حساب کر لیں گے۔ اور پھر اس حَرِيم کے اندر کسی اور کو کنواں کھودنے کی اجازت نہیں۔ ہاں اس حَرِيم سے باہر کی حدود سے

باہر کوئی کنواں کھودنا چاہے تو وہ ضرور کنواں کھود سکتا ہے، اب کچھ فاصلہ درمیان میں آگیا اب اتنی آسانی سے جلدی پانی وہاں نہیں جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ حَرِیم ہے۔

اور پھر یاد رکھو کنویں دو قسم کے ہیں: کچھ کنویں وہ ہوتے ہیں جہاں ہاتھ سے پانی نکالا جاتا ہے رسی اور ڈول کے ذریعے ہاتھ سے نکالتے ہیں پانی، اس کو کہتے ہیں عَطَن، آگے اس کا ذکر آرہا ہے متن کے اندر لِلْعَطَنِ بھئی۔ تو یہ عَطَن وہ کنواں جس سے ہاتھ سے پانی نکالا جائے رسی اور ڈول کے ذریعے۔ اور ایک ہے بِئْرِ نَاضِح بھئی، نَاضِح وہ کنواں جس میں اونٹوں وغیرہ حیوانات کے ذریعے پانی نکالا جاتا ہے، بہت گہرا ہے یا کچھ ایسا ہے کہ عام آدمی کے لیے وہاں سے پانی نکالنا آسان نہیں مشکل ہے تو وہ پھر حیوانات کے ذریعے عموماً نکالتے ہیں۔ وہ عموماً جو ہوتا ہے وہ حیوان جو ہے اس کے ساتھ رسی اس کی باندھ دی جاتی ہے اور وہ کنویں کے گرد گول گول چکر لگاتا ہے اور آہستہ آہستہ پھر وہ ڈول پانی کا باہر نکل آتا ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ یا بعض وہ بھی ہوتے ہیں جس میں وہ لکڑی کا گول پہیہ سا کنویں کے اوپر لگا دیتے ہیں اور اس پہیے پر ڈول لگے ہوتے ہیں اور اس کو رہٹ کہتے ہیں، اور وہ ڈول حیوان جب گھومتا ہے تو وہ رہٹ جو ہے وہ گھومتے وہ جو ڈبے لگے ہوئے ہیں پہیہ نما پہیے پر وہ گھومتے ہیں اور ان میں پانی نکلتا ہے کنویں سے اس کو رہٹ کہتے ہیں۔ تو بہرحال نَاضِح یہ کنویں کی کوئی قسم ہوگی جس سے صرف کس کے ذریعے پانی نکالتے ہیں؟ حیوانات کے ذریعے نکالتے ہیں۔ تو چاہے کہتے ہیں بِئْرِ عَطَن ہو چاہے بِئْرِ نَاضِح ہو، چاہے ہاتھ سے پانی نکالا جاتا ہو چاہے جانوروں کے ذریعے نکالا جاتا ہو بیل وغیرہ یا اونٹ کے ذریعے، سب کا حَرِیم چالیس گز ہے اور ہر طرف سے ہر طرف سے کتنا ہے؟ چالیس گز ہے۔

تو کہتے ہیں وَمَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِي مَوَاتٍ جس شخص نے کنواں کھودا مَوَات زمین کے اندر بِالْإِذْنِ حاکمِ وقت کی اجازت سے فَلَهُ حَرِيمُهَا تو اس کے لیے اس کنویں کا حَرِیم ہے یعنی اس کی متعلقہ زمین ہے لِلْعَطَنِ وَالنَّاضِحِ بِئْرِ عَطَن کے لیے اور بِئْرِ نَاضِح کے لیے أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا چالیس ذِرَاع ہے وہی چالیس شرعی گز چالیس ذِرَاع ہے مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ہر جانب سے فِي الْأَصَحِّ زیادہ صحیح قول کے مطابق بھئی۔ یہاں دراصل ایک اور قول بھی ہے وہ آگے آپ کو شرح میں بتلائیں گے۔ انہوں نے تو کیا بتلایا؟ ہر طرف سے چالیس گز، مشرق کی طرف بھی چالیس گز، مغرب کی طرف بھی چالیس گز، شمال کی طرف بھی چالیس گز اور جنوب کی طرف بھی چالیس گز۔ جبکہ بعض فقہاء نے لکھا، یہ حدیث میں اصل میں چالیس گز کا ذکر آتا ہے تو بعض فقہاء نے لکھا چاروں طرف سے چالیس گز ہوگا یعنی ملا کر، ملا کر گویا دس گز مشرق کی طرف، دس گز مغرب کی طرف، دس گز شمال کی طرف اور دس گز جنوب کی طرف تو گویا کل ملا کر کتنا ہو گیا؟ چالیس گز ہو گیا۔ تو آپ کو بتلا دیا کہ نہیں چاروں طرف سے ملا کر چالیس گز نہیں بلکہ زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ہر طرف چالیس چالیس گز ہے۔

یہ معنی ہے أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا چالیس گز مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ہر جانب سے فِي الْأَصَحِّ زیادہ صحیح قول کے مطابق۔ اب بتلانے

لگے ہیں بِئْرِ عَطَن کسے کہتے ہیں اور بِئْرِ نَاضِح کسے کہتے ہیں۔ کہتے ہیں بِئْرُ الْعَطَنِ الْبِئْرُ الَّتِي يُنَاخُ الْإِبِلُ حَوْلَهَا وَيُسْقَى۔ بِئْرِ عَطَن وہ کنواں ہے الَّتِي يُنَاخُ الْإِبِلُ، أَنَاخَ الْإِبِلَ کا معنی اونٹ بٹھانا۔ تو بِئْرِ عَطَن کیا ہے؟ جس کے ارد گرد جس سے ہاتھ سے پانی نکالا جاتا ہے اور اونٹ کو اس کے گرد بٹھا کر ان کو پانی پلایا جاتا ہے۔ تو کہتے ہیں بِئْرُ الْعَطَنِ الْبِئْرُ الَّتِي يُنَاخُ الْإِبِلُ حَوْلَهَا کہ وہ کنواں ہے جس کے گرد اونٹوں کو بٹھایا جاتا ہے وَيُسْقَى اور ان کو سیراب کیا جاتا ہے یعنی پانی پلایا جاتا ہے۔ وَبِئْرُ النَّاضِحِ الْبِئْرُ الَّتِي يُسْتَخْرَجُ مَاؤُهَا بِسَيْرِ الْبَعِيرِ وَنَحْوِهِ کہ بِئْرِ نَاضِح وہ کنواں ہے کہ جس سے پانی نکالا جاتا ہے بِسَيْرِ الْبَعِيرِ، بَعِير وہ اونٹ بھئی، اونٹ کو چلانے کے ذریعے اونٹ کے ذریعے وَنَحْوِهِ یا اس جیسے اور یعنی بیل وغیرہ کے ذریعے جس سے پانی نکالتے ہیں۔

وَعِنْدَهُمَا اور صاحبین کے نزدیک۔ اچھا انہوں نے متن میں کیا بتلایا؟ چاہے بِئْرِ عَطَن ہو چاہے بِئْرِ نَاضِح ہو دونوں کا حَرِيم کتنا ہے؟ چالیس چالیس گز۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں بِئْرِ عَطَن اس کا حَرِيم چالیس چالیس گز ہے اور بِئْرِ نَاضِح جس میں اونٹ وغیرہ یا بیل کے ذریعے پانی نکالا جاتا ہے اس کا حَرِيم ساٹھ ساٹھ گز ہے چاروں طرف۔ تو کہتے ہیں وَعِنْدَهُمَا اور صاحبین کے نزدیک حَرِيمُهَا سِتُّونَ ذِرَاعًا اس کا حَرِيم یعنی نَاضِح کا حَرِيم جو ہے ساٹھ ذِرَاع ہے، بِئْرِ نَاضِح کا حَرِيم کتنا ہے؟ ساٹھ ذِرَاع۔

وَإِنَّمَا قَالَ فِي الْأَصَحِّ کہتے ہیں ماتن نے فِي الْأَصَحِّ فرمایا زیادہ صحیح قول کے مطابق۔ کہتے ہیں لِأَنَّهُ قَدْ قِيلَ اس لیے کیوں کہ تحقیق کہا گیا ہے بعض فقہاء نے یہ فرمایا ہے کہ الْحَرِيمُ أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا مِنْ كُلِّ الْجَوَانِبِ کہ حَرِيم جو ہے وہ چالیس ذِرَاع ہے مِنْ كُلِّ الْجَوَانِبِ تمام جانبوں سے۔ فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ پہلا کیا تھا عبارت؟ أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ہر جانب سے، اور یہ کیا ہے؟ أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا مِنْ كُلِّ الْجَوَانِبِ تمام جانبوں سے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تمام جانبوں سے یعنی مجموعاً چالیس ذِرَاع ہے اور انہوں نے کیا کہا تھا کہ ہر طرف الگ الگ چالیس ذِرَاع ہے اور وہ زیادہ صحیح قول ہے۔

وَذِرَاعُ الْعَامَّةِ سِتُّ قَبْضَاتٍ اور عام لوگوں کا ذِرَاع جو ہے عوام کا ذِرَاع جو ہے سِتُّ قَبْضَاتٍ وہ چھ مٹھی ہے۔ قَبْضَةٌ مٹھی کو کہتے ہیں بھئی مٹھی۔ ہاتھ کی انگلیاں بند کر دیں یہ مٹھی بن گئی بھئی۔ یہ چھ مٹھیاں ہوں تو یہ ایک ذِرَاع بنتا ہے۔ بھئی ذِرَاع دراصل یہ آپ کے ہاتھ کو سیدھا کریں یہ ہاتھ کی کہنی سے لے کر انگلی کے سرے تک یہ ہے ذِرَاع بھئی، یہ کیا ہے؟ یہ ذِرَاع یہ متوسط درجے کے شخص کا یہ ذِرَاع تقریباً ڈیڑھ فٹ ہے بھئی ڈیڑھ فٹ۔ اور یہ ہے ذِرَاع بھئی ذِرَاع۔ اور یہ ذِرَاع کتنا ہے؟ چھ مٹھی۔ ایک مٹھی کے ساتھ دوسری رکھیں تیسری رکھیں اس طرح چھ مٹھیاں ایک دوسرے کے ساتھ رکھیں، یعنی ایک مٹھی میں کتنی انگلیاں چار۔ چار انگلیاں۔ تو گویا چھ چوکے چوبیس، چوبیس انگلیاں چوڑائی میں ہوں تو یہ ایک ذِرَاع بنتا ہے، کتنا بنتا ہے؟ ایک ذِرَاع بھئی۔[۲]

[۲] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۰۹): صوتی درس کی قراءت میں «وَذِرَاعُ الْعَامَّةِ سِتُّ قَبْضَاتٍ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ

تو کہتے ہیں وَذِرَاعُ الْعَامَّةِ سِتُّ قَبْضَاتٍ عام لوگوں کا ذِرَاع جو ہے وہ چھ مٹھیوں کا ہے وَعِنْدَ الْحُسَّابِ كَذَلِكَ اور حساب والے جو ہیں ریاضی والے جو ہیں ان کے نزدیک بھی اسی طرح ہے۔ فَإِنَّهُمْ قَدَّرُوهُ بِأَرْبَعٍ وَعِشْرِينَ أُصْبُعًا اس لیے کیونکہ انہوں نے اس کو مقرر جو کیا ہے بِأَرْبَعٍ وَعِشْرِينَ أُصْبُعًا کتنی ہے؟ چوبیس انگلیاں۔ كُلُّ أُصْبُعٍ سِتُّ شَعِيرَاتٍ ہر انگلی جو ہے وہ چھ سِتُّ شَعِيرَاتٍ چھ جو کے دانے مَضْمُومَةٍ کہ ملایا گیا ہو بُطُونُ بَعْضِهَا بِبُطُونِ الْبَعْضِ بعضوں کے پیٹ کو بعضوں کے پیٹ کے ساتھ یعنی ایک دوسرے کے ساتھ۔

اچھا بھئی یہ شرعی یہ جو قدیم زمانے میں جو پیمائشیں استعمال ہوتی تھیں اور کتابوں کے اندر بھی یہ ذِرَاع وغیرہ کا ذکر آتا ہے یہ کچھ چیزیں ہیں لکھ لو بھئی مختصر سی میں آپ کو لکھوا دوں یہ آپ کے کام آئیں گی بھئی۔ لکھیے بھئی۔ لکھیے بھئی جلدی جلدی۔

چھ بال ہوں ترکی گھوڑے کی دم کے چوڑائی میں، تو یہ برابر ہے (برابر کے لیے آپ وہ علامت حساب والی ڈال لیں حساب میں برابر کی جو علامت ہوتی ہے نا دو لکیریں ایک دوسرے کے اوپر نیچے ہوتی ہیں ریاضی میں وہ ڈال لیا کریں) یہ برابر ہے ایک جو کے دانے کی چوڑائی کے۔

جی دوسری چیز لکھیں۔ چھ جو کے دانے چوڑائی میں رکھیں تو یہ برابر ہے ایک انگلی کی چوڑائی۔ لکھ لیا؟

آگے لکھیں۔ چار انگلیاں چوڑائی میں ایک دوسرے کے ساتھ ہوں تو یہ برابر ہے ایک قَبْضَة (قَبْضَة قاف، با، ضاد ہے، قَبْضَةٌ یعنی مٹھی)۔

آگے لکھیں جی۔ چھ قَبْضَات یہ برابر ہیں چوبیس أُصْبُع کے، برابر ہیں ایک ذِرَاع کے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ چھ قَبْضَات ہوں یا چوبیس أُصْبُع ہوں یا ایک ذِرَاع ہو یہ تینوں ایک دوسرے کے برابر ہیں۔

اچھا آگے لکھیں۔ چار ذِرَاع یہ برابر ہیں ایک بَاع کے (بَاع با، الف، عین بھئی، بَاع)۔

آگے لکھیں۔ ہزار بَاع برابر ہیں ایک مِیلِ شرعی۔

اور تین مِیلِ شرعی یہ برابر ہیں ایک فَرْسَخ (فَرْسَخ فا، را، سین اور خا فَرْسَخ)۔

اور چار فَرْسَخ برابر ہے ایک بَرِید (با، را، یا، دال بھئی بَرِید)۔

نیچے لکھیں۔ انگریزی گزوں کے حساب سے مِیلِ شرعی برابر ہے دو ہزار گز، اور شرعی گزوں کے حساب سے مِیلِ شرعی برابر ہے چار ہزار گز۔

اور ایک انگریزی میل برابر ہے سترہ سو ساٹھ گز (ایک، سات، چھ، صفر، ایک ہزار سات سو ساٹھ گز)۔

شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وذراعُ العامَّةِ ستَّةُ قبضات،» منقول ہے۔

اور کلومیٹر برابر ہے ایک ہزار تورانوے (ایک صفر نو تین اعشاریہ چھ ایک گز)۔

اور ایک فرلانگ (فا، را، لام، الف، نون اور گاف فرلانگ) برابر ہے دو سو تیس گز۔

جی یہ مکمل ہوئے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھا یہ ہیں پیمائشیں بھئی جہاں کہیں یہ میلوں کا ذکر آئے گا یہ فقہ کی کتابوں میں وہاں شرعی میل مراد ہے۔ ایک شرعی میل اور ایک آج کل آپ سڑک کے کنارے دیکھتے ہیں میل لکھے ہوتے ہیں وہ انگریزی میل ہیں بھئی تو وہ ان کی مقدار الگ اور شرعی میل جو ہے وہ بڑا ہوتا ہے بھئی۔ شرعی میل ابھی آپ کو بتلا دیا، شرعی میل کتنے انگریزی گز؟ دو ہزار، دو ہزار۔ اور انگریزی میل کتنے کے برابر؟ سترہ سو ساٹھ گز۔ تو دیکھا یہ اس سے دو ڈھائی سو گز بڑا ہے شرعی میل بھئی۔

اور انہوں نے بتلایا کہ چھ ترکی گھوڑے کی دم کے بال چوڑائی میں رکھیں۔ ترکی گھوڑا کہا، معلوم ہوا اس کی دم کے کوئی خاص موٹائی ہوگی اس کے بالوں کی تو وہ چھ بال ایک دوسرے کے ساتھ چوڑائی میں رکھیں تو یہ ایک جو کے دانے کے برابر چوڑائی بن جاتی ہے۔ اور پھر چھ جو کے دانے آپس میں چوڑائی میں رکھنے ہیں لمبائی میں نہیں چوڑائی میں رکھنے ہیں تو پھر یہ کیا بن جائے گا؟ ایک انگلی کی چوڑائی بن جائے گی ایک اُصْبُع بن جائے گی بھئی ایک اُصْبُع بن جائے گی۔ اور پھر چار اُصْبُع ہوں تو یہ ایک قَبْضَة بن جائے گا ایک مٹھی بن جائے گی۔ اور پھر یہ چھ مٹھیاں ہوں یعنی چوبیس انگلیاں ہوں تو یہ کتنا بنتا ہے؟ ایک ذِرَاع یعنی شرعی گز بنتا ہے یعنی ڈیڑھ فٹ بنتا ہے ڈیڑھ فٹ۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور چار ذِرَاع ہوں تو یہ ایک بَاع بنتا ہے۔ کیا بنتا ہے؟ با، الف، عین بَاع۔ کتنے ذِرَاع ہوں؟ چار ذِرَاع۔ آپ اپنے ہاتھوں کو دائیں اور بائیں بالکل سیدھا پھیلائیں ذرا، یہ دیکھا یہ ہے ایک انگلی کے کنارے سے دوسری انگلی کے کنارے تک یہ ایک بَاع ہے، بَاع ہے اور یہ چار ذِرَاع ہے بھئی۔ کس طرح چار ذِرَاع ہے؟ آپ خود تجربہ کر لیں۔ ہاتھوں کو اسی طرح پھیلائے رکھیں، کہنی سے ہاتھوں کو موڑیں باقی ہاتھ سیدھا رہے، کہنی سے موڑیں اور سامنے لائیں دیکھیں انگلیاں ایک دوسرے کو سینے کے سامنے انگلیاں لگیں گی جی۔ چار ذِرَاع ہو گئے یا نہیں؟ کہنی سے لے کر انگلی کے سرے تک کتنا تھا؟ ایک ذِرَاع۔ تو ایک ذِرَاع دیکھو یہ اب چار ذِرَاع فاصلہ تھا ایک بَاع کے اندر۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اور یہ ہزار بَاع ہوں تو یہ کتنا بن گیا؟ ایک شرعی میل۔ تو یہ ایک بَاع میں چھ فٹ ہو گئے گویا تو ایک ہزار بَاع گویا دو ہزار انگریزی گز بن گئے ایک شرعی میل کے اندر۔ اور پھر آپ فَرْسَخ پڑھتے ہیں جگہ جگہ کتابوں میں، فَرْسَخ پرانی کتابوں میں جو فاصلوں کا ذکر آتا ہے تو آج آپ کو پتا چل گیا کہ تین شرعی میل ہوں تو یہ ایک فَرْسَخ کہلاتا ہے۔ اور بعض جگہ آپ بَرِید بھی پڑھ لیں گے بھئی بَرِید لفظ بھی استعمال ہوتا ہے فاصلوں کے لیے یہ بھی قدیم پیمانہ، اور یہ کتنا؟ چار فَرْسَخ ہوتے ہیں یعنی چار تیہے بارہ، بارہ شرعی میل ہوں تو یہ ایک بَرِید بنتا ہے۔

اب دیکھیے کتاب پر پھر وہی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں وَذِرَاعُ الْعَامَّةِ سِتُّ قَبْضَاتٍ اور عام لوگوں کا ذِرَاع جو ہے وہ چھ مٹھیاں ہیں وَعِنْدَ الْحُسَّابِ كَذَلِكَ اور حساب والوں کے نزدیک یعنی ریاضی دانوں کے نزدیک بھی اسی طرح ہے فَإِنَّهُمْ قَدَّرُوهُ بِأَرْبَعٍ وَعِشْرِينَ أُصْبُعًا اس لیے کہ انہوں نے اس کی مقدار مقرر کی ہے کتنی؟ أَرْبَعٍ وَعِشْرِينَ أُصْبُعًا چوبیس انگلی۔ وہ چوبیس انگلی، چوبیس انگلی کون بتلا رہے ہیں؟ ریاضی دان۔ اور عام لوگوں کے نزدیک ذِرَاع کتنا؟ چھ مٹھی، تو چھ مٹھی میں وہی چوبیس انگلیاں تو ہیں بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ اور كُلُّ أُصْبُعٍ سِتُّ شَعِيرَاتٍ اور ہر انگلی کس کے برابر ہے؟ سِتُّ شَعِيرَاتٍ چھ جو کے دانے اور جو کے دانے مَضْمُومَةٍ بُطُونُ بَعْضِهَا بِبُطُونِ الْبَعْضِ کہ جو کے دانے کہ ملائے گئے ہوں ان کے بَطن پیٹ جو ہیں ایک دوسرے کے ساتھ، بعض کے بَطن بعض کے بَطن کے ساتھ ملائے گئے ہوں یعنی چوڑائی میں رکھے ہوئے ہوں لمبائی کے اندر نہ رکھے ہوئے ہوں۔ تو سِتُّ شَعِيرَاتٍ، شَعِيرَاتٍ مجرور، مَضْمُومَةٍ یہ اس کی صفت ہے یہ بھی مجرور، چھ جو کے دانے مَضْمُومَةٍ وہ کیا ہوں کہ ملائے ہوئے ہوں، بھئی کیا ملائے ہوئے ہوں؟ بُطُونُ بَعْضِهَا بِبُطُونِ الْبَعْضِ تو یہ بُطُون یہ نائب الفاعل ہے مَضْمُومَةٍ کے لیے، یہ مرفوع ہوگا بات سمجھ میں آگئی؟ کیا ملائے گئے ہیں؟ سِتُّ شَعِيرَاتٍ مَضْمُومَةٍ چھ جو کے ایسے دانے کہ ملائے گئے ہوں بُطُونُ بَعْضِهَا ان میں سے بعض کے پیٹ بِبُطُونِ الْبَعْضِ دوسرے کے پیٹوں کے ساتھ۔

وَلِلْعَيْنِ خَمْسُمِائَةٍ كَذَلِكَ اور چشمے کے لیے پانچ سو ہے اسی طرح۔ چشمہ بھئی۔ چشمے کے لیے کوئی شخص اگر کوئی چشمہ کھود لیتا ہے اس کا کوئی ہوگا بعض جگہ احتمال ہوگا کہ اس نے کھودا اور وہ محنت وغیرہ کی کسی طرح کوئی چشمہ اس نے کھود لیا وہاں پر۔ تو اگر کوئی چشمہ کھودتا ہے کوئی خاص طریقہ ہوگا کسی طرح سے کہ پانی زمین کے اوپر خود ہی آنا شروع ہو جائے، چشمہ اسی کو کہتے ہیں نا کنویں کے اندر تو پانی زمین کے اندر ہوتا ہے ڈول سے نکالنا پڑتا ہے اور چشمے میں کیا ہے کہ کوئی ایسی صورت اختیار کی کہ پانی اب زمین کے اوپر آرہا ہے۔ تو کسی نے اگر کوئی چشمہ کھود لیا کوئی ایسی ترکیب لڑائی ایسی صورت بنا لی تو یاد رکھو اس کے لیے حَرِیم جو ہے وہ پانچ سو گز ہے، حَرِیم کتنا ہے؟ پانچ سو گز۔ كَذَلِكَ اسی طرح أَيْ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ یعنی ہر جانب سے: مشرق کی طرف بھی پانچ سو گز، مغرب کی طرف بھی پانچ سو گز، شمال کی طرف بھی پانچ سو گز اور جنوب کی طرف بھی پانچ سو گز۔ بھئی کیوں؟ اتنا زیادہ؟ پانچ سو گز؟ یعنی اس میں اب کوئی اور جو ہے چشمہ وغیرہ نہیں کھود سکتا یہ اس چشمے کی متعلقہ زمین ہے یہ اس کا حَرِیم ہے۔ کہتے ہیں وجہ یہ کہ اب پانی زمین کے اوپر آرہا ہے اب اس کو اس پانی کو بہانے کے لیے کچھ راستہ بنانا پڑے گا، کچھ نالیاں وغیرہ کھودے گا بنائے گا، پھر اس پانی کو ذخیرہ کرنے کے لیے کوئی جگہ وہ تالاب بڑا وغیرہ بنائے گا اور پھر اس تالاب سے آگے پھر وہ پانی کی نہریں چھوٹی چھوٹی بنائے گا کھیتوں تک پہنچانے کے لیے۔ تو ان سب چیزوں کے لیے جگہ چاہیے، چشمے سے بھی چھوٹی نالیاں چاہئیں پھر آگے پانی کے ذخیرہ کرنے کی جگہ بھی چاہیے پھر اس سے آگے مزید جو ہے کھیتوں تک کے لیے بھی پانی کی نالیاں وغیرہ چاہئیں۔ تو اس لیے اب اس چشمے کا حَرِیم کتنا ہے؟

پانچ سو گز ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔

تو کہتے ہیں وَلِلْعَيْنِ، عَيْن چشمے کو کہتے ہیں وَلِلْعَيْنِ خَمْسُمِائَةٍ كَذَلِكَ اور چشمے کے لیے پانچ سو گز ہے اسی طرح أَيْ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ہر جانب سے۔ وَمُنِعَ غَيْرُهُ مِنَ الْحَفْرِ فِيهِ لَا فِيمَا وَرَاءَهُ۔ بھئی یاد رکھو اس حَرِیم کے اندر کوئی اور کنواں کھودنا چاہتا ہے کوئی چشمہ کھودنا چاہتا ہے اس کو منع کیا جائے گا، جو اس کنویں کا حَرِیم ہے اس کے اندر کسی اور کو کنواں کھودنے کی اجازت نہیں ہوگی اس کو روکا جائے گا۔ ہاں جہاں حَرِیم مکمل ہو گیا چالیس گز پورے ہو گئے۔ اب کوئی شخص بالکل اس چالیس گز کے ساتھ ہی اپنا کنواں کھودنا چاہتا ہے کہتے ہیں ہاں وہاں کھود سکتا ہے کیوں کہ اب حد سے باہر وہ کنواں کھود رہا ہے۔ لیکن اور پھر کنویں کا تو حَرِیم ہوتا ہے، اس نے کنواں کھود لیا اس میں بھی پانی نکل آیا اب اس کے لیے بھی حَرِیم چاہیے تو کہتے ہیں بھئی اس کا حَرِیم باقی تین طرف تو ہو گا لیکن ایک طرف والا تو وہ پہلے کنویں کا حَرِیم ہے وہ اس کا حصہ نہیں وہ اس پہلے کنویں کا ہی حَرِیم رہے گا۔

تو کہتے ہیں وَمُنِعَ غَيْرُهُ مِنَ الْحَفْرِ فِيهِ اور دوسروں کو منع کیا جائے گا مِنَ الْحَفْرِ فِيهِ اس حَرِیم کے اندر کھودنے سے لَا فِيمَا وَرَاءَهُ اس سے باہر کھودنے سے نہیں منع کیا جائے گا۔ وَلَهُ الْحَرِيمُ مِنْ ثَلَاثَةِ جَوَانِبَ اور اس کے لیے حَرِیم ہو گا تین جانب سے یعنی اس حَرِیم سے ورے اس سے آگے کوئی کنواں کھود لیتا ہے تو میں نے بتلا دیا یہ جو نیا کنواں کھودا جس شخص نے اس کے کنویں کا حَرِیم کتنی طرف ہے؟ تین طرف ہے چوتھی طرف نہیں یعنی جس طرف پہلا کنواں ہے اس طرف نہیں کیوں کہ وہ تو پہلے کنویں کا حَرِیم ہو چکا۔ یہ معنی ہے وَلَهُ الْحَرِيمُ مِنْ ثَلَاثَةِ جَوَانِبَ اور اس کے لیے حَرِیم ہو گا تین جانب سے أَيْ لِلَّذِي حَفَرَ یعنی وہ شخص جس نے کھودا مِنْ مُنْتَهَى حَرِيمِ الْأَوَّلِ پہلے حَرِیم کے انتہا پر تو اس کے لیے دُونَ الْأَوَّلِ اس کے لیے تین جانب سے حَرِیم ہو گا دُونَ الْأَوَّلِ نہ کہ پہلی جانب، پہلے کنویں کی جانب اس کا حَرِیم نہیں یعنی پہلے حَرِیم کی طرف اس کا حَرِیم نہیں ہو گا بھئی کیوں کہ اس طرف جگہ ہی نہیں ہے اس نے بالکل جہاں حد ختم ہوئی تھی وہیں کھودا ہے۔ ہاں اگر یہ بھی کیا کر لیتا پہلے کنویں کا حَرِیم جہاں ختم ہوا اس نے اس سے چالیس گز دور کنواں کھودا، اب تو اس کے پاس چالیس گز اس طرف ہے لہٰذا اب چاروں طرف حَرِیم کتنا ہو جائے گا اس کا بھی چالیس چالیس گز۔

وَلِلْقَنَاةِ حَرِيمٌ بِقَدْرِ مَا يُصْلِحُهَا۔ قَنَاة کہتے ہیں بھئی کاریز، کاریز۔ کاریز یہ پانی کی نہریں اور جو زمین کے اندر اندر لے کر جاتے ہیں یعنی اوپر سے ڈھانپی ہوئی ہوتی ہے بند ہوتی ہے۔ بعض علاقوں کے اندر پانی بعض علاقوں میں گرمی زیادہ پڑتی ہے، اب اگر وہ اوپر چھوٹی نہر بنائیں گے چھوٹی سی نہر زیادہ پانی ہے بھی نہیں اس علاقے میں تھوڑا سا پانی ہے، اب چھوٹی سی ایک پانی کی نالی ہے اس کے اندر اگر آپ اس پانی کو بہائیں گے تو دن میں اتنی دھوپ پڑتی ہے کہ یہ پانی تو تھوڑا سا دور جاتے جاتے آہستہ آہستہ خشک ہوتا چلا جائے گا بھئی پہنچے گا ہی نہیں وہاں تک، مطلب ایک دو تین کلومیٹر کتنا وہ چلا جائے گا۔ تو پھر وہ یوں کرتے ہیں کہ وہ پھر زیادہ فاصلے تک پانی لے جانے کے لیے اس کو اوپر سے ڈھانپ کر بند کر کے رکھتے ہیں،

اب وہ پانی کی نالی زمین کے اندر اندر جا رہی ہے اس کو کاریز کہتے ہیں کیا کہتے ہیں؟ کاریز۔

تو کہتے ہیں وَلِلْقَنَاةِ حَرِيمٌ بِقَدْرِ مَا يُصْلِحُهَا کاریز کے لیے بھی حَرِیم ہے اسی قدر جو اس کے لائق ہو جو اس سے اس کی اصلاح ہو سکے۔ هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ وَقِيلَ اور کہا گیا ہے إِذَا لَمْ يَخْرُجِ الْمَاءُ کہ جب پانی نہ نکل رہا ہو فَهُوَ كَالنَّهْرِ تو وہ نہر کی طرح ہے فَلَا حَرِيمَ لَهُ تو اس کا کوئی حَرِیم نہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر کاریز کا پانی اوپر نہیں نکل رہا زمین کے اندر ہی اندر جا رہا ہے تو پھر یہ نہر کی طرح ہے اور اس کا کوئی حَرِیم نہیں، اس کا کوئی حَرِیم نہیں۔ ہاں جہاں جا کر یہ پانی زمین سے نکلتا ہے وہاں پھر اس کا حکم چشمے والا ہے، اور چشمے کا حَرِیم کتنا تھا ہر طرف؟ پانچ سو گز۔ لہٰذا اس کا بھی کتنا حَرِیم ہو گا؟ ہر طرف پانچ پانچ سو گز ہو گا۔ یہ معنی ہے وَقِيلَ اور کہا گیا ہے إِذَا لَمْ يَخْرُجِ الْمَاءُ فَهُوَ كَالنَّهْرِ کہ جب اس کا پانی نہ نکلے تو یہ نہر کی طرح ہے فَلَا حَرِيمَ لَهُ تو اس کا کوئی حَرِیم نہیں ہو گا جیسے نہر کا کوئی حَرِیم نہیں ہوتا وَعِنْدَ ظُهُورِ الْمَاءِ كَالْعَيْنِ اور پانی کے ظاہر ہوتے وقت كَالْعَيْنِ یہ کس کی طرح ہے؟ چشمے کی طرح ہے فَلَهُ الْحَرِيمُ خَمْسُمِائَةِ ذِرَاعٍ تو اس کے لیے حَرِیم ہے کتنا؟ پانچ سو ذِرَاع۔[۳]

وَلَا حَرِيمَ لِنَهْرٍ فِي أَرْضِ غَيْرِهِ إِلَّا بِحُجَّةٍ۔ بھئی کسی شخص کی زمین سے کسی کی نہر گزر رہی ہے، ایک شخص ہے اس کی نہر کا پانی زید کی زمین میں سے گزر کر آتا ہے اور پھر اس کے کھیت تک پہنچتا ہے۔ تو کیا اس نہر کا کوئی حَرِیم ہے اس شخص کے لیے؟ کہتے ہیں نہیں بھئی۔ اگر تو اس کے پاس دلیل ہے بَيِّنَة ہے کہ اس نہر کے ساتھ ساتھ زمین بھی میری تھی کوئی گواہ بَيِّنَة ہے، پھر تو حَرِیم اس کے لیے اتنا ہو گا، اور اگر بَيِّنَة نہیں تو پھر حَرِیم بھی اس کے لیے نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں وَلَا حَرِيمَ لِنَهْرٍ فِي أَرْضِ غَيْرِهِ اور کوئی حَرِیم نہیں ہے نہر کے لیے فِي أَرْضِ غَيْرِهِ غیر کی زمین میں إِلَّا بِحُجَّةٍ مگر دلیل کے ساتھ۔ هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں نہیں نہر کا کوئی حَرِیم نہیں ہے، ہاں بَيِّنَة لے آؤ گواہ لے آؤ کہ یہ زمین بھی اس نہر کے ساتھ ساتھ دو دو گز زمین بھی تمہاری تھی یا ایک گز زمین تمہاری تھی تو پھر ٹھیک ہے پھر آپ کو دے دیں گے۔ لیکن وَعِنْدَهُمَا صاحبین فرماتے ہیں لَهُ مُسَنَّاةُ النَّهْرِ اس کے لیے نہر کے دو بند ہیں۔ مُسَنَّاة وہ جو نہر کے دو کنارے ہیں کیا ہیں؟ دو کنارے جو ہیں جنہوں نے پانی کو روک کر رکھا ہے۔ لَهُ مُسَنَّاةُ النَّهْرِ اس کے لیے نہر کے دو کنارے ہیں يَمْشِي عَلَيْهَا ان پر وہ چلے گا وَيُلْقِي عَلَيْهَا الطِّينَ اور ان پر مٹی ڈالے گا گارا ڈالے گا، کیا کرے گا؟ گارا۔ بھئی صاحبین فرماتے ہیں کہ جب اس کی نہر زید کی زمین میں سے گزر کر آ رہی ہے تو اس کے لیے اس نہر کا حَرِیم بھی ہے، یہ وہ بھی اسی کا ہے وہ زید کا نہیں ہے۔ بھئی حَرِیم کیوں؟ کہتے ہیں بھئی حَرِیم کی ضرورت ہے یہاں پر، کیوں کہ نہر ہے نہر کی صفائی کی ضرورت پڑتی ہے اس کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے تو اتنی نہر کے ساتھ اتنا کنارہ جس

[۳] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۰۹): صوتی درس کی قراءت میں «فَلَهُ الْحَرِيمُ خَمْسُمِائَةِ ذِرَاعٍ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فله الحريمُ خمسمئةَ ذراع.» منقول ہے۔

پر یہ چل سکے آجا سکے نہر کے ساتھ اس کو دیکھ سکے، اور نیز صفائی کی ضرورت پڑتی ہے ہر سال کے اندر نہر کی پوری صفائی ہر سال نہر کی صفائی کرنی پڑتی ہے اس میں گارا آہستہ آہستہ جمع ہوتا جاتا ہے پانی کم ہوتا چلا جاتا ہے، تو پھر ہر سال زمیندار کیا کرتے ہیں اس نہر سے گارا نکال کر اس کے کناروں پر ڈال دیتے ہیں، تو صاحبین فرماتے ہیں اس کو چلنے کے لیے بھی جگہ چاہیے اور گارا نکالنے کے لیے بھی جگہ چاہیے لہٰذا اس کے لیے نہر کا حَرِیم ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔

تو کہتے ہیں وَعِنْدَهُمَا صاحبین کے نزدیک لَهُ مُسَنَّاةُ النَّهْرِ يَمْشِي عَلَيْهَا کہ اس کے لیے نہر کے کنارے ہیں جن پر وہ چلے گا وَيُلْقِي عَلَيْهَا الطِّينَ اور ان پر گارا ڈالے گا وَكَذَا فِي أَرْضِ مَوَاتٍ اور اسی طرح أَرْضِ مَوَات میں بھی ہے، کس میں ہے؟ کیا معنی؟ یعنی کسی شخص نے نہر کھودی اور وہ نہر أَرْضِ مَوَات میں سے گزر کر آرہی ہے تو أَرْضِ مَوَات کے اندر بھی نہر کے جو دونوں کنارے ہیں وہ نہر کا کیا ہے؟ حَرِیم ہے وہ اس شخص کے ہوں گے۔ اور حَرِیم کتنا ہوگا؟ کتنا ہوگا؟ آگے چل کر آپ کو بتائیں گے کہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جتنی نہر کی چوڑائی دائیں طرف بھی اتنا حَرِیم بائیں طرف بھی اتنا حَرِیم، مثلاً نہر کی چوڑائی ہے دو گز تو دائیں طرف بھی دو گز حَرِیم بائیں طرف بھی دو گز حَرِیم۔ جبکہ امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں جتنی نہر کی کل چوڑائی ہو اس کا نصف حَرِیم ہوگا یعنی نہر کی کل چوڑائی دو گز تو دائیں جانب بھی ایک گز اور بائیں جانب بھی ایک گز اس کا حَرِیم ہوگا۔ اور یاد رکھیے فتویٰ امام ابویوسف رحمہ اللہ کے قول پر ہے بھئی، نہر کا حَرِیم کتنا ہوگا؟ دونوں جانب اس نہر کی چوڑائی کا نصف ہوگا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو کہتے ہیں وَكَذَا فِي أَرْضِ مَوَاتٍ اور اسی طرح ہے أَرْضِ مَوَات میں بھی یعنی وہاں بھی اس کا حَرِیم ہوگا۔ فَمُسَنَّاةٌ بَيْنَ نَهْرِ رَجُلٍ وَأَرْضِ الْآخَرِ وَلَيْسَتْ مَعَ أَحَدٍ لِصَاحِبِ الْأَرْضِ۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے، ایک شخص ہے اس کی نہر آرہی ہے زید کی زمین میں سے، زمین کس کی؟ زید کی، اور نہر کس کی؟ کسی دوسرے شخص کی ہے۔ تو انہوں نے کیا کہا؟ امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ کہ نہر کا کوئی حَرِیم نہیں، تو کیا اب اس نہر کا کوئی حَرِیم ہوگا یا نہیں؟ تو امام صاحب کا وہی مسئلہ، امام صاحب نے کیا بتلایا تھا؟ کہ بَیِّنَة چاہیے کوئی بَیِّنَة چاہیے کوئی گواہ ہو یا کوئی اور دلیل چاہیے۔ اور تو وہ فرماتے ہیں امام صاحب فرماتے ہیں کہ دیکھ لیں اگر اس شخص کے پاس یہ جو نہر کے کنارے ہیں ان پر اگر یہ شخص مٹی ڈالتا ہے یا اس کے اوپر اس کے درخت لگے ہوئے ہیں تو پھر معلوم ہوا یہ حصہ اسی کا ہے، یہ درخت لگاتا رہا ہے مٹی ڈالتا رہا ہے معلوم ہوا یہ کیا ہے یہ حَرِیم اس کا ہے۔ اور اگر اس کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں، درخت بھی اس کے نہیں ہیں درخت بھی زید ہی کے لگے ہوئے ہیں اور کوئی گارا مٹی وغیرہ بھی اس نے نہیں ڈالی، تو اب اس کے پاس معلوم ہوا کوئی علامت نہیں ہے جب کوئی علامت نہیں تو یہ زمین کس کی ہوگی؟ زمین زید کی جس کی زمین میں سے یہ نہر گزر کر آرہی ہے، اور گویا اس شخص کے لیے صرف نہر ہے اور نہر کے اندر والا حصہ ہے جس میں پانی بہہ رہا ہے، آس پاس کی ساری زمین کس کی ہے؟ زید کی ہے کیوں کہ اس کے پاس کوئی علامت نہیں۔ اور اگر علامت ہے مثلاً اس نے درخت لگائے ہوئے ہیں کنارے پر اپنی نہر کے یا اس نے اس

پر گارا ڈالتا رہتا ہے تو یہ علامت ہے کہ معلوم ہوا یہ اس کے ہیں۔

دوبارہ عبارت دیکھیں فَمُسَنَّاةٌ بَيْنَ نَهْرِ رَجُلٍ وَأَرْضِ الْآخَرِ پس اس نہر کے دو کنارے دو بند جو ہیں بَيْنَ نَهْرِ رَجُلٍ وَأَرْضِ الْآخَرِ وہ کنارے جو کس کے بیچ ہیں؟ ایک آدمی کی نہر اور دوسرے کی زمین کے بیچ ہیں وَلَيْسَتْ مَعَ أَحَدٍ اور وہ کسی ایک کے پاس بھی نہیں یعنی کسی ایک کے بھی قبضے میں نہیں یعنی کسی کے پاس کوئی علامت نہیں ہے، تو لِصَاحِبِ الْأَرْضِ وہ کنارے کس کے ہیں؟ صَاحِبِ أَرْض کے ہیں، وہ زمین والے کے ہیں کیوں کہ دونوں کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ ہاں اگر اس کے پاس علامت ہے اس نے درخت لگائے ہوئے ہیں کنارے پر اپنی نہر کے یا اس پر گارا ڈالتا رہتا ہے تو یہ علامت ہے معلوم ہوا یہ اس کے ہیں۔

أَيْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لِأَحَدِهِمَا عَلَيْهَا غَرْسٌ أَوْ طِينٌ مُلْقًى یعنی اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے بھی غَرْس یعنی لگائے ہوئے پودے أَوْ طِينٌ مُلْقًى یا وہ گارا جو ڈالا گیا ہو وہ نہیں ہے یعنی کسی کے پاس کوئی علامت نہیں۔ ایک علامت تو یہ تھی نا یہ اس پر گارا ڈالتا یا یہ اس پر کیا لگائے ہوتے اس نے درخت۔ دوسری صورت علامت یہ ہے کہ زید نے اس پر کیا لگائے ہوئے ہیں؟ درخت لگائے ہوئے ہیں جب درخت زید نے لگائے ہیں معلوم ہوا زمین بھی اسی کی ہے۔ تو ان میں سے کسی ایک کے پاس بھی نہ تو غَرْس ہے یعنی لگائے ہوئے پودے ہیں أَوْ طِينٌ مُلْقًى یا ایسا گارا جس کو ڈالا گیا ہو فَهِيَ لِصَاحِبِ الْأَرْضِ تو یہ زمین تو یہ جو بند ہیں یہ زمین والے کے ہیں عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ امام صاحب کے نزدیک وَإِنْ كَانَ اور اگر وہ علامت ہے یعنی وہ پودے یا گارا ہے فَصَاحِبُ الشُّغْلِ هُوَ صَاحِبُ الْيَدِ تو وہ صَاحِبِ شُغْل جو ہے یعنی جس نے اس جگہ کو مشغول کیا ہے هُوَ صَاحِبُ الْيَدِ وہ صَاحِبِ قبضہ ہے۔

وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک حَرِيمُهُ مِقْدَارُ نِصْفِ بَطْنِ النَّهْرِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ۔ میں نے بتلا دیا نہر کا حَرِيم کتنا ہے؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ نہر کی چوڑائی کا نصف دونوں طرف، دائیں طرف بھی اور بائیں طرف بھی۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ دونوں طرف نہر کی چوڑائی کے برابر، وہی بیان کر رہے ہیں۔ تو کہتے ہیں وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ حَرِيمُهُ مِقْدَارُ نِصْفِ بَطْنِ النَّهْرِ کہ اس نہر کا حَرِيم جو ہے وہ نہر کے پیٹ کے نصف کے برابر ہے نصف کی مقدار ہے مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ہر جانب سے وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مِقْدَارُ بَطْنِ النَّهْرِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ نہر کا جو پیٹ ہے اس کے برابر ہے دونوں طرف، یعنی اگر نہر دو گز چوڑی تو دائیں طرف بھی دو گز اور بائیں طرف بھی دو گز۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ کہ نہر کے پیٹ کے نصف کے برابر ہے یعنی نہر اگر دو گز ہے تو دائیں طرف بھی ایک گز اور بائیں طرف بھی ایک گز، یہ حَرِيم ہے اس نہر کا۔ فتویٰ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر ہے بھئی، نہر کا حَرِيم کتنا ہو گا؟ دونوں جانب اس نہر کی چوڑائی کا نصف ہو گا بھئی۔

بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳۰: فصل فی الشرب: حقِ شرب اور حقِ شفہ، اقسامِ انہار، کریِ نہر اور تقسیمِ آب کے شرعی ضوابط

شرح الوقایہ صفحہ: ۶۳ — بتاریخ: ۲۰ جنوری ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے دیکھیے بھئی:

فَصْلٌ: الشِّرْبُ نَصِيبُ الْمَاءِ، وَالشَّفَةُ شُرْبُ بَنِي آدَمَ وَالْبَهَائِمِ، وَلِكُلِّ حَقُّهَا فِي كُلِّ مَاءٍ لَمْ يُحْرَزْ بِإِنَاءٍ، وَسَقْيُ أَرْضِهِ مِنَ الْبَحْرِ وَنَهْرٍ عَظِيمٍ كَدِجْلَةَ وَنَحْوِهَا، وَشَقُّ نَهْرٍ لِأَرْضِهِ مِنْهَا أَوْ لِنَصْبِ الرَّحَى إِنْ لَمْ يَضُرَّ بِالْعَامَّةِ، لَا سَقْيُ دَوَابِّهِ إِنْ خِيفَ تَخْرِيبُ النَّهْرِ لِكَثْرَتِهَا وَأَرْضِهِ.

آج شرب کے بارے میں تفصیل بیان کریں گے۔ یاد رکھیے شرب کہتے ہیں پانی کے حصے کو، پانی کی باری کو۔ بعض اوقات ایک چھوٹی نہر آپ دیکھتے ہیں، اس سے کئی کھیت سیراب کیے جاتے ہیں۔ تو لوگوں نے آپس میں باریاں مقرر کی ہوتی ہیں۔ مثلاً دو دن زید اپنے کھیت کو پانی لگائے گا، پھر دو دن بکر اپنے کھیت کو پانی لگائے گا، اور پھر دو دن خالد لگائے گا، تو لوگوں نے آپس میں باریاں مقرر کی ہوتی ہیں۔ اس کو شرب کہتے ہیں۔ یہ جو پانی کا حصہ ہے، پانی کی باری ہے بھئی کھیتوں وغیرہ کے لیے۔

تو کہتے ہیں الشِّرْبُ نَصِيبُ الْمَاءِ، شرب جو ہے وہ پانی کا حصہ ہے۔ شرب کسے کہتے ہیں؟ پانی کے حصے کو۔ وَالشَّفَةُ شُرْبُ بَنِي آدَمَ وَالْبَهَائِمِ، اور شَفَہ جو ہے نا شَفَةٌ، یہ انسان اور جانوروں کے پینے کو کہتے ہیں۔ شُرْب کا کیا معنی؟ پینا۔ کوئی بہنے والی، کوئی مائع چیز جو ہے اس کو پینا، اس کو شُرْب کہتے ہیں۔ شَرِبْتُ الْمَاءَ میں نے پانی پیا۔ ایک لفظ ہے شِرْب اور ایک ہے شَفَة، تو دونوں میں، کی تفصیل بیان کر رہے ہیں۔ کہ شِرْب جو ہے وہ پانی کی باری اور پانی کے حصے کو کہتے ہیں، اور شَفَة جو ہے انسانوں اور حیوانات کے پینے کو شَفَةٌ کہتے ہیں۔

تو کہتے ہیں وَالشَّفَةُ شُرْبُ بَنِي آدَمَ وَالْبَهَائِمِ، اور شَفَة جو ہے انسانوں کا اور حیوانات کے پینے کو کہتے ہیں، وَلِكُلٍّ حَقُّهَا فِي كُلِّ مَاءٍ لَمْ يُحْرَزْ بِإِنَاءٍ. بھئی یاد رکھو، پانی جو ہے اس میں ہر شخص کا حق ہے۔ دریا کا پانی ہے، نہر کا پانی ہے، تو کوئی بھی انسان یا حیوان وغیرہ اس سے پانی پی سکتا ہے بھئی۔ کوئی بھی، چاہے کسی کی ذاتی نہر ہے، چاہے عام نہر ہے، بڑی نہر ہے یا دریا ہے، اور یہ بھی یاد رکھیں، عربی میں جو نَهْر ہم لفظ بولتے ہیں نا نہر، عربی میں نَهْر دریا کو کہتے ہیں بھئی، دریا کو۔

تو جو عام پانی ہے، چھوٹی نہر ہو، بڑی نہر ہو، دریا وغیرہ ہو، سب کا اس میں حق ہے، سب اس سے پانی پی سکتے ہیں بھئی۔ پانی پینے سے کوئی کسی کو منع نہیں کر سکتا۔ ہاں اِلَّا یہ کہ کسی نے پانی کو محفوظ کر لیا کسی برتن میں۔ کوئی دریا سے ایک مٹکے کے اندر پانی اٹھا کر لے آیا، اب یہ پانی اس کا مملوک ہو گیا۔ اب لہٰذا اگر کوئی پینا چاہتا ہے تو اجازت ہونی چاہیے مالک کی طرف سے، بغیر اجازت کے پینا درست نہیں ہے بھئی۔ کیونکہ یہ مَاءِ مملوک ہو گیا۔ ویسے تو ماء مملوک نہیں ہوتا لیکن جب برتن وغیرہ میں اس کو باقاعدہ محفوظ کر لیا تو اب یہ کیا بن گیا؟ مملوک ہو گیا۔

تو کہتے ہیں وَلِكُلٍّ حَقُّهَا، اور ہر ایک کا حق ہے، یعنی پینے کا۔ ہا ضمیر کس کو راجع؟ شَفَة کو راجع، شَفَة۔ شَفَة مؤنث ہے نا، گول تا ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ اور ہر ایک کو شَفَة کا حق ہے، یعنی پانی پینے کا حق ہے۔ تو کہتے ہیں وَلِكُلٍّ، بھئی لِكُلٍّ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ كُلّ کا لفظ، اس پر اگر تنوین آجائے تو یہ عوض ہوتی ہے مضاف الیہ سے۔ کیونکہ كُلّ مضاف الیہ چاہتا ہے۔ كُلّ کا معنی ہے سارا۔ بھئی کس چیز کا سارا؟ تو آپ کہیں گے كُلُّ الدَّرَاهِمِ، سارے کے سارے درہم۔ یا كُلُّ الطَّلَبَةِ، سارے کے سارے طلبہ۔ تو دیکھا كُلّ کے لیے مضاف الیہ چاہیے۔ تو كُلّ پر اور بَعْض پر جو تنوین آجائے، یہ عوض ہوتی ہے مضاف الیہ سے۔ تو وَلِكُلٍّ أَيْ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ، ہر ایک کو۔

تو کہتے ہیں وَلِكُلٍّ اور ہر ایک کو حَقُّهَا، ہر ایک کا حق ہے، حَقُّهَا کس چیز کا حق؟ پینے کا۔ ہر ایک کو پانی پینے کا حق ہے، فِي كُلِّ مَاءٍ ہر پانی میں، لَمْ يُحْرَزْ بِإِنَاءٍ جس کو محفوظ نہ کیا گیا ہو برتن میں۔ معلوم ہوا اس کے اندر سے پینے کا حق نہیں ہے۔ ہاں جو باقی دریا ہو، نہر ہو، چھوٹی نہر ہو، کسی کی ذاتی نہر ہو، عام نہر ہو، سب میں سے لوگوں کو، حیوانات کو پینے کی اجازت ہے، تفصیل آگے بیان کر رہے ہیں۔

تو کہتے ہیں وَلِكُلٍّ حَقُّهَا اور ہر ایک کو شَفَة کا یعنی پانی پینے کا حق ہے فِي كُلِّ مَاءٍ ہر ایسے پانی میں، دیکھا مَاء نکرہ ہے اور اس کے بعد لَمْ يُحْرَزْ فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ ہر ایسے پانی میں لَمْ يُحْرَزْ بِإِنَاءٍ جس کو محفوظ نہ کیا گیا ہو برتن میں۔ برتن میں محفوظ ہو گیا پھر اجازت نہیں ہے، بغیر اجازت کے پینا درست نہیں۔

اسی طرح وَسَقْيُ أَرْضِهِ، اس کو سَقْيٌ، اس پر رفع بھی پڑھ سکتے ہیں اور جر بھی۔ اگر اس پر رفع پڑھیں، اور ہر ایک کو، کے لیے جائز ہے، کیا جائز ہے؟ جی؟ سَقْيُ أَرْضِهِ اپنی زمین کو سیراب کرنا۔ ہر ایک کا حق ہے اپنی زمین کو سیراب کرنا۔ تو

اگر اس کو پڑھیں سَقْيُ تو اس کا عطف ہو رہا ہے حَقُّهَا پر۔ وَلِكُلٍّ ہر ایک کے لیے ہے، جائز ہے، کیا؟ سَقْيُ أَرْضِهِ اپنی زمین کو سیراب کرنا۔ اور آپ چاہیں تو اس کا عطف کر لیں حَقُّهَا کی ہَا ضمیر پر، اور ہَا ضمیر تو مجرور ہے، مضاف الیہ ہے، تو یہ سَقْيِ بھی کیا پڑھیں گے؟ مجرور۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ہَا ضمیر پر بھی عطف کر سکتے ہیں اور حَقُّهَا پر بھی عطف کر سکتے ہیں۔

اور ہر ایک کو حق ہے سَقْيُ أَرْضِهِ اپنی زمین کو سیراب کرنے کا۔ کس سے؟ مِنَ الْبَحْرِ سمندر سے۔ بَحْر سمندر کو کہتے ہیں بھئی جس کا پانی بے انتہا نمکین ہوتا ہے۔ وَنَهْرٍ عَظِيمٍ اور بڑی نہر سے یعنی دریا سے، كَدِجْلَةَ وَنَحْوِهَا جیسے دریائے دجلہ ہے اور اس جیسے اور دریا۔ دریائے دجلہ یہ عراق کا مشہور دریا ہے بھئی، بغداد کے پاس سے غالباً بہتا ہے اور مشہور دریا ہے۔ عام ہمارے ہاں مشہور ہے دجلہ دجلہ، لیکن یہ دال کے کسرہ کے ساتھ ہے اصل اس کا نام بھئی دِجْلَة۔ تو بھئی بڑا دریا ہو اس سے ہر ایک اپنی زمین کو سیراب کر سکتا ہے۔ ہر ایک کیا کر سکتا ہے؟ اپنی زمین کو سیراب کر سکتا ہے۔

اسی طرح وَشَقُّ نَهْرٍ، اسی طرح ہر ایک کو حق ہے نہر بنانے کا۔ شَقّ کا معنی پھاڑنا، پھاڑنا۔ تو شقِ نہر دیکھو آپ کو کیا کرنا پڑے گا؟ زمین کو کھود کر نہر بنانی پڑے گی، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ شق نہر، چھوٹی آپ نہر بناتے ہیں۔ اور ہر ایک کو حق ہے شَقُّ نَهْرٍ چھوٹی نہر کھودنے کا، چھوٹی نہر بنانے کا، لِأَرْضِهِ اپنی زمین کے لیے مِنْهَا اس سے، اس سمندر یا بڑی نہر سے۔ اپنے کھیت کے لیے، اپنی زمین کے لیے چھوٹی نہر بنانے کا ہر شخص کو حق ہے۔

أَوْ لِنَصْبِ الرَّحَى یا نہر بناتا ہے کس لیے؟ یہ لِنَصْبِ الرَّحَى اس کا عطف ہے لِأَرْضِهِ پر۔ چھوٹی نہر بناتا ہے لِأَرْضِهِ اپنی زمین کے لیے مِنْهَا اس میں سے، أَوْ لِنَصْبِ الرَّحَى یا پن چکی نصب کرنے کے لیے۔ رَحَى کہتے ہیں پن چکی بھئی کہ جس میں سے پانی گزرتا ہے اور وہ چکی گھومتی ہے اور اس پر پھر آٹا لوگ پیستے ہیں بھئی۔ تو دیکھو بغیر، ایک مرتبہ تو مشقت کرنی پڑی اس کو بنانے کے اندر، لیکن اس کے بعد پھر وہ پانی کے ذریعے ہر وقت چلتی رہتی ہے اور آسانی سے لوگ آٹا اس پر پیس لیتے ہیں۔ تو ہر ایک کے لیے حق ہے، کیا کر سکتا ہے وہ؟ بھئی کیا کیا بتلا رہے ہیں؟ کہ ہر شخص کو حق ہے پانی پینے کا بھی، اور اس سے اپنی زمین کو بھی سیراب کر سکتا ہے، اور اس سے کوئی چھوٹی نہر بھی نکال سکتا ہے اپنی زمین کے لیے بھی اور پن چکی نصب کرنے کے لیے بھی، یہ ہر شخص کا حق ہے۔

لیکن شرط یہ ہے إِنْ لَمْ يَضُرَّ بِالْعَامَّةِ، تکلیف نہ ہو، کوئی ضرر نہ ہو بِالْعَامَّةِ عام لوگوں کو۔ شرط یہ ہے کہ عام لوگوں کو نقصان نہ ہو، تکلیف نہ ہو اس کی وجہ سے۔ اگر آپ نے نہر کھودی اور اس نہر کی وجہ سے اب مثلاً، مثلاً اب لوگوں کے لیے وہاں سے گزرنا ہی مشکل ہو گیا، آپ نے راستہ بند کر دیا، لوگ تو یہاں سے گزرا کرتے تھے، تو پھر یا تو آپ اس کا انتظام کریں کہ لوگ آسانی سے گزر سکیں ورنہ پھر آپ کے لیے اس طرح نہر کھودنا جائز نہیں۔ یا اس کی وجہ سے وہ جو دریا ہے اس کے رخ پر کوئی نقصان پہنچ رہا ہے تو اگر ایسا ہو تو پھر اس کی اجازت نہیں ہے بھئی۔ تو عام لوگوں کا کوئی نقصان نہیں ہونا چاہیے، پھر ان سب کی اجازت ہے بھئی۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ کس کس چیز کا حق ہے؟ پینے کا تو حق ہر پانی سے ہے جب تک اسے کسی برتن میں محفوظ کوئی نہ کر لے۔ کیونکہ وہ پھر مملوک ہو جائے گا۔ اور نیز بڑے دریا اور نہر سے کس کس چیز کا حق ہے؟ اپنی زمین کو بھی سیراب کر سکتا ہے اور اس سے نہر بھی کھود سکتا ہے اپنی زمین کے لیے یا پن چکی کے لیے، لیکن شرط کیا ہے کہ عام لوگوں کو کوئی اس میں نقصان نہ ہو بھئی۔

انہوں نے آپ کو یہ تو بتلا دیا کہ ہر نہر سے انسان کو پانی پینے کا بھی حق اور حیوانات کو بھی پانی پینے کا حق ہے۔ حق ہے اس کے، حیوانات کو پانی۔ لیکن اگر کسی کی نہر مملوک ہو، کسی کی ذاتی نہر ہے، کیا اس میں سے بھی ہر شخص پانی پی سکتا ہے یا اپنے حیوانات کو پلا سکتا ہے؟ کہتے ہیں ہاں بھئی، ہم نے آپ کو اوپر بتلا دیا کہ ہر پانی میں سے کیا کر سکتا ہے؟ خود بھی پی سکتا ہے اور اپنے حیوانات کو بھی پلا سکتا ہے۔ لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ ایسا نہ ہو کہ حیوانات کی کثرت کی وجہ سے وہ نہر ہی خراب ہو جائے۔ اتنے حیوانات ہیں، اتنے جانور ہیں، مویشی ہیں کہ ان کی وجہ سے وہ ساری نہر کے کنارے کیا ہو گئے؟ خراب ہو گئے، ٹوٹ گئی نہر۔ تو اس کی اجازت نہیں کیونکہ اس میں اس شخص کا نقصان ہے۔ اگر نقصان نہیں ہوتا تو پھر اس میں سے اپنے حیوانات کو بھی پلا سکتا ہے چاہے کثیر ہی کیوں نہ ہوں بھئی۔

اصل میں اس سلسلے میں اصل ضابطہ، جو اصول جو ہے وہ ایک حدیث ہے بھئی، یہ آپ کے حاشیے میں بھی دی ہوئی ہے کہ: النَّاسُ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ، کہ لوگ جو ہیں وہ شریک ہیں تین چیزوں میں۔ لوگ تین چیزوں کے اندر شریک ہیں: الْمَاءُ پانی کے اندر، وَالْكَلَأُ گھاس کے اندر، وَالنَّارُ اور آگ میں۔ پانی، خود رو گھاس جو خود اگ آتی ہے کہیں پر بھی، اس میں سب لوگ شریک ہیں، کوئی کسی کو روک نہیں سکتا۔ اور نیز اسی طرح آگ کے اندر بھی شریک ہیں، آگ سے مراد لکڑی ہے بھئی، لکڑی کے ذریعے کیا کرتے ہیں؟ آگ جلاتے ہیں، تو جنگل سے کوئی لکڑیاں لے کر آتا ہے تو ہر شخص کو اجازت ہے، وہ کیا کر سکتا ہے؟ جنگل سے لکڑیاں لا سکتا ہے کیونکہ اس میں سب لوگ شریک ہیں۔ تو اسی میں پانی کا بھی ذکر آگیا۔ تو معلوم ہوا پانی اس میں بھی سب لوگ شریک ہیں۔ ہر شخص دوسرے کے، کوئی بھی پانی نہر وغیرہ کا اس کو استعمال کر سکتا ہے پینے کے لیے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ برتن میں محفوظ نہ ہو، کیونکہ وہ مملوک ہو جائے گا۔ اور نیز یہ بھی شرط ہے کہ وہ پانی جو ہے اس کو کوئی نقصان وغیرہ نہ ہوتا ہو، تو پھر اس کی اجازت ہے۔

کہتے ہیں لَا سَقْيُ دَوَابِّهِ، اپنے مویشیوں کو سیراب کرنے کا حق نہیں ہے، کب؟ إِنْ خِيفَ تَخْرِيبُ النَّهْرِ اگر یہ، اگر خوف ہو نہر کے خراب کرنے کا، کہ وہ مویشی کیا کر دیں گے؟ خراب کر دیں گے نہر کو، تو پھر پانی پلانے کا حق نہیں۔ لیکن اس کا تعلق آگے سے آرہا ہے، جب کسی غیر کی نہر ہو، کیا ہو؟ کیونکہ مویشیوں سے دریا یا بڑی نہر کو کوئی نقصان نہیں ہوتا بھئی۔ ہاں کوئی چھوٹی نہر ہے، کسی کی مملوک ہے اور مویشی زیادہ ہیں، بڑا گلہ ہے، اب اس کے ذریعے پانی پلائے گا تو یقیناً وہ مویشی نہر کو خراب کر دیں گے۔ تو یہ جو آگے آرہا ہے نا لَا سَقْيُ دَوَابِّهِ اس کا تعلق آگے آرہا ہے اسی سطر کے آخر میں دیکھیں: مِنْ

نَهْرِ غَيْرِهِ، کسی دوسرے کی نہر سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو لَا سَقْيُ دَوَابِّهِ اپنے مویشیوں کو سیراب کرنے کا حق نہیں ہے إِنْ خِيفَ تَخْرِيبُ النَّهْرِ اگر یہ خوف ہو، اگر خوف ہو نہر کے خراب کر دینے کا، لِكَثْرَتِهَا ان کی کثرت کی وجہ سے، اگر نہر کے خراب ہونے کا خطرہ ہو لِكَثْرَتِهَا ان مویشیوں کی کثرت کی وجہ سے۔ وَأَرْضِهِ اس کا عطف دَوَابّ پر ہے، أَيْ لَا سَقْيُ أَرْضِهِ اور اپنی زمین کو سیراب کرنے کا حق بھی نہیں ہے۔ کہتے ہیں بِالْجَرِّ عَطْفٌ عَلَى دَوَابِّهِ، کہتے ہیں یہ أَرْضِهِ کا لفظ جو ہے اس کو جر کے ساتھ پڑھیں، جر کے ساتھ ہے اس کا عطف ہے دَوَابِّهِ پر، أَيْ لَا سَقْيُ أَرْضِهِ اپنی زمین کو سیراب کرنے کا بھی حق نہیں ہے، وَشَجَرٍ اور اپنے درخت کو سیراب کرنے کا حق بھی نہیں ہے، مِنْ نَهْرِ غَيْرِهِ کسی دوسرے کی نہر سے، وَقَنَاتِهِ اور کسی دوسرے کی کاریز سے۔ کاریز، کاف چھوٹا ہے، الف، را، یا، زا، کاریز بھئی۔ میں نے بتلایا تھا یہ پانی کی نالیاں جو زمین کے اندر بنائی جاتی ہیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ تک جاتی ہیں زمین کے اندر ہی بھئی۔ اور اس میں پھر کچھ جگہیں بناتے ہوں گے، بعض بعض جگہ پانی اس کا نکلتا ہے، ظاہر ہوتا ہے، جہاں ضرورت ہوتی ہے کسی کھیت کو لگانا ہے یا پانی پینے کے لیے کوئی تالاب وغیرہ بنایا ہے، تو وہ اس کو قَنَاة کہتے ہیں بھئی قَنَاة، کاریز۔

تو کہتے ہیں وَشَجَرٍ اور نہ اپنے درخت کو سیراب کرنے کا حق ہے مِنْ نَهْرِ غَيْرِهِ کسی دوسرے کی نہر سے، وَقَنَاتِهِ اور کسی دوسرے کی کاریز سے، وَبِئْرِهِ اور اس، کسی دوسرے کے کنویں سے، إِلَّا بِإِذْنِهِ مگر اس کی اجازت سے۔ معلوم ہوا دوسرے کی نہر سے اپنے مویشیوں کو تو سیراب کر سکتا ہے، لیکن اگر وہ ان کی وجہ سے اس کو، اس کے خراب ہونے کا خطرہ ہو پھر جائز نہیں ہے، اور اسی طرح اپنی زمین کو بھی سیراب نہیں کر سکتا اور درخت کو بھی سیراب نہیں کر... زمین کو سیراب کرنے کا مطلب یہ ہے یعنی اس سے کوئی چھوٹی خود اپنی نہر نکالنا چاہتا ہے، وہ، بھئی وہ نہر زید کی ہے، آپ کو زید سے اجازت لینی پڑے گی۔ آپ خود ہی اس میں سے ایک چھوٹی سی نہر نکال لیتے ہیں اپنے درخت کو سیراب کرنے کے لیے، تو اس کی اجازت نہیں۔ ہاں، آپ گھڑے میں بھر کر پانی لے جاتے ہیں اور اپنے درخت کی جڑوں میں ڈالتے ہیں، اس کی اجازت ہے بھئی۔ اس کی اجازت ہے، لیکن آپ باقاعدہ اس سے چھوٹی سی نالی وغیرہ بنا لیں اپنے درخت کے لیے، یہ اس مالک کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

وَلَهُ سَقْيُ شَجَرٍ أَوْ خُضَرٍ فِي دَارِهِ، اور اس شخص کو حق ہے سَقْيُ شَجَرٍ اپنے درخت کو سیراب کرنے کا، أَوْ خُضَرٍ یا سبزیوں کو، فِي دَارِهِ جو کہاں پر ہیں؟ اس کے گھر میں۔ کسی نے گھر میں کچھ تھوڑی بہت سبزیاں لگائی ہوئی ہیں، اب وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ ان کو پانی لگانا چاہتا ہے، تو وہ مٹکا لے کر آتا ہے اور اس برتن کے اندر پانی بھر کر لے جا کر اپنے درخت کو سیراب کرتا ہے یا اپنی ان سبزیوں کو سیراب کرتا ہے، تو اس کی اجازت ہے بھئی۔ اس میں مالک سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔

تو کہتے ہیں وَلَهُ سَقْيُ شَجَرٍ أَوْ خُضَرٍ، خُضَر سبزیوں کو کہتے ہیں، ترکاریاں بھئی جن سے سالن بناتے ہیں بھئی۔ اور اس کو

حق ہے اپنے درخت کو سیراب کرنے کا أَوْ خُضَرٍ اور اس، یا سبزیوں کو، فِي دَارِهِ اپنے گھر میں، حَمْلًا بِجَرَّارَةٍ، جَرَّارَة کہتے ہیں یہ مٹکے کو بھئی۔ مٹکے جیسا ایک برتن ہوتا ہے جس کے دونوں طرف دستے بھی لگے ہوتے ہیں، تاکہ اس کو اٹھا کر لے جانے میں آسانی ہو بھئی۔ تو یہ کچھ صراحی نما ہوتا ہے لیکن ہوتا بڑا سا ہے مٹکے جتنا ہوتا ہے بھئی۔ حَمْلًا بِجَرَّارَةٍ اٹھا کر، اٹھاتے ہوئے مٹکے کے اندر، فِي الْأَصَحِّ صحیح قول کے مطابق، زیادہ صحیح قول کے مطابق مٹکے میں اٹھا کر اپنے گھر میں سبزیوں کو یا درخت کو سیراب کرنے کا اسے حق حاصل ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَكَرْيُ نَهْرٍ، كَرْيٌ کا معنی ہے کھودنا، کھودنا۔ نہر کی کھدائی بھئی۔ بھئی یاد رکھیے یہ جو نہریں ہیں ان کی صفائی کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہر سال یہ زمیندار اور کاشتکار کیا کرتے ہیں؟ نہروں کی کھدائی کرتے ہیں، کیونکہ پانی آتا ہے، پانی مٹی والا ہوتا ہے، تو وہ مٹی آہستہ آہستہ پورا سال اس نہر کی تہہ میں بیٹھتی چلی جاتی ہے۔ اور آہستہ آہستہ وہ بھر جاتی ہے مٹی سے تو پانی کا بہاؤ کم ہو جاتا ہے۔ تو زمیندار اور کاشتکار چاہے چھوٹی نہر ہو یا بڑی نہر ہو وقتاً فوقتاً اس سے، اس کی صفائی کرتے ہیں، اس سے گارا وغیرہ نکالتے ہیں تاکہ پانی کا بہاؤ صحیح رہے۔ تو اس کو کہتے ہیں كَرْيٌ کھودنا، کھودنا، نہر کی، یعنی اس کھودنے سے یہاں نئی نہر کھودنا مراد نہیں ہے، وہ نہر کی صفائی مراد ہے بھئی۔

اب یہ نہر کی صفائی بھئی، اس کا خرچہ کس پر ہو گا؟ کہتے ہیں بھئی اگر عام نہر ہے، کسی کی مملوک نہیں ہے، تو اس کی کھدائی کا خرچہ بیت المال پر ہو گا۔ بیت المال سے خرچہ لے کر اس کی کھدائی کروائی جائے گی۔ اور اگر کوئی مملوک نہر ہے تو جو جو مالک ہیں ان کے ذمے ہو گا کہ وہ اس کی صفائی اور کھدائی کروائیں اور سارا خرچہ اٹھائیں بھئی۔

کہتے ہیں وَكَرْيُ نَهْرٍ لَمْ يُمْلَكْ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ، اور نہر کی کھدائی یعنی صفائی جو ہے ایسی نہر، بھئی نکرہ آیا نَهْر اور آگے آیا لَمْ يُمْلَكْ فعل آیا، تو یہ اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت۔ اور ایسی نہر کی کھدائی جو مملوک نہیں ہے مِنْ بَيْتِ الْمَالِ وہ بیت المال سے ہو گی۔ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ شَيْءٌ فَعَلَى الْعَامَّةِ، اگر بیت المال میں کچھ نہ ہو، یعنی اتنا پیسہ نہیں ہے بیت المال کے اندر، فَعَلَى الْعَامَّةِ تو پھر کھدائی کس پر ہو گی؟ عام لوگوں پر ہو گی بھئی۔ بھئی عام لوگوں پر ہو گی کیا معنی؟ کہتے ہیں یعنی حاکمِ وقت لوگوں سے زبردستی کروائے گا۔ کیونکہ نہر ہے بھئی اس سے سینکڑوں ہزاروں لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں اور بیت المال میں اتنے پیسے نہیں ہیں کہ اس کی کھدائی کروائی جا سکے، اور اس کا جاری رکھنا بھی ضروری ہے، تو پھر حاکمِ وقت کیا کرے گا؟ لوگوں کے ذریعے اس کی کھدائی کروائے گا بھئی، جبراً بھئی۔

تو کہتے ہیں فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ شَيْءٌ اگر بیت المال میں کچھ نہ ہو یعنی مال نہ ہو، فَعَلَى الْعَامَّةِ تو یہ کھدائی عام لوگوں پر ہے، أَيْ يُجْبِرُ الْإِمَامُ النَّاسَ عَلَى كَرْيِهِ یعنی مجبور کرے گا امام لوگوں کو اس کی کھدائی پر۔ وَكَرْيُ نَهْرٍ يُمْلَكُ عَلَى أَهْلِهِ، اور کھدائی ایسی نہر کی يُمْلَكُ جو مملوک ہو، عَلَى أَهْلِهِ وہ اس کے اہل پر ہے یعنی اس کے مالکوں پر ہے، مِنْ أَعْلَاهُ اس کے اوپر کی جانب سے، لَا عَلَى أَهْلِ الشَّفَةِ نہ کہ پینے والوں پر۔ شَفَة کا کیا معنی؟ پینا۔ اہلِ شَفَة، پینے والے۔ بھئی ایک نہر ہے اب اس

نہر کی صفائی وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے، اور اکثر لوگ اس میں، اس سے پانی بھی پیتے ہیں، اپنے مویشیوں کو بھی پانی پلاتے ہیں۔ اب وہ مالکان کیا کرتے ہیں کہ وہ زبردستی جو پینے والے ہیں اور مویشیوں کو پانی پلانے والے ہیں ان سے بھی خرچہ وصول کرنا چاہتے ہیں کہ تم بھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہو، اب تم بھی کیا کرو؟ اس کی کھدائی میں خرچے کے اندر حصہ ڈالو۔ کہتے ہیں، انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ نہیں، پانی پینے کا حق تو ہر ایک کو شریعت نے دیا ہے، لیکن یہ کھدائی وغیرہ کا خرچہ کس کے ذمے ہو گا؟ مالکوں کے ذمے ہو گا جن کی زمینیں اس سے سیراب ہوتی ہیں۔[1]

اور اس میں بھی پھر یاد رکھیں، صاحبین فرماتے ہیں کہ جتنے لوگ اس سے زمین کے مالک ہیں یا اس سے سیراب کرنے والے ہیں اپنی زمینوں کو، سب پر خرچہ برابر آئے گا۔ مثلاً دیکھو ایک نہر ہے اس کے ذریعے چار آدمی اپنی زمینوں کو سیراب کرتے ہیں: زید، عمرو، بکر اور خالد۔ اور وہ نہر آتی ہے سب سے پہلے زید کی زمین سے گزرتی ہے، پھر عمرو کی زمین سے گزرتی ہے، پھر بکر کی، اور پھر خالد کی زمین کے آخر میں جا کر وہ نہر ختم ہو جاتی ہے، پانی ختم ہو جاتا ہے اس کا، چھوٹی سی نہر ہے۔ تو کتنے افراد کی زمینوں سے آ رہی ہے؟ چار افراد۔ اب اس کی کھدائی کس کے ذمے ہو گی اور خرچہ کس پر کتنا آئے گا؟ تو صاحبین فرماتے ہیں اول سے لے کر آخر تک چاروں پر خرچہ آئے گا۔ مثلاً ساری اس نہر کی کھدائی کروائیں تو، تو مثلاً ایک لاکھ روپیہ خرچہ آتا ہے اس پر، تو ایک لاکھ خرچہ تو پچیس ہزار، چار حصے دار ہیں، تو پچیس ہزار زید پر، پچیس ہزار عمرو پر، پچیس ہزار بکر پر، اور پچیس ہزار خالد پر آئے گا۔

جبکہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، چاروں پر خرچہ نہیں آئے گا، بلکہ اوپر کی جانب سے یعنی جس، جہاں جس کی زمین ختم ہو جائے اس، وہاں پر سے آگے اس کا خرچہ بھی اس کے ذمے نہیں ہو گا۔ مثلاً زید کی زمین سے نہر گزر رہی ہے، اس حصے کے اندر جو کھدائی کا خرچہ ہے وہ زید پر آئے گا۔ یعنی اوپر، یوں کہو، یوں کہو شروع سے لے کر اپنی زمین تک یہ خرچہ اس شخص پر آئے گا، نیچے کی طرف کا خرچہ اس پر پھر نہیں آئے گا۔ مثلاً نہر شروع ہو رہی ہے اور سب سے پہلے کس میں آ رہی ہے؟ کس کی زمین میں؟ زید۔ اور پھر عمرو اور پھر بکر اور پھر خالد۔ تو یاد رکھو خالد پر جو خرچہ آئے گا نا شروع سے لے کر آخر تک جتنا خرچہ آئے گا خالد کا بھی اس میں حصہ ہو گا۔ کیونکہ یہ سارا پانی بالآخر گزر کر کہاں پہنچتا ہے؟ خالد کی زمین میں، لہٰذا پوری نہر شروع سے لے کر آخر تک ساری کی کھدائی میں خالد کو حصہ اپنا ڈالنا پڑے گا۔

خالد سے اوپر کون تھا؟ بکر۔ بکر شروع سے لے کر اپنی زمین تک جو خرچہ ہے اس میں حصہ ڈالے گا وہ سارے کے اندر۔ لیکن بکر کی زمین سے جو آگے حصہ ہے خالد کا، وہ نیچے ہے نا بکر سے؟ نیچے ہے۔ تو خالد کی زمین میں جو نہر کی صفائی پر خرچہ آئے گا اس میں بکر کا حصہ نہیں ہو گا۔ یعنی اوپر جس طرف سے پانی آ رہا ہے اس طرف سے تو اس کا حصہ ہے اپنی زمین تک،

---

[1] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۱۰): صوتی درس کی قراءت میں «وَكَرْيُ نَهْرٍ يُمْلَكُ عَلَى أَهْلِهِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وكريُ نهرٍ مُلِكَ على أهلِه» منقول ہے۔

لیکن اس سے آگے نہیں۔ صورت بھی سمجھ آرہی ہے کہ نہیں؟

اس کے بعد کون ہے؟ عمرو۔ عمرو کا اوپر کی جانب یعنی جہاں سے پانی آرہا ہے اس کی زمین تک، یہ سارے خرچے میں عمرو کا حصہ ہوگا، اس کو اپنا دینا پڑے گا حصہ۔ لیکن عمرو کی زمین سے جو آگے حصہ ہے یعنی بکر اور خالد، بکر اور خالد، اس کے اندر عمرو کا حصہ نہیں ہوگا۔ اور جو زید جو سب سے شروع میں آیا ہے، اس کا حصہ ہوگا شروع سے لے کر اپنی زمین تک، سارے خرچے کے اندر وہ صفائی کے اندر شریک ہوگا، لیکن اس کی زمین سے جو آگے کا حصہ ہے، اب آگے نہر اس کی زمین سے نکل گئی اور عمرو، بکر اور خالد کی زمین میں چلی گئی تو اس آگے کی کھدائی میں اس کا حصہ نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

لہذا اب دیکھیں مثلاً کتنا خرچہ ہے؟ مثلاً کل نہر کی کھدائی پر کتنا خرچہ آرہا ہے؟ ایک لاکھ، فرض کریں۔ اب آپ نے مجھے بتانا ہے دیکھو کس پر کتنا خرچہ آئے گا۔ صاحبین تو فرماتے ہیں کہ سب پر برابر خرچہ آئے گا، ایک لاکھ خرچہ آیا تو پچیس پچیس ہزار چاروں پر آجائے گا۔ جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں نہیں اوپر کی جانب سے خرچے میں وہ شریک ہوگا، اپنی زمین سے آگے جب نہر نکل جائے نیچے چلی جائے اس میں وہ شریک نہیں ہوگا۔

لہذا ایک لاکھ خرچہ آرہا ہے، ایک لاکھ خرچہ، اور فرض کرو زید کی زمین کے اندر کل خرچہ جو ہوتا ہے وہ ہوتا ہے پچیس ہزار۔ زید کی زمین تک جو نہر آرہی ہے، زید کی زمین سے گزر، آخری کنارے تک جب نکلنے لگی ہے، یہاں تک کتنا خرچہ ہوتا ہے اس پر؟ پچیس ہزار۔ پھر عمرو کی زمین سے نہر گزر کر جاتی ہے اور جب عمرو کی زمین جہاں ختم ہوتی ہے اور بکر کی زمین میں وہ نہر داخل ہوتی ہے، اس ساری پر بھی خرچہ کتنا ہے؟ پچیس ہزار۔ اور پھر بکر کی زمین کے اندر نہر داخل ہوئی اور بکر کی زمین کے آخری کنارے تک گئی، اس پر بھی خرچہ کتنا؟ پچیس ہزار۔ اور پھر خالد کی زمین میں اس کے شروع سے لے کر آخری کنارے تک نہر گئی اس پر بھی خرچہ کتنا؟ پچیس ہزار۔ اب یہ کتنا کتنا خرچہ کس پر آئے گا؟

تو امام صاحب فرماتے ہیں اوپر کی جانب سے جو ہے اس میں سب شریک ہوں گے۔ لہذا زید کی زمین میں سے جو نہر گزر رہی ہے، یہی پانی آگے کہاں تک جا رہا ہے؟ خالد تک جا رہا ہے لہذا سارے اس میں شریک ہوں گے، تو اس پچیس ہزار میں، اس کے اندر چار، چاروں کو حصہ ڈالنا پڑے گا۔ یعنی پچیس ہزار خرچہ ہے تو یعنی تقریباً سوا چھ ہزار خرچہ کون دے گا؟ پچیس ہزار ہے نا چار حصے کر دو، چھ چوکے چوبیس، تو سوا چھ۔ سوا چھ ہزار کون دے گا؟ زید۔ سوا چھ ہزار کون دے گا؟ عمرو دے گا کیونکہ آگے عمرو کو بھی یہی پانی جا رہا ہے، یہی نہر جا رہی ہے۔ اور سوا چھ ہزار یہ کون دے گا؟ بکر۔ اور سوا چھ خالد دے گا۔

اس کے بعد اگلا حصہ آگیا، نہر کہاں چلی گئی، کس کے حصے میں آگئی؟ عمرو کے۔ اب عمرو کی زمین کے اندر بھی پچیس ہزار خرچہ ہے، اور اس کے اندر کون کون شریک ہوں گے؟ صرف عمرو، بکر اور خالد۔ زید نہیں شریک ہوگا کیونکہ زید کو اس

کی کھدائی کی ضرورت نہیں، یہ تو پانی اس سے آگے نکل گیا۔ اب اس پچیس ہزار میں گویا تین شریک ہیں، تو تقریباً تقریباً سوا آٹھ، سوا آٹھ ہزار عمرو، بکر اور خالد پر آئے گا۔ عمرو کی زمین سے نہر نکل گئی، کس کی زمین میں چلی گئی؟ بکر کی۔ اب بکر کی زمین میں بھی فرض کرو پچیس ہزار خرچہ ہے، اب یہ خرچہ صرف کس کس پر آئے گا؟ صرف بکر اور خالد پر آئے گا۔ اور پھر اس کے بعد خالد کی زمین میں بھی پچیس ہزار خرچہ ہوا، وہ صرف کس پر آئے گا؟ وہ صرف خالد پر آئے گا، اس میں اور کوئی شریک نہیں۔ معلوم ہوا سب سے زیادہ خرچہ خالد پر آئے گا، اس سے کم بکر پر، اس سے کم عمرو پر اور سب سے کم زید پر آئے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے، کہتے ہیں وَكَرْيُ نَهْرٍ يُمْلَكُ عَلَى أَهْلِهِ اور ایسی نہر کی کھدائی جو کہ مملوک ہے وہ اس کے مالکوں پر ہے، مِنْ أَعْلَاهُ کس جانب سے؟ اوپر کی جانب سے یعنی جس طرف سے پانی آرہا ہے، لَا عَلَى أَهْلِ الشَّفَةِ وہ پینے والوں پر اس کا خرچہ نہیں ہے۔ وَمَنْ جَاوَزَ مِنْ أَرْضِهِ قَدْ بَرِئَ اور جس کی زمین میں سے نہر تجاوز کر جائے، آگے نکل گئی، آگے نکل جائے، قَدْ بَرِئَ تو وہ خرچے سے اور کھدائی سے وہ کیا ہو گیا؟ ہاں، تو وہ بری ہو گیا، اب اس کی ذمہ داری نہیں، آگے کا اس کا خرچہ نہیں۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

أَيْ كُلُّ شَرِيكٍ جَاوَزَ الَّذِينَ يَكْرُونَ النَّهْرَ عَنْ أَرْضِهِ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ كَرْيُ بَاقِي النَّهْرِ، ہر ایسا شریک کہ جَاوَزَ الَّذِينَ کہ تجاوز کر گئے، آگے نکل گئے، کون آگے نکل گئے؟ الَّذِينَ يَكْرُونَ النَّهْرَ جو وہ لوگ جو کہ نہر کی کھدائی کر رہے تھے، عَنْ أَرْضِهِ کس سے؟ بھئی زمین کی کھدائی کرنے لگے لوگ، مزدور بلوائے، دس مزدور ہیں اب وہ مثلاً ذرا بڑی نہر ہے، تو دس مزدور بلوائے کہ یہ پندرہ بیس دن کے اندر یہ ساری نہر کی صفائی کر دیں گے۔ فرض کریں وہ نہر کتنی ہے؟ پانچ سو گز ہے یا ایک کلومیٹر ہے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو اب دس مزدور لگے ہوئے ہیں، اب سب سے پہلے نہر آتی کس سائیڈ سے ہے؟ زید کی زمین کی طرف سے۔ تو انہوں نے زید کی زمین میں صفائی شروع کر دی۔ زید کی زمین سے جب وہ آگے نکل گئے تو اب آگے کے خرچے میں زید شریک نہیں۔ پھر عمرو کی زمین سے وہ کھدائی کرتے کرتے جب آگے نکل گئے تو اب عمرو بھی اگلے حصے کی کھدائی میں ذمہ دار نہیں۔ پھر اس کے بعد وہ بکر کی زمین سے کھدائی کرتے کرتے آگے نکل گئے، خالد کی زمین میں پہنچ گئے تو اس کی کھدائی کے اندر پھر بکر ذمہ دار نہیں، اس پر خرچہ نہیں۔ اب صورت سمجھ میں آگئی؟ یہی بیان کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں أَيْ كُلُّ شَرِيكٍ ہر وہ شریک جَاوَزَ الَّذِينَ يَكْرُونَ النَّهْرَ عَنْ أَرْضِهِ کہ آگے بڑھ جائیں وہ لوگ جو کھدائی کر رہے تھے نہر کی وہ اس کی زمین سے آگے، جَاوَزَ عَنْ أَرْضِهِ کہاں سے آگے بڑھ جائیں؟ اس کی زمین سے آگے بڑھ جائیں، تو لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ كَرْيُ بَاقِي النَّهْرِ تو اس پر باقی نہر کی کھدائی نہیں ہے۔ وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ اور یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ وَقَالَا اور صاحبین فرماتے ہیں عَلَيْهِمْ كَرْيُهُ مِنْ أَوَّلِهِ إِلَى آخِرِهِ کہ ان سب پر اس نہر کی کھدائی ہے اول سے لے کر آخر تک، شروع سے لے کر آخر تک۔ صاحبین فرماتے ہیں سب پر برابر خرچہ آئے گا، لیکن امام صاحب فرماتے ہیں نہیں، اور فتویٰ

امام صاحب کے قول پر ہے۔

وَصَحَّ دَعْوَى الشِّرْبِ بِلَا أَرْضٍ، اور صحیح ہے شرب کا دعویٰ بغیر زمین کے۔ ایک شخص ہے اس کی زمین تو نہیں ہے، لیکن وہ کہتا ہے کہ یہ جو چھوٹی نہر آرہی ہے اس نہر کے پانی میں میرا حصہ بھی ہے، میری باری بھی ہے۔ بھئی تمہاری تو زمین ہی کوئی نہیں، تو لہٰذا قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے زمین کے بغیر پانی کی باری کا دعویٰ صحیح ہی نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن قیاسِ خفی بتلاتا ہے کہ نہیں بھئی، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، کوئی شخص زمین اپنی بیچ دیتا ہے پانی کی باری اپنے لیے ہی رکھ لیتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ پانی کی باری کا دعویٰ تو قیاس تو کیا تقاضا کرتا ہے؟ کہ زمین نہیں تو پانی کی باری بھی نہیں۔ لیکن پھر بھی استحساناً اس کا دعویٰ صحیح ہے، یعنی دعویٰ صحیح ہے، آگے بینہ وغیرہ کے ذریعے وہ اس کو ثابت کرے گا وہ الگ بات ہے۔ ورنہ تو قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے یہ دعویٰ ہی صحیح نہیں ہونا چاہیے، اس کی بات سننی ہی نہیں چاہیے، دلیل اس سے طلب، گواہ اس سے مانگنے ہی نہیں چاہئیں، قاضی کو اس کی بات کو سننا ہی نہیں چاہیے، یہ قیاس تقاضا کرتا ہے۔ لیکن استحساناً اس کے دعوے کو قاضی سنے گا کیونکہ یہ دعویٰ کیا ہے؟ صحیح ہو سکتا ہے۔

کہتے ہیں وَصَحَّ دَعْوَى الشِّرْبِ بِلَا أَرْضٍ اور صحیح ہے پانی کی باری کا دعویٰ بغیر زمین کے، هٰذَا اسْتِحْسَانٌ یہ کیا ہے؟ استحسان ہے۔ استحسان کسے کہتے ہیں؟ میں بار بار تکرار کروا رہا ہوں تاکہ آپ کو ہمیشہ کے لیے ذہن نشین ہو جائے۔ کسے کہتے ہیں؟ ہر وہ شرعی دلیل جس کے مقابلے میں قیاس ہو۔ ہر وہ شرعی دلیل جس کے مقابلے میں قیاس ہو۔ اور زیادہ تر اس استحسان کا اطلاق کس پر ہوتا ہے؟ قیاسِ خفی پر ہوتا ہے، قیاسِ خفی پر۔ اور قیاسِ خفی کو بھی تب استحسان کہیں گے جب اس کے مقابلے میں کیا ہو؟ قیاسِ جلی ہو۔ اگر قیاسِ جلی اس کے مقابلے میں نہیں ہے پھر جتنا مرضی گہرا قیاس ہو اس کو استحسان نہیں کہیں گے، اس کو قیاس ہی کہیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں هٰذَا اسْتِحْسَانٌ یہ استحسان ہے لِأَنَّهُ قَدْ يُمْلَكُ بِدُونِ الْأَرْضِ إِرْثًا اس لیے کیونکہ کبھی کبھار پانی کی باری جو ہے وہ مملوک ہوتی ہے بغیر زمین کے إِرْثًا بطورِ وراثت کے، بطورِ وراثت کے۔ مثلاً وہ پانی کی باری جو ہے وراثت کے اندر اس کو مل گئی لیکن زمین اس کے حصے میں وہاں پر نہیں آئی، صورت سمجھ میں آگئی؟ وَقَدْ يُبَاعُ الْأَرْضُ وَيَبْقَى الشِّرْبُ لِلْبَائِعِ اور کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ زمین کو بیچ دیا جاتا ہے اور پانی کی باری بائع کے لیے رہ جاتی ہے۔

فَإِنِ اخْتَصَمَ قَوْمٌ فِي شِرْبٍ بَيْنَهُمْ قُسِمَ بِقَدْرِ أَرَاضِيهِمْ. صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ زید، عمرو اور بکر تینوں کی زمینیں ایک نہر سے سیراب ہو رہی ہیں۔ اب زید کی جو زمین ہے وہ مثلاً دس ایکڑ ہے، اور عمرو کی زمین جو ہے وہ پانچ ایکڑ ہے، اور بکر کی زمین مثلاً ایک ایکڑ ہے۔ اب ان کا آپس میں جھگڑا ہو گیا اور پانی کی باری کے اندر، ایک کہتا ہے میری باری اتنے دن، دوسرا کہتا ہے میرے، میری باری اتنے دن، تو آپس میں جھگڑا ہو گیا، تو کہتے ہیں اس صورت میں پھر ان کی زمینوں کے حساب

سے پانی کی باری کو تقسیم کر دیا جائے گا۔ جس کی زمین زیادہ اس کا حصہ بھی زیادہ، جس کی زمین کم اس کا حصہ بھی کم۔ مثلاً زید کی زمین دس ایکڑ ہے تو اس کو دو دن پانی کی باری دے دو، اور عمرو کی زمین پانچ ایکڑ ہے تو اس کو ایک دن پانی کی باری دے دو، اور بکر کی زمین ایک ایکڑ ہے تو پھر ایک دن کا پانچواں حصہ، یعنی اتنے گھنٹے، گھنٹوں کا حساب لگا لو اس حساب سے اس کو پانی کی باری دے دو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے فَإِنِ اخْتَصَمَ قَوْمٌ فِي شِرْبٍ بَيْنَهُمْ قُسِمَ بِقَدْرِ أَرَاضِيهِمْ، اگر جھگڑا کیا کچھ لوگوں نے فِي شِرْبٍ بَيْنَهُمْ آپس میں پانی کی باری کے بارے میں تو قُسِمَ تو اس کو تقسیم کر دیا جائے گا بِقَدْرِ أَرَاضِيهِمْ ان کی زمینوں کے بقدر۔

وَمُنِعَ الْأَعْلَى مِنْهُمْ مِنْ سَكْرِ النَّهْرِ. اچھا صورتِ مسئلہ کہ پانی سب سے پہلے زید کی زمین میں آتا ہے، پھر عمرو، پھر بکر۔ اب زید کی زمین ذرا اونچی ہے، اس کو اپنی زمین سیراب کرنے کے لیے نہر کو بالکل بند کرنا پڑتا ہے۔ وہ نہر کو بالکل روکتا ہے تو پانی زیادہ اکٹھا جب ہو جاتا ہے تو پھر زید کی زمین کی طرف جانا شروع ہو جاتا ہے۔ جب تک وہ نہر کو روکتا نہیں ہے تب تک اس کی زمین کو پانی نہیں جاتا کیونکہ وہ تھوڑی اونچی ہے اس کی زمین۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اب زید اپنی زمین کو سیراب کرنے کے لیے پانی روکنا چاہتا ہے۔ کہتے ہیں بھئی اگر نیچے والے اجازت دیتے ہیں تو پھر اس کے لیے روکنا جائز ہے، ویسے جائز نہیں۔ بھئی چاہے زمین، اگر اس کی زمین اونچی ہے اور پانی نہیں لگتا بھئی وہ اس کا مسئلہ ہے، دوسروں کا حق اس کی وجہ سے یہ بالکل بند کر دے یہ نہیں کر سکتا جب تک دوسروں کی اجازت نہیں ہو گی۔

بھئی دیکھو نا نہر سے جب ایک آدمی جب اپنی زمین کو پانی لگاتا ہے تو بعض اوقات تو بالکل چھوٹی نہر ہے ٹھیک ہے وہ پانی رک جاتا ہے دوسروں کے لیے، لیکن عام طور پر پانی بہتا رہتا ہے، آگے بھی جا رہا ہوتا ہے، اس نے بھی اپنے کھیت کو لگایا ہوتا ہے۔ تو اب اگر یہاں پر نہر، پوری نہر کا وہ پانی روک لیتا ہے تو باقیوں کا تو حق مارا گیا بھئی، لہٰذا باقیوں کی اجازت ضروری ہے۔

تو کہتے ہیں وَمُنِعَ الْأَعْلَى مِنْهُمْ اور روکا جائے گا، منع کیا جائے گا الْأَعْلَى مِنْهُمْ ان میں سے جو اوپر والا ہے اس کو، مِنْ سَكْرِ النَّهْرِ، سَكْر کا معنی ہے روکنا، بند کرنا، اس کو نہر کو بند کرنے سے روکا جائے گا، وَإِنْ لَمْ يَشْرَبْ بِدُونِهِ اگرچہ وہ سیراب نہیں کر سکتا، وہ پلا نہیں سکتا بِدُونِهِ اس کے بغیر، بغیر روکے وہ زمین کو سیراب نہیں کر سکتا پھر بھی اس کو منع کیا جائے گا، إِلَّا بِرِضَاهُمْ مگر ان کی رضامندی سے۔

وَكُلٌّ مِنْهُمْ مِنْ شَقِّ نَهْرٍ مِنْهُ، میری کتاب میں ہے مِنْ شَقِّ نَهْرًا، نَهْرًا نہیں، مِنْ شَقِّ نَهْرٍ مِنْهُ. وَكُلٌّ مِنْهُمْ اس کا عطف ہے الْأَعْلَى پر۔ پیچھے کیا آیا تھا؟ وَمُنِعَ الْأَعْلَى، اوپر والے کو منع کریں گے۔ کس چیز سے منع کریں گے؟ نہر کو بند کرنے سے اپنی زمین کو سیراب کرنے کے لیے۔ اور نیز وَكُلٌّ مِنْهُمْ أَيْ مُنِعَ الْكُلُّ مِنْهُمْ، ان میں سے ہر ایک کو روکا جائے گا مِنْ شَقِّ نَهْرٍ مِنْهُ اس سے نہر کھودنے سے، اس سے ایک نئی نہر کھودنے سے ہر ایک کو روکا جائے گا۔ صورت یہ کہ نہر آرہی ہے زید، عمرو

اور بکر کی زمینوں کو، اب عمرو اس میں سے ایک اور نہر چھوٹی سی بنانا چاہتا ہے، کھودنا چاہتا ہے، کہتے ہیں نہیں بھئی جب تک اپنے شریک، اپنے ساتھیوں سے اجازت نہیں لے گا اس کے لیے دوسری نہر کھودنے کی اجازت نہیں ہے۔

یا اس میں کوئی کیا کرنا چاہتا ہے؟ پن چکی لگانا چاہتا ہے۔ بھئی وہی نہر آرہی ہے اور زید کی زمین سے گزر کر کہاں جاتی ہے؟ آگے عمرو اور بکر کی زمین میں۔ اب زید کیا کرنا چاہتا ہے؟ اس پر، اس کے اوپر پن چکی لگانا چاہتا ہے۔ تو کہتے ہیں بھئی جب تک ساتھیوں کی اجازت نہیں ہوگی، شریکوں کی اجازت نہیں ہوگی یہ پن چکی اس پر نہیں لگا سکتا۔ یا اس پر وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ رہٹ لگانا چاہتا ہے۔ رہٹ بھئی وہ پہیہ نما ایک چیز اور اس پر ڈول لگے ہوتے ہیں، حیوان اس کے گرد گھومتا ہے اور اس کے ذریعے کنویں سے پانی نکلتا ہے، تو اگر وہ اس نہر پر رہٹ لگانا چاہتا ہے جس کے گرد حیوان چکر لگائیں گے اور ڈول کے ذریعے پانی نکلتا رہے گا، کہتے ہیں بھئی جب تک اپنے ساتھیوں سے اجازت نہیں لے گا وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ یا اس پر وہ پل بنانا چاہتا ہے، چھوٹی سی پلی وغیرہ بنانا چاہتا ہے، کہتے ہیں ان سب صورتوں میں اپنے ساتھیوں سے اجازت لینا پڑے گی۔

تو کہتے ہیں وَكُلٌّ مِنْهُمْ أَيْ مُنِعَ كُلٌّ مِنْهُمْ اور ان میں سے ہر ایک کو روکا جائے گا، منع کیا جائے گا۔ کس چیز سے روکا جائے گا؟ مِنْ شَقِّ نَهْرٍ مِنْهُ اس نہر سے ایک چھوٹی نہر کھودنے سے، وَنَصْبِ رَحًى اور اسی طرح پن چکی لگانے سے بھی روکا جائے گا، أَوْ دَالِيَةٍ، دَالِيَة کہتے ہیں رہٹ کو بھئی، اور دَالِيَةٍ یا رہٹ لگانے سے بھی روکا جائے گا، وہ جو ڈول کے ذریعے حیوان کے ذریعے پانی نکالتے ہیں، أَوْ جِسْرٍ عَلَيْهِ یا اس پر پل بنانے سے بھی، چھوٹی نہر ہے اس پر چھوٹی سی کوئی پلی وغیرہ بنانا چاہتا ہے تو پھر اپنے ساتھیوں سے اجازت لینا پڑے گی۔ أَوْ جِسْرٍ عَلَيْهِ یا اس پر پل بنانے سے اس کو، ہر ایک کو روکا جائے گا، بِإِذْنِ... بِلَا إِذْنِ شَرِيكِهِ اپنے شریک کی اجازت کے بغیر روکا جائے گا۔

إِلَّا رَحًى وَضَعَ فِي مِلْكِهِ، مگر ایسی پن چکی جس کو اس نے اپنی ملکیت میں رکھا، اور اگلے متن کو اس سے جوڑیں، وَلَا يَضُرُّ بِالنَّهْرِ اور وہ نہر کو بھی کوئی نقصان نہیں دیتی وہ پن چکی، وَلَا بِالْمَاءِ اور پانی کو بھی کوئی نقصان نہیں دیتی، یعنی پانی کے بہاؤ میں کوئی فرق نہیں پڑتا کسی بھی انداز میں، اور اپنی زمین کے اندر مثلاً دیکھو زید کی زمین میں سے نہر آرہی ہے اور یہ نہر ایسی ہے کہ اس کے دونوں کنارے بھی زید کے ہیں، زمین ساری زید کی ہے، باقیوں کو صرف پانی کے یہاں سے بہانے کا حق ہے اور کوئی حق نہیں۔ پہلے تو صورت یہ تھی نا سب اس میں شریک تھے، کناروں کے اندر بھی سارے شریک تھے، آپ نے پڑھا کہ نہر کا حریم ہے بھئی۔ لیکن اب دوسری صورت یہ ہے کہ زید کی زمین میں سے نہر گزر رہی ہے اور کنارے بھی زید کے ہیں، گویا دوسروں کو صرف پانی کے بہانے کا حق ہے اور کسی چیز میں، کسی چیز کے وہ مالک نہیں۔ تو اب یہاں پر زید کیا بنانا چاہتا ہے؟ پن چکی، اور اس پن چکی کی وجہ سے نہر کا بھی کوئی نقصان نہیں، پانی کا بھی کوئی نقصان نہیں، تو پھر اس میں وہ اجازت ہے، وہ کر سکتا ہے، لگا سکتا ہے بھئی۔

یہ معنی ہے إِلَّا رَجُلٌ مگر ایسی پن چکی وَضَعَ فِي مِلْكِهِ جس کو اس نے رکھا یعنی نصب کیا اپنی ملکیت میں۔ اپنی ملکیت میں کیا معنی؟ کہتے ہیں بِأَنْ يَكُونَ بَطْنُ النَّهْرِ وَحَافَتَاهُ مِلْكًا لَهُ، بایں صورت کہ نہر کا پیٹ یعنی اندر کی زمین بھی وَحَافَتَاهُ اور اس کے کنارے بھی مِلْكًا لَهُ وہ اسی کی ملکیت ہیں، وَلِلْآخَرِ حَقُّ التَّسْيِيلِ اور دوسرے کو صرف پانی کے بہانے کا حق ہے وہ کسی چیز کا مالک نہیں۔ اور نیز وَلَا يَضُرُّ بِالنَّهْرِ یہ جو پن چکی ہے یہ نہر کو بھی نقصان نہیں دیتی، وَلَا بِالْمَاءِ اور نہ ہی پانی کو، تو اس کا حق اس کو ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

وَمِنْ تَوْسِيعِ فَمِ النَّهْرِ، اور منع کیا جائے گا ہر ایک کو مِنْ تَوْسِيعِ فَمِ النَّهْرِ نہر کا منہ کھلا کرنے سے، نہر کا منہ چوڑا کرنے سے۔ کوئی کیا کرنا چاہتا ہے؟ نہر کا منہ کھلا کرنا چاہتا ہے، چوڑا کرنا چاہتا ہے، نہیں بھئی۔ مثلاً دیکھو، ایک نہر آرہی ہے اور زید، عمرو، بکر کی زمینوں سے گزر رہی ہے، اور پھر ہر ایک نے اس نہر سے آگے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی ہوئی ہیں اپنی زمینوں کے اندر۔ اب ان میں سے کوئی ایک اپنی اس چھوٹی نہر کا منہ چوڑا کرنا چاہتا ہے بھئی، جب منہ نہر کی، چھوٹی نہر کا منہ چوڑا کرے گا تو زیادہ پانی جائے گا یا نہیں اس کی طرف؟ بھئی پہلے تو پانی منہ سب کا درمیانہ، اور اب وہ اس کو کھلا کر دے گا تو پھر تو زیادہ پانی اس کی طرف چلا جائے گا، تو لہٰذا اس سے بھی دیکھو پانی کو نقصان ہوا، پانی دوسروں کے لیے کم ہو گیا، تو اس کی بھی کسی کو اجازت نہیں ہو گی۔ ہاں اگر وہ اجازت دے دیتے ہیں ساتھی پھر تو انہی کا حق ہے، اجازت دے دیں تو پھر کر سکتا ہے۔ یہ معنی ہے وَمِنْ تَوْسِيعِ فَمِ النَّهْرِ اور نہر کے منہ کو چوڑا کرنے سے منع کیا جائے گا۔

وَمِنَ الْقِسْمَةِ بِالْأَيَّامِ وَقَدْ كَانَتْ بِالْكُوَى. اور دنوں کے اعتبار سے تقسیم کرنے سے بھی ہر ایک کو روکا جائے گا، وَقَدْ كَانَتْ بِالْكُوَى اس حال میں کہ وہ، وہ جو ہے وہ سوراخوں کے ذریعے تقسیم تھی۔ بھئی دیکھیے ایک پانی کی تقسیم یوں ہوتی ہے کہ باریاں مقرر کر لیتے ہیں، جیسے میں نے ابھی بیان کیا، کہ ایک دن زید پانی اپنے کھیتوں کو لگائے گا، ایک دن عمرو لگائے گا، ایک دن بکر لگائے گا، ایک دن خالد۔ اور ایک صورت یہ ہے، پانی کی نہر آتی ہے اور پھر اس نہر کے آگے ایک لکڑی لگا دی جاتی ہے، بڑی سی لکڑی، اور اس لکڑی کے اندر چار پانچ سوراخ ہوتے ہیں۔ اور ہر سوراخ کے آگے ہر ایک اپنی چھوٹی نالی بنا لیتا ہے، تو ہر ایک کی نالی کے اندر اس ایک ایک سوراخ میں سے پانی جا رہا ہے اور اس کی زمین کو سیراب کر رہا ہے۔ نقشہ ذہن میں آگیا؟ تو اگر پانی کی تقسیم یہ چھوٹے سوراخوں کے ذریعے تھی، اب ایک آدمی چاہتا ہے نہیں جی مجھے اس سے گزارا نہیں ہو رہا، یوں کرو دن، ایک پورا دن سارا پانی مجھے دیا کرو میں اپنی زمین کو سیراب کروں گا، اور آپ لوگ بھی دنوں کے ذریعے تقسیم کر لیں ایک ایک دن باری باری لگا لیا کریں گے اپنی زمینوں کو۔ تو کہتے ہیں نہیں بھئی، جب تک دوسرے ساتھی اس پر راضی نہیں ہوں گے اس کی تقسیم کو بدل نہیں سکتا بھئی۔

یہ معنی ہے اور منع کیا جائے گا ہر ایک کو مِنَ الْقِسْمَةِ بِالْأَيَّامِ دنوں کے ذریعے تقسیم کرنے کو، وَقَدْ كَانَتْ بِالْكُوَى جبکہ

وہ تقسیم کس کے ذریعے تھی؟ کُوَی وہ جو سوراخ ہیں پانی کے سوراخ ہیں لکڑی کے اندر، جبکہ وہ تقسیم جو ہے لکڑی کے سوراخوں کے ذریعے تھی۔ الْكُوَى جَمْعُ الْكُوَّةِ، کُوَی کہتے ہیں کُوَّۃٌ کی جمع ہے، وَهِيَ رَوْزَنُ الْبَيْتِ اور یہ کمرے کے روشندان کو کہتے ہیں۔ کس کو کہتے ہیں؟ کمرے میں روشندان جو بنایا جاتا ہے۔ ثُمَّ اسْتُعِيرَ پھر اس کو مستعار لیا گیا لِلثَّقْبِ الَّتِي تُثْقَبُ فِي الْخَشَبِ اس سوراخ کے لیے وہ جو لکڑی میں سوراخ بنایا جاتا ہے، لکڑی میں جو سوراخ۔ تو اصل میں روشندان کو کہتے ہیں پھر اس کو مستعار لیا گیا یعنی مجازاً کس کے لیے استعمال کرنے لگے؟ لکڑی میں وہ جو پانی کی تقسیم کے لیے لکڑی میں سوراخ کیے ہوئے ہیں ان کے لیے۔ لِيَجْرِيَ الْمَاءُ فِيهِ إِلَى الْمَزَارِعِ أَوِ الْجَدَاوِلِ تاکہ اس کے اندر پانی بہہ کر جائے إِلَى الْمَزَارِعِ کھیتوں کی طرف أَوِ الْجَدَاوِلِ یا پانی کی چھوٹی نہروں کی طرف۔ مَزَارِع جمع ہے مَزْرَعَةٌ کی، یہ کھیت کو کہتے ہیں وہ جو کاشت جہاں کی جاتی ہے۔ اور جَدَاوِل جمع ہے جَدْوَل کی، اور جَدْوَل کہتے ہیں آبپاشی کی چھوٹی چھوٹی نہریں جو ہے جو پانی، کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے لوگ بناتے ہیں۔ تو وہ جو لکڑی میں سوراخ بنائے جاتے ہیں اور اس سوراخ سے پانی کس کی طرف جاتا ہے؟ کھیتوں کی طرف جاتا ہے یا ان چھوٹی نہروں کی طرف، تو ان سوراخوں کو بھی مجازاً اب کیا کہہ دیتے ہیں؟ کُوَّۃٌ کہہ دیتے ہیں کُوَّۃ، اور جمع کیا ہے؟ کُوَی۔

تو لِيَجْرِيَ الْمَاءُ فِيهِ إِلَى الْمَزَارِعِ أَوِ الْجَدَاوِلِ تاکہ پانی اس میں جاری ہو کھیتوں کی طرف أَوِ الْجَدَاوِلِ یا چھوٹی نہروں کی طرف۔ وَإِنَّمَا يُمْنَعُ، بھئی منع کیوں کیا جائے گا؟ کہتے ہیں وَإِنَّمَا يُمْنَعُ منع کیا جائے گا لِأَنَّ الْقَدِيمَ يُتْرَكُ عَلَى قِدَمِهِ کیونکہ پرانی چیز کو اپنے پرانے طریقے پر ہی چھوڑ دیا جائے گا۔ بھئی جب پانی کی تقسیم کس کے ذریعے ہے؟ لکڑی کے سوراخوں کے ذریعے ہے، پرانا طریقہ یہی چلا آرہا ہے تو اس کو اسی طرح برقرار رکھیں گے، جب تک باقی ساتھی راضی نہ ہو جائیں، اگر باقی راضی ہو جاتے ہیں تو پھر کر سکتے ہیں بھئی۔ یہ معنی ہے لِأَنَّ الْقَدِيمَ يُتْرَكُ عَلَى قِدَمِهِ کیونکہ پرانے کو اپنے، پرانے طریقے پر ہی چھوڑ دیا جائے گا۔

وَمِنْ سَوْقِ شِرْبِهِ إِلَى أَرْضٍ لَهُ أُخْرَى لَيْسَ لَهَا مِنْهُ شِرْبٌ. صورت یہ ہے کہ زید، عمرو اور بکر تینوں ایک چھوٹی نہر کے ذریعے اپنی زمینوں کو سیراب کرتے ہیں۔ تینوں ایک ایک دن پانی لگاتے ہیں۔ توجہ ہے؟ تینوں ایک ایک دن پانی اپنے اپنے کھیت کو لگاتے ہیں۔ مثلاً وہ کھیت بھی مقرر ہے نا اس کھیت کو لگانا ہے، کھیت بھی کیا ہوتے ہیں؟ مقرر ہوتے ہیں کہ اس کھیت کو آپ لگاتے ہیں۔ اب زید کی ایک اور زمین ہے وہ ذرا دور ہے، تو زید ادھر سے ایک چھوٹی سی نہر بنا لیتا ہے اپنی دوسری زمین کے لیے جس کا اس پانی میں کوئی حصہ نہیں ہے، اور پھر اپنی باری والے دن وہ پانی اپنے اس کھیت کو لگانے کے بجائے وہ دور والی زمین کو لگاتا ہے۔ تو کیا زید ایسا کر سکتا ہے؟ کیونکہ وہ اپنی باری کا پانی استعمال کر رہا ہے، ہاں زمین اس زمین کو نہیں لگا رہا بلکہ دوسری ایسی زمین کو پانی لگا رہا ہے جس کا اس کی باری میں کوئی حق، جس کا اس پانی میں کوئی حق نہیں ہے۔ تو کیا وہ ایسا کر سکتا ہے؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، اس سے بھی اس کو منع کیا جائے گا، اس سے بھی اس کو منع

کی... بھئی کیوں منع کیا جائے گا؟ کہتے ہیں اس لیے کہ کیونکہ کچھ وقت جب گزر جائے گا، کچھ سال گزر جائیں گے تو پھر، پھر زید کے ساتھ اگر کوئی جھگڑا کرے گا بھی، اس کو منع کرے گا بھی، تو زید کہے گا بھئی یہ تو سالوں سے اس زمین کا باقاعدہ حق ہے، پانی کی باری کا کیا ہے اس میں؟ حق ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کچھ زمانہ گزرنے کے بعد پھر اسی کو لوگ دلیل بنا لیا کرتے ہیں کہ دیکھو اتنے سالوں سے میں کر رہا ہوں معلوم ہوا کہ یہ کیا ہے؟ اس کی باری کا حق، حالانکہ اس زمین کا تو کوئی حق ہی نہیں تھا اس پانی کے اندر۔

تو کہتے ہیں وَمِنْ سَوْقِ شِرْبِهِ اور منع کیا جائے گا اپنی باری کو چلانے سے، سَوْق کا معنی ہانکنا، چلانا، لے جانا، اپنی باری کو لے جانے سے إِلَى أَرْضٍ ایسی زمین کی طرف لَهُ جو اس کی اپنی ہے، أُخْرَى دوسری، جو اس کی اپنی دوسری زمین ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ جی۔ وَمِنْ اور منع کیا جائے گا وَمِنْ سَوْقِ شِرْبِهِ اپنی پانی کی باری کو چلانے سے إِلَى أَرْضٍ لَهُ أُخْرَى اپنی کسی دوسری زمین کو، لَيْسَ لَهَا مِنْهُ شِرْبٌ جس کا اس پانی میں سے کوئی حصہ نہیں ہے، اس کی طرف پانی لے جانے سے منع کیا جائے گا۔ لِأَنَّهُ إِذَا تَقَادَمَ الْعَهْدُ اس لیے کیونکہ جب زمانہ پرانا ہو جائے گا، کچھ زمانہ گزر جائے گا تو يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى أَنَّهُ حَقُّ تِلْكَ الْأَرْضِ تو استدلال کیا جائے گا اس کے ذریعے کہ یہ اس زمین کا حق ہے، یعنی اس کی، اس پانی کے اندر اس کا حق ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ تو کہتے ہیں إِذَا تَقَادَمَ الْعَهْدُ يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى أَنَّهُ حَقُّ تِلْكَ الْأَرْضِ اس لیے کیونکہ جب زمانہ زیادہ گزر جائے گا تو پھر استدلال کیا جائے گا اس کے ذریعے کہ یہ اس زمین کا حق ہے۔

وَالشِّرْبُ يُورَثُ وَيُوصَى بِالِانْتِفَاعِ وَلَا يُبَاعُ وَلَا يُؤْجَرُ وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُتَصَدَّقُ بِهِ وَلَا يُجْعَلُ مَهْرًا أَوْ بَدَلَ صُلْحٍ. وَالشِّرْبُ يُورَثُ، شرب یہ جو پانی کی باری ہے يُورَثُ یہ موروث ہو گی یعنی وراثت اس میں جاری ہو گی۔ زید ہے زید کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا اس کا حقدار ہو گا اور پھر مالک کون ہو گا؟ اس کا بیٹا ہو گا، تو اس میں وراثت جاری ہو گی۔ وَيُوصَى اور اس کی وصیت بھی کی جا سکتی ہے پانی کی باری کی۔ مثلاً زید مرنے لگا اس نے وصیت کر دی کہ اس زمین کے اندر پانی کی باری جو ہے میری، عمرو، بکر تینوں کی تین تین دن باری ہے، تین تین دن باری، ان تین دن، میری باری تین دن ہوئی گویا زید کہتا ہے، ان تین دن میں سے ایک دن خالد کی زمین کو میں، خالد کو دیتا ہوں اپنی پانی کی باری، وہ اس سے اپنی زمین کو سیراب کر لیا کرے۔ تو کیا وہ یہ وصیت کر سکتا ہے؟ کہتے ہیں ہاں وصیت کر سکتا ہے۔

یہ معنی ہے وَالشِّرْبُ يُورَثُ وَيُوصَى بِالِانْتِفَاعِ اور شرب جو ہے وہ موروث ہوتی ہے اس میں وراثت جاری ہوتی ہے، وَيُوصَى بِالِانْتِفَاعِ اور اس سے فائدہ اٹھانے کی وصیت بھی کی جا سکتی ہے۔ وَلَا يُبَاعُ اس کو بیچا نہیں جا سکتا۔ زید اپنی پانی کی باری کسی کو بیچنا چاہتا ہے؟ نہیں بھئی بیچ نہیں سکتا کیونکہ یہ اس کا صرف حق ہے، تو یہ اس کا حق ہے اس کو بیچ نہیں سکتا وہ۔ وَلَا يُؤْجَرُ اور اس کو اجرت پر بھی نہیں دے سکتا، یعنی کسی سے پیسے لے لے کہ چلو ایک مہینہ تم اپنی زمینوں کو سیراب کر لیا کرو میری پانی کی باری ہے اور ہر مہینے کا مجھے اتنا کرایہ دے دیا کرو، کہتے ہیں نہیں بھئی اجرت پر بھی نہیں دے سکتا، خود

فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اٹھائے، کسی دوسرے کو وہ نہیں دے سکتا۔ وَلَا يُبَاعُ تو اس کو بیچا بھی نہیں جا سکتا، وَلَا يُؤْجَرُ اور اس کو کرائے پر بھی نہیں دیا جا سکتا، وَلَا يُوهَبُ اور ہبہ بھی نہیں کیا جا سکتا، کسی کو تحفے کے طور پر بھی نہیں دے سکتا کہ بھئی میرا پانی، میں اپنی پانی کی باری اپنے ساتھی بکر کو تحفے کے طور پر دیتا ہوں، نہیں بھئی تحفے کے طور پر بھی نہیں دے سکتا۔ وَلَا يُوهَبُ، وَلَا يُتَصَدَّقُ بِهِ اس، اور اس کا صدقہ بھی نہیں کر سکتا، یعنی کسی کو صدقے کے طور پر دے دے کسی غریب مسکین کو پانی کی باری، نہیں بھئی یہ صرف اس کا حق ہے، کوئی چیز ایسی ہے ہی نہیں جو مملوک ہے جس پر دوسرا کیا کر لے قبضہ کر لے، ایسی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ وَلَا يُجْعَلُ مَهْرًا اور اس کو مہر بھی نہیں بنایا جا سکتا بھئی، مہر بھی نہیں بنایا جا سکتا کسی عورت سے نکاح کرنے لگا اور کہا بطورِ مہر کے اس زمین کے اندر جو پانی کی باری ہے وہ میں تمہیں دیتا ہوں، نہیں یہ مہر بھی نہیں۔ أَوْ بَدَلَ صُلْحٍ یا بدلِ صلح کے طور پر بھی اس کو نہیں دے سکتا۔ مثلاً کسی سے کوئی جھگڑا چل رہا تھا اور اس سے، اس سے پھر صلح کرتا ہے کہ چلو بھئی اپنا دعویٰ تم چھوڑ دو اور صلح کے طور پر یہ پانی کی باری تم رکھ لو میری زمین کی، نہیں بدلِ صلح کے طور پر بھی نہیں دے سکتا۔

وَلَا يَضْمَنُ مَنْ مَلَأَ أَرْضَهُ فَنَزَّتْ أَرْضُ جَارِهِ أَوْ غَرِقَتْ. صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی زمین کو سیراب کیا، پانی کی باری تھی اس کی، اس نے اپنی زمین کو سیراب کیا اور اس کی زمین پانی سے بھر گئی، لیکن اس کی وجہ سے ساتھ والے کی زمین میں بھی پانی آگیا، یعنی اس میں سیم آگیا۔ کیا آگیا؟ سیم۔ زمین سیم والی ہو جائے تو پھر تو اس میں، وہ کاشت کے قابل نہیں رہتی یا خراب ہو جاتی ہے بھئی اچھی فصل پھر نہیں دیتی۔ تو اس ساتھ والی زمین میں سیم آگیا اس نے اپنی زمین کو سیراب کیا تھا، یا اس نے اپنی زمین کو سیراب کیا تھا اور پھر اس کی زمین سے پانی نکلا اور اس کی زمین بھی بھر گئی، تو کیا اس صورت میں ضمان آئے گا؟ کہتے ہیں نہیں بھئی ضمان نہیں آئے گا، اس نے کوئی زیادتی نہیں کی، اس نے عادت کے مطابق جیسے اپنی زمین کو سیراب کرتا تھا ویسا ہی سیراب کیا۔ ہاں اگر اس نے حد سے تجاوز کیا، جان بوجھ کر اپنی زمین میں خوب پانی لگایا تاکہ اس کی زمین کو نقصان پہنچے تو پھر اس صورت میں ضامن ہو گا۔ عام عادت کے موافق سیراب کیا اور دوسرے کی زمین کو نقصان پہنچا تو اس صورت میں ضمان نہیں ہو گا۔

تو کہتے ہیں وَلَا يَضْمَنُ اور ضامن نہیں ہو گا مَنْ مَلَأَ أَرْضَهُ وہ شخص جو اپنی زمین، جس نے بھر دیا اپنی زمین کو فَنَزَّتْ أَرْضُ جَارِهِ تو اس کے پڑوسی کی زمین جو ہے وہ سیم والی ہو گئی، اس میں نمی آگئی بہت زیادہ، أَوْ غَرِقَتْ یا ساتھ والے کی زمین ڈوب گئی پانی میں یعنی پانی ادھر سے نکل کے ادھر چلا گیا اور وہ ڈوب گئی تو اس میں ضمان نہیں آئے گا۔

وَلَا مَنْ سَقَى مِنْ شِرْبِ غَيْرِهِ. صورتِ مسئلہ یہ: زید، عمرو اور بکر تینوں کی باریاں مقرر ہیں ایک ایک دن۔ اب آج مثلاً زید کی باری تھی، زید نے اپنے کھیت کو پانی لگانا تھا لیکن بکر آیا خاموشی سے اور اس نے وہ دن اپنے کھیت کو پانی لگا لیا۔ زید کے کھیت کا پانی بند کیا اور اپنے کھیت کو لگا لیا، تو کیا اس صورت میں ضمان آئے گا؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، یہ جو پانی کی

باری ہے یہ کوئی مالِ متقوم نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے ضمان آئے، تو اس میں ضمان نہیں آئے گا۔

تو کہتے ہیں وَلَا مَنْ سَقَى مِنْ شِرْبِ غَيْرِهِ اور ضامن نہیں ہوگا وہ شخص جو سیراب کرے دوسرے کی باری سے۔ تو کہتے ہیں وَهُوَ قَوْلُ الْإِمَامِ الْمَعْرُوفِ بِخْوَاهَرْزَادَهْ یہ قول ہے امام کا جو کہ مشہور ہیں خواہر زادہ کے نام سے، وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ لِلْبَزْدَوِيِّ أَنَّهُ يَضْمَنُ اور امام بزدوی کی جامع صغیر کے اندر ہے کہ وہ ضامن ہوگا۔ یعنی بعض فقہا فرماتے ہیں کہ ضمان آئے گا اور بعض فرماتے ہیں کہ ضمان نہیں آئے گا، وَاللهُ أَعْلَمُ اور اللہ ہی خوب جاننے والے ہیں۔

بات سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۳۱: کتاب الأشربۃ: خمر کی حقیقت، اشربۂ محرمہ کی چار اقسام (خمر، عصیر، نقیع، مثلث) اور نبیذ کے احکام

شرح الوقایہ صفحہ: ۶۴ — بتاریخ: ۲۱ جنوری ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: كِتَابُ الْأَشْرِبَةِ۔[1]

حَرُمَ الْخَمْرُ وَهِيَ النِّيءُ مِنْ مَاءِ الْعِنَبِ غَلَا وَاشْتَدَّ وَقَذَفَ بِالزَّبَدِ وَإِنْ قَلَّتْ۔ هٰذَا الِاسْمُ خُصَّ بِهٰذَا الشَّرَابِ بِإِجْمَاعِ أَهْلِ اللُّغَةِ، وَلَا نَقُولُ إِنَّ كُلَّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ لِاشْتِقَاقِهِ مِنْ مُخَامَرَةِ الْعَقْلِ، فَإِنَّ اللُّغَةَ لَا يَجْرِي فِيهَا الْقِيَاسُ، فَلَا يُسَمَّى الدَّنُّ قَارُورَةً لِقَرَارِ الْمَاءِ فِيهِ، وَرِعَايَةُ الْوَضْعِ الْأَوَّلِ لَيْسَتْ لِصِحَّةِ الْإِطْلَاقِ بَلْ لِتَرْجِيحِ الْوَضْعِ وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ فِي التَّنْقِيحِ۔[2][3]

[1]

جدول — کتاب الأشربۃ — اشربۂ محرمہ کی چار اقسام اور ان کے احکام:

قسمِ شراب	ماہیت و تعریف	شرعی حکم (قلیل و کثیر)
۱۔ الخمر (انگوری شراب)	کچے انگور کا پانی جب جوش کھائے، تیز ہو اور جھاگ پھینک دے	قطعی حرام بہ نص؛ قلیل و کثیر نجسِ غلیظ، منکر کافر اور پینے پر حد۔
۲۔ العصیر المطبوخ (طلاء)	انگور کا رس جسے پکانے سے دو تہائی سے کم اڑا ہو اور نشہ آور بنے	قلیل و کثیر حرام؛ اگر دو تہائی جل جائے (مثلث) تو بلا نشہ عند أبی حنیفہ حلال۔
۳۔ نقیع التمر (سکّر)	کھجور کا کچا پانی جو جوش کھا کر تیز ہو جائے	حرام (خمر سے کم درجے میں)، نشہ آنے پر حد واجب۔
۴۔ نقیع الزبیب	کشمش (منقی) کا کچا پانی جو جوش کھا کر تیز ہو جائے	حرام؛ جبکہ شہد، انجیر، گندم اور جو کی نبیذ بلا پکائے بھی بلا نشہ حلال۔

[2] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۱۳): صوتی درس کی قراءت میں «حَرُمَ الْخَمْرُ وَهِيَ النِّيءُ مِنْ مَاءِ الْعِنَبِ غَلَا وَاشْتَدَّ وَقَذَفَ بِالزَّبَدِ وَإِنْ قَلَّتْ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «حَرُمَ الخمرُ:وهي التي من ماءِ العنبِ إذا غُلِيَ واشتدَّ وقذفَ بالزَّبَد وإن قَلَّت» منقول ہے۔

[3] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۱۳): صوتی درس کی قراءت میں «هٰذَا الِاسْمُ خُصَّ بِهٰذَا الشَّرَابِ بِإِجْمَاعِ أَهْلِ اللُّغَةِ»

كِتَابُ الْأَشْرِبَةِ۔ أَشْرِبَة جمع ہے شَرَاب کی بھئی، شراب۔ اور عربی زبان میں شراب ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کو پیا جائے۔ یعنی ہر وہ بہنے والی چیز جس کو پیا جائے اس کو شراب کہتے ہیں۔ جیسے دودھ ہے اور اسی طرح کوئی شربت مشروب وغیرہ ہے، جوس ہے، پانی ہے، یہ سب کیا ہیں؟ پی جانے والی چیزیں ہیں، تو ان کو عربی میں شراب کہتے ہیں، شراب۔ البتہ اصطلاحِ فقہا میں، جیسے یہاں پر یہ كِتَابُ الْأَشْرِبَةِ آیا، تو یہاں شراب سے مراد ہر پی جانے والی چیز نہیں ہے۔ بلکہ اصطلاحِ فقہا میں شراب کہتے ہیں ایسا مشروب جو نشہ آور ہو اور جس کا پینا حرام ہو۔ ایسا مشروب جو نشہ آور ہو اور جس کا پینا حرام ہو، اس کو شراب کہتے ہیں اور اسی کے احکام یہاں بیان ہوں گے بھئی۔

تو یاد رکھیے بھئی کہ چار شرابیں حرام ہیں بھئی، چار شرابیں۔ ایک جس کا نام یہ شروع میں ذکر کر رہے ہیں حَرُمَ الْخَمْرُ، خَمْر ہے۔ اور پھر آگے پھر متن میں آ رہا ہے كَالطِّلَاءِ، دوسری حرام شراب جو ہے وہ طِلَاء ہے بھئی، طلاء، متن میں آ رہی ہے۔ اور تیسری شراب ہے جو حرام وہ ہے نَقِيعُ التَّمْرِ، اور چوتھی ہے نَقِيعُ الزَّبِيبِ۔ خمر، طلاء، نقیع التمر اور نقیع الزبیب۔ تو یہ چار شرابیں حرام ہیں بھئی۔ دیکھیے اب ہر ایک کی تفصیل بیان کریں گے۔

تو کہتے ہیں حَرُمَ الْخَمْرُ، شراب حرام ہے، خمر حرام ہے۔ وَهِيَ النِّيءُ مِنْ مَاءِ الْعِنَبِ غَلَا وَاشْتَدَّ وَقَذَفَ بِالزَّبَدِ۔ بھئی خمر کہتے کس کو ہیں؟ کہتے ہیں وَهِيَ النِّيءُ مِنْ مَاءِ الْعِنَبِ، نِيءٌ کا معنی ہے کچا، جس کو پکایا نہ گیا ہو۔ وَهِيَ النِّيءُ مِنْ مَاءِ الْعِنَبِ یہ انگور کا کچا پانی ہے یعنی کچا رس ہے، انگور سے رس نکال لیا اور اس کو پکایا نہیں، تو یہ کچا رس ہے انگور کا، غَلَا جب یہ جوش مارے۔ غَلَا يَغْلِي کا معنی ہے جوش مارنا، جیسے ہانڈی میں کھانا پکایا جاتا ہے تو وہ کھانا گرم ہو کر، وہ سالن جو ہے اس میں ابال آتے ہیں، وہ جوش مارتا ہے۔ تو اسی طرح یہ انگور کا کچا پانی ہے اس کو رکھ دیتے ہیں، ان کا کوئی خاص طریقہ ہوتا کسی برتن وغیرہ میں، اور پھر کچھ دن گزرنے کے بعد اس میں خود بخود ابال آنے لگتے۔ یہ معنی نہیں کہ وہ گرم ہو جاتا خوب، بس ویسے ہی اس میں یعنی وہ گیس وغیرہ بن جاتی، جیسے آج کل یہ پیپسی وغیرہ کی بوتل میں آپ دیکھتے ہیں، اس طرح اس میں بھی کوئی گیس وغیرہ بن جاتی اور اس کے اندر وہ ابال آنے لگتے تھے بھئی۔ تو وہ إِذَا غَلَا جب اس میں ابال آئے، جوش مارے، وَاشْتَدَّ اور وہ تیز ہو جائے، یعنی نشہ آور ہو جائے۔ کیا ہو جائے؟ نشہ آور۔ نشہ، تیز ہو جائے مراد ہے اس میں نشہ آ جائے بھئی۔ جب وہ جوش مارے اور نشہ آور ہو جائے، وَقَذَفَ بِالزَّبَدِ اور جھاگ پھینکے بھئی۔ جھاگ، اس کے اوپر جھاگ آنے لگے بھئی۔

صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ آج کل اس کو سمجھنا آسان ہے آپ کے لیے بھئی یہ جیسے یہ پیپسی وغیرہ کی بوتلیں ہیں اور تو اس میں بھی آپ دیکھتے ہیں کہ اس میں اگر آپ نمک وغیرہ ڈال دیں تو اس کے اوپر کتنی تیز، تیزی سے جھاگ آ جاتی ہے

ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «هذا الاسمُ خصَّ هذا الشراب بإجماعِ أهلِ اللغة» منقول ہے۔

بھئی۔ تو اس میں بھی کچھ اس طرح ہو گا کہ شروع میں کچھ تھوڑے تھوڑے ابال آتے ہوں گے وقفے وقفے سے اور پھر آہستہ آہستہ جو ہے نشہ اس میں تیز ہو جاتا اور پھر جھاگ اس کے اوپر آنے لگتی آہستہ آہستہ۔ تو یہ ہے اس کو کہتے ہیں خمر بھئی، عربی زبان میں اس کو خمر کہتے ہیں، تو خمر کی ماہیت بتلا دی کہ عربی میں خمر کسے کہتے ہیں۔ اردو میں تو ہم ہر نشہ آور مشروب کو شراب عموماً کہہ دیتے ہیں، لیکن یہ خمر، خمر مخصوص شراب ہے، مخصوص طریقے سے جو بنائی جاتی ہے اور جس کی تفصیل انہوں نے بیان کر دی کہ انگور کا پانی ہوتا ہے، انگور کا رس ہوتا ہے، اس کو پکایا نہیں جاتا، ویسے ہی رکھا جاتا ہے، اور پھر اس میں جوش آتے ہیں، ابال آتا ہے، اس میں یہ تیز ہو جاتی ہے یعنی نشہ آور ہو جاتی ہے اور پھر اس کے اوپر جھاگ آنے لگتی ہے۔

تو کہتے ہیں وَهِيَ النِّيءُ مِنْ مَاءِ الْعِنَبِ غَلَا وَاشْتَدَّ وَقَذَفَ بِالزَّبَدِ، یہ انگور کا کچا پانی ہے، غَلَا جب یہ جوش مارے، اس میں ابال آجائے، وَاشْتَدَّ اور یہ تیز ہو جائے یعنی نشہ آور ہو جائے، وَقَذَفَ بِالزَّبَدِ اور جھاگ پھینکنے لگے یعنی جھاگ اس کے اوپر آجائے، وَإِنْ قَلَّتْ اگرچہ تھوڑا سا ہو۔ کیا معنی وَإِنْ قَلَّتْ اگر تھوڑا سا ہو؟ یاد رکھو بھئی وَإِنْ قَلَّتْ کا تعلق قَذَفَ بِالزَّبَدِ سے نہیں ہے کہ جھاگ آجائے چاہے تھوڑی سی جھاگ ہو، بظاہر یہ لگتا ہے۔ نہیں، وَإِنْ قَلَّتْ کا تعلق خمر سے ہے، خمر۔ خمر حرام ہے اگرچہ تھوڑی سی ہی کیوں نہ ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ مثلاً کوئی شخص کہتا ہے چلو میں دو چار قطرے یا ایک گھونٹ پی لیتا ہوں اس سے تو ایسا نشہ نہیں ہو گا۔ نہیں بھئی، خمر کا ایک قطرہ بھی حرام ہے۔ ایک قطرہ بھی کوئی پی لے گا، اب ایک قطرے سے تو نشہ نہیں ہو سکتا لیکن کوئی ایک قطرہ بھی پی لے گا اس پر بھی حد جاری ہو گی۔ تو وَإِنْ قَلَّتْ کا تعلق کس سے ہے؟ خمر سے ہے۔ تو یعنی حرمتِ خمر سے ہے۔ تو شراب حرام ہے وَإِنْ قَلَّتْ اگرچہ تھوڑی سی ہو۔

هٰذَا الِاسْمُ خُصَّ بِهٰذَا الشَّرَابِ بِإِجْمَاعِ أَهْلِ اللُّغَةِ. بھئی یاد رکھو ہمارے نزدیک خمر اس کو کہتے ہیں۔ باقی جو نشہ آور مشروب ہیں جو آگے ذکر ہوں گے وہ بھی بڑے تیز نشہ آور مشروب ہیں، لیکن ان کو خمر نہیں کہتے۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اور باقی ائمہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ وہ بھی خمر ہیں، وہ بھی خمر ہیں۔ کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کہ شراب کو شراب کیوں کہتے ہیں، خمر کو خمر کیوں کہتے ہیں؟ وہ فرماتے ہیں کیونکہ یہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے۔ شراب کیا کرتی ہے؟ مَا يُخَامِرُ الْعَقْلَ، عقل کو کیا کر لیتی ہے؟ ڈھانپ لیتی ہے، انسان کی عقل پر پردہ آجاتا ہے۔ دیکھو نشے میں کوئی انسان آتا ہے، نشہ چڑھ جاتا ہے، انسان کو پتہ ہی نہیں چلتا میں کیا کر رہا ہوں، کیا بول رہا ہوں، اس کی عقل باقی پوری طرح نہیں رہتی۔ تو دیکھا جس نشے نے کیا کیا؟ اس کی عقل کو ڈھانپ لیا۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ خمر کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ یہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے، اور جو بھی چیز عقل کو ڈھانپ لے یعنی جس چیز سے بھی نشہ ہو وہ خمر ہے۔ وہ کیا ہے؟ خمر۔ ہم کہتے ہیں نہیں، خمر اس انگور کے کچے رس کو، جس کو اس مخصوص طریقے سے نشہ آور بنا دیا جائے، اس کو خمر کہتے ہیں، تمام اہلِ لغت کا اجماع ہے۔ اہلِ لغت، لغت

زبان کو کہتے ہیں یعنی عربی زبان، تمام اہلِ عرب کا، عربی زبان بولنے والوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اس خاص مشروب کا نام خمر ہے۔ باقیوں کے نام الگ الگ ہیں، کسی کا نام طلاء ہے، کسی کا نام نقیع التمر ہے، کسی کا نام نقیع الزبیب ہے، ان کو خمر نہیں کہتے، جب خمر کا نام لیا جائے تو یہ والا خاص مشروب مراد ہوتا ہے۔

تو یہ دراصل جواب دے رہے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ وہ فقہا جو کیا کہتے ہیں کہ خمر ہر نشہ آور مشروب کو کہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں نہیں، ہم کہتے ہیں کہ یہ تو آپ قیاس کر رہے ہیں۔ کیا کر رہے ہیں؟ قیاس کر رہے ہیں کہ اس خمر کو خمر کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ یہ نشہ آور ہے، کیا ہے؟ نشہ آور ہے۔ مَا يُخَامِرُ الْعَقْلَ، عقل کو ڈھانپ لیتی ہے یعنی نشہ آور ہے۔ تو آپ کیا کہتے ہیں کہ اس خمر کو خمر کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ یہ نشہ آور، لہٰذا جو بھی چیز نشہ آور ہوئی وہ بھی کیا ہے؟ خمر۔ تو گویا آپ نے قیاس کیا اور کس کے اندر کیا؟ لغت، زبان کے اندر کیا۔ اس چیز کا نام خمر ہے، اس کو خمر کہتے ہیں، یہ زبان کی بات ہے نا۔ عربی زبان میں شجر کسے کہتے ہیں؟ درخت کو کہتے ہیں۔ قلم کسے کہتے ہیں؟ جس سے لکھتے ہیں۔ کتاب کسے کہتے ہیں؟ جس میں پڑھتے ہیں۔ تو عربی زبان میں مختلف چیزوں کے نام ہیں۔ اسی طرح اس رس کا، انگور کا جو یہ کچا رس ہے جو نشہ آور ہو گیا، اس کا نام انہوں نے کیا رکھا ہے؟ خمر۔ وہ اس کو خمر کہتے ہیں اور آپ لغت میں قیاس کر رہے ہیں یعنی وہ جو خمر والا نام ہے آپ دوسرے مشروبات کے لیے ثابت کر رہے ہیں قیاس کے ذریعے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ کہتے تو خمر اس کو ہیں لیکن آپ کہتے ہیں اس کو اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ نشہ آور اور یہ باقی بھی نشہ آور لہٰذا یہ بھی کیا ہیں؟ خمر ہیں، یہ بھی کیا ہیں؟ خمر۔ تو گویا خمر کا نام ان کے لیے ثابت کیا کس طریقے سے؟ قیاس کے طریقے سے، قیاس کیا نا اس کے اوپر، وہ نشہ آور تو اس لیے خمر کہتے ہیں لہٰذا یہ بھی نشہ آور تو ان کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ خمر کہنا چاہیے۔ وجہ سب کو سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو یہ آپ لغت کے اندر قیاس کر رہے ہیں، قیاس جو ہے وہ احکامِ شریعت کے لیے کیا جاتا ہے، لغت کے اندر نہیں۔ یعنی جو حکم ایک چیز کا ہے وہی حکم دوسری چیز کے لیے بھی ثابت کر دیا جائے گا، جیسے خمر نشہ آور ہے تو وہ حرام ہے، اسی طرح یہ مشروبات بھی نشہ آور ہیں تو یہ بھی کیا ہونے چاہئیں؟ حرام۔ تو حکم کے اندر تو قیاس کیا جاتا ہے لیکن نام ثابت کرنے میں قیاس نہیں کیا جاتا۔

یہ تو ایسے ہے جیسے مثلاً زید ہے، زید ایک شخص کا نام زید رکھا گیا کیونکہ فرض کرو مثلاً اس کی یہ یہ صفات ہیں اس لیے اس کا نام کیا ہے زید، اس کا مطلب ہے اگر ایک اور آ جائے وہی صفات والا تو اس کا بھی آپ کیا کہیں گے کہ یہ بھی کون ہے؟ زید ہے۔ حالانکہ نہیں بھئی، نام رکھنے میں، تسمیہ میں اور لغت کے اندر قیاس جاری نہیں ہوتا، اس میں سماع، سماع ہے۔ زبان میں سماع ہوتا ہے، یہ سماع پر موقوف ہے۔ عربوں میں ہم جا کر غور کریں گے، دیکھیں گے، سنیں گے، پڑھیں گے کہ وہ کس چیز کو کیا کہتے ہیں۔ تو عرب جو ہیں وہ خمر صرف اس رس کو کہتے ہیں، ہر مشروب کو وہ خمر نہیں کہتے۔ تو آپ یہ

قیاس کر رہے ہیں کس کے اندر؟ لغت میں، زبان کے اندر، اور قیاس احکام کے اندر کیا جاتا ہے، لغت کے اندر نہیں کیا جاتا۔ بات سمجھ میں آئی کہ اوپر سے گزر رہی ہے؟ اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ ہاں، تو یہ قیاس ہم کہتے ہیں کہ یہ آپ لغت میں قیاس کر رہے ہیں اور لغت میں قیاس درست نہیں، لغت کا دارومدار کس پر ہے؟ سماع پر ہے۔ دیکھو جیسے بچہ شروع میں زبان سیکھتا ہے اپنے ماں باپ سے، وہ دیکھتا ہے کہ میرے ماں باپ اس چیز کو کیا کہتے ہیں، اس کو کیا کہتے ہیں، اس کو، وہ ایک ایک نام سیکھتا چلا جاتا ہے، تو وہ سارا دارومدار کس پر ہوتا ہے؟ سماع پر ہوتا ہے۔ تو یہاں پر بھی لغت کے اندر دارومدار کس پر ہو گا؟ سماع پر ہو گا۔ آپ سماع اگر آپ عربوں سے آپ نے سنا ہو آپ ثابت کریں کہ وہ ان کو بھی خمر کہتے ہیں پھر تو بات مانی جا سکتی ہے، لیکن قیاس کے ذریعے یہ بات تسلیم ہمیں نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ تو کہتے ہیں ایسے ہی ہے جیسے قارورہ۔ قارورہ یہ شیشے کی بوتل، چھوٹی بوتل اور شیشی کو کہتے ہیں۔ اور قارورہ کیوں کہتے ہیں؟ تو دیکھو عربی زبان میں آپ پڑھتے ہیں وجہِ تسمیہ۔ ایک چیز کا نام یہ کیوں رکھا گیا، کیوں کہا گیا، تو وہ آپ کو بتلاتے ہیں کہ قارورہ کو قارورہ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ پانی اس میں قرار پکڑ لیتا ہے۔ قرار سے ہے نا قارورہ، قرار سے۔ کہ پانی اس میں یا بہنے والی چیز اس میں قرار پکڑ لیتی ہے یعنی ٹھہر جاتی ہے، آپ بوتل میں پانی ڈالیں دیکھیں پانی اس کے اندر ٹھہر گیا دیکھو، اس سے بہہ کر باہر نہیں نکلا۔ تو چونکہ پانی اس میں قرار پکڑتا ہے اس لیے اس کو قارورہ کہتے ہیں۔ اب یہ وجہِ تسمیہ ذکر کرتے ہیں، بھئی یہی وجہِ تسمیہ تو گھڑے اور مٹکے میں بھی ہے، تو مٹکے کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ قارورہ کہنا چاہیے کیونکہ اس میں بھی پانی ٹھہر جاتا ہے، قرار پکڑ لیتا ہے، لیکن کوئی بھی اس کو قارورہ نہیں کہتا بھئی۔

یا یہ اسی طرح ہے جیسے ستارے کو نجم کہتے ہیں عربی زبان میں، اور نجم نجوم سے ہے، نجوم کا معنی ہے ظاہر ہونا۔ چونکہ یہ ستارے بھی رات کو ظاہر ہوتے ہیں، نظر آتے ہیں، اس لیے ان کو کیا کہتے ہیں؟ اس کو نجم کہتے ہیں، نجم کہتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ معنی نہیں جو بھی چیز ظاہر ہو اس کو کیا کہا جائے؟ نجم کہا جائے، پھر تو چاند بھی رات کو نکلتا ہے اس کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ نجم کہنا چاہیے۔ ویسے بھی جو بھی چیز ظاہر ہو اور دکھائی دے، واضح ہو، اس کو کیا کہنا چاہیے؟ نجم، لیکن ہر چیز کو نجم نہیں کہتے، کیونکہ لغت کے اندر قیاس جاری نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے اب کتاب پر، کہتے ہیں هٰذَا الِاسْمُ خُصَّ بِهٰذَا الشَّرَابِ بِإِجْمَاعِ أَهْلِ اللُّغَةِ، کہ یہ والا نام یعنی خمر والا نام خاص ہے اس شراب کے ساتھ، اس مشروب کے ساتھ، بِإِجْمَاعِ أَهْلِ اللُّغَةِ اہلِ لغت کے اجماع سے یعنی تمام اہلِ لغت، تمام عربی بولنے والوں کا اس پر اجماع ہے کہ اس خاص مشروب کو خمر کہتے ہیں۔

باقیوں کو خمر نہیں کہتے۔ وَلَا نَقُولُ اور ہم یہ نہیں کہتے، یہ اب جواب دے رہے ہیں ان کو کہ إِنَّ كُلَّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ، ہم یہ

نہیں کہتے کہ ہر نشہ آور چیز جو ہے وہ خمر ہے، کیونکہ لِاشْتِقَاقِهِ مِنْ مُخَامَرَةِ الْعَقْلِ، کیونکہ اس کا اشتقاق ہوا ہے مخامرۃ العقل سے، عقل کو ڈھانپ لینے سے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہر نشہ آور مشروب کیا ہے؟ خمر، کیونکہ خمر کا اشتقاق کس سے ہوا ہے؟ مخامرۃ العقل سے۔ خمر کو خمر کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ یہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے، لہٰذا باقی بھی نشہ آور مشروب عقل کو ڈھانپ لیتے ہیں، ان کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ خمر کہنا چاہیے، ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں۔ وَلَا نَقُولُ اور ہم یہ نہیں کہتے کہ إِنَّ كُلَّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ لِاشْتِقَاقِهِ مِنْ مُخَامَرَةِ الْعَقْلِ کہ ہر مسکر، ہر نشہ آور چیز جو ہے وہ خمر ہے کیونکہ اس کا اشتقاق ہوا ہے مخامرۃ العقل سے، ہم یہ نہیں کہتے۔

فَإِنَّ اللُّغَةَ لَا يَجْرِي فِيهَا الْقِيَاسُ، اس لیے کیونکہ لغت یعنی زبان جو ہے اس کے اندر قیاس جاری نہیں ہوتا۔ فَلَا يُسَمَّى الدَّنُّ قَارُورَةً، لہٰذا مٹکے کو قارورہ نہیں کہتے۔ دَنٌّ مٹکا، گھڑا بڑا۔ تو فَلَا يُسَمَّى الدَّنُّ قَارُورَةً لہٰذا مٹکے کو قارورہ نہیں کہتے یعنی مٹکے کو شیشی نہیں کہتے، لِقَرَارِ الْمَاءِ فِيهِ بوجہ پانی کے اس میں ٹھہرنے کے۔ قارورہ کو قارورہ کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ اس میں پانی ٹھہر جاتا ہے۔ تو یہی پانی تو پھر مٹکے میں بھی ٹھہرتا ہے، اس کو بھی قارورہ کہنا چاہیے لیکن اس کو کوئی قارورہ نہیں کہتا۔ تو یہ فَلَا يُسَمَّى الدَّنُّ قَارُورَةً لِقَرَارِ الْمَاءِ فِيهِ پس مٹکے کو قارورہ نہیں کہتے اس میں پانی کے ٹھہرنے کی وجہ سے۔

وَرِعَايَةُ الْوَضْعِ الْأَوَّلِ لَيْسَتْ لِصِحَّةِ الْإِطْلَاقِ بَلْ لِتَرْجِيحِ الْوَضْعِ، اور پہلی، وضعِ اول کی جو رعایت ہے وہ اطلاق کے صحیح ہونے کے لیے نہیں ہوتی بلکہ ترجیحِ وضع کے لیے ہوتی ہے۔ کس کے لیے؟ ترجیحِ وضع۔ وضع کسے کہتے ہیں؟ پہلے یہ سمجھ لو۔ وضع کہتے ہیں مقرر کرنا، مقرر کرنا، خاص کرنا۔ مثلاً دیکھو، عربی زبان والوں نے یہ جو آلہ جس کے ذریعے ہم لکھتے ہیں، اس کے لیے انہوں نے قلم کا لفظ خاص کر دیا۔ جو چیز جس کے ذریعے ہم لکھتے ہیں اس کے لیے کیا نام انہوں نے خاص کر دیا؟ قلم۔ یا اسی طرح یہ وہ چھوٹا سا برتن جس کے اندر ہم پانی ڈال کر پیتے ہیں، عرب والے اس کو كَأْس کہتے ہیں، آپ اس کو گلاس کہتے ہیں، عرب والے کیا کہتے ہیں؟ كَأْس۔ تو دیکھو انہوں نے اس برتن کے لیے یہ نام خاص کر دیا۔ اسی طرح درخت کے لیے انہوں نے شجر کا لفظ خاص کر دیا۔ اس کو کہتے ہیں وضع۔ ایک چیز کے لیے ایک نام مقرر کر دینا، اس کو کیا کہتے ہیں؟ وضع کہتے ہیں، وضع کہتے ہیں۔

عربی میں آپ اکثر پڑھتے ہیں اور آپ کو بتلاتے ہیں اساتذہ، کتابوں کے اندر ذکر آتا ہے جگہ جگہ چیزوں کا کہ اس چیز کو یہ نام کیوں دیا گیا، اس کا یہ نام کیوں رکھا گیا، تو وجہِ تسمیہ ذکر کرتے ہیں، وجہِ تسمیہ۔ مثلاً جیسے خمر ہے شراب، شراب کو خمر کیوں کہتے ہیں؟ تو کیا کہا؟ کہ یہ عقل کو کیا کر لیتی ہے؟ ڈھانپ لیتی ہے، ڈھانپ لیتی ہے۔ تو وجہِ تسمیہ ذکر کی جاتی ہے۔ تو کہتے ہیں وہ جو وجہِ تسمیہ ذکر کی جاتی ہے، وہ اس وجہ سے نہیں ذکر کی جاتی کہ وہ وجہِ تسمیہ ہو گی تو اس چیز کو یہ نام دینا ٹھیک ہے، ورنہ ٹھیک ہی نہیں۔ بلکہ یہ مناسبت کے طور پر ذکر کی جاتی ہے کہ دیکھو اس چیز کو یہ جو نام دیا گیا اس کی نام کی بھی اس کے

ساتھ مناسبت ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اس نام کی بھی اس کے ساتھ مناسبت، تو مناسبت کو ذکر کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس چیز کو یہ نام دینا ٹھیک ہے، اس چیز کو یہ نام دینا ٹھیک ہے، بہتر ہے، مناسب ہے۔ لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ جس چیز میں بھی وہ وجہ پائی جائے اس کو بھی وہی نام دے دیا جائے۔

تسمیہ کے لیے وجہ چاہیے، لیکن وجہ میں عموم ضروری نہیں۔ تسمیہ کے لیے وجہ، ایک چیز کو آپ ایک نام دیتے ہیں کوئی وجہ چاہیے بھئی یہ نام آپ اس کو کیوں دے رہے ہیں؟ کیا مناسبت ہے اس نام کے ساتھ؟ تو یہ مناسبت کو اس میں ذکر کیا جاتا ہے۔ اور مناسبت نہ بھی ہو اگر وضعِ اول میں نام دے دیا گیا تو وہ اسی طرح رہے گا بھئی۔ کوئی شخص اپنے بیٹے کا نام زید رکھتا ہے، بکر رکھتا ہے، خالد رکھتا ہے، دیکھو وہاں کوئی نام کے ساتھ بعض اوقات اکثر تو وہ ترجمے پہ بھی غور نہیں کرتے، بس نام رکھ دیتے ہیں، تو کوئی مناسبت اس میں نہیں دیکھی جاتی۔ تو وضعِ اول میں مناسبت ہو تو زیادہ مناسب ہے، بہتر ہے کہ عرب نے اس چیز کو یہ نام کیوں دیا؟ تو علماء بتلاتے ہیں کیونکہ اس میں یہ مثلاً مناسبت تھی، اس مادے کا بھی یہ معنی ہوتا ہے اور اس چیز کے اندر بھی یہ معنی پایا جا رہا ہے۔ جیسے قارورہ کو قارورہ کیوں کہتے ہیں؟ لِقَرَارِ الْمَاءِ فِيهِ، دیکھا، کیونکہ اس میں پانی ٹھہر جاتا ہے، تو اسی قرار سے کیا بنا لیا؟ قارورہ بنا لیا۔ تو دیکھا معلوم ہوا قارورہ نام کی اس شیشی کے ساتھ مناسبت موجود ہے۔ تو یہ جو وضعِ اول ہوتی ہے اس میں مناسبت ذکر کی جاتی ہے، لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ جہاں بھی وہ وجہ پائی جائے وہی تسمیہ ہو جائے، وہی نام ہو جائے اس کا۔ تسمیہ کے لیے کیا چاہیے؟ وجہ، لیکن وجہ میں عموم ضروری نہیں کہ جہاں بھی وہ وجہ پائی جائے آپ وہی نام دے دیں، پھر تو مٹکے کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ اس میں بھی پانی ٹھہرتا ہے، اس کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ قارورہ کہنا چاہیے۔

تو کہتے ہیں وَرِعَايَةُ الْوَضْعِ الْأَوَّلِ تو پہلی وضع میں جو رعایت ہوتی ہے، لَيْسَتْ لِصِحَّةِ الْإِطْلَاقِ وہ اس نام کے اطلاق، اطلاق کا معنی ہے بولا جانا اس پر بولنا، وہ اس بولنے کے صحیح ہونے کے لیے نہیں ہے، اس اطلاق کے صحیح ہونے کے لیے نہیں ہے، بَلْ لِتَرْجِيحِ الْوَضْعِ بلکہ وضع کی ترجیح کے لیے ہے، اس وجہ کی مناسبت کے لیے ہے۔ قارورہ کو قارورہ کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ اس میں پانی ٹھہرتا ہے تو پانی ٹھہرتا ہے اس لیے قارورہ کہتے ہیں، ورنہ اس کو قارورہ نہیں کہہ سکتے؟ نہیں نہیں، یہ ضروری نہیں ہے۔ ہاں، مناسبت ہو، نام کی کیا ہونی چاہیے؟ مسمیٰ کے ساتھ مناسبت ہونی چاہیے لیکن یہ لازم نہیں ہے۔ یعنی اگر مناسبت نہ ہو تو آپ کہیں نام ہی غلط ہے؟ نہیں نہیں، ایسا نہیں۔ تو جو وضعِ اول کے اندر بھی جو علماء مناسبت تلاش، وہ جو وضعِ اول کے اندر بھی جو مناسبت تلاش کرتے ہیں تو وہ ترجیح دینے کے لیے۔ کس کے لیے ہے؟ قارورہ کو قارورہ کیوں کہا گیا؟ یہ نام اسی کو کیوں دیا گیا؟ اسی کے لیے اس نام کو ترجیح کیوں دی گئی؟ تو مناسبت ذکر کی جاتی ہے، یہ نہیں کہ اس کے بغیر وہ تسمیہ ہی غلط ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں وضعِ اول کی جو رعایت ہے وہ اطلاق کے

صحیح ہونے کے لیے نہیں ہے کہ اس کے بغیر اس نام کا اس پر اطلاق ہی صحیح نہیں ہے، بَلْ لِتَرْجِيحِ الْوَضْعِ بلکہ کس لیے ہے؟ ترجیحِ وضع، اس وضع کی ترجیح بیان کی جاتی ہے کہ یہ وضع کیوں کی گئی، اس کے یہ نام کیوں دیا گیا، اس کی کیا مناسبت ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کہ نہیں سمجھ میں آئی؟ بات اوپر سے گزر گئی میرا خیال ہے۔

بھئی دیکھو ایک ہے نام کا ایک چیز کے لیے صحیح ہونا، اگر یہ مناسبت نہ ہوتی تو نام ہی صحیح نہ ہوتا اس کا؟ نہیں نہیں، ایسا نہیں۔ ہاں، مناسبت ہو تو زیادہ اچھا ہے کہ مناسبت نہ ہونا اچھا ہے کہ مناسبت ہونا اچھا ہے؟ مناسبت ہونا اچھا ہے، مناسبت کا ہونا ضروری نہیں ہے بھئی۔ اب بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے وَرِعَايَةُ الْوَضْعِ الْأَوَّلِ لَيْسَتْ لِصِحَّةِ الْإِطْلَاقِ بَلْ لِتَرْجِيحِ الْوَضْعِ، اور وضعِ اول کی رعایت یعنی پہلی مرتبہ جو ایک چیز کا نام مقرر کیا گیا اس کی رعایت، لَيْسَتْ لِصِحَّةِ الْإِطْلَاقِ وہ اس نام کے اطلاق کے صحیح ہونے کے لیے نہیں ہے، اس وضعِ اول کی رعایت وضعِ اول میں جو رعایت رکھی گئی وہ اس نام کے اطلاق کے صحیح ہونے کے لیے نہیں ہے، بَلْ لِتَرْجِيحِ الْوَضْعِ بلکہ اس وضع کی ترجیح کے لیے ہے کہ اس کو یہ ترجیح کیوں دی گئی، یہ نام کیوں دیا گیا۔

وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ فِي التَّنْقِيحِ، اور تحقیق ہم نے اس کی تحقیق کی ہے اپنی کتاب تنقیح میں۔ یہ شارح فرما رہے ہیں بھئی علامہ صدر الشریعہ کہ اس بات کی تحقیق ہم نے اپنی کتاب تنقیح میں کی ہے۔ تنقیح ان کا مشہور و معروف متن ہے بھئی، اصولِ فقہ کے اندر علامہ صدر الشریعہ کی کتاب ہے اور وہ پڑھائی جاتی ہے اور سادسہ کے اندر پڑھائی جاتی ہے، ان شاء اللہ آپ بھی جا کر پڑھیں گے، اور وہ درسِ نظامی کی مشکل ترین کتابوں میں سے ہے۔ تنقیح اس کا متن ہے اور پھر اس کی شرح بھی توضیح کے نام سے انہوں نے خود ہی لکھی۔ علامہ، متن بھی ان کا اور شرح بھی ان کی۔ تو تنقیح کی شرح کیا ہوئی؟ توضیح۔ پھر اس توضیح کا حاشیہ اور اس کی شرح لکھی علامہ تفتازانی نے بھئی۔ اور انہوں نے پھر اس کتاب کو خراب کیا بھئی۔ وہ چونکہ شافعی تھے، شافعی تھے، اور اس وجہ سے انہوں نے اس کتاب کو ایسا کر دیا، قدم قدم پر وہ علامہ صدر الشریعہ پر اعتراض کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ کوئی دو تین چار سطریں بھی نہیں گزرتیں پھر کوئی اعتراض کر دیتے ہیں، پھر کوئی اعتراض، کبھی کہتے ہیں علامہ صدر الشریعہ کو عربی نہیں آتی، کبھی کچھ کہتے ہیں، کبھی کچھ کہتے ہیں بھئی، کیونکہ ان کا مقصد شرح کرنا نہیں تھا، کتاب کو خراب کرنا تھا، اور وہ اس مقصد میں پوری طرح کامیاب رہے۔ چنانچہ آج بھی وہ توضیح تلویح جو کتاب ہے اس کو اصولِ فقہ کی کتاب سمجھ کر نہیں پڑھا جاتا، نہ پڑھایا جاتا ہے، بلکہ اعتراض و جواب کا طریقہ سمجھنے کے لیے پڑھایا جاتا ہے۔ کیونکہ ابھی اصولِ فقہ کے اندر دیکھو پہلے ایک آدھ ہفتے کے اندر ہی خاص کی بحث شروع ہو جاتی ہے، خاص، عام، مشترک، مؤول۔ اور وہاں سال گزرتا ہے تو سال کے آخر میں جا کر کہیں خاص، عام، مشترک، مؤول تک انسان پہنچتا ہے، تو پورا سال ہی گزر جاتا ہے، باقی کتاب تو رہ ہی گئی۔ تو وہاں مقصد اصولِ فقہ پڑھانا ہوتا ہی نہیں ہے، بلکہ وہ اعتراض

و جواب اور طریقہ سکھلانا ہوتا ہے طلبہ کو۔ اور یہ چونکہ شافعی المسلک تھے بھئی، اور علامہ صدر الشریعہ وہ بہت بڑے عالم تھے بھئی علم کا پہاڑ، علامہ تفتازانی بھی بہت بڑے عالم ہیں، بہت بڑے عالم ہیں۔ لیکن والد صاحب رحمہ اللہ، ان سے ہم نے پڑھا بھئی، چلیے آپ کو سنا دوں، والد صاحب رحمہ اللہ سے ہم چند ساتھیوں نے توضیح تلویح پڑھی بھئی، آخری سال جس سال ان کی وفات ہوئی۔ اور یہ درسِ نظامی کی مشکل ترین کتاب ہے، اساتذہ، بڑے بڑے اساتذہ اس کے پڑھانے سے گھبراتے ہیں بھئی، بہت پیچیدہ اور بہت مشکل کتاب۔ اور ہم والد صاحب سے چار پانچ طلبہ پڑھتے تھے اور خارجی طور پر، عشاء کے بعد، اور والد صاحب جب درس شروع فرماتے تھے تو ہم طلبہ اس میں ایسے ڈوب جاتے جیسے وہ کوئی کہانی سنا رہے ہوں، چھوٹے بچے کو جیسے کہانی سناتے ہیں نا اور وہ اس میں ڈوب جاتا ہے، اسے پتہ ہی نہیں چلتا ادھر ادھر کیا ہو رہا ہے، تو وہ کتاب پڑھاتے تھے اور ہم اس میں ایسے ڈوب جاتے تھے کہ پتہ ہی نہیں چلتا تھا وقت گزرنے کا بھئی۔ اور پھر علامہ تفتازانی قدم قدم پر اعتراض کرتے، ہر دو چار سطروں کے بعد کہ یہ علامہ صدر الشریعہ نے کیا کیا؟ یوں نہیں کہنا چاہیے تھا، یوں کہنا چاہیے تھا، یا یہ لفظ انہوں نے غلط استعمال کیا، ان کو یہ بھی نہیں پتہ یہ عربی اس لفظ کے ساتھ یہ لفظ استعمال ہوتا ہے، دوسرا لفظ استعمال نہیں ہوتا، وغیرہ وغیرہ اعتراض کرتے ہیں۔ تو والد صاحب فرماتے تھے کہ یہ علامہ تفتازانی دراصل شافعی المسلک ہیں اور یہ کتاب انہوں نے اللہ کے لیے نہیں لکھی، جو تلویح لکھی ہے، یہ احناف کے اصولِ فقہ کی کتاب کو خراب کرنا تھا، اور اس میں وہ پوری طرح کامیاب رہے۔ علامہ تفتازانی کے مسلک کا ہی لوگوں کو پتہ نہیں چلتا، بہت سے لوگ ان کو حنفی سمجھتے ہیں کہ وہ بھی حنفی عالم ہیں، کیونکہ ان کی اکثر شروحات اور کتابیں فقہِ حنفی کے اندر ہیں۔ کس میں ہیں؟ فقہِ حنفی کے اندر ہیں، تو علماء سمجھتے ہیں شاید یہ بھی حنفی عالم ہیں، لیکن والد صاحب فرماتے تھے کہ نہیں یہ شافعی المسلک ہیں بھئی۔ پھر سوال پیدا ہوتا کہ انہوں نے احناف کی کتابیں کیوں لکھی ہیں زیادہ تر، انہی کی شروحات کیوں لکھیں؟ تو جواب میں والد صاحب فرماتے کہ یہ چونکہ علامہ تفتازانی جو ہیں یہ ایران وغیرہ، افغانستان کے دوسرا کنارہ، اس علاقے میں تھے، یا ما وراء النہر وغیرہ میں، اور یہاں وہ بادشاہ تھا تیمور لنگ بھئی، بہت بڑا بادشاہ گزرا ہے تاریخ کے اندر بھئی۔ علماء فرماتے ہیں قریب تھا کہ یہ ساری دنیا کا بادشاہ بن جاتا بھئی، اتنی بڑی سلطنت تھی اس کی۔ اور یہ اس کے شاہی عالم تھے بھئی، بادشاہ کے دربار میں بلا روک ٹوک آجا سکتے تھے۔ اور انہوں نے احناف ہی کی کتابیں لکھیں، وجہ یہ کہ اس سارے علاقے کے اندر احناف ہیں، شوافع تو ہیں ہی نہیں، کوئی آٹے میں نمک کے برابر کوئی اکا دکا ہوں ورنہ تو یہ احناف کا علاقہ تھا، تمام حنفی تھے اس وقت، علماء بھی، طلبہ بھی، لوگ بھی۔ تو اگر اس علاقے میں وہ شوافع کی کتابیں لکھتے تو کون اس کو پڑھتا اور کون اس کو پڑھاتا؟ تو وہ مجبور ہو گئے، ان کو احناف کی کتابوں پر قلم اٹھانا پڑا۔ اور شاہی عالم تھے چنانچہ جیسے ہی وہ کتاب لکھتے، علماء میں فوراً مقبول ہو جاتی، جگہ جگہ لوگ اس کو پڑھانا شروع کر دیتے، پڑھنا شروع کر دیتے، کیونکہ فقہِ حنفی میں ہوتی تھی اور یہ بڑے عالم تھے۔ تو اس لیے انہوں نے احناف کی کتابیں لکھی ہیں، اور یہ جو

لکھی، اس میں وہ قدم قدم پر علامہ صدر الشریعہ پر اعتراض کرتے۔ والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے احناف کی اصول کی کتابیں کمزور ہیں، اصولِ فقہ کی کتابیں کمزور، لیکن یہ کتاب ہے، تنقیح توضیح ہے، یہ بہت مضبوط کتاب ہے۔ لیکن اس کو علامہ تفتازانی نے ایسا خراب کیا کہ اب کوئی اس کو اصول کی کتاب سمجھ کر نہ پڑھتا ہے نہ پڑھاتا ہے۔ اور پھر والد صاحب جب پڑھاتے تھے ہمیں، تو پھر علامہ تفتازانی جب اعتراض کرتے، تو والد صاحب پھر جواب دیتے تھے۔ اور جو محشی حضرات ہوتے تھے وہ علامہ تفتازانی کی تائید کر رہے ہوتے تھے حاشیے کے اندر بھئی، حاشیہ بھی اس کے بڑے بڑے طویل حاشیے ہیں بھئی، ایک صفحے کا حاشیہ تین تین صفحوں تک چلا جاتا، چار چار صفحوں تک۔ تو وہ محشی حضرات پر بھی جلال میں آجاتے کہ دیکھو محشی حضرات، یہ بھی علامہ تفتازانی کی تائید کر رہے ہیں بجائے اس کے ان کو جواب دینے کے، اور پھر جواب دینے لگتے۔ اور مثلاً اعتراض کیا، علامہ تفتازانی کا مجھے یاد ہے، جب وہ علامہ تفتازانی کا اعتراض ذکر کرتے تو ہم سب ساتھیوں پر بڑا اثر پڑتا کہ کتنا مضبوط اعتراض کیا ہے علامہ تفتازانی نے۔ لیکن جب والد صاحب جواب دینا شروع کرتے: جوابِ اول، جوابِ ثانی، جوابِ ثالث، جوابِ رابع، جوابِ خامس، جوابِ سادس، کئی کئی جوابات ایک ہی اعتراض کے دیتے چلے جاتے۔ تو حیرت کی بات ہے جب والد صاحب کے جوابات ختم ہوتے تو ہمیں علامہ تفتازانی پر ہنسی آتی تھی کہ یہ کیسا فضول اعتراض اس نے کر دیا تھا! جب جوابات سامنے آتے تھے۔ اور پھر میں نے بتایا ہو ہم اس درس میں ایسے ڈوب جاتے کہ وقت کے گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔ معلوم ہوا استاد صحیح پڑھانے والا ہو تو ہماری کتابوں میں اللہ نے وہ لذت رکھی ہے کہ جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا بھئی۔

تو ہم چار پانچ ساتھی جنہوں نے والد صاحب سے توضیح تلویح پڑھی، ہم سے کوئی پوچھ لیتا، اساتذہ وغیرہ یا کوئی ساتھی پوچھ لیتے، اساتذہ پوچھ لیتے کہ بھئی آپ کی سب سے درسِ نظامی میں پسندیدہ کتاب کون سی ہے؟ تو ہم فوراً کہتے: توضیح تلویح۔ تو وہ دیکھنے لگتے کہ شاید ہمارے ساتھ یہ مذاق کر رہا ہے بھئی۔ لیکن ہم کہتے بھئی اس کتاب میں اتنی لذت ہے، ہم نے حضرت شیخ سے پڑھی ہے اور اس جتنی لذت ہمیں کسی کتاب میں نہیں آئی۔

تو یہاں پر بھی یہ تنقیح کا حوالہ دے رہے ہیں، تو یہ تنقیح کیا ہے؟ اصولِ فقہ میں ان کا متن ہے صدر الشریعہ کا اور اسی کی شرح انہوں نے پھر کیا لکھی؟ توضیح۔ اور پھر اس توضیح کی شرح اور حاشیہ کس نے لکھا؟ علامہ تفتازانی نے۔ دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ فِي التَّنْقِيحِ، اور ہم نے اس بات کی تحقیق کی ہے اپنی کتاب تنقیح میں۔

وَقَذْفُ الزَّبَدِ، وَقَذْفُ الزَّبَدِ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، وَعِنْدَهُمَا إِذَا اشْتَدَّ صَارَ مُسْكِرًا لَا يَشْتَرِطُ قَذْفَ الزَّبَدِ۔ اوپر متن میں آیا تھا کہ انگور کا کچا رس جب اس میں ابال آجائے، جوش آجائے، اور وہ نشہ آور ہو جائے، تیز ہو جائے، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ تو وہ کیا ہے؟ خمر۔ اور ساتھ ایک قید بڑھا دی کہ وہ جھاگ پھینکے، جھاگ دینے لگے۔ کہتے ہیں یہ جھاگ دینے کی قید امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے، جبکہ صاحبین فرماتے ہیں جھاگ دینا شرط نہیں ہے، بس جب وہ تیز ہو

جائے، اس میں ابال آجائے اور وہ نشہ آور ہو جائے تو بس یہ خمر ہے۔ لیکن امام صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں، جھاگ کا آنا بھی ضروری ہے، جھاگ کا آنا بھی ضروری ہے۔ وہ صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں، کہ جب وہ تیز ہو گیا، تیز ہو گیا تو نشہ آور ہو گیا، تو بس اب اس کو کیا کہیں گے؟ خمر کہیں گے۔ تو امام صاحب کے نزدیک صرف تیز ہونا اور نشہ آور ہونا ضروری نہیں بلکہ جھاگ کا آنا بھی ضروری ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں وَقَذْفُ الزَّبَدِ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، اور جھاگ کا پھینکنا یہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے، وَعِنْدَهُمَا إِذَا اشْتَدَّ صَارَ مُسْكِرًا، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ جب وہ تیز ہو گیا تو صَارَ مُسْكِرًا تو وہ نشہ آور ہو گیا، تو لَا يَشْتَرِطُ قَذْفَ الزَّبَدِ، تو جھاگ پھینکنے کی شرط نہیں ہے۔

ثُمَّ عَيْنُهَا حَرَامٌ وَإِنْ قَلَّتْ، پھر اس شراب کی ذات ہی حرام ہے، وَإِنْ قَلَّتْ اگرچہ تھوڑی سی ہو، یعنی ایک قطرہ بھی اس کا حرام ہے۔ تو لہٰذا شراب کا ایک قطرہ بھی کوئی پی لے گا اس پر حد واجب ہو گی، اس پر حد جاری ہو گی۔ جبکہ باقی جو نشہ آور مشروب آگے آرہے ہیں، ان میں جب تک نشہ نہ چڑھ جائے، نشہ نہ چڑھ جائے تو اس وقت تک حد واجب نہیں۔ حرام وہ بھی ہیں، وہ بھی پینا حرام، لیکن خمر کی حرمت بڑھ کر ہے کیونکہ یہ نصِ قطعی سے ثابت ہے۔ نص، نص کسے کہتے ہیں؟ قرآن اور حدیث۔ نصِ قطعی سے ثابت ہے بھئی۔ قرآن کے اندر اس خمر کو اللہ نے رِجْسٌ کہا ہے، رِجْسٌ یعنی گندگی، ناپاکی۔ تو اور اس سے بچنے کا حکم دیا ہے اور اسے شیطان کا عمل قرار دیا ہے۔ تو جب قرآن کے اندر اس کو گندگی اور ناپاکی قرار دے دیا گیا تو لہٰذا معلوم ہوا اس کی حرمت قطعی ہے۔ جبکہ باقیوں کی حرمت اجتہادی ہے، فقہا نے اس میں اجتہاد کیا، تو لہٰذا ان کی حرمت، حرمت ان کی بھی، لیکن ان کی حرمت کم درجے کی، اور اس کی حرمت نصِ قطعی سے ثابت، لہٰذا اس کی حرمت بہت سخت ہے، اس لیے اس کا ایک قطرہ بھی کوئی پیے گا تو اس پر حد واجب ہو گی، اگرچہ ایک قطرے سے تو نشہ نہیں ہو سکتا بھئی۔

تو کہتے ہیں ثُمَّ عَيْنُهَا حَرَامٌ وَإِنْ قَلَّتْ، پھر اس شراب کی عین یعنی اس کی ذات، ثُمَّ عَيْنُهَا حَرَامٌ پھر اس شراب کی ذات ہی حرام ہے وَإِنْ قَلَّتْ اگرچہ تھوڑی سی ہو۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ قَالَ السُّكْرُ مِنْهَا حَرَامٌ، لوگوں میں سے بعض یعنی بعض علماء نے یہ کہا کہ السُّكْرُ مِنْهَا حَرَامٌ کہ نشہ والی مقدار اس میں سے حرام ہے، اس میں سے نشہ، سُكْرٌ نشہ ہونا بھئی، مدہوش ہونا، تو نشے کی مقدار اس میں سے حرام ہے، یعنی معلوم ہوا تھوڑی مقدار حرام نہیں، یہ بعض علماء نے کہا۔ تو آگے کہتے ہیں وَهٰذَا مَدْفُوعٌ، أَيْ مَرْدُودٌ، اس کو رد کیا گیا، اس بات کو رد کیا گیا ہے یعنی تمام علماء نے اس بات کو رد کیا ہے، بِأَنَّ اللهَ تَعَالَى سَمَّاهَا رِجْسًا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو گندگی قرار دیا ہے، ناپاکی قرار دیا ہے۔ تو کہتے ہیں وَهٰذَا مَدْفُوعٌ بِأَنَّ اللهَ تَعَالَى سَمَّاهَا رِجْسًا اور اس قول کو رد کیا گیا ہے اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو گندگی قرار دیا ہے، وَعَلَيْهِ انْعَقَدَ إِجْمَاعُ الْأُمَّةِ اور اسی پر امت کا اجماع منعقد ہے یعنی اس شراب کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہو اس پر کیا ہے؟ تمام امت کا اجماع منعقد ہے بھئی۔ حدیث میں، حدیثوں میں بھی اس کا ذکر آتا ہے، صحابہ تمام صحابہ اسی بات کے قائل تھے کہ یہ حرام ہے، ادنیٰ مقدار

بھی اس کی، اور یہ گندگی ہے ناپاکی ہے۔ تو کہتے ہیں وَعَلَيْهِ انْعَقَدَ إِجْمَاعُ الْأُمَّةِ اور اسی پر امت کا اجماع منعقد ہوا ہے۔

ثُمَّ يُكَفَّرُ مُسْتَحِلُّهَا، پھر کافر قرار دیا جائے گا مُسْتَحِلُّهَا اس کو حلال سمجھنے والے کو۔ بھئی شراب کی حرمت بہت سخت درجے کی ہے، قرآن سے جو کہ قطعی ہے، اللہ کی آخری کتاب ہے، اس میں اس کو گندگی اور نجاست قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا اب بھی اگر اس شراب کو کوئی حلال سمجھتا ہے تو اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔ شراب کا پینا تو گناہ ہے لیکن پینے والا پھر بھی بہرحال اگر وہ مسلمان ہے تو وہ مسلمان ہی رہے گا، جب تک اس کو یہ پتہ ہو کہ یہ ہے حرام لیکن میں اس کو پی رہا ہوں، یہ ہے حرام لیکن میں اس کو۔ اور اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ یہ تو حرام ہے ہی نہیں بھئی، تو اس نے اللہ کے صریح حکم کی نافرمانی کی، لہٰذا یہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ یہ معنی ہے ثُمَّ يُكَفَّرُ مُسْتَحِلُّهَا پھر کافر قرار دیا جائے گا اس کو حلال سمجھنے والے کو۔

وَسَقَطَ تَقَوُّمُهَا لَا مَالِيَّتُهَا، اور ساقط ہو گئی ہے یعنی ختم ہو گئی ہے تَقَوُّمُهَا اس کا قیمت والا ہونا، اس کا قیمت والا ہونا ساقط ہو گیا ہے، لَا مَالِيَّتُهَا نہ کہ اس کی مالیت۔ یاد رکھیے، شراب جو ہے شراب، یہ مال تو ہے، یہ کیا ہے؟ مال تو ہے۔ مال کسے کہتے ہیں؟ مَا يَمِيلُ إِلَيْهِ الطَّبْعُ، جس کی طرف انسان کی طبیعت مائل ہوتی ہے۔ تو لوگ دیکھو، کفار اس کی طرف مائل ہوتے ہیں یا نہیں؟ مائل ہوتے ہیں، تو جس چیز کی طرف یہ طبیعت مائل ہو وہ مال ہے۔ اور نیز اس میں وہ بخل بھی کرتے ہیں، کیا اگر کسی کے پاس شراب ہو تو کیا وہ اس کو ویسے ہی ختم کر دیتا ہے یا سنبھال کر رکھتا ہے؟ سنبھال، ظاہر سی بات ہے یہ قیمتی چیز ہے ان کے ہاں تو اس کو سنبھال کر رکھتے ہیں، اس میں طبیعتیں ان کی بخل کرتی ہیں، تو معلوم ہوا یہ مال ہے۔ البتہ شریعت نے اس کو مالِ متقوم قرار نہیں دیا، اس کی قیمت ختم کر دی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بچنے کا، اس سے دور ہونے کا حکم دیا ہے۔ تو گویا شریعت نے اس کی تو اہانت کا حکم دیا، کس کا حکم دیا؟ اہانت۔ اور اگر اس کو، اس کی قیمت رکھی جائے، قیمت مقرر کی جائے، تو قیمت تو قیمتی چیز کی رکھی جاتی ہے، تو معلوم ہوا آپ اس کو اونچا مقام دے رہے ہیں، اس کو عزت دے رہے ہیں، لہٰذا شریعت میں اس کی کوئی قیمت نہیں۔ شریعت میں شراب کی کوئی، تو یہ متقوم نہیں ہے، قیمت والی نہیں ہے۔ چنانچہ اسی لیے اگر ایک مسلمان کے پاس ایک شراب پڑی تھی اور دوسرے شخص نے اس شراب کو گرا دیا، ضائع کر دیا، تو اس پر کوئی ضمان نہیں آئے گا، کیونکہ یہ مسلمان کے حق میں یہ مالِ متقوم نہیں ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں وَسَقَطَ تَقَوُّمُهَا اور اس کا متقوم ہونا تو ساقط ہو گیا ہے یعنی ختم ہو گیا ہے، لَا مَالِيَّتُهَا اس کا مال ہونا ساقط نہیں، مال یہ ہے بھئی، مال یہ ہے البتہ متقوم نہیں ہے۔

وَيَحْرُمُ الِانْتِفَاعُ بِهَا اور حرام ہے اس سے نفع اٹھانا، اس سے نفع اٹھانا بھی حرام ہے۔ قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں؟ فَاجْتَنِبُوهُ، اس سے کیا کرو؟ اجتناب کرو، دور رہو۔ معلوم ہوا اس سے کسی قسم کا نفع اٹھانا جائز نہیں ہے۔ اور یاد رکھو آگے

بتلائیں گے یہ نجس ہے، نجس، بالکل جیسے پیشاب نجس ہے، کسی کپڑے وغیرہ کو لگ جائے تو اس کو پاک کرنا پڑتا ہے، اسی طرح یہ شراب بھی کیا ہے؟ نجس ہے، نجاستِ غلیظہ ہے پیشاب کی طرح۔ تو کہتے ہیں وَيَحْرُمُ الِانْتِفَاعُ بِهَا حرام ہے اس سے نفع اٹھانا۔

وَيُحَدُّ شَارِبُهَا وَإِنْ لَمْ يَسْكَرْ، اور حد لگائی جائے گی اس کے پینے والے پر وَإِنْ لَمْ يَسْكَرْ اگرچہ وہ مدہوش نہ ہو۔ میری کتاب میں ہے وَإِنْ لَمْ يُسْكِرْ، يُسْكِرْ نہیں بھئی يَسْكَرْ، يَسْكَرْ۔ أَسْكَرَ يُسْكِرُ کا معنی ہے دوسرے کو مدہوش کرنا، دوسرے کو، تو شراب کیا کرتی ہے؟ دوسرے پینے والے کو مدہوش کر، لیکن یہاں اس آدمی کا ذکر ہو رہا ہے جس نے پیا ہے، تو اور وہ ہے باب، وہ سَكِرَ يَسْكَرُ کا معنی ہے مدہوش ہونا۔ تو کہتے ہیں وَيُحَدُّ شَارِبُهَا اس کے پینے والے پر حد جاری کی جائے گی۔

میں نے آپ کو بتلایا تھا شریعت میں دو طرح کی سزائیں ہیں: کچھ سزائیں وہ ہیں جو اللہ کی طرف سے مقرر ہیں اور ان کو حد کہا جاتا ہے، حدود بھئی، حدود اللہ کی طرف سے مقرر ہیں، اس میں کوئی شخص کسی طرح کی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ اور حدود چھ ہیں، چھ ہیں۔ تو ان میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ مثلاً چوری میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے، ڈاکو کے ہاتھ اور ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کو کاٹا جاتا ہے، اسی طرح حدِ قذف ہے، کسی پر تہمت لگا دی زنا کی تو اس پر بھی حد لگائی جائے گی، اسی طرح کوئی شراب پی لیتا ہے تو حد جاری کی جائے گی، اسّی کوڑے لگائے جائیں گے، اسی طرح جو کوئی زنا کر لیتا ہے تو اس پر بھی حد جاری کی جاتی ہے، تو یہ حدود ہیں بھئی۔ تو حدود چھ ہیں بھئی، حدود چھ۔ تو ایک حد ہے شراب پینے کی وجہ سے اسّی کوڑے، اور ایک حد ہے شراب کے علاوہ کوئی اور نشہ آور مشروب پی لیا، جیسے آگے ذکر آئے گا طلاء ہے، نقیع التمر ہے، نقیع الزبیب ہے، تو ان کے پینے والے پر بھی حد جاری ہوتی ہے۔ تو حد، تو کتنی حدود ہو گئیں؟ چھ: ایک حدِ زنا، ایک حدِ شربِ خمر، ایک حدِ سُکْر من غیرِ الخمر، اور ایک حدِ قذف ہے، تہمت لگائی کسی پر، اور ایک حدِ سرقہ ہے، اور ایک حدِ قطعِ طریق ہے یعنی ڈاکو کی جو حد ہے کہ ایک ہاتھ اور ایک پاؤں اس کا کاٹا جائے گا مخالف جانب سے۔ تو یہ چھ حدود ہیں۔ اور اس کے علاوہ جو قاضی سزائیں دیتا ہے اس کو تعزیر کہتے ہیں، تعزیر۔ تعزیر میں یاد رکھو قاضی کمی بیشی کر سکتا ہے بلکہ معاف بھی کر سکتا ہے، بلکہ صاحبِ حق بھی معاف کر سکتا ہے۔ کسی نے کوئی جرم کسی کے خلاف کیا ہے صاحبِ حق بھی کیا کر سکتا ہے؟ اس کو معاف کر سکتا ہے۔ لیکن حدود کا معاملہ بالکل الگ ہے۔ یاد رکھیے حد کے معاف کرنے کا حق کسی کو نہیں۔ جب ایک دفعہ حد ثابت ہو جائے پھر صاحبِ حق بھی معاف نہیں کر سکتا، قاضی بھی معاف نہیں کر سکتا۔ مثلاً ایک شخص نے چوری کی، قاضی کے پاس مقدمہ آگیا اور چوری ثابت ہو گئی، اور تو اب اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اب قاضی معاف کرنا چاہے، نہیں کر سکتا بھئی کیونکہ اللہ کی طرف سے سزا مقرر ہے۔ بلکہ صاحبِ حق بھی معاف نہیں کر سکتا، جس کی چوری ہوئی تھی اس نے کہا میں معاف کرتا ہوں بھئی، معاف کر

تا ہوں۔ بھئی اگر آپ نے معاف کرنا تھا تو قاضی تک لے کر کیوں آئے؟ پہلے ہی معاف کر دیتے۔ اب معاملہ عدالت

میں آچکا ہے، ثابت ہو چکا ہے، اب کسی کو اس میں دخل دینے کا حق نہیں ہے۔ تو یہ حد کا معاملہ بڑا سخت ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں وَيُحَدُّ شَارِبُهَا وَإِنْ لَمْ يَسْكَرْ، اور حد لگائی جائے گی شراب کے پینے والے کو وَإِنْ لَمْ يَسْكَرْ اگرچہ وہ مدہوش نہ ہو، اس کو نشہ نہ ہو۔

وَلَا يُؤَثِّرُ فِيهَا الطَّبْخُ، اور اس کے اندر پکانا بھی مؤثر نہیں، پکانے سے بھی اس میں کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یعنی شراب بن گئی، اب بننے کے بعد اس کو کوئی آگ پر پکاتا ہے، خوب پکا کر اس کو گاڑھا کر لیتا ہے، تو کیا اب اس کی حرمت کا حکم بدل گیا؟ کہتے ہیں نہیں بھئی۔ اگر پکانا تھا یا کچھ تو پہلے پکاتے، اب ایک دفعہ حکم آگیا یہ کیا بن چکی ہے؟ خمر اب بن گئی۔ جب خمر بن گئی اور خمر تو کیا ہے؟ حرام۔ تو حرمت والا حکم آچکا، اب پکانے سے وہ حرمت والا حکم ختم نہیں ہو گا۔ یہ تو آپ پہلے پکاتے، حرمت کا حکم آنے سے پہلے، اس کے نشہ آور بننے سے پہلے اس کو پکاتے، پھر تو بات تھی، لیکن اب جب ایک دفعہ حرمت والا حکم آگیا تو پکانے سے حرمت رک تو سکتی ہے لیکن آئی ہوئی حرمت، ثابت شدہ حرمت پکانے سے ختم نہیں ہو سکتی۔ یہ معنی ہے وَلَا يُؤَثِّرُ فِيهَا الطَّبْخُ، اس کے اندر پکانا بھی مؤثر نہیں ہے یعنی کوئی اثر نہیں ڈالتا۔

وَيَجُوزُ تَخْلِيلُهَا، اور اس کو سرکہ بنانا، اس کا جائز ہے۔ یاد رکھو ہمارے نزدیک شراب سے سرکہ بنانا جائز ہے۔ شراب کو اگر رکھ دیا جائے تو کوئی خاص طریقے وغیرہ سے تو اس سے سرکہ بن جاتا ہے، یا اس میں نمک وغیرہ ڈال دیا جائے تو اس سے پھر آہستہ آہستہ کچھ دنوں میں کیا بن جاتا ہے؟ سرکہ بن جاتا ہے۔ تو ہمارے نزدیک شراب سے سرکہ بنانا جائز ہے، اور پھر وہ سرکہ حلال بھی ہے استعمال بھی کر سکتے ہیں، کھا پی سکتے ہیں، کیونکہ اب وہ نشہ وغیرہ، اس کی ماہیت ہی بدل گئی، حقیقت ہی بدل گئی۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، سرکہ خود بخود بن جائے تو پھر دو اس کے بارے میں ان کے دو قول ہیں، اور اگر آپ اس میں، اس سے سرکہ بنائیں تو پھر یہ جائز نہیں ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ خود بخود بننا اور ہے، اور خود اپنے عمل کے ذریعے بنانا اور ہے، اس میں وہ فرق کرتے ہیں، آگے تفصیل بھی آجائے گی بھئی۔ تو کہتے ہیں وَيَجُوزُ تَخْلِيلُهَا اور اس کا سرکہ بنانا جائز ہے خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے۔

هٰذِهِ عَشَرَةُ أَحْكَامٍ، یہ دس احکام ہو گئے۔ یہ شراب کے کتنے احکام ہو گئے؟ دس احکام ہو گئے۔ کون سے دس بھئی؟ بھئی دیکھتے جاؤ کتاب پر نمبر لگاتے جاؤ۔ پہلا حکم بیان کیا: حَرُمَ الْخَمْرُ، خمر کیا ہے؟ حرام، یہ ہے ایک نمبر۔ آگے آیا تھا: هٰذَا الِاسْمُ خُصَّ بِهٰذَا الشَّرَابِ، یہاں اس کے نام، اس کو کب یہ شراب کا نام دیا جاتا ہے اس کی تفصیل بیان کی، یہ دوسرا حکم بیان ہوا۔ تیسرا: ثُمَّ عَيْنُهَا حَرَامٌ وَإِنْ قَلَّتْ، یہ چوتھا حکم بیان ہوا۔ اور پھر آگے آیا تھا: ثُمَّ يُكَفَّرُ مُسْتَحِلُّهَا، یہ چوتھا حکم آگیا کہ اس کے حلال سمجھنے والے کو کافر قرار دیا جائے گا۔ وَسَقَطَ تَقَوُّمُهَا، یہ اس کا پانچواں حکم آگیا۔ وَيَحْرُمُ الِانْتِفَاعُ بِهَا، یہ چھٹا حکم آگیا۔ نمبر لگاتے جا رہے ہیں؟ جی۔ وَيُحَدُّ شَارِبُهَا وَإِنْ لَمْ يَسْكَرْ، یہ ساتواں حکم آگیا۔ وَلَا يُؤَثِّرُ فِيهَا الطَّبْخُ، یہ آٹھواں

حکم آگیا، اس پر آٹھ نمبر لگائیں۔ وَيَجُوزُ تَخْلِيلُهَا، یہ نواں حکم آگیا، نو حکم آگئے۔

بھئی نو حکم آئے اور یہ تو کیا کہہ رہے ہیں؟ هٰذِهِ عَشَرَةُ أَحْكَامٍ۔ بھئی دراصل، دراصل دسواں حکم اگلے متن میں ہے۔ آگے دیکھو كَالطِّلَاءِ وَهُوَ مَاءُ عِنَبٍ قَدْ طُبِخَ فَذَهَبَ أَقَلُّ مِنْ ثُلُثَيْهِ وَغَلُظَ نَجَاسَةً۔ وَغَلُظَ، یہ اس کا تعلق خمر سے ہے کہ خمر غلیظ ہے باعتبار نجاست کے یعنی یہ نجاستِ غلیظہ ہے۔ ایک نجاستِ خفیفہ ہوتی ہے، ایک نجاستِ غلیظہ ہے، آپ پڑھ چکے ہیں کہ نجاستِ غلیظہ، یعنی نجاستِ غلیظہ میں سختی زیادہ ہے کہ اس میں بہت تھوڑی مقدار معاف ہے، اس کا پاک کرنا ضروری ہے، اور جبکہ نجاستِ خفیفہ وہ ہلکے درجے کی نجاست ہے۔ تو یہ شراب کس درجے کی نجاست ہے؟ نجاستِ غلیظہ ہے۔ وَغَلُظَ اور غلیظ ہے یہ شراب نَجَاسَةً باعتبار نجاست کے۔ تو یہ دسواں حکم آگے متن میں آرہا ہے بھئی۔ جی تو یہ اس کو ملا کر دس۔ اور ویسے یہ رِجْسًا سے بھی پتہ چل رہا ہے۔ اللہ نے اس کو کیا کہا ہے؟ ناپاکی کہا ہے۔ جب اللہ اس کو ناپاکی فرما رہے ہیں، معلوم ہوا اس کی ناپاکی میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ جب شک و شبہ نہیں تو معلوم ہوا اس کی ناپاکی کم درجے کی ہے یا سخت درجے کی ہے؟ سخت درجے کی ہے۔ تو لہٰذا اس سے بھی مفہوم ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا آپ یہ نہ کہیں کہ انہوں نے تو هٰذِهِ عَشَرَةُ أَحْكَامٍ کہا اور ابھی تو نو بیان ہوئے، دسواں حکم تو آگے بیان ہو رہا ہے۔ میں نے بتلا دیا کہ دسواں حکم نجاستِ غلیظہ کا حکم رِجْسًا کہنے سے ہی پتہ چل گیا، صورت سمجھ میں آگئی۔[۴]

آگے دیکھیے: كَالطِّلَاءِ، جیسے کہ طلاء ہے۔ جیسے کہ طلاء ہے۔ اس کو پچھلی عبارت سے جوڑیں: شراب حرام ہے كَالطِّلَاءِ جیسے کہ طلاء ہے یعنی جیسے طلاء حرام ہے، اب عبارت سمجھ میں آئی؟ بھئی طلاء کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں وَهُوَ مَاءُ عِنَبٍ قَدْ طُبِخَ کہ وہ انگور کا پانی ہے یعنی انگور کا رس ہے، قَدْ طُبِخَ جس کو پکایا گیا ہو، فَذَهَبَ أَقَلُّ مِنْ ثُلُثَيْهِ پس چلا گیا یعنی تحلیل ہو گیا اس کے دو ثلث سے کم۔ دو ثلث سے کم اڑ گیا، ختم ہو گیا۔ بھئی آگ پر کوئی چیز پکائی جائے آپ دیکھتے ہیں وہ آہستہ آہستہ خشک ہوتی ہے، اس کا پانی تحلیل ہوتا ہے، اڑتا چلا جاتا ہے بخارات بن کر، تو اس کا پانی اڑتا چلا جاتا ہے۔ اب کسی نے انگور کا رس لیا اور پھر اس کو آگ پر پکانا شروع کیا۔ مثلاً تین سیر رس تھا، تین سیر میں سے دو سیر ختم ہوا، تحلیل ہو گیا، اڑ گیا، خشک ہو گیا اور ایک سیر بچ گیا، اس کو کہتے ہیں مثلثِ عنبی۔ کیا کہتے ہیں؟ مثلثِ عنبی۔ تیسرا حصہ رہ گیا نا، دو حصے تو اڑ گئے، تین سیر تھے، کتنے سیر خشک ہو گئے؟ دو سیر، اور بچ کتنا گیا؟ ایک سیر۔ تو تھوڑا رہ گیا، زیادہ خشک ہو گیا، تو اس کو کہتے ہیں مثلثِ عنبی۔

---

[۴] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۱۴):** صوتی درس کی قراءت میں «كَالطِّلَاءِ وَهُوَ مَاءُ عِنَبٍ قَدْ طُبِخَ فَذَهَبَ أَقَلُّ مِنْ ثُلُثَيْهِ وَغَلُظَ نَجَاسَةً» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «كالطلاءِ وهو ماءُ عنبٍ قد طُبِخَ فذهبَ أقلُّ من ثلثيه، وغلظًا نجاسةً،» منقول ہے۔

اور ایک ہے طلاء۔ طلاء میں بھی اسی طرح انگور کے رس کو پکایا جاتا ہے لیکن دو تہائی خشک نہیں کرتے بلکہ اس سے کم خشک کرتے ہیں۔ دو تہائی خشک نہیں کرتے بلکہ اس سے کم، یعنی اس سے کم کم جتنا بھی ہو، چاہے تھوڑا سا خشک ہوا ہو، چاہے ایک سیر خشک ہوا ہو، چاہے ڈیڑھ سیر خشک ہوا ہو، آدھا خشک ہوا ہو، لیکن بہرحال دو تہائی خشک نہیں کرنا، مثلثِ عنبی سے کم کم رکھنا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ مثلثِ عنبی کے بارے میں آگے آپ کو بتلائیں گے کہ وہ امام صاحب کے نزدیک حلال ہے، کیا ہے؟ حلال ہے کہ جس سے نشہ نہ ہو اتنی مقدار، حلال ہے۔

لیکن یہ جو طلاء ہے، اس میں بھئی دیکھو جب اس کو پکائیں گے، جتنا زیادہ پکاؤ گے، جتنا زیادہ یہ خشک ہو گا اتنا ہی گاڑھا ہو جائے گا، اتنا ہی، اور گاڑھی چیز کو پینا آسان ہوتا ہے یا پتلی چیز کو؟ پتلی چیز۔ ظاہر سی بات ہے آپ پانی پیتے ہیں بڑے آرام سے پی جاتے ہیں، اگر آپ کو کوئی شہد آدھا کپ دے کہ اس کو پیو، اگرچہ وہ میٹھا ہے سب کچھ ہے لیکن پھر بھی آپ کے لیے اس کو پینا کیا ہو جائے گا؟ بڑا مشکل ہو جائے گا۔ تو چیز جتنی گاڑھی ہو اس کو پینا مشکل ہو جاتا ہے۔ تو یہ جو طلاء ہے نا طلاء، یہ زیادہ گاڑھا نہیں ہوتا اور اس میں پھر نشہ بھی ہے، تو اس کی تھوڑی مقدار پیے گا تو پینا بھی آسان اور تھوڑے پینا دعوت دیتا ہے اور پینے کی طرف کہ پینے والے کو لذت محسوس ہوتی ہے وہ اور پیتا ہے، اور پیتا ہے۔ جبکہ مثلثِ عنبی گاڑھا ہوتا ہے، اس میں تھوڑا پیے تو وہ دعوت نہیں دیتا کہ اور بھی پیے، انسان کی طبیعت نہیں کرتی اس کو پینے کی زیادہ۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ فرق سمجھ میں آگیا؟ تو جو چیز پتلی ہو گی تو اس کا پینا آسان، اور جو جتنی گاڑھی ہو گی اس کا پینا مشکل۔ تو مثلثِ عنبی کا پینا مشکل ہے، اس کا حکم آگے آرہا ہے، اور یہ چونکہ پتلی ہے دو تہائی سے کم کم خشک ہوئی ہے، دو تہائی سے کم خشک ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ دو تہائی کے قریب قریب لے جائیں آپ پھر کہیں کہ یہ ہے طلاء، نہیں نہیں، دو تہائی سے کم جتنی بھی ہو، چاہے صرف تھوڑا سا پکایا اس کو، آدھا سیر صرف خشک ہوئی، ابھی بھی ڈھائی سیر باقی ہے، یا پورا ایک سیر خشک ہو گئی یعنی ایک ثلث اڑ گیا اور دو ثلث ابھی بھی باقی ہیں، یا آدھا خشک ہو گیا اور آدھا رہ گیا، ڈیڑھ کلو خشک ہو گیا اور ڈیڑھ سیر، ڈیڑھ سیر خشک ہو گیا اور ڈیڑھ سیر باقی رہ گیا، یہ سب کیا ہیں؟ طلاء ہیں، بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو کہتے ہیں كَالطِّلَاءِ جیسے کہ طلاء ہے، وَهُوَ مَاءُ عِنَبٍ قَدْ طُبِخَ وہ انگور کا پانی ہے جس کو پکایا گیا، فَذَهَبَ أَقَلُّ مِنْ ثُلُثَيْهِ تو اس کا دو تہائی سے کم جو ہے وہ چلا گیا یعنی خشک ہو گیا۔ تو یہ بھی اسی کی طرح حرام ہے شراب کی طرح۔ وَغَلُظَ نَجَاسَةً اور غلیظ ہے شراب باعتبار نجاست کے۔ درمیان میں كَالطِّلَاءِ مثال ذکر کر دی تھی، اب ذرا پھر عبارت پہ دیکھنا، آپ یہ نہ کہیں کہ یہ طلاء سے جڑ رہا ہے، نہیں، غَلُظَ نَجَاسَةً اس کا تعلق کس سے ہے؟ خمر سے ہے۔ حَرُمَ الْخَمْرُ، خمر حرام ہے كَالطِّلَاءِ جیسے کہ طلاء ہوتا ہے، وَغَلُظَ نَجَاسَةً اور وہ خمر کیا ہے؟ باعتبار نجاست کے غلیظ، تو درمیان میں ایک مثال ذکر کر دی بھئی۔

وَنَقِيعُ التَّمْرِ أَيِ السَّكَرُ۔ یہ سَكَرٌ سین اور کاف دونوں پر فتحہ پڑھنا، یہ جو نَقِيعُ التَّمْرِ ہے نا، اس کو سَكَرٌ کہتے ہیں، سَكَرٌ، سین

پر بھی فتحہ ہے اور کاف پر بھی فتحہ۔ پہلے کا نام کیا تھا؟ خمر، دوسرے کا نام کیا تھا؟ طلاء، تیسرا یہ جو نَقِيعُ التَّمْرِ ہے اس کو سَكَرٌ کہتے ہیں، سَكَرٌ اس کا نام ہے۔ یہ نَقِيعُ التَّمْرِ بھئی کھجوروں کو پانی میں ڈال دیتے اور پھر اس پانی کو رکھتے تھے کوئی مخصوص طریقے سے بھئی، اور پڑے رہتے آہستہ آہستہ اس میں کھجوروں کی مٹھاس آتی پانی میں، پھر کچھ عرصہ پڑا رہتا آہستہ آہستہ اس کے اندر بھی ابال آتا، جوش آتا، اور اس میں وہ تیز ہو جاتا، نشہ آور ہو جاتا اور پھر وہ جھاگ دینے لگتا تھا۔ تو عرب کا خاص طریقے تھے، وہ اس سے یہ نشہ آور مشروب تیار کرتے تھے، تو اس کو نَقِيعُ التَّمْرِ کہتے تھے۔ تو کہتے ہیں وَنَقِيعُ التَّمْرِ أَيِ السَّكَرُ یعنی کہ سکر جو ہے، وَنَقِيعُ الزَّبِيبِ، زبیب کہتے ہیں کشمش کو بھئی، کشمش کو بھی اسی طرح، یہ جو خشک انگور ہیں، انگور کو خشک کیا جاتا ہے تو کشمش جو ہے اس کو بھی پانی میں رکھ دیتے اور کچھ عرصے کے بعد وہ بھی پانی میں ابال آتا اور اس میں وہ تیز ہو جاتا اور نشہ آجاتا اور جھاگ دینے لگتا تو اس کو نَقِيعُ الزَّبِيبِ کہتے ہیں بھئی، نَقِيعُ الزَّبِيبِ۔

ہاں چاہے وَاشْتَدَّ کا معنی نشہ آور کر لیں یا اس کا معنی کر لیں وہ تیز ہو جائے، کیا ہو جائے؟ تیز ہو جائے، تیز ہو جائے۔ آپ کہیں گے تیز ہونے کا کیا معنی؟ تیز ہو جائے۔ بھئی آج کل اس کو سمجھنا آسان ہے، آپ یہ پیپسی وغیرہ بوتل یہ خوب ٹھنڈی ہو، خوب ٹھنڈی ہو اور اس کو پیئیں تو یہ زبان کو کاٹتی ہے یا نہیں؟ زبان پر لگتی ہے، زبان کو کچھ کاٹتی ہے تھوڑا سا، تو دیکھو یہ کیا کہتے ہیں کہ یہ تیز ہے، بوتل بڑی تیز ہے، تیز ہے، تو یہ اس طرح کچھ، اس طرح کا کچھ ہوتا ہو گا کہ وہ زبان کو اور منہ کو کچھ کاٹتی ہو گی بھئی، بات سمجھ میں آگئی۔ تو چاہے یہ معنی کر لیں کہ وہ تیز ہو جائے، چاہے اس کا معنی کیا کر لیں؟ نشہ آور، دونوں جیسے آپ کو مناسب لگے۔

کہتے ہیں وَنَقِيعُ التَّمْرِ وَنَقِيعُ الزَّبِيبِ نِيئَيْنِ جبکہ وہ دونوں کیا ہوں؟ کچے ہوں یعنی پکایا نہ گیا ہو، پیچھے آیا تھا نا وَهِيَ النِّيءُ مِنْ مَاءِ الْعِنَبِ، نِيءٌ کس کو کہتے ہیں؟ کچے کو، نِيئَيْنِ یہ دونوں کیا ہوں؟ کچے ہوں، کون؟ نَقِيعُ التَّمْرِ اور نَقِيعُ الزَّبِيبِ، إِذَا غَلَتْ جب ان میں جوش آئے، جب یہ جوش ماریں، وَاشْتَدَّتْ اور ان میں تیزی آجائے یعنی یہ تیز ہو جائیں۔ کہتے ہیں الضَّمِيرُ يَرْجِعُ إِلَى الطِّلَاءِ وَنَقِيعِ التَّمْرِ وَنَقِيعِ الزَّبِيبِ، کہتے ہیں إِذَا غَلَتْ وَاشْتَدَّتْ اس کے اندر جو هِيَ ضمیر ہے وہ پیچھے طلاء، نقیع التمر اور نقیع الزبیب تینوں کو راجع ہے، تینوں کو راجع ہے کیونکہ تین چیزیں ہو گئیں تو یہ جمع بن گئی اور جمع بتاویلِ جماعت

کس کے حکم میں ہے؟ واحد مؤنث، بات سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں؟ واحد تو اس لیے واحد مؤنث کی ضمیر راجع کی۔ تو کہتے ہیں یہ تینوں إِذَا غَلَتْ جب یہ جوش ماریں، وَاشْتَدَّتْ اور تیز ہو جائیں یعنی ان میں نشہ آجائے۔ الضَّمِيرُ يَرْجِعُ إِلَى الطِّلَاءِ وَنَقِيعِ التَّمْرِ وَنَقِيعِ الزَّبِيبِ، کہ ضمیر جو ہے وہ لوٹ رہی ہے یہ غَلَتْ اور اشْتَدَّتْ کی طلاء کی طرف، نقیع التمر کی طرف اور نقیع الزبیب کی طرف۔

وَعِنْدَ الْأَوْزَاعِيِّ الطِّلَاءُ وَهُوَ الْبَاذَقُ مُبَاحٌ، جبکہ امام اوزاعی کے نزدیک طلاء اور وہ باذق ہی ہے، مُبَاحٌ وہ کیا ہے؟ مباح

ہے۔ وہ فرماتے ہیں یہ مباح ہے، اس کا پینا جائز ہے بھئی۔ بھئی دراصل یہ ناموں کے اندر، ناموں کے اندر شبہ پڑا، ناموں کے اندر۔ تو ناموں میں شبہ پڑا: دیکھو یہ چار شرابیں تو ہیں حرام، اور کچھ چار یا اس سے زیادہ ہیں وہ کیا ہیں؟ حلال ہیں جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔ آگے جن کا ذکر آرہا ہے ان کے پینا حلال ہے لیکن جب تک اس سے نشہ، اتنی مقدار جس سے نشہ نہ ہو، اور نیز وہ مستی اور لہو و لعب کی نیت سے نہ پیا جائے بلکہ طاقت کی نیت سے پیا جائے تو ان کا پینا حلال۔ تو ان جو حلال ہیں ان میں سے ایک کا نام باذق ہے۔ باذق یا باذق ذال کے کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ یہ لفظ سنا گیا ہے۔ تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ حلال شرابوں میں سے ایک کا نام کیا ہے؟ باذق۔ اور حرام میں سے ایک کا نام کیا ہے؟ طلاء۔ ابھی اوپر گزرا طلاء وہ کس میں سے ہے؟ حرام میں سے۔ تو امام اوزاعی فرماتے ہیں طلاء جو ہے وہ جائز ہے۔ بھئی کیا وجہ ہے؟ وہ تو حرام ہے! کہتے ہیں بھئی دراصل یہ ناموں کے اندر اشتباہ ہوا ہے۔ امام اوزاعی، وہ جو جس کو یہ باذق کہتے ہیں امام اوزاعی اس کو طلاء کہتے ہیں۔ تو طلاء اور باذق کیا ہوئے؟ ایک ہی ہو گئے۔ تو اور باذق تو حلال ہے وہ تو یہ بھی تمام فقہا کہتے ہیں، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ دراصل ناموں کے اندر اشتباہ ہوا، تو ورنہ اسی لیے کہا کہ وَعِنْدَ الْأَوْزَاعِيِّ الطِّلَاءُ امام اوزاعی کے نزدیک طلاء جو ہے وَهُوَ الْبَاذَقُ وہی کیا ہے؟ باذق ہے، مُبَاحٌ وہ مباح ہے۔ یعنی امام اوزاعی جس کو طلاء کہتے ہیں ہمارے فقہا اس کو کیا کہتے ہیں؟ باذق کہتے ہیں، اور باذق تو ہمارے نزدیک بھی مباح ہے۔ تو کہتے ہیں وَعِنْدَ الْأَوْزَاعِيِّ الطِّلَاءُ وَهُوَ الْبَاذَقُ مُبَاحٌ طلاء جو ہے وہ باذق ہی ہے وہ مباح ہے، وَكَذَا نَقِيعُ الزَّبِيبِ اور اسی طرح نقیع الزبیب بھی جو ہے ان کے نزدیک مباح ہے بھئی۔

وَعِنْدَ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللهِ السَّكَرُ مُبَاحٌ، شریک بن عبداللہ یہ بہت بڑے محدث گزرے ہیں بھئی اور یہ غالباً تابعی ہیں بھئی تابعی، سن ۹۵ ہجری میں ان کی پیدائش ہوئی ہے۔ تو یہ فرماتے ہیں کہ السَّكَرُ مُبَاحٌ کہ سکر یعنی نقیع التمر جو ہے وہ بھی مباح ہے، وہ بھی جائز ہے۔ کیوں؟ لِقَوْلِهِ تَعَالَى وہ کہتے ہیں قرآن میں اللہ فرماتے ہیں تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا کہ تم ان سے کیا بناتے ہو؟ ان کھجوروں سے سکر بناتے ہو وَرِزْقًا حَسَنًا اور اچھا رزق۔ تو کہتے ہیں دیکھا اللہ تعالیٰ یہاں سکر کو فرما رہے ہیں رزقِ حسن کے ساتھ اور معلوم ہوا اس کا پینا کیا ہے؟ جائز ہے۔ جائز ہے، اللہ بطور احسان کے اس کا ذکر فرما رہے ہیں۔ لیکن ہمارے فقہا پھر جواب دیتے ہیں کہ یہ، یہ ابتدا کا حکم ہے۔ ابتدا میں تو شراب بھی حلال تھی بھئی، اس کو بھی ایک دم حرام نہیں کیا گیا بھئی، تو یہ ابتدا کا حکم ہے۔ اور جبکہ بعض نے یہ جواب دیا کہ یہ جو تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا یہ ڈانٹ کے طور پر اللہ فرما رہے ہیں، توبیخ ہے، یہ اللہ احسان کے طور پر ذکر نہیں فرما رہے بلکہ اللہ ڈانٹ کے طور پر فرما رہے ہیں کہ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا تم تو کیا کرتے ہو؟ کھجور سے سکر بناتے ہو، وَرِزْقًا حَسَنًا أَيْ وَتَدَعُونَ رِزْقًا حَسَنًا اور اچھے رزق کو چھوڑ دیتے ہو؟ تو دیکھا یہاں فعل محذوف ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَاعْلَمْ أَنَّ هٰذِهِ الْأَشْرِبَةَ إِنَّمَا تَحْرُمُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى إِذَا غَلَتْ وَاشْتَدَّتْ وَقَذَفَتْ بِالزَّبَدِ، کہ یہ والے مشروبات جو ہیں یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حرام ہیں کب؟ إِذَا غَلَتْ جب ان میں جوش آجائے، جب ابال آجائے، وَاشْتَدَّتْ اور یہ تیز ہو جائیں، نشہ آور ہو جائیں، وَقَذَفَتْ بِالزَّبَدِ اور یہ جھاگ پھینکیں۔ تو جھاگ پھینکنے کی شرط وہ لگاتے ہیں سب میں۔ وَعِنْدَهُمَا يَكْفِي الِاشْتِدَادُ کہ اس کا تیز ہونا کافی ہے كَمَا فِي الْخَمْرِ جیسے کس کے اندر تھا؟ خمر کے اندر تھا۔ تو یاد رکھیے یہ جب ان میں ابال آتا ہے اس سے نشے کی ابتدا ہوتی ہے، اس میں نشہ آنا شروع ہو جاتا ہے، اور پھر جب اس میں تیزی آتی ہے، شدت آتی ہے، تو نشہ تیز ہو گیا، اور جب اس میں جھاگ آنے لگے تو نشہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ تو لہٰذا امام صاحب فرماتے ہیں کہ شرعی احکام اور شرعی حد اس وقت لگائی جائے گی جب کوئی چیز اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہو، انتہا درجے کی نشہ آور ہو گئی، اب کوئی پیے گا تو اس پر کیا حد، کیا جاری ہو گی؟ حد جاری ہو گی۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں نہیں اس کا تیز ہونا اور نشہ آور ہونا ہی کافی ہے۔ تو کہتے ہیں وَعِنْدَهُمَا يَكْفِي الِاشْتِدَادُ كَمَا فِي الْخَمْرِ کہ اس کا تیز ہونا ہی کافی ہے جیسے کہ خمر میں تھا۔

وَحُرْمَةُ الْخَمْرِ أَقْوَى، اور شراب کی حرمت سب سے قوی ہے، فَيُكَفَّرُ مُسْتَحِلُّهَا فَقَطْ، پس اس کے مستحل کو کافر قرار دیا جائے گا صرف۔ اگر کوئی طلاء کو یا نقیع التمر یا نقیع الزبیب کو حلال سمجھتا ہے تو اس کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا، کیونکہ وہ یہ ان چیزوں کی حرمت اجتہادی ہے، اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے، بعض فقہا نے ان کو حرام قرار دیا اور بعض نے حرام قرار نہیں دیا، تو ان کی حرمت کم درجے کی ہے، جبکہ شراب کی حرمت سب سے قوی سب سے اعلیٰ درجے کی ہے۔ اور نیز میں نے بتلا دیا کہ شراب کا کوئی ایک قطرہ بھی پی لے گا اس پر حد جاری ہو گی، جبکہ باقی مشروبات میں جب تک نشہ نہ چڑھ جائے کسی کو اس وقت تک اس پر حد جاری نہیں ہو گی۔ نیز شراب کی جو نجاست ہے وہ نجاستِ غلیظہ ہے، نجاستِ غلیظہ ہے، جبکہ یہ باقیوں کی نجاست میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں نجاستِ غلیظہ ہے اور بعض کہتے ہیں نجاستِ خفیفہ ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں وَحُرْمَةُ الْخَمْرِ أَقْوَى شراب کی حرمت سب سے قوی ہے فَيُكَفَّرُ مُسْتَحِلُّهَا فَقَطْ پس صرف اسی کو حلال سمجھنے والے کو کافر قرار دیا جائے گا۔

وَحَلَّ الْمُثَلَّثُ الْعِنَبِيُّ مُشْتَدًّا، اور حلال ہے مثلثِ عنبی مُشْتَدًّا جب یہ وہ تیز ہو، اس حال میں کہ وہ تیز یعنی نشہ آور ہو۔ أَيْ يُطْبَخُ، اب اس کا طریقہ بتلا رہے ہیں مثلثِ عنبی بناتے کیسے ہیں۔ کہتے ہیں أَيْ يُطْبَخُ مَاءُ الْعِنَبِ پکایا جاتا ہے انگور کے پانی کو حَتَّى يَذْهَبَ ثُلُثَاهُ یہاں تک کہ اس کے دو ثلث خشک ہو جاتے ہیں، کتنے ثلث، کتنا رہ گیا؟ ایک ثلث رہ، تو یہ معنی ہے حَتَّى يَذْهَبَ ثُلُثَاهُ اس کے دو ثلث خشک ہو جاتے ہیں چلے جاتے ہیں، وَبَقِيَ ثُلُثُهُ اور ایک ثلث باقی رہ گیا۔ ثُمَّ يُوضَعُ پھر اس کو رکھ دیا جاتا ہے حَتَّى يَغْلِيَ وَيَشْتَدَّ وَيَقْذِفَ بِالزَّبَدِ یہاں تک کہ اس میں ابال آتا ہے اور یہ تیز ہو جاتا ہے وَيَقْذِفَ بِالزَّبَدِ اور یہ جھاگ پھینکنے لگتا ہے۔ ایک صورت: کچھ پکایا، دو تہائی خشک کر دیا، یا دو تہائی یا اس سے زیادہ، اور پھر رکھ دیا

یہاں تک کہ اس میں ابال آیا، تیز ہو گیا اور جھاگ دینے لگا۔

دوسری صورت: وَكَذَا إِنْ صُبَّ فِيهِ الْمَاءُ، اگر اس کے اندر پانی بہا دیا جائے یعنی پانی ملا دیا جائے حَتَّى يَرِقَّ یہاں تک کہ یہ پتلا ہو جائے، کیا ہو جائے؟ پتلا ہو جائے۔ یعنی بھئی پہلے پکایا، پکا کر دو تہائی خشک کر لیا، اب جو ایک تہائی رہ گیا وہ بڑا گاڑھا ہے، اب اس میں پھر پانی ملایا اور پھر اس کو اب تھوڑا سا اور پکا لیا تاکہ کچھ پتلا رہے، پہلے جیسا گاڑھا نہ رہے۔ اب تھوڑا سا اور پکایا اور پھر اس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ اس میں جوش آیا، تیز ہو گیا یہ اور یہ جھاگ دینے لگا۔ تو یہ سب کیا ہیں؟ مثلثِ عنبی کی مختلف صورتیں ہیں۔ تو کہتے ہیں وَكَذَا إِنْ صُبَّ فِيهِ الْمَاءُ اور اسی طرح اگر اس کے اندر پانی بہا دیا جائے، پانی ڈال دیا جائے حَتَّى يَرِقَّ یہاں تک کہ یہ پتلا ہو جائے بَعْدَ مَا ذَهَبَ ثُلُثَاهُ بعد اس کے کہ جب کہ اس کا ثلث تحلیل ہو چکا تھا، دو ثلث تحلیل ہو چکا ہے خشک ہو چکا ہے، اس کے بعد اس میں کیا ملایا گیا؟ پانی ملایا گیا۔ ثُمَّ يُطْبَخُ أَدْنَى طَبْخَةٍ پھر اس کو تھوڑا سا پکایا گیا، ثُمَّ يُتْرَكُ إِلَى أَنْ يَغْلِيَ وَيَشْتَدَّ وَيَقْذِفَ بِالزَّبَدِ پھر اس کو چھوڑ دیا گیا یہاں تک کہ یہ، یہاں تک کہ اس نے جوش مارا اور یہ تیز ہو گیا اور جھاگ دینے لگا۔

وَإِنَّمَا حَلَّ الْمُثَلَّثُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللهُ، کہتے ہیں یہ مثلثِ عنبی صرف شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک حلال ہے، خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ وَمَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالَى باقی یہ تینوں ائمہ کے نزدیک یہ بھی حرام ہے، یہ بھی حرام ہے۔

وَنَبِيذُ التَّمْرِ وَالزَّبِيبِ مَطْبُوخًا أَدْنَى طَبْخَةٍ، اور اسی طرح کھجور کی نبیذ۔ کھجور کی نبیذ یہ بھی وہی بھئی کھجور کو کس میں ڈال دیا؟ پانی میں ڈال دیا، تو اس کو نبیذِ تمر کہتے ہیں، کھجور کی مٹھاس آ گئی، اور زیادہ رکھیں گے تو پھر اس میں نشہ آ جائے گا کوئی خاص طریقے سے رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں وَنَبِيذُ التَّمْرِ وَالزَّبِيبِ مَطْبُوخًا اور کھجور اور کشمش کی نبیذ مَطْبُوخًا اس حال میں کہ اس کو پکایا گیا ہو أَدْنَى طَبْخَةٍ تھوڑا سا پکانا۔ کشمش کی نبیذ ہے اس کو تھوڑا سا پکا لیا، یا کھجور کی نبیذ ہے اس کو تھوڑا سا پکا لیا۔ بھئی یاد رکھو وَنَبِيذُ التَّمْرِ اس کا عطف کس پر ہے؟ پیچھے آیا تھا وَحَلَّ الْمُثَلَّثُ الْعِنَبِيُّ، حَلَّ الْمُثَلَّثُ الْعِنَبِيُّ، تو اس کا عطف اسی مثلثِ عنبی پر ہے اور حلال ہے نَبِيذُ التَّمْرِ تمر کی نبیذ وَالزَّبِيبِ اور زبیب کی نبیذ مَطْبُوخًا أَدْنَى طَبْخَةٍ جب کہ ان کو تھوڑا پکایا گیا ہو۔ بھئی نقیع التمر اور نقیع الزبیب وہ بھی یہی نبیذ تھیں لیکن ان کو پکایا نہیں گیا تھا، وہاں تھا نِيئَيْنِ دونوں کیا ہوں؟ کچے ہوں، کیا ہوں؟ کچے ہوں۔ تو کہتے ہیں یہ بھی نبیذِ تمر اور زبیب جب کہ ان کو تھوڑا سا پکایا گیا ہو یہ بھی حلال ہیں، وَإِنِ اشْتَدَّا اگرچہ یہ تیز ہو جائیں، کیا ہو جائیں؟ تیز ہو جائیں یعنی ان میں بھی نشہ آ جائے۔

إِذَا شُرِبَ مَا لَمْ يُسْكِرْ، جب پی جائے مَا وہ مقدار، مَا سے کیا مراد ہے؟ وہ مقدار۔ ترجمے پہ نظر رکھنا: وَإِنِ اشْتَدَّا اگرچہ یہ تیز ہو جائیں یہ حلال ہیں کب؟ إِذَا شُرِبَ مَا لَمْ يُسْكِرْ جب پی جائے وہ مقدار جو نشہ نہ دے، جو مدہوش نہ کرے۔ جب پی جائے اتنی مقدار جو نشہ نہ دے، اور بِلَا لَهْوٍ وَطَرَبٍ بغیر لہو و لعب اور بغیر مستی کے۔ لہو و لعب اور مستی کا ارادہ نہ ہو بلکہ طاقت

کے لیے یا دوا کے طور پر کوئی پی رہا ہو پھر حلال ہے، ویسے حلال نہیں ہے۔ یہ سب کے اندر قید ہے، یہ جو حلال شرابیں آ رہی ہیں یہ بھی زیادہ پیئیں تو ان میں بھی نشہ ہے، لیکن ان سب کے اندر قید ہے کہ لہو و لعب یعنی اور مستی کی نیت سے نہ پیے بھئی، تفریح وغیرہ اور مستی کی نیت سے نہ پیے بلکہ قوت حاصل کرنے کے لیے پیے۔ ان میں قوت بھی تھی بھئی بہت زیادہ قوت تھی، اور آج کل تو قوت کی بہت چیزیں ہیں، قدیم زمانے میں تو اتنی چیزیں نہیں تھیں تو کوئی بیمار ہوتا کمزور ہوتا اس کو یہ چیزیں پلائی جاتی تھیں، لیکن بتلایا اتنی مقدار جس سے نشہ نہ ہو اور نیز لہو و لعب اور مستی کی نیت بھی نہ ہو۔

یہ معنی ہے کہ إِذَا شُرِبَ مَا لَمْ يُسْكِرْ بِلَا لَهْوٍ وَطَرَبٍ کہ جب اس کو پیا جائے اتنی مقدار جس سے جو نشہ نہ دے اور بغیر لہو و لعب اور بغیر مستی کے ہو۔ أَيْ إِنَّمَا تَحِلُّ هٰذِهِ الْأَشْرِبَةُ إِذَا شُرِبَ مَا لَمْ يُسْكِرْ، یہ شرابیں حلال ہیں جب پی جائے اتنی مقدار جو نشہ، جو مدہوش نہ کرے۔ أَمَّا الْقَدَحُ الْأَخِيرُ وَهُوَ الْمُسْكِرُ حَرَامٌ اتِّفَاقًا، اور باقی آخری پیالہ جو مدہوش کرنے والا ہے حَرَامٌ اتِّفَاقًا وہ بالاتفاق حرام ہے۔ آخری پیالہ بالاتفاق حرام ہے۔ مطلب مثلاً بھئی نبیذِ تمر کسی نے تیار کی اور وہ تیز بھی ہو گئی، اور اس نبیذِ تمر کے اگر کوئی دو پیالے پیے تو اس کو نشہ نہیں چڑھتا لیکن تین پیالے پی لے تو اس کو وہ مدہوش ہو جاتا ہے اس کو نشہ چڑھ جاتا ہے، تو دو پیالے تو پینا حلال اور وہ جو آخری

تیسرا پیالہ ہے جو نشہ کرنے والا ہے وہ بالاتفاق کیا ہے؟ حرام ہے۔ یہ معنی ہے أَمَّا الْقَدَحُ الْأَخِيرُ، اور آخری پیالہ یعنی آخری جام جو ہے وَهُوَ الْمُسْكِرُ اور وہی جو نشہ آور ہے، مدہوش کرنے والا ہے، حَرَامٌ اتِّفَاقًا وہ بالاتفاق حرام ہے۔

وَشَرْطُهُ اور شرط یہ ہے أَنْ يَشْرَبَ لَا لِقَصْدِ اللَّهْوِ وَالطَّرَبِ کہ وہ اس کو لہو و لعب اور مستی کی نیت سے نہ پیے، بَلْ لِقَصْدِ التَّقَوِّي بلکہ طاقت حاصل کرنے کے ارادے سے پیے، قوت کے ارادے سے پیے۔

وَالْخَلِيطَانِ، خلیطان یہ بھی حلال ہے بھئی۔ اس کا بھی عطف اسی پر ہے: حَلَّ الْمُثَلَّثُ الْعِنَبِيُّ وَنَبِيذُ التَّمْرِ وَالزَّبِيبِ اور وَالْخَلِيطَانِ۔ وَالْخَلِيطَانِ اور خلیطان یہ بھی کیا ہے؟ حلال ہے۔ وَهُوَ أَنْ يُجْمَعَ بَيْنَ مَاءِ التَّمْرِ وَالزَّبِيبِ، اور وہ یہ کہ جمع کیا جائے کھجور کے پانی کو اور کشمش کے پانی کو، وَيُطْبَخَ أَدْنَى طَبْخَةٍ اور اس کو تھوڑا سا پکا لیا جائے، وَيُتْرَكَ اور پھر اس کو چھوڑ دیا جائے إِلَى أَنْ يَغْلِيَ وَيَشْتَدَّ یہاں تک کہ اس، وہ جوش مارے اور وہ تیز ہو جائے، تو یہ جو ہے يَحِلُّ بِلَا لَهْوٍ وَطَرَبٍ یہ بھی حلال ہے لیکن بغیر لہو و لعب اور بغیر مستی کے۔

وَنَبِيذُ الْعَسَلِ وَالتِّينِ وَالْبُرِّ وَالشَّعِيرِ وَالذُّرَةِ وَإِنْ لَمْ يُطْبَخْ بِلَا لَهْوٍ وَلَا طَرَبٍ، اس کا بھی اسی پر عطف ہے: حلال ہے نَبِيذُ الْعَسَلِ شہد کی نبیذ، وَالتِّينِ تین انجیر بھئی انجیر جس کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے اس کی نبیذ، وَالْبُرِّ بر گندم کو کہتے ہیں بھئی، اور گندم کی نبیذ، وَالشَّعِيرِ اور جو کی نبیذ، جو، وَالذُّرَةِ، ذرہ میں را پر شد نہ پڑھنا بھئی، را تخفیف کے ساتھ ہے، ذُرَةٌ۔ ذُرَةٌ مکئی کو کہتے ہیں مکئی بھئی تو مکئی جس کو جوار بھی کہتے ہیں، ان کی سب کی نبیذیں حلال ہیں، وَإِنْ لَمْ يُطْبَخْ اگرچہ ان کو پکایا نہ جائے۔ اگرچہ ان کو پکایا نہ جائے پھر بھی ان کی نبیذیں حلال ہیں بِلَا لَهْوٍ وَلَا طَرَبٍ لیکن وہی شرط ہے کہ بغیر لہو و لعب اور بغیر مستی کے ہوں۔

وَخَلُّ الْخَمْرِ أَيْ اس کا بھی اسی پر عطف ہے: أَيْ حَلَّ خَلُّ الْخَمْرِ، حلال ہے شراب کا سرکہ، خَلُّ الْخَمْرِ شراب کا، اور حلال ہے شراب کا سرکہ، وَلَوْ بِعِلَاجٍ اگرچہ کسی عمل کے ذریعے ہو۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ شراب کو ویسے بھی کچھ عرصہ رکھا جائے تو وہ کس میں بدل جاتی ہے پھر؟ سرکہ، کوئی خاص طریقے سے دھوپ میں رکھتے ہوں گے یا کچھ کرتے ہوں گے تو وہ کس میں بدل جاتی ہے؟ سرکے میں، اوریا اس میں نمک وغیرہ ڈالیں تو بھی وہ سرکے میں بدل جاتی ہے۔ تو علاج سے مراد ہے اپنا عمل۔ آدمی اپنے عمل یعنی نمک وغیرہ ڈال کر باقاعدہ اس کو خود سرکے میں بدل دے۔ اور ایک ہے خود بخود بدلنا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ اگر خود بخود بدلے تو پھر اس میں ان کے دو قول ہیں، ایک قول میں ہے کہ پھر حلال ہے وہ سرکہ، اور دوسرا قول ہے کہ وہ سرکہ بھی حلال نہیں۔ اور اگر کسی نے اپنے عمل کے ذریعے اس کو شراب کو سرکے میں بدلا تو اس کے بارے میں ان کا ایک ہی قول ہے کہ یہ حلال نہیں، یہ جائز نہیں۔ وہ حلال نہیں ہے۔

تو ہمارے نزدیک حلال ہے خَلُّ الْخَمْرِ شراب کا سرکہ حلال ہے وَلَوْ بِعِلَاجٍ اگرچہ علاج یعنی عمل اپنے عمل کے ذریعے ہو، یعنی وہ شراب سے جو سرکہ بنا ہے اگرچہ وہ اپنے عمل کے ذریعے ہو، أَيْ بِإِلْقَاءِ شَيْءٍ فِيهِ یعنی اس میں کسی چیز کے ڈالنے کے ذریعے ہو۔ وَهٰذَا احْتِرَازٌ عَنْ قَوْلِ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ اور یہ احتراز ہے دراصل امام شافعی رحمہ اللہ کے قول سے، فَإِنَّ التَّخْلِيلَ إِذَا كَانَ بِإِلْقَاءِ شَيْءٍ لَا يَحِلُّ الْخَلُّ قَوْلًا وَاحِدًا اس لیے کیونکہ تخلیل یعنی سرکہ بنانا إِذَا كَانَ بِإِلْقَاءِ شَيْءٍ جب وہ کسی چیز کے ڈالنے کے ذریعے ہو تو لَا يَحِلُّ الْخَلُّ تو سرکہ حلال نہیں ہے قَوْلًا وَاحِدًا ان کا ایک ہی قول ہے اس بارے میں۔ وَإِنْ كَانَ بِغَيْرِ إِلْقَاءِ شَيْءٍ اور اگر سرکہ جو بنا وہ بغیر کسی چیز کے ڈالے خود بخود بن گیا ہے فَفِيهِ قَوْلَانِ لَهُ تو اس بارے میں ان کے دو قول ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَالِانْتِبَاذُ فِي الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَالنَّقِيرِ، اور انتباذ کا معنی ہے نبیذ بنانا، نبیذ بنانا۔ اور نبیذ بنانا فِي الدُّبَّاءِ دباء کے اندر، وَالْحَنْتَمِ اور حنتم کے اندر، وَالْمُزَفَّتِ اور مزفت کے اندر، وَالنَّقِيرِ ان نقیر، یہ سب بھی جائز ہیں۔ اس کا، انتباذ کا عطف بھی اسی ما قبل پر ہے: أَيْ حَلَّ الِانْتِبَاذُ، حلال ہے نبیذ بنانا دباء، حنتم، مزفت اور نقیر میں۔ اب یہ کس کس، دباء کسے کہتے ہیں؟ بھئی یہ برتنوں کے نام ہیں، ان سب میں نبیذ بنانا حلال۔ یہ وہ برتن ہیں جن میں کفار جو ہیں زمانہ جاہلیت میں ان کے اندر وہ شرابیں بناتے تھے یعنی نشہ آور مشروبات بناتے تھے۔ تو ابتدا میں ان کو، ان کے استعمال سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا تاکہ لوگوں کے دلوں میں خوب شراب اور نشہ آور چیزوں کی نفرت آجائے، اور پھر جب عرصہ گزر گیا تو پھر اس کے بعد ان کے استعمال کو جائز قرار دے دیا، اسی لیے کہا کہ ان کے اندر اب ان کا استعمال جائز ہے، ان کے اندر نبیذ بنانا جائز ہے۔ تو کہتے ہیں نبیذ بنانا حلال ہے دباء کے اندر، حنتم کے اندر، مزفت اور نقیر کے اندر۔

بھئی یہ کن کو کہتے ہیں؟ خود بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں الدُّبَّاءُ الْقَرْعُ، دباء جو ہے وہ کدو کو کہتے ہیں، الدُّبَّاءُ الْقَرْعُ دباء اور قرع ایک ہی کدو کے نام ہیں بھئی۔ دباء کس کو کہتے ہیں؟ کدو۔ بھئی آپ نے شاید نہیں دیکھا ہو گا، آپ کے ہاں یہ گھیا کدو

ہوتا ہے چھوٹا سا ہوتا ہے، لیکن بعض علاقوں میں یہ کدو بہت بڑے بڑے کدو ہوتے ہیں بھئی، میں نے بھی خود بھی دیکھے ہیں اور یہ جو یوں سمجھیں آج کل یہ ڈیڑھ لیٹر، ڈیڑھ لیٹر کی بوتل بھی چھوٹی ہے، اس سے بھی بڑے بلکہ اس کو بھی یعنی موٹائی بھی بڑھا دیں لمبائی بھی اس کی بڑھا دیں، اتنے بڑے بڑے کدو ہوتے ہیں اور ہو سکتا ہے اس سے بھی زیادہ بڑے ہوں، بات سمجھ میں آگئی؟ میں نے تو سب نہیں دیکھے لیکن اتنے بڑے تو میں نے بھی دیکھے ہیں تو اس سے بھی بڑے ہوں گے، تو وہ کدو دیکھو وہ دو ڈھائی لیٹر جیسی بوتل بن گئی۔ اب اس کو کیا کرتے تھے وہ لوگ؟ سر اس کا کاٹتے اور اس کے اندر سے گودا سارا نکال لیتے تھے، تو اب اس کا چھلکا رہ گیا، پھر اس کو خشک ہونے دیتے تھے، تو یہ چھلکا اس کا بڑا سخت ہوتا تھا تو یہ ایک بوتل نما دیکھو برتن بن گیا۔ اس میں وہ شراب وغیرہ نشہ آور مشروبات بناتے تھے۔ تو اس کو دباء کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں الدُّبَّاءُ اَلْقَرْعُ دباء جو ہے وہ کدو ہے۔

وَالْحَنْتَمُ، حنتم جو ہے اَلْجَرَّةُ الْخَضْرَاءُ وہ سبز مٹکا ہے۔ سبز رنگ کا کوئی گھڑا یا مٹکا ہوتا تھا، اس پر خاص قسم کا بناتے تھے، اس پر سبز رنگ ہوگا اور چیز کچھ لگاتے ہوں گے، اس کے اندر وہ شراب بناتے تھے، تو اس کو حنتم کہتے۔

وَالْمُزَفَّتُ، مزفت جو ہے اَلظَّرْفُ الْمَطْلِيُّ بِالزِّفْتِ أَيِ الْقِيرِ، یہ اَلظَّرْفُ وہ برتن، وہ ظرف، وہ برتن اَلْمَطْلِيُّ، طَلَى يَطْلِي کا معنی ہے پالش کرنا، کسی چیز کے اوپر کوئی چیز ملنا، لگانا۔ تو وہ برتن اَلْمَطْلِيُّ جس پر پالش کی جاتی تھی یا جس کے اوپر لگایا جاتا تھا کیا چیز؟ بِالزِّفْتِ، زفت جو ہے نا یہ تارکول کو کہتے ہیں، تارکول، لک، جس سے آج کل سڑکیں بنتی ہیں آپ دیکھتے ہیں بھئی، وہ جس کو خوب گرم کیا جاتا ہے اور وہ پتلا ہو جاتا ہے پھر اس کو سڑک پر لگا دیا جاتا ہے یہ پتھر وغیرہ کے ساتھ۔ تو وہ جو، اس کو زفت کہتے ہیں۔ اسی طرح اس کا ایک نام قیر بھی ہے، بِالزِّفْتِ أَيِ الْقِيرِ، زفت سے کیا مراد ہے؟ قیر، وہی تارکول بھئی تارکول۔ تو یہ کوئی خاص مصالحہ وہ تارکول یا تارکول جیسا کوئی مصالحہ ہوتا تھا جس کو اس برتن پر مل دیتے تھے خوب اچھی طرح تاکہ اس میں سوراخ وغیرہ بالکل بند ہو جائیں، اور وہ اس کو پھر وہ مزفت کہتے تھے، اور اس کے اندر وہ پھر نشہ آور مشروبات تیار کرتے تھے۔ تو کہتے ہیں وَالْمُزَفَّتُ اَلظَّرْفُ الْمَطْلِيُّ بِالزِّفْتِ وہ ظرف جس کے اوپر لگایا گیا ہو زفت کو یعنی قیر یعنی تارکول کو۔

وَالنَّقِيرُ، نقیر کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں اَلظَّرْفُ الَّذِي يَكُونُ مِنَ الْخَشَبِ الْمَنْقُورِ وہ برتن جو کہ کھدی ہوئی لکڑی سے بنا ہو۔ بھئی بعض اوقات یوں کرتے کہ لکڑی جو ہے ذرا بڑی لکڑی لے کر اس کے اندر کھدائی کر کے پیالہ نما شکل اس کی بنا لیتے تھے، اور اس کے اندر پھر وہ نشہ آور مشروب تیار کرتے تھے، تو اس کو نقیر کہتے تھے۔ تو کہتے ہیں اَلظَّرْفُ الَّذِي يَكُونُ مِنَ الْخَشَبِ الْمَنْقُورِ، خَشَبٌ لکڑی کو کہتے ہیں، مَنْقُورٌ جس کو کھودا گیا ہو، کھدائی کی گئی ہو جس کی۔ تو وہ برتن جو کہ کھودی ہوئی لکڑی سے بنایا گیا ہو۔

اعْلَمْ أَنَّ هٰذِهِ الظُّرُوفَ كَانَتْ مُخْتَصَّةً بِالْخَمْرِ کہ یہ والے جو برتن تھے یہ خاص تھے شراب کے ساتھ، فَإِذَا حُرِّمَتِ الْخَمْرُ

جب شراب کو حرام قرار دے دیا گیا تو حَرَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتِعْمَالَ هٰذِهِ الظُّرُوفِ تو حضور علیہ السلام نے ان برتنوں کے استعمال کو بھی حرام قرار دے دیا۔ حرام قرار دے دیا۔ کیوں؟ کہتے ہیں إِمَّا لِأَنَّ فِي اسْتِعْمَالِهَا تَشَبُّهًا بِشُرْبِ الْخَمْرِ اس لیے کیونکہ ان برتنوں کے استعمال میں شراب پینے کے ساتھ مشابہت تھی، اس لیے حضور نے منع فرمایا، يَا وَإِمَّا لِأَنَّ هٰذِهِ الظُّرُوفَ كَانَ فِيهَا أَثَرُ الْخَمْرِ کہ ان برتنوں کے اندر شراب کا اثر تھا کیونکہ لوگ ان میں شراب بناتے تھے تو ان میں کیا تھا؟ شراب کا اثر تھا، شاید اس لیے حضور نے منع فرمایا، تو اس لیے حضور نے منع فرمایا۔ فَلَمَّا مَضَتْ مُدَّةٌ پس جب کچھ مدت گزر گئی أَبَاحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتِعْمَالَ هٰذِهِ الظُّرُوفِ تو حضور علیہ السلام نے ان برتنوں کے استعمال کو مباح قرار دے دیا اسْتِعْمَالَ هٰذِهِ الظُّرُوفِ. فَإِنَّ أَثَرَ الْخَمْرِ قَدْ زَالَ عَنْهَا اس لیے کیونکہ شراب کا اثر ان سے ختم ہو گیا تھا، کافی وقت گزر گیا تھا وہ تو اثر ختم ہو گیا۔ وَأَيْضًا فِي ابْتِدَاءِ تَحْرِيمِ شَيْءٍ يُبَالَغُ وَيُشَدَّدُ اور نیز اس لیے بھی کہ کسی چیز کو حرام قرار دینے کے آغاز میں يُبَالَغُ وَيُشَدَّدُ مبالغہ کیا جاتا ہے اور سختی کی جاتی ہے لِيَتْرُكَهُ النَّاسُ مَرَّةً تاکہ لوگ اس کو ایک مرتبہ چھوڑ دیں یعنی پورے طور پر۔ فَإِذَا تَرَكَ النَّاسُ وَاسْتَقَرَّ الْأَمْرُ پس جب لوگ اس کو چھوڑ دیں اور معاملہ قرار پکڑ لے یعنی معاملہ ٹھیک ہو جائے تو يَزُولُ ذٰلِكَ التَّشْدِيدُ بَعْدَ حُصُولِ الْمَقْصُودِ تو پھر وہ سختی جو ہے وہ ختم ہو جاتی ہے مقصد حاصل ہو جانے کے بعد۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟

وَكُرِهَ شُرْبُ دُرْدِيِّ الْخَمْرِ وَالِادِّهَانُ بِهِ، دُرْدِيُّ الْخَمْرِ، دردی کہتے ہیں شراب کی جو میل کچیل ہے۔ شراب مٹکے میں رکھی ہوئی ہے تو ظاہر سی بات ہے جو میل کچیل ہو گا وہ آہستہ آہستہ نیچے تہہ میں بیٹھ جائے گا۔ اب مٹکے میں سے شراب تو ساری ختم ہو گئی لیکن نیچے وہ کچھ میل کچیل جس کو تلچھٹ بھی کہتے ہیں، تو وہ شراب کی میل کچیل باقی رہ گئی۔ کیا اس، اس شراب کی میل کچیل کو پینا جائز ہے یا جائز نہیں؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، اس میں بھی شراب کے اجزاء ہیں، اور جیسے شراب کا کی تھوڑی مقدار بھی کیا تھی؟ حرام تھی، تو یہ بھی حرام ہے۔ اور اسی طرح بعض پھر عورتیں اس کے ذریعے کنگھی کرتیں، کنگھی پر لگا کر بالوں میں لگاتی ہوں گی، کچھ بالوں میں چمک دمک آ جاتی ہو گی، تو کہتے ہیں وہ بھی حرام ہے کیونکہ آپ کو ہم نے بتلا دیا کہ شراب سے نفع اٹھانا حرام ہے۔ تو کہتے ہیں وَكُرِهَ شُرْبُ دُرْدِيِّ الْخَمْرِ اور مکروہ ہے شراب کی میل کچیل کو پینا وَالِادِّهَانُ بِهِ اور اس کے ذریعے کنگھی کرنا۔

کہتے ہیں الْمُرَادُ بِالْكَرَاهَةِ الْحُرْمَةُ، کہتے ہیں متن میں تو ہے نا كُرِهَ، كُرِهَ مکروہ ہے۔ کہتے ہیں کراہت سے مراد حرمت ہے، مکروہ نہیں ہے بلکہ حرام۔ تو کہتے ہیں کراہت سے مراد جو ہے حرمت ہے لِأَنَّ فِيهِ أَجْزَاءَ الْخَمْرِ کیونکہ اس کے اندر شراب کے اجزاء ہیں۔ تو بھئی پھر جب حرام ہے تو مکروہ کیوں کہا؟ کہتے ہیں إِلَّا أَنَّهُ ذَكَرَ لَفْظَ الْكَرَاهَةِ لَا الْحُرْمَةِ ماتن نے کراہت

کا لفظ ذکر کیا، حرمت کا لفظ ذکر نہیں کیا لِعَدَمِ النَّصِّ الْقَاطِعِ فِيهِ کیونکہ اس کے بارے میں کوئی قطعی نص موجود نہیں ہے۔ کسی نص میں باقاعدہ اس خمر کی میل کچیل کا ذکر باقاعدہ نہیں ہے اس لیے۔

وَلَا يُحَدُّ شَارِبُهُ بِلَا سُكْرٍ، اور حد بھی نہیں لگائی جائے گی اس شراب کی میل کچیل کے پینے والے پر بِلَا سُكْرٍ بغیر نشے کے۔ اگر کوئی یہ میل کچیل پیتا ہے تو شراب کی تو ایک قطرہ بھی کوئی پی لے اس پر حد جاری ہوتی ہے لیکن یہ دردی، دردیِ خمر پینے والے پر حد جاری نہیں ہوگی جب تک نشہ نہ ہو جائے۔ ہاں اب اگر نشہ ہو گیا پھر اس پر بھی حد جاری کی جائے گی۔ تو کہتے ہیں وَلَا يُحَدُّ شَارِبُهُ بِلَا سُكْرٍ اور حد جاری نہیں کی جائے گی اس کے پینے والے پر بغیر نشے کے فَإِنَّ فِي الْخَمْرِ إِنَّمَا يُحَدُّ بِشُرْبِ

بِشُرْبِ الْقَلِيلِ اس لیے کیونکہ شراب کے اندر حد لگائی جاتی ہے تھوڑی مقدار پینے پر بھی، لِأَنَّ قَلِيلَ الْخَمْرِ يَدْعُو إِلَى الْكَثِيرِ اس لیے کیونکہ شراب کی تھوڑی مقدار جو ہے وہ دعوت دیتی ہے، وہ لے جاتی ہے کثیر کی طرف۔ تھوڑی مقدار شراب بھی جو پیے گا وہ اس کو کس طرف لے جائے گی؟ کثیر کی طرف۔ کیوں؟ وجہ میں نے ذکر کر دی، کیا وجہ؟ ایک تو لذت، دوسرا وہ پتلی ہوتی ہے اور وہ بوجھ نہیں بنتی پینا، تو وہ اس میں تھوڑی سی پیے گا لذت محسوس ہوگی، دل کرے گا اور پیوں، اور پیوں۔ بس صورت سمجھ میں آگئی؟ تو شراب میں تھوڑی مقدار بھی وہ دعوت دیتی ہے کثیر مقدار کی طرف۔ وَلَا كَذٰلِكَ فِي الدُّرْدِيِّ لیکن دردیِ خمر میں یعنی شراب کی میل کچیل میں ایسا نہیں ہے، یعنی اس کی تھوڑی مقدار پیے تو وہ زیادہ کی طرف دعوت نہیں دیتی۔

تو جب وہ شراب کی طرح نہیں ہے فَاعْتُبِرَتْ حَقِيقَةُ السُّكْرِ تو وہاں پر حقیقتِ سکر کا اعتبار کیا گیا۔ شراب، دیکھو شراب کا ایک قطرہ بھی حرام کیونکہ ایک قطرہ دعوت دے گا ایک گھونٹ پی لے، اور ایک گھونٹ دعوت دے گا کہ ایک جام پی لے، اور ایک جام دعوت دے گا کہ دو جام پی لو، تو شراب کی تھوڑی مقدار کس کی طرف دعوت دے رہی ہے؟ زیادہ مقدار کی طرف، لہٰذا شراب میں ایک قطرہ پینے والے پر بھی حد جاری ہوگی۔ لیکن دردیِ زیت ایسے نہیں ہے، اس میں تھوڑی مقدار زیادہ مقدار کے پینے کی طرف دعوت دینے والی نہیں۔ جب یہ خمر جیسی نہیں تو لہٰذا اس کو خمر والا حکم بھی نہیں دیا۔ خمر میں تو ایک قطرے پر بھی حد تھی، یہاں ایک تھوڑی مقدار پر حد نہیں، تو یہاں پر حقیقتِ نشے کا، حقیقتِ مدہوشی کا اعتبار کیا گیا، صرف پینے کا اعتبار نہیں بلکہ حقیقتِ مدہوشی کا، یعنی حقیقتاً جب وہ مدہوش ہو جائے، نشہ چڑھ جائے تو اب اس پر حد جاری ہوگی، اس سے پہلے حد جاری نہیں۔ لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ اس سے کم مقدار پینا جائز ہے، پہلے ہی بتلا دیا کہ تھوڑی، یہ دردیِ زیت بھی کیا ہے؟ حرام ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔ چلیے جی اللہ آپ سب کو بڑا عالم بنائے بھئی۔

سبق نمبر ۳۲: کتاب الصید: شکار کے آلات (کلبِ معلم، باز، تیر)، معلم ہونے کی علامات اور تسمیہ عند الارسال

شرح الوقایہ صفحہ: ٦٧ – بتاریخ: ۲۲ جنوری ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی کتاب پر آگے سبق، كِتَابُ الصَّيْدِ. يَحِلُّ صَيْدُ كُلِّ ذِيْ نَابٍ وَذِيْ مِخْلَبٍ مِنْ كَلْبٍ أَوْ بَازٍ وَنَحْوِهِمَا. قَدْ مَرَّ فِي الذَّبَائِحِ مَعْنَى ذِي النَّابِ وَذِي الْمِخْلَبِ، ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ الْخِنْزِيْرَ مُسْتَثْنًى لِأَنَّهُ نَجِسُ الْعَيْنِ، وَأَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى اسْتَثْنَى الْأَسَدَ لِعُلُوِّ هِمَّتِهِ، وَالدُّبَّ لِخَسَاسَتِهِ، وَالْبَعْضُ أَلْحَقَ الْحِدَأَةَ بِهِ لِخَسَاسَتِهِ.[۲۱]

كِتَابُ الصَّيْدِ. صَيْد بھائی، صَيْد کا معنی ہے شکار کرنا، شکار کرنا۔ تو اس کتاب کے اندر، اس باب کے اندر شکار کے احکام ذکر فرمائیں گے مصنف بھائی۔ تو صَيْد کا معنی ہے شکار کرنا۔ اسی طرح وہ حیوان جس کو شکار کیا جائے اس کو بھی

[۱]

جدول – کتاب الصید – شکار کے حلال ہونے کی شرائط اور معلم ہونے کی علامات:

شرط / علامت	کلبِ معلم (شکاری کتا / چیتا)	باز اور شکاری پرندے (ذو مخلب)
معلم ہونے کی علامت	لگاتار تین بار شکار پکڑ کر مالک کے لیے روکے اور خود نہ کھائے	مالک کے بلانے پر واپس لوٹ آئے (إِذَا دُعِيَ أَجَابَ)۔
شکار میں سے کھا لینا	اگر کتے یا چیتے نے شکار کا گوشت کھا لیا تو شکار حرام	باز اگر شکار میں سے کھا لے تب بھی شکار حلال ہے (کیونکہ اس کی تعلیم واپسی سے ہے)۔
زخم لگانا (جرح)	شکار کو زخم لگا کر خون بہانا شرط ہے؛ گلا گھونٹ کر مارے تو حرام	پنجے یا چونچ سے زخم لگا کر مارنا شرط ہے۔
تسمیہ اور ارسال	چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا شرط ہے (بھولے سے چھوٹے تو معاف)	شریک فی الارسال اگر مجوسی ہو یا غیر معلم کتا ملے تو شکار حرام۔

[۲] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۱۷): صوتی درس کی قراءت میں «وَالْبَعْضُ أَلْحَقَ الْحِدَأَةَ بِهِ لِخَسَاسَتِهِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «والبعضُ ألحق الحِدأة به؛لخساسته،» منقول ہے۔

صَیْد کہہ دیتے ہیں، اس پر بھی صَیْد کا اطلاق ہوتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ شکار۔ جیسے وہ فعل کو صَیْد یعنی شکار کہتے ہیں اسی طرح وہ حیوان جس کو شکار کیا جائے اس کو بھی کیا کہتے ہیں؟ صَیْد یعنی شکار کہتے ہیں۔ تو یہاں بہرحال مصدر کے معنی میں ہے بھائی۔

یَحِلُّ صَیْدُ کُلِّ ذِیْ نَابٍ وَذِیْ مِخْلَبٍ مِنْ کَلْبٍ أَوْ بَازٍ وَنَحْوِہِمَا۔ یاد رکھیے بھائی شکار کرنا جائز ہے ہر کچلی والے دانت کے حیوان کے ذریعے بھی اور اسی طرح پنجوں کے ذریعے جو شکار کرتے ہیں جو پرندے ان کے ذریعے بھی۔ مثلاً عقاب وغیرہ ہے۔ اور وہ حیوانات جو کچلی کے دانت ہیں جن کے نوک دار دانت ہیں جن کے ذریعے شکار کرتے ہیں جیسے کتا ہے، چیتا ہے اور تیندوا وغیرہ ان سب کے ذریعے شکار جائز ہے بھائی۔

تو ذِیْ نَابٍ کہتے ہیں، نَاب میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا کہ نَاب کچلی کے دانت کو کہتے ہیں۔ یہ ہمارے سامنے کے جو چار دانت ہیں اوپر کے بھی چار دانت اور نیچے کے بھی چار دانت، ان کے ساتھ جو دائیں بائیں دانت لگے ہوئے ہیں وہ ذرا نوک دار ہیں بھائی اگر آپ غور کریں۔ ان دانتوں کو نَاب کہتے ہیں اور اس کی جمع أَنْیَاب ہے، اور اردو میں ان کو کچلی کے دانت کہتے ہیں۔ اور میں نے بتلایا تھا کہ جو حیوانات گوشت خور ہوتے ہیں ان کے سارے دانت اس طرح نوک دار ہوتے ہیں بھائی، ان کا ایک بھی دانت ہموار نہیں ہوتا۔ جیسے کتا ہے، بلی ہے اور اسی طرح شیر ہے، آپ ان کے دانتوں پر غور کر لیں سارے نوک دار دانت ہوں گے ایک بھی دانت ہموار نہیں۔ اور جب کہ اس کے مقابلے میں گائے، بھینس، بکری وغیرہ ان کے دانت اگر آپ دیکھیں تو ایک بھی نوک دار دانت نہیں ہے سارے دانت ان کے ہموار ہیں بھائی۔

وجہ اس کی یہ کہ گائے، بھینس، بکری وغیرہ نے گھاس اور پتے وغیرہ کھانے ہیں اور ان کے لیے ہموار دانتوں کی ضرورت ہے، تو اللہ نے ان کو ہموار دانت دیے۔ اور کتے، بلی وغیرہ اور شیر انہوں نے گوشت کھانا ہے، شکار کرنا ہے تو ان کو گوشت کو چیرنے پھاڑنے کے لیے نوک دار دانتوں کی ضرورت تھی تو اللہ نے ان کو نوک دار دانت دیے۔ اور انسان کو اللہ نے دونوں طرح کے دانت دیے جس میں اشارہ ہے کہ یہ گوشت بھی کھا سکتا ہے اور سبزی بھی کھا سکتا ہے۔

تو اس میں ان لوگوں کا بھی رد ہو گیا کہ بعض لوگ جو صرف سبزیاں کھاتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ انسان جو لڑائیاں کرتا ہے، جنگیں کرتا ہے، قتل و غارت کرتا ہے وہ اس لیے کرتا ہے کیونکہ وہ گوشت کھاتا ہے۔ تو گوشت کھانے سے انسان میں حیوانیت پیدا ہو جاتی ہے اور اس لیے وہ قتل و غارت وغیرہ کرتا ہے۔ حالانکہ ان کی یہ بات درست نہیں ہے۔ یہ اللہ نے دونوں طرح کے جب دانت دے دیے تو اس میں ہی اشارہ کر فرمایا دیا کہ انسان گوشت بھی کھا سکتا ہے اور سبزی وغیرہ بھی کھا سکتا ہے۔ اور اگر سبزی کھانے کی وجہ سے انسان قتل و غارت نہ کرتا تو پھر ہٹلر جو تھا اس نے بھی وہ بھی قتل و غارت ذرا بھی نہ کرتا، حالانکہ وہ دنیا کے بڑے قاتلوں میں سے ایک ہے جس نے بے انتہا لوگوں کو قتل کیا بھائی، اور وہ حالانکہ سبزی خور تھا بھائی وہ گوشت کھاتا ہی نہیں تھا۔ تو یہ معلوم ہوا کہ یہ ان کی بات صحیح نہیں ہے۔ اور اللہ نے بھی

گوشت کھانے کی جو اجازت دی ہے تو ہر حیوان کے کھانے کی اجازت نہیں دی کیونکہ انسان جو کھاتا ہے واقعی اس پر اس کا اثر پڑتا ہے، اس کی عادات پر، اس کی خصلتوں پر اثر پڑتا ہے۔ تو چنانچہ اللہ نے بھی جو گوشت کھانے کی اجازت دی ہے وہ چند حیوانات گائے، بیل، بکری وغیرہ، ہرن ان چیزوں کے گوشت کھانے کی اجازت دی ہے اور یہ سارے بے ضرر جانور ہیں بھائی۔ تو ان میں تکلیف دینے والی صفات ہی نہیں ہیں، اگر وہ صفات ہوتیں تو انسان کی طرف منتقل ہوتیں۔ اور جن جانوروں میں ایسی خوفناک صفات ہیں مثلاً چیرنے پھاڑنے والی ان کے کھانے سے ہی اللہ نے منع فرمایا ہے، دیکھو کتا، بلی، شیر وغیرہ سب کا کھانا کیا ہے؟ حرام ہے بھائی۔

تو بہرحال میں ذکر کر رہا تھا کہ نَاب جو ہے یہ کچلی کے دانت کو کہتے ہیں جو نوک دار دانت ہوتا ہے اور ذِیْ نَابٍ کچلی کے دانتوں والا، اور اس سے درندے مراد ہیں جن کے نوک دار دانت ہوتے ہیں اور ان کے ذریعے وہ شکار کرتے ہیں۔ تو ہر کچلی والے دانت کے ذریعے جو شکار کرنے والا درندہ ہے اس کے ذریعے شکار کرنا جائز ہے، یعنی اگر آپ اس کو تربیت دے دیتے ہیں اور وہ آپ کے لیے حیوانات کو شکار کرتا ہے تو یہ شکار جائز ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ ہر کچلی والے دانت کے ذریعے۔ کتا ہے، چیتا ہے، تیندوا ہے، شیر ہے، جس کے ذریعے بھی آپ، جس کو بھی آپ تربیت دے دیتے ہیں تو آپ کیا کر سکتے ہیں؟ اس کے ذریعے شکار کر سکتے ہیں۔ لیکن آگے آپ کو بتلائیں گے کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ نے شیر کا استثنا کیا، کیونکہ شیر کی ہمت بڑی اونچی ہوتی ہے وہ طاقتور حیوان ہے تو وہ کسی اور کے لیے شکار نہیں کرتا۔ جو حیوان شکار کرے گا وہ کیسے کرے گا؟ وہ یقیناً کسی حیوان دوسرے کو جب پکڑے گا تو اس کو کھائے گا نہیں بلکہ جو مالک ہے اس کے لیے روک کر رکھے گا۔ لیکن شیر کی ہمت کہتے ہیں بڑی اونچی ہوتی ہے وہ جنگل کا بادشاہ ہے وہ کسی دوسرے کے لیے روکتا ہی نہیں ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں ہر ذِیْ نَابٍ کے ذریعے بھی شکار حلال ہے اور اسی طرح ذِیْ مِخْلَبٍ کے ذریعے بھی شکار حلال ہے۔ مِخْلَبٍ پنجے کو کہتے ہیں بھائی۔ ذِیْ مِخْلَبٍ پنجے والا، پنجے والا۔ بھائی پنجے والا تو ہر پرندہ ہوتا ہے، ہر پرندے کے پنجے ہوتے ہیں چاہے چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں، چڑیا کے بھی پنجے ہیں، کوے کے بھی پنجے ہیں، لیکن مراد ذِیْ مِخْلَبٍ سے ہر پنجے والا پرندہ مراد نہیں ہے بلکہ وہ پرندے مراد ہیں جو پنجوں کے ذریعے شکار کرتے ہیں، جو کیا کرتے ہیں؟ پنجوں کے ذریعے شکار کرتے ہیں۔ جیسے عقاب ہے، شکرہ وغیرہ، یہ کیا کرتے ہیں؟ دوسرے حیوانات نیچے چل پھر رہے ہوتے ہیں یہ فضا سے آتے ہیں ان پر حملہ کرتے ہیں اور اپنے پنجوں میں ان کو دبوچ کر اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ تو وہ ذِیْ مِخْلَبٍ مراد ہیں جو پنجوں کے ذریعے شکار کرتے ہیں۔

تو کہتے ہیں یَحِلُّ صَیْدُ کُلِّ ذِیْ نَابٍ وَذِیْ مِخْلَبٍ اور حلال ہے شکار ہر کچلی کے دانتوں والے حیوان کا وَذِیْ نَابٍ [ذِیْ مِخْلَبٍ] اور ہر پنجوں کے ذریعے شکار کرنے والے پرندے کا، مِنْ کَلْبٍ أَوْ بَازٍ یعنی کہ کتا یا باز وَنَحْوِہِمَا یا اس جیسے اور حیوان

اور پرندے بھائی۔ باز بھائی جس کو آپ عقاب کہتے ہیں یہ بہت بڑا پرندہ ہے اور بعض قسمیں تو اس کی اتنی بڑی ہوتی ہیں کہ یہ عام بکری کے چھوٹے بچے کو بھی آسانی سے اٹھا کر لے جاتے ہیں بھائی۔ تو ان کے ذریعے شکار جائز ہے۔

کہتے ہیں قَدْ مَرَّ فِی الذَّبَائِحِ مَعْنَی ذِی النَّابِ وَذِی الْمِخْلَبِ۔ کہتے ہیں کِتَابُ الذَّبَائِحِ کے اندر ذِی النَّابِ اور ذِی الْمِخْلَبِ کا معنی گزر چکا ہے۔ میں نے دوبارہ تفصیل بیان کر دی۔ ثُمَّ اعْلَمْ پھر تو جان لے کہ أَنَّ الْخِنْزِیْرَ مُسْتَثْنًی کہ خنزیر مستثنا ہے اس کے ذریعے شکار کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ ذِیْ نَابٍ کہا کہ جس کے کچلی کے دانت ہوتے ہیں اور خنزیر کے بھی کچلی کے دانت ہوتے ہیں تو کیا اس کے ذریعے شکار جائز ہے؟ تو بتلا دیا کہ نہیں بھائی، خنزیر کیا ہے؟ مستثنا ہے اس کا استثنا کیا گیا ہے بھائی۔ کیوں؟ کہتے ہیں لِأَنَّہٗ نَجِسُ الْعَیْنِ کیونکہ وہ نَجِسُ الْعَیْنِ ہے اس کی ذات ہی نجس ہے، اس کی ذات ہی نجس ہے اس کے کسی جز سے یا کسی طرح بھی اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے۔

اور حیرت کی بات ہے بھائی، اللہ اللہ! مغرب، مغرب میں خصوصاً جو طاقتور لوگ ہیں خصوصاً یہود جو ہیں جو سازشیں جن کی ساری عمر سازشوں میں گزرتی ہے بھائی عجیب قوم ہے انسان حیران ہوتا ہے۔ جن کی زندگی ہی سازشوں میں گزرتی ہے، شیطانی کاموں میں گزرتی ہے، اور انہوں نے خنزیر جس سے اسلام نے بالکل ہی منع کر دیا جس سے نفع اٹھانے سے اس کو نَجِسُ الْعَیْنِ کہا اسی کو سب سے زیادہ وہ پھیلا رہے ہیں بھائی، سب سے زیادہ وہ پھیلا رہے ہیں۔ حالانکہ وہ خود نہیں کھاتے اس کو لیکن دنیا میں پھیلاتے جا رہے ہیں، ہر طرف خنزیر ہی کا گوشت پھیلا رہے ہیں۔ اور اب تو میڈیکل نے بھی بتلا دیا کہ خنزیر کا گوشت انسان کے لیے بڑا نقصان دہ ہے کیونکہ گائے وغیرہ جو چارہ کھاتی ہے وہ چارہ ہضم ہونے میں کئی گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ میرے ذہن میں نہیں لیکن کافی زیادہ گھنٹے لگتے ہیں بھائی۔ یعنی وہ خوب وہ جو اجزا ہیں اچھی طرح ہضم ہو جاتے ہیں بھائی۔ اور پھر گائے وغیرہ آپ نے ان کو یہ بھی دیکھا ہوگا کہ یہ بعد میں جب گھاس کھانا بند کر دیتے ہیں تو پھر بھی بیٹھے ہوئے، وہ کھڑے ہوئے اپنا منہ چلا رہے ہوتے ہیں، وہ جس کو جگالی کر رہے ہوتے ہیں۔ اس میں بھی وہی جو کھایا ہوتا ہے وہ پھر واپس ان کے منہ میں آتا ہے اور اس کو اور زیادہ وہ خوب چباتے ہیں اور پھر کھا لیتے ہیں۔ تو وہ جو خوراک ہوتی ہے وہ خوب اچھی طرح ان کے جسم کا جز بنتی ہے اس میں کوئی جراثیم وغیرہ باقی نہیں رہتے بھائی۔ جبکہ خنزیر، خنزیر جو کچھ کھاتا ہے فوراً وہ اس کے جسم کا جز بنتا ہے تو اس میں بہت سی قسم کی بیماریاں آجاتی ہیں بھائی، بیماریاں۔

اور پھر عجیب، عجیب بھائی! انسان جتنا دیکھتا ہے جوں جوں ترقی ہو رہی ہے انسان حیران رہ جاتا ہے بھائی، حیران رہ جاتا ہے کہ یہ ذبح کے ذریعے جب ہم حیوان کو ذبح کرتے ہیں، خون نکال دیتے ہیں تو اس کا گوشت بڑا ہی بہترین باقی بچ جاتا ہے، جبکہ باقی لوگ جو ذبح وغیرہ کرتے ہیں دوسری قومیں، دوسرے مذہب والے وہ یہ خون وغیرہ کو تو نہیں دیکھتے وہ تو یا ماتھے پر گولی مار دی یا کوئی اور طریقہ جس سے خون نہیں نکلتا سارا بدن سے، اور پھر ان کا گوشت بھی بڑی جلدی گلنے لگتا ہے۔ اور یہ تو باقاعدہ تجربات کیے انہوں نے بعض ممالک فرانس وغیرہ میں بڑی بڑی جو کمپنیاں تھیں گوشت کی اور سپلائی

کرنے والی، انہوں نے تجربہ کیا باقاعدہ کہ بعض حیوانات کو ذبح کیا اور بلکہ یہ اصل تجربہ مصر میں کیا گیا، بعض حیوانات کو اسلامی طریقے سے ذبح کیا گیا اور بعض کو کفار کے طریقے سے ان کو مارا گیا۔ اور سائنسدان یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جس کو عام طریقے سے مارا گیا تھا اس کا گوشت چند گھنٹوں میں ہی بلکہ چند گھنٹے بھی نہیں اس سے بھی پہلے کالا ہونا شروع ہو گیا یعنی بہت تھوڑے سے وقت میں اس کا گوشت کالا پڑنا شروع ہو گیا۔ اور جس کو اسلامی طریقے سے ذبح کیا گیا تھا اس کا گوشت کئی گھنٹے اس سے زیادہ صحیح رہا بھائی۔ یعنی یوں سمجھیں وہ گوشت اگر دو تین گھنٹے میں ان کا وہ کالا ہونا شروع ہو گیا لیکن جس حیوان کو اسلامی طریقے سے ذبح کیا گیا تھا وہ بارہ اٹھارہ گھنٹے تک وہ اسی طرح رہا۔ اور یہ اچھا خاصا وقت ہے جس میں گوشت کو آرام سے انسان فریج وغیرہ میں محفوظ کر سکتا ہے بھائی۔ تو وہ پھر یہ تجربات شائع ہوئے اور پھر فرانس کی بعض بڑی بڑی کمپنیاں جو پوری دنیا میں گوشت بھیجنے والے تھے، ان کو تو بڑا مسئلہ تھا کہ گوشت جتنی جلدی خراب ہو جائے گا وہ پھر ان کے نقصان ہو جائے گا، تو انہوں نے پھر باقاعدہ اس کی تفصیلات لیں اور پھر خود تجربات کیے اور واقعی ان کو پتہ لگا کہ یہ تو حقیقت ہے۔ چنانچہ اب وہ کمپنیاں کفار کی لیکن انہوں نے مسلمان علماء اور لوگوں کو اپنی کمپنی میں متعین کر دیا کہ آپ نے نگرانی کرنی ہے ہمارے حیوانات اسلامی طریقے سے ذبح ہوں بھائی۔ تو وہ اب اس طریقے سے ذبح کر کے گوشت دے رہے ہیں اور ان کو لاکھوں کروڑوں کا فائدہ ہو رہا ہے کیونکہ گوشت جلدی خراب نہیں ہوتا محفوظ ہو جاتا ہے آسانی سے۔

اچھا جی۔ چلیے جی آگے دیکھیے بھائی۔ کہتے ہیں ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ الْخِنْزِيْرَ مُسْتَثْنًى لِأَنَّهُ نَجِسُ الْعَيْنِ پھر تو جان لے کہ خنزیر جو ہے وہ مستثنا ہے یعنی اس کا شکار حلال نہیں لِأَنَّهُ نَجِسُ الْعَيْنِ کیونکہ اس کی ذات ہی نجس ہے وہ نَجِسُ الْعَيْنِ ہے۔ عَيْن یعنی ذات، نَجِسُ الْعَيْنِ یعنی اس کی ذات ہی کیا ہے؟ اس کی ذات ہی نجس ہے۔ وَأَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى اسْتَثْنَى الْأَسَدَ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے شیر کا بھی استثنا کیا ہے کہ شیر کا شکار بھی حلال نہیں۔ کیوں؟ لِعُلُوِّ هِمَّتِهِ، عُلُوّ کا معنی اونچا ہونا، اس وجہ سے کیونکہ اس شیر کی ہمت بڑی اونچی ہوتی ہے، وہ کسی کی غلامی نہیں کرتا۔ کسی کی غلامی آپ جتنی بھی کوشش کر لیں وہ...

وہ آپ کے لیے شکار نہیں کرے گا۔ وہ جب بھی شکار کرے گا خود اس کو کھائے گا، بات سمجھ میں آگئی؟ تو انہوں نے استثنا کیا شیر کا لِعُلُوِّ هِمَّتِهِ بوجہ اس کی ہمت اور جرات کے زیادہ ہونے کے، اونچا ہونے کے۔

وَالدُّبَّ اور اسی طرح انہوں نے استثنا کیا ہے ریچھ کا بھائی۔ دُبّ، دُبٌّ کس کو کہتے ہیں؟ ریچھ بھائی جو کالے رنگ کے بڑے بڑے بال ہوتے ہیں آپ نے دیکھا ہو گا۔ اس کا استثنا کیا امام ابو یوسف نے لِخَسَاسَتِهِ اس کے کمینے پن کی وجہ سے، کیونکہ ریچھ کہتے ہیں بڑا کمینہ اور گھٹیا جانور ہے۔ یعنی یہ کسی کے لیے شکار نہیں چھوڑتا، کسی کے لیے نفع، کسی کو نفع نہیں دیتا اس چیز کے اندر۔ اتنا ادنیٰ ہے، اتنا کمینہ ہے کسی اور کے لیے کوئی چیز نہیں چھوڑتا۔ شیر کی ہمت بڑی اونچی ہے وہ کسی

کی غلامی نہیں کرتا اور یہ کمینگی کی وجہ سے کسی کے لیے کوئی چیز نہیں چھوڑتا، تو اس لیے اس کا استثنا کیا۔ تو کہتے ہیں وَالدُّبَّ لِخَسَاسَتِہٖ اور ریچھ کا بھی استثنا کیا ہے اس کے کمینے پن کی وجہ سے۔

وَالْبَعْضُ أَلْحَقَ الْحِدَأَةَ بِہٖ اور بعض فقہا نے أَلْحَقَ ملایا ہے الْحِدَأَةَ چیل کو بِہٖ اس کے ساتھ۔ بعض فقہا نے چیل کو بھی اس کے ساتھ ملایا ہے۔ چیل بھی ایک بڑا پرندہ ہے، یہاں تو عام آپ لوگ دیکھتے ہیں کہ یہ بلندی پر پرواز کر رہے ہوتے ہیں بہت زیادہ، اور یہ بھی کہتے ہیں بڑا خسیس جانور ہے، بڑا خسیس پرندہ ہے بھائی۔ یہ بھی نقصان ہی دیتا ہے کسی کو فائدہ، جیسے ریچھ جو ہے نقصان ہی دیتا ہے عموماً بھائی۔ تو ریچھ اس کو لوگ تربیت تو کر لیتے ہیں لیکن شکار کی تربیت اس کی نہیں ہوتی، وہ کسی کے لیے نہیں چھوڑتا۔ باقی تو اس کے ذریعے مختلف آپ دیکھتے ہیں گلی محلوں میں بعض لوگ اس کو سدھا لیتے ہیں اور پھر اس کے ذریعے پیسے وغیرہ لوگوں سے جمع کرتے ہیں، مختلف تماشے اس کے ذریعے دکھاتے ہیں۔ تو اسی طرح چیل ہے، چیل بھی بڑا کمینہ اور گھٹیا پرندہ ہے۔ کہتے ہیں یہ بھی بس نقصان ہی پہنچاتا ہے۔ بلکہ معلوم نہیں اللہ بہتر جانتا ہے آج کل تو خبروں میں یہ بھی آرہا ہے آسٹریلیا کے اندر بہت سینکڑوں کلومیٹر میں آگ لگی ہوئی ہے بھائی، اور وہ ان سے بجھ نہیں رہی۔ اور اب ان کو، ان کا خیال یہ ہے کہ یہ آگ ہم تو اتنی کوشش کر رہے ہیں بجھ جائے یہ ختم نہیں ہو رہی، تو بعضوں نے یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ یہ چیل جو ہے چیل، یہ اس کو، آگ کو پھیلا رہی ہے۔ یہ جلتی ہوئی آگ کی لکڑی کو پکڑتی ہے اور اس کو اٹھا کر دوسری جگہ گرا دیتی ہے جان بوجھ کر آگ لگانے کے لیے۔ تو دیکھا اسلام نے کتنا عرصہ قبل اس کی خساست فقہا نے ہمارے بیان کر دی، ان لوگوں کو آج آکر اس کی خساست کا علم ہوا۔ یعنی یہ نقصان دینے والا پرندہ ہے۔

تو کہتے ہیں وَالْبَعْضُ أَلْحَقَ الْحِدَأَةَ بِہٖ اور بعضوں نے چیل کو بھی اس کے ساتھ ملایا ہے لِخَسَاسَتِہٖ اس کی کمینگی کی وجہ سے۔ وَالظَّاہِرُ أَنَّہٗ لَا یَحْتَاجُ إِلَی الْاِسْتِثْنَاءِ یا أَنَّہٗ لَا یُحْتَاجُ إِلَی الْاِسْتِثْنَاءِ۔ صاحبِ شرحِ وقایہ فرماتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ ان کے استثنا کی احتیاج نہیں، ان کے استثنا کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیوں؟ فَإِنَّ الْأَسَدَ وَالدُّبَّ لَا یَصِیْرَانِ مُعَلَّمَیْنِ اس لیے کیونکہ شیر اور ریچھ جو ہیں وہ کبھی بھی مُعَلَّم نہیں بنتے یعنی تربیت یافتہ نہیں بنتے بھائی۔ اس معاملے میں وہ تربیت قبول نہیں کرتے۔ تو مُعَلَّم جس کو تعلیم دی گئی ہے یعنی جس کو تربیت دی گئی ہے۔ تو کہتے ہیں لَا یَصِیْرَانِ مُعَلَّمَیْنِ کیونکہ شیر اور ریچھ جو ہے یہ دونوں تربیت یافتہ نہیں بنتے بِعُلُوِّ الْہِمَّۃِ وَالْخَسَاسَۃِ بوجہ ہمت کے اونچا ہونے اور بوجہ کمینگی کے۔ فَلَمْ یُوْجَدْ شَرْطُ حِلِّ الصَّیْدِ لہٰذا شکار کے حلال ہونے کی شرط ہی نہیں پائی گئی۔

شیر کی ہمت اونچی اس لیے وہ تربیت یافتہ بنتا ہی نہیں، اور ریچھ جو ہے وہ گھٹیا ہے، ادنیٰ ہے، کمینہ ہے اس لیے وہ بھی تربیت یافتہ ہوتا ہی نہیں، یہ تربیت کو قبول کرتے ہی نہیں اس معاملے میں۔ جب تربیت یافتہ ہی نہیں تو پھر ان کا شکار بھی حلال نہیں، کیونکہ شکار کے اندر شرط ہے کہ جس حیوان کے ذریعے آپ شکار کریں وہ تربیت یافتہ ہونا چاہیے۔ کیا ہونا

چاہیے؟ یہ شرط ہے، جب شرط نہیں تو مشروط بھی نہیں۔ تو جب یہ تربیت یافتہ نہیں تو ان کا شکار بھی حلال نہیں، تو جب شکار حلال نہیں تو ان کے استثنا کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ کون فرما رہے ہیں؟ صاحبِ شرحِ وقایہ۔ یہ معنی ہے فَلَمْ يُوْجَدْ شَرْطُ حِلِّ الصَّيْدِ پس شکار کے حلال ہونے کی شرط ہی نہیں پائی گئی لہٰذا ان کے استثنا کی ضرورت ہی نہیں ہے یہ خود ہی نکل جاتے ہیں۔

آگے دیکھیے۔ بِشَرْطِ عِلْمِهِمَا وَجَرْحِهِمَا أَيَّ مَوْضِعٍ مِنْهُ۔ بایں شرط کہ عِلْمِهِمَا کہ یہ دونوں یعنی چاہے وہ درندہ ہو یا وہ پرندہ ہو، وہ ان کو علم ہو یعنی ان کو تعلیم دی گئی ہو، کیا دی گئی ہو؟ یعنی اردو میں بہترین لفظ ہے ان کی تربیت کی گئی ہو یعنی تربیت یافتہ ہوں۔ تو یہ شرط ہے۔ شکار اس کے لیے کیا شرط ہے پرندے اور حیوان کے ذریعے کہ وہ، تو یہ معنی ہے بِشَرْطِ عِلْمِهِمَا ان دونوں کے تربیت یافتہ ہونے کی شرط پر۔ وَجَرْحِهِمَا اور ان دونوں کے زخمی کرنے کی شرط پر أَيَّ مَوْضِعٍ مِنْهُ جونسا، جو مقام بھی ہو اس شکار میں سے۔ یعنی یہ ضروری ہے بھائی کہ یہ کتا یا یہ عقاب جو شکار کریں تو وہ اس حیوان کو زخمی بھی کریں، اس کے بدن سے خون بھی نکلا ہو۔ کیا نکلا ہو؟ یہ معنی ہے جَرْحِهِمَا، یہ شرط ہے۔ بھائی کیا معنی شرط ہے؟ عقاب ایک پرندہ پکڑ لیتا ہے اور آپ جا کر پہنچ گئے اور آپ نے اس پرندے کو پکڑ لیا وہ زندہ تھا آپ نے ذبح کر لیا، حالانکہ اس کے بدن پر ایک بھی زخم نہیں لگایا تھا عقاب نے، تو کیا وہ حرام ہو گا؟ نہیں نہیں، اس زندہ کی بات نہیں کر رہے۔ اگر یہ شکار کرتے ہیں اور حیوان کو مار دیتے ہیں۔ کتے نے حیوان کو پکڑا لیکن اس کو مار دیا۔ شکاری جب پہنچا وہ مر چکا تھا۔ عقاب نے شکار کیا کوئی خرگوش وغیرہ پکڑا یا کوئی ہرن کا بچہ پکڑا، لیکن شکاری پہنچا تو وہ ہرن کا بچہ مر چکا تھا، عقاب نے اس کو مار دیا تھا۔ تو کیا اب یہ جو ہرن کا بچہ مر گیا یا وہ جو کتے نے شکار کیا جو مر چکا ہے شکاری کے پہنچنے سے پہلے، وہ حلال ہے یا حلال نہیں؟ تو یاد رکھیں اس میں شرط ہے اس کے زخمی ہونے کی تاکہ اس کے بدن سے خون نکلا ہو۔ کیا نکلا ہو؟ خون نکلا ہو۔ ہاں اگر آپ پہنچ گئے اور وہ ہرن کا بچہ زندہ تھا یا وہ خرگوش جو عقاب نے پکڑا وہ زندہ تھا اور کوئی زخم کا نشان بھی اس پر نہیں ہے، تو پھر تو خود آپ اس کو پکڑ لیں بھائی وہ آپ کے قابو میں آگیا، اب چاہے اس کو ویسے رکھیں چاہے اس کو ذبح کر لیں۔ تو اس کی بات نہیں ہو رہی بلکہ یہ کس حیوان کی بات ہو رہی ہے؟ جو شکاری کے پہنچنے سے پہلے یہ شکار کرنے والا حیوان ان کو مار دے، قتل کر دے، بات سمجھ میں آگئی؟

بھائی دیکھیے یہ تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے کِتَابُ الذَّبَائِحِ میں غالباً تفصیل آئی تھی کہ ایک ذبحِ اختیاری ہے ایک ذبحِ اضطراری۔ اور وہاں آپ نے پڑھا تھا ایک لفظ ہے ذَبْحٌ ذال کے فتحہ کے ساتھ اور ایک ہے ذِبْحٌ ذال کے کسرہ کے ساتھ۔ تو ذَبْحٌ اس کا معنی ہے ذبح کرنا، اور ذِبْحٌ ذال کے کسرہ کے ساتھ ہو تو وہ اس حیوان کو کہتے ہیں جس کو ذبح کیا جاتا ہے۔ تو ذبح جو ہے یہ دو قسم پر ہے: ایک ذبحِ اختیاری اور ایک ذبحِ اضطراری۔ ذبحِ اختیاری آپ نے پڑھا کہ جو حیوان آپ کے قابو میں ہے جس کے ذبح کرنے پر آپ قادر ہیں تو اس کی گردن کی چار رگیں کاٹیں گے یا چار میں سے کم از کم تین کاٹ دیں گے، تو

تاکہ خون سارا نکل جائے تو یہ ذبح ہے، یہ ذبحِ اختیاری ہے اور نیز اللہ کا نام بھی لینا ہے ذبح کرتے ہوئے۔ اور ایک ہے ذبحِ اضطراری یعنی مجبوری کے عالم میں ایک حیوان آپ کے قابو میں نہیں ہے آپ اس کو مارنا چاہتے ہیں، ذبح کرنا چاہتے ہیں مثلاً جیسے ہرن ہے جنگل میں تو پھر اس کا شکار کرتے ہیں آپ کسی درندے کے ذریعے یا عقاب کے ذریعے یا آپ تیر کمان، تیر وغیرہ کے ذریعے آپ اس کا شکار کرتے ہیں۔ تو اس صورت میں یہ جو کتا جا کر اس، درندہ جا کر اس ہرن کو پکڑتا ہے، اس کو زخمی کرتا ہے تو یہ درندہ یا عقاب جا کر اس کو پکڑتا ہے تو یہ درندہ یا عقاب جو ہے یہ آپ کا آلہ ہے، آلہ ذبح ہے۔ یہ کیا ہے آلہ؟ اب اس کے ذریعے آپ اس حیوان کو ذبح کر رہے ہیں۔ لہٰذا اس میں ضروری ہے کہ جب آپ اس کتے یا عقاب کو چھوڑیں تو بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُ أَكْبَر کہیں، اللہ کا نام لیں۔ اگر جان بوجھ کر اللہ کا نام نہ لیا اور اس کتے نے جا کر ہرن کو شکار کیا اور پھر جب تک آپ پہنچے تو وہ ہرن مر چکا تھا، کتے نے اس کو زخمی اتنا زیادہ کر دیا کہ پہنچنے سے پہلے مر گیا، تو یاد رکھیے یہ حرام ہے کیونکہ آپ نے اس ذبحِ اضطراری میں آلے پر اللہ کا نام نہیں لیا۔

تو یاد رکھو ایک ہے ذبحِ اختیاری اور ایک کیا ہے ذبحِ اضطراری۔ ذبحِ اضطراری میں آلے پر تسمیہ پڑھی جاتی ہے، کس پر؟ وہ آلہ، وہ چیز جس کے ذریعے آپ شکار کر رہے ہیں۔ اگر آپ کتے کے ذریعے شکار کر رہے ہیں تو کتے کو چھوڑتے ہوئے آپ نے اللہ کا نام لینا ہے بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُ أَكْبَر۔ اگر آپ عقاب کے ذریعے شکار کر رہے ہیں تو عقاب کو چھوڑتے ہوئے آپ نے اللہ کا نام لینا ہے بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُ أَكْبَر۔ اور اگر آپ تیر کمان کے ذریعے شکار کر رہے ہیں تو تیر چلاتے وقت آپ نے کیا کہنا ہے بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُ أَكْبَر۔ تو ذبحِ اضطراری میں وہ جو آلہ ہے، آلہ شکار اس پر اللہ کا نام لینا ضروری۔ جبکہ ذبحِ اختیاری میں مذبوح جو جانور ہے اس پر اللہ کا نام لینا ضروری ہے۔ کس پر؟ توجہ ہے؟ ذبحِ اختیاری میں کس پر اللہ کا نام لینا ضروری؟ مذبوح پر، آلے پر نہیں، مذبوح پر۔ مثلاً دیکھو ایک شخص کے پاس ایک ہی چھری ہے اور ایک ہی چھری سے وہ دو بکریاں ذبح کرتا ہے۔ اب آلہ ایک، مذبوح دو، اور یہ ذبحِ اختیاری ہے یا اضطراری ہے؟ اختیاری۔ لہٰذا دونوں مذبوح پر الگ الگ بِسْمِ اللہ پڑھنا پڑے گی۔ ایک بکری کو ذبح کرتے ہوئے بھی کہے گا بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُ أَكْبَر، دوسری کو ذبح کرتے ہوئے بھی بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُ أَكْبَر کہے گا۔ تو مذبوح کا خیال رکھنا ہے، اور اگر اس نے آلے کا خیال رکھا کہ چھری تو ایک ہی ہے تو اس نے ایک ہی دفعہ بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُ أَكْبَر کہا پہلی بکری کو بھی ذبح کیا اور پھر دوسری کو بھی ذبح، تو پہلی تو حلال ہو گئی دوسری کیا ہو گئی؟ حرام، کیونکہ اس پر اس نے بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُ أَكْبَر نہیں کہا جان بوجھ کر بھائی۔ بھولے سے رہ جائے پھر تو حلال ہے، جان بوجھ کر نہ کہے پھر تو حرام۔ جبکہ شکار کے اندر جو ذبحِ اضطراری ہے اس میں اللہ کا نام کس پر لیتے ہیں؟ آلے پر لیتے ہیں۔ اور آلہ آپ کا یا تو وہ درندہ ہے یا عقاب ہے یا تیر کمان وغیرہ ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو وہ تیر ہے آپ کا۔

تو لہٰذا دیکھیے کتاب پر۔ بِشَرْطِ عِلْمِهِمَا بایں شرط کہ وہ، ان کے علم کی شرط ہو کہ یعنی کہ وہ تربیت ہو ان کی، تربیت یافتہ ہوں، وَجَرْحِهِمَا اور بایں شرط کہ وہ دونوں کیا کریں؟ زخمی کریں، أَيَّ مَوْضِعٍ مِنْهُ جونسی جگہ بھی ہو اس میں سے۔ بھائی ذبحِ

اختیاری میں تو ضروری ہے کہ گلے سے، گلا کو، گلے کو کاٹنا ہے اور چار رگیں کاٹنی ہیں لیکن ذبحِ اضطراری میں آپ یہ نہ کہیں کہ کتا جا کر اس کے گلے کو ہی کاٹے۔ نہیں نہیں، جہاں سے بھی اس کو زخمی کر دے اور اس کا خون نکال دے۔ ہاں اگر کتے نے صرف اس کے دونوں ٹانگوں کو خوب اتنا زخمی کر دیا کہ اس سے ہرن یا وہ حیوان مر گیا تو یہ حیوان حلال ہے، کیونکہ خون نکالا اور بھیجتے وقت اللہ کا نام لیا تھا اور پھر اس نے حیوان کا خون بھی نکالا، اور انہوں نے بتلا دیا جہاں سے کہیں سے بھی اس کو زخمی کر کے اس کا خون نکال دے۔ یہ معنی ہے أَيْ مَوْضِعٍ مِنْهُ زخمی کرے جونسی جگہ بھی ہو اس شکار میں سے۔ هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالَى یہ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے یعنی زخمی کرنا ضروری ہے۔ یہ اس، وہ حیوان جو مر چکا ہے، جو حیوان آپ پہنچے تو مر، اس میں زخمی کرنا ضروری ہے۔ وَعَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهُ لَا يَشْتَرِطُ الْجَرْحَ کہ زخم شرط نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ زخم شرط نہیں، لہٰذا آپ نے کتے کو شکار پر چھوڑا اللہ کا نام لے کر اور اس نے جا کر ہرن کو ایک مار دیا، آپ پہنچے ہرن مر چکا ہے لیکن دیکھا تو اس کے بدن پر ایک بھی زخم کا نشان نہیں، معلوم ہوا اس نے اس کا گلا، گلے سے پکڑا گلا دبایا ہے لیکن خون نہیں نکلا، زخم نہیں ہوا۔ تو طرفین کیا فرماتے ہیں؟ حرام ہو گیا، حرام ہو گیا۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ حلال ہے کیونکہ زخم شرط نہیں۔ لیکن یاد رکھیے فتویٰ طرفین کے قول پر ہے، زخم ضروری ہے۔ اگر زخم نہ ہو پھر آپ کا پہنچ کر ذبح کرنا ضروری ہے وہ ابھی زندہ ہو مرا نہ ہو، اگر پہلے مر چکا تو وہ مردار ہے۔

تو پہلی شرط کیا؟ تربیت یافتہ ہوں۔ دوسری شرط کیا؟ کہ وہ اس کو زخمی کریں۔ وَإِرْسَالِ مُسْلِمٍ...

وَإِرْسَالِ مُسْلِمٍ أَوْ كِتَابِيٍّ إِيَّاهُمَا مُسَمِّيًا۔ اور نیز شرط ہے مسلمان کا بھیجنا أَوْ كِتَابِيٍّ یا کسی اہلِ کتاب کا بھیجنا إِيَّاهُمَا ان کو یعنی اس درندے یا پرندے کو، کون، بھیجنے والا کون ہو؟ مسلمان یا اہلِ کتاب یعنی یہودی یا عیسائی۔ مُسَمِّيًا اس حال میں کہ اللہ کا نام لینے والا ہو۔ أَيْ لَا يَتْرُكُ التَّسْمِيَةَ عَامِدًا یعنی جان بوجھ کر اللہ کے نام کو نہ چھوڑے۔ بھولے سے رہ جائے پھر تو جائز ہے لیکن جان بوجھ کر چھوڑتا ہے تو، بس ضابطہ یاد رکھیں جن لوگوں کا ذبیحہ کھانا جائز ان کا شکار بھی جائز، لیکن وہی شرط ذبیحے کے اندر اگر وہ اللہ کا نام لیتے ہیں تو پھر ٹھیک ہے۔ اسی طرح اگر وہ یہودی ہے یا عیسائی ہے، شکار کرتا ہے اور وہ شکار کے لیے جو پرندہ یا عقاب یا درندہ بھیجتا ہے یا تیر چلاتا ہے تو وہ اللہ کا نام لیتا ہے، تو جیسے یہودی اور عیسائی کا ذبیحہ حلال اسی طرح ان کا شکار بھی حلال۔[۳]

تو کہتے ہیں وَإِرْسَالِ مُسْلِمٍ سب کا عطف وہ عِلْمِهِمَا پر ہو رہا ہے، أَيْ بِشَرْطِ إِرْسَالِ مُسْلِمٍ اور بایں شرط کہ اس کو مسلمان بھیجے یا اہلِ کتاب میں سے إِيَّاهُمَا ان دونوں کو، مُسَمِّيًا اس حال میں کہ اللہ کا نام لینے والے ہوں أَيْ لَا يَتْرُكُ التَّسْمِيَةَ عَامِدًا

[۳] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۱۷): صوتی درس کی قراءت میں «أَيْ لَا يَتْرُكُ التَّسْمِيَةَ عَامِدًا» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «أي لا يترك التسمية عامدًا،» منقول ہے۔

یعنی جان بوجھ کر تسمیہ کو نہ چھوڑے۔ عَلَى مُمْتَنِعٍ مُتَوَحِّشٍ يُؤْكَلُ ایسے حیوان پر، ایسے حیوان پر، دیکھو عجیب فقہا پر اللہ کروڑہا رحمتیں نازل فرمائے بھائی، کیسے کیسے چند لفظوں میں کتنی لمبی بات سمیٹ دیتے ہیں! وہ شکار کرنے والے درندے یا پرندے کو چھوڑیں، کون چھوڑے؟ مسلمان یا اہلِ کتاب، اور کیا پڑھ کر چھوڑیں؟ اللہ کا نام لے کر، اور کس پر چھوڑیں؟ وہ شکار کیسا ہونا چاہیے؟ کہتے ہیں عَلَى مُمْتَنِعٍ ایسا شکار جو قابو میں آنے والا نہیں جو اپنا بچاؤ کرنے والا ہے۔ مُمْتَنِع کا کیا معنی؟ جو اپنا بچاؤ کرنے والا ہے، جو اپنے آپ کو بچا سکتا ہے، یا تو اس کے پاؤں ہیں وہ بھاگ جاتا ہے، یا اس کا کیا ہے؟ پر ہیں وہ اڑ جاتا ہے آپ کے قابو میں ہی نہیں آتا۔ آپ شکار کرتے ہیں، کیوں کرتے ہیں شکار لوگ؟ کیوں کرتے ہیں شکار؟ کیونکہ وہ جو حیوان ہے وہ وحشی ہے، مُتَوَحِّش ہے، انسانوں سے دور بھاگتا ہے اب اس کو پکڑنا ممکن ہی نہیں ہے، تو لہٰذا پھر کسی تیر کمان کے ذریعے شکار کرتے ہیں یا پھر کسی کتے یا عقاب کے ذریعے شکار کرتے ہیں۔ تو وہ حیوان کیا ہونا چاہیے؟ مُمْتَنِع ہو یعنی اپنا بچاؤ کر سکتا ہو، تو دیکھو وہ شکار بھی اپنا بچاؤ کرتا ہے کتے وغیرہ کو دیکھتے ہی وہ بھاگ جائے گا اپنے آپ کو بچائے گا، انسان کو دیکھتے ہی وہ بھاگ جائے گا یا اڑ جائے گا۔ تو مُمْتَنِع کا کیا معنی؟ کہ وہ اپنا بچاؤ کر سکتا ہو۔ مُمْتَنِع ویسے لفظی معنی تو ہے نا مُمْتَنِع جو قابو میں نہ آئے، یہاں ترجمہ کر لیں جو اپنا بچاؤ کر سکے۔

تو جب اس کتے کو چھوڑیں یا درندے یا پرندے کو چھوڑیں عَلَى مُمْتَنِعٍ ایسے حیوان پر جو اپنا بچاؤ کر سکتا ہے، مُتَوَحِّشٍ اور نیز وہ مُتَوَحِّش ہے یعنی انسانوں سے دور بھاگتا ہے، دور بھاگتا ہے، يُؤْكَلُ اور اس کو کھایا جاتا ہے یعنی اس کا گوشت کیا ہے؟ حلال ہے۔ تو کہتے ہیں يُشْتَرَطُ فِي الصَّيْدِ أَنْ يَّكُوْنَ مُمْتَنِعًا بِالْقَوَائِمِ أَوِ الْجَنَاحَيْنِ کہتے ہیں شرط ہے شکار کے اندر کہ وہ مُمْتَنِع ہونا چاہیے یعنی قابو میں آنے والا نہ ہو یعنی اپنا بچاؤ کر سکے بِالْقَوَائِمِ اپنے پاؤں کے ذریعے، اپنی ٹانگوں کے ذریعے أَوِ الْجَنَاحَيْنِ یا اپنے دو پروں کے ذریعے یعنی وہ بھاگ سکے، اڑ سکے، انسان سے دور جا سکے۔ تو دونوں شرطیں ضروری ہیں بھائی، ہاں جی۔ کیا ایک شرط کیا؟ وہ مُمْتَنِع ہو، اپنا بچاؤ کر سکے۔ دوسرا کیا؟ مُتَوَحِّش ہو، انسان سے دور بھاگتا ہو۔ دونوں شرطیں ہوں گی تو پھر کتے یا عقاب کے ذریعے وہ شکار جائز ہو گا ورنہ شکار جائز نہیں۔

کیسے؟ مثلاً ایک ہرن ہے، ایک ہرن ہے وہ آپ کے ساتھ مانوس ہو گیا، وہ آپ کے پاس آتا ہے آپ جاتے ہیں۔ اب آپ اس ہرن کو جو آپ کے پاس آتا ہے کتے کے ذریعے شکار کرتے ہیں، نہیں بھائی کتے نے، کتا گیا اور اس نے اس کو مار دیا آپ کے پہنچنے سے پہلے تو حرام ہے، اگرچہ اس نے خون بھی نکال دیا آپ نے بھیجتے ہوئے اللہ کا نام بھی لیا اور اس نے خون بھی نکالا اس ہرن کا، آپ کے پہنچنے سے پہلے وہ مر گیا تو وہ حرام ہے۔ بھائی کیوں حرام ہے؟ کیونکہ شکار کے لیے دو شرطیں بیان کر دیں: کیا؟ مُمْتَنِع بھی ہو مُتَوَحِّش بھی ہو۔ ٹھیک ہے مُمْتَنِع یہ اپنا بچاؤ تو کر سکتا ہے ہرن کی چاروں ٹانگیں تھیں یا نہیں تھیں؟ وہ بھاگ سکتا تھا۔ لیکن مُتَوَحِّش والی شرط نہیں ہے وہ تو آپ سے مانوس تھا وہ تو آپ سے مُتَوَحِّش نہیں تھا، آپ اس کو ویسے بھی پکڑ سکتے تھے۔ آپ اس، جب وہ مانوس تھا تو آپ تو ذبحِ اختیاری پر قادر تھے، آپ چھری

سے ذبح کر سکتے تھے، پھر کتے وغیرہ یا تیر کے ذریعے اس کو ذبح کرنا ٹھیک نہیں، یعنی ذبحِ اضطراری جائز نہیں۔

دوسری صورت کہ پہلی کیا تھی؟ مُمْتَنِع اور مُتَوَحِّش، مُمْتَنِع تھا مُتَوَحِّش نہیں تھا یعنی مانوس تھا۔ اگر پہلی شرط نہ ہو۔ مُتَوَحِّش تو ہے لیکن مُمْتَنِع نہیں اپنا بچاؤ نہیں کر سکتا۔ مثلاً آپ نے جال پھیلایا تھا جال کے اندر وہ پھنس گیا۔ اب جال کے اندر جو ہرن پھنس گیا ہے یا کوئی پرندہ پھنس گیا ہے، اب یہ مُتَوَحِّش تو ہے آپ کو، آپ سے دور بھاگتا ہے یا نہیں؟ دور بھاگتا ہے۔ لیکن کیا اب یہ اپنا بچاؤ کر سکتا ہے؟ نہیں یہ تو پھنسا ہوا ہے، آپ اس کے ذبحِ اختیاری پر قادر ہیں، لہٰذا اس جال میں پھنسے ہوئے کو کتے کے ذریعے یا تیر کے ذریعے مارنے سے یہ کیا ہو جائے گا؟ حرام ہو جائے گا کیونکہ اس میں ذبحِ اضطراری جائز نہیں۔

یہ معنی ہے جب اس پرندے یا درندے کو چھوڑ دیں اللہ کا نام لے کر عَلَى مُمْتَنِعٍ مُتَوَحِّشٍ يُؤْكَلُ ایسے حیوان پر جو اپنا بچاؤ کر سکے اور مُتَوَحِّش ہو یعنی دور بھاگنے والا ہو انسان سے، يُؤْكَلُ اس کا گوشت کھایا جاتا ہو۔ کہتے ہیں يُشْتَرَطُ فِي الصَّيْدِ أَنْ يَّكُوْنَ مُمْتَنِعًا بِالْقَوَائِمِ أَوِ الْجَنَاحَيْنِ شرط ہے شکار کے اندر کہ وہ مُمْتَنِع ہو یعنی اپنا بچاؤ کر سکے بِالْقَوَائِمِ اپنی ٹانگوں کے ذریعے أَوِ الْجَنَاحَيْنِ یا اپنے دو پروں کے ذریعے۔ فَالصَّيْدُ الَّذِي اسْتَأْنَسَ مُمْتَنِعٌ غَيْرُ مُتَوَحِّشٍ پس وہ شکار جو مانوس ہو گیا وہ مُمْتَنِع تو ہے، مُمْتَنِع تو ہے یعنی اپنا بچاؤ تو کر سکتا ہے اس کے پاؤں یا پر تو ٹھیک ہوں گے لیکن غَيْرُ مُتَوَحِّشٍ وہ مُتَوَحِّش نہیں، آپ سے بھاگنے والا نہیں ہے دور ہونے والا نہیں۔ وَالصَّيْدُ الْوَاقِعُ فِي الشَّبَكَةِ اور وہ شکار جو واقع ہو جائے جال میں، شَبَكَة کس کو کہتے ہیں؟ جال۔ اور وہ شکار جو جال میں واقع ہو جائے یعنی جال میں پھنس جائے، وَالسَّاقِطُ فِي الْبِئْرِ اور اسی طرح وہ شکار جو کنویں میں گر پڑے۔ کس میں گر پڑے؟ آپ ہرن کے پیچھے بھاگ رہے تھے وہ کنویں میں گر گیا۔ وَالَّذِيْ أَثْخَنَهُ اور اسی طرح وہ حیوان یا أَثْخَنَهُ جس کو شکاری نے سست کر دیا ہے، کیا کر دیا ہے؟ سست یعنی بھائی مثلاً ایک ہرن تھا آپ نے تیر چلایا وہ تیر اس کو لگ گیا، اب وہ زخمی ہو گیا، اس تیر نے اس کو سست کر دیا، اب وہ بھاگ نہیں سکتا۔ آپ جائیں جا کر اس کو پکڑ لیں اور پکڑ کر پھر اس کو کیا کر دیں؟ ذبح کر دیں۔ تو اب دیکھو آپ نے اس کو سست کر دیا ہے تو سست کرنے کے بعد آپ ذبحِ اختیاری پر قادر ہیں لہٰذا اب ذبحِ اضطراری جائز نہیں۔ دیکھو یہ مُتَوَحِّش تو ہے مانوس تو نہیں آپ سے، لیکن کیا مُمْتَنِع ہے؟ اپنا بچاؤ کر سکتا ہے؟ نہیں یہ اب بھاگ ہی نہیں سکتا۔ تو اس کے اندر اب ذبحِ اختیاری ہی جائز ہو گی، یہ درندے یا پرندے یا تیر کے ذریعے اس کو مارنا جائز نہیں ہے۔ یہ معنی ہے اور اسی طرح وَالَّذِيْ أَثْخَنَهُ اور وہ حیوان جس کو سست کر دیا ہے مُتَوَحِّش وہ مُتَوَحِّش تو ہے دور بھاگنے والا تو ہے، لٰكِنْ غَيْرُ مُمْتَنِعٍ لیکن اپنا بچاؤ نہیں کر سکتا مُمْتَنِع نہیں ہے۔ لِخُرُوْجِهِ عَنْ حَيِّزِ الْاِمْتِنَاعِ اس لیے کیونکہ وہ نکل گیا ہے حَيِّزِ الْاِمْتِنَاعِ کس سے؟ حَيِّزِ الْاِمْتِنَاعِ۔ حَيِّز کا معنی ہے جگہ، جگہ، مقام، محل، محل، اور اِمْتِنَاع کا کیا معنی؟ بچاؤ کرنا، قابو میں نہ آنا۔ تو وہ دیکھو بچاؤ کے محل سے نکل گیا اب وہ اپنا بچاؤ نہیں کر، یا یوں کہو وہ قابو میں نہ آنا، اِمْتِنَاع کا کیا معنی کر لیں؟ قابو میں نہ آنے کے محل سے نکل گیا اور کس محل میں آگیا؟ قابو میں آنے والے محل میں آگیا، کیا بہترین ترجمہ کر لیں؟ یوں کہو وہ ناممکن الحصول نہ رہا بلکہ

کیا بن گیا؟ ممکن الحصول بن، تو وہ قابو میں آنے والا بن گیا، وہ حَيِّزِ الْاِمْتِنَاعِ سے نکل گیا، اِمْتِنَاع کے مقام سے نکل گیا ہے یہ جو جال میں پھنس گیا ہے یا کنویں میں گر گیا ہے یا جس کو آپ نے سست کر دیا ہے کوئی تیر وغیرہ مار کر۔

وَأَنْ لَّا يُشَارِكَ الْكَلْبَ الْمُعَلَّمَ۔ جی، شکار کی شرائط ذکر ہو رہی ہیں۔ ایک شرط کیا؟ کہ تربیت یافتہ ہوں۔ دوسری شرط کیا؟ وہ زخمی بھی کریں اگر وہ مرجاتا ہے شکار تو زخمی بھی کریں۔ اور تیسرا کیا؟ کہ اس کو بھیجنے والا مسلمان ہو یا اہلِ کتاب ہو۔ چوتھی شرط کیا؟ کہ اس میں اللہ کا نام بھی ذکر کریں۔ پانچویں شرط کیا؟ کہ وہ حیوان جس پر چھوڑیں وہ کیا ہونا چاہیے؟ مُمْتَنِع اور مُتَوَحِّش ہونا چاہیے۔ اور چھٹی شرط یہ ہے کہ وَأَنْ لَّا يُشَارِكَ الْكَلْبَ الْمُعَلَّمَ کہ شریک نہ ہو اس تربیت یافتہ کتے کے ساتھ۔ کون شریک نہ ہو؟ كَلْبٌ ایسا کتا لَا يَحِلُّ صَيْدُهُ جس کا شکار حلال نہیں۔ اس کتے کے ساتھ کوئی دوسرا کتا شکار میں شریک نہ ہو ایسا کتا جس کا شکار حلال نہیں۔ مثلاً آپ نے شکار پر کتا چھوڑا آپ کا کتا تربیت یافتہ ہے لیکن ساتھ ایک اور آوارہ کتا بھی ساتھ مل گیا اس نے مل کر اس کے ساتھ شکار کو پکڑا، یا اس کے ساتھ ایک مجوسی کا کتا مل گیا، تو مجوسی کا شکار بھی حلال نہیں پھر اس کے کتے کا شکار بھی حلال نہیں۔ تو اس صورت میں یاد رکھو جب دونوں کتوں نے مل کر شکار کیا ہے تو اس صورت میں یہ شکار حرام ہے آپ کے پہنچنے سے پہلے مر گیا تو یہ کیا ہے؟ حرام۔ ہاں اگر آپ پہنچ گئے زندہ ہے تو پھر ذبح کر لو پھر تو جائز ہے۔

یہ معنی ہے وَأَنْ لَّا يُشَارِكَ الْكَلْبَ الْمُعَلَّمَ شریک نہ ہو جائے اس تربیت یافتہ کتے کے ساتھ كَلْبٌ لَا يَحِلُّ صَيْدُهُ ایسا کتا کہ جس کا شکار حلال نہیں، مِثْلُ كَلْبٍ غَيْرِ مُعَلَّمٍ جیسے کہ ایسا کتا جو تربیت یافتہ نہ ہو یہ اس کے ساتھ شریک ہو گیا، أَوْ كَلْبِ مَجُوْسِيٍّ یا جیسے کہ مجوسی کا کتا ہے وہ اس کے ساتھ شریک ہو گیا، أَوْ كَلْبٍ لَّمْ يُرْسَلْ لِلصَّيْدِ یا ایسا کتا جس کو شکار کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ جس کو شکار کے لیے نہیں، بھائی بھیجنا بھی تو ضروری ہے، بھیجتے ہوئے اللہ کا نام لینا ہے، تو اگر شکار کیا وہ کتا تو تربیت یافتہ ہے لیکن اس کو شکار کے لیے نہیں بھیجا وہ خود ہی کھلا ہوا تھا اس نے آکر شکار پکڑ لیا اور وہ شکار کو مار دیا تو اس صورت میں وہ شکار حلال نہیں۔ یہ معنی ہے أَوْ كَلْبٍ لَّمْ يُرْسَلْ لِلصَّيْدِ یا ایسا کتا ہے جس کو شکار کے لیے نہیں بھیجا گیا یعنی یوں کہو آوارہ کتا ہے، أَوْ أُرْسِلَ اس کتے کو تو بھیجا گیا ہے لیکن وَتَرَكَ التَّسْمِيَةَ عَامِدًا اللہ کے نام کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا۔ تو ان سب صورتوں میں شکار حلال نہیں۔

وَلَا يَطُوْلُ وَقْفَتُهُ بَعْدَ إِرْسَالِهِ اس کا عطف اسی پر ہے، پیچھے کیا تھا وَأَنْ لَّا يُشَارِكَ اور یہ ہے وَلَا يَطُوْلُ [وَأَنْ لَّا يَطُوْلَ] اور لمبا نہ ہو وَقْفَتُهُ اس کا وقفہ بَعْدَ إِرْسَالِهِ اس کو بھیجنے کے بعد۔ بھائی آپ نے پرندے کو یا عقاب کو یا درندے کو کس کے لیے بھیجا؟ شکار کے لیے۔ تو وہ آپ کے ہاتھ سے نکلتے ہی سیدھا شکار کے لیے جائے۔ درمیان میں اگر اس نے دیر کر دی تو پھر شکار حلال نہیں۔ مثلاً شکاری نے کتا چھوڑا اور اللہ کا نام لیا لیکن کتا شکار کی طرف جانے کے بجائے ایک طرف گیا اس نے پیشاب شروع کر دیا، اور پھر اس کے بعد وہ شکار کی طرف گیا، تو بھائی یہ تو وقفہ آگیا درمیان میں اس صورت میں اب یہ شکار حلال نہیں اگر کتا گیا اور اس نے اس کو مار دیا۔ ہاں اگر زخمی ہے پھر تو بِسْمِ اللهِ اللہ کا نام لیا ہو نہ لیا ہو جو بھی

ہو جب آپ کے قابو آگیا اگر آپ ذبح کر لیتے ہیں پھر تو حلال ہی حلال ہے۔ تو یہ اب بار بار میں ذکر نہیں کروں گا آپ بس یاد رکھنا کہ جس تک آپ زندہ پہنچ گئے اس کو تو چاہے کسی کتے نے مارا، پکڑا ہے، کسی اور چیز نے پکڑا، کسی آوارہ کتے نے پکڑا ہے، جس نے بھی پکڑا ہے جب زندہ آپ کے ہاتھ آگیا آپ ذبح کر لیں گے وہ تو آپ کے لیے حلال ہو گیا۔ تو جب یہاں کہ وہ حلال ہے یا حلال نہیں یہ کس حیوان کی بات ہو رہی ہے؟ جس کو وہ درندہ یا پرندہ جا کر مار دے پہنچنے سے پہلے ہی۔ تو اسی کی بات ہو رہی ہے۔

تو کہتے ہیں وقفہ اس میں لمبا نہیں ہونا چاہیے۔ دوسری صورت: شکاری نے کتا چھوڑا اور وہ کتا، اس کو سائیڈ پر کوئی کھانے کی چیز نظر آئی وہ پہلے اس کی طرف چلا گیا اس نے وہ چیز کھائی جلدی سے اور پھر شکار کی طرف گیا۔ نہیں بھائی یہ تو درمیان میں کیا آگیا؟ وقفہ آگیا۔ یہ جو آپ نے بھیجا یہ تو سیدھا شکار کی طرف گیا ہی نہیں، گویا آپ کا ارسال ختم ہو گیا، اپنی مرضی سے پھر وہ گیا ہے شکار کے لیے۔ یا کتے کو شکار کے لیے چھوڑا کتا درمیان میں بیٹھ گیا چند منٹ بیٹھا اور پھر اس کے بعد شکار کے لیے گیا، تو یہ تو وہ اپنی مرضی سے گیا ہے آپ کے بھیجنے پر نہیں گیا۔ تو یہ معنی ہے وَلَا يَطُوْلُ وَقْفَتُهُ بَعْدَ إِرْسَالِهِ اور یہ کہ وہ وقفہ جو ہے وہ لمبا نہ ہو جائے اس کو بھیجنے کے بعد۔ فَإِنَّهُ إِنْ طَالَتْ وَقْفَتُهُ بَعْدَ الْإِرْسَالِ لَمْ يَكُنِ الْاِصْطِيَادُ مُضَافًا إِلَى الْإِرْسَالِ کہتے ہیں اگر لمبا ہو جائے وہ جو وقفہ اس کو بھیجنے کے بعد ہے تو لَمْ يَكُنِ الْاِصْطِيَادُ تو پھر وہ جو شکار ہے وہ لَمْ يَكُنِ الْاِصْطِيَادُ مُضَافًا اس شکار کی نسبت نہیں کی جائے گی إِلَى الْإِرْسَالِ بھیجنے کی طرف، کہ بھیجنے کی وجہ سے شکار نہیں کیا یہ تو خود گیا ہے۔ بِخِلَافِ...

بِخِلَافِ مَا إِذَا كَمَنَ الْفَهْدُ بخلاف اس کے کہ اگر چیتا جو ہے وہ گھات لگا کر بیٹھا۔ فَهْد، فَهْد چیتے کو کہتے ہیں، کس کو؟ چیتا۔ اور جب کہ بعضوں نے کہا کہ فَهْد تیندوے کو کہتے ہیں، کس کو؟ تیندوا۔ تیندوا اگر آپ چڑیا گھر گئے ہوں آپ نے دیکھا ہو گا۔ چیتا اور تیندوا یہ ایک ہی نسل کے ہیں۔ نسل ایک ہی ہے لیکن چیتا جو ہے اس کا بدن بڑا دبلا پتلا ہوتا ہے۔ شکاری کتا آپ نے دیکھا ہے شکاری کتا؟ ایک عام کتا ہوتا ہے ایک شکاری کتا، اس کا پیٹ بالکل چھوٹا سا ہوتا ہے اور سینہ بڑا ہوتا ہے اور دبلا پتلا سا ہوتا ہے اور اونچا قد ہوتا ہے، چیتا بالکل اس شکل کا ہوتا ہے۔ چیتا اس کی طرح ہوتا ہے۔ اور ایک ہوتا ہے تیندوا۔ تیندوے کے جسم پر بھی چیتے جیسے نشان ہوتے ہیں لیکن تیندوے کا جسم ذرا بھاری ہوتا ہے۔ کیا ہوتا ہے؟ بھاری ہوتا ہے۔ عموماً اس تیندوے کو ہی لوگ کیا کہہ دیتے ہیں؟ چیتا کہہ دیتے ہیں لیکن چڑیا گھر آپ جائیں گے تو آپ کو فرق پتہ چل جائے گا بھائی۔

تو بعضوں نے کہا یہ فَهْد چیتے کو کہتے ہیں اور بعضوں نے کہا فَهْد اس تیندوے کو کہتے ہیں۔ تو ایک شخص ہے اس شکاری نے چیتے یا تیندوے کو تربیت دی ہوئی ہے۔ اس، آپ نے اپنے چیتے کو بھیجا۔ چیتا شکار کی طرف جانے کے بجائے فوراً ساتھ جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا اور شکار پر نظر ہے اس کی۔ اور پھر تھوڑی دیر بعد جب شکار ذرا قریب آیا چیتا ایک دم نکلا اور اس نے جا کر شکار کر لیا اس کو۔ تو کیا یہ حلال ہے یا حلال نہیں؟ اب تو درمیان میں وقفہ آگیا۔ کہتے ہیں بھائی نہیں،

یہ وقفہ مراد نہیں۔ یہ تو شکار ہی کے عمل کا حصہ ہے اس کا۔ چیتا شکار عموماً کرتا ہی اس طرح ہے، وہ کیا کرتا ہے؟ شکار کے لیے گھات لگا کر، چھپ کر بیٹھ جاتا ہے اور جب شکار قریب آتا ہے تو کیا کرتا ہے؟ اس پر حملہ کر کے اسے پکڑ لیتا ہے۔ تو یہ اگر کسی کتے نے بھی یہ عادت اپنا لی وہ بھی اسی طرح کرتا ہے، تو یہ کوئی الگ چیز ہے ہی نہیں۔ لہٰذا اس کی وجہ سے اس کو وقفہ نہیں کہیں گے بھائی۔

تو کہتے ہیں بِخِلَافِ مَا إِذَا كَمَنَ الْفَهْدُ بخلاف اس کے جب کہ چیتا گھات لگا کر بیٹھے، فَإِنَّ هٰذَا حِيْلَةٌ فِي الْاِصْطِيَادِ اس لیے کیونکہ یہ تو حیلہ ہے یعنی چال اور ترکیب ہے فِي الْاِصْطِيَادِ شکار میں، فَيَكُوْنُ مُضَافًا إِلَى الْإِرْسَالِ لہٰذا اس شکار کی نسبت ارسال ہی کی طرف کی جائے گی کہ اس بھیجنے کی وجہ سے ہی اس نے شکار کیا ہے۔[۴]

وَيُعْلَمُ الْمُعَلَّمُ بِتَرْكِ أَكْلِ الْكَلْبِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ اب نشانی بتلا رہے ہیں۔ یہ تو انہوں نے بتلا دیا کہ شکار میں شرط یہ ہے کہ وہ حیوان کیا ہو؟ تربیت یافتہ ہونا چاہیے۔ ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ یہ کتا یا یہ درندہ تربیت یافتہ ہے یا یہ عقاب اور جو پرندہ ہے شکار والا یہ تربیت یافتہ ہے؟ تو اس کی نشانیاں فقہا بتلاتے ہیں۔ کہتے ہیں بھائی کتے کی عادت یہ ہے کہ جب اس کو کھانے کی چیز ملتی ہے تو وہ اس کو لے کر بھاگتا ہے انسان سے اور اس کو کھاتا ہے، اس کو خود کھا لیتا ہے۔ لہٰذا کتے کی تربیت یہ ہے کہ وہ تین دفعہ اس کھانے کی چیز کو، اس شکار کو روک کر خود نہ کھائے بلکہ مالک کا انتظار کرے یا مالک کے پاس لے آئے۔ اب دیکھو اس نے اپنی عادت کے خلاف ایک کام کیا۔ وہ تو شکار کیا کھانے کی چیز ملتی ہے دور لے کر بھاگتا ہے اور اس کو کھاتا ہے، لیکن اب یہاں کیا کر رہا ہے وہ؟ خود نہیں کھا رہا اس چیز کو روک لیتا ہے مالک کے لیے۔ چاہے وہیں روک لے چاہے لے کر مالک کے پاس آجائے جو بھی صورت ہو لیکن خود نہیں کھاتا، تو اس کا مطلب ہے تین دفعہ جب ایسا کر لے تو اس کا مطلب ہے یہ تربیت یافتہ ہے۔ اس نے اپنی عادت کے برخلاف ایک چیز سیکھ لی ہے کہ چیز کس کے پاس، کس کے لیے پکڑنی ہے؟ مالک کے لیے، اپنے لیے نہیں۔ اپنے لیے پکڑی ہوتی تو وہ تو کھاتا اس کو فوراً ہی۔ تو یہ اس کے تربیت یافتہ ہونے کی علامت ہے کہ تین دفعہ شکار کو روکے مالک کے لیے، بات سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا آپ تربیت کر رہے ہیں، اچھی خاصی ٹریننگ کے بعد اب اس کو دیکھ رہے ہیں کہ تربیت یافتہ ہو گیا یا نہیں۔ پہلی دفعہ چھوڑا سکھانے کے بعد کچھ، یہ گیا اور اس نے شکار کو پکڑ کر روک لیا مالک کے لیے، تو یہ شکار حرام ہے ابھی نہیں کھانا بھائی ابھی تربیت یافتہ نہیں ہوا۔ پھر دوسری دفعہ پھر گیا پھر اسی طرح اس نے روکا، وہ بھی حرام ہے۔ اسی طرح تیسری دفعہ جب شکار روکا اب یہ معلوم ہوا یہ کیا ہے تربیت یافتہ ہو چکا ہے۔ اب اس تیسرے شکار کو کھائیں گے یا نہیں تو اس میں فقہا کا اختلاف، بعض فرماتے ہیں کہ وہ حلال تربیت یافتہ ہو چکا، بعض کہتے ہیں نہیں اس کے بعد اب تربیت یافتہ ہوا ہے اس سے پہلے نہیں تھا۔

---

[۴] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۱۸): صوتی درس کی قراءت میں «فَإِنَّ هٰذَا حِيْلَةٌ فِي الْاِصْطِيَادِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فإنّ هذا حيلةٌ في الاصطياد،» منقول ہے۔

جب کہ عقاب، عقاب میں تربیت یافتہ یہ نہیں ہے کہ وہ کھانے کی چیز کو روک کر رکھے انسان کے لیے۔ عقاب جو ہے وہ انسان سے دور بھاگتا ہے بس، قریب آتا ہی نہیں ہے۔ تو عقاب کی تربیت یافتہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ مالک اس کو آواز دے، بلائے تو وہ سیدھا مالک کے پاس آجائے۔ تو یہ، تو وہ شکار کرتا ہے اور کس کے پاس لے آتا ہے؟ مالک کے پاس۔ تو یہ اس کے تربیت یافتہ ہونے کی علامت ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَيُعْلَمُ الْمُعَلَّمُ اور جانا جائے گا تربیت یافتہ کو یعنی تربیت یافتہ کا پتہ چلے گا بِتَرْكِ أَكْلِ الْكَلْبِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ کتے کے کھانے کو چھوڑ دینے سے تین مرتبہ، کہ کتا اس چیز کو کھانے کو چھوڑ دے تین دفعہ، خود نہ کھائے مالک کے لیے روک کے رکھے۔ وَرُجُوْعِ الْبَازِيْ بِدُعَائِهِ اور عقاب کا واپس لوٹنا مالک کے بلانے سے، کہ مالک اس کو بلائے تو عقاب واپس آجائے، اس سے اس کے تربیت یافتہ ہونے کو جانا جائے گا۔

اب صورت یہ کہ ایک شخص نے کتے کو تربیت دی اور پھر اس کے بعد اس نے شکار کے لیے کتے کو اللہ کا نام لے کر چھوڑ دیا، اور کتا گیا اور ہرن کو شکار کر لیا۔ شکاری پاس پہنچا تو دیکھا کچھ حصہ اس ہرن میں سے وہ کتا خود بھی کھا چکا ہے، خود بھی کھا چکا ہے۔ تو کیا اب یہ ہرن حلال ہے کہ حلال نہیں؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، جب خود کھا چکا ہے معلوم ہوا یہ کتا تربیت یافتہ ہے ہی نہیں، یہ تربیت یافتہ ہے ہی نہیں۔ اور شکار کے اندر کیا شرط تھی؟ جو شکاری درندہ ہو وہ کیا ہونا چاہیے؟ وہ تربیت یافتہ ہو، وہ باقاعدہ شرط ہے، شرط نہیں تو مشروط بھی نہیں۔ لہٰذا جب یہ تربیت یافتہ نہیں تو یہ ہرن جو شکار کیا ایک جاہل کتے نے یہ شکار کیا ہے، اور جاہل کتے کا شکار یعنی غیر تربیت یافتہ نے اور غیر تربیت یافتہ کتے کا شکار تو جائز نہیں، صورت سمجھ میں آگئی؟ اور حتیٰ کہ صرف یہ نہیں اس کتے نے صرف اس دفعہ کھایا ہے لیکن مثلاً آج ہی اس کے ذریعے آپ نے چار پانچ حیوان پکڑے تھے، یہ چھٹے کو اس نے جا کر خود کھایا ہے۔ چھٹے حیوان کو۔ پانچ وہ پہلے صحیح سلامت آپ تک لا چکا ہے یا آپ پہنچے اس نے ایک کو بھی نہیں کھایا تھا، کہتے ہیں وہ پانچوں بھی حرام ہو گئے، وہ پانچوں بھی کیا ہو گئے؟ حرام۔ بشرطیکہ وہ آپ کے پاس موجود ہوں ابھی۔ اگر آپ کھا چکے ہیں پھر تو معدوم ہو گئے، پھر تو حلّت اور حرمت کی بات ہی نہیں ہے جس کو اس نے پہلے شکار کیا تھا، اور تو وہ اگر آپ کے پاس ابھی محفوظ تھے تو وہ حرام ہو گئے۔ کیوں حرام ہوئے؟ وجہ اب آپ بتائیں مجھے۔ کیونکہ وہ غیر تربیت یافتہ کتے کے شکار تھے اور اس کی تو شرط لگائی گئی ہے بھائی۔

اگر عقاب کو آپ نے شکار پر چھوڑا اور عقاب نے کسی خرگوش کو شکار کر لیا اور پھر وہ آپ کے پاس لے کر آیا یا آپ اس کے پاس پہنچ گئے، اور آپ نے دیکھا کہ اس خرگوش میں سے کچھ حصہ عقاب بھی کھا چکا ہے، خرگوش مر چکا ہے اور کچھ حصہ عقاب بھی کھا چکا ہے، اب آپ مجھے بتائیے وہ خرگوش حلال ہے یا حرام؟ حلال۔ کیوں؟ کیونکہ اس کی تربیت... ہاں شاباش، یہ خرگوش حلال ہے کیونکہ عقاب کے اندر یہ شرط نہیں تھی کہ وہ حیوان کو نہ کھائے۔ اس کے اندر تربیت یافتہ

ہونے کی علامت کیا تھی؟ کہ وہ مالک کے بلانے پر اس کے پاس آجائے بس، تو وہاں نہ کھانے کی شرط نہیں تھی۔ اور کتے میں تو شرط تھی کہ اپنے لیے شکار نہ کرے بلکہ کس کے لیے شکار کرے؟ مالک کے لیے۔

تو کہتے ہیں وَيُعْلَمُ الْمُعَلَّمُ بِتَرْكِ أَكْلِ الْكَلْبِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ اور کلبِ معلم کو پہچانا جائے گا یعنی بِتَرْكِ أَكْلِ الْكَلْبِ ثَلَاثَ کہ وہ کتا جو ہے کھانے کو چھوڑ دے تین مرتبہ، وَرُجُوْعِ الْبَازِيْ بِدُعَائِهِ اور عقاب کا واپس لوٹنا آقا کے بلانے پر۔ فَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ الْبَازِيْ أُكِلَ اگر اس شکار میں سے عقاب نے کھا لیا ہے تو أُكِلَ اس شکار کو کھایا جائے گا۔ کس نے کھایا ہے؟ عقاب نے، تو اس کو کھایا جائے گا۔ یہ کس شکار کی بات ہو رہی ہے؟ جو مر چکا ہے، مر چکا ہے۔ اگر زندہ ہو پھر تو میں نے بتلایا بحث ہی نہیں ہے، زندہ ہے تو آپ تو خود جا کر اس کو ذبح کر لیں گے۔ تو اس شکار کو کھایا جائے گا یعنی وہ حلال ہے۔ لَا إِنْ أَكَلَ الْكَلْبُ ہاں اگر کتے نے کھایا ہے اس میں سے پھر اس کو نہیں کھایا جائے گا یعنی وہ حرام ہے۔ وَلَا مَا أَكَلَ مِنْهُ بَعْدَ تَرْكِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ اور نہ ہی اس شکار میں سے أَكَلَ مِنْهُ جس میں سے کتے نے کھایا ہے بَعْدَ تَرْكِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ تین مرتبہ چھوڑنے کے بعد، کتے نے تین مرتبہ چھوڑنے یعنی تربیت یافتہ ہونے کے بعد جس میں سے کھایا ہے اس میں سے، اس کو بھی نہیں کھایا جائے گا کیونکہ بے شک پہلے تین مرتبہ اس نے نہیں کھایا تھا لیکن اب کھا لیا ہے اس شکار میں سے، معلوم ہوا یہ کیا تھا؟ غیر تربیت یافتہ تھا، اس نے شکار کو اپنے لیے روکا اپنے لیے شکار کیا ہے مالک کے لیے نہیں کیا۔ وَلَا مَا صَادَ بَعْدَهُ اور اس کو بھی نہیں کھایا جائے گا جس کو اس کے بعد کتا شکار کرے۔ کتے نے کیا کیا؟ شکار میں سے کھا لیا۔ اب پھر مزید اور شکار کرتا ہے ان کو وہ نہیں کھا رہا مالک کے لیے روک رہا ہے لیکن وہ بھی اب حرام ہیں جب تک دوبارہ تربیت یافتہ نہ ہو جائے، دوبارہ تین دفعہ اس کو دیکھ نہ لیا جائے، اس کی تربیت نہ ہو جائے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ وَلَا مَا صَادَ بَعْدَهُ نہ اس کو جس کو اس کے بعد شکار کرے حَتَّى يَتَعَلَّمَ یہاں تک کہ وہ پھر تربیت پا لے، پھر تربیت یافتہ ہو جائے۔ وَقَبْلَهُ اس کا عطف بَعْدَهُ پر ہے، اور اس کو بھی نہیں کھایا جائے گا جس کو شکار کیا تھا قَبْلَهُ اس کتے نے اس شکار سے پہلے۔ میں نے جیسے بتایا کہ صبح سے وہ چار پانچ شکار کر چکا ہے چھٹے کو اس نے کھایا ہے لیکن وہ پانچوں کے پانچوں اگر آپ کے پاس محفوظ ہیں تو وہ حرام ہیں۔ تو کہتے ہیں وَقَبْلَهُ اور اس کو بھی نہیں جو اس سے پہلے اس نے شکار کیے تھے وَبَقِيَ فِيْ مِلْكِهِ اس حال میں کہ وہ شکار ابھی شکاری کی ملک میں باقی ہیں ابھی اس نے ان کو کھایا نہیں۔ أَيْ لَا يَحِلُّ مَا صَادَ الْكَلْبُ حلال نہیں ہے وہ جس کو کتا شکار کرے بَعْدَ مَا أَكَلَ بعد اس کے جب وہ اس میں سے کھا لے تو وہ حلال نہیں ہے، حَتَّى يَتَعَلَّمَ یہاں تک کہ وہ تربیت یافتہ ہو جائے أَيْ يَتْرُكُ الْأَكْلَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ یعنی وہ کھانے کو چھوڑ دے تین مرتبہ۔ وَلَا يَحِلُّ مَا صَادَ قَبْلَ الْأَكْلِ اور حلال نہیں ہے وہ شکار بھی جس کو اس نے شکار کیا تھا کھانے سے پہلے، إِذَا بَقِيَ فِيْ مِلْكِهِ جب کہ وہ شکار ابھی شکاری کی ملک میں باقی ہو۔ فَإِنَّ الْكَلْبَ إِذَا أَكَلَ اس لیے کیونکہ کتے نے جب کھا لیا تو عُلِمَ تو یہ بات معلوم ہو گئی أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ كَلْبًا مُعَلَّمًا کہ یہ تو تربیت یافتہ کتا نہیں تھا۔ وَكُلُّ مَا صَادَ قَبْلَ ذٰلِكَ الْأَكْلِ اور ہر وہ چیز جس کو شکار کیا تھا اس کتے نے اس کھانے سے پہلے فَهُوَ صَيْدُ كَلْبٍ

جَابِلِ وہ بھی ایک غیر تربیت یافتہ کتے کا شکار تھا۔ فَيَحْرُمُ تو وہ، فَيَحْرُمُ تو وہ حرام ہو گا إِذَا بَقِيَ فِيْ مِلْكِ الصَّيَّادِ جب کہ وہ باقی ہو شکاری کی ملکیت میں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَمِنْ شَرْطِ الْحِلِّ بِالرَّمْيِ التَّسْمِيَةُ۔ جی۔ یہ تو تھا، گزر گیا درندے اور پرندے کے ذریعے شکار کرنا۔ اب ذکر آیا ہے تیر کے ذریعے شکار کرنا، تیر کے ذریعے۔ یاد رکھیے ایک ہے شکار تیر کے ذریعے اور ایک ہے بندوق کی گولی کے ذریعے۔ بندوق کی گولی یا چھرے والی بندوق ہوتی ہے، چھرے کے ذریعے لوگ شکار کرتے ہیں۔ یا اسی طرح بعض لوگ غلیل کے ذریعے شکار کرتے ہیں، غلیل میں پتھر کے ذریعے مارتے ہیں پرندوں وغیرہ کو۔ تو اس میں تفصیل یاد رکھیے کہ یہ جو تیر آپ چلا رہے ہیں یہ آپ کا آلہ ہے، اس کے ذریعے آپ شکار کر رہے ہیں۔ تو تیر چلاتے ہوئے کیا کہنا ضروری؟ اللہ کا نام لینا ضروری۔ اور نیز دیکھو تیر جو ہے نا، تیر کی اگلی نوک بڑی تیز ہوتی ہے وہ حیوان کو چیرنے پھاڑنے والی ہے۔ اس کو لگے گا تو اس کے جسم میں وہ تیر گھس جائے گا، آر پار گزر جائے گا اس میں سے۔ تو یہ چھری جیسا کام کرتا ہے، کس جیسا کام کرتا ہے؟ اس کے بدن کو کاٹ دیتا ہے۔ تو لہٰذا یہ آلہ ایسا ہونا ضروری جو اپنی تیز دھار کی وجہ سے اس کے بدن کو پھاڑے، حیوان کے بدن کو۔ اگر ایسا آلہ نہیں تو پھر اس صورت میں وہ حیوان آپ کے پہنچنے سے پہلے مر گیا تو حرام ہو گا۔ مثلاً، مثلاً چھرے والی بندوق کے ذریعے چھرے کے ذریعے مارتا ہے کسی پرندے کو۔ بھائی اب چھرے کی نوک ہوتی ہے؟ چھرا۔ نہیں چھرے کی تو نوک نہیں ہوتی بھائی۔ چھرا تو بالکل آگے سے ہموار ہوتا ہے۔ میں نے کہا چھری کی طرح تیز جو کاٹے، کاٹے دوسرے کو۔ تو چھرا، چھرا کیا چھری کی طرح تیز ہے؟ نہیں۔ لیکن یہ حیوان یا پرندے کے بدن میں داخل تو ہو جاتا ہے، تو یہ دراصل اس کے بدن کو کاٹتا نہیں بلکہ کاٹنے کی وجہ سے نہیں داخل ہوتا بلکہ...

بلکہ اپنی رفتار اور اپنی ضرب کی وجہ سے اندر داخل ہوتا ہے۔ ایک ہے چھری، دیکھو چھری بدن میں داخل ہوتی ہے کاٹ کر داخل ہوتی ہے۔ آپ چھری تھوڑی درمیانی رفتار سے بھی چلاتے ہیں وہ بدن کو کاٹ دیتی ہے یا نہیں؟ لیکن درمیانی رفتار سے آپ پتھر یا کوئی اور چیز چلائیں تو وہ بدن کو کاٹے گی؟ نہیں۔ تو پتھر اگر بدن کو کاٹ رہا ہے اس کا مطلب ہے آپ نے بہت زیادہ زور سے اس کو مارا ہے، بہت زیادہ زور سے۔ تو پتھر وغیرہ بدن کو دبا کر اس کو پھاڑتے ہیں اس کو کاٹتے نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ جو چھرا ہے اس کے ذریعے شکار حلال نہیں کیونکہ یہ بدن کو کاٹتا نہیں ہے بلکہ اپنے دباؤ اور زور کی وجہ سے اس کو پھاڑ دیتا ہے۔ اسی طرح بندوق کی گولی بھی آگے سے ہموار ہوتی ہے، گول ہوتی ہے، وہ بدن کو کاٹنے والی نہیں۔ لہٰذا اس کے ذریعے بھی اگر شکار کیا اور پہنچنے سے پہلے شکار مر گیا تو وہ حرام ہے۔ ہاں اگر آپ پہنچ گئے پھر تو حلال ہے اس کو ذبح کر لیں۔ ہاں بعض بندوق کی گولیاں آگے سے بڑی تیز اور نوک دار ہوتی ہیں۔ اس میں پھر بعض آج کل کے علماء بعض فرماتے ہیں کہ اس کے ذریعے شکار جائز ہے۔ اس کے ذریعے شکار یعنی اگر وہ مر بھی جائے حیوان آپ کے پہنچنے سے پہلے تو وہ جائز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو لہٰذا تیر کے ذریعے بھی کیا شرط ہے؟ کہ آپ اللہ کا نام لیں اور نیزہ اس میں بھی یہ ضروری کہ یہ تیر کیا کرے؟ اس کے بدن کو کاٹ دے، پھاڑ دے، خون نکالے۔ کیونکہ یہ آپ کی ذبحِ اضطراری ہے اور ذبح کے اندر خون نکالنا ضروری۔ دیکھو گلے سے تو زیادہ خون نکلتا ہے، کسی اور بدن کے حصے پر سے تو اتنا زیادہ خون نہیں نکلے گا، لیکن بہرحال خون تو نکل آیا، صورت سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا کتا یا عقاب یا تیر کے ذریعے آپ شکار کرتے ہیں اور وہ انہوں نے مثلاً ہرن کے پچھلی ٹانگ کو زخمی کیا دونوں ٹانگوں کو، اب آپ کہتے ہیں اتنا خون تو شاید نہیں نکلا، نہیں بھائی خون نکلا ہے، بات اتنی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَمِنْ شَرْطِ الْحِلِّ بِالرَّمْيِ رمی کا معنی ہے تیر پھینکنا۔ تیر چلانے کے ذریعے شکار کے حلال ہونے کی شرطوں میں سے ہے، شرطوں میں سے ہے التَّسْمِيَةُ اللہ کا نام لینا أَيْ لَا يَتْرُكُهَا عَامِدًا یعنی اس کو جان بوجھ کر نہ چھوڑے، اگر بھولے سے رہ جائے پھر حلال ہے۔ وَالْجَرْحُ اور دوسری شرط کیا ہے؟ تیر کے ذریعے شکار کے حلال ہونے کی شرطوں میں سے ایک اللہ کا نام لینا ہے، وَالْجَرْحُ اور زخمی کرنا ہے۔ وَأَنْ لَّا يَقْعُدَ عَنْ طَلَبِهِ لَوْ غَابَ مُتَحَامِلًا سَهْمُهُ اور یہ کہ وہ شکاری نہ بیٹھے اس شکار کو طلب کرنے سے اگر وہ شکار غائب ہو جائے اس تیر کو اٹھا کر۔ مُتَحَامِل کا معنی ہے کسی چیز کو برداشت کر کے، برداشت کر لینا، یعنی آپ نے تیر چلایا اور وہ تیر آپ کو نظر آیا کہ ہرن کو لگ گیا ہے اس کے بدن میں پیوست ہو گیا ہے، لیکن وہ ہرن اس تیر کے ساتھ ہی بھاگتا چلا گیا اور آپ کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ تو دیکھو اس نے آپ کے تیر کو برداشت کیا اور اس کو اپنے ساتھ ہی اٹھا کر لے گیا، اب آپ اس کی تلاش میں لگے ہیں کہ زخمی تو ہو گیا ہے زیادہ دور یہ نہیں جا سکتا، تو آپ اس کی تلاش میں لگے ہیں۔ تلاش کرتے کرتے آپ کو ایک جگہ وہ ہرن مرا ہوا ملا تو یہ حلال ہے۔ یہ کیا ہے؟ حلال ہے۔ ہاں اگر آپ اس کی طلب سے بیٹھ گئے ایک آدھ گھنٹہ آرام کیا، تھک گئے آپ تلاش کرتے کرتے آپ بیٹھ گئے، پھر دوبارہ تلاش کرنے لگے اب آپ کو کسی جگہ مرا ہوا پڑا ملا تو اب حرام ہے، کیونکہ آپ بیٹھ چکے ہیں اب پتہ نہیں آپ کے تیر کی وجہ سے مرا ہے یا کسی اور جانور یا حیوان نے اس کو یا سانپ وغیرہ نے کاٹا ہے۔

یہ معنی ہے وَأَنْ لَّا يَقْعُدَ عَنْ طَلَبِهِ لَوْ غَابَ مُتَحَامِلًا سَهْمُهُ اور یہ کہ شکاری نہ بیٹھے اس کی تلاش سے لَوْ غَابَ اگر وہ غائب ہو جائے وہ شکار مُتَحَامِلًا سَهْمُهُ اس کے تیر کو اٹھا کر۔ أَيْ رَمَى یعنی اس نے تیر چلایا شکاری نے فَغَابَ عَنْ بَصَرِهِ تو وہ شکار غائب ہو گیا شکاری کی نظر سے مُتَحَامِلًا سَهْمُهُ اس کے تیر کو اٹھا کر۔ فَأَدْرَكَهُ مَيِّتًا پس شکاری نے اس کو مردہ پایا، ایک جگہ مرا ہوا پڑا پایا، فَإِنْ لَّمْ يَقْعُدْ عَنْ طَلَبِهِ حَلَّ أَكْلُهُ اگر شکاری اس کی طلب سے بیٹھا نہیں تو اس کا کھانا حلال ہے، لِأَنَّ هٰذَا لَيْسَ فِي وُسْعِهِ اس لیے کیونکہ یہ اس کی قدرت میں نہیں ہے، یہ اس کی قدرت میں نہیں ہے۔ کیا قدرت میں نہیں ہے؟ کہ اس کو زندہ ہی پا لے، اس کو زندہ ہی پا لے۔ فوراً ہی، فوراً تو نہیں پا سکتا نا یعنی یا یوں کہو فوراً اس کو حاصل کر لے یہ تو اس کی قدرت میں ہی نہیں ہے، وہ اپنی طرف سے تو پوری کوشش کر رہا ہے، ڈھونڈ رہا ہے شکار کو اور زندہ اس تک نہیں پہنچ سکا

اس کے پہنچنے تک وہ مر چکا تھا اور کافی تلاش کے بعد ملا، تو یہ اس کی قدرت میں نہیں ہے۔ اس کو زندہ پا لینا یا فوراً اس تک پہنچ جانا اس کی قدرت... ہاں، وَإِنْ قَعَدَ عَنْ طَلَبِهِ يَحْرُمُ اگر یہ اس کی طلب سے بیٹھ گیا تھوڑی دیر کے لیے يَحْرُمُ پھر وہ حرام ہے، لِأَنَّ فِيْ وُسْعِهِ أَنْ يَّطْلُبَهُ اس لیے کیونکہ یہ اس کی وسعت میں ہے یعنی اس کی قدرت میں ہے أَنْ يَّطْلُبَهُ کہ وہ اس کو طلب کرے۔ یہ تو اس کی قدرت میں ہے طلب کرے، اور لیکن یہ بیٹھ گیا، تھوڑی دیر آرام کر لیا تو لہٰذا اب وہ کیا ہو جائے گا؟ حرام۔ حرام ہو جائے گا۔ وَقَدْ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّ هَوَامَّ الْأَرْضِ قَتَلَتْهُ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شاید کہ هَوَامَّ الْأَرْضِ قَتَلَتْهُ، هَوَامّ کہتے ہیں زمین کے جو حیوانات ہیں خصوصاً یہ جو زہریلے حیوانات ہیں، سانپ بچھو وغیرہ، شاید اس کو زمین کے زہریلے حشرات نے قتل کر دیا ہو۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھائی یہ شکار کے شوقین تھے بھائی، تو یہ حضور سے مسائل پوچھے اور وہ روایات میں ذکر آتا ہے، تو اس میں ذکر فرمایا حضور نے کہ تم اس کی طلب سے بیٹھو... انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ اگر وہ مجھے ملتا ہے بعد میں ملتا ہے، تو حضور نے فرمایا شاید کہ زمین کے زہریلے حشرات نے اس کو قتل کیا ہو لہٰذا اس کو نہ کھاؤ اگر خود تلاش... بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو وہ احادیث میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

حضرت عدی بن حاتم بھائی، یہ حاتم طائی کے بیٹے ہیں بھائی۔ حاتم طائی مشہور سخی جو گزرا ہے ان کے بیٹے عدی بن حاتم یہ صحابیِ رسول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور حاتم طائی بھائی عجیب سخاوت اللہ نے اس کو نصیب فرمائی تھی جو آج تاریخ کا حصہ ہے۔ دیکھو نیکیاں کرو گے تاریخ آپ کو یاد رکھے گی، تاریخ یاد رکھے گی، اور جو صرف اپنے لیے زندگی گزارتا ہے دوسروں کو نفع نہیں پہنچاتا چاہے وہ کروڑپتی ہو ارب پتی ہو کھرب پتی ہو تاریخ اسے یاد نہیں رکھتی۔ لیکن جو دوسروں کے لیے زندگی گزارتا ہے نفع پہنچاتا ہے فائدے پہنچاتا ہے تو سب اس کو یاد رکھتے ہیں۔ تو سخاوت کا وصف اپناؤ، سخاوت بڑے لوگوں کا وصف ہے۔ اللہ آپ میں سے ہر ایک کو بڑا آدمی بنائے، بڑا عالم بنائے، بڑا مدرس بنائے بھائی، بڑے لوگوں کی صفات اپناؤ آپ بڑے بن جائیں گے۔ اور سخاوت کے لیے مال ہونا ضروری نہیں ہے کہ آپ کہیں میرے پاس تو مال نہیں ہے لہٰذا میں کیا سخاوت کروں، نہیں نہیں، سخاوت بس اپنے ساتھیوں کی جس حد تک، مثلاً ساتھی آتا ہے اور آپ اس کو چائے پلا سکتے ہیں یا اس کے... تو اس کو چائے پلائیں بھائی، اور اگر آپ اس کو دیکھتے ہی چھپ جاتے ہیں بھائی کہ چائے نہ پلانا پڑ جائے بھائی، تو یہ... تو یاد رکھو سخاوت اصل، اس کے لیے دل چاہیے دل، مال نہیں چاہیے دل چاہیے۔ دل چاہیے۔ اور بعض لوگوں کو اللہ نے بڑا دل دیا ہوتا ہے انسان حیران ہوتا ہے۔ میں والد صاحب رحمہ اللہ کی سخاوت دیکھتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں۔ حالانکہ انہوں نے زندگی کا ابتدائی ان کی زندگی دیکھو بڑی غربت اور مشقت والی زندگی۔ یتیم تھے بھائی، بچپن میں ہی والد صاحب کے یعنی میرے دادا کا انتقال ہو گیا تھا۔ والد صاحب کی عمر شاید پانچ چھ سال ہو گی یا کتنی، تو دادا کا ہمارے انتقال ہو گیا۔ تو والد صاحب نے بڑی غربت میں زندگی گزاری، حد سے زیادہ غربت میں زندگی

گزاری۔ اور ہوتا یہ ہے کہ جو شخص عموماً غربت میں زندگی گزارتا ہے اس کو بعد میں اگر کچھ مال مل بھی جائے وہ بڑا بخل کرتا ہے، کیونکہ اس نے کبھی خرچ کیا ہی نہیں خرچ کرنے کی عادت ہی نہیں ہے اس کو، وہ مال کو جوڑتا چلا جاتا ہے اور پھر سب کچھ یہیں رہ جاتا ہے اور وہ دنیا سے چلا جاتا ہے۔ لیکن والد صاحب نے اتنی تنگی کے باوجود اتنی سخاوت، اتنی سخاوت کہ جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا بھائی۔ مدرسے میں کئی طلباء اب ہمیں آکر بتاتے ہیں وفا... زندگی میں پتہ ہی نہیں تھا کسی کو، خاموشی سے خفیہ سخاوت بھی، ایک دکھ... سامنے بھی سخاوت ہوتی تھی اور خفیہ سخاوت کہ بیسیوں طلباء کے وظیفے مقرر ہوتے تھے پورا پورا سال ان کو ہر مہینے باقاعدگی سے وظیفے ملتے تھے۔ اور یہ ہمیں وفات کے بعد بہت سے طلباء نے آکر بتلایا کہ فلاں فلاں اتنے سال میں یہاں پڑھتا رہا اور حضرت شیخ مجھے ہر مہینے وظیفہ دیتے تھے، اور میرے ساتھ فلاں فلاں اتنے ساتھیوں کا تو مجھے پتہ ہے سب کا مجھے پتہ نہیں، اتنے اتنے ساتھیوں کا مجھے پتہ ہے ان کا بھی وظیفہ باقاعدہ مقرر تھا، جب تک وہ یہاں پڑھتے رہے حضرت ان کو وظیفہ دیتے رہے۔ وہ کسی ایک ساتھی طالب علم کو مقرر فرماتے اور وہ اس کے ذمے ہوتا تھا وہ خاموشی سے سب کو پہنچاتا تھا کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی تھی۔ اسی طرح طلباء میں بھی پیسے، کبھی پیسے بھی تقسیم فرماتے بھائی، پیسے تقسیم فرماتے۔ اور اس زمانے میں یہ ایک ایک دو دو روپے اور پانچ پانچ روپے وغیرہ یا دس روپے کے نوٹ جو ہوتے تھے، یہ تمام دورہ حدیث میں سینکڑوں طلباء ہوتے ساروں میں تقسیم کرتے، اور حضرت شیخ سے طلباء کی اتنی محبت تھی جسے لفظوں میں نہیں بیان کیا جا سکتا۔ آج بھی ان کے شاگرد ملتے ہیں تو کہتے ہیں حضرت نے ہم جس سال دورہ حدیث کیا کئی مرتبہ پیسے تقسیم فرمائے، وہ نوٹ کہتے ہیں آج بھی ہم نے چالیس پچاس سال گزرنے کو ہیں آج بھی ہمارے پاس محفوظ ہیں، ہم نے برکت کے طور پر اپنے پاس محفوظ رکھے ہیں۔ یعنی اتنی محبت تھی کہ ان کے دیے ہوئے پیسے خرچ بھی نہیں کرتے تھے، اپنی سعادت سمجھ کے ہمیشہ کے لیے اپنے پاس محفوظ کر لیتے تھے۔ عجیب محبت تھی۔ اور پھر طلباء پر خرچ کرتے، پھر دارالحدیث میں دو قسم کی روشنائی کا انتظام ہوتا تھا ہر وقت حضرت کی طرف سے، ایک نیلے رنگ کی اور ایک سیاہ رنگ کی۔ بعض طلباء نیلے رنگ کو پر سے لکھنا پسند کرتے تو نیلی روشنائی ان کے لیے، اور جو کالی روشنائی استعمال کرنا چاہتے ان کے لیے کالی روشنائی۔ تو سارا سال دارالحدیث میں رہتی اور جیسے ہی ختم ہونے لگتی حضرت کو اطلاع دی جاتی اور وہ پھر نئی منگوا دیتے۔ اسی طرح اس زمانے میں طلباء کے لیے برف وغیرہ ٹھنڈے پانی کا انتظام نہیں تھا تو روزانہ طلباء کے لیے برف منگواتے تھے اور وہ ٹھنڈے پانی کا انتظام ان کے لیے کرتے تھے ہمیشہ بھائی۔ تو اور پھر عام ویسے جو سخاوت ہوتی عام لوگوں کے اندر انسان حیران رہ جاتا۔ اور عجیب عادت تھی جیب میں ہاتھ ڈالتے جتنے پیسے ہاتھ میں آجاتے وہ سامنے والے کو ہاتھ بند کر کے بس دے دیتے۔ چاہے سو آگئے چاہے پانچ سو آگئے ہزار آگئے دو ہزار آگئے جتنے ہاتھ میں آئے وہ سارے اس دوسرے کو دے دیتے تھے بھائی، تو عجیب اللہ نے سخاوت نصیب فرمائی تھی بھائی۔ پھر خصوصاً حرمین شریفین جاتے تو وہ سخاوت اور زیادہ بڑھ جاتی، وہاں تو بڑے بڑے مالدار بھی آکر حضرت کو

جب ملتے تھے تو جیب میں کچھ ہاتھ ڈال کر ضرور اس کو کچھ نہ کچھ دے دیتے۔ وہ کہتے حضرت ہمارے پاس تو بہت پیسے ہیں پہلے ہی موجود ہیں، کہتے نہیں نہیں بس یہ آپ رکھیں میری طرف سے۔ تو سر، ہر ملنے والے کو دیتے تھے، انسان حیران رہ جاتا تھا بھائی۔ بہت سخاوت اللہ نے... پھر جامعہ میں رہنے والے ہمسائے وغیرہ کبھی ایک کے گھر کبھی کوئی چیز ہمیں دیتے کہ یہ ان کے گھر دے آؤ پھل وغیرہ یا کوئی چیز کوئی فلاں کے گھر دے آؤ، کوئی عرب سے مہمان اساتذہ وہاں جامعہ میں پڑھاتے تھے عربی سکھانے کے لیے کبھی ان کے لیے پھل بھجوا دیتے بہت سارا پھل کہ یہ ان کے گھر دے آؤ۔ تو عجیب ان کی سخاوت تھی بھائی، آج بھی وہ لوگ یاد کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت جیسا، جیسی سخاوت آج تک نہیں دیکھی بھائی۔

تو سخاوت کا خوگر بناؤ اپنے آپ کو بھائی۔ اور علماء نے لکھا ہے کہ خود بھی سخاوت کرو اور اپنے بچوں کی بھی تربیت کرو ان کو بھی سخاوت کا خوگر بناؤ، اور اس کا طریقہ یہ کہ کسی کو کوئی چیز دینے لگے تو کبھی بچوں کے ہاتھ بھجوا دیا کرو کہ یہ اس کو دے آؤ یا ان کے گھر دے آؤ یا ان کے گھر دے آؤ، اس طرح بچے کو بھی آہستہ آہستہ سخاوت کی عادت ہو جائے گی۔ یہ علماء نے مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ وغیرہ علماء نے لکھا ہے باقاعدہ بھائی۔ اور پھر اگر مال نہیں ہے تو بھی سخاوت کر سکتے ہیں بھائی، سخاوت تو اصل میں دل کا وصف ہے بھائی دل کا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی مال کچھ بھی نہیں ہے تو علماء کہتے ہیں کہ کم از کم یہ مسواک ہی توڑ کر درخت سے شاخ توڑ کر مسواک بنا کر اپنے کچھ ساتھیوں کو دے دیا کرو تاکہ ہاتھ کو دینے کی عادت پڑ جائے۔

دیکھیے اب کتاب پر۔ وَقَدْ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّ بَوَامَّ الْأَرْضِ قَتَلَتْهُ تو عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر آیا تھا اسی سے حاتم طائی کا ذکر آیا۔ حاتم طائی جو تھا وہ اہلِ ایمان میں سے تھا بھائی، یاد رکھیے۔ وہ عیسائی تھا عیسائی، اور اس ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نہیں ہوئی تھی اور اس زمانے میں دینِ عیسوی حق تھا۔ اور چنانچہ اور یہ اس کی نیکی اور سخاوت دیکھو کہ بیٹے کو اللہ نے پھر سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کا شرف نصیب فرما دیا۔

آگے دیکھیے بھائی، فَإِنْ أَدْرَكَهُ الْمُرْسِلُ أَوِ الرَّامِيْ حَيًّا ذَكَّاهُ اگر اس حیوان کو اس شکار کو پا لیا الْمُرْسِلُ اس حیوان کو بھیجنے والے نے، وہ جس نے شکاری کتا یا پرندہ بھیجا تھا اگر اس نے اس شکار کو پا لیا أَوِ الرَّامِيْ یا اس تیر چلانے والے نے اس شکار کو پا لیا حَيًّا کہ وہ زندہ...

لوہا نوکدار لگا ہوتا ہے اور پچھلے حصے پہ کوئی پر یا کوئی اس طرح کی چیز لگاتے ہوں گے بھئی۔ اور معراض کے تو دونوں کنارے ذرا باریک لیکن درمیان سے موٹا ہوتا ہے بھئی۔ تو اَلْمِعْرَاضُ السَّهْمُ الَّذِيْ لَا رِيْشَ لَهُ معراض وہ تیر ہے جس میں پر نہیں ہوتا۔ پر، وہی یہ پرندے کا پر وغیرہ نہیں ہے؟ یہ لگا لیتے ہیں اس میں، تو اس میں پر وغیرہ نہیں ہوتا۔ سُمِّيَ مِعْرَاضًا لِأَنَّهُ يُصِيْبُ الشَّيْءَ بِعَرْضِهِ اس کو معراض اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ کسی چیز کو چوڑائی میں جا کر لگتا ہے۔ فَلَوْ كَانَ فِيْ رَأْسِهِ

حِدَّةٌ حدت کہتے ہیں تیزی کو، دال مشدد ہے، دھار، دھار ہو جیسے چھری یا تلوار کی دھار ہوتی ہے تیز۔ فَلَوْ كَانَ فِيْ رَأْسِهِ حِدَّةٌ اگر اس معراض تیر کے سر میں دھار تھی، یعنی اس کی نوک، وہ نوکدار تھا، دونوں طرف سے نوکدار یا وہ حصہ جو لگا وہ نوکدار تھا دھار والا تھا، فَأَصَابَ بِحِدَّتِهِ پس وہ تیر لگا اپنی دھار کے ساتھ، یعنی دھار اس کی جا کر لگی شکار میں، يَحِلُّ پھر کیا ہے؟ وہ حلال ہے۔

أَوْ بُنْدُقَةٌ ثَقِيْلَةٌ بندقہ کہتے ہیں وہ غلیل کے اندر جو پتھر وغیرہ یا گولی رکھ کر چلاتے ہیں، غلیل سے پھینکتے ہیں، اس کو بُنْدُقَةٌ کہتے ہیں۔ یا کسی نے مارا بُنْدُقَةٌ ثَقِيْلَةٌ ایسا، ایسے غلیل کا پتھر ثَقِيْلَةٌ جو وزنی تھا، بڑا تھا، ذَاتُ حِدَّةٍ لیکن نوکدار تھا، اس کی دھار تھی، کیا تھی؟ دھار تھی۔ پتھر وزنی تھا اس کی دھار بھی تھی۔ یہ جا کر شکار کو لگا اور شکار مر گیا، تو کہتے ہیں یہ حرام۔ بھئی کیوں؟ یہ تو دھار والا پتھر تھا! کہتے ہیں بھئی پتھر بھی تو وزنی تھا، اب پتہ نہیں دھار کی وجہ سے حیوان مرا ہے یا اس کے وزن کی وجہ سے جا کر لگا زور سے اس لیے مرا ہے۔ تو جب دو دلیلیں جمع ہو جائیں ایک مبیح ہو ایک محرم، تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے، کیونکہ احتیاط اس میں ہے۔ تو لہٰذا اس کو حرام قرار دیں گے۔ لیکن اگر غلیل کا پتھر ہلکا پھلکا سا ہے اور ہے تیز دھاری دار، اب اس کے ساتھ آپ نے کسی بڑے حیوان کو مارا اور اس نے اس کو کاٹ دیا، تو پھر حلال ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ تو بڑا حیوان ہے، یہ اتنے پتھر سے تو اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تھا، معلوم ہوا اس نے جو نقصان پہنچایا ہے اپنی دھار کی وجہ سے پہنچایا ہے۔

إِنَّمَا قَالَ هٰذَا ماتن نے یہ فرمایا، یعنی یہ حلال نہیں، کہتے ہیں لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنْ يَّكُوْنَ قَدْ قَتَلَهُ بِثِقَلِهِ اس لیے کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس پتھر نے اس کو قتل کر دیا ہو بِثِقَلِهِ کس کی وجہ سے؟ اپنے بوجھ اور اپنے وزن کی وجہ سے۔ حَتّٰى لَوْ كَانَ خَفِيْفًا بِهِ حِدَّةٌ یہاں تک کہ اگر وہ بندقہ جو تھا وہ ہلکا پھلکا تھا اور بِهِ حِدَّةٌ اور اس کی دھار بھی تھی، يَحِلُّ پھر شکار کیا ہو گا؟ حلال، لِتَعَيُّنِ أَنَّ الْمَوْتَ بِالْجَرْحِ اس لیے کیونکہ یہ بات متعین ہے کہ موت جو ہے اس زخم کی وجہ سے ہوئی ہے، ضرب کی وجہ سے، ثقل اور بوجھ کی وجہ سے موت نہیں ہوئی۔

أَوْ رَمٰى صَيْدًا فَوَقَعَ فِيْ مَاءٍ صورت یہ ہے بھئی آپ نے ایک حیوان پر تیر چلایا اور وہ تیر اس حیوان کو لگا، اور پھر وہ حیوان نیچے پانی میں گرا، اور جب تک آپ پہنچے تو وہ مر چکا تھا، تو کہتے ہیں یہ حیوان حرام ہے، یہ کیا ہے؟ حرام۔ اس لیے کیونکہ یہ پتہ نہیں کہ یہ آپ کے تیر کی وجہ سے مرا ہے یا پانی میں ڈوبنے کی وجہ سے مرا ہے۔ اگر آپ کے تیر کی وجہ سے مرا ہو پھر تو حلال، اور پانی کی وجہ سے مرا ہو تو حرام۔ تو ایک دلیل کس کی جمع ہو گئی؟ ایک حلت والی اور ایک حرمت والی۔ تو کس کو ترجیح دیتے ہیں؟ حرمت والی، لہٰذا یہ حرام۔ أَوْ رَمٰى صَيْدًا فَوَقَعَ فِيْ مَاءٍ یا شکار کو تیر مارا تو وہ شکار پانی میں گر گیا، فَإِنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنَّ الْمَاءَ قَتَلَهُ فَيَحْرُمُ تو اس کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ پانی نے اس کو قتل کر دیا ہو، تو وہ حرام ہے۔

أَوْ عَلٰى سَطْحٍ أَوْ جَبَلٍ یا وہ حیوان کس پر گرا؟ چھت پر گرا أَوْ جَبَلٍ یا پہاڑ پر گرا، فَتَرَدّٰى مِنْهُ إِلَى الْأَرْضِ پھر وہاں بلندی

سے وہ نیچے زمین پر گرا، حَرُمَ تو ان تمام صورتوں میں وہ کیا ہو گا شکار؟ حرام۔ حرام ہو گا۔ دیکھو اس کا تعلق ان سب سے ہے: جان بوجھ کر تزکیہ کو چھوڑا تو وہ مر گیا، یا مجوسی نے کتے کو چھوڑا تھا مسلمان نے اس کو بھڑکایا اور وہ بھڑک گیا، یا معراض تیر نے اس کو چوڑائی میں قتل کر دیا، یا شکار کو تیر مارا اور وہ پانی میں گر کر مر گیا، یا پہاڑ کے اوپر تھا یا پہلے وہ پہاڑ پر یا چھت پر گرا اور پھر وہاں سے نیچے گرا، تو ان تمام صورتوں میں حَرُمَ وہ شکار کیا ہو گا؟ حرام ہو، عبارت سمجھ میں آ رہی ہے؟ آخر میں اب یہ آیا حَرُمَ۔

کہتے ہیں لِأَنَّ الْاِحْتِرَازَ عَنْ مِّثْلِ ہٰذَا مُمْکِنٌ اس لیے کیونکہ اس طرح کی چیزوں سے بچنا ممکن ہے۔ اس طرح کی چیزوں سے بچنا ممکن ہے، یعنی آپ شکار کریں اور وہ پانی میں نہ گرے، آپ بچ سکتے ہیں، آپ تھوڑے انتظار کرتے وہ شکار پانی سے ذرا دور ہوتا پھر اس کو مار لیتے۔ یا وہ کس پر گرا؟ پہاڑ پر اور پہاڑ سے نیچے گرا، آپ تھوڑا انتظار کر لیتے جب شکار پہاڑ سے آگے نکلتا پھر آپ اس کو شکار کرتے۔ آپ نے ایک شکار کیا اور وہ پہلے چھت پر گرا یا پہاڑ پر گرا، اور پھر اس بلندی سے وہ نیچے گرا تو آپ گئے تو وہ مر چکا تھا، تو یاد رکھو یہ حرام ہے، حرام، کیونکہ پتہ نہیں یہ آپ کے تیر کی وجہ سے مرا ہے یا بلندی سے گرنے کی وجہ سے مرا ہے پہاڑ سے یا چھت سے۔ تو کہتے ہیں ان صورتوں میں یہ حرام ہے۔ کہتے ہیں لِأَنَّ الْاِحْتِرَازَ عَنْ مِّثْلِ ہٰذَا مُمْکِنٌ اس لیے کیونکہ اس طرح کی چیزوں سے بچنا ممکن ہے، آپ کچھ انتظار کر لیتے پھر تیر چلاتے تو شکار پانی میں نہ گرتا، یا شکار چھت پر یا پہاڑ پر گر کر پھر نیچے نہ گرتا۔ تو اس طرح کی چیزوں سے بچنا ممکن ہے۔

فَإِنْ وَّقَعَ عَلَى الْأَرْضِ ابْتِدَاءً ہاں اگر وہ پہلے ہی ابتدا سے ہی ابتدا میں ہی زمین پر گرا، آپ نے شکار کیا ایک پرندہ اڑتا ہوا جا رہا تھا آپ نے تیر چلایا، اس پرندے کو تیر لگا اور وہ بلندی سے پھر نیچے سیدھا آ کر زمین پر گرا، چھت وغیرہ پر نہیں۔ پہلے تو کیا صورت تھی؟ چھت پر گرتا تھا پھر چھت سے دوبارہ نیچے زمین پہ گرتا تھا، یا پہاڑ پر گرتا تھا اور پہاڑ سے پھر دوبارہ نیچے زمین پر گرتا تھا۔ تو جو چھت پر اگر گر کر مر جاتا پھر تو حلال تھا، پہاڑ پر گر کر مر جاتا پھر تو حلال، لیکن اب پہاڑ یا چھت سے وہ دوبارہ زمین پہ بھی گرا ہے تو پتہ نہیں شاید اس گرنے کی وجہ سے وہ مر گیا ہو، اس لیے وہ حرام۔ لیکن اگر ابتداءً تیر چلایا اور وہ سیدھا اوپر سے نیچے زمین پر گرا، تو اس میں بھی تو احتمال ہے اتنی اونچائی سے گرا ہے شاید زمین پر سیدھا آ کر گرا اس لیے مر گیا ہو! کہتے ہیں بھئی اس سے تو بچنا ممکن ہی نہیں ہے، کیونکہ شکار پرندے کا عموماً جب بھی کریں گے وہ فضا سے زمین پر تو ضرور گرے گا بھئی۔ لہٰذا ایک مرتبہ جو سیدھا جا کر گرا اس کی تو گنجائش ہے، لیکن دوسری مرتبہ اگر وہ گرتا ہے پھر اس کی گنجائش نہیں ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں أَوْ عَلٰى سَطْحٍ أَوْ جَبَلٍ یا وہ شکار جو ہے وہ کسی چھت یا پہاڑ پر گرا، فَتَرَدّٰى مِنْہُ إِلَى الْأَرْضِ پھر اس سے اوپر سے نیچے زمین پر گرا، حَرُمَ تو حرام ہو گا، لِأَنَّ الْاِحْتِرَازَ عَنْ مِّثْلِ ہٰذَا مُمْکِنٌ اس لیے کیونکہ اس جیسی چیزوں سے بچنا ممکن ہے، کہ تھوڑا انتظار کر لیا جاتا یا تھوڑا آگے تیر مارا جاتا کہ وہ ذرا آگے ہوتا۔ فَإِنْ وَّقَعَ عَلَى الْأَرْضِ ابْتِدَاءً اگر وہ ابتدا ہی میں شکار

زمین پر سیدھا آکر گرا، فَإِنَّ الْاِحْتِرَازَ عَنْ مِّثْلِ ہٰذَا غَیْرُ مُمْکِنٍ اس لیے کیونکہ اس جیسی چیزوں سے تو بچنا ممکن نہیں ہے، فَیَحِلُّ تو اس صورت میں وہ حلال ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، ہٰذَا ہُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰہُ أَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْکَلَامِ۔

سبق نمبر ۳۳: شکار میں مسلم و مجوسی یا غیر معلم کتے کی شرکت، تیر کے زخم اور صیدِ البحر کے احکام

شرح الوقایہ صفحہ: ۶۹ — بتاریخ: ۲۳ جنوری ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی کتاب پر سبق آگے:

أَوْ أَرْسَلَ كَلْبَهُ فَزَجَرَهُ مَجُوسِيٌّ فَانْزَجَرَ، أَوْ لَمْ يُرْسِلْهُ أَحَدٌ فَزَجَرَهُ مُسْلِمٌ فَانْزَجَرَ. اِعْلَمْ أَنَّهُ إِذَا اجْتَمَعَ الْإِرْسَالُ وَالزَّجْرُ أَيِ السَّوْقُ فَالْاِعْتِبَارُ لِلْإِرْسَالِ، فَإِنْ كَانَ الْإِرْسَالُ مِنَ الْمَجُوسِيِّ وَالزَّجْرُ مِنَ الْمُسْلِمِ حَرُمَ، وَإِنْ كَانَ عَلَى الْعَكْسِ حَلَّ، وَإِنْ لَمْ يُوجَدِ الْإِرْسَالُ وَوُجِدَ الزَّجْرُ يُعْتَبَرُ الزَّجْرُ، فَإِنْ كَانَ مِنَ الْمُسْلِمِ حَلَّ وَإِنْ كَانَ مِنَ الْمَجُوسِيِّ حَرُمَ.[1]

شکار کے مسائل ذکر ہو رہے ہیں بھئی۔ أَوْ أَرْسَلَ كَلْبَهُ فَزَجَرَهُ مَجُوسِيٌّ فَانْزَجَرَ، صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک مسلمان نے اپنے تربیت یافتہ کتے کو اللہ کا نام لے کر شکار پر چھوڑا، شکار کی طرف بھیجا۔ اور درمیان میں ایک مجوسی نے اس کو زجر کیا بھئی، آواز وغیرہ نکال کر اس کو تیز کیا کتے کو۔ اور کتا تیز ہو گیا اور اس نے جا کر شکار کر لیا۔ اور جب شکاری پہنچا تو وہ شکار مر چکا ہے، کتے نے اس کو اتنا زخمی کیا۔ تو کیا یہ شکار حلال ہے یا حرام؟ کیونکہ درمیان میں مجوسی کا فعل آگیا، اس نے اس کو ڈرایا اور ابھارا، آواز نکالی اور یہ تیز ہو گیا۔ تو آپ کو بتلائیں گے بھئی کہ جب ارسال اور زجر جمع ہو جائیں تو اعتبار ارسال کا ہے۔ اور اگر ارسال نہ ہو صرف زجر ہو پھر اس کا اعتبار ہے۔ تو یہاں پر ارسال کس نے کیا؟ مسلمان نے اللہ کا نام لے کر اور تربیت یافتہ کتے کو بھیجا۔ لہٰذا اس زجرِ مجوسی کا کوئی اعتبار نہیں، وہ شکار حلال ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یا دوسری صورت بھئی کہ ایک تربیت یافتہ کتا ہے، اسے کسی نے نہیں بھیجا۔ لیکن مسلمان نے اس کو زجر کیا، اس کو ابھارا، آواز وغیرہ نکال کر اس کو تیز کیا اور وہ ایک دم بھاگا اور اس نے جا کر شکار کر لیا۔ تو یہاں پر اب دیکھو ارسال کسی

[1] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۱۹): صوتی درس کی قراءت میں «أَوْ أَرْسَلَ كَلْبَهُ فَزَجَرَهُ مَجُوسِيٌّ فَانْزَجَرَ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «أو أرسلَ مسلمٌ كلبَه فزجرَه مجوسيّ فانزجر،» منقول ہے۔

کی طرف سے نہیں ہے، لہٰذا اس زجر کا اعتبار ہے۔ اور یہ زجر کس نے کیا؟ مسلمان نے۔ لہٰذا یہ شکار کیا ہوگا؟ حلال ہوگا، حلال ہوگا۔

تو کہتے ہیں أَوْ أَرْسَلَ كَلْبَهُ فَزَجَرَهُ مَجُوسِيٌّ فَانْزَجَرَ یا بھیجا اس مسلمان نے اپنے کتے کو، فَزَجَرَهُ مَجُوسِيٌّ تو اس کو مجوسی نے ڈرایا، تو اس کو مجوسی نے ڈانٹا یعنی بھڑکایا، فَانْزَجَرَ تو وہ بھڑک اٹھا یعنی تیز ہو گیا۔ أَوْ لَمْ يُرْسِلْهُ أَحَدٌ یا اس کو کسی نے نہیں بھیجا، فَزَجَرَهُ مُسْلِمٌ تو اس کو مسلمان نے بھڑکایا، فَانْزَجَرَ تو وہ بھڑک اٹھا یعنی تیز ہو گیا۔

دیکھو ان سب کی جزا آخر میں آ رہی ہے۔ اگلے متن میں آیا أَوْ أَخَذَ غَيْرَ مَا أُرْسِلَ عَلَيْهِ أُكِلَ۔ أُكِلَ، دیکھا اس شکار کو کیا کیا جائے گا؟ کھایا جائے گا۔ تو یہ سب صورتوں کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔ اگر کس نے بھیجا ہو؟ بھیجا مسلمان نے اور ڈرایا یا بھڑکایا کس نے؟ مجوسی نے۔ تو بھی یہاں پر ارسال کا اعتبار ہے لہٰذا اس کو کھایا جائے گا۔ یا کسی نے نہیں بھیجا لیکن مسلمان نے اس کو بھڑکایا اور وہ بھڑک اٹھا اور تیز ہو کر اس نے شکار کر لیا۔ تو یہاں پر بھڑکانے کا اعتبار ہے کیونکہ ارسال نہیں، لہٰذا اس صورت میں بھی اس کو کیا کیا جائے گا؟ شکار کو کھایا جائے گا۔ تو جزا آگے آ رہی ہے۔

تو کہتے ہیں اِعْلَمْ جان لے أَنَّهُ إِذَا اجْتَمَعَ الْإِرْسَالُ وَالزَّجْرُ أَيِ السَّوْقُ جب جمع ہو جائے ارسال یعنی بھیجنا وَالزَّجْرُ اور بھڑکانا، أَيِ السَّوْقُ معنی بتلا دیا کہ زجر سے مراد ڈانٹ نہیں ہے، أَيِ السَّوْقُ اس کو ہانکنا ہے، وہ جو بھڑکانا ہے کہ وہ تیز ہو جائے۔ تو سوق کا کیا معنی؟ ہانکنا، ہانکنا۔ جانور، گلہ وغیرہ ہو اس کا ریوڑ ہو، جانوروں کو پیچھے سے جو شخص ہانک رہا ہو، چلا رہا ہو اس کو سَائِق کہتے ہیں۔ یہ ہے سَوْق بھئی ہانکنا، حیوان کو پیچھے سے ہانکا جاتا ہے۔ تو یہاں پر بھی اس نے کیا کیا ہے؟ کتے کو آواز کے ذریعے ہانکا ہے یعنی شکار کی طرف۔

تو کہتے ہیں فَالْاِعْتِبَارُ لِلْإِرْسَالِ جب جمع ہو جائے ارسال اور زجر تو فَالْاِعْتِبَارُ لِلْإِرْسَالِ تو اعتبار بھیجنے کا ہے۔ فَإِنْ كَانَ الْإِرْسَالُ مِنَ الْمَجُوسِيِّ وَالزَّجْرُ مِنَ الْمُسْلِمِ حَرُمَ اگر ارسال مجوسی کی طرف سے ہو اور زجر جو ہے مسلمان کی طرف سے ہو حَرُمَ پھر کیا ہے؟ حرام کیونکہ ارسال کا اعتبار ہے۔ وَإِنْ كَانَ عَلَى الْعَكْسِ اور اگر اس کا برعکس ہو یعنی ارسال مسلمان کا ہو اور زجر مجوسی کا ہو تو ارسال کا اعتبار، اور ارسال تو کس نے کیا؟ مسلمان نے۔ تو حَلَّ وہ حلال ہے۔ وَإِنْ لَمْ يُوجَدِ الْإِرْسَالُ اور اگر ارسال نہ پایا جائے وَوُجِدَ الزَّجْرُ اور زجر یعنی ہانکنا یعنی بھڑکانا پایا جائے تو يُعْتَبَرُ الزَّجْرُ تو پھر زجر معتبر ہے۔ فَإِنْ كَانَ مِنَ الْمُسْلِمِ حَلَّ پس اگر وہ زجر مسلمان کی طرف سے ہوا تو وہ شکار حلال ہے، وَإِنْ كَانَ مِنَ الْمَجُوسِيِّ حَرُمَ اور اگر وہ زجر مجوسی کی طرف سے ہے تو وہ شکار حرام ہے۔

أَوْ أَخَذَ غَيْرَ مَا أُرْسِلَ عَلَيْهِ یا کتے نے پکڑ لیا غَيْرَ مَا علاوہ اس شکار کے أُرْسِلَ عَلَيْهِ جس پر اس کو بھیجا گیا تھا۔ صورت یہ، آپ نے اللہ کا نام لے کر شکار پر کتے کو چھوڑا۔ کتا شکار کے پیچھے دوڑا لیکن وہ شکار تو نکل گیا، ایک اور شکار اس کے ہاتھ میں آ گیا اور اس نے اس کو شکار کر لیا۔ تو کیا یہ حلال ہے؟ ہم نے تو اس شکار کے پیچھے اسے نہیں بھیجا تھا، دوسرے

شکار کے پیچھے بھیجا تھا۔ کہتے ہیں بھئی یہ شکار بھی حلال ہے۔ یہ کیا ہے؟ حلال ہے۔ حلال ہے۔ یہ معنی ہے أَوْ أَخَذَ غَيْرَ مَا أُرْسِلَ عَلَيْهِ اور یا اس درندے نے پکڑ لیا، اس کتے نے پکڑ لیا علاوہ اس شکار کے جس کی طرف اس کو بھیجا گیا تھا، یعنی کسی دوسرے شکار کو پکڑ لیا، أُكِلَ تو اس کو بھی کھایا جائے گا۔ هَذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے۔

بھئی کیوں؟ کیوں حلال ہے؟ کہتے ہیں اس لیے کتے کو یہ تعلیم دینا ممکن ہی نہیں ہے کہ اس کو یہ بتلایا جائے کہ جس شکار کے پیچھے بھیجیں اسی کو پکڑنا ہے، دوسرے کو نہیں پکڑنا، تو یہ تعلیم دینا ممکن ہی نہیں ہے۔ لہٰذا اصل اعتبار بس بھیجنے کا ہے۔ بھیجا آپ نے ہے پھر وہ جس چیز کو بھی شکار کر لے وہ حلال۔ فَإِنَّهُ لَا يُمْكِنُ التَّعْلِيمُ. بھئی میں نے آپ کو پہلے بھی بتلایا تھا کہ یہ فَا آتی ہے اور فَا کبھی کس پر داخل ہوتی ہے؟ علت پر۔ اس کے ذریعے کسی چیز کی علت اور سبب بیان کیا جاتا ہے۔ اصول الشاشی وغیرہ میں آپ نے پڑھا ہوگا، اسی طرح نور الانوار میں بھی پڑھا ہوگا کہ فَا کبھی کس پر داخل ہوتی ہے؟ علت پر۔ تو اس کا ترجمہ میں نے بتلایا تھا کیونکہ کے ساتھ کریں، کیونکہ یا اس وجہ سے، تو یہ بات بہترین بن جاتی ہے۔ کہتے ہیں هَذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے۔ فَإِنَّهُ لَا يُمْكِنُ التَّعْلِيمُ اس لیے کیونکہ ایسی تعلیم، کیونکہ تعلیم ممکن نہیں ہے بِحَيْثُ اس طور پر کہ يَأْخُذُ مَا عَيَّنَهُ کہ وہ پکڑے اسی کو جس کو شکاری نے کیا کیا تھا؟ متعین کیا تھا، اسی کو پکڑے ایسی تعلیم ممکن ہی نہیں۔ وَعِنْدَ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يُؤْكَلُ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس شکار کو نہیں کھایا جائے گا کیونکہ اس کے لیے آپ نے کتے کو نہیں بھیجا۔

کہتے ہیں وَإِنْ أَرْسَلَهُ فَقَتَلَ صَيْدًا ثُمَّ قَتَلَ صَيْدًا آخَرَ أُكِلَا اور اگر شکاری نے بھیجا اس کو شکار کی طرف، کتے کو، فَقَتَلَ صَيْدًا تو اس نے اس شکار کو بھی قتل کیا ثُمَّ قَتَلَ صَيْدًا آخَرَ پھر ایک دوسرے شکار کو بھی قتل کیا، أُكِلَا تو دونوں کو کھایا جائے گا، دونوں حلال ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ میں نے آپ کو بتلایا تھا ایک ذبحِ اختیاری ہے ایک ذبحِ اضطراری اور اس کے اندر اللہ کا نام لینا ضروری دونوں میں۔ لیکن ذبحِ اختیاری میں مذبوح کا اعتبار ہے، جس کو ذبح کیا جا رہا ہے اس پر اللہ کا نام لینا چاہیے ذبح کرتے وقت، اور جتنے مذبوح اتنی دفعہ اللہ کا نام لینا پڑے گا۔ جبکہ ذبحِ اضطراری میں آلے کا اعتبار ہے اور آلہ تو یہی ایک ہی کتا اس کو ایک ہی دفعہ آپ نے بھیجا ہے، تو اس آلے پر آپ نے اللہ کا نام لے لیا اب یہ آگے جا کر ایک شکار کرے، دو کرے یا دو سے زیادہ کرے، تمام شکار حلال ہوں گے کیونکہ اس آلے کو بھیجتے وقت آپ نے اللہ کا نام لیا تھا۔

تو کہتے ہیں وَإِنْ أَرْسَلَهُ فَقَتَلَ صَيْدًا اگر اس کو بھیجا تو اس نے ایک شکار کو قتل کر دیا ثُمَّ قَتَلَ صَيْدًا آخَرَ پھر اس نے دوسرے شکار کو بھی قتل کر دیا أُكِلَا تو دونوں کو کھایا جائے گا یعنی دونوں حلال ہیں۔ كَمَا لَوْ رَمَى سَهْمًا إِلَى صَيْدٍ فَأَصَابَهُ وَأَصَابَ آخَرَ جیسے کہ ایک تیر چلایا كَمَا لَوْ رَمَى سَهْمًا إِلَى صَيْدٍ جیسے کہ شکاری نے تیر چلایا إِلَى صَيْدٍ ایک شکار کی طرف فَأَصَابَهُ تو وہ اس شکار کو بھی پہنچا، اس کو بھی لگا وَأَصَابَ آخَرَ اور دوسرے شکار کو بھی لگا۔ تو دونوں شکار کیا ہو جائیں گے؟ وہ بھی

حلال ہوں گے کیونکہ آپ نے تیر چلاتے وقت اللہ کا نام لیا تھا، اب اس سے ایک شکار کو لگے چاہے ایک سے زیادہ کو، سب حلال۔

وَكَذَا لَوْ أَرْسَلَ عَلَى صُيُودٍ كَثِيرَةٍ اور اسی طرح حکم ہے اگر اس کتے کو بھیجا بہت سے شکار پر۔ بہت سارے بھئی ہرن وغیرہ سامنے تھے، اب کسی ایک کی طرف نہیں بھیجا، بس اللہ کا نام لے کر ان کی طرف کتے کو بھیج دیا، تو وہ چاہے ایک شکار کرے جس والے کو بھی کرلے، چاہے ایک سے زیادہ کو کرے تو سب حلال ہیں۔ تو کہتے ہیں وَكَذَا لَوْ أَرْسَلَ عَلَى صُيُودٍ كَثِيرَةٍ اسی طرح اگر اس کو بھیجا بہت سے شکار پر، بہت سے شکاروں پر، وَسَمَّى مَرَّةً وَاحِدَةً اور ایک ہی مرتبہ اس نے اللہ کا نام لیا کیونکہ ایک ہی دفعہ چھوڑا ہے اس کو۔ تو بِخِلَافِ ذَبْحِ الشَّاتَيْنِ بِتَسْمِيَةٍ وَاحِدَةٍ بخلاف دو بھیڑ بکریوں کو ذبح کرنا ایک ہی تسمیہ کے ساتھ، تو اس صورت میں دوسری حرام ہو جائے گی۔ کیا ہو جائے گی؟ دو بکریاں ذبح کر رہا ہے اب چھری تو ایک لیکن بکریاں کتنی؟ دو۔ اور ذبح اختیاری ہے یا اضطراری؟ اختیاری، اور اختیاری میں مذبوح کا اعتبار ہے لہٰذا دو بکریاں ہیں تو دو دفعہ کیا کہنا پڑے گا؟ اللہ کا نام لینا پڑے گا۔ اب پہلی بکری کو ذبح کرتے ہوئے تو اس نے اللہ کا نام لیا، دوسری کو ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام جان بوجھ کر نہیں لیا تو دوسری کیا ہو جائے گی؟ حرام۔ یہ معنی ہے بِخِلَافِ ذَبْحِ الشَّاتَيْنِ۔ شات میں نے بتایا کسے کہتے ہیں؟ بھیڑ بکری دونوں کو کہتے ہیں، شاباش۔ بِخِلَافِ ذَبْحِ الشَّاتَيْنِ بِتَسْمِيَةٍ وَاحِدَةٍ بخلاف دو بھیڑ بکریوں کو ذبح کرنے کے ایک ہی تسمیہ کے ساتھ، یعنی یہ اس کے خلاف ہے اس میں وہ دونوں چیزیں حلال نہیں ہوں گی۔

كَصَيْدٍ رَمَى فَقَطَعَ عُضْوًا أُكِلَ مِنْهُ لَا الْعُضْوِ۔ صورت یہ، آپ نے تیر چلایا اور وہ تیر جا کر ہرن کو لگا لیکن یا شکار جو بھی شکار تھا، اور اس شکار کا ایک عضو اس حیوان سے کٹ کر الگ ہو گیا۔ اس کا عضو کیا ہوا؟ اس سے کٹ کر الگ ہو گیا۔ تو اس صورت میں اس شکار کو تو کھایا جائے گا، وہ مر گیا تو وہ اس کو تو کھایا جائے گا لیکن عضو کو نہیں کھایا جائے گا۔ لیکن کہتے ہیں اس میں تفصیل یاد رکھیں۔ بھئی حیوان کو آپ تیر وغیرہ مارتے ہیں اور اس کے بدن کا کوئی ٹکڑا اس سے الگ ہو کر گر جاتا ہے۔ تو یاد رکھو جو ٹکڑا الگ ہوا یہ حرام ہے، بشرطیکہ اس ٹکڑے کے الگ ہو جانے کے بعد بھی اس حیوان میں زندگی باقی بچتی ہو۔ ایسا عضو کٹا ہے کہ یہ عضو کٹ بھی جائے مثلاً ہرن کی ایک ٹانگ کٹ گئی آپ کے تیر کی وجہ سے کٹ کر فرض کریں الگ ہو گئی، تو یہ اب ٹانگ کٹ جانے کے بعد بھی ہرن زندہ رہے گا یا نہیں؟ تو اب بھی اس سے زندہ رہ سکتا ہے۔ تو اس کی زندگی مذبوح کے برابر رہے گی یا اس سے زیادہ رہے گی؟ جی؟ زیادہ رہے گی بھئی، مذبوح تو وہ چند لمحوں میں ختم ہو جاتا ہے آپ چھری پھیرتے ہیں وہ ختم ہو گیا فوراً، اور ٹانگ کٹ جائے تو ہرن فوراً مر جائے گا؟ نہیں۔ جی، فوراً تو نہیں مرے گا۔ تو معلوم ہوا اگر ٹانگ کٹ بھی جائے تو اس کی زندگی مذبوح سے زیادہ ہے۔ تو گویا آپ نے ایک زندہ جانور سے عضو کو الگ کر لیا۔ تو اس ہرن کو کیا سمجھو؟ آپ جب پہنچے وہ تو مر چکا ہے لیکن بات اس کی نہیں ہو رہی۔ ویسے میں سمجھانے کے

لیے، اگر وہ ٹانگ اس سے الگ بھی ہو جائے تو ہرن زندہ رہے گا یا نہیں رہے گا؟ تو گویا آپ نے ایک زندہ حیوان سے عضو کو الگ کر لیا، کاٹ لیا۔ اور زندہ حیوان سے عضو کو کاٹ لیا جائے تو کیا وہ حلال ہوتا ہے؟ آپ گائے کی ٹانگ کاٹ لیں زندہ گائے کی، تو کیا وہ ٹانگ کھانا حلال ہے؟ نہیں، وہ کیا ہے؟ حرام۔ جب تک آپ اس کو ذبح نہیں کریں گے اس کے اعضاء کو کھانا جائز نہیں ہے۔[۲]

تو کہتے ہیں كَصَيْدٍ رَمَى جیسے ایسا شکار جس کو اس نے تیر مارا شکاری نے، فَقَطَعَ عُضْوًا تو اس سے ایک عضو کو کاٹ ڈالا، أُكِلَ مِنْهُ تو اس شکار کو تو کھایا جائے گا اس شکار، مِنْهُ کی ضمیر راجع ہے صَيْد کو، تو اس شکار میں سے تو کھایا جائے گا لَا الْعُضْوِ اس عضو سے نہیں کھایا یعنی اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ هَذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے۔ لیکن میں نے بتلا دیا یہ ضروری ہے وہ عضو ایسا ہو کہ اس کے کٹنے کے بعد بھی حیوان زندہ رہ سکتا ہو۔ تو کہتے ہیں هَذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے۔ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ أُكِلَا جَمِيعًا امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں دونوں کو کھایا جائے گا، وہ عضو بھی حلال اور وہ شکار بھی حلال۔ لَنَا قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا یہ فرمانِ مبارک ہے، آپ نے فرمایا: مَا أُبِينَ مِنَ الْحَيِّ فَهُوَ مَيِّتٌ وہ عضو جس کو جدا کر دیا گیا زندہ حیوان سے فَهُوَ مَيِّتٌ تو وہ مردار ہے۔ وہ عضو کیا ہے؟ مردار ہے۔

وَإِنْ قَطَعَ أَثْلَاثًا وَأَكْثَرُهُ مَعَ عَجُزِهِ۔ دوسری صورت: مثلاً شکار پر تیر چلایا اور اس تیر نے اس شکار کے دو ٹکڑے کر دیے، دو ٹکڑے کر دیے لیکن ایسے تقسیم کی، ایسے ٹکڑے کیے کہ وہ تین حصوں والی تقسیم بن گئی۔ کتنی تقسیم بن گئی؟ ٹکڑے تو دو ہی ہوئے ہیں لیکن تقسیم تین والی بن گئی یعنی ایک ثلث ایک طرف ہے دو ثلث دوسری طرف ہیں۔ یعنی ایک ثلث کو اس سے کاٹ کر الگ کر دیا ہے۔ تو اس صورت میں کیا یہ حلال ہوگا یا حلال نہیں ہوگا؟

کہتے ہیں اس صورت میں بھی دیکھ لیں آپ کہ یہ جو دو ثلث ہے یہ کس طرف کو ہے؟ اگر یہ جو ایک طرف ہے دو ثلث وہ سر کی طرف ہے، کس کی طرف ہے؟ یعنی حیوان کا پچھلا دھڑ ایک ثلث کٹ کر الگ ہو گیا، اس صورت میں بھی یاد رکھو یہ جو دو ثلث والا حصہ ہے اس کو تو کھائیں گے لیکن وہ جو پچھلا دھڑ ایک ثلث والا ہے اس کو نہیں کھائیں گے۔ کیوں؟ وجہ وہی میں نے بیان کر دی، کیونکہ اگر یہ پچھلا دھڑ حیوان سے کٹ کر الگ بھی ہو جائے تو بھی حیوان میں مذبوح جتنی زندگی رہ جائے گی یا اس سے زیادہ رہ جائے گی؟ مذبوح سے زیادہ رہ جائے گی، مذبوح سے زیادہ رہ جائے گی۔ مثلاً مذبوح تو چند سیکنڈ میں مر جاتا ہے، ہرن کا پچھلا دھڑ بھی کٹ جائے تو کچھ منٹ تو وہ گزارے گا بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا اس کی زندگی کیا ہے؟ مذبوح سے زیادہ۔ جب مذبوح سے زیادہ تو گویا زندہ حیوان سے ہی آپ نے اس کا پچھلا دھڑ کاٹ کر الگ کر دیا، اور جب زندہ سے جو الگ کر لیا جائے وہ تو کیا ہوتا ہے؟ مردار ہوتا ہے۔ تو وہ حرام ہے اس کا کھانا جائز نہیں۔ ہاں اگلے دھڑ کا

---

[۲] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۲۰):** صوتی درس کی قراءت میں «كَصَيْدٍ رَمَى فَقَطَعَ عُضْوًا أُكِلَ مِنْهُ لَا الْعُضْوِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «كصيدٍ رمى فقطعَ عضوٌ أكل منه لا العضو،» منقول ہے۔

کھانا جائز ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اور صورت بنا لو، اس کا عکس کر لو: تیر مارا اس حیوان کے، ویسے میں ہرن کی مثال دے رہا ہوں کوئی پرندہ ہے مثلاً پرندہ تو تیر سے کٹ سکتا ہے نا اس کے دو ٹکڑے ہو سکتے ہیں، کوئی پرندہ ہے اس کو آپ نے مارا۔ اور اگلی صورت کہ آپ نے تیر چلایا اب پھر تقسیم ہوئی ہے ایک تہائی ٹکڑا الگ اور دو تہائی الگ۔ لیکن اس دفعہ ایک تہائی سر کی جانب ہے اور دو تہائی دھڑ کی جانب ہے۔ تو اب کہتے ہیں اس صورت میں دونوں کا کھانا حلال۔

بھئی کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کہ جب ایک تہائی سر کی جانب ہے اور دو تہائی الگ ہوا ہے تو اس کے بعد اتنا حصہ کٹنے کے بعد کوئی حیوان زندہ رہے گا؟ نہیں، اب اس کی حیات مذبوح کے برابر تو ہے اس سے زیادہ نہیں۔ تو گویا یوں ہی ہوا آپ نے اس کو ذبح کر دیا۔ سر کی جانب تھوڑا حصہ ہے نا، ذبح میں بھی کیا ہوتا ہے؟ سر کا تھوڑا سا حصہ ہوتا ہے جس کی طرف ذبح کرتے ہیں، تو یہاں بھی ذبح جیسی ہی صورت بن گئی۔ اور ذبح کے اندر صرف سر کھانا جائز ہوتا ہے یا پورا حیوان کھانا جائز ہوتا ہے؟ پورا حیوان، تو یہاں بھی پورے حیوان کا کھانا جائز ہوگا۔ یا اس کے دو ٹکڑے کر دیے، نصف نصف کر دیے اس پرندے کے تیر نے، تو کہتے ہیں اس صورت میں بھی جب آدھا پورا کاٹ دیا تو اس کی زندگی مذبوح سے زیادہ نہیں، لہٰذا اس صورت میں بھی دونوں حصے کیا ہوں گے؟ کھائے جائیں گے۔ بھئی پرندے کو تیر مارا اس کے بالکل درمیان سے دو ٹکڑے ہو گئے تو یہ کچھ بچے گا؟ نہیں، یہ تو فوراً ہی مذبوح کی طرح جلدی ختم ہو جائے گا، مر جائے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں وَإِنْ قَطَعَ أَثْلَاثًا اور اگر اس کو کاٹ ڈالا أَثْلَاثًا تین حصوں کے طور پر وَأَكْثَرُهُ مَعَ عَجُزِهِ اور اس کا زیادہ حصہ اس کے دھڑ کی طرف ہے۔ عَجُز کہتے ہیں پچھلا حصہ، پیچھے والا حصہ۔ ایک سر کی جانب حصہ ہے ایک پیچھے والا حصہ، اس کو عَجُز کہتے ہیں عَجُز۔ تو کہتے ہیں اس کو اس کے تین حصوں میں کاٹا ہے یعنی تین حصوں والی تقسیم سے اس کو کاٹا ہے، یا یوں کہو اس سے ثلث کاٹا ہے، کیا کاٹا ہے؟ ثلث۔ وَأَكْثَرُهُ مَعَ عَجُزِهِ اور اس کا اکثر کس کی جانب ہے؟ دھڑ کی جانب ہے۔

أَيْ قَطَعَهُ قِطْعَتَيْنِ خود معنی بیان کر رہے ہیں کہ قَطَعَ أَثْلَاثًا کا کیا معنی؟ کہتے ہیں أَيْ قَطَعَهُ قِطْعَتَيْنِ یعنی اس کو کاٹا ایسے دو ٹکڑوں میں کہ بِحَيْثُ يَكُونُ الثُّلُثُ فِي طَرَفِ الرَّأْسِ کہ ایک ثلث سر کی طرف ہے وَالثُّلُثَانِ فِي طَرَفِ الْعَجُزِ اور دو ثلث کس کی طرف ہیں؟ دھڑ کی جانب ہے، پچھلے حصے کی جانب ہے۔ أَوْ قَطَعَ نِصْفَ رَأْسِهِ یا اس کے آدھے سر کو کاٹ دیا۔ جب آدھے سر کو کاٹ دیا، پرندے کا آدھا سر کٹ جائے تو اس میں بھی اب مذبوح سے زیادہ زندگی باقی نہیں۔ أَوْ أَكْثَرَهُ یا نصف سر سے بھی زیادہ کو کاٹ دیا تو اس میں بھی کیا ہے؟ مذبوح سے زیادہ زندگی باقی نہیں رہے گی۔ أَوْ قُدَّ بِنِصْفَيْنِ یا اس کو پھاڑ ڈالا بِنِصْفَيْنِ کتنے؟ دو نصفوں میں، دو برابر حصوں میں۔ تو أُكِلَ كُلُّهُ تو اس صورت میں سارے کو کھایا جائے گا۔ صورت سمجھ

میں آگئی؟

لِأَنَّ فِي هَذِهِ الصُّوَرِ لَا تُمْكِنُ حَيَاتُهُ فَوْقَ حَيَاةِ الْمَذْبُوحِ کیونکہ ان تمام صورتوں میں ممکن نہیں ہے اس شکار کی زندگی مذبوح کی زندگی سے بڑھ کر، مذبوح کی زندگی سے بڑھ کر زندگی اس میں اب ممکن ہی نہیں ہے۔ فَلَمْ يَتَنَاوَلْهُ قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أُبِينَ مِنَ الْحَيِّ فَهُوَ مَيِّتٌ لہٰذا اس کو حضور علیہ السلام کا یہ قول شامل نہ ہوا یعنی یہ اس میں داخل نہ ہوا کہ مَا أُبِينَ مِنَ الْحَيِّ فَهُوَ مَيِّتٌ۔ حدیث میں تو کیا آیا؟ زندہ سے جو حصہ جدا کر لیا جائے وہ مردار ہے۔ وہ مردار ہے، لیکن یہ تو زندہ سے جدا کرنا نہیں کیونکہ جس طرح وہ کٹا ہے اس کے بعد اس کے کسی حصے کا زندہ رہنا ہی ممکن نہیں ہے مذبوح سے زیادہ۔ تو یہ گویا سیدھا ہی تیر نے اس کو مار ڈالا اور اس صورت میں حلال ہوتا ہے۔[۳]

بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الثُّلُثَانِ فِي طَرَفِ الرَّأْسِ بخلاف اس کے جبکہ دو ثلث کس کی طرف ہوں؟ سر کی طرف ہوں وَالثُّلُثُ فِي طَرَفِ الْعَجُزِ اور جو ایک ثلث ہے، ایک تہائی ہے وہ دھڑ کی طرف ہے پچھلے حصے کی طرف ہے، تو اس صورت میں پچھلے حصے سے جو جدا ہوا اس کو نہیں کھایا جائے گا، یہ ایسے ہی ہے جیسے زندہ سے اس کے ایک عضو کو کاٹ کر الگ کیا گیا اور وہ حدیث کے اندر آچکا کہ وہ مردار ہے۔ لِإِمْكَانِ الْحَيَاةِ فِي الثُّلُثَيْنِ فَوْقَ حَيَاةِ الْمَذْبُوحِ اس لیے کیونکہ وہ جو دو ثلث جو سر کی جانب ہے اس میں مذبوح سے زیادہ حیات ممکن ہے، اس میں مذبوح سے زیادہ حیات ممکن ہے۔ مذبوح تو چند سیکنڈوں میں مرتا ہے اور وہ دھڑ ہو سکتا ہے چند منٹ زیادہ رہے زندہ۔

وَبِخِلَافِ مَا إِذَا قَطَعَ أَقَلَّ مِنْ نِصْفِ الرَّأْسِ اور بخلاف اس صورت کے جبکہ نصفِ راس سے کم کاٹا، تیر نے نصفِ سر سے کم کاٹا ہے، تو بھی احتمال ہے، امکان ہے کہ شاید اس میں مذبوح سے زیادہ زندگی ہو۔ تو لہٰذا وہ جو تھوڑا سا سر کٹا وہ تو ہو گیا حرام، گویا زندہ سے ہی کاٹ لیا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے یا ویسے سر ہلا رہے ہیں؟ تیر چلایا اس کے سر کا نصف سے کم حصہ کٹا تو باقی حصے میں زندگی کا احتمال ہے یا نہیں؟ مذبوح سے زیادہ زندگی کا احتمال ہے، تھوڑا سا حصہ کٹا ہے ابھی بھی احتمال ہے شاید یہ زندہ رہے، تو مذبوح سے زیادہ زندگی کا اس میں احتمال ہے۔ تو یہ جو تھوڑا سا سر کٹا یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی زندہ حیوان سے عضو کاٹ دیا گیا اور وہ تو کیا ہوتا ہے؟ حرام، تو یہ بھی کیا ہو جائے گا؟ حرام۔ ہاں باقی جسم جو ہے وہ حلال ہوگا۔

کہتے ہیں وَبِخِلَافِ مَا إِذَا قَطَعَ أَقَلَّ مِنْ نِصْفِ الرَّأْسِ اور بخلاف اس کے جب کاٹا نصفِ راس سے کم کو، لِإِمْكَانِ الْحَيَاةِ فَوْقَ حَيَاةِ الْمَذْبُوحِ اس لیے کیونکہ اس کی زندگی کا امکان ہے مذبوح کی زندگی سے بڑھ کر، کیونکہ مذبوح سے بڑھ کر اس میں حیات کا امکان ہے بھئی۔

---

[۳] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۲۰):** صوتی درس کی قراءت میں «لِأَنَّ فِي هَذِهِ الصُّوَرِ لَا تُمْكِنُ حَيَاتُهُ فَوْقَ حَيَاةِ الْمَذْبُوحِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «لأنّ في هذه الصور لا يمكن حياته فوق حياةِ المذبوح،» منقول ہے۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

فَإِنْ رَمَى صَيْدًا فَرَمَاهُ آخَرُ فَقَتَلَهُ فَهُوَ لِلْأَوَّلِ وَحَرُمَ وَضَمِنَ الثَّانِي قِيمَتَهُ مَجْرُوحًا إِنْ كَانَ الْأَوَّلُ أَثْخَنَهُ وَإِلَّا فَلِلثَّانِي وَحَلَّ۔

صورتِ مسئلہ یہ کہ دو شکاری تھے بھئی، ایک شکاری نے ہرن پر تیر چلایا اور اس تیر نے ہرن کو سست کر دیا، یعنی اب وہ قابو میں آنے کے قابل ہو گیا۔ تیر اس کو ایسا لگا ہے کہ اب ہرن بھاگ ہی نہیں سکتا۔ تو اب وہ ہرن، ابھی ہرن تک پہنچا نہیں ہے کہ دوسرے شکاری نے بھی تیر مارا اور یہ ہرن مر گیا۔ تو کہتے ہیں اس صورت میں یہ ہرن حرام ہوگا۔

بھئی کیوں؟ حرام کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ قابو میں آنے کے قابل ہو گیا تھا۔ اور جب قابو میں آنے کے قابل ہو گیا تو اب کیا کرنا چاہیے؟ ذبحِ اختیاری کرنی چاہیے تھی، اب تو ذبحِ اضطراری کی گنجائش نہیں۔ لیکن اس نے پھر بھی دوسرے نے تیر چلایا تو گویا ذبحِ اضطراری کی اور اس کی تو اجازت نہیں تھی اس وقت، تو لہٰذا اب یہ ہرن کیا ہوا؟ حرام۔ اور پھر چونکہ اس نے پہلے شکاری کے شکار کو ضائع کر دیا ہے، لہٰذا اس پر ضمان بھی آئے گا، ضمان۔ اور ضمان کتنا آئے گا؟ کہتے ہیں زخمی جانور کا ضمان آئے گا۔ کس کا؟ کیونکہ دوسرے شکاری نے زخمی ہرن کو قتل کیا ہے یا سلامت ہرن کو قتل کیا ہے؟ زخمی ہرن کو قتل کیا تو اس پر ضمان بھی زخمی والا آئے گا۔ مثلاً سالم ہرن ہو تو فرض کرو وہ ہے پچاس ہزار کا، اور جو زخمی ہرن ہے فرض کرو وہ تھا پچیس ہزار کا، اب صرف گوشت کی قیمت رہ گئی اب تو ہرن سلامت ہی نہیں ہے، تو لہٰذا یہ دوسرے شکاری پر کتنا ضمان آئے گا؟ پچیس ہزار آئے گا، کیونکہ وہ جو پچیس ہزار نقصان ہے وہ تو پہلے شکاری کے تیر ہی نے کر دیا تھا اس میں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اس کے برعکس کر لو: پہلے شکاری نے تیر مارا وہ ہرن کو لگا لیکن ہرن قابو میں آنے کے قابل ابھی بھی نہیں۔ اس تیر نے اس کو کوئی خاص سست نہیں کیا، وہ قابو میں ابھی بھی نہیں آسکتا۔ اب دوسرے شکاری نے تیر مارا اور اسے مار ڈالا۔ تو کہتے ہیں اس صورت میں ہرن حلال ہے اور یہ دوسرے شکاری کا ہے۔ کس کا ہے؟ دوسرے شکاری کا ہے، کیونکہ پہلے نے تو اس کو قابو میں آنے کے قابل نہیں بنایا تھا وہ ابھی بھی قابو سے باہر ہی تھا۔ تو لہٰذا دوسرے کے تیر سے وہ مرا ہے تو وہ حلال بھی ہو گیا کیونکہ وہاں ذبحِ اضطراری جائز تھی، اور نیز پہلے کے، جب قابو میں آنے کے قابل نہیں تو اس کا مالک بھی نہیں بنا، اب مالک دوسرے کے تیر سے وہ مرا ہے تو دوسرا اس کا مالک بھی بن گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں فَإِنْ رَمَى صَيْدًا پس اگر شکاری نے تیر مارا شکار کو فَرَمَاهُ آخَرُ پھر اس کو دوسرے شکاری نے تیر مارا فَقَتَلَهُ اس دوسرے نے اس کو قتل کر دیا فَهُوَ لِلْأَوَّلِ تو وہ ہرن کس کا ہے؟ اول کا کیونکہ اس نے اس کو سست کر دیا تھا۔ فَهُوَ لِلْأَوَّلِ وَحَرُمَ اور وہ حرام ہوگا۔ وَضَمِنَ الثَّانِي قِيمَتَهُ مَجْرُوحًا اور دوسرا شکاری ضامن ہوگا اس کی قیمت کا مَجْرُوحًا اس

حال میں کہ وہ ہرن کیا ہو؟ زخمی۔ تو دوسرا شکاری اس زخمی ہرن کی قیمت کا ضامن ہوگا، إِنْ كَانَ الْأَوَّلُ أَثْخَنَهُ اگر پہلے نے اس کو سست کر دیا ہو یعنی پہلے شکاری کے تیر نے اس کو سست کر دیا ہو، تب ہے یہ مسئلہ۔ وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو فَلِلثَّانِي تو پھر وہ ہرن دوسرے کا ہی ہے جب سست نہیں ہوا وَحَلَّ اور پھر اس کا کھانا بھی حلال۔

أَيْ رَمَى صَيْدًا ایک شکاری نے تیر مارا شکار کو فَرَمَاهُ آخَرُ تو دوسرے شکاری نے بھی اس کو تیر مارا فَقَتَلَهُ تو اس نے دوسرے نے اس کو قتل کر دیا۔ فَإِنْ كَانَ الْأَوَّلُ أَخْرَجَهُ عَنْ حَيِّزِ الْاِمْتِنَاعِ اگر پہلے تیر نے اس کو حیّزِ امتناع سے نکال دیا، یعنی قابو میں نہ آنے کے محل سے نکال دیا یعنی قابو میں آنے والا بنا دیا یوں کہیں، اگر پہلے نے اس کو حیّزِ امتناع سے نکال دیا یعنی قابو میں آنے کے قابل بنا دیا فَهُوَ مِلْكٌ لِلْأَوَّلِ تو پھر وہ پہلے کی ملکیت ہے وَيَكُونُ حَرَامًا اور وہ حرام ہے لِأَنَّ ذَكَاتَهُ ذَكَاةٌ اخْتِيَارِيَّةٌ کیونکہ اس کی ذبح جو تھی وہ تو ذبحِ اختیاری تھی بھئی، کیونکہ وہ قابو میں آنے والا تھا فَيَحْرُمُ تو وہ حرام ہو جائے گا حَيْثُ قَتَلَهُ بِالرَّمْيِ کیونکہ اس نے اس کو رمی کے ذریعے قتل کر دیا حالانکہ اس کا ذبح تو ذبحِ اختیاری اس میں ہونا چاہیے تھا۔ وَإِذَا كَانَ مِلْكًا لِلْأَوَّلِ اور جب یہ پہلے کی ملکیت ہے وَحَرُمَ بِرَمْيِ الثَّانِي اور وہ حرام ہو گیا ہے دوسرے کے تیر مارنے کی وجہ سے، تو فَالثَّانِي يَضْمَنُ قِيمَتَهُ تو دوسرا شکاری ضامن ہوگا اس کی قیمت کا حَالَ كَوْنِهِ مَجْرُوحًا بِرَمْيِ الْأَوَّلِ اس حال میں کہ وہ ہرن زخمی ہو پہلے کی رمی سے۔ پہلے کی رمی سے ہرن کے زخمی ہونے کے بعد جو اس کی قیمت بنے گی اس کا ضمان آئے گا۔ یہ معنی ہے فَالثَّانِي يَضْمَنُ قِيمَتَهُ حَالَ كَوْنِهِ مَجْرُوحًا بِرَمْيِ الْأَوَّلِ تو دوسرا شکاری ضامن ہوگا اس ہرن کی قیمت کا اس حال میں کہ وہ ہرن زخمی کر دیا گیا پہلے شکاری کے تیر مارنے کی وجہ سے، زخمی تھا پہلے شکاری کے تیر مارنے کی وجہ سے۔ وَإِلَّمْ يَكُنِ الْأَوَّلُ أَخْرَجَهُ عَنِ الْاِمْتِنَاعِ اور اگر پہلے تیر نے اس کو امتناع سے نہیں نکالا یعنی قابو میں آنے کے قابل نہیں بنایا فَهُوَ مِلْكٌ لِلثَّانِي تو پھر اس صورت میں یہ دوسرے کی ملکیت، دوسرے شکاری کی ملکیت ہوگا لِأَنَّهُ قَدْ صَادَهُ کیونکہ اس دوسرے شکاری نے اس کو شکار کیا ہے، پہلے نے تو اس کو شکار نہیں کیا وہ قابو میں آنے والا بنا ہی نہیں۔ وَيَكُونُ حَلَالًا اور وہ حلال ہوگا کیونکہ جب پہلے کے تیر نے سست نہیں کیا تو ابھی بھی وہ قابو میں آنے والا نہیں، جب قابو میں آنے والا نہیں تو اس میں ابھی بھی ذبحِ اضطراری جائز ہے اور اس نے تیر کے ذریعے اس کو مار دیا۔ تو وَيَكُونُ حَلَالًا اور وہ حلال ہوگا لِأَنَّ ذَكَاتَهُ اضْطِرَارِيَّةٌ کیونکہ اس کی ذبح تو کیا ہے؟ اضطراری ہے کیونکہ وہ قابو میں آنے والا نہیں۔

وَيُصَادُ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ وَمَا لَا يُؤْكَلُ اور شکار کیا جا سکتا ہے مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ اس حیوان کو بھی جس کا گوشت کھایا جاتا ہے وَمَا لَا يُؤْكَلُ اور اس کو بھی جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ سوال: کہ جس شکار کو کھایا نہیں جاتا پھر اس کو کیوں شکار کیا جائے گا؟ مثلاً لومڑی ہے، بھیڑیا ہے یا اور کوئی چیز اس طرح کی ہے۔ جس کا گوشت حلال ان کے تو شکار کی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ وہ گوشت چاہتے ہیں، اس سے ان کو گوشت حاصل ہوگا۔ کہتے ہیں بھئی یہ جو دوسرے حیوانات ہیں ان میں بھی بعض کی کھال قیمتی ہوتی ہے، بعض میں اور چیزیں قیمتی ہوتی ہیں، تو ان کا شکار بھی جائز ہے ان مقاصد کی وجہ سے۔ یہ معنی ہے کہ شکار کیا جا سکتا ہے جس کا

گوشت کھایا جاتا ہو وَمَا لَا يُؤْكَلُ اور اس کو بھی جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا۔

فَمَا لَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ فَبِالْاِصْطِيَادِ يَطْهُرُ لَحْمُهُ وَجِلْدُهُ پس وہ حیوان جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا، پس شکار کرنے سے اس کا گوشت بھی پاک ہو جائے گا اور اس کی جلد بھی پاک ہو جائے گی۔ آپ نے تیر چلایا لومڑی کو مار دیا تیر کے ذریعے، تو یاد رکھیے یہ لومڑی بھی پاک، اس کا گوشت بھی پاک اور اس کی کھال بھی پاک۔ پاک کہا، حلال نہیں کہا، حلال نہیں کہ اس کا گوشت کھا سکتے ہیں یہ مطلب نہیں ہے۔ یعنی پاک ہے اب نجس نہیں ہے۔ اب اس کا وہ گوشت یا اس کی کھال اگر آپ کے کپڑوں پر وہ لگ گیا تو آپ یہ نہ کہیں میرے کپڑے نجس ہو گئے، نہیں بھئی اس میں کیا کیا آپ نے؟ ذبحِ اضطراری کر دی ہے اور ذبحِ اضطراری میں بدن سے خون نکل جاتا ہے۔ یاد رکھو جیسے ذبحِ اختیاری ہے، ذبحِ اختیاری سے حیوان کے بدن سے خون نکل جاتا ہے آپ اس کو ذبح کرتے ہیں، اسی طرح اگر کسی کے پاس لومڑی یا کوئی حیوان تھا اس نے اس کو ذبح کر دیا باقاعدہ چھری سے تو اس میں بھی یہی حکم ہے، جب ذبح کر دیا تو اس کا خون نکل گیا، اس کا گوشت بھی پاک اور اس کی کھال بھی پاک ہے۔ تو یہاں بھی اسی طرح ہے، جو حکم ذبحِ اختیاری کا تھا وہی ذبحِ اضطراری کا بھی ہے۔ لہٰذا اس لومڑی کا گوشت بھی پاک اور کھال بھی پاک ہے۔ اب اگر وہ آپ کے ہاتھوں کو لگتا ہے تو وہ نجس نہیں ہے، آپ یہ نہ کہیں کہ آپ کے نجاست لگ گئی ہے بلکہ وہ کیا ہے؟ پاک ہے۔

تو کہتے ہیں فَمَا لَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ فَبِالْاِصْطِيَادِ يَطْهُرُ لَحْمُهُ وَجِلْدُهُ پس وہ حیوان جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا، جس کے گوشت کو کھایا نہیں جاتا تو شکار کے ذریعے اس کا گوشت بھی پاک ہو جاتا ہے اور اس کی کھال بھی پاک ہو جاتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

كِتَابُ الرَّهْنِ

عقدِ رہن، ضمانِ مرہون، مؤنتِ حفظ، رہن عند العدل اور تصرف و جنایت فی الرہن

سبق نمبر ۳۴: کتاب الرہن: رہن کی تعریف، شرائطِ انعقاد و لزوم، اور ضمانِ مرہون (أقل من قیمۃ الرہن ومن الدین)

شرح الوقایہ صفحہ: ۷۲ — بتاریخ: ۲۶ جنوری ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

جی دیکھیے آگے سبق:[1]

كِتَابُ الرَّهْنِ

هُوَ حَبْسُ الشَّيْءِ بِحَقٍّ يُمْكِنُ أَخْذُهُ مِنْهُ كَالدَّيْنِ، فَإِنَّ الدَّيْنَ يُمْكِنُ أَخْذُهُ مِنَ الْمَرْهُونِ بِأَنْ يُبَاعَ الْمَرْهُونُ بِخِلَافِ الْعَيْنِ، فَإِنَّ الصُّورَةَ مَطْلُوبَةٌ فِيهَا، وَلَا يُمْكِنُ تَحْصِيلُ صُورَتِهَا مِنْ شَيْءٍ آخَرَ. وَيَنْعَقِدُ بِإِيجَابٍ وَقَبُولٍ غَيْرَ لَازِمٍ، أَيْ يَنْعَقِدُ حَالَ كَوْنِهِ غَيْرَ لَازِمٍ.

اچھا بھائی، آج ہم رہن کے بارے میں پڑھیں گے بھائی، رہن۔ رہن بھائی کسی کے پاس کوئی چیز گروی رکھوانا، کسی

[1] نقشۂ فقہی (۸): کتاب الرہن — ضمانِ مرہون (بِالْأَقَلِّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنَ الدَّيْنِ) کی تینوں صورتیں:

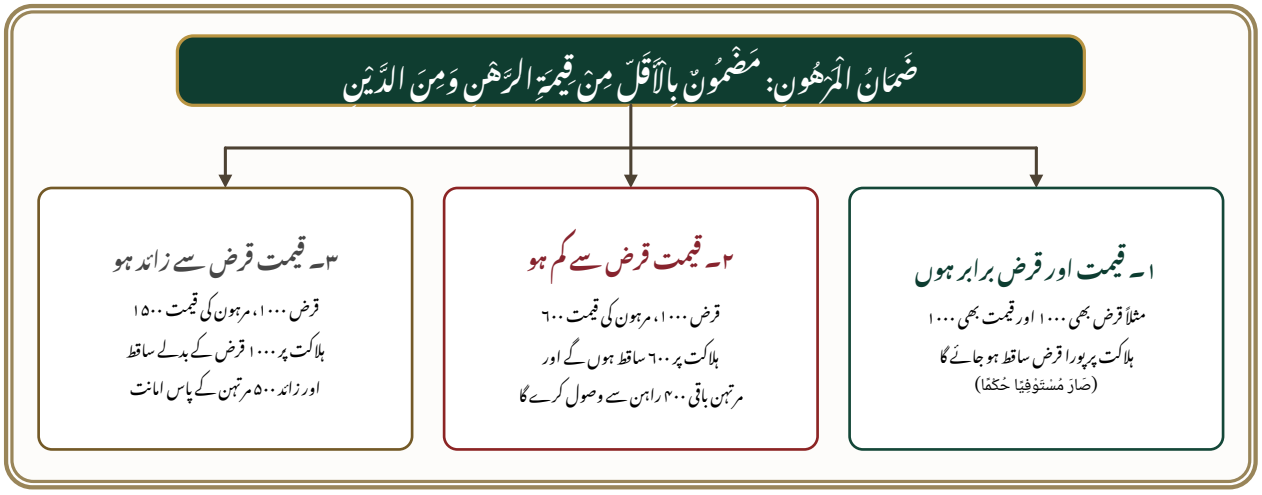

کے پاس کوئی چیز گروی رکھوانا۔ مثلاً آپ کو کچھ قرض کی ضرورت تھی، آپ ایک شخص کے پاس گئے اور اسے کہا کہ مجھے ایک لاکھ روپیہ قرض چاہیے۔ اس نے آپ سے کہا کہ اپنی کوئی چیز میرے پاس رہن رکھوا دو، کوئی چیز گروی رکھوا دو تو میں پھر آپ کو قرض دے دوں گا۔ تو چنانچہ آپ نے اپنی ایک قیمتی گھڑی اس کے پاس بطورِ رہن کے رکھوا دی اور اس نے آپ کو ایک لاکھ روپیہ بطورِ قرض کے دے دیا کچھ مدت کے لیے۔ تو اس کو کہتے ہیں رہن بھائی، رہن۔ بات سمجھ میں آگئی؟

رہن ویسے عربی زبان میں رہن کا معنی ہے روکنا، حَبْسٌ، حَبْسُ شَيْءٍ کسی چیز کو روک لینا اپنے پاس، اس کو رہن کہتے ہیں۔ لیکن اصطلاحِ شریعت میں اس حبسِ مخصوص کا نام ہے، ہر حبس، ہر روکنے کا نام رہن نہیں، بلکہ حبسِ مخصوص، وہ مخصوص چیز وہ جو دین کے بدلے کوئی شخص کوئی چیز روک لیتا ہے اپنے پاس تاکہ اس کے ذریعے وہ اپنے دین کو وصول کر سکے، اس کو رہن کہا جاتا ہے۔ اور یہاں تین چار لفظ یاد رکھیں بھائی: ایک ہے راہن، ایک ہے مرتہن، اور ایک ہے مرہون بھائی۔ تو آپ جو... آپ نے اپنی قیمتی گھڑی دوسرے شخص کے پاس بطورِ رہن کے رکھوائی تو آپ ہوئے راہن، اور وہ شخص جس سے آپ نے قرض لیا اور جس کے پاس اپنی گھڑی رکھوائی ہے وہ ہوا مرتہن بھائی، مرتہن۔ اور وہ جو گھڑی آپ نے اپنی اس کے پاس رکھوائی ہے اس کو مرہون کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ مرہون بھائی۔ تو راہن کون ہے؟ رہن رکھوانے والا۔ مرتہن: جس کے پاس رہن رکھا جائے۔ اور مرہون: وہ چیز جس کو رہن رکھوایا جائے۔ نیز یہ بھی یاد رکھیں کہ مرہون جو ہے، مرہون، اس کو رہن بھی کہتے ہیں، اس کو بھی رہن۔ تو گویا رہن کے دو معنی ہو گئے: ایک رہن کا معنی یہ جو عقد کیا دونوں نے آپس میں کہ میں اپنی چیز قرض کے بدلے تمہارے پاس رہن رکھواتا ہوں اور دوسرے نے اس کو قبول کیا، تو یہ جو عقد ہوا اس کو بھی کیا کہتے ہیں؟ رہن۔ اور وہ جو چیز دوسرے کے پاس رکھوائی اس کو مرہون بھی کہتے ہیں اور رہن بھی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو رہن کے کتنے معنی ہو گئے؟ دو: ایک اس عقد کا نام اور دوسرا وہ جو مرہون ہے اس کا نام بھی رہن ہے۔ جیسے گزشتہ باب کے اندر صَيْد، صَيْد کا معنی شکار کرنا بھی اور صَيْد کا معنی شکار بھی، صَيْد کا معنی شکار یعنی وہ جانور جس کو شکار کیا جاتا ہے اس کو بھی صَيْد کہتے ہیں۔ تو یہاں بھی اسی طرح رہن عقد کا بھی نام اور وہ چیز جو رہن رکھوائی جائے اس کو بھی رہن کہتے ہیں۔

اب دیکھیے کتاب پر، کہتے ہیں: هُوَ حَبْسُ الشَّيْءِ بِحَقٍّ يُمْكِنُ أَخْذُهُ مِنْهُ۔ وہ روکنا ہے کسی چیز کو بِحَقٍّ ایسے حق کے بدلے يُمْكِنُ أَخْذُهُ کہ ممکن ہو اس حق کو لینا مِنْهُ اس چیز سے۔ دیکھو حَقٍّ بھائی نکرہ آیا حَقٍّ نکرہ، اور اس کے بعد يُمْكِنُ فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت بنتا ہے۔ تو یہاں بھی یہ صفت بنے گا اور موصوف صفت کا ترجمہ پھر کیسے کرتے ہیں؟ کہ موصوف سے پہلے «ایسا» یا «ایسی» کا لفظ۔ تو کہتے ہیں: هُوَ حَبْسُ الشَّيْءِ رہن جو ہے وہ کسی چیز کو روکنا ہے بِحَقٍّ ایسے حق کے بدلے يُمْكِنُ أَخْذُهُ کہ اس حق کو لینا ممکن ہو مِنْهُ اس چیز سے۔ بھائی شَيْءٍ کے نیچے ایک نمبر لگائیں اور حَقٍّ کے نیچے دو نمبر بھائی، میری کتاب میں پہلے ہی نمبر لگے ہیں، شَيْءٍ کے نیچے دو نمبر لگا ہوا ہے اور حَقٍّ کے

نیچے تین نمبر ہے بھائی، تین نمبر۔ تو یہ جو أَخْذُهُ کے آخر میں هَا ضمیر ہے اس کے نیچے تین نمبر لگا دیں بھائی، أَخْذُهُ کی هَا ضمیر، یہ حَقٌّ کو راجع ہے بھائی حَقٌّ کو۔ اور مِنْهُ کی هَا ضمیر جو ہے اس کے نیچے دو نمبر لگائیں، یہ شَيْءٍ کو راجع ہے شَيْءٍ۔ تو کہتے ہیں: هُوَ حَبْسُ الشَّيْءِ وہ روکنا ہے کسی چیز کو بِحَقٍّ ایسے حق کے بدلے يُمْكِنُ أَخْذُهُ کہ ممکن ہو اس حق کو لینا مِنْهُ اس شے سے، اس شے سے۔ تو أَخْذُهُ کی هَا ضمیر کس کو راجع؟ حَقٌّ کو، أَخْذُهُ کی هَا ضمیر حَقٌّ کو، اور مِنْهُ کی هَا ضمیر کس کو راجع؟ شَيْءٍ کو۔ بھائی دیکھیے خود تعریف منطبق بھی کر کے دیکھیں: آپ نے ایک لاکھ روپیہ قرض لیا اور اس کے بدلے اس کے پاس اپنی قیمتی گھڑی آپ نے رہن رکھوائی، گروی رکھوائی، تو دیکھو تو مرتہن نے کیا کیا؟ آپ کی گھڑی کو روک لیا، حَبْسُ الشَّيْءِ آپ کی گھڑی کو روک لیا بِحَقٍّ ایک ایسے حق کے بدلے، حق کیا تھا؟ ایک لاکھ جو آپ نے اس سے قرض لیا ہے۔ تو ایسے حق کے بدلے کہ يُمْكِنُ أَخْذُهُ اس حق کو یعنی ایک لاکھ کو وصول کرنا ممکن ہے مِنْهُ اس چیز سے یعنی اس گھڑی سے، کہ وہ کیا کیا جا سکتا ہے؟ بعد میں اس گھڑی کو بیچ کر اس کے ذریعے ایک لاکھ روپیہ وصول کیا جا سکتا ہے۔ تعریف سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: هُوَ حَبْسُ الشَّيْءِ بِحَقٍّ يُمْكِنُ أَخْذُهُ مِنْهُ وہ روکنا ہے کسی چیز کو ایسے حق کے بدلے کہ ممکن ہو اس کو لینا اس چیز سے یعنی اس کے ذریعے وصول کیا جا سکتا ہو، اس چیز کو بیچ کر اس دین کو وصول کر لیا جائے گا۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟

كَالدَّيْنِ جیسے کہ دین ہے، دین۔ یہ اس حق کی مثال دے رہے ہیں، وہ ایسا حق جس کو ممکن ہے وصول کرنا اس چیز کے ذریعے، كَالدَّيْنِ جیسے کہ دین ہے، دین ہے۔ بھائی دیکھیے آپ نے اس سے ایک لاکھ روپیہ قرض لیا، دیکھو یہ اس کا آپ پر دین ہے، تو اس دین کو وہ اب اس گھڑی کے ذریعے وصول کر سکتا ہے۔ اس گھڑی کی وجہ سے قرض لینے والا مجبور ہو گا اس کو کیا کرنا پڑے گا؟ ہر حال میں قرضہ واپس کرنا پڑے گا، اور اگر نہیں کرتا تو پھر اس گھڑی کو بھی بیچ کر وہ قرضہ وصول کیا جا سکتا ہے۔ تو یہ جو رہن ہوتا ہے یہ دین کے بدلے ہوتا ہے، کس کے بدلے؟ دین۔ یاد رکھو ایک ہے قرض، ایک ہے دین۔ قرض وہ ہے کہ ایک چیز آپ کسی سے لیتے ہیں اور بعد میں وہی چیز اس کو واپس کرتے ہیں، یہ ہے قرض، مثلاً آپ نے اس سے ایک لاکھ لیا اور بعد میں اسے ایک لاکھ آپ واپس کریں گے، تو یہ ہے قرض۔ اور ویسے کسی کے ذمے میں کوئی چیز ہو اس کو دین کہتے ہیں، اور یہ قرض بھی دین کی ایک صورت ہے۔ جو چیز بھی کسی کے ذمہ ہو اس کو دین کہتے ہیں، دین کہتے ہیں، اور قرض اس کی ایک صورت ہے۔ دوسری صورت: آپ نے کسی سے گاڑی خریدی، گاڑی اس نے آپ کے حوالے کر دی اور اب پانچ لاکھ روپے آپ نے گاڑی کے ادا کرنے ہیں، تو دیکھو یہ آپ کے ذمے دین ہے، مثلاً اس نے کہا ایک مہینے کے اندر مجھے ادا کر دینا، تو یہ جو پانچ لاکھ روپے آپ کے ذمے گاڑی کی قیمت ہے، گاڑی کے ثمن ہیں، یہ آپ کے ذمے دین ہے۔ تو دین ہر وہ چیز جو دوسرے کے ذمے میں ہو، لیکن اس میں سے قرض خاص ہے، قرض میں جو چیز لی جاتی ہے وہی چیز اس کو واپس کی جاتی ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: كَالدَّيْنِ جیسے کہ دین ہے۔ یہ دین یہ کس کی مثال پیش کر رہے ہیں؟ حق کی۔ پیچھے تعریف کی کہ هُوَ حَبْسُ الشَّيْءِ بِحَقٍّ کہ کسی چیز کو روکنا کس کے بدلے؟ ایسے حق کے بدلے کہ اس کو اس چیز کے ذریعے وصول کرنا ممکن ہو، كَالدَّيْنِ جیسے کہ دین ہے، دین ہے۔ یاد رکھیے یہ رہن ہوتا ہی دین کے بدلے ہے، کس کے بدلے ہے؟ دین کے بدلے ہوتا ہے، عین کے بدلے نہیں۔ تو عین کے بدلے نہیں ہوتا، کیونکہ عین آپ اس چیز کے ذریعے وصول نہیں کر سکتے۔ مثلاً کسی شخص نے آپ کی گاڑی غصب کر لی، گاڑی غصب کر لی۔ غصب جانتے ہو؟ کسی کی کوئی چیز چھین لینا، اس پر قبضہ کر لینا، اس کو غصب کہتے ہیں۔ کسی نے آپ کی گاڑی غصب کر لی اور آپ گئے اور آپ نے شکایت کی، چنانچہ وہ تیار ہو گیا آپ کی گاڑی واپس کرنے کے لیے۔ تو آپ گئے گاڑی لینے کے لیے اس کے پاس، اس نے کہا بھائی گاڑی اس وقت تو ہے نہیں میرے پاس، آپ یوں کر لیں، یہ میرا مثلاً ہیروں کا ہار ہے، یہ آپ بطورِ رہن کے آپ رکھ لیں، گاڑی صبح تک آجائے گی میں آپ کو واپس پہنچا دوں گا۔ تو اس نے وہ ہیروں کا ہار آپ کے پاس بطورِ رہن کے رکھوا دیا، صبح آئے گا گاڑی دے گا اور وہ ہار لے جائے گا۔ تو سوال پیدا ہوا کہ یہاں تو دیکھو عین کے بدلے رہن آگیا! یہ رہن دین کے بدلے ہے یا وہ عین اس گاڑی کے بدلے ہے؟ وہ معین گاڑی کے بدلے ہے! تو یہ تو رہن کس کے بدلے ہو گیا؟ عین کے بدلے۔ کہتے ہیں نہیں بھائی، عین کے بدلے رہن نہیں ہوتا، رہن جو ہے وہ ہمیشہ دین کے بدلے ہوتا ہے۔ فرض کرو اگر وہ گاڑی رات کو تباہ ہو گئی پھر کیا کریں گے؟ تو پھر وہ اس کو اس کی قیمت دینا پڑے گی بھائی، غصب کی ہے نا اس نے! تو غصب کی تھی تو اس کو پوری گاڑی کی قیمت دینا پڑے گی۔ گویا عین کے اندر بھی دراصل وہاں مالیت کا اعتبار ہوتا ہے، قیمت کا اعتبار ہوتا ہے۔ گویا وہاں پر بھی وہ عین کے بدلے رہن نہیں ہے بلکہ اس کی مالیت کے بدلے اس نے رہن رکھوایا ہے، یعنی اس کی قیمت کے بدلے اس نے رہن رکھوایا ہے، یعنی گویا دین ہی کے بدلے میں اس نے رہن رکھوایا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو وہاں وہ مالیت معتبر، اس کی قیمت معتبر ہوتی ہے، تو وہاں پر بھی رہن دین کے بدلے آیا ہے، عین کے بدلے نہیں آیا۔ تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ رہن صرف کس کے بدلے ہوتا ہے؟ دین کے بدلے ہوتا ہے، عین کے بدلے کسی معین چیز کے بدلے رہن نہیں ہوتا۔ اگر معین چیز کے بدلے رہن ہو بھی تو بھی وہاں دراصل کیا معتبر ہوتی ہے؟ اس چیز کی مالیت اور قیمت معتبر ہوتی ہے، تو گویا وہاں بھی دین ہی کے بدلے رہن ہے، اگرچہ بظاہر آپ کو لگ رہا ہے شاید عین کے بدلے رہن ہے، لیکن حقیقت میں وہاں کیا ہوتا ہے؟ توجہ ہے؟ میں بار بار دہرا رہا ہوں یہ ایک بات میں نے آگے سمجھانی ہے، ذرا مشکل ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ عین کے معین چیز کے اندر بھی جو رہن ہوتا ہے وہ دراصل اس چیز کے بدلے نہیں ہوتا بلکہ اس کی مالیت کے بدلے، اس کی قیمت کے بدلے ہوا کرتا ہے۔ تو حاصلِ کلام کیا ہوا کہ رہن صرف کس کے بدلے ہوتا ہے؟ دین کے بدلے ہوتا ہے، عین کے بدلے نہیں ہوتا۔

اب انہوں نے مصنف نے تعریف کی: هُوَ حَبْسُ الشَّيْءِ بِحَقٍّ يُمْكِنُ أَخْذُهُ مِنْهُ کہ وہ روکنا ہے کسی چیز کو ایسے حق کے

بدلے کہ ممکن ہو اس کو لینا اس سے، كَالدَّيْنِ جیسے کہ دین ہے۔ جیسے کہ دین ہے۔ کاف کے ذریعے مثال ذکر کی جاتی ہے، اور ایک چیز مثال میں ذکر کر دی جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی یہی ایک مثال ہے، مطلب ہے اور بھی مثالیں ہیں، اور بھی چیزیں ہیں۔ تو كَالدَّيْنِ جیسے کہ دین ہے۔ اور کیا چیز ہے جس کے بدلے رہن ہو سکتا ہے؟ اور تو کوئی چیز ہی نہیں ہے! صرف دین ہی تو ہے جس کے بدلے رہن ہوتا ہے، اور تو کوئی چیز ہے ہی نہیں! دوسری تو عین رہ گئی تھی، عین تو میں نے بتلایا عین کے اندر بھی دراصل کس کے بدلے ہوتا ہے رہن؟ اس کی مالیت کے بدلے یعنی اس کی قیمت کے بدلے ہوتا ہے۔ تو اشکال ہوتا ہے کہ کاف تو آتا ہے مثال دینے کے لیے، کاف کس معنی میں آتا ہے؟ مِثْلُ، كَزَيْدٍ...

أَيْ مِثْلُ زَيْدٍ۔ تو كَالدَّيْنِ أَيْ مِثْلُ الدَّيْنِ۔ تو بعض شارحین پھر جواب دیتے ہیں کہ یہ کافِ استقصاء ہے بھائی، کافِ استقصاء۔ قاف دو نقطوں والا ہے اور صاد الف اور ہمزہ، استقصاء، استفعال باب ہے، استقصاء، لفظ سمجھ میں آگیا؟ استقصاء کا معنی ہے تحقیق کرنا، کسی چیز کو آخری حد تک پہنچانا۔ تو یہ کہتے ہیں یہ کافِ استقصاء ہے۔ کافِ استقصاء اسے کہتے ہیں جس کے ذریعے کسی چیز کی ایسی مثال بیان کی جائے کہ اس کی اور کوئی مثال نہ ہو۔ یا یوں کہیں: کاف کے ذریعے کسی چیز کی وہ تمام صورتیں ذکر کر دینا—سننے والا سمجھے شاید اور بھی صورتیں ہیں—لیکن وہاں اور کوئی صورت ہوتی ہی نہیں۔ جیسے یہاں كَالدَّيْنِ کہا، دین کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں جس کے بدلے رہن ہو، صرف دین ہی تو ہے! تو یہ کاف کیا ہے؟ کافِ استقصاء۔ نحوی حضرات اس کی مثال دیتے ہیں اس طرح، کہتے ہیں کہ بعض حروف ایسے ہیں کہ جن پر حرکت ممکن ہی نہیں ہے—توجہ ہے؟—بعض حروف ایسے ہیں جو حرکت کو قبول ہی نہیں کرتے، كَالْأَلِفِ جیسے کہ الف ہے، كَالْأَلِفِ۔ بظاہر یوں لگتا ہے «جیسے کہ الف ہے» معلوم ہوا کوئی اور بھی حروف ہوں گے، لیکن وہ صرف الف ہی ہے اور باقی تمام حروف حرکت کو قبول کر لیتے ہیں، لیکن الف جو ہے اس پر حرکت آپ کبھی بھی نہیں پڑھ سکتے، وہ حرکت کو قبول کرتا ہی نہیں، وہ ہمیشہ ساکن رہتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہ بھی کاف کیا ہے؟ کافِ استقصاء ہے۔ تو یہاں پر بھی كَالدَّيْنِ جیسے كَالْأَلِفِ کے اندر کاف کیا ہے؟ کافِ استقصاء، یعنی صرف الف ہی ہے جو حرکت کو قبول نہیں کرتا باقی تمام حروف حرکت کو قبول کر لیتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی كَالدَّيْنِ کے اندر کاف کون سا ہے؟ کافِ استقصاء ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو گویا یہ مصنف مثال نہیں ذکر کر رہے، یہ ساری قسمیں وہ ساری چیزیں ذکر کر رہے ہیں جن کے بدلے رہن ہو سکتا ہے اور وہ صرف دین ہے اور کوئی چیز ہی نہیں ہے۔

دیکھیے خود بتلا رہے ہیں شارح بھی: فَإِنَّ الدَّيْنَ يُمْكِنُ أَخْذُهُ مِنَ الْمَرْهُونِ اس لیے کیونکہ دین جو ہے ممکن ہے اس کو لے لینا مِنَ الْمَرْهُونِ کس سے؟ مرہون سے۔ بِأَنْ يُبَاعَ الْمَرْهُونُ بایں صورت—یہ باء تصویریہ ہے، صورت بتلا رہے ہیں کہ کیسے ممکن ہے مرہون سے دین کو لے لینا—کہتے ہیں بِأَنْ يُبَاعَ الْمَرْهُونُ بایں صورت کہ مرہون شے کو یعنی رہن شے کو بیچ دیا جائے۔ بِخِلَافِ الْعَيْنِ بخلاف کس کے؟ عین، کوئی معین چیز کے، کہتے ہیں: فَإِنَّ الصُّورَةَ مَطْلُوبَةٌ فِيهَا اس کے اندر صورت

مطلوب ہوتی ہے، معین چیزیں کیا مطلوب ہوتی ہے؟ صورت مطلوب ہوتی ہے، وَلَا يُمْكِنُ تَحْصِيلُ صُورَتِهَا مِنْ شَيْءٍ آخَرَ اور ممکن نہیں ہے اس کی صورت کو حاصل کرنا دوسری چیز سے۔ مثلاً آپ نے اپنی گاڑی کے بدلے کیا لے لیا اس سے؟ ہیروں کا ہار۔ کیا اس ہار کے ذریعے آپ بعینہٖ یہی گاڑی حاصل کر سکتے ہیں؟ فرض کرو اگر وہ گاڑی تباہ ہو جائے تو بالکل اس جیسی گاڑی تو آپ حاصل نہیں کر سکتے۔ جو بھی آپ کر لیں گاڑی، چاہے اسی جیسا ماڈل ہو سب کچھ اس جیسا ہو، پھر بھی کچھ نہ کچھ فرق ہو گا یا نہیں؟ تو فرق تو ہو گا ظاہر سی بات ہے، ایک آپ نے استعمال کی ہے ایک کسی اور نے استعمال کی ہے، ایک چیزیں آپ نے کچھ اندر لگوائی ہیں ایک کسی اور نے چیزیں لگوائی ہیں، تو بالکل ایک جیسی تو نہیں ہو گی۔ تو معین چیز کے اندر اس کی صورت مطلوب ہوتی ہے، اور ایک شے کی صورت دوسری شے کے ذریعے حاصل نہیں کی جا سکتی، اس ہار کے ذریعے اس جیسی دوسری گاڑی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا رہن دین کے بدلے ہی ہوتا ہے عین کے بدلے نہیں، کیونکہ رہن کے ذریعے مقصد کیا ہوتا ہے؟ اس دین کو وصول کر لیا جائے۔ اب دین کو تو وصول کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے ذریعے اسی عین کو وصول نہیں کیا جا سکتا، حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ حاصلِ کلام سمجھ میں آ گیا؟ تو یہ کاف کون سا ہے؟ کافِ استقصاء، جس کے ذریعے کسی چیز کی تمام افراد، تمام قسمیں اکٹھی ذکر کر دی جاتی ہیں، یعنی تحقیقی بات کر دی جاتی ہے، اور پڑھنے والا سمجھتا ہے شاید مثال ذکر کی جا رہی ہے اور بھی اس جیسی چیزیں ہیں لیکن اور چیزیں نہیں ہوتیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

ایک جواب یہ، کہ یہ کافِ استقصاء ہے۔ دوسرا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ یہ کافِ استقصاء نہیں ہے، مصنف بھی مثال ہی ذکر کر رہے ہیں، استقصاء نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ مثال ہے، مثال۔ سوال: بھئی مثال کیسے؟ اور تو کوئی قسمیں ہی نہیں ہیں! کہتے ہیں: ہو سکتا ہے مصنف کا یہ مذہب ہو کہ دین کے بدلے بھی رہن ہو سکتا ہے اور عین کے بدلے بھی رہن ہو سکتا ہے، جیسے ابھی صورت بتلائی تھی کہ ایک شخص نے آپ کی گاڑی غصب کی اور آپ نے پولیس میں اس کے خلاف شکایت کروا دی تو وہ واپس کرنے پر آمادہ ہو گیا، آپ گاڑی لینے گئے تو اس نے کہا گاڑی تو ابھی اس وقت ہے نہیں کہیں باہر گئی ہوئی ہے، آپ اس کے بدلے یہ ہیروں کا ہار رہن کے طور پر رکھ لیں، صبح آپ کو گاڑی مل جائے گی۔ تو دیکھو عین کے بدلے کیا ہو گیا؟ رہن، عین کے بدلے رہن۔ اگرچہ وہاں مالیت معتبر ہے، لیکن فی الحال صورت تو کیا بن گئی؟ کس کے بدلے رہن ہو گیا؟ عین کے بدلے، تو عین کے بدلے رہن ہو گیا۔ تو شاید مصنف کا یہ مذہب ہو کہ دین کے بدلے بھی رہن صحیح اور عین کے بدلے بھی رہن صحیح ہے، اس لیے انہوں نے كَالدَّيْنِ کے ذریعے کیا کر دیا؟ دین کی... ایک فرد دین تھا جس کے بدلے رہن ہے اور ایک عین ہے جس کے بدلے رہن ہو سکتا ہے، تو دو افراد تھے تو ایک مثال میں ذکر کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یایوں کہہ لیں، یوں کہہ لیں کہ ایک دین ہے حقیقتاً اور ایک دین ہے حکماً۔ ایک حقیقتاً دین کہ آپ نے کسی سے گاڑی خریدی اور اس کو آپ نے پانچ لاکھ دینے ہیں اور اس نے کہا کہ ایک مہینے بعد دے دینا لیکن آپ کوئی رہن چیز رکھو، آپ نے ہیروں کا ہار اس کے پاس رہن رکھوا دیا۔ تو یہ کیا ہے؟ حقیقتاً دین ہے آپ کے ذمے۔ اور ایک ہے حکماً دین ہونا، جیسے اس غصب والی گاڑی کے اندر آیا۔ اس نے کیا کہا؟ میں صبح تک گاڑی پہنچا دوں گا۔ تو گاڑی بظاہر تو عین اس کے ذمے میں، لیکن اصل یہاں بھی کس چیز کا اعتبار ہے؟ اس کی مالیت اور قیمت کا، تو گویا یہاں بھی دین ہی ہے، حقیقتاً تو دین نہیں لیکن حکماً کیا ہے؟ دین ہے، یعنی دین ہی اس کے ذمے ہے یہ حکم لگا دیا گیا۔ تو گویا دین دو قسم پر ہو گیا: ایک دین حقیقتاً اور ایک دین حکماً ہو گیا۔ تو اس صورت میں بھی دیکھو پھر کاف استقصاء والا ہی بن جائے گا، جیسے کہ دین ہے– جیسے کہ دین ہے اور دین کی پھر آگے ایک قسم حقیقتاً ہے اور ایک کیا ہے؟ حکماً، لیکن دونوں دین کے اندر داخل ہو گئے بھئی، دین سے تو خارج نہیں ہوئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حاصلِ کلام یہ کہ کَالدَّیْنِ کے ذریعے مصنف نے جو کاف ذکر کیا ہے وہ کافِ استقصاء ہے، چاہے دین کی دو قسمیں ہی بنا لیں حقیقتاً اور حکماً، پھر بھی دین ہی اس کی ایک قسم بن گئی اور کوئی افراد ہی نہیں۔ یا آپ اس کو کاف کو تمثیل کے لیے بھی بنا سکتے ہیں، اس صورت میں اگر مصنف کا یہ مذہب ہو کہ دین کے علاوہ عین کے بدلے بھی رہن ہو سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو بہرحال بات وہی بنے گی، ایک حقیقتاً دین بنے گا تو دوسرا حکماً دین بنے گا بھئی۔

وَيَنْعَقِدُ بِإِيجَابٍ وَقَبُولٍ غَيْرَ لَازِمٍ۔ اور منعقد ہو جاتا ہے عقدِ رہن ایجاب و قبول سے غَيْرَ لَازِمٍ اس حال میں کہ وہ لازم نہیں ہوتا۔ بھئی آپ کسی سے ایجاب و قبول کرتے ہیں بیع کے مسئلے میں، خرید و فروخت کے مسئلے میں: میں نے آپ سے کہا کہ میں نے اپنا یہ قلم آپ کو سو روپے میں بیچ دیا، آپ نے کہا میں نے قبول کیا، ایجاب و قبول کرتے ہی آپ اس قلم کے مالک بن گئے، قلم بے شک میری جیب پر لگا ہو لیکن مالک آپ بن چکے ہیں اور یہ عقد لازم ہو گیا۔ اب آپ یا میں، دونوں میں سے کوئی ایک بھی اس عقد سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا، الا یہ کہ کوئی عذر آجائے، کوئی عیب وغیرہ قلم میں نکل آیا یا کوئی اور چیز جس کی وجہ سے آپ قلم واپس کر سکتے ہیں، ورنہ عقد لازم ہو جاتا ہے۔ لیکن عقدِ رہن ایسا نہیں ہے، عقدِ رہن میں بھی ایجاب و قبول ہوتا ہے، مثلاً میں نے اپنی کوئی چیز آپ کے پاس رہن رکھوانی ہے، تو مثلاً میں نے کہا میں نے آپ سے جو قرضہ لیا ہے یا جو دین ہے آپ کا میرے ذمے، اس کے بدلے میں یہ آپ کے پاس رہن رکھواتا ہوں، وہ کہتا ہے مجھے منظور ہے، مجھے قبول ہے۔ ایجاب و قبول ہو گیا، تو یہ عقدِ رہن منعقد ہو گیا، لیکن یاد رکھو یہ لازم نہیں ہوا، لازم نہیں ہوا۔ میں ابھی بھی... میں اپنی چیز آپ کے پاس رہن رکھوا رہا ہوں، تو میں ابھی بھی انکار کر سکتا ہوں کہ نہیں بھائی میں اتنی چیز آپ کے پاس بطورِ رہن رکھوانے کے لیے راضی نہیں ہوں۔ تو ایجاب و قبول سے یہ منعقد تو ہو جاتا ہے لیکن لازم نہیں ہوتا، اختیار ہے راہن رجوع کر سکتا ہے۔

تو کہتے ہیں: وَيَنْعَقِدُ بِإِيجَابٍ وَقَبُولٍ غَيْرَ لَازِمٍ اور عقدِ رہن منعقد ہوتا ہے ایجاب و قبول سے اس حال میں کہ وہ لازم نہیں ہوتا۔ أَيْ يَنْعَقِدُ حَالَ كَوْنِهِ غَيْرَ لَازِمٍ۔ ترکیب بتلا رہے ہیں بھئی کہ یہ غَيْرَ لَازِمٍ ترکیب میں کیا ہے، بتلا دیا کہ حال ہے: أَيْ يَنْعَقِدُ حَالَ كَوْنِهِ غَيْرَ لَازِمٍ اس حال میں کہ وہ لازم نہیں ہوتا۔

فَلِلرَّاهِنِ تَسْلِيمُهُ وَالرُّجُوعُ عَنْهُ۔ لہٰذا راہن، رہن رکھوانے–جب لازم نہیں ہے تو پس رہن رکھوانے والے کو اختیار ہے تَسْلِيمُهُ کہ وہ اس رہن کو کیا کر دے؟ سپرد کر دے، وَالرُّجُوعُ عَنْهُ اور نیز اس کو اختیار ہے کہ وہ اس عقد سے کیا کر لے؟ رجوع کر لے۔ تو راہن کو دونوں اختیار ہیں: وہ رہن سپرد بھی کر سکتا ہے اور عقدِ رہن سے رجوع بھی کر سکتا ہے۔ خود معنی بیان کر رہے ہیں: تَسْلِيمُهُ کے اندر هَا ضمیر آئی تھی، یہ هَا ضمیر کس کو راجع ہے؟ بتلا دیا أَيْ تَسْلِيمُ الرَّهْنِ–یہ شرح کا حصہ ہے متن نہیں ہے بھئی–أَيْ تَسْلِيمُ الرَّهْنِ یعنی رہن کو سپرد کرنے کا بھی اس کو اختیار ہے۔ اور یہ رہن بِمَعْنَى الْمَرْهُونِ یہ رہن کس معنی میں ہے؟ کیا چیز سپرد کی جاتی ہے؟ عقد سپرد کرتے ہیں یا وہ شے مرہون سپرد کرتے ہیں؟ شے مرہون۔ تو لہٰذا یہ جو رہن تَسْلِيمُهُ کی هَا ضمیر بھی رہن کو–توجہ، پھر دیکھو–یہ تَسْلِيمُهُ کی هَا ضمیر یہ بھی کس کو راجع؟ رہن کو، وَالرُّجُوعُ عَنْهُ یہ عَنْهُ کی هَا ضمیر بھی کس کو راجع؟ رہن کو۔ لیکن ایک میں رہن سے مراد ہے مرہون، اور دوسرے میں رہن سے مراد ہے عقدِ رہن۔ تَسْلِيمُهُ سپرد کرنا رہن کا، بھئی سپرد کس کو کرتے ہیں؟ عقد کو یا شے کو؟ شے کو، تو یہاں پر تَسْلِيمُهُ کی هَا ضمیر میں جو رہن مراد ہے وہ بمعنیٰ مرہون کے ہے۔ اور الرُّجُوعُ عَنْهُ رجوع کیا جا سکتا ہے اس سے، بھئی رجوع شے سے ہوتا ہے یا عقد سے ہوتا ہے؟ عقد سے ہوتا ہے، تو اس صورت میں رہن سے مراد کیا ہے؟ عقدِ رہن۔ تو میں نے بتلایا تھا رہن کے دونوں معنی آتے ہیں: وہ مرہون بھی اور عقد بھی۔ تو کہتے ہیں: أَيْ تَسْلِيمُ الرَّهْنِ بِمَعْنَى الْمَرْهُونِ یہ رہن بمعنیٰ مرہون ہے، وَالرُّجُوعُ عَنِ الرَّهْنِ اور رہن سے رجوع کا بھی اس کو اختیار ہے بِمَعْنَى الْعَقْدِ اور یہ رہن کس معنی میں ہے؟ عقد کے معنی میں ہے۔

فَإِذَا سَلَّمَ فَقَبَضَ مَحُوزًا مُفَرَّغًا مُتَمَيِّزًا لَزِمَ۔ متن متن میں پڑھ رہا ہوں بھئی: فَإِذَا سَلَّمَ فَقَبَضَ مَحُوزًا مُفَرَّغًا مُتَمَيِّزًا لَزِمَ۔ انہوں نے کیا بتلایا کہ عقدِ رہن جو ہے وہ عقد ایجاب و قبول سے منعقد تو ہو جاتا ہے، لازم نہیں ہوتا۔ بھئی لازم کب ہوتا ہے؟ کہتے ہیں لازم تب ہو گا جب مرہون آپ اس کے سپرد کر دیں اور وہ اس پر قبضہ کر لے، تو قبضے سے تام ہو گا عقدِ رہن جب مرتہن کیا کر لے؟ مرہون پر قبضہ کر لے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ مرہون مَحُوز ہونا چاہیے، مُفَرَّغ ہونا چاہیے، مُتَمَيِّز ہونا چاہیے۔ وہ چیز جو آپ اس کے قبضے میں دے رہے ہیں وہ کیا ہونی چاہیے؟ مَحُوز ہونی چاہیے–زبان سے دہراؤ، کیا ہونی چاہیے؟–مَحُوز ہونی چاہیے، اور مُفَرَّغ ہونی چاہیے، اور مُتَمَيِّز ہونی چاہیے، یہ تینوں شرطیں اس میں ضروری ہیں۔

اب ان کا کیا معنی ہے وہ سمجھ لیں: مَحُوز کا معنی ہے تقسیم شدہ، تقسیم شدہ۔ وہ چیز جو آپ اس کے حوالے کر رہے ہیں وہ تقسیم شدہ ہونی چاہیے، آپ کا حصہ ہے تو تقسیم شدہ ہو، پھیلا ہوا نہ ہو۔ مثلاً آپ نے اور زید نے مل کر ایک زمین خریدی ہے، دس لاکھ آپ نے ملائے دس لاکھ زید نے ملائے، اب آپ نے مل کر یہ ایک کنال کا پلاٹ خرید لیا۔ تو اب آپ کسی سے قرض لیتے ہیں کہ مجھے دس لاکھ آپ قرضہ دے دیں اور بدلے میں آپ میری یہ جو زمین ہے آپ اس کو رہن

کے طور پر اپنے پاس رکھ لیں، تو یہ جائز نہیں۔ کیونکہ آپ نے اور زید نے مل کر پلاٹ خریدا ہے، اور اس میں آپ کا حصہ تقسیم شدہ علیحدہ ہے یا زید کے حصے کے ساتھ ملا ہوا ہے؟ زید کے حصے کے ساتھ ملا ہوا ہے! اس زمین کے ایک ایک کونے میں، ایک ایک انچ میں آپ اور زید دونوں شریک ہیں۔ کوئی ایک فٹ ایک حصہ زمین کا ایک فٹ پکڑ لیں یا ایک انچ کا حصہ پکڑ لیں، آپ یہ نہیں کہہ سکتے یہ میرا حصہ ہے کیونکہ آپ اور زید کیا ہیں دونوں اس میں شریک ہیں۔ ہاں اگر آپ دونوں نے آپس میں تقسیم کر لیا، حدبندی کر دی کہ یہاں سے لے کر یہاں تک آدھا پلاٹ میرا اور یہاں سے لے کر یہاں تک آدھا پلاٹ آپ کا ہے، زید کا ہے، یہ تو آپ نے تقسیم کر دیا ہے۔ میں تقسیم کی بات نہیں کر رہا، تقسیم کر دیں گے پھر آپ کا حصہ الگ ہو جائے گا زید کا حصہ الگ ہو جائے گا، بلکہ میں اس حصے کی بات کر رہا ہوں جو شائع ہو، پھیلا ہوا ہو۔ شائع، شین...

الف ہمزہ اور عین بھائی، شائع۔ یا مُشَاع، مُشَاع کا معنی بھی پھیلا ہوا۔ تو یہ ضروری ہے کہ آپ جو چیز مرتہن کے سپرد کریں، جو رہن اس کے قبضے میں دیں وہ مَحُوز ہونا چاہیے، تقسیم شدہ ہونا چاہیے، آپ کا حصہ دوسرے کے حصے سے علیحدہ ہونا چاہیے، آپ کا حصہ مشاع نہیں ہونا چاہیے، شائع نہیں ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اگر یہ زمین آپ اس کے پاس رہن رکھوانا چاہتے ہیں جو آپ کی اور زید کی مشترکہ ہے، تو یہ رہن رکھوانا صحیح نہیں، کیونکہ اس میں آپ کا حصہ محوز یعنی تقسیم شدہ علیحدہ نہیں ہے بلکہ آپ کا حصہ مشاع ہے، پھیلا ہوا ہے پوری زمین کے اندر۔ کیا وہ شخص ایسا کر سکتا ہے صرف آپ کے حصے پر قبضہ کرے ابھی جب آپ نے تقسیم نہیں کی؟ آپ کی اور زید کی مشترکہ زمین ہے، تو کیا مرتہن صرف آپ کے حصے پر قبضہ کر سکتا ہے؟ آپ کے حصے پر وہ قبضہ نہیں کر سکتا کیونکہ تقسیم شدہ ہی نہیں ہے! آپ اگر اس کو کہتے بھی ہیں کہ چلو آدھے پلاٹ پر آپ قبضہ کر لیں، آدھی زمین پر، تو بھی یہ درست نہیں ہے کیونکہ یہ جو آدھے جس پر وہ قبضہ کرے گا، یہ آپ کا ہے صرف؟ نہیں، یہ تو آپ اور زید کا مشترکہ ہے، آپ دونوں نے ابھی تقسیم ہی نہیں کی، تو جب تک تقسیم نہیں کرتے ایک ایک انچ کے اندر آپ اور زید شریک ہیں۔ صرف آپ کے حصے پر وہ قبضہ کرنے پر قادر ہی نہیں ہے! تو رہن تو ایسی چیز رکھواؤ کہ اس پر وہ قبضہ تو کر سکے بھائی، کیونکہ قبضے سے ہی تو رہن نے تام ہونا ہے، کامل ہونا ہے۔ تو پہلی شرط کیا؟ کہ وہ مرہون شے کیا ہونی چاہیے؟ محوز ہونی چاہیے، یعنی تقسیم شدہ ہونی چاہیے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مُفَرَّغ ہو، کیا ہو؟ مُفَرَّغ ہو۔ مُفَرَّغ اور ایک آگے لفظ آرہا ہے مُتَمَیِّز بھائی۔ مُفَرَّغ کا تعلق آپ کو بتلائیں گے محل سے ہے، اور مُتَمَیِّز کا تعلق حال سے ہے، حال سے۔ حَلَّ یَحُلُّ حُلُولًا، اس کا معنی ہے کسی ایک چیز کا دوسری چیز کے اندر نازل ہونا، اترنا، کیا ہونا؟ اترنا، موجود ہونا۔ حَلَّ یَحُلُّ حَلًّا۔ اور تو ایک ہے مَحَلّ اور ایک ہے حَالّ۔ ایک ہے محل اور ایک ہے حال۔ دیکھو آپ اپنا گھر کسی کے پاس رہن کے طور پر رکھواتے ہیں اور اس گھر کے اندر آپ کا سامان بھی پڑا ہوا ہے۔ تو گھر ہوا محل، وہ جگہ جہاں چیزیں موجود ہیں، رکھی گئی ہیں، اور وہ جو چیزیں اندر ہیں ان کو کہیں گے حال، لام مشدد ہے حَالٌّ، یہ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے: حَلَّ یَحُلُّ حَلًّا فَهُوَ حَالٌّ، نازل ہونے والی، یعنی وہ جو موجود ہیں وہاں پر،

وہ کیا ہیں؟ حال، اور وہ جو چیز ہے وہ کیا ہے؟ محل۔ جس چیز کے اندر وہ حلول ہوا، وہ اتری ہیں، موجود ہیں، اس کو کیا کہیں گے؟ محل۔ تو وہ گھر کیا ہوا؟ محل، اور وہ سامان کیا ہوا؟ حال۔ یا اسی طرح ایک کھیت ہے بھائی، کھیت، اور اس کھیت کے اندر فصل موجود ہے، فصل۔ تو کھیت کیا ہے؟ محل، اور وہ فصل کیا ہے؟ حال۔ یا ایک درخت ہے، درخت کے اوپر پھل موجود ہیں: درخت کیا ہے؟ محل، اور وہ پھل کیا ہیں؟ حال۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو آگے دو لفظ آرہے ہیں: ایک ہے مُفَرَّغ، ایک ہے مُتَمَیِّز۔ مُفَرَّغ کا تعلق محل سے ہے اور مُتَمَیِّز کا تعلق حال سے ہے۔ وہ محل مفرغ ہونا چاہیے، خالی ہونا چاہیے، اس میں آپ کی چیزیں نہیں ہونی چاہئیں۔ تو مفرغ کا تعلق کس سے ہے؟ محل سے ہے، کس سے ہے؟ محل سے ہے، محل سے۔

لہٰذا آپ اپنا مکان کسی کے پاس بطورِ رہن کے رکھواتے ہیں اور اس گھر کے اندر آپ کا سامان بھی موجود ہے، سامان بھی، تو یہ گھر مفرغ ہوا یا آپ کے سامان کے ساتھ مشغول ہے؟ یہ سامان کے ساتھ مشغول ہے، حالانکہ رہن کا کیا ہونا ضروری؟ مفرغ ہونا ضروری۔ آپ کسی شخص کے پاس اپنی زمین رہن کے طور پر رکھوانا چاہتے ہیں لیکن اس زمین میں آپ کی تیار فصل کھڑی ہوئی ہے، فصل موجود ہے، تو اب بتائیے یہ رہن رکھوانا جائز ہے اس زمین کو؟ نہیں، کیونکہ آپ کا کھیت وہ مفرغ نہیں ہے، کیا ہے؟ مفرغ نہیں، وہ آپ کے حق کے ساتھ مشغول ہے۔ بھائی آپ کی فصل ہوگی تو وہ زمین پر قبضہ کیسے کرے گا؟ وہ زمین پر قبضہ پورا کر ہی نہیں سکتا، یا گھر کے اندر آپ کا سامان پڑا ہوا ہے تو وہ گھر پر پورا قبضہ کر ہی نہیں سکتا، آپ بار بار آئیں گے اپنی چیزیں لینے کے لیے۔ تو قبضہ تو یہ ہے کہ آپ اس میں پھر دخل نہ دے سکیں بھائی، کوئی چیز پورے اس کے قابو میں چلی جائے۔ تو لہٰذا مکان کے اندر سامان ہو تو کیا کامل قبضہ ہو سکتا ہے؟ نہیں۔ یا زمین کے اندر فصل ہو تو کیا کامل قبضہ زمین پر ہو سکتا ہے؟ نہیں۔ یا درخت کے اوپر اگر پھل لگا ہوا ہو تو کیا درخت پر یا باغ پر پھلوں کے ہوتے ہوئے کامل قبضہ کر سکتا ہے؟

پھر سنو: آپ کسی کے پاس مکان رکھوانا چاہتے ہیں لیکن اس مکان میں آپ کا سامان بھی پڑا ہے، آپ صرف مکان رکھوانا چاہتے ہیں، سامان رہن کے طور پر نہیں رکھوانا چاہتے، تو کیا اس گھر پر وہ کامل قبضہ کر سکتا ہے؟ نہیں، کیونکہ یہ مفرغ نہیں بلکہ یہ آپ کے حق کے ساتھ مشغول ہے۔ یا آپ کسی کے پاس کھیت رکھوانا چاہتے ہیں لیکن اس کھیت میں آپ کی فصل موجود ہے، اور صرف آپ زمین رہن رکھوانا چاہتے ہیں، فصل کو بطورِ رہن نہیں رکھوانا چاہتے، تو اس کے لیے ممکن ہی نہیں ہے کہ زمین پر کامل قبضہ کرلے بغیر فصل کے۔ ہاں، زمین اور فصل دونوں رکھوانا چاہتے ہیں پھر تو ٹھیک ہے، مکان اور سامان دونوں رہن رکھوانا چاہتے ہیں پھر تو ٹھیک ہے۔ یا تیسری صورت: آپ کسی کے پاس اپنا باغ رہن رکھوانا چاہتے ہیں لیکن اس باغ کے درختوں پر پھل موجود ہے، تو کیا وہ باغ پر کامل قبضہ کر سکتا ہے بغیر پھلوں کے؟ نہیں۔ یا تو پھل بھی آپ ساتھ رہن رکھوائیں پھر تو بات ٹھیک ہے، یا پھر پھل اتار کر الگ کریں پھر باغ رہن رکھوا دیں، زمین میں

سے اپنی فصل نکال لیں پھر زمین رہن رکھوا دیں، مکان میں سے اپنا سامان نکال لیں پھر رہن رکھوا دیں، پھر تو ٹھیک ہے، ورنہ ٹھیک نہیں۔ کیوں نہیں ٹھیک؟ کیونکہ مفرغ نہیں ہے، یہ چیزیں آپ کے حق کے ساتھ مشغول ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تیسرا لفظ آئے گا مُتَمَیِّز ہو بھائی۔ وہ مرہون شے مُتَمَیِّز ہونی چاہیے یعنی جدا، جدا۔ اور اس کا تعلق حال سے ہے، یعنی وہ چیز جو ایک محل کے اندر موجود ہے۔ لیکن اس میں یہ ضروری ہے کہ تعلق پیدائشی ہو، خلقتاً ہو—توجہ ہے؟—پیدائشی ہو، خلقتاً ہو۔ اگر پیدائشی اور خلقی تعلق نہیں ہے، صرف مجاورت ہے، تو پھر کوئی حرج نہیں۔ توجہ ہے؟ پہلے کیا صورت تھی؟ زمین میں فصل تیار کھڑی تھی، میں صرف زمین رہن رکھوانا چاہتا تھا فصل کے بغیر، تو پھر وہ مفرغ نہیں تھی لہٰذا یہ جائز نہیں۔ اب دوسری صورت: اب زمین میں فصل تیار کھڑی ہے، اب میں صرف یہ فصل رہن رکھوانا چاہتا ہوں، زمین رہن نہیں رکھوانا چاہتا۔ تو کہتے ہیں نہیں، یہ بھی نہیں جائز، کیونکہ یہ متمیز نہیں ہے، جدا نہیں ہے۔ زمین کیا ہے؟ محل، اور فصل کیا ہے؟ حال۔ اب وہ حال جو ہے میں وہ رہن رکھوانا چاہتا ہوں، اور اس حال کا تعلق زمین یعنی محل کے ساتھ پیدائشی ہے یا آپ نے وہاں لا کر فصل کھڑی کی ہے؟ پیدائشی ہے، فصل وہیں سے اگی ہے، وہیں بڑھی ہے، تو لہٰذا یہ جو تعلق کون سا ہے؟ پیدائشی۔ بات سمجھ میں آئی؟ یہ تعلق پیدائشی ہونا ضروری ہے بھائی۔ ہاں، اگر آپ کی فصل بوریوں کے اندر وہاں پڑی ہوئی ہے، بوریوں کے اندر پڑی ہے، پھر اس پہ تو قبضہ آسان ہے، وہ آئے گا اٹھا کر ساری بوریاں لے جائے گا۔ تو متمیز کا تعلق کس سے ہے؟ حال سے، کہ وہ حال کا تعلق محل کے ساتھ خلقتاً نہ ہو، پیدائشی نہ ہو۔ لہٰذا اب میں اپنی فصل رکھوانا چاہتا ہوں، زمین نہیں رکھوانا چاہتا، اور فصل زمین کے اندر کھڑی ہے، تو یہ متمیز نہیں، لہٰذا اس کا رہن رکھوانا صحیح نہیں۔ ہاں، الگ کر کے دے دو پھر ٹھیک ہے۔ یا درختوں پر پھل لگے ہوئے ہیں، اب یہ درختوں پر... تو درخت کیا ہوئے؟ محل، اور پھل کیا ہوئے؟ حال۔ اور میں صرف پھل آپ کے پاس رہن رکھوانا چاہتا ہوں، اور پھل کیا ہے؟ حال ہے یا محل ہے؟ حال ہے، حال ہے۔ تو یہ حال میں آپ کے پاس رہن رکھوانا چاہتا ہوں، اور یہ حال کا تعلق محل سے پیدائشی ہے یا غیرِ پیدائشی؟ پیدائشی ہے۔ لہٰذا کیا اسی طرح درختوں پر لگے ہوئے پھل میں آپ کے پاس رہن رکھوا سکتا ہوں؟ نہیں رکھوا سکتا، کیونکہ یہ تعلق پیدائشی ہے۔ الگ کر کے دے دوں پھر ٹھیک ہے رہن۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تیسری مثال لو: گھر کے اندر سامان پڑا ہے، گھر کیا ہوا؟ محل، اور سامان کیا ہوا؟ حال۔ اب میں اس سامان کو آپ کے پاس رہن رکھوانا چاہتا ہوں کہ اس گھر میں جتنا سامان ہے یہ میں آپ کے پاس بطورِ رہن کے رکھواتا ہوں، جی، رہن صحیح ہے یا نہیں؟ یہ سامان کا گھر سے تعلق پیدائشی ہے؟ نہیں! تو لہٰذا یہ رہن رکھوانا صحیح ہے، یہ متمیز ہے، وہ آئے گا سارا سامان اٹھا کر لے جائے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی اچھی طرح؟

دیکھیے اب کتاب پر، کہتے ہیں: فَإِذَا سَلَّمَ پس جب وہ راہن وہ رہن سپرد کر دے، فَقَبَضَ تو مرتہن اس پر قبضہ کر لے،

مَحُوزًا اس حال میں کہ وہ رہن کیا ہو؟ تقسیم شدہ ہو، أَيْ مَقْسُومًا یعنی وہ تقسیم شدہ ہو، غَيْرَ شَائِعٍ پھیلا ہوا نہ ہو۔ مُفَرَّغًا اور مفرغ ہو، أَيْ غَيْرَ مَشْغُولٍ بِحَقِّ الرَّاهِنِ یعنی راہن کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو، حَتَّى لَا يَجُوزَ رَهْنُ الْأَرْضِ بِدُونِ النَّخْلِ یہاں تک کہ جائز نہیں ہے زمین کو رہن رکھوانا بغیر کھجور کے درخت کے۔ کھجور کا درخت ویسے ذکر کر دیا، نخل کھجور کے درخت کو کہتے ہیں، مراد ہر درخت ہے۔ آپ کی زمین میں درخت ہیں، آپ کسی کے پاس زمین رہن رکھواتے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ میں یہ درخت آپ کے پاس رہن نہیں رکھوانا چاہتا، تو بھائی آپ کی زمین تو ان درختوں کے ساتھ آپ کے حق کے ساتھ مشغول ہے، لہٰذا صرف اس زمین کو رہن رکھوانا صحیح نہیں۔ توجہ ہے؟ ایک میں نے پیدائش کی بات کی، وہ پیدائش والی بات صرف متمیز میں ہے، اور اس میں اس کا تعلق کس سے ہے؟ حال سے۔ اور یہاں پر حال درخت ہیں یا زمین ہے؟ درخت حال ہیں اور زمین کیا ہے؟ محل۔ اور میں رہن کس کے رکھوانے کی بات کر رہا ہوں؟ زمین کے، تو میں محل کی بات کر رہا ہوں، اور محل کے لیے کیا ضروری؟ وہ مفرغ ہونا چاہیے، وہاں پیدائش غیرِ پیدائش کی بات نہیں ہے، بس آپ کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو، چاہے تعلق جو ہے وہ آپ کے حق کا پیدائشی ہو یا غیرِ پیدائشی۔

یہ معنی ہے: حَتَّى لَا يَجُوزَ رَهْنُ الْأَرْضِ بِدُونِ النَّخْلِ یہاں تک کہ جائز نہیں ہے زمین کو رہن رکھوانا بغیر درخت کے، وَالشَّجَرِ بِدُونِ الثَّمَرِ اور درخت کو بغیر پھل کے، وَدَارٍ فِيهَا مَتَاعُ الرَّاهِنِ بِدُونِ الْمَتَاعِ اور ایسے گھر کو رہن رکھوانا فِيهَا مَتَاعُ الرَّاهِنِ جس میں راہن کا سامان ہو، اس کو رہن رکھوانا بِدُونِ الْمَتَاعِ بغیر سامان کے، یہ جائز نہیں ہے۔ توجہ ہے؟ کیا حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ اگر آپ محل رہن رکھوانا چاہتے ہیں تو اس کو آپ کے حق کے ساتھ مشغول نہیں ہونا چاہیے، یعنی آپ کا سامان وہاں پڑا ہوا بھی نہ ہو، پیدائشی تعلق نہیں ویسے ہی پڑا ہے، کہتے ہیں نہیں بھائی یہ بھی ٹھیک نہیں، آپ کا سامان اس گھر کے اندر آپ کا سامان بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اگر سامان رکھوانا چاہتے ہیں رہن پھر بے شک پڑا رہے پھر کچھ نہیں ہوتا، لیکن بات اس کی ہو رہی ہے کہ آپ صرف ایک چیز رہن رکھوا رہے ہیں دوسری چیز رہن نہیں رکھوا رہے۔

مُتَمَيِّزًا اور تیسری شرط یہ ہے اس حال میں کہ وہ رہن کیا ہونا چاہیے؟ متمیز ہو، جدا ہو، لَزِمَ تو اس صورت میں یہ عقد کیا ہو جائے گا، عقدِ رہن؟ لازم جب وہ قبضہ کر لے۔ أَيْ إِنْ كَانَ مُتَّصِلًا بِحَقِّ الرَّاهِنِ خِلْقَةً یعنی اگر وہ جو حال ہے، وہ رہن جو ہے وہ جڑا ہوا ہے بِحَقِّ الرَّاهِنِ کس کے ساتھ؟ راہن کے حق کے ساتھ، کس طرح جڑا ہوا ہے؟ خِلْقَةً پیدائشی طور پر، كَالثَّمَرِ عَلَى الشَّجَرِ جیسے کہ پھل کس پر؟ درخت پر۔ اب دیکھو اب میں کس کو رکھوانا چاہتا ہوں رہن؟ کس کی بات کر رہا ہوں؟ حال یعنی پھل کی، اور پھل کا درخت سے تعلق کیا ہے؟ پیدائشی ہے۔ تو یہ متمیز نہیں، جدا نہیں، جب جدا نہیں تو اس کو صرف رہن رکھوانا صحیح نہیں۔ تو کہتے ہیں: يَجِبُ أَنْ يُمَيَّزَ وَيُفْصَلَ عَنْهُ تو ضروری ہے کہ اس کو جدا کیا جائے اور اس سے علیحدہ کیا جائے۔ فَالْمُفَرَّغُ يَتَعَلَّقُ بِالْمَحَلِّ تو مفرغ کا تعلق کس سے ہے؟ پیچھے مفرغ بھی آیا اور متمیز بھی آیا، تو بتلا رہے ہیں: فَالْمُفَرَّغُ يَتَعَلَّقُ بِالْمَحَلِّ تو مفرغ جو ہے اس کا تعلق محل سے ہے۔ فَيَجِبُ فَرَاغُهُ عَمَّا حَلَّ فِيهِ پس واجب ہے کہ وہ جو

محل ہے وہ فارغ ہونا چاہیے عَمَّا حَلَّ فِيهِ اس چیز سے جو اس میں نازل ہو، موجود ہو، كَالثَّمَرِ جیسے کیا ہے؟ پھل ہے۔ آپ صرف درخت آپ رہن رکھوانا چاہتے ہیں تو اس کو پھل سے کیا ہونا چاہیے؟ فارغ ہونا چاہیے، خالی ہونا چاہیے۔ وَهُوَ لَيْسَ بِمَرْهُونٍ اور اس حال میں... بھائی ادھر دیکھو، عبارت سمجھا رہا ہوں صرف۔ آپ درخت رکھوا رہے ہیں اور اس پر پھل لگے ہیں، تو کیا پھل بھی آپ رہن رکھوا رہے ہیں کہ نہیں رکھوا رہے؟ پھل آپ رہن نہیں۔ بھائی اگر پھل بھی رکھوا رہے ہو درخت بھی رکھوا رہے ہو پھر جڑے رہیں اس سے کیا ہوتا ہے؟ پھر تو رکھوا دو! بات ہو رہی ہے صرف ایک چیز کی کہ ہم صرف کس کو رہن رکھوا...

رکھوانا چاہ رہے ہیں؟ مثلاً درخت کو، اور اس کے اوپر کیا لگے ہوئے ہیں؟ پھل، اور پھل کو میں رہن نہیں رکھوانا چاہ رہا، یہی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: وَهُوَ لَيْسَ بِمَرْهُونٍ اس حال میں کہ وہ پھل جو ہے وہ مرہون نہیں ہے۔ سَوَاءٌ كَانَ اتِّصَالُهُ بِهِ خِلْقَةً أَوْ مُجَاوَرَةً برابر ہے کہ اس کا اس کے ساتھ اتصال جو ہے وہ چاہے پیدائشی ہو، أَوْ مُجَاوَرَةً یا ویسے ہی مجاورت کے طور پر ہو۔ مجاورت کا معنی پڑوس، پڑوس، یعنی ویسے ہی ساتھ ملا ہوا ہے۔ بھائی دیکھو نا! فصل زمین میں کھڑی ہے، یا پھل درخت کے اوپر لگے ہوئے ہیں، یا سامان گھر کے اندر پڑا ہوا ہے: اب کس کے رہن کی بات ہو رہی ہے؟ مُفَرَّغ، مُفَرَّغ۔ مُفَرَّغ کا تعلق کس سے؟ محل سے۔ معنی وہ آپ زمین رکھوانا چاہ رہے ہیں صرف، یا صرف مکان رکھوانا چاہ رہے ہیں، یا صرف درخت رکھوانا چاہ رہے ہیں، تو ان کو کیا ہونا چاہیے؟ مُفَرَّغ ہونا چاہیے، یعنی اس کے ساتھ دوسری چیز جڑی ہوئی نہ ہو، چاہے وہ جڑی ہوئی خِلْقَةً ہو چاہے مُجَاوَرَةً ہو۔ اب مکان کے اندر سامان پڑا ہے، کہتے ہیں نہیں بھائی، مُفَرَّغ ہونا چاہیے مکان کو، یعنی دوسری چیز اس کے ساتھ جڑی ہوئی نہ ہو، چاہے... اب سامان اس کے اندر پڑا ہے، سامان تو گھر کے ساتھ خِلْقَةً اس کا تعلق نہیں ہے، مُجَاوَرَةً ہے، ویسے پڑوس آگیا کہ وہاں لا کر آپ نے رکھ دیا۔ تو اس میں ضروری ہے یعنی وہ محل کے اندر حال نہیں ہونا چاہیے، چاہے وہ حال کا تعلق محل سے خِلْقَةً ہو چاہے مُجَاوَرَةً ہو، دونوں سے خالی ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آئی؟

یہ معنی ہے: سَوَاءٌ كَانَ اتِّصَالُهُ بِهِ خِلْقَةً أَوْ مُجَاوَرَةً چاہے اس کا تعلق اس کے ساتھ خلقتاً ہو یا مجاورتاً۔ وَالْمُتَمَيِّزُ يَتَعَلَّقُ بِالْحَالِّ فِي الْمَحَلِّ اور متمیز کا تعلق اس چیز سے ہے جو حال ہے یعنی اترنے والی ہے، موجود ہے فِي الْمَحَلِّ کس کے اندر؟ محل میں۔ فَيَجِبُ انْفِصَالُهُ عَنْ مَحَلٍّ غَيْرِ مَرْهُونٍ لہٰذا واجب ہے کہ یہ جدا ہو کس سے؟ ایسے محل سے غَيْرِ مَرْهُونٍ جو مرہون نہیں۔ میں صرف پھل رکھوانا چاہتا ہوں، درخت نہیں۔ تو پھل کیا ہوئے؟ حال، اور درخت کیا ہوا؟ محل، اور محل مرہون ہے یہاں؟ نہیں۔ یہی بیان کر رہے ہیں کہ عَنْ مَحَلٍّ غَيْرِ مَرْهُونٍ کہ واجب ہے اس کا جدا ہونا عَنْ مَحَلٍّ غَيْرِ مَرْهُونٍ ایسے محل سے جو مرہون نہ ہو، إِذَا كَانَ اتِّصَالُهُ بِهِ خِلْقَةً اگر اس کا اس کے ساتھ اتصال کیا ہو؟ پیدائشی ہو۔ حال کو بھی محل سے الگ ہونا چاہیے، لیکن کب؟ اگر تعلق پیدائشی ہو۔ اگر پیدائشی تعلق نہیں، پھر چاہے اتصال ہو کوئی حرج نہیں۔ گھر کے اندر سامان پڑا ہے، میں صرف آپ کے پاس کیا کرتا ہوں؟ سامان رہن رکھواتا ہوں۔ اب سامان ہے حال اور گھر

کیا ہے؟ محل، اور اس حال کا محل کے ساتھ تعلق پیدائشی ہے یا مجاورتاً ہے؟ مجاورتاً، لہٰذا اب اتصال بھی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آئی؟

یہ معنی ہے: حَتَّى لَوْ كَانَ اتِّصَالُهُ بِالْمُجَاوَرَةِ لَا يَضُرُّهُ کہ اگر اس کا اتصال، اس حال کا اتصال محل کے ساتھ بطورِ مجاورت کے ہو تو لَا يَضُرُّهُ تو یہ اس کو نقصان نہیں دیتا، كَرَهْنِ الْمَتَاعِ الَّذِي فِي بَيْتِ الرَّاهِنِ جیسے رہن رکھوانا اس سامان کو الَّذِي فِي بَيْتِ الرَّاهِنِ جو کہاں پر ہے؟ راہن کے گھر پر ہے، تو اس کو رہن رکھوانا ٹھیک ہے، مرتہن آئے گا اور اٹھا کر سامان لے جائے گا۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ تفصیل ساری سمجھ میں آگئی؟

تو معلوم ہوا عقدِ رہن جو ہے کس چیز سے منعقد ہوتا ہے؟ ایجاب اور قبول سے۔ اور لازم کب ہوتا ہے؟ جب مرتہن کیا کرلے؟ رہن پر قبضہ کرلے۔ اور وہ رہن کا کیا ہونا ضروری؟ محوز، مفرغ، اور متمیز۔ اور جب وہ مرتہن محوز، مفرغ، متمیز چیز پر قبضہ کرلے گا، لَزِمَ تو یہ عقد کیا ہو جائے گا؟ لازم ہو جائے گا۔

آگے دیکھیے: وَالتَّخْلِيَةُ قَبْضٌ فِيهِ كَمَا فِي الْبَيْعِ اور تخلیہ جو ہے قبضہ ہے اس کے اندر جیسے کہ بیع کے اندر ہے۔ بھائی قبضے میں دینے کا کیا مطلب ہے؟ اب وہ بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں قبضے میں چیز مرتہن کے قبضے میں دینے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس چیز اور مرتہن کے درمیان رکاوٹ نہ بنیں، آپ اس چیز کو اس کے لیے خالی چھوڑ دیں، کہ وہ اس پر قبضہ کرنا چاہے تو قبضہ کر سکے، تو بس یہ کافی ہے۔ مثلاً آپ نے اس سے کہا کہ یہ جو سو بوری گندم یہاں پڑی ہے، سو بوری گندم پڑی ہے، یہ میں آپ کے پاس بطورِ رہن کے رکھواتا ہوں، رہن۔ تو یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ بوریوں کو یہاں سے اٹھا کر لے کر جائے، نہیں۔ بس جب آپ بیچ میں سے ہٹ گئے، آپ نے بوریوں اور اس مرتہن میں تخلیہ کر دیا، یعنی یوں کہو خلوت کر دی—کیا کر دی؟ خلوت کا یعنی خود بیچ میں سے ہٹ گئے، ایک طرف ہو گئے—تو بس یہ کافی ہے قبضے کے اندر۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، منقولات کے اندر قبضے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کو منتقل بھی کرے، نقل بھی کرے، وہاں سے لے کر بھی جائے پھر قبضہ ہو گا۔ لیکن ظاہرِ روایت یہی ہے کہ تخلیہ کافی ہے، تخلیہ ہی قبض ہے، یہاں پر اس کا اٹھا کر لے جانا ضروری نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: وَالتَّخْلِيَةُ قَبْضٌ فِيهِ كَمَا فِي الْبَيْعِ کہتے ہیں تخلیہ یعنی خالی کر دینا قبضہ ہے اس رہن کے اندر كَمَا فِي الْبَيْعِ جیسے کس کے اندر ہے؟ بیع کے اندر۔ آپ کسی کو کوئی چیز بیچتے ہیں، ایجاب و قبول ہو گیا، اب چیز کو آپ نے اس کے لیے چھوڑ دیا، جب چاہے آکر کیا کرلے؟ قبضہ کرلے۔ تخلیہ کر دیا تو بس یہ آپ نے کیا کر دیا؟ مبیع اس کے حوالے کر دی، یہ باقاعدہ اس کا اٹھا کر لے جانا ضروری نہیں ہے، جیسے کہ بیع کے اندر ہے۔ کہتے ہیں: التَّخْلِيَةُ تخلیہ کسے کہتے ہیں؟ کہ أَنْ يَضَعَهُ الرَّاهِنُ فِي مَوْضِعٍ يَتَمَكَّنُ الْمُرْتَهِنُ مِنْ أَخْذِهِ کہ راہن اس چیز کو رکھ دے ایسے مقام میں کہ يَتَمَكَّنُ الْمُرْتَهِنُ مِنْ أَخْذِهِ کہ مرتہن قادر ہو اس کو لینے پر، مرتہن جب چاہے اس کو لے جا سکے، آپ بیچ میں سے ہٹ گئے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

هَذَا فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ یہ کس کے اندر آیا ہے؟ ظاہرِ روایت میں۔ ظاہرِ روایت کسے کہتے ہیں؟ امام محمد رحمہ اللہ کی چھ کتابیں جو بتواتر منقول ہیں، اس میں آنے والا مسئلہ بڑا مضبوط اور قوی ہوتا ہے، معلوم ہوا بات ایسی ہی ہے، کیونکہ یہ تواتر کے ساتھ منقول ہے، اس میں کسی غلطی کا شبہ نہیں کیونکہ اس کو نقل کرنے والے اتنے زیادہ ہیں کہ اس میں غلطی کا احتمال نہیں۔ ایک آدمی سے تو غلطی ہو سکتی ہے، دو سے تو غلطی ہو سکتی ہے، لیکن سب سے غلطی ہو ایسا تو نہیں ہو سکتا، تو اس کو نقل کرنے والے زیادہ۔ اور وہ چھ کتابیں کون سی ہیں؟ نمبر ایک: بسوط، اور زیادات، اور جامع کبیر، اور جامع صغیر، اور سیرِ کبیر اور سیرِ صغیر بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى لَا يَثْبُتُ الْقَبْضُ فِي الْمَنْقُولِ إِلَّا بِالنَّقْلِ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قبضہ ثابت نہیں ہوتا منقولات کے اندر مگر نقل کرنے سے ہی، کہ اس کو کیا کیا جائے؟ دوسری جگہ منتقل کیا جائے، صرف وہ فرماتے ہیں تخلیہ نہیں کافی بلکہ قبضہ تب کہیں گے جب اس کو لے کر بھی چلا جائے۔ بھائی چیزیں دو قسم پر ہیں نا، کچھ منقولات ہیں کچھ غیرِ منقولات۔ غیرِ منقولات کیا ہے؟ یہ مکان ہے، اس کو آپ ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں لے جا سکتے، زمین ہے، باغ ہے، کھیت ہے، یہ سب کیا ہیں؟ غیرِ منقولات، جو جائیداد جس کو کہتے ہیں۔ اور باقی گاڑی ہے وغیرہ مشینری ہے چیزیں ہیں یہ سب منقولات ہیں۔ تو وہ فرماتے ہیں منقولات میں نقل ضروری ہے پھر ہی قبضہ شمار ہو گا۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ لَا يَثْبُتُ الْقَبْضُ فِي الْمَنْقُولِ إِلَّا بِالنَّقْلِ کہ منقولات کے اندر قبضہ ثابت نہیں ہوتا مگر نقل کرنے سے ہی۔ لِأَنَّهُ قَبْضٌ مُوجِبٌ لِلضَّمَانِ بِمَنْزِلَةِ الْغَصْبِ اس لیے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ جو قبضہ ہے مُوجِبٌ لِلضَّمَانِ یہ ضمان کو واجب کرنے والا ہے، بِمَنْزِلَةِ الْغَصْبِ کس کے درجے میں؟ غصب کے درجے میں۔ غصب میں نے بتلایا کسی دوسرے کی چیز چھین لینا، اس پر قبضہ کر لینا، اس کو غصب کہتے ہیں، اس کو کیا کہتے ہیں؟ غصب۔ اور غصب میں ضروری ہے کہ کوئی شخص ایک کی چیز اٹھا کر لے جائے، وہیں پڑی ہوئی ہے اور پھر کہے قبضہ کر لیا ہے، یہ غصب نہیں ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو وہ فرماتے ہیں جیسے غصب میں منقولات میں ضروری ہوتا ہے کہ وہ چیز کو اٹھا کر لے جائے پھر ہی کہا جاتا ہے اس نے دوسرے کی چیز غصب کر لی، تو یہ بھی کس کی طرح ہے؟ یہ رہن بھی غصب کی طرح ہے کیونکہ اس میں بھی اس پر ضمان آتا ہے۔ بھائی غصب میں کوئی شخص کسی کی چیز غصب کر لے تو یاد رکھو اس پر ضمان آتا ہے، کسی نے کسی کی گاڑی غصب کر لی، چھین کر لے گیا، اگر یہ گاڑی غاصب کے پاس تباہ ہو گئی تو اس کو پوری گاڑی کی قیمت دینا پڑے گی، تو وہ ضامن ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ ضامن۔ اور اسی طرح رہن میں بھی، رہن میں بھی جب مرتہن اس چیز پر قبضہ کر لیتا ہے تو وہ چیز اس کے ضمان میں داخل ہو گئی، اب اگر وہ چیز ہلاک ہوئی تو اس پر ضمان آئے گا، اس کو اس کی ادائیگی کرنا پڑے گی۔ تو جیسے غصب کے اندر دوسرے پر ضمان آتا تھا اور غصب کے اندر منقول کو نقل کرنا ضروری تھا، تو اسی طرح رہن کے اندر بھی ضمان آتا ہے تو اس میں بھی نقل کرنا ضروری ہے، پھر ہی قبضہ شمار ہو گا۔ یہ کس کی دلیل

ہے؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی۔ لیکن بہرحال فتویٰ ظاہرِ روایت پر ہی ہے بھائی کہ تخلیہ کر دیں، آپ مرتہن کو قدرت دے دیں کہ وہ جب چاہے اس چیز پر کیا کر سکتا ہے؟ قبضہ کر سکتا ہے، لے جا سکتا ہے، تو بس یہ کافی ہے بھائی۔[۲]

تو کہتے ہیں: لِأَنَّهُ قَبْضٌ مُوجِبٌ لِلضَّمَانِ بِمَنْزِلَةِ الْغَصْبِ کیونکہ رہن پر جو قبضہ ہے وہ ایسا قبضہ ہے مُوجِبٌ لِلضَّمَانِ جو ضمان کو واجب کرنے والا ہے، مرتہن پر اس کا ضمان آتا ہے، بِمَنْزِلَةِ الْغَصْبِ کس کے درجے میں؟ غصب کے درجے میں، جیسے اس میں ضمان آیا کرتا ہے تو اس میں بھی قبضہ ضروری ہے کہ اٹھا کر لے کر جائے۔ وَعِنْدَ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ يَلْزَمُ بِدُونِ الْقَبْضِ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک کہ یہ عقد لازم ہو جاتا ہے بغیر قبضے کے ہی۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عقدِ رہن میں ایجاب و قبول کر لیا تو عقد لازم ہو گیا، چاہے ابھی مرہون شے پر اس نے ابھی قبضہ کیا ہی نہیں ہے پھر بھی یہ عقد کیا ہو گیا؟ لازم، اب اس سے رجوع نہیں ہو سکتا۔ ہمارے نزدیک جب تک مرتہن اس چیز پر قبضہ نہ کر لے راہن رہن سے رجوع کر سکتا ہے کہ میں یہ چیز تمہیں دیتا ہی نہیں ہوں، میں اس رہن پر راضی ہی نہیں ہوں۔

وَضَمِنَ بِأَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنَ الدَّيْنِ۔ یاد رکھو مرتہن جب رہن پر قبضہ کر لیتا ہے تو وہ چیز اس کے ضمان میں داخل ہو گئی، اس چیز کو اب اگر کوئی نقصان پہنچا تو مرتہن کو ضمان دینا پڑے گا، ضمان دینا پڑے گا۔ اب کتنا ضمان اس پر آئے گا؟ تو یاد رکھیے، یاد رکھیے کہ عند الاحناف رہن جو ہے وہ مضمون بالاقل ہوتا ہے، مضمون بالاقل۔ جو چیز کم ہو اس کے بقدر ضمان اس پر آئے گا۔ کن دو چیزوں میں سے کم ہو؟ کہتے ہیں: ایک ہے وہ دین جو راہن نے لیا ہے، جو راہن کے ذمے ہے، اور دوسرا رہن یعنی مرہون کی قیمت۔ مرہون کی قیمت بھی لگا لو اور دین کو بھی دیکھ لو، ان دونوں میں سے جو کم تر ہو وہ ضمان اس مرتہن پر آئے گا۔ مثلاً دیکھو، میں نے کسی شخص سے دس لاکھ روپیہ قرض لیا اور بطورِ رہن کے میں نے اس کے پاس اپنی گاڑی رکھوا دی۔ اب دین کتنا؟ دس لاکھ، اور فرض کرو گاڑی بھی دس لاکھ کی ہے، گاڑی بھی دس لاکھ۔ تو پھر تو گاڑی اگر اس کے پاس ہلاک ہو گئی تو پھر برابری ہو گئی: میرے ذمے اس کے دس لاکھ تھے، گاڑی کی وجہ سے اس پر بھی کتنے آ جائیں گے؟ دس لاکھ، تو دس لاکھ دس لاکھ کے ذمے ہو گئے تو حساب برابر ہو گیا، اب مجھے اس کے دین کی ادائیگی نہیں کرنا پڑے گی، بس وہ میرا ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ کیونکہ میری گاڑی دس لاکھ والی اس کے پاس تباہ ہوئی ہے۔

دوسری صورت: دین زیادہ ہے اور گاڑی کم پیسوں کی ہے، مثلاً میں نے دین لیا دس لاکھ اور گاڑی ہے آٹھ لاکھ کی، تو وہ گاڑی اس کے پاس ہلاک ہو گئی۔ تو دین ہے دس لاکھ، گاڑی ہے آٹھ لاکھ کی، کم تر کیا چیز؟ گاڑی آٹھ لاکھ، تو لہٰذا اتنا ہی اس پر ضمان آئے گا، تو آٹھ لاکھ کا اس پر ضمان آیا، اور میرے ذمے کتنے ہیں؟ دس لاکھ، اس کے ذمے کتنے ہو گئے؟ آٹھ لاکھ، تو

[۲] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۲۲): صوتی درس کی قراءت میں «لَا يَثْبُتُ الْقَبْضُ فِي الْمَنْقُولِ إِلَّا بِالنَّقْلِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «لا يثبتُ في المنقولِ إلا بالنقل؛» منقول ہے۔

دس میں سے آٹھ ختم ہو گئے کتنے رہ گئے؟ دو لاکھ، اب میں صرف دو لاکھ اس کو دوں گا، باقی آٹھ لاکھ گویا میں نے اس کو دے دیے، وہ جو گاڑی اس کے پاس تباہ ہوئی گویا وہ آٹھ لاکھ اس نے وصول کر لیے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تیسری صورت: کہ دین جو ہے وہ کم ہے اور وہ مرہون شے کی قیمت زیادہ ہے، مثلاً گاڑی کی قیمت پندرہ لاکھ تھی، وہ گاڑی اس کے پاس ہلاک ہو گئی۔ تو دین اور گاڑی میں سے اقل کیا چیز ہے؟ گاڑی ہے پندرہ لاکھ کی اور دین میرے ذمے کتنا ہے؟ دس لاکھ، کم کیا چیز ہے؟ دین، تو اس پر دس لاکھ گویا ضمان آئے گا، اور باقی پانچ لاکھ گاڑی کے میں جو زائد تھے، کہتے ہیں وہ بطورِ امانت کے تھے، اور امانت کسی کے پاس ہلاک ہو جائے اور اس نے کسی قسم کی کوئی زیادتی نہ کی ہو تو اس پر کوئی ضمان نہیں آتا۔ میں نے...

کسی کے پاس اپنے پیسے رکھوائے تھے دس لاکھ روپے اور وہ دس لاکھ روپے اس کے پاس چوری ہو گئے، تو یہ امانت تھی۔ لہٰذا اب میں اس کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے میرے پیسے دو جیسے بھی جہاں سے بھی ہو لا کر دو، نہیں بھائی میں نے تو امانت رکھوائی تھی، اس کا تو میرے اوپر احسان تھا کہ اس نے میری چیز کی حفاظت کے لیے اپنے پاس چیز کو رکھ لیا۔ یہ وہ صورت ہے جب اس نے امانت میں کوئی زیادتی نہیں کی، تو امانت کا ضمان نہیں ہوتا، وہ امانت ویسے ہی ضائع چلی گئی بس ختم ہو گئی۔ لیکن اگر اس نے زیادتی کی، اس نے میرے دس لاکھ روپے جان بوجھ کر کھلے رکھے ہی ایسے تھے کہ جو گزرتا تھا اس کو نظر آتے تھے اور پھر چوری ہو گئے، تو یہ تو اس نے زیادتی کی ہے بھائی، اس صورت میں اس پر پورا ضمان آئے گا۔ تو یہاں پر بھی گاڑی اس کے پاس جو ہلاک ہوئی، وہ گاڑی پندرہ لاکھ کی تھی، دین دس لاکھ تھا، اور وہ رہن جو ہوتا ہے وہ مضمون بالاقل ہوتا ہے، اور گاڑی اور دین میں سے اقل کیا ہے؟ زیادہ کم کون ہے؟ زیادہ کم کیا ہے؟ دین ہے، تو دس لاکھ اس پر ضمان آگیا اور جو باقی پانچ لاکھ گاڑی وہ بطورِ امانت کے ضائع ہوئے، اس کا کوئی ضمان نہیں۔ تو دس لاکھ دس لاکھ کے بدلے ہو گئے، حساب برابر ہو گیا، یوں سمجھو اس نے میرے پیسے وصول کر لیے، میرا دین وصول کر لیا، اب میں نے اس کو کوئی ادائیگی نہیں کرنی، اور جو میری گاڑی پانچ لاکھ کی زائد ضائع ہوئی، بس وہ رائیگاں چلی گئی، ضائع چلی گئی۔ صورت سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

تو کہتے ہیں: وَضَمِنَ بِأَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنَ الدَّيْنِ اور وہ مرتہن ضامن ہو گا بِأَقَلَّ جو زیادہ کم ہے اس کا۔ بھئی زیادہ کم کس میں سے؟ کہتے ہیں مِن قِيمَتِهِ وَمِنَ الدَّيْنِ یعنی اس رہن کی قیمت اور دین میں سے جو زیادہ کم ہے اس کا ضامن ہو گا۔

اب یہاں پر شارحِ وقایہ ایک اعتراض اور جواب ذکر کریں گے۔ اعتراض یہ ہے کہ دیکھو أَقَلَّ اسمِ تفضیل آیا، توجہ ہے؟ أَقَلَّ کی یہ کیا ہے؟ اسمِ تفضیل، اور اسمِ تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں: یا تو یہ الف لام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، یا مِنْ کے ساتھ، یا اضافت کے ساتھ۔ اب یہاں پر بظاہر لگتا ہے شاید بِأَقَلَّ مِن قِيمَتِهِ یہ اسمِ تفضیل أَقَلَّ اور ساتھ

مِنْ آرہا ہے، مِنْ آرہا ہے۔ تو آپ کو شارحِ وقایہ بتائیں گے کہ نہیں بھائی یہ مِنْ وہ والا مِنْ نہیں ہے جو اسمِ تفضیل کے ساتھ مقابلے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ زَيْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو کیا معنی؟ زید زیادہ پٹائی کرنے والا ہے مِنْ عَمْرٍو کس کے مقابلے میں؟ عمرو کے مقابلے میں۔ تو اسمِ تفضیل کے ساتھ تو مِنْ مقابلے کے لیے آتا ہے، تو بظاہر شبہ پڑتا ہے شاید یہ مِنْ بھی وہ مقابلے والا ہے، کہتے ہیں نہیں بھائی یہ مِنْ مقابلے کے لیے نہیں ہے، یہ مِنْ بیان کے لیے ہے، یہ کس کے لیے ہے؟ بیان کے لیے۔ کس طرح مقابلے کے لیے نہیں ہے؟ کہتے ہیں دیکھو، اگر آپ اس کو مقابلے کے لیے بنائیں گے، تو وہ ضامن ہو گا کم کا، کمتر کا، کس سے کمتر؟ مِن قِيمَتِهِ وَمِنَ الدَّيْنِ کس سے؟ اس کی قیمت سے بھی کم ہو، وَمِنَ الدَّيْنِ اور دین سے بھی کم ہو۔

توجہ ہے؟ اشکال ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں یہ بظاہر شبہ پڑتا ہے شاید یہ مِنْ کون سا ہے؟ مقابلے والا جو کس کے ساتھ استعمال ہوتا ہے؟ اسمِ تفضیل۔ کہتے ہیں اس صورت میں معنی خراب ہو جاتا ہے اور درست نہیں رہتا، معنی واضح ہی نہیں ہوتا کہ کیسے وہ ضامن ہو گا بِأَقَلَّ وہ ضامن ہو گا اس چیز کا جو کمتر ہے، کس سے کمتر ہے؟ اس مرہون کی قیمت سے بھی کمتر ہے اور دین سے بھی کم، معلوم ہوا یہ کوئی تیسری چیز ہے، کوئی ایک تیسری چیز جو اس رہن کی قیمت سے بھی کم ہو اور... بھئی ادھر دیکھو، پھر سنو۔ میں نے کہا زَيْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو زید زیادہ پٹائی کرنے والا ہے مِنْ عَمْرٍو کس کے مقابلے میں؟ عمرو۔ ایک اور مِنْ بھی لے آؤ: مِنْ عَمْرٍو وَمِنْ بَكْرٍ زید زیادہ پٹائی کرنے والا ہے کس سے؟ عمرو سے بھی اور بکر سے بھی۔ اب مجھے بتاؤ مِنْ کے بعد کون کون آرہا ہے؟ عمرو بھی اور بکر بھی، اور زیادہ پٹائی کرنے والا کون ہے؟ زید ہے، وہ تیسرا ہے، تیسرا ہے، توجہ ہے؟ تیسرا ہے، وہ جو تیسرا ہے وہ زیادہ پٹائی کرنے والا ہے مِنْ عَمْرٍو وَمِنْ بَكْرٍ کس کے مقابلے میں؟ عمرو اور بکر۔ تو کہتے ہیں اگر یہاں پر بھی یہی عبارت آپ یوں نہ سمجھیں کہ یہ مِنْ مقابلے والا ہے، ورنہ معنی یہ ہو گا وَضَمِنَ بِأَقَلَّ کہ وہ زیادہ جو کم ہے اس کا ضامن ہو گا، کس سے زیادہ کم ہے؟ مِن قِيمَتِهِ اس رہن کی قیمت سے بھی کم ہو وَمِنَ الدَّيْنِ اور دین سے بھی کم ہو، گویا وہ تیسری چیز ہے، مِنْ کے بعد دو چیزیں ہیں نا، رہن کی قیمت اور دین، اور تیسری کیا چیز ہے؟ تیسری تو یہاں کوئی چیز ہی نہیں ہے! گاڑی تھی پندرہ لاکھ کی، دین کتنا تھا؟ دس لاکھ، اور ان سے کمتر ہو، دس سے بھی کم ہو پندرہ سے بھی، دس سے کم کتنا ہو؟ نو لاکھ؟ کتنا ضامن ہو گا؟ نو لاکھ؟ دس سے کم تو نو بھی ہے، دس سے کم تو آٹھ بھی ہے، دس سے کم تو چھ بھی ہے، دس سے کم تو پانچ بھی ہے، کس کا ہو؟ تو یہ تو وہ اقل ہی مجہول ہو گیا! اقل ہی مجہول ہو گیا اور یہ مصنف کا ارادہ نہیں ہے، مصنف یہ نہیں بتلانا چاہتے کہ ان دونوں سے اقل ہو گا، مصنف یہ نہیں بتلانا چاہتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

ایک صورت کیا؟ پھر وہ عبارت پہ آؤ ذرا۔ زَيْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو وَمِنْ بَكْرٍ زید زیادہ پٹائی کرنے والا ہے کس سے؟ عمرو سے اور بکر، معلوم ہوا زید زیادہ پٹائی کرتا ہے عمرو سے بھی اور بکر، یعنی كُلُّ وَاحِدٍ ان میں سے ہر ایک سے زیادہ کیا کرتا ہے کون پٹائی کرتا ہے؟ زید کرتا ہے۔ کہتے ہیں یہاں پر بھی اگر یوں کر لیں، یہاں تین ترجمے ہو سکتے ہیں، ایک ترجمہ یہ: کہ وہ مرتہن

ضامن ہو گا کس کا ضامن ہو گا؟ اقل کا، جو زیادہ کم ہو، کس سے زیادہ کم ہو؟ جی؟ اشکال ذکر کر رہا ہوں جو ترجمہ صحیح نہیں بنتا۔ مرتہن کیا ہو گا—توجہ ہے؟ زبان بھئی منہ سے بولا کریں، میں بات سمجھا رہا ہوں اگر آپ خاموش بیٹھے ہیں مجھے نہیں پتا چلے گا آپ کو بات سمجھ میں آئی ہے یا نہیں آئی—دیکھو انہوں نے کیا کہا وَضَمِنَ بِأَقَلَّ وہ مرتہن کیا ہو گا؟ ضامن ہو گا کس کا؟ وہ جو زیادہ کم ہے اس کا ضامن ہو گا، اس کا ضمان اس پر آئے گا، بھئی کس سے زیادہ کم ہو؟ اس مرہون کی قیمت سے بھی اور دین سے بھی، یعنی ہر ایک سے کم ہو، دونوں میں سے ہر ایک سے کم ہو، ایک ترجمہ یہ بنتا ہے اور یہ تو مصنف کی مراد نہیں کیونکہ وہ تیسری چیز کیا وہ زیادہ کمتر جو دین سے بھی کم ہو اور قیمتِ رہن سے بھی کم ہو وہ کیا چیز ہے؟ وہ تو کوئی ذکر ہی نہیں ہے یہاں پر، وہ نو لاکھ ہے آٹھ لاکھ ہے سات ہے چھ ہے پانچ ہے کتنا ہے کوئی ذکر ہی نہیں ہے، تو یہ تو مجہول ہو جائے گا اقل، اقل کیا ہو جائے گا؟ مجہول۔

دوسری صورت، پہلا ترجمہ ہم نے کیا کیا کہ وہ اقل ہو كُلُّ وَاحِدٍ ہر ایک سے، توجہ ہے؟ تین ترجمے کروں گا وہ آگے عبارت میں ذکر کریں گے، ابھی سمجھ لیں۔ وہ اقل ہونا چاہیے کس سے؟ ہر ایک سے، بعد میں جو مِنْ کے بعد دو چیزیں آ رہی ہیں ان دونوں میں سے ہر ایک سے کم ہو، اور یہ مصنف کی مراد نہیں۔ دوسری صورت: واؤ جمع کے لیے آتا ہے، عربی زبان میں واؤ کس لیے آتا ہے؟ جمع کے لیے۔ مثلاً میں کہتا ہوں أَخَذْتُ دِرْهَمًا وَدِينَارًا میں نے درہم لیا اور دینار لیا، کیا معنی؟ دونوں لے لیے، دونوں لے لیے۔ تو یہاں بھی مِن قِيمَتِهِ وَمِنَ الدَّيْنِ اس واؤ کو جمع کے لیے بنا لیں، دوسرا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ جو ضمان اس پر آئے گا وہ زیادہ کم ہو گا کس سے؟ ان دونوں کے مجموعے سے۔ اس کی قیمت کتنی گاڑی کی؟ پندرہ لاکھ، اور دین کتنا؟ دس لاکھ، دس اور پندرہ کتنے ہو گئے؟ پچیس، پچیس سے اقل کا ضامن ہو گا۔ بھئی پچیس سے اقل کتنے کا ضامن ہو گا؟ اس سے اقل چوبیس ہے بائیس ہے بیس ہے پندرہ ہے، تو یہ بھی کیا ہے؟ مجہول۔ تو دونوں کے مجموعے سے اقل کا ضامن ہو گا یہ بھی مصنف کی مراد نہیں کیونکہ یہ بھی مجہول ہے۔

تیسری صورت: یہ عربی میں کبھی واؤ بمعنیٰ أَوْ کے آجاتا ہے، واؤ کس معنی میں آتا ہے؟ أَوْ کے معنی میں آتا ہے، مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ أَوْ عَمْرٌو کیا معنی؟ دونوں آئے یا دونوں میں سے ایک آیا؟ ایک آیا۔ تو اسی طرح یہ جیسے أَوْ آتا ہے دو چیزوں میں سے ایک کے درمیان تردید کے لیے، اسی طرح واؤ بھی کبھی کس معنی میں آجاتا ہے؟ أَوْ کے معنی میں۔ تو اگر اس واؤ کو أَوْ کے معنی میں کر لیں مِن قِيمَتِهِ وَمِنَ الدَّيْنِ أَيْ أَوْ مِنَ الدَّيْنِ کہ وہ چیز زیادہ کم ہونی چاہیے کس سے؟ مرہون کی قیمت یا دین، اس سے کم ہونی چاہیے۔ بھئی وہ کیا چیز ہے؟ وہ بھی مجہول ہے بھائی! یہ تو اور زیادہ شک آگیا پتا ہی نہیں کس سے کم ہونی چاہیے، قیمت سے کم ہونی چاہیے یا دین سے کم ہونی چاہیے۔ تو تینوں صورتوں میں جو اقل ہے وہ مجہول ہو جائے گا اور ترجمے کا پتا ہی نہیں چلے گا کہ وہ کیا چیز ہے جو ضمان آئے گا اس کے اوپر۔

تو شارح آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی یہ مِنْ جو ہے یہ وہ والا مِنْ نہیں ہے جو مقابلے کے لیے آتا ہے اسمِ تفضیل کے ساتھ، بلکہ یہ مِنْ بیان ہے خود اقل کا، یہ کس کا بیان ہے؟ خود اقل کا۔ گویا اقل پہ بات پوری ہو گئی، ختم ہو گئی۔ وَضَمِنَ بِالْأَقَلِّ وہ مرتہن جو ہے وہ ضامن ہو گا اس چیز کا جو زیادہ کم ہے، جو زیادہ کم ہے، بات ختم ہو گئی بس۔ اب دو ہی تو یہاں چیزیں ہیں: ایک ہے مرہون کی قیمت، دوسرا کیا ہے؟ دین۔ تو ان دونوں میں سے یعنی جو کم تر ہے اس کا ضمان اس کے اوپر آئے گا۔ تو گویا یہ مِنْ بیان ہے اقل کا، کس کا بیان ہے؟ اقل کا، کیونکہ دو ہی چیزیں ہیں نا، کون سی دو چیزیں؟ ایک مرہون کی قیمت ہے اور ایک دین ہے، تو ان دونوں میں سے ظاہر سی بات ہے یا دونوں برابر ہوں گے یا ایک کم ہو گا ایک زیادہ ہو گا۔ جب ایک کم ہے تو وہ ضمان اس پر آجائے گا۔ مثلاً اور وہ کبھی کیا ہو گا؟ کبھی تو مرہون کی قیمت کم ہو گی تو وہ ضمان آجائے گا، کبھی دین کم ہو گا تو وہ اس پر ضمان آجائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ مِنْ کیا ہے؟ بیان کے لیے۔ اور مِنْ کا ترجمہ یہ جو مِنْ بیان کے لیے آتا ہے اس کا ترجمہ «یعنی» کے ساتھ کرتے ہیں، کس کے ساتھ؟ «یعنی»۔ دیکھو پھر اب ترجمہ سنو: وَضَمِنَ بِأَقَلَّ مِن قِيمَتِهِ وَمِنَ الدَّيْنِ اور مرتہن ضامن ہو گا اس کا جو کم تر ہے، بھئی وہ کیا ہے؟ کہتے ہیں مِن قِيمَتِهِ وَمِنَ الدَّيْنِ یعنی کہ اس کی قیمت اور دین، ان میں سے جو کم تر ہے اس کا ضمان اس پر آئے گا۔

اِعْلَمْ أَنَّ هَذَا تَرْكِيبٌ مُشْكِلٌ سن لو کہ یہ ترکیب کیا ہے؟ مشکل—یہ اردو والا مشکل نہیں ہے، أَشْكَلَ يُشْكِلُ إِشْكَال کا معنی اعتراض کرنا، اشکال ہونا—جان لے تو أَنَّ هَذَا تَرْكِيبٌ مُشْكِلٌ یہ ترکیب اشکال والی ہے، غَفَلَ النَّاسُ عَنْ إِشْكَالِهِ کہ لوگ اس کے اشکال سے غافل ہیں۔ پھر سنو: تَرْكِيبٌ ہے موصوف، مُشْكِلٌ صفتِ اول، اور غَفَلَ فعل آگیا نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ بھی اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، یہ صفتِ ثانی ہے۔ اب ترکیب سے پہلے «ایسا» کا لفظ لے آئیں گے: جان لے تو أَنَّ هَذَا تَرْكِيبٌ یہ ایسی ترکیب ہے مُشْكِلٌ جو اشکال والی ہے، غَفَلَ النَّاسُ عَنْ إِشْكَالِهِ اور لوگ اس کے اشکال سے غافل ہیں، یعنی علماء طلباء توجہ نہیں کرتے حالانکہ یہاں اشکال ہوتا ہے کیونکہ بظاہر شبہ پڑتا ہے کہ یہ مِنْ جو آیا وہ اسمِ تفضیل کے ساتھ جو مِنْ آتا ہے وہی مِنْ ہے۔

وَهُوَ أَنَّهُ يُتَوَهَّمُ أَنَّ كَلِمَةَ مِنْ هِيَ الَّتِي تُسْتَعْمَلُ مَعَ أَفْعَلِ التَّفْضِيلِ اور وہ یہ کہ یہاں وہم ہوتا ہے کہ کلمہ مِنْ جو یہ وہ کلمہ مِنْ ہے جو استعمال ہوتا ہے افعل التفضیل کے ساتھ، اس افعل کے ساتھ جو کس لیے آتا ہے؟ تفضیل کے لیے۔ بھئی ایک افعل صفتی ہوتا ہے، افعل وزن ایک کس لیے آتا ہے؟ صفت کے لیے بھی آتا ہے، جیسے أَبْيَض، أَبْيَض کا کیا معنی؟ افعل وزن ہے، کیا معنی؟ زیادہ سفید؟ نہیں نہیں، یہ اسمِ تفضیل نہیں ہے یہ صفت ہے، صفتِ مشبہ ہے۔ تو أَفْعَلُ ایک صفتِ مشبہ کا بھی یہی وزن آتا ہے اور ایک اسمِ تفضیل کا بھی یہی وزن آتا ہے، تو اس لیے ساتھ تفضیل کی قید بڑھا دی، کون سا أَفْعَلُ؟ اسمِ تفضیل کا أَفْعَلُ بھائی، جو تفضیل کے لیے آتا ہے فضیلت دینے کے لیے۔

تو کہتے ہیں: وَهُوَ أَنَّهُ يُتَوَهَّمُ أَنَّ كَلِمَةَ مِنْ هِيَ الَّتِي تُسْتَعْمَلُ مَعَ أَفْعَلِ التَّفْضِيلِ اور وہ یہ کہ وہم ہوتا ہے کہ کلمہ مِنْ جو ہے وہی ہے جو استعمال ہوتا ہے افعل التفضیل کے ساتھ، وَلَيْسَ كَذَلِكَ اور حال یہ کہ ایسا نہیں ہے، یہ مِنْ اسمِ تفضیل والا نہیں ہے۔ لِأَنَّهُ إِنْ أُرِيدَ أَنَّهُ مَضْمُونٌ بِأَقَلَّ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ اس لیے کیونکہ اگر یہ ارادہ کیا گیا ہے کہ وہ رہن جو ہے وہ مضمون ہو گا اس کا ضمان آئے گا بِأَقَلَّ جو کم تر ہو گا مِن كُلِّ وَاحِدٍ ہر ایک سے، ان دونوں میں سے ہر ایک سے کم تر ہو گا یعنی تیسری چیز ہے کوئی، بھئی وہ تو ذکر ہی نہیں وہ تو مجہول ہے اور وہ تو مصنف کی مراد نہیں کہ یا تو اقل ہو گا ان میں سے ہر ایک سے، فَهَذَا غَيْرُ مُرَادٍ تو یہ تو مصنف کی مراد نہیں، اس نے تو اس کا ارادہ نہیں کیا۔ وَإِنْ أُرِيدَ أَنَّهُ مَضْمُونٌ بِأَقَلَّ مِنَ الْمَجْمُوعِ اور اگر یہ ارادہ کیا گیا کہ یہ مضمون بِأَقَلَّ ہو گا مِنَ الْمَجْمُوعِ کس کے مقابلے میں؟ مجموعے کے مقابلے میں، یعنی واؤ...

کو کس کے لیے بنا لیں؟ جمع کے لیے، مضمون بِأَقَلَّ مِنَ الْمَجْمُوعِ ہو گا۔ أَوْ بِأَقَلَّ مِنْ أَحَدِهِمَا یا مضمون بِأَقَلَّ ہو گا مِنْ أَحَدِهِمَا دونوں میں سے کسی ایک سے، إِنْ كَانَ الْوَاوُ بِمَعْنَى أَوْ اگر واؤ کس معنی میں ہو؟ أَوْ کے معنی میں ہو۔ فَهَذَا شَيْءٌ مَجْهُولٌ تو پھر تو یہ شے مجہول ہے، غَيْرُ مُفِيدٍ کوئی فائدہ دینے والی نہیں، کیونکہ کیا چیز ہے کمتر تیسری چیز کا پتا ہی نہیں۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

بَلِ الْمُرَادُ بلکہ مراد یہ ہے کہ أَنَّهُ مَضْمُونٌ بِمَا هُوَ الْأَقَلُّ کہ یہ رہن جو ہے وہ مضمون ہو گا اس چیز کے ساتھ هُوَ الْأَقَلُّ جو کمتر ہو۔ باقی قدوری وغیرہ میں عبارت بہترین ہے، انہوں نے بِأَقَلَّ کے اوپر، اقل کے اوپر الف لام بھی داخل کیا ہے: ضَمِنَ بِالْأَقَلِّ، ضَمِنَ بِالْأَقَلِّ۔ وہاں پھر یہ شبہ نہیں ہوتا، کیونکہ اسمِ تفضیل ہے اور اس کے استعمال کے تین طریقے ہیں: الف لام، اضافت، یا مِنْ۔ اور بِالْأَقَلِّ میں کیا آ گیا؟ الف لام، جب الف لام آ گیا تو اب معلوم ہوا آگے مِنْ وہ اسمِ تفضیل والا مِنْ ہے ہی نہیں۔

تو کہتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے أَنَّهُ مَضْمُونٌ بِمَا هُوَ الْأَقَلُّ کہ وہ مضمون ہو گا اس سے جو چیز کمتر ہو۔ فَإِنْ كَانَ الدَّيْنُ أَقَلَّ مِنَ الْقِيمَةِ اگر دین کمتر ہو قیمت سے، قیمت کے مقابلے میں، فَهُوَ مَضْمُونٌ بِالدَّيْنِ تو یہ رہن مضمون بالدین ہو گا۔ وَإِنْ كَانَتِ الْقِيمَةُ أَقَلَّ مِنَ الدَّيْنِ اور اگر قیمت کمتر ہوئی دین سے، فَهُوَ مَضْمُونٌ بِالْقِيمَةِ تو وہ مضمون بالقیمۃ ہو گا۔ فَيَكُونُ مِنْ لِلْبَيَانِ تو یہ مِنْ کس لیے ہے؟ بیان کے لیے ہے یعنی اسی اقل کا بیان کر رہا ہے۔ تَقْدِيرُهُ کہتے ہیں تقدیرِ عبارت یہ ہے کہ أَنَّهُ مَضْمُونٌ بِمَا هُوَ أَقَلُّ مِنَ الْآخَرِ کہ مضمون ہو گا اس چیز سے جو دوسری چیز سے کمتر ہو، الَّذِي هُوَ الْقِيمَةُ تَارَةً وَالدَّيْنُ أُخْرَى جو اقل ہو مِنَ الْآخَرِ الَّذِي اس دوسرے سے، هُوَ الْقِيمَةُ تَارَةً جو کبھی تو قیمت ہو گی، وَالدَّيْنُ أُخْرَى أَيْ وَالدَّيْنُ تَارَةً أُخْرَى، تَارَةً کا معنی کبھی، کبھی، مرتبہ۔ هُوَ الْقِيمَةُ تَارَةً وہ دوسرا تو کبھی تو کیا ہو گا؟ قیمت ہو گا، وَالدَّيْنُ تَارَةً أُخْرَى اور کبھی دین ہو گا دوسری مرتبہ میں۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ مِنْ بیان کے لیے ہے اور تقدیرِ عبارت یہ ہے کہ جو ان دونوں میں سے کمتر ہو گا اس کے ساتھ یہ رہن جو ہے مضمون ہو گا، اور وہ ایک چیز نہیں ہے: کبھی دین کم ہو گا اور کبھی قیمت کم ہو گی، تو

جو بھی دوسری چیز سے کم ہو: اگر قیمت کم ہے دین سے تو قیمت کے بدلے مرہون ہے، اور اگر دین کم ہے قیمت سے تو دین کے ساتھ کیا ہے یہ؟ مرہون مضمون ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

پھر دیکھیں کہ تَقْدِيرُهُ تقدیرِ عبارت یہ ہے أَنَّهُ مَضْمُونٌ بِمَا هُوَ أَقَلُّ مِنَ الْآخَرِ الَّذِي هُوَ الْقِيمَةُ تَارَةً وَالدَّيْنُ أُخْرَى کہ وہ مضمون ہوگا اس چیز کے ساتھ جو کمتر ہے اس دوسرے سے جو کبھی قیمت ہوگی اور کبھی دین۔ ثُمَّ إِذَا عُلِمَ الْحُكْمُ فِيمَا إِذَا كَانَتِ الْقِيمَةُ أَكْثَرَ پھر کہتے ہیں جب علم ہو گیا حکم کا اس صورت میں جب قیمت زیادہ ہو—توجہ! ادھر دیکھیے: مضمون بالاقل ہوتا ہے، اگر قیمت زیادہ ہو تو پھر یہ کس کے بدلے مضمون ہوگا؟ دین کے بدلے، دین کے بدلے۔ دیکھیے یہی بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں ثُمَّ إِذَا عُلِمَ الْحُكْمُ فِيمَا إِذَا كَانَتِ الْقِيمَةُ أَكْثَرَ کہ جب معلوم ہو گیا حکم اس صورت میں جبکہ قیمت دین سے زیادہ ہو—تو کیا: وَهُوَ أَنَّهُ مَضْمُونٌ بِالدَّيْنِ حکم کا پتا چل گیا، وہ کیا حکم ہے؟ کہ مضمون بالدین ہوگا، وَالْفَضْلُ أَمَانَةٌ اور زائد کیا ہو گا؟ امانت ہوگا اس کے پاس۔ فُهِمَ الْحُكْمُ فِي صُورَةِ الْمُسَاوَاةِ تو حکم کا پتا چل گیا مساوات کی صورت میں بھی یعنی جب دونوں برابر ہوں، كَأَنَّهُ يَكُونُ مَضْمُونًا بِالدَّيْنِ کہ وہ مضمون بالدین—توجہ ہے؟ کیا؟ برابر! گاڑی کی قیمت بھی کتنی تھی؟ دس لاکھ، اور قرضہ بھی کتنا ہے؟ دس لاکھ، تو اس صورت میں یہ کیا ہوگا؟ مضمون بالدین ہوگا۔ کیا ہوگا؟ ایک ہی بات ہے کیونکہ دونوں برابر ہیں بھائی، چاہے آپ دین کہہ لیں چاہے اس کی قیمت کہہ لیں۔ لیکن قیمت تو اس لیے نہیں کہہ رہے کیونکہ دوسری طرف بھی گاڑی ہے بھائی، لہٰذا کیا کہہ دیا؟ مضمون بالدین، کیونکہ دونوں برابر ہیں بھائی۔ یعنی گاڑی کے ذریعے اس نے دراصل وصولی کرنی ہے، اور یہاں یہ گاڑی جب دین کے برابر ہے تو کتنی وصولی ہو جائے گی؟ اگر گاڑی ہلاک ہوتی ہے، گویا پورا دین کیا ہو گیا؟ وصول۔ تو اس لیے کہا مضمون بالدین ہے۔ تو کہتے ہیں فُهِمَ الْحُكْمُ فِي صُورَةِ الْمُسَاوَاةِ حکم سمجھ میں آگیا مساوات کی صورت میں بھی، كَأَنَّهُ يَكُونُ مَضْمُونًا بِالدَّيْنِ کہ وہ رہن کیا ہو گا؟ مضمون بالدین ہو گا یعنی دین جتنا ضمان آئے گا۔

فَلَوْ هَلَكَ اب وہ صورتیں متن میں بھی ذکر کرنے لگے ہیں۔ فَلَوْ هَلَكَ اگر وہ رہن ہلاک ہو گیا، وَهُمَا سَوَاءٌ اس حال میں کہ دونوں برابر ہیں یعنی دین بھی اور اس کی رہن کی قیمت بھی، پھر رہن ہلاک ہو گیا، تو سَقَطَ دَيْنُهُ اس کا دین کیا ہوا؟ ساقط، گویا اس نے وصول کر لیا۔ وَإِنْ كَانَتْ قِيمَتُهُ أَكْثَرَ اور اگر اس رہن کی قیمت زیادہ تھی، فَالْفَضْلُ أَمَانَةٌ تو زائد امانت ہے۔ وَفِي الْأَقَلِّ سَقَطَ مِنْ دَيْنِهِ بِقَدْرِهَا اور اگر قیمت کم ہے تو وہ ساقط ہو جائے گا دین میں سے اسی کے بقدر—مثلاً گاڑی آٹھ لاکھ کی ہے اور دین کتنا ہے دس لاکھ، اور گاڑی ہلاک ہو گئی تو دین میں سے اسی کے بقدر ساقط ہو جائے گا یعنی آٹھ لاکھ ختم ہو جائیں گے—وَرَجَعَ الْمُرْتَهِنُ بِالْفَضْلِ اور رجوع کرے گا مرتہن زائد کے ساتھ۔ کس کے ساتھ؟ کیا معنی؟ دیکھو بھائی! میں نے گاڑی آپ کے پاس رہن رکھوائی، میں نے کسی کے پاس گاڑی رہن رکھوائی اور وہ گاڑی تھی آٹھ لاکھ کی، اور میں نے

قرضہ کتنا لیا؟ دس لاکھ۔ تو گاڑی اس کے پاس ہلاک ہو گئی، تو اقل کیا؟ گاڑی کی قیمت، آٹھ لاکھ۔ تو آٹھ لاکھ کا اس پر ضمان آیا، تو قرضے میں سے آٹھ لاکھ گویا اس نے وصول کر لیے، اور باقی کتنے بچے؟ دو لاکھ، تو وہ دو لاکھ میں وہ مرتہن مجھ پر رجوع کرے گا کہ بس باقی کے دو لاکھ اب مجھے دے دو۔ یہ معنی ہے: وَرَجَعَ الْمُرْتَهِنُ بِالْفَضْلِ اور مرتہن رجوع کرے گا زائد کے ساتھ۔[۳]

فَالْحَاصِلُ حاصلِ کلام یہ—حاصلِ کلام آپ کو یہ بتلائیں گے بھائی ادھر دیکھیے: کہ یہ جو رہن پر مرتہن قبضہ کرتا ہے، یہ دراصل گویا کہ رسید ہے قرضے کی وصولی کی، کس کی؟ قرضے کی وصولی کی رسید ہے۔ جیسے آپ کے پاس کوئی رسید ہوتی ہے، آپ جا کر اس کے ذریعے اپنا قرضہ وصول کرتے ہیں کہ آپ نے میرے دس لاکھ دینے ہیں، یہ آپ کی رسید میرے پاس موجود ہے۔ تو رسید کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ قرضہ یا کوئی دین ہوتا ہے کوئی چیز ہوتی ہے وہ وصول کی جاتی ہے۔ تو یہاں پر بھی یہ جو رہن اس کے پاس رکھوایا، یہ کس لیے رکھوایا؟ تاکہ اس کے ذریعے اپنے قرضے کو کیا کر سکے؟ وصول۔ تو گویا یہ رسید کی طرح ہے، اب قرض لینے والے کے بھاگنے کی صورت نہیں، اب قرضہ وصول ہو گا ہی ہو گا کیونکہ اس کی چیز آپ کے پاس موجود ہے، یا یوں کہیں دوسرے لفظوں میں: گویا آپ نے وصولی کر ہی لی ہے، کیونکہ آپ کا جو قبضہ ہے، وصولی آپ نے کر ہی لی ہے، وصول کر چکے آپ اپنا قرضہ۔ چنانچہ وہی چیز جب ہلاک ہو گئی تو قرضہ ختم ہو گیا یا نہیں؟ وصول ہو گیا یا نہیں؟ دیکھا، تو یہ گویا وصولی آپ نے کر ہی لی ہے۔

تو کہتے ہیں: فَالْحَاصِلُ حاصل یہ ہے کہ أَنَّ يَدَ الْمُرْتَهِنِ عَلَى الرَّهْنِ يَدُ اسْتِيفَاءٍ کہ مرتہن کا جو قبضہ ہے عَلَى الرَّهْنِ کس پر؟ رہن پر، يَدُ اسْتِيفَاءٍ یہ وصولی والا قبضہ ہے۔ میں نے گاڑی اب مرتہن کے پاس جو رکھوائی ہے، یہ جو اس نے گاڑی پر قبضہ کیا یہ کون سا قبضہ ہے؟ وصولی والا، کہ وہ اپنا قرضہ وصول کر چکا ہے۔ لِأَنَّهُ وَثِيقَةٌ لِجَانِبِ الِاسْتِيفَاءِ—وَثِيقَةٌ کہتے ہیں رسید کو—اس لیے کیونکہ یہ رسید ہے لِجَانِبِ الِاسْتِيفَاءِ کس جانب؟ وصولی کے، وصولی کی جانب یہ کیا ہے؟ رسید ہے۔ جیسے رسید ہو تو قرضہ ڈوبتا نہیں، تو یہ بھی اس کے ذریعے بھی گویا اب قرضہ ڈوبے گا نہیں، گویا یہ وصولی کر ہی چکا ہے، یہ وصولی کی رسید ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

لِأَنَّهُ وَثِيقَةٌ لِجَانِبِ الِاسْتِيفَاءِ اس لیے کیونکہ یہ رسید ہے وصولی کی جانب، لِتَكُونَ مُوصِلَةً إِلَيْهِ تاکہ یہ رہن پہنچا دے وصولی تک، یہ رسید کہاں تک پہنچا دے؟ وصولی تک پہنچا دے۔ فَيَكُونُ اسْتِيفَاءً مِنْ وَجْهٍ تو گویا یہ وصولی ہی ہے بعض اعتبار سے، کیا کر چکا ہے؟ گاڑی کے ذریعے گویا اپنا قرضہ وصول کر ہی چکا۔ فَيَكُونُ اسْتِيفَاءً مِنْ وَجْهٍ تو گویا یہ وصولی ہی ہے مِنْ وَجْهٍ بعض اعتبارات سے، وَيَتَقَرَّرُ بِالْهَلَاكِ اور یہ وصولی پکی ہو جاتی ہے ہلاکت سے! کیا ہو جاتی ہے؟ بھائی دیکھو،

---

[۳] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۲۳):** صوتی درس کی قراءت میں «وَفِي الْأَقَلِّ سَقَطَ مِنْ دَيْنِهِ بِقَدْرِهَا» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وفي أقلّ سقط من دينه بقدرها،» منقول ہے۔

گاڑی میں نے رہن رکھوائی ہے، یہ گاڑی گویا ایک طرح کی وصولی ہے، ٹھیک ہے؟ وصولی ہی ہے۔ اگر میں دس لاکھ لے گیا، گاڑی اس کے پاس ہے، تو دس لاکھ لے لے گا اور گاڑی مجھے واپس کر دے گا، کیونکہ ایک چیز دو دفعہ تو نہیں وصول کی جاتی نا! جب میں نے اس سے دس لاکھ لے کر گاڑی دی، تو گویا میں نے اس کو دس لاکھ ادا کر دیے، اور اب دوبارہ جب میں اس کو دس لاکھ واپس دوں گا تو گاڑی وہ مجھے واپس دے گا، یہ نہیں کہ گاڑی اس کے پاس رہے گی، کیونکہ اگر گاڑی بھی اس کے پاس رہتی ہے اور وہ دس لاکھ بھی مجھ سے لے لیتا ہے تو اس نے دو وصولیاں کر لیں، حالانکہ وصولی تو ایک کرنی تھی! چنانچہ ہم نے آپ کو بتا دیا کہ یہ جو رہن ہے یہ دراصل کیا ہے؟ وصولی ہے، یہ کیا ہے؟ چنانچہ اسی کے پاس جب رہن ہلاک ہو گیا تو اب وہ دوبارہ مجھ سے پیسے لے گا؟ نہیں لے گا، کیونکہ وصولی دو دفعہ نہیں۔ معلوم ہوا ایک دفعہ وصولی کر لی اس نے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ نہیں سمجھ میں آئی؟ رہن اس کے پاس گاڑی ہے، گاڑی اس کے پاس کیا ہوئی؟ ہلاک ہو گئی، تو کیا مجھ سے دوبارہ دین لے گا؟ نہیں، بلکہ کیا سمجھیں گے؟ وصولی کر لی، وصولی ایک ہی دفعہ ہوتی ہے دو دفعہ نہیں ہوتی۔ تو دیکھا، دوبارہ جو مجھ سے دین نہیں لے رہا اس کا مطلب ہے وہ جو رہن تھا وہ وصولی تھی، اور اب جب ہلاک ہو گئی تو وہ وصولی پکی ہو گئی! بات سمجھ میں آ گئی؟ اگر ہلاک نہ ہوتی تو واپس کر کے اصل دین لے لیتا۔

یہ معنی ہے: فَيَكُونُ اسْتِيفَاءً مِنْ وَجْهٍ تو یہ بعض اعتبار سے وصولی ہی ہے، وَيَتَقَرَّرُ بِالْهَلَاكِ اور یہ وصولی پکی ہو جاتی ہے کس کی وجہ سے؟ ہلاکت کی وجہ سے، پھر دوبارہ وصولی نہیں کی جاتی۔ فَإِذَا كَانَ الدَّيْنُ أَقَلَّ مِنَ الْقِيمَةِ فَقَدِ اسْتَوْفَى الدَّيْنَ اگر دین جو ہے وہ قیمت سے کمتر ہے، تو تحقیق اس نے دین وصول کر لیا۔ کون سی صورت؟ دین ہے دس لاکھ اور گاڑی ہے پندرہ لاکھ کی، تو دین کمتر ہے کس سے؟ قیمت سے۔ فَإِنْ كَانَ الدَّيْنُ أَقَلَّ مِنَ الْقِيمَةِ اگر دین کمتر ہے قیمت سے، فَقَدِ اسْتَوْفَى الدَّيْنَ تو اس نے دین کو وصول کر لیا۔ دیکھا، وصولی کی بات ساری کر رہے ہیں، اس نے وہ رہن کے ذریعے ہی وصولی کر لی، وَالْفَضْلُ أَمَانَةٌ اور زائد کیا تھا؟ امانت تھا، وہ ضائع چلا گیا۔ وَإِنْ كَانَتِ الْقِيمَةُ أَقَلَّ اور اگر قیمت کیا تھی؟ وہ کمتر تھی یعنی وہ آٹھ لاکھ تھی اور دین کتنا ہے؟ دس لاکھ، تو يَكُونُ مُسْتَوْفِيًا بِقَدْرِ الْمَالِيَّةِ تو وہ وصولی کرنے والا ہو گیا مالیت کے بقدر۔ دیکھو وہی وصولی پکی ہو گئی یا نہیں؟ تو آٹھ لاکھ گویا وصول کر لیے، مالیت کے بقدر اس نے وصولی کر لی، وَهِيَ الْقِيمَةُ اور وہ کیا ہے؟ اس کی قیمت کے بقدر اس نے وصولی کر لی، فَيَرْجِعُ بِالْفَضْلِ تو وہ رجوع کرے گا زائد کے ساتھ کہ باقی کے جو دو لاکھ ہیں اب وہ بھی مجھے ادا کر دو۔

هَذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے، وَعِنْدَ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى هُوَ مَضْمُونٌ بِالْقِيمَةِ کہ وہ مضمون بالقیمۃ ہو گا۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، اقل کو نہیں دیکھیں گے۔ عند الاحناف تو رہن کیا ہوتا ہے؟ مضمون بالاقل ہوتا ہے، دین اور اس رہن کی قیمت میں سے جو کمتر ہو وہ ضمان آتا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، رہن کی پوری قیمت کا ضمان آئے گا۔ اگر پندرہ لاکھ کی گاڑی رکھوائی ہے تو پندرہ لاکھ ہی اس پر ضمان آئے گا، لہٰذا دین تھا دس لاکھ اور گاڑی کی قیمت کتنی تھی پندرہ لاکھ، تو وہ گاڑی اس کے پاس ہلاک ہو گئی، تو وہ دس لاکھ دس لاکھ کے بدلے اور باقی کے پانچ لاکھ اب راہن اس

سے وصول کرے گا۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ رہن جو ہوتا ہے وہ امانت ہوتی ہے، کیا ہوتی ہے؟ امانت، اور امانت ہلاک ہو جائے تو ضمان نہیں آتا، لہٰذا گاڑی اس کے پاس ہلاک بھی ہو گئی تو کوئی ضمان نہیں آئے گا، ابھی بھی وہ دس لاکھ وصول کرے گا راہن سے۔ فرق سمجھ میں آیا؟

تو کہتے ہیں: هَذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے، وَعِنْدَ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ هُوَ مَضْمُونٌ بِالْقِيمَةِ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک وہ مضمون بالقیمۃ ہوتا ہے رہن، رہن مضمون بالقیمۃ ہوتا ہے، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ هُوَ غَيْرُ مَضْمُونٍ بَلْ هُوَ أَمَانَةٌ کہ رہن جو ہے وہ مضمون نہیں ہوتا بلکہ وہ امانت ہوتی ہے۔

چلیے بس کریں بھائی۔

خلاصہِ کلام پھر سن لیجیے بھائی: آج آپ نے رہن کے بارے میں پڑھا کہ الرَّهْنُ وَهُوَ حَبْسُ الشَّيْءِ بِحَقٍّ يُمْكِنُ أَخْذُهُ مِنْهُ کہ وہ کسی چیز کو روکنا ہے کسی ایسے حق کے بدلے کہ اس حق کو اس چیز سے وصول کرنا ممکن ہو۔ اور انہوں نے آپ کو بتلایا کہ یہ جو رہن ہوتا ہے یہ دین کے بدلے ہو گا، کس کے بدلے ہو گا؟ دین کے بدلے ہو گا، اور اردو میں اس کو کہتے ہیں گروی رکھوانا، کسی کے پاس کوئی چیز...[۴]

چیز گروی رکھوانا۔ اور پھر انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا کہ یہ جو رہن ہے یا عقدِ رہن جو ہے ایجاب و قبول سے منعقد ہو جاتا ہے لیکن لازم نہیں ہوتا، اور راہن ابھی بھی رجوع کرنا چاہے تو رجوع کر سکتا ہے، تو اس کو اختیار ہے چاہے تو وہ رہن کو سپرد کر دے اس مرتہن کے اور چاہے تو اس عقد سے کیا کر لے؟ رجوع کر لے کہ میں آپ کے پاس یہ چیز رہن نہیں رکھوانا چاہتا۔ اور رہن جو ہے وہ لازم ہوتا ہے قبضے کے ذریعے کہ جب مرتہن جو ہے مرہون پر قبضہ کر لے۔ لیکن وہ مرہون انہوں نے آپ کو بتلایا کہ وہ محوز ہونا چاہیے، مفرغ ہونا چاہیے، اور متمیز ہونا چاہیے۔ محوز کا معنی بتلا دیا میں نے کہ محوز کا معنی ہے تقسیم شدہ یعنی آپ کا حصہ پھیلا ہوا نہ ہو، تقسیم شدہ علیحدہ ہو جس پر وہ آرام سے قبضہ کر سکے۔ اگر ایک چیز آپ میں اور زید میں مشترک ہے تو اس کو رہن رکھوانا ٹھیک نہیں کیونکہ مرتہن صرف آپ کے حصے پر قبضہ کر لے یہاں ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ آپ کا حصہ علیحدہ ہی نہیں ہے، آپ کے حصے کے ساتھ کس کا حصہ ملا ہوا ہے؟ مثلاً آپ کے ساتھی زید کا بھی حصہ ملا ہوا ہے۔ مثلاً زمین ہے آپ کی اور زید کی مشترکہ ہے تو اس زمین کے ہر ہر جز میں آپ بھی شریک اور زید بھی شریک، زمین کا کوئی ایک کونا یا ایک فٹ حصہ بھی آپ نہیں کہہ سکتے کہ یہ میرا ہے کیونکہ آپ نے ابھی تک تقسیم نہیں کیا۔ ہاں جب تقسیم کر دیں گے، حدبندی کر دیں گے، طے کر دیں گے کہ یہ والا آدھا میرا ہے اور یہ والا آدھا زید کا ہے، تو یہ تقسیم شدہ ہو گیا اب اس کو رہن رکھوانا ٹھیک ہے، اب وہ آسانی سے جو مرتہن ہے آپ کے والے حصے پر قبضہ کر لے گا، اس کو

---

[۴] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۲۲): صوتی درس کی قراءت میں «الرَّهْنُ وَهُوَ حَبْسُ الشَّيْءِ بِحَقٍّ يُمْكِنُ أَخْذُهُ مِنْهُ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «الرهن هو حبسُ الشيءِ بحقٍّ يمكن أخذُه منه» منقول ہے۔

اپنے قبضے میں لے لے گا اور اس سے رہن تام ہو جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

نیز یہ بھی بتلایا کہ وہ رہن جو ہے وہ مفرغ ہونا چاہیے اور نیز متمیز ہونا چاہیے پھر ہی قبضہ ہو گا۔ مفرغ کا تعلق میں نے بتلایا کہ اس کا تعلق محل سے ہے، اور متمیز کا تعلق حال سے ہے۔ ایک ہے محل ایک ہے حال۔ حال یہ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے: حَلَّ یَحُلُّ حَلًّا فَهُوَ یا حَلَّ یَحُلُّ حُلُولًا فَهُوَ حَالٌّ فَهُوَ حَالٌّ بھئی، یعنی کوئی وہ چیز جو کسی جگہ حلول کرے، نازل ہو، یعنی یوں کہیں موجود ہو، کیا ہو؟ موجود۔ اور محل وہ جگہ جہاں وہ چیز جس میں وہ موجود ہے۔ تو مفرغ کا تعلق محل سے ہے کہ وہ محل کیا ہے؟ حال سے خالی ہو، اس میں آپ کی کوئی چیز نہ پڑی ہو۔ لہٰذا آپ زمین رکھوانا چاہتے ہیں اور زمین میں فصل کھڑی ہے تو پھر دونوں کو رکھوانا پڑے گا رہن، کسی ایک کو اکیلا رہن رکھوائیں صرف زمین کو رہن رکھوائیں تو یہ زمین تو مفرغ نہیں ہے کیونکہ اس کے اندر فصل کھڑی ہے، اور صرف فصل رکھوانا چاہتے ہیں تو فصل کو جدا ہونا چاہیے، یہ تو جدا نہیں متمیز نہیں ہے، زمین کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ لہٰذا دونوں کو تو اکٹھا رہن رکھوا سکتے ہیں لیکن اس حالت میں کہ جب زمین میں فصل تیار کھڑی ہے آپ صرف زمین رہن رکھوانا چاہتے ہیں یا صرف فصل رہن رکھوانا چاہتے ہیں، یہ درست نہیں ہے کیونکہ یہاں قبضہ نہیں ہو سکتا، تو فصل کو بھی نہیں رکھوا سکتے کیونکہ فصل جو ہے اس کا تعلق زمین کے ساتھ پیدائشی ہے بھئی۔ اسی طرح درخت ہے اور درخت کے اوپر پھل لگے ہوئے ہیں، اگر آپ نے رہن رکھوانا ہے تو دونوں کو رہن رکھوانا پڑے گا، آپ صرف درخت رہن رکھوائیں تو ٹھیک یہ جائز نہیں کیونکہ درخت جو ہے مفرغ نہیں ہے، یہ آپ کے حق یعنی پھلوں کے ساتھ مشغول ہے، اور صرف پھل اسی حالت میں جبکہ وہ درخت پر لگے ہوئے ہوں آپ ان کو رہن رکھوانا چاہتے ہیں، نہیں بھئی یہ پھل کا تعلق پیدائشی ہے خلقتاً ہے تو پھل متمیز نہیں ہیں جدا نہیں ہیں، ان کو جدا کر دیں پھر آپ ان کو رہن رکھوا سکتے ہیں۔ یا اسی طرح آپ مکان رکھوانا چاہتے ہیں، مکان ہے آپ کا اور اس کے اندر آپ کا سامان پڑا ہوا ہے یا زمین ہے آپ کی اور اس کے اندر آپ کا سامان پڑا ہوا ہے، تو اس صورت کے اندر صرف زمین یا صرف گھر رکھوانا یہ درست نہیں ہے، اس لیے کیونکہ وہ زمین یا وہ گھر آپ کے سامان کے ساتھ آپ کے حق کے ساتھ مشغول ہے تو وہ اس پر قبضہ نہیں کر سکتا پورے طور پر۔ ہاں صرف سامان آپ رکھوانا چاہتے ہیں، سامان آپ کے گھر میں ہے یا آپ کی زمین میں پڑا ہوا ہے آپ اس کو رہن رکھوانا چاہتے ہیں تو پھر یہ ٹھیک ہے، اس لیے کیونکہ سامان بے شک آپ کے گھر میں ہے لیکن وہ اس کے ساتھ جڑا نہیں ہوا پیدائشی جڑا ہوا نہیں ہے، وہاں اتصال جو ہے وہ خلقتاً نہیں ہے بلکہ مجاورتاً ہے۔ مجاورتاً کا معنی بس ساتھ جڑا ہوا ہے ملا ہوا ہے، ویسے اس کا کوئی پیدائشی تعلق اس کے ساتھ نہیں، پیدائشی جوڑ نہیں وہاں پر۔ یا سامان آپ کی زمین میں ہے تو بھی کوئی حرج نہیں آپ سامان رہن رکھوا سکتے ہیں، وہ شخص آئے گا سامان کو اٹھا کر لے جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اس کے بعد پھر انہوں نے آپ کو بتلایا کہ رہن کے اندر ضمان آیا کرتا ہے مرتہن پر اگر وہ چیز اس مرتہن کے پاس ہلاک ہو جائے۔ اب ضمان کتنا آئے گا؟ تو عند الاحناف رہن جو ہوتا ہے وہ مضمون بالاقل ہوتا ہے، یعنی دین اور اس رہن کی

قیمت دیکھ لیں گے اس میں سے جو کم ہو وہ ضمان اس کے اوپر آئے گا۔ مثلاً آپ نے جو دین لیا وہ دس لاکھ ہے اور جو گاڑی رہن رکھوائی وہ پندرہ لاکھ کی ہے، تو دس اور پندرہ میں سے کم کیا ہے؟ دس لاکھ، تو اس پر ضمان کتنا آئے گا؟ دس لاکھ ضمان آئے گا اگر گاڑی اس کے پاس تباہ ہو گئی، اور باقی کے جو پانچ لاکھ گاڑی کے تھے زائد وہ اس کے پاس بطورِ امانت کے تھے اس کا اس پر کوئی ضمان نہیں آئے گا تو وہ آپ کے پانچ لاکھ ضائع رائیگاں چلے گئے بھئی۔ اور اگر دونوں برابر ہوں دین بھی دس لاکھ گاڑی بھی دس لاکھ کی، پھر تو برابر سرابر ہو گیا معاملہ، گاڑی اس کے پاس تباہ ہوئی تو اس پر دس لاکھ ضمان آگیا اور تو اس نے اب آپ کے دس لاکھ دینے ہیں آپ نے بھی دس لاکھ دینے ہیں تو دونوں ایک دوسرے کے برابر ہیں تو معاملہ برابر سرابر ہو گیا گویا اس نے اپنے پیسے وصول کر لیے اب آپ کو دوبارہ ادائیگی کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر گاڑی کی قیمت کم ہے، رہن کی قیمت کم ہے، مثلاً آپ نے قرضہ جو لیا وہ ہے دس لاکھ اور جو گاڑی ہے رکھوائی وہ ہے آٹھ لاکھ کی، تو وہ گاڑی اگر اس کے پاس تباہ ہوئی تو اقل کیا ہے؟ گاڑی کی قیمت، تو وہ آٹھ لاکھ اس پر ضمان آجائے گا تو گویا اس نے آٹھ لاکھ آپ سے وصول کر لیے دس میں سے، اور باقی کتنے رہ گئے اس کے؟ دو لاکھ، تو وہ اس میں آپ پر رجوع کرے گا کہ باقی کے بھی دو لاکھ مجھے دے دو۔

تو البتہ اس عبارت جو آئی تھی وَضَمِنَ بِأَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنَ الدَّيْنِ اس پر ایک اشکال ہوا تھا اور صاحبِ شرحِ وقایہ نے وہ اشکال بھی ذکر کیا اور اس کا جواب بھی۔ اشکال یہ ہوتا تھا کہ أَقَلَّ یہ اسمِ تفضیل ہے اور اسمِ تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں: یا الف لام کے ساتھ، یا مِنْ کے ساتھ، یا اضافت کے ساتھ۔ تو یہاں پر اس کے ساتھ مِنْ آرہا ہے، تو شبہ پڑتا ہے کہ شاید یہ مِنْ اسمِ تفضیل کے ساتھ جو مِنْ مقابلے کے لیے آتا ہے یہ وہ والا ہے، جیسے میں کہتا ہوں زَيْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو زید زیادہ پٹائی کرنے والا ہے مِنْ عَمْرٍو عمرو کے مقابلے میں۔ تو یہاں پر بھی شبہ پڑتا ہے شاید یہ مِنْ بھی کس لیے ہے؟ مقابلے کے لیے ہے، تو اس صورت میں کہتے ہیں نہیں یہ مِنْ مقابلے کے لیے نہیں ہے یہ اسمِ تفضیل والا مِنْ نہیں ہے بلکہ یہ مِنْ بیان کے لیے ہے، کیونکہ اگر آپ اس کو اسمِ تفضیل والا مِنْ بنائیں تو تین احتمال بنتے ہیں یہاں اور تینوں درست نہیں ہیں۔ پہلا احتمال کیا؟ کہ وہ ضامن ہو گا بِأَقَلَّ وہ جو کم ہے، کس سے کم ہے؟ مرہون کی قیمت سے بھی کم ہے اور دین سے بھی کم یعنی دونوں سے کم ہے، اور دونوں سے کم وہ کیا چیز ہے بھئی؟ وہ تو کوئی تیسری چیز ہی ہے، وہ پتا نہیں اس کا تو ہمیں پتا ہی نہیں ہے، اس کا تو آپ نے ہمیں بتلایا ہی نہیں ذکر ہی نہیں کیا، کیونکہ مثلاً دین ہے دس لاکھ اور گاڑی کی قیمت ہے پندرہ لاکھ، تو ان دونوں سے وہ کم ہو: دس سے بھی کم ہو اور پندرہ سے بھی کم ہو، بھئی کتنا کم ہو؟ نو لاکھ ہو گا ضمان، آٹھ ہو گا، سات ہو گا، چھ ہو گا، پانچ ہو گا، چار ہو گا، کوئی طے ہی نہیں کوئی پتا ہی نہیں، تو لہٰذا اس صورت میں تو وہ تیسری چیز تو مجہول ہے ہمیں تو اس کا علم ہی نہیں ہے، اور یہ مصنف کی مراد نہیں۔ تو گویا کم ہو مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ ان دونوں سے، یہ درست نہیں۔ اور یا واؤ کو جمع کے لیے بناؤ کہ ان دونوں کے مجموعے سے کم ہو، یعنی دس لاکھ اور پندرہ لاکھ پچیس لاکھ ہو گئے، پچیس لاکھ

سے کم ہو، بھئی پچیس لاکھ سے کتنا کم ہو؟ وہ بھی ہمیں علم نہیں تیسری چیز ہے کوئی۔ اور یا پھر یہ واؤ بمعنیٰ أَوْ کے لے لیں کہ وہ جو ضمان ہو گا وہ اس کی قیمت سے کم ہو گا یا اس کے دین سے کم ہو گا، پھر تو اور زیادہ ابہام آگیا کہ پتا نہیں کس سے کم ہونا چاہیے قیمت سے کم ہونا چاہیے یا دین سے کم ہونا چاہیے، یہ بھی پتا نہیں، تو یہ بھی تیسری چیز بنے گی اور اس میں اور بھی ابہام آگیا اور یہ مصنف کی مراد نہیں تو یہ درست نہیں۔ تو پھر انہوں نے بتلایا کہ یہ مِنْ بیان کے لیے ہے کہ یہ مِنْ اسی اقل کا بیان ہو رہا ہے کہ اس پر ضمان آئے گا کم، بھئی وہ کم کیا ہے؟ کہتے ہیں یا وہ قیمت ہے یا دین، ان دونوں میں سے جو بھی کم ہے وہ اس پر ضمان آئے گا۔ تو یہ اقل یہ جو مِنْ کے ذریعے آگے اسی کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ کم کبھی کبھار قیمت کم ہو گی تو وہ ضمان آئے گا اور کبھی کبھار دین کم ہو گا تو وہ دونوں کو آپس میں دیکھ لو ان میں سے کم کون سا ہے تو وہ اس پر ضمان آ جائے گا۔

اور پھر انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا کہ یہ رہن جو ہے یہ اس پر جو قبضہ کرتا ہے مرتہن یہ دراصل وصولی والا قبضہ ہے، گویا وہ اپنا قرضہ کیا کر چکا؟ وصول کر چکا، وصول کر چکا۔ لہٰذا اسی لیے اگر وہ اس کے پاس ہلاک ہو جائے مرہون تو دوبارہ اس کو قرضہ ادا نہیں کیا جاتا کیونکہ وہ ایک دفعہ گویا وصولی کر چکا ہے اور ایک چیز ایک ہی دفعہ وصول کی جاتی ہے دو دفعہ وصول نہیں کی جاتی۔

جبکہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ رہن میں جو ضمان آتا ہے وہ اس کی قیمت کا آتا ہے، اس میں اقل نہیں دیکھیں گے بلکہ جو بھی اس کی قیمت ہو گی وہ اس پر ضمان آجائے گا۔ گاڑی آپ نے رہن رکھوائی ہے اگر وہ پندرہ لاکھ کی ہے تو اس پر پندرہ لاکھ ضمان آئے گا، بیس لاکھ کی ہے تو بیس لاکھ ضمان آئے گا، پانچ لاکھ کی ہے تو پانچ لاکھ ضمان آئے گا، دین کو دیکھیں گے ہی نہیں بس ضمان وہی قیمت کا آجائے گا جو رہن رکھوایا اسی کی قیمت۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جو رہن ہوتا ہے یہ امانت ہوتی ہے، لہٰذا امانت میں تو ضمان نہیں آتا تو اس کے اندر بھی کوئی ضمان نہیں آئے گا۔

چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔ بات سمجھ میں آگئی؟

سبق نمبر ۳۵: مرتہن کا مطالبۂ دین، حبسِ رہن، جنایت علی الرہن اور مرہون سے انتفاع کے احکام

شرح الوقایہ صفحہ: ۷۴ — بتاریخ: ۲۸ جنوری ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: وَلِلْمُرْتَهِنِ طَلَبُ دَيْنِهِ مِنْ رَاهِنِهِ فَإِنَّهُ لَا يَسْقُطُ بِالرَّهْنِ طَلَبُ الدَّيْنِ، وَحَبْسُهُ بِهِ أَيْ حَبْسُ الرَّهْنِ بِالدَّيْنِ، وَحَبْسُ الرَّهْنِ بَعْدَ فَسْخِ عَقْدِهِ حَتَّى يَقْبِضَ دَيْنَهُ أَوْ يُبْرِئَهُ فَإِنَّهُ لَا يَبْطُلُ إِلَّا بِالرَّدِّ عَلَى وَجْهِ الْفَسْخِ لِأَنَّهُ يَبْقَى مَضْمُونًا مَا بَقِيَ الْقَبْضُ وَالدَّيْنُ.[1]

اچھا بھئی رہن کا باب چل رہا ہے، تو آگے بتلا رہے ہیں: وَلِلْمُرْتَهِنِ طَلَبُ دَيْنِهِ مِنْ رَاهِنِهِ۔ آپ نے کسی سے قرضہ لیا، توجہ ہے؟ آپ نے کسی سے قرضہ لیا اور اس قرضے کے بدلے آپ نے اس کے پاس اپنی گاڑی بطورِ رہن کے رکھوا دی، تو کیا گاڑی رہن کے طور پر رکھوانے کے بعد اب وہ مرتہن آپ سے اپنے قرضے کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا؟ کہتے ہیں کیوں نہیں، وہ اب بھی آپ سے اپنے قرضے کا مطالبہ کر سکتا ہے، روز آپ کے سر پر آکر سوار ہو جائے کہ بھئی آپ نے اس تاریخ کا وعدہ کیا تھا، وہ تاریخ گزر گئی ہے، اب مجھے میرا قرضہ ادا کر دو۔ تو لہٰذا کوئی چیز کسی کے پاس رہن رکھوانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب وہ آپ سے آکر مطالبہ ہی نہیں کر سکتا۔

تو کہتے ہیں: وَلِلْمُرْتَهِنِ طَلَبُ دَيْنِهِ مِنْ رَاهِنِهِ اور مرتہن کے لیے جائز ہے طَلَبُ دَيْنِهِ کہ وہ اپنے دین کا مطالبہ کرے مِنْ رَاهِنِهِ کس سے؟ اپنے راہن سے۔ فَإِنَّهُ لَا يَسْقُطُ بِالرَّهْنِ طَلَبُ الدَّيْنِ کیونکہ، دیکھا فَ اور اس کا ترجمہ کس کے ساتھ میں کر رہا ہوں؟ «کیونکہ»، علت بیان کر رہی ہے۔ فَإِنَّهُ لَا يَسْقُطُ بِالرَّهْنِ طَلَبُ الدَّيْنِ کیونکہ رہن کی وجہ سے دین کی طلب جو ہے وہ ساقط نہیں ہوتی، دین کا مطالبہ ساقط نہیں ہوتا کہ پھر مطالبہ ہی نہ کر سکے، ایسا نہیں ہے، بلکہ پھر بھی مطالبہ کر سکتا ہے۔

---

[1] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۲۳): صوتی درس کی قراءت میں «وَحَبْسُ الرَّهْنِ بَعْدَ فَسْخِ عَقْدِهِ حَتَّى يَقْبِضَ دَيْنَهُ أَوْ يُبْرِئَهُ فَإِنَّهُ لَا يَبْطُلُ إِلَّا بِالرَّدِّ عَلَى وَجْهِ الْفَسْخِ لِأَنَّهُ يَبْقَى مَضْمُونًا مَا بَقِيَ الْقَبْضُ وَالدَّيْنُ.» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «(وحبسُ رهنِهِ بعد فسخِ عقدِه حتى يقبضَ دينَه أو يبرئه)، فإنّه لا يبطلُ إلا بالردِّ على الراهنِ على وجه الفسخ؛لأنّه يبقى مضمونًا ما بقيَ القبضُ والدين.» منقول ہے۔

نیز وَحَبْسُهُ بِهِ، اس کا عطف ہے پیچھے طَلَبُ دَيْنِهِ پر ہے، کہ وَلِلْمُرْتَهِنِ حَبْسُهُ بِهِ۔ اور یہ ضمیریں کس کو راجع؟ حَبْسُهُ کی ہ ضمیر کس کو راجع؟ بتلا دیا آگے أَيْ حَبْسُ الرَّهْنِ، بِهِ کی ضمیر کس کو راجع؟ بتلا دیا بِالدَّيْنِ، حَبْسُ الرَّهْنِ بِالدَّيْنِ۔ تو یعنی کہ مرتہن کے لیے جائز ہے حَبْسُ الرَّهْنِ کہ وہ رہن کو روک لے بِالدَّيْنِ کس کی وجہ سے؟ دین کی وجہ سے۔ اوہو، یہ کتابت کی غلطی ہے۔ حَبْسُهُ کی ہ ضمیر جو ہے یہ رہن کو... رہن نہیں بھئی، راہن ہے، راہن! أَيْ حَبْسُ الرَّاهِنِ بِالدَّيْنِ، مرتہن کے لیے حق ہے کیا... بھئی اگر یہی عبارت رکھیں، مرتہن کو حق ہے حَبْسُ الرَّهْنِ رہن کو روکنے کا بِالدَّيْنِ کس کے بدلے؟ دین کے بدلے۔ بھئی رہن کو تو اس نے پہلے ہی روکا ہوا ہے، پھر کیا معنی رہن کو روک سکتا ہے؟ بھئی دراصل یہاں راہن ہے، راہن۔ اور حبس سے مراد ہے جیل میں ڈلوانا، قید کروانا۔ مرتہن کو حق ہے حَبْسُ الرَّاهِنِ کہ وہ راہن کو قید کروا سکتا ہے بِالدَّيْنِ کس کی وجہ سے؟ دین کی وجہ سے۔[۲]

بھئی ایک شخص نے دوسرے سے قرضہ لیا اور اس کے پاس اپنی گاڑی رہن رکھوا دی اور مقررہ تاریخ آگئی، اب وہ دین ادا ہی نہیں کر رہا، تو مرتہن بار بار جا کر اس سے مطالبہ کرتا ہے کہ میرا قرضہ ادا کر دو، آپ نے ایک مہینے کا وعدہ کیا تھا وہ تو وقت پورا ہو چکا ہے، لیکن وہ ٹال مٹول کرتا ہے جیسے آج کل ہے بھئی، لوگ بلا وجہ دوسروں کو تکلیف دیتے ہیں، ٹال مٹول کرتے ہیں، تو وہ پھر قاضی کے پاس جا کر اس راہن کو جیل میں بھی ڈلوا سکتا ہے کہ اس کے پاس مال موجود ہے لیکن پھر بھی یہ میرا قرضہ ادا نہیں کر رہا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے وَحَبْسُهُ بِهِ أَيْ حَبْسُ الرَّاهِنِ بِالدَّيْنِ، اور مرتہن کو یہ حق ہے کہ وہ قید کروا دے راہن کو دین کی وجہ سے۔

وَحَبْسُ الرَّهْنِ بَعْدَ فَسْخِ عَقْدِهِ حَتَّى يَقْبِضَ دَيْنَهُ أَوْ يُبْرِئَهُ۔ صورتِ مسئلہ یہ بھئی کہ ایک شخص نے دوسرے کے پاس گاڑی رہن کے طور پر رکھوائی اور اس سے قرضہ لیا تھا دس لاکھ بھئی، بعد میں انہوں نے آپس میں عقدِ رہن کو فسخ کر دیا، کیا کیا؟ فسخ کر دیا۔ دو چار دن بعد پھر ملاقات ہوئی اور انہوں نے آپس میں اتفاق سے اس عقدِ رہن کو فسخ کر لیا۔ تو عقد کیا ہو گیا؟ فسخ ہو گیا، لیکن ابھی گاڑی ابھی بھی مرتہن کے پاس ہے۔ تو کیا مرتہن اب گاڑی واپس کرنے کا پابند ہو گیا؟ کہ اب وہ واپس کرے گا ہر حال میں بغیر قرضہ وصول کیے؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، ابھی بھی اس کے لیے جائز ہے وہ کیا کر لے؟ گاڑی کو اپنے پاس روکے رکھے یہاں تک کہ وہ کیا کر دے؟ دین ادا کر دے یا یہ اس کو قرضہ ہی معاف کر دے۔ دو ہی صورتیں ہیں نا قرضے کے ختم ہونے کی: یا وہ ادائیگی کر دے یا قرضہ جس کا ہے، جس کا مال ہے وہ قرضہ ہی معاف کر دے، تو پھر تو اس صورت میں پھر اس کو گاڑی واپس کرنا پڑے گی۔ لیکن اس سے پہلے چاہے عقدِ رہن فسخ ہی کیوں نہ کر دے، اس کے لیے جائز ہے کہ اس رہن کو اپنے پاس روکے رکھے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟[۳]

---

[۲] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۲۳):** صوتی درس کی قراءت میں «أَيْ حَبْسُ الرَّاهِنِ بِالدَّيْنِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «أي حبسُ الرهنِ بالدّين،» منقول ہے۔

[۳] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۲۳):** صوتی درس کی قراءت میں «وَحَبْسُ الرَّهْنِ بَعْدَ فَسْخِ عَقْدِهِ حَتَّى يَقْبِضَ دَيْنَهُ

تو کہتے ہیں: وَحَبْسُ الرَّهْنِ اور مرتہن کے لیے جائز ہے رہن کو روکنا بَعْدَ فَسْخِ عَقْدِهِ بعد اس کے کہ جب کہ عقدِ رہن کو فسخ کر دیا، حَتَّى يَقْبِضَ دَيْنَهُ أَوْ يُبْرِئَهُ یہاں تک کہ وہ اپنے دین پر قبضہ کر لے أَوْ يُبْرِئَهُ یا اس کو معاف کر دے، بری کر دے۔ فَإِنَّهُ لَا يَبْطُلُ إِلَّا بِالرَّدِّ عَلَى وَجْهِ الْفَسْخِ اس لیے کیونکہ جو رہن ہے یہ باطل نہیں ہوتا مگر یہ کہ واپس کر دیا جائے عَلَى وَجْهِ الْفَسْخِ کس طریقے پر؟ فسخ کے طریقے پر۔ بھئی جب تک گاڑی مرتہن کے پاس ہے، زبانی کلامی بے شک عقدِ رہن کو فسخ کر دیں، جب تک گاڑی اس کے حوالے نہیں کر دے گا فسخ کے طریقے پر، تب تک رہن فسخ ہی نہیں ہوا۔ کیونکہ رہن تام کس سے ہوتا تھا؟ قبضے سے، تو ٹوٹے گا بھی کس سے؟ فسخ بھی کس سے ہو گا؟ جب قبضہ ختم کر کے گاڑی اس کے حوالے کرے گا۔ ویسے زبانی کلامی بے شک فسخ کر بھی دیں، جب تک گاڑی اس کے پاس ہے تو گویا عقدِ رہن موجود ہے، وہ اس کو روک سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے فَإِنَّهُ لَا يَبْطُلُ إِلَّا بِالرَّدِّ عَلَى وَجْهِ الْفَسْخِ اس لیے کیونکہ عقدِ رہن جو ہے وہ باطل نہیں ہوتا یعنی ختم نہیں ہوتا مگر یہ کہ واپس کر دیا جائے رہن کو فسخ کے طریقے پر، لِأَنَّهُ يَبْقَى مَضْمُونًا اس لیے کیونکہ وہ رہن جو ہے یعنی مرہون جو ہے وہ مضمون ہو کر ہی باقی رہے گا، مَا بَقِيَ الْقَبْضُ وَالدَّيْنُ جب تک قبضہ اور دین باقی ہے۔ مرتہن کے پاس کیا ہے؟ گاڑی، تو گاڑی پر اس کا قبضہ ہے۔ تو جب تک گاڑی پر قبضہ ہے اس کا اور راہن کے ذمے دین ہے، تب تک یہ رہن یہ مرہون کیا رہے گا اس کے پاس؟ مضمون رہے گا۔ کیا رہے گا؟ یعنی اس کے ضمان میں رہے گا۔ یہ معنی ہے لِأَنَّهُ يَبْقَى مَضْمُونًا مَا بَقِيَ الْقَبْضُ وَالدَّيْنُ اس لیے کیونکہ یہ مرہون جو ہے یہ مضمون رہے گا، مضمون ہو کر باقی رہے گا جب تک اس کا قبضہ اور دین باقی ہے۔

لَا الِانْتِفَاعُ بِهِ۔ ہاں، مرتہن کے لیے جائز نہیں ہے الِانْتِفَاعُ بِهِ رہن سے فائدہ اٹھانا، نفع اٹھانا۔ جو چیز راہن نے اس کے پاس بطورِ رہن کے رکھوائی ہے وہ اس سے فائدہ اٹھاتا ہے، مثلاً وہ گاڑی کو چلانا شروع کر دیتا ہے، اس کا استعمال شروع کر دیتا ہے، تو یہ رہن سے فائدہ اٹھا رہا ہے، اور رہن سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: لَا الِانْتِفَاعُ بِهِ اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، بِاسْتِخْدَامٍ یہ با تصویریہ ہے، صورت بتلا رہے ہیں کس طرح نفع اٹھائے گا، بِاسْتِخْدَامٍ بصورت خدمت لینے کے، مثلاً رہن کوئی غلام ہے یا باندی ہے، اس نے اس سے خدمت لینا شروع کر دی، گھر کے سارے کام کروا رہا ہے اس سے۔ وَلَا سُكْنَى اور نہ ہی رہائش، اسی طرح نفع نہیں اٹھا سکتا رہائش کا بھی، مثلاً اس نے اس کے پاس گھر رہن رکھوایا ہے، اس نے اس گھر میں رہائش رکھ لی ہے۔ وَلَا لُبْسٍ اور نہ ہی پہننے کا، مثلاً اس نے اس کے پاس کوئی کپڑا رکھوایا تھا اور اس نے ان کو پہننا شروع کر دیا، ان سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ وَلَا إِجَارَةٍ

أَوْ يُبْرِئَهُ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وحبسُ رهنِهِ بعد فسخِ عقدِه حتى يقبضَ دينَه أو يبرئه» منقول ہے۔

اور نہ ہی اجارے پر، اجارے کا، یعنی اس نے اس کے پاس کوئی گاڑی رکھوائی تھی، اس نے وہ گاڑی کرائے پر آگے دے دی، یا اس نے وہ گھر کرائے پر کسی کو دے دیا۔ وَلَا إِعَارَةٍ اور عاریتاً بھی نہیں دے سکتا کسی کو، اس عاریت کا فائدہ بھی نہیں اٹھا سکتا۔ عاریت کہتے ہیں کسی کو استعمال کے لیے کوئی چیز دے دینا، مثلاً آپ کا ساتھی آپ کے پاس آیا کہ مجھے موٹر سائیکل کی ضرورت ہے، آپ نے اپنی موٹر سائیکل اس کو استعمال کے لیے دے دی بغیر اجرت کے۔ اجرت ہو پھر وہ اجارہ بن جائے گا، کرایہ بن جائے گا۔ بغیر اجرت کے ویسے ہی اپنے ساتھی کو گاڑی دے دی، موٹر سائیکل دے دی استعمال کے لیے، اس کو اعارہ کہتے ہیں، یعنی استعمال کے لیے کسی کو کوئی چیز دینا۔ اور یاد رکھو یہ امانت کے حکم میں ہوتی ہے، یہ چیز اس کے پاس امانت ہے، اور امانت کسی کے پاس ہلاک ہو جائے تو ضمان نہیں آتا۔ لہٰذا وہ آپ کی موٹر سائیکل لے کر گیا اور وہ موٹر سائیکل گم ہو گئی تو اس پر ضمان نہیں آئے گا، صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ لیکن یہ ضروری ہے کہ اس نے تعدی نہ کی ہو، زیادتی نہ کی ہو۔ آج کل لوگ عموماً زیادتی کرتے ہیں، اپنی چیز کا تو خیال رکھتے ہیں، دوسرے کی چیز کا ذرا بھی خیال نہیں رکھتے بھئی۔ تو بے شک وہ دوسرے کو پتا ہی نہ چلے، پھر بھی عِنْدَ اللّٰهِ یہ مجرم ہے بھئی۔ اگر اس نے زیادتی کی ہے تو عِنْدَ اللّٰهِ مجرم ہے، دنیا میں بے شک وہ اس کا دوست چھوڑ دیتا ہے، وہ سمجھتا ہے شاید اس نے کوئی زیادتی نہیں کی، لیکن اسے پتا نہیں کہ اس نے تو موٹر سائیکل جان بوجھ کر ایسی جگہ کھڑی کی تھی اور بغیر تالا لگائے کھلی چھوڑ کر چلا گیا تھا، یہ تو خود ہی گویا کسی کے چوری کے لیے چھوڑنا ہے ایک چیز کو، تو اس صورت میں اس پر ضمان آئے گا بھئی۔

تو کہتے ہیں: لَا الِانْتِفَاعُ بِهِ بِاسْتِخْدَامٍ وَلَا سُكْنَى وَلَا لُبْسٍ وَلَا إِجَارَةٍ وَلَا إِعَارَةٍ اور مرتہن کے لیے جائز نہیں ہے رہن سے نفع اٹھانا خدمت لینے کی صورت میں، خدمت کی صورت میں، اور نہ ہی رہائش کی صورت میں، اور نہ ہی پہننے کی صورت میں، وَلَا إِجَارَةٍ اور نہ اجارے پر یعنی کرائے پر دینے کی صورت میں، وَلَا إِعَارَةٍ اور نہ کسی کو استعمال کے لیے دینے کی صورت میں، یعنی کسی طور پر بھی اس کے لیے اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے۔

جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر راہن اجازت دے دے تو مرتہن کے لیے اس چیز سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اگر راہن اجازت دے دیتا ہے استعمال کی پھر نفع اٹھانا جائز ہے بھئی۔ لیکن عام علماء فرماتے ہیں درست نہیں ہے، اس لیے کیونکہ یہ ربا بن جاتا ہے، ربا، سود، سود۔ آپ نے قرضہ دیا ہے نا، اس نے رہن کیوں رکھوایا؟ اس نے قرضہ دیا تھا تو اس لیے اس نے رہن رکھوایا، اب یہ اس رہن سے فائدہ بھی اٹھا رہا ہے، تو كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا فَهُوَ رِبًا، ہر وہ قرضہ جس سے نفع اٹھایا جائے وہ کیا ہے؟ ربا ہے۔ تو دیکھو اس کا قرضہ بھی اس کو واپس ملے گا، اور اس چیز کو بھی جب تک استعمال میں لا رہا ہے اس کا بھی فائدہ اٹھا رہا ہے، تو یہ زائد فائدہ ہے، لہٰذا یہ کیا ہو گیا؟ ربا، ربا۔ جبکہ بعض دوسرے فقہاء جو فرماتے ہیں کہ جائز ہے اگر راہن اجازت دے دے تو پھر مرتہن اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ پھر یہ اعارہ بن جائے گا، کیا بن جائے گا؟ اعارہ، یعنی استعمال کے لیے کوئی چیز اس کو دے دی ہے وہ اس کو استعمال کر رہا ہے کچھ عرصے کے لیے، لیکن

اعارہ کے اندر تو پھر ضمان نہیں آتا بھئی، ابھی میں نے ضابطہ بتلایا کہ عاریتاً کسی کو استعمال کے لیے کوئی چیز دی جائے تو پھر اس پر ضمان نہیں آتا بھئی۔

تو کہتے ہیں ان میں سے کوئی فائدہ مرتہن اس سے نہیں اٹھا سکتا۔ وَهُوَ مُتَعَدٍّ لَوْ فَعَلَ اور مرتہن تعدی کرنے والا ہو گا لَوْ فَعَلَ اگر اس نے ایسا کیا، تعدی یعنی زیادتی کرنے والا ہے۔ مرتہن اگر کیا کرتا ہے؟ رہن سے فائدہ اٹھاتا ہے، تو وہ زیادتی کرنے والا ہے۔ اور یاد رکھو کہ آپ کو میں نے بتلایا کہ امانت میں دوسرے پر ضمان نہیں آتا، جیسے اعارہ بھی کیا تھا دوسرے کے پاس امانت تھی وہ چیز، آپ نے موٹر سائیکل کسی کو استعمال کے لیے دی تو وہ موٹر سائیکل اس کے پاس بطورِ امانت کے ہے، اور امانت میں کسی پر ضمان نہیں آتا۔ لیکن اگر امانت میں بھی کوئی تعدی کرے، زیادتی کرے، تو اس کا ضمان اس پر آتا ہے۔ لہٰذا اگر یہاں پر بھی مرتہن رہن میں تعدی کرتا ہے، اس کو استعمال کرتا ہے، اس سے فائدہ اٹھاتا ہے، تو یہ تعدی کر رہا ہے، اور تعدی کی صورت میں یہ ظالم ہوا اور اس پر پھر پورا ضمان آئے گا، اب اقل نہیں ضمان آئے گا بلکہ اس چیز کی پوری قیمت کا ضمان آئے گا۔

تو کہتے ہیں: وَهُوَ مُتَعَدٍّ لَوْ فَعَلَ اور وہ تعدی کرنے والا یعنی زیادتی کرنے والا ہو گا اگر اس نے ایسا کیا یعنی فائدہ اٹھایا، وَلَا يَبْطُلُ الرَّهْنُ بِهِ أَيْ بِالتَّعَدِّي اور رہن باطل نہیں ہوتا اس سے یعنی کہ تعدی سے۔ زیادتی سے رہن باطل نہیں ہوتا، وہ چیز ابھی بھی اس کے پاس رہن کے طور پر ہی ہے، لیکن اب ضمان پورا پورا آئے گا۔

وَإِذَا طَلَبَ دَيْنَهُ أُمِرَ بِإِحْضَارِ الرَّهْنِ، فَإِنْ أَحْضَرَهُ سَلَّمَ كُلَّ دَيْنِهِ أَوَّلًا ثُمَّ رَهْنَهُ، وَإِنْ طَلَبَ فِي غَيْرِ بَلَدِ الْعَقْدِ إِنْ لَمْ يَكُنْ لِلرَّهْنِ مُؤْنَةُ الْحَمْلِ وَإِنْ كَانَ سَلَّمَ دَيْنَهُ بِلَا إِحْضَارِ رَهْنِهِ۔

صورت یہ کہ دین کا وقت پورا ہو گیا، جو وقت مقرر کیا تھا اس نے کیا کہا تھا؟ مثلاً میں دو ماہ بعد آپ کے یہ پیسے آپ کو لوٹا دوں گا، اور اپنی گاڑی اس نے رہن رکھوائی تھی۔ تو اب دو ماہ کے بعد مرتہن آیا اور اس نے مطالبہ کیا کہ لاؤ بھئی میرے... میرا دین مجھے...

واپس کر دو، میرا دین مجھے لوٹا دو۔ تو کہتے ہیں، تو اس کو بھی حکم دیا جائے گا کہ تم بھی رہن کو حاضر کرو، کیا کرو؟ رہن کو حاضر کرو، لے کر آؤ، کیونکہ جب تم قرضہ وصول کرو گے تو تم پر بھی لازم ہو گا کہ مجھے میری چیز واپس لوٹاؤ، تو اس وقت اس کو لہٰذا حکم دیا جائے گا۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟

تو کہتے ہیں: وَإِذَا طَلَبَ دَيْنَهُ اور جب مرتہن مطالبہ کرے اپنے دین کا، أُمِرَ بِإِحْضَارِ رَهْنِهِ تو اس کو بھی حکم دیا جائے گا اپنے رہن کو حاضر کرنے کا۔ قاضی کے پاس چلا گیا نا، قاضی کے پاس جا کر مطالبہ کرتا ہے کہ میرا قرضہ اس سے دلوایا جائے، تو قاضی بھی اس سے کیا کہے گا؟ کہ تم بھی رہن حاضر کرو، یہ قرضہ دے گا تو تم رہن دو گے۔

فَإِنْ أَحْضَرَهُ سَلَّمَ كُلَّ دَيْنِهِ أَوَّلًا ثُمَّ رَهْنَهُ۔ صورت یہ کہ اس نے رہن حاضر کر دیا اور اس نے دین حاضر کر دیا قاضی کے پاس، تو کس کو کہیں گے کہ وہ پہلے حوالے کرے؟ کیا رہن پہلے راہن کو دے دیا جائے گا؟ یا پہلے دین لے کر مرتہن کو دیا جائے گا؟ کہتے ہیں بھئی پہلے دین لے کر مرتہن کو دے دیا جائے گا، اور پھر رہن لے کر راہن کو دے دیا جائے گا۔ بھئی یہ کیا وجہ ہے؟ دین کیوں پہلے ادا کیا جائے گا اور رہن بعد میں کیوں ادا کیا جائے گا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ رہن جو ہے، دیکھو توجہ سے سنو، کیونکہ رہن جو ہے وہ تو متعین ہے۔ مثلاً زید نے اپنی گاڑی مرتہن کے پاس رکھوائی ہے اور زید نے دس لاکھ روپیہ قرضہ لیا ہے۔ جب اس نے دس لاکھ روپے حاضر کر دیے اور مرتہن نے گاڑی حاضر کر دی، اب گاڑی تو زید کی متعین ہے، زید کا حق یہ ہے کہ یہ گاڑی اس کو واپس مل جائے، اور مرتہن کا حق بھی تو کیا ہونا چاہیے؟ متعین ہونا چاہیے، اور وہ کیا ہے؟ وہ دس لاکھ اس نے سامنے رکھے ہیں، تو سامنے رکھنے سے بھی وہ متعین نہیں ہوتے کیونکہ یہ ثمن ہے، یہ درہم و دینار متعین نہیں ہوتے جب تک ان کی ادائیگی نہ کی جائے۔ تو ایک کا حق تو ہے متعین، دوسرے کا حق ابھی بھی متعین نہیں ہے، اور تعیین تب آئے گی جب وہ اس پر قبضہ کر لے گا۔ چنانچہ یہ دس لاکھ دے گا، اس نے مرتہن نے اب اس دس لاکھ پر قبضہ کر لیا، اب اس کا دین اب متعین ہو گیا کہ اس کو پیسے واپس مل گئے۔ تو راہن کا حق کیا تھا؟ متعین تھا، مرتہن کا حق ابھی بھی متعین نہیں ہے، تو لہٰذا ضروری ہے کہ اس کا حق بھی متعین ہونا چاہیے، تو پہلے اس کو پیسے دے دیں گے۔ آپ کہیں گے بھئی یہ پیسے کیسے نہیں متعین ہوتے؟ اس نے دس لاکھ سامنے لا کر رکھ دیے ہیں، اب تو متعین ہو گئے، اب اس نے یہی والے تو دینے ہیں واپس؟ نہیں بھئی، ابھی بھی نہیں متعین! وہ یہ والے دس لاکھ کے نوٹ ہٹا دے اور دوسرے دس لاکھ لا کر یہاں پر رکھ دے تو کوئی اس کو روک سکتا ہے؟ نہیں روک سکتا۔ دیکھا؟ معلوم ہوا اس کا حق ابھی بھی متعین نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: فَإِنْ أَحْضَرَهُ پس اگر وہ رہن کو حاضر کر دے مرتہن، سَلَّمَ تو سپرد کر دے گا وہ راہن كُلَّ دَيْنِهِ مرتہن کے پورے کے پورے دین کو۔ پورا دین سپرد کرنا ضروری ہے، اگر وہ ایک روپیہ بھی روک لیتا ہے تو مرتہن کو حق ہے پورے رہن کو روک لے اپنے پاس، جب تک وہ میرا ایک روپیہ بھی واپس نہیں کرو گے تب تک تمہیں گاڑی نہیں ملے گی، کیونکہ اس نے وہ رہن رکھا ہی کس لیے تھا؟ اپنے دین کو پورا پورا وصول کرنے کے لیے۔ اس لیے کہا سَلَّمَ كُلَّ دَيْنِهِ وہ راہن سپرد کر دے گا مرتہن کا پورا دین أَوَّلًا پہلے، ثُمَّ رَهْنَهُ پھر وہ اس کا رہن جو ہے وہ سپرد کر دے گا اس کے۔ یا یوں پڑھ لیں: فَإِنْ أَحْضَرَهُ پس اگر مرتہن وہ رہن کو حاضر کر دے تو سُلِّمَ كُلُّ دَيْنِهِ أَوَّلًا پہلے اس کا پورا دین کیا کیا جائے گا؟ سپرد کیا جائے گا، ثُمَّ رَهْنُهُ پھر اس کے رہن کو سپرد کیا جائے گا۔

وَإِنْ طَلَبَ فِي غَيْرِ بَلَدِ الْعَقْدِ إِنْ لَمْ يَكُنْ لِلرَّهْنِ مُؤْنَةُ الْحَمْلِ، وَإِنْ كَانَ سَلَّمَ دَيْنَهُ بِلَا إِحْضَارِ رَهْنِهِ۔ صورت یہ، صورت یہ کہ مرتہن نے کسی دوسرے شہر میں دین کا مطالبہ کیا راہن سے۔ دونوں رہنے والے ہیں لاہور کے، اور یہ دین کا مطالبہ مرتہن اسلام آباد میں کرتا ہے راہن سے۔ وہاں ملاقات ہوتی ہے اور دو ماہ گزر چکے ہیں، وقت پورا ہو چکا ہے، اب مرتہن راہن

سے کہتا ہے لاؤ بھئی میرا دین سپرد کر دو، میرا دین سپرد کر دو۔ اور جب دین کا مطالبہ کرے گا تو اس پر بھی کیا ضروری ہے کہ رہن کو حاضر کرے، قاضی کے پاس لے گیا نا تو اس پر بھی کیا ضروری ہے؟ رہن کو حاضر کرے، تاکہ پتا تو چلے رہن بھی اس کا ہے یا رہن تباہ ہو چکا ہے، وہ پہلے چوری اور ہلاک ہو چکا ہے، اگر وہ ہلاک ہو چکا ہے پھر تو یہ وصولی کر چکا ہے، پھر یہ دوبارہ کس چیز کی وصولی کر رہا ہے؟ لہٰذا اب اس کو بھی کیا کہا جائے گا کہ رہن حاضر کرو۔ لیکن اس وقت تو وہ دوسرے شہر میں ہے، تو کیا وہاں پر بھی اس سے یہ مطالبہ کیا جائے گا کہ رہن کو حاضر کرے؟ کہتے ہیں بھئی دیکھا جائے گا: اگر رہن ایسا ہے جس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا مشکل ہے، اس میں مشقت ہے، اس پر خرچہ وغیرہ ہوتا ہے، پھر تو اس سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا، مثلاً گاڑی ہے، گاڑی اگر اسلام آباد لے کر جائے گا اس پر تو اچھا خاصا خرچہ ہو گا، تو اس صورت میں اس سے مطالبہ نہیں کریں گے۔ لیکن اگر رہن جو ہے وہ ایسی چیز ہے جس کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے پر کوئی خرچہ ہی نہیں ہوتا، جیسے اس کے پاس اس نے ہیرے کی انگوٹھی رکھوائی تھی، اب یہ ہیرے کی انگوٹھی تو لاہور سے اسلام آباد منتقل کرنے پر کوئی خرچہ نہیں، یہ تو کیا کر سکتا تھا؟ مرتہن اپنے ساتھ بھی لے جا سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ لہٰذا اس صورت میں اگر اس رہن کے منتقل کرنے میں کوئی مشقت نہ ہو، تو اس صورت میں دوسرے شہر کے اندر بھی مرتہن جب دین کا مطالبہ کرے تو اس سے رہن کے حاضر کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ رہن حاضر کرے۔ اور اگر مشقت ہے اس کے منتقل کرنے میں، پھر یہ مطالبہ نہیں ہو گا کہ رہن حاضر کرے۔

تو کہتے ہیں: وَإِنْ طَلَبَ فِي غَيْرِ بَلَدِ الْعَقْدِ۔ وَإِنْ، وہ و وصلیہ ہے اور یہ إِنْ اس کا ترجمہ «اگرچہ» کے ساتھ کرتے ہیں، یہ إِنْ کیا ہے؟ یہ إِنْ وصلیہ ہے اور اس کا ترجمہ «اگرچہ» کے ساتھ کرتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: وَإِنْ طَلَبَ فِي غَيْرِ بَلَدِ الْعَقْدِ اگرچہ وہ طلب کرے عقد کے شہر کے علاوہ میں، عقدِ رہن ایک شہر میں ہوا تھا اور طلب کر رہا ہے دوسرے شہر میں، تو یہ «اگرچہ»، اور اس وَإِنْ طَلَبَ کا تعلق ہے أُمِرَ بِإِحْضَارِ رَهْنِهِ، توجہ ہے؟ عبارت پہ ذرا نظر رکھیں۔ وَإِنْ طَلَبَ اگرچہ وہ طلب کرے، اس کا تعلق کس سے ہے؟ أُمِرَ بِإِحْضَارِ رَهْنِهِ۔ اب ساری عبارت کو جوڑو ذرا: وَإِذَا طَلَبَ دَيْنَهُ اور جب مرتہن اپنے دین کا مطالبہ کرے أُمِرَ بِإِحْضَارِ رَهْنِهِ تو اس کو بھی رہن کے حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا، وَإِنْ طَلَبَ فِي غَيْرِ بَلَدِ الْعَقْدِ اگرچہ اس نے مطالبہ کیا ہو عقد کے شہر کے علاوہ میں، پھر بھی مطالبہ کیا جائے گا، إِنْ لَمْ يَكُنْ لِلرَّهْنِ مُؤْنَةُ الْحَمْلِ اگر رہن کے... مؤنت کہتے ہیں مشقت کو، حمل کہتے ہیں بوجھ باربرداری، اگر رہن کی باربرداری کی مشقت نہ ہو، رہن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے، اٹھانے میں کیا ہو؟ مشقت نہ ہو۔ تو حمل کا معنی اٹھانا، لے جانا۔

وَإِنْ كَانَ اور اگر اس میں مشقت ہے، وَإِنْ كَانَ اور اگر اس کے منتقل کرنے میں مشقت ہے—یہ ہے شرط—سَلَّمَ—یہ ہے جزا—سَلَّمَ دَيْنَهُ بِلَا إِحْضَارِ رَهْنِهِ تو پھر وہ دین سپرد کرے گا اس کو بغیر رہن کے حاضر کرنے کے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ یعنی گاڑی ہے، گاڑی کو تو اسلام آباد لے جانے پر خرچہ آتا ہے، تو اس صورت میں پھر اب قاضی مرتہن کو یہ نہیں کہے

گا کہ گاڑی اسلام آباد لے کر آؤ، بلکہ وہیں پر راہن سے کہا جائے گا کہ دین اس کے حوالے کر دو۔ ہاں اگر اس کو یہ شک ہے کہ پتا نہیں میری گاڑی ٹھیک ہے یا تباہ ہو چکی ہے، تو پھر اس صورت میں مرتہن کو قسم دی جائے گی بھئی، مرتہن کو قسم دی جائے گی کہ وہ قسم اٹھائے کہ اس کی گاڑی ہلاک نہیں ہوئی، ٹھیک حالت میں ہے۔

اب میں نے آپ کو کیا بتلایا کہ دین بھی حاضر کر دیا راہن نے اور مرتہن نے گاڑی حاضر کر دی، رہن حاضر کر دیا، تو کون پہلے سپرد کرے گا؟ دین پہلے، وہی بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: إِنَّمَا يُسَلَّمُ الدَّيْنُ أَوَّلًا دین جو ہے وہ پہلے سپرد کیا جائے گا لِتَعْيِينِ حَقِّ الْمُرْتَهِنِ تاکہ مرتہن کا حق متعین ہو جائے، لِتَعْيِينِ حَقِّ الْمُرْتَهِنِ مرتہن کے حق کو متعین کرنے کے لیے، كَمَا ذُكِرَ فِي الْبَيْعِ جیسے کہ بیع میں ذکر کیا گیا أَنَّ الثَّمَنَ يُسَلَّمُ أَوَّلًا لِهٰذَا الْمَعْنَى کہ ثمن جو ہیں وہ سپرد کیے جاتے ہیں پہلے لِهٰذَا الْمَعْنَى اس سبب کی وجہ سے۔ یہاں یہ لفظ مَعْنَى آیا، اس مَعْنَى کا یہاں پر ترجمہ کریں گے سبب اور علت، سبب اور علت۔ یہ یاد رکھنا بھئی فقہ کی کتابوں میں مَعْنَى کا لفظ سبب اور علت کے معنی میں عام استعمال ہوتا ہے۔

بھئی دیکھیے بیع کے باب میں بھی، آپ نے کسی شخص سے کوئی چیز خریدی، ایجاب و قبول ہو گیا، مثلاً آپ نے اسے کہا یہ گاڑی میں نے آپ سے دس لاکھ میں خرید لی اور اس نے کہا میں نے قبول کیا، ایجاب و قبول کرتے ہی آپ اس گاڑی کے مالک بن گئے، گاڑی کے مالک بن گئے، لیکن اب وہ اس گاڑی کو روک سکتا ہے جب تک آپ ثمن اس کے سپرد نہیں کرتے۔ تو وہاں پر بھی بیع کے اندر بھی جب بیع ہوئی ہو تو پہلے ثمن سپرد کرنے پڑتے ہیں، کیوں؟ اسی لیے، کیونکہ مشتری کا حق تو متعین ہو گیا، یہ گاڑی اس کی ہو گئی، اب اس کا حق متعین ہو گیا، لیکن بائع کا حق بھی تو متعین ہونا چاہیے کہ وہ پیسے اس کو... پیسے، اور پیسے تو متعین ہی نہیں ہوتے جب تک ادائیگی نہ کرے، تو اس لیے وہاں کہا جاتا ہے پہلے وہ ثمن کی ادائیگی کرے گا اور اس کے بعد پھر وہ مبیع اس کے حوالے کرے گا۔

یہ معنی ہے كَمَا ذُكِرَ فِي الْبَيْعِ أَنَّ الثَّمَنَ يُسَلَّمُ أَوَّلًا لِهٰذَا الْمَعْنَى جیسے کہ بیع میں ذکر کیا گیا کہ ثمن جو ہے اس کو پہلے سپرد کیا جائے گا اس علت کی وجہ سے، اس سبب کی وجہ سے، تاکہ وہ متعین ہو جائے اس کا حق بائع کا۔

وَقَوْلُهُ اور مصنف کا قول متن میں جو آیا تھا وَإِنْ طَلَبَ، کہتے ہیں مُتَّصِلٌ بِمَا سَبَقَ یہ ما قبل سے متصل ہے، اس سے جڑتا ہے، وَهُوَ قَوْلُهُ اور وہ مصنف کا یہ والا قول ہے أُمِرَ بِإِحْضَارِ رَهْنِهِ اس کے ساتھ یہ متعلق ہے۔ عبارت سمجھ میں آ گئی؟ کہ اس کو حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا اگرچہ دوسرے شہر میں ہو۔ أَيْ يُؤْمَرُ بِإِحْضَارِ الرَّهْنِ یعنی اس کو حکم دیا جائے گا رہن کو حاضر کرنے کا وَإِنْ كَانَ طَلَبُ الدَّيْنِ فِي غَيْرِ بَلَدِ الْعَقْدِ اگرچہ دین کی... کا جو مطالبہ ہے وہ عقدِ رہن کے شہر کے علاوہ یعنی کسی دوسرے شہر میں ہو۔ وَهٰذَا الْحُكْمُ اور یہ والا جو حکم ہے وَهُوَ الْأَمْرُ بِإِحْضَارِ الرَّهْنِ فِي غَيْرِ بَلَدِ الْعَقْدِ کہ رہن کو حاضر کرنے کا حکم عقد کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں، جس شہر میں عقدِ رہن ہوا تھا اس شہر کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں یہ جو رہن کو حاضر کرنے کا حکم ہے، إِنَّمَا يَثْبُتُ یہ ثابت ہو گا إِنْ لَمْ يَكُنْ لِلرَّهْنِ مُؤْنَةُ الْحَمْلِ اگر رہن کے باربرداری کی مشقت نہ

ہو، اس کو منتقل کرنے کی مشقت نہ ہو۔ حَتّٰی إِنْ کَانَ لِلرَّهْنِ مُؤْنَةُ الْحَمْلِ حتیٰ کہ اگر رہن کے منتقل کرنے کی، اٹھانے کی مشقت تھی، یعنی اس کے اٹھانے پر خرچہ آتا تھا، تو سُلِّمَ دَيْنُهُ بِلَا إِحْضَارِ رَهْنِهِ تو اس مرتہن کے دین کو سپرد کر دیا جائے گا بغیر رہن کے حاضر کرنے کے۔ صورت اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

وَلَا يُكَلَّفُ مُرْتَهِنٌ طَلَبَ دَيْنَهُ بِإِحْضَارِ رَهْنٍ وُضِعَ عِنْدَ عَدْلٍ۔ جی، وہ جو میں ضابطے بتلاتا ہوں وہ لگاتے جاؤ بھئی، بہترین ترجمہ ہو گا بھئی! دیکھو اب اسی عبارت میں: وَلَا يُكَلَّفُ مُرْتَهِنٌ اور مکلف نہیں بنایا جائے گا مرتہن کو، طَلَبَ دَيْنَهُ۔ مرتہن نکرہ آیا اور اس کے بعد طَلَبَ فعل آیا، نکرہ کے بعد فعل آئے تو کیا بنتا ہے؟ صفت، موصوف صفت بنتے ہیں، اور موصوف صفت کا ترجمہ کس سے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے «ایسا» یا «ایسی» کا لفظ لے آؤ۔ وَلَا يُكَلَّفُ مُرْتَهِنٌ اور مکلف نہیں بنایا جائے گا یعنی حکم نہیں دیا جائے گا ایسے مرتہن کو طَلَبَ دَيْنَهُ جس نے اپنے دین کا مطالبہ کیا ہے۔ کس چیز کا مکلف نہیں بنائیں گے؟ کس چیز کا حکم نہیں دیں گے؟ بِإِحْضَارِ رَهْنٍ رہن کے حاضر کرنے کا۔ رَهْنٍ نکرہ آیا اور اس کے بعد وُضِعَ فعل آیا، پھر وہی موصوف صفت بنیں گے۔ اس کو حکم نہیں دیا جائے گا ایسے رہن کے حاضر کرنے کا وُضِعَ عِنْدَ عَدْلٍ جس کو رکھا گیا تھا کسی عادل آدمی کے پاس، کسی عادل...

بھئی دیکھو، رہن جیسے اپنے پاس مرتہن رکھ سکتا ہے—مثلاً دیکھو زید نے عمرو سے قرضہ لیا، عمرو نے کہا کہ میرے پاس بطورِ رہن کے کوئی چیز رکھواؤ، زید نے اس کے پاس اپنی گاڑی بطورِ رہن کے رکھوا دی—تو جس سے دین لیا ہے اس کے پاس بھی رہن رکھوایا جا سکتا ہے اور کسی تیسرے آدمی کے پاس بھی رہن رکھوایا جا سکتا ہے کسی تیسرے قابلِ اعتماد کے پاس۔ مثلاً زید نے قرض...

مانگا اس سے، اس نے کہا میرے پاس اپنی گاڑی رہن رکھو، اس نے کہا میں آپ کے پاس تو رہن نہیں رکھ سکتا گاڑی، ہاں بکر کے پاس میں رہن رکھوانے کو تیار ہوں۔ اب بکر نیک آدمی ہے اس پر دونوں کا اعتماد ہے، چنانچہ زید نے قرضہ تو عمرو سے لیا لیکن رہن کس کے پاس رکھوا دیا؟ بکر کے پاس، بکر کے پاس۔ تو یہ عدل ہے، عادل آدمی یعنی قابلِ اعتماد آدمی ہے۔ اب بکر جو ہے یاد رکھیے وہ تیسرا شخص ہے۔ اب اس کے پاس صرف زید چلا گیا کہ میں نے قرضہ ادا کر دیا ہے اب میری گاڑی سپرد کر دو، یا صرف عمرو چلا گیا کہ گاڑی مجھے دے دو اب میرے حوالے کر دو، صورت سمجھ میں آئی؟ تو یاد رکھیں وہ جو عادل آدمی ہے وہ کسی کے حوالے بھی گاڑی نہیں کرے گا، نہ اکیلے زید کے نہ اکیلے عمرو کے۔ دونوں آجائیں گے تو پھر گاڑی ان کے حوالے کر دے گا۔ دونوں آجائیں گے تو پھر گاڑی ان کے... کیونکہ ہو سکتا ہے ایک آدمی آتا ہے اس نے پتا نہیں ادائیگی کی ہے یا ادائیگی نہیں کی، تو لہٰذا دونوں جب حاضر ہو جائیں گے جن کے درمیان عقدِ رہن ہوا تھا تو پھر گاڑی ان کے، وہ رہن ان کے سپرد کر دے گا۔

اب صورت یہ کہ زید نے عمرو سے قرضہ لیا ہے اور گاڑی کس کے پاس رکھوائی؟ بکر کے پاس۔ اب عمرو نے زید سے

مطالبہ کیا کہ میرا قرضہ ادا کرو، قاضی کے پاس چلا گیا۔ اب عمرو سے یہ، قاضی یہ مطالبہ نہیں کرے گا کہ گاڑی لے کر آؤ، کیونکہ گاڑی تو اس کے اختیار میں ہی نہیں ہے، اس کے قبضے میں ہی نہیں ہے، گاڑی تو کس کے قبضے میں ہے؟ تیسرے عادل آدمی کے قبضے میں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو حاصلِ کلام یہ کہ مرتہن جب دین کا مطالبہ کرتا ہے تو قاضی اس کو بھی حکم دیتا ہے کہ رہن کو حاضر کرو، لیکن اگر وہ رہن کسی تیسرے آدمی، تیسرے عادل آدمی کے پاس رکھوایا گیا ہے تو اس صورت میں قاضی اس کو رہن کے حاضر کرنے کا حکم نہیں دے گا کیونکہ یہ اس کے اختیار میں نہیں ہے، وہ تو تیسرے آدمی کے پاس ہے چیز۔

اسی طرح یاد رکھو زید نے اپنی گاڑی مثلاً عمرو کے پاس ہی رہن رکھوا دی، اور پھر بعد میں زید نے اس کو کہا کہ بھئی میری گاڑی آپ بیچ دیں فلاں کے ہاتھ اتنے پیسوں میں بیچ دیں۔ چنانچہ عمرو نے زید کی طرف سے وہ گاڑی کسی تیسرے آدمی کو فروخت کر دی۔ صرف ایجاب و قبول کر لیا، بیع کا معاملہ کر لیا، لیکن ابھی ثمن وصول نہیں ہوئے، گاڑی اس نے بیچ دی مثلاً گاڑی بیچ دی گاڑی اس نے دے دی اس آدمی کو، لیکن ابھی ثمن وصول نہیں ہوئے۔ اب عمرو قاضی کے پاس چلا گیا کہ قاضی صاحب اس نے میرے پاس اپنی گاڑی رہن رکھوائی تھی اور اس نے مجھ سے دس لاکھ قرضہ لیا تھا، وہ گاڑی تو میں نے اس کے کہنے پر بیچ دی، گاڑی لے گیا وہ بائع لے گیا، اب میرا قرضہ اس سے دلوا دیں، میرا قرضہ اس سے دلوا دیں۔ قاضی... اور وہ جو زید ہے وہ کہتا ہے قاضی صاحب اس کو کہیں گاڑی کے ثمن حاضر کرے، پہلے گاڑی رہن تھی اب کیا ہے گاڑی بیچ دی ہے تو اس کے ثمن اب یہ حاضر کرے، اب وہ اس کے پاس رہن ہیں وہ مجھے واپس کر دیں میں تو قرضہ دے دوں گا۔ تو یاد رکھیے اس صورت میں جو اس نے گاڑی کو بیچا ہے، خود بیچا یا راہن کے حکم سے بیچا؟ راہن کے حکم سے بیچا ہے، اور کیا اس نے ابھی ثمن پر قبضہ کیا ہے؟ نہیں، جی؟ ابھی تو اس نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا، لہٰذا جب ثمن پر قبضہ نہیں تو اس کو ثمن حاضر کرنے کا حکم بھی نہیں دیا جائے گا۔ ہاں اگر یہ ثمن پر قبضہ کر چکا ہے تو پہلے گاڑی رہن تھی اب گاڑی کے ثمن اس کے پاس بطورِ رہن کے ہیں، تو اس صورت میں اس کو قاضی حکم دے گا کہ وہ ثمن حاضر کرو، اپنا دین لو اور ثمن زید کو دے دو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَلَا يُكَلَّفُ۔ كَلَّفَ يُكَلِّفُ تَكْلِيف کا معنی ہے کسی کو کسی بات کا مکلف بنانا، کوئی کسی بات کا پابند بنانا، کیا بنانا؟ پابند بنانا، کسی کو کوئی حکم دینا، اس پر لاگو کرنا۔ تو کہتے ہیں: وَلَا يُكَلَّفُ مُرْتَهِنٌ طَلَبَ دَيْنَهُ اور مکلف نہیں بنایا جائے گا یعنی حکم نہیں دیا جائے گا ایسے مرتہن کو جس نے اپنے دین کا مطالبہ کیا ہے، اس کو حکم نہیں دیا جائے گا بِإِحْضَارِ رَهْنٍ وُضِعَ عِنْدَ عَدْلٍ ایسا رہن حاضر کرنے کا جس کو رکھا گیا ہے کسی عادل آدمی کے پاس، قابلِ اعتماد آدمی کے پاس۔

وَلَا ثَمَنِ رَهْنٍ بَاعَهُ الْمُرْتَهِنُ بِأَمْرِهِ حَتَّى يَقْبِضَهُ، اور اسی طرح مکلف نہیں بنایا جائے گا مرتہن کو... یہ وَلَا ثَمَنِ رَهْنٍ اس کا عطف ہے پیچھے جو آیا تھا نا بِإِحْضَارِ رَهْنٍ، اس رَهْنٍ پر اس کا عطف ہے۔ تو رَهْنٍ کو ہٹائیں اور اس کی جگہ رکھ دیں: مکلف

نہیں بنایا جائے گا بِإِحْضَارِ ثَمَنِ رَهْنٍ، کس کے حاضر کرنے کا؟ رہن کے ثمن کو حاضر کرنے کا اس کو مکلف نہیں بنایا جائے گا۔ اور پھر رَهْنٍ نکرہ ہے اور اس کے بعد بَاعَهُ فعل آرہا ہے، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ تو وہ موصوف صفت میں پھر «ایسا» یا «ایسی» کا لفظ لاتے ہیں، دیکھو اب کتنا ترجمہ بہترین ہو جائے گا: اور نہ ہی اس کو مکلف بنایا جائے گا ایسے رہن کے ثمن کو حاضر کرنے کا بَاعَهُ الْمُرْتَهِنُ جس کو مرتہن نے بیچا تھا بِأَمْرِهِ راہن کے حکم سے، اس کے بھی حاضر کرنے کا مکلف اس کو نہیں بنایا جائے گا حَتَّى يَقْبِضَهُ یہاں تک کہ وہ اس ثمن پر کیا کرلے؟ قبضہ کرلے۔ جب قبضہ کرلے گا پھر اس کو مکلف بنائیں گے کہ اب وہ ثمن لے کر آؤ، اور جب تک قبضہ نہیں کیا تو تب تک اس کو مکلف بھی نہیں بنائیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

أَيْ إِنْ أَمَرَ الرَّاهِنُ الْمُرْتَهِنَ بِبَيْعِ رَهْنِهِ فَبَاعَهُ، یعنی اگر حکم دیا راہن نے مرتہن کو بِبَيْعِ رَهْنِهِ کہ وہ اس کے رہن کو کیا کر دے؟ بیچ دے، فَبَاعَهُ مرتہن نے اس رہن کو بیچ دیا، فَإِنْ لَمْ يَقْبِضِ الثَّمَنَ اگر اس نے ثمن پر ابھی قبضہ نہیں کیا تو لَا يُكَلَّفُ بِإِحْضَارِ الثَّمَنِ تو اس کو مکلف بھی نہیں بنایا جائے گا، اس کو حکم بھی نہیں دیا جائے گا اس ثمن کو حاضر کرنے کا إِذَا طَلَبَ دَيْنَهُ جب یہ اپنے دین کا مطالبہ کرے۔ وَإِنْ قَبَضَ الثَّمَنَ اور اگر اس نے ثمن پر قبضہ کر لیا ہے تو يُكَلَّفُ بِإِحْضَارِهِ تو پھر اس کو مکلف بنایا جائے گا اس ثمن کے حاضر کرنے کا۔ مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟

وَلَا مُرْتَهِنٌ مَعَهُ رَهْنٌ تَمْكِينَهُ مِنْ بَيْعِهِ حَتَّى يَقْضِيَ دَيْنَهُ۔ وَلَا مُرْتَهِنٌ مَعَهُ رَهْنٌ اس کا عطف وہ پچھلے مُرْتَهِنٌ پر ہے أَيْ وَلَا يُكَلَّفُ مُرْتَهِنٌ، تو اور نہ ہی مکلف بنایا جائے گا ایسے مرتہن کو مَعَهُ رَهْنٌ جس کے پاس کیا ہے؟ جی، رہن ہے۔ بھئی دیکھو مُرْتَهِنٌ آیا نکرہ، اور نکرہ کے بعد مَعَهُ رَهْنٌ یہ پورا جملہ آیا، مَعَهُ رَهْنٌ، مَعَهُ ہے خبرِ مقدم اور رَهْنٌ ہے مبتدا مؤخر، أَيْ رَهْنٌ مَعَهُ رہن اس کے پاس ہے، دیکھو پورا جملہ ہے «رہن اس کے پاس ہے»۔ اور دیکھو ابھی میں نے آپ کو ضابطہ بتلایا تھا: نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کے لیے صفت بنتا ہے، اور کس طرح صفت بنتا ہے؟ براہِ راست یا پورا جملہ فعلیہ بن کر پھر صفت بنے گا؟ پورا جملہ فعلیہ بنے گا، فعل اپنے فاعل نائب فاعل وغیرہ سے مل کر جملہ بنے گا اور جملہ بن کر پھر وہ اس نکرہ کی صفت بنے گا، تو گویا جملہ صفت بنا ہے نکرہ کی۔ اس سے معلوم ہوا جملہ کس کے حکم میں؟ نکرہ کے حکم میں، چاہے جملہ فعلیہ ہو چاہے جملہ اسمیہ۔ تو یہاں پر بھی مَعَهُ رَهْنٌ یہ مبتدا اور خبر ہیں، یہ مل کر یہ جملہ اسمیہ ہوا۔ تو نکرہ کے بعد جملہ اسمیہ آگیا، نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہاں نکرہ کے بعد جملہ فعلیہ آگیا۔ تو جب جملہ فعلیہ آئے تو وہ بھی صفت بنتا ہے کیونکہ جملہ نکرہ کے حکم میں ہے۔ ایک جملے کے اندر چاہے بیس معرفہ ہوں، لیکن جب وہ جملہ بن جائے گا تو وہ نکرہ ہے، وہ کیا ہے؟ نکرہ۔ تو یہاں پر بھی مُرْتَهِنٌ نکرہ آیا اور اس کے بعد مَعَهُ رَهْنٌ پورا جملہ اسمیہ آیا، اور جملہ اسمیہ کس کے حکم میں؟ وہ نکرہ ہے، تو گویا نکرہ کے بعد نکرہ آگیا، اور نکرہ کے بعد نکرہ آئے تو وہ اس کی صفت بنتا ہے، اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے «ایسا» یا «ایسی» کا لفظ لاتے ہیں تو یہاں پر بھی اسی طرح ہو گا۔

وَلَا مُرْتَهِنٌ مَعَهُ رَهْنٌ اور نہ ہی مکلف بنایا جائے گا ایسے مرتہن کو مَعَهُ رَهْنٌ جس کے پاس رہن ہے یعنی اس کے قبضے میں ہے–پہلے تو تھا نا عادل آدمی کے پاس–اور نہ ہی مکلف بنایا جائے گا ایسے مرتہن کو جس کے پاس رہن ہے، کس چیز کا؟ کہتے ہیں: تَمْكِينَهُ کہ وہ قدرت دے دے مِنْ بَيْعِهِ اس رہن کے بیچنے کی، حَتَّى يَقْضِيَ دَيْنَهُ یہاں تک کہ وہ اس کا دین اسے ادا کر دے۔

صورتِ مسئلہ یہ: یاد رکھو یہ جو رہن ہے آپ نے کسی کے پاس رکھوایا ہے، وہ مرتہن کے قبضے میں ہے، اب اگر آپ اس کو بیچنا چاہتے ہیں تو بیچنے کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ اس گاڑی کے ساتھ اب مرتہن کا حق وابستہ ہے، اس نے اس گاڑی کے ذریعے اپنا قرضہ وصول کرنا ہے۔ لہٰذا راہن مرتہن کی اجازت کے بغیر رہن کو نہیں بیچ سکتا۔ ہاں اگر بیچ بھی دیتا ہے تو یہ بیع موقوف ہو گی مرتہن کی اجازت پر: اگر مرتہن اجازت دے گا تو بیع ہو جائے گی، اگر وہ اجازت نہیں دے گا تو بیع نہیں ہوئی۔ اب صورتِ مسئلہ یہ کہ راہن جو ہے اس نے گاڑی رکھوائی ہے مرتہن کے پاس، اب راہن اس گاڑی کو بیچنا چاہتا ہے، تو کیا قاضی اس کو حکم دے گا کہ اس کو گاڑی بیچنے دو؟ بھئی دیکھو نا ابھی میں نے بتایا جب رہن کس کے قبضے میں ہے؟ مرتہن کے، تو راہن بیچ سکتا ہے اس کو؟ نہیں، بلکہ کس کی اجازت ضروری؟ مرتہن کی۔ اب مرتہن کی اجازت کے بغیر وہ بیچ نہیں سکتا، بیچتا بھی ہے تو اس کی اجازت پر بیع موقوف رہتی ہے۔ تو کیا قاضی مرتہن کو مجبور کر سکتا ہے، قاضی مرتہن کو حکم دے سکتا ہے شرعاً کہ تم اس کو اس رہن کو بیچنے دو، یہ اپنی گاڑی بیچنا چاہتا ہے اس کو بیچنے دو؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، قاضی اس کو اس کا مکلف نہیں بنا سکتا، اس پر حکم قاضی نہیں دے سکتا، بات سمجھ میں آئی؟ جب تک یہ اس کا پورا قرضہ ادا نہ کر دے۔ جب زید عمرو کا پورا قرضہ ادا کر دے گا پھر وہ بیچ سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ معنی ہے وَلَا مُرْتَهِنٌ مَعَهُ رَهْنٌ اور نہ ہی مکلف بنایا جائے گا یعنی حکم دیا... اور نہ ہی حکم دیا جائے گا ایسے مرتہن کو جس کے پاس رہن ہے تَمْكِينَهُ کہ وہ قدرت دے دے، کہ وہ راہن کو قدرت دے دے مِنْ بَيْعِهِ اس رہن کو بیچنے کی، اس کا مکلف اس کو نہیں بنایا جائے گا، اس کا حکم اس کو نہیں دیا جائے گا حَتَّى يَقْضِيَ دَيْنَهُ یہاں تک کہ وہ راہن اس کا دین اس کو ادا کر دے۔ جب وہ دین ادا کر دے گا پھر اس کو مکلف بنایا جا سکتا ہے، پھر اس کے بعد وہ چیز کو بیچ سکتا ہے۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا قاضی حکم نہیں دے سکتا کب تک؟ جب تک وہ دین نہ ادا کرے۔ گویا عدمِ تکلیف رہے گی، یعنی مکلف نہیں بنایا جا سکتا–عدم کا معنی نہیں، عدمِ تکلیف رہے گی یعنی مکلف نہیں بنایا جا سکتا–یہ ہے مُغَيًّا، یہ کیا ہے؟ مُغَيًّا۔ مُغَيًّا جس چیز کی حدبیان کی جائے، اور جو حد ہے اس کو کہتے ہیں غایہ۔ جیسے وضو کے اندر کیا حکم دیا گیا؟ اپنے ہاتھوں کو دھو کہاں تک؟ کہنیوں تک۔ تو ہاتھ جو ہیں جن کی حدبیان ہو رہی ہے وہ ہوئے مُغَيًّا، اور جو کہنی ہے وہ کیا ہے؟ غایہ۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے: عدمِ تکلیف یعنی اس کو مکلف نہ بنانا یہ کب تک رہے گا؟ جب تک قرضہ ادا نہ کر

دیا جائے۔ تو عدمِ تکلیف ہوئی مُغَیًّا اور ادائے دین کیا ہوا؟ قضائے دین کیا ہے؟ غایہ۔ جب غایہ آئے گی پھر یہ عدمِ تکلیف ختم ہو جائے گی۔ توجہ ہے؟ جب غایہ آئے گی تو عدمِ تکلیف ختم۔ پھر سنو: اس کو مکلف نہیں بنائیں گے، کب تک مکلف نہیں بنائیں گے؟ جب تک راہن اس کا قرضہ ادا نہ کر دے۔ تو دیکھو عدمِ تکلیف ہے مُغَیًّا، اس کو مکلف نہیں بنا سکتے، اس کو حکم نہیں دے سکتے۔ لیکن یہ حکم نہیں دے سکتے یہ والی بات کب جا کر ختم ہو گی؟ جب وہ قرضہ ادا کر دے۔ جب وہ قرضہ ادا کرے گا اب عدمِ تکلیف ختم ہو گئی، اب اس کو حکم دیا... اب مکلف بنا سکتے ہیں، اب تکلیف دے سکتے ہیں، اب حکم دے سکتے ہیں۔ تو دیکھا؟ تو عدمِ تکلیف کیا؟ مُغَیًّا، اور اس کی غایہ کیا؟ ادائے دین، قضائے دین۔ تو اور جب قضائے دین آ جائے گی تو عدمِ تکلیف ختم، پھر کیا؟ پھر تکلیف یعنی مکلف بنایا جا سکتا ہے، پھر حکم دیا جا سکتا ہے۔

دیکھیے بھئی: أَيْ لَا يُكَلَّفُ مُرْتَهِنٌ مَعَهُ رَهْنٌ مکلف نہیں بنایا جائے گا ایسے مرتہن کو جس کے پاس رہن ہے أَنْ يُمَكِّنَ الرَّاهِنَ مِنْ بَيْعِ الرَّهْنِ کہ وہ قدرت دے دے راہن کو رہن کو بیچنے کی۔ ثُمَّ هٰذَا الْحُكْمُ پھر یہ والا جو شرعی حکم ہے، یہ حکم کون سا حکم؟ وَهُوَ عَدَمُ التَّكْلِيفِ الْمَذْكُورِ وہ جو عدمِ تکلیف جس کو ذکر کیا گیا کہ اس کو حکم نہیں دیا جا سکتا، اس کو مکلف نہیں بنایا جا سکتا، یہ والا جو حکم ہے مُغَیًّا یہ مُغَیًّا ہے إِلَى...

قَضَاءِ دَيْنٍ، کب تک؟ قضائے دین تک۔ جب قضائے دین ہو جائے گا تو پھر یہ بھی ختم، پھر حکم دیا جا سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

وَلَا مَنْ قُضِيَ بَعْضُ دَيْنِهِ تَسْلِيمَ بَعْضِ رَهْنِهِ حَتَّى يَقْبِضَ الْبَقِيَّةَ۔ صورت یہ: زید نے بطورِ رہن کے آپ کے پاس گندم کی سو بوریاں رکھوا دیں، سو بوریاں، اور آپ سے دس لاکھ روپے اس نے قرضہ لے لیا، اور کتنی بوریاں آپ کے پاس؟ سو بوریاں گندم کی آپ کے پاس اس نے رکھوا دیں بطورِ رہن کے۔ اب اس نے دس لاکھ میں سے ساڑھے نو لاکھ قرضہ آپ کو ادا کر دیا۔ اب وہ قاضی کے پاس جاتا ہے: قاضی صاحب، میں نے دس لاکھ میں سے ساڑھے نو لاکھ تو ادا کر دیا ہے، اب اس کو حکم دیں کہ یہ میرا وہ رہن واپس نہیں کر رہا، تو جتنے کی میں قرضہ ادا کر چکا ہوں اتنی بوریاں تو مجھے واپس کر دے، اتنی بوریاں تو مجھے واپس کر دے! سو بوریاں رکھوائی تھیں، اب کم از کم پچانوے بوریاں تو مجھے یہ واپس کر دے۔ کہتے ہیں نہیں بھئی، جب تک وہ سارا قرضہ وصول نہیں کر لیتا تب تک قاضی اس کو حکم نہیں دے سکتا کہ کچھ رہن کو کیا کر دو؟ حاضر کر دو، اس کو سپرد کر دو۔ صورت سمجھ میں آئی؟

یہ معنی ہے: وَلَا مَنْ قُضِيَ بَعْضُ دَيْنِهِ اور نہ ہی مکلف بنایا جا سکتا ہے—مَنْ، مَنْ سے مراد یہاں مرتہن ہے—اور نہ ہی مکلف بنایا جا سکتا ہے اس مرتہن کو قُضِيَ بَعْضُ دَيْنِهِ جس کے کچھ دین کو ادا کر دیا گیا، اس کو مکلف نہیں بنایا جا سکتا کس

چیز کا؟ کہ تَسْلِيمَ بَعْضِ رَهْنِهِ کہ وہ کچھ رہن کو سپرد کر دے، کچھ بوریاں حوالے کر دے، اس کا مکلف اسے نہیں بنایا جا سکتا حَتَّى يَقْبِضَ الْبَقِيَّةَ یہاں تک کہ وہ باقی کے دین پر بھی قبضہ کر لے۔ جب باقی دین پر قبضہ کر لے گا اب اس کو حکم دیا جا سکتا ہے کہ رہن سپرد کر دو۔

أَيْ لَا يُكَلَّفُ مُرْتَهِنٌ۔ میں نے بتایا تھا بھئی مَنْ سے کون مراد ہے؟ مرتہن، دیکھو شرح میں اس کو مَنْ کی جگہ مرتہن لے آئے: أَيْ لَا يُكَلَّفُ مُرْتَهِنٌ مکلف نہیں بنایا جائے گا ایسے مرتہن کو قُضِيَ بَعْضُ دَيْنِهِ جس کے کچھ دین کو ادا کر دیا گیا، اس کو مکلف نہیں بنایا جائے گا یعنی اس کو حکم نہیں دیا جائے گا تَسْلِيمَ بَعْضِ رَهْنِهِ کہ وہ کچھ رہن سپرد کر دے، حوالے کر دے، ساڑھے نو لاکھ وصول کر لیا تو اس کے بقدر رہن بھی کیا کر دو؟ سپرد کر دو، یہ حکم اس کو نہیں دیا جائے گا۔ ثُمَّ هٰذَا الْحُكْمُ پھر یہ والا جو حکم ہے وَهُوَ عَدَمُ التَّكْلِيفِ الْمَذْكُورِ یہ جو عدمِ تکلیف جو ذکر ہوئی یہ مُغَيًّا ہے إِلَى قَبْضِ بَقِيَّةِ الدَّيْنِ باقی دین کے قبضے تک۔ عبارت سمجھ میں آ رہی ہے؟ کیا کہا؟ وہ شخص جس کے کچھ قرضے کو ادا کر دیا گیا قاضی اس کو یہ حکم نہیں دے سکتا کہ وہ کچھ رہن ادا کر دے، کچھ رہن سپرد کر دے، جب تک کہ وہ اپنا باقی قرضہ وصول نہ کر لے۔ معلوم ہوا قاضی اس کو حکم نہیں دے سکتا، مکلف نہیں بنا سکتا، یہ عدمِ تکلیف کب تک رہے گی؟ جب تک وہ باقی کا قرضہ پر قبضہ نہیں کر لے۔ جب باقی قرضے پر قبضہ کر لے گا اب اس کو حکم دیا جا سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے کہ ثُمَّ هٰذَا الْحُكْمُ وَهُوَ عَدَمُ التَّكْلِيفِ الْمَذْكُورِ مُغَيًّا إِلَى قَبْضِ بَقِيَّةِ الدَّيْنِ پھر یہ والا جو حکم ہے، یہ جو عدمِ تکلیف جو ذکر کی گئی، یہ مغیا ہے باقی کے دین پر قبضے تک۔ جب وہ غایہ آئے گا تو پھر عدمِ تکلیف ختم ہو جائے گی، پھر اس کو حکم دیا جا سکتا ہے۔

وَلَهُ حِفْظُهُ بِنَفْسِهِ وَعِيَالِهِ۔ بھئی یاد رکھو مرتہن رہن کی حفاظت خود بھی کر سکتا ہے اور اپنے بیوی بچوں اور گھر میں رہنے والے خادم کے ذریعے بھی کروا سکتا ہے، گھر میں رہنے والے جو اس کے گھر میں رہنے والے افراد ہیں ان کے ذریعے بھی حفاظت کروا سکتا ہے۔ لہٰذا ایک آدمی نے اپنی ہیرے کی انگوٹھی دوسرے شخص کے پاس بطورِ رہن کے رکھوا دی اور پھر وہ آدمی... وہ ہیرے کی انگوٹھی اس نے اپنی بیوی کے سپرد کر دی یا اپنے بچے جو حفاظت کر سکتے تھے ان کے حوالے کی کہ اس کو سنبھال کر رکھو، یا اپنے گھر کے ملازم کے سپرد کی کہ اس کو سنبھال کر رکھنا، ان کے حوالے اس نے کر دی اور پھر وہ انگوٹھی چوری ہو گئی، تو کیا راہن قاضی کے پاس جا کر مطالبہ کر سکتا ہے کہ قاضی صاحب انگوٹھی تو میں نے اس کے حوالے کی تھی، اس نے اپنے گھر والوں کے سپرد کیوں کی؟ اس نے زیادتی کی ہے اور لہٰذا مجھے پورا ضمان دلوایا جائے، پورا، اب اقل کو نہ دیکھا جائے بلکہ مجھے پورا ضمان دلوایا جائے؟ تو کیا وہ یہ مطالبہ کر سکتا ہے؟ کیا یہ بات ٹھیک ہے؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، آدمی خود بھی حفاظت کر سکتا ہے اس چیز کی اور اپنے بیوی بچوں اور گھر کے خادم کے ذریعے بھی کروا سکتا

ہے۔ بھئی کیوں؟ اس نے تو اس زید پر اعتماد کیا ہے، اس کے گھر والوں یا بیوی بچوں پر تو اعتماد نہیں؟ کہتے ہیں بھئی آدمی اپنی چیزوں کی حفاظت بھی تو بیوی بچوں اور خادموں کے ذریعے کرواتا ہے، ہر چیز اپنے ساتھ لے کر تو نہیں گھومتا، تو اپنے پاس رکھے تو بھی ٹھیک، اپنے بیوی بچے یا خادم کے ذریعے حفاظت کروائے جو اس کے گھر میں رہتا ہے تو بھی ٹھیک ہے، یہ کوئی تعدی اور زیادتی نہیں ہے، کیونکہ آدمی اپنی چیزوں کی حفاظت بھی انہی کے ذریعے کرواتا ہے۔

یہ معنی ہے: وَلَهُ حِفْظُهُ بِنَفْسِهِ وَعِيَالِهِ اور مرتہن کے لیے جائز ہے کہ وہ رہن کی حفاظت کرے بِنَفْسِهِ خود بھی وَعِيَالِهِ اور اپنے گھر والوں کے ذریعے بھی۔ عیال سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس کے گھر میں رہتے ہوں، چاہے نفقہ اس پر نہ بھی ہو، چاہے یہ نہیں معنی کہ خرچہ بھی اس پر ہو، نانا، بس جو اس کے گھر میں رہتے ہیں: بیوی، بچے ہیں اور اس کے خادم جو رہتے ہیں۔ ہاں اگر بچے بڑے ہیں، الگ رہتے ہیں، پھر نہیں، پھر ان کے پاس اگر رکھواتا ہے تو یہ تعدی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو عیال سے کون مراد ہیں؟ وہ خود بیان کر رہے ہیں: كَالزَّوْجَةِ جیسے کہ اس کی بیوی ہے، وَالْوَلَدِ اور اس کی اولاد ہے، وَالْخَادِمِ الَّذِينَ فِي عِيَالِهِ اور اس کا وہ خادم جو اس کے گھر والوں میں ہیں، یعنی یہ سب کیا ہیں اس کے عیال میں ہیں، اس کی بیوی اور اس کی اولاد اور خادم جو کہ اس کے عیال میں ہیں۔

وَضَمِنَ بِحِفْظِهِ بِغَيْرِهِمْ۔ اور وہ ضامن ہو گا بِحِفْظِهِ بِغَيْرِهِمْ ان کے علاوہ حفاظت کروانے پر۔ ان کے علاوہ اس نے اگر یہ چیز کسی اور سے حفاظت کروائی، وہ بچے جو بڑے ہیں جو الگ رہتے ہیں ان سے حفاظت کروائی یا کسی اور آدمی کے پاس حفاظت کے لیے رکھوا دی، تو یہ جائز نہیں یہ تعدی ہے۔ یہ معنی وَضَمِنَ بِحِفْظِهِ بِغَيْرِهِمْ اور وہ ضامن ہو گا ان کے علاوہ سے حفاظت کروانے پر۔

وَإِيدَاعِهِ۔ اور اس... إِيدَاع کا معنی ہے امانت رکھوانا، کسی کے پاس کوئی چیز... آپ نے اس کو ہیرے کی انگوٹھی دی تھی، اس نے وہ انگوٹھی بکر کے پاس امانت کے طور پر رکھوا دی کہ اس کو محفوظ رکھنا، کہتے ہیں بھئی اس صورت میں بھی یہ تعدی ہے۔ بھئی تعدی کیوں ہے؟ اس نے امانت کے طور پر رکھوائی ہے حفاظت کے لیے! کہتے ہیں بھئی ہو سکتا ہے راہن کا، راہن نے جس نے اس کو انگوٹھی حوالے کی ہے، راہن کا اس پر تو اعتماد ہو، تیسرے آدمی پر اس کا اعتماد نہ ہو بھئی۔ تو لہٰذا اگر وہ ضامن ہو گا اگر وہ حفاظت کروائے ان کے علاوہ کسی سے وَإِيدَاعِهِ اور کسی کے پاس... إِيدَاعِهِ کا عطف ہے حِفْظِهِ پر، بِحِفْظِهِ وَبِإِيدَاعِهِ۔ آگے بھی اسی طرح ہے وَبِتَعَدِّيهِ وَبِجَعْلِهِ۔ عبارت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو وہ ضامن ہو گا ان سب صورتوں میں اگر ان کے علاوہ کسی سے حفاظت کروائی، وَإِيدَاعِهِ اور اس نے امانت رکھوائی کسی کے پاس، وَتَعَدِّيهِ اور اس نے اس میں کوئی زیادتی کی، اگر اس میں کوئی زیادتی کی تب بھی ضامن ہو گا، وَجَعْلِهِ خَاتَمَ الرَّهْنِ فِي خِنْصَرِهِ اور وہ ضامن ہو گا اگر وہ اس کو بنا دیتا ہے، کیا بناتا ہے؟ بناتا ہے خَاتَمَ الرَّهْنِ کس کو؟ رہن کی انگوٹھی کو وہ بنا دیتا ہے، کر دیتا ہے،

کر دیتا ہے فِي خِنْصَرِهِ اپنی چھوٹی انگلی میں۔ خِنْصَر یہ ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی بھئی، اس کو خِنْصَر کہتے ہیں۔ تو اگر اس نے کہتے ہیں اس رہن کی انگوٹھی کو اپنے خِنْصَر میں ڈالا، تو اس صورت میں یہ تعدی ہے، تعدی ہے، اور ضمان آئے گا۔ کیا آئے گا؟ ضمان۔

سوال: رہن کا تو ویسے بھی ضمان آتا ہے، پھر کیا معنی کہ وہ ضامن ہو گا؟ بھئی معنی یہ ہے کہ اب پوری قیمت کا ضامن ہو گا، اب اقل کو نہیں دیکھیں گے! اگر اس نے کسی اور سے حفاظت کروائی یا کسی کے پاس امانت رکھوائی یا کوئی اور تعدی کی یا انگوٹھی کو اپنی خِنْصَر میں پہنا تو ان تمام صورتوں میں اب اس پر پورا ضمان آئے گا۔

ضابطہ یاد رکھنا، بھئی یہ کیا وجہ ہے خِنْصَر کے اندر انگوٹھی کو پہننے کی صورت میں اس پر ضمان آئے گا؟ کہتے ہیں بھئی ایک ہے چیز کی حفاظت، ایک ہے چیز کا استعمال۔ یہ ضابطہ ہے: اگر رہن کو وہ ایسے رکھتا ہے جیسے استعمال کی چیز رکھی جاتی ہے تو پھر ضامن ہو گا۔ کیا ہو گا؟ ضامن ہو گا۔ اور اس زمانے میں ہو گا کہ کس انگلی میں مرد عموماً انگوٹھی پہنتے ہیں؟ خِنْصَر میں پہنتے ہیں یا اس کے ساتھ والی جو ہے بِنْصَر؟ جی؟ بِنْصَر۔ ہاں آج کل جیسے رواج ہے انگوٹھی کس میں پہنی جاتی ہے؟ بِنْصَر میں، یعنی سب سے چھوٹی انگلی کے ساتھ والی انگلی میں۔ تو یہ استعمال ہے، اس کا مطلب ہے وہ انگوٹھی کو استعمال کر رہا ہے، تعدی کر رہا ہے، اس کی تو اس کو اجازت نہیں تھی، لہٰذا اس پر ضمان آئے گا۔ اور اگر مثلاً وہ اس انگوٹھی کو شہادت کی انگلی میں پہن لیتا ہے، اب شہادت کی انگلی میں تو کوئی انگوٹھی نہیں پہنی جاتی بھئی، تو معلوم ہوا وہ صرف حفاظت کے طور پر اپنے ساتھ رکھی ہوئی ہے اس نے، زینت کے لیے اس نے نہیں پہنی ہوئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا جو بھی چیز رہن کسی کو رکھ دیں، اگر وہ اس کو اپنے ساتھ ساتھ رکھتا ہے اس طریقے پر کہ جیسے کوئی چیز استعمال کی جاتی ہے، پھر تو وہ تعدی ہے، اگر اس کے علاوہ طریقے پر وہ اپنے ساتھ رکھتا ہے تو پھر اس صورت میں یہ تعدی نہیں ہے، پھر اس صورت میں وہ حفاظت کے لیے اپنے ساتھ اس نے رکھی ہوئی ہے۔

تو لہٰذا وَجَعْلِهِ خَاتَمَ الرَّهْنِ فِي خِنْصَرِهِ اور وہ ضامن ہو گا رہن کی انگوٹھی کو اپنے خِنْصَر میں ڈالنے سے، لَا بِجَعْلِهِ فِي إِصْبَعٍ آخَرَ کسی دوسری انگلی میں ڈالنے سے وہ ضامن نہیں ہو گا۔ فَإِنَّ جَعْلَهُ فِي الْخِنْصَرِ اسْتِعْمَالٌ اس لیے کیونکہ اس کا انگوٹھی کو خِنْصَر میں ڈالنا، خِنْصَر میں کرنا اسْتِعْمَالٌ یہ کیا ہے؟ استعمال۔ وَجَعْلَهُ فِي إِصْبَعٍ آخَرَ لَا اور دوسری انگلی میں اس کو ڈالنا یہ استعمال نہیں ہے، لِعَدَمِ الْعَادَةِ کیونکہ اس کی عادت نہیں، لوگوں کی عادت... تو اس میں عادت کو دیکھا جائے گا۔ بَلْ هُوَ مِنْ بَابِ الْحِفْظِ بلکہ یہ حفاظت کے باب سے ہے، اگر اس نے دوسری انگلی یعنی شہادت کی انگلی میں ڈالا ہے معلوم ہوا وہ حفاظت کرنا چاہتا ہے، زینت کے لیے اس نے نہیں پہنی۔ تو بہرحال اس میں لوگوں کی عادت کو دیکھا جائے گا کہ وہ انگوٹھی کو کس انگلی میں پہنتے ہیں، تو اس کا دارومدار لوگوں کی عادت پر ہے۔

جی، بات سمجھ میں آگئی؟ صورت اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۳۶: مرہون کی حفاظت و نفقہ کی ذمہ داری، زیادتِ متصلہ و منفصلہ اور ہلاکِ بعضِ مرہون کے مسائل

شرح الوقایہ صفحہ: ۷۵ — بتاریخ: ۲۹ جنوری ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی کتاب پر آگے سبق:[1]

وَعَلَيْهِ مُؤْنَ حِفْظِهِ وَرَدِّهِ إِلَى يَدِهِ أَوْ رَدِّ جُزْءٍ مِنْهُ كَأُجْرَةِ بَيْتِ حِفْظِهِ وَحَافِظِهِ فَأَمَّا جُعْلُ الْآبِقِ وَمُدَاوَاةُ الْجُرْحِ فَيُقَسَّمُ عَلَى الْمَضْمُونِ وَالْأَمَانَةِ أَيْ عَلَى الْمُرْتَهِنِ مُؤْنَةُ الْحِفْظِ كَأُجْرَةِ بَيْتِ الْحِفْظِ وَأُجْرَةِ الْحَافِظِ وَكَذَا مُؤْنَةُ رَدِّهِ إِلَى يَدِ الْمُرْتَهِنِ إِنْ خَرَجَ مِنْ يَدِهِ۔

بھئی رہن کے مسائل ذکر ہو رہے ہیں۔ اب رہن، کسی نے کوئی چیز کسی کے پاس رہن رکھوائی، اس رہن پر خرچے

[1]

جدول — مرہون کے اخراجات (مؤنتِ حفظ و بقا) کی تقسیم کا فقہی ضابطہ:

نوعِ خرچ / مؤنت	کس کے ذمے واجب ہے؟	فقہی علت و دلیل
مؤنتِ حفظ (حفاظت کا خرچ)	مرتہن (قرض خواہ) کے ذمے	چونکہ حبس (روک رکھنا) مرتہن کا حق ہے، مثلاً چوکیدار اور مکان کا کرایہ۔
مؤنتِ بقا و مصلحت (کھانا، چارہ)	راہن (مالکِ مرہون) کے ذمے	کیونکہ عین مرہون کی ملکیت راہن کی ہے، مثلاً غلام کا نفقہ اور جانور کا چارہ۔
جعلِ آبق و مداواۃِ جرح	مضمون اور غیر مضمون حصوں پر تقسیم ہوگا	غلام کی قیمت اور قرض کے تناسب سے راہن اور مرتہن دونوں پر تقسیم۔
زیادتِ مرہون (بچہ، دودھ، پھل)	اصل مرہون کے تابع ہو کر رہن میں داخل ہوگی	بلا مقابلۂ دین ہے، البتہ اصل ہلاک ہو تو زیادت قیمت کے حساب سے فک کی جائے گی۔

ہوتے ہیں، مثلاً اگر وہ غلام اس کے پاس رہن رکھوایا ہے یا باندی رکھوائی ہے تو اس کے کھانے پینے کا خرچہ ہے، یا اسی طرح اگر کوئی گاڑی یا کوئی اور قیمتی چیز اس کے پاس رہن رکھوائی ہے تو اس کی حفاظت کا خرچہ ہے، اس کے لیے اگر کوئی محافظ یعنی حفاظت کے لیے کوئی چوکیدار وغیرہ رکھنا پڑتا ہے حفاظت کے لیے تو یہ خرچے ہیں، یا اسی طرح اگر غلام بھاگ جاتا ہے تو اس کو واپس لانے کا جو خرچہ ہے، تو یہ خرچے کس پر آئیں گے؟

تو یہ آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی ایک ہے، ایک ہے اس رہن کی حفاظت کا خرچہ، تو حفاظت کا سارا کا سارا خرچہ مرتہن کے اوپر آئے گا بھئی۔ مثلاً آپ نے اپنی گاڑی اس کے پاس بطورِ رہن کے رکھوائی اور اس سے دس لاکھ روپیہ قرضہ لیا، اب اس گاڑی کو اپنے پاس محفوظ رکھنے کے لیے اس کو ایک گیراج کرائے پر لینا پڑا، اور اسی طرح ایک محافظ، حفاظت کرنے والا یعنی چوکیدار بھی اس کو اجرت پر رکھنا پڑا، تو یاد رکھیے کہ یہ حفاظت کے جو خرچے ہیں یہ مرتہن پر آئیں گے۔ کس پر آئیں گے؟ مرتہن پر آئیں گے۔ بھئی سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھئی یہ حفاظت کے خرچے مرتہن پر کیوں آئیں گے؟ تو وجہ یہ آپ کو آگے چل کر بتلائیں گے کہ کیونکہ یہ چیز اپنے پاس مرتہن نے روکی ہوئی ہے۔ جب مرتہن نے اپنے پاس روکی ہوئی ہے تو اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اسی کی ہے بھئی، تو یہ سارا خرچہ اس پر آئے گا۔

جبکہ اس کے علاوہ اگر اس رہن کی بقا کے خرچے ہیں، بقا کے خرچے ہیں، مثلاً غلام ہے یا باندی ہے یا جانور اس کے پاس کوئی حیوان وغیرہ رکھوائے ہیں، گائے بھینسیں اس کے پاس بطورِ رہن کے رکھوائی ہیں، تو ان کے جو گھاس وغیرہ کا خرچہ ہے، چارے کا خرچہ ہے، تو یہ ان کی بقا کے لیے ضروری ہے، تو بقا کے لیے جو خرچے ہوں گے وہ سارے خرچے راہن پر آئیں گے بھئی۔ کس پر آئیں گے؟ راہن پر۔ حفاظت کے سارے خرچے مرتہن پر، اور بقا کے سارے خرچے راہن پر، راہن پر۔

اور اس کے علاوہ، اس کے علاوہ کوئی اور خرچے ہوں مثلاً غلام بھاگ گیا، مرتہن کے پاس کسی نے اپنا غلام بطورِ رہن کے رکھوایا تھا اور وہ غلام بھاگ گیا، تو اب اس غلام کو واپس لانے پر خرچہ ہوگا، جو بھی اس کو لے کر آئے گا تو وہ خرچہ کرے گا یا خرچہ مانگے گا واپس لانے کا، تو وہ جو خرچہ ہے اس میں تفصیل یاد رکھنا کہ کل رہن کو اپنے قبضے میں واپس لانے کے لیے یا اس کے جزو کو اپنے قبضے میں واپس لانے کے لیے جو خرچہ ہوگا وہ راہن اور مرتہن دونوں پر تقسیم ہوگا۔ کس پر؟ راہن اور مرتہن دونوں پر تقسیم ہوگا۔

اور تقسیم کس طرح ہوگا؟ کہ وہ جو چیز رہن رکھی تھی یعنی وہ جو غلام اس کے پاس رہن رکھا ہوا تھا، اس غلام کو دیکھ لیں گے کہ اس کی قیمت کتنی ہے اور اس کی قیمت میں سے مضمون کتنا ہے اور امانت کتنا ہے۔ تو غلام کا جتنا حصہ مضمون ہے اس قدر خرچہ مرتہن پر آئے گا، اور جتنا حصہ امانت ہے وہ راہن پر آئے گا۔ دیکھو مثلاً بھئی: مثلاً غلام بھاگ گیا، اب اس کو کوئی شخص واپس لے کر آیا تو اس کا پندرہ ہزار روپیہ خرچہ ہوا اس غلام کو واپس لانے پر، اور فرض کرو وہ غلام ہے

پندرہ لاکھ کا، اور جو دین لیا تھا راہن نے وہ ہے دس لاکھ بھئی، دس لاکھ۔ اور آپ نے پڑھا ہے کہ جو رہن ہوتا ہے وہ مَضْمُونٌ بِالْأَقَلِّ ہوتا ہے، یعنی اس کی قیمت اور دین میں سے جو اقل ہو اس کا ضمان آتا ہے مرتہن پر۔ دین کتنا یہاں پر؟ دس لاکھ۔ اور غلام کی قیمت کتنی؟ پندرہ لاکھ۔ تو اقل کیا ہے، کم کیا ہے؟ دس لاکھ دین۔ تو گویا اس پندرہ لاکھ کے غلام میں سے دس لاکھ کا ضمان کس پر ہے؟ مرتہن پر ہے، اور باقی کے جو پانچ لاکھ کا حصہ ہے وہ بطورِ امانت کے ہے، وہ بطورِ امانت کے ہے۔ اس غلام میں پانچ لاکھ، پانچ لاکھ امانت اور دس لاکھ مضمون ہے، ضمان ہے اس کا۔ تو گویا اس غلام کے اگر تین حصے کریں، پندرہ کے تین حصے کیے، تو تین میں سے دو حصے مضمون اور ایک حصہ امانت۔ توجہ ہے؟ دو حصے مضمون اور ایک حصہ امانت۔ تو لہٰذا جو خرچہ غلام کے واپس لانے پر ہوا مثلاً پندرہ ہزار، تو اس کے بھی تین حصے کر دیں گے۔ تین حصوں میں سے دو حصے جو ہیں وہ مضمون کے، وہ جو ہیں مرتہن پر آجائیں گے جو حصہ مضمون ہے اس کے بقدر، اور ایک حصہ جو ہے وہ راہن پر آ جائے گا، تو پانچ ہزار کس پر آجائیں گے؟ راہن پر، اور دس ہزار خرچہ کس پر آجائے گا؟ مرتہن پر آجائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دوسری مثال لے لیں: مثلاً، مثلاً غلام کی قیمت ہے بیس لاکھ روپے، اور قرضہ اتنا ہی ہے دس لاکھ روپے بھئی، تو اس غلام میں سے معلوم ہوا کہ دس لاکھ مضمون ہے اور دس لاکھ امانت ہے، یعنی آدھا مضمون ہے اور آدھا امانت، تو لہٰذا وہ جو خرچہ آیا اس کے واپس لانے پر پندرہ ہزار، وہ بھی آدھا آدھا راہن اور مرتہن دونوں پر آئے گا، تو ساڑھے سات ہزار خرچہ راہن پر آجائے گا اور ساڑھے سات ہزار مرتہن پر آجائے گا۔

تیسری صورت بنا لو: مثلاً غلام ہے پچیس لاکھ کا اور قرضہ دس لاکھ ہے، قرضہ دس لاکھ، اس کا مطلب ہے کہ غلام کے اگر پانچ حصے کیے جائیں، پانچ حصے، تو دو حصے مضمون ہیں اور تین حصے امانت ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو پانچ حصوں میں سے دو حصے مضمون ہیں اور تین حصے امانت، تو وہ جو خرچہ پندرہ ہزار آیا اس کے بھی پانچ حصے کر دو، پانچ حصے کیے پندرہ کے تو ایک حصے میں کتنا آیا؟ تین۔ تو پانچ حصے کرو اور ان میں سے دو حصے مرتہن پر آجائیں گے یعنی چھ ہزار مرتہن پر آ جائے گا، اور تین خمس یعنی تین حصے کس پر آجائیں گے؟ راہن پر یعنی نو ہزار خرچہ اس پر آجائے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

ایک اور بھی صورت بنا لیں اور اچھی طرح بات واضح ہو جائے: غلام ہے تیس لاکھ کا اور قرضہ کتنا ہے؟ دس لاکھ۔ معلوم ہوا کہ غلام کے اگر، غلام کے تین حصے کیے جائیں، تو اس یعنی دس دس لاکھ والے، تو ایک حصہ یعنی دس لاکھ مضمون ہے اور دو حصے یعنی بیس لاکھ وہ کیا ہے؟ امانت ہے۔ تو اس کا مطلب ہے وہ جو خرچہ ہوا اس کے واپس لانے پر پندرہ ہزار، اس کے بھی اس تین حصے کر لیں گے، ایک حصہ تو مضمون ہے وہ کس پر آجائے گا؟ مرتہن پر، اور دو حصے امانت ہیں وہ کس پر آئیں گے؟ راہن پر۔ تو تین حصے کریں پندرہ کے، ایک حصے میں کتنا آیا؟ پانچ ہزار۔ تو یہ پانچ ہزار مرتہن پر آجائے گا اور دس

ہزار راہن پر آجائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یہ تو صورت تھی کہ کل غلام کو، کل رہن کو اپنے قبضے میں واپس لانے پر جو خرچہ تھا، پورا غلام ہی قبضے سے نکل گیا تھا نا، تو پورے غلام ہی کو اپنے قبضے میں واپس لانے پر خرچے میں یہ تفصیل تھی۔ اسی طرح اگر رہن کا جزو ہے، اس کو اپنے قبضے میں واپس لانے کے لیے جو خرچہ ہو وہ بھی اسی طرح تقسیم ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ مثلاً، مثلاً غلام کا، غلام کے ہاتھ پر زخم ہو گیا، اب دیکھو اگر ہاتھ کا علاج نہیں کروائیں گے تو اس کا ہاتھ تو ختم ہو جائے گا، ضائع ہو جائے گا، تو گویا اس ہاتھ کو اپنے قبضے میں واپس رکھنے کے لیے اس کا کیا کروانا پڑے گا اس کو مرتہن کو؟ علاج کروانا پڑے گا، تو اس پر خرچہ آئے گا، تو اس میں بھی پھر یہی تفصیل ہے، یعنی پورے غلام کو دیکھیں گے کہ یہ پورے غلام کی اگر جو میں نے ابھی تفصیل بتائی وہی تفصیل کس میں ہے؟ اس زخم کی صورت میں بھی ہے بھئی۔ ہاں اس میں ہاتھ، ہاتھ کو نہیں دیکھنا، پورے غلام کو دیکھنا ہے اسی طرح: اگر غلام بیس لاکھ کا ہے اور قرضہ کتنا؟ دس لاکھ، اور زخم پر خرچہ کتنا ہوا؟ پندرہ ہزار، تو آدھا غلام مضمون ہے آدھا امانت ہے، لہٰذا اس کا آدھا خرچہ راہن پر آجائے گا یا زخم کے علاج کا اور آدھا خرچہ مرتہن پر۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھئی اب کتاب پر۔

تو کہتے ہیں وَعَلَيْهِ مُؤَنُ حِفْظِهِ، اور مرتہن پر ہی ہے مُؤَنُ حِفْظِهِ، اس کی حفاظت کی مشقت۔ مُؤَنٌ جمع ہے مُؤْنَةٌ کی، اور مُؤْنَةٌ کہتے ہیں مشقت کو بھئی، یعنی خرچہ مراد ہے، کیا مراد ہے؟ خرچہ۔ اور وَعَلَيْهِ، اور مرتہن پر ہی واجب ہے مُؤَنُ حِفْظِهِ، اس غلام کی حفاظت کے خرچے۔ وَرَدِّهِ إِلَى يَدِهِ، اس کا عطف حِفْظِهِ پر ہے، أَيْ وَعَلَيْهِ مُؤَنُ رَدِّهِ إِلَى يَدِهِ، اور اسی طرح اگلے کا بھی عطف اسی پر ہے، اور اس مرتہن پر ہی ہے اس غلام کو اپنے قبضے میں واپس لانے کے جو مشقتیں ہیں یعنی جو خرچے ہیں وہ بھی کس پر ہیں؟ مرتہن پر۔ توجہ ہے؟ اس غلام کو اپنے قبضے میں واپس لانے کے جو خرچے ہیں وہ بھی کس پر ہیں؟ مرتہن پر۔ توجہ ہے؟ وَعَلَيْهِ، کیا عبارت بن گئی؟ وَعَلَيْهِ مُؤَنُ رَدِّهِ إِلَى يَدِهِ، مرتہن پر ہی ہیں خرچے اس رہن کو اپنے قبضے میں واپس لانے کے۔ یہ وہ صورت ہے، آپ کہیں گے بھئی وہ خرچے تو آپ نے تقسیم کرنے ہیں ابھی آپ نے بتایا تھا، جتنا مضمون ہوگا وہ مرتہن پر آئے گا اور جتنا امانت ہوگا وہ راہن پر۔ تو جواب یہ کہ یہ وہ صورت ذکر کر رہے ہیں جس میں دین اور غلام کی قیمت برابر ہیں: دین بھی دس لاکھ، غلام کی قیمت بھی دس لاکھ۔ جب دس لاکھ ہے تو معلوم ہوا پورا غلام ہی مضمون ہے، تو سارا خرچہ ہی کس پر آئے گا؟ مرتہن پر آئے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: اور مرتہن پر ہی ہیں خرچے اس رہن کو اپنے قبضے میں واپس لانے کے۔ أَوْ رَدِّ جُزْءٍ مِنْهُ، اور یا اس کے جزو کو اپنے قبضے میں واپس لانے کے جو خرچے ہیں وہ بھی مرتہن پر ہیں، کس صورت میں؟ جب دین اور اس رہن کی قیمت برابر ہوں۔

كَأُجْرَةِ بَيْتِ حِفْظِهِ، اب وہ مثالیں ذکر کرنے لگے ہیں کہ حفاظت کے کیا کیا خرچے ہو سکتے ہیں اور اپنے قبضے میں واپس

لانے کے کیا صورتیں ہو سکتی ہیں، کہتے ہیں كَأُجْرَةِ بَيْتِ حِفْظِهِ وَحَافِظِهِ، جیسے کہ اس غلام کی حفاظت کے کمرے کی اجرت، بَیْتْ کمرے کو کہتے ہیں، گھر کو بھی کہہ دیتے ہیں، کمرے کو کہتے ہیں، كَأُجْرَةِ بَيْتِ حِفْظِهِ، جیسے اس رہن کی حفاظت کے کمرے کی اجرت، وَحَافِظِهِ، اور جیسے اس رہن کے حفاظت کرنے والے کی اجرت جو ہے۔ فَأَمَّا جُعْلُ الْآبِقِ، آبِقْ کہتے ہیں بھگوڑا غلام، وہ غلام جو بھاگ گیا ہو، فَأَمَّا جُعْلُ الْآبِقِ، جُعْلْ کہتے ہیں مزدوری کو بھئی، کوئی بھی کام کیا جائے اس کی جو مزدوری ہو اجرت ہو اس کو جُعْلْ کہتے ہیں، لیکن اس کا زیادہ تر اطلاق جو ہے وہ غلام جو بھاگ جائے اور اس کے واپس لانے پر جو مزدوری یا خرچہ ہو اس کو جُعْلْ کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں فَأَمَّا جُعْلُ الْآبِقِ، باقی جو بھگوڑے غلام کی مزدوری ہے، اس کا جو خرچہ ہے، وَمُدَاوَاةُ الْجُرْحِ، اور زخم کے علاج معالجے کا جو خرچہ ہے، فَيُقَسَّمُ عَلَى الْمَضْمُونِ وَالْأَمَانَةِ، تو اس کو تقسیم کیا جائے گا مضمون اور امانت پر، جتنا حصہ مضمون وہ مرتہن پر اور جتنا حصہ امانت وہ راہن پر۔

أَيْ عَلَى الْمُرْتَهِنِ مُؤْنَةُ الْحِفْظِ، یعنی مرتہن پر ہے اس رہن کی حفاظت کا خرچہ، كَأُجْرَةِ بَيْتِ الْحِفْظِ، جیسے کہ حفاظت والے کمرے کی اجرت، اس کا کرایہ، وَأُجْرَةِ الْحَافِظِ، اور حفاظت، وَأُجْرَةِ الْحَافِظِ، اور جیسے کہ حفاظت کرنے والے کی اجرت جو ہے، وَكَذَا مُؤْنَةُ رَدِّهِ إِلَى يَدِ الْمُرْتَهِنِ، اور اسی طرح اس رہن کو واپس لانے کا جو خرچہ ہے إِلَى يَدِ الْمُرْتَهِنِ، مرتہن کے قبضے میں، مرتہن کے قبضے میں اس رہن کو جو واپس لانے کا خرچہ بھی اسی طرح ہے، إِنْ خَرَجَ مِنْ يَدِهِ، اگر وہ رہن نکل گیا اس کے قبضے سے، كَجُعْلِ الْآبِقِ، جیسے بھگوڑے غلام کی جو مزدوری ہے، فَهُوَ عَلَى الْمُرْتَهِنِ، تو وہ مرتہن پر ہوگی، إِذَا كَانَتْ قِيمَةُ الرَّهْنِ مِثْلَ الدَّيْنِ، جس وقت رہن کی قیمت دین کے مثل ہو، اس کے برابر ہو۔ وَكَذَا مُؤْنَةُ رَدِّ جُزْءٍ مِنَ الرَّهْنِ إِلَى يَدِ الْمُرْتَهِنِ، اور اسی طرح رہن کے جزو کو واپس لانے کا جو خرچہ ہے إِلَى يَدِ الْمُرْتَهِنِ، مرتہن کے قبضے میں، وہ بھی مرتہن پر آئے گا جبکہ رہن کی قیمت کیا ہو؟ دین کے برابر ہو۔[۲]

كَمُدَاوَاةِ الْجُرْحِ، جیسے کہ زخم کے علاج معالجہ جو ہے، إِذَا كَانَ، یہ کب مرتہن پر ہے؟ کب؟ إِذَا كَانَتْ قِيمَتُهُ مِثْلَ الدَّيْنِ، جبکہ اس رہن کی قیمت جو ہے وہ دین کے برابر ہو۔ أَمَّا إِذَا كَانَتْ قِيمَتُهُ أَكْثَرَ مِنْهُ، تو وہ صورت کہ رہن کی جو قیمت ہے وہ دین سے زیادہ ہو، فَيُقَسَّمُ عَلَى الْمَضْمُونِ وَالْأَمَانَةِ، تو پھر اس خرچے کو تقسیم کیا جائے گا مضمون اور امانت پر، فَمَا هُوَ مَضْمُونٌ فَعَلَى الْمُرْتَهِنِ، پس وہ جو مضمون ہے وہ تو مرتہن پر ہوگا، وَمَا هُوَ أَمَانَةٌ فَعَلَى الرَّاهِنِ، اور وہ حصہ جو امانت ہے تو وہ راہن پر خرچہ ہوگا۔ وَهَذَا بِخِلَافِ أُجْرَةِ بَيْتِ الْحِفْظِ، بھئی حفاظت کی صورت میں سوال کہ آپ نے کہا حفاظت کا سارا خرچہ مرتہن پر آئے گا، حالانکہ وہ صورت جس میں غلام کا کچھ حصہ مضمون ہے اور کچھ امانت ہے یعنی غلام کی قیمت دین سے زیادہ ہے، تو پھر کچھ حصہ تو امانت ہے، تو اس امانت حصے پر بھی تو خرچہ ہو رہا ہے حفاظت پر، تو وہ کس پر آنا چاہیے؟

---

[۲] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۲۵)**: صوتی درس کی قراءت میں «إِذَا كَانَتْ قِيمَةُ الرَّهْنِ مِثْلَ الدَّيْنِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «إذا كان قيمةُ الرهنِ مثل الدين،» منقول ہے۔

راہن پر آنا چاہیے۔ تو میں نے بتلا دیا کہ نہیں بھئی، راہن پر یہاں خرچہ نہیں آئے گا کیونکہ اس غلام کو مرتہن نے روک کر رکھا ہے۔ راہن نے کوئی زبردستی تو یہ غلام اس کے پاس نہیں رکھوایا بھئی، بلکہ اس نے گویا زبردستی اس سے غلام لیا ہے، اپنے پاس روکا ہے، تاکہ کیا کرے؟ اس کے ذریعے اپنا دین وصول کرے۔ اور اس کو پورا غلام روکنے کا حق ہے یا غلام کا کچھ حصہ صرف روکنے کا حق ہے؟ پورا غلام، پورا رہن وہ روکنے کا اس کا حق ہے، جب پورا رہن روکنے کا حق ہے اس کا، تو پورے رہن کی حفاظت کا خرچہ بھی مرتہن پر ہی آئے گا۔[۴۳]

تو کہتے ہیں وَهَذَا بِخِلَافِ أُجْرَةِ بَيْتِ الْحِفْظِ، اور یہ برخلاف ہے حفاظت والے کمرے کی اجرت کے، فَإِنَّ تَمَامَهُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ، اس لیے کیونکہ وہ ساری اجرت، سارا خرچہ جو ہے وہ مرتہن پر ہوگا، وَإِنْ كَانَ قِيمَةُ الْمَرْهُونِ أَكْثَرَ مِنَ الدَّيْنِ، اگرچہ مرہون کی قیمت جو ہے وہ دین سے زیادہ ہو، لِأَنَّ وُجُوبَ ذَلِكَ بِسَبَبِ الْحَبْسِ، اس لیے کیونکہ وہ جو خرچہ واجب ہو رہا ہے مرتہن پر وہ بِسَبَبِ الْحَبْسِ، اس غلام کو، اس رہن کو روکنے کی وجہ سے ہے اپنے پاس، وَحَقُّ الْحَبْسِ فِي الْكُلِّ ثَابِتٌ لَهُ، اور روکنے کا حق تو پورے رہن میں اس مرتہن کے لیے ثابت ہے، پورا رہن روکنا اس کا حق ہے تو لہٰذا وہ پورا خرچہ بھی حفاظت کا اس پر ہی آئے گا۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں وَعَلَى الرَّاهِنِ مُؤَنُ تَبْقِيَتِهِ وَإِصْلَاحِ مَنَافِعِهِ، لِنَفَقَةِ رَهْنِهِ، لِنَفَقَةِ نہیں بھئی، یہ لام کتابت کی غلطی ہے، کاف ہونا چاہیے، كَنَفَقَةِ رَهْنِهِ وَكِسْوَتِهِ۔ کہتے ہیں وَعَلَى الرَّاهِنِ مُؤَنُ تَبْقِيَتِهِ وَإِصْلَاحِ مَنَافِعِهِ، اور راہن پر ہے خرچے اس رہن کی، کو باقی رکھنے کے۔ تَبْقِيَةٌ باقی رکھنا، یہ بابِ تفعیل کا مصدر ہے، اس رہن کو باقی رکھنے کے جو خرچے ہیں یعنی اس کی بقا کے جو خرچے ہیں اور اسی طرح اس کے منافع کی اصلاح یعنی اس کے منافع کی دیکھ بھال کے جو خرچے ہیں وہ بھی کس پر ہیں؟ راہن پر۔ بقا کے خرچے میں نے جیسے مثال دے دی: غلام یا باندی اس کے پاس رکھوائی ہے تو اس کے جو کھانے پینے کا خرچہ، یہ ان کی، غلام یا باندی کی بقا کے لیے ضروری۔ اور منافع کے خرچے ہوتے ہیں مثلاً باندی نے اس کے پاس بچے کو جنم دے دیا، اب یہ کیا ہے؟ منافع ہیں یا فائدے ہیں یا اس میں نما آگئی، زیادتی آگئی، تو ان کے خرچے بھی، ان کی اصلاح اور دیکھ بھال اور خرچے کس پر آئیں گے؟ وہ راہن پر آئیں گے۔ تو کہتے ہیں وَعَلَى الرَّاهِنِ مُؤَنُ تَبْقِيَتِهِ وَإِصْلَاحِ مَنَافِعِهِ، اور راہن پر ہیں اس رہن کی بقا کے خرچے اور اس کے منافع، اس رہن کے منافع کی دیکھ بھال کے خرچے، كَنَفَقَةِ رَهْنِهِ وَكِسْوَتِهِ، جیسے کہ اس کے رہن کا خرچہ ہے یعنی کھانے پینے کا، وَكِسْوَتِهِ، اور اس کے لباس پہنانے

---

[۳] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۲۵):** صوتی درس کی قراءت میں «إِذَا كَانَتْ قِيمَتُهُ مِثْلَ الدَّيْنِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «إذا كان قيمتُهُ مثل الدين.» منقول ہے۔

[۴] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۲۵):** صوتی درس کی قراءت میں «أَمَّا إِذَا كَانَتْ قِيمَتُهُ أَكْثَرَ مِنْهُ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «أمَّا إذا كان قيمتُهُ أكثرَ منه» منقول ہے۔

کا، وَأَجْرِ رَاعِيهِ، اور جیسے کہ چرواہے کی اجرت ہے، اس نے اس کے پاس اپنی گائے بھینسیں بطورِ رہن کے رکھوائی ہیں، تو گائے بھینسوں کے لیے ایک چرواہے کو رکھنا پڑا، تو وہ خرچہ کس پر آئے گا؟ راہن پر آئے گا کیونکہ یہ ان کی بقا کے لیے ضروری ہے، اس کے بغیر گائے بھینسیں زندہ نہیں رہ سکتیں۔ وَظِئْرِ وَلَدِ الرَّهْنِ، ظِئْرٌ کہتے ہیں دایا، دایا، وہ عورت جو بچے کی دیکھ بھال اور دودھ وغیرہ پلانے کے لیے جس کو مقرر کیا جائے۔ وَظِئْرِ وَلَدِ الرَّهْنِ، رہن کی اولاد کی جو دایا ہے، مثلاً بھئی کسی نے کسی کے پاس اپنی باندی رکھوائی، اس باندی نے وہاں پر بچے کو جنم دیا، تو اب جیسے باندی کی بقا کے خرچے کس پر تھے؟ راہن پر، اسی طرح باندی میں زیادتی ہوئی یا اس کے منافع ہیں اس کے خرچے بھی کس پر ہوں گے؟ راہن پر، تو لہٰذا اس بچے کے لیے کوئی دایا رکھنی پڑی دودھ پلانے کے لیے یا اس کی دیکھ بھال کے لیے، تو وہ خرچے بھی راہن پر ہوں گے۔ یہ معنی ہے وَظِئْرِ وَلَدِ الرَّهْنِ، جیسے کہ رہن کی اولاد کی دایا ہے۔ وَسَقْيِ الْبُسْتَانِ، اور، بُسْتَانٌ کہتے ہیں باغ کو، اور سَقْيٌ کہتے ہیں سیراب کرنا، اور جیسے کہ باغ کے سیراب کرنے کے، سیراب کرنے کا خرچہ ہے، بھئی کسی نے کسی کے پاس اپنا باغ رہن کے طور پر رکھوا دیا، تو اس باغ کو سیراب کرنے پر خرچہ ہوتا ہے، تو وہ خرچے بھی کس پر ہیں؟ راہن پر ہیں۔ وَالْقِيَامِ بِأُمُورِهِ، اور اسی طرح اس باغ کے امور کو قائم کرنا یعنی ان کا انتظام کرنا، باغ کے اور کاموں کا انتظام کرنا، یہ بھی کس پر ہے؟ راہن پر ہے بھئی۔ یہ معنی ہے وَالْقِيَامِ بِأُمُورِهِ أَيْ بِأُمُورِ الْبُسْتَانِ، اس باغ کے امور کے قیام کے جو خرچے ہیں یعنی کہ یعنی اس کے انتظامی امور کے جو خرچے ہیں وہ اس پر آئیں گے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی: بَابُ مَا يَصِحُّ رَهْنُهُ وَالرَّهْنُ بِهِ وَمَا لَا يَصِحُّ۔ یہ باب ہے ان چیزوں کے بیان میں کہ صحیح ہے ان کا رہن رکھوانا، وَالرَّهْنُ بِهِ، اور ان چیزوں کے بیان میں کہ جن کے بدلے میں رہن رکھوانا صحیح ہے، رَهْنٌ وہ چیزیں جن کو رہن رکھوانا اور رَهْنٌ بِهِ جن کے بدلے میں رہن رکھوایا جاتا ہے، تو کن چیزوں کے بدلے میں رہن رکھوانا جائز ہے اور کن چیزوں کے بدلے میں رہن رکھوانا جائز نہیں؟ مثلاً جیسے امانت ہے بھئی، آگے چل کر آپ کو بتائیں گے، آپ نے کسی کے پاس ایک لاکھ روپیہ بطورِ امانت کے رکھوایا اور پھر اس سے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں میرے پاس بطورِ ضمانت کے کوئی اپنی موٹر سائیکل وغیرہ رکھوا دو، بھئی ایک تو وہ آپ کی پیسے کی حفاظت کرے گا اور پھر آپ اس سے رہن بھی طلب کر رہے ہیں؟ نہیں بھئی، رہن تو دین کے بدلے ہوتا ہے، امانت کے بدلے نہیں ہوتا۔ تو اس باب میں بیان کریں گے کن کن چیزوں کو آپ رہن رکھوا سکتے ہیں اور کن کن چیزوں کے بدلے میں رہن رکھوا سکتے ہیں، دین کے بدلے رکھوا سکتے ہیں اور امانت کے بدلے نہیں رکھوا سکتے، یہ سب بیان کریں گے۔ پھر دیکھیے: بَابُ مَا يَصِحُّ رَهْنُهُ وَالرَّهْنُ بِهِ، یہ باب ہے ان چیزوں کے بارے میں کہ صحیح ہے ان کا رہن رکھوانا، وَالرَّهْنُ بِهِ، اور ان چیزوں کے بارے میں کہ جن کے بدلے میں رہن رکھوانا صحیح ہے، وَمَا لَا يَصِحُّ، اور ان کے بیان میں جو صحیح نہیں، یعنی جن کا رہن رکھوانا صحیح نہیں یا جن کے بدلے میں رہن رکھوانا صحیح نہیں ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

لَا يَصِحُّ رَهْنُ مُشَاعٍ، صحیح نہیں ہے رہن مُشَاع کا، مُشَاع چیز کو رہن رکھوانا صحیح نہیں۔ مُشَاع جو پھیلی ہوئی ہو، جس میں آپ کا حصہ محوزنہ ہو، آپ کا حصہ محوزنہ ہو۔ ایک زمین ہے آپ میں اور زید میں مشترکہ ہے، زید نے اور آپ نے مل کر وہ زمین خریدی ہے، ابھی آپ نے تقسیم نہیں کی، علیحدہ نہیں کیا اپنا اپنا حصہ، تو زمین کے ہر حصے میں زید بھی شریک آپ کے ساتھ بھئی، کوئی ایک انچ بھی زمین کا پکڑ لیں اس میں آپ کا بھی حصہ اور زید کا بھی حصہ۔ اب یہ مُشَاع زمین آپ کسی کے پاس رہن رکھوانا چاہتے ہیں، نہیں بھئی جائز نہیں ہے۔ دین آپ لے رہے ہیں اور رہن ایسی زمین رکھوا رہے ہیں جس میں آپ کا بھی حصہ اور زید کا بھی حصہ ہے، صرف اپنا حصہ رہن رکھوا سکتے ہو مُشَاع پھیلا ہوا حصہ کیونکہ زمین میں آپ کا حصہ پھیلا ہوا ہے، تقسیم شدہ اور علیحدہ نہیں۔ تو کہتے ہیں لَا يَصِحُّ رَهْنُ مُشَاعٍ، مُشَاع کا رہن رکھوانا صحیح نہیں۔

وَثَمَرٍ عَلَى نَخْلٍ دُونَهُ، اور اسی طرح پھل کا رہن رکھوانا صحیح نہیں، وہ پھل عَلَى نَخْلٍ جو کس پر ہو؟ کھجور پر یعنی درخت پر لگا ہو، دُونَهُ بغیر درخت کے۔ نَخْلٌ کھجور کے درخت کو کہتے ہیں لیکن مراد شجر ہے، کوئی بھی پھل دار درخت ہو۔ بھئی آپ کے پھل دار درخت ہیں اور آپ صرف پھل رکھوانا چاہتے ہیں رہن جو درخت پر لگے ہوئے ہیں اور درخت رہن نہیں رکھوانا چاہتے، نہیں بھئی یا تو دونوں کو رہن رکھواؤ یا پھل کو علیحدہ کر کے دے دو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے وَثَمَرٍ، أَيْ لَا يَصِحُّ رَهْنُ ثَمَرٍ، ایسے پھل کا رہن بھی صحیح نہیں ہے عَلَى نَخْلٍ جو کس پر لگا ہو؟ درخت پر لگا ہوا ہو، دُونَهُ بغیر درخت کے، اگر درخت سمیت رکھواتے ہیں پھر تو ٹھیک ہے بھئی، دُونَهُ أَيْ دُونَ النَّخْلِ، درخت کے بغیر۔ تو کہتے ہیں صحیح نہیں ہے رہن پھل کا عَلَى نَخْلٍ دُونَهُ ایسا پھل جو درخت پر لگا ہو بغیر درخت کے۔

وَزَرْعِ أَرْضٍ وَنَخْلِ أَرْضٍ دُونَهَا، اور اسی طرح صحیح نہیں ہے رہن رکھوانا زَرْعِ أَرْضٍ، زمین کی کھیتی، زمین کی فصل، وَنَخْلِ أَرْضٍ، اور زمین کے درخت جو ہیں، دُونَهَا بغیر زمین کے۔ بغیر زمین کے اندر فصل ہے، آپ صرف فصل رہن رکھوانا چاہتے ہیں، زمین نہیں رکھوانا چاہتے، یا زمین کے اندر درخت ہیں، آپ صرف درخت رکھوانا چاہتے ہیں رہن لیکن زمین رہن نہیں رکھوانا چاہتے، کہتے ہیں یہ صحیح نہیں اس لیے کیونکہ ان کا تعلق جو ہے یہ پھل کا تعلق درخت کے ساتھ، فصل کا تعلق زمین کے ساتھ، یا درخت کا تعلق زمین کے ساتھ یہ پیدائشی ہے، یہ کیا ہے؟ پیدائشی۔ اور جب پیدائشی تعلق ہو تو پھر اس صورت میں اس حال کو جدا کرنا ضروری ہے، پھر ہی رہن رکھوا سکتے ہیں، اگر حال محل کے ساتھ جڑا ہوا ہو پھر اس کا رہن صحیح نہیں۔ یہ معنی ہے وَزَرْعِ أَرْضٍ اور زمین کی فصل جو ہے اس کو رہن رکھوانا صحیح نہیں وَنَخْلِ أَرْضٍ اور زمین کے درخت جو ہیں ان کا رہن رکھوانا صحیح نہیں، کب؟ دُونَهَا جب یہ کس کے بغیر ہوں؟ زمین کے بغیر ہوں۔ زمین سمیت رکھواتے ہیں فصل پھر تو ٹھیک ہے، زمین سمیت درخت رکھواتے ہیں رہن پھر تو ٹھیک ہے، لیکن زمین کے بغیر صحیح نہیں، لِعَدَمِ كَوْنِهِ مُتَمَيِّزًا، اس لیے کیونکہ یہ جدا نہیں ہے، یہ پھل جو درخت پر لگا ہے یا فصل جو زمین پر لگی ہے یا درخت جو زمین پر لگا ہے یہ متمیز نہیں ہے، متمیز ہوتے جدا کر دیں پھر آپ رہن رکھوا سکتے ہیں۔

وَكَذَا عَكْسُهَا، اور اسی طرح اس کا برعکس بھی ہے، یعنی اس کا برعکس کر لیں، برعکس کیا؟ پہلے کس کو رہن رکھوانا چاہ رہے تھے؟ صرف پھل کو جو درخت پر لگا ہے، اب برعکس کر لیں: درخت رہن رکھوانا چاہتے ہیں جس پر پھل بھی لگا ہے لیکن پھل کو رہن نہیں رکھوانا چاہتے، یا زمین میں فصل تیار کھڑی ہے آپ صرف زمین رہن رکھوانا چاہتے ہیں فصل کو رہن نہیں رکھوانا چاہتے، یا درخت زمین پر لگے ہوئے ہیں آپ صرف زمین کو رہن رکھوانا چاہتے ہیں درختوں کو رہن نہیں رکھوانا چاہتے، تو بھی صورت یہی ہے یعنی اس صورت میں رہن جائز نہیں کیونکہ یہاں پیدائشی تعلق ہے تو دونوں کو رکھوانا چاہیں پھر تو ٹھیک ہے درخت بھی اور پھل بھی، زمین بھی اور فصل بھی، یا درخت بھی اور زمین بھی، علیحدہ علیحدہ رہن رکھوانا صحیح نہیں ہے، یا تو جدا کر دو علیحدہ کر دو پھر ٹھیک ہے۔ تو کہتے ہیں وَكَذَا عَكْسُهَا، اور اسی طرح اس کا برعکس بھی ہے، أَيْ لَا يَصِحُّ رَهْنُ نَخْلٍ بِدُونِ ثَمَرٍ، یعنی صحیح نہیں ہے کھجور یعنی درخت کو رہن رکھوانا بغیر پھل کے، وَأَرْضٍ بِدُونِ زَرْعٍ أَوْ نَخْلٍ، اور اسی طرح صحیح نہیں ہے رہن رکھوانا زمین کو بغیر فصل کے یا بغیر درخت کے، لِعَدَمِ كَوْنِهِ مُفَرَّغًا، بوجہ اس کے مفرغ نہ ہونے کے۔ محل جب آپ رہن رکھوانا چاہتے ہیں تو اس محل کا حال سے مفرغ ہونا ضروری ہے، فَلَا يَتِمُّ الْقَبْضُ، پس قبضہ تام نہیں ہوتا، ان صورتوں میں قبضہ تام نہیں ہوتا۔

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى أَنَّ رَهْنَ الْأَرْضِ بِدُونِ الشَّجَرِ جَائِزٌ، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ زمین کو رہن رکھوانا بغیر درخت کے یہ جائز ہے۔ متن میں تو انہوں نے بتلا دیا کہ جائز نہیں، لیکن امام صاحب سے ایک روایت ہے کہ زمین کو بغیر درختوں کے رہن رکھوانا جائز ہے، لِأَنَّ الشَّجَرَ اسْمٌ لِلنَّابِتِ، اس لیے کیونکہ درخت جو ہے وہ نام ہے اگی ہوئی چیز کا۔ نَابِتٌ اگی ہوئی چیز، وہ جو زمین سے اگی ہوئی ہے، زمین سے پیدا ہوئی ہے، اس لیے کیونکہ درخت نام ہے اس چیز کا جو زمین سے پیدا ہوئی ہے، زمین سے اگی ہوئی ہے، یعنی بتلانا کیا چاہتے ہیں سمجھ لو اس بات کو بھئی: زمین سے اگی ہوئی چیز کا نام ہے۔ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ درخت کو درخت اس وقت تک کہتے ہیں جب تک وہ زمین پر لگا ہوا ہے، زمین سے اگا ہوا ہے، زمین پر سے پیدا ہوا اس پر کھڑا ہے۔ جب اس کو کاٹ دیں، زمین سے علیحدہ کر دیں، پھر اس کو درخت نہیں کہتے، پھر اس کو تنا کہتے ہیں، درخت کا تنا ہے یا لکڑی ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو درخت کب کہتے ہیں؟ جب وہ زمین پر اگا ہوا ہو، زمین پر لگا ہوا ہو۔ معلوم ہوا، معلوم ہوا درخت وہ صرف اس پودے کا نام نہیں، وہ زمین کے ساتھ جو لگا ہوا ہے یہ بھی اس کے ساتھ شامل ہے، تو زمین کا وہ حصہ بھی اس کے ساتھ شامل ہے، اس سارے کو درخت کہتے ہیں۔ جو زمین کا حصہ جو اس کے ساتھ جس میں درخت لگا ہے، جس زمین میں درخت لگا ہوا ہے، تو زمین کے ساتھ لگا ہوا ہے یا نہیں لگا ہوا؟ زمین کے ساتھ لگا ہو تبھی تو درخت کہتے ہیں، اس کے بغیر تو درخت کہتے ہی نہیں ہیں۔ معلوم ہوا درخت اس زمین کو بھی شامل ہے جس میں وہ لگا ہوا ہے، وہ زمین کو بھی شامل ہے تو اس کو درخت کہتے ہیں۔

تو لہٰذا جب کوئی درخت کا استثناء کرنا چاہے تو استثناء کر سکتا ہے، کیونکہ درخت صرف اوپر والے پودے کا نام نہیں

ہے بلکہ زمین سمیت اس پودے کا نام ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو زمین سمیت جب پودے کا نام ہے تو جب استثناء کرے گا تو صرف اوپر والے حصے کا استثناء نہیں کر رہا بلکہ زمین جو اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے اس کا بھی استثناء کر رہا ہے۔ تو استثناء صرف پودے کا ہوا یا زمین سمیت پودے کا ہوا؟ زمین سمیت پودے کا ہوا، تو پھر تو یہ استثناء درست ہے بھئی۔ صرف درخت کا استثناء ہوتا اوپر والے پودے کا، نیچے جو اس کے زمین ہے جس میں وہ لگا ہوا ہے اس کا استثناء نہ ہوتا، پھر تو وہ پھر تو مفرغ نہیں تھی زمین، پھر تو زمین مفرغ نہیں تھی۔ اب جب زمین سمیت پودے کا استثناء کر دیا تو جس زمین میں درخت لگا ہے وہ زمین تو رہن رکھوائی نہیں، اس کے آس پاس ہر طرف کی زمین رکھوا دی، جو رہن نہیں رکھوائی وہ زمین اور جو زمین رہن رکھوائی وہ تو صرف آپس میں ملی ہوئی ہیں، وہاں اتصال صرف مجاورت والا ہے، اتصال صرف کیا ہے؟ مجاورت والا ہے۔ بھئی آپ کی زمین اور زید کی زمین ملی ہوئی ہے، آپ اپنی زمین رہن رکھوا سکتے ہیں یا نہیں رکھوا سکتے؟ رکھوا سکتے ہیں، حالانکہ اس کے ساتھ زید کی بھی زمین ملی ہوئی ہے، لیکن وہ اتصال صرف مجاورت والا ہے، ساتھ ساتھ ہیں، کیا ہیں آپس میں؟ ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہیں، تو یہاں پر بھی۔

تو امام صاحب کی تقریر چل رہی ہے: امام صاحب فرماتے ہیں آپ درخت کا استثناء کر سکتے ہیں، کیونکہ یہاں صرف زمین کے اوپر جو پودا ہے اس کا استثناء نہیں ہوتا، اس پودے کے ساتھ جو نیچے زمین ہے اس کا بھی کیا ہو گیا؟ استثناء ہو گیا، جب اس زمین سمیت پودے کا استثناء ہوا ہے اور باقی ارد گرد والی زمین رہن رکھوا دی ہے، تو استثناء صحیح ہے، کیونکہ وہ جو مستثنیٰ ہے اس کا اس رہن والی زمین کے ساتھ جو اتصال ہے صرف مجاورت والا ہے، اور مجاورت یہ تو مضر نہیں، یہ تو کوئی نقصان نہیں دیتی، تو لہٰذا اس کا رہن رکھوانا صحیح ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں لِأَنَّ الشَّجَرَ اسْمٌ لِلنَّابِتِ، اس لیے کیونکہ درخت جو ہے وہ اگی ہوئی چیز کا نام ہے یعنی جو زمین سے اگی ہوئی ہو، زمین سے جڑی ہوئی ہو، فَيَكُونُ اسْتِثْنَاءُ الْأَشْجَارِ بِمَوَاضِعِهَا، تو لہٰذا درختوں کا جو استثناء ہوگا بِمَوَاضِعِهَا ساتھ ان کی جگہوں کے ہوگا، جو جگہیں جو زمین جس میں وہ لگے ہوئے ہیں، فَيَجُوزُ، تو وہ جائز ہوگا، لِأَنَّ الِاتِّصَالَ حِينَئِذٍ يَكُونُ اتِّصَالَ مُجَاوَرَةٍ، اس لیے کیونکہ اتصال اس وقت جو ہے وہ صرف مجاورت والا اتصال ہوگا، بات سمجھ میں آگئی؟ اور مجاورت والا اتصال تو کوئی مانع نہیں بنتا بھئی۔

وَلَوْ رَهَنَ النَّخْلَ بِمَوَاضِعِهَا جَازَ أَيْضًا، اور اگر صرف کھجور کا درخت، مراد ہر درخت ہے، اگر صرف درخت رہن رکھوایا بِمَوَاضِعِهَا اپنی جگہوں کے ساتھ جَازَ أَيْضًا، یہ بھی جائز ہے، لِأَنَّ الِاتِّصَالَ حِينَئِذٍ اتِّصَالُ مُجَاوَرَةٍ، اس لیے کیونکہ وہ جو اتصال ہے وہ جو آپس میں جڑے ہوئے ہیں وہ بھی اتصال کون سا ہے؟ مجاورت والا اتصال ہے، بس صرف ساتھ ساتھ ہیں ایک دوسرے کے، ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں، ہیں علیحدہ ہی ایک دوسرے سے۔ تو صرف درخت رکھواتا ہے رہن کہتے ہیں وہ بھی درست ہے، کیونکہ درخت صرف اوپر والے درخت ہوں گے یا زمین سمیت درخت ہو جائیں گے؟ وہ حصہ جس میں وہ لگے ہوئے ہیں اس سمیت درخت رہن ہو جائیں گے، تو لہٰذا یہ صحیح ہے، گویا زمین سمیت آپ درخت رہن

رکھوا رہے ہیں۔

معلوم ہوا، امام صاحب کی یہ اس روایت کی تشریح چل رہی ہے، معلوم ہوا امام صاحب کے نزدیک درختوں کا استثناء کرکے صرف زمین رہن رکھوانا یہ بھی صحیح، اور زمین کا استثناء کرکے صرف درختوں کو رہن رکھوانا بھی صحیح ہے، اس لیے کیونکہ وہ فرماتے ہیں، حاصلِ کلام سنا رہا ہوں بھئی توجہ سے سنو، معلوم ہوا کہ جب آپ صرف درختوں کو رہن رکھوانا چاہ رہے ہیں تو درخت ہے حال اور زمین جو ہے وہ محل، تو یہاں پر آپ صرف حال کو رہن نہیں رکھوا رہے بلکہ حال کے ساتھ محل کو بھی رہن رکھوا رہے ہیں، اور حال کو محل کے ساتھ تو رہن رکھوانے میں کوئی اختلاف ہی نہیں، تو صرف درخت نہیں ہے بلکہ درخت کے ساتھ زمین بھی یعنی حال کے ساتھ محل بھی رہن رکھوا رہے ہیں، تو درخت کے ساتھ جو زمین جڑی ہوئی ہے، جس زمین میں وہ لگا ہوا ہے، اور آس پاس کی زمین کا آپ نے استثناء کر دیا وہ آپ رہن نہیں رکھوانا چاہتے، تو بھئی وہ زمین اس درخت والی زمین کے ساتھ ملی ہوئی ہے، جڑی ہوئی ہے، دونوں میں مجاورت ہے صرف، اور مجاورت کوئی نقصان دہ نہیں، جیسے میں نے ذکر کیا زید کی اور آپ کی زمین ملی ہوئی ہے، یہ آپ کی زمین اور اس کے ساتھ ہی کس کی زمین ہے؟ زید کی زمین ہے، اب آپ صرف اپنی زمین رکھوانا چاہتے ہیں رہن، تو بالکل رکھوا سکتے ہیں، اگرچہ زید کی زمین آپ کی زمین کے ساتھ جڑی ہوئی ہے مجاورت ہے، لیکن یہ مجاورت نقصان دہ نہیں، مرتہن ہے وہ آسانی سے آپ کی زمین پر قبضہ کر سکتا ہے۔ تو یہاں پر بھی جب صرف درختوں کو رہن رکھوایا جا رہا ہے تو درخت زمین سمیت رہن رکھے گئے، اور آس پاس کی جو زمین ہے درخت کے وہ رہن نہیں رکھوائی اور اس کا اتصال اس درخت والی زمین کے ساتھ مجاورت والا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو درختوں کا استثناء بھی صحیح، پھر بھی حال اور محل دونوں کا استثناء ہو جائے گا، اور صرف درختوں کو رکھوانا اور زمین کا استثناء کرنا تو وہ بھی صحیح ہے، وہ بھی آپ حال اور محل دونوں رکھوا رہے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی: وَرَهْنُ الْحُرِّ وَالْمُدَبَّرِ وَالْمُكَاتَبِ وَأُمِّ الْوَلَدِ، أَيْ لَا يَصِحُّ رَهْنُ الْحُرِّ، اس کا عطف بھی پچھلے رَهْنُ پر ہے، اور آزاد آدمی کو رہن رکھوانا صحیح نہیں، اسی طرح مدبر، مکاتب اور امِ ولد کو بھی رہن رکھوانا صحیح نہیں، صحیح نہیں۔ بھئی آزاد آدمی کو رہن کیوں نہیں رکھوا سکتے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ رہن کس لیے رکھوایا جاتا ہے؟ تاکہ اس کو بیچ کر کیا کیا جائے؟ اپنی دین کی وصولی کر لی جائے، اور آزاد آدمی تو مال ہی نہیں ہے، اس کو تو بیچنا ہی جائز نہیں ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ اس سے وصولی نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح مدبر، مدبر وہ غلام جس کو آقا نے کہہ دیا کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو۔ مدبر وہ غلام جس کو آقا نے کہہ دیا کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو، تو اس کو مدبر کہتے ہیں۔ یاد رکھیے اس غلام کو اب آقا کے لیے بیچنا جائز نہیں، وہ اس کو بیچ نہیں سکتا کیونکہ آزادی اس غلام کا حق بن گئی، حق بن گئی، اور یاد رکھو اب کسی چیز کے ذریعے اس کی یہ آزادی فسخ نہیں ہو

سکتی۔ بعض چیزیں ہیں نا فسخ: بیع کیا، بیع آپ، بیع کو آپ کیا کر لیں؟ فسخ بھی کر سکتے ہیں اگر دونوں راضی ہو جاتے ہیں، لیکن یہ جو آزادی غلام کے لیے آقا نے اعلان کر دیا اب یہ فسخ نہیں ہو سکتی، آزادی اس کا حق بن گیا، اگر آقا اس سے پہلے مر گیا تو اس نے آزاد ہو جانا ہے، لہٰذا آقا اب اس کو بیچ نہیں سکتا۔ جب مدبر کو بیچنا جائز نہیں تو اس کو رہن رکھوانا بھی جائز نہیں، کیونکہ اگر رہن رکھوا دے گا تو رہن تو اس لیے رکھا جاتا ہے تاکہ اس کو بیچ کر وصولی کر لی جائے پیسوں کی، اور مدبر کو تو بیچنا جائز نہیں۔

اسی طرح مکاتب: مکاتب وہ غلام ہے جس کے ساتھ آقا عقدِ کتابت کر لے کہ مثلاً آپ مجھے پانچ سال تک ہر سال آپ مجھے بیس لاکھ روپے دے دیا کریں، تو پانچ سال بعد پھر آپ آزاد ہیں، یعنی پانچ قسطیں مجھے دے دیں بیس بیس لاکھ کی تو پھر آپ آزاد ہیں۔ غلام نے قبول کر لیا کہ ہاں میں کما کر لاتا ہوں، میں اپنے آپ کو آزاد کرواتا ہوں۔ تو یہ جو دونوں میں عقد ہوا اس کو عقدِ کتابت کہتے ہیں، یہ لکھنا اس میں لکھنا ضروری نہیں ہے بس اس عقد کا نام ہی کتابت ہے، یہ کیا ہے عقدِ کتابت ہے، لکھیں یا نہ لکھیں۔ چنانچہ یہ جو مکاتب ہوتا ہے یاد رکھو یہ آزاد آدمی کی طرح ہو جاتا ہے، یہ جائے گا، کاروبار کرے گا، محنت کرے گا اور پیسے کما کر لا کر ادائیگی کرے گا اور اپنے آپ کو آزاد کروائے گا۔ اب یہ آزاد آدمی کی طرح ہے، آقا اس سے زبردستی خدمت نہیں لے سکتا، تو یہ مکاتب جو ہے اس کو بھی رہن رکھوانا جائز نہیں ہے، اس لیے کیونکہ مکاتب جو ہے اس نے اپنے آپ کو آزاد کروانا ہے، یہ ادائیگی کرے گا تو کیا ہو جائے گا؟ آزاد ہو جائے گا، تو اس کے ذریعے وہ مرتہن اپنا دین کیسے وصول کرے گا؟ جب آزاد ہو جائے گا پھر تو یہ مال ہی نہ رہا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تیسرا ہے امِ ولد: امِ ولد وہ باندی جو آقا کے بچے کو جنم دے دے، آقا کے۔ آپ جانتے ہیں آقا کے لیے باندی سے صحبت جائز ہے، تو باندی سے اگر اولاد ہو گئی تو وہ باندی کیا بن جائے گی آقا کی؟ امِ ولد۔ لیکن یاد رکھنا ایک شرط: ویسے ہی نہیں امِ ولد بنے گی، بلکہ آقا اقرار بھی کرے کہ یہ میری اولاد ہے، اقرار ضروری ہے، اگر اقرار نہیں کرتا تو یہ امِ ولد نہیں، یہ عام باندی ہی ہے۔ بیوی جو ہے فراشِ قوی ہے، باندی جو ہے وہ فراشِ ضعیف ہے۔ بیوی سے اولاد جو ہو وہ خود بخود خاوند کی شمار ہوتی ہے، لیکن باندی سے جو اولاد ہو وہ خود بخود آقا کی شمار نہیں ہوتی جب تک آقا اس کا اقرار نہ کر لے۔ ہاں جب آقا نے اقرار کر دیا کہ یہ میری اولاد ہے تو بس یہ باندی امِ ولد بن گئی، أُمُّ الْوَلَدِ، اس کے بچے کی ماں، آقا کے بچے کی ماں بن گئی، اور یہ بچہ اس کو آزادی دلوا دیتا ہے، یعنی جب آقا مر جائے گا اور یہ باندی زندہ ہوئی تو پھر یہ آزاد ہو جائے گی، یہ کیا ہو جائے گی؟ بچہ تو ہے ہی آزاد! بھئی بچہ جو ہوتا ہے وہ آزادی اور غلامی میں ماں کے تابع ہوتا ہے، اگر ماں آزاد تو بچہ بھی آزاد، اگر ماں باندی تو بچہ بھی غلام ہوتا ہے، غلام یا باندی ہوگا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ لیکن یہاں معاملہ ذرا مختلف ہے: باندی کا بچہ ہو تو وہ بھی غلام یا باندی ہی شمار ہوگا، لیکن آقا نے کہہ دیا یہ میرا بچہ ہے، تو اس صورت میں یہ بچہ تو اب آزاد ہے کیونکہ آقا کی اپنی اولاد ہے، اس کی اپنی اولاد تو اس کی غلام نہیں بنے گی نا! صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو یہ بچہ آزاد ہو گیا، اور یہ

بچہ اب اپنی ماں کی بھی آزادی کا سبب بنے گا، چنانچہ جب آقا کا انتقال ہوگا تو یہ باندی بھی کیا ہو جائے گی؟ آزاد ہو جائے گی۔ تو امِ ولد کو بیچنا جائز نہیں آقا کے لیے کیونکہ آزادی اس کا حق ہو چکا ہے، اس نے آگے چل کر آزاد ہونا ہے، جب اس کو بیچنا جائز نہیں تو اگر اس کو رہن رکھوا دیں گے تو مرتہن کیسے اس کو بیچ کر اپنا مال اس سے وصول کرے گا، اپنا دین اس سے وصول کرے گا؟ لہٰذا ان کو رہن رکھوانا صحیح نہیں۔

یہ معنی ہے وَرَهْنُ الْحُرِّ، أَيْ لَا يَصِحُّ رَهْنُ الْحُرِّ، آزاد آدمی کا رہن بھی صحیح نہیں، وَالْمُدَبَّرِ، اور مدبر کو رہن رکھوانا بھی صحیح نہیں، وَالْمُكَاتَبِ، اور مکاتب کا رہن بھی صحیح نہیں، وَأُمِّ الْوَلَدِ، اور امِ ولد کا رہن بھی صحیح نہیں۔

یہاں تک تو یہ بیان کیا کہ کن چیزوں کو رہن رکھوانا جائز نہیں ہے۔ اب آگے یہ بیان کریں گے کن چیزوں کے بدلے میں رہن جائز نہیں ہے، وہ ذکر کرنے لگے ہیں، تو کہتے ہیں ثُمَّ لَمَّا ذَكَرَ مَا لَا يَجُوزُ رَهْنُهُ أَرَادَ أَنْ يَذْكُرَ مَا لَا يَجُوزُ الرَّهْنُ بِهِ، جب مصنف نے ذکر کر دیا ما ان چیزوں کو کہ لَا يَجُوزُ رَهْنُهُ کہ جن کو رہن رکھوانا جائز نہیں، تو أَرَادَ تو مصنف نے ارادہ کیا کہ أَنْ يَذْكُرَ کہ وہ ذکر کر دے مَا لَا يَجُوزُ الرَّهْنُ بِهِ ان چیزوں کو بھی جن کے بدلے میں رہن جائز نہیں ہے، فَقَالَ پس مصنف نے فرمایا، ماتن نے فرمایا: وَلَا بِالْأَمَانَاتِ، أَيْ لَا يَصِحُّ الرَّهْنُ بِالْأَمَانَاتِ، امانتوں کے بدلے میں رہن صحیح نہیں ہے، جائز نہیں ہے، كَالْوَدِيعَةِ وَالْمُسْتَعَارِ وَمَالِ الْمُضَارَبَةِ وَالشِّرْكَةِ۔ یہ امانتوں کی چار صورتیں بیان کر دیں۔ بھئی اردو میں تو امانت آپ کسی کے پاس کوئی چیز رکھوا دیں کہ کچھ عرصے کے لیے یہ اپنے پاس حفاظت کے لیے رکھ لو، اس کو امانت کہتے ہیں، لیکن فقہ میں امانت کا مفہوم وسیع ہے بھئی۔ ہر وہ چیز جو دوسرے کے پاس ہو اور اس کا اس پر ضمان نہ آئے اس کو امانت کہتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جیسے کسی کے پاس کوئی امانت رکھواؤ، اس کا بھی اس پر ضمان نہیں، اسی طرح کسی کو استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو، مثلاً آپ کی موٹر سائیکل وہ لے گیا استعمال کے لیے، تو میں نے آپ کو کل بتلایا تھا کہ اس کو اعارہ کہتے ہیں اور اعارہ کا بھی کوئی ضمان نہیں ہوتا، تو یہ بھی امانت ہے۔

اسی طرح مالِ مضاربت ہے بھئی۔ مضاربت اس کو کہتے ہیں کہ مال ایک کا ہو، محنت دوسرے کی ہو اور نفع آپس میں برابر تقسیم کر لیں۔ مثلاً میرے پاس مال ہے دس لاکھ روپے لیکن مجھے تجارت نہیں آتی، زید کو تجارت آتی ہے لیکن اس کے پاس مال نہیں ہے، تو میں اس کو کہتا ہوں یہ میرا مال آپ لے لو اور آپ اس کے ذریعے تجارت کرو، اور جو نفع آئے گا اس کو آدھا آدھا تقسیم کر لیں گے۔ تو دیکھو مال میرا، محنت زید کی اور نفع آپس میں برابر نفع آپس میں تقسیم کر برابر ہونا ضروری نہیں، نفع کو جو بھی آپس میں طے کر لیں جتنا بھی، اگر طے کر لیں مثلاً زید کہتا ہے میں پچھتر فیصد میں رکھوں گا، آپ کو صرف میں پچیس فیصد دوں گا، اور وہ دوسرا شخص راضی ہو جاتا ہے تو بھی ٹھیک ہے بھئی، بس جتنا طے ہو جائے۔ تو دیکھا مال ایک کا، محنت دوسرے کی اور نفع آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں، اس کو مضاربت کہتے ہیں۔ یاد رکھو یہ جو مضارب

کے پاس مال ہے، یہ جو میرا مال زید کے پاس ہے یہ امانت کے حکم میں ہے، اس کا زید پر ضمان نہیں آئے گا۔ لہٰذا اگر یہ مضارب کے پاس کل ہلاک ہو جائے یا اس سے چوری ہو جائے تو رب المال جو ہے، مال جس نے دیا تھا، وہ اس سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرا مال لے کر آؤ مجھے ادا کرو جیسے بھی ہو، کیونکہ یہ مالِ مضاربت جو ہے یہ امانت ہوتی ہے، اس کا ضمان نہیں آتا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یا اسی طرح مالِ شرکت ہے: شرکت میں مال دونوں کا ہوتا ہے۔ میں نے اور زید نے دس دس لاکھ روپے آپس میں ملائے اور ہم دونوں نے مل کر کاروبار شروع کر دیا، مل کر۔ تو دیکھا یہ ہے مالِ شرکت، آدھا مال میرا ہے اور آدھا مال زید کا ہے اور دونوں مل کر کاروبار کر رہے ہیں، میں بھی تجارت میں مصروف، وہ بھی تجارت میں مصروف، تو یہ ہے مالِ شرکت۔ اور اس مالِ شرکت میں زید بھی تصرف کر رہا ہے، میں بھی تصرف کر رہا ہوں، تو یہ جو مالِ شرکت میں ہم دونوں تصرف کر رہے ہیں تو یہ مالِ شرکت ہم دونوں کے پاس جو ہے یہ بھی امانت کے حکم میں ہے، ایک کا ضمان دوسرے پر نہیں آئے گا، لہٰذا دونوں میں سے کسی ایک کے پاس اگر وہ مال ہلاک ہو جاتا ہے یا چوری ہو جاتا ہے تو دوسرا اس سے ضمان طلب نہیں کر سکتا کیونکہ امانت کا ضمان نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ سب امانتیں ہیں، یہ سب امانتیں ہیں، لیکن اردو میں امانت ہم صرف کس کو کہتے ہیں؟ کسی کے پاس کوئی چیز رکھوائی جائے، اس کو عربی میں ودیعت کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ ودیعت، جس کو ہم اردو میں امانت کہتے ہیں۔

تو کہتے ہیں وَلَا بِالْأَمَانَاتِ، اور رہن رکھوانا صحیح نہیں ہے امانتوں کے بدلے میں، كَالْوَدِيعَةِ، جیسے کہ ودیعت ہے یعنی کسی کے پاس کوئی چیز رکھوانا، وَالْمُسْتَعَارِ، اور اسی طرح مستعار، وہ چیز جس کو عاریتاً لیا جائے دوسرے سے۔ آپ نے موٹر سائیکل اپنے ساتھی کو دی، آپ کے ساتھی نے آپ سے موٹر سائیکل مانگی مجھے استعمال کے لیے ضرورت ہے، آپ نے اس کو موٹر سائیکل دے دی، تو وہ ہوا مستعیر، عاریتاً مانگنے والا، اور موٹر سائیکل ہوئی مستعار، جو آپ نے استعمال کے لیے اس کو دے دی۔ تو کہا کیا کہا؟ كَالْوَدِيعَةِ وَالْمُسْتَعَارِ، جیسے کہ امانت ہے، وَالْمُسْتَعَارِ، اور وہ چیز جو عاریت کے طور پر دی گئی ہو، وَمَالِ الْمُضَارَبَةِ، اور جیسے کہ مالِ مضاربت ہے، وَالشِّرْكَةِ أَيْ وَمَالِ الشِّرْكَةِ، اور جیسے کہ شرکت کا مال ہے، یہ سب امانتیں ہیں، ان کے بدلے رہن رکھوانا جائز نہیں۔

وَلَا بِالدَّرْكِ، اور دَرْك کے بدلے بھی رہن رکھوانا صحیح نہیں۔ دَرْك، دَرْك کہتے ہیں اصل میں ضمان اور تاوان، یوں کہو یہاں یہ تاوان اور نقصان کے معنی میں ہے، تاوان اور نقصان کے معنی میں ہے۔ صورت یہ کہ زید ایک زمین خریدنا چاہتا ہے لیکن اس کو یہ فکر ہے کہیں اس زمین میں کوئی دھوکہ نہ ہو جائے، میرے پیسے نہ ڈوب جائیں، تو میں اس کو ضمانت دیتا ہوں کہ آپ بے فکر ہو کر زمین خریدیں، اس میں کسی قسم کا کوئی دھوکہ نہیں، کسی قسم کا کوئی دھوکہ نہیں۔ میں تیسرا آدمی ہوں، بائع نہیں ہوں، بیچنے والا نہیں ہوں، میں ایک تیسرا آدمی ہوں، میں اس کو ضمانت دیتا ہوں کہ آپ اس آدمی سے زمین

خرید لیں اس میں کسی، اس میں کسی قسم کا دھوکہ نہیں، اگر اس میں کوئی نقصان آپ کا ہوا، کوئی اور مستحق نکل آیا، تو میں ضامن ہوں، میں آپ کے پیسے آپ کو دلاؤں گا، آپ کے پیسے ڈوبیں گے نہیں، ضائع نہیں ہوں گے، میں آپ کو آپ کے پیسے دلاؤں گا۔ تو دیکھا میں نے ضمانت دے دی، میں نے ضمانت دے دی، میں کفیل بن گیا، تو یہ ضمانت دینا صحیح ہے، لیکن اس کے بدلے رہن رکھوانا ٹھیک نہیں ہے، رہن رکھوانا ٹھیک نہیں، وہ کہتا ہے نہیں میرے پاس کوئی چیز بطورِ رہن کے رکھواؤ، تو رہن کے طور پر بھئی میں کیوں رکھواؤں، رہن جائز نہیں۔ کیوں؟ کیونکہ رہن تو ہوتا ہے دین کے بدلے، اور یہاں کوئی دین ہے نہیں۔ ابھی تو کسی قسم کا کسی پر کوئی دین واجب ہی نہیں ہوا، ہاں اگر اس نے دھوکہ کیا تو پھر وہ دین اس کے ذمے، بائع نے پیسے لے لیے، بعد میں پتہ چلا زمین کس کی ہے؟ کسی تیسرے آدمی کی ہے، تو اب بائع پر ضمان آگیا کہ وہ پیسے واپس لوٹائے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس پر ضمان آگیا، یعنی جو اس نے ثمن وصول کیے تھے، تو پھر تو ٹھیک تھا رہن رکھوانا، لیکن ابھی تو دین کا وجوب ہی نہیں، جب دین کا وجوب ابھی تک نہیں ہوا تو اس کے بدلے رہن بھی صحیح نہیں، جب دین نہیں تو وہ رہن کے ذریعے وہ کس چیز کو وصول کرے گا؟ کس لیے رہن رکھنا چاہتا ہے کہ ابھی تو ثابت ہی نہیں ہوا دین۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَلَا بِالدَّرْكِ، اور تاوان اور نقصان کے بدلے بھی رہن جائز نہیں ہے، صُورَتُهُ صورت اس کی یہ ہے کہ بَاعَ زَيْدٌ مِنْ عَمْرٍو دَارًا۔ یہ دیکھو بَاعَ کا صلہ مِنْ آتا ہے مِنْ، میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا، مِنْ اس پر داخل ہوتا ہے جس کو چیز بیچی جائے، بِعْتُ مِنْ عَمْرٍو، کیا معنی؟ میں نے عمرو کو بیچی یا عمرو کو، یہ کو کا لفظ نہ بولا کریں بھئی، عام طور پر تو ٹھیک ہے، عام استعمال ہو جاتا ہے لیکن بعض جگہ اشتباہ پڑتا ہے، مثلاً میں نے عمرو کو بیچا، کیا معنی؟ عمرو کو اٹھا کر آپ نے بیچ دیا؟ نہیں، بلکہ یوں کہیں: میں نے عمرو کے ہاتھ بیچا، ایسے ترجمہ کریں، ہاں معلوم ہوا عمرو کے ہاتھ میں نے کوئی کتاب بیچی یا قلم بیچا، وہ تیسری چیز ہے جس کو بیچا ہے، لیکن کو براہِ راست لے آئیں: عمرو کو بیچا، تو یوں لگتا ہے شاید آپ نے عمرو ہی کو اٹھا کر آگے کسی تیسرے آدمی کو بیچ دیا۔ تو کیسے ترجمہ کریں؟ عمرو کے ہاتھ بیچا، یا یوں کہیں: میں نے عمرو پر بیچا، عمرو پر بیچا، دیکھو اب اس میں شبہ نہیں پڑتا۔ تو صُورَتُهُ، صورت اس کی یہ ہے بَاعَ زَيْدٌ مِنْ عَمْرٍو زید نے بیچا عمرو کے ہاتھ دَارًا ایک گھر، ایک گھر بیچا، فَرَهَنَ بَكْرٌ عِنْدَ الْمُشْتَرِي شَيْئًا بِمَا يُدْرِكُهُ فِي هَذَا الْبَيْعِ۔ دیکھا بیچنے والا کون؟ زید، اور خریدار کون؟ عمرو، اور تیسرا آدمی جو ہے وہ ضمان دے رہا ہے، وہ رہن رکھوانا چاہ رہا ہے۔ فَرَهَنَ بَكْرٌ عِنْدَ الْمُشْتَرِي، تو بکر نے رہن رکھ دیا مشتری یعنی عمرو کے پاس شَيْئًا کوئی چیز۔ بھئی کس چیز کے بدلے یہ چیز رکھوا رہے ہو؟ کہتے ہیں بِمَا يُدْرِكُهُ فِي هَذَا الْبَيْعِ، وہ جو نقصان اس کو لاحق ہو اس بیع کے اندر، اگر کوئی نقصان یا تاوان اس بیع میں لاحق ہوا تو اس کے بدلے یہ رہن رکھ لو۔ بھئی ابھی تو نقصان ثابت ہی نہیں ہے، نقصان ثابت نہیں ہے تو دین نہیں ہے، جب دین نہیں ہے تو رہن کے ذریعے وہ کیا وصول کرنا چاہتا ہے؟ لہٰذا یہ رہن جائز نہیں، رہن تو کس لیے رکھوایا جاتا ہے؟ تاکہ وہ اپنا دین وصول کرے، یہاں تو ابھی کوئی چیز واجب

ہی نہیں۔

تو کہتے ہیں وَكَذَا لَوْ رَهَنَ شَيْئًا بِمَا ذَابَ لَهُ عَلَى فُلَانٍ لَا يَجُوزُ، دوسری صورت، دوسری صورت: زید اور عمرو آپس میں جھگڑ رہے ہیں، زید نے عمرو سے کہا کہ تم نے میرے دس لاکھ روپے دینے ہیں، عمرو کہتا ہے کہ نہیں بھئی میں نے آپ کا کوئی پیسہ نہیں دینا، کوئی پیسہ نہیں دینا، وہ آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔ میں وہاں پہنچا، میں نے کہا بھئی جھگڑا نہ کرو، کس نے کس سے لینے ہیں؟ زید نے، مثلاً زید نے دعویٰ کیا ہے کس سے لینے ہیں؟ عمرو سے لینے ہیں، میں کہتا ہوں، زید سے کہتا ہوں کہ عمرو پر اگر آپ کے پیسے ثابت ہو گئے تو میں ضامن ہوں، مجھ سے آکر مطالبہ کر لینا۔ تو کفالت صحیح ہے، ضمانت دے رہا ہوں نا صرف، میں نے کیا کہا؟ کس کو کہا؟ زید کو کہا کہ اگر عمرو پر آپ کے پیسے ثابت ہو گئے تو مجھ سے آکر لے لینا، میں تمہیں دلواؤں گا، مجھ سے آکر مطالبہ کر لینا۔ تو یہ ضمانت اور کفالت تو صحیح ہے لیکن اس کے بدلے رہن رکھوانا صحیح نہیں ہے، وہ کہتا ہے نہیں میرے پاس کوئی چیز رہن رکھواؤ، تو بھئی رہن کس چیز کا؟ رہن تو دین کے بدلے ہوتا ہے، پہلے آپ اس پر اپنا دین ثابت تو کریں، قاضی کے پاس گواہ تو لے کر آئیں، ثابت تو کریں اس کو، اور نیز رہن تو وصولی کے لیے ہوتا ہے، ابھی آپ کا حق ثابت ہی نہیں ہے تو رہن کے ذریعے کیا چیز وصول کرنا چاہتے ہیں؟ وَكَذَا لَوْ رَهَنَ شَيْئًا، اسی طرح اگر رہن رکھی کوئی چیز بِمَا ذَابَ لَهُ أَيْ بِمَا ثَبَتَ لَهُ کہ جو اس کے لیے ثابت ہو جائے عَلَى فُلَانٍ فلاں پر، تو لَا يَجُوزُ، یہ رہن جائز نہیں ہے۔ وَلَوْ كَفَلَ بِهَذَا يَجُوزُ، ہاں اگر کفیل بنا، ضمانت دی اس چیز کے بدلے تو یہ جائز ہے، کفیل بننا ٹھیک ہے، رہن جائز نہیں۔

وَلَا بِعَيْنٍ مَضْمُونَةٍ بِغَيْرِهَا، اور رہن جائز نہیں ہے ایسی متعین چیز کے بدلے جو مَضْمُونٌ بِغَيْرِهَا ہو، جو مَضْمُونٌ بِغَيْرِهَا۔ یاد رکھو یہ جو چیزیں ہوتی ہیں جن کے بدلے ہم رہن رکھواتے ہیں یہ مَضْمُونٌ بِنَفْسِهِ ہوتی ہیں، توجہ ہے؟ چیزیں کیا ہوتی ہیں جن کے بدلے رہن رکھواتے ہیں وہ مَضْمُونٌ بِنَفْسِهِ ہوتی ہیں، یعنی اگر وہ چیز ہلاک ہو جائے تو ضمان میں وہی چیز آتی ہے، ضمان میں وہی چیز آتی ہے، کیا معنی وہی چیز آتی ہے؟ یعنی اگر اس کا مثل ممکن ہے، مثلیات میں سے ہے تو اس کا مثل آ جائے گا، تو مثل بھی تو اسی چیز جیسا ہے نا، تو وہی چیز آگئی یا نہیں؟ مثلاً آپ کے پاس میرا گندم ہے، دس من گندم میری آپ کے پاس ضائع ہو گئی، تو آپ پر کیا آئے گا؟ کہ اسی جیسی دس من گندم مجھے لا کر دیں، آپ جائیں گے بازار سے ویسی ہی خریدیں گے اور مجھے لا کر دے دیں گے، تو دیکھا یہ گندم کیا تھی؟ مَضْمُونٌ بِنَفْسِهِ تھی، ضمان کیا آیا آپ پر؟ وہی، اسی کا مثل آگیا، اسی کا مثل آگیا، تو کہیں گے مَضْمُونٌ بِنَفْسِهِ ہے یعنی اس کی اپنی ذات ہی آپ پر آگئی۔ اور بعض چیزوں کا مثل نہیں ہوتا تو وہ مَضْمُونٌ بِالْقِيمَةِ ہوتی ہے، اور قیمت بھی تو اس چیز کا مثل ہے، مالی اعتبار سے کیا ہے وہ اس کا مثل ہے! مثلاً آپ کے پاس میں نے ایک بکری رہن کے طور پر رکھوائی اور وہ بکری آپ کے پاس ہلاک ہو گئی، اب یہ بکری کیا تھی؟ مَضْمُونٌ بِنَفْسِهِ تھی، اس میں ضمان اسی کی ذات آتی ہے، اور اس جیسی بکری تو اور مل نہیں سکتی تو پھر کیا دینا

پڑے گی اس کو؟ قیمت، اور قیمت بھی تو اس کے مثل ہی ہے، مالی اعتبار سے کیا ہے یہ اس کے مثل ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو ہر چیز کیا ہوتی ہے؟ مَضْمُونٌ بِنَفْسِهِ، یعنی ہر متعین چیز مَضْمُونٌ بِنَفْسِهِ ہوتی ہے، مَضْمُونٌ بِنَفْسِهِ یعنی اس میں ضمان کیا آتا ہے؟ اس کا مثل آتا ہے یا اس کی قیمت آتی ہے۔ تو یاد رکھو، یاد رکھو، رہن ایسی چیز کے بدلے جائز ہے جو مَضْمُونٌ بِنَفْسِهِ ہو، یعنی جس میں ضمان کیا آتا ہو؟ اس کا مثل یا اس کی قیمت۔ پھر دہراؤ: رہن صرف کس چیز کے بدلے جائز؟ جو مَضْمُونٌ بِنَفْسِهِ ہو۔ کیا معنی مَضْمُونٌ بِنَفْسِهِ ہو؟ کہ اس کا ضمان کیا آتا ہو؟ اس کا مثل آتا ہو یا اس کی قیمت آتی ہو۔

اور اگر کوئی چیز مَضْمُونٌ بِنَفْسِهِ نہیں، مَضْمُونٌ بِغَيْرِهَا ہے، تو پھر اس صورت میں اس کے بدلے رہن جائز نہیں، جس میں اس کی اپنی ذات ضمان نہیں آتی، کوئی اور چیز ضمان آتا ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ وہ کیسی چیز ہے؟ بھئی یہ ہے بیعہ، کیا ہے؟ بیعہ۔ آپ کے اور میرے درمیان بیع ہوئی، آپ کے پاس ایک موٹر سائیکل تھی، ایجاب و قبول ہوا، میں نے کہا میں نے آپ سے پچاس ہزار میں یہ موٹر سائیکل خرید لی، آپ نے کہا مجھے منظور ہے، تو ایجاب و قبول ہوتے ہی میں موٹر سائیکل کا مالک بن گیا، اور کتنا ثمن طے ہوا تھا؟ پچاس ہزار، پچاس ہزار۔ تو ابھی ثمن میرے پاس ہیں اور موٹر سائیکل آپ کے پاس ہے، تو یہ بیعہ ہے، یہ معین چیز دیکھو موٹر سائیکل ہے متعین چیز، تو یہ جو بیعہ ہے یہ مَضْمُونٌ بِغَيْرِهَا ہے، کیا ہے؟ مَضْمُونٌ بِغَيْرِهَا، یعنی مَضْمُونٌ بِنَفْسِهِ نہیں، اس میں اس کا مثل یا قیمت نہیں آتی۔ اگر آپ نے مجھے ابھی موٹر سائیکل نہیں دی تھی اس سے پہلے موٹر سائیکل آپ کے پاس ہلاک ہو گئی، جل گئی، تو آپ پر کوئی ضمان آئے گا؟ نہیں۔ کوئی ضمان آپ پر نہیں ہے۔ ہاں، وہ ثمن مجھ پر ساقط ہو جائیں گے، کیا ہو جائیں گے؟ اور ثمن تو آپ کا آپ ہی کا حق تھا بھئی، ثمن بائع کا حق بن گیا تھا نا، تو وہ حق کیا ہو گیا؟ ساقط ہو جائے گا بس، ضمان وغیرہ تو کوئی بھی نہیں آیا، دیکھو نہ اس موٹر سائیکل کا مثل آیا نہ اس کی قیمت آئی۔ تو بیعہ کیا ہے؟ وہ مَضْمُونٌ بِغَيْرِهِ ہے، اور مَضْمُونٌ بِغَيْرِهِ کے بدلے میں رہن رکھوانا صحیح نہیں، کیونکہ رہن کس لیے ہوتا ہے؟ کہ اس چیز کو وصول کیا جائے، اور یہاں وہ تو بیعہ تو اس کا اپنا تھا، کس چیز کو وصول کرے گا؟ کس سے وصول کرے گا بھئی؟ بات سمجھ میں آگئی؟

وَلَا بِعَيْنٍ مَضْمُونَةٍ بِغَيْرِهَا، اور رہن صحیح نہیں ہے ایسی متعین چیز کے بدلے جو مَضْمُونٌ بِغَيْرِهَا ہو، الْمُرَادُ أَنْ لَا تَكُونَ مَضْمُونَةً بِالْمِثْلِ أَوْ بِالْقِيمَةِ۔ دیکھا مَضْمُونَةٍ بِغَيْرِهَا کا معنی بیان کر رہے ہیں کہ مَضْمُونَةٍ بِغَيْرِهَا سے مراد یہ ہے کہ وہ مَضْمُونٌ بِالْمِثْلِ یا مَضْمُونٌ بِالْقِيمَةِ نہ ہو، اس کا مثل یا قیمت ضمان میں نہ آتی ہو، كَمَبِيعٍ فِي يَدِ الْبَائِعِ، جیسے وہ بیعہ جو بائع کے قبضے میں ہو، أَيْ بَاعَ شَيْئًا وَلَمْ يُسَلِّمْ، یعنی بائع نے کوئی چیز بیچی اور وہ اس حال میں کہ ابھی اس نے سپرد نہیں کی، فَرَهَنَ بِهِ شَيْئًا، تو اس چیز کے بدلے اس نے کوئی چیز رہن رکھوا دی مشتری کے پاس، لَا يَجُوزُ یہ جائز نہیں ہے، لِأَنَّهُ إِذَا هَلَكَ الْعَيْنُ لَمْ يَضْمَنِ الْبَائِعُ شَيْئًا، اس لیے کیونکہ اگر وہ متعین چیز ہلاک ہو گئی تو بائع ضامن نہیں ہوگا کسی بھی چیز کا، اس پر ضمان آتا ہی نہیں، دین آتا ہی نہیں کوئی اس پر، لَكِنَّهُ يَسْقُطُ الثَّمَنُ، لیکن ثمن جو ہے وہ ساقط ہو جائیں گے مشتری سے، وَهُوَ حَقُّ الْبَائِعِ، اور وہ تو بائع کا ہی حق ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

وَلَا بِالْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ وَبِالْقِصَاصِ بِالنَّفْسِ وَمَا دُونَهَا وَبِالشُّفْعَةِ، کفالت بالنفس کے بدلے بھی رہن جائز نہیں، قصاص بالنفس کے بدلے بھی رہن جائز نہیں، اور قصاص مادون النفس کے اندر بھی رہن جائز نہیں، اور شفعہ کے اندر بھی رہن جائز نہیں۔ صورتِ مسئلہ یہ بھئی: کفالت بالنفس، کسی کی جان کی ضمانت دینا۔ مثلاً زید نے قتل کر دیا اور قاضی نے فیصلہ کر دیا اب اس زید کو بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ تو زید نے کہا کہ بھئی میرے گھر والے مثلاً اسلام آباد میں میرا گھر ہے، ان کو کوئی اطلاع نہیں مجھے یہاں قصاص کے اندر قتل کیا جا رہا ہے، تو مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے گھر والوں کو اطلاع دے آؤں، میں قصاص سے بھاگوں گا نہیں۔ تو ایک شخص نے ضمانت دے دی، مثلاً بکر نے ضمانت دے دی کہ میں زید کی ضمانت دیتا ہوں، زید بھاگے گا نہیں، یہ واپس آئے گا، نہ آیا تو اس کا لانا میرا کام۔ تو یہ ضمانت کفالت بالنفس ہے اور کفالت بالنفس ٹھیک ہے، جائز ہے بھئی۔ اگر وہ نہیں آئے گا تو ہم اس کو پکڑ لیں گے بھئی یہ جس نے ضمانت دی تھی، تم نے کہا تھا کہ میں لے کر آؤں گا اب لے کر آؤ اس کو جہاں سے بھی۔ تو لہٰذا ضمانت بالنفس تو ٹھیک ہے، جائز ہے۔ تو زید پر کیا آیا ہے؟ قصاص، اور زید کو قتل کیا جائے گا، اور زید کی ضمانت دے دی بکر نے، یعنی زید کے مال کی ضمانت نہیں دے رہا، زید کی جان کی ضمانت دے رہا ہے کہ زید یعنی ذات کی، کہ زید بھاگے گا نہیں، اس کی ذات کی ضمانت دیتا ہوں، یہ پہنچے گا اپنے وقت پر، پھر آپ اس سے قصاص لے لینا، اس کو بدلے میں قتل کر دینا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ چنانچہ بکر نے ضمانت دے دی، تو بکر ہوا کفیل بالنفس، کفیل بالنفس۔ پھر وہ جو مدعی تھا، جن کا مقتول تھا، ان کو خوف ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو زید بعد میں آئے ہی نہ، تو چنانچہ انہوں نے اس کفیل بالنفس سے کہا کہ کوئی چیز ہمارے پاس بطورِ رہن کے رکھواؤ۔ تو کیا کفیل بالنفس کوئی چیز بطورِ رہن کے رکھوا سکتا ہے اور یہ رہن رکھوانا جائز ہے؟ تو کہتے ہیں نہیں بھئی، کفالت بالنفس کے بدلے جو ہے رہن رکھوانا جائز نہیں۔ رہن رکھوانا جائز نہیں۔ اس لیے کیونکہ رہن کس لیے رکھوایا جاتا ہے؟ دین کی وصولی کے لیے، یعنی کسی چیز کو اس کے ذریعے وصول کیا جائے، تو مثلاً اگر بکر ایک مکان جو ہے وہ ان کے پاس یا ایک قیمتی گاڑی ان کے پاس بطورِ رہن کے رکھوا بھی دیتا ہے، تو کیا اس گاڑی کے ذریعے بعد میں زید کی وصولی وہ کر سکتے ہیں؟ یہ گاڑی کے ذریعے تو زید کا وصول کرنا ممکن نہیں۔ بھئی دین تو ہوتا ہے نا، گاڑی کو بیچ دیتے ہیں اور اس کے ذریعے دین کی وصولی ہو جاتی ہے، لیکن یہاں پر تو جو بھی چیز رہن رکھوائی جائے اس کے ذریعے کسی کی ذات کو وصول نہیں کیا جا سکتا، تو معلوم ہوا کفالت بالنفس کے بدلے رہن رکھوانا صحیح نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دوسری صورت: ایک شخص نے قتل کر دیا اور اس پر قصاص آیا اور اس کو قتل کر دیا جائے گا اب، اس نے کہا قاضی صاحب میں نے اسلام آباد جانا ہے اور میں پھر گھر والوں کو اطلاع دے کر آجاؤں گا، پھر مجھے قصاص میں بے شک قتل کر دیا جائے لیکن میرے گھر والوں کو تو کم از کم پتہ ہو کہ مجھے یہاں قصاص میں قتل کیا جا رہا ہے۔ اور وہ جو مقتول کے ورثاء وغیرہ ہیں وہ مانتے نہیں ہیں، یہ کہتا ہے بھئی یہ فلاں میری قیمتی کوٹھی ہے، یہ بطورِ رہن کے آپ لوگ رکھ لیں، میں بھاگوں

گا نہیں۔ تو یہ اب رہن رکھوانا چاہتا ہے کس کے بدلے؟ قصاص بالنفس کے بدلے، اس زید پر کیا آیا ہے؟ قصاص آیا ہے، اور قصاص بھی نفس کا ہے یعنی اس کو قتل کیا جائے گا۔ تو یاد رکھو قصاص بالنفس کے بدلے رہن رکھوانا جائز نہیں، کیونکہ رہن کس لیے رکھا جاتا ہے؟ دین کو یا کسی چیز کو وصول کرنے کے لیے، اور کیا اس کوٹھی کے ذریعے قصاص کو وصول کیا جا سکتا ہے؟ نہیں، اس کے ذریعے قصاص بالنفس کو وصول نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح قصاص مادون النفس ہے: نفس سے کم کے اندر قصاص آتا ہے۔ یاد رکھو کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا اگر کوئی عضو کاٹ دے ارادے کے ساتھ، مثلاً اس کا ہاتھ کاٹ دیا، ٹانگ کاٹ دی، یا اس کا کان کاٹ دیا، یا اس کی آنکھ نکال دی وغیرہ، تو بعض صورتوں میں قصاص آتا ہے اور بعض صورتوں میں دیت وغیرہ آتی ہے، مال آتا ہے۔ تو جن صورتوں میں قصاص آتا ہے، مثلاً نفس سے کم کا قصاص ہے، زید نے کسی کا ہاتھ کاٹا ہے، قصاص اس پر آگیا، قاضی نے اس کے بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، اور زید نے کہا کہ میں اپنے گھر والوں کو اطلاع دے کر آجاؤں، میں قصاص سے بھاگتا نہیں ہوں، تو مجھے جانے دیا جائے، اور بطورِ رہن کے یہ میں اپنی کوٹھی آپ کے پاس بطورِ رہن کے رکھواتا ہوں۔ تو یہ قصاص مادون النفس ہے، کیا اس میں رہن رکھوانا جائز ہے؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، رہن کے ذریعے تو قصاص وصول نہیں ہو سکتا، نہ تو قصاص بالنفس وصول ہو سکتا ہے اور نہ قصاص مادون النفس وصول ہو سکتا ہے، لہٰذا یہ رہن جائز نہیں ہے۔

اسی طرح شفعہ کے بدلے میں بھی رہن رکھوانا جائز نہیں: شفعہ آپ جانتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی زمین دوسرے شخص کو بیچی ہے، تو اس کا جو پڑوسی وغیرہ ہے تو وہ اس پر شفعہ کر کے اسی قیمت میں اس کو لے سکتا ہے۔ تو چنانچہ شفیع نے شفعہ کر دیا، بائع نے مشتری کو اپنی زمین بیچی اور شفیع نے کیا کر دیا؟ شفعہ کر دیا، اور مطالبہ بھی کیا اور پھر قاضی کے پاس بھی چلا گیا اور قاضی نے شفیع کے حق میں فیصلہ کر دیا کہ یہ زمین اتنے ہی پیسوں میں جتنے میں مشتری نے خریدی ہے کس کو دے دی جائے؟ شفیع کو دے دی جائے۔ جب قاضی نے فیصلہ کر دیا تو شفیع کہتا ہے، مثلاً زمین ابھی بائع کے پاس تھی تو وہ بائع سے کہتا ہے کہ میرے پاس کوئی چیز رہن رکھواؤ جب تک زمین، یا شفیع کہتا ہے قاضی صاحب اس بائع نے زمین میرے حوالے کرنی ہے، شفعے کا فیصلہ تو میرے حق میں ہو گیا ہے، اب اس بائع سے کہیں کہ یہ میرے پاس کوئی چیز جب تک رہن کے طور پر رکھوا دے اس نے زمین مجھے دینی ہے۔ یا زمین مثلاً اس نے مشتری کو دے دی تھی تو وہ مشتری کے بارے میں کہتا ہے کہ قاضی صاحب مشتری کو کہیں کہ وہ میرے پاس کوئی چیز بطورِ رہن کے رکھوا دے کیونکہ اس نے میری زمین دینی ہے۔ کہتے ہیں نہیں بھئی، شفعہ کے اندر بھی، شفعہ کے بدلے بھی رہن رکھوانا صحیح نہیں، اس لیے کیونکہ رہن جو ہوتا ہے وہ دین کے بدلے ہوتا ہے، اور یہاں بائع اور مشتری نے کسی نے، کسی پر دین نہیں ہے شفیع کا کہ جس کے بدلے وہ اس کے پاس رہن رکھوائیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ صرف زیادہ سے زیادہ اس کے حق میں فیصلہ ہوا ہے اور اس نے زمین ان سے لینی ہے، اور بدلے میں اس نے بھی تو پیسے دینے ہیں بھئی، ویسے تو زمین اس کو نہیں ملے گی، لہٰذا

یہاں پر وہ رہن نہیں رکھوا سکتا کیونکہ بائع اور مشتری ان میں سے کسی پر اس کا دین نہیں ہے۔

دیکھیے بھئی ترجمہ: وَلَا بِالْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ، اور رہن رکھوانا صحیح نہیں ہے کفالت بالنفس کے بدلے، کفالت یعنی وہ جو ضمانت دیتا ہے ایک شخص دوسرے شخص کی، اور ضمانت آپ بھی جانتے ہیں، کبھی مال کی ضمانت دی جاتی ہے کسی نے مال وصول کرنا ہے دوسرے سے تو یہ ضمانت دیتا ہے کہ یہ آپ کے پیسے ادا کر دے گا، اگر نہیں کرے گا تو آپ مجھ سے مطالبہ کر لینا میں ادا کر دوں گا، تو جیسے مال کی ضمانت درست ہے اسی طرح جان یا ذات کی ضمانت بھی درست ہے، لیکن اس کے بدلے رہن رکھوانا صحیح نہیں، کیونکہ اس کے ذریعے اس ذات کو، اس شخص کو وصول نہیں کیا جا سکتا جس کی ضمانت دی گئی ہے۔ تو کہتے ہیں وَلَا بِالْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ، اور رہن رکھوانا صحیح نہیں ہے کفالت بالنفس کے بدلے، وَبِالْقِصَاصِ بِالنَّفْسِ وَمَا دُونَهَا، اور نہ قصاص بالنفس کے بدلے میں، وَمَا دُونَهَا، اور نہ وہ قصاص جو مادون النفس میں ہو، اس کے بدلے بھی رہن صحیح نہیں، وَبِالشُّفْعَةِ، اور شفعہ کے بدلے بھی رہن صحیح نہیں ہے۔

أَيْ كَفَلَ بِنَفْسِ رَجُلٍ، یعنی کوئی شخص کفیل بنا کسی شخص کی ذات کا، اس کی جان کا، فَرَهَنَ بِهَا شَيْئًا، تو اس نے رہن رکھوا دیا اس کی جان کے بدلے کوئی چیز رہن رکھوائی، لِيُسَلِّمَهَا، تاکہ وہ سپرد کرے اس کو، تاکہ وہ اس کو رہن رکھوا دی کہ میں بھئی لے کر آؤں گا، میں اس کو حاضر کروں گا، یہ چیز لو اپنے پاس بطورِ رہن کے رکھو۔ یہ کون رہن رکھوا رہا ہے؟ کفیل، اور کس کے پاس رکھوا رہا ہے؟ مدعی، جس کا دعویٰ تھا، جس کا جھگڑا چل رہا تھا، تو اس کے پاس کفیل رہن رکھواتا ہے تاکہ بات پکی ہو جائے میں زید کو حاضر کروں گا، کہتے ہیں نہیں بھئی یہ درست نہیں۔ یہ معنی ہے فَرَهَنَ بِهَا شَيْئًا، تو اس نے اس رجل کے نفس کے بدلے کوئی چیز رہن رکھوائی، لِيُسَلِّمَهَا، تاکہ وہ اس کو اس کے سپرد کرے، تو یہ درست نہیں۔

وَإِذَا وَجَبَ عَلَيْهِ الْقِصَاصُ فَرَهَنَ شَيْئًا، یا جب اس پر قصاص واجب ہوا تو اس نے کوئی چیز رہن رکھوا دی، لِئَلَّا يَمْتَنِعَ عَنِ الْقِصَاصِ، تاکہ وہ کہیں باز نہ رہے قصاص سے، رک نہ جائے قصاص سے، قصاص سے کہیں جا رہا ہے نا بھاگ نہ جائے یا کچھ اس نے کوئی چیز رہن رکھوا دی، اپنے گھر جانا چاہتا ہے ایک آدھ دن کے لیے تو کوئی چیز رہن رکھواتا ہے قصاص بالنفس میں یا قصاص مادون النفس میں، تو کہتے ہیں لَا يَجُوزُ، جائز نہیں۔ وَكَذَا إِذَا رَهَنَ الْبَائِعُ أَوِ الْمُشْتَرِي شَيْئًا عِنْدَ الشَّفِيعِ، اور اسی طرح اگر رہن رکھوا دیا بائع نے یا مشتری نے شَيْئًا کوئی چیز عِنْدَ الشَّفِيعِ شفیع کے پاس، لِيُسَلِّمَ الدَّارَ بِالشُّفْعَةِ، تاکہ وہ سپرد کرے وہ گھر شفعے کی وجہ سے، لَا يَجُوزُ، تو یہ جائز نہیں۔ بائع سے کیوں رہن مانگا؟ تاکہ یہ گھر میرے سپرد کرے، یا مشتری سے کیوں رہن مانگا؟ تاکہ وہ شفعہ، کہ وہ گھر کو میرے سپرد کر دے، تاکہ وہ گھر اس کے سپرد کرے اس لیے رہن رکھا شفعہ کی وجہ سے، لَا يَجُوزُ، تو یہ جائز نہیں، لِعَدَمِ الدَّيْنِ فِي هَذِهِ الصُّوَرِ، کیونکہ ان تمام صورتوں میں دین نہیں ہے، کفالت بالنفس میں بھی دین نہیں، قصاص بالنفس میں بھی دین نہیں، قصاص مادون النفس میں بھی کوئی دین نہیں، اور اسی طرح شفعہ کے اندر بھی دین نہیں، تو یہ جائز نہیں ہے لِعَدَمِ الدَّيْنِ فِي هَذِهِ الصُّوَرِ بوجہ دین نہ ہونے کے ان تمام صورتوں میں۔ بات سمجھ

میں آگئی؟

وَبِأُجْرَةِ النَّائِحَةِ وَالْمُغَنِّيَةِ، اور جائز نہیں ہے رہن رکھوانا نائحہ کی اجرت کے بدلے یا مغنیہ کی اجرت کے بدلے۔ نائحہ: نوحہ کرنے والی، رونے والی، رونے والی۔ بھئی عرب کے اندر پہلے کوئی بڑا آدمی مرتا تھا تو کئی کئی دن تک وہ روتے رہتے تھے، رونے والیوں کو بلایا جاتا اجرت پر اور وہ باقاعدہ اس پر روتیں، بین کرتیں، نوحے کرتیں، اور جتنا بڑا آدمی ہوتا اس پر اتنا ہی زیادہ نوحہ کروایا جاتا، بعض پر پورا پورا سال نوحے کروائے جاتے اور رویا جاتا کہ بہت بڑا آدمی مر گیا ہے۔ تو یہ جو نائحہ ہے رونے والی کی اجرت، یاد رکھو یہ نوحہ یہ تو شرعاً منع ہے، لہٰذا اس کی اجرت بھی واجب نہیں ہوتی، اجرت بھی واجب نہیں، اس کا کرایہ واجب نہیں۔ یا اسی طرح کوئی گانا گانے والی ہے تو یہ بھی، اس کی اجرت بھی گانا گانا بھی شرعاً جائز نہیں تو اس کی بھی کوئی اجرت نہیں۔ لہٰذا ایک شخص نائحہ، نوحہ کرنے والی کو لے آیا اور اس نے کسی کی موت پر نوحہ کرتی رہی، اس کی جو اجرت بن گئی، اجرت بن گئی، اس کے، تو اس نے اجرت مانگی، اس نے کہا کہ اجرت میں تمہیں دو دن بعد دے دوں گا، اس نے کہا میرے پاس کوئی چیز بطورِ رہن کے رکھوا دو اس اجرت کے بدلے، تو کہتے ہیں اس کے بدلے رہن رکھوانا جائز نہیں، اس لیے کیونکہ اجرت ہی نہیں ثابت شرعاً، تو کس چیز کے بدلے رہن رکھواتے ہو؟ یا گانا گانے والی کو کوئی لے آیا اور وہ گانے سناتی رہی، اور پھر بعد میں اس نے کہا میری اجرت مجھے دے دو، تو اس نے کہا آپ کی اجرت آپ کو دو دن بعد مل جائے گی، اس نے کہا میرے پاس کوئی چیز بطورِ رہن کے رکھوا دو، کہتے ہیں یہ رہن رکھوانا جائز نہیں، اس لیے کیونکہ یہ اجرت ہی شرعاً باطل ہے، آپ پر کوئی اجرت ہے ہی نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اجرت ہی باطل ہے، جب اجرت باطل ہے تو رہن کس چیز کے بدلے رکھواتے ہو؟ یہ معنی ہے وَبِأُجْرَةِ النَّائِحَةِ وَالْمُغَنِّيَةِ، اور جائز نہیں ہے رہن نوحہ کرنے والی کی اجرت کے بدلے اور گانا گانے والی کی اجرت کے بدلے۔

وَبِالْعَبْدِ الْجَانِي أَوِ الْمَدْيُونِ، اور اسی طرح رہن جائز نہیں ہے عبدِ جانی کے بدلے یا عبدِ مدیون کے بدلے۔ عبدِ جانی وہ غلام جس نے جنایت کی ہے، جرم کیا ہے، جرم کیا ہے۔ آپ کا ایک غلام تھا اور اس غلام نے کسی دوسرے شخص کا ہاتھ کاٹ دیا، ہاتھ کاٹ دیا۔ اب، اب اس غلام کا بھی ہاتھ کاٹا جائے گا، اس نے جنایت کی ہے۔ یاد رکھو جان میں، کسی کی جان میں کوئی جرم کیا جائے، اس کو قتل کر دیا یا اس کا ہاتھ کاٹ دیا، پیر کاٹ دیا، اس کو جنایت کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ جنایت۔ تو غلام نے بھی کسی کو قتل کیا ہے یا اس کا ہاتھ وغیرہ کاٹا ہے، تو یہ ہے عبدِ جانی، جنایت کرنے والا غلام۔ اس غلام کے بدلے رہن رکھوانا، کہتے ہیں آقا کے لیے یہ جائز نہیں ہے، اس لیے کیونکہ اس کا ضمان آقا پر نہیں آتا۔ غلام سے اگر اس طرح کوئی جنایت ہو جائے تو آقا پر ضمان نہیں آتا، بلکہ وہ غلام ہی پھر ان کے سپرد کر دیا جاتا ہے، یہ غلام آپ کا ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ وہ دیکھ لیں گے جتنا جرم ہوگا اس کے مطابق ہوگا فیصلہ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو وہاں آقا پر ضمان نہیں آتا، بس وہی غلام آقا سے لے کر ان کو دے دیا جاتا ہے، آقا پر ضمان نہیں آتا۔ تو ایک غلام ہے اس نے

جنایت کی ہے اور اس عبدِ جانی کے بدلے آقا سے وہ لوگ رہن طلب کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رہن رکھوائیں، اس غلام نے جنایت کی ہے یہ کہیں بھاگ نہ جائے، کہتے ہیں نہیں بھئی آقا پر یہ ضروری نہیں، کیونکہ آقا پر ضمان ہی نہیں آتا اس کا، حتیٰ کہ اگر یہ غلام مرگیا، جرم کیا ہے اور مرگیا، اب تو انہوں نے کچھ بھی وصول نہیں کیا، تو کیا اب آقا سے وصول کریں گے؟ کہتے ہیں نہیں، جرم میں آقا کا کیا دخل ہے بھئی؟ آقا سے کوئی وصولی نہیں، جب آقا پر کوئی ضمان نہیں تو آقا سے رہن لینا بھی جائز نہیں۔

دوسری صورت عبدِ مدیون ہے: آقا نے اپنے غلام کو تجارت کی اجازت دے دی، غلام گیا اس نے کاروبار اور تجارت شروع کر دی، تجارت شروع کر دی، اور پھر یہ مقروض ہو گیا، اس پر قرضے چڑھ گئے، اب لوگ آ گئے اور یہ غلام مقروض ہے، کروڑ روپیہ اس پر قرضہ ہو چکا ہے، تو آقا سے رہن طلب کرتے ہیں کہ اس عبدِ مدیون کے بدلے ہمارے پاس کیا کریں؟ رہن کوئی چیز رکھوائیں، کہتے ہیں نہیں بھئی عبدِ مدیون خود تجارت کر رہا تھا، آقا نے کوئی ضمانت تو نہیں دی تھی، آقا کوئی کفیل تو نہیں تھا اس کا کہ لوگوں کے قرضوں کا اب یہ جواب دے، آقا پر اس صورت میں کوئی ضمان نہیں، لہٰذا رہن رکھوانا بھی جائز نہیں، بلکہ اسی غلام کو اس کو بیچ کر وہ کیا کریں گے اپنے قرضے کو وصول کریں گے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

کہتے ہیں اسی طرح جائز نہیں ہے وَبِالْعَبْدِ الْجَانِي، اس غلام کے بدلے بھی رہن جس نے جنایت کی ہے، أَوِ الْمَدْيُونِ، یا اس غلام کے بدلے بھی رہن جائز نہیں جو مدیون ہے یعنی مقروض ہے، فَإِنَّهُ غَيْرُ مَضْمُونٍ عَلَى الْمَوْلَى، اس لیے کیونکہ وہ غیر مضمون ہے مولا پر، آقا پر اس کا ضمان نہیں ہے، فَإِنَّهُ لَوْ هَلَكَ لَا يَكُونُ عَلَى الْمَوْلَى شَيْءٌ، اس لیے کیونکہ اگر وہ ہلاک ہو گیا مرگیا تو بھی آقا پر کوئی چیز نہیں، معلوم ہوا آقا پر اس کا ضمان نہیں۔

فَإِذَا لَمْ يَصِحَّ الرَّهْنُ فِي هَذِهِ الصُّوَرِ، جب رہن صحیح نہیں ہے ان صورتوں کے اندر، فَلِلرَّاهِنِ أَنْ يَأْخُذَ الْمَرْهُونَ مِنَ الْمُرْتَهِنِ۔ صورت یہ: ان تمام صورتوں میں اس نے رہن رکھوا دیا، رہن رکھوا دیا تھا، اور یہ تو جائز ہی نہیں ہے، پھر اس نے قدوری پڑھی بھئی یا پھر اس نے کیا شرحِ وقایہ پڑھی، اس کو مسئلے کا پتہ چل گیا، اس نے جا کر رہن واپس لیا، کہتے ہیں ہاں بھئی جا کر رہن واپس لے سکتا ہے، اور ان کو روکنے کا حق نہیں، اگر انہوں نے رہن کو روک لیا تو وہ غاصب بن گئے اور ان پر پھر اگر رہن ہلاک ہوا تو ضمان آئے گا۔ ہاں لیکن اگر یہ مانگنے ہی نہیں گیا اور رہن ان کے پاس تھا، اس نے بس رہن رکھوا دیا اس کو مسئلے کا پتہ نہیں، اس نے رہن ان کے پاس رکھوا دیا، اور وہ رہن ان کے پاس ہلاک ہو گیا، تو بھئی اس صورت میں تو رہن رکھوانا جائز ہی نہیں تھا، تو گویا انہوں نے مالک کی اجازت سے ایک چیز کو اپنے پاس رکھا ہوا ہے، جب مالک کی اجازت سے ایک چیز کو اپنے پاس رکھا ہے تو ان پر ضمان بھی نہیں آئے گا۔ اگر یہ لینے گیا، انہوں نے انکار کر دیا رہن واپس دینے سے، پھر تو وہ کیا بن گئے؟ غاصب۔ لیکن اگر ابھی یہ لینے ہی نہیں گیا اس سے پہلے ہی ان کے پاس وہ رہن ہلاک ہو گیا، تو یہ رہن، رہن میں تو ضمان آیا کرتا ہے، لیکن یہاں تو رہن جائز ہی نہیں تھا، جب رہن جائز ہی نہیں تھا

تو ضمان آئے گا؟ ضمان نہیں آئے گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ تھا مالک کی اجازت سے اس کی چیز پر انہوں نے قبضہ کیا ہوا ہے، یوں سمجھیں گے۔ رہن نہیں ہے، ویسے مالک کی اجازت سے اس چیز پر قبضہ، اور جب اس پر مالک کی اجازت سے قبضہ کیا ہوا ہے، ہلاک ہو جائے تو اس میں ضمان آئے گا ہی نہیں کیونکہ یہ رہن تھا ہی نہیں۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں فَإِذَا لَمْ يَصِحَّ الرَّهْنُ فِي هَذِهِ الصُّوَرِ، جب رہن صحیح نہیں ہے ان صورتوں میں، فَلِلرَّاهِنِ أَنْ يَأْخُذَ الْمَرْهُونَ مِنَ الْمُرْتَهِنِ، تو راہن کے لیے جائز ہے کہ مرہون کو لے لے مرتہن سے، یعنی واپس لے لے، وَلَوْ هَلَكَ الْمَرْهُونُ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ، اور اگر وہ مرہون چیز ہلاک ہو گئی مرتہن کے قبضے میں ہی، قَبْلَ طَلَبِ الرَّاهِنِ، راہن کے مطالبے سے پہلے ہی، تو هَلَكَ بِلَا شَيْءٍ، تو وہ ہلاک ہوئی بغیر کسی چیز کے یعنی کوئی ضمان نہیں، کیونکہ رہن ہی ٹھیک نہیں تھا، لِأَنَّهُ لَا حُكْمَ لِلْبَاطِلِ، اس لیے کیونکہ باطل چیز کا کوئی حکم نہیں ہوتا، یہ رہن باطل تھا اس کا کوئی حکم نہیں، اس میں ضمان نہیں آئے گا، فَبَقِيَ الْقَبْضُ بِإِذْنِ الْمَالِكِ، اس لیے کیونکہ یہ باطل ہے تو باقی صرف کیا رہ گیا؟ رہن تو باطل ہے، رہن کا تو یہاں اعتبار ہی نہیں، صرف کیا چیز باقی رہ گئی؟ الْقَبْضُ بِإِذْنِ الْمَالِكِ، صرف مالک کی اجازت سے گویا انہوں نے اس کی چیز پر کیا کیا ہے؟ قبضہ کیا ہوا ہے، اس نے تو رہن سمجھ کر رکھوائی لیکن وہ تو رہن ہے ہی نہیں، ویسے ہی وہ چیز انہوں نے مالک کی اجازت سے گویا اس پر قبضہ کیا ہوا ہے، اور جب مالک کی اجازت سے قبضہ کیا ہوا ہے تو غاصب تو وہ نہیں ہے، مرتہن بھی نہیں، غاصب بھی نہیں، کچھ بھی نہیں، گویا وہ چیز ان کے پاس ویسے پڑی ہے، تو اس میں پھر ضمان نہیں آئے گا، صرف مالک کی اجازت سے قبضہ ہے تو اس میں ضمان نہیں آتا۔ یہ معنی ہے فَبَقِيَ الْقَبْضُ بِإِذْنِ الْمَالِكِ، تو باقی قبضہ رہ گیا مالک کی اجازت سے اور اس کا ضمان نہیں۔

وَلَا رَهْنُ خَمْرٍ وَارْتِهَانُهَا مِنْ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ لِلْمُسْلِمِ۔ یاد رکھو خمر جو ہے خمر، مسلمان کے لیے نہ بیچنا جائز، نہ خریدنا جائز، یعنی یوں کہو خمر میں مسلمان نہ اس کا مالک بن سکتا ہے خود، نہ خود مالک بن سکتا ہے، نہ کسی دوسرے کو مالک بنا سکتا ہے۔ یعنی خمر میں نہ تملک جائز ہے نہ تملیک جائز ہے، تملک خود مالک بننا، تملیک دوسرے کو مالک بنانا۔ کیا کوئی مسلمان کسی دوسرے کے پاس خمر، شراب جو ہے وہ رہن رکھوا سکتا ہے یا نہیں؟ کہتے ہیں نہیں بھئی۔ مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے پاس بھی شراب رہن نہیں رکھوا سکتا اور کسی ذمی کے پاس بھی رہن نہیں رکھوا سکتا، اور وہ بھی اس کے پاس رہن نہیں رکھ سکتے۔ نہ یہ رہن رکھوا سکتا ہے اور نہ خود رہن رکھ سکتا ہے شراب کو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے وَلَا رَهْنُ خَمْرٍ، اور جائز نہیں ہے شراب کو رہن رکھوانا، وَارْتِهَانُهَا، اور نہ خود رہن رکھنا، مِنْ مُسْلِمٍ کسی مسلمان سے أَوْ ذِمِّيٍّ یا ذمی سے لِلْمُسْلِمِ مسلمان کے لیے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ چار صورتیں بن گئیں اس میں: مسلمان شراب کو رہن رکھواتا ہے کسی مسلمان کے پاس، ایک صورت؛ مسلمان شراب کو رہن رکھواتا ہے کسی ذمی کے پاس، دو صورتیں؛ دوسری صورت، مسلمان کسی دوسرے مسلمان کی شراب خود اپنے پاس بطورِ رہن کے رکھتا ہے، یا کسی ذمی کی شراب کو اپنے پاس بطورِ رہن کے رکھتا

ہے، تو چار صورتیں ہو گئیں۔ تو مسلمان کے لیے نہ رہنِ خمر جائز، نہ ارتہانِ خمر، ارتہان کا معنی خود رکھنا اپنے پاس رہن کے طور پر، تو مسلمان کے لیے نہ رہنِ خمر جائز، نہ ارتہانِ خمر جائز، نہ کسی مسلمان کی طرف سے اور نہ کسی ذمی کی طرف سے۔ یہ معنی ہے وَلَا رَهْنُ خَمْرٍ، اور جائز نہیں ہے خمر کو رہن رکھوانا، وَارْتِهَانُهَا، اور نہ اس کو خود اپنے پاس بطورِ رہن کے رکھنا، مِنْ مُسْلِمٍ کسی مسلمان سے أَوْ ذِمِّيٍّ یا کسی ذمی سے، یہ رہن رکھوانا صحیح نہیں، لِلْمُسْلِمِ، کس کے لیے؟ مسلمان کے لیے یہ صحیح نہیں ہے، أَيْ لَا يَجُوزُ لِلْمُسْلِمِ، جائز نہیں ہے کسی مسلمان کے لیے، أَنْ يَرْهَنَ خَمْرًا أَوْ يَرْتَهِنَهَا، کہ وہ شراب کو بطورِ رہن کے رکھوائے، أَوْ يَرْتَهِنَهَا، یا خود اس کو بطورِ رہن کے اپنے پاس رکھے، مِنْ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ، کسی مسلمان یا کسی ذمی سے۔

وَلَا يَضْمَنُ لَهُ مُرْتَهِنٌ، آپ کی کتابوں میں کیا ہے؟ وَلَا يَضْمَنُ لَهُ مُرْتَهِنًا ذِمِّيًّا؟ نہیں، یہ عبارت کی غلطی ہے، وَلَا يَضْمَنُ لَهُ مُرْتَهِنُهَا، مُرْتَهِنُهَا، یہاں ایک اور ہا ضمیر ہونی چاہیے، آخر میں ہا ہونی چاہیے، مُرْتَهِنُهَا، مُرْتَهِنُهَا ہا ضمیر کس کو راجع؟ خمر، خمر عربی میں مونث استعمال ہوتی ہے، مُرْتَهِنُهَا کیا معنی؟ أَيْ مُرْتَهِنُ الْخَمْرِ، شراب کا مرتہن جو ہے، شراب کا مرتہن۔ وَلَا يَضْمَنُ لَهُ مُرْتَهِنُهَا ذِمِّيًّا، اور ضامن نہیں ہوگا مسلمان کے لیے مُرْتَهِنُهَا اس شراب کا جو مرتہن ہے، ذِمِّيًّا اس حال میں کہ وہ کیا ہو؟ ذمی۔ صورتِ مسئلہ یہ: دیکھو بھئی ایک مسلمان ہے، اس نے شراب کو کسی ذمی کے پاس بطورِ رہن کے رکھوایا، ایک مسلمان نے کسی ذمی کے پاس شراب کو بطورِ رہن، انہوں نے بتلا تو دیا کہ جائز نہیں ہے، لیکن ایک مسلمان ایسا کرتا ہے کہ وہ شراب کو بطورِ رہن کے کسی ذمی کے پاس رکھواتا ہے۔ تو مسلمان کیا ہوا؟ راہن، اور ذمی کیا ہوا؟ مرتہن، تو دیکھو یہاں مرتہن ذمی ہے۔ اب یہ شراب ذمی کے پاس ہلاک ہو گئی، ضائع ہو گئی، اب شراب ذمیوں کے نزدیک تو مال ہے، تو کیا وہ مسلمان کے لیے ضامن ہوگا؟ وہ اس شراب کا مثل یا اس کی قیمت دے گا مسلمان کو؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، مسلمان کے لیے نہ خمر میں نہ رہن جائز تھا، نہ ارتہان جائز تھا، اور ذمی پر کوئی ضمان بھی نہیں آئے گا، کیونکہ مسلمان کے حق میں مالِ متقوم ہے ہی نہیں، جو شراب ضائع ہوئی وہ مالِ متقوم ہے ہی نہیں، اس کی کوئی قیمت ہی نہیں مسلمان کے لیے، وہ کیا چیز مسلمان کو واپس دے؟ اس جیسی شراب؟ نہیں، شراب تو مسلمان کے لیے نہ تملیک جائز ہے نہ تملک جائز، اور نیز وہ قیمت بھی اس کی کوئی نہیں، تو اس پر کوئی ضمان بھی نہیں آئے گا۔

وَلَا يَضْمَنُ لَهُ أَيْ لِلْمُسْلِمِ، اور ضامن نہیں ہوگا مسلمان کے لیے، مُرْتَهِنُهَا أَيْ مُرْتَهِنُ الْخَمْرِ، شراب کا مرتہن یعنی جس کے پاس اس نے بطورِ رہن کے رکھی ہے، وہ ضامن نہیں ہوگا مسلمان کے لیے ذِمِّيًّا اس حال میں کہ وہ کیا ہو؟ ذمی ہو۔ وَفِي عَكْسِهِ الضَّمَانُ، اور اس کی عکس صورت میں ضمان آئے گا، اس کے برعکس صورت میں ضمان: ذمی نے مسلمان کے پاس شراب بطورِ رہن کے رکھوا دی، مسلمان نے اپنے پاس رکھ لی، اگرچہ جائز نہیں تھا لیکن اس نے اپنے پاس رکھ لی، اور یہ شراب مسلمان کے پاس ضائع ہو گئی، تو مسلمان کو، مسلمان کو کیا کرنا پڑے گا؟ ضمان دینا پڑے گا، کیونکہ ذمی جس نے رکھوائی تھی ان کا تو یہ، یہ تو یہ مالِ متقوم ہے بھئی۔ أَيْ إِنْ رَهَنَ الْمُسْلِمُ مِنْ ذِمِّيٍّ خَمْرًا، یعنی رہن رکھوائی مسلمان نے ذمی

کے پاس شراب، فَهَلَكَتْ فِي يَدِ الذِّمِّيِّ، تو وہ شراب ہلاک ہو گئی ضائع ہو گئی ذمی کے قبضے میں، لَا يَضْمَنُ لِلْمُسْلِمِ شَيْئًا، تو وہ ضامن نہیں ہوگا مسلمان کے لیے کسی چیز کا۔ وَإِنْ رَهَنَ ذِمِّيٌّ مِنَ الْمُسْلِمِ خَمْرًا، اور اگر ذمی نے رہن رکھوائی مسلمان کے پاس شراب، فَهَلَكَتْ فِي يَدِ الْمُسْلِمِ، تو وہ شراب، تو وہ شراب ہلاک ہو گئی مسلمان کے قبضے میں، يَضْمَنُ الْمُسْلِمُ لِلذِّمِّيِّ، تو مسلمان ضامن ہوگا ذمی کے لیے شراب کا، لِأَنَّهَا مَالٌ مُتَقَوِّمٌ فِي حَقِّ الذِّمِّيِّ دُونَ الْمُسْلِمِ، اس لیے کیونکہ شراب جو ہے وہ مالِ متقوم ہے یعنی ایسا مال ہے جس کی قیمت ہے ذمی کے حق میں دُونَ الْمُسْلِمِ نہ کہ مسلمان کے حق میں۔

وَصَحَّ بِعَيْنٍ مَضْمُونَةٍ بِالْمِثْلِ أَوْ بِالْقِيمَةِ، اور صحیح ہے رہن رکھوانا ایسی متعین چیز کے بدلے جو مضمون بالمثل ہو یا مضمون بالقیمت ہو، یعنی اس میں ضمان اس کا مثل یا اس کی قیمت آتی ہو۔ مثل کس میں آتا ہے؟ مثلیات میں، کس میں؟ مثلیات میں، جن کا مثل ممکن ہو وہاں مثل آتا ہے، جن کا مثل ممکن نہ ہو وہاں ان کی قیمت آتی ہے۔ مثل جیسے گندم، گندم ہلاک ہوئی تو گندم کا مثل اس جیسی گندم بازار سے مل جائے گی، اس میں مکیلات بھی داخل، موزونات بھی داخل، معدوداتِ متقاربہ بھی داخل، مذروعات بھی داخل۔ مکیلات: گندم کیا ہے؟ مکیلی چیز ہے، اس کو ماپا جاتا ہے برتن، ایک برتن کے ذریعے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ قفیز، قفیز۔ آپ کے پاس میری سو قفیز گندم ہلاک ہو گئی، تو آپ بازار سے اسی جیسی گندم خرید کر لا کر مجھے دے سکتے ہیں، دیکھا اس کا مثل ممکن ہے، تو یہ مکیلات کی مثال ہے۔ یا موزونات جن کو وزن کیا جاتا ہے، مثلاً آپ کے پاس پیتل میں نے یا تانبا رکھوایا تھا سو من اور وہ ضائع ہو گیا، کوئی چوری کر کے لے گیا، تو آپ بازار سے ویسا ہی تانبا خریدیں گے اتنا ہی اور لا کر مجھے دے دیں گے، دیکھا موزونات کا بھی مثل مل جاتا ہے، مکیلات کا بھی، مکیل جو اس کو ماپا جاتا ہو برتن وغیرہ میں، مکیلات کا بھی مثل مل گیا، موزونات کا بھی۔

اسی طرح کچھ چیزیں ہیں معدودات جن کو گنا جاتا ہے، لیکن وہ معدوداتِ متقاربہ ہیں، ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں، جیسے انڈے اور اخروٹ وغیرہ۔ ہمارے ہاں تو اخروٹ جو ہیں وہ وزن کر کے بیچے جاتے ہیں، لیکن بعض علاقوں میں اب بھی گن کر بیچے جاتے ہیں، گن کر۔ تو اخروٹ دیکھو، یہ گنی جانے والی چیز ہے، ان کو گنا جاتا ہے دس ہیں، بیس ہیں، تیس ہیں۔ اور کیا اخروٹ کے تمام دانے ایک جیسے ہوتے ہیں یا معمولی فرق ہوتا ہے؟ معمولی فرق تو ہوتا ہے، لیکن اس فرق کو کوئی شمار نہیں کرتا۔ جیسے انڈے ہیں، انڈوں کو گن کر بیچا جاتا ہے کہ ایک درجن ہیں یا دو درجن ہیں، اور ہر انڈا دوسرے انڈے سے کچھ نہ کچھ معمولی فرق تو ہوتا ہے، لیکن اس فرق کو کوئی شمار نہیں کرتا، تو ان کو کہتے ہیں معدوداتِ متقاربہ، ایسی گنی جانے والی چیزیں متقاربہ جو ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں، ایک دوسرے کے مشابہ ہیں، ایک دوسرے جیسی ہیں۔ تو ان میں بھی، ان کا بھی مثل ممکن ہے، آپ کے پاس میں نے بیس درجن انڈے رکھوائے تھے وہ ضائع ہو گئے، تو آپ بازار سے ویسے ہی انڈے خرید کر لا کر مجھے ادائیگی کر دیں گے، تو مثل ممکن ہے۔

اور اسی طرح کچھ چیزیں مذروعات ہیں، ان کی پیمائش کی جاتی ہے، جیسے کپڑا ہے اس کو گزوں سے ناپ کر بیچا جاتا ہے، تو آج کل تو خصوصاً اب اس کا مثل مل جاتا ہے کیونکہ مشینوں پر کپڑے بنتے ہیں، پہلے تو ہاتھ سے بنتے تھے، تو اب مشین پر کپڑے بنتے ہیں، تو اب اگر آپ کے پاس میرے دس تھان ایک کپڑے کے ضائع ہو گئے، تو آپ جائیں گے مارکیٹ سے ویسے ہی تھان خرید کر لا کر مجھے دے دیں گے، تو دیکھو یہاں مذروعات ان کا بھی مثل ممکن۔ اور باقی چیزیں جن کا مثل ممکن نہیں اس میں ان کی قیمت آتی ہے، مثلاً میں نے آپ کے پاس ایک بکری رکھوائی تھی بطورِ رہن کے اور بکری آپ کے پاس ہلاک ہو گئی، تو اب اس جیسی دوسری بکری تو نہیں ملے گی، آپ جتنی بھی کوشش کر لیں بالکل اس جیسی بکری ہو ہی نہیں سکتی، اگر ظاہری طور پر اس جیسی بھی ہو تو بھی باطنی صفات کا فرق ہوتا ہے، مثلاً وہ بکری آرام سے دودھ نکالنے دیتی تھی، یہ نئی بکری ہے ہو سکتا ہے یہ آرام سے دودھ نہ نکالنے دے، تو ظاہری صفت ایک جیسی بھی ہو باطنی صفات میں کیا ہوتا ہے؟ فرق ہوتا ہے، تو ان کو ذوات القیم کہتے ہیں یعنی جن کا مثل ممکن نہیں ہے، تو پھر وہاں قیمت آتی ہے۔ تو کچھ چیزوں میں مثل آتا ہے جب ان کا مثل ممکن ہو، اور باقی چیزوں میں قیمت آتی ہے۔

تو کہتے ہیں وَصَحَّ بِعَيْنٍ مَضْمُونَةٍ بِالْمِثْلِ أَوْ بِالْقِيمَةِ، اور صحیح ہے رہن رکھوانا ایسی متعین چیز کے بدلے جو مضمون بالمثل یا مضمون بالقیمت ہو، كَالْمَغْصُوبِ جیسے کہ غصب کی ہوئی چیز، وَبَدَلِ الْخُلْعِ اور جیسے بدلِ خلع، وَالْمَهْرِ اور جیسے مہر ہے عورت کا، وَبَدَلِ الصُّلْحِ عَنْ دَمِ عَمْدٍ، یا جیسے جان بوجھ کے قتل پر بدلِ صلح جو ہو اس کے بدلے میں، فَإِنَّ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ إِذَا كَانَتْ قَائِمَةً يَجِبُ عَيْنُهَا، اس لیے کیونکہ اگر یہ چیزیں قائم تھیں یعنی موجود تھیں تو يَجِبُ عَيْنُهَا، تو ان کی عین ہی دینا پڑے گی، بکری لے کر گیا ہے غصب کی ہے تو بکری ہی دینا پڑے گی لیکن اگر ہلاک ہو گئی تو قیمت، بدلِ خلع گاڑی طے کی ہے تو گاڑی جب تک موجود ہے گاڑی ہی دینا پڑے گی، اگر ہلاک ہو گئی تو پھر بیوی کیا دے گی اس کی؟ قیمت۔ یہ معنی ہے کہ یہ چیزیں جو ہیں إِذَا كَانَتْ قَائِمَةً جب یہ چیزیں قائم ہوں یعنی موجود ہوں ہلاک نہ ہوئی ہوں تو يَجِبُ عَيْنُهَا تو پھر تو ان کی عین ہی واجب ہوتی ہے وہی ادا کرنا پڑتی ہے، وَإِنْ هَلَكَتْ اور اگر یہ چیزیں ہلاک ہو جائیں يَجِبُ الْمِثْلُ أَوِ الْقِيمَةُ تو اس صورت میں پھر ان کا مثل یا ان کی قیمت واجب ہوتی ہے، فَيَصِحُّ الرَّهْنُ بِهَا لہٰذا ان کے بدلے رہن رکھوانا صحیح ہے۔

وَبِالدَّيْنِ وَلَوْ مَوْعُودًا۔ صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے پاس گیا کہ مجھے قرض چاہیے ایک لاکھ روپے، اس نے کہا کہ میں تمہیں قرض کل دوں گا لیکن تم اپنی موٹر سائیکل جو ہے میرے پاس رہن رکھوا دو۔ تو کیا اس، جو قرض مستقبل میں اس نے وعدہ کیا ہے، تو کیا اس کے بدلے ابھی سے رہن رکھوایا جا سکتا ہے؟ کہتے ہیں ہاں بھئی، ضرورت اور حاجت کی وجہ سے وہ جو قرضِ موعود تھا اس کے بدلے فی الحال بھی رہن رکھوانا صحیح۔ چنانچہ اس نے اپنی موٹر سائیکل اس کے پاس بطورِ رہن کے رکھوا دی، تو اب اس پر لازم ہے کہ پھر وہ جب وقت آئے اس کو وہ قرضہ دے دے۔ اور ہاں اگر یہ موٹر سائیکل اس کے پاس ہلاک ہو گئی، تو پھر اس پر ضمان آئے گا، کیا آئے گا؟ ضمان آئے گا، اور اس کو وہ قرضہ جو

وعدہ کیا تھا اس کو ادا کرنا پڑے گا۔ یہ وہ صورت ہے اگر وہ موٹر سائیکل کی قیمت اور وہ قرضِ موعود برابر ہوں، موٹر سائیکل جو ہلاک ہوئی وہ بھی فرض کریں ایک لاکھ والی تھی اور قرضِ موعود بھی کتنے کا وعدہ کیا ہے اس نے؟ ایک لاکھ، تو وہ ایک لاکھ اس پر آگیا وہ اس کو دینا پڑے گا۔ اور اگر موٹر سائیکل کی قیمت کم تھی مثلاً کتنے کی؟ اسی ہزار کی، تو پھر اس پر ضمان کتنا آئے گا؟ اسی ہزار کا آئے گا، بات سمجھ میں آگئی؟ تو اسی ہزار کا ضمان آئے گا یعنی اس کو اسی ہزار پھر دینے پڑیں گے، اسی ہزار دینے پڑیں گے۔ اور اگر موٹر سائیکل کی قیمت زیادہ تھی تو پھر اس صورت میں زائد امانت کے حکم میں ہے آپ جانتے ہیں، زائد کا ضمان نہیں آئے گا بس وہی قرضِ موعود ہی اس کو دینا پڑے گا، اور وہ پھر اس آدمی کا ہو گیا کیونکہ اس کی موٹر سائیکل تو اس کے پاس ہلاک ہوئی ہے، اس پر ضمان آگیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَبِالدَّيْنِ وَلَوْ مَوْعُودًا، اور صحیح ہے رہن رکھوانا دین کے بدلے وَلَوْ مَوْعُودًا اگرچہ وہ موعود ہو یعنی اس کا وعدہ کیا گیا ہے ابھی دیا نہیں، بِأَنْ رَهَنَ لِيُقْرِضَهُ كَذَا، بایں صورت کہ رہن دے لِيُقْرِضَهُ كَذَا تاکہ وہ اس کو اتنا قرضہ دے دے جو طے ہوا ہے، فَهُلْكُهُ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ عَلَيْهِ، تو اس رہن کا ہلاک ہو جانا فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ کس کے قبضے میں؟ مرتہن کے قبضے میں، عَلَيْهِ یہ کس پر آئے گا؟ مرتہن پر ہی آئے گا، اس کا ضمان مرتہن پر ہی آئے گا بِمَا وَعَدَ وہ جو اس نے وعدہ کیا ہے اس کے ساتھ۔ أَيْ إِنْ هَلَكَ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ، یعنی اگر ہلاک ہو گیا وہ رہن مرتہن کے قبضے میں، فَلِلرَّاهِنِ عَلَى الْمُرْتَهِنِ الْمِقْدَارُ الَّذِي وَعَدَ إِقْرَاضَهُ، تو پھر راہن کے لیے مرتہن پر وہ مقدار واجب ہوگی جس کے قرضہ دینے کا اس نے وعدہ کیا تھا۔

فَهُلْكُهُ، اب ترکیب بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں فَهُلْكُهُ بِالرَّفْعِ یہ رفع کے ساتھ ہے مُبْتَدَأٌ یہ کیا ہے؟ مبتدا، ہلک کا معنی ہلاک ہونا، وَفِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ صِفَتُهُ، اور فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ کیا ہے اس کی صفت ہے، أَيْ فَهُلْكُهُ الثَّابِتُ، ثَابِتٌ نہیں نکالیں گے کیونکہ هُلْكُهُ کیا ہے؟ مضاف مضاف الیہ مل کر معرفہ، معرفہ۔ آپ نے پڑھا ہے نا جو لفظ معرفہ کی طرف مضاف ہو جائے وہ بھی کیا بنتا ہے؟ معرفہ۔ تو هُلْك کا معنی ہلاک ہونا اور یہ ہا ضمیر کی طرف مضاف ہوا اور ہا ضمیر وہ تو معرفہ ہے، تو یہ بھی کیا بن گیا؟ معرفہ۔ تو یہ ہوا معرفہ، اور فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ کو کیا بنا رہے ہیں؟ اس کی صفت، اور موصوف صفت میں مطابقت ضروری ہے، مطابقت ضروری ہے۔ بھئی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ نکرہ کے بعد فعل آجائے تو وہ عموماً اس کے لیے صفت بنتا ہے، توجہ ہے؟ نکرہ کے بعد فعل آجائے تو وہ اس کے لیے صفت بنتا ہے، اور معرفہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کے لیے حال بنتا ہے، کیا بنتا ہے؟ حال۔ اسی طرح نکرہ کے بعد، توجہ سے، نکرہ کے بعد اگر جار مجرور آجائے اور وہ کسی سے جڑ نہ رہا ہو، تو وہ اس نکرہ کے لیے صفت بنتا ہے، جیسے رَجُلٌ فِي الدَّارِ أَيْ رَجُلٌ ثَابِتٌ فِي الدَّارِ، ایسا آدمی جو گھر میں ہے، تو یہ فِي الدَّارِ ثَابِتٌ سے متعلق ہوا اور یہ رَجُلٌ کی کیا بن گئی؟ صفت۔ لیکن اگر موصوف معرفہ ہو اور اس کے بعد کیا آجائے؟ جار مجرور تو وہ حال بنتا ہے، کیا بنتا ہے؟ حال بنتا ہے۔ لیکن بعض حضرات اس کو بھی صفت بناتے ہیں اور ثَابِتٌ کے بجائے الثَّابِتُ معرفہ نکال لیتے ہیں وہاں، تو الرَّجُلُ الثَّابِتُ فِي الدَّارِ، وہ آدمی جو کہاں ثابت ہے؟ گھر میں، صورت سمجھ میں آئی؟ تو یہاں پر بھی هُلْكُهُ یہ

معرفہ ہے مضاف مضاف الیہ مل کر، اور فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ اس کو اس کی صفت بنانا چاہتے ہیں، تو یہاں کیا نکال لیں گے؟ الثَّابِتُ۔ تو اس کی وہ ہلاکت الثَّابِتُ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ جو کس کے ہاتھ میں ہوئی؟ مرتہن کے ہاتھ میں ہوئی ہے، عَلَيْهِ وہ کس پر آئے گی؟ مرتہن پر، تو یہ عَلَيْهِ خبر ہے، عَلَيْهِ، پھر ترکیب سمجھ میں آئی؟ هُلْكُهُ کیا ہے؟ مبتدا۔ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ یہ کیا ہے اس کی؟ صفت ہے، اور صفت جار مجرور براہِ راست بنے گا یا الثَّابِتُ سے متعلق ہو جائے گا؟ الثَّابِتُ سے متعلق پہلے کریں گے کیونکہ جار مجرور کے لیے متعلق چاہیے، اور پھر عَلَيْهِ یہ اس کی خبر ہو جائے گی۔ یا فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ اس کو براہِ راست هُلْكُهُ سے جوڑ دیں، مبتدا سے جوڑ دیں کیونکہ وہ مصدر ہے، کیا ہے؟ مصدر ہے۔ تو اس کا ہلاک ہونا فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ۔

اچھا جی، تو کہتے ہیں فَهُلْكُهُ بِالرَّفْعِ مُبْتَدَأٌ، یہ فَهُلْكُهُ رفع کے ساتھ ہے یہ مبتدا ہے، وَفِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ صِفَتُهُ، اور یہ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ اس کی صفت ہے، وَعَلَيْهِ خَبَرُهُ، اور یہ عَلَيْهِ جو ہے یہ اس کی خبر ہے۔

وَاعْلَمْ أَنَّ الرَّهْنَ إِنَّمَا يَكُونُ مَضْمُونًا بِالدَّيْنِ الْمَوْعُودِ إِذَا كَانَ۔ اچھا انہوں نے کیا کہا؟ ماتن نے کیا کہا؟ ماتن نے یہ کہا کہ اگر ابھی اس نے قرضہ دیا تو نہیں، وعدہ کیا ہے کہ میں کل آپ کو دوں گا، اس نے موٹر سائیکل اپنی اس کے پاس رکھوا دی، اور موٹر سائیکل رات کو ہی اس کے پاس چوری ہو گئی، تو اس پر کیا ضمان آئے گا؟ وہ جو قرضے کا جس نے وعدہ کیا، وہ جو قرضہ جو اس نے وعدہ کیا تھا وہ اس کو اب دینا پڑے گا۔ لیکن کہتے ہیں ماتن نے تفصیل بیان نہیں کی، اصل میں تفصیل وہ پیچھے بیان کر چکے تھے کہ دراصل یہاں ضمان آئے گا، پھر دیکھ لیں گے اس قرضے اور ضمان میں سے اقل کیا ہے وہ ضمان آئے گا، کیا آئے گا؟ ضمان آئے گا۔ مثلاً قرضہ ایک لاکھ اس نے دینے کا وعدہ کیا ہے اور موٹر سائیکل دو لاکھ کی تھی، تو اقل کیا؟ ایک لاکھ، تو اس پر ضمان بھی کتنا؟ ایک لاکھ، تو ایک لاکھ وہ ویسے ہی ضائع ہو گئے امانت کے طور پر اور ایک لاکھ اس پر آ گئے، وہ اگلے دن جب وہ قرضہ اس کو دے گا تو اب وہ قرضہ نہیں ہے وہ اس قرضہ لینے والے ہی کے پیسے ہو گئے، کیونکہ اس کے بدلے اس نے موٹر سائیکل وصول کر لی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ ماتن نے تو صرف یہ کہا کہ موٹر سائیکل ہلاک ہو گئی تو اس کو جو قرضہ ہے وہ دینا پڑے گا، لیکن میں نے تفصیل بیان کر دی کہ اقل کو یہاں پھر بھی دیکھیں گے۔ تو مصنف نے کیوں تفصیل بیان نہیں کی کہ اقل کو دیکھیں گے اور اتنا ہی ضمان آئے گا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ مصنف نے پیچھے تفصیل بیان کر دی تھی کہ ضمان آتا ہی اقل کا ہے تو اس کو دوبارہ ذکر نہیں کیا۔

تو کہتے ہیں وَاعْلَمْ جان لے أَنَّ الرَّهْنَ إِنَّمَا يَكُونُ مَضْمُونًا بِالدَّيْنِ الْمَوْعُودِ، کہ رہن جو ہے وہ مضمون ہوگا اس دین کے بدلے جس کا وعدہ کیا گیا تھا، إِذَا كَانَ الدَّيْنُ مُتَسَاوِيًا لِلْقِيمَةِ أَوْ أَقَلَّ، جبکہ دین جو ہے اس رہن کی قیمت کے برابر ہو یا اس سے کمتر ہو۔ أَمَّا إِذَا كَانَ أَكْثَرَ، ہاں اگر دین کیا ہے؟ قیمت سے زیادہ ہے، فَلَا يَكُونُ مَضْمُونًا بِالدَّيْنِ بَلْ بِالْقِيمَةِ، پھر وہ مضمون بالدین نہیں ہوگا بلکہ قیمت کا ہوگا۔ مثلاً کیا صورت بنے گی؟ دین اس نے لینا ہے دو لاکھ اور موٹر سائیکل ہے ایک لاکھ کی، تو موٹر سائیکل اس کے پاس ہلاک ہو گئی، تو کیا اس پر ضمان اب دو لاکھ آئے گا یا قیمت کے برابر آئے گا؟ قیمت کے برابر،

نہیں توجہ، نہیں توجہ، تھک گئے ہیں لگتا ہے۔ اچھا کیا صورت تھی؟ دیکھو بھئی، اگر تو قرضے کا جو وعدہ کیا ہے وہ بھی ایک لاکھ اور موٹر سائیکل بھی جو رہن رکھوائی وہ بھی کتنے کی؟ ایک لاکھ، تو ایک لاکھ ایک لاکھ کے بدلے ہو گیا، لہٰذا اس پر ایک لاکھ ضمان آئے گا، اگلے دن جب وہ دے گا تو وہ قرضہ نہیں ہے وہ دراصل اسی قرضہ لینے والے کے پیسے ہو گئے موٹر سائیکل کے بدلے۔ دوسری صورت: کہ جو قرضہ ہے وہ کم ہے اور موٹر سائیکل کی قیمت زیادہ ہے، موٹر سائیکل دو لاکھ کی ہے اور قرضہ اس نے کتنا مانگا ہے؟ ایک لاکھ کا، تو اس پر ضمان کتنا آئے گا؟ ایک لاکھ آئے گا، تو لہٰذا وہی قرضہ اگلے دن اس کو دے دے گا اور وہ اسی کا ہو گیا۔ تیسری صورت: کہ قیمت جو ہے وہ کم ہے، قیمت کم ہے اور دین زیادہ، اس نے دین مانگ، قرضہ مانگا ایک لاکھ اور موٹر سائیکل ہے صرف پچاس ہزار کی، تو اگلے دن پھر وہ اس پر ضمان ایک لاکھ آئے گا یا پچاس ہزار آئے گا؟ پچاس ہزار آئے گا بھئی، تو اس کو انہوں نے کیوں نہیں ذکر کیا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ پیچھے وہ تفصیل ذکر کر چکے تھے۔

یہ معنی ہے أَمَّا إِذَا كَانَ أَكْثَرَ، باقی اگر دین زیادہ ہو تو فَلَا يَكُونُ مَضْمُونًا بِالدَّيْنِ، تو پھر وہ رہن جو ہے مضمون بالدین نہیں ہوگا بَلْ بِالْقِيمَةِ، وہ مضمون بالقیمت، جو کمتر ہے وہ ضمان اس پر آئے گا اور وہ قیمت ہے۔ وَإِنَّمَا لَمْ يَذْكُرْ هَذَا الْقِسْمَ، ماتن نے اس قسم کو ذکر نہیں فرمایا، کیوں؟ کہتے ہیں لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنْ لَا يَكُونَ الدَّيْنُ أَكْثَرَ مِنْ قِيمَةِ الرَّهْنِ، اس لیے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ دین جو ہے وہ رہن کی قیمت سے زیادہ نہیں ہوگا۔ دین جو ہے، بھئی دیکھیے رہن کس لیے لیا جاتا ہے؟ تاکہ دین کی وصولی ہو سکے، لہٰذا ظاہر سی بات ہے جو بھی اپنے پاس رہن رکھتا ہے وہ عموماً دین سے زیادہ کا رہن رکھتا ہے، کم کا رہن نہیں رکھتا۔ آپ اس سے پانچ لاکھ مانگ رہے ہیں اور بدلے میں کہتے ہیں یہ میری موٹر سائیکل ہے بیس ہزار والی یہ اپنے پاس رہن کے رکھ لو، کوئی رکھے گا؟ نہیں، بلکہ رہن عموماً ہوتا ہی دین سے زیادہ کا ہے، اس لیے مصنف نے کم والی صورت کو ذکر نہیں کیا۔ یہ معنی ہے لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنْ لَا يَكُونَ الدَّيْنُ أَكْثَرَ مِنْ قِيمَةِ الرَّهْنِ، اس لیے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ دین جو ہے وہ رہن کی قیمت سے زیادہ نہیں ہوگا۔ وَإِنْ كَانَ عَلَى سَبِيلِ النُّدْرَةِ، اور اگر دین زیادہ ہوا رہن کی قیمت سے عَلَى سَبِيلِ النُّدْرَةِ، ندرت نادر سے ہے نادر ہونا کسی چیز کا قلیل ہونا، اگر بر سبیلِ قلت اگر رہن دین سے کم ہوا، آپ نے دو لاکھ قرضہ مانگا ہے اور صرف بیس ہزار والی موٹر سائیکل اپنی رہن رکھوانا چاہ رہے ہو، تو ایسا تو کبھی کبھار ہی ہوگا، نادر ہی ہوگا جو اس پر راضی ہو جائے، تو اگر ایسا ہو جائے فَحُكْمُهُ يُعْلَمُ مِمَّا سَبَقَ، تو اس کا حکم تو ماقبل سے معلوم ہو چکا ہے کہ ضمان صرف قیمت کا آئے گا، صرف بیس ہزار ہی ضمان آئے گا، پورے دین کا ضمان نہیں آئے گا کیونکہ جو اقل ہے اس کا ضمان آتا ہے، اور پانچ لاکھ دین ہے اور بیس ہزار کی موٹر سائیکل اس نے قبول کر لی بطورِ رہن کے اپنے پاس، تو اقل کیا ہے؟ بیس ہزار، تو وہی ضمان آئے گا۔ تو کہتے ہیں اس کا حکم تو معلوم ہو چکا تھا ماقبل سے، فَاعْتَمَدَ عَلَى ذَلِكَ، تو مصنف نے اسی پر اعتماد کیا اور اس لیے انہوں نے اس تفصیل کو یہاں پر ذکر نہیں کیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳۷: باب ما یصح رہنہ والرہن بہ: مشاع کا رہن، راس المال السلم و ثمن الصرف کے بدلے رہن کے احکام

شرح الوقایہ صفحہ: ۷۸ — بتاریخ: ۳۰ جنوری ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

جی، سبق دیکھیے آگے کتاب پر:

وَبِرَأْسِ مَالِ السَّلَمِ وَثَمَنِ الصَّرْفِ وَالْمُسْلَمِ فِيهِ، فَإِنْ هَلَكَ فِي الْمَجْلِسِ فَقَدْ أَخَذَ، وَإِنِ افْتَرَقَا قَبْلَ نَقْدِ الْمَرْهُونِ بِهِ وَهُلْكٍ بَطَلَا۔[1]

أَيْ إِذَا رَهَنَ بِرَأْسِ مَالِ السَّلَمِ أَوْ ثَمَنِ الصَّرْفِ فَإِنْ هَلَكَ الرَّهْنُ قَبْلَ الِافْتِرَاقِ فَالْمُرْتَهِنُ قَدِ اسْتَوْفَى حَقَّهُ، وَإِنِ افْتَرَقَا قَبْلَ نَقْدِ الْمَرْهُونِ بِهِ وَقَبْلَ هَلَاكِ الْمَرْهُونِ بَطَلَ السَّلَمُ وَالصَّرْفُ۔

اچھا بھئی، رہن کے مسائل ذکر ہو رہے ہیں۔ مصنف ان چیزوں کو بیان کر رہے ہیں جن کو رہن رکھوانا جائز ہے یا جائز نہیں، اور اسی طرح وہ چیزیں جن کے بدلے رہن رکھوانا جائز ہے یا جائز نہیں ہے۔ تو آگے بتلا رہے ہیں: وَبِرَأْسِ مَالِ السَّلَمِ وَثَمَنِ الصَّرْفِ وَالْمُسْلَمِ فِيهِ۔ سب سے پہلے بیعِ سلم جان لیں بھئی، بیعِ سلم۔ بیعِ سلم اسے کہتے ہیں کہ جس میں خریدار جو ہے پیسے آج دیتا ہے، جس وقت بیع کرتا ہے اسی وقت دیتا ہے پیسے، یعنی ثمن اسی وقت ادا کرتا ہے، جبکہ مبیعہ کچھ مدت کے بعد ملے گا، دو ماہ کے بعد یا تین ماہ کے بعد مثلاً ملے گا، وہ طے کر لیتے ہیں۔ اس کو کہتے ہیں بیعِ سلم، جس میں ثمن تو حالی ہیں یعنی فوراً فی الحال دے دیے، اور جو مبیعہ ہوتا ہے وہ آجل ہوتا ہے، اس میں کوئی مدت مقرر ہوتی ہے۔ اور یہ عموماً جو ہے یہ مکیلات موزونات وغیرہ میں ہوتی ہے، وہ چیزیں جن کا مثل ملتا ہے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے بھئی؟

ان میں ہوتا ہے، مثلاً آپ ایک شخص کے پاس جاتے ہیں اور اسے کہتے ہیں کہ مجھے دو ماہ کے بعد فلاں تاریخ کو مجھے پانچ سو من گندم چاہیے، اور یہ پیسے ابھی سے آپ اس کے لے کر رکھ لیں بھئی۔ چنانچہ وہ آپس میں طے کر لیتے ہیں کہ یہ پانچ سو

[1] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۲۷): صوتی درس کی قراءت میں «وَإِنِ افْتَرَقَا قَبْلَ نَقْدِ الْمَرْهُونِ بِهِ وَهُلْكٍ بَطَلَا» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وإن افترقا قبل نقدِ وهَلَكَ بطلا» منقول ہے۔

من گندم کتنے کی دے گا، اور پھر یہ اس کو ثمن اسی مجلس میں حوالے کر دیتا ہے، اور پھر وہ مقررہ تاریخ کو وہ پانچ سو من گندم اس کے حوالے کر دے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ بیع جو ہے، یہ بیعِ سلم کہلاتی ہے۔

اور اس میں یہ جو ثمن ہے، ثمن، یہ رأس المال کہلاتا ہے۔ یہ نام آپ نے یاد رکھنے ہیں، یہ آگے کتاب میں بار بار آئیں گے۔ بیعِ سلم میں جو ثمن فوری ادا کیے جا رہے ہیں وہ کیا کہلاتے ہیں؟ رأس المال، رأس المال۔ اور جو بیعہ ہے، جو دو ماہ بعد ملے گا یا تین ماہ بعد ملے گا، اس کو مُسْلَمٌ فِيهِ کہتے ہیں، مُسْلَمٌ فِيهِ، مُسْلَمٌ فِيهِ کہتے ہیں۔ اور جو خریدار ہے، اس کو کہتے ہیں رَبُّ السَّلَمِ، رَبُّ السَّلَمِ۔ رَبّ بمعنی والا کے ہے، مثلاً رَبُّ الْمَالِ مال والا۔ رَبُّ الْمَالِ کا کیا معنی؟ مال والا۔ اور رَبُّ الْخَيْرِ خیر والا، یا أَبُو الْخَيْرِ خیر والا۔ یہ أَب کا لفظ اور رَبّ کا لفظ، یہ والا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، کسی کی طرف کسی چیز کی نسبت کرنے کے لیے۔ أَبُو الْخَيْرِ خیر والا، أَبُو الشَّرِّ شر والا۔ تو اسی طرح رَبُّ الْمَالِ مال والا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں بھی جو خریدار ہے، مشتری ہے، اس کو کہیں گے رَبُّ السَّلَمِ، سلم والا، یعنی یہ ہے عقدِ سلم کرنے والا، اس کو ضرورت ہے عقدِ سلم کی۔

اچھا تو یہ ہوا رَبُّ السَّلَمِ۔ اور جو بائع ہوتا ہے، اس کو مُسْلَمٌ إِلَيْهِ کہتے ہیں، مُسْلَمٌ إِلَيْهِ۔ دیکھا؟ اس کے سپرد کیے گئے ہیں، اس کے حوالے کیے گئے ہیں پیسے، تو وہ کیا ہے؟ مُسْلَمٌ إِلَيْهِ۔ اور بیعہ کیا ہے؟ مُسْلَمٌ فِيهِ، مُسْلَمٌ فِيهِ، اس کے بارے میں حوالے کیے گئے ہیں۔ أَسْلَمَ يُسْلِمُ إِسْلَام کا کیا معنی؟ حوالے کرنا، سپرد کرنا۔ تو مُسْلَمٌ جو حوالے کیا گیا ہے۔ مُسْلَمٌ فِيهِ یہ ثمن کس کے بارے میں حوالے کیے گئے ہیں؟ یہ بیعہ کے بارے میں، تو وہ کیا کہلائے گا؟ مُسْلَمٌ فِيهِ، مُسْلَمٌ فِيهِ۔ اور جس کو ثمن ادا کیے یعنی بائع، اس کو کیا کہتے ہیں؟ مُسْلَمٌ إِلَيْهِ بھئی، مُسْلَمٌ إِلَيْهِ۔ اور جو خریدار ہے اس کو؟ رَبُّ السَّلَمِ۔ اور جو ثمن ہیں، جو اسی جو ثمن ہیں ان کو؟ رَأْسُ الْمَالِ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو اب یاد رکھنا کہ یہ جو بیعِ سلم ہے، بیعِ سلم، اس میں اسی مجلس کے اندر ثمن پر قبضہ ضروری ہے۔ اسی مجلس میں ثمن پر قبضہ ضروری ہے۔ میں نے آپ سے عقد کیا جس مجلس کے اندر، تو اسی مجلس میں ضروری ہے کہ میں ثمن آپ کے حوالے کروں۔ آپ نے تو بیعہ دو ماہ بعد دینا ہے، لیکن ثمن ضروری ہیں کہ اسی مجلس میں میں آپ کے حوالے کروں۔ لہٰذا آپ کے ساتھ میں نے عقدِ سلم کیا اس مجلس کے اندر بیٹھے ہوئے، میں نے کہا مجھے دو سو من گندم چاہیے دو ماہ کے بعد، آپ نے کہا مجھے منظور ہے، دونوں نے عقد کر لیا، تو یہ بیعِ سلم کیا ہو گئی؟ منعقد ہو گئی، ایجاب و قبول ہو گیا۔ اب میں نے اس کو کہا آپ بیٹھیں، میں سامنے گھر سے اپنے پیسے لے آؤں اور آپ کو پیسے ادا کر دوں۔ میں جیسے ہی مجلس سے اٹھوں گا، عقدِ سلم باطل ہو گیا، ختم ہو گیا۔ کیوں ختم ہوا؟ میں نے ضابطہ بتلا دیا۔ ثمن پر مجلس میں قبضہ شرط تھا، اور میں اٹھ گیا تو مجلس ختم ہو گئی، مجلس ختم ہو گئی اور ثمن پر قبضہ نہ پایا گیا۔ تو جس مجلس میں عقد کیا جائے عقدِ سلم کا، اسی مجلس میں ثمن پر قبضہ شرط

ہے، قبضہ ضروری ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

ایک تو یہ ضابطہ یاد رکھنا۔ دوسرا ایک اور عام ضابطہ یاد رکھنا۔ یاد رکھو ہر بیع کے اندر، جو بھی بیع آپ کسی کے ساتھ کریں، تو وہاں ثمن میں تو ثمن میں تو تبدیلی کی جا سکتی ہے، لیکن مبیعہ میں تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ توجہ ہے؟ جی۔ جو بھی بیع کسی کے ساتھ آپ کریں، ایجاب و قبول کر لیں، بیع منعقد ہو گئی، اب ثمن میں تبدیلی کرنا چاہیں تو قبل القبض بھی ثمن میں تبدیلی کی جا سکتی ہے، لیکن مبیعہ میں قبل القبض تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ صورتِ مسئلہ یہ: میری جیب پر قلم لگا ہوا ہے، آپ نے کہا یہ قلم میں نے آپ سے سو روپے میں خرید لیا، میں نے کہا مجھے منظور ہے، ایجاب و قبول کرتے ہی آپ قلم کے مالک بن گئے۔ قلم بے شک میری جیب پر ابھی لگا ہوا ہے، لیکن آپ مالک بن گئے کیونکہ ایجاب و قبول ہو گیا۔ ہاں، ابھی چونکہ آپ نے ثمن حوالے نہیں کیے تو بائع کو حق ہے وہ مبیعہ کو روک سکتا ہے، وہ کہے گا لاؤ میرا قلم مجھے دے دو، میں کہوں گا بھئی پہلے سو روپیہ حوالے کرو پھر یہ قلم میں آپ کو دوں گا۔ مالک بے شک آپ ہیں، لیکن میرا حق جو ہے وہ مجھے ملنا چاہیے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ آپ کا حق تو متعین ہو گیا یہ قلم، میرے سو روپے بھی متعین ہونے چاہئیں، اور ثمن آپ نے پڑھا ہے کہ قبضے کے بعد ہی متعین ہوتے ہیں، اس سے پہلے متعین نہیں ہوتے۔ تو ثمن میں قبل القبض تصرف جائز ہے، ثمن میں، لیکن مبیعہ میں قبل القبض تصرف جائز نہیں۔ لہٰذا آپ مجھے سو روپیہ دینے لگے، میں نے کہا بھئی یوں کرو، سو روپیہ کے بجائے یہ مجھے اپنی کتاب دے دو، ثمن کے طور پر یہ کتاب دے دو۔ میں کس میں تصرف کر رہا ہوں؟ ثمن میں، اور قبل القبض، ابھی میں نے اس سو پر قبضہ نہیں کیا ہے، تو میرے لیے یہ جائز ہے۔ ثمن میں تصرف قبل القبض جائز ہے، تو میں نے اس میں تبدیلی کی اور کہا سو روپے کے بجائے مجھے کتاب دے دو اس کے بدلے میں۔ ہاں، آپ اس قلم کے اندر، مبیعہ کے اندر تصرف کرنا چاہتے ہیں، میں آپ کو مبیعہ دینے لگا، آپ نے کہا بھئی یوں کرو یہ والا قلم مجھے نہ دو، وہ دوسرا والا قلم مجھے دے دو، نہیں بھئی، مبیعہ میں قبل القبض آپ تصرف نہیں کر سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟ یہ عام بیع کے اندر ایک ضابطہ ہے بھئی۔

اس کے بعد عقدِ صرف بھی سمجھ لیں، عقدِ صرف۔ عقدِ صرف یہ ہے کہ جس میں دونوں طرف، ثمن اور مبیعہ دونوں چیزیں ثمن کی قبیل سے ہوں۔ ثمن اور مبیعہ دونوں کس قبیل سے ہوں؟ ثمن کی قبیل سے ہوں، ثمن کی قبیل سے۔ ثمن کیا ہے؟ ثمن بھئی تین چیزیں ہیں: سونا، چاندی اور کرنسی۔ جس کے ذریعے لوگ خرید و فروخت کرتے ہیں، یہ تین چیزیں ہیں: سونا، چاندی اور کرنسی ہے۔ پہلے تو صرف سونا چاندی ہوا کرتے تھے بھئی، یا سکے ہوتے تھے دھات کے بھئی۔ تو سونا اس سے دینار بنتے ہیں، چاندی اس سے درہم بنتے ہیں، اور پھر سکے وغیرہ بھی ہوتے، اور آج کل کرنسی آگئی ہے، کرنسی ہے، اسی طرح سکے بھی ہیں، تو وہ بھی کرنسی ہی کی صورتیں ہیں۔ تو بہرحال اب ثمن گویا تین چیزیں ہو گئیں: سونا، چاندی اور کرنسی، یا یوں کہہ لو درہم، دینار اور کرنسی۔ تو بیعِ صرف جو ہے، عقدِ صرف، اس میں دونوں طرف ثمن کی جنس ہوتی ہے۔

یعنی ایک طرف بھی سونا چاندی یا کرنسی میں سے چیز ہوگی، دوسری طرف بھی سونا چاندی یا کرنسی میں سے کوئی چیز ہوگی۔ مثلاً میں آپ سے ایک سونے کا ہار خریدتا ہوں دس لاکھ روپے کا۔ اب دیکھو، آپ سے میں کیا خرید رہا ہوں؟ سونے کا ہار، اور سونا کس میں سے ہے؟ ثمن کی قبیل سے ہے۔ اور میں آپ کو کیا ادا کر رہا ہوں؟ کرنسی ادا کر رہا ہوں، کرنسی بھی کس قبیل سے ہے؟ ثمن کی قبیل سے۔ تو یہ ثمن کی قبیل سے ہوئیں دونوں طرف کی چیزیں، بیعہ بھی اور ثمن بھی۔ تو اس میں یاد رکھو، اسی مجلس میں قبضہ شرط ہے دونوں پر، بیعہ پر بھی اور ثمن پر بھی۔ لہٰذا میں نے جس مجلس میں آپ سے یہ ہار خریدا ہے، ضروری ہے کہ میں اسی مجلس میں دس لاکھ آپ کے حوالے کروں، آپ اس پر قبضہ کریں، اور میں آپ سے سونے کا ہار لوں اور اس پر قبضہ کروں۔ لہٰذا میں نے آپ سے عقدِ صرف کر لیا اور آپ نے کہا یہ لو ہار، اب لاؤ دس لاکھ روپے مجھے دے دو، میں نے کہا میں وہ سامنے والے کمرے سے لے کر آتا ہوں پیسے، وہاں پڑے ہیں میرے پیسے، میرے اٹھتے ہی یہ عقدِ صرف کیا ہو جائے گا؟ باطل ہو جائے گا، کیونکہ یہاں پر دونوں عوضین پر مجلس میں قبضہ شرط ہے اور یہاں تو قبضہ پایا نہیں گیا، میں جیسے ہی اٹھا مجلس تو میری ختم ہو گئی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یا اسی طرح یہ صراف ہیں، منی چینجر، جن کے پاس آپ کرنسی تبدیل کروانے جاتے ہیں، یہ جو منی چینجر ہیں، یہ جو پیسے تبدیل کرتے ہیں، مثلاً آپ منی چینجر کے پاس جاتے ہیں اور اس کو ایک لاکھ روپیہ دیتے ہیں کہ اس کے بدلے مجھے ریال دے دو، سعودی ریال۔ تو دیکھو، یہ دونوں طرف، دونوں طرف ثمن کی قبیل سے چیزیں ہیں، لہٰذا اس میں اسی مجلس میں قبضہ شرط ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب بیعِ سلم کا بھی آپ کو پتہ چل گیا۔ بیعِ سلم کے وہ نام پھر دہرا پھر دہرا لیں: بیعِ سلم کے اندر ثمن کو کیا کہتے ہیں؟ رأس المال۔ اور جو بیعِ سلم کرنے والا ہے یعنی مشتری، اس کو کیا کہتے ہیں؟ رَبُّ السَّلَمِ۔ اور جو بائع ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ مُسْلَمٌ إِلَيْهِ۔ اور جو بیعہ ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ مُسْلَمٌ فِيهِ۔ بیعِ سلم کا بھی آپ کو پتہ چل گیا کہ اس میں اسی مجلس کے اندر ثمن پر قبضہ شرط۔ بیعِ صرف کا بھی آپ کو پتہ چل گیا، اور یہ بھی پتہ لگ گیا کہ اس میں دونوں عوضین پر اسی مجلس میں قبضہ شرط ہے۔ اور عام بیع کا بھی آپ کو میں نے اصول بتلا دیا کہ عام بیع کے اندر بھی قبل القبض ثمن کے اندر تو تبدیلی اور تصرف کیا جا سکتا ہے، بیعہ میں کوئی تصرف نہیں کیا جا سکتا۔

اب بیعِ سلم کی ایک اور بات یاد رکھیں۔ بیعِ سلم، بیعِ سلم میں ایک طرف ثمن ہوں گے تو دوسری طرف کیا ہوگا؟ بیعہ۔ اور بیعہ میں قبل القبض تصرف جائز ہے؟ قبل القبض تصرف جائز نہیں۔ تو لہٰذا بیعہ کے اندر تو تصرف ہو نہیں سکتا، عام بیع میں بھی بیعِ سلم میں بھی۔ اور عام بیع میں ثمن میں تو تصرف ہو سکتا ہے قبل القبض، لیکن بیعِ سلم، بیعِ سلم اس میں ثمن کے اندر بھی قبل القبض تصرف نہیں ہو سکتا۔ اس میں عام بیع میں کس میں تبدیلی کی جا سکتی ہے قبل القبض؟ ثمن۔ اور بیعہ میں تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ لیکن بیعِ سلم میں نہ بیعہ میں تبدیلی کی جا سکتی ہے اور نہ ثمن میں تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ بیعہ میں قبل القبض تصرف اس لیے نہیں کیا جا سکتا کیونکہ عام بیع کا ضابطہ ہے: بیعہ میں قبل القبض تصرف جائز نہیں، تو بیعِ

سلم کے اندر بھی بیعہ میں قبل القبض تصرف جائز نہیں۔ لہٰذا آپ سے میں نے گندم کی خریداری کا معاہدہ کیا ہے اور میں کہتا ہوں یوں کریں بھئی گندم کی جگہ مجھے چاول دے دینا، نہیں بھئی، یہ تو میں بیعہ میں کیا کر رہا ہوں؟ قبل القبض تصرف کر رہا ہوں، یہ جائز نہیں۔ لیکن عقدِ سلم میں ثمن کے اندر بھی قبل القبض تصرف جائز نہیں ہے۔ بھئی کیوں نہیں جائز؟ اس لیے کیونکہ عقدِ سلم میں ثمن پر اسی مجلس میں قبضہ شرط تھا۔ کیا تھا؟ قبضہ شرط۔ جب آپ نے ثمن میں تبدیلی کر دی تو اس پر قبضہ ہو سکتا ہے؟ میں نے آپ کو کیا کہا تھا کہ مجھے ایک لاکھ روپے کے بدلے دو سو من گندم دے دینا دو ماہ کے بعد، اب ثمن کیا ہے؟ ایک لاکھ روپیہ۔ اور ایک لاکھ روپیہ میرے لیے شرط ہے کہ میں اسی مجلس میں آپ کے سپرد کروں۔ لیکن آپ کہتے ہیں: میں یوں کرو، لاکھ روپے کے بدلے مجھے ریال دے دو اتنے، ریال دے دو۔ یہ تو آپ کس میں تصرف کر رہے ہیں؟ ثمن میں، قبل القبض، اور یہ عقد کون سا ہے؟ عقدِ سلم ہے، بیعِ سلم ہے، لہٰذا یہ جائز نہیں، کیونکہ اگر میں آپ کو ریال مثلاً دے دیتا ہوں اسی مجلس میں اور پھر میں اٹھ گیا، تو میں جیسے ہی اٹھا، عقدِ سلم باطل۔ کیوں باطل؟

کیونکہ مجلس میں ثمن پر قبضہ شرط تھا اور جب میں اٹھ گیا تو مجلس ختم ہو گئی۔ اور آپ نے کوئی ثمن پر قبضہ کیا؟ بھئی ثمن یہ ریال تو نہیں طے ہوئے تھے، ثمن تو کیا طے ہوئے تھے؟ ایک لاکھ روپیہ طے ہوا تھا، اس پر تو آپ نے قبضہ نہیں کیا۔ بات سمجھ میں آ... آپ نے تو اس کے بدل پر قبضہ کیا ہے، حالانکہ ثمن پر قبضہ شرط تھا۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟ جی۔

اب آؤ بھئی رہن کے مسئلے کی طرف۔ کیا بیعِ سلم میں رأس المال کے بدلے رہن رکھوایا جا سکتا ہے؟ ہم دونوں نے آپس میں عقدِ سلم کیا۔ میں نے کہا مجھے ایک لاکھ روپے کے بدلے دو ماہ کے بعد دو سو من گندم دے دینا۔ آپ نے کہا مجھے منظور ہے۔ دونوں میں عقدِ سلم ہو گیا۔ اب آپ نے کہا لاؤ بھئی مجھے ایک لاکھ روپیہ ابھی حوالے کر دو، حوالے کر دو۔ میں نے کہا کہ ایک لاکھ روپیہ میں ابھی دیتا ہوں تھوڑی دیر تک آپ کو۔ آپ نے کہا جب تک کوئی چیز میرے پاس رہن رکھواؤ۔ تو میں نے آپ کو ایک قیمتی گھڑی آپ کے پاس بطورِ رہن رکھوا دی۔ تو کیا یہ رہن صحیح ہے کس کے بدلے؟ ثمن یعنی رأس المال کے بدلے؟ کہتے ہیں ہاں بھئی، رأس المال وہ دَین ہے یا نہیں دوسرے کے اوپر؟ ادائیگی اس پر لازم ہو گئی عقد کرتے ہی، تو لہٰذا اس کے بدلے میں رہن رکھوانا صحیح ہے، صحیح ہے۔ لیکن پھر اس میں تفصیل یاد رکھنا۔ میں نے آپ کے پاس گھڑی رہن رکھوا دی اور پھر میں نے کہا اچھا بھئی اب میں سامنے والے کمرے سے ایک لاکھ روپیہ لے آؤں، میں جیسے ہی اٹھوں گا، جیسے ہی اٹھوں گا، عقدِ سلم باطل ہو جائے گا کیونکہ ثمن پر مجلس کے اندر قبضہ نہیں پایا گیا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ نہیں پایا گیا۔ ہاں، میں نے گھڑی آپ کو دے دی، ابھی مجلس ہی میں ہیں ہم، جدا ہونے سے پہلے ہی وہ گھڑی اچانک آپ کے ہاتھ سے نکلی اور دریا کے پاس کھڑے تھے، وہ سیدھی دریا میں گر گئی، ڈوب گئی، ختم ہو گئی۔ تو دیکھا رہن ہلاک ہو گیا، کیا ہوا؟ رہن ہلاک ہوا۔ جب رہن ہلاک ہوا تو گویا اس نے اپنے ثمن وصول کر لیے، گویا، کیونکہ وہ رہن کس لیے رکھوایا جاتا ہے؟ دَین کو وصول کرنے کے لیے، تو گویا آپ نے وہ پیسے مجھ سے وصول کر لیے۔ جب وصول

کر لیے، دیکھو وہ رہن جدائی سے پہلے ہی پہلے ہلاک ہو گیا، مجلس ختم ہونے سے پہلے ہی ہلاک ہو گیا۔ اب میں اٹھ کر جاتا ہوں، تو میرے اٹھنے سے اب سلم باطل نہیں، کیونکہ آپ اپنے ثمن وصول کر چکے ہیں۔ کیا کر چکے ہیں؟ اس پر آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ ثمن تو ایک لاکھ روپیہ تھا، یہ جو چیز رہن رکھوائی ہے یہ تو ثمن نہیں تھے؟ کہتے ہیں بھئی ہاں، یہاں ہے تو صورت وہی، حقیقتاً تو ثمن پر قبضہ نہیں پایا گیا مجلس کے اندر، لیکن حکماً تو پایا گیا نا! جب رہن، رہن کس لیے رکھا جاتا ہے اپنے پاس؟ وصولی کے لیے۔ رہن پر جو قبضہ ہوتا ہے وہ وصولی کا قبضہ ہوتا ہے۔ تو گویا جب رہن اس کے پاس ہلاک ہوا تو اس نے دَین کیا کر لیا؟ وہ ثمن کیا کر لیے؟ وصول، حقیقتاً تو وصول نہیں کیے لیکن حکم لگا دیا جائے گا کہ اس نے کیا کر لیے؟ وصول۔ جب وصول کر لیے تو بات پوری ہو گئی، شرط پوری ہو گئی، ثمن پر قبضہ کیا تھا؟ اسی مجلس میں ضروری تھا، وہ اس نے وصول کر لیے ہیں بھئی، حقیقتاً تو نہیں کیے لیکن حکم لگا دیا گیا۔ کیا حکم؟ کہ اس نے وصول کر لیے ہیں۔ تو حقیقتاً وصولی نہیں ہے یہاں، بلکہ کیا ہے؟ حکماً وصولی ہے، اور یہ کافی ہے یہاں پر۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اسی طرح، اسی طرح ثمنِ صرف بھی اسی طرح ہے۔ میں نے آپ سے کہا کہ یہ ایک لاکھ کے بدلے مجھے ریال دے دو، سعودی ریال۔ تو یہ عقدِ صرف ہے، اور عقدِ صرف میں بھی آپ نے پڑھا ہے کہ عوضین پر اسی مجلس میں قبضہ شرط ہے۔ تو آپ نے تو مجھے ریال دے دیے، لیکن اب مجھ سے مانگے ایک لاکھ روپے۔ میں نے کہا بھئی ایک لاکھ روپے ابھی تھوڑی دیر... سامنے کمرے میں پڑے ہیں، میں ابھی آپ کو لا کر دے دیتا ہوں۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ اس نے کہا میرے پاس جب تک کوئی چیز رہن رکھواؤ۔ چنانچہ میں نے اپنی گھڑی اس کے پاس رہن رکھوا دی بائع کے پاس، اور پھر اس کے بعد میں جیسے ہی پیسے لینے کے لیے اٹھوں گا، گھڑی ابھی ہلاک نہیں ہوئی، اس کے قبضے میں ہے، میرے اٹھتے ہی یہ عقدِ صرف کیا ہو جائے گا؟ ختم، باطل ہو جائے گا۔ تو رہن کی ہلاکت سے پہلے اگر جدا ہو گئے تو پھر وہ عقد کیا ہو جائے گا؟ باطل، عقدِ سلم بھی اور عقدِ صرف بھی۔ ہاں، اگر رہن آپ کے پاس ہلاک ہو گیا، تو اس کے بعد اگر میں اٹھ کر جاتا ہوں، اٹھتا ہوں وہاں سے، تو گویا آپ نے حکماً کیا کر لیا ہے؟ ثمن پر قبضہ کر لیا۔ عقدِ صرف کے ثمن پر کیا کر لیا؟ قبضہ کر لیا، تو یہ تام ہو گیا عقد۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اسی طرح یاد رکھو، اسی طرح یاد رکھو مُسْلَمٌ فِیہِ یعنی بیعہ جو ہے عقدِ سلم میں، آپ سے میں نے کہا کہ یہ ایک لاکھ روپیہ لے لیں اور مجھے دو ماہ کے بعد دو سو من گندم دے دیجیے گا، تو یہ ہم دونوں میں عقد ہوا۔ میں نے ایک لاکھ روپیہ آپ کے حوالے کر دیا اور پھر میں نے کہا کہ آپ نے مجھے گندم دینی ہے دو ماہ کے بعد، تو مجھے میرے پاس کوئی چیز بطورِ رہن کے رکھوائیے، آپ پر دَین ہے یا نہیں گندم؟ تو اس کے بدلے کوئی رہن رکھواؤ۔ تو آپ نے اپنی ایک قیمتی گھڑی میرے پاس بطورِ رہن کے رکھوا دی۔ تو کہتے ہیں یہ بھی جائز ہے، یہ بھی جائز ہے، یعنی رأس المال کے بدلے بھی رہن جائز اور مُسْلَمٌ فِیہِ کے بدلے بھی رہن جائز۔ اور پھر مُسْلَمٌ فِیہِ کے اندر، اس میں پھر اسی مجلس میں چونکہ قبضہ ضروری نہیں، لہٰذا یہاں

پر آپ نے رہن رکھوا دیا اور اٹھ کر چلے گئے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ رأس المال پر تو اس مجلس میں قبضہ شرط تھا، مُسْلَمٌ فِيهِ پر تو اس مجلس میں قبضہ شرط نہیں ہے، وہ تو دو ماہ بعد ملے گا۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے اب کتاب پر:

وَبِرَأْسِ مَالِ السَّلَمِ، اور صحیح ہے رہن رکھوانا بِرَأْسِ مَالِ السَّلَمِ عقدِ سلم کے رأس المال کے بدلے میں، وَثَمَنِ الصَّرْفِ، اور عقدِ صرف کے، بیعِ صرف کے ثمن کے بدلے بھی رہن رکھوانا صحیح ہے، وَالْمُسْلَمِ فِيهِ، اور مُسْلَمٌ فِيهِ کے بدلے بھی رہن رکھوانا صحیح ہے۔ فَإِنْ هَلَكَ فِي الْمَجْلِسِ، پس اگر وہ، وہ ہلاک ہو گیا مجلس میں۔ اس کا تعلق کس سے ہے؟ اگر تینوں سے جوڑتے ہیں، تینوں سے بھی جوڑ سکتے ہیں، مثلاً اگر اسی مجلس میں رہن ہلاک ہوا تو گویا اس نے رأس المال کیا کر لیا؟ وصول کر لیا، اگر رأس المال کے بدلے رہن تھا۔ اور اگر ثمنِ صرف کے بدلے رہن تھا تو گویا اس نے ثمنِ صرف کیا کر لیے؟ اسی مجلس میں وصول کر لیے۔ اور اگر رہن کس کے بدلے تھا؟ مُسْلَمٌ فِيهِ کے بدلے تھا، تو گویا اس نے رہن... اور رہن اسی مجلس میں اس کے پاس کیا ہوا؟ ہلاک ہو گیا، تو اس نے کیا کیا؟ گویا مُسْلَمٌ فِيهِ وصول کر لیا۔ اور جب مُسْلَمٌ فِيهِ وصول کر لیا، ثمن بھی دے چکا ہے، مُسْلَمٌ فِيهِ کی وصولی بھی ہو گئی، تو عقدِ سلم تام ہو گئی، ختم ہو گئی، پوری ہو گئی۔ تو یہ معنیٰ ہے: وَبِرَأْسِ مَالِ السَّلَمِ وَثَمَنِ الصَّرْفِ وَالْمُسْلَمِ فِيهِ، اور رہن رکھوانا جائز ہے عقدِ سلم کے رأس المال کے بدلے میں اور ثمنِ صرف کے بدلے میں اور مُسْلَمٌ فِيهِ کے بدلے میں۔ فَإِنْ هَلَكَ فِي الْمَجْلِسِ، پس اگر وہ چیز، اگر وہ رہن، پس اگر وہ رہن ہلاک ہو گیا اس مجلس کے اندر ہی، فَقَدْ أَخَذَ، تو تحقیق اس نے لے لیا اس چیز کو، کیا چیز؟ یعنی رأس المال کو لے لیا یا ثمنِ صرف کو لے لیا، حقیقتاً تو نہیں لیکن حکماً یہ حکم لگا دیا جائے گا کہ اس نے وصول کر لیا ہے بھئی۔

وَإِنِ افْتَرَقَا قَبْلَ نَقْدِ الْمَرْهُونِ بِهِ وَهَلَكَ بَطَلَا. بھئی یہ عبارت متن کی صحیح نہیں ہے، اور نسخوں میں، بھئی دیکھیے پھر ذرا غور کریں یہ ٹھیک کیسے نہیں ہے؟ کہتے ہیں: وَإِنِ افْتَرَقَا، اور اگر دونوں جدا ہو گئے یعنی دونوں عقد کرنے والے، قَبْلَ نَقْدِ الْمَرْهُونِ، مرہون کی ادائیگی سے پہلے، کس سے؟ مرہون کی ادائیگی سے؟ ہاں، یہ بات ہی نہیں بنتی! مرہون کیا؟ مرہون کہا تو ہے کہ رہن حوالے کر دیا، رہن کیا کر دیا ہے؟ حوالے کر دیا۔ تو یا تو یوں ہونا چاہیے: قَبْلَ نَقْدِ الْمَرْهُونِ بِهِ، مرہون نہیں، مَرْهُونٌ بِهِ کی ادائیگی سے پہلے۔ مَرْهُونٌ بِهِ کیا ہے؟ مَرْهُونٌ بِهِ، مرہون کیا ہے؟ وہ جو چیز رہن رکھوائی، اور مَرْهُونٌ بِهِ جس کے بدلے میں رہن رکھوائی ہے۔ وَإِنِ افْتَرَقَا، اور اگر دونوں جدا ہو گئے قَبْلَ نَقْدِ الْمَرْهُونِ بِهِ، یہاں بِهِ ہونا چاہیے، مَرْهُونٌ بِهِ کی ادائیگی سے پہلے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ ادھر دیکھو بھئی، عقدِ سلم کیا ہے، عقدِ سلم کیا ہے یا عقدِ صرف کیا ہے اور مَرْهُونٌ بِهِ کی اسی مجلس میں ادائیگی سے پہلے ہی دونوں جدا ہو گئے، اور رہن بھی ہلاک نہیں ہوا، مَرْهُونٌ بِهِ کی ادائیگی بھی نہیں کی اور رہن بھی ہلاک نہیں، اگر رہن ہلاک ہوتا تو حکماً ادائیگی ہو جاتی۔ جی۔ کیا ہوتا؟ حکماً ہم کہتے کہ ادائیگی ہو گئی یا اس نے وصولی

کر لی ہے۔ تو رہن بھی ہلاک نہیں، لہٰذا حکماً ادائیگی بھی نہیں پائی گئی، اور مَرْهُونٌ بِهِ بھی اس نے حقیقتاً بھی ادا نہیں کیا، تو حقیقتاً بھی مَرْهُونٌ بِهِ کی ادائیگی نہیں ہوئی یعنی وہ رأس المال یا ثمنِ صرف اس نے دیے نہیں، اور حکماً بھی ادائیگی نہیں ہوئی، تو اس صورت میں عقدِ سلم کیا ہو جائے گا یا عقدِ صرف کیا ہو جائے گا؟ باطل۔ توجہ ہے؟ یعنی رہن کا اس مجلس میں جدائی سے پہلے ہلاک ہونا ضروری یا مَرْهُونٌ بِهِ کی ادائیگی ضروری ہے۔

تو کہتے ہیں: وَإِنِ افْتَرَقَا قَبْلَ نَقْدِ الْمَرْهُونِ بِهِ، تو یہاں مَرْهُون کے بعد بِهِ کا لفظ ہونا چاہیے، اور اگر وہ دونوں جدا ہو گئے مَرْهُونٌ بِهِ کی ادائیگی سے پہلے، وَهُلْكِ، اور اس رہن کی ہلاکت سے پہلے، بَطَلَا، تو دونوں عقد باطل ہو جائیں گے، عقدِ سلم بھی اور عقدِ صرف بھی باطل ہو جائیں گے۔ اگر مَرْهُونٌ بِهِ کی ادائیگی کر دی تو پھر تو حقیقتاً ادائیگی اور وصولی ہو گئی، اور اگر رہن ہلاک ہوا تو پھر حکماً ادائیگی اور وصولی ہو گئی، تو دونوں میں سے ایک چیز ضرور ہونی چاہیے۔ تو یہاں یہ الْمَرْهُونِ بِهِ کا لفظ ہونا چاہیے متن میں، بلکہ اس متن کے جو دوسرے نسخے ہیں ان کے اندر یہاں الْمَرْهُونِ بِهِ کا لفظ بھی نہیں ہے، بلکہ عبارت یوں ہے: وَإِنِ افْتَرَقَا قَبْلَ نَقْدٍ وَهُلْكٍ بَطَلَا، وَإِنِ افْتَرَقَا قَبْلَ نَقْدٍ وَهُلْكٍ بَطَلَا، اور اگر وہ دونوں جدا ہو گئے ادائیگی یا ہلاکت سے پہلے، تو دونوں عقد کیا ہو جائیں گے؟ باطل۔ ادائیگی کس کی؟ مَرْهُونٌ بِهِ کی، اور ہلاکت کس کی؟ رہن کی۔ یا تو مَرْهُونٌ بِهِ کی یعنی وہ مَرْهُونٌ بِهِ کی کیا کریں؟ ادائیگی کر دیں کیونکہ وہ شرط ہے، اور یا کیا ہو؟ رہن اس مجلس میں ہلاک ہو جائے۔

عبارت اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ اب صرف ترجمہ دیکھو۔ کہتے ہیں: أَيْ إِذَا رَهَنَ بِرَأْسِ مَالِ السَّلَمِ أَوْ ثَمَنِ الصَّرْفِ، جب رہن رکھوایا سلم کے رأس المال کے بدلے یا ثمنِ صرف کے بدلے، فَإِنْ هَلَكَ الرَّهْنُ قَبْلَ الِافْتِرَاقِ، اگر رہن ہلاک ہو گیا قَبْلَ الِافْتِرَاقِ جدا ہونے سے پہلے ہی، ان دونوں کے جدا ہونے سے پہلے ہی رہن ہلاک ہو گیا، فَالْمُرْتَهِنُ قَدِ اسْتَوْفَى حَقَّهُ، تو مرتہن نے تحقیق وصول کر لیا اپنا حق، تو پھر ٹھیک ہو گیا، پھر سلم باطل نہیں اور صرف بھی باطل نہیں۔ وَإِنِ افْتَرَقَا قَبْلَ نَقْدِ الْمَرْهُونِ بِهِ، اور اگر وہ دونوں جدا ہو گئے مَرْهُونٌ بِهِ کی ادائیگی سے پہلے، وَقَبْلَ هَلَاكِ الْمَرْهُونِ، اور مرہون کے ہلاک سے پہلے، بَطَلَ السَّلَمُ وَالصَّرْفُ، تو باطل ہو جائے گی بیعِ سلم بھی اور بیعِ صرف بھی۔

وَهَذَا التَّفْصِيلُ لَا يَتَأَتَّى فِي الرَّهْنِ بِالْمُسْلَمِ فِيهِ، اور کہتے ہیں یہ جو ہم نے تفصیل اتنی لمبی بیان کی، لَا يَتَأَتَّى، یہ موافق نہیں ہوتی۔ تَأَتَّى کا کیا معنیٰ؟ تَأَتَّى يَتَأَتَّى تَأَتِّيًا اس کا معنیٰ موافق ہونا یا حاصل ہونا، یہ تفصیل حاصل نہیں ہوتی فِي الرَّهْنِ اس رہن میں بِالْمُسْلَمِ فِيهِ جو کس کے بدلے ہو؟ مُسْلَمٌ فِيهِ کے بدلے۔ مُسْلَمٌ فِيهِ یعنی آپ نے مجھے دو سو گندم دو ماہ بعد دینی ہے اور اس کے بدلے میں نے آپ سے کہا کہ میرے پاس رہن رکھواؤ، آپ نے اپنی گھڑی میرے پاس رہن رکھوا دی، رہن رکھوا دی۔ تو کیا ہم دونوں کی جدائی سے پہلے اس رہن کا ہلاک ہونا یا مَرْهُونٌ بِهِ یعنی وہ دو سو من کی ادائیگی ضروری ہے؟ کہتے ہیں نہیں، اس میں نہیں ہے، مُسْلَمٌ فِيهِ کی تو ادائیگی کب ہو گی؟ دو ماہ بعد ہو گی، تو لہٰذا یہاں پر پھر نہ رہن کی ہلاکت

ضروری ہے جدا ہونے سے پہلے اور نہ مَرْهُونٌ بِهِ یعنی مُسْلَمٌ فِيهِ کی ادائیگی ضروری ہے۔ یہ معنیٰ ہے: وَهَذَا التَّفْصِيلُ لَا يَتَأَتَّى فِي الرَّهْنِ بِالْمُسْلَمِ فِيهِ، اور یہ تفصیل حاصل نہیں ہوتی اس رہن میں جو مُسْلَمٌ فِيهِ کے بدلے میں ہو، فَيَصِحُّ مُطْلَقًا، تو وہ مطلقاً صحیح ہے، وہ مطلقاً صحیح ہے چاہے اس مجلس میں رہن ہلاک ہو یا نہ ہو۔ فَإِنْ هَلَكَ الرَّهْنُ، پس اگر وہ رہن ہلاک ہو گیا، کس کے بدلے؟ مُسْلَمٌ فِيهِ کے بدلے جو رہن تھا اگر وہ ہلاک ہو گیا، فَيَصِيرُ مُسْتَوْفِيًا لِلْمُسْلَمِ فِيهِ، تو مشتری وصول کرنے والا ہو گیا کس کو؟ مُسْلَمٌ فِيهِ کو۔ بھئی دیکھو، بھئی دیکھو میں نے آپ سے عقدِ سلم کیا ہے کہ ایک لاکھ روپیہ لے لو، مجھے دو ماہ بعد دو سو من گندم دے دینا۔ میں نے لاکھ روپیہ آپ کو ابھی دے دیا، رأس المال حوالے کر دیا میں نے، اور گندم آپ نے کب دینی ہے؟ دو ماہ بعد۔ اس کے بدلے میں نے کہا میرے پاس کوئی چیز رہن رکھواؤ، آپ نے اپنی گھڑی میرے پاس رہن رکھوا دی، اب ہم دونوں جدا ہو جائیں تو کوئی رہن کا...

کی ہلاکت ضروری نہیں۔ ہاں، اب وہ آپ کا رہن جو گھڑی تھی میرے پاس ہلاک ہو گئی، اور یہ گھڑی کس کے بدلے رہن تھی؟ مُسْلَمٌ فِيهِ کے بدلے۔ تو لہٰذا گویا میں نے مُسْلَمٌ فِيهِ کو آپ سے وصول کر لیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنیٰ ہے: فَإِنْ هَلَكَ الرَّهْنُ يَصِيرُ مُسْتَوْفِيًا لِلْمُسْلَمِ فِيهِ، پس اگر وہ رہن ہلاک ہو گیا تو وہ مشتری جو ہے یعنی رَبُّ السَّلَمِ جو ہے وہ وصول کرنے والا ہو گیا مُسْلَمٌ فِيهِ کو۔ جب مُسْلَمٌ فِيهِ کو بھی وصول کر لیا، ثمن بھی دے دیے اور مُسْلَمٌ فِيهِ بھی حکماً کیا ہو گیا؟ وصول ہو گیا۔ کیونکہ رہن ہلاک ہو گیا ہے تو گویا وہ وصول ہو گیا۔ جب وصول ہو گیا، فَلَا يَبْقَى السَّلَمُ، تو سلم باقی نہ رہی، پوری ہو گئی، تام ہو گئی، ختم ہو گئی۔

آگے دیکھیے: وَرَهْنُ الْمُسْلَمِ فِيهِ رَهْنٌ بِبَدَلِهِ إِذَا فُسِخَ۔ صورت یہ کہ ہم دونوں نے، میں نے آپ سے کہا کہ یہ ایک لاکھ روپیہ لیجیے اور مجھے دو ماہ بعد دو سو من گندم دیجیے گا۔ ہم دونوں نے اس پر عقد کر لیا۔ پھر آپ سے میں نے کہا کہ جو آپ نے دو سو من گندم دینی ہے اس کے بدلے میرے پاس کوئی چیز رہن رکھواؤ۔ آپ نے اپنی قیمتی گھڑی میرے پاس رہن رکھوا دی، رہن رکھوا دی۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ پھر ہم دونوں نے آپس میں کہا کہ اس عقد کو فسخ کرتے ہیں، میں نے کہا اس کو فسخ کرتے ہیں، آپ نے قبول کر لیا، تو دونوں نے مل کر عقد کو کیا کر لیا؟ فسخ کر دیا۔ تو کیا فسخ کرنے کے بعد یہ رہن واپس دینا فوراً میرے لیے ضروری ہے؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، آپ نے تو، مشتری نے یعنی رَبُّ السَّلَمِ نے تو پیسے دیے ہوئے ہیں، پیسے دیے ہوئے ہیں اس کو، لہٰذا عقدِ سلم کو فسخ بھی کر دیں تو رَبُّ السَّلَمِ یعنی جو مشتری ہے، وہ اس رہن کو روک سکتا ہے، اس رہن کو روک سکتا ہے۔ پہلے اس رہن کو روکا تھا کس کے بدلے؟ مُسْلَمٌ فِيهِ کے بدلے میں، کس کے بدلے میں؟ مُسْلَمٌ فِيهِ یعنی بیعہ کے بدلے میں روکا ہوا تھا۔ اب اس مُسْلَمٌ فِيهِ کا جو بدل تھا، یعنی وہ جو ثمن حوالے کیے تھے، یعنی وہ جو رأس المال حوالے کیا تھا، اس کے بدلے اس کو روک سکتا ہے، اس کو حق ہے، وہ اس کے بدلے رہن بن جائے گا۔ ہم دونوں نے بیعِ سلم فسخ کر دی، اب آپ نے کہا کہ لاؤ بھئی وہ رہن میرے حوالے کر دو، رہن واپس دے دو جو میں نے

مُسْلَمٌ فِيهِ کے بدلے آپ کو دیا تھا، میں نے کہا نہیں، اب یہ چیز آپ کی میرے پاس رہن ہے وہ جو بدل یعنی جو میں نے رأس المال آپ کو ایک لاکھ روپیہ دیا تھا اس کے بدلے میں۔

تو کہتے ہیں: وَرَهْنُ الْمُسْلَمِ فِيهِ، مُسْلَمٌ فِيهِ کا جو رہن ہے، رَهْنٌ بِبَدَلِهِ، وہ رہن ہو گا اس کے بدل کے بدلے، اس کے... اور مُسْلَمٌ فِيهِ کا بدل کیا تھا؟ رأس المال، وہ جو پیسے دیے تھے اس کو۔ یہ کب؟ إِذَا فُسِخَ، جب عقدِ سلم کو کیا کر دیا جائے؟ فسخ کر دیا جائے۔ أَيْ إِذَا كَانَ الشَّيْءُ مَرْهُونًا بِالْمُسْلَمِ فِيهِ، یعنی جب کوئی چیز مرہون ہو مُسْلَمٌ فِيهِ کے بدلے میں، ثُمَّ فَسَخَا عَقْدَ السَّلَمِ، پھر دونوں نے مل کر فسخ کر دیا عقدِ سلم کو، فَهُوَ رَهْنٌ بِالْبَدَلِ، تو پھر وہ رہن ہو گا اس کے بدل کے بدلے، أَيْ يَكُونُ لِرَبِّ السَّلَمِ أَنْ يَحْبِسَ الرَّهْنَ حَتَّى يَقْبِضَ رَأْسَ الْمَالِ، یعنی رَبُّ السَّلَمِ جو مشتری ہے، اس کو یہ حق ہو گا أَنْ يَحْبِسَ الرَّهْنَ کہ وہ اب اس رہن کو روک لے حَتَّى يَقْبِضَ رَأْسَ الْمَالِ یہاں تک کہ وہ رأس المال جو اس نے دیا تھا، ایک لاکھ روپے، اس پر کیا کر لے؟ قبضہ کر لے۔ اس وقت تک روک سکتا ہے، تو یہ اس کے بدلے رہن ہو جائے گا۔

وَلَوْ هَلَكَ رَهْنُهُ بَعْدَ الْفَسْخِ هَلَكَ بِهِ۔ وَلَوْ هَلَكَ رَهْنُهُ بَعْدَ الْفَسْخِ هَلَكَ بِهِ۔ اس کو بھی ذرا توجہ سے سمجھ لیں بھئی۔ صورت یہ: میرے اور آپ کے درمیان عقدِ سلم ہوا، میں نے آپ کو ایک لاکھ روپیہ دے دیا، اور آپ نے دو ماہ بعد مجھے دو سو من گندم دینی ہے، اور میں نے کہا میرے پاس کوئی چیز رہن رکھواؤ وہ گندم کے بدلے، تو آپ نے اپنی قیمتی گھڑی میرے پاس رہن رکھوا دی۔ اور پھر ہم دونوں نے کیا کر لیا؟ اس کو فسخ کر دیا عقدِ سلم کو۔ فسخ کر دیا، اب آپ آئے اور آپ نے کہا بھئی وہ گندم کے بدلے میں نے گھڑی رکھوائی تھی وہ گھڑی واپس کر دو، تو میں نے کہا نہیں، وہ گھڑی اب میرے پاس رہن ہے جو آپ نے میرے سے رأس المال لیا ہے، ایک لاکھ روپے لیے ہیں، وہ پہلے پیسے مجھے واپس دو تو پھر میں آپ کو گھڑی واپس دے دوں گا۔ تو اب یہ گھڑی رہن بن گئی کس کے بدلے میں؟ رأس المال کے بدلے میں۔ پھر یہ گھڑی میرے پاس ہلاک ہو گئی، ہلاک ہو گئی۔ اب کیا اب وہ رأس المال یوں سمجھیں گے وصول ہو گیا؟ کہتے ہیں نہیں، یہ گھڑی اصل میں کس کے بدلے رہن رکھوائی گئی تھی؟ مُسْلَمٌ فِيهِ کے بدلے تھی، تو لہٰذا یہاں یوں سمجھا جائے گا کہ مشتری یعنی جو رَبُّ السَّلَمِ ہے اس نے مُسْلَمٌ فِيهِ وصول کر لیا۔ کیا کر لیا؟ مُسْلَمٌ فِيهِ وصول... جس چیز کے بدلے اصل میں گھڑی رہن تھی، ضمان بھی وہی آئے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو لہٰذا گویا اس نے مُسْلَمٌ فِيهِ وصول کر لیا تھا اس سے۔ جی۔ اور مُسْلَمٌ فِيهِ وصول کر لیا میں نے آپ سے، میرے پاس رہن ہلاک ہوا نا! تو حقیقتاً تو میں نے وہ گندم وصول نہیں کی، لیکن حکم کیا لگا دیا جائے گا؟ میں نے وہ گندم آپ سے وصول کر لی ہے۔ تو میں نے گندم وصول کر لی ہے، اور آپ نے میرے سے ایک لاکھ روپے وصول کر لیے تھے مجلس کے اندر ہی۔ اور ہم دونوں نے تو عقد کو کیا کر دیا ہے؟ فسخ کر دیا ہے، لہٰذا اب میرے اوپر ضروری ہے کہ میں آپ کو وہ مُسْلَمٌ فِيهِ دوں۔ یعنی اب دو سو من گندم میں دوں گا آپ کو، اور پھر آپ سے اپنے ایک لاکھ روپیہ واپس لے لوں گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ اچھی طرح؟ جی۔

وَلَوْ هَلَكَ رَهْنُهُ بَعْدَ الْفَسْخِ، اور اگر ہلاک ہو گیا رَهْنُهُ اس مُسْلَمٌ فِيهِ کا جو رہن ہے، رَهْنُهُ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ مُسْلَمٌ فِيهِ۔ یعنی اگر ہلاک ہو گیا مُسْلَمٌ فِيهِ کا رہن بَعْدَ الْفَسْخِ فسخ کے بعد، فسخ کے بعد، هَلَكَ بِهِ، تو وہ مُسْلَمٌ فِيهِ کے بدلے ہلاک ہوا ہے، کس کے بدلے؟ مُسْلَمٌ فِيهِ کے بدلے ہلاک ہوا ہے، وہ مُسْلَمٌ فِيهِ دینا پڑے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آیا کہ اوپر سے گزر گیا؟ آ گیا۔

کہتے ہیں: أَيْ إِذَا رَهَنَ الْمُسْلَمُ إِلَيْهِ عِنْدَ رَبِّ السَّلَمِ شَيْئًا بِالْمُسْلَمِ فِيهِ، جب رہن رکھوا دیا مُسْلَمٌ إِلَيْهِ یعنی بائع نے عِنْدَ رَبِّ السَّلَمِ، کس کے پاس رہن رکھوایا؟ رَبُّ السَّلَمِ کے پاس یعنی مشتری کے پاس، شَيْئًا کوئی چیز، کس کے بدلے؟ بِالْمُسْلَمِ فِيهِ یعنی بیعہ کے بدلے میں، ثُمَّ فَسَخَا عَقْدَ السَّلَمِ، پھر دونوں نے عقدِ سلم کو فسخ کر دیا، فَهَلَكَ الرَّهْنُ فِي يَدِ رَبِّ السَّلَمِ، تو ہلاک ہو گیا وہ رہن جو ہے وہ رَبُّ السَّلَمِ کے قبضے میں، یعنی مشتری کے پاس وہ رہن ہلاک ہو گیا، فَهُلْكُهُ يَكُونُ بِالْمُسْلَمِ فِيهِ، تو اس رہن کا ہلاک ہونا مُسْلَمٌ فِيهِ کے بدلے ہو گا، أَيْ يَكُونُ عَلَى رَبِّ السَّلَمِ أَنْ يُؤَدِّيَ إِلَى الْمُسْلَمِ إِلَيْهِ مِقْدَارَ الطَّعَامِ الْمُسْلَمِ فِيهِ، یعنی رَبُّ السَّلَمِ پر یعنی مشتری پر واجب ہو گا أَنْ يُؤَدِّيَ کہ وہ ادا کرے إِلَى الْمُسْلَمِ إِلَيْهِ مُسْلَمٌ إِلَيْهِ یعنی کہ بائع کو وہ ادا کرے مِقْدَارَ الطَّعَامِ اس گندم کی، اس غلے کی مقدار الْمُسْلَمِ فِيهِ جو کیا تھا؟ مُسْلَمٌ فِيهِ، وہ غلے کی اب وہ دو سو من گندم میں نے آپ کو دینی ہے، مشتری نے دینی ہے بائع کو اور پھر اپنے پیسے یعنی ثمن وصول کرنے ہیں۔ لِأَنَّهُ إِذَا هَلَكَ الرَّهْنُ صَارَ كَأَنَّ رَبَّ السَّلَمِ اسْتَوْفَى الْمُسْلَمَ فِيهِ، اس لیے کیونکہ جب رہن ہلاک ہو گیا، صَارَ تو یہ ایسے ہی ہو گیا كَأَنَّ رَبَّ السَّلَمِ اسْتَوْفَى الْمُسْلَمَ فِيهِ گویا کہ رَبُّ السَّلَمِ نے وصول کر لیا مُسْلَمٌ فِيهِ کو، کیونکہ وہ رہن کس کے بدلے تھا؟ مُسْلَمٌ فِيهِ، تو گویا اس نے مُسْلَمٌ فِيهِ کو وصول کر لیا۔ لِأَنَّ يَدَ الْمُرْتَهِنِ عَلَى الرَّهْنِ يَدُ اسْتِيفَاءٍ، اس لیے کیونکہ مرتہن کا جو قبضہ ہوتا ہے رہن پر، وہ وصولی والا قبضہ ہوتا ہے، تو اس نے گویا وصول کر لیے۔ فَيَتَقَرَّرُ بِالْهَلَاكِ، تو وہ وصولی پکی ہو گئی ہلاکت کی وجہ سے۔[۲]

رہن پر قبضہ کیوں کرتے ہیں؟ وصولی کے لیے، وصولی کے لیے۔ اور جب رہن اس کے پاس ہلاک ہو گیا تو گویا اس نے وصولی کر لی، پکی ہو گئی وصولی۔ بھئی دیکھو نا، پھر سمجھو اس بات کو۔ عام چیزوں میں مثلاً آپ نے میرا ایک لاکھ روپیہ دینا ہے، عقدِ سلم کو چھوڑ دو ذرا، عقدِ سلم کو چھوڑ دو، آپ نے میرے ایک لاکھ روپے دینے ہیں، تو میں آپ کے پاس آیا کہ میرے مجھے میرے پیسے دے دو۔ آپ نے کہا بھئی پیسے تو ابھی میرے پاس نہیں ہیں، پیسے میں آپ کو دو چار دن تک دے دوں گا، جب تک آپ میری یہ گھڑی اپنے پاس رہن کے طور پر رکھ لو۔ تو میں نے گھڑی پر قبضہ کر لیا۔ تو یہ جو رہن پر قبضہ کیا جاتا ہے یہ کس لیے ہوتا ہے؟ وصولی کے لیے۔ کس کے لیے؟ وصولی کے لیے۔ اب اس میں دو صورتیں ہیں: اگر آپ چار پانچ دن بعد میرے پیسے لے آئے، تو آپ پیسے مجھے دیں گے، میں اپنے پیسے وصول کر لوں گا اور رہن آپ کو واپس دے

[۲] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۲۸): صوتی درس کی قراءت میں «لِأَنَّهُ إِذَا هَلَكَ الرَّهْنُ صَارَ كَأَنَّ رَبَّ السَّلَمِ اسْتَوْفَى الْمُسْلَمَ فِيهِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «لأنّه إذا هلك الرهنُ صار كأنَّ ربَّ السَّلَمِ استوفى حقَّ المُسَلَّم فيه؛» منقول ہے۔

دوں گا۔ کیونکہ رہن پر بھی قبضہ کس لیے تھا؟ وصولی کے لیے، اور جب میں اصل دَین وصول کر رہا ہوں تو دو وصولیاں تو نہیں ہو سکتیں کہ اصل دَین بھی وصول کر لوں اور رہن کو بھی قبضہ کر رکھوں اس پر، کیونکہ وہ بھی وصولی ہے، تو لہٰذا اب رہن میں آپ کو واپس کر دیتا ہوں۔ لیکن اگر دَین کی ادائیگی سے پہلے ہی وہ گھڑی آپ کی میرے پاس ہلاک ہو گئی، تو اس گھڑی پر قبضہ کس لیے تھا؟ وصولی کے لیے۔ تو گویا وہ وصولی اب پکی ہو گئی، وہ وصولی اب پکی ہو گئی، گویا میں نے وصولی کر لی۔ اب آپ کو دَین دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ باقی اقل کا خیال رکھنا ہے، ضمان اتنا ہی آئے گا جتنا دَین اور رہن کی قیمت میں سے جو اقل ہو۔ وہ آپ نے رکھنا ہے خیال، وہ بار بار دہرانے کی ضرورت نہیں۔

یہ معنیٰ ہے: لِأَنَّ يَدَ الْمُرْتَهِنِ عَلَى الرَّهْنِ يَدُ اسْتِيفَاءٍ، اس لیے کیونکہ مرتہن کا جو قبضہ ہوتا ہے رہن پر وہ وصولی کا قبضہ ہوتا ہے، فَيَتَقَرَّرُ بِالْهَلَاكِ، تو وہ وصولی پختہ ہو گئی ہلاک ہونے کی وجہ سے، رہن کے ہلاک ہونے سے، فَصَارَ كَأَنَّ رَبَّ السَّلَمِ اسْتَوْفَى الْمُسْلَمَ فِيهِ، تو ایسے ہی ہو گیا جیسے کہ رَبُّ السَّلَمِ نے وصول کر لیا مُسْلَمٌ فِيهِ یعنی بیعہ کو، ثُمَّ فَسَخَا الْعَقْدَ، پھر دونوں نے عقد فسخ کر دیا، فَعَلَى رَبِّ السَّلَمِ أَدَاءُ الْمُسْلَمِ فِيهِ إِلَى الْمُسْلَمِ إِلَيْهِ، تو رَبُّ السَّلَمِ یعنی جو مشتری ہے، اس پر واجب ہو گیا، کیا واجب ہوا؟ أَدَاءُ الْمُسْلَمِ فِيهِ، کہ وہ مُسْلَمٌ فِيهِ یعنی وہ غلے کی مقدار جو ہے ادا کرے إِلَى الْمُسْلَمِ إِلَيْهِ کس کو؟ مُسْلَمٌ إِلَيْهِ یعنی بائع کو ادا کرے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: وَبِدَيْنٍ عَلَيْهِ عَبْدَ طِفْلِهِ۔ صورت یہ کہ ایک شخص ہے اس کے بیٹے کو کسی نے مال دے دیا، وصیت کر دی تھی کسی نے مرنے سے پہلے کہ زید کا جو فلاں بیٹا ہے اس کو میرے مرنے کے بعد میرے مال میں سے دس لاکھ روپے دے دینا۔ چنانچہ وہ شخص مر گیا اور زید کا بچہ جو ابھی چار پانچ سال کا ہے یا سات آٹھ دس سال کا ہے یعنی نابالغ ہے، اس کا اس کو وہ دس لاکھ روپے مل گئے۔ اب اس دس لاکھ کے ظاہر سی بات ہے اس کے لیے اس کا باپ اس پر قبضہ کر لے گا۔ زید کے بچے کا مال ہے تو قبضہ کون کرے گا؟ زید کر لے گا۔ زید سنبھال لے گا اپنے بچے کے لیے۔ یہ معنیٰ نہیں کہ اب یہ مال زید کا ہو گیا، نہیں نہیں، یہ اس کے بچے کا مال ہے۔ اب یہ اس کو سنبھال کر رکھے گا، جب یہ بڑا ہو جائے گا، بالغ ہو جائے گا، تو اس کے حوالے کر دے گا۔ اور اگر یہ ضرورت پڑتی ہے تو پھر اس پر ضرورت کے بقدر خرچ بھی کر سکتا ہے اپنے بیٹے پر کیونکہ یہ اس کا مال ہے۔ اپنے اوپر باپ یہ مال خرچ نہیں کر سکتا۔ تو یہ شخص جس کے بیٹے کے پاس مال ہے، یہ زید جو ہے، اس زید نے عمر کا پانچ لاکھ روپیہ دَین دینا ہے۔ اس نے کیا کیا؟ اپنے اس نابالغ بچے کا ایک غلام اٹھا کر بطورِ رہن کے عمر کو دے دیا۔ یہ جو نابالغ بچہ تھا، اس کو اس کے ایک غلام کو کیا کیا؟ بطورِ رہن کے دے دیا۔ دَین کس کا تھا؟ باپ کا تھا۔ اور رہن کے طور پر غلام جو رکھوا رہا ہے، وہ کس کا غلام ہے؟ اس کے بیٹے کا غلام۔ تو کیا باپ ایسا کر سکتا ہے؟ بیٹے کے غلام کو اپنے دَین کے بدلے رہن رکھوا سکتا ہے؟ کہتے ہیں ہاں جائز ہے، رہن رکھوا سکتا ہے۔

یہ معنیٰ ہے: وَبِدَيْنٍ، اور صحیح ہے رہن رکھوانا ایسے دَین کا عَلَيْهِ جو کس پر تھا؟ باپ پر ہے، اس شخص پر ہے، تو اور

صحیح ہے ایسے دَین کے بدلے جو اس شخص پر ہے رہن رکھوانا، کیا رہن رکھوانا؟ عَبْدَ طِفْلِهِ، اپنے بچے کے غلام کو۔ عبارت سمجھ میں آرہی ہے؟ وَبِدَيْنٍ عَلَيْهِ عَبْدَ طِفْلِهِ، اور صحیح ہے ایسے دَین کے بدلے جو رہن رکھوانے والے پر ہے اس کا رہن رکھوانا عَبْدَ طِفْلِهِ اپنے بچے کے غلام کو۔ کہتے ہیں: عَطْفٌ عَلَى رَأْسِ الْمَالِ، کہتے ہیں اس کا عطف بھی ہے رَأْسِ الْمَالِ پر، پیچھے جو آیا تھا نا بِرَأْسِ مَالِ السَّلَمِ شروع میں، تو اس پر عطف ہے۔ أَيْ صَحَّ الرَّهْنُ بِدَيْنٍ عَلَى الْأَبِ، یعنی صحیح ہے رہن رکھوانا ایسے دَین کے بدلے عَلَى الْأَبِ جو باپ پر ہے، وہ تو رہن رکھوانا صحیح ہے عَبْدَ طِفْلِهِ اپنے بچے کے غلام کو۔ هَذَا عِنْدَنَا، یہ ہمارے نزدیک ہے، یہ ہمارے نزدیک یعنی طرفین کے نزدیک ہے، امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما الله تعالیٰ۔ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَزُفَرَ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى لَا يَصِحُّ، جبکہ امام ابو یوسف اور امام زفر رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ صحیح نہیں، یہ رہن رکھوانا باپ اپنے دَین کے بدلے بیٹے کے مال کو رہن کے طور پر رکھوائے یہ صحیح نہیں۔ وَهُوَ الْقِيَاسُ، اور یہی قیاس ہے، یہی قیاس ہے، اعْتِبَارًا بِحَقِيقَةِ الْإِيفَاءِ، قیاس کرتے ہوئے... اعْتِبَارًا کا ترجمہ کیا کرنا ہے؟ قیاس۔ اعْتِبَارًا بِحَقِيقَةِ الْإِيفَاءِ، قیاس کرتے ہوئے حقیقی ادائیگی پر۔

اِيْفَاء کا معنیٰ ادائیگی۔ بھئی دیکھو، وہ فرماتے ہیں امام ابو یوسف اور امام زفر کہ یہ جائز نہیں ہے کہ باپ اپنے دَین کے بدلے بیٹے کا غلام یا بیٹے کی کوئی چیز رہن رکھوا دے۔ وہ اس کو قیاس کرتے ہیں حقیقی ادائیگی پر۔ کس پر؟ جیسے باپ کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے دَین میں بیٹے کے مال سے ادائیگی کر دے، کیا کر دے؟ متن میں مسئلہ رہن کا ذکر ہو رہا ہے، اور یہ ذکر کر رہے ہیں ادائیگی کو اس پر قیاس کر رہے ہیں۔ باپ پر کتنا قرضہ ہے؟ پانچ لاکھ۔ اس باپ نے یوں کیا: بیٹے کے پانچ لاکھ لیے اور اس کے ذریعے وہ پانچ لاکھ ادا کر دیے عمر کو، اپنا قرضہ ختم کر دیا۔ تو باپ کے لیے جیسے بیٹے کے مال کے ذریعے اپنے دَین کی ادائیگی جائز نہیں، تو بیٹے کے مال کو رہن کے طور پر رکھوانا بھی جائز نہیں۔ یہ کس کی دلیل ہے؟ امام ابو یوسف اور امام زفر کی۔ تو وہ فرماتے ہیں جیسے حقیقتاً ادائیگی باپ نہیں کر سکتا اپنے دَین میں بیٹے کے مال کی، اسی طرح اپنے دَین میں بیٹے کے مال کو رہن بھی نہیں رکھوایا جا سکتا۔

تو یہ معنیٰ ہے: وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَزُفَرَ رَحِمَهُمَا اللهُ لَا يَصِحُّ، ان کے نزدیک صحیح نہیں، وَهُوَ الْقِيَاسُ، اور یہی قیاس ہے، اعْتِبَارًا بِحَقِيقَةِ الْإِيفَاءِ، قیاس کرتے ہوئے حقیقتاً ادائیگی پر، حقیقی ادائیگی پر قیاس، جیسے حقیقتاً ادائیگی صحیح نہیں تو رہن رکھوانا بھی صحیح نہیں ہے۔

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ، اور استحسان کی وجہ یہ ہے۔ دیکھا؟ طرفین کی دلیل کو استحسان کہا، حالانکہ وہ بھی قیاس ہے، وہ بھی... اور امام زفر اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ بھی کس کو ذکر کر رہے ہیں؟ قیاس کو، قیاس کو۔ تو میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ قیاسِ خفی، قیاسِ خفی... قیاس دو قسم پر ہے: ایک جلی اور ایک خفی۔ جلی جو واضح بات ہو، فوراً انسان وہاں تک پہنچ جائے، ذہن

وہاں تک جلدی پہنچ جاتا ہے؛ اور ایک جو ذرا گہری بات ہو، ذرا غور کرنا پڑتا ہو۔ قیاسِ خفی کو عموماً استحسان کہتے ہیں، لیکن تب جب اس کے مقابلے میں کیا ہو؟ قیاسِ جلی ہو۔ اگر اس کے مقابلے میں قیاسِ جلی نہ ہو، پھر قیاس جتنا بھی گہرا کیوں نہ ہو اس کو قیاس ہی کہتے ہیں، استحسان نہیں کہتے۔ تو یہاں پر بھی چونکہ مقابلے میں قیاس تھا، اس لیے ان کی دلیل جو ہے وہ ذرا اور گہری بات ہے تو قیاسِ خفی ہے، تو اس کو کیا کہا؟ استحسان۔

کہتے ہیں: وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ، استحسان کی وجہ یہ ہے کہ أَنَّ فِي حَقِيقَةِ الْإِيفَاءِ، بھئی پہلے سمجھ لو اس بات کو۔ امام زفر اور امام محمد رحمہ اللہ نے اس کو قیاس کیا تھا حقیقی ادائیگی پر، ہم کہتے ہیں نہیں، دونوں میں فرق ہے۔ رہن رکھوانا ٹھیک ہے، حقیقی ادائیگی تو ہم بھی کہتے ہیں کہ ٹھیک نہیں ہے، باپ اپنے دَین کو کس کے ذریعے ادا کرے؟ بیٹے کے مال کے ذریعے، یہ تو ہم بھی کہتے ہیں ٹھیک نہیں ہے، لیکن رہن رکھوا سکتا ہے اس لیے کیونکہ دونوں میں فرق ہے۔ فرق یہ ہے کہ جب حقیقتاً ادائیگی کرتا ہے باپ اپنے دَین میں کس چیز کو؟ بیٹے کے مال کو... توجہ نہیں میرا خیال... جب حقیقتاً باپ ادا کرتا ہے، کس چیز کو ادا کرتا ہے؟ بیٹے کے مال کو، کس چیز کے بدلے؟ اپنے دَین کے بدلے، تو وہاں دیکھو بیٹے کا مال ہاتھ سے نکل گیا، ختم ہوا، اور بدلے میں بیٹے کو کچھ ملا؟ نہیں۔ فی الحال کچھ بھی نہیں ملا۔ ہاں، باپ پر ضمان آئے گا، باپ کو ضمان پھر دینا پڑے گا اس کا، وہ پانچ لاکھ باپ کو کہیں سے انتظام کر کے دینے پڑیں گے، لیکن فی الحال تو بیٹے کا مال ختم ہو گیا اور ضائع ہو گیا بغیر کسی عوض کے۔ اس کے قبضے سے نکل گیا، ضائع ہو گیا اور بدلے میں کچھ ملا بھی نہیں۔ لہٰذا وہ تو ہم بھی کہتے ہیں جائز نہیں ہے۔ لیکن یہاں پر جب بیٹے کا مال، بیٹے کا غلام دوسرے کے پاس رہن رکھوایا باپ نے اپنے قرضے کے بدلے میں، تو کیا بیٹے کی ملکیت اس غلام سے ختم ہوئی؟ نہیں، غلام تو ابھی بھی کس کا مملوک ہے؟ بیٹے ہی کا مملوک ہے، تو بیٹے کی ملکیت سے چیز نہیں نکلی، ابھی بھی اسی کی ملکیت میں ہے، جبکہ وہاں پر ادائیگی کی صورت میں وہ مال کیا تھا؟ بیٹے کی ملکیت سے نکل جاتا تھا اور بدل بھی کوئی نہیں ملتا تھا، لیکن یہاں پر جب بیٹے کے غلام کو رہن رکھوایا باپ نے اپنے دَین کے بدلے، تو بیٹے کی ابھی بھی ملکیت غلام پر باقی ہے۔ تو کیا بیٹے کی ملکیت ختم ہوئی؟ نہیں۔ بیٹے کے ہاتھ سے کوئی مال نکلا اس کا؟ تو یہاں پر ہم کہتے ہیں دیکھیں بیٹے کے ہاتھ سے اس کا مال بھی نہیں نکلا، بلکہ اب وہ مرتہن اس کی حفاظت کرے گا کیونکہ اگر نہیں کرے گا تو اس پر ضمان آجائے گا، تو ایک حفاظت کرنے والا بھی مل گیا، ایک حفاظت کرنے والا... تو بیٹے کی ملکیت سے مال بھی نہیں نکلا اور حفاظت کرنے والا بھی موجود ہے، لہٰذا اس لیے یہ رہن رکھوانا صحیح ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ، استحسان کی وجہ یہ ہے کہ أَنَّ فِي حَقِيقَةِ الْإِيفَاءِ إِزَالَةُ مِلْكِ الصَّغِيرِ بِلَا عِوَضٍ فِي الْحَالِ، کہ حقیقتاً ادائیگی کے اندر إِزَالَةُ مِلْكِ الصَّغِيرِ نابالغ کی ملکیت کو زائل کرنا ہے بِلَا عِوَضٍ فِي الْحَالِ بغیر کسی عوض کے فی الحال، یعنی فی الحال کوئی عوض بھی اسے نہیں ملتا اگر باپ ادائیگی کر دیتا ہے۔ فی الحال نہیں ملتا، باپ پر ضمان تو آئے گا، اس کو

دینا تو پڑے گا بعد میں، لیکن فی الحال تو کوئی عوض اسے نہیں مل رہا اس لیے حقیقتاً ادائیگی تو صحیح نہیں۔ وَفِي هَذَا، اور اس صورت میں، رہن والی صورت میں، نَصْبُ حَافِظٍ لِمَالِهِ، نَصْب کا معنیٰ مقرر کرنا، ایک حفاظت کرنے والے کو مقرر کرنا ہے لِمَالِهِ اس کے مال کے لیے یعنی اس کے غلام کے لیے، مَعَ بَقَاءِ مِلْكِهِ، ساتھ اس کی ملکیت کی بقا کے کہ اس نابالغ کی ملکیت بھی اس میں باقی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

آگے دیکھیے: وَبِثَمَنِ عَبْدٍ أَوْ خَلٍّ أَوْ ذَكِيَّةٍ إِنْ ظَهَرَ الْعَبْدُ حُرًّا وَالْخَلُّ خَمْرًا وَالذَّكِيَّةُ مَيْتَةً۔ صورت یہ کہ ایک شخص نے دوسرے سے غلام خریدا، اور مشتری نے کہا ثمن تو میرے پاس ابھی نہیں ہے میں آپ کو چند دن بعد دوں گا، متعین کر دیا کہ فلاں دن دوں گا، ہاں جب تک یہ چیز بطورِ رہن کے آپ ثمن کے بدلے رکھ لیں۔ غلام خریدا ہے، اس نے غلام سپرد کر دیا، اور مشتری نے کیا کیا؟ ثمن کے بدلے... ثمن ادا نہیں کیے بلکہ ثمن کے بدلے رہن رکھوا دیا۔ توجہ نہیں ہے میرا خیال۔ ایک شخص نے دوسرے سے غلام خریدا ہے اور مشتری نے ثمن کے بدلے کیا رکھوا دیا؟ رہن۔ دوسری صورت: کسی شخص نے دوسرے سے سرکہ خریدا اور ثمن کی ادائیگی نہیں کی، ثمن کے بدلے رہن رکھوا دیا مشتری نے۔ تیسری صورت: کسی نے کسی سے ذبح شدہ بکری خریدی اور بکری کے ثمن ادا نہیں کیے، اس کے بدلے رہن رکھوا دیا۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ غلام کے ثمن بھی ادا نہیں کیے، سرکے کے ثمن بھی ادا نہیں کیے، ذبح شدہ بکری کے ثمن بھی ادا نہیں کیے بلکہ ان کے بدلے رہن رکھوا دیا۔ پھر بعد میں، کل اگلے دن پتہ چلا یا اسی دن کسی وقت پتہ لگ گیا کہ بھئی وہ جو غلام جس کو کہہ کر اس نے بیچا تھا وہ تو غلام ہے ہی نہیں، وہ تو آزاد آدمی ہے بھئی۔ یا وہ جو سرکہ اس سے لے کر آئے تھے برتن میں، بعد میں دیکھا تو وہ تو سرکہ نکلا ہی نہیں وہ تو شراب نکلی، وہ تو سرکہ تھا ہی نہیں وہ تو شراب نکلی بھئی۔ یا تیسری صورت کہ بکری ذبح شدہ اس سے خریدی تھی اور اس کے بدلے رہن رکھوایا تھا، لیکن بعد میں جب دیکھا تو وہ بکری تو مردار تھی بھئی، ذبح شدہ نہیں تھی۔

اور اس نے تو رہن رکھوایا ہے، تو کیا یہ رہن صحیح ہے؟ کیونکہ یہ تو رہن بلا مال کے ہو گیا، کیونکہ آزاد ہے وہ آدمی، غلام نہیں ہے، آزاد نکلا، آزاد تو مال نہیں۔ اور سرکہ کیا نکلا؟ شراب۔ جب شراب ہے، شراب تو مسلمان کے نزدیک مالِ متقوّم ہی نہیں ہے۔ اور اگر بکری مردار نکلی تو مردار چیز بھی مالِ متقوّم نہیں۔ تو ان تینوں صورتوں میں گویا اس مشتری نے رہن رکھوا دیا ہے حالانکہ اس پر تو کوئی دَین نہیں۔ دَین ہے اس پر؟ نہیں، اس پر تو دَین ہی کوئی نہیں۔ اور رہن تو کس کے بدلے رکھوایا جاتا ہے؟ دَین کے بدلے۔ تو کیا یہ دَین صحیح ہے؟ کہتے ہیں ہاں بھئی یہ دَین صحیح ہے، بھئی کیسے دَین صحیح ہے؟ یہ چیزیں تو مال ہی نہیں ہیں! کہتے ہیں بھئی فی الحال اگرچہ اس وقت پتہ چلا کہ رہن دَین کے بدلے نہیں ہے، لیکن شروع میں بظاہر کیا لگ رہا تھا کہ یہ رہن کس کے بدلے رکھا جا رہا ہے؟ دَین کے بدلے۔ تو وہ کافی ہے۔ لہٰذا اس شروع کو دیکھا گیا، اس کے اعتبار سے ظاہراً یہی تھا کہ یہ رہن دَین کے بدلے رکھوایا جا رہا ہے، تو رہن صحیح ہے۔ لہٰذا اب اگر اس کے پاس وہ

رہن ہلاک ہوا تو اس پر ضمان آجائے گا۔

کیونکہ پچھلی بعض صورتوں میں آپ نے پڑھا تھا کہ جب کوئی چیز رہن نہیں ہوتی تو وہ اس کے پاس مرتہن کے پاس رکھی ہوئی تھی، اگر وہ تو رہن تھا ہی نہیں، رہن بنتا ہی نہیں تھا، تو اس کے پاس ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان بھی نہیں آتا۔ یاد آیا مسئلہ کل والا کہ نہیں؟ جی۔ کون سی صورت تھی؟ مثلاً کسی نے نوحہ کرنے والی کی اجرت کے بدلے رہن رکھوا دیا یا گانا گانے والی کی اجرت کے بدلے رہن رکھوا دیا، بھئی ان کی تو اجرت ہی نہیں ہے تو رہن کس چیز کا؟ لیکن اگر کسی نے رہن رکھوا دیا ہے، تو پھر اس صورت میں اس پر عورت کے پاس اگر وہ ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں آئے گا۔ کیوں نہیں ضمان آئے گا؟ کیونکہ وہ رہن ہی نہیں۔ رہن ہی نہیں۔ جب رہن نہیں تو ضمان تو رہن میں، رہن بھی نہیں، اور نیز اس عورت نے اس چیز کے اوپر قبضہ کیا، خود کیا یا راہن نے اس کو قبضے میں دی؟ راہن نے اس کے قبضے میں وہ چیز دی تھی، لیکن اسے مسئلے کا پتہ نہیں تھا، اس نے شرحِ وقایہ نہیں پڑھی تھی کہ یہ اس گانے والی کی اجرت کے بدلے تو رہن رکھوانا صحیح نہیں، تو اس عورت نے رہن پر قبضہ کر لیا۔ اب یہ رہن تو ہے ہی نہیں، رہن ہو تو اس میں ضمان آیا کرتا ہے، لہٰذا یہ چیز اگر اس گانے والی عورت کے پاس ہلاک ہو گئی تو اس پر ضمان نہیں آئے گا، اور راہن چاہے تو اس کو اگر مسئلے کا پتہ لگ جائے تو وہ واپس بھی لے سکتا ہے۔ بھئی کیوں نہیں ضمان کیوں نہیں آئے گا؟ عورت کے قبضے میں ہے؟ کہتے ہیں بھئی ضمان تو رہن کا آیا کرتا ہے اور یہ تو رہن نہیں، اور نیز ضمان غصب کا آتا ہے جب کوئی کسی کی چیز پر زبردستی قبضہ کر لے، اور کیا اس عورت نے اس مال پر زبردست... اس رہن پر زبردستی قبضہ کیا ہے؟ نہیں، مالک کی اجازت سے قبضہ کیا ہے، تو لہٰذا جب مالک کی اجازت سے قبضہ کیا ہے تو رہن بھی نہیں ہے اور غصب بھی نہیں ہے، صرف مالک کی اجازت سے قبضہ کیا ہوا ہے، تو اس صورت میں ضمان نہیں آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔

اب آئیے اس مسئلے پر، کہتے ہیں: وَبِثَمَنِ عَبْدٍ أَوْ خَلٍّ أَوْ ذَكِيَّةٍ۔ تو ہاں، یہ مسئلہ میں نے اس لیے ذکر کیا نا کہ اس مسئلے میں اس پر ضمان آئے گا۔ غلام کے ثمن کے بدلے رہن رکھوایا تھا، یا سرکے کے بدلے رہن رکھوایا تھا، یا ذبح شدہ بکری کے بدلے میں رہن رکھوایا تھا، اور بعد میں پتہ چلا کہ وہ تو آزاد ہے، یا وہ سرکہ تو شراب ہے، یا وہ بکری تو مردار ہے۔ یہ تینوں تو مال ہی نہیں، جب مال نہیں تو اس میں دَین ہی نہیں آتا، اس پر ثمن آتے ہی نہیں، جب ثمن آتے ہی نہیں تو یہ تو رہن ہوا کس کے بدلے میں؟ بغیر دَین کے۔ تو لہٰذا اس کو تو کہنا چاہیے کہ یہ تو رہن ہے ہی نہیں، یہ تو رہن... جب رہن ہے ہی نہیں تو اگر بائع کے پاس یہ چیز ہلاک بھی ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں آنا چاہیے۔ کہتے ہیں نہیں بھئی، یہ رہن ٹھیک ہے اور اس میں ضمان آئے گا اگر بائع کے پاس وہ رہن ہلاک ہوا، اس لیے کیونکہ ظاہراً تو دَین تھا بھئی، ظاہراً دَین تھا، یہ تو بعد میں جا کر پتہ چلا کہ اس پر دَین نہیں ہے، شروع میں تو یوں ہی لگا کہ اس پر دَین ہے، اس نے ایک چیز خریدی ہے، اس کو ادائیگی کرنی ہے۔

یہ معنیٰ ہے: وَبِثَمَنِ عَبْدٍ أَوْ خَلٍّ أَوْ ذَكِيَّةٍ إِنْ ظَهَرَ الْعَبْدُ حُرًّا وَالْخَلُّ خَمْرًا وَالذَّكِيَّةُ مَيْتَةً۔ اور صحیح ہے رہن رکھوانا غلام

کے ثمن کے بدلے میں، أَوْ خَلٍّ، أَيْ بِثَمَنِ خَلٍّ، اور سرکے کے ثمن کے بدلے میں، أَوْ ذَكِيَّةٍ، أَيْ بِثَمَنِ ذَكِيَّةٍ، یا ذبح شدہ بکری کے ثمن کے بدلے میں رہن رکھوانا، إِنْ ظَهَرَ الْعَبْدُ حُرًّا اگر وہ غلام آزاد ظاہر ہو، پتہ چلے وہ تو آزاد ہے، وَالْخَلُّ خَمْرًا اور وہ سرکہ شراب ظاہر ہو بعد میں، وَالذَّكِيَّةُ مَيْتَةً اور وہ ذبح شدہ بکری جو ہے وہ مردار ظاہر ہو بعد میں۔ أَيِ اشْتَرَى، صورت خود بتلا رہے ہیں، أَيِ اشْتَرَى عَبْدًا أَوْ خَلًّا أَوْ شَاةً مَذْبُوحَةً، یعنی کسی شخص نے خریدا کوئی غلام یا کوئی... یا سرکہ یا ذبح شدہ بکری، وَرَهَنَ بِثَمَنِ الْمُشْتَرَى، یہ مُشْتَرَى پڑھنا بھئی، وَرَهَنَ بِثَمَنِ الْمُشْتَرَى اور رہن رکھوایا مُشْتَرَى یعنی خریدی ہوئی چیز کے ثمن کے بدلے میں، وَهُوَ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ مَثَلًا، اور وہ مثلاً دس درہم ہیں، یعنی اس کے ثمن کتنے ہیں؟ دس درہم، اس کے بدلے میں رہن رکھوایا شَيْئًا کوئی چیز، کوئی چیز رہن رکھوائی۔ ثُمَّ ظَهَرَ الْعَبْدُ حُرًّا، پھر وہ غلام آزاد ظاہر ہوا یعنی پتہ لگا وہ آزاد ہے، وَالْخَلُّ خَمْرًا، اور وہ سرکہ جو ہے وہ شراب ہے یہ پتہ چلا، وَالشَّاةُ مَيْتَةً، اور وہ بکری مردار ہے یہ ظاہر ہوا، فَالرَّهْنُ مَضْمُونٌ، تو بھی رہن کیا ہو گا؟ مضمون ہو گا، اس پر ضمان آئے گا۔ بھئی کیا ضمان آئے گا؟ کہتے ہیں ثمن کو دیکھ لینا اور اس رہن کی قیمت دیکھ لینا۔ دَین کتنا تھا مشتری پر؟ ثمن تھے نا، اس نے ثمن ادا کرنے ہیں، تو ثمن کو دیکھ لینا اور اس رہن کی قیمت دیکھ لینا، جو اقل ہو گا وہ ضمان آئے گا۔

خود تفصیل بتلا رہے ہیں کہ ضمان کیا آئے گا: أَيْ إِنْ هَلَكَ وَقِيمَتُهُ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ أَوْ أَكْثَرُ، اگر وہ رہن ہلاک ہو گیا اور اس کی قیمت دس دراہم تھی یا اس سے...

زیادہ تھی، أَوْ أَكْثَرُ۔ أَيْ إِنْ هَلَكَ وَقِيمَتُهُ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ أَوْ أَكْثَرُ، اگر وہ رہن ہلاک ہو گیا اور اس کی قیمت دس درہم تھی أَوْ أَكْثَرُ یا دس سے بھی زیادہ تھی، فَعَلَى الْمُرْتَهِنِ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ، تو مرتہن پر جو ہیں وہ دس دراہم واجب ہوں گے، يُؤَدِّيهَا إِلَى الرَّاهِنِ، جو ادا کرے گا وہ کس کو؟ راہن کو۔ صورت کیا تھی؟ رہن کی قیمت دس درہم، اور دَین بھی کتنا؟ دس درہم۔ یعنی ثمن بھی دس درہم۔ تو دونوں برابر ہیں تو دس درہم ہی ضمان آئے گا، وہ ادا کرے گا۔ اور اگر رہن کی قیمت کتنی؟ پندرہ درہم، اور ثمن جو طے ہوئے تھے وہ کتنے تھے؟ دس درہم، تو پانچ جو ہے وہ تو امانت ہیں بھئی، لہٰذا اس کا ضمان نہیں آئے گا۔ اگر رہن کی قیمت دَین کے برابر ہو یا اس سے زیادہ ہو تو دس درہم ہی آئیں گے، اور اگر رہن کی قیمت کم ہوئی تو پھر وہ کم ضمان آئے گا اور باقی... صورت سمجھ...

تو یہ معنیٰ ہے: وَإِنْ كَانَتْ قِيمَتُهُ أَقَلَّ، اور اگر اس رہن کی قیمت جو ہے وہ ثمن سے کم تھی، فَعَلَيْهِ الْقِيمَةُ، تو بائع پر اس کی قیمت واجب ہو گی، وہ ضمان آئے گا۔ لِأَنَّ رَهْنَهُ بِدَيْنٍ وَاجِبٍ ظَاهِرًا، اس لیے کیونکہ اس کا رہن جو تھا وہ ایسے دَین کے بدلے تھا جو واجب تھا ظَاهِرًا، ظاہری طور پر تو وہ دَین کیا تھا؟ واجب۔ حقیقت میں تو نہیں تھا کیونکہ یہ چیزیں مال ہی نہیں، لیکن اس وقت ظاہر تو یہی تھا کہ یہ کس کے بدلے ہے؟ دَین کے بدلے، ایسا دَین جو ظاہراً واجب ہو رہا ہے۔ بات سمجھ میں

آگئی بھئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳۸: بدلِ صلح عن انکار، درکِ بیع اور عہدو کے بدلے رہن، اور امانات و مضمونات میں رہن کا حکم

شرح الوقایہ صفحہ: ۸۰ — بتاریخ: ۲ فروری ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

سبق دیکھیے آگے بھئی: وَبِبَدَلِ صُلْحٍ عَنْ إِنْكَارٍ إِنْ أَقَرَّ أَنْ لَا دَيْنَ، صَالَحَ مَعَ إِنْكَارِهِ وَرَهَنَ بِبَدَلِ الصُّلْحِ شَيْئًا ثُمَّ تَصَادَقَا عَلَى أَنْ لَا دَيْنَ فَالرَّهْنُ مَضْمُونٌ كَمَا ذَكَرَ، وَرَهْنُ الْحَجَرَيْنِ وَالْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ، فَإِنْ رُهِنَ بِجِنْسِهِ فَهُلْكُهُ بِمِثْلِهِ قَدْرًا مِنْ دَيْنِهِ وَلَا عِبْرَةَ لِلْجَوْدَةِ۔[1]

رہن کے مسائل ذکر ہو رہے ہیں بھئی۔ تو اگلا مسئلہ ہے: وَبِبَدَلِ صُلْحٍ عَنْ إِنْكَارٍ إِنْ أَقَرَّ أَنْ لَا دَيْنَ۔ صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص مثلاً زید نے عمرو پر دعویٰ کر دیا کہ آپ نے میرے پانچ لاکھ روپے دینے ہیں، اور عمرو اس کا انکار کر رہا ہے۔ لیکن پھر جھگڑا جب زیادہ بڑھا تو عمرو نے کہا چلو بھئی یوں کرو، میرے ساتھ صلح کر لو، میں تمہیں ڈھائی لاکھ روپے دے دیتا ہوں اور تم اپنے پانچ لاکھ کے دعوے کو چھوڑ دو۔ چنانچہ اس بات پر دونوں میں صلح ہو گئی، اور اس نے کہا کہ میرے پاس کوئی چیز بطورِ رہن کے رکھواؤ بھئی اس کے بدلے میں، ڈھائی لاکھ جو تم دو گے اس کے بدلے میرے پاس رہن رکھواؤ۔ چنانچہ عمرو نے اس کے پاس رہن رکھوا دیا اور اس پر صلح ہو گئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

بعد میں بھئی زید تبلیغ پر گیا اور اللہ نے اس کو ہدایت دی، اس نے بعد میں آکر تسلیم کر لیا کہ بھئی میرا تو عمرو پر کوئی دَین نہیں تھا۔ دونوں نے اتفاق کر لیا۔ عمرو تو پہلے ہی کہہ رہا تھا میرے اوپر دَین نہیں ہے، اب زید جو مدعی تھا اس نے بھی کیا کہا کہ دَین نہیں ہے۔ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عمرو نے جو زید کے پاس جو چیز رہن رکھوائی تھی کیا اس کا ضمان زید پر آئے گا؟ مثلاً اگر وہ ہلاک ہو جائے۔ ہلاک نہیں ہوئی پھر تو ٹھیک ہے، وہی چیز واپس کر دے گا، لیکن صورت یہ ہے اگر

[1] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۲۹): صوتی درس کی قراءت میں «صَالَحَ مَعَ إِنْكَارِهِ وَرَهَنَ بِبَدَلِ الصُّلْحِ شَيْئًا ثُمَّ تَصَادَقَا عَلَى» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «صالحَ مع إنكارِ ورهنَ ببدلِ الصلحِ شيئًا، ثمَّ تصادقا على» منقول ہے۔

اس کے پاس وہ چیز ہلاک ہو گئی تو کیا زید پر ضمان آئے گا؟ اس لیے کیونکہ یہ جو چیز زید کے پاس ہے اب معلوم ہو چکا، پہلے تو ہم سمجھ رہے تھے شاید یہ رہن ہے اس ڈھائی لاکھ کے بدلے، لیکن جب دونوں نے آپس میں اتفاق کر لیا اور صلح کر لی، اب پتہ چلا یہ بغیر کسی دَین کے عمرو کے پاس یہ چیز ہے۔ معلوم ہوا یہ رہن ہی نہیں ہے، حاصلِ کلام یہ، یہ رہن ہی نہیں۔ تو کیا اس کا ضمان آئے گا؟ کہتے ہیں ہاں بھئی! جس وقت چیز حوالے کی تھی اس وقت بظاہر کس کے بدلے میں تھی؟ دَین ہی کے بدلے میں تھی، کہ لہٰذا اس لیے یہاں پر زید پر ضمان آئے گا۔ اگر یہ چیز اس کے پاس ہلاک ہو گئی تو اسے ضمان دینا پڑے گا بھئی۔ ضمان آئے گا بھئی یعنی اس چیز کی قیمت پھر اس کو دینا پڑے گی بھئی۔

تو یہ بھی وہ گزشتہ سبق کے آخر میں جو مسئلہ آیا تھا کہ کسی نے کسی کو غلام بیچا یا سرکہ بیچا یا ذبح شدہ بکری بیچی، اور ثمن مشتری نے ادا نہیں کیے بلکہ اس کے بدلے کوئی چیز رہن رکھوا دی، اور بعد میں پتہ چلا کہ وہ غلام کیا تھا؟ آزاد تھا، وہ تو غلام تھا ہی نہیں، اور وہ سرکہ وہ تو شراب نکلی، اور وہ ذبح شدہ بکری وہ تو مردہ بکری نکلی، تو معلوم ہوا کہ جو مبیع تھا وہ تو مال ہی نہیں۔ تو معلوم ہوا یہاں تو بیع پائی ہی نہیں گئی، کیونکہ بیع تو کس میں ہوتی ہے؟ دونوں طرف کیا ہونا چاہیے؟ مال۔ معلوم ہوا کہ مشتری پر کوئی دَین نہیں، کوئی ثمن بھی نہیں۔ جب ثمن نہیں تو معلوم ہوا اس نے جو چیز رکھوائی تھی رہن کے طور پر وہ رہن بھی نہیں۔ تو لہٰذا کیا، تو انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اس صورت میں بھی ضمان آئے گا بھئی۔ اس لیے کیونکہ بظاہر تو دَین ہی واجب ہوا تھا، شروع میں جب بیع ہوئی تھی تو یوں ہی لگ رہا تھا جیسے اس پر کیا واجب ہے؟ دَین یعنی ثمن واجب ہے، اور اس نے ثمن کے بدلے ایک چیز رکھوائی ہے۔ تو جیسے وہاں پر ضمان آتا تھا اگرچہ بعد میں یہ پتہ چلا کہ اس پر کوئی دَین نہیں، یہاں پر بھی ایک چیز شروع میں بظاہر یہی لگا تھا کہ اس نے جو چیز رکھوائی ہے بدلِ صلح کے بدلے وہ دَین کے بدلے ہے، لیکن بعد میں پتہ چلا کہ اس پر تو کوئی دَین ہی، عمرو پر کوئی دَین ہی نہیں ہے، تو لہٰذا یہاں جیسے پچھلے مسئلے میں ضمان آیا تھا یہاں پر بھی ضمان آئے گا بھئی۔

دیکھیے تو ترجمہ بھئی: وَبِبَدَلِ صُلْحٍ، أَيْ صَحَّ الرَّهْنُ بِبَدَلِ صُلْحٍ عَنْ إِنْكَارٍ، اور صحیح ہے رہن رکھوانا بدلِ صلح کے بدلے، بدلِ صلح عن انکار کے بدلے، ایسی صلح جو کس پر ہوئی ہے؟ انکار پر۔ بھئی دیکھیے، ایک ہے صلح کرنا اقرار کر کے۔ زید نے عمرو پر دعویٰ کیا کہ آپ نے میرے پانچ لاکھ روپے دینے ہیں، اور عمرو اقرار کر لیتا کہ ہاں میں نے پانچ لاکھ دینے ہیں، وہ اور صورت تھی۔ یہاں وہ صلح کر رہا ہے کس صورت، کس طریقے پر؟ انکار کے ساتھ۔ تو یہ انکار کے ساتھ جو بدلِ صلح ہے، اس کے بدلے رہن رکھواتا ہے، انکار کے ساتھ۔ تو انکار سے جو بدلِ صلح ہے اس کے بدلے رہن رکھوانا صحیح ہے؟ تو کہتے ہیں: وَبِبَدَلِ صُلْحٍ عَنْ إِنْكَارٍ، أَيْ صَحَّ الرَّهْنُ، رہن رکھوانا صحیح ہے انکار سے بدلِ صلح کے بدلے میں، إِنْ أَقَرَّ أَنْ لَا دَيْنَ، اگر وہ اقرار کر لے کہ کوئی دَین نہیں، مدعی نے بعد میں کیا کر لیا؟ اقرار کر لیا کہ کوئی دَین نہیں، تو بھی یہ رہن صحیح ہے اور ضمان آئے گا۔

صورت بتلا رہے ہیں: صَالَحَ مَعَ إِنْكَارِهِ، کہ مدعیٰ علیہ نے صلح کر لی باوجود اپنے انکار کے، وَرَهَنَ بِبَدَلِ الصُّلْحِ شَيْئًا، اور اس نے رہن رکھوا دی بدلِ صلح کے بدلے میں کوئی چیز، ثُمَّ تَصَادَقَا عَلَى أَنْ لَا دَيْنَ، پھر دونوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا، تَصَادُق کا معنی ہے اتفاق کرنا، پھر دونوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ کوئی دَین نہیں ہے، فَالرَّهْنُ مَضْمُونٌ كَمَا ذَكَرَ، تو رہن مضمون ہو گا جیسے کہ مصنف نے، یا فَالرَّهْنُ مَضْمُونٌ كَمَا ذُكِرَ، تو رہن مضمون ہو گا جیسے کہ ذکر کر دیا گیا، یا كَمَا ذَكَرَ جیسے مصنف نے ذکر کر دیا۔

وَرَهْنُ الْحَجَرَيْنِ وَالْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ، اور صحیح ہے رہن رکھوانا حجرین کو، دو حجروں کو۔ حجرین سے مراد سونا اور چاندی ہیں بھئی۔ سونے اور چاندی کو حجر کہتے ہیں، ہر ایک کو حجر، تو دونوں کیا ہو گئے؟ حجرین، تثنیہ کا صیغہ۔ تو دونوں جو حجرین ہیں، یہ، یہ ان کو رہن کے طور پر رکھوانا جائز ہے۔ رہن کے طور پر رکھوانا جائز ہے۔ وَالْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ، اسی طرح کوئی مکیلی چیز ہے جس کو ماپا جاتا ہے، جیسے کہ یہ گندم قدیم زمانے میں برتن میں ماپ کر بیچی جاتی تھی۔ ایک بڑا پیمانہ ہوتا تھا، ایک بڑا برتن ہوتا تھا جسے قفیز کہتے تھے، قفیز۔ اور وہ قفیز جو ہے مثلاً ایک قفیز ایک درہم کا ہے، دو قفیز دو درہم کے، تین قفیز تین درہم کے، اس طرح اس کو بیچا جاتا تھا۔ آج بھی پاکستان کے بھی بہت سے دیہات میں اس کو اسی طرح بیچا جاتا ہے، اور بھی دنیا کے حصوں میں، ہندوستان وغیرہ میں بعض خطوں میں اسی طرح عام آپس میں گاؤں والے اسی طرح اس کی بیع وغیرہ کرتے ہیں۔ تو یہ ہے مکیل، دیکھو ماپ کر بیچنا کوئی کسی برتن میں، یا جیسے آپ پٹرول لینے جاتے ہیں، وہ ایک لیٹر، دو لیٹر، وہ ایک خاص پیمانہ ہوتا ہے، اس میں ماپ کر دیتا ہے۔ اسی طرح آپ دودھ لیتے ہیں، دودھ والے کے پاس ایک برتن ہوتا ہے، وہ دودھ کو وزن نہیں کرتا، اس برتن میں ماپ کر ایک لیٹر یا دو لیٹر آپ نے جتنا لینا ہو۔ تو یہ ہیں ماپی جانے والی چیزیں، ان کو مکیلات کہتے ہیں۔ اور کچھ چیزیں وہ ہیں جن کو وزن کر کے بیچا جاتا ہے، مثلاً آپ لوہا خریدنے جاتے ہیں، وہ لوہا آپ کو وزن کر کے دیتے ہیں، کتنا لوہا، مثلاً سریا وغیرہ جو بھی چیز خریدنی ہے، وہ وزن کر کے دے گا کہ ایک ٹن چاہیے، دو ٹن چاہیے، تین ٹن، کتنا چاہیے بھئی۔ اور یا اسی طرح آپ عام بازار میں چیزیں لینے جاتے ہیں بھئی، چینی لینے جاتے ہیں، اور اس طرح کی چیزیں، ان سب کو دکاندار وزن کر کے تول کر دیتا ہے، تو یہ ہیں موزونات بھئی جن کو وزن کر کے بیچا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ سونا اور چاندی یاد رکھو یہ بھی موزونات میں سے ہیں، ان کو وزن کر کے بیچا جاتا ہے۔

تو مصنف نے آپ کو بتلا دیا کہ رہن کے اندر سونا اور چاندی بھی رکھوانا جائز، اور اسی طرح اور موزونات یا مکیلات جو ہیں ان کو بھی رہن کے طور پر رکھوانا جائز۔ سونا اور چاندی چاہے آپ درہم اور دینار کی شکل میں رکھوائیں، چاہے آپ سونے کے زیور رکھوا دیں، یا سونے یا چاندی کا زیور رکھوا دیں، یا سونے یا چاندی کا کوئی برتن رکھوا دیں، تو یہ سب آپ کیا کر سکتے ہیں؟ بطورِ رہن کے رکھوا سکتے ہیں۔ بھئی کیا وجہ ہے سونا، چاندی وغیرہ اور یہ مکیلات، موزونات کو رہن رکھوانا کیوں جائز ہے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ رہن کے ذریعے مرتہن اپنا دَین وصول کرتا ہے، اور ان میں سے تمام چیزوں کے ذریعے دَین وصول کیا جا سکتا ہے کہ ان کو بیچ کر کیا کیا جائے؟ مرتہن کا دَین ادا کر دیا جائے۔ تو لہٰذا ان سب کو رہن رکھوانا جائز

ہے۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں وَرَهْنُ الْحَجَرَيْنِ، أَيْ صَحَّ رَهْنُ الْحَجَرَيْنِ، صحیح ہے دو پتھروں کو رہن رکھوانا یعنی سونے اور چاندی کو، وَالْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ، اور صحیح ہے رہن رکھوانا مکیلات کو، ماپی جانے والی چیزوں کو، اور وزن کی جانے والی چیزوں کو۔

فَإِنْ رُهِنَ بِجِنْسِهِ فَهُلْكُهُ بِمِثْلِهِ قَدْرًا مِنْ دَيْنِهِ وَلَا عِبْرَةَ لِلْجَوْدَةِ. صورت یہ: ایک شخص نے دوسرے سے دس درہم لیے، اور درہم ہوتے ہیں چاندی کے، دینار ہوتے ہیں سونے کے۔ ایک شخص نے دس درہم دَین لیا اور اس کے بدلے ایک اپنا برتن اس کے پاس بطورِ رہن کے رکھوا دیا، وہ بھی چاندی کا ہے۔ تو دَین کیا ہے؟ درہم، وہ بھی چاندی کے، اور رہن بھی کیا ہے؟ چاندی کا برتن ہے۔ تو گویا رہن بھی اسی کی جنس کا ہے۔ جس جنس کا دَین، اسی جنس کا رہن۔ یا دوسری صورت بنا لو: ایک شخص نے دوسرے شخص سے سو دینار جو ہے دَین کے طور پر لیے اور بدلے میں اس کے پاس ایک سونے کا ہار جو ہے اس کے پاس رکھوا دیا، سونے کا ہار۔ تو دَین بھی کیا ہے؟ دینار جو کہ سونا ہے، اور رہن بھی کیا ہے؟ سونا ہے۔

اچھا چلیے تفصیل بیان کر دوں بھئی، پہلے تفصیل سن لیں۔ یہاں دراصل ربا لازم آتا ہے، سود بھئی، سود۔ سود کے بارے میں آپ نے پڑھا ہے أُصُولُ الشَّاشِي، نُورُ الْأَنْوَار وغیرہ سب کے اندر آپ نے پڑھا ہو گا کہ سود کی جو علت ہے ہمارے فقہائے کرام نے وہ نکالی ہے قَدْر مَعَ الْجِنْس کے، قَدْر مَعَ الْجِنْس۔ دیکھو اصل میں اس کے اندر وہ حدیث آتی ہے، حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: الْحِنْطَةَ بِالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرَ بِالشَّعِيرِ وَالتَّمْرَ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحَ بِالْمِلْحِ وَالذَّهَبَ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةَ بِالْفِضَّةِ مِثْلًا بِمِثْلٍ يَدًا بِيَدٍ وَالْفَضْلُ رِبًا۔ أَيْ بِيعُوا الْحِنْطَةَ، یہاں فعل محذوف ہے، بیچو تم لوگ الْحِنْطَةَ بِالْحِنْطَةِ، گندم کو گندم کے بدلے میں، وَالشَّعِيرَ بِالشَّعِيرِ، اور جَو کو جَو کے بدلے میں، وَالتَّمْرَ بِالتَّمْرِ، اور کھجور کو کھجور کے بدلے میں، وَالْمِلْحَ بِالْمِلْحِ، اور نمک کو نمک کے بدلے میں، وَالذَّهَبَ بِالذَّهَبِ، اور سونے کو سونے کے بدلے میں، وَالْفِضَّةَ بِالْفِضَّةِ، اور چاندی کو چاندی کے بدلے میں، مِثْلًا بِمِثْلٍ، مثل کے بدلے مثل ہو یعنی برابر برابر ہوں، برابر برابر ہوں، يَدًا بِيَدٍ، ہاتھوں ہاتھ ہوں یعنی نقد ہوں، ادھار نہ ہوں، وَالْفَضْلُ رِبًا، اور جو زیادتی ہے وہ ربا ہے، وہ زیادتی کیا ہے؟ ربا۔

دیکھو اس حدیث میں اجازت دی گئی کہ ایک ہی جنس کو دوسری جنس کے بدلے، ایک جنس کو اسی کی جنس کے بدلے بیچنا جائز ہے، لیکن شرط لگا دی گئی کہ مِثْلًا بِمِثْلٍ، برابر سرابر ہونے چاہئیں بھئی۔ اگر ایک شخص نے سو قفیز گندم دی ہے ایک قسم کی اور دوسرے سے دوسری قسم کی گندم لے رہا ہے تو وہ بھی سو قفیز ہی ہونی چاہیے بھئی۔ اسی طرح جَو کے اندر ہے، اسی طرح کھجور میں ہے، نمک میں ہے، اور جبکہ سونا اور چاندی یہ تو وزن کر کے بیچے جاتے ہیں، تو سونا اگر ایک شخص دینار دیتا ہے دوسرے سے سونا لیتا ہے تو دیکھو سونے کے بدلے سونے کی بیع ہو رہی ہے، تو حدیث میں کیا آگیا کہ دونوں برابر ہونے چاہئیں۔ اگر ایک طرف سونا جو ہے دس تولے ہے تو دوسری طرف سونا بھی کتنا ہونا چاہیے؟ دس تولے ہی ہونا

چاہیے۔ اور اسی طرح چاندی بھی ہے، تو مِثْلًا بِمِثْلٍ برابر سرابر ہوں، وَيَدًا بِيَدٍ، يَدًا بِيَدٍ ہاتھوں ہاتھ ہوں یعنی نقد ہوں، نقد ہوں، وَالْفَضْلُ رِبًا، اور جو زیادتی ہوگی وہ سود۔ لہٰذا اگر ایک شخص ایک سو دس قفیز گندم دے کر اپنی اعلیٰ گندم، اعلیٰ گندم، اعلیٰ گندم مثلاً ایک سو دس قفیز دیتا ہے اور دوسرے سے ادنیٰ والی ایک سو پچاس قفیز لیتا ہے، تو یہ زائد جو ہے یہ سود ہے۔ ایک سو دس کے بدلے تو ایک سو دس قفیز، یہ تو برابر ہو گئے، لیکن جو اوپر کے چالیس قفیز ہیں یہ کیا ہے؟ ربا ہے، وَالْفَضْلُ رِبًا، اور زیادتی کیا ہے؟ ربا ہے، سود ہے بھئی سود، اور سود کا بہت

بڑا گناہ ہے بھئی، بہت عظیم گناہ ہے، احادیث میں اس کے بارے میں، اس سے منع کیا گیا اور ایک لقمہ سود کا چھتیس مرتبہ زنا کے برابر ہے بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ اتنا بڑا گناہ ہے بھئی۔ اور افسوس یہ کہ آج ہمارے معاشرے میں یہ عام رائج ہے حتیٰ کہ لوگ بھی ایک دوسرے کو سود پر پیسے دیتے ہیں اور اس پر سود وصول کرتے ہیں بھئی، حالانکہ اتنا بڑا گناہ ہے بھئی۔

تو لہٰذا حدیث میں کیا آیا؟ ایک تو برابر ہونے چاہئیں جب ایک طرف بھی وہی جنس دوسری طرف بھی وہی جنس ہے تو برابر بھی ہونا چاہیے اور نیز نقد ہونا چاہیے ادھار نہیں، ادھار نہیں۔ ادھار ہو گا تو یہ بھی رِبًا، یہ بھی کیا ہے؟ رِبًا۔ آپ نے سو قفیز گندم دی ایک قسم کی اور دوسرے سے سو قفیز گندم لے رہے ہیں دوسری قسم کی، لیکن آپ نے ادائیگی کر دی آج ہی اور وہ کہتا ہے میں آپ کو کل بھجوا دوں گا گندم، بھئی یہ سود ہے، یہ ادھار کیا ہے؟ سود ہے، کیوں؟ اس میں بھی زیادتی ہے۔ دیکھو ایک ہے نقد، ایک ہے ادھار، کیا چیز اعلیٰ؟ تاجر کس کو پسند کرتے ہیں؟ نقد کو۔ دیکھا، معلوم ہوا نقد کو زیادتی حاصل ہے کس پر؟ ادھار پر، اس کو لوگ ترجیح دیتے ہیں۔ تو لہٰذا ادھار بھی یہاں رِبًا ہے، سود ہے، سود ہے۔

تو ہمارے فقہائے کرام نے اس حدیث میں غور کیا اور اس سے جو سود کی علت نکالی وہ تھی كَيْل مَعَ الْجِنْس یا وَزْن مَعَ الْجِنْس، توجہ ہے؟ اس لیے کیونکہ یہ جو چھ چیزیں حدیث میں ذکر ہوئیں ان میں سے کچھ کیلی ہیں، ان کو ماپا جاتا ہے برتن میں، جیسے گندم ہے، جَو ہے، کھجور وغیرہ، اور کچھ چیزیں ہیں ان کو وزن کیا جاتا ہے جیسے سونا اور چاندی ہے بھئی، سونا اور چاندی۔ تو اب معلوم ہوا ایک تو وہ چیز مکیلات میں سے ہو گی جس میں سود آئے گا یا وہ موزونات میں سے ہو گی۔ دوسرا اس حدیث میں جنس کے بدلے جنس ذکر ہوئی بھئی، گندم کے بدلے گندم ذکر ہوئی، جَو کے بدلے جَو ذکر ہوا بھئی، اور اسی طرح سونے کے بدلے سونا اور چاندی کے بدلے چاندی ذکر ہوئی۔ معلوم ہوا جنس بھی ایک ہو اور وہ چیز مکیلات یا موزونات میں سے ہو تو اس صورت میں پھر کمی بیشی نہیں ہونی چاہیے ورنہ سود لازم آئے گا۔

تو ہمارے فقہاء نے، امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس کی سود کی علت کیا نکالی؟ كَيْل مَعَ الْجِنْس، كَيْل مَعَ الْجِنْس، جیسے گندم کو گندم کے بدلے بیچ رہے ہیں، دیکھو جنس بھی ایک ہے، دونوں طرف گندم ہے، اور نیز گندم کس میں سے ہے؟ مکیلات میں سے ہے، دیکھو کیل بھی آگیا، تو كَيْل مَعَ الْجِنْس آگئی۔ جب كَيْل مَعَ الْجِنْس آئے تو برابری ضروری، اور نیز نقد

ہونا چاہیے، ادھار کی گنجائش بھی نہیں ہے ورنہ سود لازم آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور اسی طرح اگر سونے اور چاندی کی طرف دیکھ لیں، ایک طرف بھی سونا ہو دوسری طرف بھی سونا ہو، تو دیکھو جنس بھی ایک ہے، اور نیز وزن کیا جاتا ہے اس کو، تو وَزْن مَعَ الْجِنْس، وَزْن مَعَ الْجِنْس۔ تو معلوم ہوا ربا کی علت کیا ہے؟ کَیْل مَعَ الْجِنْس، زبان سے دہراؤ بھئی، کَیْل مَعَ الْجِنْس، اور یا پھر وَزْن مَعَ الْجِنْس، یہ ہیں دو چیزیں، اور یہ دو چیزیں ہیں۔

دیکھو اب ہمیں دو چیزیں یاد کرنا پڑتی ہیں: کَیْل مَعَ الْجِنْس یا وَزْن مَعَ الْجِنْس۔ آپ سے جو بھی پوچھے گا آپ کہیں گے کَیْل مَعَ الْجِنْس ہے سود کی علت یا وَزْن مَعَ الْجِنْس۔ تو یہ بات ذرا لمبی ہو گئی تو فقہاء نے اس کو اور مختصر کر دیا، اور کیل اور وزن کے لیے ایک ہی لفظ قَدْر استعمال کر لیا، کیا استعمال کر لیا؟ قَدْر۔ اب جو ہے سود کی علت یوں کہیں گے کہ قَدْر مَعَ الْجِنْس ہے۔ اس قَدْر میں کیل بھی داخل اور وزن بھی داخل، قَدْر مقدار سے ہے نا مقدار سے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو قَدْر مَعَ الْجِنْس کے یہ سود کی علت ہو گئی، سود کی علت۔ قَدْر کے اندر کیل بھی آگیا اور وزن بھی۔ تو گویا دو چیزیں ہیں سود کی علت: ایک تو قَدْر اور ایک جنس، قَدْر اور جنس دو چیزیں ہیں بھئی، یہ علت ہو گئی سود کی۔

پھر اس میں یاد رکھو: جہاں پر یہ دونوں پائی جائیں، قَدْر بھی ہو اور جنس بھی ہو، توجہ ہے؟ قَدْر بھی ہو اور جنس بھی ہو تو پھر کمی بیشی بھی جائز نہیں اور ادھار بھی جائز نہیں۔ اور اگر دونوں میں سے ایک بھی نہ ہو، قَدْر بھی نہ ہو اور جنس بھی نہ ہو، تو پھر دونوں جائز ہیں، کمی بیشی بھی جائز اور ادھار بھی جائز۔ اور اگر دونوں میں سے ایک ہو، ایک ہو، یا تو صرف قَدْر ہو یا کیا ہو؟ جنس ہو، تو پھر کمی بیشی تو جائز ہے، ادھار جائز نہیں ہے۔ صورت سمجھ، اگر دونوں پائی جائیں تو؟ قَدْر بھی ہو اور جنس بھی ہو تو؟ کمی بیشی، جی؟ اگر دونوں پائی جائیں تو؟ کمی بیشی بھی جائز نہیں اور ادھار بھی جائز نہیں۔ بھئی تکرار میں کروا رہا ہوں بار بار اس کو دہرائیں ذہن نشین ہو جائے۔ دونوں اگر، قَدْر بھی ہو اور جنس بھی ہو تو پھر نہ کمی بیشی جائز اور نہ ادھار جائز۔ اور اگر دونوں میں سے ایک بھی نہ ہو، نہ قَدْر ہو اور نہ جنس ہو، تو پھر؟ کمی بیشی بھی جائز اور ادھار بھی جائز۔ اور اگر دونوں میں سے ایک ہو تو پھر؟ کمی بیشی تو جائز ہے ادھار جائز نہیں۔

دیکھو ابھی مثالوں سے وضاحت ہو جائے گی۔ بھئی سونے کے بدلے میں نے سونا بیچا، سونے کے بدلے سونا۔ قَدْر ہے؟ دونوں وزنی ہیں، قَدْر ہے۔ اور جنس بھی ایک ہے دونوں طرف۔ لہٰذا کمی بیشی بھی جائز نہیں اور ادھار بھی جائز نہیں۔ دوسری صورت: میں نے گندم کے بدلے گندم بیچی، تو قَدْر بھی ہے، ماپی جانے والی چیز ہے، اور جنس بھی ہے، دونوں طرف گندم ہے، تو کمی بیشی بھی جائز نہیں اور ادھار بھی جائز نہیں، جائز نہیں۔ اچھا اب دوسری صورت بناؤ کہ دونوں میں سے کوئی بھی چیز نہ ہو، نہ قَدْر ہو اور نہ جنس ہو۔ مثلاً میں آپ سے سو روپے کی سو من گندم خریدتا ہوں۔ اب ایک طرف کیا ہیں؟ روپے۔ دوسری طرف کیا ہے؟ گندم ہے، تو کیا دونوں طرف وزنی چیز ہے گندم؟ نہیں، گندم تو کیلی چیز ہے، اور روپیہ کیا کیلی چیز ہے؟ نہیں اس کو تو گنا جاتا ہے، یا اگر اس کو سونے چاندی کی رسید بھی مان لیں تو سونا چاندی بھی کیا ہے؟

اس وزن کیا جاتا، یوں کہو درہم کے بدلے بنا لو، میں نے آپ سے دس درہم کے بدلے سو قفیز گندم خرید لی۔ اب بتائیے کیا دونوں طرف کیل ہے؟ نہیں، گندم کیلی تو سونا چاندی کیا ہے؟ وزنی۔ تو دونوں طرف قَدْر بھی نہیں ہے ایک ہی قَدْر ہو، اور نیز کیا جنس ایک ہے دونوں طرف؟ نہیں، ایک طرف گندم ہے تو دوسری طرف درہم یا دینار ہیں۔ تو قَدْر بھی نہیں ایک جیسی دونوں طرف اور جنس بھی ایک جیسی نہیں، تو نہ جنس ہے اور نہ قَدْر ہے، لہٰذا کمی بیشی بھی جائز، ادھار بھی جائز۔ دس درہم میں دیکھو میں سو قفیز گندم لے رہا ہوں، میں چاہوں تو ایک سو دس لے لوں، میں چاہوں تو ایک سو بیس لے لوں، میں چاہوں تو ایک سو تیس لے لوں، صورت سمجھ میں آرہی؟ اور آپ بھی سو قفیز کے بدلے دس درہم لے رہے ہیں، آپ سو کے بدلے آپ پندرہ لے لیں، آپ سو کے بدلے بیس لے لیں، جتنا بھی اضافہ کر دیں جس طرف بھی، جائز ہے کمی بیشی۔ اور نیز ادھار بھی جائز ہے کہ ایک شخص ایک چیز آج سپرد کرتا ہے اور دوسرا کیا کرے گا؟ مثلاً آپ نے گندم کیا کر دی؟ میرے حوالے کر دی اور میں آپ کو پیسے دس دن بعد ادا کروں گا، ادھار بھی جائز ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟

تیسری صورت بھئی، کہ قَدْر یا جنس میں سے ایک چیز ہو، پھر کمی بیشی تو جائز ہے لیکن ادھار جائز نہیں۔ مثلاً آپ سے میں نے پانچ درجن انڈے لیے اور بدلے میں آپ نے مجھ سے چار درجن انڈے لیے۔ اب دیکھو بھئی انڈا، کیا اس کو وزن کیا جاتا ہے؟ نہیں۔ کیا اس کو ماپا جاتا ہے؟ نہیں، یہ تو گنی جانے والی چیز ہے، تو قَدْر ایک طرف بھی نہیں ہے، قَدْر نہیں ہے یہاں پر دیکھا؟ اور نیز جنس ایک ہے، جنس کیا ہے؟ ایک۔ جنس ایک ہے، قَدْر نہیں ہے، تو لہٰذا اس صورت میں کمی بیشی تو جائز ہے، چار درجن دے کر پانچ درجن لینا تو ٹھیک ہے لیکن ادھار جائز نہیں ہے کہ ایک آج دے گا اور ایک کل دے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب آئیں کتاب کے مسئلے کی طرف۔ مسئلہ یہ ذکر ہو رہا تھا کہ رہن کے طور پر سونا، چاندی، یا اسی طرح باقی سارے موزونات اور مکیلات بھی بطورِ رہن کے رکھوائے جا سکتے ہیں، مکیلات اور موزون۔ اور حدیث میں بھی، سود میں کن چیزوں کو ذکر کیا گیا تھا؟ وہ مکیلات یا موزونات میں سے۔ اب یہاں پر ایک صورت تو یہ کہ رہن جو ہے مکیل یا موزون ہے چاہے سونا ہے چاہے چاندی ہے چاہے کوئی اور چیز ہے، اور دوسری طرف دَین، وہ بھی مکیلات یا موزونات کی جنس میں سے ہو گا یا وہ کسی اور جنس سے ہو گا۔ اگر وہ مکیلات اور موزونات کی جنس میں سے ہے تو پھر یاد رکھو بھئی کہ اس صورت میں بھی رہن رکھوانا ٹھیک ہے، رہن رکھوانا ٹھیک ہے۔ لیکن اگر اس کے پاس رہن ہلاک ہو جاتا ہے تو ضمان کتنا آئے گا بھئی؟ کتنا ضمان آئے گا؟

تو یاد رکھیے، امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مکیلات اور موزونات، یہ اَمْوَالِ رِبَوِیَّہ ہیں، یہ سود والے مال ہیں، ان میں کیا لازم آتا ہے؟ کمی بیشی سے سود لازم آتا ہے۔ اور یہ جو مکیلات موزونات، اسی جنس کو اسی جنس کے بدلے جب بھی ان کی بیع کی جائے تو کیا ضابطہ ہے؟ کہ برابری کس اعتبار سے برابری دیکھی جاتی ہے؟ مکیلات میں کیل کے اعتبار سے

اور موزونات میں وزن کے اعتبار سے۔ چنانچہ امام صاحب بھی فرماتے ہیں کہ یہاں ضمان جو ہے وہ کیل یا وزن کے اعتبار سے آئے گا۔ کس اعتبار سے؟ کیل یا وزن۔ بہرحال اس بات کو مختصر کریں، کہ صرف یہاں ہم سونے چاندی درہم دینار کی بات کرلیتے ہیں۔ ضابطہ آپ کو سمجھ میں آگیا کہ وہاں پر ضمان بھی کتنا آئے گا؟ وہاں ضمان کتنا آئے گا؟ برابری دیکھی جائے گی کس اعتبار سے؟ کیلی چیز ہے تو کیل کے اعتبار سے اور وزنی چیز ہے تو وزن کے اعتبار سے برابری دیکھی جائے گی۔

کیسے؟ دیکھو تفصیل یہ: امام صاحب فرماتے ہیں اگر کسی نے کسی کے پاس مثلاً چاندی رکھوائی رہن کے طور پر، اور دَین جو ہے وہ بھی درہم ہیں یعنی چاندی ہے، تو اور اس کے پاس رہن ہلاک ہو جاتا ہے۔ رہن بھی کس جنس سے؟ چاندی، اور دَین بھی کس جنس سے؟ چاندی کیونکہ وہ درہم ہیں۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہاں پر جو ضمان آئے گا وہ وزن کے اعتبار سے دیکھا جائے گا۔ مثلاً دَین تھا دس درہم، دَین کتنا تھا؟ دس درہم، اور اس نے اس کے پاس جو چاندی کا برتن رکھوایا وہ، وہ بھی دس درہم کا ہے، اس کا وزن بھی کتنا ہے؟ دس درہم ہے۔ ہاں قیمت اس کی پندرہ درہم ہے، چاندی کی چینک ہے نا مثلاً یہ چاندی کا برتن ہے کوئی خوبصورت سا بنا ہوا ہے، بڑی محنت ہوئی ہے، قیمت اس کی پندرہ درہم ہے لیکن اس میں چاندی جو استعمال ہوئی ہے اس کا وزن کتنا ہے؟ دس درہم۔ توجہ ہے؟ امام صاحب فرماتے ہیں کہ ضمان جو ہے وہ وزن کے اعتبار سے آئے گا بھئی جتنا دَین ہے، دَین کے اعتبار سے۔ مثلاً دیکھو کیا صورت بنائیں؟ اس نے دس درہم لیے تھے اور چینک رکھوائی، برتن رکھوایا اس کے پاس، وہ برتن کتنے اس کا وزن کتنا؟ وزن، وزن، وزن اس کا بھی دس درہم، اور قیمت کتنی ہے؟ پندرہ درہم، پندرہ۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں قیمت کو نہیں دیکھنا، وزن کو دیکھنا ہے، قیمت کو نہیں دیکھنا۔ لہٰذا اس کے پاس اگر یہ برتن ہلاک ہو گیا تو دَین بھی کتنا تھا؟ دس درہم، اس کا وزن بھی کتنا ہے؟ دس درہم، تو تِلْكَ بِتِلْكَ، یہ اس کے بدلے ہو گیا برابری ہو گئی بھئی، اور کوئی مزید ادائیگی اب یہ نہیں کرے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

دوسری صورت بنا لو امام صاحب کے نزدیک: مثلاً قرض ہے دس درہم اور چینک یا برتن جو ہے وہ کتنا ہے؟ بارہ درہم اس کا وزن ہے، بارہ درہم، اور قیمت بے شک اس کی بیس درہم ہو یا قیمت بھی چاہے بارہ درہم ہو۔ امام صاحب فرماتے ہیں قیمت کو تو دیکھنا ہی نہیں ہے، کس کو دیکھنا ہے؟ وزن کو۔ کیونکہ اَمْوَالِ رِبَوِيَّہ ان کے اندر مساوات کس اعتبار سے ہو گی؟ اگر وزنی ہے تو وزن کے اعتبار سے مساوات، اور اگر کیلی ہے تو کیل کے اعتبار سے مساوات ضروری ہے بھئی۔ لہٰذا یاد رکھو، اور ایک اور ضابطہ، ایک اور قیمتی بات یاد رکھیں: حدیث میں جن چیزوں کو کیل کے اعتبار سے ذکر کیا گیا ہے وہاں مساوات کیل کے اعتبار سے ضروری ہے، اور جن کو وزن کے اعتبار سے ذکر کیا گیا ہے وہاں وزن کے اعتبار سے مساوات ضروری ہے۔ مثلاً حدیث میں آیا گندم اور جَو وغیرہ کھجور کا ذکر۔ گندم، جَو اور کھجور وغیرہ اس زمانے میں کیل کے ذریعے برتن میں بیچی جاتی تھیں ماپ کر بھئی، ایک قفیز اتنے کا ہے، دو قفیز اتنے کے، تین قفیز اتنے کے۔ آج کل گندم،

جَو اور کھجور وغیرہ ان کو تول کر بیچا جاتا ہے، تول کر۔ صورت سمجھ میں آ رہی؟ آج کل تول کر بیچا جاتا ہے لہٰذا آپ ایک شخص سے

سو کلو گندم خریدتے ہیں اور بدلے میں اس کو سو کلو گندم ہی دینا چاہتے ہیں۔ جنس بھی ہے، دونوں طرف گندم ہے، اور آپ نے کہا، حدیث چونکہ پڑھی ہوئی تھی لہٰذا آپ نے سوچا کہ برابری ہونی چاہیے، لہٰذا اس سے بھی کتنی لی؟ سو کلو، اور آپ نے بھی کتنی دی؟ سو کلو۔ نہیں بھئی! ابھی بھی سود لازم آئے گا۔ ابھی بھی کیا لازم آئے گا؟ سود، کیوں؟ کیونکہ آپ نے برابری وزن کے اعتبار سے کی ہے حالانکہ گندم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کس طرح بیچی جاتی تھی؟ کیل کے ذریعے، تو یہاں برابری کیل کے ذریعے کرنا پڑے گی آپ کو، کس کے ذریعے؟ کیل، یعنی اس کو ماپیں، مثلاً وہ پچاس قفیز بنے تو اپنی بھی گندم ماپیں وہ بھی کتنی ہونی چاہیے؟ پچاس قفیز ہونی چاہیے۔ کیونکہ وزن کے ذریعے بے شک آپ برابری کر دیں لیکن ہو سکتا ہے کیل کے ذریعے برابری نہ ہو، ایک گندم کے دانے موٹے ہیں، ایک گندم کے دانے ذرا چھوٹے ہیں، تو ظاہر سی بات ہے اس کے تھوڑے دانوں سے ہی ایک قفیز بھر جائے گا، دوسری کے دانے ایک قفیز میں وہ چھوٹے دانے وہ زیادہ آئیں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یا ایک کے دانے تھوڑے ہلکے ہوں، ایک کے دانے ذرا وزنی ہوں، تو لہٰذا ٹھیک ہے وزن کے اعتبار سے تو برابری ہو گئی لیکن ضروری تو نہیں کہ کیل کے اعتبار سے بھی کیا ہو دونوں میں؟ برابری، حالانکہ دونوں میں کس طرح برابری ضروری تھی؟ کیل کے اعتبار سے برابری ضروری تھی۔

لہٰذا اگر ایسا موقع آ جائے تو پھر اس صورت میں وہاں انسان دو بیع کر لے، دو بیع کر لے۔ کیونکہ ماپنا اگر آپ کو لگتا ہے مشکل کام ہے، اب کیسے ماپیں بھئی؟ بھئی ماپنا قفیز میں نہیں ضروری، کوئی برتن لے لیں اس کے ساتھ آپ ناپتے جائیں، جتنے برتن ادھر سے خریدیں اتنے ہی برتن دوسرے سے بھی بھر کر لے لیں، بات سمجھ میں آ گئی؟ ہاں، ہاں. بہرحال پھر اس میں ایک صورت یہ ہے کہ اس میں دو بُیُوع کر لی جائیں بھئی، دو بُیُوع۔ مثلاً آپ نے سو کلو گندم دینی ہے وہ اور کوالٹی کی ہے، اس سے سو کلو لینی ہے وہ اور کوالٹی کی ہے، تو آپ یوں کریں کہ دو بیع کر لیں: آپ کہیں میں نے آپ کو اپنی سو کلو گندم بیچ دی پچاس ہزار کی، فرض کرو مثلاً، کتنے کی؟ پچاس ہزار کی، چنانچہ ایجاب و قبول ہو گیا۔ اب آپ اس سے سو کلو گندم کتنے کی خرید لیں؟ پچاس ہزار کی، تو آپ پر بھی پچاس ہزار ثمن آ گئے، اس پر بھی پچاس ہزار ثمن آ گئے، دیکھو دو بیع ہو گئیں اور پچاس ہزار پچاس ہزار دونوں پر دَین آیا وہ آپس میں برابر ہو گیا اور گندم ایک دوسرے کو دے دی اور مسئلہ حل ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اچھا، تو یہاں پر بھی امام صاحب فرماتے ہیں کہ ضمان کے اندر وزن کو دیکھا جائے گا، وزن کے اعتبار سے ضمان آئے گا، امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ کیونکہ سونا اور چاندی موزونات میں سے ہیں تو یہاں پر وزن کے اعتبار سے ضمان آئے گا،

قیمت کو نہیں دیکھا جائے گا۔ لہٰذا پہلی کیا صورت ذکر ہوئی کہ برتن بھی دس درہم کا اور دَین بھی اور دَین بھی کتنا تھا؟ دس درہم تھا تو دونوں برابر ہو گئے وزن کے اعتبار سے، قیمت کو نہیں دیکھنا اگرچہ برتن کی قیمت زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ دوسری صورت بھئی، کہ مثلاً برتن جو ہے وہ بارہ درہم کا ہے وزن کے اعتبار سے، اور دَین کتنا ہے؟ دس درہم، تو امام صاحب فرماتے ہیں دس درہم تو دس درہم کے بدلے ہو گئے اس کے پاس برتن ہلاک ہو گیا، دس درہم تو دس درہم کے بدلے، اور جو دو درہم زائد تھے بھئی وہ تو امانت تھی۔ آپ نے پڑھا ہے کہ رہن کے اندر جو زائد ہوتا ہے وہ امانت، تو وہ امانت کے طور پر ہلاک ہوا، لہٰذا اس نے گویا اپنے دَین کی وصولی کر لی اس کے پاس جب رہن ہلاک ہوا۔ تیسری صورت بھئی، کہ مثلاً وہ چاندی کا جو برتن تھا وہ آٹھ درہم اس کا وزن ہے، قیمت اس کی دس درہم ہی ہے اور لیکن وزن کتنا ہے؟ آٹھ درہم، اور وہ دَین بھی کتنا ہے؟ وہ دس درہم ہے، تو رہن ہوا آٹھ درہم وزن والا اور دَین ہوا دس درہم کا، تو جب اس کے پاس وہ برتن ہلاک ہو گیا تو گویا اس نے آٹھ درہم وصول کر لیے اور باقی کتنے رہ گئے؟ دو درہم، وہ اس سے وصول کر لے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس میں قیمت کو دیکھا جائے گا۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ جب اسی جنس کو رہن رکھوایا جائے جو دَین ہے تو ضمان کس اعتبار سے آئے گا؟ قیمت کے اعتبار سے آئے گا، قیمت کے اعتبار سے۔ تو امام صاحب کے نزدیک اس کی عمدگی کو نہیں دیکھا جائے گا، عمدگی کو نہیں دیکھا جائے گا کہ ایک جو ہے مثلاً چاندی اعلیٰ درجے کی ہے، دوسری چاندی کم درجے کی ہے، اس کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ وزن کا اعتبار کیا جائے گا بھئی، وزن کے اعتبار سے برابری۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

دیکھیے بھئی آگے تفصیل آ جائے گی۔ کہتے ہیں: فَإِنْ رُهِنَ بِجِنْسِهِ، پس اگر رہن رکھوایا گیا کسی چیز کو بِجِنْسِهِ اسی کی جنس کے بدلے، جو چیز رہن رکھوائی گئی دَین بھی اسی کی جنس میں سے ہے، فَهُلْكُهُ تو اس رہن کا ہلاک ہونا بِمِثْلِهِ اسی کے مثل ہو گا، اسی کے برابر ہو گا، قَدْرًا باعتبار قدر کے، باعتبار مقدار کے، مِنْ دَيْنِهِ کس میں سے؟ دَین میں سے۔ اسی کے مثل ہو گا قدر یعنی، قدر میں کیا کیا آیا تھا؟ کیل اور وزن آیا تھا نا تو وہی یہاں بھی آئے گا بھئی۔ دیکھو ایک شخص دوسرے کے پاس گندم رکھوا دیتا ہے بھئی، سو قفیز گندم اس سے لے لیتا ہے، کیا کرتا ہے؟ گندم لے لیتا ہے اور ادائیگی بعد میں کرے گا، اور اس نے کہا کہ میرے پاس کوئی چیز رہن رکھواؤ تو اس نے اپنی گندم اس کے پاس رہن رکھوا دی، مثلاً ایک گندم اعلیٰ درجے کی ہے ایک ادنیٰ درجے کی ہے، اس کو اعلیٰ گندم کی ضرورت تھی وہ اس سے لے گیا اعلیٰ گندم، اس کے پاس ادنیٰ موجود تھی لیکن اعلیٰ نہیں تھی، اس نے اعلیٰ ادھار لے لی اور پیسے بعد میں دے گا، اور اس نے کہا میرے پاس ضمان، کوئی رہن رکھواؤ، تو اس نے بدلے میں اپنی ادنیٰ درجے والی گندم اس کے پاس رکھوا دی۔ تو دیکھا یہاں پر بھی اب اگر گندم اس کے

پاس ہلاک ہوتی ہے تو پھر یہ نہیں دیکھیں گے یہ کم درجے کی گندم ہے وہ اعلیٰ درجے کی گندم ہے، اس کی قیمت تھوڑی ہے اس کی قیمت زیادہ ہے، بلکہ کس اعتبار سے برابری کی جائے گی؟ کیل کے اعتبار سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: فَإِنْ رُهِنَ بِجِنْسِهِ، پس اگر رہن رکھا گیا کسی چیز کو اسی کی جنس کے بدلے دَین کے، فَهُلْكُهُ بِمِثْلِهِ قَدْرًا، تو اس کا ہلاک، اس رہن کا ہلاک ہونا اسی کے مثل ہو گا، اسی کے مثل ہو گا باعتبار مقدار کے مِنْ دَيْنِهِ کس میں سے؟ دَین میں سے، یعنی دَین میں سے اسی کے مثل مقدار کے بدلے وہ ہلاک ہوا ہے، مقدار کو دیکھیں گے یعنی کیل اور وزن کو دیکھیں گے، قیمت کو نہیں دیکھیں گے۔ قدر میں کیا کیا داخل؟ کیل اور وزن۔ اسی لیے کہا کہ وہ ہلاک ہو گا اسی کے مثل باعتبار مقدار کے یعنی کیل اور وزن کے اعتبار سے دیکھیں گے، مِنْ دَيْنِهِ کس میں سے؟ دَین میں سے، قیمت کو نہیں دیکھیں گے۔ وَلَا عِبْرَةَ لِلْجَوْدَةِ، اور عمدگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ عمدہ، ایک چیز عمدہ ہے ایک ردی ہے، نہیں بھئی عمدگی کو نہیں دیکھیں گے کہ ایک اعلیٰ ہے ایک ادنیٰ ہے، بلکہ کس اعتبار سے برابری دیکھی جائے گی؟ قدر کے اعتبار سے، کیلی ہے تو کیل میں برابری اور وزنی ہے تو وزن میں برابری دیکھی جائے گی۔

کہتے ہیں: قَوْلُهُ قَدْرًا، مصنف کا قول قَدْرًا جو ہے تَمْيِيزٌ مِنْ مِثْلِهِ، تمیز اس میں دو یا ہونی چاہئیں بھئی تمیز۔ مصنف کا قول قَدْرًا یہ تمیز ہے مِنْ مِثْلِهِ سے، پیچھے جو بِمِثْلِهِ کا لفظ آیا تھا نا، اسی کے برابر ہو۔ کس اعتبار سے برابر ہو بھئی؟ برابری تو قیمت کے اعتبار سے بھی ہو سکتی ہے اور کیل اور وزن کے بھی اعتبار، تو قَدْرًا نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا کہ قیمت کے اعتبار سے برابری مراد نہیں ہے بلکہ کس اعتبار سے برابری مراد ہے؟ کیل اور وزن کے اعتبار سے۔ تو کہتے ہیں یہ تَمْيِيزٌ مِنْ مِثْلِهِ یہ مِثْلِهِ سے تمیز ہے، أَيْ تُعْتَبَرُ الْمُمَاثَلَةُ فِي الْقَدْرِ، یعنی اعتبار کیا جائے گا مماثلت کا قدر کے اندر، وَهُوَ الْوَزْنُ وَالْكَيْلُ، اور وہ وزن اور کیل ہے، بِلَا اعْتِبَارِ الْجَوْدَةِ، عمدگی کا اعتبار کیے بغیر۔[۲]

وَعِنْدَهُمَا اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک تُعْتَبَرُ الْقِيمَةُ، قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، فَيُقَوَّمُ بِخِلَافِ الْجِنْسِ وَيَكُونُ الرَّهْنُ مَكَانَهُ، پس اس کی قیمت لگائی جائے گی خلافِ جنس سے اور وہ رہن ہو گی اس کی جگہ پر۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ وزن یا کیل کو نہیں دیکھنا بلکہ، بلکہ قیمت کو دیکھنا ہے، کس کو؟ قیمت کو۔ مثلاً ایک شخص نے دوسرے کے پاس برتن رکھوایا، اور دَین کتنا؟ دس درہم، اور وہ برتن بھی کتنے کا؟ دس درہم اس کا بھی وزن تو دس درہم لیکن قیمت کتنی ہے؟ پندرہ درہم، قیمت کتنی ہے؟ پندرہ درہم، تو صاحبین، تو اس صورت... اچھا یاد رکھو اختلاف کمی والی صورت میں آئے گا، برابری اور زیادتی والی صورت میں اختلاف نہیں آئے گا، اختلاف ظاہر نہیں ہو گا، اختلاف ظاہر نہیں۔ دیکھو بھئی صورت بنا لو تا

[۲] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۲۹):** صوتی درس کی قراءت میں «أَيْ تُعْتَبَرُ الْمُمَاثَلَةُ فِي الْقَدْرِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «أي يعتبرُ المماثلةُ في القدر،» منقول ہے۔

کہ آپ کو دونوں مذہبوں کا تقابل ہو کہ کہاں کیا صورت بنتی ہے۔[۳]

امام صاحب کے نزدیک برابری کس اعتبار سے ہو گی؟ قدر کے اعتبار۔ اور صاحبین کے نزدیک برابری کس اعتبار سے کی جائے گی؟ قیمت کے اعتبار سے۔ لہٰذا ایک شخص نے دوسرے شخص کے پاس، ایک شخص نے دوسرے شخص سے دس درہم قرضہ لیا اور بدلے میں ایک ایسا برتن رکھوایا جو، جس کا وزن بھی دس درہم اور اس کی قیمت بھی دس درہم۔ توجہ ہے؟ دَین کتنا تھا؟ دس درہم، اور جو برتن رکھوایا اس کا وزن بھی کتنا؟ دس درہم، اور اس کی قیمت بھی کتنی؟ دس درہم۔ اور یہ برتن اس کے پاس ہلاک ہو گیا، تو بالاتفاق یہ دَین اس سے ساقط ہو گیا، گویا اس نے وصول کر لیا، راہن سے دَین کیا ہو گیا؟ ساقط ہو گیا اور مرتہن نے کیا کر لیا؟ دَین کو وصول کر لیا۔ لیکن امام صاحب کے نزدیک یہ جو وصولی ہوئی ہے کس اعتبار سے ہوئی ہے؟ قدر کے اعتبار سے، چونکہ دَین بھی تھا دس درہم اور یہ برتن بھی کتنے وزن کا تھا؟ دس درہم کا، لہٰذا وصولی ہو گئی۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ یہاں کس کا اعتبار کیا گیا؟ قیمت کا، وہ درہم جو تھے وہ درہم بھی کتنے تھے؟ دس، اور یہ جو برتن کی قیمت بھی کتنی تھی؟ دس درہم، تو لہٰذا اس نے گویا اپنا دَین وصول کر لیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب دوسری صورت بناؤ کہ جو برتن ہے وہ زائد ہو، زائد ہو۔ مثلاً دَین اتنا ہی ہے دس درہم، لیکن اس کے پاس جو رہن کے طور پر برتن رکھوایا وہ بارہ درہم اس کا وزن ہے، بارہ درہم اس کا وزن ہے، اور اس کی قیمت مثلاً بیس درہم ہے، قیمت کتنی ہے؟ بیس درہم۔ اب یہ برتن اس کے پاس ہلاک ہو گیا، تو آپ جانتے ہیں کہ دَین سے جو زائد ہوتا ہے رہن وہ کس حکم میں ہوتا ہے؟ امانت کے حکم میں، کس کے حکم میں؟ امانت۔ تو امام صاحب کے نزدیک یہ بارہ درہم وزن تھا، دس درہم تو دس درہم کے بدلے اور یہ دو درہم کیا تھے؟ امانت، اور صاحبین کے نزدیک قیمت کا اعتبار ہے اور قیمت بھی جو زائد ہے وہ بھی کس کے حکم میں؟ امانت، لہٰذا اس کے پاس اگر یہ رہن ہلاک ہو گیا تو اس نے گویا اپنا دَین کیا کر لیا؟ وصول کر لیا اور باقی امانت کے طور پر ضائع چلا گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اس، دیکھو یہاں اختلاف ظاہر نہیں ہو رہا، مساوات کی صورت میں بھی اختلاف ظاہر نہیں ہوا، دونوں کے نزدیک دَین کیا ہوا تھا؟ ساقط، اس نے وصولی کر لی تھی، اور زیادہ ہو تو پھر بھی، اگر رہن زیادہ ہو پھر بھی باقی وصولی کیا کر لی اس نے؟ پورے دَین کی کر لی اور زائد کس طرح ہلاک ہو گیا؟ امانت کے طور پر، صورت سمجھ میں آگئی؟

ہاں، اختلاف ظاہر ہوتا ہے جب اس رہن کی قیمت اور یا اس کا وزن کم درجے کا ہو، کم درجے کا ہو۔ مثلاً دَین اتنا ہی ہے دس درہم، اور اس کے پاس جو برتن رکھوایا اس کی قیمت کتنی ہے؟ آٹھ درہم، اور وزن مثلاً دیکھ لو دس درہم ہی کر

---

[۳] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۲۹):** صوتی درس کی قراءت میں «فَيُقَوَّمُ بِخِلَافِ الْجِنْسِ وَيَكُونُ الرَّهْنُ مَكَانَهُ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فيقوَّمُ بخلافِ الجنس، ويكون رهنًا مكانه،» منقول ہے۔

لو، وزن کتنا ہے؟ دس درہم ہے، لیکن قیمت کتنے کے برابر؟ آٹھ درہم کے برابر، مثلاً ذرا کم درجے کی چاندی ہے، وزن تو دس درہم ہی ہے لیکن قیمت کتنی ہے؟ آٹھ درہم۔ تو امام صاحب کے نزدیک یہاں پر اس نے کیا کر لی؟ وصولی کر لی کیونکہ وزن کے اعتبار سے وہ بھی دس درہم یہ بھی دس درہم۔ اور صاحبین کے نزدیک اس کی، وہ تو قیمت ہے دس درہم اور اس کی قیمت کتنی ہے؟ آٹھ درہم۔ تو صاحبین کے نزدیک اگر ہم یہ کہیں کہ اس نے اپنا دَین وصول کر لیا، توجہ ہے؟ اس مرتہن نے دَین کتنا دیا تھا؟ دس درہم، اور اس کے پاس جو برتن رکھوایا گیا اس کی قیمت کتنی ہے؟ آٹھ درہم۔ تو صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر وزن کا اعتبار کیا جائے یہاں تو بھی ٹھیک بات نہیں، اور اگر قیمت کا اعتبار کریں تو بھی ٹھیک نہیں، وزن کا اعتبار کرو، دیے ہوئے کتنے تھے؟ دس درہم، اور یہ بھی کتنے کا ہے؟ دس، اگر آپ وزن کا اعتبار کرتے ہیں پھر تو بیچارے مرتہن کا نقصان ہو گیا، بے شک یہ دس درہم وزن ہے لیکن قیمت تو کتنی ہے؟ آٹھ درہم کی ہے بھئی تو مرتہن کا کیا ہو گا؟ نقصان ہو گا، تو مرتہن کا نقصان ہو گا۔ اور اگر آپ کس کا اعتبار کریں؟ قیمت کا اعتبار کریں، تو قیمت اس کی کتنی؟ دس درہم، اور اس کی قیمت کتنی ہے؟ آٹھ درہم، آٹھ درہم، آٹھ درہم، تو اس صورت میں بھی دیکھو ربا لازم آئے گا، کیا لازم آئے گا؟ ربا لازم آئے گا۔

تو صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر وزن کے اعتبار سے دیکھا جائے تو پھر وزن کے اعتبار سے تو بے شک برابری ہے لیکن اس کے اندر تو مرتہن کا نقصان ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ نقصان، کیونکہ مرتہن کے پاس جو برتن رکھوایا گیا بے شک اس کا وزن دس درہم ہے لیکن اس کی قیمت تو آٹھ درہم ہے تو مرتہن بیچارے کا نقصان ہوتا ہے، لہٰذا وزن کا اعتبار نہیں کریں گے

اور قیمت کے اعتبار سے بھی نہیں کہیں گے کہ وصولی کر لی اس نے۔ قیمت کے، وزن کے اعتبار سے بھی کہیں گے وصولی نہیں کی کیونکہ اس میں مرتہن کا نقصان، اور قیمت کے اعتبار سے بھی مرتہن نے وصولی نہیں کی، کیوں؟ اس لیے کیونکہ اس نے جو دَین دیا ہے وہ کتنا ہے؟ دس درہم، اور اس برتن کی قیمت کتنی ہے؟ آٹھ درہم، تو ایک طرف ہیں دس درہم، ایک طرف ہیں آٹھ درہم، تو یہ تو مساوات نہ ہوئی، ربا لازم آ رہا ہے، وہ دو درہم اس کی طرف زائد جا رہے ہیں۔ تو لہٰذا یہاں پر کسی اعتبار سے بھی مرتہن نے وصولی، وصولی کا حکم نہیں لگایا جا سکتا، نہ وزن کے اعتبار سے اور نہ قیمت۔ توجہ ہے؟ صاحبین فرماتے ہیں نہ وزن کے اعتبار سے وصولی کا حکم لگا سکتے ہیں اور نہ قیمت۔ وزن کے اعتبار سے وصولی کا حکم کیوں نہیں لگا سکتے؟ کیونکہ، جی، کیونکہ مرتہن کا نقصان ہوتا ہے۔ پھر سنو، پھر سنو۔ صاحبین کا اختلاف ظاہر ہو گا اس مسئلے میں جب رہن کی قیمت دَین سے کم ہو۔ دَین کتنا ہے؟ دس درہم، اور جو برتن رکھوایا ہے وہ، اس کا وزن کتنا؟ دس درہم، لیکن قیمت کتنی ہے؟ آٹھ درہم۔ صاحبین فرماتے ہیں یہاں نہ وزن کے اعتبار سے وصولی کہا جا سکتا ہے اور نہ قیمت کے

اعتبار سے۔ وزن کے اعتبار سے اس لیے نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اگر وزن کا اعتبار کر لیں پھر تو بیچارے مرتہن کا نقصان ہے، دیے کتنے ہیں؟ دس درہم، اور برتن بے شک دس درہم والا ہے لیکن قیمت تو اس کی کتنی ہے؟ آٹھ درہم، تو مرتہن کا نقصان ہو رہا ہے، لہٰذا وزن کا اعتبار نہیں کریں گے۔ اور قیمت کے اعتبار سے بھی ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس نے وصولی کر لی ہے کیونکہ قیمت کے اعتبار سے اس کا دَین کتنا ہے جو اس نے دیا تھا؟ دس درہم، اور یہ جو چینک اس کے پاس، یہ برتن جو اس کے پاس آیا ہے وہ آٹھ درہم کا ہے، تو دس تو آٹھ کے برابر نہیں ہے بلکہ دونوں میں کیا ضروری تھی؟ برابری ضروری تھی، تو اگر اس کہہ دیں کہ اس نے اپنا دَین وصول کر لیا، پھر تو اس نے آٹھ وصول کیے اور وہ دو تو اس کے پاس زائد چلے گئے وہ تو ربا بن گیا حالانکہ مساوات ضروری تھی۔ بات سمجھ میں آ رہی؟

تو پھر کیا کیا جائے؟ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس قیمت کا برتن تھا اس کے پاس، قیمت کتنی تھی؟ آٹھ درہم، تو یہ آٹھ درہم کی خِلَافُ الْجِنْس لے لی جائے، کوئی دوسری جنس لے لی جائے مثلاً سونا لے لیا، کیا لے لیا؟ سونا لے لیا، تو آٹھ درہم کا مرتہن سونا لے کر اپنے پاس رکھ لے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ آٹھ درہم کا سونا۔ اب یہ بطورِ رہن کے ہو گیا اس کے پاس، اب جب آئے گا وہ تو وہ دَین دے کر یہ وصول کر لے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یا، یا یہ اس کا مالک بن گیا، یہ کیا بن گیا اس کا؟ مالک، وصولی ہو گئی نا یوں کہیں گے، کیا ہو گئی؟ وصولی ہو گئی بھئی۔ تو یہ اس میں آٹھ درہم کا سونا خرید کر رہن کے رکھ لے گا اور پھر کیا بن جائے گا اس کا؟ مالک بن جائے گا۔ اور باقی کتنا رہ گیا؟ کتنا وصول ہو گیا؟ آٹھ درہم، اور کتنا رہ گیا؟ دو درہم رہ گیا وہ دو درہم اس سے وصول کر لے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آیا؟ کہ نہیں سمجھ میں آیا؟

تو امام صاحب کے نزدیک اس صورت میں کم اعلیٰ درجے کو نہیں دیکھیں گے، برابری وزن کے اعتبار سے ہو گی تو اس نے کیا کر لی؟ وزن کے اعتبار سے اپنا دَین وصول کر لیا، کیونکہ وہ دس درہم تھے تو یہ برتن کا وزن بھی کتنا تھا؟ دس درہم۔ جبکہ صاحبین تو کس کا اعتبار کرتے ہیں؟ قیمت کا۔ صاحبین یہاں فرماتے ہیں کہ یہاں وزن کے اعتبار سے بھی وصولی ہم نہیں کہہ سکتے اور قیمت کے اعتبار سے بھی وصولی نہیں کہہ سکتے بلکہ ایک تیسری چیز کو بدلا جائے گا۔ وزن کے اعتبار سے برابری کیوں نہیں کہہ سکتے؟ کیونکہ مرتہن کو نقصان ہو گا، اس نے دس درہم دیے ہیں اور آٹھ درہم والی چیز میں ہی آپ کہہ دیں گے کہ اس نے وصولی کر لی، اس کا نقصان ہو گا۔ اور قیمت کا بھی اعتبار نہیں کریں گے، قیمت کے اعتبار سے بھی ہم نہیں کہہ سکتے اس نے اپنی وصولی کر لی، اس لیے کیونکہ اس صورت میں ربا لازم آئے گا، دیے تو دس درہم ہیں اور وصولی تو گویا کتنے کی ہو رہی ہے؟ آٹھ درہم کی، تو یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ درہم اس نے وصول کر لیے۔ بھئی پھر کیا کیا جائے؟ وہ فرماتے ہیں کہ اس کی جتنی قیمت تھی یہ جو چیز اس کے پاس ہلاک ہو گئی اس کی اتنی قیمت میں، خِلَافُ الْجِنْس مثلاً سونا خرید لیا، آٹھ درہم کا سونا خرید لیں گے اور یہ سونا کیا ہو جائے گا؟ اس کے پاس بطورِ رہن کے ہو جائے گا اور پھر یہ اس کا مالک بھی بن

جائے گا، پھر کیا بن جائے گا؟ مالک بھی بن جائے گا۔ اولاً بطورِ رہن کے آئے گا سونا، رہن کی جنس بدل رہے ہیں ہم، کیا کر رہے ہیں؟ جنس بدل رہے ہیں۔ بھئی وہ چیز تو ہلاک ہو گئی، ہلاک ہو گئی؟ کہتے ہیں بھئی بے شک ہلاک ہوئی ہے لیکن حکماً یوں کہیں گے گویا ابھی بھی اس کے قبضے میں ہے، کیا ہے ابھی بھی؟ اس کے قبضے، یہ حکم لگا دیا جائے گا، لہٰذا اس سے قبضے کو، اس کے قبضے کو توڑیں گے، ختم کریں گے۔ ورنہ سود لازم آرہا ہے، توجہ ہے؟ یا تو مرتہن کا نقصان ہے یا...

نہیں توجہ میرا خیال۔ جی؟ تھک گئے ہیں لگتا ہے۔ بھئی دیکھو، دَین کتنا تھا؟ دس درہم۔ بس سمجھ لو مسئلہ انشاءاللہ حل ہو گیا ہے۔ دَین کتنا تھا؟ دس درہم، اور جو برتن رکھوایا اس کا وزن کتنا؟ دس درہم، اور قیمت کتنی؟ آٹھ درہم۔ تو صاحبین فرماتے ہیں نہ یہاں وزن کے اعتبار سے وصولی قرار دی جا سکتی ہے نہ قیمت کے اعتبار سے وصولی قرار دی جا سکتی ہے۔ وزن کے اعتبار سے وصولی کیوں نہیں کہہ سکتے؟ مرتہن بیچارے کا نقصان ہو گا، دیے دس درہم ہیں اور یہ برتن کی قیمت تو صرف کتنی تھی؟ آٹھ درہم، تو بے شک وزن دس درہم ہے لیکن اس کا نقصان تو ہو گیا نا، دس درہم تو اس کے بیچارے کے ویسے چلے گئے۔ اور قیمت کے اعتبار سے بھی ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس نے اپنا دَین وصول کر لیا، کیوں؟ کیونکہ قیمت تو برابر ہی نہیں ہے، ادھر دس ہے تو ادھر قیمت کتنی ہے؟ آٹھ درہم، تو کیا لازم آتا ہے؟ ربا۔ لہٰذا مرتہن کا نقصان بھی نہیں ہونا چاہیے، ربا بھی نہیں ہونا چاہیے، تیسری صورت اختیار کرتے ہیں ہم، اور وہ کیسے؟ کہ وہ چیز جو گم ہو گئی یا ٹوٹ گئی اس کی قیمت کتنی تھی؟ آٹھ درہم، اور وہ بھی تھا، وہ جنس کو اب ہم بدلیں گے کہ اس آٹھ درہم پر سے وہ جو چیز تھی اس پر سے مرتہن کا قبضہ ختم کروائیں گے، کس کا؟ مرتہن کا قبضہ توڑیں گے، قبضہ توڑنے کی کیا صورت ہے؟ کہ وہ جتنے کی چیز تھی اس کی قیمت کے برابر وہ خِلَافُ الْجِنْس سونا وغیرہ خرید لے گا۔ اب سونا آٹھ درہم کا خرید لیا کیونکہ وہ برتن کی قیمت کتنی تھی؟ آٹھ۔ پھر یہ جو سونا آٹھ درہم کا آیا اس پر مرتہن کیا کرلے گا؟ قبضہ کرلے گا، اب اس برتن سے قبضہ ختم، اس سونے پر قبضہ آگیا، اور پھر یہ سونا، یہ اس کا مالک بن جائے گا۔ یعنی ہم نے براہِ راست اس برتن کا مالک اس کو نہیں، اس کے ذریعے وصولی نہیں کروائی، وصولی تو اسی طرح ہو رہی ہے لیکن براہِ راست برتن کے ذریعے جو ضائع ہوا گم ہوا ہلاک ہوا اس کے ذریعے وصولی نہیں کروائی، کیونکہ اس کے ذریعے وصولی کرواتے تو یا تو مرتہن کا نقصان لازم آتا یا ربا لازم آتا، تو ہم نے کیا کیا؟ ایک تیسری چیز لے آئے اور یوں کہا اب آکر مرتہن کا قبضہ اس برتن سے ختم ہوا اور کس پر آگیا؟ سونے پر آگیا بطورِ رہن کے، اور وہ اب ہلاک ہو چکا ہے لہٰذا اب یہ کیا بن گیا؟ اس کا مالک، گویا اس نے اتنا، ہاں، یہ وصول کر لیے، اس نے آٹھ درہم وصول کر لیے، اور یہ آٹھ درہم کا مالک بن گیا، اور باقی ابھی بھی دو درہم ہیں وہ اس سے پھر وصول کرے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح؟ جی۔ تکرار کیجیے گا اگر نہ حل ہوا پھر بتائیے گا بھئی۔

کتاب پر دیکھیے بھئی: وَعِنْدَهُمَا تُعْتَبَرُ الْقِيمَةُ، اور صاحبین کے نزدیک قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، فَيُقَوَّمُ بِخِلَافِ الْجِنْسِ، تو اس کی قیمت لگائی جائے گی خِلَافُ الْجِنْس کے ساتھ، وَيَكُونُ الرَّهْنُ مَكَانَهُ، اور وہ دوسری چیز جو ہے وہ رہن بن جائے گی اس کی جگہ پر، جگہ پر۔ فَإِنْ رَهَنَ إِبْرِيقَ فِضَّةٍ، ابریق کہتے ہیں چینک کو بھئی چینک، برتن جس میں چائے رکھتے ہیں، کیتلی جس کو کہتے ہیں۔ فَإِنْ رَهَنَ إِبْرِيقَ فِضَّةٍ، اگر رہن رکھوائی چاندی کی چینک، وَزْنُهُ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ، جس کا وزن کتنا ہے؟ دس درہم، بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ، کتنے کے بدلے میں؟ دس درہم، یعنی دس درہم دَین کے بدلے میں، فَهَلَكَتْ، پس وہ ہلاک ہو گئی اس کے پاس، فَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ هَلَكَ بِالدَّيْنِ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ ہلاک ہو گیا کس کے بدلے؟ دَین کے بدلے، کیونکہ دَین بھی کتنا تھا؟ دس درہم، اور اس کا وزن بھی کتنا تھا؟ دس درہم۔ وَعِنْدَهُمَا إِنْ كَانَتْ قِيمَتُهُ مِثْلَ وَزْنِهِ أَوْ أَكْثَرَ فَكَذَا، صاحبین کے نزدیک اگر اس برتن کی قیمت اس کے وزن کے مثل تھی یعنی وہ بھی دس درہم تھی، أَوْ أَكْثَرَ یا زیادہ تھی یعنی بارہ یا چودہ درہم تھی، فَكَذَا تو بھی مسئلہ اسی طرح ہے کہ وہ کس کے بدلے ہلاک ہو گئی؟ دَین کے بدلے اور زائد کیا تھا؟ امانت کے حکم میں وہ ضائع ہوا۔ وَإِنْ كَانَتْ قِيمَتُهُ أَقَلَّ، اور اگر اس رہن کی قیمت کم تھی، وَهِيَ ثَمَانِيَةٌ مَثَلًا، اور وہ آٹھ تھی مثال کے طور پر، کم کتنی تھی؟ آٹھ تھی، يُشْتَرَى بِثَمَانِيَةِ دَرَاهِمَ ذَهَبٌ، تو خریدا جائے گا آٹھ درہموں کے بدلے سونا، لِيَكُونَ رَهْنًا مَكَانَهُ، تاکہ یہ رہن ہو جائے اس کی جگہ پر۔ ہاں بس یوں کر لیں گے اس سونے کو کیا کر لیں گے؟ اس کی جگہ رہن بنا کر رکھ لیں گے، اب اس سے وصول کتنے کرنے ہیں؟ چاہے مالک بنا دو، مالک بنا دو، بات سمجھ میں آگئی؟ ہاں، چاہے اس کو واپس بھی کرتا ہے تو کیا کرے گا؟ یہ آٹھ درہم کا سونا دے گا اور اس سے دس درہم دَین کے وصول کر لے گا، یا اسی کا آٹھ کا اس کو مالک بنا، اس سونے کا اس کو مالک بنا دو تو آٹھ درہم اس نے کیا کر لیے؟ وصول کر لیے اور دو درہم باقی ہیں، بات ایک ہی ہے۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

تو یہ لِيَكُونَ رَهْنًا مَكَانَهُ تاکہ یہ رہن ہو جائے اس کی جگہ پر۔ فَإِنْ قِيلَ فِي هَذَا التَّرْكِيبِ وَهُوَ قَوْلُهُ فَهُلْكُهُ بِمِثْلِهِ قَدْرًا مِنْ دَيْنِهِ نَظَرٌ، جی، یہاں سے ایک اشکال ذکر کر رہے ہیں بھئی، اشکال۔ اشکال کو سمجھ لیں، مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ اچھی طرح حل ہو گیا؟ اشکال یہ: دیکھیے بھئی اوپر متن کی ذرا عبارت پہ نظر رکھو اس پہ اشکال ہوتا ہے: فَهُلْكُهُ بِمِثْلِهِ قَدْرًا مِنْ دَيْنِهِ۔ اشکال یہ کریں گے کہ یہ مِنْ تَبْعِيضِيَّه ہے یا یہ مِنْ بَيَانِيَّه ہے؟ مِنْ کبھی تبعیض کے لیے آتا ہے، بعض بیان کرنے کے لیے، کچھ، جس کا معنی کیا ہوتا ہے؟ کچھ۔ مثلاً آپ کہتے ہیں: أَخَذْتُ میں نے لے لیے مِنَ الدَّرَاهِمِ ان دراہم میں سے، میں نے لے لیے ان دراہم میں سے۔ اس سے آپ کو کیا سمجھ میں آئی بات؟ سارے لیے یا کچھ لیے؟ کچھ لیے ہیں، أَخَذْتُ مِنَ الدَّرَاهِمِ أَيْ بَعْضَ الدَّرَاهِمِ، یعنی میں نے کچھ دراہم لے لیے۔ اگر کچھ نہیں لیے سارے لیے ہیں تو پھر تو مِنْ کا لفظ نہیں لانا چاہیے: أَخَذْتُ الدَّرَاهِمَ میں نے وہ درہم لے لیے، یا أَخَذْتُ كُلَّ الدَّرَاهِمِ میں نے سارے درہم لے لیے۔ لیکن جب مِنْ لائے تو اس

کا معنی ہے کچھ لیے ہیں سارے نہیں لیے، اس کو مِنْ تَبْعِیضِیَّہ کہتے ہیں جو بتلاتا ہے کہ بعض لیے ہیں، بعض پر دلالت کرتا ہے۔ اور تو أَخَذْتُ مِنَ الدَّرَاهِمِ أَيْ بَعْضَ الدَّرَاهِمِ، میں نے کچھ دراہم لے لیے۔ تو مِنْ کا ایک معنی کیا ہے؟ یہ تَبْعِیض کے لیے آتا ہے، کس کے لیے؟ تَبْعِیض۔ اور اسی طرح یاد رکھو یہ مِنْ جو ہے بَیَان کے لیے بھی آتا ہے، جب ایک چیز میں ابہام ہو تو مِنْ کے ذریعے اس کو بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً: جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ آیا میرے پاس وہ شخص جس نے آپ کی پٹائی کی تھی۔ بھئی وہ کون ہے؟ جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ میرے پاس وہ شخص آیا جس نے آپ کی پٹائی کی تھی۔ اب وہ شخص کون ہے؟ سننے والوں کو پتہ نہیں چلا، تو میں آگے مِنْ کے ساتھ اس کو بیان کرتا ہوں: مِنْ زَيْدٍ یعنی کہ زید۔ دیکھا؟ الَّذِي ضَرَبَكَ اس کے ذریعے سننے والے کو، جو، جس کی پٹائی ہوئی اس کو تو پتہ، باقی تو کسی کو نہیں پتہ کہ کون ہے کس نے پٹائی کی تھی، تو ابہام تھا تو میں نے کیا کیا؟ مِنْ کے ذریعے اس ابہام کو دور کر دیا۔ اور یہ عبارتوں میں جگہ جگہ آتا ہے، پہلے بھی کئی جگہ آچکا ہے کہ مِنْ کے ذریعے کسی چیز میں ابہام ہو تو مِنْ کے ذریعے اس ابہام کو دور کیا جاتا ہے اور اس کو مِنْ بَیَانِیَّہ کہتے ہیں۔

تو گویا مِنْ کے دو معنی ہو گئے: تَبْعِیض کے لیے بھی اور بَیَان کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ تو سوال پیدا ہوا کہ یہ جو فَهُلْكُهُ بِمِثْلِهِ قَدْرًا مِنْ دَيْنِهِ، یہ مِنْ کون سا ہے؟ تَبْعِیض کے لیے ہے یا بَیَان کے لیے ہے؟ بعض صورتوں میں یہ مِنْ تَبْعِیض کے لیے بنتا ہے، بعض صورتوں میں یہ مِنْ بَیَان کے لیے بنتا ہے، لیکن اگر تَبْعِیض کے لیے بنائیں تو بھی ساری صورتیں داخل نہیں، اگر بَیَان کے لیے بنائیں تو بھی ساری صورتیں داخل نہیں۔ یہاں تین صورتیں بنتی ہیں نا، تین صورتیں: کس طرح؟ کہ وہ دَین اور وہ رہن کیا ہوں گے؟ وزن کے اعتبار سے، قدر کے اعتبار سے برابر ہوں گے، یا دَین زیادہ ہو گا، یا دَین کم ہو گا۔ توجہ ہے؟ تین صورتیں بنتی ہیں۔ اگر اس مِنْ کو تَبْعِیض کے لیے بنائیں تو بھی یہ تینوں صورتوں کو شامل نہیں ہوتا، اور اگر اس مِنْ کو بَیَان کے لیے بنائیں تو بھی یہ تینوں صورتوں کو شامل نہیں ہوتا۔ کس طرح؟ دیکھو بھئی، دیکھو بھئی، عبارت پہ بھی نظر رکھنا اور مثال بھی ساتھ سمجھیں۔ دیکھو تین صورتیں بنتی ہیں یہاں پر: یا تو وہ دَین کیا ہو گا؟ رہن کے برابر ہو گا، یا وہ دَین کیا ہو گا؟ رہن سے کم ہو گا، یا وہ دَین رہن سے زیادہ ہو گا۔ تو کہتے ہیں دیکھو پہلے اب وہ صورت

بنا لیں جس میں دَین زیادہ ہو، دَین کیا ہو؟ زیادہ۔ مثلاً ایک شخص نے پندرہ درہم بطورِ دَین کے لیے ہیں قرضے کے لیے، اور جو رہن رکھوایا چاندی کا برتن اس کی قیمت دس درہم ہے، دس درہم ہے۔ تو انہوں نے کیا کہا، اب عبارت پہ ذرا نظر رکھو۔ کتنا ہے؟ دَین کتنا؟ پندرہ درہم، دَین کتنا؟ پندرہ درہم، اور وہ رہن کتنا ہے؟ دس درہم۔ تو کہتے ہیں: فَهُلْكُهُ تو اس رہن کا ہلاک ہونا بِمِثْلِهِ اسی کے مثل ہے قَدْرًا باعتبار مقدار کے، کس میں سے؟ مِنْ دَيْنِهِ، کس میں سے؟ دَین میں سے۔ کس میں سے؟ دَین، دیکھو برتن ہلاک ہوا، کتنے والا ہلاک ہوا؟ دس درہم والا، اور دَین کتنا ہے؟ پندرہ درہم، تو یہ جو دس درہم ہلاک ہوئے یہ اسی کے مثل مقدار میں سے ہوں گے دَین میں سے۔ دَین کتنا ہے؟ پندرہ، اس پندرہ میں سے گویا کتنے کے بدلے میں

ہلاک ہو گیا؟ دس کے بدلے، کس کے بدلے؟ دس کے بدلے۔ نہیں توجہ، نہیں توجہ۔ دَین کتنا ہے؟ پندرہ، وہ آدمی پیسے کتنے لے کر گیا ہے؟ پندرہ درہم، اور جو چیز رکھوائی ہے وہ کتنے کی ہے؟ دس درہم، یہ چیز اس کے پاس ہلاک ہو جائے تو اقل کیا ہے؟ دس، تو ضمان بھی کتنا آئے گا؟ دس، گویا اس نے دس وصول کر لیے اور پانچ ابھی بھی اس نے باقی اس سے لینے ہیں۔ اب یہی صورت عبارت پر ذرا لگائیں: فَهُلْكُهُ پس اس رہن کا ہلاک ہونا جو کم قیمت والا ہے بِمِثْلِهِ یہ اسی کے مثل، اسی کے برابر کے بدلے ہے قَدْرًا کس اعتبار سے؟ قدر یعنی وزن، قدر میں دونوں آ گئے ناکیل یا وزن، یہاں ہم وزن کی بات کر رہے ہیں، وزن کے اعتبار سے یہ اسی کے برابر کے بدلے ہلاک ہوا، کس میں سے؟ دَین میں سے، کس میں سے؟ دَین، یعنی دَین میں سے دس درہم کے بدلے یہ ہلاک ہو گیا، دس درہم دَین ساقط ہو گیا، دس درہم گویا اس نے وصول کر لیے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو دیکھو اس صورت میں یہ ہلاک ہوا ہے، یہ جو بِمِثْلِهِ ہے، جو اسی کے مثل کس میں سے؟ دَین میں سے، تو یہ مِنْ تَبْعِیض کے لیے بن گیا، عبارت پہ نظر ہے؟ یہ مِنْ کس لیے بن گیا؟ تَبْعِیض کے لیے، کیونکہ دَین کتنا؟ پندرہ، اور ہلاک جو رہن کے بدلے کتنا آ گیا؟ دس، تو دیکھا؟ کچھ دَین بچ گیا، کچھ دَین بچ گیا، تو مِنْ دَيْنِهِ اس دَین میں سے، اس دَین میں سے۔ اب پھر ذرا عبارت دیکھو اور یہ مثال بھی ذہن میں رکھنا: فَهُلْكُهُ بِمِثْلِهِ قَدْرًا مِنْ دَيْنِهِ، تو یہ جو رہن کا ہلاک ہونا ہے یہ اسی کے مثل وزن کے اعتبار سے ہو گا کس میں سے؟ دَین میں سے، دَین تو زیادہ ہے لیکن اس میں سے جو اس کے برابر ہے وہ کٹ جائے گا، دیکھا مِنْ کس لیے ہے؟ تَبْعِیض، معلوم ہوا دَین ابھی بھی... دیکھو پھر وہی مثال: أَخَذْتُ مِنَ الدَّرَاهِمِ، مِنْ جس پر داخل ہو اس کے بعض کو بیان کر رہا ہے، اور یہاں پر بھی مِنْ کس پر داخل ہے؟ دَین پر، اور دَین تو کتنا ہے؟ پندرہ، اور سارا دَین کٹا ہے یا اس میں سے کچھ کٹا ہے؟ کچھ کٹا ہے، معلوم ہوا یہ مِنْ کون سا ہے؟ تَبْعِیض والا ہے، کون سا ہے مِنْ؟ تو یعنی پھر دیکھو: فَهُلْكُهُ بِمِثْلِهِ قَدْرًا مِنْ دَيْنِهِ، تو اس رہن کا ہلاک ہونا وہ اسی کے مثل اسی کے برابر وزن کے اعتبار سے ہو گا کس میں سے؟ دَین میں سے، اور باقی کا دَین ادا کرنا پڑے گا، تو یہ مِنْ کون سا ہوا؟ تَبْعِيضِيَّه، اسی کے مثل کس میں سے؟ دَین میں سے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ مِنْ کون سا ہوا؟ تَبْعِيضِيَّه۔

تو صاحبِ شرحِ وقایہ اعتراض کر رہے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ مِنْ بعض صورتوں میں تَبْعِيضِيَّه بنتا ہے بعض صورتوں میں بَيَانِيَّه، یہ کون سا مِنْ ہے؟ تو اس میں تو تینوں صورتیں نہیں، معلوم ہوا تو ادھر دیکھیے بھئی، میں نے ترجمہ کر دیا، مِنْ کو کیا بنایا؟ تَبْعِيضِيَّه، اور کون سی صورت تھی؟ جب دَین زیادہ ہو۔ کہتے ہیں اب دَین کو ذرا برابر کر دو، پھر مِنْ کو تَبْعِيضِيَّه نہیں بنا سکتے۔ مثلاً رہن بھی کتنا؟ دس درہم، دَین بھی کتنا؟ دس درہم۔ اب بتاؤ یہ جو رہن دس درہم والا ہلاک ہوا تو یہ اسی کے برابر وزن کے اعتبار سے ہلاک ہو گا کس میں سے؟ دَین میں، نہیں بھئی دَین تو اس... میں سے پھر کچھ بچنا بھی تو چاہیے، مِنْ تَبْعِيضِيَّه تو اس کو کہتے ہیں کہ باقی بھی کچھ بچ جائے، یہاں اب آپ نہیں کہہ سکتے کہ اسی کے مثل کس میں سے؟ دَین میں سے، دَین

میں سے نہیں، کچھ بچتا ہی نہیں ہے پیچھے، تو یہ مِنْ تَبْعِيضِيَّه نہیں ہو سکتا، مِنْ تَبْعِيضِيَّه تو کس کو کہتے ہیں کہ پیچھے بھی کچھ باقی، اب اگر آپ یہاں یہ کہتے ہیں کہ یہ رہن ہلاک ہوا ہے بِمِثْلِهِ قَدْرًا جو اسی کے مثل ہو باعتبار مقدار کے، کس میں سے؟ دَین میں سے، نہیں بھئی بات ہی نہیں بنتی، دَین پیچھے کچھ بچتا ہی نہیں ہے۔ ہاں یہ مِنْ بَيَانِيَّه بنا سکتے ہو، کس طرح؟ ذرا مِنْ دَيْنِهِ کو ہٹا دو، عبارت کا ترجمہ کرو: فَهُو... اب مساوات والی صورت ہے، تو یہ جو رہن کا ہلاک ہو گا بِمِثْلِهِ قَدْرًا، اسی کے مثل قدر کے اعتبار سے، جو اسی کے مثل ہو گا وزن کے اعتبار سے، بھئی وہ کیا چیز ہے؟ مِنْ دَيْنِهِ،بیان کر دیا یعنی کہ دَین، یعنی کہ... اب مِنْ کا ترجمہ 'میں سے' نہیں ترجمہ، اب مِنْ کا ترجمہ کرو 'یعنی'، کس کے ساتھ؟ یعنی۔

پھر دیکھو، وہ برتن کتنے والا؟ دس درہم، دَین بھی کتنا؟ دس درہم، تو یہ جو برتن اگر ہلاک ہو گیا تو یہ اسی کے مثل وزن کے بدلے ہلاک ہوا، اسی کے مثل، بِمِثْلِهِ قَدْرًا صرف یہاں پہ اس کا ترجمہ کر رہا ہوں: یہ اسی کے مثل وزن کے اعتبار سے ہلاک ہوا، یا یوں کہو یہ اتنے ہی وزن کے بدلے ہلاک ہوا، یہ اتنے ہی وزن کے بدلے، برتن ہلاک ہوا اتنے ہی وزن کے بدلے ہلاک ہوا، بھئی اسی وزن کے بدلے وہ کیا چیز ہے؟ یعنی کہ وہ دَین، یعنی مِنْ دَيْنِهِ یعنی کہ وہ جو دَین ہے، یعنی وہ دَین کے بدلے ہلاک ہو گیا۔ توجہ ہے؟ پھر سنو، یہ رہن ہلاک ہوا بِمِثْلِهِ قَدْرًا جو اسی کے مثل ہے وزن کے اعتبار سے یہ اس کے بدلے ہلاک ہوا۔ کیا معنی؟ بھئی مِنْ دَيْنِهِ یعنی کہ یہ کس کے بدلے ہلاک ہوا؟ دَین، بِمِثْلِهِ کو اب ہٹا دو،بیان کو لے آؤ اس کی جگہ پر، یہ کس کے بدلے ہلاک ہو گیا؟ دَین کے بدلے ہلاک ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ وہ مثال سامنے لائیں: جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ آیا وہ آدمی جس نے آپ کی پٹائی کی تھی۔ اب سننے والوں کو نہیں پتہ یہ کس نے پٹائی کی ہے، میں نے آگے بیان کر دیا، میں نے کہا: مِنْ زَيْدٍ یعنی کہ زید، یعنی کہ زید۔ یہ مِنْ زَيْدٍ کس کا بیان ہے؟ الَّذِي ضَرَبَكَ، اس کا بیان ہے۔ کس کا بیان ہے؟ الَّذِي ضَرَبَكَ، وہ جس نے آپ کی پٹائی کی اس میں ابہام ہے یا نہیں ہے؟ جی، کیا میں کسی کے سامنے کہوں جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ آیا وہ آدمی جس نے آپ کی پٹائی کی تھی کسی ایک کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہا ہوں اس کو خطاب کر کے، وہ آدمی آگیا جس نے آپ کی پٹائی کی، تو اس کے باقی ساتھی جو ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں ان کو پتہ چلے گا؟ ان کو پتہ نہیں چلے گا کہ کس نے اس کی پٹائی کی، تو الَّذِي ضَرَبَكَ اس میں ابہام تھا، مِنْ زَيْدٍ کے ذریعے میں نے کیا کیا؟ ابہام کو دور کیا: جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ مِنْ زَيْدٍ آیا وہ شخص جس نے آپ کی پٹائی کی تھی یعنی کہ زید، اب سب کو پتہ چل گیا کہ زید نے اس کی پٹائی کی تھی۔ صورت سمجھ میں، اور یہ جو، جس کا بیان ہوا اس کو کہتے ہیں مُبَيَّن، اور جس نے بیان کیا وہ ہے مُبَيِّن بھی کہہ لیں یا بیان بھی کہہ لیں۔ تو یہ جو بیان ہے اس کو اٹھا کر مُبَيَّن کی جگہ لے جائیں، میں یوں کہہ دوں جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ اس کو ہٹایا، أَيْ جَاءَ زَيْدٌ کون آ گیا؟ زید آگیا، دیکھا یہ اس کی جگہ پر آگیا، اس کی جگہ پر لاؤ کلام ٹھیک رہتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہاں پر بھی اسی طرح ہے: فَهُلْكُهُ بِمِثْلِهِ قَدْرًا، یہ مِنْ کون سا بناؤ؟ بیان کے لیے، پس اس رہن کا ہلاک ہونا یہ اسی کے برابر وزن کے بدلے ہے یعنی کہ دَین کے بدلے ہے۔ اب بِمِثْلِهِ قَدْرًا کو ہٹا دو اور یہاں دَین کو رکھ دو: فَهُلْكُهُ بِدَيْنِهِ، پس اس کا ہلاک ہونا بِدَيْنِهِ کس

کے بدلے ہے؟ دَین کے بدلے ہلاک ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ معلوم ہوا یہ مِنْ کون سا ہے؟ اگر مساوات ہو تو بیان والا بنے گا۔

اب صورت بناؤ جب دَین کیا ہو؟ اَقَلّ ہو، اَقَلّ۔ یہاں تک اتنی بات سمجھ میں آ گئی کہ جب دَین زیادہ ہو تو مِنْ کس لیے ہوتا ہے؟ یہاں مِنْ تَبْعِیض والا ہے، اور اگر دَین اور رہن برابر ہوں تو مِنْ کون سا بنتا ہے؟ بیان والا، صورت سمجھ میں آ گئی؟ اور اسی طرح اگر، اگر دَین کم ہے اور رہن کیا ہے؟ زیادہ ہے، پھر تو بات ہی ٹھیک نہیں رہتی۔ توجہ ہے؟ پھر تو بات ہی ٹھیک نہیں رہتی، کس طرح؟ رہن کتنا ہے؟ رہن کو پندرہ کر لو، پندرہ درہم رہن ہے، اور دَین کتنا ہے؟ دس درہم، دس درہم۔ رہن کتنا؟ پندرہ درہم، دَین کتنا؟ دس درہم۔ یہ پندرہ درہم والا رہن اس کے پاس ہلاک ہو گیا اور دَین ہے دس درہم، آپ کیا حکم لگائیں گے؟ کیا فتویٰ دیں گے؟ دس دس کے بدلے ہلاک اور باقی پانچ امانت کے طور پر ہلاک ہوئے، یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟ اب اسی کو عبارت پر لگاؤ: فَهُلْكُهُ، پس یہ جو رہن پندرہ درہم والا ہلاک ہوا یہ ہلاک ہوا ہے اسی کے برابر جو وزن کے اعتبار سے ہے، یعنی کہ دَین۔ اور دَین اسی کے برابر ہے؟ نہیں، تو بات ہی ٹھیک نہیں بنتی۔ بات سمجھ میں آئی؟ کہ اگر یہ پندرہ درہم والا رہن ہلاک، فَهُلْكُهُ، پس اس پندرہ درہم والے رہن کا ہلاک ہونا یہ بِمِثْلِهِ قَدْرًا، یہ اسی کے برابر وزن کے اعتبار سے، کے بدلے ہلاک ہوا ہے، یعنی کہ دَین، حالانکہ یہ بات، یعنی کہ دَین، حالانکہ دَین تو کیا ہے؟ وہ تو پندرہ ہے ہی نہیں، وہ تو کتنا ہے؟ دس ہے، لہٰذا دیکھو بات ہی نہیں بنتی، بات ہی نہیں بنتی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اچھا، تو پھر سن لیں اب حاصلِ کلام سن لیں: صاحبِ شرحِ وقایہ یہاں اعتراض کر رہے ہیں، اعتراض یہ کہ مصنف نے فَهُلْكُهُ بِمِثْلِهِ قَدْرًا مِنْ دَيْنِهِ، یہاں یہ عبارت لے کر آئے مِنْ کے ساتھ، کہتے ہیں بھئی یہ عبارت جو ہے یہ مِنْ تَبْعِيضِيَّه ہے یا مِنْ بَيَانِيَّه ہے؟ اگر مِنْ تَبْعِيضِيَّه بنائیں تو وہ اس صورت میں تو عبارت ٹھیک رہتی ہے جب کیا ہو؟ جب دَین زیادہ ہو اور رہن کم ہو، پھر تو مِنْ تَبْعِيضِيَّه بنے گا۔ اور اگر، اگر رہن اور دَین برابر ہوں تو پھر مِنْ تَبْعِيضِيَّه نہیں بن سکتا بلکہ پھر کون سا مِنْ بنے گا؟ مِنْ بَيَانِيَّه بنے گا۔ اور اگر دَین جو ہے وہ کم ہو اور رہن زیادہ ہو پھر تو یہ عبارت کا معنیٰ صحیح بنتا ہی نہیں ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ کون سا مِنْ ہے؟ ایک مِنْ ہم لے سکتے ہیں اس سے، دونوں اکٹھے نہیں، کیونکہ آپ نے پڑھا ہے اصول الشاشی میں کہ ایک لفظ کے دو یا زیادہ معانی آئیں تو اس کو مُشْتَرَک کہتے ہیں، اس کو کیا کہتے ہیں؟ مُشْتَرَک۔ مثلاً مُشْتَرِي، مُشْتَرِي خریدار کو بھی کہتے ہیں اور مُشْتَرِي ایک آسمان میں ایک سیارے کا بھی نام ہے۔ اب مُشْتَرِي لفظ آئے تو اس کا ایک وقت میں ایک ہی معنیٰ کریں گے: یا خریدار والا کریں گے یا اس سیارے والا معنیٰ کریں گے، دونوں معنیٰ اس کے یک وقت لینا درست نہیں، اس کو عُمُومِ مُشْتَرَک کہتے ہیں، عُمُومِ مُشْتَرَک جائز نہیں۔ ایک لفظ کے ایک ہی جگہ دو یا دو سے زیادہ معنیٰ اکٹھے مراد لے لیے جائیں اس کو عُمُومِ مُشْتَرَک کہتے ہیں اور یہ جائز نہیں۔ تو مِنْ کا بھی معنیٰ ہم نے

بتلا دیا: ایک صورت میں تَبْعِیض کے لیے، دوسری صورت میں بیان کے لیے بنتا ہے، تو اب کون سا یہ مِنْ ہے؟ دونوں معنیٰ تو یہاں مراد نہیں لے سکتے کیونکہ یہ تو عُمُومِ مُشْتَرَک بن جائے گا اور عُمُومِ مُشْتَرَک تو جائز نہیں ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے بھئی، ترجمہ دیکھیے: فَإِنْ قِيلَ فِي هَذَا التَّرْكِيبِ وَهُوَ قَوْلُهُ فَهُلْكُهُ بِمِثْلِهِ قَدْرًا مِنْ دَيْنِهِ نَظَرٌ، اگر یہ کہا جائے کہ یہ جو اس ترکیب کے اندر، اور وہ مصنف کا یہ قول ہے: فَهُلْكُهُ بِمِثْلِهِ قَدْرًا مِنْ دَيْنِهِ، نَظَرٌ اس میں نظر ہے، یعنی اشکال ہے، اس میں کیا ہے؟ اشکال ہے، اعتراض ہے۔ لِأَنَّ الدَّيْنَ إِذَا كَانَ خَمْسَةَ عَشَرَ وَوَزْنُهُ عَشَرَةٌ، اس لیے کیونکہ جب دَین جو ہے وہ پندرہ ہو، توجہ ہے؟ دَین زیادہ ہے، وَوَزْنُهُ عَشَرَةٌ اور رہن کا جو وزن ہے وہ کتنا ہے؟ دس ہے، وَقَدْ هَلَكَ اور تحقیق وہ رہن ہلاک ہو گیا، فَقَدْ هَلَكَ بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ مِنَ الدَّيْنِ، تو تحقیق ہلاک ہو گیا دس درہم کے بدلے مِنَ الدَّيْنِ کس میں سے؟ دَین میں سے، دیکھا مِنَ الدَّيْنِ لے کر آئے، بتلایا یہ مِنْ کون سا ہے؟ تَبْعِیض کے لیے۔ فَعَلَى الْمَدْيُونِ خَمْسَةٌ، تو مَدْیُون جو مقروض ہے اس کے اوپر پانچ رہ گئے، فَيَكُونُ مِنْ لِلتَّبْعِيضِ، تو اس صورت میں مِنْ کس لیے ہو جائے گا؟ تَبْعِیض کے لیے، فَلَا يَتَنَاوَلُ، پس اس صورت میں یہ عبارت شامل نہیں ہے مَا إِذَا كَانَ وَزْنُهُ عَشَرَةً وَالدَّيْنُ عَشَرَةً اس صورت کو جب کہ اس کا وزن کتنا ہو؟ رہن کا وزن کتنا ہو؟ دس ہو، وَالدَّيْنُ عَشَرَةً اور دَین کتنا ہو؟

وہ بھی دس، اس صورت کو یہ شامل نہیں ہوتا، شامل نہیں ہوتا۔ لِأَنَّ التَّبْعِيضَ غَيْرُ مُمْكِنٍ اس لیے کیونکہ وہاں تو تَبْعِیض ممکن نہیں، وہاں تو ضمان بعضِ دَین نہیں آئے گا بلکہ کُلِّ دَین جتنا آئے گا۔ وَلَا يَكُونُ لِلْبَيَانِ هُنَا، اور یہاں پر یہ بیان کے لیے بھی نہیں ہو سکتا، لِأَنَّهُ لَمَّا أُرِيدَ بِهِ التَّبْعِيضُ فِي صُورَةٍ لَا يَكُونُ لِلْبَيَانِ فِي صُورَةٍ أُخْرَى، اس لیے کیونکہ جب ارادہ کر لیا گیا اس مِنْ کے ذریعے تَبْعِیض کا فِي صُورَةٍ ایک صورت میں، تو لَا يَكُونُ لِلْبَيَانِ فِي صُورَةٍ أُخْرَى، تو یہ بیان کے لیے نہیں ہو گا دوسری صورت میں۔ ایک صورت میں تَبْعِیض کے لیے ہے تو دوسری صورت میں یہ بیان کے لیے نہیں ہو سکتا، لِأَنَّ الْمُشْتَرَكَ لَا عُمُومَ لَهُ، اس لیے کیونکہ مُشْتَرَک میں عُمُوم نہیں ہوتا، اس کے سارے معنیٰ اکٹھے مراد نہیں ہو سکتے، ایک وقت میں ایک ہی معنیٰ اس سے مراد لے سکتے ہیں۔

وَلَا يَتَنَاوَلُ أَيْضًا إِذَا كَانَ وَزْنُهُ خَمْسَةَ عَشَرَ وَالدَّيْنُ عَشَرَةً، اور یہ اس صورت کو بھی عبارت شامل نہیں ہے إِذَا كَانَ وَزْنُهُ خَمْسَةَ عَشَرَ جب کہ اس رہن کا وزن کتنا ہو؟ پندرہ ہو، وَالدَّيْنُ عَشَرَةً اور دَین کتنا ہو؟ دس ہو یعنی کم ہو، لِأَنَّهُ يَصِيرُ مَعْنَاهُ اس لیے کیونکہ اس صورت میں اس عبارت کا معنیٰ یہ ہو جائے گا كَأَنَّ هَلَاكَهُ بِمِقْدَارِ خَمْسَةَ عَشَرَ مِنَ الدَّيْنِ، کہ یہ جو رہن ہلاک ہوا ہے یہ پندرہ کی مقدار کے بدلے ہلاک ہوا مِنَ الدَّيْنِ کس میں سے؟ دَین میں سے، وَهُوَ عَشَرَةٌ اور حال یہ ہے کہ وہ دَین تو کتنا ہے؟ دس۔ بھئی رہن کتنا؟ پندرہ، اور دَین کتنا ہے؟ دس، تو عبارت کا معنیٰ یہ ہو جائے گا کہ أَنَّ هَلَاكَهُ بِمِقْدَارِ خَمْسَةَ عَشَرَ کہ یہ جو رہن پندرہ والا ہلاک ہوا ہے یہ کتنے کے بدلے ہلاک ہوا؟ پندرہ کی مقدار کے بدلے ہلاک ہوا کس میں سے؟ دَین میں سے، اور دَین تو حالانکہ پندرہ ہے ہی نہیں، وَهُوَ عَشَرَةٌ وہ تو دس ہے، تو اس صورت میں بھی یہ معنیٰ اور عبارت کا معنیٰ صحیح نہیں بنتا، فَهَذَا غَيْرُ مُسْتَقِيمٍ یہ تو درست نہیں ہے۔

تو معلوم ہوا جب دَین رہن کے مقابلے میں اَقَلّ ہو باعتبار مقدار کے تو اس صورت میں یا عبارت میں جو مِنْ آیا اس کو نہ مِنْ تَبْعِيضِيَّه بنا سکتے ہو اور نہ مِنْ بَيَانِيَّه بنا سکتے ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

قُلْنَا، ہم کہتے ہیں لَيْسَ غَرَضُهُ... ہاں، اب جواب دینے لگے ہیں، کہتے ہیں بھئی آپ کی بات ٹھیک ہے، اعتراض آپ کا واقعی بڑا قوی ہے، یہ مِنْ تَبْعِيض کے لیے بنائیں تو باقی دو صورتوں کو شامل نہیں اور بیان کے لیے بنائیں تو تَبْعِيض والی صورت شامل نہیں ہوتی۔ تو جواب یہ کہ بھئی دراصل مصنف یہاں ایک ہی صورت ذکر کرنا چاہتے ہیں، وہ صورت جب دَین زیادہ ہو۔ توجہ ہے؟ جب دَین زیادہ ہو، اس وقت وہ مِنْ کو ہم نے کس کے لیے بنایا تھا؟ تَبْعِيض کے لیے بنایا تھا، اور جب دَین زیادہ ہو تو اس صورت میں اَقَلّ کا ضمان آیا، کس کا آیا؟ اَقَلّ کا، یعنی رہن تھا دس درہم اور دَین تھا پندرہ درہم تو کتنا ضمان آگیا؟ دس درہم ضمان آیا اور پانچ درہم دَین ابھی بھی باقی ہے۔ تو مصنف نے صرف یہاں پر متن کے اندر ان کے بتلانے کا مقصد یہ ہے کہ جو رہن ہلاک ہوگا وہاں وزن کا اعتبار کرنا ہے، قیمت کا اعتبار نہیں کرنا، بس یہ بتلانا چاہتے ہیں۔ صاحبین تو کیا فرماتے ہیں؟ کس کا اعتبار کرو؟ قیمت کا۔ مصنف صرف آپ کو اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ کس کا اعتبار کرو؟ وزن کا اعتبار ہوگا، وزن کے اعتبار سے جتنا ہلاک ہوگیا اتنا ہی کس میں سے کم کردو؟ دَین میں سے۔ توجہ ہے؟ وزن کے اعتبار سے جتنا یہ ہلاک ہوا ہے دَین تو ہے زیادہ کا اتنا ہی کیا کردو دَین میں سے کم کردو اور باقی کا دَین اس سے لے لوگے۔ جب دَین زیادہ ہونے کی صورت میں آپ کو مسئلے کا پتہ چل گیا تو باقی صورتوں کا بھی خود بخود پتہ چل گیا: اگر دَین برابر ہو پھر تو ٹھیک ہے، مساوات ہے دونوں طرف برابری ہوگئی، اس نے گویا وصول کر لیا سارا دَین؛ اور اگر دَین کم ہے پھر؟ پھر تو زائد جو تھا وہ کیا تھا؟ رہن... امانت تھی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو گویا اس صورت میں اس نے پوری وصولی کر لی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: قُلْنَا لَيْسَ غَرَضُهُ بَيَانَ أَنَّهُ بِأَيِّ شَيْءٍ مَضْمُونٌ فِي صُورَةٍ، کہتے ہیں مصنف کا جو ہے لَيْسَ غَرَضُهُ اس کی غرض اور اس کا مقصد یہ نہیں ہے، کیا نہیں ہے؟ کہ بَيَانَ أَنَّهُ بِأَيِّ شَيْءٍ مَضْمُونٌ فِي صُورَةٍ کہ وہ یہ بیان کرے کہ رہن جو ہے کس شے کے بدلے مضمون ہوگا کسی صورت میں۔ رہن جو ہے کس شے کے بدلے مضمون، یعنی مصنف یہ نہیں بیان کرنا چاہتے، مصنف یہ نہیں بیان کرنا چاہتے کہ کیا ضمان آئے گا۔ توجہ ہے؟ مصنف کیا نہیں بیان کرنا چاہتے؟ کیا ضمان آئے گا۔ وہ صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں قیمت کو نہ دیکھنا کس کو دیکھنا؟ وزن کو دیکھنا ہے، قیمت کا اعتبار نہیں کس کا اعتبار ہے؟ وزن۔ وہ تو صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں، کیا ضمان آئے گا یہ بتلانا نہیں چاہتے۔ تو لَيْسَ غَرَضُهُ بَيَانَ أَنَّهُ بِأَيِّ شَيْءٍ مَضْمُونٌ فِي صُورَةٍ تو کہتے ہیں کہ مصنف کی غرض یہ نہیں ہے کہ وہ یہ بیان کرے کہ یہ رہن جو ہے وہ کس چیز کے بدلے مضمون ہوگا کسی صورت میں، بَلِ الْغَرَضُ بلکہ اس کی غرض یہ ہے أَنَّهُ هَالِكٌ بِاعْتِبَارِ الْوَزْنِ لَا بِاعْتِبَارِ الْقِيمَةِ کہ رہن جو ہے وہ ہلاک ہوگا وزن کے اعتبار سے نہ کہ قیمت کے اعتبار سے، یعنی وزن کو دیکھا جائے گا۔ فَتَقْدِيرُهُ تو گویا تقدیرِ کلام یوں ہوگئی أَنَّهُ هَالِكٌ بِمِثْلِهِ وَزْنًا

مِنَ الدَّيْنِ، کہ یہ رہن جو ہے وہ ہلاک ہو گا اسی کے مثل وزن کے اعتبار سے مِنَ الدَّيْنِ کس میں سے؟ دَین میں سے، یہ کون سی صورت ہے؟ إِذَا كَانَ الدَّيْنُ زَائِدًا جب کہ دَین کیا ہو؟ زائد ہو، تو انہوں نے متن میں صرف زائد والی صورت بیان کی، باقی صورتیں بیان ہی نہیں کیں وہ آپ خود ہی سمجھ گئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مِنْ تَبْعِيض ہی کے لیے ہے۔

فَإِذَا عُلِمَ الْحُكْمُ فِي هَذِهِ الصُّورَةِ جب حکم کا پتہ چل گیا اس صورت میں، فَيُعْلَمُ فِي صُورَةِ الْمُسَاوَاةِ تو حکم معلوم ہو گیا برابری والی صورت میں بھی، وَفِي صُورَةِ أَنْ يَكُونَ الْوَزْنُ زَائِدًا عَلَى الدَّيْنِ اور اس صورت میں بھی حکم معلوم ہو گیا جب کہ وزن زائد ہو کس پر؟ رہن کا وزن زائد ہو کس پر؟ دَین پر، لِمَا عُرِفَ بوجہ اس کے وہ جو جان لیا گیا تھا جو معلوم تھا أَنَّ الْفَضْلَ أَمَانَةٌ کہ زائد جو ہوتا ہے وہ امانت ہوتا ہے۔

حاصلِ کلام سن لو بس بھئی۔ حاصلِ کلام یہ کہ انہوں نے آج آپ کو بتلایا کہ سونا، چاندی، مکیلات، موزونات کسی کو بھی بطورِ رہن کے رکھوایا جا سکتا ہے، اور لیکن ایک ضابطہ کہتے ہیں یاد رکھنا کہ اگر اسی کی جنس کے بدلے کسی چیز کو رہن رکھوایا جائے اور وہ مکیلات اور موزونات میں سے ہو تو پھر جب رہن ہلاک ہو گا تو اس میں جو ضمان آئے گا وہ اس میں ضمان وزن کے اعتبار سے یا یوں کہیں قدر، قدر کے اعتبار سے دیکھا جائے گا: وزنی چیزوں میں وزن اور مکیلی چیزوں میں کیل کے اعتبار سے وہ ہلاک ہو گا، قیمت کو نہیں دیکھا جائے گا۔ اور پھر اس میں اختلاف ذکر کیا تھا صاحبین کا اور امام صاحب کا۔ امام صاحب کے نزدیک تو یہی جو متن میں آگیا کہ وزن کے اعتبار سے جو ہے ضمان کو دیکھا جائے گا اور قیمت کے اعتبار سے نہیں، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔ صاحبین اور امام صاحب میں اختلاف ظاہر ہوتا ہے اس صورت میں جب دَین زیادہ ہو اور رہن کم ہو وزن کے اعتبار سے، جب دَین کم ہو اور رہن کیا ہو؟ زیادہ ہو پھر تو زائد بِالْاِتِّفَاق امانت ہے وہ ختم ہوا، اور برابری ہو وزن کے اعتبار سے بھی اور قیمت کے اعتبار سے بھی تو اس صورت میں بھی دَین کیا ہو جاتا ہے؟ ساقط ہو جاتا ہے بِالْاِتِّفَاق۔ لیکن اگر دَین کیا ہو؟ زیادہ اور رہن کیا ہو؟ کم، مثلاً دَین تھا دس درہم اور رہن کتنا تھا؟ آٹھ درہم، آٹھ درہم اس کی قیمت ہے لیکن وزن اس کا بھی دس درہم ہی ہے، تو امام صاحب کے نزدیک اگر یہ رہن اس کے پاس ہلاک ہو گیا تو تِلْكَ بِتِلْكَ یہ اس کے بدلے ہو گیا، دَین بھی کتنا؟ دس درہم، اور یہ جو برتن ہلاک ہوا اس کا وزن بھی کتنا تھا؟ دس درہم تھا۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں نہیں کہ یہاں پر اگر وزن کے اعتبار سے دیکھا جائے کہ اس نے وصولی کر لی ہے تو پھر اس میں مرتہن کا نقصان ہے، اس نے جو درہم دیے ہیں وہ دس ہیں اور جو برتن اس کے پاس ہلاک ہوا وہ کم درجے والا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو وزن کے اعتبار سے جو وصولی اگر ہم اس کے قائل ہو جائیں تو اس صورت میں مرتہن کا نقصان ہو جاتا ہے۔ اور قیمت کا بھی اعتبار نہیں کر سکتے کہ اس نے اب وصول کر لیے اپنے درہم، اس لیے کیونکہ اس نے جو دَین لیا وہ کتنا ہے؟ دس درہم، اور یہ جو برتن ہلاک ہوا اس کی قیمت کتنی تھی؟ آٹھ درہم، تو اگر ہم کہیں کہ

اس نے اپنی وصولی کرلی ہے امام صاحب کے قول کے مطابق اگر ہم کیا کہیں؟ وصولی کرلی ہے دس درہم کے بدلے دس درہم ہلاک ہو گئے، قیمت کو نہیں دیکھا کس کو دیکھا؟ وزن، تو اگر صرف وزن کو دیکھیں تو بیچارے مرتہن کا نقصان، اور اگر قیمت کو دیکھ لیں تو بھی ربا لازم آتا ہے، ایک طرف قیمت ہے آٹھ درہم دوسرے کی قیمت کتنی ہے؟ دس درہم ہے۔ تو لہٰذا وہ فرماتے ہیں کہ یوں کیا جائے گا کہ اس رہن کی جو قیمت تھی اس قیمت کے بدلے خِلَافُ الْجِنْس یعنی سونا خرید لے گا اور پھر اس سونے کو اس کے پاس بطورِ رہن کے رکھ دیا جائے گا، پھر چاہے یہ کیا کہیں اس نے وصولی کرلی یا بطورِ رہن کے ہی اس کے پاس رہے اور یہ اس کو واپس دے کر اس سے پھر دس درہم لے لے، بات ایک ہی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

پھر اس عبارت پر ایک اشکال ہوا تھا کہ متن میں آیا تھا: فَهُلْكُهُ بِمِثْلِهِ قَدْرًا مِنْ دَيْنِهِ کہ یہاں یہ مِنْ جو آیا مِنْ، یہ مِنْ تَبْعِيضِيَّه ہے یا مِنْ بَيَانِيَّه ہے؟ اگر مِنْ تَبْعِيضِيَّه بنائیں تو یہ صرف اس صورت کو شامل ہے جب دَین زیادہ ہو جب دَین زیادہ، جب کہ مساوات والی صورت جب کہ دَین اور رہن برابر ہوں یا دَین کم ہو اس صورت کو یہ شامل نہیں ہوتا۔ ہاں مِنْ بَيَانِيَّه بناؤ تو پھر مساوات والی صورت کو یہ شامل ہو جائے گا، اگر دَین کم ہے تو بھی یہاں عبارت درست نہیں، ترجمہ ٹھیک نہیں بنتا۔ تو بتلا دیا کہ انہوں نے بتلایا کہ یہ مِنْ جو ہے یہ مِنْ تَبْعِيضِيَّه ہے اور اس میں صرف ایک ہی صورت کو ذکر کیا جائے، تینوں صورتیں اس میں داخل نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ مصنف تینوں صورتوں کو داخل ہی نہیں کر رہے۔ کون سی تین صورتیں؟ کہ دَین کم ہو گا یا زیادہ ہو گا رہن کے یا برابر ہو، ان تین کو شامل نہ بھی ہو تو کوئی حرج نہیں، مصنف صرف کیا کرنا چاہ رہے ہیں؟ ایک صورت کے ذریعے بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہاں پر جب رہن ہلاک ہو گا تو قدر کا اعتبار کرنا ہے اور قیمت کا اعتبار نہیں کرنا ہے، بس یہ بتلانا چاہتے ہیں۔ اور متن میں جو ذکر ہوا یہ مِنْ تَبْعِيضِيَّه ہے اور یہ صرف جب دَین زیادہ ہو اس صورت کو مصنف نے ذکر کر دیا، اور باقی دو صورتیں جب ایک صورت کا پتہ چل گیا کہ اس صورت میں وزن کا اعتبار کرنا ہے اور قیمت کا اعتبار نہیں کرنا، تو مساوات والی صورت جب کہ دَین اور رہن برابر ہوں یا جب دَین کم ہو رہن سے ان صورتوں کا حکم خود بخود پتہ چل گیا۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳۹: شرطِ رہن و کفیل کے ساتھ بیع، دو قرضوں کے بدلے ایک رہن اور رہن بالزیادۃ کے مسائل

شرح الوقایہ صفحہ: ۸۱ — بتاریخ: ۴ فروری ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے دیکھیے سبق بھائی۔

وَمَنْ شَرٰى شَيْئًا عَلٰى أَنْ يَّرْهَنَ شَيْئًا أَوْ يُعْطِيَ كَفِيْلًا بِعَيْنِهِمَا مِنْ ثَمَنِهٖ وَأَبٰى صَحَّ اسْتِحْسَانًا، وَالْقِيَاسُ أَنْ لَّا يَجُوْزَ لِأَنَّهٗ صَفْقَةٌ فِيْ صَفْقَةٍ، وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهٗ شَرْطٌ مُّلَائِمٌ لِأَنَّ الْكَفَالَةَ وَالرَّهْنَ لِلِاسْتِيْثَاقِ وَالِاسْتِيْثَاقُ مُلَائِمٌ لِلْوُجُوْبِ، وَإِنَّمَا قَالَ بِعَيْنِهِمَا لِأَنَّهٗ لَوْ لَمْ يَكُنِ الرَّهْنُ أَوِ الْكَفِيْلُ مُعَيَّنًا يَفْسُدُ الْبَيْعُ۔[1]

رہن کے مسائل ذکر ہو رہے ہیں۔ گزشتہ سبق میں ایک بڑی مشکل بحث گزری۔ مصنف نے آپ کو بتلایا کہ سونے اور چاندی کو بھی بطورِ رہن کے رکھوانا صحیح، اور اسی طرح تمام مکیلات اور موزونات کو بھی رہن رکھوانا صحیح ہے۔ کیونکہ رہن کے ذریعے مقصد ہوتا ہے وصولی اپنے دین کی، اور مکیلات و موزونات کو بھی بیچ کر اپنے دین کو وصول کیا جا سکتا ہے۔

لیکن اس میں پھر تفصیل انہوں نے بتلائی تھی کہ اگر یہ مکیلات و موزونات کو انہی کی جنس کے بدلے رکھا جائے اور پھر رہن ہلاک ہو جائے تو اس صورت میں جو ہے وہ رہن ہلاک ہوگا اپنے ہی مثل بدلے میں باعتبار قدر کے۔ یعنی اگر کیلی ہے تو اتنا ہی کیل دیکھ لیں گے اور اگر وزنی ہے تو اتنا ہی وزن دیکھ لیں گے، یعنی قیمت کا اعتبار نہیں ہے بلکہ مقدار کا اعتبار ہے باعتبار کیل کے یا باعتبار وزن کے۔ وَلَا عِبْرَةَ لِلْجَوْدَةِ، اور انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جودت یعنی عمدگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ جودت کہتے ہیں کسی چیز کی یعنی عمدگی کہ کتنی عمدہ ہے، یوں کہیں کوالٹی بھائی، جودت کس کو کہتے ہیں؟ کوالٹی کو۔ تو کہتے ہیں وَلَا عِبْرَةَ لِلْجَوْدَةِ، کوالٹی کا کوئی اعتبار نہیں ہے کہ ایک اعلیٰ تھا، دین والا اعلیٰ ہے اور رہن والا ادنیٰ ہے، تو کہتے ہیں

[1] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۳۰):** صوتی درس کی قراءت میں «وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهٗ شَرْطٌ مُّلَائِمٌ لِأَنَّ الْكَفَالَةَ وَالرَّهْنَ لِلِاسْتِيْثَاقِ وَالِاسْتِيْثَاقُ مُلَائِمٌ لِلْوُجُوْبِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وجه الاستحسان: أنه شرطٌ ملائم؛ لأنّ الكفالةَ والرهنَ للاستيثاق والإستيثاقُ ملائمٌ للوجوب،» منقول ہے۔

نہیں بھائی، کوالٹی کو نہیں دیکھیں گے بلکہ مقدار کو دیکھ لیں گے چاہے کوالٹی میں فرق ہی کیوں نہ ہو، دین اعلیٰ کوالٹی والا تھا، رہن ادنیٰ کوالٹی والا ہے، لیکن پھر بھی برابری کی جائے گی کس اعتبار سے؟ قدر کے اعتبار سے۔ اگر کیلی ہے تو کیل کے اعتبار سے اور وزنی ہے تو وزن کے اعتبار سے۔

اور پھر شرح میں انہوں نے آپ کو بتلایا کہ یہ مذہب ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا، جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ قیمت کو دیکھا جائے گا۔ قیمت کو دیکھا جائے گا۔ اور پھر اختلاف ظاہر ہوتا ہے صاحبین اور امام صاحب کا اس صورت میں جبکہ دین کم درجے کا ہو۔ جب دین کم ہو تو پھر کم قیمت والا ہو تو اس وقت اختلاف ظاہر ہوگا۔ تو امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب دین کی قیمت کم درجے کی ہو رہن کے مقابلے میں۔ اگر مثلاً دیکھو ایک شخص نے دوسرے کے پاس چاندی کا برتن رکھوایا، اس برتن کا وزن بھی دس درہم اور قیمت بھی دس درہم، اور اس کے بدلے دین لیا وہ بھی دس درہم ہے۔ تو یہاں پر دیکھو اس رہن کا وزن بھی دس درہم اور قیمت بھی دس درہم، تو اگر یہ رہن اس کے پاس ہلاک ہوگیا تو دین بھی کتنا تھا؟ دس درہم، اس کے بدلے یہ ہلاک ہوا، تو یہاں پر اختلاف ظاہر ہی نہیں ہوتا صاحبین کا اور امام صاحب کا۔ امام صاحب کے نزدیک بھی رہن ہلاک ہوا کتنے کے بدلے؟ دس درہم کے بدلے کیونکہ اس کا وزن بھی دس درہم تھا اور وہ بھی، دین بھی کتنا ہے؟ دس درہم۔ صاحبین بھی فرماتے ہیں کہ یہاں پر جو رہن ہلاک ہوا ہے وہ دین کے بدلے ہے کیونکہ رہن کی قیمت دس درہم ہے اور دین بھی کتنا ہے؟ دس درہم، تو دین ساقط ہوگیا۔

اور اگر رہن کی قیمت زیادہ ہو، قیمت زیادہ ہو، مثلاً ایک شخص نے دس درہم دین لیا ہے اور دس درہم وزن والا ایک برتن بطورِ رہن کے رکھوایا لیکن اس کی قیمت پندرہ درہم ہے، قیمت پندرہ درہم۔ تو اس صورت میں بھی دین کتنا؟ دس درہم، برتن کا وزن کتنا؟ دس درہم، قیمت کتنی؟ پندرہ۔ تو وزن تو دس درہم ہے اور دین بھی دس درہم ہے، امام صاحب فرماتے ہیں اگر یہ رہن اس کے پاس ہلاک ہوگیا تو اس کا اور دین کا وزن برابر ہے لہٰذا یہ دین کیا ہوجائے گا؟ ساقط ہوجائے گا۔ جبکہ قیمت تو اس کی پندرہ درہم ہے تو صاحبین بھی فرماتے ہیں کہ جو دین ہے وہ دس درہم ہے اور رہن کتنا ہے؟ پندرہ درہم، تو اس میں سے پانچ درہم تو امانت ہیں وہ تو ویسے ہی ضائع ہوگئے اور دس، دس کے بدلے ہوگئے تو دین کیا ہوگیا؟ ساقط۔ تو اس صورت میں بھی معلوم ہوا امام صاحب اور صاحبین دونوں کے نزدیک دین ساقط ہوجائے گا، اختلاف ظاہر نہیں ہوا، اختلاف ظاہر نہیں ہوا۔

ہاں اختلاف ظاہر اس وقت ہوگا جس وقت رہن کی قیمت کم درجے کی ہوگی۔ رہن کی قیمت کم درجے کی ہوگی۔ دیکھو نا ایک صورت ہم نے کر لی جب رہن کی قیمت برابر تھی۔ ایک صورت ہم نے وہ کر لی جس میں رہن کی قیمت زیادہ تھی، تو زائد کیا تھا؟ وہ امانت تھا۔ اب اختلاف اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے جب رہن کی قیمت کم ہو دین سے۔ مثلاً رہن جو

رکھوایا، دین ہے دس درہم اور رہن جو برتن رکھوایا اس کا وزن بھی دس درہم لیکن قیمت اس کی آٹھ درہم ہے۔ کتنی ہے قیمت؟ آٹھ درہم۔ تو امام صاحب کے نزدیک وزن کو دیکھا جائے گا، وزن رہن کا بھی دس درہم اور دین بھی دس درہم تو دونوں برابر ہوگئے۔ دین، رہن ہلاک ہوا تو دین کیا ہوجائے گا؟ ساقط ہوجائے گا گویا اس نے وصولی کرلی۔

جبکہ صاحبین تو فرماتے ہیں قیمت کو دیکھا جائے گا اور قیمت تو رہن کی کتنی ہے؟ آٹھ درہم، آٹھ درہم، اور دین کتنا ہے؟ دس درہم۔ امام صاحب نے کیا فرمایا؟ کہ اس نے وصولی کرلی، کیا کرلی؟ وصولی کرلی۔ کیونکہ دس درہم کا وزن برتن ہلاک ہوا ہے اور دین بھی کتنا ہے؟ دس درہم۔ صاحبین فرماتے ہیں نہیں، نہ یہاں وزن کے اعتبار سے بھی وصولی کے قائل ہم نہیں ہوسکتے اور نہ قیمت کے اعتبار سے وصولی کے قائل نہیں ہوسکتے۔ توجہ ہے؟ دین کتنا ہے؟ دس درہم، برتن کا وزن کتنا؟ دس درہم، لیکن قیمت کتنی ہے؟ آٹھ درہم، اور یہ ہلاک ہوگیا اس کے پاس۔ امام صاحب کے نزدیک تِلْکَ بِتِلْکَ، دونوں ایک دوسرے کے بدلے ہوگئے، دین کیا ہوجائے گا اس کے بدلے؟ ساقط ہوجائے گا گویا اس نے وصولی کرلی کیونکہ دونوں کا وزن دس دس درہم ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں، نہ یہاں وصولی وزن کے اعتبار سے ہم اس کے قائل ہوسکتے ہیں اور نہ قیمت کے اعتبار سے اس کے قائل ہوسکتے ہیں۔ وزن کے اعتبار سے وصولی کے قائل اس لیے نہیں ہوسکتے کیونکہ اس صورت میں مرتہن کا نقصان لازم آتا ہے۔ اس نے دین کتنا دیا ہے؟ دس درہم، اور جو برتن اس کے پاس رکھوایا گیا ٹھیک ہے اس کا وزن تو دس درہم ہے لیکن قیمت تو اس کی کتنی ہے؟ آٹھ درہم۔ تو اس صورت میں اگر ہم کہیں کہ مرتہن نے اپنا دین وصول کر لیا تو اس بیچارے کا تو نقصان ہوگیا۔ اس بیچارے کا نقصان ہوگیا۔ اور اب قیمت کے اعتبار سے بھی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ مرتہن نے اپنا دین وصول کر لیا ہے، کیونکہ قیمت تو رہن کی کتنی تھی؟ آٹھ درہم اور دین کتنا تھا؟ دس درہم۔ تو اگر یہ کہہ دیں کہ یہ آٹھ دس کے بدلے ہوگئے پھر تو ربا لازم آیا بھائی، حالانکہ دونوں میں برابری ضروری تھی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ پھر کیا کریں گے؟ صاحبین فرماتے ہیں کہ وہ جو رہن اس کے پاس ہلاک ہوا اس کی قیمت کتنی تھی؟ آٹھ درہم۔ اس آٹھ درہم کی کوئی خلاف الجنس چیز خرید لی جائے گی، مثلاً سونا خرید لیا آٹھ درہم کا اور پھر وہ سونا جو ہے مرتہن کے پاس بطورِ رہن کے ہوجائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو آٹھ درہم کا سونا جو ہے وہ خرید کر اس کے پاس بطورِ رہن کے یہ اپنے پاس رکھ لے گا۔ تو یا تو اس کے پاس بطورِ رہن کے رہے یا مالک بن جائے بات ایک ہی ہے بھائی، یا تو سونا دے گا وہ کتنے کا ہے؟ آٹھ درہم کا اور کتنا دین لے لے گا؟ دس درہم، تو دیکھا گویا دو درہم زائد وصول ہوگئے، یا اگر یہ مالک بن جاتا ہے تو بھی اس نے آٹھ درہم کیا کرلیے؟ وصول کرلیے اور کتنے رہ گئے؟ دو درہم رہ گئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر اس کے بعد عبارت پر ایک بڑا پیچیدہ اعتراض ذکر کیا تھا صاحبِ شرحِ وقایہ نے۔ اور انہوں نے کہا تھا کہ اوپر متن میں جو عبارت آئی: فَهُلِكَ بِمِثْلِهٖ قَدْرًا مِّنْ دَيْنِهٖ، یہ مِنْ جو ہے یہ مِنْ کون سا ہے؟ عبارت میں کیا بتلایا کہ اگر رہن ہلاک ہوجائے تو وہ ہلاک ہوگا بِمِثْلِهٖ، اپنے ہی مثل کے، اپنے برابر کے بدلے ہی، قَدْرًا باعتبار مقدار کے، باعتبار مقدار اپنے ہی برابر مقدار کے بدلے ہلاک ہوگا مِنْ دَيْنِهٖ کس میں سے؟ دین میں سے۔ تو یہ مِنْ کون سا ہے؟ یہ کہتے ہیں یا تو یہ مِنْ تبعیضیہ بنے گا اگر رہن زیادہ، اگر دین زیادہ ہو۔ توجہ ہے؟ پھر سمجھ لو اس عبارت کو۔ کیا فرمایا؟ کہ اگر رہن ہلاک ہوجائے تو رہن اپنے ہی برابر مقدار کے بدلے ہلاک ہوا؛ توجہ ہے؟ رہن بِمِثْلِهٖ قَدْرًا، اپنے ہی برابر مقدار کے بدلے۔ توجہ نہیں ہے؟ یہ زبان سے دہراؤ، رہن ہلاک ہوا اپنے ہی برابر مقدار کے بدلے، اپنے ہی برابر مقدار کے بدلے ہلاک ہوا ہے مِنْ دَيْنِهٖ کس میں سے؟ دین میں سے۔ اب یہ مِنْ کون سا ہے؟ کہتے ہیں یہ مِنْ تبعیضیہ بنے گا اگر دین کی مقدار زیادہ ہو۔ کیا ہو؟ دین کی مقدار زیادہ ہو۔ اس لیے کیونکہ مِنْ تبعیضیہ اس صورت میں آتا ہے جب کچھ باقی بھی بچ جائے۔ مثلاً وہ جو رہن ہلاک ہوا وہ تھا دس درہم کا اور دین کتنا تھا؟ پندرہ درہم تھا۔ تو دیکھو اس کے پاس دس درہم کا رہن ہلاک ہوگیا اور انہوں نے کیا ضابطہ بتایا کہ رہن ہلاک ہوگا اپنے ہی برابر مقدار کے بدلے کس میں سے؟ دین میں سے۔ تو اس کے دس ہلاک ہوا، اس کے برابر بھی کیا ہے؟ دس ہی ہے، تو یہ دس کے بدلے ہی ہلاک ہوا مِنَ الدَّيْنِ کس میں سے؟ دین میں سے، تو دین تو ہے پندرہ، تو پندرہ میں سے دس کٹ گئے کتنے رہ گئے؟ پانچ۔ معلوم ہوا یہ مِنْ اس صورت میں تبعیضیہ بنے گا جبکہ دین زیادہ ہو، کیونکہ مِنْ تبعیضیہ میں کچھ باقی بچنا چاہیے، مِنْ دَيْنِهٖ دین میں سے، جیسے میں نے مثال ذکر کی تھی کہ أَخَذْتُ مِنَ الدَّرَاهِمِ میں نے لے لیے کس میں سے؟ دراہم میں سے، معلوم ہوا سارے نہیں لیے کچھ باقی بھی بچ گئے ہیں۔ تو یہ مِنْ تبعیضیہ ہے جب کیا ہو؟ دین کی مقدار زیادہ ہو۔

اور اگر دین جو ہے وہ رہن کے برابر ہو تو پھر یہ مِنْ بیانیہ بنے گا جو بیان کے لیے آتا ہے۔ پھر وہی عبارت لگاؤ، دین بھی کتنا؟ دس درہم، رہن بھی کتنا؟ دس درہم۔ تو یہ رہن اس کے پاس ہلاک ہوگیا، تو فَهُلِكَ بِمِثْلِهٖ قَدْرًا، تو رہن ہلاک ہوا اپنے ہی برابر مقدار کے بدلے میں۔ اور اپنے ہی برابر مقدار دین میں سے کچھ باقی بچتا ہے؟ نہیں، تو معلوم ہوا اپنے ہی برابر مقدار وہ دین ہی تو ہے، وہ دین ہی تو ہے کوئی اور چیز تو نہیں۔ معلوم ہوا مِنْ دَيْنِهٖ میں مِنْ بیانیہ ہے، مِنْ کیا ہے؟ بیانیہ ہے۔ مِنْ بیانیہ ہے بِمِثْلِهٖ مقدار اپنے ہی برابر مقدار وہ کیا ہے؟ وہ دین ہی تو ہے، تو یہ مِنْ کے ذریعے اسی بِمِثْلِهٖ کو بیان کر دیا گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ کہ وہ ہلاک ہوا اپنے ہی برابر مقدار کے بدلے یعنی دین کے بدلے کیونکہ دین بھی ختم ہوگیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا جب دین برابر ہو رہن کے تو اس صورت میں مِنْ بیانیہ بنے گا، مِنْ بیان کے لیے آئے گا۔

اور اگر دین جو ہے وہ تھوڑا ہے رہن کے مقابلے میں، کم ہے اس کی مقدار، مثلاً رہن ہے پندرہ درہم کا اور دین ہے دس درہم کا، تو رہن اس کے پاس ہلاک ہوگیا۔ تو اس صورت میں یاد رکھو یہ جو مِنْ ہے نہ یہ تبعیضیہ آپ بنا سکتے ہیں نہ مِنْ

.بیانیہ بنا سکتے ہیں۔ کیونکہ مِنْ تبعیضیہ کے اندر کچھ دین بچنا چاہیے اور مِنْ بیانیہ میں دین کو رہن کے برابر ہونا چاہیے۔ اور یہاں پر تو دین تھوڑا ہے۔ تو عبارت کا اگر آپ ترجمہ کریں گے، تبعیضیہ تو بن نہیں سکتا، تبعیضیہ میں تو دین کچھ بچ جاتا ہے۔ اور یہ .بیان بھی نہیں بن سکتا کیونکہ اگر مِنْ کو بیان والا بنائیں تو عبارت کا ترجمہ یوں ہوجائے گا کہ رہن ہلاک ہوگیا بِمِثْلِہٖ قَدْرًا اپنے ہی برابر کے بدلے میں یعنی کہ دین کے بدلے میں، یعنی معلوم ہوا دین بھی پندرہ ہے، حالانکہ دین تو پندرہ نہیں ہے وہ تو کتنا ہے؟ دس ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا جب دین رہن کے مقابلے میں اقل ہو باعتبار مقدار کے تو اس صورت میں یہ عبارت میں جو مِنْ آیا اس کو نہ مِنْ تبعیضیہ بنا سکتے ہو اور نہ مِنْ بیانیہ بنا سکتے ہو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو معلوم ہوا یہ جو عبارت ہے اس عبارت میں تینوں صورتیں داخل نہیں ہوتیں۔ تینوں صورتیں داخل نہیں ہوتیں۔ تین صورتیں کون سی ہیں؟ دین رہن کے برابر ہوگا، یا زیادہ ہوگا، یا کم ہوگا۔ اگر زیادہ والا کی صورت بناؤ تو مِنْ کو تبعیضیہ ماننا پڑتا ہے، برابر والی صورت بناؤ تو مِنْ کو بیانیہ ماننا پڑتا ہے، اور اگر دین کم ہے تو نہ مِنْ تبعیضیہ ہے اور نہ مِنْ بیانیہ ہے۔ تو پھر معلوم ہوا عبارت میں خلل ہے، یہ ساری صورتوں کو شامل نہیں ہے، شامل نہیں ہے۔ مِنْ کے دونوں معنی ہم لے بھی نہیں سکتے تبعیض اور بیان والا کیونکہ عمومِ مشترک جائز نہیں، ایک ہی لفظ کے کئی معانی آتے ہوں اور آپ ایک ہی جگہ پر اس کے سارے معانی مراد لے لیں یہ نہیں ہوسکتا، ایک وقت میں ایک ہی معنی مراد ہوگا۔ اگر یہ مِنْ تبعیضیہ ہے تو بیانیہ نہیں اور اگر بیانیہ ہے تو تبعیضیہ نہیں۔ تو شارح نے پھر آپ کو جواب بھی دیا تھا کہ یہ مِنْ تبعیضیہ ہے، اور یہ صرف متن میں وہ صورت .بیان ہو رہی ہے جب دین زیادہ ہو، جب دین کیا ہو؟ زیادہ۔ اور باقی صورتیں کہتے ہیں وہ آپ خود ہی اس سے سمجھ جائیں گے، کیونکہ یہاں مصنف کا مقصد تینوں صورتیں بیان کرنا نہیں، مصنف صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر رہن ہلاک ہوجائے تو اس میں...

وزن کا اعتبار کرنا ہے، قیمت کا اعتبار نہیں کرنا۔ اگر وزن اس کا تھوڑا تھا تو دین میں سے اتنی ہی کٹوتی ہوجائے گی، اور باقی صورتوں کو اسی پر قیاس کر لو۔ باقی صورتوں کو، کہ اس سے اگر برابر ہوا وزن تو پھر وہ دین جو ہے رہن کے بدلے ساقط ہوجائے گا۔

تو متن میں انہوں نے صرف جو ہے وہ صورت ذکر کی جب دین زیادہ ہو۔ اگر دین برابر ہو یا رہن زیادہ ہو وہ صورت ذکر نہیں کی، کیونکہ اگر رہن برابر ہے دین کے تو پھر تو دونوں برابر سرابر ہوگیا معاملہ، اس کا رہن گیا تو اس سے دین کیا ہوگیا؟ ساقط ہوگیا۔ اور اگر رہن زیادہ ہے تو زائد رہن کیا ہوتا ہے؟ امانت ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو حاصلِ کلام یہ کہ متن میں جو مِنْ آیا وہ تبعیضیہ ہے اور وہاں صرف وہ صورت ذکر کی جب دین زیادہ تھا، اور باقی دو صورتوں کو آپ اسی سے سمجھ سکتے ہیں کیونکہ وہاں صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جب رہن ہلاک ہوجائے کس کے اندر؟ مکیلات اور موزونات میں، اور اسی کی جنس کے بدلے ہو یعنی دین بھی وہی ہے رہن بھی وہی ہے، تو وہاں پر پھر آپ مقدار کا اعتبار کرنا قیمت کا اعتبار نہ کرنا

بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آگے دیکھیے بھائی سبق:

وَمَنْ شَرٰى شَيْئًا عَلٰى أَنْ يَّرْهَنَ شَيْئًا أَوْ يُعْطِيَ كَفِيْلًا بِعَيْنِهِمَا مِنْ ثَمَنِهٖ وَأَبٰى صَحَّ اسْتِحْسَانًا، وَالْقِيَاسُ أَنْ لَّا يَجُوْزَ لِأَنَّهٗ صَفْقَةٌ فِيْ صَفْقَةٍ، وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهٗ شَرْطٌ مُّلَائِمٌ لِأَنَّ الْكَفَالَةَ وَالرَّهْنَ لِلِاسْتِيْثَاقِ وَالِاسْتِيْثَاقُ مُلَائِمٌ لِلْوُجُوْبِ، وَإِنَّمَا قَالَ بِعَيْنِهِمَا لِأَنَّهٗ لَوْ لَمْ يَكُنِ الرَّهْنُ أَوِ الْكَفِيْلُ مُعَيَّنًا يَفْسُدُ الْبَيْعُ۔

رہن کے مسائل چل رہے ہیں بھائی۔ صورتِ مسئلہ یہ جو آگے ذکر ہو رہی ہے کہ بائع اور مشتری کے درمیان بیع کا معاملہ ہوا اور بائع نے بیع کے اندر شرط لگا دی کہ میں تمہیں اس شرط پر یہ چیز فروخت کرتا ہوں کہ تم اپنی فلاں معین چیز یعنی فلاں گاڑی میرے پاس بطورِ رہن کے رکھواؤ، یا فلاں معین شخص مثلاً زید جو اس مجلس میں موجود ہے کہ یہ آدمی جو ہے آپ کی ضمانت دے دے، کیونکہ مشتری نے کہا تھا کہ میں آپ کو پیسے ایک مہینے بعد دوں گا، یعنی فوری ادائیگی نہیں کروں گا کچھ مدت کے بعد ادائیگی کروں گا۔

صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ مشتری نے کیا کہا؟ میں ایسی بیع چاہتا ہوں کہ میں فی الحال میرے پاس رقم نہیں ہے میں ایک ماہ بعد یا اتنی مدت کے بعد آپ کو پیسوں کی ادائیگی کروں گا۔ بائع نے کہا ٹھیک ہے اس نے بیع کی اس کے ساتھ، لیکن بیع کے اندر شرط لگا دی کہ چونکہ تم نے میرے ثمن دینے ہیں، ثمن تمہارے ذمے واجب ہوں گے اور تم نے ادائیگی کرنی ہے ایک مہینے کے بعد تو تم پر ایک ماہ تک میرا یہ دین رہے گا، تو لہٰذا یہ اس شرط پر یہ تمہیں چیز میں بیچتا ہوں کہ تم کوئی اپنی فلاں معین چیز میرے پاس بطورِ رہن کے رکھوا دو، اس دین کے بدلے وہ جو ثمن کا دین آئے گا آپ پر۔ یا یہ جو زید ہے معین آدمی اس کے بارے میں کہا کہ یہ آپ کے بارے میں ضمانت دے دے کہ آپ بعد میں میرے پیسے دے دیں گے۔ تو کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

تو آپ کو بتلائیں گے کہ بھائی قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ بیع فاسد ہونی چاہیے۔ فاسد ہونی چاہیے۔ اس لیے کیونکہ یہاں عقدِ بیع ہے اور بیع کے اندر وہ عقدِ رہن یا عقدِ کفالت کی شرط لگا رہا ہے۔ تو ایک عقد کے اندر دوسرا عقد آرہا ہے، تو صَفْقَةٌ فِيْ صَفْقَةٍ، صَفْقَہ کہتے ہیں عقد کو، عقد کے اندر عقد کی شرط لگا رہا ہے اور یہ درست نہیں ہے، ایک عقد میں دوسرے عقد سے روکا گیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور نیز اس لیے، ایک تو وجہ یہ ہوگئی اس کے جائز نہیں، قیاس یہ تقاضا کرتا ہے یہ جائز نہیں کیونکہ ایک عقد کے اندر دوسرے عقد کی شرط لگائی جا رہی ہے، تو ایک عقد کے اندر دوسرا عقد آجائے گا، یعنی عقدِ بیع کے اندر عقدِ رہن آجائے گا اس کے ضمن میں، یا عقدِ بیع کے ضمن میں عقدِ کفالت آجائے گا، کفالت ضمانت بھائی کوئی کسی کی ضمانت دے دے۔

اور نیز اس لیے کیونکہ یہ جو شرط لگا رہا ہے معین چیز کے رہن کی یا معین کفیل کی، یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور نیز اس میں بائع کا فائدہ ہے۔ یاد رکھیے بیع کے اندر اگر شرط لگائی جائے تو بعض صورتوں میں بیع بھی صحیح ہوتی ہے اور شرط بھی صحیح ہوتی ہے، اور بعض صورتوں کے اندر شرط لگائی جائے بیع کے اندر تو شرط بھی فاسد اور بیع بھی فاسد، اور بعض صورتوں کے اندر بیع کے اندر شرط لگائی جائے تو بیع تو صحیح ہوتی ہے لیکن شرط فاسد یعنی لغو ہوجاتی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ کتنی قسم کی شرطیں ہوگئیں؟ تین قسم کی۔ بعض اوقات بیع کے اندر کوئی شرط لگائی جائے تو وہ بیع بھی صحیح اور شرط بھی صحیح، اور بعض اوقات بیع کے اندر شرط لگائی جائے تو بیع بھی فاسد اور شرط بھی فاسد، اور بعض اوقات بیع کے اندر شرط لگائی جائے تو بیع تو صحیح اور شرط فاسد ہوتی ہے، یعنی وہ لغو ہوتی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور بیع منعقد ہوجاتی ہے۔

تفصیل یہ ہے کہ اگر بیع میں ایسی شرط لگائی جائے جو مقتضائے عقد کے مطابق ہو۔ عقدِ بیع کیا، ایسی شرط لگا دی کہ عقد بھی اس کا تقاضا کر رہا ہے، عقد بھی اس کا تقاضا کر رہا ہے، تو اس صورت میں بیع بھی صحیح اور شرط بھی صحیح، کیونکہ یہ مقتضائے عقد کے مطابق شرط ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی کو اپنی چیز بیچتا ہے اور شرط یہ لگاتا ہے کہ یہ چیز تمہیں میں اس شرط پر بیچوں گا کہ آپ اس کے مالک بن جاؤ گے۔ بھائی بیع میں ہوتا ہی یہ ہے کہ مشتری کیا ہوتا ہے؟ بیع کرتے ہی مبیع کا مالک بن جاتا ہے، یہ تو خود عقد یہی تقاضا کرتا ہے، تو یہ اس نے ایسی شرط لگائی جو مقتضائے عقد کے مطابق ہے یعنی اس میں کوئی بیع کے خلاف بات اس نے نہیں کی بھائی۔ تو شرط بھی صحیح اور بیع بھی صحیح ہوگئی، یعنی بیع کرتے ہی وہ مالک بن جائے گا۔

اور اسی طرح بعض اوقات شرط لگائی جاتی ہے دیکھنے میں تو وہ شرط ہوتی ہے لیکن غور کیا جائے تو دراصل وہ مبیع کا وصف بیان ہو رہا ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص دوسرے شخص سے کوئی غلام یا باندی خریدتا ہے اور اس شرط پر خریدتا ہے کہ اس کو کھانا بنانا آنا چاہیے۔ میں اس شرط پر یہ غلام یا باندی خریدتا ہوں کہ اس کو کھانا بنانا آنا چاہیے۔ دیکھو اب بظاہر تو وہ شرط لگا رہا ہے بیع کے اندر، لیکن غور کیا جائے تو یہ شرط نہیں ہے وہ دراصل مبیع کا وصف بیان کر رہا ہے کہ مجھے ایسا غلام یا ایسی باندی چاہیے جس کو کھانا بنانا آتا ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور یہ بات بالکل، یہ بھی کوئی عقد کے خلاف نہیں، آپ جب بھی کوئی چیز خریدتے ہیں اپنی ضرورت کے مطابق خریدتے ہیں بھائی۔ معلوم ہوا اس شخص کو بھی کھانا بنانے کے لیے غلام یا باندی کی ضرورت ہے۔ تو دیکھنے میں تو یہ شرط ہے لیکن حقیقت میں تو یہ کیا بیان ہو رہا ہے؟ مبیع کا وصف بیان ہو رہا ہے، لہٰذا یہ بیع بھی صحیح اور شرط بھی صحیح ہے بھائی۔ تو یہ پہلی صورت تھی جس میں شرط لگائی، ایک تو وہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف نہیں ہوگی، اور دوسرا یہ کہ بظاہر شرط ہوگی لیکن دیکھنے میں مبیع کا وصف ہوگا، تو اس صورت میں بیع بھی صحیح اور شرط بھی صحیح۔

جبکہ بعض صورتوں میں بیع بھی فاسد اور شرط بھی فاسد۔ یہ اس وقت ہوگا جب ایسی شرط لگائی جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو، عقد اس کا تقاضا نہیں کر رہا لیکن اس کے اندر شرط لگا دی، اور نیز اس کے اندر مشتری، بائع یا مبیع کا فائدہ ہو۔ کس کا فائدہ ہو؟ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے، عقد اس کا تقاضا نہیں کر رہا، اور اس میں بائع کا یا مشتری کا یا مبیع کا فائدہ ہو۔ بائع کا فائدہ ہو مثلاً بائع نے کسی کو اپنی گاڑی فروخت کی لیکن شرط یہ لگا دی کہ میں تمہیں ایک ہفتے بعد دوں گا، یا کسی نے کسی کو مکان فروخت کیا لیکن شرط لگا دی کہ میں دو مہینے بعد تمہارے حوالے کروں گا۔ تو دیکھو یہ ایسی شرط لگائی جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے۔ عقدِ بیع تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ بیع ہوتے ہی مشتری مالک بن گیا لہٰذا اب مبیع فوراً اس کے حوالے کرو۔ تو یہ شرط کیا ہوئی؟ مقتضائے عقد کے خلاف ہوئی، اور نیز اس میں بائع کا فائدہ ہے، معلوم ہوا وہ چیز بیچنے کے بعد بھی اس سے ایک ہفتہ یا دو مہینے تک نفع اٹھانا چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ میں ایک ہفتے بعد گاڑی آپ کے حوالے کروں گا، معلوم ہوا وہ ایک ہفتہ مزید اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، حالانکہ چیز کا مالک تو مشتری بن چکا ہے۔ یا گھر اس نے فروخت کیا ہے اور کہتا ہے میں دو ماہ بعد تمہارے حوالے کروں گا، معلوم ہوا کہ بائع جو ہے دو ماہ مزید اس گھر سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ تو یہ ایسی شرط لگائی جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور جس میں بائع کا نفع ہے، تو شرط بھی فاسد اور بیع بھی فاسد بھائی، یہ بیع فاسد ہوجائے گی۔ اور اس کو توڑنا ضروری ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بیع فاسد ہوجائے تو اس کو توڑنا ضروری ہوتا ہے، ورنہ گنہگار ہوں گے کرنے والے، اس کو توڑیں اور نئے سرے سے صحیح طریقے سے بیع کریں اس چیز کی۔

یا دوسری شرط مثلاً ایسی شرط لگائی جس میں مشتری کا فائدہ ہے۔ مشتری نے کسی سے گاڑی خریدی لیکن شرط لگا دی ساتھ کہ میں اس شرط پر گاڑی خریدتا ہوں کہ آپ مجھے ساتھ پانچ لاکھ روپے بطورِ قرض کے بھی دیں گے۔ اب دیکھو یہ ایسی شرط لگائی جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے۔ عقدِ بیع تو یہ تقاضا نہیں کرتا کہ بائع کیا کرے؟ پانچ لاکھ روپے مشتری کو قرضہ دے۔ اور نیز اس شرط میں مشتری کا دیکھو فائدہ ہے، بیع کے ساتھ ساتھ وہ پانچ لاکھ روپے قرضہ لے کر فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ ایسی شرط لگانا جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور اس میں بائع یا مشتری کا فائدہ ہو، تو اس صورت میں بیع بھی فاسد اور شرط بھی فاسد۔

تیسری صورت اسی کے اندر یہ ہے کہ ایسی شرط لگائی جس میں مبیع کا فائدہ ہو۔ ایسی شرط لگائی جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور جس میں مبیع کا فائدہ ہو۔ بھائی مبیع کا فائدہ کیسے ہوگا؟ یاد رکھیے یہ صرف اس صورت میں ہوگا جب مبیع غلام یا باندی ہو۔ مثلاً بائع نے کسی کو غلام یا باندی فروخت کی اور اس شرط پر کہ میں اس شرط پر یہ آپ کو فروخت کرتا ہوں کہ آپ اس کو مُدَبَّر بناؤ گے، اس کو مُدَبَّر بناؤ گے، یا باندی فروخت کی اس شرط پر کہ آپ اس کو اُمِّ وَلَد بناؤ گے۔ اور مُدَبَّر تو مالک کے مرنے کے بعد آزاد ہوتا ہے، اور اسی طرح اُمِّ وَلَد آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہوجاتی ہے۔ تو دیکھو اس شرط کے اندر مبیع کا فائدہ ہے کہ مالک کے مرنے کے بعد وہ کیا ہوجائے گا؟ آزاد ہوجائے گا۔ تو عقدِ بیع تو یہ تقاضا نہیں کرتا بھائی کہ اس میں یہ

شرط لگائی جائے، تو یہ ایسی شرط لگا دی جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور جس میں مبیع کا بھی فائدہ ہے، تو اس صورت میں بیع بھی فاسد اور شرط بھی فاسد ہوگئی۔ باقی چیزوں کے اندر اگر غلام یا باندی کے علاوہ کوئی اور چیز خریدی یا بیچی تو اس میں پھر مبیع کے فائدے والی صورت نہیں بنتی، وہاں صرف مشتری کا فائدہ ہوسکتا ہے کسی شرط میں یا بائع کا فائدہ ہوسکتا ہے۔ مشتری کا فائدہ ہو یا بائع کا فائدہ ہو تو پھر شرط بھی فاسد ہوگی اور بیع بھی فاسد۔

تیسری صورت یہ تھی کہ بیع کے اندر شرط لگائی، شرط تو فاسد لیکن بیع صحیح۔ یعنی ایسی شرط لگانا جس کا عقد تقاضا نہ کرے، مقتضائے عقد کے خلاف ہو، اور اس میں کسی کا فائدہ بھی نہ ہو۔ اس میں کسی کا فائدہ بھی نہ ہو۔ مثلاً کسی نے کسی کو گاڑی فروخت کی اور ساتھ بائع نے یہ شرط لگا دی کہ میں اس شرط پر یہ گاڑی فروخت کرتا ہوں کہ یہ گاڑی آپ خود ہی استعمال کریں گے، کسی اور کو استعمال کے لیے نہیں دیں گے کیونکہ یہ آپ ہی کے لائق ہے، یہ اتنی بہترین گاڑی ہے کہ یہ آپ ہی کے لائق ہے۔ اب دیکھو بائع نے ایسی شرط لگا دی جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے بھائی۔ مشتری کی مرضی ہے خود استعمال کرے یا کسی اور کو دے استعمال کے لیے، لیکن اس میں پابند کیا جا رہا ہے کہ مشتری خود استعمال کرے گا۔ تو یہ ایسی شرط لگائی جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور نیز اس میں کسی کا بھی فائدہ نہیں ہے۔ آپ کہیں گے مشتری کا فائدہ ہے وہ خود استعمال کرے گا؟ بھائی مشتری تو بیع کرتے ہی مبیع کا مالک بن گیا، اس کی مرضی ہے ساری زندگی خود ہی استعمال کرے۔ کوئی نیا فائدہ تو اس کو حاصل نہیں ہو رہا وہ تو مالک بن گیا اس کی تو مرضی ہے بھائی۔ تو ایسی شرط لگا دی جو مقتضائے عقد کے تو خلاف ہے اور اس میں کسی بائع یا مشتری کا فائدہ نہیں ہے، تو شرط کیا ہوجائے گی؟ لغو، اور بیع صحیح ہوجائے گی۔ شرط لغو ہوگئی یعنی اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے مشتری کی مرضی ہے خود استعمال کرے یا کسی اور کو دے۔ یا کسی نے کسی کو کھانے کی کوئی چیز فروخت کی اور شرط لگا دی کہ یہ کھانے کی چیز میں آپ کو اس شرط پر بیچتا ہوں کہ آپ ہی اس کو کھائیں گے کوئی اور نہیں کھائے گا، یہ آپ ہی کے لائق ہے۔ تو یہ ایسی شرط لگا دی جس کا عقدِ بیع تقاضا نہیں کرتی، تو ایسی شرط لگائی جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور اس میں کسی کا فائدہ بھی نہیں کیونکہ مشتری تو مالک بن جائے گا اس کی مرضی ہے خود کھائے یا کسی اور کو کھلائے، تو بیع تو صحیح ہوجائے گی لیکن شرط فاسد۔

تو حاصلِ کلام یہ ہوا کہ بیع کے اندر شرط لگائی جائے تو تین صورتیں بنتی ہیں۔ بعض اوقات بیع بھی صحیح شرط بھی صحیح، بعض اوقات بیع فاسد اور شرط بھی فاسد، اور بعض اوقات بیع صحیح ہوتی ہے اور شرط فاسد ہوتی ہے۔ پہلی صورت بیع بھی صحیح ہو اور شرط بھی صحیح ہو، کہ ایسی شرط لگانا جو مقتضائے عقد کے موافق ہو، مقتضائے...

عقد کے مطابق ہو، یا شرط ذکر کرنا اور دیکھنے میں تو وہ شرط ہو لیکن حقیقت میں وہ مبیع کا وصف بیان ہو رہا ہو۔ دوسری صورت کہ ایسی شرط لگائی کہ بیع بھی فاسد اور شرط بھی فاسد، وہ ایسی شرط ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور اس میں بائع یا مشتری یا مبیع ان میں سے کسی ایک کا فائدہ ہو۔ اور تیسری صورت کہ ایسی شرط لگانا کہ بیع تو صحیح ہو لیکن شرط فاسد ہو

یعنی لغو ہوجائے، وہ ایسی شرط لگانا جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور اس میں نہ بائع کا فائدہ ہو اور نہ مشتری وغیرہ کسی کا فائدہ نہ ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو اب آؤ کتاب کے مسئلے پر۔ یہاں پر بائع نے ایک چیز دوسرے کو بیچی ہے اور اس نے کہا ہے میں ایک مہینے بعد ثمن دوں گا۔ تو بائع نے بیع میں ہی شرط لگا دی کہ میں اس شرط پر یہ چیز آپ کو فروخت کرتا ہوں کہ آپ اپنی فلاں گاڑی، معین گاڑی جو ہے وہ میرے پاس بطورِ رہن کے رکھوا دیں گے جب تک آپ یہ ثمن والا دین ادا نہیں کرتے، یا آپ کے اس دین کی ضمانت اور کفالت جو ہے یہ جو زید ہے معین آدمی، یہ آپ کی ضمانت دے دے۔ یہ شرط لگا دی بیع کے اندر بھائی۔ تو اس صورت میں یاد رکھیے قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ شرط بھی فاسد اور بیع بھی فاسد ہونی چاہیے۔ اس لیے کیونکہ ایسی شرط لگائی ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے۔ آپ دن رات چیزیں خریدتے ہیں اور بیچتے ہیں، تو کیا آپ کی ان بیوعات میں بیع کے اندر رہن لازمی ہوتا ہے؟ کیا یہ بیع تقاضا کرتی ہے کہ اس کے ساتھ رہن بھی ہونا چاہیے؟ نہیں، بیع تقاضا نہیں کرتی رہن کی۔ یا کیا بیع تقاضا کرتی ہے کہ اس کے ساتھ کفالت یعنی ضمانت بھی کسی کی ہونی چاہیے؟ نہیں بھائی بیع اس بات کا تقاضا نہیں کرتی۔ تو لہٰذا یہ، تو یہ ایسی شرط لگا دی۔ رہن اور کفالت والی شرط ایسی ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے، عقدِ بیع رہن یا کفالت کا تقاضا نہیں کرتی۔ اور نیز اس میں بائع کا فائدہ ہے۔ بائع کا فائدہ ہے، کیونکہ رہن ہوگا تو پیسوں کی وصولی پکی ہوگئی، ضمانت ہوگی کفالت ہوگی تو پیسوں کی وصولی پکی ہوگئی، مضبوط ہوگئی۔ تو دیکھو ایسی شرط لگائی جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور جس میں بائع کا فائدہ ہے، اور ایسی شرط لگائی جائے تو شرط بھی فاسد اور بیع بھی فاسد۔ لیکن آپ کو بتلائیں گے کہ قیاس تو یہی تقاضا کرتا ہے، لیکن استحساناً یہ بیع صحیح ہے۔ قیاس تو یہی تقاضا کرتا ہے یہ بیع بھی فاسد اور شرط بھی فاسد، لیکن استحساناً یہ بیع صحیح ہے، جائز ہے۔

ایک تو یہ وجہ میں نے ذکر کر دی، قیاس کیوں تقاضا کرتا ہے یہ بیع فاسد ہے؟ کیونکہ ایسی شرط لگائی جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور اس میں بائع کا فائدہ ہے۔ اور دوسری وجہ یہ کہ یہاں صفقے میں صفقہ لازم آرہا ہے۔ ایک عقد کے اندر دوسرا عقد لازم آرہا ہے۔ ایک تو ہے عقدِ بیع، بیع بھی کس کا نام؟ عقد کا نام۔ رہن بھی کس کا نام؟ عقد کا نام۔ کفالت بھی کس کا نام؟ عقد کا نام۔ تو ایک عقدِ بیع ہے اور اس کے اندر دوسرے عقد یعنی رہن یا کفالت کی شرط لگا دی، تو عقد کے اندر عقد آگیا، حالانکہ عقد کے اندر عقد سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ وجہ تھی کہ قیاساً جائز نہیں، کیونکہ عقد کے اندر عقد لازم آتا ہے، یا ایسی شرط ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور اس میں بائع کا فائدہ۔ لیکن استحساناً یہ عقد صحیح ہے، یہ عقد صحیح ہے۔

کیوں صحیح ہے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ جو رہن اور کفالت ہیں یہ اطمینان اور مضبوطی کے لیے ہوتے ہیں۔ آپ کا کسی پر دین ہے تو آپ کا اطمینان کس صورت میں ہوگا؟ کہ وہ کوئی چیز آپ کے پاس رہن رکھوا دے۔ یا آپ کا کسی پر دین

ہے تو آپ کو اطمینان تبھی ہوگا جب وہ کسی کی ضمانت دے دے، کوئی معتمد قابلِ اعتماد آدمی ضمانت دے دے کہ یہ شخص آپ کے پیسے دے دے گا لے کر بھاگے گا نہیں۔ تو اب دیکھو آپ کا دین محفوظ ہوگیا، معلوم ہوا اب وصولی ضرور ہوجائے گی کیونکہ اس نے اپنا رہن کوئی چیز رکھوائی ہے یا کسی نے ضمانت دی ہے۔ توجہ ہے؟ بیان کر رہا ہوں میں استحسان کو کہ استحساناً یہ بیع جائز ہے۔ کہتے ہیں استحسان کی وجہ یہ ہے کیونکہ یہ جو رہن اور کفالت ہوتی ہے یہ اطمینان اور مضبوطی کے لیے ہوتی ہے، اور یہ مضبوطی اور اطمینان وجوب کے مناسب ہے۔ کس کے مناسب ہے؟ وجوب کے مناسب ہے۔ دیکھو جب عقدِ بیع ہوگا تو مشتری پر ثمن واجب ہوجائیں گے۔ توجہ ہے؟ مشتری پر ثمن واجب ہوگئے، تو دیکھو وجوب آرہا ہے، اور ثمن اس پر واجب ہوگئے، اور اس وجوب میں اطمینان کس طرح ہوگا؟ کہ وہ رہن رکھوائے، آپ کو اطمینان ہوجائے گا کہ اب پیسے ضرور مل جائیں گے، یا وہ کیا کردے؟ کسی کی ضمانت دلوادے، ضمانت کروادے۔ تو دیکھو یہاں وجوب آرہا ہے، اور وجوب کے مناسب ہے کفالت بھی اور رہن بھی۔

توجہ ہے؟ پھر سنو، استحسان کی وجہ کیا؟ کیونکہ یہ جو رہن اور کفالت ہیں یہ مضبوطی اور اطمینان کے لیے ہوتے ہیں۔ کس کے لیے؟ مضبوطی کے کہ آپ کا دین مضبوط ہوجائے، اب وہ لے کر اس کو بھاگ نہ سکے، وصولی پکی ہوجائے۔ اور نیز آپ کو اطمینان ہوجائے، بھائی ایک دین ہے بغیر رہن کے اور ایک دین ہے رہن کے ساتھ، اطمینان کس میں زیادہ ہوتا ہے؟ رہن والا۔ اور اسی طرح ایک دین ہے بغیر کفالت اور ضمانت کے، کسی نے ضمانت نہیں دی، اور ایک وہ دین ہے جس میں کسی نے ضمانت دی ہوئی ہے کفالت کی ہوئی ہے، تو کس میں اطمینان زیادہ ہوتا ہے دل کو؟ کفالت والا کہ اب پیسے ڈوبیں گے نہیں اب ضرور مل جائیں گے۔ تو معلوم ہوا یہ جو رہن اور کفالت ہیں یہ اطمینان کے لیے ہوتے ہیں اور جو چیز واجب ہوئی ہے اس کی مضبوطی کے لیے ہوتے ہیں کہ بعد میں وہ انکار نہیں کر سکے گا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو وہ جو وجوب آیا اس کے اوپر، وہ جو ثمن اس پر واجب ہوگئے ہیں وہ وجوب پکا ہوجائے گا، مضبوط ہوجائے گا۔ تو رہن اور کفالت جو ہیں یہ اطمینان اور مضبوطی کے لیے ہوتے ہیں اور اطمینان اور مضبوطی وجوب کے مناسب ہے۔ جہاں بھی کسی پر کسی کی کوئی چیز واجب ہو وہاں کیا ہونا چاہیے؟ اطمینان ہونا چاہیے اور وہ وجوب مضبوط ہونا چاہیے کل کو وہ انکار نہ کر سکے۔ تو حاصلِ کلام کیا؟ کہ استحساناً یہ بیع جائز۔ کیوں؟ کیونکہ کفالت اور رہن کس لیے ہیں؟ اطمینان کے لیے، بھروسے کے لیے، یوں کہو بھروسے کے لیے ہیں اور مضبوطی کے لیے ہیں تاکہ وہ دین کیا ہوجائے؟ مضبوط ہوجائے کل وہ انکار نہ کر سکے۔ تو رہن اور کفالت مضبوطی کے لیے ہوتے ہیں اور مضبوطی وجوب کے مناسب ہے، آپ کی جب کوئی چیز کسی پر واجب ہو تو کیسی ہونی چاہیے؟ اس میں آپ کو اطمینان اور بھروسہ ہونا چاہیے اور مضبوط ہونا چاہیے وجوب، وہ کل کو انکار نہ کر سکے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر اس میں یہ بھی یاد رکھیں کہ یہ عقد تو صحیح ہوگیا، یہ شرط بھی صحیح ہوگئی، تو کیا اب مشتری پر لازم ہے کہ وہ وہی معین

چیز اب بطورِ رہن کے بائع کے حوالے کرے یا اسی معین شخص کی ضمانت کروائے؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، مشتری پر ضروری نہیں، مشتری انکار بھی کر سکتا ہے۔ مشتری انکار بھی کر سکتا ہے، عقدِ بیع کر لے لیکن عقدِ بیع کرنے کے بعد پھر وہ انکار کر دیتا ہے کہ نہیں بھائی یہ میں اپنی فلاں گاڑی آپ کے پاس بطورِ رہن کے نہیں رکھواؤں گا یا میں زید کی کفالت پر راضی نہیں، میں اس کی کفالت نہیں کرواؤں گا۔ تو کہتے ہیں بھائی مشتری انکار بھی کر سکتا ہے۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بھائی بائع کو تو اطمینان ہی نہیں ہے اس رہن یا کفالت کے بغیر، اس کو تو خوف ہے کہ کہیں میرے پیسے ڈوب نہ جائیں، یہ لے کر بھاگ نہ جائے بھائی اس سے کون وصول کرے گا، یہ بعد میں انکار نہ کر دے تو میں کیا کروں گا؟ تو بائع نے تو شرط لگائی تھی رہن اور کفالت کی اور آپ کہہ رہے ہیں کہ مشتری کیا کر سکتا ہے؟ اس سے انکار بھی کر سکتا ہے۔ کہتے ہیں ہاں بھائی بائع نے یہ شرط لگائی تھی اور مشتری اس کا انکار کر رہا ہے، تو اس صورت میں بائع کو بھی اختیار ہوگا، وہ چاہے تو اسی طرح بغیر رہن کے اور بغیر کفالت کے ہی راضی ہو جائے، بیع کو اسی طرح برقرار رکھے، اور چاہے تو بیع کو فسخ کر دے کیونکہ مشتری انکار کر رہا ہے۔ ہاں، ایک صورت میں، ایک صورت میں بائع بیع کو فسخ نہیں کر سکتا، اور وہ یہ کہ مشتری اسی مجلس میں سارے ثمن ادا کر دے۔ اگر ثمن ادا کر دیے اب تو رہن اور کفالت کی ضرورت ہی نہ رہی بھائی، لہٰذا اس صورت میں بھی بائع اب بیع کو فسخ نہیں کر سکتا۔ یا وہ جو بائع نے کہا تھا مجھے اپنی فلاں گاڑی میرے پاس بطورِ رہن کے رکھوانا، مشتری نے انکار کر دیا کہ میں وہ گاڑی آپ کے پاس رہن نہیں رکھواؤں گا، ہاں اس گاڑی کی قیمت دس لاکھ ہے، یہ لو دس لاکھ بطورِ رہن کے اپنے پاس رکھ لو۔ ثمن نہیں دے رہا بلکہ اس گاڑی کی قیمت بطورِ رہن کے حوالے کر رہا ہے، تو کہتے ہیں پھر بھی اب بائع بیع کو فسخ نہیں کر سکتا، کیونکہ ایک گاڑی کی صورت ہے ایک اس کی مالیت ہے، اور رہن میں مقصود جو ہے وہ کیا ہوتی ہے؟ اس کی مالیت مقصود ہوتی ہے، صورت مقصود نہیں ہوتی۔ تو جب اس نے اسی گاڑی جتنا مال بطورِ رہن کے رکھوا دیا تو گویا وہی گاڑی ہی رکھوا دی، اب بائع کو فسخِ بیع کا اختیار نہیں ہے۔

دیکھیے بھائی کتاب پر۔ کہتے ہیں: وَمَنْ شَرٰی شَیْئًا عَلٰی أَنْ یَّرْہَنَ شَیْئًا أَوْ یُعْطِیَ کَفِیْلًا بِعَیْنِہِمَا مِنْ ثَمَنِہٖ۔ شَرٰی کا یہاں معنی کریں بیچنے کے، بیچنے کے، کیونکہ آپ جانتے ہیں بَیْعٌ وَشِرَاءٌ، بَیْعٌ کا معنی بیچنے کے بھی آتے ہیں اور خریدنے کے بھی لیکن یہ بَیْعٌ زیادہ تر بیچنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور شِرَاءٌ کے معنی بیچنے کے بھی اور خریدنے کے بھی لیکن یہ زیادہ تر خریدنے میں استعمال ہوتا ہے، تو یہاں پر بیع کے معنی میں کریں گے پھر ہی ترجمہ صحیح ہوگا۔ کہتے ہیں وَمَنْ شَرٰی شَیْئًا اور جس نے کسی کو کوئی چیز بیچی، عَلٰی أَنْ یَّرْہَنَ، دیکھا عَلٰی آیا، شرط کے لیے آتا ہے عَلٰی، اس شرط پر کہ أَنْ یَّرْہَنَ شَیْئًا أَوْ یُعْطِیَ کَفِیْلًا بِعَیْنِہِمَا، اس شرط پر کہ وہ مشتری رہن رکھوائے گا کوئی معین چیز، أَوْ یُعْطِیَ کَفِیْلًا بِعَیْنِہِمَا یا کوئی معین کفیل، کہ مشتری کوئی معین چیز بطورِ رہن رکھوائے گا یا کوئی معین کفیل جو ہے دے گا۔ یہ دیکھو یہ جو بِعَیْنِہِمَا، اس کا تعلق کَفِیْلًا اور شَیْئًا دونوں سے ہے، اور اصل میں عبارت کھول کر بیان کی جائے تو یوں ہوگا: عَلٰی أَنْ یَّرْہَنَ شَیْئًا بِعَیْنِہٖ، اس شرط پر کہ وہ رہن رکھوائے گا

شَيْئًا بِعَيْنِهٖ کوئی معین چیز، أَوْ يُعْطِيَ كَفِيْلًا بِعَيْنِهٖ، یا عطا کرے گا ایسا کفیل بِعَيْنِهٖ جو معین ہے۔ پھر تو ان دونوں کو اکٹھا کر دیا اور ہُمَا کی ضمیر جو یہ كَفِيْلًا اور شَيْئًا کو راجع ہے۔ تو کہتے ہیں: وَمَنْ شَرٰى شَيْئًا عَلٰى أَنْ يَّرْهَنَ شَيْئًا أَوْ يُعْطِيَ كَفِيْلًا بِعَيْنِهِمَا مِنْ ثَمَنِهٖ، اور جس نے کوئی چیز بیچی اس شرط پر کہ مشتری کوئی معین چیز یا کوئی معین کفیل دے گا مِنْ ثَمَنِهٖ اس بیع کے ثمن کی وجہ سے، وَأَبٰى اور مشتری نے انکار کر دیا وہ معین کفیل دینے سے یا وہ معین چیز رہن رکھوانے سے، صَحَّ تو بھی یہ عقد صحیح ہے اسْتِحْسَانًا بھائی، استحساناً صحیح ہے قیاساً صحیح نہیں۔

کہتے ہیں وَالْقِيَاسُ أَنْ لَّا يَجُوْزَ اور قیاس تو یہ ہے کہ یہ عقد جائز نہیں، لِأَنَّهٗ صَفْقَةٌ فِيْ صَفْقَةٍ کیونکہ یہ ایک عقد میں دوسرا عقد ہے، ایک عقد میں دوسرا عقد ہے اور اس سے تو منع کیا گیا ہے، یہ جائز نہیں ہے۔ یاد رکھیے اس بارے میں حدیث آتی ہے، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ صَفْقَتَيْنِ فِيْ صَفْقَةٍ کہ حضور علیہ السلام نے ایک عقد میں دو عقدوں سے منع فرمایا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ صَفْقَةٌ فِيْ صَفْقَةٍ کیا ہے؟ ایک عقد میں دوسرا عقد مَنْهِيٌّ عَنْهُ ہے، اس سے منع کیا گیا ہے، منع کیا گیا ہے تو یہ درست نہیں۔ تو حدیث کے اندر بھائی حضور علیہ السلام نے ایک عقد کے اندر دو عقد کرنے سے منع فرمایا ہے، تو صَفْقَةٌ فِيْ صَفْقَةٍ معلوم ہوا درست نہیں ہے، جائز نہیں ہے۔

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ، استحسان کی وجہ یہ ہے کہ أَنَّهٗ شَرْطٌ مُّلَائِمٌ، ملائم کا معنی مناسب، استحسان کی وجہ یہ ہے کہ یہ مناسب شرط ہے، لِأَنَّ الْكَفَالَةَ وَالرَّهْنَ لِلِاسْتِيْثَاقِ، یہاں ایک لفظ رہ گیا ہے بھائی کتابت کی غلطی ہے، لِأَنَّ الْكَفَالَةَ وَالرَّهْنَ لِلِاسْتِيْثَاقِ، اس لیے کیونکہ کفالت اور رہن جو ہوتے ہیں وہ مضبوطی کے لیے ہوتے ہیں، وہ اطمینان اور بھروسے کے لیے ہوتے ہیں، اِسْتِيْثَاق کا معنی چاہے مضبوطی کے کر لیں چاہے اطمینان اور بھروسے کے۔ اس لیے کیونکہ کفالت اور رہن جو ہوتے ہیں لِلِاسْتِيْثَاقِ وہ اطمینان اور بھروسے کے لیے ہوتے ہیں، وَالِاسْتِيْثَاقُ مُلَائِمٌ لِلْوُجُوْبِ اور یہ مضبوطی اور بھروسہ جو ہے مُلَائِمٌ لِلْوُجُوْبِ یہ مناسب ہے وجوب کے۔ جب کسی پر کوئی چیز واجب ہو تو وہ مضبوط طریقے سے ہونی چاہیے، بعد میں وصول بھی ہو سکے، یا کسی پر کوئی چیز واجب ہو تو وہاں اطمینان اور بھروسہ ہونا چاہیے کہ یہ بعد میں وصول ہو جائے گی۔

وَإِنَّمَا قَالَ بِعَيْنِهِمَا، کہتے ہیں ماتن نے متن میں معین کفیل اور معین چیز کو ذکر کیا کہ بائع نے کسی معین چیز کے رہن رکھوانے کی شرط لگائی یا معین کفیل کی شرط لگائی...

کیونکہ اگر معین چیز یا معین کفیل کی شرط نہ لگائی، تو ویسے ہی کہا کوئی چیز میرے پاس رہن رکھواؤ گے یا مجھے کسی کی ضمانت دلواؤ گے، تو یاد رکھیے اس صورت میں پھر بیع فاسد ہو جائے گی۔ اس لیے کیونکہ رہن مجہول ہو گیا، کفیل مجہول ہو گیا۔ تو جب رہن مجہول ہوا، تو رہن میں جہالت آ گئی، تو بعد میں جھگڑا ہو گا۔ جھگڑا ہو گا۔ بائع چاہے گا میرے پاس کوئی قیمتی چیز رہن رکھوائے، اور مشتری کی کوشش ہو گی کوئی میں تھوڑی سی چیز رہن کے طور پر رکھوا دوں، تو دونوں میں جھگڑا ہو گا بعد

میں۔ یا کفیل کی بات آئی تو بائع چاہے گا کہ کسی مالدار آدمی کو ضمانت دلوائے تاکہ بعد میں پیسوں کی وصولی یقینی ہوجائے، اور مشتری چاہے گا کسی عام سے آدمی کی ضمانت دلوا دے، تو دونوں میں جھگڑا ہوگا ناراضگی ہوگی۔ تو اس، لہٰذا اگر کفیل معین نہ ہوا یا رہن معین نہ ہوا بلکہ ویسے ہی رہن کی یا کفیل کی شرط لگا دی تو بیع فاسد ہوجائے گی۔

کہتے ہیں: وَإِنَّمَا قَالَ بِعَيْنِهِمَا، ماتن نے بِعَيْنِهِمَا کہا، لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يَكُنِ الرَّهْنُ أَوِ الْكَفِيْلُ مُعَيَّنًا اس لیے کیونکہ اگر رہن یا کفیل معین نہ ہوئے، يَفْسُدُ الْبَيْعُ تو بیع فاسد ہوجائے گی، جہالت کی وجہ سے، جھگڑا آئے گا۔

وَلَا يُجْبَرُ عَلَى الْوَفَاءِ، اور مجبور نہیں کیا جائے گا مشتری کو عَلَى الْوَفَاءِ پورا کرنے پر، وَفَاء کا معنی پورا کرنا یا ادائیگی کرنا، مشتری کو اس کی ادائیگی یا پورا کرنے پر، اس شرط کے پورا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ هٰذَا عِنْدَنَا، یہ ہمارے نزدیک ہے۔ بھائی کیوں نہیں مجبور کریں گے، شرط لگائی ہے؟ کہتے ہیں: لِأَنَّهُ لَا جَبْرَ عَلَى التَّبَرُّعَاتِ، اس لیے کیونکہ جبر نہیں ہوتا تبرعات پر، تبرعات میں جبر نہیں۔ تبرع کہتے ہیں، تبرع کہتے ہیں یوں کہو احسان کے طور پر، ایک چیز آدمی اپنی طرف سے دے جو اس پر واجب نہ ہو اس کو تبرع کہتے ہیں۔ تبرع کسے کہتے ہیں؟ ایک چیز جو آدمی اپنی طرف سے دے، اس پر واجب نہ ہو، لازم نہ ہو، اس کو تبرع کہتے ہیں، ثواب کے طور پر یا ویسے کوئی چیز دے اپنی طرف سے، تو یہ جیسے نفل ہے، نفل بھی کیا ہے؟ تبرع ہے، انسان پر لازم نہیں۔ تو تبرع کہتے ہیں وہ کام جو اپنی طرف سے انسان کرے اس پر لازم نہ ہو، لازم نہ ہو۔ تو یہاں پر بھی یہ جو رہن اور کفیل دے رہا ہے یہ تبرعاً ہیں بھائی، کسی دین میں کسی پر لازم نہیں ہوتا کہ وہ ضمانت دے۔ اس کی مرضی ہے ضمانت کسی کی دے یا ضمانت نہ دے بھائی، اگر ضمانت نہیں دیتا دوسرا انکار کر دے۔ جو دین دینے والا ہے وہ کیا کر دے؟ انکار کر دے بھائی، لیکن اس پر کفیل دینا ضامن دینا واجب نہیں ہے لازم نہیں ہے بھائی۔ تو اگر وہ کفیل دینے پر تیار نہیں تو جو دین دینے والا ہے وہ دین دینے سے انکار کر دے بھائی۔

اور اسی طرح رہن رکھوانا، رہن کے بارے میں بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ عقدِ رہن میں ایجاب و قبول ہو بھی جائے تو بھی عقدِ رہن تام نہیں ہوتا جب تک وہ رہن سپرد نہ کرے مرتہن کے۔ تو دیکھو رہن بھی کوئی لازم نہیں ہے، آپ کسی سے دین لیتے ہیں اور وہ آپ کو کہتا ہے کہ میرے پاس رہن رکھواؤ، تو یہ رہن دینا آپ پر لازم نہیں ہے۔ آپ اگر رہن دینے پر تیار نہیں تو مرضی ہے آپ کی، ہاں پھر اس کی مرضی ہے وہ دین نہ دے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ تبرعات میں سے ہے جو اپنی طرف سے انسان کرتا ہے اس پر لازم نہیں ہے۔ اور جب عقدِ تبرع ہے، جب عقدِ تبرع ہے، تو تبرعات میں کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ یہ آپ کا ایک ساتھی بیع کرنے لگا، اور بائع نے کہا کہ اس کی ضمانت دلواؤ، آپ کی ضمانت مانگی کہ یہ ضمانت دے دے تو پھر میں بیع کے لیے تیار ہوں۔ تو مجھے بتائیے کیا یہ ضمانت دینا آپ پر لازم ہے یا آپ کی مرضی ہے آپ ضمانت دیں یا نہ دیں؟ آپ کی مرضی ہے آپ کسی کی ضمانت دیں یا ضمانت نہ دیں۔ تو یہ تبرعات میں سے ہے، اسی طرح یہ

رہن یہ بھی کس میں سے ہے؟ تبرعات میں سے ہے۔ کسی نے کسی سے دین مانگا اور اس نے کہا میرے پاس کوئی چیز رہن رکھواؤ، اس نے انکار کر دیا میں کوئی چیز رہن نہیں رکھواؤں گا۔ تو وہ اس کی مرضی ہے نہ رکھوائے، اور دین دینے والے کو پھر اختیار ہے وہ بھی کہے پھر میں ویسے دین نہیں دیتا۔ تو بہر حال مقصد یہ ہے بتلانے کا کہ رہن اور کفالت کس میں سے ہیں؟ تبرعات میں سے ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی کو تحفہ دینا، تحفہ دینا۔ آپ کسی کو تحفہ دیتے ہیں وہ اپنی طرف سے ویسے ہی دیتے ہیں یا آپ پر لازم ہوتا ہے؟ ویسے ہی دیتے ہیں اپنی طرف سے دیتے ہیں، اور تبرعات میں کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا آپ کو بھی کوئی مجبور نہیں کر سکتا کہ آپ کو زبردستی یہ تحفہ دینا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: ہٰذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے کہ مشتری کو اس کو پورا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، لِأَنَّهٗ لَا جَبْرَ عَلَى التَّبَرُّعَاتِ کیونکہ تبرعات پر جبر نہیں ہوتا ان میں مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

وَعِنْدَ زُفَرَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُجْبَرُ، امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشتری کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ رہن دے یا کفیل دے، لِأَنَّ الرَّهْنَ إِذَا شُرِطَ فِي الْبَيْعِ صَارَ حَقًّا مِّنْ حُقُوْقِهٖ، اس لیے کیونکہ رہن جب اس کی شرط لگا دی گئی بیع کے اندر، تو صَارَ حَقًّا مِّنْ حُقُوْقِهٖ تو وہ بیع کے حقوق میں سے ایک حق بن گیا۔ بیع کے حقوق میں سے اس کا حق بن گیا تو اس کو پورا کرنا ضروری ہے، كَالْوَكَالَةِ الْمَشْرُوْطَةِ فِي الرَّهْنِ جیسے وہ وکالت جس کی شرط لگائی جائے رہن کے اندر یعنی عقدِ رہن میں۔

امام زفر فرماتے ہیں کہ یہاں مشتری کو مجبور کیا جائے گا کیونکہ عقدِ بیع کے اندر رہن کی شرط لگا دی گئی، اور جب بیع کے عقد کے اندر شرط لگا دی گئی تو اب یہ رہن بیع کے حقوق بن گئے۔ بیع کے حقوق، اور وہ اس کو قیاس کرتے ہیں وکالتِ مشروطہ فی الرہن پر۔ وکالتِ مشروطہ فی الرہن یہ ہے کہ آپ نے کسی سے دین لیا، اور اس نے کہا میرے پاس کوئی چیز بطورِ رہن کے رکھواؤ، جس کا دین تھا اس نے کہا۔ آپ نے اپنا غلام اس کے پاس بطورِ رہن کے رکھوا دیا اور اسی عقد کے اندر ہی آپ نے زید کو وکیل بنا دیا۔ مثلاً دیکھو بھائی آپ نے دین لیا ہے آپ نے اگلے مہینے کی یکم کو دین دینا ہے، دین دینا ہے، تو آپ اپنا غلام بطورِ رہن کے رکھوا رہے ہیں۔ مرتہن کا پھر بھی اطمینان نہیں ہوتا کہ پتا نہیں میرے پیسے پھر بھی وصول ہوتے ہیں یا نہیں ہوتے، وہ آپ سے کہتا ہے کہ کسی کو وکیل بناؤ کہ اگر ایک تاریخ تک آپ نے میرے پیسے نہ ادا کیے تو وہ اس غلام کو بیچے گا اور اس کے ثمن کے ذریعے میرے دین کو ادا کرے گا۔ تو چنانچہ اس عقدِ رہن کے اندر ہی، عقد کرتے ہوئے ہی جب وہ غلام آپ حوالے کر رہے ہیں، عقد کر رہے ہیں تو اس عقد ہی میں آپ نے ایک تیسرے شخص کو وکیل بنا دیا کہ دیکھو بھائی یہ غلام اپنا میں اس کے پاس بطورِ رہن کے رکھوا رہا ہوں اور میں نے یکم مثلاً یکم مارچ تک میں نے دس لاکھ روپے اس کا دین ادا نہ کیا تو آپ وکیل ہیں آپ میرے اس غلام کو بیچنا اور اس کے دس لاکھ روپے ادا کر دینا۔ تو دیکھو عقدِ رہن کے اندر وکیل کی شرط لگا دی، وکیل بنا دیا، کس میں؟ عقدِ رہن میں۔ ایک ہے رہن کے بعد وکیل بنانا

اس کی بات نہیں ہو رہی، عقدِ رہن کے اندر ہی وکیل کی شرط لگا دی گئی اور وکیل بنا دیا گیا۔

تو امام زفر فرماتے ہیں کہ دیکھو عقدِ رہن کے اندر اگر وکالت کی شرط لگا دی جائے تو آپ بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ اس وکیل کو اب کوئی معزول نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ راہن جس نے اس کو وکیل بنایا تھا اب وہ بھی اس کو معزول نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ رہن کے عقد کے حقوق میں داخل ہو گئی ہے وکالت بھائی۔ آپ بھی مانتے ہیں کہ وکالتِ مشروطہ فی الرہن جو ہے وہ عقدِ رہن کے حقوق میں داخل ہے اور اس کو اب راہن بھی معزول نہیں کر سکتا اس شرط کو ختم نہیں کر سکتا، تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے، یہاں پر بھی جب عقدِ بیع کے اندر عقدِ رہن کی شرط لگا دی گئی تو یہ عقدِ رہن جو ہے اس عقدِ بیع کے حقوق میں سے بن گیا، لہٰذا اس کو کوئی ختم نہیں کر سکتا اور اس کو اگر وہ نہیں مانتا مشتری تو اس کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس شرط کو پورا کرے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: لِأَنَّ الرَّہْنَ إِذَا شُرِطَ فِی الْبَیْعِ صَارَ حَقًّا مِّنْ حُقُوْقِہٖ اس لیے کیونکہ رہن جو ہے جب اس کی شرط لگا دی جائے بیع کے اندر تو وہ بیع کے حقوق میں سے بن جاتا ہے، صَارَ حَقًّا مِّنْ حُقُوْقِہٖ تو وہ ایک حق بن جاتا ہے بیع کے حقوق میں سے، کَالْوَکَالَۃِ الْمَشْرُوْطَۃِ فِی الرَّہْنِ جیسے وہ وکالت جس کی شرط لگائی جائے عقدِ رہن میں۔ ہم نے کیا کہا تھا؟ کہ کیونکہ یہ رہن اور کفالت کیا ہیں؟ تبرعات میں سے ہیں اور تبرعات میں کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا، یہ وہ شخص اپنی طرف سے کرتا ہے اور اپنی طرف سے جو کام کیا جائے وہ کسی پر لازم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور امام زفر کی دلیل کیا آئی؟ وہ کیا فرماتے ہیں؟ مجبور کریں گے کیونکہ عقدِ بیع کے اندر یہ شرطیں لگائی گئیں تو یہ عقدِ بیع کے حقوق میں سے بن گئی یہ رہن، لہٰذا اس کو مجبور کیا جائے گا۔ اور امام زفر اس کو قیاس کر رہے ہیں کس پر؟ وکالتِ مشروطہ فی الرہن پر۔ یاد رکھنا ایک بات یاد رکھنا، یہ ہمارے ائمہ کا آپس میں اختلاف ہوتا ہے، جیسے یہاں پر ہمارے باقی ائمہ ایک طرف اور امام زفر ایک طرف ہیں، اور امام زفر جو ہیں دلیل کے طور پر کس کو ذکر کر رہے ہیں؟ کَالْوَکَالَۃِ الْمَشْرُوْطَۃِ فِی الرَّہْنِ، اس کو ذکر کر رہے ہیں۔ دونوں کا آپس میں دلیلوں کا ٹکراؤ آ رہا ہے، ایک دلیل ہے ہمارے ائمہ کی باقی ائمہ کی اور ایک دلیل ہے امام زفر کی، اور امام زفر دلیل کے طور پر کس کو ذکر کر رہے ہیں؟ وکالتِ مشروطہ فی الرہن کو۔ یاد رکھو جب فریقِ مخالف کسی اور چیز پر ایک کو قیاس کرے اور اس کو بطورِ دلیل کے ذکر کرے، تو وہاں دراصل مقصد یہ بتلانا ہوتا ہے کہ دیکھو یہ مسئلہ تو تم بھی مانتے ہو۔ تو امام زفر بھی یہاں یہی فرما رہے ہیں کہ دیکھو وکالتِ مشروطہ فی الرہن، وکالتِ مشروطہ فی الرہن، اس کو تو آپ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس وکالت کو کوئی ختم نہیں کر سکتا کیونکہ وہ رہن کے حقوق میں سے بن گئی، تو یہاں، تو یہ معاملہ بھی اسی کی طرح ہے، یہاں پر بھی یہ رہن اس بیع کے حقوق میں سے بن گئی، تو یہ بھی اسی جیسی صورت ہے اور اس صورت پر تو آپ اتفاق کرتے ہیں آپ مانتے ہیں کہ وہاں ایسا ہے تو یہاں بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔ لیکن ہم وہی جواب دیتے ہیں کہ بھائی یہ رہن اور کفالت تبرعات

میں سے ہیں اور تبرعات میں کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح دوسری جگہ ہوگا مثلاً امام محمد اور امام ابویوسف رحمہ اللہ کا آپس میں اختلاف آئے گا، مثلاً تو امام ابویوسف رحمہ اللہ جواب میں کسی اور مسئلے پر قیاس کریں گے کہ دیکھو وہاں پر ایسا ہے تو یہاں بھی ایسا۔ تو وہ جو دوسرا مسئلہ جس کو ذکر کیا جاتا ہے نا وہ اتفاقی ہوتا ہے، یعنی فریقِ مخالف بھی اس کو مان رہا ہوتا ہے اسی لیے اس کو ذکر کرتے ہیں کہ دیکھو وہاں تو آپ یہ بات مانتے ہیں تو یہاں بھی آپ کو یہ بات ماننا پڑے گی۔ تو امام زفر بھی یہی فرما رہے ہیں کہ وکالتِ مشروطہ فی الرہن اس میں تو آپ بھی مانتے ہیں کہ مسئلہ اسی طرح ہے، تو لہٰذا یہاں بھی ایسا ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ جگہ جگہ اسی طرح دلائل چل رہے ہوتے ہیں اور ایک فریق جو ہے ساتھ ہی قیاس کو بھی ذکر کر دیتا ہے کہ، جیسے یہاں كَالْوَكَالَةِ جیسے کہ وکالت ہے، جیسے کہ وکالت۔ تو اسی طرح کاف کے ساتھ عبارت ذکر کر دیا جاتا ہے یا قیاس کرتے ہیں اس مسئلے پر، اور وہ جو مسئلہ ہوتا ہے وہ فریقِ مخالف بھی اس کو مانتا ہے، تسلیم کرتا ہے، اسی لیے اس کو وہ دلیل کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔

آگے دیکھیے: وَلِلْبَائِعِ فَسْخُهُ، اور بائع کو یہ بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے، کیونکہ اس نے ایک شرط لگائی تھی اور وہ شرط پوری نہیں ہوئی، وہ شرط مشتری مان نہیں رہا، یعنی شرط تو مان لی تھی لیکن بعد میں اس کو پورا نہیں کر رہا، تو بائع کو اختیار ہے کہ وہ کیا کر سکتا ہے؟ بیع کو فسخ کر سکتا ہے، اور چاہے تو برقرار رکھے۔ کہتے ہیں: وَلِلْبَائِعِ فَسْخُهُ اور بائع کے لیے جائز ہے اس بیع کو فسخ کرنا، إِلَّا إِذَا سَلَّمَ ثَمَنَهُ حَالًّا أَوْ قِيْمَةَ الرَّهْنِ رَهْنًا، مگر یہ کہ جب سپرد کر دے مشتری ثَمَنَهُ اس بیع کے ثمن حَالًّا یعنی فی الحال ہی اسی مجلس میں، تو پھر بائع فسخ نہیں کر سکتا۔ بائع فسخ کر سکتا ہے لیکن اگر مشتری اسی مجلس میں کیا کر دے؟ وہ جو ثمن مہینے بعد دینے تھے وہ اسی مجلس میں دے دے، تو اب بائع بیع کو فسخ نہیں کر سکتا۔ أَوْ قِيْمَةَ الرَّهْنِ رَهْنًا یا مشتری کیا کرے؟ وہ جو معین چیز تھی وہ تو دینے سے اس نے انکار کر دیا ہے رہن کے طور پر لیکن اس کی قیمت دے دیتا ہے کہ وہ گاڑی جو آپ نے بطورِ رہن کے مانگی ہے، گاڑی تو میں آپ کو نہیں دوں گا لیکن اس کی قیمت دس لاکھ ہے یہ بطورِ رہن کے آپ رکھ لیں، تو رہن کے طور پر اس معین رہن کی اگر قیمت دے دے مشتری، تو بھی بائع کو بیع کے فسخ کرنے کا اختیار نہیں۔[۲]

یہ معنی ہے: إِلَّا إِذَا سَلَّمَ ثَمَنَهُ حَالًّا أَوْ قِيْمَةَ الرَّهْنِ رَهْنًا مگر یہ کہ جب مشتری جو ہے وہ سپرد کر دے اس بیع کے ثمن حَالًّا فی الحال ہی اسی مجلس میں، أَوْ قِيْمَةَ الرَّهْنِ رَهْنًا یا حوالے کر دے رہن کی قیمت رَهْنًا بطورِ رہن کے۔ إِذْ عِنْدَنَا لَمَّا صَحَّ الشَّرْطُ، یہ وجہ ذکر کر رہے ہیں کہ بائع کو فسخِ بیع کا اختیار کیوں ہے...

اس لیے کیونکہ ایک وصفِ مرغوب فوت ہوگیا۔ بائع کو ایک وصف میں رغبت تھی، بائع چاہتا تھا کہ یہ میرے پاس کیا کرے؟ وہ معین چیز رہن رکھوائے یا معین آدمی کی مجھے ضمانت دلوائے، تو یہ ایک وصفِ مرغوب تھا۔ کیا تھا؟ وصفِ

[۲] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۳۰): صوتی درس کی قراءت میں «إِلَّا إِذَا سَلَّمَ ثَمَنَهُ حَالًّا أَوْ قِيْمَةَ الرَّهْنِ رَهْنًا» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «إلاّ إذا سَلَّمَ ثمنَه حالًا، أو قيمةُ الرهن رهنًا،» منقول ہے۔

مرغوب جس میں لوگ رغبت کرتے ہیں، جس کو پسند کرتے ہیں، جس کو چاہتے ہیں۔ آپ بتائیے بھائی، ایک شخص ہے، ایک شخص ہے آپ اس کو دین دیتے ہیں، ایک صورت ہے آپ بغیر رہن کے دین دیں، اور ایک صورت ہے آپ رہن رکھوا لیں اپنے پاس اور پھر دین دیں، آپ کو کیا زیادہ پسند؟ رہن رکھوا دیں، کیونکہ اس میں آپ کا اطمینان زیادہ ہے۔ اور ایک ہے آپ کسی کو دین دیتے ہیں بغیر کسی کفیل کے، اور ایک یہ ہے کہ آپ اس کو دین دیتے ہیں اور وہ کوئی ضامن بھی حوالے کرتا ہے کوئی ضمانت بھی دیتا ہے کہ یہ آپ کے پیسے لے کر بھاگے گا نہیں ادا کرے گا، تو کس صورت میں آپ کو اطمینان زیادہ ہے؟ بغیر کفیل کے یا کفیل والی صورت؟ کفیل والی صورت۔ تو دیکھا معلوم ہوا رہن اور کفیل کا ہونا دین کے اندر یہ ایک وصفِ مرغوب ہے، اور بائع نے اسی کی شرط لگائی تھی اور یہ وصفِ مرغوب جس میں اس کی رغبت تھی، جو وہ چاہتا تھا وہ یہ وصفِ مرغوب فوت ہوگیا کیونکہ مشتری نے انکار کر دیا ہے، تو اب اس کو اختیار مل جائے گا کہ کیا کرے؟ بیع کو فسخ کرنا چاہے تو فسخ کر دے۔

یہ معنی ہے، کہتے ہیں: إِذْ عِنْدَنَا لَمَّا صَحَّ الشَّرْطُ، اس لیے کیونکہ ہمارے نزدیک جب یہ شرط صحیح ہے، فَإِنَّهٗ وَصْفٌ مَّرْغُوْبٌ فِيْهِ کیونکہ یہ ایک ایسا وصف ہے جو مرغوب فیہ ہے یعنی اس میں لوگ رغبت رکھتے ہیں، فَبِفَوَاتِهٖ تو اس کے فوت ہونے کی صورت میں، يَكُوْنُ لِلْبَائِعِ حَقُّ الْفَسْخِ بائع کو بھی اس بیع کو فسخ کرنے کا حق ہوگا۔

آگے دیکھیے بھائی: فَإِنْ قَالَ لِبَائِعِهٖ أَمْسِكْ هٰذَا حَتّٰى أُعْطِيَ ثَمَنَكَ فَهُوَ رَهْنٌ۔ صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص دوسرے کے ساتھ بیع کا معاملہ کر لیتا ہے، اور بیع کا معاملہ کر لیا ایجاب و قبول ہوگیا، اب دیکھو مشتری مبیع کا مالک بن گیا اور اس پر ثمن واجب ہوگئے اب وہ ثمن ادا کرے گا بائع کو۔ چنانچہ ثمن تو ابھی وہ ادا نہیں کرتا، ہاں اپنی ایک چیز بائع کو کہتا ہے اپنی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے: أَمْسِكْ هٰذَا اس کو اپنے پاس روک لے، اس کو روک لے، حَتّٰى أُعْطِيَ ثَمَنَكَ یہاں تک کہ میں آپ کے ثمن آپ کو دے دوں۔

یاد رکھو اس مسئلے کا تعلق الفاظ سے ہے، کس سے ہے؟ الفاظ سے۔ مثلاً پھر سنو، مشتری نے کیا کہا؟ مشتری پر ثمن واجب ہوگئے اس نے ابھی ثمن دیے نہیں بلکہ بائع کو کیا کہتا ہے؟ میری یہ چیز مثلاً گاڑی کھڑی تھی، میری یہ گاڑی آپ اپنے پاس رکھیں، یوں کہیں اردو میں یوں کہیں، میری یہ گاڑی آپ اپنے پاس رکھیں یہاں تک کہ میں آپ کے ثمن آپ کو دے دوں۔ اب یہ جو اس نے الفاظ بولے میری گاڑی اپنے پاس روک لیں، میری گاڑی اپنے پاس رکھ لیں یہاں تک کہ میں آپ کے ثمن دے دوں، تو اس سے وہ چیز بائع ٹھیک ہے روک لیتا ہے، تو یہ چیز اس کے پاس بطورِ امانت کے ہے یا بطورِ رہن کے ہے؟ تو ہمارے ائمہ فرماتے ہیں کہ یہ چیز بطورِ رہن کے ہوگئی۔ یہ چیز بطورِ رہن کے ہوگئی۔ تو ہمارے ائمہ فرماتے ہیں کہ یہ چیز اس کے پاس بطورِ رہن کے ہے، لہٰذا یہ چیز اس کے پاس ہلاک ہوئی تو اس پر ضمان آئے گا۔ جبکہ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بائع اگر اس چیز کو روک لیتا ہے تو یہ چیز رہن نہیں ہے یہ امانت ہے، اور امانت کا تو ضمان نہیں آتا لہٰذا اگر یہ

اس کے پاس ہلاک ہوگئی تو اس پر ضمان بھی نہیں آئے گا۔

امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ چیز امانت ہے، اس لیے کیونکہ اس نے جو الفاظ بولے ہیں وہ امانت والے الفاظ ہیں وہ رہن والے الفاظ نہیں ہیں۔ رہن میں تو صاف لفظوں میں کہتا: یہ چیز میں آپ کے پاس رہن کے طور پر رکھواتا ہوں، یا یہ چیز میں ان پیسوں کے بدلے آپ کے پاس رکھواتا ہوں۔ دیکھو صاف لفظ ہے پیسوں کے بدلے میں یا یہ چیز میں آپ کے پاس رہن کے طور پر رکھواتا ہوں، پھر اس نے رہن بننا تھا۔ لیکن اس نے تو عام الفاظ استعمال کیے، کیا کہا؟ یہ چیز اپنے پاس رکھ لیں یا یہ چیز آپ روک لیں۔ اور یہ چیز رکھ لیں روک لیں اس میں تو رہن کا بھی احتمال اور امانت کا بھی احتمال ہے۔ اور رہن ہے اعلیٰ درجے کی چیز اور امانت ہے ادنیٰ درجے کی۔ بھائی کس طرح اعلیٰ ادنیٰ؟ بھائی مراد یہ ہے کہ رہن میں ضمان آتا ہے اور امانت میں ضمان نہیں آتا۔ آپ جانتے ہیں امانت کسی کے پاس رکھوائی جائے اور وہ چوری ہوگئی اور ہلاک ہوگئی، تو اس صورت میں وہ جو مودَع ہے جس کے پاس امانت رکھوائی گئی ہے اس پر ضمان نہیں آتا اگر اس نے کوئی زیادتی نہیں کی۔ اس نے اپنی طرف سے بہترین حفاظت کے ساتھ وہ چیز رکھی تھی تو اس پر ضمان نہیں، اور اگر اس نے کوئی زیادتی کی ہے قیمتی چیز تھی اور اس نے جان بوجھ کر کھلی رکھی ہوئی تھی جسے سب دیکھ رہے تھے، تو اس صورت میں معلوم ہوا اس نے زیادتی کی ہے تو پھر اس پر ضمان آئے گا۔ تو معلوم ہوا امانت میں ضمان نہیں آتا، اور رہن میں تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ ضمان آتا ہے، دین اور رہن کی قیمت میں سے جو اقل ہو وہ ضمان آیا کرتا ہے۔

تو یہاں پر بھی امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس شخص نے جو الفاظ بولے کہ میری گاڑی اپنے پاس رکھ لو، میری گاڑی اپنے پاس روک لو، میری گاڑی اپنے پاس رکھ لو یہاں تک کہ میں آپ کے پیسے ادا کر دوں، یہ میری گاڑی اپنے پاس روک لو یہاں تک کہ میں آپ کے پیسے ادا کر دوں، تو یہ گاڑی روک لو یا رکھ لو اس میں ساتھ وہ ثمن کی ادائیگی کو بھی ذکر کر رہا ہے یہاں تک کہ میں کیا کر دوں؟ آپ کے ثمن ادا کر دوں، تو رہن کا بھی احتمال، اور اس میں امانت کا بھی احتمال ہے ہو سکتا ہے وہ امانت کے طور پر رکھوانا چاہ رہا ہو ویسے ہی رہن کے طور پر نہیں۔ تو اس میں رہن اور امانت دونوں کا احتمال ہے۔ اور رہن ہے اعلیٰ اور امانت ہے ادنیٰ، یعنی بایں لحاظ کہ امانت آسان ہے کہ اس میں ضمان نہیں آتا اور رہن ذرا مشکل ہے کہ اس میں کیا آتا ہے؟ ضمان آتا ہے۔ اور جب ایک چیز میں دو چیزوں کا احتمال ہو تو اس میں جو آسان ہوتی ہے اور جو ادنیٰ ہوتی ہے وہ تو یقینی ثابت ہے، کم از کم امانت تو ضرور ہے رہن کے ہونے نہ ہونے میں شک ہے، لیکن امانت تو ضرور ہے۔ امانت سے کم درجہ تو یہاں کوئی نہیں نا، تیسرا درجہ تو ہے ہی نہیں، تو کم از کم امانت تو ضرور ہے تو جو یقینی ہے وہ ثابت ہوجائے گا اور رہن ثابت نہیں، لہٰذا یہ چیز اس کے پاس بطورِ امانت کے ہوگی اور اگر اس کے پاس یہ ہلاک ہوگئی بغیر تعدی کے تو اس بائع پر اس کا ضمان نہیں آئے گا۔

جبکہ ہم کہتے ہیں کہ نہیں، یہ الفاظ امانت جیسے ہیں رہن کے صریح الفاظ نہیں، لیکن جو ساتھ اس نے قید لگا دی، کیا کہا؟

یہ گاڑی اپنے پاس رکھیں، یہ گاڑی اپنے پاس روک لیں، ساتھ قید لگا دی یہاں تک کہ میں آپ کے پیسے آپ کو دے دوں۔ یہ جو ساتھ انتہا بیان کر دی کہ اس وقت تک روک لو جب تک میں آپ کے پیسے ادا کر دوں، یہ تو رہن کے اندر ہوتا ہے، معلوم ہوا وہ یہ چیز بطورِ رہن کے رکھوا رہا ہے۔ امانت کے اندر تو اس طرح انتہا بیان نہیں کی جاتی۔ تو یہاں اعتبار معنیٰ کا ہے لفظوں کا نہیں۔ لفظوں کے اعتبار سے تو دیکھیں لفظ تو بے شک امانت والے ہیں لیکن ساتھ جو اس نے قید لگا دی اس قید کی وجہ سے اب صورت کس کی بن گئی؟ رہن والی بن گئی تو یہ رہن ہی ہوگا۔

یہ اسی طرح ہے، کہتے ہیں اصل میں اعتبار معنیٰ کا ہوتا ہے۔ کس کا اعتبار ہوتا ہے؟ معنیٰ کا اور لفظوں کا اعتبار نہیں۔ یہ اسی طرح ہے جیسے دیکھو ایک شخص دوسرے کو گاڑی تحفے کے طور پر دیتا ہے کہ یہ گاڑی میری طرف سے بطورِ تحفہ آپ کی ہے، تو یہ کیا ہے؟ ہبہ ہے، تحفہ ہے۔ لیکن یہی گاڑی دیتے ہوئے اگر وہ تھوڑی سی تبدیلی کر دے لفظوں میں، تو وہ بیع بن جائے گی، کیا بن جائے گی؟ بیع۔ مثلاً کہتا ہے یہ گاڑی میری طرف سے آپ کی ہو گئی لیکن شرط یہ ہے یہ جو آپ کی جیب پر قلم ہے یہ مجھے آپ دے دیں۔ اب بھائی قلم تو گاڑی کی قیمت کے برابر نہیں ہے، قلم تو چند سو روپے کا ہوگا بڑا اچھا قلم بھی ہو اور گاڑی تو لاکھوں روپے کی ہے، یہ ویسے ہی ایک چیز اس سے لے رہا ہے۔ لیکن مبادلت المال بالمال آگیا، اس کی طرف سے گاڑی اس کی طرف منتقل ہوئی اور اس کی طرف سے قلم اس کی طرف منتقل ہوا، اور یہ کس میں ہوتا ہے؟ بیع میں ہوتا ہے مبادلت المال بالمال۔ لہٰذا یہ صورتاً تو ہبہ ہے لیکن حقیقت میں یہ کیا ہے؟ فقہاء فرماتے ہیں یہ بیع ہے، بیع والے احکام جاری ہوں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اعتبار الفاظ کا نہیں ہے بلکہ کس کا ہے؟ معنیٰ کا ہے، اور معنیٰ کے اعتبار سے جب اس نے ہبہ کے اندر شرط لگا دی کسی چیز کے دینے کی، تو وہ یہ کیا بن جاتی ہے؟ بیع۔ تو یہاں پر بھی امانت والے الفاظ کے ساتھ جب اس نے انتہا بیان کر دی کہ کب تک یہ چیز اپنے پاس روکنی ہے جب تک میں پیسے ادا کر دوں، تو معلوم ہوا یہ اب امانت نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ رہن ہے کیونکہ رہن میں ایسا ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: فَإِنْ قَالَ لِبَائِعِهِ پس اگر مشتری نے کہا لِبَائِعِهِ اپنے بائع سے: أَمْسِكْ هٰذَا کہ یہ چیز روک لے، حَتّٰى أُعْطِيَ ثَمَنَكَ یہاں تک کہ میں تجھے دے دوں اس کے ثمن، فَهُوَ رَهْنٌ تو یہ رہن ہوگا یہ اعطاء رہن ہوگا۔

أَيْ أَعْطَى الْمُشْتَرِي الْبَائِعَ شَيْئًا غَيْرَ مَبِيْعِهِ، یعنی دیا مشتری نے بائع کو کوئی ایسی چیز غَيْرَ مَبِيْعِهِ جو اس کے بیع کے علاوہ ہے۔ بیع نہیں، بیع نہیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ وہ جو کہا نا کہ یہ چیز اپنے پاس روک لے، یہ بیع نہیں ہونا چاہیے کوئی تیسری چیز ہونی چاہیے، کیا ہونی چاہیے؟ مثلاً۔ ہاں، بیع بھی رکوا سکتا ہے اسی طرح، اس کا بھی یہی حکم ہوگا، لیکن اس میں ضروری ہے کہ مشتری ایک دفعہ بیع لے کر اس پر قبضہ کر لے اور پھر قبضہ کرنے کے بعد کہے یہ اپنے پاس روک لو۔ کپڑا اس سے خریدا تھا ایک دفعہ لے لیا اپنے ہاتھ میں کر لیا قبضہ کر لیا اس پر، اب کیا کہتا ہے یہ اپنے پاس روک لو یہاں تک کہ میں آپ کو آپ کے پیسے دے دوں، تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ تو بیع میں پہلے قبضہ کرے پھر اس کو کہے کہ یہ اپنے پاس رکھ لو۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ أَیْ أَعْطَی الْمُشْتَرِی الْبَائِعَ شَیْئًا غَیْرَ مَبِیْعِہٖ یعنی عطا کیا مشتری نے بائع کو کوئی ایسی چیز غَیْرَ مَبِیْعِہٖ جو اس کے بیع کے علاوہ تھی، یا یوں کہو بیع کا بھی یہی حکم بس صرف چاہے بیع رکھوائے چاہے غیرِ بیع لیکن بیع میں بس یہ کہ پہلے اپنے قبضے میں ایک دفعہ کرلے تاکہ بیع اس بائع کے قبضے سے نکل آئے اور پھر اس کے بعد رہن کے طور پر رکھوا دے۔ وَقَالَ اور کہا أَمْسِکْ ہٰذَا حَتّٰی أُعْطِیَ ثَمَنَکَ کہ روک لے اس چیز کو یا اس چیز کو اپنے پاس رکھو یہاں تک کہ میں آپ کو آپ کے پیسے دے دوں آپ کے ثمن دے دوں، یَکُوْنُ رَہْنًا تو وہ چیز رہن ہوگی، لِأَنَّہٗ تَلَفَّظَ بِمَا یُنْبِئُ عَنِ الرَّہْنِ اس لیے کیونکہ اس نے تلفظ کیا یعنی لفظ بولے ہیں ایسے جو خبر دے رہے ہیں رہن کے بارے میں، أَنْبَأَ یُنْبِئُ کے معنی خبر دینا، اس نے ایسے لفظ بولے ہیں جو خبر دے رہے ہیں رہن کے بارے میں۔ کیسے رہن کے بارے میں خبر دے رہے ہیں؟ بھائی جہاں ساتھ اس نے یہ کہا نا حَتّٰی أُعْطِیَ ثَمَنَکَ، صرف أَمْسِکْ کہے، أَمْسِکْ تو امانت والے الفاظ ہیں، لیکن حَتّٰی أُعْطِیَ ثَمَنَکَ یہاں تک کہ میں آپ کے ثمن آپ کو دے دوں، یہ جو ساتھ قید بڑھا دی تو اب یہ الفاظ کس کی خبر دے رہے ہیں؟ رہن کی، معلوم ہوا وہ رہن رکھوانا چاہتا ہے۔ وَالْعِبْرَۃُ لِلْمَعَانِیْ اور اعتبار معانی کا ہے، کس کا؟ معانی کا اعتبار ہے الفاظ صرف الفاظ کا اعتبار نہیں ہے، صورت رہن والی بن رہی ہے تو یہ رہن ہی ہوگا وہی حکم لگے گا۔ وَعِنْدَ زُفَرَ رَحِمَہُ اللّٰہُ لَا یَکُوْنُ رَہْنًا اور امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک یہ رہن نہیں ہوگا۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

وَإِنْ رَہَنَ عَیْنًا مِّنْ رَّجُلَیْنِ بِدَیْنٍ لَّکُلٍّ مِّنْہُمَا صَحَّ وَکُلُّہٗ رَہْنٌ مِّنْ کُلٍّ مِّنْہُمَا۔

سب سے پہلے تو ایک بات یہ یاد رکھیں۔ یاد رکھو رہن کے اندر تو زیادتی جائز ہے دین کے اندر زیادتی جائز نہیں۔ توجہ ہے؟ رہن میں زیادتی جائز ہے دین میں زیادتی جائز نہیں۔ صورت یہ مثلاً آپ نے ایک شخص سے دس لاکھ روپے قرضہ لیا اور بطورِ رہن کے اس کے پاس اپنی گاڑی رکھوا دی۔ اب آپ رہن میں زیادتی کرنا چاہتے ہیں اس کو بڑھانا چاہتے ہیں، آپ چند دن بعد اپنی دوسری گاڑی بھی لے گئے اور کہا یہ بھی اسی گاڑی کے ساتھ بطورِ رہن کے آپ رکھ لیں تاکہ آپ کا اطمینان اور بڑھ جائے یہ دونوں گاڑیاں اس دین کے بدلے رہن۔ تو دین وہی ایک ہے اور رہن میں کیا کر دیا؟ اضافہ۔ تو یہ جائز ہے وہ دونوں گاڑیاں اب اس دین کے بدلے رہن ہوجائیں گی، اور وہ دین دے گا تو گاڑیاں دونوں وصول کرے گا۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ دین میں زیادتی کرتا ہے۔ مثلاً آپ نے گاڑی رہن کے طور پر رکھوائی تھی اور دس لاکھ روپے دین کے طور پر لے لیے، چند دن بعد آپ دوبارہ گئے کہ پانچ لاکھ روپے مجھے اور دے دیں۔ اس نے کہا میرے پاس کوئی چیز اپنی رہن رکھواؤ، آپ نے کہا کہ اس دین کے بدلے بھی وہی گاڑی اپنے پاس بطورِ رہن کے روک کے رکھو۔ تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ گاڑی وہی ایک ہے، اور دین پہلے ایک تھا دس لاکھ اور ایک دین کیا آگیا مزید؟ پانچ لاکھ۔ تو ایک گاڑی دو

دینوں کے بدلے رہن نہیں ہو سکتی، ایک گاڑی دو دینوں کے بدلے رہن نہیں ہو سکتی اب کوئی اور چیز رہن رکھوانا پڑے گی۔ آپ دین میں زیادتی کر رہے ہیں اسی رہن کے بدلے میں، یہ جائز نہیں۔

اب آئیے اس مسئلے پر، کہتے ہیں: وَإِنْ رَهَنَ عَيْنًا مِّنْ رَّجُلَيْنِ بِدَيْنٍ لِّكُلٍّ مِّنْهُمَا صَحَّ وَكُلُّهُ رَهْنٌ مِّنْ كُلٍّ مِّنْهُمَا۔ صورتِ مسئلہ یہ، صورتِ مسئلہ یہ کہ میں نے زید کا بھی ایک لاکھ روپیہ دینا ہے اور میں نے عمرو کا بھی ایک لاکھ روپیہ دینا ہے، تو وہ دونوں میرے پاس دین کا مطالبہ کرنے آگئے کہ دین ہمیں دے دو، میں نے ان...

اور کہا بھائی آپ کا دین میں اس مہینے کی یکم تاریخ کو، یکم مارچ کو میں آپ کا دین دے دوں گا، اور یہ لو یہ میری گاڑی بطورِ رہن کے آپ دونوں اپنے پاس رکھ لیں۔ تو ان دونوں کا دین، اور اس کے بدلے میں نے اپنی گاڑی رہن کے طور پر رکھوا دی، تو آپ کو بتلائیں گے یہ صحیح ہے۔ دونوں دینوں کے بدلے ایک گاڑی رہن رکھوانا صحیح ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اس پر آپ کے ذہن میں فوراً اشکال آئے گا کہ ابھی آپ نے ہمیں بتایا کہ دو دینوں کے بدلے ایک چیز رہن نہیں ہو سکتی، بھائی وہ دونوں میں فرق ہے، یہاں دونوں دینوں کے بدلے ایک ہی عقدِ رہن ہو رہا ہے۔ دونوں اکٹھے آئے ہیں، دونوں کے ساتھ اکٹھے میں دونوں کو ایک ہی عقد میں وہ گاڑی دے رہا ہوں کہ یہ گاڑی آپ دونوں بطورِ رہن کے رکھ لیں دونوں دینوں کے بدلے، تو عقدِ رہن ایک ہوا یا الگ الگ ہوئے؟ ایک۔ عقدِ رہن ایک ہوا۔ دین دو ہیں نا لیکن گاڑی تو میں ایک ہی وقت حوالے کر رہا ہوں، تو عقدِ رہن تو ایک ہی ہے، عقدِ رہن ایک ہی ہے۔ دین چاہے پانچ ہوں چاہے دس ہوں چاہے بیس ہوں لیکن عقدِ رہن ایک ہونا چاہیے، اور عقدِ رہن ایک ہی ہے۔ پانچ آدمی تھے میں نے پانچوں سے ایک ایک لاکھ روپیہ لیا ہوا ہے میرے اوپر دین ہے، وہ پانچوں اکٹھے مطالبہ کرنے آگئے، میں نے پانچوں کو اپنی گاڑی ایک ہی عقد میں حوالے کی کہ آپ پانچوں کے دین کے بدلے یہ گاڑی آپ بطورِ رہن کے رکھ لیں، تو یہ ایک ہی عقد میں گاڑی دے رہا ہوں رہن کے طور پر، یہ عقدِ رہن صحیح ہے اور وہ پانچوں دینوں کے بدلے یہ گاڑی رہن ہو جائے گی۔

جبکہ پہلے جو میں نے صورت ذکر کی تھی وہ کیا تھی کہ ایک گاڑی پہلے سے ہی بطورِ رہن ہے، ایک گاڑی پہلے سے ہی رہن ہے، اب آپ ایک اور دین لے کر اس کے بدلے بھی اسی چیز کو رہن رکھوانا چاہتے ہیں بھائی وہ تو پہلے سے ہی رہن ہے۔ تو وہاں دیکھو دو عقدِ رہن تھے۔ ایک دین لیا تو ایک عقدِ رہن میں گاڑی رکھوا دی، اور دوسرے دین کے لیے دوسرا عقدِ رہن کر رہے ہیں لیکن گاڑی وہی رہن ہے، تو عقد رہن کے دو ہو گئے دو دین ہو گئے اور گاڑی ایک ہی ہے رہن، یہ نہیں ہو سکتا۔ یہی صورت اگر یہاں ہو تو بھی جائز نہیں ہے۔ فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ یہی صورت اگر یہاں بنا لیں عقد کئی کر دیں اور گاڑی رہن ایک ہی ہے تو بھی جائز نہیں۔ مثلاً زید میرے پاس آیا کہ میرا ایک لاکھ روپیہ دو، میں نے کہا یہ گاڑی میری آپ بطورِ رہن کے اپنے پاس رکھ لیں۔ تھوڑی دیر بعد بکر آیا اس نے کہا میرے پیسے دو، میں نے کہا میری یہ گاڑی میں نے زید کو بھی بطورِ رہن کے دی ہے یہ آپ کے پاس بھی بطورِ رہن کے ہے، یہ اب جائز نہیں ہے۔ ایک گاڑی دو دینوں کے بدلے دو

الگ الگ عقدوں میں رہن رکھوا رہا ہوں یہ جائز نہیں۔ ہاں ایک ہی عقد ہو پھر چاہے دس آدمی آجائیں میں نے اکٹھی سب کو ایک ہی وقت گاڑی دے دی، یہ گویا یوں ہوگیا کہ وہ گاڑی مجموعۂ دین کے بدلے رہن ہوجائے گی۔ کس کے بدلے؟ مجموعۂ دین۔ مثلاً پانچ آدمی آئے تھے پانچوں کا ایک ایک لاکھ روپیہ میں نے دینا ہے اور میں نے ایک ہی عقد میں کہا آپ سب میری یہ گاڑی بطورِ رہن کے اپنے پاس رکھ لیں، تو یوں سمجھا جائے گا یہ گاڑی اب پانچ لاکھ کے بدلے بطورِ رہن کے ہے، مجموعۂ دین کے بدلے رہن کے طور پر ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی، فرق سمجھ میں آگیا؟ جی سر۔

تو کہتے ہیں: وَإِنْ رَهَنَ عَيْنًا مِّنْ رَّجُلَيْنِ اگر رہن رکھوائی کوئی معین چیز مِنْ رَّجُلَيْنِ دو آدمیوں کے پاس، بِدَيْنٍ ایسے دین کے بدلے، لِّكُلٍّ مِّنْهُمَا جو دونوں میں سے ہر ایک کا تھا، صَحَّ تو یہ رکھوانا صحیح۔ دو آدمیوں کا دین تھا اور ان دونوں کے بدلے ایک ہی عین رہن رکھوائی صَحَّ، لیکن میں نے بتلایا کہ ایک ہی عقد ہونا چاہیے۔ وَكُلُّهُ رَهْنٌ مِّنْ كُلٍّ مِّنْهُمَا اور یہ پوری گاڑی، یہ پوری گاڑی یہ پوری متعین چیز یہ رہن ہوگی ان میں سے ہر ایک کے بدلے، ان میں سے ہر ایک کے بدلے۔ لہٰذا، لہٰذا ایک کا دین میں اگر ادا کردوں اور پھر کہوں لاؤ گاڑی مجھے دے دو، نہیں بھائی یہ دونوں میں سے ہر ایک کے بدلے رہن تھی۔ ایک کا دین ادا کر دیا تو اب بھی گاڑی بطورِ رہن کے دوسرے کے پاس رہے گی، جب تک دوسرے کی بھی ایک ایک روپیہ میں ادا نہ کردوں گاڑی اس کے پاس بطورِ رہن رہے گی۔ ہاں جب ایک کا میں ادا کردوں گا، ایک کو میں پیسے دین ادا کردوں گا اب اس کا ضمان ختم ہوگیا، اب گاڑی دوسرے کے ضمان میں چلی گئی، پہلے اس کا بھی ضمان میں تھی۔

تو کہتے ہیں: وَكُلُّهُ رَهْنٌ مِّنْ كُلٍّ مِّنْهُمَا اور وہ پوری معین چیز پوری کی پوری جو ہے وہ رہن ہوگی مِنْ كُلٍّ مِّنْهُمَا ان میں سے ہر ایک کے پاس۔ أَيْ يَصِيْرُ كُلُّهُ مَحْبُوْسًا بِدَيْنِ كُلِّ وَاحِدٍ، یعنی وہ پوری کی پوری چیز جو ہے وہ محبوس ہوگی روکی جائے گی بِدَيْنِ كُلِّ وَاحِدٍ ہر ایک کے دین کے بدلے، یعنی رہن ہوگی۔ لَا أَنَّ نِصْفَهُ يَكُوْنُ رَهْنًا عِنْدَ هٰذَا وَنِصْفَهُ عِنْدَ ذٰلِكَ، ایسا نہیں ہے کہ اس گاڑی کا آدھا تو رہن ہے اس کے پاس اور آدھا ہے دوسرے کے پاس۔ توجہ ہے؟ جی سر۔ میں نے پانچ آدمیوں کو اپنی گاڑی ایک ہی عقد میں بطورِ رہن کے دے دی ان پانچوں کا میں نے دین دینا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس گاڑی کے پانچ حصے ہیں ایک حصہ ایک کے پاس رہن دوسرا دوسرے کے پاس تیسرا تیسرے کے پاس چوتھا چوتھے کے پاس اور پانچواں پانچویں کے پاس۔ نہیں ایسا نہیں ہے، یہ گاڑی ہر ایک کے پاس پوری کی پوری بطورِ رہن کے ہے۔ پہلے کا ایک لاکھ ہے تو یہ گاڑی اس ایک لاکھ کے بدلے بھی پوری رہن، دوسرے کا ایک لاکھ ہے تو اس کے بدلے بھی یہ پوری گاڑی رہن، تیسرے کا ایک لاکھ ہے تو اس کے بدلے بھی یہ پوری گاڑی رہن۔ اس لیے کیونکہ اگر یہ کہیں، یہ دو والی صورت بناؤ ذرا سمجھنا آسان ہے، دو آدمیوں کا دین تھا ایک ایک لاکھ روپیہ اور میں نے ایک ہی عقد میں گاڑی ان کو بطورِ رہن کے دے دی، تو یہ ایک کے ایک لاکھ کے بدلے بھی پوری گاڑی رہن اور دوسرے کے بھی ایک لاکھ کے بدلے پوری گاڑی رہن ہے، یہ نہیں کہ آدھی گاڑی ایک کے پاس رہن ہے اور آدھی گاڑی ایک کے پاس رہن ہے، نہیں۔ اس لیے کیونکہ رہن شیوع کو قبول نہیں کرتا۔

آپ پڑھ چکے ہیں، شائع چیز کسے کہتے ہیں جو پھیلی ہوئی ہے جو الگ نہ ہو، اس کو بطورِ رہن کے رکھوانا صحیح نہیں۔ میری اور زید کی زمین مشترکہ ہے، ہم دونوں نے مل کر ایک زمین خریدی، ابھی تقسیم نہیں کیا کہ کون سا آدھا حصہ میرا ہے اور کون سا آدھا حصہ زید کا، زمین کے ہر ہر حصے میں ہم دونوں شریک ہیں۔ اب یہ زمین میں قرض لے کر بطورِ رہن کے کسی کے پاس رکھوا سکتا ہوں؟ آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ زمین اس میں میرا حصہ شائع ہے پھیلا ہوا ہے، اور جس میں آپ کا حصہ پھیلا ہوا ہو تو رہن کے طور پر آپ نہیں رکھوا سکتے، کیونکہ مرتہن نے اس پر قبضہ کرنا ہے اور قبضہ وہ آپ کا حصہ الگ ہوگا تو اس پر قبضہ کرے گا نا جب آپ کا حصہ پوری زمین میں پھیلا ہوا ہے۔ مثلاً دس کنال زمین ہے، اس میں سے پانچ کنال آپ کے بنتے ہیں لیکن ابھی تقسیم نہیں کی، تو اب وہ پانچ کنال پر قبضہ کرنا چاہتا ہے بطورِ رہن کے وہ کر سکے گا؟ نہیں، کیونکہ آپ کا حصہ علیحدہ ہی نہیں وہ تو مشاع ہے پھیلا ہوا ہے۔ تو معلوم ہوا رہن شیوع کو قبول نہیں کرتا، کیونکہ شیوع ہوگا تو مرتہن اس پر قبضہ نہیں کر سکے گا۔ تو یہاں پر بھی، یہاں پر بھی یہ نہیں کہیں گے کہ یہ گاڑی آدھی ایک کے پاس رہن ہے، کیونکہ اگر آدھی ایک کے پاس رہن ہے تو وہ صرف آدھی گاڑی پر قبضہ کر سکتا ہے؟ نہیں، اور دوسرے کے پاس آدھی ہے تو وہ بھی قبضہ نہیں کر سکے گا۔ تو معلوم ہوا رہن شیوع کو قبول نہیں کرتا، وہ الگ ہونا چاہیے محوز ہونا چاہیے تقسیم شدہ ہونا چاہیے تاکہ مرتہن اس پر پورا قبضہ کر سکے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں، کہتے ہیں: أَیْ یَصِیْرُ کُلُّہٗ مَحْبُوْسًا بِدَیْنِ کُلِّ وَاحِدٍ، یعنی وہ ساری چیز جو ہے وہ محبوس ہوجائے گی ان میں سے ہر ایک کے دین کے بدلے یعنی ہر ایک کے دین کے بدلے پوری پوری چیز رہن ہوگی، لَا أَنَّ نِصْفَہٗ یَکُوْنُ رَہْنًا عِنْدَ ہٰذَا وَنِصْفَہٗ عِنْدَ ذٰلِکَ، ایسا نہیں ہے کہ اس چیز کا نصف تو رہن ہے ایک کے پاس۔ ترجمہ پھر سن لیں: لَا أَنَّ نِصْفَہٗ یَکُوْنُ رَہْنًا عِنْدَ ہٰذَا وَنِصْفَہٗ عِنْدَ ذٰلِکَ، ایسا نہیں ہے کہ اس چیز کا نصف تو رہن ہے اس ایک آدمی کے پاس وَنِصْفَہٗ عِنْدَ ذٰلِکَ اور اس کا آدھا اس دوسرے آدمی کے پاس، ایسا نہیں ہے۔ وَہٰذَا بِخِلَافِ الْہِبَۃِ مِنْ رَّجُلَیْنِ، اور یہ برخلاف ہے ہبہ کے مِنْ رَّجُلَیْنِ دو آدمیوں کو، حَیْثُ لَا یَصِحُّ عِنْدَ أَبِیْ حَنِیْفَۃَ اس حیثیت سے کہ یہ درست نہیں امام صاحب کے نزدیک۔[۳]

بھائی یاد رکھو، ایک ہے رہن ایک ہے ہبہ۔ توجہ ہے؟ رہن شیوع کو قبول کرتا ہے؟ رہن شیوع کو قبول نہیں کرتا، وہ محوز ہونا چاہیے تاکہ مرتہن اس پر پورا قبضہ کرلے کیونکہ اس نے اس کو اپنے پاس روک کے رکھنا ہے تاکہ کل اس کے ذریعے اپنا دین وصول کر سکے، تو رہن کا حکم کیا ہے اس کو روکنا ہے اور روکنے کے لیے ضروری ہے کہ پورے پر قبضہ کرے اور پورے پر قبضہ تبھی ہوگا جب اس میں کسی اور کا دخل اور حصہ نہ ہو۔ تو معلوم ہوا رہن شیوع کو قبول نہیں کرتا۔ اور ایک ہے ہبہ، ہبہ کسی کو کوئی چیز تحفے کے طور پر دینا۔ یاد رکھو ہبہ شیوع کو قبول کر لیتا ہے۔ ہبہ کیا کرتا ہے؟ شیوع کو قبول کر

[۳] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۳۰): صوتی درس کی قراءت میں «وَہٰذَا بِخِلَافِ الْہِبَۃِ مِنْ رَّجُلَیْنِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وهذا بخلافِ الهبةِ من رجلين،» منقول ہے۔

لیتا ہے۔ مثلاً ایک ہی گاڑی میں زید اور عمرو کو دیتا ہوں کہ یہ گاڑی آج سے تم دونوں کی ہوگئی۔ اس کا کیا مطلب؟ آدھی زید کی ہوگئی آدھی عمرو کی ہوگئی، وہ چاہے اکٹھے استعمال کریں چاہے اس کو بیچ کر آدھے آدھے پیسے تقسیم کر لیں۔ میں نے گاڑی دونوں کو دے دی، اور ہبہ کیا کرتا ہے؟ شیوع کو قبول کرتا ہے، جب یہ شیوع کو قبول کرتا ہے تو آدھی گاڑی ایک کی اور آدھی گاڑی دوسرے کی۔ اور اگر ہم کہیں یہ پوری کی پوری گاڑی زید کی بھی اور پوری کی پوری گاڑی عمرو کی بھی، تو یہ جائز نہیں یہ درست نہیں ہے بھائی کیونکہ ہبہ کیا کر لیتا ہے شیوع کو قبول کرتا ہے۔ اب دوسری صورت بناؤ، میں اپنی گاڑی عمرو اور زید کو دیتا ہوں لیکن کیا کہتا ہوں؟ میں اپنی گاڑی ان کو دیتے ہوئے کہتا ہوں یہ پوری گاڑی زید آپ کی بھی ہے اور یہ پوری گاڑی عمرو آپ کی بھی ہے۔ یہ جائز نہیں، یہ جائز نہیں۔ ایک ہی وقت میں پوری چیز کا مالک، پوری چیز ایک کو بھی ہبہ کرنا اور دوسرے کو بھی ہبہ کرنا جائز نہیں۔ کیوں نہیں جائز؟ کیونکہ ایک چیز کے ایک ہی وقت میں دو مالک تو نہیں ہوسکتے، ایک مالک ہوگا اور یہ ہبہ ہے ہبہ شیوع کو قبول کر لیتا ہے تو یہاں شیوع ہونا چاہیے آپ بغیر شیوع کے دیں دونوں کو پوری پوری چیز کا مالک بنائیں یہ صحیح نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا ہبہ اور رہن ایک دوسرے کے مخالف، رہن شیوع کو قبول نہیں کرتا اور ہبہ کیا کر لیتا ہے شیوع کو قبول کر لیتا ہے، لہٰذا ایک ہی چیز دو آدمیوں کے پاس اکٹھی پوری کی پوری رہن رکھوانا تو جائز ہے لیکن ایک ہی چیز پوری کی پوری دو آدمیوں کو ہبہ کرنا صحیح نہیں بلکہ شیوع کے ساتھ ہبہ کریں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: وَہٰذَا بِخِلَافِ الْہِبَۃِ مِنْ رَّجُلَیْنِ اور یہ برخلاف ہبہ کے ہے مِنْ رَّجُلَیْنِ دو آدمیوں کو، حَیْثُ لَا یَصِحُّ عِنْدَ أَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ اس حیثیت سے کہ یہ صحیح نہیں ہے امام صاحب کے نزدیک۔ کیا معنی صحیح نہیں ہے؟ یعنی پوری گاڑی کا مالک زید کو بھی آپ بنائیں ہبہ میں اور پوری گاڑی کا مالک عمرو کو بھی آپ بنائیں ہبہ میں یہ صحیح نہیں ہے کس کے نزدیک؟ امام صاحب کے نزدیک۔ فَإِنَّ الْأَوَّلَ لَا یَقْبَلُ الْوَصْفَ بِالتَّجَزِّیْ بِخِلَافِ الْہِبَۃِ، اس لیے کیونکہ پہلا یعنی جو رہن جو ہے لَا یَقْبَلُ الْوَصْفَ بِالتَّجَزِّیْ وہ وَصْفِ تَجَزِّی یعنی تقسیم کو قبول نہیں کرتا، بِخِلَافِ الْہِبَۃِ بخلاف ہبہ کے کہ وہ شیوع کو یا یوں کہیں تقسیم کو وہ کیا کر لیتا ہے؟ تقسیم کو قبول کر لیتا ہے۔ یہ اور بہتر لفظ آگیا، رہن تقسیم کو قبول نہیں کرتا کہ ایک ہی چیز آدھی ایک کے پاس رہن ہو اور آدھی دوسرے کے پاس نہیں رہن تقسیم کو قبول نہیں کرتا، جبکہ ہبہ تقسیم کو قبول کر لیتا ہے لہٰذا گاڑی دونوں کو دی ہے تو آدھی ایک کی ہوجائے گی اور آدھی دوسرے کی ہوجائے گی۔

وَإِذَا تَہَایَأَ اور جب دونوں نے آپس میں اتفاق کر لیا، فَکُلٌّ فِیْ نَوْبَتِہٖ کَالْعَدْلِ فِیْ حَقِّ الْآخَرِ۔ تَہَایُؤ کا معنی ہے اتفاق کرنا۔ وہی صورت دو آدمی آئے تھے دونوں کا میں نے ایک ایک لاکھ دینا تھا میں نے اپنی گاڑی بطورِ رہن کے ان کو دے دی کہ یہ میری پوری گاڑی آپ دونوں بطورِ رہن کے رکھ لیں، تو وہ پوری گاڑی زید کے پاس بھی رہن اور عمرو کے پاس بھی رہن ان کے دین کے بدلے۔ اب ان دونوں نے آپس میں اتفاق کر لیا، گاڑی میری لے گئے اور آپس میں اتفاق کر لیا کہ یوں

کرنا ایک ہفتہ گاڑی آپ اپنے پاس رکھیں گے اور پھر ایک ہفتہ میں رکھوں گا باری باری۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ استعمال نہیں، استعمال کی بات نہیں ہو رہی اپنے پاس رکھنے کی بات ہو رہی ہے کیونکہ رہن کا استعمال صحیح نہیں۔ تو دونوں نے اس پر اتفاق کر لیا، تو اب جب گاڑی زید کے پاس ہے تو کیا عمرو پر بھی ضمان آئے گا؟ اگر وہ گاڑی ہلاک ہوگئی تو رہن میں ضمان آتا ہے، کتنا ضمان آتا ہے؟ دین اور رہن کی قیمت میں سے جو اقل ہو وہ ضمان آتا ہے۔ تو اب گاڑی صرف زید کے پاس ہے اور اس کے پاس مثلاً چوری ہوگئی تو کیا عمرو پر بھی ضمان آئے گا؟ یا صرف عمرو کے پاس تھی گاڑی اور اس کی باری میں اس سے چوری ہوگئی تو کیا اس پر بھی ضمان آئے گا؟ کہتے ہیں ہاں ضمان دونوں پر ہی آئے گا، ضمان دونوں پر آئے گا ان کے دین کے بقدر ان پر ضمان آئے گا بھائی۔ اور پھر بھائی کیسے ضمان آئے گا گاڑی تو ایک کے پاس تھی؟ کہتے ہیں یہ یوں سمجھیں جب زید کے پاس تھی گاڑی تو زید نے گویا اپنے طور پر بھی اس پر قبضہ کیا ہوا ہے اپنے دین کے بدلے میں بھی اور عمرو کے دین کے بدلے بھی قبضہ کیا ہوا ہے بطورِ عدل کے، بطورِ عدل۔ بھائی آپ پڑھ چکے ہیں کہ آپ رہن مرتہن کے پاس بھی رکھوا سکتے ہیں اور کسی تیسرے عادل آدمی کے پاس بھی رکھوا سکتے ہیں، مثلاً آپ نے زید سے دس لاکھ روپے دین مانگا اور اس نے کہا کہ میں دین دوں گا لیکن شرط یہ ہے کہ میرے پاس کوئی اپنی گاڑی رہن کے طور پر رکھواؤ، آپ نے کہا گاڑی تو ٹھیک ہے میں رہن رکھوا دیتا ہوں لیکن آپ کے پاس نہیں رکھواؤں گا بلکہ میں گاڑی بکر کے پاس رکھوا دیتا ہوں، زید نے کہا ٹھیک ہے بکر کے پاس رکھوا دیں، تو بکر ایسا آدمی ہے جس پر آپ کا بھی اعتماد ہے اور زید کا بھی اعتماد، اس کو کہتے ہیں عادل یعنی قابلِ اعتماد آدمی۔ تو یہاں پر بھی جب دو آدمیوں کا دین ہے اور وہ آپس میں باریاں مقرر کر لیتے ہیں کہ رہن کو کچھ دن ایک رکھے گا کچھ دوسرا رکھے گا، تو ہر ایک جو قبضہ کرے گا وہ قبضہ اس کا اپنا بھی ہے اپنے طور پر بھی اور اپنے دین کے اعتبار سے بھی اس پر قبضہ، اور دوسرے کی طرف سے بھی قبضہ ہے بطورِ عادل آدمی کے کہ یہ گویا اس کے لیے کیا ہے ایک عادل آدمی کے طور پر اس کے رہن کو اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا اس میں ضمان آئے گا۔

وَإِذَا تَهَايَأَ اور جب دونوں نے آپس میں اتفاق کر لیا، فَكُلٌّ فِيْ نَوْبَتِهٖ كَالْعَدْلِ تو ان میں سے ہر ایک اپنی باری میں عادل آدمی کی طرح ہے، فِيْ حَقِّ الْآخَرِ دوسرے کے حق میں۔ وَلَوْ هَلَكَ ضَمِنَ كُلٌّ حِصَّتَهٗ، اور اگر وہ رہن ہلاک ہوگیا تو ضامن ہوگا ان دونوں میں سے ہر ایک حِصَّتَهٗ اپنے حصے کا۔ فَإِنَّ عِنْدَ الْهَلَاكِ يَصِيْرُ كُلٌّ مُّسْتَوْفِيًا حِصَّتَهٗ۔ بھائی یہ کیا بات ہوئی؟ آپ نے کہا تھا پوری گاڑی زید کے پاس بھی بطورِ رہن کے ہے اس کے دین کے بدلے اور آپ نے کہا تھا پوری گاڑی عمرو کے پاس بھی ہے بطورِ رہن کے، اور جب اب بات آئی ضمان کی تو ضمان کہہ رہے ہیں کہ آدھا آدھا آئے گا؟ کہتے ہیں بھائی یہ جو ضمان آتا ہے، یہ گاڑی پر قبضہ کس لیے قبضہ ہے؟ وصولی کے لیے۔ کس کے لیے؟ وصولی۔ تو رہن تو شیوع کو اور تقسیم کو قبول نہیں کرتا لیکن وصولی تو تقسیم کو قبول کر لیتی ہے کہ جو پیسے وصول ہوں اس کو کیا کر لیا جائے؟ آپس میں

تقسیم کر لیا جائے۔ تو یہاں بھی جب ضمان دونوں پر آئے تو دونوں پر کیا کر دیا جائے گا؟ تقسیم کر دیا جائے گا۔ مثلاً دین کتنا تھا؟ دو لاکھ، اور گاڑی کی قیمت تھی پانچ لاکھ، تو پانچ لاکھ میں سے آپ جانتے ہیں دو لاکھ دین اور رہن کتنا؟ پانچ لاکھ، تو اقل کتنا ہے؟ دو لاکھ، تو دو لاکھ ضمان آئے گا دو لاکھ ضمان آئے گا، اور باقی تین لاکھ بطورِ امانت کے ضائع ہوگئے، تو دونوں کا دین ساقط ہوجائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور صورت بنا لو، مثلاً زید کا دین ہے چار لاکھ اور عمرو کا دین ہے چھ لاکھ، چھ لاکھ اور گاڑی ہے پانچ لاکھ کی۔ تو پانچ لاکھ کی گاڑی ان کے پاس ہلاک ہوگئی گم ہوگئی۔ اب ان کا ہر ایک پر ضمان آئے گا ان کے حصوں کے بقدر۔ مجموعۂ دین کتنا؟ ایک چار لاکھ ایک کا چھ لاکھ، مجموعۂ دین دس لاکھ، اور گاڑی کتنے کی؟ پانچ لاکھ، اقل کتنا؟ پانچ، تو پانچ لاکھ ضمان آگیا دونوں پر۔ تو پانچ لاکھ دین میں سے ساقط ہوجائیں گے اور باقی پانچ لاکھ رہ جائیں گے۔ اب اس پانچ لاکھ جو دین رہ گیا، کتنا ساقط ہوا کس کا اور کتنا کس کا رہ گیا باقی؟ تو دیکھو حصے کو دیکھ لو۔ حصے کو دیکھ لو۔ چار اور چھ لاکھ کتنے ہوگئے؟ دس لاکھ۔ دس حصے گویا دین تھا دس حصے، تو اس گاڑی کے بھی گاڑی تھی کتنے کی؟ پانچ لاکھ، اس کے بھی دس حصے کر لو، دس حصے۔ تو ایک حصے میں کتنا آیا؟ پچاس ہزار۔ تو دس میں سے جو کل دین تھا، دس میں سے کتنے حصے تھے زید کے؟ چار، اور چھ حصے کس کے تھے؟ عمرو کے تھے چھ لاکھ۔ تو لہٰذا اس پانچ لاکھ جو ضمان آیا اس کے بھی دس حصے کیے اور ایک میں کتنا آیا؟ پچاس ہزار، اور اس پچاس ہزار میں سے چار حصے ضمان کس پر آئے گا؟ زید پر، اور چھ حصے ضمان کس پر آئے گا؟ عمرو پر۔ تو دو لاکھ ضمان آگیا زید پر اور تین لاکھ ضمان آگیا عمرو پر۔ تو زید کے دو لاکھ دین میں سے ساقط ہوگئے اب پہلے چار وصول کرنا تھا دو وصول کر لیے دو رہ گئے، اور عمرو نے چھ لاکھ وصول کرنا تھا چھ میں سے تین وصول کر لیے ساقط ہوگئے اور تین رہ گئے وہ وصول کرے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو آپ کہیں گے یہ استیفاء کا ذکر یہاں کہاں سے آگیا؟ بھائی دیکھو نا رہن پر جو قبضہ ہوتا ہے وہ کس لیے ہوتا ہے؟ وصولی کے لیے ہوتا ہے۔ رہن پر جو یہ قبضہ ہوتا ہے یہ کون سا قبضہ ہوتا ہے؟ وصولی والا، استیفاء کے لیے وصولی کے لیے قبضہ ہوتا ہے۔ تو جب رہن ہلاک ہوگیا تو ہر ایک اپنے حصے کو وصول کرنے والا ہوا، اور وصولی تو ان چیزوں میں سے ہے جو تقسیم کو قبول کرتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: فَإِنَّ عِنْدَ الْهَلَاكِ يَصِيْرُ كُلٌّ مُسْتَوْفِيًا حِصَّتَهٗ، اس لیے کیونکہ ہلاک ہونے کے وقت ہوجائے گا ان میں سے ہر ایک مُسْتَوْفِيًا حِصَّتَهٗ اپنے حصے کو وصول کرنے والا، دین میں سے اپنے حصے کو اتنا ہی وصول کرنے والا ہوگیا۔ وَالْاِسْتِيْفَاءُ مِمَّا يَتَجَزَّأُ اور استیفاء ان چیزوں میں سے ہے جو تقسیم کو قبول کر لیتا ہے۔

فَإِنْ قَضٰى دَيْنَ أَحَدِهِمَا فَكُلُّهٗ رَهْنٌ لِّلْآخَرِ۔ تیسری صورت بھائی: ان دونوں میں سے ایک کو میں نے دین ادا کر دیا، تو یہ پوری گاڑی اب دوسرے کے پاس رہن کے طور پر ہوگی۔ فَإِنْ قَضٰى دَيْنَ أَحَدِهِمَا پس اگر ادا کر دیا ان دونوں میں سے ایک کے دین کو، فَكُلُّهٗ رَهْنٌ لِّلْآخَرِ تو وہ ساری کی ساری چیز جو ہے وہ رہن ہوجائے گی دوسرے کے پاس۔ لِمَا مَرَّ أَنَّ كُلَّهٗ رَهْنٌ عِنْدَ كُلِّ وَاحِدٍ بوجہ اس کے جو پہلے بات گزر چکی ہے کہ یہ ساری گاڑی رہن ہے دونوں میں سے ہر ایک کے پاس، یہ ساری چیز

دونوں میں سے ہر ایک کے پاس رہن ہے تو جب ایک کا دین پورا ادا کر دیا تو ایک تو ابھی بھی باقی ہے تو اب وہ پوری گاڑی اس کے پاس بطورِ رہن کے ہوگی۔

وَإِنْ رَّهَنَا رَجُلًا رَّهْنًا بِدَيْنٍ عَلَيْهِمَا صَحَّ بِكُلِّ الدَّيْنِ وَيُمْسِكُهٗ إِلٰى قَبْضِ الْكُلِّ۔ اب دوسری صورت بناؤ: زید اور عمرو نے میرا دین دینا ہے، دونوں نے۔ پہلے کیا تھا میں نے ان کا دین دینا تھا پھر میں نے اپنی گاڑی رکھوائی۔ اب مدیون دو ہوگئے، تو زید نے بھی میرا ایک لاکھ دینا ہے اور عمرو نے بھی میرا ایک لاکھ روپیہ دینا ہے، میں ان دونوں کے پاس چلا گیا کہ میرا دین مجھے ادا کرو۔ ان دونوں کا ایک مشترکہ غلام تھا، آدھا زید کا تھا اور آدھا عمرو کا، انہوں نے وہ مشترکہ غلام میرے پاس بطورِ رہن کے رکھوا دیا۔ اب دیکھو اس غلام میں تو شیوع ہے شیوع ہے، آدھا کس کا ہے زید کا اور آدھا کس کا ہے عمرو کا ہے، تو کیا اس کو رہن رکھوانا جائز ہے حالانکہ آپ نے ہمیں ضابطہ بتلایا تھا کہ رہن میں شیوع جائز نہیں؟ کہتے ہیں نہیں یہ جائز ہے، یہاں پر یہ صورت جائز ہے۔ کیونکہ رہن میں مقصد ہوتا ہے کہ مرتہن پورے رہن پر قبضہ کرے، اور یہاں پر بھی پورے رہن پر وہ قبضہ کرے گا، کیونکہ جن جن کا حصہ ہے اس رہن میں وہ ان سب نے دین دینا ہے، ان سب نے دین دینا ہے۔ ہاں اس غلام میں اگر کسی تیسرے ایسے آدمی کا بھی حصہ ہوتا جس پر دین نہیں تھا پھر قبضہ نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ پھر تو صرف مدیون کے حصے پر قبضہ ہو اور وہ غیرِ مدیون کے حصے پر قبضہ نہ ہو یہ ہو ہی نہیں سکتا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں یہ ٹھیک ہے وہ دونوں کا غلام ہے دونوں پر قرضہ ہے تو پورے غلام پر مرتہن قبضہ کرلے گا۔

وَإِنْ رَّهَنَا دیکھا تثنیہ کا صیغہ ہے، اور اگر ان دونوں آدمیوں نے رہن رکھوایا، رَجُلًا کسی آدمی کے پاس، رَهْنًا کیا رکھوایا؟ رہن، بِدَيْنٍ عَلَيْهِمَا ایسے دین کے بدلے عَلَيْهِمَا جو ان دونوں پر ہے، صَحَّ بِكُلِّ الدَّيْنِ تو یہ صحیح ہے رہن رکھوانا بِكُلِّ الدَّيْنِ پورے دین کے بدلے، تو یہ صحیح ہوجائے گا پورے دین کے بدلے۔ وَيُمْسِكُهٗ إِلٰى قَبْضِ الْكُلِّ اور وہ اس رہن کو مرتہن روکے گا یہاں تک کہ وہ پورے دین پر کیا کرلے؟ قبضہ کرلے۔ وَإِنَّمَا صَحَّ هٰذَا لِأَنَّ قَبْضَ الرَّهْنِ وَقَعَ فِي الْكُلِّ بِلَا شُيُوْعٍ۔ بھائی کہتے ہیں یہ صحیح ہے اس لیے کیونکہ جو رہن پر قبضہ واقع ہوا وہ پورے میں ہوا، رہن پر قبضہ پورے میں ہوا بِلَا شُيُوْعٍ بغیر شیوع کے۔ میں نے بتلایا کہ اگر اس غلام میں کسی غیرِ مدیون کا بھی حصہ ہوتا، اور اس کی چیز پر تو کوئی آدمی دوسرے کی چیز پر بلاوجہ تو قبضہ نہیں کر سکتا تو پھر اس کا رہن رکھوانا ٹھیک نہیں تھا، اور یہاں تو جتنے بھی حصے غلام میں ہیں وہ ان لوگوں کے ہیں جنہوں نے آپ کا دین دینا ہے، تو پورے غلام پر آپ نے قبضہ کر لیا اب پورا غلام ہے آپ کے قبضے میں، ایسا نہیں کہ کچھ پر قبضہ کہیں کچھ پر قبضہ نہ کہیں تو شیوع ہے ہی نہیں، تو قبضہ بغیر شیوع کے پایا گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ لِأَنَّ قَبْضَ الرَّهْنِ وَقَعَ فِي الْكُلِّ بِلَا شُيُوْعٍ اس لیے کیونکہ رہن پر جو قبضہ ہوا وہ واقع ہوگیا پورے پر بغیر شیوع کے۔

وَبَطَلَ حُجَّةُ كُلٍّ مِّنْهُمَا أَنَّهٗ رَهَنَ هٰذَا مِنْهُ وَقَبَضَهٗ۔ هٰذِهٖ مَسْأَلَةٌ مُّبْتَدَأَةٌ لَا تَعَلُّقَ لَهَا بِمَا سَبَقَ۔ یہ الگ مسئلہ بیان کر رہے ہیں بھائی، الگ مسئلہ۔ مسئلہ یہ کہ دو آدمیوں نے زید پر عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا قاضی کے پاس آگئے۔ ایک شخص کہتا

ہے قاضی صاحب یہ جو زید کا غلام ہے اس کے پاس، یہ اس زید نے میرا دس لاکھ روپیہ دین دینا تھا اور اس نے یہ پورا غلام میرے پاس رہن رکھوایا تھا اور میں نے اس پر قبضہ بھی کر لیا تھا اب یہ مجھے واپس دلا دیں اس نے لے لیا ہے۔ توجہ ہے؟ جی۔ دو آدمی آئے دونوں میں سے ہر ایک کا یہ دعویٰ ہے۔ پہلا آدمی بھی یہ کہتا ہے کہ قاضی صاحب یہ جو زید کا غلام ہے اس کے پاس، یہ غلام اس نے میرا دس لاکھ روپے اس زید نے میرا دین دینا تھا، اس نے اپنا یہ غلام میرے پاس بطورِ رہن کے رکھوایا تھا اور میں نے اس غلام پر قبضہ بھی کر لیا تھا، اور اس پر وہ دو گواہ بھی پیش کر دیتا ہے وہ بھی گواہی دے دیتے ہیں کہ ایسا ہی تھا۔ دوسرا آدمی بھی یہی کہتا ہے کہ قاضی صاحب یہ جو زید کے پاس غلام ہے اس زید نے میرا پانچ لاکھ روپیہ دین دینا تھا، اس نے یہ پورا غلام میرے پاس بطورِ رہن کے رکھوایا تھا اور میں نے اس پر قبضہ بھی کر لیا تھا، اور وہ بھی دو گواہ پیش کر دیتا ہے دو گواہ پیش کر دیتا ہے۔ تو کہتے ہیں اس صورت میں ترجیح کی کوئی صورت نہیں ترجیح کی، تو دونوں کا دعویٰ باطل ہوجائے گا، دونوں کا دعویٰ باطل ہوجائے گا۔ بھائی کیوں باطل کیوں ہوگا؟ کہتے ہیں اس لیے کہ یہاں تین صورتیں بنتی ہیں اور تینوں میں سے کسی ایک پر بھی عمل نہیں ہوسکتا۔ تین صورتیں ہیں تینوں میں سے کسی ایک پر بھی عمل نہیں ہوسکتا۔

ایک صورت یہ کہ قاضی ایک آدمی کے لیے بھی فیصلہ کر دے پورا غلام دے دو اور دوسرے کے لیے بھی فیصلہ کر دے کہ اس کو بھی پورا غلام بطورِ رہن کے اب حوالے کر دو، بھائی ایک ہی غلام ایک کے پاس بطورِ رہن کے ہوسکتا ہے نا دونوں کے پاس تو علیحدہ علیحدہ نہیں۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ دونوں کے لیے یہی فیصلہ کر دے کہ یہ غلام جو ہے جو زید کا ہے، یہ اس پہلے آدمی کے حوالے کر دیا جائے یہ اس پر پورے پر قبضہ کرلے اور دوسرے کے لیے بھی یہ فیصلہ کر دیا جائے کہ یہ غلام اس کے حوالے کر دیا جائے یہ اس پر پورا قبضہ کرلے، کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ غلام ایک ہے یا تو ایک کے قبضے میں دیا جا سکتا ہے یا دوسرے، تو دونوں میں سے ہر ایک کے لیے بھی فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ اور دونوں میں سے کسی ایک کے لیے بھی نہیں کر سکتا کہ ایک کو دے دے دوسرے کو نہ دے کیونکہ ترجیح کی کوئی صورت ہی نہیں ہے، یا تو تاریخ وغیرہ ہوتی کہ فلاں کہے میں نے وہ تاریخیں بھی ساتھ ذکر کر دیں پھر تو ٹھیک ہے جس کی تاریخ مقدم معلوم ہوا اس کا حق مقدم ہے لہٰذا اس کے حق میں فیصلہ کر دیا، تاریخ بھی کوئی نہیں ہے کہ کس تاریخ کو دیا تھا کس وقت رکھوایا تھا۔ تو دونوں میں سے ہر ایک کے لیے بھی فیصلہ نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے، دونوں میں سے ایک کو ترجیح دے دی جائے اس کی بھی کوئی صورت نہیں ہے، اور تیسری صورت یہ ہے کہ آدھا غلام ایک کے پاس رہن ہوجائے اور آدھا غلام ایک کے پاس رہن ہوجائے یہ بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ رہن شیوع کو قبول نہیں کرتا اور نیز یہ تو ان کے دعوے کے بھی خلاف ہے آپ ان کو آدھا غلام دے رہے ہیں حالانکہ وہ تو پورے کا دعویٰ لے کر آئے ہیں، تو لہٰذا دونوں کے دعوے باطل ہوجائیں گے، دونوں کے دعوے باطل ہوجائیں گے۔

دیکھیے کہتے ہیں: وَبَطَلَ حُجَّةُ كُلٍّ مِّنْهُمَا اور باطل ہوجائے گی، حجت کہتے ہیں دلیل اور گواہی کو، گواہی ان میں سے ہر ایک

کی، دو گواہ لے کر آئے ہیں نا دو دو گواہ، دونوں میں سے ہر ایک کی حجت یعنی گواہی جو ہے وہ باطل ہوجائے گی، کس بات پر گواہی؟ کہ أَنَّہٗ رَہَنَ ہٰذَا کہ اس شخص نے یہ چیز یہ غلام رہن رکھوایا تھا مِنْہُ اس کے پاس، وہ ایک آدمی کہتا ہے کیا کہتا ہے کہ ہٰذَا سے مراد مثلاً مدعیٰ ہے اور مِنْہُ وہی مدعی ہے جو دعویٰ کر رہا ہے کہ یہ جو مدعا علیہ ہے اس نے یہ غلام رہن رکھوایا تھا مِنْہُ کس کے پاس؟ میرے پاس، میرے پاس، وَقَبَضَہٗ اور میں نے اس پر کیا کر لیا تھا؟ میں نے اس غلام پر قبضہ بھی کر لیا تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ والی جو حجت ہے دونوں میں سے ہر ایک کی یہ حجت باطل ہوجائے گی، اس پر جو گواہی پیش کی وہ گواہی باطل۔ پھر سنو ترجمہ: وَبَطَلَ حُجَّۃُ کُلٍّ مِّنْہُمَا اور باطل ہوجائے گی دو مدعیوں میں سے ہر ایک کی یہ حجت کہ أَنَّہٗ رَہَنَ ہٰذَا مِنْہُ وَقَبَضَہٗ کہ اس مدعا علیہ نے یہ چیز جو ہے اس کے پاس رہن رکھوائی تھی اور اس نے اس پر قبضہ بھی کر لیا تھا۔

ہٰذِہٖ مَسْأَلَۃٌ مُّبْتَدَأَۃٌ لَا تَعَلُّقَ لَہَا بِمَا سَبَقَ۔ کہتے ہیں یہ نیا مسئلہ ہے جس کا ماقبل سے تعلق نہیں ہے۔ وَصُوْرَتُہَا اور صورت اس کی یہ ہے کہ أَنَّ کُلَّ وَاحِدٍ مِّنَ الرَّجُلَیْنِ ادَّعٰی کہ دعویٰ کر دیا دو آدمیوں میں سے ہر ایک نے کہ أَنَّ زَیْدًا رَہَنَ ہٰذَا الْعَبْدَ مِنْ ہٰذَا الْمُدَّعِیْ بھئی مدعی بھئی، اس نے رہن رکھوایا اس مدعی کے پاس، وَسَلَّمَہٗ إِلَیْہِ اور اس نے اس کو اس کے سپرد بھی کر دیا تھا، وَأَقَامَ عَلٰی ذٰلِکَ بَیِّنَۃً اور اس نے اس پر بینہ بھی قائم کر دی، تَبْطُلُ حُجَّۃُ کُلِّ وَاحِدٍ تو باطل ہوجائے گی ہر ایک کی بینہ، لِأَنَّہٗ لَا یُمْکِنُ الْقَضَاءُ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْہُمَا اس لیے کیونکہ ممکن نہیں ہے کہ فیصلہ کر دیا جائے دونوں میں سے ہر ایک کے لیے کہ اس کو بھی پورا یہ والا غلام دو اور اس کو بھی دے دو، اور ایک غلام تو ایک وقت میں ایک کے قبضے میں دیا جا سکتا ہے دونوں کے قبضے میں تو نہیں دیا جا سکتا۔ وَلَا لِأَحَدِہِمَا اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے فیصلہ کر دیا جائے، لِعَدَمِ أَوْلَوِیَّتِہٖ بوجہ اس کے عدمِ اولویت کے، کیونکہ ان میں سے کوئی بھی کسی سے اولیٰ نہیں بھائی زیادہ کہ اس کو ترجیح دے دی جائے۔ وَلَا إِلَی الْقَضَاءِ لِکُلٍّ بِالنِّصْفِ لِلشُّیُوْعِ اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ فیصلہ کر دیا جائے لِکُلٍّ ہر ایک کے لیے بِالنِّصْفِ کتنے کا؟ نصف کا، لِلشُّیُوْعِ کیونکہ اس صورت میں کیا لازم آئے گا؟ شیوع، اور رہن تو شیوع کو قبول نہیں کرتا، اور نیز یہ ان کے دعوے کے بھی خلاف ہوجائے گا وہ تو کل کا دعویٰ کر رہے ہیں نصف کا دعویٰ نہیں کر رہے۔

وَلَوْ مَاتَ الرَّاہِنُ وَالرَّہْنُ مَعَہُمَا، اب دوسری صورت بھائی۔ بالکل یہی صورت ہے، دو آدمیوں نے یہی دعویٰ کیا اور گواہ پیش کر دیے لیکن وہ جو مدعا علیہ ہے وہ مر چکا ہے، وہ مر چکا ہے، اب انہوں نے دعویٰ کیا کہ یہ جو زید مر گیا اس کا یہ والا غلام، یہ اس نے ہم سے دین لیا تھا اور یہ غلام ایک کہتا ہے اس نے میرے پاس رکھوایا تھا اور میں نے اس پر قبضہ بھی کیا تھا اور دو گواہ بھی پیش کر دیے، دوسرا کہتا ہے یہی غلام اس نے میرے دین کے بدلے میرے پاس رکھوایا تھا اور میں نے اس پر قبضہ بھی کر لیا تھا اور اس نے بھی دو گواہ پیش کر دیے۔ اب یہ کب مقدمہ آیا؟ وہ جو مدیون ہے وہ مر چکا ہے۔ کہتے ہیں اس صورت میں قاضی آدھے آدھے غلام کو دونوں کے، دونوں کو بطورِ رہن کے دے دے گا، آدھے غلام کو کہ غلام ان دونوں کے حوالے کرے گا اور کہے گا آدھا تمہارے پاس بطورِ رہن کے ہے اور آدھا تمہارے پاس بطورِ رہن کے ہے۔

اس پر آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا بھائی رہن تو شیوع کو قبول ہی نہیں کرتا، تو پھر کیسے ایک آدھے غلام پر کیسے قبضہ کریں گے؟ تو جواب آپ کو بتلائیں گے کہ ہاں بھائی قیاس تو یہی تقاضا کرتا ہے، قیاس تو یہی تقاضا کرتا ہے کہ یہ رہن شیوع کو قبول نہیں کرتا لہٰذا ان دونوں کے پاس اس چیز کو بطورِ رہن کے دینا درست نہیں۔ لیکن استحساناً اجازت دی گئی کہ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ ادھر دیکھیے بھائی کہ رہن کا حکم جو ہے وہ حبس ہے یعنی اس کو روکنا۔ مرتہن کیا کرتا ہے؟ رہن کو اپنے پاس روک لیتا ہے، اور روکنا شیوع کو قبول نہیں کرتا، جب کوئی چیز آپ نے اپنے پاس روکنی ہے تو پوری پر قبضہ کریں گے تبھی روک سکتے ہیں پوری پر قبضہ نہ ہو تو روک نہیں سکتے۔ تو رہن کا ایک حکم ہے حبس یعنی اس چیز کو اپنے پاس روکنا اور وہ شیوع کو قبول نہیں کرتا اور یہ زندگی میں تھا، جب تک راہن جو ہے وہ زندہ تھا تو مرتہن کا حق ہے کہ وہ رہن کو کیا کرے اپنے پاس روک لے۔ لیکن جب راہن مر چکا ہے اب جو رہن کا حکم ہے وہ استیفاء کا ہے، اس کے ذریعے اپنے دین کو وصول کرنا ہے۔ اب رہن کس لیے دیا جا رہا ہے؟ روکنے کے لیے یا وصولی کے لیے؟ اب وصولی کے لیے ہے، کیونکہ دین وصول کرنا ہے بھائی، تو لہٰذا اب جو رہن دیا جا رہا ہے اب روکنے کے لیے نہیں دیا جا رہا بلکہ وصولی کے لیے کہ اس کو بیچو اور بیچ کر اپنے اپنے دین کو وصول کر لو۔ اور وصولی یہ تو آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ وصولی وہ تقسیم کو اور شیوع کو قبول کر لیتی ہے، غلام کو بیچ دیں گے بیچ کر اس کے پیسے آجائیں گے اور وہ آدھے پیسے ایک لے لے گا اور آدھے پیسے دوسرا لے لے گا۔ تو دیکھا حبس میں تو شیوع ممکن نہیں تھا لیکن وصولی میں تو تقسیم اور شیوع ممکن ہے، اور اس وقت جو رہن حوالے کیا جا رہا ہے وہ حبس کے لیے نہیں ہے بلکہ وصولی کے لیے ہے اس لیے یہ جائز۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب جب وہ مدیون مر چکا ہے تو بھائی اب رہن کا حکم حبس نہیں ہے اب اس رہن کو اپنے پاس روکنے کا کوئی اور مقصد نہیں ہے، بلکہ اب کسی اور سے دین ملے گا؟ نہیں، مدیون تو مر چکا ہے، لہٰذا اب جو رہن کا فیصلہ دونوں کے لیے کیا گیا وہ اس لیے نہیں کیا کہ اس چیز کو بطورِ رہن کے اپنے پاس روک لیں بلکہ اب تو مدیون مر چکا ہے اب اس رہن کو بیچا جائے اور اس کے ذریعے وصولی کی جائے۔ تو مدیون کے مرنے کے بعد اب رہن جو ہے اس کو روکنے کا کوئی مقصد نہیں ہے بلکہ اب وہاں استیفاء مقصود ہے استیفاء، اور استیفاء تو شیوع کو قبول کرتا ہے تقسیم کو قبول کرتا ہے اس لیے دونوں کے لیے فیصلہ کر دیا گیا آدھے آدھے رہن کا، یعنی یہ اس کو بیچیں اور اس کے ذریعے اپنے دین کو وصول کریں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: وَلَوْ مَاتَ الرَّاہِنُ اور اگر اس کا راہن مر گیا اس چیز کا، وَالرَّہْنُ مَعَہُمَا اور حال یہ ہے کہ رہن ان دونوں کے پاس ہے، رہن ان دونوں کے قبضے میں ہے۔ توجہ ہے؟ جی۔ یاد رکھو رہن ان دونوں کے قبضے میں ہونا چاہیے، اگر ایک کے قبضے میں ہے تو اس کو ترجیح ہوگی صرف اس کے حق میں فیصلہ کریں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دونوں کا قبضہ، یا چاہے تو دونوں میں سے کسی کا بھی قبضہ نہ ہو پھر بھی ٹھیک ہے لیکن ایک کے قبضے میں کم از کم نہیں ہونا چاہیے۔ کہتے ہیں: وَلَوْ مَاتَ الرَّاہِنُ

وَالرَّہْنُ مَعَہُمَا اور اگر وہ راہن مر گیا اور رہن جو ہے وہ ان دونوں کے قبضے میں ہے، فَبَرْہَنَ کُلٌّ ذٰلِکَ تو پھر بینہ قائم کر دی ہر ایک نے یہی والی، فَکَانَ مَعَ کُلٍّ نِصْفُہٗ رَہْنًا تو ان میں سے ہر ایک کے پاس اس غلام کا آدھا رہن کے طور پر ہوگا بِحَقِّہٖ اس کے حق کے بدلے۔ ہٰذَا قَوْلُ أَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَمُحَمَّدٍ رَّحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی، اور یہ قول ہے طرفین رحمہما اللہ کا وَہُوَ اسْتِحْسَانٌ اور یہ استحسان ہے۔ وَعِنْدَ أَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ ہٰذَا بَاطِلٌ وَہُوَ الْقِیَاسُ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ باطل ہے ایک ہی چیز دونوں کے پاس آدھی آدھی رہن ہو جائے، رہن تو شیوع کو قبول نہیں کرتا۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ باطل ہے وَہُوَ الْقِیَاسُ اور یہی قیاس ہے، کَمَا فِی الْحَیَاۃِ جیسے کس میں تھا؟ جیسے راہن کی زندگی میں تھا۔

وَجْہُ الْاِسْتِحْسَانِ کہتے ہیں استحسان کی وجہ یہ ہے کہ أَنَّ حُکْمَہٗ فِی الْحَیَاۃِ ہُوَ الْحَبْسُ کہ رہن کا حکم جو ہے اس راہن کی زندگی میں وہ حبس تھا کہ اس کو روکنا تھا، وَالشُّیُوْعُ یَضُرُّہٗ اور شیوع جو ہے اس روکنے کو نقصان دیتا ہے، شیوع ہو تو پھر حبس نہیں ہو سکتا۔ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ الْاِسْتِیْفَاءُ بِالْبَیْعِ فِی الدَّیْنِ، اور رہن کا حکم راہن کے مرنے کے بعد الْاِسْتِیْفَاءُ وہ وصولی ہے بِالْبَیْعِ کس کے ذریعے؟ بیع کے ذریعے وصولی ہے فِی الدَّیْنِ کس میں؟ دین میں، وَالشُّیُوْعُ لَا یَضُرُّہٗ اور شیوع اس کو نقصان، وَالشُّیُوْعُ لَا یَضُرُّہٗ اور شیوع جو ہے وہ وصولی کو نقصان نہیں دیتا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ چلیے بس بھائی، ہٰذَا ہُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰہُ أَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْکَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۰: باب الرہن عند عدل: عدل کے قبضے سے تکمیلِ رہن، تعدیِ عدل، اور تسلیطِ عدل علی البیع کے احکام

شرح الوقایہ صفحہ: ۸۳ — بتاریخ: ۶ فروری ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔[1]

بَابُ الرَّهْنِ عِنْدَ عَدْلٍ۔ يَتِمُّ الرَّهْنُ بِقَبْضِ عَدْلٍ شُرِطَ وَضْعُهُ عِنْدَهُ هٰذَا عِنْدَنَا، وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى رَحْمَةً وَاسِعَةً: لَا يَجُوزُ، لِأَنَّ يَدَهُ يَدُ الْمَالِكِ، وَلِهٰذَا يَرْجِعُ عَلَيْهِ عِنْدَ الْاِسْتِحْقَاقِ، فَانْعَدَمَ الْقَبْضُ۔ قُلْنَا: يَدُهُ عَلَى الصُّورَةِ يَدُ الْمَالِكِ وَفِي الْمَالِيَّةِ يَدُ الْمُرْتَهِنِ، لِأَنَّ يَدَهُ يَدُ ضَمَانٍ وَالْمَضْمُونُ الْمَالِيَّةُ، فَنَزَلَ مَنْزِلَةَ شَخْصَيْنِ۔

بَابُ الرَّهْنِ عِنْدَ عَدْلٍ۔ یہ باب ہے اس رہن کے بیان میں جو کسی عادل آدمی کے پاس رکھوایا جائے۔ مثلاً زید نے عمرو

[1]

جدول — باب الرہن عند عدل — امین (عدل) کے پاس رہن رکھنے کے احکام:

صورتِ مسئلہ	شرعی حکم	فقہی توجیہ و ضمان
عدل کا قبضہ	عدل کے قبضے سے عقدِ رہن تام اور لازم ہو جاتا ہے	عدل کا ہاتھ قبضۂ رہن میں مرتہن کے ہاتھ کے قائم مقام ہے۔
عدل سے واپس لینا	نہ راہن اکیلا لے سکتا ہے اور نہ مرتہن اکیلا	دونوں کا حق متعلق ہے؛ جس کو عدل نے دیا وہ ضامن ہوگا۔
تعدیِ عدل سے ہلاکت	اگر عدل نے راہن یا مرتہن کو دے دیا اور ہلاک ہوا	ہلاکت ضامن پر ہوگی اور عدل پر بھی ضمان کا اختیار رہے گا۔
عدل کو بیع پر مسلط کرنا	قرض کی میعاد پر بیچنے کی وکالت لازم ہو جاتی ہے	راہن اپنی زندگی میں اسے معزول نہیں کر سکتا، البتہ موتِ راہن سے وکالت باطل۔

سے دین لیا اور عمرو نے رہن کا مطالبہ کیا، اور زید نے کہا میں رہن تمہارے پاس تو نہیں رکھوا سکتا، ہاں بکر جو ہے اس کے پاس رہن رکھوا سکتا ہوں۔ تو چنانچہ زید اور عمرو یعنی راہن اور مرتہن دونوں نے اتفاق کر لیا اور وہ رہن کس کے پاس رکھوا دیا؟ بکر کے پاس۔ تو بکر جو ہے وہ ہے عَدْل بھئی یعنی عادل، قابلِ اعتماد آدمی۔ اور آگے اس کے بارے میں بتلائیں گے کہ اس عادل آدمی کا قبضہ بھی مرتہن کی طرح ہے۔ لہٰذا اس کے پاس اگر رہن ہلاک ہو گیا تو ضمان آئے گا مرتہن پر بھئی۔ اور وہی ضمان جو پہلے ذکر ہو چکا کہ دین اور رہن کی قیمت میں سے جو اقل ہو گا وہ ضمان اس پر آئے گا۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ تو اس باب میں اس کا بیان ہو گا۔ کہتے ہیں بَابُ الرَّهْنِ عِنْدَ عَدْلٍ یہ باب ہے اس رہن کے بیان میں جو عدل کے پاس یعنی عادل آدمی کے پاس رکھوایا جائے۔ يَتِمُّ الرَّهْنُ بِقَبْضِ عَدْلٍ شُرِطَ وَضْعُهُ عِنْدَهُ هٰذَا عِنْدَنَا۔ بھئی آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ عقدِ رہن جو ہے وہ ایجاب و قبول سے منعقد ہو جاتا ہے لیکن تام تب ہو گا، کامل تب ہو گا جب مرتہن رہن پر قبضہ کر لے۔ اور یہاں پر جو میں نے بتلایا کہ عدل جو ہے وہ کس کے قائم مقام ہے؟ مرتہن کے قائم مقام ہے لہٰذا عادل آدمی جب اس رہن پر قبضہ کر لے گا تو عقدِ رہن تام ہو جائے گا۔

زید نے عمرو سے دین لیا ہے اور عمرو نے اس کے بدلے میں رہن رکھوانے کا مطالبہ کیا، اور پھر ان دونوں نے عقدِ رہن کے اندر ہی، عقدِ رہن ہی کے اندر شرط لگا دی، طے کر لیا کہ اس رہن کو کس کے پاس رکھوایا جائے گا؟ بکر کے پاس۔ تو دیکھو عقد کے اندر ہی شرط لگا دی کہ یہ رہن بکر کے پاس رکھوایا جائے گا، تو جب بکر کے پاس یہ رہن رکھوا دیں گے تو عقدِ رہن تام ہو جائے گا۔ پہلے تو کیا تھا؟ عقد منعقد ہوا تھا لیکن تام نہیں ہوا تھا، اب تام ہو گیا، کامل ہو گیا، پورا ہو گیا جب عدل کیا کر لے گا اس پر قبضہ کر لے گا۔

تو یہی بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں يَتِمُّ الرَّهْنُ تام ہو جاتا ہے رہن یعنی عقدِ رہن، کامل ہو جاتا ہے عقدِ رہن بِقَبْضِ عَدْلٍ عادل آدمی کے یعنی قابلِ اعتماد آدمی کے قبضہ کرنے سے۔ شُرِطَ فعل آ گیا، اور نکرہ کے بعد فعل آیا، اور عَدْل نکرہ ہے اور اس کے بعد شُرِطَ فعل آیا، اور میں نے بتلایا تھا نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کے لیے عموماً صفت بنتا ہے، اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے «ایسا» یا «ایسی» کا لفظ لاتے ہیں۔ اب دیکھیے ترجمہ: يَتِمُّ الرَّهْنُ بِقَبْضِ عَدْلٍ شُرِطَ وَضْعُهُ عِنْدَهُ تام ہو جاتا ہے عقدِ رہن قبضہ کرنے سے ایسے عادل آدمی کے کہ شرط لگائی گئی تھی اس کے پاس رکھوانے کی۔ شُرِطَ وَضْعُهُ شرط لگائی گئی تھی رہن کو رکھوانے کی عِنْدَهُ اس عادل آدمی کے پاس۔ ترجمہ سمجھ میں آیا بھئی؟

پھر دیکھیں يَتِمُّ الرَّهْنُ بِقَبْضِ عَدْلٍ شُرِطَ وَضْعُهُ عِنْدَهُ اور عقدِ رہن تام ہو جاتا ہے ایسے عادل آدمی کے قبضہ کرنے کی وجہ سے کہ شرط لگائی گئی تھی رہن کے رکھوانے کی عِنْدَهُ اس عادل آدمی کے پاس۔ هٰذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے۔ ہمارے نزدیک رہن تام ہو گا جب عادل اس پر قبضہ کر لے گا۔

وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى رَحْمَةً وَاسِعَةً لَا يَجُوزُ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں، عادل کے پاس رہن رکھوانا جائز نہیں۔ کیوں؟ کہتے ہیں لِأَنَّ يَدَهُ يَدُ الْمَالِكِ اس لیے کیونکہ عادل کا جو قبضہ ہے يَدُ الْمَالِكِ وہ مالک ہی کا قبضہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دیکھو یہ جو رہن پر عادل آدمی نے قبضہ کیا، چیز کو اپنے قبضے میں لے لیا، اپنے پاس رکھ لیا، تو یہ عادل آدمی کا قبضہ دراصل مالک ہی کا قبضہ ہے۔ کس کا قبضہ ہے؟ مالک، یعنی زید جس نے اپنی چیز رہن کے طور پر رکھوائی ہے، جو مدیون ہے، جس پر قرضہ ہے۔ عمرو نے کیا کہا تھا زید سے کہ تم نے دین لیا ہے، دین لینا ہے تو اس کے بدلے کوئی چیز رہن رکھواؤ، تو زید جو گاڑی کا مالک ہے اس نے اپنی گاڑی کس کے پاس رکھوا دی؟ بکر یعنی عادل آدمی کے پاس۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جو بکر یعنی عادل آدمی ہے اس کا قبضہ بھی زید یعنی مالک کے قبضے کی طرح ہی ہے۔ کس کی طرح ہے؟ مالک کے قبضے کی طرح۔ تو جب یہ مالک ہی کا قبضہ ہے تو گویا اب چیز مالک ہی کے پاس ہے ابھی تک۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں لِأَنَّ يَدَهُ يَدُ الْمَالِكِ اس لیے کیونکہ عادل آدمی کا جو قبضہ ہے وہ مالک ہی کا قبضہ ہے۔ وَلِهٰذَا يَرْجِعُ عَلَيْهِ عِنْدَ الْاِسْتِحْقَاقِ اور اسی وجہ سے عادل جو ہے وہ رجوع کرتا ہے مالک پر ہی استحقاق کے وقت۔ استحقاق کسی چیز کا کوئی اور مستحق نکل آئے، کسی چیز کا کوئی شخص مستحق نکل آئے۔ مثلاً زید نے اپنی گاڑی بطورِ رہن کے بکر کے پاس رکھوا دی، بکر عادل آدمی ہے، تیسرا شخص ہے۔ اور پھر مثلاً وہ بیچ دیتا ہے عادل آدمی، آگے تفصیل سے کئی مسئلے آجائیں گے، وہ عادل آدمی نے اس کو دونوں نے وکیل بھی بنایا تھا کہ اگر فلاں تاریخ آگئی اور اس نے میرا دین ادا نہ کیا تو یہ وکیل بھی بناؤ اس کو، یہ پھر گاڑی کو بیچ کر میرا دین ادا کر دے گا، یہ عمرو نے کہا تھا۔ تو دونوں نے اتفاق کر لیا، چنانچہ زید نے اس کو وکیل، عادل ہی کو وکیل بھی بنا دیا کہ میں تمہارے پاس اپنی گاڑی تو رکھوا رہا ہوں اور اگر اس مہینے کی فلاں تاریخ تک میں نے اس کا دین ادا نہ کیا تو آپ اس گاڑی کو بیچ دینا اور اس کا دین عمرو کو، اس کے ثمن جو ہیں وہ جو میرے اوپر دین ہے اس کے بدلے میں کس کو ادا کر دینا؟ عمرو کو ادا کر دینا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟

تو چنانچہ وہ تاریخ آگئی اور عادل آدمی نے وہ گاڑی فروخت کر دی۔ فروخت کرنے کے بعد اس گاڑی کا کوئی مستحق نکل آیا، خالد نے وہ گاڑی مشتری کے پاس دیکھ لی، عادل نے فروخت کی تھی۔ کس نے؟ عادل جس کے پاس رہن رکھوایا گیا تھا، وہی وکیل تھا، اس نے فروخت کر دی۔ کس نے خریدی؟ مثلاً جو مشتری تھا، اس مشتری کے پاس خالد نے کسی دن گاڑی دیکھی تو خالد اس کے پاس آگیا کہ بھئی یہ گاڑی تو میری ہے۔ اس نے کہا بھئی میں نے تو فلاں آدمی سے خریدی ہے۔ اس نے کہا میں نہیں جانتا، قاضی کے پاس گیا، دو گواہ پیش کر دیے کہ یہ گاڑی میری ہے، قاضی نے اس کے حق میں فیصلہ کیا اور خالد مشتری سے وہ گاڑی لے گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اب مشتری نے تو ثمن دے کر کیا کیا تھا؟ ثمن دیے تھے گاڑی کے بدلے، کس کو دیے تھے؟ عادل کو، اور عادل نے پھر کس کو دیے تھے؟ مرتہن کو۔ تو لہٰذا وہ پھر رجوع کرے گا کس

پر؟ عادل پر جس کو اس نے پیسے دیے تھے گاڑی کے، مشتری نے کس سے خریدی تھی؟ عادل سے۔ تو مشتری عادل کے پاس چلا گیا کہ بھئی وہ گاڑی تو کسی اور کی تھی، آپ نے کیسے مجھے فروخت کر دی، لاؤ میرے ثمن نکالو۔ اور چنانچہ اس سے اس نے ثمن وصول کر لیے، ثمن وصول۔ اب یہ دیکھو وہ جو رہن تھا اس کا مستحق کوئی اور نکل آیا اور اب یہ جو عادل ہے یہ کس پر رجوع کرے گا؟ مالک جو جس نے یعنی زید جس نے گاڑی رکھوائی تھی، جس نے گاڑی رکھوائی تھی۔ تو امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دیکھا جب بھی اس رہن کا کوئی مستحق نکل آئے تو عادل کس پر رجوع کرتا ہے؟ مالک یعنی راہن پر رجوع کرتا ہے، معلوم ہوا عادل کا قبضہ کس کے قبضے کی طرح ہے؟ مالک کے قبضے کی طرح۔ جب مالک کا قبضہ ہے تو مرتہن کے تو قبضے میں چیز آئی ہی نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہ جائز نہیں۔

تو کہتے ہیں وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَا يَجُوزُ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ جائز نہیں ہے لِأَنَّ يَدَهُ يَدُ الْمَالِكِ کیونکہ عادل کا قبضہ جو ہے وہ مالک ہی کا قبضہ ہے۔ وَلِهٰذَا يَرْجِعُ عَلَيْهِ عِنْدَ الْاِسْتِحْقَاقِ اور اسی لیے عادل جو ہے وہ رجوع کرتا ہے مالک پر عِنْدَ الْاِسْتِحْقَاقِ جب اس رہن کا کوئی مستحق نکل آئے۔ فَانْعَدَمَ الْقَبْضُ تو مرتہن کا قبضہ تو کیا ہوا؟ معدوم ہے، اس کا تو قبضہ ہے ہی نہیں، یہ تو وہی مالک ہی کا قبضہ تھا۔

قُلْنَا ہم جواب میں کہتے ہیں يَدُهُ عَلَى الصُّورَةِ يَدُ الْمَالِكِ وَفِي الْمَالِيَّةِ يَدُ الْمُرْتَهِنِ۔ ہم کہتے ہیں وہ جو رہن رکھوایا اس کی دو حیثیتیں ہیں: ایک اس کی صورت ہے، اس کی شکل ہے، اس کی بناوٹ ہے، اور ایک اس کے یعنی یوں کہیں ایک اس کی ذات ہے اور ایک اس کی مالیت ہے۔ کیا ہے؟ کہ وہ مال بھی ہے، گاڑی کسی کے پاس رکھوائی، گاڑی کسی کے پاس رکھوائی۔ اب دیکھو ایک اس گاڑی کی صورت ہے اور ایک اس گاڑی کی مالیت یعنی اس کے مالیت کہ وہ مال ہے، دس لاکھ روپے کی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ جو عادل آدمی نے گاڑی پر قبضہ کیا تو جو گاڑی کی صورت پر قبضہ ہے وہ مالک کی طرف سے قبضہ ہے۔ کس کی طرف سے؟ مالک کی طرف سے یعنی گویا مالک ہی کا قبضہ ہے صورت کے اندر یعنی یہ بطورِ حفاظت کے ہے، بطورِ امانت کے ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اور رہی گاڑی کی مالیت، کہ گاڑی مال بھی ہے، اس کی قیمت دس لاکھ روپے بھی ہے، تو مالیت کے اعتبار سے اس کا قبضہ مرتہن کا قبضہ ہے۔ کس کا؟ مرتہن کا۔

تو گویا یہ جو ہم کہتے ہیں یہ جو عادل آدمی ہے دو آدمیوں کے قائم مقام ہے، یہ راہن کا بھی قائم مقام اور مرتہن کا بھی قائم مقام، تو دونوں کے قائم مقام ہے، دونوں کی طرف سے قبضہ ہے۔ مالک کی طرف سے قبضہ ہے اس چیز کی صورت پر، یہ حفاظت اور امانت والا قبضہ ہے، اس چیز کی حفاظت کرے گا اور اپنے پاس محفوظ رکھے گا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اور مرتہن کی طرف سے بھی قبضہ ہے، مرتہن کی طرف سے قبضہ ہے کس اعتبار سے؟ مالیت پر قبضہ ہے، مالیت کے اعتبار سے کہ یہ مال ہے، یہ گاڑی کیا ہے؟ مال ہے، دس لاکھ روپے اس کی قیمت ہے۔ اور مرتہن کی طرف سے جو قبضہ ہے وہ کون سا

قبضہ ہے؟ ضمان والا ہے، کیا ہے؟ ضمان والا قبضہ ہے، اس میں ضمان آئے گا اگر اس کے پاس چیز ہلاک ہو گئی، مرتہن پر کیا آئے گا؟ یعنی یہ مرتہن کی طرف سے قبضہ ہے نا اور مرتہن کی طرف سے قبضہ کون سا ہے؟ ضمان والا، کون سا؟ یعنی اگر یہ گاڑی اس کے پاس ہلاک ہو جاتی ہے تو مالک پر ضمان آئے گا یا مرتہن پر ضمان آئے گا؟ مرتہن پر ضمان آتا ہے نا، تو مالک پر تو ضمان نہیں، تو مالک کی طرف سے قبضہ تو ہے لیکن وہ قبضہ حفاظت اور امانت والا ہے، اور مرتہن کی طرف سے قبضہ کون سا ہے؟ مالیت اور ضمان والا ہے، اور ضمان کیا آتا ہے؟ وہ اس چیز کی مالیت ہی تو آتی ہے، اس چیز کی مالیت والا ہی تو ضمان آتا ہے۔ تو معلوم ہوا یہ کتنے افراد کے درجے میں ہو گیا؟ دو افراد کے درجے میں، تو دونوں کی طرف سے یہ قبضہ ہے، صرف مالک کی طرف سے قبضہ نہیں، لہٰذا ہمارے نزدیک جائز ہے عادل کے پاس رہن رکھوانا۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

قُلْنَا ہم کہتے ہیں يَدُهُ عَلَى الصُّورَةِ يَدُ الْمَالِكِ کہ عادل کا قبضہ جو ہے اس رہن کی صورت پر وہ مالک کا قبضہ ہے وَفِي الْمَالِيَّةِ يَدُ الْمُرْتَهِنِ اور اس رہن کی مالیت میں یعنی اس کے مال ہونے کے اعتبار سے جو اس پر قبضہ ہے يَدُ الْمُرْتَهِنِ وہ کس کا قبضہ ہے؟ مرتہن کا قبضہ ہے۔ لِأَنَّ يَدَهُ يَدُ ضَمَانٍ، لِأَنَّ يَدَهُ ہا ضمیر عادل کو لوٹائیں، لِأَنَّ يَدَهُ يَدُ ضَمَانٍ اس لیے کیونکہ عادل کا جو قبضہ ہے وہ کون سا قبضہ ہے؟ ضمان والا، معلوم ہوا یہ کس کی طرف سے ہے؟ مرتہن کی طرف سے قبضہ ہے کیونکہ ضمان تو کس پر آتا ہے؟ مرتہن پر آتا ہے۔ یہ معنیٰ لِأَنَّ يَدَهُ يَدُ ضَمَانٍ اس لیے کیونکہ عادل آدمی کا رہن پر جو قبضہ ہے يَدُ ضَمَانٍ وہ ضمان والا قبضہ ہے، وَالْمَضْمُونُ الْمَالِيَّةُ اور مضمون جو ہے وہ اس چیز کی مالیت ہے بھئی، اس کی صورت مضمون نہیں۔ اگر دیکھو وہ چیز اس کے پاس ہلاک ہو جاتی ہے تو مرتہن پر کیا لازم ہوتا ہے؟ اتنی مالیت کا ضمان آتا ہے یا اس جیسی صورت والی گاڑی کا ضمان آئے گا؟ مالیت والا۔ تو وَالْمَضْمُونُ الْمَالِيَّةُ اور مضمون جو ہوتی ہے مالیت ہوتی ہے یعنی اس چیز کے مال ہونے کی جو حیثیت ہے۔ فَنَزَلَ مَنْزِلَةَ شَخْصَيْنِ تو یہ ہو گیا دو شخصوں کے درجے میں، یہ عادل کتنے افراد کے درجے میں ہو گیا؟ دو افراد کے درجے میں ہو گیا، دو افراد کا یہ نائب ہو گیا: راہن کا بھی نائب اور مرتہن کا بھی نائب۔ نائب کی طرف سے قبضہ ہے اس چیز کی صورت پر اور یہ قبضہ کون سا ہے؟ امانت اور حفاظت والا کہ اس چیز کی حفاظت کرے گا، اس کو محفوظ رکھے گا۔ اور مرتہن کی طرف سے بھی نائب ہے اور اس چیز پر اس کا قبضہ ہے اور وہ قبضہ کون سا ہے؟ مالیت والا ہے اور اس میں ضمان آتا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا ہمارے نزدیک عادل کے پاس رہن رکھوانا جائز ہے۔

وَلَا أَخْذَ لِأَحَدِهِمَا مِنْهُ اور نہیں ہے لینا ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے یعنی راہن اور مرتہن کے لیے مِنْهُ عادل سے۔ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ راہن اور مرتہن نے آپس میں اتفاق کر کے وہ رہن کس کے پاس رکھوا دیا؟ عادل آدمی کے پاس۔ اب یاد رکھو اس رہن کے ساتھ دونوں کا حق وابستہ ہے۔ کس کے ساتھ؟ رہن کے ساتھ۔ راہن کا بھی حق وابستہ اور مرتہن کا حق بھی وابستہ۔ راہن کا کیا حق؟ کہ وہ اس چیز کا مالک ہے۔ اور مرتہن کا کیا حق ہے؟ بھئی دیکھو نا زید نے اپنی

گاڑی عادل آدمی کے پاس رکھوا دی بطورِ رہن کے۔ اب اس گاڑی کے ساتھ زید یعنی راہن کا حق بھی وابستہ ہے اور مرتہن یعنی عمرو کا حق بھی وابستہ۔ راہن یعنی زید کا کیا حق ہے؟ کہ وہ اس گاڑی کا مالک ہے۔ اور مرتہن کا کیا حق وابستہ ہے؟ کہ اس نے اس کے ذریعے اپنے دین کو وصول کرنا ہے۔ لہٰذا جب دونوں کا حق وابستہ ہے تو اب وہ عادل آدمی، اس سے دونوں میں سے کوئی ایک اکیلا جا کر اس سے لے نہیں سکتا۔ اکیلا زید چلا جائے اور جا کر کہے کہ یہ رہن میرے حوالے کر دو، نہیں بھئی، عادل کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس کو رہن دے دے، کیونکہ اس کے ساتھ مرتہن کا بھی حق وابستہ ہے۔ اور مرتہن اکیلا جائے اور جا کر کہے کہ یہ رہن اب مجھے دے دو، نہیں بھئی، عادل کے لیے جائز نہیں ہے مرتہن کو یہ رہن دے دے، کیونکہ اس کے ساتھ مالک کا بھی حق وابستہ ہے۔ یہ معنیٰ ہے وَلَا أَخْذَ لِأَحَدِهِمَا مِنْهُ اور نہیں ہے لینا ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے بھی مِنْهُ عادل سے۔ ان دونوں میں سے کسی ایک یعنی راہن اور مرتہن میں سے کسی ایک کے لیے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اس کو لے لے مِنْهُ أَيْ مِنَ الْعَدْلِ عادل سے۔

وَضَمِنَ بِدَفْعِهِ إِلٰى أَحَدِهِمَا اور وہ عادل آدمی ضامن ہو گا بِدَفْعِهِ إِلٰى أَحَدِهِمَا کسی ایک کے حوالے کرنے سے۔ اس عادل نے کیا کیا؟ زید آیا تھا مالک، اس نے اس کو دے دیا، تو اس پر ضمان آئے گا بھئی۔ یا اس نے مرتہن کو دے دیا، اکیلا مرتہن آیا تھا، تو اس پر ضمان آئے گا بھئی۔ اس سے اس چیز کی قیمت وصول کر کے بطورِ رہن کے رکھی جائے گی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ کہتے ہیں وَضَمِنَ بِدَفْعِهِ إِلٰى أَحَدِهِمَا اور وہ عادل آدمی ضامن ہو گا بِدَفْعِهِ اس رہن کو حوالے کرنے سے إِلٰى أَحَدِهِمَا کسی ایک کے بھی یعنی راہن اور مرتہن کے۔

وَهُلْكُهُ مَعَهُ هُلْكُ الرَّهْنِ اور اس رہن کا ہلاک ہو جانا مَعَهُ أَيْ مَعَ الْعَدْلِ اس عادل آدمی کے پاس هُلْكُ الرَّهْنِ یہ رہن کا ہلاک ہونا ہے۔ بھئی جیسے مرتہن کے پاس رہن رکھواتے تھے اور وہ رہن ہلاک ہوتا تھا تو اس پر ضمان آتا تھا، کیونکہ وہ رہن ہلاک ہوا، تو یہاں عادل آدمی کے پاس بھی جب وہ رہن ہلاک ہو گا تو یہ رہن ہلاک ہوا ہے اور پھر کیا آئے گا؟ ضمان آئے گا۔ اور کس پر آئے گا؟ مرتہن پر آئے گا بھئی، مرتہن پر۔ تو یہ معنیٰ ہے وَهُلْكُهُ مَعَهُ هُلْكُ الرَّهْنِ اور ہلاک ہونا اس چیز کا عادل آدمی کے پاس یہ رہن کا ہلاک ہونا ہے۔

فَإِنْ وَكَّلَ الْعَدْلَ أَوْ غَيْرَهُ بِبَيْعِهِ إِذَا حَلَّ أَجَلُهُ صَحَّ. صورت یہ کہ دونوں نے اس عادل آدمی کے پاس رہن رکھوایا اور ساتھ ہی اسے مالک نے وکیل بھی بنا دیا کہ اگر فلاں تاریخ تک میں دین ادا نہ کروں عمرو کو تو تم وکیل ہو، تم اس گاڑی کو بیچنا اور وہ ثمن کے ذریعے عمرو کا دین ادا کر دینا۔ تو کہتے ہیں یہ بھی صحیح ہے۔ اسی عادل کو یا کسی اور آدمی کو بھی وکیل بنانا صحیح ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنیٰ ہے فَإِنْ وَكَّلَ الْعَدْلَ اگر وکیل بنا دیا راہن نے عادل آدمی کو أَوْ غَيْرَهُ یا اس کے علاوہ کسی اور، تیسرے چوتھے آدمی کو وکیل بنا دیا بِبَيْعِهِ اس رہن کے بیچنے کا إِذَا حَلَّ أَجَلُهُ جب اس کی مدت آ جائے، اس دین کی مدت آ جائے، صَحَّ تو یہ بھی صحیح ہے۔

فَإِنْ شُرِطَ أَيِ التَّوْكِيلُ فِي الرَّهْنِ۔ اب یاد رکھو ایک ہے وکیل بنانا رہن کو بیچنے کے لیے عقد کے اندر ہی، جب عقدِ رہن کیا تو اسی کے اندر وکیل بنا دیا۔ مثلاً زید عمرو کے پاس گیا کہ مجھے دس لاکھ روپے دین چاہیے، اس نے کہا اپنی گاڑی بطورِ رہن کے رکھواؤ تو پھر میں تمہیں دین دوں گا۔ اور پھر اسی عقد کے اندر یہ بھی شرط طے کر لی کہ یہ جو عادل ہے جس کے پاس گاڑی رکھوائیں گے یہ گاڑی کو فلاں تاریخ تک اگر تم نے میرا دین ادا نہ کیا تو یہ وکیل بناؤ اس کو، یہ گاڑی کو بیچ کر میرے دین کو ادا کرے یا فلاں آدمی، کسی اور چوتھے آدمی کو وکیل بنا دو بیچنے کا۔ اب دیکھو یہ وکیل کس میں بنایا؟ عقدِ رہن کے اندر بنایا، کس میں؟ عقدِ رہن کے اندر بنایا، تو یاد رکھیے یہ جو وکیل ہے اس کو اب راہن بھی معزول نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ عقد کے اندر ہی اس کی شرط لگائی گئی تھی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا اب زید جس کی گاڑی ہے وہ بعد میں کہتا ہے کہ وہ کوئی وکیل نہیں، وہ اس گاڑی کو نہیں بیچ سکتا، نہیں بھئی، اب آپ اس کو معزول نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی شرط کس کے اندر لگائی گئی تھی؟ عقدِ رہن میں۔ راہن اس کو زندگی میں بھی وکالت سے معزول نہیں کر سکتا اور راہن مرجائے تو بھی وکیل معزول نہیں، وہ کیا کرے گا؟ اس گاڑی کو بیچے گا اور مرتہن کے دین کو ادا کرے گا۔

فَإِنْ شُرِطَ أَيِ التَّوْكِيلُ فِي الرَّهْنِ اگر شرط لگا دی گئی وکیل بنانے کی رہن کے اندر لَا يَنْعَزِلُ بِالْعَزْلِ تو وہ وکیل معزول نہیں ہوتا معزول کر دینے سے، وَلَا بِمَوْتِ الرَّاهِنِ أَوِ الْمُرْتَهِنِ اور نہ ہی راہن یا مرتہن کی موت سے یعنی اس سے بھی وہ معزول نہیں ہوتا، بَلْ بِمَوْتِ الْوَكِيلِ بلکہ وکیل کی موت سے، وکیل خود مرجائے تو پھر معزول ہو گا، ویسے معزول نہیں ہو گا۔ سَوَاءٌ كَانَ الْوَكِيلُ الْمُرْتَهِنَ أَوِ الْعَدْلَ أَوْ غَيْرَهُمَا کہتے ہیں برابر ہے کہ وہ وکیل مرتہن خود ہو یا عادل ہو یا ان دونوں کے علاوہ۔ وکیل بھئی راہن نے وکیل بنانا ہے رہن کو بیچنے کے لیے، چاہے وہ مرتہن ہی کو جس سے دین لیا ہے اسی کو وکیل بنا دے، چاہے عادل آدمی کو وکیل بنا دے، چاہے کسی تیسرے آدمی کو وکیل بنا دے، سب جائز ہیں۔ یہ معنیٰ ہے سَوَاءٌ كَانَ الْوَكِيلُ الْمُرْتَهِنَ أَوِ الْعَدْلَ أَوْ غَيْرَهُمَا، مُرْتَهِنَ پڑھیں بھئی، سَوَاءٌ كَانَ الْوَكِيلُ الْمُرْتَهِنَ أَوِ الْعَدْلَ أَوْ غَيْرَهُمَا برابر ہے کہ وہ وکیل مرتہن ہو یا عادل ہو یا ان دونوں کے علاوہ ہو۔

وَإِذَا مَاتَ الْوَكِيلُ لَا يَقُومُ وَارِثُهُ أَوْ وَصِيُّهُ مَقَامَهُ عِنْدَنَا۔ بھئی وکیل مرجائے تو اس کا وارث یا اس کا وصی اس کا قائم مقام اور اس کا نائب نہیں بنے گا، اس کا قائم مقام نہیں بنے گا۔ وصی: وصی وہ شخص جس کو کوئی شخص وصیت، مرنے والا کیا کر جاتا ہے؟ وصیت کر جاتا ہے، اپنے کاموں کا نگران بنا جاتا ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ وصی۔ تو وکیل نے بھی مرنے سے پہلے اپنے کاموں کا نگران اور اپنی وصیت کس کو کی تھی؟ مثلاً ایک آدمی کو کر دی، اس کو وصی بنا دیا اپنے کاموں کا نگران بنا دیا۔ تو وکیل کے مرنے کے بعد وکالت ختم ہو گئی، اس کا وارث بھی اس کا قائم مقام ہو کر اب اس گاڑی کو نہیں بیچ سکتا اور اس کا وصی بھی اس گاڑی کو نہیں بیچ سکتا۔ یہ معنیٰ ہے وَإِذَا مَاتَ الْوَكِيلُ لَا يَقُومُ وَارِثُهُ أَوْ وَصِيُّهُ مَقَامَهُ عِنْدَنَا

جب وکیل مرجائے تو اس کا وارث یا اس کا وصی اس کا قائم مقام نہیں ہوتا ہمارے نزدیک۔ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اور امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک أَنَّ وَصِيَّ الْوَكِيلِ يَمْلِكُ بَيْعَهُ کہ وکیل کا جو وصی ہے وہ اس رہن کو بیچنے کا مالک ہے، یعنی وہ بھی وکیل کی طرح اس کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ اس کو چیز کو بیچے اور مرتہن کے دین کو ادا کرے۔

وَلَهُ بَيْعُهُ بِغَيْبَةِ وَرَثَتِهِ۔ بھئی راہن مرگیا، مثلاً راہن مرگیا، وکیل زندہ ہے، تو اب کیا وکیل کے لیے جائز ہے کہ وارثوں کی غیر موجودگی میں ہی وہ گاڑی کو بیچ دے اور دین کو ادا کردے؟ کہتے ہیں بھئی وکیل کے لیے تو جائز تھا راہن کی غیر موجودگی میں بھی گاڑی کو بیچ سکتا تھا جب وہ تاریخ آگئی، جب وہ وقت آگیا۔ اس وقت تو مالک کی موجودگی بھی نہیں تھی ضروری، تو چہ جائیکہ اس کے وارثوں کی۔ لہٰذا اب اس کے وارث بھی، راہن مرگیا اس کے وارث حاضر نہیں ہیں تو بھی وکیل اس چیز کو بیچ سکتا ہے، وارثوں کی موجودگی ضروری نہیں۔ وَلَهُ بَيْعُهُ بِغَيْبَةِ وَرَثَتِهِ بھئی وَلَهُ یہ ہا ضمیر کس کو راجع؟ بَيْعُهُ یہ ہا ضمیر کس کو راجع؟ بِغَيْبَةِ وَرَثَتِهِ یہ ہا ضمیر کس کو راجع؟ آگے شرح میں بتلا رہے ہیں وَلَهُ أَيْ لِلْوَكِيلِ لَهُ کی ضمیر کس کو راجع؟ وکیل، اور وکیل کے لیے جائز ہے بَيْعُهُ أَيْ بَيْعُ الْمَرْهُونِ بتلا دیا کہ یہ ہا ضمیر مرہون کو راجع۔ وَلَهُ بَيْعُهُ بِغَيْبَةِ وَرَثَتِهِ اور وکیل کے لیے جائز ہے کہ وہ رہن کو بیچ سکتا ہے بِغَيْبَةِ وَرَثَتِهِ راہن کے وارثوں کی غیر موجودگی میں۔ أَيْ لِلْوَكِيلِ بَيْعُ الْمَرْهُونِ بِغَيْبَةِ وَرَثَةِ الرَّاهِنِ یعنی وکیل کے لیے جائز ہے کہ وہ مرہون کو بیچ دے راہن کے وارثوں کی غیر موجودگی میں ہی۔

وَلَا يَبِيعُ الرَّاهِنُ أَوِ الْمُرْتَهِنُ إِلَّا بِرِضَا الْآخَرِ۔ بھئی رہن رکھوا دیا چاہے مرتہن کے پاس رہن رکھوایا چاہے عادل آدمی کے پاس رہن رکھوایا، کیا اب راہن یا مرتہن اس کو بیچ سکتا ہے؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، نہ راہن کے لیے اب اس کو بیچنا جائز اور نہ مرتہن کے لیے بیچنا جائز ہے۔ راہن اس لیے نہیں بیچ سکتا کیونکہ اس رہن کے ساتھ مرتہن کا حق وابستہ ہے، یہ چیز ہم نے کس لیے رکھوائی ہے اس کے پاس؟ بطورِ رہن کے، تاکہ مرتہن اپنا حق اس سے وصول کرے۔ لہٰذا راہن یہ گاڑی کسی کو بیچ دے پھر تو یہ گاڑی ہاتھ سے نکل جائے گی بھئی، تو رہن تو ختم ہو جائے گا، لہٰذا راہن کو یہ گاڑی بیچنے کی اجازت نہیں۔ اسی طرح مرتہن کے لیے بھی جائز نہیں ہے کہ اس چیز کو کیا کردے؟ بیچ دے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مرتہن خود ہی اٹھے اور اس چیز کو بیچے اور بیچ کر اس کے ذریعے اپنے پہلے، اپنے پیسے وصول کرنا چاہتا ہے، دین وصول کرنا چاہتا ہے، نہیں بھئی نہیں، چیز اس کے پاس رہن ہے۔ بے شک مدت پوری ہو گئی، مدت پوری ہو گئی، اب وہ چاہتا ہے کہ میرے پیسے مجھے مل جائیں، ابھی تک مقروض نے اس کو پیسے نہیں دیے تو اب یہ گاڑی کو خود نہیں بیچ سکتا جب تک راہن اجازت نہیں دے گا۔ اور اگر ضروری ہے بیچنا، مدت آچکی ہے تو پھر قاضی کے پاس جائے گا اور قاضی کو کہے گا کہ وقت مقررہ پورا ہو گیا یہ میرا دین ادا نہیں کر رہا، قاضی اس کو پھر مجبور کرے گا بیچنے پر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ خود نہیں بیچ سکتا۔

وَلَا يَبِيعُ الرَّاهِنُ أَوِ الْمُرْتَهِنُ اور نہ تو راہن بیچ سکتا ہے رہن کو اور نہ مرتہن إِلَّا بِرِضَا الْآخَرِ مگر دوسرے کی رضامندی

سے۔ ہاں مرتہن نے اجازت دے دی کہ ہاں یہ رہن آپ بیچ دیں تو پھر اجازت دے دی، رضامندی ہو گئی تو پھر راہن بیچ سکتا ہے۔ اگر راہن نے اس سے پہلے بیچ بھی دیا تو مرتہن کی اجازت پر موقوف ہے، اگر مرتہن اجازت دے گا تو وہ بیع نافذ ہو گی ورنہ نافذ نہیں ہو گی۔ اور مرتہن بھی اسی طرح اگر راہن سے اجازت لے لیتا ہے تو پھر اس کے لیے بھی بیچنا جائز ہے۔ یہ معنیٰ ہے إِلَّا بِرِضَا الْآخَرِ مگر دوسرے کی رضامندی سے، أَيْ لَا يَكُونُ لِلرَّاهِنِ بَيْعُ الرَّهْنِ إِلَّا بِرِضَا الْمُرْتَهِنِ یعنی جائز نہیں ہے راہن کے لیے رہن کو بیچنا مگر مرتہن کی اجازت سے، وَأَيْضًا لَا يَكُونُ لِلْمُرْتَهِنِ بَيْعُ الرَّهْنِ إِلَّا بِرِضَا الرَّاهِنِ اور اسی طرح جائز نہیں ہے مرتہن کے لیے رہن کو بیچنا مگر راہن کی اجازت سے۔ راہن کی اجازت سے بیچ سکتا ہے، کس طرح بیچ سکتا ہے؟ یہ با تصویر یہ ہے، صورت بتلا رہے ہیں: بِأَنْ وَكَّلَهُ بایں صورت کہ راہن اس مرتہن کو وکیل بنا دے تو پھر مرتہن کیا کر سکتا ہے اس کو بیچ سکتا ہے، أَوْ بَاعَهُ یا مرتہن نے خود ہی بیچ دیا فَأَجَازَ الرَّاهِنُ بَيْعَهُ تو راہن نے اجازت دے دی اس کی بیع کی، بعد میں اجازت دے دی کہ ٹھیک ہے چلو بیچ دیا ہے تو ٹھیک ہے، تو وہ بیع کیا ہو جائے گی؟ نافذ ہو جائے گی۔[۳۲]

فَإِنْ حَلَّ أَجَلُهُ وَرَاهِنُهُ غَائِبٌ أُجْبِرَ الْوَكِيلُ عَلَى بَيْعِهِ كَالْوَكِيلِ بِالْخُصُومَةِ غَابَ مُوَكِّلُهُ وَأَبَاهَا۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ رہن کسی کے پاس رکھوایا گیا تھا چاہے مرتہن کے پاس چاہے عادل آدمی کے پاس، اور پھر وہ وقت آگیا بھئی جس دن دین کی ادائیگی ہونی تھی، وہ وقت آیا لیکن راہن غائب ہے، راہن غائب۔ اور راہن نے ایک شخص کو وکیل بنایا تھا کہ اگر فلاں تاریخ تک میں دین ادا نہ کروں تو اس گاڑی کو بیچنا اور میرا دین ادا کر دینا۔ اب کیا کریں بھئی؟ راہن غائب ہے، مرتہن کو پیسوں کی ضرورت ہے، وکیل موجود ہے، اور وہ بھی نہیں بیچ رہا، وکیل بھی وہ کہہ رہا ہے انتظار، دیکھو بھئی کچھ دن انتظار کر لو شاید آجائے، شاید آجائے۔ کہتے ہیں تو کیا ہم وکیل کو مجبور کر سکتے ہیں؟ کہتے ہیں ہاں بھئی قاضی کیا کرے گا وکیل کو مجبور کرے گا کہ وقت آگیا، مدت پوری ہو گئی، اس نے تمہیں بیچنے کا کہا تھا، اب اس چیز کو بیچو بھئی۔ اور مجبور کرے گا کیسے؟ کہتے ہیں اگر وکیل نہیں بیچ رہا تو قاضی اس کو جیل میں ڈال دے گا چند دن کے لیے، تین دن یا اس سے زیادہ کے لیے جیل میں ڈال دے، اگر وہ پھر بھی نہیں بیچتا تو پھر قاضی خود کسی کو نگران مقرر کرے اور اس گاڑی کو فروخت کروا دے اور پھر مرتہن کا دین ادا کر دے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟[۴]

---

[۲] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۳۲):** صوتی درس کی قراءت میں «أَيْ لَا يَكُونُ لِلرَّاهِنِ بَيْعُ الرَّهْنِ إِلَّا بِرِضَا الْمُرْتَهِنِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «أي لا يكونُ للراهنِ بيعُ الرهنِ إلاَّ برضاءِ المرتهن،» منقول ہے۔

[۳] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۳۲):** صوتی درس کی قراءت میں «وَأَيْضًا لَا يَكُونُ لِلْمُرْتَهِنِ بَيْعُ الرَّهْنِ إِلَّا بِرِضَا الرَّاهِنِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وأيضًا لا يكون للمرتهنِ بيعُ الرهن إلاَّ برضاءِ الراهن،» منقول ہے۔

[۴] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۳۲):** صوتی درس کی قراءت میں «فَإِنْ حَلَّ أَجَلُهُ وَرَاهِنُهُ غَائِبٌ أُجْبِرَ الْوَكِيلُ عَلَى

فَإِنْ حَلَّ أَجَلُهُ اگر اس دین کی مدت جو ہے وہ آگئی وَرَاهِنُهُ غَائِبٌ اس حال میں کہ راہن جو تھا اس کا وہ غائب تھا، أُجْبِرَ الْوَكِيلُ عَلٰى بَيْعِهِ تو مجبور کیا جائے گا وکیل کو اس کے بیچنے پر، اس رہن کے بیچنے پر۔ كَالْوَكِيلِ بِالْخُصُومَةِ جیسے وکیل بالخصومت جو ہے غَابَ مُوَكِّلُهُ اس حال میں کہ اس کا مؤکل غائب ہو، وَأَبَاهَا اور وہ وکیل جو ہے انکار کر رہا ہے، هَا ضمیر خصومت کو راجع ہے، أَبَاهَا وہ خصومت کا انکار کر رہا ہے۔ صورت یہ: ایک آدمی نے دوسرے آدمی پر دعویٰ کر دیا، اور اس دعوے کے لیے اب اس کو عدالت لے جانا چاہتا ہے کہ میرے پاس قاضی کے پاس چلو بھئی، دعویٰ کر دیا۔ جو مدعا علیہ تھا، اس نے ایک اور آدمی کو اپنا وکیل بنایا کہ یہ آدمی میری طرف سے نائب ہے، میرا وکیل ہے، یہ تمہیں جواب دے گا، اس کے ساتھ مقدمہ لڑو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چنانچہ وہ وکیل بالخصومت بن گیا۔ خصومت کہتے ہیں مقدمے کو، جھگڑے کو بھئی۔ تو وہ جو مدعا علیہ تھا اس نے کیا کیا؟ ایک آدمی کو اپنا وکیل بالخصومت بنا دیا کہ یہ تمہارے ساتھ مقدمہ لڑے گا، قاضی کے پاس جا کر یہ تمہیں جواب دے گا، یہ تمہارے ساتھ بحث مباحثہ کرے گا، گواہ وغیرہ لائے گا یا جو بھی بات کرنی ہے۔ مدعا علیہ اب غائب ہو گیا، کہیں چلا گیا، کہیں چلا گیا۔ اب وکیل بالخصومت ہے، مدعی اس کو قاضی کے پاس لے جانا چاہتا ہے اور وہ انکار کر رہا ہے۔ کیا کر رہا ہے؟ کہ نہیں بھئی وہ مدعا علیہ جو ہے وہ خود آجائے گا اسی سے بات کر لینا۔ تو کیا اب اس وکیل بالخصومت کو مجبور کیا جا سکتا ہے کہ وہ خصومت کرے، قاضی کے پاس آئے اور مقدمہ چلائے اس کے ساتھ مل کر؟ کہتے ہیں ہاں بھئی اس وکیل بالخصومت کو مجبور کیا جائے گا۔ قاضی کیا کرے گا؟ اس کو مجبور کرے گا کہ جب اس نے تمہیں وکیل بالخصومت بنایا تھا تو تمہیں اسی وقت انکار کرنا چاہیے تھا۔ جب تم بن گئے، اب وہ تمہارے اوپر اعتماد کر کے کہیں چلا گیا کہ یہ اب میرا مقدمہ لڑے گا، یہ چلا گیا، اور اب تم انکار کر رہے ہو اور تمہارے انکار کی وجہ سے یہ جو مدعی ہے اس بیچارے کا حق ضائع ہو گا بھئی، لہٰذا قاضی اس وکیل بالخصومت کو کیا کرے گا؟ مجبور کرے گا کہ وہ کیا کرے؟ خصومت کرے آ کر، مقدمے کا سامنا کرے۔ یہ معنیٰ ہے كَالْوَكِيلِ بِالْخُصُومَةِ جیسے کہ وکیل بالخصومت غَابَ مُوَكِّلُهُ اس حال میں کہ اس کا مؤکل کیا ہو؟ غائب ہو چکا ہے، وَأَبَاهَا اور وہ وکیل جو ہے انکار کر رہا ہے، هَا ضمیر کس کو راجع؟ خصومت۔ مؤکل غائب ہے اور وکیل بالخصومت انکار کر رہا ہے خصومت سے، تو جیسے اس کو مجبور کیا جائے گا اسی طرح وہ راہن کے وکیل کو بھی مجبور کیا جائے گا۔

فَإِنَّ الْوَكِيلَ يُجْبَرُ عَلَى الْخُصُومَةِ کیونکہ وکیل جو ہے، وکیل بالخصومت، اس کو مجبور کیا جائے گا خصومت پر۔ فَالْحَاصِلُ حاصلِ کلام یہ کہ أَنَّ الْوَكِيلَ لَا يُجْبَرُ عَلَى التَّصَرُّفِ کہ وکیل کو مجبور نہیں کیا جاتا تصرف پر، وکیل کو تصرف، جو تصرف کرنا ہے، یعنی جس چیز کے لیے وکیل بنایا گیا ہے، اس وکیل کو اس تصرف پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، إِلَّا أَنَّ فِي هٰذِهِ الصُّورَةِ مگر

بَيْعِهِ كَالْوَكِيلِ بِالْخُصُومَةِ غَابَ مُوَكِّلُهُ وَأَبَاهَا» ہے، جبکہ محقق نسخہ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فإن حلَّ أجلُهُ وراهنُهُ غائبٌ أجبرَ الوكيلُ على بيعِه، كوكيلِ بالخصومةِ غابَ موكِّله وأباها» منقول ہے۔

اس صورت میں إِذَا غَابَ الرَّاهِنُ جب غائب ہو راہن وَأَبَى الْوَكِيلُ عَنِ الْبَيْعِ اور انکار کر رہا ہے وکیل بیع سے فَإِنَّ الْمُرْتَهِنَ يَتَضَرَّرُ کیونکہ مرتہن جو ہے اس کو نقصان ہوتا ہے، اس کا دین، اس کو پیسوں کی ضرورت ہے، اس کا نقصان ہو رہا ہے، فَيُجْبَرُ الْوَكِيلُ عَلَى الْبَيْعِ تو مجبور کیا جائے گا وکیل کو بیع پر۔ تو وکیل نے انکار کیا ہے تو اب مرتہن کا نقصان ہو رہا ہے تو اس کو مجبور کیا جائے گا۔ كَمَا يُجْبَرُ عَلَى الْخُصُومَةِ إِذَا غَابَ الْمُوَكِّلُ جیسے کہ مجبور کیا جائے گا وکیل کو خصومت پر جب مؤکل غائب ہو، فَإِنَّ الْمُوَكِّلَ اعْتَمَدَ عَلَيْهِ اس لیے کیونکہ مؤکل یعنی جس نے اس کو وکیل بنایا تھا اعْتَمَدَ عَلَيْهِ۔ بھئی دیکھو ایک شخص نے دوسرے کو وکیل بالخصومت بنایا اور خود کہیں چلا گیا، اس نے تو اپنی طرف سے انتظام کر دیا، وہ تو مطمئن ہو گیا کہ اب میں سفر پر جانا ہے تو میرے پیچھے یہ میرا مقدمہ سنبھال لے گا، تو اس نے تو کس پر اعتماد کیا تھا؟ وکیل بالخصومت پر، اور خود چلا گیا سفر پر، اب وکیل بالخصومت بھی مقدمے کا سامنا کرنے کے لیے تیار نہیں، تو اس صورت میں اس کو مجبور کریں گے کیونکہ مدعی کا حق ضائع ہوتا ہے، اس کا نقصان ہے۔ فَإِنَّ الْمُوَكِّلَ اعْتَمَدَ عَلَيْهِ اس لیے کیونکہ مؤکل جس نے اس کو وکیل بنایا تھا یعنی وکیل بالخصومت جس نے اس کو بنایا تھا اعْتَمَدَ عَلَيْهِ اس نے تو اس وکیل پر اعتماد کیا وَغَابَ اور خود غائب ہو گیا یعنی سفر وغیرہ پر چلا گیا۔ فَلَوْ لَمْ يُخَاصِمْ اگر یہ وکیل بھی مخاصمت نہ کرے بھئی، مقدمے کا سامنا نہ کرے، يَتَضَرَّرُ الْمُوَكِّلُ تو جو مؤکل ہے اس کا نقصان ہو گا جس نے اس کو وکیل بنایا تھا وَيَضِيعُ حَقُّهُ اور اس کا حق ضائع ہو جائے گا، فَيُجْبَرُ الْوَكِيلُ عَلَى الْخُصُومَةِ تو لہٰذا وکیل کو مجبور کیا جائے گا خصومت پر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مؤکل کا بھی حق ضائع ہو گا اس کا نقصان ہوا اور نیز وہ جو مدعی ہے اس کا بھی نقصان ہے، کیونکہ غائب کے خلاف تو قاضی فیصلہ نہیں کر سکتا بھئی۔ یا تو آدمی مقدمے میں خود موجود ہو یا اس کا وکیل موجود ہو پھر ہی قاضی فیصلہ کرتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ غائب کے خلاف قاضی فیصلہ نہیں کر سکتا، یہ ضابطہ ہمیشہ یاد رکھنا۔

وَكَذَا يُجْبَرُ لَوْ شُرِطَ بَعْدَ الرَّهْنِ فِي الْأَصَحِّ اور اسی طرح مجبور کیا جائے گا وکیل کو لَوْ شُرِطَ بَعْدَ الرَّهْنِ اگر وکالت کی شرط عقدِ رہن کے بعد لگوائی گئی فِي الْأَصَحِّ زیادہ صحیح قول کے مطابق۔ بھئی یہ تو اس وکیل کی بات ہو رہی تھی جس کو مجبور کیا جائے گا کہ جس کی شرط عقدِ رہن میں ہی لگائی گئی تھی، رہن رکھواتے وقت ہی اس کو وکیل بنایا گیا تھا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اور اگر کسی وکیل کو بعد میں مقرر کیا گیا، عقدِ رہن ہو گیا اور رہن رکھوائے ہوئے کئی دن بھی مثلاً گزر گئے ہیں، اب بعد میں راہن کو مرتہن کہتا ہے تو راہن نے ایک آدمی کو وکیل بنا دیا کہ مقررہ تاریخ تک اگر میں نے پیسے ادا نہ کیے تو تم اس گاڑی کو بیچ کر اس کے ثمن سے میرے دین کی ادائیگی کر دینا، تو یہ تو بعد میں وکیل بنایا گیا ہے، عقدِ رہن میں تو اس کی شرط نہیں تھی، کیا اس وکیل کو بھی مجبور کیا جائے گا؟ تو اس بارے میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اور دوسرا زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس وکیل کو بھی مجبور کیا جائے گا، اس لیے کیونکہ اگر یہ وکیل اس چیز کو نہیں بیچے گا تو

مرتہن کا نقصان ہو رہا ہے، اسے پیسوں کی ضرورت ہے اور ادائیگی نہیں ہو رہی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَكَذَا يُجْبَرُ لَوْ شُرِطَ بَعْدَ الرَّهْنِ فِي الْأَصَحِّ اور اسی طرح وکیل کو مجبور کیا جائے گا اگر وکالت کی شرط لگائی گئی، توکیل کی شرط لگائی گئی بَعْدَ الرَّهْنِ عقدِ رہن کے بعد فِي الْأَصَحِّ زیادہ صحیح قول میں۔ اعْلَمْ أَنَّ فِي الْجَبْرِ قَوْلَيْنِ جان لے تو کہ جبر میں یعنی مجبور کرنے کے بارے میں قَوْلَيْنِ دو قول ہیں، اس وکیل جو بعد میں مقرر کیا گیا نا اس کے بارے میں دو قول ہیں کہ مجبور کریں گے یا نہیں۔ أَحَدُهُمَا ایک تو یہ ہے کہ أَنَّ الْجَبْرَ إِنَّمَا يَثْبُتُ إِذَا كَانَتِ الْوَكَالَةُ لَازِمَةً کہ جبر اسی وقت ثابت ہو گا جب وکالت لازم ہو، جب وکالت لازم ہو۔ اور وکالت لازم کب ہوتی تھی؟ جب عقدِ رہن میں وکالت کی شرط لگائی۔ اور آپ نے پڑھا اس کو نہ راہن معزول کر سکتا ہے اور نہ مرتہن، اور نہ راہن کے مرنے سے وہ معزول ہوتا ہے اور نہ مرتہن کے مرنے سے وہ معزول ہوتا ہے، وہ ہے وکالتِ لازمہ جس کی عقدِ رہن ہی میں شرط لگائی گئی تھی۔ تو کہتے ہیں کہ أَنَّ الْجَبْرَ إِنَّمَا يَثْبُتُ إِذَا كَانَتِ الْوَكَالَةُ لَازِمَةً کہ جبر جو ہے اسی وقت ثابت ہو گا جب وکالت لازم ہو، وَهِيَ اور وہ یہ وکالتِ لازمہ یہ ہے کہ أَنْ تَكُونَ فِي ضِمْنِ عَقْدِ الرَّهْنِ کہ وہ وکالت عقدِ رہن کے ضمن میں ہو، اسی کے اندر ہو۔ فَإِنْ كَانَ بَعْدَهُ لَا يُجْبَرُ اگر توکیل جو تھی یا وکالت اس کے بعد ہوئی تو پھر مجبور نہیں کیا جا سکتا وکیل کو۔ وَالْآخَرُ اور دوسرا قول جو ہے جو زیادہ صحیح ہے وہ یہ ہے کہ أَنَّ الْجَبْرَ بِنَاءً عَلَى أَنَّ حَقَّ الْمُرْتَهِنِ يَضِيعُ کہ جبر جو ہے، مجبور کرنا، اس بنا پر ہے کہ مرتہن کا حق ضائع ہو رہا ہے فَيُجْبَرُ تو لہٰذا مجبور کیا جائے گا، كَالْوَكِيلِ بِالْخُصُومَةِ إِذَا غَابَ الْمُوَكِّلُ جیسے وکیل بالخصومت جو ہے اس کو مجبور کیا جاتا ہے إِذَا غَابَ الْمُوَكِّلُ جب اس کا مؤکل غائب ہو۔ وَإِنَّمَا كَانَ هٰذَا الْقَوْلُ أَصَحَّ اور یہ والا جو قول ہے زیادہ صحیح ہے لِأَنَّ عَدَمَ الدَّلِيلِ لَا يَدُلُّ عَلَى عَدَمِ الْمَدْلُولِ اس لیے کیونکہ عدمِ دلیل دلالت نہیں کرتی عدمِ مدلول پر خُصُوصًا إِذَا وُجِدَ دَلِيلٌ آخَرُ خاص طور پر جب کوئی دوسری دلیل پائی جائے۔

بھئی دیکھیے یہ مدلول تبھی ثابت ہوتا ہے جب دلیل پائی جائے، جب کیا ہو؟ دلیل پائی جائے۔ جیسے روشنی تب ہی ہو گی جب سورج ہو گا۔ سورج ہو گا تو روشنی ہو گی۔ لیکن سورج نہ ہو تو کیا پھر روشنی نہیں ہو سکتی؟ پھر بھی ہو سکتی ہے، ہو سکتا ہے کوئی اور سبب ہو: آپ نے بجلی جلا لی یا آپ نے ٹارچ جلا لی یا کوئی آپ نے آگ جلا لی، تو دیکھو روشنی کے تو اور بھی صورت ہو سکتی ہے۔ لہٰذا یہاں پر بھی آپ نے کیا کہا؟ دلیل کیا ہے؟ آپ نے کیا کہا وکیل کو کب مجبور کریں گے؟ جب وکالتِ لازمہ ہو، جب کیا ہو؟ توجہ ہے؟ جب وکالتِ لازمہ ہو۔ اور وکالتِ لازمہ کب ہوتی ہے؟ جب عقدِ رہن کے اندر ہو۔ تو وکالتِ لازمہ ہوئی دلیل، اور مجبور کرنا یہ ہے مدلول۔ توجہ ہے؟ وکالتِ لازمہ ہو گی تو وکیل کو کیا کریں گے؟ مجبور کریں گے۔ تو وکالتِ لازمہ ہوئی دلیل، اور وکیل کو مجبور کرنا یہ کیا ہوا؟ مدلول۔ جب دلیل ہو گی تو مدلول بھی پایا جائے گا، وکالتِ لازمہ ہو گی تو وکیل کو بھی کیا کریں گے؟ مجبور کریں گے۔ لیکن اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ وکالتِ لازمہ نہیں تو وکیل کو مجبور بھی نہیں کر سکتے، دلیل نہیں تو مدلول بھی نہیں، تو یہ ضروری نہیں ہے، خاص طور پر جب کوئی دوسری دلیل موجود ہو۔

یہاں پر بے شک وکالتِ لازمہ نہیں لیکن وکیل کو پھر بھی مجبور کر سکتے ہیں کیونکہ ایک اور دلیل موجود ہے اور وہ کیا؟ کہ اگر وکیل کو مجبور نہیں کریں گے تو مرتہن کا نقصان ہو گا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ یہ معنیٰ ہے کہ الدَّلِیلُ، دلیل سے مراد ہے وکالتِ لازمہ، لَا یَدُلُّ عَلٰی عَدَمِ الْمَدْلُولِ، مدلول سے مراد ہے جبرِ وکیل۔ توجہ ہے؟ دلیل سے کیا مراد؟ دلیل سے مراد وکالتِ لازمہ، اور مدلول سے جبرِ وکیل یعنی وکیل کو مجبور کرنا۔ لِأَنَّ عَدَمَ الدَّلِیلِ لَا یَدُلُّ عَلٰی عَدَمِ الْمَدْلُولِ عدمِ دلیل جو ہے وہ عدمِ مدلول پر دلالت نہیں کرتی یعنی وکالتِ لازمہ نہ ہو تو یہ دلالت نہیں کرتی کہ جبرِ وکیل بھی نہیں ہو گا، خُصُوصًا إِذَا وُجِدَ دَلِیلٌ آخَرُ خاص طور پر جب کوئی دوسری دلیل پائی جائے پھر تو مدلول پایا جائے گا بھئی۔ اور دوسری دلیل کیا ہے؟ کہ مرتہن کا حق ضائع ہوتا ہے۔

فَإِنْ بَاعَهُ الْعَدْلُ فَالثَّمَنُ رَهْنٌ پس اگر عادل آدمی نے بیچ دیا اس رہن کو فَالثَّمَنُ رَهْنٌ تو اس کے ثمن جو ہیں وہ رہن ہوں گے۔ عادل آدمی نے کیا کیا؟ وہ تاریخ آ گئی، عادل آدمی نے اس رہن کو بیچ دیا، اس گاڑی کو بیچ دیا اور ثمن وصول کر لیے، تو اب یہ ثمن ابھی ادائیگی نہیں کی اس کے پاس ہیں تو یہ ثمن اب رہن بن گئے، کیونکہ گاڑی تو رہن ہونے سے نکل گئی، وہ تو مشتری لے گیا۔ یہ معنیٰ ہے فَإِنْ بَاعَهُ الْعَدْلُ فَالثَّمَنُ رَهْنٌ اگر عادل آدمی نے اس رہن کو بیچ دیا تو اس کے ثمن جو ہیں وہ رہن ہوں گے۔ فَهُلْكُهُ كَهُلْكِهِ تو اس ثمن کا ہلاک ہونا ایسا ہی ہے جیسے رہن کا ہلاک ہونا۔ توجہ ہے؟ اس ثمن جو رہن کے ثمن مل گئے، ان کا ہلاک ہونا ایسے ہی ہے جیسے رہن کا ہلاک ہونا۔ اور رہن ہلاک ہوتا تھا تو کیا ہوتا تھا؟ مرتہن پر ضمان آتا تھا، تو یہاں پر بھی مرتہن پر ضمان آئے گا بھئی، اور وہی اقل والا ضمان آئے گا۔

فَإِنْ أَوْفٰى ثَمَنَهُ الْمُرْتَهِنَ فَاسْتُحِقَّ۔ اب وہ صورت بیان کرنے لگے ہیں بھئی۔ فَإِنْ أَوْفٰى ثَمَنَهُ الْمُرْتَهِنَ پس اگر عادل نے ادا کر دیے اس رہن کے ثمن الْمُرْتَهِنَ کس کو؟ مرتہن کو، فَاسْتُحِقَّ پھر استحقاق نکل آیا، هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ کہتے ہیں أَيِ الرَّهْنُ یعنی رہن، هُوَ ضمیر رہن کو راجع، یعنی رہن کا کوئی مستحق نکل آیا بیچنے کے بعد۔ بیچنے کے بعد عادل نے کیا کیا؟ اس گاڑی کو اس رہن کو بیچ دیا ہے اور ثمن لے کر پھر مرتہن کو بھی دے دیے ہیں، اس کے بعد اب کوئی مستحق نکل آیا۔ اس نے مشتری کے پاس خالد نے گاڑی دیکھ لی، اس نے کہا یہ تو میری گاڑی ہے، تو قاضی کے پاس گیا اور قاضی کے پاس جا کر اس نے وہ گاڑی اس سے لے لی۔ نہیں، پھر یہاں تفصیل ہے، مستحق نکل آیا، اب دو صورتیں ہیں، دو صورتیں ہیں۔

وہ جو گاڑی ہے، ایک صورت یہ: مشتری کے پاس موجود ہے۔ اگر مشتری کے پاس وہ گاڑی موجود ہے تو خالد قاضی کے پاس جائے گا، گواہ پیش کرے گا اور مشتری سے وہ گاڑی لے لے گا۔ توجہ ہے؟ اور اگر وہ گاڑی مشتری کے پاس تباہ ہو گئی یا چوری ہو چکی، کسی نے خالد کو اطلاع دی کہ آپ کی گاڑی فلاں آدمی کے پاس تھی جو مشتری تھا، اور مشتری سے پوچھا تو گاڑی چوری ہو چکی ہے یا تباہ ہو چکی ہے، جل چکی ہے۔ اب یہ قاضی کے پاس جائے گا اور اب ضمان لینا ہے اس نے اس گاڑی کا، تو کس سے ضمان لے سکتا ہے؟ تو یاد رکھیے، وہ جو مستحق ہے مشتری سے بھی ضمان لے سکتا ہے، اور مشتری پھر کس سے لے گا؟ عادل سے، کیونکہ اس نے اس سے گاڑی خریدی تھی، اور عادل پھر کس سے لے گا؟ عادل

وہ راہن سے بھی لے سکتا ہے، کیونکہ راہن نے یہ دھوکہ دیا تھا، اس نے غیر کی گاڑی اس کے پاس رکھوائی، اور عادل کیا کر سکتا ہے؟ وہی مرتہن سے بھی لے سکتا ہے وہی ثمن جو اس کو دیے تھے۔ توجہ ہے؟ غور سے سننا بھئی، مسئلہ ہے پھیلا زیادہ ہوا ہے، دیکھو عادل نے کیا کیا؟ گاڑی بیچ دی۔ بیچنے کے بعد مشتری کے پاس اس کا کوئی مستحق نکل آیا۔ اب اس کی دو صورتیں ہیں: وہ گاڑی جو ہے مشتری کے پاس موجود ہو گی یا گاڑی ہلاک ہو چکی ہو گی۔ اگر گاڑی مشتری کے پاس موجود ہے، پھر تو وہ مستحق اس گاڑی کو لے جائے گا قاضی کے ذریعے۔ تو مشتری نے تو کس سے خریدی تھی؟ عادل سے اور اس کو باقاعدہ ثمن دیے تھے، تو مشتری جو ہے وہ رجوع کرے گا عادل آدمی پر اور اس سے وہ ثمن واپس لے لے گا۔ اور عادل آدمی، اس نے تو ثمن کس کو دے دیے تھے؟ مرتہن کو، لہٰذا وہ مرتہن سے بھی ثمن لے سکتا ہے اور وہ راہن جس نے اس کے پاس رہن رکھوایا تھا اس سے بھی ثمن لے سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ راہن سے بھی لے سکتا ہے کیونکہ اسی نے تو گاڑی رکھوائی تھی اور مرتہن سے بھی لے سکتا ہے کیونکہ گاڑی کے ثمن اس نے کس کو دیے ہیں؟ مرتہن کو۔ تو جب مرتہن سے ثمن لے لے گا، تو مرتہن نے تو ثمن کس لیے رکھے تھے اپنے پاس؟ دین کے بدلے میں، تو جب ثمن واپس چلے گئے تو دین پھر اسی طرح بھی اس نے وصول کرنا ہے، تو پھر وہ کس پر رجوع کرے گا؟ راہن پر رجوع کرے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

کہتے ہیں فَإِنْ أَوْفٰى ثَمَنَهُ الْمُرْتَهِنَ فَاسْتُحِقَّ أَيِ الرَّهْنُ پس اگر عادل نے ادا کر دیے اس رہن کے ثمن مرتہن کو، پھر اس رہن کا کوئی مستحق نکل آیا، فَفِي الْهَالِكِ تو اس ہلاک ہونے والے رہن میں، دیکھو ایک صورت وہ رہن کیا ہو چکا ہے مشتری کے پاس؟ ہلاک، اور نیچے چار پانچ سطروں کے بعد آ رہا ہے متن میں وَفِي الْقَائِمِ أَخَذَهُ اور اس صورت میں کہ رہن کیا ہو؟ موجود ہو، ابھی ہلاک نہیں ہوا، عبارت مل گئی؟ تو پہلے ہلاک والی صورت بتلانے لگے ہیں کہ اگر رہن ہلاک ہو چکا ہے مشتری کے پاس۔ کہتے ہیں فَفِي الْهَالِكِ ہلاک ہونے والی صورت میں أَيْ إِذَا هَلَكَ الرَّهْنُ فِي يَدِ الْمُشْتَرِي جب رہن ہلاک ہو گیا مشتری کے قبضے میں، ضَمَّنَ الْمُسْتَحِقُّ الرَّاهِنَ توجہ ہے؟ رہن کس کے پاس ہلاک ہو چکا؟ مشتری کے پاس۔ اب خالد جو مستحق ہے اب وہ کس سے ضمان لے سکتا ہے؟ کہتے ہیں بھئی وہ راہن سے بھی ضمان لے سکتا ہے کیونکہ اصل میں یہ گاڑی کس نے غصب کی؟ راہن نے، اس نے رکھوائی تھی عادل کے پاس۔ اور چاہے تو عادل آدمی سے لے ضمان کیونکہ عادل آدمی نے یہ گاڑی بیچی تھی آگے، کہ بھئی تم نے کیسے میری گاڑی بیچ دی؟ اور چاہے تو مشتری سے ضمان لے لے کیونکہ مشتری نے کیسے اس کی گاڑی پر قبضہ کر لیا خرید کر؟ بات سمجھ میں آ گئی؟ وہ تینوں پر رجوع کر سکتا ہے، مشتری پر رجوع کرے گا تو مشتری پھر کس پر رجوع کرے گا؟ عادل پر۔ تو کہتے ہیں وَضَمَّنَ الْمُسْتَحِقُّ الرَّاهِنَ قِيمَتَهُ اور ضامن بنائے گا مستحق جو ہے، یعنی یوں کہیں ضامن بنا سکتا ہے مستحق جو ہے، الرَّاهِنَ کس کو؟ راہن کو، کس چیز کا ضامن بنائے گا؟ قِيمَتَهُ اس رہن کی قیمت کا، کہ وہ مجھے اب دو بھئی تم نے میری گاڑی غصب کی، وَصَحَّ الْبَيْعُ وَالْقَبْضُ اور بیع بھی صحیح اور

قبضہ بھی صحیح یعنی ثمن پر قبضہ بھی صحیح۔ بھئی دیکھو اب یہ صورت سمجھو، اب بات آگئی غصب کی، توجہ ہے؟ غصب کی۔ غصب کسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی چیز پر زبردستی قبضہ کرلے، اس کو چھین کر اٹھا کر لے جائے، یہ ہے غصب۔ اور یاد رکھو غاصب پر لازم ہے، غاصب پر ضمان آتا ہے۔ جب تک وہ چیز موجود ہے تب تک اس پر لازم ہے کہ اسی چیز کو واپس کرے، اور اگر وہ چیز ہلاک ہو چکی ہے تو اس کو پوری قیمت دینی پڑے گی، یہاں اقل وغیرہ کا مسئلہ نہیں، پوری پوری کیا کرنا پڑے گی اس چیز کی قیمت دینا پڑے گی۔ اور یاد رکھو جب غاصب اس چیز کی قیمت دے دیتا ہے تو یوں سمجھیں گے جس وقت اس نے وہ چیز غصب کی تھی اسی وقت یہ اس کا مالک بن گیا تھا۔ بھئی دیکھو نا آپ ایک چیز خریدنے جاتے ہیں، آپ جب اس چیز کے ثمن جیسے ہی دیتے ہیں آپ اس کے مالک بن جاتے ہیں، تو یہاں پر بھی چیز جب اس کے پاس ہلاک ہو چکی ہے تو اب یہ کیا کر رہا ہے اس کی قیمت دے رہا ہے، بدل دے رہا ہے، جب بدل دے گا تو یہ اس چیز کا مالک بن جائے گا، بے شک ختم ہو چکی ہے یا فرض کرو اس نے آگے بیچ دی تھی، کیا کیا تھا؟ بیچ دی تھی اب پتہ نہیں بائع کون تھا، کدھر چلا گیا، کدھر لے گیا، تو اب یہ کیا کرتا ہے؟ اس کی قیمت دے، کہتے ہیں جب قیمت دے گا تو یہ اس چیز کا مالک بن جائے گا اس مغصوبہ شے کا مالک۔ لیکن مالک کب سے شمار کریں گے؟ ابھی جب اس نے پیسے دے دیے؟ کہتے ہیں نہیں، اس وقت سے ہی مالک شمار کریں گے جب اس نے وہ چیز غصب کی تھی۔ جب اس وقت سے مالک ہے اور اس کے بعد اس نے گاڑی کو آگے بیچا ہے تو گویا اس نے اپنی ہی چیز کو آگے بیچا، اپنی ہی، لہٰذا اس کی وہ بیع نافذ ہو جائے گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہاں پر بھی مستحق نے کس پر رجوع کیا؟ راہن پر، کس پر؟ جس نے گاڑی سب سے پہلے غصب کی تھی۔ جب راہن پر رجوع کیا اور راہن نے اس کو اس گاڑی کی قیمت دے دی، جب گاڑی کی قیمت دے دی تو راہن اس گاڑی کا مالک بن گیا۔ کب؟ آج بنا مالک یا جس وقت غصب کی تھی اس وقت سے؟ جس وقت غصب کی تھی اس وقت سے مالک بن گیا۔ جب اس وقت سے مالک بن گیا تو گویا اس نے اپنی ہی چیز رہن رکھوائی تھی۔ جب اپنی ہی چیز رہن رکھوائی تھی تو عادل نے گویا اسی کی گاڑی بیچی۔ جب عادل نے اسی کی گاڑی بیچی تو اس کا بیچنا بھی صحیح، اور گاڑی بیچنے کے بعد عادل آدمی نے اس کے ثمن وصول کیے اور وہ ثمن وصول کر کے اس نے مرتہن کو دیے تاکہ مرتہن ان پر قبضہ کرلے، گویا اس نے اپنا دین وصول کر لیا، مرتہن نے، تو وہ مرتہن کا قبضہ بھی صحیح ہو گیا، مرتہن کا اس پر قبضہ بھی صحیح ہو گیا، یوں کہو مرتہن کو جو ادائیگی تھی وہ ادائیگی بھی صحیح ہو گئی۔ بیع بھی صحیح ہو گئی اور مرتہن کو ادائیگی بھی صحیح ہو گئی۔ تو یہ قبضے سے مراد مرتہن کو جو ادائیگی کر دی مرتہن نے جو قبضہ کر لیا اس ثمن پر آخر میں آکر وہ قبضہ مراد ہے، وہ قبضہ بھی صحیح ہو گیا۔ عادل کی بیع بھی صحیح اور عادل نے ثمن وصول کر کے کس کو دیے؟ مرتہن کو، اور مرتہن نے قبضہ کر لیا یہ مرتہن کا قبضہ صحیح، یہ کون سا قبضہ ہے؟ وہ کس لیے قبضہ کر رہا ہے؟ وہ اپنی دین کو وصول کر رہا ہے۔ تو مرتہن کا قبضہ جو عبارت میں آرہا ہے وَصَحَّ الْبَيْعُ وَالْقَبْضُ اور بیع بھی صحیح ہے اور مرتہن کا قبضہ بھی صحیح ہے، تو یہ مرتہن کا قبضہ مراد ہے اور مرتہن

نے تو قبضہ وصولی والا کیا، گویا اس نے اپنا دین وصول کر لیا۔ تو یہ معنیٰ ہے دیکھیے وَضَمَّنَ الْمُسْتَحِقُّ الرَّاهِنَ قِيمَتَهُ تو ہلاک ہونے والی صورت میں وہ مستحق ضامن بنا سکتا ہے راہن کو اس رہن کی قیمت کا وَصَحَّ الْبَيْعُ اور وہ بیع بھی صحیح ہو گئی، کون سی بیع؟ وہ جو عادل نے بیع کی تھی کیونکہ یہ راہن ہی کی چیز اس نے بیچی ہے، راہن نے جب ضمان ادا کر دیا وہ شروع سے اس گاڑی کا مالک ہے، تو وہ بیع بھی عادل کی صحیح ہو گئی وَالْقَبْضُ اور قبضہ بھی صحیح، اس قبضے سے کس کا قبضہ مراد ہے؟ مرتہن کا، مرتہن نے جو اس ثمن پر قبضہ کیا یعنی یوں کہیں مرتہن کو جو ادائیگی کی گئی وہ ادائیگی بھی صحیح ہو گئی۔

أَوِ الْعَدْلَ اس کا عطف ہے الرَّاهِنَ پر، أَيْ ضَمَّنَ الْمُسْتَحِقُّ الْعَدْلَ مستحق عادل آدمی کو بھی ضامن بنا سکتا ہے، اس سے بھی ضمان لے سکتا ہے کہ گاڑی تو تم نے بیچی ہے، گاڑی تم نے بیچی ہے۔ چنانچہ اب سنو اب کیسی صورت ہو گی۔ مستحق نے عادل پر رجوع کیا اور قاضی کے پاس لے گیا کہ قاضی صاحب اس آدمی نے میری گاڑی بیچی ہے، یہ ہے غاصب، اس نے غصب کی ہے۔ چنانچہ قاضی نے عادل کے خلاف فیصلہ کیا اور عادل کو اس گاڑی کی قیمت دینا پڑ گئی۔ اس کی قیمت لے لے گا نا، گاڑی کی قیمت کس سے لے لے گا؟ عادل آدمی سے اس گاڑی کی قیمت لے لے گا کون؟ وہ مستحق۔ اب یہ جو عادل ہے یہ عادل راہن پر بھی رجوع کر سکتا ہے کیونکہ راہن نے تو اس کے پاس گاڑی رکھوائی تھی، اور جو اس نے ادائیگی کی ہے اس سے وصول کر لے۔ اور یہ مرتہن پر بھی رجوع کر سکتا ہے۔ مرتہن پر کیوں رجوع کر سکتا ہے؟ ہاں کیونکہ اس نے گاڑی کے ثمن وصول کرنے کے بعد کس کو دے دیے تھے؟ مرتہن کو دیے تھے، تو اس سے واپس ثمن لے لے گا، واپس۔ اچھا دوسری بات یہ یاد رکھو: جب یہ اس مستحق نے کس کو ضامن بنایا؟ عادل کو۔ جب عادل اس گاڑی کے پیسے دے گا تو یہ مالک بن جائے گا، گاڑی کا مالک کون بن گیا؟ عادل بن گیا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ اور جب عادل اس کا مالک بن گیا اور کب سے مالک بنا؟ جب گاڑی پر اس نے قبضہ کیا تھا، راہن نے اس کے حوالے کی تھی اور اس نے قبضہ کیا تھا، تو اس وقت سے یہ مالک ہے۔ معلوم ہوا اس نے جو گاڑی بیچی وہ اپنی گاڑی بیچی تھی یا کسی اور کی؟ اپنی گاڑی بیچی، جب اپنی گاڑی بیچی تھی تو اس گاڑی کے جو ثمن آئے تھے وہ ثمن تو اس نے کس کو دیے تھے؟ مرتہن کو دیے تھے، اس نے تو سمجھا تھا یہ ثمن، یہ گاڑی کس کی ہے؟ راہن کی ہے، لیکن اب پتہ چلا گاڑی اس کی اپنی تھی لہٰذا ثمن بھی اس کے اپنے ہوئے، لہٰذا یہ کیا کرے گا؟ وہ ثمن اس سے لے لے گا اور وہ ثمن اس کے اپنے ہو گئے، وہ ثمن اس کے اپنے ہو گئے۔ اور پھر مرتہن کیا کرے گا؟ مرتہن نے تو دین وصول کر لیا تھا ثمن کے ذریعے، اب مرتہن کے ہاتھ سے وہ ثمن پھر نکل گئے، تو اب وہ کیا کرے گا؟ دین کے سلسلے میں پھر کس پر رجوع کرے گا؟ راہن پر رجوع کرے گا۔ اور نیز اس صورت میں بھی جو عادل نے بیع کی وہ بیع بھی اس کی صحیح ہو گئی کیونکہ یہ تو مالک بن گیا تھا، کیا بن گیا؟ یہ مالک تھا تو اس کی بیع بھی صحیح اور قبضہ بھی صحیح یعنی عادل کی بیع صحیح اور مرتہن کا اس ثمن پر قبضہ صحیح یعنی گویا اس کو ادائیگی صحیح ہو گئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنیٰ ہے أَوِ الْعَدْلَ یا وہ مستحق رجوع کرے گا کس پر؟ عادل آدمی پر یعنی اس کی قیمت کا،

ثُمَّ هُوَ الرَّاهِنَ پھر وہ کس پر رجوع کرے گا عادل آدمی؟ راہن پر رجوع کرے گا، بھئی اس کو دھوکہ اصل میں کس نے دیا ہے عادل کو؟ راہن نے، تو وہ راہن پر بھی رجوع کر سکتا ہے اور مرتہن پر بھی۔ دونوں بیان کرنے لگے ہیں۔ دیکھو مستحق نے کس کو ضامن بنایا؟ عادل کو، دوسری صورت کر رہے ہیں نا؟ عادل کو، جب عادل کو ضامن بنایا اس سے ضمان لیا ہے تو عادل میں دو صورتیں ہیں: وہ عادل راہن پر بھی رجوع کر سکتا ہے اور مرتہن پر بھی۔ یہ معنیٰ ہے أَوِ الْعَدْلَ یا مستحق ضامن بنائے گا عادل کو ثُمَّ هُوَ الرَّاهِنَ پھر وہ عادل کس کو ضامن بنائے گا؟ راہن کو، کس کو؟ راہن، ایک صورت۔ آگے آرہا ہے أَوِ الْمُرْتَهِنَ یا کس کو ضامن بنائے گا؟ مرتہن کو۔ تو کہتے ہیں ثُمَّ هُوَ الرَّاهِنَ پھر عادل آدمی راہن کو ضامن بنائے گا وَصَحَّا اور وہ دونوں چیزیں صحیح ہو گئیں۔ کون سی دو چیزیں؟ بیع بھی صحیح اور قبضہ بھی صحیح یعنی عادل کی بیع صحیح اور مرتہن کا اس ثمن پر قبضہ صحیح یعنی گویا اس کو ادائیگی صحیح ہو گئی۔ اور یہ معنیٰ وَصَحَّا اور وہ دونوں بھی صحیح ہو گئے۔

أَوِ الْمُرْتَهِنَ یا وہ عادل کس کو ضامن بنائے گا؟ مرتہن کو، اس مرتہن کا عطف کس پر ہے؟ یہ جو پیچھے دو لفظ پیچھے الرَّاهِنَ آیا بھئی کہ وہ پھر مرتہن کو ضامن بنائے گا کس چیز کا؟ ثَمَنَهُ اس گاڑی کے ثمن کا جو اس نے اس کے حوالے کیے تھے وَهُوَ لَهُ اور وہ ثمن اسی کے ہو جائیں گے عادل کے کیونکہ اس نے اپنی گاڑی بیچی تھی۔ توجہ ہے؟ اس نے اپنی گاڑی بیچی تھی اور اس کے ثمن اس کے اپنے تھے اور اس نے یہ سمجھ کر مرتہن کو دیے تھے کہ یہ تو شاید زید کی گاڑی ہے لیکن پھر پتہ چلا کہ نہیں یہ تو اس کی اپنی گاڑی ہے، جب ضمان اس نے دے دیا تو اب یہ مرتہن سے وہ ثمن واپس وصول کر لے گا وَهُوَ لَهُ اور وہ اسی کے ہوں گے۔ وَرَجَعَ الْمُرْتَهِنُ عَلٰى رَاهِنِهِ بِدَيْنِهِ اور مرتہن نے تو ثمن پر قبضہ کیا تھا کس لیے؟ کہ یہ میرا دین ہے شاید، اور وہ ثمن تو واپس چلے گئے عادل کے پاس، تو اب مرتہن کیا کرے گا؟ اپنے دین کے سلسلے میں پھر کس پر رجوع کرے گا؟ راہن پر۔ یہ معنیٰ ہے وَرَجَعَ الْمُرْتَهِنُ عَلٰى رَاهِنِهِ بِدَيْنِهِ اور رجوع کرے گا مرتہن عَلٰى رَاهِنِهِ اس کے راہن پر بِدَيْنِهِ اپنے دین کے ساتھ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

أَيِ الْمُسْتَحِقُّ إِمَّا أَنْ يُضَمِّنَ الرَّاهِنَ قِيمَةَ الرَّهْنِ یا تو مستحق جو ہے وہ ضامن بنائے گا راہن کو رہن کی قیمت کا لِأَنَّهُ غَاصِبٌ کیونکہ حقیقت میں غاصب وہی ہے، وَحِينَئِذٍ صَحَّ الْبَيْعُ وَقَبْضُ الثَّمَنِ اور اس وقت وہ بیع بھی صحیح ہو جائے گی اور ثمن پر قبضہ بھی، یعنی جو مرتہن کو ادائیگی کر دی گئی، مرتہن نے جو ثمن، عادل نے کیا کیا؟ ثمن وصول کیے مشتری سے، بیچی گاڑی ثمن وصول کیے اور وصول کر کے کس کو دیے؟ مرتہن کو دیے، تو مرتہن کا جو

ثمن پر قبضہ ہے وہ بھی صحیح، بلکہ زیادہ واضح لفظ یوں کہا جائے کہ بیع بھی صحیح ہو گئی اور مرتہن کو ادائیگی بھی صحیح ہو گئی۔ لِأَنَّ الرَّاهِنَ مَلَكَهُ بِأَدَاءِ الضَّمَانِ اس لیے کیونکہ وہ راہن جو ہے وہ اس کا مالک ہو گیا اس رہن کا، ضمان ادا کرنے کی وجہ سے، گویا شروع سے ہی گاڑی اس کی ہے جب سے اس نے غصب کی ہے۔ وَإِمَّا أَنْ يُضَمِّنَ الْعَدْلَ الْقِيمَةَ یا وہ مستحق عادل آدمی کو ضامن بنائے گا القیمۃ اس گاڑی کی قیمت کا، لِأَنَّهُ مُتَعَدٍّ کیونکہ اس نے زیادتی کی ہے۔ متعدی: زیادتی کرنے

والا۔ لِأَنَّهُ مُتَعَدٍّ اس لیے کیونکہ وہ عادل زیادتی کرنے والا ہے۔ بھئی اس نے کیا زیادتی کی ہے؟ کہتے ہیں بِالْبَيْعِ وَالتَّسْلِيمِ بیچنے کے ذریعے اور سپرد کرنے سے۔ اس نے گاڑی بیچی اور مشتری کے سپرد کی، وہ زیادتی کرنے والا ہے تو اس سے بھی ضمان لے سکتا ہے۔ وَحِينَئِذٍ اور اس وقت الْعَدْلُ بِالْخِيَارِ عادل آدمی کو اختیار ہے، إِمَّا أَنْ يُضَمِّنَ الرَّاهِنَ الْقِيمَةَ یا تو وہ راہن کو ضامن بنا دے اس کی قیمت کا، وَحِينَئِذٍ صَحَّ الْبَيْعُ وَقَبْضُ الثَّمَنِ اور جب وہ راہن کو ضامن بنا دے گا اس وقت پھر بیع صحیح ہو جائے گی اور ثمن پر قبضہ یعنی مرتہن کا ثمن پر قبضہ بھی صحیح ہو جائے گا، یعنی مرتہن کو ادائیگی صحیح ہو گئی۔ وَإِمَّا أَنْ يُضَمِّنَ الْمُرْتَهِنَ الثَّمَنَ الَّذِي أَدَّاهُ إِلَيْهِ یا وہ عادل آدمی مرتہن کو ضامن بنائے گا اس ثمن کا جو اس نے مرتہن کو ادا کیے تھے، اس کا ضامن بنائے گا، اس سے وہ لے لے گا، وَهُوَ لَهُ اور وہ اسی کے ہوں گے، أَيْ ذٰلِكَ الثَّمَنُ يَكُونُ لِلْعَدْلِ وہ ثمن اسی عادل آدمی کے ہوں گے۔ فَيَرْجِعُ الْمُرْتَهِنُ عَلَى رَاهِنِهِ بِدَيْنِهِ تو پھر مرتہن رجوع کرے گا راہن پر اپنے دین کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَفِي الْقَائِمِ اور اگر وہ بیعہ کیا ہو؟ قائم ہے، موجود ہے، ہلاک نہیں ہوا، تو پھر کیا صورت ہو گی؟ ادھر دیکھیے: مشتری کے پاس ابھی وہ گاڑی موجود ہے، تو مستحق جا کر وہ گاڑی لے لے گا، گاڑی لے لے گا۔ اور پھر مشتری ثمن کے سلسلے میں کس پر رجوع کرے گا؟ عادل پر۔ اور عادل جو ہے پھر راہن اور مرتہن دونوں پر رجوع کر سکتا ہے۔ کہتے ہیں وَفِي الْقَائِمِ اور وہ مرہون جو موجود ہو، أَخَذَهُ أَيِ الْمُسْتَحِقُّ الْمَرْهُونَ۔ أَخَذَ لے لے گا۔ کون لے گا؟ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ آگے بتلایا أَيِ الْمُسْتَحِقُّ یعنی کہ مستحق۔ أَخَذَهُ پھر یہ هَا ضمیر مفعول کی، کیا لے لے گا وہ مستحق؟ الْمَرْهُونَ اس مرہون چیز کو۔ وَفِي الْقَائِمِ اور وہ مرہون جو موجود ہو، أَخَذَهُ أَيِ الْمُسْتَحِقُّ الْمَرْهُونَ لے لے گا یعنی وہ مستحق اس مرہون کو مِنْ مُشْتَرِيهِ اس کے خریدار سے، وَرَجَعَ هُوَ عَلَى الْعَدْلِ اور پھر وہ مشتری رجوع کرے گا عادل پر کیونکہ اس نے چیز اس کو بیچی تھی، بِثَمَنِهِ کس چیز کے ساتھ رجوع کرے گا؟ ثمن کے ساتھ، یعنی ثمن اس سے لے گا کیونکہ اس نے ثمن دیے تھے اس کو۔ وَرَجَعَ هُوَ عَلَى الْعَدْلِ بِثَمَنِهِ اور مشتری رجوع کرے گا عادل آدمی پر اس کے ثمن کے ساتھ کیونکہ اس عادل نے اس مشتری سے ثمن وصول کیے تھے۔ ثُمَّ هُوَ عَلَى الرَّاهِنِ بِهِ اور پھر وہ جو عادل آدمی ہے وہ رجوع کرے گا ثمن کے ساتھ کس پر؟ راہن پر، راہن پر رجوع کرے گا۔ نہیں بات سمجھ میں آئی؟ بھئی دیکھو نا مشتری سے تو گاڑی مستحق لے گیا، اب مشتری نے تو اپنے ثمن دیے تھے عادل کو، تو مشتری جا کر کیا کرے گا اس سے اپنے ثمن لے لے گا، اور جب اس سے ثمن لے لیے، اس نے تو ثمن کس کو دے دیے تھے؟ عادل نے، عادل نے تو ثمن کس کو دے دیے تھے؟ مرتہن کو دے دیے تھے، لہٰذا عادل کو پھر وہی اختیار: وہ چاہے تو مرتہن سے وہ ثمن لے لے اور چاہے تو اس ثمن کے بارے میں کس پر رجوع کر دے؟ راہن پر رجوع کر دے۔ یہ معنیٰ ہے ثُمَّ هُوَ عَلَى الرَّاهِنِ بِهِ پھر جو عادل ہے وہ رجوع کرے گا راہن پر بِهِ أَيْ بِالثَّمَنِ کس کے ساتھ؟ اس ثمن کے ساتھ، وَصَحَّ الْقَبْضُ اور قبضہ صحیح ہو جائے گا۔

بعض جگہ ثمن کی بات ہو رہی ہے بعض جگہ قیمت کی بات ہو رہی ہے، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ جس جس نے ثمن

لیے ہیں یا جس نے ثمن کا جس کا نقصان ہوا ہے تو وہ ثمن کے ساتھ ہی رجوع کرے گا۔ ثمن اور ہے قیمت اور ہے۔ ثمن تو گاڑی کے، میرے اور آپ کے درمیان مثلاً دس لاکھ والی گاڑی ہے، میرے اور آپ کے درمیان طے ہوا گیارہ لاکھ میں، میں نے بیچ دی، گاڑی کتنے کی تھی؟ دس، میں نے کتنے کی بیچ دی؟ گیارہ میں، تو ثمن تو ہو سکتا ہے کم بھی ہو، ہو سکتا ہے زیادہ ہوں، اور قیمت مارکیٹ میں ایک ریٹ ہوتا ہے، ایک چیز کا تاجروں کو اندازہ ہوتا ہے، کئی تاجروں سے آپ پوچھیں گے تو وہ چیزوں کے ریٹ بتائیں گے، ان کے ریٹ قریب قریب ہوتے ہیں، تو یہ ہے اس چیز کی قیمت، مثلاً گاڑی کی قیمت ہے دس لاکھ اور ثمن کتنے ہیں؟ گیارہ لاکھ۔ توجہ ہے؟ اب دیکھو مشتری سے کون لے گیا؟ مستحق۔ تو مشتری جا کر عادل سے اس کی قیمت نہیں لے گا، قیمت تو وہاں لی جاتی ہے نا جہاں ثمن نہ ہوتے، یہاں مشتری کا تو نقصان کتنا ہوا ہے؟ قیمت کا نقصان ہوا ہے یا ثمن اس کے ہاتھ سے نکلے ہیں؟ ثمن نکلے ہیں تو وہ ثمن لے گا کس سے؟ عادل آدمی سے۔ قیمت تو دس لاکھ ہے لیکن میں نے تو کتنے دیے تھے؟ گیارہ لاکھ، تو مجھے گیارہ لاکھ چاہئیں، میرے تو گیارہ لاکھ ہاتھ سے نکلے ہیں، تو وہ ثمن جا کر لے گا کس سے؟ عادل سے۔ اور عادل کا اب کتنا نقصان ہو گیا؟ وہ ثمن کا نقصان ہوا یا قیمت والا ہوا؟ ثمن، تو وہ بھی رجوع ثمن کے ساتھ ہی کرے گا، بات سمجھ میں آ گئی؟ اور پچھلے مسئلے میں تھا کہ مستحق جو تھا اس نے مشتری کے بجائے براہِ راست کس پر رجوع کیا تھا؟ راہن پر۔ اور راہن پر جب رجوع کرے گا تو قیمت لے گا اس سے اپنی گاڑی کی قیمت، کیونکہ مستحق کا تو کوئی ثمن کا نقصان نہیں ہوا اس کا تو گاڑی کا نقصان ہوا ہے، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو وہاں قیمت کی بات تھی اور یہاں ثمن کی ہے، تو جہاں جہاں ہاتھ سے ثمن جس کے نکلے ہیں وہ ثمن کے ساتھ رجوع کرے گا، اور جس کے ہاتھ سے کوئی چیز صرف گاڑی نکلی ہے تو وہاں قیمت کے ساتھ رجوع ہو گا۔

یہ معنیٰ ہے ثُمَّ هُوَ عَلَى الرَّاهِنِ بِهِ پھر جو ہے عادل وہ رجوع کرے گا راہن پر بِهِ أَيْ بِالثَّمَنِ ثمن کے ساتھ، وَصَحَّ الْقَبْضُ اور مرتہن کا اس ثمن پر قبضہ صحیح ہو گیا۔ مرتہن نے جو ثمن پر قبضہ کیا تھا، کس نے دیے؟ عادل نے، وہ قبضہ کیا ہوا؟ صحیح ہو گیا کیونکہ عادل کا جو نقصان ہوا اس نے پہلے ثمن کس کو دیے تھے؟ مرتہن کو، اور اب اس نے اپنی جیب سے ثمن دیے، اب یہ مرتہن سے بھی لے سکتا تھا لیکن اس نے تو کس سے لے لیے؟ راہن سے لے لیے، جب راہن سے لے لیے اس کا تو نقصان پورا ہو گیا، لہٰذا مرتہن کا اس ثمن پر قبضہ صحیح ہوا اس نے اپنے دین میں وصول کر لیا۔ یہ معنیٰ ہے وَصَحَّ الْقَبْضُ اور مرتہن کا قبضہ صحیح ہو گیا ثمن پر۔ أَوْ عَلَى الْمُرْتَهِنِ یا یہ عادل کس پر رجوع کرے گا؟ مرتہن پر بِثَمَنِهِ اس کے ثمن کے ساتھ کیونکہ ثمن اس نے کس کو دیے تھے؟ مرتہن کو۔ ثُمَّ هُوَ عَلَى الرَّاهِنِ بِدَيْنِهِ اور پھر مرتہن رجوع کرے گا راہن پر دین کے ساتھ کیونکہ مرتہن نے تو ثمن اپنے پاس دین کی وصولی کے طور پر رکھے تھے، دین تو وصول نہیں ہوا وہ تو واپس ہاتھ سے ثمن نکل گئے، تو اب وہ دین کے ساتھ رجوع کرے گا راہن پر۔ یہ معنیٰ ہے ثُمَّ هُوَ عَلَى الرَّاهِنِ بِدَيْنِهِ پھر مرتہن جو ہے وہ رجوع کرے گا راہن پر اپنے دین کے ساتھ۔

پھر وہی شرح کر رہے ہیں، کہتے ہیں أَيِ الْعَدْلُ بِالْخِيَارِ عادل آدمی کو اختیار ہے، توجہ ہے؟ مستحق نے اپنی گاڑی کس سے لے لی؟ مشتری سے، اور مشتری نے اپنے ثمن کس سے لے لیے؟ عادل سے، اور عادل نے تو وہ پیسے کس کو دے دیے تھے ثمن؟ مرتہن کو، تو عادل کو اب اختیار ہے، چاہے تو مرتہن سے وہ ثمن واپس لے لے اور چاہے تو راہن سے ثمن لے۔ تو کہتے ہیں أَيِ الْعَدْلُ بِالْخِيَارِ عادل آدمی کو اختیار ہے إِمَّا أَنْ يَرْجِعَ عَلَى الرَّاهِنِ بِالثَّمَنِ یا تو وہ رجوع کرے راہن پر ثمن کے ساتھ وَحِينَئِذٍ صَحَّ قَبْضُ الْمُرْتَهِنِ الثَّمَنَ اور اس صورت میں مرتہن کا ثمن پر قبضہ صحیح ہو گیا اس نے اپنا دین وصول کر لیا، وَإِمَّا أَنْ يَرْجِعَ عَلَى الْمُرْتَهِنِ یا وہ عادل رجوع کرے گا مرتہن پر یعنی اس سے وہ ثمن واپس لے لے گا، ثُمَّ الْمُرْتَهِنُ يَرْجِعُ عَلَى الرَّاهِنِ بِدَيْنِهِ پھر مرتہن رجوع کرے گا راہن پر اپنے دین کے ساتھ کہ میرا دین مجھے دے دو، وہ ثمن تو واپس میرے ہاتھ سے نکل گئے۔

وَإِنْ لَمْ يُشْتَرَطِ التَّوْكِيلُ فِي الرَّهْنِ اور اگر شرط نہیں تھی توکیل کی فِي الرَّهْنِ رہن میں۔ اچھا، اب دوسری صورت آ گئی۔ بھئی یہ وہ صورت تھی جب عقدِ رہن کے اندر ہی اس عادل آدمی کو وکیل بنایا گیا تھا، توجہ ہے؟ جب عقدِ رہن ہی کے اندر ایک آدمی کو وکیل بنایا گیا ہے تو اب اس توکیل کا تعلق دونوں کے ساتھ ہے، کس کے ساتھ؟ توجہ ہے؟ کس چیز کا وکیل بنایا؟ رہن کا، اور رہن کے ساتھ دونوں کا حق وابستہ ہے، جب دونوں کا حق وابستہ ہے اور عقدِ رہن کے اندر اس کو وکیل بنایا ہے تو آپ نے پڑھا ہے کہ یہ وکالت لازمی ہوتی ہے اور اس کو نہ راہن معزول کر سکتا ہے اور نہ مرتہن معزول کر سکتا ہے۔ اب دوسری صورت ہے کہ عقدِ رہن میں وکیل نہیں بنایا، بعد میں وکیل بنایا، صرف کس نے بنا دیا؟ راہن نے، کس نے؟ بعد میں وکیل بنایا راہن نے کہ جاؤ بھئی میری وہ گاڑی بیچ دو اور بیچ کر ثمن مرتہن کو ادا کر دو۔ اس صورت میں اگر وہ ضمان مستحق آدمی عادل سے ضمان لیتا ہے یا وہ مشتری آ کر ثمن کس سے لیتا ہے؟ عادل آدمی سے، تو پھر عادل آدمی مرتہن پر رجوع نہیں کر سکتا چاہے وہ اس کو پیسے دے چکا ہو۔ توجہ ہے؟ مسئلہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ مستحق نے کس سے آ کر ضمان وصول کیا؟ عادل سے، یا مشتری نے آ کر ثمن کس سے وصول کیے؟ عادل سے، اور عادل تو وہ ثمن کس کو دے چکا؟ مرتہن کو، تو کیا اب بھی یہ عادل آدمی راہن اور مرتہن دونوں پر رجوع کر سکتا ہے، اسے اختیار ہے؟ کہتے ہیں نہیں، اب تو عقدِ رہن کے اندر توکیل نہیں تھی، بعد میں اس کو کس نے وکیل بنایا ہے؟ راہن کا، لہٰذا مرتہن پر رجوع نہیں کر سکتا۔ یہ ایسے ہی ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے میں کسی کو کہوں کہ بھئی یہ میری گاڑی لے جاؤ اور اس کو فروخت کرو اور اس کے پیسے زید کو دے دو، کس کو دے دو؟ تو اس نے پیسے زید کو دے دیے اور بعد میں اس گاڑی کا کوئی اور مستحق نکل آیا اور اس نے آ کر عادل سے پیسے وصول کیے تو عادل اب زید پر رجوع نہیں کر سکتا کہ تمہیں تو میں نے پیسے دیے تھے، کیوں؟ وہ تو میں نے اس کو کہا تھا کہ اس کو پیسے دے دینا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ لہٰذا اب اس کا اس توکیل سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس نے پیسے وصول کر لیے بھئی، تو لہٰذا اب وہ صرف راہن پر رجوع کرے گا۔

وَإِنْ لَمْ يُشْتَرَطِ التَّوْكِيلُ فِي الرَّهْنِ اور اگر وکیل بنانا شرط نہیں تھا رہن میں، عقدِ رہن میں، رَجَعَ الْعَدْلُ عَلَى الرَّاهِنِ فَقَطْ تو رجوع کرے گا عادل صرف راہن پر قَبَضَ الْمُرْتَهِنُ الثَّمَنَ أَوْ لَا مرتہن نے ثمن پر قبضہ کیا ہو یا قبضہ نہ کیا ہو، وہ صرف راہن پر رجوع کر سکتا ہے، مرتہن پر رجوع نہیں کر سکتا۔

أَيْ مَا ذُكِرَ خِيَارُ الْعَدْلِ بَيْنَ تَضْمِينِ الرَّاهِنِ أَوِ الْمُرْتَهِنِ کہتے ہیں وہ جو ذکر کیا گیا کہ عادل آدمی کو اختیار ہو گا کہ وہ ضامن بنائے راہن کو یا مرتہن کو، إِنَّمَا يَكُونُ إِذَا كَانَتِ الْوَكَالَةُ مَشْرُوطَةً فِي عَقْدِ الرَّهْنِ کہتے ہیں یہ اس وقت ہو گا جب وکالت کی شرط لگائی گئی ہو عقدِ رہن میں، فَإِنَّهُ حِينَئِذٍ تَعَلَّقَ حَقُّ الْمُرْتَهِنِ بِالْوَكَالَةِ تو اس وقت مرتہن کا حق بھی متعلق ہو گیا وکالت سے، فَلِلْعَدْلِ تَضْمِينُ الْمُرْتَهِنِ تو پھر اس عادل کو مرتہن کو بھی ضامن بنانے کا حق حاصل ہے، جائز ہے اس کے لیے کہ مرتہن کو ضامن بنائے، کیوں؟ لِأَنَّهُ بَاعَهُ لِحَقِّهِ اس لیے کیونکہ اس نے اس رہن کو بیچا تھا، اس عادل آدمی نے اس رہن کو بیچا تھا، لِحَقِّهِ أَيْ لِحَقِّ الْمُرْتَهِنِ کس کے حق کی وجہ سے؟ مرتہن کے حق کی وجہ سے، لہٰذا وہ مرتہن پر بھی رجوع کر سکتا ہے۔ أَمَّا إِذَا لَمْ تَكُنْ مَشْرُوطَةً فِي الرَّهْنِ اور اگر وکالت مشروط نہ تھی رہن میں، تَكُونُ كَالْوَكَالَةِ الْمُفْرَدَةِ تو یہ وکالتِ مفردہ کی طرح ہوئی، عام اکیلی وکالت کی طرح، ایک رہن والی وکالت ایک عام وکالت، تو وکالتِ مفردہ یعنی اکیلی وکالت یعنی جو صرف ایک راہن کی طرف سے ہے، فَإِنَّهُ إِذَا بَاعَ الْوَكِيلُ۔ وکالتِ مفردہ: کوئی آدمی میں نے جیسے صورت بیان کر دی، میں نے کسی کو کہا کہ یہ گاڑی لو میری اور اس کو لے جا کر بیچ دو اور پیسے ثمن کس کو دے دینا؟ وہ تیسرے زید کو دے دینا، تو بعد میں وہ کوئی اور مستحق نکل آیا اور انہوں نے آ کر وکیل سے ضمان وصول کیا تو وکیل مؤکل پر رجوع کرے گا، جس کو پیسے دیے ہیں اس پر رجوع نہیں کر سکتا بھئی۔ یہ معنیٰ ہے كَالْوَكَالَةِ الْمُفْرَدَةِ جیسے کہ وکالتِ مفردہ ہے، فَإِنَّهُ إِذَا بَاعَ الْوَكِيلُ وَأَدَّى الثَّمَنَ إِلَى آخَرَ بِأَمْرِ الْمُوَكِّلِ اس لیے کیونکہ جب وکیل بیچ دیتا ہے، وکیل نے کوئی چیز بیچ دی اور ثمن ادا کر دیے کسی دوسرے کو مؤکل کے حکم سے، ثُمَّ لَحِقَهُ عُهْدَةٌ پھر اس کو کوئی تاوان یا ضمان لاحق ہوا، لَا يَرْجِعُ عَلَى الْقَابِضِ تو وہ ثمن پر قبضہ کرنے والے پر رجوع نہیں کر سکتا۔ فَهٰهُنَا یہاں پر بھی لَا يَرْجِعُ إِلَّا عَلَى الرَّاهِنِ عادل جو ہے وہ رجوع نہیں کرے گا مگر صرف راہن پر ہی، مرتہن پر رجوع نہیں کر سکتا، سَوَاءٌ قَبَضَ الْمُرْتَهِنُ

الثَّمَنَ أَوْ لَمْ يَقْبِضْ برابر ہے کہ مرتہن نے ثمن پر قبضہ کیا ہو یا قبضہ نہ کیا ہو۔ بھئی مرتہن نے قبضہ کیا ہوا ہے ثمن پر، پھر تو بات بنتی ہے کہ آپ کہیں بھئی کیوں نہیں رجوع کر رہے آپ اس پر؟ وہ کہے گا نہیں بھئی اس کے، اس وکالت کے ساتھ اس کا تعلق نہیں تھا، یہ تو مجھے مؤکل نے کہا تھا کہ پیسے اس کو دے دو۔ توجہ ہے؟ پھر سنو، کہتے ہیں کہ اس صورت میں جب عقدِ رہن کے بعد وکیل بنایا گیا ہے، پھر عادل نے اس چیز کو، رہن کو بیچ دیا، پھر اس کا کوئی مستحق نکل آیا، تو یہ عادل آدمی صرف راہن پر رجوع کرے گا مرتہن پر رجوع نہیں کرے گا، چاہے وہ ثمن جو وصول ہوئے تھے وہ اس نے مرتہن کو دیے ہوں یا نہ دیے ہوں۔ بھئی دیے ہوں، پھر تو رجوع کی بات بھی سمجھ میں آتی ہے، اگر دیے ہی نہیں اس نے مرتہن کو

ثمن، پھر تو معلوم ہوا ثمن اس کے پاس ہیں، پھر رجوع کس چیز کا؟ توجہ ہے؟ ثمن تو اس کے پاس ہی ہیں نا، اس کا نقصان ہوا تو بس وہی ثمن ہی ہاتھ سے نکلے گا اور تو کچھ نہیں ہوا اس کا، تو یہ رجوع کس طرح کرے گا؟ کہتے ہیں اس کی بھی صورت ہے۔ صورت یہ کہ اس نے ثمن لے لیے تھے، گاڑی کے ثمن وصول کر لیے، مرتہن کو ابھی دیے نہیں تھے کہ وہ ثمن اس کے پاس چوری ہو گئے اور ہلاک ہو گئے، اور وہ تو اس کے پاس بطور امانت کے تھے، کیا تھے؟ امانت کے طور پر تھے، لہٰذا اس پر ضمان تو کوئی نہیں آئے گا، عادل آدمی پر تو ضمان نہیں آتا وہ تو احسان کر رہا ہے کہ دونوں کی چیز اس نے اپنے پاس رکھ لی ہے، لہٰذا اس پر ضمان نہیں آئے گا۔ لہٰذا اس صورت میں دیکھو، گاڑی کا کوئی اور مستحق نکل آیا اور اس نے آکر اس سے گاڑی کے ثمن وصول کر لیے، لیکن گاڑی کے اصل ثمن جو اس نے لیے تھے وہ تو اس کے پاس ضائع ہو گئے، اب اس بیچارے کا نقصان ہو گیا، وہ جو گاڑی کے اصل ثمن تھے وہ بھی ضائع ہو گئے اور جو مشتری ہے اس نے بھی آکر اس سے ضمان لے لیا، تو اس کے تو ثمن جتنا نقصان ہو گیا، تو وہ کس پر رجوع کرے گا؟ راہن پر کیا کرے گا؟ رجوع کرے گا مرتہن پر رجوع نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں وَصُورَةُ مَا لَمْ يَقْبِضْ اور صورت وہ جس میں اس نے قبضہ نہ کیا ہو: كَأَنَّ الْعَدْلَ بَاعَ الرَّهْنَ بِأَمْرِ الرَّاهِنِ وہ یہ کہ عادل آدمی نے رہن کو بیچ دیا راہن کے حکم سے، وَضَاعَ الثَّمَنُ فِي يَدِ الْعَدْلِ بِلَا تَعَدِّيهِ اور وہ ثمن ضائع ہو گئے عادل آدمی کے قبضے میں بغیر اس کی زیادتی کے، اس نے کوئی زیادتی نہیں کی، اپنی طرف سے پوری حفاظت کی تھی لیکن وہ ثمن چوری ہو گئے یا ضائع ہو گئے، ثُمَّ اسْتُحِقَّ الْمَرْهُونُ پھر اس مرہون چیز کا کوئی مستحق نکل آیا، فَالضَّمَانُ الَّذِي يَلْحَقُ الْعَدْلَ يَرْجِعُ بِهِ عَلَى الرَّاهِنِ پھر وہ ضمان جو عادل کو لاحق ہو گا تو وہ اس کے ساتھ رجوع کرے گا کس پر؟ راہن پر، راہن پر۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

فَإِنْ هَلَكَ الرَّهْنُ مَعَ الْمُرْتَهِنِ فَاسْتُحِقَّ وَضَمَّنَ۔ اب تیسری صورت آگئی بھئی۔ توجہ سے بھئی، یہ ذرا مشکل صورت ہے۔ صورت یہ کہ زید نے عمرو سے دین لیا اور اپنی گاڑی مرتہن کے پاس بطور ضمانت کے رکھوا دی۔ مرتہن کے پاس، اب عادل نہیں ہے بلکہ کس کے پاس ہے گاڑی؟ مرتہن کے۔ عادل کے پاس گاڑی تھی اور اس کا کوئی مستحق نکلا تھا وہ تفصیل گزر گئی۔ اب گاڑی کس کے پاس ہے؟ مرتہن کے پاس، اور پھر مرتہن کے پاس یہ رہن ہلاک ہو گیا، یہ گاڑی ہلاک ہو گئی، جل گئی، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ گاڑی ہلاک ہو گئی۔ پھر اس گاڑی کا کوئی مستحق نکل آیا، پتہ لگا یہ تو کسی اور کی گاڑی زید نے اس کے حوالے کی تھی۔ اب وہ جو مستحق ہے اس کو اختیار ہے، وہ چاہے تو زید پر رجوع کرے جو راہن ہے کیونکہ اس نے گاڑی اصل میں غصب کی تھی، اور وہ چاہے تو مرتہن پر رجوع کرے کیونکہ مرتہن نے گاڑی پر قبضہ کر کے زیادتی کی ہے، غیر کی گاڑی پر قبضہ کیا ہے۔ تو وہ دونوں پر رجوع کر سکتا ہے، توجہ ہے؟ اب دیکھنا، سننا بھئی عجیب مسئلہ۔ اگر تو وہ راہن پر رجوع کرتا ہے مستحق، اور آکر اس سے گاڑی کا ضمان لے لیتا ہے، تو راہن کب سے گاڑی کا مالک بن گیا؟

جب سے غصب کی ہے۔ تو گویا جب اس نے مرتہن کو گاڑی دی تو اپنی ہی گاڑی دی، تو مرتہن کے حوالے کرنا بھی صحیح اور مرتہن کا اس پر قبضہ بھی صحیح، اور وہ رہن ہے اور وہ رہن مرتہن کے پاس ہلاک ہو گیا، اور مرتہن کے پاس جب رہن ہلاک ہو جائے تو کس کے بدلے ہلاک ہوتا ہے؟ دین کے بدلے، دین کے بدلے ہلاک ہوتا ہے لہٰذا اس کا دین گویا اس نے وصول کر لیا کیونکہ رہن پر قبضہ کس لیے ہوتا ہے؟ وصولی کے لیے ہوتا ہے نا، تو گویا اس نے اپنا دین وصول کر لیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

دوسری صورت: پہلی صورت میں مستحق نے کس پر رجوع کیا تھا؟ راہن پر۔ توجہ سے سنو، مشکل مقام ہے۔ دوسری صورت: مستحق نے مرتہن پر رجوع کر لیا جس کے قبضے میں گاڑی ہلاک ہوئی ہے، مرتہن کو قیمت دینا پڑ گئی گاڑی کی۔ تو اب یاد رکھو، مرتہن اس گاڑی کی قیمت بھی راہن سے وصول کرے گا اور اپنا دین بھی وصول کرے گا۔ توجہ ہے؟ اب اس پر ضمان کوئی نہیں۔ پچھلی صورت میں کیا تھا؟ گاڑی مرتہن کے پاس ہلاک ہوئی تھی تو مرتہن پر بھی تو ضمان آیا تھا نا، اور اس کے ذریعے اس نے گویا دین اپنا... نہیں توجہ، میرا خیال ہے تھک گئے ہیں، تھک گئے ہیں۔ بھئی دیکھو پچھلی صورت میں ہلاک ہوئی تھی تو مرتہن نے... بھئی دیکھو نا اس نے ضمان کس سے لیا؟ مستحق نے، راہن سے لیا، اور گویا راہن نے جب سے غصب کی وہ کیا بن چکا گاڑی کا؟ مالک، جب مالک بنا تو اپنی ہی گاڑی اس نے مرتہن کے پاس رکھوائی، اور وہ رہن ہے، اور وہ رہن مرتہن کے پاس ہلاک ہو جائے تو اس پر کیا آتا ہے؟ ضمان، تو اس پر ضمان آیا اور دین کیا ہو گیا اس سے؟ ساقط ہو گیا، فرض کرو دین بھی اتنا ہی تھا، بات سمجھ میں آگئی، ورنہ تو اقل کو دیکھا جاتا ہے، تو اقل کو تو یہاں بھی دیکھنا ہے لیکن فرض کرو وہ برابر تھا تو اس نے وصولی کر لی۔ اب دوسری صورت: کہ مستحق نے راہن پر رجوع نہیں کیا، اس نے مرتہن پر رجوع کر لیا کہ تمہارے پاس میری گاڑی تھی ہلاک ہوئی ہے، قاضی کے پاس لے گیا اور اس نے گاڑی کی قیمت اس سے وصول کر لی۔ اب مرتہن جو ہے وہ جو قیمت اس نے کس کو دے دی گاڑی کی؟ مستحق کو، وہ قیمت بھی وصول کرے گا راہن سے اور اپنا دین بھی وصول کرے گا۔ توجہ ہے؟ وہ قیمت بھی وصول کرے گا اور دین بھی۔ بھئی کیوں؟ یہ گاڑی تو مرتہن کے پاس ہلاک ہوئی ہے، مرتہن پر ضمان آتا ہے اور رہن پر قبضہ کس لیے ہوتا ہے؟ دین کی وصولی کے لیے، تو گویا اس نے دین تو اپنا وصول کر لیا ہے، توجہ ہے؟ اس نے دین تو اپنا وصول کر لیا ہے تو اب صرف قیمت میں رجوع کرنا چاہیے، یہ ایک زائد خرچہ اس کے اوپر آگیا، بات سمجھ میں آگئی؟ کہتے ہیں نہیں، اس صورت میں، اس صورت میں یہ جو مرتہن ہے وہ قیمت بھی لے گا اور دین بھی لے گا۔ کیوں؟ وجہ یہ، اب وجہ سنو۔ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ جب مستحق نے اس پر رجوع کیا، قیمت ادا کرے گا تو یہ گاڑی کا مالک بن گیا، کیا بن گیا؟ مالک بن گیا، جب گاڑی کا مالک بن گیا تو معلوم ہوا اس کے پاس اپنی ہی چیز ہلاک ہوئی، اس کے پاس تو کوئی رہن تھا ہی نہیں، اپنی چیز ہلاک ہو گئی۔ تو اس کے پاس وہ چیز ہلاک ہو گئی، تو اس نے اس سے ضمان لے لیا اس نے اس کی قیمت دے دی، قیمت دے دی۔ تو قیمت ادا کرتے ہی

یہ کیا بن گیا؟ مالک بن گیا، یہ مالک بن گیا۔ اور جب مالک بن گیا تو معلوم ہوا جو چیز اس کے پاس تھی وہ اس کی اپنی تھی وہ تو راہن کی تھی ہی نہیں، تو رہن کا قبضہ ٹوٹ گیا، ختم ہو گیا، رہن والا قبضہ ہی نہ رہا۔ رہن والا قبضہ تھا تو اس پر ضمان آیا تھا، توجہ ہے؟ اب تو رہن والا قبضہ ہی نہیں، یہ تو گویا اس کی اپنی چیز اس کے پاس ہلاک ہوئی اور اس کو دھوکہ کس نے دیا تھا؟ راہن نے، تو لہٰذا یہ جو اس کو قیمت دینا پڑی اس مستحق کو یہ قیمت بھی لے گا اس کس سے؟ راہن سے، اور اس کے پاس تو رہن کوئی تھا ہی نہیں یہ تو اس کی اپنی چیز ہلاک ہوئی لہٰذا وہ دین بھی اس سے لے لے گا، دین بھی اس سے لے لے گا کیونکہ رہن تھا ہی نہیں یہاں۔ تو یہاں دو صورتیں بن گئیں: مستحق راہن پر بھی رجوع کر سکتا ہے اور مرتہن پر بھی۔ راہن پر رجوع کرے گا تو پھر اس صورت میں رہن صحیح اور ضمان بھی صحیح اور دین وصول ہو چکا ہے، صرف وہ گاڑی کی قیمت اس مستحق کو دے دے گا، بات سمجھ میں آ گئی؟ دین وصول... مرتہن نے دین وصول کر لیا کیونکہ اس کے قبضے میں رہن ہلاک ہوا ہے۔ اور اگر مستحق کس پر رجوع کرے؟ مرتہن پر، تو پھر مرتہن کیا کرے گا؟ وہ راہن پر رجوع کرے گا، قیمت بھی گاڑی کی لے گا اور اپنا دین بھی لے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

دیکھیے فَإِنْ هَلَكَ الرَّهْنُ مَعَ الْمُرْتَهِنِ پس اگر وہ رہن ہلاک ہو گیا مع المرتہن مرتہن کے ساتھ یعنی اس کے پاس اس کے قبضے میں ہلاک ہو گیا، رہن ہلاک ہو گیا، فَاسْتُحِقَّ ہلاک ہونے کے بعد پھر اس کا کوئی مستحق نکل آیا، وَضَمَّنَ الرَّاهِنَ قِيمَتَهُ اور اس مستحق نے راہن کو ضامن بنایا اس رہن کی قیمت کا، فَهَلَكَ بِدَيْنِهِ تو یہ رہن ہلاک ہو گیا اس کے دین کے بدلے، کس کے؟ مرتہن کے، کیونکہ مرتہن کے پاس ہلاک ہوا ہے نا پیچھے بتایا تو، فَهَلَكَ بِدَيْنِهِ تو یہ رہن ہلاک ہو گیا مرتہن کے دین کے بدلے أَيْ يَكُونُ مُسْتَوْفِيًا دَيْنَهُ یعنی مرتہن جو ہے وہ وصول کرنے والا ہو گیا اپنے دین کو، اس پر ضمان آیا اور اس نے اپنا دین گویا وصول کر لیا۔ وَإِنْ ضَمَّنَ الْمُرْتَهِنَ اور اگر مستحق نے مرتہن کو ضامن بنایا، رَجَعَ عَلَى الرَّاهِنِ بِقِيمَتِهِ وَبِدَيْنِهِ تو وہ رجوع کرے گا راہن پر اس رہن کی قیمت کے ساتھ بھی اور اپنے دین کے ساتھ بھی۔ أَيِ الْمُسْتَحِقُّ بِالْخِيَارِ بَيْنَ تَضْمِينِ الرَّاهِنِ أَوِ الْمُرْتَهِنِ یعنی مستحق جو ہے اس کو اختیار ہے کہ وہ راہن کو ضامن بنائے یا مرتہن کو، فَإِنْ ضَمَّنَ الرَّاهِنَ اگر اس نے راہن کو ضامن بنایا، تو مَلَكَهُ تو راہن اس رہن کا مالک بن گیا بِأَدَاءِ الضَّمَانِ، توجہ ہے؟ ضمان ادا کرنے کی وجہ سے وہ رہن کا مالک بن گیا فَصَحَّ الرَّهْنُ تو اس کا رہن رکھوانا صحیح، تو اس کا رہن صحیح ہو گیا۔ وَإِنْ ضَمَّنَ الْمُرْتَهِنَ اور اگر اس نے مرتہن کو ضامن بنایا، تو يَرْجِعُ عَلَى الرَّاهِنِ بِالْقِيمَةِ تو وہ رجوع کرے گا راہن پر کس کے ساتھ؟ اس گاڑی کی قیمت کے ساتھ جو اس نے مستحق کو دی ہے، کیوں؟ راہن پر کیوں رجوع کرے گا؟ کہتے ہیں لِأَنَّهُ مَغْرُورٌ مِنْ جِهَةِ الرَّاهِنِ اس لیے کیونکہ وہ، مغرور کہتے ہیں جس کو دھوکہ دیا گیا ہو، اس لیے کیونکہ اس کو دھوکہ دیا گیا راہن کی جانب سے، اس کو دھوکہ کس کی طرف سے ملا ہے؟ راہن کی طرف سے، لہٰذا وہ قیمت جو اس کے ہاتھ سے نکلی ہے اور مستحق نے وصول کی ہے وہ اب راہن سے لے لے گا۔ وَبِالدَّيْنِ اس بِالدَّيْنِ کا عطف ہے پیچھے جو بِالْقِيمَةِ آیا تین چار لفظ قبل، اور وہ رجوع کرے گا راہن پر دین کے ساتھ بھی بھئی۔ بھئی دین کے ساتھ کیوں رجوع کرے گا؟ کہتے ہیں لِأَنَّهُ انْتَقَضَ قَبْضُهُ اس لیے کیونکہ اس کا قبضہ ٹوٹ

گیا، پتہ چلا وہ جو رہن پر قبضہ تھا وہ تو قبضہ رہن پر تھا ہی نہیں وہ تو اس کی اپنی چیز تھی، کیونکہ اس نے مستحق کو، مستحق کو مرتہن نے دی ہے قیمت نا، تو مالک کون بنا؟ مرتہن بنا، تو گویا راہن کی تو چیز ہی نہیں ہے اپنی چیز ہے، تو رہن تھا ہی نہیں اس کے پاس، بات سمجھ میں آگئی؟ لِأَنَّهُ انْتَقَضَ قَبْضُهُ اس لیے کیونکہ اس کا رہن پر قبضہ جو ہے وہ ٹوٹ گیا، فَيَعُودُ حَقُّهُ كَمَا كَانَ تو اس کا وہ حق یعنی وہ جو دین ہے وہ واپس لوٹ آئے گا جیسا وہ تھا، یعنی کوئی رہن آیا ہی نہیں، تو رہن ہی جب نہیں آیا تو وصولی کہاں سے بھئی؟

قِيلَ عَلَيْهِ اس پر کہا گیا ہے یعنی اعتراض کیا گیا ہے۔ اعتراض اس پر کیا بھئی بعض علماء نے، بعض فقہاء نے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بھئی دیکھو، ادھر دیکھیے بھئی، کہ ملکیت اس شخص کی ثابت ہوتی ہے جس پر ضمان آئے، جس پر ضمان آئے، اوریہاں پر اولاً ضمان کس پر آیا؟ یہ دوسری صورت میں، اولاً ضمان آیا مرتہن پر اور پھر مرتہن نے کس سے وصول کیا؟ راہن سے، تو گویا ضمان راہن پر آیا، جب راہن پر ضمان آیا تو ملکیت اس کی ہونی چاہیے، جب ملکیت اس کی ہونی چاہیے تو رہن رکھوانا صحیح ہونا چاہیے، جب رہن رکھوانا صحیح ہے تو وہ رہن تو ہلاک ہو گیا کس کے پاس؟ مرتہن کے پاس، جب مرتہن کے پاس رہن ہلاک ہوا تو گویا اس نے اپنا دین تو وصول کر لیا، تو لہٰذا دین میں تو رجوع نہیں کرنا چاہیے، یہ اعتراض ہے۔ قِيلَ عَلَيْهِ اس پر اعتراض کیا گیا ہے، کہا گیا ہے کہ لَمَّا كَانَ قَرَارُ الضَّمَانِ عَلَى الرَّاهِنِ کہ جب ضمان کا قرار، ضمان کا ٹھہرنا کس پر ہے؟ راہن، ضمان راہن پر ٹھہرا، وَالْمِلْكُ فِي الْمَضْمُونِ يَثْبُتُ لِمَنْ عَلَيْهِ قَرَارُ الضَّمَانِ اور مضمون چیز کے اندر یعنی جس چیز کا ضمان آئے اس کے اندر ملکیت جو ہوتی ہے یثبت وہ ثابت ہوتی ہے لِمَنْ عَلَيْهِ قَرَارُ الضَّمَانِ جس پر ضمان ٹھہرتا ہے جس پر ضمان آتا ہے، فَتَبَيَّنَ أَنَّهُ رَهَنَ مِلْكَ نَفْسِهِ تو بات ظاہر ہو گئی کہ راہن نے اپنی ملکیت رہن رکھوائی تھی، بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا، پھر سنو بھئی، دوبارہ سنو۔ یہاں پر بعض فقہاء نے اعتراض کیا۔ اعتراض یہ کہ جب مستحق نے مرتہن سے ضمان وصول کیا، مستحق نے، تو آپ نے ہمیں کیا کہا کہ مرتہن قیمت کے بارے میں بھی راہن پر رجوع کرے گا اور اپنے دین کے بارے میں بھی راہن پر رجوع کرے گا، قیمت بھی اس سے

لے گا اس رہن کی کیونکہ وہ مرتہن نے مستحق کو دی ہے اور اپنا دین بھی وصول کر لے گا مرتہن کیونکہ معلوم ہوا اس کے پاس جو رہن ہلاک ہوا وہ رہن تھا ہی نہیں۔ لہٰذا اس پر ضمان بھی کوئی نہیں، تو دین اس کا ابھی بھی موجود ہے، تو اپنا دین بھی وصول کر لے گا راہن سے اور قیمت بھی وصول کر لے گا۔ اس پر بعض فقہاء نے اشکال کیا تھا۔ اشکال یہ کیا کہ بھئی دیکھو، مرتہن پر اولاً ضمان آیا لیکن پھر مرتہن نے بالآخر یہ ضمان کس سے لیا؟ راہن سے لیا، اور جس پر ضمان آتا ہے وہی مالک ہوتا ہے، تو گویا راہن یہاں پر بھی اس چیز کا مالک ہوا، جب مالک ہوا تو اس نے اپنی چیز رہن رکھوائی تھی، جب اپنی چیز رہن رکھوائی تھی تو اس کی چیز مرتہن کے پاس ہلاک ہو گئی، جب اس کی چیز مرتہن کے پاس ہلاک ہو گئی تو مرتہن پر ضمان آنا چاہیے، جب ضمان آیا تو اس نے اپنا دین وصول کر لیا، جب اپنا دین وصول کر لیا تو اب اس کو راہن

پر رجوع دین کے بارے میں نہیں کرنا چاہیے صرف قیمت کے بارے میں رجوع کرنا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ صرف قیمت کے بارے میں رجوع کرنا چاہیے، دین کے بارے میں رجوع نہیں کرنا چاہیے۔

تو اس کا جواب دیتے ہیں صاحبِ ہدایہ وغیرہ اور دیگر علماء، وہ فرماتے ہیں کہ دیکھو مرتہن جو ہے یعنی عمرو، وہ زید سے گاڑی کی قیمت بھی لے گا اور اپنا دین بھی وصول کرے گا یعنی راہن سے۔ مرتہن راہن سے کیا کیا چیز لے گا؟ قیمت بھی لے گا اور اپنا دین بھی لے گا۔ مرتہن گاڑی کی قیمت راہن سے لے گا کیونکہ راہن نے اس کو دھوکہ دیا تھا غیر کی گاڑی اس کے سپرد کی تھی، تو لہٰذا گاڑی کی قیمت کے سلسلے میں کس پر رجوع ہوگا؟ زید یعنی راہن پر۔ اور جو دین ہے اس کے بارے میں بھی رجوع کس پر ہوگا؟ راہن پر۔ جواب چل رہا ہے بھئی کیوں؟ راہن پر کیوں رجوع ہوگا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ جب مستحق نے مرتہن پر رجوع کیا، توجہ ہے؟ اس نے جب مرتہن پر رجوع کیا تو مرتہن جب ضمان ادا کرے گا تو مرتہن کیا بن گیا گاڑی کا؟ مالک۔ اور پھر اس مرتہن سے گاڑی کی ملکیت منتقل ہوگی کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ تو یہاں پر جو ملکیت ہے جو زید کی طرف منتقل ہوئی ہے وہ مؤخر ہے عقدِ رہن سے۔ پہلی کیا صورت تھی؟ ضامن کس کو بنایا تھا سب سے پہلے ایک صورت کیا تھی؟ راہن کو۔ راہن کو جب وہ ضامن بناتا تھا تو راہن کو کب سے مالک شمار کرتے تھے؟ شروع سے۔ معلوم ہوا جب شروع سے مالک ہے تو رہن رکھواتے وقت بھی مالک ہے تو اپنی چیز رہن رکھوائی۔ اور اس وقت اس مستحق نے ضامن کس کو بنایا؟ مرتہن کو بنایا ہے، تو اولاً مالک کون بنا اس چیز کا؟ مرتہن۔ پھر مرتہن سے منتقل ہوگی کس کی طرف؟ زید کی طرف ملکیت منتقل ہوگی کیونکہ زید سے اس نے ضمان لیا ہے یا نہیں؟ زید سے بھی تو قیمت اس نے لی ہے، تو مرتہن سے پھر ملکیت منتقل ہو رہی ہے کس کی طرف؟ راہن کی طرف، اور یہ ملکیت مؤخر ہے، یہ ملکیت کیا ہے؟ مؤخر۔ معلوم ہوا جس وقت زید نے گاڑی اس کے سپرد کی گاڑی کا وہ مالک نہیں تھا، گاڑی کی ملکیت تو ابھی مرتہن سے کس کی طرف منتقل ہو گئی راہن کی طرف، ابھی منتقل ہوئی ہے نا، فرق سمجھ میں آرہا ہے؟

پھر سنو، پھر سنو۔ دیکھو یہاں پر اگر مستحق نے مرتہن کو ضامن بنایا ہے تو مرتہن گاڑی کی قیمت بھی زید سے وصول کرے گا اور اپنا دین بھی وصول۔ گاڑی کی قیمت کیوں وصول کرے گا؟ کیونکہ یہ دھوکہ کس نے دیا اس کو؟ زید نے دیا تھا، مستحق بیچارے کو گاڑی کی قیمت دینا پڑ گئی، اس کے ہاتھ سے مثلاً دس لاکھ روپے اس کے ہاتھ سے نکلے ہیں بلاوجہ ہی، تو وہ رجوع کرے گا کس پر؟ زید پر کہ تم نے مجھے غیر کی گاڑی رکھوائی تھی، تو دھوکے کی وجہ سے گاڑی کی قیمت کا ضمان اولاً پہلے کس سے وصول کیا گیا؟ مستحق نے کس سے وصول کیا؟ مرتہن، اور مرتہن پھر کس سے وصول کرے گا؟ راہن سے کیونکہ اس نے دھوکہ دیا تھا۔ اور پھر یہ بھی یاد رکھو: جب مرتہن ضمان دے گا تو مرتہن کیا بن گیا؟ مالک بن گیا، اور پھر جب وہ زید سے ضمان لے گا تو زید کیا بن جائے گا بالآخر؟ مالک، لیکن زید کی یہ ملکیت مؤخر ہے بھئی، کیا ہے؟ مؤخر ہے، معلوم ہوا رہن رکھواتے وقت زید گاڑی کا مالک نہیں تھا، بعد میں مالک بنا ہے، معلوم ہوا مرتہن نے جب قبضہ کیا تھا تو اس وقت اس

نے زید کی گاڑی پر قبضہ نہیں کیا کسی دوسرے کی گاڑی پر قبضہ کیا، جبھی اس نے آکر مرتہن سے ضمان لیا ہے نا، تو مرتہن نے کیا کیا ہے؟ غیر کی گاڑی پر قبضہ کیا ہوا تھا، اور اس نے آکر اس سے ضمان وصول کر لیا، معلوم ہوا زید کی چیز تو اس کے پاس تھی ہی نہیں اس وقت، اور رہن تو تب ہی بنتی اگر وہ چیز کس کی ہوتی؟ زید کی ہوتی، تو رہن اس کے پاس تھا ہی نہیں، تو اس کے پاس جو گاڑی ہلاک ہوئی ہے وہ رہن نہیں تھی بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں حاصلِ کلام یہ کہ زید نے مرتہن کو دھوکہ دیا کہ اس نے غیر کی گاڑی سپرد کی، تو گاڑی سپرد کرنا، یوں کہو گاڑی سپرد کرنا وہ بھی عقدِ رہن کے بعد ہے اور نیز ملکیت جو مرتہن سے پھر منتقل ہو رہی ہے کس کی طرف؟ راہن کی طرف، یہ ملکیت بھی کیا ہے عقدِ رہن سے؟ مؤخر ہے، مؤخر، بات سمجھ میں آگئی؟ زید کا گاڑی دینا مرتہن کو، حوالے کرنا وہ بھی کیا ہے عقدِ رہن سے؟ مؤخر، اور ملکیت جو زید کی طرف منتقل ہوئی مرتہن سے زید کی طرف ملکیت جو منتقل ہوئی وہ ملکیت بھی کیا ہے عقدِ رہن سے؟ مؤخر ہے، لہٰذا اس وجہ سے یہ رہن بنا ہی نہیں، جب رہن بنا ہی نہیں تو ضمان مرتہن پر آیا ہی نہیں، جب ضمان مرتہن پر سرے سے آیا ہی نہیں تو اس نے اپنا دین وصول نہیں کیا، رہن پہنچتا تو رہن پر قبضہ کس چیز کا ہوتا ہے؟ وصولی کا، رہن تو اس کے پاس کوئی چیز آئی ہی نہیں یہ تو اس کی اپنی چیز تھی، تو اس پر ضمان نہیں اس نے اپنا دین وصول نہیں کیا، تو دین بھی اب کیا کرے گا زید سے وصول کرے گا۔ فرق سمجھ میں آگیا اچھی طرح؟

چلیے بھئی، باقی یہاں تک بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۱: باب التصرف والجنایۃ فی الرہن: راہن کا مرہون کو بیچنا، ہبہ کرنا، آزاد کرنا یا ہلاک کرنا

شرح الوقایہ صفحہ: ۸۶ — بتاریخ: ۹ فروری ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی سبق آگے۔ بَابُ التَّصَرُّفِ وَالْجِنَايَةِ فِي الرَّهْنِ. وُقِفَ بَيْعُ الرَّاهِنِ رَهْنَهُ، فَإِنْ أَجَازَ مُرْتَهِنُهُ أَوْ قَضٰى دَيْنَهُ نَفَذَ وَصَارَ ثَمَنُهُ رَهْنًا، وَإِنْ لَمْ يُجِزْ وَفَسَخَ لَا يَنْفَسِخُ فِي الْأَصَحِّ وَصَبَرَ الْمُشْتَرِيْ إِلٰى فَكِّ الرَّهْنِ أَوْ رَفَعَ إِلَى الْقَاضِيْ لِيَفْسَخَ، وَصَحَّ إِعْتَاقُهُ وَتَدْبِيْرُهُ وَاسْتِيْلَادُهُ رَهْنَهُ، فَإِنْ فَعَلَهَا غَنِيًّا فَفِيْ دَيْنِهِ حَالًّا أَخَذَ دَيْنَهُ، وَفِيْ مُؤَجَّلِهِ قِيْمَتَهُ لِلرَّهْنِ بَدَلًا إِلٰى مَحَلِّ

اَجَلِہٖ۔[۴۳۲۱]

بَابُ التَّصَرُّفِ وَالْجِنَايَةِ فِي الرَّهْنِ۔ یہ باب ہے رہن میں جنایت اور تصرف کرنے کے بیان میں۔ یہ باب ہے رہن میں تصرف اور جنایت کے بیان میں۔ بھئی تصرف رہن میں کوئی تصرف کرتا ہے، مثلاً اس کو بیچتا ہے راہن یا مرتہن، یا وہ رہن جو ہے غلام ہے راہن اس کو آزاد کر دیتا ہے حالانکہ وہ رہن پڑا ہوا تھا مرتہن کے پاس اور راہن نے اس کو آزاد کر دیا، یا کسی کو عاریتاً دے دیتا ہے، کسی کو کسی کام وغیرہ کی ضرورت تھی تو اس نے عاریتاً وہ جو رہن غلام تھا وہی مدد کے طور پر دے دیا۔ تو اس سے متعلقہ مسائل ذکر ہوں گے اور اسی طرح رہن کے بارے میں کوئی جنایت ہو۔ یاد رکھیے جنایت جو ہے جرم کو کہتے ہیں، جرم، گناہ، غلطی۔ لیکن عام طور پر یہ جو استعمال ہوتا ہے فقہ کی کتابوں میں تو اس سے مراد کوئی جسمانی نقصان کسی کو پہنچانا، جسمانی۔ یعنی کسی کا ہاتھ کاٹ دیا یا پاؤں کاٹ دیا، ہاتھ توڑ دیا وغیرہ یا اسی طرح کسی کو قتل کر دیا، تو یہ جو جسمانی یا جانی نقصان ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ جنایت کہتے ہیں۔ تو یہ باب ہے رہن میں تصرف کے بارے میں کہ اگر اس میں کوئی تصرف کرتا ہے، کوئی بیچتا ہے یا اس کو عاریتاً دیتا ہے یا اس کو آزاد کرتا ہے وغیرہ تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اسی

[۱]

جدول — باب التصرف والجنایۃ فی الرہن — راہن اور مرتہن کے تصرفات کا حکم:

تصرف کی نوعیت	شرعی حکم	تفصیل و نتیجہ
راہن کا مرہون کو بیچنا یا ہبہ کرنا	مرتہن کی اجازت پر موقوف (وُقِفَ بَيْعُ الرَّاهِنِ رَهْنَهُ)	مرتہن اجازت دے یا قرض ادا ہو جائے تو نافذ، اور ثمن رہن بن جائے گا۔
راہن کا مرہون غلام کو آزاد کرنا	عتق نافذ ہو جائے گا (کیونکہ عتق موقوف نہیں ہوتا)	راہن اگر مالدار ہے تو فوراً قرض ادا کرے، نادار ہے تو غلام سعی کرے گا۔
راہن کا مرہون کو ہلاک کرنا	راہن پر قیمت کا ضمان لازم اور وہ قیمت رہن بنے گی	جنایت کی وجہ سے مرتہن کا حقِ وثیقہ باطل نہیں ہونے دیا جائے گا۔
مرتہن کی جنایت بر مرہون	بقدرِ ضمان قرض ساقط ہو جائے گا	کیونکہ مرتہن کا اتلاف استیفاءِ دین کے حکم میں ہے۔

[۲] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۳۵):** صوتی درس کی قراءت میں «وَإِنْ لَمْ يُجِزْ وَفَسَخَ لَا يَنْفَسِخُ فِي الْأَصَحِّ وَصَبَرَ الْمُشْتَرِي إِلَى فَكِّ الرَّهْنِ أَوْ رَفَعَ إِلَى الْقَاضِي لِيَفْسَخَ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وإن لم يجزْ وفسخَ لا ينفسخُ في الأصحّ، وصَبَرَ المشتري إلى فكِّ الرهن، أو رفعَ إلى القاضي ليفسخ،» منقول ہے۔

[۳] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۳۵):** صوتی درس کی قراءت میں «فَإِنْ فَعَلَهَا غَنِيًّا فَفِي دَيْنِهِ حَالًّا أَخَذَ دَيْنَهُ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فإن فعلَها غنيًّا ففي دينه حالًّا أخذَ دينه،» منقول ہے۔

[۴] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۳۵):** صوتی درس کی قراءت میں «وَفِي مُؤَجَّلِهِ قِيمَتَهُ لِلرَّهْنِ بَدَلًا إِلَى مَحَلِّ أَجَلِهِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وفي مؤجَّلِهِ قيمته للرهن بدله إلى محلِّ أجله،» منقول ہے۔

طرح یہ باب ہے رہن میں جنایت کے بارے میں کہ رہن اگر کوئی جنایت کرتا ہے، مثلاً کسی کے پاس آپ نے اپنا غلام رکھوایا تھا اور اس غلام نے کسی کو، وہ جو مرہون غلام ہے، اس غلام نے آگے کسی کو قتل کر دیا یا کسی کا ہاتھ کاٹ دیا یا کسی کا پاؤں کاٹ دیا تو پھر کیا حکم ہے؟ اور یا اس رہن میں کوئی جنایت کرتا ہے، آپ نے اپنا غلام مرتہن کے پاس رکھوایا تھا اور اس غلام کو کسی نے قتل کر دیا یا اس غلام کو کسی نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا، پاؤں کاٹ دیا تو پھر کیا حکم ہے؟ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں بَابُ التَّصَرُّفِ وَالْجِنَايَةِ فِي الرَّهْنِ یہ باب ہے رہن کے بارے میں تصرف اور جنایت کے سے متعلق۔ وُقِفَ بَيْعُ الرَّاهِنِ رَهْنَهُ، وُقِفَ موقوف رہے گی، بَيْعُ الرَّاهِنِ راہن کا بیچنا، رَهْنَهُ اپنے رہن کو۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے بھئی کہ زید نے عمرو سے سو، ایک سو درہم دَین لیا اور بدلے میں اپنا غلام اس کے پاس رکھوا دیا، یا اپنی کوئی قیمتی گاڑی اس کے پاس بطورِ رہن کے رکھوا دی۔ اب اس گاڑی کو، یہ گاڑی جو کہ عمرو کے پاس مرہون ہے، اس کو زید بیچتا ہے کسی کے ہاتھ۔ تو کیا یہ بیع نافذ ہو جائے گی؟ کہتے ہیں ہاں بیع منعقد تو ہو جائے گی، بیع منعقد تو ہو جائے گی لیکن تام نہیں ہو گی، موقوف رہے گی جب تک کہ مرتہن اجازت نہ دے دے۔ کیونکہ اس بیع کے ساتھ، یہ جو مرہون ہے جس کو زید نے بیچا، اس کے ساتھ جیسے راہن کا حق وابستہ تھا کہ وہ اس کا مالک ہے، اسی طرح مرتہن جس کے پاس رہن رکھوایا گیا اس کا بھی حق وابستہ ہے کہ اس نے اس رہن کے ذریعے اپنا دَین وصول کرنا ہے۔ لہٰذا راہن یعنی مالک کا رہن کو بیچنا یہ مرتہن کی اجازت پر موقوف ہے۔ بیع منعقد تو ہو گی لیکن تام نہیں ہو گی۔

دیکھیے کہتے ہیں وُقِفَ بَيْعُ الرَّاهِنِ رَهْنَهُ، موقوف رہے گا راہن کا بیچنا، رَهْنَهُ اپنے رہن کو۔ راہن کا اپنے رہن کو بیچنا موقوف رہے گا۔ فَإِنْ أَجَازَ مُرْتَهِنُهُ، پس اگر اجازت دے دی اس کے مرتہن نے، أَوْ قَضٰى دَيْنَهُ، یا اس نے اپنا دَین ادا کر دیا، نَفَذَ تو پھر بیع نافذ ہو گی۔ مرتہن نے اجازت دے دی کہ ہاں ٹھیک ہے آپ نے بیچ دیا تو ٹھیک کیا، تو اجازت دینے سے بھی بیع نافذ ہو جائے گی۔ اور پھر کیا کریں گے؟ کہتے ہیں پھر بیع تو نافذ ہو گئی، مشتری بیع کا مالک بن گیا لہٰذا اب وہ اس رہن کو لے جائے گا اور رہن کے ثمن لے کر اس کو بطورِ رہن کے رکھ لیے جائیں گے۔ اس رہن کے جو ثمن موصول ہوں گے اس کو کیا، کیا بنا کر رکھ لیا جائے گا؟ بطورِ رہن کے۔ اس کو بطورِ رہن کے رکھ لیا جائے گا بھئی۔

یا دوسری صورت یہ ہے کہ راہن نے دَین ادا کر دیا۔ راہن نے اپنے رہن کو بیچا تھا اور یہ بیع موقوف تھی کس کی اجازت پر؟ مرتہن کی۔ کیوں موقوف تھی؟ کیونکہ مرتہن کا حق وابستہ تھا۔ اب جب اس نے مرتہن کا حق ادا کر دیا، دَین سارا اس کو ادا کر دیا تو بھی یہ بیع کیا ہو جائے گی؟ نافذ ہو جائے گی، اب مرتہن کا حق ختم ہو گیا۔ کہتے ہیں فَإِنْ أَجَازَ مُرْتَهِنُهُ، پس اگر اس کے مرتہن نے اجازت دے دی، أَوْ قَضٰى دَيْنَهُ، یا اس راہن نے اس کا دَین ادا کر دیا، نَفَذَ تو یہ بیع نافذ ہو جائے گی، وَصَارَ ثَمَنُهُ رَهْنًا، اور اس بیع کے، اس رہن کے جو ثمن ہیں وہ رہن ہو جائیں گے۔

وَاِنْ لَمْ یُجِزْ، اور اگر مرتہن نے اجازت نہ دی، وَفَسَخَ اور اس نے بیع کو فسخ کر دیا، لَا یَنْفَسِخُ فِی الْاَصَحِّ، تو صحیح قول کے مطابق بیع فسخ نہیں ہوگی۔ بیع موقوف رہے گی، فسخ نہیں ہوگی کیونکہ مرتہن کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ بیع کو، ہاں بیع کو نافذ نہ ہونے دے، روک سکتا ہے وہ اجازت نہ دے بیع نافذ نہیں ہوگی، لیکن فسخ کرنا چاہے، بھئی وہ فسخ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ بیع کس نے کی ہے؟ زید نے اور مشتری کے درمیان بیع ہوئی ہے، اور مرتہن کو ولایت نہیں حاصل کہ اس کا فیصلہ ان پر نافذ ہو جائے بھئی۔ ہاں قاضی کے پاس جائے گا اور قاضی پھر کیا کر سکتا ہے؟ اس بیع کو فسخ کر سکتا ہے کیونکہ قاضی کو سب پر ولایت حاصل ہے، اس کا حکم سب پر چلتا ہے، اس کا فیصلہ سب پر نافذ ہوتا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس کو ولایت حاصل ہے، مرتہن کو ولایت نہیں۔

یہ معنی ہے تو وَاِنْ لَمْ یُجِزْ اگر اس نے اجازت نہ دی بیع کی، وَفَسَخَ اور بیع کو اس نے منسوخ کیا، لَا یَنْفَسِخُ فِی الْاَصَحِّ، تو صحیح قول کے مطابق بیع منسوخ نہیں ہوگی۔ وَصَبَرَ الْمُشْتَرِیْ اِلٰی فَکِّ الرَّھْنِ، اور مشتری کیا کرے گا؟ مشتری صبر کرے گا اِلٰی فَکِّ الرَّھْنِ، فَکٌّ کا معنی ہے چھڑوانا، چھڑوانا۔ اور مشتری صبر کرے گا رہن کے چھڑوانے تک۔ مشتری کیا کرے؟ صبر کرے، انتظار کرے کہ راہن دَین ادا کرے، ادا کر کے اپنے رہن کو چھڑوا لے، جب چھڑوا لے گا تو پھر اب بیع کس کے حوالے کر دے گا؟ مشتری کے حوالے کر دے گا۔ یہ معنی ہے وَصَبَرَ الْمُشْتَرِیْ اِلٰی فَکِّ الرَّھْنِ اور مشتری صبر کرے گا رہن کے چھڑوانے تک۔ اَوْ رَفَعَ، میری کتاب میں ہے اَلرَّفْعَ، اَلرَّفْعَ نہیں ہے یہ کتابت کی غلطی ہے، یہ فعل ہے اَوْ رَفَعَ اور اس کا عطف ہے صَبَرَ الْمُشْتَرِیْ پر۔ مشتری صبر کرے اَوْ رَفَعَ اِلَی الْقَاضِیْ یا اس معاملے کو پہنچا دے کہاں تک؟ قاضی تک، یعنی مقدمہ قاضی کے پاس لے جائے، لِیَفْسَخَ تاکہ قاضی اس بیع کو فسخ کر دے۔ مشتری کو تو بیع کی ضرورت تھی، بیع مل نہیں رہا اور اس کو فوری ضرورت ہے، اب وہ قاضی کے پاس چلا جائے گا اور قاضی پھر کیا کر دے گا؟ بیع کو فسخ کر دے گا، مثلاً راہن نہیں فسخ کر رہا، ختم نہیں کر رہا بیع کو تو قاضی کے پاس چلا جائے گا۔ تو لِیَفْسَخَ تاکہ وہ بیع کو فسخ کر دے۔

آگے دیکھیے بھئی، وَصَحَّ اِعْتَاقُہٗ وَتَدْبِیْرُہٗ وَاسْتِیْلَادُہٗ رَھْنَہٗ۔ جی؟ یہ ہماری کتاب میں پیچھے تھوڑی سی تشریح ہے وہ اس کتاب میں شاید نہیں ہے۔ کیا ہے؟ اِعْلَمْ اَنَّ الْمُرْتَھِنَ اِذَا فَسَخَ لَا یَنْفَسِخُ۔ اچھا۔ یہ بھئی یہ انہوں نے کہا ہے کہ بعض کتابوں میں یہ، بعض نسخوں میں یہ عبارت بھی ہے۔ اَوْ رَفَعَ اِلَی الْقَاضِیْ لِیَفْسَخَ کے بعد آ رہا ہے اِعْلَمْ اَنَّ الْمُرْتَھِنَ۔ بھئی دیکھیے وہی بات آگئی کہ راہن نے چیز کو بیچا، رہن کو بیچا اور مرتہن اجازت نہ دے تو وہ بیع تام نہیں، وہ بیع موقوف رہے گی نافذ نہیں ہو گی، تام نہیں ہوگی۔ اور وہ فسخ کرنا چاہے تو فسخ کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا؟ انہوں نے بتلا دیا کہ زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ وہ فسخ نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوا یہاں دو قول ہیں: ایک قول صحیح ہے اور دوسرا زیادہ صحیح ہے۔ یعنی دوسرا قول بھی، اس کو بھی غلط نہیں کہا اس کو بھی صحیح کہا لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ وہ بیع کو فسخ نہیں کر سکتا۔ تو وہ بعض کتابوں میں یہ اس کے آگے عبارت ہے کہ اِعْلَمْ اَنَّ الْمُرْتَھِنَ اِذَا فَسَخَ کہ مرتہن جب اس بیع کو فسخ کرے گا تو یَنْفَسِخُ فِیْ رِوَایَۃٍ ایک روایت

کے مطابق وہ بیع کیا ہو جائے گی جو راہن نے کی تھی رہن کے بارے میں؟ وہ فسخ ہو جائے گی۔ وَالْاَصَحُّ زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اَنَّہٗ لَا یَنْفَسِخُ وہ فسخ نہیں ہوگی، لِاَنَّ حَقَّہٗ فِی الْحَبْسِ لَا یَبْطُلُ بِانْعِقَادِ ھٰذَا الْعَقْدِ، اس لیے کیونکہ مرتہن کا حق جو ہے، بھئی دیکھیے بیع موقوف ہو گئی لیکن اس کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ توجہ ہے؟ کیونکہ بیع موقوف ہے، بیع موقوف ہے، منعقد تو ہو گئی اور کیا بیع منعقد ہونے سے مرتہن کا حق مارا گیا؟ نہیں، مرتہن کا حق تو تھا کہ اس مرہون کو روک کر رکھے اپنے پاس کیونکہ اس کے ذریعے کیا کرنا ہے اس نے اپنے دَین کو وصول۔ تو اس کا وہ روکنے کا حق باطل نہیں ہوا۔ جب اس کو روکنے کا حق باطل نہیں ہو رہا تو اس کے لیے یہ گنجائش نہیں ہوگی کہ یہ عقد کو کیا کر دے؟ عقدِ بیع کو فسخ کر دے کیونکہ اس میں اس کا کوئی نقصان نہیں ہے، اس کا حق اس میں مارا نہیں جا رہا۔ یہ معنی ہے لِاَنَّ حَقَّہٗ فِی الْحَبْسِ اس لیے کیونکہ مرتہن کا حق جو ہے اس مرہون کو روکنے میں ہے، وَلَا یَبْطُلُ بِانْعِقَادِ ھٰذَا الْعَقْدِ اور اس کا یہ حق باطل نہیں ہوتا اس عقدِ بیع کے منعقد ہونے سے۔ فَبَقِیَ مَوْقُوْفًا تو لہٰذا وہ بیع باقی رہے گی موقوف ہو کر۔ فَالْمُشْتَرِیْ اِنْ شَاءَ صَبَرَ اِلٰی فَکِّ الرَّھْنِ، تو مشتری جو ہے وہ اگر چاہے تو صبر کرے اس رہن کے چھڑوانے تک، اَوْ رَفَعَ الْاَمْرَ اِلَی الْقَاضِیْ یا اس معاملے کو لے جائے قاضی کے پاس، لِیَفْسَخَ الْبَیْعَ تاکہ قاضی اس بیع کو فسخ کر دے۔ تو یہ بعض کتابوں میں عبارت تھی یہ بھی حل ہو گئی۔

آگے دیکھیے بھئی، وَصَحَّ اِعْتَاقُہٗ وَتَدْبِیْرُہٗ وَاسْتِیْلَادُہٗ رَھْنَہٗ۔ صورت یہ، راہن نے اپنا غلام یا باندی رہن کے طور پر مرتہن کے پاس رکھوایا۔ اب یہ غلام یا باندی جو مرہون ہے اس کو راہن آزاد کرتا ہے تو کیا آزادی نافذ ہو جائے گی؟ غلام آزاد ہو جائے گا؟ کہتے ہیں ہاں بھئی، غلام کیا ہو گا؟ غلام یا باندی کو اگر آزاد کرے گا مالک تو وہ آزاد ہو جائیں گے بھئی۔ اسی طرح اگر غلام کو یا باندی کو وہ مدبر بنانا چاہتا ہے، رہن رکھوایا ہوا ہے لیکن مدبر بناتا ہے ان کو، اور مدبر کسے کہتے ہیں؟ جسے آقا یہ کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے، تو مدبر بھی بنا سکتا ہے۔ اور یا اپنی باندی کو امِّ ولد بناتا ہے، کیا کرتا ہے؟ امِّ ولد بناتا ہے۔ امِّ ولد کسے کہتے ہیں؟ کہ باندی سے آقا کی اولاد پیدا ہوئی اور آقا نے اس کا اقرار بھی کر لیا۔ میں نے بتلایا تھا پہلے بھی بھئی کہ باندی سے اولاد ہو وہ آقا کی شمار نہیں ہوگی جب تک آقا اس کا اقرار نہ کر لے۔ تو آقا کیا کر سکتا ہے؟ اس باندی کو امِّ ولد بھی، وہ جو مرہونہ باندی ہے آقا اس کو امِّ ولد بھی بنا سکتا ہے۔

یہ معنی ہے وَصَحَّ اِعْتَاقُہٗ اور صحیح ہے راہن کا آزاد کرنا، وَتَدْبِیْرُہٗ اور راہن کا غلام یا باندی کو مدبر بنانا بھی صحیح ہے، وَاسْتِیْلَادُہٗ اور راہن کا باندی کو امِّ ولد بنانا بھی صحیح ہے۔ تو اِعْتَاقُہٗ، تَدْبِیْرُہٗ، اِسْتِیْلَادُہٗ یہ ہا ضمیر جو سب کے ساتھ جڑی ہوئی ہے یہ راہن کو راجع ہے۔ تو صحیح ہے راہن کا آزاد کرنا اور مدبر بنانا اور امِّ ولد بنانا رَھْنَہٗ کس کو بنائے گا؟ اپنے رہن کو۔ اپنے رہن کو آزاد کرتا ہے یا مدبر بناتا ہے یا امِّ ولد بناتا ہے، یہ صحیح ہے۔

فَاِنْ فَعَلَھَا غَنِیًّا فَفِیْ دَیْنِہٖ حَالًّا اَخَذَ دَیْنَہٗ، وَفِیْ مُؤَجَّلِہٖ قِیْمَتَہٗ لِلرَّھْنِ بَدَلًا اِلٰی مَحَلِّ اَجَلِہٖ۔ اچھا، اب راہن نے تو وہ غلام بطورِ رہن کے رکھوایا تھا، اب اس کو وہ آزاد کر دیتا ہے تو پھر کیا کریں گے بھئی؟ غلام تو آزاد ہو گیا اور آزاد آدمی تو

رہن نہیں بن سکتا بھئی وہ تو مال نہیں ہے، تو کہتے ہیں اس صورت میں دیکھا جائے گا کہ وہ راہن امیر آدمی ہے، مالدار ہے یا غریب آدمی ہے؟ اگر تو وہ مالدار ہے تو غلام تو ہو گیا آزاد، اس غلام کی قیمت مالک یعنی راہن سے لی جائے گی کیونکہ وہ مالدار ہے، اس کے پاس مال ہے تو غلام کی قیمت اس سے لے کر بطورِ رہن کے مرتہن کے پاس رکھوا دی جائے گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو آزاد کیا تو کیا کریں گے؟ مالک سے پیسے لے کر وہ بطورِ رہن کے رکھ لیے جائیں گے۔ اور اگر اس نے غلام کو مدبر بنا دیا یا باندی کو، یا باندی کو امِّ ولد بنا دیا، کہتے ہیں بھئی آپ جانتے ہیں کہ مدبر جو ہے اس کو آقا نے کیا کہا؟ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے، اور مدبر کا بیچنا جائز نہیں۔ کیونکہ آزادی اس کا حق بن چکا ہے۔ آقا جیسے ہی مرے گا یہ کیا ہو جائے گا؟ آزاد۔ تو اگر اس کو بیچا جائے تو اس کا تو حقِ آزادی ضائع ہو جائے گا، لہٰذا مدبر کو بیچنے کی اجازت نہیں۔ اسی طرح امِّ ولد، اس نے بھی آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہونا ہے، تو اس کو بھی بیچنے کی اجازت نہیں۔ اور یہ رہن کس لیے رکھوایا جاتا ہے؟ تاکہ مرتہن اس کو بیچ کر اپنے، اپنے دَین کو وصول کرے، اور مدبر اور امِّ ولد کو تو بیچنا ہی جائز نہیں ہے بھئی۔ تو لہٰذا اس صورت میں بھی یہ اسی طرح ہو گا، اگر ان کا آقا مالدار ہے تو مدبر اور امِّ ولد کی جو قیمت ہے وہ آقا سے لے کر بطورِ رہن کے رکھ لی جائے گی۔

اور اگر دوسری صورت ہوئی، آقا تنگدست ہوا۔ آقا تنگدست ہوا، پھر کیا کریں گے؟ کہتے ہیں اگر آقا تنگدست ہے، غریب ہے، اس کے پاس اتنے پیسے ہی نہیں ہیں تو کہتے ہیں اس صورت میں پھر وہ جو غلام یا باندی آزاد ہوئے یا جو مدبر اور امِّ ولد بنے، ان سے سعی کروائی جائے گی، کوشش کروائی جائے گی۔ وہ جائیں گے کام کریں گے اور پیسے کما کر لا کر اس مرتہن کا دَین ادا کریں گے۔ توجہ ہے؟ کیا کریں گے اس مرتہن کا؟ دَین ادا کریں گے۔ ان کو اسی لیے رکھا تھا نا مرتہن نے کہ ان کے ذریعے کیا کرے گا؟ اپنا دَین وصول کرے گا۔ اب آقا نے تو اس کو آزاد کر دیا یا مدبر یا امِّ ولد بنا دیا اور ان کے ذریعے تو اب دَین کی وصولی ہو نہیں سکتی، اور آقا غریب ہے اس سے قیمت بھی لے کر ہم بطورِ رہن کے نہیں رکھ سکتے کیونکہ اس کے پاس پیسے ہیں ہی نہیں۔ تو پھر اس صورت میں یاد رکھو، یہ جو مرتہن کا حق، مرتہن کا حق اب راہن سے بھی وصول نہیں ہو سکتا، تو اس سے وصول کیا جائے گا جنہوں نے اس فعل سے فائدہ اٹھایا۔ جنہوں نے اس فعل سے فائدہ اٹھایا۔ یہ جو آزاد کیا یا مدبر بنایا یا امِّ ولد بنایا، جن کو، جنہوں نے اپنے آقا کے اس فعل سے فائدہ اٹھایا ہے انہی کو ذمہ دار بنائیں گے کہ اب تمہیں کیا کرنا پڑے گا؟ پیسے کما کر لانا پڑیں گے اور مرتہن کا دَین ادا کرنا۔ اور فائدہ تو اس غلام یا باندی وغیرہ نے اٹھایا ہے کیونکہ وہ آزاد ہوئے یا وہ مدبر یا امِّ ولد بن گئے۔ تو لہٰذا وہ جائیں گے، سعی کریں گے، کوشش یعنی کام وغیرہ کریں گے اور لا کر پیسے ادائیگی کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اس مرتہن کا دَین ادا ہو جائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر یاد رکھو، پھر یاد رکھو یہ جو آزاد ہو گیا اس نے پوری ادائیگی کر دی۔ آزاد ہو گیا اس نے مرتہن، توجہ ہے؟ یہ جو آزاد ہو گیا اس نے مرتہن کے پورے دَین کی ادائیگی کر دی۔ لیکن کیا یہ دَین اس پر تھا یا اس کے سابقہ آقا پر تھا؟ سابقہ پر۔ یہ تو

اب آزاد ہے لیکن یہ دَین اس پر تو نہیں تھا، اس بیچارے نے جو کئی مہینے یا یوں کہیں کئی سال مشقت کر کے اس نے پیسے ادا کیے، یہ دَین اس پر تو نہیں تھا یہ دَین تو کس پر تھا؟ اس کے آقا پر تھا جو سابقہ اس کا آقا تھا۔ تو لہٰذا جب اس کا آقا مالدار ہو جائے گا، سابقہ آقا، اب تو یہ آزاد ہے، وہ جب مالدار ہو جائے گا اس کے پاس پیسے آئیں گے تو یہ اس سے اپنا دَین وصول کر لے گا۔ اپنا دَین وصول کر لے گا۔ اور امِّ ولد اور مدبر، انہوں نے اگر محنت کرتے رہے اور ساری کمائی لا کر دیتے رہے اور اپنے، اس کا دَین ادا کر دیا، تو کیا وہ بھی آقا پر رجوع کریں گے؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، وہ تو ابھی آزاد نہیں ہیں، وہ تو ابھی کیا ہیں فی الحال؟ غلام ہیں۔ اور ان کا جو، ان کے پاس جو مال ہوتا ہے وہ دراصل کس کا ہوتا ہے؟ آقا کا۔ وہ تو گویا آقا ہی ادا کر رہا ہے۔ وہ دَین تو گویا کون ادا کر رہا ہے؟ آقا خود ہی ادا کر رہا ہے کیونکہ مدبر اور امِّ ولد تو غلام ہیں، ابھی آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہوں گے، ابھی تو آزاد نہیں۔ تو ان کی ساری کمائی، ان کا سارا مال دراصل کس کا ہے؟ آقا کا ہے، تو گویا یہ تو ادا ہی آقا نے کیا ہے تو پھر رجوع کیوں کرنا ہے آقا پر؟ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے کتاب پر۔ فَاِنْ فَعَلَهَا، اگر راہن نے یہ والے کام کر دیے، یہ اعتاق یا تدبیر یا استیلاد، غَنِيًّا اس حال میں کہ وہ کیا ہو؟ مالدار ہو، مالدار۔ فَاِنْ فَعَلَهَا غَنِيًّا، پس ان افعال کو اگر راہن نے مالدار ہوتے ہوئے کر لیا، فَفِيْ دَيْنِهِ حَالًّا اَخَذَ دَيْنَهُ، تو اس کے اس دَین میں حَالًّا جو حالی ہے یعنی جس کی ادائیگی فوری ہے۔ حَلَّ يَحِلُّ کا کیا معنی؟ وقت ہونا، وقت ہونا۔ تو حَالًّا جس کا وقت ہو چکا ہے، جس دَین کی ادائیگی کا وقت ہو چکا ہے۔ ہاں، یہ یاد رکھو کہ اس نے اپنے غلام کو یا باندی وغیرہ کو مدبر وغیرہ بنایا ہے یا آزاد کیا ہے، تو دیکھا جائے گا ابھی دَین کی ادائیگی کا وقت اس وقت ہو چکا ہے یا ابھی کچھ وقت باقی ہے، دو چار ماہ ابھی باقی ہیں؟ تو اگر، اگر اس وقت دَین کی ادائیگی کا وقت ہو چکا ہے پھر تو مرتہن سیدھا کس پر رجوع کر لے گا؟ راہن پر رجوع کرے گا اور اپنا دَین وصول کر لے گا اس سے۔ اور اگر ابھی وقت نہیں ہوا، دو چار چھ مہینے باقی ہیں اس کے بعد ادائیگی کا وقت آئے گا، تو پھر ان کی قیمت آقا سے لے کر کیا کر لے گا؟ اپنے پاس بطورِ رہن کے رکھ لے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے فَاِنْ فَعَلَهَا غَنِيًّا، پس اگر راہن نے ان افعال کو مالدار ہوتے ہوئے کیا تو فَفِيْ دَيْنِهِ حَالًّا اَخَذَ دَيْنَهُ، تو اس کے حالی دَین میں اَخَذَ دَيْنَهُ مرتہن لے لے گا دَيْنَهُ اپنا دَین۔ وَفِيْ مُؤَجَّلِهِ اور دَینِ مؤجل کے اندر، قِيْمَتَهُ اس رہن کی قیمت، اس غلام یا باندی کی قیمت لے لے گا، لِلرَّهْنِ کس لیے لے گا؟ رہن کے لیے، بَدَلًا بطورِ بدل کے، یہ اس غلام یا باندی کا بدل بن جائے گا، اِلٰى مَحَلِّ اَجَلِهِ اس کے محلِ اجل تک، یعنی اس کی مدت کے پورا ہونے تک بھئی، دَین کی مدت کے پورا ہونے تک ان کو رہن کے لیے لے لے گا اس کی قیمت کو بطورِ بدل کے بھئی۔ اَيْ اَخَذَ قِيْمَتَهُ لِاَجْلِ اَنْ يَّكُوْنَ رَهْنًا عِوَضًا عَنِ الْمَرْهُوْنِ اِلٰى زَمَانِ حُلُوْلِ الْاَجَلِ، یعنی مرتہن لے لے گا قِيْمَتَهُ اس رہن کی قیمت کو، لِاَجْلِ اَنْ يَّكُوْنَ رَهْنًا اس لیے تاکہ وہ رہن ہو جائے، عِوَضًا بطورِ عوض کے، بطورِ بدل کے، عَنِ الْمَرْهُوْنِ کس کے عوض؟ مرہون کے عوض میں یہ اس کی قیمت

جو ہے رہن ہو جائے، اِلٰی زَمَانِ حُلُوْلِ الْاَجَلِ اس مدت کے آنے تک بھئی، اس مدت کے زمانہ آنے تک۔

وَفَائِدَتُہٗ تَظْھَرُ، کہتے ہیں اس کا فائدہ اس وقت ظاہر ہو گا اِذَا کَانَتِ الْقِیْمَۃُ مِنْ غَیْرِ جِنْسِ الدَّیْنِ، جب کہ اس کی قیمت جو ہے وہ دَین کی جنس کے علاوہ ہو۔ بھئی دیکھیے، انہوں نے کیا بتلایا؟ اگر دَین میں کچھ مدت باقی ہے، اس کا وقت ابھی نہیں ہوا اور راہن ہے مالدار، تو اس سے ان کی قیمت لے لیں گے اور بطورِ رہن کے رکھ لیں گے۔ کہتے ہیں اس کا فائدہ اسی وقت ظاہر ہو گا جس وقت، جس وقت جو دَین ہے وہ اس قیمت کی جنس میں سے نہ ہو۔ دَین، توجہ ہے؟ قیمت کی جنس سے نہ ہو۔ مثلاً غلام تھا پچاس ہزار درہم کا۔ آقا سے پچاس ہزار درہم لے کر ہم نے بطورِ رہن کے اب کس کے پاس رکھوا دیے؟ مرتہن کے پاس۔ یہ تب ہی رکھے گا نا جب وہ دَین کسی اور جنس کا ہو۔ مثلاً دَین وہ گندم لے کر گیا ہوا تھا۔ دَین کیا تھا؟ اب دَین اور جنس، اور یہ جو ثمن وصول کیے یہ اور جنس ہے۔ تو اب اس درہم کو رکھیں گے ابھی اور اس وقت ابھی اس کے پاس اتنی گندم نہیں ہے، اس نے گندم لی ہے تو واپس بھی کیا کرے گا؟ گندم ہی واپس کرے گا۔ اس کے پاس اس وقت گندم نہیں ہے تو اب کیا کریں گے؟ یہی ثمن لے کر ہم اپنے پاس بطورِ رہن کے رکھ لیں گے، وہ مرتہن اپنے پاس رکھ لے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جب تک مدت پوری نہیں ہوتی۔ اور اگر دونوں کی جنس ایک ہی ہوئی، مثلاً اس نے دَین کتنا لیا تھا؟ ستر ہزار درہم۔ اور یہ جو غلام یا باندی کے ثمن لیے یہ کتنے ہیں؟ پچاس ہزار۔ تو دَین بھی درہم اور یہ جو قیمت وصول ہوئی یہ بھی کیا ہے؟ درہم ہے، پھر تو ایک جنس ہے، پھر تو یوں سمجھیں گے کہ اس نے رہن کے بدلے اتنا دَین وصول کر لیا، اتنا دَین اس نے کیا کر لیا؟ وصول۔ پھر تو رہن رکھنے کا فائدہ نہیں ہے نا اگر دونوں کی جنس ایک ہے۔ تو فائدہ کب ظاہر ہو گا؟ کہ جب دونوں دَین کی اور اس قیمت کی جنس الگ الگ ہو، پھر ہی رہن رکھیں گے۔ اگر دونوں کی جنس ایک ہے پھر تو گویا اس نے کیا کر لی؟ اتنے حصے کی وصولی کر لی۔

کہتے ہیں وَفَائِدَتُہٗ تَظْھَرُ اِذَا کَانَتِ الْقِیْمَۃُ مِنْ غَیْرِ جِنْسِ الدَّیْنِ، کہتے ہیں یہ اس رہن کی قیمت کو رکھنے کا فائدہ اس وقت ظاہر ہو گا جب اس رہن کی قیمت جو ہے وہ دَین کی جنس کے علاوہ ہو، کَمَا اِذَا کَانَتِ الْقِیْمَۃُ دَرَاھِمَ جیسے کہ قیمت جو ہے وہ دراہم ہوں، وَالدَّیْنُ کُرَّ بُرٍّ اور دَین جو ہے وہ ایک کُر گندم ہو۔ کُر یہ پیمانہ ہے، پیمانہ ہے گندم کو ماپنے کا ایک پیمانہ ہے بھئی، پیمانہ، یہ میں ابھی آپ کو تفصیل لکھواتا ہوں بھئی، مختلف پیمانے جو استعمال ہوتے تھے۔ تو کہتے ہیں وَالدَّیْنُ کُرَّ بُرٍّ اور دَین جو ہے وہ ایک کُر گندم تھا، وَلَا قُدْرَۃَ لَہٗ عَلٰی اَدَاءِ الدَّیْنِ فِی الْحَالِ اور راہن کو قدرت نہیں ہے کہ وہ دَین ادا کرے فی الحال، تو یہ درہم لے کر رکھ لیں گے۔ فَتَکُوْنُ الدَّرَاھِمُ رَھْنًا اِلٰی مَحَلِّ الْاَجَلِ تو دراہم جو ہیں وہ اس جو قیمت ہے وہ رہن ہو جائیں گے اِلٰی مَحَلِّ الْاَجَلِ، اجل کے مدت کے، مدت کے آنے تک بھئی، مدت کے ادائیگی کا وقت آنے تک بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا، یہاں آیا کُرَّ، کُرُبُذٌ۔ کُر میں نے بتلایا یہ گندم یا غلے وغیرہ کی مقدار ماپنے کا ایک آلہ تھا، مقدار ماپنے کا ایک آلہ تھا۔ اس سے پہلے تو، اس سے پہلے کتابِ احیاء الموات کے اندر میں نے آپ کو مختلف قسم کی پیمائشیں لکھوائی تھیں کہ ذراع کسے کہتے ہیں اور اصبع کی کیا مقدار ہے، ذراع کسے کہتے ہیں، میل کسے کہتے ہیں اور باع کسے کہتے ہیں، مختلف چیزوں کو ماپنے کے لیے جو استعمال ہوتے ہیں یعنی لمبائی کو ماپنے کے لیے۔ تو آج یہ جو مقدار جو ہے کیل کے پیمانے اور وزن کے پیمانے وہ دونوں لکھ لیں بھئی، یہ آپ کو جگہ جگہ کتابوں میں کام آئیں گے بھئی۔ لکھیے بھئی، کاغذ ہے کہ نہیں ہے؟

اچھا بھئی۔ پہلے بھئی اوزانِ شرعی لکھ لیں بھئی۔ اوپر بڑا سا لکھ لیں: اوزانِ شرعی۔ لکھیں بھئی:

آٹھ چاول برابر ہے ایک رتی۔ برابر کے لیے بھئی وہ حساب والی جو نشانی ہوتی ہے دو لکیریں ایک دوسرے کے اوپر نیچے ہوتی ہیں، پہاڑے پڑھتے ہوئے آپ نے دیکھا ہو گا۔ تو یہ حساب والی علامت لکیر کے، ایک سیدھی لکیر اور اس کے نیچے بھی اسی طرح متوازی سیدھی لکیر چھوٹی سی۔ تو آٹھ چاول کے دانے برابر ہے ایک رتی، راتا دو نقطوں والی ہے اور یا۔

جی، دوسری سطر میں لکھیں: آٹھ رتی برابر ہے ایک ماشہ۔

بارہ ماشے برابر ہے ایک تولہ۔ لکھ لیا؟

اسی تولے برابر ہے ایک سیر۔

ایک تولہ برابر ہے، یہ لمبا عدد ہے ذرا بھئی، ذرا دور لکھیں بھئی لمبا عدد ہے: گیارہ اعشاریہ چھ چھ تین آٹھ صفر تین آٹھ گرام، بھئی ساتھ لکھ دیں گرام۔ تو یہ ایک تولہ اتنے گرام کے برابر ہے۔

ایک کلو برابر ہے تقریباً پونے چھیاسی تولے۔

لکھ لیا بھئی؟ آج کل چونکہ کلو استعمال ہوتا ہے زیادہ، اس لیے تو کلو میں بھی میں نے مقدار لکھوا دی۔ یہ تقریباً آپ خود بھی لگا نکال سکتے ہیں بھئی، کلو میں ایک ہزار گرام ہوتے ہیں۔ کتنے؟ ایک ہزار۔ اس کو کیلکولیٹر پر، ایک ہزار کو اگر آپ تقسیم کریں نا گیارہ اعشاریہ چھ چھ تین آٹھ صفر تین آٹھ، یہ جو تولے کی مقدار ہے، اس کے ساتھ تقسیم کریں گے تو تولے نکل آئیں گے، تو آپ دیکھیں گے یہ کوئی پونے چھیاسی تولے ہیں، تقریباً، کچھ تھوڑا سا فرق ہے۔ نیچے الگ سطر

میں لکھیں: پانچ جو کے دانے برابر ہے ایک قِیْرَاط، قاف دو نقطوں والا ہے بھئی اور آخر میں طا ہے طا ظا۔

اس سے نچلی سطر میں لکھیں: بیس قیراط برابر ہے ایک دینار، اور اسی کے آگے لکھیں، ایک دینار کے آگے ایک اور برابر لکھیں: برابر ہے ایک مِثقَال، میم، ثا، قاف دو نقطوں والا، الف اور لام۔ اور اسی کے آگے ایک اور برابر کی علامت ڈالیں: برابر ہے ساڑھے چار ماشے، چار صحیح ایک بٹا دو ماشے۔ دیکھا؟ بیس قیراط کہہ لو، توجہ ہے؟ بیس قیراط برابر ہے ایک

دینار برابر ہے ایک مثقال برابر ہے ساڑھے چار ماشے۔ تو میں بیس قیراط کہہ دوں، یا ایک دینار کہہ دوں، یا ایک مثقال کہہ دوں، یا میں ساڑھے چار ماشے کہہ دوں یہ سب ایک ہی برابر ہیں، تین چاروں ایک ہی چیز ہیں، بات سمجھ میں آگئی؟

اس سے اگلی سطر میں لکھیں: چودہ قیراط برابر ہے ایک درہم، اور اس کے آگے پھر برابر کی علامت ڈالیں، تو یہ ایک درہم برابر ہے تین ماشہ، ایک رتی، راتا دو نقطوں والی اوریا، اور خُمُسِ رتی، خُمُس خا میم سین، پانچواں حصہ، خُمُسِ رتی۔ تو دیکھا چودہ قیراط کس کے برابر؟ ایک درہم۔ اور یہی چودہ قیراط یا ایک درہم کس کے برابر ہیں؟ تین ماشہ، ایک رتی اور خُمُسِ رتی۔ دیکھا؟ دینار برابر ہوتا ہے ساڑھے چار ماشے، اور درہم برابر ہوتا ہے تین ماشے، ایک رتی اور خُمُسِ رتی۔ رُبعِ رتی ہوتا تو سوا رتی ہو جاتی۔ توجہ ہے؟ تین ماشے، ایک رتی اور خُمُس یعنی رتی کا پانچواں حصہ۔ پانچویں کے بجائے اگر کیا ہوتا؟ چوتھا ہوتا تو سوا رتی ہو جاتی۔ لیکن یہ سوا رتی سے کچھ کم ہے۔

تو اب دیکھو فقہ کی کتابوں میں ہاں جہاں زکوٰۃ کے مسائل آتے ہیں کہ اتنے مثقال سونا ہو تو اس پر زکوٰۃ ہے، اتنی چاندی اتنے درہم چاندی ہو تو اس پر زکوٰۃ۔ اب آپ وہاں سے یہ آسانی سے حساب لگا سکتے ہیں۔ وہاں وہ مثقال دیے ہوں گے، وہاں پر انہوں نے درہم دیے ہوں گے، اب آپ کو درہم کا بھی پتہ چل گیا، مثقال کا بھی۔ اب آپ ان کو آسانی سے تولوں میں لے کر جائیں گے، اب آپ کو وہاں حساب لگائیں گے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ ساڑھے سات تولے جو ہے سونا ہو تو اس پر زکوٰۃ آتی ہے، سال گزر جائے، اور ساڑھے باون تولے چاندی ہو تو اس پر زکوٰۃ آتی ہے۔ غالباً یہ بیس، بیس مثقال پر زکوٰۃ آتی ہے۔ فقہ کی کتابوں میں کیا لکھا ہے؟ بیس مثقال۔ اب ہم ذرا حساب لگاتے ہیں بیس مثقال سے ساڑھے، ہمارے علماء تو کیا بتاتے ہیں؟ ساڑھے سات تولے، کیونکہ ہمیں تو مثقال کا پتہ ہی نہیں یہاں استعمال ہی نہیں ہوتے، تولہ استعمال ہوتا ہے، تو انہوں نے تولوں میں ہمیں مقدار بتائی۔ ذرا بیس مثقال کا حساب لگاؤ۔ بیس مثقال ہوں، توجہ ہے؟ ایک مثقال کتنے کا ہے؟ ساڑھے چار ماشے۔ تو بیس کو چار سے ضرب دو۔ اسی۔ اور آدھا مثقال ہے اس کو بھی بیس سے ضرب دو۔ دس ہو گئے۔ اسی اور دس؟ نوے۔ نوے ماشے ہو گئے۔ اور بارہ ماشے کا ایک تولہ ہے، اس نوے ماشے کو ذرا بارہ سے تقسیم کرو۔ بارہ ستے چوراسی، نوے کو تقسیم کر رہا ہوں نا بارہ ماشے، ایک تولہ کتنے ماشے ہے؟ بارہ ماشے، تو نوے کو تقسیم کیا بارہ سے کیا آیا؟ بارہ ستے چوراسی۔ سات تولے پورے ہو گئے اور کتنے رہ گئے؟ چھ ماشے، اور چھ ماشے کا آدھا تولہ ہوتا ہے۔ دیکھا؟ تو یہ کتنا ہوا؟ ساڑھے سات تولے۔ اور درہم غالباً دو سو درہم ہوں چاندی تو اس پر سال گزرے تو زکوٰۃ آتی ہے۔ اب ذرا ہم دیکھتے ہیں دو سو درہم کے کتنے بنتے ہیں؟ ساڑھے باون تولے؟ ذرا ہم دیکھتے ہیں کتنے بنتے ہیں۔ جی دو سو درہم ہیں۔ ایک درہم کتنے ماشے؟ تین ماشے، ایک رتی اور خُمُسِ رتی۔ اب پہلے صرف یہ تین ماشوں کا حساب کر لیتے ہیں، ایک رتی اور خُمُسِ رتی کو ذرا الگ رکھیں۔ دو سو درہم ہیں، ہر درہم کم از کم کتنا ہے؟ تین ماشے کا، تو تین سے ضرب دے دو۔ چھ سو ماشے۔ یہ ذرا

سنبھال کر رکھیں چھ سو ماشے۔ باقی کتنا تھا ہر درہم میں؟ ایک رتی اور خُمُسِ رتی۔ ذرا اس کی رتیاں بنا لیں۔ ایک رتی ہے تو دو سو درہم میں دو سو رتیاں آگئیں، کتنی آگئیں؟ دو سو رتیاں۔ یہ بھی الگ سنبھال کر رکھیں۔ کتنے ماشے رکھے؟ چھ سو ماشے رکھے اور دو سو رتیاں رکھیں۔ اور اب ایک ہے خُمُسِ رتی۔ خُمُسِ رتی یعنی پانچ خُمُس ہوں گے تو ایک رتی بنے گی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو دو سو درہم میں ہر درہم میں خُمُسِ رتی ہے، معلوم ہوا ہمارے پاس دو سو خُمُس ہیں، کتنے؟ توجہ ہے؟ ہر درہم میں کیا ہے؟ تین ماشے ہیں، ایک رتی ہے اور ایک خُمُسِ رتی۔ ماشوں کا تو ہم نے حساب کر لیا چھ سو ہو گئے، رتی کا حساب کر لیا دو سو ہو گئیں، اور خُمُسِ رتی ہے تو یہ خُمُس بھی دو سو درہموں میں کتنے خُمُس ہو گئے؟ دو سو ہی خُمُس ہو گئے۔ اور کتنے خُمُس سے ایک رتی بنتی ہے؟ پانچ سے۔ تو اس کو پانچ سے تقسیم کر دو دو سو کو۔ چالیس۔ تو یہ چالیس رتیاں اور آگئیں۔ دو سو رتیاں پہلے تھیں اور چالیس اور آگئیں، دو سو چالیس رتیاں۔ اس دو سو چالیس رتی کو ذرا ماشوں میں لے کے جاؤ۔ اوپر دیکھو کیا لکھوایا میں نے؟ آٹھ رتی ہو تو ایک ماشہ بنتا ہے۔ تو دو سو چالیس کو ذرا آٹھ سے تقسیم کرو۔ دو سو چالیس کو آٹھ سے؟ تیس۔ تیس ماشے بن گئے۔ کیا بن گئے؟ تیس ماشے۔ اچھا پہلے کتنے ماشے رکھوائے تھے؟ چھ سو۔ چھ سو اور تیس کتنے ہو گئے؟ چھ سو تیس ماشے ہو گئے۔ اب اس چھ سو تیس ماشے کو آپ تقسیم کریں، تولے بنانے ہیں تو بارہ ماشے کا ایک تولہ ہوتا ہے، بارہ سے تقسیم کریں۔ چھ سو تیس کو، کیلکولیٹر ہے کسی کے پاس؟ جلدی کرو بھئی۔ چھ سو تیس کو بارہ سے تقسیم کریں۔ ساڑھے باون تولے نکل آئے، دیکھا ساڑھے باون جواب آیا۔ تو دیکھا چاندی کا نصاب اس میں ساڑھے باون تولے اس طرح بھئی علماء نے حساب لگایا۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ تو یہ جو میں نے پیمانے لکھوائے یہ آپ کو ہر جگہ کام آئیں گے بھئی، ہر جگہ کام آئیں گے۔

آگے لکھیے بھئی ابھی کچھ اور پیمانے چیزیں باقی ہیں دو تین۔ یہ سارے وزن میں ذکر کر رہا ہوں وزن بھئی۔ آگے لکھیے أُوْقِيَّةٌ، الف، واؤ، قاف دو نقطوں والا، یائے مشدد اور گول تا۔ اور اس کی جمع یاد رکھنا اَوَاقِیْ آتی ہے، کیا آتی ہے؟ اَوَاقِیْ اس أُوْقِيَّة کی جمع ہے۔ تو ایک أُوْقِيَّة آگے لکھیں: برابر ہے ساڑھے دس تولے، اور یہ برابر ہے چالیس درہم کے۔

اب ساڑھے دس تولے ہے، اس کے ذرا درہم بناؤ بھئی، درہم بناؤ۔ ساڑھے دس تولے ہے اس کے پہلے ماشے بنا لو۔ اس کو بارہ سے ضرب دو، کتنے ہو گئے؟ ساڑھے دس کو بارہ سے ضرب دیں۔ صرف پہلے دس کو ضرب دے دو، آدھے کو الگ رکھو۔ ایک سو بیس، اور پھر آدھے کو بارہ سے ضرب دی تو چھ، نہیں نہیں آدھا، چھ، چھ تولے بنے گا، ہاں؟ جی؟ بھئی دس کو بارہ سے ضرب دی نا ہم نے، ہمارے پاس کیا ہیں؟ ساڑھے دس تولے ہیں، کیا ہیں؟ ساڑھے دس۔ اور ہر تولے میں کتنے ماشے؟ بارہ ماشے ہیں، تو کتنے ہو گئے؟ دس تولے میں کتنے ماشے ہو گئے؟ ایک سو بیس۔ آدھے تولے میں کتنے ماشے ہو گئے؟

چھ، بارہ ہیں نا، بارہ ہیں، چھ۔ تو ایک میں کتنے، آدھے میں کتنے ہو گئے؟ چھ۔ تو ایک سو بیس اور چھ، ایک سو چھبیس ماشے، کیا بن گئے؟ ایک سو چھبیس ماشے۔ اور اس سے ہم نے کیا بنانے ہیں؟ درہم۔ ایک درہم کتنے کے برابر؟ تین ماشے، ایک رتی اور خُمُسِ رتی۔ اچھا اب کیسے؟ اب ذرا حساب مشکل ہو گیا۔ ہاں ایک سو چھبیس ماشے بن گئے۔ توجہ ہے؟ کتنے ماشے بن گئے؟ ایک سو چھبیس۔ اچھا اب ہم یوں کرتے ہیں کہ چالیس درہم یہ بنتے ہیں، کتنے بنتے ہیں؟ چالیس۔ تو چالیس کو ہم یوں کرتے ہیں اب درہم کو ہم ماشوں میں لے جاتے ہیں، وہ بھی ایک سو چھبیس ماشے بننے چاہئیں، کتنے بننے چاہئیں؟ دیکھو چالیس درہم ہیں، ایک درہم کتنے کے برابر؟ تین ماشے، ایک رتی اور خُمُسِ رتی۔ پہلے صرف ماشوں کا حساب کرو، چالیس تیا ایک سو بیس۔ بن گیا یا نہیں؟ اچھا اس کے بعد ایک رتی، تو چالیس میں ہر ایک میں ایک ایک رتی ہے تو چالیس رتیاں بن گئیں۔ اور خُمُسِ رتی ہے، تو پانچ سے چالیس کو تقسیم کرو، آٹھ۔ تو چالیس اور آٹھ اڑتالیس، اڑتالیس رتیاں بن گئیں۔ اس اڑتالیس کو پھر ماشوں میں لے کے جاؤ۔ اڑتالیس رتی یہ تو اڑتالیس رتی ہے اور دوسری طرف ہے ایک سو بیس ماشے، تو اس رتی کو بھی ماشوں میں لے کے جاؤ۔ آٹھ رتی ہو تو ایک ماشہ بنتا ہے۔ تو کتنے ہو گئے؟ اڑتالیس کو آٹھ سے تقسیم کرو۔ چھ، چھ ماشے بن گئے۔ ایک سو بیس ماشے تھے اور یہ چھ کتنے ہو گئے؟ ایک سو چھبیس ماشے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ تو دیکھا ایک اوقیہ برابر ہے ساڑھے دس تولے اور یہ برابر ہے چالیس درہم کے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ اب کتابوں میں کہیں کوئی مقدار ذکر ہوتی ہے، کوئی لمبائی چوڑائی ذکر ہوتی ہے یا وزن ذکر ہوتا ہے یا اسی طرح ابھی کیل جو ماپنے کے آلے ہیں وہ بھی میں آپ کو لکھواتا ہوں بھئی، آپ فوراً اس کا حساب لگا سکتے ہیں۔ تو یہ لکھ لیا کہ ایک اوقیہ برابر ہے ساڑھے دس تولے اور یہ برابر ہے چالیس درہم۔

اس کے نیچے لکھیں: ایک کلو برابر ہے تقریباً دو سو اٹھائیس دینار۔ یہ باقی پورا حساب آپ خود لگا سکتے ہیں، میں نے سارے پیمانے لکھوا دیے۔ دو سو اٹھائیس دینار کیونکہ دینار ذرا بڑا ہوتا ہے ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے۔ نیچے لکھیں: اور ایک کلو برابر ہے تقریباً تین سو چھبیس درہم۔ اور یہ تو آپ کو پتہ ہے ایک کلو میں کتنے گرام ہوتے ہیں؟ ہزار گرام ہوتے ہیں، تو آپ وہ حساب لگا لینا بھئی اچھی طرح۔

اب آئیے جی بھئی، یہ تھے وزن کے پیمانے، اب آئیے کیل کے پیمانے کچھ ہیں، کیل۔ جی لکھیے بھئی: ایک کُرّ برابر ہے، کاف اور را مشدد، کاف چھوٹا ہے اور را پر شد بھی ڈالیں، کُرّ برابر ہے بارہ وَسق بھئی، واؤ، سین اور قاف دو نقطوں والا، وَسق۔ لکھ لیا؟ اگلی سطر میں لکھیں: ایک وسق برابر ہے ساٹھ صَاع بھئی، صَاع صاد، الف، عین، اور یہ برابر ہے پانچ من اڑھائی سیر، یہ جو ہم استعمال کرتے ہیں نا من چالیس سیر والا۔ ایک وسق کتنے کے برابر ہے؟ ساٹھ صاع، یعنی وہ جو قَفِیْز جس کو کیا کہتے ہیں؟ گندم ماپنے کا ایک برتن ہوتا ہے اس کو قَفِیْز کہتے ہیں تو یہ صاع اور قَفِیْز ایک چیز ہیں، اسی کو صاع کہتے

ہیں اور قَفِیْز بھی۔ نیچے لکھیں: ایک صاع برابر ہے چار مُدّ، میم دال مُدّ، اور اسی کے آگے لکھیں: یہ برابر ہے دو سو ستر تولے، اور اسی کے آگے لکھیں: یہ برابر ہے تین سیر چھ چھٹانک، یعنی ڈیڑھ پاؤ۔ یہ آج کل سیر استعمال ہوتے ہیں اس لیے سیروں میں میں نے اس کا حساب لگایا کہ

آپ کو کم از کم کچھ اندازہ ہو جائے۔ تو ایک صاع برابر ہے، کیا لکھا؟ ایک صاع برابر ہے چار مُدّ، اور یہی برابر ہے، چار مُدّ برابر ہے دو سو ستر تولے، اور یہ برابر ہے تین سیر چھ چھٹانک۔ تو یہ تین چاروں چیزیں ایک ہی ہیں بھئی، ایک ہی وزن ہیں۔ اور ہاں یہ جو صاع لکھا نا صاع، اس کے اوپر چھوٹا سا بین القوسین لکھ دیں: صاعِ حنفی۔ یہ صاعِ حنفی کی بات ہو رہی ہے، عِنْدَ الْاَحْنَاف یہ صاع ہے۔ لکھ لیا؟

اچھا، اب نچلی سطر میں لکھیں: ایک مُدّ برابر ہے دو رِطْل، را اور طا اور لام، طا ظا۔ اور اسی کے آگے لکھیں: یہ برابر ہے ایک شرعی من۔ دیکھا؟ یہ من کتابوں میں آتا ہے ذکر، تو یہ من چھوٹا سا ہے۔ ایک ہمارے ہاں من جو سیر والا رائج ہے وہ کتنا ہے؟ چالیس سیر۔ اور اب تو شاید میرا خیال ہے چالیس کلو والا ہوتا ہے من، وہ تو چالیس سیر سے بھی بڑھ گیا۔ کیونکہ آپ نے پڑھ لیا تھا ایک سیر کتنا ہے؟ اسی تولے۔ اور کلو کتنا ہے؟ پونے چھیاسی تولے۔ دیکھو کلو اس سے بڑا ہے پونے چھ تولے اس سے بڑا ہے، تو یہ۔ تو بہرحال میں سیر میں لکھوا رہا ہوں۔ تو ایک مُدّ کس کے برابر ہوا؟ دو رِطْل کے، اور یہ برابر ہوا ایک شرعی من کے۔

اس سے نیچے لکھیں: ایک رِطْل برابر ہے پونے چونتیس تولے۔ لکھ لیا؟

اب یہاں صاع بھی لکھ لیں بھئی، صاع کتابوں میں عام ذکر آتا ہے۔ صاع یاد رکھنا تین قسم کے ہیں: ایک کو صاعِ ہاشمی کہتے ہیں، صاعِ ہاشمی، ایک کو صاعِ حجازی کہتے ہیں اور ایک کو صاعِ عراقی کہتے ہیں۔ سب سے پہلے لکھو: صاعِ ہاشمی برابر ہے بتیس رِطْل کے۔

نیچے لکھیں: صاعِ حجازی، یہ برابر ہے پانچ رِطْل وَثُلُثِ رِطْل، رِطْل کا تیسرا حصہ، ثُلُث ثا لام ثا۔ یہ ہے صاعِ حجازی، پانچ رِطْل اور ثُلُثِ رِطْل۔

نیچے لکھیں: صاعِ عراقی برابر ہے آٹھ رِطْل۔ اسی کے آگے بین القوسین لکھ دیں، بریکٹ میں لکھ دیں: صاعِ حنفی۔ یہ صاعِ حنفی ہے، عِنْدَ الْاَحْنَاف یہ ہے صاع کی مقدار بھئی، یہ ہے صاع کی مقدار۔

تو دیکھا صاعِ ہاشمی سب سے بڑا ہے وہ بتیس رِطْل کا ہے، اور صاعِ حجازی سب سے چھوٹا ہے وہ کوئی سوا پانچ رِطْل سے تھوڑا سا زیادہ ہے، اور صاعِ عراقی یا صاعِ حنفی متوسط ہے وہ آٹھ رِطْل کا ہے۔ آٹھ رِطْل کا ہے۔ تو دیکھا؟ معلوم ہوا ایک کُرّ گندم کی مقدار کتنے کے برابر ہے؟ بارہ وسق کے، اور ایک وسق کتنے کا؟ ساٹھ صاع کا، تو ایک کُرّ میں کتنے صاع ہو گئے؟ بارہ سے اس کو ساٹھ کو ضرب دے دیں بارہ سے۔ سات سو بیس صاع۔ سات سو بیس صاع۔ سات سو بیس

بنتے ہیں؟ جی۔ تو ایک کُرّ برابر ہے سات سو بیس قَفِیز بھئی، دیکھو ایک اچھی خاصی بڑی مقدار بن جاتی ہے بھئی۔ تو یہ تھے پیمانے، اب یہ آپ کے کام آئیں گے جگہ جگہ۔

یہ معنی تھا، دیکھیے کتاب پر: کَمَا اِذَا کَانَتِ الْقِیْمَۃُ دَرَاھِمَ جیسے کہ قیمت جو ہے وہ درہم ہوں وَالدَّیْنُ کُرَّ بُرٍّ اور دَین کیا ہو؟ ایک کُرّ گندم ہو، بُرٌّ گندم کو کہتے ہیں، اور دَین ایک کُرّ گندم ہو یعنی سات سو بیس صاع بھئی۔ وَلَا قُدْرَۃَ لَہٗ عَلٰی اَدَاءِ الدَّیْنِ فِی الْحَالِ اور اس کو قدرت نہ ہو کہ وہ فی الحال دَین یعنی وہ گندم ادا کر سکے، تو فَتَکُوْنُ الدَّرَاھِمُ رَھْنًا اِلٰی مَحَلِّ الْاَجَلِ تو وہ دراہم جو ہوں گے وہ رہن ہو جائیں گے اس مدت کے آنے تک، اس کا وقت ہونے تک۔ مَحَلّ وقت ہونا، ادائیگی کا وقت۔ مَحَلّ ظرف کا صیغہ ہے بھئی اور وہ ظرفِ زمان ہے، یہاں ظرفِ زمان ہے، وہ وقت مراد ہے، ادائیگی کا وقت۔

وَاِنْ فَعَلَھَا مُعْسِرًا۔ جی، دوسری صورت کیا تھی؟ راہن نے اپنے غلام یا باندی کو آزاد کر دیا ہے یا مدبر بنا دیا ہے یا امِّ ولد بنا دیا ہے اور یہ خود تنگدست ہے، غریب ہے، اس کے پاس اتنے پیسے ہی نہیں ہیں کہ لے کر رہن رکھ لیے جائیں، تو پھر کیا کریں گے؟ وہ غلام یا باندی ان سے سعی کروائی جائے گی اور وہ لا کر مرتہن کے دَین کو ادا کریں گے۔ وہی ذکر کر رہے ہیں: وَاِنْ فَعَلَھَا مُعْسِرًا اور اگر ان کاموں کو سرانجام دیا، ان کاموں کو کیا راہن نے مُعْسِرًا غریب ہوتے ہوئے، تنگدست ہوتے ہوئے، تو فَفِی الْعِتْقِ سَعَی الْعَبْدُ فِیْ اَقَلَّ مِنْ قِیْمَتِہٖ وَمِنَ الدَّیْنِ، تو آزادی کی صورت میں، اگر اس نے غلام کو آزاد کیا تھا، سَعَی الْعَبْدُ تو غلام کوشش کرے گا فِیْ اَقَلَّ مِنْ قِیْمَتِہٖ وَمِنَ الدَّیْنِ اس میں جو اپنی قیمت اور دَین میں سے جو کم ہو اس میں کوشش کرے گا۔ کس میں کوشش کرے گا؟ غلام کی جو قیمت تھی اور دَین ان میں سے جو کم تھا اس میں کوشش کرے گا۔ بھئی دیکھیے نا مرتہن پر ضمان آتا ہے، مرتہن پر ضمان آتا ہے، اور کتنا ضمان آتا ہے؟ اَقَلّ۔ دَین میں سے اور اس رہن کی قیمت میں سے جو اَقَلّ ہو وہ ضمان آتا ہے، تو گویا اس رہن کے ذریعے وہ وصولی کرتا ہے اتنے مال کی، تو غلام بھی اتنے میں ہی کوشش کرے گا۔ غلام کی قیمت دیکھی جائے گی اور دَین کو دیکھا جائے گا جو کمتر ہو گی وہ کما کر لا کر کس کو دے دے گا؟ مرتہن کو ادائیگی کر دے گا۔

تو یہ معنی ہے سَعَی الْعَبْدُ فِیْ اَقَلَّ مِنْ قِیْمَتِہٖ وَمِنَ الدَّیْنِ، غلام جو ہے وہ کوشش کرے گا اس میں جو کم ہو گا اس کی قیمت اور دَین میں سے، فَیَرْجِعُ عَلٰی سَیِّدِہٖ غَنِیًّا پھر وہ غلام رجوع کرے گا اپنے آقا پر غَنِیًّا مالدار ہوتے ہوئے، یعنی جب وہ آقا کیا ہو جائے بعد میں اگر مالدار ہو جاتا ہے تو پھر غلام اس سے جا کر اپنا وہ دَین وصول کرے گا کیونکہ غلام نے آقا کی طرف سے ادا کیا تھا۔

وَفِیْ اُخْتَیْہِ اور آزادی کی جو دو بہنیں ہیں، اُخْتَیْن سے دو مراد ہیں، مراد ہے وہ مدبر اور امِّ ولد بھئی۔ مدبر اور امِّ ولد، ان کو اُخْتَیْن کہا آزادی کی، آزادی کی، کیونکہ جیسے آزاد آدمی کو رہن رکھنا ٹھیک نہیں اسی طرح مدبر اور امِّ ولد کو بھی رہن رکھنا

ٹھیک نہیں، تو یہ بھی اس کے مشابہ ہو گئے، یہ بھی اس کے مشابہ۔ تدبیر اور استیلاد بھی عتق کے مشابہ ہو گئے تو اس کو ان کی بہنیں کہہ دیا کیونکہ بہنیں بھی ایک دوسرے کے مشابہ ہوا کرتی ہیں، تو جب ان میں مشابہت آ گئی تو گویا کیا کہہ دیا؟ یہ اس کی بہنیں ہیں یعنی اس کے مشابہ ہیں، اس کے مشابہ۔ وَفِیْ اُخْتَیْہِ اور عتق کی جو دو بہنیں ہیں یعنی استیلاد اور تدبیر، سَعٰی فِیْ کُلِّ الدَّیْنِ وَلَا رُجُوْعَ، وہاں پر وہ پورے دَین میں کوشش کریں گے، وَلَا رُجُوْعَ اور رجوع بھی نہیں کریں گے۔ رجوع بھی نہیں، کیوں؟ بھئی امِّ ولد اور مدبر وہ تو کس کی طرف سے کوشش کر رہے ہیں؟ آقا کی طرف سے ہی کوشش کر رہے ہیں نا، تو آقا کے ذمے تو پورا دَین ہے تو یہ بھی پورا کا پورا دَین ادا کریں گے، یہ اَقَلّ یہاں نہیں دیکھا جائے گا۔

تو یہ معنی ہے وَفِیْ اُخْتَیْہِ سَعٰی فِیْ کُلِّ الدَّیْنِ وَلَا رُجُوْعَ اور عتق کی جو دو مشابہ چیزیں ہیں یعنی تدبیر اور استیلاد یعنی مدبر بنانا اور امِّ ولد بنانا، اس میں وہ غلام یا باندی کوشش کریں گے فِیْ کُلِّ الدَّیْنِ پورے کے پورے دَین میں، وَلَا رُجُوْعَ اور بعد میں بھی اپنے آقا پر رجوع نہیں کریں گے کیونکہ وہ سارا آقا ہی کی کمائی تھی بھئی۔

فَاِنَّ الرَّاھِنَ اِذَا اَعْتَقَ وَھُوَ مُعْسِرٌ پس راہن جو ہے اگر اس نے آزاد کر دیا غلام کو وَھُوَ مُعْسِرٌ اس حال میں کہ یہ آقا جو تھا غریب تھا تنگدست تھا، فَاِنْ کَانَ الدَّیْنُ اَقَلَّ مِنَ الْقِیْمَۃِ اگر وہ دَین جو ہے وہ اس کی غلام کی قیمت سے کم ہے تو سَعَی الْعَبْدُ فِی الدَّیْنِ تو غلام کوشش کرے گا کس میں؟ دَین میں کیونکہ وہ کم ہے، وَاِنْ کَانَتِ الْقِیْمَۃُ اَقَلَّ سَعٰی فِی الْقِیْمَۃِ اور اگر اس غلام کی قیمت جو ہے وہ کم ہے دَین سے، تو سَعٰی فِی الْقِیْمَۃِ تو غلام کس میں کوشش کرے گا؟ قیمت میں اور وہ لا کر ادا کرے گا۔ لِاَنَّہٗ اِنَّمَا یَسْعٰی، وہ اس لیے کوشش کرے گا، لِاَنَّہٗ لَمَّا تَعَذَّرَ لِلْمُرْتَھِنِ اس لیے کیونکہ جب ممکن نہ رہا مرتہن کے لیے اِسْتِیْفَاءُ حَقِّہٖ کہ وہ اپنے حق کو وصول کر لے مِنَ الرَّاھِنِ، کس سے؟ اپنے حق کو وصول کر لے راہن سے، تو یَاْخُذُہٗ مِمَّنْ یَّنْتَفِعُ بِالْعِتْقِ تو وہ اپنا دَین لے لے گا اس شخص سے جس نے اس آزادی سے فائدہ اٹھایا ہے، وَالْعَبْدُ اِنَّمَا یَنْتَفِعُ بِمِقْدَارِ مَالِیَّتِہٖ اور غلام جو ہے اس نے تو، اس نے نفع اٹھایا ہے اپنی مالیت کے بقدر اس نے نفع اٹھایا ہے، تو لہٰذا وہ غلام سے کوشش کروائی جائے گی۔ ثُمَّ یَرْجِعُ بِمَا سَعٰی عَلَی السَّیِّدِ پھر وہ غلام رجوع کرے گا وہ جو اس نے کوشش کی ہے عَلَی السَّیِّدِ کس پر؟ اپنے آقا پر یعنی سابقہ جو آقا ہے، اِذَا اَیْسَرَ سَیِّدُہٗ جب خوشحال ہو جائے اس کا آقا یعنی مالدار ہو جائے اس کا آقا، لِاَنَّہٗ قَضٰی دَیْنَہٗ اس لیے کیونکہ اس غلام نے اس آقا کا دَین ادا کیا تھا، وَھُوَ مُضْطَرٌّ فِیْہِ بِحُکْمِ الشَّرْعِ اور وہ مجبور تھا اس میں شریعت کے حکم سے۔ شریعت کے فیصلے سے وہ اس میں مجبور تھا۔

بھئی یاد رکھو جب بھی کوئی ایک شخص کسی دوسرے شخص کا دَین اپنی طرف سے ادا کرے، جب بھی، آپ پر دَین ہے اور آپ کا ساتھی خود ہی جا کر وہ دَین ادا کر دیتا ہے تو یہ مُتَبَرِّع ہے، کیا ہے؟ مُتَبَرِّع جو کوئی کام اپنی طرف سے خود کرے جو اس پر لازم نہیں ہے، واجب نہیں ہے، ثواب کے طور پر کرے، احسان کے طور پر، تو وہ شخص کیا ہوا جس نے آپ کا دَین ادا کر دیا خود ہی، آپ نے نہیں کہا تھا خود ہی اس نے ادا کر دیا تو وہ ہے مُتَبَرِّع۔ اور یاد رکھو مُتَبَرِّع پھر اصیل پر رجوع

نہیں کر سکتا جس کا دَین ادا کیا ہے اس پر رجوع نہیں کر سکتا یعنی کہ کل اس کو قاضی کے پاس لے جائے اور کہے کہ میں نے اس کا دَین ادا کیا تھا اب مجھے وہ دلوائیں، یہ کہے گا بھئی قاضی صاحب میں نے اس کو کہا ہی نہیں تھا کہ میری طرف سے دَین ادا کرو۔ تو مُتَبَرِّع جو ہے وہ مَدْیُوْن پر بعد میں رجوع نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر کوئی شخص مجبور ہے اور مجبوراً اس کو کسی کی طرف سے دَین ادا کرنا پڑے تو پھر وہ رجوع کر سکتا ہے۔ اور یہاں پر غلام بھی کیا تھا؟ مجبور تھا، شریعت کا حکم ہے شریعت کا فیصلہ ہے کہ یہ فائدہ غلام نے اٹھایا ہے لہٰذا پیسے بھی کون لا کر پورے کرے گا؟ غلام، اور تو یہ مجبور ہے اپنے آقا کا دَین ادا کر رہا ہے اور مجبور کیا کرتا ہے بعد میں رجوع کر سکتا ہے۔

یہ معنی ہے وَهُوَ مُضْطَرٌّ فِيْهِ اور غلام جو تھا وہ اس دَین کی ادائیگی میں مجبور تھا بِحُكْمِ الشَّرْعِ شریعت کے فیصلے سے، اس لیے وہ رجوع کرے گا۔ لہٰذا فَيَرْجِعُ عَلَيْهِ پس وہ رجوع کرے گا اس آقا پر بِمَا تَحَمَّلَ عَنْهُ اس دَین کے بدلے تَحَمَّلَ عَنْهُ جو اس نے اس کی طرف سے برداشت کیا، جو اس غلام نے آقا کی طرف سے برداشت کیا تھا اس کے بدلے میں اس پر رجوع کرے گا۔ وَفِي التَّدْبِيْرِ وَالْاِسْتِيْلَادِ سَعٰى فِيْ كُلِّ الدَّيْنِ اور تدبیر یعنی مدبر بنانے کی صورت میں وَالْاِسْتِيْلَادِ اور امِّ ولد بنانے کی صورت میں سَعٰى فِيْ كُلِّ الدَّيْنِ وہ غلام یا باندی کوشش کریں گے پورے کے پورے دَین میں، لِاَنَّ كَسْبَ الْمُدَبَّرِ وَالْمُسْتَوْلَدَةِ مِلْكُ الْمَوْلٰى اس لیے کیونکہ مدبر اور مستولدہ یعنی امِّ ولد کی جو کمائی ہے وہ مِلْكُ الْمَوْلٰى وہ آقا ہی کی ملکیت ہے، فَيَسْعَيَانِ فِيْ كُلِّ دَيْنِهٖ پس یہ کوشش کریں گے آقا کا پورا دَین اتارنے میں، وَلَا رُجُوْعَ اور رجوع بھی نہیں کریں گے کیونکہ ان کی کمائی آقا ہی کی کمائی ہے، یہ تو ابھی آزاد نہیں ہوئے یہ تو ابھی بھی غلام ہیں بھئی۔

وَاِتْلَافُهٗ رَهْنَهٗ كَاِعْتَاقِهٖ غَنِيًّا۔ بھئی صورت یہ ہے، راہن نے اپنا جو چیز رہن رکھوائی تھی مرتہن کے پاس، راہن نے ہی اس کو ہلاک کر دیا، تباہ کر دیا۔ راہن کے فعل سے ہی کیا ہوئی؟ وہ مرہون شے تباہ ہو گئی۔ تو کہتے ہیں اس میں پھر وہی حکم ہے جو مالدار کے اندر جو حکم تھا۔ راہن نے اپنے رہن کو تباہ کیا ہے تو راہن سے اس رہن کی قیمت لی جائے گی اور وہ قیمت پھر جب تک مدت پوری نہ ہو تب تک کے لیے رہن رکھ لی، وہی جو پہلی صورت میں آیا تھا اگر دَین فوری ہے تو پھر کیا کر لیں گے؟ ادائیگی کرے گا پورے دَین کی اور اگر دَین میں مدت ہے تو اس چیز کی قیمت لے کر اس کو بطورِ رہن کے رکھ لیا جائے گا۔ تو کہتے ہیں وَاِتْلَافُهٗ رَهْنَهٗ اور تلف کر دینا، ہلاک کر دینا راہن کا رَهْنَهٗ اپنے رہن کو، كَاِعْتَاقِهٖ غَنِيًّا یہ ایسے ہی ہے جیسے راہن کا آزاد کر دینا اپنے رہن کو اس حال میں کہ وہ مالدار ہو۔ اَیْ اِنْ اَتْلَفَ الرَّاهِنُ الرَّهْنَ یعنی اگر راہن نے تلف کر دیا تباہ

کر دیا، ہلاک کر دیا رہن کو، فکما اعتقہ غنیاً، تو یہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے آزاد کیا تھا مالدار ہوتے ہوئے۔ اَیْ اِنْ كَانَ الدَّيْنُ حَالًّا اَخَذَ مِنْهُ الدَّيْنَ یعنی اگر دَین حالی تھا یعنی فوری ادائیگی تھی یعنی ادائیگی کا وقت ہو چکا تھا اَخَذَ مِنْهُ الدَّيْنَ تو مرتہن اس سے دَین لے لے گا۔ وَاِنْ كَانَ مُؤَجَّلًا اور اگر دَین مدت والا ہے یعنی ابھی اس کی مدت باقی ہے تو اَخَذَ قِيْمَتَهٗ تو اس

رہن کی قیمت اس سے لے لے گا، لِيَكُوْنَ الرَّهْنُ اِلٰى زَمَانِ حُلُوْلِ الْاَجَلِ تاکہ وہ جو قیمت ہے وہ رہن ہو جائے اس مدت کے پورا ہونے کے زمانے تک بھئی۔

وَاَجْنَبِيٌّ اَتْلَفَهُ ضَمَّنَهُ مُرْتَهِنُهُ وَكَانَ اَيِ الضَّمَانُ رَهْنًا مَّعَهُ۔ صورت یہ: کسی اجنبی نے، کسی تیسرے شخص نے رہن کو تباہ کر دیا، ہلاک کر دیا، تو اب اس سے ضمان وصول کرنا ہے۔ تو یہ ضمان راہن وصول کرے گا یا مرتہن وصول کرے گا؟ کہتے ہیں بھئی یہ چیز مرتہن کے قبضے میں تھی لہٰذا مرتہن قاضی کے پاس جا کر اس کے ذریعے کیا کرے گا؟ اس سے ضمان وصول۔ تو معلوم ہوا ضامن جو متلف کو بنائے گا وہ مرتہن بنائے گا، راہن نہیں۔ مقدمہ لڑنا اب اس کا کام ہے۔ کیونکہ مرتہن اس سے نہیں لے گا، تو رہن اس کے پاس ہلاک ہو گیا ہے تو اس پر ضمان آئے گا یا نہیں؟ ضمان تو مرتہن پر آنا ہے لہٰذا اب خصومت بھی کون کرے گا یہاں پر؟ مرتہن ہی کرے گا اور اس اجنبی سے اس کی قیمت وصول کرے گا۔ تو کہتے ہیں وَاَجْنَبِيٌّ اَتْلَفَهُ اور ایسا اجنبی، ایسا اجنبی اَتْلَفَهُ جس نے اس رہن کو تلف کر دیا ہے، اس کو ہلاک کر دیا ہے، ضَمَّنَهُ مُرْتَهِنُهُ اس کو ضامن بنائے گا اس کا مرتہن، وَكَانَ اَيِ الضَّمَانُ رَهْنًا مَّعَهُ اور وہ جو ضمان ہے وہ رہن ہو گا پھر مرتہن کے پاس۔ اجنبی سے ضمان وصول ہو گیا تو وہ ضمان بطورِ رہن کے اس مرتہن کے پاس رہے گا۔

وَرَهْنٌ اَعَارَهُ مُرْتَهِنُهُ رَاهِنَهُ اَوْ اَحَدُهُمَا بِاِذْنِ صَاحِبِهٖ اٰخَرَ سَقَطَ ضَمَانُهُ۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ زید نے اپنی گاڑی جو ہے عمر کے پاس بطورِ رہن کے رکھوائی تھی، اور بعد میں راہن کو گاڑی کی ضرورت پڑ گئی اور اس نے مرتہن یعنی عمر سے جا کر کہا کہ مجھے سفر پر جانا ہے تین چار دن کے لیے گاڑی مجھے چاہیے اگر آپ دے دیں۔ مرتہن نیک آدمی تھا بھئی، اس نے گاڑی دے دی کہ لیجیے۔ مرتہن نے گاڑی بطورِ عاریت کے دے دی کس کو؟ راہن کو، راہن ہی کو دے دی اصل مالک جس نے رہن رکھوایا تھا۔ اچھا اس کو دے دی، یا راہن یا مرتہن دونوں میں سے کسی ایک نے ایک تیسرے آدمی کو گاڑی استعمال کے لیے دے دی اور اجازت ایک دوسرے سے لے لی۔ راہن کسی اور کو گاڑی اپنی عاریت کے طور پر استعمال کے لیے دینا چاہتا ہے، اس نے مرتہن سے اجازت مانگی، مرتہن نے اجازت دے دی، چنانچہ وہ گاڑی اس نے تیسرے شخص کو دے دی۔ یا مرتہن نے کسی کو دینی تھی، اس نے راہن سے اجازت لے لی اور تیسرے آدمی کو گاڑی عاریت کے طور پر دے دی۔ تو یاد رکھو، مرتہن جب گاڑی عاریت کے طور پر چاہے راہن کو دے چاہے دونوں مل کر کسی تیسرے شخص کو دیں تو وہ گاڑی ضمان سے نکل جائے گی، وہ گاڑی ضمان سے نکل جائے گی۔ اب اگر وہ گاڑی ہلاک ہوئی تو ضمان نہیں آئے گا بھئی مرتہن پر، کیونکہ گاڑی راہن کی اجازت سے دوسرے کے پاس گئی ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟ کیونکہ آپ نے پڑھا ہے کہ جو چیز مُسْتَعَار ہوتی ہے اس کا ضمان نہیں آتا، وہ امانت کے حکم میں ہوتی ہے۔

وَرَهْنٌ اَعَارَهُ مُرْتَهِنُهُ رَاهِنَهُ۔ بھئی رَهْنٌ نکرہ آیا، اور نکرہ کے بعد اَعَارَ فعل آیا تو یہ کیا بنے گا؟ موصوف صفت۔ اور ایسا رہن اَعَارَهُ مُرْتَهِنُهُ جو بطورِ عاریت کے دیا ہے مُرْتَهِنُهُ کس نے دیا؟ اس کے مرتہن نے دیا ہے رَاهِنَهُ کس کو دیا؟ اپنے اس کے

راہن کو اس نے دیا ہے، اَوْ اَحَدُھُمَا یا ان دونوں میں سے کسی ایک نے دیا بِاِذْنِ صَاحِبِہٖ اپنے دوسرے ساتھی کی اجازت سے اٰخَرَ کسی تیسرے آدمی کو، سَقَطَ ضَمَانُہٗ اس رہن کا ضمان ساقط ہو جائے گا، یہ خبر آگئی بھئی، خبر آگئی۔ سَقَطَ ضَمَانُہٗ اس رہن کا ضمان ساقط ہو جائے گا۔ فَھُلْکُہٗ مَعَ مُسْتَعِیْرِہٖ ھُلْکٌ بِلاَ شَیْءٍ پس اس رہن کا ہلاک ہونا مستعیر کے پاس ھُلْکٌ بِلاَ شَیْءٍ یہ ہلاک ہونا ہے بغیر کسی چیز کے، اس میں کوئی ضمان مرتہن پر نہیں آئے گا۔

وَلِکُلٍّ مِّنْھُمَا اَنْ یَّرُدَّہٗ رَھْنًا۔ اچھا انہوں نے بھئی عاریت کے طور پر رہن کو دیا ہے، تو کیا یہ اس چیز کو واپس لے سکتے ہیں؟ یا دے دیا ہے ایک مہینے کے لیے دیا تو مہینے تک اب اسی کے پاس رہے گا اور لوٹا نہیں سکتے؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، یہ دونوں کا حق وابستہ ہے اس استعمال کے لیے چیز دی ہے، تو دونوں کو یہ حق ہے کیا کر سکتے ہیں؟ اس چیز کو واپس لے سکتے ہیں جب چاہیں واپس لے سکتے ہیں۔ یہ معنی ہے وَلِکُلٍّ مِّنْھُمَا اَنْ یَّرُدَّہٗ رَھْنًا اور ان میں سے ہر ایک کو یہ حق ہے کہ اس کو واپس لوٹا دے بطورِ رہن کے، اسے واپس لے کر رہن کے طور پر رکھ لے۔ راہن بھی کر سکتا ہے ایسا اور مرتہن کو بھی۔

فَاِنْ مَّاتَ الرَّاھِنُ قَبْلَ رَدِّہٖ فَالْمُرْتَھِنُ اَحَقُّ بِہٖ مِنَ الْغُرَمَاءِ۔ یاد رکھیے بھئی جب کسی شخص کا انتقال ہوتا ہے تو اس کے جتنا مال ہے وہ سارا فوراً وارثوں میں تقسیم نہیں کرتے، بلکہ سب سے پہلے اس کے مال میں سے اس کے کفن دفن کا بندوبست کیا جاتا ہے، اس کے کفن دفن کا سارا انتظام اس سے کیا جائے گا جو شخص مرا ہے، میت ہے۔ پھر اس کے بعد ابھی بھی وارثوں کو مال نہیں دینا، اب ہم اس کے ذریعے اس کے قرضے ادا کریں گے۔ جس جس کے قرضے ہیں وہ سارے قرضے ادا کیے جائیں گے چاہے سارا مال ہی ختم کیوں نہ ہو جائے۔ پھر قرضے ادا کر دیے پھر مال بچ گیا، ابھی بھی وارثوں کو نہیں دیں گے بلکہ اب وہ دیکھا جائے گا اس نے کوئی وصیت تو نہیں کی؟ اگر اس نے کوئی وصیت کی ہے تو مال جو بچا ہوا ہے اس کے تیسرے حصے تک اس کی وصیت نافذ کر دیں گے۔ مثلاً اس کا کفن دفن بھی کر دیا، قرض خواہوں کو قرضے بھی ادا کر دیے اور اس کے بعد مال بچا مثلاً تیس لاکھ روپیہ، اور اس نے وصیت کی تھی میرے مرنے کے بعد سارا مال زید کو دے دینا جو کوئی اجنبی آدمی ہے۔ تو اجنبی کو سارا مال نہیں دیں گے کیونکہ اس مال کے ساتھ وارثوں کا بھی حق ہے بھئی، تو یہ جو مال تیس لاکھ بچ گیا دَین کی ادائیگی کے بعد اس کے صرف ثلث تک وصیت نافذ کریں گے۔ کتنے؟ ثلث، تیسرے حصے تک، اور تیس لاکھ کا ثلث کتنا ہے؟ دس لاکھ، تو وہ دس لاکھ اجنبی کو دے دیں گے، اور باقی یہ بیس لاکھ کس کا ہے؟ وارثوں کا ہے، اس کو پھر اس میں شرعی طریقے کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ اور یہ ہم نے کل مال وصیت والے کو کیوں نہیں دی؟ کیونکہ کس کا حق تھا؟ وارثوں کا۔ لہٰذا اگر وارثوں نے اجازت دے دی کہ ہاں بھئی ٹھیک ہے اس نے مال کی وصیت کی ہے ہماری طرف سے اجازت ہے سارا مال کس کو دے دو؟ زید جس کے بارے میں وصیت کی ہے اسی کو دے دو، تو پھر اس کو دے دیں گے کیونکہ ہم نے روکا کس کے حق کی وجہ سے تھا؟ وارثوں کے، اور وارثوں نے ہی اجازت دے دی،

بات سمجھ میں آگئی؟ پھر سنو، اگر کسی شخص کا انتقال ہو سب سے پہلے کیا کرتے ہیں؟ کفن دفن، اس کے بعد کیا کرتے ہیں؟ قرضے ادا کرتے ہیں، اس کے بعد کیا کرتے ہیں؟ وصیت کتنے میں؟ ثلثِ مابقیہ میں، ثلثِ مابقیہ، اور اس کے بعد جو مال ہوتا ہے وہ کس کا ہوتا ہے؟ وارثوں کا۔

اچھا، اب یاد رکھو جب قرضے ادا کرنے ہیں، قرضے ادا کرنے ہیں تو تمام قرض خواہوں کو دیے جائیں گے۔ اگر ساروں کا قرضہ ادا پورا ہو جاتا ہے پھر تو اچھی بات ہے، اگر سب کا قرضہ ادا نہیں ہوتا، سب کا قرضہ ادا نہیں ہوتا اور مال تھوڑا ہے، مال تھوڑا ہے، تو پھر ہر ایک کو اس کے حصے کے بقدر دے دیں گے۔ مثلاً زید کے اس نے دینے تھے چار لاکھ، اور بکر کے دینے تھے چھ لاکھ، زید کے چار لاکھ بکر کے چھ لاکھ اور عمر کے اس نے دینے تھے دس لاکھ، زید، مثلاً جو بھی فوت ہوا ہے تین آدمیوں کا وہ مقروض تھا: ایک کا اس نے چار لاکھ دینا ہے، دوسرے کا چھ لاکھ دینا ہے، تیسرے کا دس لاکھ دینا ہے۔ اور کل مال جو باقی بچا ہے اب وہ صرف دس لاکھ ہے۔ اب کیا کریں؟ قرضہ ہے بیس لاکھ اور یہ کتنا ہے؟ مال بچا ہے دس لاکھ، تو یہ نہیں کریں گے کہ وہ دس لاکھ والے کو سارا دے دیں اور وہ دو باقی بیچارے ویسے ہی رہ جائیں، نہیں نہیں، تینوں میں برابری کے اعتبار سے تقسیم کریں گے اور حصے بنائیں گے: جس کا دَین زیادہ اس کا حصہ بھی زیادہ، جس کے دَین کم اس کا حصہ بھی کم۔ لہٰذا، لہٰذا کیا کریں گے؟ جی؟ کس طرح کریں گے؟ یہ آگے آپ وہ علمِ میراث میں آپ تفصیل پڑھ لیں گے لیکن یہاں یوں کریں گے کہ آسانی سے یوں سمجھو اس دس کے بیس حصے کر دو۔ اس دس لاکھ کے، قرض کتنا ہے؟ بیس لاکھ، اور مال کتنا ہے؟ دس لاکھ، تو اس دس کے بھی بیس حصے کر دو، اور ہر ایک کو اس کے مطابق دے دو۔ ایک حصے میں کتنے آئے؟ پچاس ہزار، دس کے بیس حصے کیے نا ایک حصے میں کتنے آئے؟ پچاس ہزار۔ اور تو اس بیس قرضے میں بیس لاکھ قرضے میں سے، بیس میں سے کتنے حصے پہلے آدمی کے ہیں؟ چار لاکھ، دوسرے کے کتنے ہیں؟ چھ لاکھ، تیسرے کے کتنے ہیں؟ دس لاکھ۔ ہم نے بھی بیس حصے کر دیے، اس بیس میں سے چار حصے کس کو دے دو؟ چار لاکھ والے کو، چھ حصے کس کو دے دو؟ چھ لاکھ والے کو، اور دس حصے کس کو دے دو؟ دس لاکھ والے کو۔ تو یہ کتنے ہو گئے؟ چار لاکھ والے کو دو لاکھ مل گئے، چھ لاکھ والے کو تین لاکھ مل گئے، دس لاکھ والے کو پانچ لاکھ مل گئے۔ دو، تین اور پانچ، دس لاکھ پورے تقسیم ہو گئے، طریقہ سمجھ میں آرہا ہے؟ تو لہٰذا جب پیسے بچ جائیں اول تو سارے قرضے پورے پورے ادا کریں گے، اگر پورے نہیں ہوتے تو ہر ایک کو دَین کے بقدر حصے بنا دیے جائیں گے، کم دَین والے کو تھوڑا ملے گا زیادہ دَین والے کو زیادہ ملے گا۔

اب صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ راہن جو ہے راہن، راہن نے اپنی گاڑی کس کے پاس رکھوائی تھی؟ مرتہن کے پاس بطورِ رہن کے۔ راہن نے اس سے گاڑی استعمال کے لیے مانگ لی کہ مجھے یہ گاڑی کی ضرورت ہے چند دن کے لیے، مرتہن نے گاڑی اس کو دے دی۔ آپ نے پڑھا ہے کہ یہ اس کے ضمان سے نکل گئی۔ اب راہن نے گاڑی واپس، توجہ ہے؟ راہن نے گاڑی لی ہے اس نے گاڑی واپس نہیں کی کہ اس سے پہلے ہی راہن کا انتقال ہو گیا، راہن کا انتقال ہو گیا۔ اب جب

اس کا انتقال ہوا ہے تو اس کے جب قرضے ادا کریں گے تو قرضوں میں یہ گاڑی بھی آئے گی بھئی، تو کیا یہاں پر بھی ایک قرضہ کس کا دینا ہے؟ مرتہن کا، اور ایک قرضہ ہے باقی قرض خواہوں کا، تو کیا یہ گاڑی کے سب بھئی جتنا مال بچتا ہے سب قرض خواہوں کا اس کے ساتھ کیا ہو جاتا ہے؟ حق وابستہ ہو جاتا، تو کیا اس گاڑی کے ساتھ بھی سب قرض خواہوں کا حق وابستہ ہے؟ یہ گاڑی بھی سب میں برابر برابر تقسیم کریں گے یعنی مرتہن سمیت؟ کہتے ہیں نہیں، اس گاڑی، یہ گاڑی تو بطورِ رہن کے کس کے پاس تھی؟ مرتہن کے پاس اور مرتہن نے اس کو دی ہے استعمال کے لیے، لہٰذا اس گاڑی کے ذریعے سب سے پہلے مرتہن کا حق ادا کریں گے، گاڑی کو بیچ کر سب سے پہلے مرتہن کا حق ادا کریں گے، اگر کچھ پیسے بچ گئے پھر وہ باقی قرض خواہوں کو دیں گے، اگر کچھ پیسے نہ بچے تو مرتہن ہی کو دے دیں گے یہ گاڑی کے سارے پیسے۔ بتانا یہ چاہتے ہیں باقی جو مال بچا ہوا ہے اس میں تو سارے قرض خواہ شریک ہیں ان سب اس میں برابر برابر ان میں تقسیم کیا جائے گا، لیکن اس گاڑی کے ساتھ کس کا زیادہ حق ہے؟ مرتہن کا۔ اس گاڑی میں مرتہن کا زیادہ حق ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں فَاِنْ مَّاتَ الرَّاهِنُ قَبْلَ رَدِّهٖ پس اگر راہن مرگیا اس مستعار کو واپس کرنے سے پہلے، اس رہن کو واپس کرنے سے پہلے، فَالْمُرْتَهِنُ اَحَقُّ بِهٖ مِنَ الْغُرَمَاءِ تو مرتہن جو ہے وہ زیادہ حقدار ہے قرض خواہوں سے، لِاَنَّ حُكْمَ الرَّهْنِ بَاقٍ فِيْهِ اس لیے کیونکہ اس چیز کے اندر اس میں ابھی بھی رہن کا حکم باقی ہے، وہ ابھی بھی کیا ہے؟ رہن ہے، ابھی بھی کیا ہے؟ ضمان تو نہیں لیکن ہے رہن ہی۔ لِاَنَّ يَدَ الْعَارِيَةِ لَيْسَتْ بِلَازِمَةٍ اس لیے کیونکہ عاریت والا جو قبضہ ہے وہ تو لازمی نہیں ہے، وہ تو تھوڑے دنوں کے لیے ہے پھر وہ قبضہ ختم ہو جائے گا۔ دیکھو مرتہن نے وہ گاڑی جو اس کے پاس رہن کے طور پر رکھی تھی وہ اگرچہ راہن کو دے دی، لیکن کس لیے دی ہے؟ واپس کی ہے یا صرف استعمال کے لیے دی ہے؟ استعمال کے لیے دی ہے۔ تو راہن نے جو اس چیز پر قبضہ کیا ہے وہ عاریت والا قبضہ ہے، مالک ہونے کی حیثیت سے قبضہ نہیں، اور عاریت کا جو قبضہ ہوتا ہے وہ مستقل قبضہ ہوتا ہے یا تھوڑی دیر بعد پھر اس چیز کو واپس کرنا پڑتا ہے؟ استعمال کے بعد وہ چیز واپس کرنا پڑتی ہے۔ تو یہاں پر بھی راہن نے جو اس گاڑی پر قبضہ کیا ہے وہ مالک ہونے کی حیثیت سے قبضہ نہیں کیا بلکہ عاریت کے اعتبار سے اس پر قبضہ کیا ہے، اور عاریت والا قبضہ تو لازم نہیں ہوتا وہ تو ختم ہو جاتا ہے کچھ وقت کے بعد استعمال کے بعد ختم ہو جاتا ہے، تو لہٰذا یہاں پر بھی یہ جو رہن ہے یہ جو گاڑی ہے اس پر جو راہن کا قبضہ ہے وہ مستقل نہیں تھا، عارضی قبضہ تھا، لہٰذا یہ ابھی بھی کس کے حکم میں ہے؟ رہن کے حکم میں ہے، لہٰذا اس کے ساتھ مرتہن کا حق وابستہ ہے، اس کے ذریعے پہلے مرتہن کا دَین ادا کیا جائے گا، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے لِاَنَّ يَدَ الْعَارِيَةِ لَيْسَتْ بِلَازِمَةٍ اس لیے کیونکہ عاریت کا جو قبضہ ہوتا ہے وہ لازم نہیں ہوتا۔

وَكَوْنُهٗ، اس پر اشکال ہوتا ہے، توجہ ہے؟ انہوں نے کیا کہا کہ اس رہن کے ساتھ کس کا حق زیادہ وابستہ ہے؟ مرتہن

کا، باقی قرض خواہوں کو نہیں دیکھیں گے ابھی اس گاڑی میں، باقی مال میں دیکھیں گے سب کو لیکن اس گاڑی میں صرف کس کو دیکھیں گے اولاً؟ مرتہن کو، اس کا حق مقدم ہے۔ تو کہتے ہیں بھئی اس لیے کیونکہ جو عاریت پر قبضہ ہوتا ہے وہ لازمی نہیں ہوتا، پکا قبضہ نہیں ہوتا وہ تو

تھوڑے دنوں کا قبضہ ہوتا ہے وہ ختم ہو جائے گا، تو اس نے تھوڑی دیر کے لیے دی تھی گویا استعمال کے لیے۔

اس پر اشکال ہوتا ہے، توجہ ہے؟ انہوں نے کیا کہا کہ اس رہن کے ساتھ کس کا حق زیادہ وابستہ ہے؟ مرتہن کا۔ باقی قرض خواہوں کو نہیں دیکھیں گے ابھی اس گاڑی میں، باقی مال میں دیکھیں گے سب کو لیکن اس گاڑی میں صرف کس کو دیکھیں گے اولاً؟ مرتہن کو، اس کا حق مقدم ہے۔ تو کہتے ہیں بھئی اس لیے کیونکہ جو عاریت پر قبضہ ہوتا ہے وہ لازمی نہیں ہوتا، پکا قبضہ نہیں ہوتا وہ تو تھوڑے دنوں کا قبضہ ہوتا ہے وہ ختم ہو جائے گا، تو اس نے تھوڑی دیر کے لیے دی تھی گویا استعمال کے لیے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بھئی رہن میں تو ہمیشہ ضمان آتا ہے، کیا آتا ہے؟ آپ نے کیا کہا یہ گاڑی ابھی بھی رہن ہونے سے نکلی نہیں، ابھی بھی یہ کیا ہے؟ رہن ہے۔ توجہ ہے؟ بے شک اس نے استعمال کے لیے راہن کو دے دی تھی لیکن یہ گاڑی ابھی بھی کیا ہے؟ رہن ہے۔ بھئی یہ کیسا رہن ہے؟ رہن میں تو ضمان آیا کرتا ہے، توجہ ہے؟ رہن میں تو ضمان آتا ہے، اور اگر یہ راہن کے پاس ہلاک ہو جاتی تو ضمان آنا تھا؟ نہیں، ضمان نہیں آنا تھا، مالک کے پاس گاڑی ہلاک ہوئی مرتہن پر کوئی ضمان نہیں آنا تھا۔ تو رہن میں تو ضمان آتا ہے اور یہ تو ضمان سے نکل چکی ہے، پھر یہ کیسے رہن ہے؟ کہتے ہیں بھئی رہن کے ساتھ ضمان لازم نہیں ہے، رہن کے ساتھ ضمان لازم نہیں۔ ہم آپ کو مثال دکھا دیتے ہیں: ایک چیز رہن ہو گی لیکن ضمان نہیں آئے گا۔ آپ حیران ہوں گے کہ ابھی تک تو ہم نے کوئی ایسی صورت نہیں پڑھی۔ بھئی دیکھیے، آپ نے اپنی گائے جو ہے گائے یا بھینسیں جو ہیں مرتہن کے پاس بطورِ رہن کے رکھوا دیں، ان گائے بھینسوں نے بچے دے دیے، یہ اس رہن میں زیادتی آگئی، کیا آگئی؟ زیادتی۔ یاد رکھو، یہ جو رہن میں زیادتی آجائے، گائے جانور وغیرہ دیے تھے انہوں نے بچے دے دیے، یہ بچے بھی رہن ہیں، یہ بچے بھی رہن ہیں۔ اصل کے ساتھ یہ جو بڑھوتری ہوئی یہ بھی رہن ہو جاتی ہے لیکن اس کا ضمان نہیں آتا۔ اگر یہ بچے اس مرتہن کے پاس ہلاک ہوئے تو ضمان نہیں آئے گا، بات سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ اس نے یہ تو رہن کے طور پر نہیں رکھوائے تھے نا، یہ تو ان میں وہاں زیادتی ہوئی ہے۔ جو چیز رکھوائی تھی یعنی گائے بھینسیں، ان کا تو ضمان اس پر آئے گا اگر مر گئے تو اس کو ضمان دینا پڑے گا یعنی دَین اتنا اس کا کٹ جائے گا اور ساقط ہو جائے گا، لیکن یہ بچے جو ہیں رہن تو ہیں لیکن ضمان نہیں۔ تو معلوم ہوا رہن کے ساتھ ضمان لازم نہیں۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح یہ جو گاڑی راہن کے پاس تھی یہ بے شک ضمان سے نکل گئی تھی لیکن ابھی بھی کیا ہے؟ رہن ہے، اور رہن بغیر ضمان کے بھی ہو سکتا ہے جیسے ہم نے مثال ذکر کر دی۔

تو کہتے ہیں وَكَوْنُهُ غَيْرَ مَضْمُوْنٍ لَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّهُ غَيْرُ مَرْهُوْنٍ اور رہن کا غیر مضمون ہونا یہ دلالت نہیں کرتا کہ یہ غیر مرہون

بھی ہے، فَاِنَّ وَلَدَ الرَّهْنِ مَرْهُوْنٌ غَيْرُ مَضْمُوْنٍ اس لیے کیونکہ رہن کا جو بچہ ہے وہ بھی مرہون ہوتا ہے، ایسا مرہون غَيْرُ مَضْمُوْنٍ جس کا ضمان نہیں ہوتا۔

وَمُرْتَهِنٌ أُذِنَ بِاسْتِعْمَالِ رَهْنِهٖ اَوِ اسْتَعَارَهُ مِنْ رَّاهِنِهٖ لِعَمَلٍ اِنْ هَلَكَ قَبْلَ عَمَلِهٖ۔ جی، عجیب عجیب مسائل بھئی فقہا پر اللہ کی کروڑہا رحمتیں ہوں کتنے مشکل پیچیدہ مسئلے انہوں نے حل کر کے رکھ دیے، اور بڑی آسانی سے اب ہم ان کو پڑھتے ہیں اور سمجھتے چلے جاتے ہیں بھئی۔

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ مرتہن جس کے پاس رہن رکھوایا گیا تھا اس کو رہن کی ضرورت پڑ گئی استعمال کے لیے، رہن کے استعمال کی۔ مثلاً گاڑی تھی اس کو ضرورت پڑ گئی سفر پر جانا ہے، تو اس نے راہن سے رہن لیتے وقت ہی اجازت لے لی تھی کہ مجھے اگر کبھی ضرورت ہوئی تو میں رہن کو استعمال کر سکتا ہوں۔ ایک صورت یہ کہ اجازت لی ہوئی تھی۔ دوسری صورت یہ کہ اجازت تو نہیں لی تھی بعد میں اس سے جا کر کہا کہ بھئی مجھے سفر پر جانا ہے چند دن کے لیے گاڑی کی ضرورت ہے، اگر آپ اجازت دیں تو آپ کی یہ رہن گاڑی میں عاریتاً استعمال کر لوں؟ اس نے اجازت دے دی۔ تو یاد رکھیے اب اگر یہ گاڑی اس کے پاس مرتہن کے پاس ہلاک ہوتی ہے تو اس میں دو صورتیں ہیں: یا تو جس عمل کے لیے اجازت لی تھی اسی عمل میں ہلاک ہوتی ہے، یا اس سے پہلے یا بعد میں ہلاک ہوتی ہے۔ اس نے سفر کے لیے گاڑی مانگی تھی سفر کے دوران وہ گاڑی تباہ ہو گئی، تو یاد رکھیے عمل کے دوران یہ عاریت کے حکم میں ہے اور عاریت کا تو ضمان نہیں آتا، لہٰذا اس کا بھی کوئی مرتہن پر ضمان نہیں آئے گا، پورا کا پورا دَین اب بھی وہ راہن سے وصول کرے گا۔ اور اگر یہ اس عمل سے پہلے گاڑی ہلاک ہوئی یا عمل کے بعد ہلاک ہوئی، مثلاً سفر کے لیے اجازت لے لی لیکن ابھی سفر پر گیا نہیں تھا پہلے ہی گاڑی ہلاک ہو گئی، یا سفر کر کے آگیا پھر گاڑی ہلاک ہو گئی، کہتے ہیں اب ضمان آئے گا، اب ضمان آئے گا کیونکہ استعمال کے وقت تو وہ عاریت ہے، استعمال سے پہلے بھی رہن اور استعمال ہوتے ہی بعد میں بھی کیا؟ رہن، تو وہ ضمان آئے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے وَمُرْتَهِنٌ أُذِنَ۔ دیکھا مُرْتَهِنٌ نکرہ آیا اور أُذِنَ یہ اس کے بعد فعل آیا اس کی صفت بنے گا۔ اور ایسا مرتہن أُذِنَ بِاسْتِعْمَالِ رَهْنِهٖ جس کو اجازت دی گئی تھی اس کے رہن کے استعمال کرنے کی، یا اَذِنَ پڑھ لیں راہن کو ضمیر راجع کر لیں، مُرْتَهِنٌ اَذِنَ بِاسْتِعْمَالِ رَهْنِهٖ ایسا مرتہن کہ اجازت دی تھی راہن نے اس کو اپنا رہن استعمال کرنے کی، اَوِ اسْتَعَارَهُ مِنْ رَّاهِنِهٖ اس استعار کا عطف پھر اس أُذِنَ پر ہے یہ بھی مرتہن کی صفت ہے، ایسا مرتہن اِسْتَعَارَهُ مِنْ رَّاهِنِهٖ جس نے عاریتاً مانگ لیا رہن کو مِنْ رَّاهِنِهٖ اس کے راہن سے لِعَمَلٍ کسی کام کے لیے، اِنْ هَلَكَ قَبْلَ عَمَلِهٖ اَوْ بَعْدَهُ ضَمِنَ قِيْمَةَ الرَّهْنِ اگر وہ رہن ہلاک ہو گیا اس عمل سے پہلے ہی یا اس عمل کے بعد تو وہ ضامن ہو گا رہن کی قیمت کا، وَلَوْ هَلَكَ حَالَ عَمَلِهٖ لَا اور اگر وہ رہن ہلاک ہوا عمل کے دوران ہی، عمل کی حالت میں ہی تو لَا پھر وہ ضامن نہیں ہو گا۔

وَصَحَّ اسْتِعَارَةُ شَيْءٍ لِيُرْهَنَ فَيَرْهَنُ بِمَا شَاءَ۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے بھئی، صورتِ مسئلہ یہ، تھک تو نہیں گئے؟ نہیں۔ بھئی صورت یہ: ایک شخص ہے اس نے کسی سے دَین لینا ہے وہ دَین نہیں دے رہا، اس نے کہا میرے پاس کوئی چیز آپ رہن کے طور پر رکھواؤ، اب اس کے پاس کوئی چیز ہی نہیں رہن رکھوا سکے۔ اس نے یوں کیا زید کے پاس گیا اور زید سے کہا بھئی اپنی گاڑی اگر آپ مجھے عاریتاً دے دیں میں رہن رکھوانا چاہتا ہوں اور اس کے بدلے دَین وصول کرنا چاہتا ہوں۔ زید نیک آدمی تھا، تبلیغی آدمی تھا بھئی، اس نے گاڑی اس کو دے دی عاریتاً راہن کو دے دی، اور راہن نے لے جا کر وہ گاڑی رہن رکھوائی اور اس کے بدلے دَین لے لیا۔ تو عاریتاً کسی چیز کو لینا رہن رکھوانے کے لیے یہ جائز ہے بھئی۔

اور اس میں پھر یاد رکھو، اس میں ایک ہے مُعِیْر، ایک ہے مُسْتَعِیْر، ایک ہے مُسْتَعَار، یہ نام یاد رکھنا۔ مُعِیْر عاریت دینے والا، زید جس نے اپنی گاڑی عاریت کے طور پر دے دی، مُعِیْر۔ اور جس نے گاڑی لی وہ جو راہن آگے جو اس کو رہن کے طور پر رکھوائے گا وہ ہوا مُسْتَعِیْر بھئی، عاریتاً مانگنے والا، سین طلب کے لیے ہے، عاریت کو طلب کرنے والا۔ اور وہ گاڑی کیا ہے؟ مُسْتَعَار ہے، مُسْتَعَار ہے جس کو عاریتاً لیا گیا۔ تو مُعِیْر کون؟ عاریت دینے والا یعنی زید۔ اور مُسْتَعِیْر کون؟ عاریت مانگنے والا یعنی راہن۔ اور مُسْتَعَار وہ رہن ہے۔

اب اس میں یاد رکھنا جب عاریتاً کسی سے کوئی چیز لی رہن کے طور پر رکھوانے کے لیے اور اگر اس نے کوئی شرط قید وغیرہ نہیں لگائی تو پھر مُسْتَعِیْر کو اجازت ہے جس طرح مرضی رکھوائے، جس کے پاس مرضی رکھوائے۔ مثلاً ایک لاکھ کے بدلے بھی رہن کے طور پر رکھوا سکتا ہے، دس لاکھ کے بدلے بھی رکھوا سکتا ہے، بیس لاکھ کے بدلے بھی رکھوا سکتا ہے۔ اور چاہے اس چیز کو رہن کے طور پر زید کے پاس رکھوائے، چاہے بکر کے پاس رکھوائے، چاہے خالد کے پاس رکھوائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جس کے پاس بھی وہ رہن رکھوانا چاہے رہن رکھوا سکتا ہے کیونکہ اس نے کوئی قید نہیں لگائی کہ کتنے کے بدلے رکھوانا ہے اور یہ قید بھی نہیں لگائی کہ صرف فلاں کے پاس رکھوانا ہے فلاں کے پاس نہیں رکھوانا، تو اس کی مرضی ہے جیسے مرضی کرے، بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن اگر اس نے قید لگا دی، اس نے کہا دیکھو دس لاکھ کے بدلے رکھوانا یہ، بارہ لاکھ کے بدلے نہ رکھوانا اور نو لاکھ کے بدلے بھی نہیں رکھوانا صرف کتنے کے بدلے رکھوانا؟ دس لاکھ کے بدلے، دس لاکھ کے بدلے۔ اور نیز صرف وہ جو بکر ہے نا بکر، بکر کے پاس اگر رہن رکھواتے ہو تو ٹھیک ہے کسی اور کے پاس رہن رکھوانے کی اجازت نہیں۔ یہ کون شرطیں لگا رہا ہے؟ مُعِیْر۔ یا اس نے کہا دیکھو بھئی یہ گوجرانوالہ کے لوگوں کے پاس رکھوانا اور اسلام آباد کے کسی آدمی کے پاس نہ رکھوانا، اس نے شہر کی قید لگا دی۔ تو جو بھی وہ قید لگائے گا اس قید کو پورا کرنا مُسْتَعِیْر پر لازم ہے۔

دیکھیے بھئی: وَصَحَّ اسْتِعَارَةُ شَيْءٍ لِيُرْهَنَ اور صحیح ہے عاریتاً کسی چیز کو مانگنا تاکہ اس کو رہن رکھوایا جائے، فَيَرْهَنُ بِمَا شَاءَ پس اس کو رہن رکھوا سکتا ہے جس کے بدلے چاہے، جس کے بدلے چاہے رہن رکھوا سکتا ہے، یہ وہ صورت ہے

جب اس نے کوئی قید نہیں لگائی۔ وَاِنْ قَیَّدَ اور اگر اس نے مقید کیا ہے عاریت کو، تو تَقَیَّدَ بِمَا عَیَّنَ تو وہ مقید ہو جائے گی اس چیز کے ساتھ جس کو اس نے معین کیا ہے مِنْ قَدْرٍ یعنی مقدار وَّجِنْسٍ اور جنس وَّمُرْتَهِنٍ اور مرتہن وَّبَلَدٍ اور شہر۔ مقدار میں بھی وہ متعین ہو جائے گی، اس نے کیا کہا تھا؟ دس لاکھ کے بدلے رکھوانا گیارہ لاکھ یا نو لاکھ کے بدلے نہ رکھوانا۔ جنس کے بدلے بھی مقید ہو جائے گی، مثلاً اس نے کہا درہم کے بدلے رکھوانا دینار کے بدلے نہ رکھوانا۔ اور مرتہن کی قید لگا دی کہ بکر کے پاس رکھوانا کسی اور کے پاس نہیں رکھوانا، اور یا کسی شہر کی قید لگا دی۔ تو بہرحال ان کا خیال رکھنا پڑے گا۔ فَاِنْ خَالَفَ اگر مُسْتَعِیْر نے مخالفت کی، جو اس نے قید لگائی تھی اس کا خیال نہیں رکھا، تو ضَمَّنَ الْمُعِیْرُ مُسْتَعِیْرَهٗ تو ضامن بنائے گا مُعِیْر اپنے مُسْتَعِیْر کو ضامن بنائے گا، اس سے ضمان لے گا، وَیَتِمُّ الرَّهْنُ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ مُرْتَهِنٍ اور تام ہو جائے گا رہن اس مُسْتَعِیْر اور اس کے مرتہن کے درمیان۔ بھئی دیکھیے، اس نے شرط کی تو مخالفت کر دی، اس نے تو کہا تھا بکر کے علاوہ کسی اور کے پاس نہ رکھوانا اس نے خالد کے پاس رکھوا دیا، تو کہتے ہیں اس صورت میں اس پر ضمان آئے گا، لیکن جو اس نے رہن رکھوایا خالد کے پاس وہ رہن کیا ہو گیا؟ تام ہو گیا، تام ہو گیا۔ یہ معنی ہے وَیَتِمُّ الرَّهْنُ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ مُرْتَهِنٍ اور تام ہو جائے گا رہن اس راہن کے بیچ اور اس کے مرتہن کے درمیان۔

اَوْ اِیَّاهُ یا مرتہن کو۔ اِیَّاهُ آگے بتا رہے ہیں: اَلضَّمِیْرُ رَاجِعٌ اِلَی الْمُرْتَهِنِ یہ اِیَّاهُ کی ضمیر کس کو راجع؟ مرتہن کو، وَمَعْطُوْفٌ عَلَی الْمُسْتَعِیْرِ اور یہ معطوف ہے کس پر؟ مُسْتَعِیْر پر۔ پیچھے مُسْتَعِیْر آیا تھا: فَاِنْ خَالَفَ ضَمَّنَ الْمُعِیْرُ مُسْتَعِیْرَهٗ مُعِیْر چاہے تو مُسْتَعِیْر کو ضامن بنا دے اَوْ اِیَّاهُ یا مرتہن کو۔ کس کو؟ توجہ ہے؟ مُعِیْر کس کو ضامن بنا سکتا ہے؟ مُسْتَعِیْر کو بھی ضامن بنا سکتا ہے اَوْ اِیَّاهُ مرتہن کو بھی ضامن بنا سکتا ہے۔ بھئی دیکھیے نا وہ گاڑی ہلاک ہو جاتی ہے، وہ گاڑی ہلاک۔ عاریت میں تو ضمان نہیں آتا لیکن یہاں اس نے کیا کیا؟ شرط کی مخالفت کی ہے لہٰذا ضمان آئے گا بھئی اگر اس کے پاس وہ گاڑی ہلاک ہو جائے۔ گاڑی ہلاک ہو گی تب ہی ضمان آئے گا یا ویسے ہی ضمان آ جائے گا؟ گاڑی ہلاک ہو گی پھر ضمان آئے گا نا، یہ تو نہیں کہ گاڑی ہلاک نہیں ہوئی اور پھر بھی اس پر ضمان آپ کہیں ضمان اس کو دینا پڑے گا، نہیں نہیں، ضمان گاڑی ہلاک ہو گی پھر آئے گا۔ تو اگر گاڑی کس کے پاس ہلاک ہو گئی؟ مرتہن کے پاس ہلاک ہو گئی، اس نے تو کہا تھا بکر کے پاس رکھوانا صرف اور اس نے کس کے پاس رکھوایا؟ خالد کے پاس، اور خالد کے پاس وہ گاڑی ہلاک ہو گئی، تو اب یہ جو مُعِیْر ہے اس کو اختیار ہے: وہ چاہے تو مُسْتَعِیْر جو ہے اس کو ضامن بنا دے، اس سے بھی ضمان لے سکتا ہے کیونکہ اس نے غلط کیا ہے دھوکہ دیا ہے، اور چاہے تو مرتہن جس کے پاس اس کی گاڑی ہلاک ہوئی ہے اس کو بھی ضامن بنا سکتا ہے، اس سے ضمان لے گا۔ لیکن پھر وہی صورت بن گئی، پھر وہی صورت بن گئی جو آپ نے کل مسئلہ پڑھا تھا کل کے سبق میں، کیا تھا؟ کہ اگر مرتہن کے پاس رہن ہلاک ہو جائے اور کوئی اور اس کا مستحق نکل آئے، تو اس مستحق کو اختیار ہے وہ راہن سے بھی ضمان لے سکتا ہے اور مرتہن سے بھی۔ راہن سے ضمان لے گا تو رہن رکھوانا صحیح، راہن سے ضمان لے

گا تو راہن کب سے مالک بن گیا؟ جب سے اس نے قبضہ کیا، تو گویا اس نے عقد بھی صحیح کیا اور اپنی ہی چیز رہن رکھوائی، اور اپنی ہی چیز مرتہن کے پاس ہلاک ہو گئی تو اس پر ضمان آتا ہے اس نے گویا اپنا دَین وصول کر لیا۔ اور اگر وہ مستحق چاہے تو کس پر رجوع کرے؟ مرتہن پر، اور مرتہن پر جب وہ رجوع کرے گا اور اس سے گاڑی کی قیمت لے لے گا تو مرتہن کیا کرے گا؟ گاڑی کی قیمت بھی لے گا راہن سے اور اپنا دَین بھی لے گا۔ یہاں بھی اسی طرح ہے، یہاں پر بھی اسی طرح ہے: مُعِیْر نے اگر مُسْتَعِیْر کو ضامن بنایا کس کو؟ مُسْتَعِیْر کو ضامن بنایا تو گاڑی تو کس کے پاس ہلاک ہوئی ہے؟ مرتہن کے پاس۔ مرتہن نے اپنا دَین وصول کر لیا اور اس نے اپنی گاڑی کا ضمان کس سے لے لیا؟ مُسْتَعِیْر سے مُعِیْر۔ اور اگر اس نے ضامن کس کو بنایا؟ مرتہن کو، تو مرتہن کے پاس تو وہ چیز ہلاک ہوئی تھی، وہ تو سمجھ رہا تھا میں نے اپنا دَین وصول کر لیا ہے، لیکن جب ضمان دیا پتہ چلا کہ نہیں یہ تو کسی اور کی چیز لے کر آیا تھا، بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا وہ گاڑی کی قیمت اس کو دینا پڑ گئی مُعِیْر کو، تو وہ اب مرتہن گاڑی کی قیمت بھی مُسْتَعِیْر یعنی راہن سے وصول کرے گا اور اپنا دَین بھی وصول کرے گا۔ معلوم ہوا اس کے پاس تو رہن تھا ہی نہیں وہ تو اس کی اپنی چیز تھی بھئی، کیونکہ مرتہن نے ضمان دیا، جب مرتہن نے ضمان دیا تو مرتہن کیا ہوا؟ اس چیز کا مالک بن گیا، تو گویا اس کے پاس اپنی چیز ہلاک ہوئی تو رہن تو تھا ہی نہیں، رہن پر قبضہ تو ہوتا ہے وصولی والا قبضہ یہاں تو رہن تھا ہی نہیں تو وصولی بھی نہیں۔

ہوئی تو ضمان بھی لے گا اور دَین بھی اپنا کس سے وصول کرے گا؟ راہن یعنی مُسْتَعِیْر سے۔ صورت سمجھ میں آگئی کہ نہیں سمجھ میں آئی؟ اچھی طرح؟ جی۔

تو کہتے ہیں فَاِنْ خَالَفَ ضَمَّنَ الْمُعِیْرُ مُسْتَعِیْرَهٗ وَیَتِمُّ رَهْنُهٗ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ مُرْتَهِنِہٖ اَوْ اِیَّاهُ اور اگر مخالفت کی تو ضامن بنا سکتا ہے مُعِیْر مُسْتَعِیْر کو بھی اور مرتہن کو بھی، اور تام ہو جائے گا اس کا رہن جو ہے اس کے بیچ میں، مُسْتَعِیْر کے بیچ میں اور اس کے مرتہن کے بیچ میں۔ اَلضَّمِیْرُ رَاجِعٌ اِلَی الْمُرْتَهِنِ یہ اِیَّاهُ یہ جو ضمیر ہے یہ لوٹ رہی ہے مرتہن کو، وَمَعْطُوْفٌ عَلَی الْمُسْتَعِیْرِ اور یہ معطوف ہے کس پر؟ مُسْتَعِیْر پر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔

اگر مرتہن کو ضامن بنایا تو مُعِیْر نے مرتہن کو ضامن بنایا تو وہ اپنا دَین بھی لے گا اور جو ضمان ادا کیا ہے وہ بھی کس سے لے گا؟ راہن سے، راہن۔ یہی ذکر کر رہے ہیں: وَرَجَعَ هُوَ اور رجوع کرے گا وہ مرتہن بِمَا ضَمِنَ اس چیز کے ساتھ جو اس پر، جس کا وہ ضامن بنا جو اس نے ضمان دیا، وَبِدَیْنِہٖ اور اپنے دَین کے ساتھ بھی عَلٰی رَاهِنِہٖ اپنے راہن پر۔

چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْكَلَامِ۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے جی۔

سبق نمبر ۴۲: عاریتِ مال برائے رہن، مستعیر کی مخالفت اور راہن و مرتہن و معیر کے باہمی حقوق و ضمان

شرح الوقایہ صفحہ: ۸۹ — بتاریخ: ۱۰ فروری ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی:

فَإِنْ خَالَفَ ضَمَّنَ الْمُعِيرُ مُسْتَعِيرَهُ وَيَتِمُّ رَهْنُهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مُرْتَهِنِهِ أَوْ إِيَّاهُ، الضَّمِيرُ رَاجِعٌ إِلَى الْمُرْتَهِنِ وَمَعْطُوفٌ عَلَى الْمُسْتَعِيرِ، وَرَجَعَ هُوَ بِمَا ضَمِنَ وَبِدَيْنِهِ عَلَى رَاهِنِهِ. فَإِنْ وَافَقَ وَهَلَكَ مَعَ مُرْتَهِنِهِ فَقَدْ أَخَذَ كُلَّ دَيْنِهِ إِنْ كَانَتِ الْقِيمَةُ مِثْلَ الدَّيْنِ أَوْ أَكْثَرَ، وَضَمِنَ مُسْتَعِيرُهُ قَدْرَ دَيْنٍ أَوْفَاهُ مِنْهُ لَا الْقِيمَةَ، أَوْ بَعْضَ دَيْنِهِ إِنْ كَانَتْ أَقَلَّ وَبَاقِي دَيْنِهِ عَلَى رَاهِنِهِ.[۲۱]

اچھا بھائی، گزشتہ سبق کے آخر میں آپ نے مسئلہ پڑھا تھا کہ کسی سے کوئی چیز عَارِیَتاً لے کر بطورِ رَہن کے رکھوانا جائز ہے۔ اور یہ اس وقت ہے جب اسے لی ہی اس لیے ہے کہ میں اس کو رَہن کے طور پر رکھوانا چاہتا ہوں، ویسے نہیں کہ کسی سے کوئی عاریت چیز لی جائے اور رَہن رکھوا دی جائے، پھر جائز نہیں ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ایک ہے مُعِیر، ایک ہے مُسْتَعِیر، اور ایک ہے مُسْتَعَار بھائی۔ مُعِیر وہ چیز جو عاریت دینے والا ہے، اس شخص کو کیا کہتے ہیں؟ مُعِیر۔ اور جو اس سے عَارِیَتاً کوئی چیز مانگ رہا ہے، اس کو کہتے ہیں مُسْتَعِیر بھائی۔ اور جو چیز دی گئی عَارِیَتاً، اس کو کہتے ہیں مُسْتَعَار بھائی، مُسْتَعَار۔

تو مثلاً زید نے عمرو سے عَارِیَتاً کوئی چیز مانگی کہ میں اس کو رَہن رکھوا کر اس کے بدلے دَیْن لینا چاہتا ہوں۔ تو وہ مُعِیر نے وہ چیز مُسْتَعِیر کو دے دی، اور مُسْتَعِیر جو ہے اس نے وہ چیز مُرْتَہِن کے پاس رَہن رکھوا دی۔ تو مُسْتَعِیر ہی رَاہِن بھی

---

[۱] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۳۷): صوتی درس کی قراءت میں «الضَّمِيرُ رَاجِعٌ إِلَى الْمُرْتَهِنِ وَمَعْطُوفٌ عَلَى الْمُسْتَعِيرِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «الضميرُ راجعٌ إلى المرتهن وهو معطوفٌ على المستعير،» منقول ہے۔

[۲] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۳۷): صوتی درس کی قراءت میں «كَانَتِ الْقِيمَةُ مِثْلَ الدَّيْنِ أَوْ أَكْثَرَ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «كانت قيمتُهُ مثلَ الدَّينِ أو أكثر،» منقول ہے۔

ہے، مُسْتَعِیر ہی رَاہِن بھی ہے۔ تو ایک ہو گیا مُعِیر، ایک ہو گیا مُرْتَہِن، اور جو مُسْتَعِیر اور رَاہِن ہیں وہ ایک ہی شخص ہو گئے، ایک ہی شخص۔

تو اب صورت یہ کہ مثلاً زید نے، زید نے کوئی چیز کسی سے عَارِیَتاً لی اور پھر وہ چیز زید نے عمرو کے پاس رَہن کے طور پر رکھوا دی۔ اب یہ جائز ہے، اگر اس نے، مُعِیر نے جو چیز، یعنی وہ شخص جس نے عاریت کے طور پر وہ چیز دی ہے، اگر اس نے اس عاریت میں کسی قسم کی قید نہیں لگائی، بلکہ اس کو مُطْلَقاً ویسے ہی دے دی چیز عاریت کے طور پر، تو پھر اس، جو مُسْتَعِیر ہے، اس کے لیے جائز ہے کہ اس کو جتنے دَیْن کے بدلے بھی رَہن رکھوانا چاہے رکھوا سکتا ہے، جس قسم کی دَیْن کے بدلے بھی رَہن رکھوانا چاہے رَہن رکھوا سکتا ہے، جس شخص کے پاس بھی رَہن کے طور پر رکھوانا چاہے رکھوا سکتا ہے، اس میں کوئی قید وغیرہ نہیں ہوگی۔

اگر مُعِیر نے کوئی شرطیں لگائیں، تو مُسْتَعِیر کو ان شرطوں کا خیال رکھنا پڑے گا بھائی۔ اگر مُسْتَعِیر نے ان شرطوں کی مخالفت کی، تو اس صورت میں اس پر ضَمَان آئے گا۔ یعنی اگر عاریت والی چیز، عاریت میں تو ضَمَان نہیں آتا، لیکن اگر یہ چیز مُسْتَعِیر کے پاس ہلاک ہو گئی، مُسْتَعِیر کے پاس ہلاک ہوئی چاہے مُرْتَہِن کے پاس ہلاک ہو گئی، اور اس نے، جو مُسْتَعِیر تھا، اس نے شرط کی مخالفت کی تھی، اس نے تو کہا تھا کہ یہ چیز بکر کے پاس رکھوانا اور کسی کے پاس رَہن کے طور پر مت رکھوانا، لیکن مُسْتَعِیر نے وہ چیز خالد کے پاس بطورِ رَہن کے رکھوا دی، تو دیکھو مُسْتَعِیر نے مُعِیر کی لگائی ہوئی شرط کی مخالفت کر دی، اس کی لگائی ہوئی قید کی مخالفت کر دی، تو اس صورت میں ضَمَان آئے گا۔ اور ضَمَان کب آئے گا؟ اگر وہ چیز ہلاک ہو گئی، وہ چیز ہلاک ہو گئی۔

اب صورت یہ بھائی کہ مُسْتَعِیر نے شرط کی مخالفت کر دی اور بکر کے بجائے وہ عاریت والی چیز بطورِ رَہن کے کس کے پاس رکھوا دی؟ مثلاً خالد کے پاس رکھوا دی، اور پھر خالد کے پاس وہ چیز ہلاک ہو گئی۔ تو اس صورت میں یاد رکھیے، جو مُعِیر ہے مُعِیر، وہ مُسْتَعِیر کو بھی ضَامِن بنا سکتا ہے اور مُرْتَہِن کو بھی ضَامِن بنا سکتا ہے۔ مُسْتَعِیر کو اس لیے ضَامِن بنا سکتا ہے کیونکہ مُسْتَعِیر نے اصل دھوکہ اور غَصْب کا کام اس نے کیا کہ شرط کی مخالفت کر دی، اور مُرْتَہِن کو اس لیے ضَامِن بنا سکتا ہے کیونکہ اس کی چیز، مُعِیر کی چیز کس کے پاس ہلاک ہوئی ہے؟ مُرْتَہِن کے پاس ہلاک ہوئی ہے، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ مُرْتَہِن کے قبضے میں تھی وہ چیز۔

اب یاد رکھو، یہ بالکل وہی مسئلہ بن گیا، وہی صورت بن گئی جو گزشتہ سے پیوستہ سبق میں آپ نے بالکل آخری مسئلہ پڑھا تھا کہ اگر رَہن مُرْتَہِن کے پاس ہلاک ہو جائے، اور پھر اس کے بعد اس کا کوئی مُسْتَحِقّ نکل آئے، تو وہ مُسْتَحِقّ رَاہِن پر بھی رجوع کر سکتا ہے کیونکہ اصل غَاصِب کون ہے؟ رَاہِن، اس نے غیر کی چیز مُرْتَہِن کے پاس رکھوائی۔ اور وہ مُسْتَحِقّ چاہے تو مُرْتَہِن پر بھی رجوع کر سکتا ہے کیونکہ مُرْتَہِن کے پاس اس کی چیز ہلاک ہوئی ہے، مُرْتَہِن نے بھی اس کی چیز پر قبضہ

کر کے اور اپنے پاس رکھ کر کیا کیا؟ اس پر تَعَدِّي کی، زیادتی کی، لہٰذا اس کو بھی ضَامِن بنا سکتا ہے۔ صورت ذہن میں آ رہی ہے؟ وہ آخری مسئلے میں۔ تو مُسْتَحِقّ کو کیا اختیار؟ کہ وہ کس کس کو ضَامِن بنا سکتا ہے؟ رَاہِن کو بھی اور مُرْتَہِن کو بھی۔ لیکن اگر رَاہِن کو ضَامِن بناتا ہے تو صورت مسئلے کی اور، مُرْتَہِن کو ضَامِن بناتا ہے تو صورت مسئلے کی اور ہوگی۔

اگر اس نے رَاہِن پر رجوع کیا، رَاہِن کو ضَامِن بنایا مُسْتَحِقّ نے اور رَاہِن سے ضَمَان لے لیا، تو رَاہِن نے جب ضَمَان ادا کر دیا، تو وہ گویا شروع سے ہی چیز کا مالک بن گیا جب سے اس نے غَصْب کی تھی۔ کیونکہ غَصْب کے اندر جب ضَمَان ادا کر دیا جائے، تو غَاصِب اس چیز کا مالک شمار ہوتا ہے۔ کس وقت سے؟ جب وہ ضَمَان ادا کر دے اس وقت سے یا جس وقت اس نے وہ چیز غَصْب کی تھی؟ جس وقت اس نے چیز غَصْب کی تھی۔ تو گویا اس وقت سے ہی وہ مالک تھا رَاہِن اس چیز کا۔

جب اس چیز کا مالک تھا تو مُرْتَہِن کے پاس جو اس نے رَہن رکھوایا وہ اپنی ہی چیز رکھوائی۔ جب اپنی ہی چیز رَہن رکھوائی تو رَہن تو مَضْمُون ہوتا ہے، وہ چیز مُرْتَہِن کے پاس ہلاک ہو گئی، تو مُرْتَہِن پر ضَمَان آیا اور اس نے گویا اپنا دَیْن وصول کر لیا اس چیز کے ذریعے۔ تو رَاہِن جب اس چیز کا ضَمَان ادا کر دے گا، تو اس صورت میں مُرْتَہِن کا دَیْن بھی سَاقِط ہو گیا۔

اور اگر اس مُسْتَحِقّ نے مُرْتَہِن پر رجوع کیا، مُرْتَہِن پر، تو اس صورت میں مُرْتَہِن جو ہے وہ، اس سے اس نے ضَمَان لے لیا۔ اور مُرْتَہِن جیسے ہی ضَمَان ادا کرے گا، مُرْتَہِن اس، اس رَہن کا جو ہلاک ہو چکا ہے اس کا مالک بن گیا۔ اور کب سے مالک بنا؟ جب مُرْتَہِن نے اس پر قبضہ کیا تھا۔ پہلے تو رَاہِن کے پاس تھی نا، اس وقت سے تو مالک نہیں بنا، مالک کب سے بنا؟ جب اس نے اس چیز پر قبضہ کیا۔ اور پھر اس کے بعد جب قبضہ کیا تو یہ مالک بن گیا۔ معلوم ہوا اس کے پاس جو چیز ہلاک ہوئی وہ تو رَہن تھی ہی نہیں، وہ تو اس کی اپنی چیز تھی کیونکہ یہ اس کا مالک بن گیا قبضے کے وقت سے ہی۔ تو جب چیز اس کے پاس ہلاک ہوئی وہ رَہن تھی ہی نہیں۔ جب رَہن تھی ہی نہیں، تو اس صورت میں اس کا دَیْن وصول نہ ہوا۔ اس چیز کی ہلاکت سے تو کیا ہو رہا تھا؟ اس کا دَیْن وصول، اب اس کا دَیْن بھی وصول نہ ہوا، اور نیز اس پر ضَمَان بھی پڑ گیا اس چیز کا۔ تو اس ضَمَان کے سلسلے میں وہ کس پر رجوع کرے گا؟ رَاہِن پر۔ کیا کرے گا؟ رَاہِن پر رجوع کرے گا، اور نیز اپنے دَیْن کے لیے بھی وہ رَاہِن پر رجوع کرے گا۔ تو رَاہِن سے ضَمَان بھی لے گا اور اپنا دَیْن بھی لے گا مُرْتَہِن۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اور اس پر پھر ایک اِشْکَال بھی ہوا تھا، اِشْکَال یہ کہ ضَمَان بِالْآخِر تو کس پر آ گیا؟ رَاہِن پر۔ پہلے مُرْتَہِن پر آیا اور پھر مُرْتَہِن سے کس پر آیا؟ رَاہِن پر آیا، تو گویا آخر بِالْآخِر مالک تو رَاہِن بن گیا، تو رَاہِن تو مالک بن گیا، اور جس شخص پر کسی چیز کا ضَمَان آتا ہے وہ اس کا مالک شمار ہوتا ہے، تو رَاہِن کو بھی اس چیز کا مالک شمار کرنا چاہیے، اور مُرْتَہِن کے پاس جو چیز ہلاک ہوئی یوں سمجھنا چاہیے اس نے اپنا دَیْن وصول کر لیا ہے کیونکہ اصل مالک کون تھا؟ بھئی پہلے ملکیت آئی کس کی؟ پہلے ضَمَان اس نے مُرْتَہِن سے لیا ہے، پہلے ملکیت کس کی آئی؟ مُرْتَہِن، پھر مُرْتَہِن نے ضَمَان کس سے لیا؟ رَاہِن سے، تو ملکیت منتقل ہو گئی

کس کی طرف؟ رَاہِن کی طرف۔ تو رَاہِن مالک ہوا تو گویا اس کے، اس کا ہی رَہن تھا تو ضَمَان آنا چاہیے، تو مُرْتَہِن کو صرف، مُرْتَہِن کو صرف ضَمَان کے بارے میں رجوع کرنا چاہیے رَاہِن پر، دَیْن کے بارے میں رجوع نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ بِالْآخِر مالک کون بن گیا ہے؟ رَاہِن، تو گویا رَہن، رَاہِن ہی کا تھا اس کے پاس ہلاک ہوا ہے، تو دَیْن تو اس نے وصول کر لیا اس کے پاس ہلاک جب ہوا۔ اور اس کا جواب بھی گزر گیا تھا کہ بھئی ٹھیک ہے، رَہن کے، ضَمَان اوّل کس پہ آیا؟ مُرْتَہِن پر آیا۔ مُرْتَہِن پہلے مالک بنا اور پھر یہ ملکیت منتقل ہوئی کس کی طرف؟ رَاہِن کی طرف۔ اور رَاہِن کی طرف یہ ملکیت مُرْتَہِن کے قبضے کے بعد منتقل ہو رہی ہے یا پہلے منتقل ہو رہی ہے؟ بھئی دیکھو، جب مُسْتَحِقّ براہِ راست رَاہِن سے ضَمَان لیتا تھا نا، تو رَاہِن مالک بن جاتا تھا اس، توجہ ہے؟ جب مُسْتَحِقّ، اس نے براہِ راست کس سے لے لیا ضَمَان؟ رَاہِن، دو صورتیں تھیں نا یا وہ رَاہِن سے ضَمَان لے یا مُرْتَہِن۔ اگر وہ رَاہِن سے ضَمَان لیتا تھا تو رَاہِن شروع سے اس چیز کا مالک بن گیا جب سے غَصْب کی ہے۔ اور غَصْب تو اس نے رَہن سے پہلے کی کی ہوئی ہے۔ جب اس وقت سے مالک ہے تو رَہن رکھواتے ہوئے بھی یہ اس چیز کا مالک ہے۔ تو لہٰذا مُرْتَہِن کے پاس جو رَہن ہلاک ہوا وہ کس کا تھا؟ رَاہِن کا تھا، لہٰذا اس پہ ضَمَان آیا اور دَیْن کیا ہو گیا؟ سَاقِط ہو گیا۔

لیکن یہاں پر صورت مختلف ہے، اس نے ضَامِن کس کو بنایا ہے؟ مُرْتَہِن کو۔ اور مُرْتَہِن، پہلے اوّلاً مالک کون بنا؟ مُرْتَہِن۔ پھر مُرْتَہِن نے ضَمَان کس سے لیا؟ رَاہِن۔ تو پھر یہ مالک ہونا، ملکیت منتقل ہو گئی کس کی طرف؟ رَاہِن کی طرف۔ تو اب رَاہِن کی ملکیت آئی تو ہے، لیکن یہ ملکیت مُؤَخَّر ہے۔ یہ ملکیت کیا ہے؟ مُؤَخَّر۔ یہ ملکیت مُؤَخَّر ہے، یعنی، یعنی شروع سے مالک نہیں ہے، جب چیز سپرد کر دی، سپرد کرتے وقت مُرْتَہِن مالک بنا ہے اور اس کے مالک بننے کے بعد پھر کون مالک بنا ہے؟ رَاہِن، تو گویا اس نے رَہن دیا ہی نہیں۔ رَہن تو تب ہی کہلاتا نا جب یہ شروع سے ہی اپنی چیز اس کو دیتا، اس نے تو اپنی چیز اس کو دی ہی نہیں ہے۔ تو یہ ملکیت آئی تو رَاہِن کی لیکن یہ مُؤَخَّر ہے، تو لہٰذا یہ رَہن شمار نہیں ہوگا، اگر پہلے سے ملکیت ہوتی قبضے میں دیتے وقت ہی ملکیت ہوتی تو پھر اس کو ہم رَہن شمار کرتے اور اس سے دَیْن سَاقِط ہو جاتا، لیکن اب یہ رَہن شمار نہیں، لہٰذا دَیْن بھی سَاقِط نہیں، لہٰذا مُرْتَہِن ضَمَان بھی لے گا اور ساتھ اپنا دَیْن بھی لے گا رَاہِن سے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

بِعَیْنِہٖ یہی صورت اس مسئلے میں بھی ہے۔ مُعِیر نے، مُعِیر نے اپنی چیز دے دی کس کو؟ مُسْتَعِیر کو، زید کو دی، اپنی چیز، اپنی گاڑی دے دی کہ اس کو رَہن کے طور پر رکھوا کر آپ کیا کر لو؟ دَیْن لے لو۔ لیکن اس نے شرط لگائی تھی کہ دیکھو بکر کے پاس رَہن رکھوانا، کسی اور کے پاس رَہن نہ رکھوانا۔ اور مُسْتَعِیر نے وہ چیز خالد کے پاس رَہن رکھوا دی، تو مُسْتَعِیر غَاصِب بن گیا۔ کیا بن گیا؟ غَاصِب۔ جیسے پچھلے مسئلے میں زید جو تھا وہ کیا بنا تھا؟ غَاصِب۔ پھر اس نے، جب اس نے وہ مُسْتَعَار گاڑی خالد کے پاس رَہن رکھوا دی، خالد کے پاس وہ گاڑی ہلاک ہو گئی۔ خالد کے پاس وہ گاڑی ہلاک ہو گئی۔ اور آپ نے پڑھا ہے کہ غَاصِب پر کیا آتا ہے؟ ضَمَان۔ اس نے بھی چونکہ مُعِیر کی لگائی ہوئی شرطوں کا خیال نہیں رکھا، لہٰذا

یہ غَاصِب بن گیا اور جب غَاصِب بن گیا تو اس پر کیا آیا؟ ضَمَان۔ اور پھر اس کے اندر وہ جو مُعِیر ہے، اس کو اختیار ہے، وہ چاہے تو مُسْتَعِیر کو ضَامِن بنائے، چاہے تو مُرْتَہِن۔ مُسْتَعِیر کو اس لیے ضَامِن بنائے گا کیونکہ یہ چیز غَصْب کس نے کی؟ مُسْتَعِیر نے، شرط کی مخالفت کر کے گویا غَصْب کر لی۔ اور مُرْتَہِن کو کیوں ضَامِن بنا سکتا ہے؟ کیونکہ وہ چیز مُرْتَہِن کے پاس اس کی چیز ہلاک ہوئی ہے۔

تو مُعِیر کن کن کو ضَامِن بنا سکتا ہے؟ مُسْتَعِیر کو بھی، مُسْتَعِیر یعنی رَاہِن کو بھی اور مُرْتَہِن کو بھی۔ اگر رَاہِن کو ضَامِن بناتا ہے تو رَاہِن شروع سے اس چیز کا مالک ہوا، جب مالک ہوا تو اس نے اپنی چیز مُسْتَعِیر کے، اپنی چیز مُرْتَہِن کے پاس رکھوائی، اور رَہن مُرْتَہِن کے پاس ہلاک ہو جائے تو اس پر کیا آتا ہے؟ ضَمَان، لہٰذا اس کا دَیْن کیا ہو گیا؟ سَاقِط ہو گیا۔ اور اگر اس مُعِیر نے مُرْتَہِن کو ضَامِن بنایا، تو مُرْتَہِن کو جب ضَامِن بنایا تو مُرْتَہِن جب ضَمَان ادا کرے گا وہ اس چیز کا مالک بن گیا، لیکن پھر مُرْتَہِن اس کا ضَمَان کس سے لے گا؟ زید سے، کیونکہ دھوکہ اصل میں کس نے دیا؟ زید نے۔ تو لہٰذا پھر ملکیت منتقل ہوئی کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ اور زید کی طرف یہ ملکیت جو منتقل ہوئی ہے یہ عقدِ رَہن سے مُؤَخَّر ہے، لہٰذا گویا زید نے اپنی چیز تو اس کے پاس نہیں رکھوائی۔ جب اپنی چیز نہیں رکھوائی تو وہ رَہن نہ بنا، جب رَہن نہیں تو اس کے پاس ہلاک ہونے پر اس پر ضَمَان بھی نہیں، جب ضَمَان نہیں آیا تو اس کا، اس کا دَیْن بھی وصول نہیں ہوا، جب دَیْن وصول نہیں ہوا تو دَیْن بھی اب وہ مُسْتَعِیر سے وصول کرے گا۔ مُرْتَہِن ضَمَان بھی مُسْتَعِیر سے، یا یوں کہو مُسْتَعِیر یا رَاہِن، مُرْتَہِن رَاہِن سے دَیْن بھی اپنا وصول کرے گا اور ضَمَان بھی وصول کرے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ بالکل اسی مسئلے جیسی صورت ہے۔

دیکھیے اب ترجمہ:

فَإِنْ خَالَفَ ضَمَّنَ الْمُعِیرُ، اگر مخالفت کی، یعنی مُسْتَعِیر نے کیا کی؟ مخالفت کی، تو ضَمَّنَ الْمُعِیرُ، تو ضَامِن بنائے گا مُعِیر، یعنی وہ عاریت دینے والا جو ہے وہ ضَامِن بنائے گا مُسْتَعِیرَہُ اس چیز مُسْتَعِیر کو وہ ضامن بنائے گا۔ کیا بتلایا تھا؟ اگر مخالفت کی اور وہ چیز ہلاک ہو گئی تو مُعِیر کس کس کو ضامن بنا سکتا ہے؟ مُسْتَعِیر کو بھی بنا سکتا ہے اور مُرْتَہِن کو۔ چنانچہ اس، چار چھ لفظوں کے بعد آگے آرہا ہے أَوْ إِیَّاہُ، یا اس کو۔ یہ إِیَّاہُ ضمیر کس کو راجع ہے؟ آگے بتلا رہے ہیں الضَّمِیرُ رَاجِعٌ إِلَی الْمُرْتَہِنِ، یہ ضمیر کس کو راجع ہے؟ مُرْتَہِن کو۔ اور یہ إِیَّاہُ کا عطف ہے مُسْتَعِیرَہُ پر، جو پیچھے جو آیا۔ تو فَإِنْ خَالَفَ ضَمَّنَ الْمُعِیرُ مُسْتَعِیرَہُ أَوْ إِیَّاہُ، اگر شرط کی مخالفت کی مُسْتَعِیر نے تو مُعِیر ضامن بنائے گا اپنے مُسْتَ، اپنے مُسْتَعِیر کو أَوْ إِیَّاہُ یا مُرْتَہِن کو۔ توجہ ہے؟ کس کس کو ضامن بنا سکتا ہے؟ مُسْتَعِیر کو بھی ضامن بنا سکتا ہے اور مُرْتَہِن، تو یہ إِیَّاہُ سے کون مراد ہے، کس کو راجع ہے ضمیر؟ مُرْتَہِن کو، تو اور إِیَّاہُ کا عطف کس پر ہے؟ مُسْتَعِیرَہُ پر۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں فَإِنْ خَالَفَ ضَمَّنَ الْمُعِیرُ مُسْتَعِیرَہُ، اگر مخالفت کی مُسْتَعِیر نے تو ضامن بنائے گا مُعِیر مُسْتَعِیرَہُ اس عاریت کو مانگنے والے کو أَوْ إِیَّاہُ یا کس کو؟ مُرْتَہِن کو۔ وَیَتِمُّ رَهْنُهُ بَیْنَهُ وَبَیْنَ مُرْتَهِنِهِ، ہاں، اس نے اگر شرط کی مخالفت کر دی، اس

نے تو کہا تھا بکر کے پاس رکھوانا، اس نے کس کے پاس رکھوایا؟ خالد کے پاس رکھوایا۔ تو کیا یہ رہن بھی صحیح ہوگا یا رہن صحیح نہیں ہوگا؟ کہتے ہیں نہیں، رہن صحیح ہوجائے گا۔ رہن، اگرچہ اس نے شرط کی مخالفت کر دی لیکن رہن والا عقد اور رہن والا معاملہ صحیح ہوجائے گا۔ یہ معنی ہے وَيَتِمُّ رَهْنُهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مُرْتَهِنِهِ، اور تام ہوجائے گا رہن کا عقد اس مُسْتَعِير اور اس کے مُرْتَہِن کے درمیان۔ أَوْ إِيَّاهُ، یا وہ مُعِیر ضامن بنائے گا اس کو، کس کو بھئی؟ الضَّمِيرُ رَاجِعٌ إِلَى الْمُرْتَهِنِ، کہتے ہیں ضمیر راجع ہے مُرْتَہِن کو، یعنی وہ مُعِیر یا تو مُسْتَعِیر کو ضامن بنائے گا یا مُرْتَہِن کو، وَمَعْطُوفٌ عَلَى الْمُسْتَعِيرِ، اور یہ ضمیر کس پر معطوف ہے؟ مُسْتَعِیر پر۔

وَرَجَعَ هُوَ، اچھا بھئی، مُعِیر کس کس کو ضامن بنا سکتا ہے؟ مُسْتَعِیر اور مُرْتَہِن کو بھی۔ اگر مُسْتَعِیر کو ضامن بنایا تو اس سے ضَمَان لے لے گا، اور مُرْتَہِن نے اپنا دَیْن وصول کر لیا، کیونکہ رہن اس کے پاس ہلاک ہوا ہے، اور رہن پر قبضہ کس لیے ہوتا ہے؟ وصولی کے لیے ہوتا ہے۔ اور اگر اس نے ضامن کس کو بنایا مُعِیر نے؟ مُرْتَہِن کو، پھر مُرْتَہِن کیا کیا کرے گا؟ رَاہِن سے ضَمَان بھی لے گا اور دَیْن بھی لے گا۔ یہی آگے ذکر کر رہے ہیں وَرَجَعَ هُوَ اور وہ مُرْتَہِن رجوع کرے گا بِمَا ضَمِنَ اس چیز کے ساتھ جو، جس کے ساتھ وہ ضامن ہوا تھا، یعنی اپنے ضَمَان کے ساتھ، وَبِدَيْنِهِ اور اپنے دَیْن کے ساتھ، مُرْتَہِن رجوع کرے گا اپنے ضَمَان اور اپنے دَیْن کے ساتھ عَلَى رَاهِنِهِ اس چیز کے رَاہِن پر بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

فَإِنْ وَافَقَ وَهَلَكَ مَعَ مُرْتَهِنِهِ فَقَدْ أَخَذَ كُلَّ دَيْنِهِ إِنْ كَانَتِ الْقِيمَةُ۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے: زید کو دَیْن کی ضرورت تھی، اس کے پاس کوئی اور چیز رہن رکھوانے کے لیے تھی نہیں۔ اس نے ایک شخص سے گاڑی عاریتاً مانگی کہ آپ مجھے گاڑی اپنی عاریتاً دے دیں، میں اس گاڑی کو رہن رکھوا کر اس کے بدلے دَیْن وصول کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے عاریتاً گاڑی اس کو دے دی اور زید نے یہ رہن کے طور پر گاڑی رکھوا دی اور اس کے ذریعے دَیْن وصول کر لیا۔ اور اس نے شرطوں کی بھی موافقت کی، کوئی مخالفت نہیں کی۔ جب مخالفت نہیں کی تو اس پر ضَمَان بھی نہیں آئے گا۔ توجہ ہے؟ اس پر ضَمَان بھی نہیں آئے گا۔ اب صورت یہ جب اس نے موافقت کر لی، موافقت کر لی، پھر وہ گاڑی مُرْتَہِن کے پاس ہلاک ہوگئی۔

اب کیا مسئلہ ہوگا؟ کہتے ہیں بھئی دیکھو، گاڑی جب مُرْتَہِن کے پاس ہلاک ہوگئی، تو آپ نے پڑھا ہے کہ مُرْتَہِن پر ضَمَان آتا ہے، کیونکہ رہن پر قبضہ وصولی کے لیے ہوتا ہے۔ اور کتنا ضَمَان آتا ہے؟ أَقَل کا، یعنی اس چیز، اس رہن کی قیمت اور دَیْن کو دیکھا جاتا ہے، جو چیز کم ہوتی ہے وہ ضَمَان اس پر آتا ہے۔ تو گویا یہاں تین صورتیں بن گئیں: یا تو اس رہن کی قیمت دَیْن کے برابر ہوگی، یا دَیْن سے کم ہوگی، یا دَیْن سے زیادہ ہوگی۔ توجہ ہے؟ تین صورتیں بن گئیں۔

تو اگر اس رہن کی قیمت دَیْن کے برابر ہوئی، دَیْن کے برابر ہوئی، تو مُرْتَہِن نے گویا اپنا دَیْن وصول کر لیا۔ دَیْن بھی تھا دس لاکھ اور گاڑی کی قیمت بھی کتنی تھی؟ دس لاکھ، اور وہ مُرْتَہِن کے پاس ہلاک ہوئی تو مُرْتَہِن نے گویا اپنا دَیْن وصول کر لیا، وصول کر لیا۔ اچھا، مُرْتَہِن نے اپنا دَیْن وصول کر لیا۔ اب یہ جو مُسْتَعِیر ہے، مُسْتَعِیر جس نے یہ گاڑی رہن رکھوائی

تھی، جتنا، جتنی ادائیگی اس نے گاڑی کے ذریعے کی ہے، اتنے ہی پیسے وہ مُعِیر کو ادا کرے گا۔ توجہ ہے؟ مُسْتَعِیر، مُسْتَعِیر اتنے، اس نے جتنے پیسے اس کی گاڑی کے ذریعے مُرْتَہِن کو ادا ہوئے، وہی پیسے کس کو ادا کرے گا؟ مُعِیر کو، جس کی گاڑی تھی بھئی، جس کی گاڑی تھی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ بھئی اس سے عاریتاً گاڑی لی تھی، استعمال کے لیے لی تھی یا رہن رکھوانے کے لیے؟ جی؟ رہن رکھوانے کے لیے گاڑی لی تھی۔ استعمال کے لیے لی ہوتی پھر تو رہن رکھوانا جائز ہی نہیں تھا اور اس میں پھر ضَمَان بھی نہیں آتا، گاڑی ہلاک ہوجائے بغیر تعدی اور بغیر زیادتی کیے، تو پھر ضَمَان نہیں آتا۔ لیکن یہاں اس نے گاڑی کس لیے لی تھی اس سے؟ رہن رکھوانے کے لیے۔ اور جب رہن رکھوا رہا ہے تو ظاہر سی بات ہے رہن کے اندر جب ہلاک ہوجائے چیز تو اس میں ضَمَان آیا کرتا ہے، تو اس کو پتہ تھا یہ گاڑی میری ویسے نہیں جائے گی، اگر یہ گاڑی ہلاک ہوئی تو مجھے کیا ملے گا؟ ضَمَان ملے گا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟

اب ضَمَان کتنا اس کو ادا کریں گے اگر گاڑی ہلاک ہوجاتی ہے؟ تو اس میں یاد رکھنا آپ کو بتلائیں گے کہ جتنے دَیْن کی ادائیگی مُسْتَعِیر نے، یا یوں کہیں جتنے دَیْن کی وصولی مُرْتَہِن نے کرلی اس گاڑی سے، گاڑی اس کے پاس ہلاک ہوگئی تو اس نے کچھ دَیْن کیا کر لیا؟ وصول کر، کتنا وصول کیا؟ جو اَقَل ہے، کس میں سے؟ دَیْن اور قیمت میں سے جو اَقَل ہے وہ اس نے کیا کر لیا؟ وصول کر لیا۔ تو جتنی اس نے وصولی کی، یا یوں کہو جتنی رَاہِن نے ادائیگی کر دی اس کے ذریعے، وہ ادائیگی وہ کس کو واپس کرے گا؟ مُعِیر کو۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے اچھی طرح؟

تو دیکھو، اب گاڑی ہلاک ہوئی بھئی، گاڑی ہلاک ہوئی کس کے پاس؟ مُرْتَہِن کے پاس۔ گاڑی بھی دس لاکھ کی تھی اور دَیْن بھی کتنا تھا؟ دس لاکھ۔ تو دونوں برابر ہوئے تو اس پر دس لاکھ ضَمَان آیا اور اس نے گویا گاڑی کے ذریعے اس دَیْن کو وصول کر لیا۔ تو مُسْتَعِیر نے کتنی ادائیگی کی گاڑی کے ذریعے مُرْتَہِن کو؟ دس لاکھ نا۔ جتنے وصول ہوئے اس کے، دس لاکھ گویا ادائیگی کر دی۔ تو دس لاکھ یہ اب کس کو دے دے گا؟ مُعِیر کو۔ دس لاکھ یہ کس کو دے گا؟ مُعِیر کو۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟

دوسری صورت: وہ رہن کی قیمت زیادہ ہے اور دَیْن دس، مثلاً رہن، وہ گاڑی پندرہ لاکھ کی ہے اور دَیْن دس لاکھ ہے۔ تو اگر گاڑی پندرہ لاکھ والی مُرْتَہِن کے پاس ہلاک ہوجائے، تو اس پر کتنا ضَمَان آتا ہے؟ دس لاکھ، جو اَقَل ہے یعنی دَیْن اَقَل ہے، کم ہے، وہ ضَمَان آیا اور باقی پانچ لاکھ بطورِ امانت کے ہلاک ہوئے۔ تو گویا اس گاڑی کے ذریعے مُسْتَعِیر نے کتنی ادائیگی کی ہے مُرْتَہِن کو؟ دس لاکھ۔ لہٰذا اس صورت میں بھی مُسْتَعِیر دس لاکھ مُعِیر کو دے دے گا۔ اگر اس رہن کی قیمت دَیْن کے برابر ہو یا دَیْن سے زیادہ ہو، دونوں صورتوں میں، دونوں صورتوں میں دَیْن جتنی ادائیگی کرے گا مُسْتَعِیر کس کو؟ مُعِیر کو۔

تیسری صورت: کہ رہن کی قیمت کم ہے اور دَیْن زیادہ ہے۔ مثلاً گاڑی ہے آٹھ لاکھ کی اور رہن کتنا؟ دس لاکھ ہے۔ یہ گاڑی ہلاک ہوگئی مُرْتَہِن کے پاس۔ تو مُرْتَہِن نے کتنا دَیْن وصول کر لیا؟ آٹھ لاکھ وصول کر لیا، اور دو لاکھ ابھی بھی مُسْتَعِیر

نے یا رَاہِن نے دینا ہے۔ تو مُسْتَعِیر نے کتنی ادائیگی کر دی اس گاڑی کے ذریعے؟ آٹھ لاکھ۔ تو مُعِیر کو بھی کتنے دے دے گا؟ آٹھ لاکھ دے دے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں فَإِنْ وَافَقَ، اگر مُسْتَعِیر نے اس شرط کی موافقت کی، یا یوں کہیں اگر مُسْتَعِیر نے، مُسْتَعِیر نے مُعِیر کی موافقت کی، اس کی شرطوں کا خیال رکھا، وَهَلَكَ مَعَ مُرْتَهِنِهِ، اور وہ رہن جو ہے وہ ہلاک ہوگیا اس کے مُرْتَہِن کے پاس، فَقَدْ أَخَذَ كُلَّ دَيْنِهِ، تو تحقیق مُرْتَہِن نے اپنا پورا دَیْن لے لیا۔ پورا دَیْن لیتا تھا کن دو صورتوں میں؟ جب دَیْن اور رہن برابر ہوں یا رہن کیا ہو؟ زیادہ ہو۔ یہی بیان کر رہے ہیں فَقَدْ أَخَذَ كُلَّ دَيْنِهِ تو مُرْتَہِن نے اپنا پورا دَیْن وصول کر لیا، إِنْ كَانَتِ الْقِيمَةُ مِثْلَ الدَّيْنِ أَوْ أَكْثَرَ، اگر رہن کی قیمت دَیْن کے برابر تھی أَوْ أَكْثَرَ یا اس سے زیادہ تھی۔ وَضَمِنَ مُسْتَعِيرُهُ قَدْرَ دَيْنٍ أَوْفَاهُ مِنْهُ لَا الْقِيمَةَ، اور ضامن ہوگا مُسْتَعِیر بھئی، کتنا ضامن ہوگا، کتنا مُعِیر کو دے گا؟ قَدْرَ دَيْنٍ اس دَیْن کی مقدار أَوْفَاهُ مِنْهُ جو اس نے ادا کیا ہے اس گاڑی کے ذریعے، اس رہن کے ذریعے، لَا الْقِيمَةَ، قیمت کا ضامن نہیں ہوگا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ جی، کہ نہیں سمجھ میں آئی؟ مُسْتَعِیر ضَمَان دے گا، گاڑی ہلاک ہو چکی ہے رہن کے رکھوانے کے بعد، تو مُسْتَعِیر مُعِیر کو کتنا ضَمَان دیتا ہے؟ جتنا دَیْن وہ اس رہن کے ذریعے ادا کرتا ہے۔ اور پورا دَیْن ادا کیا ہے تو پورے دَیْن کا یہاں پر ضَمَان دے گا۔ یہ معنی ہے وَضَمِنَ مُسْتَعِيرُهُ، اور ضامن ہوگا اس کا مُسْتَعِیر قَدْرَ دَيْنٍ دَیْن کی اتنی مقدار أَوْفَاهُ مِنْهُ جو اس نے اس رہن کے ذریعے ادا کی ہے، لَا الْقِيمَةَ، پوری قیمت کا ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ پوری قیمت تو ہو سکتا ہے رہن کی قیمت زیادہ ہو، جیسے پندرہ لاکھ ہو، تو پندرہ لاکھ کا ضامن نہیں ہوگا بلکہ دس لاکھ جو دَیْن تھا اسی کا ضامن ہوگا۔

أَوْ بَعْضَ دَيْنِهِ، میری کتاب میں ہے وَالْبَعْض، وَالْبَعْض، یہ کتابت کی غلطی ہے۔ یہ و نہیں ہے، و نہیں ہے، أَوْ ہے أَوْ، اور بَعْض پر الف لام نہیں ہونا چاہیے بھئی۔ أَوْ بَعْضَ دَيْنِهِ، توجہ ہے؟ أَوْ بَعْضَ دَيْنِهِ اس کا عطف ہے پیچھے جو آیا تھا ایک سطر پیچھے فَقَدْ أَخَذَ كُلَّ دَيْنِهِ، كُلَّ دَيْنِهِ پر عطف ہے۔ فَقَدْ أَخَذَ كُلَّ دَيْنِهِ، مُرْتَہِن نے اپنا پورا دَیْن لے لیا اگر رہن کی قیمت زیادہ ہو یا دَیْن کے برابر ہو۔ اور مُرْتَہِن نے أَوْ بَعْضَ دَيْنِهِ مُرْتَہِن نے اپنے کچھ دَیْن کو لے لیا، إِنْ كَانَتْ أَقَلَّ اگر رہن کی قیمت دَیْن سے کم ہو، وَبَاقِي دَيْنِهِ عَلَى رَاهِنِهِ، اور اس کا باقی دَیْن وہ جو ہے وہ رَاہِن پر باقی ہے۔

دیکھیے اب اسی کی شرح کریں گے، میں نے تفصیل بیان کر دی۔ أَيْ إِنْ وَافَقَ، اگر مُسْتَعِیر نے موافقت کی یعنی شرط کی مخالفت نہیں کی، وَهَلَكَ الرَّهْنُ مَعَ الْمُرْتَهِنِ، اور وہ رہن ہلاک ہوگیا مُرْتَہِن کے پاس، فَإِنْ كَانَتْ قِيمَتُهُ عَشَرَةً وَالدَّيْنُ عَشَرَةً، اگر اس رہن کی قیمت بھی دس ہے اور دَیْن بھی دس ہے، فَقَدْ أَخَذَ الْمُرْتَهِنُ كُلَّ الدَّيْنِ، تو تحقیق مُرْتَہِن نے لے لیا اپنا سارا دَیْن، وَيَضْمَنُ الْمُسْتَعِيرُ الدَّيْنَ الَّذِي أَوْفَاهُ، اور ضامن ہوگا مُسْتَعِیر اس دَیْن کا جو اس نے ادا کیا ہے، وَهُوَ عَشَرَةٌ، اور وہ دس ہے، تو ضامن ہوگا لِلْمُعِيرِ، کس کے لیے؟ مُعِیر کے لیے۔

وَإِنْ كَانَتْ قِيمَتُهُ خَمْسَةَ عَشَرَ، اور اگر اس رہن کی قیمت تو پندرہ ہے، وَالدَّيْنُ عَشَرَةً، اور دَیْن جو ہے وہ دس ہے، تو دیکھو رہن زیادہ ہوا، فَقَدْ أَخَذَ الْمُرْتَهِنُ كُلَّ الدَّيْنِ، تو تحقیق اس صورت میں بھی مُرْتَہِن نے سارا دَیْن لے لیا، فَيَضْمَنُ

الْمُسْتَعِيرُ الدَّيْنَ الَّذِي أَوْفَاهُ أَيِ الْعَشَرَةَ، تو اس صورت میں مُستَعِیر ضامن ہوگا اس دَیْن کا جو اس نے ادا کیا ہے یعنی کہ دس کا، وَلَا يَضْمَنُ الْقِيمَةَ، اور قیمت یعنی پندرہ کا ضامن نہیں ہوگا۔ لِأَنَّهُ قَدْ وَافَقَ، اس لیے کیونکہ اس نے تو موافقت کی ہے مُعِیر کی، فَلَيْسَ بِمُتَعَدٍّ، تو یہ کوئی تعدی اور ظلم اور زیادتی کرنے والا نہیں، تو اس پر پورا ضَمَان نہیں آئے گا۔ اگر زیادتی کرے پھر پوری قیمت کا ضَمَان آتا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

وَإِنْ كَانَتِ الْقِيمَةُ عَشَرَةً، اور اگر اس رہن کی قیمت دس ہے، وَالدَّيْنُ خَمْسَةَ عَشَرَ، اور دَیْن جو ہے وہ پندرہ ہے، فَقَدْ أَخَذَ الْمُرْتَهِنُ بَعْضَ الدَّيْنِ، تو تحقیق مُرْتَہِن نے اپنا بعضِ دَیْن یعنی کچھ دَیْن لے لیا، وَهُوَ عَشَرَةٌ، اور وہ دس ہے، گاڑی، رہن دس ہے نا، اور دَیْن کتنا ہے؟ پندرہ، تو رہن ہلاک ہوا تو دس وصول کر لیے اس نے اور پانچ ابھی بھی باقی ہیں۔ یہ معنی ہے فَقَدْ أَخَذَ الْمُرْتَهِنُ بَعْضَ الدَّيْنِ وَهُوَ عَشَرَةٌ، تو تحقیق مُرْتَہِن نے اپنے کچھ دَیْن کو وصول کر لیا اور وہ دس ہے، وَبَاقِي الدَّيْنِ عَلَى الرَّاهِنِ، اور باقی کا دَیْن جو ہے وہ رَاہِن پر باقی ہے، وَيَضْمَنُ الْمُسْتَعِيرُ قَدْرَ مَا أَوْفَاهُ مِنَ الدَّيْنِ وَهُوَ الْعَشَرَةُ، وَيَضْمَنُ الْمُسْتَعِيرُ قَدْرَ مَا أَوْفَاهُ مِنَ الدَّيْنِ وَهُوَ الْعَشَرَةُ، اور ضامن ہوگا مُستَعِیر اس مقدار کا جو اس نے ادا کی ہے دَیْن میں سے، وَهُوَ الْعَشَرَةُ، اور وہ...

وہ دس ہے۔ بس ضابطہ یہ ہے کہ جتنی ادائیگی ہوئی ہے اس رہن کے ذریعے جبکہ اس نے شرطوں کی موافقت کی ہو، تو اسی ادائیگی کا ضَمَان اس پر آئے گا۔

آگے دیکھیے: وَلَا يَمْتَنِعُ الْمُرْتَهِنُ إِذَا قَضَى الْمُعِيرُ دَيْنَهُ وَفَكَّ رَهْنَهُ. صورتِ مسئلہ یہ ہے: زید نے کسی اور سے عاریتاً گاڑی لی اور آگے خالد کے پاس بطورِ رہن کے رکھوا دی۔ دس لاکھ رہن لیا تھا اور گاڑی اس کے پاس رہن کے رکھوا دی۔ اب اس مُعِیر جس نے گاڑی دی تھی، جس کی اپنی گاڑی ہے، اس کو گاڑی کی ضرورت پڑ گئی۔ اور اس نے زید سے پوچھا، زید نے کہا بھئی وہ تو میں نے آپ سے رہن کے لیے ہی لی تھی اور وہ میں نے خالد کے پاس رہن رکھوائی ہوئی ہے۔ چنانچہ مُعِیر مُرْتَہِن کے پاس گیا اور اس نے مُرْتَہِن کا دَیْن اس کو ادا کر دیا، اور ادا کر کے اس سے گاڑی لے گیا۔ تو کیا مُعِیر مُرْتَہِن کا دَیْن ادا کر کے گاڑی لے جا سکتا ہے؟ لے جا سکتا ہے، اور کیا مُرْتَہِن کو اس کو روکنے کا اختیار ہے یا روکنے کا اختیار نہیں ہے؟ کہتے ہیں ہاں بھئی وہ لے جا سکتا ہے اور مُرْتَہِن کو روکنے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ مُرْتَہِن نے تو اس گاڑی کے ذریعے اپنا دَیْن وصول کرنا ہے، اور وہ دَیْن اس کو پورا ادا کر کے گاڑی کو لے کر جانا چاہتا ہے، لہٰذا دَیْن وصول کرے اور گاڑی حوالے کر دے، مُرْتَہِن انکار نہیں کر سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے وَلَا يَمْتَنِعُ الْمُرْتَهِنُ، امْتَنَعَ کا معنی ہے رکنا، رکنا، باز آنا۔ ایک ہے مَنَعَ، مَنَعَ کا معنی ہے دوسرے کو روکنا، اور امْتَنَعَ کا معنی ہے خود رکنا، باز رہنا۔ وَلَا يَمْتَنِعُ الْمُرْتَهِنُ اور مُرْتَہِن باز نہیں رہ سکتا، مُرْتَہِن رک نہیں سکتا یعنی مُرْتَہِن انکار نہیں کر سکتا، إِذَا قَضَى الْمُعِيرُ دَيْنَهُ جب مُعِیر اس کا دَیْن ادا کرے، وَفَكَّ رَهْنَهُ اور رہن کو اس سے چھڑوائے، تو مُرْتَہِن انکار نہیں کر سکتا۔ إِذْ هُوَ يَسْعَى فِي تَخْلِيصِ مِلْكِهِ، اس لیے کیونکہ مُرْتَہِن جو ہے وہ اپنی ملکیت کے چھڑانے میں کوشش کر

رہا ہے۔ وہ دَیْن ادا کر کے کیا کرنا چاہتا ہے؟ اپنی ملکیت چھڑانا چاہتا ہے۔ یہ کوئی غیر کوئی تیسرا آدمی نہیں ہے، یہ اسی رہن کا مالک ہے، تو یہ دَیْن ادا کر کے اپنی چیز چھڑانا چاہتا ہے، لہٰذا مُرْتَہِن کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس کو ایسا نہ کرنے دے اور انکار کر دے۔ یہ معنی ہے إِذْ هُوَ يَسْعَى فِي تَخْلِيصِ مِلْكِهِ اس لیے کیونکہ وہ کوشش کر رہا ہے وہ مُعِیر جو ہے اپنی ملکیت کو چھڑانے میں۔

وَيَرْجِعُ عَلَى الرَّاهِنِ بِمَا أَدَّى، پھر یہ جو مُعِیر ہے یہ رجوع کرے گا رَاہِن پر اس دَیْن کے ساتھ جو اس نے ادا کیا۔ یہ دَیْن تو اصل میں کس نے لیا تھا؟ مُسْتَعِیر یعنی رَاہِن نے، یعنی رَاہِن نے لیا تھا۔ اور ادا کس نے کر دیا؟ مُعِیر نے۔ تو بعد میں مُعِیر کس پر رجوع کرے گا؟ مُسْتَعِیر یعنی رَاہِن پر رجوع کرے گا اور اس سے وہ دَیْن وصول کرے گا۔ کہتے ہیں لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَبَرِّعٍ، اس لیے کیونکہ مُعِیر مُتَبَرِّع نہیں ہے۔ میں نے آپ کو کل ضابطہ بتلایا تھا کہ اگر کوئی شخص کسی کی جانب سے اس کا دَیْن ادا کر دے، خود اس نے نہیں کہا، مَدْیُون نے نہیں کہا، اس نے خود کسی نے اپنی طرف سے دوسرے کا دَیْن ادا کر دیا، تو اس کو کہتے ہیں مُتَبَرِّع، یعنی احسان کے طور پر کیا، اپنی طرف سے یہ کام اس نے کیا ہے۔ اور یاد رکھو، مُتَبَرِّع جو ہے وہ بعد میں مَدْیُون پر رجوع نہیں کر سکتا کہ میں نے تمہارا دَیْن ادا کیا تھا، لاؤ مجھے میرا دَیْن دے دو، جو میں نے ادائیگی کی تھی وہ دے دو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور اگر کسی شخص کو مجبوری میں کسی کا دَیْن ادا کرنا پڑ جائے تو پھر اس صورت میں وہ مَدْیُون پر بعد میں رجوع کر سکتا ہے۔ اور یہاں پر بھی مُعِیر نے مُسْتَعِیر یعنی رَاہِن کا دَیْن ادا کیا ہے۔ اور ویسے ہی ادا کیا یا مجبوری کی وجہ سے ادا کرنا پڑا اس کو؟ مجبوری کی وجہ سے ادا کرنا پڑا کیونکہ اس کے بغیر اس کی گاڑی نہیں مل رہی تھی اس کو۔ تو لہٰذا اب اس صورت میں یہ جو مُعِیر ہے وہ دَیْن ادا کرنے میں مُتَبَرِّع نہیں، جب مُتَبَرِّع نہیں تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ بعد میں مَدْیُون پر رجوع کر کے، یعنی مُسْتَعِیر اور رَاہِن پر رجوع کر کے ان سے اپنا دَیْن وصول کر سکتا ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ یہ معنی ہے وَيَرْجِعُ عَلَى الرَّاهِنِ بِمَا أَدَّى اور وہ مُعِیر رجوع کرے گا رَاہِن پر اس دَیْن کے ساتھ جو اس نے ادا کیا ہے، لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَبَرِّعٍ کیونکہ وہ مُعِیر جو ہے وہ مُتَبَرِّع نہیں ہے، اس کو مجبوری میں دَیْن ادا کرنا پڑا، كَمَا ذَكَرْنَا جیسے کہ ہم نے ذکر کر دیا۔

فَلَوْ هَلَكَ مَعَ الرَّاهِنِ قَبْلَ الرَّهْنِ أَوْ بَعْدَ فَكِّهِ لَا يَضْمَنُ وَإِنِ اسْتَخْدَمَهُ أَوْ رَكِبَهُ مِنْ قَبْلُ. صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ زید نے کسی سے گاڑی لی تھی اور وہ گاڑی اس نے خالد کے پاس بطورِ رہن کے رکھوا دی، ساری شرطوں کی موافقت کی۔ اس نے بھی اجازت دی تھی کہ خالد کے پاس رکھنا، یا اس نے کہا تھا جس کے پاس مرضی رہن رکھوا دو، اس نے خالد کے پاس رہن رکھوا دی۔ اب خالد سے اس نے دَیْن لیا تھا، دَیْن کی مدت ایک دو ماہ جو مقرر کی تھی وہ گزر گئی، اس نے دَیْن ادا کیا اور اس سے گاڑی واپس لے آیا۔ توجہ ہے؟ مُسْتَعِیر یعنی رَاہِن جو ہے اس نے دَیْن ادا کر دیا اور گاڑی واپس لے آیا۔ اب واپس لانے کے بعد اس کو کیا کرنا چاہیے تھا؟ کہ وہ گاڑی مُعِیر کو دے دے، پہنچا دے۔ لیکن اس نے گاڑی چند دن اپنے پاس رکھی اور چند دن اس کو استعمال کیا، پھر اس کا خیال آیا کہ نہیں بھئی مجھے گاڑی استعمال نہیں کرنی چاہیے، مجھے تو اس نے استعمال کے لیے نہیں دی تھی صرف رہن رکھوانے کے لیے دی تھی۔ چنانچہ اس نے گاڑی، گاڑی کا استعمال

ترک کر دیا۔ اور استعمال ترک کرنے کے بعد وہ گاڑی اس کے پاس ہلاک ہوگئی۔ توجہ ہے؟ تو اس صورت میں کیا اس پر ضَمَان آئے گا؟ کہتے ہیں بھئی اس نے درمیان میں تعدی کی تھی، زیادتی کی تھی، اس کے لیے تو جائز نہیں تھا اس کو استعمال کرنا، لیکن اس نے استعمال، لیکن پھر اس نے اس زیادتی کو ختم کر دیا اور پھر موافقت کر لی مُعِیر کی، یعنی اس کے مطابق پھر ویسے سنبھال لی واپس کرنے کے لیے، تو لہٰذا اس پر اب ضَمَان نہیں آئے گا۔ ہاں، اگر اس استعمال کے دوران اور زیادتی کے دوران گاڑی ہلاک ہوتی تو پھر اس پر ضَمَان آنا تھا۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟

تو حاصلِ مسئلہ یہ ہوا کہ رَاہِن جب مُرْتَہِن سے وہ مُسْتَعَار گاڑی جو رہن رکھوائی تھی وہ واپس لے آئے، اور وہ گاڑی اس مُسْتَعِیر کے پاس ہلاک ہوجائے، تو اس صورت میں اس پر ضَمَان نہیں آئے گا۔ اگر درمیان میں اس نے کچھ تعدی کی بھی اور پھر تعدی ختم کر دی، تو ضَمَان کیا ہوجائے گا؟ تعدی ختم کرے گا تو ضَمَان بھی ختم ہوگا اور ضَمَان پھر بعد میں نہیں آئے گا۔ فَلَوْ هَلَكَ مَعَ الرَّاهِنِ، اگر وہ مُسْتَعَار چیز جو ہے وہ ہلاک ہوگئی رَاہِن کے پاس، قَبْلَ الرَّهْنِ اس کے رہن رکھوانے سے پہلے ہی، ابھی رہن رکھوائی ہی نہیں تھی گاڑی، پہلے ہی گاڑی اس کے پاس ہلاک ہوگئی، جل گئی یا چوری ہوگئی، أَوْ بَعْدَ فَكِّهِ یا چھڑوانے کے بعد ہلاک ہوئی، رہن رکھوائی اور دَیْن پھر ادا کر کے گاڑی واپس چھڑوا لی، اس کے بعد ہلاک ہوئی، لَا يَضْمَنُ تو وہ اس صورت میں ضامن نہیں ہوگا، وَإِنِ اسْتَخْدَمَهُ أَوْ رَكِبَهُ مِنْ قَبْلُ اگرچہ اس نے اس سے خدمت لی ہو یا اس پر سواری کی ہو اس سے پہلے۔ درمیان میں کچھ مدت کے لیے اس نے تعدی کی تھی لیکن پھر وہ تعدی اس نے کیا کر دی تھی؟ ختم کر دی تھی، تو لہٰذا ضَمَان نہیں۔

وَإِنِ اسْتَخْدَمَهُ اگر اس نے اس سے کوئی خدمت لی ہو، یعنی وہ جو مُسْتَعَار تھا وہ غلام یا باندی تھی، أَوْ رَكِبَهُ یا اس پر سوار ہوا تھا، یعنی وہ کوئی سواری کا جانور تھا یا گاڑی وغیرہ تھی۔ لِأَنَّهُ أَمِينٌ، اس لیے کیونکہ مُسْتَعِیر جو ہے وہ ایسا امین ہے، خَالَفَ جس نے پہلے مخالفت کی، ثُمَّ عَادَ إِلَى الْوِفَاقِ پھر وہ لوٹ آیا إِلَى الْوِفَاقِ موافقت کی طرف، موافقت کی یعنی اس نے مخالفت چھوڑ دی، فَلَا يَضْمَنُ تو اس پر ضَمَان نہیں آئے گا، خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں نہیں، اس پر اب کیا آئے گا؟ ضَمَان آئے گا، اس نے مخالفت جب کر دی تو اب اس پر ضَمَان آئے گا۔ ہم کہتے ہیں مخالفت جب ترک کر دی تو ضَمَان بھی ختم ہوگیا۔

وَجِنَايَةُ الرَّاهِنِ عَلَى الرَّهْنِ مَضْمُونَةٌ وَجِنَايَةُ الْمُرْتَهِنِ عَلَيْهِ تُسْقِطُ مِنْ دَيْنِهِ بِقَدْرِهَا وَجِنَايَةُ الرَّهْنِ عَلَيْهِمَا وَعَلَى مَالِهِمَا هَدْرٌ. بھئی اب جنایت کے مسائل آگئے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا گزشتہ سبق کے اندر کہ جنایت تو ویسے جرم کو کہتے ہیں، جرم، گناہ، قصور جو ہے۔ اور لیکن اس کا استعمال جو ہے وہ کسی کی جان کے اندر کوئی نقصان ہو، نفس کے اندر جو نقصان پہنچایا جائے کسی کو، اس کو جنایت کہتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص نے دوسرے کا ہاتھ کاٹ دیا، یا اس کا ہاتھ، اس کی ہڈی کوئی توڑ دی، یا ایک شخص نے دوسرے کو قتل کر دیا، تو دیکھو یہ جانی یا اعضاء میں کوئی نقصان کسی کو پہنچانا یہ جنایت کہلاتا ہے۔

اب وہ مُسْتَعِیر والا مسئلہ ختم ہوگیا۔

اب صورتِ مسئلہ یہ ہے: یہاں تین صورتیں بنتی ہیں، تین صورتیں۔ اب ایک شخص ہے وہ اپنی چیز کسی کے پاس رہن رکھواتا ہے۔ تو یہ ہوا رَاہِن، اور جس کے پاس وہ چیز رکھوائی وہ ہوا مُرْتَہِن، اور جو غلام یا باندی مثلاً رکھوائی ہے وہ ہے رہن، رہن۔ تو یہاں پر تین صورتیں بنتی ہیں: جنایت یا تو رَاہِن کرے گا، یا جنایت مُرْتَہِن کرے گا، یا جنایت رہن کرے گا، وہ جو غلام یا باندی ہے۔ رَاہِن جنایت کرتا ہے، مثلاً اس غلام کو قتل کر دیتا ہے، یا اس غلام کا ہاتھ یا پیر کاٹ دیتا ہے، تو یاد رکھیے اس صورت میں اس پر ضَمَان آئے گا۔ اس پر، توجہ ہے؟ رَاہِن اگر رہن میں جنایت کرے تو اس پر ضَمَان آئے گا۔ بھئی کیسے ضَمَان آئے گا؟ کہتے ہیں بھئی اس کی جنایت کی وجہ سے رہن کی قیمت میں جتنی کمی آگئی ہے، وہ اس سے قیمت لے کر اس کو بھی اس چیز کے ساتھ رہن رکھ لیا جائے گا۔ مثلاً اس نے غلام کا ہاتھ کاٹ دیا، غلام پہلے ایک لاکھ کا تھا، اب ہاتھ کٹنے کے بعد پچاس ہزار کا رہ گیا ہے، تو اس رَاہِن سے پچاس ہزار لے کر اس غلام کے ساتھ رہن کے طور پر رکھ لیے جائیں گے۔ اب وہ غلام بھی رہن ہے اور پچاس ہزار روپے بھی اس کے ساتھ رہن ہیں۔ یا اگر اس نے غلام کو قتل کر دیا ہے تو اس غلام کی قیمت اس سے لے لی جائے گی ایک لاکھ روپیہ اور وہ بطورِ رہن کے رکھ لی جائے گی۔

اور اگر مُرْتَہِن جنایت کرتا ہے اس غلام پر، مثلاً مُرْتَہِن اس کا ہاتھ کاٹ دیتا ہے یا مُرْتَہِن اس کو قتل کر دیتا ہے، تو کہتے ہیں مُرْتَہِن کی وجہ سے رہن میں جتنی کمی آئے گی اتنا ہی اس کا دَیْن بھی ساقط ہوجائے گا۔ اتنا ہی اس کا۔ اس نے مثلاً دَیْن بھی تھا ایک لاکھ اور غلام بھی ایک لاکھ والا ہے، اس نے غلام کا ہاتھ کاٹ دیا، اس کی قیمت پچاس ہزار کم ہوگئی، تو دَیْن میں سے بھی اتنے ہی کم ہوجائیں گے۔ اور اگر اس نے غلام کو قتل کر دیا اور غلام تو تھا ایک لاکھ کا، اور تو وہ اس کا دَیْن بھی کتنا ہے؟ ایک لاکھ، وہ دَیْن کیا ہوجائے گا؟ ساقط ہوجائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور یاد رکھنا، یہ یاد رکھنا، یہ جو جنایتیں میں ذکر کر رہا ہوں وہ جنایت ہے جس میں قصاص نہیں آتا بھئی۔ بعض جنایتوں میں قصاص آتا ہے: ایک آدمی دوسرے کو جان بوجھ کر آلۂ قتل سے قتل کر دے، گولی مار دی اس کو یا تلوار سے قتل کر دیا، تو پھر مال نہیں آتا، پھر تو دوسرے کو بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا، تو پھر اس صورت میں یہاں قصاص آجائے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ قصاص والی صورت میں ذکر نہیں کر رہا، بلکہ جنایت جو کی ہے وہ خَطَأً کی ہے، غلطی سے کی ہے جس میں قصاص نہیں آتا۔ مثلاً ایک آدمی شکار کھیل رہا تھا، اس نے گولی چلائی اور وہ غلطی سے پیچھے وہ غلام کھڑا تھا اس کا، اسی کو جا کر لگ گئی، تو یہ کیا ہے؟ قتلِ خطا ہے، اور اس میں دِیَت مال وغیرہ آتا ہے۔ کیا آتا ہے اس میں؟ مال آتا ہے، تو اس کی بات ہو رہی ہے۔ بعض صورتوں میں اگر جان بوجھ کر ہاتھ کاٹا ہے تو پھر قصاص آتا ہے، جوڑ سے کاٹا ہے تو جس نے ہاتھ کاٹا اس کا بھی ہاتھ کاٹا جائے گا بھئی۔ اور ہاں ہڈی کے اندر قصاص نہیں ہوتا، کیونکہ قصاص کے اندر مساوات ضروری ہے۔ مثلاً ایک شخص نے دوسرے کا ہاتھ جوڑ سے کاٹا ہے تو اس کا بھی ہاتھ جوڑ سے ہی کاٹ دیا جائے گا، برابری ہوگئی بھئی۔ لیکن ایک شخص نے دوسرے کی ہڈی

توڑی ہے تو ہڈی میں برابری نہیں ہو سکتی، کیونکہ کیا ممکن ہے کہ جو مجرم ہے اس کی بھی ہڈی بالکل اسی طرح توڑی جائے جیسے کہ اس نے دوسرے کی توڑی تھی؟ نہیں، ہڈی تو سخت چیز ہے آپ اس کو توڑیں گے تو وہ تو اسی جگہ سے تو نہیں ٹوٹے گی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ہڈی کے اندر مساوات نہیں ہو سکتی، لہٰذا ہڈی کے اندر پھر قصاص نہیں آتا بلکہ اس میں مال آتا ہے، مال۔ ہاں، دانت، دانت واحد ہڈی ہے جس کے اندر قصاص آتا ہے۔ ایک شخص دوسرے کا دانت توڑ دیتا ہے جان بوجھ کر، تو پھر اس کا بھی دانت مساوات ممکن ہے، اس کا بھی وہی دانت توڑ دیا جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اچھا تو بہرحال یہ ان جنایتوں کی بات ہو رہی ہے جن میں مال آتا ہے، یعنی قتلِ خطا وغیرہ ذکر ہوں گے۔ صورت کیا ذکر ہو رہی تھی؟ کہ مُرْتَہِن نے رہن پر کوئی جنایت کی ہے، تو ضابطہ بتلا دیا کہ دَیْن میں سے اسی کے بقدر ساقط ہوجائے گا۔

تیسری صورت بھئی: رہن جو ہے وہ جنایت کرتا ہے، وہ جو غلام یا باندی ہے۔ یہاں پھر مالی نقصان بھی آجائے گا: رہن نے، رہن وہ جو غلام تھا، اس نے اپنے مالک کا ہاتھ غلطی سے کاٹ دیا، یا اپنے مالک کی گاڑی غلطی سے جلا دی۔ اور دوسری صورت: رہن جو غلام تھا اس نے مُرْتَہِن کا کوئی غلطی سے ہاتھ کاٹ دیا، یا غلطی سے اس کی گاڑی جلا دی۔ تو چار صورتیں بن گئیں: وہ رہن رَاہِن کو جانی نقصان پہنچاتا ہے یا مالی، دو صورتیں؛ یا مُرْتَہِن کو جانی نقصان پہنچاتا ہے یا مالی، چار صورتیں ہوگئیں بھئی۔ تو یہ یاد رکھو، غلام چاہے رَاہِن کو کوئی نقصان پہنچائے چاہے مُرْتَہِن کو کوئی نقصان پہنچائے، وہ رائیگاں ہے، وہ ضائع ہے، اس میں کسی پر ضَمَان نہیں آئے گا۔ اس میں کسی پر ضَمَان نہیں آئے گا۔ بھئی کیوں نہیں آئے گا؟ کہتے ہیں دیکھیے...

رہن جو ہے، وہ غلام ہے، وہ کس کا ہے؟ رَاہِن کا۔ اور اس نے مثلاً رَاہِن کو ہی کوئی جانی یا مالی نقصان پہنچا دیا۔ توجہ ہے؟ تو غلام نے کیا کیا؟ رَاہِن کو نقصان پہنچایا، کوئی جانی یا مالی نقصان پہنچایا۔ تو غلام پر ضَمَان آیا۔ وہ اس غلام سے وہ نقصان وصول کر کے کس کو دیا جائے گا؟ آقا کو۔ اور غلام پر جو ضَمَان آتا ہے وہ لیا بھی کس سے جاتا ہے؟ آقا پر۔ تو گویا آقا سے ہی وہ ضَمَان وصول کر کے آقا ہی کو دیا جائے گا، یہ تو کوئی بات ہی نہیں بنتی بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا رہن جو ہے، اگر وہ رَاہِن کو کوئی جانی یا مالی نقصان پہنچائے تو اس میں ضَمَان نہیں آتا۔

اسی طرح، اسی طرح اگر وہ غلام یعنی وہ جو رہن ہے وہ مُرْتَہِن کو کوئی جانی یا مالی نقصان پہنچائے تو وہ بھی رائیگاں ہے، اس کا ضَمَان کسی پر نہیں آئے گا۔ بھئی کیوں نہیں آئے گا ضَمَان؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اگر اس پر آپ ضَمَان واجب کرتے ہیں، ضَمَان آگیا غلام پر، تو یہ غلام جو ہے جنایت والا بن گیا۔ کیا بن گیا؟ یعنی اس پر ضَمَان آگیا۔ کیا آگیا؟ ضَمَان آگیا۔ اور ہم نے جو مُرْتَہِن کے غلام حوالے کیا تھا، وہ جنایت والا غلام تھا یا سالم غلام تھا؟ وہ سالم غلام تھا۔ اور مُرْتَہِن کے پاس جیسی

چیز گئی ہے اس کو ویسے ہی واپس کرنا پڑتی ہے، تو اس کو بھی کیسا غلام واپس دینا پڑے گا؟ سالم غلام۔ معلوم ہوا غلام تو اس وقت جنایت والا ہے، اس کی جنایت کس کو ادا کرنا پڑے گی؟ مُرْتَہِن ہی کو ادا کرنا پڑے گی، کس کو؟ مُرْتَہِن ہی کو ادا کرنا پڑے گی، کیونکہ اس نے ہم سے غلام، اس نے زید سے غلام کیسا لیا تھا؟ سالم لیا تھا اور واپس کیسا کرے گا؟ جنایت والا، تو جنایت تو عیب ہے، اس سے تو قیمت کم ہو جایا کرتی ہے، تو اس نے سالم غلام لیا تھا تو اس پر واجب بھی ہے کہ سالم غلام ہی واپس کرے۔ اور اس کی پھر یہی صورت ہے کہ اگر، اگر غلام پر جو جنایت واجب ہوئی، جو جنایت اس نے کی ہے، اس جنایت سے چھڑوانا بھی پھر کس کا کام ہوگا؟ مُرْتَہِن ہی کا کام ہوگا نا، کیونکہ اس نے سالم لیا تھا تو سالم واپس کرے گا اور وہ تبھی ہو سکتا ہے جب وہ جنایت سے چھڑوائے، اور جنایت سے چھڑوائے تو ضَمَان کس کو دینا پڑے گا؟ مُرْتَہِن کو۔ تو اگر آپ یہ کہیں کہ غلام نے مُرْتَہِن کو جانی یا مالی نقصان پہنچایا ہے، تو اس کو ضَمَان دینا پڑے گا۔ اگر ضَمَان دینا پڑے گا تو اس ضَمَان سے چھڑوانا بھی، اس کی ادائیگی بھی کس کے ذمے ہوجائے گی؟ دینا کس کو ہے وہ ضَمَان لے کر؟ مُرْتَہِن کو، اور وصول بھی کس سے کرنا پڑے گا؟ مُرْتَہِن سے ہی۔ تو لہٰذا یہ بھی ٹھیک نہیں کہ ضَمَان بھی اسی شخص پر واجب ہو اور چھڑانا بھی اسی پر واجب ہو، یہ بھی بات نہیں بنتی۔ معلوم ہوا کہ وہ رہن غلام جو ہے، اگر مُرْتَہِن کو کوئی جانی یا مالی نقصان پہنچائے تو اس کا کوئی ضَمَان نہیں آئے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں وَجِنَايَةُ الرَّاهِنِ عَلَى الرَّهْنِ مَضْمُونَةٌ، اور رَاہِن کی جنایت رہن پر، یعنی مالک جو ہے وہ رہن پر جنایت کرتا ہے، اس کو کوئی نقصان پہنچاتا ہے، مَضْمُونَةٌ، وہ مَضْمُون ہے، جتنے رہن کی قیمت میں کمی آئی وہ رَاہِن سے لے کر رہن رکھ لی جائے گی۔ ترجمہ سمجھ بھی آرہا ہے یا نہیں؟ یہ معنی ہے وَجِنَايَةُ الرَّاهِنِ عَلَى الرَّهْنِ مَضْمُونَةٌ، اور رَاہِن کی رہن پر جو جنایت ہے وہ مَضْمُون ہے، وہ، اس کا ضَمَان آئے گا۔ وَجِنَايَةُ الْمُرْتَهِنِ عَلَيْهِ تُسْقِطُ مِنْ دَيْنِهِ بِقَدْرِهَا، اور مُرْتَہِن کی جنایت رہن پر وہ ساقط کر دیتی ہے اس کے دَیْن میں سے اسی کے بقدر، یعنی جتنا نقصان ہوا ہے، جتنا رہن کی قیمت میں کمی آئی ہے۔ وَجِنَايَةُ الرَّهْنِ عَلَيْهِمَا وَعَلَى مَالِهِمَا هَدْرٌ، اور رہن کی جو جنایت ہے عَلَيْهِمَا ان دونوں پر یعنی رَاہِن اور مُرْتَہِن پر، وَعَلَى مَالِهِمَا اور ان کے مال پر، هَدْرٌ وہ رائیگاں ہے، وہ ضائع ہے، اس میں کوئی ضَمَان نہیں آئے گا۔

هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، یہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ وَقَالَا اور صاحبین فرماتے ہیں: جِنَايَةُ الرَّهْنِ عَلَى الْمُرْتَهِنِ مُعْتَبَرَةٌ، کہ رہن نے جو مُرْتَہِن کے خلاف جو جنایت کی ہے وہ معتبر ہے، اس کا اعتبار کیا جائے گا، لِأَنَّهَا حَصَلَتْ عَلَى غَيْرِ مَالِكِهِ، اس لیے کیونکہ یہ جنایت حاصل ہوئی ہے غیرِ مالک پر، کس پر؟ بھئی غلام وہ رہن اگر رَاہِن کو کوئی جانی مالی نقصان پہنچاتا ہے، وہ تو اپنے مالک کے خلاف جنایت کر رہا ہے، وہاں تو ٹھیک ہے ضَمَان نہیں آنا چاہیے، کیونکہ اس، اس سے چھڑوانا بھی پھر کس کا کام ہوتا ہے؟ مالک کا۔ تو مالک کے لیے ضَمَان واجب کریں اور چھڑوانا، چھڑوانا بھی مالک ہی کے ذمے ہو، یہاں یہ بات نہیں بنتی بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن یہاں جو اس نے مُرْتَہِن کو نقصان پہنچایا ہے،

مُرْتَہِن تو اس کا مالک نہیں ہے، مُرْتَہِن تو اس کا مالک نہیں۔ اور جب مُرْتَہِن مالک نہیں ہے تو غلام اپنے مالک کے علاوہ کسی اور کو جب کوئی مالی یا جانی نقصان پہنچاتا ہے تو اس کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ توجہ ہے؟ جی۔ تو یہاں پر بھی اس نے مالک کو نقصان پہنچایا ہے یا غیرِ مالک کو؟ غیرِ مالک کو، لہٰذا اس کا اعتبار کیا جائے گا، اس کا اعتبار۔ امام صاحب تو فرماتے ہیں نا وہ بھی رائیگاں، وہ بھی، اور یہ فرماتے ہیں نہیں اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

دیکھیے، صورتِ تفصیل بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں لِأَنَّهَا حَصَلَتْ عَلَى غَيْرِ مَالِكِهِ، اس لیے کیونکہ وہ جنایت حاصل ہوئی ہے مالک کے علاوہ کے خلاف، یعنی غیرِ مالک کے خلاف، وَفِي الِاعْتِبَارِ فَائِدَةٌ، اور اس کا اعتبار کرنے میں فائدہ بھی ہے، فائدہ بھی ہے، وَهِيَ الدَّفْعُ بِالْجِنَايَةِ إِلَى الْمُرْتَهِنِ. یاد رکھو، جب کوئی غلام جنایت کرتا ہے نا، جنایت کرتا ہے، تو اس کے مالک کو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہوتا ہے: یا تو وہ جنایت میں اسی غلام کو دے دے کہ لو بھئی اس نے جنایت کی ہے اس کو لے جاؤ، یہ تمہارا ہوگیا، ان کا مالی نقصان کیا ہے نا، تو مالک کو اجازت ہوتی ہے، اس کو اختیار ہوتا ہے، وہ چاہے تو اسی غلام کو جنایت میں دے دے اور چاہے تو فدیہ دے دے، اس کا مال دے کر اس کو چھڑوا لے، جتنی جنایتیں کی ہیں وہ ادائیگی مالک کر دے۔ تو غلام اگر جنایت کرے تو مالک کو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار، کس چیز کا؟ چاہے تو وہی غلام دے دے اور چاہے تو فدیہ دے کر اس کو چھڑا لے۔

یہاں پر بھی کہتے ہیں فائدہ ہے، فائدہ ہے، کس طرح فائدہ ہے؟ دیکھیے بھئی، توجہ سے ادھر سن لو۔ یہ غلام رہن تھا، اور ہم نے مُرْتَہِن کو کیسا غلام دیا تھا؟ سالم۔ تو مُرْتَہِن پر بھی لازم ہے جب ہمیں واپس بھی کرے تو کیسا غلام واپس کرے؟ سالم غلام واپس کرے۔ لہٰذا اگر امام صاحب فرماتے ہیں اگر یہ غلام جو ہے مُرْتَہِن کو کوئی جانی یا مالی نقصان پہنچائے تو مُرْتَہِن کے لیے اس غلام پر ضَمَان واجب نہیں ہوگا، کیونکہ اس ضَمَان سے پھر چھڑوانا بھی کس کا کام ہوگا؟ مُرْتَہِن کا۔ تو گویا مُرْتَہِن کے لیے ضَمَان واجب کر رہے ہیں اور مُرْتَہِن پر ہی اس کو چھڑانا بھی ہے، تو ایک ہی شخص کے لیے ضَمَان آئے اور اسی سے وصول کیا جائے، اس کا کوئی معنی نہیں بنتا بھئی، لہٰذا اس صورت میں یہ رائیگاں ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں، اس میں فائدہ ہے، اس جنایت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً اس غلام نے مُرْتَہِن کو جانی یا مالی نقصان پہنچا دیا، جانی یا مالی نقصان پہنچا دیا، کہتے ہیں وہ اس کا اعتبار کیا جائے گا، اور وہ یہ، وہ اس طرح کہ مثلاً دیکھو غلام نے رَاہِن کی جنایت کر دی، اس کو نقصان پہنچا دیا، اور اب رَاہِن کہتا ہے کہ اس نے میرا نقصان کیا ہے لہٰذا، لہٰذا مجھے اس کا ضَمَان دیا جائے، ضَمَان دیا جائے۔ پھر وہ رَاہِن جو ہے، رَاہِن آپ نے پڑھا ہے اگر غلام جنایت کرے تو یا تو مالک پر اس کو فدیہ دے کر چھڑانا ہوتا ہے یا غلام ہی دے دیا جاتا ہے۔ تو رَاہِن کیا کر سکتا ہے؟ وہ غلام ہی مُرْتَہِن کو دے دے، غلام ہی کیا کرے گا؟ مُرْتَہِن کو دے دے، اور مُرْتَہِن کو وہ غلام مل جائے گا۔ ہاں، دَیْن بھی ساقط ہوگیا، دَیْن بھی کیا ہوگیا؟ ساقط ہوگیا، کیونکہ ہم نے، توجہ ہے؟ کیونکہ ہم نے کیسا غلام رکھوایا تھا اس کے پاس؟ سالم رکھوایا

تھا، اب ہمیں چاہیے بھی کیسا؟ سالم، سالم غلام چاہیے تھا، اور سالم غلام تو ہمیں واپس ملا ہی نہیں، لہٰذا دَیْن کیا ہوگیا؟ دَیْن کیا ہوگیا دیکھو؟ ساقط ہوگیا۔ توجہ ہے؟ دَیْن ساقط ہوگیا، اور اس نے کہا تھا میری اس نے جنایت کی ہے مجھے جنایت ملنی چاہیے، تو جنایت میں اس نے کیا کیا رَاہِن نے اس کو؟ غلام ہی دے دیا، توجہ ہے؟ تو رَاہِن کو رہن واپس ملا؟ رَاہِن کو رہن واپس ملا؟ رَاہِن کو رہن واپس نہیں ملا، اور رہن پر قبضہ کس لیے ہوتا ہے؟ وصولی والا، تو گویا مُرْتَہِن نے کیا کیا اپنا قرضہ وصول کر لیا، اور قرضے کے وصولی کی صورت کیا بنی؟ اس کو غلام مل گیا۔ اگرچہ، اگرچہ یہاں اس کا دَیْن بھی ساقط ہوگیا، لیکن فائدہ تو ہوا نا، فائدہ، کہ اس کو غلام مل گیا، کیا مل گیا؟ کیونکہ بعض اوقات جو ہے، اصل تو مقصود مالیت تھی، غلام کو کس لیے رکھا تھا؟ کیونکہ وہ مال تھا اس کو بیچ کر پیسے وصول کریں گے، لیکن بعض اوقات کسی چیز کی صورت بھی مطلوب بن جاتی ہے، مطلوب، ہو سکتا ہے وہ اچھا غلام ہو، مُرْتَہِن بھی چاہتا ہو کہ یہ غلام مجھے مل جائے، قیمتی غلام ہے بھئی۔ تو لہٰذا اب وہ یہاں کیا کر سکتا ہے؟ جنایت طلب کر سکتا ہے اور رَاہِن اس جنایت میں اس غلام کو اس کو دے سکتا ہے اور اس صورت میں دَیْن تو ساقط ہوجائے گا کیونکہ غلام تو واپس نہیں کیا اس نے، جنایت والا غلام تو وہ واپس لینے کو تیار نہیں تھا، چھڑانا بھی اس کے ذمے تھا، تو وہ اس کو کیا کرے گا؟ غلام دے دے گا اور اس طرح اس کو غلام مل گیا اگرچہ دَیْن بھی ساقط ہوا، لیکن بہرحال ایک فائدہ ہوگیا۔ تو اس میں دونوں اختیار ہیں مُرْتَہِن کو: وہ چاہے تو کہے مجھے، مجھے جنایت جو کی ہے وہ ملنا چاہیے ضَمَان، اور چاہے تو کہے میں جنایت کو چھوڑ دیتا ہوں، معاف کر دیتا ہوں۔ اگر وہ جنایت طلب نہیں کرتا تو وہ غلام اسی طرح رہن رہے گا، اور اگر وہ جنایت طلب کرتا ہے تو رَاہِن اس کو وہی غلام دے دیتا ہے تو وہ غلام کا مالک بن جائے گا اور دَیْن بھی کیا ہوجائے گا؟ ساقط ہوجائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

پھر دیکھیں: وَقَالَا، صاحبین فرماتے ہیں جِنَايَةُ الرَّهْنِ عَلَى الْمُرْتَهِنِ مُعْتَبَرَةٌ، رہن کی جنایت مُرْتَہِن پر معتبر ہے، لِأَنَّهَا حَصَلَتْ عَلَى غَيْرِ مَالِكِهِ، اس لیے کیونکہ یہ جنایت غیرِ مالک پر ہوئی ہے، وَفِي الِاعْتِبَارِ فَائِدَةٌ، اور اس جنایت کا اعتبار کرنے میں فائدہ بھی ہے، وَهِيَ الدَّفْعُ بِالْجِنَايَةِ إِلَى الْمُرْتَهِنِ، اور وہ اس رہن کو حوالے کرنا ہے جنایت کی وجہ سے مُرْتَہِن کے، وہ اس رہن کو جنایت کی وجہ سے مُرْتَہِن کے حوالے کرنا ہے۔ فَإِنْ شَاءَ الرَّاهِنُ وَالْمُرْتَهِنُ أَبْطَلَا الرَّهْنَ وَدَفَعَا بِالْجِنَايَةِ إِلَى الْمُرْتَهِنِ، پس اگر چاہیں تو رَاہِن اور مُرْتَہِن وہ دونوں باطل کر دیں رہن کو، دونوں مل کر رہن کو باطل کر دیں، وَدَفَعَ بِالْجِنَايَةِ إِلَى الْمُرْتَهِنِ، اور پھر وہ رَاہِن جو ہے وہ غلام حوالے کر دے جنایت کی وجہ سے مُرْتَہِن کے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟[۳]

فَإِنْ قَالَ الْمُرْتَهِنُ لَا أَطْلُبُ الْجِنَايَةَ فَهُوَ رَهْنٌ عَلَى حَالِهِ، پس اگر مُرْتَہِن نے کہا کہ میں جنایت طلب نہیں کرتا تو وہ رہن

[۳] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۳۸): صوتی درس کی قراءت میں «فَإِنْ شَاءَ الرَّاهِنُ وَالْمُرْتَهِنُ أَبْطَلَا الرَّهْنَ وَدَفَعَا بِالْجِنَايَةِ إِلَى الْمُرْتَهِنِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فإن شاءَ الرَّاهنُ والمرتهنُ أبطلا الرَّهنَ ودفعَ بالجنايةِ إلى المرتهن،» منقول ہے۔

اپنے حال پر ہے، یعنی وہ رہن ہی رہے گا۔ تو فائدہ سمجھ میں آیا بھئی؟ کہ وہاں اس کو اس کا دَیْن وصول ہوگیا اور کس صورت میں وصول ہوگیا؟ غلام کی صورت میں، بات سمجھ میں آگئی۔

وَلَهُ، اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ، امام صاحب کیا فرماتے تھے؟ کہ رہن مُرْتَہِن کو کوئی جانی یا مالی نقصان پہنچائے تو وہ ھَدْر ہے، رائیگاں ہے، اس کا کوئی ضَمَان نہیں۔ ان کی اب دلیل، کہتے ہیں وَلَهُ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ أَنَّ الْجِنَايَةَ حَصَلَتْ فِي ضَمَانِ الْمُرْتَهِنِ، کہ یہ جنایت جو ہے مُرْتَہِن کے ضَمَان میں ہوئی ہے، فَعَلَيْهِ تَخْلِيصُهُ، تو اس مُرْتَہِن پر ہی اس کو، رہن کو چھڑوانا بھی ہے، فَلَا يُفِيدُ وُجُوبُ الضَّمَانِ لَهُ مَعَ وُجُوبِ التَّخْلِيصِ عَلَيْهِ، تو کوئی فائدہ نہیں ہے کہ اسی پر ضَمَان کو واجب کیا جائے باوجود اس کے کہ چھڑوانا بھی اسی پر واجب ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آیا؟ فَلَا يُفِيدُ وُجُوبُ الضَّمَانِ لَهُ مَعَ وُجُوبِ التَّخْلِيصِ عَلَيْهِ، پس کوئی فائدہ نہیں دے گا اس پر ضَمَان کو واجب کرنا ساتھ اس کے کہ اس ضَمَان سے چھڑوانا بھی اسی پر واجب ہے۔

وَمَنْ رَهَنَ عَبْدًا يَعْدِلُ أَلْفًا بِأَلْفٍ مُؤَجَّلٍ فَصَارَتْ قِيمَتُهُ مِائَةً فَقَتَلَهُ رَجُلٌ وَغَرِمَ مِائَةً وَحَلَّ أَجَلُهُ قَبَضَ مُرْتَهِنُهُ الْمِائَةَ مِنْ حَقِّهِ وَسَقَطَ بَاقِيهِ. صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کے پاس اپنا غلام بطورِ رہن کے رکھوایا، اور اس غلام کی قیمت ایک ہزار درہم تھی، اور جو دَیْن لیا ہے اس کے بدلے وہ بھی کتنا ہے؟ ایک ہزار درہم۔ اور پھر ایسا ہوا کہ اس، کوئی غلاموں کے نرخ گرنا شروع ہوگئے، ہوتے ہوتے اس غلام کی قیمت جو ہے وہ سو درہم رہ گئی۔ پہلے ہزار کا تھا، اب کتنا رہ گیا؟ سو کا رہ گیا۔ پھر اس غلام کو کسی شخص نے غلطی سے قتل کر دیا۔ جب غلطی سے قتل کیا تو اس پر ضَمَان آیا، اس کو غلام کی قیمت دینا پڑی۔ اور غلام تو سو درہم کا ہو چکا تھا تو اس شخص نے ضَمَان بھی کتنا دے دیا؟ سو درہم ادا کر دیا۔ اور وہ ضَمَان لے کر مُرْتَہِن کے پاس رکھ دیا گیا، اور پھر وہ دَیْن کی ادائیگی کا وقت آگیا جو رَاہِن نے ایک ہزار درہم لیے تھے۔ تو اب دَیْن کی ادائیگی کا وقت آگیا، تو کہتے ہیں مُرْتَہِن جو ہے وہ اس سو پر قبضہ کرلے گا اپنے حق میں سے، گویا یہ سو درہم وصول ہوگئے ہزار میں سے، وَسَقَطَ بَاقِيهِ اور باقی کے درہم، باقی کا دَیْن ساقط ہوگیا۔ باقی کا دَیْن کیا ہوگیا؟ توجہ ہے؟ پھر سنو: ایک شخص نے ایک ہزار درہم کے بدلے ایک ایسا غلام رہن رکھوایا جس کی قیمت بھی ہزار درہم تھی، اور پھر اس غلام کی قیمت کم ہوتے ہوتے صرف سو درہم رہ گئی۔ اس وقت پھر اس کو کسی شخص نے قتل کر دیا غلطی سے، اور اس پر ضَمَان آیا اس نے وہ سو درہم ادا کر دیے۔ اب دَیْن کی ادائیگی کا وقت آیا تو مُرْتَہِن اسی سو درہم پر قبضہ...

کرلے گا اپنے حق کے طور پر، تو ہزار میں سے کتنے موصول ہوگئے؟ سو، اور باقی نو سو ساقط ہوگئے، باقی نو سو ساقط ہوگئے۔ بھئی کیا وجہ ہے، کیا وجہ ہے، کیا یہ جو غلام کی قیمت کم ہوئی، غلام کی قیمت کم ہوئی، کیا اس کا ضَمَان آئے گا مُرْتَہِن پر یا نہیں آئے گا؟ غلام ہم نے رکھوایا تھا کتنے والا؟ ہزار والا، اور قیمت کم ہوتے ہوتے سو رہ گئی، تو یہ جو نو سو درہم اس کی

قیمت میں کمی آئی تو کیا یہ ضَمَان مُرْتَہِن پر آئے گا یا نہیں؟ تو اس میں ہمارا امامِ زُفَر رحمہ اللہ سے اختلاف ہے۔ امامِ زُفَر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رہن کی قیمت میں کمی یہ اسی طرح ہے جیسے اس کی ذات میں کمی آئے، اور اس ذات میں کمی آتی ہے تو وہاں دَیْن ساقط ہوتا ہے، تو قیمت میں بھی کمی کی وجہ سے دَیْن ساقط ہوگا۔ وہ فرماتے ہیں اس کی قیمت ہزار سے سو رہ گئی تو نو سو نرخ کم ہوئے تو یہ نو سو دَیْن میں سے ساقط ہوجائیں گے۔ کہتے ہیں یہ اسی طرح ہے جیسے کسی کے پاس کوئی غلام رکھوایا اور اس غلام کا کسی نے وہاں ہاتھ کاٹ دیا، غلام کی ذات میں کمی آگئی، پہلے ایک لاکھ کا غلام تھا اب کتنے کا رہ گیا؟ پچاس ہزار کا، تو دَیْن میں سے بھی کتنی کمی آجاتی ہے؟ پچاس ہزار کی کمی۔ تو رہن کی عین یعنی ذات میں کمی آنے سے جیسے دَیْن ساقط ہوتا ہے، اسی طرح رہن کے نرخ میں یعنی اس کی قیمت میں کمی سے بھی دَیْن ساقط ہوتا ہے۔ ہم کہتے ہیں نہیں، یہ جو قیمت کم ہوتی ہے اس کے مقابلے میں، اس سے دَیْن ساقط نہیں ہوگا۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر، اگر قیمت کی کمی کی وجہ سے، تو وجہ ہے؟ قیمت کی کمی کی وجہ سے دَیْن ساقط نہیں ہوتا تو پھر یہاں آپ نے کیوں کہا کہ وہ جو سو درہم ہے وہ وصول کرلے اور باقی نو سو کیا ہوگئے؟ ساقط ہوگئے۔ توجہ ہے؟ جی۔ کیوں کہا؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی جب ہم نے اس کو غلام دیا تھا کتنے والا دیا تھا؟ ہزار والا، اور رہن پر قبضہ کس لیے ہوتا ہے؟ وصولی والا، تو گویا اس نے اپنا دَیْن کیا کر لیا تھا؟ وصول کر لیا تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں وَمَنْ رَهَنَ عَبْدًا يَعْدِلُ أَلْفًا بِأَلْفٍ مُؤَجَّلٍ، اور جس نے رہن رکھوایا اپنا ایسا غلام يَعْدِلُ أَلْفًا جو ایک ہزار درہم کے برابر ہے، یعنی اس کی قیمت ایک ہزار ہے، بِأَلْفٍ مُؤَجَّلٍ ایک ہزار مُؤَجَّل کے بدلے، مُؤَجَّل جس کی کوئی مدت مقرر ہو کہ فلاں تاریخ کو مثلاً دَیْن واپس ملے گا، ایک ہزار مُؤَجَّل دراہم کے بدلے اس کو رہن رکھوا دیا، فَصَارَتْ قِيمَتُهُ مِائَةً تو اس غلام کی قیمت سو درہم ہوگئی، فَقَتَلَهُ رَجُلٌ تو اس کو ایک آدمی نے قتل کر دیا، وَغَرِمَ مِائَةً اور اس نے جرمانے کے طور پر سو ادا کر دیے، وَحَلَّ أَجَلُهُ اور اس دَیْن کی ادائیگی کا وقت آگیا، تو قَبَضَ مُرْتَهِنُهُ الْمِائَةَ مِنْ حَقِّهِ مُرْتَہِن قبضہ کرلے گا اس سو پر اپنے حق میں سے، وَسَقَطَ بَاقِيهِ اور باقی دَیْن ساقط ہوجائے گا۔ اچھا۔

لِأَنَّ نُقْصَانَ السِّعْرِ لَا يُوجِبُ سُقُوطَ الدَّيْنِ عِنْدَنَا، بتلانا یہ چاہتے ہیں اس مسئلے کے ذریعے کہ بھئی آپ یہ نہ سمجھنا کہ اس غلام کی قیمت کم ہوئی اس لیے دَیْن ساقط ہوا، نہیں نہیں۔ یہ اس لیے کیونکہ اس نے جب غلام پر قبضہ کیا تھا اس وقت گویا اس نے اپنا پورا دَیْن وصول کر لیا تھا۔ لِأَنَّ نُقْصَانَ السِّعْرِ لَا يُوجِبُ سُقُوطَ الدَّيْنِ عِنْدَنَا، اس لیے کیونکہ سِعْر، سِعْر کہتے ہیں کسی چیز کے نرخ بھئی، نرخ اس کا بھاؤ جو ہے یعنی اس کی قیمت جو ہے بازار میں مارکیٹ ریٹ، لِأَنَّ نُقْصَانَ السِّعْرِ لَا يُوجِبُ سُقُوطَ الدَّيْنِ عِنْدَنَا اس لیے کیونکہ نرخ میں جو کمی ہے وہ ہمارے نزدیک دَیْن کے، لَا يُوجِبُ أَيْ لَا يُثْبِتُ وہ ثابت نہیں کرتی سُقُوطَ الدَّيْنِ دَیْن کے ساقط ہونے کو، اس کی وجہ سے دَیْن ساقط نہیں ہوتا عِنْدَنَا ہمارے نزدیک، خِلَافًا لِزُفَرَ

رَحِمَهُ اللهُ بخلاف امامِ زُفَر رحمہ اللہ کے۔

یہاں ایک قیمتی بات یاد رکھنا: یہاں امامِ زُفَر بھی یہی فرماتے ہیں کہ اسی سو پر قبضہ کرلے گا اور باقی دَیْن ساقط؛ ہمارے باقی ائمہ بھی یہی فرماتے ہیں اسی سو پر قبضہ کرلے گا اور باقی دَیْن ساقط۔ تو مسئلے میں اختلاف نہیں ہے، اختلاف صرف اس میں ہے کہ نرخ اور قیمت میں جو کمی آئے تو دَیْن ساقط ہوتا ہے یا دَیْن ساقط نہیں ہوتا؟ تو ہمارے نزدیک نرخ یعنی قیمت میں کمی آئے تو دَیْن ساقط نہیں ہوتا، اور امامِ زُفَر فرماتے ہیں کہ ساقط ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں یہ جو نرخ میں کمی آئی اس لیے دَیْن ساقط ہوا، جبکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ باقی دَیْن اس لیے ساقط، کیونکہ جب اس نے قبضہ کیا تھا تو غلام کتنے کا تھا؟ ہزار کا تھا، تو وہ لہٰذا اس نے گویا وصول پورے پیسے کرلیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

فَإِذَا كَانَ الدَّيْنُ بَاقِيًا، اب بھئی وہ وقت آگیا دَیْن کی ادائیگی کا وقت آگیا، فَإِذَا كَانَ الدَّيْنُ بَاقِيًا پس جب دَیْن باقی ہے، وَيَدُ الْمُرْتَهِنِ يَدُ الِاسْتِيفَاءِ اور مُرْتَہِن کا جو قبضہ ہوتا ہے وہ وصولی والا قبضہ ہوتا ہے، فَيَصِيرُ مُسْتَوْفِيًا لِلْكُلِّ مِنَ الِابْتِدَاءِ تو مُرْتَہِن ہوگیا وصول کرنے والا پورے دَیْن کو ابتداء سے، جب اس نے ابتداء میں ایک ہزار والے غلام پر قبضہ کیا تھا۔ تو اب آپ یہ نہ کہیں کہ غلام کی قیمت کم ہوئی اس کی وجہ سے دَیْن ساقط ہوا، وہ تو امامِ زُفَر رحمہ اللہ کے نزدیک ایسا ہے۔ ہمارے نزدیک قیمت کے کم زیادہ ہونے سے دَیْن پر کوئی اثر نہیں پڑتا، قیمت کم ہوگی تو دَیْن ساقط نہیں ہوگا۔ اور یہاں پر جو ہم کہہ رہے ہیں کہ وہ صرف سو وصول کرلے گا اور باقی دَیْن ساقط ہے وہ قیمت کے کم ہونے کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اس نے جب غلام پر قبضہ کیا تھا کتنے کا تھا؟ ہزار کا، اور وہ غلام واپس آیا؟ نہیں۔ وہ واپس آتا، بھئی یاد رکھو اگر وہ غلام سو کا ہوجاتا لیکن وہ واپس کرتا، کسی نے قتل نہیں کیا، یہ غلام سو کا ہوگیا ہے اب یہ واپس کر رہا ہے، تو رَاہِن کو ہزار ہی دینے پڑنے تھے، دَیْن پورا دینا پڑتا تھا، کیونکہ رہن جب پورا واپس آرہا ہے تو دَیْن بھی کیا کرنا پڑے گا؟ پورا دینا پڑے گا۔ دیکھا، معلوم ہوا نرخ کم ہونے سے دَیْن ساقط نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں تو غلام قتل ہوگیا، جب قتل ہوجائے رہن، مُرْتَہِن کے پاس رہن ہلاک ہوجائے تو ہلاک ہوجائے تو اس پر ضَمَان آتا ہے، اور ضَمَان آتا ہے لیکن یہاں جب اس نے قبضہ کیا تھا کتنے غلام پر، کتنے والے پر قبضہ کیا تھا؟ ہزار، تو وہی غلام دے دیتا، وہ مرتا نہ تو وہ ہزار لے لیتا چاہے قیمت اس کی ایک درہم رہ جاتی، لیکن آپ غلام دیتے اور ہزار لے لیتے، لیکن وہ غلام تو اس کے پاس ہلاک ہوگیا اور وہ غلام تھا بھی کتنے کا جب اس نے وصول کیا تھا؟ ہزار کا تھا، تو گویا اس نے ہزار پورے وصول کرلیے تھے اور پھر یہ غلام مارا گیا تو یہ گویا اس کا دَیْن مارا گیا، اور جو سو وصول ہوئے، سو کس سے وصول ہوئے؟ قاتل سے، وہ اس غلام کا بدل تھا، وہ کیا تھا؟ وہ اس غلام کا بدل تھا، توجہ ہے؟ وہ جو سو درہم موصول ہوئے قاتل سے وہ اس غلام کا بدل ہے، تو غلام گویا اس کا ہوا، ہلاک ہوگیا اس کا ہوا، تو اب اس کا بدل بھی اس کا ہوگیا، اس کا ہوگیا۔ صورت سمجھ، تو گویا دَیْن رَاہِن کی طرف چھوڑ دیں گے اور غلام

اس کی طرف اور اس غلام کا جو بدل سو مل گیا وہ بھی اس کے ہوگئے۔

وَإِنْ بَاعَهُ بِأَمْرِهِ، اب دوسری صورت بھئی: غلام ہزار کا تھا اور ہزار دَیْن کے بدلے رکھوایا اور اس غلام کی قیمت کم ہوتے ہوتے سو درہم رہ گئی۔ اب اس غلام کو مُرْتَہِن نے رَاہِن کی اجازت سے بیچ دیا، رَاہِن نے کہا غلام کو بیچ دو یہ نہ ہو اس کا ریٹ اور بھی کم ہوتا چلا جائے۔ تو چنانچہ مُرْتَہِن نے غلام کو بیچا اور سو درہم وصول کر لیے، سو درہم وصول کر لیے۔ اب کیا اب باقی دَیْن بھی ساقط ہوگیا؟ کہتے ہیں نہیں، باقی دَیْن ساقط نہیں ہوا، کیونکہ ہم نے آپ کو ضابطہ بتا دیا کہ قیمت میں کمی آ جائے تو اس کی وجہ سے دَیْن ساقط نہیں ہوتا، کیونکہ ہو سکتا ہے قیمت پھر بڑھ جائے، کم ہوئی ہے اب اس وقت کم ہے ہو سکتا ہے کل پھر بڑھ جائے۔ تو لہٰذا جب دَیْن باقی ہے اور رَاہِن نے اس کو کہا تھا بیچنے کا، تو پھر اب وہ جو سو، ہزار میں سے اس نے گویا سو وصول کر لیے اور باقی نو سو کس سے لے لے گا؟ رَاہِن سے لے لے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یعنی نرخ اور قیمت کے کم ہونے سے دَیْن ساقط نہیں ہوا۔

دیکھیں بھئی: وَإِنْ بَاعَهُ بِأَمْرِهِ، اور اگر مُرْتَہِن نے اس رہن کو بیچ دیا بِأَمْرِهِ رَاہِن کے حکم سے، وَقَبَضَ ثَمَنَهُ اور اس نے اس کے ثَمَن پر قبضہ کر لیا مُرْتَہِن نے، رَجَعَ بِمَا بَقِيَ تو مُرْتَہِن رجوع کرے گا وہ جو باقی دَیْن ہے اس کے ساتھ، یعنی باقی کے نو سو بھی لے لے گا رَاہِن سے۔ أَيْ إِنْ بَاعَهُ الْمُرْتَهِنُ بِأَمْرِ الرَّاهِنِ بِالْمِائَةِ بَعْدَ أَنْ صَارَتْ قِيمَتُهُ مِائَةً، اگر بیچ دیا مُرْتَہِن نے رَاہِن کے حکم سے سو کے بدلے میں بعد اس کے کہ اس غلام، اس رہن کی قیمت سو ہوگئی تھی، وَقَبَضَ ثَمَنَهُ اور مُرْتَہِن نے اس کے ثَمَن پر قبضہ کر لیا، رَجَعَ بِمَا بَقِيَ تو مُرْتَہِن رجوع کرے گا وہ جو باقی کا دَیْن ہے، لِأَنَّ الدَّيْنَ لَمْ يَسْقُطْ بِنُقْصَانِ السِّعْرِ اس لیے کیونکہ دَیْن جو ہے وہ ساقط نہیں ہوتا قیمت میں کمی کی وجہ سے، لِأَنَّ نُقْصَانَ السِّعْرِ لَيْسَ هَلَاكًا لِاحْتِمَالِ الْعَوْدِ عَلَى مَا كَانَ اس لیے کیونکہ قیمت میں جو کمی ہے وہ ہلاک نہیں ہے، وہ ہلاکت نہیں ہے، اس لیے کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ پھر لوٹ آئے اسی پر جیسے وہ تھی۔ وَإِذَا كَانَ الدَّيْنُ بَاقِيًا، اور جس وقت دَیْن باقی ہے، وَقَدْ أَمَرَ الرَّاهِنُ أَنْ يَبِيعَهُ بِمِائَةٍ اور تحقیق رَاہِن نے اس کو حکم دیا ہے کہ وہ بیچ دے اس غلام کو سو کے بدلے، يَكُونُ الْبَاقِي فِي ذِمَّتِهِ تو باقی اب رَاہِن کے ذمے میں ہے وہ اس مُرْتَہِن کو ادا کرے گا۔

وَإِنْ قَتَلَهُ عَبْدٌ يَعْدِلُ مِائَةً فَدُفِعَ بِهِ فَكَّ بِكُلِّ دَيْنِهِ. صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے دوسرے شخص سے ہزار درہم دَیْن لیا اور اس دَیْن کے بدلے اس کے پاس ایک ہزار درہم والا غلام رہن رکھوایا۔ تو یہ جو ہزار درہم والا غلام جو مُرْتَہِن کے پاس تھا، اس کو کسی دوسرے غلام نے قتل کر دیا اور اس غلام کی قیمت سو درہم تھی۔ تو سو درہم والے غلام نے اس ہزار درہم والے غلام کو قتل کر دیا۔ اور پھر آپ جانتے ہیں کہ جب غلام کوئی جنایت کرے تو مالک کو اختیار ہوتا ہے کہ یا تو وہ جو نقصان ہوا ہے وہ نقصان پورا کرے یا وہ غلام ہی دے دے۔ اب اس کے مالک، جو قاتل غلام ہے، اس سے

کہا گیا کہ بھئی یہ ضَمَان دو۔ تو اگر وہ جو نقصان ہوا ہے تو اس کو پورے ہزار درہم دینا پڑتے ہیں، اور اگر وہ چاہے تو غلام ہی دے دے اور غلام تو صرف سو والا ہے، تو اس نے کیا کہا یہ غلام ہی تم رکھ لو میں ہزار درہم نہیں دے سکتا، یہ سو والا غلام بس یہی تم رکھو۔ تو چنانچہ مُرْتَہِن نے وہ سو درہم والا غلام لے کر رکھ دیا اپنے پاس۔ اب دَیْن کی ادائیگی کا وقت آیا، تو اب یہ سو درہم والا غلام ہے تو اب کیا کریں گے؟ کیا وہ اس ہزار پورا دَیْن دے کر اس سو والے غلام کو چھڑوائے گا؟ تو شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ہاں، کہ یہ غلام جو ہے بے شک سو والا ہے لیکن یہ اس پہلے غلام کا بدل ہے، وہ بھی غلام تھا گوشت اور خون سے بنا ہوا انسان تھا، یہ بھی غلام ہے گوشت اور خون سے بنا ہوا انسان، تو گویا اس نے غلام رہن رکھوایا تھا اور غلام ہی اس کو واپس کر رہا ہے۔ تو یہ بعینہ اس غلام کا بدل ہے، یوں سمجھیں گے غلام میں کوئی تبدیلی آئی ہی نہیں، وہ بھی غلام تھا یہ بھی غلام ہے، لہٰذا یہ غلام دے گا اور پورا دَیْن اس کو ادا کرنا پڑے گا۔ تو لہٰذا رَاہِن پر لازم ہے کہ وہ پورا ہزار دَیْن ادا کرے اور یہ سو والا غلام لے لے۔ جبکہ امامِ محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غلام جو رکھوایا تھا وہ ہزار کا تھا اور یہ جو واپس کیا جا رہا ہے یہ سو کا ہے، غلام میں تبدیلی آچکی ہے، لہٰذا اب رَاہِن کو اختیار ہے: وہ چاہے تو اس سو والا غلام لے لے اور ہزار درہم دے دے اس کا دَیْن ادا کر دے، اور چاہے تو مُرْتَہِن سے کہے کہ وہ غلام تم رکھو اور یہ دَیْن میں رکھوں گا، یوں سمجھو تم نے اس غلام کے ذریعے اپنا دَیْن وصول کر لیا۔ جبکہ امامِ زُفَر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جو غلام ہے اس کی ذات میں کمی آگئی، تھا تو رہن لیکن اس کی ذات میں کمی آگئی، یہ اس کا بدل ہے اور بدل کم ہے، لہٰذا اتنا ہی دَیْن ساقط ہوگیا، تو اب یہ غلام صرف سو درہم دے کر رَاہِن لے لے گا اور باقی دَیْن ساقط ہوگیا۔ اس کی ذات میں کیا آگئی؟ کمی آگئی، رکھوایا تھا ہزار والا اور واپس کتنے والا مل رہا ہے؟ سو والا مل رہا ہے، تو باقی سو ہی درہم دے اور اس غلام کو چھڑوا لے اور نو سو درہم جو ہیں وہ دَیْن میں سے ساقط ہوگئے کیونکہ وہ رہن میں سے بھی ساقط ہو چکے ہیں۔

تو کہتے ہیں وَإِنْ قَتَلَهُ عَبْدٌ يَعْدِلُ مِائَةً، اور اگر اس ہزار والے غلام کو قتل کر دیا عَبْدٌ ایسے غلام نے يَعْدِلُ مِائَةً جو برابر ہے سو کے یعنی اس کی قیمت سو درہم ہے، فَدُفِعَ بِهِ پھر اسی قاتل غلام کو حوالے کر دیا گیا بِهِ اس عبدِ مقتول کے بدلے، اس قاتل غلام کو حوالے کر دیا گیا مُرْتَہِن کے بِهِ أَيْ بِالْعَبْدِ الْمَقْتُولِ اس عبدِ مقتول کے بدلے، فَكَّ بِكُلِّ دَيْنِهِ تو اس غلام کو چھڑوائے گا رَاہِن پورے دَیْن کے بدلے، سو والا غلام لے گا اور ہزار درہم دے گا۔ هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللهُ، یہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ هُوَ بِالْخِيَارِ، امامِ محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس رَاہِن کو...

رَاہِن کو اختیار ہے: إِنْ شَاءَ فَكَّهُ اگر چاہے تو اس کو چھڑوا دے، یعنی ہزار درہم دے دے اور سو والا غلام لے لے؛ وَإِنْ شَاءَ سَلَّمَ الْعَبْدَ الْمَدْفُوعَ إِلَى الْمُرْتَهِنِ بِمَالِهِ اور اگر چاہے تو اس غلام، اسی غلام کو سپرد کر دے، کون سا غلام؟ الْمَدْفُوعَ

إِلَى الْمُرْتَهِنِ جس کو مُرْتَہِن کے حوالے کیا گیا تھا اس غلام کو سپرد کر دے، بِمَالِهِ اس کے مال یعنی دَیْن کے بدلے میں۔

صورت سمجھ بھی آرہی ہے کہ نہیں؟ جی؟ نہیں سمجھ میں آرہی، دیکھا نا۔ بھئی امامِ محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ رَاہِن کو اختیار ہے، چاہے تو پورا دَیْن دے اور یہ سو والا غلام لے لے، اور چاہے تو کہے کہ بھئی وہ جو مال تھا تمہارا وہ مال میرا ہوگیا اور اس کے بدلے یہ غلام تمہارا ہوگیا، اے مُرْتَہِن! بات سمجھ میں آگئی؟ تو مُرْتَہِن کو دے دے۔ یہ معنی ہے کہ امامِ محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس رَاہِن کو اختیار ہے: إِنْ شَاءَ فَكَّهُ اگر چاہے تو اس سو والے غلام کو چھڑوا لے ہزار کے بدلے، ہزار دے دے؛ وَإِنْ شَاءَ سَلَّمَ الْعَبْدَ الْمَدْفُوعَ إِلَى الْمُرْتَهِنِ اور چاہے تو سپرد کر دے وہ غلام الْمَدْفُوعَ إِلَى الْمُرْتَهِنِ جو حوالے کیا گیا تھا مُرْتَہِن کے یعنی یہ وہ جو قاتل غلام ہے، وہ سپرد کر دے مُرْتَہِن کے، بِمَالِهِ اس کے مال کے بدلے، کہ غلام تم رکھو اور وہ دَیْن میں رکھتا ہوں، وہ دَیْن میرا ہوگیا اور یہ غلام تمہارا ہوگیا۔

وَعِنْدَ زُفَرَ رَحِمَهُ اللهُ يَصِيرُ رَهْنًا بِمِائَةٍ، اور امامِ زُفَر رحمہ اللہ کے نزدیک یہ غلام جو ہے یہ رہن ہوگا سو کے بدلے، یہ جو غلام قاتل ہے اس کی قیمت کتنی ہے؟ سو، تو یہ سو ہی کے بدلے رہن ہوگا۔ لِأَنَّهُ بَقِيَ الْخَلَفُ بِقَدْرِ الْعُشْرِ فَيَبْقَى الدَّيْنُ بِقَدْرِهِ. خَلَف کہتے ہیں بدل کو، بدل۔ یہ جو قاتل غلام ہے یہ اس مقتول غلام کا بدل ہے، اور یہ بدل کتنا ہے؟ اس کا دسواں حصہ ہے، کتنا ہے؟ دسواں حصہ ہے، تو دَیْن میں سے بھی دسواں حصہ ہی کے بدلے یہ رہن ہوگا، باقی دَیْن کیا ہوگیا؟ ساقط ہوگیا۔ لِأَنَّهُ بَقِيَ الْخَلَفُ بِقَدْرِ الْعُشْرِ اس لیے کیونکہ یہ جو بدل باقی ہے یہ دسویں حصے کے برابر ہے، فَيَبْقَى الدَّيْنُ بِقَدْرِهِ تو دَیْن بھی اسی کے بقدر باقی رہے گا یعنی صرف دسواں حصہ، ہزار میں سے نو حصے ساقط ہوگئے ایک حصہ یعنی سو درہم رہ گئے۔

قُلْنَا، اب جواب دیں گے امامِ زُفَر کو بھی اور امامِ محمد کو بھی: قُلْنَا لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللهُ، ہم امامِ زُفَر رحمہ اللہ کو کہتے ہیں، ان کو جواب دیتے ہیں کہ إِنَّ الْعَبْدَ الثَّانِيَ قَائِمٌ مَقَامَ الْأَوَّلِ کہ یہ دوسرا غلام پہلے غلام کے قائم مقام ہے، فَصَارَ كَمَا كَانَ الْأَوَّلُ قَائِمًا تو یہ ایسے ہی ہوگیا جیسے کہ پہلا غلام ہی قائم ہے، موجود ہے، وَتَرَاجَعَ بِسِعْرِهِ. تَرَاجَعَ کا معنی ہے پیچھے ہٹنا، پیچھے ہٹنا، تو یہاں مراد ہے قیمت میں کمی ہونا، قیمت میں کمی ہونا۔ ہم کہتے ہیں یوں سمجھیں گے یہ وہی غلام ہے وَتَرَاجَعَ بِسِعْرِهِ اور اس میں کمی آگئی اس کی قیمت کی وجہ سے۔ یہ یوں ہی سمجھو اگر وہی غلام ہوتا تو اس کے نرخ میں اگر کمی آجاتی، اس کے نرخ میں، تو ہمارے نزدیک تو دَیْن ساقط نہیں ہونا تھا نا، تو یہ یہاں بھی یوں ہی سمجھو، یوں سمجھو یہ وہ پہلا ہی غلام ہے لیکن اس کے نرخ میں کیا آگئی ہے؟ کمی آگئی ہے۔ یہ معنی ہے فَصَارَ كَمَا كَانَ الْأَوَّلُ قَائِمًا تو یہ ایسے ہی ہوگیا جیسے وہ پہلا غلام قائم ہے یعنی موجود ہے، وَتَرَاجَعَ اور اس میں کمی آگئی بِسِعْرِهِ اس کی قیمت کی وجہ سے۔

ثُمَّ لِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ، امامِ محمد رحمہ اللہ نے کیا فرمایا تھا؟ کہ رَاہِن کو اختیار ہے: چاہے تو پورا دَیْن دے اور یعنی ہزار درہم دے اور سو والا غلام چھڑا لے، اور چاہے تو اس کو کہے، مُرْتَہِن کو کہے یہ غلام تم رکھو اور جو تمہارا مال ہزار دَیْن ہے

وہ میں رکھ لیتا ہوں۔ ثُمَّ لِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ پھر امامِ محمد رحمہ اللہ سے ہم کہتے ہیں کہ إِنَّ الْمَرْهُونَ تَغَيَّرَ فِي ضَمَانِ الْمُرْتَهِنِ... ہاں، نہیں پہلے دلیل ہے، امامِ محمد کی دلیل آئے گی پھر ہم جواب دیں گے۔

ثُمَّ لِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ پھر امامِ محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ إِنَّ الْمَرْهُونَ تَغَيَّرَ فِي ضَمَانِ الْمُرْتَهِنِ کہ وہ مرہون چیز بدل گئی ہے مُرْتَہِن کے ضَمَان میں، وہ غلام بدل گیا ہے، فَيُخَيَّرُ الرَّاهِنُ تو رَاہِن کو اختیار دیا جائے گا، كَالْمَبِيعِ إِذَا قُتِلَ قَبْلَ الْقَبْضِ جیسے کہ وہ مَبِیع ہے جب اس کو قتل کر دیا جائے قبضے سے پہلے۔

امامِ محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں رَاہِن کو اختیار ہوگا دو چیزوں میں سے ایک کا۔ کہتے ہیں یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص کسی دوسرے سے غلام خریدے، مثلاً ہزار کا غلام خریدا میں نے آپ سے، ہمارے درمیان ایجاب و قبول ہوگیا، میں نے ابھی غلام پر قبضہ نہیں کیا تھا، غلام ابھی بائع کے پاس ہی تھا کہ اس غلام کو کسی نے قتل کر دیا۔ توجہ ہے؟ اس غلام کو کسی نے قتل کر دیا، مَبِیع غلام کو کسی دوسرے غلام نے قتل کر دیا غلطی سے، اور آپ نے پڑھا ہے کہ جب ایک غلام سے جنایت ہوجائے تو بدلے میں وہی غلام دیا جاتا ہے، تو لہٰذا اس کے مالک نے وہ جو قاتل غلام تھا وہ بائع کو دے دیا۔ تو مَبِیع تو ہلاک ہو چکا، اس کی جگہ دوسرا غلام آگیا۔ تو اب اس صورت میں یاد رکھیے مُشْتَرِی کو اختیار ہے: مُشْتَرِی چاہے تو بیع کو فسخ کر دے اور چاہے تو اسی غلام کو لے لے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یعنی اس پر اب لازم نہیں ہے، لازم نہیں ہے، اس کو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار دے دیا جاتا ہے۔ تو جیسے وہاں پر، وہاں پر مَبِیع کے اندر تبدیلی آگئی تھی، بیع ہوئی تھی ایک غلام کی اور اب اس کی جگہ دوسرا غلام آگیا، تو وہاں مُشْتَرِی کو اختیار ملتا تھا چاہے بیع فسخ کرے چاہے اس دوسرے غلام پر قبضہ کر لے اس کو لے لے؛ تو یہاں پر بھی رَاہِن نے جو رہن رکھوایا تھا اس میں تبدیلی آگئی ہے تو رَاہِن کو اختیار ہوگا چاہے اس غلام کو لے لے اور پورا دَیْن دے دے، اور چاہے تو کیا کرے؟ دَیْن اس کو کہے کہ غلام تم رکھو اور دَیْن میں رکھ لیتا ہوں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں كَالْمَبِيعِ إِذَا قُتِلَ قَبْلَ الْقَبْضِ جیسے کہ وہ مَبِیع جس کو، جب اس کو قتل کر دیا جائے قبضے سے پہلے، تو وہاں جیسے مُشْتَرِی کو خِیَار ہوتا ہے یہاں رَاہِن کو بھی خِیَار ہوگا۔

وَلَهُمَا اور شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ أَنَّ التَّغَيُّرَ لَمْ يَظْهَرْ فِي حَقِّ الْعَبْدِ لِقِيَامِ الثَّانِي مَقَامَهُ کہ تبدیلی جو ہے وہ ظاہر نہیں ہوئی غلام کے حق میں، اس لیے کیونکہ دوسرا جو ہے وہ قائم مقام ہے پہلے کے۔ لِقِيَامِ الثَّانِي مَقَامَهُ اس لیے کیونکہ دوسرا قائم مقام ہے پہلے کے۔ شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ غلام کے اعتبار سے کوئی تبدیلی نہیں آئی، جو رہن رکھوایا تھا وہ بھی تھا غلام، اور جو اب واپس مل رہا ہے وہ بھی ہے غلام۔ وہ بھی غلام تھا گوشت اور خون سے بنا ہوا انسان تھا، یہ بھی گوشت اور خون سے بنا ہوا انسان ہے، تو یوں ہی سمجھیں گے کہ اس کے نرخ میں صرف کمی آگئی ہے کوئی تبدیلی نہیں

آئی، لہٰذا اختیار نہیں ملے گا۔ اور امامِ محمد رحمہ اللہ کو اور بھی جواب دیتے ہیں کہ آپ نے اس کو قیاس کیا ہے کس پر؟ اس مُشْتَرِی پر جس کے مَبِیع میں تبدیلی آجائے، ہم کہتے ہیں وہاں پر تو فسخ کا شریعت نے اختیار دیا ہے کس کو؟ وہاں تو فسخ وہ کر سکتا ہے، یہاں تو رہن ہے اور اس کے بدلے دَیْن ہے، یہاں تو فسخ والی کوئی صورت نہیں بنتی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی: فَإِنْ جَنَى الرَّهْنُ خَطَأً فَدَاهُ مُرْتَهِنُهُ وَلَمْ يَرْجِعْ أَيْ عَلَى الرَّاهِنِ. صورتِ مسئلہ یہ: رہن جو غلام رکھوایا تھا کس کے پاس؟ مُرْتَہِن کے پاس، اس غلام نے جنایت کر لی، غلطی سے کسی کا ہاتھ کاٹ دیا یا قتل کر دیا۔ اب یاد رکھیے اس کا فدیہ مُرْتَہِن دے گا، مُرْتَہِن اس کو چھڑوائے گا، کیونکہ ہم نے مُرْتَہِن کو سالم غلام دیا تھا تو اب ہمیں بھی وہ کیسا غلام واپس کرے؟ سالم غلام واپس کرے، خود اپنی طرف سے اس جنایت کو بھر دے۔ کہتے ہیں فَإِنْ جَنَى الرَّهْنُ خَطَأً پس اگر اس رہن غلام نے جنایت کر دی خَطَأً کوئی غلطی سے، غلطی سے کوئی جنایت کر دی، فَدَاهُ مُرْتَهِنُهُ تو اس کا فدیہ دے گا مُرْتَہِن بھئی، یعنی فدیہ دے کر اس کو چھڑائے گا مُرْتَہِن بھئی، وَلَمْ يَرْجِعْ أَيْ عَلَى الرَّاهِنِ اور وہ رجوع نہیں کرے گا رَاہِن پر، وہ رجوع رَاہِن پر نہیں کرے گا۔ لِأَنَّ الْجِنَايَةَ حَصَلَتْ فِي ضَمَانِ الْمُرْتَهِنِ اس لیے کیونکہ یہ جنایت جو ہے مُرْتَہِن کے ضَمَان میں حاصل ہوئی ہے، یہ رہن کس کے ضَمَان میں تھا؟ مُرْتَہِن کے ضَمَان میں، تو لہٰذا اس کو مُرْتَہِن پر ہی اس کا ضَمَان بھی آئے گا۔

وَلَا يَمْلِكُ الدَّفْعَ. بھئی دیکھو غلام جب کوئی جنایت کرتا ہے، غلام جب کوئی، تو اس میں مالک کو کتنے اختیار ہوتے ہیں؟ دو اختیار۔ کیا کیا؟ یا تو وہ جنایت ادا کر دے، مال ادا کر دے، یا اس غلام کو ہی بدلے میں دے دے۔ کہتے ہیں یہاں مُرْتَہِن مال دے کر جو ہے فدیہ دے گا، غلام نہیں دے سکتا بھئی۔ بھئی غلام کیوں نہیں دے سکتا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ وہ غلام کا مالک نہیں ہے بھئی، غلام کا مالک تو رَاہِن ہے بھئی۔ یہ معنی ہے وَلَا يَمْلِكُ الدَّفْعَ اور یہ غلام حوالے کرنے کا مالک نہیں، یہ مُرْتَہِن جو ہے غلام حوالے کرنے کا مالک نہیں، لِأَنَّ الْمُرْتَهِنَ غَيْرُ مَالِكٍ اس لیے کیونکہ مُرْتَہِن غیرِ مالک ہے، مالک نہیں ہے، مالک کے علاوہ ہے۔

فَإِنْ أَبَى، اگر مُرْتَہِن انکار کر دیتا ہے کہ میں تو یہ جنایت نہیں بھروں گا، میں تو یہ مال نہیں دوں گا بھئی، تو کہتے ہیں فَإِنْ أَبَى اگر مُرْتَہِن انکار کر دے، دَفَعَهُ الرَّاهِنُ تو رَاہِن جو ہے وہ غلام دے دے گا کیونکہ رَاہِن تو مالک ہے نا، دَفَعَهُ الرَّاهِنُ تو رَاہِن وہ رہن غلام جو ہے وہی حوالے کر دے گا اس جنایت والے کے، أَوْ فَدَاهُ یا اس کو، اس کا فدیہ دے دے گا، اس کو فدیہ دے کر چھڑا لے گا، وَسَقَطَ الدَّيْنُ اور دَیْن ساقط ہوجائے گا، دَیْن ساقط ہوجائے گا۔ خود شرح کر رہے ہیں: أَيْ إِنْ أَبَى الْمُرْتَهِنُ أَنْ يَفْدِيَهُ اگر مُرْتَہِن نے انکار کر دیا کہ وہ اس کا فدیہ ادا کرے، اس سے انکار کر دیا، تو قِيلَ لِلرَّاهِنِ تو رَاہِن سے کہا جائے گا: ادْفَعِ الْعَبْدَ أَوِ افْدِ عَنْهُ کہ یا تو غلام دے دے أَوِ افْدِ عَنْهُ یا اس کی طرف سے فدیہ دے دے۔ وَأَيًّا فَعَلَ اور وہ جو کچھ بھی کر

لے، رَاہِن جو بھی کر لے چاہے غلام دے دے چاہے فدیہ دے دے، ان دو کاموں میں سے جو بھی وہ کر لے، سَقَطَ الدَّيْنُ دَیْن ساقط ہوجائے گا۔

وَاعْلَمْ أَنَّ الدَّيْنَ إِنَّمَا يَسْقُطُ بِتَمَامِهِ إِذَا كَانَ الدَّيْنُ أَقَلَّ مِنْ قِيمَةِ الرَّهْنِ أَوْ مُسَاوِيًا، کہتے ہیں جان لے کہ دَیْن جو ہے وہ ساقط ہوگا پورا کا پورا جب دَیْن جو ہے وہ رہن کی قیمت سے کم ہو أَوْ مُسَاوِيًا یا اس کے برابر ہو۔ أَمَّا إِذَا كَانَ أَكْثَرَ اور اگر دَیْن جو ہے وہ زیادہ ہے رہن کی قیمت سے، تو يَسْقُطُ مِنَ الدَّيْنِ مِقْدَارُ قِيمَةِ الْعَبْدِ وَلَا يَسْقُطُ الْبَاقِي، تو دَیْن میں سے غلام کی قیمت کی مقدار تو ساقط ہوجائے گی، وَلَا يَسْقُطُ الْبَاقِي اور باقی ساقط نہیں ہوگا۔ لَكِنْ لَمْ يَذْكُرْ فِي الْمَتْنِ هَذَا، لیکن متن میں مصنف نے یہ ذکر نہیں فرمایا، تینوں صورتیں ذکر نہیں کیں کہ دَیْن برابر ہوگا یا کم ہوگا یا زیادہ ہوگا، کہتے ہیں لِأَنَّ الظَّاهِرَ اس لیے کیونکہ ظاہر یہی ہے أَنْ لَا يَكُونَ الدَّيْنُ أَكْثَرَ مِنْ قِيمَةِ الرَّهْنِ کہ دَیْن جو ہے وہ رہن کی قیمت سے زیادہ نہیں ہوگا۔ ظاہر یہی ہے۔ بات سمجھ؟ بھئی جب بھی کوئی شخص اپنے پاس رہن رکھتا ہے تو وہ دَیْن سے زیادہ والی چیز مانگتا ہے۔ مثلاً میں نے آپ سے دس لاکھ روپے، میں نے آپ سے دَیْن لیا ہے، تو آپ چاہیں گے کہ میرے پاس کم از کم دس لاکھ والی یا دس لاکھ سے زیادہ والی گاڑی یہ رکھوائے، پانچ لاکھ والی گاڑی پر آپ راضی نہیں ہوں گے بھئی۔ تو رہن جو ہے وہ عموماً دَیْن کے برابر یا دَیْن سے زیادہ ہی ہوتا ہے، کم نہیں ہوتا۔ اسی لیے مصنف نے باقی چیزوں کی تفصیل یہاں بیان نہیں کی بھئی۔ یہ معنی ہے لِأَنَّ الظَّاهِرَ کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ أَنْ لَا يَكُونَ الدَّيْنُ أَكْثَرَ مِنْ قِيمَةِ الرَّهْنِ کہ دَیْن جو ہے وہ رہن کی قیمت سے زیادہ نہیں ہوگا۔

وَإِنْ مَاتَ الرَّاهِنُ بَاعَ وَصِيُّهُ رَهْنَهُ وَقَضَى دَيْنَهُ. صورتِ مسئلہ یہ بھئی، یہ اب الگ مسئلہ ذکر کرنے لگے ہیں: کہ رَاہِن اگر مر گیا، رَاہِن مر گیا، تو اور رَاہِن نے کسی کو وصیت کر دی، اس کو اپنے کاموں کا نگران بنا دیا، ذمہ دار بنا دیا کہ میرے مرنے کے بعد میرے یہ یہ کام سارے سر انجام دے دینا اور میں نے فلاں کے پاس رہن رکھوایا ہے وہ رہن بھی کیا کر دینا، بیچ دینا۔ تو بہرحال جو بھی اس نے نگران مقرر کیا ہے اپنے کاموں کا اس کو کہتے ہیں وَصِيّ، وَصِيّ۔ تو رَاہِن کے مرنے کے بعد وَصِيّ، وَصِيّ جو ہے اس کا وہ اس رہن کو مُرْتَہِن کی اجازت سے بیچے گا اور مُرْتَہِن کو دَیْن ادا کر دے گا۔ وَإِنْ مَاتَ الرَّاهِنُ بَاعَ وَصِيُّهُ رَهْنَهُ اگر رَاہِن مر گیا تو اس کا وَصِيّ جو ہے رَاہِن کا وَصِيّ جو ہے وہ بیچے گا رہن کو، وَقَضَى دَيْنَهُ اور اس کا دَیْن ادا کرے گا۔ هَذِهِ مَسْأَلَةٌ مُبْتَدَأَةٌ لَا تَعَلُّقَ لَهَا بِمَسْأَلَةِ الْجِنَايَةِ، یہ الگ مسئلہ ہے، نیا مسئلہ، اس کا مسئلہ جنایت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ أَيْ إِذَا مَاتَ الرَّاهِنُ یعنی جب رَاہِن مر گیا، فَوَصِيُّهُ يَبِيعُ الرَّهْنَ بِإِذْنِ الْمُرْتَهِنِ تو اس کا جو وَصِيّ ہے وہ رہن کو بیچے گا مُرْتَہِن کی اجازت سے، وَيَقْضِي دَيْنَهُ اور اس کا دَیْن ادا کرے گا۔ كَمَا إِذَا كَانَ الرَّاهِنُ حَيًّا فَلَهُ الْبَيْعُ بِإِذْنِ الْمُرْتَهِنِ كَذَا هَاهُنَا، کہتے ہیں جیسے کہ رَاہِن جب وہ زندہ تھا تو اس کے لیے بیچنا جائز تھا مُرْتَہِن کی اجازت سے رہن کو، تو كَذَا هَاهُنَا یہاں بھی اسی طرح ہے۔ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَصِيٌّ، اگر رَاہِن کا کوئی وَصِيّ نہیں تھا، اس نے کسی کو ذمہ...

دار اور نگران نہیں بنایا، کسی کو وصیت نہیں کی، تو نَصَبَ وَصِيًّا يَبِيعُهُ تو قاضی نصب کرے گا، مقرر کرے گا کسی کو

وَصِيّ، يَبِيعُهُ جو اس کو بیچے گا۔ نَصَبَ وَصِيًّا، یہ عبارت باقی نسخوں میں بہتر عبارت ہے، وہاں ہے نُصِبَ وَصِيٌّ، نُصِبَ اس کا کوئی وَصِيّ مقرر کیا جائے گا، ایسا وَصِيّ يَبِيعُهُ جو اس رہن کو بیچ دے گا۔ تو نُصِبَ فعلِ مجہول اور وَصِيٌّ کیا بن جائے گا اس کا؟ نَائِبُ الْفَاعِلِ۔ اور اس وقت نَصَبَ فاعل ہے، اور اس کے اندر ضمیر ہُوَ راجع ہے قاضی کو، اور قاضی کا ذکر تو کہیں قریب میں گزرا نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس کو نُصِبَ پڑھا جائے، نُصِبَ وَصِيٌّ مقرر کیا جائے گا کوئی وَصِيّ جو اس رہن کو بیچے گا۔ لیکن بہرحال، تو قاضی کا ذکر تو نہیں، نُصِبَ وَصِيٌّ بھی کہہ دیں، لیکن مقرر کون کرے گا؟ قاضی ہی مقرر کرے گا، کیونکہ قاضی کا فیصلہ سب پر نافذ ہوتا ہے، ورنہ کسی ایک شخص کا فیصلہ دوسرے پر نافذ نہیں ہو سکتا، کوئی اور اس کی طرف سے وَصِيّ نہیں بنا سکتا، ہاں قاضی بنائے گا تو وہ اسی کی طرف سے وَصِيّ شمار ہوجائے گا، یعنی رَاہِن کی طرف سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا بھئی، سبق کا خلاصہ سن لیجیے، اور ہو سکتا ہے بعض چیزیں پوری طرح آپ کو واضح نہ ہوئی ہوں، ان شاء اللہ خلاصے کے اندر بالکل واضح ہوجائیں گی، کوئی اشکال وغیرہ ہے وہ ختم ہوجائے گا۔

آپ نے پڑھا کہ اگر کسی نے کسی سے عاریتاً کوئی چیز لی رہن رکھوانے کے لیے، اور رہن رکھوانے کے لیے لی اور اس نے کوئی شرط لگائی تھی، اس شرط کی اس نے مخالفت کر دی مُسْتَعِيْر نے تو مُسْتَعِيْر پر ضَمَان آئے گا بھئی۔ مثلاً اس نے کہا تھا کہ یہ رہن کے طور پر صرف بکر کے پاس رکھوانا، کسی اور کے پاس نہ رکھوانا، لیکن مُسْتَعِيْر نے وہ خالد کے پاس رہن رکھوا دیا، تو اس نے شرط کی مخالفت کر دی لہٰذا اس پر ضَمَان آئے گا بھئی، اور ضَمَان بھی پھر پوری قیمت کا آئے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ کیونکہ وہ غصب کے درجے میں ہوگیا، اور آپ جانتے ہیں کوئی شخص کسی کی کوئی چیز غصب کر لے تو اس پر پوری قیمت کا ضَمَان آیا کرتا ہے۔ تو اس نے مثلاً اس شرط کی مخالفت کر دی اور پھر وہ چیز بکر کے بجائے خالد کے پاس رکھوا دی، اور خالد کے پاس وہ چیز ہلاک ہوگئی۔ تو اب مُعِيْر جو ہے اس کو اختیار ہے: وہ مُسْتَعِيْر سے بھی ضَمَان لے سکتا ہے اور مُرْتَہِن سے بھی ضَمَان لے سکتا ہے۔ اگر مُسْتَعِيْر سے اس نے ضَمَان لیا تو پھر مُسْتَعِيْر کا رہن رکھوانا صحیح، اور جب رہن صحیح تو وہ رہن ہلاک ہوا مُرْتَہِن کے پاس تو مُرْتَہِن نے اپنا دَيْن گویا وصول کر لیا۔ اور اگر، اگر وہ مُعِيْر نے مُرْتَہِن کو ضامن بنایا تو اس صورت میں مُرْتَہِن پر ضَمَان آگیا، تو مُرْتَہِن یہ ضَمَان لے گا مُسْتَعِيْر سے یعنی رَاہِن سے ضَمَان بھی لے گا اور نیز اپنے دَيْن بھی اس سے وصول کرے گا۔ اس لیے کیونکہ جب مُعِيْر نے مُرْتَہِن کو ضامن بنایا تو مُرْتَہِن ضَمَان ادا کرنے سے اس چیز کا مالک بن گیا۔ جب وہ مالک بن گیا تو معلوم ہوا اس کے پاس جو چیز تھی وہ اس کی اپنی تھی، یہ مالک تھا اس کا، اور یہ تو رہن تھا ہی نہیں، اور اپنی چیز ہلاک ہوئی ہے، اور یہ دھوکہ اس کو چونکہ مُسْتَعِيْر نے دیا تھا تو اس سے ضَمَان لے لے گا اور پھر ملکیت ہوجائے گی منتقل مُسْتَعِيْر کی طرف۔ لیکن یہ ملکیت جو مُسْتَعِيْر کی طرف منتقل ہوئی یہ مُؤَخَّر ہے، یہ کیا ہے؟ یہ مُرْتَہِن کی ملکیت سے مُؤَخَّر ہے، لہٰذا اس چیز کو رہن قرار نہیں دیا جا سکتا، رہن کے لیے پہلے سے مالک ہونا ضروری ہے، پھر ہی رہن بنے گا کہ اس نے اپنی چیز رکھوائی تھی اس وقت ہی مالک تھا، یہ تو بعد میں مالک بنا ہے، لہٰذا اس

صورت میں مُرْتَہِن جو ہے ضَمَان بھی لے گا مُسْتَعِیْر سے یعنی رَاہِن سے اور دَیْن بھی اپنا وصول کرے گا۔ یہ تو ایک صورت تھی جب اس نے شرط کی مخالفت کی تھی۔

اور اگر مُسْتَعِیْر نے شرط کی موافقت کی، مثلاً مُعِیْر نے کہا تھا یہ رہن صرف بکر کے پاس ہی رکھوانا، اور مُسْتَعِیْر نے بھی وہ بکر ہی کے پاس رہن رکھوایا۔ اب وہ رہن مُرْتَہِن کے پاس ہلاک ہوگیا، تو اس صورت میں یاد رکھیے: جو مُرْتَہِن ہے اس نے اپنا دَیْن وصول کر لیا، اور مُسْتَعِیْر جو ہے وہ مُعِیْر کو اس گاڑی کے پیسے ادا کرے گا، لیکن پوری قیمت ادا نہیں کرے گا، بلکہ اس گاڑی کے ذریعے جتنی وصولی ہوئی، جتنی وصولی مُرْتَہِن نے کی، اتنے پیسے اس کو ادا کر دے گا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اور اس میں پھر تین صورتیں بنتی تھیں: کہ وہ جو گاڑی رکھوائی تھی، وہ جو رہن تھا، اس کی قیمت دَیْن کے برابر ہوگی یا دَیْن سے زیادہ ہوگی؛ اگر دَیْن کے برابر ہو تو گویا اس نے اپنا دَیْن وصول کر لیا، تو گویا رَاہِن نے اپنے دَیْن کی پوری ادائیگی کر دی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اور اسی طرح اگر رہن کی قیمت زیادہ ہو تو اس صورت میں بھی وہ جو زائد تھا وہ تو امانت کے طور پر ہلاک ہوا اور باقی پورا دَیْن اس نے اس کے ذریعے وصول کر لیا، تو رہن کی قیمت جب دَیْن کے برابر ہو یا دَیْن سے زیادہ ہو تو مُرْتَہِن نے گویا اپنا پورا دَیْن وصول کر لیا اور رَاہِن نے گویا اپنے پورے دَیْن کی ادائیگی کر دی اس رہن کے ذریعے، تو پورے دَیْن جتنا ضَمَان دے دے گا وہ مُعِیْر کو بھئی، جتنی اس کی گاڑی کے ذریعے ادائیگی ہوئی ہے۔ اور اگر اس گاڑی یعنی رہن کی قیمت کم تھی، تو پھر اس پر کم ضَمَان آیا، تو پھر اس کے برابر وہ مثلاً گاڑی کی قیمت تھی دس لاکھ اور دَیْن کتنا تھا پندرہ لاکھ، تو گاڑی کے ذریعے مُرْتَہِن نے دس لاکھ دَیْن وصول کر لیا اور پانچ لاکھ دَیْن اس نے ابھی بھی مُسْتَعِیْر سے وصول کرنا ہے، تو گاڑی کے ذریعے دس لاکھ دَیْن ادا کیے ہیں مُسْتَعِیْر نے، تو وہی دس لاکھ اب کس کو دینے پڑیں گے اس کو؟ مُعِیْر کو دینے پڑیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اس کے بعد ایک یہ مسئلہ آپ نے پڑھا تھا کہ مُرْتَہِن کے پاس یہ جو رہن ہے یہ چونکہ مُعِیْر کی ملکیت ہے، تو مُعِیْر کو اگر ضرورت پڑ گئی اور وہ مُرْتَہِن کا پورا دَیْن ادا کر کے اس سے یہ گاڑی چھڑوانا چاہتا ہے تو چھڑوا سکتا ہے، اور مُرْتَہِن انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس گاڑی کے ساتھ، اس رہن کے ساتھ اگرچہ مُرْتَہِن کا بھی حق وابستہ ہے، اس نے اس گاڑی کو کس لیے اپنے پاس روکا ہے؟ تاکہ اس کے ذریعے اپنا دَیْن وصول کرے؛ اور جب مُعِیْر اس کا پورا دَیْن اس کو ادا کر رہا ہے تو اس کا حق تو ادا ہوگیا لہٰذا اب اس کو روکنے کا حق نہیں، تو مُعِیْر وہ گاڑی اس سے لے سکتا ہے، یعنی وہ جو گاڑی کا مالک ہے۔ اور پھر مُعِیْر کو یہ دَیْن کیوں دینا پڑا بھئی؟ اس نے ویسے دیا یا اس کو مجبوری تھی کہ اس کو اپنی گاڑی چاہیے تھی بھئی؟ اس کو مجبوری تھی، اس کو اپنی گاڑی چھڑوانے کے لیے یہ پورے دَیْن کی ادائیگی کرنا پڑی، اس کے بغیر اس کو گاڑی نہیں مل سکتی تھی بھئی۔ تو لہٰذا یہ دَیْن ادا کرنے میں یہ مُتَبَرِّع نہ ہوا، مجبوری میں دَیْن ادا کرنا پڑا کسی دوسرے کا یعنی مُسْتَعِیْر کا، تو اس صورت میں وہ مُعِیْر مُسْتَعِیْر پر رجوع کرے گا اور اس سے اپنا وہ دَیْن وصول کر لے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

پھر انہوں نے ایک اور مسئلہ بھی آپ کو بتلایا کہ اگر یہ رہن جو ہے وہ رَاہِن کے پاس ہلاک ہوا، کس کے پاس؟ رَاہِن

کے پاس۔ رَاہِن نے مُعِیْر سے ایک گاڑی لی تھی رہن رکھوانے کے لیے، اور وہ گاڑی اس نے بکر کے پاس رکھوا دی، پھر اس نے بکر کا دَیْن ادا کر دیا اور اس سے گاڑی واپس لے آیا۔ اچھا، اور گاڑی رکھوانے سے پہلے، اس نے تو گاڑی رہن رکھوانے کے لیے دی تھی استعمال کے لیے نہیں دی تھی بھئی، ایک عاریت ہوتی ہے استعمال کے لیے، ایک عاریت ہے رہن کے لیے؛ تو اس نے گاڑی کس لیے دی تھی؟ رہن رکھوانے کے لیے، استعمال کے لیے نہیں دی تھی، لیکن اس نے چند دن استعمال بھی کر لی تھی رہن رکھوانے سے پہلے۔ لیکن پھر اس نے مخالفت چھوڑ دی یعنی وہ استعمال کو ترک کر دیا اور گاڑی رہن رکھوا دی، اور پھر اس کے بعد وہ گاڑی مُرْتَہِن نے دَیْن وصول کر کے اس کو واپس کر دی۔ تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ گاڑی کس کے پاس ہلاک ہوئی؟ رَاہِن کے پاس، چاہے قَبْلَ الرَّہْن، چاہے بَعْدَ الرَّہْن۔ اور اس نے درمیان میں کچھ زیادتی بھی کی تھی، بغیر اجازت کے اس چیز کو استعمال کر لیا تھا، تَعَدِّی بھی کر دی تھی، اور تَعَدِّی کی جائے تو اس چیز کا پورا ضَمَان آتا ہے، تو استعمال کے دوران اگر وہ رہن وہ مُسْتَعَار چیز ہلاک ہو جاتی تو اس کو پورا ضَمَان دینا پڑتا، لیکن یہاں اس نے اگرچہ کچھ مخالفت کی تھی لیکن پھر بعد میں کیا کر لی مخالفت ختم کر کے، تَعَدِّی اور زیادتی ختم کر کے پھر موافقت کر لی تھی، پھر کیا کر لی؟ پھر یعنی پھر رہن رکھوا دیا اور استعمال وغیرہ بالکل چھوڑ دیا، تو اس صورت میں جب اس نے تَعَدِّی ختم کر دی تو اب اس پر ضَمَان بھی کوئی نہیں آئے گا۔ کہ رَاہِن نے کیا کیا تھا؟ گاڑی لی، استعمال کی، پھر استعمال چھوڑ دیا اور موافقت کرتے ہوئے وہ گاڑی رہن رکھوا دی، اور پھر وہ گاڑی مُرْتَہِن سے واپس لے لی، دَیْن ادا کر دیا، اور رہن رکھوانے سے پہلے جبکہ اس نے تَعَدِّی ختم کر دی تھی، یا رہن رکھوانے کے بعد ابھی اس نے اور کوئی تَعَدِّی نہیں کی، گاڑی اس کے پاس ہلاک ہو گئی، تو یاد رکھیے یہ عاریت ہے اور عاریت کا ضَمَان نہیں آتا، تو اس پر کوئی ضَمَان نہیں آئے گا، لیکن اگر تَعَدِّی کے دوران ہلاک ہوئی پھر ضَمَان آئے گا پوری قیمت دینا پڑے گی۔

پھر اس کے بعد جنایت کے مسائل آئے تھے۔ انہوں نے آپ کو بتلایا کہ رَاہِن اگر رہن پر جنایت کرے، مثلاً جو مالک ہے، مُعِیْر اور مُسْتَعِیْر والا مسئلہ ختم ہوا، کوئی شخص کسی سے دَیْن لیتا ہے اور اپنی گاڑی اس کے پاس رہن رکھواتا ہے یا اپنا غلام یا باندی، جنایت ہے نا، جنایت کے مسئلے ہیں تو غلام یا باندی بھئی۔ جنایت میں نے بتلایا بھئی کس کو کہتے ہیں؟ کہ کسی کو کوئی جانی، جانی یا اعضاء کے اندر کوئی نقصان پہنچایا جائے، کسی کو قتل کر دیا یا ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹ دیے، توڑ دیے، تو یہ جانی نقصان اس کو جنایت کہتے ہیں۔ تو یہ جنایت کے مسائل ہیں۔ اب اس میں دیکھو: جنایت یا تو رَاہِن کرے گا رہن پر، مثلاً ایک شخص نے کسی سے دس لاکھ روپے دَیْن لیا اور اس کے پاس اپنا غلام یا باندی رہن کے طور پر رکھوا دی۔ اب یہاں تین صورتیں ہیں: یہ جو رَاہِن یعنی مالک ہے وہ رہن میں کوئی جنایت کرتا ہے، اس کو قتل کرتا ہے یا اس کا ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹ دیتا ہے؛ اور دوسری صورت یہ ہے کہ مُرْتَہِن اس رہن کے اندر جنایت کرتا ہے؛ اور تیسری صورت یہ ہے کہ وہ رہن جو ہے وہ جنایت کرتا ہے رَاہِن میں یا مُرْتَہِن میں۔ تو اس میں یاد رکھنا:

اگر رَاہِن جنایت کرے رہن میں، یعنی جو اصل مالک ہے اس نے اپنا غلام یا باندی جو رہن رکھوایا ہے اسی کا ہاتھ پاؤں کاٹ دیا، تو اس صورت میں اس رَاہِن یعنی مالک پر ضَمَان آئے گا بھئی۔ کیوں؟ کیونکہ اس غلام یا باندی کے ساتھ مُرْتَہِن کا بھی حق وابستہ ہے، اس نے اس کے ذریعے اپنا دَیْن وصول کرنا تھا بھئی، اور اس نے اس کا ہاتھ پاؤں کاٹ کر یا اس کو قتل کر کر اس کے اس حق کو نقصان پہنچایا یا ختم کر دیا، تو لہٰذا اگر اس نے اس کو قتل کیا ہے تو اس سے پوری قیمت لے کر رہن کے طور پر رکھ لی جائے گی، اور اگر اس نے اس کا ہاتھ یا پاؤں کاٹا ہے تو ہاتھ اور پاؤں کے کٹنے سے جتنی غلام میں کمی آگئی اس کی قیمت میں، اتنے پیسے اس سے لے کر بطورِ رہن کے رکھ لیے جائیں گے۔ مثلاً سالم غلام تھا دس لاکھ کا اور ہاتھ کٹنے کے بعد وہ اس کی قیمت ہوگئی پانچ لاکھ روپے، تو رَاہِن سے مزید پانچ لاکھ لے کر اس پانچ لاکھ والے غلام کے ساتھ بطورِ رہن کے رکھ لیے جائیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

دوسری صورت یہ ہے کہ مُرْتَہِن جو ہے وہ رہن پر جنایت کرتا ہے، مُرْتَہِن۔ مُرْتَہِن جو رہن پر جنایت کرتا ہے اس سے اس کا اتنا ہی دَیْن ساقط ہوجائے گا۔ مثلاً مُرْتَہِن کے پاس دس لاکھ والا غلام رکھوایا تھا اور دَیْن بھی کتنا ہے؟ دس لاکھ ہے، مُرْتَہِن نے اس غلام کا ہاتھ کاٹ دیا جس سے غلام کی قیمت پانچ لاکھ کم ہوگئی، تو اس کے دَیْن میں سے بھی پانچ لاکھ ساقط ہوجائے گا۔ اور اگر اس نے غلام کو قتل کر دیا تو غلام بھی دس لاکھ کا ہے اور دَیْن بھی کتنا ہے دس لاکھ، تو پورا دَیْن ہی ساقط ہوجائے گا۔ اور میں نے یہ بھی بتلایا یہ وہ جنایتیں ذکر ہو رہی ہیں جن میں قِصَاص نہیں آتا، اگر جان بوجھ کر قتل کرے گا آلۂ قتل سے تو دوسرے کو بھی قِصَاص میں قتل کیا جائے گا، وہاں مال نہیں آتا، یہ ان جنایتوں کا بیان کر رہا ہوں جن میں مال آتا ہے، قِصَاص نہیں آتا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ رہن جنایت کرتا ہے، اور اس رہن کی جنایت کی پھر چار صورتیں ہیں: یا تو وہ رَاہِن کو کوئی جانی نقصان پہنچائے گا یا رَاہِن کو کوئی مالی نقصان پہنچائے گا، دو صورتیں ہوگئیں؛ اور یا پھر وہ مُرْتَہِن کو جانی نقصان پہنچائے گا، تین صورتیں؛ یا وہ مُرْتَہِن کو کوئی مالی نقصان پہنچاتا ہے، تو یہ چار صورتیں ہوگئیں۔ یاد رکھیے امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رہن چاہے رَاہِن کو کوئی جانی یا مالی نقصان پہنچائے چاہے مُرْتَہِن کو کوئی جانی یا مالی نقصان پہنچائے، وہ سارے، وہ سارے نقصانات ساقط ہیں یعنی وہ، وہ سارے نقصانات ہَدْر ہیں، رائیگاں ہیں، ضائع ہیں، ان کے بدلے کسی پر کوئی ضَمَان نہیں آئے گا۔ کیوں نہیں آئے گا بھئی؟ بھئی دیکھیے بھئی، وہ رہن وہ غلام یا باندی اس نے رَاہِن کو کوئی جانی یا مالی نقصان پہنچایا، کس کو؟ رَاہِن کو کوئی جانی یا مالی نقصان پہنچایا۔ تو رَاہِن تو اس کا مالک ہے، تو اگر یہ کہا جائے کہ غلام پر ضَمَان واجب کرنا پڑے گا، غلام کو ضَمَان دینا پڑے گا، اور یہ ضَمَان کس نے وصول کرنا ہے؟

کس نے؟ رَاہِن، کس نے؟ رَاہِن۔ جس کا نقصان ہوا ہے نا، ضَمَان تو وہ لے گا۔ کس کا نقصان ہوا؟ رَاہِن کا۔ تو رَاہِن نے ضَمَان لینا ہے کس سے؟ جس نے نقصان کیا ہے، کس نے نقصان کیا؟ رہن غلام نے۔ تو رَاہِن نے نقصان وصول کرنا ہے

یعنی ضَمَان لینا ہے۔ فرض کر لیں، ویسے فرض کر لیں ورنہ مسئلہ تو بتلا دیا کہ رہن پر کوئی ضَمَان نہیں آئے گا، لیکن اگر فرض کریں آپ یہ کہیں کہ نہیں جی اس غلام پر ضَمَان آنا چاہیے، تو یہ ضَمَان وصول کون کرے گا؟ رَاہِن، یعنی اس غلام کا مالک۔ اور غلام پر جو ضَمَان آتا ہے وہ ادا بھی کس کو کرنا پڑتا ہے؟ مالک ہی کو کرنا پڑتا ہے، تو گویا رَاہِن کے لیے ہی ضَمَان واجب ہوا اور رَاہِن سے ہی وصول ہوگا، تو اسی شخص سے وصول کر کے اسی شخص کو ادائیگی کرنا اس کا تو کوئی فائدہ ہی نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

دوسری صورت یہ ہے کہ اس غلام نے مُرْتَہِن کو کوئی جانی یا مالی نقصان پہنچایا۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں وہ بھی رائیگاں ہے، اس لیے کیونکہ رہن جیسا حوالے کیا گیا تھا مُرْتَہِن پر ضروری ہے کہ ویسا ہی رہن واپس کرے۔ اور یہ جو غلام رہن رکھوایا گیا تھا یہ جنایت والا تھا یا بغیر جنایت کے تھا جب رہن رکھوایا تھا؟ یہ بغیر جنایت کے تھا۔ اور اب اگر اس پر ضَمَان واجب کر دیا جائے تو یہ جو غلام واپس کرے گا کون سا غلام ہوگا؟ جنایت والا۔ اور یاد رکھو غلام اور باندی میں جنایت عیب شمار ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے اس کی قیمت کم ہوجاتی ہے، کیونکہ ضَمَان ہے ادائیگی کرنی ہے بھئی، جو بھی خریدے گا اس کو کیا کرنا پڑے گی؟ ادائیگی کرنی پڑے گی بھئی۔ تو لہٰذا یہاں پر اگر رہن پر ضَمَان واجب کیا جائے مُرْتَہِن کے لیے، تو اس ضَمَان سے چھڑانا بھی مُرْتَہِن کی ذمہ داری کیونکہ اس کو ہم نے سالم غلام دیا تھا تو اس پر ضروری ہے کہ اس ضَمَان سے چھڑا کر سالم غلام ہی ہمارے حوالے کرے۔ تو یہ ضَمَان واجب ہوگا کس کے لیے؟ فرض کریں اگر کرتے بھی تو کس کے لیے ہوتا؟ مُرْتَہِن کے لیے ہوتا، اور چھڑانا بھی کس کے ذمے ہوتا؟ مُرْتَہِن ہی کے ذمے ہوتا۔ تو بات اس کا تو کوئی فائدہ ہی نہیں ہے کہ مُرْتَہِن سے لے کر مُرْتَہِن ہی اس کو وصول کر لے۔

جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس صورت میں جب غلام جنایت کرے، یعنی رہن غلام جو ہے وہ جنایت کرے مُرْتَہِن پر تو وہ فرماتے ہیں اس جنایت کا اعتبار کیا جائے گا، کیونکہ اس غلام نے مالک کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو نقصان پہنچایا ہے، جنایت کی ہے؛ اور مالک کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو کوئی غلام کوئی جنایت کرے تو اس کا اعتبار کیا جاتا ہے بھئی، کیا کیا جاتا ہے اس کا؟ اس کا اعتبار کیا جاتا ہے، اس میں ضَمَان دینا پڑتا ہے، تو یہاں پر بھی ضَمَان دینا پڑے گا۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ غلام یا باندی جب کوئی جنایت کریں تو اس میں مالک کو اختیار ہوتا ہے دو چیزوں میں سے: یا تو وہ مال دے کر، ضَمَان دے دے اور اس غلام کو چھڑا لے، یا اس ضَمَان میں اس غلام یا باندی کو ہی دے دے کہ اسی کو آپ رکھ لیں میرے پاس پیسے وغیرہ نہیں ہیں۔ تو یہاں پر بھی صاحبین فرماتے ہیں، صاحبین فرماتے ہیں کہ غلام یا باندی جو رہن ہے اس نے جو مُرْتَہِن کی جنایت کی ہے تو اس صورت میں اس جنایت کا اعتبار کیا جائے گا بھئی۔ امام صاحب تو کیا فرماتے تھے اس کا کوئی اعتبار ہی نہیں، صاحبین فرماتے ہیں نہیں اس کا اعتبار کیا جائے گا اور اس میں فائدہ بھی ہے مُرْتَہِن کا۔ فائدہ کیا؟ کہ مُرْتَہِن کو یہی غلام مل سکتا ہے، مُرْتَہِن کو یہی غلام مل سکتا ہے۔ مثلاً اب اس میں دو صورتیں ہیں صاحبین فرماتے ہیں:

ایک صورت تو یہ ہے کہ مُرْتَہِن کہے گا مجھے ضَمَان دو، جنایت کی ہے اس غلام نے؛ دوسری صورت یہ ہے کہ مُرْتَہِن کہتا ہے بس یہ جنایت میری طرف سے معاف ہے میں ضَمَان کا مطالبہ نہیں کرتا۔ دو صورتیں بنتی ہیں، کون فرما رہے ہیں؟ صاحبین۔ تو اگر مُرْتَہِن جو ہے وہ ضَمَان کا مطالبہ نہیں کرتا، جنایت کا مطالبہ نہیں کرتا، تو وہ غلام پہلے بھی رہن تھا اب بھی کیا رہے گا؟ رہن ہی رہے گا۔ اور اگر مُرْتَہِن ضَمَان کا مطالبہ کرتا ہے کہ اس نے مجھے جانی نقصان پہنچایا ہے لہٰذا اب مجھے ضَمَان دلایا جائے، تو ضَمَان کس سے وصول کرتے ہیں؟ مالک سے۔ کس سے؟ مالک سے۔ اور مالک کو اس میں اختیار ہوتا ہے چاہے غلام دے دے چاہے اس کے پیسے، جتنا نقصان ہوا ہے اس کے پیسے دے دے؛ تو یہاں پر بھی رَاہِن کیا کرے گا؟ اس کو وہ غلام ہی دے دے گا، ہو سکتا ہے کیا کرے اس کو؟ وہ اس کو غلام ہی دے دے گا کہ بھئی جنایت کی ہے میرے پاس تو اتنے پیسے نہیں ہیں کہ میں یہ جنایت پوری کروں، یہ غلام ہی آپ رکھ لیں۔ تو مُرْتَہِن کو غلام مل گیا، مُرْتَہِن اس غلام کا مالک بن گیا۔ توجہ ہے؟ اور یہ غلام تو مُرْتَہِن کے پاس بطورِ رہن کے تھا، اور رہن کس لیے دیا جاتا ہے؟ کہ اس کے ذریعے وہ کیا وصول کرے؟ دَیْن وصول کرے، اور مُرْتَہِن تو اس غلام کا مالک بن گیا۔ اب مُرْتَہِن نے کوئی غلام واپس کیا؟ نہیں، جب غلام واپس نہیں کیا تو گویا دَیْن ساقط ہوگیا اس نے اپنا دَیْن وصول کر لیا۔ لیکن فائدہ کیا ظاہر ہوا اس پورے مسئلے کا؟ صاحبین فرماتے ہیں کہ مُرْتَہِن اس غلام کا مالک بن گیا، کیا بن گیا؟ مالک بن گیا۔ ویسے تو مالک نہیں بن سکتا تھا بھئی، دَیْن وہ ادا کرتا اور غلام کو چھڑا کر لے جاتا، تو اب اس کا یہ فائدہ ہے۔ جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں یہاں ضَمَان مُرْتَہِن کے لیے واجب کریں گے اور چھڑانا بھی مُرْتَہِن ہی کے ذمے ہوگا لہٰذا اس کو واجب کرنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

اس سے اگلا مسئلہ آپ نے پڑھا کہ ایک شخص دوسرے شخص کے پاس ایک ہزار درہم والا غلام بطورِ رہن کے رکھواتا ہے اور دَیْن بھی جو لیا ہے وہ ایک ہزار درہم ہے۔ پھر اس غلام کی قیمت کم ہوتے ہوتے سو درہم رہ گئی، سو درہم رہ گئی، اور پھر اس غلام کو کسی شخص نے قتل کر دیا۔ اور جب قتل کیا، قتلِ خطا ہے، قتلِ عمد نہیں، عمد میں تو قِصَاص آتا ہے، غلطی سے قتل کیا، تو اس صورت میں ضَمَان آئے گا اور ضَمَان کتنا آئے گا؟ اس غلام کی قیمت کا، اور غلام کی قیمت تو اس وقت کتنی ہو چکی تھی؟ سو درہم۔ لہٰذا اس شخص نے سو درہم دے دیے اس غلام کے بدلے اور مُرْتَہِن نے اس کو قبضہ کر کے اپنے پاس رکھ لیا۔ اور پھر وہ مدت آگئی، دَیْن کی ادائیگی کی مدت آگئی بھئی۔ تو انہوں نے آپ کو بتلایا کہ وہ جو مُرْتَہِن ہے وہ اس سو پر قبضہ کر لے گا کہ گویا اس کو سو دَیْن موصول ہوگیا، اور باقی دَیْن ساقط ہوگیا، باقی دَیْن ساقط ہوگیا۔ توجہ ہے؟ اس سو پر مُرْتَہِن قبضہ کر لے گا اور باقی دَیْن ساقط ہوگیا، دَیْن کتنا تھا؟ ایک ہزار۔ اور یاد رکھو یہ اتفاقی مسئلہ ہے، ہمارا اور امامِ زُفَر رحمہ اللہ کا اس میں اتفاق ہے، سب کے نزدیک مسئلہ اسی طرح ہے کہ سو درہم وہ وصول کر لے گا اور باقی نو سو درہم ساقط ہوگئے۔ اور آگے پھر امامِ زُفَر کا اختلاف ذکر کرتے ہیں تو بظاہر لگتا ہے شاید امامِ زُفَر اس مسئلے میں اختلاف کر

رہے ہیں؛ وہ اس مسئلے میں نہیں اختلاف کر رہے، وہ اس مسئلے کی علت میں اختلاف کر رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک بھی سو وصول کرے گا اور نو سو ساقط؛ ان کے نزدیک بھی سو وصول ہوگئے اور نو سو ساقط۔ لیکن علت کیا ہے، وجہ کیا ہے، یہ نو سو کیوں ساقط ہوئے؟ اس میں ہمارا اور امامِ زُفَر کا اختلاف ہے۔

یاد رکھو ہمارے نزدیک کسی چیز کی قیمت کم ہوجائے تو اس کی وجہ سے، یعنی رہن، رہن کی قیمت اگر کم ہوجائے تو اس سے دَیْن ساقط نہیں ہوتا۔ جبکہ امامِ زُفَر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر رہن کی قیمت کم ہوجائے تو اس سے دَیْن بھی ساقط ہوجاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قیمت کا کم ہونا یہ ایسے ہی ہے جیسے اس چیز کی ذات کم ہوجائے، اس کی ذات میں کمی آجائے، اور ذات میں کمی آئے پھر تو بالاتفاق دَیْن ساقط ہوتا ہے۔ مثلاً میں نے غلام دیا تھا مُرْتَہِن کو دس لاکھ والا اور اس نے اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا، اب ہاتھ کاٹنے کے بعد غلام میں کتنی کمی آگئی؟ وہ پانچ لاکھ کا رہ گیا، تو دَیْن بھی اتنا ہی ساقط ہوجاتا ہے۔ تو جیسے عین کے اندر، ذات کے اندر کمی سے دَیْن کیا ہوتا ہے؟ ساقط؛ وہ فرماتے ہیں قیمت کے کم ہونے سے بھی دَیْن ساقط ہوتا ہے، قیمت کا کم ہونا بھی اسی طرح ہے جیسے اس کی عین میں ذات میں کمی آگئی ہے۔ تو اس لیے چونکہ اس غلام کی قیمت کم ہوگئی تھی تو امامِ زُفَر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چونکہ اس غلام کی قیمت کم ہوگئی تھی اس لیے اسی کے بقدر دَیْن بھی ساقط ہوگیا۔ اور ہم بھی کہتے ہیں دَیْن ساقط ہوا لیکن ہم اس وجہ سے نہیں کہتے کیونکہ قیمت کم ہوگئی، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ جو رہن پر قبضہ کیا جاتا ہے یہ وصولی کے لیے کیا جاتا ہے، کس لیے کیا جاتا ہے؟ وصولی کے لیے۔ تو اور جس وقت مُرْتَہِن نے اس غلام پر قبضہ کیا تھا وہ کتنے کا تھا؟ ہزار کا، اور دَیْن بھی کتنا ہے؟ ہزار، تو گویا اس نے غلام کے ذریعے اپنی وصولی کرلی۔ کیا کر لی؟ وصولی۔ اور چنانچہ اگر وصولی نہیں کی، یہ غلام اگر زندہ ہوتا چاہے سو کا بھی ہوجاتا، وہ واپس کرتا، تو ہمارے نزدیک ہزار ہی دَیْن کو اس نے وصول کرنا تھا، سو نہیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ ہمارے نزدیک قیمت کے کم ہونے سے دَیْن ساقط نہیں ہوتا، تو اگر یہ غلام زندہ ہوتا اور قیمت کم ہوتے ہوتے سو ہوجاتی تو بھی وہ ہزار دے کر ہی اس غلام کو چھڑوا سکتا تھا، سو دے کر اس غلام کو نہیں چھڑوا سکتا کیونکہ قیمت کے کم ہونے سے دَیْن ساقط نہیں ہوتا دَیْن پورا ہی دینا پڑتا۔ لیکن یہاں تو غلام اس کے پاس ہلاک ہو چکا ہے، غلام ہلاک ہو چکا ہے، اور رہن پر قبضہ کس لیے ہوتا ہے؟ وصولی والا، تو گویا اس نے پورا دَیْن وصول کر لیا تھا جس وقت اس نے اس پر ابتداء میں قبضہ کیا تھا، اور پھر وہ غلام اس کے پاس ہلاک بھی ہوگیا تو وہ وصولی پکی ہوگئی، اب واپسی کی کوئی صورت نہ رہی۔ لیکن اس غلام کے ہلاک ہونے پر اس کو اس غلام کا بدل سو درہم مل گیا، تو وہ سو درہم اسی کے ہوگئے، وہ سو درہم اسی کے ہوگئے۔ ہمیں وہی غلام دے گا تو ہزار کے ہزار پورے لے لے گا، لیکن بدل دے کر وہ ہزار لے لے؟ نہیں بھئی، ہم نے بدل آپ کے پاس نہیں رکھوایا تھا ہم نے غلام رکھوایا تھا، ہمیں غلام چاہیے۔ لہٰذا اس صورت میں گویا اس نے اپنے دَیْن پر پورا قبضہ کر لیا۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

پھر اسی میں ایک اور مسئلہ پڑھا تھا کہ غلام رکھوایا تھا ہزار درہم کا اور دَیْن بھی تھا ہزار درہم، اور پھر اس غلام کی قیمت کم ہوتے ہوتے سو درہم رہ گئی، اور پھر مُرْتَہِن نے رَاہِن کے کہنے پر، رَاہِن کے حکم پر، رَاہِن کی اجازت سے اس غلام کو آگے بیچ دیا، اور سو درہم موصول ہوگئے۔ تو یاد رکھیے یہ جو سو درہم ہیں یہ مُرْتَہِن کے سو درہم موصول ہوگئے، باقی نو سو درہم ابھی بھی کس سے وصول کرے گا؟ رَاہِن سے وصول کرے گا۔ بھئی کیوں؟ اس نے اس کا غلام بیچا ہے؟ کہتے ہیں بھئی دیکھیے رَاہِن کی اجازت سے جب اس نے غلام بیچا تو یہ ایسے ہی ہے جیسے رَاہِن نے خود بیچا۔ اور رَاہِن اس سے غلام لے کر بیچ دیتا اور بیچ کر سو درہم وصول ہوتے اور پھر کہتا یہ سارے دَیْن کے بدلے ہے، تو یہ سارے دَیْن کے بدلے بننا تھا؟ نہیں، دَیْن تو ہزار تھا بھئی۔ اگر وہ خود بھی غلام کو بیچ کر سو درہم ادا کرتا تو سو درہم ہی ادا ہونے تھے اور نو سو درہم باقی رہنے تھے، تو یہاں پر بھی ایسا ہے جب اس نے رَاہِن کی اجازت سے غلام کو بیچا ہے تو سو درہم موصول ہوئے تو سو ہی درہم دَیْن سے ساقط ہوں گے، باقی نو سو وہ وصول کرے گا۔

تیسری صورت تھی بھئی کہ اس غلام کو، یہ غلام کسی نے کسی کے پاس بطورِ رہن کے رکھوایا، دَیْن بھی ایک ہزار اور غلام بھی ایک ہزار کا؛ پھر اس غلام کو ایک دوسرے غلام نے جو سو کا تھا، سو درہم کا، اس نے قتل کر دیا۔ تو اس کے مالک نے وہی غلام مُرْتَہِن کے حوالے کر دیا۔ کس کے حوالے کر دیا؟ مُرْتَہِن کے پاس تھا نا وہ غلام جب قتل کیا گیا، تو ضَمَان بھی مُرْتَہِن نے وصول کر لیا، اور ضَمَان میں وہ سو درہم والا غلام آگیا۔ تو شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یوں سمجھیں گے کہ غلام میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، رہن جو رکھوایا تھا وہ بھی تھا غلام اور جو یہ واپس کرے گا یہ بھی ہے غلام؛ وہ اگرچہ ہزار والا تھا یہ اگرچہ سو والا ہے لیکن ہے تو غلام، صورت میں بھی اسی کی طرح ہے اور معنی کے اعتبار سے بھی اسی کی طرح ہے، وہ بھی گوشت اور خون سے بنا ہوا ایک انسان تھا یہ بھی گوشت اور خون سے بنا ہوا انسان ہے، وہ بھی غلام تھا یہ بھی غلام، لہٰذا یہ جب غلام واپس کرے گا اب وہ ہزار والا غلام تو نہیں ہے اب تو کون سا غلام واپس کر رہا ہے سو والا، لیکن دَیْن پورا ہزار ہی وصول کرے گا، ہزار ہی وصول کرے گا یعنی پورا دَیْن دینا پڑے گا، اس سو والے غلام کو چھڑانے کے لیے سو درہم نہیں دینے پڑیں گے ہزار درہم ہی دینے پڑیں گے۔

جبکہ امامِ محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غلام کے اندر تبدیلی آگئی، تبدیلی آگئی، یہ غلام اور ہے وہ غلام اور تھا، لہٰذا اب رَاہِن کو اختیار ہوگا: چاہے تو پورا دَیْن دے کر اس سو والے غلام کو چھڑا لے، اور چاہے تو اس مُرْتَہِن سے کہے کہ یہ غلام تمہارا ہوگیا تمہارے مال کے بدلے، وہ دَیْن میرا ہوگیا اور یہ غلام تمہارا ہو... میں نے یہ غلام کس کے بدلے رکھوایا تھا؟ دَیْن کے بدلے نا، تو وہ دَیْن میرا ہوگیا بس اب میں نے آپ کا کوئی دَیْن نہیں دینا اور یہ غلام آپ کا ہوگیا۔ یہ امامِ محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ امامِ محمد رحمہ اللہ اس رہن کو قیاس کرتے ہیں، یہ رہن جس میں تبدیلی آگئی وہ اس کو قیاس کرتے ہیں اس

مَبِیع پر جس میں تبدیلی آجائے۔ مثلاً میں نے آپ سے ایک غلام خریدا دس لاکھ کا اور ابھی میں نے قبضہ نہیں کیا تھا، وہ غلام ابھی بائع کے پاس ہی تھا کہ کسی نے اس غلام کو قتل کر دیا اور کسی غلام نے قتل کیا، اور پھر وہ جو قاتل غلام تھا اس کے آقا نے ضَمَان کے طور پر وہ قاتل غلام ہی بائع کو دے دیا کہ یہ میرے غلام... تمہارے غلام کو اس نے قتل کیا بدلے میں یہ غلام تم رکھو۔ اب وہ اس...

مُشْتَرِی کو وہ قاتل غلام دینا چاہتا ہے۔ تو یہاں دیکھو مَبِیع تو دوسرا غلام تھا اور اب بدل چکا ہے، اور یہاں پر بالاتفاق اس مُشْتَرِی کو اختیار ہوتا ہے: وہ چاہے تو اسی قاتل غلام کو قبول کر لے مَبِیع کے طور پر، اور چاہے تو اس بیع کو فسخ کر دے۔ تو جیسے یہاں پر جب مَبِیع میں تبدیلی آجائے تو مُشْتَرِی کو اختیار ملتا ہے، تو یہاں رہن کے اندر بھی جب تبدیلی آگئی تو رَاہِن کو اختیار ہوگا: چاہے اس غلام کو لے لے اور ہزار دے دے، اور چاہے تو اس مُرْتَہِن سے کہے کہ غلام تم رکھو اور دَیْن میں رکھ لوں گا اس کے بدلے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جبکہ امامِ زُفَر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رکھوایا تھا غلام ہزار والا، اور یہ غلام ہے سو والا، تو یہ ایسے ہی ہے جیسے غلام کے نرخ کم ہوگئے، اس کی قیمت کم ہوگئی؛ اور جب قیمت رہن کی کم ہوتی ہے تو دَیْن بھی اتنا ہی ساقط ہوتا ہے، چنانچہ امامِ زُفَر فرماتے ہیں کہ رَاہِن جو ہے اب یہ سو والا غلام ہے تو صرف سو درہم دے گا اور اس غلام کو چھڑا لے گا اور باقی دَیْن ساقط ہوگیا۔

ہم جواب دیتے ہیں امامِ محمد اور امامِ زُفَر کو، ہم کہتے ہیں کہ یہ جو غلام اگرچہ بدل گیا ہے لیکن اس کو ایسے ہی سمجھیں گے کوئی تبدیلی ہے ہی نہیں، یہ اسی غلام کا قائم مقام ہے: وہ بھی غلام تھا یہ بھی غلام ہے، وہ بھی گوشت خون سے بنا ہوا انسان تھا یہ بھی گوشت اور خون سے بنا ہوا انسان ہے، رہن بھی غلام رکھوایا تھا اور وہ واپس بھی غلام ہی کر رہا ہے، تو یوں سمجھیں گے اس غلام کی قیمت میں صرف کمی آگئی ہے اور قیمت میں کمی آنے کی وجہ سے دَیْن ساقط نہیں ہوتا، لہٰذا پورا ہزار دَیْن دینا پڑے گا اس سو والے غلام کو چھڑانے کے لیے۔

اور امامِ محمد رحمہ اللہ کو یہ بھی جواب دیتے ہیں کہ وہاں پر مُشْتَرِی کو فسخ کا اختیار ہوتا تھا، کس کا؟ فسخ کا، اور فسخ رہن کے اندر تو فسخ نہیں ہو سکتا بھئی، یا رہن کے اندر تو فسخ نہیں ہو سکتا۔ وہاں تو کیا تھا؟ ثَمَن کس نے دینے تھے؟ مُشْتَرِی کے پاس، مُشْتَرِی نے اپنے پاس ہی رکھ لیے، اور مَبِیع کس کے پاس تھا؟ بائع کے پاس، جب فسخ کیا تو مَبِیع بائع نے ہی رکھ لیا، اپنی چیز اپنی اپنی چیز اپنے پاس رکھ لی۔ اور یہاں کیسا فسخ ہے؟ یہاں تو رَاہِن کے اوپر دَیْن ہے وہ کس کا حق ہے؟ وہ کس کے ہیں، وہ کس نے دیے تھے؟ مُرْتَہِن نے دیے تھے، اور مُرْتَہِن کے پاس غلام ہے وہ کس نے دیا تھا؟ رَاہِن کے پاس، تو یہ وہ بیع والی صورت نہیں ہے، یہاں فسخ نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد ایک اور مسئلہ آپ نے پڑھا تھا کہ اگر رہن نے غلطی سے کوئی کسی اور پر جنایت کر دی، غلام نے رَاہِن یا مُرْتَہِن کے بجائے کسی اور کو جانی یا مالی نقصان پہنچایا، تو اس صورت میں اس کا ضَمَان ادا کرنا مُرْتَہِن کے ذمے ہوگا، کہ وہ ضَمَان دے کر اس غلام کو چھڑائے، کیونکہ ہم نے سالم غلام مُرْتَہِن کے حوالے کیا تھا تو مُرْتَہِن پر بھی لازم ہے کہ وہ جنایت سے چھڑا کر سالم غلام ہمارے حوالے کرے۔ تو اگر وہ رہن غلام کسی اور کو نقصان پہنچائے تو وہ ضَمَان ادا کرنا کس کے ذمے ہوگا؟ مُرْتَہِن کے، اور وہ فدیہ دے گا، ہاں غلام نہیں دے سکتا کیونکہ وہ تو اس غلام کا مالک نہیں ہے، اس غلام کا مالک تو رَاہِن ہے بھئی۔ اور اگر مُرْتَہِن نے انکار کر دیا کہ میں تو کوئی پیسے نہیں ادا کرتا، تو پھر رَاہِن جو ہے وہ اس غلام کو بھی دے سکتا ہے اور فدیہ دے کر اس کو چھڑا بھی سکتا ہے، وہی جیسے جب غلام جنایت کرے تو کیا کیا جاتا ہے؟ یا غلام ہی دیا جاتا ہے یا مال دے کر اس کو چھڑایا جاتا ہے، تو یہاں رَاہِن بھی کر سکتا ہے کہ چاہے تو وہ غلام ہی دے دے اور چاہے تو فدیہ دے کر اس کو چھڑا لے۔ بہرحال دونوں صورتوں میں مُرْتَہِن کا دَیْن ساقط ہوجائے گا، کیونکہ اس غلام نے جنایت کس کے پاس کی ہے؟ مُرْتَہِن کے پاس کی ہے، مُرْتَہِن کا کام تھا اس کو حفاظت کے ساتھ رکھے، جنایت سے بچا کر رکھے، تو لہٰذا ضَمَان اس پر آئے گا، اور یہاں پورا غلام ہاتھ سے نکل گیا تو لہٰذا پورا دَیْن بھی کیا ہوگا؟ ساقط۔ اور اس پر پھر نیچے شارح نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہاں بھی بھئی وہ اَقَلّ کا لحاظ رکھنا ہے، ماتن نے تو اَقَلّ کو ذکر نہیں کیا کیونکہ اکثر ہوتا یہی ہے کہ رہن کی قیمت دَیْن سے زیادہ ہوا کرتی ہے، لیکن اگر رہن کی قیمت دَیْن سے کم ہوئی تو پھر اس صورت میں مُرْتَہِن اتنے کا وصول کرنے والا ہوگیا اور باقی وہ رَاہِن سے پھر بھی وصول کرے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۴۳: فصل فی المتفرقات: عصیرِ مرہون کا خمر و سرکہ بننا، جنایتِ عبدِ مرہون اور اقرارِ غصب کے مسائل

شرح الوقایہ صفحہ: ۹۲ — بتاریخ: ۱۱ فروری ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق: فَصْلٌ فِي الْمُتَفَرِّقَاتِ. عَصِيرٌ قِيمَتُهُ عَشَرَةٌ رُهِنَ بِهَا فَتَخَمَّرَ وَتَخَلَّلَ وَهُوَ يَعْدِلُهَا أَيِ الْخَلُّ يَعْدِلُ عَشَرَةً بَقِيَ رَهْنًا بِهَا فَالْحَاصِلُ أَنَّ مَا هُوَ مَحَلٌّ لِلْبَيْعِ مَحَلٌّ لِلرَّهْنِ وَمَا لَيْسَ مَحَلًّا لِلْبَيْعِ لَيْسَ مَحَلًّا لِلرَّهْنِ وَالْخَمْرُ لَيْسَ مَحَلًّا لِلْبَيْعِ ابْتِدَاءً لَكِنْ مَحَلٌّ لَهُ بَقَاءً فَكَذَا لِلرَّهْنِ.

فَصْلٌ فِي الْمُتَفَرِّقَاتِ. کِتَابُ الرَّهْنِ کی آخری فصل آج ہم پڑھیں گے بھئی اور اس میں کچھ متفرق قسم کے مسائل مصنف ذکر فرمائیں گے جن کا تعلق کسی پیچھے جتنی فصلیں گزریں رہن کی ان میں سے کسی سے نہیں بنتا تھا، تو ان کو متفرقات کے فصل میں ان کو یہاں اکٹھا اب ذکر کر دیں گے۔

صورتِ مسئلہ یہ ہے بھئی: عَصِيرٌ قِيمَتُهُ عَشَرَةٌ رُهِنَ بِهَا. صورتِ مسئلہ یہ: کسی شخص کے پاس انگور کا رس تھا اور اس کی رس کی قیمت دس درہم تھی۔ وہ اس نے کسی کے پاس بطورِ رہن کے رکھوا دیا، اور پھر وہ جو انگور کا رس جو انگور کا شیرہ تھا وہ مرتہن کے پاس پڑے پڑے شراب بن گیا، اور پھر پڑے پڑے وہ سرکہ بن گیا، اور وہ سرکہ جو ہے وہ بھی دس درہم کا ہے۔ جو رس رکھوایا تھا وہ بھی کتنا تھا؟ دس درہم، اور یہ جو سرکہ ہے یہ بھی دس درہم کا ہے، اور دَین بھی دس درہم تھا۔ دَین بھی کتنا لیا تھا؟ دس درہم دَین لے کر دس درہم کا رس رکھوایا انگور کا، انگور کا شیرہ رکھوایا، اور پھر وہ پڑے پڑے شراب بن گیا اور پھر پڑے پڑے سرکہ بن گیا اور اس سرکے کی قیمت بھی دس درہم ہے۔ تو یاد رکھیے، کہتے ہیں یہ سرکہ ابھی بھی رہن ہے۔ درمیان میں شراب بن گیا تھا اور شراب تو محلِ رہن نہیں، تو آپ یہ نہ کہیں اب یہ رہن ہونے سے نکل گیا ہے، نہیں یہ ابھی بھی رہن ہے۔ اور لہٰذا وہ راہن جو ہے وہ دس درہم دے گا اور یہ دس درہم کا سرکہ چھڑا لے گا۔

کہتے ہیں عَصِيرٌ قِيمَتُهُ عَشَرَةٌ، توجہ سے بھئی، عَصِيرٌ ہے نکرہ، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، اور ویسے ہی صفت بنتا ہے وہ فعل یا پورا جملہ بن کر صفت بنے گا؟ پورا جملہ بن کر۔ معلوم ہوا جملہ جو ہوتا ہے وہ

نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ خود جملے کے اندر چاہے بیس معرفہ آجائیں، لیکن جب وہ مل جل کر پورا ایک جملہ بن جائے گا تو وہ نکرہ بن گیا، اور نکرہ کے بعد نکرہ آئے تو وہ اس کی صفت بنتا ہے۔ یہاں بھی عَصِيرٌ نکرہ ہے اور قِيمَتُهُ عَشَرَةٌ یہ جملہ ہے پورا، قِيمَتُهُ ہے مبتدا اور عَشَرَةٌ ہے اس کی خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوا، تو نکرہ کے بعد جملہ اسمیہ آیا تو یہ اس کی صفت بنے گا۔ توجہ ہے؟ اور صفت بنے گا، اور موصوف صفت کا ترجمہ پھر کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لاتے ہیں۔ اب دیکھنا ترجمہ کتنا بہترین ہوگا: عَصِيرٌ قِيمَتُهُ عَشَرَةٌ ایسا رس انگور کا جس کی قیمت دس درہم تھی، رُهِنَ بِهَا اس کو رہن رکھوایا گیا، بِهَا یہ ہا ضمیر راجع ہے عَشَرَةٌ کو، اس کو رہن رکھوایا گیا دس کے بدلے، معلوم ہوا دَین بھی کتنا تھا؟ دس درہم۔ فَتَخَمَّرَ پھر وہ انگور کا جو رس تھا وہ شراب بن گیا، وَتَخَلَّلَ یہ واو بمعنی ثُمَّ کے ہے بھئی، اور پھر وہ شراب سرکہ بن گئی، سرکہ بن گئی، وَهُوَ يَعْدِلُهَا اس حال میں کہ وہ سرکہ بھی يَعْدِلُهَا یہاں پھر ہا ضمیر عَشَرَةٌ کو راجع ہے اور عَدَلَ يَعْدِلُ کا معنی ہے برابر ہونا، اور وہ سرکہ بھی دس کے برابر ہے، اس کی قیمت بھی کتنی ہے؟ دس۔ دیکھیے خود بتلا رہے ہیں: أَيِ الْخَلُّ يَعْدِلُ عَشَرَةً، ضمیروں کا مرجع بتلا دیا: هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ خَلٌّ کو۔ بھئی سوال: پیچھے تو خَلٌّ کا ذکر نہیں آیا؟ کہتے ہیں بھئی تَخَلَّلَ فعل تو آیا تھا بھئی، بات سمجھ میں آگئی، تو اس کے ضمن میں آگیا، سرکے کا ذکر بھی آگیا، اور يَعْدِلُهَا تھا متن میں، بتلا دیا يَعْدِلُ عَشَرَةً کہ یہ ہا ضمیر کس کو راجع؟ عَشَرَةٌ کو۔ أَيِ الْخَلُّ يَعْدِلُ عَشَرَةً وہ سرکہ دس کے برابر تھا۔ بَقِيَ رَهْنًا بِهَا تو وہ باقی رہے گا رہن ہو کر بِهَا أَيْ بِالْعَشَرَةِ، کس کے بدلے؟ دس کے بدلے ہی رہن ہو کر باقی رہے گا۔

اور یہ جو انہوں نے کہا نا کہ وہ سرکہ بن گیا اور اس کی قیمت بھی دس تھی، قیمت بھی، یہ قیدِ اتفاقی ہے ضروری نہیں کیونکہ آپ پڑھ چکے قیمت کے کم ہونے سے دَین ساقط نہیں ہوتا، لہٰذا اگر اس کی قیمت کم بھی ہو جاتی تو بھی یہ دس ہی کے بدلے رہن رہتا، دس ہی کے بدلے رہن رہتا، دس درہم دیتا اور پھر اس سرکے کو چھڑواتا۔ ہاں اگر اس سرکے کی مقدار کم ہو گئی، خشک ہو گیا تھوڑا سا، تو مقدار کے کم ہونے سے عین کے اندر جب کمی آجائے تو پھر اس صورت میں دَین ساقط ہوتا ہے۔ اگر اس کے عین میں کمی آئی تو پھر اس صورت میں دَین بھی اتنا ہی ساقط ہوگا۔

فَالْحَاصِلُ، حاصلِ کلام یہ: أَنَّ مَا هُوَ مَحَلٌّ لِلْبَيْعِ مَحَلٌّ لِلرَّهْنِ. اچھا یہاں سے ضابطہ بتلا رہے ہیں آپ کو، قیمتی ضابطہ، یاد رکھو جو چیز محلِ بیع ہے وہ محلِ رہن بھی ہے۔ یعنی یوں کہو آسان لفظوں میں، جو چیز بیعہ بن سکتی ہے وہ رہن بھی بن، وہ مرہون بھی بن سکتی ہے۔ اور شراب بیعہ بن سکتی ہے؟ نہیں، تو وہ مرہون بھی نہیں بن سکتی۔ تو کہتے ہیں حاصل یہ ہے کہ أَنَّ مَا هُوَ مَحَلٌّ لِلْبَيْعِ مَحَلٌّ لِلرَّهْنِ کہ جو چیز محل ہو بیع کا وہ محل ہوتی ہے رہن کا بھی۔ وَمَا لَيْسَ مَحَلًّا لِلْبَيْعِ لَيْسَ مَحَلًّا لِلرَّهْنِ اور جو چیز بیع کا محل نہیں وہ رہن کا بھی محل نہیں ہے۔ وَالْخَمْرُ لَيْسَ مَحَلًّا لِلْبَيْعِ ابْتِدَاءً اور شراب جو ہے وہ محلِ بیع نہیں ہے ابتداءً، لَكِنْ مَحَلٌّ لَهُ بَقَاءً لیکن وہ بقاءً محلِ بیع ہے۔ وہ بقاءً کیا ہے؟

ایک ہے ابتدا، ایک ہے بقا۔ ابتدا کے اعتبار سے شراب جو ہے وہ بیعہ نہیں بن سکتی، کوئی مسلمان کسی کو شراب بیچنا

چاہتا ہے یا خریدنا چاہتا ہے، نہیں بھئی یہ محلِ بیع ہے ہی نہیں، یہ بیعہ بن ہی نہیں سکتی۔ لیکن بقا کے اعتبار سے یہ بیعہ بن سکتی ہے۔ مثلاً کسی نے کسی کو انگور کا رس بیچا، عقد ہو گیا، لیکن ابھی اس نے انگور کا رس حوالے نہیں کیا تھا کہ اس سے پہلے ہی یہ رس جو ہے شراب بن گیا، تو عقد جو ہے وہ ختم نہیں ہوگا، عقد ابھی بھی ہے۔ تو یہ عقد ابتداءً شراب پر منعقد ہوا تھا یا ابتداءً انگور کے رس پر منعقد ہوا تھا؟ انگور، تو ابتداءً تو اگر شراب ہوتی تو وہ بیعہ نہ بن سکتی، لیکن بقاءً یہ بیعہ بن سکتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر بھی آپ یہ نہ کہیں کہ وہ رس شراب بن گیا تھا تو عقدِ رہن ہی ختم ہو گیا۔ عقدِ رہن ابتداءً تو شراب پر نہیں ہو سکتا، آپ شراب کو رہن نہیں رکھوا سکتے، لیکن بقاءً شراب جو ہے وہ بیعہ اور رہن بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، اور پھر اس کے بعد بالخصوص جب شراب دوبارہ سرکہ بن بھی گئی تو ابھی بھی وہ رہن ہی ہے۔

تو کہتے ہیں وَالْخَمْرُ لَيْسَ مَحَلًّا لِلْبَيْعِ ابْتِدَاءً لَكِنْ مَحَلٌّ لَهُ بَقَاءً، اور شراب جو ہے وہ محلِ بیع نہیں ہے ابتدا کے اعتبار سے لیکن وہ محلِ بیع ہے بقا کے اعتبار سے۔ فَكَذَا لِلرَّهْنِ تو اسی طرح رہن میں بھی، رہن کے لیے بھی ہے، یعنی ابتدائے رہن کے لیے تو شراب مرہون نہیں بن سکتی، لیکن بقائے رہن کے لیے وہ شراب مرہون بن سکتی ہے، تو اسی لیے وہ، یہ رہن کا عقد ٹھیک ہو گیا۔

وَشَاةٌ قِيمَتُهَا عَشَرَةٌ رُهِنَتْ بِهَا فَمَاتَتْ فَدُبِغَ جِلْدُهَا فَعَدَلَ دِرْهَمًا فَهُوَ رَهْنٌ بِهِ. صورتِ مسئلہ یہ ہے بھئی: ایک شخص کے پاس، ایک شخص نے دوسرے شخص کے پاس بکری رکھوائی بطورِ رہن کے، اور اس بکری کی قیمت دس درہم تھی اور دَین بھی دس درہم تھا۔ پھر یہ بکری اس مرتہن کے پاس ہلاک ہو گئی، اور آپ نے پڑھا ہے کہ مرتہن کے پاس رہن ہلاک ہو جائے تو اسی کے بقدر دَین بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ تو بکری مر گئی، لیکن اس نے اس کی کھال اتروائی اور کھال کو دباغت دی۔ دباغت، کھال کو محفوظ کیا یعنی اس کو خاص طریقہ ہوتا ہے، اس خاص طریقے کے ذریعے کھال کو محفوظ کر لیا، اتار لیا، محفوظ کر لیا اور قابلِ استعمال بنا لیا۔ اب یہ جو کھال اتاری یہ ایک درہم کی ہے۔ یہ ایک درہم کی ہے۔ تو کہتے ہیں بھئی اب یہ جو کھال ہے اس کو راہن ایک درہم دے کر چھڑا لے گا۔ گویا باقی نو درہم ہلاک ہو گئے اور ایک درہم کا رہن رہ گیا، تو اتنا ہی دَین بھی ساقط ہو گیا، لہٰذا ایک درہم دے گا اور ایک درہم کی کھال چھڑوا لے گا۔ کیوں؟ کیونکہ آپ نے پڑھا ہے رہن کے ہلاک ہونے سے دَین کیا ہوتا ہے؟ ساقط۔ یہاں بکری ہلاک ہوئی تو دَین ساقط ہوا، لیکن اس نے کھال کو بچا لیا، گویا کچھ حصے کو دوبارہ زندگی دے دی، اس کو بچا لیا، تو اتنا ہی دَین وصول کر لے گا۔

وَشَاةٌ قِيمَتُهَا عَشَرَةٌ، یہاں پھر وہی ترکیب: شَاةٌ ہے نکرہ، اور قِيمَتُهَا عَشَرَةٌ یہ پورا جملہ اسمیہ ہے مبتدا خبر ہیں، یہ اس کی صفت بنیں گے۔ وَشَاةٌ قِيمَتُهَا عَشَرَةٌ اور ایسی بکری جس کی قیمت دس درہم تھی، رُهِنَتْ بِهَا اس کو رہن رکھوایا گیا بِهَا أَيْ بِعَشَرَةٍ دس کے بدلے، فَمَاتَتْ وہ بکری مر گئی، فَدُبِغَ جِلْدُهَا تو دباغت دی گئی اس کی کھال کو، فَعَدَلَ دِرْهَمًا تو وہ کھال برابر

ہوئی ایک درہم کے، فَهُوَ رَهْنٌ بِهِ تو وہ رہن ہے اس ایک درہم کے بدلے میں۔

وَنَمَاءُ الرَّهْنِ كَوَلَدِهِ وَلَبَنِهِ وَصُوفِهِ وَثَمَرِهِ لِرَاهِنِهِ وَهُوَ رَهْنٌ مَعَ أَصْلِهِ وَيَهْلِكُ بِلاَ شَيْءٍ. صورتِ مسئلہ یہ ہے بھئی، یاد رکھنا رہن کے اندر کوئی بڑھوتری آئے، کوئی اضافہ ہو جائے تو وہ بھی اس کے ساتھ ہی رہن رہے گا۔ مثلاً آپ نے اس کے پاس باندی رکھوائی تھی، اس باندی نے بچے کو جنم دیا، یا آپ نے اس کے پاس گائے بکری وغیرہ رہن کے طور پر رکھوائی تھی اور انہوں نے بچے دے دیے، یا اسی طرح گائے بکری وغیرہ ہے ان کا جو دودھ ہے دیکھو ان کے منافع، ان کے منافع ہوں چاہے ان میں زیادتی ہو یہ سب چیزیں اسی میں، تو اس کا دودھ وغیرہ ہے، یا اسی طرح کوئی درخت رہن رکھوائے تھے اور ان درختوں پر پھل لگ گئے، تو یہ سب کس کے ہیں؟ کہتے ہیں بھئی کہ جس کی چیز تھی یہ زیادتی اور منافع بھی اسی کے ہیں، یہ سب راہن کے ہیں، جی۔ اور ہاں، یہ بھی اصل کے ساتھ رہن رہیں گے۔ راہن ان کو لے جانا چاہتا ہے؟ نہیں بھئی یہ اب اس اصل کے ساتھ ہی یہ بھی رہن رہیں گے، اور راہن جب پورا دَین ادا کرے گا تو رہن کے ساتھ ساتھ ان منافع اور زیادتیوں کو بھی کیا کرلے گا؟ چھڑوا، وصول کرلے گا۔

یہ معنی ہے وَنَمَاءُ الرَّهْنِ، نَمَاء کہتے ہیں افزائش، بڑھوتری، کسی چیز میں جو زیادتی ہو۔ وَنَمَاءُ الرَّهْنِ اور رہن میں جو افزائش ہے، كَوَلَدِهِ جیسے کہ اس کے اولاد، وَلَبَنِهِ اور اس کا دودھ، وَصُوفِهِ اور اس کے جو بال ہیں، اس کی اون۔ بال بھئی یہ جو بھیڑ وغیرہ ہے یا اونٹ وغیرہ کے بال ہیں، ان کو اتارا جاتا ہے اور ان سے اونی کپڑے وغیرہ بنائے جاتے ہیں گرم چیزیں، تو یہ مراد، وہ صُوف جو ہے وہ اون یعنی وہ بال مراد ہیں۔ وَصُوفِهِ اور اس کے بال، وَثَمَرِهِ اور اس کے پھل جیسے کہ، لِرَاهِنِهِ یہ، یہ سب کس کے ہیں؟ یہ راہن کے ہیں۔ وَهُوَ رَهْنٌ مَعَ أَصْلِهِ اور یہ رہن رہیں گے اصل کے ساتھ، یعنی جو اصل رہن رکھوایا تھا اس کے ساتھ یہ بڑھوتری بھی رہن رہے گی۔ وَيَهْلِكُ بِلاَ شَيْءٍ اور یہ ہلاک ہوگی بغیر چیز کے، بغیر کسی چیز کے بدلے۔ یعنی اگر یہ بڑھوتری جو ہے یہ ہلاک ہو گئی، وہ گائے بھینس نے بچے دیے اور وہ بچے ہلاک ہو گئے، تو اس کی وجہ سے دَین ساقط نہیں ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو جو بھی بڑھوتری ہلاک ہو جائے وہ بغیر کسی عوض کے ہلاک ہوتی ہے، بغیر کسی چیز کے بدلے۔

وَيَهْلِكُ بِلاَ شَيْءٍ اور یہ ہلاک ہوں گے بغیر کسی چیز کے۔ فَإِنَّهُ لَمْ يَدْخُلْ تَحْتَ الْعَقْدِ مَقْصُودًا اس لیے کیونکہ یہ عقدِ رہن میں داخل نہیں ہیں مقصود ہو کر۔ کیونکہ یہ عقدِ رہن میں مقصود ہو کر داخل نہیں۔ بھئی عقدِ رہن جب ہوا تھا، وہ میں نے گائے بھینسیں تو رہن رکھوائی تھیں، وہ تو مقصود تھے رہن رکھوانا، تو وہ تو رکھوانا مقصود تھا، یہ بچوں کا رکھوانا تو مقصود نہیں تھا، یہ تو بعد میں زیادتی ہوئی ہے، تو وہ چونکہ عقدِ رہن کے تحت داخل نہیں، مقصود نہیں، اس لیے ان کے، ان کے مرنے سے کوئی دَین ساقط نہیں ہوگا۔ یہ معنی ہے فَإِنَّهُ لَمْ يَدْخُلْ تَحْتَ الْعَقْدِ مَقْصُودًا اس لیے کیونکہ یہ عقدِ رہن کے تحت داخل نہیں ہے مقصود ہو کر۔

فَإِنْ هَلَكَ أَصْلُهُ وَبَقِيَ هُوَ فُكَّ بِقِسْطِهِ يُقَسَّمُ الدَّيْنُ عَلَى قِيمَتِهِ يَوْمَ فَكِّهِ. صورتِ مسئلہ یہ: انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ جو

بڑھوتری ہے اس کے مرنے سے دَین ساقط نہیں ہوگا۔ اس کے مقابلے میں معلوم ہوا کوئی دَین نہیں، اس کے مقابلے میں دَین نہیں۔ کیوں؟ کیونکہ یہ مقصود نہیں ہیں، اس عقدِ رہن میں یہ مقصود نہیں تھے، ان پر رہن منعقد نہیں ہوا تھا۔ لیکن اگر یہ مقصود بن گئے، پھر ان کے مقابلے میں بھی دَین آجائے گا۔ اگر یہ مقصود بن گئے، جن کا مقصود جس کا انسان ارادہ کرتا ہے، کیا کرتا ہے؟ قصد کرتا ہے۔ اگر یہ مقصود بن گئے پھر ان کے مقابلے میں بھی دَین آئے گا۔ وہ کیسے؟ کہتے ہیں دیکھو اگر فرض کرو آپ نے اپنی بھینس رکھوائی تھی بطورِ رہن کے، اس بھینس نے بچے دے دیے۔ اب یہ جو بچے ہیں ان کے مقابلے میں تو دَین نہیں، لیکن اگر وہ بھینس مر گئی، مر گئی، اب آپ بچوں کو چھڑوانا چاہتے ہیں، تو بچے مقصود بن گئے، چھڑوا۔ ان کا مقصود بن گیا آپ کا، اب ان کے مقابلے میں دَین آئے گا۔ تو اب کیا کریں گے بھئی؟ بھینس اس کے پاس مر گئی ہے، کہتے ہیں بھینس کی وجہ سے جو نقصان ہوا دَین اس سے ساقط ہوگا۔ لیکن اس کا طریقہ یہ ہے کہ بھینس کی بھی قیمت لگائیں گے اور بچے کی بھی قیمت لگائیں گے، اور ان سارے، اس سارے کے مقابلے میں وہ دَین ہو جائے گا۔ توجہ ہے؟ اس سارے کے مقابلے میں وہ دَین ہو جائے گا، اور پھر جتنا بھینس کے مقابلے میں آیا، بھینس کے مرنے سے وہ ساقط ہو جائے گا، اور جو بچے کے مقابلے میں آیا وہ واپس کرنا پڑے گا، اس کو دے کر چھڑوانا پڑے گا۔ مثلاً، مثلاً ایک شخص نے دس درہم دَین لیا اور بھینس اپنی رہن رکھوا دی، اور اس بھینس نے ایک بچہ دیا، اور پھر وہ بھینس ہلاک ہو گئی۔ اب یہ بعد میں مدت آگئی، وہ چلا گیا اس بچے کو چھڑوانے۔ اس نے کہا اس بچے کے مقابلے میں جو دَین ہے وہ ادا کر دو، بھینس کے مقابلے میں جو دَین ہے وہ تو ساقط ہو گیا، وہ مرتہن کے پاس ہلاک ہو گئی۔ تو اس کی قیمت لگائیں گے، بھینس کی قیمت بھی لگائیں گے اور بچے کی بھی۔ لیکن اس میں پھر یاد رکھنا، بھینس کی وہ قیمت لگائیں گے جس دن مرتہن نے اس کو اپنے قبضے میں لیا تھا، اور اس دن فرض کرو وہ بھینس تھی دس درہم کی۔ دَین بھی کتنا تھا؟ دس درہم، اور بھینس بھی کتنے کی تھی؟ دس درہم۔ بھینس کی وہ قیمت لگائیں گے، اور بچے کی وہ قیمت لگائیں گے جب وہ اس کو چھڑا رہا ہے، جس وقت اس کو چھڑا، اور جس وقت چھڑا رہا ہے فرض کرو اب وہ بچہ بھی پانچ درہم کا ہو چکا ہے۔ تو بھینس اور بچے کی کل قیمت کتنی ہوئی؟ پندرہ درہم۔ تو گویا پندرہ درہم کے مقابلے میں دس درہم تھے، دَین۔ دَین کتنا تھا؟ دس درہم۔ تو گویا پندرہ درہم کے رہن تھا اور دس درہم دَین تھا۔ تو اب گویا ہر پانچ درہم کے بدلے، ہر پانچ درہم کے بدلے دَین کا ایک ثلث آرہا ہے۔ دَین کی ادھر بھی کتنے حصے کر دو؟ رہن کے تین حصے کر دو پانچ پانچ والے، ادھر دس کے تین حصے کر دو، یہ ہر پانچ درہم کے بدلے سوا تین سوا تین تقریباً یہ رہن بن رہا ہے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ اور اس پندرہ میں سے کتنے ہلاک ہو چکے؟ دس، بھینس ہلاک ہو گئی دس درہم والی، تو بھینس دس درہم والی ہلاک ہو گئی، ایک ثلث رہ گیا، ایک ثلث رہ گیا، تو دَین میں سے بھی دو ثلث چھوڑ دیں گے اور ایک ثلث یعنی تقریباً سوا تین کے لگ بھگ وہ درہم ادا کرے گا اور اس پانچ درہم والے بچے کو چھڑا کر لے جائے گا۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ جی۔

اب دیکھیے کتاب پر: فَإِنْ هَلَكَ أَصْلُهُ پس اگر اس کے اصل ہلاک ہو گئی، وَبَقِيَ هُوَ اور وہ نَمَاء رہ گئی، نَمَاء کی اصل ہلاک ہو گئی، جانور ہلاک ہوا اور بچہ رہ گیا، تو کہتے ہیں فَإِنْ هَلَكَ أَصْلُهُ اگر اصل ہلاک ہو گیا، وَبَقِيَ هُوَ اور وہ نَمَاء باقی رہ گئی، فُكَّ تو اس کو چھڑایا جائے گا بِقِسْطِهِ اس کے حصے کے بقدر۔ اور وہ کیسے؟ طریقہ بتلا رہے ہیں: يُقَسَّمُ الدَّيْنُ عَلَى قِيمَتِهِ يَوْمَ فَكِّهِ تقسیم کیا جائے گا دَین کو اس نَمَاء کی قیمت پر يَوْمَ فَكِّهِ اس کو چھڑانے والے دن کی، اس کے چھڑانے والے دن جو اس کی قیمت ہے اس پر تقسیم کیا جائے گا، وَقِيمَةِ أَصْلِهِ يَوْمَ قَبْضِهِ اور اس کے اصل کی قیمت جو قبضے والے دن تھی، اس کو، نَمَاء کو چھڑانے والے دن اور اصل کے قبضے والے دن کی قیمت پر اس دَین کو تقسیم کیا جائے گا۔ وَتَسْقُطُ حِصَّةُ أَصْلِهِ اور اصل کا جو حصہ ہے وہ ساقط ہو جائے گا، وَفُكَّ بِقِسْطِهِ اور اس نَمَاء کو چھڑایا جائے گا اس کے حصے کے بدلے میں۔ كَمَا إِذَا كَانَ الدَّيْنُ عَشَرَةً جیسے کہ دَین جو تھا مثلاً وہ دس تھا، وَقِيمَةُ الْأَصْلِ يَوْمَ الْقَبْضِ عَشَرَةٌ اور اصل جو بھینس تھی اس کی قیمت قبضے والے دن دس تھی، وَقِيمَةُ النَّمَاءِ يَوْمَ الْفَكِّ خَمْسَةٌ اور نَمَاء کی قیمت وہ جو بڑھوتری ہے، افزائش ہے اس کی قیمت چھڑانے والے دن پانچ ہے، فَثُلُثَا الْعَشَرَةِ حِصَّةُ الْأَصْلِ پس دو ثلث عَشَرَة کے، عَشَرَة کے، فَثُلُثَا الْعَشَرَةِ پس اصل میں تھا فَثُلُثَانِ، دو ثلث، نون اضافت سے گر گیا، فَثُلُثَا الْعَشَرَةِ، عَشَرَة کے دو ثلث جو ہیں، حِصَّةُ الْأَصْلِ وہ اصل کا حصہ ہیں، فَيَسْقُطُ تو وہ ساقط ہو جائے گا دَین، وَثُلُثُ الْعَشَرَةِ حِصَّةُ النَّمَاءِ اور دس کا ایک ثلث جو ہے وہ نَمَاء یعنی بڑھوتری کا حصہ ہے، فَيُفَكُّ بِهِ تو اس کو اس ایک ثلث کے بدلے چھڑوایا جائے گا۔

وَالزِّيَادَةُ فِي الرَّهْنِ تَصِحُّ وَفِي الدَّيْنِ لَا. بھئی ایک اور قیمتی ضابطہ یاد رکھنا: رہن کے اندر تو زیادتی ہو سکتی ہے، زیادتی کی جا سکتی ہے، لیکن دَین میں زیادتی نہیں کی جا سکتی، طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک۔ بھئی دیکھیے، ایک شخص نے دوسرے شخص سے دس درہم دَین لیا اور اس کے بدلے اس کے پاس اپنی ایک بھینس دس درہم والی رکھوا دی بطورِ رہن کے۔ اب یہ جو راہن ہے اس نے ایک گائے بھی ساتھ دے دی کہ چلیں یہ گائے بھی آپ اس بھینس کے ساتھ بطورِ رہن کے رکھ لیں۔ تو دیکھو وہ رہن میں زیادتی کر رہا ہے۔ یاد رکھیں رہن میں زیادتی جائز ہے۔ اب وہ دَین دونوں کے بدلے میں ہو گیا، گائے اور بھینس دونوں کے بدلے میں ہو گیا۔ لیکن دَین میں زیادتی جائز نہیں۔ مثلاً ایک شخص نے دوسرے سے یہی صورت بنا لیں، دس درہم لیے تھے اور دس درہم والی بھینس رکھوا دی۔ اب اس کے پاس پھر گیا کہ بھئی مجھے پانچ درہم اور دے دیں۔ اس نے کہا اس کے بدلے کوئی رہن رکھواؤ۔ اس نے کہا وہی بھینس اس پانچ کے بدلے بھی رہن ہے۔ تو اب دیکھو وہ دَین میں زیادتی کرنا چاہتا ہے اور رہن وہی ہے، یہ جائز نہیں ہے، یہ جائز نہیں ہے۔

بھئی کیوں نہیں جائز؟ کہتے ہیں اس لیے کہ اس صورت میں رہن میں شیوع لازم آتا ہے، اور آپ پڑھ چکے ہیں رہن کے اندر رہن مشاع نہیں ہونا چاہیے، وہ الگ ہونا چاہیے۔ کیا ہونا چاہیے؟ اس دس کے بدلے رہن الگ ہونا چاہیے، اور اگلے پانچ کے بدلے رہن الگ ہونا چاہیے۔ اور اگر اسی، دو دَینوں کے بدلے آپ، معلوم ہوا یہ دو دَین بن جائیں گے، ایک ہی

چیز رہن ہوئی تو اس میں تو شیوع آگیا۔ اس ایک ہی حیوان یعنی اس ایک ہی رہن کا کچھ حصہ کس کے بدلے ہے؟ دس کے بدلے، اور کچھ حصہ کس کے بدلے ہے؟ پانچ کے بدلے۔ اور کون سا پانچ کے بدلے ہے، کون سا دس کے بدلے ہے، کیا اس کو الگ کیا جا سکتا ہے؟ الگ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ تو دیکھو رہن میں شیوع آگیا، کون سا کس کے بدلے ہے یہ پتہ ہی نہیں چلے گا، اور رہن شیوع کو قبول نہیں کرتا، تفصیل آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں بھئی۔ آپ نے پڑھا تھا کوئی زمین رکھوانا چاہتا ہے اور اس زمین میں کسی دوسرے کا بھی حصہ ہے، تو وہ زمین نہیں رکھوا سکتا، اپنا حصہ الگ کرے پھر رہن رکھوائے، کیونکہ مشاع چیز کا رہن رکھوانا ٹھیک نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں وَالزِّيَادَةُ فِي الرَّهْنِ تَصِحُّ وَفِي الدَّيْنِ لَا، اور زیادتی جو ہے یعنی زیادتی کرنا بڑھا دینا رہن میں تَصِحُّ یہ صحیح ہے، وَفِي الدَّيْنِ لَا اور دَین میں صحیح نہیں۔ هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً، اور یہ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ تَجُوزُ الزِّيَادَةُ فِي الدَّيْنِ أَيْضًا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دَین میں بھی زیادتی جائز ہے۔ کس میں؟ وہ فرماتے ہیں رہن میں بھی زیادتی جائز، دَین میں بھی زیادتی کی جا سکتی ہے۔ فَإِنَّ الدَّيْنَ بِمَنْزِلَةِ الثَّمَنِ اس لیے کیونکہ یہ جو دَین ہے یہ ثمن کے درجے میں ہے، وَالزِّيَادَةُ فِي الثَّمَنِ تَجُوزُ اور ثمن میں تو زیادتی جائز ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ یہ جو رہن ہے، یہ جو رہن ہے یہ بیع کے درجے میں ہے اور یہ جو دَین ہے یہ ثمن کے درجے میں ہے۔ توجہ ہے؟ اور بیع میں اور ثمن میں تو بالاتفاق زیادتی جائز ہے۔ مثلاً میں نے آپ سے ایک کتاب خریدی سو روپے کے بدلے میں۔ وہ کتاب جب میں نے دیکھی مجھے تو بڑی پسند آئی، میں نے آپ کو سو کے بجائے دو سو دے دیے، تو میں نے ثمن میں زیادتی کر دی کہ آپ یہ دو سو رکھیں بھئی اس کتاب کے بدلے میں، تو یہ دیکھو ثمن میں زیادتی جائز ہے۔ اور نیز بیع میں بھی زیادتی جائز ہے۔ میں نے آپ سے سو روپے میں ایک کتاب خریدی، آپ ایک کے بجائے مجھے دو دے دیتے ہیں کہ آپ یہ دونوں کتابیں رکھیں سو میں، تو بیع میں بھی زیادتی جائز اور ثمن میں بھی زیادتی۔ کیونکہ آپ بیع میں جب زیادتی کر رہے ہیں کسی کا حق مار رہے ہیں یا اپنی ہی چیز زائد مجھے دے رہے ہیں؟ اپنی ہی چیز زائد دے رہے ہیں، آپ کو حق ہے، اور میں جب آپ کو ایک کتاب میں سو کے بدلے خریدی لیکن سو کے بدلے جب میں دو سو دے رہا ہوں تو کسی کا حق مار رہا ہوں یا اپنی ہی چیز آپ کے حوالے کر رہا ہوں؟ اپنی ہی چیز حوالے کر رہا ہوں۔ تو لہٰذا بیع میں بھی زیادتی جائز اور ثمن میں بھی زیادتی جائز ہے۔ تو رہن بھی اسی کی طرح ہے، تو اس میں بھی رہن میں بھی زیادتی جائز اور دَین میں بھی زیادتی جائز ہے، یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ تَجُوزُ الزِّيَادَةُ فِي الدَّيْنِ أَيْضًا کہ دَین کے اندر بھی زیادتی جائز ہے، فَإِنَّ الدَّيْنَ بِمَنْزِلَةِ الثَّمَنِ کیونکہ دَین جو ہے وہ ثمن کے درجے میں ہے، وَالزِّيَادَةُ فِي الثَّمَنِ تَجُوزُ اور ثمن میں تو زیادتی جائز ہے۔ قُلْنَا ہم جواب دیتے ہیں: الزِّيَادَةُ فِي الدَّيْنِ تُوجِبُ الشُّيُوعَ فِي الرَّهْنِ کہ زیادتی دَین کے اندر یہ ثابت کرتی

ہے، تُوجِبُ أَيْ تُثْبِتُ یہ ثابت کرتی ہے شیوع کو فِي الرَّهْنِ کس میں؟ رہن میں، اور رہن تو شیوع کو قبول نہیں کرتا، رہن کو مشاع نہیں ہونا چاہیے بلکہ محوز ہونا چاہیے، یعنی تقسیم شدہ۔ وَعِنْدَ زُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً لَا تَجُوزُ فِي شَيْءٍ مِنْهُمَا، امام زفر اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں میں سے کسی کے اندر بھی زیادتی جائز نہیں، نہ رہن میں زیادتی کر سکتے ہیں اور نہ دَین میں، كَمَا لَا تَجُوزُ فِي الْمَبِيعِ وَالثَّمَنِ عِنْدَهُمَا جیسے کہ ان کے نزدیک بیع اور ثمن میں بھی زیادتی جائز نہیں، وَقَدْ مَرَّ فِي الْبُيُوعِ اور تحقیق یہ بات گزر چکی ہے، یہ تفصیل گزر چکی ہے کِتَابُ الْبُيُوعِ میں۔

فَإِنْ رَهَنَ عَبْدًا يَعْدِلُ أَلْفًا بِأَلْفٍ فَدَفَعَ عَبْدًا كَذَلِكَ رَهْنًا بَدَلَ الْأَوَّلِ فَهُوَ رَهْنٌ. صورتِ مسئلہ یہ: میں نے آپ سے دس لاکھ روپیہ دَین لیا اور اس کے بدلے آپ کے پاس اپنا غلام دس لاکھ والا رکھوا دیا۔ کچھ دنوں کے بعد مجھے ضرورت پڑی کیونکہ وہ غلام جو تھا ماہر تھا، کاریگر تھا کسی چیز کا، میں نے آپ سے کہا کہ بھئی یہ دس لاکھ والا غلام آپ کے پاس جو میں نے رہن رکھوایا ہے، یہ غلام مجھے دیں اور اس کے بدلے یہ دوسرا غلام، یہ بھی دس لاکھ کا ہے، یہ آپ بطورِ رہن کے رکھ لیں۔ چنانچہ میں نے دوسرا غلام آپ کے حوالے کر دیا۔ توجہ ہے؟ حوالے کر دیا۔ تو کیا میرا دوسرا غلام آپ کو دیتے ہی وہ بھی رہن بن جائے گا؟ کہتے ہیں نہیں، جب تک پہلے غلام کو واپس نہیں کرے گا تب تک پہلا غلام ہی رہن ہے۔ توجہ ہے؟ تو میں نے دوسرا غلام آپ کو دے دیا، وہ غلام اب آپ کے پاس امانت ہے، جب آپ مجھے اپنا پہلا غلام واپس کر دیں گے تو اب یہ جو دوسرا غلام ہے یہ رہن بن جائے گا۔

اس کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوگا کہ جب اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک غلام آپ کے پاس مر جاتا ہے۔ میں نے دوسرا آپ کو دے دیا، آپ نے ابھی مجھے پہلا واپس نہیں کیا، تو ان میں سے اگر کوئی ایک مر گیا تو اس کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ بتائیے، دوسرا میں نے دے دیا، کیا ابھی وہ رہن بنا ہے؟ نہیں بنا، تو وہ امانت ہلاک ہوئی، آپ پر کوئی ضمان نہیں۔ اور اگر آپ کے پاس، دونوں آپ کے پاس ہیں لیکن پہلا والا آپ کے پاس مر گیا، تو ضمان آئے گا کیونکہ وہ رہن تھا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے فَإِنْ رَهَنَ عَبْدًا يَعْدِلُ أَلْفًا بِأَلْفٍ اگر کسی نے رہن رکھوایا ایسا غلام يَعْدِلُ أَلْفًا جو ہزار کے برابر ہے بِأَلْفٍ ایک ہزار کے بدلے، یعنی دَین بھی کتنا تھا؟ ایک ہزار، اس کے بدلے رہن رکھوایا، فَدَفَعَ عَبْدًا كَذَلِكَ رَهْنًا بَدَلَ الْأَوَّلِ پھر اس نے حوالے کیا ایسا غلام كَذَلِكَ جو ایسا ہی تھا یعنی اس کی بھی اتنی ہی قیمت تھی، رَهْنًا بطورِ رہن کے دیا، بَدَلَ الْأَوَّلِ پہلے کے بدل کے طور پر، اس کے بدلے کے طور پر، فَهُوَ رَهْنٌ، أَيِ الْأَوَّلُ رَهْنٌ تو وہی رہن ہے یعنی پہلا ہی رہن ہے، حَتَّى يَرُدَّهُ إِلَى رَاهِنِهِ یہاں تک کہ اس پہلے کو واپس کر دے اس کے راہن کو، وَمُرْتَهِنُهُ أَمِينٌ فِي الْآخَرِ اور دوسرے غلام میں مرتہن جو ہے وہ امین ہے، یعنی وہ اس کے پاس امانت ہے۔ وَمُرْتَهِنُهُ أَمِينٌ فِي الْآخَرِ اور مرتہن جو ہے وہ امین ہے دوسرے غلام میں، حَتَّى يَجْعَلَهُ مَكَانَ الْأَوَّلِ یہاں تک کہ وہ اس دوسرے غلام کو پہلے کی جگہ کر دے، پہلے کی جگہ، اور پہلے کی جگہ کب کرے

گا؟ جب پہلے کو واپس کر دے گا۔ یہ معنی ہے بِأَنْ يَرُدَّ الْأَوَّلَ إِلَى الرَّاهِنِ بایں صورت کہ وہ واپس کر دے پہلے کو راہن کو، فَحِينَئِذٍ يَصِيرُ الثَّانِي مَضْمُونًا تو اس وقت پھر دوسرا جو ہے وہ مضمون ہو جائے گا، اب وہ امانت نہ رہا اب وہ رہن بن گیا۔

وَلَوْ أَبْرَأَ الْمُرْتَهِنُ رَاهِنَهُ عَنْ دَيْنِهِ أَوْ وَهَبَهُ مِنْهُ فَهَلَكَ الرَّهْنُ هَلَكَ بِلاَ شَيْءٍ. صورتِ مسئلہ یہ ہے بھئی: میں نے آپ کے پاس، آپ سے دس لاکھ روپے دَین لیا اور آپ کے پاس اپنا ایک غلام رکھوا دیا دس لاکھ والا۔ اور پھر آپ کو اللہ نے خوب مال دے دیا، آپ مالدار ہو گئے، اللہ آپ سب کو خوب وسیع حلال رزق نصیب فرمائے۔ آپ خوب مالدار ہو گئے، اللہ نے آپ کو بہت مال دیا، تو آپ نے مجھ سے کہا کہ بھئی وہ جو آپ نے میرا دس لاکھ دَین دینا تھا وہ میں نے آپ کو معاف کر دیا۔ دیکھو مجھے بری کر دیا دَین سے، یا آپ نے مجھے کہا بھئی وہ جو دس لاکھ تھا وہ میری طرف سے آپ کو ہبہ ہو گیا، تحفہ ہو گیا، اس کو میری طرف سے آپ رکھ لیں۔ تو اس دَین کو ہبہ بنا دیا یا اس دَین کو معاف کر دیا۔ ابھی میرا وہ غلام آپ کے پاس بطورِ رہن کے آپ کے پاس ہی ہے۔ آپ نے معاف کر دیا، اس اور آپ نے میرا غلام واپس کرنا تھا، لیکن اتفاق سے اسی رات وہ غلام آپ کے پاس ہلاک ہو گیا۔ تو کیا اب آپ پر کوئی ضمان آئے گا؟ کیونکہ رہن میں تو ضمان آتا ہے؟ کہتے ہیں نہیں، اس صورت میں جو مرتہن ہے اس پر کوئی ضمان نہیں آئے گا، کوئی ضمان نہیں آئے گا، جبکہ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں ضمان آئے گا۔ آئے گا، ضمان۔ اور ان کی دلیل قیاس ہے، ان کی دلیل کیا ہے؟ قیاس اس لیے، وہ فرماتے ہیں کہ دیکھو یہ جو غلام مرتہن کے پاس ہلاک ہوا ہے یہ اس کے ضمان میں تھا، کس کے؟ ضمان میں تھا، دَین کے بدلے تھا، لہٰذا اب ہلاک ہوا ہے تو اس کی وجہ سے اس کی وجہ سے دَین ساقط ہوتا ہے اور دَین تو اس نے معاف کر دیا ہے، لہٰذا اب اس پر ضمان آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جبکہ ہمارے نزدیک نہیں بھئی اس پر کوئی ضمان نہیں آئے گا۔

کہتے ہیں وَلَوْ أَبْرَأَ الْمُرْتَهِنُ رَاهِنَهُ عَنْ دَيْنِهِ اگر بری کر دیا مرتہن نے راہن کو عَنْ دَيْنِهِ اپنے دَین سے، یعنی اس کو معاف کر دیا دَین، أَوْ وَهَبَهُ مِنْهُ یا وہ دَین اس کو ہبہ کر دیا، تحفے کے طور پر دے دیا کہ وہ میری طرف سے آپ تحفے کے طور پر رکھ لیں جو پیسے لیے تھے، فَهَلَكَ الرَّهْنُ پھر اس کے بعد رہن ہلاک ہو گیا، أَيْ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ یعنی مرتہن کے قبضے میں ہی، تو هَلَكَ بِلاَ شَيْءٍ تو وہ ہلاک ہوا بغیر کسی چیز کے بدلے میں، وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ اور یہ کیا ہے؟ استحسان ہے، وَفِي الْقِيَاسِ هَلَكَ بِالدَّيْنِ اور قیاس میں تو وہ دَین کے بدلے ہلاک ہوا ہے، وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ رَحِمَهُ اللهُ اور یہی قول ہے امام زفر رحمہ اللہ کا۔

دوسری صورت: میں نے آپ کے پاس اپنا غلام بطورِ رہن کے رکھوایا تھا اور دس لاکھ، دس لاکھ دَین لیا تھا آپ سے۔ جی۔ اب آپ مجھ سے پورا دَین وصول کر لیتے ہیں لیکن ابھی آپ نے غلام واپس نہیں دیا، غلام واپس نہیں دیا، یا آپ نے کچھ تھوڑا سا دَین میرے سے، آدھا وصول کر لیا ہے، ابھی پورا دَین وصول نہیں کیا، وہ غلام آپ کے پاس ہلاک ہو گیا۔ تو یاد رکھیے آپ پر ضمان آئے گا، اس پورے غلام کا ضمان آپ پر آئے گا بھئی۔ یہ صورت کیا تھی کہ راہن نے خود پورا دَین ادا کیا یا بعض دَین ادا کیا۔ دوسری صورت: کسی تیسرے شخص نے، کسی تیسرے شخص نے وہ دَین آپ کو ادا کر دیا، پورا

دَین ادا کیا یا بعض دَین، اور ابھی آپ نے وہ رہن واپس نہیں کیا تھا کہ وہ آپ کے پاس ہلاک ہو گیا، تو بھی اس صورت میں آپ پر ضمان آئے گا۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟

دوسری صورت بھئی، پہلی صورت کیا تھی؟ راہن وہ دَین ادا کرتا ہے، پورا دَین یا بعض دَین اور مرتہن کے پاس واپس کرنے سے پہلے رہن ہلاک ہوا تو اس پر ضمان آئے گا یعنی وہ دَین کے بدلے ہلاک ہوگا۔ دوسری صورت بھئی کہ کوئی تیسرا آدمی جو ہے وہ مرتہن کو دَین کی ادائیگی کرتا ہے، چاہے پورے دَین کی ادائیگی کرے چاہے کچھ دَین کی ادائیگی کرے، اور ابھی مرتہن نے وہ رہن واپس نہیں کیا تھا کہ وہ رہن اس کے پاس ہلاک ہوا، تو یاد رکھیے ابھی بھی وہ ضمان میں تھا تو اس کی، تو اس کی وجہ سے ضمان آئے گا اور دَین ساقط ہو جائے گا، اور وہ جو پیسے اس نے وصول کیے ہیں وہ اس کو واپس کرنا پڑیں گے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟

تیسری صورت بھئی: میں نے آپ کے پاس اپنا غلام رہن رکھوایا تھا اور دس لاکھ کا غلام تھا اور دَین بھی میں نے آپ سے جو، میں نے جو دَین آپ سے لیا وہ بھی دس لاکھ ہے۔ پھر بعد میں آپ مجھے کہتے ہیں کہ بھئی آپ نے وہ جو دس لاکھ میرے دینے ہیں اس کے بدلے آپ مجھے اپنی یہ گاڑی فروخت کر دیں، تو اس دَین کے بدلے آپ کوئی چیز مجھ سے خرید لیتے ہیں۔ اس کے بعد، خرید لی گاڑی آپ نے، اور اس کے بعد پھر وہ رہن آپ کے پاس ہلاک ہوا، تو یاد رکھیے اس صورت میں بھی ضمان آئے گا اور وہ دَین ساقط ہو جائے گا، اور وہ گاڑی آپ کو واپس لوٹانا پڑے گی۔

تیسری صورت بھئی کہ آپ، میں نے دس لاکھ دَین دینا ہے اور مدت ہم نے مقرر کی ہے دس ماہ کے بعد میں ادا کروں گا، لیکن آپ کو پیسوں کی فوری ضرورت پڑ گئی اور اب آپ نے مجھ سے بار بار مطالبہ شروع کیا۔ میں نے کہا بھئی فلاں مدت متعین ہوئی ہے، مدت جب آئے گی تو اس وقت میں آپ کو ادا کر دوں گا، اس وقت میں ادا نہیں کر سکتا۔ آخر آپ نے مجبور کیا، ہم نے صلح کر لی اس بات پر کہ چلو یہ میری گاڑی آپ لے لو، دَین کے بدلے گاڑی لے لو، یہ صلح کر لیا۔ بیع نہیں کی بلکہ اب صلح کر لی، اور صلح میں تو کمی بھی ہو سکتی ہے، عموماً ہوتی کم پر صلح ہے، وہ گاڑی مثلاً نو لاکھ کی تھی، تو میں نے کہا اس میں تو میرا فائدہ ہے چلو ٹھیک ہے میں گاڑی دے دیتا ہوں، تو چنانچہ صلح کر لی وہ گاڑی میں نے آپ کو دے دی اور آپ نے ابھی رہن واپس نہیں کیا تھا کہ وہ غلام آپ کے پاس ہلاک ہوا، تو ضمان آئے گا، دَین ساقط ہو گیا اور معلوم ہوا یہ صلح تو، صلح تو ختم ہو گئی، لہٰذا وہ گاڑی اب آپ کو واپس کرنا پڑے گی۔

تیسری صورت بھئی: میں نے آپ کا دس لاکھ دَین دینا ہے، میرا غلام آپ کے پاس رہن ہے۔ میں نے آپ سے کہا کہ بھئی میرا یہ جو دَین ہے یہ بکر آپ کو ادا کرے گا، بکر کو، اور بکر نے بھی قبول کر لیا کہ ہاں بھئی اب یہ دَین میرے ذمے ہو گیا میں آپ کو یہ دَین ادا کرتا ہوں۔ یاد رکھو اس کو کہتے ہیں حوالہ۔ ایک ہوتا ہے کفالہ، کفالت میں کوئی شخص دوسرے کی ضمانت دیتا ہے کہ میں ضمانت دیتا ہوں یہ آپ کے پیسے ادا کر دے گا، اور حوالہ، حوالے میں باقاعدہ دَین ہی دوسرے کے

حوالے کر دیا جاتا ہے، اس کے سر ڈال دیا جاتا ہے۔ تو یہ حوالہ کیا میں نے کہ میرا دَین کون ادا کرے گا؟ بکر، اور بکر نے بھی قبول کر لیا۔ اس کا قبول کرنا ضروری ہے ویسے تو نہیں اس کے سر ڈلے گا یہ دَین۔ تو اس نے قبول کر لیا، یہ ہوا حوالہ۔ اور پھر اس بکر نے آپ کو دَین ادا کر دیا یا ادا نہیں کیا، لیکن بہرحال وہ رہن آپ کے پاس ہلاک ہو گیا حوالے کے بعد، تو اگر اس نے، رہن ہلاک ہوا تو آپ پر ضمان آئے گا۔ جب ضمان آئے گا تو آپ کا دَین ساقط ہوا، اور وہ، لہٰذا وہ جو حوالے میں آپ نے وہ جو رقم وصول کی تھی وہ واپس کرنا پڑے گی، اور اگر ابھی آپ نے رقم وصول نہیں کی تھی تو وہ حوالہ ویسے ہی باطل ہو گیا، کیونکہ دَین ہی نہیں تو حوالہ کس چیز کا بھئی۔

اسی طرح اگر آپ کا میرے اوپر دس لاکھ دَین تھا لیکن بعد میں ہم دونوں نے اتفاق کر لیا کہ کوئی دَین نہیں ہے، میرا آپ پر کوئی دَین نہیں ہے، کوئی دَین نہیں، دونوں نے آپس میں اتفاق کر لیا۔ مثلاً شروع میں میرا اور آپ کا کسی بات پر جھگڑا آیا تھا، آپ نے کہا تھا آپ نے میرا بیس لاکھ دَین دینا ہے، میں نے کہا کوئی بیس لاکھ نہیں دینا بلکہ دس لاکھ دینا ہے، اور پھر میں نے اس کے بدلے ایک رہن، گاڑی رکھوا دی رہن کے طور پر، اور پھر بعد میں ہم دونوں نے اتفاق کر لیا کہ ہم، کہ آپ کا میرے اوپر کوئی دَین نہیں ہے، تو جب دَین نہیں ہے، دَین ختم۔ تو دَین ختم ہونے سے کیا وہ رہن ضمان سے نکل گیا؟ کہتے ہیں نہیں، اگر وہ آپ کے پاس ہلاک ہو گیا تو آپ پر کیا آئے گا؟ ضمان آئے گا بھئی، ضمان آئے گا بھئی۔

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں وَلَوْ قَبَضَ الْمُرْتَهِنُ دَيْنَهُ أَوْ بَعْضَهُ مِنْ رَاهِنِهِ أَوْ غَيْرِهِ اور اگر مرتہن نے قبضہ کر لیا اس، اپنے دَین پر، أَوْ بَعْضَهُ یا بعض دَین پر، مِنْ رَاهِنِهِ أَوْ غَيْرِهِ راہن کی طرف سے یا کسی اور کی طرف سے، راہن نے ادا کیا یا کسی اور نے ادا کیا، قبضہ کر لیا، ایک صورت۔ أَوْ شَرَى بِالدَّيْنِ عَيْنًا یا خرید لیا دَین کے بدلے عَيْنًا کوئی معین چیز یعنی گاڑی وغیرہ خرید لی، دوسری صورت۔ أَوْ صَالَحَ عَنْهُ عَلَى شَيْءٍ یا صلح کر لی اس دَین پر عَلَى شَيْءٍ کسی چیز پر، مثلاً گاڑی وغیرہ لے لی۔ أَوْ أَحَالَ الرَّاهِنُ مُرْتَهِنَهُ بِدَيْنِهِ عَلَى آخَرَ یا حوالہ کروا دیا راہن نے مرتہن کو اپنے دَین کے ساتھ عَلَى آخَرَ کسی تیسرے، کسی تیسرے آدمی پر، ثُمَّ هَلَكَ الرَّهْنُ مَعَهُ پھر اس کا وہ رہن ہلاک ہوا مرتہن کے پاس، تو هَلَكَ بِالدَّيْنِ تو وہ کس کے بدلے ہلاک ہوا؟ وہ دَین کے بدلے ہی ہلاک ہوگا، وَرَدَّ مَا قَبَضَ إِلَى مَنْ أَدَّى اور وہ واپس کرے گا مَا قَبَضَ جس پر اس نے قبضہ کیا تھا إِلَى مَنْ أَدَّى اس شخص کو جس نے ادائیگی کی تھی، اس کو وہ چیز واپس کرے گا، وَبَطَلَتِ الْحَوَالَةُ اور وہ حوالہ بھی باطل ہو جائے گا کیونکہ دَین ہی نہ رہا تو حوالہ کس چیز کا۔ وَكَذَا لَوْ تَصَادَقَا عَلَى أَنْ لَا دَيْنَ اسی طرح اگر ان دونوں نے اتفاق کر لیا اس بات پر کہ کوئی دَین نہیں ہے، ثُمَّ هَلَكَ پھر وہ رہن ہلاک ہوا تو هَلَكَ بِالدَّيْنِ تو وہ دَین کے بدلے ہلاک ہوا، یعنی اس پر ضمان آئے گا اس کو دینا پڑے گا۔[1]

[1] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۴۱):** صوتی درس کی قراءت میں «ثُمَّ هَلَكَ الرَّهْنُ مَعَهُ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «ثمَّ هلك رهنُهُ معه» منقول ہے۔

حُكْمُ هَذِهِ الْمَسَائِلِ مَبْنِيٌّ عَلَى أَنَّ يَدَ الْمُرْتَهِنِ يَدُ اسْتِيفَاءٍ کہتے ہیں ان مسائل کا حکم، اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ أَنَّ يَدَ الْمُرْتَهِنِ کہ مرتہن کا جو رہن پر قبضہ ہوتا ہے يَدُ اسْتِيفَاءٍ وہ وصولی والا قبضہ ہوتا ہے۔ وہ کس لیے رہن کو اپنے پاس روکتا ہے؟ دَین کو وصول کرنے کے لیے، اور يَتَقَرَّرُ ذَلِكَ بِالْهَلَاكِ اور وہ وصولی پکی ہو جاتی ہے ہلاک کی وجہ سے۔ جب وہ رہن ہلاک ہو جائے تو وہ وصولی پکی ہو جاتی ہے۔ بھئی دیکھو نا وصولی پکی ہو گئی ہلاکت کی وجہ سے۔ اگر وہ چیز ہلاک نہ ہوتی تو ہم کسی بھی وقت دَین دے کر اس چیز کو چھڑوا لیتے، لیکن اب جب چیز ہلاک ہو گئی، اب واپسی کی کوئی صورت نہیں تو گویا آپ نے اپنا دَین وصول کر لیا، دَین ساقط ہو گیا۔ فَإِذَا هَلَكَ جب وہ، وہ رہن ہلاک ہو گیا، تَبَيَّنَ تو یہ بات ظاہر ہوئی کہ أَنَّ الِاسْتِيفَاءَ وَقَعَ مُكَرَّرًا کہ یہ جو وصولی ہے یہ تو مکرر یعنی دو دفعہ ہو گئی۔ توجہ ہے؟ اس نے دَین ادا کر دیا تھا، راہن نے یا کسی دوسرے نے، یا اس نے اس کے بدلے اس کو گاڑی دے دی تھی، اس نے گاڑی خرید لی تھی، یا اس کے ساتھ صلح کر کے اس نے اس کو گاڑی دے دی تھی، یا حوالہ کروایا تھا اور حوالے والے نے اس کو پیسے دے دیے۔ توجہ ہے؟ جب اس نے پیسے دے دیے، سب یہ تمام صورتوں میں وہ ادائیگیاں کر چکے، اس کے بعد رہن ہلاک ہوا، اور رہن پر بھی قبضہ تھا، وہ کون سا قبضہ تھا؟ وصولی والا، تو گویا دو دفعہ وصولی پائی گئی۔ ایک وہ رہن کے ذریعے اور ایک جو انہوں نے پیسے یا وغیرہ یا کوئی چیز دے دی، تو دو دفعہ وصولی پائی گئی۔ اور وصولی تو مکرر نہیں ہوتی، وصولی تو ایک دفعہ ہوتی ہے، لہٰذا وہ ساری چیزیں کیا کرے گا؟ واپس کرے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ جی۔

تو کہتے ہیں فَإِذَا هَلَكَ جب وہ رہن ہلاک ہو گیا، تَبَيَّنَ یہ بات ظاہر ہوئی کہ أَنَّ الِاسْتِيفَاءَ وَقَعَ مُكَرَّرًا کہ وصولی مکرر یعنی دو دفعہ واقع ہوئی ہے، اس میں تکرار آیا ہے، فَيَرُدُّ مَا قَبَضَ إِلَى مَنْ أَدَّى پس وہ واپس کرے گا اس چیز کو جو، جس پر اس نے قبضہ کیا تھا إِلَى مَنْ أَدَّى اسی شخص کو جس نے وہ چیز ادا کی تھی یعنی حوالے کی تھی، فَإِنْ أَدَّى الْمَدْيُونُ يَرُدُّ إِلَيْهِ اگر ادائیگی مدیون نے کی تھی یعنی راہن نے کی تھی، مقروض وہی تھا نا، فَإِنْ أَدَّى الْمَدْيُونُ اگر ادائیگی مدیون یعنی راہن نے کی تھی يَرُدُّ إِلَيْهِ تو اس کو وہ چیز واپس کرے گا، وَإِنْ أَدَّى غَيْرُهُ يَرُدُّ إِلَى ذَلِكَ الْغَيْرِ اور اگر غیر نے اس کو ادائیگی کی تھی تو وہ، وہ چیز واپس اس غیر کو واپس کرے گا، وَإِنْ أَحَالَ اور اگر اس نے حوالہ کیا تھا تَبْطُلُ الْحَوَالَةُ تو حوالہ باطل ہو جائے گا۔ وَفِي صُورَةِ التَّصَادُقِ وُجُودُ الدَّيْنِ مُحْتَمَلٌ اور تصادق یعنی اتفاق والی صورت میں بھی دَین کا وجود جو ہے اس کا احتمال ہے، دَین کے وجود کا۔ بھئی دیکھیے وہ صورت جس میں ان دونوں نے اتفاق کر لیا کہ کوئی دَین نہیں ہے، آخری صورت جو ذکر ہوئی تھی، دونوں نے، میں نے آپ کا دس لاکھ دَین دینا تھا لیکن ہم دونوں نے اتفاق کر لیا کہ آپ نے میرا کوئی دَین نہیں، دیکھو نا پھر صورت سمجھو، ایک آدمی نے دوسرے پر دعویٰ کر دیا کہ اس نے میرا بیس لاکھ دینا ہے۔ جھگڑا زیادہ ہوا، وہ جو دوسرا آدمی ہے وہ انکار کر رہا ہے، آخر اس نے جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے کہہ دیا کہ چلو ٹھیک ہے بھئی میں بیس لاکھ تو نہیں دس لاکھ میں دَین آپ کو، دے دوں گا۔ چنانچہ دونوں نے اتفاق کر لیا، اب وہ دَین کتنا دینا ہے؟ دس لاکھ، اور اس نے کہا اس

دَین کے بدلے اب میرے پاس کوئی چیز رہن رکھواؤ، تو اس نے اپنا غلام اس کے پاس بطورِ رہن کے رکھوا دیا۔ بعد میں دونوں کا اتفاق ہوا کہ کوئی دَین کسی پر نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ راہن تو پہلے بھی انکاری تھا، اب مرتہن نے بھی تسلیم کر لیا کہ کوئی دَین نہیں ہے۔ تو اس صورت میں بھی اگر رہن اس کے پاس ہلاک ہو گیا تو اس پر ضمان آئے گا، اور کس کے بدلے ہلاک ہوگا؟ دَین کے بدلے ہلاک ہوگا۔ بھئی اس صورت میں تو دَین پر اتفاق کر لیا، دَین تو ختم ہو گیا، پھر کس طرح دَین کے بدلے ہلاک ہوگا؟ کہتے ہیں بھئی احتمال ہے دَین پھر آجائے، احتمال ہے دَین، بھئی پھر کیسے آئے گا؟ کہتے ہیں جیسے آج دونوں نے اتفاق کر لیا دَین نہیں، کل پھر کسی وجہ سے دونوں کہتے ہیں نہیں نہیں دَین ہے، دَین دینا پڑے گا۔ توجہ ہے؟ تو اس دَین کے واپس لوٹنے کا بھی احتمال ہے۔

یہ معنی ہے وَفِي صُورَةِ التَّصَادُقِ وُجُودُ الدَّيْنِ مُحْتَمَلٌ اور اتفاق والی صورت میں بھی دَین کا وجود جو ہے اس کا احتمال ہے۔ إِذَا عَرَفْتَ هَذَا جب آپ نے یہ سارا جان لیا، فَزُفَرُ رَحِمَهُ اللهُ قَاسَ الْمَسْأَلَةَ الْخِلَافِيَّةَ عَلَى هَذِهِ الصُّورَةِ تو امام زفر رحمہ اللہ نے اختلافی مسئلے کو قیاس کیا اس صورت پر، ان صورتوں پر، اس صورت پر انہوں نے قیاس کیا۔ بھئی دیکھیے، ایک مسئلہ اختلافی ہے اور باقی مسئلے تھے اتفاقی۔ اختلافی مسئلہ کون سا تھا؟ اگر کسی نے کسی کو دَین معاف کر دیا اور اس کے بعد رہن مرتہن کے پاس ہلاک ہوا، تو ہم نے بتلایا تھا کہ اس پر ضمان نہیں آئے گا، اور امام زفر فرماتے ہیں ضمان آئے گا، اس میں اختلاف تھا۔ باقی جتنے مسئلے آخر میں ذکر ہوئے، ان میں بالاتفاق ہمارے نزدیک بھی ضمان آئے گا اور امام زفر کے نزدیک بھی ضمان۔ تو کہتے ہیں امام زفر نے وہ جو اختلافی مسئلہ تھا اس کو بھی ان مسائل پر قیاس کیا، ان پر قیاس کیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے کہ فَزُفَرُ رَحِمَهُ اللهُ قَاسَ الْمَسْأَلَةَ الْخِلَافِيَّةَ عَلَى هَذِهِ الصُّورَةِ امام زفر رحمہ اللہ نے اختلافی مسئلے کو بھی اس صورت پر قیاس کیا ہے۔ اور ہماری دلیل کیا تھی؟ استحسان، کیا تھی؟ وہ ابھی ذکر نہیں کیا اب وہ ذکر کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں وَوَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ هُوَ الْفَرْقُ بَيْنَهُمَا کہتے ہیں استحسان کی وجہ وہ ان میں فرق ہے۔ اس اختلافی مسئلے میں اور باقی مسئلوں میں فرق ہے۔ اور وہ یہ: وَهُوَ أَنَّ الْهَلَاكَ بِالدَّيْنِ يَقْتَضِي وُجُودَ الدَّيْنِ اور وہ یہ کہ دَین کے بدلے ہلاک ہونا یہ تقاضا کرتا ہے کہ دَین پایا جائے۔ ہم نے ایک صورت میں کہا ضمان نہیں آئے گا اور باقی صورتوں میں کہا ضمان آئے گا، وجہ یہ کہ دونوں صورتوں میں فرق ہے۔ ضمان آئے گا، یہی ضمان ہے نا کہ رہن ہلاک ہوگا کس کے بدلے؟ دَین کے بدلے۔ تو یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب دَین موجود ہو، اور یہ جتنی صورتوں میں ادائیگی ہو رہی ہے ان سب صورتوں میں دَین موجود تھا، ان سب صورتوں میں دَین موجود ہے، لہٰذا اس لیے ضمان آئے گا۔ اور جو پہلی صورت تھی جس میں اس نے دَین معاف کر دیا یا وہ دَین تحفے کے طور پر اس کو دے دیا، تو اس صورت میں تو دَین ہی نہیں۔ جب اس نے معاف کر دیا دَین تو ختم ہو گیا۔ اس نے کہا وہ میری طرف سے تحفہ تھا، وہ آپ کا ہو گیا، تو دَین تو ہے ہی نہیں۔ جب دَین نہیں تو ضمان بھی کیا آتا تھا وہ، رہن ہلاک ہوتا تھا کس کے بدلے؟ دَین کے بدلے، یہاں دَین ہی نہیں تو کس کے بدلے ہلاک ہوگا؟ لہٰذا یہ ہلاک ہوا بغیر کسی چیز کے، یعنی کوئی ضمان وغیرہ نہیں آئے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جی۔

کہتے ہیں وَوَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ هُوَ الْفَرْقُ بَيْنَهُمَا اور استحسان کی وجہ وہ ان کے، ان دونوں صورتوں میں فرق ہے، وَهُوَ أَنَّ الْهَلَاكَ بِالدَّيْنِ يَقْتَضِي وُجُودَ الدَّيْنِ اور وہ یہ کہ دَین کے بدلے ہلاک ہونا یہ تقاضا کرتا ہے وُجُودَ الدَّيْنِ کہ دَین کا وجود ہو، دَین پایا جائے، وَبِالْإِبْرَاءِ وَالْهِبَةِ لَا يَبْقَى الدَّيْنُ أَصْلاً اور معاف کر دینے سے اور ہبہ کر دینے سے دَین تو باقی ہی نہیں رہا أَصْلاً سرے سے، سرے سے دَین باقی ہی نہیں رہا، ختم بھئی دَین۔ بات سمجھ میں آئی؟ اس کا وجود ہی نہ رہا۔ بِخِلَافِ الِاسْتِيفَاءِ بخلاف ادائیگی کے، وصول کرنے کے، فَإِنَّ بِالِاسْتِيفَاءِ لَا يَنْعَدِمُ الدَّيْنُ کیونکہ وصولی سے دَین ختم نہیں ہوتا، وصولی سے دَین، عجیب بات بھئی سنیں ذرا توجہ سے، فَإِنَّ بِالِاسْتِيفَاءِ لَا يَنْعَدِمُ الدَّيْنُ وصولی کی وجہ سے دَین معدوم نہیں ہوتا، ختم نہیں ہوتا، بَلْ يَثْبُتُ لِكُلٍّ مِنْهُمَا عَلَى الْآخَرِ دَيْنٌ بلکہ ثابت ہو جاتا ہے ان دونوں میں سے ہر ایک کا دوسرے پر دَین، ہر ایک کا دوسرے پر دَین ثابت ہو جاتا ہے۔ توجہ ہے؟ فَيَسْقُطُ الطَّلَبُ تو طلب ساقط ہو جاتی ہے لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں۔

بھئی یہ کیا مطلب کہ ادائیگی سے دَین ثابت ہو جاتا ہے؟ ادائیگی سے دَین؟ بھئی دیکھو، دیکھو توجہ سے سنو۔ میں نے آپ سے دس لاکھ روپے لیے تھے، وہ اب میرے ذمے دَین ہے، وہ کیا ہے میرے ذمے؟ دَین ہے۔ اچھا میں نے بعد میں آپ کو دس لاکھ روپے لا کر دے دیے، آپ کہیں گے میں نے دَین وصول کر لیا، میں نے دَین، یاد رکھیے اس صورت میں دَین ختم نہیں ہوا، پہلے صرف آپ کا میرے اوپر دَین تھا، اب آپ کا میرے اوپر دَین ہے اور میرا آپ کے اوپر دَین بن گیا۔ توجہ ہے؟ دَین ختم نہیں ہوا، آپ کا دَین تو پہلے میرے اوپر تھا، اب میرا بھی دَین آپ پر ثابت ہو گیا۔ بھئی کیوں؟ دَین تو ختم ہونا چاہیے۔ نہیں بھئی، آپ نے مجھے جو دس لاکھ دیے تھے، کیا میں نے بعینہٖ وہی نوٹ آپ کو لا کر واپس کیے ہیں؟ نہیں، میں نے اس کا مثل دیا ہے، میں نے، تو آپ کا جو دَین تھا وہ تو ابھی تک میرے ذمے میں ہے، ہاں اس کا مثل جو میں نے آپ کو دے دیا اب وہ آپ پر میرا دَین بن گیا۔ بھئی لیکن ہم تو کہتے ہیں ساقط ہو گیا، کہتے ہیں اس لیے ہم کہہ دیتے ہیں ساقط ہو گیا، ورنہ تو دراصل دونوں پر دَین ہے۔ ساقط ہم اس لیے کہہ دیتے ہیں کیونکہ اگر وہ اس سے مانگے گا کہ تم نے میرے دس لاکھ دینے ہیں تو یہ بھی کہے گا تم نے بھی میرے کتنے دینے ہیں؟ دس لاکھ دینے ہیں، تو طلب کا کوئی فائدہ ہوگا؟ نہیں، طلب کا فائدہ ہی نہیں کیونکہ اس پر دس لاکھ تو اس پر بھی تو دس ہے، تو لہٰذا صرف طلب ساقط ہو جاتی ہے، اب آپ اس میں مجھ سے مطالبہ نہیں کر سکتے کیونکہ اس کا فائدہ ہی کوئی نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو ہم بھی کہتے ہیں کہ وہاں پر، وہاں پر جو معاف کر دیا تھا وہاں سرے سے دَین ہی نہیں تھا۔ جب سرے سے دَین ہی نہیں ہے تو لہٰذا وہاں پر ضمان بھی، رہن ہلاک ہوا تو ضمان بھی نہیں آئے گا کیونکہ ضمان تب آئے گا اگر مقابلے میں کوئی دَین ہوتا بھئی، اور ان چیزوں میں، ان صورتوں میں اگرچہ وصولی ہو چکی ہے لیکن وصولی سے بھی کیا دَین ختم ہو جاتا ہے یا دونوں کا دوسرے پر دَین ثابت ہو جاتا ہے؟ دونوں پر دَین ثابت ہو جاتا ہے، لہٰذا جب دَین ابھی بھی موجود ہے تو اب جو رہن ہلاک ہوگا وہ کس کے بدلے ہلاک ہوگا؟ دَین کے بدلے ہلاک ہوگا، ضمان آجائے گا اور وہ جو وصولی کی ہے وہ اس

کو واپس کرنا پڑے گی۔ یہ معنی ہے، کہتے ہیں بِخِلَافِ الِاسْتِيفَاءِ بخلاف وصول کرنے کے، فَإِنَّ بِالِاسْتِيفَاءِ لاَ يَنْعَدِمُ الدَّيْنُ کیونکہ وصول کرنے سے دَین معدوم نہیں ہوتا یعنی ختم نہیں ہوتا، بَلْ يَثْبُتُ لِكُلٍّ مِنْهُمَا عَلَى الْآخَرِ دَيْنٌ بلکہ ثابت ہو جاتا ہے ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے، عَلَى الْآخَرِ دَيْنٌ دوسرے پر دَین، ان میں سے ہر ایک کا دوسرے پر دَین ثابت ہو جاتا ہے، فَيَسْقُطُ الطَّلَبُ تو طلب یعنی مطالبہ ساقط ہو جاتا ہے کہ پھر مطالبہ نہیں کر سکتا، لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی۔ هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ. چلیے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بھئی كِتَابُ الرَّهْنِ ختم ہوئی بھئی۔ اللہ، چلیے جی۔

كِتَابُ الْجِنَايَاتِ

قتل کی پانچ اقسام، قصاص فی النفس و ما دون النفس، صلح و عفو اور شہادت فی القتل

سبق نمبر ۴۴: کتاب الجنایات: قتل کی پانچ اقسام (عمد، شبہِ عمد، خطا، جاری مجریٰ الخطا، قتل بالسبب) اور ان کے احکام

شرح الوقایہ صفحہ: ۹۴ — بتاریخ: ۱۳ فروری ۲۰۲۰ء

▪ متنِ وقایہ و شرح الوقایہ کی قراءت

كِتَابُ الْجِنَايَاتِ۔ اِعْلَمْ أَنَّ الْقَتْلَ عَلَى خَمْسَةِ أَنْوَاعٍ: عَمْدٌ وَشِبْهُ عَمْدٍ وَخَطَأٌ وَجَارٍ مَجْرَى الْخَطَإِ وَالْقَتْلُ بِسَبَبٍ۔ فَبَيَّنَ هٰذِهِ الْأَنْوَاعَ بِأَحْكَامِهَا فَقَالَ: اَلْقَتْلُ الْعَمْدُ ضَرْبُهُ قَصْدًا بِمَا يُفَرِّقُ الْأَجْزَاءَ كَسِلَاحٍ وَمُحَدَّدٍ مِنْ خَشَبٍ أَوْ حَجَرٍ أَوْ لِيْطَةٍ وَنَارٍ، هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، وَعِنْدَهُمَا وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى ضَرْبُهُ قَصْدًا بِمَا لَا يُطِيقُهُ الْبِنْيَةُ، حَتَّى إِنْ ضَرَبَهُ قَصْدًا بِحَجَرٍ عَظِيمٍ أَوْ خَشَبٍ عَظِيمٍ فَهُوَ عَمْدٌ۔[1]

▪ عبارت کی تشریح، فقہی ضوابط اور تفصیلی مسائل

كِتَابُ الْجِنَايَاتِ۔ جنایات جمع ہے جِنَايَةٌ کی، اور جِنَايَةٌ جو ہے وہ جرم کو کہتے ہیں۔ لیکن اصطلاحِ فقہاء میں، فقہاء کے ہاں یہ اس جرم کو کہتے ہیں جو جان میں یا اعضاء میں ہو۔ ایک انسان دوسرے انسان کے جان میں یا اعضاء میں اس کو کوئی نقصان پہنچائے۔ یعنی یوں کہو جانی یا... ہاں مالی نہیں، جانی یا اعضاء میں کوئی نقصان پہنچائے۔ یعنی کسی کو قتل کر دیا، کسی

[1] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۴۳): صوتی درس کی قراءت میں «ضَرَبَهُ قَصْدًا بِحَجَرٍ عَظِيمٍ أَوْ خَشَبٍ عَظِيمٍ فَهُوَ عَمْدٌ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «ضربَه بحجرٍ عظيمٍ أو خشبٍ عظيم، فهو عمد،» منقول ہے۔

کا ہاتھ کاٹ دیا، کسی کی آنکھ پھوڑ ڈالی وغیرہ، یا کسی کا دانت توڑ دیا، تو یہ جو ہیں یہ جنایت، یہ جنایتیں ہیں بھئی، جنایت۔[۲]

كِتَابُ الْجِنَايَاتِ۔ اِعْلَمْ أَنَّ الْقَتْلَ عَلَى خَمْسَةِ أَنْوَاعٍ: جان لے تو کہ قتل جو ہے وہ پانچ قسم پر ہے۔ عَمْدٌ وَشِبْهُ عَمْدٍ وَخَطَأٌ وَجَارٍ مَجْرَى الْخَطَإِ وَالْقَتْلُ بِسَبَبٍ۔ قتل بھئی پانچ قسم پر ہے۔ ایک قتلِ عمد ہے، قتلِ عمد۔ اور دوسرا ہے قتلِ شبہِ عمد بھئی۔ اور تیسرا ہے قتلِ خطا۔ اور چوتھا ہے وہ قتل جو جَارٍ مَجْرَى الْخَطَإِ ہو، قائم مقام خطا کے ہو، قائم مقام خطا کے ہو، یا اس کو شبہِ خطا بھی کہتے ہیں۔ شبہِ خطا بھی۔ تو ایک ہوا عمد، ایک شبہِ عمد، ایک خطا، ایک شبہِ خطا، اور ایک ہے قتل بسبب، قتل بسبب۔ تو یہ پانچ قسم کے قتل ہیں۔

بھئی یاد رکھیے کہ قتل جس طرح پانچ قسم پر ہیں، کون کون سے ہیں؟ قتلِ عمد، شبہِ عمد، خطا، شبہِ خطا اور قتل بسبب، تو اس کے احکام بھی پانچ قسم پر ہیں۔ وہ احکام جو قتل سے متعلق ہیں وہ بھی پانچ قسم پر ہیں بھئی، پانچ قسم پر۔ نمبر ایک قصاص، قصاص، اور یاد رکھیے اسی قصاص کو قَوَد بھی کہتے ہیں، قاف واو دال، قَوَد۔ تو کہیں قصاص کا لفظ آئے گا، کہیں قَوَد کا لفظ آئے گا، دونوں کا ایک ہی معنی۔ قَوَد کا بھی کیا معنی؟ قصاص، جو دوسرے کو قصاصاً بدلے میں قتل کیا جائے بھئی۔

اچھا، تو ایک ہے قصاص۔ قتل کے احکام ذکر ہو رہے ہیں کہ بتلایا کہ قتل پانچ قسم پر ہے، تو اس کے احکام بھی پانچ قسم پر ہیں۔ نمبر ایک ہے قصاص، اور دوسرا دیت بھئی، دیت۔ دیت یاد رکھیے، یہ وہ مالی جرمانہ ہے جو کسی کی جان کے بدلے آئے۔ کسی کو قتل کرنے کی وجہ سے جو مالی جرمانہ آتا ہے اس کو دیت کہتے ہیں۔ دِيَةٌ، دال، یا اور گول تا ہے، دِيَةٌ۔ اور اصل میں یہ تھا وِدْيٌ، وِدْيٌ، وَدٰى يَدِيْ ہے اس کا باب بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ وَدٰى يَدِيْ، اور اس کا معنی ہے دیت ادا

---

[۲]

نقشۂ فقہی (۹): کتاب الجنایات — قتل کی پانچ اقسام اور ان کے شرعی احکام کا جامع شجرہ:

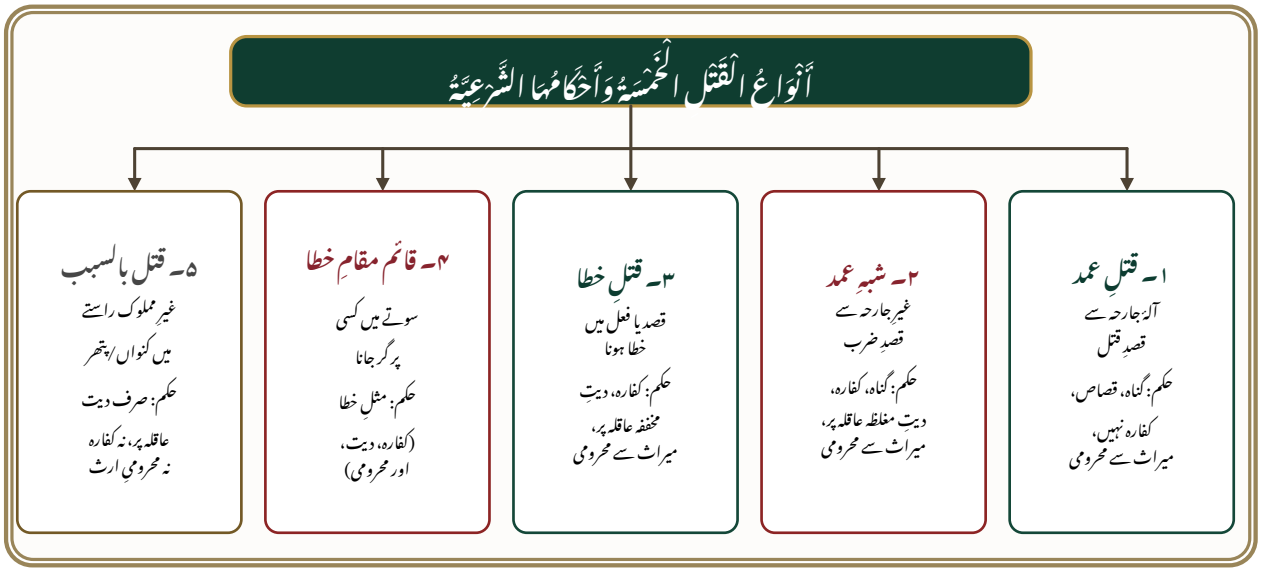

کرنا۔ اور اصل میں یہ وِدْيٌ تھا اور شروع سے واو کو حذف کیا گیا اور اس کے عوض آخر میں گول تا لائی گئی تو دِيَةٌ ہو گیا بھئی، دِيَةٌ۔

یاد رکھیے دیت جو ہے، دیت، یہ غلطی سے کوئی قتل ہو جائے تب دیت آتی ہے۔ اگر جان بوجھ کر کوئی کسی کو قتل کرے، قتلِ عمد ہو، آگے تعریف آجائے گی قتلِ عمد کسے کہتے ہیں، شبہِ عمد کسے کہتے ہیں، خطا کسے کہتے ہیں، شبہِ خطا کسے کہتے ہیں اور قتل بسبب کسے کہتے ہیں۔ اگر غلطی سے قتل ہوا ہے یا وہاں قصاص نہیں آسکتا، تو پھر وہاں دیت آیا کرتی ہے، دیت۔ اور دیت یاد رکھنا، دیت، یہ عِنْدَ الْأَحْنَافِ تین چیزوں میں سے کسی ایک کے ذریعے بھی ادا کی جا سکتی ہے۔ یا تو یہ ادا ہوگی اونٹوں کے ذریعے، تو سو اونٹ دینے پڑیں گے، سو اونٹ۔ اور کس قسم کے اونٹ ہوں گے یہ بھی تفصیل آگے آجائے گی۔ اور اگر درہم دینا چاہتے ہیں تو دس ہزار درہم ہیں بھئی، درہم۔ اور درہم کا وزن میں نے آپ کو لکھوا دیا تھا، کتنا، چاندی کی کتنی مقدار ہے بھئی درہم میں۔ اور اگر دینار دینا چاہیں تو ایک ہزار دینار ہیں بھئی۔ تو عِنْدَ الْأَحْنَافِ دیت کتنی چیزوں میں ادا کی جا سکتی ہے؟ تین میں سے کسی ایک میں: یا درہم میں، یا دینار میں، یا اونٹوں میں۔ جب کہ اور فقہاء کے نزدیک اور بھی صورتیں ہیں، گائے بیل بھی دے سکتے ہیں، بکریاں بھی دے سکتے ہیں، لیکن عِنْدَ الْأَحْنَافِ یہی چیزیں ہیں۔ اونٹ دیں گے تو سو اونٹ دینے پڑیں گے، اگر درہم دینا چاہتے ہیں تو دس ہزار درہم دیں گے، اور اگر دینار دینا چاہتے ہیں تو ایک ہزار دینار ہوں گے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا یہ جو دیت ہوتی ہے یہ صرف اسی شخص پر نہیں آتی جس سے غلطی سے قتل ہوا ہے، بلکہ اس کی ساری قوم پر آتی ہے، ساری قوم کے اوپر آتی ہے۔ اور تین سال کے عرصے میں دینا پڑتی ہے، تین سال کے عرصے میں۔ یعنی یوں کہو تین قسطیں اس کی ہو جاتی ہیں، تین قسطیں۔ تو دیکھو معاملہ آسان ہو گیا۔ اب ایک ہی شخص پر سو اونٹ آجائیں وہ تو ادا ہی نہیں کر سکے گا بھئی، تو پوری قوم اس کے ساتھ اس کی مدد کرتی ہے۔ اس نے کوئی جان بوجھ کر جرم نہیں کیا، اس سے غلطی ہوئی ہے، غلطی سے قتل ہوا ہے، تو پوری قوم جو ہے وہ مل کر اس کے ساتھ مدد کرتے ہیں اور تین سال کے اندر یہ دیت، یہ جو ایک ہزار دینار ہیں یا دس ہزار درہم ہیں یا سو اونٹ ہیں، یہ تین سال کے عرصے میں ادا کیے جاتے ہیں۔ تو یہ قوم والے ساتھ مددگار بن جاتے ہیں اس کے۔ اور اگر وہ کسی خاص پیشے سے تعلق رکھتا ہے تو وہ پیشے والے ساتھ مل جاتے ہیں۔ اگر کوئی تاجر ہے تو سارے تاجر جو ہیں وہ جو اس کے ساتھ ہیں، وہ اس کے ساتھ مل کر ادا کریں گے۔ کیونکہ وہ اس کے مددگار ہوتے ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں یا نہیں، جس پیشے والے ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں؟ جی۔ اور خصوصاً یہاں تو آپ نے دیکھا بھی، جب ڈاکٹروں اور وکیلوں کا جھگڑا ہوا، سارے وکیل اکٹھے ہو گئے، دوسری طرف سارے ڈاکٹر اکٹھے ہو گئے، تو پیشے والے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، مدد کرتے ہیں۔ تو لہٰذا، تو اگر وہ کسی خاص پیشے والا ہے تو وہ پیشے والے سارے اس کے ساتھ مل کر وہ دیت ادا کریں گے۔

اور یہ بھی یاد رکھنا، یہ قتل خطا ہونا چاہیے، قتلِ خطا، غلطی سے قتل ہو۔ اگر جان بوجھ کر قتل کیا ہے، اس کے اندر جب

دیت آئے تو وہ اکیلے اسی شخص کو ادا کرنا پڑتی ہے، پھر وہ پیشے والے یا قوم والے ساتھ نہیں ملیں گے۔ جب جان بوجھ کر جرم کیا ہے، کیونکہ جان بوجھ کر بھی بعض صورتوں میں قصاص نہیں آئے گا، دیت آئے گی، وہ تفصیل آگے آجائے گی۔ تو غلطی سے جرم ہوا تو سارے مدد کریں گے، اور اگر جان بوجھ کر اس نے جرم کیا ہے تو پھر کوئی ساتھ مدد نہیں کرے گا، خود ہی بھگتے اور خود ہی ادا کرے سارا کچھ۔

تو قتل کے احکام میں ذکر کر رہا تھا۔ ایک حکم کیا تھا؟ قصاص، قصاص۔ قصاص کے بارے میں ایک اور بات یاد رکھنا۔ قصاص کا معاملہ بڑا نازک ہے بھئی۔ شبہے کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ جیسے حدود بھئی، وہ سزائیں جو اللہ کی طرف سے مقرر ہیں، جیسے چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اور زانی کو کوڑے لگائے جائیں گے، تہمت لگانے والے کو کوڑے لگائے جائیں گے، خاص تعداد متعین ہے، اور ڈاکو ہو تو اس کے ایک ہاتھ اور ایک پاؤں مخالف سمت سے کاٹا جائے گا۔ یہ تو یہ حدود جو ہیں کچھ، جن کی آگے تفصیل آجائے گی، یہ حدود اللہ کی جانب سے مقرر ہیں بھئی۔ اور یہ انتہا درجے کی چونکہ سزائیں ہیں، اسی طرح قصاص بھی انتہا درجے کی چونکہ سزا ہے، بہت بڑی سزا ہے، تو لہٰذا یہ شبہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ قصاص بھی شبہ آجائے تو ساقط ہو جائے گا، اور حدود بھی شبہ آجائے تو ساقط ہو جائیں گی۔ اور کون کون سے وہ شبہے ہیں وہ پھر فقہاء بیان کریں گے بھئی۔

تو قتل کے احکام پانچ قسم پر، نمبر ایک کیا ہے؟ قصاص۔ اور دوسرا کیا ہے؟ دیت ہے بھئی، دیت ہے۔ تیسرا ہے اثم بھئی، گناہ، گناہ، قتل کا گناہ۔ قتل کا عظیم گناہ ہے بھئی۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے، بہت بڑا گناہ ہے بھئی، بہت ہی زیادہ بڑا گناہ۔ حتیٰ کہ روایات میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شاید قیامت کے دن اللہ شرک اور قتل کے علاوہ سارے گناہ معاف فرما دیں۔ شاید قیامت کے دن اللہ شرک اور قتل کے علاوہ سارے گناہ معاف فرما دیں۔ تو دیکھو قتل کتنا بڑا گناہ ہے بھئی۔ اور قرآن میں بھی آپ نے پڑھا ہے، اللہ فرماتے ہیں: مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا، جس نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا، فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ، تو اس کا بدلہ جہنم ہے، اس کو جہنم میں ڈالا جائے گا، خَالِدًا فِيهَا، اس میں ہمیشہ رہے گا، وَغَضِبَ اللهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ، اور اللہ اس پر غضب ناک ہوں گے، اللہ کا غضب ہوگا اس پر اور اللہ کی لعنت ہوگی، وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا، اور اللہ نے اس کے لیے عظیم عذاب تیار کیا ہے بھئی۔ تو قتل بہت بڑا گناہ ہے، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

تو قصاص ہوا، دیت اور قتل کا عظیم گناہ، یہ تین احکام ہو گئے۔ چوتھا حکم ہے کفارہ۔ بعض قتلوں میں کفارہ آتا ہے بھئی، کفارہ۔ اور کفارہ یاد رکھو، وہ قرآن میں ہے: مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ، تو آزاد کرنا ہے ایک مومن گردن کا، یعنی ایک مسلمان غلام یا باندی کو آزاد کرنا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو بعض، بعض گناہوں میں کفارے کے طور پر غلام آزاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن غلام مطلق ہوتا ہے، چاہے کوئی مومن غلام آزاد کرے، چاہے کوئی کافر

غلام آزاد کرے۔ لیکن قتل کے مسئلے میں اللہ کیا فرماتے ہیں؟ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ۔ مومن گردن یعنی مومن غلام یا باندی کو، اہلِ ایمان میں سے جو ہو، ان کو آزاد کرنا پڑے گا۔ یہاں کافر غلام یا باندی کو آزاد کرے تو وہ کافی نہیں۔ اور نیز آگے اسی آیت میں آتا ہے: فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ، اور جس کو یہ میسر نہ ہو، جس کو مومن غلام یا باندی نہ ملے، فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ، تو پھر اس پر دو ماہ کے مسلسل روزے ہیں بھئی۔ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا پڑیں گے۔ درمیان میں اگر ایک بھی ناغہ آگیا، کوئی روزہ چھوٹ گیا، چاہے بیماری سے چھوٹا، چاہے کسی اور عذر سے چھوٹا، پھر دوبارہ سے رکھنا پڑیں گے بھئی۔ تو ساٹھ روزے رکھنا پڑیں گے۔ ہاں، اس میں اطعامِ طعام جائز نہیں کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دیا جائے، نہیں، وہ اس کے اندر نہیں ہے بھئی۔ تو وہ صرف ظہار کے اندر ہے، کس کے اندر ہے؟ ظہار۔ ظہار کے اندر آپ نے پڑھا ہے کہ وہاں پر روزوں کے ساتھ ساتھ ساٹھ مسکینوں کا بھی ذکر ہے کہ ان کو کھانا کھلایا جائے، لیکن قتل کے سلسلے میں نہیں۔ یا تحریرِ رقبہ مومنہ ہے یا ساٹھ روزے رکھنا پڑیں گے، وہاں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا جائز نہیں ہے، وہ کافی نہیں ہے بھئی، اس سے کفارہ ادا نہیں ہوگا۔

تو یہ چار حکم ہو گئے۔ کون کون سے؟ قصاص، دیت ہے، اثم یعنی گناہ ہے، اور کفارہ ہے، اور پانچواں حکم ہے حرمانِ میراث، حرمانِ میراث۔ وراثت سے محروم ہوگا، قاتل کیا ہوگا؟ وراثت سے محروم ہوگا۔ لیکن اس میں یاد رکھنا بھئی، یاد رکھنا، ہر قتل سے انسان وراثت سے محروم نہیں ہوتا۔ صرف اس صورت میں وراثت سے محروم ہوگا جب وارث مورث کو قتل کرے۔ وارث جس کا وارث بن رہا ہے اسی کو کیا کر دے؟ قتل کر دے۔ بیٹا باپ کو قتل کر دے، یا باپ بیٹے کو قتل کر دے۔ یاد رکھو بیٹا، آپ کو علم ہے، بیٹا باپ کا وارث بنتا ہے۔ اسی طرح اگر باپ زندہ ہو اور بیٹے کا انتقال ہو جائے اور بیٹے کے پاس مال ہے تو باپ اس کا وارث بنتا ہے، تو دونوں ایک دوسرے کے وارث بنتے ہیں۔ تو بیٹا باپ کو قتل کر دے یا باپ بیٹے کو قتل کر دے، تو وارث نے مورث کو قتل کیا ہے، تو یہاں پر، یہاں پر حرمانِ میراث ہوگا۔ اسے اس مورث کی میراث نہیں ملے گی۔ بھئی کیوں نہیں ملے گی؟ کہتے ہیں تہمت کی وجہ سے، تہمت۔ یعنی دلوں میں بدگمانی پیدا ہوتی ہے کہ شاید اسی لیے قتل کیا تاکہ اس کا مال مجھے مل جائے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے بھئی؟ تو لہٰذا حرمانِ میراث ہوگا اگر وارث کس کو قتل کرے؟ مورث کو۔ اور نیز یہ یاد رکھنا کہ حرمانِ میراث وہاں آئے گا، اس قتل میں، جہاں قصاص آتا ہو یا کفارہ آتا ہو۔ توجہ ہے؟ جی۔ جس قتل سے کیا آتا ہو؟ قصاص یا کفارہ آتا ہو، صرف اسی میں حرمانِ میراث ہوگا، باقی کسی قتل میں حرمانِ میراث نہیں ہوگا۔ توجہ ہے؟ کیا کیا آتا ہو؟ قصاص آتا ہو یا کفارہ آتا ہو۔ اور یا اور آسان لفظوں میں یوں کہو کہ پہلی چاروں قسموں کے اندر حرمانِ میراث آئے گا، اور پانچویں...

قسم جو قتل بسبب ہے اس میں حرمانِ میراث نہیں آئے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو قتل بھی پانچ قسم پر: قتلِ عمد ہے، شبہِ عمد ہے، خطا ہے، شبہِ خطا ہے اور قتل بسبب۔ اور قتل سے متعلقہ احکام

بھی پانچ ہیں: قصاص، دیت، اور اثم یعنی گناہ بھئی، اور کفارہ اور حرمانِ میراث۔ پھر اس میں یہ بھی یاد رکھنا کہ احکام پانچ ہیں، اس کا یہ معنی نہیں کہ ہر قتل میں یہ پانچوں حکم آئیں گے، نہیں۔ کسی میں کچھ آئیں گے، کسی میں کچھ احکام آئیں گے۔ وہ آگے تفصیل بیان کریں گے کہ کس قتل میں کون کون سا حکم آئے گا ان پانچ میں سے۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟ جی۔

کہتے ہیں: اِعْلَمْ جان لے تو، أَنَّ الْقَتْلَ عَلَى خَمْسَةِ أَنْوَاعٍ کہ قتل جو ہے وہ پانچ قسم پر ہے: عَمْدٌ وَشِبْهُ عَمْدٍ وَخَطَأٌ وَجَارٍ مَجْرَى الْخَطَإِ وَالْقَتْلُ بِسَبَبٍ۔ ایک قتلِ عمد ہے، ایک قتلِ شبہِ عمد ہے، اور ایک قتلِ خطا ہے، اور قتلِ جاری مجرائے خطا یعنی قائم مقامِ خطا یا یوں کہو شبہِ خطا، وَالْقَتْلُ بِسَبَبٍ اور پانچواں ہے قتل بسبب۔ فَبَيَّنَ هٰذِهِ الْأَنْوَاعَ بِأَحْكَامِهَا تو مصنف نے بیان کیا ان قسموں کو ان کے احکام کے ساتھ۔ فَقَالَ تو فرمایا۔

بھئی قتل تو اور بھی ہیں۔ زانی محصن جو ہے اس کو بھی کیا کیا جاتا ہے؟ پتھر مار مار کر قتل کیا جاتا ہے، رجم کیا جاتا ہے۔ کسی کو قصاص میں بھی قتل کیا جاتا ہے، یہ بھی قتل ہے۔ لیکن یہاں وہ قتل ذکر ہوں گے جن سے شرعی احکام متعلق ہیں بھئی، وہ بیان کریں گے، ان سے کوئی شرعی حکم متعلق نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: اَلْقَتْلُ الْعَمْدُ، قتلِ عمد جو ہے، ضَرْبُهُ، أَيْ ضَرْبُ الْقَاتِلِ، یہ ہا ضمیر قاتل کو راجع ہے۔ پیچھے آپ کہیں گے قاتل کا ذکر ہی نہیں، بھئی جب قتل کا ذکر آگیا تو ایک قاتل ہوگا اور دوسرا مقتول، تب ہی قتل ہو سکتا ہے نا، ویسے تو قتل نہیں پایا جائے گا، تو معناً کیا آگیا؟ قاتل کا ذکر آگیا۔ تو کہتے ہیں: ضَرْبُهُ، وہ قاتل کا مارنا ہے، قَصْدًا، جان بوجھ کر، ارادے سے، بِمَا ایسی چیز کے ساتھ، يُفَرِّقُ الْأَجْزَاءَ جو اجزاء کو جدا کر دے، اجزاء کو پھاڑ دے، جسم کو پھاڑ دے بھئی، كَسِلَاحٍ جیسے کہ اسلحہ، وَمُحَدَّدٍ، مُحَدَّد کہتے ہیں تیز دھار والی چیز، جس کی دھار تیز ہو بھئی، کاٹنے والی، كَسِلَاحٍ جیسے کہ اسلحہ ہے، وَمُحَدَّدٍ اور تیز دھار والی چیز، مِنْ خَشَبٍ أَوْ حَجَرٍ أَوْ لِيْطَةٍ وَنَارٍ، یعنی کوئی لکڑی یا کوئی پتھر، أَوْ لِيْطَةٍ۔ لیطہ کہتے ہیں بھئی یہ بانس کا چھلکا جو ہے، بانس کا چھلکا بڑا سخت ہوتا ہے اور بالکل چھری کی طرح وہ کام کرتا ہے بھئی، تو وہ ہے لیطہ۔ ویسے لیطہ ہر چھلکے کو کہتے ہیں، لیکن یہاں بالخصوص وہ بانس وغیرہ کا چھلکا ہے جو چھری جیسا کام کرتا ہو۔ لکڑی، بھئی لکڑی بھی بعض اوقات اگر اس کو کاٹا جائے، توڑا جائے تو اس کی دھار بن جاتی ہے بھئی، بہت تیز دھار، چھری کی طرح کام کرتی ہے۔ اسی طرح پتھر ہے بھئی، پتھر کی بھی بعض اوقات اس کو توڑا جائے تو اس کی بڑی تیز دھار بن جاتی ہے، چھری کی طرح کام کرتی ہے۔ تو کہتے ہیں كَسِلَاحٍ وَمُحَدَّدٍ مِنْ خَشَبٍ أَوْ حَجَرٍ أَوْ لِيْطَةٍ وَنَارٍ، کہ جیسے کہ اسلحہ ہے اور تیز دھار والی چیز مِنْ خَشَبٍ لکڑی میں سے، أَوْ حَجَرٍ پتھر میں سے، أَوْ لِيْطَةٍ یا بانس کے چھلکے میں سے، وَنَارٍ اور آگ ہے، جیسے کہ آگ ہے۔ آگ بھی بھئی، آگ کے اندر بھی کسی کو پھینکا جائے وہ بچتا نہیں ہے بھئی۔ تو یہ وہ چیزیں ہیں جن سے کوئی بچتا نہیں۔ تو یہ اسلحہ تو نہیں، لیکن یہ قائم مقامِ اسلحہ ہیں۔

تو امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بتلا دیا قتلِ عمد کسے کہتے ہیں؟ کہ کوئی شخص دوسرے کو اسلحے سے یا قائم مقامِ اسلحے سے قتل کرے، جو چیز اجزاء کو پھاڑ دے یعنی جسم کو پھاڑ دے، یہ قتلِ عمد ہے۔ لہٰذا کوئی شخص کسی کو پانی میں غرق کر کے مارتا ہے، کوئی شخص کسی کا گلا دبا کر مارتا ہے، یا کوئی شخص اس کو لاٹھی، لاٹھیوں سے مار مار کر کسی کو قتل کرتا ہے، تو یہ قتلِ عمد نہیں ہے۔ کیونکہ بتلا دیا امام صاحب کے نزدیک قتلِ عمد کسے کہتے ہیں؟ کہ اسلحہ یوں کہیں آسان لفظوں میں اسلحہ یا قائم مقامِ اسلحہ سے کسی کو قتل کرنا، یہ کیا ہے؟ قتلِ عمد۔ تو معلوم ہوا اگر کوئی کسی کو تلوار سے مارے تو یہ کیا ہے؟ قتلِ عمد۔ اگر کوئی کسی کو خنجر سے مارے یہ بھی کیا ہے؟ قتلِ عمد۔ کوئی کسی کو بندوق سے قتل کرے، بندوق کی سے گولی مارے تو وہ بھی یہ، تو یہ بھی کیا ہے؟ قتلِ عمد ہے۔ کوئی کسی کو سوا مار دے بھئی، یہ بھی کیا ہے؟ قتلِ عمد ہے بھئی۔ سوا وہ جو سخت آلہ جس کے ذریعے برف وغیرہ توڑتے ہیں، تو وہ، کیونکہ وہ بھی جسم کو پھاڑ دیتا ہے بھئی، انسان بچتا نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی کسی کو سریا مار دے تو یہ بھی کیا ہے؟ قتلِ عمد، کیونکہ لوہا جو ہے نا لوہا، وہ مطلقاً آلۂ قتل ہے۔ لوہا کیا ہے؟ مطلقاً آلۂ قتل ہے۔ لوہا کی، لوہے کی چیز کسی کو ماری جائے تو وہ بچتا نہیں ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں كَسِلَاحٍ وَمُحَدَّدٍ مِنْ خَشَبٍ أَوْ حَجَرٍ أَوْ لِيْطَةٍ وَنَارٍ، جیسے کہ اسلحہ ہے اور تیز دھار والی چیز ہے یعنی کہ لکڑی یا پتھر اور بانس کا چھلکا وَنَارٍ اور آگ۔ هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، یہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ وَعِنْدَهُمَا وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً، اور صاحبین اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک، ضَرْبُهُ قَصْدًا، قتلِ عمد جو ہے وہ قاتل کا مارنا ہے، قَصْدًا اپنے ارادے سے، بِمَا ایسی چیز کے ساتھ، لَا يُطِيقُهُ الْبِنْيَةُ۔ میری کتاب میں ہے الْبَيِّنَةُ، یہ غلط ہے، کتابت کی غلطی ہے، نون مقدم ہے اور پھریا ہے، بِنْيَة، بِنْيَة۔ بِمَا ایسی چیز کے ساتھ لَا يُطِيقُهُ الْبِنْيَةُ۔ بِنْيَة کہتے ہیں بھئی کسی چیز کی ساخت، کسی چیز کی بناوٹ، بناوٹ، یا ڈھانچہ جس سے وہ چیز بنی ہے۔ تو بِنْيَةُ الْجِسْمِ، انسانی جسم کا ڈھانچہ، تو جسم مراد ہے۔ کیا مراد ہے یہاں؟ جسم کا ڈھانچہ یعنی جسم کی ساخت اور جسم مراد ہے۔ تو وہ مارنا ہے ایسی چیز کے ساتھ لَا يُطِيقُهُ الْبِنْيَةُ کہ انسانی جسم جس کی طاقت نہ رکھتا ہو، اس کو برداشت نہ کر سکے۔ کوئی بھی ایسی چیز ماردی جائے جس کو انسانی جسم برداشت نہیں کر سکتا، تو وہ کیا ہے؟ قتلِ عمد ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں اگر کسی نے کسی کو بڑے ڈنڈے سے مارا بھئی، تو بھی یہ قتلِ عمد ہے۔ اسی طرح کسی نے کسی کو بڑے پتھر سے مارا، تو یہ بھی قتلِ عمد ہے کیونکہ انسانی بدن ان کو برداشت نہیں کر سکتا، جس کو بھی یہ ماریں گے وہ زندہ نہیں بچے گا بھئی۔ تو کہتے ہیں ان کے نزدیک ضَرْبُهُ قَصْدًا بِمَا لَا يُطِيقُهُ الْبِنْيَةُ، وہ مارنا ہے قاتل کا قَصْدًا ارادے سے، بِمَا لَا يُطِيقُهُ الْبِنْيَةُ ایسی چیز کے ذریعے جس کی انسانی جسم جس کی طاقت نہیں رکھتا یعنی اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ حَتَّى إِنْ ضَرَبَهُ قَصْدًا بِحَجَرٍ عَظِيمٍ أَوْ خَشَبٍ عَظِيمٍ فَهُوَ عَمْدٌ، حتیٰ کہ اگر قاتل نے اس کو مارا ارادے کے ساتھ بِحَجَرٍ عَظِيمٍ کسی بڑے پتھر سے، أَوْ خَشَبٍ عَظِيمٍ یا کسی بڑی لکڑی سے، فَهُوَ

عَمْدٌ تو یہ بھی عمد ہے۔ جب کہ امام صاحب کے نزدیک یہ شبہِ عمد ہے، بڑے پتھر سے مارا یا بڑی لکڑی سے مارا، کیونکہ یہ آلۂ قتل نہیں ہے۔ امام صاحب کے نزدیک تو کیا شرط تھی؟ آلۂ قتل یا قائم مقامِ آلۂ قتل کے ذریعے کسی کو مارے گا تو وہ عمد ہے۔ تو البتہ ان کے نزدیک یہ عمد ہے۔

اب اس کے احکام کیا کیا ہیں؟ میں نے پانچ احکام بتلائے تھے، اب وہ بتلانے لگے ہیں کہ کون کون سا حکم یہاں آئے گا۔ کہتے ہیں: وَبِهِ يَأْثَمُ، اور اس سے قاتل جو ہے وہ گناہگار ہوگا، یعنی قتل کا وہ عظیم گناہ ہوگا۔ وَيَجِبُ الْقَوَدُ عَيْنًا، اور واجب ہوگا اَلْقَوَدُ، کیا معنی قَوَد؟ قصاص، قصاص، شاباش۔ وَيَجِبُ الْقَوَدُ عَيْنًا، اور واجب ہوگا قصاص عَيْنًا متعین ہو کر، قصاص واجب ہوگا متعین ہو کر۔ یہ دراصل رد ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قتلِ عمد کے اندر مقتول کے ورثاء کو اختیار ہے۔ ہمارے نزدیک تو مقتول کے ورثاء صرف قصاص لے سکتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں نہیں، مقتول کے ورثاء کو اختیار ہے وہ قصاص لینا چاہیں قصاص لے لیں اور قاتل کو قتل کر دیں، اور چاہیں تو دیت لے لیں، چاہیں تو دیت لے لیں۔ ہمارے نزدیک نہیں، قصاص آئے گا یہاں، دیت نہیں آئے گی۔ اسی لیے کہا: وَيَجِبُ الْقَوَدُ عَيْنًا، اور واجب ہوگا قصاص متعین ہو کر، یعنی یہاں پر دیت کی گنجائش نہیں۔ هٰذَا عِنْدَنَا، یہ ہمارے نزدیک ہے۔

تو ہمارے نزدیک یاد رکھو یہاں صرف قصاص آئے گا۔ کیا آئے گا؟ قصاص۔ ہاں، اگر صلح کر لی تو پھر یہ قصاص مال بن جائے گا، صلح کر لی تو مال بن جائے گا۔ مثلاً قاتل کے اولیاء جو تھے، قاتل کے جو رشتے دار وغیرہ تھے وہ اور انہوں نے اور قاتل نے مقتول کے ورثاء کی منت سماجت شروع کر دی کہ آپ مال لے لیں، معاف کر دیں، بس غلطی ہو گئی ہم سے، قتل کر دیا۔ تو آپ دیکھتے بھی ہیں، پھر صلح کر لیتے ہیں بعض اوقات مال کے بدلے۔ توجہ ہے؟ جی۔ قاتل کو قتل نہیں کرتے، اس کے بدلے مال لے لیتے ہیں۔ اور پھر یاد رکھو یہ جو صلح کے اندر مال لیا جائے، اس کا دیت سے کے برابر، کم یا زیادہ ہونے کی کوئی شرط نہیں، زیادہ سے زیادہ جتنا مرضی لے لیں اور کم بھی جتنا رکھنا چاہیں ان کی مرضی ہے۔ اگر دیت میں سو اونٹ آتے ہیں، وہ چاہیں تو دو سو اونٹ پر صلح کر لیں، وہ چاہیں تو پانچ سو اونٹوں پر صلح کریں، اور چاہیں تو پچاس اونٹوں پر صلح کریں۔ تو صلح کے اندر اپنا اختیار ہے، وہ آپس میں مل کر جتنا بھی طے کر لیں۔

کہتے ہیں هٰذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے، خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، فَإِنَّ الْقَوَدَ غَيْرُ مُتَعَيِّنٍ عِنْدَهُ اس لیے کیونکہ قصاص جو ہے ان کے نزدیک متعین نہیں ہے۔ بَلِ الْوَلِيُّ مُخَيَّرٌ بَيْنَ الْقَوَدِ وَأَخْذِ الدِّيَةِ، بلکہ جو ولی ہے، ولی، جو مقتول کا ولی ہے۔ ولی کسے کہتے ہیں؟ جو اس کے یوں کہیں سرپرست یا امور کا نگران ہے، ذمہ دار ہے، جو اس کے امور کا ذمہ دار، نگران یا سرپرست کہہ لو، وہ اس کا ولی ہے، ولی۔ مقتول تو مارا گیا نا، جیسے بچے کا کوئی بڑا ہوتا ہے، سرپرست ہوتا ہے، اس کے کاموں کا ذمہ دار ہوتا ہے، تو اسی طرح جب مقتول مارا گیا تو اب اس کا جو ولی ہے یعنی اس کا سرپرست یا اس کا ذمہ دار جو اب بن گیا، وہ اگر بھائی ہیں تو بھائی ہو جائیں گے، والد ہے تو والد ہو جائے گا، اور نہیں

ہے تو بیٹا ہے وہ ہو جائے گا، تو یہ جو ہیں یہ ہیں مقتول کے اولیاء۔ تو کہتے ہیں بَلِ الْوَلِيُّ مُخَيَّرٌ بَيْنَ الْقَوَدِ وَأَخْذِ الدِّيَةِ، تو وہ جو ولی ہے مقتول کا اس کو اختیار ہوگا بَيْنَ الْقَوَدِ وَأَخْذِ الدِّيَةِ قصاص اور دیت لینے میں، وہ چاہے قصاص لے لے اور چاہے تو دیت لے لے، سو اونٹ لے لے یا دس ہزار درہم لے لے یا ایک ہزار اشرفیاں یعنی دینار لے لے۔ یہ کس کے نزدیک ہے؟ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک۔

لَنَا، ہماری دلیل یہ ہے کہ إِنَّ الْمَالَ إِنَّمَا يَجِبُ فِي الْخَطَإِ ضَرُورَةَ صِيَانَةِ الدَّمِ عَنِ الْهَدْرِ، إِذْ لَا مُمَاثَلَةَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّفْسِ۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خطا کے اندر دیت آتی ہے، خطا کے اندر بھی جانی نقصان ہوا ہے، تو یہاں پر بھی قصاص کے ساتھ ساتھ ان کو اختیار ہونا چاہیے، وہ چاہیں تو کیا کر لیں؟ مال لے لیں۔ توجہ ہے؟ جی۔ تو مال، جیسے وہاں پر انسانی جان کے مقابلے میں کیا آتا تھا؟ مال آجاتا ہے خطا کے اندر، تو یہاں بھی کیا آنا چاہیے؟ مال آنا چاہیے۔ ہم کہتے ہیں کہ نہیں، انسانی جان کے بدلے مال کبھی نہیں آتا، مال اور انسانی جان میں کوئی مماثلت نہیں ہے، کوئی مماثلت نہیں ہے۔ ہاں، وہ وہاں پر چونکہ قصاص نہیں آسکتا بھئی، ایک انسانی جان ضائع ہوئی ہے، کسی کے ہاتھوں کسی کا قتل ہو گیا ہے غلطی سے، انسانی جان ضائع ہوئی ہے اور وہاں قصاص تو آنہیں سکتا، جب قصاص نہیں آسکتا تو مجبوراً وہاں پر مال آئے گا بھئی، تاکہ کہیں انسانی خون جو ہے جو محترم اور معزز ہے وہ رائیگاں نہ چلا جائے۔ اس لیے وہاں پر مجبوری کی وجہ سے پھر کیا آگیا؟ مال آگیا۔ ورنہ تو انسانی جان اور مال میں کوئی مماثلت نہیں ہے بھئی۔ انسان مالک ہے اور مال اس کا مملوک ہے بھئی۔ اور انسان خرچ کرنے والا ہے اور مال کو خرچ کیا جاتا ہے بھئی، جہاں اس کا دل کرتا ہے اس کو خرچ کرتا ہے۔ تو انسانی جان اور مال میں کوئی مماثلت نہیں ہے۔ یہ ہم کس کو جواب دے رہے ہیں؟ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

لَنَا، ہماری دلیل یہ ہے کہ إِنَّ الْمَالَ إِنَّمَا يَجِبُ فِي الْخَطَإِ ضَرُورَةَ صِيَانَةِ الدَّمِ عَنِ الْهَدْرِ، کہ مال جو واجب ہوتا ہے...

قتلِ خطا کی صورت میں وہ ضَرُورَةَ صِيَانَةِ الدَّمِ، وہ انسانی خون کو بچانے کی ضرورت کی وجہ سے، عَنِ الْهَدْرِ ضائع ہونے سے، رائیگاں ہونے سے۔ رائیگاں ہونے سے انسانی خون کو بچانے کی ضرورت کی وجہ سے، انسانی خون کو رائیگاں ہونے سے بچانا ضروری ہے، تو اس ضرورت کی بنا پر وہاں مال واجب ہوتا ہے۔ إِذْ لَا مُمَاثَلَةَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّفْسِ اس لیے کیونکہ مال اور نفس یعنی انسانی جان کے درمیان کوئی مماثلت نہیں ہے۔ فَفِي الْعَمْدِ لَا يَجِبُ الْمَالُ مَعَ احْتِمَالِ الْمِثْلِ صُورَةً وَمَعْنًى، پس قتلِ عمد کی صورت میں مال واجب نہیں ہوگا، مَعَ احْتِمَالِ الْمِثْلِ صُورَةً وَمَعْنًى کہ یہاں پر صورتاً اور معناً مثل کا احتمال موجود ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کو جان بوجھ کر قتل کیا ہے تو اس کا مثل، مثل صورتاً اور معناً کیا ہے؟ کہ اس کو بھی کیا کر دیا جائے؟ قتل کر دیا جائے۔ یہ جو ہم قصاص میں دوسرے شخص کو قتل کرتے ہیں یاد رکھو اس کی بنیاد مماثلت اور مساوات پر ہے۔ اس نے اس کو جان بوجھ کر قتل کیا تھا تو اس کو بھی جان بوجھ کر قتل کر دیا جائے تو مماثلت آگئی۔ تو جب یہاں پر ایک طرف آپ فرما رہے ہیں کہ مال آئے گا، ہم کہتے ہیں مال کی انسانی جان کے ساتھ کوئی مماثلت نہیں ہے

اور نیز یہاں تو مثل ممکن بھی ہے، مثل ممکن بھی ہے، اس نے اس کی جان لی تھی تو اس کی بھی جان لے لی جائے۔ یہ صورت کے اعتبار سے بھی اس کی طرح ہے اور معنی کے اعتبار سے بھی اس کی طرح ہے بھئی۔ تو یہ معنی ہے مَعَ احْتِمَالِ الْمِثْلِ، ساتھ اس کے کہ مثل جو ہے صورت اور معنی کے اعتبار سے اس کا بھی یہاں احتمال ہے۔ جب وہ موجود ہے تو اس پر عمل کریں گے، مال کی طرف ہم نہیں جائیں گے۔[۳]

آگے دیکھیے بھئی: لَا الْكَفَّارَةُ، یہاں کفارہ نہیں آئے گا بھئی۔ قتل کا بتلا دیا، اس میں قتل کا گناہ بھی ہوگا، قصاص بھی آئے گا، لیکن کفارہ نہیں آئے گا بھئی، کفارہ نہیں آئے گا۔ لَا الْكَفَّارَةُ، کفارہ نہیں ہوگا۔ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ، بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے۔ وَهُوَ يَقُولُ، وہ فرماتے ہیں: لَمَّا وَجَبَ فِي الْخَطَإِ فَأَوْلَى أَنْ تَجِبَ فِي الْعَمْدِ، کہ جب کفارہ قتلِ خطا میں واجب ہوا تو زیادہ لائق ہے کہ عمد میں بھی واجب ہو۔ ایک ہے قتلِ خطا، ایک ہے قتلِ عمد۔ وہ فرماتے ہیں قتلِ خطا میں جب کفارہ واجب ہے تو قتلِ عمد تو اس سے بڑا جرم ہے، تو اس میں تو بطریقِ اولیٰ کفارہ واجب ہونا چاہیے۔ تو وہ کہتے ہیں لَمَّا وَجَبَ فِي الْخَطَإِ فَأَوْلَى أَنْ تَجِبَ فِي الْعَمْدِ، کہ جب قتلِ خطا میں کفارہ واجب ہوا تو زیادہ لائق ہے کہ وہ قتلِ عمد میں بھی واجب ہو۔ وَنَحْنُ نَقُولُ، ہم کہتے ہیں: لَا يَلْزَمُ مِنْ كَوْنِ الْكَفَّارَةِ سَاتِرَةً لِلْخَطَإِ... اچھا بھئی، یاد رکھیے ہم کہتے ہیں یہ جو کفارہ ہے، کفارہ، کفارے میں دو پہلو ہوتے ہیں، اس میں عبادت کا پہلو بھی ہوتا ہے اور سزا کا پہلو بھی ہوتا ہے۔ جیسے ساٹھ روزے رکھے، سزا بھی ہے مسلسل ساٹھ روزے ہر حال میں رکھنا پڑیں گے اور عبادت بھی ہے بھئی کیونکہ روزہ رکھ رہے ہیں۔ تو کفارے کے اندر عبادت کا بھی پہلو ہوتا ہے اور سزا کا بھی۔ اور یہ جو کفارہ ہے یہ گناہ کو ڈھانپ دیتا ہے یعنی گناہ کو مٹا دیتا ہے، ختم کر دیتا ہے کہ گویا اس نے جرمانہ ادا کر دیا۔ جو جرم کیا تھا، جو غلطی کی تھی وہ اس کا، اس کی سزا اس کو مل گئی۔ اور یاد رکھیے یہ جو کفارہ ہے یہ کوئی چھوٹا گناہ ہو، ہلکا گناہ ہو اس کو ڈھانپ لے گا، لیکن قتلِ عمد جیسا عظیم گناہ ہو اس کے لیے کفارہ ساتر نہیں بن سکتا، اس کو ڈھانپ نہیں سکتا، اس کو مٹا نہیں سکتا۔ ہم کہتے ہیں وَنَحْنُ نَقُولُ لَا يَلْزَمُ مِنْ كَوْنِ الْكَفَّارَةِ سَاتِرَةً لِلْخَطَإِ، ساتر، ستر کا معنی ہے ڈھانپ لینا، چھپا لینا، کہ یہ کفارہ کیا ہے قتل کو یعنی گناہ کو چھپا لیتا ہے یعنی اس کو ڈھانپ لیتا ہے یعنی مٹا دیتا ہے، معاف ہو جاتا ہے اس سے۔ وَنَحْنُ نَقُولُ، ہم کہتے ہیں لَا يَلْزَمُ مِنْ كَوْنِ الْكَفَّارَةِ سَاتِرَةً لِلْخَطَإِ کہ کفارے کا ساتر للخطا ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کفارہ جو ہے اس کا قتلِ خطا کے لیے، کو ڈھانپنے والا ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ كَوْنُهَا سَاتِرَةً لِلْعَمْدِ کہ یہ ڈھانپنے والا ہوگا قتلِ عمد کو بھی، یہ لازم نہیں آتا۔ وَهُوَ كَبِيرَةٌ مَحْضَةٌ، وہ تو کبیرہ محض ہے، وہ تو صرف بڑا گناہ ہی ہے، وہ چھوٹا ہلکا گناہ نہیں ہے۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ نے کیا فرمایا تھا؟ کہ جب چھوٹے گناہ کے اندر کفارہ ہے تو بڑے گناہ میں بطریقِ اولیٰ کفارہ ہوگا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ ہم کہتے ہیں، ہم یہی جواب دیتے

---

[۳] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۴۳):** صوتی درس کی قراءت میں «فَفِي الْعَمْدِ لَا يَجِبُ الْمَالُ مَعَ احْتِمَالِ الْمِثْلِ صُورَةً وَمَعْنًى» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «ففي العمدِ لا يجبُ مع احتمالِ المثلِ صورةً ومعنىً،» منقول ہے۔

ہیں، ہم کہتے ہیں چھوٹے گناہ میں کفارہ ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ بڑے گناہ میں بھی کیا آئے؟ کفارہ آئے بھئی، وہ بڑا گناہ ہے، وہاں وہ یہ نہیں آئے گا بھئی۔[۴]

آگے دیکھیے بھئی: وَشِبْهُ الْعَمْدِ، اچھا بھئی، کتنے احکام آ گئے؟ گناہ ہوگا، قصاص آئے گا، اور بتلا دیا کفارہ نہیں آئے گا۔ اور دیت بھی نہیں آئے گی، وہ بھی بتلا دیا آپ کو۔ حرمانِ میراث آئے گا یا نہیں؟ اب آپ مجھے بتائیے۔ آئے گا۔ جی؟ حرمان، میں نے آپ کو ضابطہ بتلایا تھا۔ ایک تو یہ یاد رکھنا حرمانِ میراث صرف اس قتل میں آئے گا جہاں وارث مورث کو قتل کرے۔ جی۔ زید نے کسی اور آدمی کو قتل کیا ہے اور آپ کہیں کہ اب یہ وارث نہیں بن سکتا کیونکہ ہم نے فقہ میں پڑھا تھا کہ جو قاتل ہوتا ہے وہ وراثت سے محروم رہتا ہے، نہیں بھئی، ہر قتل نہیں۔ بے شک اس نے کسی اور کا قتل کیا، اپنے مورث کو تو قتل نہیں کیا، لہٰذا وہ اس کا وارث بنے گا۔ یہ اب بار بار ذکر نہیں ہوگا کہ حرمانِ میراث کہاں آئے گا جب وارث اپنے مورث کو قتل کرے، کیونکہ دلوں میں بدگمانی آتی ہے شاید اس نے جان بوجھ کر اپنے مورث کو قتل کیا ہے تا کہ کسی طرح مجھے مال مل جائے اس کا وراثت کے طور پر۔ اور پھر یہ بھی بتایا کہ کہاں آتا ہے حرمانِ میراث؟ پہلے چاروں میں آتا ہے۔ ہاں، پہلے چار میں آتا ہے، پانچویں میں نہیں آتا۔ یا سبب یاد کر لیں کہ جس قتل میں بھی قصاص یا کفارہ آئے وہاں حرمانِ میراث آتا ہے۔ اور یہاں کفارہ تو نہیں آیا لیکن قصاص تو آیا، لہٰذا حرمانِ میراث ہوگا بشرطیکہ مورث کو وارث نے قتل کیا ہو۔ یہ آخر میں جا کے وراثت کو ذکر کریں گے بھئی۔

وَشِبْهُ الْعَمْدِ، اور دوسری قسم جو ہے وہ قتلِ شبہ العمد ہے: ضَرْبُهُ قَصْدًا بِغَيْرِ مَا ذُكِرَ، وہ مارنا ہے قاتل کا قَصْدًا ارادے کے ساتھ بِغَيْرِ مَا ذُكِرَ علاوہ ان کے جن کو ذکر کیا گیا۔ ان چیزوں کے علاوہ سے کسی کو مارتا ہے جو ذکر کر دی گئیں، یعنی اسلحہ یا قائم مقامِ اسلحہ کے علاوہ سے قاتل کسی کو مارتا ہے، تو یہ کیا ہے؟ قتلِ شبہِ عمد ہے۔ كَالْعَصَا، جیسے لاٹھی ہے، کوئی شخص کسی کو لاٹھیوں سے مارتا ہے اور وہ مر جاتا ہے۔ وَالسَّوْطِ، سَوْط کہتے ہیں کوڑے کو بھئی، کوڑا وہ چمڑے کا بنا ہوا، وہ کوڑے والے چمڑے سے کسی کو مارتا ہے اور مسلسل مارتا ہے یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ وَالْحَجَرِ الصَّغِيرِ، کسی کو چھوٹا پتھر مارا اور وہ سر پہ لگا اور وہ مر گیا۔ وَأَمَّا الضَّرْبُ بِالْحَجَرِ الْعَظِيمِ وَالْخَشَبِ الْعَظِيمِ، باقی بڑے پتھر سے مارنا یا بڑی لکڑی سے مارنا، فَمِنْ شِبْهِ الْعَمْدِ أَيْضًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ خِلَافًا لِغَيْرِهِ، تو یہ بھی شبہِ عمد میں سے ہے امام صاحب کے نزدیک، بخلاف اوروں کے، ان کے علاوہ اوروں کے نزدیک یہ کس میں سے ہے؟ یہ بھی عمد میں سے ہے، پیچھے تفصیل گزر گئی بھئی۔

وَفِيهِ الْإِثْمُ، اب اس کا حکم کیا ہے بھئی شبہِ عمد کا؟ کہتے ہیں وَفِيهِ الْإِثْمُ، اس میں گناہ ہوگا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ قتل کا عظیم گناہ ہوگا بھئی۔ وَالْكَفَّارَةُ، اور کفارہ بھی اس میں آئے گا۔ وَدِيَةٌ مُغَلَّظَةٌ عَلَى الْعَاقِلَةِ، اور دیتِ مغلظہ آئے گی،

---

[۴] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۴۳):** صوتی درس کی قراءت میں «لَمَّا وَجَبَ فِي الْخَطَإِ فَأَوْلَى» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «لَمَّا وجبت في الخطأ، فأولى» منقول ہے۔

سخت دیت، سخت دیت۔ یاد رکھنا یہ دیت دو قسم پر ہے: ایک دیتِ مغلظہ اور ایک دیتِ مخففہ، ایک سخت دیت ہے، ایک ذرا ہلکی دیت ہے۔ اور یہ، یہ صرف قتلِ شبہِ عمد میں جو دیت آتی ہے وہ دیتِ مغلظہ آتی ہے، کس میں؟ شبہِ عمد۔ آگے قتلِ خطا وغیرہ جو آئیں گے ان میں دیتِ مغلظہ نہیں ہوگی، مخففہ ہوگی، لیکن قتلِ شبہِ عمد میں جو دیت آئے گی وہ دیتِ مغلظہ۔ اور دیتِ مغلظہ یاد رکھو صرف اس صورت میں آئے گی اگر وہ اونٹوں کے ذریعے ادائیگی کرنا چاہے۔ اگر دینار ادا کرنا چاہتا ہے تو وہی ہزار ہی ادا کرے گا، اگر درہم ادا کرنا چاہتا ہے تو دس ہزار ہی ادا کرے گا، لیکن اگر اونٹوں کے ساتھ یہ قاتل دیت ادا کرنا چاہتا ہے تو وہ سو، دیتِ مغلظہ آئے گی بھئی، دیتِ مغلظہ۔ تو یہ صرف مغلظہ اور مخففہ صرف اونٹوں کے اندر فرق آئے گا۔ جو دیتِ مغلظہ ہوتی ہے اس میں، اس میں چار قسم کے اونٹ ہوتے ہیں، دیتِ مغلظہ میں۔ یعنی چار قسم کے اونٹ، پچیس پچیس اونٹ بھئی، مختلف قسمیں وہ آگے تفصیل آجائے گی بھئی، دیتوں کا باب آرہا ہے آگے۔ اور دیتِ مخففہ میں پانچ قسم کے اونٹ دینے پڑتے ہیں یعنی بیس بیس، پانچ قسم کے اونٹ دینے پڑتے ہیں، تو ان میں ذرا قیمت ان کی کم ہوتی ہے۔

تو کہتے ہیں: وَفِيهِ الْإِثْمُ وَالْكَفَّارَةُ وَدِيَةٌ مُغَلَّظَةٌ عَلَى الْعَاقِلَةِ، اور اس میں گناہ بھی ہے یعنی قتل کا عظیم گناہ، وَالْكَفَّارَةُ اور کفارہ بھی ہے، وَدِيَةٌ مُغَلَّظَةٌ اور سخت دیت ہے عَلَى الْعَاقِلَةِ عاقلہ پر، کس پر؟ عاقلہ۔ میں نے بتلا دیا کس پر آتی ہے، عاقلہ سے کیا مراد ہے؟ آگے تفصیل بیان کریں گے، آسان لفظوں میں سمجھ لو اس کی قوم والے یا اس کے پیشے والے، قوم برادری والے اور اس کے پیشے والے بھئی۔ سَيَأْتِي تَفْسِيرُ الدِّيَةِ الْمُغَلَّظَةِ، کہتے ہیں عنقریب دیتِ مغلظہ کی تفسیر جو ہے وہ آجائے گی، وَتَفْسِيرُ الْعَاقِلَةِ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى، اور عاقلہ کی تفسیر بھی عنقریب آجائے گی إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى۔ بِلَا قَوَدٍ، بغیر قصاص کے، اس میں قصاص نہیں آئے گا شبہِ عمد میں بھئی۔

وَهُوَ فِيمَا دُونَ النَّفْسِ عَمْدٌ، اور یہ هُوَ، هُوَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ کہتے ہیں پیچھے جو ضَرْبُهُ آیا تھا، ضَرْبُ، پیچھے دیکھو ذرا متن پہ: ضَرْبُهُ قَصْدًا بِغَيْرِ مَا ذُكِرَ۔ کہتے ہیں قاتل کا مارنا ارادے سے علاوہ اس چیز کے جو ذکر کر دی گئیں، یعنی اسلحے یا قائم مقامِ اسلحے کے علاوہ کسی اور چیز سے قاتل کا مارنا فِيمَا دُونَ النَّفْسِ نفس کے علاوہ میں عَمْدٌ یہ عمد ہے، نفس سے کم کے اندر یہ عمد ہے۔ کیا معنی؟ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ عمد اور شبہِ عمد کا فرق یہ صرف جان میں ہے، جان میں۔ کوئی کسی کی جان لیتا ہے تو وہاں ہم دیکھیں گے کہ یہ قتلِ عمد ہے یا شبہِ عمد، لیکن اعضاء کے اندر، اعضاء کے اندر تو بس اس میں اتنی تفصیل نہیں، وہاں تو دو ہی صورتیں ہیں: یا عمد ہوگا یا خطا۔ توجہ ہے؟ جی۔ کوئی کسی کا ہاتھ کاٹ ڈالتا ہے، کوئی کسی کی آنکھ پھوڑ ڈالتا ہے، کوئی کسی کے دانت توڑ دیتا ہے تو وہاں، وہاں، وہاں شبہِ عمد نہیں ہے، وہاں یا تو عمد ہے یا خطا ہے، جان بوجھ کر توڑا ہے یا غلطی سے توڑا ہے۔ تو معلوم ہوا اعضاء کے اندر شبہِ عمد نہیں۔ اور شبہِ عمد میں کیا تھا؟ قاتل ایسی چیز سے مارتا ہے جو اسلحہ یا قائم مقامِ اسلحہ نہیں ہے۔ دیکھو لاٹھی سے مارا، لاٹھی تو آلۂ قتل نہیں ہے، اس سے تو کوئی انسان مرتا نہیں ہے،

کوڑے سے کسی کو مارا، اس سے تو کوئی مرتا نہیں ہے، کسی کو چھوٹا پتھر مارا، اس سے تو کوئی نہیں مرتا، تو یہ نہ آلۂ قتل ہیں نہ قائم مقامِ آلۂ قتل ہیں۔ اس لیے ان کے ذریعے اگر قتل کیا ہے تو وہ عمد نہیں شمار ہوگا، یہ آلۂ قتل یا قائم مقامِ آلۂ قتل نہیں ہے، بلکہ وہ شبہِ عمد شمار ہوگا، شبہِ عمد شمار ہوگا۔ جب کہ اعضاء، اعضاء کے اندر تو آپ کسی کو لاٹھی، دیکھو لاٹھی مارنے سے کسی کی جان تو نہیں جاتی، لیکن لاٹھی مارنے سے دانت بھی ٹوٹ سکتے ہیں اور لاٹھی مارنے سے آنکھ بھی نکل سکتی ہے، تو اعضاء کے اندر پھر وہ شبہِ عمد نہیں بنے گا بلکہ کیا بن جائے گا؟ عمد ہی بن جائے گا۔

تو کہتے ہیں بِلَا قَوَدٍ، بغیر قصاص کے۔ وَهُوَ فِيمَا دُونَ النَّفْسِ عَمْدٌ، اور وہ جو ہے یعنی مارنا ایسی چیز ان چیزوں کے علاوہ سے مارنا فِيمَا دُونَ النَّفْسِ نفس سے کم کے اندر عَمْدٌ یہ کیا ہے؟ عمد ہے۔ أَيْ ضَرْبُهُ قَصْدًا بِغَيْرِ مَا ذُكِرَ فِيمَا دُونَ النَّفْسِ عَمْدٌ مُوجِبٌ لِلْقِصَاصِ، خود بتلا رہے ہیں هُوَ ضمیر کا مرجع، کہتے ہیں یعنی مارنا ارادے کے ساتھ علاوہ ان چیزوں کے جن کو ذکر کر دیا گیا یعنی اسلحہ یا قائم مقامِ اسلحہ، ان کے بغیر کسی کو مارنا فِيمَا دُونَ النَّفْسِ نفس سے کم کے اندر عَمْدٌ یہ ایک ایسا قتلِ عمد ہے مُوجِبٌ لِلْقِصَاصِ جو قصاص کو ثابت کرتا ہے۔ مُوجِبٌ أَيْ مُثْبِتٌ، مُثْبِتٌ۔ میں نے آپ کو پہلے بھی بتلایا تھا بھئی وَجَبَ يَجِبُ، ثَبَتَ يَثْبُتُ کے معنی میں عام استعمال ہوتا ہے کتب میں، اسی طرح أَوْجَبَ يُوجِبُ بمعنی أَثْبَتَ يُثْبِتُ کے معنی میں عام استعمال ہوتا ہے۔ تو یہاں بھی مُوجِب، مُوجِب کا کیا معنی؟ واجب کرنے والا؟ بھئی قصاص تو واجب نہیں ہے، قصاص کے بدلے مال لے سکتے ہیں یا نہیں لے سکتے؟ جی، لے سکتے ہیں۔ تو معلوم ہوا قصاص تو واجب نہیں ہے، تو یہاں مُوجِب بمعنی مُثْبِت یعنی اس سے ثابت ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں یہ ایک ایسا قتلِ عمد ہے مُوجِبٌ لِلْقِصَاصِ أَيْ مُثْبِتٌ...

جو قصاص کو ثابت کرتا ہے۔ جان بوجھ کر لاٹھی ماری، کسی کے دانت توڑ دیے بھئی، اب ہم اس کو شبہِ عمد نہیں کہیں گے، یہاں قصاص آئے گا اور جتنے دانت اس نے دوسرے کے توڑے ہیں اس کے بھی اتنے ہی دانت توڑ دیے جائیں گے۔ فَلَيْسَ فِيمَا دُونَ النَّفْسِ شِبْهُ عَمْدٍ، پس نفس سے کم کے اندر جو ہے وہ شبہِ عمد نہیں ہے، وہاں تو صرف کیا ہے؟ یا عمد ہے یا خطا ہے۔

سوال: بھئی ایک آدمی دوسرے کو بندوق کی گولی کے ذریعے قتل کرتا ہے تو آپ کہتے ہیں اس کو بھی قتل کیا جائے بھئی، قصاص لیا جائے کیونکہ اس نے آلۂ قتل سے اس کو قتل کیا ہے۔ اور ایک شخص دوسرے شخص کو لاٹھیاں مار مار کر قتل کر دیتا ہے، تو اس میں آپ کہتے ہیں قصاص نہیں آئے گا، توجہ ہے؟ جی۔ اس میں قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ یہاں دیت آجائے گی، دیت آجائے گی، دیتِ مغلظہ۔ تو یہ کیا وجہ ہے بھئی؟ قتل اس نے بھی کیا، اس نے گولی کے ذریعے کیا، اس نے لاٹھیوں کے ذریعے قتل کیا ہے۔ یہ بھی قاتل، وہ بھی قاتل۔ اس کے لیے آپ کہتے ہیں قصاص لیں گے اس سے، اور اس سے قصاص نہیں لیں گے۔ کیا وجہ؟

وجہ اس کی دراصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص دوسرے کو قتل کرتا ہے تو ہمیں پتہ نہیں کہ اس کا ارادہ ہی قتل کا تھا یا وہ

صرف اس کو کچھ ضرب وغیرہ تکلیف بس دینا چاہتا تھا۔ تو ہم ارادے کو دیکھیں گے۔ اگر ارادۂ قتل تھا، اس کا ارادہ ہی قتل کرنے کا تھا، تو اس قاتل کو بھی ہم پھر قتل کریں گے۔ اور اگر اس کا ارادہ نہیں تھا، تو پھر ہم اس کو قتل نہیں کریں گے۔ لیکن ارادہ تو دل کا فعل ہے، ہمیں تو پتہ ہی نہیں چل سکتا اس کا کہ اس کے دل میں کیا تھا۔ تو لہٰذا فقہاء نے جس چیز کے ذریعے قتل کیا اس کو ارادے کے قائم مقام بنا دیا، جس چیز کے ذریعے قتل کیا ہے اس کو ہی ارادے... دیکھو ارادے کا تو پتہ نہیں چل سکتا کہ اس کے دل میں کیا تھا، یہ مارنا چاہتا تھا یا ویسے ہی اس کو ڈرانا چاہتا تھا اس کو کچھ۔ تو جس چیز کے ذریعے قتل کیا ہے، وہ جو آلہ ہے، اس کو ہم ارادے کے قائم مقام بنا دیں گے۔ اور چنانچہ اگر اس نے تلوار سے مارا تو تلوار تو آلۂ قتل ہے، معلوم ہوا اس کا ارادہ ہی قتل کا تھا، تو ہم بھی قصاص میں اس کو قتل کریں گے۔ یا بندوق سے مارا ہے، گولی ماری ہے، تو بندوق تو بنی ہی دوسرے کو قتل کرنے کے لیے ہے، معلوم ہوا اس کا ارادہ ہی قتل کا تھا۔ یا کسی نے کسی کو آگ میں پھینکا، بھئی آگ میں پھینکنے سے تو کوئی بچتا نہیں ہے، معلوم ہوا اس کا ارادہ ہی اس کو قتل کا تھا۔ اور اگر کسی نے دوسرے کو لاٹھیوں سے مارا ہے، تو اب بھئی لاٹھی تو مارنے کا آلہ نہیں، لاٹھی تو قتل کا آلہ نہیں ہے۔ ہمیں پتہ نہیں کہ اس کا ارادہ ہی قتل کا تھا یا یہ صرف اس کو کچھ سبق سکھانا چاہتا تھا، پٹائی کرنا چاہتا تھا۔ تو شبہ آگیا، اور شبہے کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہاں پر اب ہمیں پتہ نہیں کہ اس کا ارادہ کیا تھا، اس لیے قصاص اس سے ساقط ہو جائے گا۔ ہاں، دیت آئے گی، اس کو دیت دینا پڑے گی کیونکہ ایک انسانی جان ضائع ہوئی ہے۔

آگے دیکھیے بھئی: وَفِي الْخَطَإِ وَلَوْ عَلَى عَبْدٍ، اور قتلِ خطا کی صورت میں، وَلَوْ عَلَى عَبْدٍ اگرچہ غلام پر ہو، اگرچہ غلام پر ہو۔ سب سے پہلے تو یہ یاد رکھیے قتلِ خطا، تفصیل بیان کرنے لگے ہیں۔ قتلِ خطا جس میں غلطی سے قتل ہو جاتا ہے، اور اس میں پھر دو صورتیں بیان کرتے ہیں فقہاء۔ بعض اوقات فعل میں غلطی ہوتی ہے، بعض اوقات ارادے میں غلطی ہوتی ہے۔ بعض اوقات فعل میں غلطی، بعض اوقات ارادے میں غلطی۔ فعل میں غلطی ہو گئی، مثلاً ایک شخص نشانہ لگا رہا تھا، دور نشانہ رکھا ہوا ہے، اس نے نشانہ لگایا اور نشانہ لگایا اور پیچھے کوئی شخص گزر رہا تھا، اس کو جا کر وہ گولی لگ گئی یا وہ تیر لگ گیا اور وہ مر گیا۔ اب دیکھو یہ فعل کے اندر غلطی ہو گئی۔ کس میں؟ فعل میں۔ اس کا ارادہ کیا تھا؟ نشانے کو لگا رہا تھا، قتل کا تو ارادہ ہی نہیں تھا، تو دوسرے شخص کو گولی لگ گئی۔ یا گولی چلا رہا تھا نشانہ، نشانے پر لیکن ہاتھ تھوڑا سا ہلا اور ساتھ کھڑے ہوئے آدمی کو گولی لگ گئی۔ تو دیکھو یہ غلطی کس میں ہوئی؟ فعل میں۔ جو وہ فعل کر رہا تھا نشانہ لگانے والا، اس فعل میں غلطی ہو گئی۔ اس کا ارادہ تو نشانے کا تھا، قتل کا تو نہیں تھا۔ یہ ہے فعل کے اندر غلطی ہونا، یعنی کر ایک فعل رہا تھا، ہو گیا دوسرا فعل۔ لگا نشانہ رہا تھا اور ہو گیا قتل۔ دیکھو قتل بھی ایک فعل ہے نا؟ قتل کر رہا تھا وہ؟ نہیں۔ فعل کون سا کر رہا تھا؟ نشانہ لگانے والا، اور ہو گیا کون سا فعل؟ قتل والا، تو یہ ہے فعل کے اندر غلطی ہونا۔ اور ایک ہے ارادے کے اندر

غلطی ہونا۔ ارادہ یہ کہ آپ شکار کھیلنے گئے، دور آپ کو کوئی شکار حرکت کرتا ہوا نظر آیا، آپ نے نشانہ لیا اور گولی چلا دی، قریب گئے دیکھا ایک آدمی مرا ہوا پڑا ہے۔ اب دیکھو آپ سے فعل میں نہیں غلطی ہوئی، آپ نے بھی اسی چیز کو مارا تھا، لیکن آپ کیا سمجھے تھے کہ یہ کیا ہے؟ شکار ہے، اور وہ کیا نکلا؟ آدمی نکلا۔ تو یہاں فعل میں نہیں غلطی ہوئی، جس چیز کو مار رہے تھے اسی کو گولی لگی ہے، لیکن ارادے میں غلطی ہو گئی، آپ تو سمجھے تھے یہ شکار ہے اور یہ انسان نکلا۔ تو یہ بھی خطا ہے۔ تو خطا دو قسم کی ہو گئی: ایک یہ کہ ارادے میں خطا ہو جائے، اور ایک فعل میں۔ اور اس کے اندر پھر چونکہ ایک انسانی جان ضائع ہوئی ہے تو دیت آیا کرتی ہے، دیت آیا کرتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَفِي الْخَطَإِ، اور قتلِ خطا میں، وَلَوْ عَلَى عَبْدٍ، اگرچہ یہ خطا کسی غلام پر ہو۔ یاد رکھو کسی غلام کو جب کوئی انسان قتل کرتا ہے، غلطی سے قتل ہو گیا، تو اس غلام کی قیمت دینا پڑے گی، آگے مسئلہ آجائے گا۔ جب غلام کو کوئی شخص قتل کرے تو اس کی قیمت دینا پڑے گی۔ بھئی مالک کا نقصان کیا یا نہیں کیا؟ اس کا نقصان کیا، غلام ضائع کر دیا ہے، تو اس کی قیمت دینا پڑے گی۔ اور غلام تو بے انتہا قیمتی ہوتا ہے، حتیٰ کہ غلام کی قیمت ہو سکتا ہے وہ دیت سے بھی زیادہ ہو، سو اونٹوں سے بھی زیادہ ہو اس کی قیمت بھئی، یہ بھی ہو سکتا ہے بھئی، اتنا ماہر غلام ہے۔ تو اب کہتے ہیں اگر ایسا غلام ہوا، ایسا غلام ہوا، تو پھر اس کی دیت سے تھوڑا سا کم کر دیں گے، دس درہم کیا کر دیں گے؟ کم کر دیں گے۔ یہ خیر مسئلہ آگے آ جائے گا، کیونکہ تا کہ پتہ لگے یہ آزاد سے کم تھا۔ آزاد آدمی میں کتنے درہم آتے ہیں؟ دس ہزار۔ تو غلام کے لیے دس کم دس ہزار درہم دیں گے، دیت آئے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو وہ قیمت اس کی۔ تو کہتے ہیں وَلَوْ عَلَى عَبْدٍ اگرچہ وہ خطا غلام پر ہو۔ بھئی یہ کیوں مصنف نے درمیان میں ایک چھوٹی سی بات ذکر کر دی؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ غلام جو ہے مال ہے، غلام کیا ہے؟ مال۔ اور مال کا ضمان انسان کو خود دینا پڑتا ہے۔ کسی کی گاڑی جلا دی، کسی کو نقصان پہنچایا تو آپ کو دینا پڑے گا، آپ کی پوری قوم والوں کو نہیں دینا پڑے گا۔ لیکن غلام کے اندر اگر کسی نے غلام کو غلطی سے قتل کیا ہے تو اس کی دیت ساری عاقلہ پر آئے گی، اس کی جو قیمت دینی ہے وہ کس پر آئے گی؟ سارے عاقلہ پر آئے گی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

کہتے ہیں وَفِي الْخَطَإِ، قتلِ خطا میں، وَلَوْ عَلَى عَبْدٍ اگرچہ وہ خطا کس پر ہو؟ یعنی غلام پر، یعنی غلام کو قتل کیا۔ کہتے ہیں إِنَّمَا قَالَ هٰذَا لِدَفْعِ تَوَهُّمِ أَنَّ الْعَبْدَ مَالٌ وَضَمَانُ الْأَمْوَالِ لَا يَكُونُ عَلَى الْعَاقِلَةِ، کہتے ہیں مصنف نے یہ فرمایا اس وہم کو دور کرنے کے لیے کہ غلام جو ہے وہ مال ہے اور مالوں کا جو ضمان ہوتا ہے وہ تو عاقلہ پر یعنی قوم والوں اور پیشے والوں پر نہیں آتا، تو اس وہم کو دور کرنے کے لیے یہ فرمایا ہے۔ فَمَعَ ذٰلِكَ إِذَا كَانَ قَتْلُهُ خَطَأً تَكُونُ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ، تو اس کے باوجود جب کسی شخص نے کسی غلام کو غلطی سے قتل کر دیا تو اس کی دیت عاقلہ پر ہوگی۔

ہاں جی، اب متن کو متن سے جوڑو: وَفِي الْخَطَإِ قَصْدًا۔ بھئی دیکھو نا میں نے بتلایا خطا کی کتنی صورتیں؟ دو صورتیں، کون کون سی؟ ایک فعل میں خطا اور ایک ارادے میں۔ وہی ارادے کو ذکر کر رہے ہیں: قَصْدًا، اور آگے دو چار لفظوں کے بعد آرہا ہے أَوْ فِعْلًا، وہ خطا کس میں ہوگی؟ قصد میں ہوگی یا فعل میں ہوگی۔ وَفِي الْخَطَإِ قَصْدًا اور خطا میں جب کہ وہ ارادے کے اعتبار سے ہو، وہ خطا ارادے کے اعتبار سے ہو، كَرَمْيِهِ مُسْلِمًا ظَنَّهُ صَيْدًا أَوْ حَرْبِيًّا، جیسے کہ اس شخص کا تیر مارنا کسی مسلمان کو، ظَنَّهُ صَيْدًا اس نے گمان کیا تھا کہ یہ شکار ہے۔ كَرَمْيِهِ مُسْلِمًا، مُسْلِمًا نکرہ آیا اور اس کے بعد ظَنَّ فعل آیا، نکرہ کے بعد فعل آئے تو کیا بنتا ہے؟ صفت۔ تو یہ كَرَمْيِهِ مُسْلِمًا ظَنَّهُ صَيْدًا، جیسے کہ مارنا اس قاتل کا کسی ایسے مسلمان کو ظَنَّهُ صَيْدًا جس کو اس نے شکار گمان کیا تھا، أَوْ حَرْبِيًّا یا حربی کو، کس کو؟ حربی کو، ظَنَّهُ صَيْدًا أَوْ حَرْبِيًّا، اس نے اس کو شکار گمان کیا تھا یا حربی شمار کیا تھا۔ سمجھا تھا یہ حربی ہے، حربی جو دارالحرب میں رہنے والا ہو، دشمن کا آدمی ہے بھئی، دارالحرب سے آیا ہے، تو اس کو کوئی شخص نظر آیا اور اس نے کہا یہ تو شاید دشمنوں کا آدمی ہے، اس نے اس کو گولی ماردی، قریب گیا تو وہ تو ایک مسلمان مرا پڑا تھا، تو اس نے اس کو کیا سمجھا تھا؟ حربی سمجھا تھا۔ تو یہ بھی کیا ہے؟ ارادے کے اندر غلطی ہوئی ہے، کہ اس نے اس کو شکار سمجھا تھا أَوْ حَرْبِيًّا یا حربی سمجھا تھا۔ أَوْ فِعْلًا یا وہ خطا کس اعتبار سے ہو؟ فعل کے اعتبار سے ہو، كَرَمْيِهِ غَرَضًا فَأَصَابَ آدَمِيًّا، جیسے کہ قاتل کا تیر مارنا کسی نشانے کو فَأَصَابَ آدَمِيًّا تو وہ جا لگا ایک آدمی کو، وہ ایک آدمی کو لگ گیا۔

تو کہتے ہیں: اَلْخَطَأُ ضَرْبَانِ، اب وہی تشریح کرنے لگے ہیں، کہتے ہیں اَلْخَطَأُ ضَرْبَانِ، خطا جو ہے وہ دو قسم پر ہے: خَطَأٌ فِي الْقَصْدِ، ایک خطا فی القصد ہے، ارادے میں، یعنی ارادے میں خطا ہو جائے، وَخَطَأٌ فِي الْفِعْلِ، اور دوسری خطا فی الفعل ہے۔ فَالْخَطَأُ فِي الْفِعْلِ أَنْ يَقْصِدَ فِعْلًا فَصَدَرَ مِنْهُ فِعْلٌ آخَرُ، خطا فی الفعل یہ ہے کہ کوئی ارادہ کرے ایک فعل کا فَصَدَرَ مِنْهُ فِعْلٌ آخَرُ تو اس سے صادر ہو جائے دوسرا فعل، اس سے صادر ہو جائے دوسرا فعل۔ كَمَا إِذَا رَمَى الْغَرَضَ فَأَخْطَأَ فَأَصَابَ غَيْرَهُ، جیسے کہ اس نے تیر مارا اَلْغَرَضَ نشانے کو، فَأَخْطَأَ تو اس نے خطا کی، فَأَصَابَ غَيْرَهُ تو وہ تیر لگا کسی دوسرے کو۔ وَالْخَطَأُ فِي الْقَصْدِ، اور خطا فی القصد یہ ہے، أَنْ لَا يَكُونَ الْخَطَأُ فِي الْفِعْلِ کہ غلطی فعل میں نہیں ہوئی، وَإِنَّمَا يَكُونُ الْخَطَأُ فِي قَصْدِهِ کہ غلطی اس کے ارادے میں ہے، بِأَنَّهُ قَصَدَ بِهٰذَا الْفِعْلِ حَرْبِيًّا کہ اس نے ارادہ کیا تھا اس فعل کے ذریعے کسی حربی کا یعنی جو دارالحرب میں رہنے والا ہے، دشمن ہے، لٰكِنْ أَخْطَأَ فِي ذٰلِكَ الْقَصْدِ لیکن اس سے خطا ہوئی اس ارادے میں، حَيْثُ لَمْ يَكُنْ مَا قَصَدَهُ حَرْبِيًّا اس طور پر کہ نہیں تھا وہ جس کا اس نے ارادہ کیا تھا حربی، جس کا اس نے ارادہ کیا تھا وہ حربی نہیں تھا۔

وَلَيْسَ فِي الْخَطَإِ إِثْمُ الْقَتْلِ، اور قتلِ خطا کے اندر إِثْمُ الْقَتْلِ، قتل کا گناہ نہیں ہے۔ اس میں یہ جو قتلِ خطا ہے، چاہے ارادے میں غلطی ہوئی، چاہے فعل میں غلطی ہوئی، اس میں قتل کا وہ عظیم گناہ نہیں ہے۔ بَلْ إِثْمُ تَرْكِ الِاحْتِيَاطِ، اس میں احتیاط چھوڑنے کا گناہ ہے۔ اس نے احتیاط کیوں نہ کی بھئی؟ کہ یہ حربی سمجھ رہا تھا اور وہ اپنا مسلمان نکلا، یا حیوان تھا تو

پوری تحقیق کے بعد گولی مارتا، اس نے تو سمجھا شکار ہے اور وہ انسان نکلا، تو اس نے احتیاط کیوں نہیں کی؟ تو بے احتیاطی کا گناہ ہوگا بھئی، تو بے احتیاطی کا گناہ۔ بَلْ إِثْمُ تَرْكِ الِاحْتِيَاطِ، بلکہ اس میں بے احتیاطی کا گناہ ہوگا۔ فَإِنَّ شَرْعَ الْكَفَّارَةِ دَلِيلُ الْإِثْمِ۔ بھئی اس کی کیا دلیل ہے کہ گناہ ہوگا؟ کہتے ہیں فَإِنَّ شَرْعَ الْكَفَّارَةِ کفارے کا مشروع ہونا دَلِيلُ الْإِثْمِ، یہ دلیل ہے گناہ کی۔ اس قتلِ خطا میں کفارہ آتا ہے، قتلِ خطا میں کفارہ آتا ہے اور کفارے کا آنا ہی بتلا رہا ہے کہ گناہ ہے، گناہ ہے۔ قتل جتنا عظیم گناہ تو نہیں، لیکن ہے پھر بھی بڑا گناہ بھئی، بڑا گناہ، ایک انسانی جان چلی گئی بھئی۔ لیکن قتل کا تو بہت عظیم گناہ ہے وہ گناہ نہیں ہے، اور یہ کفارے کا آنا اس کے اندر یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس میں گناہ ہے بھئی۔ یہ معنی ہے فَإِنَّ شَرْعَ الْكَفَّارَةِ دَلِيلُ الْإِثْمِ، اس لیے کیونکہ کفارے کا مشروع ہونا اس میں یہ گناہ کی دلیل ہے۔ اچھا بھئی، اس میں بھی حرمانِ میراث کو ذکر نہیں کیا، لیکن یہاں بھی آئے گا، آگے بیان کریں گے آگے چل کے۔

وَمَا جَرَى مَجْرَاهُ، اور وہ قتل جو قائم مقام ہو خطا کے یعنی شبہِ خطا، كَنَائِمٍ سَقَطَ عَلَى آخَرَ فَقَتَلَهُ، جیسے کوئی سونے والا وہ کسی دوسرے آدمی پر گرا فَقَتَلَهُ تو اس کو قتل کر دیا۔ سونے والا ایک آدمی دوسرے آدمی پر گرا، اس کو قتل کر دیا، آپ حیران ہوں گے یہ کیسے بھئی؟ یہ کیسے؟ بھئی یہ قتل عموماً عورتوں سے ہوتا ہے، عورتوں سے۔ عورتوں کا بچہ ہو اور بالکل ابتدائی چند ماہ، بلکہ شروع کے دو تین ماہ تو بچہ بالکل حرکت بھی زیادہ نہیں کر سکتا، تو ماں ساتھ سوئی ہوئی تھی، اس ماں کا ہاتھ بچے کے اوپر آیا اور بچے کا سانس رکا اور بچہ مر گیا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ یا کروٹ لی ماں اس کے اوپر آئی نیند میں تھی، پتہ ہی نہیں چلا، وہ بچہ مر گیا، یہ ہے جاری مجرائے خطا بھئی، یعنی قائم، شبہِ خطا۔

کہتے ہیں: وَمَا جَرَى مَجْرَاهُ، اور وہ قتل جو قائم مقام خطا کے ہو، كَنَائِمٍ سَقَطَ عَلَى آخَرَ فَقَتَلَهُ، جیسے کوئی سونے والا وہ گرا کسی دوسرے پر فَقَتَلَهُ اس کو قتل کر دیا۔ أَيْ كَقَتْلِ نَائِمٍ سَقَطَ عَلَى آخَرَ، یعنی کہ کسی سونے والے کا قتل کرنا کہ وہ گرا کسی دوسرے پر، فَتَلِفَ ذٰلِكَ الشَّخْصُ بِسَبَبِ سُقُوطِهِ عَلَيْهِ، تو ہلاک ہو گیا وہ شخص جو ہے اس کے اس کے اوپر گرنے کی وجہ سے۔ كَفَّارَةٌ اس میں کفارہ بھی آئے گا، وَدِيَةٌ عَلَى عَاقِلَتِهِ اور دیت بھی آئے گی اس کے عاقلہ پر، اس کے عاقلہ پر دیت بھی آئے گی۔

وَفِي الْقَتْلِ بِسَبَبٍ، اور قتل بسبب میں، یہ پانچویں قسم آگئی بھئی، چار قسمیں گزر گئیں: قتلِ عمد، شبہِ عمد، خطا اور شبہِ خطا۔ وَفِي الْقَتْلِ بِسَبَبٍ اور قتل بسبب میں، كَتَلَفِهِ أَيْ كَإِتْلَافِهِ۔ شارح بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ تَلَف بمعنی إِتْلَاف کے ہے، یہ تَلَف بمعنی إِتْلَاف، کیونکہ تَلَف کا معنی ہے ہلاک ہونا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے راستے میں کنواں کھود دیا، عام مسلمانوں کے، عام لوگوں کے راستے میں کنواں کھود دیا اور اس کنویں میں کوئی شخص گرا اور مر گیا، تو یہ ہے قتل بسبب۔ یا کسی شخص نے راستے میں کوئی بڑا پتھر رکھ دیا اور وہ پتھر کسی وقت ہلا اور گزرنے والے شخص پر گرا اور وہ مر گیا، تو یہ قتل

بسبب ہے۔ یا کوئی شخص راستے میں ویسے زمین پر کوئی بڑا پتھر رکھ دیتا ہے اور کوئی گزرنے والے نے اس سے ٹھوکر کھائی یا کسی سوار نے ٹھوکر کھائی، وہ گرا اور وہ ہلاک ہوا، تو یہ قتل بسبب ہے بھئی۔ یاد رکھو یہ اس نے راستے میں پتھر رکھا ہے یا کنواں کھودا ہے، تو اس صورت میں اس پر دیت آئے گی۔ لیکن اگر اپنی زمین میں کوئی پتھر رکھتا ہے بڑا یا کنواں کھودتا ہے، پھر اس پر دیت وغیرہ نہیں آئے گی کیونکہ اس نے کوئی زیادتی نہیں کی۔ لیکن یہاں اس نے راستے میں کنواں کھودا یا راستے میں بڑا پتھر رکھا ہے، تو یہ اس قتل کا سبب بن گیا۔ یہاں سے تو لوگ گزرتے ہیں بھئی اور اس نے پھر بھی ایسا کیا، تو لہٰذا اب اس پر دیت آئے گی۔ تو اب دیکھو اس کنویں میں یا پتھر کی وجہ سے کنواں کھودنے والا ہلاک ہوا ہے یا اس نے دوسرے کو ہلاک کر دیا؟ اس نے گزرنے والے کو ہلاک کر دیا، اسی لیے کہا كَتَلَفِهِ أَيْ كَإِتْلَافِهِ، تَلَف کا معنی ہے تو ہلاک ہونا، کھودنے والا ہلاک نہیں ہوا، إِتْلَاف اس نے دوسرے کو کیا کیا ہے؟ ہلاک کیا ہے، تو یہ تَلَف بمعنی إِتْلَاف کے ہے۔

کہتے ہیں اور قتل بسبب جیسے کہ كَتَلَفِهِ أَيْ كَإِتْلَافِهِ، جیسے کسی شخص کا دوسرے کو ہلاک کرنا، بِوَضْعِ حَجَرٍ پتھر رکھنے کے ذریعے، وَحَفْرِ بِئْرٍ یا کنواں کھودنے کے ذریعے، فِي غَيْرِ مِلْكِهِ اپنی ملکیت کے علاوہ میں۔ دِيَةٌ عَلَى الْعَاقِلَةِ، اس میں دیت آئے گی اس کے عاقلہ پر، قوم والوں پر یا اس کے پیشے والوں پر۔ بِلَا كَفَّارَةٍ، اس میں کفارہ بھی نہیں ہے۔ وَلَا إِرْثَ إِلَّا هُنَا، یا إِلَّا هِنَا، اور وراثت نہیں ہے مگر یہاں پر۔ باقی چاروں قتلوں میں اگر وارث نے مورث کو قتل کیا ہے تو وراثت نہیں ملے گی، حرمانِ میراث ہوگا۔ صرف اس پانچویں صورت میں یہاں حرمانِ میراث کا حکم نہیں آئے گا، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے وَلَا إِرْثَ، میری کتاب میں ارثین لکھا ہے بھئی یہ کتابت کی غلطی ہے، وَلَا إِرْثَ إِلَّا هُنَا، اور وراثت نہیں ہے مگر اسی قتل میں کہ اس میں ملے گی، باقیوں میں نہیں۔ هٰذَا عِنْدَنَا، یہ ہمارے نزدیک ہے۔ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى تَجِبُ الْكَفَّارَةُ، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کفارہ واجب ہے۔ ہمارے نزدیک تو صرف دیت آئے گی، کفارہ نہیں ہے، جی، کفارہ نہیں، اس شخص نے کوئی قتل نہیں کیا۔ اس نے ہاں یہ غلطی کی، اس نے راستے میں کنواں نہیں کھودنا چاہیے تھا یا پتھر نہیں رکھنا چاہیے تھا۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں اس میں کفارہ آئے گا۔ جیسے خطا کے اندر دیت آتی ہے تو یہ بھی اس آدمی کی خطا ہے، تو اس میں، اور اس میں کفارہ آتا ہے تو اس میں بھی کفارہ آئے گا۔ تو کہتے ہیں وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى تَجِبُ الْكَفَّارَةُ کفارہ واجب ہوگا، وَيَثْبُتُ بِهِ حِرْمَانُ الْمِيرَاثِ اور اس کی وجہ سے حرمانِ میراث بھی ثابت ہوگا، إِلْحَاقًا بِالْخَطَإِ اس کو خطا کے ساتھ ملاتے ہوئے۔ وہ اس کو کس کے ساتھ ملاتے ہیں؟ قتلِ خطا کے ساتھ، تو اس میں حرمانِ میراث آتا ہے تو اس میں بھی ہوگا۔ تو کہتے ہیں وَيَثْبُتُ بِهِ حِرْمَانُ الْمِيرَاثِ إِلْحَاقًا بِالْخَطَإِ اور اس میں حرمانِ میراث بھی ثابت ہوگا خطا کے ساتھ اس کو ملاتے ہوئے۔ قُلْنَا، ہم کہتے ہیں: اَلْقَتْلُ مَعْدُومٌ حَقِيقَةً، کہ یہاں پر تو قتل ہے ہی نہیں حقیقتاً، قتل... اس نے قتل نہیں کیا بھئی۔ ہاں، وَأُلْحِقَ بِالْخَطَإِ فِي حَقِّ الضَّمَانِ، اور اس کو ملایا گیا ہے قتلِ خطا کے ساتھ صرف ضمان کے حق میں، کہ ضمان دینا چاہیے بھئی، اس کے ایک فعل کی وجہ سے کسی کی جان چلی گئی ہے۔

فَفِي غَيْرِهِ، اس ضمان کے علاوہ میں، بَقِيَ عَلَى أَصْلِهِ یہ اپنی اصل پر رہے گا۔ توجہ ہے؟ جی۔ یہ قتل ہے؟ ہمارے نزدیک، ہمارے نزدیک حقیقتاً یہ تو قتل ہے ہی نہیں۔ ہم نے اس کو خطا کے ساتھ ملایا صرف کس اعتبار سے؟ ضمان کے اعتبار سے، تو ضمان کے اعتبار سے جیسے اس میں دیت تھی اس میں بھی کیا آجائے گی؟ دیت۔ باقی تو یہ قتل ہے ہی نہیں۔ جب قتل ہے ہی نہیں تو یہ اپنی اصل پر رہے گا، اور اصل کے اعتبار سے تو یہ قتل نہیں، جب قتل نہیں تو اس کے اندر کفارہ وغیرہ بھی نہیں آئے گا، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے کہ وَأُلْحِقَ بِالْخَطَإِ فِي حَقِّ الضَّمَانِ، کہ اس کو ملایا گیا ہے خطا کے ساتھ صرف ضمان کے حق میں، فَفِي غَيْرِهِ ضمان کے علاوہ باقی کفارے وغیرہ میں، بَقِيَ عَلَى أَصْلِهِ یہ اپنی اصل پر باقی رہے گا، اور اصل میں تو یہ قتل ہے ہی نہیں، لہٰذا اور کفارہ وغیرہ اس میں نہیں آئے گا، گناہ بھی نہیں ہوگا۔ چلیے بس کریں بھئی، بس بھئی۔ هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ جی۔

شاگرد: حضرت آپ کہہ رہے تھے کہ پانی میں اگر ڈبو دے پانی کے اندر... جی، اس کا کیا... پانی کے اندر، دریا کے اندر کوئی ڈبو دیتا ہے۔

استاد: ہاں، نہیں اس میں قصاص نہیں آئے گا، قصاص نہیں آئے گا، شبہ آگیا، پتہ نہیں یہ اس کو مارنا ہی چاہتا تھا یا صرف ڈرا رہے تھے۔ اس میں دیکھو بعض اوقات ایسا ہوتا ہے آپ نے کہا کہ کسی نے کسی کو پانی میں ڈبو دیا تو اس سے قصاص نہیں، قصاص اس میں نہیں آتا۔ تو بھئی دیکھو قصاص ضابطہ بتلا دیا کہ جہاں ہمیں پکا پتہ ہو اس کا ارادہ ہی قتل کا تھا، اور ارادہ ہی قتل کا تھا اس کا تو پتہ چل ہی نہیں سکتا بھئی، یہ تو ایک دل کا فعل ہے۔ تو اسی لیے امام صاحب نے کہا آلۂ قتل یا قائم مقامِ آلۂ قتل کے ذریعے کوئی کسی کو قتل کرے۔ اب کوئی کسی کو پانی میں ڈبو کر مارتا ہے، یا کوئی کسی کو گلا دبا کر مارتا ہے، یا کوئی کسی کو لاٹھیاں مار مار کے قتل کرتا ہے، یا کوئی کسی کو کوڑے مار مار کر قتل کرتا ہے، اب ہمیں پتہ نہیں کہ یہ صرف اس کو تھوڑا زخمی کرنا چاہتا تھا، تکلیف دینا چاہتا تھا یا قتل کرنا چاہتا تھا۔ تو اس لیے وہاں قصاص نہیں آئے گا، قصاص نہیں آئے گا۔ بھئی ہو سکتا ہے وہ آدمی لاٹھیوں سے اس کو مار رہا تھا، لاٹھیوں سے، توجہ ہے؟ شروع میں اس کا ارادہ تھا کہ میں اس کو آٹھ دس لاٹھیاں ماروں، بہت غصے میں تھا کوئی تکلیف دی تھی اس نے، اس نے جب دو چار پانچ لاٹھیاں ماریں تو دیکھا کہ یہ آدمی تو اب زیادہ زخمی ہو گیا ہے، زیادہ زخمی ہو گیا ہے، اب یہ نہ ہو میرا نام لوگوں کو بتا دے کہ مجھے کس نے زخمی کیا ہے، چنانچہ اس وقت اس کا ارادۂ قتل بن گیا، درمیان میں بنا، تو شروع میں تو ارادہ قتل تھا ہی نہیں اس کا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اسی طرح کوئی کسی کو پانی میں ڈبو کر مارتا ہے، پتہ نہیں بھئی وہ اس کو صرف کیا کر رہا تھا؟ ڈرا رہا تھا، تکلیف دینا چاہتا تھا، تھوڑے غوطے دینا چاہتا تھا یا واقعی کیا کرنا چاہتا تھا اس کو؟ قتل کرنا چاہتا تھا، تو لہٰذا وہاں شبہ آجاتا ہے، شبہ آجاتا ہے۔ ہاں، پھر اس میں باقی بھی تفاصیل احوال کو بھی دیکھا جائے گا بھئی، احوال کو بھی دیکھا جائے گا، جہاں یہ بات یقینی ہو جائے کہ اس کا ارادہ ہی قتل کا تھا، وہاں دوسرے کو بھی پھر قتل کیا جائے گا۔ اسی طرح کوئی کسی

کا گلا دبا رہا تھا، پتہ نہیں کہ ویسے ہی اس کو ڈرا رہا تھا، کوئی تکلیف دے رہا تھا، اور اس چند لمحے زیادہ دبا دیا اور وہ مر گیا، تو ایسا بھی ہوتا ہے۔ بعض ٹھیک ہے جان بوجھ کر بھی قتل کرتے ہیں، لیکن بعض اوقات غلطی بھی ہوتی ہے بھئی۔ تو لہٰذا وہاں پھر قصاص نہیں آئے گا کیونکہ قصاص جو ہے شبہے کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟ چلیے بس بھئی۔

سبق نمبر ۴۵: باب ما یوجب القود وما لا یوجب: قصاص فی النفس کی شرائط، مساوات و عصمت اور شرکت فی القتل

شرح الوقایہ صفحہ: ۹۷ — بتاریخ: ۱۵ فروری ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے سبق آگے بھئی:[1]

بَابُ مَا يُوجِبُ الْقَوَدَ وَمَا لَا يُوجِبُ، وَهُوَ يَجِبُ بِقَتْلِ مَا حُقِنَ دَمُهُ أَبَدًا عَمْدًا، أَيْ مَا حُفِظَ دَمُهُ أَبَدًا، وَهُوَ الْمُسْلِمُ وَالذِّمِّيُّ، وَأَبَدًا اِحْتِرَازٌ عَنِ الْمُسْتَأْمَنِ، فَإِنَّ حَقْنَ دَمِهِ مُؤَقَّتٌ إِلٰى رُجُوعِهِ، فَيُقْتَلُ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَبِالْعَبْدِ، هٰذَا عِنْدَنَا، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَا يُقْتَلُ الْحُرُّ بِالْعَبْدِ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ.

[1]

جدول — باب ما یوجب القود وما لا یوجب — قصاص کے وجوب اور عدمِ وجوب کی صورتیں:

مسئلہ	قصاص کا حکم	فقہی دلیل و اختلاف
مسلم کو ذمی کے بدلے، اور حر کو عبد کے بدلے قتل کرنا	عند الحنفیہ قصاص واجب ہے (اَلْمُسْلِمُ بِالذِّمِّيِّ وَالْحُرُّ بِالْعَبْدِ)	کیونکہ عصمتِ دم میں مساوات ہے (خلافاً للشافعی رحمہ اللہ)۔
باپ کا اپنے بیٹے کو قتل کرنا	باپ سے قصاص نہیں لیا جائے گا (لَا يُقَادُ الْأَبُ بِابْنِهِ)	حدیثِ نبوی ﷺ اور شبہۂ سببیتِ وجود کی بنا پر قود ساقط۔
مرد کا عورت کو یا بالغ کا صبی کو قتل کرنا	قصاص واجب ہے	دم کی معصومیت میں کامل مساوات پائی جاتی ہے۔
کئی افراد کا مل کر ایک کو قتل کرنا	تمام قاتلوں سے قصاص لیا جائے گا	امام عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلے اور سدِ ذرائع کی بنا پر۔

بَابُ مَا يُوجِبُ الْقَوَدَ وَمَا لَا يُوجِبُ۔ یہ باب ہے مَا، مَا سے مراد ہے یہاں قتل بھئی قتل۔ یہ باب ہے اس قتل کے بیان میں جس سے قصاص واجب ہوتا ہو، قصاص ثابت ہوتا ہو، وَمَا لَا يُوجِبُ اور اس قتل کے بیان میں جو قصاص کو ثابت نہیں کرتا۔ تو يُوجِبُ بمعنی يُثْبِتُ۔ تو یہ باب ہے اس قتل کے بیان میں جو قصاص کو ثابت کرتا ہے اور اس قتل کے بیان میں جو قصاص کو ثابت نہیں کرتا۔ یعنی اس میں مختلف قسمیں بتلائیں گے کس قتل کی وجہ سے قصاص آتا ہے اور کس کی وجہ سے قصاص نہیں آتا۔

تو کہتے ہیں هُوَ، هُوَ يَجِبُ بِقَتْلِ مَا حُقِنَ دَمُهُ أَبَدًا عَمْدًا۔ هُوَ، هُوَ ضمیر راجع ہے قَوَد کو، اور قَوَد کا معنی قصاص ہے میں بتلا چکا۔ قصاص جو ہے هُوَ يَجِبُ وہ ثابت ہوتا ہے بِقَتْلِ مَا اس شخص کو قتل کرنے سے حُقِنَ دَمُهُ أَيْ حُفِظَ دَمُهُ جس کا خون محفوظ ہو أَبَدًا ہمیشہ۔ ہمیشہ کے لیے اس کا خون محفوظ ہو، اس کو قتل کرنے سے قصاص ثابت ہوتا ہے عَمْدًا جبکہ یہ قتل جان بوجھ کر ہو، ارادے سے ہو۔[۲]

تو کہتے ہیں هُوَ يَجِبُ بِقَتْلِ مَا حُقِنَ دَمُهُ أَبَدًا عَمْدًا قصاص جو ہے وہ ثابت ہوتا ہے ایسے شخص کو قتل کرنے سے کہ جس کا خون محفوظ ہو ہمیشہ کے لیے، عَمْدًا جان بوجھ کر قتل کرنے سے۔ أَيْ مَا حُفِظَ دَمُهُ أَبَدًا بتلا دیا کہ حُقِنَ کس معنی میں ہے؟ حُفِظَ کے معنی میں ہے۔ أَيْ مَا حُفِظَ دَمُهُ أَبَدًا جس کا خون محفوظ ہو ہمیشہ کے لیے۔ بھئی وہ کون ہیں؟ کہتے ہیں وَهُوَ الْمُسْلِمُ وَالذِّمِّيُّ وہ مسلمان اور ذمی ہے۔ ذمی وہ غیر مسلم جو دارالاسلام میں رہتا ہے اور سالانہ ٹیکس دیتا ہے، جزیہ دیتا ہے، اور مملکتِ اسلامیہ اس کے جان و مال کی حفاظت کی ضامن ہوتی ہے۔ تو ذمی کو بھی اگر کوئی قتل کر دے گا جان بوجھ کر تو اس پر قصاص آئے گا بھئی۔

وَأَبَدًا اِحْتِرَازٌ عَنِ الْمُسْتَأْمَنِ اور انہوں نے کیا کہا کہ اس کا خون محفوظ ہو ہمیشہ کے لیے، کہتے ہیں یہ دراصل احتراز ہے مستامن سے، مستامن سے۔ مستامن وہ غیر مسلم جو دارالحرب سے امان لے کر دارالاسلام میں آیا ہو۔ ایک ملک جس کے ساتھ مسلمان ہمیشہ جنگ کی حالت میں ہیں بھئی، وہاں سے کوئی آتا ہے اور باقاعدہ امان لے کر آتا ہے۔ اب یہ ہے تو غیر مسلم اور امان لے کر آیا تو یہ ہے مستامن۔ اس کا خون بھی محفوظ ہے، یہ امان لے کر آیا ہے بھئی، امان لے کر آیا ہے، اس کا خون محفوظ ہے، لیکن اس کا خون ہمیشہ کے لیے محفوظ نہیں ہے، یہ کچھ دنوں کے لیے محفوظ ہے، جب یہ واپس چلا جائے گا امان ختم ہو جائے گی، پھر یہ کیا بن گیا؟ حربی بن گیا اور اس کا قتل جائز ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَأَبَدًا اِحْتِرَازٌ عَنِ الْمُسْتَأْمَنِ اور أَبَدًا جو ہے، یہ جو قید مصنف نے لگائی یہ احتراز ہے مستامن سے۔ فَإِنَّ حَقْنَ دَمِهِ مُؤَقَّتٌ إِلَى رُجُوعِهِ اس لیے کیونکہ اس کے خون کی حفاظت جو ہے مُؤَقَّتٌ اس کی مدت، اس کا وقت جو ہے متعین ہے إِلَى رُجُوعِهِ اس کی واپسی تک۔ اس کا خون محفوظ ہے، اس کا وقت متعین ہے اس کی واپسی تک۔ جب یہ واپس جائے گا

[۲] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۴۵):** صوتی درس کی قراءت میں «حُقِنَ دَمُهُ أَيْ حُفِظَ دَمُهُ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «حُقِنَ دمُهُ أبدًا عمدًا): أي ما حُفِظَ دمُهُ» منقول ہے۔

تو اس کا امان ختم ہو جائے گا۔

اسی طرح یاد رکھیے کہ قصاص آئے گا جب قاتل مکلف بھی ہو۔ قاتل کیا ہو؟ مکلف بھی ہو۔ لہٰذا اگر مجنون یعنی کوئی پاگل یا صبی یعنی کوئی بچہ، اگر کوئی پاگل یا بچہ کسی کو قتل کر دے تو وہاں ان پر قصاص نہیں آئے گا بھئی۔ ہاں دیت آئے گی۔ ان کے عاقلہ پر دیت آئے گی، تین سال کے اندر ان کو ادا کرنی ہو گی بھئی۔ تو اس کا خون بھی محفوظ ہو ہمیشہ کے لیے، اور نیز قاتل کیا ہو؟ مکلف ہو بھئی مکلف۔

اور نیز ایک اور بات بھی یاد رکھنا، وہاں کسی قسم کا شبہ بھی نہ ہو۔ یعنی یوں کہو شبہِ ملک یا شبہِ ولادت بھی نہ ہو۔ شبہِ ملک یا شبہِ ولادت بھی نہ ہو بھئی۔ شبہِ ملک مثلاً آقا اپنے غلام کو قتل کر دیتا ہے، اور آلۂ قتل سے قتل کرتا ہے، باقاعدہ تلوار سے یا گولی سے اس کو قتل کر دیا، تو بھی قصاص نہیں آئے گا بھئی، کیونکہ یہ مال کیا تھا؟ اس کا مملوک تھا، مملوک تھا بھئی، مملوک بھئی۔ البتہ یاد رکھنا بھئی، یاد رکھنا، اس میں پھر کفارہ آئے گا بھئی آقا پر۔ کفارہ آئے گا بھئی اور کفارہ ذکر ہو چکا کہ قتل کا کفارہ کیا ہے؟ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ، ایک مومن غلام یا باندی کو آزاد کرنا پڑے گا اور فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ اور جس کو یہ نہ ملے، یہ نہ میسر ہو، تو اسے دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا پڑیں گے۔ تو یہ کفارہ اس پر آئے گا۔

اور اسی طرح ولادت کا رشتہ بھی نہ ہو، ولادت کا رشتہ۔ یعنی وہ غلام وہ جس کو، جو مقتول ہے، وہ قاتل کی اولاد نہ ہو۔ جیسے باپ اپنے بیٹے یا بیٹی کو قتل کر دے، یا پوتے یا پوتی یا نواسہ نواسی وغیرہ کو قتل کر دے، تو یہ سب اس کی اولاد ہیں، اور اس صورت میں بھی اس شبہِ ولادت کی وجہ سے قصاص نہیں آئے گا بھئی۔ قصاص نہیں آئے گا۔ البتہ، البتہ دیت آئے گی، دیت آئے گی، دیت ادا کرنی پڑے گی۔ اور دیت عاقلہ پر ہوتی ہے لیکن یہ قتل جان بوجھ کر کیا ہے، یہ عاقلہ پر نہیں آئے گا۔ ضابطہ یاد رکھنا بھئی، عاقلہ پر وہ دیت آتی ہے جو خطأً ہو، غلطی سے ہو، جان بوجھ کر قتل کیا ہو تو اس کی دیت عاقلہ پر نہیں آتی بھئی۔ تو قوم والوں پر یا اس کے پیشے والے جو ہیں ان پر یہ دیت نہیں آئے گی، باپ کو خود ادا کرنا پڑے گی بھئی۔ اور اس کے علاوہ جو اس کے قریبی ولی ہیں ان کو ادائیگی کرنا پڑے گی بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو یوں کہو آسان لفظوں میں کہ اصول میں سے فروع کو کوئی قتل کر دے، یہ باپ، دادا، پردادا، اسی طرح دادی، پردادی وغیرہ اوپر تک، نانا، نانی، پرنانی، پرنانا، یہ سب کیا ہیں؟ اصول ہیں، اوپر کی طرف جو ہیں۔ سمجھ میں آ رہی ہے بات؟ ماں باپ، دادا دادی، پردادا پردادی اوپر تک، اور اسی طرح نانا نانی اور پرنانا پرنانی اوپر تک، ان میں سے کوئی بھی نیچے اپنی اولاد میں سے کسی کو قتل کر دیں بھئی، تو اس صورت میں قصاص نہیں آتا شبہِ ولادت کی وجہ سے۔ کس کی وجہ سے؟ شبہِ ولادت کی وجہ سے بھئی۔ بھئی ان کے بارے میں اللہ نے قرآن میں کیا فرمایا ہے ماں باپ کے بارے میں؟ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ، ان کو اف بھی نہ کہو، ان کو ادنیٰ درجے کی تکلیف دینے سے بھی منع کیا گیا ہے بھئی۔ اف انسان کب کرتا ہے؟ جب کسی بات سے تنگ آ جائے، تو ان کی کسی بات سے تنگ آ کر ان کے سامنے اف بھی نہ کہو اس سے بھی ان کو تکلیف ہو گی بھئی، اس سے بھی اللہ نے منع فرمایا ہے بھئی۔ اور جب اس سے منع کیا گیا تو بڑی تکلیف جو ہے اس سے تو بطریقِ اولیٰ ممانعت آ

گئی، لہٰذا اگر بیٹے کو قتل کرنے کی وجہ سے باپ کو قتل کیا جائے تو باپ کو تکلیف ہوگی کہ تکلیف نہیں ہوگی؟ یقیناً جان کے جانے کی تکلیف ہوگی، تو وہ تو انتہا درجے کی تکلیف ہے روح کا نکلنا یعنی قتل کیا جانا اور اس کی وجہ سے روح کا نکلنا یہ انتہا درجے کی تکلیف ہے تو یہ بطریقِ اولیٰ منع ہوگی، لہٰذا قصاص کے اندر اصول میں سے کسی کو بھی فروع کے قتل کی وجہ سے قتل نہیں کیا جائے گا۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟

نیز یہاں شبہِ ملک بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک صحابی آئے تھے، اپنے بیٹے کی شکایت کی کہ یہ اپنا مال مجھ سے بچا بچا کر رکھتا ہے، مجھے دیتا نہیں۔ تو حضور علیہ السلام ناراض ہوئے، بیٹے کو بلوایا اور فرمایا اسے أَنْتَ وَمَالُکَ لِأَبِیکَ تو اور تیرا مال تیرے باپ کے ہیں بھئی۔ دیکھا؟ بیٹے کو کیا کہا؟ بیٹے کو کہا تو اور تیرا مال باپ کے ہیں، یعنی وہ مالک ہے، مالک ہے۔ تو حقیقت میں تو مالک نہیں ہے باپ بھئی، فقہا فرماتے ہیں کہ بیٹے کا مال الگ، باپ کا مال الگ ہے، دونوں ایک دوسرے کے مال میں دخل نہیں دے سکتے، لیکن پھر بھی حدیث تو آگئی بھئی، حدیث کی وجہ سے شبہ تو آگیا، اور قصاص شبہ کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے آپ ضابطہ پڑھ چکے ہیں بھئی۔

تو ضابطہ کیا ہوا؟ ایک تو انہوں نے کیا کہا قصاص کہاں آئے گا؟ ایسے شخص کو قتل کرنے کی وجہ سے جس کا خون محفوظ ہو اور ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو۔ اور نیز میں نے بتلایا کہ وہ قاتل مکلف ہونا چاہیے، نیز وہاں پر رشتۂ ولادت یا رشتۂ ملکیت کا شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ تو آقا اگر اپنے غلام کو قتل کر دے تو قصاص نہیں کفارہ آئے گا، باپ اصول یعنی یوں کہو اصول، اصول میں سے کوئی بھی اپنے فروع کو قتل کر دے تو وہاں قصاص نہیں آئے گا بھئی، البتہ دیت آئے گی، دیت آئے گی۔ اور یہ بھی یاد رکھنا، یہ بھی یاد رکھنا، یہ ظاہری حکم ہے دنیا کے اعتبار سے، آخرت میں عظیم مؤاخذہ ہوگا بھئی، وہی قتل کے جرم میں آخرت میں پکڑے جائیں گے۔ دنیا میں اللہ نے دنیا میں اللہ نے یہ حکم نہیں دیا لیکن آخرت کے اعتبار سے وہی قتل کا جرم ہے آخرت میں پکڑے جائیں گے بھئی۔ اپنے غلام کو بھی کوئی قتل کرتا ہے آخرت میں عظیم مؤاخذہ ہوگا، اپنے فروع میں سے بھی کسی کو قتل کرتا ہے تو آخرت میں عظیم مؤاخذہ ہوگا بھئی۔ یہ صرف دنیاوی حکم ہے کہ قصاص نہیں آئے گا۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟

آگے دیکھیے بھئی: فَیُقْتَلُ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَبِالْعَبْدِ، پس قتل کیا جائے گا آزاد آدمی کو بِالْحُرِّ آزاد کے بدلے وَبِالْعَبْدِ اور غلام کے بدلے۔ بھئی ہمارے نزدیک بھئی جو شخص بھی دوسرے کو قتل کرے جو محفوظُ الدَّم ہو أَبَدًا تو اس کے قتل کی وجہ سے قصاص آئے گا۔ باقی تفصیل آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ وہ قتل کس کے ذریعے ہو؟ آلۂ قتل یا قائم مقام آلۂ قتل کے ذریعے قتل ہو، تو پھر اس صورت میں قصاص آئے گا بھئی۔ پھر چاہے آزاد آدمی آزاد آدمی کو قتل کرے تو اس قاتل پر قصاص آئے گا، چاہے آزاد آدمی کسی غلام کو قتل کر دے، اب آپ یہ نہ کہیں غلام تو ادنیٰ درجے کا ہے، وہ تو مملوک ہے، نہیں بھئی، جب بھی کوئی شخص کسی دوسرے کی جان لے گا تو وہاں پر قصاص آئے گا کیونکہ قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں؟ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ

جان کے بدلے جان ہے بھئی۔ فَيُقْتَلُ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَبِالْعَبْدِ تو قتل کیا جائے گا آزاد آدمی کو آزاد کے بدلے بھی اور غلام کے بدلے بھی۔ هٰذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے۔

وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَا يُقْتَلُ الْحُرُّ بِالْعَبْدِ، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آزاد آدمی کو قتل نہیں کیا جائے گا غلام کے بدلے۔ وہ فرماتے ہیں اگر کوئی آزاد آدمی کسی غلام کو قتل کر دیتا ہے تو یہاں قصاص نہیں آئے گا بھئی۔ کیوں؟ وہ دلیل دیتے ہیں لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ مبارک کی وجہ سے اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام۔ دیکھا؟ معلوم ہوا اس سے کہ آزاد کے بدلے آزاد کو قتل کیا جائے گا، غلام کے بدلے آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا اور نیز غلام کے بدلے غلام کو قتل کیا جائے گا بھئی، یہ ان کی دلیل ہے۔ وَلَنَا اور ہماری دلیل جو ہے أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ کہ جان کے بدلے جان ہے، جان کے بدلے جان ہے۔

یاد رکھیے اس میں ہمارا ایک ضابطہ ہے ضابطہ، اہم اور قیمتی ضابطہ بھئی۔ اور وہ ضابطہ یہ کہ عِنْدَنَا، عِنْدَ الْأَحْنَاف نصوص میں مفہومِ مخالف معتبر نہیں، مفہومِ مخالف معتبر نہیں۔ بھئی دیکھیے نا امام شافعی رحمہ اللہ نے دلیل دی کہ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ آزاد کے بدلے آزاد وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ اور غلام کے بدلے غلام، معلوم ہوا غلام کے بدلے آزاد قتل نہیں ہو گا۔ اس ان الفاظ سے کیا معلوم ہو رہا ہے؟ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ آزاد کو کس کے بدلے قتل کریں گے؟ آزاد کے بدلے قتل کریں گے، معلوم ہوا غلام کے بدلے قتل نہیں کریں گے ورنہ وہ بھی اللہ ذکر فرماتے۔ تو ذکر تو یہاں صرف یہ ہے آزاد کے بدلے آزاد، لیکن اس سے مفہومِ مخالف کیا سمجھ میں آیا کہ غلام کے بدلے آزاد نہیں ہو گا۔ توجہ ہے؟ مفہومِ مخالف کیا نکلا کہ غلام کے بدلے آزاد نہیں ہو گا۔ تو...

ان کے نزدیک مفہومِ مخالف معتبر ہے، جب ایک بات قرآن و حدیث میں ذکر کر دی جائے ایک صورت، معلوم ہوا دوسری صورت میں وہ حکم نہیں ہے۔ تو یہاں آزاد کے بدلے آزاد کے قتل کا تو ذکر ہے، تو اس سے معلوم ہو گیا کہ غلام کے بدلے آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ جبکہ عِنْدَ الْأَحْنَاف، عِنْدَ الْأَحْنَاف نصوص میں، نصوص صاد کے ساتھ ہے نصوص، جمع ہے نَصٌّ کی۔ یاد رکھو یہ جو قرآن اور حدیث ہیں ان کو نص کہتے ہیں، نَصٌّ، جمع کیا ہے؟ نصوص۔ ہمارے نزدیک نصوص میں یعنی قرآن اور حدیث میں مفہومِ مخالف معتبر نہیں۔ باقی فقہا کے کلام میں، وہاں مفہومِ مخالف معتبر ہے۔ وہاں کیا ہے؟ فقہا کے کلام میں مفہومِ مخالف معتبر ہے، ابھی بتایا تھا یا نہیں؟ أَبَدًا کی قید کس لیے لگائی؟ احتراز کیا کس سے؟ مستامن سے۔ یہ بتلایا انہوں نے جس کا خون أَبَدًا محفوظ ہے اس کے قتل سے قصاص آئے گا، اس سے خود ایک بات سمجھ میں آ گئی۔ کیا؟ کہ جس کا أَبَدًا خون محفوظ نہیں اس کے قتل سے قصاص بھی نہیں آئے گا، حالانکہ متن میں یہ تو نہیں ذکر کہ جو أَبَدًا نہیں اس کے قصاص بھی نہیں، لیکن خود بخود یہ مفہومِ مخالف اس سے سمجھ میں آ رہا ہے۔ توجہ ہے؟ تو فقہا کے کلام میں، کتابوں میں ہمارے نزدیک وہاں پر مفہومِ مخالف معتبر ہوتا ہے لیکن نصوص کے اندر مفہومِ مخالف معتبر نہیں۔ لہٰذا قرآن

میں اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ کے ذکر سے یہ لازم نہیں آتا کہ غلام کے بدلے آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا بھئی۔ تو ضابطہ سمجھ میں آیا کیا؟ ہمارے نزدیک نصوص میں مفہومِ مخالف معتبر نہیں جبکہ فقہا کے کلام میں مفہومِ مخالف معتبر ہے۔

تو ہم کہتے ہیں وَقَوْلُہٗ کہ اللہ تعالیٰ کا جو قول ہے اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ لَا یَدُلُّ عَلَی النَّفْیِ فِیمَا عَدَاہُ عَلٰی أَصْلِنَا، یہ دلالت نہیں کرتا قصاص کی نفی پر فِیمَا عَدَاہُ اس کے علاوہ صورتوں میں عَلٰی أَصْلِنَا أَيْ عَلٰی ضَابِطَتِنَا ہماری اصل اور ہمارے ضابطے کے مطابق۔ ہمارا ضابطہ کیا ہے؟ کہ نصوص میں مفہومِ مخالف معتبر نہیں۔ تو ہمارے قانون کے مطابق باقی صورتوں میں قصاص کی نفی پر یہ کلام دلالت نہیں کرتا۔ اس کلام میں یہ تو آگیا اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ آزاد کے بدلے آزاد، اس کے علاوہ باقی صورتوں میں قصاص نہیں ہوگا اس پر یہ کلام دلالت نہیں کرتا کیونکہ ہمارے نزدیک مفہومِ مخالف معتبر نہیں ہے۔ یہ معنی ہے کہ اللہ کا قول اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ لَا یَدُلُّ عَلَی النَّفْیِ فِیمَا عَدَاہُ عَلٰی أَصْلِنَا یہ ہمارے قانون کے مطابق دلالت نہیں کرتا اس کے علاوہ اور صورتوں میں قصاص کی نفی پر۔

ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ عَلٰی أَنَّہٗ إِنْ دَلَّ، علاوہ اس کے کہ اگر یہ دلالت کرے، اگر یہاں مفہومِ مخالف کا اعتبار کر لیا جائے تو امام شافعی رحمہ اللہ پر بھی اعتراض ہوتا ہے۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہاں تو آیا ہے اَلْعَبْدُ بِالْعَبْدِ، وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ۔ اس کا تو مطلب ہے غلام کو غلام کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ اگر غلام کسی آزاد کو قتل کر دے تو پھر اس کو بھی قتل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ قرآن میں تو کیا آیا؟ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ غلام تو غلام کے بدلے قتل کیا جائے گا، معلوم ہوا آزاد کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ حالانکہ اس کے قائل تو کوئی، اس کا قائل تو کوئی بھی نہیں حتیٰ کہ خود امام شافعی رحمہ اللہ بھی اس کے قائل نہیں ہیں، ان کے نزدیک بھی اگر غلام آزاد کو قتل کر دے تو غلام کو قتل کیا جائے گا۔ یہ معنی ہے عَلٰی أَنَّہٗ إِنْ دَلَّ یَجِبُ أَلَّا یُقْتَلَ الْعَبْدُ بِالْحُرِّ کہ یہ اگر دلالت کرتا ہے اس بات پر تو یَجِبُ تو پھر یہ بھی ثابت ہوتا ہے اس سے کہ أَلَّا یُقْتَلَ الْعَبْدُ بِالْحُرِّ کہ قتل نہ کیا جائے غلام کو آزاد کے بدلے میں، کیونکہ لِقَوْلِہٖ تَعَالٰی اللہ نے فرمایا ہے وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ اور غلام کو غلام کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ اس سے تو مفہوم ہو رہا ہے مفہومِ مخالف کہ آزاد کے بدلے اسے قتل نہیں کیا جائے گا حالانکہ اس کے قائل آپ بھی نہیں ہیں، آپ کے نزدیک بھی آزاد آدمی کو اگر غلام قتل کرے تو اسے قتل کیا جائے گا۔[۳]

تو ہمارا اصول دیکھیے بھئی أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ جان کے بدلے جان ہے بھئی۔ جب جہاں بھی ایک شخص دوسرے کی جان لیتا ہے جان بوجھ کر آلۂ قتل سے تو اسے بھی قتل کیا جائے گا بھئی، جان کے بدلے جان لے لی جائے گی اس کی۔

آگے دیکھیے بھئی: وَالْمُسْلِمُ بِالذِّمِّيِّ، اور مسلمان کو قتل کیا جائے گا ذمی کے بدلے میں۔ اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم

[۳] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۴۵): صوتی درس کی قراءت میں «دَلَّ یَجِبُ أَلَّا یُقْتَلَ الْعَبْدُ بِالْحُرِّ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «دلَّ یجبُ أن لا یقتلَ العبدُ بالحرّ؛» منقول ہے۔

کو قتل کرتا ہے دارالاسلام کے اندر، دارالاسلام کے اندر رہنے والے کسی ذمی کو کوئی مسلمان قتل کرتا ہے، بھئی ذمی تو وہ ہے جس کے جان و مال کی حفاظت کی ہم نے ضمانت دی ہوئی ہے بھئی، ہم ضامن ہیں اس کے، تو لہٰذا قصاص میں اس مسلمان کو بھی قتل کیا جائے گا بھئی۔ تو کہتے ہیں وَالْمُسْلِمُ بِالذِّمِّيِّ اور مسلمان کو قتل کیا جائے گا ذمی کے بدلے۔ هٰذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى رَحْمَةً وَاسِعَةً بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے۔

لَا هُمَا بِمُسْتَأْمِنٍ، نہ کہ ان دونوں کو بِمُسْتَأْمِنٍ مستامن کے بدلے۔ ان دونوں کو یعنی مسلمان اور ذمی کو مستامن کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ اگر کسی مسلمان نے یا ذمی نے مستامن کو قتل کر دیا، وہ شخص جو دارالحرب سے امان لے کر یہاں آیا ہے، تو اس سے قصاص نہیں آئے گا کیونکہ ابھی اوپر ضابطہ بیان ہو گیا کہ قصاص ثابت ہوتا ہے ایسے قتل کی وجہ سے کہ جو شخص محفوظُ الدَّم ہو اور ہمیشہ کے لیے، اور یہ تو ہمیشہ کے لیے محفوظُ الدَّم نہیں ہے، لہٰذا اس صورت میں پھر قصاص نہیں آئے گا بھئی۔ یہ معنی ہے لَا هُمَا بِمُسْتَأْمِنٍ یہ دونوں جو ہیں یعنی مسلمان اور ذمی ان کو قتل نہیں کیا جائے گا بِمُسْتَأْمِنٍ مستامن کی وجہ سے۔

بَلْ هُوَ بِنِدِّهٖ، بلکہ هُوَ ضمیر راجع ہے مستامن کو، بِنِدِّهٖ أَيْ بِنِدِّ الْمُسْتَأْمِنِ یہ ہا ضمیر بھی مستامن کو راجع ہے۔ بلکہ مستامن کو قتل کیا جائے گا بِنِدِّهٖ أَيْ بِمِثْلِهٖ، نِدٌّ کا معنی ہے مِثْلٌ بھئی، شِبْهٌ۔ بلکہ مستامن کو قتل کیا جائے گا بِنِدِّهٖ اسی کے مثل کے بدلے۔ ایک مستامن بھئی دو آدمی آئے تھے دارالاسلام میں، ان میں سے ان مستامن میں سے ایک مستامن دوسرے مستامن کو قتل کر دیتا ہے تو پھر یہ دیکھو اب یہاں پر ایک کو دوسرے کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ أَيْ يُقْتَلُ الْمُسْتَأْمِنُ بِمِثْلِهٖ یعنی قتل کیا جائے گا مستامن کو اسی کے مثل کے بدلے میں۔ وَهُوَ الْمُسْتَأْمِنُ بھئی اس کا مثل کون ہے؟ کہتے ہیں وَهُوَ الْمُسْتَأْمِنُ وہ بھی، وہ مستامن ہے۔[۴]

وَالْعَاقِلُ بِالْمَجْنُونِ، اور عاقل بھئی، عاقل عقلمند آدمی کو قتل کیا جائے گا بِالْمَجْنُونِ مجنون یعنی پاگل کے بدلے۔ کوئی کسی پاگل کو بھی قتل کر دے صحیح آدمی تو اس صحیح آدمی کو اس پاگل کے بدلے میں قتل کیا جائے گا کیونکہ ہمارا ضابطہ ہے قرآن میں اللہ نے فرمایا ہے أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ جان کے بدلے جان، تو پاگل بھی بے شک ہے عقل نہیں ہے لیکن ہے تو ایک جان، اس کو قتل کیا ہے اسے بھی قتل کریں گے۔ یہ معنی ہے وَالْعَاقِلُ بِالْمَجْنُونِ اور عاقل کو قتل کیا جائے گا مجنون یعنی پاگل کے بدلے میں۔

وَالْبَالِغُ بِالصَّبِيِّ، اور بالغ آدمی کو قتل کیا جائے گا بِالصَّبِيِّ بچے کے بدلے میں۔ کوئی شخص جو ہے وہ دو چار ماہ کے چھوٹے بچے کو کیوں نہ قتل کر دے، قرآن میں کیا اللہ فرماتے ہیں؟ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ جان کے بدلے جان ہے تو اس بالغ کو قتل کیا جائے گا۔ تو کہتے ہیں وَالْبَالِغُ بِالصَّبِيِّ اور بالغ کو قتل کیا جائے گا بچے کے بدلے میں۔

---

[۴] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۴۵)**: صوتی درس کی قراءت میں «بِنِدِّهٖ أَيْ بِنِدِّ الْمُسْتَأْمِنِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «بِنِدِّه):أي يقتلُ المستأمنُ» منقول ہے۔

وَالصَّحِيحُ بِالْأَعْمٰى وَالزَّمِنِ وَنَاقِصِ الْأَطْرَافِ، اور قتل کیا جائے گا صحیح یعنی تندرست آدمی کو بِالْأَعْمٰى اندھے کے بدلے میں، وَالزَّمِنِ اور اپاہج کے بدلے میں، وَنَاقِصِ الْأَطْرَافِ أَيْ نَاقِصِ الْأَعْضَاءِ، اطراف کا کیا معنی؟ اعضا، جس کے اعضا ناقص ہوں۔ بھئی ایک شخص تندرست ہے، صحیح سلامت ہے، وہ اندھے شخص کو قتل کرتا ہے جس کی آنکھیں ہی نہیں ہیں، تو بھی اگرچہ اس کی آنکھیں نہیں لیکن جان لی ہے تو جان کے بدلے جان، اس تندرست آدمی کو قتل کیا جائے گا۔ ایک آدمی اپاہج ہے، معذور ہے بھئی، پاؤں بالکل اس کے پاؤں سے بالکل معذور ہے، ہاتھ وغیرہ کام نہیں کرتے، تو اس کو بھی اگر کوئی قتل تندرست آدمی قتل کر دیتا ہے تو أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ جان کے بدلے جان اس تندرست آدمی کو قتل کیا جائے گا۔ کوئی ناقصُ الاطراف ہے، اعضا ہیں تو لیکن ناقص ہیں، پیدائشی اس کے ہاتھ یا پاؤں شل ہیں بھئی، ہاتھ کیا ہیں؟ شل ہیں، ناقص ہیں یا پورے بنے نہیں ہیں اس کے ہاتھ، تو یہ ناقصُ الاعضا کو اگر کوئی تندرست آدمی صحیح سلامت آدمی قتل کر دے تو بھی أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ جان کے بدلے جان اس تندرست آدمی کو قتل کیا جائے گا۔ ضابطہ سمجھ میں آ گیا؟ یہ معنی ہے وَالصَّحِيحُ اور قتل کیا جائے گا صحیح اور تندرست آدمی کو بِالْأَعْمٰى اندھے کے بدلے میں وَالزَّمِنِ اور اپاہج کے بدلے میں، اپاہج جس کے پاؤں وغیرہ نہ ہوں ہاتھ نہ ہوں، وَنَاقِصِ الْأَطْرَافِ اور جس کے اعضا ناقص ہوں یعنی پیدائشی ان میں نقصان ہے وہ صحیح کام نہیں کرتے۔

وَالرَّجُلُ بِالْمَرْأَةِ، اور قتل کیا جائے گا مرد کو عورت کے بدلے میں۔ اگر کوئی عورت کو قتل کر دے تو یہ نہ کہیں عورت تو کم ہے، نہیں بھئی، جان کے بدلے جان ہے قتل کیا جائے گا۔

وَالْفَرْعُ بِأَصْلِهٖ لَا بِعَكْسِهٖ، اور فرع کو قتل کیا جائے گا اصل کے بدلے میں، لَا بِعَكْسِهٖ لیکن اس کے برعکس نہیں۔ میں نے ابھی بتلایا تھا بھئی ولادت کا شبہ نہ ہو، یعنی اصول میں سے اگر فروع میں سے کسی کو قتل کر دے تو قصاص نہیں، لیکن اگر اس کا برعکس ہو جائے، فروع میں سے یعنی اولاد میں سے کوئی اصول کو یعنی باپ دادا وغیرہ، ماں، نانا پرنانا وغیرہ ان میں سے کسی کو وہ قتل کرتا ہے تو فروع کو قتل کیا جائے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ وہ اولاد کو قتل کریں گے۔ یہ معنی ہے وَالْفَرْعُ بِأَصْلِهٖ اور فرع کو یعنی اولاد کو قتل کیا جائے گا بِأَصْلِهٖ اس کے اصل کے بدلے میں یعنی اوپر باپ دادا وغیرہ اوپر جتنے بھی ہیں ان کی وجہ سے، لَا بِعَكْسِهٖ لیکن اس کے برعکس نہیں، اصول کو فروع کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

وَلَا سَيِّدٌ بِعَبْدِهٖ، اور قتل نہیں کیا جائے گا آقا کو بِعَبْدِهٖ اپنے غلام کی وجہ سے، وہ کیا کر دے؟ اپنے غلام کو قتل۔ تو کہتے ہیں وَلَا سَيِّدٌ بِعَبْدِهٖ اور قتل نہیں کیا جائے گا آقا کو اپنے غلام کی وجہ سے، وَمُدَبَّرِهٖ اور اپنے مدبر کی وجہ سے، وَمُكَاتَبِهٖ اور اپنے مکاتب کی وجہ سے، وَعَبْدِ وَلَدِهٖ اور اپنی اولاد کے غلام کی وجہ سے، وَعَبْدِ بَعْضُهٗ لَهٗ اور ایسے غلام کے بدلے میں بھی کہ بَعْضُهٗ لَهٗ جس کا بعض اس کا ہو، جس کا کچھ حصہ اس کا ہو۔

بھئی دیکھیے: ایک صورت یہ آقا اپنے عام غلام کو قتل کرتا ہے تو اس میں قصاص نہیں۔ اور اسی طرح آقا اگر اپنے مدبر

کو قتل کرتا ہے، مدبر وہ غلام جسے آقا نے کہہ دیا میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے، تو اس کو بھی اگر آقا قتل کرے تو قصاص نہیں ہے۔ اسی طرح اگر آقا اپنے مکاتب کو قتل کرتا ہے، مکاتب وہ غلام جس سے آقا نے عقدِ کتابت کر لیا کہ مثلاً تین سال میں دس لاکھ روپے لے آؤ تو تم آزاد ہو، تو یہاں اس میں بھی قصاص نہیں۔ وَعَبْدِ وَلَدِہٖ اپنی اولاد کے غلام کو کوئی شخص قتل کرتا ہے، یعنی اپنے بیٹے یا بیٹی کے غلام کو قتل کر دیا، اپنے بیٹے یا بیٹی کے غلام کو یا پوتے پوتی کے غلام کو یا نواسے نواسی کے غلام کو قتل کر دیا، یہ سب اس کی اولاد ہیں نا، کوئی قریب کی ہے کوئی دور کی اولاد ہے لیکن ہے تو اسی کی اولاد، تو ان کے غلاموں کو بھی قتل کر دے تو قصاص نہیں آئے گا۔ بھئی کیوں نہیں آئے گا؟ یہاں تو ملکیت نہیں ہے، اپنے غلام تھا ٹھیک ہے وہاں تو قصاص نہیں آتا کیونکہ شبہِ ملک ہے، شبہِ ملک ہے وہ مالک ہے اس کا یہ چیز اس کی ملکیت تھی، تو؟ تو جواب یہ کہ وہ حدیث میں آیا بھئی أَنْتَ وَمَالُکَ لِأَبِیکَ کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کے ہیں، تو دیکھا شبہِ ملک یہاں بھی آگیا، ملکیت کا شبہ یہاں بھی آگیا، تو اس وجہ سے بیٹے کے غلام کو بھی قتل کر دے تو اس صورت میں اس شخص پر قصاص نہیں آئے گا۔ البتہ میں نے بتلایا کفارہ وغیرہ آئے گا، کفارہ بھئی، کفارہ آئے گا اور آخرت میں عظیم مؤاخذہ ہو گا بھئی۔

آگے بھئی: وَعَبْدِ بَعْضُہٗ لَہٗ، عَبْدٍ ہے نکرہ، نکرہ، اور بَعْضُہٗ لَہٗ یہ پورا جملہ ہے، بَعْضُہٗ ہے مبتدا اور لَہٗ اس کی خبر، اور مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر یہ عَبْدٍ کے لیے صفت بن جائے گا پورا جملہ اسمیہ۔ اور نہ ہی ایسے غلام میں بَعْضُہٗ لَہٗ جس کا کچھ حصہ اس کا ہے۔ زید اور عمرو نے مل کر ایک غلام خریدا تھا، یا زید، عمرو، بکر، خالد چاروں نے مل کر ایک غلام خریدا تھا، تو ان چاروں میں سے کوئی ایک اس کو قتل کر دے، اب دیکھو یہ سارا غلام اس کا نہیں لیکن کچھ حصے کا تو وہ مالک ہے، تو شبہِ ملک آگیا تو قصاص ساقط ہو گا اس پر قصاص نہیں آئے گا۔ یہ معنی ہے اور نہ ایسے غلام کو قتل کرنے کی وجہ سے کہ جس کا کچھ حصے کا یہ مالک ہے، ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ البتہ ان میں کفارہ آئے گا بھئی۔

پھر سن لے...

ترجمہ: وَلَا سَیِّدٌ بِعَبْدِہٖ وَمُدَبَّرِہٖ وَمُکَاتَبِہٖ وَعَبْدِ وَلَدِہٖ وَعَبْدٍ بَعْضُہٗ لَہٗ، اور قتل نہیں کیا جائے گا آقا کو اپنے غلام کے بدلے میں اور اپنے مدبر کے بدلے میں اور اپنے مکاتب کے بدلے میں اور اپنی اولاد کے غلام کے بدلے میں اور نہ ایسے غلام کے بدلے میں جس کا کچھ حصہ اس کا ہے، یعنی جس کے کچھ حصے کا یہ مالک ہے۔

وَلَا بِعَبْدِ الرَّھْنِ حَتّٰی یَجْتَمِعَ عَاقِدَاہُ۔ وَلَا بِعَبْدِ الرَّھْنِ کسی کو قتل نہیں کیا جائے گا رھن غلام کے بدلے، اس کا تعلق آقا سے نہیں ہے، آقا سے نہیں ہے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ ہاں، کسی کو بھی قتل نہیں کیا جائے گا بِعَبْدِ الرَّھْنِ مرہون غلام کے بدلے، حَتّٰی یَجْتَمِعَ عَاقِدَاہُ یہاں تک کہ وہ دونوں عقد کرنے والے جمع ہو جائیں، اس رھن کے دونوں عقد کرنے والے جمع، یعنی راہن اور مرتہن مل کر قصاص لے سکتے ہیں۔ بھئی صورت یہ: زید نے اپنا غلام جو ہے بکر کے پاس بطورِ

رھن کے رکھوایا تھا۔ اس رھن غلام کو کسی اور آدمی نے قتل کر دیا، کسی اور آدمی نے قتل کر دیا۔ اب قصاص کون لے گا؟ راہن یا مرتہن؟ حق تو دونوں کا وابستہ ہے۔ راہن مالک تھا اور مرتہن نے اس کے ذریعے اپنا دین وصول کرنا تھا۔ کہتے ہیں بھئی دونوں میں سے اکیلا کوئی ایک بھی قصاص وصول نہیں کر سکتا۔ اکیلا راہن قصاص وصول کرنا چاہتا ہے؟ نہیں بھئی، مرتہن کو ساتھ لے کر آؤ۔ دونوں آکر قصاص کا مطالبہ کریں گے تو قصاص لیا جائے گا، اگر دونوں مل کر قصاص کا مطالبہ نہیں کریں گے تو قصاص بھی نہیں آئے گا۔ بھئی کیوں دونوں کا اکٹھے ہونا کیوں ضروری؟ کہتے ہیں وجہ یہ کہ اگر صرف مالک یعنی جو راہن ہے وہ قصاص لے لے تو یہ غلام تو مارا جائے گا اور اس غلام کے ذریعے تو مرتہن نے اپنا دین وصول کرنا تھا تو اس کا حق باطل ہو رہا ہے، اس کا حق ختم ہو رہا ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اس کی بھی رضامندی ہو تاکہ اس کی رضامندی سے اس کا حق کیا ہو جائے؟ ختم ہو جائے، اب تو دین کی غلام سے وصولی کی صورت نہ رہے گی بھئی۔

یہ معنی ہے وَلَا بِعَبْدِ الرَّهْنِ اور قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا مرہون غلام کے بدلے حَتّٰى يَجْتَمِعَ عَاقِدَاهُ یہاں تک کہ دونوں عقد کرنے والے جو ہیں وہ جمع ہو جائیں۔ عَاقِدَاهُ أَيْ عَاقِدَا الرَّهْنِ، اصل میں تھا عَاقِدَانِ دو عقد کرنے والے، اور هَا ضمیر رھن کو راجع ہے، رھن کے دو عقد کرنے والے، اور اضافت کی وجہ سے نون گر گیا تو عَاقِدَا الرَّهْنِ رھن کے دو عقد کرنے والے دونوں یعنی راہن اور مرتہن جمع ہو جائیں۔ لِأَنَّ الْمُرْتَهِنَ لَا مِلْكَ لَهُ فَلَا يَلِيهِ اس لیے کیونکہ مرتہن وہ تو اس رھن کا مالک نہیں ہے، فَلَا يَلِيهِ لہٰذا وہ اس کا ولی نہیں، اس مقتول غلام کا وہ ولی نہیں۔ وَالرَّاهِنُ لَوْ تَوَلَّاهُ اور اگر راہن وہ متولی بن جائے اس قصاص کا، لَبَطَلَ حَقُّ الْمُرْتَهِنِ فِي الدَّيْنِ تو پھر تو مرتہن بیچارے کا حق باطل ہو جاتا ہے دین میں۔ فَيُشْتَرَطُ اجْتِمَاعُهُمَا پس شرط ہے دونوں کا اکٹھے ہونا لِيَسْقُطَ حَقُّ الْمُرْتَهِنِ بِرِضَاهُ تاکہ مرتہن کا حق جو ہے وہ ساقط ہو جائے اس کی رضامندی سے۔

وَلَا بِمُكَاتَبٍ قُتِلَ عَمْدًا عَنْ وَفَاءٍ وَوَارِثٍ وَسَيِّدٍ وَإِنِ اجْتَمَعَا۔ صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے اپنے غلام کو مکاتب بنا دیا اور اس سے کہا کہ پانچ سال میں تم بیس لاکھ روپے لے آؤ تو تم آزاد ہو، آزاد ہو۔ یا یوں کہیں ایک سال میں، اس نے اس کو کہا ایک سال میں اگر تم بیس لاکھ روپے کما کر لے آؤ تو تم آزاد ہو۔ دونوں میں، غلام نے اس کو قبول کر لیا، دونوں میں عقدِ کتابت ہو گیا۔ اس کے بعد یہ جو مکاتب ہوتا ہے یاد رکھیے یہ آزاد آدمی کی طرح ہوتا ہے، آقا اس سے زبردستی خدمت نہیں لے سکتا۔ اب یہ جائے گا، جا کر کام کرے گا آزادی سے اور تجارت کرے گا اور پیسے کمائے گا اور لا کر دے گا اور اپنے آپ کو آزاد کروائے گا۔ اگر مدتِ مقررہ تک اس نے پیسوں کی ادائیگی نہ کی تو پھر یہ عام غلام بن جائے گا۔ چنانچہ یہ گیا اور اس نے پیسے کمانا شروع کر دیے۔ سال پورا ہوا، اس کے پاس پیسے بھی پورے ہو گئے یا سال سے پہلے ہی پورے ہو گئے اس کے پاس پیسے۔ اب یہ پیسے اس نے ابھی آقا کو ادا نہیں کیے تھے کہ اس سے پہلے ہی کسی نے اس کو قتل کر دیا۔ تو قتل کر دیا اور اس کا آقا کے علاوہ ایک اور وارث بھی ہے، آقا کے علاوہ ایک اور وارث، اور وارث بھی ہیں، ایک ہے یا

زیادہ ہیں بہرحال اس کے وارث بھی موجود ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ مثلاً اس کی اولاد تھی تو غلام لیکن اس کو اس کے مالک نے کیا کر دیا تھا؟ آزاد کر دیا، تو دیکھو اس کی اولاد اس کے وارث موجود ہیں۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ اب یہ غلام قتل ہوا توجہ ہے؟ اس نے تین چیزیں چھوڑیں۔ اس نے پوری ادائیگی کا مال بھی چھوڑا جس سے ادائیگی ہو کر کے وہ آزاد ہو سکتا تھا، اس نے وارث بھی چھوڑا اور اس نے اپنا آقا بھی چھوڑا۔ تین چیزوں کو وہ چھوڑ کر مرا ہے۔

تو اب اس کو کسی نے قتل کیا ہے، کیا قصاص لیا جائے گا؟ کہتے ہیں نہیں، قصاص نہیں لیا جائے گا۔ جو مکاتب یہ تینوں چیزیں چھوڑ کر مرے اس کا قصاص ساقط ہو جائے گا، قصاص نہیں لیا جائے گا۔ بھئی کیوں نہیں؟ کہتے ہیں دراصل اس مسئلے میں صحابہ کے زمانے سے اختلاف ہے کہ اس شخص کو آزاد شمار کریں یا غلام شمار کریں۔ توجہ ہے؟ اگر دیکھا جائے تو اس نے پورا مال چھوڑا ہے اور اس کے ذریعے ادائیگی کر کے اس نے کیا ہو جانا تھا؟ آزاد، تو اس کو آزاد شمار کرنا چاہیے۔ اور جب آزاد شمار کرنا چاہیے تو اس کے قصاص کا حق اب آقا کو نہیں ہو گا اس کے وارث کو ہو گا۔ آزاد آدمی کے قصاص کا حق کسے ہوتا ہے؟ اس کے وارث کو ہوتا ہے، تو اس قصاص کا حقدار وارث بنتا ہے۔ اور اگر دیکھا جائے کہ تو بے شک اس نے مال تو پورا چھوڑا ہے لیکن ابھی ادائیگی کی تو نہیں، آقا کے حوالے کیا تو نہیں، ابھی تو یہ مکاتب ہی ہے، غلام ہی ہے، تو قصاص کی ولایت کس کو ہونی چاہیے؟ آقا کو ہونی چاہیے۔ توجہ ہے؟ تو قصاص آقا کو لینا چاہیے۔ تو اس میں صحابہ کے زمانے سے اختلاف ہے کہ ایسا غلام اگر مر جائے، ایسا مکاتب جس کا وارث بھی موجود ہے اور آقا بھی موجود ہے اور اس نے پورا مال بھی چھوڑا ہے، تو بعض فرماتے ہیں کہ یہ آزاد مرا ہے اور بعض کیا فرماتے ہیں کہ یہ غلام مرا ہے، تو یہاں اب قصاص کا حقدار کون یہ تعیین نہیں ہو رہی، یہ تعیین نہیں ہو سکتی۔ جب تعیین نہیں ہو سکتی تو قصاص بھی نہیں آئے گا کیونکہ قصاص لینے والا بھی تو کوئی چاہیے نا۔ توجہ ہے؟ قصاص لینے والا بھی تو متعین ہونا چاہیے بھئی۔ جب یہاں تعیین نہیں ہو رہی تو قصاص بھی ساقط ہو جائے گا۔

دیکھیے بھئی: وَلَا بِمُكَاتَبٍ قُتِلَ عَمْدًا عَنْ وَفَاءٍ وَوَارِثٍ وَسَيِّدٍ وَإِنِ اجْتَمَعَا۔ اور قتل نہیں کیا جائے گا ایسے مکاتب کے بدلے میں، مکاتب نکرہ ہے اور اس کے بعد قُتِلَ آیا، اور نہ قتل کیا جائے گا ایسے مکاتب کے بدلے میں قُتِلَ عَمْدًا جس کو جان بوجھ کر قتل کیا گیا ہے عَنْ وَفَاءٍ۔ یہ عَنْ جب آئے نا عَنْ، قُتِلَ عَنْ یا اسی طرح عربی میں کہتے ہیں مَاتَ عَنْ فُلَانٍ تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ وہ مر گیا فلاں کو چھوڑ کر۔ کوئی آدمی مر جائے اور کہیں اس کے دو بچے تھے، مَاتَ عَنْ وَلَدَيْنِ، مَاتَ عَنْ، وہ دو بچوں کو چھوڑ کر مرا ہے۔ یا مَاتَ عَنْ زَوْجَةٍ، کیا معنی؟ وہ بیوی کو چھوڑ کر مرا ہے یعنی اس کے پیچھے بیوی باقی ہے، زندہ ہے۔ یہاں پر بھی عَنْ آیا تو کیا معنی کہ اس کو قتل کیا گیا اور اس نے پیچھے کیا چھوڑا؟ وَفَاءٍ۔ وفا کہتے ہیں وَفٰى يَفِي کا معنی ہوتا ہے پورا کرنا، ادائیگی کرنا۔ تو یہاں وَفَاءٍ سے مراد ہے اتنا مال جس سے پوری ادائیگی ہو سکے۔ تو اس کو قتل کر دیا گیا جان بوجھ کر عَنْ وَفَاءٍ اور اس نے اتنا مال پیچھے چھوڑا جس سے پوری ادائیگی ہو سکے، وَوَارِثٍ اور اس نے وارث چھوڑا، وَسَيِّدٍ

اور آقا کو اس نے پیچھے چھوڑا، وَإِنِ اجْتَمَعَا اگرچہ یہ اکٹھے ہو جائیں۔

وَلَا بِمُكَاتَبٍ ایسے مکاتب کے بدلے بھی قتل نہیں کیا جائے گا، قصاص نہیں لیا جائے گا جس نے یہ تینوں چیزیں اپنے پیچھے چھوڑیں، وَإِنِ اجْتَمَعَا اگرچہ یہ وارث اور آقا اکٹھے کیوں نہ ہو جائیں۔ وارث بھی آگیا اور آقا بھی آگیا، دونوں آکر مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم دونوں قصاص چاہتے ہیں، نہیں بھئی اب بھی قصاص نہیں لے سکتے کیونکہ یہاں یہ تعیین ہی نہیں ہو رہی کہ ولیِ قصاص کون ہے، کس کو یہ حق دینا چاہیے۔ یہ معنی ہے وَإِنِ اجْتَمَعَا اگرچہ وہ وارث اور آقا دونوں اکٹھے ہو جائیں یعنی قصاص لینے کے لیے، پھر بھی ایسے مکاتب کے بدلے میں قصاصاً قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ لِأَنَّهُ ظَهَرَ الْاِخْتِلَافُ بَيْنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اس لیے کیونکہ اختلاف ظاہر ہوا تھا صحابہ کے درمیان فِي مَوْتِهِ حُرًّا أَوْ رَقِيقًا اس کی موت کے بارے میں کہ وہ آزاد مرا ہے رَقِيقًا یا بطورِ غلام کے۔ فَإِنْ مَاتَ حُرًّا فَالْوَلِيُّ هُوَ الْوَارِثُ اگر وہ آزاد مرا ہے تو ولی جو ہے وہ وارث ہے اس کا، وَإِنْ مَاتَ رَقِيقًا فَالْوَلِيُّ هُوَ الْمَوْلٰى اور اگر وہ غلام مرا ہے تو ولی جو ہے وہ اس کا آقا ہے، فَاشْتَبَهَ مَنْ لَهُ الْحَقُّ تو مشتبہ ہو گیا وہ شخص جس کو حق ہے قصاص کا، فَلَا يُقْتَصُّ قَاتِلُهُ لہٰذا قصاص نہیں لیا جائے گا اس کے قاتل سے، وَإِنِ اجْتَمَعَ الْوَارِثُ وَالْمَوْلٰى اگرچہ وہ وارث اور اس کے آقا دونوں اکٹھے ہو جائیں، دونوں مل کر ہی کیوں نہ قصاص کا مطالبہ کریں پھر بھی قصاص نہیں لیا جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

فَإِنْ لَمْ يَدَعْ وَارِثًا غَيْرَ سَيِّدِهِ أَوْ تَرَكَ وَلَا وَفَاءَ، أَقَادَ سَيِّدُهُ۔ جی، یہ عبارت ذرا درست کر لیں بھئی، یہ متن میں عبارت درست نہیں، عبارت درست یوں ہے بھئی: فَإِنْ لَمْ يَدَعْ وَارِثًا غَيْرَ سَيِّدِهِ أَوْ تَرَكَهُ، یہ تَرَكَ کے ساتھ ہا ضمیر ہونی چاہیے، أَوْ تَرَكَهُ، تَرَكَهُ، وَلَا یہ وَلَا کے بعد ہمزہ نہیں ہونا چاہیے، وَلَا وَفَاءَ، عبارت کیا ہے؟ أَوْ تَرَكَهُ وَلَا وَفَاءَ، أَوْ تَرَكَهُ وَلَا وَفَاءَ۔

یہاں ولاء کا لفظ آیا، ولاء۔ چلو یہ ولاء بھی سمجھ لو۔ آپ نے اکثر فقہ کی کتابوں میں آپ پڑھتے ہوں گے کہ ولاء اس کو ملے گی یا ولاء کس کو۔ تو ولاء یاد رکھو وراثت کو کہتے ہیں، مالِ میراث کو۔ کس کو کہتے ہیں؟ مالِ میراث کو۔ لیکن عام میراث نہیں، وہ میراث جو کسی نے کسی غلام کو آزاد کیا تھا۔ مثلاً زید کے پاس ایک غلام تھا، زید نے اس کو آزاد کر دیا۔ وہ غلام بعد میں اس نے آزاد ہونے کے بعد اپنی تجارت شروع کی اور مال جمع کر لیا۔ اب اس غلام کا انتقال ہوا، تو میں نے بتلایا تھا کہ جب کسی شخص کا انتقال ہو جائے تو پھر کیا کرتے ہیں؟ سب سے پہلے اس کے مال میں سے اس کا کفن دفن، اس کے بعد اس کے سارے قرضے ادا کرتے ہیں چاہے سارا مال ہی کیوں نہ ختم ہو جائے، اس کے بعد پھر جو ہے اس کی اگر دیکھا جائے گا اس نے کوئی وصیت تو نہیں کی، اگر وصیت کی ہے تو ثلثِ مال میں وصیت نافذ کی جائے گی، اور چوتھے نمبر پر پھر جا کر یہ مال کس میں تقسیم ہو گا؟ وارثوں میں، وارثوں میں۔ پھر یاد رکھنا وارث جو ہیں، وارثوں میں تقسیم ہو گا اور اگر وارثوں سے مال بچ جاتا ہے، وارثوں میں پھر ترتیب ہے آپ انشاء اللہ سادسہ میں جا کر آپ پڑھیں گے علمِ میراث تفصیل سے وہاں آجائے گا، کہ وہاں اگر پھر وہ وارثوں کے اندر سب سے پہلے ذوی الفروض کو دیتے ہیں جن کے حصے باقاعدہ مقرر

ہیں قرآن و حدیث میں کہ اس کو نصف دینا ہے، اس کو ثلث دینا ہے، اس کو ربع دینا ہے جو بھی صورتیں ہیں، ان میں تقسیم کریں گے۔ پھر اس کے بعد جو اس کے عصبات ہیں ان میں مال تقسیم کرتے ہیں مثلاً بیٹا ہے وغیرہ تو وہ۔ اور پھر تیسرے نمبر پر جو ہے وہ یہ معتق آتا ہے۔ کون آتا ہے؟ معتق۔ اگر ذوی الفروض سے بھی مال بچ گیا، ذوی الفروض کوئی نہیں، یا ہیں تو لیکن تھوڑا مال ان کو ملا، پھر عصبات کو دیں گے۔ عصبات اگر ہوں وہ سارا مال لے جاتے ہیں، لیکن اس کے عصبات میں سے بھی کوئی نہیں تھا، وارثوں میں سے کوئی نہیں تھا، تو تیسرے نمبر پر کون آگیا؟ معتق آگیا۔ اب یہ سارا مال کس کو ملے گا جو بچ گیا ہے؟ معتق کو، اور اس کو کہتے ہیں ولاء، اس کو کیا کہتے ہیں؟ تو دیکھو وہی مالِ میراث ہے لیکن کیوں ملا؟ کیونکہ اس نے اس کو آزاد کیا تھا۔ کیا کیا تھا؟ آزاد۔ اور کوئی رشتہ نہیں، صرف اس نے اس کو آزاد کیا تھا تو اس کو مالِ میراث ملا، اس کو کہتے ہیں ولاء، ولاء۔ اور یاد رکھو یہ اس کو کیوں ملتا ہے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ جیسے باپ بیٹے کا وارث ہوتا ہے، کیوں وارث ہوتا ہے باپ بیٹے کا؟ کیونکہ باپ نے اس کو زندگی دی ہے، باپ نے اس کو زندگی دی ہے، اس کی پیدائش کا سبب بنا ہے، تو اسی طرح جب کوئی شخص جو ہے وہ کسی غلام کو آزاد کرتا ہے تو اس نے گویا غلام کو زندگی دے دی کیونکہ غلام کے تصرفات ہی نافذ نہیں ہوتے بھئی، اس کا تو کوئی اختیار ہی نہیں ہوتا، تو گویا اس نے اس کو زندگی دے دی، جب زندگی اس نے اس کو دے دی تو اب وہ اس کا وارث بنے گا۔ تو یہ جو مالِ میراث ملتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ولاء، ولاء کہتے ہیں۔

تو یہاں وَلَاء نہیں ہے یہاں وَلَا وَفَاءَ بھئی، ہمزہ کے بغیر ہے بھئی۔ فَإِنْ لَمْ يَدَعْ وَارِثًا غَيْرَ سَيِّدِهِ، دیکھو دو اور صورتیں ذکر کر رہے ہیں: فَإِنْ لَمْ يَدَعْ وَارِثًا اگر اس مکاتب نے نہیں چھوڑا وَارِثًا وارث کوئی غَيْرَ سَيِّدِهِ اپنے آقا کے علاوہ۔ توجہ ہے؟ اگر اس مکاتب نے اپنے آقا کے...

علاوہ اور کوئی وارث نہیں چھوڑا، اب قصاص لیں گے۔ کیوں لیں گے؟ کیونکہ ولیِ قصاص متعین ہو گیا، وارث تو ہے ہی نہیں تو کون لے گا؟ آقا۔ صرف آقا ہی ہے نا، توجہ ہے؟ اب وفا یا عدمِ وفا کو نہیں دیکھنا، اس نے مال چھوڑا ہے یا مال نہیں چھوڑا۔ دونوں صورتیں اس میں آگئیں۔ یہ معنی ہے فَإِنْ لَمْ يَدَعْ، وَدَعَ يَدَعُ کے معنی چھوڑنا، فَإِنْ لَمْ يَدَعْ وَارِثًا غَيْرَ سَيِّدِهِ اگر اس مکاتب نے آقا کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں چھوڑا، تو پھر قصاص لیں گے۔ ایک صورت یہ ہو گئی اور اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا، چاہے وفا وہ چھوڑے یا وفا نہ چھوڑے، ادائیگی کے برابر مال چھوڑے یا ادائیگی کے برابر مال نہ چھوڑے، دونوں صورتوں میں یہی حکم ہے کیونکہ وارث تو کوئی ہے ہی نہیں، صرف آقا ہی ہے تو وہ متعین ہو گیا وہی قصاص لے گا، اب قصاص لیا جائے گا۔

دوسری صورت: أَوْ تَرَكَهُ، أَوْ تَرَكَهُ یا اس مکاتب نے ایک وارث چھوڑا ہے لیکن وَلَا وَفَاءَ ادائیگی کے برابر مال نہیں چھوڑا۔ وارث تو چھوڑا ہے، وارث بھی ہے اور آقا بھی ہے لیکن وَلَا وَفَاءَ ادائیگی کے برابر مال نہیں ہے، تو أَقَادَ سَيِّدُهُ تو

دونوں صورتوں میں آقا قصاص لے گا۔ توجہ ہے؟ أَقَادَ سَيِّدُهُ کون قصاص لے گا؟ آقا۔ کیوں؟ پہلی صورت میں کیوں؟ پہلی صورت میں؟ کیونکہ وہاں وارث ہی نہیں ہے، وہاں وفا ہے یا وفا نہیں اس کی بات ہی نہیں کرنے کی، دونوں صورتیں اس میں آگئیں۔ اور دوسری صورت میں تَرَكَهُ أَيْ تَرَكَ وَارِثًا وارث تو اس نے چھوڑا ہے لیکن وَلَا وَفَاءَ ادائیگی کے برابر مال نہیں چھوڑا، جب ادائیگی کے برابر مال نہیں تو یہ ابھی بھی کیا ہے؟ غلام ہے۔ جب غلام ہے تو اب وارث کا، وارث موجود ہے بے شک لیکن اس کا کوئی دخل ہی نہیں بھئی، وہ دخل دے ہی نہیں سکتا تو قصاص کون لے گا؟ آقا لے گا۔ یہ معنی ہے أَوْ تَرَكَهُ وَلَا وَفَاءَ یا اس نے وارث تو چھوڑا لیکن ادائیگی کے برابر مال نہیں چھوڑا، أَقَادَ سَيِّدُهُ تو قصاص لے گا اس کا آقا۔ هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالٰى خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ، کہتے ہیں یہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے بخلاف امام محمد رحمہ اللہ کے۔

وَإِنْ لَمْ يَتْرُكْ وَفَاءً أَقَادَ السَّيِّدُ أَيْضًا لِأَنَّهُ مُتَعَيِّنٌ۔ وَإِنْ لَمْ يَتْرُكْ اور اگر اس نے نہیں چھوڑا وَفَاءً ادائیگی کے برابر مال، أَقَادَ السَّيِّدُ أَيْضًا تو اس صورت میں بھی آقا ہی قصاص لے گا، لِأَنَّهُ مُتَعَيِّنٌ کیونکہ آقا ہی متعین ہے، کیونکہ ادائیگی کے برابر مال ہی نہیں ہے، اگر مال ہوتا تو پھر ہم اس بارے میں فکرمند ہوتے کہ اس کو آزاد شمار کریں یا غلام، لیکن اب تو غلام ہی شمار کرنا پڑے گا تو آقا ہی قصاص لے گا۔

توجہ ہے؟ یہ عبارت ذرا مشکل ہے، پیچیدہ سی ہے، بس اس میں اتنا یاد رکھنا میں نے حل کر دی، متن سارا حل ہو گیا بھئی کہ اس میں دو صورتیں آگئیں۔ اور اس میں یہ یاد رکھنا هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ اس میں شیخین اور امام محمد رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔ یاد رکھیے یہ جو اختلاف آیا یہ صرف پہلی صورت میں ہے فَإِنْ لَمْ يَدَعْ وَارِثًا غَيْرَ سَيِّدِهِ، جب اس نے وارث جو ہے آقا کے علاوہ اور کوئی نہیں چھوڑا، صرف کون ہے؟ آقا، اور نیز اس میں مال بھی اس نے پورا چھوڑا ہو، ادائیگی کے برابر مال بھی چھوڑا ہو، توجہ ہے؟ اب صرف آقا ہے اور کوئی وارث نہیں لیکن اس نے مال ادائیگی کے برابر ہی چھوڑا ہے، تو شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں آقا ہی قصاص لے گا اور تو کوئی وارث ہے نہیں، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں تو ہے تو آقا ہی اور تو وارث تو نہیں لیکن آقا قصاص کا حقدار کیوں بن رہا ہے اس میں شبہ آگیا۔ توجہ ہے؟ آقا قصاص کا مالک کیوں بن رہا ہے؟ اس میں دو احتمال آگئے، ایک وجہ یہ کہ یا تو اس کو آزاد شمار کرو گے یا غلام، مال پورا چھوڑا ہے نا؟ اگر اس نے مال پورا چھوڑا ہے، مال پورا چھوڑا ہے اگر آپ اس کو آزاد شمار کرتے ہیں تو آقا کو قصاص کا حق ملا بطورِ ولاء کے۔ آقا کو قصاص کا حق ملا بطورِ ولاء کے یعنی بطورِ وارث کے، بطورِ وارث کے قصاص کا حق ہے۔ اور اگر آپ یہ دیکھیں کہ اس نے بے شک مال تو پورا چھوڑا لیکن ادائیگی تو ابھی تک نہیں کی، جب ادائیگی نہیں کی تو یہ کیا شمار کرنا چاہیے اس کو؟ غلام۔ جب غلام ہے تو آقا کو قصاص کا حق ہے کس وجہ سے؟ ملکیت کی وجہ سے۔ کس کی وجہ سے؟ ملکیت۔ تو یہاں اس میں دونوں احتمال آگئے، اس کو ہم آزاد شمار کریں یا غلام۔ اگر آزاد شمار کریں تو آقا کو قصاص کا حق ہے بطورِ وراثت کے،

اور اگر ہم اس کو غلام شمار کریں تو آقا کو قصاص کا حق ہے بطورِ ملکیت کے، تو لہٰذا جہت مشتبہ ہو گئی کس جہت سے، کس اعتبار سے آقا اس کا قصاص لے گا۔ اس لیے یہاں قصاص نہیں آئے گا۔ جبکہ شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جہت مشتبہ ہو گئی تو کوئی حرج نہیں، قصاص جس نے لینا ہے وہ تو آقا ہے ایک ہی متعین ہے، اس میں تو کوئی شبہ نہیں لہٰذا قصاص آئے گا اور وہ قصاص لے لے گا۔ یہ معنی ہے هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ۔ تو اختلاف کس صورت میں ہے؟ جب پورا مال بھی چھوڑا اور آقا کے علاوہ کوئی وارث نہیں چھوڑا۔ وَإِنْ لَمْ يَتْرُكْ وَفَاءً اور اگر اس نے ادائیگی کے برابر مال نہیں چھوڑا تو أَقَادَ السَّيِّدُ أَيْضًا تو اس صورت میں بھی قصاص آقا لے گا، لِأَنَّهُ مُتَعَيِّنٌ کیونکہ آقا متعین ہے اور کوئی نہیں یہاں پر۔

وَيَسْقُطُ قَوَدٌ وَرِثَهُ عَلٰى أَبِيهِ۔ اور ساقط ہو جاتا ہے قَوَدٌ، پھر نکرہ آیا اور اس کے بعد وَرِثَ فعل آیا، اور ساقط ہو جاتا ہے ایسا قصاص وَرِثَهُ جس کا کوئی شخص وارث بن جائے عَلٰى أَبِيهِ اپنے باپ پر۔ کوئی شخص اپنے باپ پر قصاص کا وارث بن جائے تو وہ قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے اپنی بیوی کو قتل کر دیا اور اس بیوی سے اس کا ایک ہی بیٹا ہے اور کوئی رشتہ دار نہیں اس کا بیوی کا زندہ، تو اب ولیِ قصاص کون بن گیا؟ بیٹا۔ بیٹا قصاص، یہ تو انہوں نے تو خیر وارث کی ذکر کیا، وارث نہیں وہ تو سیدھا ولی بن گیا بات سمجھ میں آرہی ہے؟ ولی بن گیا۔ دوسری صورت بنا لو، اس میں وارث بنے گا باقاعدہ، مسئلہ ایک ہی ہے اس میں بھی یہی حکم ہو گا اس میں بھی یہی حکم ہے کہ قصاص بیٹا نہیں لے سکتا باپ سے، قصاص بیٹا باپ سے نہیں لے سکتا۔ دوسری صورت: کہ ایک شخص نے اپنے بیٹے کی ساس کو قتل کر دیا، کس کو؟ یا اپنے بیٹے کے سسر کو قتل کر دیا، اب اس ساس یا سسر ان کی صرف وہ ایک ہی بیٹی تھی جو بیٹے کی بیوی ہے۔ بیٹے کی بیوی۔ اب وہ ہے ولیۂ قصاص، اس نے قصاص لینا ہے اس اپنے خاوند کے باپ سے، توجہ ہے؟ لیکن قصاص لینے سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا اور اب اس کا اور کوئی رشتہ دار نہیں تو وہ قصاص کا ولی کون بن گیا؟ اس کا خاوند اس لڑکی کا خاوند یعنی اس قاتل کا بیٹا جو ہے وہ کیا بن گیا؟ اس قصاص کا وارث بن گیا، تو یہ قصاص نہیں لے سکتا، ساقط ہو جائے گا، ہاں دیت اسی طرح آجائے گی۔ ساقط کیوں ہو گا؟ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ، باپ کو اف بھی نہ کہو بھئی، ان کو ادنیٰ تکلیف بھی نہیں دے سکتا بیٹا چہ جائیکہ اس کے قتل کا سبب بن جائے بھئی۔

یہ معنی ہے وَيَسْقُطُ قَوَدٌ اور ساقط ہو جائے گا ایسا قصاص وَرِثَهُ عَلٰى أَبِيهِ کہ جس کا کوئی شخص وارث بن جائے اپنے باپ کے خلاف، اپنے باپ پر۔ أَيْ إِذَا قَتَلَ الْأَبُ شَخْصًا جب قتل کیا باپ نے کسی شخص کو، وَوَلِيُّ الْقِصَاصِ ابْنُ الْقَاتِلِ اور قصاص کا ولی جو ہے وہ قاتل کا بیٹا ہی ہے تو يَسْقُطُ الْقِصَاصُ تو قصاص ساقط ہو جائے گا، لِحُرْمَةِ الْأُبُوَّةِ باپ ہونے کی حرمت کی وجہ سے، کیا معنی؟ یوں کہو باپ کے احترام کی وجہ سے، باپ کے احترام کی وجہ سے، لِحُرْمَةِ الْأُبُوَّةِ باپ ہونے کے احترام کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے گا، چاہے بیٹا براہِ راست ولی بن جائے چاہے وارث بنے۔ باپ نے بیٹے کی بیوی کو قتل کر دیا، توجہ ہے؟ تو اور کوئی رشتہ دار اس بیوی کا تھا ہی نہیں تو اب قصاص لینے والا کون ہے؟ اسی کا خاوند یعنی

اس قاتل کا بیٹا بھئی، تو قصاص ساقط۔ یا وہ وارث بن گیا ساس یا سسر میں سے کسی کو قتل کیا تھا اور ولیۂ قصاص اس کی بیوی تھی لیکن وہ قصاص سے پہلے مر گئی تو بیٹا وارث بن گیا، سب میں ایک ہی حکم ہے۔

وَلَا يُقَادُ إِلَّا بِالسَّيْفِ، اور قصاص نہیں لیا جائے گا مگر تلوار سے۔ یہ حدیث میں آتا ہے بھئی لَا قَوَدَ إِلَّا بِالسَّيْفِ قصاص نہیں ہے مگر کس کے ذریعے؟ تلوار کے ذریعے۔ اور تلوار سے تلوار نہیں مراد بھئی، اسلحہ مراد ہے، کیا مراد ہے؟ اسلحہ مراد ہے اور کسی بھی اسلحے کے ذریعے قصاص لیا جا سکتا ہے چاہے تلوار ہو چاہے بندوق ہو۔

طالبان کا زمانہ تھا بھئی افغانستان کے اندر، طالبان بھئی عجیب، اللہ نے دکھلا دیا کہ یہ اسلام جیسے اس زمانے کے اندر نافذ العمل تھا اور جیسے یہ ہر طرف راحتیں اور امن و سکون پھیلا دیتا ہے، اگر اس زمانے کے اندر بھی اسلام کو نافذ کر دیا جائے، اتنا امن و سکون ہو جائے گا کہ جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہ خالقِ ارض و سما کا قانون ہے بھئی اور یہ تا قیامت کے ہر زمانے کے لیے ہے، یہ نہیں کہ آج کل گاڑیاں آ گئیں، ہوائی جہاز آ گئے، ترقی ہو گئی تو اب وہ قانون نافذ العمل نہ رہا۔ دنیاوی قانون ہماری اسمبلیاں بنی ہوتی ہیں، دن رات ان پر بحث کرتی ہیں ان کو اچھی سے اچھی شکل دیتی ہیں، پھر مسئلہ بنتا ہے، پھر اس میں خرابی نکل آتی ہے، پھر اس کو تھوڑا اور اچھا کرتے ہیں، پھر تھوڑا اور اچھا کرتے ہیں، لیکن ہمیشہ اس میں بہتری سے بہتری کرتے چلے جاتے ہیں اور یہاں اللہ نے ہمیں ایک بنا بنایا بہترین قانون دے دیا اور جس میں کسی قسم کی کمی نہیں ہے بھئی۔ طالبان نے اسلام کو نافذ کیا انسان حیران رہ جاتا تھا بھئی۔ اتنا امن و امان، اتنا امن و امان جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا بھئی۔ وہ افغانستان بھئی جہاں پر روزانہ پچاس قتل عام بات تھی، پچاس قتل، جنگ نہیں، جنگ تو مختلف حصوں میں لڑائیاں، گولیاں وغیرہ بم چل رہے تھے، ان کے علاوہ عام لوگوں کے اندر جو قتل و غارت تھی تو وہ بھی پچاس سے زیادہ روزانہ قتل ہوتے تھے بھئی۔ حتیٰ کہ خون کتنا سستا ہو گیا تھا انسانی خون، مثلاً کوئی شخص، وہاں کے رہنے والوں نے یہ واقعات سنائے کہ ہوٹل میں مثلاً آپ یا بازار میں جا رہے ہیں، اچانک ایک شخص آ جاتا آپ کے پاس، کہتا لاؤ بھئی یہ گھڑی مجھے اپنی دے دو۔ وہ کہتا بھئی کیوں میں گھڑی کیوں دوں؟ وہ فوراً بندوق نکال لیتا۔ وہ کہتا اچھا اچھا یہ لو گھڑی میری لے لو۔ کہتا نہیں، تم نے نا کیسے کی؟ تم نے پہلی مرتبہ انکار کیسے کیا؟ تمہاری جرات کیسے ہوئی؟ وہ کہتا لو بھئی یہ میرا سارا سامان بھی لے لو، میری جیب کے پیسے بھی لے لو، گھڑی بھی لے لو، موبائل سب کچھ لے لو لیکن میری جان چھوڑ دو۔ کہتے نہیں نہیں تمہاری ہمت کیسے ہوئی تم نے نا کیسے کیا، انکار کیسے کیا پہلی مرتبہ؟ چنانچہ وہیں پر سب کے سامنے اس کو گولی مار کر قتل کرتا اور پھر اس کی ساری چیزیں نکال کر لے جاتا۔ انسانیت جیسے بالکل ختم ہو گئی تھی بھئی۔ لیکن، لیکن پھر جب اسلامی نظام آیا، طالبان جب آئے اللہ عجیب امن و سکون اس ملک کے اندر، پورے سال کے اندر پورے ملک میں کوئی ایک آدھ قتل ہوتا تھا۔ آپ سوچیں تو سہی، پورے ملک میں ایک آدھ قتل۔ یہاں لاہور کے اندر روزانہ کئی قتل ہو جاتے ہیں، ہر ہر شہر میں کئی کئی روز کے قتل چل رہے ہوتے ہیں۔ وہاں بلکہ میں نے کہا پورے

افغانستان میں پچاس قتل، پچاس قتل یہ بھی میرا خیال ایک شہر میں روز پچاس قتل ہوتے ہوں گے بھئی، اس طرح انسانی جان، پچاس قتل تو آج پاکستان میں بھی کتنے ہی قتل ہو جاتے ہیں روزانہ بھئی حالانکہ سب کچھ ہے، پولیس ہے، فوج ہے، اسلحہ ہے، سب کچھ ہے لیکن، لیکن اسلامی نظام کی برکات اپنی ہیں بھئی۔ اور جب کسی ملک میں امن و امان ہوتا ہے، امن و امان، وہ ملک اتنی تیزی سے ترقی کرتا ہے کہ کوئی اس کے قریب نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ ماہرین کہتے ہیں جو اس آج کے جدید دور کے جو ماہرین ہیں معاشیات وغیرہ کے، وہ کہتے ہیں کہ یہ طالبان کو امریکہ وغیرہ نے جان بوجھ کر ختم کیا۔ اگر یہ آٹھ دس سال طالبان کو مل جاتے، ابھی تو طالبان جنگوں میں چل رہے تھے، لیکن اگر آٹھ دس سال مل جاتے تو آج کل دنیا میں جہاں امریکی سفارت خانہ ہوتا ہے اس کے آگے لمبی لمبی قطاریں لگی ہوتی ہیں، لوگ ویزے کے لیے کوشش کر رہے ہوتے ہیں، کہتے ہیں اگر طالبان کو دس سال مل جاتے تو طالبان کے سفارت خانوں کے آگے اس طرح قطاریں لگی ہوتی تھیں، لوگوں نے ویزے کے لیے ہر شخص کی کوشش ہوتی کہ میں وہاں جاؤں بھئی، وہاں جاؤں۔ یعنی ایسا نظام تھا، اتنا امن تھا جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ حتیٰ کہ یہ تو ریکارڈ پر موجود ہے یہ بات کہ ابھی جنگ چل رہی ہے، لڑائیاں مختلف حصوں میں لڑائیاں جاری ہیں، پورا سکون کہیں بھی ابھی پورے ملک میں نہیں ہے، جنگ چل رہی ہے لیکن...

اس کے باوجود جن حصوں میں جنگ نہیں تھی وہاں اتنا امن و امان تھا کہ آپ، آپ لاکھوں نہیں کروڑوں روپیہ جو ہے وہ اپنے کندھے پر لاد کر سب کو نظر آ رہے ہوں کہ یہ شخص اتنے پیسے لے کر جا رہا ہے، کسی کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ اس کو ہاتھ لگا دے بھئی۔ اتنا امن و سکون تھا۔ اور پھر یہ جرمنی والوں نے باقاعدہ، جرمنی والوں نے باقاعدہ طالبان کے وفد کو بلوایا۔ اور جو طالبان کے بڑے تھے ان کے، ان کو بلوایا وزرا وغیرہ کو کہ ہم آپ سے یہ امن و امان کے مسئلے پر کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں، مذاکرات کچھ چیزیں پوچھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ طالبان کا وفد گیا جرمنی بھئی۔ باقاعدہ یہ ریکارڈ پر ہے، یہ اخبارات میں یہ خبریں آئیں تھیں بھئی عام اخبارات میں۔ جرمنی والوں نے جس بلڈنگ میں طالبان کے ساتھ مذاکرات ہونے تھے، دیکھو اَلْإِسْلَامُ يَعْلُو وَلَا يُعْلٰى عَلَيْهِ، جس جگہ میٹنگ ہونی تھی جس بلڈنگ میں طالبان مہمانوں کے طور پر، مہمان کے طور پر آ رہے تھے، اس بلڈنگ کے اندر تمام خواتین کو اس دن چھٹی دے دی کہ آپ کو ہماری طرف سے سرکاری چھٹی ہے، آپ کو تنخواہ ملے گی، تنخواہ میں کٹوتی، وہاں تو جتنے مرد ہوں گے اتنی عورتیں کام کر رہی ہوتی ہیں بلکہ عورتیں زیادہ ہوتی ہیں، ان تمام عورتوں کو اس دن چھٹی دے دی کہ طالبان بے پردہ عورتوں کو پسند نہیں کرتے، لہٰذا آج آپ نے نہیں آنا وہ لوگ آ رہے ہیں۔ اور ایئرپورٹ کے جس حصے میں طالبان کے جہاز نے اترنا تھا اور جہاں سے ان کو لے کر نکلنا تھا، اس حصے کے اندر ساری عورتوں کو چھٹی دے دی۔ یہ طالبان نے نہیں کہا تھا کہ عورتوں کو چھٹی دیں، یہ خود ہی ان کو پتہ تھا دیکھا؟ اور پھر ان کو، تو وہ ان کو چھٹی دے دی۔ طالبان آئے اطمینان سے، اور طالبان عجیب لوگ تھے۔ نماز کا وقت ہوتا تھا ایئرپورٹ پر ہی چادریں بچھا کر نماز شروع کر دیتے تھے بھئی، کہیں نماز رہ جائے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اور

ان کو دیکھ کر وہ انسان ایک عجیب ہیبت جو ہے طاری ہو جاتی تھی بھئی، عجیب ہیبت دیکھنے والوں پر۔ پھر وہ ان کو لے کر گئے اور وہاں میٹنگ کی اور پھر میٹنگ میں ان سے باتوں میں پوچھا کہ ہم نے آپ کو صرف اس لیے بلوایا ہے، ہم آپ سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں ہمارے ملک میں امن و امان نہیں قائم ہو رہا۔ ہمارے پاس جدید ترین اسلحہ ہے، پولیس جو ہے پولیس کی تربیت پہ ہم لاکھوں کروڑوں ڈالر خرچ کرتے ہیں، جدید ترین اسلحہ ہے، جدید ترین ان کے پاس گاڑیاں ہیں، جدید ترین وائرلیس سسٹم ہے، جدید ترین کمپیوٹر سسٹم ہیں اور جدید ترین ہیلی کاپٹر ہیں ان کی مدد سے بھی، اور اتنا کچھ ہم پھر لوگوں کے لیے ٹی وی پر ان کو آگاہ کرتے ہیں کہ جرم نہ کرو، مدد کرو ایک دوسرے کی سب کچھ، لیکن اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی جرم ہیں کہ بڑھتے ہی جا رہے ہیں، بڑھتے ہی جا رہے ہیں، رک ہی نہیں رہے کسی طرح بھی۔ تو ہم نے آپ کو صرف اس لیے مشورے کے لیے بلوایا ہے کہ ہمیں بھی کوئی تدبیر بتائیں کہ آپ نے... وہ حیران تھے بھئی۔ طالبان حالتِ جنگ میں ہیں، ملک کے ایک حصے میں مسلسل جنگ چل رہی ہے اور یہ جو پیچھے والا حصہ ہے اس میں اتنا امن؟ چوری تو دیکھنے کو ہی نہیں ملتی بھئی۔ کوئی چور چوری کرنے سے پہلے اپنے جو ہے دائیں ہاتھ کو کہتا، دائیں ہاتھ کی طرف دیکھتا تھا کہ لگتا ہے تو مجھ سے جدا ہونا چاہتا ہے بھئی۔ وہاں تو اتنی غربت تھی کہ بیان سے باہر ہے بھئی۔ جنگ کتنے سالہا سال سے جنگ وہاں چل رہی تھی، اتنی غربت تھی کہ مانگنے والے فقرا بہت زیادہ تھے اور کسی کی چیز کو نہیں چھوڑتے تھے، لیکن ادھر طالبان کی حکومت آئی وہی لوگ ہیں، فقر و فاقے میں ہیں لیکن کسی کی ہمت نہیں ہو رہی کسی دوسرے کی چیز چرا کر لے جائے، اٹھا کر لے جائے۔ طالبان سب کے سامنے اس کا ہاتھ کاٹتے تھے بھئی اور پھر اس ہاتھ کو گاڑی پر لٹکا کر گھمایا جاتا تھا ساروں کو بھئی، اس کے بعد کوئی چوری نہیں کرتا تھا بھئی۔ قاتل کوئی قتل کرتا تھا، قتل کرتا تھا تو فوراً ہی پکڑتے تھے اس کو، فوراً ہی۔ یہاں تو پتہ ہی نہیں چلتا قاتل آیا بھی اور یہاں تو قاتل باقاعدہ عدالتوں میں وی کے نشان وکٹری کے نشان بنا رہے ہوتے ہیں جیسے انہوں نے کوئی بڑا کمال کیا ہے، وہ دراصل ہمارے ایک انصاف کے نظام پر ایک طمانچہ ہے کہ کر لو ہمارا کیا کرنا ہے، ہم طاقتور لوگ ہیں بھئی۔ تو وہاں ایسا نہیں تھا، وہاں بڑے سے بڑا بھی کوئی بھی قتل کرتا تھا وہ چھوٹتا نہیں تھا۔ چنانچہ قتل کی تحقیقات دنوں میں مکمل ہوتی تھی دنوں میں، اور پھر اس قاتل کو لایا جاتا، قاضی فیصلہ کر دیتا اس کو بھی قتل کر دیا جائے قصاص میں۔ قاتل کو لایا جاتا بھئی اسٹیڈیم، اعلان ہوتا تھا فلاں دن قاتل کو قتل کیا جائے گا سب لوگ آ جائیں بھئی، جس جس نے دیکھنا ہوتا تھا سب دیکھنے پہنچ جاتے تھے، بڑا ہجوم ہوتا تھا لوگ جمع ہو جاتے تھے بھئی، اور پھر اس قاتل کو لایا جاتا تھا اور پھر اس مقتول کے ورثا اس کی بیوی ہے یا بیٹا ہے جو بھی ہوتا تھا اس کو لایا جاتا تھا، پھر اس کے بعد ایک کوئی عالمِ دین آتے، پھر وہ اس مقتول کے ورثا کو وعظ و نصیحت کرتے کہ بھئی دیکھو اس نے قتل کیا ہے لیکن اگر تم اس کو معاف کر دو، تمہارا والا، اگر اس کو قتل بھی کر دو گے تمہارا جو مر گیا وہ تو واپس نہیں آ سکتا، کوئی اس سے مال

لے لو یا کچھ لے لو کوئی صورت طے کر لو اس کے ساتھ لیکن اس کی جان نہ لو، اور اگر معاف کر دو گے قیامت میں اللہ تم کو عظیم اجر دیں گے بھئی، بہت عظیم اجر ملے گا۔ اور ان کو وعظ و نصیحت کرتے سمجھاتے۔ اگر وہ مان جاتے تو ٹھیک ہے معاف کر دیتے، اگر وہ نہ مانتے تو اسی وقت قاتل کو سامنے دیوار کے ساتھ باندھ کر کھڑا کر دیا جاتا اور اس مقتول کی بیوی یا بیٹے کو بندوق دے دی جاتی بھری ہوئی کلاشنکوف، لو بھئی۔ اور وہ سب کے سامنے اس کو اڑا دیتا تھا بھئی۔ دو چار ایسے، کوئی زیادہ قتل نہیں کیے انہوں نے، کوئی دس پندرہ بیس کا ہاتھ کٹا ہو گا پورے افغانستان میں سکون ہو گیا۔ آٹھ دس کو قتل کیا لوگوں کے سامنے، پورے افغانستان میں ایسا سکون ہو گیا کہ جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا بھئی۔

یہاں تو جس کا دل کرتا ہے گولی چلا کے قتل کر کے نکل جاتا ہے، وہاں نہیں، وہاں وہ سوچتا تھا، گولی تو چلانے سے پہلے ہزار بار سوچتا تھا کہ میں پھر نہیں بچوں گا، مجھے سب کے سامنے اسی طرح اڑا دیا جائے گا۔ تو وہ عجیب اللہ کا نظام تھا۔ تو طالبان سے پوچھا ہمیں بتائیں یہ آپ کے ملک میں اتنا امن، جرم ہوتا ہی نہیں پورے شہر، یعنی آپ اندازہ لگاؤ پورے ملک میں پورے سال میں ایک یا دو قتل ہوں؟ انسان کہتے ہیں یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ اتنی حیرت کی بات ہے پورے ملک میں کروڑوں لوگ ہیں اور پورے سال میں ایک قتل ہو جائے، یہ کیسے ہو سکتا ہے بھئی؟ کہتے ہیں تو وہ ہمیں بتاؤ بھئی یہ وجہ کیا ہے، اتنا امن کیسے ہے آپ کے ملک میں؟ تو طالبان نے کہا کہ ہمارا اس میں کوئی کمال نہیں ہے، یہ تو اللہ کی بتلائی ہوئی شریعت ہے، ہم نے صرف اس کو نافذ کیا ہے، نافذ کیا ہے اور اس کی وجہ سے اللہ نے اتنا امن و امان نصیب فرما دیا۔

عجیب بھئی، آج کل لوگ اللہ، ظالموں کا ساتھ دیتے ہیں، اللہ۔ تو وہ اسلام کی بھئی برکات اور رحمتیں اور اسے ہم نے اس زمانے میں، اللہ نے ہمیں اپنی آنکھوں سے دکھلا دیا کہ اسلام کی کتنی برکات اور رحمتیں ہیں بھئی۔ ملک اس لیے بھی تیزی سے ترقی کرتا ہے کہ لوگ پیسہ گھر میں سنبھال کر نہیں رکھتے، لے کر نکلتے ہیں بھئی کاروبار میں لگائیں۔ اگر رکھیں گے تو اسی سال اتنا ہی رہے گا اگلے سال زکوۃ بھی دینی پڑے گی اور کم ہو جائے گا۔ کاروبار میں لگاؤ تاکہ دگنا ہو، تگنا ہو، چار گنا ہو بھئی۔ چنانچہ کوئی شخص اپنے پاس پیسہ نہیں سنبھال کے رکھتا، اور باہر نکالنے میں تو خوف ہوتا ہی نہیں، کوئی لوٹ کے تو دکھائے مجھے جائے گا کدھر؟ جائے گا کدھر؟ اور نہ کوئی لوٹ سکتا ہے، نہ کوئی کسی کے پیسے دبا سکتا ہے، اور پھر جب پیسہ ہر طرف گردش میں رہتا ہے کوئی شخص پیسہ جمع رکھتا ہی نہیں ہے لگاتا جا رہا ہے، تو نوکریاں بھی بنتی ہیں، کام بھی چل پڑتے ہیں، کاروبار بھی چل پڑتے ہیں اور کارخانے بھی چل پڑتے ہیں اور اتنی تیزی سے ملک ترقی کرتا ہے کہ جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا بھئی۔ طالبان کے ہاں انصاف کا عجیب نظام تھا، ان کے پاس تو ابھی اسباب بھی نہیں تھے، یہ بڑے بڑے بھی جو تھے ان کے کھانے کا انتظام ہی مشکل ہوتا تھا، کھانے کا انتظام ہی نہیں ہوتا تھا، اتنے غربت کی حالت میں تھے ان کے جو اوپر والے سارے تھے۔ اور پھر ان کا، ہوتا یوں تھا شہر کے اندر ایک جگہ مقرر ہوتی اونچی سی، وہاں آکر قاضی بیٹھ جاتا تھا اور لوگ آتے تھے اور اپنے مقدمات پیش کرتے تھے اور قاضی اسی وقت سنتا تھا، کسی کا ایک ہی دفعہ میں

فیصلہ کر دیتا، کسی کو کہتا بھئی کل پھر آنا، فلاں کو بھی بلا کر لے کر آئیں گے، فلاں کو بھی لے کر آنا ہے۔ تو دو، چار، دس دن سے زیادہ تو کوئی کیس چلتا ہی نہیں تھا بھئی دس دن کے اندر۔ کوئی قتل وغیرہ کا کیس ہوتا وہ آٹھ دس دن تک مسئلہ لے جاتا تھا، اس سے زیادہ مسئلہ چلتا ہی نہیں تھا، فیصلہ لوگوں کو دنوں منٹوں میں اسلام ملتا تھا۔ اور پھر کمال یہ تھا کہ ابھی چونکہ ان کے پاس اتنے اسباب نہیں تھے تو جو دوسرے دیہات وغیرہ سے لوگ آتے تھے ان کو، وہ جو مقدمہ لے کر آئے ہیں ان کو باقاعدہ سرکاری رہائش گاہ میں جگہ دیتے تھے اور ان کو کھانا بھی دیتے تھے، رہائش بھی دیتے تھے اور پھر افسوس بھی کرتے تھے، معذرت بھی کرتے تھے کہ آپ کو اپنے شہر اپنے گاؤں سے یہاں تک آنا پڑا آپ کو تکلیف ہوئی ہم معذرت کرتے ہیں، ابھی ہمارے پاس اسباب نہیں ہیں۔ کام تو یہ تھا کہ تمہارے گاؤں میں تمہاری دہلیز پر ہی ہم تمہیں انصاف مہیا کرتے، وہیں قاضی ہوتا وہیں فیصلے کرتا لیکن ابھی ہمارے پاس اتنے اسباب نہیں ہیں، لہٰذا جب اسباب ہوں گے ہم انتظام کریں گے تو جب تک آپ ہمارے مہمان ہیں، دور سے آپ کو آنا پڑا آپ ہمارے مہمان ہیں دو چار دن جتنے دن آپ کا مقدمہ چلتا ہے۔ تو اتنا انصاف انسان حیران رہ جاتا ہے بھئی۔ اللہ۔

اچھا جی، اچھا یہ بات چلی تھی وَلَا يُقَادُ إِلَّا بِالسَّيْفِ سے بھئی۔ اور قصاص نہیں لیا جائے گا مگر تلوار سے۔ میں نے بتلایا کہ تلوار سے مراد اسلحہ ہے، اسلحہ۔ اس میں دراصل حدیث آتی ہے، حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لَا قَوَدَ إِلَّا بِالسَّيْفِ أَيْ لَا قِصَاصَ إِلَّا بِالسَّيْفِ کہ قصاص تلوار کے ذریعے ہی ہو گا۔ اچھا اس سے ایک اور بات کا بھی آپ کو پتہ چل گیا، معلوم ہوا پھانسی خلافِ شریعت ہے، پھانسی کیا ہے؟ خلافِ شریعت ہے بھئی۔

کہتے ہیں هٰذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُفْعَلُ بِهٖ مِثْلَ مَا فَعَلَ، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاتل کے ساتھ بھی يُفْعَلُ بِهٖ اس کے ساتھ بھی کیا جائے گا مِثْلَ مَا فَعَلَ اسی طرح جو اس نے کیا۔ ہمارے نزدیک تو کوئی کسی کو کسی بھی طریقے سے قتل کرے، قصاص میں اس کو تلوار سے یا اسلحے سے قتل کریں گے۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس طریقے سے قاتل نے مقتول کو قتل کیا ہے اسی طریقے سے قاتل کو بھی قتل کیا جائے گا۔ اگر اس نے اس کو پانی میں ڈبو کر مارا ہے اس کو بھی پانی میں ڈبو کر ماریں گے، اگر اس نے اس کو اوپر سے گرا کر قتل کیا ہے اس کو بھی اوپر سے گرا کر قتل کریں گے، اور جس طریقے سے بھی اس نے قتل کیا اس طریقے سے قتل کریں گے۔ یہ معنی ہے وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُفْعَلُ بِهٖ مِثْلَ مَا فَعَلَ کہ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جائے گا جیسے اس نے مقتول کے ساتھ کیا۔ فَإِنْ مَاتَ فَبِهَا اگر وہ اس سے مر جائے تو اچھی بات ہے، اگر قاتل کے ساتھ بھی وہی کیا یعنی اسے بھی اوپر سے گرا دیا تو وہ مر گیا تو اچھی بات ہے، وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو یعنی پھر بھی قاتل بچ جائے تو تُجَزُّ رَقَبَتُهٗ تو اس کی گردن کاٹ دی جائے گی۔ جَزَّ يَجُزُّ کا معنی کاٹنا، کاٹنا۔ تو وَإِلَّا تُجَزُّ رَقَبَتُهٗ ورنہ اس کی گردن کاٹ دی جائے گی تَحْقِيقًا لِلتَّسْوِيَةِ برابری ثابت کرنے کے لیے، کس کے لیے؟ برابری ثابت کرنے کے لیے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قصاص کا مدار جو ہے برابری ہونی چاہیے، لہٰذا جس طرح قاتل نے مقتول کو مارا تو قاتل کو بھی اسی طرح مارا جائے گا تاکہ برابری ہو جائے۔ اس نے

پانی میں ڈبو کر مارا تھا اس کو بھی پانی میں ڈبو کر مارو، اس نے تلوار سے مارا تھا اس کو بھی تلوار سے مارو، اس نے گولی ماری تھی اس کو بھی گولی مار کر قتل کرو، تَحْقِيقًا لِلتَّسْوِيَةِ کس لیے؟ تاکہ برابری ثابت ہو جائے۔

وَلَنَا ہماری دلیل یہ ہے قَوْلُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا قَوَدَ إِلَّا بِالسَّيْفِ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قصاص نہیں ہے مگر تلوار یعنی اسلحے سے ہی۔ وَأَيْضًا يَحْتَمِلُ أَلَّا يَمُوتَ اور نیز اس لیے بھی کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ وہ قاتل نہ مرے، ہم نے بھی اس کے ساتھ ویسا ہی کیا مثلاً اسے اوپر سے گرایا لیکن قاتل، قاتل نہ مرا۔ فَيُحْتَاجُ إِلَى جَزِّ الرَّقَبَةِ تو محتاج ہوا گردن کے کاٹنے کا کہ اس کی گردن کاٹی جائے، فَلَا تَسْوِيَةَ پھر تو برابری نہ رہی، پھر تو برابری نہ رہی۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ انہوں نے کیا کہا تھا؟ برابری کے لیے اسی طریقے سے قتل کیا جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے اسی طریقے پر عمل کیا جائے لیکن قاتل مرے نا، اور اگر نہ مرا تو آپ فرماتے ہیں پھر اس کی گردن کاٹ دو۔ تو دیکھو یہ گردن کا کٹنا ایک زائد فعل ہو گیا، ایک تو اس نے اگر اوپر سے گرایا تھا ہم نے بھی اس کو اوپر سے گرا دیا، برابری ہو گئی لیکن وہ مقتول تو مر گیا تھا لیکن یہ قاتل ابھی بھی زندہ ہے تو آپ نے کیا کہا؟ آپ نے کیا کہا؟ کہ اس کی گردن کاٹ دو، تو یہ تو ایک زائد فعل ہو گیا۔ قاتل نے تو اس کی گردن نہیں کاٹی تھی، تسویہ تو پھر بھی نہ آیا، آپ کا تو مقصد کیا تھا کہ برابری آجائے، برابری تو پھر بھی نہ ہوئی۔ اس لیے ہمارے نزدیک اسی طریقے سے قتل نہیں کریں گے بلکہ کس طرح؟ اسلحے کے ذریعے اس کو قتل کریں گے۔

یہ معنی ہے وَأَيْضًا يَحْتَمِلُ أَلَّا يَمُوتَ فَيُحْتَاجُ إِلَى جَزِّ الرَّقَبَةِ اور یہ بھی احتمال ہے کہ قاتل اس فعل سے نہ مرے تو وہ محتاج ہو گا گردن کے کاٹنے کا، فَلَا تَسْوِيَةَ تو پھر برابری نہ رہے گی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۶: ولیِ قصاص کے اختیارات (قود، صلح، عفو)، صغیر و معتوہ کی ولایت اور عفوِ بعض اولیاء کا حکم

شرح الوقایہ صفحہ: ۹۸ – بتاریخ: ۱۶ فروری ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی: وَيُقِيدُ أَبُو الْمَعْتُوهِ قَاطِعَ يَدِهِ وَقَاتِلَ قَرِيبِهِ، وَيُصَالِحُ وَلَا يَعْفُو، وَلِلْوَصِيِّ الصُّلْحُ فَقَطْ، أَيْ لَيْسَ لَهُ وِلَايَةُ الْعَفْوِ وَلَا الْقَتْلِ؛ إِذْ لَيْسَ لَهُ الْوِلَايَةُ عَلَى نَفْسِهِ، بَلْ عَلَى مَالِهِ، وَالْقَتْلُ قِصَاصٌ مِنْ بَابِ الْوِلَايَةِ عَلَى النَّفْسِ، وَلَيْسَ لَهُ وِلَايَةُ الْقِصَاصِ فِي الْأَطْرَافِ، وَالصَّبِيُّ كَالْمَعْتُوهِ، وَالْقَاضِي كَالْأَبِ، وَهُوَ الصَّحِيحُ.[1]

کِتَابُ الْجِنَايَات چل رہی ہے بھائی۔ وہ صورتیں ذکر ہو رہی ہیں جن میں قصاص آئے گا اور جن میں قصاص نہیں آئے گا، اور قصاص کون لے گا، وہ ساری تفصیلات ذکر ہو رہی ہیں۔ آگے فرماتے ہیں: وَيُقِيدُ۔ میری کتاب میں ہے وَيُقَيِّدُ، یا پر شد ہے۔ یہ کتابت کی غلطی ہے بھائی۔ یہ قَوَد سے ہے، قَوَد سے، اور یہ بابِ إِفْعَال سے تو آتا ہے أَقَادَ، أَقَادَ يُقِيدُ۔ اوپر پچھلے سبق کے آخر میں آیا تھا نا: وَلَا وَفَاءَ أَقَادَ سَيِّدُهُ۔ تو دیکھو بابِ إِفْعَال سے، تو یہ بابِ إِفْعَال سے تو استعمال ہوتا ہے، بابِ تَفْعِيل سے استعمال ہی نہیں ہوتا، تو یہ يُقِيدُ ہے، أَقَادَ يُقِيدُ بابِ إِفْعَال ہے۔ وَيُقِيدُ أَبُو الْمَعْتُوهِ قَاطِعَ يَدِهِ وَقَاتِلَ قَرِيبِهِ وَيُصَالِحُ وَلَا يَعْفُو۔

معتوہ بھائی، معتوہ یاد رکھیں وہ شخص جو پاگلوں جیسا ہے، پاگل تو نہیں ہے لیکن کبھی باتیں وہ کس طرح کی کرتا ہے، کبھی پاگل، یعنی نا سمجھ کہہ لو، نا سمجھ، جس کی عقل پوری نہیں ہے۔ تو کبھی ٹھیک باتیں کرتا ہے، کبھی نا سمجھوں والی باتیں کرتا ہے یا ہر وقت ہی نا سمجھوں والی باتیں کرتا ہے، لیکن پاگل نہیں ہے کم از کم۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ بعض لوگوں کو آپ نے بھی دیکھا ہوگا، بالکل عقل کمزور، نا سمجھی والی ہی باتیں کرتے رہتے ہیں، لیکن بہرحال پاگل نہیں ہوتے، چیزوں کو کچھ نہ کچھ سمجھتے بھی ہیں بھائی۔ تو اس کو مَعْتُوهٌ کہتے ہیں، معتوہ۔

---

[1] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۴۷): صوتی درس کی قراءت میں «أَيْ لَيْسَ لَهُ وِلَايَةُ الْعَفْوِ وَلَا الْقَتْلِ؛ إِذْ لَيْسَ لَهُ الْوِلَايَةُ عَلَى نَفْسِهِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «أي ليس له العفوَ ولا القتل، إذ ليسَ له الولايةَ على نفسِهِ» منقول ہے۔

اب صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے معتوہ جو ہے اس کا ہاتھ کاٹ دیا، یعنی اس کو کوئی اعضا میں نقصان پہنچایا، یا کسی نے معتوہ کے کسی قریبی عزیز یعنی بیٹے کو قتل کر دیا—اس کی شادی ہو گئی تھی، اولاد بھی ہے، لیکن خود وہ نا سمجھ ہے، پوری عقل نہیں ہے—اس کے بیٹے کو کسی نے قتل کر دیا، تو یہاں اب قصاص کون لے گا بھائی؟ جس نے اس کا ہاتھ کاٹا ہے یا اس کے قریبی عزیز کو قتل کیا ہے؟ کہتے ہیں بھائی اس کا جو باپ ہے وہ ولیِ قصاص ہو گا بھائی۔

اگر اس کا ہاتھ وغیرہ کاٹا ہے، توجہ ہے؟ بھائی دیکھو نا معتوہ کہ جس شخص کا ہاتھ کٹ گیا، وہ تو زندہ ہے نا، زندہ! تو قصاص تو اس کو خود لینا چاہیے، قصاص تو، یعنی وہ خود قصاص کا ولی ہو گا۔ اسی طرح کسی شخص کے بیٹے کو قتل کر دیا گیا، تو وہ شخص جو باپ ہے وہ کیا ہو گا؟ قصاص کا ولی۔ لیکن یہ جو یہاں جو ولی بن رہا ہے وہ معتوہ خود بن رہا ہے، اور وہ تو نا سمجھ ہے، اس کو تو وہ آرام سے ورغلا لیں گے بھائی۔ ہو سکتا ہے ایک کپ چائے پلا کر ہی کہہ دیں بھائی ہمیں چھوڑ دو، چلو، اور وہ کہے ہاں بھائی میں نے چھوڑ دیا۔ یا سو روپیہ دے دیں اور وہ کہے میں نے چھوڑ دیا، چلو جاؤ، تم کو میں نے معاف کر دیا۔ تو وہ نا سمجھ ہے، تو اب یہاں پر ولیِ قصاص جو ہے وہ معتوہ کا باپ بنے گا بھائی۔

یہ معنی ہے وَيُقِيدُ أَبُو الْمَعْتُوهِ قَاطِعَ يَدِهِ، اور قصاص لے گا معتوہ کا باپ۔ کس سے قصاص لے گا؟ قَاطِعَ يَدِهِ، اس معتوہ کے ہاتھ کو کاٹنے والے سے، وَقَاتِلَ قَرِيبِهِ، اور اس کے، معتوہ کے قریبی عزیز کو قتل کرنے والے سے۔ وَيُصَالِحُ، اور باپ صلح بھی کر سکتا ہے۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ قصاص میں صلح بھی جائز ہے اور پھر اس میں چاہے مال تھوڑا ہو چاہے مال زیادہ، اس میں دیت کو نہیں دیکھا جائے گا۔ ویسے تو دیت ہے سو اونٹ، یا دس ہزار درہم، یا ایک ہزار دینار۔ لیکن صلح میں آپ نے پڑھا ہے جتنے پر دونوں فریق آپس میں راضی ہو جائیں یا یوں کہیں مقتول کے ورثا جتنے پر وہ راضی ہو جائیں۔ اگر وہ پچاس اونٹوں پر راضی ہو گئے تو پچاس پر ہی صلح ہو جائے گی، اور اگر وہ پانچ سو اونٹوں پر راضی ہوتے ہیں تو پانچ سو پر صلح ہو جائے گی۔ یعنی بتلانے کا مقصد یہ ہے کہ صلح کے اندر مال کی تعیین نہیں کہ کتنا ہونا چاہیے، تھوڑا بھی ہو سکتا ہے اور زیادہ بھی، جتنا مقتول کے ورثا کی مرضی ہے جتنے پر راضی ہوں۔

تو یہاں پر بھی وَيُصَالِحُ، معتوہ کا جو باپ ہے وہ صلح بھی کر سکتا ہے۔ لیکن اس میں ایک قید یاد رکھنا کہ وہ مال دیت سے کم نہیں ہونا چاہیے بھائی۔ اگر کسی نے کیا کیا ہے؟ کسی کے، معتوہ کا ہاتھ کاٹا ہے یا اس کے قریبی عزیز کو قتل کیا ہے، تو اب قصاص لینا چاہتا ہے بھائی، صلح کرنا چاہتا ہے، تو ہاتھ کے اندر یاد رکھو آگے مسائل آئیں گے، ہاتھ کے اندر جو دیت آتی ہے وہ نصف دیت ہے، ایک ہاتھ میں۔ اور جہاں جان بوجھ کر کاٹا ہو وہاں قصاص آتا ہے۔ اب اس نے تو جان بوجھ کر کاٹا، اس پر قصاص آ رہا ہے، لیکن انہوں نے منت سماجت شروع کی کہ مال لے لو، ہاتھ نہ کاٹو ہمارا، تو صلح کر لیتا ہے باپ۔ یا اس نے معتوہ کے بیٹے کو قتل کیا ہے، لیکن پھر منت سماجت کرتے ہیں کہ صلح کر لیں، ہمیں قتل نہ کریں بدلے میں، تو باپ صلح کرتا ہے۔ تو باپ صلح کر سکتا ہے، لیکن دیت سے کم مال پر نہیں، دیت سے کم مال پر صلح نہیں کر سکتا۔

بھائی وجہ دراصل یہ کہ جو معتوہ کا باپ ہوتا ہے اس کو معتوہ کی نفس پر ولایت حاصل ہوتی ہے۔ جیسے باپ ہوتا ہے نا، نابالغ اولاد پر اس کو ولایت حاصل ہوتی ہے، باپ کے تصرفات ان پر نافذ ہوتے ہیں، باپ ان کا نکاح بھی کروا سکتا ہے وغیرہ، آپ جانتے ہیں بھائی۔ تو یہاں پر بھی معتوہ پر کس کو ولایت حاصل ہے؟ اس کے باپ کو۔ اور یہ جو قصاص ہے، یاد رکھنا، یہ وِلَایَۃٌ عَلَی النَّفْس کی قبیل سے ہے۔ کس قبیل سے ہے؟ جس کو نفس پر ولایت حاصل ہو وہی یہ قصاص لے سکتا ہے، کوئی اور نہیں لے سکتا۔ چنانچہ آگے آپ کو بتائیں گے، اگر باپ نہیں ہے، باپ نہیں ہے، ہاں باپ نے مرتے وقت کسی کو نگران مقرر کر دیا تھا، اپنا وصی مقرر کر دیا تھا کہ دیکھو میرا یہ بچہ ناسمجھ ہے، اس کی آپ نے نگرانی کرنی ہے، اس کے امور کے ذمہ دار آپ ہیں، تو وہ وصیت، اب وہ وصی جو ہے وہ قصاص نہیں لے سکتا۔

کیوں؟ کیونکہ اس وصی کو معتوہ کی ذات پر ولایت حاصل نہیں۔ اور یہ جو قصاص ہے، یہ کس قبیل سے ہے؟ وِلَایَۃٌ عَلَی النَّفْس، وِلَایَۃٌ عَلَی النَّفْس، اس کی ذات پر ولایت حاصل ہو، یعنی اس کی ذات پر اس کے تصرفات چلتے ہوں، اور یہاں اس کو یہ ولایت حاصل نہیں۔ تو لہٰذا وہ مال وغیرہ تو لے سکتا ہے لیکن وہ قصاص نہیں لے سکتا۔ جبکہ باپ جو ہے وہ قصاص بھی لے سکتا ہے، کیونکہ اس کو وِلَایَۃٌ عَلَی نَفْسِ الْمَعْتُوہِ حاصل ہے، اور نیز وہ مال بھی لے سکتا ہے، صلح بھی کر سکتا ہے، لیکن صلح کے اندر یہ ضروری ہے کہ وہ مال جو لے وہ دیت سے کم نہ ہو۔ کیونکہ اگر دیت سے کم لے گا تو یہ تو معتوہ کے حق کو وہ باطل کر رہا ہے، تو معتوہ کے حق کو وہ باطل نہیں کر سکتا بھائی۔ نیز باپ معاف بھی نہیں کر سکتا یہاں پر، یاد رکھنا، معاف بھی نہیں کر سکتا، کیونکہ معاف کرتا ہے تو یہ دراصل کس کا حق باطل کرتا ہے؟ معتوہ کا، اس ناسمجھ کا حق ضائع کرتا ہے، اور باپ کو اس معتوہ کا حق باطل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہاں مال لے سکتا ہے کیونکہ مال میں اس کو بدل مل رہا ہے، اس کا حق ضائع نہیں ہو رہا، لیکن وہ مال بھی ضروری ہے کہ دیت سے کم نہ ہو بھائی۔

وَیُقِیدُ أَبُو الْمَعْتُوہِ قَاطِعَ یَدِہِ وَقَاتِلَ قَرِیبِہِ وَیُصَالِحُ وَلَا یَعْفُو، اور قصاص لے سکتا ہے ناسمجھ شخص کا باپ اس کے ہاتھ کو کاٹنے والے سے اور اس کے قریبی عزیز کو قتل کرنے والے سے، وَیُصَالِحُ اور باپ صلح بھی کر سکتا ہے، وَلَا یَعْفُو اور معاف نہیں کر سکتا۔ وَلِلْوَصِیِّ الصُّلْحُ فَقَطْ، اور جو وصی ہے اس کا، اس ناسمجھ کا، اس کو صرف صلح کی گنجائش ہے، وہ صلح کر سکتا ہے، اور صلح جیسے باپ دیت سے کم میں صلح نہیں کر سکتا، وصی بھی دیت سے کم میں صلح نہیں کر سکتا۔ أَيْ لَيْسَ لَهُ وِلَايَةُ الْعَفْوِ وَلَا الْقَتْلِ، یعنی وصی کو ولایت حاصل نہیں ہے معاف کرنے کی اور نہ قتل کرنے کی، إِذْ لَيْسَ لَهُ الْوِلَايَةُ عَلَى نَفْسِهِ، کیونکہ وصی کو اس ناسمجھ کی ذات پر ولایت حاصل نہیں ہے، بَلْ عَلَى مَالِهِ، بلکہ اس کے مال پر ولایت حاصل ہے۔ وہ وصی صرف اس کو، اس پر مال جو ہے ضرورت کے مطابق اس پر خرچ کرتا رہے گا، ورنہ تو ناسمجھ دو دنوں میں اپنا سارا مال اڑا دے گا۔ تو مال پر اس کو ولایت ہے، اس کی ذات پر اور جان پر ولایت حاصل نہیں۔ یہ معنی ہے لَيْسَ لَهُ الْوِلَايَةُ عَلَى نَفْسِهِ، وصی کو جو ہے اس معتوہ کی ذات پر ولایت حاصل نہیں ہے، بَلْ عَلَى مَالِهِ، بلکہ اس معتوہ کے مال پر ولایت حاصل ہے۔ وَالْقَتْلُ قِصَاصٌ مِنْ بَابِ الْوِلَايَةِ عَلَى النَّفْسِ، اور قتل جو ہے وہ قصاص ہے جو کہ وِلَایَۃٌ عَلَی النَّفْس

کے قبیل سے ہے، اس باب سے ہے۔ وَلَيْسَ لَهُ وِلَايَةُ الْقِصَاصِ فِي الْأَطْرَافِ، اور وصی کو وِلَايَةُ الْقِصَاصِ فِي الْأَطْرَاف بھی حاصل نہیں ہے، اعضا کے اندر بھی وہ قصاص نہیں لے سکتا۔ کسی نے معتوہ کا ہاتھ کاٹ دیا تو اب وصی جو ہے وہ قصاص کے اندر اس مجرم کا ہاتھ نہیں کٹوا سکتا۔

آگے دیکھیے بھائی: وَالصَّبِيُّ كَالْمَعْتُوهِ، اور بچہ جو ہے وہ معتوہ کی طرح ہے، ناسمجھ کی طرح ہے، تو اس پر ولایت اس کے باپ کو حاصل ہے۔ کس کو؟ اس کے باپ کو۔ یہ معنی ہے وَالصَّبِيُّ كَالْمَعْتُوهِ، اور بچہ جو ہے وہ معتوہ یعنی ناسمجھ کی طرح ہے۔ وَالْقَاضِي كَالْأَبِ، اور قاضی جو ہے وہ باپ کی طرح ہے۔ دیکھو قاضی سب کا خیال رکھتا ہے، انصاف دلاتا ہے، کسی پر کسی کو ظلم کرنے نہیں دیتا، بھرپور کوشش کرتا ہے۔ تو قاضی یہاں پر اس ناسمجھ کا یا اس بچے کا اور کوئی سرپرست نہیں، کوئی نگران نہیں، باپ کا انتقال ہو چکا، وصی بھی کوئی نہیں ہے، یا بچہ ہے نابالغ ہے اس کے باپ کا انتقال ہو چکا ہے، تو اب یہ قاضی جو ہے وہ اس کی طرف سے قصاص وغیرہ لے گا بھائی۔ اور قاضی جو ہے باپ کے درجے میں ہے، یعنی جیسے باپ کو قصاص کا حق تھا اور صلح کا حق تھا، اسی طرح قاضی کو بھی ان چیزوں کا حق ہوگا، جبکہ وصی، وصی کو تو قصاص کا حق نہیں تھا، لیکن یہاں قاضی کو قصاص کا حق ہے، کیونکہ قاضی کس کے درجے میں ہے؟ باپ کے درجے میں۔ یہ معنی ہے وَالْقَاضِي كَالْأَبِ، اور قاضی جو ہے باپ کی طرح ہے، هُوَ الصَّحِيحُ، یہی قول صحیح ہے۔

حَتَّى يَكُونَ لِأَبِيهِ وَوَصِيِّهِ مَا يَكُونُ لِأَبِي الْمَعْتُوهِ وَوَصِيِّهِ، یہاں تک کہ اس بچے کے باپ کے لیے اور اس بچے کے وصی کے لیے وہ ہوگا، یعنی جائز ہوگا، يَكُونُ لِأَبِي الْمَعْتُوهِ وَوَصِيِّهِ، جو کہ معتوہ کے باپ اور معتوہ کے وصی کے لیے جائز ہے۔ بچہ کس کے درجے میں؟ معتوہ، اور معتوہ کے باپ کو جن چیزوں کی گنجائش تھی بچے کے باپ کو بھی ان چیزوں کی گنجائش ہے، اور بچے کا جو وصی ہے وہ معتوہ کے وصی کی طرح ہے، اور معتوہ کے وصی کو تو صرف صلح کی گنجائش تھی، اسی طرح بچے کے وصی کو بھی صرف صلح کی گنجائش ہوگی، وہ قصاص نہیں لے سکتا۔ تو دونوں بالکل ایک جیسے ہیں۔ یہ معنی ہے وَالْقَاضِي بِمَنْزِلَةِ الْأَبِ، اور قاضی جو ہے وہ باپ کے درجے میں ہے، اس کو وہی اختیارات حاصل ہوں گے جو باپ کو حاصل تھے۔[۲]

وَيَسْتَوْفِي الْكَبِيرُ قَبْلَ كِبَرِ الصَّغِيرِ قَوَدًا لَهُمَا۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے ایک شخص کو قتل کر دیا گیا، قتل کر دیا گیا، اور اس کی اولاد بچے زندہ ہیں تو وہ ولیِ قصاص بن گئے۔ وہ قصاص لیں گے بھائی، قصاص لیں گے۔ لیکن اس کے بچوں میں سے دو اگر بالغ ہیں تو دو نابالغ ہیں۔ تو اب کیا کیا جائے گا؟ صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ قصاص سب بچوں کا حق ہے اور صرف بڑے

[۲] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۴۷):** صوتی درس کی قراءت میں «حَتَّى يَكُونَ لِأَبِيهِ وَوَصِيِّهِ مَا يَكُونُ لِأَبِي الْمَعْتُوهِ وَوَصِيِّهِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «حتى يكونَ لأبيهِ ووصيِّهِ ما يكونُ لأبِ المعتوهِ ووصيِّه،» منقول ہے۔

قصاص لے لیں یہ تو انہوں نے چھوٹوں کا حق کیا کر دیا؟ باطل کر دیا۔ تو بڑوں کو چھوٹوں کا حق باطل کرنے کی گنجائش نہیں۔ اور چھوٹے تو ابھی غیر مکلف ہیں، وہ تو قصاص لے نہیں سکتے، لہٰذا انتظار کیا جائے گا۔ جب یہ بالغ ہو جائیں تو پھر اس کے بعد پھر مل کر کیا کریں گے؟ قصاص لیں گے۔ یہ کس کا قول ہے؟ یہ صاحبین کا۔ جبکہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، بڑے جو ہیں ابھی سے قصاص لے لیں گے۔ بڑے کیا کریں؟ ابھی سے ہی قصاص لینا چاہیں تو یہ قصاص لے سکتے ہیں، اس لیے، اس لیے کیونکہ قصاص میں تقسیم نہیں، تجزی نہیں، تقسیم نہیں۔ مثلاً اس شخص نے ان کے باپ کو قتل کیا تھا، تو ان میں سے بھی ہر ایک کو قاتل کو قتل کرنے کا پورا، پوری ولایت حاصل ہے ہر ایک کو۔ یہ نہیں کہ ایک شخص کو قتل کرنا ہے تو چار بھائی ہیں تو ایک کو بھی ربعِ قصاص کی ولایت حاصل ہے، دوسرے کو بھی ربعِ قصاص کی ولایت حاصل ہے، تیسرے کو بھی اور چوتھے کو بھی، کیونکہ چار ہیں تو چار حصے قصاص کے، نہیں نہیں نہیں! وہ فرماتے ہیں کہ قصاص جو ہے یہ تقسیم کو قبول نہیں کرتا۔ کیوں؟ کیونکہ اس قصاص کا سبب جو ہے وہ تقسیم کو قبول نہیں کرتا، اور قصاص کا سبب کیا ہے؟ رشتہ داری، رشتہ داری! وہ رشتہ دار ہیں نا، قریبی رشتہ دار ہیں، بچے سب سے قریبی رشتہ دار ہیں اس کے، تو رشتہ داری قصاص کا سبب ہے، جو سب سے قریب...

رشتہ دار ہوتا ہے، اس کو قصاص کا حق ملتا ہے، وہ ولیِ قصاص بنتا ہے۔ تو یہاں چاروں کیا ہیں؟ قصاص کے اولیا۔ اور کس وجہ سے ہیں؟ رشتہ داری کی وجہ سے۔ اور اس رشتہ داری میں تقسیم نہیں۔ جیسے ایک کامل اس کا بیٹا ہے، دوسرا بھی کامل بیٹا ہے، تیسرا بھی۔ تو یہاں دیکھو اس رشتہ داری میں تقسیم نہیں ہے کہ کچھ رشتہ داری ایک کے ساتھ ہے، کچھ دوسرے کے ساتھ ہے، کچھ تیسرے کے ساتھ ہے، ایسا نہیں ہے۔ ہر ایک کے ساتھ پوری اس میت کی رشتہ داری، پورا تعلق، ہر ایک اس کا بیٹا ہے۔ تو جب قصاص کے سبب میں تقسیم نہیں تو قصاص کے اندر بھی تقسیم نہیں۔ لہٰذا ہر ایک کو کامل قصاص کا حق ملے گا، جیسے ہر ایک اس کا کامل بیٹا ہے، کامل رشتہ دار ہے، تو اسی طرح قصاص کا بھی ہر ایک کو کامل حق ملے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو جب ہر ایک کو کامل حق ہے تو وہ قصاص لے سکتے ہیں اس وقت بھائی۔ اور بچہ، بچے کی طرف سے تو اس وقت قصاص ممکن ہی نہیں ہے، کیونکہ بچہ تو اہل نہیں، اس میں صلاحیت ہی نہیں ہے فی الحال بھائی، فی الحال۔ اس کا تو اعتبار ہی نہیں۔ وہ معاف کرنا چاہے یا قصاص لینا چاہے اس کا اعتبار نہیں، کیونکہ وہ بچہ ہے ابھی، غیر مکلف ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَيَسْتَوْفِي الْكَبِيرُ قَبْلَ كِبَرِ الصَّغِيرِ، اور وصول کرے گا الْكَبِيرُ بڑا یعنی بالغ جو ہے، قَبْلَ كِبَرِ الصَّغِيرِ نابالغ کے بڑا ہونے سے پہلے، نابالغ کے بڑا ہونے سے پہلے۔ صَغِير سے کیا مراد ہے؟ نابالغ۔ وَيَسْتَوْفِي الْكَبِيرُ قَبْلَ كِبَرِ الصَّغِيرِ، اور وصول کرے گا بالغ جو ہے وہ قَبْلَ كِبَرِ الصَّغِيرِ نابالغ کے بڑا ہونے سے پہلے ہی۔ بھائی کیا وصول کرے گا؟ قَوَدًا قصاص۔ کس کو وصول کرے گا؟ قصاص۔ لَهُمَا، یہ جار مجرور آیا نکرہ کے بعد۔ نکرہ کے بعد فعل آئے تو کیا بنتا ہے؟ اس کی صفت۔

اسی طرح نکرہ کے بعد جار مجرور آئے اور کسی سے نہ جڑ رہا ہو تو وہ بھی اس کی صفت بنتا ہے۔ تو یہ لَهُمَا صفت ہے قَوَدًا کی، أَيْ قَوَدًا ثَابِتًا لَهُمَا، وہ قصاص جو ان دونوں کے لیے ثابت ہے۔ ثابت دونوں کے لیے ہے، لیکن ایک صغیر ہے، ایک کبیر ہے، تو کبیر بھی لے سکتا ہے، اس کو وصول کر سکتا ہے۔ اب عبارت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: وَيَسْتَوْفِي الْكَبِيرُ قَبْلَ كِبَرِ الصَّغِيرِ قَوَدًا لَهُمَا، اور بالغ جو ہے وہ وصول کر سکتا ہے نابالغ کے بڑا ہونے سے پہلے ہی ایسے قصاص کو جو دونوں کے لیے ثابت ہے، جس کے دونوں ولی ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، یہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ وَقَالَا، اور صاحبین فرماتے ہیں: لَيْسَ لِلْكَبِيرِ وِلَايَةُ الْقِصَاصِ حَتَّى يُدْرِكَ الصَّغِيرُ الْبُلُوغَ، وہ فرماتے ہیں صاحبین کہ بڑے کے لیے قصاص کی ولایت نہیں ہے یہاں تک کہ يُدْرِكَ الصَّغِيرُ الْبُلُوغَ، یہاں تک کہ وہ نابالغ جو ہے وہ بلوغت کو پہنچ جائے، وہ بلوغت کو پا لے۔ لِأَنَّهُ حَقٌّ مُشْتَرَكٌ، اس لیے کیونکہ یہ قصاص جو ہے یہ ان کا حقِ مشترک ہے، دونوں اس میں شریک ہیں، كَمَا إِذَا كَانَ بَيْنَ الْكَبِيرَيْنِ وَأَحَدُهُمَا غَائِبٌ، جیسے کہ وہ قصاص جو دو بڑوں کے درمیان ہو اور ان میں سے ایک غائب ہو۔

وہ اس مسئلے کو قیاس کرتے ہیں جس میں قصاص کا حق دو بڑوں کو ہے، یعنی دو بالغوں کو ہے۔ کس کو ہے؟ دو بالغوں کو۔ کہ وہ فرماتے ہیں دیکھو جب دو بڑے ہوں، دو ہوں یا چار ہوں، جتنے بھی ہیں، بہرحال دو کو قصاص کا حق ہے، ان دو میں سے ایک موجود ہے ایک موجود نہیں، کہیں سفر پر گیا ہوا ہے، تو کیا یہ ایک قصاص لے سکتا ہے؟ تو وہاں بالاتفاق وہ فرماتے ہیں یہ ایک قصاص نہیں لے سکتا۔ بالاتفاق یہ ایک قصاص نہیں لے سکتا، کیونکہ قصاص دونوں کا مشترکہ حق ہے۔ ہو سکتا ہے وہ جو غائب ہے اس نے معاف کر دیا ہو، یا وہ معاف کر دے آجائے تو، تو اس میں معافی کا بھی احتمال ہے۔ لہٰذا اس دوسرے کا بھی انتظار کیا جائے گا، پھر جب دونوں آجائیں گے تو پھر قصاص لیں گے۔ اگر چار تھے تو جب چاروں آجائیں گے تو قصاص لیں گے۔ اگر دس تھے تو جب دس کے دس آجائیں گے تو پھر کیا کریں گے؟ قصاص لیں گے، کیونکہ وہاں پر جو غائب ہے اس کی طرف سے معاف کرنے کا بھی احتمال ہے، معاف کرنے کا بھی۔ اور یاد رکھو اولیائے قصاص میں سے اگر ایک بھی قصاص کو معاف کر دیتا ہے تو قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یا ایک بھی کہتا ہے مجھے مال دے دو، اتنے پیسے دے دو، تو قصاص، کوئی بھی قصاص پھر نہیں لے سکتا، سب کو پھر مال ہی ملے گا بھائی۔

تو یہاں پر بھی جب دو میں سے ایک غائب ہے اور ہو سکتا ہے اس نے کیا کر دیا ہو؟ معاف کر دیا ہو، تو دوسرا اکیلا قصاص لے سکتا ہے؟ نہیں، پھر تو قصاص ساقط ہو جائے گا۔ تو صاحبین اس بچے کے مسئلے، جس میں ایک بالغ ہے ایک نابالغ ہے، وہ اس کو قیاس کرتے ہیں کس پر؟ دو بڑوں کے مسئلے پر کہ ان میں سے جب ایک غائب ہو تو قصاص حاضر جو ہے وہ قصاص نہیں لے سکتا جب تک وہ غائب بھی نہ آجائے۔ تو یہاں پر بھی یہ قصاص بالغ اور نابالغ دونوں کا حق ہے، لہٰذا انتظار کریں گے، یہ بچہ جب بالغ ہو جائے گا پھر دونوں ہو گئے تو اب دونوں مل کر کیا کریں گے؟ قصاص لے لیں گے۔ یہ صاحبین کی دلیل چل رہی تھی۔

لَهُ، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ إِنَّهُ حَقٌّ لَا يَتَجَزَّأُ لِثُبُوتِهِ بِسَبَبٍ لَا يَتَجَزَّأُ، امام صاحب فرماتے ہیں قصاص ایسا حق ہے جو تقسیم نہیں ہوتا، جو تقسیم کو قبول نہیں کرتا، لِثُبُوتِهِ بِسَبَبٍ لَا يَتَجَزَّأُ، اس لیے کیونکہ یہ قصاص ثابت ہے ایک ایسے سبب کی وجہ سے، لَا يَتَجَزَّأُ، کہ وہ بھی تقسیم کو قبول نہیں کرتا، وَهُوَ الْقَرَابَةُ، اور وہ رشتہ داری ہے، رشتہ داری ہے۔ فَيَثْبُتُ لِكُلٍّ كَامِلًا، تو یہ قصاص ثابت ہو جائے گا لِكُلٍّ۔ كُلّ پر تنوین آئے میں نے بتلایا تھا یہ عوض ہوتی ہے مضاف اِلیہ کا، تو یہ ثابت ہو گا لِكُلِّ وَاحِدٍ بھائی، پس یہ قصاص ثابت ہو گا ان میں سے ہر ایک کے لیے كَامِلًا پورا کا پورا، ہر ایک کے لیے پورا ہو کر ثابت ہو گا۔ كَمَا فِي وِلَايَةِ الْإِنْكَاحِ، جیسے کہ ولایتِ انکاح ہے، نکاح کروانے کی ولایت، کس کی ولایت؟ نکاح کروانے کی۔ جیسے دیکھو بھائی کہ دو بھائی ہیں ان کی ایک بہن ہے، تو اب یہ دونوں بھائی جو بالغ ہیں ان کو اپنی بہن کے نکاح کی ولایت حاصل ہے، دونوں کو اپنی بہن کے نکاح کی ولایت حاصل ہے۔ لہٰذا ایک بھائی ان میں سے سفر پر گیا ہوا ہے اور دوسرے کو کوئی مناسب رشتہ ملتا ہے اور وہ اس کا نکاح کروا دیتا ہے، اس کا نکاح کروا دیتا ہے، تو بالاتفاق کروا سکتا ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ دوسرے کا بھی انتظار کرے، کہیں ایسا نہ ہو جب تک یہ رشتہ ہی ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ تو جیسے یہاں پر نکاح کے معاملے میں دو اولیا میں سے ایک جو ہے وہ دوسرے کے موجودگی اور حاضر ہونے کا انتظار نہیں کرے گا بلکہ کر سکتا ہے خود بھی، تو یہاں پر بھی دو، ایک بالغ ہے اور ایک نابالغ، تو وہ نابالغ کے بالغ ہونے کا انتظار کیے بغیر ہی خود بھی قصاص لے سکتا ہے۔ یہ معنی ہے كَمَا فِي وِلَايَةِ الْإِنْكَاحِ، جیسے کہ نکاح کروانے کی ولایت میں ہے۔

وَاحْتِمَالُ الْعَفْوِ عَنِ الصَّغِيرِ مُنْقَطِعٌ بِخِلَافِ الْكَبِيرَيْنِ، اور باقی آپ نے اس کو قیاس کیا تھا دو بڑے جن کو، جو قصاص کے ولی ہیں اور ان میں سے ایک غائب ہے، اور آپ نے کہا کہ جب تک وہ غائب نہ آ جائے تب تک یہ اکیلا ایک قصاص نہیں لے سکتا۔ کہتے ہیں بھائی وہاں تو جو غائب تھا اس کی طرف سے معاف کرنے کا احتمال موجود ہے، اس لیے اس کا انتظار کیا جائے گا۔ اور یہاں بچے سے تو معاف کرنے کا کوئی احتمال نہیں، بچے سے تو معاف کرنا مُنْقَطِع ہے، کیونکہ اس وقت وہ بچہ ہے، نہ اس کے معاف کرنے کا اختیار نہ اس کے قصاص لینے کا، نہ اس کے معاف کرنے کا اعتبار نہ اس کے قصاص لینے کا اعتبار۔ تو یہاں تو معاف کرنے کا احتمال ہی نہیں ہے، جبکہ وہاں بڑے کے اندر تو معاف کرنے کا احتمال تھا، اس لیے اس کا انتظار کیا جائے گا۔ لیکن بچے کے اب نابالغ، بچے کے بالغ ہونے کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ یہ معنی ہے وَاحْتِمَالُ الْعَفْوِ عَنِ الصَّغِيرِ مُنْقَطِعٌ، اور معاف کرنے کا جو احتمال ہے نابالغ سے مُنْقَطِعٌ وہ منقطع ہے، وہ معاف نہیں کر سکتا، بِخِلَافِ الْكَبِيرَيْنِ، بخلاف کس کے؟ دو بڑوں کے کہ ان میں سے ایک کے معاف کرنے کا احتمال موجود ہے۔ بھائی بچے سے معاف کرنے کا احتمال منقطع ہے کیوں؟ کیونکہ وہ مکلف نہیں، وہ اہل نہیں، اہل نہیں، اس میں صلاحیت ہی نہیں ہے فی الحال بھائی، فی الحال۔

وَيُقْتَصُّ فِي جُرْحٍ ثَبَتَ عِيَانًا أَوْ بِحُجَّةٍ وَجَعَلَ الْمَجْرُوحَ ذَا فِرَاشٍ حَتَّى مَاتَ۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے: ایک شخص نے دوسرے شخص پر کوئی ضرب، زخم لگا دیا اس کو، زخم لگا دیا، اور اس زخم کی وجہ سے وہ جو زخمی تھا وہ بستر سے لگ گیا، یعنی

اب وہ اسی طرح بستر پر بیمار ہی پڑا رہا اس زخم کی وجہ سے، اور پھر چار چھ مہینے بعد جا کر اس کا انتقال ہوا، درمیان میں وہ ٹھیک بھی نہیں ہوا، ٹھیک ہی نہیں ہوا۔ تو کہتے ہیں اس صورت میں اس قاتل سے قصاص لیا جائے گا جس نے زخم لگایا تھا۔ اس نے زخم لگایا تھا لیکن یہ زخم کہاں تک لے گیا اس کو؟ موت تک لے گیا، تو گویا اس نے اس کی جان لے لی ہے، تو لہٰذا اس کو بھی کیا کیا جائے گا؟ قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ یہاں پر لوگوں کے سامنے اس نے یہ زخم لگایا ہو، سب کو پتہ ہو کہ اس نے کیا کیا تھا، اس نے اس کو زخمی کیا تھا، یا کوئی گواہ وغیرہ موجود ہوں بھائی۔

یہ معنی ہے وَيُقْتَصُّ فِي جُرْحٍ ثَبَتَ عِيَانًا أَوْ بِحُجَّةٍ، اور قصاص لیا جائے گا فِي جُرْحٍ ایسے زخم میں—دیکھو ثَبَتَ اس کے بعد فعل آرہا ہے—قصاص لیا جائے گا فِي جُرْحٍ ایسے زخم میں ثَبَتَ عِيَانًا جو کھلے بندوں ثابت ہو، عِيَانًا یعنی لوگوں کے سامنے، کھلی آنکھوں، سب کے سامنے، یعنی سب دیکھنے والے تھے۔ وَيُقْتَصُّ فِي جُرْحٍ ثَبَتَ عِيَانًا، اور قصاص لیا جائے گا ایسے زخم میں جو ثابت ہو عِيَانًا یعنی کھلی آنکھوں، یعنی سب کے سامنے ثابت ہو، أَوْ بِحُجَّةٍ یا گواہوں کے ذریعے ثابت ہو، وَجَعَلَ الْمَجْرُوحَ ذَا فِرَاشٍ، اور اس زخم نے بنا دیا زخمی شخص کو ذَا فِرَاشٍ بستر والا، یعنی اس کے بعد وہ بستر سے ہی لگ گیا، وہ ٹھیک نہیں ہوا، تو حَتَّى مَاتَ یہاں تک کہ مر گیا۔ تو بتلا دیا کہ پیچھے وَيُقْتَصُّ، اس زخم میں کیا کیا جائے گا؟ قصاص لیا جائے گا۔

وَفِي قَتْلٍ بِحَدِّ مَرٍّ، لَا فِي قَتْلٍ بِظَهْرِهِ أَوْ عُودِهِ أَوْ مُثَقَّلٍ أَوْ خَنْقٍ أَوْ تَغْرِيقٍ أَوْ سَوْطٍ وَلَا فِي ضَرْبِهِ فَمَاتَ۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے بھائی: یہاں آگے ذکر آرہا ہے مَرٌّ، مَرٌّ۔ وَفِي قَتْلٍ بِحَدِّ مَرٍّ۔ حَدٌّ کہتے ہیں دھار کو، دھار، کسی چیز لوہے، چھری اور تلوار کی جو تیز دھار ہوتی ہے۔ اور مَرٌّ، مَرٌّ کہتے ہیں بھائی بیلچے کو، بیلچہ۔ بیلچہ وہ جو مٹی کو اٹھانے کے لیے اور کھودنے کے لیے ایک آلہ بنا ہوتا ہے کہ لکڑی کا دستہ ہوتا ہے اور اگلا حصہ خوب بڑا اور کھلا سا ہوتا ہے، جیسے چمچ کے اگلا حصہ کھلا بڑا ہے نا، اسی طرح وہ بیلچے کا بھی بڑا حصہ لوہے کا ہوتا ہے اور اس کے ذریعے مٹی اٹھا کر ایک سے دوسری طرف ڈالی جاتی ہے بھائی۔ تو اس کو بیلچہ کہتے ہیں۔ ایک کدال بھی ہے، کدال۔ کدال جو ہے اس کا بھی دستہ لکڑی کا ہوتا ہے لیکن کدال کے دونوں طرف نوک بنی ہوتی ہے بھائی، بہت سخت نوک ہوتی ہے، اور کہیں پر زمین وغیرہ بہت سخت ہو تو پھر وہاں کدال کے ذریعے کھدائی کی جاتی ہے۔ تو یہ جو مَرٌّ آیا، یہ اس بیلچے کو بھی کہتے ہیں جس کا اگلا منہ کھلا ہے، بڑا ہے، اور یہ اس کدال کو بھی کہتے ہیں جس کی دونوں جانبیں انتہائی نوک دار ہوتی ہیں۔ تو یہاں جو مَرٌّ آیا اس سے بیلچہ مراد ہے، توجہ ہے؟ بیلچہ مراد ہے، کدال نہیں، کدال نہیں، کیونکہ آگے ذکر آرہا ہے کہ بیلچے کی پشت سے کسی کو اگر قتل کیا، بیلچے کی پشت یعنی پچھلے حصے سے، وہ جو لوہا ہے نا لوہے کا ایک سامنے والا حصہ ہوگا، اس کے پیچھے والا حصہ ہوگا، اگر اس کی پشت سے، وہ پشت کسی کو ماری اور اس کے ذریعے قتل کیا تو اس میں قصاص نہیں، اس میں قصاص نہیں۔ بعض فرماتے ہیں قصاص ہے، بعض فرماتے ہیں قصاص نہیں، لیکن متن میں بتلا رہے ہیں کہ اس میں قصاص نہیں ہے۔ تو یہ بیلچے میں ہی ہوگا نا، بیلچے میں، کدال میں نہیں۔

بھائی کدال کے تو دونوں کنارے، دونوں جانبیں اتنی خوفناک ہیں کہ اس میں تو پھر کسی کے بچنے کا چانس نہیں، چاہے اگلی طرف سے مارے چاہے پچھلی جانب سے مارے۔ تو یہاں مَرٌّ سے کیا مراد ہے؟ بیلچہ مراد ہے بھائی، بیلچہ۔[۳]

وَفِي قَتْلٍ بِحَدِّ مَرٍّ، اس کا تعلق اسی سے ہے وَيُقْتَصُّ پیچھے جو آیا، اور قصاص لیا جائے گا فِي قَتْلٍ ایسے قتل میں بِحَدِّ مَرٍّ جو بیلچے کے کنارے سے، یعنی اس کی دھار سے ہو۔ بیلچے کا کنارہ، بھائی اگلا حصہ چوڑا ہے تو اس چوڑے حصے کے بھی کنارے ہیں یا نہیں لوہے کے؟ وہ دھار سی بن گئی، اور میں نے بتلایا تھا لوہا تو مطلقاً کس کے حکم میں ہے؟ اسلحے کے حکم میں ہے، کیونکہ لوہا کسی کو مارا جائے تو وہ بچتا نہیں۔ تو یہاں پر بھی وہ بیلچہ دیکھو بالکل اگر بظاہر دیکھا جائے وہ تو بڑا چوڑا سا ہے، لیکن ہے تو لوہا، تو اس کے اگر دھار والے حصے سے کسی کو مارا یعنی کنارے سے، تو پھر اس صورت میں قصاص آئے گا۔ یہ معنی ہے وَفِي قَتْلٍ بِحَدِّ مَرٍّ، اور قصاص لیا جائے گا فِي قَتْلٍ ایسے قتل میں بِحَدِّ مَرٍّ جو بیلچے کی دھار کے ذریعے ہو۔ لَا فِي قَتْلٍ بِظَهْرِهِ، نہ کہ اس قتل میں جو کہ بیلچے کی پشت کے ذریعے ہو۔ بیلچے کے پچھلے حصے سے کسی کو مارے اس میں قصاص نہیں ہے۔ أَوْ عُودِهِ، عود لکڑی کو کہتے ہیں، بیلچے کی لکڑی سے کسی کو مارا یعنی اس کا جو دستہ ہے اس کے ذریعے کسی کو مارا، تو اس میں بھی قصاص...

نہیں۔

أَوْ مُثَقَّلٍ، مُثَقَّل کہتے ہیں بوجھ والی چیز، وزنی، کسی بوجھ والی وزنی چیز کے ذریعے کسی کو مارا تو اس میں بھی قصاص نہیں ہے۔ أَوْ مُثَقَّلٍ یا کسی وزنی چیز میں۔ أَوْ خَنْقٍ، خنق کہتے ہیں گلا گھونٹنا، کسی کا گلا دبانا۔ تو کسی نے کسی کا گلا دبا کر اس کو مار ڈالا تو اس میں قصاص نہیں ہے۔ أَوْ خَنْقٍ یا گلا گھونٹنے میں۔ أَوْ تَغْرِيقٍ، ایک ہے غرق، غرق کا معنی خود ڈوبنا، اور تغریق کا معنی ہے دوسرے کو ڈبونا بھائی، تو تغریق یعنی دوسرے کو پانی میں ڈبویا تو اس میں بھی قصاص نہیں۔ ہاں احوال، اور احوال کو دیکھا جائے گا بھائی کہ اس قاتل کا ارادہ کیا تھا، ارادہ کیا تھا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ ہاں اگر ارادہِ قتل ہو تو پھر صاحبین وغیرہ فرماتے ہیں کہ وہاں بھی قصاص آئے گا۔ أَوْ سَوْطٍ یا کوڑے کے ذریعے بھائی، چمڑے کا بنا ہوا کوڑا، اس کے ذریعے، ایسا کوڑا، وَلَا فِي ضَرْبِهِ کہ پے در پے لگائیں، مسلسل لگائیں اس کی ضربیں۔ مسلسل کیا فِي ضَرْبِهِ اس کی ضربوں میں، یعنی مسلسل ضربیں لگائیں۔ ایک شخص دوسرے کو کوڑے سے مارتا ہے، اب کوڑے سے تو کوئی شخص مرتا نہیں ہے، لیکن وہ اس کو مسلسل کوڑے سے مارتا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا، تو اس میں قصاص نہیں ہے۔ یہ سارے جو پیچھے آیا تھا نا لَا فِي قَتْلٍ بِظَهْرِهِ، یہ سارے اس لَا کے تحت ہیں، ان سب صورتوں میں قصاص نہیں ہے۔ أَوْ سَوْطٍ وَلَا فِي ضَرْبِهِ کہ مسلسل اس کی ضربیں لگائیں، فَمَاتَ پس وہ شخص مر گیا۔

---

[۳] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۴۸):** صوتی درس کی قراءت میں «لَا فِي قَتْلٍ بِظَهْرِهِ أَوْ عُودِهِ أَوْ مُثَقَّلٍ أَوْ خَنْقٍ أَوْ تَغْرِيقٍ أَوْ سَوْطٍ وَلَا فِي ضَرْبِهِ فَمَاتَ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «لا في قتلٍ بظهرِهِ أو عوده، أو مثقل، أو خَنْق، أو تغريق، أو سوط والى في ضربهِ فمات،» منقول ہے۔

الْمَرُّ بِالْفَارِسِيَّةِ كَلَنْدْ، مَرٌّ جو ہے اس کو فارسی میں کلند کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ کلند۔ وہی بیلچے کو بھی کہتے ہیں یہ کلند، اور وہ کدال جو ہے اس کو بھی کہتے ہیں، لیکن یہاں کیا مراد ہے؟ بیلچہ مراد ہے، کدال نہیں۔ کدال کے تو چاہے اگلے حصے سے کسی کو مارے چاہے پچھلے حصے سے، وہ اتنی وزنی ہوتی ہے کہ اس کے بعد کوئی بچ نہیں سکتا، تو اس میں قصاص آئے گا۔ وَإِنْ أَصَابَهُ بِظَهْرِهِ فَلَا قِصَاصَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ۔ بھائی اس بارے میں یاد رکھیے: اگر بیلچے کی پشت سے کسی کو مارا تو پھر قصاص آئے گا یا نہیں؟ تو اوپر متن میں بتا دیا کہ اس سے قصاص نہیں آئے گا۔ دراصل اس میں امام صاحب سے تین روایتیں ہیں، تین روایتیں ہیں، اور ایک روایت یہ کہ اس میں قصاص نہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ بیلچے کی پشت سے بھی مارا—پہلی روایت کیا کہ بیلچے کی پشت سے مارا تو قصاص نہیں—دوسری روایت ہے کہ بیلچے کی پشت سے مارا تو قصاص ہے، کیونکہ کس کے ذریعے مارا ہے اس نے؟ لوہے کے ذریعے، لوہا تو کسی کو چھوڑتا نہیں ہے بھائی۔ اور تیسری روایت یہ ہے کہ اگر اس کے ذریعے دوسرے کو زخمی کیا ہے پھر تو قصاص آئے گا، اور زخمی نہیں کیا یعنی خون وغیرہ نہیں نکلا اور ویسے مر گیا تو پھر قصاص نہیں ہے۔ یہ تین روایتیں ہیں امام صاحب سے، تینوں ذکر کریں گے۔

کہتے ہیں: وَإِنْ أَصَابَهُ بِظَهْرِهِ، اور اگر وہ اس کو پہنچے یعنی اس نے اس کو مارا بِظَهْرِهِ اس کی پشت کے ذریعے، فَلَا قِصَاصَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، تو کوئی قصاص نہیں ہے امام صاحب کے نزدیک۔ وَعَنْهُ، اور امام صاحب سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ وُجُوبُ الْقِصَاصِ نَظَرًا إِلَى الْآلَةِ، کہ قصاص ثابت ہو گا آلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہ کس کے ذریعے مارا ہے اس نے؟ لوہے کے ذریعے، اور وہ تو آلہِ قتل ہے۔ وَعَنْهُ، اور امام صاحب سے تیسری روایت یہ ہے کہ أَنَّهُ يَجِبُ إِذَا جَرَحَ، کہ قصاص ثابت ہو گا جب وہ اس کو زخمی کرے اس بیلچے کی پشت کے ذریعے۔ وَعِنْدَهُمَا وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمُ اللهُ يَجِبُ وَإِنْ أَصَابَهُ بِعُودِ الْمَرِّ، اور صاحبین اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قصاص ثابت ہے وَإِنْ أَصَابَهُ بِعُودِ الْمَرِّ اگرچہ وہ اس کو مارے بیلچے کی لکڑی کے ذریعے۔ وہ فرماتے ہیں بیلچے کی لکڑی کے ذریعے بھی کسی کو مارے تو اس میں بھی قصاص ہے۔ فَإِنْ كَانَ مِمَّا يُطِيقُهُ الْإِنْسَانُ فَلَا قِصَاصَ بِالِاتِّفَاقِ، وَإِنْ كَانَ مِمَّا لَا يُطِيقُهُ فَفِيهِ خِلَافٌ كَمَا مَرَّ۔ اگر وہ ضرب ایسی تھی کہ انسان جس کی طاقت رکھتا ہے یعنی برداشت کر لیتا ہے، جیسے کسی کو لاٹھی سے مارو، لاٹھی سے تو کوئی نہیں مرتا، تو جیسے انسان لاٹھی کو برداشت کر لیتا ہے، اسی طرح اگر یہ وہ ضرب ایسی تھی کہ مطلب اس کی بیلچے کی لکڑی کے ذریعے کسی کو مارا، ایسی ضرب ہے جسے ہر آدمی آرام سے برداشت کر لے گا، اس سے مرے گا نہیں، لیکن وہ مر گیا، وہ مر گیا، تو پھر تو بالاتفاق قصاص نہیں۔ اور اگر ایسی ضرب لگائی جس کی انسان برداشت نہیں کر سکتا، اس ضرب لگنے کے بعد وہ بچتا نہیں ہے، تو پھر اس صورت میں اختلاف ہے بھائی جو پیچھے گزر گیا بھائی: امام صاحب فرماتے ہیں قصاص نہیں، صاحبین اور امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ قصاص ہے۔

یہ معنی ہے فَإِنْ كَانَ مِمَّا يُطِيقُهُ الْإِنْسَانُ فَلَا قِصَاصَ بِالِاتِّفَاقِ، اگر وہ ضرب ایسی ضربوں میں سے تھی کہ جس کی طاقت

رکھتا ہے انسان یعنی جس کو انسان برداشت کر لیتا ہے، فَلَا قِصَاصَ بِالِاتِّفَاقِ تو بالاتفاق قصاص نہیں ہے، وَإِنْ كَانَ مِمَّا لَا يُطِيقُهُ فَفِيهِ خِلَافٌ كَمَا مَرَّ، اور اگر وہ ایسی ضربوں میں سے ضرب تھی کہ جس کو انسان، جس کی طاقت نہیں رکھتا، اس کو برداشت نہیں کر سکتا، فَفِيهِ خِلَافٌ تو اس میں اختلاف ہے كَمَا مَرَّ جیسے کہ گزر گیا۔

وَفِي الْخَنْقِ وَالتَّغْرِيقِ لَا قِصَاصَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ خِلَافًا لِغَيْرِهِ، اور گلا گھونٹنے میں اور پانی میں غرق کر کے، ڈبو کر مارنے میں کوئی قصاص نہیں امام صاحب کے نزدیک، خِلَافًا لِغَيْرِهِ بخلاف امام صاحب کے علاوہ کے، یعنی صاحبین، امام شافعی رحمہ اللہ کے وغیرہ کے نزدیک اس میں بھی قصاص ہے۔ وَفِي مُوَالَاةِ السَّوْطِ لَا قِصَاصَ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ۔ وَالَى يُوَالِي مُوَالَاةً کا معنی ہے مسلسل، پے در پے کام کرنا، مسلسل کوئی کام کرنا۔ وَفِي مُوَالَاةِ السَّوْطِ، اور کوڑے کی موالات میں یعنی مسلسل کوڑے سے کسی کو مارا تو اس میں لَا قِصَاصَ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ، اس میں قصاص نہیں ہے ہمارے نزدیک بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں اس میں بھی قصاص ہے۔

آگے دیکھیے بھائی: وَلَا فِي قَتْلِ مُسْلِمٍ مُسْلِمًا ظَنَّهُ مُشْرِكًا عِنْدَ الْتِقَاءِ الصَّفَّيْنِ، بَلْ يُكَفِّرُ وَيَدِي۔ وَلَا فِي قَتْلِ مُسْلِمٍ مُسْلِمًا، اور قصاص نہیں ہے کسی مسلمان کے قتل کر دینے میں، کوئی مسلمان قتل کر دیتا ہے مُسْلِمًا کسی دوسرے مسلمان کو، ایسے مسلمان کو ظَنَّهُ مُشْرِكًا جس کے بارے میں اس نے گمان کیا کہ شاید یہ مشرک ہے عِنْدَ الْتِقَاءِ الصَّفَّيْنِ صفوں کے مڈبھیڑ کے وقت، صفوں کے آمنا سامنا کرتے وقت۔ بھائی جنگ، قدیم زمانے میں جنگ کیسے ہوتی تھی کہ دشمن بھی اپنی صفیں بنا لیتا تھا اور اس طرف سے مسلمان بھی اپنی صفیں بنا لیتے اور پھر اس کے بعد پھر جنگ شروع ہوتی تھی۔ تو یہ دیکھا دو صفیں آمنے سامنے ہو گئیں، جنگ کرنے لگے ہیں، جنگ کر رہے ہیں۔ اب ایک شخص جو تھا وہ جنگ میں ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کو یہ سمجھ کر مار ڈالا کہ شاید یہ بھی مشرک ہے، یہ بھی مشرک ہے، تو کیا اس میں قصاص آئے گا؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، قصاص نہیں آئے گا بھائی۔ ہاں کفارہ بھی دینا پڑے گا اور دیت بھی آئے گی، دیت دینا پڑے گی۔

یہ معنی ہے: وَلَا فِي قَتْلِ مُسْلِمٍ مُسْلِمًا ظَنَّهُ مُشْرِكًا عِنْدَ الْتِقَاءِ الصَّفَّيْنِ۔ الْتِقَاءِ الصَّفَّيْنِ سے مراد ہے صفوں کا ملنا، آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرانا، صفوں کی مڈبھیڑ ہونا، ایک دوسرے سے لڑنا بھائی، یعنی جنگ مراد ہے، جنگ۔ وَلَا فِي قَتْلِ مُسْلِمٍ مُسْلِمًا، اور قصاص نہیں ہے کسی ایک مسلمان کے دوسرے ایسے مسلمان کو قتل کر دینے کی صورت میں ظَنَّهُ مُشْرِكًا کہ جس کے بارے میں اس نے یہ گمان کیا تھا کہ یہ مشرک ہے عِنْدَ الْتِقَاءِ الصَّفَّيْنِ صفوں کے ٹکراؤ کے وقت یعنی جنگ کے وقت۔ بَلْ يُكَفِّرُ وَيَدِي، بلکہ وہ کفارہ دے گا وَيَدِي اور دیت دے گا۔ میں نے بتایا تھا دِيَةٌ اصل میں کیا تھا؟ وِدْيٌ، وِدْيٌ، تو وَدَى يَدِي اس کا فعل ہے، دیت دینا۔ تو یہ معنی ہے بَلْ يُكَفِّرُ وَيَدِي، بلکہ وہ کفارہ دے گا وَيَدِي اور دیت دے گا، أَيْ يُعْطِي الدِّيَةَ یعنی دیت دے گا۔

وَفِي مَوْتٍ بِفِعْلِ نَفْسِهِ وَزَيْدٍ وَسَبُعٍ وَحَيَّةٍ ثُلُثُ الدِّيَةِ عَلَى زَيْدٍ۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ زید، مثلاً اس کو، وہ مر گیا، مارا گیا، لیکن اس کے قتل میں تین، تین قسم کے افعال پائے گئے: ایک تو اس نے خود اپنے آپ کو مارا، ایک اس کو ایک دوسرے

شخص نے بھی زخمی کیا تھا، ایک اس کو شیر نے بھی زخمی کیا تھا، اور ایک اس کو سانپ نے بھی کاٹا۔ تو سانپ کا کاٹنا بھی آیا اس کے مرنے میں، سانپ کے کاٹنے کا بھی دخل آیا، شیر کے کاٹنے کا بھی، درندے کے کاٹنے کا بھی دخل آیا، اس اگلے ایک تیسرے شخص نے اس کو زخمی کر دیا اور زیادہ وہ بھی آیا، اور پھر اس نے خود بھی اپنے خود کشی کر لی، اپنے آپ کو مار لیا۔ تو یہ چاروں فعل اکٹھے ہو گئے۔ تو وہ جو زخمی کرنے والا ہے، اس پر کتنی دیت آئے گی؟ زخمی، کہتے ہیں اس پر ثلثِ دیت آئے گی، کتنی آئے گی؟ ثلث، دیت کا تیسرا حصہ آئے گا۔ بھائی کیوں، تیسرا حصہ کیوں آئے گا؟ تو آپ کو شرح میں بتلائیں گے۔ کہتے ہیں دیکھو افعال تو بے شک چار ہیں، کتنے افعال ہیں؟ چار افعال ہیں، لیکن اگر ان کی آپ قسمیں بنائیں تو قسمیں تین بنتی ہیں۔

ایک فعل ہے درندے کا اور سانپ کا، نہ دنیاوی اعتبار سے یہ معتبر ہے نہ اخروی اعتبار سے۔ کیا کوئی سزا وغیرہ ہو گی سانپ وغیرہ کو یا اس کو؟ نہیں نہیں، کاٹ دیا وہ ختم ہو گیا۔ تو دنیاوی اعتبار سے بھی ان کا فعل ہدر، اس کا کوئی اعتبار نہیں، اور اخروی اعتبار سے بھی ہدر۔ تو دنیاوی اعتبار سے بھی ہدر، کہ کوئی دیت وغیرہ ان پر نہیں آسکتی، اور اخروی اعتبار سے بھی ہدر ہے ان کا، رائیگاں ہے فعل۔ تو یہ ایک قسم ہو گئی، دونوں کا فعل ایک ہی قسم۔ اور پھر ایک اس زید کا اپنا فعل ہے، اس نے اپنے آپ کو قتل کیا یا زخمی کیا، تو یاد رکھو یہ دنیاوی اعتبار سے تو رائیگاں ہے، کیا زید پر کوئی دیت وغیرہ آئے گی؟ نہیں آئے گی، قصاص آئے گا؟ نہیں، وہ تو ختم ہو گیا، مر گیا۔ تو دنیاوی اعتبار سے یہ فعل رائیگاں، لیکن اخروی اعتبار سے رائیگاں نہیں، آخرت میں مواخذہ ہو گا، پکڑ ہو گی۔ تو یہ دوسری قسم کا فعل۔ پہلی قسم کا فعل کیا تھا؟ سانپ اور درندے کا تھا، دنیاوی اعتبار سے بھی رائیگاں اور اخروی اعتبار سے بھی رائیگاں۔ دوسرا فعل ہے زید کا اپنا، دنیاوی اعتبار سے تو رائیگاں لیکن اخروی اعتبار سے رائیگاں نہیں ہے۔ اور تیسرا اس شخص کا فعل ہے جس نے اس کو زخمی کیا، وہ دنیاوی اعتبار سے بھی رائیگاں نہیں، دنیاوی سزا بھی ہے، اس پر دیت وغیرہ آئے گی، اور اخروی اعتبار سے بھی اس کا مواخذہ ہو گا بھائی۔ تو یہ تین قسم کے فعل ہو گئے، تو تین قسم کے افعال میں اس شخص کا کتنا حصہ ہے؟ تیسرا حصہ۔ اس شخص کا تیسرا حصہ ہے تو اس پر ثلثِ دیت آجائے گی۔

وَفِي مَوْتٍ بِفِعْلِ نَفْسِهِ، اور ایسی موت میں، ایسی موت میں بِفِعْلِ نَفْسِهِ کہ جو اس قاتل کے اپنے فعل سے ہو، وَزَيْدٍ اور زید کے فعل سے ہو، وَسَبُعٍ وَحَيَّةٍ اور—سَبُع درندے کو کہتے ہیں، حَيَّةٌ سانپ کو کہتے ہیں—وَسَبُعٍ وَحَيَّةٍ اور درندے اور سانپ کے عمل سے ہو، ثُلُثُ الدِّيَةِ عَلَى زَيْدٍ، ثلثِ دیت آئے گی زید پر۔ لِأَنَّهُ مَاتَ بِثَلَاثَةِ أَفْعَالٍ، اس لیے کیونکہ وہ شخص جو ہے مر گیا تین افعال کی وجہ سے۔ فَفِعْلُ السَّبُعِ وَالْحَيَّةِ جِنْسٌ وَاحِدٌ، تو درندے اور سانپ کا جو فعل ہے وہ ایک ہی جنس ہے، لِكَوْنِهِ هَدَرًا مُطْلَقًا، کیونکہ وہ مطلقاً ہدر ہے، مطلقاً یعنی جس میں کوئی قید نہیں، صرف دنیا کے اعتبار سے ہدر نہیں، صرف آخرت کے اعتبار سے ہدر نہیں، بلکہ مطلقاً دنیا اور آخرت دونوں کے اعتبار سے وہ ہدر ہے، رائیگاں ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ تو یہ معنی ہے کہ ان کا جو فعل ہے وہ مطلقاً ہدر ہے، جب دونوں کا فعل مطلقاً ہدر ہے تو وہ ایک ہی جنس کے ہو

گئے، تو اس کو ایک ہی شمار کریں گے۔ وَفِعْلُ نَفْسِهِ جِنْسٌ آخَرُ، اور اس شخص کا اپنا فعل جو ہے وہ ایک اور جنس ہے، وَهُوَ أَنَّهُ هَدَرٌ فِي الدُّنْيَا لَا فِي الْآخِرَةِ، وہ دنیاوی اعتبار سے تو رائیگاں ہے دنیا میں تو کوئی سزا نہیں، لَا فِي الْآخِرَةِ، لیکن آخرت کے اعتبار سے وہ رائیگاں نہیں، آخرت میں مواخذہ ہوگا۔ یہ دوسری جنس ہو گئی۔ وَفِعْلُ زَيْدٍ جِنْسٌ آخَرُ، اور زید کا فعل اور جنس ہے کیونکہ وہ دنیاوی اعتبار سے بھی مواخذہ ہے اور آخرت میں بھی مواخذہ ہے۔ فَيَجِبُ ثُلُثُ الدِّيَةِ، تو لہٰذا ثلثِ دیت واجب ہو گی، دیت کا تیسرا حصہ زید پر واجب ہو گا۔

أَقُولُ: یہاں سے صاحبِ شرح وقایہ اعتراض کر رہے ہیں۔ اعتراض کا خلاصہ یہ ہے: وہ فرماتے ہیں ثلثِ دیت نہیں آنی چاہیے، ربعِ دیت آنی چاہیے، چوتھا حصہ، کیونکہ چار افعال ہیں: سانپ کا، درندے کا، اس شخص کا اپنا اور زید کا۔ تو چار افعال کا دخل ہے اس کی موت میں تو زید پر ربعِ دیت آنی چاہیے، ثلثِ دیت نہیں آنی چاہیے۔ أَقُولُ میں کہتا ہوں—یہ صاحبِ شرح وقایہ فرما رہے ہیں علامہ صدر الشریعہ کہ میں کہتا ہوں—يَجِبُ أَنْ يُنْظَرَ إِلَى مَا هُوَ مُؤَثِّرٌ فِي الْمَوْتِ، کہ واجب ہے کہ دیکھا جائے اس چیز کی طرف، اس فعل کی طرف جو مؤثر ہے اس کی موت میں، اس چیز کی طرف دیکھا جائے جو مؤثر ہے۔ بھائی ہو سکتا ہے درندے نے تھوڑا سا زخمی کیا ہو اس سے تو کوئی نہیں مرتا، یا سانپ ایسا ہے جو زہریلا نہیں ہے اس سے آدمی نہیں مرتا، یعنی کہنے کا مطلب یہ ہے ان کا کہ یہاں پر...

بھی غور کیا جائے گا کہ موت کے اندر کیا کیا چیزیں مؤثر ہوئیں بھائی۔ تو کہتے ہیں یہ واجب ہے أَنْ يُنْظَرَ إِلَى مَا هُوَ مُؤَثِّرٌ فِي الْمَوْتِ، کہ دیکھا جائے ان افعال کی طرف جو کہ مؤثر ہیں موت کے اندر، وَيُنْظَرَ إِلَى اتِّحَادِهِ وَتَعَدُّدِهِ، اور پھر دیکھا جائے ان کے اتحاد اور ان کے تعدد کی طرف کہ کون کون سا فعل متحد ہے اور کس میں تعدد ہے یعنی تعداد ہے، الگ الگ ان کو شمار کریں۔ تو پھر ان کے اتحاد اور تعدد پر بھی نظر کی جائے۔ فَالسَّبُعُ وَالْحَيَّةُ اثْنَانِ، پس درندہ اور سانپ دو ہیں، وَلَا اعْتِبَارَ فِي ذٰلِكَ لِكَوْنِهِمَا هَدَرًا، اور اس میں کوئی اعتبار نہیں ہے اس کے ہدر ہونے کا۔ اس میں کوئی اعتبار نہیں ہے ان کے ہدر ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ بھائی توجہ سے، یہ عبارت ذرا مشکل ہے۔ یہ جو لِكَوْنِهِمَا، یہ لام علت کے لیے نہیں ہے۔ علت بتلانے کے لیے لام علت بتلانے کے لیے آتا ہے نا: ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيبِ، میں نے اس کی پٹائی کی کس لیے؟ ادب سکھانے کے لیے۔ تو یہ لام بظاہر شبہ لگتا ہے شاید یہ تعلیل کے لیے علت بیان کر رہا ہے، اور اس صورت میں ترجمہ ہی غلط ہو جائے گا۔ وَلَا اعْتِبَارَ فِي ذٰلِكَ، اور اس میں کوئی اعتبار نہیں ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے—دیکھو میں لام کو تعلیلیہ بناؤں گا—اور اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس قتل میں لِكَوْنِهِمَا هَدَرًا، اس وجہ سے کہ یہ دونوں ہدر ہیں، یہ دونوں ہدر ہیں، ان کا اس قتل میں کوئی اعتبار... پھر عبارت دیکھو: وَلَا اعْتِبَارَ فِي ذٰلِكَ، اور اس کا کوئی اعتبار نہیں، اس کے دو ہونے کا کوئی اعتبار نہیں اس وجہ سے کہ وہ ہدر ہیں، تو معنی یہ ہو گیا کہ ان کے فعل کو تو شمار ہی نہیں کرنا چاہیے۔ بظاہر یہی معنی لگ رہا ہے حالانکہ وہ یہ نہیں کہنا چاہ رہے۔ وہ کہنا یہ چاہ رہے ہیں کہ یہ دو ہیں تو ان کو دو ہی شمار کرو، ہدر ہونے کی وجہ سے ایک نہ شمار کرو۔ دونوں ہدر ہیں اس لیے آپ کیا کر رہے ہیں ان کو ایک ہی شمار کر رہے ہیں؟ نہیں، ہدر ہونے کی وجہ سے ان کو ایک شمار نہ کرو۔

اب دیکھو وہ ترجمہ کیسے بنتا ہے: یہ جو لِكَوْنِهِمَا ہے نا اس میں جو لام ہے اس کو تعلیل کے لیے نہیں بنائیں گے، بلکہ یہ لام متعلق ہے اعْتِبَار سے، کس سے متعلق ہے؟ اعْتِبَار سے۔ اب دیکھو ترجمہ: وَلَا اعْتِبَارَ فِي ذٰلِكَ لِكَوْنِهِمَا هَدَرًا، اور کوئی اعتبار نہیں ہے اس قتل میں ان کے ہدر ہونے کا، ان کے ہدر ہونے کا اس قتل میں کوئی اعتبار نہیں، یعنی ہدر ہونے کی وجہ سے ان کو ایک آپ شمار کر رہے ہیں اس کا کوئی اعتبار نہیں، بلکہ اس کا دو ہی کا اعتبار کرنا پڑے گا۔ پھر سنیں: وَلَا اعْتِبَارَ فِي ذٰلِكَ لِكَوْنِهِمَا هَدَرًا، اور کوئی اعتبار نہیں ہے ان کا ہدر ہونے میں، ہدر ہونے میں اس کا کوئی اعتبار نہیں کہ آپ ان کو کیا شمار کر لیں؟ جی نہیں بات سمجھ میں آئی میرا خیال۔ وَلَا اعْتِبَارَ فِي ذٰلِكَ لِكَوْنِهِمَا هَدَرًا، پہلے اس کا ترجمہ کرو لِكَوْنِهِمَا هَدَرًا ان کے ہدر ہونے کا، ان کا ہدر ہونا، ان کا، ان دونوں کا ہدر ہونا، وَلَا اعْتِبَارَ فِي ذٰلِكَ اس کا اس میں کوئی اعتبار نہیں ہے، ان کے دو ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے یعنی اس کا اعتبار اس میں نہیں کیا جائے گا بھائی۔ پھر سنو: وَلَا اعْتِبَارَ فِي ذٰلِكَ لِكَوْنِهِمَا هَدَرًا، اور ان دونوں کا ہدر ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، ان دونوں کے... بھائی آپ نے دونوں کو ایک کیوں بنایا؟ کیوں بنایا دونوں کو ایک؟ کیونکہ آپ کہہ رہے تھے دونوں ہدر ہیں، دونوں... ہم کہتے ہیں دونوں کے ہدر ہونے کا اس میں کوئی اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ اب بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے وَلَا اعْتِبَارَ فِي ذٰلِكَ لِكَوْنِهِمَا هَدَرًا، اور ان دونوں کے ہدر ہونے کا اس میں اعتبار نہیں ہو گا۔

وَيَجِبُ قَتْلُ مَنْ شَهَرَ سَيْفًا عَلَى الْمُسْلِمِينَ وَلَا شَيْءَ بِقَتْلِهِ۔ بھائی یاد رکھو، یاد رکھو: کوئی شخص مسلمانوں پر شہر میں تلوار اٹھاتا ہے، تلوار اٹھاتا ہے، تو یاد رکھو وہ مَحْفُوظُ الدَّم نہ رہا، کوئی بھی اس کو قتل کر دے جائز ہے بھائی۔ توجہ ہے؟ کوئی شخص کسی تلوار کی بات نہیں، اسلحے کی بات ہے، کوئی شخص لوگوں پر، مسلمانوں پر اسلحہ نکالتا ہے تو وہ یاد رکھیے وہ اس کو قتل کرنا واجب ہو گیا تاکہ اس کے شر کو ختم کیا جائے۔ وجہ یہ کہ یہاں ہم اس کو موقع نہیں دیں گے۔ اگر آپ موقع دیں گے، تلوار تو جس کو ایک دفعہ لگ جائے وہ بچتا ہے؟ تلوار تو غَيْرُ مُلْبِس ہے۔ آگے لفظ آ رہا ہے مُلْبِس ابھی سے سمجھ لو: أَلْبَسَ يُلْبِسُ کا معنی ہوتا ہے ٹھہرانا کسی کو۔ اور تلوار کیا ہے؟ کسی کو ٹھہراتی ہے، بچنے دیتی ہے یا فوراً ہی ختم کر دیتی ہے؟ تلوار یا اسلحہ آدمی کے وہ غَيْرُ مُلْبِس ہے، وہ کسی کو ٹھہراتا نہیں، فوراً ہی ختم کر دیتا ہے۔ لہٰذا یہاں موقع نہیں دیں گے۔ فوراً کیا کریں گے؟ اگر اس نے تلوار اٹھائی ہے، وہ کسی کے لیے تلوار اس نے نکال لی ہے، فوراً وہ واجب القتل ہو گیا۔ لیکن یہ یاد رکھو، اگر اس نے تلوار واپس ڈال لی اس کے بعد کسی نے اس کو قتل کیا تو اس کو بھی قصاصاً قتل کریں گے۔ جب اس نے تلوار نکالی تھی وہ واجب القتل ہو گیا تھا، لیکن جب اس نے تلوار واپس ڈال لی تو اب وہ مَحْفُوظُ الدَّم بن گیا، اب اس کو کوئی قتل کرے گا تو قصاص آئے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ بس ضابطہ یہ ہے لوگوں کی جان و مال محفوظ ہو، اور تلوار اور اسلحہ کوئی نکالتا ہے وہاں تو لمحوں کے اندر وہ کیا کرے گا لوگوں کو ختم کرے گا، تو جیسے ہی اسلحہ نکالا اور آپ کو معلوم ہے کہ یہ اسلحہ اس نے کس لیے نکالا ہے؟ قتل کے لیے یا مارنے کے لیے نکالا ہے، تو پھر قتل کریں۔ یہ نہیں کہ بیچارہ ویسے ہی تلوار اپنی چیک کر رہا تھا اور دوسرا تلوار سے... نہیں نہیں، بھائی باقی احوال کو بھی دیکھا جائے گا۔ جب پتہ ہو

یہ تلوار اس نے لڑائی میں نکالی ہے اور اب یہ کیا کر دے گا اگر اس کو روکا نہ گیا تو یہ ایک دو کو قتل کر دے گا۔

تو کہتے ہیں: وَيَجِبُ قَتْلُ مَنْ شَهَرَ سَيْفًا عَلَى الْمُسْلِمِينَ وَلَا شَيْءَ بِقَتْلِهِ۔ شَهَرَ کا معنی ہے تلوار اٹھانا، تلوار نکالنا۔ وَيَجِبُ قَتْلُ مَنْ شَهَرَ سَيْفًا عَلَى الْمُسْلِمِينَ، اور واجب ہے قتل کرنا مَنْ اس شخص کو شَهَرَ سَيْفًا جس نے تلوار اٹھائی، جس نے تلوار نکالی عَلَى الْمُسْلِمِينَ مسلمانوں پر، وَلَا شَيْءَ بِقَتْلِهِ اور اس کے قتل پر کچھ بھی نہیں ہے، یعنی دیت وغیرہ یا قصاص یا دیت وغیرہ یعنی مال کچھ بھی نہیں آئے گا۔

اب اس پر صاحبِ شرح وقایہ اعتراض کریں گے اور اس کا جواب دیں گے۔ اعتراض یہ، اعتراض یہ کہ بھائی جب مصنف نے کہہ دیا وَيَجِبُ قَتْلُ مَنْ کہ اس شخص کا قتل واجب ہے، قتل کیا ہے؟ واجب، تو اسی سے پتہ چل گیا جب قتل شرعاً واجب ہے معلوم ہوا اس کے قتل سے تو کوئی مال نہیں آئے گا۔ تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی وَلَا شَيْءَ بِقَتْلِهِ؟ یہ تو تکرارِ محض ہے۔ یہ تو پچھلے یہ بھائی جب قتل واجب ہو گیا تو اس کا مطلب یہ ہے شریعت حکم دے رہی ہے کہ اس کو کیا کر دو؟ قتل کر دو، تو پھر شریعت تو جرمانہ تو نہیں ڈالے گی نا آپ کے اوپر۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو پھر یہ وَلَا شَيْءَ بِقَتْلِهِ کہنے کا کیا معنی؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ نہیں بھائی بعض اوقات کسی کا قتل واجب بھی ہو جائے گا لیکن وہاں پر بھی، وہاں پر بھی مال آ سکتا ہے، مال آ سکتا ہے۔ مثلاً کوئی وحشی اونٹ، وحشی ہو گیا بھائی، اور اب وہ کسی پر حملہ آور ہوتا ہے شہر کے اندر۔ اونٹ جب وحشی ہو جائے، بے قابو ہو جائے تو پھر بڑا خوفناک بن جاتا ہے بھائی، وہ انسان کو قتل کیے بغیر چھوڑتا ہی نہیں ہے۔ تو اگر کوئی ایسا اونٹ وحشی ہوتا ہے اور کوئی شخص اس کو قتل کر دیتا ہے، تو اب اس کو دیکھو اس کا قتل کرنا ضروری ہے، لیکن پھر بھی اس اونٹ کو قتل کرنے پر اس اونٹ کی قیمت دینا پڑے گی مالک کو۔ تو دیکھو مال آ گیا یا نہیں؟ قتل بھی واجب تھا اور پھر بھی کیا آ گیا؟ مال۔ اسی طرح اور بعض صورتوں میں قتل بھی واجب ہو جاتا ہے لیکن مال بھی آ جاتا ہے۔ تو اس کے اس شبہے کو مصنف نے دور کر دیا کہ نہیں بھائی یہاں مال وغیرہ نہیں آئے گا۔

تو کہتے ہیں: فَإِنْ قُلْتَ اگر آپ یہ کہیں لَمَّا قَالَ جب مصنف نے یہ فرما دیا کہ يَجِبُ قَتْلُ مَنْ شَهَرَ جس نے تلوار نکالی اس کا قتل واجب ہے، جب مصنف نے یہ فرما دیا، فَمَا الِاحْتِيَاجُ إِلَى قَوْلِهِ تو مصنف کو کیا ضرورت تھی اپنے اس قول کی کہ لَا شَيْءَ بِقَتْلِهِ اس کے قتل سے کچھ نہیں آئے گا؟ قُلْتُ تو میں کہتا ہوں يَحْتَمِلُ أَنْ يَجِبَ قَتْلُهُ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا قتل واجب ہو دَفْعًا لِلشَّرِّ اس کے شر کو دور کرنے کے لیے، وَمَعَ ذٰلِكَ يَجِبُ بِقَتْلِهِ شَيْءٌ اور اس کے باوجود اس کے قتل سے کوئی چیز بھی واجب ہو جائے۔

وَلَا فِي مَنْ شَهَرَ سِلَاحًا عَلَى رَجُلٍ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فِي مِصْرٍ أَوْ فِي غَيْرِهِ، أَوْ شَهَرَ عَلَيْهِ عَصًا لَيْلًا فِي مِصْرٍ أَوْ نَهَارًا فِي غَيْرِهِ، فَقَتَلَهُ الْمَشْهُورُ عَلَيْهِ۔ مَشْهُورٌ عَلَيْهِ، جس پر تلوار نکالی گئی، جس پر تلوار... وہ ہے مَشْهُورٌ عَلَيْهِ، اس پر تلوار نکالی گئی ہے۔ ترجمے پر غور کر رہے ہیں آپ بھائی؟ مَشْهُورٌ عَلَيْهِ۔ شَهَرَ کا معنی ہے تلوار نکالنا، تو مَشْهُورٌ عَلَيْهِ جس پر تلوار نکالی گئی

ہے۔

صورتِ مسئلہ یہ ہے: ایک شخص نے شہر میں کسی پر اسلحہ نکالا، چاہے دن کو نکالے اسلحہ چاہے رات کو نکالے، اور ایک شخص ہے شہر سے باہر ویرانے میں کسی پر اسلحہ اٹھاتا ہے، اسلحہ نکالتا ہے دن میں یا رات میں۔ کہتے ہیں بھائی چاہے شہر میں دن کو اسلحہ نکالے چاہے رات کو اسلحہ نکالے، چاہے ویرانے میں دن کو نکالے رات کو نکالے، ابھی ہم نے آپ کو بتا دیا کہ جو کسی دوسرے پر اسلحہ نکالے اس کا قتل واجب ہو جاتا ہے اور اس میں پھر قصاص نہیں آتا۔ قصاص بھی نہیں آئے گا اور اس میں کوئی مال وغیرہ بھی نہیں آئے گا، اس لیے کیونکہ یہ اسلحہ ہے یہ غَيْرُ مُلْبِس ہے۔ یہ تو ایک وار کسی کو لگ گیا وہ زندہ نہیں بچے گا بھائی، اس کو تو آدمی برداشت ہی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا فوری کیا کرو؟ اس کو قتل کرو قبل اس کے کہ وہ اوروں کو قتل کرے بھائی۔

ہاں اگر کوئی شخص لاٹھی اٹھاتا ہے، کسی پر لاٹھی اٹھاتا ہے اس کو مارنے کے لیے، تو شہر میں ایک صورت ہے دن میں، ایک ہے رات کے وقت، رات کے وقت۔ کہتے ہیں بھائی دن کے وقت اگر کوئی کسی پر لاٹھی اٹھائے تو پھر اس کو قتل کرنا جائز نہیں، کیونکہ لوگ مدد کو پہنچ سکتے ہیں اور لاٹھی سے انسان فوراً مرتا بھی نہیں، تو لوگ فوراً ایک آدھ لگنے تک لوگ پہنچ جائیں گے، آس پاس جتنے کھڑے ہوں گے پہنچ جائیں گے دن کے وقت۔ ہاں رات کے وقت، رات کے وقت یہ نہ ہو کسی کے آنے سے پہلے اس کو قتل نہ کر دے وہ لاٹھی، رات کو تو جب تک لوگ آئیں گے گھروں میں سوئے ہوئے ہیں دو چار منٹ یا پانچ منٹ تو لگ جائیں گے، جب تک تو وہ لاٹھی سے اس کو قتل کر دے گا، تو اس صورت میں مَشْهُورٌ عَلَيْهِ جس پر اس نے لاٹھی اٹھائی ہے جس کو مار رہا ہے اس کے لیے اس کو قتل کرنا جائز ہے، اس کے لیے اس کو، کیونکہ وہ بھی اس کی جان گویا لے، اس کو جان کا خطرہ ہے، تو جب جان کا خطرہ ہے تو اس کے لیے بھی جائز ہے کہ اس کو کیا کر دے جس نے لاٹھی اٹھائی ہے؟ قتل کر دے۔

وَلَا فِي مَنْ شَهَرَ سِلَاحًا عَلَى رَجُلٍ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا، اور قصاص نہیں آئے گا فِي مَنْ اس شخص کے میں شَهَرَ سِلَاحًا جس نے اسلحہ نکالا، اسلحہ اٹھایا عَلَى رَجُلٍ کسی شخص پر، کسی مرد پر، لَيْلًا أَوْ نَهَارًا رات کے وقت یا دن کے وقت، فِي مِصْرٍ شہر میں أَوْ فِي غَيْرِهِ یا چاہے غیر شہر میں ہو، شہر کے علاوہ باہر کہیں ہو، دن یا رات جب بھی اسلحہ نکالے اس کے قتل میں قصاص نہیں۔ أَوْ شَهَرَ عَلَيْهِ عَصًا لَيْلًا فِي مِصْرٍ، یا شَهَرَ عَلَيْهِ عَصًا کسی نے دوسرے پر لاٹھی اٹھائی لَيْلًا فِي مِصْرٍ رات کے وقت شہر میں، أَوْ نَهَارًا فِي غَيْرِهِ یا دن کے وقت غیر شہر میں یعنی ویرانے میں کہیں جنگل وغیرہ میں، فَقَتَلَهُ الْمَشْهُورُ عَلَيْهِ تو اس لاٹھی کو اٹھانے والے کو قتل کر دیا الْمَشْهُورُ عَلَيْهِ اس شخص نے جس پر لاٹھی اٹھائی گئی تھی، تو اس میں بھی قصاص نہیں ہے۔ وَلَا فِي مَنْ شَهَرَ۔ ہاں بھائی اس میں اس کو قصاص سے نہ جوڑیں، اس کو پیچھے جو آیا نا وَلَا شَيْءَ بِقَتْلِهِ، اس کے قتل سے کچھ بھی نہیں آئے گا، توجہ ہے؟ اس کے قتل سے کچھ نہیں آئے گا یعنی مال وغیرہ کچھ نہیں آئے گا، اسی سے اس

کو بھی جوڑ دیں: وَلَا فِي مَنْ شَهَرَ سِلَاحًا عَلَى رَجُلٍ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا، اور وہ شخص جس نے رات کو یا دن کے وقت شہر میں یا غیر شہر میں کسی پر اسلحہ اٹھایا، اس کے قتل میں بھی کچھ نہیں ہے۔ توجہ ہے؟ تو وَلَا فِي مَنْ شَهَرَ کو کس سے جوڑیں؟ وَلَا شَيْءَ بِقَتْلِهِ کے ساتھ جوڑیں کہ اس کے قتل میں بھی کچھ نہیں ہے۔

آگے دیکھیے بھائی: السِّلَاحُ إِذَا شَهَرَهُ فَلَا شَيْءَ بِقَتْلِهِ مُطْلَقًا، دیکھیے یہاں انہوں نے بھی اسی سے جوڑا ہے فَلَا شَيْءَ بِقَتْلِهِ۔ السِّلَاحُ إِذَا شَهَرَهُ، کہ اسلحہ جب اس کو کسی نے نکالا فَلَا شَيْءَ بِقَتْلِهِ مُطْلَقًا تو اس کے قتل پر کوئی چیز نہیں ہے مطلقاً۔ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُلْبِسٍ، اس لیے کیونکہ اسلحہ چھوڑنے والا نہیں، اسلحہ کسی کو، یعنی کوئی زیادہ پھر زندہ نہیں رہتا اگر وہ اسلحے سے کسی پر وار کر دے۔ وَالْعَصَا إِذَا شَهَرَهُ لَيْلًا فِي مِصْرٍ أَوْ نَهَارًا فِي غَيْرِهِ فَلَا شَيْءَ بِقَتْلِهِ أَيْضًا، اور لاٹھی جب اس کو اٹھایا رات کے وقت شہر میں أَوْ نَهَارًا فِي غَيْرِهِ یا دن کے وقت فِي غَيْرِهِ أَيْ فِي غَيْرِ مِصْرٍ شہر کے علاوہ میں کہیں ویرانے، جنگل وغیرہ میں، تو فَلَا شَيْءَ بِقَتْلِهِ أَيْضًا تو یہاں پر بھی...

اس شخص کو قتل کر دینے میں کچھ نہیں آئے گا۔ لِأَنَّهُ وَإِنْ كَانَ مُلْبِسًا، اس لیے کیونکہ لاٹھی اگرچہ وہ چھوڑنے والی ہے، وہ ٹھہرانے والی ہے، انسان کچھ دیر زندہ رہتا ہے، فوراً تو نہیں مرتا ایک آدھ وار سے، ایک آدھ مرتبہ مارنے سے، لیکن فَفِي اللَّيْلِ فِي الْمِصْرِ لَا يَلْحَقُهُ الْغَوْثُ، لیکن رات کے وقت شہر میں لَا يَلْحَقُهُ الْغَوْثُ اس تک مدد نہیں پہنچے گی، مدد نہیں پہنچ سکے گی۔ شہر میں بھی رات کا وقت ہے لوگ سوئے ہوئے ہیں، تو اب مدد پہنچنے میں وقت لگے گا اور جب تک وہ لاٹھی سے اس کی جان لے لے گا۔ اور دن کے وقت قتل نہیں کر سکتا، کوئی کسی پر لاٹھی اٹھائے تو دوسرا اس کو قتل کر دے؟ نہیں بھائی، دن میں تو سب لوگ موجود ہیں، ایک آدھ وہ لگائے گا جب تک لوگ مدد کے لیے پہنچ جائیں گے۔ تو یہ معنی ہے فَفِي اللَّيْلِ فِي الْمِصْرِ لَا يَلْحَقُهُ الْغَوْثُ، تو رات کے وقت شہر میں جو ہے اس کو مدد نہیں پہنچ سکے گی، وَكَذَا فِي النَّهَارِ فِي غَيْرِ الْمِصْرِ، اور اسی طرح دن کے وقت جبکہ شہر کے علاوہ میں ہو یعنی باہر ہو، وہاں پر بھی وہ اس کو قتل کر سکتا ہے کیونکہ وہاں کوئی مدد کو نہیں پہنچے گا، دن میں بھی نہیں پہنچ سکے گا کوئی مدد کو۔

وَلَا عَلَى مَنْ تَبِعَ سَارِقَهُ الْمُخْرِجَ سَرِقَتَهُ لَيْلًا فَقَتَلَهُ۔ صورت یہ ہے: ایک شخص کی آنکھ کھل گئی رات کے وقت، اس نے دیکھا کہ چور جو ہے اس کے گھر سے سامان سمیٹ کر دیوار پھلانگ کر نکل رہا ہے۔ یہ اس کے پیچھے بھاگا۔ اب وہ اس کا سامان لے کر بھاگ رہا ہے، سامان لے کر۔ تو اگر، اگر سامان اس سے کسی طرح چھڑوا سکتا ہے شور وغیرہ کر کے یا آواز دے کر کسی طریقے سے بھی، تو پھر تو اس کے لیے اس چور کا قتل جائز نہیں۔ لیکن اگر یہ دیکھ رہا ہے کہ اب اگر میں نے اس کو آواز وغیرہ سے بھی یہ نہیں رک رہا اور میرا مال لے کر اب نکلنے ہی والا ہے، میرے ہاتھ سے نکل جائے گا، میرا سارا مال لے جائے گا، تو اس کے لیے اس چور کو قتل کرنا جائز ہے۔

یہ معنی ہے: وَلَا عَلَى مَنْ تَبِعَ سَارِقَهُ، اور اس شخص پر بھی کچھ نہیں ہے جس نے پیچھا کیا سَارِقَهُ اپنے چور کا، الْمُخْرِجَ وہ چور جو نکالنے والا ہے کس چیز کو؟ سَرِقَتَهُ، یہ مفعول ہے مُخْرِجَ کے لیے، سَرِقَةٌ، یہ سَرِقَةٌ چوری کو بھی کہتے ہیں اور سَرِقَةٌ یہ چوری شدہ مال کو بھی کہتے ہیں، مالِ مسروق کو بھی کہتے ہیں، تو یہاں یہ وہ چوری شدہ مال مراد ہے۔ الْمُخْرِجَ جو نکالنے والا ہے، وہ چور جو نکالنے والا ہے، کیا چیز نکال کر لے جا رہا ہے؟ کہتے ہیں سَرِقَتَهُ اس کا چوری شدہ مال۔ چوری شدہ مال کو جو نکالنے والا چور ہے اس کا اس نے پیچھا کیا لَيْلًا رات کے وقت، فَقَتَلَهُ تو پس اس کو قتل کر دیا، تو اس پر بھی کچھ نہیں۔

هٰذَا إِذَا لَمْ يَتَمَكَّنْ مِنَ الِاسْتِرْدَادِ إِلَّا بِالْقَتْلِ، کہتے ہیں یہ اس وقت ہے جب وہ شخص قادر نہ ہو مِنَ الِاسْتِرْدَادِ واپس لینے پر إِلَّا بِالْقَتْلِ مگر قتل کے ذریعے۔ بھائی اگر قتل کے بغیر بھی وہ مال اس سے واپس لے سکتا ہے پھر قتل کی اجازت نہیں ہے بھائی۔ ہاں اگر قتل کے بغیر مال نہیں لے سکتا پھر قتل جائز ہے۔ کیوں؟ دلیل: لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بوجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک کے: قَاتِلْ دُونَ مَالِكَ، کہ تو لڑائی کر، تو قتال کر اپنے مال کے لیے۔ قَاتِلْ، تو لڑائی کر، امر کا صیغہ ہے۔ دُونَ، دُونَ ظرف ہے بھائی ظرف، لیکن یہ کبھی سبب بیان کرنے کے لیے بھی آتا ہے، یہاں سببیت کے لیے ہے، دُونَ کس لیے ہے؟ سبب بیان کرنے کے لیے۔ اور مَالِكَ، مَالِكَ یہ ملکیت سے نہیں ہے، یہ اصل میں ہے مَالٌ، مَال، اور یہ کاف ضمیر ہے، مَالِكَ یعنی تیرا مال، مَالِكَ تیرا مال۔ ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ قَاتِلْ دُونَ مَالِكَ، تو قتال کر اپنے مال کی وجہ سے۔

یہ ایک صحابی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ—اس زمانے میں تو سفر جنگلوں میں ہوتے تھے بھائی—یا رسول اللہ اگر کوئی شخص مجھ سے میرا مال چھیننے لگے تو میں کیا کروں؟ تو حضور نے فرمایا: قَاتِلْ دُونَ مَالِكَ، اپنے مال کے لیے تم قتال کرو، مقاتلہ کرو۔ تو کہا اگر میں مارا گیا یا رسول اللہ پھر؟ تو فرمایا تم جنت میں ہو گے۔ پھر پوچھا اور اگر اس کو میں نے مار دیا یا رسول اللہ جو مال چھیننا چاہتا تھا؟ تو فرمایا وہ جہنم میں ہو گا، آگ میں ہو گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ حدیث میں آیا ہے۔ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حضور نے فرمایا ہے: قَاتِلْ دُونَ مَالِكَ، کہ تو قتال کر اپنے مال کے دفاع میں، تو قتال کر، لڑائی کر، جنگ کر اپنے مال کے دفاع میں۔ یاد رکھیے اپنے مال کے دفاع میں اگر کسی کو کوئی قتل کر دے تو وہ شہید ہے، جس کا مال تھا وہ کیا ہے؟ شہید ہے، یہ حدیث میں آتا ہے بھائی۔

وَكَذَا إِذَا قَتَلَهُ قَبْلَ الْأَخْذِ إِذَا قَصَدَ أَخْذَ مَالِهِ وَلَا يَتَمَكَّنُ مِنْ دَفْعِهِ إِلَّا بِالْقَتْلِ۔ اور اسی طرح اگر اس نے اس کو قتل کر دیا قَبْلَ الْأَخْذِ لینے سے پہلے ہی۔ چور آیا بھائی گھر میں، ابھی اس نے سامان اٹھایا نہیں، اٹھایا نہیں اور تو اس نے پہلے ہی اس کو قتل کر دیا۔ کہتے ہیں بھائی اگر تو وہ اس کو ویسے بھگا سکتا تھا پھر تو یہ قتل جائز نہیں اس کے لیے، لیکن اگر وہ جانتا تھا کہ یہ بغیر قتل کے میں اس کو اب بھگا نہیں سکتا، مثلاً دو ہیں یا تین ہیں، تو پھر اس کے لیے قتل جائز ہو جائے گا۔ یہ معنی ہے وَكَذَا اور اسی طرح حکم ہے یعنی کچھ نہیں آئے گا إِذَا قَتَلَهُ قَبْلَ الْأَخْذِ جب اس نے قتل کر دیا اس چور کو قَبْلَ الْأَخْذِ

سامان لینے سے پہلے ہی، إِذَا قَصَدَ أَخْذَ مَالِهِ جب اس چور نے ارادہ کیا ہو اس کے مال کو لینے کا۔ مال لینے لگا ہے تب قتل کر رہا ہے اور کوئی صورت نہیں اس کو بھگانے کی، بھائی وہ تو دو ہیں یا تین ہیں وہ تو اگر انہیں میرے جاگنے کا پتہ لگ گیا وہ تو مجھے بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے، تو پھر اس کے لیے قتل کرنا جائز ہے۔ ہاں یہ نہیں کہ اگلے دن وہ چور اس کو بازار میں نظر آیا تو اس کو گولی مار دیتا ہے، نہیں بھائی اب اس کو بھی قتل کیا جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ اسلام ہر ایک کی حفاظت کا ضامن ہے بھائی۔ ہاں جہاں اور کوئی صورت ہی نہ ہو تو پھر وہاں پھر گنجائش ہو گی۔ تو کہتے ہیں وَلَا يَتَمَكَّنُ مِنْ دَفْعِهِ إِلَّا بِالْقَتْلِ، اور یہ قادر نہیں ہے اس کو دور کرنے پر سوائے قتل کے، قتل کے علاوہ ان کو بھگانے کے، دور کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

وَكَذَا إِذَا دَخَلَ رَجُلٌ دَارَ رَجُلٍ بِالسِّلَاحِ فَغَلَبَ عَلَى ظَنِّ صَاحِبِ الدَّارِ أَنَّهُ جَاءَ لِقَتْلِهِ، يَحِلُّ قَتْلُهُ. اور اسی طرح ہے یعنی کچھ واجب نہیں ہو گا إِذَا دَخَلَ رَجُلٌ دَارَ رَجُلٍ جب ایک آدمی دوسرے آدمی کے گھر میں داخل ہو گیا بِالسِّلَاحِ اسلحے کے ساتھ، فَغَلَبَ عَلَى ظَنِّ صَاحِبِ الدَّارِ تو صاحبِ دار، جو گھر والا ہے، اس کا یہ غالب گمان ہو گیا أَنَّهُ جَاءَ لِقَتْلِهِ کہ یہ تو اس کو قتل کرنے کے لیے آیا ہے، تو يَحِلُّ قَتْلُهُ اس کے لیے اس کا قتل جائز ہے، جو اسلحہ لے کر گھر میں گھسا ہے اس کو قتل کرنا جائز ہے۔ اور یاد رکھنا اس میں سارے دلائل دیکھے جائیں گے، صرف اسلحے والا دیکھے اور اس کو اسلحہ دیکھ کر قتل کر دے نہیں، جب دیکھے غالب گمان ہو اب اور کوئی بچاؤ کی صورت نہیں اور یہ قتل کرنا چاہتا ہے، پھر ہی مال وغیرہ نہیں آئے گا بھائی۔

کہتے ہیں: وَقُتِلَ بِقَتْلِ مَنْ شَهَرَ عَصًا نَهَارًا فِي مِصْرٍ۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص پر دن کے وقت شہر میں لاٹھی اٹھائی، دوسرے نے اس لاٹھی اٹھانے والے کو قتل کر دیا۔ کہتے ہیں اس کو بھی قصاص میں قتل کریں گے، کیونکہ یہاں دن کا وقت ہے، لوگ اس کو بچانے والے موجود ہیں، اور لاٹھی اٹھائی ہے بھائی لاٹھی سے تو کوئی مرتا نہیں ہے، جب تک لوگ مدد کو پہنچ جائیں گے۔ یہ معنی ہے وَقُتِلَ اور قتل کیا جائے گا بِقَتْلِ مَنْ اس شخص کے قتل سے، مَنْ شَهَرَ عَصًا جس نے لاٹھی اٹھائی تھی نَهَارًا دن کے وقت فِي مِصْرٍ شہر میں۔ اس کے قتل کی وجہ سے قُتِلَ قتل کیا جائے گا، اس کے بِقَتْلِ مَنْ اس کے قتل کی وجہ سے قُتِلَ کیا کیا جائے گا؟ قتل کیا جائے گا۔ تو یہ معنی ہے وَقُتِلَ بِقَتْلِ مَنْ شَهَرَ عَصًا نَهَارًا فِي مِصْرٍ، اور قتل کیا جائے گا اس شخص کے قتل کی وجہ سے بھی جس نے دن کے وقت شہر کے اندر کسی پر لاٹھی اٹھائی تھی۔ فَإِنَّ الْعَصَا مُلْبِسٌ، کیونکہ عصا جو ہے وہ مُلْبِس ہے، وہ چھوڑنے والا ہے، ٹھہرانے والا ہے، اس سے کوئی فوراً مرتا نہیں۔ وَالظَّاهِرُ لُحُوقُ الْغَوْثِ نَهَارًا فِي الْمِصْرِ، اور ظاہر یہ بھی ہے کہ مدد جو ہے اس کو پہنچ جائے گی دن کے وقت شہر میں، لہٰذا قتل جائز نہیں تھا، اور اس نے قتل کیا تو اس کو بھی قتل کریں گے۔ فَلَا يُفْضِي إِلَى الْقَتْلِ غَالِبًا، لہٰذا یہ پہنچانے والا نہیں قتل تک غالباً، خِلَافًا لَهُمَا بخلاف صاحبین کے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں اس کو بھی، اس کو قتل کرنا جائز۔ لیکن فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے، دن میں کوئی کسی پر لاٹھی اٹھائے تو اس کو قتل کرنا جائز نہیں، اور اگر اس نے اس

کو قتل کر دیا تو قصاص میں اس کو بھی قتل کیا جائے گا۔

وَيُقْتَلُ مَنْ شَهَرَ سَيْفًا فَضَرَبَ وَلَمْ يَقْتُلْ فَرَجَعَ فَقَتَلَهُ آخَرُ۔ یہ وہ صورت آگئی جو میں پہلے بیان کر چکا: ایک آدمی نے دوسرے پر تلوار نکالی دن کے وقت بھائی، اور اس کو تلوار ماری لیکن وہ مرا نہیں، زخمی ہو گیا، بچ گیا، اور پھر اس نے تلوار واپس ڈالی اور دوڑ لگا دی، بھاگ نکلا وہاں سے، تو جب واپس بھاگ گیا تو بس اب وہ محفوظ الدم ہو گیا۔ جب حملہ آور تھا تلوار نکالی تھی وہ محفوظ الدم نہ رہا تھا، اس کا قتل واجب ہو گیا تھا، لیکن جب اس نے اسلحہ واپس رکھا اور دوڑ لگا دی اب وہ پھر کیا بن گیا؟ محفوظ الدم بن گیا۔ اب اگر اس کو کوئی قتل کرتا ہے بھاگتے ہوئے یا بھاگنے کے بعد، تو اس پر قصاص آئے گا۔

کہتے ہیں وَيُقْتَلُ مَنْ شَهَرَ سَيْفًا، اور قتل کیا جائے گا مَنْ اس شخص کو... وَيُقْتَلُ مَنْ شَهَرَ۔ بِقَتْلِ مَنْ ہونا چاہیے بھائی، بِقَتْلِ مَنْ، بِقَتْلِ مَنْ، عبارت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ اچھا: وَيُقْتَلُ مَنْ شَهَرَ سَيْفًا. بھائی یہ عبارت درست نہیں، یہ يُقْتَلُ نہیں ہونا چاہیے، يُقْتَلُ بِقَتْلِ مَنْ، وَيُقْتَلُ بِقَتْلِ مَنْ،یہاں بِقَتْلِ کا لفظ درمیان میں ہونا چاہیے۔ ورنہ تو کیا بنے گا؟ وَيُقْتَلُ مَنْ شَهَرَ، قتل کیا جائے گا جس نے تلوار نکالی، حالانکہ اس کی بات نہیں ہو رہی، اس نے تو تلوار نکالی وار کیا اور پھر بھاگ نکلا اور کسی کو قتل بھی اس نے نہیں کیا، تو عبارت درست... بلکہ یوں کریں آپ اس يُقْتَلُ کے بجائے اس یا کے بجائے اس کو با کر دیں: وَبِقَتْلِ مَنْ شَهَرَ۔ اب عبارت ٹھیک ہو گئی: وَبِقَتْلِ مَنْ شَهَرَ۔ اس بِقَتْلِ کا عطف ہو جائے گا پیچھے آیا تھا وَقُتِلَ بِقَتْلِ مَنْ، وَقُتِلَ بِقَتْلِ مَنْ، تو یہاں پر بھی عبارت کیسے بن جائے گی: وَقُتِلَ بِقَتْلِ مَنْ شَهَرَ سَيْفًا۔ اب عبارت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ يُقْتَلُ نہیں ہے یہ بِقَتْلِ مَنْ ہے، یہ با ہے با بھائی۔

اور قتل کیا جائے گا بِقَتْلِ اس شخص کے قتل کی وجہ سے بھی مَنْ شَهَرَ سَيْفًا جس نے تلوار نکالی، فَضَرَبَ پھر اس نے تلوار ماری وَلَمْ يَقْتُلْ اور قتل نہیں کیا اس نے، زخمی کیا یا لگی ہی نہیں، لیکن فَرَجَعَ پھر وہ واپس لوٹ گیا فَقَتَلَهُ آخَرُ تو اس کو پھر کسی دوسرے نے قتل کر دیا، تو اس کے قتل کی وجہ سے، اس کے قتل کی وجہ سے بھی دوسرے کو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ جی، تو یہ بِقَتْلِ مَنْ ہونا چاہیے بھائی۔

فَإِنَّهُ إِذَا ضَرَبَ وَلَمْ يَقْتُلْ وَرَجَعَ، اس لیے کیونکہ جب اس شخص نے، وہ جو جس نے پہلے تلوار نکالی تھی، اس نے جب تلوار ماری وَلَمْ يَقْتُلْ اور اس نے قتل نہیں کیا، وَرَجَعَ اور واپس لوٹ گیا، تو عَادَتْ عِصْمَتُهُ، تو اس کی عصمت یعنی اس کی حفاظت پھر لوٹ آئی، وہ پھر محفوظ الدم بن گیا۔ تلوار نکالی تھی تو وہ واجب القتل ہو گیا تھا، اور تلوار رکھ کر واپس لوٹ گیا تو وہ محفوظ... تو یہ معنی ہے عَادَتْ عِصْمَتُهُ اس کی عصمت یعنی حفاظت جو ہے پھر لوٹ آئی، وہ معصوم الدم ہوا، محفوظ الدم ہوا۔ فَإِذَا قَتَلَهُ آخَرُ فَقَدْ قَتَلَ مَعْصُومًا، جب اس کو کسی دوسرے نے قتل کر دیا تو اس نے ایک معصوم کو یعنی ایک محفوظ کو قتل کر دیا—معصوم کا معنی ہے محفوظ، یعنی محفوظ الدم کو قتل کر دیا—فَعَلَيْهِ الْقِصَاصُ تو اس پر قصاص ہو گا۔

وَيَجِبُ الدِّيَةُ بِقَتْلِ مَجْنُونٍ أَوْ صَبِيٍّ شَهَرَ سَيْفًا عَلَى رَجُلٍ فَقَتَلَهُ هُوَ۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک پاگل شخص نے تلوار

نکال لی یا کسی بچے نے تلوار نکال لی کسی دوسرے پر، اور اس مجنون یا بچے کو کسی نے قتل کر دیا۔ تو یاد رکھیے اس صورت میں قصاص تو نہیں آئے گا کیونکہ انہوں نے تلوار اٹھا لی تھی، بہرحال قصاص تو نہیں آئے گا لیکن دیت واجب ہو گی، دیت واجب ہو گی۔ کہتے ہیں وَيَجِبُ الدِّيَةُ بِقَتْلِ مَجْنُونٍ أَوْ صَبِيٍّ شَهَرَ سَيْفًا عَلَى رَجُلٍ فَقَتَلَهُ هُوَ، اور دیت واجب ہو گی بِقَتْلِ مَجْنُونٍ کسی ایسے پاگل أَوْ صَبِيٍّ یا ایسے بچے کو قتل کرنے کی وجہ سے بھی شَهَرَ سَيْفًا—یہ شَهَرَ فعل آیا اور پیچھے مَجْنُونٍ أَوْ صَبِيٍّ یہ نکرہ آئے تھے تو یہ ان کی صفت بنے گا، پھر دیکھیں ترجمہ—اور دیت واجب ہو گی ایسے مجنون اور ایسے بچے کو قتل کرنے کی وجہ سے بھی شَهَرَ سَيْفًا جنہوں نے تلوار نکالی عَلَى رَجُلٍ کسی آدمی پر، فَقَتَلَهُ هُوَ تو ان کو اسی نے قتل کر دیا، فَقَتَلَهُ تو ان کو، اس بچے یا مجنون کو قتل کر دیا هُوَ اس آدمی نے بھائی۔ هُوَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ بتلا دیا: أَيِ الْمَشْهُورُ عَلَيْهِ، یعنی کہ وہ مشہور علیہ جس پر...

انہوں نے اسلحہ نکالا تھا، اسلحہ اٹھایا تھا اس نے ان کو قتل کر دیا تو دیت واجب ہو گی، تو قتل کر دیا فَقَتَلَهُ هُوَ عَمْدًا، فَقَتَلَهُ هُوَ عَمْدًا، آگے متن کو بھی اس سے جوڑیں، تو ان کو اس مَشْهُورٌ عَلَيْهِ نے عمداً جان بوجھ کر قتل کر دیا، تو اس پر دیت واجب ہو گی فِي مَالِهِ اس کے مال میں، اس آدمی کے مال میں۔ کیا معنی اس آدمی کے مال میں؟ عاقلہ نہیں دے گی، اس کو دینا پڑے گی۔ کیوں نہیں دے گی عاقلہ؟ شاباش، کیونکہ جان بوجھ کر اس نے قتل کیا ہے، شاباش۔ أَيْ يَجِبُ الدِّيَةُ فِي مَالِهِ، یعنی دیت واجب ہو گی اسی قاتل کے مال میں، لِأَنَّ الْعَاقِلَةَ لَا تَتَحَمَّلُ الْعَمْدَ، اس لیے کیونکہ عاقلہ جو ہے وہ عمد کو نہیں اٹھا سکتے، وہ عمد کو برداشت نہیں کر سکتے، جان بوجھ کر جو جرم ہو اس کو وہ برداشت نہیں کر سکتے، وہ اسے خود ہی برداشت کرنا پڑے گا۔

وَالْقِيمَةُ أَيْ تَجِبُ الْقِيمَةُ فِي قَتْلِ جَمَلٍ صَالَ عَلَيْهِ۔ پیچھے کیا آیا تھا؟ يَجِبُ الدِّيَةُ، اسی پر قیمت کا عطف بھی ہے: أَيْ يَجِبُ الْقِيمَةُ۔ عبارت سمجھ میں آ رہی ہے؟ اور قیمت واجب ہو گی، خود شارح وقایہ بتلا رہے ہیں: أَيْ تَجِبُ الْقِيمَةُ قیمت واجب ہو گی فِي قَتْلِ جَمَلٍ ایسے اونٹ کو قتل کرنے میں صَالَ عَلَيْهِ جس نے اس پر حملہ کیا تھا۔ صَالَ يَصُولُ کا معنی حملہ کرنا۔ ایسے اونٹ کو قتل کرنے میں جس نے اس پر حملہ کیا تھا۔ بھائی میں نے بتلایا تھا اگر کوئی اونٹ وحشی ہو گیا کسی پر حملہ کرتا ہے اور یہ شخص اس کو قتل کر دیتا ہے، تو اس کو اس کی قیمت دینا پڑے گی۔

هٰذَا عِنْدَنَا، یہ ہمارے نزدیک ہے لِأَنَّهُ قَتَلَ شَخْصًا مَعْصُومًا، اس لیے کیونکہ اس نے ایک معصوم شخص کو قتل کیا ہے—بھائی اس کا تعلق وہ پچھلے متن سے ہے، مجنون اور صبی کا ذکر آیا تھا نا، تو اس میں دیت واجب ہوئی تھی تو وہ وجہ ذکر کر رہے ہیں—لِأَنَّهُ قَتَلَ شَخْصًا مَعْصُومًا، اس لیے کیونکہ اس نے ایک محفوظ شخص کو قتل کر دیا جس کا خون محفوظ تھا، وَأَتْلَفَ مَالًا مَعْصُومًا اور اس نے ایک معصوم یعنی محفوظ مال کو ہلاک کر دیا۔ دونوں کی علتیں ذکر کر دیں: بچے یا مجنون کو قتل کیا تو قَتَلَ شَخْصًا مَعْصُومًا اس لیے دیت آئے گی، اور اونٹ کو قتل کیا تو اس میں قیمت آئے گی کیوں؟ أَتْلَفَ مَالًا مَعْصُومًا اس نے کیا کیا ایک معصوم یعنی محفوظ مال کو تلف کیا ہلاک کیا۔ لِأَنَّ فِعْلَ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ وَالدَّابَّةِ لَا يُسْقِطُ الْعِصْمَةَ،

اس لیے کیونکہ بچے کا یا مجنون کا یا جانور کا، مویشی کا کوئی فعل جو ہے وہ لَا يُسْقِطُ الْعِصْمَةَ یہ ان کی عصمت ساقط نہیں کرتا۔ وہ محفوظ الدم ہونے سے نہیں نکلتے، وہ بچہ اور صبی محفوظ الدم ہونے سے نہیں نکلتے، اور یہ جو مال یہ جو اونٹ مویشی ہیں یہ بھی معصوم یعنی محفوظ ہونے سے نہیں نکلتے بھائی۔

وَإِنَّمَا لَا يَجِبُ الْقِصَاصُ، اور قصاص کیوں نہیں واجب؟ کہتے ہیں وَإِنَّمَا لَا يَجِبُ الْقِصَاصُ اور قصاص واجب نہیں ہو گا لِوُجُودِ الْمُبِيحِ، کیونکہ ایک قتل کو مباح کرنے والی ایک چیز موجود ہے یہاں وَهُوَ دَفْعُ الشَّرِّ، وہ ان کے شر کو دفع کرنا ہے۔ انہوں نے اسلحہ اٹھایا ہے بچے اور مجنون نے، ان کے شر کو دفع کرنا بھی ضروری ہے، اور اسی طرح اونٹ نے حملہ کیا ہے تو اس کے شر کو دفع کرنا بھی ضروری ہے۔ تو قصاص واجب نہیں لِوُجُودِ الْمُبِيحِ وَهُوَ دَفْعُ الشَّرِّ اور وہ ان کے شر کو دفع کرنا ہے بچے اور صبی کے، کیونکہ انہوں نے تلوار اٹھائی ہے، اسلحہ اٹھایا ہے۔

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ، جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ ہے کہ أَنَّهُ يَجِبُ الضَّمَانُ فِي الدَّابَّةِ لَا فِي الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ، وہ فرماتے ہیں دابہ یعنی اونٹ کے بارے میں یا مویشی جانور جو بھی حملہ کرتا ہے اس میں تو ضمان واجب ہو گا، بچے اور مجنون میں ضمان یا دیت نہیں آئے گی۔ کیوں؟ کہتے ہیں لِأَنَّ عِصْمَتَهُمَا لِحَقِّهِمَا، کیونکہ بچے اور مجنون کی جو عصمت ہے وہ ان کے اپنے حق کی وجہ سے ہے، ان کے اپنے حق کی وجہ سے ہے، یہ ان کا حق ہے اپنا، فَتَسْقُطُ بِفِعْلِهِمَا اور یہ عصمت ساقط ہو جاتی ہے ان کے اپنے فعل کی وجہ سے۔ یہ محفوظ الدم تھے، یہ محفوظ الدم ہونا ان کا اپنا حق تھا، اور انہوں نے خود اسلحہ نکال کر اپنے اس حق کو ساقط کر دیا، ختم کر دیا۔ یہ معنی ہے لِأَنَّ عِصْمَتَهُمَا لِحَقِّهِمَا، اس لیے کیونکہ بچے اور مجنون کی جو عصمت ہے یعنی حفاظت ہے وہ ان کے اپنے حق کی وجہ سے ہے، فَتَسْقُطُ بِفِعْلِهِمَا تو وہ عصمت ساقط ہو جائے گی ان کے اپنے فعل کی وجہ سے۔

وَعِصْمَةُ الدَّابَّةِ لِحَقِّ صَاحِبِهَا، اور جو مویشی جو جانور تھا اس کی حفاظت بھی ضروری تھی لیکن وہ لِحَقِّ صَاحِبِهَا وہ اس کے مالک کے حق کی وجہ سے تھا، وہ کس کا حق تھا؟ مالک کا حق، وہ مالک کا مال تھا بھائی، تو فَلَا يَسْقُطُ بِفِعْلِهَا، لہٰذا وہ ساقط نہیں ہو گی اس دابہ کے فعل کی وجہ سے۔ دابہ بھی محفوظ مال تھا، لیکن اس کا محفوظ ہونا اس کی اپنی ذات کی وجہ سے تھا یا مالک کی وجہ سے تھا؟ مالک ہے نا، یہ دار الاسلام میں رہنے والا ہے تو ہر ایک کا مال بھی محفوظ اور جان بھی محفوظ۔ تو اس دابہ کی بھی مالِ معصوم ہے، مالِ محفوظ ہے، کسی کو اجازت نہیں اس کو تلف کرنے کی بھائی۔ جب دابہ نے فعل کیا تو وہ عصمت تو کس کی وجہ سے تھی؟ مالک کی وجہ سے، تو دابہ کے فعل سے وہ مالک کی جو عصمت تھی وہ ختم نہیں ہو گی۔ ہاں مالک ایسا کرتا پھر تو عصمت ساقط ہو جاتی، وہ کیا کرتا؟ اس اونٹ کو کسی کے پیچھے دوڑاتا، بات سمجھ میں آ گئی، کسی پر قتل کرنے، پھر تو بات تھی، لیکن یہاں تو مالک کا کوئی دخل نہیں۔ تو دابہ کے اپنے فعل سے اس مالک کا حق ساقط نہیں ہو گا۔ فَلَا يَسْقُطُ بِفِعْلِهَا، لہٰذا وہ مالک کا حق جو ہے وہ ساقط نہیں ہو گا بِفِعْلِهَا اس کے دابہ کے فعل کی وجہ سے، یا یوں کہیں کہ اس

دابہ کی عصمت ساقط نہیں ہوگی اس کے اپنے فعل کی وجہ سے۔

وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ لَا يَجِبُ الضَّمَانُ فِي شَيْءٍ أَصْلًا، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ضمان واجب نہیں ہوتا فِي شَيْءٍ أَصْلًا کسی بھی چیز میں سرے سے، ان تینوں میں سے کسی میں بھی سرے سے مال واجب ہی نہیں ہوتا۔ بچے یا مجنون کو قتل کر دیا کیونکہ انہوں نے اسلحہ اٹھایا تھا تو کوئی مال نہیں، اور جانور کو ہلاک کر دیا اس نے حملہ کیا تھا بھائی تو وہ فرماتے ہیں کوئی مال نہیں۔ لِأَنَّهُ قَتْلٌ لِدَفْعِ الشَّرِّ، اس لیے کیونکہ یہ قتل جو ہے وہ شر کو دور کرنے کے لیے ہے كَمَا فِي الْعَاقِلِ الْبَالِغِ جیسے کس میں تھا؟ عاقل بالغ، جیسے عاقل بالغ کسی پر حملہ آور ہوتا ہے، تلوار نکالتا ہے تو اس کے شر کو دفع کرنا ضروری اور اسے قتل کرنا ضروری، تو یہاں بھی ان کے شر کو دفع کرنا ضروری تھا، اور جیسے عاقل بالغ کے اندر کوئی قصاص اور دیت نہیں آتی تو یہاں بھی ان کی وجہ سے کسی قسم کا کوئی ضمان نہیں آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۷: باب القود فیما دون النفس: اطراف و اعضاء میں قصاص کی شرائط، مماثلت اور سرایتِ جرح کے مسائل

شرح الوقایہ صفحہ: ۱۰۱ – بتاریخ: ۱۷ فروری ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی کتاب پر:[1]

بَابُ الْقَوَدِ فِيمَا دُونَ النَّفْسِ: هُوَ فِيمَا يُمْكِنُ حِفْظُ الْمُمَاثَلَةِ فَقَطْ، فَيُقْتَصُّ قَاطِعُ الْيَدِ عَمْدًا مِنَ الْمَفْصِلِ. إِنَّمَا قَالَ مِنَ الْمَفْصِلِ احْتِرَازًا مِمَّا إِذَا قُطِعَ مِنْ نِصْفِ السَّاعِدِ أَوْ مِنْ نِصْفِ السَّاقِ إِذْ لَا يُمْكِنُ حِفْظُ الْمُمَاثَلَةِ. وَإِنْ كَانَتْ يَدُهُ أَكْبَرَ مِمَّا قُطِعَ، كَالرِّجْلِ وَمَارِنِ الْأَنْفِ، فَإِنَّ الرِّجْلَ إِذَا قُطِعَتْ مِنَ الْمَفْصِلِ يَجِبُ الْقِصَاصُ، وَفِي مَارِنِ الْأَنْفِ يَجِبُ الْقِصَاصُ لَا فِي قَصَبَةِ الْأَنْفِ، لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ فِيهَا حِفْظُ الْمُمَاثَلَةِ.[2]

[1]

جدول – باب القود فیما دون النفس – اعضاء و اطراف میں قصاص کی شرائط:

عضو / جنایت	قصاص کا حکم	حفظِ مماثلت کا ضابطہ
مفصل (جوڑ) سے ہاتھ یا پاؤں کاٹنا	قصاص واجب ہے (ہاتھ کے بدلے ہاتھ، پاؤں کے بدلے پاؤں)	کیونکہ جوڑ کی حد متعین ہے اور مماثلت کی حفاظت ممکن ہے۔
ہڈی کو بیچ سے توڑنا (جیسے پنڈلی یا بازو)	قصاص واجب نہیں بلکہ ارش (دیت) واجب ہے	ہڈی میں برابر جگہ سے کاٹنے میں مماثلت ممکن نہیں۔
کان، ناک، ہونٹ اور دانت	مماثلت کے ساتھ قصاص واجب ہے	صحیح ہاتھ کے بدلے شل (بے کار) ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔
زبان اور ذکر کا کاٹنا	قصاص واجب نہیں بلکہ دیت واجب ہے	پھیلنے اور سکڑنے والے عضو میں مماثلت ممکن نہیں۔

[2] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۵۰): صوتی درس کی قراءت میں «فَيُقْتَصُّ قَاطِعُ الْيَدِ عَمْدًا مِنَ الْمَفْصِلِ. إِنَّمَا قَالَ مِنَ الْمَفْصِلِ احْتِرَازًا مِمَّا إِذَا قُطِعَ مِنْ نِصْفِ السَّاعِدِ أَوْ مِنْ نِصْفِ السَّاقِ إِذْ لَا يُمْكِنُ حِفْظُ الْمُمَاثَلَةِ. وَإِنْ كَانَتْ يَدُهُ أَكْبَرَ مِمَّا قُطِعَ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فيقتصُّ قاطعُ اليدِ عمدًا من المفصل)، إنَّما قال:من المفصل، احترازًا عمَّا إذا قطعَ من نصفِ السَّاعد، أو من نصفِ السَّاقِ إذ لا يمكنُ حفظُ المماثلة،(وإن كانتْ يدُهُ أكبرَ ممَّا قطعَ» منقول ہے۔

جنایات کے مسائل ذکر ہو رہے ہیں بھائی۔ بَابُ الْقَوَدِ فِيمَا دُونَ النَّفْسِ، یہ باب ہے اس قود کے بیان میں فِيمَا دُونَ النَّفْسِ جو نفس سے کم کے اندر آئے، جو نفس سے کم کے اندر آئے۔ ایک تو یہ ہے ایک شخص دوسرے کی جان لے لے تو وہاں قصاص آتا ہے، اس کو بھی بدلے میں قتل کیا جاتا ہے، اور ایک ہے قصاص نفس سے کم کے اندر، یعنی کسی نے کسی کا ہاتھ کاٹ دیا یا پاؤں کاٹ دیا، کسی نے کسی کی آنکھ پھوڑ ڈالی تو اس میں بھی بعض صورتوں میں قصاص آتا ہے اور بعض صورتوں میں جو ہے وہ مالی جرمانہ یعنی دیت وغیرہ آتی ہے، تو اس کا بیان ہوگا اس میں بھائی۔ تو کہتے ہیں بَابُ الْقَوَدِ فِيمَا دُونَ النَّفْسِ یہ باب ہے اس قود کے بیان میں، اس قصاص کے بیان میں جو نفس سے کم کے اندر ہو یعنی اعضاء کے اندر ہو۔

هُوَ فِيمَا يُمْكِنُ حِفْظُ الْمُمَاثَلَةِ فَقَطْ۔ یہاں سے قصاص فی الاعضاء، قصاص فی الاطراف، اس کا ضابطہ ذکر کر رہے ہیں۔ ضابطہ یہ ہے کہ قصاص فی الاعضاء تب ہی آئے گا جہاں مماثلت ہو سکے، جہاں مماثلت کی رعایت رکھی جا سکے یعنی جتنا نقصان مجرم نے کیا ہے اس کو بھی اتنا ہی نقصان ہو۔ تو اس کی بنیاد مماثلت پر ہے، کس پر ہے؟ جہاں مماثلت کی حفاظت ہو سکے وہاں قصاص فی العضو آئے گا، اور جہاں مماثلت کی حفاظت نہ ہو سکے تو قصاص فی العضو نہیں آئے گا۔ مثلاً ایک شخص نے دوسرے شخص کا ہاتھ جوڑ سے کاٹا، مثلاً یہ کلائی کے جوڑ سے ہاتھ کاٹا ہے تو اس میں مماثلت ممکن ہے، مجرم کے ہاتھ کو بھی کلائی کے جوڑ سے کاٹ دیا جائے گا۔ ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ کو کہنی کے جوڑ سے کاٹا، تو یہ جوڑ سے کاٹا ہے اس میں مماثلت ممکن ہے، مجرم کے ہاتھ کو بھی جوڑ سے ہی وہیں سے کاٹ دیا جائے گا۔

اور اگر مماثلت نہ ہو سکے تو پھر وہاں قصاص نہیں آئے گا، وہاں دیت وغیرہ آئے گی بھائی۔ مثلاً ایک شخص نے دوسرے کی کلائی کے درمیان سے اس کا ہاتھ کاٹ دیا، یہ جو کہنی ہے اور ہتھیلی ہے اس کے درمیان سے یعنی ہڈی توڑ دی اس کی، اور ضابطہ یاد رکھنا بھائی ہڈی کے اندر قصاص نہیں ہے بھائی، ہڈی کے اندر قصاص نہیں ہے سوائے دانت کے، دانت میں قصاص ہے۔ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ جان کے بدلے جان ہے، وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ اور آنکھ کے بدلے آنکھ ہے، وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ اور ناک کے بدلے ناک ہے، وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ اور کان کے بدلے کان ہے، وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ اور دانت کے بدلے دانت ہے، وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ اور زخموں میں قصاص ہے، زخموں میں قصاص ہے۔

تو دیکھو یہ نص آ گئی، اس میں دیکھو قصاص کا حکم ہے اور صرف جان کے اندر نہیں ہے بلکہ اعضاء کے اندر بھی قصاص کا حکم دیا گیا، زخموں کے اندر بھی قصاص کا حکم دیا گیا۔ لیکن زخموں کے اندر اور باقی اعضاء میں قصاص وہیں پر آئے گا جہاں پر مماثلت ہو سکے، برابری ہو سکے، دونوں میں برابری ہو سکے۔ اور میں نے بتلا دیا ضابطہ آپ کو کہ ہڈی کے اندر قصاص نہیں ہے بھائی، حدیث میں ذکر آتا ہے، ہاں البتہ دانت کا استثناء ہے، دانت بھی ہڈی ہے لیکن اس کے اندر قصاص آئے گا بھائی، کسی نے کسی کا دانت توڑ دیا ہے تو قصاص میں اس کا بھی وہی دانت توڑ دیا جائے گا، نکال دیا جائے گا، بات سمجھ میں آ گئی۔

اس کے بعد ایک اور بات یاد رکھیں، ایک ہے دیت بھائی، دیت، اور ایک ہے أَرْش، الف یعنی ہمزہ، را، شین، ہمزہ، را، شین، أَرْش۔ دیت جو ہے پورے نفس کے اندر جو ضمان آتا ہے اس کو دیت کہتے ہیں، اور وہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ سو اونٹ ہوں گے یا دس ہزار درہم ہوں گے یا ایک ہزار دینار، جس شکل میں بھی وہ ادا کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ البتہ یہ جو نفس سے کم کے اندر جو ضمان آتا ہے اس کو أَرْش کہتے ہیں، أَرْش۔ جیسے بھائی ہاتھ، ہاتھ کی دیت جو ہے یا ہاتھ کا أَرْش جو ہے وہ پچاس اونٹ ہیں بھائی، پچاس اونٹ۔ دونوں ہاتھ کاٹ دیے تو گویا جنسِ نفع ہی ختم کر دیا، یہ دیتوں کا باب آرہا ہے آگے تفصیل خوب تفصیل وہاں بھی ذکر ہو جائے گی بھائی۔ تو بس یہاں اتنا یاد رکھیں کہ نفس سے کم یعنی اعضاء کے اندر جو مالی جرمانہ آتا ہے اس کو أَرْش کہتے ہیں، اور پورے نفس میں جو مال آنا واجب ہوتا ہے اس کو دیت کہتے ہیں۔ ہاں یہ ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہو جاتے ہیں، کبھی أَرْش ہی کو دیت بھی کہہ دیتے ہیں اور کبھی دیت کو ہی أَرْش بھی کہہ دیتے ہیں۔

تو کہتے ہیں هُوَ فِيمَا يُمْكِنُ حِفْظُ الْمُمَاثَلَةِ فَقَطْ، کہتے ہیں یہ قصاص جو ہے ما دُونَ النَّفْسِ کے اندر اسی صورت میں ہوگا جب مماثلت کی حفاظت ممکن ہو سکے، جب هُوَ فِيمَا يُمْكِنُ حِفْظُ الْمُمَاثَلَةِ فَقَطْ، فَقَطْ یعنی صرف اسی صورت میں آئے گا جب مماثلت کی حفاظت ہو سکے یعنی جب برابری ہو سکے، جب برابری ہو سکے۔ اور دیکھو ہاتھ جوڑ سے کاٹا ہے تو دوسرے کا ہاتھ بھی جوڑ سے کاٹ دیا جائے گا، دیکھو برابری آگئی۔ لیکن ہڈی کے اندر قصاص نہیں ہے بھائی، کیونکہ ہڈی کے اندر برابری نہیں ہو سکتی۔ ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ کلائی کے درمیان سے کاٹ دیا تو ہڈی بھی معلوم ہوا ہڈی بھی اس نے کاٹ دی، ہڈی بھی توڑ دی۔ تو کیا اب ایسا ممکن ہے کہ مجرم کا ہاتھ بالکل اسی طرح کاٹ دیا جائے؟ نہیں بھائی، کیونکہ ہڈی سخت ہے تو وہاں برابری ہوگی نہیں، ہو سکتا ہے اس سے کم کٹے اور ہو سکتا ہے اس سے زیادہ کٹ جائے بھائی، اس سے زیادہ ٹوٹ جائے، تو لہٰذا ہڈی کے اندر قصاص نہیں کیونکہ وہاں برابری نہیں ہو سکتی۔ تو کہتے ہیں هُوَ فِيمَا يُمْكِنُ حِفْظُ الْمُمَاثَلَةِ فَقَطْ یہ صرف انہی اعضاء میں ہوگا جہاں مماثلت کی حفاظت ہو سکے یعنی جہاں برابری ہو سکے۔

فَيُقْتَصُّ قَاطِعُ الْيَدِ عَمْدًا مِنَ الْمَفْصِلِ۔ تو پس قصاص لیا جائے گا قَاطِعُ الْيَدِ عَمْدًا جان بوجھ کر ہاتھ کو کاٹنے والے سے مِنَ الْمَفْصِلِ، مَفْصِل کہتے ہیں جوڑ کو بھائی، یہ ہڈیوں کے جو جوڑ ہیں یہ مَفْصِل کہلاتے ہیں۔ فَيُقْتَصُّ قَاطِعُ الْيَدِ عَمْدًا مِنَ الْمَفْصِلِ پس قصاص لیا جائے گا قَاطِعُ الْيَدِ ہاتھ کو کاٹنے والے سے عَمْدًا جان بوجھ کر مِنَ الْمَفْصِلِ جوڑ سے، جوڑ سے۔ یہ مِنَ الْمَفْصِلِ کا تعلق قَاطِع سے ہے، پس قصاص لیا جائے گا اس شخص سے جو ہاتھ کو جان بوجھ کر جوڑ سے کاٹنے والا ہے، ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ فَيُقْتَصُّ قَاطِعُ الْيَدِ عَمْدًا مِنَ الْمَفْصِلِ پس قصاص لیا جائے گا اس شخص سے جس نے ہاتھ کو جان بوجھ کر جوڑ سے کاٹا ہے۔

إِنَّمَا قَالَ مِنَ الْمَفْصِلِ، مصنف نے مَفْصِل کہا، کہتے ہیں مصنف نے مِنَ الْمَفْصِلِ کی قید کیوں لگائی؟ کہتے ہیں احْتِرَازًا مِمَّا إِذَا قَطَعَ مِنْ نِصْفِ السَّاعِدِ أَوْ مِنْ نِصْفِ السَّاقِ إِذْ لَا يُمْكِنُ حِفْظُ الْمُمَاثَلَةِ۔ کہتے ہیں یہ احتراز ہے اس صورت میں جب

اس نے ہاتھ کو کاٹا مِنْ نِصْفِ السَّاعِدِ نصف کلائی سے، أَوْ مِنْ نِصْفِ السَّاقِ یا نصف پنڈلی سے، إِذْ لَا يُمْكِنُ حِفْظُ الْمُمَاثَلَةِ کیونکہ اس صورت میں مماثلت کی حفاظت ممکن نہیں، یعنی اس صورت میں برابری نہیں ہو سکتی، مماثلت نہیں ہو سکتی۔ یاد رکھیے ایک ہے السَّاعِد اور ایک ہے السَّاق۔ سَاعِد کہتے ہیں یہ کلائی کے جوڑ سے لے کر کہنی کے جوڑ تک ہاتھ کا جو حصہ ہے اس کو سَاعِد کہتے ہیں، یعنی کلائی والا حصہ جو ہے۔ اور اس کے درمیان سے اگر کسی نے ہاتھ کاٹا، معلوم ہوا ہڈی کاٹی ہے، اور ہڈی کے اندر تو قصاص نہیں ہے کیونکہ وہاں برابری نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح کسی نے کسی کی ٹانگ پنڈلی سے کاٹی، سَاق بھائی سَاق پاؤں کا حصہ گھٹنے سے لے کر نیچے پاؤں کے جوڑ تک جو حصہ ہے اس کو سَاق کہتے ہیں، اور یہاں بھی چونکہ ہڈی آگئی معلوم ہوا اس نے ہڈی توڑی ہے تو اس کے اندر مساوات نہیں ہو سکتی، تو لہٰذا یہاں قصاص نہیں آئے گا۔ ہاں البتہ اگر جوڑ سے ہاتھ یا پاؤں کاٹا ہے تو مجرم کا بھی جوڑ سے ہی ہاتھ یا پاؤں کو کاٹ دیا جائے گا۔ یہ معنیٰ ہے، کہتے ہیں إِنَّمَا قَالَ مِنَ الْمَفْصِلِ احْتِرَازًا مِمَّا إِذَا قَطَعَ مِنْ نِصْفِ السَّاعِدِ أَوْ مِنْ نِصْفِ السَّاقِ إِذْ لَا يُمْكِنُ حِفْظُ الْمُمَاثَلَةِ کہ مصنف نے مِنَ الْمَفْصِلِ کی قید لگائی احتراز کرتے ہوئے اس صورت میں جب کاٹنے والے نے نصف کلائی سے اس کے ہاتھ کو کاٹا أَوْ مِنْ نِصْفِ السَّاقِ یا نصف پنڈلی سے اس کے پاؤں کو کاٹا إِذْ لَا يُمْكِنُ حِفْظُ الْمُمَاثَلَةِ اس لیے کیونکہ پھر مماثلت کی حفاظت ممکن نہیں، برابری نہیں ہو سکتی، تو اس صورت میں پھر قصاص نہیں آئے گا۔

وَإِنْ كَانَتْ يَدُهُ أَكْبَرَ مِمَّا قُطِعَ، اگرچہ اس جنایت کرنے والے کا ہاتھ بڑا ہے مِمَّا قُطِعَ اس ہاتھ سے جس کو کاٹا گیا ہے۔ بھائی صورت یہ ہے ایک شخص نے دوسرے کا ہاتھ جوڑ سے کاٹا، لیکن وہ کمزور سا دبلا پتلا آدمی ہے، چھوٹا سا قد ہے، تو یقیناً اس کا ہاتھ چھوٹا ہے، اور جو کاٹنے والا تھا وہ اونچا لمبا قد ہے تو یقیناً اس کا ہاتھ بڑا ہوگا، تو کہتے ہیں یہاں بھی تو برابری نہیں ہے، ایک کا ہاتھ چھوٹا ہے اور دوسرے کا ہاتھ بڑا، اس نے چھوٹا ہاتھ کاٹا ہے اور اگر اس کا بھی ہاتھ کاٹیں تو اس کا ہاتھ تو بڑا ہے۔ کہتے ہیں نہیں بھائی، اس اعتبار سے تو پھر برابری بہت مشکل ہو جائے گی، ہاں برابری بایں لحاظ ہے کہ جو جو کام اپنے سارے کام جس طرح وہ شخص جس کا ہاتھ کٹا جیسے وہ اپنے ہاتھ کے ذریعے جو سارے کام سرانجام دیتا تھا، اسی طرح یہ بھی اپنے ہاتھ کے ذریعے اپنے سارے کام سرانجام دیتا ہے، تو اس کا وہ ہاتھ کٹ گیا تو اس کا بھی یہ ہاتھ کٹ جائے گا تو برابری آگئی بھائی، کیونکہ ہاتھ کے ذریعے وہ جو افعال کرتا تھا یہ بھی وہ افعال سرانجام دیتا ہے تو بایں لحاظ برابری آگئی بھائی، تو چھوٹے بڑے ہونے کو نہیں دیکھیں گے البتہ باقی مماثلت کو دیکھا جائے گا۔ یہ معنیٰ ہے وَإِنْ كَانَتْ يَدُهُ أَكْبَرَ مِمَّا قُطِعَ اگرچہ اس جنایت کرنے والے کا ہاتھ بڑا ہو اس ہاتھ سے جس کو کاٹا گیا۔

كَالرِّجْلِ وَمَارِنِ الْأَنْفِ، یہ مثالیں ذکر کر رہے ہیں جن میں مساوات ہو سکتی ہے، برابری ہو سکتی ہے، كَالرِّجْلِ جیسے کہ پاؤں ہے یا ٹانگ ہے، ایک آدمی نے ایک شخص کی ٹانگ جوڑ سے کاٹی تو دوسرے کی ٹانگ بھی جوڑ سے کاٹ دی جائے گی۔ وَمَارِنِ الْأَنْفِ، أَنْف کہتے ہیں ناک کو ناک، اور مَارِنُ الْأَنْفِ ناک کا نرم حصہ، ناک کا نرم۔ اگر آپ اپنے ناک پر ہاتھ لگائیں،

آپ کو معلوم ہوگا کہ آدھی ناک جو ہے وہ نرم ہے اور آدھی سے زیادہ جو ہے ہڈی ہے بھائی ہڈی ہے، تو یہ جو نرم حصہ ہے اس کو کہتے ہیں مَارِنُ الْأَنْفِ، ناک کا نرم حصہ۔ اور جو سخت ہڈی ہے اس کو قَصَبَةُ الْأَنْفِ کہتے ہیں، یہ لفظ بھی آگے آرہا ہے، قَصَبَةُ ص کے ساتھ ہے، ق دو نقطوں والا، قَصَبَةُ الْأَنْفِ ناک کا بانسہ بھائی، ناک کا بانسہ یہ ناک کی جو ہڈی ہے۔ تو اگر کسی نے مَارِنُ الْأَنْفِ کسی کی کاٹی یعنی ناک کا نرم حصہ کاٹا تو اس میں تو برابری ہو سکتی ہے، اس شخص کے بھی ناک کا نرم حصہ کاٹ دیا جائے گا۔ اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ یہ قصاص کب آتا ہے؟ جب جرم عَمْدًا ہو، جب جرم کیا ہو عَمْدًا جان بوجھ کر ارادے سے ہو، اگر خَطَأً ہو پھر قصاص نہیں آیا کرتا بھائی۔ تو اگر کسی نے ناک کا نرم حصہ کاٹا تو جنایت کرنے والے کی ناک کا بھی نرم حصہ کاٹ دیا جائے گا کیونکہ یہاں مساوات ہو سکتی ہے، اتنا ہی حصہ کاٹ دیا جائے۔ اور اگر کسی نے کسی کی ناک کا بانسہ کاٹ دیا، توڑ دیا تو وہاں مساوات ممکن نہیں، کیوں نہیں ممکن؟ کیونکہ ہڈی ہے، کیونکہ ہڈی ہے، اور ہڈی میں برابری نہیں ہو سکتی کہ بالکل اتنی ہی توڑ دی جائے، وہ سخت ہے، توڑیں گے تو کہیں کچھ زیادہ ٹوٹ جائے گی یا کم ٹوٹے گی، برابری نہیں ہو سکتی بھائی۔

كَالرِّجْلِ وَمَارِنِ الْأَنْفِ جیسے کہ پاؤں ہے وَمَارِنِ الْأَنْفِ اور ناک کا نرم حصہ ہے۔ فَإِنَّ الرِّجْلَ إِذَا قُطِعَتْ مِنَ الْمَفْصِلِ اس لیے کیونکہ ٹانگ جب اس کو کاٹ دیا جائے جوڑ سے، تو يَجِبُ الْقِصَاصُ تو قصاص ثابت ہوتا ہے۔ یہ يَجِبُ کس معنیٰ میں ہے؟ يَثْبُتُ، کیوں يَثْبُتُ کے معنیٰ میں کیوں ہے؟ کیونکہ قصاص واجب نہیں ہوتا، اس میں معاف بھی کیا جا سکتا ہے، تو یہ ثابت کے معنیٰ میں۔ تو يَجِبُ الْقِصَاصُ قصاص ثابت ہوتا ہے۔ وَفِي مَارِنِ الْأَنْفِ يَجِبُ الْقِصَاصُ اور ناک کے نرم حصے میں بھی قصاص ثابت ہوتا ہے لَا فِي قَصَبَةِ الْأَنْفِ ناک کے بانسے میں قصاص نہیں، اس میں قصاص ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ہڈی ہے۔ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ فِيهَا حِفْظُ الْمُمَاثَلَةِ اس لیے کیونکہ اس کے اندر مماثلت کی حفاظت ممکن نہیں۔

نہیں، وہاں برابری نہیں ہو سکتی۔

وَالْأُذُنِ وَالْعَيْنِ، اس کا عطف بھی مَارِنِ الْأَنْفِ پر ہے، كَالرِّجْلِ وَمَارِنِ الْأَنْفِ وَالْأُذُنِ وَالْعَيْنِ، یہ سب وہ اعضاء ذکر ہو رہے ہیں جن میں مماثلت ہو سکتی ہے۔ وَالْأُذُنِ اور جیسے کہ کان ہے، وَالْعَيْنِ اور جیسے کہ آنکھ ہے، إِذَا ضُرِبَتْ فَذَهَبَ ضَوْؤُهَا، اب صورت بتلا رہے ہیں بھائی۔ یاد رکھو بھائی آنکھ کے اندر بھی اس صورت میں قصاص آئے گا جب برابری ہو سکے، اور جہاں برابری نہیں وہاں قصاص بھی نہیں۔ تو اس میں کئی صورتیں ذکر کریں گے، ایک صورت یہ کہ ایک شخص نے دوسرے کو ضرب ایسی لگائی کہ اس کی آنکھ ہی اکھاڑ ڈالی، آنکھ ہی اکھاڑ ڈالی۔ کیا معنیٰ اکھاڑ ڈالی؟ یعنی آنکھ جو ہے حلقے سے باہر نکال دی، آنکھ حلقے سے باہر نکال دی، تو کہتے ہیں اس میں مماثلت نہیں ہو سکتی، کہ اس کو ایسی ضرب لگائی جائے کہ اس کی آنکھ بھی کیا ہے حلقے سے باہر نکل آئے، تو یہاں مماثلت نہیں ہو سکتی، لہٰذا یہاں قصاص نہیں۔

ہاں ایک شخص نے دوسرے کی آنکھ پھوڑ ڈالی، اس کا ڈھیلا ہی ختم کر دیا، تو یہاں مماثلت ہو سکتی ہے، اس کی بھی آنکھ پھوڑ دی جائے گی۔ آنکھ تو نرم سی ہے، وہ تو ذرا سی کوئی چیز لگے گی وہ تو ختم ہو جائے گی، تو یہاں مماثلت ہو سکتی ہے اس کی آنکھ بھی ختم کر دی جائے گی۔ اور تیسری صورت ہے ایک شخص نے کسی کی آنکھ پر مارا اور آنکھ تو سلامت ہے، آنکھ کی بینائی چلی گئی، آنکھ کی بینائی چلی گئی، تو کیا اب قصاص آئے گا؟ کہتے ہیں ہاں بھائی اس کی بھی آنکھ کی بینائی ختم کر دی جائے گی، اور طریقہ اس کا بتلائیں گے کہ طریقہ یہ ہے کہ اس کے چہرے پر اور دوسری آنکھ کے اوپر گیلی یعنی تر روئی رکھ دی جائے گی، اور وہ جو ایک آنکھ ہے جس کی بینائی ختم کرنی ہے، اس کے سامنے ایک آئینے کو خوب گرم کر کے لایا جائے گا۔ تو بے انتہا چمکدار چیز جب آنکھ کے سامنے آئے ایک دم تو آنکھ کی بینائی ختم ہو جاتی ہے، چنانچہ اسی لیے کہتے ہیں عین دوپہر کے وقت سورج کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے کیونکہ آنکھوں کو سخت نقصان ہوتا ہے، حتیٰ کہ بینائی جانے کا بھی خطرہ۔ تو وہاں پر بھی وہ چمکدار آئینہ اس کی آنکھ کے سامنے لایا جائے گا اور اس کی تیز چمک جیسے ہی آنکھ پر پڑے گی فوراً ہی اس کی بینائی ختم ہو جائے گی، اور باقی چہرے پر اور دوسری آنکھ پر گیلی روئی رکھ دیں گے تاکہ باقی چہرے کو اور دوسری آنکھ کو کوئی نقصان نہ پہنچے بھائی، کیونکہ وہ گرم لوہا ہے، گرم شیشہ آنکھ کے سامنے لایا جائے گا تو باقی حصے کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ اور آج کل تو اور بھی جدید طریقے آ گئے، اور بھی آسانی ہو گئی، کسی بھی طریقے سے آنکھ کی بینائی ختم کر دی جائے گی بھائی۔

تو کہتے ہیں وَالْأُذُنِ اور جیسے کہ کان ہے، وَالْعَيْنِ اور آنکھ ہے، إِذَا ضُرِبَتْ جب اس کو ضرب لگائی جائے، فَذَهَبَ ضَوْؤُهَا تو اس کی بینائی چلی گئی، جب اس کو ضرب لگائی گئی اور اس کی فَذَهَبَ ضَوْؤُهَا تو اس کی روشنی چلی گئی یعنی اس کی بینائی چلی گئی وَهِيَ قَائِمَةٌ اس حال میں کہ آنکھ موجود ہے، آنکھ موجود ہے، فَيُجْعَلُ عَلَى وَجْهِهِ قُطْنٌ رَطْبٌ تو رکھا جائے گا اس کے چہرے پر قُطْنٌ رَطْبٌ گیلی روئی بھائی، تر روئی، بھیگی ہوئی روئی، وَيُقَابَلُ عَيْنُهُ بِمِرْآةٍ مُحْمَاةٍ اور مقابل کیا جائے گا اس کی آنکھ کو بِمِرْآةٍ مُحْمَاةٍ، مِرْآة کہتے ہیں آئینہ، آئینہ، شیشہ جس میں آپ اپنی صورت دیکھتے ہیں، مُحْمَاة گرم کیا ہوا، وَتُقَابَلُ عَيْنُهُ بِمِرْآةٍ مُحْمَاةٍ اور اس کی آنکھ کو سامنے لایا جائے گا ایک خوب گرم آئینے کے، خوب گرم آئینے کے سامنے اس کی آنکھ کو لایا جائے گا، تو اس طرح اس کی بینائی چلی جائے گی۔ اور یاد رکھنا مِرْآة سے آئینہ ہی نہیں مراد، مِرْآة سے آئینے جیسا شفاف لوہا مراد ہے، کیونکہ آئینے کو تو گرم کریں گے وہ تو ٹوٹ جائے گا بھائی، ہاں تو لوہا ہے لیکن اس کو جیسے آج کل تو بالکل آسانی ہو گئی ہر طرح کی چیزیں بنتی ہیں، ایسا لوہا جو آئینے جیسا ہو اس کو خوب گرم کر کے چمکدار ہو جائے گا، سرخ ہو جائے گا، اس کو اس کی آنکھ کے سامنے ایک دم لائیں گے تو اس کی بینائی ختم ہو جائے گی۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ اور یہ ضروری نہیں اسی طریقے سے کیا جائے، اب تو بہت جدید طریقے آ گئے، جدید مشینیں آ گئیں، اب تو آنکھ کی بینائی ختم کرنا کوئی مشکل کام ہی نہیں ڈاکٹروں کے لیے۔

وَلَوْ قُلِعَتْ لَا اور اگر آنکھ اکھاڑ دی گئی پھر قصاص نہیں آئے گا، مطلب آنکھ کو حلقے سے نکال دیا تو یہاں مماثلت نہیں ہو سکتی بھائی۔ إِذْ فِي الْقَلْعِ لَا تُمْكِنُ رِعَايَةُ الْمُمَاثَلَةِ، إِذْ فِي الْقَلْعِ کیونکہ اکھاڑنے کی صورت میں یعنی حلقے سے نکالنے کی صورت میں مماثلت کی رعایت ممکن نہیں ہے، یعنی برابری نہیں ہو سکتی۔[۳]

وَكُلِّ شَجَّةٍ تُرَاعَى فِيهَا الْمُمَاثَلَةُ اور اسی طرح ہر ایسے زخم میں کہ تُرَاعَى فِيهَا الْمُمَاثَلَةُ جس میں مماثلت کی رعایت ہو سکے۔ شَجَّةٌ، یاد رکھیے ایک ہے شَجَّةٌ، شَجَّةٌ، اور ایک ہے جِرَاحَةٌ۔ شَجَّةٌ بھی زخم کو کہتے ہیں، جِرَاحَةٌ بھی زخم کو کہتے ہیں، لیکن شَجَّةٌ خاص طور پر اس زخم کو کہا جاتا ہے جو چہرے یا سر پر لگے۔ سر یا چہرے کے زخم کو کیا کہتے ہیں؟ شَجَّةٌ۔ اور باقی جسم میں کوئی زخم لگے اس کو جِرَاحَةٌ کہتے ہیں بھائی یہ یاد رکھنا۔ اور یہاں کیا ذکر آیا: وَكُلِّ شَجَّةٍ ہر ایسا سر یا چہرے کا زخم تُرَاعَى فِيهَا الْمُمَاثَلَةُ جس میں رعایت رکھی جا سکے برابری کی تو اس میں قصاص آئے گا، اس میں قصاص آئے گا۔ كَالْمُوضِحَةِ جیسے مُوضِحَة ہے، مُوضِحَة ہے۔ بھائی یاد رکھیے یہ چہرے، چہرے اور سر کے جو زخم ہیں یہ دس قسم کے ہیں، ہر ایک کے الگ الگ نام ہیں باقاعدہ عربی زبان میں، یہ آگے کتاب الدیات کے اندر ہر ایک کی تفصیل آجائے گی بھائی کہ اس زخم کی صورت میں کیا فیصلہ ہوگا، اس زخم کی صورت میں کیا فیصلہ ہوگا، تو انہی میں سے ایک زخم کا نام مُوضِحَة ہے، مُوضِحَة۔ اور مُوضِحَة نام سے ہی پتہ چل رہا ہے: واضح کرنے والا، دیکھو یہ ایسا زخم ہے جو ہڈی کو واضح کر دیتا ہے یعنی ہڈی اس میں نظر آنے لگتی ہے، اتنا گہرا زخم لگایا کہ سر یا چہرے کی ہڈی نظر آنے لگ پڑی، اس کو کہتے ہیں مُوضِحَة، مُوضِحَة، نام سے پتہ لگ رہا ہے یا نہیں؟ واضح کر رہا ہے ہڈی کو یعنی اس کو کھول رہا ہے۔ خود بتلا رہے ہیں: كَالْمُوضِحَةِ جیسے کہ مُوضِحَة جو ہے، وَهِيَ أَنْ يَظْهَرَ الْعَظْمُ اور وہ یہ کہ ہڈی جو ہے وہ ظاہر ہو جائے، تو اس کے اندر قصاص ہے، اس کے اندر قصاص ہے، کیونکہ اس میں ہڈی کو نقصان نہیں، ہڈی کو توڑنا نہیں ہے، مجرم کو بھی ایسا ہی زخم لگایا جائے گا جو ہڈی تک پہنچے البتہ ہڈی کو نقصان نہ پہنچے بھائی۔

وَلَا قَوَدَ فِي عَظْمٍ إِلَّا فِي السِّنِّ اور قصاص نہیں ہے ہڈی میں إِلَّا فِي السِّنِّ سوائے دانت۔ دانت کے علاوہ اور کسی ہڈی میں قصاص نہیں۔ اور دانت میں کیوں قصاص ہے؟ کیونکہ اس کا ذکر قرآن میں آگیا بھائی: السِّنَّ بِالسِّنِّ دانت کے بدلے دانت ہے۔ فَيُقْلَعُ إِنْ قُلِعَتْ پس دانت کو اکھاڑا جائے گا إِنْ قُلِعَتْ اگر اس کو اکھاڑا گیا۔ اگر کسی نے کسی کا دانت اکھاڑا ہے تو اس کے مجرم کے دانت کو بھی اکھاڑا جائے گا، اور یہ بھی یاد رکھنا کہ قصاص کی بنیاد یہاں مماثلت پر ہے، لہٰذا جو دانت اس نے توڑا دوسرے کا، اس کا بھی وہی دانت توڑا جائے گا، یہ نہیں کہ جو بھی مرضی توڑ دیا جائے، نہیں نہیں، بِعَيْنِهِ وہی دانت اس کا بھی توڑا جائے گا بھائی، وہ توڑا۔ اور نیز ایک شخص نے کسی کا دایاں ہاتھ کاٹا ہے تو مجرم کا بھی دایاں ہاتھ ہی

[۳] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۵۰): صوتی درس کی قراءت میں «إِذْ فِي الْقَلْعِ لَا تُمْكِنُ رِعَايَةُ الْمُمَاثَلَةِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «إذ في القلعِ لا يمكنُ رعايةُ المماثلة.» منقول ہے۔

کاٹا جائے گا، ایک شخص نے دوسرے کا بایاں ہاتھ کاٹا ہے تو مجرم کے بھی بائیں ہاتھ ہی کو کاٹا جائے گا۔ تو کہتے ہیں فَيُقْلَعُ پس اس مجرم کے دانت کو اکھاڑا جائے گا إِنْ قُلِعَتْ اگر دانت کو اکھاڑا گیا ہے، یعنی اس نے دانت کو اکھاڑا ہے۔

وَتُبْرَدُ إِنْ كُسِرَتْ۔ بَرَدَ يَبْرُدُ کے معنیٰ ہیں ریتی سے کسی چیز کو گھسانا۔ ریتی جانتے ہیں بھائی؟ ریتی ایک آلہ ہے انتہائی کھردرا سا لوہے کا، اور کھردرا ہوتا ہے اور لکڑی کو گھسانا ہو یا لوہے کو گھسانا ہو تو اس کو اس لوہے پر یا لکڑی پر رگڑتے ہیں اور وہ لکڑی اور لوہا اس سے چھوٹے چھوٹے ذرات جو ہیں وہ الگ ہوتے چلے جاتے ہیں، وہ گھستا چلا جاتا ہے، چھوٹا ہو جاتا ہے، تو اس کو ریتی کہتے ہیں۔ صورت ذہن میں آگئی؟ یا جیسے بھائی یہ ناخن آپ کاٹتے ہیں، ناخن کاٹنے والے یہ نیل کٹر کے پیچھے کھردرا حصہ ہوتا ہے، ناخن کا اگر کوئی حصہ کچھ ٹیڑھا سا ہو تو آپ اس کھردرے حصے کو رگڑتے ہیں اور ناخن برابر ہو جاتا ہے، تو ریتی بھی اسی طرح کا ایک آلہ ہے اس کے ذریعے لکڑی کو یا لوہے وغیرہ کو گھسا کر برابر کرتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی اب اس نے دانت توڑا ہے، پہلے کیا تھا؟ جڑ سے نکالا تھا، جڑ سے نکالا تھا، تو اس کے بھی دانت کو جڑ سے نکال دیا جائے گا۔ اور اگر کسی نے کسی کے دانت کو توڑ دیا یعنی آدھا دانت رہ گیا، آدھا ٹوٹ گیا، تو اس صورت میں اس مجرم کے ساتھ بھی اسی طرح اس کا آدھا دانت جو ہے توڑا جائے گا۔ اب اور تو کوئی صورت نہیں توڑنے کی، اگر ویسے توڑیں گے تو کہیں ایسا نہ ہو سارا ہی ٹوٹ جائے، تو پھر ریتی کے ذریعے اس کو گھسایا جائے گا، ختم، اتنا ہی حصہ اس کا ختم کر دیا جائے گا جتنا اس نے دوسرے کا حصہ دانت کا حصہ ختم کیا تھا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور آج کل تو اور بھی آسانی آگئی، میں نے بتلایا ڈاکٹروں کے پاس جدید آلات وغیرہ ہیں، وہ بڑی آسانی سے مساوات ہو سکے گی بھائی۔ تو یہ معنیٰ ہے فَيُقْلَعُ إِنْ قُلِعَتْ پس جنایت کرنے والے کے دانت کو بھی اکھاڑ دیا جائے گا إِنْ قُلِعَتْ اگر اس دوسرے شخص کے دانت کو اکھاڑا گیا ہے، وَتُبْرَدُ إِنْ كُسِرَتْ اور دانت کو ریتی سے گھسایا جائے گا اگر اس کو توڑا گیا۔

وَلَا بَيْنَ رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ۔ پیچھے کیا ذکر آیا تھا؟ وَلَا قَوَدَ، ان چیزوں میں قصاص نہیں ہے سوائے دانت کے، دانت کی تفصیل ذکر کر دی، باقی وہ چیزیں بیان اب کر رہے ہیں جن میں قصاص نہیں، کہتے ہیں وَلَا بَيْنَ رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ اور مرد اور عورت کے درمیان بھی قصاص نہیں اعضاء میں، اعضاء میں۔ جان میں نہیں، جان میں تو قصاص آئے گا، پیچھے ذکر ہو چکا ہے بھائی، کوئی مرد کسی عورت کو قتل کرے جان بوجھ کر آلۂ قتل سے تو مرد کو بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا، قتل کیا جائے گا، لیکن اعضاء کے اندر قصاص نہیں، ایک شخص نے عورت کا ہاتھ جوڑ سے کاٹ دیا تو اس مرد کا ہاتھ جوڑ سے نہیں کاٹا جائے گا۔ بھائی کیوں نہیں کاٹا جائے گا؟ بھائی وجہ یہ ہے، وجہ یہ ہے کہ اس قصاص کی بنیاد بھی مساوات پر ہے، برابری ہونی چاہیے، اور یاد رکھو عورت کی جو دیت ہے وہ مرد کی دیت سے آدھی ہے، مرد کی دیت سو اونٹ ہے یا دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار، لیکن عورت کی دیت بالاجماع اس پر تقریباً ساری امت کا اجماع ہے کہ عورت کی دیت مرد سے نصف ہے، عورت کی دیت پچاس اونٹ ہیں، یا پانچ ہزار درہم یا پانچ سو دینار ہیں، تو عورت کی دیت نصف ہے بھائی۔ جیسے وراثت کے اندر

بھائی عورت کا حصہ آدھا ہے، بھائی اور بہن وارث بنیں تو بھائی کو بہن سے دگنا حصہ ملتا ہے، بہن کو اس سے آدھا ملتا ہے، بیٹا اور بیٹی وارث بنیں تو بیٹے کو بیٹی سے دگنا ملتا ہے، بیٹی کو اس کا آدھا ملتا ہے، یا جیسے گواہی کے اندر ہے بھائی دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر، معلوم ہوا ایک عورت کی گواہی آدھی ہے، کیا ہے؟ آدھی ہے۔ تو یہاں بھی اسی طرح ہے کہ عورت کی جو دیت ہے وہ مرد سے آدھی ہے۔

دیت آدھی ہے تو یہ جو اعضاء ہیں نا اعضاء، ان کے ساتھ مال والا برتاؤ کیا جاتا ہے، توجہ ہے؟ اعضاء مال کے درجے میں ہیں، مال والا برتاؤ کیا جاتا ہے، کیونکہ جس طرح مال کے ذریعے انسان اپنی جان بچاتا ہے اسی طرح اعضاء کے ذریعے بھی اپنی جان بچاتا ہے۔ بھائی مال کے ذریعے انسان اپنی جان بچاتا ہے کہ نہیں بچاتا؟ مال کے ذریعے ہی اپنے لیے کھانے پینے کا انتظام کرتا ہے تو کھائے گا پیے گا تو جان بچے گی، مال کے ذریعے ہی اپنے لیے سردی میں گرم کپڑوں کا انتظام کرتا ہے، انتظام نہیں کرے گا تو سردی سے ہلاک بھی ہو سکتا ہے، یا اسی طرح اگر کوئی شخص اس کو کوئی نقصان دینا چاہتا ہے وہ اس کو مال دے دیتا ہے کہ بھائی میرا مال لے لو لیکن مجھے نقصان نہ پہنچاؤ، تو دیکھو مال کے ذریعے انسان اپنی جان بچاتا ہے، اپنی حفاظت کرتا ہے، اسی طرح اعضاء کے ذریعے بھی انسان اپنی حفاظت کرتا ہے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے بھائی؟ اعضاء کے ذریعے بھی انسان اپنے سارے کام سرانجام دیتا ہے اور اپنی جان کی حفاظت کرتا ہے، دشمن سے بچاؤ کرتا ہے، اپنے سارے کام اس کے ذریعے کرتا ہے، تو اعضاء کس کے درجے میں ہیں؟ مال کے درجے میں ہیں، ان کے ساتھ مال والا برتاؤ کیا جاتا ہے۔

اور یاد رکھنا کوئی شخص کسی کا ہاتھ غلطی سے کاٹ دے تو اس میں قصاص تو نہیں آئے گا کیونکہ غلطی سے کاٹا ہے، ہاتھ کی دیت آئے گی، یا یوں کہو ہاتھ کا أَرْش آئے گا، کیا آئے گا؟ أَرْش آئے گا ہاتھ کا، اور ہاتھ کا کتنا أَرْش ہے؟ تو اس میں ضابطہ یہ ہے اگر کسی عضو کو کاٹنے سے پورا نفع ہی ختم ہو جائے تو پوری دیت آتی ہے، یا پورا حسن ہی ختم ہو جائے تو پوری دیت آتی ہے۔ توجہ ہے؟ یہ ضابطہ بہت قیمتی ضابطہ، کیا کہ اگر کسی عضو کو کاٹنے سے...

جنسِ نفع ہی وہ والا ختم ہو جائے جو اس عضو سے متعلق تھا تو پوری دیت آئے گی یعنی سو اونٹ دینے پڑیں گے۔ اور اگر نصف نقصان ہوا ہے تو نصف اونٹ دینے پڑیں گے۔ اور اگر اسی طرح پورا حسن و جمال ختم ہو گیا تو اس صورت میں بھی پوری دیت آئے گی۔ دیکھو مثالوں سے وضاحت ہوگی: مثلاً ایک شخص نے دوسرے کا ہاتھ کاٹ ڈالا اور ہاتھ کے ذریعے انسان اپنے سارے کام سرانجام دیتا ہے، چیزوں کو پکڑتا ہے، اٹھاتا ہے، کھاتا، پیتا وغیرہ سارے افعال سرانجام دیتا ہے، اور ہاتھ کتنے ہیں؟ دو ہاتھ ہیں ہر انسان کے۔ جب ایک ہاتھ کٹ گیا تو جنسِ نفع ختم ہوا یا آدھا نفع ختم ہو گیا؟ آدھا نفع ختم ہوا۔ اگر دونوں ہاتھ کاٹ دیتا غلطی سے تو پوری دیت آنی تھی کیونکہ جنسِ نفع ہی ختم ہو گیا اس عضو کا۔ اور یہاں چونکہ آدھا نقصان ہوا ہے تو آدھی دیت آجائے گی یعنی پچاس اونٹ دینے پڑیں گے۔ یا اسی طرح کسی کی غلطی کی وجہ سے کسی

کی دونوں آنکھوں کی بینائی ختم ہو گئی۔ اب قصاص تو نہیں آئے گا کیونکہ جان بوجھ کر تو ایسا نہیں کیا لیکن جنسِ نفع ختم ہو گیا، جب جنسِ نفع ختم ہوا اب بینائی بالکل ختم ہے تو کتنے اونٹ آئیں گے؟ سو کے سو اونٹ آجائیں گے بھائی۔

اور اگر کسی نے کسی کی مثلاً یہ ناک کاٹ ڈالی غلطی سے تو سارا حسن و جمال ہی اس کا ختم کر دیا۔ یاد رکھو یہ جو چہرے اور سر میں زخم لگتے ہیں یہ انسان کا حسن و جمال ختم کر دیتے ہیں، اور بعض صورتوں میں کچھ حسن و جمال ختم ہوگا اور بعض صورتوں میں سارا ہی حسن و جمال ختم ہو گیا۔ اب جب کسی شخص نے کسی کی ناک کاٹ دی، ایک تو وہ سونگھنے کی حس ختم ہو گئی، اور نیز اس کا سارا حسن و جمال ختم کر دیا، ناک کٹی ہوئی ہو تو انسان کتنی خوفناک صورت والا بن جائے گا بھائی، تو سارا حسن و جمال ختم کر دیا تو لہٰذا اس صورت میں پوری دیت آئے گی بھائی۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟

تو مرد کی کل دیت کتنی؟ سو اونٹ۔ تو ایک ہاتھ کی دیت کتنی ہوگی؟ پچاس اونٹ۔ اور عورت کی کل دیت کتنی؟ پچاس اونٹ، کل عورت کی دیت جو ہے پچاس ہے، تو اس کے ایک ہاتھ کی دیت کتنی ہوگی؟ پچیس اونٹ۔ تو دیکھا، معلوم ہوا مرد کے ہاتھ کی قیمت جو ہے وہ پچاس اونٹ، عورت کے ہاتھ کی قیمت پچیس اونٹ، تو اب اگر عورت کے ہاتھ کے بدلے میں مرد کا ہاتھ کاٹا جائے تو پھر تو برابری نہ رہے گی بھائی، لہٰذا اگر کوئی مرد کسی عورت کا ہاتھ جان بوجھ کر بھی کاٹ دے تو بھی اس مرد کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ اس کو دیت دینی پڑے گی یعنی پچیس اونٹ بھائی۔ یہ معنیٰ ہے وَلَا بَيْنَ رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ اور قصاص نہیں ہے مرد اور عورت کے بیچ میں۔ یا اس کا برعکس کر لو، برعکس کر لو: عورت نے مرد کا ہاتھ کاٹا جان بوجھ کر، توجہ ہے؟ عورت نے مرد کا ہاتھ جان بوجھ کر کاٹا، تو قصاص میں اس عورت کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ مساوات نہیں، مرد کا کتنا نقصان ہوا؟ پچاس اونٹوں کا، اور عورت کا اگر ہاتھ کاٹیں تو کتنا نقصان ہوگا؟ پچیس اونٹوں کا، لہٰذا مساوات نہیں تو عورت پر پچاس اونٹ واجب ہو جائیں گے۔

یہ معنیٰ ہے وَلَا بَيْنَ رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ اور قصاص نہیں ہے مرد اور عورت کے بیچ میں۔ وَبَيْنَ حُرٍّ وَعَبْدٍ اور قصاص نہیں ہے آزاد اور غلام کے درمیان، آزاد اور غلام۔ غلام نے آزاد کا ہاتھ کاٹا یا آزاد نے غلام کا ہاتھ کاٹا تو قصاص میں دوسرے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیوں نہیں کاٹا جائے گا؟ کیونکہ مساوات نہیں ہے۔ مرد کا اگر ہاتھ کاٹا ہے تو مرد کے ہاتھ کی قیمت تو پچاس اونٹ ہے، اور اگر غلام کا ہاتھ کاٹا ہے تو غلام کی تو قیمتیں مختلف ہوتی ہیں، توجہ ہے؟ غلام کی تو قیمتیں مختلف ہیں تو اس کے ہاتھ کی قیمت بھی مختلف ہو گئی لہٰذا مساوات نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں وَبَيْنَ حُرٍّ وَعَبْدٍ اور آزاد اور غلام کے درمیان بھی قصاص نہیں ہے۔ وَبَيْنَ عَبْدَيْنِ فِي الطَّرَفِ اور دو غلاموں کے درمیان بھی طَرَف میں یعنی عضو میں قصاص نہیں ہے۔ دیکھیے یہ فِي الطَّرَفِ کا تعلق سب سے ہے: مرد اور عورت کے بیچ قصاص نہیں یعنی طَرَف میں، عضو میں، عضو میں یعنی اعضاء میں نہیں ہے، جان میں ہے بھائی قصاص، مرد کو عورت

کے بدلے اور عورت کو مرد کے بدلے قتل کیا جائے گا اگر جان لی ہے ایک نے دوسرے کی جان بوجھ کر آلۂ قتل سے۔ لیکن یہاں بات کس کی ہو رہی ہے؟ فِي الطَّرَفِ عضو میں یعنی اعضاء میں۔ اور اسی طرح آزاد اور غلام کے درمیان بھی قصاص نہیں ہے اعضاء میں، اور اسی طرح دو غلاموں کے درمیان بھی قصاص نہیں ہے فِي الطَّرَفِ عضو میں یعنی اعضاء میں بھائی۔ بھائی کیوں نہیں دو غلاموں میں کیوں نہیں قصاص؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ غلاموں کی قیمت مختلف ہوتی ہے، ایک غلام کی قیمت اور ہوگی دوسرے کی قیمت اور ہوگی لہٰذا مساوات نہیں، برابری نہیں۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بھائی ہو سکتا ہے دو غلاموں کی قیمت برابر ہو بالکل، تو پھر تو ایک نے دوسرے کا ہاتھ جان بوجھ کر کاٹا ہے تو اس کے ہاتھ کو بھی جان بوجھ کر کاٹنا چاہیے بھائی۔ کہتے ہیں بھائی جو قیمت آپ لگاتے ہیں وہ کوئی قطعی ہوتی ہے یا اندازے سے ہوتی ہے؟ اندازے سے تاجر قیمت لگاتے ہیں تو یہاں اندازہ نہیں بھائی یہاں تو پوری مماثلت چاہیے بھائی۔

هَذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى يَجِبُ الْقِصَاصُ، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قصاص ثابت ہوگا ان سب صورتوں میں، إِلَّا إِذَا قَطَعَ الْحُرُّ طَرَفَ الْعَبْدِ، ہاں مگر اس صورت میں کہ جب آزاد آدمی جو ہے وہ غلام کا عضو کاٹ دے تو پھر قصاص نہیں یعنی آزاد کے ہاتھ کو نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ مساوات نہیں ہے۔ فَإِنَّهُ لَا قِصَاصَ عِنْدَهُ أَيْضًا تو پس ان کے نزدیک جو ہے قصاص نہیں ہے یعنی اس صورت میں ان کے نزدیک بھی قصاص نہیں ہے۔ وَإِنَّمَا لَا يَجْرِي الْقِصَاصُ عِنْدَنَا ہمارے نزدیک ان تمام صورتوں میں قصاص جاری نہیں ہوتا، لِأَنَّ الْأَطْرَافَ يُسْلَكُ بِهَا مَسْلَكَ الْأَمْوَالِ اس لیے کیونکہ اعضاء جو ہوتے ہیں يُسْلَكُ بِهَا مَسْلَكَ الْأَمْوَالِ ان کے ساتھ مال والا معاملہ کیا جاتا ہے، ان کے ساتھ مال والا سلوک کیا جاتا ہے، تو لہٰذا برابری نہیں ہوگی یہاں، تو اس لیے نہیں۔ فَتَنْعَدِمُ الْمُمَاثَلَةُ بِالتَّفَاوُتِ فِي الْقِيمَةِ تو مماثلت یعنی برابری جو ہے وہ معدوم ہو جائے گی بوجہ فرق ہونے کے قیمت میں، قیمت میں فرق کی وجہ سے برابری معدوم ہو جائے گی اس لیے یہاں قصاص نہیں آئے گا۔

وَلَا فِي قَطْعِ يَدٍ مِنْ نِصْفِ السَّاعِدِ اور نصف کلائی سے ہاتھ کاٹنے کے اندر بھی قصاص نہیں۔ وَلَا فِي قَطْعِ يَدٍ مِنْ نِصْفِ السَّاعِدِ نصف کلائی سے ہاتھ کاٹنے میں بھی قصاص نہیں۔ میں نے بتلایا سَاعِد کسے کہتے ہیں؟ یہ جو کلائی کا جوڑ ہے، یہ ہاتھ اور ہتھیلی کے درمیان جو جوڑ ہے اس جوڑ سے لے کر کہنی کے جوڑ تک یہ درمیان والا حصہ سَاعِد کہلاتا ہے، اب اگر درمیان سے کسی نے کسی کا ہاتھ کاٹا تو اس میں قصاص نہیں آئے گا۔ کیوں نہیں آئے گا؟ کیونکہ اس میں ہڈی آگئی، ہڈی معلوم ہوا ہڈی توڑی ہے اور ہڈی کے اندر تو قصاص نہیں ہے۔ یہ معنیٰ ہے وَلَا فِي قَطْعِ يَدٍ مِنْ نِصْفِ السَّاعِدِ اور قصاص نہیں ہے کسی ہاتھ کو کاٹنے میں نصف کلائی سے۔

وَجَائِفَةِ بَرِئَتْ اور قصاص نہیں ہے ایسے جَائِفَة میں بَرِئَتْ جو ٹھیک ہو جائے، جو صحیح ہو جائے۔ جَائِفَة کہتے ہیں پیٹ میں پیٹ یا سینے یا کمر پر ایسا زخم لگانا جو اندر تک پہنچ جائے، جو اندر تک پہنچ جائے یعنی خوب گہرا زخم لگا دیا، خوب گہرا زخم

لگا دیا، تو یہ ہے جَائِفَة جَائِفَة۔ اس میں قصاص نہیں ہے بھائی، قصاص نہیں۔ بھائی کیوں نہیں قصاص؟ اس کو بھی ایسا ہی گہرا زخم لگا دیا جائے! کہتے ہیں نہیں بھائی، کہتے ہیں جَائِفَة کے اندر عموماً انسان بچتا نہیں ہے۔ آج کل تو خیر جدید چیزیں آ گئیں، اب تو جیسا بھی زخم ہو ڈاکٹر وغیرہ علاج کرتے ہیں اس کو اور اللہ زندگی نصیب فرما دیتے ہیں، لیکن قدیم زمانے میں تو ایسے اسباب نہیں تھے تو کسی کے اگر گہرا زخم لگ جاتا اندر تک پھر اس کا بچنا بڑا مشکل ہوتا تھا، وہ بچتا نہیں تھا۔ تو جَائِفَة سے چونکہ انسان بچتا ہی نہیں ہے لہٰذا اس میں قصاص نہیں آئے گا۔ بھائی دیکھو نا ایک نے دوسرے کو جَائِفَة لگایا خوب گہرا زخم پیٹ پر یا سینے پر یا کمر میں گہرا زخم لگایا، اور اگر اس زخم سے یہ مر گیا پھر تو قصاص آئے گا اس کی بھی جان لیں گے، ہم بات کر رہے ہیں جَائِفَة کی، قصاص کی بات نہیں کر رہے، جَائِفَة اس نے لگایا اور جَائِفَة کا بدلہ لینا ہے، معلوم ہوا اس جَائِفَة سے یہ آدمی ٹھیک ہو گیا، اس جَائِفَة سے یہ آدمی تندرست ہو گیا، جبھی تو جَائِفَة کے قصاص کی بات ہو رہی ہے، قتل کے قصاص کی بات نہیں ہو رہی، تو جب یہ ٹھیک ہو گیا تو اب جَائِفَة ہی اس کو لگانے کی اجازت دی جائے؟ بھائی جَائِفَة سے تو کوئی آدمی بچتا ہی نہیں، اس کا بچنا بھی خود نادر تھا، خود نادر تھا، تو اگر دوسرے کو ہم جَائِفَة لگائیں گے تو اس کا تو بچنا بڑا مشکل ہے کیونکہ اس سے تو انسان عموماً بچتا ہی نہیں ہے، وہ جَائِفَة تو ہلاکت تک پہنچا دے گا بھائی، وہ مجرم تو ہلاک ہو جائے گا، جان چلی جائے گی اس کی، اس لیے وہاں قصاص نہیں آئے گا۔

یہ معنیٰ ہے وَجَائِفَةٍ بَرِئَتْ اور قصاص نہیں ہے ایسے جَائِفَة کے اندر بَرِئَتْ جو ٹھیک ہو جائے، صحیح ہو جائے۔ فَإِنَّ الْجَائِفَةَ إِذَا بَرِئَتْ لَا يَجْرِي فِيهَا الْقِصَاصُ اس لیے کیونکہ جَائِفَة جو ہے جب وہ ٹھیک ہو جائے تو اس میں قصاص جاری نہیں ہوتا۔ کیوں؟ لِأَنَّ الْبُرْءَ فِيهَا نَادِرٌ اس لیے کیونکہ اس میں تندرست ہونا بڑا ہی نادر ہے، فَالظَّاهِرُ أَنَّ الثَّانِيَ يُفْضِي إِلَى الْهَلَاكِ تو پس ظاہر یہی ہے کہ دوسرا جَائِفَة جو ہے وہ اس کو ہلاکت تک پہنچا دے گا یعنی مجرم کو جو جَائِفَة ہم لگائیں گے وہ اس کو ہلاکت تک پہنچا دے گا تو برابری نہ رہے گی۔[۴]

أَمَّا إِذَا لَمْ تَبْرَأْ، آہاں باقی وہ اگر وہ جَائِفَة ٹھیک نہ ہوا، فَإِنْ كَانَتْ سَارِيَةً پس اگر وہ جَائِفَة سرایت کرنے والا تھا تو يَجِبُ الْقِصَاصُ تو قصاص واجب ہوگا۔ سرایت کرنے والا، سرایت کا کیا معنیٰ؟ زخم کا بڑھ جانا، پھیل جانا، اندر تک پہنچ جانا کہ وہ جان لیوا بن جائے، کیا بن جائے؟ تو اردو میں تو سرایت کا معنیٰ ہے پھیل جانا، یہاں سرایت سے مراد پھیلنا نہیں ہے، پھیل کر جان لیوا بن جائے، دوسرے کی جان چلی جائے اس کو کہیں گے کہ زخم سرایت کر گیا یعنی اتنا اندر تک پہنچ گیا کہ اس نے دوسرے کی جان ہی لے لی، تو سرایت کا لفظ جہاں بھی یہاں آئے گا بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ آگے جگہ جگہ اس کا ذکر آ رہا ہے، ان سب سے زخم کا پھیلنا مراد نہیں ہے بلکہ دوسرے کی جان کا چلے جانا، دوسرے کے ہلاک ہو جانے... کسی نے

[۴] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۵۱): صوتی درس کی قراءت میں «فَإِنَّ الْجَائِفَةَ إِذَا بَرِئَتْ لَا يَجْرِي فِيهَا الْقِصَاصُ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فإنَّ الجائفةَ إذا برأت لا يجري فيها القصاص؛» منقول ہے۔

کسی کو جَائِفَة لگایا اور وہ زخم پھیل گیا اور اس کی جان چلی گئی تو ہم کہیں گے یہ جَائِفَة جو ہے یہ سرایت کر گیا یعنی جان لیوا ثابت ہوا۔ اب دیکھیے ترجمہ: أَمَّا إِذَا لَمْ تَبْرَأْ اور اگر وہ جَائِفَة ٹھیک نہ ہوا فَإِنْ كَانَتْ سَارِيَةً پس اگر وہ سرایت کرنے والا ہوا، کیا معنیٰ؟ جان لیوا ہوا، اگر وہ سرایت کر گیا اور جان لیوا بن گیا یعنی اس کی جان چلی گئی تو يَجِبُ الْقِصَاصُ تو پھر کیا واجب ہوگا؟ قصاص واجب ہوگا۔ ورنہ اردو کے اعتبار سے دیکھیں تو معنیٰ بنتا ہے اگر زخم بڑھ گیا تو قصاص لیں گے، بھائی زخم کے بڑھنے سے کبھی قصاص آتا ہے؟ نہیں، قصاص تو تب آتا ہے جب جان چلی جائے۔ تو فَإِنْ كَانَتْ سَارِيَةً اگر وہ جَائِفَة جو ہے وہ سرایت کر گیا یعنی جان لیوا ثابت ہوا يَجِبُ الْقِصَاصُ تو قصاص ثابت ہوگا۔

وَإِنْ لَمْ تَسْرِ بَعْدُ اور اگر اس نے سرایت نہ کی بعد میں تو لَا يُقْتَصُّ تو قصاص نہیں لیا جائے گا إِلَى أَنْ يَظْهَرَ الْحَالُ یہاں تک کہ اس کا حال ظاہر ہو جائے مِنَ الْبُرْءِ وَالسِّرَايَةِ یعنی کہ تندرست ہونا اور سرایت کرنا۔ ایک شخص نے دوسرے کو جَائِفَة لگایا، اب اس جَائِفَة نے سرایت تو نہ کی، اپنی جگہ پر رکا ہوا ہے، تو اب کیا کیا جائے گا؟ کہتے ہیں انتظار کریں گے، انتظار کریں گے، دیکھتے ہیں کہ یہ جَائِفَة ٹھیک ہوتا ہے یا یہ موت تک لے جاتا ہے۔ اگر ٹھیک ہو گیا تو پھر جَائِفَة کے اندر تو قصاص نہیں، اور اگر اس نے موت تک پہنچا دیا تو پھر موت کی صورت میں تو قصاص آتا ہے، تو لہٰذا انتظار کیا جائے گا۔ جَائِفَة زخم ہے اور جَائِفَة زخم وَإِنْ لَمْ تَسْرِ بَعْدُ اس نے سرایت نہیں کی، اپنی جگہ پر رک گیا ہے، اپنی جگہ پر، تو لَا يُقْتَصُّ تو قصاص نہیں لیا جائے گا إِلَى أَنْ يَظْهَرَ الْحَالُ یہاں تک کہ اس کا حال ظاہر ہو جائے، کیا حال ظاہر ہو جائے؟ مِنْ کے ذریعے بیان کر دیا، یہ مِنْ بیان ہے حال کا، کہ حال ظاہر ہو جائے یعنی تندرست ہونا اور سرایت کرنا، تو حال کی جگہ ان دونوں کو رکھ دیں: یہاں تک کہ تندرست ہونا یا سرایت کرنا ظاہر ہو جائے، پتہ چل جائے کہ یہ تندرست ہوتا ہے یا یہ سرایت کر کے موت تک لے جاتا ہے، تو موت تک لے جائے پھر کیا کریں گے؟ قصاص لے لیں گے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ مِنَ الْبُرْءِ وَالسِّرَايَةِ یہ کس کا بیان ہے؟ حال کا۔ إِلَى أَنْ يَظْهَرَ الْحَالُ مِنَ الْبُرْءِ وَالسِّرَايَةِ یہاں تک کہ اس کا حال یعنی کہ تندرست ہونا یا سرایت کرنا ظاہر ہو جائے۔

وَاللِّسَانُ وَالذَّكَرُ إِلَّا أَنْ يَقْطَعَ الْحَشَفَةَ۔ یاد رکھیے بھائی زبان کے اندر قصاص نہیں، زبان کے اندر قصاص نہیں کیونکہ مساوات نہیں ہو سکتی۔ ایک شخص دوسرے شخص کی زبان کاٹ دیتا ہے تو اس مجرم کی زبان نہیں کاٹی جائے گی کیونکہ یہاں مماثلت نہیں ہو سکتی، برابری نہیں ہو سکتی۔ کیوں بھائی برابری کیوں نہیں ہو سکتی؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ زبان میں انبساط و انقباض ہوتا ہے، کبھی زبان سکڑ جاتی ہے کبھی پھیل جاتی ہے۔ زبان منہ کے اندر ہے دیکھو سکڑی ہوئی ہے، چھوٹی سی ہے، اور منہ سے زبان باہر نکالیں دیکھو زبان لمبی ہو گئی، تو یہاں پر مساوات نہ ہو سکے گی۔ اور اسی طرح ذَکَر، مرد کا جو آلۂ تناسل ہے اس میں بھی یہی علت ہے، لہٰذا وہاں پر بھی قصاص نہیں آئے گا بھائی، قصاص نہیں آئے گا۔ وَاللِّسَانُ وَالذَّكَرُ اور اسی طرح قصاص نہیں ہے اس زبان کے اندر بھی وَالذَّكَرِ...

اور عضوِ مخصوص میں بھی، إِلَّا أَنْ يَقْطَعَ الْحَشَفَةَ مگر یہ کہ وہ اس کے حَشَفَة کو کاٹ دے۔ حَشَفَة کہتے ہیں آلۂ تناسل کے اگلے حصے کو، آلۂ تناسل کے سر کو، وہاں مساوات ہو سکتی ہے کیونکہ وہ متعین ہے، تو اس میں پھر قصاص آئے گا۔

هَذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے، لِأَنَّ الْانْقِبَاضَ وَالْانْبِسَاطَ يَجْرِي فِيهِمَا اس لیے کیونکہ ان کے اندر انقباض و انبساط جاری ہوتا ہے، انقباض کا معنیٰ سکڑنا، انبساط کا معنیٰ پھیلنا، کیونکہ ان کے اندر سکڑنا اور پھیلنا جاری ہوتا ہے، فَلَا تُرَاعَى الْمُمَاثَلَةُ لہٰذا برابری کی رعایت نہیں رکھی جا سکتی۔ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى إِنْ كَانَ الْقَطْعُ مِنَ الْأَصْلِ يُقْتَصُّ۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں إِنْ كَانَ الْقَطْعُ مِنَ الْأَصْلِ کہ اگر آلۂ تناسل کو کاٹ دیا مِنَ الْأَصْلِ جڑ سے ہی، يُقْتَصُّ پھر قصاص لیا جائے گا کیونکہ یہاں برابری ہو سکتی ہے۔

وَطَرَفُ الْمُسْلِمِ وَالذِّمِّيِّ سَوَاءٌ۔ مسلمان اور ذمی کے عضو جو ہیں وہ برابر ہیں یعنی مسلمان کے عضو کے بدلے ذمی کا عضو کاٹا جائے گا اور ذمی کے عضو کے بدلے مسلمان کا عضو کاٹا جائے گا۔

وَيُخَيَّرُ الْمَجْنِيُّ عَلَيْهِ إِنْ كَانَتْ يَدُ الْقَاطِعِ شَلَّاءَ أَوْ نَاقِصَةً بِإِصْبَعٍ أَوِ الشَّجَّةُ لَا تَسْتَوْعِبُ مَا بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّاجِّ وَاسْتَوْعَبَ مَا بَيْنَ قَرْنَيِ الْمَشْجُوجِ۔ صورتِ مسئلہ یہ بھائی: ایک شخص نے دوسرے شخص کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا، اور جو مجرم ہے اس کا دایاں ہاتھ شَل ہے، شَل ہے، بھائی میں نے بتلایا اگر دایاں ہاتھ کسی نے کسی کا کاٹا ہے تو مجرم کا بھی دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا، اگر بایاں ہاتھ کاٹا ہے تو مجرم کا بھی بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اب صورت یہ ہے ایک شخص نے دوسرے کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا اور مجرم کا جو دایاں ہاتھ ہے وہ شَل ہے، شَل ہے یعنی پوری طرح حرکت نہیں کرتا، صحیح تندرست انسان کی طرح اس کا ہاتھ نہیں ہے، یا اس کے ہاتھ میں ایک دو انگلیاں کم ہیں بھائی، تو اب کیا قصاص آئے گا؟ قصاص بھی آجائے پھر تو برابری نہیں ہو سکتی بھائی، اس نے اس کا بالکل صحیح سلامت ہاتھ کاٹا ہے اور اس کا ہاتھ تو کچھ شَل ہے یا اس کی انگلیاں کم، کہتے ہیں ہاں بھائی یہاں مماثلت نہیں ہو سکتی، تو اس صورت میں جو مَجْنِيّ عَلَيْه ہے جس پر جنایت کی گئی اس کو اختیار ہے، اختیار ہے، وہ چاہے تو اس کا یہی ہاتھ ہی کاٹ دے، یہی شَل ہاتھ کاٹ دے یا یہی ہاتھ جس کی انگلیاں کم ہیں اسی کو کاٹ دے یا اس کے ہاتھ کا أَرْش لے لے، دیت لے لے۔

دوسری صورت، دوسری صورت: ایک شخص نے دوسرے شخص کے سر پر زخم لگایا، اور میں نے بتایا یہ سر اور چہرے پر جو زخم لگیں وہ انسان کا حسن و جمال ختم کر دیتے ہیں، تو جس کو زخم لگایا سر پر، وہ ایسا زخم لگایا کہ ایک بالشت کا زخم لگایا، ایک بالشت بھائی یعنی بالشت جانتے ہو بھائی انگوٹھے کے کنارے سے لے کر چھوٹی انگلی کے درمیان جو فاصلہ ہے اس کو بالشت کہا جاتا ہے، تو اتنا لمبا زخم اس کے سر پر لگایا اور ایسے لگایا کہ سر کے ایک جانب سے شروع ہوتا ہے دوسری جانب تک وہ زخم پہنچ رہا ہے، گویا دونوں طرف سے سر بدنما لگ رہا ہے، پورا سر ہی اس کا بدنما بن گیا بھائی۔ اور اب قصاص

آیا، ایسا زخم تھا جس میں قصاص آتا تھا، اور قصاص کس میں آتا تھا؟ مُوضِحَة میں، کس میں؟ مُوضِحَة میں۔ تو اب اگر جو جنایت کرنے والا ہے، جو مجرم ہے اس پر بھی اتنا ہی زخم لگایا جائے تو وہ زخم سر کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک نہیں پہنچتا، معلوم ہوا جس کو زخم لگایا گیا اس کا سر چھوٹا تھا وہ ایک بالشت زخم ہی سر کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچ گیا، اور یہ جو مجرم ہے اس کا سر بڑا ہے، اگر اس کے سر پر اتنا ہی ایک بالشت والا زخم ہم لگائیں تو وہ ایک جانب سے دوسری جانب کو نہیں پہنچتا، اگر دائیں جانب سے لگائیں تو بائیں طرف کو نہیں پہنچتا، بائیں طرف لگائیں تو دائیں طرف نہیں پہنچتا، تو اب کیا کیا جائے؟ کہتے ہیں بھائی یہاں پر بھی مماثلت ممکن نہیں ہے، جس کا سر اس نے زخمی کیا ہے وہ جتنا بدنما بن گیا، مجرم کو اگر ہم اتنا ہی کٹ لگائیں وہ اتنا بدنما نہیں بنتا، تو برابری نہیں ہو رہی، تو اس صورت میں بھی اس شخص کو اختیار ہوگا چاہے تو یہی زخم لگا لے اور چاہے تو أَرْش لے لے، دیت لے لے۔

یہ کہتے ہیں وَيُخَيَّرُ اور اختیار دیا جائے گا الْمَجْنِيُّ عَلَيْهِ، جَنَى يَجْنِي کے معنیٰ ہیں جنایت کرنا، مَجْنِيٌّ یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے جیسے مَرْمِيٌّ بھائی۔ وَيُخَيَّرُ الْمَجْنِيُّ عَلَيْهِ اور اختیار دیا جائے گا اس شخص کو جس کے خلاف جنایت کی گئی إِنْ كَانَتْ يَدُ الْقَاطِعِ شَلَّاءَ اگر کاٹنے والے کا ہاتھ شَل تھا أَوْ نَاقِصَةً بِإِصْبَعٍ یا وہ ناقص تھا ایک انگلی سے یعنی اس میں ایک انگلی ایک یا دو انگلیاں اس میں کم تھیں۔ بھائی یاد رکھو پورا شَل مراد نہیں یا ساری انگلیاں ہی نہ ہوں ایسا نہیں، ایسا نہیں۔ کیوں؟ اگر پورا ہی ہاتھ شَل ہے اس کا، پھر تو اس کا کاٹنا نہ کاٹنا برابر ہے بھائی، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اس نے اس کا ٹھیک ہاتھ کاٹا ہے، اس کا وہ ہاتھ کاٹیں وہ تو پہلے ہی بیکار ہے کسی کام کا نہیں ہے، تو پھر اس صورت میں پھر اختیار نہیں ہوگا پھر دیت ہی اس کو دینا پڑے گی بھائی۔ یا اسی طرح انگلی کٹی ہے، ایک دو انگلیاں کٹی ہوں تو پھر ٹھیک ہے اور اگر ساری انگلیاں کٹی ہیں یا زیادہ کٹی ہوئی ہیں پھر تو وہ ہاتھ بالکل ہی تقریباً بیکار ہے، بڑا معمولی سا ایک چھوٹا موٹا اس سے کام کر سکتا ہے، عام کام وہ اس سے سرانجام دے ہی نہیں سکتا تو اس کے تو کاٹنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، لہٰذا اس صورت میں پھر اختیار نہیں ہوگا بلکہ وہاں پر پھر أَرْش ہی آئے گا۔

تو کہتے ہیں اگر اس کاٹنے والے کا ہاتھ شَل تھا تو اور یا أَوْ نَاقِصَةً بِإِصْبَعٍ یا اس کا ہاتھ ناقص تھا ایک انگلی سے یعنی اس کی ایک انگلی کم تھی تو اس میں اختیار دیا جائے گا، اور نیز اختیار دیا جائے گا أَوِ الشَّجَّةُ اگر اس کا سر کا زخم جو ہے لَا تَسْتَوْعِبُ وہ گھیرتا نہیں ہے، اسْتِيعَاب کا معنیٰ گھیر لینا، لَا تَسْتَوْعِبُ وہ گھیرتا نہیں ہے مَا بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّاجِّ۔ بھائی ایک ہے شَاجّ، ایک ہے مَشْجُوج۔ شَجَّةٌ کسے کہتے ہیں؟ سر کا زخم۔ شَاجٌّ اسم فاعل ہے زخم لگانے والا، سر پر زخم لگانے والا۔ اور مَشْجُوج جس کے سر پر زخم لگایا گیا ہے۔ اور ایک لفظ آرہا ہے قَرْنٌ قَرْنٌ۔ قَرْن یاد رکھو، قَرْن سینگ کو کہتے ہیں، گائے، بیل، بکری کے جو سینگ ہوتے ہیں سر پر ان کو قَرْنٌ کہتے ہیں، اور انسان کے تو قَرْن نہیں تو قَرْن سے مراد ہیں انسان کے سر کی جانبیں، کیونکہ سینگ بھی حیوان کے سر پر دائیں اور بائیں ہوتے ہیں نا دونوں جانب میں ہوتے ہیں تو اسی طرح سر کی دونوں جانب جو ہیں

ان کو بھی عربی میں قَرْنٌ کہتے ہیں قَرْنٌ۔

کہتے ہیں أَوِ الشَّجَّةُ اور اگر وہ زخم جو تھا وہ لَا تَسْتَوْعِبُ مَا بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّاجِّ وہ گھیرتا نہیں ہے وہ جو درمیان میں ہے قَرْنَيِ الشَّاجِّ شَاجّ کے دو قَرنوں کے، اصل میں تھا قَرْنَيْنِ یہ تثنیہ تھا نون اضافت سے گر گیا، شَاجّ کے سر کے دو کناروں کے درمیان کو وہ زخم نہیں گھیرتا، ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ اس کو پیچھے سے جوڑیں وہ جو آیا تھا وَيُخَيَّرُ الْمَجْنِيُّ عَلَيْهِ مَجْنِيّ عَلَيْه کو اختیار دیا جائے گا إِنْ كَانَتِ الشَّجَّةُ اگر وہ جو اس کے سر کا زخم ہے وہ جو زخم ہے لَا تَسْتَوْعِبُ مَا بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّاجِّ وہ گھیرتا نہیں ہے زخم لگانے والے سر کے دونوں کناروں کو وَاسْتَوْعَبَ مَا بَيْنَ قَرْنَيِ الْمَشْجُوجِ اس حال میں کہ اس زخم نے گھیر لیا تھا مَشْجُوج کے سر کے دونوں کناروں کو، مَشْجُوج کے سر کے دونوں کناروں کو اس زخم نے گھیر لیا تھا لیکن شَاجّ کے سر کے دونوں کناروں کو وہ زخم نہیں گھیرتا تو اس مَجْنِيّ عَلَيْه کو اس مَشْجُوج کو اختیار دیا جائے گا۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟

أَيْ شَجَّ رَجُلٌ رَجُلًا مُوضِحَةً یعنی زخم لگایا سر پر کسی ایک شخص نے دوسرے شخص کو مُوضِحَةً کون سا زخم؟ مُوضِحَة کیونکہ اسی میں قصاص آتا ہے باقیوں میں نہیں۔ حَتَّى وَجَبَ الْقِصَاصُ تاکہ قصاص ثابت ہو۔ مُوضِحَة لگایا کوئی اور زخم نہیں ورنہ باقیوں میں تو قصاص نہیں ہے۔ حَتَّى وَجَبَ الْقِصَاصُ یہاں تک کہ قصاص ثابت ہو۔ وَالشَّجُّ طُولُهَا مِقْدَارُ شِبْرٍ مَثَلًا اور وہ زخم جو تھا اس کی لمبائی جو ہے وہ ایک بالشت کی مقدار تھی مثال کے طور پر وَرَأْسُ الْمَشْجُوجِ صَغِيرٌ اور مَشْجُوج جو تھا اس کا سر چھوٹا تھا اسْتَوْعَبَ الشَّجَّةُ مَا بَيْنَ قَرْنَيْهِ تو اس سر کے زخم نے گھیر لیا اس کے سر کے دونوں کناروں کو یعنی دائیں طرف سے بائیں طرف وہ زخم پہنچ گیا، وَرَأْسُ الشَّاجِّ عَظِيمٌ اور شَاجّ کا سر بڑا تھا لَا تَسْتَوْعِبُ الشَّجَّةُ اس کے سر کو نہیں گھیرتا وہ والا زخم، وَهِيَ شِبْرٌ مَا بَيْنَ قَرْنَيْهِ اور وہ کتنا ہے؟ وہ زخم کتنا ہے؟ وَهِيَ شِبْرٌ مَا بَيْنَ قَرْنَيْهِ وہ ایک بالشت ہے سر کی دو جانبوں کے درمیان، یہ زخم اس کے سر کو... بھائی پیچھے آیا نا لَا تَسْتَوْعِبُ الشَّجَّةُ وہ زخم اس کے سر کو نہیں گھیرتا، بھائی کون سا وہ زخم؟ کہتے ہیں وَهِيَ شِبْرٌ مَا بَيْنَ قَرْنَيْهِ وہ ایک بالشت کا زخم جو اس کے سر کے دونوں کناروں کے بیچ ہو یہ وہ زخم اس کے نہیں گھیرتا۔ فَالشَّيْنُ الَّذِي لَحِقَ الْمَشْجُوجَ أَكْثَرُ مِمَّا يَلْحَقُ الشَّاجَّ، شَیْن کہتے ہیں بدنما ہونا، بدنما ہونا، برا لگنا۔ پس وہ بدنمائی جو الَّذِي لَحِقَ الْمَشْجُوجَ جو مَشْجُوج کو لاحق ہو گئی، اس کا سر بدنما ہو گیا نا، تو وہ بدنمائی جو مَشْجُوج کو لاحق ہوئی أَكْثَرُ وہ زیادہ تھی مِمَّا يَلْحَقُ الشَّاجَّ اس سے جو شَاجّ کو لاحق ہوگی، وہ بدنمائی جو مَشْجُوج کو لاحق ہوئی وہ اس بدنمائی سے زیادہ ہے جو کس کو لاحق ہوگی؟ شَاجّ کو شَاجّ کو۔ تو کہتے ہیں فَالشَّيْنُ الَّذِي لَحِقَ الْمَشْجُوجَ أَكْثَرُ مِمَّا يَلْحَقُ الشَّاجَّ پس وہ بدنمائی جو مَشْجُوج کو لگ گئی وہ اس بدنمائی سے زیادہ ہے جو شَاجّ کو لگے گی، فَالْمَشْجُوجُ بِالْخِيَارِ تو اس صورت میں مَشْجُوج کو اختیار ہے إِنْ شَاءَ اقْتَصَّ اگر چاہے تو وہ قصاص لے لے وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الْأَرْشَ اور اگر چاہے تو أَرْش لے لے۔

وَيَسْقُطُ الْقَوَدُ بِمَوْتِ الْقَاتِلِ وَبِعَفْوِ الْأَوْلِيَاءِ وَبِصُلْحِهِمْ عَلَى مَالٍ قَلَّ أَوْ جَلَّ۔ بھائی یاد رکھیے اگر قصاص لینے سے پہلے ہی

وہ قاتل طبعی موت مر گیا تو قصاص ساقط ہو جائے گا۔ ایک شخص نے دوسرے شخص کا قتل کیا تھا جان بوجھ کر آلۂ قتل سے تو اس پر قصاص آیا اور اب اس کو بھی قتل کیا جائے گا لیکن قصاص وصول کرنے سے پہلے ہی اس قاتل کا انتقال ہو گیا تو یاد رکھیے قصاص ساقط ہو گیا، اس لیے کیونکہ وہ جان ہی چلی گئی جس سے اس قصاص کو وصول کرنا تھا۔ اسی طرح یاد رکھیے بھائی کہ یہ جو قصاص ہوتا ہے یہ اولیاء کا حق ہوتا ہے، اب اگر ایک شخص کے دو یا تین یا چار اولیاء ہیں بھائی مقتول کے مثلاً تین بیٹے ہیں یا چار بیٹے ہیں تو ان چاروں کا حق ہے، اور ان میں سے اگر ایک بھی معاف کر دے تو قصاص ساقط ہو جائے گا، قصاص ساقط ہو جائے گا، یا ان میں سے ایک بھی مال کے بدلے صلح کر لے تو باقیوں کا بھی قصاص ساقط ہو جائے گا، البتہ اس میں پھر ان کا حصہ دیت کے اندر آئے گا تفصیل آگے آ رہی ہے دیکھیے بھائی۔

وَيَسْقُطُ الْقَوَدُ بِمَوْتِ الْقَاتِلِ اور قصاص جو ہے وہ ساقط ہو جاتا ہے قاتل کی موت کی وجہ سے کہ اگر وہ مر جائے، وَبِعَفْوِ الْأَوْلِيَاءِ اور اولیاء کے معاف کر دینے سے، اولیاء اگر معاف کر دیتے ہیں تو قصاص ساقط ہو گیا، وَبِصُلْحِهِمْ عَلَى مَالٍ اور ان کے مال پر صلح کرنے کی وجہ سے قَلَّ أَوْ جَلَّ مال تھوڑا ہو یا زیادہ، جتنے مال پر بھی وہ صلح کرنا چاہیں کر سکتے ہیں، دیت تو ہے سو اونٹ لیکن اگر وہ بیس اونٹوں پر صلح کرتے ہیں تو بیس ہی لازم ہو جائیں گے قاتل پر، اور اگر وہ پانچ سو اونٹوں پر صلح کرتے ہیں تو قاتل پر پانچ سو لازم ہو جائیں گے بھائی۔ یہ معنیٰ ہے اور قصاص ساقط ہو جاتا ہے بِصُلْحِهِمْ ان اولیاء کے صلح کرنے کی وجہ سے عَلَى مَالٍ ایسے مال پر قَلَّ أَوْ جَلَّ جو تھوڑا ہو یا زیادہ، وَيَجِبُ حَالًّا اور یہ جو مال واجب ہوتا ہے صلح کی وجہ سے یہ حالی ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ حالی یعنی اس کی فوری ادائیگی کرنا پڑے گی، دیت میں تو آپ کو میں نے بتلایا تھا تین سال میں دیں گے یعنی تین قسطوں کے اندر دیں گے تین سال کے اندر پورا کریں گے، لیکن صلح کے بدلے جو مال آئے گا وہ اس کی ادائیگی فوری ہے۔ یہ اس وقت ہے جب ادائیگی کی کوئی تعیین نہ ہو، جب کوئی مدت متعین نہ کریں، یہ ذکر ہی نہ کریں کہ ابھی دینا ہے یا تین سال کے اندر دینا ہے تو پھر فوری ادائیگی ہوگی، اور اگر مدت متعین کر لیتے ہیں تو پھر تو اس مدت کے مطابق ادائیگی ضروری ہو جائے گی۔ کیونکہ عقد کی وجہ سے یاد رکھو جو بھی مال کسی پر واجب ہوتا ہے جب اس میں مدت ذکر نہ ہو تو اس کی فوری ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔ آپ نے ایک شخص سے گاڑی خریدی دس لاکھ روپے میں اور مدت وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں کیا، یعنی یہ ذکر ہی نہیں کیا کہ پیسے ابھی دوں گا یا مہینے بعد دوں گا، کچھ بھی ذکر نہیں کیا تو اس صورت میں فوری ادائیگی ضروری ہوگی آپ پر۔ تو عقد کی وجہ سے کسی پر بھی کوئی مال واجب ہو اور مدت کا ذکر نہ کیا جائے تو اس کی ادائیگی فوراً کرنا پڑتی ہے۔ یہ معنیٰ ہے وَيَجِبُ حَالًّا اور وہ جو مال ہے جو صلح کی وجہ سے واجب ہوا ہے وہ فی الحال واجب ہوگا أَيْ إِنْ لَمْ يَذْكُرِ الْحُلُولَ وَالتَّأْجِيلَ اگر انہوں نے حُلول یا تأجیل کو...

یعنی فوری ادائیگی یا مدت والی ادائیگی کو ذکر نہیں کیا، يَجِبُ حَالًّا تو یہ مال حَالًّا واجب ہوگا یعنی فوری۔ وَلَا يَكُونُ كَالدِّيَةِ مُؤَجَّلًا اور یہ دیت کی طرح مُؤَجَّل نہیں ہوگا یعنی تین سال میں ادا نہیں کرنا پڑے گا، فوری ادائیگی ضروری ہوگی۔

وَبِصُلْحِ أَحَدِهِمْ، اور اولیاء میں سے کسی ایک کے صلح کرنے سے بھی قصاص ساقط ہو جائے گا، وَبِعَفْوِهِ اور اسی طرح کسی ایک کے معاف کرنے سے بھی قصاص ساقط ہو جائے گا۔ وَلِمَنْ بَقِيَ اور ان کے لیے جو لوگ باقی رہ گئے، باقی اولیاء جو ہیں ان کے لیے حِصَّتُهُ مِنَ الدِّيَةِ ان کا حصہ ہوگا کس میں سے؟ دیت میں سے۔ صورت یہ: ایک شخص کے مثلاً تین بیٹے تھے، تین بیٹے، اور ان تین بیٹوں میں سے اس شخص کو کسی نے قتل کر دیا تو یہ تینوں بیٹے اولیاء ہیں مقتول کے، اور یہ قصاص لینا تینوں کا حق ہے، تو ان تینوں میں سے ایک نے معاف کر دیا تو قصاص ساقط ہو جائے گا، اور باقیوں کو اب دیت میں سے حصہ ملے گا، باقیوں نے تو معاف نہیں کیا یہ تو سب کا حق تھا، تو لہٰذا باقیوں کو دیت میں سے حصہ دیں گے۔ کس طرح؟ کہ کل کتنے بیٹے تھے؟ تین، اور ایک شخص کے قتل کی وجہ سے کتنا مال آتا ہے؟ سو اونٹ۔ تو ایک نے معاف کر دیا، تو سو میں سے تیسرا حصہ یعنی سوا تینتیس یا اس کے لگ بھگ، اتنا حصہ ساقط ہو جائے گا دیت میں سے، اور باقی دو ثُلُث جو ہیں وہ ادا کرنے پڑیں گے دو بیٹوں کو۔

یا دوسری صورت کہ یہ تو تھا ایک نے معاف کر دیا، دوسری صورت ہے ایک نے مال پر صلح کر لی۔ تین بیٹے تھے، ایک بیٹے نے کہا: بھائی مجھے اتنے درہم دے دو، پانچ ہزار درہم دے دو، کتنے دے دو؟ پانچ ہزار درہم دے دو تو میں قصاص معاف کرتا ہوں اپنی طرف سے، قصاص معاف۔ تو جیسے ہی مال آئے گا قصاص ساقط ہوا، اب وہ دوبارہ نہیں آسکتا، بات سمجھ میں آگئی؟ قصاص ساقط ہو گیا، دوبارہ نہیں آسکتا، پھر جھگڑا ہوتا ہے، مسئلہ بنتا ہے اور وہ کہیں نہیں نہیں ہم پیسے نہیں اب قصاص ہی لیں گے، نہیں نہیں، قصاص کیا ہو گیا؟ ایک دفعہ ساقط ہو گیا واپس نہیں آسکتا، اب مال ہی آئے گا بھائی۔ تو اب ایک نے صلح کر لی کہ مجھے پچاس اونٹ دے دینا، کتنے اونٹ؟ پچاس اونٹ۔ اس نے پچاس اونٹ لے لیے، اور قصاص تو باقی دو کا بھی حق تھا، انہوں نے تو معاف نہیں کیا، انہوں نے تو مال پر صلح نہیں کی، تو ان کو دیت میں سے ان کا حصہ دیں گے۔ اب آپ یہ نہ کہیں دیت تو ہے سو اونٹ، اس نے کتنے لے لیے؟ پچاس، تو باقی دونوں کو پچاس دے دیں گے یعنی پچیس پچیس دے دیں گے، نہیں بھائی نہیں، اس دیت کے کل کتنے حصے کریں گے؟ تین حصے، سو اونٹوں کے تین یا دس ہزار درہم کے تین حصے کریں گے، اور ایک حصہ تھا اس صلح والے کا حق، وہ اس نے وصول کر لیا، وہ بے شک آپ نے زیادہ دے دیا لیکن اس کی وجہ سے فائدہ ہوا قصاص کیا ہو گیا؟ ساقط ہو گیا۔ باقی دو ثُلُث اب وہ باقی دو بھائیوں کو دینے پڑیں گے، ایک ایک ثُلُث ہر ایک کو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنیٰ ہے وَبِصُلْحِ أَحَدِهِمْ أَيْ يَسْقُطُ الْقَوَدُ قصاص ساقط ہو جاتا ہے بِصُلْحِ أَحَدِهِمْ وَبِعَفْوِهِ ان اولیاء میں سے کسی ایک کے صلح کرنے کی وجہ سے اور کسی ایک کے معاف کرنے کی وجہ سے۔ وَلِمَنْ بَقِيَ اور وہ اولیاء جو باقی ہیں ان کے لیے حِصَّتُهُ مِنَ الدِّيَةِ اس کا حصہ ہوگا دیت میں سے۔ أَيْ لِمَنْ بَقِيَ مِنَ الْوَرَثَةِ یعنی کہ وہ جو باقی ہیں ورثہ میں سے۔ فَإِنَّ الْقِصَاصَ وَالدِّيَةَ حَقُّ جَمِيعِ الْوَرَثَةِ عِنْدَنَا اس لیے کیونکہ قصاص اور دیت ہمارے نزدیک یہ حق ہے تمام وارثوں کا، عِنْدَنَا

ہمارے نزدیک۔ خِلَافًا لِمَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى فِي الزَّوْجَيْنِ بخلاف امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے فِي الزَّوْجَيْنِ زوجین کے معاملے میں، میاں بیوی کے معاملے میں۔

امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ میاں بیوی ایک دوسرے کی دیت اور قصاص کے مالک نہیں ہیں، ایک دوسرے کی دیت اور قصاص کے مالک... ہمارے نزدیک وارث جو ہیں وہ قصاص کے بھی مالک ہوتے ہیں اور دیت کے بھی مالک ہوتے ہیں۔ ہاں ایک اور بات یاد آگئی یاد رکھنا: یہ جو دیت وصول ہوتی ہے نا دیت، یہ یوں سمجھا جاتا ہے مقتول نے ترکہ چھوڑا ہے، مالِ وراثت چھوڑا ہے، لہٰذا اس کے اندر وہ ساری چیزیں جاری ہوں گی جو مالِ وراثت کے اندر جاری ہوتی ہیں، تو اس سے اس کے سارے دیون بھی ادا کیے جائیں گے، وصیت کی ہے تو ثُلُث تک اسی طرح وصیت نافذ ہوگی، اور باقی مال وارثوں کو ملے گا۔ تو امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ میاں بیوی کا قصاص اور دیت میں حصہ نہیں، کیونکہ قصاص اور دیت یہ ان وارثوں کا حصہ ہے جن کے ساتھ رشتہ نسب والا ہے، جن کے ساتھ رشتہ... بھائی باقی جتنے وارث ہیں ان میں نسب والا رشتہ ہے، جو بھی کسی شخص کا وارث بنتا ہے یا اس کا بیٹا ہوگا، پوتا ہوگا، نواسہ، نواسی ہوں گے یا بھائی ہوں گے اس مرنے والے کے، یا اس کا باپ ہوگا، دادا، پردادا، نانی، نانا، نانی، پرنانا، پرنانی یہ سارے، تو یہ سارے کیا ہیں؟ ان سب میں نسب والا رشتہ ہے، کون سا رشتہ ہے؟ نسب والا رشتہ ہے، تو لہٰذا ان میں تو قصاص اور دیت جو ہے ان کے لیے ثابت ہوگی، جو بھی ولی بن رہا ہوا، جو بھی قریبی رشتہ دار ہوا سب سے قریبی وہ حقدار ہوگا قصاص و دیت کا جیسے مال وارثوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ جب کہ میاں بیوی کے درمیان جو رشتہ ہے وہ نسب والا نہیں ہے وہ سبب والا ہے، یعنی اور سبب کیا ہے؟ نکاح، نکاح۔ تو یہ ایک دوسرے کے وارث تو بنتے ہیں، میاں بیوی ایک دوسرے کے وارث بنتے ہیں لیکن نسب کی وجہ سے نہیں سبب کی وجہ سے اور وہ سبب نکاح ہے، کہ ان کے درمیان چونکہ نکاح ہوا ہے اس لیے ایک دوسرے کے وارث بن رہے ہیں، نسب کے اعتبار سے یہ ایک دوسرے کے وارث نہیں بن رہے، اور سبب وہ تو ختم ہو گیا مرتے ہی نکاح کیا ہو گیا؟ ختم ہو گیا، جب سبب ختم تو اب ایک دوسرے کے قصاص اور دیت کے مالک نہیں ہوں گے۔

یہ معنیٰ ہے فَإِنَّ الْقِصَاصَ وَالدِّيَةَ حَقُّ جَمِيعِ الْوَرَثَةِ عِنْدَنَا اس لیے کیونکہ قصاص اور دیت وہ حق ہے تمام وارثوں کا ہمارے نزدیک، خِلَافًا لِمَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى فِي الزَّوْجَيْنِ بخلاف امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے میاں بیوی کے مسئلے میں۔

فَإِنْ صَالَحَ بِأَلْفٍ وَكِيلُ سَيِّدِ عَبْدٍ وَحُرٌّ قَتَلَا فَالصُّلْحُ عَنْ دَمِهِمَا بِالنِّصْفِ. صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک غلام اور ایک آزاد آدمی نے مل کر ایک آدمی کو قتل کیا، قاتل کون ہے؟ ایک آزاد ہے اور ایک غلام۔ تو اب ان دونوں پر قصاص آگیا۔ کیا آیا؟ ان دونوں پر قصاص آیا، تو اب اس آزاد آدمی نے اور اس غلام کے مالک نے ایک شخص کو وکیل بنا کر دونوں نے ایک

ہی شخص کو وکیل بنا کر بھیجا کہ جاؤ بھائی وہ مقتول کے اولیاء سے صلح کر لو، ہمیں قصاص میں قتل نہ کریں مال وغیرہ لے لیں۔ چنانچہ وہ وکیل گیا اور اس نے مثلاً ایک ہزار دینار پر صلح کر لی، ایک ہزار دینار پر۔ تو اب یہ مال کس پر کتنا آئے گا؟ ایک طرف ہے آزاد اور دوسری طرف ہے غلام۔ کہتے ہیں بھائی یہ آزاد کا بھی وکیل تھا اور غلام کے آقا کا بھی وکیل تھا، اور اس نے جا کر صلح کی بات دونوں کی طرف سے کی ہے تو دونوں پر آدھا آدھا وہ مال آئے گا، تو پانچ سو دینار کس پر آجائیں گے؟ اس آزاد پر اور پانچ سو اس غلام کے آقا پر آجائیں گے۔

دیکھیے بھائی: فَإِنْ صَالَحَ بِأَلْفٍ اگر صلح کر لی ایک ہزار کے بدلے، کس نے صلح کی؟ وَكِيلُ سَيِّدِ عَبْدٍ ترجمہ آخر سے ہوگا: غلام کے آقا کے وکیل نے، غلام کے مولا کے وکیل نے صلح کی، اور کس نے؟ وَحُرٍّ اس کا عطف ہے سَيِّدِ پر أَيْ وَكِيلُ حُرٍّ اور آزاد آدمی کے وکیل نے، غلام کے آقا اور آزاد آدمی کے وکیل نے صلح کر لی۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ فَإِنْ صَالَحَ بِأَلْفٍ اگر صلح کر لی ایک ہزار کے بدلے وَكِيلُ سَيِّدِ عَبْدٍ وَحُرٍّ آزاد آدمی اور غلام کے آقا کے وکیل نے، قَتَلَا وہ غلام اور وہ آزاد آدمی قَتَلَا جنہوں نے قتل کیا تھا، قَتَلَا صفت ہے کس کی؟ عَبْدٍ اور حُرٍّ کی، وہ آزاد اور غلام ایسے ہیں قَتَلَا کہ ان دونوں نے قتل کیا ہے۔ اب سنو ترجمہ: کہتے ہیں فَإِنْ صَالَحَ بِأَلْفٍ اگر صلح کر لی ایک ہزار کے بدلے وَكِيلُ سَيِّدِ عَبْدٍ وَحُرٍّ قَتَلَا ایسے آزاد کے وکیل نے اور ایسے غلام کے آقا کے وکیل نے قَتَلَا جنہوں نے قتل کیا تھا، اس کے وکیل نے صلح کر لی، فَالصُّلْحُ عَنْ دَمِهِمَا بِالنِّصْفِ تو اس وکیل کا صلح کرنا عَنْ دَمِهِمَا ان دونوں کے خون سے یعنی اس کے بدلے میں بِالنِّصْفِ یہ کتنے پر ہوگا؟ نصف پر ہوگا یعنی آدھے آدھے پر ہوگا، آدھا ایک پر آئے گا اور آدھا دوسرے پر آئے گا۔

أَيْ إِنْ كَانَ الْقَاتِلُ حُرًّا وَعَبْدًا یعنی اگر قاتل آزاد اور غلام ہیں، فَأَمَرَ الْحُرُّ وَمَوْلَى الْعَبْدِ رَجُلًا تو حکم دیا اس آزاد آدمی نے جو قاتل ہے وَمَوْلَى الْعَبْدِ اور اس غلام کے آقا نے رَجُلًا ایک آدمی کو یعنی وہ جو وکیل ہے بِأَنْ يُصَالِحَ مِنْ دَمِهِمَا عَلَى أَلْفٍ کہ وہ جا کر صلح کر لے ان دونوں کے خون سے عَلَى أَلْفٍ ایک ہزار پر فَفَعَلَ اس وکیل نے ایسا کیا فَالْأَلْفُ عَلَى الْحُرِّ وَالْمَوْلَى نِصْفَانِ تو وہ ہزار جو ہیں آزاد اور اس غلام کے آقا پر نِصْفَانِ آدھا آدھا ہوگا بھائی وہ ہزار۔

وَيُقْتَلُ جَمْعٌ بِفَرْدٍ وَبِالْعَكْسِ اكْتِفَاءً إِنْ حَضَرَ وَلِيُّهُمْ۔ بھائی یاد رکھو اگر ایک پوری جماعت مل کر ایک شخص کو قتل کرے تو اس پوری جماعت کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے بھائی ایک جان گئی ہے تو بدلے میں ایک ہی جان لینی چاہیے زیادہ نہیں، لیکن یہ واقعہ حضرت عمر رضی الله تعالیٰ عنہ کے زمانے میں پیش آیا تھا، حضرت عمر کے زمانے میں یمن کے اندر صنعاء ایک علاقہ ہے، اس علاقے کے سات آدمیوں نے مل کر ایک آدمی کو قتل کیا تھا، تو حضرت عمر رضی الله تعالیٰ عنہ نے قصاص میں ان ساتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی فرمایا: اگر سارے صنعاء والے مل کر اس ایک آدمی کو قتل کرتے تو میں سارے صنعاء والوں کو سزا دیتا اس کی، سب کو قتل کرتا۔ تو معلوم ہوا اگر

پوری جماعت مل کر ایک آدمی کو قتل کرے تو پوری جماعت کو قتل کیا جائے گا۔ ہاں لیکن اس میں علماء پھر تفصیل لکھتے ہیں کہ اگر وہ سارے اس کے قتل میں شریک تھے باقاعدہ، اور اگر کچھ صرف حفاظت کر رہے تھے، کچھ نے پکڑ کے رکھا تھا، کچھ قتل کر رہے تھے پھر اس میں مختلف حکم ہوں گے بھائی، قتل کرنے والے ہیں ان کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

وَيُقْتَلُ جَمْعٌ اور جماعت کو قتل کیا جائے گا بِفَرْدٍ ایک فرد کے بدلے میں، وَبِالْعَكْسِ اور اس کے برعکس بھی یعنی جماعت کے بدلے ایک آدمی کو قتل کیا جائے گا۔ ایک آدمی نے کئی آدمیوں کو قتل کر دیا تو اب یہ نہیں کہ آٹھ قتل ہوئے ہیں تو اس کی جان بھی لی جائے قاتل کی اور اس پر سات دیتیں بھی واجب کر دیں، نہیں، بس صرف اس ایک کو ہی قتل کیا جائے گا اور اسی پر اکتفا کیا جائے گا۔ یہ معنیٰ ہے وَبِالْعَكْسِ اور اس کے برعکس بھی یعنی پیچھے تو کیا تھا؟ قتل کیا جائے گا جماعت کو فرد کے بدلے اور اس کا برعکس بھی ہے یعنی فرد کو جماعت کے بدلے قتل کیا جائے گا اكْتِفَاءً اسی پر اکتفا کرتے ہوئے یعنی دیتیں نہیں آئیں گی إِنْ حَضَرَ وَلِيُّهُمْ اگر ان کے ولی حاضر ہو گئے، ان مقتولوں کے ولی اگر حاضر ہو گئے تو اسی پر کیا کریں گے؟ اکتفا۔ بھائی دیکھو نا ایک آدمی نے آٹھ آدمیوں کو قتل کر دیا تو وہ سارے قصاص لینے پہنچ گئے، تو جب سارے موجود ہیں قصاص لینے کے لیے، اس کا اب یہ معنیٰ نہیں کہ ایک جان لو اور سات دیتیں بھی وصول کرو، بلکہ کیا کریں گے؟ سب کے بدلے میں اس ایک ہی کی جان لی جائے گی قصاص میں اور اسی پر اکتفا کیا جائے گا اگرچہ سارے ولی ہی کیوں نہ حاضر ہو جائیں۔

أَيْ يُقْتَلُ فَرْدٌ بِجَمْعٍ یعنی قتل کیا جائے گا ایک فرد کو جماعت کے بدلے میں وَيُكْتَفَى بِقَتْلِهِ اور اکتفا کیا جائے گا اس کے قتل پر وَلَا شَيْءَ لِأَوْلِيَائِهِمْ غَيْرَ ذَلِكَ اور ان مقتولوں کے اولیاء کے لیے اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے، خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، فَإِنَّ عِنْدَهُ يُقْتَلُ لِلْأَوَّلِ وَيَجِبُ لِلْبَاقِينَ الْمَالُ ان کے نزدیک قتل کیا جائے گا پہلے مقتول کے لیے وَيَجِبُ لِلْبَاقِينَ الْمَالُ اور باقیوں کے لیے مال واجب ہوگا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس شخص نے آٹھ قتل کیے ہیں تو اب صرف اس ایک کی جان لے لی جائے تو برابری نہیں آئے گی، تو وہ فرماتے ہیں اگر سارے اولیاء حاضر ہیں، جو آئے ہی نہیں ان کی تو بات ہی نہیں، جو آ گئے ہیں تو ان کے لیے پھر کیا کریں؟ کہتے ہیں اس میں دیکھا جائے گا، دیکھا جائے گا کہ اس نے آٹھوں میں سے پہلے کس کو قتل کیا، اگر پہلے کا پتہ چل جاتا ہے کہ اس نے سب سے پہلے اس کو قتل کیا تھا اور اس کے بعد باقیوں کو قتل کیا تھا، تو پہلے کے لیے تو قصاص آئے گا، اس سے کیا کریں گے؟ قصاص میں اسے قتل کریں گے، اور باقیوں کے لیے پھر دیتیں آئیں گی اس کے اوپر، اتنی ہی دیتیں اس سے لے لی جائیں گی۔ اور اگر یہ پتہ ہی نہیں چل رہا کہ اس نے کس کو پہلے قتل کیا ہے اور کس کو بعد میں قتل کیا ہے تو پھر اس صورت میں سب کے لیے اس سے قصاص میں...

قتل کر دیا جائے گا، اور باقیوں کے لیے دیتیں آئیں گی، اور یہ دیتیں آپس میں پھر وہ تقسیم کر لیں گے۔ کیسے؟ دیکھو بھائی:

اس نے کتنے آدمی قتل کیے؟ آٹھ۔ اب ہمیں پتہ نہیں کس کو پہلے قتل کیا ہے اور کس کو بعد میں قتل کیا ہے، تو اس کو قصاص میں ان سب کے لیے قتل کر دیا جائے گا، گویا ہر ایک نے قصاص میں سے اپنا حصہ وصول کر لیا۔ آٹھ قتل ہوئے ہیں نا آٹھ، تو ایک قصاص آئے گا اور کتنی دیتیں آئیں گی؟ سات دیتیں آئیں گی۔ اب یہ جو ایک قتل ہوا اس میں سب کا حصہ ہے، سب کے لیے قتل کیا گیا، اور باقی سات دیتیں وہ بھی اب ان سب میں تقسیم کی جائیں گی۔ سات دیتیں ہیں اور آٹھ اولیاء ہیں تو اس سات کو آٹھ آدمیوں میں تقسیم کر دیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں فَإِنَّ عِنْدَهُ يُقْتَلُ لِلْأَوَّلِ وَيَجِبُ لِلْبَاقِينَ الْمَالُ ان کے نزدیک پہلے مقتول کے لیے تو اس قاتل کو قتل کیا جائے گا اور باقیوں کے لیے مال واجب ہوگا۔ وَإِنْ لَمْ يُدْرَ الْأَوَّلُ، دَرَى يَدْرِي کے معنیٰ ہیں جاننا، علم ہونا، وَإِنْ لَمْ يُدْرَ الْأَوَّلُ اور اگر پہلا مقتول معلوم نہیں ہے، تو قُتِلَ لَهُمْ جَمِيعًا، میری کتاب میں ہے قُتِلَ جَمِيعًا لَهُمْ، آپ کی کتاب میں بھی اسی طرح ہے؟ ہاں یہ کتابت کی غلطی ہے، لَهُمْ پہلے ہونا چاہیے اور جَمِيعًا بعد میں، قُتِلَ لَهُمْ جَمِيعًا تو قتل کیا جائے گا اس ایک قاتل کو لَهُمْ جَمِيعًا ان سب کے لیے، وَقُسِّمَتِ الدِّيَاتُ بَيْنَهُمْ اور دیتوں کو ان کے درمیان پھر تقسیم کیا جائے گا۔ وَقِيلَ اور کہا گیا ہے يُقْرَعُ کہ قرعہ اندازی کی جائے گی، کیا کی جائے گی؟ قرعہ اندازی کی جائے گی۔ پس جس کا نام قرعہ اندازی میں نکلتا ہے اس کے لیے اس کو قصاص میں قتل کر دیا جائے گا اور باقیوں کو دیت لے کر دے دی جائے گی۔ پہلی صورت تو کیا تھی؟ وہ دیت سب میں تقسیم کی تھی، اب ایک کے لیے قصاص اور باقی کے لیے دیتیں۔ وَقِيلَ اور کہا گیا ہے يُقْرَعُ کہ قرعہ اندازی کی جائے گی فَيُقْتَلُ لِمَنْ خَرَجَتْ قُرْعَتُهُ پس قتل کیا جائے گا قاتل کو اس کے لیے جس کا نام قرعہ میں نکلا۔

وَإِنْ حَضَرَ وَاحِدٌ قُتِلَ لَهُ وَسَقَطَ حَقُّ الْبَقِيَّةِ. یہ تو وہ صورت تھی اگر سارے حاضر ہوئے تھے، اگر ایک ہی آیا قصاص لینے کے لیے، مقتول تو آٹھ تھے لیکن صرف ایک کے اولیاء آئے قصاص لینے کے لیے تو کہتے ہیں پھر اس ایک کے لیے اس قاتل کو قتل کر دیا جائے گا اور باقیوں کا حق ساقط ہو گیا۔ یہ معنیٰ ہے وَإِنْ حَضَرَ وَاحِدٌ اور اگر ایک ولی حاضر ہوا تو قُتِلَ لَهُ اسی کے لیے قاتل کو قتل کر دیا جائے گا وَسَقَطَ حَقُّ الْبَقِيَّةِ اور باقی اولیاء کا حق ساقط ہو جائے گا۔ أَيْ إِنْ حَضَرَ وَلِيٌّ وَاحِدٌ قُتِلَ لَهُ یعنی اگر ایک ولی حاضر ہوا تو اسی کے لیے قتل کر دیا جائے گا وَسَقَطَ حَقُّ الْبَاقِينَ عِنْدَنَا اور باقیوں کا حق ساقط ہو جائے گا ہمارے نزدیک۔ بھائی انہوں نے بتلایا اگر ایک بھی حاضر ہوا تو اس کے لیے اس کو قصاص میں قتل کر دیں گے اور باقیوں کا حق ساقط ہو جائے گا۔ بھائی پیچھے جو آیا نا کہ قصاص بھی لیں گے اور دیتیں بھی آئیں گی تو یہ تو امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب بیان ہو رہا تھا، ہمارے نزدیک تو صرف متن کو متن سے جوڑیں، ہمارے نزدیک کیا تھا؟ اگر ایک آدمی پوری جماعت کو قتل کر دے اور پھر وہ سارے اولیاء جمع ہو جائیں تو ان سب کے لیے اس قاتل کو قتل کیا جائے گا اور اسی پر اکتفا کر لیں گے اور کوئی دیت وغیرہ نہیں آئے گی، اور اگر ان میں سے صرف... آگے پھر آیا وَإِنْ حَضَرَ وَاحِدٌ اگر وہ سارے نہیں آئے ان میں سے صرف ایک ولی حاضر ہوا تو اسی کے لیے اس قاتل کو قتل کر دیں گے وَسَقَطَ حَقُّ الْبَقِيَّةِ اور باقیوں

کا حق ساقط ہو جائے گا۔ تو یہ احناف کا مذہب یہ ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟

وَلَا يُقْتَعُ يَدَانِ بِيَدٍ وَإِنْ أَمَرَّا سِكِّينًا عَلَى يَدٍ فَقُطِعَتْ وَضَمِنَا دِيَتَهَا۔ وَلَا يُقْتَعُ يَدَانِ بِيَدٍ اور نہیں کاٹا جائے گا دو ہاتھوں کو ایک ہاتھ کے بدلے، دو ہاتھوں کو ایک ہاتھ کے بدلے نہیں کاٹا جائے گا بھائی۔ بھائی دیکھیے: دو آدمیوں نے مل کر ایک آدمی کا ہاتھ کاٹا، یعنی دونوں نے تلوار کو دستے سے... دونوں نے تلوار کو دستے سے پکڑا اور ایک ہی وقت میں اکٹھے تلوار چلا کر اس کا ہاتھ کاٹ دیا، تو کیا اب اس کا ایک دایاں ہاتھ کٹا ہے کیا ان دونوں کا بھی اب دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا؟ ضابطہ بتلا دیا کہ نہیں، جو اعضاء ہوتے ہیں ان کے ساتھ مال والا برتاؤ کیا جاتا ہے، اور اس کا ایک ہاتھ کٹا یعنی پچاس اونٹوں کا نقصان کیا اس کا، اور ان دونوں کا اگر دایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے تو یہاں پر نقصان کتنا ہو جائے گا؟ سو اونٹوں کا، تو برابری نہ رہے گی، لہٰذا اس صورت میں پھر ہاتھ کی دیت واجب ہوگی ان دونوں پر اور آدھی دیت ایک پر آئے گی اور آدھی دیت دوسرے پر یعنی پچاس اونٹ دونوں پر آجائیں گے، پچیس پچیس ادا کریں گے۔

کہتے ہیں وَلَا يُقْتَعُ يَدَانِ بِيَدٍ اور کاٹا نہیں جائے گا دو ہاتھوں کو ایک ہاتھ کے بدلے، وَإِنْ أَمَرَّا سِكِّينًا اور اگر ان دونوں نے چلایا چھری کو، أَمَرَّ کا معنیٰ أَمَرَّ پھیرنا، چلانا، اور تثنیہ کا صیغہ ہے أَمَرَّا اور اگر ان دونوں نے چلایا، ان دونوں نے پھیرا سِكِّينًا چھری کو عَلَى يَدٍ کسی ہاتھ پر فَقُطِعَتْ پس وہ ہاتھ کٹ گیا وَضَمِنَا دِيَتَهَا۔ وَإِنْ... یہ اگرچہ، اگرچہ، اس کا ترجمہ کس سے کریں؟ اگرچہ، یا اس کو پچھلے کلام سے جوڑیں: وَلَا يُقْتَعُ يَدَانِ بِيَدٍ وَإِنْ أَمَرَّا سِكِّينًا عَلَى يَدٍ فَقُطِعَتْ اور کاٹا نہیں جائے گا دو ہاتھوں کو ایک ہاتھ کے بدلے اگرچہ انہوں نے چلایا ہو چھری کو کسی ہاتھ پر فَقُطِعَتْ پس وہ کٹ گیا تو بھی دو ہاتھوں کو ایک ہاتھ کے بدلے نہیں کاٹا جائے گا، وَضَمِنَا اور یہ دونوں ضامن ہوں گے دِيَتَهَا أَيْ دِيَةَ الْيَدِ ہاتھ کی دیت کے۔ اور ہاتھ کی دیت کو تو أَرْش کہتے ہیں، تو دیکھا یہاں دیت بول کر کیا مراد ہے؟ أَرْش مراد ہے۔ تو وَضَمِنَا دِيَتَهَا، هَا ضمیر يَدْ کو راجع ہے، اور يَدْ یاد رکھو عربی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے، جسم کے جو بھی اعضاء دو دو ہیں وہ مؤنث استعمال ہوتے ہیں، ہاتھ دو ہیں، پاؤں دو ہیں، آنکھیں دو ہیں، کان دو ہیں، یہ سب کیا استعمال ہوتے ہیں؟ مؤنث۔ اسی لیے کہا وَضَمِنَا وہ دونوں ضامن ہوں گے دِيَتَهَا أَيْ دِيَةَ الْيَدِ اس ہاتھ کی دیت کے۔

هَذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى إِذَا أَخَذَ رَجُلَانِ سِكِّينًا وَأَمَرَّا عَلَى يَدِ آخَرَ تُقْطَعُ يَدَاهُمَا اعْتِبَارًا بِالنَّفْسِ۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان دو آدمیوں نے مل کر ایک شخص کا ہاتھ کاٹا ہے، اکٹھی تلوار یا چھری چلائی ہے لہٰذا ان دونوں کے ہاتھ بھی کاٹے جائیں گے، وہ اس کو قیاس کرتے ہیں نفس پر، جان پر، جیسے دو آدمی اگر ایک آدمی کو قتل کریں ابھی انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اگر جماعت مل کر ایک آدمی کو قتل کرے تو پوری جماعت کو قتل کیا جائے گا، تو دو آدمی جب مل کر ایک آدمی کو قتل کریں گے تو ان دونوں کو بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا، جب جان کے اندر ایک کے بدلے دونوں کو قتل کیا جاتا ہے تو اعضاء کے اندر بھی ایک ہاتھ کے بدلے دونوں ہاتھوں کو کاٹا جائے گا۔ تو وہ فرماتے ہیں إِذَا أَخَذَ رَجُلَانِ سِكِّينًا جب اٹھائی دو آدمیوں نے چھری وَأَمَرَّا عَلَى يَدِ آخَرَ اور اس کو چلایا دوسرے آدمی

کے ہاتھ پر یعنی اس کو پھیرا دوسرے آدمی کے ہاتھ پر تُقْطَعُ یَدَاهُمَا تو ان دونوں کے ہاتھ کو کاٹا جائے گا، تُقْطَعُ یَدُهُمَا ہے میری کتاب میں، یَدُهُمَا، ویسے یَدَاهُمَا ہونا چاہیے کاٹا جائے گا یَدَاهُمَا ان دونوں کے ہاتھوں کو کاٹا جائے گا۔ اور عموماً تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف پسندیدہ نہیں، تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف پسندیدہ نہیں، تو اس میں عموماً اوّل کو جمع سے بدل دیا جاتا ہے، ان دونوں کو... اوّل کو کس سے بدلتے ہیں؟ جمع سے، جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا، أَيْدِيَهُمَا، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، تو دونوں کے دو ہاتھ ہو گئے تو ہونا چاہیے تھا یَدَيْهِمَا، یَدَيْنِ تثنیہ، تو فَاقْطَعُوا یَدَيْهِمَا، لیکن تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف پسندیدہ نہیں تو پھر اوّل کو کس سے بدلتے ہیں؟ جمع سے: فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا تو ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ تو ادھر مفرد ذکر کر دیا اسی وجہ سے کہ تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف پسندیدہ نہیں ورنہ اصولاً تو یہاں یَدَاهُمَا ہونا چاہیے تھا، اور پھر نیز مفرد کی اضافت ہے تثنیہ کی طرف بھائی ان دونوں کا ایک ہاتھ ہوگا یا دونوں کے دو ہاتھ ہو جائیں گے؟ دو، ایک ہاتھ ایک کا ایک ہاتھ دوسرے کا تو دو ہو جائیں گے، تو چونکہ اشتباہ بھی نہیں ہے اس لیے شاید مفرد استعمال کر لیا۔ تو تُقْطَعُ یَدُهُمَا کاٹا جائے گا ان دونوں کے ہاتھ کو اعْتِبَارًا بِالنَّفْسِ جان پر قیاس کرتے ہوئے۔

وَلَنَا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ إِنَّ الْانْقِطَاعَ وَقَعَ بِاعْتِمَادِهِمَا کہ یہ جو ہاتھ کا کٹنا ہے یہ واقع ہوا ہے بِاعْتِمَادِهِمَا دونوں کے سہارے سے، یہ جو ہاتھ کٹا ہے یہ دونوں کے سہارے سے کٹا ہے، دونوں نے تلوار پکڑی ہوئی تھی نا، تو دونوں کے سہارے سے یہ ہاتھ کٹا ہے، یاد رکھو ایک ہے قَطْع اس کا معنیٰ ہے کاٹنا، ایک ہے انْقِطَاع جس کا معنیٰ ہے کٹنا، کٹنا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ إِنَّ الْانْقِطَاعَ وَقَعَ بِاعْتِمَادِهِمَا کہ یہ جو ہاتھ کا کٹنا ہے یہ دونوں کے سہارے سے ہوا ہے، وَالْمَحَلُّ مُتَجَزٍّ اور یہ جو مَحَل ہے یعنی ہاتھ جو ہے وہ بھی تقسیم کو قبول کرتا ہے فَيُضَافُ إِلَى كُلٍّ... ہم جواب دیتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کو، ہم جواب دیتے ہیں کہ نہیں یہاں نفس پر قیاس نہیں کریں گے کیونکہ دونوں میں فرق ہے، نفس جو ہے وہ تَجَزِّي کو قبول نہیں کرتا اور ہاتھ جو ہے وہ تَجَزِّي یعنی تقسیم کو قبول کر لیتا ہے۔ کیا معنیٰ نفس تَجَزِّي کو؟ کیونکہ نفس کے اندر دوسرے کی روح نکلتی ہے اور روح کے نکلنے میں تقسیم نہیں ہو سکتی، جب دو آدمیوں نے مل کر ایک آدمی کو قتل کیا ہے یا پوری ایک جماعت نے مل کر ایک آدمی کو قتل کیا ہے تو قتل کی وجہ سے اس آدمی کی روح نکل گئی، اور روح کے نکلنے میں تقسیم نہیں، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے بھی تھوڑی سی روح نکالی، اس نے بھی تھوڑی سی روح نکالی، اس نے بھی تھوڑی سی روح نکالی، ایسا تو نہیں، روح میں تو تقسیم ہو ہی نہیں سکتی، تو وہاں روح کے نکلنے کی نسبت سب کی طرف ہوگی کہ ہر ایک نے گویا کامل روح نکالی ہے اس کی، لہٰذا ہر ایک پر کامل قصاص آئے گا بھائی۔ جب کہ یہاں پر ہاتھ ہے اور ہاتھ کے کٹنے میں تقسیم ہو سکتی ہے کہ آدھا ہاتھ ایک کاٹے اور آدھا ہاتھ دوسرا کاٹے بھائی، تو دونوں میں فرق ہے وہاں تقسیم نہیں اور یہاں تقسیم ممکن ہے، تو لہٰذا یہاں یوں کہا جائے گا گویا ایک نے بھی آدھا ہاتھ کاٹا اور دوسرے نے بھی آدھا ہاتھ کاٹا تو ایک پر بھی پچیس اونٹ آ جائیں گے اور دوسرے پر بھی پچیس اونٹ آ جائیں گے۔

تو کہتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ وَلَنَا ہماری دلیل یہ ہے کہ إِنَّ الْانْقِطَاعَ وَقَعَ بِاعْتِمَادِهِمَا کہ ہاتھ کا کٹنا دونوں کے سہارے سے ہوا ہے وَالْمَحَلُّ مُتَجَزٍّ اور یہاں پر جو مَحَل ہے یعنی ہاتھ جو ہے مُتَجَزٍّ وہ تقسیم کو قبول کرنے والا ہے فَيُضَافُ إِلَى كُلِّ وَاحِدٍ الْبَعْضُ تو ان میں سے ہر ایک کی طرف بعض کی نسبت کی جائے گی کہ اس نے کچھ ہاتھ کاٹا اور دوسرے نے بھی کچھ ہاتھ کاٹا کیونکہ یہ تقسیم کو قبول کرتا ہے ہاتھ۔ بِخِلَافِ النَّفْسِ بخلاف جان کے، فَإِنَّ زُهُوقَ الرُّوحِ غَيْرُ مُتَجَزٍّ اس لیے کیونکہ روح کا نکلنا وہ تقسیم کو قبول نہیں کرتا۔ میری کتاب میں زَهُوق ہے زپر فتحہ ہے، آپ کی کتابوں میں بھی ہے؟ ہاں یہ فتحہ غلط ہے، زَهُوق نہیں بھائی زُهُوق ہے زپر پیش ہے بھائی۔ فَعُول وزن جو ہے نا فَعُول وزن یہ کلامِ عرب میں اس وزن پر مصادر بہت کم آئے ہیں، دو چار ہی آئے ہیں، دو چار ہی آئے ہیں، تو یہ فَعُول نہیں ہے فُعُول ہے فُعُول۔ فَإِنَّ زُهُوقَ الرُّوحِ غَيْرُ مُتَجَزٍّ کیونکہ روح کا نکلنا جو ہے وہ تقسیم کو قبول نہیں کرتا۔

وَإِنْ قَطَعَ رَجُلٌ يَمِينَيْ رَجُلَيْنِ فَلَهُمَا يَمِينُهُ وَدِيَةُ يَدٍ۔ ضابطہ میں نے آپ کو بتلا دیا کہ اگر ایک شخص دوسرے شخص کا دایاں ہاتھ کاٹے تو مجرم کا بھی دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا، اور اگر ایک شخص دوسرے کا بایاں ہاتھ کاٹے تو مجرم کے بھی بائیں ہاتھ کو کاٹ دیا جائے گا، اور نیز یہ بھی یاد رکھنا اگر ایک شخص ایک آدمی کا دایاں ہاتھ کاٹے اور دوسرے کا بایاں ہاتھ کاٹے تو اس کے دونوں ہاتھ کاٹے جائیں گے، دائیں والے کے لیے دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا اور بائیں والے کے لیے بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا بھائی۔ اگر ایک آدمی نے دو آدمیوں کے ہاتھ کاٹے لیکن دونوں کے دائیں ہاتھ کاٹے، دونوں کے دائیں ہاتھ کاٹے ہیں اب کیا کیا جائے بھائی؟ اب ایک تو قصاص لے سکتا ہے دوسرا تو قصاص نہیں لے سکتا، تو بتلائیں گے کہ اس صورت میں اس آدمی کا ہاتھ بھی کاٹا جائے گا اور دیت بھی اس پر آئے گی ایک ہاتھ کی، کیونکہ ایک ہاتھ کٹے گا تو ایک تو اپنا قصاص وصول کر لے گا، دوسرے کے لیے اس پر کیا آجائے گی؟ دیت آجائے گی۔ اب اس کی وصولی کا کیا طریقہ؟ کہتے ہیں اگر دونوں آگئے، دونوں اگر قصاص وصول کرنے آئے تو یہ جو ہاتھ کٹا ہے دونوں کے لیے کٹا ہے، تو اب جو دیت وصول ہوگی وہ بھی دونوں کے لیے ہوگی، تو وہ پچاس اونٹ آپس میں پچیس پچیس تقسیم کر لیں گے۔ اور اگر دونوں میں سے ایک پہلے آ گیا...

پہلے ایک آیا، پھر بعد میں دوسرا، تو پہلے ایک آیا اس کے لیے ہم نے قصاص لے لیا، اور دوسرا بعد میں آیا تو اس کے لیے اب دیت لے کر ساری دیت دوسرے کو دے دی جائے گی، کیونکہ قصاص اس نے وصول نہیں کیا تھا، قصاص تو وہ پہلے نے پورا وصول کر لیا، اس نے اپنا حق پورا وصول کر لیا، تو اب دیت رہ گئی تھی وہ یہ اب پوری وصول کر لے گا۔

یہ معنیٰ ہے وَإِنْ قَطَعَ رَجُلٌ يَمِينَيْ رَجُلَيْنِ اور اگر کاٹ دیا کسی ایک شخص نے يَمِينَيْ رَجُلَيْنِ، دیکھا يَمِينَيْنِ یہ تثنیہ تھا نون اضافت سے گر گیا، اور اگر کاٹ دیا ایک شخص نے يَمِينَيْ رَجُلَيْنِ دو آدمیوں کے دو داہنے ہاتھوں کو، فَلَهُمَا يَمِينُهُ وَدِيَةُ يَدٍ تو ان دونوں کے لیے، وہ جو جن پر جن کے خلاف جنایت کی گئی، ان دونوں کے لیے يَمِينُهُ اس مجرم کا دایاں ہاتھ بھی

ہے وَدِيَةُ يَدٍ اور ہاتھ کی دیت بھی ہے۔

فَإِنْ حَضَرَ أَحَدُهُمَا پس اگر ان دونوں میں سے ایک آیا بھائی قصاص لینے وَقُطِعَ اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، فَلِلْآخَرِ الدِّيَةُ تو دوسرے کے لیے دیت ہے۔ هَذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے، سَوَاءٌ قَطَعَهُمَا عَلَى التَّعَاقُبِ أَوْ مَعًا برابر ہے کہ اس نے ان دونوں کے ہاتھ کاٹے تھے عَلَى التَّعَاقُبِ آگے پیچھے أَوْ مَعًا یا اکٹھے ہی۔ یعنی ایک کا ہاتھ پہلے کاٹا دوسرے کا ہاتھ بعد میں کاٹا ہے، تو ہاتھوں کا کٹنا آگے پیچھے ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، چاہے اکٹھے ہاتھ کاٹے چاہے آگے پیچھے ہاتھ کاٹے تو بھی جب دونوں آئیں گے تو قصاص دونوں وصول کر رہے ہیں تو دیت میں بھی دونوں شریک ہوں گے، اور اگر ایک آیا ہے قصاص لینے تو اس کے لیے قصاص لے لیں گے اور جو بعد میں آیا اس کو پوری دیت دے دیں گے۔ سَوَاءٌ قَطَعَهُمَا عَلَى التَّعَاقُبِ أَوْ مَعًا برابر ہے کہ ان کے دونوں کے ہاتھ کاٹے آگے پیچھے أَوْ مَعًا یا اکٹھے ہی۔

وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي التَّعَاقُبِ يُقْطَعُ بِالْأَوَّلِ وَفِي الْقِرَانِ يُقْرَعُ۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تَعَاقُب کی صورت میں یعنی آگے پیچھے اگر ہاتھ کاٹے ہیں پہلے ایک کا ہاتھ کاٹا پھر دوسرے کا، تو يُقْطَعُ بِالْأَوَّلِ تو پہلے کے بدلے میں اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا دوسرے کو دیت دی جائے گی۔ تو ہمارے نزدیک تَعَاقُب کا اعتبار نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تَعَاقُب کا اعتبار ہے۔ وَفِي الْقِرَانِ يُقْرَعُ اور وہ فرماتے ہیں کہ قِرَان، یہ قرآن نہیں بھائی الف پر مد نہیں ہونا چاہیے، وَفِي الْقِرَانِ، قِرَان قَرْن کا معنیٰ ہے ملنا ملا ہونا، اگر اکٹھے ہی دونوں کے ہاتھ اس نے کاٹے، ایک ہی وار سے دونوں کے دائیں ہاتھ کاٹے ہیں، تو اب تَعَاقُب تو نہ ہوا، قِرَان ہے ملے ہوئے ہیں وہ کٹنا دونوں کا ملا ہوا ہے، تو اس صورت میں کس کو دیت دیں گے اور کون قصاص لے گا؟ فرماتے ہیں يُقْرَعُ قرعہ اندازی کی جائے گی، جس کا نام نکلے گا اس کے لیے ہاتھ کاٹا جائے گا اور دوسرے کو دیت دی جائے گی۔ یہ معنیٰ ہے وَفِي الْقِرَانِ يُقْرَعُ اور دونوں کے ملا ہونے کی صورت میں يُقْرَعُ قرعہ اندازی کی جائے گی۔

چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۸: عبد کا اقرارِ قود، اشہاد علی القصاص، اور قطعِ عضو میں اجتماعِ اطراف و حکومتِ عدل

شرح الوقایہ صفحہ: ۱۰۴ — بتاریخ: ۱۸ فروری ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی سبق آگے:

وَيُقَادُ عَبْدٌ أَقَرَّ بِقَوَدٍ، هَذَا عِنْدَنَا لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَّهَمٍ فِيهِ لِأَنَّهُ مُضَرٌّ بِهِ وَلِأَنَّهُ مُبْقًى عَلَى أَصْلِ الْحُرِّيَّةِ فِي حَقِّ الدَّمِ، وَعِنْدَ زُفَرَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى لَا يَصِحُّ إِقْرَارُهُ كَمَا فِي الْمَالِ لِمُلَاقَاتِهِ حَقَّ الْمَوْلَى. وَمَنْ رَمَى رَجُلًا عَمْدًا فَنَفَذَ السَّهْمُ إِلَى آخَرَ فَمَاتَا يُقْتَصُّ لِلْأَوَّلِ وَعَلَى عَاقِلَتِهِ الدِّيَةُ لِلثَّانِي.

کِتَابُ الْجِنَایَاتِ چل رہی ہے بھئی۔ آگے کہتے ہیں: وَيُقَادُ عَبْدٌ أَقَرَّ بِقَوَدٍ۔ عَبْدٌ نکرہ آیا اور أَقَرَّ اس کے بعد فعل آیا، اور قصاص لیا جائے گا ایسے غلام سے أَقَرَّ بِقَوَدٍ جو قصاص کا اقرار کرلے۔ قصاص کا اقرار کرلے۔

بھئی یاد رکھیے بھئی یاد رکھیے، غلام جب کسی کے بارے میں مال کا اقرار کرے کہ میں نے اس کے اتنے پیسے دینے ہیں، اتنا مال دینا ہے، تو غلام پر تو جو بھی چیز واجب ہوتی ہے دراصل وہ کس پر واجب ہوتی ہے؟ آقا پر، اور غلام کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ آقا پر کوئی چیز لازم کرے، واجب کرے، آقا کے حق کو باطل کرے۔ تو لہٰذا اس غلام کا اقرار مال کے بارے میں اپنے آقا پر یہ معتبر نہیں، کیونکہ اس سے اس کے آقا کا حق باطل ہوتا ہے۔ ہاں، خود غلام کا مواخذہ ہوگا اس اقرار کی وجہ سے اگر وہ آزاد ہوگیا۔ تو اس وقت اگر اس نے مال کا اقرار کیا ہے مثلاً زید کے لیے کہ میں نے زید کا ایک لاکھ روپیہ دینا ہے، تو اس وقت تو غلام ہے، اگر اس پر مال کو لازم کیا جائے تو دراصل کس پر لازم ہوگا؟ اس کے آقا پر، لہٰذا آقا پر تو یہ مال لازم نہیں ہوگا۔ ہاں اگر یہ غلام کسی وقت زندگی میں آزاد ہوگیا، تو اس وقت زید اس سے مواخذہ کرسکتا ہے، اس کو قاضی کے پاس لے جاکر اس سے وہ مال وصول کرسکتا ہے کہ اس نے اقرار کیا تھا، اور گواہ وغیرہ پیش کردے گا کہ ان گواہوں کے سامنے اس نے فلاں وقت میں اقرار کیا تھا میرے لیے ایک لاکھ روپے کا۔

اور یہاں جو صورت ذکر ہو رہی ہے کہ غلام جو ہے وہ اپنے اوپر قصاص کا اقرار کرتا ہے، مثلاً غلام کہتا ہے فلاں کا ہاتھ میں نے کاٹا تھا، یا فلاں کو قتل میں نے کیا تھا، تو وہ اپنے لیے کس چیز کا اقرار کر رہا ہے؟ قصاص کا اقرار کر رہا ہے۔ اور یاد رکھو ہمارے نزدیک غلام کا یہ اقرار معتبر ہے۔ غلام کا یہ اقرار معتبر ہے۔ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں غلام کا یہ اقرار جو ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ اس غلام کے ساتھ آقا کا حق ملا ہوا ہے۔ یہ غلام کس کا ہے؟ آقا کا ہے، اگر اس غلام سے قصاص لیں گے تو آقا کا نقصان ہوگا۔ تو اس غلام کے ساتھ چونکہ آقا کا حق وابستہ ہے، لہٰذا غلام کا اقرار معتبر نہیں۔ جبکہ ہم کہتے ہیں کہ نہیں، غلام کا اقرار مال کے بارے میں تو معتبر نہیں، لیکن اگر وہ اب قصاص کے بارے میں اقرار کرتا ہے تو یہ معتبر ہے، کیونکہ خون کے اعتبار سے، اپنی جان کے اعتبار سے وہ آزاد آدمی کی طرح ہے۔ کس کی طرح ہے؟ آزاد، یعنی اصلِ حُریت پر باقی ہے۔ انسان میں اصل ہے آزاد ہونا۔ انسان کیا ہے؟ اس کو اللہ نے آزاد پیدا کیا ہے، اور یہ غلامی کسی عارض کی وجہ سے آتی ہے۔ مثلاً جنگ ہوئی اور دشمنوں نے قید کر کے غلام بنا لیا بھئی، تو قدیم زمانے میں جس کو پکڑتے تھے اس کو غلام بنا لیا جاتا تھا۔ تو غلامی جو ہے وہ کسی عارض کی وجہ سے لاحق ہوئی، تو انسان میں اصل کیا ہے؟ آزاد ہونا۔ اور غلام بھی اپنے خون کے اعتبار سے اصلِ حُریت پر باقی ہے بھئی، بات سمجھ میں آگئی۔

یہ معنی ہے: وَيُقَادُ عَبْدٌ أَقَرَّ بِقَوَدٍ اور قصاص لیا جائے گا ایسے غلام سے جو اقرار کرتا ہے قصاص کا، هَذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے، لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَّهَمٍ فِيهِ اس لیے کیونکہ وہ اس میں متہم نہیں۔ یعنی اس میں بدگمانی نہیں ہے۔ مال کا اقرار کرتا ہے زید کے لیے، اس میں تو بدگمانی دلوں میں آتی ہے کہ معلوم ہوا یہ اپنے آقا پر مال واجب کرنا چاہتا ہے، اس کا نقصان کروانا چاہتا ہے۔ لیکن یہاں پر تو اس کی جان جا رہی ہے بھئی، اس کا اپنا نقصان ہے، لہٰذا یہاں پر اس طرح کی بدگمانی دلوں میں نہیں آتی۔ تو تہمت کا معنی بدگمانی، بدگمانی۔ یہ معنی ہے: لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَّهَمٍ فِيهِ اس لیے کیونکہ اس میں اس پر کوئی تہمت نہیں ہے، لِأَنَّهُ مُضَرٌّ بِهِ کیونکہ وہ اس کے ذریعے نقصان اٹھانے والا ہے۔ لِأَنَّهُ مُضَرٌّ بِهِ کیونکہ اس کے ذریعے اس کو ضرر ہوگا، نقصان ہوگا، وَلِأَنَّهُ مُبْقًى عَلَى أَصْلِ الْحُرِّيَّةِ فِي حَقِّ الدَّمِ اور اس لیے کیونکہ اس کو باقی رکھا گیا ہے اصلِ حُریت پر، فِي حَقِّ الدَّمِ خون کے حق میں۔ اس کے خون کے حق میں یہ کس پر باقی ہے؟ اصلِ حُریت، یعنی اصل انسان میں حُریت ہے اور یہ بھی اسی اصل پر باقی اس کو رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اسی لیے اگر آقا اس کے بارے میں قصاص کا اقرار کرتا ہے، تو آقا کا اقرار معتبر نہیں، حالانکہ یہ اس کا غلام ہے، آقا کا اقرار کیا ہونا چاہیے اس کے بارے میں؟ معتبر ہونا چاہیے، لیکن آقا کا اقرار اس پر قصاص کے بارے میں معتبر نہیں۔ معلوم ہوا اپنے خون کے اعتبار سے یہ کس پر باقی ہے؟ اصلِ حُریت پر باقی ہے، غیر کا اقرار اس پر نافذ نہیں۔

وَعِنْدَ زُفَرَ رَحِمَهُ اللهُ لَا يَصِحُّ إِقْرَارُهُ كَمَا فِي الْمَالِ، امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا اقرار صحیح نہیں ہے، كَمَا فِي الْمَالِ جیسے کس کے اندر ہے؟ مال میں۔ مال میں تو آپ بھی مانتے ہیں کہ اس کا اقرار معتبر نہیں، تو اسی طرح قصاص کو بھی

وہ اسی پر قیاس کرتے ہیں۔ لِمُلَاقَاتِهِ حَقَّ الْمَوْلَى، ملاقات کا معنی ملنا، لِمُلَاقَاتِهِ اس لیے کیونکہ یہ اس کا یہ اقرار جو ہے ملا ہوا ہے حَقَّ الْمَوْلَى مولا کے حق سے۔ اس کا یہ اقرار کس کے ساتھ ملا ہوا ہے؟ مولا کے حق کے ساتھ۔ اس کے اس اقرار کی وجہ سے اس کی جان جائے گی اور مولا کا حق ضائع ہوگا کیونکہ یہ غلام اس کا ہے، تو اس غلام کے اقرار کے ساتھ مولا کا حق ملا ہوا ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ لِمُلَاقَاتِهِ حَقَّ الْمَوْلَى اس لیے کیونکہ اس کے اس اقرار کے ساتھ مولا کا حق ملا ہوا ہے۔

وَمَنْ رَمَى رَجُلًا عَمْدًا فَنَفَذَ السَّهْمُ إِلَى آخَرَ فَمَاتَا يُقْتَصُّ لِلْأَوَّلِ وَعَلَى عَاقِلَتِهِ الدِّيَةُ لِلثَّانِي۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے تیر چلایا دوسرے شخص پر، اور وہ تیر اتنی قوت سے اس نے پھینکا کہ اس شخص کے جسم سے تیر آر پار ہوا، اور پیچھے کھڑے ہوئے ایک اور شخص کو بھی وہ تیر لگا اور دونوں مر گئے۔ ایک وہ شخص جس کو تیر مارا تھا وہ بھی مر گیا، اور پیچھے جو ایک آدمی کھڑا تھا جس کو تیر نکل کر جا کر لگا وہ بھی مر گیا۔ تو کہتے ہیں اس صورت میں قاتل پر قصاص بھی آئے گا اور اس کی عاقلہ پر دیت بھی آئے گی۔ کیونکہ ایک قتلِ عمد ہے، ایک کو تو اس نے جان بوجھ کر قتل کیا، اور دوسرا قتل قتلِ خطا ہے، اس کو تو اس کے مارنے کا ارادہ نہیں تھا۔ تو جو جان بوجھ کر قتل کیا تو قصاص آئے گا، اور جو غلطی سے قتل کیا ہے تو دیت آئے گی، اور وہ اس کے عاقلہ پر ہوگی۔[1]

کہتے ہیں: وَمَنْ رَمَى رَجُلًا عَمْدًا جس نے تیر مارا کسی شخص کو عمداً جان بوجھ کر، فَنَفَذَ السَّهْمُ تو تیر اس میں سے نکل گیا إِلَى آخَرَ دوسرے شخص کی طرف، فَمَاتَا تو وہ دونوں مر گئے، يُقْتَصُّ لِلْأَوَّلِ تو پہلے کے لیے اس سے قصاص لیا جائے گا، وَعَلَى عَاقِلَتِهِ الدِّيَةُ لِلثَّانِي اور اس تیر مارنے والے کی عاقلہ پر دیت ہے لِلثَّانِي دوسرے مقتول کے لیے، لِأَنَّ الْأَوَّلَ عَمْدٌ وَالثَّانِيَ خَطَأٌ اس لیے کیونکہ پہلا جو ہے قتل وہ قتلِ عمد ہے اور دوسرا قتل قتلِ خطا ہے۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

وَمَنْ قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ ثُمَّ قَتَلَهُ أُخِذَ بِهِمَا فِي عَمْدَيْنِ وَمُخْتَلِفَيْنِ بَرِئَ بَيْنَهُمَا أَوْ لَا، وَخَطَأَيْنِ بَيْنَهُمَا بُرْءٌ، وَكَفَتْ دِيَةٌ إِنْ لَمْ يَبْرَأْ بَيْنَ هَذَيْنِ۔[2]

یہ لمبا مسئلہ ہے بھئی۔ اس میں آٹھ صورتیں بنتی ہیں بھئی، آٹھ صورتیں۔ ایک شخص دوسرے شخص کا ہاتھ کاٹتا ہے اور پھر اس کے بعد اس کو قتل کرتا ہے۔ تو دو فعل پائے گئے: ایک ہاتھ کاٹنا اور دوسرا قتل کرنا۔ تو اس صورت میں مسئلہ

---

[1] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۵۳):** صوتی درس کی قراءت میں «وَمَنْ رَمَى رَجُلًا عَمْدًا فَنَفَذَ السَّهْمُ إِلَى آخَرَ فَمَاتَا يُقْتَصُّ لِلْأَوَّلِ وَعَلَى عَاقِلَتِهِ الدِّيَةُ لِلثَّانِي» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «ومَن رمى رجلًا عمدًا فنفذَ إلى آخر فماتا، يُقْتَصُّ للأوَّل، وعلى عاقلتِهِ الدِّيَةُ للثَّاني.» منقول ہے۔

[2] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۵۳):** صوتی درس کی قراءت میں «وَمَنْ قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ ثُمَّ قَتَلَهُ أُخِذَ بِهِمَا فِي عَمْدَيْنِ وَمُخْتَلِفَيْنِ بَرِئَ بَيْنَهُمَا أَوْ لَا» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «ومَن قطعَ يدَ رجلٍ ثمَّ قتلَهُ أخذَ بهما في عمدين، ومختلفين برأ بينهما أو لا،» منقول ہے۔

کیا ہوگا؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ یہاں آٹھ صورتیں بنتی ہیں۔ اس لیے کیونکہ دو فعل ہیں: ایک ہے قطع اور ایک ہے قتل۔ قطع یا خطا ہوگا یا عمداً ہوگا۔ اسی طرح قتل بھی خطا ہوگا یا عمداً ہوگا، یعنی غلطی سے ہوگا یا جان بوجھ کر ہوگا۔ اور پھر ان کے درمیان، یہ جو دو فعل دو جنایتیں اس نے کیں، ان دو جنایتوں کے درمیان وہ جس کے خلاف جرم کیا گیا، جس کا ہاتھ کاٹا گیا، جس کو قتل کیا گیا، ان دو جنایتوں کے درمیان وہ تندرست ہوا ہوگا یا تندرست نہیں ہوا ہوگا۔ تو کل آٹھ صورتیں بنتی ہیں بھئی۔ یہ ذرا اپنی کاپیوں پر ذرا نقشہ، صورت بنا لیں، یہ آپ کو پھر سمجھنے میں آسانی ہوگی بھئی، سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

لکھیے بھئی جلدی جلدی لکھیے بھئی۔ سب سے پہلی سطر میں لکھیں، سب سے پہلی سطر میں دائیں طرف سے شروع کریں اور لکھیں قَطْعٌ، تھوڑا سا فاصلہ کنارے سے چھوڑنا ہے، پھر ہم نے ان کو نمبر دینے ہیں نمبر ایک، نمبر دو، نمبر تین، تو تھوڑی سی جگہ شروع میں چھوڑ دیں۔ لکھیں بھئی قَطْعٌ، قاف، طاء، عین، قَطْعٌ۔ اور اس کے ساتھ ہی تھوڑے سے فاصلے پر، معمولی سا کہ بس ذرا الگ ہو جائے، دور نہیں لے جانا، تھوڑا سا فاصلہ کر دیں معمولی سا، ایک لفظ جتنا فاصلہ کر دو، اور آگے لکھو قَتْلٌ۔ قَطْعٌ اور پھر کچھ فاصلے پر کیا لکھا؟ قَتْلٌ، قَتْلٌ۔ اور اس کے بعد آگے جتنی سطر باقی ہے، اس پوری سطر کے درمیان میں لکھو حُکْمٌ۔ یعنی اس کا حکم کیا ہوگا، یہاں پھر اس کی تفصیل آئے گی اس نیچے بھئی۔ حُکْمٌ لکھو بھئی۔ لکھ لیا بھئی؟ دیکھو دو جرم ہیں نا، قَطْعٌ اور قَتْلٌ، اور آگے پھر ان کا حکم کیا ہوگا وہ بھی بیان ہوگا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اب قَطْعٌ اور قَتْلٌ کے نیچے لکیر لگا دو بھئی، یہ یعنی اوپر عنوان کی طرح بڑا سا ہے، اور اسی طرح حُکْمٌ کے نیچے بھی لکیر لگا دو۔ ہاں، اب نیچے تفصیل شروع ہونے لگی ہے۔

جی، سب سے پہلے نیچے لکھیں نمبر ایک بھئی۔ نمبر ایک، قَطْعٌ کے نیچے لکھیں عَمْدٌ، عَمْدٌ، اور قَتْلٌ کے نیچے لکھیں عَمْدٌ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ نمبر دو میں بھی اسی طرح کریں، اس سے نچلی لکیر میں لکھیں دو نمبر، دو نمبر بھئی ایک کے نیچے دو نمبر لکھیں، دو نمبر، جی۔ یہاں بھی اسی طرح عَمْدٌ کے نیچے ایک اور عَمْدٌ لکھیں اگلی سطر میں، اور اگلے عَمْدٌ کے نیچے ایک اور عَمْدٌ لکھیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ دیکھو پہلی صورت کیا ہے؟ قَطْعٌ بھی ہے عَمْدٌ اور قَتْلٌ بھی ہے عَمْدٌ۔ دوسری صورت بھی کیا ہے؟ قَطْعٌ بھی ہے عَمْدٌ اور قَتْلٌ بھی ہے عَمْدٌ۔ یہ دو صورتیں کیوں؟ کیونکہ ایک صورت وہ ہے جس میں وہ تندرست ہوا، ایک صورت وہ ہے جس میں درمیان میں تندرست نہیں ہوا۔ تو لہٰذا یا تو درمیان میں لکھ دیں چھوٹا سا آپ کی مرضی ہے میں بتلا دیتا ہوں جیسے آپ کرنا چاہیں، یا تو ایک میں لکھ دیں بُرْءٌ اور دوسرے میں لکھ دیں غَیْرِ بُرْءٌ۔ یعنی بُرْءٌ کا معنی تندرست ہونا، اور غَیْرِ بُرْءٌ کا معنی ہے تندرست نہ ہونا۔ یا اس سے بھی آسان طریقہ یہ ہے، آپ کے امتحانات میں سوال آتے ہیں، لکھا ہوتا ہے کہ صحیح اور غلط کی نشاندہی کریں، تو آپ صحیح کے آگے کیسا نشان لگاتے ہیں؟ وہ ٹک مارک جس کو کہتے ہیں، وہ نشان لگا دیتے ہیں، اور غلط کے لیے کیا کرتے ہیں؟ چھوٹا سا کانٹا سا لگا دیتے ہیں، ایکس کی شکل بنا دیتے ہیں۔ تو لہٰذا پہلی کے اندر عَمْدٌ اور عَمْدٌ کے درمیان ایکس کی شکل بنا دیں۔ کیا معنی؟ یعنی تندرست بیچ میں نہیں ہوا۔ اور دوسری

کے درمیان وہ ٹک مارک لگا دیں، یعنی اس کے بیچ میں وہ کیا ہوا؟ تندرست ہوا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

آپ نے نمبر ایک میں قَطْعٌ کے نیچے لکھا عَمْدٌ اور قَتْلٌ کے نیچے بھی لکھا عَمْدٌ، اور درمیان میں تندرست ہونا نہیں ہے، وہاں آپ نے غَیْرِ بُرْءٌ لکھ دیا یا کراس کا نشان لگا دیا۔ اور دوسری لائن میں بھی آپ نے لکھا عَمْدٌ، یعنی قَطْعٌ بھی ہے عَمْدٌ اور قَتْلٌ بھی ہے عَمْدٌ، اور درمیان میں آپ نے لکھ دیا بُرْءٌ، یعنی تندرست ہوا، یا وہ آپ نے صحیح کا نشان لگا دیا۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

اب اس سے آگے آؤ بھئی تین بھئی۔ تین اور چار۔ تین اور چار میں خَطَأٌ خَطَأٌ دو دو دفعہ لکھ دو بھئی۔ نمبر تین میں قَطْعٌ بھی خَطَأٌ اور قَتْلٌ بھی خَطَأٌ۔ اور چار میں بھی اسی طرح قَطْعٌ بھی خَطَأٌ اور قَتْلٌ بھی خَطَأٌ بھئی۔ اور ایک میں وہ کراس لگا دیں کہ تندرست نہیں ہوا، اور ایک میں وہ نشان لگا لیں کہ درمیان میں وہ تندرست ہوا ہے۔ چار صورتیں ہو گئیں؟ پانچویں صورت میں قَطْعٌ ہے عَمْدًا اور قَتْلٌ ہے خَطَأً۔ چھٹی صورت میں بھی قَطْعٌ ہے عَمْدًا اور قَتْلٌ ہے خَطَأً، اور ان میں بھی اسی طرح بھئی بُرْءٌ اور غَیْرِ بُرْءٌ لکھ دیں، یا ایک میں کراس لگا دیں اور ایک میں ٹھیک کا نشان لگا دیں۔ پانچویں اور چھٹی صورت سمجھ میں آگئی؟ پانچویں اور چھٹی صورت میں کیا ہے؟ قَطْعٌ عَمْدًا ہے اور قَتْلٌ خَطَأً ہے۔ ساتویں اور آٹھویں صورت میں اس کا برعکس کر دیں: قَطْعٌ جو ہے

اس کو خَطَأً کر دیں اور قتل کو عَمْداً کر دیں۔ لکھ لیا بھئی؟ جی سر۔ اور درمیان میں ایک میں بُرْءٌ لکھ دیں اور ایک میں غَیْرِ بُرْءٍ، یا کراس اور صحیح کا نشان لگا دیں۔

اب دیکھو تفصیل سے سارے دوبارہ سنو۔ پہلی صورت: قطع بھی عَمْداً اور قتل بھی عَمْداً، اور درمیان میں تندرست نہیں ہوا۔ دوسری صورت میں بھی قطع بھی عَمْداً اور قتل بھی عَمْداً، اور درمیان میں تندرست ہوا۔ تیسری صورت میں قتل اور قطع دونوں خطا ہیں، اور درمیان میں تندرست نہیں ہوا۔ چوتھی صورت میں قطع اور قتل دونوں خَطَأً ہیں، اور درمیان میں تندرست ہوا۔ پانچویں صورت میں قطع تو ہے عَمْداً اور قتل ہے خَطَأً۔ چھٹی صورت میں بھی قطع ہے عَمْداً اور قتل ہے خَطَأً، لیکن پانچویں صورت میں وہ تندرست نہیں ہوا اور چھٹی صورت میں وہ تندرست ہو گیا۔ ساتویں صورت میں قطع ہے خَطَأً اور قتل ہے عَمْداً، اور درمیان میں تندرست نہیں ہوا۔ آٹھویں صورت میں قطع ہے خَطَأً اور قتل ہے عَمْداً، اور درمیان میں تندرست ہوا۔ یہ آٹھ صورتیں سمجھ میں آگئیں؟ جی سر۔

اب یاد رکھنا، صرف پہلی صورت میں اختلاف ہے صاحبین کا امام صاحب کے ساتھ۔ باقی سات کی سات صورتیں یعنی دو سے لے کر آٹھ تک، یہ اتفاقی ہیں۔ اب ان میں آئے گا کیا؟ لکھ لیں۔

پہلی صورت کیا ہے؟ قطع عَمْداً ہے اور قتل بھی عَمْداً ہے، اور درمیان میں تندرست نہیں ہوا۔ اس میں آگے لکھیں: اختلاف ہے۔ چھوٹا چھوٹا لکھیں، اختلاف ہے۔ اس پہلی صورت کے آگے ہی لکھیں، اس میں اختلاف ہے۔ امام صاحب کے نزدیک، امام صاحب کے نزدیک اختیار ہوگا، اختیار ہوگا قطع و قتل دونوں، قطع و قتل دونوں، یا صرف قتل کا۔

جبکہ صاحبین کے نزدیک صرف قتل ہوگا یہاں۔ صاحبین کے نزدیک صرف قتل ہوگا یعنی قصاص ہوگا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ بس یہاں اختلاف ہے۔ وہ صورت جس میں ہاتھ بھی عَمْداً کاٹا اور قتل بھی... ہاتھ بھی جان بوجھ کر کاٹا اور قتل بھی جان بوجھ کر کیا، اور درمیان میں تندرست نہیں ہوا، تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہاں مقتول کے اولیاء کو اختیار ہے، چاہے تو وہ اس مجرم کا ہاتھ پہلے کٹوائیں اور پھر اس کو قتل کروائیں، اور چاہیں تو صرف قتل کروا دیں، ہاتھ نہ کٹوائیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں نہیں، اختیار نہیں ہوگا، بس صرف اس کو قتل ہی کیا جائے گا بھئی۔ کیونکہ وہ ہاتھ کاٹنا جو ہے وہ جب جان چلی گئی تو ہاتھ بھی چلا گیا اس کے ساتھ۔ فرق سمجھ میں آ رہا ہے؟ صاحبین فرماتے ہیں جب جان اس کی چلی گئی تو اسی میں اس کا ہاتھ بھی ختم ہو گیا۔ تو صرف اس صورت میں اختیار ہے۔

باقی صورتوں میں کیا حکم ہوگا وہ بھی لکھ لیں بھئی۔ دو نمبر تھا۔ دو نمبر کا حکم جو ہے اس میں قطع و قتل دونوں آئیں گے۔ قطع و قتل دونوں آئیں گے۔ دو جنایتیں ہیں نا؟ جی۔ ہاتھ بھی جان بوجھ کر کاٹا ہے اور قتل بھی جان بوجھ کر کیا ہے، اور درمیان میں وہ تندرست ہو گیا، تو دونوں کا بدلہ لیا جائے گا اس سے: اس کا ہاتھ بھی کاٹا جائے گا اور پھر اسے قتل بھی کیا جائے گا۔

تیسری صورت۔ تیسری صورت کا حکم اس کے آگے لکھ لیں کہ اس میں صرف قتل کی دیت آئے گی۔ اس میں صرف قتل کی دیت آئے گی۔

چوتھی صورت کا حکم یہ ہے۔ چوتھی صورت میں دونوں خَطَأً ہیں، ہاتھ بھی غلطی سے کاٹا ہے، قتل بھی غلطی سے کیا ہے، لیکن درمیان میں تندرست ہوا ہے وہ، تو لہٰذا اب یہ دونوں الگ الگ دیتیں آئیں گی: ہاتھ کی دیت بھی آئے گی اور نفس کی دیت بھی آئے گی اس میں۔ مختصر لکھنا ہو تو یوں لکھ لیں: دِيَةُ الْقَطْعِ وَدِيَةُ الْقَتْلِ۔ دِيَةُ الْقَطْعِ وَدِيَةُ الْقَتْلِ۔

پانچویں صورت میں بھئی ہاتھ جان بوجھ کر کاٹا ہے اور قتل غلطی سے ہوا ہے، تو اس میں قطع اور دیتِ قتل آئے گی۔ قطع، یعنی اس کا بھی ہاتھ کاٹا جائے گا: قَطْعٌ وَدِيَةُ الْقَتْلِ۔ قَطْعٌ وَدِيَةُ الْقَتْلِ۔ بھئی کیوں؟ درمیان میں تو وہ تندرست نہیں ہوا، تندرست نہیں ہوا... اچھا چلیں یہ صورتیں لکھ لیں پھر میں مزید تفصیل بیان کرتا ہوں۔ پانچویں صورت کا حکم لکھ لیا؟ جی سر۔

چھٹی صورت۔ چھٹی صورت میں ہاتھ جان بوجھ کر کاٹا ہے اور قتل غلطی سے ہوا ہے، تو یہاں پر بھی قطع اور دیتِ قتل آئے گی۔ اس کا ہاتھ بھی کاٹا جائے گا کیونکہ عَمْداً کاٹا تھا، اور قتل کی دیت آئے گی کیونکہ خَطَأً ہوا تھا، تو قَطْعٌ وَدِيَةُ الْقَتْلِ۔ قَطْعٌ وَدِيَةُ الْقَتْلِ۔

ساتویں صورت۔ اس میں ہاتھ غلطی سے کاٹا ہے اور قتل جان بوجھ کر کیا ہے، تو ہاتھ کے اندر دیتِ قطع آئے گی اور ساتھ قتل آئے گا یعنی قصاص آئے گا۔ تو اس کا حکم ہے: دِيَةُ الْقَطْعِ وَقَتْلٌ۔ دِيَةُ الْقَطْعِ وَالْقَتْلُ۔

آٹھویں کا بھی یہی حکم ہے بھئی: دِيَةُ الْقَطْعِ وَالْقَتْلِ۔ دیت بھی آئے گی کیونکہ غلطی سے ہاتھ کاٹا ہے، اور عَمْداً قتل کیا تو قتل بھی آئے گا۔

صورتیں لکھ لیں؟ جی۔ نقشہ مکمل ہوا بھئی۔ دیکھا؟ تو حاصلِ کلام کیا ہوا کہ صرف پہلی صورت میں اختلاف ہے، باقی تمام صورتیں اتفاقی ہیں، باقی تمام صورتیں اتفاقی۔ پہلی صورت میں جب اس نے اس کا ہاتھ بھی جان بوجھ کر کاٹا اور اس کو قتل بھی جان بوجھ کر کیا، لیکن درمیان میں تندرست نہیں ہوا، تو صاحبین فرماتے ہیں تداخل ہو جائے گا دونوں سزاؤں کا آپس میں۔ قطعِ ید قتل کے اندر ہی داخل ہو جائے گا۔ لہٰذا اب بدلے میں صرف اس کو قتل کریں گے، ہاتھ نہیں کاٹیں گے۔ جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں نہیں، یہاں مثلِ صوری ممکن ہے کہ بالکل اسی طرح کا معاملہ کیا جائے، جیسے اس نے ہاتھ کاٹا تھا اور قتل کیا تھا، تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جائے اور قتل کیا جائے۔ اور چاہیں تو صرف کیا کر دیں اس کو؟ قتل کر دیں تو بھی ٹھیک ہے، کیونکہ ہاتھ کی جنایت قتل کی جنایت کے اندر داخل ہو گئی۔ اس میں اختلاف ہے پہلی صورت میں۔

جبکہ باقی صورتوں میں اتفاق ہے بھئی، اتفاق۔ اس میں ضابطہ یاد رکھو کہ جنایتوں میں اور یہ زخموں وغیرہ میں حتی الامکان تداخل کیا جائے گا۔ توجہ ہے؟ جی۔ ایک آدمی نے ایک آدمی پر کئی جنایتیں کی ہیں، یا کئی زخم لگائے ہیں، تو حتی الامکان ان جنایتوں میں، یعنی حتی الامکان یعنی جتنا ممکن ہو سکے، حتی الامکان ان جنایتوں یا ان زخموں میں تداخل کیا جائے گا، ان کی سزاؤں کو ایک دوسرے میں داخل کر دیا جائے گا، دو کی جگہ کوشش کی جائے گی ایک ہی سزا اس کو دے دی جائے بھئی۔ اگر تداخل ممکن نہ رہے پھر تو الگ الگ سزا دینی پڑے گی، جیسے آپ نے بھی نقشے میں دیکھا کئی جگہ دو دو سزائیں ہیں بھئی اکثر جگہ۔ جہاں تداخل نہ ہو سکے تو ہر جرم کی الگ سزا ملے گی۔

اور کیسے تداخل نہ ہو سکے؟ مثلاً دونوں جنایتوں کی جنس ہی الگ ہو: ایک عَمْداً ہے تو ایک خَطَأً ہے۔ ایک جان بوجھ کر ہے تو دوسری غلطی سے ہے۔ تو جان بوجھ کر جرم وہ الگ قسم ہے اور غلطی سے جرم ہو یہ الگ قسم ہے، تو اس صورت میں تداخل نہیں ہو سکے گا اور دونوں جرموں کی الگ الگ سزا ملے گی۔ یا دوسری صورت جس میں تداخل نہ ہو سکے: کہ درمیان میں تندرستی آجائے۔ جب درمیان میں تندرست ہو گیا وہ جس پر جرم ہوا تھا، تو اس کا مطلب ہے اب تداخل نہیں ہو سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ضابطہ کیا ہوا کہ جنایتوں میں اور زخموں میں حتی الامکان تداخل کیا جائے گا، الا یہ کہ تداخل ممکن نہ رہے، اور وہ دو صورتیں بنتی ہیں: یا تو ان افعال کی جنس ہی الگ الگ ہو، یا ان میں تندرستی درمیان میں آجائے، پھر تداخل نہیں کریں گے۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟

آؤ تو اب اس ضابطے کے تحت دیکھو بھئی: آخری چار صورتیں جو ہیں، آخری چار صورتیں، ان میں جنس ہی الگ ہے دونوں جنایتوں کی: ایک عَمْداً ہے تو دوسری خَطَأً ہے، یا پہلی خَطَأً ہے تو دوسری عَمْداً ہے، تو اس کے مطابق ضمان وغیرہ آئے گا۔ عمد کے لیے قصاص آتا ہے اور خطا کے لیے دیت آتی ہے، وہ اس کے مطابق آگئی بھئی۔

اور پہلی چار صورتوں میں آپ دیکھیں، اس میں سے پہلی صورت میں تو اختلاف ہے۔ دوسری صورت میں دیکھو دونوں جرم عَمْداً ہیں، جان بوجھ کر ہیں، لیکن درمیان میں تندرست ہو گیا تو تداخل نہیں ہو سکتا، لہٰذا دونوں کی سزا الگ الگ ملے گی: ہاتھ بھی کاٹا جائے گا اور قصاص میں قتل بھی کیا جائے گا۔ اسی طرح چوتھی صورت میں بھی آپ دیکھ لیں، دونوں کی جنس تو ایک ہی ہے، ہاتھ بھی غلطی سے کاٹا ہے اور قتل بھی غلطی سے کیا، لیکن تداخل نہیں ہو سکتا کیونکہ درمیان میں تندرست ہو گیا، لہٰذا ہاتھ کاٹنے کی دیت الگ آئے گی اور قتل کی دیت الگ آئے گی۔ جبکہ تیسری صورت میں دونوں جرم خَطَأً ہیں اور درمیان میں تندرست نہیں ہوا بھئی۔ توجہ ہے؟ جی۔ دونوں جرم خَطَأً ہیں، غلطی سے ہیں اور درمیان میں تندرست نہیں ہوا، تو اس صورت میں بالاتفاق ایک ہی دیت آئے گی۔ ایک ہی دیت آئے گی۔ وہ جو ہاتھ کی دیت ہے وہ اسی نفس کی دیت کے اندر داخل ہو جائے گی، کیونکہ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ جنایتوں میں کیا کیا جائے گا؟ تداخل کیا جائے گا۔ یہ دونوں جنایتیں بھی ایک جنس کی اور درمیان میں تندرست بھی نہیں ہوا، تو لہٰذا تداخل ہوگا اور نفس کی دیت آجائے گی، اور نفس کی دیت کے اندر ہی ہاتھ کی دیت بھی شامل ہو گئی، داخل ہو گئی۔

ہاں البتہ پہلی صورت میں، پہلی صورت میں دیکھو دونوں جرم عَمْداً ہیں، وہ صورت جس میں اختلاف ہے، دونوں جرم عَمْداً ہیں، ہاتھ بھی جان بوجھ کر کاٹا ہے اور قتل بھی جان بوجھ کر کیا ہے، تو دونوں جنایتیں ایک ہی جنس کی ہوئیں، اور درمیان میں تندرست بھی نہیں ہوا۔ تو صاحبین نے ضابطے کے مطابق کہا کہ یہاں تداخل کیا جائے گا، حتی الامکان تداخل کرنا چاہیے۔ تو وہ فرماتے ہیں تداخل کریں گے، دونوں جنایتیں بھی ایک جنس کی اور درمیان میں تندرست ہونا بھی نہیں پایا گیا، تو دونوں جرموں کی ایک ہی سزا دے دیں گے اور اس کو صرف قتل کریں گے، اس کا ہاتھ نہیں کاٹیں گے۔ جبکہ امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ اختیار ہے۔ چاہے تو وہ ہاتھ کاٹے اور پھر قتل کرے، یا صرف کیا کر لے؟ قتل کر لے، قتل کر لے۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ جی۔ اب آگے کچھ میں تفصیل اس کی اور ہے وہ آگے ذکر کرتا ہوں، دیکھیے کتاب پر:

وَمَنْ قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ ثُمَّ قَتَلَهُ أُخِذَ بِهِمَا، اور جس نے کسی آدمی کا ہاتھ کاٹ دیا ثُمَّ قَتَلَهُ پھر اس کو قتل کر دیا، أُخِذَ بِهِمَا تو وہ ماخوذ ہوگا ان دونوں قطعوں کی وجہ سے، اس کا مواخذہ ہوگا ان دونوں یہ جو جرم اس نے کیے ہیں، یعنی دونوں ان دونوں جرموں کی وجہ سے اس کا مواخذہ ہوگا بھئی۔ فِي عَمْدَيْنِ جب دونوں کیا ہوں؟ جان بوجھ کر، جب قطع یعنی ہاتھ کا کاٹنا اور قتل دونوں عَمْداً ہوں جان بوجھ کر ہوں۔ وَمُخْتَلِفَيْنِ اور دونوں کیا ہوں؟ مختلف ہوں، یعنی ایک جرم عَمْداً ہو تو ایک جرم خَطَأً ہو۔ بَرِئَ بَيْنَهُمَا أَوْ لَا چاہے وہ ان کے درمیان تندرست ہو یا تندرست نہ ہو۔ اس کا تعلق دونوں سے ہے: یہ جو مختلفین آئے وہ بھی، ان میں بھی چاہے تندرست ہو یا تندرست نہ ہو۔ اور عمدین سے بھی اس کا تعلق ہے کہ وہ جو دونوں جرم عَمْداً کیے تھے اس میں بھی چاہے تندرست ہو یا تندرست نہ ہو۔ توجہ سے عبارت پہ نظر رکھنا، چھ صورتیں آگئیں بھئی! چھ صورتیں آگئیں اس میں۔ کس طرح؟ دیکھو: فِي عَمْدَيْنِ وَمُخْتَلِفَيْنِ، پہلے صرف عمدین پر آؤ، عَمْدَيْنِ دونوں عمد ہوں، بَرِئَ

بَيْنَهُمَا أَوْ لَا اس میں تندرست ہو یا تندرست نہ ہو، کتنی صورتیں ہو گئیں؟ دو ہو گئیں نا عَمْداً۔ دونوں عَمْداً ہیں، ایک صورت ہے تندرست ہوا، ایک صورت ہے تندرست نہیں ہوا۔ تو پہلی اور دوسری صورت اس میں آ گئی، نقشے پر بھی ساتھ نظر رکھیں، پہلی صورت بھی آ گئی اور دوسری بھی آ گئی: دونوں عَمْداً ہیں، اور ایک میں درمیان میں بُرْءٌ ہے اور ایک میں بُرْءٌ نہیں ہے، تو دونوں آ گئے۔ پھر کہا: وَمُخْتَلِفَيْنِ اور چاہے دونوں جرم مختلف ہوں یعنی ایک عَمْداً ہو تو دوسرا خَطَأً ہو، اور اس میں بھی چاہے تندرست ہو یا تندرست نہ ہو، چار صورتیں آ گئیں، آخری چاروں دیکھ لیں، آخری چاروں: ایک جرم عَمْداً ہے تو دوسرا خَطَأً ہے، اور درمیان میں چاہے تندرست ہو یا تندرست نہ ہو، چار صورتیں آ گئیں۔ کیسے؟

پہلا جرم عَمْداً ہو جی اور دوسرا جرم کیا ہو؟ خَطَأً ہو، اور درمیان میں تندرست نہیں ہوا۔ پھر پہلا جرم عَمْداً ہو اور دوسرا خَطَأً ہو، اور درمیان میں تندرست ہوا، دو صورتیں۔ پھر پہلا جرم خَطَأً ہو اور دوسرا عَمْداً ہو، اور درمیان میں تندرست نہیں ہوا۔ چوتھی صورت کہ پہلا جرم خَطَأً ہو، دوسرا جرم عَمْداً ہو، لیکن درمیان میں تندرست ہو گیا۔ تو چار صورتیں اس مُخْتَلِفَيْنِ کے اندر آ گئیں اور دو صورتیں عَمْدَيْنِ میں آ گئیں، تو چھ صورتیں ہو گئیں۔

پھر دیکھیے: وَمَنْ قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ ثُمَّ قَتَلَهُ، جس شخص نے ہاتھ کاٹا کسی دوسرے آدمی کا ثُمَّ قَتَلَهُ پھر اس کو قتل کر دیا، أُخِذَ بِهِمَا تو وہ ماخوذ ہوگا ان دونوں جنایتوں کی وجہ سے، بات سمجھ میں آ گئی؟ فِي عَمْدَيْنِ وَمُخْتَلِفَيْنِ بَرِئَ بَيْنَهُمَا أَوْ لَا، عمدین کے اندر بھی اور مختلفین میں بھی، ان کے درمیان وہ تندرست ہو یا تندرست نہ ہو۔ وَخَطَأَيْنِ بَيْنَهُمَا بُرْءٌ، اور اسی طرح وہ دو خطائیں جن کے درمیان وہ تندرست ہو گیا، کون سی صورت ہے؟ چوتھی صورت۔ دونوں جرم خَطَأً ہیں لیکن درمیان میں تندرست ہو گیا، تو دونوں کی وجہ سے ماخوذ ہوگا یعنی دونوں کی الگ الگ دیت آئے گی بھئی، توجہ ہے؟ جی۔ پیچھے کہا تھا نا أُخِذَ بِهِمَا دونوں جرموں کی وجہ سے ماخوذ ہوگا، تو یہاں وَخَطَأَيْنِ بَيْنَهُمَا بُرْءٌ اور دو ایسی خطائیں جن کے درمیان وہ تندرست ہو جائے اس میں بھی دونوں جرموں کی وجہ سے وہ ماخوذ ہوگا، دونوں دیتیں آئیں گی۔

وَكَفَتْ دِيَةٌ إِنْ لَمْ يَبْرَأْ بَيْنَ هَذَيْنِ، اور ایک ہی دیت کافی ہے اگر وہ تندرست نہ ہوا ان دونوں کے درمیان۔ هَذَيْنِ سے اشارہ ہے خَطَأَيْنِ کی طرف۔ ان دو خطاؤں کے درمیان اگر وہ تندرست نہ ہوا تو ایک ہی دیت کافی ہے، ایک ہی دیت کافی ہے۔ یہ کون سی صورت آ گئی؟ تیسری صورت آ گئی۔ دیکھا؟ آٹھ کی آٹھ صورتیں انہوں نے ذکر کر دیں ایک ڈیڑھ سطر کے اندر بھئی۔

دیکھیے خود بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں: هَذِهِ ثَمَانِيَةُ مَسَائِلَ یہ آٹھ مسائل ہیں، لِأَنَّ الْقَطْعَ إِمَّا عَمْدٌ أَوْ خَطَأٌ اس لیے کیونکہ ہاتھ کا کاٹنا یا تو وہ جان بوجھ کر ہوگا یا غلطی سے ہوگا، ثُمَّ الْقَتْلُ كَذَلِكَ پھر قتل بھی اسی طرح ہے یعنی وہ قتل بھی جان بوجھ کر ہوگا یا غلطی سے ہوگا، صَارَ أَرْبَعَةً چار ہو گئے۔ کتنے ہو گئے؟ چار۔ چار ہو گئے۔ پھر سنو: لِأَنَّ الْقَطْعَ إِمَّا عَمْدٌ أَوْ خَطَأٌ اس لیے کیونکہ قطع جو ہے یا تو وہ جان بوجھ کر ہوگی یا غلطی سے ہوگی، ثُمَّ الْقَتْلُ كَذَلِكَ پھر قتل بھی اسی طرح ہے وہ جان بوجھ کر ہوگا

یا غلطی سے ہوگا، صَارَ أَرْبَعَةً تو کتنے ہو گئے؟ چار ہو گئے۔ کس طرح؟ دیکھو، یا تو دونوں عَمْداً ہوں گے یا دونوں خَطَأً ہوں گے، یا پہلا عَمْداً ہوگا دوسرا خَطَأً ہوگا، یا پہلا خَطَأً ہوگا دوسرا عَمْداً ہوگا۔ اب صورت سمجھ میں آگئی؟ چار صورتیں۔ پھر ان چاروں میں درمیان میں تندرست ہوگا یا تندرست نہیں ہوگا، تو آٹھ صورتیں ہو گئیں۔ اب بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: ثُمَّ إِمَّا أَنْ يَكُونَ بَيْنَهُمَا بُرْءٌ أَوْ لَا يَكُونَ پھر ان کے درمیان تندرستی ہوگی یا نہیں ہوگی، صَارَ ثَمَانِيَةً تو یہ آٹھ ہو گئے۔

فَإِنْ كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَمْداً پس اگر ان دونوں میں سے ہر ایک عَمْداً ہوا، یعنی ہاتھ بھی جان بوجھ کر کاٹا ہے اور قتل بھی جان بوجھ کر کیا ہے، فَإِنْ كَانَ بَرِئَ بَيْنَهُمَا اگر وہ ان کے درمیان تندرست ہو گیا، تو پھر يُقْتَصُّ بِالْقَطْعِ ثُمَّ بِالْقَتْلِ تو اس سے پہلے قطع کا قصاص لیا جائے گا پھر قتل کا۔ یہ کون سی صورت ہے؟ پہلی صورت۔ جی؟ توجہ نہیں ہے میرا خیال۔ دوسری۔ دوسری، درمیان میں تندرست ہوا ہے۔ دوسری صورت ہے، فَإِنْ كَانَ بَرِئَ بَيْنَهُمَا اگر وہ تندرست ہوا ہے، تو يُقْتَصُّ بِالْقَطْعِ ثُمَّ بِالْقَتْلِ تو پھر اس سے قصاص لیا جائے گا قطع کی وجہ سے بھی اور پھر قتل کی وجہ سے بھی۔ تو یہ بالاتفاق صورت ہے۔ وَإِنْ لَمْ يَبْرَأْ اور اگر وہ درمیان میں تندرست نہیں ہوا، فَكَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تو بھی اسی طرح ہے امام صاحب کے نزدیک، لِأَنَّ الْقَطْعَ ثُمَّ الْقَتْلَ هُوَ الْمِثْلُ صُورَةً وَمَعْنًى اس لیے کیونکہ پہلے ہاتھ کا کاٹنا اور پھر قتل کرنا وہ مثل ہے اس کے جرم کے صُورَةً وَمَعْنًى صورت کے اعتبار سے بھی اور معنی کے بھی اعتبار سے۔ وَعِنْدَهُمَا يُقْتَلُ وَلَا يُقْطَعُ، صاحبین فرماتے ہیں اس کو قتل کیا جائے گا اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیونکہ جنایتوں میں تداخل کریں گے۔ کیا کریں گے؟ اور جنس بھی ایک ہے اور درمیان میں تندرست بھی نہیں ہوا تو تداخل کیا جائے گا۔ فَدَخَلَ جَزَاءُ الْقَطْعِ فِي جَزَاءِ الْقَتْلِ تو داخل ہو گئی قطع یعنی ہاتھ کاٹنے کی جزا فِي جَزَاءِ الْقَتْلِ قتل کی جزا میں۔[۳]

وَتَحْقِيقُ هَذَا فِي أُصُولِ الْفِقْهِ فِي الْأَدَاءِ وَالْقَضَاءِ۔ علامہ صدر الشریعہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلے کی تحقیق جو ہے اصولِ فقہ کے اندر ادا اور قضا کی بحث میں ہے۔ کس میں ہے؟ ادا اور قضا میں۔ جی، اب اختلاف کی تفصیل سنو: ادا اور قضا کیا ہے اور کس طرح۔

بھئی دیکھیے، صاحبین کے نزدیک تو آسان سا معاملہ ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جنایتوں میں بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ تداخل کریں گے، الا یہ کہ جنس الگ الگ ہو یا درمیان میں تندرست ہو جائے۔ اور یہاں پر جنس بھی الگ نہیں اور درمیان میں تندرست بھی نہیں ہوا، جنس بھی ایک ہے دونوں عَمْداً ہیں اور درمیان میں تندرست بھی نہیں ہوا، تو تداخل کریں گے، ایک ہی سزا دے دیں گے اس کو قتل کر دیں گے، قطع نہیں کریں گے، ہاتھ اس کا نہیں کاٹیں گے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ جی۔ ہاتھ نہیں کاٹیں گے۔

---

[۳] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۵۴):** صوتی درس کی قراءت میں «فَإِنْ كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَمْداً» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فإن كان كلُّ واحدٍ عمدًا،» منقول ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں: ایک ہے ادا، ایک ہے قضا۔ ایک ہے ادا، ایک ہے قضا۔ یاد رکھو، آپ نے اصولِ فقہ میں پڑھا ہوگا: ادا یہ ہے کہ جو چیز آپ پر واجب ہوئی بِعَیْنِہٖ وہی چیز آپ ادا کریں، یہ ہے ادا۔ یہ کیا ہے؟ ادا۔ بِعَیْنِہٖ مثلاً آپ پر ظہر کی نماز واجب ہوئی اور کیسی واجب ہوئی؟ کہ پوری پڑھنی ہے اس وقت کے اندر اندر پڑھنی ہے ظہر کے وقت کے اندر، تو آپ نے بھی اس وقت کے اندر ظہر کی نماز پڑھ لی، تو جیسی نماز آپ پر واجب ہوئی تھی ویسی ہی آپ نے ادا کر دی، تو اس کو کہیں گے ادا۔ یعنی جو آپ کے ذمے تھا آپ نے وہی ادا کر دیا، توجہ ہے؟ جی۔ یعنی عین وہی چیز آپ نے دے دی، عین وہی چیز ادا کر دی، اس کو کہتے ہیں ادا۔ ادا کسے کہتے ہیں؟ جو چیز آپ پر واجب ہو، جو چیز آپ کے ذمے ہو بِعَیْنِہٖ وہی آپ کیا کریں؟ ادا کر دیں۔ تو آپ پر بھی ظہر کی نماز واجب تھی کس طریقے پر؟ کہ اپنے وقت کے اندر پڑھنی ہے، اور آپ نے بھی اپنے وقت کے اندر پڑھی، تو جو چیز جیسی واجب تھی آپ نے ویسے ہی ادا کر دی تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ ادا، یعنی عینِ واجب کو ادا کرنا۔ حاصلِ کلام کیا؟ ادا کسے کہتے ہیں؟ عینِ واجب کو ادا کرنا۔

اور ایک ہے قضا۔ قضا ہے مثلِ واجب کو ادا کرنا۔ جو چیز آپ پر واجب ہوئی تھی آپ وہ نہیں ادا کرتے، آپ اس کا مثل دیتے ہیں۔ کیسے؟ آپ نے ظہر کی نماز ظہر کے وقت نہیں پڑھی، عصر کے وقت جا کر پڑھ لی، یا مغرب کے بعد پڑھی، یا عشاء کے بعد پڑھی۔ اب آپ پر جیسی ظہر کی نماز واجب ہوئی تھی آپ نے ویسی ہی ادا کی؟ نہیں۔ آپ نے اس کا مثل ادا کیا، توجہ ہے؟ تو مثل اس جیسی تو ادا کی لیکن ویسی نہیں ادا کی، تو یہ کیا ہے؟ قضا، یہ کیا ہے؟ قضا۔ تو ادا میں کیا ہوتا ہے؟ عینِ واجب سپرد کیا جاتا ہے، اور قضا میں مثلِ واجب ادا کیا جاتا ہے۔ توجہ ہے؟ پھر دہراؤ بھئی: ادا کے اندر عینِ واجب سپرد کرتے ہیں، اور قضا میں مثلِ واجب سپرد کیا جاتا ہے یا ادا کیا جاتا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

پھر قضا یاد رکھو، ایک مثلِ کامل ہے ایک مثلِ قاصر ہے۔ قضا میں کیا کرنا ہے؟ مثل دینا ہے نا، توجہ ہے؟ قضا میں مثل دینا ہے، عین تو اب ہو نہیں سکتا وہ تو گزر گئی بات، مثل اس جیسی چیز دینی ہے۔ اب اس جیسی چیز میں دو صورتیں ہیں: ایک ہے مثلِ کامل، ایک ہے مثلِ قاصر۔ مثلِ کامل یہ ہے کہ دوسری چیز بالکل پہلے جیسی ہو، اور مثلِ قاصر یہ ہے کہ پہلے جیسی نہ ہو کچھ کم ہو، کچھ کم ہو۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ قضا کے اندر دو قسمیں ہیں: ایک مثلِ کامل، ایک مثلِ قاصر، اور جب تک مثلِ کامل ممکن ہو مثلِ قاصر کی طرف نہیں جائیں گے۔ توجہ ہے؟ جب تک مثلِ کامل ممکن ہو مثلِ قاصر کی طرف نہیں جائیں گے۔ مثلاً ایک شخص نے دوسرے کی... دوسرے کی سو قفیز گندم ضائع کر دی، سو قفیز گندم، اب وہ کیا کرے گا؟ اسی کی مثل گندم بازار سے خرید کر لا کر اس کو دے گا۔ تو دیکھو یہ مثل ہے، یہ مثلِ کامل ہے: جیسی گندم اس کی تھی ویسی ہی گندم اس کی ہے، جتنی مقدار اس کی تھی اتنی ہی مقدار اس کی ہے، تو یہ مثلِ کامل ہے۔ کیا ہے؟ مثلِ کامل، یعنی صورت میں بھی اس کی طرح ہے اور مَعْنًی یعنی قیمت میں بھی اسی کی طرح ہے، تو یہ ہے مثلِ کامل۔ اور جب تک مثلِ کامل ممکن ہو مثلِ قاصر کی طرف نہیں جائیں گے، الا یہ کہ مارکیٹ میں گندم ہی اب نہیں مل رہی، گندم ہی مارکیٹ

سے ختم ہو گئی، تو اب آپ کو اس کی قیمت دینا پڑے گی۔ کیا کرنا پڑے گی؟ قیمت، اب قیمت بھی اس کا مثل ہے، لیکن اگر گندم دیتے وہ مثل تھا صُورَۃً بھی اور مَعْنًی یعنی قیمت کے اعتبار سے بھی، اور اگر آپ قیمت دیں گے یہ قیمت صورت میں تو اس جیسی نہیں لیکن مَعْنًی کیا ہے؟ اس جیسی ہے۔ یہ بھی اس کا مثل ہے لیکن یہ قاصر ہے، کم درجے والا ہے۔ تو مثلِ کامل کیا تھا؟ کہ گندم کے بدلے گندم ہی دیں، اور مثلِ قاصر کیا ہے؟ گندم کے بدلے قیمت دے دیں۔ تو جب تک مثلِ کامل موجود ہے مثلِ کامل پر عمل کریں گے، ہاں جب مثلِ کامل ممکن نہ رہا، مارکیٹ میں وہ گندم مل ہی نہیں رہی، تو مجبوراً کیا ادا کر دیں گے؟ مثلِ قاصر ادا کر دیں گے۔

یا دوسری صورت لے لو: ایک شخص نے دوسرے کی گائے ہلاک کر دی، گائے ہلاک کر دی، تو اس پر ضمان آیا، اور اس کو ویسی ہی گائے دینی چاہیے تو یہ کیا ہوگا؟ مثلِ کامل، لیکن ویسی گائے، گائے تو ایک جیسی ہوتی نہیں ہے، وہ تو ذَوَاتُ الْأَمْثَالِ میں سے ہیں یا ذَوَاتُ الْقِیَمِ میں سے؟ ذَوَاتُ الْأَمْثَالِ وہ چیزیں ہیں نا جن کا مثل ملتا ہے، وہ چیزیں جن کا مثل نہیں ملتا ان کو کیا کہتے ہیں؟ ذَوَاتُ الْقِیَمِ، قیمت والی۔ تو گائے، بیل، بکری وغیرہ یہ تو ذَوَاتُ الْقِیَمِ میں سے ہیں، ان کا تو مثل ملتا ہی نہیں ہے، ایک گائے جیسی دوسری گائے آپ کو مل جائے بہت مشکل ہے، اور اگر مل بھی جائے پھر بھی وہ اس جیسی نہیں ہوگی بھئی کیونکہ باطنی صفات کا فرق ہوگا، عادات کا فرق ہوگا: ایک گائے ہے وہ کسی کو قریب نہیں آنے دیتی اور ایک گائے ہے وہ کسی کو کچھ نہیں کہتی، تو دیکھو ظاہراً ایک جیسی بھی ہوں تو باطنی صفات ایک جیسی نہیں ہو سکتیں۔ تو گائے، بیل، بکری وغیرہ کس میں سے؟ ذَوَاتُ الْقِیَمِ میں سے۔ اب ایک شخص نے دوسرے کی گائے ہلاک کر دی تو اس پر کیا آیا؟ ضمان آیا، اور ضمان کیا آیا کہ اس... اولاً تو ہونا چاہیے مثل دینا چاہیے، مثلِ کامل دینا چاہیے، لیکن یہاں تو مثلِ کامل ممکن ہی نہیں ہے، تو مجبوراً پھر کس کی طرف چلے جائیں گے؟ مثلِ قاصر کی طرف، یعنی کہ صرف قیمت دے دیں گے۔ اب یہ قیمت بھی اس گائے کے مثل ہے لیکن صرف معنوی اعتبار سے اس کے مثل ہے، صورت میں اس کے مثل نہیں ہے بھئی، صورت میں تو گائے ہی لا کر دینی چاہیے تھی۔

تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ قضا کے اندر ایک ہے مثلِ کامل، ایک ہے مثلِ قاصر۔ جب تک مثلِ کامل پر عمل ممکن ہو مثلِ قاصر کی طرف نہیں جائیں گے۔ اور یہاں پر بھی، یہاں پر بھی اس شخص نے ہاتھ بھی کاٹا ہے جان بوجھ کر اور گردن بھی کاٹی ہے، قتل بھی کیا ہے، تو جب تک مثلِ کامل ممکن ہے مثلِ قاصر کی طرف نہیں جاتے، اور مثلِ کامل کیا ہے؟ پہلے ہاتھ کاٹا جائے اور پھر اس کی گردن کاٹی جائے۔ ہاں لیکن وہ اختیار دیتے ہیں یہاں پر، اختیار دیتے ہیں۔ امام صاحب نے تو اختیار دیا نا، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ صرف یہی ایک صورت ہونی چاہیے تھی امام صاحب کے نزدیک کہ پہلے ہاتھ کاٹو اور پھر گردن کاٹو، لیکن امام صاحب اختیار دیتے ہیں، وہ تو فرماتے ہیں چاہے ہاتھ اور گردن دونوں کاٹے، چاہے صرف گردن کاٹ دے۔ امام صاحب اختیار دیتے ہیں، تو سوال: جب مثلِ کامل ممکن ہو پھر تو مثلِ قاصر کی طرف نہیں جاتے، پھر یہاں

اختیار کیوں ہے؟ آپ نے تو اختیار دیا ہے! تو جواب یہ کہ وہ جرم تو ایک جنس کے ہیں، جرم کیا ہیں؟ ایک جنس کے ہیں، اور ایک جنس کے بھی ہوں اور درمیان میں تندرستی نہ ہو تو ان میں کیا کیا جاتا ہے؟ تداخل کیا جاتا ہے، تو یہاں بھی جب اس کی گردن چلی جائے گی تو اس کا ہاتھ بھی چلا گیا، اس کا ہاتھ بھی چلا گیا، لہٰذا اس لیے یہاں اس کو اختیار دے دیں گے: چاہے تو ہاتھ الگ کٹوائے اور گردن الگ اس کی کٹوائے، اور چاہے تو صرف قتل کروا دے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ فرق سمجھ میں آیا؟ جی۔

یہ معنی ہے، کہتے ہیں: وَتَحْقِيقُ هَذَا فِي أُصُولِ الْفِقْهِ فِي الْأَدَاءِ وَالْقَضَاءِ اور اس مسئلے کی تحقیق جو ہے اصولِ فقہ کے اندر ادا اور قضا کی بحث میں ہے۔

وَإِنْ كَانَ كُلٌّ مِنْهُمَا خَطَأً فَإِنْ كَانَ بَرِئَ بَيْنَهُمَا أُخِذَ بِهِمَا، اور اگر ان دونوں میں سے ہر ایک خَطَأً ہے یعنی ہاتھ بھی غلطی سے کاٹا ہے اور گردن بھی غلطی سے کاٹی ہے، یعنی قتل بھی غلطی سے کیا ہے، فَإِنْ كَانَ بَرِئَ بَيْنَهُمَا اگر وہ ان دونوں خطاؤں کے درمیان وہ تندرست ہو گیا، أُخِذَ بِهِمَا تو اس کا... وہ ماخوذ ہوگا ان دونوں جنایتوں کی وجہ سے، أَيْ تَجِبُ دِيَةُ الْقَطْعِ وَالْقَتْلِ یعنی قطع، ہاتھ کاٹنا اور قتل دونوں کی دیت واجب ہوگی۔ وَإِنْ لَمْ يَبْرَأْ بَيْنَهُمَا اور اگر وہ تندرست نہ ہوا ان دونوں کے درمیان، كَفَتْ دِيَةُ الْقَتْلِ تو ایک ہی قتل کی دیت کافی ہے۔ لِأَنَّ دِيَةَ الْقَطْعِ إِنَّمَا تَجِبُ عِنْدَ اسْتِحْكَامِ أَثَرِ الْفِعْلِ وَهُوَ أَنْ يُعْلَمَ عَدَمُ السِّرَايَةِ۔ توجہ سے بھئی، یہ مشکل مقام ہے پھر بھئی۔

صورت یہ کہ اس نے پہلے غلطی سے ہاتھ کاٹا اور پھر غلطی سے قتل کیا، اور درمیان میں وہ تندرست بھی نہیں ہوا، تندرست بھی نہیں ہوا۔ تو اس صورت میں بالاتفاق ایک دیت آئے گی، بالاتفاق ایک دیت آئے گی۔ کہتے ہیں کیوں؟ بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں: لِأَنَّ دِيَةَ الْقَطْعِ إِنَّمَا تَجِبُ عِنْدَ اسْتِحْكَامِ أَثَرِ الْفِعْلِ کہ قطع یعنی ہاتھ کاٹنے کی دیت اس وقت واجب ہوتی ہے عِنْدَ اسْتِحْكَامِ أَثَرِ الْفِعْلِ جب فعل کا اثر مضبوط ہو جائے، پکا ہو جائے۔ فعل کا اثر کیا ہو جائے؟ مضبوط ہو جائے، پکا ہو جائے۔ وَهُوَ أَنْ يُعْلَمَ عَدَمُ السِّرَايَةِ اور وہ یہ کہ جان لیا جائے عدمِ سرایت کو۔ کس کو؟ عدمِ سرایت کو۔

بھئی دیکھیے نا، ہاتھ کی دیت تبھی آئے گی، توجہ ہے؟ ہاتھ کی دیت تبھی آئے گی جب پتہ چلے کہ یہ قطعِ ید ہی ہے، یہ آگے چل کر اس کی جان جانے کا سبب تو کہیں نہیں بنتا بھئی۔ میں نے بتلایا تھا نا سرایت کسے کہتے ہیں؟ اردو میں تو سرایت کا معنی ہے پھیل جانا، یہاں پھیل جانا نہیں ہے بلکہ کیا معنی؟ کہ وہ زخم بڑھ کر جان لیوا بن جائے، جان لے لے اس کی۔ تو یہاں پر بھی دیکھو اس نے غلطی سے ہاتھ کاٹا ہے، توجہ ہے؟ اور پھر غلطی ہی سے اس نے قتل بھی کیا اور درمیان میں تندرست نہیں ہوا۔ تو یہاں پر قطع کی، ہاتھ کاٹنے کی دیت تبھی ثابت ہوگی جب پہلے پتہ تو چل جائے کہ یہ قطع ہی ہے، یہ آگے قتل تک پہنچانے والا تو نہیں ہے کہیں! توجہ ہے؟ اس نے ہاتھ کاٹا ہے، ہاتھ کاٹنے کی دیت تبھی آئے گی جب یہ بات پکی ہو جائے کہ ہاتھ ہی کٹا ہے، اس زخم سے اس کی جان نہیں گئی۔ اور اس کا تو موقع ہی نہیں ملا، آگے اس نے اس کی گردن بھی کاٹ

دی۔ تو فعل مستحکم نہیں ہوا قطع والا۔ ہو سکتا ہے یہی کہاں تک پہنچا دیتا اس کو؟ قتل تک پہنچا دیتا۔ بات نہیں سمجھ میں آئی؟ دیکھو بھئی، دیکھو یہاں پر دونوں جرم ہیں غلطی سے، اور لیکن پھر بھی بالاتفاق ایک دیت آئے گی بھئی۔ دیت کیوں آئے گی؟ ہاتھ کی دیت علیحدہ کیوں نہیں آئے گی؟ کہتے ہیں ہاتھ کی دیت تبھی آتی علیحدہ جب یہ توطے ہو جاتا کہ یہ ہاتھ کٹنے سے ہاتھ ہی ضائع ہوا ہے، جان نہیں گئی بھئی، جان نہیں گئی۔ اور جان نہیں گئی کب؟ جب زخم ٹھیک ہو جائے، جب زخم کیا ہو جائے؟ اور زخم تو درمیان میں ٹھیک ہوا ہی نہیں، ٹھیک ہونے سے پہلے ہی اس نے کیا کر دیا؟ غلطی سے اس کو قتل بھی کر دیا۔ تو لہٰذا قطع کا فعل مستحکم نہیں ہوا، مضبوط نہیں ہوا۔ وہ پکا ہوتا تو اس کی دیت بھی آجاتی، اس کا تو ابھی پتہ ہی نہیں چل رہا تھا کہ یہ یہیں تک رکے گا یا آگے چل کے اس کی جان بھی لے لے گا اس کا۔ قطع کا فعل مستحکم ہوگا تو قطع یعنی ہاتھ کاٹنے کی دیت بھی آئے گی، اور قطع کا فعل مستحکم کب ہوگا؟ جب پتہ چل جائے کہ اس سے اس کی جان نہیں گئی، اور یہ پتہ چلا؟ نہیں، اس سے پہلے ہی اس نے اس کو قتل کر دیا۔ تو قطع کا فعل مستحکم ہی نہیں ہوا، مضبوط ہی نہیں ہوا، پکا ہی نہیں ہوا، جب پکا نہیں ہوا تو اس کی دیت بھی نہیں آئے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: لِأَنَّ دِيَةَ الْقَطْعِ إِنَّمَا تَجِبُ عِنْدَ اسْتِحْكَامِ أَثَرِ الْفِعْلِ اس لیے کیونکہ ہاتھ کاٹنے کی جو دیت ہے وہ اسی وقت واجب ہوگی جب اس فعل کا اثر پکا ہو جائے، مضبوط ہو جائے، اور وہ کب ہوگا مضبوط؟ وہ کہتے ہیں: وَهُوَ أَنْ يُعْلَمَ عَدَمُ السِّرَايَةِ اور وہ یہ کہ معلوم ہو جائے کہ اس نے سرایت نہیں کی، یہ زخم پھیلا نہیں، اور یہ تو معلوم ہی نہیں ہوا، تو فعل مستحکم نہیں۔ جب مستحکم نہیں تو اس کی دیت بھی علیحدہ نہیں آئے گی۔

وَالْفَرْقُ بَيْنَ هَذِهِ الصُّورَةِ وَبَيْنَ عَمْدَيْنِ لَا بُرْءَ بَيْنَهُمَا، پھر اشکال ہوتا ہے۔ اشکال یہ: گویا آپ نے یہاں پر تداخل کر دیا۔ کیا کر دیا؟ تداخل۔ امام صاحب پہ اشکال ہوتا ہے: صاحبین نے تو وہاں بھی تداخل کیا تھا جب دونوں جرم عَمْداً ہوں، جس میں اختلاف تھا، جب دونوں جرم عَمْداً ہوں اور درمیان میں تندرست نہ ہو تو صاحبین نے تداخل کیا تھا اور فرمایا تھا صرف قتل کر دو اس کو۔ اور یہاں پر بھی صاحبین تداخل کرتے ہیں اور کہتے ہیں صرف دیت آئے گی، ہاتھ بھی غلطی سے کاٹا ہے اور قتل بھی غلطی سے کیا ہے تو تداخل ہوگا اور دیت آجائے گی۔ لیکن امام صاحب نے دونوں میں فرق کیا ہے بھئی: یہاں پر وہ تداخل کر رہے ہیں کہ دونوں جرم خَطَأً ہیں اور تندرست بھی نہیں ہوا تو صرف دیت آئے گی، تداخل کر دیا۔ توجہ ہے؟ جی۔ اور وہاں دونوں جرم عَمْداً تھے اور درمیان میں تندرست بھی نہیں ہوا تھا تو وہاں بھی تو تداخل کرنا چاہیے تھا، لیکن وہاں امام صاحب اختیار دیتے ہیں، توجہ ہے؟ اختیار دیتے ہیں۔ تو اب بتلانے لگے فرق کیا ہے، کہتے ہیں: وَالْفَرْقُ بَيْنَ هَذِهِ الصُّورَةِ وَبَيْنَ عَمْدَيْنِ لَا بُرْءَ بَيْنَهُمَا کہ فرق اس صورت میں، اس صورت میں یہ جس، کون سی صورت؟ جو دونوں خَطَأً ہیں اور درمیان میں تندرست نہیں ہوا۔ تو یہ فرق اس صورت میں وَبَيْنَ عَمْدَيْنِ لَا بُرْءَ بَيْنَهُمَا اور ان دو عمدوں کے

درمیان جن کے درمیان وہ تندرست نہیں ہوا، ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ أَنَّ الدِّيَةَ مِثْلٌ غَيْرُ مَعْقُولٍ کہ دیت جو ہے وہ مثلِ غیر معقول ہے۔ دیت کیا ہے؟ مثلِ غیر معقول ہے۔

اچھا اب پھر یہ سمجھ لو۔ بھئی دیکھیے، ایک ہے مثلِ معقول، ایک ہے مثلِ غیر معقول۔ ایک ہے مثلِ معقول یعنی جو ہماری عقل بھی جس کو سمجھتی ہے کہ یہ اس کا مثل ہے۔ ایک ہے مثلِ غیر معقول: ایک چیز دوسرے کے مثل ہے لیکن غیر معقول ہے، ہماری عقل نہیں ہمیں بتلاتی، ہمیں نہیں سمجھ آتا یہ کس طرح اس جیسا ہے بھئی۔ جیسے دیکھو ایک شخص دوسرے کو قصاص میں قتل کرتا ہے، تو بدلے میں اس کو بھی قتل کیا جاتا ہے، تو یہاں تو ہماری عقل بتلاتی ہے کہ یہ قتل اس قتل کے مثل ہے۔ قاتل نے بھی ایک کی جان لی تھی تو ہم نے بھی قاتل کی جان لے لی، تو دیکھو وہ بھی قتل تھا یہ بھی قتل ہے، تو یہ اس کے مثل ہے۔ یہ اس کے جرم کے مثل ہے، اور یہ مثل معقول ہے یا غیر معقول؟ معقول ہے۔ معقول ہے، ہماری عقل ہمیں بتلاتی ہے۔ یا جیسے، یا جیسے وہ جو ابھی میں نے مثال ذکر کی تھی: کسی شخص نے دوسرے کی گندم ضائع کر دی، وہ بازار سے اسی جیسی گندم لے کر آگیا اور اس کو ادا کر رہا ہے، اب مجھے بتاؤ یہ گندم اس گندم جیسی ہے یا نہیں؟ اس جیسی ہی ہے، اس جیسی ہی ہے، اور یہ ہماری عقل بتلا رہی ہے کہ نہیں بتلا رہی؟ عقل بتلا رہی ہے، یہ اسی کا مثل ہے، بھئی ضائع گندم کی ہے تو گندم ہی لا کر دے دو، تو یہ ہے مثلِ معقول۔ توجہ ہے؟ جی۔ ایک مثل وہ ہوتا ہے کہ ہماری عقل بھی بتلاتی ہے کہ ہاں یہ اس کا مثل ہے، یہ اس جیسا ہے، تو گندم کے بدلے گندم لا دی تو یہ اس کا مثل ہے۔ اور یا اگر پیسے دے دیے تو بھی یہ مثلِ معقول ہے، عقل بتلاتی ہے کہ یہ پیسے بھی کیا ہیں؟ صُورَةً اس جیسے تو نہیں ہیں لیکن معنوی اعتبار سے ان کی بھی اتنی ہی قیمت تھی، تو یہ بھی اس کا مثل ہے۔ توجہ ہے؟ تو آپ چاہے گندم لا کر دیں اور اگر گندم بازار سے نہیں مل رہی تو آپ اس کی قیمت دے دیں، لیکن عقل بتلا رہی ہے کہ یہ اس کا مثل ہے۔ آپ کسی بھی شخص سے پوچھیں گے، کسی تاجر سے پوچھیں گے، وہ کہے گا یہ اس کا مثل ہے۔ جب کسی کا نقصان کرتے ہیں تو لوگ نقصان پورا کرتے ہیں یا نہیں کرتے؟ کیسے پورا کرتے ہیں؟ اگر وہ چیز نہ ملے تو قیمت دے دیتے ہیں، کیونکہ سب کی عقل بتلاتی ہے کہ یہ اس کا مثل ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ جی۔

لیکن کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کو شریعت نے مثل قرار دیا ہے لیکن ہمیں نہیں سمجھ میں آتا کہ یہ مثل کس اعتبار سے ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی کو خَطَأً قتل کر دے تو شریعت نے اس پر سو اونٹ واجب کر دیے، دیت واجب کر دی۔ دیت... اب ہمیں نہیں سمجھ میں آتا کہ یہ سو اونٹ یا یہ دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار کیسے ایک آدمی کی... کے مثل ہیں بھئی۔ یہ بات ہمیں عقل میں سمجھ میں نہیں آتی بھئی۔ اگر عقل میں آتی تو آپ جس سے پوچھتے وہ بیان کرتا بھئی، جیسے بھئی کسی کا کوئی نقصان کر دے آپ کسی سے پوچھیں وہ کہے گا اس کے پیسے دے دو، اس کی قیمت دے دو، اتنے کی چیز ہے اتنے دے دو، معلوم ہوا ہر ایک کی عقل میں وہ بات آتی ہے، لیکن انسانی جان کی قیمت کیا ہے؟ یہ ہماری عقل میں نہیں آتا کہ دس ہزار

درہم ہونی چاہیے، بیس ہونی چاہیے، پچاس ہزار درہم ہونی چاہیے، یہ بات عقل سے معلوم ہونے والی نہیں ہے۔ معلوم ہوا جو دیت دی جاتی ہے وہ مثل تو ہے لیکن مثلِ غیر معقول ہے۔ کیا ہے؟ مثلِ غیر معقول، یعنی عقل میں نہیں آتا۔ اور اس میں اصل تو یہ ہے کہ یہ اس پر واجب ہی نہیں ہونے تھے، لیکن شریعت نے حکم دے دیا: کوئی شخص کسی کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کی عاقلہ پر دیت ہے، سو اونٹ دینے پڑیں گے یا دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار دینے پڑیں گے۔ یہ حکم کس نے دیا؟ شریعت نے دیا۔ عقل سے ہمیں اس بات کا پتہ نہیں چل سکتا تھا، تو یہ مثلِ غیر معقول ہے۔ اور جب غیر معقول ہے عقل میں آ ہی نہیں سکتا، تو اس میں تو اصل تو ہے وجوب آنا ہی نہیں چاہیے، سرے سے وجوب آنا ہی نہیں چاہیے کیونکہ ہمیں پتہ ہی نہیں چل سکتا یہ اس کا مثل ہے، پتہ چلتا تو ہم واجب قرار دیتے۔ تو اصل تو یہ ہے اس کے اندر وجوب آنا ہی نہیں چاہیے تھا، لیکن چونکہ شریعت نے واجب کیا ہے، لہٰذا دیت آجائے گی۔ کیا آجائے گی؟ دیت آجائے گی۔ اور ہاتھ کا ضمان نہیں آئے گا بھئی، ہاتھ کا ضمان اس لیے کیونکہ وہ، کیونکہ یہ مثلِ غیر معقول ہے، اور جب غیر معقول ہے تو یہ تو سرے سے واجب ہی نہیں ہونا چاہیے، اور جان کی دیت وہ تو سو اونٹ ہے وہ تو واجب ہوگا شریعت کا حکم ہے، اور ساتھ ہاتھ کی بھی دیت آئے اس کے لیے تو پھر الگ نص چاہیے۔ کیا چاہیے؟ الگ نص، اور الگ نص یہاں پر کوئی ہے ہی نہیں، قرآن و حدیث میں ایسا کوئی حکم ہے ہی نہیں، لہٰذا اس لیے یہاں پر تداخل کر دیں گے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چونکہ یہ مثلِ غیر معقول ہے اور یہ کیوں واجب ہوئی؟ شریعت کے حکم کی، نص کی وجہ سے۔ کس کی وجہ سے؟ نص کی، تو ہاتھ کی دیت بھی ساتھ واجب کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے علیحدہ نص چاہیے اور علیحدہ نص تو ہے نہیں، لہٰذا وہ واجب نہیں ہوگی۔

تو کہتے ہیں: وَالْفَرْقُ بَيْنَ هَذِهِ الصُّورَةِ وَبَيْنَ عَمْدَيْنِ لَا بُرْءَ بَيْنَهُمَا تو فرق اس صورت میں، یعنی جو دو خَطَأً ہیں اور جن کے درمیان تندرست نہیں ہوا اس میں، وَبَيْنَ عَمْدَيْنِ لَا بُرْءَ بَيْنَهُمَا اور ایسے دو عمد کے جن کے درمیان وہ تندرست نہیں ہوا ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ أَنَّ الدِّيَةَ مِثْلٌ غَيْرُ مَعْقُولٍ کہ دیت جو ہے وہ مثلِ غیر معقول ہے، وہ کیا ہے؟ مثلِ غیر معقول۔ یعنی یوں سمجھو، پھر سنو: وہ مثل ہے غیر معقول، شریعت نے ہمیں حکم دیا ہے، وہاں مساوات کا اعتبار نہیں۔ وہاں مساوات کا اعتبار نہیں۔ حالانکہ قصاص کی تو بنیاد کس پر ہے؟ مساوات پر ہے، کس پر ہے؟ مساوات پر ہے۔ لہٰذا پہلی صورت جو تھی جہاں دونوں عَمْدَيْنِ تھے وہاں تو مساوات کا تقاضا یہ تھا کہ قاتل نے ہاتھ کاٹا ہے اور پھر قتل کیا ہے تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جائے اور پھر اسے قتل کیا جائے، وہاں اس کی بنیاد کس پر تھی؟ مساوات پر۔ اور یہ تو کیا ہے؟ مثلِ غیر معقول، اس کی بنیاد تو مساوات پر نہیں ہے کیونکہ یہ عقل میں آنے والی چیز ہی نہیں ہے، تو اس میں مساوات کا اعتبار نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ غیر معقول ہے نا، تو مساوات کیسے ہوگی؟ معلوم ہوا اس میں مساوات کا اعتبار نہیں، بس شریعت نے ہمیں حکم دے دیا ہے۔ أَنَّ الدِّيَةَ مِثْلٌ غَيْرُ مَعْقُولٍ دیت جو ہے وہ مثلِ غیر معقول ہے، فَالْأَصْلُ عَدَمُ وُجُوبِهَا

تو اصل جو ہے وہ اس کا عدمِ وجوب ہے، یعنی اصل میں تو اس کو واجب ہی نہیں ہونا چاہیے تھا، لیکن نص تھی اس لیے واجب کر دیا گیا۔ بِخِلَافِ الْقِصَاصِ فَإِنَّهُ مِثْلٌ مَعْقُولٌ بخلاف قصاص کے کیونکہ وہ مثلِ معقول ہے، ایک نے دوسرے کی جان لی ہے تو دوسرے کی بھی جان لی جائے گی۔

نیز، وہ دو کیا تھے؟ عَمْداً۔ وہ دو کیا تھے؟ عمد تھے۔ وہاں مثل صُورَةً اور مَعْنًى دونوں تھے، مثل صُورَةً اور مَعْنًى دونوں۔ یہاں تو مساوات کا اعتبار ہی نہیں ہے، یہاں تو بس شریعت نے ہمیں حکم دیا ہم اس پر عمل کر رہے ہیں۔ اور نیز، نیز یہاں دیکھو آپ کیا کہتے ہیں؟ ہاتھ کی دیت الگ آنی چاہیے۔ توجہ ہے؟ جی۔ دونوں جرم غلطی سے کیے ہیں اور درمیان میں وہ تندرست نہیں ہوا، تندرست نہیں ہوا، تو بھئی ہاتھ کے کاٹنے کی دیت تو الگ تب ہوگی جب ہمیں پتہ چل جائے کہ یہ ہاتھ کا کٹنا موت تک نہیں لے کے جا رہا۔ جب موت تک نہیں لے کے جائے گا تو ہاتھ کی دیت الگ آجائے گی۔ اور وہ تندرست تو وہ بیچ میں ہوا نہیں، جی۔ تندرست تو وہ ہوا نہیں۔ ہاں، ہمیں اتنا پتہ چل گیا کہ اس ہاتھ کے کٹنے نے اس کو موت تک نہیں پہنچایا۔ توجہ ہے؟ جی۔ اس ہاتھ کے کٹنے نے اس کو موت تک نہیں پہنچایا۔ بھئی کیسے نہیں پہنچایا؟ جب قتل کیا اس نے اس کی گردن کاٹی، جب گردن کٹ گئی، اب موت تک کس نے پہنچایا؟ گردن کے کٹنے نے پہنچایا نا، ہاتھ کے کٹنے نے تو نہیں پہنچایا۔ اچھا، معلوم ہوا جب گردن کٹی، تب قطع پکا ہو گیا۔ تب ہاتھ کا کٹنا پکا ہو گیا اس کی الگ دیت آنی چاہیے۔ جی۔ نہیں سمجھ میں آرہی بات؟ پھر سنو، غور سے سنو بھئی بڑی قیمتی بات کر رہا ہوں۔ دیکھو، ہاتھ کی دیت علیحدہ تب آئے گی جب ہمیں پتہ چل جائے کہ یہ ہاتھ کا کٹنا موت تک نہیں لے کے جا رہا، کیونکہ اگر یہی موت تک لے گیا پھر تو ہاتھ کی دیت نہیں آئے گی، پھر تو پوری جان کی دیت آئے گی۔ لیکن یہاں دراصل دو جرم ہیں، کتنے جرم ہیں؟ دو جرم: ایک ہے ہاتھ کا کاٹنا، ایک ہے قتل کرنا، اور ہم وہ صورت کر رہے ہیں جس میں دونوں جرم غلطی سے ہوئے ہیں۔ اب اس نے غلطی سے ہاتھ کاٹا، اب ہم دیکھیں گے کہیں یہ ہاتھ کا کٹنا موت تک تو نہیں لے کے جا رہا؟ جب پکا ہو جائے گا کہ یہ موت تک نہیں لے کے جا رہا تو اس کی دیت علیحدہ آجائے گی اور قتل کی دیت علیحدہ۔ چنانچہ یہ ہاتھ کٹ گیا، زخمی ہے ابھی، شدید زخمی ہے وہ، اسی میں ایک آدھ دن کے بعد اس نے اس کو قتل بھی کر دیا، قتل بھی کر دیا۔ جب قتل کیا اس نے اس کی گردن کاٹی، تو گردن کاٹنے سے دو چیزیں ہوئیں۔ غلطی سے کٹی۔ غلطی سے کٹنے کی وجہ سے دیت واجب ہو گئی اس پہ، پورے نفس کی دیت۔ نیز اس گردن کٹنے سے یہ بھی طے ہو گیا: معلوم ہوا اس ہاتھ کے کٹنے نے موت تک نہیں پہنچایا، اس گردن کے کٹنے نے موت تک پہنچایا۔ تو معلوم ہوا اس پچھلے فعل کا اثر پکا ہو گیا کہ وہ قطع ہی ہے، موت تک لے جانے والا نہیں۔ تو لہٰذا اس کی بھی دیت آجانی چاہیے، اس کی بھی دیت... گویا ہاتھ کی بھی دیت آرہی ہے اور نفس کی بھی دیت آرہی ہے، لیکن کس وقت؟ جب گردن کٹی، جب گردن کٹی۔ گویا ایک گردن کٹتے وقت ہی دو دیتیں آرہی ہیں: نفس کی بھی دیت اور ہاتھ کی بھی دیت، اور ایک ہی وجہ سے تو دو دیتیں نہیں آسکتیں بھئی! بات سمجھ میں آگئی؟ فرق سمجھ میں آیا؟ جی صحیح۔

وَإِنْ قَطَعَ عَمْداً ثُمَّ قَتَلَ خَطَأً، اور اگر اس نے جان بوجھ کر اس کا ہاتھ کاٹا ثُمَّ قَتَلَ خَطَأً پھر غلطی سے اس کو قتل کیا، سَوَاءٌ بَرِئَ بَيْنَهُمَا أَوْ لَمْ يَبْرَأْ برابر ہے کہ وہ اس کے درمیان تندرست ہو یا تندرست نہ ہو، أُخِذَ بِالْقَتْلِ وَالْقَطْعِ تو وہ ماخوذ ہوگا قتل اور قطع دونوں کی وجہ سے، یعنی قتل کے بھی جرم اور ہاتھ کاٹنے کے جرم کی وجہ سے بھی۔ أَيْ يُقْتَصُّ لِلْقَطْعِ وَتُؤْخَذُ دِيَةُ النَّفْسِ، یعنی قصاص لیا جائے گا ہاتھ کاٹنے کی وجہ سے کیونکہ وہ عَمْداً تھا، اور تُؤْخَذُ دِيَةُ النَّفْسِ اور نفس کی دیت بھی لی جائے گی کیونکہ قتل خَطَأً تھا۔

وَإِنْ قَطَعَ خَطَأً ثُمَّ قَتَلَ عَمْداً، اور اگر اس نے غلطی سے ہاتھ کاٹا اور پھر جان بوجھ کر قتل کیا، سَوَاءٌ بَرِئَ بَيْنَهُمَا أَوْ لَا برابر ہے کہ وہ ان کے درمیان تندرست ہو یا تندرست نہ ہو، تُؤْخَذُ الدِّيَةُ لِلْقَطْعِ وَيُقْتَصُّ لِلْقَتْلِ تو دیت لی جائے گی ہاتھ کاٹنے کی وجہ سے کیونکہ غلطی سے ہے، وَيُقْتَصُّ لِلْقَتْلِ اور قصاص لیا جائے گا قتل کے لیے کیونکہ جان بوجھ کر ہے۔ لِاخْتِلَافِ الْجِنَايَتَيْنِ کیونکہ دونوں جنایتیں مختلف ہیں: ایک خَطَأً ہے تو ایک عَمْداً ہے، تداخل نہیں ہوگا۔ لِاخْتِلَافِ الْجِنَايَتَيْنِ اس وجہ سے کہ دونوں جنایتیں مختلف ہیں، لِأَنَّ أَحَدَهُمَا عَمْدٌ وَالْآخَرُ خَطَأٌ اس لیے کیونکہ ان میں سے ایک تو عَمْداً ہے جان بوجھ کر ہے اور دوسری غلطی سے ہے۔

كَمَا فِي ضَرْبِ مِائَةِ سَوْطٍ بَرِئَ مِنْ تِسْعِينَ وَمَاتَ مِنْ عَشَرَةٍ۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے دوسرے شخص کو نوے کوڑے لگائے۔ ان کوڑوں سے وہ نہیں مرا، اور ان کا نشان بھی نہ رہا، ختم ہوا۔ اور پھر اس نے دس کوڑے لگائے، اور ان دس کوڑوں کی وجہ سے وہ مر گیا، تو اس پر ایک ہی دیت آئے گی، اور وہ جو نوے کوڑے مارے تھے ان کی وجہ سے کچھ بھی نہیں آئے گا، کیونکہ ان کا نشان بھی نہ رہا۔ اور امام صاحب کا ضابطہ یہ ہے کہ کسی نے کسی کو زخم لگایا، اگر وہ زخم بھر جائے اور اس کا نشان بھی نہ رہے، بدنما نہ لگے، تو اس صورت میں اس میں کچھ بھی نہیں آتا۔ امام صاحب کا ضابطہ کیا ہے؟ اگر کوئی کسی کو زخم لگائے اور وہ زخم تندرست ہو جائے اور نشان بھی باقی نہ رہے، عیب کا سبب بھی... یعنی بدنما بھی نہ لگے، تو پھر اس صورت میں اس میں کچھ بھی نہیں آتا۔ تو یہاں بھی نوے کوڑے لگائے تھے، وہ تندرست ہو رہا، اور ان کا کوئی نشان بھی نہیں تھا، لہٰذا ان نوے کوڑوں کی وجہ سے تو کچھ نہیں ہوگا، لیکن ان دس کوڑوں کی وجہ سے اس کی جان گئی ہے تو اس کی وجہ سے دیت آجائے گی۔

کہتے ہیں: كَمَا فِي ضَرْبِ مِائَةِ سَوْطٍ جیسے کہ سو کوڑوں کے مارنے کی صورت میں، کہ بَرِئَ مِنْ تِسْعِينَ کہ وہ تندرست ہو گیا نوے سے وَمَاتَ مِنْ عَشَرَةٍ اور مر گیا دس کی وجہ سے، فَإِنَّهُ يُكْتَفَى بِدِيَةٍ وَاحِدَةٍ تو یہاں اکتفا کیا جائے گا ایک ہی دیت پر۔ لِأَنَّهُ لَمَّا بَرِئَ مِنْ تِسْعِينَ اس لیے کیونکہ جب وہ نوے کوڑوں سے تندرست ہو گیا، لَمْ يَبْقَ مُعْتَبَراً إِلَّا فِي حَقِّ التَّعْزِيرِ تو وہ جو نوے کوڑے تھے اب وہ معتبر ہی نہیں ہیں سوائے تعزیر کے حق میں۔ کس کے حق میں؟ تعزیر۔ صرف تعزیر کے حق میں معتبر ہیں، یعنی امام یعنی جو قاضی ہے اگر وہ کچھ سزا دینا چاہے الگ سے دے سکتا ہے ان نوے کوڑوں کی۔ تعزیر میں

نے بتایا تھا کہ سزائیں دو قسم کی ہیں: کچھ حدود ہیں اور کچھ تعزیر۔ حدود وہ جو اللہ کی طرف سے مقرر ہیں، اور تعزیر جو قاضی اپنی طرف سے دیتا ہے، اس کی مرضی ہے تھوڑی دے، زیادہ دے، معاف کر دے، اس کی مرضی ہے بھئی۔ تو یہ جو لَمْ يَبْقَ مُعْتَبَراً إِلَّا فِي حَقِّ التَّعْزِيرِ تو یہ نوے کوڑے جو ہیں یہ معتبر نہیں ہیں یعنی ان کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا إِلَّا فِي حَقِّ التَّعْزِيرِ سوائے تعزیر کے حق میں کہ قاضی کچھ سزا دینا چاہے۔

وَكَذَا كُلُّ جِرَاحَةٍ انْدَمَلَتْ وَلَمْ يَبْقَ لَهَا أَثَرٌ، اسی طرح ہر وہ زخم انْدَمَلَتْ جو مندمل ہو جائے یعنی بھر جائے، ٹھیک ہو جائے، وَلَمْ يَبْقَ لَهَا أَثَرٌ اور اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے، تو وہ بھی اسی طرح ہے، یعنی اس میں بھی کوئی سزا وغیرہ نہیں، ہاں تعزیراً کوئی قاضی سزا دینا چاہے۔ یہ معنی ہے: وَكَذَا كُلُّ جِرَاحَةٍ انْدَمَلَتْ وَلَمْ يَبْقَ لَهَا أَثَرٌ اور اسی طرح ہر ایسا زخم ہے جو بھر جائے اور اس کا نشان باقی نہ رہے، عَلَى أَصْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ امام صاحب کے ضابطے کے مطابق۔ یعنی امام صاحب کے نزدیک جو زخم بھر جائے اور اس کا کوئی نشان وغیرہ بھی باقی نہ رہے، وہ بدنما بھی اب معلوم نہیں ہو رہا، تو امام صاحب کے نزدیک اس میں کوئی معین سزا نہیں، ہاں تعزیر ہے، قاضی اگر اپنی طرف سے کچھ سزا دینا چاہتا ہے تو سزا دے سکتا ہے لیکن شریعت کی طرف سے اس میں کوئی مقررہ سزا نہیں ہے۔ تو یہ ہے امام صاحب کا ضابطہ بھئی۔

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ فِي مِثْلِهِ حُكُومَةُ عَدْلٍ۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس جیسوں کے اندر حکومتِ عدل ہے۔ کیا ہے؟ حکومتِ عدل۔ حکومتِ عدل کسے کہتے ہیں یہ آگے بیان بھی کریں گے لیکن یہیں سمجھ لیں۔ حکومت کا معنی ہے فیصلہ، عدل بمعنیٰ عادل کے ہے، یعنی ایک عادل آدمی کا فیصلہ۔ ایک عادل آدمی کا فیصلہ، یعنی عادل آدمی فیصلہ کرے گا کہ اس کی وجہ سے کتنا ضمان آنا چاہیے، کتنا ضمان آنا چاہیے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ بھئی دیکھو، مثلاً ایک شخص نے کسی کو کوڑے لگائے اور ان کوڑے لگانے کی وجہ سے اس کے جسم پر نشان پڑ گئے، مستقل پکے نشان پڑ گئے اب وہ ختم ہی نہیں ہوتے، تو اب ایک عادل آدمی کا فیصلہ اس میں معتبر ہوگا، یعنی ایک عادل سمجھدار آدمی جو غلاموں کے معاملات اچھی طرح سمجھتا ہے، ان کی خرید و فروخت کا ماہر ہے، ان کو جانتا ہے، اس کے ذریعے حساب لگوائیں گے۔ وہ اس زخم میں غور کرے گا کہ اگر ایک سالم غلام ہو مثلاً ہزار درہم کا، اس کے جسم پر اگر اس طرح کے نشان یا زخم وغیرہ پڑے ہوں تو اس کی قیمت میں کتنی کمی آجائے گی؟ توجہ ہے؟ مثلاً غلام ہے ہزار درہم کا اور ان نشانات کی وجہ سے اس کی جو... اس کی جو قیمت ہے وہ سو درہم کم ہو گئی، سو درہم کم ہو گئی۔ تو غلام کی کل قیمت کتنی؟ مثلاً وہ عادل آدمی بتاتا ہے کہ اگر ایک ہزار کا غلام ہو اور اس کے جسم پر اس طرح کے نشانات ہوں تو اس کی قیمت سو درہم کم ہو جائے گی۔ یہ کس نے بتایا؟ عادل آدمی نے۔ تو اب اسی سے ہم خود حساب لگا لیں گے کہ غلام کی قیمت کتنی ہو؟ ہزار، تو ان نشانات سے کتنی قیمت کم ہوئی؟ سو، اور یہ سو ہزار کا کتنا حصہ ہے؟ دسواں حصہ ہے۔ تو معلوم ہوا اس جیسے زخم یا اس جیسے نشانات کی وجہ سے ایک غلام کی

قیمت دسواں حصہ کم ہو جاتی ہے، یعنی غلام کی قیمت میں اتنا نقصان ہوتا ہے۔ تو لہٰذا یہاں پر بھی جب یہی نشانات کس کے جسم پر ہیں؟ آزاد آدمی کے، تو آزاد آدمی کی دیت یعنی اس کی قیمت تو سو اونٹ ہیں یعنی دس ہزار درہم ہیں، تو اس میں بھی ان نشانات کی وجہ سے دسواں حصہ نقصان آگیا تو اتنا ضمان اس شخص پر واجب کر دیا جائے گا۔ اور آزاد انسان کی تو دیت کتنی ہے؟ دس ہزار درہم، اور اس کا دسواں حصہ کتنا؟ ایک ہزار درہم۔ تو وہ ایک ہزار درہم جو ہے وہ نشان لگانے والے پر واجب کر دیے جائیں گے۔ یہ ہے حکومتِ عدل، عادل آدمی کا فیصلہ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ وہ حساب لگا لے گا کہ ان جیسے نشانات کی وجہ سے ایک غلام کی قیمت میں کتنی کمی آتی ہے، تو اسی کے بقدر دیت میں سے ضمان اس مجرم پر لازم کر دیا جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ انسان کی کل قیمت کتنی ہے؟ سو اونٹ ہیں، دس ہزار درہم ہیں، اور اس کا دسواں حصہ کتنا؟ ایک ہزار درہم، تو لہٰذا وہاں کتنے واجب کر دیے جائیں گے؟ ہزار درہم واجب کر دیے جائیں گے۔ یہ ہے حکومتِ عدل۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ جی۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے اندر حکومتِ عدل ہے، کسی عادل اور سمجھدار آدمی جو ان معاملات کو سمجھتا ہو اس سے فیصلہ کروایا جائے گا کہ کتنا ضمان آنا چاہیے۔

وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ أُجْرَةُ الطَّبِيبِ. امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں طبیب کی اجرت ہے، یعنی ڈاکٹر کے جو خرچہ وغیرہ ہے دوائیوں کا وہ اس کے اندر آئے گا بھئی۔ اس کے اندر اس کو یہ خرچہ وغیرہ دینا پڑے گا، اس نے کوڑے لگائے تھے اس نے جو ڈاکٹر سے علاج کروایا اور دوائیوں پر خرچ آیا وہ ادا کرنے پڑیں گے۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ اس میں حکومتِ عدل ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ اس میں صرف اجرتِ طبیب ہے۔ جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ نے یہ جو أُجْرَةُ الطَّبِيبِ ذکر کی، یہ دراصل تفسیر کر رہے ہیں وہ حکومتِ عدل کی۔ کس کی؟ حکومتِ عدل کی۔ ہاں۔ ویسے تو انہوں نے بتلایا نا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہاں تعزیر ہے اور کوئی متعین سزا یا ضمان وغیرہ نہیں ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں حکومتِ عدل ہے یعنی عادل آدمی کا فیصلہ ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں طبیب کی اجرت ہے یعنی ڈاکٹر فیس وغیرہ اور دوائیوں کا سارا خرچہ اس سے لے لیا جائے گا۔ جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ امام محمد رحمہ اللہ یہ جو اجرتِ طبیب ذکر فرما رہے ہیں، یہ حکومتِ عدل کی تفسیر کر رہے ہیں۔ کس کی؟ امام محمد رحمہ اللہ نے دراصل اپنی کتاب میں اس مقام پر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول ذکر کیا اور فرمایا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر کیا آئے گا؟ حکومتِ... اس صورت میں حکومتِ عدل یعنی عادل آدمی کا فیصلہ آئے گا، اور اسی کے آگے امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اجرتِ طبیب بھئی، کیا آئے گی اس میں؟ تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ کوئی ان کا علیحدہ قول نہیں ہے، یہ اسی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا جو حکومتِ عدل جو ہے اسی کی تفسیر کر رہے ہیں کہ حکومتِ عدل سے کیا مراد ہے: طبیب کی یعنی ڈاکٹر وغیرہ کی اجرت مراد ہے بھئی۔

وَتَجِبُ حُكُومَةُ عَدْلٍ فِي مِائَةِ سَوْطٍ جَرَحَتْهُ وَبَقِيَ أَثَرُهَا، اور واجب ہوگی حکومتِ عدل فِي مِائَةِ سَوْطٍ ایسے سو کوڑوں میں جَرَحَتْهُ جنہوں نے اس کو زخمی کر دیا وَبَقِيَ أَثَرُهَا اور ان کا نشان بھی باقی رہا۔ کسی نے کسی کو سو کوڑے لگائے اور ان کا نشان بدن پر باقی ہے، تو اس میں بھی حکومتِ عدل ہے۔ طریقہ میں نے بتلا دیا بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔ کیا طریقہ تھا؟ کہ غلاموں کے ماہر آدمی سے پوچھا جائے گا اور وہ بتلائے گا کہ اگر مثلاً ایک ہزار کا غلام ہو اور اس کے جسم پر اس طرح کے نشانات ہوں تو اس کی وجہ سے اس کی قیمت میں کتنی کمی آئے گی؟ مثلاً اس نے اگر کہا کہ اس کی وجہ سے اس کی قیمت میں دو سو کمی آجائے گی، تو غلام کتنے کا؟ ہزار، اور کمی کتنی آئی؟ دو سو، اور یہ دو سو ہزار کا کتنا حصہ ہے؟ پانچواں حصہ۔ تو لہٰذا اس طرح کے میں دیت بھی کتنی آجائے گی یہ جو اس نے سو کوڑے لگائے اور نشان پڑا؟ پانچواں حصہ، دیت کا پانچواں حصہ، اور وہ کتنا ہے؟ دو ہزار درہم ہے، یا بیس اونٹ ہیں، یا دو سو دینار ہیں بھئی۔

آگے فرماتے ہیں: سَيَأْتِي فِي كِتَابِ الدِّيَاتِ تَفْسِيرُ حُكُومَةِ الْعَدْلِ، اور عنقریب آجائے گی کتاب الدیات کے اندر حکومتِ عدل کی تفسیر۔ میں نے بیان کر دی بھئی۔ تفسیر سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۹: قطعِ ید سے عفو کے بعد سرایت سے موت، رمیٔ سہم کے مسائل اور حائطِ مائل کے ضمان کے احکام

شرح الوقایہ صفحہ: ۱۰۶ — بتاریخ: ۱۹ فروری ۲۰۲۰ء

▪ متنِ وقایہ و شرح الوقایہ کی قراءت

وَمَنْ قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ فَعَفَا عَنِ الْقَطْعِ فَمَاتَ مِنْهُ ضَمِنَ قَاطِعُهُ دِيَتَهُ، هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى، وَقَالَا لَا يَجِبُ شَيْءٌ لِأَنَّ الْعَفْوَ عَنِ الْقَطْعِ عَفْوٌ عَنْ مُوجَبِهِ وَهُوَ الْقَطْعُ إِنْ لَمْ يَسْرِ وَالْقَتْلُ إِنْ سَرَى، لَهُ إِنْ عَفَا عَنِ الْقَطْعِ فَإِذَا سَرَى عُلِمَ أَنَّهُ كَانَ قَتْلًا لَا قَطْعًا، وَإِنَّمَا لَا يَجِبُ الْقِصَاصُ لِشُبْهَةِ الْعَفْوِ.[۲۱]

▪ عبارت کی تشریح، فقہی ضوابط اور تفصیلی مسائل

صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کا ہاتھ کاٹ دیا اور مثلاً جان بوجھ کر ایک شخص نے دوسرے شخص کا ہاتھ کاٹا اور پھر وہ شخص جس کا ہاتھ کاٹا گیا تھا اس نے مجرم کو معاف کر دیا اور اس کو کہا اور ان کو ان الفاظ کے ساتھ معاف کیا کہ میں نے آپ کو ہاتھ کی یہ قطع، ہاتھ کا یہ کاٹنا جو ہے وہ میں نے آپ کو معاف کیا۔ لیکن پھر یہی زخم سرایت کر گیا اور اسی زخم سے وہ جو زخمی شخص تھا اس کا انتقال ہو گیا، انتقال ہو گیا۔ تو امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں وہ جو مجرم ہے اس پر اس کی پوری دیت آئے گی۔ وہ جو مجرم ہے اس پر پوری دیت آئے گی۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ ایک شخص نے دوسرے شخص کا ہاتھ کاٹا اور پھر جس کا ہاتھ کٹا تھا اس نے جرم کرنے والے کو معاف کر دیا، ان الفاظ کے ساتھ اس کو یوں کہا کہ میں نے آپ کا یہ ہاتھ کا کاٹنا آپ کو معاف کر دیا۔ میں نے آپ کو یہ ہاتھ کا کاٹنا

---

[۱] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۵۵): صوتی درس کی قراءت میں «وَمَنْ قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ فَعَفَا عَنِ الْقَطْعِ فَمَاتَ مِنْهُ ضَمِنَ قَاطِعُهُ دِيَتَهُ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «ومَن قطعَ يدَ رجل فعفا عن القطع، فماتَ منه ضَمِنَ له قاطعه دِيَتَه،» منقول ہے۔

[۲] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۵۵): صوتی درس کی قراءت میں «وَإِنَّمَا لَا يَجِبُ الْقِصَاصُ لِشُبْهَةِ الْعَفْوِ.» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وإنَّما لا يجبُ القصاصُ بشبهةِ العفو.» منقول ہے۔

معاف کر دیا۔ پھر اسی زخم سے اس شخص کا انتقال ہو گیا جس کا ہاتھ کٹا تھا۔ تو امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہاتھ کاٹنے والے پر اس کی دیت لازم ہوگی۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ اس پر کچھ بھی لازم نہیں۔ توجہ ہے؟ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس مجرم پر کوئی ضمان وغیرہ نہیں، کچھ بھی واجب نہیں۔ اس لیے کیونکہ اس نے کہہ دیا کہ میں نے آپ کو ہاتھ کا کاٹنا معاف کر دیا۔ گویا اس کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس ہاتھ کاٹنے کا جو بھی مقتضیٰ ہوا، جو بھی حکم ہوا وہ میں نے آپ کو معاف کر دیا۔ اور اس قطع کا یعنی قَطْعِ یَدْ کا مقتضیٰ تو دو چیزیں ہو سکتی ہیں۔ یہی اگر یہ زخم اس کا ٹھیک ہو گیا، جس کا ہاتھ کاٹا تھا اگر اس کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا، زخم ٹھیک ہو گیا، تو معلوم ہوا یہ قَطْعِ یَدْ ہی ہے اور قَطْعِ یَدْ کے اندر قَطْعِ یَدْ آتا ہے اور وہ اس نے کیا کہا میں نے آپ کو معاف کر دیا۔ اور اگر یہ زخم جو تھا یہ سرایت کر جائے تو اس سرایت کی وجہ سے وہ شخص مارا گیا، تو گویا قَتْلِ عَمْد پایا گیا، اور قَتْلِ عَمْد کا مُوجَبْ کیا ہے؟ اس کا حکم کیا ہے؟ اس کا مقتضیٰ کیا؟ کہ دوسرے کو بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو اس ہاتھ کاٹنے کا مقتضیٰ دو چیزیں ہیں: یا تو قَطْعِ یَدْ ہے اگر یہ زخم سرایت نہ کرے، اور قتل ہے اگر یہ سرایت کرے۔

توجہ ہے؟ کوئی شخص کسی کا ہاتھ جان بوجھ کر کاٹے تو اس میں دو ہی صورتیں بنتی ہیں: یا تو اس کا زخم ٹھیک ہو جائے گا یا اس کی وجہ سے اس کی موت ہو جائے گی۔ اگر وہ ٹھیک ہو جاتا ہے تو معلوم ہوا اس قَطْعِ یَدْ کا مقتضیٰ بھی کیا ہے، یہ کس چیز... مقتضیٰ جس کا وہ تقاضا کر رہا ہے، اس قَطْعِ یَدْ کا مقتضیٰ کیا ہے، یہ کس چیز کا تقاضا کر رہا ہے جب زخم ٹھیک ہو گیا؟ کہ مجرم کا بھی ہاتھ کاٹا جائے۔ لیکن اگر اسی زخم کی وجہ سے اس مظلوم کی موت واقع ہو گئی تو یہ قَطْعِ یَدْ اب کیا بن گیا؟ قتل بن گیا، تو اس کا مقتضیٰ کیا ہے؟ کہ جرم کرنے والے کو بھی قتل کر دیا جائے۔ تو قَطْعِ یَدْ کا مقتضیٰ دو چیزیں ہو سکتی ہیں، کیا؟ مجرم کا قَطْعِ یَدْ ہوگا اگر یہ سرایت نہ کیا یہ زخم، اور اگر یہ زخم سرایت کر گیا تو پھر مجرم کا قتل ہوگا قصاص کے طور پر۔

تو صاحبین فرماتے ہیں کہ جب وہ شخص جس کا ہاتھ کاٹا گیا تھا جب اس نے کہہ دیا کہ میں نے آپ کو معاف کر دیا تو اس نے اس قَطْعِ یَدْ کے مقتضیٰ کو معاف کیا ہے۔ کس کو؟ قَطْعِ یَدْ کے مقتضیٰ یعنی جس چیز کا بھی یہ قَطْعِ یَدْ تقاضا کر رہا ہو اس کو اس نے معاف کر دیا۔ اور یہ قَطْعِ یَدْ تو یا تو قَطْعِ یَدْ ہی کا تقاضا کرے گا اگر اس نے سرایت نہ کی، یا یہ قَطْعِ یَدْ قتل کا تقاضا کرے گا اگر اس نے سرایت کر لی۔ اور جب اس نے کہہ دیا میں نے آپ کو قَطْعِ یَدْ معاف کر دیا تو گویا اس کے مقتضیٰ کو معاف کر دیا، اور مقتضیٰ میں قَطْعِ یَدْ بھی داخل ہے اور قتلِ مجرم بھی داخل ہے، گویا اس نے دونوں چیزیں معاف کر دیں۔ تو صاحبین فرماتے ہیں اس صورت میں اس پر کوئی ضمان نہیں آئے گا۔

جبکہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسئلہ متن میں ذکر ہو گیا، وہ فرماتے ہیں کہ اس مجرم کو پوری دیت دینا پڑے گی۔ اس لیے کیونکہ معاف کرنے والے نے کیا کہا تھا؟ میں نے آپ کو ہاتھ کا کاٹنا معاف کیا ہے۔ لیکن اسی کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو گئی، معلوم ہوا یہ تو قَطْعِ یَدْ تھا ہی نہیں، یہ تو قتل تھا، اور اس نے تو قَطْعِ یَدْ معاف کیا ہے، لہٰذا قَطْعِ یَدْ کے معاف کرنے سے قتل کا معاف کرنا لازم نہیں آتا، قتل معاف نہیں ہوا، تو اس سے پوری دیت لی جائے گی۔ کیا لی جائے گی؟ پوری دیت۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اگر اس نے قَطْعِ یَدْ معاف کیا ہے اور قتل معاف نہیں کیا تو پھر تو قصاص آنا چاہیے۔ کیا آنا چاہیے؟ قصاص۔ جان بوجھ کر ہاتھ کاٹا ہے نا اور اسی سے اس کی جان بھی چلی گئی، تو پھر تو قصاص آنا چاہیے، لیکن امام صاحب کیا فرما رہے ہیں کہ اس پر دیت آئے گی۔ تو وہ امام صاحب کی طرف سے جواب دیتے ہیں کہ بھئی آنا تو قصاص ہی چاہیے یہاں پر لیکن بہرحال اس نے معاف تو کیا تھا، جس شخص کا ہاتھ کٹا تھا اس نے معاف تو کیا تھا، تو اس کے معاف کرنے کی وجہ سے شبہ آگیا، شبہ آگیا، اور آپ نے پڑھا ہے کہ قصاص اور حدود جو ہیں شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں، تو اس وجہ سے یہاں قصاص ساقط ہو جائے گا۔ تو قصاص تو ساقط ہو جائے گا لیکن پوری دیت آجائے گی۔ اور دیت پھر کس کو دینا پڑے گی؟ اسی، اسی، اسی قاتل پر جو قاتل بن گیا اس کو دیت دینا پڑے گی، اس لیے کیونکہ یہ قَتْلِ عَمْد بنا، اور عَمْد میں جو دیت آئے وہ عاقلہ نہیں دیتے بلکہ کون دیتا ہے؟ وہ جو قاتل ہوتا ہے اس کو ادا کرنا پڑتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں دیکھیے کتاب پر: وَمَنْ قَطَعَ یَدَ رَجُلٍ جس شخص نے کاٹ دیا کسی دوسرے آدمی کا ہاتھ، فَعَفَا عَنِ الْقَطْعِ تو اس نے اس قَطْعِ یَدْ کو معاف کر دیا، فَمَاتَ مِنْهُ تو وہ اسی قَطْعِ یَدْ کی وجہ سے وہ مر گیا، ضَمِنَ قَاطِعُهُ دِيَتَهُ تو ضامن ہوگا اس کا ہاتھ کاٹنے والا اس کی دیت کا ضامن ہوگا۔ هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ یہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔

وَقَالَا لَا يَجِبُ شَيْءٌ صاحبین فرماتے ہیں کچھ بھی واجب نہیں ہوگا اس پر کوئی چیز نہیں ہے، لِأَنَّ الْعَفْوَ عَنِ الْقَطْعِ عَفْوٌ عَنْ مُوجَبِهِ اس لیے کیونکہ مرنے والے کا معاف کر دینا قَطْعِ یَدْ سے، یہ عَفْوٌ عَنْ مُوجَبِهِ، یہ معاف کر دینا ہے اس قَطْعِ یَدْ کے مقتضیٰ سے۔ جب اس نے قَطْعِ یَدْ کو معاف کر دیا تو گویا اس نے قَطْعِ یَدْ کے مقتضیٰ کو معاف کر دیا یعنی جس چیز کا بھی وہ تقاضا کرے اس کو معاف کر دیا۔ اور قَطْعِ یَدْ کی صورت میں تو دو ہی احتمال ہیں یا تو قَطْعِ یَدْ ہی آئے گا یا قتل آئے گا، تو گویا اس نے دونوں کو کیا کر دیا؟ معاف کر دیا۔ بات سمجھ بھی آرہی ہے کہ نہیں؟ لِأَنَّ الْعَفْوَ عَنِ الْقَطْعِ عَفْوٌ عَنْ مُوجَبِهِ اس لیے کیونکہ قَطْعِ سے معاف کر دینا یہ اس کے مقتضیٰ کو معاف کر دینا ہے، مقتضیٰ یعنی اس کا حکم جس کا وہ تقاضا کر رہا ہو۔ اور اس کا مقتضیٰ کیا ہے خود بتلا رہے ہیں: وَهُوَ الْقَطْعُ إِنْ لَمْ يَسْرِ وَالْقَتْلُ إِنْ سَرَى اور اس کا مقتضیٰ وہ قَطْعِ یَدْ ہے اگر وہ زخم سرایت نہ کرے یعنی جان لیوا نہ بنے، وَالْقَتْلُ اور اس کا مقتضیٰ قتل ہے إِنْ سَرَى اگر وہ زخم سرایت کر جائے یعنی جان لیوا بن جائے۔ تو یہ صاحبین فرماتے ہیں، صاحبین۔

لَهُ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ إِنَّهُ عَفَا عَنِ الْقَطْعِ کہ جس شخص کا ہاتھ کاٹا گیا تھا اس نے قَطْعِ یَدْ سے معاف کیا ہے، فَإِذَا سَرَى جب یہ زخم سرایت کر گیا یعنی جان لیوا ثابت ہوا، عُلِمَ أَنَّهُ كَانَ قَتْلًا لَا قَطْعًا تو معلوم ہوا کہ یہ تو قتل ہے، قَطْعِ یَدْ تو ہے ہی نہیں یہ بھئی۔ جب وہ زخم سرایت کر گیا تو معلوم ہوا کہ یہ تو قتل ہے، قَطْعِ یَدْ تو ہے ہی نہیں، اور اس نے تو کیا معاف کیا تھا؟ اس نے تو قَطْعِ یَدْ معاف کیا تھا، قتل تو معاف کیا ہی نہیں، اور یہ تو قتل بن گیا، لہٰذا اس صورت میں اس پر دیت آجائے گی۔ اور قصاص کیوں نہیں آئے گا؟ کیونکہ شبہ آگیا کیونکہ اس نے بہرحال معاف تو کیا ہے۔ یہ معنی ہے، لَهُ امام صاحب کی دلیل یہ ہے إِنَّهُ عَفَا عَنِ الْقَطْعِ کہ اس شخص نے تو قَطْعِ یَدْ کو معاف کیا ہے، فَإِذَا سَرَى عُلِمَ أَنَّهُ كَانَ قَتْلًا لَا قَطْعًا پس جب وہ زخم سرایت کر گیا تو معلوم ہوا کہ یہ تو قتل تھا، قَطْعْ تھا ہی نہیں۔ وَإِنَّمَا لَا يَجِبُ الْقِصَاصُ لِشُبْهَةِ الْعَفْوِ اور قصاص ثابت نہیں ہوتا لِشُبْهَةِ الْعَفْوِ کیونکہ معاف کرنے کا شبہ موجود ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟[۳]

امام صاحب کے نزدیک اس مجرم پر کیا آئے گی؟ دیت آئے گی، دیت آئے گی، اس کو پوری دیت دینی پڑے گی۔ اور ہاں، اگر قَتْلِ خَطَا ہوا، قَتْلِ خَطَا ہوا، پھر دیت اس کے عاقلہ پر آجائے گی۔ توجہ ہے؟ دیت اس کے عاقلہ پر آئے گی بھئی۔ بھئی یہاں انہوں نے صرف یہ جو مسئلہ ذکر کیا نا انہوں نے کیا کہا؟ کہ ہاتھ کاٹنے کا مقتضیٰ کیا ہے؟ قَطْعِ یَدْ ہے یا قتل ہے۔ قَطْعِ یَدْ کب ہے اگر وہ زخم سرایت نہ کرے اور قتل کب ہے اگر سرایت کر جائے۔ بھئی قَطْعِ یَدْ کا مقتضیٰ أَرْش بھی تو ہے اگر خَطَاءً ہو، توجہ ہے؟ اگر خَطَاءً ہو تو قَطْعِ یَدْ کا ضمان کیا آتا ہے؟ أَرْش آتا ہے، ہاتھ کی دیت آتی ہے، اس کو تو انہوں نے ذکر ہی نہیں کیا۔ کہتے ہیں بھئی دراصل امام محمد رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ اپنی کتاب میں ذکر کیا تو وہاں انہوں نے صرف عَمْد والی صورت ذکر کی، کون سی صورت؟ عَمْد والی صورت ذکر کی، تو ماتن نے بھی اسی کے مطابق مسئلہ ذکر کیا اور شارح نے بھی اس کے مطابق تقریر کی ہے بھئی۔ عَمْد کی صورت میں دیت کس پر آئے گی؟ قاتل پر آئے گی۔ اور خَطَا کی صورت میں دیت آئے گی تو وہ کس پر آئے گی؟ عاقلہ پر۔ تو امام صاحب کے نزدیک دونوں صورتوں میں ضمان آئے گا، دیت آئے گی، اگر عَمْدًا تھا تو دیت قاتل پر آجائے گی اور اگر خَطَاءً تھا تو اس کے عاقلہ پر آجائے گی۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک، صاحبین کیا فرماتے ہیں؟ کہ اس پر کچھ بھی نہیں آئے گا، یہ عَمْد کی صورت ہے، گویا اس نے وہ معاف کر دیا۔ قاتل نے کیا کر دیا؟ معاف کر دیا۔ دیت تو آرہی تھی لیکن اس نے معاف کر دیا اور اس قاتل پر آرہی تھی۔ لیکن اگر خَطَاءً ہوا تو پھر خَطَاءً کی صورت میں یاد رکھنا آگے تفصیل، خَطَاءً... چلیے آگے تفصیل آرہی ہے، خَطَا کی تفصیل آگے آرہی ہے، وہاں سے اس کا پتہ چل جائے گا۔

آگے دیکھیے: وَلَوْ عَفَا عَنِ الْجِنَايَةِ أَوْ عَنِ الْقَطْعِ وَمَا يَحْدُثُ مِنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ عَنِ النَّفْسِ وَالْخَطَأُ مِنْ ثُلُثِ مَالِهِ وَالْعَمْدُ مِنْ كُلِّهِ.

---

[۳] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۵۵): صوتی درس کی قراءت میں «إِنَّهُ عَفَا عَنِ الْقَطْعِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «أنّه عفى عن القطع،» منقول ہے۔

پہلی صورت کیا تھی؟ ایک شخص نے دوسرے کا ہاتھ کاٹا اور پھر جس کا ہاتھ کٹا تھا اس نے مجرم کو معاف کر دیا کہ میں آپ کو ہاتھ کا یہ کاٹنا معاف کرتا ہوں، یہ الفاظ استعمال کیے، میں آپ کو یہ قَطْعِ یَدْ معاف کرتا ہوں۔ اب دوسری صورت ذکر کر رہے ہیں اب الفاظ بدلیں گے۔ اب وہ یوں کہتا ہے کہ میں نے آپ کو یہ جنایت معاف کر دی، ایک شخص نے دوسرے شخص کا ہاتھ کاٹا، چاہے خَطَاءً کاٹا ہو چاہے جان بوجھ کر کاٹا ہو۔ وہ شخص جس کا ہاتھ کٹا تھا اس نے مجرم سے کہا کہ میں آپ کو یہ جنایت معاف کرتا ہوں یا یوں کہتا ہے میں آپ کو ہاتھ کا یہ کاٹنا اور جو بھی اس کا نتیجہ نکلے وہ میں آپ کو معاف کرتا ہوں۔ دیکھو اب الفاظ بدل گئے، پچھلے مسئلے میں کیا کہا تھا؟ میں آپ کو ہاتھ کا کاٹنا معاف کرتا ہوں، اور اب کیا کہہ رہا ہے؟ میں آپ کو جنایت معاف کرتا ہوں یا میں آپ کو اس ہاتھ کا کاٹنا اور اس سے جو بھی آگے پیش آئے جو بھی اس کا نتیجہ نکلے وہ سب میں آپ کو معاف کرتا ہوں۔ تو اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک مسئلہ بدل جائے گا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ جب اس نے یہ کہا میں نے آپ کو جنایت معاف کر دی، تو جنایت تو اس میں جنس ہے۔ وہ جنایت تو اس میں جنس ہے، جنایت کا لفظ تو قَطْعِ یَدْ پر بھی بولا جاتا ہے اور قتل پر بھی بولا جاتا ہے۔ تو جب اس نے کہا میں نے آپ کو جنایت معاف کر دی اور اسی زخم سے آگے چل کر وہ شخص مر گیا، تو پہلے مرنے سے پہلے وہ کیا سمجھ رہا تھا کہ میں نے کیا معاف کیا ہے؟ قَطْعِ یَدْ، اور اب لیکن پتہ چلا یہ کیا ہے یہ تو قتل، لیکن اس نے معاف کن لفظوں سے کیا میں نے آپ کو یہ جنایت معاف کر دی، تو یاد رکھیے اس صورت میں گویا اس نے اس کو اپنی جان معاف کر دی، اپنا قصاص معاف کر دیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ الفاظ اس نے کیا بولے ہیں میں نے آپ کو یہ جنایت معاف کر دی، اور ہاتھ کا کاٹنا، ہاتھ کا کاٹنا یہ جنایت ہے، چاہے یہ قَطْعِ یَدْ تک لے کے جائے چاہے یہ قتل تک لے کے جائے، دونوں صورتوں میں اس کو کیا کہتے ہیں؟ جنایت، تو اس نے جنایت معاف کر دی۔

پہلی صورت میں صرف قَطْعِ یَدْ معاف کیا تھا لیکن پتہ چلا وہ تو قَطْعِ یَدْ تھا ہی نہیں، وہ تو قتل تھا، اس لیے امام صاحب فرماتے تھے اس نے قتل تو معاف نہیں کیا اور قتل کی صورت میں تو دیت آتی ہے، لہٰذا دیت اس پر آئے گی۔ جبکہ یہاں پر امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس نے کیا کہا ہے؟ میں نے آپ کو یہ جنایت معاف کر دی، جنایت اس میں جنس ہے، یہ اس قَطْعِ یَدْ کو بھی شامل ہے جو سرایت نہ کرے اور یہ اس قَطْعِ یَدْ کو بھی شامل ہے جو سرایت کر جائے۔ تو دونوں کو گویا اس نے معاف کر دیا، تو اس نے اس کو اپنی جان معاف کر دی کہ میں معاف کرتا ہوں آپ کو یہ جنایت۔ یا اس نے یہ لفظ کہے کہ میں آپ کو ہاتھ کا کاٹنا اور جو بھی اس کا نتیجہ نکلے وہ میں معاف کرتا ہوں، تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس نے کیا کہا؟ میں آپ کو ہاتھ کا کاٹنا اور جو بھی اس سے آگے پیش آئے یا جو بھی اس کا آگے نتیجہ نکلے وہ میں آپ کو معاف کرتا ہوں۔ اس صورت میں بھی اس نے اس کو اپنی جان بھی معاف کر دی۔ یہ قَطْعِ یَدْ بے شک آگے چل کر قتل بن گیا لیکن اس نے کیا کہا تھا؟ جو بھی آگے اس کا نتیجہ نکلا وہ سب میں نے آپ کو معاف کیا، تو وہ سب معاف ہوگا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو گویا اس مسئلے کا دارومدار الفاظ پر ہے، الفاظ پر ہے۔ اگر اس نے صرف قَطْعِ یَدْ معاف کیا تو امام صاحب کے نزدیک ضمان آئے گا اگر وہ قتل تک پہنچ گیا۔ اور اگر اس نے جنایت معاف کی ہے یا اس نے کہا میں نے یہ قَطْعِ یَدْ اور جو بھی اس کا نتیجہ نکلے وہ سب معاف کیا، تو اس صورت میں چاہے آگے چل کر وہ قتل ہی کیوں نہ بن جائے، تو بھی اس نے اس سب کو معاف کر دیا۔

دیکھیے کتاب پر: وَلَوْ عَفَا عَنِ الْجِنَايَةِ اور اگر اس شخص نے جس کا ہاتھ کٹا تھا اس نے معاف کر دیا اس جنایت سے، ایک صورت یہ، أَوْ عَنِ الْقَطْعِ وَمَا يَحْدُثُ مِنْهُ یا اس نے معاف کر دیا اس قَطْعِ یَدْ سے بھی اور جو اس سے پیش آئے آگے یا جو اس کا نتیجہ نکلے اس سے بھی معاف کر دیا، فَهُوَ عَفْوٌ عَنِ النَّفْسِ تو امام صاحب فرماتے ہیں یہ معاف کرنا ہے نفس سے، اپنی جان سے۔ صاحبین نے تو پچھلے مسئلے میں بھی کہا تھا کہ گویا اس نے اس کو اپنی جان معاف کر دی، امام صاحب فرماتے ہیں نہیں، پچھلے مسئلے میں قَطْعِ یَدْ معاف تھا قتل معاف نہیں تھا، لیکن اس مسئلے میں گویا اس نے اپنی جان اس کو معاف کر دی۔

پھر تفصیل ہے، کہتے ہیں: وَالْخَطَأُ مِنْ ثُلُثِ مَالِهِ اگر یہ خَطَاءً تھا، اگر یہ ہاتھ اس نے غلطی سے کاٹا تھا تو اس صورت میں وَالْخَطَأُ مِنْ ثُلُثِ مَالِهِ خطا جو ہوگی وہ اس کے ثُلُثِ مال میں سے ہوگی، وَالْعَمْدُ مِنْ كُلِّهِ اور اگر وہ جان بوجھ کر اس نے ہاتھ کاٹا تھا یعنی قَتْلِ عَمْد بن گیا تو عمد اس کے سارے مال میں سے ہوگا۔ کس میں سے؟ سارے مال میں سے۔ کیا معنی؟

بھئی یاد رکھیے زندگی میں انسان جب تندرست ہوتا ہے اس کو پورا اختیار ہوتا ہے اپنے مال کا، حتیٰ کہ وہ اپنا سارا مال کسی کو دینا چاہے تو اس کے لیے جائز ہے، ایک روپیہ اپنے پاس نہیں چھوڑتا، سارا کچھ لوگوں کو دے دیتا ہے، تو یہ اس کے لیے جائز ہے کیونکہ یہ اس کا اپنا مال ہے۔ لیکن جب کوئی شخص موت کے قریب پہنچ جاتا ہے یعنی مَرَضُ الْمَوْت میں گرفتار ہو جاتا ہے، تو اب مَرَضُ الْمَوْت میں وہ گرفتار ہو گیا، اب وہ چند دن بعد اس کا انتقال ہونے والا ہے، بیمار ہو گیا، چارپائی سے لگ گیا، نہ چل پھر سکتا ہے، نہ اٹھ سکتا ہے، حالت اتنی بگڑ گئی، سب کو نظر آ رہا ہے کہ اب یہ زیادہ دن جیے گا نہیں، زیادہ دن رہے گا نہیں، بچے گا نہیں، تو یاد رکھو یہ ہے مَرَضُ الْمَوْت۔ اور اس مَرَضُ الْمَوْت میں وارثوں کا حق اس کے مال کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے کیونکہ اب یہ چند دن کا مہمان ہے، اس دنیا سے رخصت ہونے والا ہے اور اس کا سارا مال اس کے وارثوں کی طرف منتقل ہونے والا ہے۔ تو لہٰذا مَرَضُ الْمَوْت میں انسان کو اپنے پورے مال کا پھر اختیار نہیں رہتا کیونکہ اب اس مال کے ساتھ وارثوں کا حق جڑ گیا ہے، ان کا حق وابستہ ہو گیا ہے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟

اور مَرَضُ الْمَوْت کسے کہیں گے؟ یاد رکھنا ایک شخص مثلاً سارا سال چارپائی پر پڑا رہا بیمار، تو اس سارے کو مَرَضُ الْمَوْت نہیں کہیں گے بھئی۔ کیونکہ بیماری کی حالت میں بھی انسان کچھ نہ کچھ حرکت کرتا ہے، کچھ چلتا پھرتا ہے، مثلاً سہارے کے ذریعے بیت الخلاء تک چلا گیا یا کم از کم اٹھ کر بیٹھ گیا یا کم از کم باتیں کر رہا ہے، تو یہ سارا مَرَضُ الْمَوْت شمار نہیں ہوگا۔ ہاں

آخری چند دنوں میں، آخری دس پندرہ دن یا بیس دن جب اس کی حالت بہت بگڑ گئی اور اب سب کو نظر آرہا ہے اب اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے، حالت اتنی خراب ہو گئی ہے، تو وہ ہے مَرَضُ الْمَوْت بھئی۔ وہ کیا ہے؟ مَرَضُ الْمَوْت۔ اور اس مَرَضُ الْمَوْت میں یاد رکھو اگر وہ کسی کو اپنے سارے مال کا مالک بنانا چاہے نہیں بنا سکتا کیونکہ اب وارثوں کا حق اس کے مال کے ساتھ متعلق ہو گیا۔ تو وارثوں کا حق متعلق ہو گیا، لہٰذا اس صورت میں اگر وہ کسی کو اپنا سارا مال دینا چاہتا ہے تو اس کا اعتبار نہیں، ہاں اس کو وصیت کے درجے میں سمجھا جائے گا۔ کس کے درجے میں؟ اور وصیت ثُلُثِ مال میں نافذ ہوتی ہے، جو مال باقی بچ جائے قرضوں وغیرہ کی ادائیگی کے بعد اس کے ثُلُث میں وصیت نافذ ہوتی ہے۔ تو لہٰذا یہ بھی اگر اس نے کسی کے لیے سارے مال کا کہا ہے تو ثُلُث مال اس کو دے دیا جائے گا اور باقی مال وارثوں کا حق ہے۔ ہاں اگر وارث اجازت دے دیتے ہیں تو پھر سارا مال بھی دوسرے کو دیا جا سکتا ہے کیونکہ وارثوں کا حق تھا انہوں نے اپنا حق چھوڑ دیا بھئی۔

تو یہاں پر بھی اس مسئلے کے اندر بھی اگر مجرم نے، غلطی سے اس نے اس کا ہاتھ کاٹا ہے اور اس نے کیا کہا؟ میں نے آپ کو یہ جنایت معاف کر دی، یا میں نے آپ کو یہ قَطْعِ یَدْ اور جو بھی اس کا نتیجہ نکلے وہ سب میں نے معاف کر دیا، تو امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ گویا اس نے اس کو اپنی جان معاف کر دی، جان معاف کر دی۔ تو خطا کی وجہ سے کیا آتا ہے؟ قَتْلِ خَطَا کی وجہ سے؟ دیت آتی ہے، اور میں نے آپ کو کیا بتلایا تھا کہ یہ جو دیت ہوتی ہے یہ مالِ وراثت ہوتا ہے اور یہ آگے وارثوں میں تقسیم ہوتا ہے، اسی کے ذریعے اس میت کے قرضے بھی ادا کیے جاتے ہیں، تو اس میں ساری وہ وراثت کی تفصیل جو ہے وہ اس میں جاری ہوتی ہے۔ تو یہاں پر بھی اگر قتل خَطَاءً تھا تو گویا وہ اپنی دیت معاف کر رہا ہے، کہ میری دیت تم پر لازم نہیں ہوگی۔ اور یہ کس حالت میں کر رہا ہے؟ بھئی دیکھو اس کا ہاتھ کٹا ہے اور ہاتھ کٹنے کے بعد پھر کچھ دنوں بعد اس کا انتقال ہو گیا ہے، تو گویا یہ مَرَضُ الْمَوْت کے اندر اس کو مال دے رہا ہے سارا دیت والا، اور میں نے بتلا دیا کہ مَرَضُ الْمَوْت میں تو وارثوں کا حق متعلق ہو جاتا ہے، لہٰذا یہاں ساری دیت اس کو معاف نہیں ہوگی، اس میں ثُلُثِ مال کا اعتبار کریں گے۔ کس کا؟ ثُلُثِ مال کا اعتبار کریں گے۔

کیسے؟ اس آدمی کے سارے مال کو دیکھیں گے بھئی۔ دیت بھی ہے اس کو بھی ساتھ ملا لیں گے، یہ جو دیت ہوتی ہے یہ مالِ وراثت ہوتا ہے، دیت کو بھی ملا لیں گے اور سارے مال کو دیکھیں۔ اگر وہ اتنا مالدار ہے کہ ثُلُث کے اندر ہی وہ دیت پوری ہو جاتی ہے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اتنا مالدار ہے کہ وہ دیت نکال بھی دیں تو بھی اس کا دو ثُلُث سے زیادہ مال بچ جاتا ہے، تو پھر تو ثُلُث کے اندر وصیت نافذ کی جاتی ہے، لہٰذا پوری دیت معاف ہو جائے گی۔ اور اگر وہ دیت ثُلُثِ مال میں سے نہیں نکلتی بلکہ کم ہے، تو ثُلُث کے بقدر معاف ہو جائے گی پورے مال کے۔ مثلاً دیت فرض کرو دیت اس کی بنتی ہے بیس لاکھ روپے، کتنی؟ بیس لاکھ روپے دیت بن رہی ہے اور اس کا کل مال کتنا ہے؟ تیس لاکھ۔ بیس لاکھ وہ دیت بھی ملا لی

ہم نے اور دس لاکھ اور بھی تھے، تو کل کتنا ہوا؟ تیس لاکھ۔ تو تیس لاکھ تو اس کا کل مال ہے دیت ملا کے، تو لہٰذا صرف ثُلُث کے اندر وہ معاف کریں گے، اور ثُلُث کتنا بنا تیس لاکھ کا؟ دس لاکھ۔ تو دیت کے بیس لاکھ میں سے دس لاکھ ان کو معاف ہو جائیں گے اور دس لاکھ ان کو ادا کرنے پڑیں گے۔

یہ معنی ہے: وَالْخَطَأُ مِنْ ثُلُثِ مَالِهِ اور خطا کی صورت میں جو معافی ہوگی وہ اس کے ثُلُثِ مال میں سے ہوگا۔ وَالْعَمْدُ مِنْ كُلِّهِ اور عمد کی صورت میں کل مال بھئی، کل مال میں سے۔ بھئی یاد رکھیے اگر اس نے جان بوجھ کر ہاتھ کاٹا تھا اور اس سے اس کا انتقال ہوا، یہ تو قَتْلِ عَمْد بن گیا اور قَتْلِ عَمْد کے اندر کیا آتا ہے؟ قصاص آتا ہے، قصاص آتا ہے۔ اور یاد رکھو یہ جو دیت ہوتی ہے یہ وارثوں کا حق ہے کیونکہ مال ہے، توجہ ہے؟ یہ دیت کس کا حق ہوتا ہے؟ وارثوں کا حق ہے، اسی لیے اس میں ہم نے وہ ثُلُثِ مال والا اعتبار کیا۔ اور جو قصاص ہے وہ میت کا حق ہوتا ہے، قصاص کس کا حق؟ میت کا۔ جب میت کا حق ہے تو میت کو اختیار ہے وہ اپنا سارا حق معاف کر سکتا ہے۔ اور قصاص تو یہاں آیا نہیں کیونکہ شبہ تھا اس نے معاف کر دیا تھا، تو قصاص کی وجہ سے کیا آئی؟ دیت آگئی، اور دیت کون سی دیت ہے؟ عمد کی وجہ سے یا خطا کی وجہ سے؟ عمد کی وجہ سے۔ تو یہ کس پر آئے گی؟ اس قاتل پر آئے گی، لیکن وہ شخص جو مر گیا جو مقتول ہے اس نے معاف کر دیا تھا اور یہ تو سارا اس کا اپنا حق تھا تو سارا معاف ہو جائے گا۔ خطا میں ثُلُثِ مال کا اعتبار کریں گے اور عمد میں سارا معاف ہو جائے گا کیونکہ یہ وہ اپنا حق معاف کر رہا ہے۔

تو دیکھیے آگے: أَيْ إِذَا كَانَتِ الْجِنَايَةُ خَطَأً اگر وہ جنایت خَطَاءً تھی، وَقَدْ عَفَا عَنْهَا اور تحقیق اس سے اس نے اس کو معاف کر دیا، فَهُوَ عَفْوٌ عَنِ الدِّيَةِ تو وہ تو دیت سے معاف کرنا ہے، فَيُعْتَبَرُ مِنَ الثُّلُثِ تو اس کا اعتبار ثُلُثِ مال میں سے کیا جائے گا، لِأَنَّ الدِّيَةَ مَالٌ کیونکہ دیت مال ہے، فَحَقُّ الْوَرَثَةِ يَتَعَلَّقُ بِهَا تو وارثوں کا حق اس کے ساتھ متعلق ہے، فَالْعَفْوُ وَصِيَّةٌ تو یہ معاف کرنا وہ گویا وصیت ہے، فَيَصِحُّ مِنَ الثُّلُثِ تو یہ ثُلُث میں سے صحیح ہوگا اس سے زائد میں نہیں۔ وَأَمَّا الْعَمْدُ اور باقی اگر وہ قَتْلِ عَمْد تھا، فَمُوجَبُهُ الْقَوَدُ تو اس کا مقتضیٰ تو قَوَدْ یعنی قصاص ہے، اس میں تو قصاص آتا ہے، وَهُوَ لَيْسَ بِمَالٍ فَلَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ حَقُّ الْوَرَثَةِ اور قصاص تو مال نہیں، تو لہٰذا اس کے ساتھ وارثوں کا حق متعلق نہیں، وہ کس کا حق ہے؟ میت کا۔ فَيَصِحُّ الْعَفْوُ عَنْهُ عَلَى الْكَمَالِ لہٰذا اس کی طرف سے اس کو معاف کر دینا عَلَى الْكَمَالِ کامل طور پر پورے طور پر یہ صحیح ہے کیونکہ یہ اس کا اپنا حق ہے، یہ وارثوں کا حق نہیں۔

فَإِنْ قُلْتَ یہاں سے ایک اعتراض کر رہے ہیں اور آگے اس کا جواب دیں گے۔ اعتراض یہ کہ آپ نے ہمیں کیا کہا؟ کہ یہ قصاص میت کا حق ہے۔ بھئی قصاص بھی تو وارثوں کا حق ہے، قصاص بھی تو وارثوں کا۔ کیوں؟ اس لیے کیونکہ قصاص جب لے لیں گے تو وارثوں کے دل کو سکون مل جائے گا، ان کے دل ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ بھئی آپ بھی دیکھتے ہیں یہاں دشمنیاں چلتی ہیں، ایک شخص کسی کا کوئی قتل کر دے تو وہ بھی اس کا بدلے میں کوئی نہ کوئی قتل کرتے ہیں بلکہ بعض

اوقات کئی کئی لوگوں کو بدلے میں قتل کر دیتے ہیں اور نسلوں تک یہ دشمنی اور قتل و غارت چلتی ہے بھئی۔ تو قصاص اس لیے لازم کیا گیا اس کا ایک سبب یہ بھی کہ اس کی وجہ سے جو مقتول ہیں ان کے اولیاء کے دلوں کو سکون مل جائے گا کہ ہم نے اپنا پورا بدلہ لے لیا، ان کے دل ٹھنڈے ہو جائیں گے، ان کے دلوں کو قرار مل جائے گا۔ اشکال ذکر ہو رہا تھا، اشکال وہ یہ ذکر کرتے ہیں کہ آپ نے کیا کہا کہ قصاص میت کا حق ہے؟ بھئی قصاص بھی تو وارثوں کا حق ہے تاکہ ان کے دلوں کو قرار مل جائے، ان کے دلوں کو سکون مل جائے۔ تو لہٰذا یہ ان کا حق ہے، جب ان کا حق ہے تو اس کی طرف سے معافی معتبر نہیں ہونی چاہیے۔

تو جواب دیں گے کہ ہاں بھئی قصاص کا ایک سبب یہ بھی ہے تاکہ وارثوں کے دل کی تشفی ہو جائے، اور وہ وارث اس کو وصول کرتے ہیں، قصاص کون لیتے ہیں؟ وارث لیتے ہیں، لیکن وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ میت زندہ نہیں ہوتی، وہ تو اس کا تو انتقال ہو گیا، اور وہ تو انتقال کے بعد ہی قصاص آتا ہے اس سے پہلے تو قصاص آتا ہی نہیں، لیکن یہاں پر اس کی معافی معتبر ہے کیونکہ قصاص کا جو سبب پایا گیا یعنی قَطْعِ یَدْ وہ اس شخص کی زندگی میں ہوا جو مقتول تھا اور اس کے بعد بھی وہ زندہ رہا اور اس نے معاف کر دیا، تو چونکہ اس کی زندگی میں یہ سببِ قصاص پایا گیا اس لیے اس کی معافی معتبر ہے۔

فَإِنْ قُلْتَ اگر آپ یہ کہیں الْقَوَدُ إِنَّمَا يَجِبُ بَعْدَ الْمَوْتِ کہ قصاص جو ہے وہ تو موت کے بعد ثابت ہوتا ہے، تَشَفِّيًا لِصُدُورِ الْأَوْلِيَاءِ تاکہ اولیاء کے سینوں کو سکون مل جائے، قرار مل جائے، فَيَنْبَغِي أَنْ لَا يَصِحَّ عَفْوُ الْمَقْتُولِ تو مناسب یہ ہے کہ مقتول کی معافی صحیح نہیں ہونی چاہیے کیونکہ یہ تو وارثوں کا حق ہے، قُلْتُ میں جواب میں کہتا ہوں، جواب دے رہے ہیں کہ السَّبَبُ انْعَقَدَ فِي حَقِّهِ فَيُعْتَبَرُ کہ یہاں پر جو سبب ہے اس قصاص کا وہ منعقد ہوا ہے اس مقتول کے حق میں، مقتول کے حق میں منعقد ہوا ہے یعنی اس کی زندگی میں ہی منعقد ہوا ہے، فَيُعْتَبَرُ لہٰذا وہ معتبر ہوگا، اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ وَسَتَأْتِي كَيْفِيَّةُ وُجُوبِ الْقَوَدِ اور عنقریب جو ہے قصاص کے ثبوت کی کیفیت آجائے گی کہ قصاص کیسے ثابت ہوتا ہے۔ قصاص کیسے ثابت ہوتا ہے یہ اگلے باب کے اندر ہی ایک آدھ صفحے کے بعد یہ تفصیل آرہی ہے اور اس میں صاحبین اور امام صاحب کا اختلاف ہے، تو وہ ایک آدھ صفحے بعد شاید اگلے سبق میں ہی آجائے ان شاء اللہ بھئی۔ وَسَتَأْتِي كَيْفِيَّةُ وُجُوبِ الْقَوَدِ اور عنقریب آجائے گی قصاص کے ثبوت کی کیفیت کہ وہ کیسے ثابت ہوتا ہے۔

خلاصہ پھر سن لو اس مسئلے کا: ایک شخص نے دوسرے شخص کا ہاتھ کاٹا جان بوجھ کر یا غلطی سے اور پھر جس شخص کا ہاتھ کٹا گیا تھا اس نے اس شخص کو معاف کر دیا۔

تو معاف کرتے وقت وہ کیا الفاظ کہتا ہے اس پر مسئلے کا دارومدار ہے۔ اگر اس نے صرف یہ کہا کہ میں نے آپ کو ہاتھ کا یہ کاٹنا معاف کیا، تو امام صاحب کے نزدیک اگر یہ ہاتھ کاٹنا اس کو موت تک لے گیا تو اس نے تو ہاتھ کا کاٹنا معاف کیا، حالانکہ یہ تو ہاتھ کا کاٹنا نہیں ہے بلکہ یہ تو قتل ہے، اور قتل تو اس نے معاف نہیں کیا، لہٰذا اس پر ضمان آئے گا۔ لیکن اس

کے بجائے اگر اس نے یہ الفاظ کہے کہ میں نے آپ کو یہ جنایت معاف کر دی یا یوں کہا میں نے آپ کو ہاتھ کا یہ کاٹنا بھی معاف کیا اور جو بھی اس کا نتیجہ نکلے وہ بھی میں نے آپ کو معاف کر دیا، تو اس صورت میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ گویا اس نے اس کو اپنی جان معاف کر دی۔ لیکن پھر اس میں دیکھیں گے کہ یہ خَطَاءً جرم ہوا یا عَمْدًا ہوا۔ اگر عَمْدًا جرم ہوا پھر تو اس میں قصاص آتا تھا اور وہ قصاص پھر مال سے بدلتا ہے شبہے کی وجہ سے، لیکن بہرحال اس نے وہ سارا معاف کر دیا، پوری دیت کیا کر دی؟ معاف کر دی اگر عَمْدًا تھا۔ اور اگر خَطَاءً تھا یہ جرم تو اس صورت میں گویا وہ مَرَضُ الْمَوْت میں اس کو ساری دیت معاف کر رہا ہے اور مَرَضُ الْمَوْت میں تو کوئی ساری دیت معاف نہیں کر سکتا، تو اس کا اعتبار ثُلُثِ مال میں سے کیا جائے گا۔

جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ جو بھی الفاظ وہ استعمال کر لے، چاہے وہ صرف یہ کہے میں نے آپ کو ہاتھ کا کاٹنا معاف کیا، چاہے وہ صرف یہ کہے میں نے آپ کو جنایت معاف کی، چاہے وہ یہ کہے کہ میں نے آپ کو ہاتھ کا کاٹنا اور اس کا نتیجہ معاف کیا، تینوں صورتوں میں صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ اس نے گویا اس کو اپنی جان معاف کر دی اگر وہ اس سے آگے چل کر ہلاک ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو حاصلِ کلام یہ ہوا گویا امام صاحب کے نزدیک اگر یہ زخم اس کو موت تک پہنچا دے تو صَرَاحَةً معافی ہونی چاہیے اس کی طرف سے، جبکہ صاحبین کے نزدیک صَرَاحَةً نہ ہو دَلَالَةً بھی معافی ہو جائے تو وہ کافی ہے۔ دَلَالَةً بھی... دیکھو پہلے لفظ اس نے کہا میں نے ہاتھ کا کاٹنا معاف کیا، تو صاحبین فرماتے ہیں صَرَاحَةً تو قتل معاف نہیں کر رہا لیکن دَلَالَةً کیا کر رہا ہے؟ قتل بھی معاف کر رہا ہے کیونکہ یہی قطع کبھی قتل تک بھی تو پہنچا دیتا ہے۔ جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں نہیں، امام صاحب فرماتے ہیں یہاں صراحت ضروری ہے، دلالت سے کام نہیں چلے گا، اور صَرَاحَةً تو اس نے صرف ہاتھ کا کاٹنا معاف کیا ہے لیکن آگے چل کر تو یہ ہاتھ کا کاٹنا رہا ہی نا یہ تو کیا بن گیا؟ قتل بن گیا اور قتل تو اس نے معاف نہیں کیا۔ اور باقی دو صورتوں میں جب اس نے کہا میں نے یہ جنایت آپ کو معاف کر دی یا یہ کہا میں نے آپ کو ہاتھ کا کاٹنا اور اس کا نتیجہ سارا کچھ معاف کر دیا، تو اب اس نے صَرَاحَةً گویا اپنی جان بھی اس کو معاف کر دی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی: وَكَذَا الشَّجَّةُ اور اسی طرح شَجَّةٌ بھی ہے۔ میں نے بتلایا سر اور چہرے میں جو زخم لگایا جائے اس کو شَجَّةٌ کہتے ہیں اور باقی بدن میں اگر کوئی زخم لگایا جائے اس کو جِرَاحَةٌ کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں وَكَذَا الشَّجَّةُ اور شَجَّةٌ بھی اسی طرح ہے۔ أَيْ لَوْ كَانَتْ مَقَامَ الْقَطْعِ شَجَّةٌ اگر اس ہاتھ کاٹنے کی جگہ شَجَّةٌ کا زخم ہوا یعنی سر چہرے کا کوئی زخم ہوا، فَهِيَ عَلَى الْخِلَافِ الْمَذْكُورِ تو وہ بھی اسی اختلاف پر ہے، یعنی اس میں بھی اسی طرح اختلاف ہے۔ یعنی ایک شخص نے دوسرے شخص کے سر یا چہرے پر کوئی زخم لگایا اور جس کو زخم لگا تھا اس نے کہا میں نے آپ کو یہ زخم معاف کیا، ایک صورت۔ دوسری صورت یہ کہ وہ یوں کہتا ہے میں نے آپ کو یہ جنایت معاف کی۔ تیسری صورت یہ کہ میں نے آپ کو یہ زخم

بھی معاف کیا اور اس کا جو نتیجہ نکلے وہ بھی میں نے آپ کو معاف کیا۔ ان لفظوں کے ساتھ ان تین میں سے کسی لفظوں کے ساتھ اس نے اس کو معاف کر دیا اور پھر اسی زخم کی وجہ سے اس شخص کا انتقال ہو گیا۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں جہاں اس نے صرف زخم کی معافی کی بات کی ہے تو وہاں پر قتل معاف نہیں ہوگا۔ توجہ ہے؟ جہاں صرف اس نے زخم کے معاف کرنے کی بات کی ہے اس کے نتیجے کی بات نہیں کی، تو وہاں صرف زخم کو اس نے معاف کیا ہے لیکن وہی آگے چل کر کیا بن گیا؟ قتل، تو قتل معاف نہیں لہٰذا ضمان آئے گا اس کے اوپر۔ اگر جان بوجھ کر قتل کیا ہے تو اس کو خود پوری دیت دینا پڑے گی اور اگر غلطی سے اس نے یہ زخم لگایا تھا تو اس کے عاقلہ کو یہ دیت دینی پڑے گی۔ اور اگر اس نے یہ کہا میں نے آپ کو یہ جنایت معاف کر دی یا یوں کہے میں نے آپ کو یہ زخم بھی معاف کیا اور اس کا جو نتیجہ نکلے وہ بھی معاف کیا، تو اس صورت میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ اس نے گویا اس کو اپنی جان معاف کر دی۔ تو اب اس صورت میں اگر وہ جان بوجھ کر تھا تو قصاص آیا اور وہ قصاص پھر شبہے کی وجہ سے مال سے بدلا اور وہ مال تو اس نے کیا کر دیا ہے؟ معاف کر دیا ہے، وہ ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر وہ دیت ہے خَطَاءً جرم تھا تو خَطَاءً دیت جو ہے وہ تو وصیت کے درجے میں ہے اور وہ کتنے میں سے معتبر ہوگی؟ ثُلُثِ مال میں سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی: فَإِنْ قَطَعَتِ امْرَأَةٌ يَدَ رَجُلٍ فَنَكَحَهَا عَلَى يَدِهِ ثُمَّ مَاتَ يَجِبُ مَهْرُ مِثْلِهَا وَدِيَةُ يَدِهِ فِي مَالِهَا إِنْ تَعَمَّدَتْ وَعَلَى عَاقِلَتِهَا إِنْ أَخْطَأَتْ.

صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک عورت نے کسی مرد کا ہاتھ کاٹ دیا اور پھر اس شخص نے اس ہاتھ پر، اس ہاتھ کے بدلے اس سے نکاح کر لیا، یعنی ہاتھ کی وجہ سے تم پر جو ضمان آنا ہے اس کے بدلے تم کیا کر لو میرے ساتھ نکاح کر لو، یعنی اس کو وہ ضمان مہر کے طور پر تمہارا ہو گیا۔ توجہ ہے؟ وہ ضمان عورت پر ضمان آئے گا نا اس نے ہاتھ کاٹا ہے، اور اس نے کہا کہ یہ اس کی وجہ سے جو ضمان آتا ہے اس پر میرے ساتھ نکاح کر لو میں تم سے ضمان نہیں لوں گا، چنانچہ عورت نے اس سے نکاح کر لیا۔ پھر اسی زخم کی وجہ سے اس شخص کا انتقال ہو گیا۔ تو کہتے ہیں اس صورت میں اس عورت کے لیے مہرِ مثل لازم ہوگا۔ اس شخص کے مال میں سے اس کو کیا دیا جائے گا؟ مہرِ مثل یعنی اس جیسی عورتوں کا جو مہر ہوتا ہے وہ اس کو دے دیا جائے گا۔ مَهْرُ مِثْلِهَا، مَهْرُ مِثْلِهَا یعنی اس عورت کے جیسی جو عورت ہو اس کا مہر اس کو دیا جائے گا بھئی۔ لفظوں پر غور کر رہے ہیں؟ مَهْرُ مِثْلِهَا اس جیسی عورتوں کا جو مہر ہوتا ہے وہ اس کو دیا جائے گا۔

اور نیز دیت آئے گی کیونکہ وہ شخص مر گیا ہے، اور یہ دیت اگر یہ عَمْدًا تھا تو جہ ہے؟ اگر یہ جان بوجھ کر اس نے ہاتھ کاٹا تھا تو عمد کی صورت کے اندر جو دیت آتی ہے وہ کس پر آتی ہے؟ قاتل پر آتی ہے تو وہ اس عورت پر آجائے گی۔ تو وارثوں نے کیا دینا ہے اس کو مال میں سے؟ مہرِ مثل، اور عورت نے ان کو کیا دینا ہے؟ اس شخص کی دیت دینی ہے، تو پھر اس صورت میں یہاں مُقَاصَّة ہو جائے گا۔ کیا ہو جائے گا؟ مُقَاصَّة ہو جائے گا۔ مُقَاصَّة قَصَّ يَقُصُّ کا معنی ہوتا ہے کاٹنا، کاٹنا۔

مُقَاصَّة اس کو کہتے ہیں جس میں جانبین سے کاٹا جائے، یعنی ایک شخص کا دوسرے شخص پر دَین ہو اس کو اس کا بدل قرار دے کر حساب چکا دینا۔ مثلاً آپ نے میرا دس ہزار روپیہ دینا تھا، دس ہزار روپیہ آپ کے ذمے تھا، پھر کسی وجہ سے آپ کا میرے اوپر دس ہزار آگیا، تو اب یہ مُقَاصَّة ہوگا، آپ کہیں گے بھئی میں نے آپ کا دس ہزار دینا تھا یہ اس کے بدلے ہو گیا، حساب برابر ہو گیا، آپ نے بھی میرے دس ہزار دینے تھے میں نے بھی آپ کے دس ہزار دینے تھے تو حساب برابر ہو گیا اب ہم نے کسی کا کوئی پیسہ نہیں دینا۔ تو ایک دَین کو دوسرے دَین کا بدل قرار دے کر حساب چکانا، حساب پورا کر لینا اس کو کیا کہتے ہیں؟ مُقَاصَّة۔ میم ہے، قاف دو نقطوں والا، الف اور صاد مشدد ہے، مُقَاصَّةٌ بھئی، مُقَاصَّةٌ۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر یہ مہرِ مثل کس کا حق ہے؟ عورت کا حق، یہ عورت کو ملنا ہے، اور جو دیت لازم ہو رہی ہے وہ عورت کے ذمے ہے، تو یہاں مُقَاصَّة کیا جائے گا اور جو کمی بیشی ہوگی وہ اس حساب سے ادائیگی ہو جائے گی۔ اگر عورت کا مہرِ مثل زیادہ ہے، مہرِ مثل دیت سے بھی زیادہ ہے، مثلاً دیت ہے دس ہزار درہم اور عورت کا مہر جو ہے وہ پندرہ ہزار ہے، تو دس ہزار تو دس ہزار کے بدلے کٹ جائے گا اور پانچ ہزار اس عورت کو اب دینے پڑیں گے کیونکہ اس کا مہر کتنا ہے؟ پندرہ ہزار ہے نا تو دس ہزار تو وہ دیت والے کٹ گئے، باقی پانچ ہزار رہ گئے وہ اس عورت کو دینے پڑیں گے یعنی وارث دیں گے اس عورت کو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور اگر مہرِ مثل دیت کے برابر تھا پھر تو پورا پورا مُقَاصَّة ہو گیا، دیت بھی دس ہزار درہم اور عورت کا مہرِ مثل بھی کتنا ہے؟ دس ہزار درہم، تو یہ برابر ہو گیا معاملہ دونوں طرف سے کسی نے کسی کو کوئی ادائیگی نہیں کرنی۔ اور اگر اس عورت کا مہرِ مثل کم ہے، مثلاً اس کا مہرِ مثل ہے پانچ ہزار درہم اور دیت کتنی ہے؟ دس ہزار درہم، تو عورت کے ذمے ہے دس ہزار درہم اور وارثوں کے ذمے کتنا آیا؟ پانچ ہزار درہم، تو پانچ ہزار تو پانچ ہزار کے بدلے کٹ گیا، باقی پانچ ہزار اس عورت کی طرف باقی ہے وہ ادا کر دے گی وارثوں کو۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ کون سی صورت تھی جب اس نے جان بوجھ کر جرم کیا تھا تو دیت اسی عورت پر واجب ہوئی تھی اس کے عاقلہ پر واجب نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اگر اس نے غلطی سے ہاتھ کاٹا ہے تو اس صورت میں پھر غلطی کی صورت میں جو دیت آتی ہے وہ تو عاقلہ پر آتی ہے، تو وہ دیت عاقلہ ادا کریں گے اور عورت کو مہرِ مثل دیں گے اس کے خاوند کی جائیداد میں سے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے کتاب پر: فَإِنْ قَطَعَتِ امْرَأَةٌ يَدَ رَجُلٍ اگر کاٹ دیا کسی عورت نے کسی مرد کے ہاتھ کو، فَنَكَحَهَا عَلَى يَدِهِ پھر اس مرد نے نکاح کر لیا اس عورت سے اپنے ہاتھ کے بدلے یعنی اپنے ہاتھ کے ضمان کے بدلے، ثُمَّ مَاتَ پھر وہ شخص مر گیا، يَجِبُ مَهْرُ مِثْلِهَا تو اس عورت کا مہرِ مثل واجب ہوگا، وَدِيَةُ يَدِهِ فِي مَالِهَا اور اس کے ہاتھ کی دیت، ہاتھ کی دیت وہی آگے چل کر کیا بن گیا؟ قتل، تو وہ پوری دیت مراد ہے۔ وَدِيَةُ يَدِهِ فِي مَالِهَا، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو پوری دیت آئے گی یہاں

پر، ید کی دیت نہیں بھئی، وَدِيَةُ يَدِهِ فِي مَالِهَا تو یہاں دیت کا لفظ ہونا چاہیے، جی، وَدِيَةُ يَدِهِ فِي مَالِهَا اور اس مرد کے ہاتھ کی دیت اس عورت کے مال میں ہوگی... ہاتھ کی نہیں بھئی میں نے بتلا دیا پوری دیت آئے گی بھئی پوری دیت، فِي مَالِهَا اس عورت کے مال میں آئے گی یعنی عاقلہ پر نہیں ہوگی اس عورت کے مال میں ہوگی، إِنْ تَعَمَّدَتْ اگر اس نے جان بوجھ کر یہ جنایت کی ہے تو اس کے مال میں آئے گی، إِنْ تَعَمَّدَتْ اگر اس نے جان بوجھ کر کیا، وَعَلَى عَاقِلَتِهَا اور اس کے عاقلہ پر إِنْ أَخْطَأَتْ اگر اس سے غلطی ہوئی۔

أَيْ إِنْ قَطَعَتِ امْرَأَةٌ يَدَ رَجُلٍ عَمْدًا یعنی اگر کاٹا کسی عورت نے کسی آدمی کے ہاتھ کو جان بوجھ کر، فَنَكَحَهَا عَلَى يَدِهِ پھر نکاح کر لیا اس آدمی نے اس عورت سے اپنے ہاتھ پر یعنی اس کے ضمان کے بدلے، فَهُوَ نِكَاحٌ إِمَّا عَلَى الْمُوجَبِ... کہتے ہیں دیکھو اپنے ہاتھ پر نکاح کر لیا، اپنے ہاتھ کے بدلے اس سے یعنی اس کے ضمان کے بدلے اس سے نکاح کر لیا۔ تو یا تو اس کے اندر ہاتھ کا جو اصلی حکم ہے، قَطْعِ يَدْ میں کیا آتا ہے؟ قصاص۔ یا تو یہ نکاح مانا جائے گا قصاص کے بدلے، قصاص پر، یعنی مہر کیا ہے؟ قصاص۔ توجہ ہے؟ اس آدمی نے اپنے ہاتھ کے بدلے اپنے ہاتھ پر نکاح کیا ہے نا، تو ہاتھ پر نکاح کا مطلب ہے اگر جان بوجھ کر کاٹا ہے پھر تو کیا آتا ہے اصل میں ہاتھ کاٹنے میں؟ قصاص آتا ہے، تو گویا وہ قصاص پر نکاح کر رہا ہے یا یوں کہو گویا وہ قصاص کو مہر بنانا چاہ رہا ہے، اور قصاص تو مہر بنتا ہی نہیں، گویا اس نے مہر میں کوئی چیز ذکر ہی نہیں کی یوں سمجھیں گے، اور جب مہر میں کوئی بھی چیز ذکر نہ کی جائے تو مہرِ مثل آجاتا ہے، تو اس صورت میں کیا آنا چاہیے؟ مہرِ مثل۔ تو یہ تو تھا اگر قَطْعِ يَدْ کے اصل مقتضیٰ کو دیکھا جائے۔ قَطْعِ يَدْ اصل میں کس چیز کا تقاضا کرتا ہے؟ قصاص کا۔ تو اگر قصاص کو مہر قرار دیں تو قصاص تو مہر بن نہیں سکتا تو بھی مہرِ مثل آتا ہے۔ اور اگر اس جگہ کا اعتبار کریں تو یہاں پر تو کیا آیا؟ أَرْشِ يَدْ، ہاتھ کا عرش، ہاتھ کی دیت آرہی ہے، توجہ ہے؟ یہاں تو ایک طرف مرد ہے تو دوسری طرف عورت ہے، یہاں تو قصاص آئے گا ہی نہیں، یہاں تو ہاتھ کی دیت آئے گی، یعنی اس عورت کو پچاس اونٹ دینے ہیں، پچاس اونٹ کس کو؟ اس مرد کو، تو گویا اس نے ہاتھ کے ضمان پر اس عورت سے نکاح کر لیا، لیکن پتہ چلا کہ یہ تو قَطْعِ يَدْ ہے ہی نہیں، یہ تو قتل ہے، اس نے کہاں تک پہنچا دیا؟ قتل تک۔ تو نکاح تو ہوا تھا قَطْعِ يَدْ پر اور قَطْعِ يَدْ تو یہاں پایا ہی نہیں گیا، یعنی یوں کہیں نکاح تو ہوا تھا ہاتھ کی دیت پر، اور ہاتھ کی دیت تو یہاں تھی ہی نہیں، پتہ لگا یہاں تو کون سی دیت ہے؟

قتل کی دیت ہے، کس کی؟ قتل کی، تو جو چیز ذکر کی وہ تو ہے ہی نہیں، تو لہٰذا اس صورت میں بھی کیا آجائے گا؟ مہرِ مثل۔ یعنی یہاں آپ چاہے قصاص کو مہر بنائیں، چاہے أَرْشِ يَدْ کو مہر بنائیں، دونوں ہی نہیں آئیں گے، مہرِ مثل آئے گا دونوں صورتوں میں۔ قصاص تو مہر بن ہی نہیں سکتا تو اس صورت میں بھی کیا آتا ہے؟ مہرِ مثل۔ اور اگر آپ قصاص کو مہر نہیں بناتے بلکہ کسی کو مہر بناتے ہیں یہاں؟ أَرْشِ يَدْ کو، یعنی یوں کہو ہاتھ کی دیت، میں نے بتایا نا اعضاء کے اندر جو مال آتا ہے اس کو أَرْش کہتے ہیں، تو اگر آپ یہاں ہاتھ کی دیت کو بھی مہر بنانا چاہتے ہیں گویا خاوند نے اس کے ساتھ ہاتھ کی دیت پر کیا کر لیا؟ نکاح کر لیا، لیکن پھر پتہ چلا یہاں تو ہاتھ کی دیت ہے ہی نہیں، تو گویا ایک معدوم چیز پر نکاح کیا اور معدوم چیز پر

نکاح کرو تو پھر کیا آتا ہے؟ مہرِ مثل، تو دونوں صورتوں میں مہرِ مثل ہی یہاں آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو دونوں صورتوں میں یہاں مہرِ مثل ہی آئے گا بھئی، چاہے قصاص کو مہر بنائیں، چاہے أَرْشِ يَدْ کو مہر بنائیں کیونکہ أَرْشِ يَدْ تو یہاں آہی نہیں رہا، یہاں تو دِيَتِ نَفْسْ آرہی ہے، یہاں دِيَتِ يَدْ تو آہی نہیں رہی بلکہ دِيَتِ نَفْسْ آرہی ہے۔

اور اگر اس نے غلطی سے ہاتھ کاٹا تھا، توجہ ہے؟ غلطی سے ہاتھ کاٹا اور غلطی سے ہاتھ کاٹنے کی صورت میں تو ضمان آتا ہے، اور اس نے اس پر نکاح کیا ہے، یعنی دِيَتِ يَدْ پر، لیکن یہ تو کیا بن گیا آگے چل کر؟ قتل بن گیا۔ معلوم ہوا یہاں تو دِيَتِ يَدْ ہے ہی نہیں، یہاں تو کیا ہے؟ یہاں تو قتل یعنی دِيَتِ نَفْسْ آرہی ہے، دِيَتِ نَفْسْ۔ تو اس نے تو نکاح کس پر کیا تھا؟ دِيَتِ يَدْ پر، اور دِيَتِ يَدْ تو یہاں ہے ہی نہیں، معدوم ہے، تو اس صورت میں بھی کیا آجائے گا؟ مہرِ مثل۔ اس لیے کہتے ہیں اس لیے ہم نے کہا چاہے جان بوجھ کر کاٹے تو بھی مہرِ مثل، اور خَطَاءً کاٹے تو بھی مہرِ مثل۔

اور نیز یاد رکھنا ایک اور چیز: اگر یہ جرم جان بوجھ کر تھا تو پھر دیت کس پر آرہی تھی؟ عورت پر، اور مہرِ مثل کس کے لیے تھا؟ عورت کے لیے، توجہ ہے؟ مہرِ مثل عورت کا حق تھا، عورت نے وصول کرنا تھا، اور جو دِيَتِ نَفْسْ ہے، جان بوجھ کر اگر اس نے ہاتھ کاٹا تھا تو جان بوجھ کر قتل ہوا اور دیت کس سے وصول ہوگی؟ عورت سے۔ تو عورت کا حق کیا بنا اس نے کیا وصول کرنا تھا؟ مہرِ مثل، اور وارثوں نے کیا وصول کرنا ہے؟ دیت، وہ اس عورت سے وصول کرنی ہے، تو لہٰذا یہاں مُقَاصَّة ہوگا۔ کیا ہوگا؟ مُقَاصَّة ہوگا، یعنی ایک دَين کو دوسرے دَين کا بدل قرار دے کر ختم کر دیا جائے گا، یہاں مُقَاصَّة ہوگا۔ لیکن اگر اس نے غلطی سے یہ جرم کیا ہے عورت نے تو پھر اس صورت میں جو دیت آتی ہے وہ عورت پر نہیں آتی بلکہ عورت کی عاقلہ پر آتی ہے، اور جو مہرِ مثل ملنا ہے وہ عورت کو ملنا ہے اور جو ادائیگی ہے وہ عاقلہ پر ہے لہٰذا مُقَاصَّة نہیں ہوگا۔ مُقَاصَّة تو تب ہوتا ہے جب اسی شخص پر دَين ہو اور اسی شخص نے وصولی بھی کرنی ہو، یہاں ایسا نہیں ہے۔ فرق سمجھ میں آیا؟

اب دیکھیے بھئی: أَيْ إِنْ قَطَعَتِ امْرَأَةٌ يَدَ رَجُلٍ عَمْدًا اگر کاٹا کسی عورت نے کسی مرد کا ہاتھ جان بوجھ کر، فَنَكَحَهَا عَلَى يَدِهِ پس پھر اس مرد نے نکاح کر لیا اس عورت سے اپنے ہاتھ پر، فَهُوَ نِكَاحٌ تو یہ نکاح ہے إِمَّا عَلَى الْمُوجَبِ الْأَصْلِيِّ لِلْقَطْعِ الْعَمْدِ یا تو یہ نکاح ہے جو اصل مقتضیٰ ہے قَطْعِ عَمْد کا، جو اصل مقتضیٰ ہے قَطْعِ عَمْد کا، یا تو اس پر نکاح ہے، اور بھئی وہ اصل مقتضیٰ کیا ہے؟ کہتے ہیں: وَهُوَ الْقِصَاصُ فِي الطَّرَفِ وہ قصاص ہے طَرَف یعنی عضو کے اندر یعنی ہاتھ کے اندر، فَهُوَ لَا يَصْلُحُ مَهْرًا تو وہ مہر کی صلاحیت نہیں رکھتا، فَيَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ تو اس صورت میں کیا واجب ہوگا؟ مہرِ مثل واجب ہوگا، وَعَلَيْهَا الدِّيَةُ فِي مَالِهَا اور اس عورت پر دیت واجب ہوگی اس کے مال کے اندر، لہٰذا مُقَاصَّة ہوگا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

وَإِمَّا عَلَى مَا هُوَ وَاجِبٌ بِهٰذَا الْقَطْعِ یا یہ نکاح ہے عَلَى مَا هُوَ وَاجِبٌ اس چیز پر جو اس قطع کی وجہ سے واجب ہو رہا

ہے۔ قَطْعِ يَدْ کا اصل مُوجَبْ کیا، اصل مقتضیٰ کیا؟ قصاص، قصاص، یا تو اس پر نکاح مانیں گے، یا عَلَى مَا هُوَ وَاجِبٌ بِهٰذَا الْقَطْعِ یا جو اس قطع کی وجہ سے واجب ہو رہا ہے اس پر نکاح مانیں گے، اس قتل... کیونکہ یہ عورت اور مرد کا مسئلہ ہے نا اور یہاں تو قصاص نہیں، تو اگر اس قطع کی وجہ سے جو چیز واجب ہو رہی ہے اس پر نکاح مانیں، وَهُوَ الدِّيَةُ وہ تو کیا ہے؟ وہ تو دیت ہے کیونکہ یہاں ایک مرد ہے اور ایک عورت اور ان میں اعضاء کے اندر قصاص نہیں ہوتا۔ فَإِنَّهُ لَا قِصَاصَ بَيْنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ فِي الطَّرَفِ اس لیے کیونکہ مرد اور عورت کے درمیان قصاص نہیں ہے اعضاء کے اندر۔ ثُمَّ إِذَا سَرَىٰ پھر جب یہ زخم سرایت کر گیا اور جان لیوا بن گیا اس نے اس کی جان لے لی، وَظَهَرَ اور یہ بات ظاہر ہو گئی کہ أَنَّ الْيَدَ غَيْرُ وَاجِبَةٍ کہ ہاتھ تو واجب ہی نہیں تھا، نکاح تو ہاتھ پر ہوا اور ہاتھ تو واجب ہی... یعنی ہاتھ کے ضمان تو واجب ہی نہیں تھا، فَيَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ تو عورت کے لیے مہرِ مثل واجب ہوگا۔

وَإِنْ قَطَعَتْ خَطَأً اور اگر اس عورت نے غلطی سے ہاتھ کاٹا ہے، يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ أَيْضًا لِهٰذَا تو بھی مہرِ مثل ہی واجب ہوگا اسی وجہ سے، اسی کون سی وجہ؟ کیونکہ اس نے نکاح کیا ہے ہاتھ پر یعنی ہاتھ کے ضمان پر، کس پر؟ ہاتھ کے ضمان پر، اور بعد میں پتہ چلا یہاں تو ہاتھ کا ضمان آتا ہی نہیں یہاں تو کیا آئے گا؟ پوری جان کا ضمان آ رہا ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو گویا معدوم شے پر نکاح کیا تو پورا مہرِ مثل آئے گا۔ وَدِيَةُ النَّفْسِ عَلَى الْعَاقِلَةِ اور نفس کی دیت جو ہے وہ عاقلہ پر آئے گی یہ غلطی کی صورت میں، فَلَا مُقَاصَّةَ هٰهُنَا لہٰذا یہاں پر مُقَاصَّة نہیں ہوگا، ایک دَین کو دوسرے دَین کا بدل دے کر حساب نہیں چکایا جائے گا۔ کیوں مُقَاصَّة نہیں ہوگا؟ کیونکہ مہرِ مثل عورت کا حق ہے وہ عورت وصول کرے گی اور وہ دیت عورت سے نہیں وصول کرنی وہ تو کس سے وصول کرنی ہے؟ عاقلہ سے، تو مُقَاصَّة نہیں ہوگا۔ یہ معنی ہے فَلَا مُقَاصَّةَ هٰهُنَا یہاں پر مُقَاصَّة نہیں ہوگا، بِخِلَافِ الْعَمْدِ بخلاف عمد کے کہ اس صورت میں مُقَاصَّة ہوگا بھئی کیونکہ وہ دیت عورت پر ہی واجب ہوگی۔ مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آ گیا؟

دوسری صورت بھئی، اب وہی نکاح ہے لیکن پہلے کیا تھا؟ پہلے اس نے نکاح کیا تھا اپنے ہاتھ کے بدلے، کس کے بدلے؟ اپنے ہاتھ کے، یعنی ہاتھ کے ضمان کے بدلے نکاح کیا تھا۔ اب الفاظ بدل دیتا ہے، وہ کہتا ہے میں نکاح کرتا ہوں کہ اس جنایت کے بدلے، اس جنایت پر تم سے کیا کرتا ہوں؟ نکاح... یعنی بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ اس جنایت... اس نے جنایت کا لفظ استعمال کیا، یا کہا یہ جو قَطْعِ يَدْ ہے یا جو بھی اس کا نتیجہ نکلے میں اس پر تم سے نکاح کرتا ہوں۔ اب الفاظ بدل گئے۔

تو کہتے ہیں: فَإِنْ نَكَحَهَا عَلَى الْيَدِ وَمَا يَحْدُثُ مِنْهَا اگر اس مرد نے اس عورت سے نکاح کر لیا ہاتھ پر وَمَا يَحْدُثُ مِنْهَا اور جو بھی اس سے آگے پیش آ جائے جو بھی نتیجہ نکلے، أَوْ عَلَى الْجِنَايَةِ یا اس نے نکاح کر لیا کس پر؟ جنایت پر، یہ الفاظ استعمال کیے، ثُمَّ مَاتَ پھر اس آدمی کا انتقال ہوا، فَفِي الْعَمْدِ مَهْرُ الْمِثْلِ تو قَتْلِ عَمْد کی صورت میں مہرِ مثل آئے گا، توجہ ہے؟ وَفِي الْخَطَإِ اور خطا کی صورت میں... بھئی عمد کی صورت میں مہرِ مثل آئے گا، پچھلے مسئلے میں بھی کیا آیا تھا؟ مہرِ مثل، لیکن وَفِي

الْخَطَإِ خطا کی صورت میں رُفِعَ عَنِ الْعَاقِلَةِ مَهْرُ مِثْلِهَا اٹھا دیا جائے گا یعنی معاف کر دیا جائے گا عاقلہ سے مَهْرُ مِثْلِهَا اس عورت کا مہرِ مثل، وَالْبَاقِي وَصِيَّةٌ لَهُمْ اور باقی ان کے لیے وصیت ہو جائے گی یعنی عاقلہ کے لیے، فَإِنْ خَرَجَ مِنَ الثُّلُثِ سَقَطَ اگر وہ ثُلث میں سے نکل آیا تو ساقط ہو جائے گا، وَإِلَّا يَسْقُطُ ثُلُثُ الْمَالِ ورنہ ثُلثِ مال ساقط ہو جائے گا۔

یہ سمجھ لو اچھی طرح بھئی۔ اب نکاح ہو رہا ہے کن الفاظ کے ساتھ؟ صورت ذہن میں ہے، ایک عورت نے دوسرے شخص کا ہاتھ کاٹا اور پھر اس نے ہاتھ کی وجہ سے جو ضمان آرہا ہے اس پر نکاح کر لیا اور بعد میں اس شخص کا انتقال ہو گیا۔ اب کن لفظوں سے نکاح کیا؟ کس چیز پر نکاح کیا؟ پہلی صورت کیا ذکر ہوئی تھی کہ اس نے کہا تھا اس ہاتھ پر میں نکاح کرتا ہوں تم سے یا اس قَطْعِ يَدْ کی وجہ سے جو ضمان آتا ہے میں اس پر تم سے نکاح کرتا ہوں۔ اب لفظ کیا استعمال کر رہا ہے؟ میں اس جنایت پر تم سے نکاح کرتا ہوں، یا یہ کہتا ہے میں یہ قَطْعِ يَدْ اور جو بھی اس کا نتیجہ نکلے اس پر میں تم سے نکاح کرتا ہوں۔ توجہ ہے؟

تو اب صورتِ مسئلہ یہ کہ یہ جو اس عورت نے جرم کیا یا تو اس نے جان بوجھ کر ہاتھ کاٹا ہوگا یا غلطی سے ہاتھ کاٹا ہوگا۔ توجہ ہے؟ تو یا تو اس عورت نے جان بوجھ کر یہ اس شخص کا ہاتھ کاٹا ہوگا یا غلطی سے ہاتھ کاٹا ہوگا۔ اگر جان بوجھ کر اس عورت نے ہاتھ کاٹا ہے اور اس ہاتھ کاٹنے کی وجہ سے وہ موت تک پہنچ گیا، تو گویا یہ قَتْلِ عَمْد ہوا، کیا ہوا؟ قَتْلِ عَمْد ہوا، اور اس نے تو اس عورت سے نکاح کیا تھا کس چیز پر؟ کہ میں اس جنایت کے بدلے تم سے نکاح، یا میں یہ جو ہاتھ کاٹا ہے اور جو بھی اس کا نتیجہ نکلا میں اس پر تم سے نکاح کرتا ہوں، تو گویا وہ یہاں پر اس نے نکاح کیا ہے عورت سے قصاص پر۔ یہاں تو عورت نے کیا کیا؟ جان بوجھ کر اس کا ہاتھ کاٹا ہے تو قَتْلِ عَمْد ہوا اور قَتْلِ عَمْد میں تو کیا آتا ہے؟ قصاص آتا ہے اور اس مرد نے اسی پر تو اس سے نکاح کیا ہے، تو گویا یہاں اس مرد نے اس عورت سے قصاص پر نکاح کیا ہے اور قصاص تو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، گویا مہر ایک معدوم چیز ہوا، اور جب معدوم چیز مہر ہوا تو وہاں پھر مہرِ مثل آتا ہے کیونکہ کوئی نکاح بغیر مہر کے نہیں ہو سکتا، تو عورت کے لیے مہرِ مثل واجب ہو جائے گا اور وہ جو قصاص وہ تو اس نے معاف کر دیا تھا اس کو۔ توجہ ہے؟ جب قصاص پر نکاح کیا تو گویا قصاص کو کیا کر دیا؟ معاف کر دیا کہ میں تم سے قصاص نہیں لیتا۔ تو یا تو اس عورت نے جان بوجھ کر ہاتھ کاٹا ہے یا غلطی سے ہاتھ کاٹا ہوگا۔ اگر جان بوجھ کر ہاتھ کاٹا ہے تو پھر تو گویا یہ نکاح کیا ہے اس شخص نے قصاص پر، کس پر؟ قصاص پر نکاح کیا ہے اور قصاص تو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، تو لہٰذا اس عورت کے لیے مہرِ مثل واجب ہوگا، اور قتل کی وجہ سے کوئی چیز اس پر واجب نہیں ہوگی عورت پر کیونکہ اس پر قصاص واجب ہو رہا تھا اور اسی پر نکاح کر کے مرد نے گویا اس کو قصاص معاف کر دیا بھئی۔ عمد کی صورت سمجھ میں آگئی؟

خطا کی صورت میں تفصیل ہے۔ کہتے ہیں اگر یہ جرم عورت سے غلطی سے ہوا اور اس ہاتھ کے کاٹنے نے کہاں تک پہنچا دیا؟ موت تک، اور قَتْلِ خَطَا بن گیا، اور قَتْلِ خَطَا کی صورت میں کیا آتی ہے؟ دیت، اور دیت کس پر آتی ہے؟ عاقلہ پر، دیت آئے گی عاقلہ پر، لیکن اسی دیت پر تو اس نے نکاح کیا ہے۔ کیا کہا تھا؟ کہ اس جنایت کے بدلے میں تم سے نکاح،

یا اس قَطْعِ یَدْ یا جو بھی اس کا نتیجہ نکلے اس پر میں تم سے نکاح، اور اس قَطْعِ یَدْ سے کیا لازم آرہا ہے؟ دیت۔ معلوم ہوا دیت پر نکاح کیا اس نے، کس پر کیا؟ دیت پر اس عورت سے نکاح کیا ہے۔ لیکن وہ شخص یہ نکاح کس حالت میں کر رہا ہے؟ مَرَضُ الْمَوْت میں، ہاتھ کٹ چکا ہے نا، تو مَرَضُ الْمَوْت میں گویا وہ نکاح کر رہا ہے اور دیت کے ساتھ کس کا حق وابستہ؟ وارثوں کا حق وابستہ ہے، اور اس پوری دیت کے بدلے وہ کیا کر رہا ہے؟ نکاح کر رہا ہے، اور اس میں کتنے کا اعتبار کرتے ہیں؟ ثُلُثِ مال کا، لیکن یہاں ثُلُث کا اعتبار نہیں کریں گے، یہاں مہرِ مثل کا اعتبار کریں گے، کس کا؟ بھئی ثُلُث کا اعتبار کیوں نہیں کرتے مہرِ مثل کا کیوں یہاں اعتبار کرتے ہو؟ پچھلے مسئلے میں آپ نے کتنے کا اعتبار کیا تھا؟ ثُلُثِ مال کا کیونکہ مَرَضُ الْمَوْت میں انسان دوسرے کو صرف کتنا مال دے سکتا ہے؟ ثُلُثِ مال دے سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں دے سکتا۔ تو یہاں گویا وہ اس عورت کے ساتھ نکاح کر رہا ہے تو یہاں مہرِ مثل کا اعتبار کریں گے ثُلُث کا نہیں۔ بھئی مہرِ مثل کا کیوں اعتبار کریں گے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ وہ مہر کے طور پر دے رہا ہے، نکاح کر رہا ہے اس پر، اور نکاح انسان کی حاجاتِ اصلیہ میں سے ہے، کس میں سے ہے؟ اصلی حاجات، بنیادی اصلی حاجات میں سے ہے، تو یہ نکاح میں مال دے رہا ہے، تو لہٰذا اب پوری دیت کا تو اعتبار یہاں نہیں کریں گے، ہاں یہاں پھر مہرِ مثل کا اعتبار کریں گے کہ پوری دیت اس عورت کو دے دیں مہر کے اندر؟ نہیں بھئی مہرِ مثل دیکھا جائے گا کہ اس جیسی عورتوں کا کتنا مہر ہوتا ہے، وہ پورا مہر جو ہے وہ اس عورت کا حق بن جائے گا، توجہ ہے؟ کیوں؟ کیونکہ نکاح کس میں سے ہے؟ حاجاتِ اصلیہ، اور حاجاتِ اصلیہ میں تو چاہے سارا مال ہی کیوں نہ ختم ہو جائے سارا دے دیتے ہیں۔ تو یہاں ضرورت کس سے پوری ہو رہی ہے؟ پوری دیت دینے سے یا مہرِ مثل سے ہی ضرورت پوری ہو جائے گی؟ مہرِ مثل سے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ نکاح تو اس نے دیت پر کیا ہے لیکن دیت نہیں دیں گے، جتنی ضرورت ہے اور ضرورت کتنی ہے؟ مہرِ مثل، ضرورتِ اصلیہ ہے لہٰذا دیں گے تو پورا لیکن کتنے کی ضرورت ہے وہ دیکھیں گے، کتنے کی ضرورت ہے یہاں؟ مہرِ مثل کی ضرورت ہے ساری دیت دینے کی ضرورت نہیں۔ ضرورتِ اصلی میں میں نے بتلایا کہ چاہے سارا مال ہی کیوں نہ خرچ ہو جائے دینا پڑے گا، خرچ کرنا پڑے گا، تو یہاں ضرورتِ اصلی ہے اور ضرورت...

تِ اصلی میں یہاں کتنے کے اعتبار کی ضرورت ہے؟ سارے کے اعتبار کی ضرورت نہیں، جس سے ضرورت پوری ہو جائے، اور یہاں کتنے کی ضرورت؟ مہرِ مثل کی ضرورت، لہٰذا مہرِ مثل آئے گا۔ توجہ ہے؟

اس نے نکاح تو کس پر کیا؟ دیت پر۔ توجہ ہے؟ نکاح تو کیا دیت پر اور ضرورت کتنے کی؟ مہرِ مثل۔ تو گویا مہرِ مثل پر نکاح کر لیا اور جو زائد ہے وہ مفت میں دینا چاہ رہا ہے اس عورت کو۔ نکاح کتنے میں شمار کر لیں گے؟ اور باقی زائد مال یوں سمجھیں گے گویا وہ مفت میں عورت کو دینا چاہ رہا ہے، اور مفت میں تو مَرَضُ الْمَوْت میں کسی کو مال نہیں دے سکتے، لہٰذا اس میں اب ثُلُث کا اعتبار کریں گے، وہ جو مفت میں زائد دے رہا ہے اس میں ثُلُثِ مال کا اعتبار کریں گے، ثُلُثِ مال کا۔

بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو گویا مہرِ مثل عورت کا حق بنا، اور جو زائد مال ہے وہ گویا وصیت کے درجے میں ہو گیا، کس کے درجے میں؟ وصیت کے درجے میں۔ اچھا اب مجھے بتاؤ، عورت کا حق کیا بنا؟ مہرِ مثل۔ اور یہ جو دیت آرہی تھی یہ وصول کس سے کرنی ہے؟ عاقلہ سے، عاقلہ سے وصول کرنی ہے۔ لہٰذا عاقلہ سے مہرِ مثل ساقط ہو جائے گا، عاقلہ سے مہرِ مثل ساقط ہو جائے گا۔ بھئی کیوں آپ کہیں گے؟ مہرِ مثل تو عورت کا حق ہے۔ بھئی یہ بات تو درست ہی نہیں ہے، مناسب ہی نہیں ہے کہ دیت لینی کس سے ہے؟ عاقلہ سے۔ عاقلہ سے دیت وصول کریں اور عورت کو دے دیں! اور عاقلہ سے کیوں وصول کر رہے ہیں؟ کیونکہ عورت کا جرم تھا، غلطی کس کی تھی؟ عورت کی غلطی تھی۔ تو عورت کی غلطی کی وجہ سے عاقلہ سے مال لیا جائے اور عورت کو دے دیا جائے یہ بات مناسب ہے؟ یہ تو مناسب ہی نہیں ہے، تمہارا ہی جرم ہے تمہاری وجہ سے ہی مال ان سے نکل رہا ہے اور وہ لے کر تمہیں دے دیں بھئی؟ ایک تو جرم بھی کیا اور تمہیں مال بھی دے دیں! لہٰذا یہ مہرِ مثل عورت کو دیں گے نہیں بلکہ کیا ہو جائے گا؟ عاقلہ سے ساقط ہو جائے گا، ساقط ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

قَتْلِ خَطَا کی صورت میں انہوں نے بتلایا کہ عاقلہ سے مہرِ مثل معاف ہوگا، میں نے بیان کر دیا کہ عاقلہ سے مہرِ مثل کیوں ساقط ہوگا۔ مہرِ مثل تو عورت کا حق ہے اور دیت کس سے لینی ہے؟ قَتْلِ خَطَا ہے، دیت کس سے لینی ہے؟ عاقلہ سے لینی ہے۔ تو مہرِ مثل تو عورت کا حق ہے اور دیت تو لینی ہے عاقلہ سے، تو پھر یہ مہرِ مثل عورت کو دینے کے بجائے یہ عاقلہ سے کیوں ساقط ہوگا؟ بات میرا خیال ہے نہیں سمجھ میں آئی؟ مہرِ مثل عورت کو دینے کے بجائے، عورت کو دیں گے نہیں بلکہ وہ کس سے ساقط کروا دیں گے؟ عاقلہ سے وہ ساقط ہو جائے گا، عاقلہ سے ساقط ہو جائے گا۔ کیوں؟ بھئی وجہ یہ کہ یہاں اس عورت نے نکاح کیا ہے دیت پر، کس پر؟ دیت پر۔ تو اس کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ ان عاقلہ سے دیت لی جائے اور کس کو دے دی جائے؟ عورت کو دے دی جائے۔ اور یہ بات تو مناسب ہی نہیں ہے، درست ہی نہیں بنتی بھئی کہ عورت نے جرم کیا اور اس کے جرم کی وجہ سے عاقلہ پر دیت واجب ہوئی اور وہ دیت عاقلہ سے لے کر کس کو دے دی جائے؟ عورت کو دے دی جائے بھئی! اب بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ اس لیے عورت کو نہیں دیں گے بلکہ عاقلہ ہی سے وہ مہرِ مثل ساقط ہو جائے گا۔

اور باقی کو وصیت سمجھا جائے گا، کیا سمجھا جائے گا؟ وصیت سمجھا جائے گا۔ پھر اس میں تفصیل یہ دیکھو، آگے وہ بیان بھی کریں گے کہ دیکھیں گے اس عورت کا مہرِ مثل دیت کے برابر ہے یا کم ہے یا زیادہ ہے۔ اگر مہرِ مثل بھی دس ہزار اور دیت بھی دس ہزار، تو پھر تو برابر سرابر ہو گیا حساب۔ عاقلہ سے کتنا معاف کرنا تھا؟ مہرِ مثل معاف کرنا تھا، تو ان پر آیا بھی دس ہزار اور معاف بھی کتنا ہو گیا؟ دس ہزار، تو ختم ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

دوسری صورت: اگر عورت کا مہرِ مثل ہے پندرہ ہزار اور دیت کتنی ہے؟ دس ہزار، کتنی ہے؟ دس ہزار، تو بھی اس

صورت میں مہر دس ہزار ہی شمار کریں گے۔ توجہ ہے؟ عورت کا مہرِ مثل کتنا ہے؟ پندرہ، زائد ہے نا۔ تین صورتیں بنتی ہیں، وہ مہرِ مثل دیت سے یا زائد ہوگا، یا کم ہوگا، یا برابر ہوگا۔ تو پہلی صورت کیا؟ مہرِ مثل اگر دیت کے برابر ہے، تو عاقلہ پر دیت کتنی آئی؟ دس ہزار، اور ان سے مہرِ مثل کو معاف کرنا ہے وہ بھی کتنا ہے؟ دس ہزار، تو ختم ہو گیا، ان پر کچھ بھی نہیں آیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ دوسری صورت کیا ہے؟ عورت کا مہرِ مثل کتنا؟ پندرہ ہزار، اور دیت کتنی؟ دس ہزار، تو اس صورت میں بھی عورت کا مہر دس ہزار شمار کریں گے، پندرہ ہزار نہیں شمار کریں گے، اب مہرِ مثل نہیں شمار کریں گے۔ کیوں؟ کیونکہ عورت نے کس پر نکاح کیا؟ دیت پر، کس پر؟ دیت پر، گویا اس نے زائد خود ہی چھوڑ دیا ہے، مہرِ مثل کا جو زائد ہے اس نے خود ہی چھوڑ دیا۔ تو عورت کا مہر کتنا؟ دس ہزار، اور دیت بھی کتنی؟ دس ہزار، تو عاقلہ سے وہ معاف ہو گیا، ختم ہو گیا، عاقلہ پر کچھ بھی نہیں آئے گا۔

تیسری صورت بھئی: کہ عورت کا مہر تھوڑا ہے اور دیت زیادہ ہے۔ مثلاً عورت کا مہر کتنا؟ پانچ ہزار، اور دیت کتنی ہے؟ دس ہزار، تو عاقلہ پر دس ہزار آئے اور اس میں سے پانچ ہزار معاف ہو گئے مہر کی وجہ سے، مہرِ مثل کی وجہ سے، اور کتنے رہ گئے؟ پانچ ہزار۔ اور یہ پانچ ہزار گویا وہ مفت دے رہا... یہ پانچ ہزار، اس نے تو کیا کیا تھا؟ پوری دیت پر نکاح کیا تھا نا، تو گویا زائد مال وہ مفت دے رہا ہے کس کو؟ عاقلہ کو دے رہا ہے۔ حالانکہ دیت تو کس کا حق ہوتا ہے؟ بھئی دیکھو نا عاقلہ پر کتنی دیت آئی؟ دس ہزار، اور مہرِ مثل کتنا ہے؟ پانچ ہزار، تو پانچ ہزار وہ تو معاف ہو گیا کہ عاقلہ سے لے کے عورت کو نہیں دیں گے بلکہ عاقلہ سے معاف ہو گیا، عاقلہ سے معاف۔ لیکن عورت نے نکاح تو کس پر کیا ہے؟ دیت پر، توجہ ہے؟ اس عورت نے، اس نے کہا تھا نا میں اس جنایت پر تم سے نکاح کرتا ہوں یا جو بھی اس کا نتیجہ نکلے اس پر نکاح کرتا ہوں، اور نتیجہ کیا ہے؟ قَتْلِ خَطَا ہے، تو اس میں دیت آتی ہے گویا دیت پر نکاح ہوا، اور دیت کا اعتبار نہیں ہم کریں گے ہم نے بتلایا اس میں کس کا اعتبار کریں گے؟ مہرِ مثل کا، اور مہرِ مثل کتنا ہے؟ پانچ ہزار، اور دیت کتنی ہے؟ دس ہزار۔ گویا پانچ ہزار تو ضرورتِ اصلیہ ہے وہ تو ٹھیک ہو گیا، اور اس نے تو نکاح پوری دیت پر کیا ہے، گویا پوری دیت عورت کو دینی ہے، کیا کرنی ہے؟ پوری دیت عورت کو۔ لیکن ضرورت کتنے سے پوری ہو گئی؟ پانچ ہزار سے، تو گویا باقی پانچ ہزار وہ اپنی طرف سے ویسے ہی دے رہا تھا۔ اس نے مہر بنایا تھا نا اس پوری دیت کو، وہ پانچ ہزار گویا اپنی طرف سے ویسے ہی دے رہا تھا، لہٰذا وہ پانچ ہزار اب عاقلہ کا نہیں ہوگا بلکہ اس کو... مفت میں دے رہا ہے تو ثُلُث کا اعتبار کریں گے۔ اگر اس آدمی کا مال اتنا زیادہ ہے کہ اس کا تیسرا حصہ نکالیں تو وہ بھی پانچ ہزار سے زیادہ بنتا ہے، تو پھر تو پانچ ہزار کیا ہو جائیں گے؟ عاقلہ سے ساقط۔ پانچ ہزار ان سے ساقط ہوئے تھے مہرِ مثل کی وجہ سے اور پانچ ہزار وصیت کی وجہ سے ساقط ہو جائیں گے۔ اور اگر وہ پانچ ہزار ثُلُثِ مال سے پورے نہیں ہوتے تو پھر جو زائد ہوں گے وہ ادا کر دیں گے۔

مثلاً اس آدمی کا کل مال ہے یوں سمجھو سات ہزار، کتنا؟ سات ہزار، توجہ ہے؟ سات، اور یہ دیت والے پانچ ہزار،

میں نے بتلایا تھا یہ جو دیت ہوتی ہے یہ بھی دراصل اس آدمی کا مال شمار ہوتا ہے اور ترکہ شمار ہوتا ہے، وارثوں پر کتنے باقی ہیں؟ پانچ ہزار، اور یہ والے سات ہزار بھی اس کے پاس ہیں، پانچ اور سات کتنے ہو گئے؟ بارہ ہزار، گویا اس کا کل ترکہ کتنا ہے؟ بارہ ہزار، دَین وغیرہ سب ادا کر کے۔ تو بارہ ہزار کا ثُلُث کتنا بنتا ہے؟ چار ہزار، تو چار ہزار وارثوں سے ساقط ہو جائے گا، پانچ ہزار مہرِ مثل کی وجہ سے ساقط، چار ہزار وصیت کی وجہ سے ساقط اور کتنا رہ گیا؟ نہیں توجہ میرا خیال ہے؟ دیکھو بھئی پھر سنو، پھر سنو۔ عاقلہ پر کیا آئی؟ دیت، اور عورت کے لیے کیا ہے؟ مہرِ مثل، آخری صورت، اور مہرِ مثل عورت کا أَقَلّ ہے وہ والی ہم صورت کر رہے ہیں، عورت کا مہرِ مثل کتنا؟ پانچ ہزار، اور آپ نے پڑھا ہے کہ عورت کا جو مہرِ مثل ہوگا وہ عاقلہ سے معاف ہو جائے گا، تو عاقلہ پر کتنا رہ گیا؟ پانچ ہزار معاف ہوا اور پانچ ہزار ان پر باقی رہ گیا۔ اور یہ پانچ ہزار اس نے تو اس پر نکاح کیا تھا تو یہ گویا عاقلہ کو اس نے مفت دیا تھا، کیا کیا تھا؟ ان کے لیے وصیت کی تھی گویا، اور وصیت تو کتنے میں نافذ ہوتی ہے؟ ثُلُثِ مال میں، تو یہ سارا پانچ ہزار ہم عاقلہ کو اب چھوڑیں گے نہیں بلکہ اس کا حساب لگائیں گے۔ اگر فرض کرو اس آدمی کا کل مال وہ دس ہزار بھی ہے، وہ مرنے والے کے پاس دس ہزار درہم اور بھی ہیں اس کا باقی کا مال دس ہزار درہم ہے، اور یہ جو دیت ہوتی ہے یہ بھی دراصل کس کا مال ہوتا ہے؟ مرنے والے کا مال ہوتا ہے، ترکہ شمار ہوتا ہے۔ تو اس وقت عاقلہ سے کتنے لینے ہیں؟ پانچ ہزار، تو یہ پانچ ہزار بھی ملاؤ، تو گویا میت کا کل ترکہ کتنا ہو گیا؟ پندرہ ہزار، اور یہ کل ترکے کا ثُلُث تک اس کو وصیت کی اجازت ہے، تو پندرہ ہزار کا ثُلُث کتنا بنتا ہے؟ پانچ ہزار، تو دیکھو وہ ثُلُث میں سے وہ پانچ ہزار نکل آئے، وہ بھی وصیت صحیح ہو گئی، وہ اس نے معاف کر دیے عاقلہ کو۔ پانچ ہزار مہرِ مثل کی وجہ سے معاف ہوئے اور پانچ ہزار وصیت کی وجہ سے معاف۔ اور اگر ثُلُث میں سے نہیں نکلتے تو اسی کے بقدر معاف ہوں گے جتنا ثُلُث ہوگا، جیسے میں نے مثال دے دی عاقلہ سے اب کتنا لینا ہے؟ پانچ ہزار اور یہ اس کا ترکہ ہے، اس کے علاوہ بھی اس کے پاس سات ہزار درہم کا ترکہ ہے اس کا سارا، اس مرنے والے کا سات ہزار درہم باقی ترکہ ہے، پانچ اور سات کتنے ہو گئے؟ بارہ، بارہ کا ثُلُث کتنا؟ چار۔ گویا وہ چار کی وصیت کسی کے لیے کر سکتا ہے اس سے زیادہ کی وصیت نہیں کر سکتا، اور اس نے تو کتنے کی وصیت کی ہوئی ہے؟ پانچ کی، تو پانچ میں سے چار جو ہیں وہ چھوڑ دیں گے اور ایک عاقلہ سے وہ جو وارث ہیں وہ وصول کر لیں گے۔ اب صورت سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے کتاب پر: فَإِنْ نَكَحَهَا عَلَى الْيَدِ وَمَا يَحْدُثُ مِنْهَا اگر اس مرد نے اس عورت سے نکاح کر لیا ہاتھ پر وَمَا يَحْدُثُ مِنْهَا اور جو بھی اس ہاتھ کی وجہ سے پیش آئے جو اس کا نتیجہ نکلے، أَوْ عَلَى الْجِنَايَةِ یا اس نے نکاح کر لیا اس عورت سے جنایت پر، ثُمَّ مَاتَ پھر وہ شخص مر گیا، فَفِي الْعَمْدِ مَهْرُ الْمِثْلِ تو عمد کی صورت میں مہرِ مثل آئے گا اور وہ عورت کو دینا پڑے گا، اور کچھ بھی نہیں عورت کے ذمے، وہ جو قصاص ہے وہ تو اس نے معاف کر دیا۔ وہ قصاص تو اس نے معاف کر دیا، کیا کر دیا؟ معاف کر دیا۔ آپ کہیں گے کب معاف کیا؟ بھئی جب اسی پر نکاح کر رہا ہے تو قصاص کو کیا کر رہا ہے؟ معاف

کر رہا ہے گویا، معاف کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَفِي الْخَطَإِ رُفِعَ عَنِ الْعَاقِلَةِ مَهْرُ مِثْلِهَا اور خطا کی صورت میں عاقلہ سے اٹھا لیا جائے گا یعنی معاف کر دیا جائے گا۔ کتنا معاف کریں گے عاقلہ سے؟ مہرِ مثل اس عورت کا، وَالْبَاقِي وَصِيَّةٌ لَهُمْ اور باقی ان کے لیے وصیت شمار کریں گے۔ فَإِنْ خَرَجَ مِنَ الثُّلُثِ سَقَطَ پس اگر وہ باقی ثُلث میں سے نکل آیا تو ساقط ہو جائے گا عاقلہ سے، وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہوا تو يَسْقُطُ ثُلُثُ الْمَالِ تو پھر ثُلثِ مال جو ہے ساقط ہو جائے گا اس وصیت میں سے۔

إِنَّمَا يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ فِي الْعَمْدِ عمد کی صورت میں مہرِ مثل واجب ہوگا لِأَنَّ هٰذَا تَزَوُّجٌ عَلَى الْقِصَاصِ اس لیے کیونکہ یہ نکاح ہوا قصاص پر، وَهُوَ لَا يَصْلُحُ مَهْرًا اور قصاص تو صلاحیت نہیں رکھتا مہر بننے کی، فَيَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ تو مہرِ مثل واجب ہوگا، وَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا بِسَبَبِ الْقَتْلِ اور اس عورت پر کچھ بھی نہیں ہے قتل کی وجہ سے، یعنی اس پر کوئی ضمان نہیں آئے گا قصاص نہیں آئے گا، لِأَنَّ الْوَاجِبَ الْقِصَاصُ اس لیے کیونکہ واجب جو تھا وہ تو قصاص تھا یعنی ثابت جو تھا وہ تو قصاص تھا، وَقَدْ أَسْقَطَهُ اور اس کو اس شخص نے خود ساقط کر دیا۔ کس طرح؟ کہ اس کو مہر بنا دیا، مہر بنا دیا تو اس کو معاف کر دیا۔

وَإِنْ كَانَ خَطَأً اور اگر یہ قَتْلِ يَدْ جو تھا وہ غلطی سے تھا، يُرْفَعُ عَنِ الْعَاقِلَةِ مَهْرُ الْمِثْلِ تو ساقط کر دیا جائے گا عاقلہ سے مہرِ مثل کو، لِأَنَّ هٰذَا تَزَوُّجٌ عَلَى الدِّيَةِ اس لیے کیونکہ یہ نکاح ہوا دیت پر، وَهِيَ تَصْلُحُ مَهْرًا اور دیت تو صلاحیت رکھتی ہے مہر بننے کی۔ فَإِنْ كَانَ مَهْرُ الْمِثْلِ مُسَاوِيًا لِلدِّيَةِ اگر وہ مہرِ مثل برابر تھا دیت کے وَلَا مَالَ لَهُ سِوَىٰ هٰذَا اور مرنے والے کا اس کے علاوہ اور کوئی مال نہیں، فَلَا شَيْءَ عَلَى الْعَاقِلَةِ تو عاقلہ پر کچھ بھی نہیں، ساری دیت ساقط ہو گئی کیونکہ اس نے اس کو مہر بنایا، لِأَنَّ التَّزَوُّجَ مِنَ الْحَوَائِجِ الْأَصْلِيَّةِ اس لیے کیونکہ نکاح کرنا شادی کرنا جو ہے وہ انسان کی اصلی حاجات میں سے ہے، فَيُعْتَبَرُ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ پس اس کا جَمِيعِ مال میں سے اعتبار کیا جائے گا، چاہے سارا مال ہی اس میں کیوں نہ خرچ ہو، ضرورتِ اصلی ہے انسان کی۔

وَإِنْ كَانَ مَهْرُ الْمِثْلِ أَكْثَرَ لَا تَجِبُ الزِّيَادَةُ اور اگر مہرِ مثل دیت سے زیادہ ہوا تو زیادتی جو زائد ہے وہ واجب نہیں ہوگا، لِأَنَّهَا رَضِيَتْ بِأَقَلَّ مِنْ مَهْرِ الْمِثْلِ اس لیے کیونکہ وہ عورت خود مہرِ مثل سے کم میں یعنی دیت پر راضی ہو گئی تھی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بات نہیں سمجھ میں آئی؟ آگئی ہے۔

دیکھیں اس نے اگر مہرِ مثل اس عورت کا پندرہ ہزار ہے اور لیکن نکاح تو دیت پر اس نے کیا ہے اور دیت دس ہزار ہے، تو زائد کو گویا اس نے خود ہی ساقط کر دیا اس پر راضی ہو گئی ہے، تو وہ ساقط ہی پھر رہے گا۔ یہ معنی ہے تو لَا تَجِبُ الزِّيَادَةُ زائد جو ہے وہ واجب نہیں ہوگا لِأَنَّهَا رَضِيَتْ بِأَقَلَّ مِنْ مَهْرِ الْمِثْلِ اس لیے کیونکہ وہ عورت راضی ہو گئی مہرِ مثل سے کم پر ہی۔

وَإِنْ كَانَ مَهْرُ الْمِثْلِ أَقَلَّ اور اگر مہرِ مثل کم تھا یعنی دیت سے، فَالزِّيَادَةُ وَصِيَّةٌ لِلْعَاقِلَةِ تو جو زیادت ہے جو زائد ہے وہ وصیت ہوگی عاقلہ کے لیے، وَتَصِحُّ اور یہ وصیت صحیح بھی ہے لِأَنَّهُمْ لَيْسُوا بِقَتَلَةٍ اس لیے کیونکہ وہ قاتل نہیں ہیں۔ قَتَلَةٌ جمع ہے قَاتِلٌ کی، جیسے طَالِبٌ کی جمع طَلَبَةٌ آتی ہے، طَلَبَةٌ۔ تو قَاتِلٌ کی جمع قَتَلَةٌ بھی ہے، اس لیے کیونکہ وہ قاتل نہیں ہیں اس لیے یہ وصیت صحیح ہے۔ یاد رکھنا، یاد رکھنا، علمِ میراث میں آپ کو بتلائیں گے کہ قاتل کے لیے وصیت صحیح نہیں، قاتل کے لیے وصیت صحیح نہیں۔ ایک شخص نے زید کے لیے وصیت کی تھی کہ اس کو میرے مرنے کے بعد دس لاکھ دے دینا، زید نے اس کو قتل کر دیا، کوئی رشتہ دار نہیں ہے زید اجنبی ہے، زید نے اس کو قتل کر دیا، تو یہ وصیت لَغْوٌ ہو گئی اب اس کا اعتبار کوئی نہیں کیونکہ یہ وصیت کس کے لیے بن گئی؟ قاتل کے لیے اور قاتل کے لیے تو وصیت صحیح نہیں۔ کیوں نہیں صحیح؟ وجہ کیا ہے؟ دراصل دلوں میں بدگمانی آتی ہے کہ شاید اس نے اسی لیے قتل کیا کہ یہ مرے گا تو مجھے اس کی وصیت کے مطابق دس لاکھ مل جائیں گے بھئی۔ جیسے آپ نے پڑھا کہ وارث اگر مَوْرِث کو قتل کر دے تو وہ وارث نہیں بنتا کیونکہ دلوں میں بدگمانی آتی ہے شاید اسی لیے قتل کیا کہ یہ مرے گا تو میں اس کا وارث بنوں گا اور مجھے مال مل جائے گا۔ تو یہاں پر عاقلہ جو ہیں وہ قاتل ہیں؟ عاقلہ تو قاتل نہیں، قاتل تو کون؟ وہ عورت۔ لہٰذا یہ وصیت کس کے لیے ہوئی؟ عاقلہ کے لیے، تو عاقلہ کے لیے وصیت صحیح کیونکہ وہ قاتل نہیں۔ یہ معنی ہے کہ فَالزِّيَادَةُ وَصِيَّةٌ لِلْعَاقِلَةِ وَتَصِحُّ لِأَنَّهُمْ لَيْسُوا بِقَتَلَةٍ پس یہ جو زائد ہے یہ عاقلہ کے لیے وصیت ہے اور یہ صحیح بھی ہے کیونکہ وہ قاتلین نہیں ہیں۔

وَتُعْتَبَرُ مِنَ الثُّلُثِ اور اس وصیت کا اعتبار ثُلث سے کیا جائے گا۔ فَإِنْ خَرَجَتْ مِنَ الثُّلُثِ سَقَطَتْ اگر یہ نکل آئی ثُلث میں سے تو یہ حصہ بھی ان سے ساقط ہو جائے گا، وَإِلَّا تَسْقُطْ مِقْدَارُ ثُلُثِ الْمَالِ اگر ثُلث میں سے یہ وصیت پوری نہ ہوئی تو ساقط ہو جائے گی مِقْدَارُ ثُلُثِ الْمَالِ ثُلث مال کے بقدر مقدار، ثُلثِ مال کے بقدر جو ہے وہ ساقط ہو جائے گی وہ دیت اس عاقلہ سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَهٰذَا الْفَرْقُ بَيْنَ التَّزَوُّجِ عَلَى الْيَدِ وَبَيْنَ التَّزَوُّجِ عَلَى الْجِنَايَةِ عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ کہتے ہیں یہ فرق ہے بَيْنَ التَّزَوُّجِ عَلَى الْيَدِ ہاتھ پر نکاح کرنا وَبَيْنَ التَّزَوُّجِ عَلَى الْجِنَايَةِ اور تَزَوُّجٌ عَلَى الْجِنَايَةِ کے درمیان۔ ایک ہے ہاتھ پر نکاح کرنا اور ایک ہے جنایت پر نکاح کرنا، ان دونوں میں یہ فرق ہے عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ امام صاحب کے نزدیک۔

جبکہ صاحبین فرماتے ہیں دونوں مسئلوں میں صورتِ مسئلہ اسی طرح ہوگی جس طرح یہ آخری مسئلے میں تھی۔ پہلا مسئلہ کیا تھا؟ نکاح کس پر ہوا تھا؟ ہاتھ پر، قَطْعِ یَدْ پر بس، اور دوسری صورت میں نکاح کس پر ہے؟ قَطْعِ یَدْ اور اس کے نتیجے پر یا جنایت پر۔ تو امام صاحب نے دونوں میں فرق کیا، صاحبین فرماتے ہیں نہیں، جو صورت بنتی ہے جنایت والی، اگر وہ نکاح کرتا ہے کس کے بدلے؟ جنایت کے بدلے یا قَطْعِ یَدْ اور جو اس کا نتیجہ نکلے، دونوں جگہ یہ مسئلہ اسی طرح ہوگا بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَأَمَّا عِنْدَهُمَا باقی صاحبین کے نزدیک فَالْحُكْمُ فِي التَّزَوُّجِ عَلَى الْيَدِ كَمَا ذَكَرْنَا فِي هٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ کہ حکم جو

ہے تَزَوُّجٌ عَلَى الْيَدِ ہاتھ پر نکاح ہاتھ پر شادی کرنے کے اندر بھی حکم كَمَا ذَكَرْنَا ایسا ہی ہے جیسے ہم نے ذکر کر دیا فِي هٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ اس مسئلے کے اندر، وَهِيَ التَّزَوُّجُ عَلَى الْجِنَايَةِ اور بھئی یہ والا کون سا مسئلہ؟ کہتے ہیں یہ جو تَزَوُّجٌ عَلَى الْجِنَايَةِ ہے۔ تَزَوُّجٌ عَلَى الْيَدِ اس میں بھی حکم ایسے ہی ہے جیسے تَزَوُّجٌ عَلَى الْجِنَايَةِ میں بیان ہو گیا، یہ کون فرما رہے ہیں؟ یہ صاحبین کا مذہب بیان ہو رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہاں ایک اشکال آپ کے ذہنوں میں آئے گا۔ اشکال یہ کہ پہلی صورت کیا تھی؟ نکاح کس پر کیا؟ قَطْعِ يَدْ پر، اور دوسری صورت میں نکاح کس پر کیا؟ جنایت پر، مختصراً کہہ لو جنایت پر کیا۔ تو اس میں کیا تھا؟ اگر خَطَاءً ہوتا، توجہ ہے؟ اگر نکاح يَدْ پر ہوا، کس پر؟ يَدْ پر اور جرم کیسا تھا؟ خَطَاءً، تو اس صورت میں آپ نے کہا تھا عورت کو مہرِ مثل ملے گا اور عاقلہ سے دیت لیں گے۔ توجہ ہے؟ عورت کو کیا ملے گا؟ مہرِ مثل۔ صورت ذہن میں آگئی؟ اس نے نکاح کس پر کیا؟ قَطْعِ يَدْ پر، صرف قَطْعِ يَدْ پر، اس کا نتیجہ ذکر نہیں کیا، جنایت ذکر نہیں کی، نکاح میں کرتا ہوں تم سے کس پر؟ اس قَطْعِ يَدْ پر۔ اس صورت میں آپ نے کہا تھا اگر خَطَاءً، امام صاحب فرماتے ہیں اگر خَطَاءً یہ جرم کیا تو دیت کس پر آئے گی؟ عاقلہ پر، کس پر؟ عاقلہ پر۔ بھئی آپ نے پڑھا تھا نا اگر عَمْدًا کیا تو مُقَاصَّة ہو جائے گا کیونکہ دیت بھی عورت پر آئی اور مہرِ مثل وصول کرنا ہے اور دیت اس کے ذمے ہے تو دونوں میں کیا ہو جائے گا؟ مُقَاصَّة ہو جائے گا جو کمی بیشی ہوگی وہ ادا کر دیں گے۔ لیکن اگر یہ جرم غلطی سے ہوا پہلی صورت میں، تو عورت کے لیے کیا لازم؟ مہرِ مثل، اور عاقلہ پر کیا لازم؟ دیت۔ وہاں پر آپ نے کہا کہ عاقلہ سے دیت لیں گے اور عورت کو مہرِ مثل دیں گے۔ اور یہاں پر آپ کہتے ہیں کہ وہ مہرِ مثل عاقلہ سے ساقط ہو جائے گا، فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ یہاں پر آپ کہہ رہے ہیں کہ عورت کو مہرِ مثل دیں گے نہیں بلکہ یہ مہرِ مثل عاقلہ سے ہی ساقط ہو جائے گا۔ تو یہ وجہ کیا ہے؟ دونوں میں فرق کیوں ہے؟

فرق آپ غور کر لیں آپ کو خود سمجھ میں آجائے گا۔ وہاں پر جو نکاح ہوا تھا وہ دیت پر نکاح نہیں تھا، وہ تو ہاتھ کی دیت پر نکاح ہوا تھا، کس پر؟ ہاتھ کی دیت پر، اور ہاتھ کی دیت تو وہاں تھی نہیں وہاں تو نفس کی دیت تھی۔ جبکہ یہاں پر جو نکاح ہوا ہے وہ نفس کی دیت پر ہی نکاح ہوا ہے۔ تو وہاں پر نکاح ہوا ہے ہاتھ کی دیت پر اور ہاتھ کی دیت تو تھی ہی نہیں وہاں تو نفس کی دیت تھی، لہٰذا وہ عاقلہ سے نفس کی دیت وصول کریں گے اور عورت کو مہرِ مثل دیں گے۔ اور یہاں پر تو نکاح ہی کس پر ہوا ہے؟ نفس کی دیت پر، نفس کی دیت پر ہی نکاح ہوا ہے، تو مطلب یہ ہو گیا عاقلہ سے لو اور عورت کو دے دو! اور یہ کوئی بات بنتی ہے کہ عاقلہ سے لیں اور عورت کو دے دیں؟ تو وہاں نکاح اور چیز پر ہوا تھا یہاں نکاح اور چیز پر ہے، اس لیے فرق ہے۔ اب فرق سمجھ میں آگیا؟

اچھا بھئی، یہ نکاح والے مسئلے کا خلاصہ دوبارہ سن لیجیے بھئی۔ ہو سکتا ہے ابھی بھی آپ کے ذہنوں میں کوئی اشکال ہو، کوئی بات پوری طرح سمجھ میں نہ آئی ہو، ان شاء اللہ خلاصے کے اندر پوری تفصیل آجائے گی، مکمل وضاحت ہو جائے

گی اور آپ کی تسلی ہو جائے گی۔

صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک عورت نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹ دیا اور پھر وہ شخص جو ہے اسی ہاتھ پر اس سے نکاح کر لیتا ہے، اور پھر بعد میں اس شخص کا انتقال ہو جاتا ہے۔ تو اب یہاں دارومدار اس بات پر ہے کہ اس شخص نے اس عورت سے نکاح کس چیز پر کیا۔ یا تو وہ نکاح کرے گا اس عورت سے اس ہاتھ کے بدلے، کس کے بدلے؟ جو اس عورت نے اس کا ہاتھ کاٹا اس کے بدلے نکاح کرتا ہے، یعنی ہاتھ کی وجہ سے جو ضمان اس عورت پر آتا تھا گویا اس پر نکاح کر رہا ہے، ایک صورت، صرف کس پر نکاح کرتا ہے؟ ہاتھ کے بدلے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ شخص اس عورت سے نکاح کرتا ہے ہاتھ کے بدلے اور جو بھی اس کا نتیجہ نکلے، یوں کہتا ہے میں اس ہاتھ کے بدلے اور اس کا جو بھی نتیجہ نکلا اس پر تم سے نکاح کرتا ہوں۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ میں تم سے اس جنایت پر نکاح کرتا ہوں۔ تو اگر اس نے صرف ہاتھ کے بدلے نکاح کیا تو صورتِ مسئلہ اور، اور اگر اس نے جنایت کو یا ہاتھ اور اس کے ساتھ اس کا نتیجہ بھی ذکر کر دیا تو پھر دوسری صورت بنے گی۔

تو پہلی صورت یہ کہ وہ صرف ہاتھ پر نکاح کرتا ہے، کس پر؟ ہاتھ پر نکاح کرتا ہے، تو اس کی صورت یہ: امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر ایک عورت نے کسی شخص کا ہاتھ کاٹ دیا اور پھر اسی ہاتھ پر اس شخص نے اس عورت سے نکاح کر لیا اور بعد میں اس مرد کا اسی زخم کی وجہ سے انتقال ہو گیا، تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس عورت کو مہرِ مثل ملے گا۔ تو اس عورت کو مہرِ مثل ملے گا دونوں صورتوں میں، چاہے یہ قَطْعِ یَدْ خَطَاءً ہو چاہے عَمْدًا ہو۔ عَمْدًا ہو تو پھر بھی مہرِ مثل، خَطَاءً ہو تو پھر بھی مہرِ مثل۔ اس لیے کیونکہ مرد اور عورت کے درمیان قصاص نہیں، تو اس عورت نے اس مرد کا ہاتھ جان بوجھ کر کاٹا ہے تو اس کے بدلے دیت آئے گی، کیا آئے گی؟ دیت آئے گی، کیونکہ اعضاء کے ساتھ مال والا برتاؤ کیا جاتا ہے، مرد کے ہاتھ کی قیمت ہے پچاس اونٹ یعنی پانچ ہزار درہم اور عورت کے ہاتھ کی قیمت ہے ڈھائی ہزار درہم بھئی، تو یہاں اگر عورت کا بھی ہاتھ کاٹا جائے قصاص کے اندر تو پھر تو برابری نہیں، تو لہٰذا مرد اور عورت کے اعضاء میں آپ پڑھ چکے ہیں وہاں قصاص نہیں ہے بلکہ وہاں ضمان آتا ہے، دیت آتی ہے ہاتھ کی۔ تو یہاں پر بھی اگر اس عورت نے جان بوجھ کر ہاتھ کاٹا ہے تو اس عورت پر ہاتھ کا ضمان آتا، اور اسی ہاتھ کے ضمان پر تو اس نے اس کے ساتھ نکاح کیا ہے، ہاتھ کے ضمان پر نکاح کیا ہے۔ لیکن جب اسی زخم سے اس شخص کا انتقال ہو گیا پتہ چلا یہاں تو ہاتھ کا ضمان آتا ہی نہیں تھا یہاں تو نفس کا ضمان آتا تھا، کس کا؟ نفس کا ضمان۔ تو گویا ایک معدوم شے پر نکاح کیا اور معدوم شے پر نکاح کیا جائے تو وہاں مہرِ مثل آتا ہے۔

اور اگر اس عورت نے غلطی سے ہاتھ کاٹا تھا تو اس صورت میں آتا ہی کیا ہے؟ ہاتھ کا ضمان، اور اسی ہاتھ کے ضمان پر اس مرد نے اس عورت سے نکاح کر لیا تھا، لیکن پھر آگے چل کر پتہ چلا کہ یہاں تو ہاتھ کا ضمان ہے ہی نہیں بلکہ یہاں تو نفس کا ضمان ہے، گویا ایک معدوم شے پر اس نے اس کے ساتھ نکاح کیا تھا، اور معدوم شے کی صورت میں کیا آتا ہے؟

مہرِ مثل۔ تو لہٰذا چاہے یہ جرم عورت نے جان بوجھ کر کیا ہو یا غلطی سے، دونوں صورتوں میں مہرِ مثل اس عورت کو ملے گا۔

پھر یہ دیکھا جائے گا کہ یہ جرم اگر جان بوجھ کر تھا، اگر اس عورت نے جرم جان بوجھ کر کیا تو یہ قَتلِ عَمْد ہوا، اور قَتلِ عَمْد میں قصاص آتا ہے لیکن یہاں شبہ آگیا کیونکہ اس نے اسی ہاتھ پر تو نکاح کر چکا ہے گویا اس کو معاف کر چکا ہے، تو شبہ آیا تو شبہے کی وجہ سے قصاص تو نہیں آئے گا لیکن نفس کی پوری دیت آجائے گی۔ اور یہ جرم چونکہ اس عورت نے جان بوجھ کر کیا ہے تو اسی عورت کو ادا کرنا پڑے گا یہ، کیونکہ عاقلہ پر عَمْدًا جو جرم کیا جائے اس کی دیت عاقلہ پر نہیں آتی، تو وہ اس عورت پر آئے گی۔ تو اس عورت نے کیا کرنا ہے؟ اس کے لیے مہرِ مثل ہے وہ اس نے وارثوں سے وصول کرنا ہے، اور اس عورت نے کامل دیت ان وارثوں کو ادا کرنی ہے، تو دونوں کا ایک دوسرے پر دَین ہو گیا، وارثوں پر دَین ہے مہرِ مثل کا وہ ادا کریں اس عورت کو اور اس عورت پر دَین ہے کہ وہ پوری دیت ادا کرے وارثوں کو، تو لہٰذا یہاں پر مُقَاصَّة ہوگا، ایک دَین کو دوسرے دَین کا بدل قرار دیا جائے گا اور جو کمی بیشی ہوگی اس کا پھر حساب لگا لیا جائے گا۔

اور اگر یہ جرم عورت سے غلطی سے ہوا تھا تو اس صورت میں جو دیت آتی ہے وہ عاقلہ پر آتی ہے، عاقلہ پر، لہٰذا وہ دیت عاقلہ سے وصول کی جائے گی، وارث وصول کریں گے، اور جو مہرِ مثل ہے وہ عورت کا حق ہے وہ عورت کو ملے گا، تو یہاں مُقَاصَّة نہیں ہوگا کیونکہ ایک دَین جو ہے وہ وارثوں پر ہے مہرِ مثل کا اور وہ کس کو دینا ہے؟ عورت کو، اور دوسرا دَین وارثوں کا حق ہے لیکن وہ عورت سے نہیں وصول کرنا بلکہ عاقلہ سے وصول کرنا ہے، تو یہ دَین الگ الگ افراد پر ہیں لہٰذا یہاں مُقَاصَّة نہیں ہوگا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ امام صاحب کے نزدیک ہے جب اس شخص نے نکاح کیا تھا اپنے ہاتھ پر۔

اب دوسری صورت تھی: اگر اس شخص نے اس عورت سے ان الفاظ کے ساتھ نکاح کیا کہ میں تم سے ہاتھ پر اور جو بھی اس ہاتھ کے کٹنے کا جو بھی نتیجہ نکلے اس پر تم سے نکاح کرتا ہوں، یا یہ جو جنایت ہے اس پر تم سے نکاح کرتا ہوں۔ تو اس صورت میں مسئلہ مختلف ہوگا۔ چنانچہ اس نے اسی طرح اس عورت سے نکاح کیا کہ میں تم سے اس ہاتھ پر یا اس کا جو بھی نتیجہ نکلے اس پر نکاح کرتا ہوں، یا یہ جو جنایت ہے اس پر تم سے نکاح کرتا ہوں، اور پھر اس شخص کا انتقال ہو گیا، اس شخص کا انتقال ہو گیا، تو انہوں نے آپ کو بتلایا کہ اگر اس عورت نے جان بوجھ کر ہاتھ کاٹا تھا تو یہ تو قَتلِ عَمْد بن گیا اور قَتلِ عَمْد کی صورت میں کیا آتا ہے؟ قِصَاص۔

اور اس نے کیا کہا تھا؟ میں اس جنایت کے بدلے تم سے نکاح کرتا ہوں، یا یہ جو ہاتھ کاٹا ہے یا جو بھی اس کا نتیجہ نکلا میں اس پر تم سے نکاح کرتا ہوں۔ تو گویا اس نے قصاص پر اس سے نکاح کیا، جب یہ جرم کون سا ہو؟ جان بوجھ کر۔ تو گویا وہ قصاص پر اس عورت سے نکاح کر رہا ہے اور قصاص تو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، لہٰذا گویا ایک معدوم شے پر نکاح ہوا، اور معدوم شے پر جب نکاح ہو تو وہاں مہرِ مثل آتا ہے تو یہاں مہرِ مثل آجائے گا۔ اور اس قتل کی وجہ سے عورت پر

بھی کوئی ضمان وغیرہ نہیں آئے گا، کیونکہ اس قتل کی وجہ سے عورت پر قصاص آرہا تھا اور قصاص تو اس آدمی نے معاف کر دیا۔ کس طرح معاف کیا؟ جب اس عورت سے اس کے بدلے نکاح کیا تو معنیٰ ہی یہ ہے کہ میں تمہیں قصاص کیا کرتا ہوں؟ معاف کرتا ہوں اس کے بدلے میرے ساتھ نکاح کر لو، تو عورت پر کوئی ضمان نہیں۔ تو عمد کی کیا صورت بنی؟ کہ عورت کو مہرِ مثل ملے گا اور عورت پر کوئی ضمان نہیں بھئی۔

اور اگر یہ جرم غلطی سے ہوا ہے، تو اس صورت میں دیت آئے گی قَتْلِ خَطَا کی، اور وہ کس پر آئے گی؟ عاقلہ پر، عاقلہ پر، اور عورت کے لیے مہرِ مثل ہوگا۔ اور وہ مہرِ مثل عاقلہ سے معاف کر دیا جائے گا، ان سے ساقط ہو جائے گا، اور باقی ان کے لیے وصیت شمار ہوگی لہٰذا اس کا اعتبار ثُلُث میں کریں گے۔ اس میں میں نے تفصیل بیان کی تفصیل، کہ یہاں پر بھی عورت کے لیے مہرِ مثل آئے گا۔ مہرِ مثل آئے گا۔ مہرِ مثل کیوں آئے گا؟ میں نے بتلایا کہ انسان جب مَرَضُ الْمَوْت میں ہوتا ہے تو اس کے مال کے ساتھ وارثوں کا حق وابستہ ہو جاتا ہے، تو یہ شخص بھی گویا مَرَضُ الْمَوْت کے اندر اس عورت کے ساتھ نکاح کر رہا ہے اور اس کے اندر اس کے لیے مہر کیا مقرر کر رہا ہے؟ پوری دیت۔ کیونکہ اس نے کیا کہا تھا؟ کہ میں اس جنایت پر تم سے نکاح کرتا ہوں، یا اس ہاتھ کے کٹنے کا جو بھی نتیجہ نکلا میں اس پر تم سے نکاح کرتا ہوں، اور اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ دیت آئی، کس پر؟ قَتْلِ خَطَا ہے نا غلطی سے ہوا ہے جرم، تو دیت آئی کس پر؟ عاقلہ پر، تو نتیجہ دیت نکلا۔ تو گویا وہ کس پر نکاح کیا اس نے؟ دیت پر نکاح کیا ہے۔ توجہ ہے؟ دیت پر نکاح کیا ہے، اور دیت تو مالِ وراثت ہے وہ تو اس کے ساتھ تو وارثوں کا حق وابستہ ہے۔ اور یہ نکاح وہ کب کر رہا ہے؟ مَرَضُ الْمَوْت میں، تو یہاں پر وہ نکاح کر رہا ہے پوری دیت پر، اب پوری دیت تو عورت کو نہیں دیں گے کیونکہ مَرَضُ الْمَوْت ہے، ہاں مہرِ مثل کا پھر اعتبار کریں گے۔ کیونکہ وہ مال ویسے دے رہا ہے یا نکاح کی وجہ سے دے رہا ہے مہر کے طور پر؟ نکاح کی وجہ سے، اور نکاح انسان کی ضروریاتِ اصلیہ میں سے ہے، حاجاتِ اصلیہ میں سے ہے یعنی انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے، بنیادی ضروریات پر تو جتنا بھی مال خرچ ہو جائے وہ خرچ کرنا پڑتا ہے، اس میں ثُلُث وغیرہ کی قید نہیں۔ اور وہ یہاں پر وہ نکاح کتنے پر کر رہا ہے؟ پوری دیت پر، تو دیت کی تو ضرورت نہیں یہاں، ہاں جتنی ضرورت ہے اتنا سارا خرچ کرنا پڑے گا، ضرورت ہے مہرِ مثل کی گویا وہ اس کی حاجتِ اصلی ہے وہ اس شخص کی۔ اس حاجتِ اصلی میں وہ خرچ کر رہا ہے، تو اس عورت کو مہرِ مثل دیں گے پوری دیت نہیں دیں گے، پوری دیت نہیں۔ نکاح تو اس نے پوری دیت پر کیا ہے لیکن پوری دیت کا ہم اعتبار نہیں کریں گے بلکہ ضرورت کتنے کی ہے؟ مہرِ مثل، تو گویا اس نے مہرِ مثل پر نکاح کیا، مہرِ مثل کا اعتبار کر لیں گے۔ اور وہ مہرِ مثل کس کا حق بن گیا؟ عورت کا حق بن گیا۔ لیکن یہ مہرِ مثل عورت کو ملے گا نہیں بلکہ یہ عاقلہ سے ساقط ہو جائے گا، کیا ہو جائے گا؟ عاقلہ جن پر پوری دیت آرہی ہے ان سے یہ مہرِ مثل ساقط ہو جائے گا۔ آپ حیران ہوں گے کہ یہ عاقلہ سے کیوں ساقط ہوگا؟ یہ تو عورت کا حق ہے عورت کو ملنا چاہیے۔ بھئی دیکھیے نا یہاں اس نے نکاح کس پر کیا ہے؟ دیت پر کیا ہے، اور دیت کس

سے لینی ہے؟ عاقلہ سے، اور پھر کس کو گویا دینی ہے؟ عورت کو دینی ہے، اور جرم کس کا ہے؟ عورت کا، اور اس جرم کی وجہ سے عاقلہ پر سو اونٹ آئے اور پھر وہ دیت عاقلہ سے لی جائے اور اس عورت کو دے دی جائے یہ تو بات ہی درست نہیں بنتی۔ لہٰذا وہ مہرِ مثل اب عورت کو نہیں دیں گے بلکہ وہ عاقلہ سے ساقط ہو جائے گا۔

تو عاقلہ سے گویا مہرِ مثل ساقط ہوا۔ اور باقی؟ بھئی اس نے تو نکاح کس پر کیا تھا؟ دیت پر۔ دیت پر نکاح کیا تھا نا؟ اور ہم نے کس کا اعتبار کیا؟ عورت کے لیے ہم نے کس کا اعتبار کیا؟ مہرِ مثل کا، مہرِ مثل کا۔ تو یعنی ابھی اس کے الفاظ لَغْوْ نہیں کیے باقی ہم نے، مہرِ مثل تو اس کی بنیادی ضرورت میں آگیا وہ تو نکاح کے لیے ضروری ہوا اور وہ تو اس عاقلہ سے ساقط ہو گیا، وہ کیا ہوا؟ ساقط۔ اور فرض کرو اگر وہ مہرِ مثل دیت سے کم ہے، مثلاً مہرِ مثل ہے پانچ ہزار درہم اور دیت کتنی تھی؟ دس ہزار درہم، تو دس ہزار میں سے تو پانچ ہزار تو عاقلہ سے ساقط ہو گئے مہرِ مثل کی وجہ سے، اور باقی پانچ ہزار ابھی عاقلہ نے دینے ہیں لیکن اس نے تو نکاح کس پر کیا تھا؟ پوری دیت پر۔ ہم نے کس کا اعتبار کیا؟ مہرِ مثل، تو مہرِ مثل تو لازمی حق تھا عورت کا، اس کے علاوہ بھی اس نے تو ذکر تو اس نے سارے کو کیا ہے۔ اور اب اس سارے میں سے جو باقی ہے اس کے اندر ثُلُث کا اعتبار کریں گے، گویا باقی کی اس نے وصیت کی ہے۔ یہ پانچ ہزار تو اس کی ضرورتِ اصلی میں لگ گئے اس کو وصیت میں نہیں شمار کرنا بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ وصیت میں شمار نہیں، اور اس نے نکاح کس پر کیا؟ پوری دیت پر نکاح کیا ہے، لہٰذا ضرورتِ اصلیہ نکال دو، باقی کا مال گویا وہ اس کو مفت میں دینا چاہ رہا ہے، اس کی وصیت کر دی ہے اس نے۔ جب وصیت کر دی ہے تو اس میں کتنے میں نافذ ہوتی ہے وصیت؟ ثُلُثِ مال میں وصیت نافذ ہوتی ہے، تو وہ وہاں پر پھر ثُلُث کا اعتبار کریں گے، کیا کریں گے؟ ثُلُث کا اعتبار کریں گے، اور یہ جو دیت ہے یہ بھی اس شخص کا مالِ وراثت شمار ہوتا ہے، کیا شمار ہوتا ہے؟ مالِ وراثت۔ تو گویا پانچ ہزار تو عاقلہ سے ساقط ہو گئے، ابھی کتنے ان کی طرف ہیں؟ پانچ ہزار۔ پانچ ہزار ان سے وصول کرنے ہیں اور وہ بھی میت کا ترکہ شمار ہے، باقی کا جو ترکہ ہے وہ اس پانچ ہزار کے ساتھ ملائیں گے اور پھر اس میں سے دیکھیں گے کہ اس میں سے ثُلُث کتنا بنتا ہے۔ پانچ ہزار دیت لینی تو ہے لیکن اس کی اس نے وصیت کر دی ہے کہ یہ ان کو گویا دے دینا، یہ پانچ ہزار درہم ان کو دے دینا۔ اور یہ پانچ ہزار تو ہم نہیں دیں گے کیونکہ یہ وصیت ہے اور وصیت کتنے مال میں نافذ ہوتی ہے؟ ثُلُثِ مال میں، تو اگر ثُلُث میں سے یہ پانچ ہزار نکلے تو یہ سارے ان کو معاف ہو جائیں گے، پانچ ہزار مہرِ مثل کی وجہ سے معاف ہو جائیں گے اور پانچ ہزار ثُلُث میں سے نکلنے کی وجہ سے معاف ہو جائیں گے۔ اور اگر ثُلُث میں سے یہ پانچ ہزار نہ نکلے تو جتنے ثُلُث بنتا ہوگا اتنا معاف ہو جائیں گے، لیکن یہ والے پانچ ہزار بھی ساتھ ملانے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

مثلاً اس کا ترکہ پہلے کہ اس کے پاس کتنا ہے؟ مثلاً دس ہزار درہم اس کا اپنا ترکہ بھی ہے اپنا مال بھی ہے، اور یہ دیت والے پانچ ہزار باقی ہیں یہ بھی اس کے ساتھ ملا دیے، کتنے ہو گئے؟ پندرہ ہزار، گویا اس کا کل مال ہے پندرہ ہزار، اور پندرہ ہزار

کا ثُلث کتنا؟ پانچ ہزار، تو پانچ ہزار جو عاقلہ پر آرہے ہیں جو اس نے وصیت کی ہے وہ اس میں سے نکل رہے ہیں تو عاقلہ سے پوری دیت گویا ساقط ہو جائے گی۔ پانچ ہزار مہرِ مثل کی وجہ سے ساقط ہوئے اور پانچ ہزار وصیت کی وجہ سے ساقط ہوئے۔ اور اگر اس کا مال کم تھا اس میں سے یہ جو اس نے وصیت کی ہے پانچ ہزار کی یہ پورے نہیں ہوتے، تو جتنا ثُلث بنتا ہے اتنے معاف کر دیے جائیں گے عاقلہ سے۔ مثلاً عاقلہ پر کتنے باقی ہیں ابھی انہوں نے کتنی ادائیگی کرنی ہے؟ پانچ ہزار، اور اس کا باقی کا کل مال مثلاً چار ہزار درہم اور ہے، اس آدمی کا باقی مال کتنا ہے؟ چار ہزار، اور وہ پانچ ہزار جو عاقلہ نے دینے ہیں دیت کی وجہ سے وہ بھی ترکہ شمار ہوتا ہے، تو وہ پانچ اور چار کتنے ہو گئے؟ نو ہزار، تو کل اس کا ترکہ ہے گویا نو ہزار اور اس نے عاقلہ کے لیے وصیت کتنے کی کر دی ہے؟ پانچ ہزار کی، کیونکہ کل دیت پر نکاح کیا تھا نا، تو گویا اس نے ان کے لیے پانچ ہزار کی وصیت کر دی ہے، اور وصیت تو ثُلث میں نافذ ہوتی ہے اور اس کا کل مال کتنا ہے؟ نو ہزار، تو نو کا ثُلث کتنا؟ تین ہزار، تو تین ہزار میں یہ وصیت معتبر ہوگی، عاقلہ سے مزید تین ہزار ساقط ہو جائیں گے اور دو ہزار جو ہیں وہ ان کو وارثوں کو دینے پڑیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

پھر اس میں انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تفصیل بیان کی تھی مہرِ مثل کتنا ہوگا، تھوڑا ہوگا یا زیادہ ہوگا۔ ہم نے کس کا اعتبار کیا؟ عورت کے ساتھ اس نے خطا کی صورت میں دیت پر نکاح کر لیا ہے تو ہم نے دیت کا اعتبار نہیں کیا بلکہ مہرِ مثل کا۔ اب یاد رکھو یہ مہرِ مثل اس دیت کے برابر بھی ہو سکتا ہے، اس سے زیادہ بھی ہو سکتا ہے، اس سے کم بھی ہو سکتا ہے۔ اگر مہرِ مثل اس دیت کے برابر ہوا تو انہوں نے آپ کو بتلا دیا عاقلہ سے مہرِ مثل کیا ہو جاتا ہے؟ ساقط، لہٰذا پوری دیت ہی ساقط ہو جائے گی کیونکہ مہرِ مثل بھی دس ہزار ہے اور دیت بھی دس ہزار۔ اور اگر مہرِ مثل زیادہ ہوا مثلاً پندرہ ہزار ہے اور دیت ہے دس ہزار، عورت کا مہر دس ہزار پھر شمار کریں گے پندرہ ہزار اب نہیں شمار کریں گے۔ توجہ ہے؟ عورت کا مہرِ مثل ہے پندرہ ہزار اور دیت کتنی ہے؟ دس ہزار، تو اب مہر بھی دس ہزار شمار کریں گے پورا کا پورا اب مہرِ مثل شمار نہیں کریں گے۔ کیوں؟ کہ بھئی ہم تو شمار کرنا چاہتے ہیں، پورا شمار کرنا چاہتے ہیں لیکن عورت نے نکاح کس پر کیا ہے؟ دیت پر، اور دیت تو ہے دس ہزار اور مہر کتنا ہے اس کا؟ پندرہ، گویا دس سے جو زائد ہے وہ خود ہی ساقط کرنے پر راضی ہو گئی کہ میرا مہر تو پندرہ ہزار بنتا ہے لیکن میں تم سے کتنے پر راضی ہوں نکاح کرنے پر؟ دس میں، تو گویا عورت کا مہر بھی دس ہزار اور عاقلہ پر جو دیت آئی وہ بھی کتنی؟ دس ہزار، اور انہوں نے آپ کو بتلایا کہ عاقلہ پر سے وہ مہر ساقط ہو جائے گا تو لہٰذا عاقلہ پر کچھ بھی نہیں آئے گا۔

اور تیسری صورت یہ کہ وہ مہرِ مثل وہ دیت سے کم ہو، وہ دیت سے کم ہو۔ مثلاً مہرِ مثل کتنا؟ پانچ ہزار، اور دیت کتنی؟ دس ہزار، تو وہ جو عاقلہ پر دیت آئی اس میں سے مہرِ مثل یعنی پانچ ہزار تو ساقط ہو جائیں گے اور باقی پانچ ہزار ان کے لیے وصیت شمار ہوگی، اور اس کے اندر وہی حساب کر لیں گے کہ ثُلث میں سے جتنا حصہ بنتا ہے وہ ان پر سے ساقط ہو جائے

گا، تفصیل میں نے بیان کر دی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اور پھر یہاں پر میں نے ایک اشکال بھی ذکر کیا اور اس کا جواب۔ اشکال یہ ہوتا ہے کہ پچھلے مسئلے میں جب اس نے صرف نِکَاحٌ عَلَى الْيَدِ کیا تھا، کس پر؟ نِکَاحٌ عَلَى الْيَدِ، وہاں آپ نے کہا تھا خطا کی صورت میں، ذہن میں ہے؟ نِکَاحٌ عَلَى الْيَدِ کیا اور غلطی سے جرم کیا تھا، تو دیت کس پر آئے گی؟ عاقلہ پر، اور مہرِ مثل کس کو ملے گا؟ عورت کو، وہاں آپ نے یہ نہیں کہا کہ عاقلہ سے مہرِ مثل ساقط ہوگا۔ عاقلہ کو پوری دیت دینا پڑے گی اور عورت کو بھی پورا مہرِ مثل ملے گا، وہاں آپ نے نہیں کہا کہ عاقلہ سے مہرِ مثل معاف ہو جائے گا۔ فرق کیا ہے ان دونوں میں؟ میں نے بتلایا تھا کہ فرق یہ کہ وہاں عورت نے نکاح کیا ہے ہاتھ کی دیت پر، کس پر؟ ہاتھ کی دیت پر نکاح کیا اور ہاتھ کی دیت تو تھی ہی نہیں، ایک معدوم چیز پر نکاح کیا اور معدوم چیز کی صورت میں کیا آتا ہے؟ مہرِ مثل، اس لیے عورت کو مہرِ مثل ملا یوں سمجھیں گے نکاح میں کچھ ذکر ہی نہیں تھا اس لیے اس کو مہرِ مثل دو، اور اس سے چونکہ غلطی ہوئی ہے تو لہٰذا دیت کس سے لے لو؟ عاقلہ سے۔ لیکن یہاں پر وہ عورت نکاح ہی دیت پر کر رہی ہے، کس پر؟ وہاں دیت پر نکاح نہیں تھا یہاں دیت پر ہی نکاح ہے، تو اگر اس کو اس کے اصل پر رکھا جائے تو معنیٰ یہ ہو جائے گا کہ دیت کس سے لینی ہے؟ عاقلہ سے کیونکہ قَتْلِ خَطَا ہے، اور کس کو دے دینی ہے؟ عورت کو دے دینی ہے! بھئی یہ کوئی بات ہے؟ جرم بھی عورت نے کیا ہے، جرم کی وجہ سے عاقلہ سے سو اونٹ لیں اور کس کو ادا کر دیں؟ عورت کو ادا کر دیں! یہ تو بات ہی نہیں بنتی۔ چونکہ یہاں پر نکاح اسی دیت پر ہوا ہے جو عاقلہ سے وصول کرنی ہے، وہاں اس دیت پر نکاح نہیں ہوا تھا۔ تو یہاں پر اسی دیت پر نکاح ہوا ہے، تو لہٰذا یہاں پر وہ مہرِ مثل عورت کو نہیں دیں گے بلکہ وہ عاقلہ سے ساقط ہو جائے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

امام صاحب کے نزدیک نِکَاحٌ عَلَى الْيَدِ کی اور صورت ہے اور نِکَاحٌ عَلَى الْجِنَايَةِ کی اور صورت ہے، جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں میں ایک ہی صورت ہے، ایک ہی مسئلہ جاری ہوگا۔ نِکَاحٌ عَلَى الْيَدِ ہو یا نِکَاحٌ عَلَى الْجِنَايَةِ ہو، دونوں میں مسئلہ اسی طرح ہوگا جس طرح نِکَاحٌ عَلَى الْجِنَايَةِ میں تھا۔ یعنی نِکَاحٌ عَلَى الْيَدِ بھی، اس میں بھی مسئلہ کس کی طرح ہوگا؟ نِکَاحٌ عَلَى الْجِنَايَةِ جیسا ہی مسئلہ جاری ہوگا، لیکن امام صاحب نے فرق کیا کہ نہیں وہاں فرق ہوگا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اچھی طرح حل ہو گیا؟

آگے دیکھیے بھئی: فَإِنْ مَاتَ الْمُقْتَصُّ لَهُ بِقَطْعٍ قُتِلَ الْمُقْتَصُّ مِنْهُ صورتِ مسئلہ یہ کہ زید نے عَمرو کا ہاتھ کاٹ دیا جان بوجھ کر، تو زید ہوا جنایت کرنے والا اور کس کا ہاتھ کاٹا؟ عَمرو کا۔ پھر اس عَمرو نے عَمرو قاضی کے پاس چلا گیا اور قاضی نے زید کے بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا قصاص میں۔ تو چنانچہ قصاص کے اندر زید کا بھی ہاتھ کاٹ دیا گیا، لیکن چند دن کے بعد وہ جو عَمرو جس کے لیے قصاص لِ...

لیا گیا تھا۔ وہ جو مظلوم تھا جس بیچارے کا ہاتھ کاٹا تھا زید نے، اس شخص کا چند دنوں بعد انتقال ہو گیا۔ تو اب کیا کیا

جائے گا بھئی؟ کیا اب زید سے قصاص لیا جائے گا؟ زید نے ہاتھ کاٹا تھا اور جان بوجھ کر کاٹا تھا اور ہم سمجھ رہے تھے کہ یہ تو قَطْعِ یَدْ ہے، چنانچہ بدلے میں قصاص میں زید کا بھی ہاتھ کاٹ دیا گیا، لیکن چند دنوں بعد اسی زخم کی وجہ سے عَمرو کا انتقال ہو گیا۔ معلوم ہوا یہ تو قَطْعِ یَدْ تھا ہی نہیں، یہ تو قَتْل تھا۔ ہم نے تو قَطْعِ یَدْ کا قصاص لیا ہے زید سے لیکن اس زخم نے تو موت تک پہنچا دیا اور جرم جان بوجھ کر تھا تو یہ تو قَتْلِ عَمْد ہوا اور قَتْلِ عَمْد میں تو قصاص آتا ہے۔ تو کیا زید جس سے ایک دفعہ ہاتھ کا قصاص لیا جا چکا ہے کیا اب اس کو اس قصاص میں قتل کیا جائے گا؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ ہاں اس کو قتل کیا جائے گا بھئی۔ جبکہ آگے آپ کو بتلائیں گے امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے اب قصاص نہیں لیا جائے گا، کیونکہ اس نے عَمرو کا ہاتھ کاٹا تھا جب عَمرو نے ایک دفعہ زید سے قصاص لے لیا تو گویا زائد جرم کو اس نے معاف کر دیا، اس کے علاوہ چیز کو اس نے معاف کر دیا تو لہٰذا نفس کا قصاص اب زید سے نہیں لیا جائے گا، یہ امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ لیکن امام صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں ہم نے جو قصاص لیا تھا وہ تو ہاتھ کا تھا لیکن بعد میں پتہ چلا کہ یہاں تو ہاتھ کا قصاص نہیں آتا بلکہ جان کا قصاص آتا ہے لہٰذا زید کو بھی اب قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

تو ہاتھ کس نے کاٹا تھا؟ زید نے، اور کس کا کاٹا؟ عَمرو کا، اور پھر عَمرو کی وجہ سے قصاص لیا گیا کس سے؟ زید سے، تو عَمرو ہوا مُقْتَصٌّ لَهُ، قصاص سے فعل کیا ہے؟ مُقْتَصٌّ لَهُ یعنی جس کے لیے قصاص لیا گیا، تو قصاص کس کے لیے لیا گیا؟ عَمرو کے لیے لیا گیا۔ اور کس سے لیا گیا؟ زید سے، تو زید ہوا مُقْتَصٌّ مِنْهُ، مُقْتَصٌّ قصاص لیا گیا مِنْهُ اس سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مُقْتَصٌّ مِنْهُ جس سے قصاص لیا گیا۔

تو مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ مُقْتَصٌّ لَهُ کے لیے اگر ایک دفعہ قصاص لے لیا جائے ہاتھ کا اور پھر مُقْتَصٌّ لَهُ کا انتقال ہو جائے، تو پھر نفس کا قصاص بھی مُقْتَصٌّ مِنْهُ سے لیا جائے گا۔ دیکھیے بھئی کتاب پر:

فَإِنْ مَاتَ الْمُقْتَصُّ لَهُ بِقَطْعٍ قُتِلَ الْمُقْتَصُّ مِنْهُ پس اگر مر گیا وہ شخص کہ مُقْتَصٌّ لَهُ بِقَطْعٍ کہ جس کے لیے قصاص لیا گیا تھا بِقَطْعِ قَطْعِ یَدْ کی وجہ سے، قَطْع کی وجہ سے جس کے لیے قصاص لیا گیا تھا اگر وہ مر گیا، تو قُتِلَ الْمُقْتَصُّ مِنْهُ تو مُقْتَصٌّ مِنْهُ کو قتل کیا جائے گا قصاص کے اندر بھئی۔

أَيْ مَنْ قُطِعَ يَدُهُ فَاقْتُصَّ لَهُ مِنَ الْيَدِ ثُمَّ مَاتَ یعنی کہ وہ شخص جس کے ہاتھ کو کاٹا گیا فَاقْتُصَّ لَهُ مِنَ الْيَدِ تو پھر اس کے لیے قصاص لے لیا گیا مِنَ الْيَدِ ہاتھ کی وجہ سے، ثُمَّ مَاتَ پھر وہ مُقْتَصٌّ لَهُ مر گیا، فَإِنَّهُ يُقْتَلُ الْمُقْتَصُّ مِنْهُ تو کہتے ہیں مُقْتَصٌّ مِنْهُ کو قتل کیا جائے گا نفس کے قصاص میں، وہ ہاتھ کا قصاص کافی نہیں۔

وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ لَا يُقْتَلُ جبکہ امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسے قتل نہیں کیا جائے گا، لِأَنَّهُ لَمَّا أَقْدَمَ عَلَى الْقَطْعِ قِصَاصًا أَبْرَأَ عَمَّا وَرَاءَهُ اس لیے کیونکہ جب مُقْتَصٌّ لَهُ نے پیش قدمی کی، أَقْدَمَ عَلَى الْقَطْعِ اس نے پیش

قدمی کی ہاتھ کاٹنے پر یعنی اس کا ہاتھ کٹوا دیا مجرم کا ہاتھ کٹوا دیا قِصَاصًا بطورِ قصاص کے، تو أَبْرَأَهُ عَمَّا وَرَاءَهُ تو اس نے اس کو بری کر دیا معاف کر دیا عَمَّا وَرَاءَهُ اس کے علاوہ سے، اس کے علاوہ سے اس نے معاف کر دیا لہٰذا اب اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

قُلْنَا ہم کہتے ہیں اِسْتِيفَاءُ الْقَطْعِ لَا يُوجِبُ سُقُوطَ الْقَوَدِ کہ قَطْع کو وصول کر لینا یعنی قَطْع کے قصاص کو، قَطْعِ عُضْو کے قصاص کو وصول کر لینا لَا يُوجِبُ سُقُوطَ الْقَوَدِ أَيْ لَا يُثْبِتُ سُقُوطَ الْقَوَدِیہ قصاص کے سقوط کو ثابت نہیں کرتا، اس کی وجہ سے قصاص ساقط نہیں ہوتا۔ ہم کیا کہتے ہیں کہ اِسْتِيفَاءُ الْقَطْعِ لَا يُوجِبُ سُقُوطَ الْقَوَدِ کہ قَطْع کو وصول کر لینا یہ قصاص کے ساقط ہونے کو ثابت نہیں کرتا، اس سے قصاص کا سقوط نہیں ہوگا۔

كَمَنْ لَهُ الْقَوَدُ یہ ایسے ہی ہے جیسے وہ شخص جس کے لیے قصاص تھا، كَمَنْ لَهُ الْقَوَدُ وہ شخص جس کے لیے قصاص تھا إِذَا قَطَعَ يَدَ مَنْ عَلَيْهِ الْقَوَدُ جب اس نے ہاتھ کاٹ دیا اس شخص کا جس پر قصاص تھا، جس پر قصاص تھا۔ كَمَنْ لَهُ الْقَوَدُ إِذَا قَطَعَ يَدَ مَنْ عَلَيْهِ الْقَوَدُ جیسے وہ شخص جس کے لیے قصاص تھا إِذَا قَطَعَ جب اس نے کاٹ دیا يَدَ مَنْ عَلَيْهِ الْقَوَدُ اس شخص کے ہاتھ کو جس پر قصاص تھا۔

صورتِ مسئلہ یہ بھئی: ایک شخص نے دوسرے شخص کو جان بوجھ کر قتل کر دیا، اب اس شخص کو بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا، توجہ ہے؟ اس شخص کو بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ تو وہ جو مقتول کا ولی ہے، وہ جو مقتول کا ولی، دیکھو قصاص اس کا حق ہے، قصاص لینا اس کا حق ہے، وہ جو مقتول کا ولی ہے اس نے اس مجرم کا ہاتھ کاٹ دیا۔ تو کیا اس ہاتھ کاٹنے کی وجہ سے اس مجرم سے قصاصِ فی النَّفْس ساقط ہو جائے گا؟ تو بالاتفاق بھئی اس صورت میں اس سے قصاصِ فی النَّفْس ساقط نہیں ہوگا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ کیا صورت تھی؟ ایک شخص نے دوسرے شخص کو قتل کر دیا تو مجرم پر قصاص آیا، اب وہ جو مقتول کا ولی ہے اس نے اس مجرم سے قصاص لینا ہے لیکن قصاص لینے سے پہلے ہی اس نے کیا کیا؟ مجرم کا ہاتھ کاٹ دیا، تو مجرم کا ہاتھ کاٹنے سے کیا قصاص ساقط ہو جائے گا؟ تو بالاتفاق اس صورت میں قصاص ساقط نہیں ہوگا۔

تو امام صاحب کی طرف سے صاحبِ کتاب جواب دے رہے ہیں امام ابویوسف رحمہ اللہ کو۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ کیا فرماتے تھے؟ کہ وہ شخص جس کا ہاتھ کاٹا گیا اس کے ہاتھ کٹنے کی وجہ سے دوسرے سے قصاص لے لیا گیا، دوسرے کا بھی ہاتھ کاٹ دیا گیا، پھر جس نے قصاص لے لیا تھا اس کا اسی زخم سے آگے انتقال ہوا، تو پتہ چلا کہ قصاص تو ہم نے ہاتھ کا لیا تھا حالانکہ یہاں تو قصاص کس کا آتا تھا؟ نفس کا اور قتل کا قصاص آتا تھا۔ تو اس صورت میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ قتل کا قصاص لیا جائے گا اس مجرم کو بھی قتل کیا جائے گا، جبکہ امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں مجرم کو قتل نہیں کریں گے، جب مظلوم شخص نے دوسرے کا ہاتھ کٹوا دیا تو گویا زائد کو اس نے خود ہی معاف کر دیا، زائد کو خود ہی معاف کر دیا۔ تو امام صاحب کی طرف سے جواب دے رہے ہیں صاحبِ کتاب کہ نہیں ہاتھ کاٹ دینے سے نفس

کا قصاص ساقط نہیں ہوگا، یہ اسی طرح ہے جیسے ولیِ مقتول اگر مجرم کا ہاتھ کاٹ دے، وہ مجرم جس پر قصاصِ نفس تھا، کیا تھا؟ قصاصِ نفس تھا، اب وہ جو مقتول کا ولی ہے اس نے اس مجرم کا ہاتھ کاٹ دیا، تو بالاتفاق ہاتھ کاٹنے کی وجہ سے قصاصِ نفس اس سے ساقط نہیں ہوگا۔ تو جیسے یہاں قصاصِ نفس ساقط نہیں ہوتا تو وہ جو متن کے اندر مسئلہ ذکر ہوا اس کے اندر بھی قصاصِ فی الْیَد سے قصاصِ فی النَّفْس ساقط نہیں ہوگا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنیٰ ہے: كَمَنْ لَهُ الْقَوَدُ جیسے کہ وہ شخص جس کے لیے قصاص تھا یعنی جس کا قصاص حق تھا، إِذَا قَطَعَ جب اس نے کاٹ دیا يَدَ مَنْ عَلَيْهِ الْقَوَدُ اس شخص کے ہاتھ کو جس پر قصاص تھا، قصاصِ فی النَّفْس تھا، تو ہاتھ کاٹنے سے قصاصِ فی النَّفْس ساقط نہیں ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: وَضَمِنَ دِيَةَ النَّفْسِ مَنْ قَطَعَ قَوَدًا فَسَرَىٰ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے دوسرے شخص کا ہاتھ جان بوجھ کر کاٹ دیا، تو مجرم پر بھی قصاصِ فی الْیَد آیا، اس کے ہاتھ کو بھی کاٹا جائے گا۔ تو قاضی کے پاس جانے سے پہلے ہی وہ جو شخص جس کا ہاتھ کٹا تھا اس نے اس مجرم کا ہاتھ بھی خود ہی کاٹ دیا، اس نے مجرم کا ہاتھ خود ہی کاٹ دیا۔ اور پھر یہ جو مجرم، یہ موت تک پہنچ گیا اس کو جو ہاتھ کٹا زخم لگا، تو وہ جو مظلوم تھا جس کا ہاتھ پہلے کٹا تھا وہ تو بچ گیا وہ تو نہیں مرا، لیکن یہ جو مجرم جس سے اس نے قصاص لے لیا یہ مجرم مر گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اس صورت میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ شخص جس نے قصاص میں دوسرے کا ہاتھ کاٹا ہے اس پر نفس کی دیت آئے گی، اس پر کیا آئے گی؟ نفس کی دیت آئے گی بھئی، یعنی اس کو اس کی وجہ سے اس مجرم کی جان چلی گئی، حالانکہ اس کا حق تو کتنا تھا کہ صرف اس کا ہاتھ کاٹے لیکن اس کے قصاص کی وجہ سے اس کی جان چلی گئی لہٰذا اس کو پورے نفس کی دیت دینا پڑے گی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں: وَضَمِنَ دِيَةَ النَّفْسِ اور نفس کی دیت کا ضامن ہوگا مَنْ وہ شخص قَطَعَ قَوَدًا جس نے ہاتھ کاٹا قَوَدًا بطورِ قصاص کے، اس نے ہاتھ دوسرے کا کاٹا ہے بطورِ قصاص کے، فَسَرَىٰ پھر وہ قَطْع سرایت کر گیا اور جان لیوا بنا اور مجرم مر گیا اس سے۔

أَيْ مَنْ لَهُ الْقِصَاصُ فِي الطَّرَفِ یعنی وہ شخص جس کے لیے قصاصِ فی الطَّرَف تھا، عضو کے اندر جس کے لیے قصاص تھا یعنی جس کا حق تھا، فَاسْتَوْفَاهُ اس نے اس حق کو وصول کر لیا، فَسَرَىٰ إِلَى النَّفْسِ تو وہ ہاتھ کا کاٹنا سرایت کر گیا یعنی موت تک وہ لے گیا، يَضْمَنُ دِيَةَ النَّفْسِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تو اس صورت میں وہ نفس کی دیت کا ضامن ہوگا امام صاحب کے نزدیک، لِأَنَّ حَقَّهُ فِي الْقَطْعِ وَقَدْ قَتَلَ اس لیے کیونکہ اس کا حق تو صرف ہاتھ کاٹنے میں تھا، وَقَدْ قَتَلَ اور اس نے تو قتل کر دیا دوسرے کو۔

وَعِنْدَهُمَا لَا يَضْمَنُ شَيْئًا اور صاحبین کے نزدیک لَا يَضْمَنُ شَيْئًا یہ ہاتھ کاٹنے والا بطورِ قصاص کے یہ ضامن نہیں ہوگا کسی بھی چیز کا، لِأَنَّهُ اسْتَوْفَىٰ حَقَّهُ وَهُوَ الْقَطْعُ اس لیے کیونکہ اس نے تو صرف اپنا حق وصول کیا وَهُوَ الْقَطْعُ اور وہ اس

ہاتھ کا کاٹنا تھا، وَلَا يُمْكِنُهُ التَّقْيِيدُ بِوَصْفِ السَّلَامَةِ اور اس کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ مقید کر دے اپنے اس وصولی کو سلامتی کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ سلامتی کے ساتھ۔

بھئی دیکھو یہ جو مظلوم شخص جس کا ہاتھ کٹا ہے وہ دوسرے سے بدلے میں ہاتھ کاٹ رہا ہے، وہ تو اپنا قصاص وصول کر رہا ہے، وہ تو اپنا حق وصول کر رہا ہے، اور یہ حق وصول کرنے والے کے لیے ممکن نہیں ہے کہ ایسے طریقے سے ہاتھ کاٹے جس میں اس کی جان نہ جائے، یہ اس کے اختیار میں ہی نہیں، اس کی قدرت میں ہی نہیں ہے بھئی، کیونکہ ہاتھ کاٹنے سے تو... آج کل تو خیر جدید علاج آ گئے جدید طریقے آ گئے لیکن پہلے تو ایسے طریقے نہیں تھے بھئی، تو اس کے اختیار میں ہی نہیں ہے کہ وہ کیا کرے اس جس سے حق وصول کر رہا ہے یعنی جس کا ہاتھ کاٹ رہا ہے اس کی سلامتی بھی برقرار رکھے کہ وہ سلامت رہے موت تک نہ پہنچے بھئی۔

یہ معنیٰ ہے پھر دیکھیے: لِأَنَّهُ اسْتَوْفَى حَقَّهُ وَهُوَ الْقَطْعُ اس لیے کیونکہ اس شخص نے تو اپنا حق وصول کیا ہے وَهُوَ الْقَطْعُ اور وہ قَطْع ہے، وَلَا يُمْكِنُهُ التَّقْيِيدُ بِوَصْفِ السَّلَامَةِ اور اس کے لیے ممکن نہیں ہے کہ اس وصولی کو مقید کر دے سلامتی کے وصف کے ساتھ کہ اس وصولیِ حق میں دوسرا سلامت رہے گا مرے گا نہیں، یہ اس کے اختیار میں نہیں ہے، لِمَا فِيهِ مِنْ سَدِّ بَابِ الْقِصَاصِ اس لیے کیونکہ اس کے اندر تو قصاص کا دروازہ ہی بند کرنا ہے! اگر ہم یہ قید لگا دیں کہ کوئی شخص بھی قصاص جب بھی لے گا ضروری ہے کہ قصاص سے زیادہ نقصان دوسرے کو نہیں پہنچنا چاہیے، یعنی ہاتھ کاٹے تو موت تک نہیں جانا چاہیے، پاؤں کاٹے تو موت تک نہیں جانا چاہیے دوسرے کو، پھر تو قصاص کا دروازہ ہی بند ہو گیا، یہ تو کسی کے اختیار میں ہی نہیں ہے کہ ایسے طریقے سے قصاص لے کہ جس میں اس کی سلامتی یقینی ہو، تو صاحبین فرماتے ہیں لہٰذا اس پر ضمان نہیں۔

یہ معنیٰ ہے: لِمَا فِيهِ مِنْ سَدِّ بَابِ الْقِصَاصِ اس لیے کیونکہ اس کے اندر تو قصاص کا دروازہ ہی بند کرنا ہے، پھر تو کوئی کسی سے قصاص لے ہی نہیں سکے گا بھئی اگر آپ قید لگا دیں گے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ وَالْإِحْتِرَازُ عَنِ السِّرَايَةِ لَيْسَ فِي وُسْعِهِ اور بچنا اس سرایت سے یعنی اس زخم کے جان لیوا ہونے سے بچنا لَيْسَ فِي وُسْعِهِ یہ تو اس شخص کی قدرت میں نہیں ہے، یہ تو اس کے اختیار میں نہیں۔

جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں اس میں دِيَتِ نَفْس آئے گی بھئی، دِيَتِ نَفْس آئے گی۔ اور صاحبین کا اشکال واقعی قوی ہے کہ اگر اس کو وصفِ سلامتی کے ساتھ مقید کر دیں پھر تو کوئی کسی سے قصاص اعضاء میں لے ہی نہیں سکے گا بھئی، کیونکہ ہر عضو کاٹتے وقت کس چیز کا خطرہ ہے؟ جان کا خطرہ ہے، خصوصاً ہاتھ کاٹا بھئی اور یا پاؤں کاٹ رہا ہے، تو پھر تو جان جانے کا خطرہ ہے۔ امام صاحب کی طرف سے جواب یہ ہے بھئی، امام صاحب کی طرف سے جواب یہ کہ بھئی دیکھیے یہ جو قصاص ہے نا قصاص یہ کوئی واجب اور لازم نہیں ہے، یہ اس شخص پر شریعت نے کوئی لازم نہیں کیا کہ وہ قصاص لے۔

توجہ ہے؟ جس شخص کا حق ہے قصاص لینا اس پر شریعت نے لازم نہیں کیا کہ تم ہر حال میں تمہیں قصاص لینا پڑے گا، یہ شریعت...

نے لازم نہیں کیا۔ یہ تو شریعت نے اس کو اختیار دیا ہے، تم قصاص لینا چاہو قصاص لے لو، تم معاف کرنا چاہو معاف کر دو، تم مال لینا چاہو مال لے لو، صلح کر لو جس طرح تمہیں بہتر لگے بھئی۔ تو شریعت نے اس کو اختیار دے دیا، تو گویا قصاص لینا اس کے لیے مُبَاحْ ہوا، کیا ہوا؟ مُبَاحْ ہو گیا جائز ہو گیا کہ چونکہ اس کا بھی عضو اس نے ضائع کیا تھا لہٰذا اس کے لیے جائز ہے مباح ہے کہ وہ بھی کیا کرے؟ اس کا عضو اسی طرح تلف کرے، اس کو کاٹ دے الگ کر دے، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ بلکہ شریعت نے تو اس کو ترغیب دی ہے کہ معاف کرو۔ شریعت نے اس پر قصاص کو واجب نہیں کیا بلکہ شریعت نے تو کس چیز کی ترغیب دی ہے؟ کہ معاف کر دو اللہ بہت عظیم اجر نصیب فرمائیں گے آپ کو بھئی، معاف کرنے والے اللہ کو پسند ہیں بھئی۔ تو شریعت نے اس پر اس قصاص کو لازم نہیں کیا بلکہ شریعت نے تو اس کو معاف کرنے کی ترغیب دی ہے، لہٰذا قصاص کس کے درجے میں ہو گیا؟ ایک مباح فعل کے، کس کے؟ مباح فعل۔ ویسے تو کسی کا ہاتھ کاٹنا جائز نہیں لیکن اب اس کے لیے جائز ہو گیا اس مجرم کا بھی ہاتھ کاٹ دے کیونکہ اس نے اس کا ہاتھ کاٹا تھا، بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ اس کے لیے مباح فعل جیسا ہوا قصاص، اور مباح فعل کی اجازت شریعت کی طرف سے وہ اسی وقت ہوتی ہے جب وہ سلامتی کے ساتھ مقید ہو، کس کے ساتھ؟ سلامتی کے۔ جیسے دیکھو شکار کھیلنا، شریعت نے آپ کو اختیار دیا ہے، اجازت دی ہے مباح ہے، آپ شکار کھیلنا چاہیں شکار کر سکتے ہیں آپ جا سکتے ہیں بھئی، لیکن اس میں اس کو مقید کیا کہ کس طریقے سے شکار ہو؟ کسی کو نقصان نہ ہو، چنانچہ اسی لیے آپ دیکھتے ہیں شکار کھیلتے ہوئے اگر بے احتیاطی ہوئی کسی دوسرے کو تیر جا لگا، تو وہاں ضمان وغیرہ آتا ہے بھئی، پڑھا ہے یا نہیں آپ نے؟ معلوم ہوا جب مباح فعل ہو تو مباح فعل کے اندر ضروری ہے کہ کسی کو نقصان نہ پہنچے وہ سلامتی کے ساتھ مقید ہو، تو لہٰذا یہاں پر قصاص بھی کیا ہے؟ ایک مباح فعل ہوا، اور مباح فعل میں ضروری ہے کہ وہ وصفِ سلامتی کے ساتھ مقید ہو، اور چونکہ یہاں تو مجرم کی جان چلی گئی لہٰذا اب اس کو نفس کی دیت دینا پڑے گی۔

آگے دیکھیے بھئی: وَأَرْشُ الْيَدِ مِنْ قَطْعِ يَدِ مَنْ لَهُ عَلَيْهِ قَوَدُ نَفْسٍ فَعَفَا عَنْهُ صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو قتل کر دیا، تو اب وہ جو مقتول ہے اس کے ولی کے لیے قصاص، اس کا قصاص لینا اس کا حق بن گیا۔ ولیِ مقتول کا حق کیا بن گیا کہ وہ قصاص لے، اور قصاص میں اس مجرم کو بھی قتل کر دے۔ اس مقتول کے ولی نے مجرم کو قتل کرنے کے بجائے اس کا ہاتھ کاٹ دیا، اور پھر اس کو باقی معاف کر دیا۔ ہاتھ کاٹا اور معاف کر دیا۔ قصاص، وہ اس کا حق کیا تھا؟ قصاصِ فی النَّفس، اور اس نے وصول کیا کیا؟ قَطْعِ يَدْ یعنی قصاصِ فی الْيَد اس نے وصول کر لیا، اور باقی کو اس نے معاف پھر کر دیا بعد میں، کہ چلو باقی جرم تمہیں معاف کر دیا میں تمہاری جان نہیں لیتا۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس ولیِ مقتول

کا حق تو قصاصِ فی النَّفس تھا، قصاصِ فی الْیَد تو اس کا حق ہی نہیں تھا اور اس نے وہ چیز وصول کی جو اس کا حق نہیں تھا، لہٰذا اس پر یَدْ کی دیت آئے گی، اس پر یَدْ کی یعنی ہاتھ کی دیت آجائے گی پچاس اونٹ اس کو دینے پڑیں گے۔ بات سمجھ میں آئی؟ یہ کون فرماتے ہیں؟ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس پر کچھ بھی نہیں ہے، کیوں؟ کیونکہ اس کا حق تھا مجرم کی جان لے لے، قصاص کے اندر اس کو قتل کر دے تو اس کی جان۔ اس کا حق تھا کہ مجرم کو قتل کر دے اور مجرم جب قتل ہوتا تو قتل میں اس کا اس کے سارے اعضاء ختم ہو جاتے اس کا ہاتھ بھی ختم ہو جاتا، تو گویا دوسرے لفظوں میں اس کو اختیار تھا اس کے ہاتھ کو بھی تلف کرنے کا۔ پورے جب پورے نفس کو تلف کرے گا تو اسی کے اندر ہاتھ کا تلف بھی آگیا، تو جب اس کو پورے نفس کو تلف کرنے اور ہلاک کرنے کا اختیار تھا تو ہاتھ کے تلف کرنے کا بھی اس میں اختیار تھا۔ تو اس نے اس نے کچھ حق اپنا وصول کر لیا اور باقی معاف کر دیا یہ اسی طرح ہو گیا، یہ اسی طرح ہو گیا گویا اس نے اپنا کچھ حق وصول کر لیا اور کچھ حق معاف کر دیا، لہٰذا اس پر کچھ بھی نہیں آئے گا۔ جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں، اس کا حق تو تھا نفس میں اور اس نے وصول تو یَدْ کر لیا لہٰذا اس پر ہاتھ کی دیت آئے گی بھئی۔ اور اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اس نے تو جان بوجھ کر ہاتھ کاٹا ہے، جان بوجھ کر ہاتھ کاٹا ہے لہٰذا قصاص آنا چاہیے اور اس ولیِ مقتول کے ہاتھ کو بھی کاٹنا چاہیے، تو جواب یہ کہ یہاں چونکہ شبہ آگیا، کیا آگیا؟ شبہ، اور شبہے کی وجہ سے قَطْعِ یَدْ میں قصاص نہیں آیا۔ شبہ کیا آیا؟ شبہ وہی جو صاحبین ذکر کر رہے ہیں، صاحبین نے کیا فرمایا تھا؟ کہ جب وہ اس کے نفس کو تلف کرے گا تو اس میں اس کا ہاتھ بھی تلف ہو جائے گا تو گویا وہ سارے اجزاء کے ساتھ تلف کرنے کا مالک تھا، اور اس نے کچھ تلف کیے اور باقی تلف نہیں کیے، تو بہرحال شبہ آگیا اور اس شبہے کی وجہ سے اس پر قصاص نہیں آئے گا۔

وَأَرْشُ الْیَدِ، اَرْش میں نے بتلایا تھا بھئی نفس کے علاوہ باقی اعضاء یا زخموں میں جو بھی دیت آتی ہے جو بھی مالی ضمان آتا ہے اس کو اَرْش کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں وَأَرْشُ الْیَدِ اور ہاتھ کی دیت واجب ہوگی، ہاتھ کا ضمان واجب ہوگا، اس کا عطف ہے پیچھے جو آیا تھا وَضَمِنَ دِیَةَ النَّفْسِ، دِیَةَ النَّفْسِ کو اٹھائیں اور اس کی جگہ أَرْشَ الْیَدِ کو رکھیں: وَضَمِنَ أَرْشَ الْیَدِ اور وہ شخص ضامن ہوگا ہاتھ کے، ہاتھ کی دیت کا وہ ضامن ہوگا۔ کون؟ مَنْ قَطَعَ جس نے کاٹ دیا یَدَ مَنْ لَهُ عَلَیْهِ قَوَدُ نَفْسٍ، یَدَ مَنْ اس شخص کے ہاتھ کو کہ لَهُ کہ اس کے لیے عَلَیْهِ اس کاٹنے والے پر قَوَدُ نَفْسٍ نفس کا قصاص تھا۔ توجہ ہے؟ پھر ترجمے پہ ذرا بس غور کر لیں: اور ہاتھ کا ضمان واجب ہوگا مَنْ اس شخص پر قَطَعَ یَدَ کہ جس نے ہاتھ کاٹ دیا، کس کا ہاتھ کاٹا؟ مَنْ اس شخص کا لَهُ کہ اس کاٹنے والے کے لیے عَلَیْهِ اس شخص پر قَوَدُ نَفْسٍ کیا واجب تھا؟ نفس کا، جس پر نفس کا قصاص واجب تھا اس کے ہاتھ کو کاٹ دیا۔ فَعَفَا عَنْهُ پھر اس کو وہ نفس کا قَوَد معاف کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

شرح میں وہ پوری تفصیل کر رہے ہیں: أَيْ قَطَعَ وَلِيُّ الْقَتِيلِ کاٹ دیا مقتول کے ولی نے، قَتِيلْ بمعنیٰ مقتول، کاٹ دیا مقتول کے ولی نے یَدَ الْقَاتِلِ قاتل کے ہاتھ کو، ثُمَّ عَفَا عَنِ الْقَتْلِ پھر اس نے قتل سے معاف کر دیا، ضَمِنَ دِیَةَ الْیَدِ عِنْدَ

أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تو وہ ہاتھ کی دیت کا ضامن ہوگا امام صاحب کے نزدیک لِأَنَّهُ اسْتَوْفَىٰ غَيْرَ حَقِّهِ اس لیے کیونکہ اس نے اپنے حق کے علاوہ کو وصول کر لیا، اس کا حق تو کیا تھا؟ نفس، اور وصول کیا کر لیا؟ يَدْ، لہٰذا اس نے اپنے غیرِ حق کو وصول کیا ہے۔ لٰكِنْ لَا يَجِبُ الْقِصَاصُ لِلشُّبْهَةِ لیکن قصاص ثابت نہیں ہوگا شبہے کی وجہ سے۔ شبہ کیا؟ کیونکہ وہ پورے نفس کو ہلاک کرنے کا اس کو اختیار تھا تو نفس کے اندر ہی ہاتھ بھی آگیا تھا۔

وَعِنْدَهُمَا لَا يَضْمَنُ شَيْئًا اور صاحبین کے نزدیک وہ کسی چیز کا ضامن نہیں ہوگا لِأَنَّهُ اسْتَحَقَّ إِتْلَافَ النَّفْسِ بِجَمِيعِ أَجْزَائِهِ اس لیے کیونکہ وہ تو مستحق تھا کہ وہ تلف کرے اس کے نفس کو اس کے سارے اجزاء کے ساتھ، فَأَتْلَفَ الْبَعْضَ تو اس نے بعض کو یعنی ایک ہاتھ کو تلف کر دیا اور باقیوں کو معاف کر دیا، فَإِذَا عَفَا تو جب اس نے معاف کر دیا فَهُوَ عَفْوٌ عَمَّا وَرَاءَ هٰذَا الْبَعْضِ تو وہ معاف کرنا ہوا اس بعض کے علاوہ سے۔ اس کا حق کیا تھا؟ سارے اعضاء کو تلف کرے، تو اس نے ایک کو تلف کر کے اس کے علاوہ باقی اعضاء کو گویا معاف کر دیا۔ تو یہ معنیٰ ہے فَإِذَا عَفَا جب اس نے معاف کر دیا قتل کو، فَهُوَ عَفْوٌ عَمَّا وَرَاءَ هٰذَا الْبَعْضِ تو وہ معاف کرنا ہے اس بعض کے علاوہ کو یعنی اس ہاتھ کاٹنے کے علاوہ باقی اعضاء کے اتلاف کو اس نے معاف کر دیا، فَلَا يَضْمَنُ شَيْئًا لہٰذا وہ کسی چیز کا ضامن نہیں ہوگا۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵۰: باب الشہادۃ فی القتل واعتبار حالتہ: ثبوتِ قود ابتداءً للورثۃ، جرح کے بعد شہادت و عفو کے مسائل

شرح الوقایہ صفحہ: ۱۰۹ – بتاریخ: ۲۲ فروری ۲۰۲۰ء

▪ متنِ وقایہ و شرح الوقایہ کی قراءت

بَابُ الشَّهَادَةِ فِي الْقَتْلِ وَاعْتِبَارِ حَالَتِهِ

الْقَوَدُ يَثْبُتُ بَدْءًا لِلْوَرَثَةِ لَا إِرْثًا، اِعْلَمْ أَنَّ الْقِصَاصَ يَثْبُتُ لِلْوَرَثَةِ ابْتِدَاءً عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى، لِأَنَّهُ يَثْبُتُ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْمَيِّتُ لَيْسَ أَهْلًا لِأَنْ يَمْلِكَ شَيْئًا إِلَّا مَا لَهُ إِلَيْهِ حَاجَةٌ كَالْمَالِ مَثَلًا، فَطَرِيقُ ثُبُوتِهِ الْخِلَافَةُ، وَعِنْدَهُمَا طَرِيقُ ثُبُوتِهِ الْوِرَاثَةُ۔[۲۱]

بَابُ الشَّهَادَةِ فِي الْقَتْلِ وَاعْتِبَارِ حَالَتِهِ۔ یہ باب ہے قتل میں شہادت کے بارے میں، قتل کے معاملے میں گواہی جو دی جائے گی اور اس سے متعلقہ مسائل ذکر ہوں گے، وَاعْتِبَارِ حَالَتِهِ أَيْ حَالَةِ الْقَتْلِ اور یہ باب متعلق ہے حالتِ قتل کے اعتبار سے۔ کس سے؟ حالتِ قتل کے اعتبار سے۔

[۱]

جدول – باب الشہادۃ فی القتل – ثبوتِ قصاص اور عفو و سرایت کے مسائل:

مسئلہ	مذہبِ امام ابو حنیفہؒ	مذہبِ صاحبینؒ و نتیجہ
قصاص کا ورثاء کے لیے ثبوت	قصاص ورثاء کے لیے ابتداءً ثابت ہوتا ہے، بطورِ ارث نہیں	صاحبینؒ: اولاً میت کے لیے اور پھر ورثاء کو بطورِ میراث ملتا ہے۔
بعض اولیاء کا قاتل کو معاف کرنا	باقی تمام شرکاء کا حقِ قصاص بھی ساقط ہو کر مال میں بدل جائے گا	کیونکہ قصاص تجزی و تبعض کو قبول نہیں کرتا۔
زخمی کرنے پر دو گواہوں کی شہادت کے بعد موت	دوبارہ قتل پر گواہی ضروری نہیں، اسی شہادت سے قصاص لازم	اگر شہادت کے بعد زخمی نے زخم معاف کیا اور مر گیا تو قصاص ساقط۔

[۲] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۵۷): صوتی درس کی قراءت میں «الْقَوَدُ يَثْبُتُ بَدْءًا لِلْوَرَثَةِ لَا إِرْثًا» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «القَوَدُ يثبتُ بدأ للورثةِ لا إرثًا،» منقول ہے۔

بھئی حالتِ قتل کا اعتبار کیسے کریں گے؟ ایک حالتِ قتل میں دو چیزیں ہیں: ایک ہے تیر کا مارنا، اور ایک ہے اس دوسرے شخص کو تیر کا لگنا۔ ایک شخص دوسرے شخص کو تیر مار کر قتل کرتا ہے۔ اب اس میں کس حالت کا اعتبار کریں گے؟ تیر مارنے کا اعتبار کریں گے یا تیر لگنے کا اعتبار کریں گے؟

فقہا پر اللہ کی کروڑہا رحمتیں نازل ہوں بھئی، اور اللہ ہمیں ہم سب کا خاتمہ بھی ایمان پر فرمائے۔ دیکھو جو جو امکانی صورت کسی مسئلے کی ہو سکتی تھی وہ ساری انہوں نے درج کر دیں۔ تو اکثر اکثر مسائل کتابوں میں ہمیں تیار مل جاتے ہیں۔ کچھ جو اس زمانے کے اعتبار سے کچھ بدل گئے ہوں یا نئے پیش آجائیں، وہ پھر انہی سے آرام سے اس زمانے کے جو فقہا ہیں، مفتیانِ کرام ہیں وہ آرام سے اخذ کر لیتے ہیں۔

تو دیکھو کیسی بات کر رہے ہیں کہ ایک ہے تیر مارنے کی حالت، ایک ہے تیر لگنے کی حالت۔ آپ اگر عام آدمی ہو وہ تو کہے گا ایک ہی بات ہے، تیر مارنے کا اعتبار کرو یا لگنے کا اعتبار کرو۔ نہیں بھئی، ایک شخص نے تیر چلایا دوسرے شخص پر، اور جس پر تیر چلایا وہ مسلمان تھا۔ کیا تھا؟ مسلمان۔ ادھر اس نے تیر چلا دیا، تیر جس وقت ہاتھ سے نکلا تو دوسرا مسلمان تھا۔ تیر ہوا میں ہے، ابھی لگا نہیں کہ اس نے کلمۂ کفر کہہ دیا، اسلام کا انکار کر دیا، تو وہ کافر ہو گیا۔ اب جا کر تیر اس کو لگا۔ تو کس حالت کا اعتبار کریں؟ تیر چلاتے وقت تو وہ مسلمان تھا، تو دیت آنی چاہیے۔ اور تیر لگتے وقت وہ مرتد ہو چکا ہے، تو دیت نہیں آنی چاہیے، کیونکہ مرتد تو مباح الدم ہو گیا، اس کو تو قتل کیا جائے گا بھئی، اس کو دعوت دی جائے گی، اگر وہ اسلام میں واپس آتا ہے تو ٹھیک، نہیں تو اس کو قتل کرتے ہیں۔ اور پھر آپ نے اس میں یہ بھی پڑھا کہ تین دن تک اس کو قید میں رکھیں گے۔ یاد رکھو یہ تین دن تک قید میں رکھنا اور اس کو دعوت دینا یہ بھی مستحب ہے، کوئی ضروری نہیں ہے۔ کوئی ضروری نہیں ہے۔ ہاں اسی وقت بھی حاکم قاضی دعوت دے کر اسی وقت بھی اگر وہ انکار کرتا ہے، قتل کروا سکتے ہیں۔ لیکن مستحب یہ ہے کہ تین دن کی مہلت دے دو، اور تین دن تک اس کو سمجھاؤ، علما جائیں اس کو سمجھائیں، اس کے اشکالات کوئی اسلام پر ہیں تو وہ اشکالات اس کے دور کریں بھئی۔

تو دیکھو ایک ہے تیر مارنے کی حالت اور ایک ہے تیر لگنے کی حالت، کس کا اعتبار کریں گے؟ تو اس باب میں یہ بھی ذکر ہو گا، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے بَابُ الشَّهَادَةِ فِي الْقَتْلِ وَاعْتِبَارِ حَالَتِهِ، یہ باب ہے قتل کے بارے میں گواہی کے بیان میں کہ قتل کے معاملے میں گواہی کا کیا حکم، کیسے دی جائے گی اور اس سے متعلقہ مسائل کیا کیا ہیں، وَاعْتِبَارِ حَالَتِهِ اور قتل کی حالت کے اعتبار کے بارے میں ہے یہ باب۔

الْقَوَدُ يَثْبُتُ بَدْءًا لِلْوَرَثَةِ لَا إِرْثًا۔ بھئی یاد رکھیے، صاحبین کا امام صاحب سے اختلاف ہے قصاص کے بارے میں۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ وارثوں کے لیے قصاص جو ثابت ہوتا ہے وہ بطورِ وراثت کے ثابت ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ جی۔

جی، عجیب عجیب مسائل، انسان حیران ہوتا ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ وارثوں کو جو یہ قصاص کا حق ملا، ایک شخص نے دوسرے شخص کو قتل کر دیا تو مقتول کے مثلاً تین یا چار بیٹے ہیں، ان کو قصاص کا حق مل گیا۔ یہ حق ان کو کس طریقے سے ملا؟ صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ حق تھا مقتول کا۔ کس کا حق تھا؟ مقتول کا۔ چونکہ اس قاتل نے مقتول کی جان لی تو مقتول کا بھی حق بنا کہ اب اس کی کیا کر لے؟ جان لے لے۔ لیکن مقتول تو دنیا سے رخصت ہو چکا، وہ تو عاجز ہے، وہ تو بدلہ لے نہیں سکتا، تو لہٰذا وہ جو اس کا حق تھا وہ اس سے منتقل ہو گیا وارثوں کی طرف۔ کس کی طرف؟ وارثوں کی طرف۔ تو پہلے گویا اس حق کا مالک بنا مقتول اور پھر مقتول سے منتقل ہوا وارثوں کی طرف، تو گویا وراثت جاری ہو گئی۔ کیا جاری ہو گئی؟ وراثت۔ یعنی وراثت کے طریقے پر یہ حق منتقل ہوا ہے وارثوں کی طرف۔

جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں، وراثت کے طریقے پر منتقل نہیں ہوا یہ حق، بلکہ یہ حق وارثوں کو ملا ہے خلافت کے طور پر۔ کس طریقے پر؟ خلافت کے طور پر۔ کہ یہ جو وارث ہیں یہ مقتول کے قائم مقام ہیں، اس کے نائب ہیں، اس کے جانشین ہیں۔ تو جو کام اب وہ نہیں کر سکتا تھا اب یہ سرانجام دیں گے، تو یہ اس کے جانشین ہیں۔ تو یہ جو ان کو قصاص کا حق ملا یہ وراثت کے طور پر نہیں ملا، بلکہ یہ ان کو جانشین کے طور پر ملا ہے، خلافت کے طور پر ملا ہے۔

اور فرق دونوں میں یہ ہے کہ وراثت تقاضا کرتی ہے کہ پہلے مورث اس چیز کا مالک بنے اور پھر وارث کی طرف منتقل ہو۔ صاحبین کیا فرماتے ہیں؟ یہ قصاص کس کا حق تھا؟ مقتول کا۔ بھئی یہ جو قصاص ہے یہ عوض ہے اس کی جو جان لی تھی قاتل نے، اور ظاہر سی بات ہے جس کی جان لی ہے تو عوض لینا بھی اسی کا حق ہے، عوض لینا بھی اس کا بدلہ لینا اسی کا حق۔ تو صاحبین فرماتے ہیں پہلے مورث جو ہے مقتول جو ہے وہ مالک بنا اس قصاص کا، اور پھر وہ تو چونکہ مر چکا ہے پھر اس سے وراثت منتقل ہو گئی کس کی طرف؟ وارثوں کی طرف۔ تو وراثت تقاضا کرتی ہے کہ پہلے مورث کی ملکیت آئے، وراثت تبھی آئے گی نا پہلے مورث کیا ہو؟ اس چیز کا مالک۔ مقتول ایک چیز کا مالک تھا اور پھر وہ ملکیت کس کی طرف منتقل ہو گئی؟ وارثوں کی۔ تو اس کو ہم کہتے ہیں وراثت، جس میں پہلے مورث مالک بنتا ہے اور پھر اس کے بعد ورثا مالک بنتے ہیں۔ تو دیکھا، وراثت تقاضا کرتی ہے کہ پہلے مورث مالک بنے۔ جی۔ جبکہ جانشینی اور خلافت یہ تقاضا نہیں کرتی کہ پہلے کون مالک بنے؟ مقتول مالک بنے، جس کا قائم مقام بنا ہے وہ مالک بنے، نہیں نہیں یہ تقاضا نہیں کرتی۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ قصاص ثابت ہوتا ہے موت کے بعد، اور حق تو یہ کس کا ہے؟ مقتول کا حق ہے، لیکن مقتول میں تو اب صلاحیت ہی نہیں ہے، وہ تو ختم ہو چکا ہے، اس کی زندگی تو ختم ہو گئی۔ جب اس کی زندگی ختم ہو گئی تو اب وہ اس قصاص کا مالک بنے گا ہی نہیں۔ اس کے براہِ راست مالک کون بن گئے؟ ورثا بنے۔ تو معمولی سا فرق ہے دیکھو تھوڑا سا، لیکن اس پر پھر آگے وہ مسائل مرتب کرتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ مورث کا انتقال ہو گیا، وہ دنیا سے چلا گیا، تو اب جو ورثا ہیں وہ اس کے قائم مقام ہیں، وہ اس کے سارے کام سرانجام دیں گے اور اس کی طرف سے عوض بھی وصول

کرنا تھا۔ اس عوض کا مالک کس کو بننا چاہیے تھا؟ مورث کو، یہ امام صاحب کی تقریر چل رہی ہے، وہ حق تو مورث کا ہے، مالک تو اس کو بننا چاہیے تھا، لیکن وہ تو مر چکا ہے بھئی، اس میں تو صلاحیت ہی نہیں ہے مالک بننے کی، اور نہ ضرورت ہے یہاں پر۔ لہٰذا یہ قصاص کے مالک سیدھے کون بن جائیں گے؟ ورثا۔ یعنی یہاں پر مورث کی ملکیت کا امام صاحب انکار کرتے ہیں کہ مورث مالک نہیں بنا، براہِ راست کون مالک بن گئے؟ ورثا۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں نہیں، پہلے مورث مالک بنا اور پھر اس سے منتقل ہوئی کس کی طرف؟ ورثا کی طرف۔ تو صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ جو ورثا قصاص کے مالک بنے وہ بطورِ وراثت کے بنے، اور امام صاحب کے نزدیک جو ورثا قصاص کے مالک بنے وہ بطورِ خلافت کے بنے بھئی۔ فرق سمجھ میں آگیا؟

دیکھیے آگے اور بھی تفصیل آجائے گی۔ کہتے ہیں: اَلْقَوَدُ يَثْبُتُ بَدْءًا لِلْوَرَثَةِ لَا إِرْثًا، کہ قصاص جو ہے وہ ثابت ہوتا ہے بَدْءًا ابتدا سے ہی لِلْوَرَثَةِ کس کے لیے؟ وارثوں کے لیے، لَا إِرْثًا وراثت کے طریقے پر نہیں۔ وراثت میں تو پہلے حق کس کے لیے ثابت؟ مقتول کے لیے اور پھر ورثا کے لیے۔ امام صاحب فرماتے ہیں نہیں، ابتدا سے ہی یہ حق کس کے لیے ثابت ہے؟ وارثوں کے لیے ثابت ہے۔ یہ معنی ہے اَلْقَوَدُ يَثْبُتُ بَدْءًا لِلْوَرَثَةِ لَا إِرْثًا، کہ قصاص جو ہے وہ ثابت ہوتا ہے آغاز سے ہی وارثوں کے لیے نہ کہ وراثت کے طریقے پر۔

اِعْلَمْ جان لے، أَنَّ الْقِصَاصَ يَثْبُتُ لِلْوَرَثَةِ ابْتِدَاءً عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، کہ قصاص جو ہے وہ ثابت ہوتا ہے وارثوں کے لیے ابتدا سے ہی امام صاحب کے نزدیک، لِأَنَّهُ يَثْبُتُ بَعْدَ الْمَوْتِ۔ امام صاحب کی دلیل چل رہی ہے، وہ فرماتے ہیں کیونکہ یہ جو قصاص ہے یہ تو موت کے بعد ثابت ہوتا ہے، وَالْمَيِّتُ لَيْسَ أَهْلًا لِأَنْ يَمْلِكَ شَيْئًا، اور میت جو ہے وہ اہل نہیں ہے، اس میں صلاحیت نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کی مالک بنے، إِلَّا مَا لَهُ إِلَيْهِ حَاجَةٌ سوائے اس چیز کے جس میں اس کی حاجت ہے، یاد رکھو۔

اگر مال کا معاملہ ہوا نا مال، مال۔ مال کا مالک میت بنتی ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں قصاص کا مالک میت نہیں، لیکن مال کا مالک میت، اس میں امام صاحب بھی فرماتے ہیں کہ مال کا مالک میت ہے۔ مر چکا ہے لیکن مال کا مالک ہے۔ بھئی مر چکا ہے پھر مال کا مالک کیوں ہے؟ کہتے ہیں کیونکہ ضرورت ہے، ضرورت ہے۔ ضرورت کی وجہ سے اس کو مال کا مالک ماننا پڑے گا۔ کیا ضرورت ہے؟ بھئی ضرورت یہ ہے کہ اس کے کفن دفن کا بندوبست کرنا ہے۔ اگر مال اس کے ہاتھ سے نکل گیا، اس کا ہے ہی نہیں، سارا ابھی سے ہی آپ وارثوں کا حق ہو گیا، تو پھر اس کے کفن دفن کون کرے گا بھئی؟ تو لہٰذا ابھی اس کو کفن دفن کی ضرورت ہے، یہ ابھی بھی مال کا مالک ہے۔ پھر اس کے سارے قرضے ادا کرنے ہیں بھئی، ورنہ تو اس کی آخرت میں بہت سخت مواخذہ ہو گا، تو اس کو ابھی بھی مال کی ضرورت ہے، لہٰذا اس سے سارے قرضے بھی اس کے ادا کریں گے۔ پھر اس کے بعد اس نے وصیت اگر کسی کے بارے میں کی ہے تو ثلث میں وہ بھی نافذ کر دیں

گے، باقی وارثوں کا حق ہو جائے گا۔ تو مال کے مسئلے کے اندر امام صاحب بھی فرماتے ہیں مقتول مال کا مالک بنتا ہے۔ چنانچہ اسی لیے دیت جو ہے، دیت، جس نے دوسرے کو غلطی سے قتل کیا، غلطی سے قتل کیا تو اس میں کیا آتا ہے؟ دیت آتی ہے۔ امام صاحب بھی فرماتے ہیں یہ دیت کا اولاً مالک کون بنے گا؟ وہ مقتول۔ میں نے بتلایا تھا نا وہ ترکہ شمار ہوتا ہے، اسی لیے کہ اولاً وہ مالک بنا اور پھر ملکیت آگے منتقل ہوئی، اور چونکہ پہلے مالک وہ تھا مقتول تھا، لہٰذا یہ اب سارا کیا شمار ہوا؟ اس کا ترکہ شمار ہوا بھئی۔ تو مال میں میت کی ملکیت ثابت ہوگی کس وجہ سے؟ ضرورت کی وجہ سے۔

پھر دیکھیے کہتے ہیں: لِأَنَّهُ يَثْبُتُ بَعْدَ الْمَوْتِ، اس لیے کیونکہ قصاص جو ہے وہ تو موت کے بعد ثابت ہوتا ہے، وَالْمَيِّتُ لَيْسَ أَهْلًا لِأَنْ يَمْلِكَ شَيْئًا، اور میت جو ہے وہ تو اہل ہی نہیں ہے، اس میں تو صلاحیت ہی نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کی مالک بنے، إِلَّا مَا لَهُ إِلَيْهِ حَاجَةٌ، سوائے اس چیز کے جس میں اس کی حاجت اور ضرورت ہے اس میں مالک بن سکتی ہے، كَالْمَالِ مَثَلًا، جیسے کہ مال ہے مثال کے طور پر، اس میں مالک بنے گی بھئی۔

فَطَرِيقُ ثُبُوتِهِ الْخِلَافَةُ، لہٰذا اس قصاص کے ثابت ہونے کا طریقہ جو ہے وہ خلافت یعنی جانشینی ہے۔ قصاص کس طریقے پر ثابت ہوتا ہے؟ خلافت کے طریقے پر۔ وَعِنْدَهُمَا طَرِيقُ ثُبُوتِهِ الْوِرَاثَةُ، اور صاحبین کے نزدیک قصاص کے ثبوت کا طریقہ جو ہے وہ وراثت ہے، کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ قصاص عوض ہے مقتول کے نفس کا، مقتول کی جان گئی ہے تو اب بدلہ لینا بھی کس کا حق ہے؟ مقتول کا حق ہے، تو لہٰذا وہ اس بدلے کا بھی پہلے وہ مالک بنا اور پھر اس سے منتقل ہوا کس کی طرف؟ وارثوں کی طرف، تو وارث قصاص کے مالک ہوئے بطورِ وراثت کے۔

وَالْفَرْقُ بَيْنَهُمَا، اور فرق ان دونوں کے درمیان یہ ہے کہ أَنَّ الْوِرَاثَةَ تَسْتَدْعِي سَبْقَ مِلْكِ الْمُورِثِ، کہ وراثت وہ تقاضا کرتی ہے کہ مورث کی ملکیت مقدم ہو، سَبْقَ مِلْكِ الْمُورِثِ کہ مورث کی ملکیت مقدم ہو یعنی پہلے وہ مالک بنے۔ تو کہتے ہیں فرق یہ ہے کہ وراثت تقاضا کرتی ہے کہ مورث جو ہے اس کی ملکیت مقدم ہو یعنی پہلے وہ مالک بنے، ثُمَّ الِانْتِقَالُ

مِنْهُ إِلَى الْوَارِثِ، پھر اس سے منتقل ہو وہ قصاص إِلَى الْوَارِثِ کس کی طرف؟ وارث کی طرف۔ وَالْخِلَافَةُ لَا تَسْتَدْعِي ذٰلِكَ، اور خلافت اس کا تقاضا نہیں کرتی، جانشین ہونا یہ اس کا تقاضا نہیں کرتا۔ جب کوئی شخص کسی کا جانشین ہے تو اس کی جگہ سارے کام سرانجام دے رہا ہے، تو اس میں پہلے والے کو مالک بنانا اور پھر اس کو مالک بنانے کی ضرورت نہیں ہے، جبکہ اس میں اہلیت ہی نہیں ہے وہاں پر میت میں۔

تو کہتے ہیں وَالْخِلَافَةُ لَا تَسْتَدْعِي ذٰلِكَ اور خلافت اس کا تقاضا نہیں کرتی، یعنی مورث کی ملکیت مقدم ہو اس کا خلافت تقاضا نہیں کرتی۔ فَالْمُرَادُ بِالْخِلَافَةِ هَاهُنَا، دیکھو اب اور وضاحت کر رہے ہیں، کہتے ہیں خلافت یعنی جانشینی سے مراد یہاں پر یہ ہے کہ أَنْ يَقُومَ شَخْصٌ مَقَامَ غَيْرِهِ فِي إِقَامَةِ فِعْلِهِ، کہ کوئی شخص قائم ہو جائے مَقَامَ غَيْرِهِ کسی دوسرے کے مقام پر

فِي إِقَامَةِ فِعْلِهِ اس کے کام سرانجام دینے میں، کوئی شخص دوسرے کے قائم مقام ہو جائے فِي إِقَامَةِ فِعْلِهِ اس کے فعل کو انجام دینے کے لیے، اس کے فعل کرنے کے لیے۔

فَفِي الْقَتْلِ إِذَا اعْتَدَى الْقَاتِلُ عَلَى الْمَقْتُولِ، پس قتل کے اندر جب زیادتی کی، اِعْتَدَىٰ کا معنی ہے زیادتی کرنا، تجاوز کرنا، جب قاتل نے زیادتی کی یعنی ظلم کیا عَلَى الْمَقْتُولِ مقتول پر، فَالْحَقُّ أَنْ يَعْتَدِيَ الْمَقْتُولُ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْهِ، تو مقتول کا یہ حق ہے کہ وہ بھی زیادتی کرے بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْهِ اسی کے برابر جو، جو اس نے اس پر زیادتی کی تھی، اسی کے برابر یہ بھی کیا کرے؟ اس پر زیادتی کرے۔ اس کو ویسے زیادتی کہہ دیا، مقتول تو اپنا بدلہ لے رہا ہے، اپنا حق وصول کر رہا ہے، یہ کوئی زیادتی نہیں ہے۔

پھر دیکھو ترجمہ بھئی: فَفِي الْقَتْلِ إِذَا اعْتَدَى الْقَاتِلُ عَلَى الْمَقْتُولِ، پس قتل کے اندر جب زیادتی کی قاتل نے مقتول پر کہ اس کی جان لے لی، فَالْحَقُّ تو حق یہ ہے کہ أَنْ يَعْتَدِيَ الْمَقْتُولُ کہ زیادتی کرے مقتول بھی بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْهِ اسی کے برابر جو اس نے اس پر زیادتی کی تھی، اسی کے برابر یہ بھی اس پر زیادتی کرے۔ لٰكِنَّهُ عَاجِزٌ عَنْ إِقَامَتِهِ، لیکن مقتول تو عاجز ہے اس کے قائم کرنے سے، اس زیادتی کو قائم کرنے سے عاجز ہے، یعنی اپنا حق وصول کرنے سے عاجز ہے، اپنا بدلہ لینے سے عاجز ہے۔ فَالْوَرَثَةُ قَامُوا مَقَامَهُ، تو ورثا جو ہیں اس کے وہ اس کے قائم مقام ہو گئے، مِنْ غَيْرِ أَنَّ الْمَقْتُولَ مَلَكَهُ، بغیر اس کے کہ مقتول پہلے اس قصاص کا مالک بنا ثُمَّ انْتَقَلَ مِنْهُ إِلَى الْوَرَثَةِ، پھر وہ منتقل ہوا کس کی طرف؟ ورثا کی طرف۔ یعنی یہ رد کر رہے ہیں صاحبین کا کہ ایسا نہیں ہے کہ پہلے کون مالک بنے؟ صاحبین تو فرماتے تھے نا کہ پہلے مقتول مالک بنے گا اور پھر منتقل ہو گا کس کی طرف؟ ورثا کی طرف۔ امام صاحب کی تقریر چل رہی ہے وہ فرماتے ہیں نہیں، کہ یہ ورثا جو ہیں اس کے قائم مقام ہیں، وہ بدلہ لے نہیں سکتا لہٰذا یہ قائم مقام ہو کر بدلہ لیں گے۔ ایسا نہیں کہ مقتول پہلے مالک بنا اور پھر یہ ملکیت قصاص کی منتقل ہوئی وارثوں کی طرف، ایسا نہیں ہے۔ یہ معنی ہے مِنْ غَيْرِ أَنَّ الْمَقْتُولَ مَلَكَهُ بغیر اس کے کہ مقتول جو ہے وہ اس قصاص کا مالک بنے پہلے، ثُمَّ انْتَقَلَ مِنْهُ إِلَى الْوَرَثَةِ پھر یہ قصاص منتقل ہو وارثوں کی طرف۔

ثُمَّ إِذَا ثَبَتَ هٰذَا الْأَصْلُ فَرَّعَ عَلَيْهِ قَوْلَهُ، پھر جب یہ اصل ثابت ہو گئی، یہ قانون یعنی یہ ضابطہ امام صاحب کا ثابت ہو گیا، کیا ضابطہ؟ کہ امام صاحب کے نزدیک ورثا قصاص کے مالک بنتے ہیں آغاز سے ہی، ابتدا سے ہی، جانشینی کے طور پر، خلافت کے طور پر، نہ کہ وراثت کے طور پر۔ تو کہتے ہیں: ثُمَّ إِذَا ثَبَتَ هٰذَا الْأَصْلُ، پھر جب یہ اصل ثابت ہو گئی یعنی یہ قانون اور یہ ضابطہ ثابت ہو گیا، فَرَّعَ عَلَيْهِ قَوْلَهُ تو اسی پر تفریع کی مصنف نے اپنے اس قول کی جو آگے آرہا ہے، یعنی اسی پر آگے پھر اب وہ تفریع کر۔ فَرْعٌ اصل میں شاخ کو کہتے ہیں۔ کس کو کہتے ہیں؟ شاخ۔ تو جیسے درخت کی ایک جڑ ہوتی ہے، اسی سے جڑ اور تنا، اور پھر اس سے آگے شاخیں نکلتی ہیں۔ تو یہاں بھی ایک فقہا کا ضابطہ ہوتا ہے اور اس پھر اس ضابطے پر آگے مزید جو ہیں مسائل مرتب ہوتے ہیں۔ تو وہ اب اس قانون اور ضابطے پر تفریع کر رہے ہیں، یعنی اس سے جو جو مسائل نکلتے

ہیں وہ اب ذکر کرنے لگے ہیں۔

تو فرماتے ہیں: فَلَا يَصِيرُ أَحَدُهُمْ خَصْمًا عَنِ الْبَقِيَّةِ، پس نہیں ہو گا أَحَدُهُمْ ان وارثوں میں سے کوئی ایک بھی خَصْمًا فریقِ مخالف عَنِ الْبَقِيَّةِ باقیوں کی طرف سے۔ لہٰذا یہاں پر ان میں سے کوئی ایک بھی فریقِ مخالف نہیں بنے گا باقیوں کی طرف سے۔

یاد رکھو تفصیل بھئی۔ جو چیز وراثت کے طریقے پر منتقل ہوتی ہے، توجہ ہے؟ جو چیز وراثت کے طریقے پر وارثوں کی طرف منتقل ہوتی ہے، وہاں ایک وارث باقی وارثوں کا قائم مقام بن سکتا ہے۔ ایک وارث باقی وارثوں کا قائم مقام بن سکتا ہے۔ توجہ ہے؟ جو چیز وراثت کے طریقے پر وارثوں کی طرف منتقل ہو یعنی مال ہے، کیا ہے؟ مال۔ وہ وراثت کے طریقے پر منتقل ہوتا ہے، لیکن قصاص وہ خلافت کے طریقے پر منتقل ہوتا ہے، وراثت کے طریقے پر نہیں۔ اور جو چیز وراثت کے طریقے پر منتقل ہو، وہاں ایک وارث دوسرے وارثوں کا قائم مقام بن جاتا ہے۔

مثال سے بات سمجھ میں آئے گی۔ دیکھو ایک شخص کے چار بیٹے وارث ہیں، چار بیٹے وارث ہیں، اور اس شخص کی جو ایک گاڑی ہے وہ مثلاً زید کے پاس ہے، باپ جو مر گیا اس کی گاڑی کس کے پاس ہے؟ زید کے پاس ہے۔ اب چار بیٹوں میں سے ایک نے قاضی کے پاس مقدمہ کر دیا اور کہا قاضی صاحب یہ جو زید کے پاس گاڑی ہے یہ ہمارے والد صاحب کی ہے، یہ بھی ان کا ترکہ ہے، یہ بھی کیا ہے ان کا؟ ترکہ ہے۔ چنانچہ اس نے دو گواہ بھی پیش کر دیے۔ تو کیا یہ گاڑی اب صرف اس بیٹے کی ہو گی جس نے مقدمہ کیا اور جس نے گواہ پیش کیے؟ نہیں نہیں، یہ اب سارے وارثوں کا حق ہے۔ یہ جو بیٹا جس نے مقدمہ کیا یہ باقی بیٹوں کے بھی قائم مقام ہو گیا، کیونکہ یہ کس چیز کا مسئلہ ہے؟ مال کا۔ کس کا مسئلہ ہے؟ مال۔ اور مال کس طریقے پر منتقل ہوتا ہے؟ وراثت کے طریقے پر۔ اور وراثت کے طریقے میں ایک وارث باقیوں کا قائم مقام بن جاتا ہے، اس میں ایک وارث باقیوں کا، لہٰذا اس کا مقدمہ کرنا گویا سب کی طرف سے مقدمہ کرنا ہے، یہ سب کا قائم مقام ہے اور سب کی طرف سے مقدمہ لڑ رہا ہے۔ لہٰذا ایک دفعہ اس نے گواہ پیش کر دیے تو بس اب قاضی کیا کر دے گا؟ فیصلہ کر دے گا۔ اور پھر کیا باقی وارثوں کو آ کر الگ الگ کیس کرنا پڑے گا کہ قاضی صاحب اس گاڑی میں میرا بھی حصہ ہے، اس گاڑی میں میرا بھی حصہ ہے، اس گاڑی میں میرا بھی حصہ ہے؟ نہیں نہیں، یہ ایک ہی سب کی طرف سے قائم مقام تھا۔ اس گاڑی میں اب صرف اس مقدمے والے کا حصہ نہیں آیا، سب، باقی سب وارثوں کا بھی حصہ ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

لیکن اس کے برخلاف اگر وہ قصاص کا مسئلہ آئے، قصاص کا، دو مثلاً یا تین بھائی تھے اور ان کے والد کو کسی نے جان بوجھ کر قتل کر دیا۔ اب دو بھائی سفر پر گئے ہوئے ہیں۔ ایک بھائی نے قاضی کے پاس مقدمہ کر دیا کہ قاضی صاحب یہ جو شخص ہے اس نے میرے والد صاحب کو جان بوجھ کر قتل کیا ہے، اور دو گواہ بھی پیش کر دیے، تو اس کو قصاص کا حق مل جائے گا۔ اس ایک کو قصاص کا حق مل جائے گا۔ لیکن قصاص ابھی لیں گے نہیں، کیونکہ قصاص کا ولی صرف

ایک تو نہیں ہے، اس شخص کے تو تین بیٹے ہیں تو باقی دو سفر پر گئے ہوئے ہیں، وہ بھی قصاص کے ولی بنیں گے، کس کے؟ لیکن ابھی قصاص کا فیصلہ ہو گا نہیں اور قصاص لیں گے نہیں، کیونکہ آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں، ہو سکتا ہے وہ جو غائب ہے اس نے معاف کر دیا ہو، لہٰذا ان کا انتظار کیا جائے گا۔ جب وہ آجائیں گے، اب یہ جو پہلے نے گواہیاں پیش کی تھیں، پہلے بیٹے نے، تو کیا یہ اس کی گواہیاں ان کے لیے بھی کافی ہو گئیں؟ کیا ان کو بھی قصاص کا حق مل جائے گا؟ کہتے ہیں نہیں۔ یہ جو قصاص ثابت ہوتا ہے کس طریقے پر ہوتا ہے؟ وارثوں کے لیے خلافت کے طریقے پر۔ اور خلافت کے طریقے پر جو چیز وارثوں کے لیے ثابت ہو تو ایک وارث دوسرے کا قائم مقام نہیں۔ تو اس بیٹے نے جب دو گواہ پیش کیے تو یہ باقی بھائیوں کی طرف سے نہیں ہیں، یہ صرف اس کی اپنی طرف سے ہے، یہ باقیوں کا قائم مقام اور جانشین نہیں ہے۔ لہٰذا جب باقی بھائی آئیں گے تو ان کو پھر دو گواہ پیش کرنا پڑیں گے، وہ پھر دوبارہ گواہ پیش کریں گے، وہی گواہ دوبارہ لے آئیں لیکن دوبارہ پیش کرنے پڑیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر دوبارہ پیش کریں گے اور پھر ان کے لیے قصاص کا حق ثابت ہو گا بھئی۔

تو مسئلہ سمجھ میں آیا کہ وہ چیز جو وراثت کے طریقے پر منتقل ہو وارثوں کی طرف، وہاں ایک وارث باقیوں کی طرف سے قائم مقام بن جاتا ہے۔ یعنی خصم کہتے ہیں فریقِ مخالف کو، کس کو؟ تو ایک وارث باقی سب کی طرف سے فریقِ مخالف اور مقابل بن جاتا ہے، وہ مقدمہ لڑ سکتا ہے اور یہ سب کی طرف سے شمار ہو گا۔ لیکن اگر مسئلہ ہے قصاص کا، تو قصاص کس طریقے پر ثابت ہوتا ہے؟ خلافت۔ اور خلافت کے طریقے پر جو ثابت ہو وہاں ایک وارث دوسرے وارث کا قائم مقام اور جانشین نہیں بنتا۔ لہٰذا جب ایک وارث نے دو گواہ پیش کر دیے تو اس کا، اس کے لیے قصاص کا حق ثابت ہوا، لیکن ابھی قصاص لیں گے نہیں کیونکہ جو غائب ہیں ہو سکتا ہے وہ کیا کر دیں؟ معاف کر دیں، لہٰذا ان کا انتظار کریں گے۔ اور جب وہ آجائیں گے تو یہ گواہی ان کے لیے کافی نہیں، ان کے لیے قصاص کا حق ابھی نہیں ہے۔ لہٰذا وہ کیا کریں گے اگر قصاص لینا چاہتے ہیں؟ پھر کیا کرنا پڑے گا ان کو؟ پھر گواہوں کو قاضی کے پاس پیش کرنا پڑے گا، یعنی پھر دونوں جائیں گے اور قاضی کے پاس وہ گواہ پیش کر دیں گے۔ اب دیکھو یہ ان کو بھی قصاص کا حق مل گیا، اب ان کی مرضی ہے قصاص لینا چاہیں یا صلح کر کے مال لینا چاہیں۔ اور اگر معاف کر دیں پھر تو بات ہی الگ ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ معنی ہے: فَلَا يَصِيرُ أَحَدُهُمْ خَصْمًا عَنِ الْبَقِيَّةِ، پس نہیں ہو گا ان وارثوں میں سے کوئی ایک خَصْمًا فریقِ مخالف عَنِ الْبَقِيَّةِ باقیوں کی طرف سے۔ باقیوں کی طرف سے یہ فریقِ مخالف نہیں ہو گا، یا یوں کہو مقابل، یہ باقیوں کی طرف سے مقابل نہیں ہو گا مقدمے میں قاضی کے پاس۔

اِعْلَمْ أَنَّ كُلَّ مَا يَمْلِكُهُ الْوَرَثَةُ بِطَرِيقِ الْوِرَاثَةِ فَأَحَدُهُمْ خَصْمٌ عَنِ الْبَاقِينَ، جان لے تو کہ ہر وہ چیز جس کے مالک بنتے ہیں وارث بِطَرِيقِ الْوِرَاثَةِ وراثت کے طریقے پر، فَأَحَدُهُمْ خَصْمٌ عَنِ الْبَاقِينَ تو ان میں سے کوئی ایک جو ہے وہ فریقِ مخالف یا یوں کہیں، ان میں سے کوئی ایک جو ہے وہ مقابل ہوتا ہے عَنِ الْبَاقِينَ باقی سب کی طرف سے، أَيْ قَائِمٌ مَقَامَ الْبَاقِينَ فِي

الْخُصُومَةِ، یعنی قائم مقام ہوتا ہے باقیوں کے فِي الْخُصُومَةِ مقدمے کے اندر بھئی۔

حَتَّى إِنِ ادَّعَى أَحَدُ الْوَرَثَةِ شَيْئًا مِنَ التَّرِكَةِ عَلَى أَحَدٍ، یہاں تک کہ اگر دعویٰ کر دیا وارثوں میں سے کسی ایک نے شَيْئًا کسی چیز کا مِنَ التَّرِكَةِ ترکے میں سے عَلَى أَحَدٍ کسی ایک پر۔ وارثوں میں سے کسی ایک نے دعویٰ کر دیا ترکے میں سے کسی چیز کا کسی ایک شخص پر، کسی زید، کہ زید کے پاس یہ جو گاڑی ہے یہ کس کی ہے؟ ہمارے والد کی ہے۔ یہ معنی ہے حَتَّى إِنِ ادَّعَى أَحَدُ الْوَرَثَةِ شَيْئًا مِنَ التَّرِكَةِ، یہاں تک کہ اگر دعویٰ کر دیا وارثوں میں سے کسی ایک نے شَيْئًا مِنَ التَّرِكَةِ ترکے میں سے کسی چیز کا عَلَى أَحَدٍ کسی ایک پر یعنی کسی آدمی پر، وَأَقَامَ بَيِّنَةً اور اس نے بینہ قائم کر دی، تو يَثْبُتُ حَقُّ الْجَمِيعِ تو سب وارثوں کا حق ثابت ہو جائے گا۔ فَلَا يَحْتَاجُ الْبَاقُونَ إِلَى تَجْدِيدِ الدَّعْوَى، تو باقی وارث وہ محتاج نہیں ہوں گے إِلَى تَجْدِيدِ الدَّعْوَى کہ وہ نئے سرے سے دعویٰ کریں، نیا مقدمہ کرنے کی ان کو ضرورت نہیں، سب کا حق اسی میں ثابت ہو گیا۔

وَكَذَا إِذَا ادَّعَى أَحَدٌ عَلَى أَحَدِ الْوَرَثَةِ شَيْئًا مِنَ التَّرِكَةِ۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس کے مال کے مالک اس کے ورثا بن گئے۔ اب ایک باہر کے ایک آدمی نے ان میں سے ایک پر مقدمہ کر دیا اور کہا کہ قاضی صاحب یہ جو مکان ہے، یہ ان کے والد صاحب جن کا انتقال ہو گیا وہ میں نے ان سے یہ مکان خرید لیا تھا، میں نے وہ مکان خرید لیا، تو اس نے کسی ایک وارث پر مقدمہ کر دیا اور اس معاملے پر گواہ بھی پیش کر دیے، تو مکان کا اس کے حق میں فیصلہ ہو جاتا ہے، تو یاد رکھو اب دیکھو اس نے مقدمہ ایک وارث پر کیا ہے، اور تو اب یہ نہیں کہ باقی سب پر وہ علیحدہ علیحدہ ہر ایک پر مقدمہ کرے اور پھر گواہوں کو پیش کرے اور اپنا دعویٰ ثابت کرے، نہیں، بلکہ یہ کون کس چیز کا معاملہ ہے؟ مال کا، اور مال کس طریقے پر وارثوں کو ملتا ہے؟ وراثت کے طریقے پر۔ اور وراثت کے طریقے پر جو چیز وارثوں کو ملے، اس میں ایک فریق باقیوں کی طرف سے بھی قائم مقام ہو جاتا ہے۔ تو جب ایک پر اس نے مقدمہ کیا ہے تو یہ ایک باقی سب کے قائم مقام ہے، گویا سب کی طرف سے وہ یہ مقدمہ لڑ رہا ہے، اور جب وہ فیصلہ اس کے خلاف ہو گیا تو گویا سب کے خلاف۔

فیصلہ ہوا اور وہ مکان اس مدعی کو مل جائے گا۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

یہ معنی ہے وَكَذَا إِذَا ادَّعَىٰ أَحَدٌ عَلَىٰ أَحَدِ الْوَرَثَةِ شَيْئًا مِنَ التَّرِكَةِ، اسی طرح اگر دعویٰ کر دیا کسی شخص نے عَلَىٰ أَحَدِ الْوَرَثَةِ وارثوں میں سے کسی ایک پر، کسی ایک پر ہی دعویٰ کیا کس چیز کا؟ شَيْئًا مِنَ التَّرِكَةِ ترکے میں سے کسی چیز کا، وَأَقَامَ الْبَيِّنَةَ عَلَيْهِ اور اس کے خلاف بینہ بھی قائم کر دی، يَثْبُتُ عَلَى الْجَمِيعِ تو یہ دعویٰ ثابت ہو جائے گا سب پر، سارے وارثوں کے خلاف یعنی یہ دعویٰ ثابت ہو جائے گا، حَتَّىٰ لَا يَحْتَاجَ الْمُدَّعِي إِلَىٰ أَنْ يَدَّعِيَ عَلَىٰ كُلِّ وَاحِدٍ، یہاں تک کہ دعویٰ کرنے والا یعنی مدعی جو ہے وہ محتاج نہیں ہو گا کہ أَنْ يَدَّعِيَ عَلَىٰ كُلِّ وَاحِدٍ کہ وہ دعویٰ کرے ہر ایک پر، ہر ایک پر علیحدہ دعویٰ کرنے کی اس کو ضرورت نہیں ہے۔

وَمَا يَمْلِكُهُ الْوَرَثَةُ لَا بِطَرِيقِ الْوِرَاثَةِ، اور وہ چیز جس کے ورثا مالک بنتے ہیں لَا بِطَرِيقِ الْوِرَاثَةِ وراثت کے طریقے کے

علاوہ سے، جس کے وارث مالک بنتے ہیں وراثت کے طریقے کے علاوہ یعنی خلافت کے طریقے پر، تو لَا يَصِيرُ أَحَدُهُمْ خَصْمًا عَنِ الْبَاقِينَ تو وہاں پر نہیں ہوتا ان میں سے کوئی ایک مقابل عَنِ الْبَاقِينَ باقیوں کی طرف سے، وہ باقیوں کی طرف سے فریقِ مخالف نہیں بنے گا جہاں وہ مالک بنے خلافت کے طریقے پر۔

فَفَرَّعَ عَلَىٰ هٰذَا قَوْلَهُ، تو اسی پر تفریع کی مصنف نے اپنے اس قول کی یعنی اسی پر اگلا یہ مسئلہ مرتب کیا: فَلَوْ أَقَامَ حُجَّةً بِقَتْلِ أَبِيهِ غَائِبًا أَخُوهُ فَحَضَرَ يُعِيدُهَا۔ صورتِ مسئلہ یہ: دو بھائی تھے، ان کے والد کو کسی نے قتل کر دیا، ایک بھائی سفر پر گیا ہوا ہے، دوسرے بھائی نے قاضی کے پاس مقدمہ کر دیا اور دو گواہ پیش کر دیے کہ قاضی صاحب فلاں آدمی نے میرے والد صاحب کو قتل کیا ہے۔ اب اس کے بعد وہ جو غائب بھائی تھا وہ بھی آگیا، تو کیا اب اس کو دوبارہ بینہ قائم کرنا پڑے گی؟ آپ بتلائیے بھئی، بینہ قائم کرنا پڑے گی کہ نہیں؟ ہاں، اس کو دوبارہ بینہ قائم کرنا پڑے گی، شاباش بھئی۔

دیکھیے بھئی، فَلَوْ أَقَامَ حُجَّةً، حجت بھی بینہ کو کہتے ہیں، گواہی قائم کرنا، یعنی دو گواہ پیش کرنا۔ فَلَوْ أَقَامَ حُجَّةً پس اگر دعویٰ کرنے والے نے بینہ قائم کر دی بِقَتْلِ أَبِيهِ کس چیز پر؟ اپنے باپ کے قتل پر، اس حال میں کہ غَائِبًا أَخُوهُ کہ اس کا بھائی غائب تھا، ایک بھائی غائب تھا، فَحَضَرَ پھر وہ غائب بھائی حاضر ہو گیا، يُعِيدُهَا تو وہ غائب بھائی پھر اعادہ کرے گا اس بینہ کا، پھر دہرائے گا اس کو۔

یاد رکھو یہ غَائِبًا أَخُوهُ، یہ غَائِبًا، غَائِبًا حال ہے اور یہ أَخُوهُ اس کا فاعل ہے، اس کا فاعل، تو یہ أَخُوهُ کو رفع جو ہے غَائِبًا دے رہا ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ صفت کے صیغے بھی یہ فعل کی طرح عمل کرتے ہیں۔ جیسے فعل فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول کو نصب، اسی طرح صفت کے صیغے بھی فاعل کو رفع دیتے ہیں اور مفعول کو نصب دیتے ہیں۔ تو یہاں پر غَائِبًا صیغہ ہے اسمِ فاعل کا اور یہ أَخُوهُ اس کے لیے فاعل ہے۔

أَيْ فَلَوْ أَقَامَ أَحَدُ الْوَرَثَةِ بَيِّنَةً، یعنی اگر قائم کر دیا وارثوں میں سے کسی ایک نے بینہ کو وَأَخُوهُ غَائِبٌ اس حال میں کہ اس کا بھائی غائب ہے، بینہ قائم کی کس بات پر؟ کہ أَنَّ فُلَانًا قَتَلَ أَبَاهُ عَمْدًا کہ فلاں نے قتل کیا ہے اس کے ابا جان کو عمداً، جان بوجھ کر، يُرِيدُ الْقِصَاصَ وہ کیا چاہتا ہے؟ يُرِيدُ الْقِصَاصَ وہ قصاص چاہتا ہے، ثُمَّ حَضَرَ أَخُوهُ پھر اس کا وہ غائب بھائی حاضر ہو گیا، وہ آگیا، تو يَحْتَاجُ إِلَىٰ إِعَادَةِ إِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، تو وہ محتاج ہو گا کہ وہ اقامتِ بینہ کا اعادہ کرے، پھر بینہ دوبارہ سے قائم کرے، اس کو دوبارہ سے لوٹائے۔ اِعَادَة کا معنی لوٹانا، کسی چیز کو دہرانا۔ ثُمَّ حَضَرَ أَخُوهُ پھر وہ بھائی غائب جو تھا وہ حاضر ہو گیا، تو يَحْتَاجُ إِلَىٰ إِعَادَةِ إِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ تو وہ محتاج ہو گا کہ وہ پھر دہرائے بینہ کی اقامت کو، بینہ قائم کرنے کو، عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ امام صاحب کے نزدیک، خِلَافًا لَهُمَا بخلاف صاحبین کے، وہ فرماتے ہیں نہیں دوبارہ بینہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ فرماتے ہیں یہ قصاص بھی وراثت کے طریقے پر ثابت ہوتا ہے اور وراثت کے طریقے میں ایک وارث باقیوں کی طرف سے قائم مقام بنتا ہے، تو وہ گویا صرف اپنی طرف سے بینہ پیش نہیں کر رہا،

سب کی طرف سے قائم مقام ہو کر بینہ پیش کر رہا ہے۔

آگے دیکھیے بھئی: وَفِي الْخَطَإِ وَالدَّيْنِ لَا۔ پیچھے کیا آیا تھا؟ کہ بھائی کیا کرے گا جب بھائی غائب تھا حاضر ہو گیا تو وہ بینہ کا اعادہ کرے گا کیونکہ یہ مسئلہ کون سا ہے؟ قصاص کا، اور قصاص کس طریقے پر ثابت ہوتا ہے؟ خلافت کے طریقے پر۔ لیکن اگر مال، دین ہے یا دیت وغیرہ ہے پھر؟ پھر اعادے کی ضرورت نہیں، یہی بیان کر رہے ہیں: وَفِي الْخَطَإِ وَالدَّيْنِ لَا، اور خطا یعنی قتلِ خطا کی صورت میں اور دین کی صورت میں لَا، یعنی پھر اعادہ نہیں کرے گا۔ قتلِ خطا کی صورت میں بھی اعادہ نہیں کیونکہ اس میں دیت آتی ہے اور دیت کیا ہے؟ مال ہے۔ اور دین، دین جو ہے مثلاً فلاں شخص نے میرے والد صاحب کا اتنا دین ادا کرنا ہے، اس کے ذمے اتنے پیسے ہیں، تو اس میں ایک بیٹا گواہ پیش کر دے یہ سب کی طرف سے گواہ ہو، گواہ شمار ہوں گے۔

یہ معنی ہے وَفِي الْخَطَإِ وَالدَّيْنِ لَا، اور قتلِ خطا کی صورت میں اور دین کی صورت میں وہ بینہ کا اعادہ نہیں کرے گا۔ أَيْ إِذَا كَانَ الْقَتْلُ خَطَأً لَا يَحْتَاجُ إِلَىٰ إِعَادَةِ الْبَيِّنَةِ، اگر قتل جو تھا وہ غلطی سے ہوا تھا تو پھر اس کو حاجت نہیں ہے بینہ کو دہرانے کی، لِأَنَّ مُوجَبَهُ الْمَالُ اس لیے کیونکہ قتلِ خطا کا مُوجَب کیا ہے؟ اس کا مقتضیٰ کیا ہے؟ الْمَالُ، اس میں مال آتا ہے، اس میں قصاص نہیں آتا۔ مُوجَب جس کا وہ تقاضا کرتا ہے، یعنی اس کا حکم۔ تو اس قتلِ خطا کا مقتضیٰ جو ہے وہ مال ہے یا یوں کہو کہ قتلِ خطا کا حکم جو ہے وہ مال ہے۔ وَطَرِيقُ ثُبُوتِهِ الْمِيرَاثُ، اور مال کے ثابت ہونے کا طریقہ کس طریقے پر مال ثابت ہوتا ہے؟ الْمِيرَاثُ، میراث کے طریقے پر۔ یہ معنی ہے وَطَرِيقُ ثُبُوتِهِ أَيْ ثُبُوتِ الْمَالِ، مال کے ثبوت کا طریقہ جو ہے الْمِيرَاثُ وہ میراث ہے، وراثت کے طریقے پر ہے۔

وَفِي الدَّيْنِ إِذَا أَقَامَ أَحَدُ الْوَرَثَةِ الْبَيِّنَةَ أَنَّ لِأَبِيهِ عَلَىٰ فُلَانٍ كَذَا۔ صورت یہ: دین کے مسئلے میں بھی بھئی ایک شخص کا انتقال ہوا اور ایک بیٹے نے دعویٰ کر دیا قاضی کے پاس کہ میرے والد صاحب کا اتنا دین زید نے ادا کرنا ہے، تو یہ بینہ کافی ہے، سب کو الگ الگ دعویٰ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وَفِي الدَّيْنِ اور دین کے اندر إِذَا أَقَامَ أَحَدُ الْوَرَثَةِ الْبَيِّنَةَ جب قائم کر دیا وارثوں میں سے کسی ایک نے بینہ کو، کیا بینہ قائم کی؟ کہ أَنَّ لِأَبِيهِ عَلَىٰ فُلَانٍ كَذَا کہ ان کے باپ کا فلاں پر اتنا مال ہے، فَحَضَرَ أَخُوهُ پھر اس کا دوسرا بھائی جو ہے وہ بھی حاضر ہو گیا جو سفر پر گیا تھا، جو غائب تھا، تو لَا يَحْتَاجُ إِلَىٰ إِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ تو وہ محتاج نہیں ہے بینہ قائم کرنے کا، اس کو دوبارہ بینہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

فَلَوْ بَرْهَنَ الْقَاتِلُ عَلَىٰ عَفْوِ الْغَائِبِ فَالْحَاضِرُ خَصْمٌ وَسَقَطَ الْقَوَدُ۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص ہے اس کو کسی نے قتل کر دیا اور وہ مقتول کے دو بیٹے ہیں۔ ایک بیٹا اس وقت حاضر ہے، موجود ہے، اور ایک بیٹا سفر پر گیا ہوا ہے۔ تو وہ جو قاتل ہے اس نے قاضی کے پاس مقدمہ کر دیا اس حاضر بیٹے پر۔ حاضر بیٹے کو بلوایا گیا اور اس کے سامنے اس قاتل نے دو گواہ پیش کر دیے، جنہوں نے گواہی دی کہ آپ کا جو بھائی غائب ہے اس نے اس قاتل کو معاف کر دیا ہے۔

تو سوال یہ ہے، کیا یہ بینہ معتبر ہے؟ کیونکہ یہ گواہی وہ کس کے خلاف پیش کر رہا ہے؟ وہ جو غائب ہے۔ حالانکہ وہ حاضر ہو پھر ہی بینہ سنی جائے گی نا، آپ کو میں بتلا چکا ہوں غائب کے خلاف فیصلہ نہیں ہو سکتا اور نہ بینہ سنی جا سکتی ہے۔ تو کیا یہاں قاضی کا یہ بینہ ٹھیک ہے؟ کہتے ہیں ہاں بھئی، یہاں قاضی بینہ سن سکتا ہے۔ بھئی کس طرح، وہ جس کے خلاف دعویٰ ہے وہ تو غائب ہے، جس کے خلاف دعویٰ ہے وہ تو غائب! کہتے ہیں بھئی یہ جو حاضر ہے یہ یہاں خصم بن جائے گا، فریقِ مخالف بن جائے گا۔ بھئی یہ کیسے فریقِ مخالف بنے گا؟ کہتے ہیں آپ ذرا دعوے پر غور کر لیں۔

بھئی میں نے آپ کو پہلے بتلایا تھا کہ جب مقتول کے اولیاء میں سے ایک بھی معاف کر دے تو قصاص ساقط ہو جاتا ہے اور باقی وارثوں کو پھر مال ملتا ہے۔ توجہ ہے؟ اگلے مسئلے میں بھی تفصیل آئے گی، لہٰذا ابھی سے سمجھ لو۔ یاد رکھو مثلاً ایک شخص کو کسی نے قتل کر دیا اور اس کے چار بیٹے تھے، ان چار میں سے ایک نے قاتل کو معاف کر دیا، تو باقیوں کا حق بھی قصاص سے ساقط ہو گیا، اب باقیوں کو مال ملے گا۔ معاف تو ایک نے کیا ہے، باقیوں کو مال ملے گا۔ چار بیٹوں میں سے ایک نے معاف کر دیا تو قصاص ساقط ہو جائے گا، قصاص ساقط ہو جائے گا، اور باقی تینوں کو مال ملے گا۔ اب کتنا مال ملے گا؟ کہتے ہیں اس کا حساب دیت سے لگایا جائے گا۔ کس سے لگائیں گے؟ دیت سے۔ کل چار بیٹے، اور دیت میں سو اونٹ آتے ہیں، یا دس ہزار درہم آتے ہیں، یا ایک ہزار دینار، وہ جس کے ذریعے بھی ادائیگی کرنا چاہیں۔ چار بیٹے ہیں تو ہر ایک کا حصہ کتنا بنے گا؟ ربع بنے گا یعنی چوتھا حصہ۔ اور ایک نے تو معاف کر دیا تو اس کا حصہ ساقط ہوا اور باقیوں کو ایک ایک ربع مل جائے گا، تین بھائیوں کو ایک ایک ربع یعنی پچیس پچیس اونٹ مل جائیں گے تین بھائیوں کو، اور چوتھے نے تو معاف کر دیا۔

اور مال کی صورت میں بھی اسی طرح ہو گا۔ مثلاً چار بیٹے تھے، ان کے باپ کو کسی نے قتل کر دیا۔ ان چار میں سے ایک نے قاتل سے دس لاکھ روپے لے لیے کہ میں اپنا قصاص معاف کرتا ہوں، مجھے کتنا مال دے دو؟ دس لاکھ۔ تو جب اس ایک نے قصاص کو ساقط کیا، صلح کر لی مال پر، تو باقیوں کا حق بھی قصاص میں ساقط ہو گیا، کیونکہ قصاص میں تقسیم نہیں ہے۔ یہ قصاص میں تو روح کا نکالنا ہے، کچھ روح نکالی جائے اور کچھ نہ نکالی جائے، یہ تو نہیں ہو سکتا بھئی۔ تو جب ایک نے قصاص میں حق کو ساقط کیا تو باقیوں کا حق بھی قصاص میں ساقط ہو گیا، لیکن انہوں نے تو معاف وغیرہ نہیں کیا، تو ان کا حق مال کی طرف منتقل ہو جائے گا، اور پھر اسی طرح حساب لگائیں گے کہ چار بھائی تھے تو ہر ایک کا حصہ کتنا بنتا ہے؟ ربع بنتا ہے، دیت کا چوتھا حصہ ہر ایک کو ملنا چاہیے۔ تو ایک نے تو دس لاکھ روپے لے لیے، اب اس ایک کے حصے کا حساب نہیں کریں گے، وہ چاہے دس لاکھ لیتا ہے چاہے وہ ایک کروڑ لیتا ہے، باقیوں کا حصہ کتنا، ہر ایک کا حصہ بنتا کتنا ہے؟ ربع، تو باقیوں کو ربع ربع دے دیں گے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یعنی پچیس پچیس اونٹ تین بھائیوں کو مل گئے اور ایک بھائی جو ہے اس نے دس لاکھ روپے لے لیے۔ بات سمجھ میں، اور قاتل کو یہ فائدہ ہوا کہ اس کی جان بچ گئی، اگر وہ

پہلا والا صلح نہ کرتا تو باقی تو قصاص لینے کے لیے تیار تھے۔ تو بے شک اب اس کا مال دیکھو زیادہ چلا گیا، لیکن وہ ایک بھائی کے ساتھ اس نے صلح کی، اس کو مال دیا، اس کی وجہ سے اس کی جان بچ گئی اور باقیوں کا حق مال کی طرف منتقل ہوا، اور مال کا حساب کس سے لگائیں گے؟ دیت سے، اور دیت کے کل کتنے بھائی؟ چار بھائی۔ تو چار بھائیوں میں سے ہر ایک کے حصے میں کتنے بنتے ہیں؟ ربع یعنی پچیس پچیس اونٹ بنتے ہیں، گویا ایک بھائی نے اپنا حصہ وصول کر لیا چاہے وہ جس شکل میں بھی کیا، جتنا بھی کیا، باقی تینوں کو ایک ایک چوتھائی یعنی ربع ربع حصہ مل جائے گا، یعنی یا یوں کہو ڈھائی ڈھائی ہزار درہم باقی تینوں کو مل جائیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو اب صورت یہ بیان ہو رہی تھی بھئی، یہ جو مسئلہ ذکر ہو رہا ہے کہ ایک شخص کے دو بیٹے تھے، اس شخص کو کسی نے قتل کر دیا، اور ایک بیٹا غائب ہے اور ایک موجود ہے۔ اور قاتل نے یہ جو حاضر بیٹا ہے اس پر مقدمہ کر دیا اور دو گواہ پیش کر دیے کہ قاضی صاحب اس کا جو بھائی غائب ہے، جو سفر پر گیا ہوا ہے، اس نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ تو کیا قاضی یہ بینہ سنے گا؟ کیونکہ یہ تو بینہ غائب کے خلاف ہے، وہ تو گیا ہوا ہے، یہ جو حاضر بھائی ہے اس کے خلاف تو بینہ نہیں۔ کہتے ہیں یہ قاضی سن سکتا ہے اور یہ جو حاضر بھائی ہے یہ فریقِ مخالف بن جائے گا۔ کیا بن جائے گا؟ فریقِ مخالف بن جائے گا۔ بھئی کیسے فریقِ مخالف بنے گا؟ کہتے ہیں دیکھو آپ ذرا اس مسئلے پر غور کر لیں، جب وہ قاتل یہ کہہ رہا ہے کہ اس غائب نے مجھے معاف کر دیا، تو اس کے کہنے کا کیا مطلب؟ کہ حاضر کا حق قصاص میں نہیں ہے، اس کا حق مال میں ہے۔ توجہ ہے؟ جب ایک نے قصاص ساقط کر دیا تو دوسرے کا حق منتقل ہو جائے گا کس کی طرف؟ قصاص، تو گویا غائب پر یہ دعویٰ کرنا کہ اس نے معاف کر دیا، یہ دراصل حاضر پر یہ دعویٰ کرنا ہے کہ اس کا حق قصاص میں نہیں ہے قاضی صاحب، اس کا حق کس میں ہے؟ مال میں ہے، آپ فیصلہ اس پر فرما دیں، یہ مجھ سے قصاص۔

وصول نہیں کر سکتا، مال وصول کر سکتا ہے۔ تو گویا یہ اسی حاضر کے خلاف ہی دعویٰ ہے، غائب کے خلاف دعویٰ ہے ہی نہیں۔ گویا دوسرے لفظوں میں یوں کہو، قاتل کا دعویٰ غائب کے بارے میں ہے ہی نہیں، دعویٰ ہی کس کے بارے میں ہے؟ حاضر کے بارے میں، کہ قاضی صاحب اس کا حق قصاص لینا نہیں ہے، اس کا حق کیا ہے؟ مال لینا۔ اور پھر دو گواہ پیش کرتا ہے، اور کیا ثابت کیا کرنا ہے؟ کہ اس، نہیں نہیں، اس کی معافی کو چھوڑ دو، ثابت کیا کرنا ہے کہ، دعویٰ کیا کر رہا ہے؟ کہ اس کا حق قصاص میں نہیں ہے بلکہ اس کا حق کس چیز میں ہے؟ مال میں ہے۔ اور اس کا حق قصاص میں نہیں بلکہ مال میں ہے اس کے لیے اس کو دو گواہ پیش کرنے پڑیں گے جو ثابت کریں کہ غائب نے معاف کیا۔ غائب نے؟ تو گویا اس کا دعویٰ ہے ہی اسی شخص کے، اسی بھائی کے خلاف جو اس وقت موجود ہے، لہٰذا قاضی بینہ سنے گا اور پھر فیصلہ کر دے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: فَلَوْ بَرْهَنَ الْقَاتِلُ عَلَىٰ عَفْوِ الْغَائِبِ، بَرْهَنَ کا معنی بھی بینہ قائم کرنا، دو گواہ پیش کرنا۔ فَلَوْ بَرْهَنَ الْقَاتِلُ عَلَىٰ

عَفْوِ الْغَائِبِ پس اگر بینہ قائم کر دی قاتل نے عَلَىٰ عَفْوِ الْغَائِبِ وہ جو غائب وارث ہے اس کے معاف کرنے پر، فَالْحَاضِرُ خَصْمٌ تو حاضر جو ہے وارث وہ فریقِ مخالف ہو گا، وَسَقَطَ الْقَوَدُ اور قصاص ساقط ہو جائے گا۔

أَيْ إِذَا كَانَ بَعْضُ الْوَرَثَةِ غَائِبًا وَالْبَعْضُ حَاضِرًا، اگر وارثوں میں سے بعض غائب تھے اور بعض حاضر تھے، فَأَقَامَ الْقَاتِلُ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْحَاضِرِ پھر قاتل نے بینہ قائم کر دی حاضر کے خلاف کہ أَنَّ الْغَائِبَ قَدْ عَفَا کہ وہ جو غائب وارث ہے اس نے اس کو معاف کر دیا ہے، فَالْحَاضِرُ خَصْمٌ تو یہ جو حاضر بھائی ہے یہ فریقِ مخالف بن جائے گا۔ کیوں؟ لِأَنَّهُ يَدَّعِي عَلَى الْحَاضِرِ سُقُوطَ حَقِّهِ فِي الْقِصَاصِ، اس لیے کیونکہ قاتل وہ دعویٰ کر رہا ہے اسی حاضر پر سُقُوطَ حَقِّهِ فِي الْقِصَاصِ کہ اس کا حق قصاص میں ساقط ہو چکا ہے، تو وہ گویا اسی حاضر کے خلاف دعویٰ کر رہا ہے کہ اس کا حق قصاص میں ساقط ہو چکا ہے، وَانْتِقَالَهُ إِلَىٰ مَالٍ اور اس کا حق منتقل ہو چکا ہے مال کی طرف، فَيَكُونُ خَصْمًا تو یہ حاضر خصم یعنی فریقِ مخالف بنے گا یہاں پر۔

وَكَذَا لَوْ قُتِلَ عَبْدٌ بَيْنَ رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا غَائِبٌ، اور اسی طرح ہو گا مسئلہ لَوْ قُتِلَ عَبْدٌ اگر قتل کر دیا گیا کسی ایسے غلام کو بَيْنَ رَجُلَيْنِ جو دو آدمیوں کے درمیان تھا، یعنی جو دو آدمیوں کا تھا۔ کوئی غلام دو آدمیوں کا تھا بھئی، زید اور بکر نے مل کر ایک غلام خریدا ہے، پھر اس غلام کو کسی نے قتل کر دیا، تو زید بھی اس کا مالک ہے اور بکر بھی مالک، لیکن بکر اس وقت سفر پر گیا ہوا ہے، صرف زید موجود ہے، اور اب قاتل دو گواہ پیش کرتا ہے کہ قاضی صاحب وہ جو مالک غائب ہے اس نے مجھے معاف کر دیا ہے، اس پر دو گواہ پیش کرتا ہے، اور صرف کون موجود ہے؟ زید موجود ہے۔ تو زید فریقِ مخالف بنے گا، کیونکہ اس غائب کی معافی دراصل یہ دعویٰ ہے کہ زید کا حق قصاص سے منتقل ہو گیا ہے کس کی طرف؟ مال کی طرف، تو زید بھی گویا خصم فریقِ مخالف ہے لہٰذا قاضی سنے گا بینہ کو۔

یہ معنی ہے: وَكَذَا لَوْ قُتِلَ عَبْدٌ بَيْنَ رَجُلَيْنِ، اسی طرح اگر قتل کر دیا گیا ایسے غلام کو جو دو آدمیوں میں مشترک تھا، أَحَدُهُمَا غَائِبٌ اس حال میں کہ ان میں سے ایک غائب تھا، اور پھر قاتل نے بینہ پیش کی بھئی۔

أَيْ عَبْدٌ مُشْتَرَكٌ بَيْنَ رَجُلَيْنِ، یعنی ایک مشترک غلام تھا دو آدمیوں کے درمیان، أَحَدُهُمَا غَائِبٌ ان میں سے ایک غائب تھا یعنی ایک مالک جو تھا وہ غائب تھا، قُتِلَ عَمْدًا اس غلام کو جان بوجھ کر قتل کر دیا گیا، فَادَّعَى الْقَاتِلُ عَلَى الْحَاضِرِ پھر دعویٰ کر دیا قاتل نے حاضر کے خلاف کہ أَنَّ الْغَائِبَ قَدْ عَفَا کہ وہ جو غائب ہے اس نے اس کو معاف کر دیا ہے، فَالْحَاضِرُ خَصْمٌ وَسَقَطَ عَنْهُ الْقَوَدُ تو یہ حاضر جو ہے یہ مقابل بنے گا، وَسَقَطَ عَنْهُ الْقَوَدُ اور قاتل سے قصاص جو ہے وہ ساقط ہو جائے گا، لِمَا ذَكَرْنَا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دی۔ ہم نے ذکر کر دی کیونکہ غائب کی معافی کا دعویٰ گویا یہ دعویٰ ہے کہ یہ جو حاضر ہے اس کا حق قصاص سے ساقط ہو کر کس کی طرف منتقل ہو گیا ہے؟ مال کی طرف۔ تو لہٰذا یہ خصم بنے گا، تو یہ قاضی اس کو سنے گا بینہ کو۔

آگے دیکھیے بھئی: فَإِنْ شَهِدَ وَلِيًّا قَوَدٍ بِعَفْوِ أَخِيهِمَا بَطَلَتْ وَهِيَ أَيِ الشَّهَادَةُ عَفْوٌ مِنْهُمَا، فَإِنْ صَدَّقَهُمَا الْقَاتِلُ وَحْدَهُ فَلِكُلٍّ

مِنْهُمْ ثُلُثُ الدِّيَةِ، وَإِنْ كَذَّبَهُمَا فَلَا شَيْءَ لَهُمَا وَلِلْآخَرِ ثُلُثُ الدِّيَةِ، وَإِنْ صَدَّقَهُمَا الْأَخُ فَقَطْ فَلَهُ الثُّلُثُ.

صورتِ مسئلہ یہ بھئی: بھئی یہ مسئلہ تقریباً ایک صفحے تک جا رہا ہے اور پہلے آپ بنیادی طور پر اس کو اچھی طرح سمجھ لیں، پھر اس کو تھوڑا سا میں لکھواؤں گا بھی، دو چار صورتیں ہیں وہ لکھ لیں گے پھر، ذرا پہلے تھوڑا سا سمجھ لیں۔ صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص کو کسی دوسرے شخص نے قتل کر دیا اور اس کے تین بیٹے تھے جو قصاص کے مالک ہیں۔ ان تین بیٹوں میں سے دو بیٹوں نے قاضی کے پاس گواہی دی کہ قاضی صاحب یہ جو ہمارا تیسرا بھائی ہے اس نے قاتل کو قصاص معاف کر دیا ہے۔ بیٹے کتنے تھے؟ تین۔ ان، وہ تینوں قصاص کے مالک ہو گئے، لیکن ان تین میں سے دو نے قاضی کے پاس گواہی دی کہ قاضی صاحب یہ جو تیسرا ہمارا بھائی ہے اس نے قاتل کو قصاص معاف کر دیا ہے۔

تو یہاں پھر چار صورتیں بنتی ہیں کہ وہ تیسرا بھائی اور وہ جو قاتل ہیں، وہ ان دونوں کی تصدیق کریں گے کہ ہاں جی قاضی صاحب یہ صحیح کہہ رہے ہیں۔ توجہ ہے؟ بھائی کتنے؟ تین۔ یہ تین میں سے دو گواہی دے رہے ہیں کس کے خلاف؟ تیسرے کے خلاف۔ کیا گواہی دی کہ اس نے قصاص میں اپنا حق معاف، یوں کہیں کہ اس نے معاف کر دیا ہے، قاتل کو، اس نے قاتل کو معاف کر دیا ہے۔ تو اب تیسرا بھائی اور قاتل، وہ یا تو دونوں کی تصدیق کریں گے، وہ کہیں گے قاضی صاحب یہ سچ کہہ رہے ہیں، وہ تیسرا بھائی بھی کہتا ہے اور قاتل بھی کہتا ہے۔ دوسری صورت، دونوں ان کو جھٹلائیں گے، تیسرا بھائی کہے گا قاضی صاحب یہ جھوٹ بول رہے ہیں اور قاتل بھی کہتا ہے قاضی صاحب یہ دونوں جھوٹ بول رہے، دونوں تکذیب کرتے ہیں ان دو گواہوں کی۔ تیسری صورت، صرف قاتل تصدیق کرتا ہے اور کہتا ہے قاضی صاحب یہ دونوں سچ کہہ رہے ہیں، لیکن وہ جو تیسرا بھائی ہے وہ کہتا ہے قاضی صاحب یہ دونوں جھوٹ بول رہے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ وہ تیسرا بھائی تصدیق کرتا ہے اور قاتل کہتا ہے کہ یہ دونوں جھوٹ بول رہے ہیں۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ ایک شخص کے تین بیٹے ہیں، وہ تینوں قصاص کے مالک ہیں، ان کے باپ کو کسی نے قتل کر دیا۔ اب ان تین بھائیوں میں سے دو بھائی کہتے ہیں قاضی صاحب یہ جو ہمارا تیسرا بھائی ہے اس نے قاتل کو معاف کر دیا ہے۔ اب ان کی گواہی معتبر ہے یا نہیں، کیا فیصلہ کریں گے؟ تو اس میں چار صورتیں بنتی ہیں۔ ایک صورت یہ کہ تیسرا بھائی اور قاتل دونوں تصدیق کرتے ہیں کہ قاضی صاحب یہ سچ بول رہے ہیں، یہ خبر جو دے رہے ہیں سچی خبر۔ دوسری صورت، قاتل اور تیسرا بھائی دونوں تکذیب کرتے ہیں کہ قاضی صاحب یہ دونوں جھوٹ بول رہے ہیں۔ تیسری صورت، صرف قاتل تصدیق کرتا ہے اور وہ بھائی تکذیب کرتا ہے۔ چوتھی صورت کہ وہ تیسرا بھائی تصدیق کرتا ہے کہ قاضی صاحب یہ سچ بول رہے ہیں اور قاتل جو ہے وہ ان کی تکذیب کرتا ہے کہ قاضی صاحب یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔

تو کتنی صورتیں ہو گئیں؟ چار صورتیں۔ تو یہ صورتیں ذرا لکھ لیں گے آپ کاپی پر اور ان کا حکم لکھ لیتے ہیں۔ لکھیے بھئی کاپی پر: لکھیں نمبر ایک، دونوں تصدیق کریں۔ نمبر ایک دونوں تصدیق کریں۔ لکھ لیا؟ اب درمیان میں اب دو تین انچ

جگہ چھوڑ دیں، دو تین انچ جگہ چھوڑ دیں، اور اسی سطر کے آخر میں لکھیں: دونوں بھائیوں کے لیے دو ثلث دیت۔ دونوں بھائیوں کے لیے دو ثلث دیت۔ لکھ لیا بھئی؟ یہ پہلی سطر ہی، اس پہلی سطر میں ہی سارا لکھنا ہے، سطر کے شروع میں آپ نے نمبر ایک دے دیا کیونکہ چار صورتیں ہیں نا، ہر صورت کو نمبر دیتے جائیں گے۔ نمبر ایک کیا ہے: دونوں تصدیق کریں، اور پھر کچھ فاصلے پر آگے اس کا حکم بھی لکھ دیا کہ دونوں کے لیے دو ثلث دیت ہوگی۔

اچھا اگلی لائن میں لکھیں نمبر دو: دونوں تکذیب کریں۔ دونوں تکذیب کریں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ دونوں تکذیب کریں۔ تو آگے اس کا آخر میں اس کا حکم لکھیں: صرف تیسرے کے لیے ثلث ہوگا۔ حکم کیا ہے: صرف تیسرے کے لیے ثلثِ دیت ہوگی۔ صرف تیسرے کے لیے ثلثِ دیت ہوگی۔

نمبر تین لکھیں بھئی، تیسری صورت۔ نمبر تین: صرف قاتل تصدیق کرے۔ صرف قاتل تصدیق کرے۔ آگے اس کا حکم لکھیں: تینوں کے لیے، تینوں کے لیے ایک ایک ثلثِ دیت۔ تینوں کے لیے ایک ایک ثلثِ دیت۔

نمبر چار بھئی، چوتھی صورت: صرف تیسرا بھائی تصدیق کرے۔ صرف تیسرا بھائی تصدیق کرے۔ اس کا حکم آخر میں لکھیں: صرف تیسرے کو ایک ثلث ملے گا، صرف تیسرے کو ایک ثلث ملے گا، اور پھر یہی ثلث، اور پھر یہی ثلث اس تیسرے بھائی سے لے کر باقی دونوں بھائیوں میں آدھا آدھا تقسیم کر دیں گے۔ باقی دونوں بھائیوں میں آدھا آدھا تقسیم کر دیں گے۔

لکھ لیا؟ بس مسئلہ ختم ہوا بھئی۔ پھر دیکھ لیں ذرا کیا کیا لکھا۔ پہلی صورت تھی جب دونوں تصدیق کریں بھئی۔ بھئی دونوں سے کون مراد ہے، کون دونوں تصدیق کریں؟ قاتل اور تیسرا بھائی۔ دو بھائی تو گواہی دے رہے ہیں نا، ان کی بات نہیں ہم کر رہے، یہ جو تصدیق کریں گے یا تکذیب کریں گے یہ کون کریں گے؟ قاتل اور تیسرا بھائی جن کے خلاف انہوں نے گواہی دی ہے۔ توجہ ہے؟ ہاں۔ تو دونوں تصدیق کر رہے ہیں یعنی قاتل بھی تصدیق کر رہا ہے کہ یہ سچ بول رہے ہیں اور تیسرا بھائی بھی کہہ رہا ہے یہ سچ بول رہے ہیں۔ تو اس کا حکم آگے کیا لکھا؟ دونوں کے لیے دو ثلثِ دیت، دو ثلثِ دیت یعنی ہر ایک کو، دونوں بھائیوں کو ایک ایک ثلث مل جائے گا۔ تیسرے کو کچھ نہیں ملے گا یہاں، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تیسرے کو کچھ نہیں ملے گا۔

دوسری صورت کیا تھی؟ دونوں تکذیب کریں۔ قاتل بھی کہتا ہے قاضی صاحب یہ جو دو بھائی گواہی دے رہے ہیں یہ جھوٹ بول رہے ہیں، اور تیسرا بھائی بھی کہتا ہے کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ تو اس صورت میں صرف تیسرے کو ثلث ملے گا، یہ جو دو گواہی دے رہے ہیں ان کو کچھ نہیں ملے گا۔

تیسری صورت کیا لکھی آپ نے؟ کہ صرف قاتل تصدیق کرتا ہے کہ قاضی صاحب یہ دونوں سچ بول رہے ہیں یہ جو گواہی

دے رہے ہیں، لیکن وہ جو بھائی ہے وہ کہہ رہا ہے کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ یہی صورت ہے؟ قاتل، صرف تصدیق کون کر رہا ہے؟ قاتل، معلوم ہوا تیسرا بھائی تکذیب کر رہا ہے، کیا کر رہا ہے؟ وہ میں نے لکھوایا تو نہیں لیکن آپ سمجھ گئے کہ تیسرا بھائی کیا کر رہا ہے، تکذیب کر رہا ہے۔ تو اس صورت میں تینوں کے لیے ثلث ہے، ہر ایک کو ایک ایک ثلث ملے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور چوتھی صورت کیا تھی؟ کہ صرف تیسرا بھائی تصدیق کرتا ہے کہ قاضی صاحب یہ دونوں صحیح سچی گواہی دے رہے ہیں، یہ سچ بول رہے ہیں، اور قاتل تکذیب کرتا ہے کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ تو چوتھی صورت میں کون تصدیق کر رہا ہے؟ تیسرا بھائی۔ قاتل کو میں نے ذکر نہیں کیا، معلوم ہوا وہ کیا کر رہا ہے؟ تکذیب کر رہا ہے، وہ جھٹلا رہا ہے۔ تو اس صورت میں صرف تیسرے کے لیے کیا ہوگا؟ ایک ثلث ہوگا، اور یہ ثلث تیسرے سے لے کر کن میں تقسیم کر دیا جائے گا؟ ان دو بھائیوں میں۔ بات سمجھ، یعنی یہ نہیں کہ اس کو دیں گے اور پھر اس سے لے کر تقسیم کریں گے، بس یہ میں نے وضاحت تاکہ آپ کو بعد میں کبھی اشتباہ نہ ہو، اس کو دیں گے ہی نہیں، وہی ایک حصہ لے لیں گے قاتل سے ایک ثلث اور اس کو آدھا آدھا ان دو گواہوں میں تقسیم کر دیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ ہیں چار صورتیں بھئی، چار صورتیں۔

اب ہر ایک کی وجہ بھی سمجھ لو۔ ہر ایک کی وجہ سمجھ لو بھئی کہ اس کی وجہ کیا کیا ہے۔ دیکھو یہاں چار صورتیں بن گئیں، اب یہ ہر ایک میں کس کو کتنا مل رہا ہے اور کس کو کتنا مل رہا ہے مختلف صورتوں میں اس کی وجہ ذرا سمجھتے جاؤ۔ پہلی صورت کیا تھی؟ دونوں تصدیق کریں۔ اچھا وہ...

دو بھائیوں نے کیا گواہی دی ہے قاضی کے پاس کہ قاضی صاحب ہمارا یہ جو تیسرا بھائی ہے اس نے قاتل کو معاف کر دیا ہے، معاف کر دیا ہے۔ اور قاتل بھی تصدیق کر رہا ہے اور تیسرا بھائی بھی۔ سب سے پہلے ایک ضابطہ یاد رکھو، سب سے پہلے ایک ضابطہ: وہ گواہی جس میں گواہ کا اپنا فائدہ ہو، وہ گواہی معتبر نہیں، وہ گواہی باطل ہے۔ وہ گواہی جس میں گواہ کا چاہے اپنا فائدہ ہو، اور فائدے کی پھر دو صورتیں ہیں یا تو فائدہ اس کو براہِ راست حاصل ہو رہا ہے یا اس گواہی کی وجہ سے اس سے کوئی تکلیف اور ضرر دور ہو رہا ہے۔ ضرر کا دور ہونا بھی تو فائدہ ہے نا؟ ہاں، تو یہ نہیں کہ فائدے کا یہ معنی کہ اس کو کچھ مل رہا ہو، ملنا نہیں، بس چاہے اس کو کسی قسم کا کوئی فائدہ حاصل ہو رہا ہو، چاہے اس سے کسی قسم کی تکلیف، کسی قسم کا ضرر اس سے دور ہو رہا ہو، نقصان اس سے دور ہو رہا ہو، تو یہ گواہی باطل ہے۔ ضابطہ کیا ہوا؟ ایسی گواہی جس میں گواہوں کا اپنا فائدہ ہو یا ان کا کوئی نقصان اس سے دور ہو رہا ہو، تو یہ گواہی باطل ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

تو یہاں پر بھی دیکھو، ان دونوں نے گواہی دی، کیا گواہی دی دو بھائیوں نے؟ توجہ ہے؟ کیا گواہی دی کہ قاضی صاحب ہمارے اس تیسرے بھائی نے قاتل کو معاف کر دیا ہے۔ بالفاظِ دیگر وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ قاضی صاحب اب ہمارا حق قصاص میں نہیں ہے، ہمیں مال دلا دیا جائے۔ ہمارا حق قصاص میں نہیں ہے ہمیں مال دلا دیا جائے۔ یہی بات ہو رہی ہے

نا؟ ویسے تو مال لے نہیں سکتے، قاتل سے صلح کرنا پڑے گی، صلح میں وہ پتا نہیں کس طرح مانتا ہے نہیں مانتا، کیسا آدمی ہے، وہ جان تو بچائے گا لیکن اس کی کوشش ہوگی مال کم سے کم مجھے دینا پڑے۔ تو یہ اب دونوں براہِ راست کیا کرنا چاہتے ہیں؟ مال وصول کرنا چاہتے ہیں۔ تو یہ گواہی اس کا تو کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا ان کی گواہی کی وجہ سے ان کے لیے مال ثابت نہیں ہوگا۔

لیکن وہ بھائی نے تصدیق کر دی، دونوں نے تصدیق کی نا، قاتل نے بھی تصدیق کی اور تیسرے بھائی نے بھی۔ جب اس بھائی نے تصدیق کر دی کہ ہاں جی قاضی صاحب یہ سچ کہہ رہے ہیں، میں نے قاتل کو کیا کر دیا؟ معاف کر دیا۔ تو اب معلوم ہوا ان کا حق قصاص میں نہیں ہے بلکہ کس میں ہے؟ مال میں ہے۔ اور پھر قاتل نے بھی تصدیق کر دی کہ ہاں قاضی صاحب ان کا حق کس چیز میں ہے؟ مال میں ہے بھئی، مال میں ہے۔ تو لہٰذا دونوں کی جب تصدیق ہو گئی تو اب ان کو مال مل جائے گا اور تیسرے کو کچھ نہیں ملے گا۔ چنانچہ اسی لیے اس کا حکم میں نے کیا لکھوایا؟ دونوں بھائیوں کے لیے دو ثلث ہیں، ایک ایک ثلث دونوں کو دے دیں گے اور تیسرے نے، تیسرے نے تو تصدیق کر دی ہاں کہ ہاں قاضی صاحب میں نے کیا کیا ہے؟ معاف کیا ہے، لہٰذا اس کا حق ساقط ہو گیا، قصاص بھی ساقط اور تیسرے کا حق بھی ساقط۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دوسری صورت پر آؤ۔ دوسری صورت میں کیا تھا؟ کہ دونوں نے ان دو گواہوں کو جھٹلا دیا، جھٹلا دیا۔ جب دو گواہوں نے، ان دو بھائیوں نے گواہی دی کہ قاضی صاحب ہمارے بھائی نے معاف کر دیا ہے، تو دراصل وہ کس چیز کا دعویٰ کر رہے ہیں؟ کہ قاضی صاحب ہمارا حق قصاص میں نہیں ہے اب کس میں ہے؟ مال میں ہمارا حق ہے، ہمیں مال دلوا دیا جائے۔ اور اس میں تو گواہوں کا اپنا فائدہ ہے، اور ایسی گواہی باطل ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور پھر تیسرے بھائی نے بھی ان کی تکذیب کر دی، اس نے کہا قاضی صاحب یہ جھوٹ بول رہے ہیں میں نے معاف نہیں کیا۔ تو ان دونوں کی گواہی سے تو قصاص خود ہی ساقط ہو گیا۔ کیا ہو گیا؟ گویا یہ اپنی طرف سے معافی کا اعلان کر رہے ہیں ایک لحاظ سے۔ کیا کر رہے ہیں؟ جب انہوں نے یہ باقاعدہ گواہی دے رہے ہیں کہ قاضی صاحب ہمارے بھائی نے قصاص کو معاف کر دیا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ کیا ہوگا؟ کہ قصاص کیا ہو جائے گا؟ قصاص ساقط ہو جائے گا۔ تو گویا اب یوں نہ کہیں کہ یہ کہہ رہے ہیں وہ تیسرے نے کیا کر دیا ہے قصاص ساقط کر دیا ہے، بلکہ یوں سمجھا جائے گا یہ دونوں خود ہی کیا کر رہے ہیں قصاص کو ساقط کر رہے ہیں کیونکہ ان کو نہیں پتا اس دعوے سے قصاص ساقط ہونا ہے؟ ان کو بھی تو پتا ہے اس دعوے سے کیا ہوگا؟ قصاص ساقط ہو جائے گا۔ تو، اور تیسرا تو ان کو جھٹلا رہا ہے، تیسرا تو کیا کر رہا ہے؟ وہ تو کہہ رہا ہے میں نے تو کوئی معاف نہیں کیا، تو گویا یہ ابتداءً ہی کہہ رہے ہیں قاضی صاحب ہم نے معاف کر دیا، قصاص ہم نے چھوڑ دیا، ہم نے قصاص چھوڑ دیا ہے، اور ہمارا حق کس چیز میں ہے؟ مال میں، ہمارا حق کس چیز میں ہے؟ مال میں ہے۔

اور قاتل نے تکذیب کر دی، کہا قاضی صاحب یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ قاتل نے بھی تکذیب کی ہے اور تیسرے بھائی

نے بھی تکذیب کی۔ جب تیسرے بھائی نے تکذیب کر دی، تیسرے بھائی نے کہا کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں، تو تیسرے کا تو حق ساقط نہیں ہوا، توجہ ہے؟ اگر وہ کہہ دیتا کہ ہاں جی قاضی صاحب یہ سچ بول رہے ہیں تو کیا معنی تھا؟ کہ میں نے اپنا حق معاف کر دیا ہے، تو اس کو ثلث نہیں ملنا تھا جیسے پہلے مسئلے میں تھا، اس کو ثلث نہیں ملا۔ توجہ ہے؟ پہلے مسئلے میں تیسرے بھائی کو کیوں نہیں ثلث ملا؟ اس نے کیا کہا تھا ہاں جی یہ سچ کہہ رہے ہیں، یعنی میں نے واقعی قاتل کو کیا کر دیا ہے؟ معاف کر دیا ہے۔ اور قاتل نے وہاں تصدیق کی تھی کہ قاضی صاحب یہ دونوں سچ بول رہے ہیں، تو کیا معنی قاتل کے کہنے کا؟ گویا وہ اس نے اقرار کر لیا کہ ہاں جی قاضی صاحب ان کا حق کس چیز میں ہے؟ مال میں ہے، اور مال کس نے دینا ہے؟ قاتل نے دینا ہے نا، تو اس قاتل کا پہلے مسئلے میں قاتل کا ان کی تصدیق کرنا گویا وہ قاتل کا اقرار ہے کہ ہاں قاضی صاحب میرے ذمے اب ان کا مال ہے وہ میں ان کو دوں گا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو لہٰذا پہلے مسئلے میں تو دونوں بھائیوں کو مال مل جائے گا، تیسرے کو ثلث نہیں ملے گا۔

لیکن اس مسئلے میں قاتل بھی تکذیب کر رہا ہے اور وہ تیسرا بھائی بھی تکذیب کر رہا ہے۔ تو جب انہوں نے گواہی دی کہ قاضی صاحب اس تیسرے بھائی نے ہمارے قصاص کو معاف کر دیا ہے اور اس نے کہا نہیں قاضی صاحب یہ جھوٹ بول رہے ہیں، تو اب ان کے اس دعوے کی وجہ سے قصاص تو خود بخود ساقط ہو گیا، قصاص تو ساقط، اور نیز ان کے لیے مال ثابت ہونا تھا لیکن ان کی اپنی گواہی سے مال ثابت ہو سکتا ہے؟ کوئی آدمی اپنے لیے گواہی دے اس سے اس کی دعویٰ ثابت ہوتا ہے؟ ابھی میں نے ضابطہ بتایا ہر وہ گواہی جس میں گواہ کا اپنا فائدہ ہو وہ گواہی باطل، تو اس گواہی سے ان گواہوں کے لیے کیا ثابت ہو رہا ہے؟ مال، تو لہٰذا اس کی وجہ سے تو ان کے لیے مال ثابت نہیں ہو سکتا اس گواہی کی وجہ سے۔ ہاں پچھلے مسئلے میں ان کے لیے مال ثابت ہوا تھا، کیوں ثابت ہوا تھا؟ قاتل نے اقرار کیا تھا، کیا کیا تھا؟ کہ ہاں قاضی صاحب یہ سچ کہہ رہے ہیں۔ قاتل نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں نے ان کو دیت دینی ہے، قاتل نے صرف کیا کہا تھا؟ یہ سچ بول رہے ہیں، لیکن قاتل کا یہ کہنا گویا اقرار ہے کہ ہاں جی میں ان کو مال دیتا ہوں۔ توجہ ہے نا؟ ان کی گواہی ان کا دعویٰ بھی گویا کیا ہے: ہمارا حق قصاص میں نہیں ہے کس میں ہے؟ مال میں۔ اور قاتل بھی یہی کہہ رہا ہے ہاں جی قاضی صاحب یہ سچ بول رہے ہیں، تو اس کا مطلب ہے وہ اقرار کر رہا ہے کہ ہاں میں مال دینے کو تیار ہوں قاضی صاحب میں مال دیتا ہوں ان کا۔ تو قاتل کے اقرار کی وجہ سے ان دونوں کو مال ملا تھا، اور یہاں قاتل نے اقرار کیا ہے؟ نہیں، یہ دوسری صورت میں جب تیسرا بھائی بھی تکذیب کر رہا ہے اور قاتل بھی ان کی تکذیب کر رہا ہے، جب تیسرے بھائی نے تکذیب کر دی تو تیسرے کا حصہ تو ساقط نہیں جیسے پہلے مسئلے میں اس کا حصہ ساقط ہو گیا تھا لیکن یہاں اس کا حصہ ساقط نہیں، باقی وہ دو بھائیوں نے گویا مال کا دعویٰ کر دیا کہ قاضی صاحب ہمارا حق قصاص میں نہیں ہے بلکہ کس میں ہے؟ مال میں، ہم نے قصاص معاف کر دیا ہمیں مال دلا دیا جائے۔ اور ان کی اپنی گواہی سے مال ان کو مل سکتا ہے؟ ان کی اپنی گواہی سے تو مال نہیں مل سکتا۔ پچھلے مسئلے میں مال کیوں ملا تھا؟ قاتل نے اقرار کیا، اور یہاں قاتل نے کیا کہا؟ یہ جھوٹ بول رہے ہیں، لہٰذا قاتل کا اقرار بھی یہاں نہیں تو ان کو مال نہیں ملے گا۔ مال کے لیے بینہ چاہیے تھی، بینہ تو ہے نہیں ان کے پاس، وہ خود تو اپنے دعوے

میں خود تو گواہ نہیں بن سکتے نا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو جب دونوں تکذیب کریں تو پھر کیا صورت؟ صرف تیسرے کو مال ملے گا، کیونکہ اس نے کہا میں نے معاف نہیں کیا، تو معلوم ہوا اس کا مال ابھی بھی باقی ہے، اور ان دونوں نے جب گواہی کی تو انہوں نے اپنا قصاص کو ساقط کر دیا اور ان کو مال ملنا تھا اگر قاتل بھی کیا کرتا ان کی تصدیق کرتا اور اس قاتل کی تصدیق دراصل ان کے لیے اقرار ہوتی، لیکن قاتل نے تو کیا کیا؟ تکذیب کر دی تو گویا انکار کر دیا، جب انکار کر دیا تو ان کو مال نہیں ملے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تیسری صورت میں آجاؤ بھئی تیسری صورت۔ تیسری صورت کیا تھی؟ صرف کس نے تصدیق کی ہے؟ قاتل نے تصدیق کی ہے، معلوم ہوا تیسرے بھائی نے تکذیب کی ہے۔ اچھا، جب قاتل نے تصدیق کر دی تو قاتل نے گویا ان دونوں کے لیے مال کا اقرار کر لیا تو ان دونوں کو مال ملے گا، اور تیسرے بھائی نے کیا کی ان کی؟ تکذیب کی، اس نے کہہ دیا قاضی صاحب میں نے معاف نہیں کیا، جب معاف نہیں کیا تو اس کا حق بھی ساقط نہیں ہو گا۔ معلوم ہوا اس نے معاف نہیں کیا تو اس کو بھی ملے گا، تو تینوں کو ایک ایک ثلث مل جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا اسی لیے تیسری صورت میں تھا کہ تینوں کے لیے ایک ایک ثلث ہے۔

چوتھی صورت کیا تھی؟ کہ صرف تیسرا بھائی کیا کرتا ہے؟ تیسرا بھائی صرف تصدیق کرتا ہے کہ قاضی صاحب یہ دونوں سچ بول رہے ہیں۔ چوتھی صورت میں یاد رکھو، قیاس تو یہی تقاضا کرتا ہے کہ اس تیسرے کا حق ساقط ہونا چاہیے، لیکن استحساناً اس تیسرے کو ثلث ملے گا ایک، اور وہی ثلث لے کر پھر ان دونوں باقی دو بھائیوں میں تقسیم کر دیں گے اس کو نہیں دیں گے بھئی۔ توجہ ہے؟ تو چوتھی صورت میں قیاس تو یہی تقاضا کرتا ہے کہ اس بھائی، تیسرے بھائی کا حصہ ساقط ہونا چاہیے۔ کیوں ساقط ہونا چاہیے؟ کیونکہ انہوں نے کہا قاضی صاحب اس نے معاف کر دیا ہے اور تیسرے نے کہا قاضی صاحب یہ سچ بول رہے ہیں، اس کا کیا معنی؟ کہ واقعی میں نے معاف کر دیا، تو اس کو کچھ ملنا چاہیے؟ نہیں۔ تو قیاس کا تو یہی تقاضا ہے کہ اس میں اس تیسرے کو کچھ نہیں ملنا چاہیے۔

اور مجھے یہ بتاؤ وہ باقی دو کو بھی کچھ ملنا چاہیے یا نہیں؟ ذرا جو لکھا ہے اس پہ نظر ڈالو چوتھی صورت: تیسرے نے تصدیق کی ہے معلوم ہوا قاتل نے کیا کی؟ تکذیب کی۔ جب قاتل نے تکذیب کی تو ان دو کے لیے مال کا اقرار کیا؟ جی؟ نہیں، اگر وہ کہہ دیتا ہاں سچ بول رہے ہیں اس کا مطلب ہے وہ ان کے لیے مال کا اقرار کر رہا ہے، تو قاتل نے ان کی تکذیب کر دی تو قاتل نے بھی ان کے لیے مال کا اقرار نہیں کیا، جب مال کا اقرار نہیں تو ان دونوں کو تو کچھ نہیں ملے گا۔ اور قیاس یہ تقاضا کرتا ہے کہ تیسرے کو بھی کچھ نہیں ملنا چاہیے کیونکہ اس نے بھی کہہ دیا کہ قاضی صاحب یہ دونوں سچ بول رہے ہیں میں نے کیا کر دیا ہے معاف کر دیا۔ لیکن استحساناً اس تیسرے کو ملے گا حصہ، اور پھر وہ حصہ اس کو نہیں دیں گے وہ لے کر ان دو

گواہوں کو دے دیں گے وہ آپس میں آدھا آدھا تقسیم کر لیں گے۔

اب اس کی کیا وجہ؟ اچھا دیکھو بھئی عجیب وجہ، وجہ سنو بھئی استحسان کی وجہ۔ استحسان کیا تھا؟ قیاس کیا تقاضا کرتا ہے؟ کسی کو کچھ نہیں ملنا چاہیے۔ تیسرے کو کیوں نہیں ملنا چاہیے؟ کیونکہ اس نے ان کی تصدیق کر دی کہ ہاں جی میں نے کیا کر دیا ہے معاف۔ اور ان دو کو کیوں نہیں کچھ ملنا چاہیے؟ کیونکہ قاتل نے بھی تکذیب کی ہے اس نے کوئی ان کے لیے ان کی تصدیق نہیں کی، اگر تصدیق کرتا تو گویا ان کے لیے مال کا اقرار کر لیتا۔ تو قیاس کا تو یہ تقاضا ہے تینوں میں سے کسی کو کچھ نہیں ملنا چاہیے چوتھی صورت میں، لیکن استحساناً تیسرے کو ثلث ملے گا اور وہ اس کو دیں گے نہیں، وہی ثلث آدھا آدھا ان دو گواہوں میں یعنی ان دو بھائیوں میں تقسیم کر دیں گے۔ اس کی وجہ کیا؟ وجہ سمجھ لو، استحسان ہے۔

استحسان یہ کہ ان دونوں نے کیا دعویٰ کیا؟ کہ قاضی صاحب ہمارا حق کس کے اندر نہیں ہے؟ قصاص میں نہیں ہے بلکہ کس میں ہے؟ مال میں ہے ہمارا حق، اور وہ قاتل نے ان کو جھٹلا دیا۔ قاتل نے کیا کہا؟ یہ دونوں، چوتھی صورت میں قاتل تکذیب کر رہا ہے نا، تو قاتل نے کہا یہ دونوں جھوٹ بول رہے ہیں۔ تو اس کی وجہ سے ان دونوں کا حصہ تو ساقط ہو گیا یہ جو گواہ ہیں، ان کو کچھ ملے گا؟ نہیں۔ لیکن قاتل کا ان دونوں کو جھٹلانا، یہ قاتل کا اقرار ہے تیسرے کے لیے کہ اس کا حق کس میں ہے؟ مال میں۔ بھئی قاتل کو پتا ہے ان دونوں نے جب ایک دفعہ قصاص ساقط کر دیا ہے اب قصاص تو آئے گا نہیں اب کیا آئے گا؟ مال۔ تو قاتل نے ان کو رد کر دیا کہ نہیں یہ دونوں جھوٹ بول رہے ہیں، قصاص تو ساقط ہوا اور قاتل نے ان کے لیے مال کا اقرار بھی نہیں کیا کہ ان کو مال بھی نہیں ملنا۔ کیوں نہیں ملے گا مال؟ کیونکہ قاتل نے ان کی تکذیب کی، توجہ نہیں ہے میرا خیال، قاتل نے ان کی کیا کر دی ہے؟ قاتل اقرار کرتا تو ان کو مال مل جاتا، قاتل نے ان کی تکذیب کر دی۔ جب قاتل نے ان دونوں کو جھٹلا دیا تو دوسرے لفظوں میں قاتل نے تیسرے کے لیے مال کا اقرار کر لیا، کیونکہ وہ جانتا ہے ان دونوں نے جب یہ بات کی ہے قصاص تو ٹل چکا ہے، قصاص تو اب اگر میں ان کی تصدیق کروں گا تو ان دونوں کو مجھے کیا دینا پڑے گا؟ مال دینا پڑے گا، لیکن وہ ان دونوں کو جھٹلا دیتا ہے۔ جب ان دونوں کو جھٹلا دیا، قصاص بھی ساقط، ان دونوں کا حصہ بھی ساقط، تو خود بخود اس تیسرے کے لیے کیا ثابت ہو جائے گا؟ مال۔ گویا قاتل کا ان دونوں کو جھٹلانا وہ تیسرے کے لیے اس کے حصے کا اقرار ہے۔ توجہ ہے؟ قاتل کا ان دونوں کو جھٹلانا وہ تیسرے کے لیے اقرار ہے، تو تیسرے کو کیا ملے گا؟ ثلث ملے گا۔

اور نیز پھر یہ ثلث ہم نے لے کر کس کو دینا ہے؟ ان دونوں کو دینا ہے، دینا کیوں ہے ان دو کو کیوں دینا ہے؟ وجہ یہ کہ تیسرے نے جب کہا قاضی صاحب یہ سچ بول رہے ہیں، کیا کر رہے ہیں؟ جب سچ بول رہے ہیں تو اس کا معنی کیا ہوا؟ میرا مال میں کوئی حصہ نہیں، میں نے تو معاف کر دیا ہے، نہ قصاص میں میرا حصہ نہ مال میں۔ تیسرے کا کیا گمان ہے؟

کہ جب میں معاف کروں گا تو ان دو کا حق کس میں آجائے گا؟ مال میں۔ کس میں آئے گا؟ مال میں۔ میں تو معاف کر

دوں گا لیکن ان دو نے تو معاف نہیں کیا ان کا حق خود بخود کس میں آجائے گا؟ مال میں آجائے گا۔ تو گویا دوسرے لفظوں میں یوں کہو، قاتل نے جب ان دونوں کی تکذیب کی تو تیسرے کے لیے مال کا اقرار کر دیا۔ اور تیسرے نے جب ان دونوں کی تصدیق کی تو اس نے اپنے لیے مال کی نفی کر دی۔ کیونکہ تیسرے نے کیا کہا؟ تیسرے نے کہا یہ دونوں سچ بول رہے ہیں، تیسرے کا کیا گمان ہے؟ کہ جب میری معافی ثابت ہو گی تو ان دونوں کو کیا مل جائے گا؟ مال۔ تو تیسرا گویا اپنے لیے مال کی نفی کر رہا ہے اور ان کے لیے مال کو ثابت کر رہا ہے۔ اب بات سمجھ میں آگئی؟ پھر سنو، قاتل نے جب ان دو کی تکذیب کی تو دراصل یہ کیا کیا؟ تیسرے کے لیے مال کا اقرار کر لیا، تیسرے کو مال ملنا ہے۔ لیکن تیسرے نے جب ان دو بھائیوں کی تصدیق کر دی تو اس نے اپنے لیے مال کو ختم کر دیا اور ان کے مال کو تسلیم کر لیا کہ ان کا حق کس میں ہے؟ میرا حق مال میں نہیں ہے ان کا حق مال میں۔ تیسرے نے کیا کہا؟ ان دونوں نے کیا کیا ہے؟ سچ بولا ہے نا، جب سچ بولا ہے معلوم ہوا میں معاف کر چکا ہوں میرا حق مال میں نہیں ہے، ہاں ان کا حق کس میں ہے؟ مال میں ہے۔ تو وہ جو قاتل نے گویا اس کے لیے اقرار کیا تھا وہ اب اس کو نہیں دیں گے کیونکہ یہ اقرار کر چکا کہ میرا مال میں حصہ نہیں اور ان دونوں کا مال میں حصہ ہے، تو یہ والا ثلث لے کر ان دونوں میں آپس میں برابر برابر تقسیم کر دیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح۔ یہ چوتھی صورت ایک دفعہ پھر سمجھ لو بس۔

دیکھو چوتھی صورت کے اندر جب صرف تیسرے بھائی نے تصدیق کی ہے اور قاتل نے ان کی تکذیب کر دی ہے۔ تو چوتھی صورت میں جب تیسرے بھائی نے ان کی تصدیق کی ہے اور قاتل نے ان کی تکذیب کی ہے، تو قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ کسی کو کچھ بھی نہیں ملنا چاہیے۔ کیوں؟ کیونکہ تیسرے کے لیے مال تب ثابت ہوتا اگر وہ معافی کا اقرار نہ کرتا، لیکن اس نے تو کیا کہا: یہ دونوں سچ بول رہے ہیں، اس نے گویا کیا کر لیا؟ اپنے لیے معافی کا اقرار۔ جب معافی کا اقرار کر لیا تو اس کے، اس کا حصہ اس کو نہیں ملنا چاہیے۔ توجہ ہے؟ اور ان دو کو مال ملنا تھا کس وجہ سے؟ کہ قاتل ان کی تصدیق کر دیتا، اور قاتل نے تو ان کی تکذیب کی ہے، لہٰذا ان کو بھی کچھ نہیں ملنا چاہیے، قیاس کا یہ تقاضا ہے۔ تیسرے کو معافی کی تصدیق کی وجہ سے اور باقی پہلے دو کو قاتل کی تکذیب کی وجہ سے کچھ نہیں ملنا چاہیے بھئی۔

لیکن استحساناً تیسرے کو ثلث ملے گا اور پھر وہ ثلث لے کر ان دو بھائیوں میں تقسیم کر دیں گے، اور اس کی وجہ استحسان ہے۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ جب قاتل نے ان دو کی تکذیب کی تو گویا اس نے اس تیسرے کے لیے مال کا اقرار کر لیا۔ اب اس تیسرے کو مال ملنا ہے لیکن جب اس تیسرے نے ان دو کی تصدیق کر دی تو خود بتلا دیا مال میں میرا حق نہیں ہے، میں تو معاف کر چکا ہوں اور جب میں نے معاف کر دیا اس کا گمان کیا ہے، جب میں معاف کروں گا باقی دو کا حق مال میں ثابت ہو جائے گا، تو گویا اس تیسرے کا گمان یہ ہے کہ مال میں میرا حق نہیں ہے ان دونوں کا حق ہے، لہٰذا یہ مال جو تیسرے کو ملنا تھا وہ اب اس تیسرے کو نہیں دیں گے بلکہ ان دونوں میں آپس میں آدھا آدھا تقسیم کر دیں گے۔ وجہ

اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

اچھا تو یہاں کل کتنی صورتیں بنیں؟ چار صورتیں، چار صورتیں۔ اب آئیے بھئی کتاب پر۔

فَإِنْ شَهِدَ وَلِيَّا قَوَدٍ اگر گواہی دی وَلِيَّا اصل میں تھا وَلِيَّانِ قَوَدٍ، وَلِيَّانِ دو ولی، دو ولی، تثنیہ ہے لیکن نون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ فَإِنْ شَهِدَ وَلِيَّا قَوَدٍ اگر گواہی دی قصاص کے دو ولیوں نے بِعَفْوِ کس چیز کی گواہی دی؟ بِعَفْوِ أَخِيهِمَا اپنے تیسرے بھائی کی، اپنے بھائی کی معافی کی، بِعَفْوِ أَخِيهِمَا اپنے بھائی کی معافی کی، یعنی اپنے بھائی کی معافی کی گواہی دی دو قصاص کے ولیوں نے، بَطَلَتْ تو ان کی یہ شہادت باطل ہے۔ بھئی کیوں باطل ہے؟ کیونکہ میں نے بتلایا تھا ہر وہ گواہی جس میں گواہ کا نفع ہو، فائدہ ہو، وہ باطل ہے۔ تو بَطَلَتْ یہ گواہی باطل ہے۔

وَهِيَ أَيِ الشَّهَادَةُ بتلا دیا هِيَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ شہادت کو۔ اور یہ شہادت جو ہے عَفْوٌ مِنْهُمَا یہ ان دونوں کی طرف سے معافی ہے، یہ جو گواہی دے رہے ہیں گویا کیا کر رہے ہیں قصاص کو معاف کر رہے ہیں۔

فَإِنْ صَدَّقَهُمَا الْقَاتِلُ وَحْدَهُ پس اگر اکیلے قاتل نے ان دونوں کی تصدیق کی۔ اب ذرا متن بھی حل کرتے ہیں، ذرا اپنے سامنے وہ چار صورتیں رکھیں۔ چار صورتیں رکھیں، دیکھو: فَإِنْ صَدَّقَهُمَا الْقَاتِلُ وَحْدَهُ عبارت پہ بھی نظر رکھیں، صرف اکیلے قاتل نے تصدیق کی ہے، یہ کون سی صورت؟ تیسری صورت۔ تیسری صورت میں قاتل تصدیق کر رہا ہے، اور اس میں کیا صورت تھی؟ اس کا حکم کیا تھا؟ تینوں کے لیے ثلث۔ تو یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں فَإِنْ صَدَّقَهُمَا الْقَاتِلُ وَحْدَهُ اگر اکیلے قاتل نے ان کی تصدیق کی، فَلِكُلٍّ مِنْهُمْ ثُلُثُ الدِّيَةِ تو ان میں سے ہر ایک کے لیے ثلثِ دیت ہے۔ فَإِنْ صَدَّقَهُمَا اس پر ذرا تین نمبر لکھ لیں تاکہ آپ کو یاد رہے یہ تیسری صورت ہے بھئی، تیسری صورت، چھوٹا سا تین نمبر لکھ لیں۔

وَإِنْ كَذَّبَهُمَا اور اگر وہ ان دونوں کو جھٹلاتا ہے، فَلَا شَيْءَ لَهُمَا تو ان دونوں کو کچھ نہیں ملے گا، اکیلا قاتل کیا کرتا ہے ان دونوں کو جھٹلاتا ہے۔ یہ کون سی صورت ہے ذرا دیکھیں؟ دوسری صورت، بھئی دوسری، اس کے اوپر دو نمبر لکھ لیں۔ اچھا دوسری کا حکم کیا تھا میں نے کیا لکھوایا؟ صرف تیسرے کو ثلث ملے گا۔ اب بیان کریں گے وَإِنْ كَذَّبَهُمَا اور اگر قاتل نے ان دونوں گواہوں کی تکذیب کی، ان کو جھٹلا دیا، فَلَا شَيْءَ لَهُمَا تو ان دونوں گواہوں کو کچھ نہیں ملے گا، وَلِلْآخَرِ ثُلُثُ الدِّيَةِ اور دوسرے کے لیے ثلثِ دیت ہے یعنی تیسرے بھائی کے لیے ثلثِ دیت ہے تیسرا حصہ۔

وَإِنْ صَدَّقَهُمَا الْأَخُ فَقَطْ اور اگر صرف اس تیسرے بھائی نے ان دونوں کی تصدیق کی، یہ کون سی صورت ہے؟ چوتھی صورت ہے اس پر چار نمبر لکھ لیں۔ وَإِنْ صَدَّقَهُمَا الْأَخُ فَقَطْ اور اگر صرف تیسرے بھائی نے ان دونوں کی تصدیق کی، فَلَهُ الثُّلُثُ تو اس کو ثلث ملے گا، تیسرے کو ثلث، اور یہ کیوں ملے گا میں نے بتایا استحساناً ملے گا قیاس کی وجہ سے نہیں۔ تو تین صورتیں متن میں ذکر ہیں بھئی، چوتھی صورت ذکر نہیں، بات سمجھ میں آگئی؟ پہلی صورت نہیں ہے۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں هٰكَذَا ذُكِرَ فِي الْهِدَايَةِ کہتے ہیں یہ مسئلہ اسی طرح ذکر کیا گیا ہے ہدایہ کے اندر، وَفِيهِ نَوْعُ نَظَرٍ اور اس میں ایک نوع کا اشکال ہے، نَظَرٍ کا کیا معنی؟ اشکال۔ کہتے ہیں اس میں ایک قسم کا اشکال ہے، اشکال۔

اشکال سمجھ لیں بھئی۔ اشکال یہ کہ یہ جو انہوں نے کہا فَإِنْ شَهِدَ، اس شَهِدَ سے گواہی مراد ہے یا ویسے خبر دینا مراد ہے؟ کیا معنی: ان دو بھائیوں نے گواہی دی، ایک ترجمہ یہ۔ دوسرا: ان دو بھائیوں نے خبر دی، بات بتلائی۔ بھئی گواہی اور چیز ہے ویسے بات بتلانا اور خبر دینا اور چیز ہے۔ تو یہ گواہی سے گواہی مراد ہے یا گواہی سے خبر دینا مراد ہے؟ اگر گواہی سے گواہی مراد ہے، پہلے سمجھ لیں پھر میں ترجمہ کرتا ہوں، اگر گواہی سے گواہی مراد ہے، تو گواہی کیا دے رہے ہیں؟ کہ تیسرے بھائی نے معاف کر دیا ہے۔ تو گواہی کے لیے تو دعویٰ چاہیے۔ گواہی بغیر دعوے کے تو نہیں ہوتی نا، کوئی دعویٰ ہوتا ہے اسی پر لا کر گواہ پیش کیے جاتے ہیں، تو گویا یہاں دعویٰ کس کی طرف سے ہوا؟ قاتل کی طرف سے کہ قاضی صاحب تیسرے نے مجھے معاف کر دیا ہے، اور دو بھائیوں نے گواہی دے دی کہ قاضی صاحب واقعی اس تیسرے نے معاف کر دیا۔ تو اگر اس سے مراد حقیقی گواہی ہے یہ جو دو بھائیوں نے گواہی دی، اس سے حقیقی گواہی مراد ہے، تو حقیقی گواہی کے لیے تو دعویٰ چاہیے، اور دعوے کے لیے مدعی چاہیے کہ دعویٰ کس نے کیا ہے، اور مدعی کون ہے؟ مدعی کون ہے یہاں پر؟ کون بنے گا؟ قاتل بنے گا، کون بنے گا؟ گویا قاتل یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ قاضی صاحب میرے اوپر سے قصاص ختم ہو چکا ہے، کیوں ختم ہو چکا ہے؟ قاضی صاحب ان کے تیسرے بھائی نے مجھے معاف کر دیا ہے، اور گواہ کیا ہے گواہ کون ہے؟ گویا اس نے کہہ دیا یہ دونوں گواہ ہیں۔ حقیقت میں تو اس نے دعویٰ نہیں کیا لیکن بن تو وہ مدعی جائے گا، قاتل کیا بن جائے گا؟ مدعی، اور یہ اس کے گواہ بن جائیں گے۔ تو مدعی کون بنے گا؟ قاتل۔ اب جب قاتل مدعی ہے تو اسی مسئلے کے اندر بعض جگہ آ رہا ہے قاتل نے تصدیق کی، بعض جگہ آ رہا ہے قاتل نے تکذیب کی، قاتل نے؟ پھر تکذیبِ قاتل کا کیا معنی وہ اپنے ہی دعوے کو جھٹلا رہا ہے۔ اس کو مدعی بناتے ہو تو پھر قاتل کی تکذیب وہ اس مسئلے کا حصہ نہیں بن سکتی، وہ تو مدعی ہے نا۔ مدعی کس کو بنانا پڑے گا؟ قاتل کو مدعی بنانا پڑے گا، اور یہ جو دو بھائی گواہی دے رہے ہیں یہ گویا قاتل کے گواہ ہو گئے۔ تو قاتل کو جب مدعی بنایا تو جو مدعی ہوتا ہے وہ اپنے گواہوں کو جھٹلاتا ہے؟ جی؟ تو پھر جھٹلانے کا کیا معنی پھر یہاں پر؟ پھر تو اس کو اس مسئلے میں ہونا ہی نہیں چاہیے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ مدعی گواہ لاتا ہے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے نہ کہ اپنے گواہوں کو جھوٹا بتلانے کے لیے گواہ لے کر آتا ہے۔ تو اگر گواہی سے حقیقی گواہی مراد ہے تو پھر تو اس کے لیے مدعی چاہیے، اور مدعی تو قاتل ہی بنتا ہے اگرچہ یہاں کوئی ہے نہیں لیکن بنتا کون ہے؟ قاتل، اور جب قاتل کو مدعی مانیں گے آپ تو پھر تکذیبِ قاتل کا کیا معنی؟ آگے آپ بتلا رہے ہیں تکذیبِ قاتل بھی آ رہی ہے۔

اور اگر یہاں گواہی سے گواہی مراد ہی نہیں ہے بلکہ کیا کہا خبر دی ان دو بھائیوں نے، یوں ترجمہ کر لیں: ان دو بھائیوں نے خبر دی کہ قاضی صاحب ہمارے اس بھائی نے کیا کر دیا ہے؟ معاف کر دیا ہے۔ تو اسی کے آگے فوراً کہا، کیا کہا؟ پھر متن دیکھو: فَإِنْ شَهِدَ وَلِيًّا قَوَدٍ بِعَفْوِ أَخِيهِمَا بَطَلَتْ، ان کی یہ گواہی باطل ہے، کیا کہا تھا ان کی یہ گواہی باطل ہے، تو پھر بَطَلَتْ

کا کیا معنی؟ خبر کوئی کسی کو خبر دے تو خبر خود ہی باطل ہو جاتی ہے؟ نہیں۔ گواہی تو باطل ہو سکتی ہے کیونکہ اس میں ان کا اپنا نفع ہے اور جس چیز میں اپنا نفع ہو وہ گواہی کیا ہوتی ہے؟ باطل۔ تو اس گواہی سے اگر حقیقی گواہی مانو تو پھر اشکال ہوتا ہے کہ پھر تکذیبِ قاتل کا کیا معنی؟ اور اگر آپ اس گواہی سے مراد خبر دینا کہ صرف انہوں نے بات بتلائی قاضی صاحب کو، تو بات بتلانے میں پھر بَطَلَتْ کا کیا معنی؟ باطل ہو گئی ان کی یہ بات، ان کی یہ خبر کیا ہے؟ باطل ہے، حالانکہ ان کی خبر تو مطلقاً باطل نہیں، آگے آرہا ہے یا نہیں، جب دونوں تصدیق کریں گے تو تصدیق سے ثابت ہو گا یا نہیں؟ صرف کس وقت باطل ہو گی ان کی خبر؟ جب دوسرے جھٹلائیں گے ان کو، جب دوسرے نہیں جھٹلائیں گے تصدیق کریں گے تو خبر ثابت ہو گی کہ نہیں؟ نہیں سمجھ میں آرہی بات؟ اگر اس گواہی سے گواہی نہ مراد ہو بلکہ کیا مراد ہو؟ خبر، ویسے انہوں نے ایک بات بتلائی قاضی صاحب کو، اگر اس سے ویسے بات مراد ہے تو پھر باطل کرنے کا کیا معنی؟ بات بتلائی جائے کسی کو وہ تو باطل نہیں ہوتی، ہاں دوسرا جھٹلائے گا تو باطل ہو گی، دوسرا تصدیق کرے گا تو سچی ہو گی۔ آپ نے بھی پڑھا چار صورتیں ہیں، بعض اوقات وہ تصدیق کرتے ہیں تو بات مان لی جاتی ہے بعض اوقات تصدیق نہیں کرتے تو نہیں مانی جاتی، تو مطلقاً ہر حال میں ان کی یہ خبر باطل ہے یا صرف تکذیب کی صورت میں باطل ہے؟ صرف تکذیب کی صورت میں تو باطل ہو رہی ہے لیکن ہر حال میں تو باطل نہیں، وہ صورتیں جہاں تیسرا بھائی بھی تصدیق کر دیتا ہے تو وہاں دیکھو پہلی صورت میں جب کیا کیا تھا جب بھائی نے، قاتل نے بھی تصدیق کی تھی اور بھائی نے بھی تصدیق کی تھی تو اس میں ان کو مال ملا تھا یا نہیں؟ دو ثلث ان دونوں کو مل گئے تھے۔ تو پھر بَطَلَتْ کا کیا معنی؟ بَطَلَتْ آپ شروع میں ہی لے آئے، بَطَلَتْ سے تو پتا چل رہا ہے کہ مطلقاً ہر حال میں یہ خبر باطل ہے۔ بَطَلَتْ سے تو کیا پتا چل رہا ہے؟ ہر حال میں یہ خبر باطل، اور یہ خبر ہر حال میں باطل ہے یا کبھی تسلیم بھی ہو رہی ہے بعض صورتوں میں؟ تسلیم بھی ہو رہی ہے۔ تو اگر آپ اس سے خبر مراد لیتے ہیں تو پھر آگے آپ کا بَطَلَتْ کہنا صحیح نہیں، اور اگر آپ اس سے شہادت ہی مراد لیتے ہیں تو پھر تکذیبِ قاتل کا کیا معنی؟

اعتراض سمجھ میں آیا؟ کیا اعتراض ہوا؟ اگر شہادت سے شہادتِ حقیقی مراد لیتے ہیں تو مدعی کس کو ماننا پڑے گا؟ قاتل کو، تو پھر تکذیبِ قاتل کا کیا معنی آگے آپ بتلا رہے ہیں تکذیبِ قاتل بھی آرہی ہے۔ اور اگر آپ اس سے شہادت مراد نہیں لیتے بلکہ صرف خبر دینا مراد لیتے ہیں، تو خبر کے باطل ہونے کا پھر کیا معنی آپ نے شروع میں ہی کہہ دیا کہ یہ خبر دینا باطل ہے، حالانکہ ہر حال میں تو یہ باطل نہیں ہے یہ تو بعض صورتوں میں آگے خود آپ جا کر کیا کہہ رہے ہیں؟ بات سمجھ میں؟ تو اگر اس کو گواہی مانیں پھر تو بَطَلَتْ کہنا ٹھیک، اور اگر اس کو خبر مانیں تو پھر بَطَلَتْ کہنا ٹھیک نہیں۔ تو حقیقی گواہی مانیں تو بَطَلَتْ کہنا ٹھیک، لیکن پھر اس صورت میں اشکال ہوتا ہے کہ پھر تکذیبِ قاتل کا کیا معنی؟ حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ اگر شہادت سے حقیقی شہادت مراد لیں تو بَطَلَتْ کہنا تو ٹھیک لیکن آگے تکذیبِ قاتل درست نہیں، اور اگر آپ شہادت سے مراد اخبار خبر دینا مراد لیتے ہیں تو پھر آپ کا بَطَلَتْ کہنا ٹھیک نہیں کیونکہ آگے وہ تصدیق کرتے ہیں تو وہ معتبر بھی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ ہے اشکال بھئی۔

کہتے ہیں هٰكَذَا ذُكِرَ فِي الْهِدَايَةِ اسی طرح ذکر کیا گیا ہے ہدایہ کے اندر، وَفِيهِ نَوْعُ نَظَرٍ اور اس میں ایک قسم کا اشکال ہے، لِأَنَّهُ إِنْ أُرِيدَ بِالشَّهَادَةِ حَقِيقَتُهَا اس لیے کیونکہ اگر شہادت سے مراد جو ہے حقیقتِ شہادت ہے یعنی شہادت کی حقیقت مراد ہے، فَهِيَ لَا تَكُونُ بِدُونِ الدَّعْوَىٰ تو وہ گواہی تو بغیر دعویٰ کے نہیں ہو سکتی، وَالْمُدَّعِي هُوَ الْقَاتِلُ اور مدعی کون بنتا ہے یہاں؟ مدعی تو ہے کوئی نہیں لیکن بنے گا کون؟ قاتل۔ تو کہتے ہیں گواہی تو بغیر دعویٰ کے نہیں ہوتی، وَالْمُدَّعِي هُوَ الْقَاتِلُ اور مدعی وہ تو قاتل ہی ہے، فَكَيْفَ يَكُونُ تَكْذِيبُ الْقَاتِلِ مِنْ أَقْسَامِ هٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ تو پھر قاتل کا جھٹلانا وہ اس مسئلے کی اقسام میں سے کیسے ہو گیا؟

وَإِنْ أُرِيدَ بِالشَّهَادَةِ مُجَرَّدُ الْإِخْبَارِ اور اگر اس شہادت سے مراد صرف خبر دینا ہے، مُجَرَّدُ الْإِخْبَارِ صرف خبر دینا۔ اگر اس شہادت سے مراد مُجَرَّدُ الْإِخْبَارِ صرف خبر دینا ہے، تو لَا يَصِحُّ الْحُكْمُ بِالْبُطْلَانِ مُطْلَقًا تو صحیح نہیں ہے اس پر حکم لگانا مطلقاً باطل ہونے کا۔ آپ نے تو شروع میں ہی کہہ دیا بَطَلَتْ یہ کیا ہے؟ باطل۔ تو باطل ہونے کا حکم لگانا صحیح نہیں، کیونکہ إِذْ هُوَ مَخْصُوصٌ بِمَا إِذَا كَذَّبَهُمَا کیونکہ بطلان تو وہ تو مخصوص ہے جب وہ جھٹلا دیں اس کو، جب وہ بھائی کیا کر دے ان کو جھٹلا دے۔ وَمِنَ الْأَقْسَامِ مَا إِذَا صَدَّقَهُمَا الْأَخُ اور اس کی اقسام میں سے وہ قسم بھی ہے کہ جب وہ تیسرا بھائی ان کی تصدیق کرتا ہے، وَحِينَئِذٍ لَا يَبْطُلُ الْإِخْبَارُ تو اس وقت تو یہ خبر دینا باطل نہیں۔ لیکن آپ نے تو شروع میں ہی کیا کہہ دیا کہ مطلقاً باطل ہے، تو پھر آپ کا باطل کہنا صحیح نہیں۔

وَأَيْضًا الْأَقْسَامُ أَرْبَعَةٌ نیز دوسرا اعتراض یہ کہ قسمیں کل کتنی ہیں؟ چار۔ وَأَيْضًا الْأَقْسَامُ أَرْبَعَةٌ اقسام جو ہیں وہ تو چار ہیں، وَلَمْ يَذْكُرْ إِلَّا ثَلَاثَةً لیکن متن میں تو صرف تین ہی ذکر کیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی کہ قسمیں تو چار ہیں، وَلَمْ يَذْكُرْ إِلَّا ثَلَاثَةً اور ماتن نے تو ذکر نہیں کیں مگر تین ہی۔

فَالْحَقُّ أَنْ يُقَالَ تو حق یہ ہے کہ یوں کہا جائے، حق یہ ہے کہ یوں کہا جائے، یہ متن یوں ہونا چاہیے تھا یا ہدایہ کے اندر یوں وضاحت ہونی چاہیے تھی، چاروں صورتیں اب دیکھو وہ صاحبِ شرحِ وقایہ یعنی علامہ صدر الشریعہ بہت بڑے عالم گزرے ہیں، کمال کی عبارت لاتے ہیں، چاروں صورتیں اب وہ اس میں داخل کریں گے۔ کہ حق یہ ہے کہ یوں کہا جائے: فَإِنْ أَخْبَرَ وَلِيًّا قَوَدٍ بِعَفْوِ أَخِيهِمَا دیکھا وہی متن جیسی عبارت لا رہے ہیں، متن میں بھی اسی طرح کی عبارت تھی: فَإِنْ أَخْبَرَ وَلِيًّا قَوَدٍ بِعَفْوِ أَخِيهِمَا دیکھو أَخْبَرَ لے آئے، شَهِدَ کو ختم کر دیا أَخْبَرَ لے آئے۔ فَإِنْ أَخْبَرَ وَلِيًّا قَوَدٍ بِعَفْوِ أَخِيهِمَا اگر خبر دی قصاص کے دو ولیوں نے اپنے بھائی کے معاف کر دینے کی، فَهُوَ عَفْوُ الْقِصَاصِ مِنْهُمَا تو وہ ان دونوں کی طرف سے قصاص کو معاف کر دینا ہے، یعنی یہ جو گواہی دے رہے ہیں ان کی طرف سے ہی یہ قصاص کو معاف کر دینا ہے۔[۳]

[۳] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۵۹): صوتی درس کی قراءت میں «فَهُوَ عَفْوُ الْقِصَاصِ مِنْهُمَا» ہے، جبکہ محقق نسخۂ

فَإِنْ صَدَّقَهُمَا الْقَاتِلُ وَالْأَخُ فَلَا شَيْءَ لَهُ اگر قاتل اور بھائی دونوں نے تصدیق کر دی، فَلَا شَيْءَ لَهُ تو اس کے لیے، فَلَا شَيْءَ لَهُ تو اس صورت میں اس تیسرے کے لیے کچھ نہیں ہو گا۔ توجہ ہے؟ پہلی صورت ذکر ہو رہی ہے: فَإِنْ صَدَّقَهُمَا الْقَاتِلُ وَالْأَخُ اگر قاتل اور تیسرے بھائی دونوں نے تصدیق کر دی ان کی، فَلَا شَيْءَ لَهُ تو اس تیسرے بھائی کو کچھ نہیں ملے گا، اس کے لیے کچھ نہیں ہے، وَلَهُمَا ثُلُثَا الدِّيَةِ اور ان دونوں کے لیے دیت کے دو ثلث ہیں، اصل میں کیا تھا وَلَهُمَا ثُلُثَانِ الدِّيَةِ، تثنیہ ہے نون اضافت سے گر گیا، اور ان دونوں کے لیے دیت کے دو ثلث ہیں۔

وَإِنْ كَذَّبَاهُمَا یہ دوسری صورت آگئی، اور اگر ان دونوں نے ان کو جھٹلایا، فَلَا شَيْءَ لِلْمُخْبِرَيْنِ تو خبر دینے والوں کے لیے کچھ بھی نہیں، وہ جو دو بھائی جنہوں نے خبر دی تھی ان کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، وَلِأَخِيهِمَا ثُلُثُ الدِّيَةِ اور تیسرے بھائی کے لیے ثلثِ دیت ہے۔

آگے تیسری صورت آگئی: وَإِنْ صَدَّقَهُمَا الْقَاتِلُ وَحْدَهُ اور اگر صرف اکیلے قاتل نے ان دونوں کی تصدیق کی، فَلِكُلٍّ مِنْهُمْ ثُلُثُ الدِّيَةِ تو ان تینوں میں سے ہر ایک کے لیے ثلثِ دیت ہے۔

وَإِنْ صَدَّقَهُمَا الْأَخُ فَقَطْ اور اگر صرف اس تیسرے بھائی نے ان دونوں کی تصدیق کی، فَلَهُ ثُلُثُ الدِّيَةِ تو صرف اس تیسرے کے لیے ثلثِ دیت ہے، اور پھر وہ ان دونوں میں تقسیم کر دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

أَمَّا الْأَوَّلُ اب وجہیں ذکر کریں گے ہر ایک کی۔ یہ ذرا لکیر لگا لیں تاکہ آپ کو پھر سمجھ میں آئے۔ یہ جو أَمَّا الْأَوَّلُ ہے اس کے اوپر لکیر لگا لیں یہ پہلی صورت ہے، چھوٹی سی لکیر آپ کو سمجھنے میں آسانی ہو گی۔ أَمَّا الْأَوَّلُ پہلی، یہ پہلی صورت۔ دو تین لفظ آگے آرہا ہے وَأَمَّا الثَّانِي اس پر بھی لکیر لگائیں۔ وَأَمَّا الثَّانِي، ٹھیک ہو گیا؟ اس کے بعد پھر دو تین سطریں آگے آ رہا ہے وَأَمَّا الثَّالِثُ، وَأَمَّا الثَّالِثُ اس پر بھی لکیر کھینچیں۔ اور پھر ایک ڈیڑھ سطر بعد آرہا ہے وَأَمَّا الرَّابِعُ یہ چوتھی صورت آ گئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب ہر ایک کی وجہ ذکر کریں گے، دیکھیے بھئی:

أَمَّا الْأَوَّلُ تو پہلی صورت جو ہے وَهُوَ تَصْدِيقُهُمَا اور وہ ان دونوں کی تصدیق کرنا ہے، یعنی جس میں دونوں تصدیق کر رہے ہیں، فَظَاهِرٌ وہ پہلی صورت تو ظاہر ہے۔ پہلی صورت تو ظاہر ہے، بھئی تقریر میں کر چکا ہوں، بات سمجھ میں آگئی؟ کہ پہلی صورت میں کیا تھا؟ ہاں جب تیسرے بھائی نے تصدیق کر دی معلوم ہوا اس نے معاف کر دیا اس کو کچھ نہیں ملے گا، اور قاتل نے جب تصدیق کر دی تو معلوم ہوا اس نے ان کے لیے مال کا اقرار کر لیا۔

وَأَمَّا الثَّانِي اور باقی دوسری صورت، وَهُوَ تَكْذِيبُهُمَا اور وہ ان دونوں کا جھٹلانا ہے ان کو، فَلِأَنَّ إِخْبَارَهُمَا بِعَفْوِ الْأَخِ إِقْرَارٌ بِأَنْ لَا حَقَّ لَهُمَا فِي الْقِصَاصِ اس لیے کیونکہ ان دونوں کا خبر دینا، یہ جو دو گواہ ہیں ان کا خبر دینا بِعَفْوِ الْأَخِ اپنے تیسرے

شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فهو عفوٌ للقصاصِ منهما:» منقول ہے۔

بھائی کی معافی کی، یہ إِقْرَارٌ یہ ان دونوں کا دراصل اقرار ہے بِأَنْ لَا حَقَّ لَهُمَا فِي الْقِصَاصِ کہ ان دونوں کا اب قصاص میں کوئی حق نہیں، فَلَا قِصَاصَ لَهُمَا لہٰذا ان دونوں کے لیے قصاص نہیں ہوگا، وَلَا مَالَ اور مال بھی نہیں ہوگا۔ کیوں مال کیوں نہیں ہوگا؟ کہتے ہیں لِتَكْذِيبِ الْقَاتِلِ وَالْأَخِ بوجہ لِتَكْذِيبِ الْقَاتِلِ وَالْأَخِ اس لیے کیونکہ قاتل اور بھائی نے ان کو جھٹلا دیا۔ قاتل اگر کہہ دیتا ہاں تو گویا وہ ان کے لیے مال کا اقرار کر لیتا، لیکن اس نے تو جھٹلا دیا تو ان کے لیے مال بھی نہیں۔

ثُمَّ لِلْأَخِ پھر وہ جو تیسرا بھائی ہے لِلْأَخِ ثُلُثُ الدِّيَةِ اس کے لیے دیت کا تیسرا حصہ ہوگا۔ کیوں اس کے لیے تیسرا کیوں؟ کہتے ہیں لِأَنَّ حَقَّ الْمُخْبِرَيْنِ لَمَّا سَقَطَ فِي الْقِصَاصِ سَقَطَ حَقُّ الْأَخِ اس لیے کیونکہ خبر دینے والے دونوں بھائیوں کا حق جب قصاص میں ساقط ہو گیا، تو سَقَطَ حَقُّ الْأَخِ تو اس تیسرے بھائی کا حق بھی قصاص میں ساقط ہوا لِعَدَمِ تَجَزِّيهِ کیونکہ قصاص جو ہے وہ تقسیم نہیں ہوتا، وہ تقسیم کو قبول نہیں کرتا، وَانْتَقَلَ إِلَى الْمَالِ اور اس کا حق منتقل ہو گیا کس کی طرف؟ مال کی طرف۔ تو اس بھائی کا حق قصاص میں ساقط ہوا اور مال کی طرف منتقل ہوا، إِذْ لَمْ يَثْبُتْ عَفْوُهُ کیونکہ اس کا معاف کرنا تو ثابت نہ ہوا، اس نے ان کی تکذیب کر دی تو اس کا معاف کرنا ثابت نہ ہوا، لِأَنَّ إِخْبَارَ الْمُخْبِرَيْنِ بِعَفْوِهِ لَمْ يَصِحَّ اس لیے کیونکہ دو خبر دینے والوں کا خبر دینا بِعَفْوِهِ اس کے معاف کر دینے کی لَمْ يَصِحَّ وہ صحیح نہیں، وہ خبر صحیح نہیں، کیونکہ ایک تو اس نے ان کی تکذیب کر دی اس نے کہا یہ دونوں صحیح خبر نہیں دے رہے، اور نیز اس لیے لِأَنَّهُمَا يَجُرَّانِ بِهِ نَفْعًا اس لیے کیونکہ وہ دونوں گواہ کھینچ رہے ہیں اس گواہی کے ذریعے نفع کو، اس خبر کے ذریعے وہ نفع کو کھینچ رہے ہیں نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں، وَهُوَ انْتِقَالُ حَقِّهِمَا إِلَى الْمَالِ اور وہ نفع کیا ہے کہ ان دونوں کا حق منتقل ہو گیا ہے مال کی طرف۔ ان دونوں کی گواہی کیوں قابلِ قبول نہیں؟ کیونکہ گویا وہ یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہمیں قصاص کے بجائے ہمارا حق کس میں ہے؟ مال میں، تو اس گواہی کے ذریعے اپنا فائدہ اٹھانا چاہ رہے ہیں، اور وہ گواہی جس میں گواہ کا فائدہ ہو وہ قابلِ قبول نہیں۔

تو دیکھو یہ جو لِأَنَّهُمَا دیکھو دو دفعہ آیا: لِأَنَّ إِخْبَارَ الْمُخْبِرَيْنِ بِعَفْوِهِ لَمْ يَصِحَّ۔ پھر سنو، تیسرے کو کیا ملے گا؟ ثلث۔ دونوں نے تکذیب کی ہے نا، قاتل نے بھی اور تیسرے بھائی نے بھی۔ جب قاتل نے تکذیب کر دی تو ان دو کو تو مال نہیں ملنا، اور جب تیسرے نے تکذیب کر دی معلوم ہوا میں نے معاف نہیں کیا اس کا مطلب ہے اس کو مال ملنا ہے، اس کو مال ملنا ہے۔ تو اس کی معافی ثابت نہیں ہوئی، اس کا معاف کرنا ثابت نہ ہوا تو اس کو مال ملنا ہے۔ یہ معنی ہے کہ إِذْ لَمْ يَثْبُتْ عَفْوُهُ کہ تیسرے کا حق مال کی طرف منتقل ہو گیا جب اس کی معافی ثابت نہ ہوئی۔ کیوں نہیں ثابت ہوئی اس کی معافی؟ کہتے ہیں لِأَنَّ إِخْبَارَ الْمُخْبِرَيْنِ بِعَفْوِهِ لَمْ يَصِحَّ کیونکہ دو خبر دینے والوں کا خبر دینا اس کی معافی کی لَمْ يَصِحَّ وہ خبر صحیح نہیں تھی، وہ خبر صحیح نہیں تھی۔ اچھا، پھر آگے آ رہا ہے لِأَنَّهُمَا، یہ علت ہے لَمْ يَصِحَّ کی۔ بھئی ان کی خبر صحیح کیوں نہیں ہے؟ ان کی خبر صحیح کیوں نہیں ہے؟ تو بتلا دیا: کیونکہ وہ اس گواہی کے ذریعے اپنا فائدہ چاہتے ہیں، اور ایسی گواہی تو قابلِ قبول نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ جو لِأَنَّهُمَا ہے یہ وجہ ذکر ہو رہی ہے، یہ کس چیز کی وجہ ذکر ہو رہی ہے؟ لَمْ يَصِحَّ جو ساتھ ہی آیا نا ان کی

خبر صحیح نہیں، کیوں نہیں صحیح؟ کیونکہ یہ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ایسی گواہی معتبر نہیں۔ یہ معنی ہے لِأَنَّهُمَا يَجُرَّانِ بِهِ نَفْعًا، جَرَّ يَجُرُّ کے معنی ہوتے ہیں کھینچنا، کھینچنا کسی چیز کو۔ لِأَنَّهُمَا يَجُرَّانِ بِهِ نَفْعًا اس لیے کیونکہ وہ اس کے ذریعے نفع کو کھینچ رہے ہیں یعنی نفع اٹھا رہے ہیں، وَهُوَ انْتِقَالُ حَقِّهِمَا إِلَى الْمَالِ اور وہ ان دونوں کا حق منتقل ہونا ہے مال کی طرف، وہ چاہتے ہیں کہ ان کا حق قصاص سے منتقل ہو جائے کس کی طرف؟ مال کی طرف، نفع اٹھانا چاہتے ہیں، لہٰذا ان کی خبر دینا صحیح نہیں، اور جب ان کی خبر دینا صحیح نہیں تو اس کا معاف کرنا ثابت نہیں۔

تیسری صورت آگے: وَأَمَّا الثَّالِثُ اور تیسری صورت جو ہے وَهُوَ تَصْدِيقُ الْقَاتِلِ فَقَطْ اور وہ صرف قاتل کا تصدیق کرنا ہے، فَإِنَّ لِلْأَخِ ثُلُثَ الدِّيَةِ تو وہ تیسرے بھائی کے لیے دیت کا تیسرا حصہ ہو گا، لِمَا ذَكَرْنَا اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دی، اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دی۔ کیوں؟ کیونکہ جب ان دونوں نے خبر دی تو اس کی وجہ سے قصاص کیا ہو گیا؟ ساقط ہو گیا، جب قصاص ساقط ہوا تو تیسرے بھائی کا حق قصاص سے کس کی طرف منتقل ہوا؟ مال کی طرف منتقل ہو گیا۔ تو یہاں اسی لیے تیسرے کو کیا ملے گی؟ فَإِنَّ لِلْأَخِ ثُلُثَ الدِّيَةِ تیسرے کو ثلثِ دیت ملے گی، لِمَا ذَكَرْنَا اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دی۔ ہاں پھر بھی آپ نشان لگا لیں آپ کو بعد میں کام آئے گا۔ لِمَا ذَكَرْنَا اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دی۔ بھئی کون سی وجہ ہے؟ ڈیڑھ سطر پہلے آیا تھا: لِأَنَّ حَقَّ الْمُخْبِرَيْنِ لَمَّا سَقَطَ فِي الْقِصَاصِ، مل گئی عبارت؟ ڈیڑھ سطر پہلے آیا تھا دو سطریں پہلے: لِأَنَّ حَقَّ الْمُخْبِرَيْنِ لَمَّا سَقَطَ فِي الْقِصَاصِ یہ اس کی طرف اشارہ ہے، لِأَنَّ یہ لِأَنَّ سے آگے آخر تک بات چل رہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ لِمَا ذَكَرْنَا سے اس کی طرف اشارہ ہے۔

آگے دیکھیے بھئی: وَكَذَا لِكُلٍّ مِنَ الْمُخْبِرَيْنِ آپ کی کتابوں میں مُخْبِرَيْنِ ہے؟ جی؟ مُخْبِرِ ہے، یہ کتابت کی غلطی ہے مِنَ الْمُخْبِرَيْنِ، خبر دینے والے دو ہیں ایک نہیں ہے بھئی، دو ہیں۔ وَكَذَا اور اسی طرح لِكُلٍّ، بھئی تیسرے کو کیا ملے گا؟ ثلث۔ وَكَذَا لِكُلٍّ مِنَ الْمُخْبِرَيْنِ اور اسی طرح خبر دینے والے جو دو ہیں ان میں سے ہر ایک کو بھی ثلث ملے گا۔ کیوں؟ بِتَصْدِيقِ الْقَاتِلِ بوجہ قاتل کے تصدیق کرنے کے، کیونکہ قاتل نے تصدیق کر دی اقرار کر دیا، لِأَنَّ حَقَّهُمَا انْتَقَلَ إِلَى الْمَالِ کیونکہ ان کا حق منتقل ہو گیا مال کی طرف، مال کی طرف۔

وَأَمَّا الرَّابِعُ اور چوتھی صورت، کہتے ہیں وَهُوَ تَصْدِيقُ الْأَخِ فَقَطْ وہ صورت کہ جب صرف تیسرا بھائی تصدیق کرتا ہے، فَهُوَ الِاسْتِحْسَانُ یہی استحسان ہے۔ وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَكُونَ عَلَى الْقَاتِلِ شَيْءٌ اور قیاس تو یہ ہے کہ قاتل پر کچھ بھی نہیں ہونا چاہیے۔ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے قاتل پر، توجہ ہے؟ کچھ بھی نہیں ہونا چاہیے۔ کیوں؟ لِأَنَّ مَا ادَّعَاهُ الْمُخْبِرَانِ عَلَى الْقَاتِلِ لَمْ يَثْبُتْ لِإِنْكَارِهِ بھئی ادھر پہلے دیکھ لو سمجھ لو اس کو پھر ایک دفعہ۔ چوتھی صورت کیا ہے؟ قاتل تکذیب کر رہا ہے اور تصدیق صرف کون کر رہا ہے؟ تیسرا بھائی۔ جب تیسرا بھائی ان دو بھائیوں کی تصدیق کر رہا ہے تو تیسرے کو کچھ نہیں ملنا چاہیے،

معلوم ہوا اس نے معاف کر دیا۔ اور ان دو بھائیوں کو بھی کچھ نہیں ملے گا کیونکہ قاتل نے ان کی تکذیب کر دی۔ اگر قاتل اقرار کرتا تو ان کے لیے مال ہوتا۔ قاتل اگر تصدیق کرتا تو قاتل کا تصدیق دراصل کیا تھا؟ ان کے لیے مال کا اقرار تھا، لیکن قاتل نے تکذیب کی تو ان...

دونوں کو بھی کچھ نہیں ملے گا، اور تیسرے نے تو خود کہہ دیا کہ یہ سچ کہہ رہے ہیں میں نے معاف کر دیا ہے، تو کسی کو بھی کچھ نہیں ملنا چاہیے۔ یہ کس کا تقاضا ہے؟ قیاس کا۔

یہ معنی ہے: وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَكُونَ عَلَى الْقَاتِلِ شَيْءٌ اور قیاس تو یہ ہے کہ قاتل پر کچھ بھی نہ ہو، لِأَنَّ مَا ادَّعَاهُ الْمُخْبِرَانِ عَلَى الْقَاتِلِ اس لیے کیونکہ وہ جو دعویٰ کیا تھا دو خبر دینے والوں نے قاتل پر کہ ہمارا حق کس میں ہے؟ مال میں ہے، وہ جو دعویٰ کیا تھا ان دو خبر دینے والوں نے قاتل پر، لَمْ يَثْبُتْ وہ دعویٰ تو ثابت نہیں ہوا لِإِنْكَارِهِ بوجہ قاتل کے انکار کے، قاتل نے انکار کیا ہے، اب دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا یا تو دو گواہ لے کر آتے پھر ثابت ہونا تھا اور گواہ تو ہیں نہیں، تو لہٰذا اس کے انکار کی وجہ سے ان کا دعویٰ ثابت نہیں۔

وَمَا أَقَرَّ بِهِ الْقَاتِلُ لِلْأَخِ اور وہ جس کا اقرار کیا تھا قاتل نے لِلْأَخِ کس کے لیے؟ تیسرے بھائی کے لیے۔ توجہ ہے؟ قاتل نے کیا اقرار کیا تھا؟ بھئی قاتل نے جب ان دو کو جھٹلا دیا، قاتل نے ان دو کو جھٹلا دیا تو گویا تیسرے کے لیے خود ہی مال کا اقرار کر لیا۔ کس کا؟ مال کا۔ کیونکہ بھئی ان دونوں نے کہا کہ تیسرے نے معاف کیا تو ان کے یہ دعویٰ کرنے سے ہی قصاص تو خود بخود ساقط ہو گیا، تو اب قاتل کو پتا ہے اگر میں ہاں کروں گا تو ان دونوں کو مال دینا پڑے گا، اس نے کیا کیا دونوں کو جھٹلایا۔ جب دونوں کو جھٹلایا تو قصاص کے اولیاء تو تین ہیں، دو کو تو مال نہ ملا لیکن تیسرے کا تو حق خود بخود کس میں آگیا؟ مال میں، تو گویا قاتل نے اس تیسرے کے لیے اقرار کر لیا۔

یہ معنی ہے: وَمَا أَقَرَّ بِهِ الْقَاتِلُ لِلْأَخِ اور وہ جو اقرار کیا تھا قاتل نے تیسرے بھائی کے لیے، يَبْطُلُ بِتَكْذِيبِهِ وہ اس تیسرے کی تکذیب کی وجہ سے باطل ہو گیا۔ توجہ ہے؟ عبارت کو سمجھ لیں۔ اس تیسرے کی تکذیب کی وجہ سے اس کا اپنا حق ضائع ہو گیا۔ بھئی تیسرے نے تو تکذیب کی نہیں اس نے تو اس مسئلے میں تصدیق کی ہے۔ توجہ ہے؟ تصدیق کی ہے۔ بھئی تکذیب سے مراد یہ ہے ادھر دیکھو، ادھر دیکھو، ان دو بھائیوں نے کیا کہا؟ کہ تیسرے نے معاف کر دیا ہے، تیسرے نے معاف کر دیا ہے۔ اب قاتل نے کیا کہا؟ نہیں معاف کیا۔ قاتل نے ان دو کو جھٹلا دیا تو ان دونوں کو مال ملے گا؟ نہیں، مال نہیں ملے گا، لیکن قاتل نے جب ان دو کو جھٹلایا تو تیسرے کے لیے کیا کر لیا؟ مال کا اقرار، اب تیسرے کو ایک ثلث ملنا ہے۔ لیکن تیسرے بھائی نے کیا کہا؟ یہ دونوں تو سچ کہہ رہے ہیں میں نے ان کو کیا کر دیا ہے؟ معاف۔ جب تیسرا بھائی ان دو بھائیوں کی تصدیق کر رہا ہے تو اور قاتل اس کے لیے کس کا اقرار کر رہا تھا؟ مال کا۔

پھر نہیں، پھر توجہ نہیں ہے۔ دیکھو پھر سنو، ان دو بھائیوں نے کیا کہا کہ تیسرے بھائی نے کیا کیا ہے؟ معاف کیا

ہے، معاف کیا، اور قاتل نے کیا کہا کہ نہیں یہ دونوں جھوٹ بول رہے ہیں، جھوٹ بول رہے ہیں۔ ابھی تیسرے نے اس تصدیق کرنی ہے وہ ابھی آخر میں آئے گا، پھر سنو، دونوں بھائیوں نے کیا کہا کہ اس تیسرے نے معاف کر دیا، قاتل نے کیا کہا یہ دونوں جھوٹ بول رہے ہیں، تو قاتل نے جب ان کی تکذیب کی تو ان دونوں کو مال ملے گا؟ نہیں۔ لیکن قاتل کا ان دونوں کو جھٹلانے کا مطلب یہ ہے کہ قاتل تیسرے کے لیے مال کا اقرار کر رہا ہے، تو قاتل نے تیسرے کے لیے مال کا اقرار کر لیا۔ اور تیسرے بھائی نے کیا کہا؟ ان دو بھائیوں نے تو سچ بولا ہے۔ جب سچ بولا ہے تو گویا معنی یہ میں نے معاف کر دیا، معلوم ہوا یہ جو قاتل نے میرے لیے مال کا اقرار کیا ہے میں اس کو رد کرتا ہوں یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ تو یہ تیسرا جو دو بھائیوں کی تصدیق کر رہا ہے تو دراصل قاتل کی تکذیب کر رہا ہے، اور اس وجہ سے اس کو بھی کچھ نہیں ملنا چاہیے۔ ان دو کو بھی کچھ نہیں ملنا چاہیے کیونکہ قاتل نے اقرار نہیں کیا، اور اس کو بھی کچھ نہیں ملنا چاہیے کیونکہ اس نے، قاتل نے جو اس کے لیے اقرار کیا تھا خود ہی اس کی تکذیب کر دی۔ اب بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: کہتے ہیں وَمَا أَقَرَّ بِهِ الْقَاتِلُ لِلْأَخِ اور وہ جس کا اقرار کیا تھا قاتل نے اس تیسرے بھائی کے لیے، يَبْطُلُ وہ تو باطل ہو گیا بِتَكْذِيبِهِ اس تیسرے بھائی کے جھٹلانے کی وجہ سے کہ اس نے، اس تیسرے بھائی نے کیا کیا؟ اس قاتل نے جو اقرار کیا تھا اس قاتل کے اقرار کو جھٹلا دیا۔ یہ تو تھا قیاس کا تقاضا۔

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ أَنَّ الْقَاتِلَ بِتَكْذِيبِهِ الْمُخْبِرَيْنِ کہ قاتل نے جب تکذیب کر دی ان دونوں خبر دینے والوں کی، تو أَقَرَّ گویا اس نے اقرار کر لیا بِأَنَّ لِأَخِيهِمَا ثُلُثَ الدِّيَةِ کہ ان دونوں کا جو بھائی ہے تیسرا اس کے لیے ثلثِ دیت ہے۔ جب قاتل نے ان دو کی تکذیب کر دی تو اس کے لیے ثلثِ دیت کا اقرار کر لیا، لِزَعْمِهِ اس لیے کیونکہ قاتل کا یہ گمان ہے کہ أَنَّ الْقِصَاصَ سَقَطَ بِدَعْوَاهُمَا کہ قصاص تو ساقط ہو گیا ان دونوں نے جو دعویٰ کیا تھا، کون سا دعویٰ؟ الْعَفْوَ عَلَى الْأَخِ بھائی پر معافی کا۔ کہ قصاص تو ساقط ہو گیا پھر ترجمہ سنو، کیونکہ لِزَعْمِهِ أَنَّ الْقِصَاصَ سَقَطَ بِدَعْوَاهُمَا الْعَفْوَ عَلَى الْأَخِ اس لیے کیونکہ قاتل کا یہ گمان ہے کہ قصاص وہ تو ساقط ہو گیا بوجہ ان دونوں کے دعویٰ کرنے کے الْعَفْوَ عَلَى الْأَخِ تیسرے بھائی پر معافی کا، ان دونوں نے تیسرے بھائی پر جو معافی کا دعویٰ کیا اس کی وجہ سے قصاص ساقط ہو گیا ہے، وَانْقَلَبَ نَصِيبُ الْأَخِ مَالًا اور اس تیسرے بھائی کا حصہ جو ہے وہ مال بن گیا ہے۔

وَالْأَخُ لَمَّا صَدَّقَ الْمُخْبِرَيْنِ فِي الْعَفْوِ اور اس تیسرے بھائی نے جب تصدیق کر دی ان دو خبر دینے والوں کی فِي الْعَفْوِ معافی کے اندر، فَقَدْ زَعَمَ تو اس کا گمان یہ ہے، اس کا گمان یہ ہے کہ اس نے کیا کہا یہ سچ کہہ رہے ہیں یعنی میں نے معاف کر دیا، جب میں نے معاف کر دیا تو اب ان دونوں کا حق کس میں ہے؟ مال میں، یہ کس کا خیال ہے تیسرے بھائی کا۔ وَالْأَخُ لَمَّا صَدَّقَ الْمُخْبِرَيْنِ فِي الْعَفْوِ اور اس تیسرے بھائی نے جب ان دو خبر دینے والوں کی تصدیق کر دی فِي الْعَفْوِ معافی کے اندر، فَقَدْ زَعَمَ تو تحقیق اس کا گمان یہ ہے کہ أَنَّ نَصِيبَهُمَا انْقَلَبَ مَالًا کہ ان دونوں کا حصہ مال بن گیا ہے، فَصَارَ مُقِرًّا لَهُمَا بِمَا أَقَرَّ بِهِ الْقَاتِلُ تو یہ تیسرا بھائی اقرار کرنے والا ہو گیا ان دو بھائیوں کے لیے بِمَا أَقَرَّ بِهِ الْقَاتِلُ وہ مال جس کا اقرار قاتل نے

اس تیسرے کے لیے کیا تھا، وہ مال جس کا اقرار قاتل نے اس تیسرے بھائی کے لیے کیا تھا اس تیسرے نے گویا اقرار کر لیا ان دونوں کے لیے، تو وہ اس کو نہیں دیں گے ان دونوں کو دے دیں گے۔ وجہ سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: فَصَارَ مُقِرًّا لَهُمَا بِمَا أَقَرَّ بِهِ الْقَاتِلُ پس وہ تیسرا بھائی وہ اقرار کرنے والا ہو گیا ان دونوں کے لیے اس مال کا جس کا اقرار قاتل نے اس کے لیے کیا تھا۔ وَوَجْهُهَا مَذْكُورٌ فِي الْهِدَايَةِ اور اس کی وجہ مذکور ہے ہدایہ میں، کس کے اندر؟ ہدایہ کے اندر، وہاں اور بھی کچھ تفصیل ہے لیکن ساری تفصیل میں نے بیان کر دی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ چلیے بس بھئی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

حل ہو گیا؟ چلیے جی۔

سبق نمبر ۵۱: شاہدینِ قتل کا زمان، مکان یا آلۂ قتل میں اختلاف اور اقرارِ قتل میں اختلاف کے احکام

شرح الوقایہ صفحہ: ۱۱۲ — بتاریخ: ۲۳ فروری ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق:

وَإِنِ اخْتَلَفَ شَاهِدَا الْقَتْلِ فِي زَمَانِهِ أَوْ مَكَانِهِ أَوْ آلَتِهِ، أَوْ قَالَ شَاهِدٌ: قَتَلَهُ بِعَصًا، وَقَالَ الْآخَرُ: جَهِلْتُ آلَةَ قَتْلِهِ؛ لَغَتْ. وَإِنْ شَهِدَا بِقَتْلِهِ وَقَالَا: جَهِلْنَا آلَتَهُ؛ تَجِبُ الدِّيَةُ. الْقِيَاسُ أَنْ لَا يَجِبَ شَيْءٌ، لِأَنَّ حُكْمَ الْقَتْلِ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْآلَةِ، وَوَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهُمْ شَهِدُوا بِمُطْلَقِ الْقَتْلِ، وَالْمُطْلَقُ لَيْسَ بِمُجْمَلٍ.

صورتِ مسئلہ یہ بھئی کہ ایک قتل کے بارے میں دو افراد گواہی دیتے ہیں قتل کے لیے، البتہ ان گواہیوں میں تھوڑا سا اختلاف آجاتا ہے۔ مثلاً ایک گواہ کہتا ہے کہ اس قاتل نے زید کو جمعہ کے دن قتل کیا تھا، اور دوسرا گواہ کہتا ہے کہ اس نے زید کو ہفتے والے دن قتل کیا تھا، تو زمانے میں اختلاف آگیا۔ یا جگہ کے اندر اختلاف آگیا، ایک کہتا ہے کہ اس قاتل نے زید کو لاہور میں قتل کیا، اور دوسرا کہتا ہے کہ اس نے زید کو اسلام آباد میں قتل کیا۔ یا ایک ہی شہر میں مختلف جگہوں کا، مطلب جگہ مختلف ہے دونوں کے جو بیان کر رہے ہیں، ایک مثلاً کہتا ہے کہ لاہور کے فلاں علاقے میں قتل کیا ہے اس نے، اور دوسرا دوسرا علاقہ بتلاتا ہے کہ اس نے وہاں پر زید کو قتل کیا ہے۔ یا آلۂ قتل کے اندر دو گواہ اختلاف کرتے ہیں، ان کی گواہی مختلف ہے۔ ایک کہتا ہے کہ اس نے اس کو بندوق کے ذریعے گولی مار کر قتل کیا، اور دوسرا کہتا ہے کہ اس نے اس کو لاٹھیاں مار مار کر قتل کیا ہے بھئی، تو آلۂ قتل میں اختلاف آگیا۔ یا ایک کہتا ہے کہ اس نے زید کو لاٹھیاں مار کر قتل کیا، اور دوسرا کہتا ہے کہ اس نے زید کو قتل کیا ہے لیکن مجھے نہیں معلوم کس چیز کے ذریعے قتل کیا ہے، تو یہاں ایک آلۂ قتل کو ذکر کر رہا ہے اور ایک گواہ آلۂ قتل سے لاعلم ہے۔ تو ان تمام صورتوں میں یاد رکھیے یہ گواہی لغو ہو جائے گی، اس کی وجہ سے مجرم کو سزا نہیں ہو سکتی بھئی، سزا نہیں ہو سکتی۔

یاد رکھیے ضابطہ یہ ہے کہ شہادت کے اندر، یعنی گواہی کے اندر دونوں گواہوں کا اتفاق ضروری ہے۔ زمانہ بھی ایک بیان کریں، جگہ بھی ایک بیان کریں، اور آلہ بھی ایک بیان کریں، اتفاق ضروری ہے۔ لہٰذا اگر ان میں اختلاف آگیا ان چیزوں کے اندر تو ان کی گواہی لغو ہو جائے گی، لغو ہو جائے گی یعنی اس کو رد کر دیا جائے گا، رد کر دیا جائے گا۔ اس لیے کیونکہ قتل تو ایک ہی دفعہ ہو سکتا ہے، قتل میں تو تکرار نہیں ہو سکتا۔ ایک کہہ رہا ہے اس نے لاہور میں قتل کیا، دوسرا کہہ رہا ہے اسلام آباد میں قتل کیا، بھئی قتل میں تو تکرار نہیں، ایک آدمی تو ایک ہی دفعہ قتل ہو سکتا ہے۔ تو ایک گواہ نے جس قتل کی گواہی دی وہ اور قتل ہے، دوسرے نے جس قتل کی گواہی دی وہ اور قتل ہے، تو گویا ہر قتل پر ایک ایک گواہی پائی گئی، حالانکہ کتنی گواہیاں ضروری ہیں؟ دو آدمیوں کا گواہی دینا ضروری ہے عام مسائل کے اندر، یہ اور یہ اسی طرح قتل کے اندر بھئی۔

اسی طرح ایک گواہ نے کہا کہ زید نے جمعہ کے دن قتل کیا ہے، اور دوسرا گواہ کہتا ہے کہ ہفتے کے دن قتل کیا ہے، بھئی قتل تو ایک ہی دفعہ ہو سکتا ہے اس میں تکرار نہیں ہو سکتا۔ تو ایک گواہ جس قتل کی گواہی دے رہا ہے وہ اور ہے، اور دوسرا گواہ جس قتل کی گواہی دے رہا ہے وہ اور قتل ہے۔ تو گویا ہر قتل پر ایک ایک گواہی ہو گئی، اور ایک گواہی کی وجہ سے تو دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔

یہ معنی ہے، دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَإِنِ اخْتَلَفَ شَاهِدَا الْقَتْلِ، یہ اصل میں تھا شَاهِدَانِ الْقَتْلِ، تثنیہ بھئی نون اضافت سے گر گیا، شَاهِدَا الْقَتْلِ، یہ شَاهِدَا کا الف بھی پھر التقائے ساکنین کی وجہ سے گر جائے گا بھئی۔ وَإِنِ اخْتَلَفَ شَاهِدَا الْقَتْلِ، اور اگر اختلاف کیا قتل کے دو گواہوں نے فِي زَمَانِهِ، قتل کے زمانے میں، یعنی ایک جمعہ بتلاتا ہے تو دوسرا ہفتہ بتلا رہا ہے، أَوْ مَكَانِهِ، یا انہوں نے اختلاف کیا قتل کی جگہ میں، یعنی ایک اگر ایک جگہ بتلا رہا ہے تو دوسرا دوسری جگہ، أَوْ آلَتِهِ، یا وہ اختلاف کرتے ہیں آلۂ قتل میں، أَوْ قَالَ شَاهِدٌ قَتَلَهُ بِعَصًا، یا ایک گواہ کہتا ہے کہ اس قاتل نے اس کو قتل کیا لاٹھی کے ذریعے، وَقَالَ الْآخَرُ جَهِلْتُ آلَةَ قَتْلِهِ، اور دوسرا کہتا ہے کہ میں اس کے آلۂ قتل سے لاعلم ہوں۔ جَهِلَ يَجْهَلُ کا معنی لاعلم ہونا، نہ جاننا۔ اور دوسرا گواہ کہتا ہے جَهِلْتُ آلَةَ قَتْلِهِ، کہ میں اس کے آلۂ قتل سے لاعلم ہوں، مجھے اس کا علم نہیں ہے، لَغَتْ أَيْ لَغَتِ الشَّهَادَةُ، یہ تو یہ گواہی لغو ہو جائے گی، اس لیے کیونکہ ہر قتل پر گویا ایک ایک گواہی ہے، اور ایک گواہی کی وجہ سے قتل ثابت نہیں ہوتا۔

وَإِنْ شَهِدَا بِقَتْلِهِ، اور اگر ان دونوں گواہوں نے اس کے قتل کی گواہی دی، وَقَالَا، اور کہا، جَهِلْنَا آلَتَهُ، کہ ہمیں آلۂ قتل جو ہے اس کا ہمیں علم نہیں۔ دونوں نے کہا کہ کس چیز سے قتل کیا یہ ہمیں پتا نہیں، البتہ اس نے زید کو قتل کیا ہے دونوں گواہوں نے۔ کہتے ہیں اس صورت میں تَجِبُ الدِّيَةُ، دیت واجب ہو گی، دیت واجب ہو گی۔

آگے آپ کو بتلائیں گے کہ قیاس کا تو یہ تقاضا ہے کہ کچھ بھی ثابت نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ دونوں گواہ کیا کہہ رہے ہیں؟

کہ آلۂ قتل کا ہمیں علم نہیں۔ بھئی آلۂ قتل کے بدلنے سے تو قتل بدل جاتا ہے۔ بندوق سے قتل کرے گا تو وہ قتلِ عمد ہے، اس میں قصاص آئے گا۔ اور لاٹھی سے قتل کرے گا تو وہ شبہِ عمد ہے، اس کے اندر دیت آئے گی بھئی، دیتِ مغلظہ۔ تو آلے کے بدلنے سے قتل کی قسم ہی بدل جاتی ہے، اور جب انہوں نے کہا ہمیں علم ہی نہیں تو پھر لہٰذا ان کی گواہی کیا ہونی چاہیے؟ لغو ہونی چاہیے، اس کی وجہ سے کچھ بھی نہیں آنا چاہیے، لیکن استحساناً دیت واجب ہو گی، استحساناً دیت واجب ہو گی۔

کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ جب انہوں نے کہا کہ آلۂ قتل کا ہمیں پتا نہیں لیکن قتل اس نے کیا ہے، تو گویا وہ مطلقِ قتل کی گواہی دے رہے ہیں۔ کس کے؟ مطلقِ قتل کی گواہی دے رہے ہیں۔ ایک ہوتا ہے مطلق، ایک ہوتا ہے مقید۔ مطلق جس میں کوئی قید ذکر نہ ہو، مقید جس میں کوئی قید ذکر ہو، قید ذکر ہو۔ مثلاً میں کہتا ہوں میرے پاس ایک آدمی آیا، کل میرے پاس ایک آدمی آیا تھا۔ دیکھو میں نے ساتھ کوئی قید نہیں لگائی، ایک آدمی آیا تھا، ہو سکتا ہے وہ عالم ہو، ہو سکتا ہے عالم نہ ہو، ہو سکتا ہے وہ تاجر ہو، ہو سکتا ہے تاجر نہ ہو، تو یہ مطلق ہے، اس میں ہر احتمال آگیا۔ اور ایک ہوتا ہے مقید جس میں قید لگا دی جائے، صفت وغیرہ یا کسی طریقے سے کوئی قید لگا دی جائے۔ جیسے میں کہتا ہوں کہ کل میرے پاس ایک عالم آدمی آیا تھا، تو دیکھو یہ کیا ہے؟ عام آدمی ہے یا عالم ہے؟ عالم۔ میں نے عالم ہونے کی قید ساتھ لگا دی، معلوم ہوا عالم تھا، غیرِ عالم نہیں تھا۔ یا میں کہتا ہوں کل میرے پاس ایک تاجر آدمی آیا تھا، تو دیکھو معلوم ہوا آنے والا تاجر تھا، غیرِ تاجر نہیں تھا۔ تو ایک ہوتا ہے مطلق جس میں قید نہ ہو، اور ایک ہوتا ہے مقید جس میں قید ہو۔ تو اسی طرح یہاں پر بھی ہے: ایک ہے مطلق قتل، ایک ہے مقید قتل۔ مطلق قتل جس میں آلۂ قتل انہوں نے ذکر نہیں کیا، اب اس میں احتمال ہے ہو سکتا ہے گولی مار کر قتل کیا ہو، ہو سکتا ہے لاٹھی کے ذریعے قتل کیا ہو، ہو سکتا ہے کسی اور طریقے سے قتل کیا ہو۔ اور ایک ہے مقید قتل کہ جس میں آلے کا بھی بتلا دیں کہ کس کے ذریعے قتل کیا، بندوق کے ذریعے قتل کیا یا لاٹھی کے ذریعے قتل کیا، وہ بھی بیان کر دیں۔ تو ایک ہے مطلق اور ایک مقید، اور وہ یہاں پر آلۂ قتل سے لاعلم ہیں، تو مطلق قتل کی گواہی دے رہے ہیں، اور مطلق پر عمل ہو سکتا ہے، مطلق پر عمل ہو سکتا ہے۔

اچھا، مجمل بھی سمجھ لیں۔ مجمل وہ جس میں ابہام ہو، جس کے لیے بیان چاہیے، جو بیان کے بغیر سمجھ ہی نہ آئے بھئی، بیان کے بغیر سمجھ ہی نہ آئے اس کے لیے بیان چاہیے۔ جیسے قرآن کے اندر ہے، اللہ جگہ جگہ حکم دیتے ہیں نماز پڑھو۔ نماز پڑھنی کیسے ہے قرآن میں ایک جگہ بھی اس کا ذکر نہیں۔ قرآن میں جگہ جگہ حکم ہے زکوۃ ادا کرو، ادا کرنی کیسے ہے، کتنی ادا کرنی ہے، ایک جگہ بھی اس کی تفصیل ذکر نہیں۔ تو اس کو کہتے ہیں مجمل، اس کے لیے کیا چاہیے؟ بیان چاہیے کہ کس طرح پڑھیں، کس طرح ادا کریں، اس کا طریقہ کیا ہے؟ تو اس کی تفصیل پھر احادیثِ نبویہ میں ملتی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ احادیث کے اندر نماز کی پوری تفصیل بیان ہوتی ہے، اور اسی طرح زکوۃ کی پوری تفصیل بیان ہوتی ہے، اور اسی

طرح تمام احکام کی تفصیل پھر ہمیں احادیث کے اندر ملتی ہے بھئی۔ تو مجمل وہ جس کے لیے کیا چاہیے؟ بیان چاہیے، اور مجمل پر عمل نہیں ہو سکتا جب تک بیان نہیں آئے گا۔ اگر احادیث میں نماز کا بیان نہ ہوتا تو ہمیں پتا ہی نہ چلتا کہ نماز پڑھنی کیسے ہے، تو عمل کیسے ہم کرتے بھئی؟ تو مجمل وہ کسے کہتے ہیں جس میں کیا ہو؟ ابہام ہو اور اس کے لیے کیا چاہیے؟ بیان چاہیے، اس کو بیان چاہیے۔ تو ہم کہتے ہیں ایک ہے مطلق اور ایک ہے مجمل۔ مجمل پر تو عمل نہیں ہو سکتا جب تک بیان نہ آجائے، لیکن مطلق پر تو عمل ہو سکتا ہے۔

جیسے قرآن کے اندر اس کی مثال ہے بھئی۔ قرآن کے اندر کوئی اگر شخص غلطی سے مومن کو قتل کر دے تو قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً، جس نے غلطی سے کسی مومن کو قتل کیا، فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ، تو وہ ایک مومن غلام کو آزاد کرے، ایک مومن غلام یا باندی کو آزاد کرے۔ یہاں پر رَقَبَة ذکر ہے، رَقَبَة، غلام مراد ہے غلام ہو یا باندی ہو، اور رَقَبَة کے ساتھ مُؤْمِنَة کی قید ہے کہ کیسا غلام ہونا چاہیے؟ مومن ہو، چاہے غلام ہو یا باندی ہو لیکن مومن ہونا چاہیے، معلوم ہوا اگر مومن نہیں تو وہ غلام کافی نہیں۔ تو یہ ہے دیکھو مقید، مقید۔ اور ایک ہے مطلق، ایک مطلق جس میں کوئی قید ذکر نہ ہو، میں نے تفصیل بیان کر دی، مثلاً جیسے قسم کا کفارہ قرآن میں ذکر ہے، وہاں صرف تحریرِ رقبہ کا ذکر ہے، وہاں مُؤْمِنَة کی قید ساتھ نہیں ہے۔ اسی طرح کفارۂ ظہار کا ذکر قرآن میں ہے، وہاں بھی تحریرِ رقبہ کا ذکر ہے، مُؤْمِنَة کی ساتھ قید نہیں ہے۔ تو دیکھو وہاں رَقَبَة مطلق ہے، وہ مُؤْمِنَة کے ساتھ مقید نہیں۔ معلوم ہوا مطلقاً جو بھی غلام آزاد کر دیا جائے، چاہے مومن ہو چاہے کافر ہو، چاہے مرد ہو چاہے عورت ہو، چاہے بچہ ہو چاہے بوڑھا ہو، جس کو بھی آزاد کر دیا جائے کفارہ ادا ہو جائے گا۔ لیکن قتلِ خطا کے اندر وہاں ہر غلام آزاد کرنے سے کفارہ ادا نہیں ہو گا، بلکہ کیا ضروری ہے کہ وہ مومن غلام ہو۔ پھر مومن ہونے کے بعد وہ عام ہے، چاہے مرد ہو چاہے عورت ہو، چاہے بچہ ہو چاہے بوڑھا ہو، ہر حال میں کفارہ ادا ہو جائے گا۔ تو دیکھو بعض جگہ رَقَبَة مطلق آیا تھا اور بعض جگہ رَقَبَة مقید آیا ہے، اور مطلق پر عمل ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا؟ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ، ایک غلام آزاد کرو، عمل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو دیکھا، معلوم ہوا مطلق پر عمل ہو سکتا ہے۔ مجمل پر تو عمل نہیں ہو سکتا جب تک بیان نہ آئے، اور مطلق پر تو عمل ہو سکتا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

یہ مسئلہ ذکر ہو رہا تھا۔ دو گواہوں نے گواہی دی اور وہ کہتے ہیں کہ ہمیں پتا نہیں کس چیز کے ذریعے قتل کیا ہے، کس چیز کے ذریعے قتل کیا ہے قاتل نے۔ تو اس صورت میں یہ مطلقِ قتل کی گواہی دے رہے ہیں، تو یہ مطلق ہے مجمل نہیں ہے، مجمل نہیں ہے، اور مطلق پر تو عمل ہو سکتا ہے، لہٰذا مطلق پر عمل ہم ہم عمل کریں گے اور قتل ثابت ہو گیا۔ البتہ قتل کے پھر دو حکم ہیں، ایک قتل کی صورت میں قصاص آتا ہے اور ایک قتل کی صورت میں دیت آتی ہے۔ تو کم سے کم حکم قتل کا کیا کہ اس میں کیا آئے گی؟ دیت، اور زیادہ سے زیادہ کیا ہے؟ قصاص ہے، تو جو زیادہ سے زیادہ ہے وہ تو ثابت نہیں ہو گا، لیکن جو کم از کم ہے وہ تو یقینی ہے، اس سے کم تو کوئی حکم ہے ہی نہیں قتل کے اندر، تو لہٰذا وہ دیت ثابت ہو جائے گی

جو کم سے کم ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

قیاس تو کیا تقاضا کرتا تھا کہ آلۂ قتل بیان نہیں کیا تو کچھ بھی نہیں ثابت ہونا چاہیے، قاتل کو کوئی سزا نہیں ملنی چاہیے، کیونکہ پتا ہی نہیں ہے قتل کون سا ہے، قتلِ عمد ہے یا شبہِ عمد ہے؟ عمد ہو تو اس میں قصاص آتا ہے، شبہِ عمد ہو تو اس میں دیت آتی ہے، اب جب آلۂ قتل کا نہیں پتا تو ہمیں نہیں پتا کیا حکم آنا ہے یہاں پر یہ کون سا قتل ہے؟ تو قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہاں کچھ بھی ثابت نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن استحساناً اس قاتل پر دیت آجائے گی، کیونکہ یہ جو انہوں نے گواہی دی یہ مطلق ہے مجمل نہیں، مجمل ہوتی پھر تو اس پر عمل ممکن نہ تھا، لیکن مطلق پر تو عمل ہو سکتا ہے، چنانچہ مطلق پر عمل کیا گیا اور قتل کا جو کم سے کم اور ہلکے سے ہلکا حکم تھا وہ دیت والا وہ یہاں پر آگیا۔

دیکھیے بھئی: وَإِنْ شَهِدَا بِقَتْلِهِ، اور اگر ان دو گواہوں نے اس شخص کے قتل کی گواہی دی، وَقَالَا، اور دونوں نے کہا، جَهِلْنَا آلَتَهُ، کہ ہم لاعلم ہیں آلۂ قتل سے، تَجِبُ الدِّيَةُ، تو دیت واجب ہوگی۔ الْقِيَاسُ أَنْ لَا يَجِبَ شَيْءٌ، قیاس تو یہ ہے کہ کوئی چیز واجب نہ ہو، لِأَنَّ حُكْمَ الْقَتْلِ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْآلَةِ، اس لیے کیونکہ قتل کا حکم بدلتا ہے آلے کے بدلنے سے۔

وَوَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ، استحسان کی وجہ یہ ہے کہ أَنَّهُمْ شَهِدُوا بِمُطْلَقِ الْقَتْلِ، کہ انہوں نے مطلقِ قتل کی گواہی دی ہے، مجملِ قتل کی گواہی نہیں دی۔ انہوں نے مطلقِ قتل کی گواہی دی ہے، وَالْمُطْلَقُ لَيْسَ بِمُجْمَلٍ، اور مطلق جو ہے وہ مجمل نہیں ہوتا، فَيَثْبُتُ أَقَلُّ مِنْ مُوجَبِهِ وَهُوَ الدِّيَةُ، تو ثابت ہو جائے گا جو کم ہے قتل کے مقتضیٰ میں سے، جو قتل کا مقتضیٰ، قتل کا مقتضیٰ یا تو قصاص ہوتا ہے یا دیت، تو قتل کے مقتضیٰ میں سے جو کم ہے دوسرے کے مقابلے میں وہ ثابت ہو جائے گا، اور وہ کیا ہے؟ دیت۔ تو کہتے ہیں فَيَثْبُتُ أَقَلُّ مِنْ مُوجَبِهِ، تو ثابت ہو جائے گا وہ جو کم ہے قتل کے مقتضیٰ میں سے وہ ثابت ہو جائے گا، وَهُوَ الدِّيَةُ، اور وہ دیت ہے۔[1]

وَتَجِبُ فِي مَالِهِ، اور یہ جو دیت واجب ہوگی یہ اس قاتل کے مال میں واجب ہوگی، عاقلہ پر نہیں۔ کیوں؟ کیونکہ قتلِ عمد ہے، قتلِ عمد ہے، جان بوجھ کر قتل کیا ہے، اور عاقلہ قتلِ عمد کی دیت نہیں اٹھاتے بھئی، وہ ان پر نہیں آتی۔ لِأَنَّهُ الْأَصْلُ فِي الْقَتْلِ الْعَمْدِ، کیونکہ یہی ضابطہ ہے قتلِ عمد میں، کیونکہ یہی ضابطہ ہے قتلِ عمد میں کہ وہ قاتل پر واجب ہوتی ہے وہ دیت، فَلَا يَتَحَمَّلُهُ الْعَاقِلَةُ، تو اس کو عاقلہ نہیں برداشت کریں گے، وہ نہیں اس کو اٹھائیں گے۔

وَإِنْ أَقَرَّ كُلٌّ مِنَ الرَّجُلَيْنِ بِقَتْلِ زَيْدٍ وَقَالَ الْوَلِيُّ قَتَلْتُمَاهُ فَلَهُ قَتْلُهُمَا. وَلَوْ قَامَتْ بَيِّنَةٌ بِقَتْلِ زَيْدٍ عَمْرًا وَأُخْرَى بِقَتْلِ بَكْرٍ إِيَّاهُ وَادَّعَى الْوَلِيُّ قَتْلَهُمَا لَغَتَا.[2]

---

[1] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۶۰):** صوتی درس کی قراءت میں «فَيَثْبُتُ أَقَلُّ مِنْ مُوجَبِهِ وَهُوَ الدِّيَةُ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فيثبت أقلُّ موجبه وهو الدِّية،» منقول ہے۔

[2] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۶۰):** صوتی درس کی قراءت میں «وَإِنْ أَقَرَّ كُلٌّ مِنَ الرَّجُلَيْنِ بِقَتْلِ زَيْدٍ وَقَالَ الْوَلِيُّ

صورتِ مسئلہ یہ کہ دو آدمیوں نے زید کے قتل کا اقرار کیا، دو اقرار کرنے والوں نے زید کے قتل کا اقرار کیا۔ تو یاد رکھیے جو اقرار کرنے والا ہے وہ ہے مُقِرّ، مُقِرٌّ، اسمِ فاعل ہے، اقرار کرنے والا۔ اور جس کے لیے اقرار کیا جائے اس کو مُقَرٌّ لَهُ کہتے ہیں، مُقَرٌّ اسمِ مفعول ہے، مُقَرٌّ لَهُ جس کے لیے اقرار کیا گیا۔ تو دیکھیے، دو آدمیوں نے زید کے قتل کا اقرار کیا تو وہ ہوئے مُقِرّ، اقرار کرنے والے، اور جو ولیِ مقتول ہے وہ ہوا مُقَرٌّ لَهُ، اس کے لیے اقرار کیا، اب وہ ان سے کیا کر سکتا ہے؟ قصاص لے سکتا ہے، تو وہ ہوا مُقَرٌّ لَهُ بھئی۔

اب صورتِ مسئلہ یہ کہ دو آدمیوں نے قتل کا اقرار کیا: ایک کہتا ہے زید کو میں نے قتل کیا ہے، دوسرا کہتا ہے کہ زید کو میں نے قتل کیا ہے، اور وہ جو مُقَرٌّ لَهُ یعنی ولیِ مقتول ہے وہ کہتا ہے تم دونوں نے زید کو قتل کیا ہے، تو وہ ان دونوں سے قصاص لے سکتا ہے، ان دونوں سے قصاص لے سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھیے یہاں پر وہ ان کے پورے اقرار کو باطل نہیں کر رہا، پورے اقرار کی تکذیب نہیں کر رہا۔ ایک نے کیا کہا تھا؟ زید کو میں نے قتل کیا، دوسرے نے کہا زید کو میں نے قتل کیا، گویا دونوں کے کہنے کا مطلب یہ ہے: ایک کہہ رہا ہے کہ میں نے اکیلے نے زید کو قتل کیا ہے، اور دوسرا بھی کہہ رہا ہے کہ میں نے اکیلے اکیلے زید کو قتل کیا ہے، میرے ساتھ اور کوئی نہیں تھا۔ اور ولیِ مقتول نے صرف ان کو رد کیا ہے اکیلے ہونے میں، ان کے قتل کا جو اقرار ہے اس کو رد نہیں کر رہا، یہ نہیں کہا کہ تم نے قتل نہیں کیا، صرف کس چیز کی اس نے نفی کر دی؟ اکیلے ہونے کی نفی کی، کہ تم نے اکیلے اکیلے نہیں کیا بلکہ تم دونوں نے مل کر کیا ہے، تو اس کی وجہ سے وہ ان کا اقرار لغو نہیں ہو گا، انہوں نے خود اقرار کیا ہے، تو دونوں کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

اس کے مقابلے میں، اس کے مقابلے میں اگر دو گواہ آکر یہ کہتے، یہ تھا اقرار والا مسئلہ، اب ہے گواہی کا مسئلہ، دو گواہ آگئے۔ ایک گواہ آکر کہتا ہے کہ زید نے عمر کو قتل کیا ہے، زید نے عمر کو قتل کیا، یعنی زید قاتل ہے اور عمر مقتول۔ اور دوسرا گواہ کہتا ہے کہ بکر نے عمر کو قتل کیا ہے، یعنی بکر قاتل ہے اور عمر مقتول ہے۔ اور ولیِ مقتول کہتا ہے کہ زید اور بکر دونوں نے عمر کو قتل کیا ہے۔ توجہ ہے؟ ایک گواہ نے کیا کہا کہ عمر کو کس نے قتل کیا؟ زید نے، اور دوسرے گواہ نے کیا کہا کہ عمر کو کس نے قتل کیا؟ بکر نے، اور ولیِ مقتول جو ہے وہ کہتا ہے کہ عمر کو زید اور بکر دونوں نے قتل کیا ہے، تو یاد رکھیے اس صورت میں یہ گواہی لغو ہو جائے گی، دونوں کی گواہی لغو ہو جائے گی۔

دیکھو وہی مسئلہ اقرار میں آیا تھا، ایک نے کہا تھا میں نے اکیلے قتل کیا ہے، دوسرے نے کہا تھا میں نے اکیلے نے قتل کیا ہے، اور ولیِ مقتول نے کیا کہا کہ تم دونوں نے قتل کیا ہے، تو وہاں دونوں کو قصاص میں قتل کروا سکتا ہے۔ لیکن یہی

قَتَلْتُمَاهُ فَلَهُ قَتْلُهُمَا. وَلَوْ قَامَتْ بَيِّنَةٌ بِقَتْلِ زَيْدٍ عَمْرًا وَأُخْرَى بِقَتْلِ بَكْرٍ إِيَّاهُ وَادَّعَى الْوَلِيُّ قَتْلَهُمَا لَغَتَا.» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وإن أقرَّ كلٌّ من رجلَين بقتلِ زيد، وقال الوليُّ:قتلتماه، فله قتلُهما، ولو قامتْ بيِّنةٌ بقتلِ زيدٍ عمرو، وأخرى بقتلِ بكرٍ إيَّاه، وادَّعى الوليُّ قتلَهما لغتا،» منقول ہے۔

مسئلہ جب گواہی کے اندر آگیا: ایک گواہ کہتا ہے کہ اس مقتول کو زید نے قتل کیا ہے، دوسرا گواہ کہتا ہے کہ اس مقتول کو بکر نے قتل کیا ہے، اور ولیِ مقتول کہتا ہے کہ زید اور بکر دونوں نے قتل کیا ہے، تو دونوں کی گواہی لغو ہو جائے گی بھئی، دونوں کی گواہی لغو ہو جائے گی۔ بھئی کیوں؟ اس لیے کیونکہ وہ جو دونوں گواہی دے رہے ہیں، توجہ سے سننا، وہ دونوں جب گواہی دے رہے ہیں، گواہ ایک کس کی گواہی دے رہا ہے کس نے قتل کیا؟ زید نے، اور دوسرا کیا گواہی دے رہا ہے کہ کس نے قتل کیا؟ بکر نے، تو دونوں ہوئے گواہ، شَاهِد، ان میں سے ہر ایک کیا ہے؟ شَاهِد، اور جس کے لیے گواہی دی اس کو کہتے ہیں مَشْهُودٌ لَهُ، اس کو کیا کہتے ہیں؟ مَشْهُودٌ لَهُ، جس کے لیے گواہی دی گئی۔ تو مَشْهُودٌ لَهُ یعنی جو ولیِ مقتول ہے، اس نے ان گواہوں کی تکذیب کر دی، ان کو جھٹلا دیا، کیا کہا؟ کہ دونوں نے قتل کیا ہے۔ جب دونوں نے قتل کیا تو پہلے گواہ کو بھی جھٹلا دیا، اس نے تو کیا کہا تھا؟ اکیلے زید نے قتل کیا ہے۔ دوسرے گواہ نے تو کہا تھا اکیلے بکر نے قتل کیا، اس کو بھی کیا کیا؟ جھٹلا دیا۔ اور یاد رکھو جب مَشْهُودٌ لَهُ گواہ کو جھٹلاتا ہے تو گویا وہ اس کو فاسق قرار دے رہا ہے، کیا قرار دے رہا ہے؟ فاسق، بات سمجھ میں آگئی؟ گویا مَشْهُودٌ لَهُ گواہ کو فاسق قرار دے رہا ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ گواہ فاسق ہو تو گواہی قبول نہیں کی جاتی، تو شہادت کے اندر تکذیب کرنا گواہ کو جھٹلانا وہ اس کو فاسق قرار دینا ہے، اور گواہ فاسق ہو تو گواہی اس کی قبول نہیں کی جاتی، لہٰذا یہاں دونوں کی گواہی لغو ہو جائے گی۔

تو ضابطہ کیا؟ کہ اگر مَشْهُودٌ لَهُ کیا کرے شَاهِد کی، بھئی اسی کے لیے تو گواہی دے رہے ہیں، کس کے لیے گواہی دے رہے ہیں وہ؟ مَشْهُودٌ لَهُ کے لیے، یعنی اسی کے گواہ ہیں، وہ ہی لے کر آیا ان کو اور اسی کے لیے گواہی دے رہے ہیں، اور وہی کیا کر رہا ہے اس گواہی میں ان کی تکذیب کر رہا ہے تو گویا ان کو کیا قرار دے رہا ہے؟ فاسق، تو گواہ کی تکذیب کرنا یہ تو اس کو فاسق قرار دینا ہے، اور فاسق کی گواہی تو قابلِ قبول نہیں، تو گویا وہ خود ہی ان کی گواہی رد کر رہا ہے۔

پھر سنو یہ گواہی والی صورت، مَشْهُودٌ لَهُ وہ جو دو گواہ ہیں ان کی پوری گواہی کی تکذیب کر رہا ہے یا گواہی کے کچھ حصے کی تکذیب کر رہا ہے؟ کچھ حصے کی۔ توجہ ہے؟ ان دونوں نے کیا ایک نے کیا کہا تھا؟ گواہی گواہی والے مسئلے میں، ایک گواہ کہتا ہے کہ زید نے قتل کیا، دوسرا گواہ کیا کہتا ہے؟ بکر نے قتل کیا ہے، اور مَشْهُودٌ لَهُ کیا کہتا ہے؟ دونوں نے قتل کیا ہے، معلوم ہوا قتل زید نے کیا اس کی نفی نہیں کی، بلکہ اکیلے زید نے کیا اس کی نفی کر دی۔ اور دوسرے گواہ نے کیا کہا تھا؟ اکیلے بکر نے قتل کیا ہے، تو بکر کے قتل کرنے کی تو اس نے تکذیب نہیں کی، لیکن اکیلے بکر کے قتل کرنے کی تکذیب کر دی۔ تو یہاں دیکھو وہ مَشْهُودٌ لَهُ پوری گواہی کی تکذیب نہیں کر رہا، اس کے کچھ حصے کی تکذیب کر رہا ہے، لیکن مَشْهُودٌ لَهُ جب گواہ کے کچھ حصے کی بھی تکذیب کر دے تو گویا وہ ان کو فاسق قرار دے رہا ہے، اور فاسق ہونے کی صورت میں تو گواہ کی گواہی قابلِ قبول نہیں۔ یا یوں کہو، یوں کہو پھر سنو، وہ ان کی تکذیب کر رہا ہے، ان کو جھوٹا قرار دے رہا ہے، ان کو جھوٹا قرار۔ اور گواہ سچا ہونا چاہیے یا جھوٹا ہونا چاہیے؟ سچا، گواہی تو سچی ہونی چاہیے، تو جب اس نے جھوٹا قرار دیا تو گویا ان کو فاسق

قرار دے دیا، اور جب فاسق قرار دے دیا تو فاسق کی تو گواہی قابلِ قبول نہیں۔ تو جس حصے کی تکذیب کی وہ تو تھا ہی، اس کی تو کی تکذیب، دوسرا حصہ جو تھا گواہی کا وہ بھی لغو ہو گیا، لہٰذا اب اس کی وجہ سے زید اور بکر سے قصاص نہیں لیا جا سکتا، بات سمجھ میں آ گئی؟

جبکہ اقرار کی صورت میں، اقرار کی صورت میں ایک آدمی نے کہا میں نے زید کو قتل کیا ہے، دوسرا کہتا ہے میں نے زید کو قتل کیا ہے، اور مُقَرٌّ لَهُ کیا کہتا ہے؟ کہ تم دونوں نے قتل کیا ہے، تو اس نے پورے اقرار کی تکذیب کی یا کچھ حصے کی تکذیب کی؟ کچھ حصے کی تکذیب کی۔ پہلے اقرار کرنے والے نے بھی کہا میں نے اکیلے نے قتل کیا ہے، تو اس نے اکیلے ہونے کی نفی کی، قتل کرنے کی نفی نہیں کی۔ اور دوسرے اقرار کرنے والے نے بھی کہا میں نے اکیلے نے قتل کیا ہے، تو اس نے اکیلے ہونے کی تو تکذیب کی لیکن قتل کی تکذیب نہیں کی۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ مُقِرّ، اقرار کرنے والا جو ہے اس کے کچھ حصے کی اگر تکذیب کر دی جائے تو اس سے اس کا فاسق ہونا لازم نہیں آتا، اس کا باقی کا جو اقرار ہے وہ لغو نہیں ہوتا، جس حصے کی تکذیب نہیں کی وہ اقرار اسی طرح ہے، اور اس نے تو کیا کہا تھا میں نے بھی قتل کیا ہے، اور دوسرے نے کہا میں نے بھی قتل کیا ہے، اور تو ان دونوں سے وہ قصاص لے سکتا ہے۔

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَإِنْ أَقَرَّ كُلٌّ مِنَ الرَّجُلَيْنِ بِقَتْلِ زَيْدٍ، اگر اقرار کیا دو آدمیوں میں سے ہر ایک نے بِقَتْلِ زَيْدٍ، زید کو قتل کرنے کا، وَقَالَ الْوَلِيُّ، اور ولی جو تھا یعنی ولیِ قصاص کہہ لیں یا ولیِ مقتول جو تھا اس نے کہا، قَتَلْتُمَاهُ، کہ تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے، فَلَهُ قَتْلُهُمَا، تو اس ولی کو اختیار ہے ان دونوں کو قتل کرنے کا یعنی قصاص میں۔

وَلَوْ قَامَتْ بَيِّنَةٌ بِقَتْلِ زَيْدٍ عَمْرًا، اگر ایک بَيِّنَة یعنی ایک گواہی قائم ہو گئی بِقَتْلِ زَيْدٍ کہ زید نے قتل کیا ہے عَمْرًا عمر کو، وَأُخْرَى بِقَتْلِ بَكْرٍ إِيَّاهُ، اور دوسری گواہی قائم ہوئی کہ بکر نے قتل کیا ہے زید کو (عمر کو)، وَادَّعَى الْوَلِيُّ قَتْلَهُمَا، اور ولی نے دعویٰ کر دیا قَتْلَهُمَا ان دونوں کے قتل کرنے کا کہ دونوں نے قتل کیا ہے، لَغَتَا، تو دونوں گواہیاں لغو ہو جائیں گی۔

لِأَنَّ فِي الثَّانِي، اس لیے کیونکہ دوسری صورت میں جو گواہی والی صورت تھی اس میں تَكْذِيبَ الْمَشْهُودِ لَهُ الشَّاهِدَ فِي بَعْضِ مَا شَهِدَ لَهُ، اس میں جھٹلایا ہے مَشْهُودٌ لَهُ نے گواہ کو فِي بَعْضِ مَا شَهِدَ لَهُ، بعض اس کے اندر جو اس نے گواہی دی تھی اس کے لیے، مَشْهُودٌ لَهُ نے جھٹلایا ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ کہ لِأَنَّ فِي الثَّانِي تَكْذِيبَ الْمَشْهُودِ لَهُ الشَّاهِدَ، کہ دوسری صورت میں مَشْهُودٌ لَهُ نے جھٹلایا ہے گواہ کو فِي بَعْضِ مَا شَهِدَ لَهُ، بعض اس کے اندر جو اس نے گواہی دی اس کے لیے، وَهَذَا يُبْطِلُ شَهَادَتَهُ، اور یہ مَشْهُودٌ لَهُ کا اس کو جھٹلانا یہ اس کی گواہی کو باطل کر دیتا ہے۔ بھئی کیوں باطل کرتا ہے؟ کہتے ہیں لِأَنَّ التَّكْذِيبَ تَفْسِيقٌ، اس لیے کیونکہ اس کا جھٹلانا یہ تَفْسِيق ہے یعنی اس کو فاسق قرار دینا ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ فاسق کی گواہی مقبول نہیں۔

وَفِي الْأَوَّلِ، اور پہلی صورت میں، وہ جو اقرار والی تھی، کہتے ہیں وَفِي الْأَوَّلِ، اور پہلی صورت میں، تَكْذِيبَ الْمُقِرِّ لَهُ الْمُقِرَّ

فِي بَعْضِ مَا أَقَرَّ بِهِ، پہلی صورت میں تَكْذِيبَ الْمُقِرِّ لَهُ، جھٹلانا ہے مُقَرٌّ لَهُ کا، کس کو جھٹلایا؟ الْمُقِرَّ، کس کو؟ مُقِرّ، اقرار کرنے والے کو جھٹلایا فِي بَعْضِ مَا أَقَرَّ بِهِ، اس کے بعض میں جس کا اس نے اقرار کیا، وہ جو کچھ جو اقرار کیا تھا اس کے بعض کو جھٹلایا، وَهُوَ انْفِرَادُهُ فِي الْقَتْلِ، اور وہ بعض کیا تھا؟ وَهُوَ انْفِرَادُهُ فِي الْقَتْلِ، وہ اس کا قتل میں اکیلے ہونا تھا، اقرار کرنے والوں میں سے ہر ایک نے تو کیا کہا تھا میں قتل میں اکیلا تھا، تو قتل کرنے میں نہیں جھٹلایا اکیلا ہونے کے اندر جھٹلایا، یہ معنی ہے کہ وہ جو بعض جس کا اس نے اقرار کیا اس کو جھٹلایا تھا اور وہ بعض جس کو جھٹلایا وہ کیا تھا؟ وَهُوَ انْفِرَادُهُ فِي الْقَتْلِ، وہ اس کا قتل میں اکیلے ہونا تھا، اس کو اس نے جھٹلایا۔ وَهَذَا لَا يُبْطِلُ الْإِقْرَارَ، اور یہ اس کے اقرار کو باطل نہیں کرتا۔

بھئی گواہ کا تو عادل ہونا ضروری ہے، گواہ کا تو عادل ہونا ضروری ہے، مُقِرّ کا تو عادل ہونا ضروری نہیں ہے۔ کوئی آدمی کسی دوسرے کے لیے مال کا اقرار کرے میں نے اس کا ایک لاکھ روپیہ دینا ہے، تو وہ اس کو قاضی کے پاس جا کر مال وصول کر سکتا ہے کہ قاضی صاحب اس نے لوگوں کے سامنے اقرار کیا تھا کہ اس نے میرا ایک لاکھ روپیہ دینا ہے، اب وہاں قاضی یہ نہیں دیکھے گا کہ اقرار کرنے والا کون ہے، عادل ہے یا عادل نہیں ہے بھئی۔ تو گواہوں میں عادل ہونے کی شرط ہے، مُقِرّ میں عادل ہونے کی شرط نہیں ہے، اور گواہوں کو جھٹلانا وہ ان کو فاسق قرار دینا ہے، لیکن اقرار کرنے والے کو جھٹلانا یہ تو اس کو فاسق قرار دینا نہیں ہے، اس سے وہ فاسق نہیں بنتے بھئی۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَالْعِبْرَةُ لِحَالَةِ الرَّمْيِ لَا لِلْوُصُولِ. اور اعتبار جو ہے پھینکنے کی حالت کا ہے، لَا لِلْوُصُولِ، نہ کہ پہنچنے کی حالت کا۔

صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو تیر مارا، اور وہ مثلاً مسلمان کو تیر مارا۔ تیر چلاتے وقت وہ جو جس کو تیر مار رہے ہیں وہ مسلمان ہے۔ لیکن تیر ابھی ہوا میں تھا، جیسے ہی اس نے چلایا مثلاً وہ کافی فاصلے پر ہے، ایک دو

دو یا تین سیکنڈ، ایک دو سیکنڈ شاید لگ جائیں کم از کم۔ اور اگر بلندی سے تیر چلا رہا ہے تو بلندی سے تو تیر بہت دور تک چلا جائے گا پھر، مثلاً چھوٹی سی پہاڑی وغیرہ سے، تو ہو سکتا ہے دو تین سیکنڈ کم از کم تو مل جائیں۔ اور انہی لمحوں میں اس دوسرے نے کلمۂ کفر کہہ دیا تو مرتد ہو گیا، اور مرتد تو مُبَاحُ الدَّم ہوتا ہے، اس کو تو قتل کیا جاتا ہے۔ تو اب اس کو تیر جا کر لگا۔ تو جب اس نے تیر چلایا تھا وہ مسلمان تھا، اور جب اس کو تیر لگا تو مرتد ہو چکا ہے۔ تو کس حالت کا اعتبار کریں؟ اگر تیر چلانے کی حالت کا اعتبار کریں تو تیر کس پر چلا رہا ہے؟ مسلمان پر، اور مسلمان کی تو دیت واجب ہوتی ہے۔ اور تیر لگنے کی حالت کا اعتبار کریں تو تیر جس وقت لگا وہ تو مرتد ہو چکا ہے، مُبَاحُ الدَّم ہو چکا ہے، مُبَاحُ الدَّم جو ہو اس کے قتل کی وجہ سے تو دیت واجب نہیں ہوتی۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ تیر مارنے کی حالت کا اعتبار ہے، قاتل کے فعل کا اعتبار ہے، جس وقت اس نے تیر چلایا اس وقت وہ دوسرا شخص مسلمان تھا لہٰذا دیت واجب ہو گی، ضابطہ سمجھ میں آگیا؟

یہ معنی ہے، کہتے ہیں: وَالْعِبْرَةُ لِحَالَةِ الرَّمْيِ لَا لِلْوُصُولِ، اور اعتبار جو ہے وہ تیر چلانے کی حالت کا ہے، لَا لِلْوُصُولِ، نہ کہ پہنچنے کی حالت کا۔ فَتَجِبُ الدِّيَةُ عَلَى مَنْ رَمَى مُسْلِمًا، پس دیت واجب ہوگی اس شخص پر جس نے مسلمان کو تیر مارا، فَارْتَدَّ، پھر وہ مسلمان مرتد ہوگیا، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے بھئی، ایمان کے ساتھ اللہ ہمیں قبروں تک پہنچا دے بھئی، آمین۔ فَارْتَدَّ، وہ مرتد ہوگیا، فَوَصَلَ، پھر تیر اس کو لگا جا کر، پھر تیر اس تک پہنچا۔ هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔

وَعِنْدَهُمَا لَا يَجِبُ شَيْءٌ، صاحبین فرماتے ہیں کہ کوئی بھی چیز واجب نہیں ہوگی، دیت واجب نہیں ہوگی۔ إِذْ بِالِارْتِدَادِ سَقَطَ تَقَوُّمُهُ، صاحبین فرماتے ہیں کہ دیکھو جب اس نے تیر مارا تھا، تیر تو اس نے مسلمان کو مارا اور مسلمان تو مسلمان تو مُتَقَوِّم ہے، اس کی قیمت کتنی ہے؟ سو اونٹ ہے بھئی، مسلمان تو مُتَقَوِّم ہے اس کی دیت آئے گی، سو اونٹ ہے اس کی قیمت۔ اس نے تیر چلایا تو وہ مُتَقَوِّم تھا، لیکن جب اس نے کلمۂ کفر کہا مرتد ہوگیا، تو اس نے اپنا اپنا مُتَقَوِّم، اپنا تَقَوُّم خود ہی ختم کر دیا، اپنی قیمت اس نے خود ہی کیا کر دی؟ سو سے صفر کر دی، سو کے بجائے اپنی قیمت کیا کر دی؟ صفر کر دی، تو تیر جب لگا تو اس کی قیمت صفر ہو چکی تھی بھئی، اور لہٰذا اس کی جب قیمت نہیں تو اب کوئی دیت وغیرہ بھی واجب نہیں ہوگی۔ کہتے ہیں یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص کسی دوسرے کو دوسرے شخص کا ہاتھ کاٹ دے، اور پیچھے مسئلہ آپ پڑھ چکے ہیں، اور وہ مرنے سے پہلے کیا کر دے؟ اس ہاتھ کاٹنے والے کو معاف کر دے، اور پھر اسی زخم کی وجہ سے یہ شخص انتقال کر جائے، تو اس صورت میں اس پر دیت واجب نہیں ہوتی۔

کہتے ہیں: وَعِنْدَهُمَا لَا يَجِبُ شَيْءٌ، اور صاحبین کے نزدیک اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی، إِذْ بِالِارْتِدَادِ سَقَطَ تَقَوُّمُهُ، اس لیے کیونکہ مرتد ہونے کی وجہ سے اس کا تَقَوُّم جو ہے وہ ساقط ہوگیا، اس کی قیمت ساقط ہوگئی، فَصَارَ مُبْرِئًا لِلرَّامِي عَنْ مُوجَبِهِ، تو یہ ایسے ہی ہوگیا فَصَارَ گویا کہ وہ مُبْرِئًا وہ معاف کرنے والا ہے لِلرَّامِي تیر پھینکنے والے کو عَنْ مُوجَبِهِ اس رَمْي کے مقتضیٰ سے۔ اس رَمْي کا جو بھی حکم آتا یعنی قصاص یا دیت آنی تھی، گویا تیر لگنے سے پہلے ہی اس نے اس رَمْي کے مُوجَب یعنی مقتضیٰ کو معاف کر دیا ہے۔ تو یہ فَصَارَ مُبْرِئًا لِلرَّامِي عَنْ مُوجَبِهِ، تو وہ معاف کرنے والا ہوا تیر مارنے والے کو اس رَمْي کے مقتضیٰ سے، اس کے حکم سے، كَمَا إِذَا أَبْرَأَ بَعْدَ الْجَرْحِ قَبْلَ الْمَوْتِ، جیسے کہ وہ معاف کر دے زخمی ہونے کے بعد موت سے پہلے۔ جیسے مجروح کیا کر دے؟ جو شخص زخمی ہوا تھا وہ مرنے سے پہلے دوسرے کو معاف کر دے، تو جیسے وہاں اس کے معاف کر دینے کا اعتبار ہے اور دیت نہیں آتی، تو یہاں پر بھی دیت نہیں آئے گی۔[۳]

لَهُ، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ أَنَّ الْمَرْمِيَّ إِلَيْهِ حَالَةَ الرَّمْيِ مُتَقَوِّمٌ، رَمَى يَرْمِي کا معنی تیر پھینکنا، اور الرَّامِي، رَامٍ، یہ

---

[۳] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۶۰):** صوتی درس کی قراءت میں «كَمَا إِذَا أَبْرَأَ بَعْدَ الْجَرْحِ قَبْلَ الْمَوْتِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «كما إذا أبرأهُ بعدَ الجرحِ قبلَ الموت،» منقول ہے۔

ہے تیر پھینکنے والا۔ مَرْمِيٌّ إِلَيْهِ، مَرْمِيٌّ اسمِ مفعول ہے، مَرْمِيٌّ إِلَيْهِ جس کی طرف تیر پھینکا گیا، جس کو تیر مارا گیا۔ تو لَهُ، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ أَنَّ الْمَرْمِيَّ إِلَيْهِ حَالَةَ الرَّمْيِ مُتَقَوِّمٌ، کہ مَرْمِيٌّ إِلَيْهِ یعنی جس کو تیر مارا گیا تھا حَالَةَ الرَّمْيِ، تیر مارنے کی حالت میں، یعنی جس وقت اس نے اس کو تیر مارا تھا، مُتَقَوِّمٌ، اس وقت وہ مُتَقَوِّم تھا، اس کی قیمت تھی۔ تو اعتبار رَمْي کی حالت کا ہے، پہنچنے کی حالت کا اعتبار نہیں، اور رَمْي کے وقت تو مُتَقَوِّم تھا، تو لہٰذا اس کا اعتبار ہے اور دیت واجب ہو گی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

وَالْقِيمَةُ لِسَيِّدِ عَبْدٍ رَمَى إِلَيْهِ، اس وَالْقِيمَةُ کا عطف ہے پچھلے متن میں جو آیا تھا فَتَجِبُ الدِّيَةُ، تو یہ الدِّيَةُ پر عطف ہے۔ فَتَجِبُ الدِّيَةُ، اب الدِّيَةُ کی جگہ الْقِيمَةُ رکھ دیں: فَتَجِبُ الْقِيمَةُ، پس قیمت واجب ہو گی لِسَيِّدِ عَبْدٍ ایسے غلام کے آقا پر (آقا کے لیے)، رَمَى إِلَيْهِ، جس کی طرف اس نے تیر مارا۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص کا غلام ہے، کسی شخص نے اس غلام کو تیر مارا۔ تیر ابھی ہوا میں ہے، تیر چلایا ہی تھا کہ ادھر آقا نے غلام کو کہا جاؤ میں نے تمہیں آزاد کیا، اور پھر جا کر تیر لگا، پھر جا کر تیر لگا۔ تو اب اس کی وجہ سے کیا حکم ہو گا؟ اگر دیکھا جائے رَمْي کے وقت تو وہ غلام ہے، رَمْي کے وقت غلام ہے، اور جب تیر لگا تو وہ آزاد ہو چکا۔ تو رَمْي کے وقت کا اعتبار کیا جائے تو غلام ہے، اور غلام کو کوئی ہلاک کرے تو اس کی قیمت دینا پڑتی ہے آقا کو۔ اور جب تیر لگا وہ تو آزاد تھا، اور آزاد آدمی جو ہے جب وہ اس کو کوئی قتل کرے، قصاص یا دیت اس کا حق ہو گا۔ اگر رَمْي کا اعتبار کریں تو عوض کا حقدار کون؟ آقا۔ توجہ ہے؟ اگر رَمْي کے وقت کا اعتبار کریں تو عوض کا حقدار آقا، اور اگر تیر کے لگنے کے وقت کا اعتبار کریں تو عوض کا حقدار وہ غلام ہے۔ تو ضابطہ ذکر ہو چکا کہ کس وقت کا اعتبار کیا جائے گا؟ بھئی پیچھے آیا تھا وَالْعِبْرَةُ لِحَالَةِ الرَّمْيِ لَا لِلْوُصُولِ، اعتبار کس حالت کا ہے؟ رَمْي کی حالت کا اعتبار ہے، تیر پہنچنے کی حالت کا اعتبار نہیں، اور رَمْي کے وقت یہ کیا تھا؟ غلام، اور غلام اس نے آقا کا مال ضائع کر دیا، تو اب اس قاتل پر اس غلام کی قیمت واجب ہو گئی، وہ قیمت اس غلام کے مالک کو ادا کرے گا، بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: وَالْقِيمَةُ أَيْ تَجِبُ الْقِيمَةُ، قیمت واجب ہو گی لِسَيِّدِ عَبْدٍ، ایسے غلام کے آقا کے لیے رَمَى إِلَيْهِ جس کی طرف اس شخص نے تیر پھینکا، فَأَعْتَقَهُ پھر آقا نے اس کو آزاد کر دیا، فَوَصَلَ پھر اس کو تیر لگا۔ هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللهُ، یہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔

وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ فَضْلَ مَا بَيْنَ قِيمَتِهِ مَرْمِيًّا إِلَى غَيْرِ مَرْمِيٍّ، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں پورے غلام کی قیمت نہیں آئے گی، بلکہ ایک غلام ہے غیرِ مرمي الیہ اور ایک غلام ہے مرمي الیہ بھئی، تو دونوں کی قیمتوں میں جو فرق ہے وہ آقا کو دینا پڑے گی۔ توجہ ہے؟ ایک غلام ہے مَرْمِيٌّ إِلَيْهِ، ایک غلام ہے غيرِ مَرْمِيٌّ إِلَيْهِ بھئی، تو دونوں کی قیمتوں میں جو فرق ہے تو وہ دینا پڑے گا۔ ایک مثلاً وہی غلام عام حالت میں، وہ غیرِ مرمي الیہ ہے، کسی نے اس کی طرف تیر نہیں چلایا ہوا، تو وہ غیرِ مرمي الیہ ہے، عام غلام عام حالت میں اس کی قیمت مثلاً ہزار درہم ہے، کتنی قیمت ہے؟ ہزار درہم۔ اور ایک

غلام ہے مرمي اليہ جس کی طرف کوئی تیر مار رہا ہے بھئی، تیر مار رہا ہے، تو یہ مرمي اليہ غلام ہوا، اور اس کی قیمت کم ہو گی ظاہر سی بات ہے۔ دیکھو صورت یوں سمجھو: ایک شخص اور اس کے دشمن کا کہیں آمنا سامنا ہو گیا۔ اب وہ جو دشمن ہے وہ ذرا اونچی جگہ پر ہے اور یا یوں کہو وہ دو چار افراد ہیں، وہ اب ان پر تیر چلاتے ہیں وہ دشمن جو تیر چلا رہے ہیں۔ دوسری طرف کس کے ساتھ کس پر تیر چلا رہے ہیں؟ آقا ہے اور اس کا غلام ہے، توجہ ہے؟ آقا اور اس کے غلام پر تیر چلا رہے ہیں، آقا تو بچ کے نکل گیا ایک طرف دور ذرا جا کر کسی چیز کے پیچھے چھپ گیا، اور وہ غلام اب بالکل درمیان میدان کے بیچ میں ایک درخت یا ایک جھاڑی ہے اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا، اور وہ ادھر سے مسلسل تیر مار رہے ہیں، توجہ ہے؟ تیر مار رہے ہیں، اب غلام پتا نہیں بچتا ہے یا نہیں بچتا، بچتا ہے یا نہیں بچتا۔ وہاں سے نکلے گا تو درمیان میں چند قدم اس کو تیروں کے سامنے سے گزرنا پڑے گا، پتا نہیں وہاں سے نکلتا ہے یا نہیں بچ کے، اور وہ مسلسل تیر مار رہے ہیں۔ اب ظاہر سی بات ہے اس غلام میں خریداروں کی رغبت کم ہو جائے گی۔ تو ایک عام غلام ہے، عام حالت میں یہ غلام کتنے کا تھا؟ ہزار کا۔ لیکن اس حالت میں اس حالت میں بھی وہ آقا تو اب مثلاً چھپا ہوا ہے دیوار وغیرہ کے پیچھے، اس کو تو کوئی خطرہ نہیں تیر لگنے کا، لیکن سامنے چند قدم کے فاصلے پر غلام جھاڑی یا درخت کے پیچھے ہے اور وہ مسلسل نشانے لگا رہے ہیں کہ یہ یہاں سے نکل کر نہ جائے اس کو کسی طرح مار دیں اس کے غلام کو، اس دشمن کو نقصان پہنچا دیں۔ اب اس حالت میں ایک آدمی اگر خریدتا ہے، وہ کہتا ہے چلو کہ یہ غلام اگر میں خرید لوں، ابھی میں خرید لوں تو سستا مل جائے گا، اگر یہ بچ گیا تو سارا مال بچ جائے گا۔ تو اس حالت میں وہ آقا کو کہتا ہے بھئی آپ کا یہ غلام تو ایک ہزار کا ہے، لیکن پتا نہیں یہ بچتا ہے یا نہیں بچتا وہ اس کو تیر مار رہے ہیں، اگر بیچنا چاہتے ہو میں پانچ سو درہم میں خریدنے کو تیار ہوں۔ آقا سوچتا ہے کہ پتا نہیں یہ تو بچتا ہے یا نہیں بچتا، چنانچہ وہ تیار ہو جاتا ہے، کہتا ہے ہاں بھئی میں تمہیں کتنے میں بیچتا ہوں؟ پانچ سو۔ تو دیکھا یہ غلام تھا غیرِ مرمي اليہ اس وقت تھا یہ ہزار کا، اور ایک غلام جو مرمي اليہ ہے جس کی طرف تیر مارے جا رہے ہیں وہ کتنے کا ہو چکا ہے؟ پانچ سو کا گویا ہو چکا ہے، تو فرق کتنا ہوا؟ پانچ سو کا فرق آگیا کل۔ تو یہ جو فرق آیا ہے قیمت میں جو زائد ہے، یوں کہو پانچ سو نہیں یوں کہو وہ شخص کہتا ہے میں اس کو چار سو میں خریدوں گا، کتنے میں خریدوں گا؟ چار سو میں۔ چار سو میں میں یہ خریدنے کو تیار ہوں اگر آپ بیچتے ہیں، آقا کہتا ہے بھئی اگر تیر لگ گیا یہ تو بالکل ہی ختم ہو جائے گا لہٰذا چلو چار سو بھی غنیمت ہیں اگر مجھے مل جائیں، وہ چار سو میں اس کو بیچنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ تو دیکھو ایک غلام ہوا مرمي اليہ اس وقت اس کی قیمت کتنی تھی؟ ہزار، اور ایک ہے مرمي اليہ اب اس کی قیمت کتنی ہے؟ چار سو، چار سو ہے چار سو، تو دونوں میں فرق کتنا ہوا؟ چھ سو کا، تو امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ چھ سو ضمان دے گا یہ شخص، کون سی صورت جو یہاں متن میں ذکر ہو رہی ہے؟

کون سی صورت؟ ایک شخص نے دوسرے شخص کے غلام پر تیر چلایا۔ تیر چلاتے وقت وہ غلام تھا، اور تیر ابھی لگا

نہیں تھا کہ آقا نے اس کو آزاد کر دیا۔ تو اب شیخین رحمہما اللہ کیا فرماتے ہیں؟ تیر مارنے کی حالت کا اعتبار ہے، اور تیر مارتے وقت تو یہ غلام تھا، لہٰذا پورے غلام کی قیمت کس کو دینا پڑے گی؟ آقا کو۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، پورے غلام کی قیمت نہیں دیں گے، یہ غلام مرمي الیہ ہو اور غیرِ مرمي الیہ ہو ان دونوں کے درمیان جو فرق ہے جو زائد ہے وہ دینا پڑے گا، جو زائد وہ فرق دینا پڑے گا، اور کتنا فرق ہے یہاں پر؟ چھ سو کا، تو چھ سو درہم جو ہیں وہ آقا کو دینے پڑیں گے۔

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے تیر چلانے کی وجہ سے غلام کی قیمت چھ سو گر گئی، توجہ ہے؟ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے تیر چلانے کی وجہ سے غلام کی قیمت چھ سو درہم گری ہے، لہٰذا چھ سو درہم اس کو ضمان دینا پڑے گا، اور جب تیر لگا وہ اس وقت تک تو آزاد کر چکا تھا۔ توجہ ہے؟ امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل سمجھ میں آ رہی ہے؟ امام محمد رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ بھئی دیکھو نا جب تیر چلایا وہ کیا تھا؟ غلام تھا، اور جب تیر لگا وہ کیا تھا؟ آزاد تھا۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب تیر لگا وہ تو آزاد ہے، جب آزاد ہے تو قیمت تو آقا کو ملنی ہی نہیں چاہیے، اس کا حقدار تو غلام خود ہے، اس کا حقدار تو خود ہے، لہٰذا وہ فرماتے ہیں کہ تیر چلاتے وقت تو یہ غلام تھا، تیر چلاتے وقت یہ غلام تھا، اور تیر چلانے سے غلام کی قیمت کتنی گر گئی؟ چھ سو گر گئی، چھ سو، تو تیر چلاتے ہی غلام کی قیمت چھ سو گر گئی، چاہے ابھی وہ اس نے آزاد نہیں کیا تھا لیکن چھ سو کا نقصان مالک کو ہو گیا، لہٰذا وہ ضمان دینا پڑے گا۔ اب بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ فَضْلَ مَا بَيْنَ قِيمَتِهِ مَرْمِيًّا إِلَى غَيْرِ مَرْمِيٍّ، فَضْل کا معنی زائد ہونا یا بچ جانا، اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیخین رحمہما اللہ نے کیا فرمایا؟ اس پر ضمان کیا آئے گا؟ اس غلام کی قیمت دینا پڑے گی کیونکہ تیر مارتے وقت جو ہے وہ اس تیر مارتے وقت وہ غلام تھا اور اس حالت کا اعتبار ہے۔ جبکہ امام

محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں پر تیر مارنے کی وجہ سے غلام کی قیمت کم ہو گئی، تو جتنی غلام کی قیمت کم ہوئی ہے وہ اس آقا کو بطورِ ضمان کے دینا پڑی، وہ دینا پڑے گی۔ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ، اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں، فَضْلَ مَا بَيْنَ قِيمَتِهِ مَرْمِيًّا إِلَى غَيْرِ مَرْمِيٍّ، کہ وہ جو زائد ہو اس غلام کی قیمت میں مَرْمِي ہونے اور غیرِ مَرْمِي ہونے کے درمیان جو قیمت کا فرق ہے، جو زائد ہے، جو بچ جاتے ہیں، وہ اس تیر مارنے والے پر ضمان آئے گا، وہ کس کو دینا پڑے گا؟ آقا کو دینا پڑے گا۔

کہتے ہیں: وَالْجَزَاءُ عَلَى مُحْرِمٍ رَمَى صَيْدًا فَحَلَّ فَوَصَلَ، لَا عَلَى حَلَالٍ رَمَاهُ فَأَحْرَمَ فَوَصَلَ.

صورتِ مسئلہ یہ: آپ جانتے ہیں کہ جب انسان حالتِ احرام میں ہوتا ہے، حج یا عمرے کے لیے احرام باندھتا ہے، تو اس پر بہت سی پابندیاں لاگو ہو جاتی ہیں۔ مثلاً وہ اپنے بال نہیں کاٹ سکتا، ناخن نہیں کاٹ سکتا، وہ بیوی سے صحبت نہیں کر سکتا، اور اسی طرح شکار نہیں کھیل سکتا۔ تو صورت یہ کہ ایک شخص جو تھا وہ حالتِ احرام میں تھا، اور اس حالت میں

تو شکار کھیلنا منع، اور اس نے ایک شکار پر اسی حالت میں تیر چلایا، لیکن تیر لگنے سے پہلے پہلے وہ حلال ہو گیا، وہ کیا ہو گیا؟ حلال ہو گیا۔ تو اس صورت میں تیر مارنے کی حالت کا اعتبار ہے امام صاحب کے نزدیک، اور تیر مارتے وقت تو وہ حالتِ احرام میں تھا، لہٰذا اس پر جزا آئے گی۔ تو اس پر جزا آئے گی اسی جانور کا مثل جو اس نے شکار کیا ہے بھئی، صورت سمجھ میں آ گئی؟

اب یہ ہو گا کیسے؟ یاد رکھو احرام سے آدمی نکلتا ہے جب وہ اپنے سر کے بال کٹوا لے، یا سر کے بال حلق کروا لے، یا سارے بال چھوٹے کروا لے۔ تو اب نکلے گا کیسے؟ تیر چلاتے وقت وہ مُحْرِم تھا اور جب تیر لگا تو وہ حالتِ احرام سے نکل چکا تھا، اور احرام سے تو کیسے نکلتا ہے؟ سر کے بال استرے سے منڈوا لے یا سر کے سارے بال کیا کر لے؟ چھوٹے کروا لے، تو تیر چلانے اور لگنے میں اتنا وقفہ کیسے ہو گا بھئی؟ توجہ ہے؟ بھئی صورت یوں بنا لیں، مثلاً ایک شخص دوسرا شخص استرے کے ساتھ اس کے بال صاف کر رہا ہے، اور اسی حالت میں اس نے تیر چلا دیا، اور رُبع بال کٹ گئے، رُبع کے قریب بال کٹ گئے، تو وہ احرام سے نکل گیا، احرام سے نکل گیا۔ تو لہٰذا وہ استرا پھیر رہا تھا، کچھ بال پہلے ہی صاف کر چکا ہے، تو کچھ بال پہلے ہی صاف کر چکا ہے اور تھوڑی سی مقدار اور صاف ہو جائے گی تو وہ احرام سے نکل جائے گا، لیکن اس سے پہلے ہی اس نے تیر چلا دیا، ادھر اس نے تیر چلایا، ادھر ساتھ ہی اس نے استرا پھیرا ساتھ وہ اتنے بال کٹ گئے جس کی وجہ سے کیا ہوا؟ وہ احرام سے نکل گیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

دوسری صورت: ایک شخص حلال تھا یعنی بغیر احرام کے تھا، اور حلال آدمی کے لیے تو شکار جائز ہے، اس نے شکار پر تیر چلایا، اور شکار کو تیر لگنے سے پہلے ہی اس نے احرام باندھ لیا، کیا کیا؟ احرام باندھ لیا۔ تو کیا اب اس پر جزا آئے گی؟ کہتے ہیں نہیں، اعتبار کس چیز کا ہے؟ تیر چلانے کا ہے، اور تیر چلاتے وقت تو یہ حلال تھا، تو لہٰذا اس پر کوئی جزا نہیں ہے۔ پھر آپ کے ذہن میں سوال آئے گا، تیر چلاتے وقت احرام میں نہیں تھا، اور تیر لگنے سے پہلے حالتِ احرام میں آ گیا، کیا مطلب؟ وہ دو چادریں باندھ لیں اس نے؟ اتنا ٹائم تو نہیں ہو گا کہ اس میں کیا کر لے وہ دو چادریں باندھ لے۔ تو یاد رکھو، احرام وہ دو چادروں کا نام نہیں ہے، احرام وہ پابندی والی حالت کا نام ہے، پابندی والی حالت کا نام ہے، وہ دو چادروں کا نام نہیں۔ لیکن اس حالت میں چونکہ سِلے ہوئے کپڑے پہننا بھی منع ہوتے ہیں، چادریں پہننا پڑتی ہیں دو، ایک تہبند کے طور پر اور ایک اوپر انسان اوڑھنے کے لیے لے لیتا ہے، تو اس لیے ان کو بھی احرام کہہ دیتے ہیں ان چادروں کو، ورنہ حقیقت میں وہ چادروں کا نام احرام نہیں، وہ پابندیوں والی حالت کا نام احرام ہے۔ اور پابندیوں والی حالت تب شروع ہوتی ہے جب انسان تلبیہ کے ساتھ نیت کر لے، احرام کی نیت کر لے۔ تلبیہ بھی کہہ لے وہ جو حج میں پڑھا جاتا ہے لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، اور ساتھ نیت بھی کر لے احرام کی، دونوں چیزیں جب ہو جائیں گی تو پھر مُحْرِم بن جائے گا۔ اب چاہے سِلے

ہوئے کپڑے ہی کیوں نہ اس نے پہنے ہوں، جب وہ تلبیہ بھی پڑھ لے گا اور نیت بھی احرام کی کر لے گا تو مُحْرِم بن گیا، مُحْرِم، اگرچہ اس نے سِلے ہوئے کپڑے کیوں نہ پہنے ہوں، لیکن اب اس حالت میں تو سِلے ہوئے کپڑے پہننا منع ہے، تو اگر زیادہ دیر تک پہنے گا تو پھر اس پر دَم آجائے گا بھئی۔ تو صورت اب کیسے بنا لیں؟ کہ تیر مارتے وقت یہ حلال تھا، اور تیر جب لگا حیوان کو تو اس وقت تک یہ مُحْرِم ہو چکا تھا۔ یعنی اس وقت اس نے درمیان میں اس نے نیت کر لی احرام کی، تلبیہ وہ پڑھ چکا تھا صرف کیا باقی تھی؟ نیت۔ تلبیہ اور نیت دونوں آئیں گے نا، تلبیہ بھی پڑھے لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ بھی پورا پڑھ لے، اور نیت بھی احرام کی کر لے کہ میں احرام کی نیت کرتا ہوں، تو احرام شروع ہو جائے گا۔ تو تلبیہ بھی گویا وہ پڑھ چکا تھا صرف نیت باقی تھی، اس نے تیر چلایا اور چلانے کے بعد ہی ساتھ ہی کیا کر لی؟ احرام کی نیت بھی کر لی کہ یا اللہ میں احرام کی نیت کرتا ہوں عمرے کے لیے، یا میں احرام کی نیت کرتا ہوں حج کے لیے، تو ساتھ ہی اس نے یہ نیت بھی کر لی اور ساتھ ہی وہ مُحْرِم بن گیا، اب صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَالْجَزَاءُ أَيْ، اس کا عطف بھی پیچھے وہ جو الْقِيمَةُ آیا تھا اور پیچھے جو الدِّيَةُ آیا تھا، أَيْ فَتَجِبُ الْجَزَاءُ، جزا واجب ہوگی عَلَى مُحْرِمٍ، ایسے مُحْرِم پر رَمَى صَيْدًا جس نے شکار پر تیر چلایا، فَحَلَّ پھر وہ حلال ہو گیا یعنی احرام سے نکل گیا، فَوَصَلَ پھر تیر پہنچا شکار کو۔ لَا عَلَى حَلَالٍ، اور جزا واجب نہیں ہوگی اس شخص پر جو حلال ہو، رَمَاهُ اور اس نے شکار کو تیر مارا، فَأَحْرَمَ پھر احرام باندھ لیا، فَوَصَلَ پھر تیر پہنچا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

وَلَا يَضْمَنُ مَنْ رَمَى مَقْضِيًّا عَلَيْهِ بِرَجْمٍ فَرَجَعَ شَاهِدُهُ فَوَصَلَ.

صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص تھا شادی شدہ تھا، اور چار گواہوں نے گواہی دی قاضی کے پاس کہ قاضی صاحب اس نے زنا کیا ہے، تو قاضی نے اس کے خلاف فیصلہ کر دیا اسے رجم کرنے کا، رجم کرنے کا۔ اور چنانچہ جب رجم کرنے کا فیصلہ ہو گیا تو وہ مُبَاحُ الدَّم بن گیا، مُبَاحُ الدَّم بن گیا، بھئی اب پتھر مار مار کر اس کو قتل کیا جائے گا، مُبَاحُ الدَّم ہو چکا ہے۔ اس حالت میں ایک شخص نے اس کو تیر مارا، اور ابھی تیر اس کو لگا نہیں، تیر چلاتے وقت یہ کیا ہے؟ مُبَاحُ الدَّم، ابھی تیر اس کو لگا نہیں تیر ہوا میں ہے کہ ایک گواہ جو ہے اس نے رجوع کر لیا کہ قاضی صاحب مجھ سے غلطی ہو گئی، میں نے جھوٹی گواہی دی تھی۔ تو گواہ کے منحرف ہوتے ہی وہ پھر مَحْفُوظُ الدَّم بن گیا، کیا بن گیا؟ مَحْفُوظُ الدَّم بن گیا، لیکن یہ وہ تو تیر چلا چکا ہے، اب جا کر اس کو تیر لگا، تو کیا تیر چلانے والے پر ضمان آئے گا؟ کہتے ہیں نہیں، اعتبار کس حالت کا ہے؟ تیر چلانے کا ہے، اور جس وقت اس نے تیر چلایا تھا وہ مُبَاحُ الدَّم تھا۔

یہ معنی ہے: وَلَا يَضْمَنُ، اور ضامن نہیں ہوگا مَنْ رَمَى مَقْضِيًّا عَلَيْهِ بِرَجْمٍ، وَلَا يَضْمَنُ، اور ضامن نہیں ہوگا مَنْ وہ شخص

کہ رَمَی مَقْضِیًّا عَلَیْہِ بِرَجْمٍ، کہ جس نے تیر مارا اس شخص کو کہ مَقْضِیًّا عَلَیْہِ کہ اس کے خلاف فیصلہ کر دیا گیا تھا بِرَجْمٍ کس چیز کا؟ رجم کا۔ جس شخص نے تیر مارا اس شخص کو جس کے خلاف رجم کا فیصلہ ہو چکا تھا، فَرَجَعَ شَاهِدُهُ، تو پھر اس کے گواہ نے، گواہ نے رجوع کر لیا، فَوَصَلَ، پھر تیر اس کو پہنچا، تو اس پر کوئی ضمان نہیں کیونکہ جب تیر چلایا تھا تو وہ مُبَاحُ الدَّم تھا بھئی۔

وَحَلَّ صَيْدٌ رَمَاهُ مُسْلِمٌ.

صورتِ مسئلہ یہ: ایک مسلمان نے شکار پر تیر چلایا، اور تیر ہوا میں ہے کہ وہ مجوسی بن گیا، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے بھئی، ہم سب کا خاتمہ اللہ ایمان پر فرمائے بھئی، آمین۔ تو وہ مجوسی بن گیا، غیر مسلم بن گیا، کوئی کلمۂ کفر کہہ دیا، دائرۂ اسلام سے خارج ہوا۔ اب یہ تیر جا کر اس شکار کو لگا، تو کیا یہ شکار حلال ہے یا حرام ہے؟ تو کہتے ہیں اعتبار کس حالت کا ہے؟ تیر چلانے کی حالت کا، اور تیر چلاتے وقت تو یہ مسلمان تھا، لہٰذا یہ شکار حلال ہے۔ اس کا برعکس کر لیں: ایک مجوسی تھا، اس نے شکار پر تیر چلایا، اور تیر ابھی ہوا میں ہے کہ اس نے کہا لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ، مسلمان ہو گیا، اور پھر جا کر وہ تیر لگا اس شکار کو، تو اب یہ شکار کھانا حلال ہے یا حرام ہے؟ تو کہتے ہیں کس حالت کا اعتبار ہے؟ تیر چلانے کی حالت کا، اور تیر چلاتے وقت تو وہ مجوسی تھا، لہٰذا وہ شکار حرام ہو گا۔

کہتے ہیں: وَحَلَّ صَيْدٌ، اور حلال ہے ایسا شکار رَمَاهُ مُسْلِمٌ، دیکھو نکرہ کے بعد فعل آیا، اور حلال ہے ایسا شکار رَمَاهُ مُسْلِمٌ جس کو مسلمان نے تیر مارا، فَتَمَجَّسَ پھر وہ مسلمان جو ہے وہ مجوسی ہو گیا، نَعُوذُ بِاللهِ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں بھئی، ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں یعنی مجوسی ہونے سے، فَوَصَلَ پھر وہ تیر اس کو شکار کو جا کر لگا، تو یہ حلال ہے، پیچھے آیا تھا نا وَحَلَّ صَيْدٌ یہ شکار حلال ہے۔ لَا مَا رَمَاهُ مَجُوسِيٌّ، وہ شکار حلال نہیں ہے جس کو مجوسی نے تیر مارا، فَأَسْلَمَ پھر مسلمان ہو گیا وہ مجوسی، فَوَصَلَ پھر تیر جا کر اس کو لگا، لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ حَالَةُ الرَّمْيِ، اس لیے کیونکہ اعتبار حالتِ رَمْي کا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ چلیے بس کریں بھئی۔ بس بھئی هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

كِتَابُ الدِّيَاتِ وَالْمَعَاقِلِ

مقاديرِ دیت، اسنانِ ابل، احکامِ شجاج، جنایتِ رقیق و بہیمہ، قسامت اور معاقل

سبق نمبر ۵۲: کتاب الدیات: دیت کی مقادیر (ذہب، ورق، ابل)، دیتِ مغلظہ (اربعاً) و مخففہ (خمساً) اور اطراف کی دیات

شرح الوقایہ صفحہ: ۱۱۴ — بتاریخ: ۲۴ فروری ۲۰۲۰ء

▪ متنِ وقایہ و شرح الوقایہ کی قراءت

كِتَابُ الدِّيَاتِ

كِتَابُ الدِّيَاتِ[1]

اَلدِّيَةُ مِنَ الذَّهَبِ أَلْفُ دِينَارٍ، وَمِنَ الْوَرِقِ عَشَرَةُ آلَافِ دِرْهَمٍ، وَمِنَ الْإِبِلِ مِائَةٌ، وَهٰذِهِ فِي شِبْهِ الْعَمْدِ أَرْبَاعٌ مِنْ بِنْتِ مَخَاضٍ وَبِنْتِ لَبُونٍ وَحِقَّةٍ وَجَذَعَةٍ وَهِيَ الْمُغَلَّظَةُ، وَفِي الْخَطَأِ أَخْمَاسٌ مِنْهَا وَمِنِ ابْنِ مَخَاضٍ۔[2]

كِتَابُ الدِّيَاتِ۔ دِیَات جمع ہے دِیَۃٌ کی۔ اور میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ جان کے بدلے جو مالی ضمان آتا ہے اس کو دیت کہتے ہیں بھئی۔ کوئی شخص کسی دوسرے کی جان لے لے اور اس کے اندر جو مالی ضمان آئے یعنی قتلِ خطا کی صورت میں یا

[1] نقشۂ فقہی (۱۰): کتاب الدیات — دیتِ مغلظہ (اربعاً) اور دیتِ مخففہ (خمساً) میں اسنانِ ابل کا نقشہ:

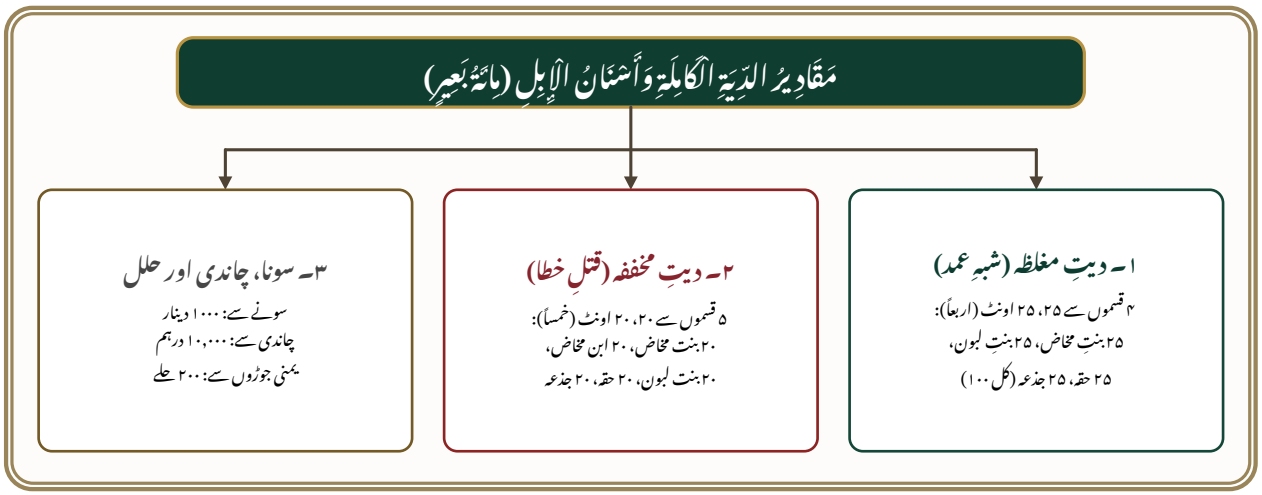

[2] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۶۲): صوتی درس کی قراءت میں «وَفِي الْخَطَأِ أَخْمَاسٌ مِنْهَا وَمِنِ ابْنِ مَخَاضٍ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وفي الخطأ أخماسٌ منهما، ومن ابنِ مخاض» منقول ہے۔

شبہِ عمد کی صورت میں تو وہ دیت کہلاتا ہے بھئی، دیت۔ اور دیت جو ہے ایک انسان کی وہ سو اونٹ ہے بھئی، سو اونٹ۔ اور اگر درہموں سے ادا کرنا چاہے تو دس ہزار درہم، اور اگر دینار میں ادا کرنا چاہیں تو ایک ہزار دینار ہیں بھئی۔ اور یہ ادا کرنے والے کی مرضی ہے کہ جس کے ذریعے بھی ادا کرنا چاہے وہ ادا کر سکتا ہے، جس میں اس کو سہولت ہو، جس میں اس کو آسانی ہو۔ اور یہ دیت جو ہے وہ قاتل پر نہیں آتی، یہ اس کی عاقلہ پر آتی ہے۔ عاقلہ یعنی اس کی قوم والے، اور اگر وہ کسی پیشے سے تعلق رکھتا ہے تو اس پیشے والے جو ہیں وہ اس کی عاقلہ ہیں بھئی۔ اور یہ تین سال میں ادا کی جاتی ہے، ہر سال ایک ایک قسط ادا کریں گے بھئی۔ تو تین سال میں ادا کی جاتی ہے۔

ہاں، اگر جرم جان بوجھ کر کیا ہو، جان بوجھ کر، عمداً ہو، تو پھر اس صورت میں جو مالی ضمان آئے گا وہ جرم کرنے والے کو اکیلا ادا کرنا پڑے گا۔ غلطی کی ہے پھر تو قوم والے اور پیشے والے ساتھ مدد کریں گے، وہ پھر ادا کریں گے۔ لیکن اگر جرم جان بوجھ کر کیا ہے تو خود اس کو بھگتنا پڑے گا، خود سارا بوجھ اٹھانا پڑے گا اور ساری دیت وہ خود ادا کرے گا۔ اور میں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ نفس سے کم کے اندر جو مالی ضمان آتا ہے یعنی ہاتھ کاٹ دیا یا پاؤں کاٹ دیا وغیرہ، تو اس کو أَرْش کہتے ہیں، الف را شین، یعنی ہمزہ، را اور شین۔ أَرْش بھئی، أَرْش۔ لیکن یہ ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہو جاتے ہیں، بلکہ أَرْش پر بھی اکثر دیت کا لفظ ہی بول دیتے ہیں بھئی، دیت کا لفظ بول دیتے ہیں۔

اور یہ دیت کا لفظ جو ہے یہ دِیَةٌ، دِیَةٌ، یہ یا مشدد نہیں ہے۔ دِیَّةٌ نہیں ہے بلکہ یا تخفیف کے ساتھ ہے، دِیَةٌ۔ اور یہ اصل میں تھا وِدْیٌ، وِدْیٌ۔ وِدْیٌ، واو کا کسرہ نقل کر کے دال کو دے دیا گیا اور پھر شروع سے واو کو حذف کر دیا گیا اور واو جو حذف کیا ہے اس کے عوض آخر میں گول تا لے آئے تو دِیَةٌ ہوا بھئی۔ تو اس کا باب ہے وَدٰی یَدِی بھئی۔ وَدٰی یَدِی کا معنی ہے دیت دینا، دیت ادا کرنا۔ جیسے وَعَدَ یَعِدُ سے کیا ہے؟ عِدَةٌ۔ وہ اصل میں کیا تھا؟ وِعْدٌ تھا۔ واو کا کسرہ عین کو دے دیا اور واو کو حذف کر لیا اور پھر واو کے عوض آخر میں گول تا لے آئے تو وہ عِدَةٌ ہوا بھئی۔ تو یہاں بھی اسی طرح ہے وِدْیٌ سے دِیَةٌ بن گیا بھئی۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ دیکھیے بھئی کتاب پر: اَلدِّیَةُ مِنَ الذَّهَبِ أَلْفُ دِینَارٍ، دیت جو ہے وہ سونے میں سے أَلْفُ دِینَارٍ ایک ہزار دینار ہیں۔ وَمِنَ الْوَرِقِ، وَرِق بھئی را کے کسرہ کے ساتھ پڑھنا بھئی، وَرِق چاندی کو کہتے ہیں۔ کس کو کہتے ہیں؟ چاندی۔ وَمِنَ الْوَرِقِ عَشَرَةُ آلَافِ دِرْهَمٍ، اور چاندی میں سے دس ہزار درہم ہیں۔ آپ جانتے ہیں دینار سونے کا ہوتا ہے اور درہم چاندی کے۔ تو سونے کے ساتھ ادا کرنا چاہتے ہیں تو ایک ہزار دینار، اور چاندی کے ساتھ ادا کرنا چاہتے ہیں تو دس ہزار درہم ادا کرنا پڑیں گے۔ وَمِنَ الْإِبِلِ مِائَةٌ، اور اونٹوں میں سے سو ہیں بھئی۔ اگر اونٹ ادا کرنا چاہتے ہیں تو سو اونٹ ادا کرنا پڑیں گے۔

وَهٰذِهِ فِي شِبْهِ الْعَمْدِ أَرْبَاعٌ، اور یہی دیت، هٰذِهِ سے اشارہ ہے کس کی طرف؟ دیت۔ یہ جو دیت ہے فِي شِبْهِ الْعَمْدِ شبہِ عمد میں یعنی قتلِ شبہِ عمد بھئی۔ قتلِ شبہِ عمد۔ آپ نے پڑھا تھا ایک قتلِ عمد ہے، ایک شبہِ عمد ہے۔ عمد کے اندر دوسرے

کو کوئی قتل کرے آلۂ قتل کے ذریعے یا قائم مقامِ آلۂ قتل کے ذریعے، یعنی تلوار سے قتل کیا یا خنجر سے قتل کیا یا بندوق سے قتل کیا، گولی ماردی تو یہ اسلحہ ہے، یا قائم مقامِ اسلحہ مثلاً کوئی لکڑی تھی تیز دھار والی چھری کی طرح، یا کوئی تیز دھار والا پتھر تھا جو چھری کی طرح کام کرتا ہو، تو یہ اسلحہ تو نہیں لیکن قائم مقامِ اسلحہ ہیں، یہ اسی کی طرح انسان کو چیر پھاڑ دیتے ہیں بھئی۔ تو یہ تھا قتلِ عمد۔ اور اس کے علاوہ مثلاً لاٹھیاں مار مار کر کسی کو قتل کیا یا کوڑے مار مار کر کسی کو قتل کیا، یہ قتلِ شبہِ عمد ہے بھئی۔ اور شبہِ عمد کے اندر آپ نے پڑھا ہے قصاص نہیں آتا بلکہ دیت آتی ہے۔ اسی طرح قتلِ خطا کے اندر بھی دیت آتی ہے، غلطی سے کسی سے کوئی قتل ہو گیا۔ لیکن شبہِ عمد کی دیت، دیتِ مغلظہ ہے، انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کِتَابُ الْجِنَایَاتِ کے اندر۔ شبہِ عمد کی دیت کیا ہے؟ دیتِ مغلظہ۔ اور قتلِ خطا میں جو دیت دی جاتی ہے وہ دیتِ مخففہ ہے۔

اور یہ صرف اونٹوں میں ہے، کس میں ہے؟ یہ فرق صرف اونٹوں میں ہے۔ مثلاً ایک ہے دیت شبہِ عمد کی، ایک ہے دیت قتلِ خطا کی۔ ایک قتلِ شبہِ عمد ہے، ایک قتلِ خطا۔ قتلِ شبہِ عمد میں بھی دیت آئے گی، قتلِ خطا میں بھی دیت۔ اور اگر درہم کے ذریعے ادا کرنا چاہتے ہیں تو دونوں میں دس ہزار درہم ہیں، درہموں میں کوئی مغلظہ اور مخففہ نہیں، برابر ہیں۔ شبہِ عمد میں بھی دس ہزار درہم اور خطا میں بھی دس ہزار درہم۔ دینار ادا کرنا چاہتے ہیں تو شبہِ عمد میں بھی ہزار دینار اور خطا میں بھی ایک ہزار دینار بھئی۔ لیکن اگر اونٹوں کے ذریعے ادائیگی کرنا چاہتا ہے جو قاتل ہے اور اس کے قوم والے ہیں، تو پھر اگر قتلِ شبہِ عمد ہے تو پھر دیتِ مغلظہ ادا کرنا پڑے گی، اور اگر وہ قتلِ خطا ہے تو پھر دیتِ مخففہ ادا کرنا پڑے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تفصیل بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ دیتِ مغلظہ اور مخففہ کا فرق صرف اس صورت میں ہے جب ادائیگی اونٹوں کے ذریعے کی جائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر یہ جو دیتِ مغلظہ ہے اس میں چار قسم کے اونٹ ہوتے ہیں، چار قسم کے اونٹ، یعنی پچیس پچیس اونٹ دینے ہیں بھئی، اور یہ آگے آرہا ہے ذکر دیکھیں اپنی کتاب میں: مِنْ بِنْتِ مَخَاضٍ۔ بِنتِ مَخَاض، بِنْتِ لَبُون، حِقَّة اور جَذَعَة۔ بِنْتِ مَخَاض وہ اونٹ کا وہ بچہ جس کا ایک سال پورا ہو گیا اور وہ دوسرے سال میں چل رہا ہے۔ توجہ ہے؟ جی۔ بِنْتِ مَخَاض اونٹ کا وہ بچہ جو ایک سال کا ہو چکا ہے اور دوسرے سال میں چل رہا ہے۔ اس میں اگر وہ مادہ ہو، مادہ ہو، مؤنث ہو تو اس کو کہتے ہیں بِنْتِ مَخَاض۔ اور اگر مذکر ہو تو اس کو کہتے ہیں اِبْنِ مَخَاض۔ فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ جی۔ اور بِنْتِ لَبُون، بِنْتِ لَبُون اونٹ کا وہ بچہ جس کے دو سال پورے ہو گئے ہیں اور تیسرے سال میں چل رہا ہے، اس کو بِنْتِ لَبُون کہتے ہیں اگر مؤنث ہو، اور اگر مذکر ہو تو اِبْنِ لَبُون، اِبْنِ لَبُون۔ اور حِقَّةٌ یہ اونٹ کا وہ بچہ جس کے تین سال پورے ہو گئے ہیں، اور اگر مذکر ہو تو حِقٌّ کہتے ہیں بغیر گول تا کے، اور اگر مؤنث ہو تو حِقَّةٌ کہتے ہیں بھئی۔ اور جَذَعَةٌ، جَذَعَة، ذال پر بھی زبر پڑھنا بھئی، جَذَعَةٌ، یہ اونٹ کا وہ بچہ جس کے چار سال پورے ہو چکے ہیں اور پانچویں سال میں چل رہا ہے تو اس کو جَذَعَةٌ کہتے ہیں۔ اور مذکر ہو گا تو جَذَعٌ کہیں گے، مؤنث ہو گا تو جَذَعَةٌ کہیں گے۔

اور دیکھو یہاں سارے مؤنث ذکر ہو رہے ہیں، مؤنث۔ بِنْتِ مَخَاض کہا، اِبْنِ مَخَاض نہیں کہا۔ بِنْتِ لَبُون کہا، اِبْنِ لَبُون نہیں کہا۔ اسی طرح حِقَّةٌ کہا، حِقٌّ نہیں کہا، اور جَذَعَةٌ کہا، جَذَعٌ نہیں کہا۔ یہ مؤنث ادا کرنے ہیں، مذکر نہیں، مذکر نہیں۔ بھئی کیوں؟ مؤنث کیوں؟ بھئی دراصل مؤنث کی قیمت زیادہ ہوتی ہے، اونٹنی ہے، وہ اونٹنی بنے گی اور آگے اور بچوں کو جنم دے گی تو لہٰذا مادہ کی قیمت زیادہ ہے، نیز اس سے دودھ کا فائدہ بھی حاصل ہو گا تو اس لیے مادہ کی قیمت زیادہ ہوتی ہے تو وہ ادا کرنی ہے۔ تو یہ پچیس پچیس ہو گئے بھئی۔ پچیس بِنْتِ مَخَاض، پچیس بِنْتِ لَبُون، پچیس حِقّے اور پچیس جَذَعَة۔ بِنْتِ مَخَاض ایک سال والا، بِنْتِ لَبُون دو سال والا، حِقَّة تین سال والا، جَذَعَة چار سال والا۔ اور آپ جانتے ہیں، پڑھ چکے ہیں کہ اونٹ پانچ سال کا ہو تو وہ جوان ہوتا ہے، پانچ سال کا ہو جائے تو وہ جوان۔ آپ پڑھ چکے ہیں كِتَابُ الْأُضْحِيَّةِ میں، كِتَابُ الْأُضْحِيَّةِ میں کہ اونٹ پانچ سال کا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے، گائے بیل دو سال کے ہوں تو ان کی قربانی جائز ہے، بکری ایک سال کی ہو تو اس کی قربانی جائز ہے، اس سے کم کی جائز نہیں۔ اور ان کو ثَنِيّ کہتے ہیں، ثا، نون، یا، ثَنِيٌّ۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو ثَنِيّ وہ جو جانور جب جوان ہو گیا پورا عمر کو پہنچ گیا اپنی تو اس کو ثَنِيّ کہتے ہیں۔ اور بھیڑ بکری میں ثَنِيّ کسے کہتے ہیں؟ ایک سال والے کو، گائے بیل میں دو سال اور اونٹ میں پانچ سال والے کو۔ تو یہ جو ذکر ہوئے یہ سب ابھی بچے ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ جی۔ ایک ایک سال والا ہے، ایک سال ہو چکا دوسرے سال میں چل رہا ہے، دوسرا دو سال پورے ہو چکے تیسرے میں چل رہا ہے، تیسرا تین سال پورے ہو چکے چوتھے میں چل رہا ہے، اور پانچواں جو ہے وہ چار سال پورے ہو چکے پانچویں میں چل رہا ہے لیکن ابھی پورا اونٹ بنا نہیں۔ تو لہٰذا یہ چار قسم کے دیں گے، یہ دیتِ مغلظہ ہے، دیتِ مغلظہ۔

اور دیتِ مخففہ میں پانچ قسم کے اونٹ دیں گے۔ کتنے؟ پانچ قسم کے۔ پانچ قسم کے اونٹ۔ پانچ، اور وہ کیا؟ وہاں پر اِبْنِ مَخَاض بھی آجائے گا۔ بِنْتِ مَخَاض کسے کہتے تھے؟ ایک سال والا۔ ایک سال والا مادہ جو ہے، ایک سال والی مادہ جو ہے۔ اور اِبْنِ مَخَاض ایک سال والا جو مذکر ہے۔ تو وہاں پانچ قسم کے اونٹ ہو گئے، پانچ قسم کے بیس بیس دینے ہیں، یعنی بیس ہو گئے بِنْتِ مَخَاض اور بیس ہو گئے اِبْنِ مَخَاض۔ جی۔ باقی وہی ہیں، بیس ہو گئے بِنْتِ لَبُون، بیس ہو گئے حِقّے، حِقَّةٌ مادہ ہی سب اسی طرح ہیں، اور بیس ہو گئے جَذَعَة بھئی۔ باقی سب مادہ ہیں، صرف بیس اِبْنِ مَخَاض آگئے، مذکر بھی آگئے۔ تو ایک سال والے گویا چالیس ہو گئے۔ توجہ ہے؟ جی۔ بیس بِنْتِ مَخَاض اور بیس اِبْنِ مَخَاض۔ اور ظاہر سی بات ہے ایک سال والا تو بہت چھوٹا بچہ ہے اونٹ کا تو وہ اس کی قیمت کم ہو گی، دیکھا تخفیف آگئی یا نہیں؟ اس کی قیمت کم ہو گی، اور جب کہ دیتِ مغلظہ میں تو وہاں تو بِنْتِ لَبُون کتنے تھے؟ پچیس تھے، دو سال والے ہیں ان کی ذرا قیمت اور زیادہ ہو گی۔ پچیس تھے لیکن یہاں مخففہ میں بیس بِنْتِ لَبُون ہیں، دیکھو فرق پڑ گیا یا نہیں؟ اور ادھر تین سال والے جو ہیں پچیس تھے، تین سال والے حِقَّةٌ جو تھے وہ پچیس تھے، یہاں کتنے آگئے؟ بیس آگئے، بیس آگئے، تو دیکھا قیمت ان کی فرق ہو گا۔ اور ادھر جَذَع کتنے تھے؟ پچیس دیتِ مغلظہ میں، اور یہاں بیس ہیں۔ تو دیکھو فرق پڑ گیا، یہاں ایک سال والے چالیس دینے ہیں، بیس بِنْتِ

مَخَاض اور بیس اِبْنِ مَخَاض، تو یہ قیمت کچھ کم ہو گئی بھئی، اچھا خاصا فرق پڑ گیا۔ یہ ہے دیتِ مغلظہ اور مخففہ۔ دیتِ مغلظہ میں کتنی قسم کے اونٹ؟ چار قسم کے، اور دیتِ مخففہ میں پانچ قسم کے اونٹ ہیں یعنی بیس بیس اونٹ ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ دیکھیے بھئی۔

کہتے ہیں وَهٰذِهِ فِي شِبْهِ الْعَمْدِ أَرْبَاعٌ، اور یہ جو دیت ہے، یہ سو اونٹ جو ہیں شبہِ عمد کے اندر أَرْبَاعٌ چار قسم کے ہیں، مِنْ بِنْتِ مَخَاضٍ وَبِنْتِ لَبُونٍ وَحِقَّةٍ وَجَذَعَةٍ، چار قسم کے اونٹ ہیں بِنْتِ مَخَاض میں سے اور بِنْتِ لَبُون میں سے اور حِقّے میں سے اور جَذَعے میں سے۔ ان کے یہ نام کیوں ہیں؟ کی وجہ کیا ہے؟ بِنْتِ مَخَاض، مَخَاض اصل میں مَخَاض حاملہ جو ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مَخَاض۔ تو دیکھو یہ اونٹ کا بچہ اس کی عمر ایک سال پوری ہو چکی ہے اور دوسرے سال میں چل رہا ہے، اور اس کی جو ماں تھی مادہ اونٹنی وہ عادتاً دوبارہ حاملہ ہو چکی ہو گی۔ ایک سال کے وقفے کے بعد دوبارہ کیا کیا؟ اس کو حاملہ کروا لیا۔ تو ایک سال کا ہو چکا ہے، دوسرا سال چل رہا ہے، تو عادتاً ایک سال کے وقفے کے بعد عرب کیا کرتے تھے؟ اونٹنی کو دوبارہ حاملہ کروا لیتے تھے بھئی۔ تو اس لیے یہ جو ایک سال کا ہو چکا ہے تو یہ کیا ہے؟ بِنْتِ مَخَاض، حاملہ کی بیٹی ہے یہ، بِنْتِ مَخَاض، یا اِبْنِ مَخَاض حاملہ کا بیٹا ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ جی۔ اور بِنْتِ لَبُون، بِنْتِ لَبُون جس کے دو سال پورے ہو چکے تیسرا سال چل رہا ہے لَبَن دودھ کو کہتے ہیں، لَبُون دودھ والی۔ دیکھو اب اس کی جو ماں ہے اس نے دوسرے حمل کو بھی جنم دے دیا ہو گا اور اب وہ دودھ دینے والی اونٹنی بن چکی ہے بھئی۔ تو اس کو کیا کہا؟ بِنْتِ لَبُون، اور اسی طرح اِبْنِ لَبُون بھئی مذکر ہو تو۔ اور حِقَّةٌ، حِقَّةٌ حَقّ سے ہے، حَقّ۔ یعنی یہ اونٹنی تین سال کی ہو گئی، یہ مستحق ہو گئی ہے کہ اس پر بوجھ لادا جائے۔ پہلے تو بچہ تھا، نہ سواری کرنی ہے نہ بوجھ لادنا ہے، چھوٹا ہے بیچارہ۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اب کچھ تھوڑا سا مضبوط ہو گیا، اب کچھ وزن ڈال سکتے ہو کوئی اور اس پر سواری بھی کر سکتے ہو، تو یہ حِقَّةٌ اس لیے کہتے ہیں۔ اور جَذَعَةٌ، جَذَعَة اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے دانتوں میں کوئی خاص نشانی آ جاتی ہے جب چار سال کا ہو جائے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو وہ جس کو وہ اونٹوں والے پہچانتے ہیں، اس لیے اس کو جَذَعَةٌ کہتے ہیں۔ ناموں کی وجہ سمجھ میں آ گئی؟ جی۔

تو کہتے ہیں وَهٰذِهِ فِي شِبْهِ الْعَمْدِ أَرْبَاعٌ مِنْ بِنْتِ مَخَاضٍ وَبِنْتِ لَبُونٍ وَحِقَّةٍ وَجَذَعَةٍ، اور یہ جو سو اونٹ ہیں شبہِ عمد میں چار قسم کے ہوں گے، بِنْتِ مَخَاض و بِنْتِ لَبُون، حِقَّة اور جَذَعَة میں سے، وَهِيَ الْمُغَلَّظَةُ، اور یہی دیتِ مغلظہ ہے۔ وَفِي الْخَطَإِ أَخْمَاسٌ، اور قتلِ خطا کے اندر پانچ قسم کے یہ سو اونٹ ہوں گے، مِنْهَا ان میں سے بھی، یہ جو چار ذکر ہوئے ان میں سے بھی، وَمِنِ ابْنِ مَخَاضٍ، اور اِبْنِ مَخَاض میں سے بھی یعنی بیس بیس سارے ہو جائیں گے۔

اَلدِّيَةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى لَا تَكُونُ إِلَّا مِنْ هٰذِهِ الْأَمْوَالِ الثَّلَاثَةِ، دیت جو ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نہیں ہو گی مگر انہی تین مالوں میں سے۔ دیت ادا کرنی ہے تو انہی چیزوں سے ادا کرنا پڑے گی، امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ

اللہ کے نزدیک، یا سو اونٹ، یا دس ہزار درہم، یا ایک ہزار دینار۔ وَقَالَا، اور صاحبین فرماتے ہیں مِنْهَا ان تین چیزوں میں سے بھی، وَمِنَ الْبَقَرِ اور گائے بیل میں سے بھی مِائَتَا بَقَرَةٍ، اصل میں تھا مِائَتَانِ، دو سو، دو سو، نون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ وَمِنَ الْبَقَرِ مِائَتَا بَقَرَةٍ، اور گائے بیل میں سے دو سو گائے بیل۔ تو گائے بیل کے اندر بھینس بھی داخل ہو گئی، بھینس اور بھینسا بھی اس میں کیونکہ وہ ایک ہی جنس ہے بھئی۔ وَمِنَ الْغَنَمِ أَلْفَا شَاةٍ، اصل میں تھا أَلْفَانِ، دو ہزار، دو ہزار تثنیہ ہے نون اضافت سے گر گیا۔ اور غَنَم، غَنَم بھیڑ بکری کو کہتے ہیں بھئی، بھیڑ بکری۔ جی۔ وَمِنَ الْغَنَمِ أَلْفَا شَاةٍ، اور بھیڑ بکریوں میں سے دو ہزار بھیڑ بکریاں۔ غَنَم اور شَاة دونوں کا معنی ہے بھیڑ بکریاں، تو طلبہ عموماً شَاة کا معنی صرف بکری کے کرتے ہیں، بکری کو یہ صرف نہیں کہتے، بھیڑ بکری دونوں کو شامل ہے۔ غَنَم اور شَاة کا ایک ہی معنی ہے، دیکھیں یہاں دونوں اکٹھے استعمال ہو رہے ہیں۔ وَمِنَ الْغَنَمِ أَلْفَا شَاةٍ، اور بھیڑ بکریوں میں سے دو ہزار بھیڑ بکریاں ہیں۔ وَمِنَ الْحُلَلِ مِائَتَا حُلَّةٍ، حُلَل جمع ہے حُلَّةٌ کی، اور حُلَّةٌ کپڑے کے جوڑے کو کہتے ہیں، لباس، جوڑا بھئی۔ وَمِنَ الْحُلَلِ مِائَتَا حُلَّةٍ، اور کپڑے کے جوڑوں میں سے دو سو کپڑوں کے جوڑے، كُلُّ حُلَّةٍ ثَوْبَانِ، ہر جوڑا جو ہے ثَوْبَانِ دو کپڑے ہو گا۔ ہر جوڑے میں کم از کم کتنے کپڑے ہوں گے؟ دو، دو ہوں گے۔ دو کپڑے ہوں گے، ایک تہبند اور ایک اوپر کے لیے، دو کپڑے ہر جوڑے کے اندر کم از کم۔ تو دیکھو حُلَّةٍ آیا نکرہ، نکرہ۔ اور نکرہ کے بعد ایک پورا جملہ آ رہا ہے كُلُّ حُلَّةٍ ثَوْبَانِ، كُلُّ حُلَّةٍ مبتدا، ثَوْبَانِ اس کی خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ، اور جملہ اسمیہ آگیا نکرہ کے بعد، تو یہ حُلَّةٌ کی صفت بنے گا۔ کس کی؟ حُلَّةٌ کی۔ اب ترجمہ سنو: وَمِنَ الْحُلَلِ مِائَتَا حُلَّةٍ كُلُّ حُلَّةٍ ثَوْبَانِ، اور کپڑے کے جوڑوں میں سے دو سو ایسے جوڑے کہ ان میں سے ہر جوڑا دو کپڑوں پر مشتمل ہو۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ جی۔[۴۳]

تو امام صاحب کے نزدیک تو دیت میں وہ تین چیزیں ادا کر سکتے ہیں: اونٹ یا درہم یا دینار۔ صاحبین فرماتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ گائے بیل ادا کرنا چاہتا ہے تو دو سو ادا کر دے، اور اگر بھیڑ بکریاں ادا کرنا چاہتا ہے تو دو ہزار ادا کر دے، اور اگر کپڑوں کے جوڑے ادا کرنا چاہتا ہے تو دو سو جوڑے ادا کر دے اور ہر جوڑے میں دو کپڑے ہوں گے بھئی۔ اور صاحبین کی دلیل کہتے ہیں: لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ جَعَلَ عَلٰى أَهْلِ كُلِّ مَالٍ مِنْهَا، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر مال والوں پر انہی کے مال میں سے واجب کیا تھا۔ جو جس کام والے ہیں، جس پیشے والے ہیں، جس، جونسا مال ان کے پاس ہے اس میں سے ہی ادا کر دیں۔ یہ جو کپڑوں والے ہیں، کپڑوں کے کام کرنے والے ہیں، وہ کپڑے ادا کر دیں۔ جو گائے بھینسیں رکھنے والے ہیں وہ گائے بھینسیں ادا کر دیں۔ جو بھیڑ بکریاں پالنے والے ہیں وہ بھیڑ بکریاں ادا کر دیں۔ جو

[۳] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۶۲): صوتی درس کی قراءت میں «وَمِنَ الْبَقَرِ مِائَتَا بَقَرَةٍ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «ومن البقرِ مئتا بقرة،» منقول ہے۔

[۴] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۶۲): صوتی درس کی قراءت میں «وَمِنَ الْغَنَمِ أَلْفَا شَاةٍ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «ومن الغنمِ ألف شاة،» منقول ہے۔

اونٹ پالنے والے ہیں وہ اونٹ ادا کر دیں۔ اور اگر تاجر ہے، درہم و دینار سے معاملات کرنے والے ہیں تو درہم و دینار سے ادا کر دیں۔ تو حضرت عمر نے ہر مال والے پر انہی کے مال میں سے واجب کیا تھا۔ تو یہ صاحبین کی دلیل ہے۔ یہ معنی ہے لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ جَعَلَ عَلٰى أَهْلِ كُلِّ مَالٍ مِنْهَا، اس لیے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا ہر مال والے پر ان میں سے، ہر مال والے پر ان میں سے کیا تھا۔

وَلَهُ، اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ أَنَّ هٰذِهِ الْأَشْيَاءَ مَجْهُولَةٌ فَلَا يَصِحُّ بِهَا التَّقْدِيرُ، امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ چیزیں مجہول ہیں۔ گائے بیل کہا، گائے بیل تو مختلف قسم کے ہوتے ہیں، کوئی اعلیٰ ہوتے ہیں، کوئی ادنیٰ ہوتے ہیں، ایک گائے ایک لاکھ کی بھی ہوتی ہے اور ایک گائے دو لاکھ کی بھی ہوتی ہے بھئی۔ تو وہ دینے والوں کی کوشش ہوگی ادنیٰ دے دیں اور لینے والوں کی کوشش ہوگی ہمیں اعلیٰ ملیں، تو یہ تو چیز ہی مجہول ہے۔ اسی طرح بھیڑ بکریاں بھی کوئی سستی ہوتی ہیں، کوئی مہنگی ہوتی ہیں، مختلف نسلیں ہیں، تو لہٰذا بھیڑ بکریاں مجہول ہو گئیں اور مجہول چیز کے ذریعے ادائیگی نہیں۔ اسی طرح گائے بیل بھی کیا ہیں؟ مجہول ہیں، ان کے ذریعے ادائیگی نہیں صحیح۔ اسی طرح کپڑوں کے جوڑے یہ بھی مجہول ہیں، ایک کپڑا پانچ سو کا جوڑا ملتا ہے اور ایک کپڑا وہ ہے جو پانچ ہزار میں جوڑا ملتا ہے، تو یہ چیزیں کیا ہیں؟ مجہول ہیں، لہٰذا ان کے ذریعے مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ اس پر امام صاحب پر اشکال ہوتا ہے کہ آپ نے بھی تو سو اونٹوں کا حکم دیا کہ سو اونٹوں کے ذریعے ادائیگی ہو سکتی ہے، اونٹ اور اونٹنیاں بھی تو مختلف نسلوں کے ہیں، ان میں بھی تو اسی طرح فرق ہوتا ہے جیسے گائے بیل وغیرہ میں فرق۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ ہاں، اونٹوں میں بھی یہی مسئلہ ہے لیکن اونٹوں کے اندر مشہور حدیث، مشہور حدیثیں ہیں، اونٹوں میں مشہور احادیث موجود ہیں، جب کہ گائے بیل، بکری وغیرہ میں احادیث تو ہیں لیکن مشہور احادیث نہیں جو درجۂ شہرت کو پہنچی ہوں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جس کے روایت کرنے والے زیادہ ہوں۔ چنانچہ ہم نے جو مشہور حدیث تھی اس کو تو ہم نے لے لیا اور باقیوں کے اندر اصل پر رکھا کہ باقیوں کے ذریعے ادائیگی صحیح نہیں بھئی۔ وَلَهُ، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ أَنَّ هٰذِهِ الْأَشْيَاءَ مَجْهُولَةٌ کہ یہ چیزیں جو ہیں مجہول ہیں فَلَا يَصِحُّ بِهَا التَّقْدِيرُ، تو درست نہیں ہے ان کے ذریعے مقرر کرنا۔ قَدَّرَ يُقَدِّرُ تَقْدِير کا ایک معنی کیا ہے؟ مقرر کرنا۔ تو ان کے ذریعے مقرر کرنا صحیح نہیں ہے۔ وَلَمْ يَرِدْ فِيهَا أَثَرٌ مَشْهُورٌ، أَثَر حدیث کا ایک نام أَثَر بھی ہے۔ کیا ہے؟ أَثَر۔ اور وَرَدَ يَرِدُ کا معنی وارد ہونا، نقل ہونا۔ وَلَمْ يَرِدْ فِيهَا أَثَرٌ مَشْهُورٌ، اور ان کے اندر، یہ ان تین کے علاوہ باقیوں میں کوئی مشہور حدیث بھی وارد نہیں ہوئی، بِخِلَافِ الْإِبِلِ بخلاف اِبِل کے، اونٹوں کے کہ ان میں مشہور حدیث موجود ہے بھئی۔

وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ مِنَ الْوَرِقِ اثْنَا عَشَرَ أَلْفَ دِرْهَمٍ، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مِنَ الْوَرِقِ چاندی میں سے اثْنَا عَشَرَ أَلْفَ دِرْهَمٍ بارہ ہزار درہم ہیں۔ ہم نے تو کہا دس ہزار درہم، امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ بارہ ہزار درہم ہیں بھئی۔

ثُمَّ الدِّيَةُ الْمُغَلَّظَةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللهُ، پھر دیتِ مغلظہ جو ہے شیخین رحمہم اللہ کے نزدیک خَمْسٌ وَعِشْرُونَ بِنْتَ مَخَاضٍ، وہ پچیس بِنْتِ مَخَاض ہیں، پچیس بِنْتِ مَخَاض۔ خود بتلا رہے ہیں: وَهِيَ الَّتِي تَمَّتْ عَلَيْهَا حَوْلٌ، یہ وہ ہے جس کے اوپر ایک سال پورا ہو چکا ہے، ایک سال والے بچے۔ حَوْلٌ سال کو کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں بِنْتِ مَخَاض جو ہے وَهِيَ الَّتِي تَمَّتْ عَلَيْهَا حَوْلٌ یہ وہ بچہ ہے جس پر ایک سال پورا ہو چکا ہے، وَخَمْسٌ وَعِشْرُونَ بِنْتَ لَبُونٍ، اور پچیس بِنْتِ لَبُون ہیں، وَهِيَ الَّتِي تَمَّتْ عَلَيْهَا حَوْلَانِ، اور یہ وہ ہے جس پر دو سال پورے ہو چکے ہیں، وَخَمْسٌ وَعِشْرُونَ حِقَّةً، اور پچیس حِقّے ہیں، وَهِيَ الَّتِي تَمَّتْ عَلَيْهَا ثَلَاثُ سِنِينَ، اور یہ وہ ہے جس پر تین سال پورے ہو چکے ہیں، وَخَمْسٌ وَعِشْرُونَ جَذَعَةً، اور پچیس جَذَعے ہیں، وَهِيَ الَّتِي تَمَّتْ عَلَيْهَا أَرْبَعُ سِنِينَ، اور یہ وہ ہے جس پر چار سال پورے ہو چکے ہیں۔

وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللهُ ثَلَاثُونَ حِقَّةً وَثَلَاثُونَ جَذَعَةً وَأَرْبَعُونَ ثَنِيَّةً، اور امام محمد اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ یہ جو دیتِ مغلظہ جو ہے یہ ثَلَاثُونَ حِقَّةً تیس حِقّے ہوں گے، وَثَلَاثُونَ جَذَعَةً تیس جَذَعے ہوں گے، مادہ، حِقّے بھی مادہ اور جَذَعے بھی مادہ، وَأَرْبَعُونَ ثَنِيَّةً اور چالیس ثَنِيّ ہوں گے۔ ثَنِيّ کسے کہتے ہیں؟ میں بتلا چکا ہوں، جو جوان ہو چکا ہے، جوان ہو چکا ہے، اور اونٹ میں جوان کتنے سال والا ہوتا ہے؟ پانچ سال۔ تو کہتے ہیں وَأَرْبَعُونَ ثَنِيَّةً اور چالیس ثَنِيّ ہوں گے پانچ سال والے، كُلُّهَا خَلِفَاتٌ، کہ وہ سارے کے سارے جو ہیں حاملہ ہوں گی۔ یہ جو چالیس ثَنِيّ اونٹنیاں ہوں گی یہ ساری کیا ہوں گی؟ حاملہ ہوں گی۔ فِي بُطُونِهَا أَوْلَادُهَا، جن کے پیٹ میں ان کی اولاد ہو، جن کے پیٹ میں ان کی اولاد ہو۔ خود بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں اَلثَّنِيَّةُ الَّتِي تَمَّتْ عَلَيْهَا خَمْسُ سِنِينَ، ثَنِيّ جو ہے وہ اونٹنی جس پر پانچ سال پورے ہو چکے ہیں، وَالْخَلِفَةُ الَّتِي فِي بَطْنِهَا وَلَدٌ مَضَتْ عَلَيْهِ سِتَّةُ أَشْهُرٍ، اور خَلِفَة جو ہے وہ اونٹنی فِي بَطْنِهَا وَلَدٌ جس کے پیٹ میں ایسا بچہ ہو مَضَتْ عَلَيْهِ سِتَّةُ أَشْهُرٍ جس پر چھ ماہ گزر چکے ہوں۔ حاملہ بھی ہو تو حاملہ ابھی نہ ہوئی ہو، کتنا عرصہ گزر چکا ہو کم از کم؟ چھ ماہ گزر چکے ہوں حمل کو۔

وَالتَّغْلِيظُ مُخْتَلَفٌ فِيهِ بَيْنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ، اور تَغْلِيظ جو ہے یعنی دیت کو مغلظ کرنا یہ مُخْتَلَف فِيه ہے صحابہ میں، صحابہ کے زمانے سے ہی اس میں اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک تو چار قسم کے اونٹ تھے جب کہ امام محمد اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تین قسم کے ہیں، تیس حِقّے، تیس جَذَعے اور چالیس ثَنِيّ ہیں بھئی۔ تو یہ صحابہ کے زمانے سے ہی ان میں اختلاف ہے۔ وَنَحْنُ أَخَذْنَا بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، اور ہم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو لیا۔

وَفِي الْخَطَأِ عِنْدَنَا عِشْرُونَ ابْنَ مَخَاضٍ، اور خطا کی دیت ہمارے نزدیک جو ہے وہ بیس اِبْنِ مَخَاض ہیں، بیس اِبْنِ مَخَاض ہیں یعنی ایک سال والے مذکر بچے۔ وَهُوَ الذَّكَرُ تَمَّتْ عَلَيْهِ حَوْلٌ، اور وہ مذکر ہے جس پر ایک سال پورا ہو چکا ہو۔ وَمِنَ الْأَصْنَافِ الْأَرْبَعَةِ الْمَذْكُورَةِ عِشْرُونَ عِشْرُونَ، اور باقی جو چار قسمیں ہیں جو ذکر کر دی گئیں، عِشْرُونَ عِشْرُونَ وہ بیس بیس ہیں۔ بیس اِبْنِ مَخَاض، اور باقی چار جو ذکر ہوئے یعنی بِنْتِ مَخَاض، بِنْتِ لَبُون، حِقَّة اور جَذَعَة ان میں بھی بیس بیس ہیں

بھئی۔ یہ معنی ہے وَمِنَ الْأَصْنَافِ الْأَرْبَعَةِ الْمَذْكُورَةِ عِشْرُونَ عِشْرُونَ، اور باقی چار قسمیں جو ذکر ہوئیں ان میں بیس بیس ہیں۔ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ عِشْرُونَ ابْنَ لَبُونٍ مَكَانَ ابْنِ مَخَاضٍ، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بیس اِبْنِ لَبُون ہیں اِبْنِ مَخَاض کی جگہ۔ ہم نے تو کیا کہا؟ قتلِ خطا کی صورت میں بیس اِبْنِ مَخَاض ہوں گے یعنی ایک سال والے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، بیس اِبْنِ لَبُون ہوں گے یعنی دو سال والے مذکر بچے۔

آگے دیکھیے: وَكَفَّارَتُهَا عِتْقُ مُؤْمِنٍ فَإِنْ عَجَزَ عَنْهُ صَامَ شَهْرَيْنِ وِلَاءً وَلَا إِطْعَامَ فِيهَا۔ وَكَفَّارَتُهَا، اور قتل کا کفارہ جو ہے عِتْقُ مُؤْمِنٍ وہ ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہے۔ كَفَّارَتُهَا ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ قتل کو۔ آپ کہیں گے قتل تو مذکر ہے اور ہا ضمیر کون سی راجع کر دی؟ مؤنث کی۔ یاد رکھیے یہ جو مصدر ہے نا مصدر اس کو مذکر ضمیر بھی راجع کرنا ٹھیک اور مؤنث بھی راجع کرنا ٹھیک۔ چنانچہ کہتے ہیں: اَلْمَصْدَرُ كَالْمُخَنَّثِ، اَلْمَصْدَرُ كَالْمُخَنَّثِ قَدْ يُذَكَّرُ وَقَدْ يُؤَنَّثُ، تو کبھی اس کو مذکر رکھتے ہیں اور کبھی مؤنث۔ تو کہتے ہیں: وَكَفَّارَتُهَا عِتْقُ مُؤْمِنٍ، اور قتل کا کفارہ جو ہے وہ ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہے۔ فَإِنْ عَجَزَ عَنْهُ، اگر اس سے عاجز ہو، فَصَامَ شَهْرَيْنِ وِلَاءً، وِلَاءً یا وَلَاءً دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، اس کا معنی ہے مسلسل، مسلسل۔ فَإِنْ عَجَزَ عَنْهُ، اگر اس سے عاجز ہو یعنی غلام کی استطاعت نہ رکھتا ہو، صَامَ شَهْرَيْنِ وَلَاءً تو دو ماہ کے روزے رکھے گا مسلسل۔ وَلَا إِطْعَامَ فِيهَا، اور اس میں إِطْعَام جائز نہیں یعنی ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا جائز نہیں۔ بھئی کیوں نہیں جائز اس میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا؟ کہتے ہیں لِأَنَّهُ لَمْ يَرِدْ بِهِ النَّصُّ، کیونکہ اس کے ساتھ نص وارد نہیں ہوئی، قرآن اور حدیث میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا ذکر یہاں نہیں ہے۔ کفارۂ ظہار میں تو ہے، ساٹھ مسکینوں کو کھانا بھی کھلا سکتے ہیں اگر باقی نہ کر سکیں، لیکن یہاں ایسا نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ میں نے پہلے بھی ذکر کر دی تھی یہ بات کہ کفارۂ قتل قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں: ﴿ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ﴾، جو کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو ایک مومن غلام کو آزاد کرے۔ اور اسی آیت کے آخر میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ﴾، جس کو مومن غلام یا باندی میسر نہ ہو تو پھر دو ماہ کے روزے ہیں مسلسل بھئی۔

وَصَحَّ رَضِيعٌ أَحَدُ أَبَوَيْهِ مُسْلِمٌ۔ رَضِيع کہتے ہیں دودھ پیتا بچہ، چھوٹا بچہ جو ماں کا دودھ پیتا ہو، اس کو رَضِيعٌ کہتے ہیں۔ تو کیا اس میں دودھ پیتے بچے کو بھی آزاد کیا جا سکتا ہے؟ غلام ہے، باندی کا بچہ، غلام ہے، تو کیا اس کو بھی آزاد کیا جا سکتا ہے؟ کہتے ہیں ہاں بھئی، دودھ پیتا بچہ بھی اس کو بھی آپ آزاد کر سکتے ہیں، لیکن یہاں تو قید ہے کہ وہ کیا ہونا چاہیے؟ مسلمان ہونا چاہیے، مومن ہونا چاہیے۔ کہتے ہیں اس بچے کے ماں باپ اگر دونوں مسلمان ہوں، یعنی وہ غلام یا باندی جن کا بچہ ہے وہ دونوں مسلمان ہوں یا ان میں سے کوئی ایک مسلمان ہو، تو یہ بچہ مسلمان شمار ہو گا۔ یاد رکھو یہ جو بچہ ہوتا ہے یہ آزادی اور غلامی میں ماں کے تابع ہوتا ہے۔ آزادی اور غلامی میں ماں کے تابع ہوتا ہے۔ جو بھی بچہ ہوتا ہے آزادی اور غلامی میں ماں

کے تابع ہوتا ہے۔ ماں آزاد ہے تو بچہ بھی آزاد شمار ہو گا، ماں باندی ہے تو بچہ بھی غلام شمار ہو گا۔ تو آزادی اور غلامی میں بچہ ماں کے تابع ہوتا ہے اور دین کے اندر ماں باپ میں سے جس کا دین بہتر ہو وہ اس کے تابع ہوتا ہے۔ اگر ماں کا دین بہتر ہے تو وہ ماں کے تابع، اگر باپ کا دین بہتر ہے تو وہ باپ کے تابع۔ تو ان دونوں میں سے اگر کوئی ایک بھی مسلمان ہوا، وہ جو بچہ ہے، وہ جو دودھ پیتا بچہ ہے اس کے ماں باپ میں سے کوئی ایک مسلمان ہو، ماں مسلمان ہو یا باپ مسلمان ہو، ان میں سے ایک مسلمان ہے اور ظاہر سی بات ہے دینِ اسلام افضل و اعلیٰ ہے تو دین کے اندر بچہ اس کے تابع شمار ہو گا۔ تو یہاں پر بھی جب ماں باپ میں سے ایک مسلمان ہے تو بچے کو بھی کیا شمار کریں گے؟ مسلمان، اور جب مسلمان ہے، مومن ہے تو اس کو آزاد کرنا صحیح ہے۔ تو کہتے ہیں وَصَحَّ رَضِيعٌ أَحَدُ أَبَوَيْهِ مُسْلِمٌ۔ دیکھو رَضِيعٌ نکرہ آیا۔ أَحَدُ أَبَوَيْهِ مُسْلِمٌ یہ پورا جملہ اسمیہ آیا، أَحَدُ أَبَوَيْهِ اس کے ماں باپ میں سے ایک مُسْلِمٌ مسلمان ہے، مسلمان ہو۔ تو پورا جملہ اسمیہ کس کے بعد آگیا؟ نکرہ کے بعد، تو ترجمہ کیسے کریں گے؟ موصوف سے پہلے «ایسا» یا «ایسی» کا لفظ لائیں گے۔ اب دیکھیں ترجمہ۔ کہتے ہیں: وَصَحَّ رَضِيعٌ أَحَدُ أَبَوَيْهِ مُسْلِمٌ، اور صحیح ہے ایسا دودھ پیتا بچہ بھی کہ جس کے ماں باپ میں سے کوئی ایک مسلمان ہو۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ جی۔ لِأَنَّهُ يَكُونُ مُؤْمِنًا بِالتَّبَعِيَّةِ، اس لیے کیونکہ وہ بھی مومن شمار ہو گا بِالتَّبَعِيَّةِ تابع ہونے کی وجہ سے، جس کا دین بہتر ہے اس کے تابع ہو کر وہ بھی مسلمان شمار ہو گا، اور تو جس کا دین بہتر ہو اور بہتر دین، دینِ اسلام ہے ظاہر سی بات ہے۔

لَا الْجَنِينُ، جَنِين صحیح نہیں یعنی اس کا آزاد کرنا صحیح نہیں۔ جَنِين وہ بچہ جو ابھی ماں کے پیٹ میں ہے یعنی جو حمل ہے، حمل ہے۔ تو وہ جو جَنِين ماں کے پیٹ میں ہے، باندی حاملہ ہے، اس کے پیٹ میں بچہ ہے، اس کو کوئی شخص آزاد کرتا ہے کفارۂ قتل کے اندر، یہ کافی نہیں۔ بھئی کیوں نہیں کافی؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس کی موت اور زندگی کا ابھی پتا نہیں ہے، پتا نہیں زندہ ہے یا زندہ نہیں ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: لَا الْجَنِينُ، جَنِين یعنی جو ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ کافی نہیں ہے۔

وَلِلْمَرْأَةِ نِصْفُ مَا لِلرَّجُلِ فِي دِيَةِ النَّفْسِ وَمَا دُونَهَا۔ یہ بھی میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے، آدھی ہے۔ مرد کی دیت سو اونٹ تو عورت کی دیت پچاس اونٹ ہے۔ اور اس پر تقریباً تمام امت کا اجماع ہے کہ عورت کی دیت پچاس اونٹ ہے یعنی عورت کا حصہ مرد کے مقابلے میں نصف ہے، جیسے میراث کے اندر عورت کا حصہ مرد کے مقابلے میں نصف ہے اور جیسے گواہی کے مسئلے میں عورت کا حصہ مرد کے مقابلے میں نصف ہے۔ تو کہتے ہیں: وَلِلْمَرْأَةِ نِصْفُ مَا لِلرَّجُلِ فِي دِيَةِ النَّفْسِ، اور عورت کے لیے نصف ہے وہ جو مرد کے لیے ہے نفس کی دیت میں، وَمَا دُونَهَا اور وہ جو نفس سے کم ہے، چاہے نفس کی دیت ہو چاہے نفس سے کم کی دیت ہو، عورت کے لیے مرد سے نصف ہے دیت۔ مرد کے ہاتھ کی قیمت پچاس اونٹ ہے تو عورت کے ہاتھ کی قیمت پچیس اونٹ ہے۔ تو نفس ہو یا نفس سے کم سب میں مرد سے نصف ہے۔ هٰذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے۔

وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ مَا دُونَ الثُّلُثِ لَا يُنَصَّفُ۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ثلث سے جو کم ہو اس کی تنصیف نہیں ہوگی۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے، نفس میں بھی اور ما دون النفس میں بھی، نفس سے کم کے اندر بھی۔ لیکن جہاں مرد کی دیت ثلث سے کم ہے، ثلث سے کم ہے، تو پھر اس کی تنصیف نہیں ہوگی، وہاں پھر مرد اور عورت برابر ہوں گے۔ مثلاً ایک ایسا زخم ہے جس میں مرد کی دیت ثلث ہے، کتنی ہے؟ ثلث۔ مثلاً مرد کو وہ زخم اگر لگایا تو دیت کا تیسرا حصہ دینا پڑے گا، تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں عورت میں اس کا آدھا آئے گا، کتنا آئے گا؟ آدھا۔ لیکن اگر مرد کے اندر جو دیت آرہی ہے وہ ثلث سے کم ہے یعنی صرف ربع ہے، کتنی ہے؟ ربع۔ تو ربع تو ثلث سے کم ہے، تو کہتے ہیں جو ثلث سے کم ہوگا وہاں پھر تنصیف نہیں ہوگی، وہاں پھر آدھا نہیں کریں گے، وہاں مرد اور عورت دونوں برابر ہوں گے۔ مثلاً ایک جگہ مرد کے اندر پچیس اونٹ آرہے ہیں اور یہ پچیس تو سو کا چوتھا حصہ ہے، ثلث سے کم ہے، تو جو ثلث سے کم ہو وہاں تنصیف نہیں، وہاں آدھا نہیں کرنا، وہاں عورت کے لیے بھی اتنا ہی ہوگا، تو اسی جیسے زخم میں عورت کو بھی، عورت کے لیے بھی پچیس اونٹ ہی ہوں گے۔ تو کہتے ہیں: وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ مَا دُونَ الثُّلُثِ لَا يُنَصَّفُ، کہ ثلث سے جو کم ہے اس کی تنصیف نہیں ہوگی، اس کو آدھا نہیں کیا جائے گا۔ ثلث کو آدھا کریں گے لیکن ثلث سے جو کم ہو جائے اس کو آدھا نہیں کریں گے، اور ثلث سے جو اوپر ہے اس کو بھی آدھا کریں گے۔ بات صرف انہوں نے کس کی کی؟ ثلث سے کم کی کہ اس میں تنصیف نہیں ہوگی۔

وَلِلذِّمِّيِّ مَا لِلْمُسْلِمِ، اور ذمی کے لیے بھی وہی ہے جو مسلمان کے لیے ہے، یعنی ذمی جو غیر مسلم دار الاسلام میں رہتے ہیں ان کی دیت بھی سو اونٹ ہے جیسے مسلمان کی دیت سو اونٹ ہے۔ یہ معنی ہے: وَلِلذِّمِّيِّ مَا لِلْمُسْلِمِ، اور ذمی کے لیے بھی وہی دیت ہے جو مسلمان کے لیے ہے۔ هٰذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے۔ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى دِيَةُ الْيَهُودِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ أَرْبَعَةُ آلَافِ دِرْهَمٍ، امام شافعی رحمہ اللہ ان کے نزدیک یہودی اور نصرانی یعنی عیسائی، یہودی اور عیسائی کی دیت جو ہے وہ چار ہزار درہم ہے۔ مسلمان کی دیت کتنی تھی ان کے نزدیک؟ بارہ ہزار درہم، لیکن یہودی اور عیسائی کی دیت چار ہزار درہم ہے۔ وَدِيَةُ الْمَجُوسِيِّ ثَمَانِي مِائَةِ دِرْهَمٍ، اور مجوسی کی جو دیت ہے وہ آٹھ سو درہم ہے صرف۔ مجوسی کی دیت کتنی ہے؟ آٹھ سو، جو آتش پرست ہیں، پارسی جو ہیں، ان کی دیت صرف آٹھ سو درہم ہے۔ ثَمَانِي مِائَةِ، یہ ثَمَانِي مِائَةِ کو مِائَة کے ساتھ جوڑ کر لکھنا چاہیے تھا بھئی عربی رسم الخط کے قوانین کے مطابق، ثَمَانِمِائَةِ دِرْهَمٍ آٹھ سو درہم بھئی۔ وَعِنْدَ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللهُ، اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک دِيَةُ الْيَهُودِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ نِصْفُ دِيَةِ الْمُسْلِمِ، کہ یہودی اور عیسائی کی دیت جو ہے وہ مسلمان کی دیت کا نصف ہے یعنی اس کا آدھا ہے۔ وَدِيَةُ الْمُسْلِمِ عِنْدَهُ اثْنَا عَشَرَ أَلْفَ دِرْهَمٍ، اور مسلمان کی دیت امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بارہ ہزار درہم ہیں، تو یہودی اور نصرانی کی دیت کتنی ہو جائے گی؟ چھ ہزار درہم بھئی،

کیونکہ آدھی ہے۔

وَفِي النَّفْسِ وَالْأَنْفِ وَالذَّكَرِ وَالْحَشَفَةِ وَالْعَقْلِ وَالشَّمِّ وَالذَّوْقِ وَالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ وَاللِّسَانِ إِنْ مَنَعَ النُّطْقَ أَوْ أَدَاءَ أَكْثَرِ الْحُرُوفِ وَلِحْيَةٍ حُلِقَتْ فَلَمْ تَنْبُتْ وَشَعْرِ الرَّأْسِ الدِّيَةُ۔ بھئی ایک ضابطہ یاد رکھنا، اگر کسی شخص نے دوسرے شخص کا کوئی عضو کاٹا اور اس کی وجہ سے دوسرے کا حسن و جمال ختم ہو گیا، تو پوری دیت آئے گی۔ پورا جمال ختم تو پوری دیت، آدھا جمال ختم تو آدھی دیت آئے گی۔ اور کسی شخص نے کسی کا عضو کاٹا اور اس کی وجہ سے اس عضو کا پورا نفع ختم ہو گیا، تو پوری دیت آئے گی۔ اور اگر آدھا نفع ختم ہوا تو آدھی دیت آئے گی۔ مثلاً کسی نے کسی کا ہاتھ کاٹا، اب دیکھو ہاتھ کاٹا تو ہاتھ کا نفع ختم، لیکن ہاتھ تو ہیں دو، جب دو ہیں تو دونوں ہاتھ اگر کاٹ دیے تو دونوں کا پورا نفع ہی ختم کر دیا تو پوری دیت آئے گی، لیکن اگر ایک کاٹا تو دیکھو آدھا نفع ختم ہو گیا، آدھا ابھی بھی ہے، تو اس صورت میں پچاس اونٹ آئیں گے۔ ایک شخص نے دوسرے شخص کی ایک آنکھ پھوڑ ڈالی، تو ایک آنکھ ابھی بھی باقی ہے، دونوں آنکھیں پھوڑے گا تو دیکھنے کا نفع ہی بالکل ختم، جنسِ نفع ہی ختم، تو پوری دیت آئے گی سو اونٹ دینے پڑیں گے۔ اور ایک آنکھ پھوڑ دی ایک باقی ہے تو آدھا نفع ختم آدھا باقی ہے، لہٰذا پچاس اونٹ دینے پڑیں گے۔ ایک شخص نے دوسرے کی ناک کاٹ دی، ناک کا یہ جو نرم حصہ ہے یہ کاٹ دیا یا جتنی بھی کاٹ دی تو اس نے اس کا سارا حسن و جمال ختم کر دیا بھئی، سارا اور سونگھنے کی حس بھی ختم، تو سارا حسن و جمال ختم تو پوری دیت آئے گی بھئی، ناک کاٹ دیں تو کتنی خوفناک صورت بن جائے گی انسان کی بھئی۔ اسی طرح کوئی شخص کسی کی زبان کاٹ دیتا ہے، تو بولنے کا پورا نفع ہی ختم کر دیا، تو اس میں پوری دیت آئے گی بھئی۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا کہ اگر کسی عضو کے کاٹنے سے پورا نفع ختم ہو جائے تو پوری دیت، یا پورا جمال ختم ہو جائے تو پوری دیت۔ اور اگر آدھا نفع ختم ہوا یا چوتھائی نفع ختم ہوا تو اسی کے بقدر دیت آئے گی۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟ جی۔

تو کہتے ہیں: وَفِي النَّفْسِ اور جان کے اندر، وَالْأَنْفِ اور ناک میں، وَالذَّكَرِ اور مرد کے آلۂ تناسل میں، وَالْحَشَفَةِ اور ذَكَر کے اگلے حصے میں، وَالْعَقْلِ اور عقل کے اندر، وَالشَّمِّ اور سونگھنے کی جو حس ہے، سونگھنے کی حس، بھئی حواسِ خمسہ، حواسِ خمسہ، اللہ نے انسان کو پانچ حواس نصیب فرمائے ہیں جس کے ذریعے وہ چیزوں کا پتا چلاتا ہے۔ ایک سونگھنے کی حس ہے، اس کو اللہ نے ناک میں رکھا ہے۔ اور ایک قوتِ ذائقہ ہے بھئی، یہ اس کو اللہ نے زبان میں رکھا ہے۔ اور ایک سننے کی طاقت ہے، یہ اللہ نے کانوں میں رکھی ہے۔ اور ایک دیکھنے کی طاقت ہے، یہ اللہ نے آنکھوں میں رکھی ہے۔ اور ایک چیزوں کو چھونے کی طاقت ہے، چیزوں کو دیکھو آپ ہاتھ لگاتے ہیں آپ کو پتا چل جاتا ہے کہ یہ چیز خشک ہے یا تر ہے، گیلی ہے، یا آپ ہاتھ لگاتے ہیں آپ کو پتا چل جاتا ہے یہ چیز سخت ہے یا نرم ہے، آپ کو پتا چل جاتا ہے یہ چیز ہموار ہے یا کھردری ہے، یہ ہے چھونے کی حس، اور یہ پورے بدن میں اللہ نے رکھی ہے، پورے بدن میں۔ تو یہ چار قوتیں گویا یہاں ذکر

کر رہے ہیں: ایک قوتِ شامّہ ہے سونگھنے کی قوت، ایک قوتِ باصرہ ہے دیکھنے کی قوت، ایک قوتِ سامعہ ہے سننے کی طاقت، اور ایک قوتِ ذائقہ ہے بھئی، قوتِ ذائقہ چکھنے کی قوت، یہ اللہ نے زبان میں رکھی ہے۔ تو اگر یہ ان میں سے کوئی قوت ختم ہو گئی، اس کا پورا نفع ختم ہو گیا، تو اس صورت میں بھی پوری دیت آئے گی۔ مثلاً ایک شخص نے دوسرے کو ایسی ضرب لگائی کہ ناک تو نہیں کٹی لیکن سونگھنے کی حس ہی ختم ہو گئی اس کی، اس کو اچھی اور بری بو کا پتا ہی نہیں چلتا، تو دیکھو قوتِ شامّہ اس نے ختم کر دی، پورا جنسِ نفع فوت ہوا تو پورا، پوری دیت آئے گی۔ اسی طرح اگر کسی نے کسی کو ایسی ضرب لگائی کہ اس کی قوتِ سامعہ ختم ہو گئی، اب اس کو کچھ سنائی ہی نہیں دیتا، تو اگر پوری قوتِ سامعہ ختم ہو گئی تو پوری دیت سو اونٹ دینے پڑیں گے، اور اگر ایک کان کی قوتِ سامعہ ختم ہوئی ہے تو آدھی قوتِ سامعہ ابھی بھی دوسرے کان میں باقی ہے تو پھر پچاس اونٹ دیں گے۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟

پھر دیکھیے، کہتے ہیں: وَفِي النَّفْسِ اور نفس کے اندر۔ یہ آخر میں آرہا ہے الدِّيَةُ، ان سب میں کیا ہے؟ پوری دیت ہے۔ تو وَفِي النَّفْسِ نفس میں بھی پوری دیت ہے، وَالْأَنْفِ اور ناک میں بھی پوری دیت ہے کیونکہ انسان کا سارا حسن و جمال ختم، وَالذَّكَرِ اور اسی طرح مرد کا جو عضوِ مخصوص ہے اس کے اندر بھی پوری دیت ہے کیونکہ جب وہ کاٹ دیا اس کا پورا نفع ختم کر دیا بھئی، اب اولاد وغیرہ کا سلسلہ نہیں ہو سکے گا، وَالْحَشَفَةِ حَشَفَة عضوِ مخصوص کا جو اگلا حصہ ہے اس کو کاٹ دیا تو اس کے اندر بھی پوری دیت ہے، پورا نفع ختم کر دیا، وَالْعَقْلِ کسی نے کسی کو ضرب لگائی اور اس کی پوری عقل ہی ختم کر دی، وہ پاگل ہو گیا، پاگل ہو گیا، تو یہ تو سارے اعضاء کا نفع ہی ختم ہو گیا۔ سارے اعضاء کا نفع ہی ختم ہو گیا، گویا انسان کو مار دیا۔ عقل ختم ہو جائے نہ تو اسے کھانے پینے کا ہوش ہوتا ہے نہ کپڑے پہننے کا ہوش ہوتا ہے نہ کسی اور چیز کا، تو گویا سارے نفع کیا کر دیے؟ ختم کر دیے، تو انسان کو گویا مار ہی دیا، قتل ہی کر دیا، تو لہٰذا اس میں بھی پوری دیت آئے گی۔ وَالشَّمِّ، شَمّ کہتے ہیں سونگھنے کی قوت جو ہے، اور اگر کسی کی سونگھنے کی قوت ختم کر دی تو اس کے اندر بھی پوری دیت آئے گی۔ وَالذَّوْقِ، اور چکھنے کی جو قوت ہے یعنی قوتِ ذائقہ، کسی نے کسی کو ایسی ضرب لگائی یا زبان اس طرح کاٹی کہ اس کے ذائقے کی حس ہی ختم ہو گئی، اب اسے کسی چیز کے ذائقے کا پتا ہی نہیں چلتا، تو قوتِ ذائقہ ختم، تو پوری دیت آئے گی کیونکہ جنسِ نفع ختم ہو گیا۔ وَالسَّمْعِ، سننے کی قوت جو ہے، سمع اگر ختم کر دی تو جنسِ نفع ختم، پوری دیت آئے گی۔ وَالْبَصَرِ، اور بصر دیکھنے کی قوت جو ہے وہ ختم کر دی تو اس کے اندر بھی پوری دیت ہے۔ وَاللِّسَانِ، اور زبان میں بھی پوری دیت ہے لیکن کب؟ إِنْ مَنَعَ النُّطْقَ، اگر اس نے گویائی کو روک دیا، اگر اس نے بولنے کو روک دیا، وہ بول ہی نہیں سکتا ایسی زبان کاٹی، تو جنسِ نفع ہی ختم ہو گیا تو پوری دیت۔ أَوْ أَدَاءَ أَكْثَرِ الْحُرُوفِ أَيْ مَنَعَ أَدَاءَ أَكْثَرِ الْحُرُوفِ، اکثر حروف کی ادائیگی کو اس نے

روک دیا، زبان کو ایسا کاٹا کہ بول تو سکتا ہے وہ لیکن اکثر حروف ادا نہیں کر سکتا، چند ایک اب حروف وہ ادا کرتا ہے، تو لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ، اکثر کے لیے کل والا ہی حکم ہے، تو اس کے اندر بھی پھر پوری دیت آئے گی بھئی۔

وَلِحْيَةٍ، اور داڑھی کے اندر، داڑھی کے اندر حُلِقَتْ جس کو مونڈ دیا گیا فَلَمْ تَنْبُتْ پھر وہ دوبارہ نہیں اگی۔ داڑھی کے اندر بھی پوری دیت ہے اگر کوئی شخص کسی کی داڑھی ایسے طریقے سے مونڈ دے، ایسے طریقے سے کاٹ دے کہ دوبارہ بال اگیں ہی نہ، دوبارہ بال آئیں ہی نہ، تو اس کے اندر پوری دیت ہے، اس لیے کیونکہ داڑھی، کیونکہ داڑھی جو ہے وہ اپنے وقت پر مرد کے حسن و جمال کا باعث ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حتیٰ کہ جو داڑھی نہیں رکھتے، داڑھی نہیں رکھتے، ان کے لیے بھی جمال کا باعث ہے۔ آپ کہیں گے وہ کیسے؟ بھئی دیکھو وہ شیو کرتے ہیں، داڑھی صاف کرتے ہیں، اور بعض مرد ہوں ان کی داڑھی ہوتی نہیں ہے، وہ کتنے بدنما لگتے ہیں۔ فرق سمجھ میں آرہا ہے کہ نہیں؟ وہ عجیب سا لگتا ہے جس کے بال بالکل ہوں ہی نہ بھئی۔ تو داڑھی جو ہے وہ مرد کے لیے زینت کا باعث ہے بھئی ہر حال میں، چاہے اس کو رکھے چاہے نہ رکھے، وہ اس کے چہرے کے حسن و جمال کا باعث ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَلِحْيَةٍ حُلِقَتْ فَلَمْ تَنْبُتْ، اور داڑھی کہ جب اس کو مونڈ دیا جائے فَلَمْ تَنْبُتْ پھر وہ دوبارہ نہ اگے۔ اگر وہ دوبارہ اگ آتی ہے تو پھر اس کے اندر قاضی کوئی تعزیر وغیرہ دینا چاہے۔ جی۔

وَشَعْرِ الرَّأْسِ، اور سر کے بالوں میں بھی، آگے آرہا ہے الدِّيَةُ، ان سب چیزوں میں کیا ہے؟ دیت ہے۔ سر کے بالوں میں بھی جب سر کے بال ایسے صاف کر دیے کہ وہ دوبارہ اب اگتے ہی نہیں، دوبارہ آتے ہی نہیں، تو سارا حسن و جمال ختم کر دیا، لہٰذا اس صورت میں پوری دیت آئے گی بھئی۔ دیکھیے بھئی، أَيِ الدِّيَةُ الْكَامِلَةُ یعنی پوری دیت آئے گی ان سب صورتوں میں۔ وَعِنْدَ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللهُ تَجِبُ فِي اللِّحْيَةِ وَشَعْرِ الرَّأْسِ حُكُومَةُ الْعَدْلِ، اور امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ داڑھی اور سر کے بالوں میں جو ہے وہ حکومتِ عدل واجب ہوگی یعنی ایک عادل آدمی کا فیصلہ، وہ فیصلہ کرے گا کہ کتنا ضمان آنا چاہیے۔

كَمَا فِي اثْنَيْنِ مِمَّا فِي الْبَدَنِ اثْنَانِ۔ میں نے کیا بتلایا؟ جو اعضاء دو دو ہیں اگر وہ دونوں کو ختم کر دیا تو پوری دیت آئے گی، اور اگر ان میں سے ایک کو ختم کیا تو آدھی دیت آئے گی۔ تو یہی بات کر رہے ہیں کہ ان سب میں دیت ہے كَمَا فِي اثْنَيْنِ جیسے کہ ان دو کے اندر مِمَّا فِي الْبَدَنِ اثْنَانِ جو کہ بدن میں دو ہیں۔ جو چیزیں بدن میں دو ہیں ان میں سے دونوں کے اندر جیسے پوری دیت ہے، دونوں کے اندر پوری دیت ہے یعنی دونوں ہاتھوں میں یا دونوں پاؤں میں۔ وَفِي أَحَدِهِمَا نِصْفُهَا، اور ان دونوں میں سے ایک کے اندر نصفِ دیت ہے۔ جو اعضاء دو دو ہیں ان میں سے ایک کے اندر نصفِ دیت ہے۔

وَكَمَا فِي أَشْفَارِ الْعَيْنَيْنِ، اور جیسے کہ آنکھوں کے أَشْفَار ہیں، أَشْفَار۔ أَشْفَار بھئی آنکھ کے اوپر بھئی یہ جو نرم چمڑا ہے، یہ جو ہم آنکھیں بند کرتے ہیں، ماتھے اور آنکھ کے درمیان ہڈی کے اوپر کنارے پر جو بال ہیں یہ کیا ہیں؟ بھویں ہیں، ابروئیں

ہیں۔ اور ایک پلکیں ہیں جو آنکھ کے اوپر نیچے دونوں طرف بال ہیں وہ ہیں پلکیں۔ اور یہ جو چمڑا ہے اوپر اور نیچے جس کی مدد سے ہم آنکھ بند کرتے ہیں، جس کے کناروں پر پلکیں لگی ہوئی ہیں، یہ ہر آنکھ میں دو ہیں بھئی۔ کتنے ہیں؟ دو۔ ایک آنکھ میں اوپر کا چمڑا بھی اور ایک نیچے کا چمڑا، دوسری آنکھ میں بھی ایک اوپر کا چمڑا اور ایک نیچے کا چمڑا۔ تو یہ چار ہوئے۔ تو ان چاروں کو اگر کسی نے کسی کے کاٹ دیا تو اس کے اندر پوری دیت ہے کیونکہ سارا حسن و جمال ختم کر دیا۔ چار ہیں چونکہ تو اگر دو کاٹے تو پھر کتنی آئے گی؟ نصفِ دیت آئے گی، نصفِ دیت۔ اور اگر ایک کاٹا پھر؟ ربعِ دیت ہے سیدھی سی بات ہے۔ چار ہیں، چار کے اندر پوری دیت ہے تو ایک کے اندر ربعِ دیت۔ تو کہتے ہیں وَكَمَا فِي أَشْفَارِ الْعَيْنَيْنِ، تو أَشْفَار جمع ہے شُفْرٌ کی، شُفْرٌ۔ اور شُفْرٌ، شُفْرٌیہ آنکھ کے اوپر اور نیچے جو چمڑا ہے اس کو کہتے ہیں، چمڑا کہتے ہیں۔ اسی طرح یہ پلکوں کو بھی کہہ دیتے ہیں۔ تو یہاں بھی صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہاں أَشْفَارُ الْعَيْنَيْنِ سے یا تو یہ چمڑا مراد ہے جو آنکھ کے اوپر نیچے ہیں، اور یا یہ پلکیں مراد ہیں۔ کیا مراد ہیں؟ پلکیں، یعنی مجازاً، مجازاً، کیونکہ حقیقت میں تو یہ چمڑے کا نام ہے لیکن مجازاً ان پلکوں کو بھی کیا کہہ دیتے ہیں؟ شُفْر کہہ دیتے ہیں۔ تو اس سے یا تو چمڑا مراد ہے یا پلکیں مراد ہیں، اور دونوں کے اندر ایک ہی حکم ہے۔ اگر کسی نے کسی کی پلکیں ایسے طریقے سے کاٹ دیں کہ وہ دوبارہ اگتی ہی نہیں، چمڑا نہیں کاٹا بلکہ پلکیں ایسے طریقے سے کاٹیں کہ وہ دوبارہ اگتی نہیں ہیں، تو اگر چاروں پلکیں صاف کی ہیں تو پھر تو پوری دیت ہے، اور اگر دو کی ہیں تو پھر نصفِ دیت ہے، اور اگر ایک کو اس طرح ختم کیا ہے تو پھر ربعِ دیت ہے۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟ جی۔ تو کہتے ہیں: وَكَمَا فِي أَشْفَارِ الْعَيْنَيْنِ، اور جیسے کہ آنکھوں کے أَشْفَار میں ہے، آنکھوں کے ان چمڑوں کے اندر ہے یعنی اس میں پوری دیت ہے اگر سب کو کاٹ لیا، وَفِي أَحَدِهَا رُبْعُهَا، اور ان میں سے ایک کے اندر ربعِ دیت ہے۔

وَفِي كُلِّ أُصْبُعِ يَدٍ أَوْ رِجْلٍ عُشْرُهَا۔ بھئی یہ جو انگلیاں ہیں یاد رکھو، ہاتھ اور پاؤں کی ہر انگلی میں دس اونٹ ہیں، عُشْرِ دیت ہے۔ دیت میں کل کتنے اونٹ؟ سو اونٹ۔ سو کے دس حصے کریں، ایک حصے میں کتنے آئے؟ دس۔ تو دونوں ہاتھوں میں دس انگلیاں ہیں، تو سو اونٹ ان پر تقسیم کر لیں، ہر انگلی کے مقابلے میں کتنے اونٹ آگئے؟ دس اونٹ۔ تو ہر انگلی میں دس اونٹ ہے۔ کوئی کسی کی ایک انگلی کاٹے گا تو دس اونٹ آئیں گے، اگر دو انگلیاں کاٹے گا تو اس میں بیس اونٹ آئیں گے، اگر تین انگلیاں کاٹے گا تو تیس اونٹ آئیں گے، تو اس طرح آپ حساب لگا سکتے ہیں۔ اور یہی حکم پاؤں کی انگلیوں کا بھی ہے۔ پاؤں کی ایک انگلی میں دس اونٹ، دو انگلیوں میں بیس، اور اسی طرح بھئی۔

اچھا، یہ تو تھا پوری انگلی میں دس اونٹ یعنی عُشْرِ دیت، کتنا ہے؟ عُشْرِ دیت۔ اب انگلیوں کے اندر جوڑ ہیں، پورے ہیں، تو ایک پورا اگر کسی نے کسی کا کاٹ دیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ پوروں کا حساب لگا لیں، جس انگلی میں تین پورے ہیں تو اگر ایک پورا کاٹا، تو ایک انگلی میں کتنے اونٹ تھے؟ دس، تو یعنی عُشر تھا، کتنا تھا؟ عُشْرِ دیت تھا، تو اس

کا اب ثلث تیسرا حصہ آجائے گا کیونکہ تین پورے ہیں تو اس دس کے تین حصے کر دو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اگر دو پورے کاٹے تو؟ دو ثلث، عُشر کے دو ثلث آجائیں گے، عُشر کے دو ثلث۔ اور جس انگلی میں دو پورے ہیں یعنی انگوٹھا، انگوٹھے میں تو دو ہی پورے ہیں، تو وہاں پر ایک پورے کے اندر نصفِ عُشر آجائے گا۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟ جی۔ تو کہتے ہیں: وَفِي كُلِّ أُصْبُعِ يَدٍ أَوْ رِجْلٍ عُشْرُهَا، اور ہاتھ اور پاؤں کی ہر انگلی کے اندر عُشْرُهَا أَيْ عُشْرُ الدِّيَةِ دیت کا دسواں حصہ ہے، وَفِي كُلِّ مَفْصِلٍ مِنْ أُصْبُعٍ فِيهَا مَفَاصِلُ ثُلُثُ عُشْرِهَا۔ مَفْصِل جوڑ کو کہتے ہیں، یہ لفظ پہلے بھی گزر چکا، ہڈیوں کے جو جوڑ ہیں، تو انگلیوں میں بھی جوڑ ہیں۔ تو بعض انگلیاں ہیں ان میں جڑ سمیت کتنے جوڑ ہیں؟ تین جوڑ، اور بعض ہیں یعنی انگوٹھا، اس میں جڑ سمیت دو جوڑ ہیں۔ تو جس میں تین جوڑ ہیں اس کے ایک جوڑ میں، ایک پورے میں ثُلُثِ عُشر کتنا؟ ثُلُثِ عُشر۔ اور جس میں دو جوڑ ہیں اس میں ایک جوڑ کے اندر نصفِ عُشر آئے گا بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَفِي كُلِّ مَفْصِلٍ مِنْ أُصْبُعٍ فِيهَا مَفَاصِلُ، اور ہر جوڑ کے اندر انگلی کے ایسی انگلی فِيهَا مَفَاصِلُ جس میں تین جوڑ ہیں، اس میں ثُلُثُ عُشْرِهَا اس میں اس کے عُشر کا تیسرا حصہ ہے۔ وَمِمَّا فِيهِ مَفْصِلَانِ، اور وہ انگلی جس کے اندر دو جوڑ ہیں، اس کے ہر جوڑ میں نِصْفُ عُشْرِهَا عُشر کا نصف، پوری انگلی میں عُشر ہے تو آدھی انگلی میں نصفِ عُشر ہے۔

كَمَا فِي كُلِّ سِنٍّ، جیسے کہ ہر دانت میں ہے، جیسے کہ ہر دانت میں۔ یعنی یاد رکھو ہر دانت میں نصفِ عُشر ہے، یہ حدیث میں آتا ہے، ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں بھئی۔ تو یہ نصفِ عُشر بن گیا۔ عُشر میں کتنے اونٹ آئے؟ دس۔ اور نصفِ عُشر؟ پانچ، پانچ۔ اچھا مجھے بتاؤ، نصفِ عُشر یہ سو کا کتنا حصہ ہے؟ بیسواں حصہ ہے۔ عُشر میں کتنے اونٹ؟ دس اونٹ۔ نصفِ عُشر میں پانچ۔ تو سو کو ذرا پانچ سے تقسیم کرو، کتنے پانچ پانچ نکلتے ہیں اس میں سے؟ بیس۔ تو پانچ اونٹ سو کا بیسواں حصہ ہے بھئی، بیسواں حصہ۔ کہتے ہیں: كَمَا فِي كُلِّ سِنٍّ جیسے کہ ہر دانت میں ہے فَإِنَّ فِيهَا نِصْفَ الْعُشْرِ اس لیے کیونکہ دانت کے اندر نصفِ عُشر ہے یعنی پانچ اونٹ ہیں۔

لَمَّا كَانَ عَدَدُ الْأَسْنَانِ اثْنَيْنِ وَثَلَاثِينَ فَيَنْبَغِي أَنْ يَجِبَ فِي كُلِّ سِنٍّ رُبْعُ ثُمُنِ الدِّيَةِ۔ کہتے ہیں: لَمَّا كَانَ عَدَدُ الْأَسْنَانِ اثْنَيْنِ وَثَلَاثِينَ، کہ جب دانتوں کی تعداد جو ہے وہ بتیس ہے، فَيَنْبَغِي تو مناسب یہ ہے کہ أَنْ يَجِبَ فِي كُلِّ سِنٍّ کہ واجب ہونا چاہیے ہر دانت میں رُبْعُ ثُمُنِ الدِّيَةِ۔ رُبْعُ ثُمُنِ الدِّيَةِ کیا معنی؟ ایک چیز ہے اس کے آٹھ حصے کرو، یہ ثُمُن آیا، یہ کیا بن گیا ایک حصہ؟ ثُمُن۔ پھر اس ثُمُن کے چار حصے کرو، یہ کیا بن گیا؟ رُبْعِ ثُمُن، رُبْعِ ثُمُن۔ دیکھو بتیس کا عدد لو بتیس، بتیس کے ذرا آٹھ حصے کرو بھئی، آٹھ افراد میں بتیس روپے تقسیم کریں ہر فرد کو کتنا ملے گا؟ چار روپے۔ یہ ہے ثُمُن، ثُمُن، اس بتیس کا ثُمُن۔ پھر اس ثُمُن کے ذرا چار حصے کرو، ہر ایک کو کتنا ملے گا؟ ایک روپیہ۔ تو دیکھا یہ بتیسواں حصہ ہے، بتیس کا ثُمُن کتنا؟ چار، اور چار کا ربع کتنا؟ ایک۔ تو دیکھا یہ ایک بتیس کا کیا ہے؟ ہم چلے کہاں سے تھے؟ بتیس سے، کس سے چلے تھے؟ بتیس سے۔ بتیس کا ہم نے ثُمُن نکالا، وہ کتنا نکلا؟ چار۔ اور اس چار کا ہم نے ربع نکالا، وہ کتنا نکلا؟ ایک۔ تو یہ ایک بتیس کا کتنا حصہ ہے؟ رُبْعِ ثُمُن، کیا ہے؟

رُبْعِ ثُمُن ہے یعنی بتیسواں حصہ۔ تو رُبْعِ ثُمُن آسان لفظوں میں یوں کہو بتیسواں حصہ۔ رُبْعِ ثُمُن کا کیا معنی؟ بتیسواں حصہ۔ تو کہتے ہیں: لَمَّا كَانَ عَدَدُ الْأَسْنَانِ اثْنَيْنِ وَثَلَاثِينَ، جب دانتوں کی تعداد وہ بتیس ہے تو فَيَنْبَغِي أَنْ يَّجِبَ فِي كُلِّ سِنٍّ رُبْعُ ثُمُنِ الدِّيَةِ، تو مناسب یہ ہے کہ ہر دانت کے اندر دیت کا رُبْعِ ثُمُن ہونا چاہیے، رُبْعُ ثُمُنِ الدِّيَةِ دیت کا رُبْعِ ثُمُن یعنی بتیسواں حصہ ہونا چاہیے۔ فَمَا الْحِكْمَةُ فِي وُجُوبِ نِصْفِ الْعُشْرِ، تو نصف عشر کے وجوب میں کیا حکمت ہے؟ علامہ صدر الشریعہ رحمہ اللہ فرما رہے ہیں کہ کل انسان کی دیت کتنی ہے؟ سو اونٹ۔ جب سو اونٹ ہے تو ہر دانت میں نصفِ عشر یعنی بیسواں حصہ کیوں ہے؟ دانت میں بتیسواں حصہ ہونا چاہیے۔ دانت میں بتیسواں، ذرا سو کے بتیس حصے کرو۔ ذرا بتیس سے تقسیم کرو، کیلکولیٹر ہے؟ بتیس سے سو کو تقسیم کرو بھئی۔ سو کو بتیس سے تقسیم کریں۔ تین اعشاریہ ایک۔ تین اعشاریہ ایک آرہا ہے، تین اعشاریہ ایک اور کچھ مزید ہوگا، تو دیکھا دانت ہیں بتیس، تو ایک دانت میں عقل کیا کہتی ہے؟ کتنا ہونا چاہیے؟ تین اعشاریہ ایک، لگ بھگ تین اعشاریہ ایک کے بقدر اونٹ آنے چاہئیں ایک دانت میں۔ لیکن حدیث میں کیا آیا؟ ایک دانت کے اندر پانچ اونٹ ہیں یعنی نصفِ عشر ہے۔ تو اس کی کیا وجہ ہے؟ ایک دانت میں نصفِ عشر کیوں؟ پانچ اونٹ کیوں؟ اس میں تو تین کے لگ بھگ اونٹ آنے چاہئیں تھے۔ تو اب علامہ صدر الشریعہ وجہ بتلائیں گے کہ دیکھو یہ جو ایک دانت میں پانچ اونٹ آئے یہ بھی عقل کے مطابق ہے، یہ چیز بھی کوئی عقل کے مخالف نہیں ہے۔

دیکھو وہ فرماتے ہیں، تقریر سمجھ لیں پہلے، وہ کہتے ہیں دیکھو ہر دانت میں دو فائدے ہیں: ایک فائدہ ہے خوراک کو چبانے کا، خوراک کو انسان اس کے ذریعے کھاتا ہے، چباتا ہے، خوراک کو کاٹتا ہے، تو ایک فائدہ اس سے کاٹنے اور چبانے کا۔ اور دوسرا فائدہ اس سے زینت ہے، دانت ہیں تو زینت ہے، ایک کسی کا دانت ٹوٹا ہو تو کتنا بدنما معلوم ہوتا ہے۔ تو دانت زینت کا بھی باعث اور کھانا چبانے کا بھی باعث۔ تو دو فائدے ہو گئے ہر دانت کے، ایک زینت اور ایک کھانے کو چبانا۔ جب ایک دانت کسی نے کسی کا توڑ دیا تو اس دانت کے دونوں فائدے ختم ہو گئے، زینت بھی ختم اور چبانا بھی ختم۔ اور دانت اکیلا چباتا ہے یا اوپر والا دانت نیچے والے دانت کی مدد لیتا ہے؟ مدد لیتا ہے، ظاہر سی بات ہے دو دانتوں کے درمیان کوئی چیز آپ چبائیں گے۔ تو جو دانت کاٹ دیا اس میں تو چبانا بھی اس کا ختم اور اس کی زینت بھی ختم، لیکن اس کے مقابل جو نیچے والا یا اوپر والا اس کے مقابل دانت ہے، اگر اوپر والا دانت توڑا ہے تو اس کے مقابل نیچے والا دانت، اور اگر نیچے والا دانت توڑا ہے تو اس کے مقابل اوپر والا دانت۔ تو جو دانت توڑا اس کے تو دونوں فائدے ختم، لیکن اس کے مقابل جو دانت ہے اس کا ایک فائدہ ختم ہو گیا، کون سا فائدہ؟ چبانے والا ختم، اور زینت والا ابھی بھی ہے کیونکہ وہ اوپر والا دانت تو موجود ہے ابھی بھی۔ تو گویا ایک دانت کے توڑنے سے اس کے اپنے تو دونوں نفع ختم، لیکن اوپر والے کا آدھا نفع ختم، آدھا نفع ختم۔

پھر دوسری بات وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ بھئی دانتوں کی تعداد تو کل بتیس ہے، بتیس ہے، لیکن یہ جو آخری چار ہیں نا،

آخری چار، ان کو عقل داڑھ کہتے ہیں، عقل داڑھ، عقل داڑھ کہتے ہیں۔ اور یہ عقل داڑھ بعض لوگوں کی تمام زندگی آتی ہی نہیں، اور بعض لوگوں کے یہ چاروں آتے ہیں، اور بعض لوگوں کے ان میں سے بعض آتے ہیں اور بعض نہیں آتے۔ تو آخری چار دانت بعض لوگوں کے تمام عمر نہیں آتے، بعض لوگوں کے چاروں آجاتے ہیں، اور بعض کے کچھ آتے ہیں چار میں سے اور کچھ نہیں۔ تو معلوم ہوا بعضوں کے دانت ہمیشہ اٹھائیس ہی رہتے ہیں تمام عمر، بتیس میں سے چار نہیں آئے نا، تو اٹھائیس رہتے ہیں۔ اور بعض کے کتنے ہوتے ہیں؟ چار آجاتے ہیں، ان کے کتنے ہو گئے؟ بتیس۔ اور بعض کے ان سے متوسط ہوتے ہیں یعنی تیس۔ تو متوسط تعداد دانتوں کی کتنی ہو گئی؟ تیس ہو گئی، کیا ہو گئی؟ تیس۔ تو دانتوں کی متوسط تعداد تیس ہو گئی، تو ایک دانت میں تیسواں حصہ آنا چاہیے، کتنا آنا چاہیے؟ تیسواں۔ تیس دانت ہیں، متوسط تعداد ہے، تو تیسواں حصہ ایک دانت میں آنا چاہیے۔ لیکن شریعت نے کتنا واجب کیا؟ نصفِ عشر۔ نصفِ عشر کا کیا معنی؟ دیت کتنے اونٹ ہے؟ سو اونٹ۔ سو کے دس حصے کرو، ایک میں آیا دس، اس کو آدھا کرو، پانچ۔ تو نصفِ عشر سو کا کتنا ہے؟ پانچ۔ اور یہ پانچ سو کا کتنا حصہ ہے؟ بیسواں۔ تو آپ نصفِ عشر کہہ لو یا بیسواں کہہ لو ایک ہی بات ہے، یہ پانچ سو کا کیا ہے؟ نصفِ عشر، یا آپ کہیں یہ پانچ کیا ہے؟ سو کا بیسواں حصہ ہے، یہ بات سمجھ میں آگئی؟ کیوں نصفِ عشر واجب کیا؟ کیونکہ جب ایک دانت کوئی شخص کسی کا توڑ دیتا ہے تو اس دانت کے دونوں نفع ختم: کاٹنے کا بھی اور زینت والا بھی، اور اس کے مقابل جو دانت ہے کہ اوپر یا اس سے نیچے جو دانت ہے اس کا چبانے کا فائدہ تو ختم ہے، البتہ زینت والا فائدہ ختم نہیں۔ تو جب ایک دانت کے دونوں نفع ختم ہو گئے تو اس میں تیسواں حصہ آگیا، کتنا آگیا؟ تیسواں حصہ۔ اور جب ایک دانت کا ایک فائدہ ختم ہوا تو اس میں کتنا آنا چاہیے؟ تیسویں کا آدھا۔ تیسویں کا آدھا کیا معنی؟ ساٹھواں حصہ، کتنا آنا چاہیے؟ ساٹھواں۔

اچھا ذرا دیکھو، پھر دیکھو، پھر سمجھو اس بات کو۔ تقریر چل رہی ہے علامہ صدر الشریعہ کی، وہ فرماتے ہیں ایک دانت کے اندر جو شریعت نے نصفِ عشر واجب کیا ہے، نصفِ عشر۔ نصفِ عشر کا کیا معنی؟ دیت کتنے اونٹ ہے؟ سو اونٹ۔ سو کے دس حصے کرو، ایک میں آیا دس، اس کو آدھا کرو، پانچ۔ تو نصفِ عشر سو کا کتنا ہے؟ پانچ۔ اور یہ پانچ سو کا کتنا حصہ ہے؟ بیسواں۔ تو آپ نصفِ عشر کہہ لو یا بیسواں کہہ لو ایک ہی بات ہے، یہ پانچ سو کا کیا ہے؟ نصفِ عشر، یا آپ کہیں یہ پانچ کیا ہے؟ سو کا بیسواں حصہ ہے، یہ بات سمجھ میں آگئی؟ متوسط تعداد دانتوں کی کتنی ہے؟ کل نہیں، متوسط تعداد تیس، کیونکہ بعضوں کے ساری عمر اٹھائیس دانت رہتے ہیں، بعضوں کے پھر بتیس ہو جاتے ہیں اور بعضوں کے اٹھائیس اور بتیس کے درمیان رہتے ہیں۔ تو متوسط تعداد دانتوں کی کتنی؟ تیس۔ تو جب دانت تیس ہیں، متوسط تعداد تیس ہے، تو ہر دانت میں، ہر دانت میں نصفِ عشر شریعت نے واجب کیا ہے۔ کتنا؟ نصفِ عشر۔ نصفِ عشر کا کیا معنی؟ بیسواں حصہ، ابھی میں نے بتایا نا، نصفِ عشر کہہ لو یا بیسواں کہہ لو ایک ہی بات ہے۔ تو ہر دانت میں کتنا شریعت نے واجب کیا؟ بیسواں حصہ۔ لیکن ہماری عقل کیا کہتی ہے؟ دانت تو ہیں تیس، تو ہر دانت میں تیسواں حصہ آنا چاہیے۔ ہر دانت میں ہماری عقل کہتی ہے تیسواں

حصہ آنا چاہیے، شریعت نے کتنا واجب کیا؟ بیسواں حصہ واجب کیا۔ اب وہ علامہ صدر الشریعہ بتلا رہے ہیں کہ بیسواں حصہ کیوں آئے گا ہر دانت میں، اس کی عقلی توجیہ بیان کر رہے ہیں، عجیب توجیہ کی ہے انہوں نے بھئی۔ وہ فرماتے ہیں کہ دیکھو جب ایک دانت کو توڑ دیا تو اس کے دونوں فائدے ختم، اس کے دونوں فائدے ختم۔ جب دونوں فائدے ختم ہو گئے تو اس میں دیت کا تیسواں حصہ، کل دانت کتنے؟ تیس، تو ایک دانت میں کتنا آنا چاہیے؟ تیسواں، ہماری عقل کیا کہتی ہے؟ تیسواں۔ تو اب عقلاً توجیہ کر رہے ہیں، کہتے ہیں دانت ہیں تیس، تو ایک دانت جب اس کے دونوں نفع چلے گئے تو اس میں تیسواں حصہ دیت آنی چاہیے، کتنا حصہ؟ تیسواں حصہ۔ اچھا اور نیچے والے دانت کا تو ایک فائدہ ختم ہوا اور ایک فائدہ ابھی بھی باقی ہے، تو اس میں تیسویں کا آدھا آنا چاہیے، تو یہ ساٹھواں حصہ بنتا ہے، سُدُسِ عُشر۔ توجہ ہے؟ کل انسان کی دیت کتنی ہے؟ سو اونٹ، اور متوسط دانتوں کی تعداد کتنی؟ تیس، تو عقل کیا تقاضا کرتی ہے؟ ایک دانت میں کتنا آنا چاہیے؟ ثُلُثِ عُشر آنا چاہیے، ثُلُثِ عُشر، یعنی دس کا تیسرا حصہ آنا چاہیے اور یہ تیسواں حصہ بنتا ہے۔ لیکن شریعت نے کتنا واجب کیا؟ نصفِ عشر، نصفِ عشر۔ تو یہ نصفِ عشر کیوں ہے؟ اس کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ ثُلُثِ عُشر تو آیا اس دانت کی وجہ سے جس کو توڑ دیا، اور اس ثُلُثِ عُشر کا نصف یعنی سُدُسِ عُشر جو ہے وہ اس کے مقابل والے دانت کی وجہ سے آگیا۔ اور ثُلُثِ عُشر اور سُدُسِ عُشر ان دونوں کو جمع کریں تو یہ نصفِ عشر بنتا ہے۔ کس کو جمع کریں؟ نہیں حل ہو رہا میرا خیال ہے، نہیں سمجھ میں آرہا۔

اچھا بھئی یہ حساب ذرا مشکل ہے، ذرا آپ لکھ لیں کاغذ پر ان شاء اللہ حل ہو جائے گا بھئی، حل ہو جائے گا۔ کاغذ پر یوں کریں اوپر لکھ لیں: دانت کی دیت بھئی، ایک دانت کی دیت۔ ایک دانت کی دیت پانچ اونٹ، ایک دانت کی دیت پانچ اونٹ، یعنی نصفِ عشر، یعنی نصفِ عشرِ دیت، یعنی نصفِ عشرِ دیت۔ لکھ لیا؟ اچھا، اب یوں کریں اوپر سے نیچے کی طرف لکیر لگائیں اور اس صفحے کے دو حصے بن جائیں گے، ایک دائیں طرف ایک بائیں طرف، اوپر سے نیچے کی طرف لکیر لگا کر صفحے کے دو حصے کر دیں دائیں اور بائیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ایک دائیں طرف حصہ، ایک بائیں طرف حصہ بن گیا۔ اب دائیں طرف اوپر لکھیں سو، سو کا عدد لکھیں، ایک صفر صفر، سو کا عدد لکھیں۔ ایک اور صفر صفر لکھ دیں، دوسری طرف ساٹھ کا عدد لکھیں، دوسری جانب ساٹھ، درمیان میں کر کے لکھیں۔ سو کو دائیں طرف والے خانے کے اوپر درمیان میں لکھیں اور ساٹھ کو بائیں طرف والے خانے کے اوپر درمیان میں لکھیں۔ یہ جو سو ہے یہ ہے دیت بھئی، توجہ ہے؟ جی۔ اس کے نیچے لکھیں عُشر، عُشر۔ عُشر کتنا ہے سو کا؟ سو کے دس حصے کرو، کتنے بنتے ہیں؟ دس۔ تو عُشر کے ساتھ لکھ دو دس۔ یہ سو کا عُشر نکل آیا، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اب اس عُشر کو نصف کریں تو کتنا بنتا ہے؟ پانچ۔ تو لہٰذا اس عُشر کے نیچے لکھیں نصفِ عُشر، نصفِ عُشر، اور پانچ کا عدد بھی لکھ دیں۔ تو سو کا عُشر کتنا؟ دس، اور نصفِ عُشر کتنا؟ پانچ۔ اور شریعت نے ایک دانت میں کیا واجب کیا ہے؟ نصفِ عُشر۔ اب صاحبِ کتاب جو ہیں وہ آپ کو یہ بتلائیں گے کہ یہ نصفِ عُشر یہ بھی عقل کے عین مطابق ہے، یہ تو حدیث میں آیا اور ہم کیا سمجھ رہے ہیں کہ یہ تو شاید خلاف القیاس ہے، خلاف القیاس۔

لیکن علامہ صدر الشریعہ آپ کو بتلائیں گے یہ خلاف القیاس نہیں، شریعت کی ہر بات عقل کے مطابق ہے، وہ الگ ہے ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے بھئی۔ یہاں بھی اب وہ اس کی ایسی بہترین توجیہ کریں گے کہ یہ قیاس کے مطابق ہو جائے گی، کس طرح؟ کہ وہ فرماتے ہیں کہ دانتوں کی متوسط تعداد ہے تیس، اور ہر دانت کے دو فائدے ہیں: ایک اس کے چبانے کا فائدہ اور ایک اس کی زینت کا فائدہ۔ تو جب ایک دانت کو توڑ دیا تو اس کے چبانے کا فائدہ بھی ختم اور اس کے زینت کا فائدہ بھی ختم، تو لہٰذا اس کی پوری دیت آئے گی ایک دانت کی۔ اور اس کے مقابل جو دانت ہے، اس کے اوپر یا اس سے نیچے جو دانت ہے، اس کے چبانے کا فائدہ ختم ہوا، زینت کا فائدہ ابھی بھی باقی ہے، تو اس کے اندر اس دانت کی آدھی دیت بھی دینی پڑے گی، اور یہ دونوں ملا لیں تو یہ نصفِ عُشر بنتا ہے۔ کیا بنتا ہے؟ نصفِ عُشر۔ اب ہم نے یہ ثابت کرنا ہے یہ نصفِ عُشر بنتا کیسے ہے؟ یہ چونکہ حساب کا ذرا معاملہ ہے اس لیے میں نے کہا یہ آپ کاپی پر ذرا لکھ لیں آپ کو سمجھ میں آجائے۔ آپ نے دوسری طرف کیا لکھا؟ ساٹھ۔ ساٹھ کے ذریعے ذرا حساب آسان ہو گا کیونکہ دانت کتنے ہیں؟ تیس۔ تو اب ساٹھ کے تیس حصے آسانی سے ہو جاتے ہیں۔ تو اچھا ساٹھ کے نیچے لکھیں جی عُشر، ساٹھ کے نیچے لکھیں عُشر۔ جی اب مجھے بتائیے ساٹھ کے دس حصے کرو، ایک حصے میں کتنے آئیں گے؟ چھ۔ یہ ہے ساٹھ کا عُشر، چھ لکھ دیں ساتھ، عُشر کے آگے چھ لکھ دیں۔ اچھا اس عُشر کو نصف کریں کتنا بنے گا؟ تین۔ تو عُشر کے نیچے لکھیں نصفِ عُشر، اور اس کے آگے لکھیں تین۔ اب اس ساٹھ کے ذرا تیس حصے کریں بھئی، تیس آدمیوں میں ساٹھ روپے تقسیم کریں تو ہر آدمی کو کتنا ملے گا؟ دو۔ دو، تو یہ دو دراصل ساٹھ کا تیسواں حصہ ہے، تیسواں حصہ ہے، تیسواں حصہ۔ لیکن عُشر کے ساتھ ذرا دیکھیں یہ دو کیا ہے؟ ساٹھ کا تیسواں حصہ ہے، لیکن ذرا عُشر کے انداز سے بات کرتے ہیں، عُشر کتنا تھا ساٹھ کا؟ چھ، چھ تھا۔ یہ دو چھ کا کتنا حصہ ہے؟ تیسرا حصہ ہے۔ چھ میں سے کتنے دو نکلتے ہیں؟ تین نکلتے ہیں، تو دو کیا ہوا چھ کا؟ تیسرا، ثُلُث ہے یہ اس کا ثُلُث، اور چھ کیا تھا؟ وہ عُشر تھا، تو گویا دو جو ہے وہ ثُلُثِ عُشر ہے۔ دو کیا ہے؟ ثُلُثِ عُشر۔ لہٰذا اب نیچے لکھیں ثُلُثِ عُشر اور اس کے ساتھ دو لکھ دیں۔ ثُلُثِ عُشر، اور اس کے ساتھ دو لکھ دیں۔ یہ دو کیا ہے؟ ثُلُثِ عُشر ہے ساٹھ کا۔ اچھا عُشر کتنا تھا اس کا؟ چھ۔ اس چھ میں سے ایک لے لیں، ایک۔ اس چھ کو چھ آدمیوں میں تقسیم کریں تو یہ جو ایک ہے یہ ہے سُدُس اس چھ کا، چھ کے چھ حصے کریں تو ہر حصہ کیا کہلائے گا؟ سُدُس، سُدُس۔ اور چھ خود کیا ہے؟ عُشر ہے، تو سُدُسِ عُشر کیا ہوا؟ ایک ہوا۔ توجہ ہے؟ جی، ساٹھ کا عُشر کتنا؟ چھ، اور اس چھ کے چھ حصے کرو تو یہ اس کا سُدُس ہے، چھٹا حصہ ہے، تو یہ جو ایک ہے یہ سُدُسِ عُشر ہے۔ ایک کیا ہے؟ سُدُسِ عُشر۔ لہٰذا اب نیچے لکھیں: سُدُسِ عُشر، سُدُسِ عُشر اور اس کے آگے ایک لکھ دیں۔ حساب سمجھ میں آرہا ہے؟ جی۔ ساٹھ کا عُشر کتنا؟ چھ۔ نصفِ عُشر کتنا؟ تین۔ ثُلُثِ عُشر کتنا؟ دو۔ اور سُدُسِ عُشر کتنا؟ ایک۔ اچھا اب دیکھو دانت کتنے ہیں؟ تیس۔ تو ایک دانت کے اندر کتنا آنا چاہیے، عقل کیا کہتی ہے؟ دو۔ دیکھو تیسواں حصہ آنا چاہیے، کتنا آنا چاہیے؟ تیسواں۔ تو ساٹھ کے ذرا تیس حصے کرو، کتنا آیا؟ دو۔ معلوم ہوا ایک دانت

میں دو آنا چاہیے، دو۔ اور اب اس دیکھیں یہ دو کیا بن رہا ہے ساٹھ کے اندر دو کیا ہے؟ ثُلُث۔ دیکھا ایک دانت میں ثُلُثِ عُشر آنا چاہیے۔ کیوں؟ کیونکہ اس کے دونوں فائدے ختم ہو گئے، زینت والا فائدہ بھی ختم اور چبانے والا فائدہ بھی ختم۔ اور اس سے نیچے والے دانت میں دو آنے چاہئیں یا ایک آنا چاہیے؟ نیچے والے دانت کے دونوں فائدے ختم یا ایک فائدہ ختم؟ ایک فائدہ۔ ایک دانت کے دونوں فائدے ختم ہوں تو کتنا آتا ہے؟ دو، اور ایک فائدہ ختم ہو تو اب کتنا رہ گیا، اب کتنا آنا چاہیے؟ ایک آنا چاہیے۔ تو اس میں نیچے والے دانت میں سُدُسِ عُشر آنا چاہیے۔ جو دانت توڑا ہے اس میں ثُلُثِ عُشر آنا چاہیے، اور دوسرے دانت میں سُدُسِ عُشر آنا چاہیے۔ اس ثُلُثِ عُشر اور سُدُسِ عُشر ان دونوں کو جمع کرو، دو اور ایک کتنے بن گئے؟ تین۔ اور یہ تین کیا ہے دیکھو؟ نصفِ عُشر ہے، کیا ہے؟ نصفِ عُشر ہے۔ یہ معنی ہے صاحبِ کتاب کی تقریر کا۔ وہ آپ کو بتلائیں گے کہ دونوں دانتوں کا نقصان ہوا، ایک کا کل نقصان ہوا تو اس میں ثُلُثِ عُشر آنا چاہیے، ایک میں آدھا نقصان ہوا تو اس میں سُدُسِ عُشر آنا چاہیے، اور ثُلُثِ عُشر اور سُدُسِ عُشر کو جمع کریں تو یہ کیا بنتا ہے؟ نصفِ عُشر، اسی لیے شریعت نے ہر دانت میں نصفِ عُشر واجب کیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ جی۔ جی اب دیکھیے کتاب پر۔

کہتے ہیں: لَمَّا كَانَ عَدَدُ الْأَسْنَانِ اثْنَيْنِ وَثَلَاثِينَ، جب دانتوں کی تعداد جو ہے وہ بتیس ہے، فَيَنْبَغِي أَنْ يَّجِبَ فِي كُلِّ سِنٍّ رُبْعُ ثُمُنِ الدِّيَةِ، تو مناسب تو یہ ہے کہ واجب ہونا چاہیے ہر دانت میں ثُمُن کا رُبْع، ثُمُنِ دیت کا رُبْع یعنی بتیسواں حصہ واجب ہونا چاہیے۔ فَمَا الْحِكْمَةُ فِي وُجُوبِ نِصْفِ الْعُشْرِ، تو کیا حکمت ہے نصفِ عُشر کے واجب ہونے میں؟ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ جی۔ تو اس میں کیا حکمت ہے؟ فَيَخْطُرُ بِبَالِي، خَطَرَ يَخْطُرُ کا معنی ہے دل میں کسی بات کا آنا، اور بَال، بَال عربی زبان میں دل کو کہتے ہیں، دل، بَالِي یہ یاءِ متکلم کی ہے، میرا دل۔ فَيَخْطُرُ بِبَالِي تو میرے دل میں یہ بات آتی ہے، عجیب جواب دے رہے ہیں بھئی۔ فَيَخْطُرُ بِبَالِي تو میرے دل میں یہ بات آتی ہے کہ أَنَّ عَدَدَ الْأَسْنَانِ وَإِنْ كَانَ اثْنَيْنِ وَثَلَاثِينَ، کہ دانتوں کی تعداد وہ اگرچہ بتیس ہے، فَالْأَرْبَعَةُ الْأَخِيرَةُ لیکن آخری چار جو ہیں وَهِيَ أَسْنَانُ الْحِلْمِ اور یہ أَسْنَانِ حِلم ہیں، أَسْنَان دانتوں کو کہتے ہیں سِنٌّ کی جمع، اور حِلم عقل کو کہتے ہیں حِلْمٌ ح ل م حِلْمٌ، آخری چار جو ہیں وَهِيَ أَسْنَانُ الْحِلْمِ اور یہ عقل کے دانت ہیں یعنی عقل داڑھ ہیں، قَدْ لَا تَنْبُتُ لِبَعْضِ النَّاسِ یہ کبھی اگتے ہی نہیں بعض لوگوں کے، وَقَدْ تَنْبُتُ لِبَعْضِ النَّاسِ بَعْضُهَا اور بعض لوگوں کے ان میں سے بعض اگتے ہیں چاروں نہیں اگتے، وَلِلْبَعْضِ كُلُّهَا اور بعض کے یہ چاروں اگتے ہیں۔ فَالْعَدَدُ الْمُتَوَسِّطُ لِلْأَسْنَانِ ثَلَاثُونَ، تو متوسط عدد جو دانتوں کا ہوا وہ تیس ہوا، متوسط تعداد کتنی ہوئی؟ تیس۔ ثُمَّ لِلْأَسْنَانِ مَنْفَعَتَانِ، پھر دانتوں کے جو ہیں وہ دو فائدے ہیں: الزِّينَةُ وَالْمَضْغُ، ایک تو زینت ہے یعنی حسن و جمال ہے، وَالْمَضْغُ اور دوسرا چبانا ہے، مَضَغَ يَمْضَغُ کا معنی چبانا، کسی چیز کو دانتوں سے کاٹنا، پھر دانتوں کے دو فائدے ہیں: الزِّينَةُ وَالْمَضْغُ، ایک تو اس کی زینت ہے اور ایک اس کا چبانا ہے۔ فَإِذَا سَقَطَ سِنٌّ جب کوئی دانت گر گیا، تَبْطُلُ مَنْفَعَتُهَا بِالْكُلِّيَّةِ تو اس کا فائدہ تو باطل ہو گیا پورے طور پر یعنی زینت بھی ختم اور چبانا بھی ختم، وَنِصْفُ مَنْفَعَةِ السِّنِّ الَّتِي تُقَابِلُهَا اور وہ دانت جو اس کے مقابل

ہے اس کا نصف نفع ختم ہو گیا یعنی چبانے والا، وَهُوَ مَنْفَعَةُ الْمَضْغِ اور وہ چبانے کا نفع ہے، وَإِنْ كَانَ النِّصْفُ الْآخَرُ وَهُوَ الزِّينَةُ بَاقِيَةً اگرچہ باقی آدھا جو ہے فائدہ یعنی وہ جو زینت ہے بَاقِيَةً وہ باقی ہے۔ اس مقابل دانت کا آدھا نفع یعنی چبانا تو ختم ہوا اگرچہ باقی کا آدھا یعنی زینت باقی ہے۔ وَإِذَا كَانَ الْعَدَدُ الْمُتَوَسِّطُ ثَلَاثِينَ اور جب دانتوں کی متوسط تعداد تیس ہے، فَمَنْفَعَةُ السِّنِّ الْوَاحِدَةِ ثُلُثُ الْعُشْرِ تو ایک دانت کا نفع کتنا ہے؟ ثُلُثُ الْعُشْرِ، ثُلُثُ الْعُشْرِ۔ پھر اب اس وہ جو میں نے لکھوایا تھا، وہ ساٹھ کو تیس میں تقسیم کرو تو ہر ایک کا کتنا بنتا ہے؟ دو، وہ ثُلُثِ عُشر ہے، ٹھیک ہے، ہر ایک کو پورا پورا حصہ۔ تو کہتے ہیں: فَمَنْفَعَةُ السِّنِّ الْوَاحِدَةِ ثُلُثُ الْعُشْرِ، تو ہر دانت کا نفع جو ہے وہ ثُلُثُ الْعُشْرِ ہے، وَنِصْفُ الْمَنْفَعَةِ سُدُسُ الْعُشْرِ، اور آدھا نفع جو ہے وہ سُدُسُ الْعُشْرِ ہے۔ تو جو دانت توڑ دیا اس میں ثُلُثُ الْعُشْرِ نقصان آیا، اور جو دانت مقابلے میں باقی رہ گیا اس میں سُدُسِ عُشْرِ نقصان آیا، اور ثُلُثُ الْعُشْرِ اور سُدُسُ الْعُشْرِ کو جمع کریں تو کیا بنتا ہے؟ نصفِ عُشر۔ تو کہتے ہیں: وَمَجْمُوعُهَا نِصْفُ الْعُشْرِ، اور ان دونوں کا مجموعہ نصفِ عُشر ہے، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ، اور اللہ خوب جاننے والے ہیں حقیقت کو۔

فقہا پر اللہ کی کروڑہا رحمتیں ہوں بھئی، ہمارے یہ فقہا ہر میدان کے ماہر تھے، ہر میدان۔ یہ تجارت کے اصول بیان کرتے ہیں تو انسان حیران رہ جاتا ہے، یہ حساب کے اصول بیان کرتے ہیں تو انسان حیران رہ جاتا ہے، یہ عبادات کے اصول بیان کرتے ہیں انسان حیران رہ جاتا ہے، یہ زراعت بھئی کاشتکاری کے اصول بیان کرتے ہیں تو انسان حیران رہ جاتا ہے، قاضیوں کے اصول بیان کرتے ہیں فیصلہ کیسے کرنا ہے انسان حیران رہ جاتا ہے۔ یعنی فقہا ایسے لوگ تھے جو ہر فن کے اندر، زندگی کے ہر شعبے کے اندر انتہا درجے کی مہارت رکھتے تھے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ تو یاد رکھو یہ جو ثُلُثِ عُشر ہے نا ثُلُثِ عُشر جو میں نے لکھوایا اس پہ ذرا آپ غور کر لیں وہ دو ہے، وہ دراصل تیسواں حصہ ہے، کتنا حصہ ہے؟ تیسواں، اور سُدُسِ عُشر جو ہے نا وہ ساٹھواں حصہ ہے۔ تو میں کہہ دوں تیسواں حصہ کہہ دوں یا ثُلُثِ عُشر کہہ دوں ایک ہی بات ہے۔ جی۔ اور میں ساٹھواں حصہ کہہ دوں یا سُدُسِ عُشر کہہ دوں یہ ایک ہی بات ہے۔ اور یہ جو نصفِ عُشر ہے یہ ہے بیسواں حصہ، یہ کیا ہے؟ بیسواں۔ تو میں بیسواں حصہ کہہ دوں یا نصفِ عُشر کہہ دوں ایک ہی بات ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو اور زیادہ آسان لفظوں میں یوں کہو کہ ایک دانت کی وجہ سے تیسواں حصہ آنا چاہیے اور اس کے مقابل دانت کی وجہ سے ساٹھواں حصہ آنا چاہیے، اور تیسویں اور ساٹھویں حصے کو جمع کرو تو یہ بیسواں حصہ بنتا ہے، اس لیے شریعت نے بیسواں حصہ واجب کیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: وَكُلُّ عُضْوٍ ذَهَبَ نَفْعُهُ بِضَرْبٍ فَفِيهِ دِيَةٌ، اور ہر ایسا عضو کہ چلا جائے اس کا نفع یعنی ختم ہو جائے اس کا نفع بِضَرْبٍ کسی ضرب کی وجہ سے، فَفِيهِ دِيَةٌ تو اس میں پوری دیت ہے یعنی اس عضو کی پوری دیت ہے۔ كَيَدٍ شَلَّتْ، جیسے ایسا ہاتھ جو شل ہو جائے۔ کسی نے کسی کے ہاتھ پر ضرب لگائی، اب ہاتھ تو باقی ہے، ہاتھ تو نہیں کاٹا، لیکن ہاتھ شل ہو گیا، بے حرکت ہو گیا، مفلوج ہو گیا، اب وہ حرکت کرتا ہی نہیں، تو ہاتھ کا تو نفع ختم ہو گیا۔ ہاتھ تو باقی ہے لیکن نفع ختم ہو

گیا، تو اس ہاتھ کی پوری دیت دینا پڑے گی یعنی پچاس اونٹ بھئی۔ تو یہاں آپ یہ نہ کہیں کہ ہاتھ تو ابھی بھی باقی ہے، بھئی بے شک باقی ہے لیکن نفع تو ختم ہو گیا، یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کسی نے کسی کا ہاتھ کاٹ دیا ہو بھئی، تو اس لیے اس میں اس عضو کی پوری دیت آئے گی۔ یہ معنی ہے: وَكُلُّ عُضْوٍ ذَهَبَ نَفْعُهُ اور ہر ایسا عضو کہ جس کا نفع چلا جائے یعنی ختم ہو جائے بِضَرْبٍ کسی ضرب کی وجہ سے، فَفِيهِ دِيَةٌ تو اس کے اندر دیت ہے یعنی اس عضو کی دیت ہے، كَيَدٍ شَلَّتْ جیسے کہ ایسا ہاتھ جو شل ہو جائے، مفلوج ہو جائے، وَعَيْنٍ عَمِيَتْ اور ایسی آنکھ جو اندھی ہو جائے۔ کسی نے کسی کی آنکھ پر ضرب لگائی، آنکھ تو موجود ہے لیکن اس آنکھ کی بینائی ختم ہو گئی، تو اس آنکھ کا نفع ختم ہو گیا، تو ایک آنکھ کی دیت آجائے گی، اور ایک آنکھ میں پچاس اونٹ ہیں بھئی، تو پچاس اونٹ اس کو دینے پڑیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۵۳: فصل فی أحکام الشجاج: شجاج کی گیارہ اقسام، موضحہ میں قصاص، حکومتِ عدل اور جنایت علی الجنین (غرہ)

شرح الوقایہ صفحہ: ۱۱۷ — بتاریخ: ۲۵ فروری ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی:[1]

فَصْلٌ فِيْ أَحْكَامِ الشِّجَاجِ، وَلَا قَوَدَ فِيْ الشِّجَاجِ إِلَّا فِيْ الْمُوْضِحَةِ عَمْدًا لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ حِفْظُ الْمُمَاثَلَةِ فِيْ غَيْرِ الْمُوْضِحَةِ، وَفِيْهَا يُمْكِنُ، وَهٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ

[1]

جدول — فصل فی أحکام الشجاج — سر اور چہرے کے زخموں (شجاج) کی گیارہ اقسام:

قسمِ شجہ	زخم کی کیفیت و حد	شرعی حکم (قصاص / ارش / حکومتِ عدل)
۱ تا ۵: حارصہ، دامعہ، دامیہ، باضعہ، متلاحمہ	کھال چھیلنا، آنسو جیسا خون، بہتا خون، گوشت کاٹنا، گہرا گوشت کاٹنا	ان پانچوں میں قصاص نہیں (عدمِ مماثلت)، خطا و عمد میں حکومتِ عدل۔
۶۔ السمحاق	گوشت کاٹ کر ہڈی کے اوپر کی باریک جھلی تک پہنچنا	اس میں بھی حکومتِ عدل واجب ہے (قصاص نہیں)۔
۷۔ الموضحہ	جھلی ہٹا کر سفید ہڈی ظاہر کر دینے والا زخم	عمد میں قصاص واجب ہے؛ خطا میں نصف عشر دیت (۵ اونٹ / ۵۰۰ درہم)۔
۸۔ الہاشمہ	ہڈی کو توڑ دینے والا زخم	قصاص نہیں؛ عشر دیت (۱۰ اونٹ / ۱۰۰۰ درہم)۔
۹۔ المنقلہ	ہڈی کو توڑ کر اپنی جگہ سے ہٹا دینے والا زخم	قصاص نہیں؛ ڈیڑھ عشر دیت (۱۵ اونٹ / ۱۵۰۰ درہم)۔
۱۰، ۱۱۔ الآمہ اور الدامغہ	دماغ کی جھلی تک پہنچنا (آمہ) اور جھلی پھاڑ کر دماغ تک پہنچنا (دامغہ)	قصاص نہیں؛ ثلث دیت (ایک تہائی دیت = ۳۳.۳۳ اونٹ)۔

تَعَالٰی: الْقِصَاصُ فِيْمَا قَبْلَ الْمُوْضِحَةِ.

فَصْلٌ فِيْ أَحْكَامِ الشِّجَاجِ۔ یہ فصل ہے شِجَاج کے احکام کے بیان میں۔ شِجَاج جمع ہے شَجَّةٌ کی۔ اور میں پہلے آپ کو بتلا چکا ہوں کہ سر اور چہرے میں جو زخم ہو اس کو شَجَّةٌ کہتے ہیں، اور اس کے علاوہ باقی بدن میں کوئی زخم ہو تو اس کو جَرَاحَةٌ کہتے ہیں بھائی۔ تو سر اور چہرے کا زخم کیا کہلاتا ہے؟ شَجَّةٌ۔ اور باقی جسم میں کہیں زخم ہو وہ جَرَاحَةٌ کہلاتا ہے۔ اور بالخصوص یہ سر اور چہرے کے زخموں کا حکم بیان کرتے ہیں، اور ان کے اندر دیت اور وہ أَرْش وغیرہ آئے گا۔ وجہ اس کی یہ کہ چہرہ اور سر جو ہیں وہ انسان کے ظاہر ہوتے ہیں، اور ان پر جب کوئی زخم وغیرہ لگے گا تو اس کا نشان باقی رہے گا، اور وہ نشان جو ہے وہ بدنما معلوم ہوتا ہے، بدنما لگتا ہے، برا لگتا ہے، تو اس بدنمائی کی وجہ سے اس میں ضمان وغیرہ آتا ہے بھائی۔ جبکہ باقی بدن تو ہر وقت سارا کھلا نہیں ہوتا بھائی، تو لہٰذا ان میں یہ تفصیل نہیں ہے، البتہ سر کے زخموں میں یہ تفصیل ہے جو آگے یہ بیان کریں گے بھائی۔

تو شِجَاج جمع ہے شَجَّةٌ کی۔ تو فَصْلٌ فِيْ أَحْكَامِ الشِّجَاجِ یہ فصل ہے شِجَاج کے احکام کے بیان میں، یعنی سر اور چہرے کے زخموں کے احکام کے بیان میں بھائی۔ اچھا، سر اور چہرے کے زخم بھائی، یاد رکھیے یہ سر اور چہرے کے زخم دس قسم کے ہیں بھائی، دس قسم کے۔ تفصیل آپ لکھ لیجیے، آگے کتاب کے اندر بھی ان کا ذکر آرہا ہے لیکن کتاب میں ترتیب سے نہیں ہیں، آپ ان کے نام بھی لکھ لیں، ان میں سے ہر ایک کی تفصیل لکھ لیں، تو آپ کو بات ذرا آسانی سے سمجھ میں آ جائے گی بھائی۔

جی لکھیے بھائی: سر اور چہرے کے زخم دس قسم کے ہیں۔ نمبر ایک: حَارِصَةٌ۔ نمبر دیتے جائیں بھائی ساتھ ساتھ۔ حَارِصَةٌ، حا، الف، را، صاد بھائی، صاد اور گول تا بھائی۔ حَارِصَةٌ۔ حَارِصَةٌ وہ زخم ہے جس میں کھال پر خراش آ جائے۔ حَرَصَ يَحْرِصُ کا معنی ہے کھال کا چھل جانا، کھال پر خراش آنا۔ تو اسی سے اس زخم کا نام کیا ہے؟ حَارِصَةٌ، جس میں کھال پر خراش آگئی بھائی۔

نمبر دو: دوسرا زخم جو ہے وہ ہے دَامِعَةٌ۔ دال، الف، میم، عین اور گول تا، دَامِعَةٌ۔ دَامِعَةٌ وہ زخم جس میں خون ظاہر ہو مگر بہے نہ۔ یہ دَمْعٌ سے ہے، اور دَمْعٌ آنسو کو کہتے ہیں۔ جیسے آنکھ میں کبھی آنسو ظاہر ہو جاتا ہے، البتہ بہتا نہیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے بھائی؟ بعض اوقات آنسو جو ہے وہ آنکھ کے اندر ہی رہتا ہے، آنکھ بھر آتی ہے لیکن باہر نہیں بہتا وہ آنسو۔ تو اسی طرح یہاں دَامِعَةٌ بھی وہ زخم ہے جس کے اوپر خون تو ظاہر ہوا لیکن اس زخم کے اوپر ہی رہا، اس سے بہا نہیں بھائی۔ تو یہ زخم کیا کہلاتا ہے؟ دَامِعَةٌ بھائی۔ یہ دَمْعٌ سے ہے بھائی آنسو، تو اس میں بھی خون جو ہے وہ آنسو کے مثل نمودار ہو جاتا ہے جلد کے اوپر۔

نمبر تین بھائی، نمبر تین ہے دَامِیَۃٌ بھائی۔ دَامِیَۃٌ، دال، الف، میم، یا اور گول تا۔ میم، یا اور گول تا، دَامِیَۃٌ۔ وہ زخم جس میں خون یعنی دَمْ بہے۔ تو یہ دَمٌ سے ہے۔ وجہ تسمیہ سمجھ میں آرہی ہے؟ اس میں چونکہ خون بہا ہے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ دَامِیَۃٌ بھائی، دَامِیَۃٌ۔

چوتھا زخم ہے بَاضِعَۃٌ بھائی۔ با، الف، ضاد، عین اور گول تا، بَاضِعَۃٌ۔ بَاضِعَۃٌ وہ زخم جس میں کھال کٹ جائے۔ بَضَعَ یَبْضَعُ کا معنی ہوتا ہے کاٹنا۔ تو یہ زخم بَاضِعَۃٌ کہلاتا ہے جس میں کھال کٹ جاتی ہے۔

آگے لکھیے بھائی، نمبر پانچ: مُتَلَاحِمَۃٌ۔ میم، تا ہے، تا دو نقطوں والی، لام، الف، حا، میم اور گول تا۔ یہ لَحْمٌ سے ہے، لَحْمٌ گوشت کو کہتے ہیں۔ مُتَلَاحِمَۃٌ، یہ وہ زخم ہے جس میں کھال کے ساتھ ساتھ کچھ گوشت بھی کٹ جائے مگر ہڈی کو نقصان نہ پہنچے۔ تو یہ لَحْمٌ سے ہے۔ وجہ تسمیہ سمجھ میں آرہی ہے بھائی؟ وجہ تسمیہ بھی لکھتے جائیں، یہ آپ کے کام آئے گی بھائی۔ تو یہ لَحْمٌ سے ہے، تو یہ چونکہ اس میں گوشت کٹ جاتا ہے اس لیے اس کو مُتَلَاحِمَۃٌ کہتے ہیں۔

نمبر چھ بھائی، اگلے زخم کا نام ہے سِمْحَاقٌ۔ سِمْحَاقٌ، سین، میم، حا، الف اور قاف دو نقطوں والا بھائی، قاف۔ سِمْحَاقٌ۔ وہ زخم جو سِمْحَاقٌ تک جا پہنچے۔ سِمْحَاقٌ ایک باریک جھلی، ایک باریک پردے کا نام ہے جو سر کی ہڈی اور گوشت کے درمیان ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے بھائی؟ سر کی جو ہڈی ہے اور اس کے اوپر یہ جو کھال اور گوشت ہے، اس کے درمیان ایک باریک سی جھلی ہوتی ہے بھائی، باریک سی جھلی، باریک سا پردہ ہوتا ہے، اس کو سِمْحَاقٌ کہتے ہیں۔ تو جو زخم اس کی گہرائی تک پہنچ جائے کہ سِمْحَاقٌ نظر آنے لگے تو اس زخم کا نام ہی سِمْحَاقٌ ہے بھائی، سِمْحَاقٌ ہے۔ وجہ سمجھ میں آگئی اسے سِمْحَاقٌ کیوں کہتے ہیں؟

اگلا زخم ہے نمبر سات: مُوْضِحَۃٌ۔ نمبر سات مُوْضِحَۃٌ۔ میم، واؤ، ضاد، حا اور گول تا۔ مُوْضِحَۃٌ۔ مُوْضِحَۃٌ وہ زخم جس میں ہڈی ظاہر ہو مگر ٹوٹے نہ۔ أَوْضَحَ یُوْضِحُ إِیْضَاحٌ کا معنی ہے ظاہر کرنا۔ تو اس زخم نے بھی چونکہ ہڈی کو ظاہر کر دیا اس لیے یہ مُوْضِحَۃٌ کہلاتا ہے۔ وجہ تسمیہ سمجھ میں آگئی بھائی؟

اگلا زخم ہے بھائی، آٹھ نمبر: هَاشِمَۃٌ۔ هَاشِمَۃٌ، ہا ہے بھائی ہا، واؤ ہا۔ ہا، الف، شین، میم، گول تا، هَاشِمَۃٌ۔ یہ سب کے نام آگے کتاب میں بھی آجائیں گے تو اگر کہیں کوئی معمولی غلطی ہوئی ہے نام لکھنے میں تو وہ اصلاح کر لیجیے گا بھائی۔ هَاشِمَۃٌ، وہ زخم جو ہڈی کو توڑ دے البتہ ہڈی اپنی جگہ ہی رہے۔ هَشَمَ یَهْشِمُ کا معنی ہے توڑنا۔ تو اسی سے هَاشِمَۃٌ ہے بھائی، وہ زخم جس نے ہڈی کو توڑ دیا۔

نمبر نو بھائی، اگلے زخم کا نام ہے مُنَقِّلَۃٌ بھائی۔ مُنَقِّلَۃٌ، یہ نَقْلٌ سے ہے بھائی۔ میم، نون، قاف دو نقطوں والا، لام اور گول تا۔ قاف پر شد بھی ڈال دیں، مُنَقِّلَۃٌ۔ وہ زخم جس میں ہڈی ٹوٹنے کے بعد اپنی جگہ سے بالکل ہٹ جائے۔ تو مُنَقِّلَۃٌ وہ

زخم ہے جس میں ہڈی ٹوٹنے کے بعد اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔ تو یہ نَقْلٌ سے ہے نَقْلٌ بھائی۔ مُنَقِّلَةٌ، منتقل کرنے والا۔ دیکھو، اس زخم نے بھی کیا کیا؟ ہڈی کو اپنی جگہ سے منتقل کر دیا، اس لیے یہ مُنَقِّلَةٌ کہلاتا ہے بھائی، مُنَقِّلَةٌ۔

اور اگلا زخم ہے دس نمبر بھائی: آمَّةٌ۔ الف مد لکھیں، الف، الف کے اوپر مد، اور میم مشدد اور گول تا، آمَّةٌ۔ میم پر شد لکھیں، آمَّةٌ۔ آمَّةٌ وہ زخم ہے جو أُمِّ دِمَاغ تک پہنچ جائے۔ أُمِّ دِمَاغ وہ باریک جھلی ہے جس میں دماغ محفوظ ہوتا ہے۔ چونکہ یہ زخم أُمِّ دِمَاغ تک پہنچتا ہے اس لیے اس کو کیا کہتے ہیں؟ آمَّةٌ بھائی، آمَّةٌ۔ تو یہ زخم چونکہ أُمِّ دِمَاغ تک پہنچتا ہے اس لیے اس کو آمَّةٌ کہتے ہیں بھائی۔

ایک گیارہواں زخم بھی ہے بھائی، لکھیں بھائی: ایک گیارہواں زخم بھی ہے جس کا نام دَامِغَةٌ ہے، دال، الف، میم، غین اور گول تا، دَامِغَةٌ۔ جس میں دماغ اپنی جگہ سے خارج ہو جائے۔

اسے ذکر نہیں کیا کیونکہ اس میں عموماً آدمی بچتا نہیں۔

تفصیل سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو یہ ہیں سر کے دس زخم بھائی: حَارِصَةٌ، دَامِعَةٌ، دَامِيَةٌ، بَاضِعَةٌ، مُتَلَاحِمَةٌ، سِمْحَاقٌ، مُوْضِحَةٌ، هَاشِمَةٌ، مُنَقِّلَةٌ اور آمَّةٌ بھائی۔ جبکہ دَامِغَةٌ کو ذکر نہیں کیا کیونکہ اس میں انسان بچتا نہیں ہے بھائی عموماً۔

جی اب اس کاغذ کو بھی ذرا سامنے رکھنا یہ جو آپ نے لکھا، اور کتاب پر بھی نظر رکھنا بھائی۔ ذرا اس کاغذ پر نظر ڈالیں اس میں مُوْضِحَةٌ کتنے نمبر پر ہے؟ ساتویں، ساتویں نمبر پر۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو صرف آپ کو بتلائیں گے کہ صرف اس مُوْضِحَةٌ میں قصاص ہے، اور زخموں میں قصاص نہیں۔ جو مُوْضِحَةٌ سے پہلے زخم ہیں ان میں بھی قصاص نہیں، اور جو مُوْضِحَةٌ کے بعد ہیں ان میں بھی قصاص نہیں بھائی۔

دیکھیے بھائی کتاب پر: کہتے ہیں: وَلَا قَوَدَ فِيْ الشِّجَاجِ إِلَّا فِيْ الْمُوْضِحَةِ عَمْدًا اور قصاص نہیں ہے سر اور چہرے کے زخموں میں إِلَّا فِيْ الْمُوْضِحَةِ عَمْدًا مگر مُوْضِحَةٌ کے اندر جبکہ وہ عمداً ہو، جان بوجھ کر لگایا جائے۔ بھائی مُوْضِحَةٌ کے حکم میں فرق آئے گا۔ عمداً ہو تو قصاص، اور غلطی سے ہو تو اس میں نصف عشر دیت آئے گی۔ کتنی آئے گی؟ نصف عشر، نصف عشر دیت آئے گی۔ نصف عشر کتنا بنتا ہے؟ پانچ اونٹ بھائی، کل آپ نے تفصیل پڑھی تھی بھائی۔ نصف عشر، دیکھو سو کے دس حصے کرو، ایک حصے میں کتنا آیا؟ دس۔ یہ ہے عشر، دس۔ اس دس کو آدھا کر دو کتنا بنا؟ پانچ، پانچ، یہ ہے نصف عشر بھائی یعنی بیسواں حصہ۔ تو مُوْضِحَةٌ اگر جان بوجھ کر لگایا گیا تو قصاص، اور اگر غلطی سے لگایا گیا تو نصف عشر۔ توجہ ہے؟ جبکہ باقی جتنے زخم ہیں وہ چاہے عمداً ہوں یا خطأً ہوں ان کے حکم میں تبدیلی نہیں آئے گی، کیونکہ وہاں قصاص آ ہی نہیں سکتا ابھی آپ کو بتلا دیا قصاص صرف کس میں آئے گا؟ مُوْضِحَةٌ میں آئے گا، باقیوں میں قصاص نہیں۔ تو باقیوں کے اندر ضمان آئے گا، بعض میں حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ ہے اور بعض میں ضمان ہے، لیکن جو بھی آئے گا وہ چاہے عمداً ہو یا خطأً ہو دونوں

صورتوں میں ایک ہی چیز آئے گی، فرق نہیں ہوگا۔

تو کہتے ہیں وَلَا قَوَدَ فِيْ الشِّجَاجِ إِلَّا فِيْ الْمُوْضِحَةِ عَمْدًا اور قصاص نہیں ہے سر اور چہرے کے زخموں میں سوائے مُوْضِحَةٌ کے جب وہ جان بوجھ کر ہو۔ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ حِفْظُ الْمُمَاثَلَةِ فِيْ غَيْرِ الْمُوْضِحَةِ۔ بھائی باقیوں کے اندر قصاص کیوں نہیں؟ وجہ ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ حِفْظُ الْمُمَاثَلَةِ فِيْ غَيْرِ الْمُوْضِحَةِ کیونکہ ممکن نہیں ہے برابری کی حفاظت کرنا مُوْضِحَةٌ کے علاوہ میں۔ مُوْضِحَةٌ کے علاوہ باقی جو نو زخم ہیں ان میں برابری نہیں ہو سکتی، اور قصاص تو وہاں آتا ہے جہاں برابری ہو سکے۔ ایک شخص نے دوسرے کا ہاتھ کاٹا تھا تو قصاص میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے، لیکن یہاں زخم ہیں یہاں برابری نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کیونکہ کچھ زخم آپ نے دیکھا کچھ میں کھال پر خراش آئی، کچھ میں کچھ گوشت کٹ گیا یا کھال کٹ گئی، کچھ میں خون ظاہر ہوا وغیرہ آپ نے تفصیل پڑھی، تو وہاں برابری نہیں ہو سکتی۔ آپ بالکل اتنا ہی زخم لگا دیں یہ ممکن ہی نہیں ہے بھائی۔ کوئی فرق ہوگا یا کم لگ جائے گا یا زیادہ لگ جائے گا بھائی، برابری نہیں ہو سکتی۔ اور جو مُوْضِحَةٌ کے بعد والے ہیں یعنی اس سے بھی جو بڑے زخم ہیں ان میں چونکہ ہڈی ٹوٹ رہی ہے اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ ہڈی کے اندر قصاص نہیں ہے سوائے دانت کے بھائی، تو ان میں قصاص نہیں۔ تو مُوْضِحَةٌ سے کم جو ہیں ان میں بھی قصاص نہیں کیونکہ برابری نہیں ہو سکتی، اور مُوْضِحَةٌ کے جو بعد ہیں ان میں بھی قصاص نہیں کیونکہ برابری نہیں ہو سکتی۔ مُوْضِحَةٌ میں برابری ہو سکتی ہے کیونکہ مُوْضِحَةٌ کہاں تک پہنچا؟ ہڈی تک، اس میں ہڈی ظاہر ہو گئی، تو وہ تو آسان معاملہ ہے، اس دوسرے کو بھی ایسا ہی زخم لگاؤ کہ کہاں تک پہنچ جائے؟ ہڈی تک پہنچ جائے بھائی، برابری ہو گئی بھائی۔ جبکہ باقی میں ہو سکتا ہے آپ کچھ کم گہرا لگا دیں یا زیادہ لگا دیں تو اس میں برابری نہیں ہو سکتی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ حِفْظُ الْمُمَاثَلَةِ فِيْ غَيْرِ الْمُوْضِحَةِ اس لیے کیونکہ برابری کی رعایت نہیں ہو سکتی مُوْضِحَةٌ کے علاوہ میں، وَفِيْهَا يُمْكِنُ اور مُوْضِحَةٌ میں ممکن ہے یعنی اس میں برابری ہو سکتی ہے۔ وَهٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اور یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں الْقِصَاصُ فِيْمَا قَبْلَ الْمُوْضِحَةِ کہ مُوْضِحَةٌ سے ماقبل میں بھی قصاص ہے۔ وہ مُوْضِحَةٌ سے ماقبل میں بھی قصاص کے قائل ہیں، اور خود صورت بتلا رہے ہیں کہ کیسے قصاص ان میں لیا جائے گا۔ تو آپ کو بتلائیں گے کہ بھائی کسی سلائی وغیرہ یا کسی چیز کے ذریعے اس زخم کی گہرائی ماپ لی جائے گی۔ جو مجرم نے زخم لگایا ہے اس زخم کی گہرائی ماپ لی جائے گی، اور پھر ایک لوہے کا ٹکڑا اتنا ہی تیار کر کے اور پھر اس کے ساتھ اس کو اتنا ہی گہرا زخم لگا دیا جائے گا۔

دیکھیے خود یان کر رہے ہیں: بِأَنْ يُسْبَرَ غَوْرُهَا بِمِسْبَارٍ۔ سَبَرَ يَسْبُرُ کا معنی ہوتا ہے کسی چیز کی گہرائی ناپنا۔ سَبَرَ يَسْبُرُ۔ اور اسی سے آگے آ رہا ہے مِسْبَارٌ۔ مِسْبَارٌ یہ اسی سَبَرَ يَسْبُرُ سے ہے، مِسْبَارٌ اسمِ آلہ ہے۔ اسمِ آلہ، گہرائی ناپنے کا جو آلہ ہو اس

کو مِسْبَارٌ کہتے ہیں، کوئی سلائی وغیرہ یا کوئی چیز جس کے ذریعے بھی کسی چیز کی گہرائی ماپی جائے اس کو مِسْبَارٌ کہتے ہیں۔ اور غَوْرُهَا، غَوْرٌ جو ہے وہ گہرائی کو کہتے ہیں۔ کہتے ہیں بِأَنْ يُسْبَرَ غَوْرُهَا بِمِسْبَارٍ۔ یہ با تصویر یہ ہے، صورت بتلا رہے ہیں کہ کس طرح قصاص لیا جائے گا۔ کہتے ہیں بایں صورت کہ أَنْ يُسْبَرَ غَوْرُهَا کہ اس زخم کی گہرائی ناپ لی جائے بِمِسْبَارٍ کسی آلے کے ذریعے، گہرائی ناپنے کے کسی آلے کے ذریعے، کسی سلائی کے ذریعے اس زخم کی گہرائی ناپ لی جائے، ثُمَّ يُتَّخَذَ حَدِيْدَةٌ بِقَدْرِ ذٰلِكَ پھر ایک لوہے کا تیز ٹکڑا جو ہے وہ لیا جائے اسی کے برابر، اسی کے بقدر ایک تیز لوہے کا ٹکڑا لیا جائے، وَيُقْطَعَ بِهَا مِقْدَارُ مَا قَطَعَ اور اس کے ساتھ کاٹ دی جائے اتنی مقدار جو اس شخص نے کاٹی تھی۔ تو اس طرح قصاص لیا جا سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَهِيَ مَا يُوْضِحُ الْعَظْمَ أَيْ يُظْهِرُهُ۔ مُوْضِحَةٌ کہتے کس کو ہیں؟ اب وہ بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں وَهِيَ سر اور چہرے کا وہ زخم ہے مَا يُوْضِحُ الْعَظْمَ جو ہڈی کو ظاہر کر دے أَيْ يُظْهِرُهُ یعنی اسے ظاہر کر دے۔ وَفِيْهَا خَطَأً نِصْفُ عُشْرِ الدِّيَةِ اور اس میں غلطی کی صورت میں نصف عشر دیت ہے، یعنی دیت کا بیسواں حصہ یعنی پانچ اونٹ ہیں بھائی۔ وَفِيْ الْهَاشِمَةِ عُشْرُهَا اور هَاشِمَةٌ کے اندر جو ہے عشر دیت ہے، کتنا ہے؟ عشر دیت ہے، وَهِيَ الَّتِيْ تَكْسِرُ الْعَظْمَ یہ وہ زخم ہے جو ہڈی کو توڑ دے۔ میں نے سب کی وجہیں بیان کر دیں بھائی، یہ بھی اب ساتھ ساتھ وجہیں ذکر کریں گے۔ تو شروع انہوں نے کہاں سے کیا؟ مُوْضِحَةٌ سے۔ مُوْضِحَةٌ کتنے نمبر زخم تھا؟ ساتویں، جو میں نے لکھوائے تھے اس پہ بھی نظر رکھیں۔ مُوْضِحَةٌ کتنے نمبر تھا؟ سات نمبر۔ یوں کریں جو پہلی سطر میں مُوْضِحَةٌ آیا تھا نا إِلَّا فِيْ الْمُوْضِحَةِ عَمْدًا اس پر سات نمبر لگا لیں تاکہ آپ کو یہاں بھی پھر یاد رہے، یہ سات نمبر، ساتویں نمبر پر یہ زخم آتا ہے۔ اور آگے آیا هَاشِمَةٌ اس پر لکھیں آٹھ نمبر۔ اچھا، تو کہتے ہیں وَفِيْ الْهَاشِمَةِ عُشْرُهَا اور هَاشِمَةٌ میں عشر دیت ہے۔ هَاشِمَةٌ میں عشر دیت ہے کیا معنی عشر دیت؟ کتنے اونٹ آئیں گے؟ دس اونٹ آئیں گے۔ تو کہتے ہیں وَهِيَ الَّتِيْ تَكْسِرُ الْعَظْمَ یہ وہ زخم ہے جو ہڈی کو توڑ دے۔ وَفِيْ الْمُنَقِّلَةِ عُشْرُهَا وَنِصْفُ عُشْرِهَا اور مُنَقِّلَةٌ میں عشر اور نصف عشر ہے۔ عشر کتنا؟ دس، اور نصف عشر کتنا؟ پانچ، یعنی پندرہ اونٹ ہیں۔ مُنَقِّلَةٌ میں پندرہ۔ تو کہتے ہیں وَفِيْ الْمُنَقِّلَةِ عُشْرُهَا وَنِصْفُ عُشْرِهَا اور مُنَقِّلَةٌ میں عشر اور نصف عشر دیت ہے۔ مُنَقِّلَةٌ پر نو نمبر لگائیں بھائی یہ نواں زخم آگیا۔ وَهِيَ الَّتِيْ تُحَوِّلُ الْعَظْمَ بَعْدَ الْكَسْرِ اور یہ وہ زخم ہے جو منتقل کر دیتا ہے ہڈی کو بَعْدَ الْكَسْرِ توڑنے کے بعد۔ تو یہ وہ زخم ہے جو ہڈی کو توڑنے کے بعد منتقل کر دیتا ہے۔ حَوَّلَ يُحَوِّلُ تَحْوِيْلٌ کا ایک معنی ہے بدلنا اور ایک اس کا معنی ہے منتقل کرنا، تو یہاں منتقل کرنے کے معنی میں ہے۔ تو یہ وہ زخم ہے جو ہڈی کو منتقل کر دیتا ہے توڑنے کے بعد۔

وَفِيْ الْآمَّةِ وَالْجَائِفَةِ ثُلُثُهَا اور آمَّةٌ کے اندر بھائی، آمَّةٌ کتنے نمبر پر ہے؟ دس، اس پر دس نمبر لگائیں۔ وَفِيْ الْآمَّةِ اور آمَّةٌ کے اندر وَالْجَائِفَةِ اور جَائِفَةٌ کے اندر ثُلُثُهَا أَيْ ثُلُثُ الدِّيَةِ ثُلُثِ دیت ہے۔ دیت کے تین حصے کریں تو ایک حصہ اس کے اندر

آئے گا یعنی تینتیس اونٹ اور کچھ زائد بھائی، تینتیس اونٹ اور کچھ زائد۔ بھائی آمَّةٌ تو سر اور چہرے کا زخم ہے، یہ جَائِفَةٌ کیا ہے؟ جَائِفَةٌ یہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔ جَائِفَةٌ جَوْفٌ سے ہے، جَوْفٌ، جَوْفٌ پیٹ کو کہتے ہیں۔ تو جَائِفَةٌ وہ زخم جو اندر پیٹ تک پہنچ جائے، چاہے پیٹ کی طرف سے ہو چاہے کمر کی طرف سے ہو چاہے سینے کی طرف سے ہو، جو بھی زخم بہت گہرا ہے اندر پیٹ تک پہنچ گیا ہے اس کو جَائِفَةٌ کہتے ہیں۔ اسی طرح اگر گردن میں کوئی زخم لگایا اور وہ اندر خوراک کی نالی تک وہ زخم پہنچ گیا، اتنا گہرا زخم لگایا تو اس کو بھی جَائِفَةٌ کہتے ہیں۔ تو پیٹ اور کمر وغیرہ اور اسی طرح گردن کا جو زخم ہے اس کو جَائِفَةٌ کہتے ہیں۔ تو سوال، یہاں تو سر اور چہرے کے زخم ذکر ہو رہے ہیں، یہاں پیٹ کے زخم کو کیوں ذکر کیا؟ بھائی وجہ یہ ہے کہ آمَّةٌ کے اندر بھی ثُلُثِ دیت آتی ہے اور جَائِفَةٌ کے اندر بھی ثُلُثِ دیت آتی ہے، تو چونکہ دونوں کا حکم ایک تھا اس لیے آمَّةٌ کے ساتھ جَائِفَةٌ کو بھی ذکر کر دیا۔

تو دیکھیے، کہتے ہیں وَفِي الْآمَّةِ وَالْجَائِفَةِ ثُلُثُهَا اور آمَّةٌ اور جَائِفَةٌ کے اندر ثُلُثِ دیت ہے۔ الْآمَّةُ الَّتِي تَصِلُ إِلَى أُمِّ الدِّمَاغِ، آمَّةٌ وہ زخم ہے جو پہنچ جائے أُمِّ الدِّمَاغِ تک۔ بھائی أُمِّ الدِّمَاغِ کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں وَهِيَ الْجِلْدَةُ الَّتِي فِيهَا الدِّمَاغُ یہ وہ جھلی ہے جس کے اندر دماغ ہوتا ہے۔ وَالْجَائِفَةُ اور جَائِفَةٌ جو ہے الْجِرَاحَةُ الَّتِي وَصَلَتْ إِلَى الْجَوْفِ وہ زخم ہے—دیکھا؟ الْجَائِفَةُ الْجِرَاحَةُ کا لفظ لے کر آئے، سر اور چہرے کے علاوہ اور زخم کو کیا کہتے ہیں؟ جِرَاحَةٌ کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں وَالْجَائِفَةُ الْجِرَاحَةُ الَّتِي وَصَلَتْ إِلَى الْجَوْفِ جَائِفَةٌ وہ زخم ہے جو کہ اندر پیٹ تک پہنچ جائے۔[۲]

وَفِي جَائِفَةٍ نَفَذَتْ ثُلُثَاهَا۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے: ایک شخص نے دوسرے کو ایسا جَائِفَةٌ لگایا کہ دوسری طرف نکل گیا۔ پیٹ کی طرف سے زخم لگایا تھا وہ کمر کی طرف نکل گیا، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ یا کمر کی طرف سے لگایا تھا وہ پیٹ کی طرف سے باہر نکل آیا، یعنی آر پار زخم پہنچ گیا۔ تو کہتے ہیں اس صورت میں یہ دو جَائِفَةٌ بن گئے، ایک سامنے کی طرف سے ایک پیچھے کی طرف سے۔ تو لہٰذا اس میں دو جائفوں کی دیت آئے گی، تو ایک میں ثُلُث ہے دوسرے میں بھی ثُلُث آ گیا تو دو ثُلُث دینے پڑیں گے۔ یہ معنی ہے وَفِي جَائِفَةٍ نَفَذَتْ—دیکھا جَائِفَةٍ نکرہ اور اس کے بعد نَفَذَتْ فعل آیا تو یہ اس کی صفت بنے گا—وَفِي جَائِفَةٍ نَفَذَتْ اور ایسا جَائِفَةٌ جو نافذ ہو، جو کیا ہو؟ جو نافذ ہو جائے یعنی دونوں طرف نکل جائے، ثُلُثَاهَا یہ اصل میں تھا ثُلُثَانِهَا، اس دیت کے دو ثُلُث ہوں گے، نون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ لِأَنَّهَا بِمَنْزِلَةِ الْجَائِفَتَيْنِ کیونکہ یہ دو جائفوں کے درجے میں ہے۔

وَالْحَارِصَةِ۔ وَالْحَارِصَةِ أَيْ وَفِي الْحَارِصَةِ، پیچھے آیا تھا نا وَفِي الْهَاشِمَةِ وَفِي الْمُنَقِّلَةِ وَفِي الْآمَّةِ تو یہ آمَّةٌ پر عطف کر

---

[۲] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۶۵):** صوتی درس کی قراءت میں «وَالْجَائِفَةُ الْجَرَاحَةُ الَّتِي وَصَلَتْ إِلَى الْجَوْفِ جَائِفَةٌ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «والجائفة:الجراحةُ التي وصلتْ إلى الجوف.(وفي جائفةٍ» منقول ہے۔

لیں، اس پر فِيْ داخل تھا تو وہ مجرور تھا یہ بھی مجرور ہوگا۔ تو کہتے ہیں وَالْحَارِصَةِ وَالدَّامِعَةِ وَالدَّامِيَةِ وَالْبَاضِعَةِ وَالْمُتَلَاحِمَةِ وَالسِّمْحَاقِ حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ۔ کہتے ہیں حَارِصَةٌ، دَامِعَةٌ، دَامِيَةٌ، بَاضِعَةٌ، مُتَلَاحِمَةٌ اور سِمْحَاقٌ میں حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ حکومتِ عدل ہے، یعنی ایک عادل آدمی کا فیصلہ، ایک عادل آدمی کا فیصلہ۔ ان سب پر نمبر بھی لگا لیں بھائی: حَارِصَةٌ سے نمبر ایک شروع ہے، حَارِصَةٌ نمبر ایک، دَامِعَةٌ نمبر دو، دَامِيَةٌ نمبر تین، بَاضِعَةٌ نمبر چار، مُتَلَاحِمَةٌ نمبر پانچ، سِمْحَاقٌ نمبر چھ بھائی۔

دیکھیے اب خود بیان کر رہے ہیں، ایک ایک زخم کی تفصیل بیان کریں گے۔ أَيْ مَا يَحْرِصُ الْجِلْدَ أَيْ يَخْدِشُهُ یعنی وہ زخم جو کھال کو چھیل دے أَيْ يَخْدِشُهُ، يَخْدِشُ کا بھی وہی معنی ہے جو کھال کو چھیل دے بھائی، اس پر خراش آجائے۔ دوسرا، وَمَا يُظْهِرُ الدَّمَ، دَامِعَةٌ کو دَامِعَةٌ کیوں کہتے ہیں؟ کہتے ہیں وَمَا يُظْهِرُ الدَّمَ وہ زخم جو خون کو ظاہر کر دے وَلَا يُسِيْلُهُ لیکن اس کو بہائے نہ، ظاہر تو خون ہو لیکن بہائے نہ اس کو، كَالدَّمْعِ مِنَ الْعَيْنِ جیسے کہ آنسو آنکھ سے، جیسے کہ آنسو آنکھ سے بھائی۔ یہ مِنْ کی جگہ فِيْ ہونا چاہیے تھا لیکن بہرحال تمام نسخوں میں یہاں مِنْ ہی ہے بھائی، تو كَالدَّمْعِ فِيْ الْعَيْنِ پھر زیادہ بات واضح ہو جاتی، جیسے آنسو کس کے اندر ہو؟ آنکھ میں ہو بھائی، آنکھ سے بہے نہ بھائی۔

اگلا زخم—ہر ایک کا معنی بیان کرتے جا رہے ہیں—وَمَا يَسِيْلُ الدَّمَ اور وہ زخم جو خون کو بہا دے، یہ کس کا معنی بیان کر رہے ہیں؟ یہ دَامِعَةٌ کے بارے میں بتلایا: دَامِعَةٌ وہ ہے جو خون کو ظاہر کرے وَلَا يُسِيْلُهُ اور اس کو بہائے نہ كَالدَّمْعِ مِنَ الْعَيْنِ۔ وَمَا يَسِيْلُ الدَّمَ اور وہ زخم جو خون کو بہا دے، یہ دَامِيَةٌ آگیا بھائی، دَامِيَةٌ۔ اس سے پیچھے دَامِعَةٌ تھا بھائی۔ معنی ہر ایک کا بیان کرتے جا رہے ہیں، جس ترتیب سے متن میں آئے ہیں اسی ترتیب سے ان کے معانی بیان کرتے جا رہے ہیں۔

وَمَا يَبْضَعُ الْجِلْدَ۔ بَاضِعَةٌ وہ ہے مَا يَبْضَعُ الْجِلْدَ أَيْ يَقْطَعُهُ یعنی اس کو کاٹ دے، اس کو کاٹ دے۔ وَمَا يَأْخُذُ فِيْ اللَّحْمِ یہ مُتَلَاحِمَةٌ کا بیان آگیا، وہ جو گوشت میں پکڑ لے یعنی گوشت تک پہنچ جائے، جو گوشت تک پہنچ جائے یعنی گوشت کو بھی کاٹ دے۔ وَمَا يَصِلُ إِلَى السِّمْحَاقِ یہ سِمْحَاقٌ زخم کا بیان آگیا، مَا يَصِلُ إِلَى السِّمْحَاقِ جو سِمْحَاقٌ تک پہنچ جائے أَيْ جِلْدَةٍ رَقِيْقَةٍ بَيْنَ اللَّحْمِ وَعَظْمِ الرَّأْسِ یعنی وہ جو باریک جھلی ہے گوشت اور سر کی ہڈی کے درمیان وہاں تک زخم پہنچ جائے۔

ثُمَّ فَسَّرَ حُكُوْمَةَ الْعَدْلِ بِقَوْلِهِ: فَيُقَوَّمُ عَبْدٌ بِلَا هٰذَا الْأَثَرِ ثُمَّ مَعَهُ، فَقَدْرُ التَّفَاوُتِ بَيْنَ الْقِيْمَتَيْنِ مِنَ الدِّيَةِ هُوَ هِيَ۔ پھر ماتن نے تفسیر کی حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ کی اپنے اس قول کے ذریعے: فَيُقَوَّمُ عَبْدٌ بِلَا هٰذَا الْأَثَرِ ثُمَّ مَعَهُ، فَقَدْرُ التَّفَاوُتِ بَيْنَ الْقِيْمَتَيْنِ مِنَ الدِّيَةِ هُوَ هِيَ۔[3]

حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ، میں نے بتلایا تھا یہ عَدْلٌ بمعنی عَادِلٌ کے ہے یعنی کوئی عادل، قابلِ اعتماد آدمی، سمجھدار آدمی۔ اور حُكُوْمَةٌ کا معنی ہے فیصلہ۔ حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ یعنی کسی قابلِ اعتماد، سمجھدار آدمی کا فیصلہ۔ اور اس کا طریقہ بھی میں نے ذکر کیا

[3] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۶۵): صوتی درس کی قراءت میں «فَيُقَوَّمُ عَبْدٌ بِلَا هٰذَا الْأَثَرِ ثُمَّ مَعَهُ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فيقوَّمُ عبدًا بلا هذا الأثر، ثمَّ معه،» منقول ہے۔

تھا، اب وہی متن میں بیان کر رہے ہیں۔ تو حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ کسے کہتے ہیں وہ بیان کریں گے کہ مثلاً ایک شخص نے کسی کے سر پر زخم لگا دیا، وہ مُوْضِحَةٌ کے علاوہ کوئی اور زخم ہے بھائی، مُوْضِحَةٌ سے جو کم ہیں بھائی، مُوْضِحَةٌ سے جو کم چھ، پہلے چھ زخم ہیں ان میں سے کوئی زخم ہے۔ اب اس کی وجہ سے سر یا چہرے پر داغ بن گیا، نشان بن گیا، تو اس کے اندر حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ ہے یعنی جو ایک قابلِ اعتماد، سمجھدار آدمی جو فیصلہ کرے گا، اتنا ضمان اس مجرم پر لازم کر دیا جائے گا کہ وہ اس کی ادائیگی کرے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس شخص کو وہ زخم لگایا گیا ہے یعنی وہ جو مظلوم ہے جس کو زخم لگایا گیا ہے، اس عمر کا ایک غلام فرض کر لیں گے، اگر اتنی ہی عمر کا ایک غلام ہو تو اس کی کیا قیمت ہوگی؟ مثلاً اس غلام کی قیمت ہے ایک ہزار درہم۔ پھر دیکھا جائے گا اگر اس غلام کے چہرے پر یا سر پر ایسا ہی زخم اور ایسا داغ لگ جائے تو اس کی قیمت میں کتنی کمی آئے گی؟ مثلاً اس زخم کی وجہ سے اس کی قیمت میں سو درہم کی کمی آگئی۔ تو غلام کی کل قیمت کتنی؟ ہزار، اور اس زخم کی وجہ سے کمی کتنی آئی؟ سو درہم۔ اور یہ سو ہزار کا کتنا واں حصہ ہے؟ دسواں حصہ ہے۔ معلوم ہوا اس زخم کی وجہ سے غلام کو جو نقصان پہنچا وہ عُشْرِ قیمت ہے، اس کی قیمت کا دسواں حصہ ہے۔ تو آزاد آدمی کے اندر تو دیت ہوتی ہے، تو یہاں پر بھی اس کی دیت کا دسواں حصہ ضمان واجب کر دیا جائے گا۔ دیت کتنی ہے ایک آزاد آدمی کی؟ دس ہزار درہم، اور اس کا دسواں حصہ کتنا؟ ایک ہزار درہم۔ گویا اس شخص کو اس زخم کی وجہ سے ایک ہزار درہم کا نقصان پہنچا ہے تو وہ اس مجرم پر لازم کر دیے جائیں گے، وہ ادا کرے گا۔ یہ ہے حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ، دیکھیے اب اسی کو بیان کریں گے۔

تو کہتے ہیں فَيُقَوَّمُ عَبْدٌ بِلَا هٰذَا الْأَثَرِ پس قیمت لگائی جائے گی ایک غلام کی بغیر اس نشان کے، ثُمَّ مَعَهُ پھر اس نشان کے ساتھ اس کی قیمت لگائی جائے گی، فَقَدْرُ التَّفَاوُتِ بَيْنَ الْقِيْمَتَيْنِ مِنَ الدِّيَةِ پس وہ جو فرق کی مقدار ہے—تَفَاوُتٌ کا معنی فرق، اور قَدْرٌ مقدار—فَقَدْرُ التَّفَاوُتِ تو وہ جو فرق کی مقدار ہے بَيْنَ الْقِيْمَتَيْنِ ان دو قیمتوں کے درمیان مِنَ الدِّيَةِ وہ دیت میں سے، اتنا ہی دیت میں سے، هُوَ هِيَ وہ یہ حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ ہے۔ وہ حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ۔ عبارت سمجھ میں آئی؟ کہ وہ جو دو قیمتوں میں فرق تھا: ایک قیمت کتنی تھی غلام کی؟ بغیر نشان کے قیمت تھی ایک ہزار، اور نشان کے ساتھ قیمت کتنی تھی؟ نو سو، تو فرق کتنا تھا؟ سو، یعنی دسواں حصہ فرق تھا، دسواں حصہ۔ تو اتنا ہی فرق، ان دو قیمتوں میں جو فرق ہے وہ فرق مِنَ الدِّيَةِ کس میں سے؟ دیت میں سے یعنی دیت میں بھی یعنی اتنا دسواں حصہ جو ہے هُوَ هِيَ وہ یہ حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں هُوَ يَرْجِعُ إِلٰى قَدْرِ التَّفَاوُتِ وَهِيَ تَرْجِعُ إِلٰى حُكُوْمَةِ الْعَدْلِ۔ یہ هُوَ هِيَ متن میں آیا، یہ هُوَ ضمیر سے کیا مراد، یہ کس کی طرف راجع ہے؟ اور هِيَ سے کیا مراد؟ بتلا رہے ہیں۔ هُوَ يَرْجِعُ إِلٰى قَدْرِ التَّفَاوُتِ کہ هُوَ ضمیر لوٹ رہی ہے قَدْرُ التَّفَاوُتِ کی طرف جو آیا، جو متن میں آیا فرق کی مقدار جو ہے، اور وَهِيَ اور هِيَ ضمیر تَرْجِعُ إِلٰى حُكُوْمَةِ الْعَدْلِ وہ حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ کی

طرف لوٹ رہی ہے، تو کہتے ہیں وہ حُکُوْمَةُ الْعَدْلِ ہے بھائی۔

فَيُفْرَضُ پس فرض کیا جائے گا أَنَّ هٰذَا الْحُرَّ عَبْدٌ کہ یہ آزاد آدمی جو ہے وہ غلام ہے، وَقِيْمَتُهُ بِلَا هٰذَا الْأَثَرِ أَلْفُ دِرْهَمٍ اور اس کی قیمت بغیر اس نشان کے ایک ہزار درہم ہے—بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ اور یہ فرق ہر آدمی نہیں نکال سکتا، جو غلاموں کی بیع و شراء کا ماہر ہوگا، جس کا کام ہی غلاموں کی خرید و فروخت ہوگی وہی اندازہ لگا سکے گا کیونکہ اس کا کام ہی غلاموں کی خرید و فروخت ہے، تو اس کو پتہ ہے کہ اس کی وجہ سے قیمت میں کتنا فرق پڑ جاتا ہے بھائی۔ جیسے ایک شخص گاڑیوں کا کاروبار کرتا ہے تو اس کو پتہ ہوتا ہے کہ گاڑی میں ایک عیب آئے تو کتنی قیمت کم ہوتی ہے، دوسرا عیب آئے تو اس میں کتنی قیمت کم ہوتی ہے۔

کہتے ہیں فَيُفْرَضُ پس فرض کیا جائے گا أَنَّ هٰذَا الْحُرَّ عَبْدٌ کہ یہ آزاد جو ہے وہ غلام ہے وَقِيْمَتُهُ بِلَا هٰذَا الْأَثَرِ أَلْفُ دِرْهَمٍ اور اس غلام کی قیمت بغیر اس نشان کے ایک ہزار درہم ہے، وَمَعَ هٰذَا الْأَثَرِ تِسْعُمِائَةِ دِرْهَمٍ اور اس نشان کے ساتھ اس کی قیمت جو ہے وہ نو سو درہم ہے۔ تِسْعُ مِائَةٍ، تِسْعَ کو الگ لکھا ہے مِائَةَ کو الگ لکھا ہے، نہیں بھائی ان کو جوڑ کر لکھنا چاہیے، جوڑ کر عربی رسم الخط کے اندر ملا کر لکھا جاتا ہے مِائَةٌ کے ساتھ عدد کو بھائی، عدد کو۔ یہ جو انہوں نے لکھا ہے نا تِسْعُ مِائَةٍ، جب علیحدہ ہو تو اس کو تُسْعُ مِائَةٍ پڑھیں گے۔ تُسْعُ مِائَةٍ، نواں حصہ مِائَةٌ کا، نو، یہ فرق کے لیے، اگر ملا کر لکھیں گے تو پھر پڑھیں گے تِسْعَمِائَةٍ، تِسْعَمِائَةٍ۔ جیسے لکھا ہو خَمْسَمِائَةٍ، تو خا، میم، سین اور مِائَةٌ کو ساتھ جوڑ کر لکھنا ہے خَمْسَمِائَةٍ لکھنا ہے، اور اگر علیحدہ لکھیں گے تو دراصل یہ خَمْسَمِائَةٍ آپ نے نہیں لکھا بلکہ خُمْسُ مِائَةٍ، خُمْسُ مِائَةٍ بھائی لکھ دیا یعنی وہ اس کا جزبن جاتا ہے اس کے متعلق۔[۴]

تو کہتے ہیں وَمَعَ هٰذَا الْأَثَرِ تِسْعُمِائَةِ دِرْهَمٍ اور اس نشان کے ساتھ اس کی قیمت جو ہے نو سو درہم ہے، فَالتَّفَاوُتُ بَيْنَهُمَا مِائَةُ دِرْهَمٍ تو فرق ان دو قیمتوں کے درمیان وہ ایک سو درہم ہے، وَهُوَ عُشْرُ الْأَلْفِ اور وہ ایک ہزار کا عشر ہے یعنی دسواں حصہ ہے، فَيُؤْخَذُ هٰذَا التَّفَاوُتُ مِنَ الدِّيَةِ پس لیا جائے گا اسی فرق کو مِنَ الدِّيَةِ کس میں سے؟ دیت میں سے، وَهِيَ عَشَرَةُ آلَافِ دِرْهَمٍ اور دیت جو ہے وہ تو دس ہزار درہم ہے، فَعُشْرُهَا أَلْفُ دِرْهَمٍ تو اس دیت کا عشر جو ہے وہ ایک ہزار درہم ہے، تو وہ ضمان واجب کر دیا جائے گا، فَهُوَ حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ تو یہ حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ ہے۔

وَبِهِ يُفْتٰى اور اسی پر فتویٰ دیا جائے گا، اسی پر فتویٰ ہے۔ بھائی دراصل حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ کے بارے میں ایک امامِ طحاوی رحمہ اللہ کا قول ہے اور ایک امامِ کرخی رحمہ اللہ کا قول ہے، اور یہ جو ذکر کیا یہ امامِ طحاوی رحمہ اللہ کا قول ہے، وَبِهِ يُفْتٰى اس

[۴] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۶۵):** صوتی درس کی قراءت میں «وَمَعَ هٰذَا الْأَثَرِ تِسْعُمِائَةِ دِرْهَمٍ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «ومع هذا الأثرِ تسعمئةِ درهم،» منقول ہے۔

پر فتویٰ دیا جاتا ہے بھائی، اس پر فتویٰ ہے، جبکہ دوسرا قول امامِ کرخی کا ہے، وہ آگے آرہا ہے، یہیں پر سمجھ لیں بھائی۔ امامِ کرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں—یہ جو انہوں نے کیا بتلایا؟ امامِ طحاوی کیا فرماتے ہیں کہ پہلے چھ زخموں کے اندر حُکُوْمَةُ الْعَدْلِ ہے، حُکُوْمَةُ الْعَدْلِ ہے، اور اس کا طریقہ کیا ہے؟ بتلایا کہ اس طرح کیا جائے گا۔ جبکہ امامِ کرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حُکُوْمَةُ الْعَدْلِ یہ ہے، حُکُوْمَةُ الْعَدْلِ یہ ہے کہ یہ جو زخم لگا ہے دیکھا جائے گا یہ مُوْضِحَةٌ کا کتنا حصہ بنتا ہے؟ یہ مُوْضِحَةٌ کا کتنا حصہ بنتا ہے؟ اور مُوْضِحَةٌ میں کتنے اونٹ آتے تھے؟ پانچ اونٹ، نصف عشر آتا تھا نا، پانچ اونٹ۔ تو یہ جو زخم لگایا ہے یہ مُوْضِحَةٌ کے مقابلے میں کتنا ہے؟ یہ اگر اس کے آدھا ہے، آدھا ہے، تو پھر اس کے اندر اس نصف عشر کا آدھا آجائے گا یعنی ڈھائی اونٹ آجائیں گے، اور اگر یہ اس کا ثُلُث ہے مُوْضِحَةٌ کا، مُوْضِحَةٌ کے مقابلے میں یہ والا زخم صرف ثُلُث ہے، چھوٹا سا حصہ ہے، تو پھر اس صورت میں مُوْضِحَةٌ کا ثُلُث یہاں آجائے گا، اور اگر یہ اس کا ربع ہے تو اس کے اندر اس کا ربع آجائے گا۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں وَبِهٖ يُفْتٰى اور اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے، اِحْتِرَازٌ عَمَّا قَالَ الْكَرْخِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ یہ احتراز ہے اس سے جو امامِ کرخی رحمہ اللہ نے فرمایا، أَنَّهُ يُنْظَرُ مِقْدَارُ هٰذِهِ الشَّجَّةِ مِنَ الْمُوْضِحَةِ کہ دیکھا جائے گا اس زخم کی جو مقدار ہے مِنَ الْمُوْضِحَةِ مُوْضِحَةٌ کے مقابلے میں اس زخم کی مقدار کتنی ہے، یہ مُوْضِحَةٌ سے کم ہے نا یہ چھ کے چھ، تو کم ہوگا کتنا کم ہے اس سے؟ نصف ہے اس سے یا ثُلُث ہے یا ربع ہے، تو اتنا ہی مُوْضِحَةٌ کا حصہ اس پر مقرر کر دیا جائے گا۔ تو یہ معنی ہے أَنَّهُ يُنْظَرُ مِقْدَارُ هٰذِهِ الشَّجَّةِ مِنَ الْمُوْضِحَةِ کہ دیکھا جائے گا اس زخم کی مقدار کو مِنَ الْمُوْضِحَةِ مُوْضِحَةٌ کے مقابلے میں، فَيَجِبُ بِقَدْرِ ذٰلِكَ مِنْ نِصْفِ عُشْرِ الدِّيَةِ تو پس واجب کیا جائے گا اسی کے بقدر نصف عشر دیت میں سے۔ میری کتاب میں ہے نِصْفِ الْعُشْرِ، الْعُشْرِ پر الف لام ہے آپ کی کتابوں میں؟ جی۔ الف لام نہیں ہونا چاہیے بھائی، مِنْ نِصْفِ عُشْرِ الدِّيَةِ، یہ مضاف ہے الدِّيَةِ کی طرف بھائی، نصف عشر دیت میں سے۔ بھائی یہ نصف عشر دیت، یہ وہ مُوْضِحَةٌ کے اندر جو ضمان آتا ہے بھائی۔

آگے دیکھیے بھائی: وَفِيْ كُلِّ أَصَابِعَ بِلَا كَفٍّ۔ جی، وَفِيْ كُلِّ أَصَابِعَ ہے آپ کی کتابوں میں؟ جی۔ اور تمام انگلیوں میں بِلَا كَفٍّ بغیر ہتھیلی کے۔ یہ عبارت اس میں بھی بہرحال ترجمہ تو ٹھیک ہو رہا ہے لیکن اور نسخوں کے اندر شرحِ وقایہ کے جو دوسرے نسخے ہیں ان میں عبارت ذرا بہتر ہے، وہاں ہے وَفِيْ أَصَابِعِ يَدِيهِ كُلِّ کا لفظ نہیں ہے، اور أَصَابِعَ کے بعد يَدٍ کا لفظ ہے، وَفِيْ أَصَابِعِ يَدٍ بِلَا كَفٍّ اور ہاتھ کی انگلیوں میں بغیر ہتھیلی کے، وَمَعَهَا اور ہتھیلی کے ساتھ۔ هَا ضمیر راجع ہے كَفٍّ کو بھائی۔ آپ کہیں گے كَفٍّ تو مذکر ہے اور اس کو مؤنث کی ضمیر راجع کر دی؟ بھائی میں پہلے بیان کر چکا جو اعضاء بھی دو دو ہیں انسانی بدن میں وہ مؤنث استعمال ہوتے ہیں۔ آنکھیں دو ہیں تو مؤنث استعمال ہوگی اور ضمیر مؤنث کی لوٹائیں گے، ہاتھ دو ہیں، پاؤں دو ہیں، تو جو بھی دو دو اعضاء ہیں وہ مؤنث استعمال ہوتے ہیں، تو كَفٍّ ہتھیلیاں بھی کتنی ہیں؟ دو ہیں، تو اس لیے مؤنث استعمال ہوئی۔

بھائی صورت یہ: ایک شخص دوسرے کے ہاتھ کی ساری انگلیاں کاٹ دیتا ہے، ساری انگلیاں کاٹ دیں یعنی پانچوں انگلیاں، تو ہاتھ کا نفع ہی ختم ہو گیا، تو پورے ہاتھ کی دیت آجائے گی یعنی پچاس اونٹ آئیں گے۔ اور دوسری صورت کہ انگلیوں کے ساتھ ہتھیلی بھی کاٹ دی بھائی، پوری ہتھیلی کاٹ دی، تو اس کے اندر بھی ہاتھ کی پوری دیت آئے گی یعنی کوئی زائد چیز نہیں آئے گی، کیونکہ ہتھیلی انگلیوں کے تابع ہے۔ انگلیاں ہیں تو چیزوں کو پکڑنے کا کام سرانجام دیا جا سکتا ہے، اگر انگلیاں نہیں تو چیزوں کو پکڑنے کا کام سرانجام نہیں دیا جا سکتا، تو ہتھیلی سمیت انگلیاں کاٹے یا ہتھیلی کے بغیر کاٹے دونوں صورتوں میں ہاتھ کی دیت آئے گی بھائی۔

تو کہتے ہیں وَفِيْ أَصَابِعِ يَدٍ بِلَا كَفٍّ وَمَعَهَا نِصْفُ الدِّيَةِ اور ہاتھ کی انگلیوں میں بغیر ہتھیلی کے وَمَعَهَا اور ہتھیلی کے ساتھ، دونوں صورتوں میں، نِصْفُ الدِّيَةِ دیت کا نصف ہوگا یعنی پورے انسان کی دیت کا نصف بھائی۔ سَوَاءٌ قَطَعَهَا مَعَ الْكَفِّ أَوْ بِدُوْنِهَا برابر ہے کہ ان انگلیوں کو کاٹے ہتھیلی کے ساتھ أَوْ بِدُوْنِهَا یا بغیر ہتھیلی کے، فَإِنَّ الْكَفَّ تَابِعٌ لَهَا اس لیے کیونکہ ہتھیلی جو ہے وہ انگلیوں کے تابع ہے۔

وَمَعَ نِصْفِ السَّاعِدِ نِصْفُ دِيَةٍ وَحُكُوْمَةُ عَدْلٍ۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے دوسرے شخص کا ہاتھ کلائی کے درمیان سے کاٹ دیا یعنی آدھی کلائی بھی کاٹ دی، تو اب اس پر کیا آئے گا؟ کہتے ہیں ہاتھ کی وجہ سے پوری دیت آئے گی، ہاتھ کی پوری دیت یعنی پچاس اونٹ آجائیں گے۔ اور یہ جو ہتھیلی تھی اس میں ہم بتلا چکے ہیں ہتھیلی میں کچھ نہیں آئے گا، اور یہ جو کلائی کا حصہ زائد کاٹا ہے اس میں حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ ہے بھائی، اس میں حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ ہے، عادل آدمی فیصلہ کرے گا۔

کہتے ہیں وَمَعَ نِصْفِ السَّاعِدِ، سَاعِدٌ کہتے ہیں یہ جو کلائی ہے بھائی، کلائی بھائی کہنی سے لے کر یہ ہتھیلی کے جوڑ تک حصہ سَاعِدٌ کہلاتا ہے۔ وَمَعَ نِصْفِ السَّاعِدِ اور نصفِ ساعد کے ساتھ جو ہے نِصْفُ دِيَةٍ آدھی دیت ہوگی، یعنی پورے نفس کی آدھی دیت بھائی۔ پورے نفس کی دیت کتنی ہے؟ سو اونٹ، اور صرف ہاتھ کی دیت کتنی ہے؟ پچاس اونٹ۔ تو یہ پورے نفس کے اعتبار سے بات کر رہے ہیں، تو اس میں پورے نفس کی جو ہے وہ آدھی دیت آجائے گی یعنی پچاس اونٹ بھائی۔ وَحُكُوْمَةُ عَدْلٍ اور ساتھ حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ بھی وہ کلائی کے اندر بھائی۔ فَإِنَّ الذِّرَاعَ لَيْسَتْ تَبَعًا اس لیے کیونکہ ذِرَاعٌ جو ہے یعنی یہ جو کلائی والا حصہ ہے بازو کا، اس لیے کیونکہ ذِرَاعٌ جو ہے لَيْسَتْ تَبَعًا اس لیے کیونکہ یوں کہیں کلائی کہہ لیں، اس لیے کیونکہ کلائی جو ہے وہ تابع نہیں ہے، کلائی تابع نہیں۔ بھائی کلائی کو یا تو انگلیوں کے ہم تابع کر سکتے ہیں یا ہتھیلی کے تابع کر سکتے ہیں۔ انگلیوں کے تابع ہم اس لیے نہیں کر سکتے کیونکہ کلائی اور انگلیوں کے درمیان ہتھیلی آرہی ہے، تو فصل آگیا درمیان میں، لہٰذا یہ انگلیوں کے تابع نہیں۔ اور ہتھیلی کے تابع بھی نہیں کر سکتے کیونکہ ہتھیلی تو خود انگلیوں کے تابع ہے اور تابع کا تابع نہیں ہوتا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ تابع نہیں ہے، تو اس کے لیے الگ حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ آئے گی۔ اگر تابع ہوتا تو پھر اس میں بھی کچھ نہ آتا، لیکن یہ تابع نہیں ہے۔ یہ معنی ہے فَإِنَّ الذِّرَاعَ لَيْسَتْ تَبَعًا اس لیے کیونکہ ذِرَاعٌ یعنی کلائی جو ہے

وہ تابع نہیں ہے۔ تَبَعًا تَبَعٌ بمعنی تَابِعٌ کے ہے بھائی، تَبَعٌ کس معنی میں ہے؟ تَابِعٌ۔ تا پر بھی زبر ہے اور با پر بھی زبر۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ: أَنَّ مَا زَادَ عَلٰى أَصَابِعِ الْيَدِ وَالرِّجْلِ إِلَى الْمَنْكِبِ وَإِلَى الْفَخِذِ فَهُوَ تَبَعٌ، لِأَنَّ الشَّرْعَ أَوْجَبَ فِيْ الْيَدِ الْوَاحِدَةِ نِصْفَ الدِّيَةِ، وَالْيَدُ اسْمٌ لِهٰذِهِ الْجَارِحَةِ إِلَى الْمَنْكِبِ۔ اور امام ابویوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت ہے کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انگلیوں سے جو زائد ہے، ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں سے جو زائد حصہ ہے، یعنی اوپر ہاتھ کا حصہ اوپر کندھے تک جتنا بھی کاٹ دے سارے میں وہی ہاتھ کی دیت آئے گی، یہ سارا تابع ہے، یہ سارا کیا ہے؟ تابع۔ اور اسی طرح پاؤں کی انگلیوں کے اندر دیت ہے، پاؤں کی پانچوں انگلیاں کاٹ دیں تو پاؤں کی پوری دیت یعنی پچاس اونٹ ہیں، اور اوپر رانوں تک یہ ساری ٹانگ جو ہے انگلیوں کے تابع ہے، تو اگر زائد حصہ بھی کچھ کاٹا، پنڈلی تک کاٹا، گھٹنے تک کاٹا، سب میں وہی پاؤں کی دیت آئے گی، کوئی زائد چیز نہیں آئے گی، یہ سب تابع ہیں انگلیوں کے۔

تو کہتے ہیں وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ امام ابویوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت ہے کہ أَنَّ مَا زَادَ عَلٰى أَصَابِعِ الْيَدِ وَالرِّجْلِ کہ وہ جو زائد ہے ہاتھ کی انگلیوں میں اور پاؤں کی انگلیوں میں إِلَى الْمَنْكِبِ وَإِلَى الْفَخِذِ، مَنْكِبٌ کہتے ہیں کندھے کو، فَخِذٌ کہتے ہیں ران کو بھائی ران۔ ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں جو زائد ہے إِلَى الْمَنْكِبِ کندھے تک وَإِلَى الْفَخِذِ اور ران تک فَهُوَ تَبَعٌ تو وہ تابع ہے۔ لِأَنَّ الشَّرْعَ أَوْجَبَ فِيْ الْيَدِ الْوَاحِدَةِ نِصْفَ الدِّيَةِ اس لیے کیونکہ شریعت نے واجب کیا ہے ایک ہاتھ کے اندر نصفِ دیت، شریعت نے ایک ہاتھ میں نصفِ دیت واجب کی ہے، وَالْيَدُ اسْمٌ لِهٰذِهِ الْجَارِحَةِ إِلَى الْمَنْكِبِ اور ہاتھ وہ تو نام ہے اس عضو کا إِلَى الْمَنْكِبِ کندھے تک۔ کندھے تک اس سارے عضو کا نام کیا ہے؟ ہاتھ ہے، تو شریعت نے ہاتھ کے اندر نصفِ دیت واجب کی ہے، تو جتنا بھی ہاتھ کا حصہ کٹ جائے نصفِ دیت ہی آئے گی، زیادہ نہیں آئے گی بھائی۔ تو جَارِحَةٌ عضو کو کہتے ہیں بھائی عضو۔ وَالْيَدُ اسْمٌ لِهٰذِهِ الْجَارِحَةِ اور یَدٌ جو ہے وہ نام ہے اس عضو کا إِلَى الْمَنْكِبِ کندھے تک۔

وَفِيْ كَفٍّ فِيْهَا أَصْبُعٌ عُشْرُهَا، وَإِنْ كَانَتْ أَصْبُعَانِ فَخُمُسُهَا، وَلَا شَيْءَ فِيْ الْكَفِّ۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کی ہتھیلی میں ایک ہی انگلی تھی، باقی انگلیاں پہلے ہی کٹ چکی ہیں کسی وجہ سے۔ اب دوسرے شخص نے اس کے اس ہاتھ کو کاٹ دیا ہتھیلی سمیت۔ توجہ ہے؟ اور اس میں کتنی انگلیاں تھیں؟ ایک انگلی۔ تو اب آپ یہ نہ کہیں کہ پورے ہاتھ کی دیت آئے گی بھائی۔ پورے ہاتھ کی تو دیت تب آتی اگر پانچوں انگلیاں ہوتیں، اور یہاں تو ایک انگلی ہے، تو ایک ہی انگلی کی دیت آئے گی، اور ایک انگلی کی دیت کتنی ہے؟ دس اونٹ یعنی عُشرِ دیت آجائے گی، عُشرِ دیت۔ اور اگر دو انگلیاں تھیں اس ہتھیلی میں جس کو اس نے کاٹا ہے تو پھر دو انگلیوں کی دیت آجائے گی اور وہ کتنے ہیں؟ بیس اونٹ ہیں، یعنی خُمُسِ دیت۔ خُمُسِ دیت ہے نا؟ کل دیت کتنی ہے؟ سو اونٹ۔ سو میں سے، سو کے حصے کریں کہ ہر حصے میں—سو کو بیس بیس اونٹ اگر ایک آدمی کو دیں تو سو کتنے آدمیوں میں تقسیم ہوگا؟ پانچ۔ تو دیکھا تو یہ جو بیس ہے یہ سو کا پانچواں حصہ ہے، پانچ، تو یہ خُمُسِ

عُشر آئے گا۔

تو کہتے ہیں وَفِيْ كَفٍّ فِيْهَا أَصْبُعٌ عُشْرُهَا۔ كَفٍّ نکرہ آیا، فِيْهَا أَصْبُعٌ فِيْهَا خبرِ مقدم اور أَصْبُعٌ مبتدا مؤخر، یہ پورا جملہ اسمیہ آگیا كَفٍّ کے بعد اور كَفٍّ ہے نکرہ، تو یہ اس کی صفت بنے گا۔ وَفِيْ كَفٍّ اور ایسی ہتھیلی میں فِيْهَا أَصْبُعٌ جس میں ایک انگلی ہے عُشْرُهَا أَيْ عُشْرُ الدِّيَةِ اس میں عُشْرِ دیت آئے گی یعنی دس اونٹ بھائی، دیت کا دسواں حصہ۔ وَإِنْ كَانَتْ أَصْبُعَانِ اور اگر اس ہتھیلی میں دو انگلیاں تھیں فَخُمُسُهَا تو دیت کا پانچواں حصہ آئے گا یعنی بیس اونٹ آئیں گے۔ وَلَا شَيْءَ فِيْ الْكَفِّ اور ہتھیلی میں کچھ نہیں ہوگا، ہتھیلی میں کچھ نہیں۔ هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ یہ امام صاحب کے نزدیک ہے، وہ فرماتے ہیں ہتھیلی میں کچھ نہیں، ہتھیلی تابع ہے انگلی کے بھائی۔

وَقَالَا اور صاحبین فرماتے ہیں کہ يُنْظَرُ إِلٰى أَرْشِ الْكَفِّ وَالْأَصْبُعِ فَيَكُوْنُ عَلَيْهِ الْأَكْثَرُ۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ ہتھیلی کا الگ تو کچھ نہیں آئے گا لیکن ایک انگلی کی دیت کتنی ہے؟ دس اونٹ، اور ہتھیلی میں حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ کسی عادل آدمی سے فیصلہ کروا لیں گے۔ اب ایک انگلی میں ہے دس اونٹ اور دیکھیں گے ہتھیلی میں حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ کیا بنا؟ اگر وہ بنے پندرہ اونٹ تو اس پر پندرہ واجب کر دیے جائیں گے، اور اگر وہ بنے آٹھ اونٹ تو ہتھیلی کی وجہ سے انہوں نے کہا آٹھ اونٹ اور انگلی کی وجہ سے کتنے ہیں؟ دس، تو جو زائد ہے وہ اس پر واجب کریں گے۔ ہتھیلی کے زائد تھے، پندرہ تھے تو ہم نے وہ واجب کر دیے انگلی کے نہیں، کیونکہ وہ جو قلیل ہے وہ کثیر کے اندر ہی آجائے گا۔ تو جو زیادہ ہوگا، انگلی کی دیت زیادہ ہوئی تو وہ واجب کر دیں گے اور اگر ہتھیلی کے میں حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ زیادہ ہوئی تو وہ واجب کر دیں گے۔

وَقَالَا صاحبین فرماتے ہیں يُنْظَرُ إِلٰى أَرْشِ الْكَفِّ وَالْأَصْبُعِ کہ دیکھا جائے گا ہتھیلی کی دیت میں بھی وَالْأَصْبُعِ اور انگلی کی دیت میں، فَيَكُوْنُ عَلَيْهِ الْأَكْثَرُ تو اس پر جو زائد ہوگا وہ آجائے گا، وَيَدْخُلُ الْقَلِيْلُ فِيْ الْكَثِيْرِ اور قلیل جو ہے وہ کثیر کے اندر داخل ہو جائے گا۔ یعنی انگلی اور ہتھیلی کا الگ الگ ضمان نہیں واجب کریں گے، دونوں میں سے جو زائد ہوگا وہ واجب کر دیں گے اور قلیل کو اسی کے اندر داخل شمار کر لیں گے۔ یہ معنی ہے وَيَدْخُلُ الْقَلِيْلُ فِيْ الْكَثِيْرِ اور قلیل جو ہے وہ کثیر میں داخل ہو جائے گا۔

وَإِنْ كَانَتْ ثَلَاثَةُ أَصَابِعَ۔ بھائی اگر تین انگلیاں ہوئیں، تین انگلیاں ہوئیں اور کسی شخص نے اس کی، اس کے ہاتھ کو ہتھیلی سمیت کاٹ دیا تو اس صورت میں بالاتفاق ہتھیلی میں کچھ نہیں آئے گا، ہتھیلی میں کچھ نہیں۔ پچھلے مسئلے میں تو امام صاحب نے کہا تھا اگر انگلی ایک ہو یا دو ہو تو انگلیوں کی دیت آئے گی، ہتھیلی میں کچھ نہیں آئے گا کیونکہ ہتھیلی تابع ہے۔ صاحبین فرما رہے تھے وہاں پر کہ ہتھیلی تابع نہیں کیونکہ اکثر انگلیاں تو نہیں ہیں۔ اکثر کے تابع تو ہتھیلی ہو سکتی ہے، قلیل کے تابع ہتھیلی نہیں ہو سکتی، تو انہوں نے وہاں ہتھیلی کے کہا کہ اس میں حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ کروا لیں اور انگلی کی دیت الگ دیکھ لیں، جو زیادہ ہو ان دونوں میں سے وہ اس شخص پر ضمان واجب کر دیا جائے۔ لیکن اگر انگلیاں تین تھیں اور پھر ہتھیلی

کاٹی تو تین تو اکثر ہیں، کل انگلیاں کتنی ہیں ایک ہاتھ میں؟ پانچ۔ تو تین جب آگئیں تو تین تو اکثر ہو گئیں، نصف سے زائد ہو گئیں، اور لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ تو یوں سمجھیں گے کہ گویا ساری انگلیاں موجود ہیں، اور جب ساری انگلیاں ہوں تو پھر ہتھیلی کیا ہوتی ہے؟ انگلیوں کے تابع، تو ہتھیلی انگلیوں کے تابع ہو گئی۔ لہٰذا اب تین انگلیوں کی صورت میں تین انگلیوں کی دیت آ جائے گی، صاحبین بھی فرماتے ہیں ہتھیلی کا کچھ نہیں آئے گا بھائی، یہ ان کے تابع ہے۔

وَإِنْ كَانَتْ ثَلَاثَةُ أَصَابِعَ اور اگر تین انگلیاں ہوئیں تو يَجِبُ أَرْشُ الْأَصَابِعِ تو انگلیوں کا أَرْشْ جو ہے وہ واجب ہوگا۔ میں نے بتلایا تھا بھائی اعضاء کے اندر جو مالی ضمان آئے اس کو کیا کہتے ہیں؟ أَرْشْ کہتے ہیں اور اسی کو دیت بھی کبھی کہہ دیتے ہیں۔ تو اس میں واجب ہوگا تین انگلیوں کا أَرْشْ یعنی تین انگلیوں کی دیت، وہ کتنی ہے بھائی؟ تیس اونٹ بھائی، تیس اونٹ آ جائیں گے۔ وَلَا شَيْءَ فِي الْكَفِّ بِالْإِجْمَاعِ اور بالاجماع ہتھیلی میں کچھ نہیں ہوگا۔ اجماع سے مراد تمام امت کا اجماع مراد نہیں ہے، یہ ہمارے فقہاء کا اجماع مراد ہے۔ تو وَلَا شَيْءَ فِي الْكَفِّ بِالْإِجْمَاعِ تو ہتھیلی میں کچھ نہیں ہوگا بالاجماع، لِأَنَّ لِلْأَكْثَرِ حُكْمَ الْكُلِّ اس لیے کیونکہ اکثر کے لیے کل والا حکم ہوتا ہے، فَاسْتَتْبَعَتِ الْكَفَّ تو تابع بنا لیں گی انگلیاں الْكَفَّ کس کو؟ ہتھیلی کو۔ انگلیاں چونکہ اکثر ہیں تو وہ ہتھیلی کو اپنا تابع بنا لیں گی۔ یہ معنی ہے فَاسْتَتْبَعَتِ الْكَفَّ تو یہ انگلیاں جو ہیں تابع بنا لیں گی ہتھیلی کو۔

وَفِي أَصْبُعٍ زَائِدَةٍ وَعَيْنِ صَبِيٍّ وَذَكَرِهِ وَلِسَانِهِ لَوْ لَمْ يُعْلَمِ الصِّحَّةُ بِمَا دَلَّ عَلَى نَظَرِهِ وَتَحَرُّكِ ذَكَرِهِ وَكَلَامِهِ حُكُوْمَةُ عَدْلٍ۔ صورت یہ بھائی، ایک بعض—آپ نے دیکھا ہوگا بعض آدمیوں کے ہاتھ میں ایک انگلی زائد ہوتی ہے، ایک انگلی زائد ہوتی ہے اور وہ کسی کام کی نہیں ہوتی اور بدنما بھی معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کی وہ جو زائد انگلی ہے وہ کاٹ دی تو اس کے اندر کیا دس اونٹ آئیں گے؟ انگلی کی دیت آئے گی؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، اس میں کوئی—یہ تو ایک زائد تھی بھائی اور یہ تو ویسے ہی بدنما تھی تو اس کے اندر انگلی کی دیت نہیں آئے گی، اور یہ کسی کام کی بھی نہیں تھی بھائی، اس سے وہ کوئی مدد وغیرہ نہیں لیتا تھا یہ چیزوں کے پکڑنے میں کوئی معاونت نہیں ہوتی تھی اس کی، تو اس میں انگلی کی دیت نہیں آئے گی، اس میں حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ ہے بھائی۔

اسی طرح اگر بہت چھوٹا بچہ ہے، اب اس چھوٹے بچے کی آنکھ جو ہے وہ کسی نے ضائع کر دی، آنکھ پھوڑ ڈالی یا ذکر کاٹ دیا یا اس کی زبان کاٹ دی، تو بھائی ویسے تو اگر کوئی شخص کسی کی زبان کاٹے تو پوری دیت آتی ہے اگر اس کی گویائی چلی جائے بھائی۔ اور آنکھ پھوڑ دے تو آنکھ کے اندر نصفِ دیت آتی ہے، اور اسی طرح اگر ذکر کاٹ دے تو اس کے اندر بھی پوری دیت آتی ہے۔ لیکن یہاں کس کا ذکر ہو رہا ہے؟ بچے کا، اور بہت چھوٹا بچہ۔ اب پتہ ہی نہیں کہ اس کے یہ اعضاء ٹھیک بھی تھے یا نہیں۔ اگر آنکھ ٹھیک ہو پھر تو آنکھ کی پوری دیت آئے گی، اگر ذکر ٹھیک ہو پھر تو اس کی پوری دیت آئے

گی، اگر اس کی زبان ٹھیک ہو پھر تو پوری دیت آئے گی، لیکن ہمیں پتہ ہی نہیں ہے، تو پھر ان کے اندر بھی حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ ہوگا۔ کیا ہوگا؟ حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ بھائی۔ ہاں اگر کسی ذریعے سے پتہ چل جاتا ہے، آنکھ اس کی دیکھنے کے قابل تھی یا اس کے ذکر میں حرکت تھی یا اس کی زبان یا کوئی ایسے لفظوں سے کچھ اندازہ ہوتا تھا کہ اس کی زبان ٹھیک ہے، تو پھر اس صورت میں وہاں ان کی پوری دیت آئے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَفِيْ أَصْبُعٍ زَائِدَةٍ اور زائد انگلی کے اندر یعنی پانچ انگلیوں سے جو زائد چھٹی انگلی ہو اس کے اندر، وَعَيْنِ صَبِيٍّ اور بچے کی آنکھ میں، وَذَكَرِهِ اور بچے کے آلہ تناسل میں، وَلِسَانِهِ اور بچے کی زبان میں، لَوْ لَمْ يُعْلَمِ الصِّحَّةُ اگر ان کے صحیح ہونے کا پتہ نہ ہو بِمَا دَلَّ عَلٰى نَظَرِهِ بوجہ ایسی چیز کے جو دلالت کر رہی ہو عَلٰى نَظَرِهِ اس کے دیکھنے پر وَتَحَرُّكِ ذَكَرِهِ اور اس کے ذکر کے حرکت کرنے پر وَكَلَامِهِ اور اس کے کلام کرنے پر، تو حُكُوْمَةُ عَدْلٍ ان سب میں کیا ہے؟ حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ۔ یہ عبارت سمجھ لو بھائی، یہاں عبارت—انسان پریشان ہوتا ہے—یہ جو آیا نا بِمَا دَلَّ عَلٰى نَظَرِهِ وَتَحَرُّكِ ذَكَرِهِ وَكَلَامِهِ، اس کا تعلق ہے لَمْ يُعْلَمْ سے۔

لَمْ يُعْلَمْ—دیکھو، پھر سنو، لَوْ لَمْ يُعْلَمِ الصِّحَّةُ اگر ان کے صحیح ہونے کا پتہ نہ چلے بِمَا دَلَّ ایسی چیز کی وجہ سے جو دلالت کر رہی ہو اس کے دیکھنے پر اور اس کے ذکر کے حرکت کرنے پر اور اس کے کلام پر۔ جب ان چیزوں کی وجہ سے اس کے صحیح ہونے کا پتہ نہ ہو یعنی ایسی کوئی چیز نہ ہو تو پھر اس کے اندر حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔ هٰذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے۔ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَجِبُ دِيَةٌ كَامِلَةٌ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک پوری دیت واجب ہوگی لِأَنَّ الْغَالِبَ الصِّحَّةُ اس لیے کیونکہ غالب یہی ہے کہ یہ صحیح ہوں گے۔ غالب یہی ہے کہ یہ اعضاء بچے کے صحیح ہوں گے لہٰذا پوری دیت آئے گی۔ أَمَّا إِنْ عُلِمَ صِحَّةُ هٰذِهِ الْأَعْضَاءِ باقی اگر ان اعضاء کے صحیح ہونے کا علم ہو تو فَالْوَاجِبُ الدِّيَةُ الْكَامِلَةُ اتِّفَاقًا تو پھر کامل دیت واجب ہوگی بالاتفاق۔ ہمارے نزدیک بھی پھر پوری دیت آئے گی اگر ان اعضاء کے صحیح ہونے کا پتہ ہو۔

تو امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ پوری دیت آئے گی کیونکہ غالب یہی ہے کہ یہ اعضاء کیا ہوں گے؟ صحیح ہوں گے بھائی، صحیح ہوتے ہیں یہ اعضاء غالب، اور غالب کا گمان ہے۔ ہم کہتے ہیں ہاں آپ کی بات ٹھیک، غالب کیا ہے؟ یہ صحیح ہوں گے، لیکن اس غالب گمان کی وجہ سے کسی پر کسی چیز کو لازم نہیں کیا جا سکتا، بلکہ یہاں کوئی دلیل چاہیے بھائی۔ کسی چیز کے ذریعے اگر پتہ چلے گا کہ یہ اعضاء ٹھیک تھے تو پوری دیت ہوگی ورنہ پوری دیت نہیں ہوگی۔

آگے دیکھیے: وَدَخَلَ أَرْشُ مُوْضِحَةٍ أَذْهَبَتْ عَقْلَهُ أَوْ شَعْرَ رَأْسِهِ فِيْ الدِّيَةِ، وَإِنْ ذَهَبَ سَمْعُهُ أَوْ بَصَرُهُ أَوْ نُطْقُهُ لَا۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے دوسرے شخص کے سر پر مُوْضِحَةٌ زخم لگایا یعنی اتنا گہرا زخم جو سر کی ہڈی تک پہنچ گیا، تو اس

مُوْضِحَةٌ زخم کی ضرب کی وجہ سے اس آدمی کی عقل بھی چلی گئی، وہ پاگل ہو گیا، یا اس مُوْضِحَةٌ ضرب کی وجہ سے اس کے بال ہی ختم ہو گئے سر کے سارے بال، یا اس زخم کی وجہ سے اس کی سماعت ختم ہو گئی بھائی اب اسے کچھ سنائی ہی نہیں دیتا، یا اس کی بینائی چلی گئی بھائی اب اسے کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا، یا اس کی گویائی چلی گئی بھائی اب وہ بول ہی نہیں سکتا بھائی۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟

تو بتلائیں گے آپ کو کہ مُوْضِحَةٌ کا محل کیا؟ مُوْضِحَةٌ سر میں لگایا، اور اس سر کے زخم کی وجہ سے اگر عقل گئی یا اس کے بال چلے گئے تو پھر اس صورت میں ایک دیت واجب ہوگی۔ جب کسی شخص کی ضرب سے دوسرے کی عقل چلی جائے تو آپ نے پڑھا ہے یہ ایسے ہی ہے گویا اس نے اس کو قتل کر دیا، جب قتل کر دیا تو پوری دیت آتی ہے تو یہاں بھی پوری دیت آئے گی۔ اسی طرح سر کے بال ختم کر دیے تو سارا حسن و جمال ختم کر دیا لہٰذا اس میں بھی پوری دیت آئے گی۔ لیکن مُوْضِحَةٌ کا الگ سے ضمان نہیں آئے گا کیونکہ مُوْضِحَةٌ بھی کہاں لگایا؟ سر پر، اور عقل بھی کہاں پر تھی؟ سر میں، یا اسی طرح بال بھی کہاں پر تھے؟ سر میں۔ تو جب ایسی چیز گئی جو سر کے اندر تھی، جب دونوں کا محل ایک ہے تو ایک ہی دیت آجائے گی بھائی۔ توجہ ہے؟ جی۔ ایک ہی دیت آئے گی اور جو مُوْضِحَةٌ کا ضمان ہے وہ اسی کے اندر داخل ہو جائے گا۔ مُوْضِحَةٌ کا الگ سے ضمان نہیں آئے گا۔

لیکن اگر اس کی وجہ سے سماعت چلی گئی بھائی، سماعت کا محل تو سر نہیں ہے بھائی، وہ تو کانوں میں اللہ نے طاقت رکھی ہے، اور اسی طرح آنکھیں جو ہیں وہ تو چہرے کے اندر ہیں، یا گویائی ہے وہ زبان میں ہے وہ بھی چہرے میں، تو لہٰذا ان کی الگ دیت آئے گی۔ مُوْضِحَةٌ کا ضمان الگ آئے گا اور کانوں کی سماعت چلی گئی تو اس میں پوری دیت دینی پڑے گی، اور اگر بینائی چلی گئی تو اس میں ایک الگ پوری دیت دینی پڑے گی، اور اگر گویائی چلی گئی تو اس میں الگ دیت دینی پڑے گی۔ اور اگر ایسی ضرب لگائی مُوْضِحَةٌ کہ اس کی وجہ سے اس کی سماعت بھی چلی گئی، بینائی بھی چلی گئی، گویائی بھی چلی گئی، تینوں قوتیں ختم ہوئیں تو پھر تین دیتیں واجب ہو جائیں گی اور مُوْضِحَةٌ کا أَرْشٌ علیحدہ ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے، کہتے ہیں وَدَخَلَ أَرْشُ مُوْضِحَةٍ أَذْهَبَتْ عَقْلَهُ أَوْ شَعْرَ رَأْسِهِ فِي الدِّيَةِ اور داخل ہو جائے گا مُوْضِحَةٌ کا ضمان—مُوْضِحَةٌ کا أَرْشٌ کیا ہے؟ نصفِ عشر، نصفِ عشرِ دیت ہے۔ وَدَخَلَ أَرْشُ مُوْضِحَةٍ أَذْهَبَتْ عَقْلَهُ أَوْ شَعْرَ رَأْسِهِ فِي الدِّيَةِ۔ مُوْضِحَةٍ نکرہ آیا اور اس کے بعد أَذْهَبَتْ فعل آیا تو یہ کیا بنے گا؟ اس کی صفت، تو اس کے مطابق ترجمہ ہوگا۔ اور داخل ہو جائے گا أَرْشُ مُوْضِحَةٍ ایسے مُوْضِحَةٌ کا ضمان أَذْهَبَتْ عَقْلَهُ جو اس کی عقل لے گیا، جس نے اس کی عقل ختم کر دی أَوْ شَعْرَ رَأْسِهِ یا اس کے سر کے بال لے گیا یعنی ان کو ختم کر دیا، تو اس مُوْضِحَةٌ کا أَرْشٌ داخل ہو جائے گا فِي الدِّيَةِ کس کے اندر؟ دیت میں داخل ہو جائے گا، علیحدہ أَرْشٌ نہیں آئے گا، ایک ہی دیت آجائے گی، کیونکہ یہاں جو عقل، مُوْضِحَةٌ اور سر کے بال تینوں کا محل ایک ہی ہے، سر میں ہیں، تو ایک عضو کے اندر جو جنایت آئی تو اس میں زیادہ سے زیادہ ایک ہی دیت آئے گی

بھائی، زیادہ نہیں آئے گی۔

وَإِنْ ذَهَبَ سَمْعُهُ أَوْ بَصَرُهُ أَوْ نُطْقُهُ لَا اور اگر چلی گئی اس کی سماعت أَوْ بَصَرُهُ یا اس کی بینائی أَوْ نُطْقُهُ یا اس کی گویائی یعنی اب وہ بول ہی نہیں سکتا، تو لَا یعنی پھر مُوْضِحَةٌ کا أَرْشٌ دیت میں داخل نہیں ہوگا۔ هٰذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے۔ وَعِنْدَ زُفَرَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا یَدْخُلُ فِيْ ذَهَابِ الْعَقْلِ وَالشَّعْرِ أَیْضًا جبکہ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مُوْضِحَةٌ کا جو أَرْشٌ ہے وہ عقل اور بال جانے کی صورت میں بھی دیت کے اندر داخل نہیں ہوگا، وہ الگ سے دینا پڑے گا لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ جِنَايَةٌ عَلٰى حِدَةٍ اس لیے کیونکہ ان میں سے ہر ایک جنایت جو ہے، ہر ایک جرم جو ہے وہ علیحدہ ہے۔

قُلْنَا ہم کہتے ہیں الرَّأْسُ مَحَلُّ الْعَقْلِ وَالشَّعْرِ، ہم کہتے ہیں سر جو ہے وہ عقل اور بالوں کی جگہ ہے، فَالْجِنَايَاتُ كُلُّهَا عَلَى الرَّأْسِ تو یہ ساری جنایتیں سر پر ہوئیں، چاہے مُوْضِحَةٌ ہو، چاہے عقل چلی جائے اور چاہے بال چلے جائیں، تو یہ ساری جنایتیں عَلَى الرَّأْسِ سر پر ہیں، فَيَدْخُلُ بَعْضُ الدِّيَةِ فِيْ الْكُلِّ تو بعض دیت جو ہے وہ کل دیت میں داخل ہو جائے گی۔ دیت کا کچھ حصہ یہ جو مُوْضِحَةٌ میں آ رہا ہے وہ کل دیت کے اندر داخل، یہ معنی ہے فَيَدْخُلُ بَعْضُ الدِّيَةِ فِيْ الْكُلِّ أَيْ فِيْ كُلِّ الدِّيَةِ تو بعض دیت جو ہے وہ کل دیت کے اندر ہی داخل ہو جائے گی۔ وَالرَّأْسُ لَيْسَ مَحَلَّ السَّمْعِ وَالْبَصَرِ جبکہ سر جو ہے وہ سماعت اور بینائی کا محل نہیں ہے، فَالْجِنَايَةُ عَلَيْهِمَا لہٰذا سماعت اور بینائی پر جو جنایت ہو، جو جرم ہو لَا تَسْتَتْبِعُ الْمُوْضِحَةَ وہ مُوْضِحَةٌ کو اپنا تابع نہیں بنا سکتا، تو اس کا الگ ضمان آئے گا۔ وجہ سمجھ میں آ گئی بھائی؟ جی۔

آگے دیکھیے: وَلَا قَوَدَ إِنْ ذَهَبَتْ عَيْنَاهُ، بَلِ الدِّيَةُ فِيْهِمَا۔ بھائی صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو مُوْضِحَةٌ زخم لگایا سر میں، ہڈی تک زخم پہنچ گیا، اور مُوْضِحَةٌ کے اندر کیا آتا ہے؟ اگر جان بوجھ کر ہو تو قصاص آتا ہے۔ لیکن اسی مُوْضِحَةٌ کی وجہ سے اس کی دونوں آنکھیں بھی چلی گئیں، بینائی ختم ہو گئی اس کی۔ تو کیا اب یہاں قصاص آئے گا؟ کہتے ہیں نہیں، قصاص وہاں آتا ہے جہاں برابری ہو سکے اور یہاں اب برابری نہیں ہو سکتی۔ کیا آپ کسی کو ایسا مُوْضِحَةٌ لگا سکتے ہیں جس سے اس کی دونوں، جس سے اس کی بینائی چلی جائے؟ نہیں، یہ آپ کی قدرت میں نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے وَلَا قَوَدَ إِنْ ذَهَبَتْ عَيْنَاهُ اور قصاص نہیں ہے اگر اس کی دونوں آنکھیں چلی گئیں یعنی ان کی بینائی چلی گئی، بَلِ الدِّيَةُ فِيْهِمَا بلکہ دیت ہے ان کے اندر، ان میں دیت ہے۔ أَيْ فِيْ الْمُوْضِحَةِ وَالْعَيْنَيْنِ الدِّيَةُ یعنی مُوْضِحَةٌ اور آنکھوں میں دیت ہے۔ وَهٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اور یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ وَقَالَا اور صاحبین فرماتے ہیں فِيْ الْمُوْضِحَةِ الْقِصَاصُ وَفِيْ الْعَيْنَيْنِ الدِّيَةُ کہ مُوْضِحَةٌ کے اندر تو قصاص ہوگا وَفِيْ الْعَيْنَيْنِ الدِّيَةُ اور آنکھوں میں دیت ہوگی۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ قصاص لیا جائے گا، امام صاحب فرماتے ہیں نہیں قصاص نہیں کیونکہ برابری نہیں ہو سکتی۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ مُوْضِحَةٌ کا قصاص لے لیا جائے اور آنکھیں چلی گئی ہیں تو ان کی پوری دیت بھی وصول کی جائے۔

وَلَا يُقْطَعُ أَصْبُعٌ شَلَّ جَارُهُ۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے دوسرے شخص کی ایک انگلی کاٹ دی، اور انگلی کوئی کاٹے

تو اس میں ایک دس اونٹ آتے ہیں۔ لیکن اس نے جب انگلی کاٹی تو ساتھ والی جو انگلی تھی وہ شل ہو گئی، وہ مفلوج ہو گئی، اب وہ حرکت ہی نہیں کرتی۔ تو کیا اس میں قصاص آئے گا؟ امام صاحب فرماتے ہیں قصاص نہیں کیونکہ مماثلت نہیں ہو سکتی، ہم اس طریقے سے اس کی انگلی نہیں کاٹ سکتے کہ ساتھ والی انگلی شل ہو جائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔

یہ معنی ہے وَلَا يُقْطَعُ أَصْبُعٌ اور کاٹا نہیں جائے گا ایسی انگلی کو–أَصْبُعٌ نکرہ ہے، شَلَّ جَارُهُ یہ اس کے بعد فعل آیا یہ اس کی صفت بنے گا–وَلَا يُقْطَعُ أَصْبُعٌ اور کاٹا نہیں جائے گا ایسی انگلی کو شَلَّ جَارُهُ جس کا پڑوسی شل ہو گیا، جس کا پڑوسی–جَارٌ پڑوسی کو کہتے ہیں نا، مراد وہ ساتھ والی انگلی ہے–تو ایسی انگلی کو نہیں کاٹا جائے گا جس کے ساتھ والی انگلی شل ہو جائے۔ هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ وَعِنْدَهُمَا وَعِنْدَ زُفَرَ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ يُقْتَصُّ مِنَ الْأَوَّلِ وَفِيْ الثَّانِيْ أَرْشُهَا جبکہ صاحبین اور امام زفر رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ يُقْتَصُّ مِنَ الْأَوَّلِ پہلی میں قصاص لیا جائے گا، اس نے ایک انگلی کاٹی تھی اس کی بھی ایک مجرم کی بھی ایک انگلی کاٹی جائے گی، وَفِيْ الثَّانِيْ أَرْشُهَا اور دوسری انگلی جو شل ہوئی ہے اس میں أَرْش آجائے گا، انگلی کی دیت آجائے گی، تو یعنی دس اونٹ آجائیں گے۔

وَفِيْ أَصْبُعٍ قُطِعَ مَفْصِلُهُ الْأَعْلٰى فَشَلَّ مَا بَقِيَ، بَلْ دِيَةُ الْمَفْصِلِ وَالْحُكُوْمَةُ فِيْمَا بَقِيَ۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے کسی شخص کی انگلی کو جوڑ سے کاٹ دیا یعنی یہ جو پہلا پورا ہے اوپر والا پورا وہ پورا کاٹ دیا، ایک پورا کاٹ دیا، اور ایک پورے میں کتنی دیت ہے آپ پڑھ چکے ہیں: پوری انگلی میں عُشرِ دیت ہے تو ایک پورے میں ثُلُثِ عُشر ہے اگر اس انگلی میں تین پورے ہوں، اگر دو پورے ہوں یعنی انگوٹھا ہو تو پھر نصفِ عُشر ہے۔ لیکن یہاں بات ہو رہی ہے قصاص کی کہ قصاص لیں گے یا نہیں؟ ایک آدمی نے دوسرے آدمی کی انگلی کا اوپر والا پورا کاٹ دیا، کاٹا تو اس نے ایک پورا لیکن نیچے والے دونوں پورے بے حرکت ہو گئے، اب وہ حرکت ہی نہیں کرتے، شل ہو گئے۔ تو کیا اس میں قصاص آئے گا؟ کہتے ہیں نہیں، قصاص نہیں آئے گا کیونکہ قصاص وہاں ہوتا ہے جہاں برابری ہو سکے، ہم اس شخص کی انگلی اس طرح نہیں کاٹ سکتے کہ نیچے والے دونوں پورے کیا–دونوں پورے شل ہو جائیں بھائی۔

تو کہتے ہیں وَفِيْ أَصْبُعٍ، أَصْبُعٍ نکرہ آیا اور آگے آیا قُطِعَ مَفْصِلُهُ– میم پر فتحہ ہے پڑھیں اور صاد کے نیچے زیر پڑھیں بھائی، میری کتاب میں مِفْصَل لکھا ہے یہ غلط لکھا ہے بھائی، مَفْصِل مَفْصِل، جوڑ کو مَفْصِل کہتے ہیں–وَفِيْ أَصْبُعٍ یہ خبر ہے، پیچھے آیا تھا نا وَلَا قَوَدَ إِنْ ذَهَبَتْ عَيْنَاهُ، وہاں آیا تھا وَلَا قَوَدَ، تو یہ بھی اس کی خبر ہے بھائی، اس خبر پر عطف ہے أَيْ وَلَا قَوَدَ فِيْ أَصْبُعٍ قُطِعَ مَفْصِلُهُ الْأَعْلٰى اور قصاص نہیں ہے ایسی انگلی میں قُطِعَ مَفْصِلُهُ الْأَعْلٰى جس کے اوپر والا جوڑ کاٹ دیا گیا فَشَلَّ مَا بَقِيَ تو باقی انگلی جو ہے وہ شل ہو گئی، اس میں قصاص نہیں ہے، بَلْ دِيَةُ الْمَفْصِلِ بلکہ جوڑ کی دیت ہے بھائی اس میں، جوڑ کی دیت، ایک جوڑ اس نے کاٹا، اور باقی دو جوڑ تو خود شل ہوئے ہیں تو اس میں پھر حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ ہے بھائی، وَالْحُكُوْمَةُ فِيْمَا بَقِيَ اور باقی کے اندر حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ ہے۔

وَلَا بِكَسْرِ نِصْفِ سِنٍّ اِسْوَدَّ بَاقِيْهَا۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے دوسرے شخص کا آدھا دانت توڑ دیا، پورا دانت نہیں، آدھا دانت توڑ دیا۔ اور آپ نے پڑھا ہے کہ دانت کے اندر قصاص ہے۔ ہڈیوں میں ویسے تو قصاص نہیں لیکن دانت کے اندر قصاص ہے بھائی، اور قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: السِّنَّ بِالسِّنِّ دانت کے بدلے دانت، تو اس لیے اس میں قصاص ہے۔ اور صورت یہاں یہ کہ ایک شخص نے دوسرے کا آدھا دانت توڑ دیا اور باقی کا آدھا دانت کالا ہو گیا، تو کیا اب یہاں پر قصاص آئے گا؟ کہتے ہیں نہیں، قصاص میں برابری ہوتی ہے، ہم اس کا دانت اس طرح آدھا نہیں توڑ سکتے کہ باقی کا دانت کالا ہو جائے، بلکہ یہاں پورے دانت کی دیت آجائے گی۔

تو کہتے ہیں وَلَا بِكَسْرِ نِصْفِ سِنٍّ اور قصاص نہیں ہے بِكَسْرِ نِصْفِ سِنٍّ آدھے دانت کو توڑنے میں اِسْوَدَّ بَاقِيْهَا کہ جس کا باقی آدھا کالا ہو جائے، بَلْ كُلُّ دِيَةِ السِّنِّ بلکہ اس میں پورے دانت کی دیت ہے۔

وَيَجِبُ الْأَرْشُ عَلٰى مَنْ أَقَادَ سِنَّهُ ثُمَّ نَبَتَتْ۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے دوسرے شخص کا دانت توڑ دیا، دانت نکال دیا جڑ سے، اور قصاص کے اندر پھر مجرم کا بھی دانت اس نے نکلوا دیا، قصاص لے لیا، اور پھر یہ جس شخص نے قصاص لیا تھا اس کا دانت نیا آگیا۔ نیا دانت تو آتا تو نہیں ہے لیکن اس کا نیا دانت پیدا ہو گیا اس کی جگہ۔ کہتے ہیں بھائی معلوم ہوا اس نے جو مجرم کا دانت نکلوایا ناحق نکلوایا، اس کا حق نہیں بنتا تھا کیونکہ دانت کی وجہ سے چبانے کا اور زینت کا جو فائدہ فوت ہوا تھا وہ اللہ نے اس کو دوبارہ دے دیا، تو لہٰذا اس کا حق نہیں بنتا تھا کہ اس کا دانت نکلوائے، اس نے ناحق اس کا دانت نکلوایا ہے، لہٰذا اس پر ایک دانت کی دیت آجائے گی، اس کو ادا کرنا پڑے گی، وہ مجرم کو ادا کرنا پڑے گی، یعنی وہ مجرم کو دے گا اب یہ دیت۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

کہتے ہیں وَيَجِبُ الْأَرْشُ عَلٰى مَنْ أَقَادَ سِنَّهُ اور أَرْشٌ واجب ہوگا یعنی دانت کی دیت واجب ہوگی عَلٰى مَنْ اس شخص پر أَقَادَ سِنَّهُ جس نے قصاص لے لیا سِنَّهُ اپنے دانت کا، مجرم سے اپنے دانت کا قصاص لے لیا، ثُمَّ نَبَتَتْ پھر اس کا دانت اگ آیا۔ أَيْ نَبَتَتْ سِنُّ مَنْ أَقَادَ یعنی اگ آیا دانت اس شخص کا جس نے قصاص لیا تھا، فَعُلِمَ تو معلوم ہوا أَنَّهُ أَقَادَ بِغَيْرِ حَقٍّ کہ اس نے قصاص لیا ہے ناحق بھائی، وَكَانَ وَاجِبًا أَنْ يَسْتَأْنِيَ حَوْلًا اور واجب تھا کہ وہ انتظار کرتا، وہ تاخیر کرتا ایک سال تک، ثُمَّ يَقْتَصَّ پھر وہ قصاص لیتا۔ اِسْتَأْنٰى يَسْتَأْنِي کا معنی ہے کسی کام میں دیر کرنا، اس کو ٹھہر کر کرنا۔ تو اس کو چاہیے تھا ایک سال ٹھہر کر قصاص لیتا، اس نے جلدی قصاص لے لیا۔ ایک سال ٹھہرتا تو پتہ لگ جاتا اس کا تو نیا دانت آگیا ہے تو پھر قصاص لینے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ تو وَكَانَ وَاجِبًا أَنْ يَسْتَأْنِيَ حَوْلًا ثُمَّ يَقْتَصَّ اور واجب تھا کہ وہ ٹھہرتا ایک سال تک پھر وہ قصاص لیتا۔ وَلَمَّا كَانَ بِغَيْرِ حَقٍّ اور جب یہ قصاص جو تھا وہ بغیر حق کے تھا، تو يَنْبَغِيْ أَنْ يَجِبَ الْقِصَاصُ تو مناسب تو یہ ہے کہ قصاص واجب ہونا چاہیے، اس کا وہ دانت اب نکال دینا چاہیے، لٰكِنْ سَقَطَ لِلشُّبْهَةِ لیکن قصاص جو ہے وہ شبہے کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔ وہ قصاص شبہے کی وجہ سے ساقط۔ کیوں؟ شبہ کیا؟ کیونکہ اس نے جو مجرم کا دانت نکلوایا

تھا اس نے اپنا حق سمجھ کے نکلوایا تھا، کوئی ناحق اور ظلم کے طریقے پر نہیں نکلوایا تھا، اس وجہ سے شبہ آگیا اور شبہے کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے، تو لہٰذا اب اس کا دانت نہیں نکالیں گے۔ وَيَجِبُ الْأَرْشُ تو دانت کا أَرْشْ واجب ہوگا اور وہ کتنا ہے ایک دانت میں؟ نِصْفُ عُشْرٍ یعنی پانچ اونٹ بھائی۔

أَوْ قَلَعَهَا فَرُدَّتْ إِلٰى مَكَانِهَا۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے دوسرے شخص کا دانت نکال دیا، توڑ دیا، اور جڑ سے دانت نکل آیا، تو جس کا دانت نکل آیا تھا اس نے پھر اس دانت کو جلدی سے واپس اسی جگہ پر جوڑ دیا، لگا دیا اور خوب دبا دیا گوشت میں، اور پھر آہستہ آہستہ گوشت اس کے اردگرد بن گیا، مسوڑھے مضبوط ہو گئے، دانت اپنی جگہ پر ٹھہر گیا، تو کیا اب أَرْشْ وغیرہ کچھ نہیں آئے گا؟ دانت تو اس کا اپنی جگہ پر لگ گیا؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، دانت ایک دفعہ جب اکھڑ گیا گوشت آ بھی جائے اب وہ پہلے جیسا مضبوط نہیں، نیچے رگیں کٹ چکی ہیں، تو اعتبار رگوں کا ہے گوشت کا اعتبار نہیں۔ یہ اپنی جگہ پر اس نے لگا بھی دیا ہے پھر بھی کوئی ذرا سخت چیز کھائے گا یہ دانت پھر نکل آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا یہاں ضمان آئے گا۔

کہتے ہیں أَوْ قَلَعَهَا اس کا عطف کس پر ہے؟ وہ جو پیچھے آیا تھا نا عَلٰى مَنْ أَقَادَ أَقَادَ، أَقَادَ پر اس کا عطف کر دیں۔ وَيَجِبُ الْأَرْشُ عَلٰى مَنْ قَلَعَهَا اور دانت کا ضمان واجب ہوگا اس شخص پر جس نے دانت کو اکھاڑ دیا فَرُدَّتْ إِلٰى مَكَانِهَا پھر اس دانت کو لوٹا دیا گیا اس کی جگہ کی طرف یعنی پھر ادھر لگا دیا گیا وَنَبَتَ عَلَيْهِ اللَّحْمُ اور اس پر گوشت اگ آیا۔ أَيْ يَجِبُ الْأَرْشُ عَلٰى مَنْ قَلَعَ سِنَّ غَيْرِهِ، دیکھا اسی پر عطف کیا ہے شارح نے، أَيْ يَجِبُ الْأَرْشُ عَلٰى مَنْ قَلَعَ سِنَّ غَيْرِهِ اور أَرْشْ واجب ہوگا دانت کا اس شخص پر جس نے اکھاڑ دیا سِنَّ غَيْرِهِ دوسرے کے دانت کو فَرَدَّ صَاحِبُ السِّنِّ سِنَّهُ إِلٰى مَكَانِهَا پھر لوٹا دیا دانت والے نے اپنے دانت کو اپنی جگہ پر فَنَبَتَ عَلَيْهَا اللَّحْمُ تو اس پر گوشت اگ آیا یعنی مسوڑھے آگئے اس پر مضبوط ہو گیا۔ وَإِنَّمَا يَجِبُ الْأَرْشُ کہتے ہیں ضمان واجب ہوگا لِأَنَّ نَبَاتَ اللَّحْمِ لَا اعْتِبَارَ لَهُ اس لیے کیونکہ گوشت کے اگنے کا، گوشت کے آنے کا کوئی اعتبار نہیں لِأَنَّ الْعُرُوْقَ لَا تَعُوْدُ اس لیے کیونکہ رگیں جو ہیں وہ نہیں لوٹتیں، وہ دوبارہ نہیں آتیں۔

لَا إِنْ قُلِعَتْ فَنَبَتَتْ أُخْرٰى۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے دوسرے شخص کا دانت اکھاڑ دیا، دانت نکال دیا، لیکن پھر اس اکھڑے ہوئے دانت کی جگہ دوسرا دانت آگیا، تو کہتے ہیں اس صورت میں اس اکھاڑنے والے پر دانت کا أَرْشْ یعنی دانت کی دیت واجب نہیں ہوگی، کیونکہ اس کی جو نقصان تھا اس کا ازالہ ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو نیا دانت نصیب فرما دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں لَا إِنْ قُلِعَتْ فَنَبَتَتْ أُخْرٰى، دانت کا أَرْشْ واجب نہیں ہوگا إِنْ قُلِعَتْ—پڑھیں بھائی إِنْ قُلِعَتْ—اگر اس دانت کو اکھاڑ دیا گیا فَنَبَتَتْ أُخْرٰى پھر دوسرا دانت اگ آیا، تو پھر دوسرا دانت نکل آیا فَإِنَّهُ لَا يَجِبُ الْأَرْشُ عَلَى الْقَالِعِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اس لیے کیونکہ أَرْشْ جو ہے وہ واجب نہیں ہوگا اکھاڑنے والے پر امام صاحب کے نزدیک۔ تو أَرْشْ واجب نہیں

ہوگا اکھاڑنے والے پر امام صاحب کے نزدیک لِأَنَّ الْجِنَايَةَ انْعَدَمَتْ مَعْنًى اس لیے کیونکہ اس کی جنایت، اس کا جرم جو ہے وہ معدوم ہو گیا مَعْنًى معنوی طور پر معدوم ہو گیا۔ صورتاً تو معدوم نہیں، جرم تو اس نے کیا تھا، لیکن معنوی طور پر جرم معدوم ہو گیا کہ اس کو دانت مل گیا جس کا دانت نکلا تھا، کہ اس کا دانت نکل آیا جس کا دانت اکھاڑا تھا۔ كَمَا إِذَا قَلَعَ سِنَّ صَبِيٍّ فَنَبَتَتْ أُخْرٰى لَا يَجِبُ الْأَرْشُ عَلَى الْقَالِعِ بِالْإِجْمَاعِ کہتے ہیں یہ اسی طرح ہے جیسے اکھاڑا کسی بچے کا دانت فَنَبَتَتْ أُخْرٰى پھر دوسرا دانت اس کا نکل آیا، لَا يَجِبُ الْأَرْشُ عَلَى الْقَالِعِ بِالْإِجْمَاعِ تو اس صورت میں اکھاڑنے والے پر بالاجماع أَرْشٌ واجب نہیں ہے، تو یہاں بھی اسی طرح ہے، اس کا دانت نکل آیا تو اب أَرْشٌ نہیں ہوگا۔

وَعِنْدَهُمَا يَجِبُ الْأَرْشُ صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں، دانت کا أَرْشٌ یعنی دانت کی دیت یعنی پانچ اونٹ واجب ہوں گے لِأَنَّ الْجِنَايَةَ قَدْ تَحَقَّقَتْ اس لیے کیونکہ جرم جو ہے وہ تحقیق پایا گیا ہے، وَالْحَادِثُ نِعْمَةٌ مُبْتَدَأَةٌ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى اور یہ جو نیا دانت ہے یہ تو نئی نعمت ہے اللہ کی طرف سے۔ جرم کرنے والے نے تو پورا جرم کیا تھا، اس نے تو اس کا دانت اکھاڑ دیا تھا، لہٰذا اس پر ضمان آئے گا پورے دانت کا، اور یہ جو اس کو نیا دانت ملا یہ تو اللہ کی نعمت ہے اس کے لیے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس کی وجہ سے اس کا جرم ختم نہیں ہو سکتا۔ یہ معنی ہے لِأَنَّ الْجِنَايَةَ قَدْ تَحَقَّقَتْ اس لیے کیونکہ جرم تو پایا گیا ہے، وَالْحَادِثُ نِعْمَةٌ مُبْتَدَأَةٌ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى اور نیا دانت جو ہے وہ تو نئی نعمت ہے اللہ کی طرف سے۔

أَوِ الْتَحَمَتْ شَجَّةٌ أَوْ جُرْحٌ بِضَرْبٍ وَلَمْ يَبْقَ لَهُ أَثَرٌ۔ بھائی یہ ضابطہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ امام صاحب کے نزدیک جو زخم بھر جائے اور اس کا نشان ختم ہو جائے تو وہاں ضمان نہیں آتا بھائی، یہی بیان کر رہے ہیں۔ أَوِ الْتَحَمَتْ شَجَّةٌ أَوْ جُرْحٌ یا بھر گیا، مندمل ہو گیا سر اور چہرے کا زخم أَوْ جُرْحٌ یا زخم، عام بدن کا کوئی زخم، وہ بھر گیا بِضَرْبٍ جو کسی ضرب کی وجہ سے تھا، وَلَمْ يَبْقَ لَهُ أَثَرٌ اور اس کا کوئی نشان باقی نہ رہا، زخم بھی بھر گیا اور کوئی نشان بھی باقی نہیں، بدنما معلوم نہیں ہوتا، فَإِنَّهُ يَسْقُطُ الْأَرْشُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَرْشٌ جو ہے وہ ساقط ہو جائے گا امام صاحب کے نزدیک لِزَوَالِ الشَّيْنِ الْمُوْجِبِ اس لیے کیونکہ وہ بدنمائی زائل ہو گئی الْمُوْجِبِ جو واجب کرنے والی تھی أَرْشٌ کو۔ سر اور چہرے کے زخموں میں ضمان آتا ہے، کیوں آتا ہے ضمان؟ کیونکہ انسان بدنما معلوم ہوتا ہے، ساری عمر کے لیے اس کے چہرے کو بدنما یا اس کے سر کو بدنما بنا دیا، اور امام صاحب فرماتے ہیں وہ بدنمائی ختم ہو گئی جو أَرْشٌ کو واجب کرنے والی تھی، تو جب بدنمائی ختم تو أَرْشٌ بھی ختم۔ یہ معنی ہے لِزَوَالِ الشَّيْنِ الْمُوْجِبِ اس لیے کیونکہ وہ بدنمائی زائل ہو گئی الْمُوْجِبِ جو اس أَرْشٌ کو واجب کرنے والی تھی۔

وَعِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَرْشُ الْأَلَمِ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر تکلیف دینے، درد دینے کا أَرْشٌ ہے یعنی حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ ہے، حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ۔ خود بتلا رہے ہیں وَهُوَ حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ وہ حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ ہے، جو اس نے درد دی تکلیف دی اس میں ضمان کچھ لے لیا جائے گا اس سے۔ قِيْلَ اور کہا گیا، قِيْلَ يُنْظَرُ دیکھا جائے گا کہ أَنَّ—یہ ایک

الگ قول ذکر کر رہے ہیں–قِيْلَ کہا گیا ہے کہ يُنْظَرُ دیکھا جائے گا كَأَنَّ الْإِنْسَانَ بِكَمْ يُخْرِجُ نَفْسَهُ مِثْلَ هٰذِهِ الْجِرَاحَةِ۔ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اس میں یہ دیکھا جائے گا کہ اگر اس جیسا واقعہ اس شخص کے ساتھ ہوتا تو یہ کتنا ضمان دے کر اپنے آپ کو چھڑاتا؟ اس وقت تو یہ مظلوم ہے، اس کو نقصان پہنچا تھا نا؟ جی۔ اس کو زخم لگا تھا لیکن زخم کا نشان ختم ہو گیا سر پر اور بال بھی آ گئے، بالکل نشان ہی باقی نہ رہا۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں اس میں أَرْشٌ نہیں ہے، جبکہ امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں حُكُوْمَةُ الْعَدْلِ ہے، اور جبکہ بعض فقہاء کیا فرماتے ہیں کہ اس آدمی، اس یہاں غور کر لیں گے کہ وہ فرماتے ہیں کہ بھائی ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کو کوئی دوسرے کے ہاتھوں کوئی نقصان یا تکلیف پہنچ جائے تو وہ جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں، مال وغیرہ دے دیتے ہیں کہ بس بات ختم کرو۔ اور کچھ لوگ جن کو یہ زخم لگا وہ کچھ معاف کر دیتے ہیں کہ چھوڑو بھائی چلیے غلطی سے ہوا یا جو بھی ہو گیا میں معاف کرتا ہوں، اور کچھ اس کے بدلے پیسے لے لیتے ہیں پھر۔ تو اس طرح کے زخموں میں کچھ لوگ پیسے دیتے ہیں اور کچھ لوگ پیسے لیتے ہیں، تو یہ جس شخص کو یہ زخم اس–وغیرہ لگا تھا، اب زخم بھر چکا ہے نشان ختم ہو چکا ہے، یہ خود غور کر لے کہ اس جیسا زخم اگر میرے سے، میرے ہاتھوں کسی اور کو لگا ہوتا تو میں کتنا مال دے کر اپنے آپ کو اس سے چھڑوا لیتا؟ تو وہی واجب کر دیا جائے گا۔

تو کہا گیا ہے يُنْظَرُ دیکھا جائے گا أَنَّ الْإِنْسَانَ کہ انسان جو ہے بِكَمْ يُخْرِجُ نَفْسَهُ کتنے میں اپنے آپ کو نکالتا ہے وہاں سے، اپنے آپ کو چھڑاتا ہے مِثْلَ هٰذِهِ الْجِرَاحَةِ اس جیسے زخم میں، کتنے پیسے دے کر اپنے آپ کو چھڑاتا ہے؟ وہ ضمان لازم کر دیا جائے گا ظلم کرنے والے پر۔ فَإِنَّ بَعْضَ النَّاسِ يُخْرِجُ نَفْسَهُ اس لیے کیونکہ بعض لوگ اپنے آپ کو نکالتے ہیں یعنی اپنے آپ کو چھڑاتے ہیں، وَيَأْخُذُ عَلٰى ذٰلِكَ شَيْئًا اور بعض لوگ کچھ لے لیتے ہیں اس پر۔ یہ عبارت سمجھ لیں بھائی: فَإِنَّ بَعْضَ النَّاسِ يُخْرِجُ نَفْسَهُ یہ ایک خبر ہے، اور وَيَأْخُذُ عَلٰى ذٰلِكَ شَيْئًا یہ اسی خبر پر عطف ہے، یہ دراصل دو جملوں کے درجے میں ہے: فَإِنَّ بَعْضَ النَّاسِ يُخْرِجُ نَفْسَهُ بعض لوگ اپنے آپ کو اس جیسے زخموں سے چھڑاتے ہیں یعنی مال دے کر، وَبَعْضُ النَّاسِ يَأْخُذُ عَلٰى ذٰلِكَ شَيْئًا اور بعض لوگ اس پر کچھ مال لے لیتے ہیں۔ یہ معنی ہے فَإِنَّ بَعْضَ النَّاسِ يُخْرِجُ نَفْسَهُ وَيَأْخُذُ عَلٰى ذٰلِكَ شَيْئًا اس لیے کیونکہ بعض لوگ اس سے اپنے آپ کو نکالتے ہیں، کس طرح نکالتے ہیں؟ آگے آ رہا ہے وَيَأْخُذُ پیسے لے لیتے ہیں–پیسے لے کے نکالتے ہیں؟ نہیں، وہ حذف، اس کو ذکر نہیں کیا، بعض نکالتے ہیں پیسے دے کر، وَيَأْخُذُ عَلٰى ذٰلِكَ شَيْئًا اور کچھ لوگ اس پر پیسے لے لیتے ہیں یعنی معاف نہیں کرتے بلکہ کچھ پیسے لے لیتے ہیں۔ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَجِبُ أُجْرَةُ الطَّبِيْبِ وَثَمَنُ الدَّوَاءِ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں طبیب کی اجرت اور دوائی کا خرچہ جو ہے اس دوائی کے جو ثمن ہیں وہ واجب ہوں گے، یعنی ڈاکٹر کی فیس اور جو دوائیوں کا خرچہ ہے وہ لے لیا جائے گا۔

وَلَا يُقَادُ جُرْحٌ إِلَّا بَعْدَ بُرْءٍ اور قصاص نہیں لیا جائے گا زخم کا مگر بَعْدَ بُرْءٍ ٹھیک ہونے کے بعد۔ کسی بھی زخم کا قصاص

جب تک وہ ٹھیک نہ ہو نہیں لیا جائے گا، اس لیے کیونکہ پتہ نہیں اس زخم سے اس شخص کی جان بچتی ہے یا جان نہیں بچتی۔ اگر جان بچ گئی پھر تو ٹھیک ہے اس زخم کا قصاص لے لیا جائے گا، اور اگر اس سے اس کا انتقال ہو گیا پھر تو یہ قتل بن جائے گا بھائی، پھر معاملہ مختلف ہوگا۔ لہٰذا پہلے زخم کے ٹھیک ہونے کا انتظار کیا جائے گا پھر اس کا قصاص لیا جائے گا۔ وَلَا يُقَادُ جُرْحٌ إِلَّا بَعْدَ بُرْءٍ اور قصاص نہیں لیا جائے گا زخم کا مگر تندرست ہونے کے بعد، هٰذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے۔ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى رَحْمَةً وَاسِعَةً يُقْتَصُّ فِيْ الْحَالِ، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فی الحال ہی قصاص لے لیا جائے گا كَمَا فِيْ الْقِصَاصِ فِي النَّفْسِ جیسے قصاص فی النفس کے اندر ہوتا ہے کہ وہاں فوراً کیا کر لیا جاتا ہے؟ قصاص لے لیا جاتا ہے۔

وَعَمْدُ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُوْنِ خَطَأٌ اور بچے کا عمد اور مجنون کا عمد وہ بھی خطا ہے۔ بچہ جان بوجھ کر کسی کو قتل کرتا ہے یا کوئی زخم لگاتا ہے، یا مجنون جان بوجھ کر کسی کو قتل کرتا ہے یا زخمی–زخم لگاتا ہے، تو یہ عمد نہیں شمار ہوں گے، جان بوجھ کر زخم اور قتل نہیں شمار ہوں گے بلکہ خطا شمار ہوں گے، اور خطا کے اندر جو جرم–جو ضمان آتا ہے وہ آئے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے وَعَمْدُ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُوْنِ خَطَأٌ اور بچے اور مجنون کا جو عمد ہے یعنی جان بوجھ کر جو جرم ہے خَطَأٌ وہ خطا ہے۔ وَعَلٰى عَاقِلَتِهِ الدِّيَةُ اور ان کی عاقلہ پر دیت آئے گی، وَلَا كَفَّارَةَ فِيْهِ اور اس میں کفارہ نہیں ہے ان پر بھائی کیونکہ یہ مکلف نہیں ہیں، وَلَا حِرْمَانَ إِرْثٍ اور اس میں حرمانِ ارث بھی نہیں ہے، وراثت سے بھی محروم نہیں ہوں گے بھائی۔

وَمَنْ ضَرَبَ بَطْنَ امْرَأَةٍ فَأَلْقَتْ جَنِيْنًا، تَجِبُ غُرَّةٌ خَمْسُمِائَةِ دِرْهَمٍ عَلٰى عَاقِلَتِهِ إِنْ أَلْقَتْ مَيْتًا، وَدِيَةٌ... اچھا، اب جنین کے مسئلے شروع ہو گئے بھائی، جنین۔ ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہے جو حمل ہے، اس کو جَنِيْنٌ کہتے ہیں۔ تو یہ جَنِيْنٌ کے مسائل شروع ہو گئے۔ عورت کے پیٹ میں جو بچہ ہو، جو حمل ہو اس کو جَنِيْنٌ کہتے ہیں، جَنِيْنٌ۔ جَنِيْنٌ کا مادہ کیا ہے؟ جیم، نون، نون۔ یاد رکھو جہاں یہ مادہ ہوگا وہاں چھپنے والا معنی ہوگا، چھپنے والا معنی ہوگا۔ جَنِيْنٌ دیکھو پیٹ میں ہوتا ہے چھپا ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح جن بھائی، جن ایک مخلوق ہے وہ بھی کیا ہے؟ ہماری آنکھوں سے چھپی ہوئی ہے۔ اسی طرح جنت ہے بھائی، جنت بھی ہماری آنکھوں سے چھپی ہوئی ہے اس وقت بھائی۔

صورت یہ کہ ایک شخص نے ایک حاملہ عورت کے پیٹ پر ضرب لگائی اور اس عورت نے بچہ گرا دیا، بچہ اس کا ضائع ہوا۔ تو یاد رکھیے اگر وہ بچہ مردہ پیدا ہوا، مردہ گرایا، تو اس صورت میں غُرَّةٌ واجب ہوگا، غُرَّةٌ واجب ہوگا، اور وہ پانچ سو درہم ہیں۔ غُرَّةٌ کتنا ہے؟ پانچ سو درہم کہہ لیں یا یوں کہیں کہ یہ نصفِ عشرِ دیت ہے۔ کل دیت کتنی؟ دس ہزار۔ دس ہزار کے دس حصے کرو، ایک حصے میں کیا آیا؟ ایک ہزار، یہ عشر ہے۔ اور اس کا نصف کرو، پانچ سو درہم، تو یہ کیا ہے پانچ سو درہم؟ نصفِ عشرِ دیت ہے، نصفِ عشرِ دیت۔ تو اگر وہ مردہ تھا تو اس میں غُرَّةٌ آئے گا یعنی پانچ سو درہم کہہ لو یا نصفِ عشرِ دیت

کہہ لو بھائی، نصفِ عشرِ دیت۔ اور اگر وہ بچہ زندہ تھا اور پھر مر گیا تو پھر تو ایک جان چلی گئی اس کی ضرب کی وجہ سے، تو اس میں پھر پوری دیت دینا پڑے گی، اس بچے کی پوری دیت یعنی سو اونٹ دینے پڑیں گے۔

دیکھیے بھائی، تفصیل آگے آرہی ہے۔ کہتے ہیں وَمَنْ ضَرَبَ بَطْنَ امْرَأَةٍ اور جس شخص نے مارا کسی عورت کے پیٹ پر فَأَلْقَتْ جَنِيْنًا تو اس نے ایک جَنِيْنٌ کو گرا دیا یعنی حمل کو گرا دیا، تَجِبُ غُرَّةٌ تو اس مارنے والے پر، مجرم پر غُرَّةٌ واجب ہوگا۔ غُرَّةٌ کیا ہے بھائی؟ خَمْسُمِائَةِ دِرْهَمٍ یہ بدل ہے غُرَّةٌ سے۔ غُرَّةٌ واجب ہوگا یعنی کہ پانچ سو درہم واجب ہوں گے عَلٰى عَاقِلَتِهِ اس شخص کے عاقلہ پر بھائی، اس کے قوم والوں پر إِنْ أَلْقَتْ مَيْتًا اگر اس عورت نے اس کو مردہ ڈالا یعنی مردہ پیدا ہوا۔ وَدِيَةٌ اور دیت واجب ہوگی إِنْ حَيًّا اگر اس عورت نے اس کو زندہ گرایا یعنی وہ زندہ تھا زندہ، فَمَاتَ پھر وہ مر گیا بھائی۔

بھائی یہ جَنِيْنٌ کے اندر پانچ سو درہم کیوں آئیں گے؟ دراصل یہ حدیث میں آتا ہے، کس میں آتا ہے؟ حدیث میں۔ حضور علیہ السلام نے یہی غُرَّةٌ واجب فرمایا تھا۔ ایک شخص نے ایک عورت کا حمل گرا دیا تھا تو اس پر حضور نے غُرَّةٌ واجب فرمایا، اور غُرَّةٌ اس میں آئے گا پوری دیت نہیں آئے گی۔ آپ کہیں گے بھائی ایک جان چلی گئی پوری دیت آنی چاہیے۔ بھائی ہمیں پتہ نہیں ہے کہ یہ جو حمل تھا اس عورت کے پیٹ میں یہ زندہ تھا بھی یا زندہ نہیں تھا، تو اس کے زندگی کا پکا پتہ نہیں، ہو سکتا ہے پہلے ہی کسی وجہ سے مر چکا ہو بھائی۔ تو چونکہ شک آگیا اور شک کی وجہ سے اب پوری جان کی دیت اس شخص پر، مجرم پر واجب نہیں کی جا سکتی۔ ہاں، جب پتہ لگ گیا کہ زندہ تھا، مثلاً زندہ پیدا ہوا اور پھر مر گیا، تو اس صورت میں پوری دیت آئے گی۔

یہ معنی ہے وَدِيَةٌ اور پوری دیت آئے گی إِنْ حَيًّا فَمَاتَ اگر اس نے اس کو زندہ جنا فَمَاتَ پھر وہ مر گیا۔ أَيْ تَجِبُ الدِّيَةُ الْكَامِلَةُ پوری دیت واجب ہوگی إِنْ أَلْقَتْ حَيًّا اگر اس نے اس کو زندہ گرایا فَمَاتَ پھر وہ—اگر اس نے اس حمل کو زندہ گرایا فَمَاتَ پھر وہ مر گیا لِأَنَّ مَوْتَهُ بِسَبَبِ الضَّرْبِ کیونکہ اس کی موت اس ضرب کی وجہ سے ہے، پتہ چل گیا کہ وہ زندہ تھا اور کس کی وجہ سے مر گیا؟ اس ضرب کی وجہ سے، تو پوری دیت آئے گی۔

وَاعْلَمْ أَنَّ الْغُرَّةَ عِنْدَنَا تَجِبُ فِيْ سَنَةٍ، کہ غُرَّةٌ جو ہے ہمارے نزدیک واجب ہوتا ہے ایک سال میں، یہ غُرَّةٌ ایک سال میں ادائیگی کرنی ہے بھائی۔ دیت کی ادائیگی کتنی دیر میں ہوتی ہے؟ تین سال میں، اور یہ ایک سال کے اندر ادائیگی ہوگی۔ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ جَعَلَ الْغُرَّةَ عَلَى الْعَاقِلَةِ فِيْ سَنَةٍ اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے غُرَّةٌ مقرر فرمایا تھا اس جنایت کرنے والے کی عاقلہ پر فِيْ سَنَةٍ ایک سال میں۔

وَأَيْضًا هِيَ بَدَلُ الْعُضْوِ مِنْ وَجْهٍ، وَمَا كَانَ بَدَلُ الْعُضْوِ يَجِبُ فِيْ سَنَةٍ إِنْ كَانَ ثُلُثَ الدِّيَةِ أَوْ أَقَلَّ إِلٰى نِصْفِ الْعُشْرِ۔ امام شافعی رحمہ اللہ دراصل فرماتے ہیں کہ یہ جو غُرَّةٌ ہے یہ تین سال میں ادا کریں گے، جیسے دیت تین سال میں ادا کرتے ہیں یہ غُرَّةٌ بھی تین سال میں ادا کریں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ غُرَّةٌ ایک سال میں ادا کریں گے، حدیث میں اسی طرح ہے حضور علیہ

السلام نے ایک سال میں واجب فرمایا تھا کہ ایک سال میں ادائیگی کرنا پڑے گی۔ اور نیز یہ بدلِ عضو بھی ہے بعض اعتبار سے۔ بھائی دیکھیے جو جَنِیْنٌ تھا نا، مِن وَجْہٍ دیکھیں تو یہ ایک جان تھی، مِن وَجْہٍ دیکھیں تو یہ ایک جان، اور مِن وَجْہٍ دیکھیں تو یہ عورت کا ایک عضو تھا کیونکہ اس کے بدن کے ساتھ جڑا ہوا تھا۔ تو یہ عضو کے درجے میں، ایک اعتبار سے دیکھیں تو یہ عضو کے درجے میں، دوسرے اعتبار سے دیکھیں تو یہ نفس کے درجے میں۔ تو جب یہ عضو کے درجے میں تھا تو گویا یہاں جو غُرَّۃٌ آرہا ہے وہ عضو کا بدل ہے، اور عضو کا جو بدل ہوتا ہے وہ ایک سال میں ہوتا ہے واجب، تین سال میں واجب نہیں ہوتا۔ تو یہاں پر بھی یہ ایک سال میں ہی واجب ہوگا۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

وَأَیْضًا هِيَ بَدَلُ الْعُضْوِ مِنْ وَجْهٍ اور نیز یہ کہ یہ عضو کا بدل ہے مِن وَجْہٍ بعض اعتبارات سے، وَمَا كَانَ بَدَلُ الْعُضْوِ يَجِبُ فِيْ سَنَةٍ اور وہ جو عضو کا بدل ہوتا ہے وہ ایک سال میں واجب ہوتا ہے إِنْ كَانَ ثُلُثَ الدِّيَةِ اگر وہ کتنا ہو؟ دیت کا ثلث ہو أَوْ أَقَلَّ یا ثلث سے کم ہو إِلٰى نِصْفِ الْعُشْرِ—إِلٰى ہے آپ کی کتابوں میں؟ إِلٰى ہونا چاہیے بھائی یہ کتابت کی غلطی ہے—یا اس سے کم ہو إِلٰى نِصْفِ الْعُشْرِ کہاں تک؟ نصفِ عشر تک، نصفِ عشر تک۔ بھائی دیکھو نصفِ عشر سے لے کر—نصفِ عشر کتنا ہے؟ پانچ اونٹ ہیں یا وہی پانچ سو درہم ہیں، وہی غُرَّۃٌ ہے بھائی۔ کیا ہے؟ غُرَّۃٌ بھی تو نصفِ عشر ہے بھائی، تو وہ دس ہزار کا نصفِ عشر بنتا ہے۔ تو نصفِ عشر سے لے کر ثلثِ دیت تک، اعضاء کے اندر نصفِ عشر سے لے کر ثلثِ دیت تک جو ضمان آئے وہ ایک سال میں ادا کرنا پڑتا ہے، ایک سال میں، اور یہ بھی نصفِ عشر سے لے کر ثلثِ دیت میں سے داخل ہے کیونکہ یہ نصفِ عشر ہے بھائی۔

وَمَا كَانَ بَدَلُ الْعُضْوِ يَجِبُ فِيْ سَنَةٍ اور وہ جو بدلِ عضو ہوتا ہے وہ ایک سال میں واجب ہوتا ہے إِنْ كَانَ ثُلُثَ الدِّيَةِ اگر وہ کتنا ہو؟ ثلثِ دیت—ثلثِ دیت کی بات کی، اگر نصفِ دیت ہے تو پھر وہ ایک سال میں نہیں ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟ وہ اسی طرح تین سال میں ہوگا۔ تو إِنْ كَانَ ثُلُثَ الدِّيَةِ اگر وہ عضو کا بدل جو ہے وہ ثلثِ دیت ہو أَوْ أَقَلَّ یا ثلثِ دیت سے کم ہو إِلٰى نِصْفِ الْعُشْرِ کہاں تک؟ نصفِ عشر تک۔ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَجِبُ الْغُرَّةُ فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ كَالدِّيَةِ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غُرَّۃٌ واجب ہوگا تین سال میں جیسے کہ دیت ہوتی ہے۔

وَغُرَّةٌ وَدِيَةٌ إِنْ كَانَ مَيِّتًا فَمَاتَتِ الْأُمُّ۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے ایک عورت کے پیٹ پر ضرب لگائی اور وہ حاملہ تھی، اس نے حمل گرایا اور وہ حمل مردہ تھا، اور پھر بعد میں اسی صدمے سے اس عورت کا بھی انتقال ہو گیا، اس چوٹ کی وجہ سے عورت کا بھی انتقال ہو گیا، تو یاد رکھیے عورت کی وجہ سے پوری دیت آئے گی اور حمل کی وجہ سے غُرَّۃٌ آئے گا اس شخص پر۔ یہ معنی ہے وَغُرَّةٌ وَدِيَةٌ اور غُرَّۃٌ بھی واجب ہوگا اور دیت بھی إِنْ كَانَ مَيِّتًا اگر وہ جَنِیْنٌ جو تھا وہ مردہ تھا فَمَاتَتِ الْأُمُّ پھر ماں بھی مر گئی۔

وَدِيَةُ الْأُمِّ فَقَطْ إِنْ مَاتَتْ فَأَلْقَتْ مَيِّتًا۔ تیسری، چوتھی صورت بھائی: ایک شخص نے ایک عورت کے پیٹ پر ضرب

لگائی بھائی اور وہ عورت حاملہ تھی اور وہ مر گئی، اور اس کے مرنے کے بعد اس کا بچہ پیدا ہوا اور وہ بھی مردہ تھا، مردہ تھا۔ تو اب یہاں پہلے عورت مری ہے اور پھر بچہ پیدا ہوا ہے، تو اب شک آگیا کہ پتہ نہیں یہ جو جَنِیْنٌ مرا ہے، مردہ پیدا ہوا، یہ اس ضرب کی وجہ سے مرا ہے یا ماں کا سانس رکنے کی وجہ سے مرا ہے؟ تو چونکہ شک آگیا لہٰذا یہاں پر یہ جو غُرَّۃٌ ہے وہ اس شخص پر واجب نہیں کریں گے، بلکہ صرف عورت کی دیت اس پر واجب ہوگی کہ گویا اس کی ضرب کی وجہ سے عورت مر گئی اور پھر عورت کے سانس رکنے کی وجہ سے جَنِیْنٌ بھی مر گیا کیونکہ اس کا سانس بھی ماں کے سانس کے ساتھ جاری ہے، ماں کا سانس رکا تو اس کا بھی سانس رک گیا۔

یہ معنی ہے وَدِیَۃُ الْأُمِّ فَقَطْ اور صرف ماں کی دیت آئے گی إِنْ مَاتَتْ اگر ماں مر گئی فَأَلْقَتْ مَیْتًا پھر اس نے ایک مردہ جَنِیْنٌ کو ڈالا، لِأَنَّہُ لَا یُمْکِنُ—آپ کی کتابوں میں لَا ہے؟ جی، یہ کتابت کی غلطی ہے بھائی یہ لَا یہاں نہیں ہونا چاہیے بھائی—لِأَنَّہُ یُمْکِنُ أَنْ یَکُوْنَ مَوْتُہُ بِسَبَبِ اخْتِنَاقِہِ بَعْدَ مَوْتِھَا اس لیے کیونکہ ممکن ہے أَنْ یَکُوْنَ مَوْتُہُ کہ اس جَنِیْنٌ کی جو موت ہے بِسَبَبِ اخْتِنَاقِہِ اس کے گلا گھونٹنے کی وجہ سے ہوئی ہو بَعْدَ مَوْتِھَا ماں کی موت کے بعد۔ ماں کی موت کے بعد اس کا سانس گھٹ گیا ہو اس لیے وہ مر گیا ہو تو شک آگیا، اور شک کی وجہ سے اب اس ضرب لگانے والے پر غُرَّۃٌ کو واجب نہیں کیا جائے گا۔ وَعِنْدَ الشَّافِعِیِّ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَجِبُ الْغُرَّۃُ أَیْضًا اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غُرَّۃٌ بھی واجب ہوگا۔ آپ کہیں گے بھائی پہلے بھی ایک مردہ جَنِیْنٌ اس نے گرایا تھا تو اس میں آپ نے غُرَّۃٌ واجب کیا تھا، اور یہاں بھی مردہ جَنِیْنٌ اس نے ڈالا ہے تو یہاں بھی غُرَّۃٌ ہونا چاہیے۔ بھائی دیکھیے وہاں عورت زندہ تھی اور وہ جَنِیْنٌ کیا تھا؟ مردہ تھا، معلوم ہوا اس ضرب کی وجہ سے یہ جَنِیْنٌ گرا ہے لیکن پورے نفس کی دیت نہیں کیونکہ پتہ نہیں پہلے زندہ تھا یا زندہ نہیں تھا، تو جَنِیْنٌ تو بہرحال گرایا تو غُرَّۃٌ آیا، حدیث میں کتنا آیا ہے؟ اس میں غُرَّۃٌ واجب ہوا ہے۔ اور یہاں، یہاں تو اس ضرب کی وجہ سے غُرَّۃٌ نہیں گرا بلکہ عورت مر گئی ہے اور پھر عورت کے مرنے کے بعد وہ بچہ پیدا ہوا، تو لہٰذا اس وجہ سے صرف عورت کی دیت آئے گی بھائی۔

وَدِیَتَانِ إِنْ مَاتَتْ فَأَلْقَتْ حَیًّا فَمَاتَ۔ صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے ایک عورت کو ضرب لگائی وہ حاملہ تھی اور پھر اس ضرب کی وجہ سے وہ عورت مر گئی، اور پھر اس نے اس کا حمل پیدا ہوا اور وہ زندہ تھا اور پھر وہ بھی مر گیا، تو اب دو دیتیں آئیں گی کیونکہ عورت بھی مر گئی اور جَنِیْنٌ بھی زندہ تھا وہ مر گیا۔ یہ معنی ہے وَدِیَتَانِ اور دو دیتیں آئیں گی إِنْ مَاتَتْ اگر ماں مر گئی فَأَلْقَتْ حَیًّا پھر اس نے گرایا زندہ جَنِیْنٌ فَمَاتَ پھر وہ بھی مر گیا۔

وَمَا یَجِبُ فِی الْجَنِیْنِ لِوَرَثَتِہِ سِوٰی ضَارِبِہِ۔ صورتِ مسئلہ یہ کہ یہ جو غُرَّۃٌ واجب ہوگا نا غُرَّۃٌ، یہ اس جَنِیْنٌ کا مالِ وراثت شمار ہوگا۔ کیا شمار ہوگا؟ مالِ وراثت شمار ہوگا اور اس کے اندر اس کی وراثت جاری ہوگی جیسے کوئی زندہ مر جائے اس کی وراثت جاری ہوتی ہے۔ تو گویا یہ وہ غُرَّۃٌ چھوڑ کر مرا ہے، اب اس کے جو جو وارث بنتے ہیں اگر اس کی ماں زندہ ہے تو ماں کا حصہ بھی اس کو دیں گے، باپ کا بھی حصہ ہوتا ہے وہ بھی دیں گے، بھائی بہن اگر اس کے اور ہیں ان کا بھی حصہ

وغیرہ، ساری وراثت اس میں جاری ہوگی۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا، اگر وہ جو ضرب لگانے والا ہے وہ بھی اس کا وارث بن رہا ہے، مثلاً باپ نے ہی مارا تھا، باپ نے ہی مارا یا بھائی تھا اس نے مارا یا کوئی اور جو بھی تھا وارث بن رہا تھا، تو پھر وہ وارث نہیں بنے گا اس کا حصہ اس کو نہیں دیا جائے گا بھائی، کیونکہ وہی گویا قاتل ہے اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ قاتل اگر مورث کو قتل کرے تو اس کو میراث نہیں ملتی۔

تو کہتے ہیں وَمَا يَجِبُ فِيْ الْجَنِيْنِ لِوَرَثَتِهِ اور وہ چیز جو جَنِيْنٌ کے لیے واجب ہو لِوَرَثَتِهِ وہ اس کے وارثوں کے لیے ہوگی سِوٰى ضَارِبِهِ سوائے اس کو مارنے والے کے کہ اس کے لیے کچھ نہیں ہوگا۔ أَيْ إِنْ كَانَ الضَّارِبُ وَارِثًا لِلْجَنِيْنِ یعنی اگر ضرب لگانے والا وہ جَنِيْنٌ کا وارث تھا تو لَا يَكُوْنُ لَهُ شَيْءٌ مِمَّا وَجَبَ تو اس کے لیے کوئی چیز نہیں ہوگی اس میں سے جو اس کے لیے ثابت ہے، وہ اس کو نہیں ملے گی إِذْ لَا مِيْرَاثَ لِلْقَاتِلِ اس لیے کیونکہ قاتل کے لیے میراث نہیں ہے۔

وَفِيْ جَنِيْنِ الْأَمَةِ نِصْفُ عُشْرِ قِيْمَتِهِ فِيْ الذَّكَرِ، وَعُشْرُ قِيْمَتِهِ فِيْ الْأُنْثٰى۔ بھائی یہ تو آزاد بچوں کی تفصیل تھی، آزاد کے اندر جَنِيْنٌ کی بھائی، آزاد جَنِيْنٌ۔ اگر باندی تھی بھائی اور باندی کے پیٹ میں حمل تھا اور اس کو کسی شخص نے مارا اور اس نے مردہ جَنِيْنٌ ڈالا یا زندہ پیدا ہوا پھر مر گیا تو اس میں کیا تفصیل ہے؟ اس میں پھر تفصیل یہ ہے کہ آزاد مرد میں کیا آتی ہے؟ دیت، آزاد انسان میں کیا آتی ہے؟ دیت آتی ہے، اور غلام اور باندیوں میں ان کی قیمت آتی ہے۔ ایک شخص نے کسی کا غلام غلطی سے قتل کر دیا تو اب دیت نہیں دیں گے اس کو بلکہ اس غلام کی قیمت دیں گے۔

بات سمجھ میں آرہی ہے؟ غلام کی قیمت دیں گے۔

تو یہاں پر بھی اب اگر اس باندی کا وہ بچہ ضائع ہوا ہے تو اگر وہ مذکر تھا، مذکر تھا، تو اس بچے کی نصفِ عشر قیمت آ جائے گی۔ کتنی قیمت؟ نصفِ عشر۔ غُرَّةٌ کتنا ہوتا ہے؟ غُرَّةٌ کتنا ہے؟ پانچ سو، اور پانچ سو یہ کتنا بنتا ہے؟ نصفِ عشر ہے نا، وہ تھا نصفِ عشر دیت کا، نصفِ عشر دیت، اور یہاں ہے نصفِ عشر قیمت کا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ کیا معنی اس بچے کی نصفِ عشر قیمت؟ بھائی فرض کر لو اگر یہ بچہ زندہ ہوتا، مرتا نہ، زندہ پیدا ہو جاتا، تو اس بچے کی کیا قیمت ہوتی؟ فرض کرو اس بچے کی قیمت ہوتی سو دینار، ابھی چھوٹا ہے نا، سو دینار، بڑا ہوگا ٹھیک ہے پانچ سو دینار کا ہو جائے گا، لیکن بچہ ہے چھوٹا ہے تو اس کی قیمت ظاہر سی بات ہے کم ہوگی۔ تو اس بچے کی قیمت لگاؤ اگر یہ زندہ ہوتا، اس وقت تو اس نے مردہ ڈالا ہے، لیکن اگر یہ زندہ ہوتا فرض کرو اس کی قیمت کتنی تھی؟ یوں کہو سو درہم تھی، کتنی تھی؟ سو درہم۔ اس سو درہم کا عشر نکالو کتنا بنا؟ یا یوں کہو پانچ سو درہم اس بچے کی قیمت تھی اگر یہ زندہ ہوتا، پانچ سو درہم اس کی قیمت۔ تو اس کا نصفِ عشر لگائیں، نصفِ عشر کتنا؟ پانچ سو کا عشر نکالیں—پچاس، پچیس—ہاں، پانچ سو کے دس حصے کریں پچاس، یہ پچاس یہ عشر آگیا، اس کو نصف کریں پچیس، تو گویا پچیس درہم آجائیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

لیکن یہ اگر وہ مذکر ہو، اگر مؤنث ہو پھر عشر دینا ہے۔ کیا دینا ہے؟ عشر دینا ہے، عشر دینا ہے۔ تو اگر لڑکا ہو تو اس میں

نصفِ عشر آئے گا، اور اگر لڑکی ہو پھر عشر آئے گا بھائی۔ کیا آئے گا؟ عشر آئے گا۔ آپ کہیں گے کہ یہ فرق کیوں ہے لڑکے کے اندر نصفِ عشر آئے گا اس کی قیمت کا اور لڑکی کے اندر عشر آئے گا؟ بھائی وجہ یہ ہے کہ غُرَّۃ کے اندر بھی تو اسی طرح ہے نا۔ غُرَّۃ کے اندر بھائی مرد کی دیت کتنی؟ سو اونٹ یعنی دس ہزار درہم۔ عورت کی دیت کتنی؟ پچاس اونٹ یعنی پانچ ہزار درہم۔ اور حضور علیہ السلام نے فرق نہیں فرمایا کہ وہ جَنِیْنٌ مذکر تھا یا مؤنث تھا، بس کتنا واجب فرمایا؟ غُرَّۃ، اور وہ کتنا ہے؟ پانچ سو درہم۔ اور پانچ سو درہم یہ مرد کی دیت کا نصفِ عشر بنتا ہے لیکن عورت کی دیت کا عشر بنتا ہے، عورت کی دیت کا عشر بنتا ہے۔ تو دیکھو جیسے وہاں مرد کا نصفِ عشر تھا اور عورت کی دیت کا عشر واجب ہو رہا تھا غُرَّۃ میں، تو یہاں بھی اسی طرح ہے اگر وہ لڑکا ہوا تو اس کی قیمت کا نصفِ عشر آئے گا اور اگر وہ لڑکی ہوئی تو اس کی قیمت کا عشر آجائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَفِيْ جَنِيْنِ الْأَمَةِ نِصْفُ عُشْرِ قِيْمَتِهِ فِي الذَّكَرِ، وَفِيْ جَنِيْنِ الْأَمَةِ اور باندی کے جَنِیْنٌ میں نِصْفُ عُشْرِ قِيْمَتِهِ فِي الذَّكَرِ نصفِ عشر قیمتی اس کی قیمت کا نصفِ عشر ہوگا فِي الذَّكَرِ مذکر کے اندر، وَعُشْرُ قِيْمَتِهِ فِي الْأُنْثٰى اور اس کی—اس جَنِیْنٌ کی قیمت کا عشر ہوگا۔ قِيْمَتِهِ ہا ضمیر راجع کر لیں جَنِیْنٌ کو: نِصْفُ عُشْرِ قِيْمَتِهِ اس جَنِیْنٌ کی قیمت کا نصفِ عشر ہوگا فِي الذَّكَرِ مذکر ہونے کی صورت میں، وَعُشْرُ قِيْمَتِهِ فِي الْأُنْثٰى اور اس جَنِیْنٌ کی قیمت کا عشر ہوگا مؤنث ہونے کے اندر اگر وہ مؤنث ہو، یعنی اس کو زندہ فرض کر لیں گے اگر یہ زندہ پیدا ہو جاتا تو پھر اس بچے کی قیمت یا اس بچے یا اس بچی کی قیمت کیا ہونی تھی، اس کا عشر یا نصفِ عشر آجائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں اِعْلَمْ جان لیں أَنَّ الْجَنِيْنَ إِذَا كَانَ حُرًّا کہ جَنِیْنٌ جب وہ آزاد ہو تو يَجِبُ فِيْهِ خَمْسُمِائَةِ دِرْهَمٍ تو اس میں پانچ سو درہم واجب ہوتے ہیں، سَوَاءٌ كَانَ ذَكَرًا أَوْ أُنْثٰى چاہے وہ مذکر ہو چاہے مؤنث، إِذْ لَا تَفَاوُتَ فِي الْجَنِيْنِ بَيْنَ الذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى اس لیے کیونکہ کوئی فرق نہیں ہے جَنِیْنٌ کے درمیان کہ وہ مذکر ہو یا مؤنث، دونوں صورتوں میں پانچ سو درہم آتا ہے، وَهِيَ نِصْفُ عُشْرٍ مِنْ دِيَةِ الذَّكَرِ وَعُشْرٌ مِنْ دِيَةِ الْأُنْثٰى اور یہ مذکر کی دیت کا تو نصفِ عشر ہے اور مؤنث کی دیت کا عشر ہے۔ فَإِذَا كَانَ رَقِيْقًا جب وہ غلام ہو وہ جَنِیْنٌ تو يَجِبُ أَنْ يَكُوْنَ نِصْفُ عُشْرِ قِيْمَتِهِ عَلٰى تَقْدِيْرِ ذُكُوْرَتِهِ تو واجب ہے کہ یہ اس جَنِیْنٌ کی قیمت کا نصفِ عشر ہو عَلٰى تَقْدِيْرِ ذُكُوْرَتِهِ اس کو مذکر فرض کرنے کی صورت میں، وَعُشْرُ قِيْمَتِهِ عَلٰى تَقْدِيْرِ أُنُوْثَتِهِ اور اس کی قیمت کا دسواں حصہ ہو اس کو مؤنث فرض کرنے کی صورت میں، لِأَنَّ دِيَةَ الرَّقِيْقِ قِيْمَتُهُ اس لیے کیونکہ غلام کی جو دیت ہوتی ہے وہ اس کی قیمت ہوا کرتی ہے۔ آزاد میں دیت اور غلام میں قیمت آتی ہے۔ فَمَا يُقَدَّرُ مِنْ دِيَةِ الْحُرِّ يُقَدَّرُ مِنْ قِيْمَتِهِ پس وہ جو مقرر کیا جاتا ہے آزاد کی دیت میں سے، يُقَدَّرُ مِنْ قِيْمَتِهِ وہ مقرر کیا جاتا ہے غلام کی قیمت میں سے، اس کی قیمت سے حساب لگاتے ہیں۔

فَإِنْ قُلْتَ اگر آپ یہ کہیں يَلْزَمُ أَنْ يَكُوْنَ الْوَاجِبُ فِي الْأُنْثٰى أَكْثَرَ مِنَ الْوَاجِبِ فِي الذَّكَرِ، یہ اشکال ذکر کر رہے ہیں۔

اشکال یہ کہ آپ نے کہا کہ اگر غلام یا باندی کے اندر وہ جَنِیْنٌ گرا–باندی کا جَنِیْنٌ گرایا ہے–تو اگر مذکر ہو تو نصفِ عشر ضمان آئے گا اور اگر مؤنث ہو تو عشر آئے گا، یہ تو مؤنث کے اندر زیادہ ضمان آجائے گا، مؤنث کے اندر تو زیادہ ضمان آجائے گا! کہتے ہیں نہیں بھائی، لڑکے کی قیمت بہت زیادہ ہوا کرتی ہے جب غلام ہو، اور لڑکی کی قیمت کم ہوا کرتی ہے، لڑکے کی قیمت جتنی بھی کم ہو جائے لڑکے کا نصفِ عشر لڑکی کے عشر سے زیادہ ہی رہے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو فَإِنْ قُلْتَ اگر آپ یہ کہیں یَلْزَمُ أَنْ یَکُوْنَ الْوَاجِبُ فِيْ الْأُنْثٰی أَکْثَرَ مِنَ الْوَاجِبِ فِيْ الذَّکَرِ کہ اس صورت میں تو یہ لازم آتا ہے کہ وہ جو واجب ہوگا مؤنث کے اندر وہ زیادہ ہوگا اس سے جو واجب ہوگا مذکر میں، قُلْتُ تو میں کہتا ہوں لَا یَلْزَمُ کہ یہ بات لازم نہیں آتی لِأَنَّ فِيْ الْعَادَةِ قِیْمَةُ الْغُلَامِ زَائِدَةٌ عَلٰی قِیْمَةِ الْجَارِیَةِ بِکَثِیْرٍ اس لیے کیونکہ عادت کے اندر غلام کی جو قیمت ہوتی ہے وہ باندی کی قیمت سے زیادہ ہوتی ہے بِکَثِیْرٍ بہت زیادہ، حَتّٰی إِنْ قُوِّمَتْ جَارِیَةٌ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ یہاں تک کہ اگر قیمت لگائی جائے کسی باندی کی ایک ہزار درہم تو یُقَوَّمُ الْغُلَامُ الَّذِيْ مِثْلُهَا فِيْ الْحُسْنِ بِأَلْفَيْ دِرْهَمٍ تو قیمت لگائی جاتی ہے اس غلام کی جو اسی جیسا ہو حسن میں اس کی دو ہزار درہم قیمت لگائی جاتی ہے، فَنِصْفُ قِیْمَةِ الْجَنِیْنِ إِنْ کَانَ ذَکَرًا لَا یَکُوْنُ أَقَلَّ مِنْ قِیْمَتِهِ إِنْ کَانَ أُنْثٰی لہٰذا جَنِیْنٌ کی قیمت کا نصف جو ہے اگر وہ مذکر ہو وہ کم نہیں ہوگا اس جَنِیْنٌ کی قیمت سے اگر وہ مؤنث ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یعنی اگر لڑکا دو ہزار کا ہے تو اس دو ہزار کا نصف کتنا؟ ایک ہزار، اس لڑکے کی قیمت کا نصف ایک ہزار جو ہے وہ اس لڑکی کی قیمت سے کم نہیں ہوگا بھائی، اس کی پوری قیمت سے کم نہیں ہوگا۔ تو لہٰذا جب لڑکی اس کے نصف سے بھی کم ہے تو لڑکی کا عشر اور لڑکے کا نصفِ عشر، تو لڑکے کا نصفِ عشر زیادہ ہی نہیں ہوگا بھائی! صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے فَنِصْفُ قِیْمَةِ الْجَنِیْنِ إِنْ کَانَ ذَکَرًا لَا یَکُوْنُ أَقَلَّ مِنْ قِیْمَتِهِ إِنْ کَانَ أُنْثٰی تو جَنِیْنٌ کی قیمت کا آدھا جو ہے اگر وہ مذکر ہو تو وہ کم نہیں ہوگا اسی جَنِیْنٌ کی قیمت سے اگر وہ مؤنث ہو۔

وَعِنْدَ أَبِيْ یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ یَجِبُ النُّقْصَانُ لَوِ انْتَقَصَتِ الْأُمُّ بِإِلْقَائِهَا کَمَا فِيْ الْبَهَائِمِ۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جو غلام اور باندیاں ہیں یہ جانوروں کی مثل ہیں، یعنی یہ بھی مال شمار ہیں، یہ بھی کیا ہیں؟ مال ہیں۔ تو جیسے جانوروں کے اندر مسئلہ ہوگا وہی مسئلہ یہاں پر بھی ہوگا۔ کسی شخص کی اگر کوئی حاملہ جانور ہو، مثلاً گائے ہے حاملہ ہے، کسی دوسرے شخص نے اس کو ضرب لگائی اور اس کی وجہ سے اس گائے کا حمل گر گیا ضائع ہو گیا، تو اس میں اگر گائے کو نقصان پہنچا ہو اس حمل کے گرنے سے پھر تو ضمان آتا ہے، اگر نقصان نہ پہنچا ہو تو پھر ضمان نہیں آتا۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہوگا، اگر اس حمل کے گرانے سے باندی کو نقصان پہنچا ہے تو ضمان آئے گا ورنہ ضمان نہیں آئے گا۔ یہ معنی ہے وَعِنْدَ أَبِيْ یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اور امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یَجِبُ النُّقْصَانُ نقصان یعنی جو کمی آئی ہے وہ واجب ہوگی لَوِ انْتَقَصَتِ الْأُمُّ بِإِلْقَائِهَا اگر ماں کے اندر کچھ کمی آگئی اس جَنِیْنٌ، اس حمل کو گرانے کی وجہ سے، کَمَا فِيْ الْبَهَائِمِ جیسے مویشیوں میں ہوتا ہے بھائی، جیسے مویشیوں اور چوپایوں میں ہوتا ہے، فَإِنَّ الضَّمَانَ فِيْ قَتْلِ الرَّقِیْقِ ضَمَانُ مَالٍ عِنْدَهُ اس لیے کیونکہ غلام کے قتل

میں جو ضمان آتا ہے وہ مال کا ضمان ہے ان کے نزدیک۔ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَجِبُ عُشْرُ قِيْمَةِ الْأُمِّ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس ماں جو ہے یعنی وہ جو باندی ہے اس کی قیمت کا عشر واجب ہوگا۔ ہم نے تو کہا اس جَنِيْنٌ کی قیمت کا عشر واجب کریں گے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، اصل جو ہے وہ ماں ہے، باندی ہے جس کا حمل گرا ہے، تو اس باندی کی قیمت کا عشر واجب ہوگا۔

فَإِنْ ضُرِبَتْ وَأَعْتَقَ سَيِّدُهَا حَمْلَهَا فَأَلْقَتْهُ فَمَاتَ، تَجِبُ قِيْمَتُهُ حَيًّا لَا دِيَتُهُ۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے ایک باندی کے جو حاملہ تھی اس کو پیٹ پر ضرب لگا دی، اور اس باندی کی طبیعت خراب ہو گئی، حالت بگڑ گئی، اب مالک کو نظر آ رہا ہے کہ اس کے پیٹ میں جو حمل ہے اب وہ گر جائے گا، حمل بچے گا نہیں، ہاں اور حمل جب گرے گا تو اس کے اندر ضمان آئے گا، اور ضمان تو تھوڑا سا ہوگا اتنا زیادہ تو نہیں۔ چنانچہ اس نے کیا کہا؟ اس نے کہا میں نے یہ جو تمہارے پیٹ میں حمل ہے—ابھی اس نے گرایا نہیں حمل کو، اس سے پہلے ہی حمل کو آزاد کر دیا کہ یہ حمل میں نے آزاد کر دیا، تاکہ اگر یہ جب آزاد پیدا ہوگا اور مر گیا تو پوری دیت اس سے وصول کریں گے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے بھائی؟ تو چنانچہ اس نے اس کو آزاد کر دیا اور پھر اس نے اس جَنِيْنٌ کو زندہ ڈالا اور پھر وہ مر گیا۔ تو کیا اب اس کے اندر پوری دیت آئے گی یا اس بچے کی—بچے زندہ گرایا نا تو اب بچے کی قیمت آئے گی، اب تو غُرَّةٌ یعنی اب وہ نصفِ عشر قیمت تو نہیں آئے گی۔ تو کہتے ہیں بھائی اس صورت میں ضرب کا اعتبار ہے، ضرب، اور ضرب کے وقت تو یہ جَنِيْنٌ غلام تھا، لہٰذا وہ جو اس کی قیمت آئے گی دیت نہیں آئے گی۔

کہتے ہیں فَإِنْ ضُرِبَتْ پس اگر باندی کو ضرب لگائی گئی فَأَعْتَقَ سَيِّدُهَا حَمْلَهَا تو آزاد کر دیا باندی کے آقا نے حَمْلَهَا اس کے حمل کو فَأَلْقَتْهُ پھر اس باندی نے وہ حمل گرایا فَمَاتَ پھر وہ حمل مر گیا، تَجِبُ قِيْمَتُهُ حَيًّا تو اس کی قیمت واجب ہوگی حَيًّا اس حال میں کہ وہ زندہ ہو، لَا دِيَتُهُ اس کی دیت واجب نہیں۔ کیوں؟ قیمت کیوں واجب ہوگی اس بچے کی؟ کیونکہ اعتبار ضرب کا ہے اور ضرب جب لگائی تھی اس وقت یہ غلام تھا۔ لِأَنَّ قَتْلَهُ بِالضَّرْبِ السَّابِقِ اس لیے کیونکہ اس بچے کا جو قتل ہوا وہ سابقہ ضرب کی وجہ سے تھا وَقَدْ كَانَ فِيْ حَالِ الرِّقِّ اور وہ ضرب تو غلامی کی حالت میں تھی۔

وَلَا كَفَّارَةَ فِيْ الْجَنِيْنِ هٰذَا عِنْدَنَا جَنِيْنٌ کے اندر کفارہ نہیں ہے ہمارے نزدیک۔ کسی نے کسی عورت کو ضرب لگائی اور اس نے حمل گرا دیا مردہ، مردہ حمل، پھر تو اس میں کفارہ نہیں، اگر زندہ ہے پھر اس میں تو کفارہ آئے گا، لیکن بات جَنِيْنٌ کی چل رہی ہے اس میں کفارہ نہیں، کیونکہ اس کا پتہ ہی نہیں یہ زندہ تھا یا مردہ تھا۔ تو کہتے ہیں وَلَا كَفَّارَةَ فِيْ الْجَنِيْنِ جَنِيْنٌ میں کفارہ نہیں ہے هٰذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَجِبُ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں کفارہ واجب ہے۔

وَمَا اسْتَبَانَ بَعْضُ خَلْقِهِ كَالتَّامِّ فِيْمَا ذُكِرَ۔ بھائی ایک صور—اب جَنِيْنٌ میں دو صورتیں ہیں: ایک وہ جَنِيْنٌ ہے جس کے

اعضاء بن چکے ہیں، اور ایک وہ جَنِیْنٌ ہے جو ابھی اس کے اعضاء پوری طرح نہیں بنے، کچھ شروع ہو گئے ہیں بننا لیکن پوری طرح اعضاء نہیں بنے۔ کہتے ہیں بھائی جس کے اعضاء نہیں بنے وہ بھی اسی طرح ہے جس کے اعضاء بن چکے ہوں، دونوں میں غُرَّۃٌ ہی آئے گا۔ کہتے ہیں وَمَا اسْتَبَانَ—اِسْتَبَانَ کا معنی ہے ظاہر ہونا—وَمَا اسْتَبَانَ بَعْضُ خَلْقِهِ اور وہ جَنِیْنٌ جس کی بعض خلقت جو ہے وہ ظاہر ہو چکی ہے یعنی کچھ اعضاء بن چکے ہیں كَالتَّامِّ وہ کس جَنِیْنٌ کی طرح ہے جو تام ہو چکا ہے جس کے سارے اعضاء بن چکے ہیں فِیْمَا ذُكِرَ ان مسائل میں جو اوپر ذکر ہوئے۔

وَضَمِنَ الْغُرَّةَ عَاقِلَةُ امْرَأَةٍ أَسْقَطَتْ... صورتِ مسئلہ یہ: ایک عورت حاملہ تھی اور پیٹ میں حمل تھا اور اس نے جان بوجھ کر وہ حمل گرایا، جان بوجھ کر وہ حمل گرایا، یا کوئی دوائی وغیرہ ایسی کھائی جس سے وہ حمل گر گیا ضائع ہوا، یا اس نے خاوند کی اجازت کے بغیر اس نے حمل گرایا، تو ان تمام صورتوں میں اس پر غُرَّۃٌ آئے گا اور وہ اس عورت کی عاقلہ کو ادا کرنا پڑے گا۔ ہاں اگر خاوند کی اجازت سے حمل گرایا ہے پھر اس صورت میں غُرَّۃٌ نہیں آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور یہ وہ صورت ہے کہ کچھ نہ کچھ اعضاء بن گئے ہوں، اگر کچھ اعضاء بھی نہیں بنے ابھی خون کے اگر لوتھڑے کی شکل میں ہے، یہ بالکل ابتدائی حالت ہے، پھر اس میں غُرَّۃٌ وغیرہ بھی نہیں ہے بھائی۔

کہتے ہیں وَضَمِنَ الْغُرَّةَ اور غُرَّۃٌ کے ضامن ہوں گے، غُرَّۃٌ ادا کریں گے کون بھائی؟ عَاقِلَةُ امْرَأَةٍ أَسْقَطَتْ مَيِّتًا عَمْدًا اس عورت کے عاقلہ أَسْقَطَتْ مَيِّتًا جس نے مردہ جَنِیْنٌ گرایا عَمْدًا جان بوجھ کر أَوْ بِدَوَاءٍ یا کسی دوائی کی وجہ سے أَوْ فَعَلَ بِلَا إِذْنِ زَوْجِهَا یا اس نے ایسا کیا خاوند کی اجازت کے بغیر، تو اس عورت کے عاقلہ اس کے غُرَّۃٌ کے ضامن ہوں گے۔ فَإِنْ أَذِنَ اگر خاوند نے اجازت دی تھی لَا پھر یہ ضامن نہیں ہوں گے۔

اِعْلَمْ أَنَّهَا تَجِبُ عَلٰى عَاقِلَةِ الْمَرْأَةِ فِيْ سَنَةٍ وَاحِدَةٍ جان لے تو کہ یہ جو غُرَّۃٌ ہے یہ واجب ہوگا عورت کی عاقلہ پر ایک سال میں، وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهَا عَاقِلَةٌ اور اگر اس عورت کی عاقلہ نہ ہوئی تو تَجِبُ فِيْ مَالِهَا فِيْ سَنَةٍ أَيْضًا تو پھر وہ اس عورت ہی کے مال میں واجب ہوگا ایک سال کے اندر، ایک سال میں اس کو خود ہی ادا کرنا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھائی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵۴: باب مایحدث فی الطریق: راستے میں تصرفات اور راکب، قائد، سائق اور دابہ کے جنایات و ضمان

شرح الوقایہ صفحہ: ۱۲۳ — بتاریخ: ۲۶ فروری ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق:

بَابُ مَا يُحْدَثُ فِي الطَّرِيقِ۔ مَنْ أَحْدَثَ فِي طَرِيقِ الْعَامَّةِ كَنِيفًا أَوْ مِيزَابًا أَوْ جُرْسُنًا أَوْ دُكَّانًا وَسِعَهُ ذٰلِكَ إِنْ لَمْ يَضُرَّ بِالنَّاسِ۔ الْكَنِيفُ الْمُسْتَرَاحُ، وَالْمِيزَابُ مَجْرَى الْمَاءِ، وَالْجُرْسُنُ الْبُرْجُ، وَقِيلَ مَجْرَى مَاءٍ يُرَكَّبُ فِي الْحَائِطِ، وَعَنِ الْبَزْدَوِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى جِذْعٌ يَخْرُجُ مِنَ الْحَائِطِ لِيُبْنَى عَلَيْهِ، يا جِذْعٌ يُخْرَجُ مِنَ الْحَائِطِ لِيُبْنَى عَلَيْهِ۔[1]

بَابُ مَا يُحْدَثُ فِي الطَّرِيقِ۔ جنایات کا باب چل رہا ہے بھئی۔ تو اگلا باب ہے بَابُ مَا يُحْدَثُ فِي الطَّرِيقِ، یہ باب ہے اس چیز کے بیان میں، يُحْدَثُ جو نئی بنائی جائے، فِي الطَّرِيقِ راستے میں۔ وہ نئی چیز جو راستے میں بنائی جائے بھئی۔ ایک عام مسلمانوں کا راستہ ہے، کوئی شخص جس کا گھر وہاں ہے، وہ وہاں پر گھر کے ساتھ باہر راستے کی طرف بیت الخلا بنا لیتا ہے، یا کوئی چبوترا بنا لیتا ہے، یا راستے کی طرف کوئی پرنالہ نکال دیتا ہے چھت کے اوپر سے، پرنالہ وغیرہ، اور ان کی وجہ سے کسی کو کوئی نقصان پہنچتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تفصیل بیان کر رہے ہیں۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو بَابُ مَا يُحْدَثُ فِي الطَّرِيقِ یہ باب ہے اس چیز کے بیان میں جو نئی بنائی جائے، فِي الطَّرِيقِ راستے میں۔ أَحْدَثَ يُحْدِثُ کا معنی ہے کوئی نئی چیز بنانا۔

مَنْ أَحْدَثَ فِي طَرِيقِ الْعَامَّةِ كَنِيفًا أَوْ مِيزَابًا أَوْ جُرْسُنًا أَوْ دُكَّانًا، جس نے بنایا فِي طَرِيقِ الْعَامَّةِ، جس نے نیا بنایا فِي طَرِيقِ الْعَامَّةِ عام لوگوں کے راستے میں، كَنِيفًا بیت الخلا، أَوْ مِيزَابًا یا پرنالہ، أَوْ جُرْسُنًا یا جُرْسُن بنایا، أَوْ دُكَّانًا یا کوئی چبوترا بنایا، وَسِعَهُ ذٰلِكَ اس کو ایسا کرنے کی گنجائش ہے، إِنْ لَمْ يَضُرَّ بِالنَّاسِ اگر لوگوں کو اس سے تکلیف نہ ہو، لوگوں کو اس سے ضرر نہ ہو، نقصان نہ ہو۔

[1] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۷۰): صوتی درس کی قراءت میں «مَنْ أَحْدَثَ فِي طَرِيقِ الْعَامَّةِ كَنِيفًا أَوْ مِيزَابًا أَوْ جُرْسُنًا أَوْ دُكَّانًا وَسِعَهُ ذٰلِكَ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «مَن أحدثَ في طريقِ العامَّة كنيفًا أو ميزابًا أو جُرْصُنًا أو دُكَّانًا وَسِعَه ذلك» منقول ہے۔

بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو كَنِيف کہتے ہیں بیت الخلا بھئی، اور مِيزَاب کہتے ہیں پرنالہ، پرنالہ وہ جو چھت کے کنارے پر لگایا جاتا ہے، پانی تاکہ چھت سے نیچے کی طرف گرے بھئی۔ جیسے بیت اللہ کا پرنالہ بھئی آپ نے صورت دیکھی ہوگی، تو قدیم زمانے میں اس طرح پرنالے چھتوں پر لگائے جاتے تھے کہ وہ اس کا ایک کنارہ جو ہے وہ چھت کے اندر لگا ہوتا تھا اور دوسرا کنارہ ہوا میں ہوتا تھا تاکہ جو بارش کا پانی ہے چھت سے نیچے گرے اور دیوار سے علیحدہ دور گرے، کیونکہ دیوار کے ساتھ پانی گرے گا تو دیوار اگر کچی ہوگی اس کو وہ نقصان پہنچائے گا۔

جُرْسُن کسے کہتے ہیں؟ جُرْسُن کی آگے تفصیل آرہی ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں مَنْ أَحْدَثَ فِي طَرِيقِ الْعَامَّةِ جس شخص نے بنایا عام لوگوں کے راستے میں كَنِيفًا بیت الخلا، أَوْ مِيزَابًا یا پرنالہ، أَوْ جُرْسُنًا یا جُرْسُن بنایا، أَوْ دُكَّانًا یا چبوترا بنایا، دکان جو ہے دکان کو بھی کہتے ہیں اور اسی طرح چبوترے کو بھی کہتے ہیں، کوئی اونچی جگہ بیٹھنے کی بنائی بھئی، اونچی جگہ بیٹھنے کی بنائی اپنے گھر کے ساتھ لیکن عام راستے میں بنائی۔ تو کہتے ہیں وَسِعَهُ ذٰلِكَ اس کو اس کے لیے اس کی گنجائش ہے، یعنی اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔ اس لیے کیونکہ عام راستہ ہے، سب لوگوں کے اس میں گزرنے کا جیسے حق ہے اس کا بھی حق ہے، تو اپنے حق میں کیا کر رہا ہے؟ تصرف کر رہا ہے، جائز ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کسی کو نقصان نہ پہنچے۔ اگر نقصان پہنچا تو اس پر ضمان آئے گا۔ اور اگر لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے پھر تو بنانا ہی جائز نہیں۔ اگر نقصان نہیں پہنچتا تو بنا سکتا ہے لیکن اگر کسی کو نقصان پہنچ گیا تو اس پر ضمان آئے گا۔ اور اگر لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے، بنانے سے ہی نقصان پہنچتا ہے، تو پھر تو بنانا ہی جائز نہیں ہے۔ یہ معنی ہے وَسِعَهُ ذٰلِكَ اس کے لیے اس چیز کی گنجائش ہے إِنْ لَمْ يَضُرَّ بِالنَّاسِ اگر لوگوں کو اس سے نقصان نہ ہو۔

اب معنی بیان کر رہے ہیں: الْكَنِيفُ الْمُسْتَرَاحُ، کہ كَنِيف جو ہے مُسْتَرَاح کو کہتے ہیں یعنی بیت الخلا بھئی۔ وَالْمِيزَابُ مَجْرَى الْمَاءِ، اور مِيزَاب جو ہے مَجْرَى الْمَاءِ پانی بہنے کی جگہ یعنی پرنالہ۔ وَالْجُرْسُنُ، اور جُرْسُن جو ہے کہتے ہیں الْبُرْجُ وہ گنبد کو کہتے ہیں، گنبد یا چبوترا وغیرہ کوئی بنایا بھئی، گنبد بنایا چھت کے دیوار پر یا چھت پر جو راستے کی طرف نکلا ہوا تھا۔ وَقِيلَ اور کہا گیا ہے مَجْرَى مَاءٍ يُرَكَّبُ فِي الْحَائِطِ، اور کہا گیا ہے پانی بہنے کی جگہ جو جوڑی گئی ہو دیوار میں، پانی بہنے کی جگہ جس کو جوڑا گیا ہو دیوار میں۔ یوں کہیں کوئی لوہا وغیرہ ایسا دیوار پر لگایا ہے کہ پانی اس دیوار کے اوپر کچھ دور تک اسی کے اوپر بہتا ہے اور پھر نیچے گرتا ہے۔ تو یہ ہے جُرْسُن۔ بعضوں نے کہا بُرْج وہ گنبد وغیرہ یا کوئی ایسی چیز بنائی راستے کے اوپر اپنے گھر سے باہر، اور بعضوں نے کیا کہا کہ دیوار کے ساتھ جڑی ہوئی کوئی پانی بہنے کی جگہ بنائی۔

وَعَنِ الْبَزْدَوِيِّ رَحِمَهُ اللهُ، اور امام بزدوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جِذْعٌ يَخْرُجُ مِنَ الْحَائِطِ وہ شہتیر جو نکلا ہوا ہو دیوار سے، لِيُبْنَى عَلَيْهِ تاکہ اس پر تعمیر کی جائے۔ بھئی پہلے زمانے میں تو شہتیر استعمال ہوتے تھے چھت بنانے کے لیے، تو شہتیر اس طریقے سے دیوار پر رکھا کہ ایک طرف تو کمرہ ہے، ایک طرف تو شہتیر کے کیا ہے؟ کمرہ بنے گا، اور شہتیر کا ایک کنارہ جو ہے

وہ راستے کی طرف ذرا لمبا رکھا تاکہ ذرا باہر کو نکلا ہوا ہو راستے میں، تاکہ اس کے اوپر بھی کچھ ہم بنا لیں، کوئی سائبان بنا لیں۔ امام بزدوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ جو شہتیر کا حصہ دیوار سے باہر نکلا ہوا ہے راستے کی طرف وہ ہے جُرْسُن بھئی جُرْسُن۔ تو مختلف تفاسیر کی ہیں علماء نے اس کی بھئی۔ ہاں بعضوں نے کہا کہ دو چھتوں کے درمیان یا دو دیواروں، دو دیواروں کے درمیان کوئی لکڑی رکھ دینا تاکہ ایک دیوار سے دوسری دیوار تک کوئی اوپر سے جانا چاہے تو جا سکے، اس کو جُرْسُن کہتے ہیں۔ تو یہ مختلف معانی بیان کیے ہیں۔ تو بہرحال جو بھی ایسی چیز بنائی راستے کی طرف تو اس کے لیے جائز تو ہے لیکن شرط یہ ہے کسی کو نقصان نہ پہنچتا ہو۔ جِذْعٌ يَخْرُجُ مِنَ الْحَائِطِ شہتیر جو نکلا ہوا ہو دیوار سے لِيُبْنَى عَلَيْهِ تاکہ اس پر تعمیر کی جائے یعنی کوئی سائبان وغیرہ یا کچھ بنا لیا جائے۔

وَلِكُلٍّ نَقْضُهُ، اور ہر ایک کے لیے جائز ہے اس کو توڑنا، نَقَضَ يَنْقُضُ کے معنی ہیں توڑنا۔ بنانا بھی جائز، بنانا بھی جائز لیکن اس میں کیا شرط؟ کسی کو نقصان نہ ہو، کسی کو تکلیف نہ ہو۔ اور ہر گزرنے والے کے لیے اس کو توڑنا بھی جائز ہے چاہے کسی کو نقصان نہ بھی ہو کیونکہ یہ راستہ عام لوگوں کا ہے، ہر آدمی کا اس میں حق ہے۔ تو یہ گویا ایک مشترکہ حق میں تصرف کر رہا ہے، تو اس میں باقی ساتھیوں کی مرضی ہے، وہ اس کو چھوڑیں، وہ اس کی اجازت دیں یا اجازت نہ دیں، اجازت نہیں دیتے توڑ دیتے ہیں وہ توڑ سکتے ہیں۔ کہتے ہیں وَلِكُلٍّ نَقْضُهُ اور ہر ایک کے لیے اس کو توڑنا جائز ہے، أَيْ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ اور ہر ایک کے لیے جائز ہے نَقْضُهُ اس کا توڑنا، أَيْ فِي صُورَةِ لَمْ يَضُرَّ بِالنَّاسِ یعنی اس صورت میں جب یہ لوگوں کو نقصان نہ دے۔ نقصان نہ دے، اس صورت میں بھی توڑنا ہر ایک کے لیے جائز ہے۔

فَالْحَاصِلُ حاصلِ کلام یہ: أَنَّهُ إِنْ أَضَرَّ بِالنَّاسِ لَا يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَفْعَلَ، کہ اگر یہ نقصان دیتا ہے، ضرر دیتا ہے لوگوں کو تو پھر تو جائز ہی نہیں ہے اس کے لیے ایسا کرنا۔ وَإِنْ لَمْ يَضُرَّ بِهِمْ يَجُوزُ، اور اگر یہ لوگوں کو ضرر نہیں دیتا، تکلیف نہیں دیتا تو پھر اس کے لیے جائز ہے۔ لٰكِنْ مَعَ ذٰلِكَ يَكُونُ لِكُلِّ وَاحِدٍ نَقْضُهُ، لیکن اس کے باوجود ہر ایک کے لیے جائز ہے اس کو توڑنا، لِأَنَّهُ تَصَرُّفٌ فِي حَقِّ الْمُشْتَرَكِ، اس لیے کیونکہ یہ تصرف ہے مشترکہ حق میں، اس راستے سے گزرنا ہر ایک کا حق ہے تو یہ مشترکہ حق میں تصرف کیا اس نے، فَلِكُلٍّ نَقْضُهُ تو ہر ایک کے لیے جائز ہے اس کو توڑنا، كَمَا فِي الْمِلْكِ الْمُشْتَرَكِ مَعَ أَنَّهُ لَمْ يَضُرَّ، جیسے کہ مِلکِ مشترک میں باوجود اس کے کہ وہ نقصان نہ دے۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک زمین ہے پانچ آدمیوں میں مشترکہ ہے، مشترکہ ہے، ایک شخص اس زمین کے اندر ایک سائبان بناتا ہے، ان شریکوں میں سے ایک کیا کرتا ہے؟ اس زمین کے اندر تاکہ دھوپ کے اندر کوئی اس کے نیچے کھڑا ہو سکے یا بیٹھ سکے۔ اب اس کا بھی اس زمین کے اندر حق ہے لیکن چونکہ اس نے باقی ساتھیوں سے اجازت نہیں لی، لہٰذا باقی ساتھیوں کو اس کو گرانے کا حق ہے، چاہے کسی کا نقصان ہو اس میں چاہے نہ ہو، نقصان ہو یا نہ ہو، کیونکہ مشترکہ ہے تو اس کو اجازت لینی چاہیے بھئی۔ تو اب یہ نہیں دیکھیں گے کہ اگر نقصان نہیں پہنچتا تو اس کو بنا رہنے دو کوئی نہیں گرا سکتا، نہیں نہیں، مشترکہ زمین ہے اس کو سب سے اجازت لے کر

بنانا چاہیے تھا، لہذا نقصان نہ بھی دے پھر بھی باقی ساتھیوں کو اس کو گرانے کی اجازت ہے اگر اس نے بغیر اجازت کے کیا ہو۔ تو یہ معنی ہے كَمَا فِي الْمِلْكِ الْمُشْتَرَكِ جیسے کہ مشترکہ ملکیت کے اندر، مَعَ أَنَّهُ لَمْ يَضُرَّ باوجود اس کے کہ اس کا کوئی نقصان نہیں، کوئی ضرر نہیں، پھر بھی وہ گرا سکتے ہیں۔[۲]

وَفِي غَيْرِ نَافِذٍ لَا يَسَعُهُ بِلَا إِذْنِ شُرَكَائِهِ، اور غیرِ نافذ کے اندر: نافذ وہ راستہ جو دونوں طرف کھلا ہوا ہو، وہ گلی وہ سڑک جو دونوں طرف کھلی ہوئی ہو، لوگ گزرتے ہیں اس طرف سے دوسری طرف نکل جاتے ہیں، اور غیرِ نافذ وہ گلی جو ایک طرف سے بند ہو، بند ہو۔ یاد رکھو یہ جو گلی کھلی ہوئی ہے دونوں طرف سے یہ عام گلی ہے، ہر شخص کو اس میں سے گزرنے کا حق ہے، اس گلی والے کسی کو نہیں روک سکتے کیونکہ یہ راستہ ہے دونوں طرف کھلا ہوا ہے۔ ہاں تو پھر اگر یہ گلی ایک طرف سے بند ہے، پھر اس صورت میں ہر ایک کا حق وہاں سے گزرنا نہیں ہے، صرف گلی والوں کا حق ہے۔ تو اگر گلی بند ہے، اس بند گلی کے اندر، بند راستے کے اندر کوئی اس طرح کی چیز بناتا ہے، تو بغیر شریکوں کی اجازت کے نہیں بنا سکتا۔ جتنے گلی والے ہیں ان کی اجازت کے بغیر نہیں بنا سکتا، چاہے کسی کو نقصان نہ پہنچ رہا ہو پھر بھی نہیں بنا سکتا اجازت کے بغیر۔ یہ معنی ہے وَفِي غَيْرِ نَافِذٍ اور غیرِ نافذ گلی میں یعنی جو بند ہو، لَا يَسَعُهُ اس کے لیے اس کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ ایسی چیز بنائے، بِلَا إِذْنِ شُرَكَائِهِ شریکوں کی اجازت کے بغیر، وَإِنْ لَمْ يَضُرَّ بِالنَّاسِ اگرچہ وہ لوگوں کو ضرر نہ دے وہ چیز، پھر بھی نہیں بنا سکتا اجازت کے بغیر۔

وَضَمِنَ عَاقِلَتُهُ دِيَةَ مَنْ مَاتَ بِسُقُوطِهَا، بھئی یہ چیز گری، پرنالہ بنایا تھا وہ گر گیا، یا بیت الخلا بنایا تھا وہ گر گیا، یا اس نے وہ جو جُرْسُن بنایا تھا وہ شہتیر وغیرہ یا کوئی جو پانی کی نالی بنائی تھی دیوار کے اوپر وہ گر گئی، یا وہ چبوترا گرا بھئی، اس سے کوئی شخص مر گیا، تو یہ جو بنانے والا ہے اس کی عاقلہ ضامن ہوگی، وہ دیت ادا کریں گے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ یہ معنی ہے وَضَمِنَ عَاقِلَتُهُ اور اس بنانے والے کی عاقلہ جو ہے وہ ضامن ہوگی، دِيَةَ مَنْ مَاتَ بِسُقُوطِهَا اس شخص کی دیت کا جو مر گیا ان چیزوں کے گرنے کی وجہ سے۔

كَمَا لَوْ وَضَعَ حَجَرًا أَوْ حَفَرَ بِئْرًا فِي الطَّرِيقِ، جیسے بھئی کہتے ہیں کسی نے راستے میں کوئی پتھر رکھ دیا، کسی نے راستے میں کوئی پتھر رکھا اور کوئی گزرنے والا اس سے ٹھوکر کھا کر گرا اور مر گیا، یا کسی نے راستے میں کنواں کھود دیا اور کوئی گزرنے والا اس کنویں میں گرا اور وہ مر گیا، تو یہ جو پتھر رکھنے والا ہے یا جو کنواں کھودنے والا ہے اس کی عاقلہ اس دیت کی ضامن ہوگی، ان کو دیت ادا کرنا پڑے گی۔ یہ معنی ہے كَمَا لَوْ وَضَعَ حَجَرًا أَوْ حَفَرَ بِئْرًا فِي الطَّرِيقِ جیسے کسی نے رکھا کوئی پتھر، أَوْ حَفَرَ بِئْرًا یا کنواں کھودا، فِي الطَّرِيقِ راستے میں، فَتَلِفَ النَّفْسُ تو اس میں کوئی جان ہلاک ہو گئی۔

---

[۲] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۷۰):** صوتی درس کی قراءت میں «لِأَنَّهُ تَصَرُّفٌ فِي حَقِّ الْمُشْتَرَكِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «لأنَّهُ تصرُّفٌ في الحقِّ المشترك،» منقول ہے۔

فَإِنْ تَلِفَ بِهِ بَهِيمَةٌ ضَمِنَ هُوَ، اگر اس میں کوئی جانور جو ہے تلف ہو گیا، ہلاک ہو گیا، بَهِيمَة مویشی چوپائے وغیرہ، ان میں سے کوئی اس میں ہلاک ہوا، ضَمِنَ هُوَ وہ شخص ضامن ہوگا۔ بھئی دیکھو کسی کی کوئی جان لے لے غلطی سے یا اس کے کسی عضو کو تلف کر دے یہ ہے جنایت، اس کا ضمان تو عاقلہ پر آئے گا۔ کس پر آئے گا؟ عاقلہ پر۔ لیکن اگر کسی کو مالی نقصان پہنچاتا ہے، مال کا جو نقصان ہے وہ عاقلہ نہیں اٹھاتی، تو وہ خود ادا کرنا پڑے گا۔ تو اس کے کنویں کی وجہ سے یا اس کے پتھر کی وجہ سے کسی کا مویشی ہلاک ہو گیا، گھوڑا، گدھا یا خچر یا گائے، بکری وغیرہ کوئی چیز اس سے گر گئی، تو یہ جانی نقصان پہنچایا یا مالی نقصان پہنچایا؟ یہ چیزیں کیا ہیں؟ یہ مال ہیں، تو یہ مالی نقصان ہوا اور مالی نقصان عاقلہ پر نہیں آتا، وہ اس کو خود ادا کرنا پڑے گا۔ یہ معنی ہے فَإِنْ تَلِفَ بِهِ بَهِيمَةٌ ضَمِنَ هُوَ اگر اس کے اندر کوئی چوپایہ ہلاک ہو گیا تو وہ خود ضامن ہوگا۔

إِنْ لَمْ يَأْذَنْ بِهِ الْإِمَامُ، اگر امام نے یعنی حاکمِ وقت نے اس کی اجازت نہیں دی۔ اگر حاکمِ وقت نے اس کی اجازت نہیں دی تو پھر یہ خود ضامن ہوگا۔ بھئی اگر اس نے وہ پتھر حاکمِ وقت کے حکم پر رکھا ہے،

یا اس کے کہنے پر کھودا ہے یا کنواں اس نے، تو پھر اس صورت میں تو اس پر ضمان نہیں آئے گا بھئی۔ یہ معنی ہے إِنْ لَمْ يَأْذَنْ بِهِ الْإِمَامُ اگر امام نے اس کو اجازت نہ دی ہو۔ کہتے ہیں فَإِنَّ الضَّمَانَ فِي جَمِيعِ مَا ذُكِرَ بِإِحْدَاثِ شَيْءٍ فِي طَرِيقِ الْعَامَّةِ إِنَّمَا يَكُونُ إِذَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ الْإِمَامُ، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ ضمان جو ہے فِي جَمِيعِ مَا ذُكِرَ ان تمام چیزوں کے اندر جو ذکر کی گئیں بِإِحْدَاثِ شَيْءٍ فِي طَرِيقِ الْعَامَّةِ بصورت کوئی نئی چیز بنانے کے عام لوگوں کے راستے میں، إِنَّمَا يَكُونُ یہ ضمان جو ہے ان تمام صورتوں میں اس شخص پر یہ ضمان ہوگا إِذَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ الْإِمَامُ جب اس کو امام نے اجازت نہ دی ہو۔ اگر امام نے اس کو ان چیزوں کی اجازت دی تھی تو پھر اس پر ضمان نہیں آئے گا بھئی۔

فَإِنْ أَذِنَ الْإِمَامُ أَوْ مَاتَ وَاقِعٌ فِي بِئْرٍ طَرِيقٍ جُوعًا أَوْ غَمًّا فَلَا، صورتِ مسئلہ یہ: اگر حاکمِ وقت نے اس کو اجازت دی تھی کنواں کھودنے کی اور اس نے راستے میں کنواں کھود دیا، اس کا حکم تھا، اس نے کنواں کھود دیا۔ یا امام کے کہنے پر پتھر رکھا تھا، اب اس کے اندر اس کنویں میں کوئی شخص گرا اور مر گیا، یا اس پتھر سے ٹھوکر کھا کر کوئی شخص مر گیا، تو اس کا ضمان اس رکھنے والے پر نہیں کیونکہ اس کو حاکمِ وقت نے حکم دیا تھا۔ اور اگر اس نے خود کنواں کھودا تھا اور پھر اس کنویں کے اندر کوئی آدمی گر گیا، لیکن وہ آدمی کنویں میں گرنے سے نہیں مرا بلکہ بھوک یا سانس گھٹنے کی وجہ سے مر گیا، تو کہتے ہیں اس صورت میں اس شخص پر ضمان نہیں آئے گا۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ راستے میں کنواں کھودا تھا، اگر کوئی شخص اس کنویں میں گرا اور مر گیا پھر تو ضمان آئے گا۔ لیکن وہ یہ صورت ذکر کر رہے ہیں کوئی شخص کنویں میں گرا، گرنے سے نہیں مرا، گرنے سے اس کو کچھ بھی نہیں ہوا۔ ہاں، کنویں کے اندر بھوک کی وجہ سے وہ مر گیا، پہلے ہی اس کو بھوک لگی ہوئی تھی شدید بھوک بھئی، اور اب کنویں میں گر گیا تو خوراک تک نہ پہنچ سکا اور ہلاک ہوا، یا کنویں میں سانس گھٹنے کی

وجہ سے وہ مرگیا، تو اس صورت میں اس پر ضمان نہیں آئے گا بھئی۔ تو کہتے ہیں فَإِنْ أَذِنَ الْإِمَامُ اگر امام نے اس کو اجازت دی، أَوْ مَاتَ یہ الگ صورت ذکر کر رہے ہیں، أَوْ مَاتَ یا مرگیا وَاقِعٌ فِي بِئْرٍ طَرِيقٍ وہ جو وَاقِع کا معنی گرنے والا، یا مرگیا وَاقِعٌ وہ جو گرا تھا فِي بِئْرٍ طَرِيقٍ راستے کے کنویں میں، یا یوں ترجمہ کرو أَوْ مَاتَ وَاقِعٌ فِي بِئْرٍ طَرِيقٍ یا راستے کے کنویں میں گرنے والا مرگیا، جُوعًا بھوک کی وجہ سے، أَوْ غَمًّا یا سانس گھٹنے کی وجہ سے، فَلَا تو پھر ضمان نہیں آئے گا، کیونکہ کنویں میں گرنے سے وہ شخص نہیں مرا بلکہ دوسرے سبب سے مرا ہے، سانس گھٹنے سے مرا ہے یا بھوک سے مرا ہے۔[۳]

هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ إِنْ مَاتَ غَمًّا يَجِبُ الضَّمَانُ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ سانس گھٹنے کی وجہ سے مرا ہے تو يَجِبُ الضَّمَانُ ضمان اس کھودنے والے پر واجب ہوگا، لِأَنَّ الْغَمَّ بِسَبَبِ الْوُقُوعِ اس لیے کیونکہ جو سانس گھٹا ہے وہ گرنے کی وجہ سے ہے۔ وَالْمُرَادُ بِالْغَمِّ هٰهُنَا الِاخْتِنَاقُ مِنْ هَوَاءِ الْبِئْرِ، اور غمّ سے یہاں پر مراد الِاخْتِنَاقُ سانس کا گھٹنا ہے، مِنْ هَوَاءِ الْبِئْرِ کنویں کی ہوا سے۔ کنویں کی ہوا کی وجہ سے سانس کا گھٹنا مراد ہے۔ تو غمّ سے یہاں وہ رنج اور دکھ اور تکلیف مراد نہیں ہے بلکہ یہاں سانس کا گھٹنا مراد ہے۔ یہ معنی ہے وَالْمُرَادُ بِالْغَمِّ هٰهُنَا الِاخْتِنَاقُ مِنْ هَوَاءِ الْبِئْرِ اور غمّ سے یہاں مراد جو ہے وہ سانس کا گھٹنا ہے کنویں کی ہوا کی وجہ سے۔

وَمَنْ نَحَّى حَجَرًا وَضَعَهُ آخَرُ فَعَطِبَ بِهِ رَجُلٌ ضَمِنَ، صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے راستے میں ایک پتھر رکھا۔ دوسرا شخص آیا، اس نے وہ پتھر اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیا۔ اب اس پتھر سے کوئی ٹکرا کر مرگیا، تو ضمان پہلے پر ہے یا دوسرے پر؟ کہتے ہیں ضمان دوسرے شخص پر ہے۔ اس لیے کیونکہ پہلے نے جہاں رکھا تھا اس پہلے کا فعل تھا، لیکن جب دوسرا آیا اور اس نے اس پتھر کو اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیا، تو گویا پہلے کے فعل کو اس نے ختم کر دیا اور اپنے فعل کو وہاں وجود دے دیا۔ تو اب جو گرے گا اس کی نسبت اس دوسرے شخص کی طرف ہوگی جس نے نئی جگہ پر پتھر کو رکھا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے وَمَنْ نَحَّى حَجَرًا، نَحَّى يُنَحِّي کا معنی ہے ایک طرف کرنا۔ وَمَنْ نَحَّى حَجَرًا اور جس نے ایک طرف کیا ایسے پتھر کو وَضَعَهُ آخَرُ جو کسی دوسرے نے رکھا تھا۔ ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے بھئی؟ وَمَنْ نَحَّى حَجَرًا وَضَعَهُ آخَرُ اور جس نے ایک طرف کر دیا اس پتھر کو جو کسی دوسرے نے وہاں رکھا تھا، فَعَطِبَ بِهِ رَجُلٌ تو اس سے کوئی انسان ہلاک ہو گیا، ضَمِنَ تو یہ دوسرا آدمی ضامن ہوگا۔ لِأَنَّ فِعْلَ الْأَوَّلِ انْفَسَخَ بِفِعْلِ الثَّانِي اس لیے کیونکہ پہلے آدمی کا فعل جو ہے وہ فسخ ہو گیا وہ دوسرے آدمی کے فعل کی وجہ سے، فَالضَّمَانُ عَلَى الثَّانِي تو ضمان دوسرے آدمی پر ہوگا۔

---

[۳] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۷۱): صوتی درس کی قراءت میں «فَإِنْ أَذِنَ الْإِمَامُ أَوْ مَاتَ وَاقِعٌ فِي بِئْرِ طَرِيقٍ جُوعًا أَوْ غَمًّا فَلَا» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فإن أَذِنَ أو ماتَ واقعٌ في بئرِ طريقٍ جوعًا، أو غمًّا فلا،» منقول ہے۔

كَمَنْ حَمَلَ شَيْئًا فِي الطَّرِيقِ يَسْقُطُ مِنْهُ عَلَى آخَرَ، صورتِ مسئلہ یہ: کہتے ہیں یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص کوئی بوجھ لے کر راستے میں چل رہا تھا، کوئی چیز اٹھا کر راستے میں چل رہا تھا، اور پھر وہ راستے میں وہ چیز اس سے گری کسی دوسرے آدمی پر اور وہ شخص ہلاک ہو گیا، تو اس چیز اٹھانے والے پر ضمان آئے گا، کیونکہ اس کی غلطی سے کیا ہوا ہے؟ دوسرے کی جان گئی ہے۔

یا اسی طرح کہتے ہیں کوئی شخص جو ہے کوئی چٹائی لے کر مسجد میں گیا، چٹائی لے گیا مسجد کے لیے، أَوْ قِنْدِيلٍ یا کوئی شخص جو ہے شمع جو ہے، قِنْدِيل شمع کو کہتے ہیں روشنی کے لیے جس کو جلایا جاتا ہے، یا کوئی شخص جو ہے شمع لے کر گیا مسجد میں، أَوْ حَصَاةٍ یا کنکریاں لے کر گیا مسجد میں، فِي مَسْجِدِ غَيْرِهِ کسی دوسرے کی مسجد میں۔ ایک تو اپنے محلے کی مسجد ہے، ایک ہے دوسرے محلے کی مسجد، اس میں وہ یہ چیزیں لے کر گیا۔ یا کوئی شخص مسجد میں بیٹھا تھا، نماز نہیں پڑھ رہا تھا، ویسے بیٹھا ہوا تھا اور کوئی اس پر گرا اور مر گیا، مثلاً کوئی نابینا آیا اور اس سے ٹکرا کر گرا اور مر گیا، تو ان تمام صورتوں میں یہ جو چٹائی لے جانے والا ہے یا شمع لے جانے والا ہے یا کنکریاں لے جانے والا ہے ان پر ضمان آئے گا بھئی۔

دیکھیے بھئی: كَمَنْ حَمَلَ شَيْئًا فِي الطَّرِيقِ جیسے کہ وہ شخص جس نے اٹھایا کسی چیز کو راستے میں، يَسْقُطُ مِنْهُ اور وہ چیز گر گئی اس سے عَلَى آخَرَ کسی دوسرے آدمی پر۔ أَوْ دَخَلَ بِحَصِيرٍ یا کوئی آدمی چٹائی لے کر داخل ہوا، چٹائی کے ساتھ مسجد میں مسجد کے لیے چٹائی لے گیا کہ لوگ اس پر نماز پڑھیں گے۔ أَوْ دَخَلَ بِحَصِيرٍ یا چٹائیوں کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا۔ أَوْ قِنْدِيلٍ، قِنْدِيل کہتے ہیں شمع کو بھئی جس پر آگ جلا کر روشنی کی جاتی ہے۔ أَوْ قِنْدِيلٍ یا وہ مسجد میں داخل ہوا شمع لے کر، أَوْ حَصَاةٍ یا وہ مسجد میں داخل ہوا کنکریاں لے کر، فِي مَسْجِدِ غَيْرِهِ کس مسجد میں؟ اپنی یا غیر کی؟ اپنی مسجد میں یہ لے کر گیا ہے پھر ضمان نہیں آئے گا کیونکہ یہ لوگ مسجدوں میں یہ چیزیں لے کر جاتے ہیں ثواب کے لیے۔ یہاں دوسرے کی مسجد میں اگر یہ چیزیں لے کر گیا تو امام صاحب کے نزدیک ضمان آئے گا، صاحبین فرماتے ہیں ضمان نہیں آئے گا۔ اسی لیے غَيْرِهِ کی قید لگائی کہ امام صاحب کے نزدیک یہ ایسا ہے کسی دوسرے کی مسجد میں لے کر گئے ہو تو آپ کے لیے جائز ہے، آپ لے جانا چاہیں لے جا سکتے ہیں لیکن ضروری ہے کہ کسی کو اس سے نقصان نہ پہنچے، تو نقصان جب پہنچ گیا ہے تو اب ضمان دینا پڑے گا۔ تو دوسرے کی مسجد میں لے گیا۔ أَوْ جَلَسَ فِيهِ غَيْرَ مُصَلٍّ یا بیٹھا مسجد کے اندر اس حال میں کہ وہ نماز پڑھنے والا نہیں تھا، فَعَطِبَ بِهِ أَحَدٌ تو اس کی وجہ سے ہلاک ہو گیا کوئی شخص۔

نَحْوُ مثال کے طور پر، اب شرح میں صورتیں بیان کریں گے، کیسے مرتا ہے ان سے کوئی آدمی بتلا رہے ہیں: نَحْوُ إِنْ سَقَطَ الْحَصِيرُ أَوِ الْقِنْدِيلُ عَلَى أَحَدٍ کہ وہ چٹائی گر گئی یا وہ قندیل گر گئی کسی پر، گر گئی کسی پر۔ أَوْ سَقَطَ الظَّرْفُ الَّذِي فِيهِ الْحَصَاةُ عَلَى أَحَدٍ یا وہ برتن گر گیا جس کے اندر کنکریاں تھیں عَلَى أَحَدٍ کسی شخص پر۔ أَوْ كَانَ جَالِسًا غَيْرَ مُصَلٍّ فَسَقَطَ عَلَيْهِ أَعْمَى یا وہ بیٹھا ہوا تھا بغیر نماز کے یعنی نماز نہیں پڑھ رہا تھا فَسَقَطَ عَلَيْهِ أَعْمَى تو اس پر کوئی اندھا شخص گر گیا، ضَمِنَ تو ان

تمام صورتوں میں وہ ضامن ہوگا۔

لَا مَنْ سَقَطَ مِنْهُ رِدَاءٌ لَبِسَهُ، صورت یہ: ایک شخص نے ایک چادر اوڑھی ہوئی تھی بھئی اور وہ چادر اس کے ہاتھ سے گری اور اس کی وجہ سے کوئی شخص ہلاک ہوا، تو کہتے ہیں لَا مَنْ سَقَطَ مِنْهُ رِدَاءٌ لَبِسَهُ وہ شخص ضامن نہیں ہوگا کہ جس سے کوئی ایسی چادر گر گئی لَبِسَهُ جس کو اس نے پہنا ہوا تھا یعنی اوڑھا ہوا تھا۔ آپ حیران ہوں گے کہ بھئی چادر سے کوئی کیسے شخص ہلاک ہو گیا؟ بھئی دیکھو مثلاً ایک شخص نے چادر اوڑھی ہوئی تھی، راستے میں چل رہا تھا، اور وہ چادر اس کے سر سے گری اور پیچھے آنے والے آدمی کے پاؤں میں پھنس گئی اور وہ گرا اور اس کا سر نیچے لگا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ یا وہ چادر کسی بچے کے اوپر، چھوٹا بچہ ساتھ چل رہا تھا اس کے اوپر گری اور وہ بچہ ساتھ ہی گرا، کوئی چیز اس کو لگی اور وہ ہلاک ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھا چادر گرنے سے کیا ہوا؟ اس کی جان چلی گئی بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

أَوْ أَدْخَلَ هٰذِهِ الْأَشْيَاءَ فِي مَسْجِدِ حَيِّهِ یا اس نے یہ چیزیں داخل کیں اپنے محلے کی مسجد میں، أَوْ جَلَسَ فِيهِ مُصَلِّيًا یا وہ بیٹھا ہوا تھا مسجد میں اس حال میں کہ مُصَلِّيًا وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ کہتے ہیں هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ وَعِنْدَهُمَا لَا يَضْمَنُ بِإِدْخَالِ هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ فِي الْمَسْجِدِ اور صاحبین کے نزدیک وہ ضامن نہیں ہوگا یہ چیزیں مسجد میں داخل کرنے سے، سَوَاءٌ كَانَ مَسْجِدَ حَيِّهِ أَوْ غَيْرِهِ چاہے اس کے اپنے محلے کی مسجد ہو أَوْ غَيْرِهِ یا کسی دوسرے محلے کی مسجد ہو۔ لِأَنَّ الْقُرْبَةَ لَا تَتَقَيَّدُ بِشَرْطِ السَّلَامَةِ اس لیے کیونکہ قربت جو ہے یعنی اللہ کا قرب حاصل کرنا یعنی عبادت، کیا مراد ہے؟ عبادت، کہ اس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے، لَا تَتَقَيَّدُ بِشَرْطِ السَّلَامَةِ اس لیے عبادت کو یا کوئی ثواب کا کام، ثواب کا کام لِأَنَّ الْقُرْبَةَ اس لیے کیونکہ جو ثواب کا کام ہے لَا تَتَقَيَّدُ بِشَرْطِ السَّلَامَةِ وہ مقید نہیں ہے سلامتی کی شرط کے ساتھ۔ کوئی شخص ثواب کا کام کرتا ہے تو اس میں ضروری نہیں کہ وہ سلامتی کے ساتھ مقید ہو، وہ اپنی طرف سے ثواب کا کام کر رہا ہے تو اس میں اگر کسی کو نقصان پہنچ جائے تو ضمان نہیں آئے گا۔ جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں، یہ کام اس کے لیے جائز تھے لیکن یہ اپنے محلے کی مسجد میں چیزیں نہیں لے کر گیا، کسی دوسرے محلے کی مسجد میں لے کر گیا، اور دوسرے محلے کی مسجد میں یہ چیزیں لے جانا اس کے لیے جائز تھا لیکن ضروری تھا کہ اس میں سلامتی ہو کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ تو صاحبین فرماتے ہیں نہیں چاہے اپنے محلے کی مسجد ہو چاہے کوئی دوسری مسجد ہو ان چیزوں سے ضمان نہیں آئے گا کیونکہ یہ کام ثواب کے لیے وہ کر رہا ہے، اور جو کام ثواب کی نیت سے کیا جائے اس کا سلامتی کے ساتھ مقید ہونا ضروری نہیں۔

یہ معنی ہے صاحبین کی دلیل چل رہی ہے: لِأَنَّ الْقُرْبَةَ لَا تَتَقَيَّدُ بِشَرْطِ السَّلَامَةِ اس لیے کیونکہ ثواب کا کام جو ہے وہ مقید نہیں ہوگا سلامتی کی شرط کے ساتھ۔ لَهُ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ أَنَّ تَدْبِيرَ الْمَسْجِدِ لِأَهْلِهِ دُونَ غَيْرِهِمْ کہ مسجد کی جو تدبیر ہے یعنی مسجد کا جو انتظام ہے وہ مسجد والوں کے لیے ہے نہ کہ ان کے علاوہ کے لیے۔ مسجد کا انتظام کس کے

ذمے ہے؟ مسجد والوں کے ذمے ہے، دوسروں کے ذمے نہیں ہے، فَفِعْلُ الْغَيْرِ مُبَاحٌ دوسروں کا فعل مباح ہے، جائز ہے، فَيَكُونُ مُقَيَّدًا بِشَرْطِ السَّلَامَةِ تو یہ مقید ہوگا سلامتی کی شرط کے ساتھ۔

وَعِنْدَهُمَا اور صاحبین کے نزدیک الْجَالِسُ فِي الْمَسْجِدِ لَا يَضْمَنُ جو شخص مسجد میں بیٹھا ہو وہ ضامن نہیں ہوگا، سَوَاءٌ جَلَسَ لِلصَّلَاةِ أَوْ غَيْرِ الصَّلَاةِ چاہے وہ نماز کے لیے بیٹھا ہو یا ویسے بیٹھا ہو۔ فَالْحَاصِلُ حاصلِ کلام یہ ہے کہ أَنَّ الْجَالِسَ لِلصَّلَاةِ فِي الْمَسْجِدِ لَا يَضْمَنُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ سَوَاءٌ فِي مَسْجِدِ حَيِّهِ أَوْ غَيْرِهِ حاصلِ کلام یہ کہ مسجد میں بیٹھنے والا نماز کے لیے، الْجَالِسُ لِلصَّلَاةِ فِي الْمَسْجِدِ وہ شخص جو نماز کے لیے بیٹھا ہے مسجد میں، لَا يَضْمَنُ وہ ضامن نہیں ہوگا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ امام صاحب کے نزدیک، سَوَاءٌ فِي مَسْجِدِ، بھئی ایک شخص نماز کے لیے بیٹھا ہے، نماز کا انتظار کر رہا ہے جماعت ہونے والی ہے، اس کے انتظار میں آکر بیٹھا ہے، اور ایک ہے ویسے مسجد میں عام وقت کے اندر بیٹھا ہوا ہے، ذکر کر رہا ہے یا ویسے بیٹھا ہے لیکن بہرحال نماز کے لیے نہیں بیٹھا، تو امام صاحب دونوں میں فرق کرتے ہیں کہ جو نماز کے لیے بیٹھا ہے اس کی وجہ سے کسی کو نقصان پہنچے گا تو وہ ضامن نہیں، اور ویسے بیٹھا ہے کسی کو نقصان پہنچا تو وہ ضامن ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آیا؟ یہ معنی ہے فَالْحَاصِلُ حاصل یہ ہے کہ أَنَّ الْجَالِسَ لِلصَّلَاةِ فِي الْمَسْجِدِ لَا يَضْمَنُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ کہ جو نماز کے لیے مسجد میں بیٹھا ہو وہ ضامن نہیں ہوگا امام صاحب کے نزدیک، سَوَاءٌ فِي مَسْجِدِ حَيِّهِ أَوْ غَيْرِهِ چاہے وہ اپنے محلے کی مسجد میں ہو یا اس کے علاوہ کسی دوسری مسجد میں ہو۔ وَالْجَالِسُ لِغَيْرِ الصَّلَاةِ يَضْمَنُ سَوَاءٌ فِي مَسْجِدِ حَيِّهِ أَوْ غَيْرِهِ اور جو شخص نماز کے علاوہ کے لیے بیٹھا ہے تو وہ ضامن ہوگا چاہے وہ اپنے محلے کی مسجد میں ہو یا اپنے محلے کے علاوہ دوسری مسجد میں ہو۔ تو یاد رکھیے اس میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے بھئی۔ کوئی مسجد میں چاہے نماز کے لیے بیٹھا ہو چاہے ویسے بیٹھا ہو کوئی ہلاک ہو جائے تو اس میں ضمان نہیں آئے گا بھئی، اور اسی طرح کوئی مسجد کے اندر کوئی چیزیں لے جاتا ہے

چاہے اپنی مسجد میں لے کے جائے، چاہے کسی دوسرے کی مسجد میں لے کر جائے، جب وہ ثواب کی نیت سے چیزیں لے کر گیا ہے اور اس سے کسی کو کوئی نقصان ہوا یا کسی کو کوئی نقصان پہنچا تو اس میں ضمان نہیں آئے گا، اس پر فتویٰ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَفِي سُقُوطِ الرِّدَاءِ إِنَّمَا لَا يَضْمَنُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ، اچھا چادر کسی نے اوڑھی ہوئی تھی بھئی اور وہ کسی پر گری اور وہ مر گیا، وہ کسی پر گری اور وہ مر گیا۔ تو کہتے ہیں وَفِي سُقُوطِ الرِّدَاءِ اور چادر گرنے کی صورت میں، إِنَّمَا لَا يَضْمَنُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک وہ چادر والا ضامن نہیں ہوگا، إِذَا لَبِسَ مَا يُلْبَسُ عَادَةً جب اس نے ایسی چیز اوڑھی ہے، ایسی چیز ایسی چادر پہنی ہے جس کو عادتاً پہنا جاتا ہے۔ جیسے عادت میں عام لوگ کپڑے اور چادر وغیرہ پہنتے ہیں، اگر ایسی چادر تھی تو یہ اگر کسی پر گری اور وہ ہلاک ہو گیا تو اس صورت میں ضمان نہیں ہے۔

أَمَّا إِنْ لَبِسَ مَا لَا يُلْبَسُ عَادَةً كَجَوَالِقِ الْقَلَنْدَرِيَّةِ، اور اگر اس نے ایسی چادر پہنی جو عادتاً نہیں پہنی جاتی، كَجَوَالِقِ الْقَلَنْدَرِينَ، قَلَنْدَرِينَ دو یا ہیں نون کے ساتھ؟ ہاں، ایک یا ہونی چاہیے۔ جَوَالِق کہتے ہیں بوریاں بھئی بوریاں۔ بوری جس کے اندر بھئی گندم وغیرہ اور چاول رکھے جاتے ہیں۔ قلندر، قلندر آزاد آدمی۔ بعض آزاد لوگ ہوتے ہیں آزاد گھومنے پھرنے والے ہوتے ہیں، گھر بار بچوں وغیرہ کا کوئی بوجھ نہیں ہوتا، اور اپنے لباس وغیرہ کی کوئی پروا نہیں ہوتی، کیسا لباس ہے کیسا نہیں ہے ان کو کوئی فکر نہیں ہوتی، بوریاں وغیرہ اور اس جیسی چیزیں انہوں نے اپنے اوپر ڈالی ہوتی ہیں، تو وہ کیا ہیں؟ وہ قلندر، وہ آزاد لوگ جو ہیں وہ ہیں قلندر بھئی۔ تو كَجَوَالِقِ الْقَلَنْدَرِينَ جیسے کہ قلندروں کی بوریاں۔ اب یہ قلندروں کی بوریاں یہ تو عام آدمی نہیں پہنتا بھئی، یہ اگر کسی پر گریں تو پھر وہ ضامن ہوگا، یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی وزنی چیز اٹھائی ہوئی تھی اور وہ کسی پر گری ہے، تو جیسے اس میں ضمان آتا ہے تو اس میں بھی ضمان آئے گا۔

أَمَّا إِنْ لَبِسَ مَا لَا يُلْبَسُ عَادَةً كَجَوَالِقِ الْقَلَنْدَرِينَ، باقی اگر اس نے ایسی چیز پہنی جو عادتاً نہیں پہنی جاتی جیسے کہ قلندروں کی بوریاں ہیں، فَسَقَطَ عَلَى إِنْسَانٍ فَهَلَكَ پس اس جیسی چادر یا لباس جو تھا وہ گرا کسی انسان پر، فَهَلَكَ تو وہ ہلاک ہو گیا، يَضْمَنُ تو وہ ضامن ہوگا۔ فَهٰذَا اللُّبْسُ بِمَنْزِلَةِ الْحَمْلِ یہ پہننا جو ہے یہ بوجھ اٹھانے کے درجے میں ہے۔ کس کے درجے میں ہے؟ کہتے ہیں یہ بوجھ اٹھانے کی طرح ہے، جیسے کوئی شخص راستے میں کوئی بوجھ اٹھا کر چل رہا تھا اور مثلاً بوری وغیرہ سر پر تھی اور وہ بوری سر سے گری اور نیچے کسی کوئی انسان تھا بیٹھا ہوا تھا یا لیٹا ہوا تھا اور وہ ہلاک ہو گیا اس بوری کی وجہ سے، تو جیسے وہاں پر ضمان آتا ہے، جیسے وہاں پر ضمان آتا ہے، تو یہاں پر بھی یہ جو اس کے سامان جو اس نے لباس پہنا ہوا ہے اور وہ عام لوگ ایسا لباس نہیں پہنتے، بے انتہا وزنی لباس ہے، اور وہ کسی پر گرا اور اس کی وجہ سے کوئی انسان ہلاک ہوا، تو اس پر بھی ضمان آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ مثلاً وہ بوریوں والا لباس تھا وہی صورت بنا لیں، کسی شخص نے پہنا ہوا تھا اور وہ اس سے گرا اور نیچے کوئی بچہ جا رہا تھا اس بیچارے کی گردن پر لگا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی، یا وہ بچہ اس بچے کے اوپر گرا اور بچہ نیچے اس کی وجہ سے پھر گرا اور سر اس کا زمین پر لگا اور پھر وہ ہلاک ہو گیا، تو یہ اسی کی طرح ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے فَهٰذَا اللُّبْسُ بِمَنْزِلَةِ الْحَمْلِ کہ یہ پہننا کس کے درجے میں ہے؟ حَمْل یعنی بوجھ اٹھانے کے درجے میں ہے، کوئی وزنی چیز اٹھانے کے درجے میں ہے، وَفِي الْحَمْلِ يَضْمَنُ اور حَمْل کی صورت میں تو ضمان آتا ہے، تو اس میں بھی ضمان آئے گا بھئی۔

وَرَبُّ حَائِطٍ مَالَ إِلَى طَرِيقِ الْعَامَّةِ، صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص جو دیوار والا ہے اس کی دیوار راستے کی طرف جھک گئی، گرنے کا خطرہ ہے، گرنے کا خطرہ ہے۔ اب اس دیوار کی وجہ سے کوئی ہلاک ہو گیا تو اس پر ضمان نہیں آئے گا، الا یہ کہ کسی نے راستے والوں میں سے کسی نے جا کر اس سے مطالبہ کیا ہو کہ بھئی آپ کی دیوار گرنے والی ہے، کوئی کسی کو نقصان نہ پہنچ جائے، آپ اس دیوار کو سیدھا کروا لیں۔ جب مطالبہ ہو چکا اور پھر اتنا وقت بھی بیچ میں گزر گیا جس میں دیوار گرا کر

پھر سیدھی کی جا سکتی تھی، دو چار دن گزر گئے اور پھر دیوار گری اور کسی کو نقصان پہنچا، تو بھئی اس کے پاس تو اتنا وقت تھا، اس سے مطالبہ بھی ہو گیا تھا کہ دیوار سیدھی کر دیں، اس کو خبر دے دی گئی تھی کہ آپ کی دیوار ٹیڑھی ہو گئی ہے، اور اس کے پاس اتنا وقت بھی تھا جس میں یہ دیوار سیدھی کروا سکتا تھا، اور اس نے پھر بھی دیوار سیدھی نہیں کی، اب اگر دیوار گری اور کسی کو نقصان پہنچا تو اس پر ضمان آئے گا۔ چاہے یہ مطالبہ کرنے والا مسلمان ہو چاہے ذمی ہو، کیونکہ عام راستہ ہے اس پر جیسے مسلمان کے گزرنے کا حق ہے ذمی کے بھی گزرنے کا حق ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ اس دیوار کے سیدھے سیدھا کرنے کا مطالبہ اس شخص سے کرے جو اس دیوار کو سیدھا کروانے کا مالک بھی ہو، جس کو یہ حق ہو کہ اس کو گرائے اور پھر سیدھا کر دے۔

تو کہتے ہیں وَرَبُّ حَائِطٍ، رَبُّ الْحَائِطِ دیوار کا مالک جو ہے دیوار والا، وَرَبُّ حَائِطٍ مَالَ إِلَى طَرِيقِ الْعَامَّةِ اور ایسی دیوار کا مالک، دیکھا حَائِطٍ نکرہ ہے اور اس کے بعد مَالَ فعل آیا تو موصوف صفت والا ترجمہ کریں گے، اور ایسی دیوار کا مالک جو کہ جھک گئی ہے إِلَى طَرِيقِ الْعَامَّةِ عام لوگوں کے راستے کی طرف، وَطَلَبَ نَقْضَهُ مُسْلِمٌ أَوْ ذِمِّيٌّ اور مطالبہ کیا اس کو گرانے کا کسی مسلمان یا کسی ذمی نے، مِمَّنْ يَمْلِكُ نَقْضَهُ اس شخص سے مطالبہ کیا جو مالک ہے اس کو گرانے کا، جو گرا بھی سکتا ہے، کرایہ دار سے مطالبہ کرتا ہے جو اس گھر میں رہتا ہے بھئی کرایہ دار تو اس گھر کی دیوار کو گرانے کا حق اس کو نہیں ہے بھئی، تو مالک سے کیا کرتا ہے؟ مطالبہ، پھر معتبر ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے مِمَّنْ يَمْلِكُ نَقْضَهُ اس کا تعلق طَلَبَ سے ہے کہ وہ مطالبہ کرتا ہے گرانے کا کس سے؟ مِمَّنْ يَمْلِكُ نَقْضَهُ جو مالک ہے اس کو گرانے کا۔

كَالرَّاهِنِ بِفَكِّ رَهْنِهِ، جیسے کہ راہن۔ بھئی راہن جس نے رہن رکھوایا ہے وہ تو رہن کا مالک ہے بھئی۔ ایک آدمی نے دوسرے کے پاس اپنا گھر رہن رکھوایا ہے، تو ایک ہے مرتہن جس کے پاس گھر رہن رکھوایا، اور ایک ہے راہن جس نے گھر رکھوایا ہے جو گھر کا مالک ہے۔ تو دَین کے بدلے اس نے گھر رہن رکھوایا، اور اس راہن کو آکر لوگوں نے بتایا کہ آپ نے وہ جو گھر بطورِ رہن کے رکھوایا تھا اس کی دیوار راستے کی طرف جھک گئی ہے، آپ اس کو سیدھا کروا دیں۔ تو یہ راہن یہ مالک ہے اس کو گرا کر سیدھا کر سکتا ہے۔ بھئی اس وقت ویسے تو نہیں کر سکتا کیونکہ گھر اس نے کس کے قبضے میں دیا ہوا ہے؟ مرتہن کے قبضے میں، لیکن پھر بھی دَین کو ادا کر کے یہ گھر چھڑوا لے اور دیوار کو سیدھا کر دے، کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا؟ یہ معنی ہے کہ وہ اس گھر کو گرانے کا بھی مالک ہو، كَالرَّاهِنِ بِفَكِّ رَهْنِهِ جیسے کہ راہن جو ہے بِفَكِّ رَهْنِهِ، فَكٌّ کا معنی چھڑوانا، اپنے رہن کو چھڑوانے کے ذریعے، فَإِنَّهُ يَمْلِكُ نَقْضَهُ بِفَكِّ رَهْنِهِ اس لیے کیونکہ وہ مالک ہے اس دیوار کو گرانے کا بِفَكِّ رَهْنِهِ اپنے رہن چھڑانے کے ذریعے۔

وَأَبِي الطِّفْلِ، آپ کی کتابوں میں أَبُو الطِّفْلِ ہوگا، ہاں یہ غلط ہے بھئی، نیچے لکھا بھی ہوا ہے عَطْفٌ عَلَى رَبُّ حَائِطٍ، لکھا ہوا ہے بھئی یہ کتابت کی غلطی بھئی، یہ غلط لکھا ہے وَأَبُو الطِّفْلِ، یہ أَبُو الطِّفْلِ نہیں ہے بلکہ وَأَبِي الطِّفْلِ، اس کا عطف رَاهِن

پر ہے، كَالرَّاهِنِ، كَالرَّاهِنِ۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے بھئی؟ كَالرَّاهِنِ۔ بھئی دیکھیے یہ أَبِي الطِّفْلِ اور جو جتنے بھی لفظ آگے آ رہے ہیں ان کا عطف رَبُّ حَائِطٍ پر نہیں ہے بلکہ الرَّاهِنِ پر ہے، اور الرَّاهِنِ پر تو کاف جارہ داخل ہے، تو یہ وہ مجرور ہے تو یہ سارے بھی کیا ہوں گے؟ مجرور ہوں گے۔ بھئی دیکھو ادھر دیکھو، رَبُّ حَائِطٍ تو مطلقاً شروع میں بتا دیا، رَبُّ حَائِطٍ کا کیا معنی؟ دیوار والا، دیوار کا جو مالک ہے۔ دیوار کا جو مالک ہے جس کی دیوار راستے کی طرف جھک گئی، جب مسلمان اور ذمی نے کسی نے جا کر مطالبہ کر دیا، کس سے مطالبہ کیا؟ جو مالک ہے اس کو گرانے کا، جو اس کو گرا سکتا ہے، تو پھر اس صورت میں اس پر ضمان آئے گا۔ اب جو مالک ہے کون کون مالک ہے اس کی قسمیں بیان کر رہے ہیں، مثلاً راہن ہے، أَبُو الطِّفْلِ بچے کا باپ، ایک بچے کا مکان ہے کسی نے اس کے نام کر دیا، بچہ چھوٹا تھا وصیت کر دی کہ میرے مرنے کے بعد یہ مکان اس بچے کا ہے، بچے کی وراثت کا نگران کون ہے؟ اس کا باپ ہے بھئی۔ بچے کا مال ہے لیکن ابھی تو باپ کے ہاتھ میں ہے، تو یہ أَبِي الطِّفْلِ دیکھو بچے کا جو باپ ہے یہ مالک ہے اس دیوار کو گرانے کا۔ اسی طرح آگے آ رہا ہے وَالْوَصِيِّ اور جیسے وصی ہے بچے کا سرپرست، باپ مر چکا ہے اب جو بھی سرپرست ہے اس یتیم کا، وہ بچے کی جائیداد کی اصلاح کا ذمہ دار ہے، تو دیوار گرنے والی ہے تو وہ سرپرست گرا کر اس کو سیدھا کر سکتا ہے۔ وَالْمُكَاتَبِ اسی طرح مکاتب ہے بھئی، ایک آدمی نے اپنے غلام سے کہا کہ تین سال میں مجھے بیس لاکھ روپے ادا کر دو تو تم آزاد ہو۔ اس مکاتب نے اب تجارت شروع کر دی، اس نے ایک مکان خریدا اور اس مکان کی دیوار جھکی ہوئی ہے، تو یہ مکاتب مالک ہے بھئی، یہ اس دیوار کو سیدھا کر سکتا ہے، لہٰذا اس سے مطالبہ کیا جائے گا، اور یہ ٹھیک نہ کرے تو اس پر ضمان آئے گا۔ اسی طرح وَالْعَبْدِ التَّاجِرِ تاجر غلام، تاجر غلام جو جس کو آقا نے تجارت کی اجازت دی ہے، وہ بھی خرید و فروخت کرتا ہے، چیزیں خریدتا ہے اور بیچتا ہے، تو یہ عبدِ تاجر بھی مکاتب کی طرح ہے، اس نے کوئی مکان خریدا ہے تو اس کو حق ہے اس کی دیوار گرا کر سیدھی کر سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو اس ان سب کا عطف کس پر ہے؟ الرَّاهِنِ پر ہے، یہ مثالیں ہیں ان افراد کی جو دیوار کو گرانے کے مالک ہیں، وہ یہ افراد ہیں بھئی۔ جیسے وَأَبِي الطِّفْلِ جیسے بچے کا باپ ہے، وَالْوَصِيِّ اور جیسے بچے کا سرپرست ہے، وَالْمُكَاتَبِ اور جیسے مکاتب ہے، وَالْعَبْدِ التَّاجِرِ اور جیسے تاجر غلام ہے۔

فَلَمْ يَنْقُضْ فِي مُدَّةٍ تُمْكِنُ نَقْضُهُ ضَمِنَ مَالًا تَلِفَ بِهِ وَعَاقِلَتُهُ النَّفْسَ، فَلَمْ يَنْقُضْ فِي مُدَّةٍ، انہوں نے مطالبہ کر دیا، فَلَمْ يَنْقُضْ فِي مُدَّةٍ پس نہیں گرایا اس دیوار والے نے فِي مُدَّةٍ، مُدَّةٍ نکرہ آیا، آگے تُمْكِنُ فعل آیا، پس اس نے نہیں گرایا اتنی مدت میں کہ تُمْكِنُ نَقْضُهُ کہ ممکن تھا اس کے لیے اس کو گرانا، ممکن تھا اس کے لیے گرانا، بلکہ لفظی ترجمہ کریں: اتنی مدت میں، نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کی صفت بنتا ہے، ہم کیا ترجمہ کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے «ایسا» یا «ایسی»۔ یہ عموماً اکثر جگہ ترجمہ ٹھیک ہو جاتا ہے لیکن یہاں ایسی کے بجائے «اتنی» کہیں، اتنی مدت۔ فِي مُدَّةٍ اتنی مدت تُمْكِنُ نَقْضُهُ جو اس کو قادر بنا دیتی ہے اس کے توڑنے پر، اتنی مدت جو اس کو قادر بنا دے اس دیوار کے توڑنے پر۔ تو کہتے ہیں فَلَمْ يَنْقُضْ فِي مُدَّةٍ تُمْكِنُ نَقْضُهُ پس اس نے دیوار کو نہیں گرایا اتنی مدت میں کہ جس نے اس کو قدرت دے دی تھی اس کے گرانے کی،

ضَمِنَ مَالًا تو اس صورت میں یہ شخص ضامن ہوگا، کیا ہوگا؟ ضامن ہوگا، مَالًا ایسے مال کا تَلِفَ بِهِ جو اس کی وجہ سے تلف ہو گیا، جو ہلاک ہو گیا۔ اس دیوار کے نیچے جو مال ہلاک ہوا یہ شخص اس مال کا ضامن ہوگا، وَعَاقِلَتُهُ اور اس شخص کی عاقلہ ضامن ہوگی النَّفْسَ جان کی۔ اس دیوار کے گرنے سے اگر کوئی جان ضائع ہوئی تو جان کی صورت میں تو دیت آتی ہے اور دیتِ خطا کس پر آتی ہے؟ عاقلہ پر۔ ہاں تو یہاں پر یہ سبب بن گیا تو یہ قتل بِسَبَب ہوا لہٰذا عاقلہ پر دیت آئے گی، اور اگر کسی کا مالی نقصان ہوا، کسی کا جانور اس کے نیچے آگیا یا کوئی چیز آکر ٹوٹ گئی خراب ہوئی، تو اس صورت میں یہ مال کا ضمان ہے اور مال کا ضمان عاقلہ پر نہیں آتا بلکہ اس کو خود اٹھانا پڑتا ہے۔ یہ معنی ہے ضَمِنَ مَالًا تَلِفَ بِهِ وہ شخص اس مال کا ضامن ہوگا جو اس کے گرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گیا، وَعَاقِلَتُهُ النَّفْسَ اور اس شخص کی عاقلہ ضامن ہوگی نفس کی۔

وَصُورَةُ الطَّلَبِ، اچھا بھئی طلب کیسے کریں گے؟ مطالبہ کیسے کریں گے اس سے جا کر؟ وہ بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں وَصُورَةُ الطَّلَبِ أَنْ يَقُولَ، طلب کی صورت یہ ہے کہ یوں کہے اس سے: إِنَّ حَائِطَكَ هٰذَا مَائِلٌ فَاهْدِمْهُ، إِنَّ حَائِطَكَ هٰذَا آپ کی یہ جو دیوار ہے مَائِلٌ یہ جھک گئی ہے فَاهْدِمْهُ تو اس کو گرا دیجیے۔ آپ کی یہ دیوار جھک گئی ہے تو اس کو گرا دیجیے۔ اس طرح مطالبہ اس سے جا کر کرنا ہے۔

وَصُورَةُ الْإِشْهَادِ، اچھا یاد رکھو مطالبہ بھی کیا جاتا ہے اور مطالبے پر گواہ بھی بنائے جاتے ہیں بھئی، تاکہ کل کہیں یہ قاضی کے سامنے انکار نہ کرے کہ قاضی صاحب مجھے تو کسی نے نہیں بتایا تھا، کسی نے مجھے بتایا ہی نہیں کہ میری دیوار ٹیڑھی ہو گئی ہے، اب مجھے پتا ہی نہیں چلا۔ تو لہٰذا کیا کرے؟ گواہ بنا لے، گواہ بنا لے دو آدمیوں کو، اور اس کا بھی طریقہ بتلانے لگے ہیں۔ کہتے ہیں وَصُورَةُ الْإِشْهَادِ اور گواہ بنانے کی صورت یہ ہے أَنْ يَقُولَ کہ یوں کہے: أَشْهِدُوا أَنِّي تَقَدَّمْتُ إِلَى هٰذَا الرَّجُلِ لِهَدْمِ حَائِطِهِ، أَشْهِدُوا تم لوگ گواہ بن جاؤ، تم لوگ گواہ رہو۔ ایک ہے شَهِدَ يَشْهَدُ، اس سے امر آئے گا اِشْهَدُوا، اِشْهَدُوا۔ تو یہ شَهِدَ يَشْهَدُ سے نہیں ہے، أَشْهَدَ يُشْهِدُ گواہ بنانا ہے۔ ایک ہے گواہی دینا، اِشْهَدُوا کا معنی ہے تم گواہی دو، اور أَشْهِدُوا کا کیا معنی؟ بابِ افعال ہے، تم گواہ بن جاؤ۔

کہ یوں کہے، گواہ بناتے وقت یوں کہے: أَشْهِدُوا أَنِّي تَقَدَّمْتُ إِلَى هٰذَا الرَّجُلِ لِهَدْمِ حَائِطِهِ، أَشْهِدُوا تم لوگ گواہ بن جاؤ، أَنِّي تَقَدَّمْتُ إِلَى هٰذَا الرَّجُلِ، تَقَدُّم کا ایک معنی ہے مطالبہ کرنا۔ تَقَدُّم کا ایک معنی کیا؟ تَقَدُّم کا ایک معنی ہے آنا، کسی کے پاس آنا، اور اسی طرح اس کا ایک معنی ہے کسی کے پاس جا کر مطالبہ کرنا، تو یہاں یہ مطالبے کے معنی میں ہے۔ کہ أَشْهِدُوا تم لوگ گواہ بن جاؤ أَنِّي تَقَدَّمْتُ إِلَى هٰذَا الرَّجُلِ میں نے مطالبہ کر دیا ہے اس آدمی سے لِهَدْمِ حَائِطِهِ اس کی دیوار گرانے کا، میں نے اس آدمی سے اس کی دیوار گرانے کا مطالبہ کر دیا ہے۔ وَاعْلَمْ جان لے تو أَنَّهُ ذُكِرَ فِي الْكُتُبِ الطَّلَبُ وَالْإِشْهَادُ، کہ ذکر کیا گیا ہے کتابوں کے اندر طلب کو بھی اور إِشْهَاد کو بھی، اور إِشْهَاد کو بھی، کہ طلب بھی کرے اور إِشْهَاد بھی کرے، گواہ بھی بنائے۔ لٰكِنَّ الْإِشْهَادَ لَيْسَ بِشَرْطٍ، لیکن گواہ بنانا شرط نہیں ہے، ضروری نہیں ہے، وَإِنَّمَا ذُكِرَ لِيَتَمَكَّنَ مِنْ إِثْبَاتِهِ

عِنْدَ الْإِنْكَارِ، اور اس کو ذکر کیا گیا صرف اس لیے تاکہ یہ شخص قادر ہو مِنْ إِثْبَاتِهِ کہ وہ کیا کرے؟ اس طلب کو ثابت بھی کر سکے عِنْدَ الْإِنْكَارِ جب وہ شخص اس کا انکار کرے۔ فَكَانَ مِنْ بَابِ الِاحْتِيَاطِ، تو یہ گواہ بنانا جو ہے یہ احتیاط کے باب سے ہے، یعنی احتیاط اس میں ہے کہ کیا کر لے؟ اس طلب پر گواہ بنا لے، لازمی نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

لَا مَنْ أَشْهَدَ عَلَيْهِ فَبَاعَ وَقَبَضَهُ الْمُشْتَرِي فَسَقَطَ، صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص کی دیوار راستے کی طرف جھک گئی تھی، دوسرے شخص نے جا کر اس سے مطالبہ کیا اور اس پر گواہ بھی بنا لیے۔ لیکن اس شخص نے وہ دیوار سیدھی نہیں کی، بلکہ اس نے اس مکان کو بیچا اور مشتری کے حوالے کیا اور چلا گیا، مشتری نے اس پر قبضہ کر لیا، تو اس صورت میں اس پر ضمان نہیں آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیوں نہیں آئے گا ضمان؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس سے بے شک مطالبہ ہوا تھا لیکن اب وہ اس گھر کا مالک نہیں ہے جب نقصان ہوا، اور جب نقصان ہوا تو مالک کون ہے؟ مشتری، اور مشتری سے تو آپ نے مطالبہ نہیں کیا، اس سے بھی کیا کرنا چاہیے تھا؟ مطالبہ کرنا چاہیے تھا۔ یہ معنی ہے لَا کہ ضامن نہیں ہوگا مَنْ أُشْهِدَ عَلَيْهِ کہ وہ شخص جس پر گواہ بنائے گئے فَبَاعَ پھر اس نے وہ گھر بیچ دیا وَقَبَضَهُ الْمُشْتَرِي اور اس پر مشتری نے قبضہ کر لیا فَسَقَطَ پھر وہ دیوار گر گئی، تو یہ وہ بیچنے والا ضامن نہیں ہوگا، اور نہ مشتری کیونکہ اس سے مطالبہ نہیں ہوا۔

أَوْ طَلَبَ مِمَّنْ لَا يَمْلِكُ نَقْضَهُ، یا طلب تو کی لیکن مِمَّنْ لَا يَمْلِكُ نَقْضَهُ اس شخص سے کی جو مالک نہیں ہے اس دیوار کو گرانے کا، كَالْمُرْتَهِنِ جیسے کہ مرتہن جس کے پاس رہن رکھوایا گیا بھئی، وہ جو گھر جس کے پاس رکھوایا ہے وہ تو اس گھر کا مالک نہیں، وہ اس گھر کی دیوار نہیں گرا سکتا۔ وَالْمُسْتَأْجِرِ اور وہ جو کرائے پر لینے والا ہے، کوئی کرایہ دار اس گھر میں رہتے ہیں آپ نے ان سے جا کر مطالبہ کر دیا، بھئی وہ تو اس دیوار کو گرانے کے مالک نہیں ہیں، لہٰذا ان سے مطالبہ نہیں ہوگا بلکہ مالک سے مطالبہ ہوگا۔ وَالْمُودَعِ، مُودَع وہ شخص جس کے پاس کوئی چیز بطورِ امانت کے رکھوائی جائے۔ زید نے اپنا گھر بکر کے پاس بطورِ امانت کے رکھوایا تھا، تو بکر جو ہے وہ امین ہے، اور اس گھر کی دیوار جھک گئی، کسی نے جا کر بکر سے مطالبہ کر دیا، بھئی بکر بکر تو مُودَع ہے امین ہے وہ تو اس دیوار کو گرانے کا مالک نہیں ہے، وہ تو نہیں گرا سکتا، مطالبہ کس سے کرنا چاہیے؟ مالک سے، مالک سے۔ یہ معنی ہے أَوْ طَلَبَ مِمَّنْ لَا يَمْلِكُ نَقْضَهُ یا طلب کی اس شخص سے جو مالک نہیں ہے اس دیوار کو گرانے کا، كَالْمُرْتَهِنِ وَالْمُسْتَأْجِرِ وَالْمُودَعِ جیسے کہ مرتہن ہے اور کرائے پر لینے والا ہے وَالْمُودَعِ اور وہ جس کے پاس امانت رکھوائی جائے۔ وَسَاكِنِ الدَّارِ اور اس گھر میں رہنے والا۔ زید نے اپنا گھر ویسے بکر کو دیا ہوا تھا کہ اس گھر میں آپ کچھ عرصہ رہیں میرا گھر ہے، تو اب مطالبہ بکر سے نہیں ہوگا، بکر تو ویسے رہنے والا ہے اس گھر میں، بلکہ مطالبہ کس سے ہوگا؟ مالک سے ہوگا بھئی۔ یہ معنی ہے اور جیسے وَسَاكِنِ الدَّارِ اس گھر میں رہنے والا ہے بغیر ملکیت کے۔

فَإِنْ مَالَ إِلَى دَارِ رَجُلٍ فَلَهُ الطَّلَبُ فَيَصِحُّ تَأْجِيلُهُ وَإِبْرَاؤُهُ مِنْهَا، صورتِ مسئلہ یہ: کہ ایک شخص کے گھر کی دیوار پڑوسی کے گھر کی طرف جھک گئی۔ تو کیا اب راستے والا کوئی بھی شخص مطالبہ کر سکتا ہے کہ یہ دیوار سیدھی کرواؤ؟ کیا اس وہ

طلب کافی ہے اس کا اعتبار ہے؟ کہتے ہیں نہیں۔ اب طلب خاص طور پر جس پڑوسی کے گھر کی طرف یہ دیوار جھک گئی ہے، گرنے والی ہے، اس پڑوسی کا مطالبہ ہونا چاہیے، اور پھر مطالبے کے بعد یہ سیدھی نہیں کرواتا تو اس پر ضمان آئے گا، ورنہ ضمان نہیں آئے گا۔ یہ معنی ہے فَإِنْ مَالَ إِلَى دَارِ رَجُلٍ اگر وہ دیوار جھک گئی کسی آدمی کے گھر کی طرف، فَلَهُ الطَّلَبُ تو اسی آدمی کے لیے طلب ہے اور کسی کے لیے نہیں، یعنی طلب کا حق اسی آدمی کو ہے۔ فَيَصِحُّ تَأْجِيلُهُ وَإِبْرَاؤُهُ مِنْهَا تو صحیح ہے اس کی تأجیل، اس کا مدت دینا بھی صحیح وَإِبْرَاؤُهُ مِنْهَا اور اس کا اس سے بری کرنا بھی صحیح ہے۔ بھئی دیکھو زید کے گھر کی دیوار بکر کے گھر کی طرف جھک گئی تو مطالبے کا حق بھی کس کو ہے؟ بکر ہی کو ہے، کسی اور کو نہیں، کسی اور کی طلب اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور بکر نے اس سے طلب کر لی، زید نے اپنا کوئی عذر وغیرہ ذکر کیا، تو بکر نے کہا چلو ٹھیک ہے آپ چار چھ مہینے تک ٹھیک کروا لیں۔ تو یہ مدت کس نے دے دی؟ اس وہ صاحبِ حق نے دے دی، لہٰذا اس صورت میں اس مدت کے اندر اگر دیوار گری تو وہ ضامن نہیں ہوگا کیونکہ صاحبِ حق نے خود اس کو مدت دے دی تھی۔ یا وہ صاحبِ حق اس کو بری کر دیتا ہے: اس نے کہا آپ کی دیوار میرے گھر کی طرف جھک گئی ہے سیدھی کروا لیں، اس نے اپنا کوئی عذر وغیرہ پیش کیا کہ میرے پاس پیسے نہیں ہیں وغیرہ، تو پڑوسی بھی نیک آدمی تھا، اس نے کہا چلو بس ٹھیک ہے بھئی چھوڑیں ایسے ہی رہنے دیں اس کو، چلنے دیں اسی طرح۔ تو دیکھو اس نے اس کو بری کر دیا، تو اس صورت میں بھی اگر نقصان ہوا تو کوئی ضامن نہیں ہوگا کیونکہ صاحبِ حق نے خود کیا کر دیا ہے؟ اس کو بری کر دیا، معاف کر دیا ہے۔ یہ معنی ہے فَيَصِحُّ تَأْجِيلُهُ تو صحیح ہے اس صاحبِ حق کے لیے مدت مقرر کرنا بھی وَإِبْرَاؤُهُ مِنْهَا اور اس کو اس سے بری کرنا بھی صحیح ہے۔

لَا إِنْ مَالَ إِلَى الطَّرِيقِ فَأَجَّلَهُ الْقَاضِي أَوْ مَنْ طَلَبَ، صورت یہ: ایک شخص کے گھر کی دیوار راستے کی طرف جھک گئی، اب قاضی نے اس کو مہلت دے دی کہ چلو بھئی چھ مہینے میں سیدھی کروا لو۔ نہیں بھئی، عام لوگوں کے حق میں قاضی قاضی لوگوں کے حق کو باطل نہیں کر سکتا، لہٰذا قاضی کا مہلت دینا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ یا جس نے مطالبہ کیا تھا کہ آپ کی دیوار جھک گئی ہے اسے سیدھا کر دو، اس نے عذر وغیرہ پیش کیا کہ میرے پاس پیسے وغیرہ نہیں ہیں اس وقت، تو اس نے کہا چلیں ٹھیک ہے چھ مہینے تک آپ دیوار ٹھیک کروا لیں۔ کہتے ہیں نہیں، اس صورت میں بھی مدت دینا صحیح نہیں، دیوار جب بھی گرے گی ضمان ہوگا۔ اس لیے کیونکہ یہ عام لوگوں کا حق ہے اور عام لوگوں کا حق کسی کو باطل کرنے کا اختیار نہیں، تو وہ جس نے طلب کی تھی اس کو اختیار نہیں ہے کہ لوگوں کا حق باطل کر دے اور چھ مہینے کی مدت اس کو دے دے۔ یہ معنی ہے لَا، ہاں لَا یہ پیچھے آیا نا فَيَصِحُّ صحیح ہے اس کی مدت دینا بھی اور بری کرنا بھی صحیح، لیکن اس صورت میں یہ مدت دینا صحیح نہیں: إِنْ مَالَ إِلَى الطَّرِيقِ اگر وہ دیوار جھک گئی راستے کی طرف فَأَجَّلَهُ الْقَاضِي تو قاضی نے اس کو مدت دے دی، مہلت دے دی، أَوْ مَنْ طَلَبَ یا وہ شخص جس نے مطالبہ کیا تھا اس نے مہلت دے دی، تو یہ مہلت دینا صحیح

نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ لَا آیا پیچھے لَا کہ یہ مدت دینا صحیح نہیں۔ لِأَنَّهُ حَقُّ الْعَامَّةِ اس لیے کیونکہ یہ عام لوگوں کا حق ہے، فَلَا يَكُونُ لَهُمَا إِبْطَالُهُ لہٰذا ان دونوں کو حق نہیں ہے یہ قاضی اور صاحبِ مطالبہ کو، ان کے لیے جائز نہیں ہے إِبْطَالُهُ کہ وہ عام لوگوں کے حق کو باطل کر دیں۔

فَإِنْ بَنَى مَائِلًا ابْتِدَاءً ضَمِنَ بِلَا طَلَبٍ، صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے گھر کی دیوار بنائی اور وہ شروع سے ہی ٹیڑھی بنائی، جھکی ہوئی ہے، تو اس صورت میں مطالبہ بھی نہیں ضروری بھئی، مطالبہ بھی نہیں ضروری، یہ دیوار جب بھی گری کسی کا نقصان ہوا تو ضمان آئے گا۔ یہ معنی ہے فَإِنْ بَنَى مَائِلًا اگر تعمیر کی، تعمیر کیا دیوار کو اس حال میں کہ وہ جھکی ہوئی تھی، ابْتِدَاءً شروع سے ہی، ضَمِنَ بِلَا طَلَبٍ تو وہ شخص ضامن ہوگا بغیر طلب کے ہی۔ كَمَا فِي إِشْرَاعِ الْجَنَاحِ وَنَحْوِهِ، جیسے کہ إِشْرَاعُ الْجَنَاحِ اور اس جیسی چیزوں میں۔ إِشْرَاعُ الْجَنَاحِ اور اس جیسی چیزوں میں۔ إِشْرَاع کا معنی ہوتا ہے یاد رکھیں: نکالنا، کھولنا، کسی چیز ایک چیز کا ایک طرف کو نکالنا، کھولنا۔ اور جَنَاح کہتے ہیں بازو اور پر کو، بازو اور پر ایک طرف کھولنا۔ خود معنی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں إِشْرَاعُ الْجَنَاحِ، إِشْرَاعُ الْجَنَاحِ جو ہے: إِخْرَاجُ الْجُذُوعِ مِنَ الْجِدَارِ إِلَى الطَّرِيقِ وَالْبِنَاءُ عَلَيْهَا، وہ شہتیروں کو نکالنا ہے دیوار سے إِلَى الطَّرِيقِ راستے کی طرف وَالْبِنَاءُ عَلَيْهَا اور اس پر تعمیر کرنا۔ شہتیروں کو دیوار سے راستے کی طرف نکال لینا اور ان پر تعمیر کرنا یہ کیا ہے؟ إِشْرَاعُ الْجَنَاحِ ہے بھئی، یعنی پر کھولنا یعنی راستے کی طرف اضافہ کرنا۔ اور انہوں نے کیا کہا تھا؟ كَمَا فِي إِشْرَاعِ الْجَنَاحِ وَنَحْوِهِ جیسے کہ إِشْرَاعُ الْجَنَاحِ اور اس جیسی چیزوں میں ہے، بھئی اس جیسی چیزیں وہ کیا ہیں؟ وہ بھی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں أَمَّا نَحْوُهُ اور باقی اس کے مثل چیزیں جو ہیں: فَالْكَنِيفُ وَالْمِيزَابُ تو وہ بیت الخلا اور پرنالہ ہیں، وہ بھی اسی کی طرح ہیں کیونکہ ان سب میں ضمان آئے گا۔ اس میں ضمان آئے گا راستے کی طرف جب بھی ہوں گے اور اس سے کسی کو کسی کو نقصان پہنچتا ہے۔

بھئی انہوں نے آپ کو بتلایا کہ اگر کوئی دیوار بناتا ہے اور وہ شروع سے ہی ٹیڑھی ہے، اور پھر وہ گرتی ہے بعد میں اور کسی کا نقصان ہوتا ہے، تو پھر اس صورت میں وہ دیوار بنانے والا ضامن ہوگا، یہاں طلب بھی نہیں ضروری کہ کوئی جا کر اس سے مطالبہ کرے دیوار سیدھی کرو۔ وجہ اس کی یہ کہ جب دیوار شروع میں سیدھی بنائی، دیوار شروع میں سیدھی بنائی، معلوم ہوا بنانے والے کی نیت ٹھیک تھی، بعد میں دیوار ٹیڑھی ہو گئی ہے اس بیچارے کو علم نہیں ہوگا بھئی جا کر اس کو بتاؤ تاکہ وہ دیوار سیدھی کر دے تاکہ کسی کا نقصان نہ ہو۔ لیکن اگر دیوار شروع سے ہی ٹیڑھی اس نے بنائی ہے، اس کا مطلب ہے معلوم ہوا وہ شروع سے ہی اس کا ارادہ فساد کا ہے کیونکہ دیوار جب ٹیڑھی ہے تو ظاہر سی بات ہے کسی وقت گرے گی، کسی کا نقصان ہو جائے گا، تو معلوم ہوا اس کا ارادہ شروع سے ہی فساد کا ہے، تو یہاں اب طلب بھی نہیں ضروری اور وہ دیوار سے کسی کا بھی نقصان ہوگا تو وہ ضامن ہوگا۔ اور یہ اسی طرح ہے جیسے إِشْرَاعُ الْجَنَاحِ میں، کس کے اندر؟ جیسے کوئی گھر سے باہر بھئی راستے کے اندر تنے نکال لیتا ہے، دیوار سے باہر کوئی چھجا وغیرہ بنانے کے لیے۔ جیسے اس نے دیوار

ٹیڑھی کی تھی دیوار سے کسی کو خطرہ تھا گرنے کا، اسی طرح اس نے جو چھجا باہر نکال لیا یا باہر پرنالہ نکال لیا یا بیت الخلا باہر بنا دیا، تو ان کا بھی وہی حکم ہے کہ اس میں بھی مطالبے کی نہیں ضرورت، اس میں بھی کسی کا نقصان ہوگا تو اس پر ضمان آ جائے گا۔ یہ معنی ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا بھئی؟ فَإِنْ دوبارہ دیکھیں: فَإِنْ بَنَى مَائِلًا ابْتِدَاءً اگر شروع سے ہی اس نے وہ دیوار ٹیڑھی بنائی ہے، ضَمِنَ تو ضامن ہوگا بِلَا طَلَبٍ بغیر کسی طلب کے، معلوم ہوا شروع سے ہی اس کی نیت خراب تھی۔ كَمَا فِي إِشْرَاعِ الْجَنَاحِ جیسے کہ إِشْرَاعُ الْجَنَاحِ کے اندر ہے کہ وہاں بھی طلب ضروری نہیں، اس نے راستے کے اندر کوئی چیز بنائی ہے یا اضافہ کیا ہے تو اس میں بھی طلب ضروری نہیں، کسی کا نقصان ہوگا تو اس پر ضمان آئے گا۔

کہتے ہیں حَائِطٌ بَيْنَ خَمْسَةٍ طُلِبَ نَقْضُهُ مِنْ أَحَدِهِمْ، صورتِ مسئلہ یہ: کہ ایک دیوار پانچ آدمیوں کے درمیان مشترکہ تھی، ایک دیوار پانچ آدمیوں کے درمیان مشترکہ، مثلاً وہ گھر پانچ آدمیوں کا مشترکہ ہے تو وہ دیوار بھی ان پانچوں کی مشترکہ ہوئی۔ یہ دیوار اب راستے کی طرف جھک گئی۔ اب ایک آدمی نے ان پانچ میں سے ایک شریک سے جا کر مطالبہ کیا کہ یہ دیوار سیدھی کر لیں۔ پھر اس کے بعد یہ دیوار گری اور وہ کوئی شخص اس کی وجہ سے ہلاک ہوا، تو ضمان آئے گا۔ اب کس پر ضمان آئے گا؟ کہتے ہیں کہ چار سے تو مطالبہ ہوا ہی نہیں، لہٰذا ان پر تو ضمان نہیں آئے گا۔ ایک آدمی سے مطالبہ ہوا ہے اور اس کے باوجود اس نے دیوار سیدھی نہیں کی، تو اس پر ضمان آئے گا لیکن اس کے حصے کے بقدر، اور اس دیوار میں اس کا کتنا حصہ؟ پانچواں حصہ، تو پانچواں حصہ دیت کا اس کی عاقلہ پر آ جائے گا۔

کہتے ہیں حَائِطٌ بَيْنَ خَمْسَةٍ ایک دیوار تھی جو مشترک تھی پانچ آدمیوں کے درمیان، طُلِبَ نَقْضُهُ مِنْ أَحَدِهِمْ تو مطالبہ کیا گیا اس کو گرانے کا مِنْ أَحَدِهِمْ ان میں سے کسی ایک سے، وَسَقَطَ عَلَى رَجُلٍ اور پھر وہ دیوار کسی شخص پر گر گئی، ضَمِنَ الْعَاقِلَةُ خُمُسَ الدِّيَةِ تو ضامن ہوگی اس شخص کی عاقلہ خُمُسَ الدِّيَةِ دیت کے پانچویں حصے کا۔

كَمَا ضَمِنُوا ثُلُثَيْهَا إِنْ حَفَرَ أَحَدُ ثَلَاثَةٍ، اچھا صورتِ مسئلہ یہ: ایک زمین تین آدمیوں میں مشترکہ تھی، تین آدمیوں میں مشترکہ تھی۔ اس زمین کے اندر کسی نے کوئی دیوار بنا ڈالی ان شریکوں میں سے ایک نے، یا اس نے کنواں کھود لیا، اس کنویں کے اندر کوئی گر کر مرا، یا اس دیوار کے نیچے آ کر کوئی مر گیا یہ دیوار گر گئی۔ یہ سارے شریکوں نے تو نہیں بنائی نا؟ ایک نے بنائی ہے ایک نے، تو وہ جو شریک

ہے جس نے یہ کنواں کھودا ہے یا دیوار بنائی تھی، اس کی عاقلہ ضامن ہوگی دو ثلث دیت کی۔ توجہ ہے؟ دو ثلث دیت کے ضمان آئے گا ان پر۔ بھئی کیوں دو ثلث کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ زمین تین آدمیوں میں مشترکہ تھی، تین آدمیوں میں مشترکہ تھی، اس نے جب اس میں کنواں کھودا تو ایک ثلث تو اس کا اپنا ہے اور دو ثلث دوسروں کا ہے اور ان سے اس نے اجازت نہیں لی، تو دو ثلث میں اس نے تعدی کی ہے، یا دیوار بنائی تو ایک ثلث تو اس کا اپنا اور دو ثلث دو آدمیوں کا، تو دو ثلث میں اس نے تعدی کی ہے، تو جتنی تعدی کی ہے اتنا ضمان آئے گا، تو ایک ثلث کا ضمان نہیں آئے گا کیونکہ اپنی

زمین میں کھدائی کر رہا ہے یا اپنی زمین میں دیوار بنا رہا ہے۔ ہاں اگر ایک آدمی نے اپنی زمین کے اندر کنواں کھودا یا دیوار بنائی اور پھر اس زمین کے اندر کوئی آیا اور ہلاک ہوا پھر ضمان نہیں ہے اس نے کوئی تعدی نہیں کی بھئی۔ یہاں ہے کہ دو کی اجازت کے بغیر تیسرے نے یہ کام کیا ہے تو اس نے دو ثلث کیا کی ہے؟ تعدی کی ہے، تو تعدی کے بقدر اس پر ضمان آئے گا اس کی عاقلہ پر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے كَمَا ضَمِنُوا جیسے کہ عاقلہ ضامن ہوں گے ثُلُثَيْهَا دیت کے دو ثلث کے، دیت کے دو ثلث کے ضامن ہوں گے عاقلہ والے، إِنْ حَفَرَ أَحَدُ ثَلَاثَةٍ اگر کھودا تین میں سے ایک نے فِي دَارِهِمْ ان کے گھر میں بِئْرًا کوئی کنواں أَوْ بَنَى حَائِطًا یا کوئی دیوار بنائی۔ ایک ان تین میں سے ایک نے کوئی کنواں کھودا، إِنْ حَفَرَ أَحَدُ ثَلَاثَةٍ فِي دَارِهِمْ بِئْرًا أَوْ بَنَى حَائِطًا اگر ان تین میں سے کسی ایک نے ان کے اس گھر کے اندر کوئی کنواں کھودا یا کوئی دیوار بنائی۔

أَيْ ضَمِنَ عَاقِلَةُ مَنْ طُلِبَ مِنْهُ النَّقْضُ خُمُسَ الدِّيَةِ، یعنی ضامن ہوگی عاقلہ مَنْ اس شخص کی عاقلہ طُلِبَ مِنْهُ النَّقْضُ جس سے دیوار گرانے کا مطالبہ کیا گیا تھا خُمُسَ الدِّيَةِ کتنی دیت کا؟ پانچواں۔ دو مسئلے اکٹھے ذکر ہوئے نا؟ ایک خُمُس والا ذکر ہوا ایک ثلثین والا۔ تو خُمُسِ دیت کے وہ ضامن ہوں گے، لِأَنَّ الطَّلَبَ صَحَّ فِي الْخُمُسِ اس لیے کیونکہ یہ طلب صحیح تھی فِي الْخُمُسِ پانچویں حصے میں۔ پانچوں سے مطالبہ کرنا چاہیے تھا لیکن ایک میں کیا تو لہٰذا خُمُس آئے گا اس پر۔ وَضَمِنَ عَاقِلَةُ حَافِرِ الْبِئْرِ وَبَانِي الْحَائِطِ ثُلُثَيِ الدِّيَةِ، اور ضامن ہوگی عاقلہ کنواں کھودنے والے کی اور دیوار بنانے والے کی ثُلُثَيِ الدِّيَةِ کتنی دیت کا؟ دو ثلث دیت کا وہ ضامن ہوں گے اس کی عاقلہ، لِأَنَّ الْحَافِرَ وَالْبَانِيَ فِي الثُّلُثَيْنِ مُتَعَدٍّ اس لیے کیونکہ وہ جو کھودنے والا ہے یا وہ جو دیوار بنانے والا ہے وہ فِي الثُّلُثَيْنِ دو ثلث میں مُتَعَدٍّ تعدی کرنے والا ہے، زیادتی کرنے والا ہے، ظلم کرنے والا ہے دو ثلث میں۔ وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔

جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں مسئلوں میں، دونوں مسئلوں میں آدھی آدھی دیت آئے گی۔ امام صاحب نے تو فرمایا ایک صورت میں پانچ شریک تھے تو پانچواں حصہ دیت آئے گی، ایک صورت میں تین شریک تھے تو دو ثلث دیت آئے گی۔ صاحبین فرماتے ہیں نہیں آدھی دیت آئے گی اور آدھی نہیں، اس لیے کیونکہ یہاں دو قسم کی چیزیں آگئیں: ایک کچھ لوگ وہ جن سے مطالبہ ہوا، اور کچھ وہ لوگ کچھ لوگ وہ جن سے مطالبہ نہیں ہوا، یعنی پہلی پانچ والی صورت میں۔ تو گویا دو دو گروہ بن گئے لوگوں کے، ایک گروہ میں جس سے مطالبہ ہوا اور دوسرے گروہ میں جن سے مطالبہ نہیں ہوا، لہٰذا یہ جو دیت ہے اس کے بھی دو حصے ہو جائیں گے، ایک حصہ جو ہے ضمان آجائے گا، سمجھ میں آیا؟ جس سے مطالبہ ہو گیا تھا اور پھر بھی اس نے نہیں بنائی تو اس کا حصہ نصف ہو جائے گا اس پر نصف دیت آئے گی۔ دیکھیے بھئی تقریر صاحبین کی: کہتے ہیں وَقَالَا صاحبین فرماتے ہیں ضَمِنُوا وہ عاقلہ ضامن ہوں گے النِّصْفَ آدھے کے فِي الْحَائِطِ دیوار میں بھی وَالْحَفْرِ وَالْبِنَاءِ اور کھودنے، کنواں کھودنے میں بھی اور وَالْبِنَاءِ اور دیوار تعمیر کرنے میں بھی۔ أَمَّا فِي الْحَائِطِ تو دیوار کے اندر جو ہے جو پہلی صورت تھی جس میں پانچ شریک تھے ایک سے مطالبہ کیا تھا، کہتے ہیں أَمَّا فِي الْحَائِطِ تو دیوار جو ہے اس کے اندر: فَلِأَنَّ

التَّلَفَ بِنَصِيبِ مَنْ طُلِبَ مِنْهُ مُعْتَبَرٌ اس میں ہلاک ہونا بِنَصِيبِ مَنْ اس شخص کے حصے کی وجہ سے طُلِبَ مِنْهُ جس سے مطالبہ کیا گیا تھا مُعْتَبَرٌ وہ ہلاکت معتبر ہے، اس کی وجہ سے ضمان آئے گا۔ وَفِي نَصِيبِ غَيْرِهِ لَا اور باقیوں کے حصے کے اندر تلف معتبر نہیں کیونکہ ان سے تو مطالبہ ہی نہیں کیا گیا، فَكَانَ قِسْمَيْنِ تو گویا یہ تلف دو قسم پر ہو گئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تلف دو قسم کی ہو گئی: ایک وہ تلف جو معتبر ہے، ایک وہ تلف جو معتبر نہیں۔ کون سی معتبر ہے؟ جس سے مطالبہ کیا تھا، اور باقی چار سے تو مطالبہ نہیں کیا وہ معتبر نہیں۔ تو تلف کے دو قسمیں بن گئیں، پانچ قسمیں نہ پانچ حصے نہ بناؤ بلکہ دو قسمیں بنا دو، ایک وہ تلف جو معتبر ہے اس میں ضمان آئے گا، ایک وہ تلف جو معتبر نہیں اس میں ضمان نہیں آئے گا۔ یہ معنی ہے فَكَانَ قِسْمَيْنِ تو تلف جو ہے یعنی چیز کی ہلاکت وہ دو قسم پر ہو گئی، كَمَا فِي عَقْرِ الْأَسَدِ وَنَهْشِ الْحَيَّةِ وَجَرْحِ الْإِنْسَانِ عَقْر کہتے ہیں درندے کا کسی کو کاٹنا، كَمَا فِي عَقْرِ الْأَسَدِ جیسے شیر کو کاٹنے کی صورت میں، وَنَهْشِ الْحَيَّةِ، حَيَّةٌ کہتے ہیں سانپ کو اور نَهْش کا معنی ہے سانپ کا کسی کو ڈسنا، وَنَهْشِ الْحَيَّةِ اور جیسے سانپ کا ڈسنا، وَجَرْحِ الْإِنْسَانِ اور جیسے کسی انسان کا دوسرے کو زخمی کرنا۔ بھئی ایک آدمی ہے ایک آدمی ہے یہ مسئلہ پیچھے گزر چکا ہے، اس کو درندے نے بھی زخمی کیا، شیر نے بھی زخمی کیا، پھر سانپ نے بھی اس کو کاٹا، پھر ایک انسان نے اس کو قتل بھی کیا، تو اب بظاہر تین فعل ہیں، تین حصے ہونے چاہئیں دیت کے، لیکن تین نہیں، تو یہاں دو کا اعتبار کیا جاتا ہے کیونکہ سانپ اور درندے کا فعل اس کا تو ضمان کوئی نہیں لہٰذا وہ ایک قسم ہوا، اور انسان کا فعل ضمان والا ہے وہ دوسری قسم کا ہوا، تو اس پر آدھی دیت آئے گی حالانکہ ثلث آنی چاہیے لیکن آدھی آئے گی کیونکہ فعل کی دو قسمیں ہیں بھئی: ایک ہدر ہے رائیگاں ہے اور ایک رائیگاں نہیں ہے بھئی۔ تو یہاں بھی صاحبین فرماتے ہیں اسی طرح تلف کی دو قسمیں ہو جائیں گی، ایک جو جس کا اعتبار نہیں اور ایک وہ جس کا اعتبار ہے۔

وَفِي مَسْأَلَةِ الْحَفْرِ وَالْبِنَاءِ اور دوسری صورت کیا تھی؟ جس میں تین شریک تھے اور اس نے کنواں کھودا تھا یا کوئی دیوار بنائی تھی، اس کے اندر امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ دو ثلث دیت آئیں گے اس کی عاقلہ پر۔ صاحبین یہاں بھی فرماتے ہیں نہیں نصف آئے گی دیت اس کے اوپر، دو ثلث نہیں۔ اس کی اب وجہ ذکر کر رہے ہیں: وَفِي مَسْأَلَةِ الْحَفْرِ وَالْبِنَاءِ اور کنواں کھودنے اور دیوار تعمیر کرنے کے مسئلے میں: فَلِأَنَّ التَّلَفَ بِنَصِيبِ الْمَالِكِ لَا يُوجِبُ الضَّمَانَ اس لیے کیونکہ ہلاک ہونا ہلاک ہونا بِنَصِيبِ الْمَالِكِ مالک کے حصے کی وجہ سے لَا يُوجِبُ الضَّمَانَ یہ ضمان کو واجب نہیں کرتا۔ بھئی جس نے کنواں کھودا تھا وہ بھی تو مالک تھا شریک تھا نا؟ لیکن اس نے ایک حصے کا مالک تھا، دو حصوں کا مالک نہیں تھا، تو امام صاحب نے فرمایا کہ دو حصوں میں اس نے تعدی کی ہے اس لیے اس پر دو ثلث ضمان آئے گا۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں دیوار کے دو حصے سمجھیں گے، دو حصے سمجھیں گے، بایں اعتبار کہ اس شخص نے جب کنواں کھودا یا دیوار بنائی ایک اعتبار سے دیکھیں تو یہ مالک ہے اس کو بنانے کی اجازت ہے، اور دوسرے اعتبار سے دیکھیں تو اس میں تو دوسرے بھی شریک ہیں، ان کی اجازت ضروری ہے، تو ان کی اجازت کے بغیر گویا اس نے غصب کیا ہے، کیا کیا ہے؟ غصب۔ تو یہاں گویا دو دو

حصے ہو گئے، ایک حصہ مالک کے اعتبار سے اسی آدمی کا اور ایک حصہ غاصب کے اعتبار سے ہے، تو لہٰذا مالک کے اعتبار سے جو حصہ ہے اس اس اعتبار سے تو ضمان نہیں آنا چاہیے، اور غاصب کے اعتبار سے جو حصہ ہے اس کے اعتبار سے ضمان آئے گا، تو وہ آدھا آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دو قسم کے حصے ہو گئے۔ یہ معنی ہے فَلِأَنَّ التَّلَفَ بِنَصِيبِ الْمَالِكِ لَا يُوجِبُ الضَّمَانَ اس لیے کیونکہ وہ ہلاک ہونا مالک کے حصے کی وجہ سے یہ ضمان کو ثابت ضمان کو واجب نہیں کرتا، وَبِنَصِيبِ الْغَاصِبِ يُوجِبُ اور غاصب کے حصے کی وجہ سے ضمان کو واجب کرتا ہے، یہ تلف جو ہے ضمان کو واجب کرتا ہے، فَيُقْسَمُ قِسْمَيْنِ تو اس کو تقسیم کیا جائے گا دو قسموں میں۔ دو قسمیں بنا لی جائیں گی: ایک تلف غاصب کے اعتبار سے اور ایک تلف مالک کے اعتبار سے۔ اور مالک کے اعتبار سے تلف کا اعتبار نہیں کیونکہ وہ مالک ہے اس اعتبار سے اس نے دیوار بنائی ہے، اور غاصب کے اعتبار سے ضمان آئے گا کیونکہ اس نے غصب کے اعتبار سے دیوار بنائی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

بَابُ جِنَايَةِ الْبَهِيمَةِ وَعَلَيْهَا، یہ باب ہے، بَهِيمَة کہتے ہیں جانور اور مویشی، چوپائے بھئی چوپائے۔ بَابُ جِنَايَةِ الْبَهِيمَةِ وَعَلَيْهَا، عَلَيْهَا یہ ہا ضمیر بھی بَهِيمَة کو راجع ہے، بَابُ جِنَايَةِ الْبَهِيمَةِ وَعَلَى الْبَهِيمَةِ۔ یہ باب ہے بہیمے یعنی چوپائے اور مویشی کی جنایت کے بیان میں، وَعَلَيْهَا اور یہ باب ہے بہیمے پر جو جنایت کی جائے اس کے بیان میں۔ جانور بھئی کسی کو نقصان پہنچا دے یا کوئی کسی کے جانور کو نقصان پہنچا دے تو اس کے بیان میں ہے۔ تو بَابُ جِنَايَةِ الْبَهِيمَةِ وَعَلَيْهَا یہ باب ہے بہیمے کی جنایت کے بیان میں اور بہیمے پر یعنی بہیمے کے خلاف جنایت کے بیان میں۔

ضَمِنَ الرَّاكِبُ مَا وَطِئَتْ دَابَّتُهُ أَوْ مَا أَصَابَتْ بِيَدِهَا أَوْ رِجْلِهَا أَوْ رَأْسِهَا أَوْ كَدَمَتْ أَوْ خَبَطَتْ أَوْ صَدَمَتْ لَا مَا نَفَحَتْ بِرِجْلِهَا أَوْ ذَنَبِهَا، کوئی شخص گھوڑے خچر یا اونٹ وغیرہ پر سواری کرتا ہے اور وہ جو جانور ہے وہ راہ چلتے کسی کو کوئی نقصان دے دیتا ہے تو اس صورت میں یہ سوار ضامن ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے ضَمِنَ الرَّاكِبُ کہ سواری کرنے والا وہ ضامن ہوگا مَا اس چیز کا وَطِئَتْ دَابَّتُهُ جس کو اس کے دابہ نے، اس کے سواری کے جانور نے روند ڈالا۔ جس چیز کو اس کے سواری کے جانور نے روند ڈالا یہ اس کا ضامن ہوگا، اس پر ضمان آئے گا۔ تو وَطِئَ کا کیا معنی ہے؟ پاؤں کے نیچے کسی چیز کو روندنا، اس جانور نے اس پر پاؤں رکھ دیا۔ أَوْ مَا أَصَابَتْ بِيَدِهَا یا وہ جس کو اس کا ہاتھ لگا۔ بھئی یاد رکھو حیوان کے حیوان کے گھوڑے، گدھے، بیل وغیرہ چار پاؤں ہیں ان کے، اور ان میں سے جو اگلے دو پاؤں ہیں ان کو يَد کہا جاتا ہے يَد، اور پچھلے دو پاؤں جو ہیں ان کو رِجْل کہا جاتا ہے، جیسے انسان کے ہاتھ اور پاؤں ہیں تو اسی طرح ان کے بھی جو اگلے پاؤں ہیں ان کو يَد کہا جاتا ہے اور ان کے جو پچھلے دو پاؤں ہیں ان کو رِجْل۔ تو لہٰذا جب بھی یہاں يَد ذکر ہوگا مراد اگلا پاؤں ہوگا، اور جب بھی رِجْل ذکر ہوگا تو پچھلا پاؤں مراد ہوگا۔ یہ معنی ہے أَوْ مَا أَصَابَتْ بِيَدِهَا أَوْ رِجْلِهَا یا جس کو وہ جا لگے اپنے ہاتھ کے ساتھ، أَوْ رِجْلِهَا یا اپنے پاؤں کے ساتھ، یعنی کسی چیز کو اس کا ہاتھ لگ گیا اگلا پاؤں لگ گیا أَوْ رِجْلِهَا یا اس کا پچھلا پاؤں لگ گیا، أَوْ رَأْسِهَا یا کسی چیز کو اس کا سر لگ گیا۔ أَوْ كَدَمَتْ، كَدَمَ يَكْدِمُ کے معنی ہیں کسی چیز کو منہ سے کاٹنا، یا اس

حیوان نے کسی چیز کو منہ سے کاٹ لیا بھئی۔ أَوْ خَبَطَتْ، خَبَطَ يَخْبِطُ کے معنی ہیں اگلا پاؤں کسی چیز کو مارنا۔ توجہ ہے؟ خَبَطَ يَخْبِطُ کا معنی حیوان کا اگلا پاؤں کسی کو مارنا، اور آگے آرہا ہے نَفَحَتْ، نَفَحَ يَنْفَحُ کا معنی پچھلا پاؤں کسی کو مارنا۔ تو وہ ساری صورتیں ذکر کر رہے ہیں دیکھو: حیوان کسی کو روند ڈالتا ہے، اس کے اوپر پاؤں رکھ دیتا ہے، أَوْ مَا أَصَابَتْ بِيَدِهَا أَوْ رِجْلِهَا أَوْ رَأْسِهَا یا کسی چیز کو اس کا اگلا پاؤں لگ گیا یا پچھلا پاؤں لگ گیا یا سر لگ گیا، پاؤں مارا نہیں ہے پاؤں ویسے لگ گیا، یا سر ویسے لگ گیا لیکن نقصان ہو گیا، أَوْ كَدَمَتْ یا اس نے منہ سے اس کو کاٹ دیا، أَوْ خَبَطَتْ یا اس نے اگلا پاؤں مار دیا، پاؤں مارا اس کو، أَوْ صَدَمَتْ یا اس کو ٹکر ماردی بھئی۔ لَا مَا نَفَحَتْ بِرِجْلِهَا أَوْ ذَنَبِهَا، ہاں اس کا ضامن نہیں ہوگا جو اس نے پچھلا پاؤں کسی کو مارا، اپنے پچھلے پاؤں سے کسی کو مارا، أَوْ ذَنَبِهَا یا اپنی دم سے کسی کو مارا۔ دیکھو ساری صورتیں ذکر کر دیں: پاؤں لگ جائے ویسے لگ جائے اگلا پاؤں لگے پچھلا پاؤں لگے، کسی چیز کے اوپر چڑھ جائے حیوان وَطِئَتْ وہ بھی ذکر کر دیا، اگلا پاؤں لگ جائے أَصَابَتْ بِيَدِهَا، پچھلا پاؤں لگ جائے أَصَابَتْ بِرِجْلِهَا، سر کسی چیز کو لگ جائے أَصَابَتْ بِرَأْسِهَا، اور دانتوں سے کسی کو کاٹ لے منہ سے کاٹ لے كَدَمَتْ آگیا، اگلے پاؤں سے کسی کو مار دے وہ خَبَطَتْ آگیا، پچھلے پاؤں سے یا دم سے کسی کو مار دے وَنَفَحَتْ بِرِجْلِهَا أَوْ ذَنَبِهَا آیا، کسی کو ٹکر مار دے صَدَمَتْ آگیا، ساری صورتیں ذکر کر دیں۔ تو ان میں سے جو پچھلی ٹانگ کسی کو مار دے یا دم مارے اس کا ضمان نہیں، باقی صورتوں کا ضمان ہے۔ بھئی کیوں؟ دم کا ضمان کیوں نہیں، دم اگر کسی کو مارے یا پچھلی ٹانگ مارے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ جو سوار ہے اس کا رخ آگے کی طرف ہے، تو سامنے کے پاؤں گردن وغیرہ اور یہ سارا کچھ یہ تو اس کے سامنے ہیں، ان سے تو وہ لوگوں کو بچا سکتا ہے لیکن پچھلی ٹانگ یا دم جو ہے وہ اس کی آنکھوں کے سامنے نہیں ہے۔ تو

وہ اس کے سامنے نہیں ہے، لہٰذا وہ اس کے قابو میں نہیں۔ یہ معنی ہے لَا مَا نَفَحَتْ بِرِجْلِهَا أَوْ ذَنَبِهَا اس چیز کا ضامن نہیں ہوگا جس کو اس نے مارا اپنی پچھلی ٹانگ سے أَوْ ذَنَبِهَا یا اپنی دم سے۔ فَإِنَّ الِاحْتِرَازَ عَنِ الْوَطْءِ وَمَا يُشَابِهُهُ مُمْكِنٌ، اس لیے کیونکہ بچنا عَنِ الْوَطْءِ روندنے سے وَمَا يُشَابِهُهُ اور اس کے مشابہ جو اور چیزیں ذکر ہوئیں، ان سے بچنا مُمْكِنٌ ممکن ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ فَإِنَّ الِاحْتِرَازَ عَنِ الْوَطْءِ وَمَا يُشَابِهُهُ مُمْكِنٌ اس لیے کیونکہ روندنے اور اس کے مشابہ اور چیزوں سے بچنا ممکن ہے، بِخِلَافِ النَّفْحَةِ بِالرِّجْلِ وَالذَّنَبِ بخلاف پچھلے پاؤں سے مارنا یا دم سے مارنا کہ ان سے بچنا ممکن نہیں ہے کیونکہ اس کی طرف اس کی نظر نہیں ہے۔ هٰذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے۔

وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً يَضْمَنُ بِالنَّفْحَةِ أَيْضًا، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وہ ضامن ہوگا بِالنَّفْحَةِ أَيْضًا پیچھے کسی کو ٹانگ ماری تو اس کا بھی یہ ضامن ہوگا سوار، لِأَنَّ فِعْلَهَا يُضَافُ إِلَى الرَّاكِبِ اس لیے کیونکہ اس جانور کا فعل اس کے سوار کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے، اس کی فعل کی بھی نسبت کس کی طرف کی جاتی ہے؟ اسی سوار

کی طرف نسبت کی جاتی ہے کیونکہ یہ اس پر سوار ہے اس کا جانور ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سواری کا ہر فعل کی نسبت سوار کی طرف کی جاتی ہے، اگر وہ پچھلی ٹانگ مار کر بھی کسی کو ہلاک کرے گا یا کسی کو نقصان پہنچائے گا تو لوگوں سے پوچھو کہ یہ نقصان کس نے کیا؟ تو وہ سوار ہی کی طرف نسبت کریں گے کہ اس سوار نے یہ نقصان کیا ہے، تو سواری کے فعل کی نسبت کس کی طرف کی جاتی ہے؟ سوار کی طرف۔ تو ٹانگ مارنا بھی سواری کا فعل اور اس کی نسبت بھی سوار کی طرف کی جائے گی، اور جب سوار کی طرف نسبت ہوئی تو لہٰذا معلوم ہوا یہ اسی کا جرم ہے تو اس پر ضمان آئے گا۔ یہ معنی ہے لِأَنَّ فِعْلَهَا يُضَافُ إِلَى الرَّاكِبِ کیونکہ سواری کا جو فعل ہے اس کی نسبت کی جاتی ہے سوار کی طرف۔ بات سمجھ میں آگئی؟

أَوْ عَطِبَ إِنْسَانٌ بِمَا رَاثَتْ أَوْ بَالَتْ فِي الطَّرِيقِ، رَاثَ يَرُوثُ کے معنی ہیں جانور کا راستے میں گوبر کرنا، جانور کا راستے میں لید کرنا، یہ کیا ہے؟ رَاثَ يَرُوثُ۔ اور بَالَ يَبُولُ کا معنی ہے پیشاب کرنا۔ اب صورت یہ کہ ایک شخص سواری کے جانور پر جا رہا تھا، اس جانور نے راستے میں پیشاب کر دیا یا لید کر دی، اور اس پر کوئی پھسل کر گرا اور ہلاک ہوا یا نقصان پہنچا۔ کہتے ہیں اس کا ضمان نہیں آئے گا کیونکہ اس سے بچاؤ ممکن نہیں، جانور چلتے چلتے ہی عموماً راستے میں ہی لید بھی کر دیتے ہیں اور پیشاب بھی کر دیتے ہیں۔ اور اگر اس نے اس کے لیے ٹھہرایا، خاص طور پر پیشاب کے لیے جانور کو کھڑا کر دیا روک دیا، پھر اس نے پیشاب کیا، یا لید کرنے کے لیے روک دیا پھر اس نے لید کر دی، تو اس میں ضمان آئے گا؟ کہتے ہیں نہیں، اس میں بھی ضمان نہیں ہے، اس لیے کیونکہ بعض جانوروں کی عادت ہوتی ہے جب تک ان کو روکیں گے نہیں وہ پیشاب وغیرہ نہیں کرتے، تو اس میں بھی کوئی اس نے تعدی اور زیادتی نہیں کی۔ ہاں اگر اس نے ویسے ہی روکا جانور کو کسی اور کام کے لیے روکا، پیشاب وغیرہ کے لیے نہیں روکا، وہ تو کسی کے ساتھ گپ شپ لگا رہا تھا راستے میں کھڑے ہو کر، اور پھر اس صورت میں وہ پیشاب یا لید کرتا ہے اور کوئی ہلاک ہوتا ہے، پھر ضمان آئے گا۔

کہتے ہیں أَوْ عَطِبَ إِنْسَانٌ بِمَا رَاثَتْ أَوْ بَالَتْ فِي الطَّرِيقِ، اور اگر ہلاک ہوا کوئی انسان بوجہ اس کے جو حیوان نے رَاثَتْ اس نے لید کر دی أَوْ بَالَتْ فِي الطَّرِيقِ یا پیشاب کر دیا راستے میں، سَائِرَةً اس حال میں کہ وہ چل رہا تھا، أَوْ أَوْقَفَهَا لِذٰلِكَ یا اس نے اسی کے لیے اس کو روکا۔ بھئی پیچھے آیا تھا نا لَا مَا نَفَحَتْ بِرِجْلِهَا أَوْ ذَنَبِهَا کہ اس صورت میں ضامن نہیں ہوگا، اسی پر اس کا بھی عطف ہے کہ ان صورتوں میں بھی وہ ضامن نہیں ہوگا، ضامن نہیں ہوگا اگر اس جانور کے لید کرنے یا پیشاب کرنے کی وجہ سے راستے میں اس حال میں کہ وہ چل رہا تھا أَوْ أَوْقَفَهَا لِذٰلِكَ یا اس نے اسی کے لیے اس کو روکا تھا۔ فَإِنْ أَوْقَفَهَا لِغَيْرِهِ ضَمِنَ، اگر اس نے اس جانور کو روکا تھا اس کے علاوہ کے لیے، کسی اور کام کے لیے، ضَمِنَ پھر ضامن ہوگا بھئی۔ فَإِنَّهَا إِنْ رَاثَتْ أَوْ بَالَتْ فِي الطَّرِيقِ حَالَةَ السَّيْرِ لَا يَضْمَنُ، اگر اس جانور نے لید کر دیا پیشاب کر دیا راستے میں حَالَةَ السَّيْرِ چلنے کی حالت میں لَا يَضْمَنُ تو وہ ضامن نہیں ہوگا کیونکہ یہ جانوروں کی عادت ہوتی ہے۔ أَمَّا إِذَا أَوْقَفَهَا لِتَرُوثَ أَوْ

تَبُولَ لَا يَضْمَنُ أَيْضًا، اگر اس نے اس جانور کو روکا تاکہ وہ لید کرلے یا پیشاب کرلے تو بھی وہ ضامن نہیں ہوگا، لِأَنَّ بَعْضَ الدَّوَابِّ لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ إِلَّا بَعْدَ الْوُقُوفِ اس لیے کیونکہ بعض جانور وہ ایسا نہیں کرتے مگر روکنے کے بعد ہی، کہ ان کو روکا جائے گا پھر ہی کریں گے ویسے نہیں کریں گے۔ وَإِنْ أَوْقَفَهَا لِغَيْرِ ذٰلِكَ يَضْمَنُ، اور اگر اس نے اس کے علاوہ کسی اور کام کے لیے روکا تھا اور پھر جانور نے لید اور پیشاب کر دیا تو اب ضامن ہوگا۔ کیوں؟ لِأَنَّهُ مُتَعَدٍّ بِالْإِيقَافِ اس لیے کیونکہ وہ اس شخص نے تعدی کی اس کو روکنے کے ذریعے، اس نے خود جانور کو روک کر تعدی کی ہے، اگر وہ نہ روکتا آگے نکل جاتا تو پہنچ جاتا منزل پر وہاں وہ پیشاب اور گوبر کر لیتا، لیکن یہاں اس نے روک کر خود گویا کیا کر دی؟ تعدی کی ہے، اور پھر جانور نے پیشاب اور لید کیا تو اس میں کوئی ہلاک ہوا تو ضمان آئے گا۔ یہ معنی ہے لِأَنَّهُ مُتَعَدٍّ بِالْإِيقَافِ اس لیے کیونکہ وہ تعدی کرنے والا ہے اس کو روکنے کی وجہ سے۔

فَإِنْ أَصَابَتْ بِيَدِهَا أَوْ رِجْلِهَا حَصَاةً أَوْ نَوَاةً، صورتِ مسئلہ یہ، صورت یہ کہ ایک شخص سواری کے جانور پر جا رہا تھا، اونٹ ہے، گدھا ہے، گھوڑا ہے یا خچر ہے، اور اس جانور کے پاؤں سے کوئی کنکری وغیرہ اڑ کر کسی کی آنکھ پر لگی اور اس کی آنکھ پھوٹ گئی، یا اس سے گرد و غبار اڑا اور کسی کے کپڑے خراب ہو گئے، تو پھر کہتے ہیں ضمان نہیں آئے گا۔ ہاں اگر وہ جو پتھر جو اس کے پاؤں سے لگ کر پاؤں سے ٹکرا کر دوسرے کو جا کر لگا ہے، اگر وہ چھوٹا پتھر تھا تو اس میں تو ضمان نہیں لیکن اگر وہ بڑا پتھر تھا تو پھر اس میں ضمان آئے گا، کیونکہ چھوٹے سے بچنا تو ممکن نہیں، ہاں بڑے پتھر سے بچنا ممکن تھا بھئی۔ یہ معنی ہے فَإِنْ أَصَابَتْ بِيَدِهَا اگر پہنچا وہ جانور اپنے اگلے پاؤں کے ذریعے أَوْ رِجْلِهَا یا پچھلے پاؤں کے ذریعے حَصَاةً کسی کنکری کو أَوْ نَوَاةً یا گٹھلی کو، یعنی کھجور وغیرہ کی کوئی گٹھلی تھی، أَوْ أَثَارَتْ غُبَارًا یا اس نے غبار اڑایا، أَوْ حَجَرًا صَغِيرًا یا کوئی چھوٹا پتھر جو ہے ٹکرا کر یعنی اچھل گیا، فَفَقَأَ عَيْنًا أَوْ أَفْسَدَ ثَوْبًا پس اس پتھر نے پھوڑ دیا کسی آنکھ کو أَوْ أَفْسَدَ ثَوْبًا یا کسی کے کپڑوں کو خراب کر دیا، لَا يَضْمَنُ تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ وَضَمِنَ بِالْكَبِيرِ اور بڑے پتھر کی وجہ سے ضامن ہوگا، لِأَنَّ الِاحْتِرَازَ عَنِ الْأَوَّلِ مُتَعَذِّرٌ اس لیے کیونکہ اول سے تو بچنا ممکن نہیں، چھوٹا پتھر ہو یا کنکری یا گٹھلی ہو اس سے تو بچنا ممکن نہیں، بِخِلَافِ الثَّانِي بخلاف ثانی کے بڑا پتھر ہے اس سے تو بچنا ممکن ہے بھئی، تو اس کو خود حیوان کو اس سے بچا کر لے جانا چاہیے تھا بھئی بڑے پتھر سے۔

وَضَمِنَ السَّائِقُ وَالْقَائِدُ مَا ضَمِنَهُ الرَّاكِبُ وَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ لَا عَلَيْهِمَا، بھئی ایک ہوتا ہے سَائِق، ایک ہے قَائِد۔ سَاقَ يَسُوقُ سَوْقًا کا معنی ہے حیوان کو پیچھے سے ہانکنا۔ حیوان آگے چل رہا ہو اور لے جانے والا پیچھے ہو اس کو کہتے ہیں سَائِق، یہ جانور کو ہانک کر لے جا رہا ہے۔ اور اگر لے جانے والا آگے ہو اور حیوان پیچھے ہو تو اس کو کہتے ہیں قَائِد بھئی۔ یہ جو ہم اردو میں استعمال کرتے ہیں قائد ہے، اس کو بھی قائد اس لیے کہتے ہیں کیونکہ قائد جو ہوتا ہے وہ قوم کے آگے ہوتا ہے اور قوم اس کے پیچھے ہوتی ہے۔ تو اب صورت یہ کہ ایک ہے سوار، اور ایک ہے سَائِق پیچھے سے ہانکنے والا، اور ایک ہے قَائِد آگے سے

کھینچ کر لے جانے والا۔ تو ان میں کیا فرق ہے؟ کیا سب پر ضمان آئے گا؟ کہتے ہیں ہاں بھئی، سَائِق موجود ہو اور حیوان کسی کو نقصان پہنچا دے تو سَائِق ضامن ہوگا، قَائِد موجود ہو اور حیوان کسی کو نقصان پہنچا دے تو قَائِد کیا ہوگا؟ ضامن ہوگا، سوار اسی طرح حیوان کے اوپر موجود ہے اور حیوان کسی کو نقصان پہنچائے تو وہ بھی ضامن ہوگا، پیچھے تفصیل بیان ہو چکی۔ اور سَائِق اور قَائِد پر وہی ضمان آئے گا جو کس پر آتا تھا؟ رَاکِب پر آتا تھا۔ ہاں ایک بات ہے کہ رَاکِب کوئی سوار ہے اور اس حیوان کی وجہ سے کسی انسان کی جان چلی گئی، کسی کو اس نے ٹانگ وغیرہ ماری یا کسی کو اس نے دانتوں سے کاٹا یا ٹکر وغیرہ ماری اور کوئی شخص ہلاک ہوا، تو اس صورت میں جو سوار ہوتا ہے اس پر کفارہِ قتل بھی آتا ہے، اور وہ وراثت سے بھی محروم ہوگا اگر مرنے والا اس کا مورث تھا بھئی۔ لیکن سَائِق اور قَائِد میں ایسا نہیں ہے، ان پر کفارہ بھی نہیں آتا اور وہاں حرمانِ میراث بھی نہیں ہوگا۔ تو یہاں پر سَائِق اور قَائِد جو ہیں ان پر ضمان تو آئے گا لیکن ان پر کفارہ نہیں آئے گا اور حرمانِ میراث بھی نہیں ہوگا، جبکہ سوار جو ہے اس کی سواری کی وجہ سے اگر کوئی ہلاک ہو جاتا ہے تو سوار پر ضمان بھی آئے گا اور اس کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی آئے گا اور حرمانِ میراث بھی ہوگا۔ اس لیے کیونکہ سوار جو ہے وہ سواری پر سوار ہے، سواری پوری طرح اس کے قابو میں ہے بھئی، پوری طرح اس کے قابو میں ہے، تو وہ سَائِق اور قَائِد کے مقابلے میں اس حیوان پر زیادہ قادر ہے، زیادہ قوی ہے ان کے مقابلے میں، اس لیے یہاں پر اگر اس کی سواری کسی کو ہلاک کر دے تو اس پر ضمان کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی آئے گا اور حرمانِ میراث بھی ہوگا۔

کہتے ہیں وَضَمِنَ السَّائِقُ وَالْقَائِدُ مَا ضَمِنَهُ الرَّاكِبُ کہ سَائِق اور قَائِد بھی ضامن ہوں گے اسی چیز کے جس کا رَاکِب ضامن ہوتا ہے، وَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ لَا عَلَيْهِمَا اور رَاکِب پر کفارہ بھی ہوگا لیکن سَائِق اور قَائِد پر نہیں۔ أَيْ إِنْ كَانَ مَكَانَ الرَّاكِبِ سَائِقٌ أَوْ قَائِدٌ يَضْمَنُ كُلٌّ مِنْهُمَا مَا ضَمِنَهُ الرَّاكِبُ، یعنی اگر سوار کی جگہ پر سَائِق یا قَائِد ہوا تو ضامن ہوگا ان میں سے ہر ایک اس چیز کا جس کا سوار ضامن ہے، وَيَجِبُ عَلَى الرَّاكِبِ الْكَفَّارَةُ لَا عَلَى السَّائِقِ وَالْقَائِدِ اور رَاکِب پر جو ہے کفارہ بھی واجب ہوگا نہ کہ سَائِق پر اور قَائِد پر، وَالرَّاكِبُ يُحْرَمُ عَنِ الْمِيرَاثِ لَا الْقَائِدُ وَالسَّائِقُ اور سوار جو ہے وہ محروم ہوگا میراث سے نہ کہ قَائِد اور سَائِق، اس قَائِد اور سَائِق میراث سے محروم نہیں ہوں گے۔

وَضَمِنَ عَاقِلَةُ كُلِّ فَارِسٍ دِيَةَ الْآخَرِ إِنِ اصْطَدَمَا وَمَاتَا، صورتِ مسئلہ یہ: دو سوار تھے، اپنی اپنی سواری پر سوار تھے سفر کر رہے تھے اور گھوڑے کو دوڑایا اور اسی میں دونوں آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرائے اور مر گئے۔ تو یاد رکھیے دونوں سواروں کی جو عاقلہ ہے ان پر دیت آئے گی دوسرے کے لیے: پہلے سوار کی عاقلہ پر دوسرے سوار کی دیت آجائے گی اور دوسرے سوار کی عاقلہ پر پہلے سوار کی دیت آجائے گی۔ یعنی پورے قوم والوں سے پیسہ اکٹھا کیا جائے گا اور ایک قوم والے اس دوسرے ایک فرد کو دے دیں گے، اور دوسری قوم والے اکٹھا کر کے پہلے والے کے اس فرد کو یعنی ان کے وارثوں کو دے دیں گے۔

وَضَمِنَ عَاقِلَةُ كُلِّ فَارِسٍ دِيَةَ الْآخَرِ اور ضامن ہوگی عاقلہ کُلِّ فَارِسٍ ہر شہسوار کی، فَارِس گھڑسوار جو ہے شہسوار، اور ضامن ہوگی عاقلہ ہر شہسوار کی دِيَةَ الْآخَرِ دوسرے شہسوار کی دیت کی، إِنِ اصْطَدَمَا اگر وہ آپس میں ٹکرائے وَمَاتَا اور دونوں مر گئے۔ هٰذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے۔

وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ يَضْمَنُ كُلُّ نِصْفَ دِيَةِ الْآخَرِ، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک ضامن ہوگا نِصْفَ دِيَةِ الْآخَرِ دوسرے کی دیت کا نصف، آدھی دیت آئے گی ہر ایک پر پوری نہیں، کیونکہ یہ شخص دو فعلوں کی وجہ سے مرا ہے: ایک اس کا اپنا فعل تھا، ایک دوسرے سوار کا فعل تھا، تو اپنے حصے کے اندر ضمان نہیں آئے گا، دوسرے کے حصے میں ضمان آئے گا۔ یہ معنی ہے وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ يَضْمَنُ كُلُّ نِصْفَ دِيَةِ الْآخَرِ کہ ضامن ہوگا ان میں سے ہر ایک دوسرے کی نصف دیت کا، لِأَنَّ هَلَاكَهُ بِفِعْلَيْنِ اس لیے کیونکہ اس کی ہلاکت دو فعلوں کی وجہ سے ہوئی ہے: فِعْلِ نَفْسِهِ وَفِعْلِ صَاحِبِهِ ایک تو اس کی اپنا ذاتی فعل ہے اور دوسرا اس کے ساتھی کا فعل ہے، فَيُهْدَرُ نِصْفُهُ وَيُعْتَبَرُ نِصْفُ صَاحِبِهِ لہٰذا اس کا نصف جو ہے وہ تو رائیگاں ہوگا اور اس کے ساتھی کا نصف جو ہے وہ معتبر ہوگا۔ دلیل سمجھ میں آرہی ہے؟

قُلْنَا فِعْلُ كُلٍّ مِنْهُمَا مُبَاحٌ، ہم کہتے ہیں: ہم کہتے ہیں کہ اس کے اپنے فعل کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اس کا اپنا فعل تو مباح تھا، یہ جانور پر سواری کر رہا تھا، اور کسی شخص کے اپنے مباح فعل کی طرف اس کی ہلاکت کی نسبت نہیں کی جاتی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اپنا مباح فعل کر رہا ہے تو اس کی طرف ہلاکت کی نسبت نہیں کی جاتی۔ ہم کہتے ہیں جب کوئی شخص مباح فعل کر رہا ہو یعنی کوئی جائز، کوئی یعنی جو ممنوع نہیں شرعاً، جب بھی کوئی شخص جائز فعل کر رہا ہو اور اس میں وہ ہلاک ہو جائے تو ہلاکت کی نسبت اس کی طرف نہیں کی جاتی۔ جیسے راستے میں چلنا ایک مباح فعل ہے، اب ایک شخص راستے میں چل رہا ہے اور دوسرے شخص نے راستے میں

نے کنواں کھودا ہوا ہے، وہ کنویں کے اندر گرا ہلاک ہوا، تو سب کہتے ہیں بالاتفاق ساری دیت کس پر آئے گی؟ وہ جس نے کنواں کھودا تھا مسلمانوں کے راستے میں، جس شخص نے راستے میں کنواں کھودا تھا اس پر دیت آئے گی، حالانکہ اگر دیکھا جائے اگر آپ کا اصول مان لیا جائے پھر تو یہ شخص جو راستے میں چل رہا تھا تو یہ اس کا اپنا فعل ہے اور یہ راستے میں چلنا اس کے لیے مباح ہے، تو یہ مباح فعل کر رہا تھا، تو اس کے چلنے کا بھی ہلاکت میں دخل ہے، یہ اس راستے پر نہ چلتا تو یہ ہلاک بھی نہ ہوتا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو پھر تو یوں کہنا چاہیے کہ کنواں کھودنے والے پر آدھی دیت آنی چاہیے، لیکن سب کیا فرماتے ہیں کہ کنواں کھودنے والے پر پوری دیت ہے حالانکہ یہاں بھی اس شخص کا اپنا مباح فعل موجود ہے وہ جو راستے پر چل رہا تھا۔ تو ضابطہ یہی ہے کہ جب انسان کوئی مباح فعل کر رہا ہو اور ہلاک ہو جائے تو اس کی ہلاکت کی نسبت اس کے اپنے مباح فعل کی طرف نہیں کی جاتی۔ تو یہاں بھی جو دو سوار تھے تو ہر سوار کیا تھا؟ سواری تو ایک مباح فعل ہے، تو وہ اپنا مباح فعل کر رہے تھے تو اپنے ان کے فعل کی طرف قتل کی نسبت نہیں کی جائے گی بلکہ یہی کہیں گے کہ دوسرے سوار کی ٹکر سے یہ ہلاک ہوا ہے، تو دونوں میں سے ہر ایک کی عاقلہ پر پوری پوری دیت آجائے گی دوسرے کے

لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

قُلْنَا فِعْلُ كُلٍّ مِنْهُمَا مُبَاحٌ، ہم کہتے ہیں: ان میں سے ہر ایک کا فعل مباح ہے یعنی جائز ہے۔ وَالْمُبَاحُ فِي حَقِّ نَفْسِهِ لَا يُضَافُ إِلَيْهِ الْهَلَاكُ، اور مباح جو ہے اپنی ذات کے حق میں اس کی طرف نسبت نہیں کی جاتی ہلاکت کی، ہلاکت کی نسبت اس کی طرف نہیں ہوتی کہ ضمان وغیرہ اس کی وجہ سے آئے گا نہیں، وَفِي حَقِّ غَيْرِهِ يُضَافُ اور غیر کے حق میں اس کی طرف نسبت کی جاتی ہے یعنی غیر کوئی مباح فعل بھی کرے اور کوئی ہلاک ہو جائے تو اس کی طرف نسبت کی جاتی ہے کہ اس کی وجہ سے یہ ہلاک ہوا ہے اس پر ضمان آئے گا۔

وَالسَّائِقُ دَابَّةً وَقَعَ أَدَاتُهَا عَلَى رَجُلٍ فَمَاتَ، صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص جو ہے وہ جانور لے کر جا رہا تھا، یہ پیچھے ہے جانور آگے ہے اور اس جانور پر زین وغیرہ لدی ہوئی ہے، جو جانور پر سواری کے آلات ہوتے ہیں، زین ہے لگام ہے وغیرہ، یہ زین یا لگام اس جانور سے گری، کوئی بوجھ وغیرہ نہیں تھا اسی سواری کے جو آلات تھے وہ گرے اور پھر کوئی شخص مر گیا اس کی وجہ سے، مثلاً کسی بچے کے سر پر گرے اور وہ مر گیا اس کی وجہ سے، تو اس صورت میں اس پر ضمان آئے گا۔ اور اسی طرح ایک شخص اونٹوں کی قطار لے کر جا رہا تھا، قطار میں بھئی اونٹ ایک دوسرے کے ساتھ باندھے ہوئے ہیں، یہ آگے ہے اور اونٹ پیچھے ہیں، تو یہ آگے سے رسی پکڑ کے چل رہا ہے اور پیچھے سارے اونٹ قطار میں ہیں، تو ان میں سے ایک اونٹ نے کسی شخص کو روند ڈالا اور وہ شخص ہلاک ہوا، تو اس قائد پر ضمان آئے گا۔

دیکھیے کہتے ہیں وَسَائِقُ دَابَّةٍ، دَابَّة سواری کا جانور بھئی گھوڑا، گدھا، خچر وغیرہ بھئی، وَسَائِقُ دَابَّةٍ اور ایسے چوپائے کو ہانکنے والا دَابَّة نکرہ ہے اور اس کے بعد وَقَعَ فعل آ رہا ہے، ایسے چوپائے کو ہانکنے والا وَقَعَ أَدَاتُهَا کہ جس کے أَدَاة یعنی جس کے آلاتِ سواری جو ہیں وہ گر گئے عَلَى رَجُلٍ کسی آدمی پر فَمَاتَ تو وہ مر گیا، ایسے جانور کا جو سَائِق ہے آگے آئے گا ضَمِنَ الدِّيَةَ وہ دیت کا ضامن ہوگا، دونوں مسئلوں کو اکٹھا ہی ذکر کر رہے ہیں۔ تو یہ جو اس سواری کا جو سَائِق ہے وَقَائِدُ قِطَارٍ اور اسی طرح اونٹوں کی قطار کا جو قَائِد ہے آگے سے لے جانے والا، وَطِئَ بَعِيرٌ مِنْهُ ان میں سے ایک اونٹ نے روند ڈالا رَجُلًا کسی آدمی کو، ضَمِنَ الدِّيَةَ تو یہ شخص کیا ہوگا؟ دیت کا ضامن ہوگا، یہ جو سَائِق اور یہ جو قَائِد پیچھے ذکر ہوئے یہ دونوں ضامن ہوں گے۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ وَإِنْ كَانَ مَعَهُ سَائِقٌ ضَمِنَا، اور اگر اس قَائِد کے ساتھ سَائِق بھی تھا، اونٹوں کی قطار ایک قطار کو آگے سے لے کر جا رہا تھا اور ایک پیچھے سے ہانک رہا تھا، تو پھر دونوں پر ضمان آجائے گا، آدھا ضمان ایک پر اور آدھا دوسرے پر۔ یہ معنی ہے وَإِنْ كَانَ مَعَهُ سَائِقٌ اور اگر اس قَائِد کے ساتھ کوئی سَائِق بھی تھا پیچھے سے ہانکنے والا بھی تھا ضَمِنَا تو دونوں ضامن ہوں گے۔

فَإِنْ قَتَلَ بَعِيرٌ رُبِطَ عَلَى قِطَارٍ بِلَا عِلْمِ قَائِدِهِ رَجُلًا ضَمِنَ عَاقِلَةُ الْقَائِدِ الدِّيَةَ، صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص اونٹوں کی قطار لے کر جا رہا ہے، اب ایک شخص نے اس قطار کے ساتھ اپنا اونٹ بھی باندھ دیا، اور وہ جو قطار لے جانے والا ہے

اس کو پتا نہیں، وہ تو قَائِد ہے نا آگے ہے اس کو پتا نہیں چلا کہ پیچھے کسی نے اپنا اونٹ بھی باندھ دیا ہے، تو اس اونٹ نے پھر کسی کو روند ڈالا اور کوئی شخص ہلاک ہو گیا۔ تو اس صورت میں جو ضمان آئے گا وہ قَائِد پر آئے گا، کس پر آئے گا؟ قَائِد پر۔ اور پھر قَائِد اس آدمی پر اس باندھنے والے پر رجوع کرے گا کیونکہ یہ نقصان کس کی وجہ سے آیا؟ اس باندھنے والے۔ اور دونوں کی عاقلہ پر آئے گا، کس پر آئے گا؟ عاقلہ پر آئے گا نا قتلِ عمد تو نہیں ہے یہاں پر، تو عاقلہ پر آئے گی۔ کہتے ہیں فَإِنْ قَتَلَ بَعِيرٌ پس اگر قتل کر دیا، بَعِير اونٹ کو کہتے ہیں، فَإِنْ قَتَلَ بَعِيرٌ اگر قتل کر دیا ایسے اونٹ نے رُبِطَ عَلَى قِطَارٍ جس کو باندھا گیا تھا قطار میں بِلَا عِلْمِ قَائِدِهِ بغیر قَائِد کے علم کے، قَائِد کے علم کے بغیر ہی جس کو قطار میں باندھا گیا تھا اس اونٹ نے قتل کر دیا رَجُلًا کسی آدمی کو، عبارت سمجھ میں آ رہی ہے؟ یہ مفعول ہے قَتَلَ کے لیے۔ پھر ترجمہ دیکھیں فَإِنْ قَتَلَ بَعِيرٌ رُبِطَ عَلَى قِطَارٍ بِلَا عِلْمِ قَائِدِهِ رَجُلًا پس اگر قتل کر دیا ایسے اونٹ نے جس کو باندھا گیا تھا کسی قطار کے ساتھ اس کے قَائِد کے علم کے بغیر ہی رَجُلًا کسی آدمی کو یعنی اس کو قتل کر دیا، تو ضَمِنَ عَاقِلَةُ الْقَائِدِ الدِّيَةَ تو ضامن ہوگی قَائِد کی جو عاقلہ ہے وہ دیت کی، وَرَجَعُوا بِهَا عَلَى عَاقِلَةِ الرَّابِطِ اور وہ جو قَائِد کی عاقلہ ہے وہ رجوع کریں گے اس دیت کے ساتھ رَابِط کی عاقلہ پر، باندھنے والے کی عاقلہ پر رجوع کریں گے کیونکہ ان کی وجہ سے یہ نقصان ان کو ہوا۔ وجہ ذکر کر رہے ہیں: لِأَنَّ الرَّابِطَ أَوْقَعَهُمْ فِي هٰذِهِ الْعُهْدَةِ اس لیے کیونکہ اونٹ باندھنے والے نے ان کو ڈال دیا اس تاوان کے اندر۔

شارح فرماتے ہیں: أَقُولُ میں کہتا ہوں۔ شارح فرمائیں گے دیکھیے بھئی: انہوں نے کیا کہا؟ ایک آدمی اونٹوں کی قطار لے کر جا رہا تھا، پیچھے ایک اور آدمی نے اپنا اونٹ باندھ دیا، قَائِد کو پتا نہیں تھا اور اس اونٹ نے کسی شخص کو روند ڈالا وہ قتل کر دیا اس کو، تو ضمان اولاً کس پر آیا؟ قَائِد کی عاقلہ پر۔ اور پھر قَائِد کی عاقلہ کس سے لیں گے؟ رَابِط کی عاقلہ سے، اونٹ باندھنے والے کی عاقلہ سے۔ یہی مسئلہ بیان کیا۔ علامہ صدر الشریعہ فرمائیں گے کہ مناسب تو یہ ہے کہ قَائِد کی عاقلہ رَابِط کی عاقلہ سے یہ مال نہ لے، رَابِط سے لے۔ توجہ ہے؟ اول ضمان کس پر آیا؟ قَائِد کی عاقلہ۔ اور پھر قَائِد کی عاقلہ نے کس سے وصول کیا؟ رَابِط کی عاقلہ سے۔ علامہ صدر الشریعہ فرماتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ قَائِد کی عاقلہ رَابِط کی عاقلہ سے نہ لیں یہ مال بلکہ رَابِط سے لیں۔ کس سے لیں؟ رَابِط سے۔ کیوں بھئی رَابِط سے کیوں لیں؟ کہتے ہیں دیکھو جنایت کی وجہ سے کسی پر مال آئے تو وہ کس پر آتا ہے؟ عاقلہ پر، کس پر آتا ہے؟ عاقلہ پر۔ اچھا تو قَائِد کی عاقلہ پر آ گیا مال۔ اب یہ قَائِد کی عاقلہ کو مالی نقصان پہنچا۔ توجہ ہے؟ قَائِد کی عاقلہ نے کس پہ رجوع کرنا ہے؟ انہوں نے کیا کہا؟ متن میں کیا کہا؟ رَابِط کی عاقلہ پر، باندھنے والا جو تھا رَابِط۔ انہوں نے کیا کہا قَائِد کی عاقلہ رجوع کرے گی کس پر؟ رَابِط کی عاقلہ پر۔ کہتے ہیں بھئی عاقلہ پہ تو تب رجوع کرتے ہیں کوئی جب جانی نقصان پہنچائے، جب جانی، اور قَائِد کی عاقلہ توجہ ہے قَائِد کی عاقلہ ان کا کوئی جانی نقصان ہوا یا ان کو مالی نقصان ہوا؟ ان کو مالی نقصان۔ بھئی جانی نقصان تو وہ آدمی کا ہوا تھا نا، قَائِد کی عاقلہ کا تو کوئی جانی نقصان نہیں ہوا ان کا تو کیا ہوا ہے؟ مالی نقصان، کیا مالی نقصان؟ دیت دینا پڑ رہی ہے ان کو، تو یہ ان کا مالی نقصان ہوا ہے، اور مالی نقصان تو

رَابِط کی عاقلہ پہ نہیں آنی چاہیے وہ تو اس شخص پر آیا کرتا ہے، نہیں بات سمجھ میں آئی؟ نہیں سمجھ میں آئی دیکھو پھر سنو: بھئی قَائِد کی عاقلہ نے مال دے دیا اور ان کو مالی نقصان پہنچا، مالی نقصان پہنچا یا جانی نقصان پہنچا؟ مالی نقصان پہنچا۔ اور مالی نقصان کسی کو کوئی پہنچائے تو وہ عاقلہ سے لیا جاتا ہے یا اسی شخص سے لیا جاتا ہے؟ اسی شخص سے۔ تو یہاں پر بھی اسی رَابِط سے لیا جانا چاہیے رَابِط کی عاقلہ سے تو نہیں لینا چاہیے بھئی کیونکہ یہ کون وصول کرنے والے کون ہیں؟ قَائِد کی عاقلہ۔ اور قَائِد کی عاقلہ ان کو کیا پہنچا ہے؟ مالی نقصان، اور مال میں کوئی کسی کو نقصان پہنچائے تو وہ اسی شخص سے وصول کیا جاتا ہے اس کی عاقلہ سے نہیں، لہٰذا رَابِط سے وصول کرنا چاہیے رَابِط کی عاقلہ سے نہیں بھئی۔ بڑی گہری بات کی علامہ صدر الشریعہ نے بھئی۔

کہتے ہیں أَقُولُ میں کہتا ہوں يَنْبَغِي أَنْ تَكُونَ فِي مَالِ الرَّابِطِ کہ مناسب یہ ہے کہ یہ جو رجوع ہونا چاہیے رَابِط کے مال میں ہونا چاہیے، يَنْبَغِي أَنْ تَكُونَ فِي مَالِ الرَّابِطِ مناسب یہ ہے کہ یہ دیت جو ہے رَابِط کے مال میں ہونی چاہیے یعنی اس کی عاقلہ کے مال میں نہیں ہونی چاہیے، لِأَنَّ الرَّابِطَ أَوْقَعَهُمْ فِي خُسْرَانِ الْمَالِ اس لیے کیونکہ رَابِط نے ان کو ڈالا ہے اس مالی نقصان کے اندر، ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ وَهٰذَا مِمَّا لَا يَتَحَمَّلُهُ الْعَاقِلَةُ اور یہ جو مالی نقصان ہے یہ ان چیزوں میں سے ہے جس کا تحمل عاقلہ نہیں کرتے، جو عاقلہ نہیں اٹھاتے۔

قَالُوا فقہا فرماتے ہیں هٰذَا إِذَا رَبَطَ وَالْقِطَارُ فِي السَّيْرِ صورت بھئی تفصیل بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں یہ رَابِط پر رجوع تب کریں گے رَابِط پر کہ جب اس نے اونٹوں کی قطار چل رہی تھی چلتے چلتے اس نے اونٹ اپنا ساتھ باندھ دیا، جب چلتے چلتے ساتھ باندھ دیا تو گویا اس نے اس نے حکم دے دیا کہ میرے اونٹ کو بھی لے کر چلو، گویا اس نے حکم دے دیا میرے اونٹ کو بھی لے کر چلو، صراحتاً تو نہیں کہا زبان سے تو نہیں کہا لیکن اس کا یہ فعل دلالت کر رہا ہے کہ گویا وہ قَائِد کو کیا حکم دے رہا ہے میرے اونٹ کو بھی لے کر چلو، چلو۔ تو جب اس نے حکم دیا ہے خود کہ میرے اونٹ کو لے کر چلو اس لیے یہ ذمہ دار بھی ہوگا، اس لیے اس پر رجوع بھی کیا جائے گا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ اس سے دیت پھر بعد میں ہم وصول کریں گے، پہلے قَائِد کی عاقلہ دے گی اور پھر اس کی عاقلہ سے لیں گے، صورت سمجھ میں آگئی؟ لیکن اگر اس نے اونٹوں کی قطار کے ساتھ اپنا اونٹ اس وقت باندھا جب وہ قطار چل نہیں رہی تھی ایک جگہ ٹھہری ہوئی تھی، اس وقت اس نے اپنا اونٹ باندھا، اور پھر قَائِد لے کر چل پڑا اونٹوں کو، تو اس صورت میں اب رَابِط کا کوئی قصور نہیں اس نے کوئی حکم نہیں دیا میرے اونٹ کو بھی لے کر چلو، ہو سکتا ہے وہ ایسے ہی آیا ہو اس نے ساتھ اپنا اونٹ باندھ دیا کہ چلو میں یہاں تھوڑی دیر بیٹھتا ہوں اور پھر میں چلا جاؤں گا، اور بغیر اس کی اجازت کے یہ اس کے اونٹ کو لے کر چل پڑے، تو یہ جرم کس کا ہے؟ قَائِد کا ہے، اس کو تو پہچان ہوگی نا اپنے اونٹوں کی لیکن پھر بھی وہ لے کر چل پڑا ہے، تو یہ اس نے تعدی کی ہے اور رَابِط کا کوئی قصور اس میں نہیں ہے، لہٰذا پھر رَابِط پر رجوع نہیں ہوگا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

قَالُوا فقہا فرماتے ہیں هٰذَا کہ یہ اس صورت میں ہے إِذَا رَبَطَ جب اس نے باندھا وَالْقِطَارُ فِي السَّيْرِ اور وہ جو قطار تھی اونٹوں کی وہ سیر کی حالت میں تھی یعنی چل رہی تھی، لِأَنَّهُ أَمَرَ بِالْقَوْدِ دَلَالَةً اس لیے کیونکہ اس باندھنے والے نے خود حکم دے دیا اونٹ کو ہانکنے کا دَلَالَةً، دلالتاً حکم دے دیا، اس کے اس فعل سے اس فعل نے اس پر دلالت کی گویا اس نے حکم دے دیا ہے کہ میرے اونٹ کو بھی لے کر چلو کیونکہ اونٹ چل رہے تھے اور اس نے اونٹ باندھا ہے گویا اس نے بھی حکم دیا کہ میرے اونٹ کو بھی لے کر چلو۔ أَمَّا إِذَا رَبَطَ فِي غَيْرِ حَالَةِ السَّيْرِ باقی اگر اس نے باندھا فِي غَيْرِ حَالَةِ السَّيْرِ یعنی چلنے کی حالت کے علاوہ میں، فَالضَّمَانُ عَلَى عَاقِلَةِ الْقَائِدِ تو اس صورت میں ضمان جو ہے وہ صرف قَائِد کی عاقلہ پر ہوگا وہ رَابِط پر رجوع نہیں کریں گے، لِأَنَّهُ قَادَ بَعِيرَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ أَمْرِهِ اس لیے کیونکہ اس نے ہانکا ہے غیر کے اونٹ کو اس کی اجازت کے بغیر لَا صَرِيحًا وَلَا دَلَالَةً نہ تو اس کی طرف سے کوئی صراحتاً حکم تھا یعنی صاف لفظوں میں تھا، صاف لفظوں میں یوں کہتا نا کہ میرے اونٹ کو بھی لے کر چلو، نہ تو اس نے صراحتاً کوئی حکم دیا اور نہ ہی دلالتاً کوئی حکم دیا ہے، کوئی ایسا کام بھی نہیں کیا جس سے پتا چلے کہ اس کا ارادہ یہ ہے کہ یہ میرے اونٹ کو بھی لے کر چلے۔ تو یہ معنی ہے لَا صَرِيحًا وَلَا دَلَالَةً نہ تو صراحتاً اس نے حکم دیا ہے اور نہ دلالتاً۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ لِأَنَّهُ قَادَ بَعِيرَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ أَمْرِهِ لَا صَرِيحًا وَلَا دَلَالَةً اس لیے کیونکہ اس نے ہانکا ہے غیر کے اونٹ کو بغیر اس کی

حکم کے نہ تو صراحتاً اور نہ دلالتاً یعنی کسی طرح بھی حکم نہیں تھا، فَلَا يَرْجِعُ بِمَا لَحِقَهُ مِنَ الضَّمَانِ لہٰذا وہ رجوع نہیں کرے گا جو اس کو لاحق ہو گیا ضمان، جو ضمان اس کو لاحق ہوا قَائِد کو وہ اس میں اس رَابِط پر رجوع نہیں کرے گا۔

وَمَنْ أَرْسَلَ كَلْبًا أَوْ طَيْرًا أَوْ سَاقَهُ فَأَصَابَ فِي فَوْرِهِ ضَمِنَ فِي الْكَلْبِ لَا فِي الطَّيْرِ، صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے کتا چھوڑا، کتے کو کھلا چھوڑا اور یا پرندے کو چھوڑا شکار والے پرندے کو، یا اس نے کتے کو ہانکا، ہانکا پہلے ہی کھلا ہوا تھا صرف اس نے اس کو ہانکا، ہانکا کوئی آواز وغیرہ نکالی ہوگی، اور اس کتے نے فوراً ہی کسی کو جا کر کسی کا نقصان کر دیا، تو اس صورت میں ضامن ہوگا، ضامن ہوگا۔ لیکن پرندے میں ضامن نہیں ہوگا، اور اسی طرح کتے کو اگر اس نے نہیں ہانکا خود کتے نے ویسے جا کر کسی کا نقصان کر دیا تو اس صورت میں بھی ضامن نہیں ہوگا۔ معلوم ہوا پرندے کے اندر چاہے ہانکے اس کو چاہے نہ ہانکے دونوں صورتوں میں ضمان نہیں، اور کتے کے اندر اگر ہانکا ہے تو پھر ضمان آئے گا، اگر نہیں ہانکا تو پھر ضمان نہیں ہے۔

وَمَنْ أَرْسَلَ كَلْبًا أَوْ طَيْرًا اور جس نے کھول دیا کتے کو یا پرندے کو أَوْ سَاقَهُ یا اس کو ہانکا پرندے یا کتے کو ہانکا، فَأَصَابَ فِي فَوْرِهِ تو وہ پہنچا فوراً ہی یعنی اسی وقت اس نے کسی کا کوئی نقصان کیا، ضَمِنَ فِي الْكَلْبِ لَا فِي الطَّيْرِ تو وہ کتے میں تو ضامن ہوگا پرندے میں نہیں، وَلَا فِي كَلْبٍ لَمْ يَسُقْهُ اور نہ ہی اس کتے کے اندر لَمْ يَسُقْهُ جس کو اس نے ہانکا نہیں ہے اس میں بھی ضامن نہیں ہوگا۔ الْحَاصِلُ حاصل یہ، حاصل یہ کہ أَنَّهُ لَا يَضْمَنُ فِي الطَّيْرِ سَاقَ أَوْ لَمْ يَسُقْ کہ وہ ضامن نہیں ہوگا

پرندے میں چاہے اس کو ہانکے یا نہ ہانکے، وَيَضْمَنُ فِي الْكَلْبِ إِنْ سَاقَ اور کتے میں ضامن ہوگا اگر اس نے اس کو ہانکا ہے، وَإِنْ لَمْ يَسُقْ لَا اور اگر نہیں ہانکا تو پھر ضامن نہیں ہوگا۔ فَفِي الْكَلْبِ يَنْتَقِلُ الْفِعْلُ إِلَيْهِ بِسَبَبِ السَّوْقِ، کہتے ہیں کتا جو بھی فعل کرے گا اگر اس نے اس کو ہانکا تھا تو پھر اس فعل کی نسبت ہانکنے والے کی طرف ہوگی کہ یہ اس نے ایسا کروایا ہے۔ یہ معنی ہے فَفِي الْكَلْبِ يَنْتَقِلُ الْفِعْلُ إِلَيْهِ تو کتے کے اندر اس ہانکنے والے کی طرف فعل منتقل ہو جائے گا بِسَبَبِ السَّوْقِ بوجہ اس کے ہانکنے کے۔ وَإِنْ لَمْ يَسُقْ لَا يَنْتَقِلُ إِلَيْهِ اور اگر اس نے ہانکا نہیں ہے کتے نے خود نقصان جا کر کیا تو لَا يَنْتَقِلُ إِلَيْهِ کتے کا فعل اس کی طرف منتقل نہیں ہوگا، یہ نہیں کہیں گے یہ اس نے کروایا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ لِأَنَّهُ فَاعِلٌ مُخْتَارٌ اس لیے کیونکہ وہ حیوان جو ہے وہ کتا جو ہے وہ فاعلِ مختار ہے وہ اپنی مرضی سے خود فعل کرتا ہے۔

وَلَا يَضْمَنُ فِي الطَّيْرِ إِذَا لَمْ يَسُقْ، اور وہ ضامن نہیں ہوگا پرندے کے اندر بھی إِذَا لَمْ يَسُقْ جب اس نے اس کو نہ ہانکا ہو، وَكَذَا إِنْ سَاقَ اسی طرح اگر اس نے پرندے کو ہانکا ہے تو بھی ضامن نہیں ہوگا، لِأَنَّ بَدَنَهُ لَا يُطِيقُ السَّوْقَ اس لیے کیونکہ پرندے کا جو بدن ہے وہ ہانکنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ بھئی پرندہ ہانکتا کیسے ہے انسان حیوان کو؟ کوئی سوٹی وغیرہ ہوگی، کوئی لاٹھی ہوگی، اس سے مارے گا، چلائے گا، بھگائے گا اس کو، اور پرندہ؟ پرندے کو تو کوئی لاٹھی وغیرہ یا چھڑی نہیں ماری جا سکتی وہ تو اس کو برداشت نہیں کر سکتا وہ تو ختم ہو جائے گا بھئی زخمی ہو جائے گا۔ یہ معنی ہے کہ پرندے میں ہانکنے کا بھی اعتبار نہیں، لِأَنَّ بَدَنَهُ لَا يُطِيقُ السَّوْقَ اس لیے کیونکہ پرندے کا جو بدن ہے وہ ہانکنے کی طاقت نہیں رکھتا، فَوُجُودُهُ كَعَدَمِهِ تو اس میں ہانکنا بھی عدمِ ہانکنے کی طرح ہے، فَوُجُودُهُ كَعَدَمِهِ تو اس کے اندر سَوْق کا ہونا بھی كَعَدَمِهِ سَوْق کے نہ ہونے کی طرح ہے۔

أَقُولُ میں کہتا ہوں نَعَمْ ہاں لَا يُطِيقُ الضَّرْبَ پرندہ جو ہے وہ ضرب کی طاقت نہیں رکھتا کہ اس کو ضرب لگائی جائے، أَمَّا سَوْقُهُ اور باقی ہانکنا کیسے ہے؟ ہانکتے کیسے ہیں وہ بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں أَمَّا سَوْقُهُ فَبِالزَّجْرِ وَالصِّيَاحِ تو وہ ڈانٹ کے ذریعے ہوگا وَالصِّيَاحِ اور چیخ کے ذریعے ہوگا۔ ایسے ہی ہانکے گا نا کوئی آواز نکالے گا کوئی چیخ مارے گا جس سے وہ کتا یا پرندہ کیا ہے فوراً چلیں گے بھئی، وہ فوراً روانہ ہوں گے۔ تو کہتے ہیں أَمَّا سَوْقُهُ فَبِالزَّجْرِ وَالصِّيَاحِ تو ہانکنا جو ہے وہ ڈانٹ کے ذریعے یا چیخ کے ذریعے ہوگا۔

بِخِلَافِ الصَّيْدِ بخلاف شکار کے، بخلاف کس کے؟ شکار کے۔ بھئی کہنا یہ چاہتے ہیں کہ آپ نے ہمیں بتایا کہ کتا جو ہے وہ فاعلِ مختار ہے، وہ خود اپنے فعل کرتا ہے، جب خود اپنے فعل کرتا ہے تو پھر تو اس کا شکار بھی حلال نہیں ہونا چاہیے، حالانکہ آپ نے ہمیں بتایا تھا کہ اللہ کا نام لے کر شکار پر کتے کو چھوڑا جائے تو اس کا شکار حلال ہوتا ہے، اور اب آپ ہمیں کیا کہہ رہے ہیں کہ کتا کیا ہے فاعلِ مختار ہے، وہ خود فعل کر رہا ہے مالک کی طرف فعل کی نسبت نہ کرو، کتا خود کیا ہے فاعلِ مختار اپنے اختیار سے فعل کرنے والا ہے۔ کہتے ہیں ہاں شکار میں بھی بات ایسی ہی ہے وہ اپنے اختیار سے ایک فعل کرنے

والا ہے، لیکن وہاں مالک کے بھیجنے کا ہم اعتبار کرتے ہیں حاجت اور ضرورت کی وجہ سے، اگر اس کا اعتبار نہیں کریں گے پھر تو کتے کے ذریعے شکار کا راستہ ہی بند ہو جائے گا، تو وہاں مجبوری کی وجہ سے ہم نے کہا کہ کتے کا شکار ایسے ہی ہے جیسے مالک خود کیا کر رہا ہو؟ شکار کر رہا ہو۔ تو وہاں ضرورت اور حاجت کی بنا پر تھا، یہاں پر ضرورت اور حاجت نہیں ہے۔ یہ معنی ہے بِخِلَافِ الصَّيْدِ بخلاف شکار کے، فَإِنَّهُ يَحِلُّ الصَّيْدُ بِمُجَرَّدِ الْإِرْسَالِ لِلضَّرُورَةِ کیونکہ وہ شکار جو ہے وہ حلال ہو جاتا ہے صرف بھیجنے سے ہی لِلضَّرُورَةِ بوجہ ضرورت کے۔

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ أَنَّهُ أَوْجَبَ الضَّمَانَ فِي هٰذَا كُلِّهِ احْتِيَاطًا، جبکہ امام ابویوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ضمان واجب کیا تھا اس سب کے اندر بطور احتیاط کے، وَالْمَشَايِخُ رَحِمَهُمُ اللهُ أَخَذُوا بِقَوْلِهِ اور مشائخ رحمہم اللہ نے أَخَذُوا بِقَوْلِهِ ان کے قول کو لیا ہے۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نہ دیکھو کتے کو ہانکا ہے یا نہیں ہانکا، پرندے کو ہانکا ہے یا نہیں ہانکا، وہ سب میں فرماتے ہیں ضمان آئے گا۔ سب میں ضمان۔ اور فقہا نے انہی کے قول کو لیا ہے کہ اس میں احتیاط ہے تاکہ لوگوں کے جان و مال محفوظ ہو جائیں، ورنہ تو ہر شخص یہی کہے گا میرے کتے نے یا میرے پرندے نے آپ کے پرندوں کو یا آپ کی چیزوں کو نقصان پہنچایا یا آپ کے جانوروں کو نقصان پہنچایا بھئی میں نے تو نہیں بھیجا تھا وہ خود چلا گیا تھا، بات سمجھ میں آگئی؟ تو فقہا نے ان کے قول کو لیا ہے بھئی۔

وَلَا فِي دَابَّةٍ مُنْفَلِتَةٍ أَصَابَتْ نَفْسًا أَوْ مَالًا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا، اِنْفَلَتَ کا معنی ہے جانور کا کھل جانا، اِنْفَلَتَتِ الدَّابَّةُ جانور کھل گیا، تو مُنْفَلِتَة وہ جانور جو کھل گیا ہے۔ کہتے ہیں وَلَا فِي دَابَّةٍ مُنْفَلِتَةٍ اور نہیں ہوگا ضمان ایسے جانور میں مُنْفَلِتَةٍ جو کھل گیا ہو اور أَصَابَتْ نَفْسًا أَوْ مَالًا اور وہ کسی نفس تک پہنچا یا مال تک یعنی نفس کا نقصان کیا اس نے یا کسی کو جانی نقصان پہنچایا یا کسی کو مالی نقصان پہنچایا، تو اس کا ضمان نہیں آئے گا، لَيْلًا أَوْ نَهَارًا چاہے رات کو ہو چاہے دن کو۔ انہوں نے آپ کو بتلایا کسی کا کوئی جانور اگر چھوٹ جائے، گائے بیل وغیرہ یا اونٹ چھوٹ گیا کھلا رہ گیا اور اس نے پھر کسی کو کوئی نقصان پہنچایا چاہے مالی نقصان پہنچایا یا جانی نقصان پہنچایا، تو اس حیوان والے پر کوئی ضمان نہیں آئے گا۔ آپ کہیں گے بھئی کیوں نہیں ضمان آیا اس کے حیوان کی وجہ سے دوسرے کا نقصان ہوا؟ بھئی اس نے کوئی جان بوجھ کر نہیں چھوڑا جانور کھل گیا، تو اب اس نے نقصان پہنچا دیا تو اس میں اس آدمی کے عمل کا کوئی دخل نہیں ہے، اور اصل اس کے اندر جو ہے وہ حدیث آتی ہے، حدیث میں آتا ہے جُرْحُ الْعَجْمَاءِ جُبَارٌ بھئی، جُرْحُ الْعَجْمَاءِ جُبَارٌ کہ حیوان یہ جو بے زبان جانور ہیں اگر یہ کسی کو نقصان وغیرہ پہنچا دیں تو یہ رائیگاں ہے بھئی، ہدر ہے، اس کا کوئی ضمان وغیرہ نہیں ہے، تو اس لیے یہاں ضمان نہیں آئے گا بھئی۔ اور نیز اس آدمی کا بھی کوئی عمل نہیں ہے اس نے جان بوجھ کر حیوان کو کھلا نہیں چھوڑا بس حیوان کھل گیا بھئی اور اس نے نقصان کر دیا تو اس پر کوئی ضمان نہیں۔ یہ معنی ہے وَلَا فِي دَابَّةٍ مُنْفَلِتَةٍ أَصَابَتْ نَفْسًا أَوْ مَالًا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا اور نہیں ہے ضمان ایسے جانور کے اندر جو کھل گیا ہو پس وہ جا پہنچا کسی نفس کو یا مال کو یعنی ان کا نقصان کر دیا

لَيْلًا أَوْ نَهَارًا رات کو یا دن کو۔

وَمَنْ ضَرَبَ دَابَّةً عَلَيْهَا رَاكِبٌ أَوْ نَخَسَهَا فَنَفَحَتْ أَوْ ضَرَبَتْ بِيَدِهَا آخَرَ أَوْ نَفَرَتْ فَصَدَمَتْهُ وَقَتَلَتْهُ ضَمِنَ هُوَ لَا الرَّاكِبُ، اور جس نے مارا کسی ایسے جانور کو عَلَيْهَا رَاكِبٌ جس پر کوئی سوار تھا، ایک آدمی جانور پر سوار ہے اور پیچھے کسی آدمی نے اس کو مارا، أَوْ نَخَسَهَا یا اس کو کوئی چیز چبھوئی، نَخْس کہتے ہیں مثلاً سوار بعض اوقات کیا کرتا ہے؟ وہ جو لاٹھی ہوتی ہے اس کا سر حیوان کے پیٹ پر مار دیتا ہے، سمجھ میں آرہی ہے یہ بات؟ پیٹ پر مار دیا یا پچھلے دھڑ پر مارتا ہے تاکہ جانور تیز ہو جائے بھئی، یا اسی طرح کوئی نوک دار چیز مارتا ہے تاکہ جانور کو تکلیف ہو اور وہ تیز چلے، تو اس کو کہتے ہیں نَخْس، نَخَسَ يَنْخُسُ۔ تو کسی شخص نے اس حیوان کو وہ نوک دار چیز چبھو دی، أَوْ نَخَسَهَا یا کسی شخص نے اس حیوان کو کوئی نوک دار چیز چبھو دی، کس حال میں؟ سوار اس پر موجود ہے۔ فَنَفَحَتْ پس اس جانور نے پچھلی ٹانگ ماری أَوْ ضَرَبَتْ بِيَدِهَا آخَرَ یا اپنے اگلے پاؤں سے مارا آخَرَ کسی دوسرے آدمی کو، أَوْ نَفَرَتْ یا جانور جو تھا وہ بدک گیا، ڈر گیا، فَصَدَمَتْهُ اس نے اس کو ٹکر مار دی کسی آدمی کو، کسی دوسرے آدمی کو اس نے ٹکر مار دی وہ ڈر کر، وَقَتَلَتْهُ اور اس کو قتل کر دیا، تو ضَمِنَ هُوَ وہ جو مارنے والا ہے یا وہ جو نوک دار چیز چبھونے والا ہے وہ ضامن ہوگا لَا الرَّاكِبُ سوار ضامن نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

هٰذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے۔ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ أَنَّ الضَّمَانَ عَلَى الرَّاكِبِ وَالنَّاخِسِ نِصْفَيْنِ، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ضمان جو ہے سوار اور وہ نوک دار چیز چبھونے والے پر آدھا آدھا ہوگا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

کہتے ہیں وَهٰذَا إِذَا نَخَسَهَا بِلَا إِذْنِ الرَّاكِبِ یہ کہتے ہیں اس وقت ہے اگر اس نے وہ نوک دار چیز اس جانور کو چبھوئی بِلَا إِذْنِ الرَّاكِبِ سوار کی اجازت کے بغیر، پھر اس پر ضمان آئے گا۔ أَمَّا إِذَا نَخَسَهَا بِإِذْنِهِ ہاں اگر اس آدمی نے سوار کی اجازت سے اس کو وہ نوک دار چیز چبھوئی فَلَا يَضْمَنُ تو پھر وہ چبھونے والا ضامن نہیں ہوگا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ لِأَنَّهُ أَمَرَهُ بِمَا يَمْلِكُهُ اس لیے کیونکہ اس کو سوار نے حکم دیا تھا اس چیز کا جس کا یہ مالک تھا بھئی۔ لِأَنَّهُ أَمَرَهُ بِمَا يَمْلِكُهُ اس لیے کیونکہ سوار نے اس کو اسی چیز کا حکم دیا ہے جس کا وہ خود مالک ہے، جس کا وہ خود مالک ہے۔ بھئی دیکھو سوار مالک ہے کہ وہ چاہے تو اپنی سواری کو ضرب لگائے بیٹھا ہوا ہے ہاتھ میں چھڑی ہے یا کوڑا ہے اس کے ذریعے وہ کیا کرتا ہے؟ سواری کو مارتا ہے وہ مار سکتا ہے وہ اس کا مالک ہے، اس فعل کا مالک ہے، اسی طرح وہ سواری کو اپنی سواری کو کوئی نوک دار چیز چبھوتا ہے تاکہ سواری تیز چلے اس کا بھی وہ مالک ہے۔ تو لہٰذا اگر سوار خود کرے اس طرح اور سواری کسی کو نقصان پہنچائے تو سوار ضامن ہوتا ہے، اسی طرح اگر کوئی اور شخص سوار کے کہنے پر سواری کو کوئی نوک دار چیز چبھوتا ہے یا اس کو سواری کو مارتا ہے اور اس میں پھر سواری کسی کو نقصان پہنچا دیتی ہے تو اس کو یہ حکم کس نے دیا تھا؟ سوار نے، اور کس چیز کا حکم دیا؟ اس فعل کا جس کا سوار خود بھی مالک تھا، اس کو بھی یہ اختیار تھا۔ تو لہٰذا اب ضمان سوار پر آئے گا اس شخص پر

نہیں آئے گا جس نے سوار کے کہنے پر ایسا عمل کیا۔ تو اس صورت میں صرف سوار پر ضمان آئے گا۔

إِذِ النَّخْسُ فِي مَعْنَى السَّوْقِ اس لیے کیونکہ کوئی چیز چبھونا یہ بھی ہانکنے کے معنی میں ہے، فَانْتَقَلَ إِلَى الرَّاكِبِ تو یہ فعل بھی کس کی طرف منتقل ہو جائے گا؟ سوار کی طرف، فَلَا يَضْمَنُ بِالنَّفْحَةِ تو اس صورت میں پچھلی ٹانگ مارنے کی صورت میں ضامن نہیں ہوگا۔ نَفْحَة کس کو کہتے ہیں؟ پچھلی ٹانگ سے مارنا، تو اس میں ضامن نہیں ہوگا۔ تو کہتے ہیں فَلَا يَضْمَنُ بِالنَّفْحَةِ تو ضامن نہیں ہوگا پچھلی ٹانگ مارنے کی وجہ سے كَمَا إِذَا نَخَسَ الرَّاكِبُ الدَّابَّةَ فَنَفَحَتْ جیسے کہ سوار نے کوئی چیز چبھوئی الدَّابَّةَ اس جانور کو فَنَفَحَتْ تو اس نے پچھلی ٹانگ ماری تو اس صورت میں وہ سوار ضامن نہیں ہوگا۔ حاصلِ کلام یہ ہوا کہ اگر کسی شخص نے خود ہی سواری کو مارا اور یا اس کو کوئی چیز چبھوئی اور اس سواری نے کسی کو نقصان پہنچا دیا تو وہ ایسا کرنے والا شخص ضامن ہوگا، اور اگر سوار نے ایسا کیا یا سوار کے کہنے پر کسی نے ایسا کیا اور پھر سواری نے کسی کو نقصان پہنچایا تو سوار اس کا ضامن ہوگا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ہاں البتہ اس میں بھی انہوں نے قید بڑھا دی کہ اگر پچھلی ٹانگ کے ذریعے حیوان کسی کو مارتا ہے تو اس کا ضمان نہیں آئے گا سوار پر۔

وَفِي فَقْءِ عَيْنِ شَاةِ الْقَصَّابِ مَا نَقَصَهَا، فَقْءِ آپ کی

کتابوں میں الف بھی ہوگا۔ ہاں، یہ الف، یہ الف نہیں ہونا چاہیے یا الف کے اوپر ہمزہ لکھ دیں اور نیچے زیر ڈال دیں بھئی: فَقْءِ۔ فَقْءِ، فَقَأَ يَفْقَأُ فَقْءًا کا معنی ہے کسی کی آنکھ پھوڑ ڈالنا، آنکھ کسی کی ختم کرنا۔ صورت یہ بھئی: ایک شخص نے قَصَّاب جو ہے، قصائی جو ہے، اس کی بکری کی آنکھ پھوڑ ڈالی، تو اس پر کتنا ضمان آئے گا؟ کہتے ہیں بھئی قصائی تو بکری ذبح کرتا ہے اس کا اور کوئی کام نہیں، لہٰذا بکری کی میں جتنا نقصان آیا وہ ضمان آئے گا: یہی بکری آنکھوں کے ساتھ اس کی قیمت کتنی تھی، اور ایک آنکھ کی وجہ سے کتنا نقصان آگیا، تو وہ فرق جو ہے وہ ضمان دینا پڑے گا۔ لیکن اس کے بجائے اگر کسی شخص نے کسی کے گھوڑے، گدھے، خچر، اونٹ یا گائے بیل کی ایک آنکھ پھوڑ دی تو پھر اس جانور کی چوتھائی قیمت دینا پڑے گی۔ کتنی قیمت؟ چوتھائی قیمت۔ کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ ان جانوروں سے جب کام لیا جاتا ہے، آپ جانتے ہیں بھئی گھوڑے، گدھے، خچر، اونٹ، اسی طرح بیل، گائے وغیرہ، ان سے بعض اوقات ان پر بوجھ بھی لادا جاتا ہے، بعض ان پر کچھ بوجھ وغیرہ لادتے ہیں، بعض ان سے کھیتی باڑی وغیرہ کا بھی کام لیتے ہیں، تو ان سے جب بھی کام لیا جاتا ہے تو وہاں چار آنکھیں ہوتی ہیں: دو چلانے والے کی اور دو ان کی اپنی، تو کتنی آنکھیں ہوئیں؟ چار۔ اور ان چار میں سے اس نے ایک آنکھ پھوڑ دی تو چوتھائی قیمت آنی چاہیے۔ اور بکری کے اندر قیمت کا جو نقصان تھا وہ دیں گے، وہاں چار کا اعتبار نہیں کریں گے کیونکہ بکری تو کس لیے تھی صرف؟ گوشت کے لیے، اور یہ جانور ان سے تو اور بھی کام لیے جاتے ہیں بھئی۔

کہتے ہیں وَفِي فَقْءِ عَيْنِ شَاةِ الْقَصَّابِ اور قَصَّاب یعنی قصائی کی بھیڑ بکری کی آنکھ کو پھوڑنے کی صورت میں مَا نَقَصَهَا وہ

جو اس کے اندر کمی آگئی اس کا ضمان آئے گا۔ وَفِي عَيْنِ بَقَرَةِ الْجَزَّارِ، جَزَّار بھی گوشت کو فروخت کرنے والا یا قصائی جو ہے وہ ہے، اور قصائی کی گائے کی آنکھ میں وَجَزُورِهِ اور اس کے اونٹ کے اندر، اونٹ یا اونٹنی بھئی جو اس کی ہے اس میں جس کو ذبح کے لیے رکھا گیا ہے اس کی آنکھ میں، وَالْحِمَارِ اور گدھے میں، وَالْبَغْلِ اور خچر میں، وَالْفَرَسِ اور گھوڑے میں، ان سب کی آنکھوں کو پھوڑنے کی صورت میں رُبُعُ الْقِيمَةِ ان کی قیمت کا چوتھائی آئے گا، لِأَنَّهُ إِنَّمَا يُمْكِنُ إِقَامَةُ الْعَمَلِ بِهَا بِأَرْبَعِ أَعْيُنٍ اس لیے کیونکہ ان کے ساتھ عمل قائم کرنا ممکن ہے، ان کے ذریعے کوئی کام کیا جاتا ہے بِأَرْبَعِ أَعْيُنٍ چار آنکھوں کے ذریعے: عَيْنَيْهَا وَعَيْنَيِ الْمُسْتَعْمِلِ دو ان کی آنکھیں ہیں اور دو استعمال کرنے والے کی آنکھیں، تو اب ایک آنکھ پھوڑ دی تو چوتھائی قیمت آئے گی۔

وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ يَجِبُ النُّقْصَانُ، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نقصان واجب ہوگا كَمَا فِي شَاةِ الْقَصَّابِ جیسے کہ قصائی کی بکری میں تھا کہ قیمت کا فرق لگائیں گے: ایک سلامت آنکھ والی جس کی دونوں آنکھیں سلامت ہوں اور ایک وہ جس کی ایک آنکھ پھوڑ دی گئی ہو، تو جتنا فرق ہوگا وہ ضمان آئے گا۔ قُلْنَا ہم کہتے ہیں فِي شَاةِ الْقَصَّابِ الْمَقْصُودُ اللَّحْمُ کہ قصائی کی بھیڑ بکری میں تو صرف گوشت ہی مقصود ہوتا ہے، اور ان میں تو اور بھی کام مقصود ہوتے ہیں، بات سمجھ میں آگئی؟ حتیٰ کہ گائے بیل جو ہیں ان کے ذریعے بھی ہل بھی چلایا جاتا ہے اور ہلکا کچھ تھوڑا بہت بوجھ جو ہے وہ بھی ان پر لاد کر کے لے جاتے ہیں کبھی، تو لہٰذا ان کا یہ حکم نہیں۔ اور یاد رکھیے اس مسئلے کے اندر جو انہوں نے کہا نا قصائی کی بکری یا قصائی کا اونٹ وغیرہ، یہ قصائی کی قید اتفاقی ہے بھئی، کیا ہے؟ اتفاقی ہے کیونکہ عموماً اس کی بھیڑ بکری جو ہوتی ہے وہ ہوتی ہی ذبح کے لیے ہے، ورنہ عام مسئلہ ہے کوئی بھی بھیڑ بکری ہو اگر ذبح کے لیے بلکہ کوئی بھی حیوان اگر ذبح کے لیے تیار کیا ہوا ہے کہ ابھی اس کو کیا کرنا ہے؟ ذبح کے لیے، اور کوئی کام اس سے لینا ہی نہیں ہے بس اب ذبح کے لیے رکھ لیا اس کو یا ذبح کرنے لگے ہیں، تو اس صورت کے اندر اگر کسی نے اس کی آنکھ پھوڑ دی تو جو نقصان آیا وہی آئے گا۔ اور اگر بکری کے علاوہ اور کوئی حیوان تھا: گائے، بیل، اونٹ، اور گدھا، خچر یا گھوڑا وغیرہ، تو ان باقی حیوانات میں وہ تو صرف گوشت کے لیے نہیں ہوتے، ان سے تو اور بھی کام لیے جاتے ہیں، تو پھر اس صورت میں وہاں ایک آنکھ پھوڑ دی تو ربع قیمت آجائے گی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن اگر کوئی گائے لے کر آیا قصاب اور وہ ذبح کرنے کے لیے تیار کھڑی ہے، اب اس کو ذبح کرنا ہے اس نے اور پھر کسی نے آنکھ پھوڑ دی، تو اس صورت میں پھر ربع قیمت نہیں آئے گی کیونکہ یہ تو ابھی اس کو ذبح کرنے لگا ہے، پھر اس صورت میں بھی وہی نقصان ہی آئے گا جو کمی آگئی اس کے اندر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵۵: باب جنایۃ الرقیق وعلیہ: غلام کی جنایتِ خطا، دفعِ عبد یا فداء بارش اور تکرارِ جنایت کے احکام

شرح الوقایہ صفحہ: ۱۳۰ — بتاریخ: ۲۹ فروری ۲۰۲۰ء

▪ متنِ وقایہ و شرح الوقایہ کی قراءت

بَابُ جِنَايَةِ الرَّقِيقِ وَعَلَيْهِ. فَإِنْ جَنَى عَبْدٌ خَطَأً دَفَعَهُ سَيِّدُهُ بِهَا أَيْ بِالْجِنَايَةِ وَيَمْلِكُهُ وَلِيُّهَا أَوْ فَدَاهُ بِأَرْشِهَا حَالًّا. هَذَا عِنْدَنَا وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى الْجِنَايَةُ فِي رَقَبَتِهِ يُبَاعُ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَقْضِيَ الْمَوْلَى الْأَرْشَ. وَثَمَرَةُ الْخِلَافِ تَظْهَرُ فِي اتِّبَاعِ الْجَانِي بَعْدَ الْعِتْقِ فَإِنَّ الْمَجْنِيَّ عَلَيْهِ يَتَّبِعُ الْجَانِيَ إِذَا عَتَقَ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً.

▪ عبارت کی تشریح، فقہی ضوابط اور تفصیلی مسائل

بَابُ جِنَايَةِ الرَّقِيقِ وَعَلَيْهِ یہ باب ہے غلام کی جنایت کے بارے میں، وَعَلَيْهِ أَيْ عَلَى الرَّقِيقِ اور غلام پر جنایت کے بیان میں۔ ایک تو یہ ہے کہ غلام جو ہے وہ جنایت کرے کسی کو قتل کردے یا کسی کا ہاتھ کاٹ دے۔ اور ایک یہ ہے کہ کوئی غلام کو قتل کردے یا اس غلام کا ہاتھ کاٹ دے۔ تو دونوں کا بیان اس میں ہوگا، غلام جو جنایت کرے اس کا بھی بیان اور غلام کے خلاف کوئی جنایت کرے اس کا بھی بیان۔ تو بَابُ جِنَايَةِ الرَّقِيقِ وَعَلَيْهِ یہ باب ہے غلام کی جنایت اور غلام

پر جنایت کے بیان میں۔[1]

فَإِنْ جَنَى عَبْدٌ خَطَأً دَفَعَهُ سَيِّدُهُ بِهَا۔ یاد رکھنا، غلام جب کوئی جنایت کرے، جنایت کرے تو غلام کا جو آقا ہے اس کو اختیار ہے، چاہے تو وہ جنایت کے عوض یہی غلام اس ولیِ جنایت کو دے دے۔ جس پر غلام، جس کے خلاف غلام نے جنایت کی ہے، جس پر ظلم کیا ہے غلام نے، چاہے تو کیا کرے؟ مالک اپنے اس غلام کو اس ولیِ جنایت کو دے دے اور وہ اس کا مالک بن جائے گا۔ اور چاہے تو وہ جو جنایت کا ضمان ہے وہ ادا کر دے۔ مثلاً ایک غلام ہے، اس نے کسی دوسرے کا ہاتھ کاٹ دیا تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو یہ غلام ہی اس کو دے دے کہ یہ آپ رکھ لیں اس جنایت کے عوض میں، اس کے بدلے میں۔ اور چاہے تو اس ہاتھ کا جو ضمان ہے یعنی پچاس اونٹ دے دے۔

دیکھیے بھئی! کہتے ہیں فَإِنْ جَنَى عَبْدٌ خَطَأً اگر غلام نے جنایت کی غلطی سے، دَفَعَهُ سَيِّدُهُ بِهَا۔ بھئی جان بوجھ کر جنایت کرے گا پھر تو قصاص آئے گا بعض صورتوں میں تو اس کو ذکر نہیں کر رہے، یہاں صرف خطا کی بات کر رہے ہیں۔ فَإِنْ جَنَى عَبْدٌ خَطَأً اگر غلام نے جنایت کی خطا والی یعنی غلطی سے، دَفَعَهُ سَيِّدُهُ بِهَا، دفع، دفع کا معنی دینا، حوالے کرنا، دَفَعَهُ تو وہ غلام ہی حوالے کر دے گا سَيِّدُهُ اس کا آقا، بِهَا أَيْ بِالْجِنَايَةِ اس جنایت کے بدلے میں۔ جنایت کے بدلے میں آقا جو ہے غلام ہی اس کے حوالے کر دے گا۔ وَيَمْلِكُهُ وَلِيُّهَا أَيْ وَلِيُّ الْجِنَايَةِ اور وہ جو ولیِ جنایت ہے جس پر جرم کیا تھا غلام نے، وہ اس کا، غلام کا مالک بن جائے گا۔ وَيَمْلِكُهُ وَلِيُّهَا اور وہ مالک بن جائے گا اس غلام کا، وَلِيُّهَا أَيْ وَلِيُّ الْجِنَايَةِ جنایت کا جو ولی ہے، أَوْ فَدَاهُ بِأَرْشِهَا حَالًّا اور یا فدیہ دے دے آقا اس غلام کا بِأَرْشِهَا اس جنایت کے ارش، اس جنایت کے ارش کا فدیہ دے دے۔ فَدَى يَفْدِي کا معنی ہوتا ہے کسی کو مال دے کر چھڑانا، تو آقا کیا کر دے، اگر غلام نہیں دینا چاہتے تو پھر جو

[1]

جدول — باب جنایۃ الرقیق وعلیہ — غلام کی جنایت میں دفع اور فداء کے احکام:

صورتِ جنایت	سید (مالک) کے اختیارات	فقہی حکم و تفصیل
قن (عام غلام) کی ایک جنایتِ خطا	سید کو اختیار ہے: غلام کو ولیِ جنایت کے حوالے کرے (دفع) یا ارش دے کر چھڑائے (فداء)	ولیِ جنایت دفع کی صورت میں غلام کا مالک بن جائے گا۔
فداء کے بعد دوسری جنایت	دوبارہ دفع یا فداء کا اختیار حاصل ہوگا	کیونکہ پہلی جنایت کا حق فداء سے ختم ہو چکا تھا۔
فداء سے پہلے متعدد جنایات	ایک ہی دفع تمام جنایات کے لیے کافی ہے	تمام اولیاء اپنے اپنے حقوق کے تناسب سے غلام میں شریک ہوں گے۔
مدبر یا ام ولد کی جنایت	سید ان کو دفع نہیں کر سکتا (کیونکہ ان کی بیع و نقلِ ملک ناجائز ہے)	سید پر قیمت اور ارش میں سے جو کم ہو اس کا ضمان لازم ہوگا۔

جنایت کا ارش ہے جو ضمان ہے وہ دے دو، ادا کر دو، تو یہ غلام اپنے پاس ہی رکھو۔

اور پھر اس میں یہ بھی یاد رکھیں، جنایت جتنی بھی بڑی ہو غلام دے دے گا بس کافی ہے۔ مثلاً فرض کرو غلام کی قیمت ہے پچاس اونٹ اور جو اس نے قتل کیا، قتل کی دیت تو کتنی ہے؟ سو اونٹ۔ تو یہ غلام پچاس اونٹ والا غلام دے دے کافی ہے بھئی، جس نے جرم کیا تھا وہ ہم نے آپ کو دے دیا عوض کے طور پر۔ لیکن اگر آقا چاہتا ہے کہ نہیں یہ غلام میں اپنے پاس رکھوں، پھر جنایت کا ارش دینا پڑے گا وہ جتنا بھی ہوا، جتنا بھی ہوا۔ اب دیکھو غلام دیتا تھا تو غلام کی قیمت صرف پچاس اونٹ تھی اور پورا ضمان دے گا تو اب پوری دیت دینا پڑے گی یعنی سو اونٹ۔ یہ معنی ہے کہ غلام چاہے دے دے أَوْ فَدَاهُ بِأَرْشِهَا حَالًّا یا اس غلام کا فدیہ دے دے، فدیہ دے دے بِأَرْشِهَا اس جنایت کا جو ارش ہے حَالًّا فی الحال، فی الحال۔ یعنی اس میں پھر یہ نہیں ہو گا کہ تین سال کی مہلت دی جائے گی بھئی، نہیں بھئی، اصل تو یہ ہے کہ یہ غلام ہی دینا چاہیے لیکن آقا کو شریعت نے اختیار دے دیا، وہ چاہے تو کیا کر لے؟ فدیہ دے دے، ارش دے دے لیکن وہ ارش حَالًّا فی الحال دینا پڑے گا۔

هَذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى الْجِنَايَةُ فِي رَقَبَتِهِ يُبَاعُ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَقْضِيَ الْمَوْلَى الْأَرْشَ۔ بھئی ہمارے نزدیک تو یہ جو ضمان آیا یہ آقا، آقا پر لازم ہو جاتا ہے کہ غلام حوالے کرو یا کیا کرو؟ یا فدیہ دے دو، ارش دے دو، ہمارے نزدیک۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جرم غلام نے کیا ہے لہٰذا یہ ضمان بھی غلام پر آئے گا۔ ضمان کس پر آئے گا؟ غلام پر آئے گا۔ لہٰذا اس ضمان کے طور پر غلام کو آقا بیچ دے گا اور پھر جتنی قیمت آئے گی وہ ساری ان کو دے دے گا۔ چاہے اس سے ارش پورا ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔ مثلاً قتلِ خطا کیا تھا، دیت کتنی ہے؟ سو اونٹ اور غلام کتنے کا ہے؟ پچاس اونٹ کے برابر، تو غلام بیچ دے اور وہ جو اس کی قیمت آگئی پچاس اونٹوں جتنی وہ ساری کن کو دے دے؟ وہ جو مقتول کے اولیاء ہیں ان کو دے دے گا۔ اب حالانکہ ان کا حق تو پوری دیت بن رہا تھا لیکن ہم کیا کر رہے ہیں؟ یہاں پر پورے، جس نے جرم کیا تھا اس کی ساری قیمت ہم آپ کے حوالے کر رہے ہیں تو آقا بری ہو جائے گا، بات سمجھ میں آگئی؟ تو امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں کہ الْجِنَايَةُ فِي رَقَبَتِهِ کہ جنایت جو ہے وہ غلام کے رقبے میں ہے، اس کی ذات میں ہے یعنی اس غلام کے ذمے میں ہے۔ کیا کہنا چاہتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ؟ کہ جنایت کس کے ذمے میں ہے؟ جرم کی سزا کس کو دی جاتی ہے؟ مجرم کو دی جاتی ہے۔ جرم غلام نے کیا تو جرم کا ذمہ بھی کس پر ہے؟ غلام پر ہی آئے گا اور اس غلام کو بیچا جائے گا اور اس کی جو قیمت وصول ہو گی جو ثمن وصول ہوں گے وہ سارے کس کو دے دیے جائیں گے؟ ولیِ مقتول کو یا ولیِ جنایت کو دے دیے جائیں گے۔ یہ معنی ہے کہتے ہیں الْجِنَايَةُ فِي رَقَبَتِهِ کہ جنایت جو ہے وہ غلام کی ذات میں ہے يُبَاعُ فِيهَا اس کے اندر اس کو بیچا جائے گا إِلَّا أَنْ يَقْضِيَ الْمَوْلَى الْأَرْشَ مگر یہ کہ آقا ارش ادا کر دے۔ آقا کیا کر دے؟ ارش ادا کر دے۔

تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ ہمارے نزدیک جو جنایت کا ضمان آتا ہے وہ کس کے ذمے میں ہے؟ آقا کے ذمے میں، اور آقا کے ذمے میں کیا ضروری؟ کہ اسی غلام کو حوالے کرنا چاہیے، لیکن شریعت نے اختیار دے دیا کہ چاہے غلام دے دو اور چاہے پورا ارش دے دو، ارش دے دو۔ تو ذمہ دار کون، کس کا ذمہ، ضمان کس کے ذمے آیا؟ آقا کے ذمے آیا۔ اور جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ضمان کس کے ذمے آیا؟ غلام کے ذمے آیا ہے، اس غلام کو بیچیں گے اور اس کی قیمت کے ذریعے جو بھی، جتنی بھی قیمت آئے گی وہ ساری ادا کر دیں گے۔ ہاں الا یہ کہ اگر جنایت چھوٹی ہے، جنایت کیا ہے؟ چھوٹی ہے، کم ہے پھر تو ہمارے نزدیک بھی غلام سارا نہیں دیں گے بھئی، پھر اس باقی جو زائد ہو گا وہ واپس لے لیں گے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ غلام کی قیمت اگر پچاس اونٹ ہے اور جنایت جو کی ہے اس میں صرف پچیس اونٹ آرہے ہیں مثلاً، تو پھر اس کے اندر یہ نہیں کہ غلام ہی اس کو سارا دے دیں گے۔ نہیں، غلام ہم دیں گے لیکن آپ کو ہمیں کیا کرنا پڑے گا؟ بدلے میں واپس پچیس اونٹ ہمیں واپس کریں کیونکہ یہ غلام تو پچاس اونٹ کا ہے، آپ کا نقصان پچیس اونٹ کا ہوا ہے۔ تو بات سمجھ میں آگئی؟ تو ایسے موقع پر پھر دیکھا فائدہ اب ظاہر ہو گا۔ جنایت کتنی؟ پچیس اونٹ، اور غلام کی قیمت کتنی؟ پچاس اونٹ، تو ہمارے نزدیک اختیار ہے، آپ غلام دینا چاہتے ہو یا ارش دینا چاہتے ہو؟ ارش دینا چاہتے ہو تو سیدھا ہے پچیس اونٹ دے دو، غلام اپنے پاس رکھو۔ اگر آپ غلام سے بھی جان چھڑانا چاہتے ہیں تو غلام ہی دے دو لیکن ان سے باقی جو زائد ہے وہ ان سے واپس لے لو، پچیس اونٹ ان سے واپس لے لو، غلام پچاس والا دے دو پچیس لے لو، حساب برابر ہو گیا۔ تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ ہمارے نزدیک ضمان کس کے ذمے آتا ہے؟ آقا کے ذمے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ضمان کس کے ذمے ہے؟ غلام کے ذمے ہے۔ وہ فرماتے ہیں غلام کے ذمے ہے لہٰذا غلام کو بیچا جائے گا اور اس کی قیمت جو ہے وہ ضمان کے طور پر دے دی جائے گی، یہاں بھی وہی ضابطہ اگر ضمان کم ہے تو تھوڑے دے دیں گے، پورا ہے تو سارا دے دیں گے اور اگر آقا ارش دینا چاہے تو ارش دے دے۔

اس پر اشکال ہوتا ہے دونوں کا مذہب ایک جیسا تو ہے، ہمیں تو کوئی فرق نہیں سمجھ میں آرہا۔ ہمارے نزدیک بھی غلام دینا ہے، زائد واپس لے لینا ہے اور چاہے آقا کیا دے دے؟ ارش دے دے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی غلام ہی ہے بس وہ یہ فرما رہے ہیں غلام دینے کے بجائے کیا کر دو؟ اس کو بیچ دو اور بیچ کر پیسے دے دو اس کے اور اگر آقا چاہے تو کیا دے دے؟ ارش دے دے، تو بات تو ایک ہی ہے۔ کہتے ہیں نہیں، فرق آئے گا۔ فرق اس صورت میں ظاہر ہو گا اگر، اگر وہ جو آقا ہے غلام کو آزاد کر دے۔ آقا کیا کرتا ہے؟ غلام کو آزاد کر دیتا ہے جنایت ادا کرنے سے پہلے ہی۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ضمان کس کے ذمے میں ہے؟ غلام کے ذمے میں، لہٰذا وہ جو مَجْنِيٌّ عَلَيْهِ ہے وہ جو ولیِ جنایت ہے وہ آقا کا پیچھا نہیں کرے گا کہ لاؤ بھئی تم نے تو غلام آزاد کر دیا میرے پیسے مجھے دو میرا اس نے نقصان کیا تھا جب یہ آپ کا غلام تھا۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وہ آقا سے مطالبہ نہیں کرے گا، کس سے مطالبہ کرے گا؟ غلام سے، غلام سے

مطالبہ کرے گا، غلام کے پیچھے پڑ جائے گا کہ ہر حال میں میرا ضمان اب مجھے دو بھئی، اس سے وصول کرے گا۔ اور ہمارے نزدیک جب آقا نے ارش وغیرہ دینے سے پہلے کیا کر دیا؟ غلام کو آزاد کر دیا تو ہمارے نزدیک آقا سے مطالبہ ہو گا، آقا سے کا پیچھا کیا جائے گا، اس سے وصول کیا جائے گا۔ فرق سمجھ میں آگیا؟

یہ معنی ہے امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں الْجِنَايَةُ فِي رَقَبَتِهِ يُبَاعُ فِيهَا کہ جنایت جو ہے وہ اس غلام کے ذمہ میں ہے يُبَاعُ فِيهَا اس کے اندر اس کو بیچا جائے گا إِلَّا أَنْ يَقْضِيَ الْمَوْلَى الْأَرْشَ مگر یہ کہ آقا جو ہے وہ ارش ادا کر دے۔ کہتے ہیں وَثَمَرَةُ الْخِلَافِ تَظْهَرُ فِي اتِّبَاعِ الْجَانِي بَعْدَ الْعِتْقِ ہم کہتے ہیں اختلاف کا جو ثمرہ ہے جو نتیجہ ہے وہ ظاہر ہو گا فِي اتِّبَاعِ الْجَانِي بَعْدَ الْعِتْقِ کہ غلام کی آزادی کے بعد جو جانی جو ہے، یعنی غلام، جنایت کرنے والا کون ہے؟ جانی، جنایت کرنے والا غلام، اس کا پیچھا کیا جائے گا۔ اتباع کا معنی اس کا پیچھا کرنا یعنی اسی کے پیچھے پڑیں گے اسی سے وصول کریں گے۔ تو کہتے ہیں وَثَمَرَةُ الْخِلَافِ تَظْهَرُ اور اختلاف کا ثمرہ یعنی اس کا نتیجہ ظاہر ہو گا فِي اتِّبَاعِ الْجَانِي جنایت کرنے والے غلام کا پیچھا کرنے میں بَعْدَ الْعِتْقِ آزادی کے بعد۔ فَإِنَّ الْمَجْنِيَّ عَلَيْهِ يَتَّبِعُ الْجَانِيَ إِذَا عَتَقَ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ اس لیے کیونکہ مَجْنِيٌّ عَلَيْهِ، مَجْنِيٌّ میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا یہ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے مَجْنِيٌّ، فَإِنَّ الْمَجْنِيَّ عَلَيْهِ کیونکہ مَجْنِيٌّ عَلَيْهِ یعنی جس کے خلاف جرم ہوا يَتَّبِعُ الْجَانِيَ وہ پیچھا کرے گا الْجَانِيَ جنایت کرنے والے یعنی غلام کا إِذَا عَتَقَ جب وہ آزاد ہو جائے عِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک۔

آگے دیکھیے فَإِنْ فَدَاهُ فَجَنَى فَهِيَ كَالْأُولَى صورت یہ، ایک غلام نے ایک جنایت کی، کسی کا ہاتھ کاٹ دیا۔ اب آقا کو اختیار تھا چاہے غلام دے دے چاہے پچاس اونٹ دے دے۔ آقا نے پچاس اونٹ دے دیے۔ اس کے بعد یہ، اس غلام نے بعد میں پھر کسی اور کی جنایت کر دی، کسی دوسرے کا ہاتھ کاٹ دیا، تو کہتے ہیں یہ دوسری جنایت بھی پہلی جنایت کی طرح ہے۔ آقا چاہے تو غلام دے دے اور چاہے تو اس کا ارش دے دے۔ بات سمجھ میں آرہی؟ کہتے ہیں فَإِنْ فَدَاهُ اگر آقا نے فدیہ دے کر اس کو چھڑا لیا فَجَنَى پھر غلام نے دوبارہ جنایت کر دی فَهِيَ كَالْأُولَى تو یہ جنایت بھی پہلی جنایت کی طرح ہے اور اس میں جیسے آقا کو دونوں چیزوں کا اختیار تھا یہاں بھی دو میں سے ایک چیز کا اس کو اختیار۔ فَإِنَّهُ إِذَا فَدَى اس لیے کیونکہ جب آقا نے فدیہ دے دیا طَهُرَ عَنِ الْأُولَى تو وہ غلام پاک ہو گیا پہلی جنایت سے، فَصَارَتِ الْأُولَى كَأَنْ لَمْ تَكُنْ تو پہلی جنایت ایسے ہی ہو گئی جیسے وہ تھی ہی نہیں، فَيَجِبُ بِالثَّانِيَةِ الدَّفْعُ أَوِ الْفِدَاءُ تو دوسری جنایت کی وجہ سے دفع یا فداء واجب ہو گا، دفع یعنی غلام حوالے کرنا أَوِ الْفِدَاءُ یا فدیہ دینا۔ آپ کے ذہن میں سوال آئے گا کہ یہ کیا مسئلہ، یہ تو ظاہر سی بات ہے ایک دفعہ فدیہ دے کر چھڑا لیا ہے دوسری دفعہ پھر جرم کیا پھر وہی مسئلہ ہو گا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ بھئی دراصل آگے اگلے مسئلے کے ساتھ یہ جڑتا ہے، یہاں کیا تھا؟ غلام نے ایک جنایت کی، آقا نے فدیہ دے دیا پھر

دوسری جنایت کی۔ تو بتلایا کہ اس کا حکم بالکل پہلے جیسا ہی ہے۔ اور اگلی صورت میں آپ کو بتائیں گے ایک غلام نے ایک جنایت کی، پھر ابھی پہلی میں غلام بھی نہیں دیا تھا یا فدیہ نہیں دیا تھا غلام نے ایک اور جنایت کر دی، اب کیا کریں؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ وہی حکم ہے، اب اس غلام کو دونوں جنایتوں کے بدلے دے دے گا۔ اور چاہے تو دونوں کا الگ الگ ارش دے دے، لیکن مثلاً اس نے دو قتلِ خطا کر لیے۔ پہلے قتلِ خطا کیا، ابھی کچھ بھی نہیں دیا آقا نے، اگلے ہی دن اس نے پھر کیا کر دیا؟ ایک اور قتلِ خطا کر دیا۔ تو اب دو جنایتیں ہو گئیں، دونوں والے مطالبہ کر رہے ہیں اس وقت، تو آقا یہی ایک غلام دونوں کو دے دے گا کہ یہ ہے مجرم، لو اس کو عوض کے طور پر میں نے دے دیا، اس کو آپس میں تقسیم کر لو۔ مثلاً اس غلام کی قیمت کتنی تھی؟ پچاس اونٹ۔ اور اگر ارش دینا چاہتا ہے، اور اگر ارش دینا چاہتا ہے، دیت دینا چاہتا ہے، تو دو قتلِ خطا ہیں، ایک کو بھی سو اونٹ دینے پڑیں گے، دوسرے کو بھی سو اونٹ دینے پڑیں گے۔ اب فرق سمجھ میں آیا؟ جی۔ یہاں دونوں جنایتوں کو اکٹھا ہی ایک ہی غلام دے رہا ہے، بات سمجھ میں آگئی۔

کہتے ہیں فَإِنْ جَنَى جِنَايَتَيْنِ اگر غلام نے دو جنایتیں کر دیں اور آقا نے ابھی کچھ بھی ادا نہیں کیا تھا، تو دَفَعَهُ بِهِمَا إِلَى وَلِيِّهِمَا تو آقا حوالے کر دے گا اس غلام کو ہی بِهِمَا ان دونوں جنایتوں کے بدلے کن کے حوالے کرے گا؟ إِلَى وَلِيِّهِمَا وہ جو جنایت کے دو ولی ہیں، يُقَسِّمَانِهِ عَلَى قَدْرِ حَقَّيْهِمَا وہ اس غلام کو تقسیم کر لیں گے عَلَى قَدْرِ حَقَّيْهِمَا اپنے حقوق کے بقدر۔ اپنے، اصل میں تھا حَقَّيْنِ، نون اضافت کی وجہ سے گر گیا تثنیہ میں۔ تو دونوں کا جو حق بنتا ہے اس کے بقدر تقسیم کر لیں گے۔ أَوْ فَدَاهُ بِأَرْشِهِمَا یا فدیہ دے دے دونوں کا ارش بھئی۔ وہ دونوں جنایتوں کا ارش فدیہ کے طور پر دے دے۔

صورت یہ بھئی ذرا فرق بنا لیں دونوں صورتوں میں۔ ایک غلام نے ایک شخص کو غلطی سے قتل کر دیا۔ اب آقا کو اختیار ہے چاہے یہ غلام دے دے اور چاہے ارش دے دے۔ مثلاً غلام کی قیمت ہے پچاس اونٹ اور دیت کتنی آ رہی ہے؟ سو اونٹ۔ ابھی چند گھنٹے ہی گزرے تھے یا ایک آدھ دن گزرا تھا ابھی غلام اس نے حوالے نہیں کیا تھا یا ارش نہیں دیا تھا کہ اس سے پہلے ہی غلام نے ایک اور شخص کا ہاتھ کاٹ دیا۔ اور ہاتھ کاٹنے کی وجہ سے کتنا ضمان آتا ہے؟ پچاس اونٹ آتے ہیں۔ تو اب آقا کی مرضی ہے چاہے تو یہی غلام ان دونوں کو دے دے، کہو اس کو اپنے حصوں کے بقدر تقسیم کر لو۔ تقسیم کیسے کریں گے میں آگے بتاتا ہوں۔ دونوں کو، وہی ایک غلام دے دے گا، اسی کو وہ آپس میں تقسیم کریں گے۔ اور چاہے تو دونوں کا ارش دے، یعنی ایک کو سو اونٹ الگ دے اور دوسرے کو پچاس اونٹ الگ دے کیونکہ ایک کے لیے سو اونٹ تھے قتل ہوا تھا ان کا اور ایک کا ہاتھ کٹا تھا اس کے لیے پچاس اونٹ تھے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ہاں، اگر غلام دے دیتا ہے اس کو وہ پھر تقسیم کریں گے اپنے حصوں کے بقدر۔ حصوں کے بقدر کس طرح؟ ایک کا حق کتنا بنتا

ہے؟ سو اونٹ۔ دوسرے کا حق کتنا بنتا ہے؟ پچاس اونٹ۔ معلوم ہوا ایک کا حق دوسرے کے مقابلے میں دوگنا ہے۔ اور دوسرے کا حق پہلے کے مقابلے میں آدھا ہے۔ تو یوں کریں گے کہ اس غلام کے تین حصے کر دیں گے۔ دو حصوں کے مالک کون بن جائیں گے؟ جن کا حصہ دوگنا، اور ایک حصے کا مالک کون بن جائے گا؟ جس کا حصہ کم ہے۔ یا اس غلام کو بیچ دیں گے اور اس جتنے پیسے وصول ہوں گے اس میں سے دو حصے، اس کے تین حصے کر دیں گے، دو حصے قتل والے کو دے، قتل والوں کو دے دیں گے اور ایک حصہ جس کا ہاتھ کٹا ہے اس کو دے دیں گے۔ تو دیکھا اب تقسیم ہو گئی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ اگرچہ یہ حصہ، دیت تو ایک کی سو اونٹ بن رہی ہے اور ایک کی پچاس بن رہی ہے، یہ تو اس سے بہت کم ہو گا لیکن بہرحال پورا غلام اس نے حوالے کر دیا۔ فرق سمجھ میں آیا؟ تو پچھلی صورت میں تھا اگر ایک کی جنایت اس نے ادا کر دی تھی، اس کا بدل ادا کر دیا تھا پھر غلام نے دوسری جنایت کی تو اس کو پورا دوسری جنایت، اس کا بدل دینا پڑے گا، اور یہاں کیا ہے؟ دونوں میں اکٹھا ہی وہ غلام کو دے سکتا ہے، فرق سمجھ میں آگیا؟

یہ معنی ہے کہ يُقَسَّمَانِهِ عَلَى قَدْرِ حَقَّيْهِمَا کہ یہ اس غلام کو آپس میں تقسیم کر لیں گے اپنے حقوق کے بقدر، أَوْ فَدَاهُ بِأَرْشِهِمَا یا آقا فدیہ دے دیں دونوں کا ارش بھئی۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

فَإِنْ وَهَبَهُ أَوْ بَاعَهُ أَوْ أَعْتَقَهُ أَوْ دَبَّرَهُ أَوِ اسْتَوْلَدَهَا أَيِ الْأَمَةَ الْجَانِيَةَ وَلَمْ يَعْلَمْ بِهَا ضَمِنَ الْأَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنَ الْأَرْشِ فَإِنْ عَلِمَ بِهَا غَرِمَ الْأَرْشَ۔

آپ نے ابھی پڑھا کہ اگر کسی غلام سے جنایت ہو جائے تو آقا کو اختیار ہے کہ اس جنایت کے عوض میں وہی غلام دے دے اور چاہے تو پورا ارش دے دے۔ اب صورت یہ کہ ایک غلام سے جنایت ہو گئی اور جنایت کے بعد آقا نے اس غلام میں کوئی ایسا تصرف کر دیا کہ اب وہ غلام نہیں دیا جا سکتا۔ مثلاً اس نے غلام کو آزاد کر دیا۔ اب دیکھو غلام تو آزاد ہو گیا، اب تو نہیں دیا جا سکتا۔ یا اسی طرح اس نے غلام کو فروخت کر دیا، بیچ دیا۔ تو مشتری اس کا مالک بن گیا تو اب تو آقا کے پاس ہی نہ رہا وہ غلام، وہ غلام اب نہیں دے سکتا۔ یا اس نے وہ غلام کسی کو تحفے کے طور پر دے دیا تو آقا کے ملک سے وہ نکل گیا، اب وہ غلام نہیں دے سکتا۔ یا اس نے اس غلام کو مدبر بنا دیا، یعنی کہا کہ تو میری موت کے بعد آزاد ہے، اور مدبر غلام آپ نے پڑھا ہے وہ کسی کو نہ بیچا جا سکتا ہے نہ کسی دوسرے کو اس کا مالک بنایا جا سکتا ہے کیونکہ اس کا حقِ آزادی ضائع ہوتا ہے، اس نے آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہونا ہے۔ یا وہ جنایت کرنے والی باندی تھی، آقا نے اس کو امِ ولد بنا دیا۔ امِ ولد کیسے بنتی ہے؟ کہ باندی سے آقا کی اولاد ہو اور آقا یہ بھی کہہ دے کہ یہ میری اولاد ہے، جب تک یہ نہیں کہے گا وہ

اس کی اولاد شمار نہیں ہو گی۔ تو اب یہ ایسے تصرفات ہیں جو آقا نے جنایت کے بعد کیے اور ان تصرفات کی وجہ سے اب غلام نہیں دیا جا سکتا۔ تو اب کیا صورت ہو گی؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ آقا نے یہ جو تصرف کیا یہ جنایت کا علم ہونے کے بعد تصرف کیا ہے یا جنایت کا علم ہونے سے پہلے تصرف کیا؟ یعنی اس کو علم تھا جنایت کا یا نہیں جب اس نے یہ تصرف کیا؟

اگر اس کو جنایت کا علم تھا پھر بھی اس نے یہ تصرف کیا، اس کا مطلب ہے اس نے ارش کو اختیار کر لیا ہے۔ وہاں اختیار تھا نا آقا کو وہ چاہے غلام دے دے چاہے ارش۔ اور غلام کی قیمت پھر جتنی، جتنی بھی ہو یہ نہیں دیکھیں گے۔ فرض کرو غلام ہے پچاس اونٹ اس کی قیمت ہے اور جنایت جو اس نے کی ہے، کس نے، اس نے قتلِ خطا کیا ہے اس میں تو سو اونٹ آتے ہیں۔ تو اب یہ سو اونٹ دینا آقا پر ضروری نہیں، آقا کو اختیار دے دیا شریعت نے یا تو یہ جنایت کرنے والا غلام ہی دے دو ولیِ جنایت کو یا کیا کرو؟ پورا ارش پوری دیت دے دو یعنی سو اونٹ دے دو۔ تو آقا کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ غلام دے دے یا پوری، پورا ارش دے دے۔ لیکن یہاں آقا نے ایسا تصرف کر دیا کہ وہ اب غلام نہیں دے سکتا، تو کیا آقا کا اختیار ختم ہوا؟ کہتے ہیں اس میں دو صورتیں ہیں، یہ دیکھیں گے کہ آقا نے جب یہ تصرف کیا تو اس کو جنایت کا علم تھا یا نہیں۔ اگر اس کو جنایت کا علم تھا پھر بھی اس نے غلام میں ایسا تصرف کیا کہ اب وہ غلام دینے کے لائق نہ رہا، دیا نہیں جا، اب وہ غلام نہیں دیا جا سکتا، تو معلوم ہوا اس نے ارش کو اختیار کر لیا ہے، اب وہ پورا ارش اس کو دینا پڑے گا۔ اب وہ پچاس اونٹوں کی قیمت والا غلام تو اب نہیں دیا جا سکتا تو اب پورا ارش یعنی پورے سو اونٹ اس کو دینے پڑیں گے۔ توجہ ہے؟ وہ کس کو اختیار کر رہا ہے؟ ارش۔ معلوم ہوا وہ ارش دینا چاہتا ہے غلام نہیں دینا چاہتا کیونکہ اسے بھی پتہ ہے کہ میرے غلام نے جنایت کی ہے اور جنایت کی وجہ سے یا مجھے غلام دینا پڑے گا یا ارش۔ اب وہ غلام کو خود آزاد کر رہا ہے اس کا مطلب ہے وہ کس کو اختیار کر رہا ہے؟ ارش کو، بات سمجھ میں آ رہی؟ معلوم ہوا آقا کو اگر جنایت کا علم ہو اور پھر وہ غلام کو آزاد وغیرہ کر دے تو اس نے کس کو اختیار کر لیا؟ ارش، اب اس کو ارش ہی دینا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ جتنا بھی ہوا، غلام پچاس اونٹوں کے برابر تھا اور ارش جو دیت آ رہی ہے مثلاً اس نے قتلِ خطا کیا ہے وہ سو اونٹ ہیں تو اب اس کو سو اونٹ دینے پڑیں گے کیونکہ اس کا یہ فعل دلالت کر رہا ہے وہ کس کو اختیار کر رہا ہے؟ ارش کو اختیار کر رہا ہے، ارش دینا چاہتا ہے۔ تو بہرحال جتنا بھی ارش ہوا، یہاں تو قتلِ خطا میں تو سو اونٹ ہیں، اگر ہاتھ کاٹا ہے تو پچاس اونٹ ہی دینے پڑیں گے۔

تو یہ تو وہ صورت تھی اگر آقا کو پتہ ہو۔ معلوم ہوا آقا کو جب پتہ ہو اور پھر بھی وہ غلام میں ایسا تصرف کر دے تو معلوم ہوا وہ کس کو اختیار کر رہا ہے؟ ارش کو اختیار کر رہا ہے، ان دو چیزوں میں سے ایک کو اس نے اختیار کر لیا، اب وہ دینی پڑے گی۔ اور اگر اس کو علم نہیں تھا، کہتے ہیں بھئی غلام کا جو بدل ہے یعنی اس کی قیمت وہ اس کے قائم مقام ہو جائے

گی۔ آقا کو علم نہیں تھا تو غلام کی قیمت اور ارش میں سے جو اقل ہو گا جو کم ہو گا وہ آقا کو دینا پڑے گا۔ جو کمتر ہو گا۔ تو کیا صورت ہوئی؟ اگر کسی نے غلام میں، کسی غلام نے جنایت کی اور آقا نے اس غلام میں پھر ایسا تصرف کر دیا کہ اب وہ غلام نہیں دیا جا سکتا، تو پھر دیکھیں گے آقا کو جنایت کا علم تھا یا علم نہیں تھا۔ اگر جنایت کا علم تھا معلوم ہوا اس نے کس کو اختیار کر لیا ہے؟ ارش کو۔ اور اگر آقا کو علم نہیں تھا پھر اس نے یہ تصرف کر دیا ہے تو اس صورت میں غلام کی قیمت اور ارش میں سے جو اقل ہو گا جو کم ہو گا وہ آقا کو دینا پڑے گا۔

دیکھیے بھئی! کہتے ہیں فَإِنْ وَهَبَهُ اگر آقا نے وہ غلام جو ہے ہبہ کر دیا کسی کو یعنی تحفے کے طور پر دے دیا أَوْ بَاعَهُ یا اس کو بیچ دیا أَوْ أَعْتَقَهُ یا اس کو آزاد کر دیا أَوْ دَبَّرَهُ یا غلام کو مدبر بنا دیا أَوِ اسْتَوْلَدَهَا أَيِ الْأَمَةَ الْجَانِيَةَ یا اس کے امِ ولد بنا دیا یعنی وہ جنایت کرنے والی باندی کو، وَلَمْ يَعْلَمْ بِهَا اس حال میں کہ اس کو علم نہیں تھا، آقا کو اس جنایت کا علم نہیں تھا، تو ضَمِنَ الْأَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنَ الْأَرْشِ تو آقا ضامن ہو گا اس چیز کو جو کم ہو اس غلام کی قیمت اور اس کے جنایت کے ارش میں سے۔ جو کمتر ہو گا اقل کا ضامن ہو گا۔ اگر اس کو علم نہیں تھا، آقا کو علم نہیں تھا تو غلام کی قیمت اور ارش میں سے جو اقل ہو گا جو کم ہو گا وہ آقا کو دینا پڑے گا۔ یہاں اختیار نہیں، اختیار کی ضرورت نہیں ہے اصل میں آگے چل کر آپ کو بتائیں گے کہ یہاں اختیار دینے کی ضرورت نہیں، اختیار دینے کا فائدہ نہیں ہے۔ جب تک غلام تھا آقا کو اختیار تھا، وہ کیا کرے؟ غلام دے دے یا چاہے تو پورا ارش دے دے جتنا بھی ارش ہے سارا دے دے۔ اب تو غلام نہیں دیا جا سکتا تو اب غلام کی جگہ کیا آ گئی؟ قیمت۔ تو اب آقا پر غلام کی قیمت اور اس جنایت کے ارش میں سے جو قلیل ہے جو اقل ہے جو کم ہے وہ آقا پر ضمان آ جائے گا وہ آقا کو دینا پڑے گا۔ اگر قیمت کم ہے پچاس اونٹ اور ارش یعنی دیت زیادہ ہے یعنی سو اونٹ تو آقا پر کیا لازم ہو جائے گا؟ پچاس اونٹ دے دے۔ اور اگر غلام کی قیمت تو پچاس اونٹ ہے لیکن جو جنایت کی اس کی وجہ سے پچیس اونٹ آ رہے ہیں تو آقا پر پچیس اونٹ لازم ہو جائیں گے وہ اس کو ضمان دینا پڑے گا۔ تو یہاں اختیار نہیں، اختیار نہیں دیں گے۔ بھئی کیوں اختیار کیوں نہیں دیں گے؟ بھئی اختیار دینے کا فائدہ ہی کوئی نہیں ہے۔ آپ کا نقصان ہو رہا ہے، آپ کو ادائیگی کرنا پڑ رہی ہے، کوئی شخص آپ سے کہتا ہے بھئی آپ کی مرضی ہے پچاس اونٹ دے دو یا سو اونٹ دے دو، تو آپ کس کو اختیار کریں گے؟ ظاہر سی بات ہے اقل کو اختیار کریں گے، کوئی بھی عقلمند انسان اپنا زیادہ نقصان اس کو اختیار نہیں کرتا، تو ظاہر سی بات ہے آقا اقل ہی کو اختیار کرے گا تو یہاں اختیار دینے کا فائدہ نہیں ہے۔ فرق سمجھ میں آ رہا ہے؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں اقل واجب کر دیا اور جب غلام تھا وہاں آپ نے اقل کی بات نہیں کی، جب تک غلام تھا آپ نے کیا کہا آقا کو اختیار ہے چاہے غلام دے اور چاہے ارش دے۔ اور یہاں آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ جو اقل ہے وہ آئے گا آقا کے اوپر، یہاں اختیار دینے کی ضرورت نہیں فائدہ کوئی نہیں اس کا۔ وجہ اس کی یہ کہ بھئی یہاں پر دونوں ایک ہی

جنس ہے، دونوں طرف مال دینا ہے، کیا دینا ہے؟ مال دینا ہے درہم یا دینار دینے ہیں یا اونٹ دینے ہیں تو دونوں طرف ایک ہی جنس آگئی۔ تو جب ایک ہی جنس ہو تو انسان ہمیشہ اقل ہی کو اختیار کرتا ہے اکثر کو اختیار نہیں کرتا، لہٰذا یہاں اقل ضمان آئے گا۔ ارش جو دینا ہے وہ بھی درہم و دینار کے ساتھ دے رہا ہے اور قیمت جو ہے وہ بھی درہم و دینار کے ساتھ دے گا، اختیار دینے کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ جو اقل ہو گا وہی اس پر لازم ہو جائے گا۔ تو یہاں دونوں کی جنس ایک ہے اس لیے اختیار دینے کا کوئی فائدہ نہیں بھئی۔ اور وہاں جو تھا وہ دو جنسیں تھیں پہلی صورت میں، ایک طرف غلام تھا تو دوسری طرف مال درہم دینار یا اونٹ وغیرہ دینے تھے بھئی۔ اور تو دو جنسیں تھیں، دو جنسیں تھیں، تو ہو سکتا ہے اس کو ایک جنس میں سہولت ہو آسانی ہو اس لیے وہاں شریعت نے اس کو اختیار دے دیا کہ چاہے تو پورا ارش

دے دو اور چاہے تو غلام دے دو۔ تو اگر اس کے پاس مال نہیں ہے تو وہ غلام دے دے گا اور اگر اس کے پاس مال ہے تو وہ مال دے دے گا۔ اور بعض اوقات غلام بھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان چاہتا ہے یہ میرے ہاتھ سے نہ نکلے، بڑا نیک ہے، دیانت دار ہے، محنت سے کام کرنے والا ہے اور امانت دار ہے، اور ایسا غلام تو بڑی مشکل سے ملتا ہے۔ چنانچہ وہ زیادہ ارش دینے کو تو تیار ہو جائے گا لیکن وہ کم قیمت والا غلام دینے کو تیار نہیں ہو گا۔ اس لیے وہاں پر شریعت نے اس کو اختیار دے دیا۔ تو جب تک غلام ہے اس کو اختیار، جب غلام اب دینے کے لائق نہ رہا، اب نہیں دیا جا سکتا، تو اب جو اقل ہے وہ ضمان اس پر آجائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے وَلَمْ يَعْلَمْ بِهَا اس حال میں کہ اس کو جنایت کا علم نہیں تھا، تو ضَمِنَ الْأَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنَ الْأَرْشِ تو وہ ضامن ہو گا اس کا جو کم ہے مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنَ الْأَرْشِ اس غلام کی قیمت اور اس جنایت کے ارش میں سے، جو کم ہے اس کا ضامن ہو گا۔ فَإِنْ عَلِمَ بِهَا اگر اس کو جنایت کا علم تھا پھر بھی اس نے یہ تصرف کیا ہے، تو غَرِمَ الْأَرْشَ تو وہ ضامن ہو گا ارش کا، پورا ارش دینا پڑے گا، اب وہاں اقل نہیں دے سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں فَإِنَّ الْمَوْلَى قَبْلَ هَذِهِ التَّصَرُّفَاتِ كَانَ مُخْتَارًا بَيْنَ الدَّفْعِ وَالْفِدَاءِ اس لیے کیونکہ آقا جو ہے وہ ان تصرفات سے پہلے یہ جو ذکر ہوئے کہ ہبہ کیا یا بیچ دیا یا آزاد کیا وغیرہ، ان تصرفات سے پہلے كَانَ مُخْتَارًا وہ مختار تھا یعنی اس کو اختیار تھا بَيْنَ الدَّفْعِ وَالْفِدَاءِ، دفع کا معنی غلام دینا، غلام حوالے کرنا، تو آقا کو اختیار تھا اس سے پہلے بَيْنَ الدَّفْعِ وَالْفِدَاءِ غلام دینے میں وَالْفِدَاءِ اور فدیہ دینے میں یعنی مال دے کر چھڑانے میں کہ وہ ارش دے دے۔ تو آقا کو اختیار تھا۔ وَلَمَّا لَمْ يَبْقَ مَحَلًّا لِلدَّفْعِ اور جب وہ محل حوالے کرنے کے قابل نہ ہو رہا، جب وہ محل دینے کے لیے باقی نہ رہا، محل یعنی وہ غلام، حوالے کس کو کرنا تھا؟ غلام کو نا۔ وَلَمَّا لَمْ يَبْقَ مَحَلًّا، محل سے مراد وہ غلام ہے۔ وَلَمَّا لَمْ يَبْقَ مَحَلًّا لِلدَّفْعِ تو اور جب وہ محل باقی نہ رہا حوالے کرنے کے لیے بِلَا عِلْمِ الْمَوْلَى بغیر آقا کے علم کے بِالْجِنَايَةِ کس کے بدلے؟ جنایت، یہ بِالْجِنَايَةِ کا تعلق ہے دفع سے، کہ غلام دینا ہے بِالْجِنَايَةِ کس کی وجہ سے؟ جنایت کی وجہ سے۔ دیکھو اب ترجمہ پھر سنو، وَلَمَّا لَمْ يَبْقَ مَحَلًّا لِلدَّفْعِ بِلَا عِلْمِ الْمَوْلَى

بِالْجِنَايَةِ اور جب وہ غلام جنایت کی وجہ سے دینے کے لیے باقی نہ رہا آقا کے علم کے بغیر ہی، تو لَمْ يَصِرْ مُخْتَارًا لِلْأَرْشِ تو اس صورت میں آقا جو ہے وہ اختیار کرنے والا نہ ہوا ارش کو۔ اسے علم ہی نہیں ہے، ہاں علم ہے پھر غلام میں یہ تصرف کرتا ہے اس کا مطلب ہے وہ کس کو اختیار کر رہا ہے؟ ارش کو۔ لیکن بغیر علم کے ہم یہ نہیں کہیں گے کہ وہ ارش کو اختیار کر رہا ہے، ارش دے گا، نہیں بھئی تو پھر اس پر اقل آئے گا۔

یہ معنی ہے کہ جب اس کو علم نہیں تھا تو لَمْ يَصِرْ مُخْتَارًا لِلْأَرْشِ تو وہ اختیار کرنے والا نہ ہوا ارش کو فَصَارَتِ الْقِيمَةُ مَقَامَ الْعَبْدِ تو قیمت جو ہے وہ غلام کے قائم مقام ہو گئی۔ اچھا، اور انہوں نے کیا کہا؟ غلام کی قیمت اور ارش میں سے جو کم ہے اس کا ضامن ہو گا، اختیار نہیں دیا، اختیار۔ بھئی کیوں؟ کہتے ہیں وَلَا فَائِدَةَ فِي التَّخْيِيرِ بَيْنَ الْأَقَلِّ وَالْأَكْثَرِ کہتے ہیں کوئی فائدہ نہیں ہے اس کو اختیار دینے کا کم اور زیادہ میں۔ کم اور زیادہ میں اختیار دینے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ کسی شخص پر بھی اگر آپ کہیں اس کو کہ آپ کو نقصان ہے آپ چاہیں تو سو اونٹوں کا نقصان قبول کریں، چاہے تو آپ پچاس اونٹوں کا نقصان قبول کریں، تو وہ ہمیشہ کس کو اختیار کرے گا؟ پچاس یعنی اقل ہی کو اختیار کرے گا، تو لہٰذا یہاں اختیار دینے کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ اقل ہی کو لازم کر دیا جائے گا۔ یہ معنی ہے وَلَا فَائِدَةَ فِي التَّخْيِيرِ بَيْنَ الْأَقَلِّ وَالْأَكْثَرِ اور کوئی فائدہ نہیں ہے اختیار دینے کا کم اور زیادہ کے درمیان فَيَجِبُ الْأَقَلُّ پس جو اقل ہے وہی واجب ہو جائے گا، بِخِلَافِ مَا إِذَا عَلِمَ بخلاف اس صورت کے جب اس کو علم تھا پھر اس نے یہ تصرف کیا، تو اس کا کیا معنی؟ کہ وہ کس کو اختیار کر رہا ہے؟ ارش کو، وہ ارش دینا چاہتا ہے غلام نہیں دینا چاہتا۔ یہ معنی بِخِلَافِ مَا إِذَا عَلِمَ بخلاف اس صورت کے جب اس کو علم تھا فَإِنَّهُ يَصِيرُ مُخْتَارًا لِلْأَرْشِ تو وہ ارش کو اختیار کرنے والا ہو گیا، اب ارش ہی دینا پڑے گا اب اقل نہیں دے سکتا۔

آگے دیکھیے كَمَا لَوْ عَلَّقَ عِتْقَهُ بِقَتْلِ زَيْدٍ أَوْ رَمْيِهِ أَوْ شَجِّهِ فَفَعَلَ۔

کہتے ہیں جیسے کہ کسی نے معلق کر دیا، بھئی صورت یہ، ایک شخص نے اپنے غلام سے کہا کہ اگر تو زید کو قتل کر دے تو تو آزاد ہے۔ یا تو اس کو تیر مار دے تو تو آزاد ہے۔ یا تو اس کا سر زخمی کر دے تو تو آزاد ہے۔ اب دیکھیے اس صورت کے اندر بھی یاد رکھیے وہ ارش کو اختیار کرنے والا سمجھا جائے گا۔ کیا سمجھا جائے گا وہ کس کو اختیار کر رہا ہے؟ ارش کو۔ کیوں؟ کیونکہ اس نے کیا کہا ہے، اگر تو نے زید کو مارا تو تو آزاد، تو زید کو مارے گا جنایت ہوئی، لیکن جنایت کرتے ہی وہ کیا ہو جائے گا؟ آزاد۔ جب آزاد ہوا اب تو غلام دینے کے لائق نہ رہا، غلام تو اب نہیں دیا جا سکتا وہ تو آزاد ہو چکا، تو ظاہر سی بات ہے اب اس پر کیا آجائے گا؟ ارش۔ یا اس نے کہا غلام کو کہ زید کو تو نے زخمی کیا یا تیر مارا تو تو آزاد ہے، تو غلام تو آزاد ہو جائے گا، تو گویا یہ شخص کس کو اختیار کرنے والا ہو گا؟ ارش کو، اس صورت میں بھی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

یہ معنی ہے كَمَا لَوْ عَلَّقَ عِتْقَهُ جیسے کہ کسی نے معلق کر دیا عِتْقَهُ غلام کی آزادی کو بِقَتْلِ زَيْدٍ زید کے قتل کے ساتھ أَوْ

رَمْيِهِ یا اس کو تیر مارنے کے ساتھ أَوْ شَجِّهِ یا اس کے سر کو زخمی کرنے کے ساتھ فَفَعَلَ تو پھر غلام نے ایسا ہی کیا یعنی اس نے یہ جنایت کر دی۔ تو ان صورتوں میں بھی آقا ارش کو اختیار کرنے والا ہے۔ دیکھو پیچھے آیا تھا نا، فَإِنْ عَلِمَ بِهَا غَرِمَ الْأَرْشَ اگر آقا کو اس جنایت کا علم تھا پھر اس نے یہ تصرف کیا ہے تو وہ ضامن ہو گا ارش کا، كَمَا لَوْ عَلَّقَ جیسے کہ اس صورت میں ہے کہ اس میں بھی وہ کس کا ضامن ہو گا؟ ارش کا، یعنی وہ ارش کو اختیار کر رہا ہے۔ دیکھیے بھئی، أَيْ قَالَ یعنی کہا آقا نے إِنْ قَتَلْتَ زَيْدًا فَأَنْتَ حُرٌّ اپنے غلام سے کہتا ہے اگر تو نے زید کو قتل کر دیا تو تو آزاد ہے فَقَتَلَ تو غلام نے زید کو قتل کر دیا أَوْ قَالَ یا آقا نے کہا إِنْ رَمَيْتَ زَيْدًا فَأَنْتَ حُرٌّ فَرَمَى کہ اگر تو نے زید کو تیر مارا تو تو آزاد ہے فَرَمَى تو غلام نے زید کو تیر مارا أَوْ قَالَ إِنْ شَجَجْتَ رَأْسَهُ فَأَنْتَ حُرٌّ یا آقا نے کہا اگر تو نے زید کا سر زخمی کر دیا تو تو آزاد ہے فَشَجَّهُ تو غلام نے اس کے، زید کے سر کو زخمی کر دیا، غَرِمَ الْأَرْشَ تو ان صورتوں میں بھی آقا ضامن ہو گا ارش کا۔ ان صورتوں میں بھی وہ ارش کا ضامن، یعنی یہاں اقل نہیں آئے گا۔ یہاں آپ یہ نہ کہیں غلام کی قیمت اور ارش میں سے جو اقل آئے گا، نہیں بھئی، بلکہ یہاں کیا آئے گا؟ آقا گویا ارش کو اختیار کر رہا ہے۔

کیوں؟ ارش کو کیوں اختیار کر رہا ہے؟ بھئی دیکھیے عِنْدَ الْأَحْنَافِ آپ نے اصولِ فقہ میں پڑھا ہو گا کہ ایک ہے سبب اور ایک ہے مسبب۔ مثلاً ایک شخص اپنے غلام سے کہتا ہے أَنْتَ حُرٌّ تو یہ کہتے ہی غلام آزاد ہو جائے گا۔ تو أَنْتَ حُرٌّ ہوا سبب اور غلام کی آزادی مسبب ہے۔ اسی طرح کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے أَنْتِ طَالِقٌ تجھے طلاق ہے، فوراً ہی بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ تو أَنْتِ طَالِقٌ ہوا سبب اور عورت کی طلاق کیا ہوئی؟ وہ اس کا مسبب۔ بات سمجھ میں آگئی؟ سبب اور مسبب کا پتہ چل گیا؟ اب عِنْدَ الْأَحْنَافِ اصول آپ نے اصولِ فقہ کے اندر پڑھا ہو گا کہ تعلیق بشرط جب سبب کو معلق کر دیا جائے شرط کے ساتھ، یہ روک دیتی ہے سبب کو منعقد ہونے سے۔ یہ روک دیتی ہے سبب کو منعقد ہونے سے۔ تو جب کیا کہا آقا نے؟ اگر تو نے زید کو قتل کیا تو تو آزاد ہے، تو یہاں دیکھو آقا نے أَنْتَ حُرٌّ کہا، لیکن أَنْتَ حُرٌّ مطلقاً نہیں کہا، ساتھ معلق کر دیا اس کو، اس کے ساتھ شرط ذکر کر دی کہ تو کب آزاد ہے؟ جب تو زید کو قتل کر دے گا۔ تو دیکھو أَنْتَ حُرٌّ تو آزادی کا سبب تھا، آقا نے اس سبب کو معلق کر دیا، کیا کر دیا؟ شرط کے ساتھ معلق، اور میں نے ضابطہ آپ کو بتلا دیا کہ عِنْدَ الْأَحْنَافِ جب سبب کو معلق کر دیا جائے کس کے ساتھ؟ شرط کے ساتھ، تو یہ شرط سبب کو منعقد ہونے سے روک دیتی ہے، یعنی یوں سمجھو یہ سبب پایا ہی نہیں جا رہا جب تک شرط نہیں پائی جائے گی۔ آقا نے تو کہہ دیا إِنْ قَتَلْتَ زَيْدًا فَأَنْتَ حُرٌّ لیکن یوں سمجھو یہ أَنْتَ حُرٌّ ابھی ہے ہی نہیں، یہ تب پایا جائے گا جب شرط پائی جائے گی۔ جب وہ زید کو قتل کر دے گا تو گویا اس وقت آقا کی طرف سے أَنْتَ حُرٌّ کہا گیا اور ساتھ ہی وہ کیا ہو گیا؟ آزاد۔

ضابطہ سمجھ میں آیا کہ عِنْدَ الْأَحْنَافِ جب کسی سبب کو معلق کر دیا جائے شرط کے ساتھ تو وہ منعقد نہیں ہوتا، شرط مانع بن گئی وہ اس کو منعقد نہیں ہونے دے رہی اور اس کو معدوم سمجھیں گے، گویا وہ پایا ہی نہیں جا رہا، پایا ہی نہیں جا رہا۔

جبکہ بعض فرماتے ہیں کہ نہیں، سبب تو پایا گیا لیکن شرط نے اس کو مؤخر کر دیا اپنے وجود کے زمانے تک۔ بعض کیا کہتے ہیں؟ أَنْتَ حُرٌّ موجود ہے لیکن یہ سبب نہیں بن رہا، یہ سبب بننا اس کا مؤخر ہو گیا کب تک؟ جب شرط پائی جائے گی تب یہ سبب بنے گا۔ لیکن عِنْدَ الْأَحْنَافِ میں نے بتلا دیا کہ سبب گویا پایا ہی نہیں جا رہا یوں سمجھو بھئی، سبب، سبب بن ہی نہیں رہا اس کا گویا وجود ہی نہیں ہے، اس کا وجود کب آئے گا؟ جب شرط پائی جائے گی۔ لہٰذا جب وہ زید کو قتل کرے گا تو شرط پائی گئی اور جیسے ہی شرط پائی گئی تو اب وہ أَنْتَ حُرٌّ جو آقا نے پہلے کہا تھا، ابھی تک وہ معدوم تھا اس کو شمار ہی نہ کرو وہ تھا ہی نہیں، اب گویا وہ آگیا أَنْتَ حُرٌّ اور جیسے ہی أَنْتَ حُرٌّ آیا وہ غلام کیا ہو گیا؟ آزاد ہو گیا۔ تو عِنْدَ الْأَحْنَافِ تعلیق بشرط وہ مانع ہے سبب کے لیے کہ وہ منعقد ہو جائے اور وہ معدوم ہی سمجھا جائے گا جب تک شرط نہ پائی جائے۔ اور جب شرط پائی گئی تو اس کا وجود پایا گیا۔ تو یوں سمجھیں گے آقا نے اس وقت أَنْتَ حُرٌّ کہا ہی نہیں تھا، آقا نے کب أَنْتَ حُرٌّ کہا؟ جب شرط پائی گئی، جب اس نے زید کو قتل کیا یا تیر مارا یا زخمی کیا۔ أَنْتَ حُرٌّ کب پایا جائے گا؟ جب شرط پائی جائے گی، گویا آقا کو علم بھی ہے، جنایت کر لی ہے اس نے قتل کر دیا اور جنایت کے بعد وہ کیا کہہ رہا ہے؟ أَنْتَ حُرٌّ کہہ رہا ہے تو لہٰذا غلام کیا ہو جائے گا؟ آزاد۔ اور جنایت کا علم ہونے کے بعد، جنایت کے پائے جانے اور جنایت کا علم ہونے کے بعد اگر آقا غلام کو آزاد کرے تو اس کو کیا سمجھا جاتا ہے؟ کہ یہ ارش کو اختیار کر رہا ہے۔ تو یہاں پر بھی آقا کو کیا سمجھیں گے؟ وہ ارش کو اختیار کر رہا ہے۔ گویا اس سبب کا وجود ہی ابھی نہیں ہے، اس کا وجود ہی شرط کے بعد آئے گا اور شرط کے بعد جب آئے گا تو جنایت ہو چکی، اور جنایت کے بعد آقا جب کہہ رہا ہے أَنْتَ حُرٌّ تو معلوم ہوا وہ کس کو اختیار کر رہا ہے؟ ارش کو اختیار کر رہا ہے، غلام کو تو اس نے آزاد کر دیا وہ تو اب نہیں دے سکتا بھئی۔

کہتے ہیں لِأَنَّهُ يَصِيرُ مُخْتَارًا لِلْفِدَاءِ اس لیے کیونکہ آقا جو ہے وہ فداء یعنی فدیہ مال دے کر چھڑانے کو اختیار کر رہا ہے۔ فداء، فَدَى يَفْدِي کا معنی ہے کہ مال دے کر کسی کو چھڑانا، تو یہاں بھی آقا کس کو اختیار کر رہا ہے؟ فدیے کو یعنی مال دے، یعنی ارش کو۔ تو اس صورت میں آقا جو ہے فدیے کو اختیار کر رہا ہے حَيْثُ أَعْتَقَهُ عَلَى تَقْدِيرِ وُجُودِ الْجِنَايَةِ اس حیثیت سے کہ آقا نے اس غلام کو آزاد کیا ہے عَلَى تَقْدِيرِ وُجُودِ الْجِنَايَةِ جنایت کے وجود کی تقدیر پر۔ جنایت کا وجود یعنی جنایت کا پایا جانا، جنایت کا ہونا، جنایت ہونے کی تقدیر پر آقا نے اس کو کیا کیا ہے؟ آزاد۔ قَدَّرَ يُقَدِّرُ تقدیر کا ایک معنی ہے مقرر کرنا، قَدَّرَ يُقَدِّرُ تقدیر کا ایک معنی ہے اندازہ لگانا اور قَدَّرَ يُقَدِّرُ تقدیر کا ایک معنی ہے فرض کرنا۔ تو آقا نے اس کو جنایت ہونے کی تقدیر پر آزاد کیا، یعنی یوں کہو جنایت کو فرض کرتے ہوئے کیا کر دیا گویا؟ آزاد کر دیا، جنایت کو فرض کرتے ہوئے۔

مسئلہ سمجھ میں آیا کہ نہیں بھئی؟ کیا ضابطہ ہوا عِنْدَ الْأَحْنَافِ؟ کہ تعلیق بشرط یہ مانع بنتی ہے سبب کے انعقاد سے، سبب منعقد ہی نہیں ہوتا، سبب معدوم سمجھا جائے گا جب تک شرط نہ پائی جائے، جب شرط پائی جائے گی تو سبب پایا جائے گا اور جب سبب پایا جائے گا تو پھر مسبب بھی پایا جائے گا۔ تو جب تک قتلِ زید نہیں تب تک گویا أَنْتَ حُرٌّ ہے ہی نہیں۔

آقا نے تو ابھی کہہ دیا ہے لیکن معلق کر کے کہا ہے، ویسے تو نہیں کہا، اس نے تو کہا اگر زید کو قتل کرے گا تو تو آزاد۔ تو یوں سمجھیں گے أَنْتَ حُرٌّ ابھی آقا نے کہا ہی نہیں۔

جیسے ہی وہ زید کو قتل کرے گا گویا اس وقت آقا نے کیا کہہ دیا؟ أَنْتَ حُرٌّ۔ اور جنایت کے بعد آقا أَنْتَ حُرٌّ کہے تو اس کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ وہ کس کو اختیار کر رہا ہے؟ ارش کو اختیار کر رہا ہے، ارش دینا چاہتا ہے غلام نہیں دینا چاہتا کیونکہ غلام میں تو وہ ایسا تصرف کر رہا ہے کہ اب غلام نہیں دیا جا سکتا، وہ تو آزاد ہو گیا ہے۔

کہتے ہیں كَمَا لَوْ قَالَ یہ ایسے ہی ہے جیسے اگر کوئی کہے، بھئی صورت یہ، خاوند اپنی بیوی کی طلاق کو معلق کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جب میں بیمار ہو جاؤں تو تجھے تین طلاقیں ہیں، تین طلاقیں۔ اور پھر خاوند بیمار ہو گیا تو بیوی کو تین طلاقیں پڑ جائیں گی فوراً ہی تین طلاقیں، اور اسی بیماری میں اگر خاوند کا انتقال ہو گیا تو اس خاوند کو فار سمجھا جائے گا، فَارٌّ، فَارٌّ۔ فَرَّ یَفِرُّ فرار کا معنی ہے بھاگنا، بھاگنا، جان چھڑانا۔ دیکھو یاد رکھو مسئلہ۔ اگر خاوند اپنی بیوی کو طلاقِ رجعی دے دے، طلاقِ رجعی۔ طلاقِ رجعی وہ ہے جس میں خاوند اگر رجوع کرنا چاہے تو رجوع کر سکتا ہے، یعنی اس عورت کو اپنی بیوی بنا کر رکھنا چاہتا ہے تو رجوع کر لے، زبان سے کہہ دے کہ میں رجوع کرتا ہوں یا کوئی ایسا عمل کر لے جو میاں بیوی کے درمیان جائز ہے باقی کے لیے جائز نہیں۔ کوئی ایسا کام کر لیا مثلاً اس کا بوسہ لے لیا یا کچھ، بھئی یہ بوسہ لینا یہ تو بغیر خاوند کے اس کے لیے جائز نہیں تھا، معلوم ہوا وہ رجوع کر رہا ہے، کیا کر رہا ہے؟ رجوع کر رہا ہے، تو کوئی چاہے زبان سے کہہ دے یا اپنے کسی عمل سے اس کا اظہار کر دے کہ وہ رجوع کر رہا ہے تو اب بھی وہ اس کی بیوی ہے بھئی۔ لیکن یہ عدت کے اندر ہو۔ اگر عدت گزر گئی یعنی تین حیض گزر گئے طلاق دینے کے بعد، طلاقِ رجعی کے بعد تو نکاح ٹوٹ جائے گا بھئی۔ اس کے بعد یہ اب اس عورت سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے بشرطیکہ تین طلاقیں نہ ہوئی ہوں بھئی۔ اگر پہلے بھی ایک طلاق دی تھی پھر دوبارہ رجوع کیا تھا پھر دوسری دی تھی پھر رجوع کیا تھا، اب تیسری دے کر رجوع، اب تو رجوع کر لے تو ٹھیک ہے، نہیں کیا تو جیسے ہی عدت گزرے گی بیوی ہاتھ سے نکل گئی، اب اس کے لیے اس سے نکاح کرنا جائز نہیں، اب کسی اور سے تو عورت نکاح کر سکتی ہے اس مرد سے نکاح نہیں کر سکتی کیونکہ اس کو تین طلاقوں کا حق تھا اور وہ حق اس نے اپنا ختم کر دیا۔ تو طلاق دینے سے مرد سمجھتا ہے شاید میں نے عورت کی اہانت کر دی، میں نے اس کے اوپر ایٹم بم گرا دیا، لیکن وہ مرد دراصل اپنا نقصان کر رہا ہے کیونکہ طلاق کا اختیار تو مرد کو تھا عورت کو تو تھا ہی نہیں، تو آپ کے ہاتھ میں اللہ نے تین رسیاں دی تھیں، آپ نے اپنے ہاتھ سے تینوں چھوڑ دیں بس آپ بھی بے اختیار ہو گئے۔ عورت تو پہلے ہی بے اختیار تھی مرد بھی کیا ہو گیا؟ بے اختیار، لہٰذا مرد اور عورت میں جھگڑا ہوتا ہے اکثر لوگ بغیر سوچے سمجھے طلاق دے دیتے ہیں، سمجھتے ہیں شاید بڑا میں طاقتور انسان ہوں طلاق دے دیتا ہے، حالانکہ نہیں بھئی۔ طلاق دے کر آپ اپنے آپ کو کمزور کر دیتے ہیں، ختم کر دیتے ہیں، اپنی طاقت ختم کر دیتے ہیں، اور پھر بعد میں ایک غصہ ہوتا ہے وقتی غصہ ہوتا ہے گزر جاتا ہے، بعد میں پھر صلح کی کوئی صورت

نہیں رہتی، تین طلاقیں دے دیں تو اب وہ آپ سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتی بھئی۔

بات میں بیان کر رہا تھا طلاقِ رجعی کی۔ یاد رکھو جب خاوند طلاقِ رجعی دے دے تو عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے اور اسی عدت کے اندر گویا ابھی بھی عورت اس کے نکاح میں ہے تو وہ رجوع کر سکتا ہے، دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت نہیں ہے، صرف رجوع کر لے، زبان سے کہہ دے میں رجوع کرتا ہوں یا اپنے کسی عمل سے اس کا اظہار کر دے رجوع ہو جائے گا۔ اگر وہ رجوع نہیں کرتا اور اس عدت میں خاوند کا انتقال ہو گیا تو بے شک وہ طلاق دے چکا ہے لیکن ابھی بھی عورت گویا اس کے نکاح میں ہے تو وہ وارثہ بنے گی، اس کو میراث میں سے اس کا حصہ ملے گا۔

لیکن اگر کوئی خاوند بیوی کو طلاقِ بائن دے دیتا ہے، طلاقِ بائن، کہ جدا کرنے والی طلاق یا سخت طلاق کہہ دیتا ہے میں تمہیں سخت طلاق دیتا ہوں وغیرہ یہ، تو یہ طلاقِ بائن ہے اور یا تم مجھ پر حرام ہو وغیرہ تو یہ کیا ہے؟ طلاقِ بائن ہے۔ تو طلاقِ بائن کے اندر یاد رکھو اس میں بھی عورت پر عدت گزارنا ضروری ہے، تو طلاقِ بائن سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ اب خاوند دوبارہ رجوع نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر تین طلاقیں ابھی پوری نہیں ہوئیں تو اس عورت کو وہ پھر رکھنا چاہتا ہے بیوی بنا کر تو دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا چاہے عدت کے اندر چاہے عدت کے بعد، دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا۔ عدت کے اندر بھی وہ چاہتا ہے کہ یہ عورت اسی کو میں بیوی بنا کر رکھوں تو دوبارہ نئے سرے سے نکاح کرنا پڑے گا، دوبارہ نیا مہر آئے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اور یہ جو طلاقِ بائن ہے اس سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے لہٰذا طلاقِ بائن کے بعد عورت عدت تو گزارتی ہے لیکن اس عدت میں اگر خاوند کا انتقال ہوا تو عورت کو میراث نہیں ملے گی کیونکہ نکاح ٹوٹ چکا ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آیا؟ جی۔

ایک اور بات یاد رکھو، مرض الموت میں اگر کوئی خاوند جو ہے اپنی بیوی کو طلاقِ بائن دے دیتا ہے، طلاقِ بائن دی اور پھر اس کے چند دنوں بعد اس کا انتقال ہو گیا اسی مرض الموت میں۔ طلاقِ بائن دینے سے تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے، عورت کو میراث نہیں ملتی، لیکن یہاں شریعت نے حکم لگا دیا کہ نہیں، مرض الموت میں طلاقِ بائن دی ہے اب عدت کے اندر اگر خاوند کا انتقال ہوا ہے تو عورت کو میراث ملے گی وہ وارثہ بنے گی۔ بھئی کیوں؟ وارثہ کیوں بنے گی طلاقِ بائن دے چکا ہے؟ کہتے ہیں بھئی دراصل یہاں دلوں میں بدگمانی پیدا ہوتی ہے۔ معلوم ہوا وہ اس عورت کو میراث سے محروم کرنا چاہتا تھا اسی لیے مرض الموت میں طلاقِ بائن دی ہے۔ اگر طلاقِ بائن دینی تھی تو پہلے دیتے بھئی، اب جب تم مرنے لگے ہو بستر پر پڑ گئے ہو اب ہل نہیں سکتے، سب کو نظر آ رہا ہے چند دن میں تم مرنے والے ہو، اور اس حال میں تم بیوی کو طلاقِ بائن دے رہے ہو تو دلوں میں کیا بدگمانی آتی ہے کہ یہ اس کو وراثت سے محروم کرنا چاہتا ہے صرف اس لیے وہ اس کو طلاق دے رہا ہے، اگر کوئی اور بات ہوتی تو پہلے دے چکا ہوتا۔ تو لہٰذا شریعت نے کہا کہ یہ عورت میراث سے محروم نہیں، اگر عدت کے اندر اندر خاوند کا انتقال ہو گیا تو اس عورت کو میراث ملے گی یہ اس کی وارثہ ہو گی۔ اور یہ شخص اس کو فار کہتے ہیں فَارٌّ بھاگنے والا، جان چھڑانے والا۔ یہ جو مرض الموت میں طلاقِ بائن دے یہ کیا ہے؟ زوجِ، یہ زوجِ فار ہے، یہ جان

چھڑانا چاہتا ہے اور زوجِ فار پر شریعت نے حکم لگا دیا کہ وہ جان نہیں چھڑا سکتا میراث دینی پڑے گی اگر تمہارا انتقال ہو گیا عدت کے اندر۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟

زوجِ فار جو ہے اس کے مسئلے میں بیوی کو میراث ملے گی اگر عدت کے اندر خاوند کا انتقال ہو گیا۔ تو ہمارے ائمہ کی دلیل چل رہی ہے، وہ کیا فرماتے ہیں کہ ضابطہ کیا ذکر کیا اصولِ فقہ کا؟ کہ تعلیق بشرط وہ مانع ہے کس کے لیے؟ سبب کے لیے کہ وہ منعقد ہو جائے، وہ اس کو سبب کو منعقد ہونے ہی نہیں دیتی، یوں سمجھو گویا سبب ہے ہی نہیں۔ تو اسی طرح اگر کسی خاوند نے اپنی بیوی سے کہا إِذَا مَرِضْتُ فَأَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا جب میں بیمار ہو گیا تو تجھے تین طلاقیں ہیں، چنانچہ خاوند بیمار ہو گیا عورت کو تین طلاقیں پڑ گئیں۔ گویا اب اس نے کیا کہا ہے؟ فَأَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا تجھے تین طلاقیں ہیں، گویا خاوند نے بیمار ہونے کے بعد کہا ہے کیونکہ معلق تھا نا اور معلق کب سبب بنتا ہے؟ جب شرط پائی جائے۔ تو جب بیمار ہوا تو گویا اب اس نے کہا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں، اور اسی بیماری میں خاوند کا انتقال ہوا تو یہ زوجِ فار ہوا، بیماری کے اندر طلاق دے دی اور اس میں انتقال ہو گیا تو عورت وارثہ بنے گی۔ یہ اسی اصول پر تفریع ہے، کون سا اصول؟ کہ تعلیق بشرط مانع ہے کس کے لیے؟ سبب کے انعقاد کے لیے وہ مانع ہے۔ دیکھو اس نے تو اس وقت کہا تھا فرض کرو اس نے چھ مہینے پہلے اس نے کہا تھا، چھ مہینے پہلے، اور چھ ماہ بعد جا کر یہ بیمار ہوا، تو کیا سمجھا جائے گا اس نے چھ مہینے پہلے کہا تھا یا یہ سمجھا جائے گا بیمار ہونے کے بعد کہا ہے؟ بیمار ہونے کے بعد کہا ہے، کیونکہ تعلیق بشرط وہ مانع تھی سبب کے لیے گویا اس وقت أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا تھا ہی نہیں، یہ پایا ہی کب گیا؟ بیماری کے بعد جب شرط پائی گئی۔ تو بیماری کے اندر طلاقِ بائن دے رہا ہے اور بیماری کے اندر طلاقِ بائن ہو تو اس صورت میں وہ زوج کیا ہوتا ہے؟ زوجِ فار اگر اسی میں اس کا انتقال ہو جائے، اور زوجِ فار کی بیوی کو تو میراث ملتی ہے لہٰذا اس عورت کو بھی میراث ملے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ہاں اگر وہ تندرست ہو جاتا ہے اس بیماری سے، پھر وارثہ نہیں ہو گی وہ عورت، کہ معلوم ہوا یہ مرض الموت نہیں تھا بھئی، مرض الموت کے اندر جو طلاق دے وہ کیا ہے؟ وہ زوجِ فار ہے، مرض الموت کے علاوہ دے پھر تو وہ زوجِ فار نہیں ہے بھئی۔

دیکھیے بھئی کتاب پر، كَمَا لَوْ قَالَ جیسے کہ خاوند نے کہا إِذَا مَرِضْتُ فَأَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا جب میں بیمار ہو جاؤں تو تجھے تین طلاقیں ہیں، فَإِذَا مَرِضَ پس جب وہ بیمار ہوا يَصِيرُ فَارًّا تو وہ فار بن جائے گا۔ ضابطہ سمجھ میں آیا؟ فار کیوں بنا؟ کیونکہ وہ جو اس نے أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا کہا تھا وہ ویسے ہی کہا تھا یا معلق کیا تھا؟ اور معلق تو اس پایا ہی کب جاتا ہے؟ جب شرط، اور شرط تو ابھی پائی گئی بیمار تو اب ہوا ہے، تو گویا یہ اس نے أَنْتِ طَالِقٌ بیماری سے پہلے کہا یا بیماری کے بعد کہا؟ بیماری کے بعد، اور بیماری کے اندر اسی میں انتقال ہو یا مرض الموت کے اندر کوئی أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا کہے تو وہ کیا شمار ہوتا ہے؟ زوج فار، تو اس کو بھی کیا شمار کریں گے؟ زوجِ فار۔ یہ معنی ہے يَصِيرُ فَارًّا تو وہ خاوند جو ہے وہ زوجِ فار ہو گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ اسی ضابطے پر بھئی جو ضابطہ تعلیق بشرط کا ذکر کیا۔

وَعِنْدَ زُفَرَ رَحِمَهُ اللهُ جبکہ امامِ زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں لَا يَصِيرُ مُخْتَارًا لِلْفِدَاءِ کہ جب آقا نے اپنے غلام سے کہا کہ اگر تو زید کو قتل کر دے یا تیر مار دے یا زخمی کر دے تو تو آزاد، اس صورت میں ہم نے کیا کہا؟ کہ وہ ارش کو اختیار کرنے والا ہے۔ جبکہ امامِ زفر فرماتے ہیں نہیں، آقا ارش کو اختیار کرنے والا نہیں، کیونکہ ارش کو اختیار کرنے والا تب کہلائے گا جب جنایت پہلے ہو چکی ہو اور آقا کو علم بھی ہو اور پھر اس کے بعد وہ غلام میں ایسا آزادی والا تصرف کرے تو پھر کیا ہوتا ہے وہ؟ مختارِ ارش ہوتا وہ ارش کو اختیار کرنے والا، لیکن یہاں تو اس نے ابھی کہا ہے اور ابھی تو نہ جنایت، جب اس نے کہا إِنْ قَتَلْتَ زَيْدًا فَأَنْتَ حُرٌّ تو ابھی تو جنایت ہی نہیں، تو ابھی تو جنایت ہی نہیں ہے، جب جنایت نہیں تو آقا کو علم بھی نہیں، ایک چیز ہے ہی نہیں تو علم کہاں سے ہو گا؟ ایک چیز یقینی نہیں ہے پتہ نہیں ہوتا بھی ہے ایسا یا ہوتا نہیں۔ تو لہٰذا اس صورت میں یہ ارش کو اختیار کرنے والا نہیں، لہٰذا اس پر اقل ضمان ہی آئے گا، کیا آئے گا؟ غلام کی قیمت اور ارش میں سے جو اقل ہو گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یعنی گویا لاعلمی، لاعلمی کی صورت میں کیا ہوتا تھا جب آقا ایسا تصرف کر دیتا تھا کہ غلام نہیں دیا جا سکتا، تو وہاں کیا؟ غلام کی قیمت اور ارش میں سے اقل آتا تھا۔ امامِ زفر فرماتے ہیں یہاں بھی اقل آئے گا، لیکن ہم کہتے ہیں نہیں بلکہ ارش آئے گا پورا ارش دینا پڑے گا۔

کہتے ہیں وَعِنْدَ زُفَرَ رَحِمَهُ اللهُ لَا يَصِيرُ مُخْتَارًا لِلْفِدَاءِ کہ وہ جو آقا ہے وہ فدیے کو اختیار کرنے والا نہیں ہے، إِذْ لَا جِنَايَةَ وَقْتَ تَكَلُّمِهِ اس لیے کیونکہ کوئی جنایت نہیں ہے جس وقت اس نے تکلم کیا تھا، جس وقت اس نے یہ جملہ کہا تھا إِنْ قَتَلْتَ زَيْدًا فَأَنْتَ حُرٌّ اس جیسا جملہ جب کہا تھا تو اس وقت تو کوئی جنایت نہیں تھی، وَلَا عِلْمَ بِوُجُودِهَا اور نہ جنایت کے وجود کا آقا کو علم تھا، جنایت ہی نہیں تو علم کہاں سے بھئی؟ ایک چیز ہو گی تو آپ کو اس کا علم ہو گا، تو نہ علم ہے اور نہ اس کا وجود یقینی ہے پتہ نہیں یہ غلام ایسا کر پاتا ہے یا ایسا نہیں کر سکتا بھئی۔ تو وہ فرماتے ہیں، جبکہ ہمارے نزدیک وہ ارش کو اختیار کرنے والا ہے۔ گویا جب غلام یہ جرم کرے گا جنایت کرے گا تو اس وقت أَنْتَ حُرٌّ پایا گیا، تو جنایت کے بعد آقا نے جب اسے کہا اور جنایت کے بعد آقا جب غلام کو أَنْتَ حُرٌّ کہے تو وہ کس کو اختیار کر رہا ہے؟ ارش کو، تو یہاں بھی وہ ارش کو اختیار کرنے والا ہی سمجھا جائے گا۔

آگے دیکھیے بھئی، فَإِنْ قَطَعَ عَبْدٌ يَدَ حُرٍّ عَمْدًا وَدُفِعَ إِلَيْهِ فَأَعْتَقَهُ فَسَرَى فَالْعَبْدُ صُلْحٌ بِهَا وَإِنْ لَمْ يَعْتِقْهُ يُرَدُّ عَلَى سَيِّدِهِ فَيُقْتَلُ أَوْ يُعْفَى۔

صورتِ مسئلہ یہ ہے بھئی، ایک غلام ہے اور اس نے ایک آزاد آدمی کا ہاتھ جان بوجھ کر کاٹ دیا، جنایت کر دی۔ اور آپ جانتے ہیں کوئی عام آدمی دوسرے آدمی کا ہاتھ جان بوجھ کر کاٹے تو قصاص آتا ہے، لیکن یہاں کس نے ہاتھ کاٹا ہے؟ غلام نے، اور غلام اور آزاد آدمی میں اعضاء کے درمیان قصاص جاری نہیں ہوتا۔ ذات میں تو قصاص ہے، غلام کسی کو جان بوجھ کر قتل کرے تو غلام کو بھی قصاص میں قتل کریں گے، جان کے بدلے تو جان ہے، لیکن اعضاء کے ساتھ تو مال

والا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اور آزاد آدمی کے ہاتھ کی قیمت تو ہے پچاس اونٹ لیکن غلام کے ہاتھ کی قیمت تو مختلف ہوتی ہے، جتنی غلام کی قیمت ہوگی اس کا آدھا جو ہے وہ اس کے ہاتھ کی قیمت ہوگی۔ تو لہٰذا یہاں مساوات نہیں برابری نہیں لہٰذا یہاں قصاص نہیں آئے گا۔ مرد اور عورت کا ہاتھ بھی برابر نہیں لہٰذا وہاں بھی قصاص نہیں جان بوجھ کر اگر ہاتھ کاٹے، اور غلام اور آزاد آدمی میں بھی اگر کوئی ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹے تو اس میں

قصاص نہیں ہوگا کیونکہ برابری نہیں۔ تو مسئلہ کیا ذکر ہوا؟ ایک غلام نے کسی آزاد آدمی کا ہاتھ کاٹ دیا جان بوجھ کر، تو قصاص آیا یا ارش آیا؟ ارش آگیا، قصاص تو نہیں آسکتا، ارش آگیا اور کتنا ارش آیا؟ پچاس اونٹ آئے۔ اب آقا کو اختیار تھا کہ وہ چاہے تو یہ غلام دے دے اور چاہے تو پچاس اونٹ دے دے۔ غلام کے آقا نے وہ غلام ہی حوالے کر دیا کہ یہ غلام تم رکھو۔ تو وہ جو جس کا ہاتھ کٹا تھا اس نے غلام کو لے لیا اور پھر اس نے اس غلام کو آزاد کر دیا۔ توجہ ہے؟ اور پھر اس کے کچھ دن بعد اسی ہاتھ کے زخم کی وجہ سے اس شخص کا انتقال ہو گیا جس نے غلام لیا تھا۔ غلام لیا تھا۔

تو کہتے ہیں اس صورت میں یہ جو غلام اس نے لیا تھا، اس غلام کو اس جنایت کی میں بدلِ صلح سمجھا جائے گا۔ کیا سمجھا جائے گا؟ بدلِ صلح سمجھا جائے گا۔ گویا اس آدمی نے جو مر چکا ہے، اس نے جب غلام لیا تھا تو اس نے صلح کر لی تھی غلام کے آقا کے ساتھ کہ جو یہ جو جنایت کی ہے غلام نے یعنی ہاتھ کاٹا ہے یا اس جنایت کا جو بھی نتیجہ نکلے چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے، اس کے بدلے یہ غلام مجھے قبول ہے۔ تو آقا نے جو اس کو غلام دیا وہ کس لیے دیا؟ وہ تو ہاتھ کے بدلے دیا، لیکن سمجھیں گے کیا کہ گویا اس نے اس جنایت کے بدلے دیا۔

بھئی پیچھے آپ نے کچھ صفحات پہلے آپ نے مسئلہ پڑھا تھا، آپ نے مسئلہ پڑھا تھا بَابُ الْقَوَدِ فِيمَا دُونَ النَّفْسِ، اس کے درمیان میں ایک مسئلہ آپ نے پڑھا تھا کہ کوئی شخص دوسرے شخص کا ہاتھ کاٹ دے اور وہ شخص جنایت کرنے والے کو معاف کر دے، اور لیکن پھر اسی زخم سے اس کا انتقال ہو جائے، تو ہاتھ کاٹنے والا دیت کا ضامن ہوگا اس لیے کیونکہ اس نے ہاتھ کاٹنے کو معاف کیا ہے لیکن اس کی تو جان چلی گئی، معلوم ہوا یہاں تو ہاتھ کاٹنے کا جرم تھا ہی نہیں یہاں تو قتل کا جرم تھا۔ تو اس نے ہاتھ کو معاف کیا ہے قتل کو معاف نہیں کیا لہٰذا وہاں پوری دیت دینا پڑے گی۔ لیکن اس کے بجائے اگر وہ یہ نہیں کہتا میں نے ہاتھ کو معاف کیا ہے بلکہ وہ کہتا ہے میں نے آپ کو یہ جنایت یا اس جنایت کا جو بھی نتیجہ نکلا میں آپ کو معاف کرتا ہوں، تو پھر اس صورت میں دیت نہیں آئے گی کیونکہ اس کا نتیجہ کس صورت میں نکلا؟ قتل کی صورت میں نکلا، لیکن اس نے بھی کیا کہا تھا میں یہ جنایت آپ کو معاف کرتا ہوں اور جنایت، ہاتھ کا کاٹنا بھی جنایت اور قتل بھی ایک جنایت، تو اس کے اندر داخل ہو گیا تھا، یا اس نے کہا تھا میں یہ ہاتھ کاٹنے کو بھی معاف کرتا ہوں اور اس کا جو بھی نتیجہ نکلا وہ بھی معاف کرتا ہوں یعنی چاہے میں مر ہی کیوں نہ جاؤں، تو لہٰذا اس صورت میں اب دیت نہیں آئے گی

کیونکہ اس نے معاف کر دیا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یہاں پر بھی یہی صورت ہے۔ کہ غلام نے کسی کا ہاتھ جان بوجھ کر کاٹا اور اس صورت میں آقا پر مال آتا تھا، اس نے آقا نے وہ غلام ہی دے دیا ہاتھ کاٹنے والے کو اور ہاتھ کاٹنے والے نے اس غلام کو آزاد کر دیا اور پھر اس کے بعد جس شخص کا ہاتھ کٹا تھا اس کا انتقال ہو گیا۔ اب دیکھو اس نے غلام کو آزاد کر دیا ہے، غلام میں ایسا تصرف کر دیا کہ اب وہ واپس نہیں کر سکتا۔ یا تو غلام اسی کے پاس ہوتا اس کے وارثوں کے پاس تو اب واپس لے لیتے لیکن اس نے غلام میں ایسا تصرف کر دیا کہ اب غلام کی واپسی نہیں ہو سکتی۔ مرنے والے نے کیا کیا تھا مرنے سے پہلے اس غلام کو آزاد، تو اس کا اس نے تصرف کیا تھا اس غلام کو آزاد کرنے کا، تو اس کے اس تصرف کو صحیح رکھا جائے گا۔ اس آزاد آدمی جب کوئی تصرف کرتا ہے تو فقہاء کوشش فرماتے ہیں کہ حتی الامکان جس قدر ہو سکے اس کے اس تصرف کو برقرار رکھا جائے اس کو ختم نہ کیا جائے۔ اور اس نے کیا تصرف کیا تھا؟ آزادی والا، غلام کو آزاد کر دیا، تو اب ضرورت پیش آئی کہ اس کے تصرف کو کیا کیا جائے؟ باقی رکھا جائے۔ وہ اس نے آزاد کر دیا آزادی تو ختم نہیں ہو سکتی تصرف تو ختم نہیں ہو سکتا، لہٰذا تصرف کو صحیح قرار دینے کے لیے ضروری ہے کہ یہ کہا جائے، یوں کہا جائے کہ اس نے یہ صلح ہاتھ پر نہیں کی تھی، صلح جنایت پر کی تھی، جنایت وَمَا يَحْدُثُ مِنَ الْجِنَايَةِ جنایت کا جو بھی نتیجہ نکلا اس پر صلح کی تھی۔ اس غلام نے تو اس کا ہاتھ کاٹا تھا اور آقا نے اس کو غلام اس ہاتھ کے بدلے دیا ہے، کس کے بدلے؟ ہاں، لیکن یوں سمجھیں گے کہ ہاتھ کے بدلے نہیں دیا، جنایت وَمَا يَحْدُثُ مِنَ الْجِنَايَةِ یہ جو جنایت کی اور اس جنایت کا جو بھی نتیجہ نکلا چاہے موت ہی کیوں نہ آگئی، سب کے، سب پر صلح کرتے ہوئے وہ غلام اس نے دیا تھا۔ کیوں؟ کیونکہ اس آزاد آدمی کے تصرف کو صحیح قرار دینے کے لیے ضروری ہے۔ اس آزاد آدمی کے؟ اس نے غلام میں تصرف کیا یا نہیں؟ جی۔ اب وہ غلام واپس ہو سکتا ہے؟ وہ تو اس نے آزاد کر دیا، غلام تو واپس نہیں ہو سکتا، معلوم ہوا اب آپ کو اس کے تصرف کو ہر حال میں صحیح قرار دینا پڑے گا، اور اس نے یہ غلام کس کے بدلے لیا تھا؟ ہاتھ، یعنی مال کے بدلے وہاں، مال آتا ہے نا غلام اور آزاد آدمی میں تو قصاص نہیں آتا کیا آتا ہے؟ مال، تو اس نے غلام کس کے بدلے لیا تھا؟ مال، تو گویا مال کے بدلے اس نے غلام لیا تھا۔ لیکن بعد میں جب اسی زخم سے اس آدمی کا انتقال ہو گیا، معلوم ہوا اس نے غلام ویسے ہی لیا ہے کیونکہ جب ہاتھ جان بوجھ کر کاٹا تو یہ قتل کون سا بن گیا؟ قتلِ عمد، اور قتلِ عمد میں قصاص آتا ہے۔ قتلِ عمد میں قصاص آتا ہے اس میں غلام نہیں دیا جاتا دوسرے کو۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اس میں یا تو غلام کو قصاص میں قتل کیا جائے گا یا معاف کرنا چاہے تو معاف کر دے، یا کوئی مال لے لیں صلح کر لے، اس کے وارث کیا کر لیں؟ قتل میں صلح کرتے ہیں یا نہیں کرتے؟ تو صلح بھی کر سکتے ہیں اس کے اولیاء اس کے وارث، بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن وارثوں سے پہلے کی ہم بات کر رہے ہیں یہ غلام وارثوں نے تو نہیں لیا اس آدمی

نے لیا تھا اس آدمی نے، اور اس تصرف کو اب ہم فسخ نہیں کر سکتے اس کی صورت نہیں ہے کوئی کیونکہ غلام اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہے آزاد کر چکا ہے اس کو، تو اس تصرف کو صحیح قرار دینا پڑے گا اور تصرف کو صحیح قرار دینے کے لیے کیا کہنا پڑے گا؟ کہ یہ جو اس نے اس غلام کو لیا تھا یہ اس نے ہاتھ کے بدلے نہیں لیا تھا بلکہ جنایت وَمَا يَحْدُثُ مِنَ الْجِنَايَةِ جنایت جو کی ہے ہاتھ کاٹنے والی اور جو بھی اس کا آگے نتیجہ نکلا چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی گئی اس سارے کے، اس سارے پر میں صلح کرتا ہوں کس کے بدلے میں؟ اس غلام کے بدلے، تو اس غلام کو بدلِ صلح قرار دے دیا جائے گا تاکہ اس مرنے والے کا وہ تصرف باقی رہے صحیح رہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

لیکن اس کے مقابلے میں اگر اس نے غلام کو آزاد نہیں کیا تھا۔ ایک غلام نے دوسرے شخص کا ہاتھ جان بوجھ کر کاٹا، آقا نے جنایت کے بدلے وہ غلام اس کو دے دیا اور ابھی اس نے غلام کو آزاد نہیں کیا ان کے پاس ہے اور اسی میں پھر اس آدمی کا انتقال ہو گیا ہاتھ کے زخم کی وجہ سے۔ تو اب معلوم ہوا کہ یہ جو غلام اس نے لیا تھا یہ اس نے ویسے ہی لے لیا تھا۔ غلام تو کس میں آتا ہے؟ جنایت کا، یہ کوئی مال کے بدلے آتا ہے نا مال کے بدلے، لیکن یہاں تو وہ آدمی مر گیا، معلوم ہوا یہ قتل کون سا ہے؟ قتلِ عمد ہے، قتلِ عمد ہے، اور قتلِ عمد میں یا تو قصاص آتا ہے یا معاف کرنا پڑے گا۔ تو یہاں پر ابھی بھی غلام موجود ہے، اس نے تو لیا تھا کیا سمجھ کر کس کے بدلے میں لے رہا ہوں؟ اس کا تو ہاتھ کٹا تھا نا اور غلام جب کسی کا ہاتھ کاٹے تو وہاں قصاص آتا ہے یا مال آتا ہے؟ مال، تو اس نے تو غلام مال کے بدلے لیا تھا لیکن اسی زخم سے اس کا انتقال ہو گیا معلوم ہوا اس نے تو غلام کس کے بدلے لے لیا ہے؟ قصاص کے بدلے۔ لیا تو مال کے بدلے تھا لیکن بن کس کے بدلے گیا؟ قصاص، قصاص کے بدلے تو یہ غلام ایسے نہیں لے سکتا۔ یا تو وہ صلح باقاعدہ ہو پھر اس کے بعد ہو گا، تو قصاص کے، معلوم ہوا اس نے جو غلام لیا تھا ویسے ہی لیا تھا، غلام ابھی بھی ان کے پاس موجود ہے، تو لہٰذا وارث کیا کریں گے؟ وہ غلام واپس کریں گے اور پھر ان کو اختیار ہو گا وارثوں کو چاہے تو قصاص میں اس غلام کو قتل کروا دیں اور چاہے تو معاف کر دیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو جب غلام کو وہ آزاد کر چکا تو کیا سمجھیں گے یہ غلام کیا بنا؟ بدلِ صلح۔ اور یہ صلح کس پر کی تھی اس نے؟ جنایت وَمَا يَحْدُثُ مِنَ الْجِنَايَةِ جنایت یا جو بھی اس کا جو نتیجہ نکلے اس پر اس نے صلح کی تھی۔ اور اگر غلام اس نے آزاد نہیں کیا انہی کے پاس موجود ہے، پھر؟ پھر اس صلح کو کیا کر دیں گے؟ اس کو باطل کر دیں گے، واپس کر دیں گے غلام، معلوم ہوا صلح صحیح نہیں ہوئی تھی، صلح مال کے بدلے ہونی چاہیے تھی مال تو یہاں ہے ہی نہیں یہاں تو اصل میں کیا آرہا ہے؟ قصاص آرہا ہے، تو وہ غلام واپس کریں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی، فَإِنْ قَطَعَ عَبْدٌ يَدَ حُرٍّ عَمْدًا اگر کاٹ دیا غلام نے کسی آزاد آدمی کے ہاتھ کو عَمْدًا جان بوجھ کر وَدُفِعَ إِلَيْهِ اور وہ غلام اس کے حوالے کر دیا گیا فَأَعْتَقَهُ تو اس نے غلام کو آزاد کر دیا فَسَرَى پھر وہ زخم جو تھا وہ سرایت کر گیا اور موت تک

پہنچا دیا اس نے، فَالْعَبْدُ صُلْحٌ بِهَا تو وہ غلام جو ہے وہ اس جنایت کے بدلے صلح ہے، وہ غلام اس جنایت کے بدلے صلح ہے یعنی اس کو بدلِ صلح قرار دیا جائے گا اور اس کی آزادی کو برقرار رکھیں گے اور صلح بھی ہو چکی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ وَإِنْ لَمْ يَعْتِقْهُ اور اگر اس نے غلام کو آزاد نہیں کیا ہے اور مر گیا، تو يُرَدُّ عَلَى سَيِّدِهِ تو اس غلام کو واپس لوٹایا جائے گا اس کے آقا کو فَيُقْتَلُ أَوْ يُعْفَى پھر اس غلام کو قتل کیا جائے گا یا اس کو معاف کیا جائے گا۔

فَإِنَّهُ إِذَا أَعْتَقَ اس لیے کیونکہ جب اس شخص نے آزاد کر دیا غلام کو دَلَّ تو اس نے دلالت کی عَلَى أَنَّ قَصْدَهُ تَصْحِيحَ الصُّلْحِ کہ اس شخص کا ارادہ جو ہے وہ صلح کو صحیح قرار دینا ہے، صلح کو درست قرار دینا ہے۔ بھئی اس شخص کو غلام مل گیا تھا، ابھی صرف ہاتھ کٹا تھا ابھی وہ مرا تو نہیں لیکن اس نے غلام کو آزاد کر دیا، تو گویا اس شخص کا کیا ارادہ ہے؟ اس کو بھی تو پتہ ہے احتمال تو ہے شاید اسی زخم سے وہ مر جائے، مر جائے، لیکن پھر بھی وہ غلام کو آزاد کر رہا ہے، معلوم ہوا اس کا کیا ارادہ ہے؟ وہ اپنے اس تصرف کو ہر حال میں صحیح قرار دینا چاہتا ہے چاہے مر جاؤں پھر بھی میرا یہ تصرف صحیح ہے، اور تصرف تو تب ہی صحیح قرار دیا جا سکتا ہے جب یہ کہا جائے کہ یہ غلام ہاتھ کے بدلے نہیں تھا بلکہ ہاتھ کاٹنے یا جو بھی اس کا نتیجہ نکلے اس کے بدلے غلام تھا۔ یہ معنی ہے فَإِنَّهُ إِذَا أَعْتَقَ جب کیونکہ جب اس مرنے والے نے اس غلام کو آزاد کر دیا تھا تو دَلَّ عَلَى أَنَّ قَصْدَهُ تَصْحِيحَ الصُّلْحِ تو اس بات نے دلالت کی تھی کہ اس کا ارادہ جو ہے صلح کو صحیح قرار دینا ہے یعنی جو غلام لیا ہے صلح کے اندر اس کو صحیح قرار دینا ہے، إِذْ لَا صِحَّةَ لَهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ صُلْحًا عَنِ الْجِنَايَةِ وَمَا يَحْدُثُ مِنْهَا اس لیے کیونکہ یہ آزاد کرنا یعنی یہ جو تصرف ہے یہ تو صحیح ہو ہی نہیں سکتا إِلَّا أَنْ يَكُونَ صُلْحًا عَنِ الْجِنَايَةِ وَمَا يَحْدُثُ مِنْهَا مگر یہ کہ یہ صلح ہو جنایت سے وَمَا يَحْدُثُ مِنَ الْجِنَايَةِ اور جنایت کا جو بھی نتیجہ نکلے اس سے صلح اس کو قرار دیا جائے۔

أَمَّا إِذَا لَمْ يُعْتِقْ باقی وہ صورت جب اس نے آزاد نہیں کیا تھا وَقَدْ سَرَى اور تحقیق وہ زخم سرایت کر گیا یعنی یہ جان لیوا بن گیا اس کی جان چلی گئی، تَبَيَّنَ تو اس صورت میں یہ بات ظاہر ہو گئی کہ أَنَّ الْمَالَ غَيْرُ وَاجِبٍ کہ مال تو واجب ہی نہیں تھا، اس نے غلام کس کے بدلے لیا تھا؟ مال کے بدلے نا ہاتھ کٹا تھا، تو جب آزاد نہیں کیا تو پتہ چلا کہ مال تو واجب ہی نہیں تھا، وَأَنَّ الْوَاجِبَ هُوَ الْقَوَدُ اور واجب تو قصاص ہے بھئی، قصاص ثابت ہے یہاں پر مال تو یہاں ثابت ہی نہیں ہے، تو فَكَانَ الصُّلْحُ بَاطِلًا تو وہ صلح معلوم ہوا باطل تھی وہ درست ہی نہیں تھی، اس نے تو صلح کی تھی مال کے بدلے میں اور پتہ چلا وہاں تو مال ہے ہی نہیں وہاں تو کیا ہے؟ وہاں تو قصاص ہے، تو وہ صلح باطل تھی درست نہیں، فَكَانَ الصُّلْحُ بَاطِلًا تو وہ صلح باطل تھی، فَيُرَدُّ پس اس غلام کو واپس کیا جائے گا وَيُقَالُ لِلْأَوْلِيَاءِ اور مقتول کے اولیاء سے کہا جائے گا اقْتُلُوهُ أَوِ اعْفُوهُ کہ تم اس کو قتل کر دو یا اس کو معاف کر دو بھئی۔

مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟ کہ اس شخص نے غلام کو ملنے کے بعد آزاد کر دیا ہے، اب اس کے اس تصرف کو ہم حتی الامکان درست قرار دیں گے اور اس کے تصرف کو درست قرار دینے کی یہی صورت ہے کہ یوں سمجھیں یہ اس نے صرف ہاتھ پر

صلح نہیں کی تھی بلکہ اس نے جنایت وَمَا يَحْدُثُ مِنَ الْجِنَايَةِ جو بھی نتیجہ نکلا اس سارے پر صلح کی ہے، اور جب اس سارے پر صلح کی ہے پھر تو صلح ٹھیک ہے، پھر تو غلام کا لینا بھی ٹھیک ہے اور غلام کا آزاد کرنا بھی ٹھیک، تو غلام ٹھیک آزاد ہو گیا اور صلح ہو گئی مسئلہ ختم ہو گیا۔ لیکن اگر غلام لیا ہے لیکن آزاد نہیں کیا ان کے پاس ہی ہے، تو پتہ چلا یہ غلام کا لینا ہی ٹھیک نہیں کیونکہ انہوں نے تو صلح کس پر کی تھی؟ گویا مال لینا ہے، پچاس اونٹ لینے ہیں اس کے بجائے کیا لے لیا؟ غلام لے لیا تو صلح کر لی، لیکن پتہ چلا یہاں تو پچاس اونٹ آتے ہی نہیں یہاں تو قصاص آتا ہے، تو معلوم ہوا یہ صلح درست ہی نہیں تھی۔ جب صلح درست نہیں تو غلام کو کیا کریں گے؟ واپس کریں گے اور پھر مقتول کے اولیاء کو حق ہے وہ چاہیں تو قصاص لے لیں اور چاہیں تو اس غلام کو معاف کر دیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔ جی چلیں بس۔

سبق نمبر ٥٦: ماذونِ مدیون کی جنایت، عتقِ سید قبل العلم بالجنایۃ اور قطعِ یدِ عبد کے بعد استحقاق کے مسائل

شرح الوقایہ صفحہ: ١٣١ — بتاریخ: ١ مارچ ٢٠٢٠ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے دیکھیے سبق:

فَإِنْ جَنٰى مَأْذُوْنٌ مَدْيُوْنٌ خَطَأً فَأَعْتَقَهُ سَيِّدُهُ بِلَا عِلْمٍ بِهَا غَرِمَ لِرَبِّ الدَّيْنِ الْأَقَلَّ مِنْ قِيْمَتِهِ وَمِنْ دَيْنِهِ وَلِوَلِيِّهَا الْأَقَلَّ مِنْهَا وَمِنَ الْأَرْشِ، فَإِنَّ السَّيِّدَ إِذَا أَعْتَقَ الْمَأْذُوْنَ الْمَدْيُوْنَ فَعَلَيْهِ لِرَبِّ الدَّيْنِ الْأَقَلُّ مِنْ قِيْمَتِهِ وَمِنَ الدَّيْنِ، وَإِذَا أَعْتَقَ الْعَبْدَ الْجَانِيَ جِنَايَةً خَطَأً فَعَلَيْهِ الْأَقَلُّ مِنْ قِيْمَتِهِ وَمِنَ الْأَرْشِ، فَكَذَا عِنْدَ الِاجْتِمَاعِ۔[1]

گذشتہ سبق میں آپ نے پڑھا کہ اگر کوئی غلام جنایت کر دے، جنایت کر دے تو آقا کو اختیار ہوتا ہے چاہے وہ غلام دے دے اور چاہے پورا ارش دے دے۔ اور اگر اس نے غلام کو آزاد کر دیا اور اسے علم نہیں تھا جنایت کا، تو اس صورت میں بھی اس کو پورا ارش نہیں دینا پڑے گا، بلکہ غلام کی قیمت اس کا قائم مقام ہو جائے گی، اور غلام کی قیمت اور ارش میں سے جو اقل ہو گا وہ ضمان اس کو دینا پڑے گا۔

اسی طرح یاد رکھو، جب کوئی غلام جس کو آقا نے تجارت کی اجازت دے دی، وہ تجارت کرتا ہے اور اس پر دین آجاتا ہے، وہ غلام مدیون ہو گیا، اس پر قرضہ چڑھ گیا، تو اس غلام کے اندر بھی آقا جو ہے وہ اس کو اختیار ہوتا ہے، چاہے تو وہ پورا دین ادا کر دے غلام کی جو ذات پر ہے، یاد رکھو یہ جو دین آتا ہے عبدِ ماذون پر یہ اس عبدِ ماذون کے ذمہ ہے، یہ اس کی ذات پر، اس کے ذمہ ہے، اس کی ذات پر ہے، اس کے رقبہ میں ہے۔ تو آقا کو اختیار ہے، چاہے تو وہ پورا دین دے کر کیا کر لے، غلام کو چھڑوا لے، یا غلام کو فروخت کر کے اس کی قیمت دے دے دین کے طور پر۔ کیا کرے؟ یا غلام کو فروخت کر دے۔

---

[1] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ١٧٨): صوتی درس کی قراءت میں «وَإِذَا أَعْتَقَ الْعَبْدَ الْجَانِيَ جِنَايَةً خَطَأً فَعَلَيْهِ الْأَقَلُّ مِنْ قِيْمَتِهِ وَمِنَ الْأَرْشِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وإذا أعتقَ العبدَ الجاني جنايةً خطأً، فعليه الأقلُّ من قيمتِهِ ومن الأرش،» منقول ہے۔

جیسے جنایت کے اندر آقا کو اختیار تھا کہ چاہے غلام دے دے، چاہے پورا ارش، توجہ ہے؟ جیسے جنایت میں آقا کو اختیار تھا چاہے غلام دے دے، چاہے ارش دے دے۔ تو اسی طرح جب عبدِ ماذون نے تجارت کی اور وہ مدیون ہو گیا، تو یہاں بھی آقا کو اختیار ہے، چاہے تو وہ پورا دین ادا کر دے، اور چاہے تو اس غلام کو بیچ کر اس کی جو قیمت ہے، وہ دے دے اس دائن کو، پھر چاہے اس سے دین ہوتا ہے ادا یا نہیں ہوتا، بس ساری قیمت دے دیں گے، آقا بری ہو گیا پھر۔

توجہ ہے؟ کیا صورت؟ اگر غلام مدیون ہو جائے تو آقا کیسے چھڑائے گا؟ یا تو پورا دین دے، ایک صورت۔ دوسری صورت؟ غلام فروخت کرے اور قیمت دے دے۔ مثلاً غلام کی قیمت ہے سو اونٹ، اور اس پر دین جو ہے وہ دو سو اونٹ کے برابر ہے، فرض کر لو کتنا دین ہو گیا ہے؟ دو سو اونٹ۔ تو اب آقا کی مرضی ہے چاہے تو یہ دو سو کے دو سو اونٹ ہی پورے ادا کرے، غلام اپنے پاس رکھ لے، اور چاہے اس غلام کو بیچے اور اس غلام کی جو قیمت ہے یعنی سو اونٹ وہ ادائیگی کر دے۔ اس سے ان کا قرضہ تو پورا ادا نہ ہوا، لیکن کچھ نہ کچھ قرضہ تو ادا ہو گیا، تو آقا کا ذمہ بری ہو گیا۔ ہاں، یہ غلام اگر بعد میں کسی زمانے میں آزاد ہو گیا، کسی آقا نے یا کسی نے اس کو آزاد کر دیا، آقا نے مثلاً غلام کو بیچ دیا تھا اور غلام کی قیمت سو اونٹ تھی، سو اونٹ ادا کر دیے، لیکن ابھی کتنے باقی ہیں؟ سو اونٹ۔

یا درہم دینار میں بنا لو زیادہ بہتر ہے۔ مثلاً غلام جو ہے اس پر دین آ گیا، اس نے تجارت کی اور اس پر پانچ ہزار درہم دین آ گیا، اور اس غلام کی قیمت جو ہے وہ چار ہزار درہم ہے۔ تو آقا کی مرضی ہے، چاہے تو پورا پانچ ہزار دین ادا کر دے اور غلام کو اپنے پاس ہی رکھے چار ہزار والے غلام کو، اور چاہے تو اس چار ہزار والے غلام کو بیچے اور جو چار ہزار قیمت وصول ہو جائے، وہ کس کو دے دے؟ وہ جو جن کا دین ادا کرنا تھا ان کو دے دے۔ تو ان کا ابھی بھی ایک ہزار دین باقی ہے لیکن آقا بری ہو گیا، آقا کیا ہوا؟ بری ہو گیا۔ ہاں، غلام کے ذمہ ابھی بھی ہزار ہیں، ہزار ہیں، لیکن وہ اس کا مطالبہ آقا سے نہیں کر سکتے۔ غلام اگر کبھی زندگی میں آزاد ہو گیا، تو وہ دین والے کیا کریں گے؟ اس غلام سے مطالبہ کریں گے اور اس سے وہ ایک ہزار وصول کر لیں گے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو اب صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص ہے اس کا عبدِ ماذون تھا، اس کو اس نے تجارت کی اجازت دی تھی اور اس غلام پر، اور وہ غلام مدیون ہو گیا، اس پر مثلاً پانچ ہزار دین آ گیا۔ پھر اس غلام نے جنایت بھی کی اور کسی شخص کا ہاتھ کاٹ دیا، ہاتھ کاٹ دیا۔ اب آقا کو پتا نہیں تھا اور اس آقا نے اس غلام کو آزاد کر دیا۔ آقا نے غلام کو آزاد کر دیا، تو اب کیا کریں گے بھئی؟

آپ نے پڑھا تھا، اگر غلام جنایت کرے تو آقا کو اختیار ہے یا غلام دے دے یا ارش دے دے۔ اور اگر آقا کو پتا نہیں تھا اور اس نے غلام کو آزاد کر دیا ہے تو آقا پر اقل ضمان آ جاتا ہے، کس میں سے؟ اس غلام کی قیمت اور جنایت میں سے

جو اقل ہوتا ہے وہ آقا کے ذمہ لازم ہو جاتا ہے۔ تو یہاں پر بھی آقا کے ذمہ وہ جو ولیِ جنایت ہے، ان کے لیے ضمان آئے گا آقا پر، کیونکہ غلام نے جنایت کی تھی اور آقا نے کیا کر دیا؟ آزاد کر دیا، اور چونکہ آقا کو علم نہیں تھا، لہٰذا آقا پر اقل ضمان آ جائے گا، غلام کی قیمت اور ارش میں سے جو کمتر ہو گا وہ آقا کے ذمہ آجائے گا۔ اور وہ جو دین والے تھے، ان کا بھی تو حق ادا کرنا ہے، تو اس کا بھی ضمان آقا پر آجائے گا، کیا؟ کہ غلام کی قیمت اور دین میں سے جو اقل ہو گا وہ آقا کو دینا پڑے گا۔

توجہ ہے؟ جنایت والوں کو کیا دینا پڑے گا؟ ارش اور غلام کی قیمت میں سے جو اقل ہے وہ دینا پڑے گا۔ اور دین والوں کو کیا دینا پڑے گا؟ غلام کی قیمت اور دین میں سے جو اقل ہے وہ دینا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو چونکہ یہاں پر دونوں کا حق ہے اور ایک کے حق کی وجہ سے دوسرے کا حق باطل نہیں ہو سکتا، لہٰذا آقا کو دینا پڑے گا یہ دونوں۔

پھر دہرائیں ذرا۔ اگر غلام جنایت کر لے تو آقا کو کیا اختیار ہوتا ہے؟ غلام ابھی آزاد نہیں کیا، آزاد نہیں کیا، آقا کے پاس ہے، چاہے تو آقا غلام دے دے اور چاہے تو ارش دے دے۔ اسی طرح اگر غلام مدیون ہو، عبدِ ماذون ہے اور مدیون ہو گیا، اور مدیون ہو گیا، اس میں آقا کو کیا اختیار ہوتا ہے؟ غلام نہیں دیتا، غلام، غلام نہیں دیتے، غلام کو بیچ کر اس کی قیمت سے ادا کر، قیمت دے دیتے ہیں اگر دین زیادہ ہو، اگر دین کم ہے پھر تھوڑا دے دیں گے۔ تو وہاں اختیار ہوتا ہے دین والے کے لیے آقا کو، کہ وہ چاہے تو غلام بیچ کر اس کی قیمت دے دے، اور چاہے پورا کا پورا دین ادا کر دے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اچھا، اور یہاں کیا صورت تھی؟ آقا نے غلام کو کیا کر دیا؟ آزاد، اور آقا کو پتا نہیں تھا کہ اس نے جنایت کی ہے، تو آقا پر کیا لازم ہوا؟ پھر یہی، پھر مسئلہ میں دہرا رہا ہوں تاکہ ذہن میں بیٹھ جائے، آگے میں اہم بات کرنے والا ہوں۔ کیا؟ غلام نے جنایت، غلام مدیون تھا، عبدِ ماذون مدیون بھی تھا اور اس نے جنایت بھی کر دی اور آقا کو پتا نہیں تھا جنایت کا، آقا نے کیا کر دیا غلام کو؟ آزاد۔ تو آقا پر دونوں کا حق ہے، دین والوں کا حق بھی دینا ہے اور جنایت والے کا حق بھی دینا۔ جنایت والے کا کیا حق ہے؟ اس کو کیا دے گا آقا؟ ہاں، غلام کی قیمت اور ارش میں سے جو اقل ہے وہ اس کو، ان کو دینا پڑے گا۔ اور دین والوں کا کیا حق ہے؟ غلام کی قیمت اور دین میں سے جو اقل ہے وہ آقا نے ان کو دینا ہے۔ یہ تو صورت وہ تھی کہ غلام دینے کے لائق نہ رہا، غلام کو اس نے کیا کر دیا؟ آزاد کر دیا، وہ تو اب آزاد ہو گیا، وہ تو اب آقا کی ملک ہی نہ رہا۔

اگر غلام آقا کے پاس ہی ہوتا پھر کیا کرتے؟ پھر کیا کرتے؟ پھر یاد رکھو، مثلاً غلام مدیون بھی ہے اور اس نے جنایت بھی کی ہے، دونوں آگئے مطالبہ کرنے، دین والے بھی آگئے اور جنایت والے بھی آگئے۔ تو اب جنایت والوں کے لیے آقا کے ذمہ کیا تھا؟ غلام دے یا ارش۔ اور دین والوں کے لیے کیا تھا؟ غلام بیچ کر قیمت دے یا پورا دین دے۔ تو یہاں یوں کرے گا آقا، دونوں آگئے، جنایت والے بھی آگئے، دین والے بھی آگئے، اب یہی، اسی غلام سے دونوں کا حق وابستہ

ہے، توجہ ہے؟ تو لہٰذا یوں کرے گا آقا، یہ غلام اٹھا کر یہ دے دے گا جنایت والوں کو۔ جنایت والوں کا حق کیا ہوا؟ ادا ہو گیا۔ اور پھر اس غلام کو جنایت والے بیچیں گے اور بیچ کر وہ دین والوں کا دین اس سے ادا کر دیں گے۔

صورت سمجھ میں آ گئی؟ کیا کرے گا آقا کیا کرے گا؟ بھئی دونوں کا الگ الگ پیسے دے گا وہ تو بہت مال بن جائے گا، جنایت والے کو بھی دینا ہے، دین کو بھی دینا ہے، اور دونوں کا حق کس سے وابستہ ہے؟ غلام سے۔ تو آقا یوں کرے گا وہ غلام کس کو دے دے گا؟ جنایت والوں کو دے دے گا۔ جنایت والوں کا حق ادا ہو گیا، آقا بری ہو گیا۔ اور پھر اسی غلام کو جنایت والے کیا کریں گے؟ بیچیں گے، کیونکہ اسی غلام سے دین متعلق ہے، بیچیں گے اور بیچ کر اس کی قیمت کے ذریعے دین ادا کریں گے۔

آپ کہیں گے یہ تو جنایت والوں کا نقصان ہو گیا، ان کے ہاتھ تو کچھ بھی نہ آیا۔ ہاں بھئی کچھ بھی نہ آئے اس سے ہمیں پرواہ نہیں، جس غلام نے جنایت کی تھی وہ ہم نے کیا کیا ان کے حوالے کر دیا۔ اور پھر یاد رکھو اس میں فائدہ ہے، فائدہ ہے ایک۔ فائدہ یہ کہ جنایت والے غلام کو رکھنا چاہیں تو وہ غلام رکھ سکتے ہیں۔ مثلاً جنایت والوں کو ہم نے غلام دے دیا، اب اس جنایت، اب اس غلام کو کیا کریں گے وہ بیچ کر دین ادا کریں گے۔ فرض کرو غلام کی قیمت ہے چار ہزار درہم، اور دین کتنا تھا؟ تین ہزار، کم تھا فرض کر لو، تو تین ہزار، غلام کو بیچ کر تین ہزار دے دیں گے دین والوں کو اور ایک ہزار بچ گیا جنایت والوں کے لیے، تو کچھ بچ گیا یا نہیں بچ گیا ان کے لیے؟ تو کچھ تھوڑا مال بچ گیا۔ یا دوسری صورت یہ ہے کہ جنایت والوں کو غلام مل گیا اور وہ غلام بڑا زبردست ماہر ہے، کاریگر ہے، مختلف چیزیں جانتا ہے، تو جنایت والے اس غلام کو اگر رکھنا چاہیں تو رکھ لو بے شک، آپ دین ادا کر دو اور غلام آپ رکھ لو، پورا دین ادا کر دو اور، یا یوں کہو غلام کی قیمت کیا کرو، آپ غلام، غلام کی قیمت جو ہے وہ ادا کر دو، دین والوں کو دے دو اور غلام آپ رکھ لو، تو دیکھو ان کو، ان کو حق مل جائے گا غلام خود رکھنے کا، یہ فائدہ ہو جائے گا۔

اب آئیے کتاب پر، کہتے ہیں:

فَإِنْ جَنٰى مَأْذُوْنٌ مَدْيُوْنٌ خَطَأً، اگر جنایت کی ایسے عبدِ ماذون نے، مَدْيُوْنٌ جو کہ مدیون تھا، کیونکہ عام غلام مدیون نہیں ہو سکتا، عام غلام پر جو دین ہے وہ کس پر ہے دراصل؟ وہ آقا پر ہے، غلام پر دین آ ہی نہیں سکتا، یہ عبدِ ماذون ہے جس کو تجارت کی اجازت دی تھی تو یہ لین دین کرتا ہے، اس پر دین آ سکتا ہے۔ اور یاد رکھو یہ جو عبدِ ماذون پر دین آتا ہے وہ اسی کے رقبہ سے متعلق ہوتا ہے، اسی کی ذات پہ ہوتا ہے، آقا پر نہیں ہوتا، چنانچہ آقا اس کو بیچ کر اس دین کو ادا کرتا ہے، اور اگر اس کو رکھنا چاہتا ہے پھر پورا دین اس کو ادا کرنا پڑتا ہے۔

تو کہتے ہیں: فَإِنْ جَنٰى مَأْذُوْنٌ مَدْيُوْنٌ خَطَأً اگر جنایت کی ایسے عبدِ ماذون نے جو مدیون بھی تھا خَطَأً غلطی سے، فَأَعْتَقَهُ

سَيِّدُهٗ تو آزاد کر دیا اس غلام کو اس کے آقا نے، بِلَا عِلْمٍ بِهَا بغیر علمِ جنایت کے کہ اس کو جنایت کا علم نہیں تھا آقا کو، غَرِمَ لِرَبِّ الدَّيْنِ الْأَقَلَّ مِنْ قِيْمَتِهٖ وَمِنْ دَيْنِهٖ تو آقا ضامن ہو گا دین والے کے لیے وہ جو کم ہے اس غلام کی قیمت میں اور اس کے دین میں سے اس کا ضامن ہو گا۔ وَلِوَلِيِّهَا اور ولیِ جنایت کے لیے وہ ضامن ہو گا الْأَقَلَّ وہ جو کم ہے مِنْهَا وَمِنَ الْأَرْشِ اس (ہَا ضمیر قیمت کو راجع) وہ جو کمتر ہے اس غلام کی قیمت میں سے اور ارش میں سے اس کا ضامن ہو گا۔

فَإِنَّ السَّيِّدَ إِذَا أَعْتَقَ الْمَأْذُوْنَ الْمَدْيُوْنَ اس لیے کیونکہ جب آقا آزاد کر دے ایسے عبدِ ماذون کو جو مدیون بھی تھا، فَعَلَيْهِ لِرَبِّ الدَّيْنِ الْأَقَلُّ مِنْ قِيْمَتِهٖ وَمِنَ الدَّيْنِ تو اس پر واجب ہوتا ہے دین والے کے لیے وہ جو کم ہو اس غلام کی قیمت میں سے اور دین میں سے۔ وَإِذَا أَعْتَقَ الْعَبْدَ الْجَانِيَ جِنَايَةَ خَطَأٍ فَعَلَيْهِ الْأَقَلُّ مِنْ قِيْمَتِهٖ وَمِنَ الْأَرْشِ اور جب آقا آزاد کر دے ایسے غلام کو جس نے جنایت کی تھی، جنایتِ خطا یعنی غلطی سے، فَعَلَيْهِ الْأَقَلُّ تو اس آقا پر جو کمتر ہے وہ ضمان آتا ہے مِنْ قِيْمَتِهٖ وَمِنَ الْأَرْشِ اس غلام کی قیمت میں سے اور اس جنایت کے ارش میں سے۔

فَكَذَا عِنْدَ الِاجْتِمَاعِ تو اسی طرح اجتماع کے موقع پر بھی ہو گا، یعنی اکیلا دین والا ہو تو آقا پر کیا آتا ہے؟ غلام کی قیمت اور دین میں سے جو کم ہو، اور اکیلی جنایت والا غلام ہے اس کو آزاد کیا ہے تو آقا پر اس غلام کی قیمت اور ارش میں سے جو کم ہے وہ آتا ہے۔ جب اکیلے اکیلے میں یہ آتا ہے تو دونوں اکٹھے ہو گئے تو دونوں آجائیں گے کیونکہ دونوں میں کوئی مقابلہ نہیں، ایک سے دوسرے کا ٹکراؤ نہیں ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو فَكَذَا عِنْدَ الِاجْتِمَاعِ تو اسی طرح ہو گا اجتماع کی صورت میں یعنی جب دونوں چیزیں اکٹھی ہو گئیں دین بھی اور جنایت بھی۔ إِذْ لَا يُزَاحِمُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ اس لیے کیونکہ مقابل نہیں ہے دونوں میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کے، دونوں کوئی ایک دوسرے کے مقابل نہیں ہیں کہ اس کی وجہ سے ایک کا حق ساقط ہو رہا ہو، دونوں کا حق ادا کرنا پڑے گا، لِأَنَّهٗ لَوْلَا...

الْإِعْتَاقُ يُدْفَعُ إِلٰى وَلِيِّ الْجِنَايَةِ ثُمَّ يُبَاعُ لِلدَّيْنِ اس لیے کیونکہ اگر اعتاق نہ ہوتا، اگر آقا نے غلام کو آزاد نہ کیا ہوتا، تو يُدْفَعُ إِلٰى وَلِيِّ الْجِنَايَةِ تو اس غلام کو حوالے کیا جاتا جنایت والے کے، ثُمَّ يُبَاعُ لِلدَّيْنِ پھر وہ اس کو بیچا جاتا دین کے لیے۔ اب صورت سمجھ میں آگئی؟ کہ وہ بیچ کر پھر دین ادا کرتے۔[٢]

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

فَإِنْ وَلَدَتْ مَأْذُوْنَةٌ وَلَدًا يُبَاعُ مَعَهَا لِدَيْنِهَا وَلَا يُدْفَعُ مَعَهَا لِجِنَايَتِهَا۔[٣]

---

[٢] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ١٧٨): صوتی درس کی قراءت میں «الْإِعْتَاقُ يُدْفَعُ إِلٰى وَلِيِّ الْجِنَايَةِ ثُمَّ يُبَاعُ لِلدَّيْنِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «الإعتاقُ يدفعُ إلى وليِّ الجناية، ثمَّ يباعُ للدَّين.» منقول ہے۔

[٣] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ١٧٨): صوتی درس کی قراءت میں «فَإِنْ وَلَدَتْ مَأْذُوْنَةٌ وَلَدًا يُبَاعُ مَعَهَا لِدَيْنِهَا وَلَا يُدْفَعُ

فقہاء پر اللہ کی کروڑہا رحمتیں ہوں بھئی، کہ کیسے کیسے قیمتی پیچیدہ مشکل مسائل وہ بہترین الفاظ کے ساتھ دلائل کے ساتھ جامع مانع انداز میں ذکر کرتے ہیں بھئی۔ مختصر چند لفظوں میں مسئلہ ذکر کرتے ہیں اور اس کو بیان کرتے ہوئے کتنی ہی دیر لگ جاتی ہے بھئی۔

فَإِنْ وَلَدَتْ مَأْذُوْنَةٌ وَلَدًا يُبَاعُ مَعَهَا لِدَيْنِهَا وَلَا يُدْفَعُ مَعَهَا لِجِنَايَتِهَا۔ صورتِ مسئلہ یہ، ایک باندی تھی اور اس کو آقا نے تجارت کی اجازت دی تھی۔ اس نے تجارت کی اور اس پر دین آگیا، باندی جو ہے، اس پر دین آگیا۔ اور میں نے آپ کو بتایا کہ عبدِ ماذون یا ماذون باندی پر اگر دین آئے تو وہ انہی کی ذات پر ہوتا ہے، انہی کے ذمہ میں ہوتا ہے، آقا کے ذمہ میں نہیں ہوتا، اور اس میں پھر ان کو بیچا جاتا ہے اور پھر دین کو ادا کیا جاتا ہے۔ تو اب ایک ماذونہ باندی تھی اور اس پر دین آگیا، وہ مدیون ہو گئی، اور پھر اس باندی نے ایک بچے کو جنم دیا، اس باندی نے ایک بچے کو جنم دیا۔ تو یاد رکھو یہ جو دین ہے یہ سرایت کر جائے گا بچے کی طرف بھی۔ اب یوں نہیں سمجھیں گے صرف باندی پر دین ہے، یوں سمجھیں گے بچے اور باندی دونوں پر دین ہے، بچے اور باندی دونوں پر۔ غلام کے بارے میں میں نے کیا بتلایا؟ اس کو کیا کیا جاتا ہے؟ بیچ کر دین ادا کیا جاتا ہے، تو یہاں باندی کے ساتھ اس کے بچے کو بھی بیچ کر دین ادا کیا جائے گا۔ مثلاً دین کتنا تھا؟ پانچ ہزار، فرض کرو پانچ ہزار دین تھا، اور باندی ہے دو ہزار کی، اور اس کا بچہ جو ہے وہ ایک ہزار کا ہے۔ اگر صرف باندی بیچ کر ادا کریں تو ان کو صرف دو ہزار ملتے ہیں، اور اب دیکھو بچے کو بھی ساتھ بیچیں گے تو تین ہزار ان کو مل جائیں گے۔ فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ تو لہٰذا یہ دین سرایت کر جائے گا کس کی طرف؟ باندی کے بچے کی طرف بھی۔

لیکن جنایت نہیں سرایت کرے گی۔ جنایت سرایت نہیں کرے گی۔ مثلاً ایک باندی ہے اس نے جنایت کر دی اور جنایت میں کیا کیا جاتا ہے؟ ارش دیا جاتا ہے یا غلام اور باندی کو حوالے کیا جاتا ہے۔ تو باندی نے جنایت کی ہے، اس باندی کو حوالے کرنا ہے کہ اس سے پہلے ہی اس نے ایک بچے کو جنم دے دیا، تو کیا اب جنایت کے اندر باندی کو بچے سمیت دیں گے یا صرف باندی کو دیں گے؟ تو میں نے بتلا دیا کہ جنایت بچے کی طرف سرایت نہیں کرتی، لہٰذا صرف باندی دیں گے، بچہ مالک ہی کا رہے گا۔ فرق سمجھ میں آگیا؟

دیکھیے بھئی، فَإِنْ وَلَدَتْ مَأْذُوْنَةٌ اگر جنم دیا ایک ماذونہ باندی نے وَلَدًا بچے کو، يُبَاعُ مَعَهَا لِدَيْنِهَا تو بیچا جائے گا اس بچے کو اس باندی کے ساتھ ہی لِدَيْنِهَا اس باندی کے دین کی وجہ سے، بچے کو بھی بیچا جائے گا اور پھر دین ادا کیا جائے گا۔ وَلَا يُدْفَعُ مَعَهَا لِجِنَايَتِهَا اور بچے کو حوالے نہیں کیا جائے گا باندی کے ساتھ اس کی جنایت کی وجہ سے۔

آگے دیکھیے، وجہ ذکر کریں گے، کہتے ہیں: فَإِنَّ الدَّيْنَ فِيْ ذِمَّةِ الْأَمَةِ مُتَعَلِّقٌ بِرَقَبَتِهَا اس لیے کیونکہ دین جو ہے وہ باندی

مَعَهَا لِجِنَايَتِهَا» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فإن ولدت مأذونةٌ مديونةٌ ولدًا يباعُ معها لدينها، ولا يدفعُ معها لجنايتها،» منقول ہے۔

کے ذمہ میں ہے اور متعلق ہے اس کی رقبہ سے، اس کی ذات سے، دین کا تعلق کس سے ہے؟ آقا سے نہیں ہے بلکہ باندی کی ذات سے ہے، فَيَسْرِيْ إِلَى الْوَلَدِ تو یہ دین سرایت کر جائے گا بچے کی طرف، بچہ بھی کیا ہو گا؟ مدیون ہو گا۔ وَفِي الْجِنَايَةِ الدَّفْعُ فِيْ ذِمَّةِ الْمَوْلٰى اور جنایت کے اندر وہ جو غلام کو دینا ہے وہ آقا کے ذمہ میں ہے۔ پچھلے دین کے مسئلہ میں دین مدیون کے ذمہ میں ہوتا ہے، آقا کے ذمہ میں نہیں، جبکہ جنایت جو ہے وہ آقا کے ذمہ میں ہوتی ہے کہ آقا نے اس غلام کو حوالے کرنا ہے، آقا نے کیا کرنا ہے؟ غلام کو حوالے کرنا ہے۔ فرق سمجھ میں آ رہا ہے؟

تو یہ معنی ہے وَفِي الْجِنَايَةِ الدَّفْعُ فِيْ ذِمَّةِ الْمَوْلٰى لَا فِيْ ذِمَّتِهَا اور جنایت میں جو حوالے کرنا ہے وہ آقا کے ذمہ ہوتا ہے اس باندی یا جنایت کرنے والے کے ذمہ نہیں ہوتا۔ وَإِنَّمَا يُلَاقِيْهَا أَثَرُ الْفِعْلِ الْحَقِيْقِيِّ وَهُوَ الدَّفْعُ وَالسِّرَايَةُ فِي الْأُمُوْرِ الشَّرْعِيَّةِ لَا الْحَقِيْقِيَّةِ۔ یہ سمجھ لیں بھئی۔

بھئی کون سا وصف سرایت کرے گا اور کون سا وصف سرایت نہیں کرے گا؟ یاد رکھیے ایک ہے وصفِ شرعی اور ایک ہے وصفِ حقیقی۔ وصفِ حقیقی سرایت نہیں کرتا، یعنی منتقل نہیں ہوتا ایک ذات سے دوسری ذات کی طرف۔ وصفِ حقیقی ایک ذات سے دوسری ذات کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک بکری سفید رنگ کی ہے اور اس کی اولاد پیدا ہوئی، اس کا بچہ پیدا ہوا، تو یہی بکری کا سفید رنگ کس پہ چلا جائے؟ بچے پر، یہ نہیں ہو سکتا۔ تو ضروری نہیں اول تو سفید رنگ ہوتا ہے یا نہیں اس کا کیا رنگ ہوتا ہے، اور اگر ہوا بھی وہ اس کا اپنا سفید رنگ ہو گا، یہ بکری والا رنگ بکری سے اتر کر وہاں منتقل نہیں ہوا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ بھئی یہ چیزوں کے جو اوصاف ہوتے ہیں نا اوصاف یہ منتقل نہیں ہوتے، اوصاف انتقال کو قبول نہیں کرتے۔ ایک ہے زید کی سخاوت، ایک ہے بکر کی سخاوت۔ زید کی سخاوت منتقل ہو جائے، زید سے نکل کر کس کے پاس آ جائے؟ بکر، ایسا نہیں ہو سکتا۔ بکر اس کی سخاوت کا اثر تو قبول کر سکتا ہے، اس کو دیکھ کر بکر بھی سخی بن جائے، لیکن زید کی سخاوت زید سے ختم ہو اور کس کی طرف منتقل ہو جائے؟ بکر، ایسا نہیں ہو سکتا۔ بکر میں اگر سخاوت آئی وہ اور سخاوت ہو گی، وہ زید والی سخاوت نہیں، وہ زید والی سخاوت زید کی صفت ہے، زید سے منتقل نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح ایک سفید رنگ ہے اس کاغذ کا اور ایک سفید رنگ ہے آپ کی کتاب کے کاغذ کا، وہ سفید رنگ اس کاغذ کی صفت ہے اور یہ والا سفید رنگ اس کاغذ کی صفت۔ یہ رنگ یہاں سے منتقل ہو جائے اس کاغذ کو، یہ نہیں ہو سکتا بھئی۔ اوصافِ حقیقی جو ہیں، یہ کیا ہیں؟ اوصافِ حقیقی، اوصافِ حقیقی انتقال کو قبول نہیں کرتے، وہ جس موصوف کے ساتھ لگے ہوئے ہیں اسی کے ساتھ ہی لگے رہیں گے۔ تو اوصافِ حقیقی انتقال کو قبول نہیں کرتے۔ مثلاً بکری کا بچہ ہوا، تو یہ بکری کا سفید رنگ بچے کی طرف منتقل نہیں ہو گا، وہ اس کا اپنا سفید رنگ ہو گا، یہ بکری والا ادھر کو منتقل نہیں ہوا اور پتا نہیں سفید ہوتا بھی ہے اس کا بچہ یا نہیں ہوتا۔

لیکن اوصافِ شرعیہ جو ہیں وہ انتقال کو قبول کرتے ہیں۔ اوصافِ شرعیہ وہ ہیں جن کا ہم اعتبار کرتے ہیں، جن کا شریعت اعتبار کرتی ہے، جن کا شریعت اعتبار کرتی ہے۔ اب دیکھو باندی کے اوپر دین آیا، دین کوئی وصفِ حقیقی ہے؟

نہیں۔ جی؟ دین کسی پر آجائے تو وہ مدیون ہے لیکن یہ وصفِ حقیقی نہیں ہے، یہ وصفِ اعتباری ہے، آپ اس وصف کا اعتبار کرتے ہیں تو یہ وصف ہے، آپ اعتبار نہیں کرتے تو یہ وصف نہیں ہے۔ کچھ حقیقی اوصاف ہیں جن کا آپ اعتبار کریں یا نہ کریں وہ ہے، بکری سفید ہے تو وہ سفید ہے، آپ مانیں یا نہ مانیں، آپ اعتبار کریں یا نہ کریں وہ سفید ہے بھئی۔ اور کچھ اوصاف وہ ہیں جو معتبر کے اعتبار پر موقوف ہوتے ہیں، معتبر ان کا اعتبار کرتا ہے تو وہ وصف ہے، معتبر اس کا اعتبار نہیں کرتا تو وہ وصف نہیں ہے۔ تو یہ جو شرعی اوصاف ہوتے ہیں جن کا شریعت اعتبار کرتی ہے یہ اعتباری اوصاف ہیں، یہ شرعی اوصاف کیا ہیں؟ اعتباری اوصاف ہیں، ان کا شریعت اعتبار کرتی ہے اس لیے ہمیں ماننا پڑتے ہیں۔ تو اعتباری وصف معتبر کے اعتبار پر موقوف ہوتا ہے اور وصفِ حقیقی وہ معتبر کے اعتبار پر موقوف نہیں ہوتا، حقیقت میں وصف ہوتا ہے۔ اور یہ جو وصفِ شرعی ہے یہ انتقال کو قبول کرتے ہیں لیکن وصفِ حقیقی انتقال کو قبول نہیں کرتے۔ تو یہاں پر بھی دیکھو اب بکری ہے، بکری کا بچہ پیدا ہوا تو کیا بکری کا رنگ بکری سے اتر کر ادھر چلا گیا ہے؟ نہیں، یہاں وصفِ حقیقی میں انتقال نہیں۔ ہاں وصفِ شرعی وہ منتقل ہو گا بکری کے بچے کی طرف بھی۔ مثلاً یہ بکری آپ نے کسی کے پاس رہن رکھوائی تھی اور وہاں بکری نے جنم دیا، تو بکری کا رنگ جو وصفِ حقیقی ہے وہ تو انتقال کو قبول نہیں کرے گا لیکن وصفِ اعتباری شریعت نے جو، آپ نے بکری کسی کے پاس رہن رکھوا دی تو شریعت نے کیا بنا دیا اس کو؟ مرہون، کہ یہ کیا بن گئی بکری؟ مرہون، اب جب تک آپ دین ادا نہیں کریں گے آپ بکری کو چھڑوا نہیں سکتے۔ تو دیکھو یہ ایک وصفِ شرعی ہے، بکری مرہون بن گئی۔ یہ وصفِ شرعی بچے کی طرف بھی سرایت کرے گا، تو بکری مرہون ہے تو اس کا بچہ بھی خود بخود کیا بن جائے گا؟ مرہون بن جائے گا، وہ سرایت کر جائے گا۔ یہاں پر بھی باندی کیا تھی؟ مدیون تھی، اور یہ وصفِ حقیقی نہیں ہے بلکہ وصفِ شرعی ہے، شریعت نے اعتبار کیا کہ تم نے ان لوگوں کا دین لیا ہے، اب تمہارے ذمہ میں ہے وہ تم نے ادا کرنا ہے، تو یہ کیا ہے وصفِ شرعی، اور وصفِ شرعی وہ سرایت کرتا ہے وہ انتقال کو قبول کرتا ہے، تو باندی کا جب بچہ پیدا ہو گا تو یہ وصفِ شرعی اس بچے کی طرف بھی سرایت کر جائے گا اور وہ بھی کیا ہو گا؟ مدیون شمار ہو گا، اس کو بھی دین میں بیچا جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ دیکھیے بھئی کتاب پر: فَإِنَّ الدَّيْنَ فِيْ ذِمَّةِ الْأَمَةِ مُتَعَلِّقٌ بِرَقَبَتِهَا اس لیے کیونکہ دین جو ہے وہ باندی کے ذمہ میں ہے جو کہ متعلق ہے اس باندی کی ذات کے ساتھ، فَيَسْرِيْ إِلَى الْوَلَدِ تو وہ سرایت کرے گا بچے کی طرف یعنی منتقل ہو گا بچے کی طرف بھی۔ وَفِي الْجِنَايَةِ الدَّفْعُ فِيْ ذِمَّةِ الْمَوْلٰى لَا فِيْ ذِمَّتِهَا اور جنایت کے اندر حوالے کرنا جو ہے وہ آقا کے ذمہ میں ہے وہ باندی کے ذمہ میں نہیں ہے۔ وَإِنَّمَا يُلَاقِيْهَا أَثَرُ الْفِعْلِ الْحَقِيْقِيِّ اور باندی کے ساتھ تو ملا ہوا ہے (لَاقٰى يُلَاقِيْ کا کیا معنی؟ ملا ہوا ہونا، جڑا ہونا) وَإِنَّمَا يُلَاقِيْهَا باندی کے ساتھ ملا ہوا ہے أَثَرُ الْفِعْلِ الْحَقِيْقِيِّ فعلِ حقیقی کا اثر وَهُوَ الدَّفْعُ اور وہ حوالے کرنا ہے، وہ کیا ہے حوالے کرنا۔ یہاں دیکھو کہتے ہیں باندی کے ساتھ فعلِ حقیقی جڑا ہوا ہے، فعلِ حقیقی اس کے ساتھ جڑے گا کون سا؟ آقا جب اس باندی کو کیا کرتا ہے جنایت میں حوالے کرتا ہے، اور یہ حوالے کرنا یہ اعتباری چیز ہے

یا یہ حقیقی فعل ہے؟ یہ اعتباری فعل ہے یا حقیقی فعل ہے؟ حقیقی فعل ہے، کیا کیا جاتا ہے غلام کو ایک سے لے کر دوسرے کے حوالے کیا جاتا ہے، تو یہ حقیقی فعل ہے، آپ کے اعتبار پر موقوف نہیں ہے، آپ کہیں میں اس کا اعتبار ہی نہیں کرتا، بھئی آپ اعتبار کریں یا نہ کریں حوالے میں کیا ہو گا غلام ایک سے نکل کر دوسرے کے پاس چلا جائے گا۔ تو لہٰذا باندی کے ساتھ آقا کا فعل جڑا ہوا ہے کون سا؟ حوالے کرنے والا، اور حوالے کرنا کیا ہے؟ یہ فعلِ حقیقی ہے، اور فعلِ حقیقی وہ انتقال کو قبول نہیں کرتا، لہٰذا وہ فعلِ حقیقی اب بچے کی طرف سرایت نہیں کرے گا، اس کو حوالے کرنا ضروری نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے وَإِنَّمَا يُلَاقِيْهَا أَثَرُ الْفِعْلِ الْحَقِيْقِيِّ اور باندی کے ساتھ ملے گا فعلِ حقیقی کا اثر وَهُوَ الدَّفْعُ اور وہ حوالے کرنا ہے، وَالسِّرَايَةُ فِي الْأُمُوْرِ الشَّرْعِيَّةِ لَا الْحَقِيْقِيَّةِ اور سرایت یعنی منتقل ہونا یہ امورِ شرعیہ میں ہوتا ہے امورِ حقیقیہ میں نہیں ہوتا۔ یا آسان لفظوں میں یوں کہو، اوصافِ شرعیہ جو ہیں وہ انتقال کو قبول کرتے ہیں لیکن اوصافِ حقیقیہ وہ انتقال کو قبول نہیں کرتے۔

آگے دیکھیے: فَإِنْ قَتَلَ عَبْدٌ خَطَأً وَلِيَّ حُرٍّ زَعَمَ أَنَّ سَيِّدَهُ أَعْتَقَهُ فَلَا شَيْءَ لِلْحُرِّ عَلَيْهِ۔

صورتِ مسئلہ یہ، ایک شخص ہے وہ ایک غلام کے بارے میں اس کا یہ گمان ہے کہ اس غلام کو اس کے آقا نے آزاد کر دیا ہے۔ توجہ ہے؟ ایک شخص کا یہ گمان ہے کہ آقا نے اپنے اس غلام کو آزاد کر دیا ہے، اور یہ گمان صرف اس کے دل میں نہیں ہے وہ زبان سے بھی کہہ دیتا ہے، وہ زبان سے بھی لوگوں کے سامنے کہہ دیتا ہے کہ یہ جو غلام ہے اس کو اس کے آقا نے آزاد کر دیا۔ اب اگلے دن ایسا ہوا کہ اس غلام نے غلطی سے ایک آدمی کو قتل کر دیا، توجہ ہے؟ غلطی سے قتل کیا، تو دیت آنی، کیا آنی چاہیے؟ دیت، لیکن اتفاق ایسا ہے کہ وہ آدمی جس نے کہا تھا کہ اس غلام کو اس کے آقا نے آزاد کر دیا ہے وہی ولیِ مقتول ہے، وہی ولیِ مقتول ہے، اس نے یہ دیت وصول کرنی ہے، اس نے یہ دیت وصول کرنی ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ کہتے ہیں اس صورت میں آزاد آدمی کے لیے اس غلام پر کچھ بھی واجب نہیں ہو گا۔ کیونکہ جب اس نے یہ کہا، جب اس نے اقرار، جب اس نے اپنی زبان سے کہا، کیا کہا تھا؟ اس غلام کو جس نے جنایت کی ہے، اس کے بارے میں جنایت سے پہلے اس نے کیا کہا تھا کہ اس غلام کو اس کے آقا نے آزاد کر دیا ہے۔ اس کا یہ کہنا بتلا رہا ہے کہ اس نے غلام کو بھی بری کر دیا ہے جنایت سے اور اس کے آقا کو بھی بری کر دیا ہے۔ غلام تو آزاد ہو گیا نا، حقیقت میں نہیں آزاد لیکن اس آدمی نے یہ کہا تھا، اس آدمی نے یہ کہا تھا۔ اگر غلام آزاد ہوتا تو یہ دیت کس نے ادا کرنی تھی؟ غلام کی عاقلہ نے، توجہ...

جو ہے غلام نے تو نہیں ادا کرنی تھی، اس کے آقا نے ادا نہیں کرنی، تو اس نے جو زبان سے بات کی اس کے مطلب یہ ہے کہ اس نے غلام کو بھی اس جنایت سے بری کر دیا اور اس کے آقا کو بھی اس جنایت سے بری کر دیا، لہٰذا اب یہاں

پر غلام اور اس کے آقا پر کچھ نہیں آئے گا۔ اور آپ کہیں گے اچھا اس کے غلام کے عاقلہ پر آئے گا؟ بھئی غلام تو اس نے آزاد کیا ہی نہیں، غلام کی تو کوئی عاقلہ نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ غلام تو ابھی بھی غلام ہے، اس کا خیال تھا شاید آقا نے کیا کر دیا ہے؟ آزاد کر دیا ہے، تو اس نے اپنے گمان کے مطابق لوگوں میں کیا بات کر دی؟ کہ آقا نے اس غلام کو آزاد کر دیا ہے۔ جب آزاد کر دیا ہے اس کا مطلب ہے اس نے کیا کر دیا ہے غلام کو، ہر آدمی سے اس کے قول کا مواخذہ ہوتا ہے، تم نے خود زبان سے کیا کہا تھا؟ اس غلام کو آقا نے آزاد کر دیا ہے۔ آپ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ غلام پر بھی جنایت نہیں اور اس کے آقا پر بھی جنایت نہیں۔ غلام اگر آزاد، فرض کرو آپ کی بات سچی ہوتی تو یہ جنایت کس پر آنی چاہیے تھی؟ غلام کی عاقلہ پر آنی چاہیے، کس پر؟ عاقلہ پر۔ نہیں توجہ، میرا خیال تھک گئے ہیں۔

پھر سنو، اس آدمی کے کہنے کا مطلب یہ ہے جب اس نے یہ کہا کہ آقا نے اس غلام کو آزاد کر دیا ہے، اب مجھے بتاؤ اگر آقا نے غلام کو حقیقت میں آزاد کیا ہوتا تو یہ دیت کس پر آنی تھی؟ غلام کی عاقلہ پر آنی تھی۔ گویا اس کے اس قول کی وجہ سے غلام بھی بری ہوا اور آقا بھی بری ہو گیا۔ آقا کیوں بری؟ کیونکہ وہ تو آزاد کر چکا ہے۔ اور غلام کیوں بری؟ کیونکہ جنایت کیا ہے غلطی والی ہے اور وہ کس پر آتی ہے دیت عاقلہ پر۔ لیکن اس کا یہ گمان غلط ہے، آقا نے غلام کو آزاد نہیں کیا۔ جب غلام کو آقا نے آزاد نہیں کیا اور اب جنایت کر دی ہے اس غلام نے تو اس صورت میں اس آزاد آدمی کو نہ غلام پر کوئی مال آیا اور نہ اس کے آقا پر کوئی آیا، کیونکہ اس نے اپنے قول کے ذریعے خود ہی دونوں کو بری کر دیا ہے۔ اس کے قول کا تقاضا یہ تھا یہ دیت اب کس پر آنی چاہیے؟ غلام کے عاقلہ پر آنی چاہیے، اور غلام تو ابھی بھی غلام ہے اس کے عاقلہ کدھر ہے؟ اور آقا کو بھی اس نے بری کر دیا تھا اور غلام کو بھی بری کر دیا تھا، لہٰذا دونوں بری ہی رہیں گے یہ اس کے اپنے قول کی وجہ سے ایسا ہوا، بات سمجھ میں آگئی؟ اور ہر شخص اپنے قول کے بارے میں ماخوذ ہے تو یہاں اس کے قول کے مطابق فیصلہ ہو گا اور اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔

دیکھیے: فَإِنْ قَتَلَ عَبْدٌ خَطَأً اگر قتل کر دیا کسی غلام نے غلطی سے، کس کو قتل کیا؟ وَلِيَّ حُرٍّ زَعَمَ دیکھو بھئی حُرٍّ نکرہ آیا اور نکرہ کے بعد زَعَمَ فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو یہ اس کی صفت، تو یہ زَعَمَ حُرٍّ کی صفت ہے حُرٍّ کی۔ دیکھو وَلِيَّ حُرٍّ زَعَمَ ایک ایسے آزاد آدمی کا ولی کہ اس کا گمان یہ ہے، کس کا گمان ہے؟ آزاد کا، آزاد کا، ولی کا نہیں، آزاد کا۔

فَإِنْ قَتَلَ عَبْدٌ خَطَأً اگر قتل کیا کسی غلام نے غلطی سے وَلِيَّ حُرٍّ زَعَمَ ایسے آزاد آدمی کے ولی کو کہ جس کا گمان یہ ہے کہ أَنَّ سَيِّدَهُ أَعْتَقَهُ کہ اس کے آقا نے اس کو آزاد کر دیا ہے، فَلَا شَيْءَ لِلْحُرِّ عَلَيْهِ تو کوئی چیز نہیں ہے آزاد آدمی کے لیے عَلَيْهِ اس غلام پر کچھ بھی نہیں ہے۔ دیکھو زَعَمَ کہا، زعم، زعم کس کو کہتے ہیں؟ گمانِ باطل کو، غلط گمان کو، یعنی اس کا غلط گمان تھا کہ اس غلام کو اس کے آقا نے آزاد کیا، اور پھر غلام نے کل اسی آزاد آدمی کے ولی کو قتل کر دیا، جب اس کے اس

ولی کو قتل کر دیا تو یہ ولیِ مقتول بن گیا اور اس نے دیت وصول کرنی ہے، لیکن اس نے تو خود کیا کہہ دیا؟ کہ آقا نے آزاد کر دیا ہے، اس کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ دیت سے آقا بھی بری ہے اور یہ غلام بھی بری ہے، بلکہ دیت کن پر ہے؟ اس کے عاقلہ پر، تو لہٰذا غلام اور آقا پر تو کچھ نہیں آئے گا، اور عاقلہ پر؟ عاقلہ پر بھی کچھ نہیں آئے گا۔ کیوں عاقلہ پر کیوں نہیں کچھ آئے گا؟ بھئی اس لیے پہلے ثابت تو کرے، بینہ تو لے کر آئے کہ آقا نے کیا کیا تھا غلام کو آزاد کر دیا تھا، بینہ لائے گا تو پھر عاقلہ پر آجائے گی بات، سمجھ میں آگئی؟

تو یہ معنی ہے فَلَا شَیْءَ لِلْحُرِّ عَلَیْہِ تو آزاد آدمی کا اس غلام پر کچھ بھی نہیں ہے۔ أَیْ قَالَ رَجُلٌ، دیکھا، کہا ایک آدمی نے، زعم کہا، زعم تو گمانِ باطل کو کہتے ہیں، اور گمان تو وہ ہے جو ذہن میں ہوتا ہے، تو یہاں صرف ذہن میں گمان نہیں ہے اس نے زبان سے بھی کہا ہے لیکن اس کو زعم سے تعبیر کیا کیونکہ یہ اس کا باطل خیال تھا، بات سمجھ میں آگئی؟ خود بتلا رہے ہیں شارح میں أَیْ قَالَ رَجُلٌ ایک آدمی نے کہا، دیکھو زبان سے اس نے کہا، ہٰذَا الْعَبْدُ قَدْ أَعْتَقَہٗ مَوْلَاہُ یہ جو غلام ہے اس کو اس کے آقا نے آزاد کر دیا ہے، فَقَتَلَ ذٰلِکَ الْعَبْدُ شَخْصًا خَطَأً تو اس غلام نے ایک شخص کو غلطی سے قتل کر دیا، وَذٰلِکَ الرَّجُلُ وَلِیُّ جِنَایَۃٍ اور وہ جو آدمی وہ جو قائل تھا وہ جو یہ کہنے والا تھا وہ ولیِ جنایت ہے، فَلَا شَیْءَ لَہٗ تو اس ولیِ جنایت کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، لِأَنَّہٗ لَمَّا قَالَ اس لیے کیونکہ جب اس نے یہ کہا تھا کہ إِنَّ مَوْلَاہُ أَعْتَقَہٗ کہ اس کے آقا نے اس کو آزاد کر دیا ہے، فَقَدِ ادَّعَی الدِّیَۃَ عَلَی الْعَاقِلَۃِ تو اس نے دیت کا دعویٰ عاقلہ پر کر دیا تھا گویا، زبان سے تو نہیں کہا لیکن گویا اس نے دیت کا دعویٰ کس پر کر دیا؟ عاقلہ پر۔ فَقَدِ ادَّعَی الدِّیَۃَ عَلَی الْعَاقِلَۃِ تو گویا اس نے دیت کا دعویٰ کر دیا عاقلہ پر وَأَبْرَأَ الْعَبْدَ وَالْمَوْلٰی عَنْ مُوْجَبِ الْجِنَایَۃِ اور اس نے بری کر دیا معاف کر دیا غلام کو بھی اور آقا کو بھی عَنْ مُوْجَبِ الْجِنَایَۃِ جنایت کے مقتضا سے یعنی اس کے حکم سے یعنی دیت سے معاف کر دیا ان کو، ان کو بری کر دیا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

فَإِنْ قَالَ قَتَلْتُ أَخَا زَیْدٍ قَبْلَ عِتْقِیْ خَطَأً وَقَالَ زَیْدٌ بَلْ بَعْدَہٗ صُدِّقَ الْأَوَّلُ۔

صورتِ مسئلہ یہ، ایک شخص نے ایک غلام کو آزاد کر دیا اور اس غلام نے بعد میں کہا کہ میں نے زید کے بھائی کو قتل کیا تھا غلطی سے آزاد ہونے سے پہلے۔ توجہ ہے؟ ایک آزاد شدہ غلام نے لوگوں کے سامنے اقرار کیا کہ میں نے زید کے بھائی کو قتل کیا تھا غلطی سے کس وقت؟ آزادی سے پہلے۔ جبکہ زید کہتا ہے نہیں، آزادی کے بعد تم نے قتل کیا ہے۔ گویا غلام کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ جو دیت ہے یہ کس پر آنی چاہیے؟ میرے آقا پر، اور زید کہہ رہا ہے کہ نہیں تم نے آزادی کے بعد قتل کیا ہے، زید کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ دیت تم پر یعنی تمہاری عاقلہ پر آنی چاہیے۔ تو اب کس کے قول کا اعتبار کریں گے؟

کہتے ہیں اس صورت میں غلام کے قول کا اعتبار کیا جائے گا، غلام کے قول کا۔ کیوں؟ غلام کے قول کا اعتبار کیوں کریں گے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ آپ نے پڑھا ہے اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ أَنْكَرَ۔ بینہ یعنی گواہی کس کے ذمہ ہے؟ مدعی، جو دعویٰ کرتا ہے اس کے ذمہ ہے وہ دو گواہ پیش کرے اس مسئلے میں۔ وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ أَنْكَرَ اور قسم کس کے ذمہ ہے؟ جو انکار کرتا ہے، جو دعوے کا انکار کرتا ہے یعنی جو منکر ہے۔ تو عند الاحناف گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے، منکر کے گواہوں کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ گواہ کس کے ذمہ میں ہیں؟ مدعی۔ اور عند الاحناف قسم جو ہے وہ منکر کی معتبر ہے، مدعی کی قسم کا کوئی اعتبار نہیں۔ تو مدعی کے ذمہ گواہ ہیں اس کے قسم کا کوئی اعتبار نہیں، اور منکر کے ذمہ قسم ہے اس کے گواہوں کا کوئی اعتبار نہیں، ضابطہ سمجھ میں آگیا؟

اور یہ یاد رکھنا فقہ کی کتابوں میں جگہ جگہ آتا ہے کہ فلاں کا قول معتبر ہے، اس مسئلے میں فلاں کا قول معتبر، جیسے یہاں پر کہا صُدِّقَ الْأَوَّلُ پہلے کی تصدیق کی جائے گی، یعنی پہلے کا قول معتبر ہے یعنی غلام کا قول معتبر ہے دوسرے شخص کا یعنی زید کا قول معتبر نہیں۔ یہاں تصدیق ویسے نہیں کی جائے گی، قسم کے ساتھ ہوگی، معلوم ہوا یہ منکر ہے، معلوم ہوا جس کی بھی تصدیق کی جا رہی ہے وہ کون ہے؟ منکر۔ یہ آپ نے ہمیشہ یاد رکھنا ہے جہاں کہیں بھی آجائے کہ قول اس کا معتبر ہے معلوم ہوا یہ منکر ہے، اور قول ویسے معتبر ہے یا قسم کے ساتھ؟ قسم کے ساتھ۔ اور یہ کہا صُدِّقَ الْأَوَّلُ پہلے کی تصدیق کی جائے گی، معلوم ہوا یہ مدعی ہے یا منکر؟ قول اس کا معتبر ہے، قول کس کا معتبر ہوتا ہے؟ منکر کا، معلوم ہوا یہ منکر ہے بھئی یہ مدعی نہیں ہے۔ تو یہ تفصیل وہ بیان نہیں کریں گے فقہاء بس آپ خود ہی سمجھ جائیں، جب کہہ دیں کہ اس کا قول معتبر ہے آپ سمجھیں یہ منکر ہے دوسرا مدعی ہے اور یہ منکر، اور یہ کہہ دیں اس کے قول کی تصدیق کی جائے گی سمجھ جائیں یہ منکر ہے اسی لیے اس کے قول کی تصدیق کی جائے گی، ضابطہ سمجھ میں آگیا؟

تو یہاں پر بھی زید نے کیا کہا؟ کہ تم نے آزادی کے بعد قتل کیا ہے، اور غلام کیا کہہ رہا ہے میں نے آزادی سے پہلے قتل کیا ہے، اور کس کا قول معتبر؟ انہوں نے بتلا دیا غلام کا قول معتبر ہے غلام کا۔ کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ غلام منکر ہے، کیونکہ زید نے جب کہا تم نے آزادی کے بعد قتل کیا گویا زید دعویٰ کر رہا ہے اس پر ضمان کا کہ ضمان تمہیں دینا پڑے گا، تمہاری عاقلہ کو دینا پڑے گا، اور غلام کیا کہہ رہا ہے میں نے جب قتل کیا میں تو غلام تھا اور غلام پر تو ضمان نہیں آتا تو وہ گویا ضمان کا انکار کر رہا ہے، تو زید ہوا مدعی اور غلام ہوا منکر اور قول کس کا معتبر؟ منکر کا، اس لیے چونکہ وہ منکر ہے اس لیے اس کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔

فَإِنْ قَالَ قَتَلْتُ أَخَا زَيْدٍ قَبْلَ عِتْقِيْ خَطَأً اگر کسی نے کہا کہ میں نے قتل کیا تھا أَخَا زَيْدٍ زید کے بھائی کو، آپ نے پڑھا ہے أَخْ کیا ہے اسمائے ستہ مکبرہ میں سے ہے، اور اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیرِیاء المتکلم حالتِ رفعی میں واو کے ساتھ، حالتِ نصبی میں الف کے ساتھ اور حالتِ جری میں یا کے ساتھ آتے ہیں، تو یہاں پر یہ أَخَا جو ہے یہ حالتِ نصبی

میں ہے یہ مفعول ہے قَتَلْتُ کا۔ فَإِنْ قَالَ اگر کہا کسی نے قَتَلْتُ أَخَا زَيْدٍ میں نے قتل کیا تھا زید کے بھائی کو قَبْلَ عِتْقِي اپنی آزادی سے پہلے خَطَأً غلطی سے، وَقَالَ زَيْدٌ بَلْ بَعْدَهُ اور کہا زید نے بلکہ آزادی کے بعد قتل کیا تھا، صُدِّقَ الْأَوَّلُ تو پہلے کی تصدیق کی جائے گی۔

بھئی کیوں پہلے کی تصدیق کیوں کریں گے؟ اب بتلائیں گے کہ وہ منکر ہے اس لیے۔ فَإِنَّهُ أَسْنَدَ قَتْلَهُ إِلَى حَالَةٍ مُنَافِيَةٍ لِلضَّمَانِ اس لیے کیونکہ اس قاتل نے نسبت کر دی قتل کی إِلَى حَالَةٍ ایسی حالت کی طرف مُنَافِيَةٍ لِلضَّمَانِ جو ضمان کے منافی ہے۔ اس نے تو کہا میں نے غلامی کی حالت میں قتل کیا ہے، اور غلامی کیا ہے؟ ضمان کے منافی ہے، غلام پر ضمان نہیں آسکتا بھئی۔ تو اس نے نسبت کی قتل کی ایسی حالت کی طرف مُنَافِيَةٍ لِلضَّمَانِ جو ضمان کے منافی ہے، فَكَانَ مُنْكِرًا تو یہ شخص منکر ہوا فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ تو قول اسی کا معتبر ہے یعنی منکر کا، كَمَا إِذَا قَالَ الْعَاقِلُ الْبَالِغُ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہے کوئی عاقل بالغ شخص بھئی کہ طَلَّقْتُ امْرَأَتِي أَوْ بِعْتُ الدَّارَ۔

صورتِ مسئلہ یہ، صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک عورت کہتی ہے کہ میرے خاوند نے مجھے طلاق دے دی ہے، اور خاوند کہتا ہے جب طلاق دی تھی تو میں بچہ تھا۔ تو کس کا قول معتبر؟ کہتے ہیں وہ خاوند ہے اس کا قول معتبر، کیونکہ عورت کیا کر رہی ہے؟ طلاق کا دعویٰ کر رہی ہے اور خاوند کیا کر رہا ہے طلاق کی نسبت کر رہا ہے اس حالت کی طرف جس میں طلاق ہوتی نہیں، بچہ تو مکلف ہی نہیں اس بچے کے تو قول کا کوئی اعتبار نہیں، اس کی طلاق کا کوئی اعتبار نہیں۔ تو معلوم ہوا عورت ہوئی مدعی اور وہ شخص کیا ہوا؟ منکر ہوا، وہ طلاق کا منکر ہو گیا اور قول کس کا معتبر؟ منکر کا ہے، الا یہ کہ عورت گواہ پیش کر دے، یہ تو قول تب ہی لیتے ہیں نا جب گواہ نہیں ہوتے، جب گواہ ہوتے ہیں پھر قول کو نہیں سنا جاتا بھئی، بات سمجھ میں آ گئی؟ یا اسی طرح ایک شخص ہے اس نے آکر کہا کہ اس نے اپنا مکان مجھے بیچ دیا تھا، اور یہ کہتا ہے کہ بھئی جس وقت میں نے مکان بیچا تھا اس وقت میں بچہ تھا میں ابھی بالغ ہی نہیں ہوا تھا، تو اس صورت میں بھی قول اس کا معتبر ہے کیونکہ بچے کے قول کا کوئی اعتبار نہیں، تو معلوم ہوا وہ دوسرا شخص دعویٰ بیع کا کر رہا ہے اور یہ منکرِ بیع ہے اور قول کس کا معتبر؟ منکر کا، الا یہ کہ یہ دوسرا گواہ پیش کر دے۔ تیسری صورت، ایک عورت ہے اس نے کہا کہ میرے خاوند نے مجھے طلاق دے دی ہے اور خاوند کہتا ہے میں تو اس وقت جنون کی حالت میں تھا اور وہ خاوند کا جنون بھی معروف ہے لوگوں کو پتا ہے اس کو کبھی کبھی دورہ پڑتا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو عورت مدعی ہوئی اور وہ شخص کیا ہوا؟ منکر، تو قول اسی کا معتبر ہے الا یہ کہ عورت بینہ پیش کر دے۔ چوتھی صورت، ایک شخص ہے اس نے دعویٰ کر دیا کہ اس آدمی نے اپنا یہ مکان مجھے بیچ دیا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں تو اس وقت جنون کی حالت میں تھا، تو گویا وہ منکر ہوا اور قول کس کا معتبر؟ منکر کا۔ یہ معنی ہے كَمَا إِذَا قَالَ...

الْعَاقِلُ الْبَالِغُ جیسے کہ کہا کسی عاقل بالغ شخص نے کہ طَلَّقْتُ امْرَأَتِي أَوْ بِعْتُ الدَّارَ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی تھی یا میں نے اپنا گھر بیچا تھا، وَأَنَا صَبِيٌّ اس حال میں کہ میں بچہ تھا، أَوْ أَنَا مَجْنُونٌ یا اس حال میں کہ میں مجنون تھا اس وقت،

وَكَانَ جُنُوْنُهٗ مَعْرُوْفًا اور اس کا جنون جو ہے وہ معروف تھا، لوگوں کو پتا تھا کہ اس کو جنون کے دورے پڑتے ہیں پھر اس کا قول معتبر ہے، فَالْقَوْلُ قَوْلُهٗ تو اس صورت میں اس کا قول معتبر ہے کیونکہ یہ منکر ہے۔

فَإِنْ قُلْتَ يَنْبَغِيْ أَنْ لَّا يَكُوْنَ لِقَوْلِ الْعَبْدِ اعْتِبَارٌ لِأَنَّ مَعْنٰى قَوْلِ الْأَخِ أَنَّ دِيَةَ الْقَتْلِ عَلٰى عَاقِلَتِكَ وَمَعْنٰى قَوْلِ الْقَاتِلِ أَنَّ الْوَاجِبَ عَلٰى مَوْلَايَ الْأَقَلُّ مِنْ قِيْمَتِيْ وَمِنَ الدِّيَةِ إِنْ لَّمْ يَعْلَمْ بِالْجِنَايَةِ وَالدِّيَةُ إِنْ كَانَ عَالِمًا بِهَا فَلَا اعْتِبَارَ لِقَوْلِ الْعَبْدِ فِيْ حَقِّ الْمَوْلٰى۔

یہاں سے ایک اعتراض اور اس کا جواب ذکر کریں گے، دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں فَإِنْ قُلْتَ اگر آپ یہ اعتراض کریں يَنْبَغِيْ أَنْ لَّا يَكُوْنَ لِقَوْلِ الْعَبْدِ اعْتِبَارٌ کہ مناسب تو یہ ہے کہ غلام کے قول کا اعتبار نہیں ہونا چاہیے، لِأَنَّ مَعْنٰى قَوْلِ الْأَخِ اس لیے کیونکہ اس مقتول کے بھائی کے قول کا معنی یہ ہے کہ أَنَّ دِيَةَ الْقَتْلِ عَلٰى عَاقِلَتِكَ کہ قتل کی دیت جو ہے وہ تمہاری عاقلہ پر ہے۔ قاتل نے کیا کہا تھا؟ میں نے آزادی سے پہلے قتل کیا تھا، میں اس وقت غلام تھا، اور مقتول کا بھائی کیا کہتا ہے کہ تم نے کب قتل کیا تھا؟ آزادی کے بعد۔ تو قاتل کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ دیت یا ضمان جو ہے وہ میرے آقا پر آنا چاہیے، اور مقتول کے بھائی کے قول کا معنی کیا ہے کہ دیت قاتل پر آنی چاہیے یعنی اس کی عاقلہ پر آنی چاہیے۔ توجہ ہے؟

اعتراض کیا کہ یہاں پر انہوں نے کس کے قول کا اعتبار کیا؟ غلام یعنی قاتل کے قول کا اعتبار کیا کیونکہ وہ منکر ہے۔ تو اعتراض کر رہے ہیں کہ بھئی مناسب تو یہ تھا کہ غلام کے قول کا اعتبار نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کیونکہ مقتول کے بھائی نے کیا کہا کہ آپ نے آزادی کے بعد قتل کیا، تو اس کے قول کا معنی یہ ہے کہ یہ دیت آپ کی عاقلہ پر ہے، اے قاتل یہ دیت آپ کی عاقلہ پر ہے، اور جو قاتل نے کہا کہ میں نے آزادی سے پہلے قتل کیا تو قاتل کے قول کا معنی یہ ہے کہ یہ ضمان کس پر آنا چاہیے؟ میرے آقا پر آنا چاہیے، حالانکہ غلام کا قول آقا کے بارے میں تو معتبر نہیں، غلام کے اقرار کی وجہ سے آقا پر مال لازم نہیں ہوتا، توجہ ہے؟

غلام اگر کسی کا اقرار بھی کر لے کہ میں نے اس کا دس لاکھ روپیہ دین دینا ہے، تو وہ آقا پر لازم نہیں ہوتے بھئی۔ ہاں اگر یہ کبھی زندگی میں آزاد ہو گیا تو وہ مقر لہ بعد میں اس سے وہ وصولی کر سکتا ہے کہ تم نے خود اقرار کیا تھا، گواہ وغیرہ لے آئے کہ ان کے سامنے اس نے اقرار کیا تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو غلام کا اقرار آقا کے بارے میں معتبر نہیں۔ اعتراض یہ کر رہے ہیں، آپ نے کس کے قول کا اعتبار کیا؟ غلام کے قول کا اعتبار کیا، حالانکہ مناسب یہ ہے کہ غلام کے قول کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ ضمان کو کس پر واجب کر رہا ہے؟ اپنے آقا پر، اور آقا کے بارے میں تو غلام کے اقرار کا اعتبار نہیں ہے، غلام تو اپنے آقا پر مال واجب نہیں کر سکتا، جبکہ مقتول کے بھائی کے قول کا معنی یہ ہے کہ دیت آپ کی عاقلہ پر ہے، لہٰذا اس مقتول کے بھائی کے قول کا اعتبار کرنا چاہیے۔

تو یہ اعتراض ہے، دیکھیں پھر دیکھیں تقریر: فَإِنْ قُلْتَ اگر آپ یہ کہیں يَنْبَغِيْ أَنْ لَّا يَكُوْنَ لِقَوْلِ الْعَبْدِ اعْتِبَارٌ مناسب یہ ہے کہ غلام کے قول کا اعتبار نہیں ہونا چاہیے لِأَنَّ مَعْنٰى قَوْلِ الْأَخِ اس لیے کیونکہ مقتول کے بھائی کے قول کا معنی یہ ہے کہ أَنَّ دِيَةَ الْقَتْلِ عَلٰى عَاقِلَتِكَ کہ قتل کی دیت جو ہے وہ آپ کی عاقلہ پر ہے، اے قاتل قتل کی دیت آپ کی عاقلہ پر ہے۔ وَمَعْنٰى قَوْلِ الْقَاتِلِ اور قاتل کے قول کا معنی یہ ہے کہ أَنَّ الْوَاجِبَ عَلٰى مَوْلَايَ کہ وہ جو واجب ہے میرے آقا پر الْأَقَلُّ مِنْ قِيْمَتِيْ وَمِنَ الدِّيَةِ میری قیمت اور دیت میں سے جو اقل ہے وہ واجب ہے۔ بھئی دیکھو نا آقا نے اس غلام کو آزاد کر دیا ہے اور غلام نے جنایت کی ہو اور آقا اس کو آزاد کر دے تو آپ نے سبق میں پڑھا، گذشتہ سبق میں پڑھا کہ اگر آقا کو علم تھا جنایت کا پھر بھی اس نے آزاد کر دیا تو اس نے کس کو اختیار کر لیا؟ ارش کو۔ اور اگر آقا کو علم نہیں تھا تو پھر آقا کو اختیار ہو گا کہ وہ غلام کی قیمت اور ارش میں سے جو اقل ہے وہ دے دے۔ تو وہ یہی بات یہاں بھی کر رہے ہیں کہ غلام کے قول کا مطلب یہ ہے کہ یہ ضمان کس پر آنا چاہیے؟ میرے آقا پر، اگر اس نے جانتے بوجھتے ہوئے مجھے آزاد کیا ہے تو پھر تو اس پر پوری دیت آنی چاہیے، اور اگر اس کو علم نہیں تھا تو اس پر میری قیمت اور جنایت میں سے جو اقل ہے وہ اس پر آنا چاہیے، لیکن ضمان آنا میرے آقا پر ہی چاہیے۔ یہ کس کے قول کا مطلب ہے؟ غلام کے۔

یہ معنی ہے وَمَعْنٰى قَوْلِ الْقَاتِلِ اور قاتل کے قول کا معنی یہ ہے کہ أَنَّ الْوَاجِبَ عَلٰى مَوْلَايَ کہ وہ جو واجب ہے میرے آقا پر الْأَقَلُّ مِنْ قِيْمَتِيْ وَمِنَ الدِّيَةِ وہ جو کم ہے میری قیمت اور دیت میں سے وہ میرے آقا پر واجب ہے إِنْ لَّمْ يَعْلَمْ بِالْجِنَايَةِ اگر اس کو جنایت کا علم نہیں تھا، وَالدِّيَةُ اور میرے آقا پر دیت واجب ہے إِنْ كَانَ عَالِمًا بِهَا اگر اس کو اس جنایت کا علم ہو۔ تو قاتل کے قول کا معنی یہ ہے ضمان بس میرے آقا پر آنا چاہیے، علم تھا تو پوری دیت آنی چاہیے، علم نہیں تھا تو اقل آنا چاہیے، بات سمجھ میں آگئی؟ اور مقتول کے بھائی کے قول کا معنی یہ ہے کہ یہ ضمان تمہاری عاقلہ پر آنا چاہیے، اور غلام تو اپنے آقا پر کچھ واجب نہیں کر سکتا، غلام تو اپنے آقا کے بارے میں کوئی ضمان کا اقرار کرے وہ آقا پر لازم نہیں ہوتا، لہٰذا غلام کے قول کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے، یہاں پر کس کے قول کا اعتبار کرنا چاہیے؟ مقتول کے بھائی کے قول کا اعتبار کرنا چاہیے۔

آگے دیکھیے: فَلَا اعْتِبَارَ لِقَوْلِ الْعَبْدِ فِيْ حَقِّ الْمَوْلٰى لہٰذا اعتبار نہیں ہو گا غلام کے قول کا اپنے آقا کے بارے میں۔

قُلْتُ میں کہتا ہوں: الْأَخُ يَدَّعِيْ عَلَى الْقَاتِلِ الْقَتْلَ الْخَطَأَ بَعْدَ الْعِتْقِ کہ مقتول کا بھائی جو ہے وہ دعویٰ کر رہا ہے قاتل پر قتلِ خطا کا بَعْدَ الْعِتْقِ کس کے بعد؟ آزادی کے بعد، وَلَا بَيِّنَةَ لَهٗ اس حال میں کہ اس مقتول کے بھائی کے پاس کوئی بینہ نہیں ہے۔ فَالْقَاتِلُ إِنْ أَقَرَّ بِذٰلِكَ تَلْزَمُهُ الدِّيَةُ تو پس اگر قاتل اس کا اقرار کر لے تو اس قاتل پر دیت لازم ہوتی ہے۔ اگر قاتل قتلِ خطا کا کیا کر لے؟ اقرار کر لے تو دیت کا، بھئی یاد رکھنا اگر کوئی قاتل کسی قتل کا اقرار کرتا ہے تو اقرار کی وجہ سے اس قاتل پر جو دیت یا جو ارش وغیرہ آتا ہے وہ عاقلہ پر نہیں آتا، وہ اسی جنایت کرنے والے یعنی قاتل وغیرہ کو دینا پڑتا ہے۔

دیکھو اگر غلطی سے قتل کیا تو دیت یا ارش میں کون مدد کرے گی؟ عاقلہ۔ لیکن اگر جان بوجھ کر قتل کیا ہے تو اس صورت میں بھی آپ نے پڑھا ہے کہ وہ دیت یا ارش عاقلہ برداشت نہیں کرتی، وہ خود اس جنایت کرنے والے کو، اس نے جرم کیا ہے جان بوجھ کر کیا ہے تو وہ اب اس کو خود برداشت کرنا پڑے گا، عاقلہ اس کی مدد نہیں کرے گی۔ اسی طرح جب کوئی جنایت کرنے والا اقرار کرلے، اس کے اقرار سے جنایت ثابت ہے اور کوئی بینہ وغیرہ نہیں، اقرار کی وجہ سے کسی شخص کا مواخذہ اس کا اپنا مواخذہ ہو سکتا ہے اس کی عاقلہ کا مواخذہ نہیں ہو سکتا، لہٰذا اقرار کی وجہ سے اگر کسی پر کوئی مال آتا ہے تو وہ اس شخص پر آتا ہے اس کی عاقلہ پر نہیں آتا۔

تو اقرار کی وجہ سے اگر کسی پر بھی کوئی جنایت کی وجہ سے مال آرہا ہے یا ویسے مال آرہا ہے، وہ عاقلہ پر نہیں آتا بس وہ اقرار کرنے والے ہی کو دینا پڑتا ہے۔ تو یہی بات کر رہے ہیں، کہتے ہیں بینہ اس کے پاس ہے نہیں فَالْقَاتِلُ إِنْ أَقَرَّ بِذٰلِکَ تَلْزَمُهُ الدِّيَةُ پس قاتل نے اگر اقرار کیا ہے اس کا تو وہ دیت قاتل پر لازم ہوگی، لِأَنَّ مَا يَثْبُتُ بِالْإِقْرَارِ لَا يَتَحَمَّلُهُ الْعَاقِلَةُ اس لیے کیونکہ وہ چیز جو اقرار کی وجہ سے ثابت ہو جائے عاقلہ اس کا تحمل نہیں کرتے، عاقلہ اس کو اٹھاتے نہیں ہیں، وہ ان کو برداشت نہیں کرتے۔ فَهُوَ مُنْكِرُ ذٰلِکَ اور وہ شخص اس کا منکر ہے، وہ شخص اس وجوب کا منکر ہے۔ مقتول کا بھائی کیا کہہ رہا ہے؟ آزادی کے بعد قتل کیا ہے، معلوم ہوا دیت تم پر آنی چاہیے یا تمہاری عاقلہ پر۔ اب بینہ تو ہے نہیں، تو اب قاتل کے اقرار سے ہی ثابت ہو سکتا ہے اور قاتل کے اقرار سے اگر ثابت ہوگا تو قاتل پر ہی ہوگا، قاتل کی عاقلہ پر نہیں ہوگا۔ اور کیا وہ اس وجوب کا اقرار کر رہا ہے یا انکار کر رہا ہے؟ ہاں، اس وجوب کا وہ انکار کر رہا ہے، اس نے کیا کہا؟ میں نے کس حالت میں قتل کیا تھا؟ غلامی کی حالت میں، اور غلامی میں تو مال واجب نہیں ہوتا۔ تو یہ معنی ہے فَهُوَ مُنْكِرُ ذٰلِکَ اور وہ اس وجوب کا منکر ہے۔

بَلْ يَقُوْلُ قَتَلْتُهُ قَبْلَ الْعِتْقِ بلکہ وہ تو کہہ رہا ہے کہ میں نے اس کو آزادی سے پہلے قتل کیا تھا، فَيُعْتَبَرُ قَوْلُهُ فِيْ نَفْيِ قَتْلِهِ بَعْدَ الْعِتْقِ تو کہتے ہیں لہٰذا معتبر غلام ہی کا قول ہے، معتبر غلام کا، لیکن غلام کے قول میں دو چیزیں ہیں: ایک چیز یہ کہ اس نے آزادی کے بعد قتل نہیں کیا، اور ایک یہ ہے کہ آقا پر ضمان آنا چاہیے، تو دو چیزیں آگئیں غلام کے قول میں جب اس نے کیا کہا؟ کہ میں نے آزادی سے پہلے قتل کیا تھا۔ تو گویا وہ دو چیزیں ذکر کر رہا ہے، ایک تو یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے آزادی کے بعد قتل نہیں کیا، آزادی سے پہلے کیا ہے، دوسرا وہ یہ کہہ رہا ہے کہ ضمان کس پر آنا چاہیے؟ آقا پر۔ تو پہلی بات تو اس کی معتبر ہوگی دوسری بات معتبر نہیں۔ پہلی بات معتبر ہے، وہ کیا کہہ رہا ہے میں نے آزادی سے پہلے قتل کیا ہے میرے اوپر ضمان نہیں آنا چاہیے، وہ منکر ہے تو اس کا قول معتبر ہے۔ اور دوسری بات اس نے کی میرے آقا پر ضمان آنا چاہیے، اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے غلام کے قول کی وجہ سے آقا پر کچھ لازم نہیں ہوتا۔ یہ معنی ہے، کہتے ہیں: فَيُعْتَبَرُ قَوْلُهُ فِيْ نَفْيِ قَتْلِهِ بَعْدَ الْعِتْقِ تو معتبر ہوگا اس کا قول جو اس نے قتل کی نفی کی ہے آزادی کے بعد، صرف اس میں اس کا قول معتبر ہے، لَا فِيْ أَنَّهُ

يَثْبُتُ عَلَى الْمَوْلٰى شَيْءٌ اس میں معتبر نہیں ہے کہ وہ ثابت کر رہا ہے اپنے آقا پر کوئی چیز، یہ قول اس کا معتبر نہیں ہے، لِأَنَّ قَوْلَهٗ لَا يَكُوْنُ حُجَّةً عَلَى الْمَوْلٰى اس لیے کیونکہ اس کا جو قول ہے وہ آقا کے خلاف حجت نہیں ہو سکتا، دلیل نہیں بن سکتا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ یہ اعتراض جواب کا حاصل پھر سمجھ لو۔ اعتراض یہ کیا انہوں نے کہ آپ نے کہا کہ غلام کا قول معتبر ہے، حالانکہ مناسب یہ ہے غلام کا قول معتبر نہیں ہونا چاہیے اس لیے کیونکہ غلام کے قول کا مطلب یہ ہے کہ ضمان میرے اوپر نہیں بلکہ میرے آقا پر آنا چاہیے، اور مقتول کے بھائی کے قول کا معنی یہ ہے کہ ضمان تمہاری عاقلہ پر آنا چاہیے، تو اعتبار غلام کے قول کا نہیں ہونا چاہیے کیونکہ غلام اپنے آقا پر کچھ واجب نہیں کر سکتا، تو کس کا قول معتبر ہونا چاہیے؟ مقتول کے بھائی کا قول معتبر ہونا چاہیے۔ تو اس کا انہوں نے جواب دے دیا۔ جواب یہ دے دیا کہ یہاں پر جو مقتول کا بھائی ہے اس کے پاس کوئی بینہ نہیں ہے، تو قتل جو ثابت ہو گا وہ قتل قاتل کے اقرار سے ثابت ہو سکتا ہے صرف، اور اقرار کی وجہ سے جو قتل ثابت ہو وہ صرف قاتل پر دیت آتی ہے اس کی عاقلہ پر دیت نہیں آتی۔ اور یہاں پر وہ اس کا اقرار نہیں کر رہا بلکہ کیا کر رہا ہے؟ اس ضمان کا انکار کر رہا ہے، وہ کیا کہہ رہا ہے میں نے کس حالت میں قتل کیا تھا؟ غلامی کی حالت میں۔ تو گویا اس کے قول میں دو چیزیں ہیں: ایک یہ کہ وہ آزادی کے بعد قتل کا انکار کر رہا ہے اور دوسرا یہ کہ وہ آقا پر ضمان کا اقرار کر رہا ہے، تو آقا کے بارے میں تو اس کا قول قبول نہیں ہو گا آقا پر تو کچھ واجب نہیں ہو گا، لیکن اس کی اپنی ذات کے بارے میں جو ضمان کا انکار کر رہا ہے وہ معتبر ہو گا اور اس لیے اس کا قول معتبر ہو گا اور اس پر ضمان واجب نہیں ہو گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: فَإِنْ قَالَ قَطَعْتُ يَدَهَا قَبْلَ إِعْتَاقِهَا وَقَالَتْ بَلْ بَعْدَهٗ صُدِّقَتْ، وَكَذَا فِيْ أَخْذِ الْمَالِ مِنْهَا لَا فِي الْجِمَاعِ وَالْغَلَّةِ۔

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی باندی کو آزاد کر دیا، اور بعد میں وہ شخص کہتا ہے کہ میں نے اس باندی کا ہاتھ اس کو آزاد کرنے سے پہلے کاٹا تھا، اور وہ باندی کہتی ہے نہیں تم نے میرا ہاتھ آزاد کرنے کے بعد کاٹا تھا۔ تو اب بظاہر کیا لگتا ہے؟ باندی دعویٰ کر رہی ہے ضمان کا اور آقا انکار کر رہا ہے ضمان کا، توجہ ہے؟ آقا نے کیا کہا میں نے ہاتھ کب کاٹا؟ غلامی کی حالت میں میں نے ہاتھ کاٹا ہے اور اس حالت میں تو ضمان نہیں آتا۔ اور باندی کیا کہہ رہی ہے؟ آزادی کے بعد کاٹا ہے، اور اس صورت میں تو ضمان آتا ہے، تو بظاہر لگتا ہے باندی دعویٰ کر رہی ہے ضمان کا اور آقا کیا کر رہا ہے؟ انکار کر رہا ہے، لہٰذا قول کس کا معتبر ہونا چاہیے؟ آقا کا، لیکن یہ آپ کو بتائیں گے نہیں یہاں پر باندی کا قول معتبر ہے کیونکہ باندی منکر ہے اور آقا کیا ہے؟ مدعی ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ لیکن یہ کہتے ہیں کہ نہیں باندی کی تصدیق کی جائے گی، باندی کا قول معتبر ہے۔ دراصل یہاں ایک ہے قیاس اور ایک ہے استحسان، قیاس تو یہی تقاضا کرتا ہے کہ آقا کا قول معتبر ہونا چاہیے کیونکہ باندی دعویٰ کر رہی ہے ضمان کا اور آقا کیا کر رہا ہے ضمان کا انکار، تو آقا منکر ہوا تو اس کا قول معتبر، لیکن انہوں نے متن میں کیا بتایا صُدِّقَتْ باندی کی تصدیق کی جائے گی، تو باندی کی تصدیق کی جائے گی یہ استحساناً ہے۔ قیاس تو کیا

تقاضا کرتا ہے کس کا قول معتبر ہو؟ آقا کا، لیکن استحساناً باندی کے قول کی تصدیق کی جائے گی۔ استحسان یہ ہے کہ...

آقا نے جب یہ کہا میں نے تمہارا ہاتھ کاٹا تھا آزادی سے پہلے، تو آقا اقرار کر رہا ہے ہاتھ کاٹنے کا، اور ہاتھ کاٹنے کی صورت میں کیا آتا ہے؟ ضمان، لیکن اگلے ہی لفظ میں آقا کہتا ہے میں نے یہ ہاتھ کاٹا تھا کس وقت؟ آزادی سے پہلے، گویا میرے اوپر ضمان نہیں آنا چاہیے۔ تو دو چیزیں آگئیں، ایک آقا کا اقرار آگیا کہ میں نے جنایت کی اور دوسرا آقا کی یہ بات آگئی کہ میرے پر ضمان نہیں آنا چاہیے۔ تو یہاں پر اقرار تو اس کا معتبر ہے، ضمان سے جو وہ اپنے آپ کو بری کر رہا ہے اس کا اعتبار نہیں ہے بھئی۔ اقرار کی وجہ سے اب آپ پر ضمان آجائے گا۔

دیکھیے آگے پوری شارح تفصیل کریں گے۔ کہتے ہیں: فَإِنْ قَالَ اگر آقا نے کہا قَطَعْتُ يَدَهَا قَبْلَ إِعْتَاقِهَا کہ میں نے اس باندی کا ہاتھ کاٹا تھا اس کو آزاد کرنے سے پہلے، وَقَالَتْ بَلْ بَعْدَهُ اور باندی نے کہا بلکہ آزادی کے بعد تم نے میرا ہاتھ کاٹا تھا، صُدِّقَتْ تو باندی کی تصدیق کی جائے گی۔ وَكَذَا فِيْ أَخْذِ الْمَالِ مِنْهَا اور اسی طرح ہے اس باندی سے مال لینے کے معاملے میں بھی۔ یعنی آقا نے کہا کہ میں نے تمہارا مال لیا تھا آزادی سے پہلے تو وہ تو میرا ہی تھا، اور باندی کہتی ہے نہیں تم نے مجھ سے مال لیا تھا آزادی کے بعد لہٰذا تم پر ضمان آتا ہے، تو اس میں بھی باندی کے قول کی تصدیق کی جائے گی۔ انہوں نے کہا نا وَكَذَا اور اسی طرح ہے فِيْ أَخْذِ الْمَالِ مِنْهَا اس باندی سے مال لینے میں بھی، تصدیق کس کی کریں گے؟ باندی کی۔ لَا فِي الْجِمَاعِ وَالْغَلَّةِ، جماع اور غلہ کے اندر ایسا نہیں یعنی وہاں آقا کی تصدیق کریں گے، باندی کی تصدیق نہیں کریں گے۔

جماع، مثلاً آقا نے کہا کہ میں نے تم سے جماع کیا تھا آزادی سے پہلے، اور باندی کہتی ہے نہیں آزادی کے بعد کیا تھا، تو کس کے قول کی تصدیق کریں گے؟ آقا کے۔ غلہ آیا لفظ، یاد رکھو غلہ جو ہے نا زمین کی جو پیداوار ہو اس کو بھی غلہ کہتے ہیں یا زمین کرائے پر دے دی تو جو آمدنی آئی اس کو بھی غلہ کہتے ہیں، اسی طرح غلام یا باندی جو ہے ان سے مزدوری کروائی اور جو آمدنی آئی اس کو بھی غلہ کہتے ہیں، ان کی جو اجرت وصول ہوئی اس کو بھی کیا کہتے ہیں؟ غلہ کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں لَا فِي الْجِمَاعِ وَالْغَلَّةِ، جماع اور غلہ میں نہیں، یہاں غلہ سے مراد ہے اس باندی کے ہاتھ کی کمائی، اس کی جو مزدوری ہے۔ غلہ کے اندر بھی اسی طرح مسئلہ، آقا کہتا ہے کہ تمہاری کمائی میں لیتا تھا جب تم باندی تھی، باندی کہتی ہے نہیں میری آزادی کے بعد تم لیتے تھے میری کمائی، معلوم ہوا وہ ضمان چاہتی ہے، کیا چاہتی ہے؟ تو اس میں تصدیق آقا کی کریں گے، کیونکہ آگیا نا لَا فِي الْجِمَاعِ وَالْغَلَّةِ جماع اور غلہ کے اندر باندی کی تصدیق نہیں کریں گے بلکہ کس کی تصدیق کریں گے؟ آقا کی۔

دیکھیے بھئی خود تفصیل بیان کر رہے ہیں: أَيْ أَعْتَقَ أَمَةً ایک شخص نے باندی کو آزاد کیا، ثُمَّ قَالَ لَهَا پھر اس سے کہا قَطَعْتُ يَدَكِ أَوْ أَخَذْتُ مِنْكِ هٰذَا الْمَالَ قَبْلَ مَا أَعْتَقْتُكِ کہ میں نے تیرا ہاتھ کاٹا یا میں نے تیرا یہ مال لیا تھا قَبْلَ مَا أَعْتَقْتُكِ قبل تمہیں آزاد کرنے کے، وَقَالَتْ بَلْ بَعْدَهُ اور باندی نے کہا بلکہ بعد میں آزادی کے بعد تم نے یہ کیا تھا، فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَأَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالٰى شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں باندی کا قول جو ہے وہ معتبر ہے، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ

اللهُ الْقَوْلُ قَوْلُهٗ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں آقا کا قول معتبر ہے وَہُوَ الْقِیَاسُ اور یہی قیاس بھی ہے۔ لِاَنَّہٗ یُنْکِرُ الضَّمَانَ اس لیے کیونکہ وہ ضمان کا انکار کر رہا ہے آقا بِإِسْنَادِ الْفِعْلِ إِلٰی حَالَةٍ مَّعْہُوْدَةٍ مُّنَافِیَةٍ لِّلضَّمَانِ بایں طور کہ وہ نسبت کر رہا ہے (اسناد کا کیا معنی؟ نسبت) بایں طور کہ وہ نسبت کر رہا ہے فعل کی ایسی حالت کی طرف مَعْہُوْدَةٍ جو معروف ہے جو معلوم ہے مُنَافِیَةٍ لِّلضَّمَانِ اور جو ضمان کے منافی۔ معروف حالت کی طرف نسبت کر رہا ہے، سب کو پتا تھا یہ اس کی باندی تھی پہلے، اور وہ حالت کیا ہے مُنَافِیَةٍ لِّلضَّمَانِ ضمان کے منافی ہے، اس حالت میں آقا پر ضمان نہیں آتا۔ اگر آقا باندی کا مال لے لے وہ تو آقا ہی کا ہے، ضمان نہیں آتا۔ اگر آقا سے غلطی سے باندی کا ہاتھ کٹ جائے تو یہ اس کی اپنی باندی ہے آقا پر ضمان نہیں آتا۔ یہ معنی ہے، دوبارہ دیکھیں: لِاَنَّہٗ یُنْکِرُ الضَّمَانَ اس لیے کیونکہ آقا جو ہے وہ ضمان کا انکار کر رہا ہے بِإِسْنَادِ الْفِعْلِ إِلٰی حَالَةٍ مَّعْہُوْدَةٍ مُّنَافِیَةٍ لِّلضَّمَانِ بایں طور کہ وہ نسبت کر رہا ہے اس فعل کی ایسی حالت کی طرف جو معلوم ہے اور منافی ہے ضمان کے، معلوم ہے یعنی سب کو پتا ہے یہ اس کی باندی تھی۔

قُلْنَا ہم کہتے ہیں: اب شیخین کی طرف سے جواب آئے گا اور وہ ہے استحسان بھئی، کیا ہے؟ استحسان۔ قُلْنَا ہم کہتے ہیں لَمْ یُسْنِدْہُ إِلٰی حَالَةٍ مُّنَافِیَةٍ لَّہٗ، اچھا امام محمد رحمہ اللہ نے قیاس کو دلیل کے طور پر پیش کیا، وہ کیا فرماتے ہیں؟ کہ آقا نے ان افعال کی نسبت کی ہے ایسی حالت کی طرف جس کا سب کو پتا ہے کہ یہ کیا تھی پہلے اس شخص کی باندی تھی، اور وہ حالت ایسی ہے جو ضمان کے منافی ہے، اس میں آقا پر ضمان نہیں آتا۔ تو جواب دے رہے ہیں کہ نہیں بھئی، آپ نے کیا کہا؟ کہ وہ حالت ضمان کے منافی ہے، ہم کہتے ہیں نہیں وہ حالت ضمان کے منافی نہیں۔ غلام کی وجہ سے بھی آقا پر کیا آجائے گا؟ ضمان آجائے گا، مثلاً دیکھو ایک غلام ہے مدیون، عبدِ ماذون تھا نا مدیون ہو گیا، قرضہ اس پر چڑھ گیا، اور آپ نے ابھی پڑھا اس میں کیا کیا جاتا ہے؟ غلام کو بیچ کر یا تو قیمت دے دو یا پورا دین دے دو۔ اس عبدِ مدیون کا اگر آقا ہاتھ کاٹ دے تو یاد رکھو آقا پر ضمان آتا ہے، آقا پر ضمان، کیوں؟ کیونکہ وہ ہاتھ کاٹ دے گا تو غلام کی قیمت کم ہو جائے گی، جب کم ہو گئی بھئی اس غلام کو تو بیچ کر قرضہ ادا کرنا تھا آپ کی وجہ سے نقصان آیا ہے لہٰذا اب آپ پر ضمان آئے گا۔ تو معلوم ہوا غلامی کی حالت وہ ضمان کے منافی نہیں ہے، غلامی کے باوجود آقا پر اس کا ضمان آسکتا ہے جیسے ہم نے مثال پیش کر دی۔ تو امام محمد رحمہ اللہ نے تو یہی دلیل ذکر کی تھی نا کہ یہ ایسی حالت ہے جو ضمان کے منافی ہے، ہم نے بتلا دیا کہ نہیں یہ حالت ضمان کے منافی نہیں پھر بھی ضمان آسکتا ہے۔

تو قُلْنَا ہم کہتے ہیں لَمْ یُسْنِدْہُ إِلٰی حَالَةٍ مُّنَافِیَةٍ لَّہٗ کہ آقا نے جو ہے نسبت نہیں کی اس فعل کی ایسی حالت کی طرف جو ضمان کے منافی ہو لِاَنَّہٗ یَضْمَنُ لَوْ فَعَلَ وَہِیَ مَدْیُوْنَةٌ اس لیے کیونکہ آقا ضامن ہو گا اگر وہ ایسا کرتا اس حال میں کہ وہ مدیونہ ہوتی۔ عَلٰی أَنَّ الْأَصْلَ فِیْ ہٰذِہِ الْأُمُوْرِ الضَّمَانُ اور نیز اصل بھی یہ ہے کہ ان امور میں ضمان آتا ہے، اصل بھی کیا ہے کوئی کسی کا ہاتھ وغیرہ کاٹے جنایت کرے تو اس میں ضمان آتا ہے، فَقَدْ أَقَرَّ بِسَبَبِ الضَّمَانِ پس تحقیق آقا نے اقرار کر لیا سببِ

ضمان کا اور ہر شخص اپنے اقرار کی وجہ سے ماخوذ ہوتا ہے تو یہاں ضمان آئے گا۔ فَقَدْ أَقَرَّ بِسَبَبِ الضَّمَانِ پس آقا نے اقرار کر لیا سببِ ضمان کا ثُمَّ ادَّعَى الْبَرَاءَةَ عَنْهُ پھر وہ دعویٰ کر رہا ہے اس سے بری ہونے کا، سبب کا اقرار کر لیا اس کی وجہ سے کیا آئے گا اس پر؟ ضمان آئے گا، اور پھر آگے کہہ رہا ہے کہ میں اس ضمان سے بری ہوں، نہیں بھئی اس ضمان سے اب بری نہیں ہو سکتے آپ نے خود سبب کا اقرار کر لیا تو آپ پر ضمان آئے گا، اب آپ براءت کو ثابت کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے بینہ لے کر آؤ بھئی۔ مثلاً ایک آدمی کہتا ہے میں نے زید کا دس لاکھ دینا ہے، پھر فوراً کہتا ہے نہیں نہیں میں نے نہیں دینا، نہیں بھئی اب ایک دفعہ آپ نے اقرار کر لیا اب آپ اس سے بری نہیں ہو سکتے، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی فَقَدْ أَقَرَّ بِسَبَبِ الضَّمَانِ پس تحقیق اس نے اقرار کر لیا سببِ ضمان کا ثُمَّ ادَّعَى الْبَرَاءَةَ عَنْهُ پھر اس نے دعویٰ کیا اس سے براءت کا۔ دیکھا؟ اِدَّعٰی، دعویٰ کیا اس سے بری ہونے کا اور دعوے کے لیے کیا چاہیے؟ دعوے کے لیے گواہ چاہئیں بھئی، اور پچھلے کے لیے لفظ أَقَرَّ ذکر کیا کہ تم نے اقرار کیا ہے اور اقرار کی صورت میں اب تمہارا مواخذہ ہو گا، تمہیں ضمان دینا پڑے گا۔ دلیل سمجھ میں آ رہی ہے؟

بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ بخلاف اس صورت کے، انہوں نے کیا کہا تھا؟ جماع میں اور غلے کے معاملے میں آقا کی تصدیق کریں گے، باندی کی تصدیق نہیں کریں گے، اب اس کی وجہ بھی ذکر کر رہے ہیں۔ بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ بخلاف اس صورت کے جب آقا نے کہا جَامَعْتُهَا قَبْلَ الْإِعْتَاقِ أَوْ أَخَذْتُ الْغَلَّةَ قَبْلَ الْإِعْتَاقِ کہ میں نے اس سے جماع کیا تھا اس کو آزاد کرنے سے پہلے یا میں نے اس کی کمائی لی تھی اس کو آزاد کرنے سے پہلے، فَإِنَّ تِلْكَ الْحَالَةَ مُنَافِيَةٌ لِّلضَّمَانِ بِسَبَبِ الْجِمَاعِ وَأَخْذِ الْغَلَّةِ پس وہ حالت جو ہے وہ تو ضمان کے منافی ہے جماع اور غلہ لینے کی وجہ سے۔ آقا نے کیا کہا کہ میں نے کب جماع کیا تھا؟ جب یہ میری باندی تھی آزادی سے پہلے، اور میں نے اس کی کمائی لی تھی کب لی تھی؟ جب یہ میری باندی تھی یعنی آزادی سے پہلے۔ تو وہاں پر آقا نسبت کر رہا ہے اس فعل کی یعنی جماع اور غلہ لینا یہ دو فعل، ان کی نسبت کر رہا ہے ایسی حالت کی طرف جس میں ضمان نہیں آتا۔ آقا اپنی باندی سے جماع کرے تو کیا ضمان آتا ہے؟ نہیں۔ آقا اپنی باندی کا غلہ لے تو کیا ضمان آتا ہے؟ نہیں۔ تو وہاں پر وہ جن فعلوں کی نسبت کر رہا ہے اس میں اس پر ضمان نہیں آ سکتا، جبکہ پچھلے میں تھا ہاتھ کا کاٹنا، اور ہاتھ کاٹنے کی صورت میں آقا پر ضمان آ سکتا ہے یا نہیں آ سکتا؟ ابھی ہم نے ذکر کیا۔ آپ ہمیں کوئی ایسی حالت بتائیں کہ آقا باندی سے جماع کرے اور اس پر ضمان آ جائے، یا آقا باندی کی کمائی لے اور اس پر ضمان آ جائے، نہیں ایسی کوئی حالت نہیں۔ لیکن ہاتھ کاٹنے میں وہ حالت ہے کہ وہاں ضمان آ سکتا ہے، تو لہٰذا وہاں امام محمد رحمہ اللہ نے کیا کہا تھا کہ آقا نے نسبت کی ہے اس فعل کی کس کی طرف جس میں اس آقا پر ضمان نہیں آ سکتا، ہم نے کہا نہیں اس حالت میں بھی ضمان آ سکتا ہے، لیکن ان دو میں واقعی ایسا ہے یہاں کوئی ضمان والی صورت نہیں ہے۔

فَإِنَّ تِلْكَ الْحَالَةَ مُنَافِيَةٌ لِّلضَّمَانِ اس لیے کیونکہ وہ جو حالت ہے یعنی غلامی والی وہ منافی ہے ضمان کے، اس کی وجہ سے ضمان نہیں آتا بِسَبَبِ الْجِمَاعِ وَأَخْذِ الْغَلَّةِ جماع یا غلہ لینے کی وجہ سے، ان کی وجہ سے وہاں ضمان نہیں آتا۔ وَأَيْضًا الظَّاهِرُ

كَوْنُهُمَا فِيْ حَالَةِ الرِّقِّ اور ظاہر بھی یہی ہے کہ یہ دونوں فعل جو ہیں غلامی کی حالت میں ہوں گے، کیونکہ کوئی شخص جو ہے وہ باندی کو آزاد کر کے حرام کا ارتکاب نہیں کرے گا کہ اس کی کمائی لے لے یا اس سے جماع کرے، تو ظاہر بھی یہی ہے کہ یہ فعل اس نے کب کیے ہوں گے؟ غلامی کی حالت میں، یہ فعل اس نے اس کو آزاد کرنے سے پہلے کیے ہوں گے بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے وَأَيْضًا الظَّاهِرُ كَوْنُهُمَا فِيْ حَالَةِ الرِّقِّ اور نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ دونوں فعل جو ہیں غلامی کی حالت میں ہوئے ہوں گے، لہٰذا اس وجہ سے یہاں آقا کا قول معتبر ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵۷: عبدِ محجور یا صبی کا امر بالقتل، دیوار گرانے سے ہلاکت اور سفینہ کے تصادم کے مسائل

شرح الوقایہ صفحہ: ۱۳۳ — بتاریخ: ۲ مارچ ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

جی، سبق دیکھیے آگے بھئی:

فَإِنْ أَمَرَ عَبْدٌ مَحْجُورٌ أَوْ صَبِيٌّ صَبِيًّا بِقَتْلِ رَجُلٍ فَقَتَلَهُ فَالدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَةِ الْقَاتِلِ، وَرَجَعُوا عَلَى الْعَبْدِ بَعْدَ عِتْقِهِ، لَا عَلَى الصَّبِيِّ الْآمِرِ؛ لِأَنَّ الْمُبَاشِرَ هُوَ الصَّبِيُّ الْمَأْمُورُ فَتَضْمَنُ عَاقِلَتُهُ، ثُمَّ يَرْجِعُونَ عَلَى الْعَبْدِ إِذَا عَتَقَ لِأَنَّهُ أَوْقَعَ الصَّبِيَّ فِي هَذِهِ الْوَرْطَةِ، لَكِنْ قَوْلُهُ غَيْرُ مُعْتَبَرٍ لِحَقِّ الْمَوْلَى فَيَضْمَنُ بَعْدَ الْعِتْقِ، وَلَا يَرْجِعُونَ عَلَى الصَّبِيِّ الْآمِرِ لِقُصُورِ أَهْلِيَّتِهِ.

صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک عبدِ محجور نے کسی بچے کو حکم دیا۔ عبدِ محجور، عبدِ محجور عام غلام کو کہتے ہیں۔ حجر پابندی کو کہتے ہیں، پابندی کو۔ تو عام غلام وہ محجور ہوتا ہے، اس پر پابندی ہوتی ہے، وہ تصرفات وغیرہ نہیں کر سکتا، تجارت نہیں کر سکتا، اپنا نکاح وغیرہ اپنی مرضی سے نہیں کر سکتا۔ تو یہ عام جو غلام ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ عبدِ محجور۔ اور ایک وہ غلام ہے جس کو آقا نے تجارت کی اجازت دے دی، تو یہ عبدِ مأذون کہلاتا ہے۔ یہ جاتا ہے، یہ بیع و شراء کرتا ہے، تجارت کرتا ہے اور آپ نے یہ بھی پڑھا کہ اگر اس پر دین آجائے تو وہ اس کے رقبے سے متعلق ہوتا ہے، اس کے ذمے ہوتا ہے، آقا کے ذمے نہیں ہوتا۔

تو اب صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک عام غلام نے یعنی عبدِ محجور نے کسی بچے کو کہا کہ جا کر فلاں آدمی کو قتل کر دو، اور بچے نے جا کر اس آدمی کو قتل کر دیا۔ تو قاتل تو وہ بچہ ہے لہٰذا اولاً جو دیت آئے گی وہ اس بچے کی عاقلہ پر آئے گی بھئی۔ اور بچے کی عاقلہ سے دیت وصول کر لی جائے گی، اور اس بچے کو اس مشکل میں کس نے ڈالا تھا؟ اس غلام نے، اس عبدِ محجور نے۔ تو بعد میں پھر وہ عاقلہ جو ہے، اگر وہ عبدِ محجور آزاد ہو گیا تو پھر وہ اس پر رجوع کریں گے، فی الحال رجوع نہیں کریں

گے۔ کیونکہ اس وقت اگر وہ رجوع کریں تو پھر جو ضمان آئے گا وہ تو اس کے آقا پر آئے گا بھئی، اور آقا کا تو اس میں کوئی قصور نہیں لہٰذا آقا کے ذمے نہیں ہوگا، تو غلام کی آزادی کا انتظار کریں گے۔ اگر کسی وقت وہ زندگی میں آزاد ہو گیا تو پھر بچے کی عاقلہ اس غلام پر رجوع کرے گی اور اس سے وہ ضمان وصول کر لے گی۔

دوسری صورت: ایک بچے نے دوسرے بچے کو کہا کہ فلاں آدمی کو جا کر قتل کر دو، اور اس صبیِ مأمور نے جا کر اس آدمی کو قتل کر دیا۔ تو اس صورت میں وہ جو بچہ ہے اس کی عاقلہ دیت ادا کرے گی کیونکہ بچے نے قتل کیا ہے، بچہ قاتل ہے۔ وہ جو قاتل بچہ ہے اس کی عاقلہ جو ہے وہ دیت ادا کرے گی۔ لیکن اس بچے کی عاقلہ پھر اس آمر بچے پر، وہ جس نے حکم دیا تھا دوسرے کو، اس آمر بچے پر، وہ جو حکم دینے والا بچہ تھا، اس پر رجوع نہیں کریں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اس لیے کیونکہ وہ کہنے والا ہے، وہ بچہ ہے، اور بچے میں اہلیت ناقص ہے بھئی، بچے کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ بچے کے قول کا کوئی اعتبار نہیں لہٰذا یہاں پر وہ بچہ جو ہے اپنے قول کی وجہ سے ذمہ دار نہیں بنے گا اور اس پر ضمان نہیں آئے گا۔ جبکہ پچھلے مسئلے میں جو غلام نے کہا تھا وہ عاقل بالغ غلام تھا بھئی، اور عاقل بالغ غلام ہے اور اس نے حکم دیا ہے تو وہ اپنے قول کا ذمہ دار ہوگا بھئی، اس قول پر اس کا مؤاخذہ ہوگا لیکن فی الحال نہیں ہو سکتا کیونکہ فی الحال تو وہ غلام ہے، آزادی کے بعد پھر اس سے مؤاخذہ ہوگا اور اس پر ضمان آئے گا۔

تو کیا صورت ہوئی؟ اگر عبدِ مجور نے حکم دیا تھا اور بچے نے جا کر قتل کر دیا تو اس عبدِ مجور پر رجوع ہوگا اس کی آزادی کے بعد۔ فی الحال دیت کون ادا کریں گے؟ اس قاتل بچے کی عاقلہ، اور بعد میں آزادی کے بعد اس غلام پہ رجوع کریں گے۔ اور اگر کسی بچے نے بچے کو حکم دیا تھا تو اس صورت میں اس قاتل بچے کی عاقلہ دیت ادا کرے گی لیکن پھر اس حکم دینے والے بچے پر وہ بعد میں رجوع نہیں کریں گے، کیونکہ بچے میں اہلیت ناقص ہے اور بچہ مکلف نہیں ہے، اس کے قول کا کوئی اعتبار نہیں لہٰذا اس پر رجوع نہیں کیا جائے گا۔

دیکھیے بھئی: فَإِنْ أَمَرَ عَبْدٌ مَحْجُورٌ اگر حکم دیا کسی عبدِ مجور نے یعنی عام، مجور کہیں پابند، پابند غلام، اگر کسی پابند غلام نے، اور پابند غلام میں نے بتلایا ہر عام غلام کیا ہوتا ہے؟ پابند ہوتا ہے۔ اگر کسی عبدِ مجور نے حکم دیا أَوْ صَبِيٌّ یا کسی بچے نے حکم دیا۔ بھئی کس کو ان دونوں نے حکم دیا؟ صَبِيًّا کسی بچے کو بِقَتْلِ رَجُلٍ کسی آدمی کے قتل کرنے کا فَقَتَلَهُ تو اس بچے نے اس آدمی کو قتل کر دیا فَالدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَةِ الْقَاتِلِ تو دیت جو ہے وہ اس قاتل بچے کی عاقلہ پر ہوگی وَرَجَعُوا عَلَى الْعَبْدِ بَعْدَ عِتْقِهِ اور وہ عاقلہ رجوع کرے گی اس غلام پر اس کی آزادی کے بعد لَا عَلَى الصَّبِيِّ الْآمِرِ نہ کہ اس حکم دینے والے بچے پر۔ اس حکم دینے والے بچے پر رجوع نہیں کر سکتے، اس عبد پر رجوع کر سکتے ہیں لیکن کب؟ اس کی آزادی کے بعد۔

دیکھیے بھئی وجہ ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: لِأَنَّ الْمُبَاشِرَ هُوَ الصَّبِيُّ الْمَأْمُورُ۔ مباشر کہتے ہیں کسی فعل کو سرانجام دینے والا۔

یہاں دیت اولاً کس پر آئی؟ وہ بچہ جو قاتل تھا اس کی عاقلہ پر دیت آئے گی، کیونکہ اس قتل کو سر انجام دینے والا کون ہے؟ وہ بچہ ہے۔ یہ معنیٰ ہے لِأَنَّ الْمُبَاشِرَ هُوَ الصَّبِيُّ الْمَأْمُورُ اس لیے کیونکہ سر انجام دینے والا قتل کو وہ مأمور بچہ ہے، مأمور جس کو حکم دیا گیا وہ بچہ ہے، فَتَضْمَنُ عَاقِلَتُهُ تو اس بچے کی عاقلہ جو ہے وہ ضامن ہو گی۔ ثُمَّ يَرْجِعُونَ عَلَى الْعَبْدِ إِذَا عَتَقَ پھر یہ رجوع کریں گے غلام پر إِذَا عَتَقَ جب وہ آزاد ہو جائے۔

یہاں اکثر طلباء غلطی کرتے ہیں۔ ایک ہے عَتَقَ، اس کو اکثر وہ عُتِقَ پڑھتے ہیں، کیا پڑھتے ہیں؟ عُتِقَ۔ نہیں بھئی، عَتَقَ۔ عَتَقَ فعلِ لازم ہے، عَتَقَ کا معنیٰ آزاد ہونا، عَتَقَ الْعَبْدُ غلام آزاد ہو گیا۔ اور ایک ہے أَعْتَقَ يُعْتِقُ إِعْتَاقًا بابِ إِفْعَال ہے، اس کا معنیٰ ہے آزاد کرنا۔ اس کا معنیٰ ہے آزاد کرنا۔ تو جب یہ عَتَقَ ہے تو اس کو معروف پڑھیں گے عَتَقَ، إِذَا عَتَقَ جب وہ غلام کیا ہو جائے؟ آزاد۔ اگر یہاں أَعْتَقَ فعل ہوتا پھر مجہول پڑھتے إِذَا أُعْتِقَ جب اس کو آزاد کر دیا جائے۔ تو جب بابِ إِفْعَال سے ہو پھر کہیں پر مجہول پڑھنے کی ضرورت ہو تو مجہول پڑھیں گے، ویسے معروف ہی پڑھا جائے گا اس کو۔

یہ معنیٰ ہے ثُمَّ يَرْجِعُونَ عَلَى الْعَبْدِ إِذَا عَتَقَ پھر اس قاتل بچے کی عاقلہ وہ رجوع کریں گے اس عبدِ مأمور پر إِذَا عَتَقَ جب وہ آزاد ہو جائے لِأَنَّهُ أَوْقَعَ الصَّبِيَّ فِي هَذِهِ الْوَرْطَةِ۔ ورطہ کہتے ہیں کسی کو مشکل میں پھنسانا، کسی کو ہلاکت میں ڈالنا۔ لِأَنَّهُ أَوْقَعَ الصَّبِيَّ فِي هَذِهِ الْوَرْطَةِ اس لیے کیونکہ اس غلام نے ڈالا تھا اس بچے کو اس مشکل میں۔ لَكِنْ قَوْلُهُ غَيْرُ مُعْتَبَرٍ لِحَقِّ الْمَوْلَى لیکن غلام کے قول کا کوئی اعتبار نہیں آقا کے حق کی وجہ سے۔ غلام کے قول کا کوئی اعتبار نہیں کس کی وجہ سے؟ آقا کے حق کی وجہ سے۔ یعنی اس وقت اگر اس کے قول کا ہم اعتبار کر لیں پھر تو یہ ضمان کس پر آئے گا؟ آقا پر۔ تو غلام کا قول غیرِ معتبر ہے اس وجہ سے نہیں کہ اس میں اہلیت ناقص ہے، نہیں، اہلیت ناقص نہیں، اس کے آقا کا حق ضائع ہوتا ہے، اس کے آقا پر ضمان آتا ہے اس لیے اس کے قول کا اعتبار نہیں۔ ویسے اس کا قول معتبر ہے، چنانچہ آزادی کے بعد اسی قول پر اس کا مؤاخذہ ہو گا بھئی۔

لَكِنْ قَوْلُهُ غَيْرُ مُعْتَبَرٍ لِحَقِّ الْمَوْلَى لیکن غلام جو ہے اس کے قول کا اعتبار نہیں ہے آقا کے حق کی وجہ سے فَيَضْمَنُ بَعْدَ الْعِتْقِ تو وہ ضامن ہو گا آزادی کے بعد۔ وَلَا يَرْجِعُونَ عَلَى الصَّبِيِّ الْآمِرِ اور وہ جو قاتل بچے کی عاقلہ ہے وہ رجوع نہیں کریں گے عَلَى الصَّبِيِّ الْآمِرِ اس بچے پر جس نے حکم دیا تھا، اس بچے پر رجوع نہیں کر سکتے، لِقُصُورِ أَهْلِيَّتِهِ بوجہ اس بچے کی اہلیت کے ناقص ہونے کے۔ کیونکہ بچے میں اہلیت کامل نہیں ہے بلکہ ناقص ہے، بچے کے قول کا کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا اس کی وجہ سے اس کا مؤاخذہ نہیں ہو سکتا۔

آگے دیکھیے: فَإِنْ كَانَ مَأْمُورُ الْعَبْدِ مِثْلَهُ، مَأْمُورًا میری کتاب میں ہے مَأْمُورًا، الف جو ہے وہ را کے ساتھ لکھا ہوا ہے اور آگے لِعَبْدٍ لکھا ہوا ہے۔ آپ کی کتابوں میں بھی اسی طرح ہے؟ نہیں، یہ کتابت کی غلطی ہے۔ یہ الف جو ہے نا لِعَبْدٍ کے ساتھ ہونا چاہیے، الْعَبْدُ ہے، الْعَبْدُ۔ اور مَأْمُورُ اس کے ساتھ الف نہیں ہونا چاہیے، یہ مرفوع ہے، فَإِنْ كَانَ مَأْمُورُ الْعَبْدِ۔

عبارت سمجھ میں آگئی؟ جی۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

فَإِنْ كَانَ مَأْمُورُ الْعَبْدِ مِثْلَهُ دَفَعَ السَّيِّدُ الْقَاتِلَ أَوْ فَدَاهُ فِي الْخَطَأِ بِلَا رُجُوعٍ فِي الْحَالِ، وَيَجِبُ أَنْ يَرْجِعَ بَعْدَ عِتْقِهِ بِأَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنَ الْفِدَاءِ۔

یہی صورت ہے کہ ایک عبدِ محجور حکم دیتا ہے کسی دوسرے عبدِ محجور کو۔ حکم دینے والا بھی کون؟ عبدِ محجور، اور حکم بھی کس کو دیا؟ عبدِ محجور کو۔ تو ایک غلام نے دوسرے غلام سے کہا کہ جا کر فلاں آدمی کو قتل کر دو، اور اس نے جا کر اس آدمی کو قتل کر دیا۔ تو اب اس کا آقا جو ہے، اس غلام نے جنایت کر دی، تو آقا پر کیا لازم ہے؟ کہ وہ غلام دے یا پورا ارش دے یعنی پوری دیت دے۔ تو آقا نے چنانچہ اس کو ضمان ادا کر دیا، چاہے وہ غلام دیا اور چاہے وہ اس کا پورا ارش یا پوری دیت دے دی۔ پوری دیت دے دی۔ تو کیا بعد میں اس عبدِ آمر پر رجوع کیا جائے گا آزادی کے بعد؟ توجہ ہے؟ جی۔ ایک غلام نے دوسرے غلام کو حکم دیا تھا کہ جا کر فلاں آدمی کو قتل کر دو، وہ دوسرا غلام گیا، اس نے اس آدمی کو قتل کر دیا، اور چونکہ اس نے جنایت کی تھی تو آقا پر لازم ہوا کہ یا تو یہ غلام دے دے جنایت کرنے والا یا دیت اور ارش دے دے۔ آقا نے ضمان دے دیا، آقا نے ضمان دے دیا، تو کیا آقا اب اس عبدِ آمر پر رجوع کرے گا جس نے حکم دیا تھا؟ کہتے ہیں ہاں بھئی، وہ رجوع کرے گا اس عبدِ آمر پر اس کی آزادی کے بعد۔ وہی اوپر والا مسئلہ، جیسے اوپر والے مسئلے میں تھا کہ وہ کب رجوع کرے گا؟ آزادی، تو یہاں بھی رجوع کرے گا آزادی کے بعد رجوع کرے گا۔

کہتے ہیں فَإِنْ كَانَ مَأْمُورُ الْعَبْدِ مِثْلَهُ، مأمور جس کو حکم دیا گیا۔ فَإِنْ كَانَ مَأْمُورُ الْعَبْدِ مِثْلَهُ اگر وہ غلام جس کو حکم دیا گیا تھا مِثْلَهُ وہ بھی اسی غلام کے مثل ہے یعنی وہ بھی عبدِ محجور ہے، دَفَعَ السَّيِّدُ الْقَاتِلَ وہ حوالے کر دیا آقا نے اس قاتل کو، قاتل غلام اس نے جنایت کر دی اور آقا نے پھر کیا کیا؟ اسی قاتل غلام کو جنایت کے طور پر دے دیا أَوْ فَدَاهُ یا اس کا فدیہ دے دیا فِي الْخَطَأِ کس صورت میں؟ قتلِ خطا کی صورت میں بِلَا رُجُوعٍ فِي الْحَالِ بغیر رجوع کیے فی الحال، یعنی فی الحال یہ آقا اس عبدِ آمر پر رجوع نہیں کر سکتا۔ وَيَجِبُ أَنْ يَرْجِعَ بَعْدَ عِتْقِهِ اور واجب ہے کہ وہ رجوع کرے اس کی آزادی کے بعد بِأَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنَ الْفِدَاءِ وہ جو کم ہے اس کی قیمت اور فدیے میں سے۔ اس کی قیمت اور فدیے میں سے جو کم تھا اس کے ساتھ رجوع کرے گا۔ توجہ ہے؟ جی۔

آقا نے فدیے میں کیا دیا تھا؟ غلام دیا یا پورا ارش دے دیا، یا یوں کہو پوری دیت دے دی۔ غلام دیا یا پوری دیت دے دی۔ لیکن رجوع جو کرے گا اس چیز کے ساتھ نہیں رجوع کرے گا جو اس نے دیا تھا، بلکہ رجوع أَقَلَّ کے ساتھ کرے گا۔

نہیں توجہ میرا خیال۔ دیکھو، عبدِ مأمور نے جا کر کیا کر دیا؟ قتل کر دیا۔ آقا کو اختیار ہے چاہے یہ غلام دے دے اور چاہے پوری دیت دے دے۔ آقا اب جو بھی دے دے، چاہے غلام دے دے چاہے دیت، آقا کی مرضی ہے، ہو سکتا ہے غلام اس کو محبوب ہو کہ یہ غلام تو بڑا کام کا انسان ہے ایسا غلام کہاں ملے گا، چنانچہ غلام بے شک پچاس اونٹوں کے برابر ہے اس نے سو اونٹ دیت دینا گوارا کر لی لیکن غلام نہیں دیا۔ اب بعد میں آقا نے رجوع کرنا ہے اس عبدِ آمر پر اس کی آزادی کے بعد، تو جب اس کی طرف رجوع کرے گا تو اس آقا نے کتنے اونٹ ادا کیے ہیں؟ سو۔ تو سو کے ساتھ رجوع نہیں کرے گا، أَقَلَّ کے ساتھ رجوع کرے گا۔ کس کے ساتھ؟ أَقَلَّ کے ساتھ۔ بھئی کیوں؟ أَقَلَّ کے ساتھ کیوں؟ اس نے تو سو اونٹ دیے ہیں؟ کہتے ہیں بھئی اس نے اپنی مرضی سے سو اونٹ دیے ہیں، اس پر کوئی زائد دینا لازم تو نہیں تھا، یہ وہ غلام دے دیتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا وہاں پر آقا نے جتنا دیا ہے اس کے ساتھ رجوع نہیں کرے گا بلکہ جو أَقَلَّ ہے اسی کے ساتھ رجوع کرے گا، اور اس نے جو زائد دیے تھے وہ تو اپنی مرضی سے دیے تھے لہٰذا اس کا ضمان اس غلام سے وصول نہیں کرے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

اور یہاں پر آیا وَيَجِبُ أَنْ يَرْجِعَ بَعْدَ عِتْقِهِ اور واجب ہے کہ وہ رجوع کرے اس غلام کی آزادی کے بعد۔ عبارت پہ ذرا نظر رکھیں۔ اور واجب ہے کہ آقا رجوع کرے اس عبدِ آمر کی آزادی کے بعد اس پر رجوع کرے اور اس سے جا کر ضمان لے۔ حالانکہ رجوع کرنا واجب تو نہیں ہے، لازم تو نہیں ہے، مرضی ہے رجوع کرے چاہے رجوع نہ کرے۔ پھر يَجِبُ کا کیا معنیٰ؟ تو صاحبِ حاشیہ نے بہترین تقریر کی، انہوں نے فرمایا کہ يَجِبُ کو بِأَقَلَّ کے ساتھ جوڑیں بھئی، یعنی بِأَقَلَّ کو يَجِبُ کے ساتھ جوڑیں۔ یہ يَجِبُ کا تعلق کس سے ہے؟ أَقَلَّ سے ہے، یعنی أَقَلَّ کے ساتھ رجوع کرنا واجب ہے، أَقَلَّ کے ساتھ رجوع کرنا۔ اب بات بن گئی یا نہیں؟ جی۔ أَقَلَّ کے ساتھ رجوع کرنا واجب ہوا یعنی اکثر کے ساتھ رجوع نہیں کر سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یعنی یہ رجوع کرنا واجب نہیں ہے، ہاں أَقَلَّ کے ساتھ رجوع کرنا واجب ہے جب وہ رجوع کرے۔ اگر رجوع نہیں کرتا نہ کرے لیکن رجوع کرے گا تو أَقَلَّ ہی کے ساتھ رجوع کرنا واجب ہے۔ اب عبارت سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی، شرح دیکھیے: أَيْ إِنْ أَمَرَ عَبْدٌ مَحْجُورٌ عَبْدًا مَحْجُورًا بِقَتْلِ الرَّجُلِ اگر حکم دیا ایک عبدِ محجور نے کسی دوسرے عبدِ محجور کو بِقَتْلِ الرَّجُلِ کسی آدمی کے قتل کرنے کا فَفِي الْخَطَأِ دَفَعَ السَّيِّدُ الْقَاتِلَ أَوْ فَدَاهُ تو خطا کی صورت میں حوالے کرے گا آقا اس قاتل غلام کو ہی أَوْ فَدَاهُ یا اس کا فدیہ دے گا، مال دے کر چھڑائے گا یعنی پوری دیت ادا کرے گا وَلَا رُجُوعَ عَلَى الْعَبْدِ الْآمِرِ فِي الْحَالِ اور رجوع نہیں کرے گا اس عبدِ آمر پر یعنی وہ جو حکم دینے والا غلام ہے اس پر رجوع نہیں کرے گا فی الحال، بلکہ کب رجوع کرے گا؟ آزادی کے بعد۔

وَإِنَّمَا قَالَ وَيَجِبُ، جی، یہاں سے ایک قیمتی بات بتلا رہے ہیں، ذرا متن پہ نظر رکھو۔ متن میں کیا تھا؟ دیکھو عبارت دیکھو: فَإِنْ كَانَ مَأْمُورُ الْعَبْدِ مِثْلَهُ دَفَعَ السَّيِّدُ الْقَاتِلَ، دَفَعَ کون سا صیغہ آیا؟ ماضی کا، ماضی کا صیغہ آیا۔ أَوْ فَدَاهُ، فَدَىٰ یہ کون سا صیغہ

ہے؟ ماضی کا۔ فدیہ دے دے گا، یہ فعل ہے بھئی ہا ضمیر ساتھ مفعول کی جڑی ہوئی ہے۔ أَوْ فَدَاهُ یا اس کو فدیہ میں دے گا فِي الْخَطَإِ بِلَا رُجُوعٍ فِي الْحَالِ وَيَجِبُ أَنْ يَرْجِعَ، وَيَجِبُ أَنْ يَرْجِعَ عبارت کا انداز بدل گیا۔ توجہ ہے؟ جی۔ وَيَجِبُ مضارع آگیا أَنْ يَرْجِعَ، اور واجب ہے رجوع کرنا۔ کہنا تو یوں چاہیے تھا وَرَجَعَ بَعْدَ عِتْقِهِ، کیا کہنا چاہیے تھا؟ وَرَجَعَ بَعْدَ عِتْقِهِ، لیکن وَرَجَعَ کے بجائے کیا کہا؟ وَيَجِبُ أَنْ يَرْجِعَ۔ یہ عبارت کا انداز کیوں بدلا مصنف نے بھئی؟ اب وہ بتلائیں گے۔

کہتے ہیں وَإِنَّمَا قَالَ وَيَجِبُ أَنْ يَرْجِعَ بَعْدَ عِتْقِهِ اور ماتن نے کہا کہ وَيَجِبُ أَنْ يَرْجِعَ بَعْدَ عِتْقِهِ، یعنی عبارت کا اسلوب بدل دیا، انداز بدل دیا۔ وَيَجِبُ أَنْ يَرْجِعَ کہا اور وَرَجَعَ نہیں کہا۔ کیوں نہیں کہا؟ کہتے ہیں إِذْ لَا رِوَايَةَ لِذَلِكَ اس لیے کیونکہ اس کی کوئی روایت نہیں ہے۔ اس کی کوئی روایت نہیں ہے۔ یعنی یہ جو مسئلہ ذکر ہوا، یہ مسئلہ جو ذکر ہوا یہ یہاں پر رجوع کا ذکر نہیں ملتا اوپر کتابوں کے اندر۔ امام محمد رحمہ اللہ وغیرہ فقہاء جو اوپر فقہاء گزرے ان کی کتابوں میں اس مسئلے کے اندر یہ رجوع کا ذکر نہیں ہے، بس اتنا ہے أَوْ فَدَاهُ فِي الْخَطَإِ بِلَا رُجُوعٍ فِي الْحَالِ۔ صرف اتنا ذکر ہے کہ فی الحال رجوع نہیں کر سکتے۔ تو اتنا ذکر ہے۔ تو کیا بعد میں آزادی کے بعد رجوع کر سکتے ہیں یا نہیں کر سکتے؟ یہ انہوں نے ذکر نہیں کیا۔ تو یہ جو ماتن ہیں، یہ ماتن جن کا متن ہے وہ، اور اسی طرح جو صاحبِ ہدایہ ہیں، تو یہ صاحبِ ہدایہ اور ماتن کا اپنا اجتہاد ہے کہ یہ مسئلہ بھی چونکہ پچھلے مسئلے جیسا ہے اور پچھلے مسئلے میں وہ بچے کی عاقلہ عبدِ آمر پر رجوع کرتے تھے کب؟ اس کی آزادی کے بعد، لہٰذا یہ مسئلہ بھی اس جیسا ہے تو یہاں پر بھی وہ اس کی آزادی کے بعد رجوع کریں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ اجتہاد ہے کس کی طرف سے؟ صاحبِ ہدایہ اور جو یہ ماتن ہیں ان کی طرف سے۔ تو چونکہ اس مسئلے میں روایت نہیں تھی، تو اگر روایت ہوتی تو وہ کہہ دیتے وَرَجَعَ بَعْدَ عِتْقِهِ، لیکن روایت نہیں تھی تو خود ہی قیاس کیا اس کو اس پچھلے مسئلے پر اور عبارت کا طرز بھی بدل دیا یہ بتلانے کے لیے کہ یہ روایت پچھلوں سے نہیں ہے، یہ ہماری طرف سے اجتہاد ہے۔ لہٰذا اگر کوئی غلطی وغیرہ ہو اس کی نسبت ہماری طرف کی جائے، بڑوں کی طرف نہ کی جائے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھو یہ ہے ہمارے فقہاء کی احتیاط بھئی۔ جو روایت نہیں تھی، اگرچہ خود بھی یہ بڑے بڑے فقہاء ہیں سارے لیکن پھر بھی انداز بدل دیا تاکہ پڑھنے والے کو پتہ چل جائے۔

بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ اب پھر ذرا ترجمہ دیکھ لیں۔ کہتے ہیں وَإِنَّمَا قَالَ وَيَجِبُ أَنْ يَرْجِعَ بَعْدَ عِتْقِهِ إِذْ لَا رِوَايَةَ لِذَلِكَ اور ماتن نے کہا کہ واجب ہو گا کہ وہ رجوع کرے آزادی کے بعد، یہ یعنی انداز بدلا۔ تو کیوں بدلا؟ کہتے ہیں إِذْ لَا رِوَايَةَ لِذَلِكَ اس لیے کیونکہ اس کی کوئی روایت نہیں ہے، پچھلے فقہاء سے اس کی کوئی روایت نہیں ہے۔ فَيَنْبَغِي پس مناسب یہ ہے، دیکھا يَنْبَغِي کے ساتھ ذکر کر رہے ہیں فَيَنْبَغِي أَنْ يَرْجِعَ بِأَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنَ الْفِدَاءِ۔ تو لہٰذا یہاں يَجِبُ بمعنیٰ يَنْبَغِي مناسب کے معنیٰ میں بلکہ کر لیں، مناسب یہ ہے کہ کیا کرنا چاہیے؟ رجوع کرنا چاہیے آزادی کے بعد، اس سے پہلے نہیں بھئی۔ فَيَنْبَغِي أَنْ يَرْجِعَ بِأَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنَ الْفِدَاءِ پس مناسب یہ ہے کہ وہ عبدِ قاتل کا آقا رجوع کرے بِأَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ

وَمِنَ الْفِدَاءِ وہ جو کم ہے اس کے ساتھ، اس غلام کی قیمت اور فدیے میں سے اس کے ساتھ رجوع کرے۔[1]

لِأَنَّ قِيمَتَهُ پھر وہی سوال، وہی وجہ ذکر کرنے لگے ہیں کہ آقا نے جو ادا کیا ہے اس کے ساتھ رجوع نہیں کرے گا بلکہ أَقَلَّ کے ساتھ رجوع کرے گا۔ غلام کتنے کا تھا؟ پچاس اونٹ، اور دیت کتنی تھی؟ سو اونٹ، اور آقا نے مثلاً کیا ادا کر دیا؟ سو اونٹ ادا کر دیے۔ تو جتنا ادا کیا ہے اس کے ساتھ رجوع نہیں کرے گا بلکہ أَقَلَّ کے ساتھ، کیونکہ زیادہ کو اس نے جب خود اختیار کیا ہے تو وہ زیادہ خود اٹھائے بھئی، زیادہ تو لازم ہی نہیں تھا۔ یہ معنیٰ ہے لِأَنَّ قِيمَتَهُ إِذَا كَانَتْ أَقَلَّ مِنَ الْفِدَاءِ اس لیے کیونکہ اگر غلام کی قیمت جب وہ کم تھی فدیے سے تو فَالْمَوْلَى غَيْرُ مُضْطَرٍّ إِلَى إِعْطَاءِ الزِّيَادَةِ عَلَى الْقِيمَةِ تو آقا جو تھا وہ مجبور نہیں تھا کہ وہ زیادہ دیتا قیمت پر، قیمت پر جو زیادہ ہے وہ دیتا اس پر آقا مجبور نہیں تھا، بَلْ يَدْفَعُ الْعَبْدَ بلکہ وہ کیا دے دیتا؟ وہ، وہ غلام دیتا بھئی، بلکہ وہ غلام دیتا۔ تو اس نے تو نہیں دیا غلام، خود زیادہ دیے ہیں، تو وہ زیادہ کے ساتھ رجوع نہیں کرے گا بلکہ أَقَلَّ کے ساتھ رجوع کرے گا۔[2]

آگے صاحبِ شرحِ وقایہ فرما رہے ہیں کہ ماتن نے اور صاحبِ ہدایہ نے تو فرمایا کہ مناسب یہ ہے کہ رجوع کرے کب؟ آزادی کے بعد۔ صاحبِ شرحِ وقایہ فرماتے ہیں مناسب یہ ہے کہ رجوع نہیں کرنا چاہیے، رجوع نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ پچھلے مسئلے میں وہ بچے کی عاقلہ نے رجوع کیا تھا اور بچہ تو نا سمجھ تھا، بچہ تو نا سمجھ تھا اور اس سے نا سمجھی کے اندر اس غلام نے وہ فعل کروایا تھا لہٰذا وہ غلام ذمہ دار بنتا تھا۔ لیکن یہاں پر تو یہ غلام ذمہ دار نہیں بنتا اس لیے کیونکہ ایک غلام نے دوسرے غلام کو حکم دیا ہے اور دوسرا غلام وہ بھی عاقل بالغ ہے، سمجھدار ہے، تو لہٰذا وہ اس کے قتل کی اب نسبت یہ نہیں کریں گے کہ اس نے اس کے سمجھانے سے قتل کیا لہٰذا ضمان اس پہلے غلام پر آئے گا، نہیں نہیں۔ یہ خود کیا تھا؟ اس کی عقل کامل تھی اس عبدِ قاتل کی لہٰذا ضمان اسی پر اور اس کے آقا پر آئے گا، وہ پچھلے غلام جس غلام نے حکم دیا تھا اس پر ضمان نہیں آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو صاحبِ شرحِ وقایہ گویا یہ فرماتے ہیں کہ رجوع نہیں کرنا چاہیے۔

أَقُولُ میں کہتا ہوں يَنْبَغِي أَنْ لَا يَرْجِعَ بِشَيْءٍ مناسب یہ ہے کہ یہ آقا رجوع نہ کرے کسی بھی چیز کے ساتھ لِأَنَّ الْأَمْرَ لَمْ يَصِحَّ کیونکہ اس غلام کا حکم دینا درست نہ تھا وَالْآمِرُ لَمْ يُوقِعْهُ فِي هَذِهِ الْوَرْطَةِ اور اس حکم دینے والے غلام نے اس غلام کو اس مشکل میں نہیں پھنسایا، اس نے اس مشکل میں نہیں پھنسایا لِكَمَالِ عَقْلِ الْمَأْمُورِ اس لیے کیونکہ یہ غلام جس کو حکم دیا گیا اس کی عقل کامل تھی، اس کی عقل کامل تھی، لہٰذا اس کی غلطی کی نسبت اس غلام کی طرف نہیں کی جائے گی جس

---

[1] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۸۰): صوتی درس کی قراءت میں «يَرْجِعَ بَعْدَ عِتْقِهِ إِذْ لَا رِوَايَةَ لِذَلِكَ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «يرجعَ بعدَ العتقِ إذ لا روايةَ لذلك،» منقول ہے۔

[2] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۸۰): صوتی درس کی قراءت میں «لِأَنَّ قِيمَتَهُ إِذَا كَانَتْ أَقَلَّ مِنَ الْفِدَاءِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «لأنَّ القيمةَ إذا كانت أقلَّ من الفداءِ» منقول ہے۔

نے حکم دیا تھا۔ اگر اس نے حکم دیا تھا تو اس کی عقل تو کامل تھی، اس کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تو یہ معنیٰ ہے لِكَمَالِ عَقْلِ الْمَأْمُورِ اس وجہ سے کہ عبدِ مأمور کی عقل جو تھی وہ کامل تھی بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الْمَأْمُورُ صَبِيًّا بخلاف اس صورت کے جبکہ وہ مأمور وہ بچہ تھا، وہ جس کو حکم دیا گیا تھا وہ جب بچہ تھا۔ بچے کی عقل تو کامل نہیں ہے، بچے کی عقل تو ناقص ہے، لہٰذا وہاں کہیں گے کہ اس کو غلام نے اس مشکل میں پھنسایا ہے لیکن یہاں پر اس غلام کے بارے میں نہیں کہیں گے کہ اس کو عبدِ آمر نے مشکل میں پھنسایا ہے۔

آگے دیکھیے: وَكَذَا فِي الْعَمْدِ إِنْ كَانَ الْعَبْدُ الْقَاتِلُ صَغِيرًا، فَإِنْ كَانَ كَبِيرًا اقْتُصَّ۔ اور اسی طرح ہے قتلِ عمد میں اگر وہ غلام جو قاتل ہے وہ چھوٹا ہو، نابالغ ہو، فَإِنْ كَانَ كَبِيرًا اگر وہ بڑا ہو یعنی بالغ ہو اقْتُصَّ تو قصاص لیا جائے گا۔ یہی صورتِ مسئلہ، یہی صورتِ مسئلہ: ایک غلام نے دوسرے غلام سے کہا کہ جا کر اس آدمی کو قتل کر دو۔ عبدِ آمر جو حکم دینے والا ہے وہ تو عاقل بالغ ہے لیکن جس غلام کو حکم دیا وہ نابالغ تھا، وہ نابالغ تھا۔ اس نے جا کر اس آدمی کو قتلِ عمد کر دیا یعنی تلوار سے قتل کر دیا یا گولی مار دی، اور تلوار سے اور بندوق سے کسی کو قتل کرو تو پھر اس صورت میں قصاص آتا ہے۔ لیکن قاتل نابالغ ہے، اور نابالغ کا قتلِ عمد بھی خطا ہے آپ پڑھ چکے ہیں۔ نابالغ اور مجنون کا قتلِ عمد بھی خطا، وہ عمداً بھی کوئی جنایت کریں وہ خطا شمار ہوتی ہے۔ تو لہٰذا اس نے قتل تو اگرچہ عمداً کیا ہے اس نابالغ غلام نے لیکن اس کو کیا سمجھا جائے گا؟ قتلِ خطا۔ اور قتلِ خطا میں کیا آتی ہے؟ دیت۔ لہٰذا اس عبدِ قاتل جو ہے، اس کا آقا ضمان ادا کر دے گا اور پھر رجوع کرے گا کس پر؟ اس عبدِ آمر پر، کیونکہ یہ جو عبدِ قاتل ہے یہ تو نابالغ ہے اور اس نابالغ کی عقل کامل نہیں تو اس کو اس مشکل میں کس نے ڈالا؟ اس عبدِ آمر نے، لہٰذا اس پر آقا بعد میں رجوع کرے گا۔ اور اگر ایک عبدِ مجور نے دوسرے عبدِ مجور کو حکم دیا کہ فلاں کو قتل کر دو اور حکم دینے والا بھی بالغ اور حکم پر عمل کرنے والا بھی بالغ، اس عبدِ مجور نے جس کو حکم دیا تھا اس نے جا کر اس آدمی کو تلوار سے یا بندوق سے قتل کر دیا۔ اس صورت میں تو پھر اس عبدِ قاتل کو قتل کیا جائے گا، قصاص آئے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس صورت میں قصاص آئے گا، ضمان آئے گا ہی نہیں اور نیز اس قاتل غلام کی عقل کامل ہے بھئی یہ تو نابالغ نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس صورت میں پھر قصاص ہی آئے گا، اس غلام سے لیا جائے گا اور اس پچھلے غلام پر رجوع وغیرہ نہیں ہو گا کیونکہ ضمان کوئی نہیں آیا یہاں۔

کہتے ہیں وَكَذَا فِي الْعَمْدِ اور اسی طرح ہے مسئلہ عمد کے اندر بھی إِنْ كَانَ الْعَبْدُ الْقَاتِلُ صَغِيرًا اگر وہ غلام جو قتل کرنے والا ہے وہ نابالغ ہو، فَإِنْ كَانَ كَبِيرًا اگر وہ بڑا ہے یعنی بالغ ہے اقْتُصَّ تو پھر اس سے قصاص لیا جائے گا۔ دیکھیے خود بیان کر رہے ہیں: أَيْ فِي الْعَمْدِ دَفَعَ السَّيِّدُ الْقَاتِلَ أَوْ فَدَاهُ قتلِ عمد کی صورت میں حوالے کرے گا وہ آقا اس قاتل کو یا فدیہ دے گا ثُمَّ رَجَعَ عَلَى الْعَبْدِ الْآمِرِ بِأَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنَ الْفِدَاءِ پھر وہ رجوع کرے گا اس عبدِ آمر پر وہ جو حکم دینے والا غلام ہے اس

پر بِأَقَلَّ کم کے ساتھ یعنی کم کے ساتھ اس پر رجوع کرے گا مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنَ الْفِدَاءِ اس غلام کی قیمت اور فدیے میں سے جو کم ہے اس کے ساتھ رجوع کرے گا إِنْ كَانَ الْعَبْدُ الْقَاتِلُ صَغِيرًا اگر وہ عبدِ قاتل نابالغ ہو۔ کیونکہ عمد کی بات چل رہی ہے نا، عمد میں تو قصاص آتا ہے لیکن اگر وہ غلام صغیر ہے تو پھر قصاص نہیں آئے گا بلکہ دیت آئے گی۔ تو لہٰذا إِنْ كَانَ الْعَبْدُ الْقَاتِلُ صَغِيرًا اگر وہ عبدِ قاتل صغیر ہو تو پھر وہ رجوع کرے گا فَإِنَّ عَمْدَ الصَّغِيرِ كَالْخَطَأِ اس لیے کیونکہ نابالغ کا عمد یعنی ارادہ بھی كَالْخَطَأِ وہ خطا کی طرح ہے، غلطی کی طرح ہے۔ وَإِنْ كَانَ كَبِيرًا اور اگر وہ قتل کرنے والا غلام بڑا تھا، بالغ تھا يَجِبُ الْقِصَاصُ تو پھر قصاص واجب ہو گا۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

فَإِنْ قَتَلَ قِنٌّ عَمْدًا حُرَّيْنِ لِكُلِّ وَاحِدٍ وَلِيَّانِ فَعَفَا أَحَدُ وَلِيَّيْ كُلٍّ مِنْهُمَا دَفَعَ نِصْفَهُ إِلَى الْآخَرَيْنِ أَوْ فَدَى بِدِيَةٍ.[۳]

صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک غلام نے دو آدمیوں کو قتل کر دیا جان بوجھ کر۔ ایک غلام نے جان بوجھ کر دو آزاد آدمیوں کو قتل کر دیا، اور ان دونوں کے اولیاء جو ہیں یعنی اولیاءِ مقتول وہ دو دو ہیں۔ پہلا شخص جس کو قتل کیا مثلاً اس کے بھی دو بیٹے، دوسرا شخص جو قتل کیا اس کے بھی دو بیٹے، تو یہ دونوں بیٹے جو ہیں یہ ولیِ قصاص بن گئے دونوں کے بیٹے۔ اب ان دونوں کے جو دو دو بیٹے ہیں ان میں سے ایک ایک بیٹے نے معاف کر دیا قاتل کو۔ جب ایک ایک بیٹے نے معاف کر دیا تو دوسرے بیٹے کا حصہ جو قصاص میں تھا وہ خود بخود مال بن گیا، لہٰذا اس بیٹے کو اب آدھی دیت ملے گی، اور دوسرے والے مقتول کے ایک بیٹے کو بھی آدھی دیت مل جائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

صورت کیا؟ دو آدمیوں کو قتل کیا ہے غلام نے اور دونوں کے دو دو بیٹے ہیں یعنی دو دو ولی ہیں۔ ایک مقتول کے بھی ایک ولی نے معاف کر دیا اور دوسرے مقتول کے ایک ولی نے بھی معاف کر دیا۔ جب کوئی غلام جنایت کرے تو کیا کیا جاتا ہے؟ اول تو آتا ہے قصاص آتا ہے۔ اگر تو کوئی بھی معاف نہ کرتا، چاروں اکٹھے ہو جاتے، قاضی کے پاس جاتے تو سب کے لیے قاضی قصاص لے لیتا اور اس ایک غلام کو قتل کر دیا جاتا جس نے قتل کیے تھے۔ لیکن اب کیا صورت ہوئی؟ ایک نے معاف کر دیا۔ جب ایک بیٹے نے معاف کیا تو دوسرے کا حصہ بھی قصاص میں تھا، وہ مال سے بدل گیا اور دونوں کا حق پوری دیت میں بنتا تھا تو ایک کا حق کتنی دیت میں بن جائے گا؟ نصف، نصف۔ اگر دو بیٹے ہوں اور کوئی غلام غلطی سے کسی کو قتل کرے تو کیا کیا جاتا ہے؟ پھر سنو، دوسری صورت ذرا سنو پھر میں بیان کرتا ہوں۔ بھئی اگر ایک غلام کسی آدمی کو قتل کر دے اور اس آدمی کے دو بیٹے ہوں اور یہ قتل اس نے غلطی سے کیا، متن میں جو صورت ذکر ہو رہی ہے وہ ہے

---

[۳] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۸۰):** صوتی درس کی قراءت میں «فَإِنْ قَتَلَ قِنٌّ عَمْدًا حُرَّيْنِ لِكُلِّ وَاحِدٍ وَلِيَّانِ فَعَفَا أَحَدُ وَلِيَّيْ كُلٍّ مِنْهُمَا دَفَعَ نِصْفَهُ إِلَى الْآخَرَيْنِ أَوْ فَدَى بِدِيَةٍ.» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فإن قتلَ قنٌّ عمدًا حرَّيْن لكلِّ واحد وليَّان، فعفا أحدُ وليِّي كلٍّ منهما، دفعَ نصفَه إلى الآخرين، أو فداه بدِيَة» منقول ہے۔

قتلِ عمد کی، جان بوجھ کر قتل کیا ہے یعنی آلہِ قتل سے، اور یہاں کس قتل کی بات ہو رہی ہے؟ قتلِ خطا کی میں بات کر رہا ہوں۔ اگر ایک غلام غلطی سے اس کے ہاتھوں کوئی آدمی قتل ہو جائے اور اس کے دو بیٹے ہوں تو کیا کیا جائے گا؟ آقا کو اختیار ہوتا ہے یا تو یہ غلام دے دے پورا ان دونوں کو اور یا پوری دیت ادا کر دے۔ توجہ ہے؟ جی۔

اسی طرح اگر ایک غلام دو قتل غلطی سے کرتا ہے اور اس کے بھی دو بیٹے ہیں، توجہ ہے؟ ایک غلام ہے اور اس نے دو قتل کیے ہیں اور دونوں خطاءً کیے ہیں اور دونوں کے دو دو ولی ہیں، تو آقا پر ضمان آیا۔ ضمان کیا آئے گا؟ یا تو ایک ہی غلام دونوں کو دے دو، اس کو آپس میں آدھا آدھا تقسیم کر لیں۔ آدھا غلام ایک مقتول کے دو بیٹوں کا ہو گیا اور آدھا غلام دوسرے مقتول کے دو بیٹوں کا ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور اگر دیت دینا چاہتا ہے تو ایک مقتول کے دونوں بیٹوں کو بھی پوری دیت دے گا اور دوسرے مقتول کے بیٹوں کو بھی پوری دیت دے گا۔ یہ کون سی صورت ہے؟ خطا کی صورت۔

اب آگئی عمد والی صورت۔ جب عمد والی صورت ہے تو اب دونوں قتل اس نے جان بوجھ کر کیے ہیں اور دونوں کے دو دو بیٹے ہیں۔ تو دو بیٹوں میں سے ایک مقتول کے ایک بیٹے نے معاف کر دیا اور دوسرے مقتول کے ایک بیٹے نے بھی معاف کر دیا۔ تو دونوں بیٹوں کا قصاص میں حصہ تھا، پہلے مقتول کے دونوں بیٹوں کا قصاص میں حصہ تھا تو ایک نے معاف کر دیا تو دوسرے کا حصہ مال بن گیا۔ جب مال بن گیا تو اس کو کتنا ملے گا؟ نصفِ دیت۔ اگر خطا میں دونوں کو دیت دی جاتی تو کتنی دیت دی جاتی؟ دو بیٹوں کو، دو بیٹوں کو پوری دیت دی جاتی۔ توجہ نہیں ہے میرا خیال۔ غلام دیں گے قتلِ خطا میں، ابھی میں نے بتایا، اگر دونوں قتل کیسے کیے تھے؟ خطاءً، پھر کیا کریں گے؟ یا تو غلام دے دو، غلام کو وہ آپس میں آدھا آدھا تقسیم کر لیں گے۔ لیکن اگر دیت دینا چاہتے ہو تو ایک کے دو بیٹوں کو بھی پوری دیت دو سو اونٹ دو، اور دوسرے مقتول کے دو بیٹوں کو بھی پوری دیت دو۔ توجہ ہے؟ اب یہاں قتلِ عمد کے اندر جب ایک آدمی کے دو بیٹوں میں سے ایک نے معاف کر دیا ہے، اگر یہ خطا ہوتا تو دونوں بیٹوں کا حصہ کتنا بنتا؟ پوری دیت، پوری دیت۔ لیکن یہ ہے عمد، یہاں تو آ رہا ہے قصاص۔ جب قصاص آیا تو ایک بیٹے نے معاف کر دیا تو دوسرا بھی اب قصاص نہیں لے سکتا، اس کا حصہ خود بخود مال بن گیا، اور اس کا کتنا حصہ بنتا تھا؟ آدھی دیت، دو کا حصہ پوری دیت ہوتی ہے تو ایک کا حصہ آدھی دیت۔ تو لہٰذا جس بیٹے نے معاف نہیں کیا اس کو آدھی دیت دے دی جائے گی، اور دوسرے مقتول کے ایک بیٹے نے معاف کر دیا تو دوسرے بیٹے کو بھی آدھی دیت۔ تو آدھی دیت ایک مقتول کے بیٹے کو، آدھی دیت دوسرے مقتول کے بیٹے کو یعنی ایک دیت سے ہی کام چل جائے گا، ایک ہی دیت دے دے آدھی آدھی دونوں کو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ایک ہی دیت دے دے دونوں کے بیٹوں کو آدھی آدھی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور اگر غلام دینا چاہتا ہے، غلام دینے کا بھی تو اختیار ہوتا ہے نا، غلام دینا چاہتا ہے تو ایک ایک بیٹا چونکہ معاف کر چکا ہے، اگر غلام دیتا تو کیا صورت تھی؟ پورا غلام دیتا۔ قتلِ خطا میں کیا صورت تھی؟ پورا غلام دیتے اور وہ دونوں بیٹوں میں

آدھا آدھا تقسیم ہو جاتا۔ اس مقتول کے دو بیٹے ملا کر آدھا غلام ان دونوں کا ہوا اور دوسرے مقتول کے دو بیٹوں کا بھی آدھا غلام ان کا ہو گیا۔ یعنی یوں کہو چار بیٹے ہیں اور دو مقتول ہیں اور ان کو ایک غلام دیا، تو ہر بیٹا ربعِ غلام کا مالک بن جائے گا۔ ہر بیٹا ربعِ غلام کا مالک۔ ایک غلام، مقتول کتنے؟ دو۔ اور بیٹے ہر ایک کے کتنے کتنے؟ دو دو۔ اور ان کو مثلاً قتلِ خطا والی صورت ہے تو ہم کیا کرتے؟ غلام دے دیتے، اور جب غلام دیتے اس غلام کو دونوں مقتول کے اولیاء کیا کرتے آپس میں؟ تقسیم۔ جب تقسیم کرتے آدھا غلام اس مقتول کے اولیاء کا اور آدھا غلام اس مقتول کے اولیاء کا ہو جاتا، اور اس آدھے میں سے پھر یہ دو بیٹے آپس میں کس طرح مالک ہوتے آدھے کے؟ کہ ایک ربع اس کا ہوتا، ایک ربع اس کا ہوتا۔ آدھے کا آدھا کتنا ہوتا ہے؟ ربع ہوتا ہے نا! جی۔ اور دوسرے مقتول کے بیٹوں کو آدھا غلام ملا ہے، تو وہ دونوں بیٹے اس آدھے غلام کو آپس میں تقسیم کرتے تو کتنا کتنا ہر ایک کو ملتا؟ ربع ربع ملتا۔ گویا ایک غلام کے خطا کے اندر، ایک ہی غلام اگر آقا دینا چاہتا یہی جنایت والا وہ دے دیتا تو چار بیٹے ہیں دو مقتولوں کے، ہر بیٹا ربع ربع غلام کا مالک بن جاتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یوں کہہ لو کہ چار بیٹے ہیں دو مقتولوں کے، ہر بیٹے کو ربع ربع غلام، یا یوں کہہ لو ہر مقتول کے اولیاء کے لیے آدھا آدھا غلام ہے، بات ایک ہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور یہاں صورت کون سی چل رہی ہے متن میں؟ عمد والی، قتلِ عمد۔ اور قتلِ عمد کے اندر جب ایک ایک بیٹے نے معاف کر دیا ہے تو اگر دیت دینا چاہتا ہے تو آدھی دیت ایک مقتول کے اس بیٹے کو جس نے معاف نہیں کیا، اور آدھی دیت دوسرے مقتول کے اس بیٹے کو جس نے معاف نہیں کیا، تو ایک ہی دیت دے دیتا آدھی آدھی وہ دونوں کو دے دیتا۔ اور اگر غلام دینا چاہتا تو غلام تو دو کا حق بنتا تھا یا چاروں کا؟ چاروں کا، اور چاروں میں سے ایک ایک تو معاف کر چکا ہے، لہٰذا ایک ربع غلام ایک مقتول کے اس بیٹے کو دے دیں گے جس نے معاف نہیں کیا اور ایک ربع غلام کا دوسرے مقتول کے اس بیٹے کو دے دیں گے جس نے معاف نہیں کیا۔ تو آدھا غلام آقا کے پاس ہی رہے گا، آدھے غلام کا آقا ہی مالک ہے، اور آدھا غلام ان کو، نہیں توجہ، نہیں توجہ۔ اصل تو یہاں قصاص آرہا تھا، قصاص۔ ویسے اگر کوئی غلام جنایت کرتا، مثلاً خطا میں صورت بناؤ۔ خطا کے اندر اگر کوئی بیٹا معاف نہ کرتا دونوں قتل غلام نے خطاءً کیے ہیں تو کیا کیا جاتا؟ آقا کو اختیار تھا یا دونوں میں سے ہر ایک کو پوری پوری دیت دے یا پورا غلام ہی ان دونوں کو دے دے، اس غلام کو وہ آدھا آدھا تقسیم کر لیں۔ جب آدھا آدھا تقسیم کریں گے تو ہر بیٹے کا حصہ کتنا بنے گا؟ ربع ربع بنے گا۔ تو یہاں پر بھی قتلِ عمد کے اندر جب ایک ایک بیٹے نے معاف کر دیا ہے تو باقی بیٹوں کو کتنا کتنا دے دیں گے؟ ربع ربع دے دیں گے اور ربع ربع کتنا ہو گیا؟ نصف، تو گویا نصف غلام ان دونوں کو دے دیں گے آدھا آدھا ان کا ہو جائے گا، اور نصف کس کے پاس رہے گا؟ مالک کے پاس ہی رہے گا، وہ مالک کا رہے گا۔ تو نصف غلام مالک کا ہو جائے گا اور ربع ربع اس کے دو ان بیٹوں کا

جنہوں نے معاف نہیں کیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح؟ جی۔

کہتے ہیں فَإِنْ قَتَلَ قِنٌّ، قِنٌّ بھی غلام کو کہتے ہیں عام غلام جو ہوتا ہے۔ فَإِنْ قَتَلَ قِنٌّ عَمْدًا حُرَّيْنِ لِكُلِّ وَاحِدٍ وَلِيَّانِ۔ حُرَّيْنِ نکرہ آیا اور اس کے بعد پورا جملہ آیا، کیا آیا؟ پورا جملہ۔ حُرَّيْنِ یہ نکرہ ہے، تثنیہ ہے اور نکرہ ہے، اور لِكُلِّ وَاحِدٍ وَلِيَّانِ یہ وَلِيَّانِ یہ ہے مبتدا مؤخر اور لِكُلِّ وَاحِدٍ یہ ہے خبرِ مقدم۔ وَلِيَّانِ ہے مبتدا مؤخر اور لِكُلِّ وَاحِدٍ ہے خبرِ مقدم۔ مبتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوا، اور جملہ اسمیہ کس کے بعد آیا؟ نکرہ کے بعد، اور نکرہ کے بعد جملہ اسمیہ آئے تو وہ اس کی صفت بنتا ہے، تو صفت بنائیں گے۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کرتے وقت موصوف سے پہلے کیا لاتے ہیں؟ ایسا یا ایسے۔ اب ترجمہ سنو: فَإِنْ قَتَلَ قِنٌّ عَمْدًا حُرَّيْنِ لِكُلِّ وَاحِدٍ وَلِيَّانِ اگر قتل کیا کسی عام غلام نے جان بوجھ کر ایسے دو آزاد آدمیوں کو کہ ان میں سے ہر ایک کے دو ولی ہیں، فَعَفَا أَحَدُ وَلِيَّيْ كُلٍّ مِنْهُمَا پس معاف کر دیا أَحَدُ وَلِيَّيْ اصل میں تھا وَلِيَّيْنِ تثنیہ، نون اضافت سے گر گیا، تو معاف کر دیا أَحَدُ وَلِيَّيْ كُلٍّ مِنْهُمَا، ترجمہ آخر سے ہو گا، ان دو مقتولوں میں سے ہر ایک کے۔ ترجمہ آخر سے ہو رہا ہے، مِنْهُمَا ضمیر کس کو راجع ہے؟ وہ جو حُرَّيْنِ مقتول گزرے ہیں، ان دونوں میں سے ہر ایک کے دو ولیوں میں سے ایک نے معاف کر دیا۔ ترجمے پہ نظر ہے؟ فَعَفَا أَحَدُ وَلِيَّيْ كُلٍّ مِنْهُمَا، مِنْهُمَا هُمَا ضمیر کس کو راجع؟ حُرَّيْنِ کو، تو ترجمہ آخر سے شروع کی طرف میں کروں گا دیکھو: ان دونوں حُرَّيْنِ میں سے ہر ایک کے دو ولیوں میں سے ایک نے معاف کر دیا۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟

تو دَفَعَ نِصْفَهُ إِلَى الْآخَرَيْنِ تو آقا آدھا غلام دے دے گا باقی دو کو، آقا آدھا غلام دے دے گا دوسرے دو ولیوں کو اور آدھا کس کا رہے گا؟ آقا کا اپنا رہے گا۔ أَوْ فَدَى بِدِيَةٍ یا فدیہ دے دے گا ایک دیت، فدیہ دے دے گا ایک دیت، اس کو وہ آپس میں آدھا آدھا تقسیم کر لیں گے۔ آدھی دیت ایک کو اور آدھی دیت دوسرے کو، اور ایک ایک نے تو معاف کر دیا ہے۔

وَسَقَطَ حَقُّ مَنْ عَفَا فِي الدِّيَةِ اور ساقط ہو جائے گا حق اس ولی کا جس نے معاف کر دیا تھا دیت میں سے۔ دیت میں سے اس معاف کرنے والے کا حق ساقط۔ یہ معنیٰ ہے وَسَقَطَ حَقُّ مَنْ عَفَا فِي الدِّيَةِ اور دیت میں معاف کر دینے والے کا حق جو ہے وہ ساقط ہو جائے گا، وَانْقَلَبَتْ حِصَّةُ مَنْ لَمْ يَعْفُ مَالًا اور پلٹ جائے گا حصہ اس کا جس نے معاف نہیں کیا تھا مال ہو کر، اس کا حصہ کیا بن جائے گا جس نے معاف نہیں کیا قصاص کو؟ اس کا حصہ مال۔ یہ معنیٰ ہے وَانْقَلَبَتْ حِصَّةُ مَنْ لَمْ يَعْفُ مَالًا اور بدل جائے گا اس کا حصہ جس نے معاف نہیں کیا مال سے۔ فَإِمَّا أَنْ يَدْفَعَ نِصْفَهُ أَوِ الدِّيَةَ الْوَاحِدَةَ تو وہ آقا جو ہے وہ یا تو نصفِ غلام دے دے ان دونوں کو جنہوں نے معاف نہیں کیا، أَوِ الدِّيَةَ الْوَاحِدَةَ یا ایک ہی دیت دے دے ان دونوں کو۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ جی۔

فَإِنْ قَتَلَ أَحَدَهُمَا عَمْدًا وَالْآخَرَ خَطَأً وَعَفَا أَحَدُ وَلِيَّيِ الْعَمْدِ فَدَى بِدِيَةٍ لِوَلِيِّ الْخَطَأِ وَبِنِصْفِهَا لِأَحَدِ وَلِيَّيِ الْعَمْدِ، أَوْ دَفَعَ إِلَيْهِمْ، وَقُسِّمَ أَثْلَاثًا عَوْلًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، وَأَرْبَاعًا مُنَازَعَةً عِنْدَهُمَا.

یہ مسئلہ توجہ سے سمجھ لیں، یہ ذرا مشکل ہے۔ صورتِ مسئلہ یہ، وہی پچھلی صورت کی طرح ہے، تھوڑا سا فرق آئے گا۔ پچھلی صورت میں اس نے دونوں قتل جان بوجھ کر کیے تھے اور دونوں کے دو دو ولی تھے اور دونوں مقتولوں کے دونوں ولیوں کو قصاص کا حق تھا، اور

پھر ایک نے کیا کر دیا تھا؟ معاف کر دیا تھا۔ تو باقیوں کو وہ آدھا غلام دے دے یا آدھی آدھی دیت دے دے۔

اب دوسری صورت ہے: اسی غلام نے دو جنایتیں کیں، ایک آدمی کو اس نے جان بوجھ کر قتل کیا ہے اور ایک کو غلطی سے، ایک کو غلطی سے۔ اور ان دونوں کے بھی دو دو ولی ہیں یعنی دو دو بیٹے ہیں، مثلاً یا دو دو بھائی ہیں، بیٹے وغیرہ کوئی ہیں ہی نہیں، تو دو اولیاء ہیں ہر ایک کے، دو دو ولی ہیں۔ پھر ان میں سے عمداً جس کو قتل کیا تھا اس کے دو ولیوں میں سے ایک نے معاف کر دیا۔ توجہ ہے؟ جی۔ ایک غلام نے دو قتل کیے، دو جنایتیں کیں لیکن ایک کو اس نے جان بوجھ کر قتل کیا ہے اور ایک کو غلطی سے، اور دونوں کے دو دو ولی ہیں۔ پھر جس شخص کو اس نے جان بوجھ کر قتل کیا تھا اس کے دو اولیاء میں سے ایک ولی نے قتل کو معاف کر دیا۔ تو اب کیا صورت ہو گی؟ کہتے ہیں اگر مال دینا چاہتا ہے، مال دینا چاہتا ہے، ایک قتلِ خطا ہے اور قتلِ خطا میں کیا آتی ہے؟ پوری دیت۔ لہٰذا پوری دیت دے دے گا ان دو بیٹوں کو، قتلِ خطا والے جو مقتول ہے اس کے دونوں ولیوں کو پوری دیت دے دے۔ اور دوسرے مقتول کے جو عمداً قتل کیا اس کے بھی دو ولی تھے، اور ان کا حق کس میں تھا؟ قصاص میں، لیکن ایک نے معاف کر دیا تو دوسرے کا حق کس سے بدل گیا؟ مال سے۔ تو اس کو کتنی دیت دیں گے؟ جب دو تھے، دونوں کا حق کتنا بنتا اگر مال لیتے تو کتنا بنتا؟ پوری دیت ہوتی، جب ایک نے معاف کر دیا تو دوسرے کا حصہ مال بن گیا تو اس کو آدھی دیت دے دیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اگر مال دینا چاہے تو اب کیا کرے؟ خطا والوں کو پوری دیت اور عمد جن میں سے ایک نے معاف کر دیا تو ایک کو آدھی دیت دے دیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جی۔

اور اگر غلام دینا چاہے پھر کیا کریں گے؟ اب مشکل مسئلہ ہے۔ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر غلام دینا چاہتا ہے تو پورا غلام یہاں دے دے، اور اس پورے غلام کے وہ تین حصے کر لیں گے۔ تین حصوں میں سے دو حصے خطا والوں کے ہو جائیں گے اور ایک حصہ عمد والے کا، اور ایک عمد والے نے تو معاف کر دیا تھا۔ جی۔ تو تین حصے کے طور پر اس کو تقسیم کر لیں گے۔ اب آپ یہ نہ کہیں کہ ایک نے تو عمد معاف کیا تھا لہٰذا ایک حصہ آقا کے پاس ہی رہنا چاہیے تھا، نہیں نہیں، یہاں اس کے تین حصے کر کے تقسیم کر دیں گے اور یہ عول کے طریقے پر ہو گا، ع، و، ل بھئی عَوْلٌ۔ امام صاحب فرماتے ہیں یہ تقسیم کس طریقے پر ہو گی؟ عول کے طریقے پر، جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ تقسیم منازعت کے طریقے پر ہو گی، نَازَعَ یُنَازِعُ مُنَازَعَةً جھگڑا کرنا، جھگڑا کرنا۔ تو صاحبین فرماتے ہیں یہ تقسیم منازعت کے طریقے پر ہو گی، امام صاحب فرماتے ہیں یہ تقسیم عول کے طریقے پر ہو گی۔ اور عول کی صورت میں کیا تقسیم میں نے بتلائی؟ دو حصے خطا والوں

کے اور ایک حصہ عمد والے کا یعنی تین حصے کر دیں گے، اور ایک عمد والے نے تو معاف کر دیا ہے اس کو کچھ نہیں ملے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں نہیں، یہ تقسیم منازعت یعنی جھگڑے کے طریقے پر ہو گی یعنی اس غلام کے چار حصے کریں گے، تین حصے خطا والوں کے اور ایک حصہ عمد والے کا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو امام صاحب کے نزدیک اس غلام کے کتنے حصے کریں گے؟ تین، اور صاحبین کے نزدیک کتنے حصے کریں گے؟ چار حصے کریں گے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ اب اس کی علت کیا ہے؟ عول کسے کہتے ہیں؟ عول کے طریقے پر تقسیم کیسے ہوتی ہے اور منازعت کے طریقے پر تقسیم کیسے ہوتی ہے؟ وہ میں آگے بیان کرتا ہوں۔ پہلے ذرا متن حل کر لیں۔

فَإِنْ قَتَلَ أَحَدَهُمَا عَمْدًا اگر قتل کیا اس غلام نے أَحَدَهُمَا ان دو آزاد آدمیوں میں سے ایک کو عَمْدًا جان بوجھ کر وَالْآخَرَ خَطَأً اور دوسرے آزاد آدمی کو اس نے غلطی سے قتل کیا وَعَفَا أَحَدُ وَلِيَّيِ الْعَمْدِ اور قتلِ عمد کے دو ولیوں میں سے ایک نے معاف کر دیا، ترجمہ میں آخر سے کر رہا ہوں، قتلِ عمد کے دو ولیوں میں سے ایک نے معاف کر دیا فَدَى بِدِيَةٍ لِوَلِيِّ الْخَطَأِ تو آقا فدیہ دے گا ایک دیت لِوَلِيِّ الْخَطَأِ کس کو؟ ولیِ خطا، ان دونوں کو دے دے گا۔ یہ ولی اصل میں تثنیہ ہونا چاہیے بھئی کیونکہ ولیِ خطا کتنے ہیں؟ دو ہیں، تو یہاں وَلِيِّي ہونا چاہیے تھا وَلِيَّيِ الْخَطَأِ، وَلِيَّيْنِ اور نون اضافت سے گر جائے گا اور پھر یا بھی ساکن آگے لام بھی ساکن، دو ساکن اکٹھے ہو گئے، اور جب دو ساکن اکٹھے ہو جائیں تو السَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ تو لہٰذا کسرہ دیں گے لِوَلِيَّيِ الْخَطَأِ، لیکن یہاں بھی ولیِ خطا ہے ولی کا لفظ مفرد ہے، نیچے شرح میں بھی ایک دو جگہ آرہا ہے وہاں بھی ولیِ خطا مفرد ہے، توجہ ہے؟ جی۔ تو اس کو پھر جنس کے معنیٰ میں لے لیں، جنسِ ولی ہیں خطا کے جو جنسِ ولی ہیں اور جنس میں تو پھر چاہے جتنے بھی ہوں وہ داخل ہو جاتے ہیں، بات سمجھ میں آگئی؟ تو باقی نسخوں میں بھی میں نے دیکھا لیکن سب میں یہاں مفرد ہی کا لفظ ہے۔ تو لیکن ولیِ خطا ہیں کتنے میں نے آپ کو بیان کر دیا کتنے ہیں؟ دو۔ تو فَدَى بِدِيَةٍ لِوَلِيِّ الْخَطَأِ تو آقا فدیہ دے دے گا ایک دیت لِوَلِيِّ الْخَطَأِ کس کو؟ ولیِ خطا، ان دونوں کو دے دے گا۔ وَبِنِصْفِهَا لِأَحَدِ وَلِيَّيِ الْعَمْدِ اور وہ فدیہ دے گا نصفِ دیت لِأَحَدِ وَلِيَّيِ الْعَمْدِ قتلِ عمد کے دو ولیوں میں سے ایک کو، قتلِ عمد کے دو ولیوں میں سے ایک کو نصفِ دیت دے گا کیونکہ ایک نے تو معاف کر دیا ہے۔

أَوْ دَفَعَ إِلَيْهِمْ یا وہ غلام ان کے حوالے کرے، یہ تو وہ صورت تھی اگر وہ فدیہ دینا چاہے تو ایک کو پوری دیت دے خطا والوں کو اور عمد والے ایک کو آدھی دیت، یا اگر وہ غلام دینا چاہتا ہے کہتے ہیں أَوْ دَفَعَ إِلَيْهِمْ یا غلام ان کے حوالے کرے وَقُسِّمَ أَثْلَاثًا اور وہ غلام تقسیم کیا جائے گا تین حصوں پر، أَثْلَاثًا تین حصے کر کے اس کو تقسیم کیا جائے گا عَوْلًا عول کے طریقے پر عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ امام صاحب کے نزدیک، تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا اور میں نے بتایا تھا دو حصے

خطا والوں کے اور ایک حصہ عمد والا جس نے معاف نہیں کیا اس کا، یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ وَأَرْبَاعًا اور چار حصے کر کے تقسیم کیا جائے گا مُنَازَعَةً منازعت کے طریقے پر عِنْدَهُمَا صاحبین کے نزدیک۔ چار حصے کس طرح ہوں گے میں نے بتلایا، تین حصے کس کے ہو جائیں گے؟ خطا والوں کے، اور ربع حصہ کس کا ہو جائے گا؟ عمد والا وہ جس نے معاف نہیں کیا اس کا حصہ ہو جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب بیان کریں گے کہ عول کیسے ہے اور منازعت کیسے ہے۔ پہلے سمجھ لیں بھئی عول کسے کہتے ہیں۔ عول جو ہے نا عول، یہ اصل میں علمِ میراث کے اندر آتا ہے عول۔ علمِ میراث میں جب ہم مسئلہ بناتے ہیں یعنی وارثوں میں ہم میراث کو تقسیم کرتے ہیں تو کبھی مسئلہ دو سے بنتا ہے، اگر مسئلے کے اندر نصف آجائے نا نصف کہ فلاں کو نصف دینا ہے اور کوئی حصہ نہیں بس ایک کا نصف حصہ ہے، جب نصف مسئلے میں آجائے تو مسئلہ بناتے ہیں دو سے۔ توجہ ہے؟ جی۔ دو سے نصف نکل سکتا ہے نا دو میں سے ایک کسی کو دے دو تو یہ کیا ہے؟ دو کا نصف ہے نا؟ جی۔ دو کا ایک کسی کو دے دو تو یہ دو کا نصف ہے، تو کل مال کے گویا دو حصے کرو ایک حصہ اس کو دے دو یہ نصف ہو گیا۔ اور کبھی مسئلہ بناتے ہیں تین سے جب مسئلے میں ثلث آجائے۔ اگر کہیں آجائے کہ اس کو ثلث دینا ہے، تیسرا حصہ، تو پھر اب ہمیں کیا کرنا پڑے گا؟ تین سے مسئلہ بنائیں گے اور تین میں سے ایک حصہ اگر اس کو دے دیں گے تو تین میں سے ایک کتنا بن گیا؟ یہ ثلث بن گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ کبھی مسئلے کے اندر ربع آتا ہے کہ اس آدمی کو ربع دینا ہے، چوتھا حصہ، تو پھر ہمیں مسئلہ چار سے بنانا پڑتا ہے، چار میں سے ایک کسی کو دے دو تو یہ کیا ہے؟ ربع ہے، چوتھا حصہ ہے۔ کبھی مسئلے میں آتا ہے چھ سے مسئلہ بنانا پڑتا ہے، مسئلے میں سدس آگیا، ایک آدمی ہے اس کو چھٹا حصہ دینا ہے تو کل مال کے کتنے حصے کر دو؟ چھ، چھ میں سے ایک اس کو دے دو تو یہ سدس اس کو مل گیا۔ کبھی مسئلے میں ثمن آجاتا ہے، آٹھواں حصہ، تو پھر ہمیں مسئلہ آٹھ سے بنانا پڑتا ہے کیونکہ آٹھ میں سے ایک اس کو دے دیں گے تو یہ اس کو کتنا مل گیا؟ ثمن مل گیا۔ توجہ ہے؟ جی۔ تو اس طرح مسئلہ کبھی دو سے بنتا ہے، کب؟ دو سے کب مسئلہ بنتا ہے؟ جب نصف آجائے۔ اور تین سے کب بنتا ہے؟ جب ثلث آجائے۔ اور چار سے مسئلہ کب بنتا ہے؟ جب ربع اس میں آجائے۔ اور چھ سے مسئلہ کب بنتا ہے؟ سدس آجائے۔ اور آٹھ سے مسئلہ کب بنتا ہے؟ جب ثمن آجائے۔ اسی طرح کبھی مسئلہ بارہ سے بھی بنتا ہے، اسی طرح کبھی مسئلہ چوبیس سے بھی بنتا ہے۔

پھر جس سے مسئلہ بن گیا اب باقی وارثوں کو بھی ان کے مطابق حصے دے دیں گے۔ پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مثلاً ہم نے مسئلہ بنایا چھ سے اور نیچے جب ہم نے وارثوں میں حصے تقسیم کیے تو وہ سات بن گئے۔ کیا بن گئے؟ سات۔ مثلاً ایک مسئلہ ہی تھا ہم نے ایک شخص کو دینا ہے نصف، ایک کو دینا ہے نصف اور ایک کو دینا ہے ثلثان، دو ثلث۔ توجہ ہے؟

ذرا سمجھ لو اچھی طرح میں تفصیل بیان کر رہا ہوں۔ ایک مسئلہ ایسا آیا کہ اس میں ایک وارث ہے اس کو دینا ہے ہم نے نصف اور ایک وارث وہ ہے جس کو ہم نے دینا ہے ثلثان یعنی دو ثلث دینے ہیں، کتنے؟ دو ثلث۔ یاد رکھو جب نصف کے ساتھ دو ثلث اکٹھے ہو جائیں تو مسئلہ چھ سے بنتا ہے۔ کس سے بنتا ہے؟ چھ سے، کیونکہ چھ میں سے نصف بھی نکل سکتا ہے اور ثلثان بھی نکل سکتا ہے۔ چھ کا نصف کتنا ہو گا؟ تین، تین وہ نصف والے کو دے دیں گے چھ سے ہم نے مسئلہ بنا دیا، تین اس نصف والے کو دے دیے۔ اور چھ کا ثلث کتنا ہے؟ چھ کے ذرا تین حصے کریں: دو، یہ ثلث ہے۔ اب ہم نے دینا ثلثان ہے، دو ثلث دینے ہیں، تو کتنے دیں گے؟ چار دیں گے۔ دو ثلث دینے ہیں نا، تو ایک کو کتنا مل گیا؟ نصف یعنی تین چھ میں سے، اور دوسرے کو ثلثان دیا وہ کتنا بنا؟ چار۔ تو مسئلہ بنایا چھ سے، ایک وارث کو دیے تین، دوسرے کو دیے چار، اب چار اور تین کو ہم نے جمع کیا تو سات ہو گئے۔ مسئلہ بنایا تھا چھ سے اور حصے زیادہ ہو گئے۔ توجہ ہے؟ جی۔ جب بھی ایسا ہو جائے، جب میراث میں کوئی مسئلہ بنایا جائے اور جو اوپر جس عدد سے مسئلہ بنایا وہ چھوٹا ہو جائے اور نیچے حصے زیادہ ہو جائیں تو وہاں عول کرتے ہیں، یعنی مسئلہ بنایا تھا چھ سے، حصے کتنے ہو گئے؟ سات، تو چھ کا عول کر دیں گے ہم سات تک۔ یعنی اب سات سے مسئلہ بن جائے گا۔ کیا بن جائے گا؟ سات سے مسئلہ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔ سات سے مسئلہ۔ اسی طرح مثلاً اگر کوئی اور مسئلہ تھا اس میں ہم نے مسئلہ بنایا چھ سے لیکن جب نیچے حصے جمع کیے تو حصے کتنے ہو گئے؟ آٹھ۔ تو اب یہ چھ کا عول ہو جائے گا آٹھ کی طرف، یعنی چھ کے بجائے آٹھ ہی سے مسئلہ بنا لیں گے اور اس میں سے تو سب کے حصے پورے بن رہے ہیں وہ تقسیم کر دیں گے۔ کبھی ایسا ہو گا ہم مسئلہ بنائیں گے چھ سے، نیچے جب حصے تقسیم کیے وہ نو بن رہے ہیں۔ بھئی ہم نے تو چھ حصے کیے ہیں اور نیچے جب تقسیم کیا تو کتنے بن گئے؟ نو، تو پھر چھ کا عول کر دیں گے کہاں تک؟ نو تک، یعنی نو سے مسئلہ بنا لیں گے۔ توجہ ہے؟ جی۔ کبھی ایسا ہوتا ہے ہم نے مسئلہ بنایا چھ سے اور نیچے جب وارثوں میں حصے تقسیم کیے وہ دس بن گئے۔ بھئی ہم نے تو چھ سے مسئلہ بنایا اور حصے نیچے کتنے بن گئے؟ دس، تو پھر چھ کا عول کر دیں گے دس تک، یعنی دس سے مسئلہ بنا لیں گے۔ اس کو کہتے ہیں عول کہ جو جس عدد سے مسئلہ بنایا تھا وہ چھوٹا پڑ جائے اور اس سے اوپر بڑے عدد کی طرف ہمیں جانا پڑ جائے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ عول کہتے ہیں۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہاں بھی عول کے طریقے پر عمل ہو گا، کس طریقے پر؟ عول کے طریقے پر عمل ہو گا۔ کس طرح؟ دیکھو غلام کے کتنے حصے کیے؟ امام صاحب فرماتے ہیں تین حصے، دو حصے کس کو دیے؟ خطا والوں کو، اور ایک حصہ کس کو دیا؟ عمد والوں کو۔ دیکھو عمد والوں کو ملا ایک حصہ اور خطا والوں کو ملے دو حصے۔ توجہ ہے؟ جی۔ خطا والوں کو دو حصے دیے اور عمد والے کو ایک حصہ دیا، معلوم ہوا کہ خطا والوں کا حصہ عمد کے مقابلے میں دگنا ہے، خطا والوں کا حصہ

عمد کے مقابلے میں دگنا اور عمد والے کا حصہ خطا کے مقابلے میں آدھا ہے۔ عمد والے کا حصہ، ان کا آپس میں تقابل ذرا کریں نا، عمد والے کو خطا کے مقابلے میں کتنا مل رہا ہے؟ نصف۔ ذرا اس دیت پر آئیں، دیت پر آئیں، دیت سے مسئلہ ہو گا۔ امام صاحب کیا فرماتے ہیں کہ اگر دیت دینا چاہے پھر کیا کرے گا؟ خطا والے ان کو پوری دیت دینا پڑے گی، ان میں سے تو کسی نے معاف نہیں کیا، اور عمد والے کو آدھی دیت اس ولی کو جس نے معاف نہیں کیا۔ اب ان میں نسبت

نسبت دیکھو: ایک کو مل رہی ہے آدھی دیت اور ایک جانب والوں کو مل رہی ہے پوری دیت، تو ان میں کیا نسبت ہے؟ ایک کو پوری مل رہی ہے تو دوسرے کو اس کے مقابلے میں آدھی مل رہی ہے، آدھی مل رہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو گویا مسئلے میں نصف آگیا، کیا آگیا؟ نصف آگیا۔ خطا والوں کو پوری دیت اور عمد والے کو آدھی دیت، تو کیا آگیا؟ نصف۔ نصف آگیا یا نہیں؟ تو نصف آگیا۔ تو خطا والوں کو پوری دیت دینی ہے اور عمد والے کو آدھی دیت دینی ہے، تو ان دونوں کے حصوں میں کیا نسبت ہوئی؟ خطا والوں کو اگر ایک دیں تو عمد والے کو آدھا دینا ہے، یعنی ان کو پوری دیت دیں تو اس کو آدھی دیت دینی ہے۔ تو گویا خطا والوں کا حصہ ہوا ایک یعنی پورا، یعنی پوری دیت، اور عمد والے کا حصہ آدھا ہوا یعنی آدھی دیت۔ تو آدھی دیت آگئی یعنی نصف آگیا، مسئلے میں نصف آگیا۔ اور مسئلے میں جب نصف آئے تو میراث میں مسئلہ کس سے بناتے ہیں؟ ابھی میں نے بتایا تھا، ثلث آئے تو کس سے بناتے ہیں؟ تین سے۔ ربع آئے تو مسئلہ کس سے بناتے ہیں؟ چار سے۔ سدس آئے تو مسئلہ کس سے بناتے ہیں؟ چھ سے۔ ثمن آئے تو مسئلہ کس سے بناتے ہیں؟ آٹھ سے۔ اور نصف آئے تو مسئلہ کس سے بناتے ہیں؟ دو سے۔ کس سے بناتے ہیں؟ دو سے۔ نصف دو میں سے نکل سکتا ہے نا، یہ مال کے دو حصے کر دو، دو میں سے ایک کسی کو دے دو تو یہ دو کا کیا ہے؟ آدھا ہے، آدھا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہاں پر بھی ایک کو پورا حصہ ملنا ہے یعنی پوری دیت ملنی ہے تو دوسرے کو آدھی دیت ملنی ہے، تو مسئلے میں نصف آ گیا۔ ایک کو پورا ایک اور دوسرے کو نصف، اور جب مسئلے کے اندر نصف آجائے تو مسئلہ کس سے بناتے ہیں؟ دو سے۔

ہم نے دو سے مسئلہ بنایا۔ اس دو میں سے نصف کس کو دینا ہے؟ عمد والے کو۔ عمد والے کو نصف دینا ہے تو دو کا نصف کتنا؟ ایک، وہ ایک اس کو دے دیا۔ اور خطا والوں کو پورا دینا ہے اور مسئلہ کس سے بنایا ہے؟ دو سے، تو دو کا پورا کتنا؟ دو، دو۔ تو وہ دو ان کو دینا ہے۔ توجہ ہے؟ جی۔ دو سے، چونکہ مسئلے میں آیا نصف، ایک کا حصہ پورا ہے ایک کا حصہ نصف ہے، تو مسئلے میں آیا نصف اور نصف جب مسئلے میں آئے تو مسئلہ کس سے بناتے ہیں؟ دو سے، کیونکہ دو میں سے آدھا نکل سکتا ہے، دو میں سے ایک لے لیں گے تو یہ ایک دو کا آدھا ہے۔ تو یہاں پر بھی ہم نے مسئلہ کس سے بنایا؟ دو سے۔ اور دو میں سے آدھا کس کو دینا ہے؟ عمد والے کو۔ تو دو کا آدھا کتنا؟ ایک۔ ایک یہ کیا ہے؟ دو کا آدھا ہے۔ تو یہ ایک کس کو دے دیا؟ عمد والے کو۔ اور دو میں سے پورا دو کس کو دینا ہے؟ خطا والوں کو، تو ان کو تو دو دینا پڑے گا پورا۔ اور ایک کس کو دینا پڑے گا؟ عمد والے کو، عمد کو۔ دو اور ایک کو جمع کرو کتنے ہو گئے؟ تین۔ مسئلہ بنایا تھا دو سے اور حصے ہو گئے تین، تو

اب عول ہو گا، دو سے اوپر تین کی طرف ہم چلے جائیں گے تو مسئلہ بن جائے گا تین سے، اور تین میں سے گویا ایک حصہ کس کا ہو گیا؟ عمد والے کا، اور دو حصے کس کے ہو گئے؟ خطا والوں کے۔ یہ ہے عول بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ چونکہ مسئلے میں پورا ایک بھی آیا اور نصف آدھا بھی آیا، اور نصف جب مسئلے میں آئے تو مسئلہ کس سے بناتے ہیں؟ دو سے، کیونکہ دو میں سے آدھا نکل سکتا ہے۔ دو میں سے آدھا کتنا تھا؟ ایک، وہ کس کو دیا؟ عمد والے کو۔ اور دو کا پورا کس کو دینا ہے؟ خطا والوں کو، تو گویا ان کو پورا دو دینا پڑے گا۔ تو خطا والوں کو دو پورا ملا، عمد والے کو ایک ملا، دو اور ایک کتنے ہو گئے؟ تین۔ اور مسئلہ کس سے بنایا تھا؟ دو سے، مسئلہ تو دو سے بنایا تھا اور نیچے حصے کتنے ہو گئے؟ تین۔ تو اب دو میں سے تو تین نہیں نکل سکتے، تو دو کا عول ہو جائے گا کس کی طرف؟ تین کی طرف۔ تو تین سے مسئلہ بن جائے گا، تو اس غلام کے تین حصے کر دیں گے، ایک حصہ عمد والے کا اور دو حصے خطا والوں کے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: أَمَّا طَرِيقُ الْعَوْلِ باقی عول کا جو طریقہ ہے، فَإِنَّ وَلِيِّي الْخَطَإِ، دیکھا یہاں تثنیہ آ گیا: وَلِيِّي الْخَطَإِ، فَإِنَّ وَلِيِّي الْخَطَإِ يَدَّعِيَانِ الْكُلَّ خطا کے جو دو ولی ہیں وہ دعویٰ کر رہے ہیں کل کا کہ ہمیں پورا غلام ملنا چاہیے، وَأَحَدُ وَلِيِّي الْعَمْدِ يَدَّعِي النِّصْفَ اور عمد کے دو ولیوں میں سے جو ایک ہے وہ دعویٰ کر رہا ہے نصف کا کیونکہ ایک نے تو معاف کر دیا۔ تو خطا کے دو ولی کس کا دعویٰ کر رہے ہیں؟ پورے غلام کا، اور عمد کے جو دو ولی ہیں ان میں سے ایک دعویٰ کر رہا ہے نصف غلام کا۔ فَيَضْرِبُ هَذَانِ بِالْكُلِّ وَذَلِكَ بِالنِّصْفِ، ضَرَبَ يَضْرِبُ کا ایک معنیٰ ہوتا ہے حصہ لینا، تو یہاں اس کا یہ معنیٰ کریں گے: فَيَضْرِبُ هَذَانِ تو یہ دونوں لے لیں گے اپنا حصہ بِالْكُلِّ کس کے ساتھ؟ یہ دونوں کون؟ وہ خطا والے دونوں، ان میں سے تو کسی نے معاف نہیں کیا نا، تو یہ خطا والے دونوں اپنا حصہ لے لیں گے بِالْكُلِّ کس کے ساتھ؟ کل کے ساتھ یعنی ان کو پورا حصہ یعنی پوری دیت ملے گی، وَذَلِكَ بِالنِّصْفِ اور وہ اپنا حصہ کس میں سے لے لے گا دوسرا؟ نصف میں سے اپنا، دوسرا اپنا حصہ نصف لے لے گا۔

ایک کو دینا ہے، توجہ ہے؟ ادھر دیکھو، ایک کو دینا ہے پورا اور ایک کو دینا ہے نصف، اور مسئلے میں جب نصف آئے تو مسئلہ کس سے بناتے ہیں؟ دو سے۔ دو سے مسئلہ بنایا، دو کا نصف کتنا؟ ایک، وہ عمد والے کو دے دیا۔ اور ایک کو کل دینا ہے، خطا والوں کو کل دینا ہے، تو دو کا کل کتنا؟ دو ہی ہے نا، یعنی کل دو ہی ہے، تو وہ کل کا کل دو ان کو دے دیں گے۔ تو خطا والوں کو دو مل گئے اور عمد والے کو ایک مل گیا، دو اور ایک کتنے ہو گئے؟ تین۔ مسئلہ بنایا تھا دو سے اور نیچے حصے کتنے بن گئے؟ تین۔ تو جو مسئلہ بنایا تھا دو سے اس دو کا عول ہو جائے گا کس کی طرف؟ تین کی طرف، تو کل غلام کے تین حصے کر دیں گے، دو حصے کس کو دے دیں گے؟ خطا والوں کو، اور ایک حصہ عمد والوں کو۔ یہ معنیٰ ہے فَيَضْرِبُ هَذَانِ بِالْكُلِّ تو یہ دونوں یعنی جو خطا والے ہیں یہ حصہ لے لیں گے بِالْكُلِّ پورے کو یعنی پورا حصہ لے لیں گے پوری دیت کا، وَذَلِكَ بِالنِّصْفِ اور وہ جو دوسرا ہے یعنی عمد والا وہ نصف حصہ لے لے گا۔

أَصْلُهُ التَّرِكَةُ الْمُسْتَغْرَقَةُ بِالدَّيْنِ اصل اس مسئلے کی وہ ترکہ ہے جو مستغرق بالدین ہو، اصل اس مسئلے کی وہ مسئلہ ہے جو مستغرق بالدین ہو۔ مستغرق بالدین کیسے؟ دیکھو یہ بھی سمجھ لو۔ بعض اوقات کسی شخص پر اتنا قرضہ چڑھ جاتا ہے جو اس کے ترکے سے بھی بڑھ جاتا ہے، گویا اس دین نے پورے ترکے کا احاطہ کر لیا ہے کچھ بچتا ہی نہیں باقی۔ آپ کو میں نے بتلایا تھا کہ جب کسی شخص کا انتقال ہوتا ہے تو سارا مال فوراً وارثوں میں نہیں تقسیم کرتے، سب سے پہلے اس کے کفن دفن کا انتظام کرتے ہیں، پھر اس کے بعد اس کے یہ سارے قرضے ادا کرتے ہیں چاہے سارا مال ہی کیوں نہ ختم ہو جائے۔ قرضے ادا کرنے کے بعد جو مال بچتا ہے پھر اس کے ثلث میں اس کی وصیت نافذ کرتے ہیں اگر اس نے وصیت کی تھی کسی کے لیے، اور اس وصیت کے بعد جو مال بچ جائے گا اب وہ وارثوں میں تقسیم ہو گا۔ ترتیب سمجھ میں آگئی؟ جی۔ اب صورت یہ: ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس نے ایک ہزار درہم ترکہ چھوڑا، کتنا ترکہ چھوڑا؟ ایک ہزار درہم، اور اس کے اوپر جو قرضہ ہے وہ تین ہزار درہم ہے۔ دیکھو اس قرضے نے پورے ترکے کا احاطہ کر لیا، قرضہ کتنا؟ تین ہزار، اور ترکہ کتنا؟ ایک ہزار۔ اس ایک ہزار سے تو پورا قرضہ نہیں ادا ہو سکتا بھئی بلکہ قرضہ بچ رہا ہے، تو اب کیا کریں؟ یہ قرضہ کیسے ادا کریں؟ بھئی دیکھو یہاں مثلاً دو افراد ہیں جو قرض والے ہیں: مرنے والے نے زید کا دو ہزار درہم دینا ہے اور بکر کا اس نے ایک ہزار دینا ہے، توجہ سے ادھر۔ جی۔ مرنے والے نے زید کا کتنا قرضہ دینا ہے؟ دو ہزار درہم، اور بکر کا کتنا دینا ہے؟ ایک ہزار درہم۔ اور سارا مال اس کا پیچھے کتنا بچا ہے؟ ایک ہزار درہم تو یہ چھوڑ کر مرا ہے، تو اب یہ ایک ہزار کیا کریں؟ یہ سارا زید کو دے دیں یا سارا بکر کو دے دیں؟ نہیں نہیں، سارا ایک کو نہیں دیں گے بلکہ ان میں تقسیم کریں گے، جس کا حصہ زیادہ اس کو تھوڑا اس کے مطابق زیادہ ملے گا اور جس کا حصہ کم اس کو کم ملے گا۔ توجہ ہے؟ جی۔ تو اب زید کا حصہ کتنا؟ بکر کے مقابلے میں دگنا، بکر کے مقابلے میں دگنا۔ اور بکر کا حصہ کتنا؟ زید کے مقابلے میں آدھا، نصف۔ تو لہٰذا اس ایک ہزار کے تین حصے کر دیں گے، تین میں سے ایک حصہ دے دیں گے بکر کو اور دو حصے دے دیں گے زید کو۔ تو دیکھا یہ دیکھا: أَثْلَاثًا تین حصے کر کے تقسیم کر دی، ایک حصہ کس کو دے دیا؟ بکر کو، کیونکہ بکر کا حصہ آدھا تھا، اور زید کا حصہ دگنا تھا تو اس کو دو ثلث دے دیے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ یہاں بھی عول ہوا۔ ایک کا حصہ دوسرے کے مقابلے میں نصف تھا، کیا تھا؟ نصف تھا، تو جب نصف آئے تو مسئلہ کس سے بنتا ہے؟ دو سے۔ جب مسئلہ دو سے بنایا تو ایک کو ایک دینا ہے، دوسرے کو دو پورا دینا ہے، دو اور ایک کتنے ہو گئے؟ تین۔ تو حصے بن گئے تین اور مسئلہ بنایا تھا دو سے تو پھر دو کا عول ہو جائے گا کس کی طرف؟ تین کی طرف، تو تین سے مسئلہ بن جائے گا تو اس ہزار کے تین حصے کریں گے ایک حصہ بکر کو اور دو حصے زید کو۔ تو یہاں عول ہوا ہے۔ عول کسے کہتے ہیں؟ کہ ایک عدد جس سے مسئلہ بنایا جائے اس سے پورے حصے نہیں نکل رہے تو اس سے اوپر والے عدد کی طرف ہم چلے جاتے ہیں تاکہ مسئلہ ٹھیک ہو جائے۔

تو کہتے ہیں أَصْلُهُ التَّرِكَةُ الْمُسْتَغْرَقَةُ بِالدَّيْنِ اور اصل اس مسئلے کی جو ہے وہ ترکہ ہے جو مستغرق بالدین ہو، جس کا دین نے احاطہ کیا ہو، مستغرق بالدین کا کیا معنیٰ؟ دین نے اس کو گھیرا ہوا ہو، بچتا ہی کچھ نہ ہو۔ تو کہتے ہیں أَصْلُهُ التَّرِكَةُ الْمُسْتَغْرَقَةُ بِالدَّيْنِ اصل جو ہے اس کی وہ ترکہ ہے جو مستغرق بالدین ہو وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ اور یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ وَقَالَا يَدْفَعُهُ أَرْبَاعًا اور صاحبین فرماتے ہیں کہ آقا وہ غلام دے گا أَرْبَاعًا چار حصے کر کے، ثَلَاثَةُ أَرْبَاعِهِ لِوَلِيِّ الْخَطَإِ چار میں سے تین ربع جو ہیں، چار میں سے تین ربع جو ہیں لِوَلِيِّ الْخَطَإِ وہ کس کے ہوں گے؟ ولیِ خطا، جو خطا والے دو ولی ہیں ان کے ہوں گے، وَرُبْعُهُ لِوَلِيِّ الْعَمْدِ اور ایک ربع ہو گا ولیِ عمد کا بِطَرِيقِ الْمُنَازَعَةِ کس طریقے پر؟ منازعت کے طریقے پر۔

بھئی وہ کس طرح؟ دیکھو یہ سمجھ لو، یہ آسان ہے۔ کہ اگر دونوں قتل کیا ہوتے؟ خطا۔ اگر دونوں قتل خطاءً ہوتے اور غلام آقا دیتا تو پھر غلام کو آدھا آدھا کرتے ان میں۔ کیا کرتے؟ آدھا آدھا۔ لیکن اصل جھگڑا پورے غلام میں ہونا تھا، ایک مقتول کے اولیاء بھی چاہیں گے کہ ہمیں پورا غلام مل جائے اور دوسرے مقتول کے اولیاء بھی کیا چاہیں گے؟ پورا مل جائے۔ بھئی جب غلام جنایت کرے تو پورا غلام دیا جاتا ہے یا نہیں دیا جاتا؟ تو یہاں بھی پورا غلام دے رہا ہے لیکن پارٹیاں دو ہیں جن کو غلام دینا ہے تو ان کا غلام میں جھگڑا گویا ہے: ایک چاہتا ہے ہمیں پورا غلام مل جائے، ایک پارٹی چاہتی ہے، دوسری پارٹی چاہتی ہے ہمیں بھی پورا غلام مل جائے۔ توجہ ہے؟ جی۔ تو یہاں ایک قتلِ عمد ہے، یہ جو اب ہم مسئلہ پڑھ رہے ہیں، ایک قتلِ عمد ہے اور ایک قتلِ خطا۔ تو قتلِ خطا والے کیا چاہتے ہیں کہ ہمیں پورا غلام مل جائے، اور عمد والے، ایک نے تو کیا کر دیا؟ معاف، دوسرے نے معاف نہیں کیا۔ تو وہ اب گویا آدھے غلام میں منازعت کر رہا ہے۔ اگر دونوں منازعت کر رہے ہوتے، اگر عمد والے دونوں غلام لینا چاہتے تو کیا ہوتا؟ وہ چاہتے ہمیں پورا غلام مل جائے اور خطا والے کیا چاہتے ہمیں پورا غلام۔ تو خطا والے چاہتے ہیں پورا غلام ہمیں مل جائے، عمد والے چاہتے ہیں گویا پورا غلام ہمیں مل جائے، تو پورے غلام ہی میں جھگڑا ہے۔ لیکن ایک عمد والے نے معاف کر دیا، جب ایک عمد والے نے معاف کر دیا تو گویا آدھے کے اندر اس نے جھگڑا چھوڑ دیا۔ توجہ ہے؟ جی۔ آدھے میں اس نے جھگڑا چھوڑ دیا، تو گویا خطا والے جھگڑ رہے تھے پورے غلام میں لیکن آدھا غلام ان کو بغیر جھگڑے کے ہی مل گیا، کیونکہ عمد والوں میں سے ایک نے کیا کر دیا؟ معاف کر دیا۔ جب معاف کر دیا تو اس نے آدھے کے اندر جھگڑا چھوڑ دیا، جب آدھے میں جھگڑا ختم ہوا تو وہ آدھا غلام خطا والوں کا ویسے بغیر جھگڑے کے ہو گیا۔ لیکن آدھے کے اندر ابھی بھی جھگڑا چل رہا ہے، وہ جو باقی آدھا ہے خطا والے چاہتے ہیں یہ بھی سارا ہمیں ملنا چاہیے اور عمد والا جو ایک ہے وہ چاہتا ہے اب یہ آدھا مجھے ملنا چاہیے۔ توجہ ہے؟ جب دونوں جھگڑ رہے ہیں آدھے غلام میں تو اس آدھے غلام کو ہم اس کی تنصیف کر دیں گے: اس آدھے کا آدھا عمد والے کو دے دیں گے اور آدھا خطا والوں کو دے دیں گے۔ اور آدھے کا آدھا کتنا ہوتا ہے؟ ربع، تو عمد والے کو کتنا مل گیا؟ ربع۔ اور دوسرا ربع کس

کو مل گیا؟ خطا والوں کو۔ تو خطا والوں کو آدھا مل گیا تھا بغیر جھگڑے کے

کے اور آدھا مل گیا جھگڑے کی وجہ سے، تو تین ثلث ان کو مل گئے اور ایک ثلث عمد والے کو۔ بات سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی؟ پھر سن لو۔ دیکھو اگر عمد والے معاف نہ کرتے تو جھگڑا ہوتا پورے پورے غلام میں: خطا والے چاہیں گے کہ ہمیں پورا غلام ملے، ہمارا آدمی قتل ہوا ہے تو خطا والے چاہیں گے ہمیں پورا غلام مل جائے، عمد والے چاہیں گے کہ ہمیں پورا غلام مل جائے، تو پورے غلام میں جھگڑا۔ لیکن عمد والوں میں سے جب ایک نے معاف کر دیا تو اس نے آدھے غلام کے اندر جھگڑا چھوڑ دیا۔ تو جس غلام میں جھگڑا چھوڑا وہ آدھا خطا والوں کا ہو گیا بغیر جھگڑے کے، اور آدھے غلام میں ابھی بھی جھگڑا ہے: خطا والے چاہتے ہیں یہ آدھا غلام بھی ہمیں مل جائے اور عمد والا چاہتا ہے کہ یہ آدھا غلام ہمیں مل جائے، جس نے معاف نہیں کیا وہ چاہتا ہے مجھے مل جائے۔ تو آدھے غلام میں جھگڑا ہے اور پارٹیاں دو ہیں، تو اس آدھے کو بھی آدھا کر دو اور وہ آدھا یعنی ربع ایک کو دے دو اور دوسرا ربع ایک کو۔ تو لہٰذا خطا والوں کو نصف تو پہلے ہی مل چکا تھا، اس پھر اگلے نصف کا بھی نصف ان کو یعنی چوتھا حصہ بھی مل گیا، تو تین ربع ان کو مل گئے اور ایک ربع عمد والے کو۔ مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟ جی۔ کہ نہیں آیا سمجھ؟ نہیں آیا سمجھ؟ آگیا، آگیا۔ کہ ویسے سر ہلا رہے ہو؟ نہیں آگیا، آگیا۔ نہیں آیا؟ آگیا۔ دیکھو نا، اصل میں ایک نے تو معاف کر دیا نا؟ جی۔ اگر وہ معاف نہ کرتا اور وہ کیا کہتے ہیں ہمیں یہ غلام دے دو، صلح کر سکتے ہیں یا نہیں کر سکتے؟ تو پورا غلام ان کا حق ہوتا، لیکن ایک نے معاف کر دیا۔ جب ایک نے معاف کر دیا ہے تو آدھے غلام میں جھگڑا ختم ہو گیا۔ جھگڑا پورے غلام میں ہوتا تھا تو نہیں لیکن ہوتا، فرض کرو، پورے میں ہوتا: عمد والے کیا چاہتے ہمیں پورا ملے، اور خطا والے کیا چاہتے پورا ہمیں ملے۔ لیکن عمد والے نے جب ایک نے معاف کر دیا ہے تو گویا آدھے غلام میں انہوں نے جھگڑا چھوڑ دیا، آدھا ویسے ہی خطا والوں کے لیے چھوڑ دیا تو وہ خطا والوں کا آدھا ہو گیا۔ باقی آدھے میں وہ ایک عمد والا ابھی بھی جھگڑ رہا ہے، وہ چاہتا ہے یہ آدھا مجھے مل جائے اور خطا والے چاہتے ہیں یہ آدھا ہمیں مل جائے۔ تو اس جس آدھے میں جھگڑا ہے اس آدھے کی تنصیف کریں گے، اس کو آدھا کریں گے تو اس کا آدھا تو ربع بنتا ہے، تو وہ ایک ربع دے دیں گے عمد والے کو اور ایک ربع دے دیں گے خطا والے کو۔ تو خطا والوں کو آدھا مل گیا بغیر جھگڑے کے اور ایک ربع مل گیا جھگڑے کی وجہ سے، تو ان کو تین ربع مل گئے اور عمد والے کو ایک ربع۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔

تو یہ معنیٰ ہے وَقَالَا صاحبین فرماتے ہیں يَدْفَعُهُ أَرْبَاعًا کہ آقا جو ہے وہ غلام حوالے کرے گا چار حصے کر کے، ثَلَاثَةُ أَرْبَاعِهِ لِوَلِيِّ الْخَطَإِ تین ربع جو ہیں اس غلام کے وہ ولیِ خطا کے ہوں گے وَرُبْعُهُ لِوَلِيِّ الْعَمْدِ اور ایک ربع جو ہو گا وہ ولیِ عمد کا ہو گا بِطَرِيقِ الْمُنَازَعَةِ کس طریقے پر یہ چار حصے ہوں گے؟ منازعت کے طریقے پر۔ فَيُسَلَّمُ النِّصْفُ لِوَلِيِّ الْخَطَإِ بِلَا مُنَازَعَةٍ پس

حوالے کیا جائے گا نصف غلام کو ولیِ خطا کے بِلَا مُنَازَعَةٍ بغیر کسی جھگڑے کے ان کے حوالے، وَبَقِيَتْ مُنَازَعَةُ الْفَرِيقَيْنِ فِي النِّصْفِ الْآخَرِ اور باقی رہے گا جھگڑا دونوں فریقوں کا دوسرے نصف میں فَيُنَصَّفُ تو اس نصف کی تنصیف کریں گے، فَلِهَذَا يُقَسَّمُ أَرْبَاعًا اس لیے اس کے چار حصے کر کے تقسیم کی جائے گی۔ وجہ سمجھ میں آگئی؟ تو امام صاحب کے نزدیک عول کے طریقے پر تقسیم ہو گی غلام کی اور صاحبین کے نزدیک منازعت کے طریقے پر۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

فَإِنْ قَتَلَ عَبْدُهُمَا قَرِيبَهُمَا وَعَفَا أَحَدُهُمَا بَطَلَ كُلُّهُ.

صورتِ مسئلہ یہ: ایک غلام ہے مثلاً دو بھائیوں کا مشترکہ، اور اس غلام نے ان کے والد کو جان بوجھ کر قتل کر دیا۔ تو یہ دونوں بیٹے جن کا غلام ہے یہ قصاص کے مالک ہوئے اپنے اس غلام پر۔ یاد رکھو آقا اپنے غلام پر مال تو واجب نہیں کر سکتا، مال کا تو مستحق آقا نہیں بنتا لیکن قصاص کا مالک بنتا ہے۔ آقا اپنے غلام پر مال کا حقدار تو نہیں بنتا اس پر مال تو واجب نہیں کر سکتا، البتہ اس پر قصاص کا مالک بن سکتا ہے۔ تو یہاں اس غلام نے ان دونوں کے والد کو جب قتل کیا ہے تو یہ دونوں بیٹے جو ہیں یہ قصاص کے مالک بن گئے اور یہ غلام ان کا مشترکہ ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ جی۔ ان دو بیٹوں میں سے ایک نے قصاص کو معاف کر دیا۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں دوسرے بیٹے کا حق بالکل ساقط ہو گیا، اب نہ وہ قصاص لے سکتا ہے کیونکہ ایک ولی نے معاف کر دیا ہے اور نہ ہی وہ اس سے مال لے سکتا ہے غلام سے، کیونکہ ایک ولی معاف کر دے تو باقیوں کا حصہ مال بن جاتا ہے لیکن یہ تو اس غلام کا مالک ہے بھئی اور کوئی بھی آقا اپنے غلام پر مال کا حقدار نہیں ہوتا اس پر مال کو واجب نہیں کرتا۔ لہٰذا دوسرے بیٹے کا حق قصاص میں بھی ساقط اور مال کے اندر بھی ساقط ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے فَإِنْ قَتَلَ عَبْدُهُمَا قَرِيبَهُمَا اگر قتل کر دیا دو آدمیوں کے غلام نے قَرِيبَهُمَا ان دو کے قریبی عزیز کو وَعَفَا أَحَدُهُمَا اور پھر ان دونوں میں سے ایک نے معاف کر دیا اس غلام کو بَطَلَ كُلُّهُ تو دوسرے کا سارا حق جو ہے وہ باطل ہو جائے گا۔

أَيْ عَبْدٌ لِرَجُلَيْنِ یعنی ایک غلام تھا دو آدمیوں کا، قَتَلَ ذَلِكَ الْعَبْدُ قَرِيبًا لَهُمَا قتل کر دیا اس غلام نے ان دونوں کے قریبی عزیز کو، فَعَفَا أَحَدُهُمَا ان دونوں میں سے ایک نے اس غلام کو معاف کر دیا بَطَلَ الْكُلُّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تو امام صاحب کے نزدیک دوسرے کا سارا حق باطل ہو جائے گا، نہ وہ قصاص لے سکتا ہے اور نہ اس سے نصفِ دیت اب لے سکتا ہے۔

وَقَالَا يَدْفَعُ الَّذِي عَفَا نِصْفَ نَصِيبِهِ إِلَى الْآخَرِ أَوْ يَفْدِيهِ رُبْعَ الدِّيَةِ.

اور صاحبین فرماتے ہیں: يَدْفَعُ الَّذِي عَفَا نِصْفَ نَصِيبِهِ إِلَى الْآخَرِ أَوْ يَفْدِيهِ رُبْعَ الدِّيَةِ، صاحبین فرماتے ہیں نہیں، دوسرے کا سارا حصہ باطل نہیں ہوا، سارا حصہ باطل نہیں ہوا بلکہ دونوں کا غلام آدھا آدھا ہے نا تو جس نے معاف کیا ہے وہ اپنے آدھے کا آدھا یعنی ربعِ غلام دوسرے کو دے دے۔ کیا کر دے؟ ربعِ غلام دوسرے کو، دوسرا آدھے کا پہلے ہی مالک تھا اب ربع کا اور بھی مالک بن گیا یعنی تین ربع اب اس بیٹے کا ہو جائے گا جس نے معاف نہیں کیا اور ایک ربع اس کا ہو جائے گا جس نے معاف کر دیا۔ تو اگر غلام دینا چاہتا ہے تو اس غلام کا ربع دوسرے کو دے دے گا۔ توجہ ہے؟ جی۔ اور اگر فدیہ دینا چاہتا ہے، یعنی ربع اس کو نہیں دینا چاہتا چاہتا ہے یہ غلام آدھا میرا ہے تو ابھی بھی آدھا میرا ہی رہے تو پھر مال دے دے، پھر مال کتنا دے گا؟ کہتے ہیں ربعِ دیت دے دے گا۔ کتنی دے گا؟ ربعِ دیت، نصفِ دیت نہیں دے گا ربعِ دیت دے گا۔ توجہ ہے؟ جی۔ کیوں؟ وجہ سمجھ لیں۔ کہتے ہیں اس لیے کہ جب ایک بھائی نے معاف کر دیا تو دوسرے بھائی کا حصہ مال بن گیا، کیا بن گیا؟ مال بن گیا اور کتنا مال آیا؟ نصفِ دیت آگئی، کیا آگئی؟ نصفِ دیت آگئی۔ لیکن یہ نصفِ دیت پورے غلام میں پھیلی ہوئی ہے۔ دونوں کا حصہ کس میں تھا؟ قصاص میں۔ توجہ ہے؟ دونوں کا حصہ تھا قصاص میں لیکن ایک نے معاف کر دیا۔ جب معاف کر دیا تو دوسرے کا حصہ کیا بن گیا؟ نصفِ دیت، لیکن وہ قصاص پورے غلام میں پھیلا ہوا تھا کہ نہیں؟ پورے غلام سے قصاص لیں گے یا آدھے سے لیں گے؟ پورے سے۔ تو جیسے قصاص پورے میں پھیلا ہوا تھا اب جب اس کا ایک کا حصہ آدھی دیت بن گئی، کیا بن گئی؟ آدھی دیت، وہ آدھی دیت وہ جو مال بن گیا وہ پورے غلام میں پھیلا ہوا ہے۔ توجہ ہے؟ جی۔ جب وہ آدھی دیت پورے غلام میں پھیلی ہوئی ہے تو اس کا حق جو ہے پورے غلام میں پھیلا ہوا ہے اور کتنی ہے؟ نصفِ دیت، نصفِ دیت۔ جو پورے غلام میں آدھی دیت پھیلی ہوئی ہے تو اس غلام میں سے تو آدھا اس کا اپنا ہے، تو آدھی دیت اس میں آرہی ہے اور آدھا حصہ اس کے اس بھائی کا حصہ ہے جس نے معاف کر دیا ہے تو آدھی دیت اس کے اندر آرہی ہے۔ تو اپنے حصے کے اندر جو آدھی دیت آرہی ہے وہ ساقط ہو جائے گی۔ آدھی دیت تو پہلے ہی ساقط تھی کیونکہ اس ایک بھائی نے کیا کر دیا؟ معاف۔ آدھی دیت اب پورے غلام میں ہے، لیکن اس غلام کے اندر آدھا حصہ کس کا ہے؟ اسی بھائی کا ہے جس کا مال ہے، جس کے لیے مال واجب ہو رہا ہے۔ توجہ ہے؟ جی۔ اسی کا آدھا غلام ہے تو اور وہ دیت پورے غلام میں پھیلی ہوئی ہے جو حصہ مال بن گیا ہے وہ پورے غلام میں پھیل، اور وہ حصہ کس میں آیا؟ آدھا اس غلام کا آدھا مالک یہ ہے، آدھا مالک یہ، اور جب وہ پورے میں پھیلی ہوئی ہے تو معلوم ہوا اس کے حصے میں بھی آدھی پھیلی ہوئی ہے، دوسرے کے حصے میں بھی آدھی۔ تو اس کے اپنے حصے میں جو آدھی ہے وہ ساقط ہو جائے گی، کیونکہ اگر اس کو برقرار رکھیں تو یہ اسی طرح ہو گیا یہ اپنے ہی غلام پر مال واجب کر رہا ہے، اور اپنے غلام پر کوئی مال واجب کرتا ہے؟ اپنے غلام پر مال واجب، جب اپنے غلام پر مال واجب نہیں کرتا تو جو اس کے حصے میں دیت کا حصہ آیا وہ ساقط ہوا اور دوسرے کے حصے میں جو دیت ہے وہ باقی رہ گئی۔ تو دیت آدھی تو پہلے ہی آدھی تھی، اس آدھی میں سے

بھی آدھی جب ساقط ہوگی کتنی رہ گئی؟ ربعِ دیت، کتنی رہ گئی؟ اس لیے ہم نے کہا کہ وہ دوسرا بھائی کیا کرے؟ یا تو غلام دینا چاہتا ہے تو ربعِ غلام مزید اس کو دے دے، آدھے کا وہ پہلے مالک تھا ربع اور دے دیں گے وہ تین ربع کا مالک بن جائے گا اور یہ معاف کرنے والے کے پاس ایک ربع رہ جائے گا، اور اگر وہ اپنا آدھا حصہ نہیں دینا چاہتا تو پھر فدیہ دے دے اور فدیہ کتنا دے گا؟ آدھی دیت دے گا یا ربعِ دیت؟ ربعِ دیت دے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

وَقَالَا صاحبین فرماتے ہیں يَدْفَعُ الَّذِي عَفَا کہ حوالے کرے گا وہ بھائی جس نے معاف کر دیا تھا نِصْفَ نَصِيبِهِ إِلَى الْآخَرِ اپنا آدھا حصہ دوسرے کے یعنی اپنا آدھا غلام جو ہے اس کا آدھا یعنی ربع جو ہے وہ دوسرے کے حوالے کر دے، أَوْ يَفْدِيهِ رُبْعَ الدِّيَةِ یا اس کو فدیہ دے دے ربعِ دیت بھئی، فدیہ دے دے ربعِ دیت بھئی۔ بات سمجھ میں آئی؟ وجہ سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ ایک کا حصہ مال بن گیا اور وہ جو مال ہے وہ نصفِ دیت ہے اور وہ پورے غلام میں پھیلا ہوا ہے، اور پورے غلام میں سے تو آدھا اس کا اپنا ہی ہے، اس کے حصے میں جو آدھی دیت کا بھی آدھا حصہ اس کے یعنی ربعِ دیت اس کے حصے میں آیا وہ ساقط، اور دوسرے کے حصے میں جو ربعِ دیت ہے وہ ابھی بھی باقی ہے تو وہ اس سے لے سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ جی۔

چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۵۸: فصل فی دیۃ العبد والمدبر: غلام کی دیت (قیمت)، مدبر و ام ولد پر جنایت اور اسقاطِ جنینِ امۃ

شرح الوقایہ صفحہ: ۱۳۵ — بتاریخ: ۲ مارچ ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے دیکھیے بھئی:

فَصْلٌ: دِيَةُ الْعَبْدِ قِيْمَتُهُ، فَإِنْ بَلَغَتْ هِيَ دِيَةَ الْحُرِّ وَقِيْمَةُ الْأَمَةِ دِيَةَ الْحُرَّةِ نُقِصَ مِنْ كُلٍّ عَشَرَةٌ، هَذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى، إِظْهَارًا لِانْحِطَاطِ رُتْبَةِ الْعَبْدِ عَنِ الْحُرِّ، وَعِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى تَجِبُ قِيْمَتُهُ بَالِغَةً مَا بَلَغَتْ، وَفِي الْغَصْبِ قِيْمَتُهُ مَا كَانَتْ، هَذَا بِالْإِجْمَاعِ، فَإِنَّ الْمُعْتَبَرَ فِي الْغَصْبِ الْمَالِيَّةُ لَا الْآدَمِيَّةُ.

بھئی آزاد آدمی میں آپ نے پڑھا ہے کہ اس کی دیت سو اونٹ ہیں۔ اگر کوئی اس کو غلطی سے قتل کر دے تو کتنی دیت آئے گی؟ سو، سو اونٹ دینے پڑیں گے۔ لیکن غلام کے اندر اس کی قیمت کا اعتبار ہے۔ تو اگر کوئی شخص کسی کے غلام کو غلطی سے قتل کر دے تو اس صورت میں جو ضمان ہوگا وہ غلام کی قیمت آئے گی۔ کیا آئے گی؟ غلام کی قیمت۔

لیکن اگر اس غلام کی قیمت جو ہے وہ آزاد آدمی کی دیت سے تجاوز کر رہی ہے، مثلاً وہ غلام جو ہے اس کی قیمت دو سو اونٹوں کے برابر تھی، اور آزاد آدمی کی قیمت تو کتنی ہے؟ سو اونٹ۔ تو پھر اس غلام کی دیت دو سو اونٹ نہیں واجب کیے جائیں گے، بلکہ آزاد آدمی کی جو دیت ہے اس سے دس درہم کم کر دیے جائیں گے۔ تو آزاد آدمی کی دیت سے دس درہم کم کر دی جائے گی، تاکہ پتہ چلے کہ یہ آزاد نہیں بلکہ غلام ہے، اور آزاد کا درجہ اعلیٰ اور غلام کا درجہ کم۔

یا درہموں میں کہو بھئی درہموں میں: آزاد آدمی کی دیت دس ہزار درہم، اور غلام کی دیت اس کی قیمت ہوگی۔ لیکن اگر غلام کی قیمت دس ہزار سے زیادہ ہوئی تو وہ ساری قیمت نہیں ادا کریں گے دیت کے طور پر، بلکہ آزاد آدمی کی دیت سے دس درہم کم کر دیں گے اور وہ پھر ادا کیا جائے گا۔ مثلاً غلام کی قیمت ہے پندرہ ہزار درہم، اور اس غلام کو کسی نے قتل کر دیا

غلطی سے، تو غلام کو قتل کیا جائے تو اس کی قیمت آتی ہے۔ تو یہاں پندرہ ہزار درہم نہیں دیں گے، کیونکہ آزاد آدمی کی دیت دس ہزار درہم ہے، تو غلام کے پندرہ ہزار کیسے ادا کیے جائیں؟ لہٰذا کیا کیا جائے گا؟ آزاد آدمی کی دیت سے دس درہم کم کر دیں گے، یعنی نو ہزار نو سو نوے جو ہے یہ غلام کی دیت ادا کر دی جائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔

اور اسی طرح باندی کے اندر بھی ہے: باندی کی قیمت اگر آزاد عورت سے زیادہ ہے تو وہاں بھی دس درہم کم کر دیں گے۔ مثلاً آزاد عورت کی دیت کتنی ہے؟ پچاس، پچاس اونٹ، یا یوں کہیں پانچ ہزار درہم۔ تو اگر کوئی باندی ایسی ہوئی جس کی قیمت دس ہزار درہم ہے، تو اس باندی کو کسی نے غلطی سے قتل کیا تو پورے دس ہزار کی دیت ادا نہیں کی جائے گی، بلکہ آزاد عورت سے دس درہم کم کر دیے جائیں گے۔ تو کتنے ادا کرنے پڑیں گے؟ چار ہزار نو سو نوے درہم ادا کریں گے اس باندی کے، دس ہزار ادا نہیں کریں گے۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ جی۔

دیکھیے کتاب پر، کہتے ہیں: دِيَةُ الْعَبْدِ قِيْمَتُهُ، غلام کی جو دیت ہے وہ اس کی قیمت ہوتی ہے۔ فَإِنْ بَلَغَتْ هِيَ، اگر پہنچ جائے یہ قیمت۔ هِيَ ضمیر کس کو راجع؟ قیمت کو۔ فَإِنْ بَلَغَتْ هِيَ، اگر یہ قیمت پہنچ جائے دِيَةَ الْحُرِّ، کہاں تک پہنچ جائے؟ آزاد آدمی کی دیت تک، یا اسی طرح وَقِيْمَةُ الْأَمَةِ دِيَةَ الْحُرَّةِ، اگر باندی کی قیمت پہنچ جائے دِيَةَ الْحُرَّةِ آزاد عورت کی دیت تک، تو نُقِصَ مِنْ كُلٍّ تو کم کیا جائے گا ان میں سے ہر ایک سے عَشَرَةٌ دس درہم کم کر دیے جائیں گے۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ جی۔

اچھا یہ دیکھیے میری کتاب میں دِيَةُ الْعَبْدِ قِيْمَتُهُ اس کے اوپر لکیر نہیں ہے، آپ کی کتابوں میں اس پر لکیر ہے؟ اس پر لکیر ہونی چاہیے، یہ بھی متن کا حصہ ہے بھئی بتلانا یہ چاہتا ہوں، دِيَةُ الْعَبْدِ قِيْمَتُهُ یہ سارا متن ہے۔ جی۔

اچھا آگے دیکھیے: هَذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى، کہتے ہیں یہ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے، إِظْهَارًا لِانْحِطَاطِ رُتْبَةِ الْعَبْدِ عَنِ الْحُرِّ، تاکہ اظہار کیا جائے اس بات کا کہ غلام کا جو رتبہ ہے وہ کم ہے عَنِ الْحُرِّ آزاد سے۔

وَعِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى، جبکہ امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں: تَجِبُ قِيْمَتُهُ بَالِغَةً مَا بَلَغَتْ، کہ غلام کی قیمت واجب ہوگی بَالِغَةً مَا بَلَغَتْ جہاں تک بھی وہ قیمت پہنچے۔ اگر پندرہ ہزار درہم ہے غلام کی قیمت تو پندرہ ہزار ہی دیت دینی پڑے گی، اور اگر بیس ہزار ہے تو بیس ہزار ہی دینے پڑیں گے۔ یہ کس کے نزدیک؟ امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک۔

بھئی دراصل یہ جو غلام ہے نا غلام، آدمیت کا معنیٰ بھی ہے اس کے اندر اور مالیت کا معنیٰ بھی ہے۔ یہ مال بھی ہے اور آدمی بھی ہے۔ آدمی ہے، یہ آدمی ہے اسی لیے تو یہ مکلف ہے، اس کے لیے بھی ایمان لانا ضروری، نماز روزہ وغیرہ بھی اس پر واجب ہوں گے۔ تو یہ مکلف ہے اور مکلف کون ہوتا ہے؟ آدمی ہے۔ معلوم ہوا اس میں آدمیت والا معنیٰ

ہے، اور نیز اس میں مالیت، مالیت والا معنیٰ بھی ہے یعنی مال ہونے کا معنیٰ بھی ہے۔ بھئی اس کو بیچا جاتا ہے، یہ مملوک ہوتا ہے، اور یہ کس چیز کی علامت ہے؟ اس کے مال ہونے کی۔

آدمیت کا کیا معنیٰ؟ آدمی ہونا۔ صفت وغیرہ کے یا کسی لفظ کے آخر میں یائے مشدد اور گول تا ملا کر اس کو مصدر بنا لیتے ہیں، جیسے فَاعِلٌ، فَاعِلٌ سے فَاعِلِيَّةٌ، یائے مشدد اور گول تا ملا دی۔ اب اس کا کیا معنیٰ؟ فاعل ہونا۔ مَفْعُوْلِيَّةٌ، کیا معنیٰ؟ مفعول ہونا۔ آدَمِيَّةٌ، کیا معنیٰ؟ آدمی ہونا۔ مَالِيَّةٌ، کیا معنیٰ؟ مال ہونا۔ تو غلام کے اندر آدمیت کا معنیٰ بھی ہے اور مالیت کا بھی معنیٰ ہے۔ آدمی بھی ہے، بعض اعتبار سے دیکھیں تو یہ آدمی ہے، اور بعض اعتبار سے دیکھیں تو یہ مال ہے۔ دونوں معنیٰ اس کے اندر موجود ہیں۔

تو طرفین جو ہیں، امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ، انہوں نے آدمیت جو ہے اس کا لحاظ رکھا، اور امام شافعی اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ نے مالیت کا اعتبار رکھا۔ کس کا اعتبار رکھا؟ مالیت کا۔

دراصل یہ جو اختلاف ہے طرفین کا امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ سے، اس کی وجہ یہ کہ اختلاف اس میں ہے کہ غلام کے قتل سے نفس کا ضمان آئے گا یا مال کا ضمان آئے گا؟ توجہ ہے؟ نفس کا ضمان آئے گا یا مال کا ضمان آئے گا؟ نفس کا ضمان تو کتنا ہے؟ سو اونٹ۔ اور مال کا ضمان؟ مال کا ضمان تو جتنے والا نقصان کیا وہ ساری قیمت دینا پڑتی ہے۔ کوئی کسی کی کوئی بھی چیز ضائع کر دے تو اس کو اس کی ساری قیمت دینا پڑتی ہے بھئی۔ تو اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ غلام کے قتل کی وجہ سے مال کا ضمان واجب ہوگا یا نفس کا ضمان واجب ہوگا۔ امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ غلام مال ہے، لہٰذا مال والا ضمان آئے گا، اور مال کے اندر یہ ضابطہ ہے جتنا کسی کا نقصان کرو گے اتنا ہی دینا پڑے گا، تو غلام جتنے کا بھی ہوا چاہے بیس ہزار درہم کا ہوا وہ سارے بیس ہزار درہم اس کے آقا کو دینے پڑیں گے۔

جبکہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ نے اس میں نفس کے ضمان کو واجب کیا ہے، کیونکہ اس غلام کے اندر دونوں معنیٰ ہیں، آدمیت کا معنیٰ بھی ہے اور مالیت کا بھی معنیٰ۔ اور آدمیت اعلیٰ ہے مالیت کے مقابلے میں۔ آدمیت کیا ہے؟ اعلیٰ ہے مالیت کے مقابلے میں، کیونکہ آدمی جو ہے وہ مالک ہوتا ہے اور مال کیا ہوتا ہے؟ مملوک ہوتا ہے۔ تو آدمیت اعلیٰ ہے، لہٰذا مالیت کی وجہ سے غلام کی آدمیت کو ہدر نہیں کیا جائے گا، رائیگاں نہیں کیا جائے گا۔

وہ کیا فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ نے غلام کے مال ہونے کا اعتبار کیا، اس کے آدمی ہونے کا اعتبار نہیں کیا۔ گویا مال جو ادنیٰ چیز تھی اس کو ترجیح دے دی، کس پر؟ اعلیٰ یعنی آدمی ہونے پر۔ تو مال ہونے کی وجہ سے غلام کا آدمی ہونا وہ بالکل رائیگاں نہیں جائے گا، بلکہ یہاں پر اعلیٰ کو ترجیح دیں گے، یعنی آدمیت کو ترجیح دیں گے اس کی مالیت پر۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا دونوں معنیٰ ہیں تو دونوں پر عمل ہونا چاہیے تھا، اس کی آدمیت پر بھی اور اس کی مالیت پر بھی۔

لیکن دونوں تو جمع ہو نہیں سکتے۔ غلام قتل کیا ہے تو آدمیت کا اعتبار کریں تو سو اونٹ آنے چاہئیں، اور مالیت کا اعتبار کریں تو اس کی قیمت آنی چاہیے۔ اور کیا دیت اور قیمت دونوں آتے ہیں؟ دونوں تو نہیں آتے۔ تو دونوں کا جمع کرنا تو ممکن نہیں ہے، لہٰذا اب ترجیح ایک کو دینی ہے، یا آدمیت کو یا مالیت کو۔ تو بہتر کیا ہے کس کو ترجیح دی جائے؟ اعلیٰ جو ہے، یعنی آدمیت، اس کو ترجیح دی جائے۔ اور جب اس کو ترجیح دی تو غلام کے اندر جو ہے وہ اس کی قیمت آئے گی یعنی غلام کی جو قیمت آئے گی وہ سو اونٹوں سے یعنی آزاد سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو اختلاف کس چیز میں ہے؟ آدمیت اور مالیت۔ ہاں کہ اختلاف اس بنا پر ہے کہ غلام کے قتل سے مالی ضمان آنا چاہیے یا نفس کا ضمان آنا چاہیے۔

آگے دیکھیے بھئی: وَفِي الْغَصْبِ قِيْمَتُهُ مَا كَانَتْ، اور غصب کے اندر اس غلام کی قیمت آئے گی مَا كَانَتْ جو بھی ہوئی۔ کوئی شخص کسی کا غلام غصب کر لیتا ہے تو وہاں وہ سو اونٹوں کا لحاظ نہیں رکھنا، بلکہ غلام کی جتنی قیمت ہوگی دینا پڑے گی۔ پندرہ ہزار درہم ہوئے قیمت تو پندرہ دینے پڑیں گے، بیس ہزار درہم قیمت ہوئی تو بیس ہزار دینے پڑیں گے۔ یہ معنیٰ ہے وَفِي الْغَصْبِ قِيْمَتُهُ مَا كَانَتْ، اور غصب کے اندر اس غلام کی قیمت آئے گی مَا كَانَتْ جو بھی وہ قیمت ہو۔

اور اچھا، اور یہ بالاتفاق ہے بھئی، یہ ہمارے سارے ائمہ کا اتفاق ہے کہ غلام کو کوئی غصب کر لے، بلکہ یہ اوپر چاروں ائمہ ذکر ہوئے ان چاروں کے نزدیک جب کوئی غلام کو غصب کرے تو اس پر اس پورے غلام کی قیمت آتی ہے، یا غلام واپس کرے نہیں تو اس کی پوری قیمت دینا پڑے گی اس کو۔ اور اس پر اجماع ہے، اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہاں پر غلام کی آدمی ہونے کا اعتبار کیوں نہیں کیا گیا؟ تو جواب یہ کہ بھئی یہاں پر اس کی مالیت معتبر ہے، آدمیت معتبر نہیں، اس لیے کیونکہ غصب جو ہے وہ مال پر ہوتا ہے آدمی پر نہیں ہوتا بھئی۔ اب فرق سمجھ میں آگیا؟

یہ معنیٰ ہے وَفِي الْغَصْبِ قِيْمَتُهُ مَا كَانَتْ، اور غصب کے اندر اس غلام کی قیمت آئے گی جو بھی وہ ہوئی، یعنی جتنی بھی وہ قیمت ہوئی۔ هَذَا بِالْإِجْمَاعِ یہ بالاجماع ہے، فَإِنَّ الْمُعْتَبَرَ فِي الْغَصْبِ الْمَالِيَّةُ لَا الْآدَمِيَّةُ، اس لیے کیونکہ معتبر جو ہے غصب کے اندر وہ مال ہونا ہے، آدمی ہونا نہیں ہے بھئی، کیونکہ غصب جو ہے وہ مال کیا جاتا ہے۔

آگے دیکھیے: وَمَا قُدِّرَ مِنْ دِيَةِ الْحُرِّ قُدِّرَ مِنْ قِيْمَتِهِ۔ نفس سے کم کے اندر جو دیتیں ہیں، جو ارش ہیں، اس میں جیسے وہاں دیت کا لحاظ ہوتا ہے یہاں غلام کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ مثلاً آزاد آدمی کا کوئی ہاتھ کاٹ دے تو نصفِ دیت آتی تھی۔ تو اگر غلام کا کوئی ہاتھ کاٹے گا تو نصفِ قیمت آئے گی۔ یہاں وہاں ہم کس سے اندازہ لگاتے تھے؟ دیت سے، آزاد آدمی میں دیت سے اندازہ لگاتے ہیں، دیت سے مقرر کرتے ہیں اعضاء کا ضمان جو ہے۔ تو یہاں پر جو اعضاء کا ضمان ہے غلام کے اندر وہ اس کی قیمت سے مقرر کیا جائے گا۔ تو آزاد آدمی کا کوئی ہاتھ کاٹ دے تو وہاں آزاد آدمی کی آدھی دیت آتی ہے، تو غلام

کے اندر اس کی آدھی قیمت آئے گی بھئی۔

اور آزاد آدمی میں اگر کوئی آزاد آدمی کے دانت کو توڑ دے تو نصفِ عشر دیت آتی تھی، غلطی سے دانت توڑ دیا تو کیا آئے گی؟ نصفِ عشر دیت، لیکن غلام کے اندر نصفِ عشر قیمت آئے گی بھئی۔ تو اس طرح غلام کے اندر اعضاء کے اندر دیت کی تعیین کی جائے گی۔

وَمَا قُدِّرَ مِنْ دِيَةِ الْحُرِّ قُدِّرَ مِنْ قِيْمَتِهِ، اور وہ جو مقرر کیا جاتا ہے آزاد آدمی کی دیت میں سے، یا وہ جس کا اندازہ لگایا جاتا ہے آزاد آدمی کی دیت میں سے، قُدِّرَ مِنْ قِيْمَتِهِ أَيْ قِيْمَةِ الْعَبْدِ، اس کا اندازہ لگایا جائے گا غلام کی قیمت سے۔ فَفِيْ يَدِهِ نِصْفُ قِيْمَتِهِ، پس غلام کے ہاتھ میں اس کی نصف قیمت آئے گی۔ أَيْ إِنْ كَانَتْ قِيْمَتُهُ عَشَرَةَ آلَافٍ أَوْ أَكْثَرَ، يَجِبُ فِيْ يَدِهِ خَمْسَةُ آلَافٍ إِلَّا خَمْسَةَ دَرَاهِمَ۔ أَيْ إِنْ كَانَتْ قِيْمَتُهُ عَشَرَةَ آلَافٍ أَوْ أَكْثَرَ، اگر غلام کی قیمت جو ہے وہ دس ہزار درہم تھی أَوْ أَكْثَرَ یا دس ہزار درہم سے زیادہ تھی، يَجِبُ فِيْ يَدِهِ خَمْسَةُ آلَافٍ إِلَّا خَمْسَةَ دَرَاهِمَ، تو اس کے ہاتھ میں واجب ہوں گے خَمْسَةُ آلَافٍ إِلَّا خَمْسَةَ دَرَاهِمَ۔

پانچ درہم کم پانچ ہزار۔ پورے غلام میں دس کم دس ہزار درہم تھے تو اس کے ہاتھ میں پانچ کم پانچ ہزار درہم۔ یعنی اعضاء میں بھی لحاظ رکھنا ہے، اعضاء کے اندر بھی وہ آزاد آدمی کے عضو سے زیادہ یا اس کے برابر قیمت نہیں ہونی چاہیے بلکہ اس سے کم ہونی چاہیے۔

آگے دیکھیے: عَبْدٌ قُطِعَ يَدُهُ عَمْدًا فَأُعْتِقَ فَسَرَى أُقِيْدَ إِنْ وَرِثَهُ سَيِّدُهُ فَقَطْ وَإِلَّا لَا۔

کہتے ہیں: عَبْدٌ قُطِعَ يَدُهُ عَمْدًا فَأُعْتِقَ فَسَرَى أُقِيْدَ إِنْ وَرِثَهُ سَيِّدُهُ فَقَطْ وَإِلَّا لَا۔ صورتِ مسئلہ یہ کہ غلام ہے، کسی شخص نے اس کا ہاتھ جان بوجھ کر کاٹ دیا، اور ہاتھ کٹنے کے بعد اس غلام کے آقا نے اس غلام کو آزاد کر دیا۔ آزادی کے بعد پھر یہ زخم سرایت کر گیا اور اس سے اس غلام کا انتقال ہو گیا۔ تو کہتے ہیں اگر اس کا آقا کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں تو پھر آقا اس کا قصاص لے گا، کیونکہ اس نے جان بوجھ کر ہاتھ کاٹا تھا اور اسی زخم نے موت تک پہنچایا تو یہ قتلِ عمد ہو گیا اور قتلِ عمد کے اندر قصاص آتا ہے، اور آقا کے علاوہ غلام کا اور کوئی وارث نہیں تو آقا اس کا قصاص لے گا۔ لیکن اگر آقا کے علاوہ کوئی اور وارث بھی ہوا تو پھر اس صورت میں بالاتفاق غلام کا قصاص نہیں آئے گا بھئی، نہ آقا لے سکتا ہے نہ وہ وارث لے سکتا ہے۔

توجہ ہے؟ جی۔ اگر کسی نے کسی غلام کا ہاتھ جان بوجھ کر کاٹا اور پھر آقا نے زخم لگنے کے بعد غلام کو آزاد کر دیا، اور آزادی کے بعد غلام کا وہ زخم سرایت کر گیا، جان لیوا بنا، غلام کا انتقال ہوا، اب اگر آقا کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں تو پھر آقا اس کا قصاص لے گا، اور اگر آقا کے علاوہ کوئی اور وارث بھی موجود ہے پھر قصاص نہیں لے سکتا، نہ وہ وارث لے سکتا ہے اور نہ آقا۔

پہلے یہ حل کر لیتے ہیں کہ قصاص کیوں نہیں لے سکتا جب آقا کے علاوہ کوئی اور وارث ہو، کوئی اور وارث ہو؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ جو غلام کو زخم لگا تھا وہ غلامی کی حالت میں لگا تھا، اور یہ تقاضا کرتا ہے کہ قصاص کا حق دار آقا ہے، آقا ہے۔ لیکن غلام مرا تو آزادی کی حالت میں ہے، یہ تقاضا کرتا ہے کہ قصاص کا مستحق جو ہے وہ اس کا وارث ہے آقا نہیں ہے، آقا نہیں ہے۔ تو لہٰذا صاحبِ حق مجہول ہو گیا کہ قصاص لینا کس کا حق ہے، اس وجہ سے قصاص نہیں آئے گا۔

اگر دیکھا جائے تو یہ غلام کا ہاتھ کس حالت میں کاٹا گیا تھا؟ غلامی کی حالت میں، اور یہ تقاضا کرتا ہے کہ قصاص کا مستحق کون ہے؟ آقا ہے۔ اور دیکھا جائے تو غلام کا انتقال تو آزادی کے بعد ہوا ہے، اور آزادی کے اندر اس کا انتقال ہونا یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کے قصاص کا حق دار اس کا وارث ہے، اس کا وارث ہے بھئی۔ تو یہ قصاص لینا کس کا حق ہے یہ مشتبہ ہو گیا، اس میں شبہ آگیا کہ پتہ نہیں قصاص کا حق دار اس کا آقا ہے یا قصاص کا حق دار اس کا وارث ہے۔ تو جب شبہ آگیا، اور آپ نے پڑھا ہے کہ قصاص اور حدود جو ہیں وہ شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں، تو اس لیے یہ قصاص بھی ساقط ہو جائے گا، اور یہ بالاتفاق ساقط ہوگا ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ، تینوں کے نزدیک بالاتفاق قصاص ساقط ہو جائے گا۔ کیوں ساقط ہوا؟ کیونکہ صاحبِ حق مجہول ہو گیا، قصاص لینا کس کا حق ہے یہی طے نہیں ہو رہا۔ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو قصاص کا مستحق آقا بنتا ہے، دوسرے اعتبار سے دیکھا جائے تو قصاص کا مستحق وارث بنتا ہے۔ تو صاحبِ حق مجہول ہو گیا لہٰذا قصاص نہیں آئے گا۔ کس کے لیے قاضی قصاص کا فیصلہ کرے؟ آقا کے لیے فیصلہ کرے گا یا وہ وارث کے لیے فیصلہ کرے گا؟ وہ مجہول ہو گیا تو قصاص نہیں آئے گا، کیونکہ صاحبِ حق میں شبہ آگیا اور قصاص جو ہے وہ شبہے کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے، تو قصاص نہیں آئے گا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

لیکن اس کے مقابلے میں اگر اس کا وارث صرف آقا ہو، اس غلام کا وارث صرف آقا ہو، تو اس صورت میں پھر اختلاف ہے۔ شیخین رحمہما اللہ ایک طرف ہیں اور امام محمد رحمہ اللہ دوسری طرف ہیں۔ کیا صورت؟ ایک شخص نے غلام کا ہاتھ کاٹا جان بوجھ کر، آقا نے اس غلام کو آزاد کر دیا، پھر اس غلام کا اسی زخم سے انتقال ہو گیا، اور اس غلام کا آقا کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں ہے۔ تو شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ آقا اس کا قصاص لے گا، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں پر بھی قصاص ساقط ہو جائے گا۔ قصاص کیا ہو جائے گا؟ ساقط ہو جائے گا۔ اس لیے کیونکہ اس غلام کو زخم لگا تھا غلامی کی حالت میں اور اس کی موت ہوئی ہے آزادی کی حالت میں۔ اگر غلامی کی حالت کا اعتبار کریں تو آقا قصاص کا حق دار ہے، توجہ ہے؟ امام محمد رحمہ اللہ کی تقریر چل رہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں اگر غلامی کی حالت کا اعتبار کیا جائے تو یہ آقا قصاص کا حق دار بنا کس وجہ سے؟ کہ غلام اس کا مملوک تھا، تو یہ مالک ہونے کی وجہ سے قصاص کا حق دار بنا۔ اور آزادی کے اندر دیکھا جائے تو آزادی کے اعتبار سے آقا جو ہے وہ قصاص کا حق دار بنا وارث ہونے کی حیثیت سے، کس

حیثیت سے؟ وارث ہونے کی حیثیت سے۔

پھر سمجھو۔ بھئی میں نے بیان کیا تھا پہلے بھی آپ کو بتایا تھا، آپ لفظِ ولاء، ولاء بھئی، واو لام الف اور ہمزہ، وَلَاءٌ، یہ آپ کتابوں میں پڑھتے رہتے ہیں۔ ولاء کسے کہتے ہیں؟ یاد رکھو ولاء، یہ جو آقا اپنے غلام کو آزاد کر دے تو غلام کے مرنے کے بعد آقا بھی وارث بنتا ہے، اور اس کو جو میراث ملتی ہے اس کو کہتے ہیں ولاء۔ کیا کہتے ہیں؟ ولاء۔

دیکھو وراثت جب جاری ہوتی ہے، سب سے پہلے کیا کیا جاتا ہے؟ اس کے کفن دفن کا بندوبست کیا جاتا ہے اس مرنے والے کے۔ پھر اس کے قرضے ادا کیے جاتے ہیں، چاہے سارا مال ہی کیوں نہ ختم ہو جائے۔ اس کے بعد جو مال باقی بچ جائے اس کے ثلث میں وصیت نافذ کی جاتی ہے۔ اس کے بعد جو مال بچتا ہے وہ وارثوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ لیکن وارث پھر تقریباً دس قسم کے وارث ہیں بھئی، دس قسم کے۔ پہلی قسم کو ذوی الفروض کہتے ہیں، یعنی وہ حصوں والے جن کے حصے قرآن و حدیث میں مقرر ہیں۔ تو پہلے ان کو حصے دیتے ہیں، کسی کو ثلث دینا ہے، کسی کو نصف دینا ہے، کسی کو ربع دینا ہے، کسی کو ثمن دینا ہے، جو جو حصے ہیں وہ ادا کر دیں گے۔

ان وارثوں سے کچھ بچتا ہے تو دوسرا نمبر آتا ہے عصبات کا، یعنی میت کے وہ قریبی مرد رشتہ دار کہ درمیان میں عورت کا واسطہ نہ آئے۔ میت کے وہ قریبی مرد رشتہ دار کہ درمیان میں عورت کا واسطہ نہ آئے، جیسے بیٹا، پوتا، پڑپوتا، دیکھو درمیان میں عورت کا واسطہ نہیں، سب مردوں کا واسطہ ہے۔ یا اوپر کی طرف دیکھ لیں: باپ ہے، دادا ہے، پردادا ہے۔ یا میت کے برابر دیکھ لیں: میت کا بھائی ہے، بھائی کا بیٹا یعنی بھتیجا ہے، بھتیجے کا بیٹا یعنی بھائی کا پوتا ہے، بھائی کا پڑپوتا ہے۔ دیکھو درمیان میں کہیں عورت کا واسطہ نہیں آرہا، تو یہ سارے عصبات ہیں۔ ان میں جو سب سے قریبی ہوتا ہے پہلے اس کا حق ہوتا ہے، اگر وہ نہ ہو تو پھر اس سے دور والا جو ہے اس کا حق ہوتا ہے۔ تو سب سے قریبی بیٹا ہے، سب سے قریبی کیا ہے؟ بیٹا۔ بیٹا نہ ہو تو پوتا ہے، پوتا نہ ہو تو پڑپوتا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی نہ ہو پھر میت کا باپ ہے، باپ نہ ہو تو دادا ہے، دادا نہ ہو تو پردادا ہے۔ اگر ان میں سے بھی کوئی نہ ہو تو میت کا بھائی ہے، بھائی نہیں ہے تو بھائی کا جو بیٹا ہے، بھائی کا بیٹا نہیں ہے تو بھائی کا پوتا ہے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ یہ سارے وہ رشتے ہیں درمیان میں کسی عورت کا رشتہ نہیں، ان کو عصبات کہتے ہیں۔ عصبہ پٹھے کو کہتے ہیں، جیسے جسم کی قوت کس کے ذریعے ہے؟ پٹھوں کے ذریعے ہے، تو اسی طرح یہ جو مرد ہیں آپس میں قریبی رشتہ دار، ان کے ذریعے بھی انسان کو قوت ملتی ہے، یہ ہر معاملے میں اس کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ بھائیوں میں آپس میں بے شک لڑائی ہو لیکن کوئی تیسرا آدمی بھائی کو تنگ کرے تو لڑائی والا بھائی بھی اس کے ساتھ مل کر اس کی مدد کرتا ہے۔ یہ عصبات کہلاتے ہیں۔

پہلے درجے میں وراثت کس کو دیتے ہیں؟ ذوی الفروض کو جو حصوں والے ہیں۔ ان سے کچھ مال بچ جائے تو پھر یہ نسبی

عصبات کو دیتے ہیں، اور یہ جو نسبی عصبات ہیں یہ بچنے والا سارا مال لے جاتے ہیں۔ جو بھی ان میں سب سے قریبی ہوا، یعنی اگر بیٹا زندہ ہے وہ باقی بچنے والا سارا مال لے جائے گا، پوتا زندہ ہے تو وہ سارا بچنے والا مال لے جائے گا۔ لیکن اگر بیٹا پوتا وغیرہ ان عصبات میں سے کوئی بھی نہیں تو تیسرے نمبر پر یہ میراث ملے گی مُعْتِقِ مَیِّتْ، جو میت کو آزاد کرنے والا تھا، میت کو آزاد کرنے والا۔ اور اس مُعْتِقِ مَیِّتْ، اس کو جو میراث ملتی ہے اس کو ولاء کہتے ہیں۔ یہ جو میراث اس کو مل رہی ہے یہ کیا کہلائے گی؟ ولاء کہلائے گی۔ تو یہ تیسرے نمبر پر ہے اور یہ کب ملے گی؟ جب کوئی اور وارث، اوپر والا کوئی وارث نہ ہو بھئی۔

اور یہ مُعْتِقِ مَیِّتْ کیوں وارث بنتا ہے؟ اس لیے کیونکہ اس نے اس شخص کو آزاد کیا تھا۔ یہ جو غلام ہوتا ہے نا یہ تو مردے کی مثل ہے، اس کا تو کوئی اختیار ہی نہیں ہوتا، نہ یہ اپنی مرضی سے تجارت کر سکتا ہے، نہ یہ اپنی مرضی سے اپنا نکاح کر سکتا ہے، تو اس کو تو اختیار ہی نہیں ہوتا۔ لیکن جب آقا نے اس کو آزاد کیا، اس نے گویا اس کو زندگی بخش دی، اور جب زندگی بخشی ہے تو یہ اس کا وارث بنے گا۔ جیسے باپ بیٹے کا وارث بنتا ہے، کیوں؟ کیونکہ باپ نے اس کو زندگی بخشی ہے، باپ کی وجہ سے بیٹے کا وجود ہوا دنیا کے اندر، تو باپ اس کی زندگی کا سبب بنا، جب باپ اس کی زندگی کا سبب بنا تو باپ اس کا وارث بنے گا۔ اسی طرح دادا اگر موجود ہے، دادا بھی اس کی زندگی کا سبب ہے تو وہ بھی وارث بنے گا۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح مُعْتِقِ مَیِّتْ جو ہوتا ہے، آزاد کرنے والا ہے، وہ بھی میت کا وارث بنتا ہے کیونکہ اس نے اس کو نئی زندگی دی ہے بھئی۔ اور اس مُعْتِقِ مَیِّتْ کا نمبر تیسرا ہے وارثوں کے اندر، اور اس کو جو میراث ملتی ہے وہ ولاء کہلاتی ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

اب پھر وہ مسئلہ میں ذکر کرتا ہوں جس کے لیے یہ اتنی لمبی تفصیل ذکر کی: صورتِ مسئلہ یہ، ایک غلام ہے اس کا کسی شخص نے جان بوجھ کر ہاتھ کاٹ دیا۔ ہاتھ کاٹنے کے بعد اس غلام کے آقا نے غلام کو آزاد کر دیا۔ آزادی کے بعد پھر وہ زخم سرایت کر گیا اور غلام کا انتقال ہو گیا۔ تو اگر آقا کے علاوہ اور کوئی وارث نہ ہو تو شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ آقا اس کا قصاص لے گا، اور جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آقا اس صورت میں بھی قصاص نہیں لے سکتا، جیسے کسی اور وارث کی موجودگی میں غلام سے قصاص نہیں لیا جا سکتا۔ کیوں نہیں لیا جا سکتا؟ کیونکہ وہاں صاحبِ حق مجہول ہو گیا کہ وہ وارث مستحقِ قصاص ہے یا آقا مستحقِ قصاص۔ تو صاحبِ حق مجہول ہوا لہٰذا وہاں قصاص نہیں لے سکتا۔ تو یہاں بھی اسی طرح، یہاں اگرچہ صاحبِ حق مجہول نہیں، اب اس صورت میں، اس صورت میں جبکہ غلام کا اور کوئی وارث نہیں ہے صرف آقا ہے، تو اس صورت میں بھی امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں آقا قصاص نہیں لے سکتا، اس لیے کیونکہ حق دار تو آقا ہی بن رہا ہے قصاص کا، لیکن کس حیثیت سے وہ قصاص کا حق دار بن رہا ہے؟ اگر اس کے زخم لگنے کی حالت کا اعتبار کریں جب اس نے اس کا ہاتھ کاٹا تھا تو اس حیثیت سے آقا قصاص کا حق دار ہے مالک ہونے کی حیثیت سے، کیونکہ یہ اس کا

غلام تھا اور یہ آقا کیا ہے اس کا مالک۔ اور اگر اس کی موت کا اعتبار کریں تو موت تو اس کی آزادی کی حالت میں ہوئی ہے، تو آزادی کی حالت میں جو اس کا سابقہ آقا تھا اب تو وہ اس کا مالک نہیں ہے، اب تو وہ اس کا وارث ہے، کیا ہے؟ وارث ہے۔ تو اب سببِ استحقاق مجہول ہو گیا، سببِ استحقاق مجہول... نہیں توجہ میرا خیال ہے، نہیں توجہ۔ سببِ استحقاق میں جہالت آگئی۔ کس طرح؟ غلام کی دو حالتیں: ایک زخم لگنے والی حالت اور ایک اس کی موت کی حالت۔ زخم ہونے کی حالت کا اعتبار کریں تو بھی آقا قصاص کا حق دار، موت کی حالت کا اعتبار کریں تو بھی آقا قصاص کا حق دار ہے کیونکہ اور کوئی وارث ہے نہیں۔ لیکن سببِ استحقاق جو ہے وہ مجہول ہو گیا۔ زخم لگنے کی حالت کا اعتبار کریں تو آقا قصاص کا حق دار کس وجہ سے؟ مالک ہونے کی وجہ سے۔ اور اگر موت کی حالت کا اعتبار کریں تو آقا قصاص کا حق دار وارث ہونے کی حیثیت سے۔ تو یہاں سببِ استحقاق مشتبہ ہو گیا کہ آقا کس وجہ سے یہ قصاص کا حق دار ہے؟ زخم لگنے کی جہت سے دیکھیں تو مالک ہونے کی حیثیت سے قصاص کا حق دار بن رہا ہے، اور موت کی حالت کا اعتبار کریں تو وہ وارث ہونے کی حیثیت سے قصاص کا حق دار بن رہا ہے۔ کس حالت کو ترجیح دی جائے؟ ترجیح کی کوئی صورت نہیں۔ تو جب سببِ استحقاق کے اندر جہالت آگئی تو یہ اسی طرح ہے جیسے صاحبِ حق میں جہالت تھی، کس میں؟ صاحبِ حق میں۔

جیسے جب وارث کوئی ہوتا تھا، جب وارث موجود تھا، تو اس وقت پتہ نہیں چل رہا تھا کہ قصاص کا حق دار کون؟ آقا ہے یا وہ وارث ہے۔ تو وہاں جیسے قصاص نہیں آتا تھا کیونکہ صاحبِ حق مجہول تھا، تو یہاں جب سببِ حق مجہول ہو گیا تو یہاں بھی قصاص نہیں آئے گا۔ جبکہ شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ بے شک سبب مجہول ہے لیکن صاحبِ حق تو یہاں متعین ہے، چاہے آپ ہاتھ کٹنے کی حالت کا اعتبار کریں تو بھی حق دار آقا، اور اگر آپ موت کا اعتبار کریں تو بھی حق دار آقا ہے۔ بے شک سببِ حق مجہول ہے لیکن صاحبِ حق تو مجہول نہیں، تو سبب کے مجہول ہونے سے کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ صاحبِ حق متعین ہے اور وہ قصاص لے لے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ جی۔

دیکھیے بھئی:

عَبْدٌ قُطِعَ يَدُهُ عَمْدًا ایسا غلام جس کے ہاتھ کو جان بوجھ کر کاٹ دیا گیا، فَأُعْتِقَ پھر اس کو آزاد کر دیا گیا، فَسَرَى پھر وہ زخم سرایت کر کے جان لیوا بنا، أُقِيْدَ تو اس کا قصاص لیا جائے گا۔ أَقَادَ يُقِيْدُ یہ قود سے ہے، قصاص لینا۔ أُقِيْدَ تو قصاص لیا جائے گا، إِنْ وَرِثَهُ سَيِّدُهُ فَقَطْ اگر اس کا وارث اس کا آقا ہو صرف، آقا کے علاوہ اور کوئی وارث نہ ہو پھر اس کا قصاص لیا جائے گا۔ وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو یعنی آقا کے علاوہ اور بھی کوئی وارث ہے، تو لَا پھر اس صورت میں قصاص نہیں ہوگا۔

أَيْ إِنْ كَانَ وَارِثُ الْمُعْتَقِ السَّيِّدَ فَقَطْ اگر مُعْتَق یعنی وہ جو آزاد کیا ہوا غلام ہے اس کا وارث صرف آقا ہے، اِسْتَوْفَى الْقَوَدَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَأَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى تو وہ اس کا آقا جو ہے وہ قصاص وصول کرے گا شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک۔ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ لَا جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، اس صورت میں بھی آقا قصاص نہیں لے

سکتا۔ لِأَنَّ الْقِصَاصَ يَجِبُ بِالْمَوْتِ مُسْتَنِدًا إِلَى وَقْتِ الْجَرْحِ اس لیے کیونکہ قصاص جو ہے وہ ثابت ہوا ہے اس موت کی وجہ سے مُسْتَنِدًا جو منسوب ہے إِلَى وَقْتِ الْجَرْحِ زخم لگانے کے وقت کی طرف۔ یہ موت کس وجہ سے آئی ہے؟ اس زخم کی وجہ سے آئی ہے۔ تو لِأَنَّ الْقِصَاصَ يَجِبُ بِالْمَوْتِ مُسْتَنِدًا إِلَى وَقْتِ الْجَرْحِ اس لیے کیونکہ قصاص جو ہے وہ ثابت ہوا اس موت کی وجہ سے جو منسوب ہے إِلَى وَقْتِ الْجَرْحِ کس کی طرف؟ زخمی کرنے کے وقت کی طرف۔ یہ موت کس وجہ سے آئی ہے؟ زخمی کرنے کی وجہ سے آئی ہے، تو اس موت کی نسبت ہے زخمی کرنے کے وقت کی طرف۔

فَإِنِ اعْتُبِرَ حَالَةُ الْجَرْحِ اگر اعتبار کیا جائے زخمی کرنے کی حالت کا، فَسَبَبُ الْوِلَايَةِ الْمِلْكُ تو سببِ ولایت جو ہے وہ ملکیت ہے، یعنی جو آقا کو ولایتِ قصاص حاصل ہوئی اس کا سبب کیا ہے؟ ملکیت ہے۔ ولایت سے کیا مراد ہے؟ ولایتِ قصاص، آقا کیا ہوگا؟ ولیِ قصاص۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ جی۔

پھر دیکھیں: فَإِنِ اعْتُبِرَ حَالَةُ الْجَرْحِ فَسَبَبُ الْوِلَايَةِ الْمِلْكُ اگر زخمی کرنے کی حالت کا اعتبار کیا جائے فَسَبَبُ الْوِلَايَةِ الْمِلْكُ تو ولایتِ قصاص کا جو سبب ہے وہ ملکیت ہے کہ آقا اس کا مالک تھا، اس وقت جب زخمی کیا آقا اس کا مالک تھا اس لیے اس کو ولایتِ قصاص ہے۔ وَإِنِ اعْتُبِرَ حَالَةُ الْمَوْتِ اور اگر اس شخص کی موت کی حالت کا اعتبار کیا جائے، فَالسَّبَبُ الْوِرَاثَةُ بِالْوَلَاءِ تو ولایتِ قصاص کا جو سبب ہے وہ وراثت ہے ولاء کی وجہ سے، وہ وارث ہونا ہے ولاء کی وجہ سے۔

بات سمجھ میں آرہی ہے؟ کہ کس حالت کا اعتبار کیا جائے؟ زخمی ہونے کی حالت کا یا موت کی حالت کا۔ زخمی ہونے کی حالت کا اعتبار کریں تو بھی ولایتِ قصاص آقا کو، موت کی حالت کا اعتبار کریں تو بھی ولایتِ قصاص آقا کو، لیکن سبب مختلف ہے۔ زخمی ہونے کی حالت کے اعتبار سے وہ ولیِ قصاص ہے کیونکہ وہ مالک ہے، اور موت کی حالت کا اعتبار کریں تو اس اعتبار سے بھی وہ ولیِ قصاص ہے وہ آقا لیکن وارث ہونے کی حیثیت سے۔ تو سببِ حق کے اندر جہالت آگئی، کس وجہ سے یہ قصاص کا مستحق ہے؟

تو کہتے ہیں: فَجَهَالَةُ سَبَبِ الِاسْتِحْقَاقِ استحقاق یعنی مستحق ہونا، مستحق ہونے کا جو سبب ہے اس کا مجہول ہونا، تَمْنَعُ یہ بھی قصاص کو روک دے گا كَجَهَالَةِ الْمُسْتَحِقِّ جیسے کہ مستحق کا مجہول ہونا۔ جب مستحقِ قصاص مجہول ہو، پتہ نہیں وارث ہے یا آقا ہے، تو جیسے وہ جہالت قصاص کو روک دیتی تھی تو یہ جہالت بھی قصاص کو روک دے گی۔ یہ معنیٰ ہے فَجَهَالَةُ سَبَبِ الِاسْتِحْقَاقِ تَمْنَعُ كَجَهَالَةِ الْمُسْتَحِقِّ پس سببِ استحقاق کا مجہول ہونا یہ قصاص کو روک دے گا جیسے کہ مستحق کا مجہول ہونا وہ روک دیتا ہے قصاص کو۔

قُلْنَا ہم جواب دیتے ہیں: لَا اعْتِبَارَ لِجَهَالَةِ السَّبَبِ عِنْدَ تَيَقُّنِ مَنْ لَهُ الْحَقُّ کہ کوئی اعتبار نہیں ہے سبب کے مجہول ہونے کا عِنْدَ تَيَقُّنِ مَنْ لَهُ الْحَقُّ جب یقینی ہو وہ جس کا حق ہے، جب وہ صاحبِ حق کیا ہو؟ یقینی ہو یعنی متعین ہو، تو سبب کے مجہول ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سبب مجہول بھی ہو تو صاحبِ قصاص تو صرف آقا ہی بن رہا ہے، تو سبب کے مجہول

ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یہ معنیٰ ہے قُلْنَا ہم کہتے ہیں لَا اعْتِبَارَ لِجَهَالَةِ السَّبَبِ کہ سبب کا مجہول ہونا جو ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں عِنْدَ تَيَقُّنِ مَنْ لَهُ الْحَقُّ جب یقینی ہو مَنْ وہ شخص لَهُ الْحَقُّ کہ جس کے لیے حق ہے۔

وَإِنْ لَمْ يَكُنِ الْوَارِثُ السَّيِّدَ فَقَطْ اور اگر صرف آقا وارث نہ ہو، دوسری صورت، اگر صرف آقا وارث نہ ہو کوئی اور بھی وارث ہے، أَيْ بَقِيَ لَهُ وَارِثٌ غَيْرُ السَّيِّدِ یعنی باقی ہو اس کے لیے کوئی وارث علاوہ آقا کے، تو لَا يُقَادُ بِالِاتِّفَاقِ تو قصاص نہیں لیا جائے گا بالاتفاق، کیونکہ اب صاحبِ حق کیا ہو گیا؟ مجہول۔ لِأَنَّهُ إِنِ اعْتُبِرَ حَالَةُ الْجَرْحِ اس لیے کیونکہ اگر زخمی ہونے کی حالت کا اعتبار کیا جائے فَالْمُسْتَحِقُّ السَّيِّدُ فَقَطْ تو قصاص کا مستحق صرف آقا ہے۔ کس حالت کا اعتبار کریں؟ زخمی ہونے کی، اور اس وقت تو وہ مملوک تھا تو قصاص کا حق دار صرف کون؟ آقا۔ تو کہتے ہیں اگر اعتبار کیا جائے زخمی ہونے کی حالت کا فَالْمُسْتَحِقُّ السَّيِّدُ فَقَطْ تو مستحق جو ہے وہ صرف آقا ہے۔ وَإِنِ اعْتُبِرَ حَالَةُ الْمَوْتِ فَذَلِكَ الْوَارِثُ اور اگر موت کی حالت کا اعتبار کیا جائے تو مستحق وہ وارث ہے، أَوْ هُوَ مَعَ السَّيِّدِ یا وہ ہے آقا سمیت۔ اگر موت کی حالت کا اعتبار کریں تو صرف وہ وارث کیا ہے قصاص کا مستحق ہے یا وہ وارث اور آقا دونوں کیا ہیں قصاص کے مستحق ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بھئی آقا وارثوں میں کتنے نمبر پر ہے؟ تیسرے نمبر پر۔ اگر پہلے والوں میں سے کوئی ایک ہو اور دوسروں میں سے کوئی بھی نہ ہو اور تیسرے والا آقا ہو تو پہلے والا بھی وارث ہو جائے گا اور آقا بھی وارث ہو جائے گا۔ اگر دوسرے نمبر والا کوئی ہوا پھر تو وہ وارث بن جائے گا۔ تو یہ معنیٰ ہے أَوْ هُوَ مَعَ السَّيِّدِ یا وارث آقا سمیت جو ہے قصاص کا مستحق ہوگا۔ تو اب پتہ نہیں کس حالت کا اعتبار کریں، زخمی ہونے کی تو آقا قصاص کا حق دار، اور موت کی حالت کا اعتبار کریں تو وہ وارث یا وارث اور آقا دونوں کیا ہیں قصاص کے حق دار۔ فَجَهَالَةُ الْمَقْضِيِّ لَهُ تَمْنَعُ الْحُكْمَ، مَقْضِيٌّ لَهُ جس کے لیے فیصلہ کیا جائے، جس کے لیے قاضی نے قصاص کا فیصلہ کرنا ہے نا کہ قاضی فیصلہ کرے گا کہ یہ ہے صاحبِ قصاص یہ قصاص لے سکتا ہے۔ تو یہاں پر مَقْضِيٌّ لَهُ کیا ہو گیا؟ مجہول ہو گیا، کس کے لیے قاضی فیصلہ کرے؟ وہ آقا کے لیے کرے یا اس وارث کے لیے قصاص کا فیصلہ کرے، وہ مجہول ہو گیا۔ فَجَهَالَةُ الْمَقْضِيِّ لَهُ تَمْنَعُ الْحُكْمَ تو مَقْضِيٌّ لَهُ کا مجہول ہونا یہ روک دیتا ہے اس حکم یعنی قصاص کو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

فَإِنْ أَعْتَقَ أَحَدَ عَبْدَيْهِ فَشُجَّا فَعَيَّنَ أَحَدَهُمَا فَأَرْشُهُمَا لِلسَّيِّدِ، فَإِنْ قَتَلَهُمَا رَجُلٌ خَطَأً تَجِبُ دِيَةُ حُرٍّ وَقِيْمَةُ عَبْدٍ، وَإِنْ قَتَلَ كُلًّا رَجُلٌ فَقِيْمَةُ الْعَبْدَيْنِ۔[1]

فَإِنْ أَعْتَقَ أَحَدَ عَبْدَيْهِ... صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص کے دو غلام تھے اور اس نے کہا کہ تم دونوں میں سے ایک کو میں

[1] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۸۲): صوتی درس کی قراءت میں «فَإِنْ قَتَلَهُمَا رَجُلٌ خَطَأً تَجِبُ دِيَةُ حُرٍّ وَقِيْمَةُ عَبْدٍ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فإن قتلَهما رجلٌ تجبُ ديةُ حرّ، وقيمةُ عبد،» منقول ہے۔

نے آزاد کر دیا، تعیین نہیں کی۔ دو غلاموں کو کیا کہا؟ تم دونوں میں سے ایک کو میں نے آزاد کر دیا، اب تعیین کی نہیں۔ اس کے بعد کسی شخص نے ان غلاموں کو زخمی کیا، سر یا چہرے پر زخم لگا دیا۔ زخم لگنے کے بعد اب آقا نے تعیین کر دی کہ یہ والا جو غلام ہے میرا ارادہ اس کا تھا، یہ آزاد ہے۔ اب وہ جو زخموں کا ضمان لینا ہے، کہتے ہیں وہ دونوں کا ضمان آقا لے گا۔ ورنہ تو ایک کی تعیین کر دی، ہونا تو یہ چاہیے ایک کا ارش آقا کو ملنا چاہیے کیونکہ وہ ابھی بھی غلام ہے، اور دوسرے کا ارش اسی زخم جس کو لگا ہے جو آزاد ہو گیا ہے اسی کو ملنا چاہیے کیونکہ وہ آزاد ہو گیا ہے، لیکن فرماتے ہیں کہ دونوں کے زخم، زخموں کا جو ارش ہے وہ آقا لے گا۔ کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ جب زخمی کیا تھا تو اس وقت اس نے تعیین نہیں کی تھی تو اس وقت وہ دونوں غلام ہی شمار ہوں گے، اور جب دونوں غلام شمار ہیں تو غلاموں کو کوئی زخمی کرے تو ضمان کون وصول کرتا ہے؟ آقا وصول کرتا ہے تو یہاں بھی آقا وصول کرے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جی۔

یہ معنیٰ ہے: فَإِنْ أَعْتَقَ اگر آزاد کر دیا کسی شخص نے أَحَدَ عَبْدَيْهِ اپنے دو غلاموں میں سے کسی ایک کو، یعنی تعیین نہیں کی، فَشُجَّا پھر ان دونوں کے سر کو زخمی کر دیا گیا، فَعَيَّنَ أَحَدَهُمَا پھر اس کے بعد آقا نے ان میں سے ایک کو متعین کر دیا کہ یہ والا آزاد ہے، فَأَرْشُهُمَا لِلسَّيِّدِ تو دونوں کا جو ارش ہے یعنی سر زخمی کرنے کا جو ضمان ہے لِلسَّيِّدِ وہ کس کے لیے ہوگا؟ آقا کے لیے ہوگا۔

دوسری صورت، دوسری صورت: آقا نے اپنے دو غلاموں کو کہہ دیا کہ تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے، تعیین نہیں کی، اور اس کہنے کے بعد کسی شخص نے ان دونوں غلاموں کو قتل کر دیا۔ تو اس صورت میں یاد رکھو اس شخص پر ایک غلام کی قیمت اور ایک آزاد آدمی کی دیت جو ہے وہ اس پر واجب ہوگی۔ کیا ضمان آئے گا؟ ایک غلام کی قیمت... ہاں خطأً مثلاً قتل کیے ہیں نا تو اس کے عاقلہ پر آئیں گے۔ کیا کیا آئے گا؟ دو غلام تھے لیکن آقا نے کیا کہہ دیا تھا؟ تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے، اور اس کے بعد کسی نے قتل کر دیا ان دونوں کو۔ تو اس صورت میں ایک کو تو آزاد سمجھیں گے اور ایک کو غلام سمجھیں گے، تو غلام سمجھا جس کو اس کی وجہ سے کیا آجائے گی؟ اس کی قیمت، اور دوسرا آزاد سمجھیں گے، آزاد میں کیا آتی ہے؟ دیت، تو ایک دیت آجائے گی اور ایک غلام کی قیمت آجائے گی ضمان کے طور پر۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی: فَإِنْ قَتَلَهُمَا رَجُلٌ اگر ان دونوں غلاموں کو قتل کر دیا کسی آدمی نے، یعنی جن کو آقا نے بغیر تعیین کے ایک کو آزاد کیا ہے، تو ان کو قتل کر دیا کسی آدمی نے خَطَأً غلطی سے، تو تَجِبُ دِيَةُ حُرٍّ وَقِيْمَةُ عَبْدٍ تو واجب ہوگی ایک آزاد آدمی کی دیت اور ایک غلام کی قیمت۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ جی۔

لیکن یہ یاد رکھیں کہ یہ وہ صورت ہے جب اس نے دونوں غلاموں کو اکٹھا قتل کیا ہے، دونوں غلاموں کو اکٹھا قتل کیا ہے۔ اور اگر، اگر اس نے ایک غلام کو پہلے قتل کیا اور دوسرے غلام کو اس کے بعد قتل کیا، تو پھر یوں سمجھیں گے جو پہلا

مارا گیا وہ غلام تھا اور اس کے بعد تو ایک ہی رہ گیا، اب تو وہی متعین ہو گیا آزادی کے لیے، معلوم ہوا وہ جو تھا دوسرا تھا وہ آزاد تھا، تو پہلے کی قیمت آجائے گی اور دوسرے کی دیت آجائے گی۔

وَإِنْ قَتَلَ كُلًّا رَجُلٌ فَقِيْمَةُ الْعَبْدَيْنِ، دوسری صورت: انہی دو غلاموں کو دو الگ الگ آدمیوں نے قتل کیا، جن کو آقا نے کیا کہا تھا؟ تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے۔ تو ایک غلام کو ایک آدمی نے قتل کیا، دوسرے کو دوسرے نے قتل کیا۔ تو پچھلے مسئلے میں جب ایک ہی آدمی نے قتل کیا تھا تو آپ نے کہا تھا ایک دیت آئے گی اور ایک غلام کی قیمت۔ لیکن یہاں پر جب دو آدمیوں نے قتل کیا ہے تو دونوں کی قیمت ہی آئے گی، دیت نہیں آئے گی۔

یہ معنیٰ ہے: وَإِنْ قَتَلَ كُلًّا اور اگر قتل کیا دونوں غلاموں میں سے ہر ایک کو رَجُلٌ کسی آدمی نے یعنی ہر ایک کو ایک ایک آدمی نے قتل کیا، فَقِيْمَةُ الْعَبْدَيْنِ تو دو غلاموں کی قیمت واجب ہوگی وہ آقا کو دیں گے۔

دیکھیے خود بیان کر رہے ہیں: أَيْ قَالَ لِعَبْدَيْهِ آقا نے اپنے...

دو غلاموں سے کہا: أَحَدُكُمَا حُرٌّ، تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے۔ ثُمَّ شُجَّا، پھر ان دونوں غلاموں کو زخمی کر دیا گیا۔ تین صورتیں متن میں ذکر ہوئیں، وہ اب بیان کر رہے ہیں پہلی زخم والی صورت: ثُمَّ شُجَّا، پھر ان دونوں غلاموں کو زخمی کر دیا گیا۔ فَبَيَّنَ السَّيِّدُ، پھر آقا نے بیان کیا زخمی کرنے کے بعد کہ أَنَّ الْمُرَادَ بِأَحَدِهِمَا هَذَا الْمُعَيَّنَ، کہ اس کی مراد ان دو میں سے جو ہے یہ والا معین غلام تھا، یہ والا اس نے آزاد کیا ہے۔ فَأَرْشُهُمَا لِلسَّيِّدِ، تو دونوں کا ضمان جو ہے، دونوں کا جو ضمان ہے وہ آقا کے لیے ہوگا، لِمَا عُرِفَ، بوجہ اس کے جو معلوم ہے جو جانا گیا ہے اصولِ فقہ میں کہ أَنَّ الْبَيَانَ إِظْهَارٌ مِنْ وَجْهٍ، کہ بیان جو ہوتا ہے وہ من وجہ اظہار ہوتا ہے، وَإِنْشَاءٌ مِنْ وَجْهٍ، اور من وجہ وہ انشاء ہوتا ہے۔

دیکھو آقا نے کہا: تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے، تو آقا نے مبہم رکھا کہ ان میں سے کون سے والے کا اس نے ارادہ کیا ہے۔ تو اس صورت میں یاد رکھو جب وہ آگے تعیین کرے گا کہ یہ والا غلام میرا ارادہ تھا، میں نے اس ایک کا ارادہ کیا تھا، تو یاد رکھو یہ بیان کر رہا ہے وہ، وہ چیز جو مبہم تھی یہ کیا کر رہا ہے اب اس کو بیان کر رہا ہے، اور یہ جو بیان ہوتا ہے اس میں دو جہتیں ہیں: بعض اعتبار سے دیکھیں تو یہ اظہار ہے، وہ ظاہر کر... ایک چیز جو چھپائی ہوئی تھی اس کو کیا کر رہا ہے؟ ظاہر، اور بعض اعتبار سے دیکھیں تو یہ انشاء ہے، گویا وہ ابھی آزاد کر رہا ہے، آزادی کو وجود دے رہا ہے۔ ایک چیز جس میں ابہام تھا جو مجمل تھی اس کے لیے بیان چاہیے تھا، آقا بعد میں اس کو بیان کرتا ہے، تو یہ جو بیان ہوتا ہے یہ من وجہ اظہار اور من وجہ انشاء، بعض اعتبار سے دیکھیں تو یہ اظہار کر رہا ہے، آزاد تو اس نے پہلے ہی کر دیا تھا، اور بعض اعتبار سے دیکھیں تو یہ اسی وقت گویا آزادی کو وجود دے رہا ہے، یہ انشائے حریت ہے، انشائے حریت، ابھی گویا آزاد کر رہا ہے۔ تو یہ جو بیان ہوتا ہے اس میں دو جہتیں ہوتی ہیں، کون کون سی؟ من وجہ، من وجہ یعنی بعض اعتبار سے، من وجہ یہ کیا ہوتا ہے؟ اظہار، اور من وجہ یہ کیا ہوتا ہے؟ انشاء۔ پھر دہراؤ: یہ جو بیان ہوتا ہے اس میں کتنی جہتیں؟ دو جہتیں: من وجہ یہ اظہار، اور من

وجہ یہ انشاء ہوتا ہے۔

بھئی کیوں اظہار کیوں انشاء کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کہ جب اس نے کہا تھا ان دونوں میں سے کوئی ایک آزاد ہے تو ایک بھی آزاد نہیں ہوا۔ اب جب بیان کرے گا تو ایک کیا ہو جائے گا؟ آزاد، تو گویا انشاء ہے یہ، یہ کیا ہے؟ انشاء ہے، گویا ابھی آزاد کر رہا ہے، پہلے آزاد کیا ہی نہیں تھا اس نے تو یہ کیا ہے؟ انشائے حریت۔

یاد رکھو انشاء کا معنیٰ ہے کسی چیز کو وجود دینا، ایک چیز پہلے نہیں تھی آپ اس کو وجود دیتے ہیں یہ ہے انشاء، یہ کیا ہے؟ انشاء۔ مثلاً ایک شخص کا غلام ہے، اس غلام کو وہ کہتا ہے أَنْتَ حُرٌّ، تو دیکھا یہ انشائے حریت ہے، آقا کیا کر رہا ہے؟ حریت کو وجود دے رہا ہے، اس سے پہلے تو یہ آزاد نہیں تھا غلام تھا لیکن اب کیا ہوا؟ انشائے حریت۔ تو انشاء کا کیا معنیٰ ہوتا ہے؟ وجود دینا، کسی چیز کو وجود دینا۔ اور ایک ہے اظہار بھئی، اظہار کا معنیٰ ہے ایک چیز کو ظاہر کرنا، یعنی چیز تو پہلے ہی موجود تھی لیکن ظاہر نہیں تھی، مبہم تھی، اس میں اجمال تھا، آپ نے اس کا اظہار کر دیا اس کو ظاہر کر دیا۔ تو انشاء میں کیا ہوتا ہے؟ ایک چیز کو وجود دیا جاتا ہے، اور اظہار کے اندر ظاہر کیا جاتا ہے چیز پہلے سے ہی موجود ہوتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔

تو لہٰذا یہ جو بیان کرے گا بعد میں بیان کرتا ہے کہ میرا ارادہ تو یہ والا غلام تھا، تو یہ جو بیان ہے یہ من وجہ انشاء ہوتا ہے اور من وجہ اظہار۔ بعض اعتبار سے دیکھیں تو وہ اظہار کر رہا ہے، آزاد تو اس نے پہلے ہی کر دیا تھا اب صرف بتلا رہا ہے کہ یہ والا، میری مراد یہ والا غلام تھا یہ آزاد ہے۔ اور انشاء یہ ہے کہ وہ گویا اسی وقت اس کی آزادی کو وجود دے رہا ہے۔ تو یہ بیان کیا ہوتا ہے؟ یہ من وجہ انشاء بھی ہے اور من وجہ اظہار بھی ہے۔

اور اسی صورت میں، یعنی جب آقا کہے کہ تم دونوں میں سے کوئی ایک آزاد ہے اور آقا نے ابھی تک بیان نہیں کیا کہ کون سا والا آزاد ہے، تو غلاموں کا حق ہے وہ قاضی کے پاس جا کر یہ مطالبہ کر سکتے ہیں کہ قاضی صاحب ہمارے آقا کو بیان پر مجبور کریں، وہ بتلائے ہم دونوں میں سے کون سا آزاد ہے، اور قاضی اس کو، آقا کو بلوا کر مجبور کرے گا کہ بیان کرو۔ تو قاضی اس کو بلوائے گا اور مجبور کرے گا بتاؤ کون سا والا غلام آزاد ہے؟ تو دیکھو یہاں جبر چل رہا ہے، کیا چل رہا ہے؟ جبر، مجبور کیا جا رہا ہے بیان پر، اور یاد رکھو جو مجبور کسی کو کرتے ہیں وہ انشائے حریت پہ مجبور نہیں کر سکتے کہ غلام کو آزاد کرو، نہیں نہیں نہیں، اظہار پہ مجبور کر سکتے ہیں، کس پر؟ اظہار پر۔ معلوم ہوا یہ بیان اظہار ہے، یہ کیا ہے؟ اظہار۔ اگر انشاء ہوتا تو انشاء پہ تو کوئی کسی کو مجبور نہیں کر سکتا، آپ جا کر ایک آدمی کو کہیں چلو بھئی اپنے غلام کو آزاد کرو، یا قاضی اس کو بلوا کر کہے اپنے غلام کو آزاد کرو، تو یہ تو انشائے حریت ہے اور انشاء پر کسی کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا، لیکن یہاں غلام اس کو مجبور کر سکتے ہیں قاضی کے ذریعے، قاضی اس کو مجبور کر سکتا ہے، معلوم ہوا یہ کیا ہے؟ یہ بیان انشاء نہیں ہے بلکہ اظہار ہے۔ تو بعض لحاظ سے دیکھیں یہ بیان کیا ہے؟ انشاء۔

پھر سنو: ایک آدمی نے اپنے دو غلاموں کو کیا کہا؟ کہ تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے، تو اس نے مبہم رکھا یہ معاملہ۔ اچھا جب اس نے معاملہ مبہم رکھا تو دونوں میں سے ایک بھی نہیں آزاد، جی۔ ہاں جس وقت وہ بیان کرے گا تو یوں سمجھیں گے گویا ابھی آزاد کر رہا ہے تو یہ کیا ہوا؟ انشائے حریت، انشائے حریت۔ لیکن ہر اعتبار سے یہ انشاء نہیں ہے، کیونکہ اگر ہر اعتبار سے یہ جو بیان کر رہا ہے، کیا کر رہا ہے اس وقت؟ بیان، اگر اس بیان کو ہر اعتبار سے انشاء قرار دیں پھر تو یہ قاضی کے پاس لے جا کر اس کو مجبور نہیں کر سکتے تھے کیونکہ انشائے حریت پر کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا، لیکن وہ مجبور کر سکتے ہیں، معلوم ہوا یہ من وجہ اظہار بھی ہے، اسی ابہام کو اسی اجمال کو کیا کر دے؟ بیان کر دے اس کا اظہار کر دے۔ معلوم ہوا کہ ابہام کے بعد جب بیان آتا ہے یہ حریت وغیرہ میں تو اس میں دو پہلو ہیں: یہ اظہار بھی ہے بعض اعتبار سے اور انشاء بھی ہے، انشاء بھی ہے۔

لہٰذا جب اس نے دو غلاموں کے بارے میں کہا کہ تم دونوں میں سے کوئی ایک آزاد ہے، اب اس کے لیے کیا چاہیے؟ بیان چاہیے، بیان چاہیے۔ اور اس سے پہلے ہی کس نے دونوں غلاموں کو زخمی کر دیا، اور پھر زخمی کرنے کے بعد اس نے تعیین کی کہ یہ والا غلام آزاد ہے، تو یہاں ہم انشاء کا اعتبار کریں گے، کس کا؟ انشاء کا، کیونکہ دونوں غلام زندہ ہیں، جی، زندہ ہیں یا مر گئے؟ زندہ ہیں۔ مر جاتے پھر تو حریت کا محل ہی نہ رہتا، پھر تو آزاد نہیں ہو سکتا، تو دونوں ابھی زندہ ہیں۔ تو یہ جو اب بیان کرے گا کہ یہ والے غلام کا میں نے ارادہ کیا تھا تو ہم یوں سمجھیں گے یہ انشائے حریت کر رہا ہے، ابھی اس کو آزاد کر رہا ہے، معلوم ہوا اس سے پہلے دونوں غلام تھے، جب زخم لگا تھا تب بھی غلام تھے، جب اس کے غلاموں کو زخمی کیا ہے تو ضمان لینا بھی آقا ہی کا حق ہے۔

یہ معنیٰ ہے دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: لِمَا عُرِفَ أَنَّ الْبَيَانَ إِظْهَارٌ مِنْ وَجْهٍ وَإِنْشَاءٌ مِنْ وَجْهٍ، بوجہ اس کے جو معروف ہے یعنی آپ علمِ اصولِ فقہ میں پڑھ چکے ہیں کہ جو بیان ہوتا ہے وہ اظہار ہوتا ہے بعض اعتبارات سے اور وہ انشاء ہوتا ہے بعض اعتبارات سے، وَبَعْدَ الشَّجَّةِ يَبْقَى مَحَلًّا لِلْإِنْشَاءِ، اور زخم لگانے کے بعد بھی وہ محل یعنی وہ جو دو غلام ہیں وہ انشاء کے لیے باقی ہیں، وہاں حریت کا انشاء ہو سکتا ہے، تو اب جب وہ تعیین کرے گا ہم اس کو کیا سمجھیں گے؟ کہ یہ کیا کر رہا ہے؟ انشاء، اور اس سے پہلے کیا تھے؟ غلام، جب زخم لگا تب بھی کیا تھے؟ غلام، تو ضمان کا حق دار کون؟ آقا۔ یہ معنیٰ ہے وَبَعْدَ الشَّجَّةِ اور زخم کے بعد بھی يَبْقَى مَحَلًّا لِلْإِنْشَاءِ وہ محل یعنی وہ جو دونوں غلام ہیں وہ انشاء کے لائق ہیں، فَاعْتُبِرَ إِنْشَاءً تو کس کا اعتبار کیا جائے گا؟ انشاء کا، فَكَأَنَّهُ أَعْتَقَ وَقْتَ الْبَيَانِ تو ایسے ہی ہوگا جیسے کہ اس نے آزاد کیا ہے بیان کے وقت ہی، اس سے پہلے کوئی آزاد ہی نہیں تھا۔

دوسرا مسئلہ کیا تھا؟ دوسرا مسئلہ کہ اگر انہی دونوں غلاموں کو کسی نے قتل کر دیا تو ایک کی دیت آئے گی اور ایک کی قیمت آئے گی۔ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ جب دونوں غلاموں کو اس نے قاتل نے قتل کر دیا تو اب انشاء کا محل نہ رہا، اب

تو دونوں کو آزاد نہیں کر سکتے، ہاں اظہار کیا جا سکتا ہے کہ اس آقا نے کس کا ارادہ کیا تھا۔ تو اب انشاء تو نہیں ہو سکتا لیکن اظہار ہو سکتا ہے۔ اب یہاں صرف اظہار رہ گیا۔ معلوم ہوا ایک ان میں سے یقینی طور پر آزاد ہے جب اس نے کیا کہا تھا؟ تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے۔ اب اظہار صرف رہ گیا ہے، معلوم ہوا ایک کو وہ آزاد کر چکا ہے صرف بتانا باقی ہے کون سا ایک ہے، کیونکہ انشاء کا تو محل نہ رہا صرف اظہار کا رہ گیا، تو گویا ان میں سے ایک یقینی طور پر آزاد ہے دوسرا آزاد نہیں، تو ایک یقینی آزاد ہے اس کی وجہ سے دیت آجائے گی اور ایک جو ہے وہ مملوک ہے ابھی بھی تو اس کی قیمت آجائے گی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ جی۔

تیسری کیا صورت تھی؟ اگر دو آدمیوں نے قتل کیا، اگر دونوں غلاموں کو الگ الگ آدمیوں نے قتل کیا تو اس صورت میں دونوں کی قیمت آتی تھی۔ دونوں غلام تھے، آقا نے کہا تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے، پھر ان دونوں غلاموں کو دو الگ الگ آدمیوں نے قتل کیا، ایک آدمی نے ایک غلام کو قتل کیا، دوسرے نے دوسرے کو قتل کیا۔ تو اس صورت میں بھی مسئلہ یاد رکھو: اگر تو دونوں نے اکٹھا قتل کیا ہے، دونوں نے اکٹھا قتل کیا ہے، پھر تو دونوں کو غلام ہی سمجھیں گے اور دونوں کی قیمت دینا پڑے گی ان کو، جی، دونوں کی قیمت۔ لیکن اگر دونوں میں سے ایک نے پہلے قتل کیا اور دوسرے نے بعد میں، تو پھر پہلے کو غلام سمجھا جائے گا اور دوسرے کو آزاد، کیونکہ جب ایک مر گیا تو آزادی کا محل ایک ہی بچا تو اس کو کیا شمار کر لیں گے؟ آزاد، لہٰذا جو دوسرا قاتل ہوگا اس پر پوری دیت آجائے گی آزاد والی۔ فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ جی۔ تو یہ جو انہوں نے کہا نا متن میں وَإِنْ قَتَلَ كُلًّا رَجُلٌ،یہاں مراد ہے اکٹھا دونوں کو قتل کیا، تو فَقِيْمَةُ الْعَبْدَيْنِ تو دونوں پر کیا واجب ہوگی؟ دو غلاموں کی قیمت واجب ہوگی۔

کیوں بھئی دونوں کی قیمت کیوں؟ ان میں سے ایک کو آزاد کیوں نہیں شمار کرتے؟ کہتے ہیں اس لیے کہ آزاد کی دیت زیادہ ہوتی ہے اور غلام کی دیت عموماً کم ہوتی ہے اس کی قیمت ہوتی ہے، یہ تو ہم مثالیں بیان کر رہے تھے نا فرض کرو غلام کی قیمت زیادہ ہو زیادہ ہو، عموماً غلام کی قیمت کم ہوا کرتی ہے بھئی۔ تو یہاں پر اب جب دونوں نے دونوں نے غلام کو قتل کیا ہے تو تعیین اس نے کی ہے کہ کون سا والا آزاد تھا؟ نہیں، تعیین نہیں کی۔ لہٰذا اب یقینی نہیں کہ کون سا والا غلام ہے اور کون سا والا آزاد، تو کم از کم قیمت تو یقینی ہے دونوں کی، قیمت تو یقینی ہے نا، دونوں میں قیمت تو لازمی آئے گی، اگر ایک کو آزاد فرض کریں گے تو وہاں دیت آجائے گی یعنی بڑھ جائے گا، دیت کیا ہے؟ قیمت سے زیادہ، تو وہاں زیادہ مقدار آجائے گی، تو زیادہ تو ہم واجب نہیں کر سکتے لیکن کم از کم قیمت تو یقینی ہے ہر ایک میں تو وہ قیمت ہی واجب کر دیں گے وہاں دونوں میں۔ ان دونوں کے حق میں ان کو مملوک ہی سمجھا جائے گا اور ان کو قیمت ہی ادا کرنا پڑے گی اس غلام کی۔ تو کہتے ہیں جو یقینی ہے وہ آجائے گی، اور ایک چیز زائد ہو اور ایک کم ہو، دیکھو دیت ہے زیادہ اور قیمت ہے کم، تو کم جو ہے وہ تو ضرور آئے گی، زیادہ والی کا احتمال ہے تو احتمال کی وجہ سے زیادہ ہم نہیں واجب کریں گے، کم از کم جو ہے وہ قیمت تو ضرور آئے

گی تو دونوں پر قیمت واجب ہو جائے گی، دونوں کو غلام ہی سمجھا جائے گا ان قاتلوں کے حق میں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

وَفِيْ فَقْءِ عَيْنَيْ عَبْدٍ دَفَعَهُ سَيِّدُهُ وَأَخَذَ قِيْمَتَهُ أَوْ أَمْسَكَهُ بِلَا أَخْذِ نُقْصَانٍ۔

صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے کسی کے غلام کی دونوں آنکھیں پھوڑ ڈالیں، ایک شخص نے کسی کے غلام کی دونوں آنکھیں پھوڑ دیں، تو اس صورت میں یاد رکھیے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے آقا کو اختیار ہے کہ وہ غلام دے دے اور پوری قیمت وصول کر لے، وہ جو اندھا جسم اس کا ہے، وہ اندھا جسم اس کا مالک کس کو بنا دے؟ اس جنایت کرنے والے کو، اور اس سے پورے غلام کی قیمت لے لے، اور اگر چاہے تو اس اندھے غلام کو اپنے پاس رکھے اور اس صورت میں وہ نقصان وصول نہیں کر سکتا۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں کہ کسی نے ایک غلام کی دونوں آنکھیں پھوڑ دیں تو اس کے آقا کو اختیار ہے: اگر وہ ضمان لینا چاہتا ہے تو پورے غلام کی قیمت وصول کر لے اور یہ اندھا غلام اس جنایت کرنے والے کے حوالے کر دے، کیونکہ جب پوری قیمت وصول کر لی ہے تو اب غلام اس کو دے دو۔ اور اگر چاہے تو اس غلام کو اپنے پاس ہی رکھے اور اس صورت میں نقصان وصول نہیں کر سکتا، بس یہ اسی طرح اس کا رہے گا اندھا ہی غلام، اور جنایت کرنے والے سے کوئی ضمان وصول نہیں کر سکتا۔ اگر ضمان وصول کرنا ہے تو پوری قیمت لو اور غلام دے دو، اور اگر غلام اپنے پاس رکھنا چاہتے ہو تو پھر کوئی ضمان نہیں لے سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی:

وَفِيْ فَقْءِ عَيْنَيْ عَبْدٍ، فَقْءٌ، فَقْءٌ کا معنیٰ ہے آنکھ پھوڑنا۔ عَيْنَيْ اصل میں تھا عَيْنَيْنِ، دو آنکھیں، نون اضافت سے گر گیا۔ وَفِيْ فَقْءِ عَيْنَيْ عَبْدٍ اور کسی غلام کی دونوں آنکھیں پھوڑنے کی صورت میں، دَفَعَهُ سَيِّدُهُ اس غلام کا آقا وہ غلام حوالے کر دے گا، وَأَخَذَ قِيْمَتَهُ اور اس غلام کی قیمت لے لے گا، ایک صورت۔ أَوْ أَمْسَكَهُ بِلَا أَخْذِ نُقْصَانٍ یا اس غلام کو اپنے پاس روک لے بغیر کوئی نقصان وصول کیے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جی۔

أَيْ إِنْ شَاءَ السَّيِّدُ دَفَعَ الْعَبْدَ إِلَى الْجَانِي اگر آقا چاہے تو وہ حوالے کر دے غلام کو اس جنایت کرنے والے کے، وَأَخَذَ الْقِيْمَةَ اور اس غلام کی پوری قیمت لے لے۔ وَإِنْ شَاءَ أَمْسَكَهُ بِلَا أَخْذِ النُّقْصَانِ اور اگر چاہے تو اس غلام کو اپنے پاس

روک لے بغیر کوئی نقصان لیے ہوئے ہی۔ وَهَذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ اور یہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایسا ہے۔

وَقَالَ اور صاحبین فرماتے ہیں... صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر نقصان لینا چاہتا ہے تو پوری قیمت لے اور غلام کو دے دے، اور اگر نقصان لینا چاہتا ہے تو نقصان وصول کر لے اور غلام اپنے پاس رکھے۔ صاحبین فرماتے ہیں اگر غلام دینا چاہتا ہے تو پوری قیمت لے لے اور اندھا غلام اس کے حوالے کر دے، اور اگر غلام کو اپنے پاس روکنا چاہتا ہے تو پھر نقصان وصول کر لے یعنی پوری قیمت اس کی وصول کر لے، کیونکہ آنکھوں کے اندر جب کسی شخص کی دونوں آنکھیں پھوڑ دی جائیں تو پوری جنایت آتی ہے، تو غلام کے اندر اس کی پوری قیمت آجائے گی۔ تو صاحبین نے کیا اختیار دیا؟ غلام دینا ہے تو پوری قیمت لے لو، اور اگر غلام اپنے پاس رکھنا ہے تو پھر پورا نقصان وصول کر سکتے ہو۔ امام صاحب فرماتے تھے نہیں، غلام اپنے پاس رکھنا ہے تو پھر نقصان وصول نہیں کر سکتے۔ فرق سمجھ میں آیا؟ جی۔

وَقَالَ اور صاحبین فرماتے ہیں: يُخَيَّرُ بَيْنَ الدَّفْعِ وَالْإِمْسَاكِ مَعَ أَخْذِ النُّقْصَانِ کہ آقا کو اختیار دیا جائے گا بَيْنَ الدَّفْعِ غلام حوالے کرنے کے بیچ، وَالْإِمْسَاكِ اور غلام کو اپنے پاس روکنے کے بیچ، مَعَ أَخْذِ النُّقْصَانِ ساتھ نقصان وصول کرنے کے، کہ چاہے تو غلام دے دے اور چاہے تو غلام کو اپنے پاس روک لے مَعَ أَخْذِ النُّقْصَانِ ساتھ نقصان لیتے ہوئے، مَعَ أَخْذِ النُّقْصَانِ نقصان لے لے اس کے ساتھ۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضَمَّنَهُ الْقِيْمَةَ کہ وہ جنایت کرنے والے کو ضامن بنا دے گا اس غلام کی قیمت کا، اس سے پورے غلام کی قیمت لے لے گا، وَأَمْسَكَ الْجُثَّةَ الْعَمْيَاءَ اور روک لے گا اس اندھے جسم کو۔ جُثَّہ کہتے ہیں جسم کو۔ وَأَمْسَكَ الْجُثَّةَ الْعَمْيَاءَ اس اندھے جسم کو اپنے پاس ہی روک لے گا اور پوری قیمت کا ضمان اس سے وصول کر لے گا۔ وہ اختیار نہیں دیتے۔ فَإِنَّهُ يَجْعَلُ الضَّمَانَ فِيْ مُقَابَلَةِ الْفَائِتِ اس لیے کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ جو ہیں وہ ضمان کو فوت شدہ چیز کے مقابلے میں کرتے ہیں، کہ وہ ضمان کس کے مقابلے میں ہے؟ فوت شدہ چیز کے مقابلے میں۔ اور فوت شدہ چیز کیا گئی؟ دو آنکھیں، اور دونوں آنکھوں میں آزاد انسان میں کیا آتا ہے؟ پوری دیت، تو غلام میں کیا آئے گی؟ پوری قیمت، تو پوری قیمت لے لیں گے۔ اور باقی چیز؟ باقی کا اندھا جسم؟ وہ تو پہلے جس کا تھا وہ اسی کے پاس رہے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے کہ فَإِنَّهُ يَجْعَلُ الضَّمَانَ فِيْ مُقَابَلَةِ الْفَائِتِ وہ جو ہیں ضمان کو فوت شدہ چیز کے مقابلے میں قرار دیتے ہیں، فَبَقِيَ الْبَاقِيْ عَلَى مِلْكِهِ تو باقی جو ہے یعنی باقی کا غلام جو یعنی اس کا جو اندھا جسم ہے وہ عَلَى مِلْكِهِ وہ اسی کی ملکیت میں رہے گا، كَمَا إِذَا فَقَأَ إِحْدَى عَيْنَيْهِ جیسے کہ کوئی پھوڑ دے اس کی دو آنکھوں میں سے ایک۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جیسے کوئی غلام کی دو آنکھوں میں سے ایک پھوڑ ڈالے تو وہاں کیا کرتے ہیں؟ ایک آنکھ کی جنایت وصول کر لیتے ہیں اور غلام آقا ہی کے پاس رہتا ہے، تو یہاں پر دو آنکھیں پھوڑی ہیں تو دونوں کی جنایت وصول کر لیں گے اور غلام آقا

ہی کے پاس رہے گا۔

وَقَالَ اور صاحبین فرماتے ہیں: الْمَالِيَّةُ مُعْتَبَرَةٌ فِيْ حَقِّ الْأَطْرَافِ کہ مالیت معتبر ہے اعضاء کے حق میں، وَإِنَّمَا سَقَطَتْ فِيْ حَقِّ الذَّاتِ فَقَطْ اور وہ ساقط ہوئی ہے صرف ذات کے اندر۔

سنو بھئی توجہ سے: صاحبین فرماتے ہیں کہ اعضاء کے اندر مالیت معتبر ہے، ذات میں بھی مالیت معتبر اور اعضاء کے اندر بھی... غلام ہے نا، وہ ذات کے اعتبار سے بھی مال اور اعضاء کے اعتبار سے بھی مال۔ تو صاحبین فرماتے ہیں کہ اطراف میں بھی مالیت معتبر ہوتی ہے اور ذات میں بھی مالیت معتبر ہوتی ہے، لیکن یہاں ذات میں مالیت ساقط ہو جائے گی۔ صاحبین نے کیا فرمایا تھا؟ ایک صورت تو انہوں نے یہ ذکر کی تھی کہ غلام دے دو اور پوری قیمت لے لو، دوسری صورت کیا ذکر کی تھی؟ غلام اپنے پاس رکھو اور نقصان لے لو، اور نقصان تو پوری قیمت ہے جی۔ تو بھئی آپ پوری قیمت بھی رکھ رہے ہیں اور غلام کی ذات بھی اپنے پاس رکھ رہے ہیں، یہ تو مساوات نہ آئی۔ برابری تو یہ تھی چیز جیسی بھی تھی پوری اب اس کو دے دو، پوری قیمت جب آپ لے رہے ہیں تو بقیہ جو بچی ہوئی چیز ہے وہ ساری کیا کرو؟ دوسرے آدمی کو دے دو۔ جی۔ آگے ذکر بھی کریں گے: آپ کے پاس ایک کپڑا ہے، کسی شخص نے اس کو بہت زیادہ پھاڑ دیا نقصان پہنچایا، تو اب آپ کو اختیار ہے: آپ چاہیں تو جو نقصان آیا کپڑے کا وہ نقصان اس سے لے لیں کپڑا اپنے پاس ہی رکھیں، اور آپ چاہیں تو سارا کپڑا اس کو دے کر پورے کپڑے کی قیمت وصول کر لیں۔ توجہ ہے؟ جی۔ ایک شخص کیا کرے؟ دوسرے کے کپڑے کو پھاڑ دے۔ تو جو مالک ہے اس کو اختیار ہے، وہ کیا کر سکتا ہے؟ چاہے تو صرف نقصان وصول کر لے، کپڑا اپنے پاس ہی رکھے، اور چاہے تو کپڑا دے اور کپڑے کی پوری قیمت وصول کر لے۔ تو یہاں پر بھی فرماتے ہیں اسی طرح ہوگا: اگر غلام دینا چاہتا ہے تو پوری قیمت کیا کر لے؟ وصول کر لے، اور اگر غلام کو اپنے پاس روکتا ہے جو نقصان آیا ہے وہ وصول کر لے، اور وہ نقصان تو کتنا ہے؟ پوری قیمت یہاں دینا پڑے گی۔ جی۔ فرق سمجھ میں آ رہا ہے؟ جی۔

تو صاحبین پر اشکال ہوتا ہے کہ جب غلام یہ اپنے پاس رکھے گا، غلام کو جب اپنے پاس رکھے گا اور ساتھ پوری قیمت بھی وصول کر رہا ہے، تو پوری قیمت بھی وصول کر لی اور غلام بھی اس کے پاس ہے، تو غلام کی بھی تو کچھ نہ کچھ قیمت ہوگی یا نہیں ہوگی؟ جی۔ تو یہ تو مساوات نہ ہوئی، کرنا تو یہ چاہیے غلام ان کو دے دو۔ تو صاحبین فرماتے ہیں کہ غلام کے اعضاء بھی مال اور غلام کی ذات بھی مال، لیکن یہاں غلام کی ذات میں مالیت ساقط ہو جائے گی، غلام کی ذات کو یوں سمجھیں گے اس کے مقابلے میں کوئی مال ہے ہی نہیں۔ توجہ ہے؟ جی۔ غلام کی ذات میں مالیت کیا ہو جائے گی؟ ساقط۔ لہٰذا جب یہ غلام کو اپنے پاس رکھتا ہے تو اور اس سے کیا لے رہا ہے؟ نقصان یعنی دونوں آنکھوں کی قیمت لے رہا ہے اور وہ کتنی ہے؟ پوری قیمت۔ جب پوری قیمت لے لی اب آپ کیا کہہ رہے ہیں اس کے پاس غلام زائد ہے؟ بھئی اس غلام میں مالیت

کا اعتبار نہ کرو، اس کی قیمت صفر ہے، جی، اس کی قیمت کیا ہے؟ صفر ہے۔ جب صفر ہے تو برابری ہو گئی۔ جی۔ صرف اس نے قیمت وصول کی ہے اور کوئی زائد چیز اس کے پاس ہے ہی نہیں کیونکہ غلام کی ذات کی تو کوئی قیمت یہاں نہیں، تو اس کی ذات میں مالیت ساقط ہو جائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔

تو کہتے ہیں: وَقَالَ اور صاحبین فرماتے ہیں الْمَالِيَّةُ مُعْتَبَرَةٌ فِيْ حَقِّ الْأَطْرَافِ کہ مال ہونا معتبر ہے اعضاء کے حق میں، وَإِنَّمَا سَقَطَتْ فِيْ حَقِّ الذَّاتِ فَقَطْ اور یہ مالیت جو ہے صرف ذات کے حق میں ساقط ہوئی ہے جب اس نے ذات کو اپنے پاس روکا، یوں سمجھیں گے اس ذات کی کوئی قیمت نہیں، جب قیمت کوئی نہیں تو مساوات آگئی۔ وَحُكْمُ الْأَمْوَالِ مَا ذَكَرْنَا كَمَا فِي الْخَرْقِ الْفَاحِشِ اور مالوں کا حکم وہ جو ہم نے ذکر کر دیا كَمَا فِي الْخَرْقِ الْفَاحِشِ جیسے کہ بہت زیادہ پھاڑ دینے کی صورت میں۔ ابھی میں نے ذکر کیا مالوں کا کیا حکم ہے؟ کوئی اگر آپ کا کپڑا بہت زیادہ پھاڑ دیتا ہے آپ کو کیا اختیار؟ آپ چاہیں تو صرف نقصان لے لیں اور کپڑے کو اپنے پاس رکھ لیں، اور آپ چاہیں تو کپڑا پورا دے کر پوری قیمت لے لیں۔ تو صاحبین فرماتے ہیں یہاں بھی اسی طرح ہے، غلام کیا ہے؟ مال ہے، لہٰذا اگر اپنے پاس روکتے ہو نقصان وصول کر لو، اور اگر دیتے ہو تو پوری قیمت وصول کر لو۔ یہ معنیٰ ہے کہ وَحُكْمُ الْأَمْوَالِ مَا ذَكَرْنَا اور مالوں کا حکم وہ جو ہم نے ذکر کر دیا كَمَا فِي الْخَرْقِ الْفَاحِشِ جیسے بہت زیادہ کپڑا پھاڑنے کی صورت میں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

وَقَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ: الْمَالِيَّةُ إِنْ كَانَتْ مُعْتَبَرَةً فَالْآدَمِيَّةُ غَيْرُ مُهْدَرَةٍ، فَالْعَمَلُ بِالشَّبَهَيْنِ أَوْجَبَ مَا ذَكَرْنَا۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غلام کے اندر دو جہتیں ہیں: ایک اعتبار سے دیکھا جائے تو وہ آدمی ہے، اور ایک اعتبار سے دیکھا جائے تو وہ مال ہے مال ہے۔ صاحبین نے جو قول ذکر کیا انہوں نے غلام کے مال ہونے کا تو اعتبار کیا، اس کے آدمی ہونے کا ذرا بھی اعتبار نہیں کیا۔ مال، جب آپ کا کوئی کپڑا پھٹ گیا آپ کو دو اختیار ہوتے ہیں: کپڑا دو پوری قیمت لے لو، یا کپڑا اپنے پاس رکھو اور نقصان وصول کر لو۔ صاحبین نے غلام کو بھی مال کی طرح سمجھا اور اس میں وہی کپڑے والا حکم جاری کر دیا کہ غلام اپنے پاس رکھو اور نقصان لے لو، یا غلام دے دو اور پوری قیمت لے لو۔ تو صاحبین نے معلوم ہوا صرف کس کا اعتبار کیا؟ مال ہونے کا اعتبار کیا، اس کے آدمی ہونے کو بالکل لغو کر دیا، اس کا کوئی اعتبار ہی نہیں کیا۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے انہوں نے صرف اس کے آدمی ہونے کا اعتبار کیا، مال ہونے کا کوئی اعتبار نہیں کیا، چنانچہ جیسے آزاد انسان کے اندر کوئی کسی کی دو آنکھیں پھوڑ دے تو وہ پوری دیت لے لیتا ہے، اور کیا وہ آزاد آدمی

کا مالک بن جاتا ہے جنایت والا؟ نہیں۔ نہیں، تو یہاں پر بھی غلام کی دو آنکھیں پھوڑی ہیں تو پوری قیمت دے دے گا لیکن غلام کا مالک نہیں بنے گا، غلام اسی سابقہ مالک کے پاس رہے گا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ آزاد آدمی کے اندر کوئی شخص اس آزاد کی دونوں آنکھیں پھوڑ ڈالے تو اس پر کیا واجب؟ پوری دیت، اور کیا پوری دیت جب وہ دے گا تو وہ یہ آزاد آدمی اس کے حوالے کر دیں گے؟ یہ وہ اس کا مالک بن جائے گا؟ نہیں، کیونکہ وہ آدمی ہے بھئی مال نہیں۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ نے یہاں غلام کے اندر بھی آدمی ہونے کا اعتبار کیا کہ آدمیوں کے اندر جب جنایت اعضاء کی وصول کرتے ہیں تو جانی کو اس کا مالک نہیں بناتے، لہٰذا یہاں بھی اس کو مالک نہیں بنائیں گے بس جنایت پوری وصول کریں گے یعنی پوری قیمت وصول کر لیں گے۔ تو صاحبین نے صرف مال ہونے کا اعتبار کیا، آدمی ہونے کو بالکل لغو کر دیا، اور امام شافعی رحمہ اللہ نے صرف آدمی ہونے کا اعتبار کیا اور مال ہونے کو بالکل لغو کر دیا۔ جبکہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم نے دونوں جانبوں کی رعایت رکھی، مال ہونے کا بھی اعتبار کیا اور آدمی ہونے کا بھی اعتبار کیا۔ آدمی ہونے کا اعتبار بایں لحاظ کیا، توجہ ہے؟ جی، آدمی ہونے کا ہم نے اعتبار کیا، لہٰذا مال کو اس کے اعضاء پر تقسیم نہیں کیا اور دوسرے کو اس کا مالک نہیں بنایا۔ توجہ ہے؟ جی۔ کیا؟ مال کو اس کے اعضاء پر تقسیم نہیں کیا اور جنایت کرنے والے کو اس کا مالک نہیں بنایا۔ کس طرح؟ بھئی دیکھو جب کوئی شخص کسی آزاد آدمی کی دونوں آنکھیں پھوڑ دے تو کیا کہتی ہے شریعت، کیا حکم دیتی ہے؟ پوری دیت دینی چاہیے، حالانکہ اگر مال کو اس کے اعضاء پر تقسیم کرو ابھی تو اس کے دو ہاتھ بھی باقی ہیں، جی، ابھی تو پاؤں بھی باقی ہیں، ابھی تو اور اعضاء وغیرہ بھی باقی ہیں، تو مال کو اگر تقسیم کرو گے تو آنکھوں کے مقابلے میں تو سو اونٹ نہیں آنے چاہئیں۔ توجہ ہے؟ جی سر۔ تو آزاد آدمی میں اعضاء پر دیت تقسیم نہیں ہوتی، تو یہاں پر ہم نے بھی کیا کہا غلام کے اندر؟ غلام کے اندر اعضاء پر مال تقسیم نہیں ہوگا۔ توجہ ہے؟ جی۔ بلکہ یہ لکھ لیں ذرا اپنے سامنے لکھ لیں، آپ کو سمجھ نہیں آئے گا یہ ایک جملہ لکھ لیں اپنے سامنے تاکہ میں تقریر کرتا رہوں آپ اس جملے پر نظر رکھنا، بہت پیچیدہ دلیل ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی۔ لکھیں بھئی: مِنْ أَحْكَامِ الْآدَمِيَّةِ، مِنْ أَحْكَامِ الْآدَمِيَّةِ، گول تا ہے آخر میں۔

أَنْ لَا تَنْقَسِمَ عَلَى الْأَجْزَاءِ، وَلَا يُتَمَلَّكَ الْجُثَّةُ، جیم، ثا اور گول تا، جُثَّةُ۔ لکھ لیا؟ اگلی سطر میں ذرا، بلکہ ایک سطر چھوڑ کر لکھیں: وَمِنْ أَحْكَامِ الْمَالِيَّةِ أَنْ يَنْقَسِمَ وَيُتَمَلَّكَ۔ پھر دیکھ لیں: مِنْ أَحْكَامِ الْآدَمِيَّةِ أَنْ لَا تَنْقَسِمَ عَلَى الْأَجْزَاءِ، وَلَا يُتَمَلَّكَ الْجُثَّةُ، وَمِنْ أَحْكَامِ الْمَالِيَّةِ أَنْ يَنْقَسِمَ وَيُتَمَلَّكَ۔ لکھ لیا بھئی؟ جی۔

اب اس کو سمجھ لیں: امام صاحب فرماتے ہیں ہم نے آدمی ہونے کا بھی لحاظ رکھا اور ہم نے غلام کے اندر مال ہونے کا بھی اعتبار کیا، دونوں مشابہتوں پر عمل کیا۔ غلام کی آدمیوں کے ساتھ بھی مشابہت اور غلام کی مال کے ساتھ بھی مشابہت، ہم نے دونوں مشابہتوں پر عمل کیا، اور چنانچہ ہم نے کہا کہ اگر غلام اپنے پاس رکھنا ہے تو پھر نقصان

وصول نہیں کر سکتے، اور اگر نقصان وصول کرنا ہے تو پھر غلام کو حوالے کرنا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہی متن میں تھا نا: اگر نقصان لینا ہے تو پوری قیمت لو اور غلام کو حوالے کر دو، اور اگر غلام اپنے پاس رکھنا چاہتے ہو تو پھر نقصان وصول نہیں کر سکتے۔ یہ حکم ہم نے کیوں لگایا؟ کیونکہ ہم نے غلام کی دونوں مشابہتوں پر عمل کیا۔ غلام میں آدمیت بھی ہے اور مالیت بھی ہے۔

تو کہتے ہیں: مِنْ أَحْكَامِ الْآدَمِيَّةِ آدمی ہونے کے احکام میں سے ایک یہ ہے کہ أَنْ لَا تَنْقَسِمَ عَلَى الْأَجْزَاءِ کہ وہ اجزاء پر تقسیم نہ ہو، یعنی وہ جو مال ہے وہ اجزاء پر، اعضاء پر تقسیم نہ ہو۔ کیسے تقسیم نہیں ہوتا؟ آزاد کے اندر مال جو ہے وہ اعضاء پر تقسیم نہیں ہوتا۔ ادھر دیکھو بھئی: ایک شخص کسی آزاد آدمی کی دونوں آنکھیں پھوڑ ڈالتا ہے، شریعت کیا حکم دیتی ہے؟ پوری دیت دینی پڑے گی، حالانکہ اس کے باقی اعضاء ابھی سلامت ہیں، پوری دیت تو پورے انسان کی قیمت ہے، لہٰذا آنکھوں کی قیمت کم ہونی چاہیے کیونکہ ابھی ہاتھ بھی ہیں پاؤں بھی ہے، تو تقسیم ہونی چاہیے دیت پورے اعضاء پر، لیکن وہ آدمی ہے اور آدمیوں کے اندر مال اعضاء پر تقسیم نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔

اور نیز آدمی ہے تو اس کا کوئی مالک بھی نہیں بنتا، توجہ ہے؟ جی سر۔ دیکھو کسی نے آزاد کی دونوں آنکھیں پھوڑ ڈالیں، تو وہ آزاد آدمی جس کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں، اس کو پوری سو اونٹوں کی دیت دے گا، تو کیا جب دیت دے گا تو وہ جنایت کرنے والا اس آدمی کا مالک بن جائے گا کیونکہ اس نے آدمی کے تو پوری قیمت دے دی؟ جی۔ تو کیا مالک بنے گا اس آزاد آدمی کا وہ؟ نہیں، آزاد آدمی تو مملوک نہیں ہوتا۔ تو دیکھا: مِنْ أَحْكَامِ الْآدَمِيَّةِ أَنْ لَا تَنْقَسِمَ عَلَى الْأَجْزَاءِ آدمی ہونے کے احکام میں سے یہ ہے کہ وہ اجزاء پر تقسیم نہیں ہوتا یعنی وہ جو ضمان ہے وہ جو مال ہے وہ اجزاء پر، اعضاء پر تقسیم نہیں ہوتا، وَلَا يُتَمَلَّكَ الْجُثَّةُ اور نیز اس کے جثہ کا مالک بھی نہیں ہوا جاتا، جثہ کا مالک بھی نہیں ہوا جاتا۔

لہٰذا ہم نے بھی یہی کہا، ادھر دیکھو، ہم نے کیا کہا؟ غلام کو جب اپنے پاس اس نے روکا ہے تو نقصان نہیں لے سکتا۔ جی۔ کیوں؟ کیونکہ اعضاء پر مال تقسیم نہیں ہوتا، اور دوسرا اس کا مالک نہیں بنتا، تو غلام اپنے پاس رکھا، اس کو مالک نہیں بنانا چاہتے، تو دیکھو یہ آدمی ہونے کے اعتبار سے ہے، جیسے آدمی کے اندر اعضاء پر مال تقسیم نہیں ہوتا، لہٰذا یہاں پر غلام پر بھی اعضاء پر مال تقسیم نہیں ہوگا، اور وہ جنایت کرنے والا اس کا مالک بھی نہیں بنے گا۔ جنایت کرنے والا مالک نہیں بنا یعنی اپنے پاس روک لے، کیا کر لے؟ اپنے پاس روک لے۔ اور جب اپنے پاس روک لے گا تو غلام کے جثہ کا اس کو مالک بنایا جنایت کرنے والے کو؟ نہیں۔ نہیں۔ جیسے آزاد آدمی کو جب دیت ادا کر دی جائے تو کیا جانی اس کا مالک بن جاتا ہے اس آزاد آدمی کا؟ نہیں۔ تو یہاں بھی ہم نے کہا کہ غلام اپنے پاس رکھو، جانی کو مالک نہ بناؤ۔ اور جب مالک نہیں بنایا تو دوسرا کیا حکم لگایا؟ اعضاء پر ضمان تقسیم نہیں ہوگا، لہٰذا ہم نے بھی ضمان کو تقسیم نہیں کیا کہ پورا غلام تمہارے پاس

ہے یوں سمجھو، تو اس کے اعضاء کے مقابلے میں کوئی قیمت نہیں آئے گی۔

بات نہیں سمجھ میں آئی، بات نہیں سمجھ میں آئی؟ آگئی۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب میں دو چیزیں تھیں، دو چیزوں کے درمیان اختیار تھا۔ ایک اختیار کیا تھا؟ غلام اگر دیتے ہو تو پھر پوری قیمت لے لو اور غلام دے دو، اور اگر اپنے پاس روکنا ہے تو پھر آنکھوں کا نقصان نہیں لے سکتے۔ یہ جو دوسری ہے نا اس کی دلیل یہ آگئی: دیکھو اپنے پاس روکا ہے تو آنکھوں کا ضمان نہیں لے سکتے۔ کیوں نہیں لے سکتے؟ کیونکہ آدمی میں اعضاء پر مال تقسیم نہیں ہوتا لہٰذا یہاں مال نہیں آئے گا آنکھوں کے مقابلے میں، اور نیز آزاد میں جنایت کرنے والا اس مجنی علیہ کا مالک نہیں بنتا تو یہ غلام تمہارے پاس ہی رہا، جانی اس کا مالک نہیں بنا۔ جانی اس کا مالک بھی نہیں بنا اور تم ضمان بھی وصول نہیں کر سکتے کیونکہ اعضاء پر مال تقسیم نہیں ہوتا آدمیوں میں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کہ نہیں آئی؟ جی سر۔

دیکھو نا، دیکھو آزاد آدمیوں میں اعضاء پر مال تقسیم ہوتا ہے؟ نہیں ہوتا۔ میں نے کیا مثال ذکر کی؟ ایک شخص دوسرے کی دونوں آنکھیں پھوڑ ڈالے تو شریعت نے کیا واجب کیا؟ پوری دیت، پوری دیت واجب کی ہے۔ بھئی پوری دیت تو پورے آدمی کی قیمت تھی، جب یہ آنکھیں پھوڑ ڈالیں، ہاتھ اور پاؤں ہیں کہ نہیں ہیں؟ تو ہونا تو یہ چاہیے کہ تھوڑا مال آنا چاہیے لیکن شریعت نے اعضاء پر مال کو تقسیم نہیں کیا، باقی اعضاء تو باقی ہیں تو کچھ ضمان کم ہونا چاہیے کیونکہ اعضاء باقی ہیں، لیکن شریعت نے اعضاء پر مال کو تقسیم نہیں کیا۔ تو یہاں پر بھی اس کی آنکھیں گئی ہیں تو اس کے اعضاء پر مال تقسیم نہیں ہوگا، آنکھوں کا کوئی عوض وہ نہیں لے سکتا۔ اور نیز آزاد آدمی جب جنایت وصول کر لیتا ہے اپنی دونوں آنکھوں کی تو کیا وہ آزاد آدمی ہم اس جنایت کرنے والے کو دے دیتے ہیں کہ یہ اب تمہارا غلام بن گیا؟ نہیں۔ تو یہاں پر بھی غلام اس کو نہیں دیں گے، غلام کو بھی اپنے پاس روک لے گا اور آنکھوں کے مقابلے میں کوئی ضمان بھی نہیں لے سکتا، کیونکہ آدمی ہونے کے اعتبار سے اعضاء پر، اجزاء پر مال تقسیم نہیں ہوتا۔ اب بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔ اعضاء پر مال بھی تقسیم نہیں کرنا اور اس کو مالک بھی نہیں بنانا، تو مالک بھی نہیں بنایا اپنے پاس رکھا، اور اعضاء پر مال بھی تقسیم نہیں کیا، آنکھوں کے مقابلے میں کوئی ضمان نہیں آیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ہم نے اس میں آدمی ہونے کی رعایت رکھی۔

اور دوسری طرف ہم نے مال ہونے کا بھی اعتبار کیا، اور مال ہونے کے اعتبار سے ہم نے کیا کہا؟ کہ ضمان اعضاء پر تقسیم ہوگا، ضمان کیا ہوگا؟ اعضاء پر تقسیم ہوگا، اور وہ مالک بھی بنے گا، وہ کیا ہوگا؟ مالک بھی بنے گا۔ کیسے؟ مال اعضاء پر تقسیم ہوگا، کیا ہوگا؟ تقسیم، مال تقسیم ہوگا، اور آنکھوں میں کتنا آئے گا؟ پوری قیمت آئے گی۔ جب پوری قیمت آنکھوں میں آگئی، پوری قیمت آگئی، تو سارا مال گویا وصول کر لیا، اور لہٰذا اب دوسرے کو کیا کر دیں گے؟ مالک بنا دیں گے۔ تو

آنکھوں کے مقابلے میں مال آگیا، ہم نے مال کو اعضاء پر تقسیم کر... پچھلی صورت میں تو آنکھوں کے مقابلے میں ہم نے کہا کوئی ضمان ہی نہیں ہے، اب اعضاء پر کیا آیا؟ مال آگیا، اور نیز دوسرے کو اس کا مالک بنا دیا اس کے حوالے کر دیا، جیسے وہ کپڑے کے مسئلے میں تھا۔ جی۔ کوئی شخص کسی کا کپڑا پھاڑ دے تو آپ نے کیا کہا تھا؟ کہ یا تو نقصان لے لو یا کپڑا دے دو اور پوری قیمت لے لو۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے: پوری قیمت لے لو کیونکہ مال ہے، اور غلام اسی کو دے دو وہ مالک بن جائے، مال میں جیسے کیا جاتا ہے۔ پوری قیمت جب لی جاتی ہے تو چیز دوسرے کے حوالے کر دی جاتی ہے، تو یہاں بھی جب پوری قیمت آپ غلام کی لینا چاہتے ہیں تو غلام کو حوالے کرنا پڑے گا۔ اب دلیل سمجھ میں آگئی؟ جی۔

تو ہم نے غلام میں آدمی ہونے کا بھی اعتبار کیا اور مال ہونے کا بھی اعتبار کیا۔ آدمی ہونے کے اعتبار سے تقاضا کرتا ہے کہ اعضاء پر مال تقسیم نہیں ہونا چاہیے لہٰذا آنکھوں کے مقابلے میں کوئی ضمان نہیں ہم نے واجب کیا، اور آدمی ہونے کے اعتبار سے دوسرا اس کا مالک نہیں بن سکتا، ہم نے بھی کہا کہ یہ اپنے آقا کے پاس ہی رہے گا دوسرا اس کا مالک نہیں بنے گا، آقا کے پاس رہے گا اور ضمان بھی نہیں لے سکتا۔ ایک صورت۔ دوسری صورت یہ کہ ہم نے مال ہونے کا بھی اعتبار کیا، اور مال ہونے کی صورت میں کیا تھا؟ اعضاء کے مقابلے میں مال آتا تھا جو نقصان پہنچایا ہے وہ مال دینا پڑے گا، اور اگر پورا مال دیتا ہے پوری قیمت دیتا ہے تو چیز دوسرے کو دے دی جاتی ہے مال کے اندر، تو یہاں پر بھی جب آنکھوں کا نقصان وصول کر رہا ہے وہ تو پوری قیمت ہے اور جب پوری قیمت وصول کر رہا ہے تو کیا کرنا پڑے گا؟ غلام دوسرے کے حوالے کرنا پڑے گا جیسے مال کے اندر ہوتا ہے۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ جی۔

جی، یہ معنیٰ ہے: وَقَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اَلْمَالِيَّةُ إِنْ كَانَتْ مُعْتَبَرَةً کہ مال ہونا اگرچہ غلام میں معتبر ہے، فَالْآدَمِيَّةُ غَيْرُ مُهْدَرَةٍ تو آدمی ہونا بھی بالکل رائیگاں نہیں کیا گیا، اس کا آدمی ہونا بھی بالکل رائیگاں اور لغو نہیں کیا گیا اس کا بھی اعتبار کرنا پڑے گا۔ فَالْعَمَلُ بِالشَّبَهَيْنِ، شَبَهَيْنِ شَبَهٌ بمعنیٰ مشابہت کے ہے، فَالْعَمَلُ بِالشَّبَهَيْنِ تو دونوں مشابہتوں پر عمل کرنا، أَوْجَبَ اس نے واجب کر دیا مَا ذَكَرْنَا جو ہم نے ذکر کیا، جو ہم نے ذکر کیا، دونوں مشابہتوں پر عمل نے اس چیز کو واجب کیا جو ہم نے ذکر کر دیا، کہ اگر نقصان لینا ہے تو پوری قیمت لو اور غلام دے دو، اور اگر اپنے پاس روکنا ہے تو پھر نقصان وصول نہیں کر سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵۹: فصل فی جنایۃ المدبر وأم الولد: مدبر یا ام ولد کی جنایت پر سید پر ضمان (اقل من القیمۃ والارش)

شرح الوقایہ صفحہ: ۱۳۷ — بتاریخ: ۳ مارچ ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

اچھا بھائی، آگے سبق دیکھیے: فَصْلٌ: فَإِنْ جَنٰى مُدَبَّرٌ أَوْ أُمُّ وَلَدٍ ضَمِنَ السَّيِّدُ الْأَقَلَّ مِنَ الْقِيمَةِ وَمِنَ الْأَرْشِ، إِذْ لَا حَقَّ لِوَلِيِّ الْجِنَايَةِ فِي أَكْثَرَ مِنَ الْأَرْشِ، وَلَا مَنْعَ مِنَ الْمَوْلٰى فِي أَكْثَرَ مِنَ الْقِيمَةِ. فَإِنْ جَنٰى أُخْرٰى شَارَكَ وَلِيُّ الثَّانِيَةِ وَلِيَّ الْأُوْلٰى فِي قِيمَةِ دُفِعَتْ إِلَيْهِ بِقَضَاءٍ، إِذْ لَيْسَ فِي جِنَايَاتِهِ إِلَّا قِيمَةٌ وَاحِدَةٌ، وَاتَّبَعَ السَّيِّدَ أَوْ وَلِيَّ الْأُوْلٰى إِنْ دُفِعَتْ بِلَا قَضَاءٍ.

کتاب الجنایات چل رہی ہے بھائی، اور اب مدبر یا ام ولد کوئی جنایت کریں تو اب کیا کیا جائے گا؟ آپ جانتے ہیں مدبر وہ غلام ہے جس کو آقا نے کہہ دیا کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے۔ تو یہ غلام یا یہ باندی جو ہوگی وہ مدبر کہلائیں گے اور اب آزادی ان کا حق بن گیا۔ ان کے اس حقِ آزادی کو اب فسخ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ان کی زندگی میں آقا کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے ہر حال میں آزاد ہونا ہے۔ چنانچہ آقا کے لیے ان کو بیچنا بھی جائز نہیں اب، کیونکہ اگر بیچے گا تو مشتری مالک بن جائے گا تو ان بیچاروں کا تو حقِ آزادی ضائع ہوگا۔ لہٰذا اب ان کو بیچنے کی بھی گنجائش نہیں۔ باقی ہر اعتبار سے یہ عام غلام ہیں، لیکن آزادی کے اعتبار سے اب آزادی ان کا حق بن چکا ہے۔

اسی طرح ام ولد وہ باندی ہے جس سے آقا کی اولاد پیدا ہوئی اور آقا نے اقرار بھی کر لیا کہ یہ میری اولاد ہے، تو یہ اس کی ام ولد بن گئی۔ میں نے بتلایا تھا ایک ہے فراشِ ضعیف، ایک ہے فراشِ قوی۔ بیوی، جس کے ساتھ نکاح ہوا ہے، وہ ہے فراشِ قوی۔ فراش یاد رکھو اصطلاحی لفظ ہے۔ فراش ویسے تو بستر اور بچھونے کو کہتے ہیں، لیکن یہاں فراش کا معنیٰ ہے کسی عورت کا کسی مرد کے بچوں کو جنم دینے کے لیے مختص ہونا۔ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو گویا یہ عورت مختص ہو گئی، اب یہ اسی کے بچوں کو جنم دے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ جو فراش ہے یہ دو قسم کا ہے: ایک فراشِ قوی ہے، ایک فراشِ ضعیف ہے۔ بیوی جو ہے، اس سے نکاح ہوا ہے، یہ ہے فراشِ قوی۔ اور باندی اس کی مملوکہ ہے، اس سے بھی آقا کے لیے صحبت جائز ہوتی ہے، لیکن وہ فراشِ ضعیف ہے۔ تو فراشِ قوی سے جب کوئی اولاد ہوگی،

یعنی بیوی سے، وہ خود بخود خاوند کی شمار ہوگی، وہاں اس کے خاوند کے اقرار کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن باندی جو ہے وہ فراشِ ضعیف ہے، اس سے اگر کوئی اولاد ہو تو وہ خود بخود خاوند کی نہیں شمار ہوگی جب تک خاوند اپنی زبان سے اقرار نہ کرلے۔ فرق سمجھ میں آیا بھائی؟

تو یہ ام ولد کی بات میں ذکر کر رہا تھا کہ ام ولد وہ باندی جس نے آقا کے بچے کو جنم دیا اور آقا نے اقرار بھی کر لیا یہ میری اولاد ہے تو یہ ام ولد بن گئی، یعنی اس آقا کے بچے کی ماں۔ اب اس کا حق بھی آزادی بن گیا۔ اب اس کا بچہ اس کو آزاد کروائے گا۔ آقا کا جب بھی اس کی زندگی میں انتقال ہوا تو یہ باندی آزاد ہو جائے گی۔ اور بچہ؟ بچہ تو آزاد ہی ہے، کیونکہ آقا کا اپنا بچہ ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ ویسے تو بچہ جو ہوتا ہے باندی کا وہ غلام یا باندی ہی شمار ہوتا ہے، لیکن یہاں چونکہ وہ مالک ہی کا بچہ ہے اس لیے بچہ تو آزاد شمار ہوگا، اور جو باندی ہے اس نے بھی آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہونا ہے۔ یہ جو اس کا آزاد بچہ ہے، یہ اپنی ماں کی بھی آزادی کا سبب بن گیا بھائی، یہ ماں کی بھی آزادی کا سبب بنے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ اگر کسی غلام سے جنایت ہو جائے تو آقا کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے وہ غلام دے دے اور چاہے پورا ارش دے دے۔ ذہن میں ہے بھائی؟ چاہے تو غلام دے دے اور چاہے تو پورا ارش دے دے۔ لیکن یہاں جو ہے مسئلہ ہے مدبر اور ام ولد کے بارے میں کہ انہوں نے جنایت کی ہے، اور انہوں نے جب جنایت کی ہے تو اب ان کو تو حوالے نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ان کا حقِ آزادی ضائع ہوتا ہے۔ تو پھر یہاں پر، جب مدبر اور ام ولد جنایت کریں تو پھر ان کو حوالے نہیں کیا جائے گا، بلکہ ان کی قیمت ان کے قائم مقام ہو جائے گی۔ تو آقا کو اختیار ہوگا: چاہے تو ان کی قیمت دے دے اور چاہے تو پورا ارش دے دے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: فَإِنْ جَنٰى مُدَبَّرٌ أَوْ أُمُّ وَلَدٍ، اگر جنایت کی مدبر نے یا ام ولد نے، ضَمِنَ السَّيِّدُ الْأَقَلَّ، اَلْأَقَلَّ، الف بھی ہونا چاہیے بھائی، میری کتاب میں لِأَقَلَّ تھا، لِأَقَلَّ نہیں، اَلْأَقَلَّ، ضَمِنَ السَّيِّدُ الْأَقَلَّ مِنَ الْقِيمَةِ وَمِنَ الْأَرْشِ، تو ضامن ہوگا اس کا آقا اس کا جو کم ہے مِنَ الْقِيمَةِ وَمِنَ الْأَرْشِ، قیمت اور ارش میں سے، اس غلام یا باندی کی قیمت اور ارش میں سے جو کم ہے اس کا ضامن ہوگا۔

بھائی کیوں؟ اقل کا ضامن کیوں ہوگا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ ارش سے زیادہ تو مجنی علیہ کا حق نہیں ہے۔ جس کا نقصان کیا ہے غلام نے، اس کا زیادہ سے زیادہ حق کتنا ہے؟ ارش ہے، اس سے زیادہ تو اس کا حق نہیں ہے۔ لہٰذا اگر ارش کم ہے، مثلاً ارش ہے ایک ہزار درہم بنتا ہے وہاں پر، فرض کرو، اور غلام کی قیمت ہے تین ہزار درہم، تو پھر پورا غلام نہیں، پوری قیمت نہیں دیں گے، بلکہ ارش دیں گے کیونکہ ارش سے زیادہ تو مجنی علیہ کا حق ہی نہیں ہے۔ اس کا نقصان ایک ہزار کا ہوا ہے تو اس کو ایک ہزار ہی دیں گے، تین ہزار نہیں دیں گے۔

اور اگر ارش زیادہ ہوا، مثلاً اس کا نقصان ہوا ہے چار ہزار کا، چار ہزار ارش بنتا ہے، اور غلام کی قیمت ہے تین ہزار، تو پھر تین ہزار ہی اس کو دیں گے، چار ہزار نہیں دیں گے۔ اس لیے کیونکہ اصل تو کیا تھا کہ غلام حوالے کیا جائے، لیکن آقا نے اس کو چونکہ مدبر اور ام ولد بنایا ہے تو آقا مانع بن گیا۔ اور مانع وہ پورے ارش کا بنا ہے یا صرف اس غلام یا باندی کا بنا ہے؟ غلام کا۔ اس نے جب ان کو مدبر بنا دیا، اب نہیں دے سکتا نا حوالے؟ نہیں۔ تو آقا نے کیا کیا ہے، صرف کس چیز کے لیے مانع بنا؟ غلام یا باندی کو روکا ہے اس نے صرف مدبر یا ام ولد بنا کر۔ تو لہٰذا جب وہ نہیں دے سکتا تو ان کی قیمت اس کو دینی پڑے گی، اس سے زیادہ تو آقا نے کچھ نہیں کیا۔ صرف کیا کیا ہے؟ غلام یا باندی کو روک لیا، یعنی ان کو مدبر اور ام ولد بنا کر ان کو حوالے کرنے سے روک دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا آقا کا جرم زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے رکاوٹ ڈالی غلام دینے میں۔ تو جب غلام یا باندی کے دینے میں رکاوٹ ڈالی ہے تو پوری قیمت آجائے گی، اس سے زیادہ تو اس نے رکاوٹ نہیں ڈالی، تو وہ قیمت اس کو دینا پڑے گی۔

تو لہٰذا جو کم ہوگا قیمت میں سے اور ارش میں سے: قیمت ہے اگر تین ہزار اور ارش ہے ایک ہزار تو پھر ارش ہی دیں گے، قیمت نہیں دیں گے کیونکہ مجنی علیہ کا حق ایک ہزار ہی ہے، اتنا ہی اس کا نقصان ہوا ہے۔ اور اگر ارش زیادہ ہے اور قیمت کم ہے تو پھر آقا صرف قیمت دے گا، کیونکہ آقا نے مدبر بنا کر، مدبر یا ام ولد بنا کر، صرف ان کے دینے میں رکاوٹ ڈالی ہے تو ان کی جگہ ان کی قیمت دے دے گا، اس سے زیادہ میں تو آقا نے رکاوٹ نہیں ڈالی تو وہی دے دے گا، یعنی پورا ارش نہیں دے گا، پورا ارش اس کے ذمے نہیں آئے گا بھائی۔

یہ معنیٰ ہے کہ ضَمِنَ السَّيِّدُ الْأَقَلَّ مِنَ الْقِيمَةِ وَمِنَ الْأَرْشِ، آقا جو ہے وہ ضامن ہوگا اس غلام یا باندی کی قیمت اور ارش میں سے جو کم ہے اس کا، إِذْ لَا حَقَّ لِوَلِيِّ الْجِنَايَةِ فِي أَكْثَرَ مِنَ الْأَرْشِ، اس لیے کیونکہ ولیِ جنایت کا حق نہیں ہے ارش سے زیادہ میں۔ ارش سے زیادہ تو اس کا حق ہی نہیں ہے، لہٰذا اگر ارش کم ہے تو تھوڑا ارش دے دو قیمت نہ دو بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ وَلَا مَنْعَ مِنَ الْمَوْلٰى فِي أَكْثَرَ مِنَ الْقِيمَةِ، اور آقا کی طرف سے بھی ممانعت نہیں ہے قیمت سے زیادہ میں۔ آقا نے کتنے میں رکاوٹ ڈالی؟ قیمت میں۔ صرف غلام اور باندی کو دینے میں رکاوٹ ڈالی ہے تو ان کی قیمت ان کا قائم مقام ہوگیا، تو قیمت سے زیادہ تو رکاوٹ اس نے نہیں ڈالی تھی تو قیمت ہی اس پر آجائے گی۔ لہٰذا اگر ارش ہوا پانچ ہزار اور قیمت ہوئی تین ہزار تو قیمت ہی دے گا کیونکہ اس سے زیادہ رکاوٹ آقا نے نہیں ڈالی بھائی۔ تو ضابطہ یہی نکلا کہ جو اقل ہوگا وہ آقا کو دینا پڑے گا: اگر ارش اقل ہے تو وہ دے دے، اگر قیمت اقل ہے تو وہ دے دے۔

فَإِنْ جَنٰى أُخْرٰى شَارَكَ وَلِيُّ الثَّانِيَةِ وَلِيَّ الْأُوْلٰى فِي قِيمَةٍ دُفِعَتْ إِلَيْهِ بِقَضَاءٍ۔ ایک تو ضابطہ یاد رکھیں کہ مدبر اور ام ولد، یہ جب جنایت کریں تو ان کی جنایتوں میں ایک قیمت سے زیادہ ضمان آقا پر نہیں آئے گا۔ توجہ ہے؟ مدبر یا ام ولد جتنی بھی

جنایتیں کر لیں، دو کر لیں، تین کر لیں، سو کر لیں، آقا پر صرف ایک ہی قیمت آئے گی، کیونکہ اس نے صرف ایک غلام کے دینے میں رکاوٹ ڈالی ہے، اس سے زیادہ رکاوٹ اس نے نہیں ڈالی۔ تو بس وہ ایک قیمت ہی اس پر آئے گی، اسی کو ان کے حوالے کرے اور اس کو وہ آپس میں تقسیم کر لیں۔

اچھا یہ ضابطہ سمجھ میں آگیا کہ مدبر اور ام ولد میں آقا پر ان کی قیمت سے زیادہ ضمان نہیں آئے گا، ایک ہی قیمت آئے گی اور ایک ہی دفعہ آئے گی، بس۔ جبکہ دوسرے غلاموں میں آپ نے مسئلہ پڑھا تھا کہ اگر ایک غلام ہے، اس نے جنایت کر لی، اور آقا کو وہ غلام یا ارش میں سے ایک کا انتخاب کرنا پڑا، اور آقا نے ارش دے دیا، غلام نہیں دیا۔ پھر دوسری دفعہ اس غلام نے پھر جنایت کر دی، تو پھر آقا کو اسی طرح اختیار ہوگا: چاہے غلام دے دے اور چاہے ارش دے دے۔ لیکن یہاں ایسا نہیں ہے بھائی۔ یہاں ایک ہی قیمت دے گا آقا، چاہے جنایتیں الگ الگ کی ہیں، چاہے اکٹھی کی ہیں۔ وہاں تو تھا نا اگر جنایتیں الگ الگ کی ہیں، پہلے کو ارش دیا ہے، غلام نہیں دیا، تو دوسرے کو بھی کیا کرنا پڑے گا؟ غلام یا ارش میں سے ایک دینا پڑے گا، یعنی دوسرے کا ضمان علیحدہ سے دینا پڑے گا۔ اور اگر غلام نے دو تین جنایتیں اکٹھی کی ہیں، عام غلام ہے، تو آقا وہی ایک غلام دے دے گا اور وہ ساری جنایتوں والے اس کو آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ لیکن یہاں ایسا نہیں ہے، یہاں ایک ہی قیمت آئے گی ہر حال کے اندر بھائی، اس سے زیادہ نہیں آئے گی بھائی۔

تو لہٰذا صورت یہ کہ ایک مدبر ہے اور اس نے دو تین جنایتیں کر دیں، توجہ ہے؟ دو تین جنایتیں کر دیں، تو آقا کیا کرے گا؟ ایک ہی قیمت دے دے گا، اسی کو وہ آپس میں تقسیم کر لیں گے، جیسے عام غلام میں ہوتا تھا، ایک ہی غلام دے دیتا تھا اس کو وہ آپس میں تقسیم کر لیتے۔ لیکن عام غلام میں کیا تھا؟ اگر جنایتیں الگ الگ ہیں، پہلی جنایت کی اور آقا نے اس کا ارش دے دیا، پھر دوسری جنایت کی تو پھر آقا کو غلام یا ارش میں سے کچھ دینا پڑے گا۔ تو دوسری جنایت بالکل الگ ہوگی، پہلی کے ساتھ اس کا تعلق نہیں۔ لیکن یہاں دوسری جنایت کا پہلی جنایت سے تعلق ہوگا۔ کس طرح؟ ایک مدبر نے یا ام ولد نے جنایت کی، آقا نے پوری قیمت اٹھا کر دے دی اس کو، کیونکہ ضمان اتنا زیادہ آرہا تھا، آقا نے کیا کیا؟ پوری قیمت دے دی، کیونکہ ارش تو اس سے بھی زیادہ جا رہا تھا، تو اس نے پوری قیمت دے دی۔ پھر کچھ دنوں کے بعد اسی غلام نے ایک اور جنایت کر دی۔

تو اب یہ دوسرا کیا کرے؟ کہتے ہیں دیکھا جائے گا کہ آقا نے وہ جو قیمت دی تھی پہلے مجنی علیہ کو، مجنی علیہ جس کے اوپر جنایت کی تھی غلام نے، آقا نے جو پہلے مجنی علیہ کو قیمت دی تھی وہ خود دی تھی یا قضائے قاضی سے دی تھی، قاضی کے فیصلے پر دی تھی؟ اگر قاضی کے فیصلے پر وہ دی تھی، کس پر؟ قاضی کے فیصلے پر۔ قاضی نے فیصلہ کیا تھا کہ اس کو قیمت پوری ادا کرو، چنانچہ اس کو قیمت دینی پڑ گئی۔ تو اس صورت میں وہ جو دوسری جنایت والا ہے، وہ آقا پر رجوع کرے گا ہی نہیں،

وہ سیدھا پہلی جنایت والے کے پاس جائے گا اور اس سے اپنے حصے کا مطالبہ کرے گا اور اس سے وصول کرے گا۔ مثلاً اس کی جنایت اور اس کی جنایت برابر ہے بھائی، تو آدھی قیمت وہ رکھ لے گا پہلی جنایت والا اور آدھی قیمت کس کو دے دے گا؟ دوسری جنایت والے کو۔ آقا کے پاس نہیں آئے گا، کیونکہ آقا قاضی کے فیصلے پر ایک مرتبہ پوری قیمت دے چکا ہے اور اس سے زیادہ ضمان اس پر نہیں آتا بھائی۔

ضابطہ سمجھ میں آرہا ہے؟ لیکن دوسری صورت: اگر آقا نے قضائے قاضی کے بغیر خود ہی پیسے دے دیے تھے، پوری قیمت دے دی تھی، اور اب غلام نے دوسری جنایت کی ہے، تو آقا نے ظلم کیا، دوسری جنایت والے کا حق بھی گویا اس نے پہلے والے کو سارا دے دیا۔ بات سمجھ میں، حقیقت میں تو ظلم نہیں لیکن سمجھایوں جائے گا گویا کہ آقا نے کیا کیا ہے؟ ظلم۔ کچھ حصہ تو یہ دوسری جنایت والے کا بھی بنتا ہے، اور آقا پر تو ایک ہی قیمت آتی تھی اور اس نے وہ ساری قیمت کس کو دے دی ہے؟ پہلی جنایت والے کو۔ تو آقا ہوا ظالم، تو لہٰذا وہ آقا پر بھی رجوع کر سکتا ہے دوسری جنایت والا، کہ لاؤ بھائی آدھی قیمت مجھے دے دو، آدھا تو میرا حق بنتا تھا تو پہلے والے کو آدھی قیمت دینی چاہیے تھی، تم نے کیوں پوری دی ہے؟ تم نے میرے حق میں زیادتی کی ہے، لہٰذا اب آدھی قیمت مجھے دے دو۔ چنانچہ آقا اس کو آدھی قیمت دے دے گا اور پھر آقا پہلی جنایت والے پر رجوع کرے گا اور اس سے آدھی قیمت واپس لے لے گا۔

صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ اور چاہے تو یہ دوسری جنایت والا جب یہ قاضی کے فیصلے کے بغیر آقا نے پوری قیمت دی ہے، تو اس کو اختیار ہے دوسری جنایت والے کو: وہ آقا پر بھی رجوع کر سکتا ہے، چنانچہ اس نے آقا پر رجوع کیا اور آدھی قیمت لے لی اور آقا نے پھر وہ آدھی قیمت کس سے واپس لے لی؟ پہلی جنایت والے سے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ اور چاہے تو یہ دوسری جنایت والا آقا پر رجوع کرے ہی نہ، سیدھا پہلی جنایت والے پر براہِ راست رجوع کرلے کہ تم نے پوری قیمت لی تھی، حالانکہ میری بھی اس نے جنایت کر دی ہے، اب اس قیمت میں میرا بھی حق بنتا ہے، لہٰذا آدھی قیمت مجھے دے دو۔

خلاصہ پھر سنو بھائی: ایک مدبر نے جنایت کی اور آقا نے اس کی ساری قیمت جو ہے جنایت والے کو دے دی۔ اور بعد میں پھر اس غلام نے ایک اور جنایت کی۔ تو اب یہ جنایت والا کیا کرے گا؟ یہ آقا سے اپنا حصہ وصول کرے گا یا پہلی جنایت والے سے حصہ وصول کرے گا، کون؟ یہ دوسری جنایت والا۔ تو کہتے ہیں دیکھیں گے کہ آقا نے جو پوری قیمت پہلی جنایت والے کو دی، یہ قضائے قاضی سے دی یا خود اپنی مرضی سے دی۔ اگر قضائے قاضی سے دی ہے، پھر تو آقا مجبور تھا، اس کو ہر حال میں قیمت دینا ہی تھی، تو آقا نے کوئی ظلم نہیں کیا۔ تو لہٰذا اس صورت میں وہ آقا پر رجوع نہیں کر سکتا، بلکہ صرف کس پر رجوع کرے گا؟ پہلی جنایت پر، دوسری جنایت والا پہلی جنایت والے پر رجوع کرے گا۔ آقا پر رجوع نہیں کر سکتا۔ کیوں نہیں کر سکتا؟ کیونکہ آقا نے کوئی ظلم اور زیادتی نہیں کی، آقا کے اوپر تو قاضی کا فیصلہ آگیا تھا، اس کو پوری قیمت دینا ہی پڑی مجبوری کی وجہ سے۔ اور اگر آقا نے پہلی جنایت والے کو پوری قیمت دے دی اپنی مرضی سے بغیر قضائے قاضی

کے، تو اس صورت میں دوسری جنایت والے کو اختیار ہے: چاہے تو وہ اس آقا پر رجوع کرے اور آدھی قیمت لے لے، اور چاہے تو وہ اس پہلی جنایت والے پر رجوع کرے اور اس سے آدھی قیمت لے لے۔ آقا پر رجوع اس لیے کرے گا کیونکہ آقا نے ظلم کیا، اس کا حصہ بھی گویا اس کو دے دیا۔ اور پہلی جنایت والے پر اس لیے رجوع کرے گا کہ اس نے بھی گویا ظلم کیا کہ پوری قیمت پر قبضہ کر لیا حالانکہ اس میں تو اس دوسری جنایت والے کا بھی حصہ ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا اچھی طرح؟

دیکھیے بھائی: فَإِنْ جَنٰى أُخْرٰى، اگر مدبر نے دوسری جنایت کی، شَارَكَ وَلِيُّ الثَّانِيَةِ، تو شریک ہو جائے گا دوسری جنایت کا ولی جو ہے، وَلِيَّ الْأُوْلٰى، پہلی جنایت کے ولی کے ساتھ، فِي قِيمَةٍ، اس قیمت میں، دُفِعَتْ إِلَيْهِ، جو حوالے کر دی گئی تھی پہلی جنایت والے کے، بِقَضَاءٍ، کس کی وجہ سے؟ قضائے قاضی، قاضی کے فیصلے کی وجہ سے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ شریک ہو جائے گا دوسری جنایت والا پہلی جنایت والے کے ساتھ اس قیمت میں جو حوالے کر دی گئی تھی پہلی جنایت والے کے قضائے قاضی سے، اس میں شریک ہو جائے گا یعنی اس سے لے لے گا اپنا حصہ۔

إِذْ لَيْسَ فِي جِنَايَاتِهِ إِلَّا قِيمَةٌ وَاحِدَةٌ، اس لیے کیونکہ مدبر کے، یا اسی طرح ام ولد کی جنایتوں میں نہیں آتی مگر ایک ہی قیمت۔ ان کی جنایتوں میں ایک ہی قیمت آتی ہے اور وہ آقا پہلے والے کو دے چکا ہے تو اسی سے جا کر لے لے گا اپنا حصہ بھائی۔

دوسری صورت: وَاتَّبَعَ السَّيِّدَ أَوْ وَلِيَّ الْأُوْلٰى إِنْ دُفِعَتْ بِلَا قَضَاءٍ، اور وہ دوسری جنایت والا پیچھا کرے گا آقا کا یا جنایتِ اولیٰ کے ولی کا پیچھا کرے گا، یعنی دونوں میں اس کو اختیار ہوگا جس کا بھی پیچھا کرنا چاہے پیچھا کر لے، إِنْ دُفِعَتْ بِلَا قَضَاءٍ، اگر وہ قیمت دی گئی تھی بغیر قضائے قاضی کے۔ هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ وَعِنْدَهُمَا، اور صاحبین کے نزدیک: لَا يَتَّبِعُ السَّيِّدَ۔

امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ اگر بغیر قضائے قاضی کے دیا تھا تو، تو اس کو اختیار ہے: چاہے آقا کا پیچھا کرے اس سے وصول کرے اور چاہے تو ولیِ جنایتِ اولیٰ پر رجوع کرے اس سے وصول کرے۔ یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں نہیں، آقا جب پوری قیمت دے دے، چاہے قضائے قاضی سے دے چاہے اپنی مرضی سے دے، اس نے کوئی ظلم اور زیادتی نہیں کی۔ اس نے صاحبِ حق کو پورا حق دیا تھا اور یہ کوئی ظلم نہیں ہے۔ پہلی جنایت والا کیا تھا؟ صاحبِ حق تھا، اس قیمت کا حق دار تھا۔ تو آقا نے اس کو پوری قیمت دی تھی، جب پوری قیمت دی تھی تو اس نے کوئی زیادتی نہیں کی۔ لہٰذا وہ آقا پر رجوع نہ کرے، بلکہ صرف کس پر رجوع کرے جنایتِ ثانی والا؟ جنایتِ اولیٰ کے ولی پر رجوع کرے گا، یہ کس کے نزدیک ہے؟ صاحبین کے نزدیک۔

وَعِنْدَهُمَا، اور صاحبین کے نزدیک، لَا يَتَّبِعُ السَّيِّدَ، کہ جنایتِ ثانی والا جو ہے وہ پیچھا نہیں کرے گا آقا کا، لِأَنَّ الْجِنَايَةَ الثَّانِيَةَ لَمْ تَكُنْ مَوْجُودَةً، اس لیے کیونکہ دوسری جنایت تو اس وقت موجود ہی نہیں تھی، کب؟ کہ دوسری جنایت جو تھی وہ تو

موجود ہی نہیں تھی عِنْدَ دَفْعِ الْقِيمَةِ إِلٰى وَلِيِّ الْأَوْلٰى، جس وقت قیمت حوالے کی گئی تھی جنایتِ اولیٰ کے ولی کو۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ تو اس وقت تو دوسری جنایت تھی ہی نہیں۔ فَقَدْ دَفَعَ كُلَّ الْوَاجِبِ إِلٰى مُسْتَحِقِّهِ، تو آقا نے جو ہے وہ حوالے کیا تھا پورا واجب اس کے مستحق کے جس کا حق بنتا تھا، تو آقا نے صاحبِ حق کو پورا حق دے دیا تھا، اس نے کسی قسم کا کوئی ظلم نہیں کیا۔ لہٰذا آقا پر رجوع نہیں کرے گا، بلکہ صرف پہلی جنایت کے ولی پر رجوع کرے گا دوسری جنایت والا۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟ کیونکہ فَقَدْ دَفَعَ كُلَّ الْوَاجِبِ إِلٰى مُسْتَحِقِّهِ، پہلی جنایت جب موجود ہی نہیں تھی تو تحقیق آقا نے سارا واجب إِلٰى مُسْتَحِقِّهِ اس کے مستحق کو دیا تھا، اس نے کوئی زیادتی نہیں کی۔

وَلَهُ، اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ إِنَّ الثَّانِيَةَ مُقَارِنَةٌ لِلْأُوْلٰى مِنْ وَجْهٍ وَلِهٰذَا يُشَارِكُ وَلِيَّ الْأُوْلٰى۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جو دوسری جنایت ہے یہ من وجہ پہلی جنایت کے ساتھ ملی ہوئی ہے، متصل ہے، اور من وجہ یہ پہلی جنایت سے مؤخر ہے۔ توجہ ہے؟ یہ ہے پہلی جنایت، یہ ہے دوسری جنایت۔ امام صاحب فرماتے ہیں بعض اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ دوسری جنایت پہلی جنایت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، ملی ہوئی ہے، اور بعض اعتبار سے دیکھیں تو یہ دوسری جنایت پہلی جنایت سے الگ ہے، اس سے مؤخر ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دوسری جنایت من وجہ متصل ہے کس کے ساتھ؟ پہلی جنایت کے ساتھ، اور من وجہ اس سے منفصل ہے یعنی مؤخر ہے۔

بھئی متصل کس طرح ہے؟ بھئی آپ دیکھتے نہیں ہیں؟ اگر ایک ہی غلام دو تین جنایتیں کرے تو کیا کرتے ہیں؟ ایک ہی غلام سب کو دے دیتے ہیں۔ ایک ہی غلام سب کو دے دیتے ہیں۔ تو دیکھا یا اسی طرح مدبر دو تین جنایتیں اکٹھی کرلے، ابھی کسی کو قیمت نہیں دی آقا نے، اس نے دو تین جنایتیں کر لیں، تو آقا پوری قیمت دے دے گا اور اس کو وہ آپس میں تقسیم کریں گے، اس سے زیادہ نہیں دے گا۔ تو معلوم ہوا مدبر یا عام غلام کے مسئلے میں جنایتیں آپس میں جڑی ہوتی ہیں، ان کا آپس میں اتصال ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں؟ جب ایک غلام دو تین جنایتیں کرلے، ابھی کسی کا ارش وغیرہ کچھ نہیں دیا، تو آقا کے ذمے کیا ہوتا ہے؟ کہ پورا غلام ان ساروں کو دے دے، اور وہ چاہے تین جنایتیں ہیں چاہے دس جنایتیں ہیں، وہ سارے آپس میں کیا کرلیتے ہیں اس کو تقسیم کرلیتے ہیں، تھوڑا تھوڑا حصہ سب کو مل جاتا ہے۔ اسی طرح مدبر اگر دو تین جنایتیں اکٹھی کرلے۔ یہ پچھلی صورت تو ذکر ہو رہی ہے نا جب آقا نے قیمت ادا کر دی ہے۔ اگر ادا نہیں کی اور مدبر نے دو تین جنایتیں اکٹھی کر لیں تو ایک ہی قیمت دیں گے اور اسی کو وہ آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ معلوم ہوا مدبر ہو یا عام غلام، دوسری جنایت پہلی جنایت سے جڑی ہوتی ہے من وجہ، بعض اعتبار سے جڑی ہوتی ہے۔

اور بعض اعتبار سے یہ جو مدبر کی جنایت ہے، یہ پہلی جنایت سے الگ ہے، اس سے مؤخر ہے۔ کس طرح الگ ہے؟ کہتے ہیں قیمت کے اعتبار سے۔ کس طرح؟ بھئی دیکھو یاد رکھو، جب مدبر نے جب جنایت پہلی کی، فرض کرو اس دن اس

مدبر کی قیمت تھی چار ہزار، کتنی تھی؟ چار ہزار، تو اس چار ہزار جو ہیں وہ پورے آقا نے کس کو دے دیے؟ پہلی جنایت والے کو۔ اور اس کے دس دن بعد اس مدبر نے دوسری جنایت کی۔ اور اتفاق سے ان دس دنوں میں غلاموں کا ریٹ بہت چڑھ گیا تھا۔ اب اس دوسری جنایت کے وقت جو یہ مدبر ہے، اس کی قیمت ساڑھے چار ہزار درہم ہے۔ پہلے کتنی تھی؟ چار ہزار، اور اب کتنی ہے؟ ساڑھے چار ہزار۔ تو پہلے کے لیے چار ہزار کا اعتبار کریں گے، دوسرے کے لیے ساڑھے چار ہزار قیمت کا اعتبار کریں گے۔ دیکھا؟ اس دن کی قیمت کا اعتبار کر رہے ہیں، معلوم ہوا یہ والی جنایت اس جنایت سے الگ ہے، اس سے مؤخر ہے، متصل نہیں۔ کیونکہ وہاں تو قیمت چار ہزار کا اعتبار کر رہے تھے، یہاں قیمت کا کتنا اعتبار کر رہے ہیں؟ ساڑھے چار۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ جو مدبر کی دوسری جنایت ہے، یہ بعض اعتبار سے پہلی جنایت سے جڑی ہوئی ہے، اور بعض اعتبار سے یہ پہلی جنایت سے مؤخر ہے، علیحدہ ہے۔ تو ہم نے دونوں کا اعتبار کیا، یعنی ہم نے دونوں چیزوں کی رعایت رکھی: ہم نے اتصال کی بھی رعایت رکھی، اور ہم نے انفصال یعنی مؤخر ہونے کی بھی رعایت رکھی کہ دونوں گویا الگ الگ ہیں۔ چنانچہ جب قاضی کے فیصلے کے بغیر اس نے پوری قیمت حوالے کی ہے، تو ہم نے اتصال کی رعایت رکھی، کس کی رعایت رکھی؟ اتصال کی، کہ گویا دونوں جنایتیں اکٹھی ہوئی ہیں، اور دونوں جنایتیں جب اکٹھی ہوئی ہوں تو اس صورت میں آقا کیا کرتا ہے؟ ساری قیمت ایک کو دیتا ہے یا دونوں کو دیتا ہے؟ دونوں کو دیتا ہے۔ اور آقا نے تو ایک کو دی ہے، لہٰذا اب آقا سے ضمان وصول کریں گے اور وہ آقا سے وصولی کر سکتا ہے۔ ہاں، اگرچہ آقا پھر بعد میں دوبارہ اس پہلے جنایت والے پر رجوع کر کے واپس لے لے گا اس سے پیسے، جتنے دوسری والے کو دینے پڑے وہ پہلی والے سے واپس لے لے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو دوسری جنایت من وجہ پہلی جنایت سے جڑی ہے اور من وجہ جڑی ہوئی نہیں۔ تو جب آقا نے اپنی مرضی سے خود پیسے دیے ہیں تو یوں سمجھیں گے کہ دوسری جنایت جڑی ہوئی ہے۔ جب جڑی ہوئی ہے تو آقا نے کیوں دیے سارے پیسے ایک کو؟ دوسرے کو بھی دینے چاہیے تھے۔ لہٰذا آقا ضامن ہوگا تو وہ آقا پر بھی رجوع کر سکتا ہے اور پہلی جنایت والے پر بھی رجوع کر سکتا ہے، آقا سے بھی ضمان لے سکتا ہے، اگرچہ آقا پھر کس سے لے لے گا؟ پہلی جنایت والے سے اتنا حصہ واپس لے لے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور ہم نے مؤخر ہونے یعنی منفصل ہونے کا اعتبار کیا کہ جب آقا نے قاضی کے فیصلے کی وجہ سے قیمت دی ہو پہلی جنایت والے کو۔ جب قاضی کے فیصلے کی وجہ سے آقا نے قیمت دے دی ہے کس کو؟ پہلی جنایت والے کو، تو دوسری جنایت جو ہے وہ پہلی جنایت کے ساتھ جڑی ہوئی نہیں ہے، بعد میں آئی، اور جب بعد میں آئی وہ تو سارے پیسے دے چکا ہے، لہٰذا اب وہ آقا پر رجوع کرے گا ہی نہیں، کس پر رجوع کرے گا؟ اس پہلی جنایت والے پر رجوع کر کے، صرف اسی

پر رجوع کرے گا اور اس سے اپنا حصہ لے لے گا۔

وَلَهُ، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ إِنَّ الثَّانِيَةَ مُقَارِنَةٌ لِلْأُوْلٰى مِنْ وَجْهٍ، کہ دوسری جنایت جو ہے وہ ملی ہوئی ہے پہلی جنایت کے ساتھ مِنْ وَجْهٍ، بعض اعتبارات سے، وَلِهٰذَا يُشَارِكُ وَلِيَّ الْأُوْلٰى، اور اسی وجہ سے جو ہے وہ شریک ہوگا دوسری جنایت والا وَلِيَّ الْأُوْلٰى، پہلی جنایت والے کے ساتھ۔ فَإِنْ دَفَعَ إِلَى الْأَوَّلِ طَوْعًا كَانَ ضَامِنًا، پس اگر آقا نے دیا تھا یعنی وہ قیمت دی تھی إِلَى الْأَوَّلِ پہلی جنایت والے کو، طَوْعًا اپنی مرضی سے۔ طَوْعًا کا معنیٰ ہے فرمانبرداری کرنا، کیا کرنا؟ تو مراد یہاں ہے اپنی مرضی سے یعنی دی تھی کوئی جبراً نہیں دی تھی۔ قاضی کا فیصلہ آجائے پھر تو مجبور ہے انسان پھر تو دینا پڑے گا، لیکن یہاں قاضی کا فیصلہ نہیں مجبوری سے نہیں بلکہ اپنی مرضی سے دی۔ فَإِنْ دَفَعَ إِلَى الْأَوَّلِ طَوْعًا، اگر اس نے قیمت جو دی تھی پہلی جنایت والے کو طَوْعًا اپنی مرضی سے یعنی فرمانبرداری کرتے ہوئے، كَانَ ضَامِنًا، تو آقا بھی ضامن ہوگا، بِخِلَافِ مَا إِذَا دَفَعَ غَيْرَ طَائِعٍ بِحُكْمِ الْقَاضِي، بخلاف اس صورت کے جب اس نے حوالے کی تھی قیمت غَيْرَ طَائِعٍ اس حال میں کہ یہ فرمانبرداری کرنے والا نہیں تھا، یعنی اپنی مرضی سے نہیں دے رہا تھا، بِحُكْمِ الْقَاضِي قاضی کے فیصلے کی وجہ سے۔ قاضی کے فیصلے کی وجہ سے دی تھی فرمانبرداری کرتے ہوئے نہیں۔ پھر ترجمہ سنیں: بِخِلَافِ مَا إِذَا دَفَعَ غَيْرَ طَائِعٍ بِحُكْمِ الْقَاضِي، بخلاف اس کے جب اس نے قاضی کے فیصلے کی وجہ سے حوالے کی تھی غَيْرَ طَائِعٍ اس حال میں کہ یہ فرمانبرداری کرنے والا نہیں تھا، بلکہ مجبور تھا اس کو دینا ہی پڑی پوری قیمت بھائی۔

مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ دیکھو پھر سن لو، حاصلِ کلام پھر سن لو کہ ایک مدبر نے جنایت کی اور آقا نے پوری قیمت جنایت والے کو دے دی، پھر اس مدبر نے دوسری جنایت کی۔ تو کیا یہ دوسری جنایت والا پہلی جنایت والے پر رجوع کرے گا یا آقا پر رجوع کرے گا؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ دیکھا جائے گا کہ یہ جو اس نے پوری قیمت حوالے کی ہے یہ قضائے قاضی سے کی ہے یا اپنی مرضی سے کی ہے۔ اگر قضائے قاضی سے پوری قیمت دی ہے تو پھر پہلی جنایت والے ہی پر رجوع کرے گا، آقا پر رجوع نہیں کر سکتا۔

اور اگر اپنی مرضی سے اس نے قیمت دی تھی پہلی جنایت والے کو آقا نے، تو آقا بھی ضامن ہے، لہٰذا وہ اختیار ہے دوسری جنایت والے کو: وہ چاہے آقا پر رجوع کرے اور اپنا حصہ وصول کرے، اور چاہے تو پہلی جنایت والے پر رجوع کرے اور اس سے اپنا حصہ وصول کرلے۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں، دونوں صورتوں میں، چاہے اس نے قضائے قاضی سے دیا ہو، چاہے بغیر قضائے قاضی کے یعنی پوری قیمت دی ہو، تو پہلی جنایت والے ہی پر رجوع کیا جائے گا، آقا پر رجوع نہیں ہوگا۔

آگے دیکھیے: وَمَنْ غَصَبَ عَبْدًا قَطَعَ سَيِّدُهُ فَسَرٰى ضَمِنَ قِيمَتَهُ أَقْطَعَ، فَإِنْ قَطَعَهُ سَيِّدُهُ فِي يَدِ غَاصِبِهِ فَسَرٰى فِي يَدِهِ، أَيْ فِي يَدِ الْغَاصِبِ، لَمْ يَضْمَنْ.[1]

[1] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۸۴): صوتی درس کی قراءت میں «وَمَنْ غَصَبَ عَبْدًا قَطَعَ سَيِّدُهُ فَسَرٰى ضَمِنَ قِيمَتَهُ

صورتِ مسئلہ یہ کہ آقا نے اپنے غلام کا ہاتھ کاٹ دیا اور پھر اس غلام کو کسی نے غصب کر لیا۔ اور پھر یہ زخم سرایت کر گیا اور غاصب کے پاس غلام ہلاک ہو گیا۔ تو غاصب پر ہاتھ کٹے ہوئے غلام کا ضمان آئے گا، کیونکہ اس نے جب غلام غصب کیا تھا تو وہ کس حالت میں تھا؟ اس کا ہاتھ کٹا ہوا تھا۔ اور اس پر کیا لازم تھا؟ کہ جیسے غلام کو غصب کیا ہے ویسے ہی واپس کرے۔ اور وہ واپس تو کر نہیں سکا کیونکہ غلام اس کے پاس مر گیا، تو اس پر ہاتھ کٹے ہوئے غلام کی جو قیمت بنتی ہے وہ اس پر ضمان آئے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: وَمَنْ غَصَبَ عَبْدًا، اور جس نے غصب کیا ایسے غلام کو، قَطَعَ سَيِّدُهُ، کہ جس کے ہاتھ کو آقا نے کاٹا تھا، فَسَرٰى، پھر غصب کے بعد وہ زخم سرایت کر گیا، جان لیوا بنا، غلام ہلاک ہوا، ضَمِنَ قِيمَتَهُ أَقْطَعَ، تو غاصب اس غلام کی قیمت کا ضامن ہوگا أَقْطَعَ اس حال میں کہ اس کا ہاتھ کٹا ہو۔ اب بہتر ترجمہ یوں کرو: ضَمِنَ قِيمَتَهُ أَقْطَعَ، تو غاصب جو ہے ہاتھ کٹے ہوئے غلام کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ أَقْطَعَ جس کا ہاتھ کاٹا گیا ہو۔

فَإِنْ قَطَعَهُ سَيِّدُهُ، دوسری صورت: ایک شخص نے دوسرے کے صحیح غلام کو غصب کیا، صحیح غلام کو، اور پھر آقا نے جا کر اس غلام کا ہاتھ کاٹ دیا غاصب کے پاس ہی، اور پھر وہ غلام مر گیا، تو غاصب پر کوئی ضمان نہیں۔ بھئی کیوں؟ اس نے غلام کو غصب کیا تھا، اور اس پر کیا لازم تھا کہ جیسا غصب کیا ہے ویسا ہی واپس کرے، تو اس نے تو ویسا واپس نہیں کیا؟ کہتے ہیں بھئی اس غلام کا ہاتھ آقا نے جا کر کاٹا ہے، مالک نے جا کر کاٹا ہے، کسی اور نے نہیں کاٹا۔ جب مالک نے ہاتھ کاٹا، معلوم ہوا مالک نے غلام کو واپس وصول کر لیا، وصول کر کے پھر اس کا ہاتھ کاٹا ہے۔ جب آقا غاصب کے پاس جا کر غلام کا ہاتھ کاٹ رہا ہے تو کیا معنیٰ؟ آقا غلام پر غالب آگیا، وہ اس کے قبضے میں آگیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو گویا اس نے واپس لے لیا۔ جب واپس لے لیا تو اب تو ضمان نہیں آنا چاہیے بھئی، تو آقا نے ہی اس کو ہلاک کیا ہے اور وصول کر لیا، اسے واپس لے لیا اور پھر ہلاک کر دیا ہے، لہٰذا اب ضمان نہیں آئے گا۔

فَإِنْ قَطَعَهُ سَيِّدُهُ فِي يَدِ غَاصِبِهِ، پس اگر آقا نے اس غلام کا ہاتھ کاٹا فِي يَدِ غَاصِبِهِ اس کو غصب کرنے والے کے قبضے میں، یعنی غاصب کے پاس جا کر اس کا ہاتھ کاٹا، فَسَرٰى، پھر وہ زخم سرایت کر گیا، جان لیوا ہوا، فِي يَدِهِ، کس کے قبضے میں؟ اسی غاصب ہی کے قبضے میں، کس کے قبضے میں؟ خود بتلا رہے ہیں: أَيْ فِي يَدِ الْغَاصِبِ، اسی غاصب ہی کے قبضے میں وہ غلام مر بھی گیا، لَمْ يَضْمَنْ، تو غاصب ضامن نہیں ہوگا، اس لیے کیونکہ یہ ایسے ہی ہوا جیسے آقا نے غلام واپس لے لیا ہو، کیونکہ جب اس نے جا کر ہاتھ کاٹا تو آقا گویا اس غلام پر غالب ہوا اور یہ ایسے ہی ہے جیسے واپس لے لیا۔ بات سمجھ میں آئی؟

أَقْطَعَ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «ومَن غصبَ عبدًا قطعَ سيِّدُهُ يدُه فسرى، ضمنَ قيمتَهُ أقطع،» منقول ہے۔

کیونکہ غالب ہوئے بغیر تو ہاتھ نہیں کاٹ سکتا نا، غالب ہوگا اس پر تو ہاتھ کاٹے گا، جب غالب ہو گیا تو گویا اس کے قبضے میں غلام واپس آگیا بھائی۔

دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: فَإِنَّ الْغَاصِبَ إِذَا غَصَبَ مَقْطُوعَ الْيَدِ، کیونکہ غاصب جو ہے جب اس نے غصب کیا مَقْطُوعَ الْيَدِ غلام کو، ہاتھ کٹے ہوئے غلام کو، يَجِبُ رَدُّهُ كَذٰلِكَ، تو اس غاصب پر واجب ہے کہ وہ غلام کو لوٹائے اسی طرح، یعنی ہاتھ کٹے ہوئے غلام ہی کو واپس کرے، فَإِذَا امْتَنَعَ، جب وہ باز رہا، رک گیا یعنی واپس نہ کر سکا کیونکہ غلام تو اس کے پاس مر گیا تھا، فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ أَقْطَعَ، تو اس غاصب پر اس ہاتھ کٹے ہوئے غلام کی قیمت ہوگی۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اس غلام کا ہاتھ کس نے کاٹا تھا؟ آقا نے۔ اور اس کے بعد غاصب نے غصب کیا تھا۔ اور آپ نے کیا کہا غاصب پر کتنا ضمان آئے گا؟ ہاتھ کٹے ہوئے غلام کا۔ بھئی یہ ہاتھ تو آقا نے کاٹا تھا اور یہی زخم سرایت کر گیا اور اسی سے اس کی موت ہوئی تو اس کو مارنے والا تو آقا ہے، جب آقا مارنے والا ہے تو غاصب پر ضمان نہیں آنا چاہیے۔ اشکال سمجھ میں آرہا ہے؟ تو آپ کو بتلائیں گے، اگلی کتابوں میں جا کر آپ پڑھیں گے، بتائیں گے کہ یہ جو غصب ہے نا غصب، یہ قاطعِ سرایت ہے۔ غصب کیا ہے؟ قاطعِ سرایت، یہ سرایت کو کاٹ دیتا ہے جب اس نے غلام کو غصب کیا۔ یا یوں کہو، یاد رکھو ملکِ جدید آجائے نا جب کسی چیز کے اندر، کیا آجائے؟ ملکِ جدید۔ جب ملکِ جدید آجائے تو وہ قاطعِ سرایت ہوتی ہے، وہ سرایت کو روک دیتی ہے، منقطع کر دیتی ہے۔ کیا کر دیتی ہے؟ منقطع کر دیتی ہے۔ اور یہ غصب بھی ملکِ جدید کی طرح ہے، جب اس نے غصب کیا تو گویا کیا بن گیا اس کا؟ مالک بن گیا۔ جب مالک بن گیا تو سرایت ختم ہو گئی، سرایت کٹ گئی۔ اب جو غلام مرے گا ہم یہ نہیں کہیں گے کہ یہ اس ہاتھ کاٹنے کی وجہ سے مرا ہے، یوں سمجھا جائے گا اب کوئی نئی آفت کی وجہ سے خود بخود یہ مرا ہے، اسی زخم کی سرایت نہیں ہے۔ کیونکہ جو غصب ہے وہ ملکِ جدید کے درجے میں ہوا اور ملکِ جدید کیا ہے؟ سرایت سے قاطع ہے، وہ سرایت کو کاٹ دیتی ہے، اس نے سرایت کو ختم کر دیا۔ اب یہ وہ سرایت نہیں ہے، وہ سرایت تو ختم ہو گئی۔ غصب کرتے ہی اس زخم کا اثر کیا سمجھیں گے؟ ختم ہو گیا، اب یہ خود بخود کسی مرض وغیرہ سے مرا ہے۔ تو یہ جو غصب ہے یہ مانعِ سرایت ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ غصب کیا ہے؟ مانعِ سرایت۔ یعنی سرایت کو روک دیتا ہے، اب آگے جو انتقال ہوا ہے تو اس انتقال کی نسبت اب ہاتھ کٹنے کی طرف نہیں کریں گے۔ تو یہ غصب مانعِ سرایت ہے ملکِ جدید کی طرح۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَإِنْ قَطَعَ الْمَوْلٰى، دوسری صورت کیا تھی کہ غصب صحیح کیا تھا، آقا نے وہاں جا کر اس کا ہاتھ کاٹا اور پھر وہیں پر وہ غاصب کے پاس مر گیا، اس میں کہتے ہیں: وَإِنْ قَطَعَ الْمَوْلٰى فِي يَدِ الْغَاصِبِ، اور جب آقا نے اس غلام کا ہاتھ کاٹا غاصب کے قبضے میں، اِسْتَوْلٰى عَلَيْهِ، تو آقا اس پر غالب ہو گیا، وہ آقا کے قبضے میں آگیا غلام، فَصَارَ مُسْتَرِدًّا، اِسْتَرَدَّ

یَسْتَرِدُّ کے معنیٰ ہیں واپس لینا، فَصَارَ مُسْتَرِدًّا، تو آقا جو ہے غلام کو واپس لینے والا ہو گیا، گویا اس نے غلام واپس لے لیا ہے، فَيَبْرَأُ الْغَاصِبُ عَنِ الضَّمَانِ، تو غاصب جو ہے وہ بری ہو جائے گا ضمان سے، اب اس پر ضمان نہیں آئے گا کیونکہ آقا نے گویا غلام واپس لے لیا، مَعَ أَنَّهُ مَاتَ فِي يَدِهِ، باوجود اس کے کہ وہ غلام جو ہے اسی غاصب کے قبضے میں مرا ہے، باوجود اس کے کہ یہ غلام غاصب کے قبضے میں مرا ہے، لیکن درمیان میں آقا کے قبضے میں آیا تھا یا نہیں؟ جب آقا کے قبضے میں آگیا تھا تو گویا آقا نے اس کو واپس لے لیا، اور جب واپس لے لے آقا کسی چیز کو غاصب سے تو پھر غاصب پر ضمان نہیں آتا، تو یہاں بھی ضمان نہیں آئے گا۔ اور نیز یہاں پر غصب کے بعد آقا نے ہاتھ کاٹا ہے، توجہ ہے؟ پہلی صورت میں ہاتھ کاٹنے کے بعد مرنے سے پہلے بیچ میں غصب آگیا تھا اور غصب کیا تھا؟ مانعِ سرایت، اس نے اس سرایت کو روک دیا تھا اور یوں سمجھیں گے جیسے آقا نے نہیں مارا، غاصب کے پاس غلام خود مرا ہے کسی آفت سے۔ اور یہاں پر غصب پہلے ہے اور قطعِ ید بعد میں، تو قطعِ ید اور موت کے درمیان غصب نہیں آرہا یہاں پر۔ لہٰذا یہ وہی قطعِ ید سرایت کر گیا اور کیا بن گیا؟ موت کا سبب بن گیا، اور وہ قطعِ ید تو کس نے کیا تھا؟ آقا نے، تو لہٰذا کہیں گے آقا نے ہی اس کو ہلاک کیا ہے، جب آقا نے ہلاک کیا ہے تو پھر غاصب پر ضمان کیوں؟ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے فَيَبْرَأُ الْغَاصِبُ عَنِ الضَّمَانِ مَعَ أَنَّهُ مَاتَ فِي يَدِهِ، تو وہ غاصب جو ہے وہ ضمان سے بری ہوگا باوجود اس کے کہ وہ غلام اس غاصب کے قبضے میں مرا ہے۔

وَضَمِنَ عَبْدٌ مَحْجُورٌ غَصَبَ مِثْلَهُ فَمَاتَ مَعَهُ. صورتِ مسئلہ یہ: ایک عبدِ محجور ہے، مدبر کی بات نہیں ہو رہی، کوئی عبدِ محجور ہے، عام غلام ہے جس پر پابندیاں ہیں، جس کو کوئی تجارت وغیرہ کی اجازت نہیں ہے۔ تو ایک عبدِ محجور ہے اور اس نے اپنے ہی جیسے ایک اور عبدِ محجور کو غصب کر لیا۔ ایک عبدِ محجور نے دوسرے عبدِ محجور کو غصب کر لیا، اور پھر وہ جو غصب شدہ تھا وہ اسی کے پاس مر گیا، غاصب کے پاس مر گیا۔ تو اس صورت میں ضمان آئے گا، وہ غصب کرنے والے غلام پر ضمان آئے گا۔

کہتے ہیں: وَضَمِنَ عَبْدٌ مَحْجُورٌ، اور ضامن ہوگا ایسا عبدِ محجور، غَصَبَ مِثْلَهُ، جس نے اپنے جیسے کو غصب کیا یعنی اس نے ایک اور عبدِ محجور کو غصب کیا، فَمَاتَ مَعَهُ، پھر وہ جو غصب کیا ہوا غلام تھا وہ مر گیا اس کے پاس۔ فَإِنَّ الْمَحْجُورَ مُؤَاخَذٌ بِأَفْعَالِهِ، اس لیے کیونکہ عبدِ محجور جو ہے وہ ماخوذ ہوتا ہے اپنے افعال کا، اس سے اس کے افعال کا مواخذہ ہوتا ہے، یعنی وہ اپنے افعال کا ذمہ دار ہوتا ہے، وہ اپنے افعال کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ فَإِنَّ الْمَحْجُورَ مُؤَاخَذٌ بِأَفْعَالِهِ، اس لیے کیونکہ عبدِ محجور جو ہے وہ ذمہ دار ہوتا ہے اپنے افعال کا۔

فَإِنْ كَانَ الْغَصْبُ ظَاهِرًا يُبَاعُ فِيهِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ ظَاهِرًا بَلْ أَقَرَّ بِهِ لَا يُبَاعُ فِيهِ، بَلْ يُؤَاخَذُ بِهِ إِذَا أُعْتِقَ. بھئی پھر یاد رکھو، یہ اپنے افعال کا ذمہ دار ہے، پھر اس غصب میں دیکھیں گے: کیا یہ غصب ظاہر تھا؟ یعنی لوگوں کے سامنے تھا؟ لوگوں کو پتا تھا کہ یہ والا غلام دوسرے غلام کو غصب کر کے لے گیا ہے؟ تو اگر ظاہر تھا، سب کو پتا ہے، سب کے سامنے غصب کیا ہے، تو پھر تو اس غلام کو بیچ کر وہ ضمان ادا کیا جائے گا، وہ ضمان کیا کیا جائے گا؟ ادا کیا جائے گا۔ جنایت اس غاصب نے

کی ہے نا، غاصب غلام نے، تو اس میں کیا کیا جاتا ہے؟ جب غلام کسی کا نقصان کرتا ہے تو غلام کو بیچ کر اس کا نقصان ادا کرتے ہیں، تو یہاں بھی کیا کریں گے؟ اس کا نقصان ادا کریں گے۔

اور اگر وہ غصب ظاہر نہیں تھا، کسی کو نہیں پتا تھا، ہاں صرف اس نے اقرار کیا ہے، تو یاد رکھیے آپ پڑھ چکے ہیں: غلام کا اقرار آقا پر نافذ نہیں ہوتا بھائی۔ غلام کا اقرار اس کے اپنے حق میں تو ٹھیک ہے، لیکن آقا کے حق میں ٹھیک نہیں۔ لہٰذا اس صورت میں اب اس غلام کو بیچ کر وہ ضمان ادا نہیں کریں گے کیونکہ پھر تو آقا کا نقصان ہوتا ہے، اور یہ جرم تو صرف اقرار سے ثابت ہو رہا ہے، کسی کو اس کا پتا نہیں تھا۔ تو اس اقرار کی وجہ سے آقا پر ضمان نہیں لائیں گے اور یہ غلام اس کو بیچنے کا نہیں کہیں گے۔ ہاں، البتہ جب یہ غلام آزاد ہو جائے گا، یہ جس نے غصب کیا تھا، پھر اس کے اقرار کی وجہ سے اس کا مواخذہ ہوگا اور اس سے اس مغصوب غلام کی قیمت وصول کی جائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنیٰ ہے: فَإِنْ كَانَ الْغَصْبُ ظَاهِرًا يُبَاعُ فِيهِ، اگر وہ غصب جو تھا وہ ظاہر تھا یعنی لوگوں کے سامنے تھا تو يُبَاعُ فِيهِ تو اس کے اندر اس غاصب کو بیچا جائے گا، اس غاصب غلام کو۔ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ ظَاهِرًا، اور اگر وہ غصب ظاہر نہیں تھا، بَلْ أَقَرَّ بِهِ، بلکہ اس غلام نے اس کا اقرار کیا ہے، ویسے کسی کو پتا ہی نہیں تھا، تو لَا يُبَاعُ فِيهِ، تو اس کے اندر اس عبدِ محجور کو نہیں بیچا جائے گا، بَلْ يُؤَاخَذُ بِهِ إِذَا أُعْتِقَ، بلکہ اس کا مواخذہ ہوگا جب اس کو آزاد کر دیا جائے۔

فَإِنْ جَنٰى مُدَبَّرٌ عِنْدَ غَاصِبِهِ ثُمَّ عِنْدَ سَيِّدِهِ أَوْ عَكْسٌ ضَمِنَ قِيمَتَهُ لَهُمَا وَرَجَعَ بِنِصْفِهِمَا عَلَى الْغَاصِبِ وَدَفَعَ إِلَى الْأَوَّلِ، ثُمَّ فِي الْأُوْلٰى رَجَعَ بِهِ عَلَى الْغَاصِبِ وَفِي الثَّانِيَةِ لَا.[۲]

صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک غاصب نے ایک مدبر کو غصب کر لیا۔ توجہ ہے؟ ایک غاصب نے مدبر کو غصب کر لیا، اور پھر اس غاصب کے پاس اس مدبر نے جنایت کی۔ پھر جب اس نے دیکھا یہ غلام تو جنایتیں کرنے والا ہے، اس نے مالک کو واپس لوٹا دیا۔ اور مالک کے پاس آکر پھر اس غلام نے ایک اور جنایت کی، دوسری جنایت کی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یا اس کا برعکس کر لیں: ایک غلام نے آقا کے پاس جنایت کی، پھر اس کو کسی نے غصب کر لیا، اور پھر اس غاصب کے پاس اس غلام نے دوسری جنایت کی اور پھر اس نے واپس کر دیا۔ یہ ذرا لمبی بحث ہے، پھر سمجھ لو۔ پہلی صورت ذرا اب سمجھ لو، صرف پہلی صورت، کہ ایک غاصب نے ایک مدبر کو غصب کر لیا اور مدبر نے غاصب کے قبضے میں جب یہ تھا اس وقت اس نے جنایت کر دی، کسی کا ہاتھ کاٹ دیا،

اور پھر اس غاصب نے یہ غلام آقا کو واپس کر دیا اور پھر اس نے آقا کے پاس آکر دوسری جنایت کر دی۔ تو پہلی

---

[۲] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۸۴):** صوتی درس کی قراءت میں «فَإِنْ جَنٰى مُدَبَّرٌ عِنْدَ غَاصِبِهِ ثُمَّ عِنْدَ سَيِّدِهِ أَوْ عَكْسٌ ضَمِنَ قِيمَتَهُ لَهُمَا وَرَجَعَ بِنِصْفِهِمَا عَلَى الْغَاصِبِ وَدَفَعَ إِلَى الْأَوَّلِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فإن جنى مُدبَّرٌ عند غاصبِه، ثمَّ عند سيِّدِه أو عكس، ضَمِنَ قيمتَهُ لهما، ورجعَ بنصفِها على الغاصب، ودفعَ إلى الأوَّل،» منقول ہے۔

جنایت کس کے پاس؟ غاصب کے پاس، اور دوسری جنایت آقا کے پاس۔ تو اس صورت میں یاد رکھو آقا جو ہے وہ ضامن ہوگا دونوں جنایتوں کا۔ توجہ ہے؟ اس کا مدبر ہے نا۔ لہٰذا یہ پورے مدبر کی قیمت نکالے گا اور آدھی ایک جنایت والے کو دے دے گا اور آدھی دوسری جنایت والے کو، فرض کرو دونوں کی جنایتیں برابر ہیں، دونوں کے ہاتھ کاٹے ہیں، تو آدھی قیمت ایک کو دے دے گا اور آدھی قیمت دوسرے کو دے دے گا۔ پھر اس کے بعد یہ جو پہلی جنایت والے کو اس نے آدھی قیمت دی، یہ جنایت کہاں پر ہوئی تھی؟ غاصب کے پاس۔ تو غاصب کی وجہ سے یہ مال آقا پر آیا، لہٰذا آقا رجوع کرے گا اور جا کر غاصب سے آدھی قیمت لے لے گا۔ توجہ ہے؟ آقا آدھی قیمت لے آیا۔ وہ جو پہلی جنایت والا ہے اس کو پتا چلا کہ آقا آدھے پیسے لے آیا ہے، تو وہ پہلی والا پھر آئے گا اور آکر یہ آدھے بھی اس سے لے لے گا۔ پھر اس کے بعد آقا دوبارہ جائے گا کس کے پاس؟ غاصب کے پاس، اور اس سے آدھی قیمت اور نکال لے گا، اور یہ پھر آقا کے پاس رہیں گے۔

صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ ذرا ٹیڑھی سی صورت ہے، پھر سمجھو کہ غلام مدبر تھا، ایک جنایت اس نے پہلی جنایت غاصب کے پاس کی اور دوسری جنایت اس نے آقا کے پاس کی۔ اب یاد رکھو جب پہلی جنایت کی، تو جب کوئی غلام جنایت کرے تو جنایت میں پورا غلام دیا جاتا ہے، بشرطیکہ جنایت اس سے بھی بڑی کی ہے تو کیا کرنا پڑے گا؟ پورا غلام، اقل آجاتا ہے نا، کم از کم قیمت تو ضرور دینی ہے، تو پورا غلام دینا پڑتا ہے۔ لیکن یہاں آقا نے اس غلام کو مدبر بنا دیا ہوا ہے، یہ غلام تو دیا نہیں جا سکتا، لہٰذا آقا کو قیمت دینی پڑے گی۔ آپ نے پڑھا ہے قیمت اور ارش میں سے جو اقل ہو وہ آئے گا، اور یہاں مثلاً قیمت اقل ہے تو آقا کو قیمت دینی پڑے گی۔ توجہ ہے؟ اب پہلی جنایت والا جو ہے مثلاً اس کا اتنا نقصان ہوا کہ پوری قیمت سے بھی وہ نقصان پورا نہیں ہوتا، تو وہ کم از کم پوری قیمت تو ضرور لے گا، اقل تو ضرور لے گا نا، تو وہ پوری قیمت کا حق دار ٹھہرا۔ کس کا حق دار ٹھہرا؟ پوری قیمت کا۔ توجہ سے، پوری قیمت کا حق دار ٹھہرا کیونکہ اس وقت اور کوئی جنایت نہیں تھی، صرف ایک جنایت تھی، اور ایک جنایت ہو تو وہ پوری قیمت لے لیتا ہے بشرطیکہ اس کا نقصان اس سے بھی زیادہ ہوا ہو۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو وہ پوری قیمت کا حق دار ٹھہرا۔

اس کے بعد دوسری جنایت کی غلام نے، اور دوسری جنایت جب کی تو پہلی جنایت بھی موجود ہے۔ تو دوسری جنایت والے کا حق صرف آدھی قیمت ہے، پوری نہیں کیونکہ ایک جنایت پہلے سے موجود ہے۔ اور پہلی والے کا حق کتنا بنتا ہے؟ پوری قیمت بنتا ہے کیونکہ اس وقت دوسری جنایت موجود نہیں۔ تو گویا پہلے کا حق ہوا پوری قیمت، اور دوسرے کا حق ہوا آدھی قیمت۔ اور یہ جو پوری قیمت ہے، پوری قیمت والی پہلی جنایت، اس کا سبب کون بنا؟ غاصب بنا۔ تو لہٰذا غاصب پر پوری قیمت آئے گی۔ توجہ ہے؟ غاصب پر پوری قیمت آئے گی۔ یہ ہے مسئلے کی صورت بھائی پوری۔

پہلی جنایت والا حق دار ہے کس کا؟ پوری قیمت کا، اور دوسری جنایت والا حق دار ہے آدھی قیمت کا، اور غاصب پر ضمان کتنا آنا چاہیے؟ پوری قیمت۔ توجہ ہے؟ پھر سمجھ لیں اب میں پھر آگے مسئلے کی تفصیل بیان کرنے لگا ہوں: پہلی جنایت جس کی ہوئی اس کا حق کتنا بنتا ہے؟ پوری قیمت۔ دوسری جنایت والے کا حق کتنا بنتا ہے؟ آدھی قیمت۔ اور غاصب

کے اوپر ضمان کتنا آنا چاہیے؟ پوری قیمت، کیونکہ پہلی جنایت غاصب کے پاس ہوئی اور پہلی جنایت کی وجہ سے کتنا دینا پڑے گا؟ پوری قیمت، تو وہ غاصب پر آئے گی۔ اب بات سمجھ میں آگئی؟

اب تفصیل سنو، اب یہ حل ہو جائے گا کہ ہوا کیسے۔ دیکھو غلام نے ایک جنایت غاصب کے پاس کی، غلام نے دوسری جنایت آقا کے پاس کی، لہٰذا آقا پر ضمان آیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا غلام دے دے، لیکن آقا نے تو مدبر بنایا ہوا ہے، غلام تو دے نہیں سکتے، تو آقا پر ضمان آیا کہ یہ تم نے گویا جرم کیا ان کا حق روک لیا۔ اور کتنا حق روکا؟ مدبر کو روکا ہے تو اس کی قیمت اس کا قائم مقام ہو جائے گی، تو آقا کو پوری قیمت دینا پڑے گی۔ توجہ ہے؟ پوری قیمت اب وہ ایک کو تو نہیں دے گا، جنایتیں دو ہیں، تو لہٰذا آدھی قیمت پہلی جنایت والے کو دے دے گا اور آدھی قیمت دوسری جنایت والے کو۔ پہلی جنایت والے کو کتنا ملا؟ آدھا، اور ابھی آدھا باقی ہے۔ اور یہ جو پہلی جنایت والے کو آدھا دینا پڑا یہ کس کی وجہ سے دینا پڑا؟ غاصب کی۔ لہٰذا آقا جائے گا اور اس غاصب سے آدھی قیمت لے آئے گا۔ توجہ ہے؟ غاصب سے ابھی صرف آدھی لی ہے، آدھی قیمت لے آیا۔ وہ جو پہلی جنایت والا ہے اس کو پتا چلا کہ آقا کے پاس فالتو مال آگیا ہے غلام کے بدلے میں ہی، اور میرا تو ابھی پورے میں حق بنتا تھا، وہ آئے گا اور آکر یہ آدھی بھی اس سے لے جائے گا۔ تو پہلی جنایت والے کو پوری قیمت مل گئی۔ پہلی جنایت والے کو پوری قیمت مل گئی، اور یہ پوری قیمت کس کی وجہ سے گئی؟ غاصب کی وجہ سے۔ اور غاصب سے ابھی کتنا وصول ہوا ہے؟ آدھا۔ لہٰذا آقا دوبارہ رجوع کرے گا اور مزید آدھی قیمت اس سے لے آئے گا، اور یہ آقا کی ہو جائے گی۔ اب مسئلہ پورا ہوگیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ تھا شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک، امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک۔ وہ فرماتے ہیں کہ جنایتِ اولیٰ کا حق پوری قیمت بنتی ہے اور جنایتِ ثانیہ والے کا حق آدھی قیمت بنتی ہے۔ لہٰذا جب آقا پر ضمان آیا تو وہ پوری ایک قیمت دے گا: آدھی ایک کو دے دے گا، آدھی دوسری کو۔ اور یہ جو پہلی جنایت والے کو آدھی قیمت دینا پڑی اس کا سبب کون بنا؟ غاصب، چنانچہ وہ جائے گا اور غاصب سے آدھی قیمت وصول کر کے لے آئے گا۔ اور پہلی جنایت والے کو تو ابھی آدھی قیمت ملی ہے اور اس کا حق تو پوری میں بنتا ہے، اس کو پتا چلا آقا کے پاس مزید مال آگیا ہے غلام کے بدلے میں ہی، چنانچہ وہ آئے گا اور مزید آدھی لے جائے گا، اس کے پاس پوری قیمت پہنچ گئی بھائی۔ لیکن آقا کے ہاتھ سے پھر وہ جو آدھی قیمت لایا تھا وہ نکل گئی، کس کی وجہ سے نکلی؟ غاصب کی وجہ سے۔ لہٰذا آقا پھر جائے گا، غاصب سے آدھی قیمت لی تھی اب مزید آدھی لے لے گا۔ وہ جو پہلی جنایت والے کو پوری قیمت دینا پڑی اس کا سبب کون بنا تھا؟ غاصب۔ اور غاصب سے پہلے آدھی قیمت لی تھی، اب مزید آدھی لے لیں گے تاکہ وہ پوری قیمت اس سے وصول ہو جائے۔ اور وہ آدھی جب لے آئے گا وہ آقا اب اپنے پاس رکھ لے گا۔ گویا آقا کے ہاتھ سے آدھی قیمت نکلی ہے، آدھی اس کے پاس بچ گئی وہ اس کی اپنی ہوگئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور پہلی جنایت والے کو پوری قیمت مل گئی، اور دوسری جنایت والے کو آدھی قیمت

مل گئی، اور غاصب کی وجہ سے پہلی جنایت میں پوری قیمت واجب ہوئی تھی تو وہ پوری قیمت اس سے وصول ہوگئی۔ یہ کس کے نزدیک ہے؟ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک۔

جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو پہلی جنایت والا ہے وہ باقی کے آدھے نہیں لے گا، اس کو آدھی قیمت ہی ملے گی۔ امام محمد رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ اس کو پہلی والے کو بھی آدھی قیمت ہی ملے گی، وہ باقی کے آدھے وصول نہیں کر سکتا۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں دیکھو، پھر سنو مسئلہ، امام محمد رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ وہ فرماتے ہیں کہ جب پہلی جنایت کس کے پاس ہوئی؟ غاصب کے پاس، اور دوسری کس کے پاس ہوئی؟ آقا کے پاس۔ آقا نے ضمان دینا ہے، تو وہ پوری قیمت آقا نکالے گا: آدھی دوسری جنایت والے کو دے دے گا اور آدھی پہلی جنایت والے کو۔ توجہ سے، آدھی پہلی جنایت والے کو دے دی، اور یہ پہلی جنایت والے کو آدھا کیوں دینا پڑا؟ غاصب کی وجہ سے، کس کی وجہ سے؟ غاصب۔ لہٰذا آقا جائے گا اور آدھی قیمت غاصب سے لے آئے گا۔ آدھی قیمت لے آیا۔ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک کیا تھا؟ یہ جو آدھی لایا ہے یہ بھی کون لے لے گا؟ یہ جو آدھی قیمت غاصب سے وہ لے آیا ہے یہ پہلی جنایت والا ہی لے لے گا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ لیکن امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، یہ جو غاصب سے آدھی قیمت لایا ہے یہ پہلی جنایت والے کو نہیں دیں گے۔ بھئی کیوں نہیں دیں گے؟ وہ فرماتے ہیں اس لیے، توجہ سے سنو، وہ فرماتے ہیں اس لیے کہ یہ جو آقا آدھی قیمت لایا ہے غاصب سے یہ کس کے بدلے لایا؟ یہ جو پہلے والے کو آدھی قیمت دینا پڑی۔ پہلے والے کو آدھی قیمت... تو پہلے والے کو جو آدھی قیمت دی تھی وہ تھی مبدل، اور اسی کے بدلے میں آقا غاصب سے آدھے پیسے لے آیا۔ توجہ ہے؟ پہلے والے کو آقا نے جو آدھے پیسے دیے، آدھی قیمت دی تھی، وہ آدھی قیمت کس کی وجہ سے دینی پڑی؟ غاصب۔ تو آقا جائے گا اور غاصب سے آدھی قیمت لے آئے گا۔ لیکن یہ والی آدھی قیمت اب وہ پہلی جنایت والے کو نہیں دے گا، اس لیے کیونکہ پہلی جنایت والے کو جو دیا تھا وہ تھا مبدل۔ آقا یہ آدھی قیمت کیوں لایا؟ غاصب سے کیوں لایا آدھی قیمت؟ یہ بدل ہے جو آقا کو پہلی جنایت والے کو دینا پڑا۔ آقا کو پہلی جنایت والے کو جو پیسے دینے پڑے غاصب کی وجہ سے یہ اس کا بدل ہے۔ تو گویا پہلی جنایت والے کو جو آدھی قیمت مل چکی ہے وہ ہے مبدل، اور یہ جو اب غاصب سے اس کا بدل لے آیا آقا، تو یہ بدل اب اس پہلی جنایت والے کو نہیں دیں گے، ورنہ تو بدل اور مبدل منہ ایک ہی آدمی کے پاس اکٹھے ہو جائیں گے، اور بدل اور مبدل منہ دونوں کا مالک ایک ہی آدمی بن جائے یہ درست نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

مثلاً میں آپ سے قلم لیتا ہوں اور بدلے میں آپ کو ایک کتاب دے دیتا ہوں۔ تو یہ قلم بدل ہے کس کا؟ کتاب کا۔ تو اب بدل دیکھو ایک چیز آپ کے پاس ہے، مثلاً بدل آپ کے پاس ہے تو مبدل میرے پاس ہے۔ اب یہ نہیں ہو سکتا کہ بدل اور مبدل دونوں کا مالک ایک ہی کو بنا دیا جائے۔ یہ قلم اور کتاب دونوں کا مالک آپ کو بنا دیں، یہ تو بدل اور مبدل دونوں ایک کی طرف جمع ہوگئے۔ یا دونوں کا مالک مجھے بنا دیں، یہ تو بدل اور مبدل دونوں ایک کے پاس جمع ہوگئے۔ بدل

اور مبدل ایک کے پاس جمع نہیں ہوتے۔ دونوں ایک... یعنی دونوں کا مالک ایک شخص نہیں ہوتا۔ جیسے بیع میں دیکھتے ہو، بیع کے اندر آپ قیمت دیتے ہیں اور کوئی چیز خرید لیتے ہیں، تو وہ قیمت کیا ہے؟ اس کا بدل ہے۔ آپ نے ایک کلو چینی لی اور سو روپیہ ادا کر دیا، تو یہ سو روپیہ کیا ہے؟ چینی کا بدل ہے۔ تو اب چینی کے مالک آپ بن گئے اور سو روپے کا مالک وہ دکاندار بن گیا۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا وہ سو روپے کا بھی مالک بن جائے اور چینی کا بھی مالک بن جائے، کیونکہ بدل اور مبدل دونوں ایک ہی آدمی مالک بن جائے یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ چینی کے بھی مالک بن جائیں اور سو روپے کے بھی آپ مالک بن جائیں، کیونکہ بدل اور مبدل دونوں کا مالک ایک شخص نہیں ہو سکتا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں پھر سنو: جب دو جنایتیں ہوئیں تو آقا کو کیا کرنا پڑا؟ تو آقا پر ایک ہی قیمت آئی۔ آقا نے آدھی قیمت پہلی جنایت والے کو دی اور آدھی قیمت دوسری جنایت والے کو۔ لیکن یہ پہلی جنایت، اس کا سبب کون بنا تھا؟ غاصب بنا تھا، اس کو آدھی قیمت جو دینا پڑی وہ غاصب کی وجہ سے دینا پڑی پہلی جنایت والے کو۔ چنانچہ آقا جائے گا اور جا کر غاصب سے وہ آدھی قیمت لے آئے گا۔ تو یہ جو قیمت غاصب سے لایا یہ بدل ہے کس کا؟ وہ جو پہلی جنایت والے کو دیا تھا، تو وہ تھا مبدل اور یہ ہے بدل۔ لہٰذا یہ بدل اب پہلی جنایت والے کو نہیں دیں گے ورنہ کیا خرابی لازم آئے گی؟ اس کے پاس تو مبدل پہلے ہی ہے، بدل بھی اس کو دے دیں تو بدل اور مبدل ایک ہی شخص کے پاس اکٹھے ہو جائیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک بس مسئلہ اتنا ہی ہوگا: ایک ہی دفعہ رجوع کرے گا آقا اور آدھی قیمت لے آئے گا اور خود رکھ لے گا، اور دونوں جنایتوں والوں کو آدھی آدھی قیمت ہی ملے گی، اور غاصب پر بھی آدھی قیمت ہی کا ضمان آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دوسری صورت: اگر غلام نے پہلی جنایت آقا کے پاس کی، کس کے پاس؟ آقا کے پاس کی، اور دوسری جنایت غاصب کے پاس کی۔ توجہ ہے؟ اب مسئلہ برعکس ہے: پہلی جنایت کی ہے آقا کے پاس، اور دوسری جنایت کی ہے غاصب کے پاس۔ تو اس صورت میں پھر دو جنایتیں ہو گئیں۔ آقا پوری قیمت نکالے گا اور آدھی قیمت پہلی جنایت والے کو دے گا اور آدھی قیمت دوسری جنایت والے کو دے گا۔ اور یہ جو دوسری جنایت والے کو آدھا دیا، یہ کس کی وجہ سے دیا؟ غاصب کی وجہ سے، کیونکہ دوسری جنایت غاصب کے پاس کی تھی۔ تو اب آقا جائے گا اور غاصب سے آدھی قیمت لے آئے گا۔ اور پھر یاد رکھو یہ جو آقا آدھی قیمت لے آیا یہ پھر پہلی جنایت والا اس سے لے لے گا، پہلی جنایت والا اس سے لے لے گا۔ کیونکہ پہلی جنایت والے کا حق کتنا بنتا ہے؟ پوری قیمت، اور دوسری جنایت والے کا حق کتنا بنتا ہے؟ آدھی قیمت۔ پہلی جنایت والے کا حق پوری قیمت کیوں بنتا ہے؟ کیونکہ اس وقت جب اس کی جنایت ہوئی تھی اس وقت مقابلے میں اور کوئی جنایت نہیں تھی۔ جب اور کوئی جنایت نہیں تھی تو اس کا حق پوری قیمت بن گیا۔ اور جب دوسری جنایت ہوئی اس وقت تو پہلی جنایت موجود تھی، لہٰذا اس کا حق آدھی قیمت ہوا نہ کہ پوری قیمت۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر سنیں، کیا صورت کہ اگر پہلی

جنایت کس کے پاس کی؟ آقا کے پاس، اور دوسری جنایت

جنایت غاصب کے پاس، تو اس صورت میں آقا ضامن ہوگا پوری قیمت کا: آدھی قیمت پہلی جنایت والے کو دے دے گا اور آدھی قیمت دوسری جنایت والے کو۔ اور یہ دوسری جنایت والے کو آدھی قیمت چونکہ غاصب کی وجہ سے دینی پڑی، تو غاصب پر رجوع کرے گا اور اس سے آدھی قیمت لے آئے گا۔ اور پہلی جنایت والے کو ابھی کتنا ملا ہے؟ آدھی قیمت ملی، تو یہ جو باقی آدھی آقا لے آیا غاصب سے، یہ بھی پہلی جنایت والا آکر اس سے لے لے گا، کیونکہ پہلی جنایت والے کا حق پوری قیمت ہے۔ تو وہ لے لے گا اس سے۔ تو پوری قیمت کس کو مل گئی؟ پہلی جنایت والے کو، اور آدھی قیمت کس کو مل گئی؟ دوسری جنایت والے کو، اور آقا کے ہاتھ سے پوری قیمت نکل گئی۔ ٹھیک ہے، جنایت میں پوری قیمت آتی ہے آقا پر۔ تو گویا نقصان کتنا ہوا؟ ڈیڑھ قیمت کا، ڈیڑھ قیمت: پوری پہلی جنایت والے کو اور آدھی دوسری جنایت والے کو۔ ضمان کتنا دینا پڑا؟ ڈیڑھ جنایت۔ اور ڈیڑھ میں سے ایک پورا کس پر آگیا؟ آقا پر، اور آدھا کس پر آگیا؟ غاصب پر آگیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اچھا، دیکھیے بھائی اب کتاب پر۔ کہتے ہیں: فَإِنْ جَنٰى مُدَبَّرٌ عِنْدَ غَاصِبِهِ، اگر جنایت کی مدبر نے اپنے غاصب کے پاس یعنی پہلی جنایت کی، ثُمَّ عِنْدَ سَيِّدِهِ، پھر دوسری جنایت اپنے آقا کے پاس کی، أَوْ عَكْسٌ، یا اس کا برعکس تھا، یعنی پہلی جنایت آقا کے پاس اور دوسری جنایت غاصب کے پاس۔ تو کہتے ہیں: ضَمِنَ قِيمَتَهُ لَهُمَا، تو آقا جو ہے وہ اس مدبر کی قیمت کا ضامن ہوگا لَهُمَا ان دونوں جنایت والوں کے لیے، پوری قیمت دے گا۔ وَرَجَعَ بِنِصْفِهَا عَلَى الْغَاصِبِ، اور پھر آقا جو ہے وہ رجوع کرے گا اس قیمت کے نصف کے ساتھ عَلَى الْغَاصِبِ کس پر؟ غاصب پر۔ وَدَفَعَ إِلَى الْأَوَّلِ، اور پھر یہ جو آدھا لے آیا اس سے، یہ پھر کس کو دے دے گا؟ پہلی جنایت والے کو۔ دونوں صورتوں میں، چاہے پہلی جنایت آقا کے پاس ہوئی ہو، چاہے غاصب کے پاس، دونوں صورتوں میں جو پہلی مرتبہ رجوع کے بعد آدھی قیمت آتی ہے وہ کس کو دینی پڑے گی؟ پہلی جنایت والے کو، تاکہ اس کو پوری قیمت مل جائے، تاکہ اس کو پوری قیمت مل جائے۔

ثُمَّ فِي الْأُولٰى، اچھا پھر پہلی صورت میں آقا نے دو دفعہ رجوع کیا تھا۔ جب پہلی جنایت غاصب کے پاس تھی اور دوسری جنایت آقا کے پاس تھی، اس صورت میں آقا نے دو دفعہ رجوع کیا تھا۔ کیوں دو دفعہ رجوع کیا تھا؟ کیونکہ پہلی جنایت غاصب کے پاس پائی گئی تھی اور پہلی جنایت کی وجہ سے پوری قیمت دینا پڑ رہی ہے پہلی جنایت والے کو، تو اس سے ایک دفعہ آدھا وصول کریں گے، آدھی قیمت، اور دوسری دفعہ دوبارہ کیا کریں گے؟ آدھی قیمت وصول کریں گے۔ توجہ ہے کہ نہیں ہے میرا؟ توجہ نہیں ہے۔

بھئی پہلی جنایت والے کا حق کتنا؟ پوری قیمت۔ اور دوسری جنایت والے کا حق کتنا؟ آدھی قیمت۔ اور جب پہلی جنایت غاصب کے پاس ہوئی تو غاصب پر دو دفعہ رجوع کریں گے کیونکہ ایک رجوع میں تو ہم آدھی قیمت اس سے لیتے ہیں،

اور پہلی جنایت کس کے پاس ہوئی ہے؟ غاصب کے پاس، تو اس جنایت کی وجہ سے کتنا ضمان آیا؟ پوری قیمت کا۔ اور جب آقا اس پر رجوع کرتا ہے ایک دفعہ میں تو کتنی لیتا ہے؟ آدھی قیمت۔ اور وہ آدھی قیمت جب پہلے کو دے دیتا ہے تو پھر دوبارہ رجوع کر کے دوبارہ اس سے آدھی قیمت لے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو وہ صورت جس میں پہلی جنایت کس کے پاس ہوئی تھی؟ غاصب کے پاس، تو اس صورت میں غاصب پر دو دفعہ رجوع ہوگا شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک، اور ہر رجوع میں آدھی آدھی قیمت نکلے گی تو گویا پوری قیمت اس سے وصول ہوگئی۔ اور اس صورت میں جب کہ پہلی جنایت آقا کے پاس ہوئی ہے، تو اس صورت میں بھی پوری قیمت کس کو دینا پڑے گی؟ پہلی جنایت والے کو، لیکن اس میں غاصب پر ایک ہی دفعہ رجوع ہوگا، دوبارہ رجوع نہیں ہوگا، کیونکہ وہاں غاصب کے پاس دوسری جنایت ہوئی ہے اور دوسری جنایت میں تو آدھی قیمت آتی ہے، اور ایک دفعہ جب رجوع کریں گے تو آدھی قیمت تو نکل آئے گی، تو دوبارہ رجوع نہیں کریں گے۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

تو یہ بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: ثُمَّ فِي الْأُوْلٰى، پھر پہلی صورت میں (پہلی صورت کون سی تھی؟ جب پہلی جنایت غاصب کے پاس کی تھی)، اس میں رَجَعَ بِهِ عَلَى الْغَاصِبِ، وہ آقا رجوع کرے گا اس نصف کے ساتھ دوبارہ کس پر؟ غاصب پر۔ ایک دفعہ پہلے رجوع کر چکا ہے، اب دوبارہ رجوع کرے گا۔ وَفِي الثَّانِيَةِ لَا، اور دوسری صورت میں دوبارہ رجوع نہیں کرے گا۔

أَيْ غَصَبَ رَجُلٌ مُدَبَّرًا، یعنی غصب کیا ایک آدمی نے کسی مدبر کو، فَجَنٰى عِنْدَهُ خَطَأً، پھر جنایت کی اس مدبر نے عِنْدَهُ اس غاصب کے پاس خَطَأً غلطی سے، ثُمَّ رَدَّهُ عَلَى الْمَوْلٰى، پھر غاصب نے غلام واپس لوٹا دیا آقا کو، فَجَنٰى عِنْدَهُ خَطَأً، پھر اس مدبر نے دوسری جنایت کر دی آقا کے پاس غلطی سے، أَوْ كَانَ الْأَمْرُ بِالْعَكْسِ، یا معاملہ جو تھا اس کے برعکس تھا کہ پہلی جنایت آقا کے پاس کی اور دوسری جنایت غاصب کے پاس کی۔ خود بتلا رہے ہیں برعکس کیسے تھا: أَيْ جَنٰى عِنْدَ الْمَوْلٰى خَطَأً، ثُمَّ غَصَبَهُ رَجُلٌ، فَجَنٰى عِنْدَهُ خَطَأً، کہ جنایت کی اس نے آقا کے پاس غلطی سے، پھر اس غلام کو غصب کر لیا ایک آدمی نے، تو اس نے دوسری جنایت کی اس غاصب کے پاس غلطی سے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟

فَفِي الصُّورَتَيْنِ، تو دونوں صورتوں میں يَضْمَنُ الْمَوْلٰى قِيمَتَهُ لِأَجْلِ الْجِنَايَتَيْنِ، تو دونوں صورتوں میں آقا جو ہے وہ ضامن ہوگا اس پورے مدبر کی قیمت کا لِأَجْلِ الْجِنَايَتَيْنِ دو جنایتوں کی وجہ سے۔ ثُمَّ يَرْجِعُ بِنِصْفِهَا عَلَى الْغَاصِبِ، پھر آقا رجوع کرے گا اس کی نصف قیمت کے ساتھ غاصب پر۔ ثُمَّ يَدْفَعُ هٰذَا النِّصْفَ إِلٰى وَلِيِّ الْجِنَايَةِ الْأُوْلٰى، پھر آقا حوالے کر دے گا یہ نصف جنایتِ اولیٰ والے کو (یہ آدھا کس کو دے دے گا؟ جنایتِ اولیٰ کے ولی کو، کون سا آدھا؟ جو کہاں سے لایا ہے؟ غاصب سے)، دُونَ الثَّانِيَةِ، دوسرے کو نہیں دے گا، پہلے کو یہ آدھا دے دے گا۔ دُونَ الثَّانِيَةِ، دوسری جنایت والے کو نہیں دے گا کیونکہ دوسری جنایت والے کا حق تو آدھی قیمت بنتا تھا اور وہ آدھی قیمت تو اس کو مل چکی ہے۔ یہ معنیٰ ہے کہ ثُمَّ يَدْفَعُ هٰذَا النِّصْفَ إِلٰى وَلِيِّ الْجِنَايَةِ الْأُوْلٰى دُونَ الثَّانِيَةِ، پھر حوالے کر دے گا یہ والا نصف پہلی جنایت والے کے نہ کہ

دوسری جنایت والے کے۔

بھئی دوسری جنایت والے کو کیوں نہیں دیں گے؟ میں نے بتلا دیا کیونکہ اس کا حق بنتا ہی آدھے میں ہے کیونکہ اس سے پہلے ایک اور جنایت موجود ہے اس کا بھی حق ہے۔ یہ معنیٰ، دیکھو خود وجہ ذکر کر رہے ہیں: لِأَنَّ حَقَّهُ لَمْ يَجِبْ إِلَّا وَالْمُزَاحِمُ قَائِمٌ، اس لیے کیونکہ دوسری جنایت والے کا حق لَمْ يَجِبْ وہ واجب نہیں ہوا إِلَّا وَالْمُزَاحِمُ قَائِمٌ مگر یہ کہ مقابل موجود تھا۔ ادھر دیکھو، دوسری جنایت والے کا جب حق آیا تو پہلی جنایت یعنی اس کا مقابل جو تھا... دوسری کا مقابل پہلی جنایت ہے نا۔ دیکھو جب پہلی جنایت ہوئی تب تو دوسری موجود نہیں تھی، لہٰذا پہلے کا حق پوری قیمت، اور دوسری جنایت جب ہوئی تو اس کا مقابل یعنی مزاحم یعنی پہلی جنایت موجود تھی، تو اس کا حق آدھا ہوا، پورا نہ ہوا۔ یہی ذکر کر رہے ہیں: لِأَنَّ حَقَّهُ لَمْ يَجِبْ إِلَّا وَالْمُزَاحِمُ قَائِمٌ، اس لیے کیونکہ دوسری جنایت والے کا حق واجب نہیں ہوا مگر یہ کہ اس کا مقابل موجود تھا، یعنی پہلی جنایت موجود تھی۔ فَلَمْ يَجِبْ، لہٰذا... یہاں ہونا چاہیے إِلَّا النِّصْفُ بھائی، فَلَمْ يَجِبْ إِلَّا النِّصْفُ، تو اس کا حق واجب نہیں ہوا مگر آدھا، آدھی قیمت واجب ہوئی۔ تو بہرحال یہ باقی کسی نسخے میں یہاں إِلَّا النِّصْفُ نہیں ہے۔ یا یوں کہہ لو کہ جو کہا نا یہ جو... ادھر دیکھو، جو آقا نے رجوع کیا غاصب پر اور اس سے آدھی قیمت لے آیا، ابھی انہوں نے بتایا وہ آدھی قیمت پہلی جنایت والے کو دے گا دوسرے کو نہیں دے گا، شاید اس کی طرف پھر اشارہ ہو کہ یہ دوسرے کو دینا واجب نہ ہوا کیونکہ یہ اس کا حق نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ فَلَمْ يَجِبْ، یہ جو وصول کر کے آقا لایا ہے یہ دوسرے کو دینا واجب نہیں کیونکہ یہ اس کا حق نہیں ہے۔ یا فَلَمْ يَجِبْ إِلَّا النِّصْفُ، دوسرے کا حق واجب نہیں ہوا مگر آدھا اور وہ اس کو مل چکا ہے۔ تو جیسے بھی عبارت آپ...

اچھا جی، بات سمجھ میں آگئی؟ کہتے ہیں: فَإِذَا دَفَعَ، پھر جب آقا نے اس کو دے دیا، توجہ ہے؟ آقا نے آدھی آدھی قیمت دونوں کو دے دی، اور پھر غاصب پر رجوع کر کے آدھی قیمت لے آیا، اور آدھی قیمت لا کے پھر کس کو دے دی؟ پہلی جنایت والے کو (یہ پہلی صورت ہے)، پہلی جنایت والے کو دے دی، تو کیا اب آقا دوبارہ رجوع کرے گا یا نہیں کرے گا؟ تو شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں دوبارہ رجوع کرے گا، غاصب سے ابھی آدھی قیمت وصول ہوئی ہے حالانکہ پہلی جنایت کی وجہ سے پوری قیمت کا ضمان آیا ہے تو ابھی آدھی مزید وصول کرنی ہے، لہٰذا رجوع کرے گا۔

کہتے ہیں: فَإِذَا دَفَعَ، پھر یہ والا نصف جب آقا پہلی جنایت والے کے حوالے کر دے، تو هَلْ يَرْجِعُ بِهِ عَلَى الْغَاصِبِ أَمْ لَا، کیا پھر اس کے ساتھ رجوع کرے گا غاصب پر یا نہیں؟ کہتے ہیں: فَفِي الصُّورَةِ الْأُولٰى يَرْجِعُ، وَفِي صُورَةِ الْعَكْسِ لَا، کہ پہلی صورت میں رجوع کرے گا (پہلی کون سی صورت؟ جب پہلی جنایت کہاں تھی؟ غاصب کے پاس)، اور دوسری صورت میں (جب پہلی جنایت آقا کے پاس تھی) اس میں رجوع نہیں۔ یہ معنیٰ ہے: فَفِي الصُّورَةِ الْأُولٰى يَرْجِعُ، تو پہلی صورت میں آقا رجوع کرے گا، وَفِي صُورَةِ الْعَكْسِ لَا، اور برعکس صورت کے اندر رجوع نہیں کرے گا۔ وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ، اور یہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔

وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ: نِصْفُ الْقِيمَةِ الَّتِي رَجَعَ بِهِ عَلَى الْغَاصِبِ لَا يُسَلَّمُ لِلْمَوْلٰى. امام محمد رحمہ اللہ کیا فرماتے تھے؟ امام محمد رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ پہلی جنایت والے کو بھی آدھی قیمت دے دی اور دوسری جنایت والے کو بھی آدھی قیمت دے دی، اور پھر آقا نے رجوع کیا اور آدھی قیمت پھر کس سے لے آیا؟ غاصب پر (پہلا رجوع کیا ہے، پہلا)، غاصب سے آدھی قیمت لے آیا۔ تو امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ پہلی جنایت والے کو نہیں دیں گے ورنہ تو بدل اور مبدل منہ کا اجتماع لازم آئے گا ایک ہی شخص کے پاس۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ یہ غاصب پر کیوں رجوع کیا؟ کیونکہ یہ پہلی جنایت والے کو دیا تھا اس لیے۔ تو کہتے ہیں: وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ، اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نِصْفُ الْقِيمَةِ الَّتِي رَجَعَ بِهِ عَلَى الْغَاصِبِ لَيُسَلَّمُ لِلْمَوْلٰى، کہ وہ آدھی قیمت جس کے ساتھ آقا نے غاصب پر رجوع کیا تھا، جو اس سے لے کر آیا ہے، لَيُسَلَّمُ لِلْمَوْلٰى، یہ البتہ خاص رہے گی آقا کے لیے یعنی آقا کے پاس ہی رہے گی (سَلَّمَ يُسَلِّمُ کا ایک معنیٰ ہے خاص کرنا، تو لَيُسَلَّمُ لِلْمَوْلٰى، تو یہ جو آدھا ہے یہ خاص ہوگا کس کے لیے؟ مولا یعنی آقا کے لیے ہی ہوگا، پہلی جنایت والے کو نہیں دینا بھئی)۔ وَلَا يُدْفَعُ إِلٰى وَلِيِّ الْجِنَايَةِ الْأُوْلٰى، اور یہ پہلی جنایت والے کے حوالے نہیں کیا جائے گا، لِأَنَّهُ عِوَضُ مَا أَخَذَ وَلِيُّ الْجِنَايَةِ الْأُوْلٰى، اس لیے کیونکہ یہ جو آدھا ہے جو وہ کہاں سے لایا ہے؟ غاصب سے، یہ کس کا عوض ہے؟ جو پہلے والے کو آدھا دیا تھا، تو وہ مبدل اور یہ اس کا بدل، تو یہ بدل بھی اگر اس کو دے دیں تو مبدل اور بدل دونوں ایک کے پاس جمع ہو جائیں گے۔ تو کہتے ہیں: لِأَنَّهُ عِوَضُ مَا أَخَذَ وَلِيُّ الْجِنَايَةِ الْأُوْلٰى، اس لیے کیونکہ یہ عوض ہے (یہ جو غاصب سے آدھی قیمت لے آیا ہے یہ عوض ہے) مَا أَخَذَ وہ جو لے لیا تھا وَلِيُّ الْجِنَايَةِ الْأُوْلٰى کس نے؟ جنایتِ اولیٰ کے ولی نے، یہ اس کا عوض لے کر آیا ہے، فَلَا يُدْفَعُ إِلَيْهِ، لہٰذا یہ عوض جو ہے اس پہلی جنایت والے کو نہیں دیں گے، كَيْ لَا يَجْتَمِعَ الْبَدَلُ وَالْمُبْدَلُ فِي مِلْكِ شَخْصٍ وَاحِدٍ، تاکہ کہیں جمع نہ ہو جائیں بدل اور مبدل ایک ہی شخص کی ملکیت میں۔[۳]

لَهُمَا، شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ أَنَّ حَقَّ الْأَوَّلِ فِي جَمِيعِ الْقِيمَةِ، کہ پہلی جنایت والے کا حق جو ہے وہ پوری قیمت میں ہے، لِأَنَّهُ حِينَ جَنٰى فِي حَقِّهِ لَا يُزَاحِمُهُ أَحَدٌ، اس لیے کیونکہ جب غلام نے جنایت کی پہلے والے کے حق میں تو لَا يُزَاحِمُهُ أَحَدٌ، تو کوئی ایک بھی اس کے مقابل نہیں تھا، کوئی دوسری جنایت نہیں تھی، تو اس کا حق پوری قیمت میں ہوا۔ وَإِنَّمَا يَنْتَقِصُ بِاعْتِبَارِ مُزَاحَمَةِ الثَّانِي، اور اس کا حصہ تو کم ہوگیا دوسری جنایت کی مزاحمت کی وجہ سے، دوسری جنایت جب مقابلے میں آگئی تو اس کی وجہ سے اس کو ابھی آدھی قیمت ملی ہے، آدھی قیمت کس کے پاس چلی گئی؟ دوسری کے پاس، تو اب جو آدھی مزید آئے گی وہ اس کو دے کر اس کا حق پورا کیا جائے گا۔ تو اس کا حق کتنا تھا؟ پوری میں، لیکن جب آقا

[۳] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۸۵):** صوتی درس کی قراءت میں «نِصْفُ الْقِيمَةِ الَّتِي رَجَعَ بِهِ عَلَى الْغَاصِبِ لَا يُسَلَّمُ لِلْمَوْلٰى.» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «نصفُ القيمةِ التي رجعَ به على الغاصبِ يُسَلَّمُ للمولى» منقول ہے۔

قیمت دے گا تو کتنی دے گا؟ آدھی، تو ابھی پورا حق تو اس کو نہیں ملا نا، اور اس کو کم حصہ کیوں ملا؟ کیونکہ مقابلے میں دوسری جنایت آگئی۔ تو حق تو پورے میں ہے لیکن ملا ابھی آدھا ہے، تو ابھی باقی بھی وہ لے گا۔ بات سمجھ میں آئی؟

وَإِنَّمَا يَنْتَقِصُ بِاعْتِبَارِ مُزَاحَمَةِ الثَّانِي، اور اس کا حصہ جو کم ہوگیا وہ دوسری جنایت کے مزاحمت کے اعتبار سے ہے، اس کے مقابل ہونے کے اعتبار سے ہے، فَإِذَا وَجَدَ شَيْئًا مِنْ بَدَلِ الْعَبْدِ فِي يَدِ الْمَالِكِ، پس جب یہ پالے، جب یہ پہلی جنایت والا، اس کو ابھی کتنا...

ملا ہے؟ آدھا۔ بھئی آقا اولاً قیمت دے گا، آدھی کس کو دے دے گا؟ پہلی جنایت والے کو، اور آدھی قیمت کس کو دے گا؟ دوسری جنایت والے کو۔ تو پہلی والے کو تو ابھی آدھا ملا ہے۔ اب آقا جب غاصب سے اور مال لے آیا تو اس کو اور مال مل گیا، نظر آگیا آقا کے پاس، اور اس کا حق بھی ابھی باقی ہے، تو وہ آدھا بھی یہ اس سے لے لے گا۔ بات سمجھ میں آئی؟

فَإِذَا وَجَدَ شَيْئًا، پس جب اس پہلی جنایت والے نے کوئی چیز پالی، مِنْ بَدَلِ الْعَبْدِ، غلام کے بدل میں سے، فِي يَدِ الْمَالِكِ، کس کے قبضے میں؟ مالک کے قبضے میں (مالک کہاں سے لایا مزید؟ غاصب سے، وہ اس کے پاس اس نے پالی)، فَارِغًا، جو اس کے پاس فارغ ہے، زائد ہے، يَأْخُذُهُ مِنْهُ، تو یہ پہلی جنایت والا مالک سے وہ چیز لے لے گا۔ پھر سنو ترجمہ: فَإِذَا وَجَدَ شَيْئًا مِنْ بَدَلِ الْعَبْدِ فِي يَدِ الْمَالِكِ فَارِغًا يَأْخُذُهُ مِنْهُ لِيَتِمَّ حَقُّهُ، پس جب یہ پہلی جنایت والا کوئی چیز پائے غلام کے بدل میں سے آقا کے قبضے میں فَارِغًا کہ وہ فارغ ہو (فارغ ہو یعنی کسی اور جنایت والے کو نہیں دینا، کسی اور جنایت والے کو نہیں دینا، آقا کے پاس فارغ ہے)، تو يَأْخُذُهُ مِنْهُ لِيَتِمَّ حَقُّهُ، تو یہ پہلی جنایت والا اس چیز کو لے لے گا آقا سے لِيَتِمَّ حَقُّهُ تاکہ اس پہلی جنایت والے کا حق پورا ہو جائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

فَإِذَا أَخَذَ مِنْهُ، پس جب یہ پہلی جنایت والا اس کو لے لے گا، يَرْجِعُ بِهِ الْمَوْلٰى عَلَى الْغَاصِبِ، تو رجوع کرے گا آقا غاصب پر، دوبارہ رجوع کرے گا، ایک دفعہ تو پہلے آدھے لے آیا تھا جو اس نے لے لیے، اب دوبارہ کیا کرے گا؟ رجوع۔ یہ معنیٰ ہے: تو فَإِذَا أَخَذَ مِنْهُ، جب وہ پہلی جنایت والے نے یہ حصہ لے لیا آقا سے، تو يَرْجِعُ بِهِ الْمَوْلٰى عَلَى الْغَاصِبِ، تو آقا رجوع کرے گا غاصب پر یعنی دوبارہ رجوع کرے گا، ایک بار پہلے رجوع کر چکا ہے، لِأَنَّهُ أَخَذَهُ مِنْهُ بِسَبَبٍ كَانَ عِنْدَ الْغَاصِبِ، اس لیے کیونکہ پہلی جنایت والے نے اس سے وہ آدھی قیمت لے لی بِسَبَبٍ ایک ایسے سبب کی وجہ سے كَانَ عِنْدَ الْغَاصِبِ جو کس کے پاس تھا؟ غاصب کے پاس۔ پہلی جنایت والے کو پوری قیمت دینا پڑ گئی، اور یہ پہلی جنایت کہاں ہوئی تھی؟ غاصب کے پاس، لہٰذا غاصب سے پوری قیمت اب وصول کریں گے: آدھی پہلے وصول کی تھی اور دوبارہ رجوع کر کے پھر آدھی وصول کر لیں گے۔ یہ معنیٰ ہے: لِأَنَّهُ أَخَذَهُ مِنْهُ بِسَبَبٍ كَانَ عِنْدَ الْغَاصِبِ، اس لیے کیونکہ پہلی جنایت والے نے جو مزید وصول کر لیا آقا سے وہ اس سبب کی وجہ سے تھا جو غاصب کے پاس پایا گیا تھا۔

وَلَا يَرْجِعُ بِهِ فِي صُورَةِ الْعَكْسِ، لیکن برعکس صورت کے اندر آقا دوبارہ رجوع نہیں کرے گا۔ جب پہلی جنایت کس

کے پاس کی؟ آقا کے پاس، پھر آقا رجوع دوبارہ نہیں کرے گا، لِأَنَّ الْجِنَايَةَ الْأُوْلٰى كَانَتْ فِي يَدِ الْمَالِكِ، اس لیے کیونکہ اس وقت جو پہلی جنایت تھی وہ آقا کے قبضے میں ہوئی تھی، کس کے قبضے میں؟ آقا کے قبضے میں ہوئی تھی، اور دوسری جنایت کس کے پاس تھی؟ غاصب کے پاس، اور دوسری جنایت کی وجہ سے تو آدھی قیمت آئی ہے اور غاصب پر ایک دفعہ رجوع کر کے آدھی قیمت وصول ہو چکی ہے، دوبارہ اس پر رجوع نہیں کیا جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ٦٠: تکرارِ جنایتِ مدبر اور قن و مدبر کے احکام کا تقابلی بیان اور دعویٰ اولیاء و اقرارِ مولیٰ

شرح الوقایہ صفحہ: ١٣٩ — بتاریخ: ٤ مارچ ٢٠٢٠ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

جی، آگے سبق دیکھیے بھائی!

وَالْقِنُّ فِي الْفَصْلَيْنِ كَالْمُدَبَّرِ لٰكِنَّ السَّيِّدَ يَدْفَعُ الْقِنَّ وَقِيمَةَ الْمُدَبَّرِ، أَيْ إِذَا كَانَ مَقَامَ الْمُدَبَّرِ قِنٌّ فِي الْفَصْلَيْنِ يَدْفَعُ الْقِنَّ ثُمَّ يَرْجِعُ بِنِصْفِ قِيمَتِهِ عَلَى الْغَاصِبِ وَيُسَلَّمُ لِلْمَالِكِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى، وَعِنْدَهُمَا لَا يُسَلَّمُ لَهُ بَلْ يَدْفَعُهُ إِلَى الْأَوَّلِ فَإِذَا دَفَعَهُ إِلَى الْأَوَّلِ يَرْجِعُ فِي الْفَصْلِ الْأَوَّلِ عَلَى الْغَاصِبِ وَفِي الثَّانِي لَا.

مدبر اور امِ ولد کو غصب کرنے سے متعلقہ مسائل ذکر ہو رہے ہیں بھائی۔ گزشتہ سبق کے آخر میں آپ نے مسئلہ پڑھا تھا کہ اگر ایک مدبر ہے اس نے ایک جنایت غاصب کے پاس کی اور دوسری جنایت مالک کے پاس کی۔ کسی نے غصب کیا تھا وہاں پہلی جنایت اس نے کر دی اور پھر غاصب نے واپس لوٹا دیا اور پھر اس نے مالک کے پاس دوسری جنایت کر دی، تو ایک صورت یہ تھی۔ دوسری صورت یہ تھی کہ پہلی جنایت مدبر نے مالک کے پاس کی اور پھر کسی نے غصب کیا اور دوسری جنایت اس نے غاصب کے پاس کی۔

تو پہلی صورت تھی جس میں پہلی جنایت غاصب کے پاس تھی اور دوسری جنایت مالک کے پاس۔ آپ نے پڑھا تھا کہ پہلی جنایت والا وہ مستحق ہوتا ہے مدبر کی ساری قیمت کا، بشرطیکہ جنایت مدبر کی قیمت سے بھی زیادہ ہو، یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کیونکہ اقلِ ضمان آیا کرتا ہے، تو جب پوری قیمت کا حقدار وہ بن رہا ہے معلوم ہوا قیمت اقل ہے اور ارش جو بن رہا ہے وہ اس سے بھی زیادہ ہے، تو کم از کم قیمت تو پھر ضرور لے گا وہ بھائی۔ تو پہلی صورت جس میں مدبر نے غاصب کے پاس پہلی جنایت کی ہے تو پہلی جنایت والا جو ہوتا ہے وہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک پوری قیمت کا مستحق ہوتا ہے کیونکہ اس

وقت اس کے مقابلے میں کوئی دوسری جنایت نہیں تو وہ ساری قیمت کا حقدار بنے گا کیونکہ اس کا نقصان تو پوری قیمت سے بھی زیادہ ہوا ہے، تو اقل کا وہ حقدار بنے گا۔ اور دوسری جنایت والا جو ہے وہ آدھی قیمت کا مستحق ہوگا، اس لیے کیونکہ اس کی جنایت چاہے جتنی بھی زیادہ کیوں نہ ہو لیکن مقابلے میں پہلی جنایت موجود ہے، تو دو جنایتوں میں جب مدبر کو تقسیم کریں گے تو ایک کو آدھی قیمت ملے گی اور دوسرے کو بھی آدھی۔

تو حاصلِ کلام کیا ہوا کہ پہلی جنایت والا پوری قیمت کا مستحق ہوتا ہے اور دوسری جنایت والا آدھی قیمت کا۔ تو شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب مدبر نے پہلی جنایت غاصب کے پاس کی ہے اور دوسری جنایت مالک کے پاس کی ہے تو اب مالک جو ہے اس کو قیمت دینا پڑے گی، مدبر تو وہ دے نہیں سکتا کیونکہ مدبر کسی کے حوالے نہیں کیا جا سکتا بھائی، کیونکہ اس کا حقِ آزادی ضائع ہوتا ہے۔ تو آقا پوری قیمت نکالے گا اور آدھی قیمت پہلی جنایت والے کو دے دے گا اور آدھی قیمت دوسری جنایت والے کو۔ تو یہ جو پہلی جنایت والے کو آدھی قیمت دی، یہ کس کی وجہ سے دینا پڑی؟ غاصب کی وجہ سے، غاصب کے پاس اس نے پہلی جنایت کی تھی۔ تو پہلی جنایت والے کو جو آدھی قیمت دینا پڑی وہ غاصب کی وجہ سے دینا پڑی، لہٰذا آقا رجوع کرے گا غاصب پر اور جا کر اس سے آدھی قیمت لے آئے گا۔ اور پہلی جنایت والا جو ہے اس کا حق تو پوری قیمت بنتا ہے اور اس کو ابھی آدھا ملا ہے، تو جب اس نے دیکھا کہ آقا جو ہے وہ آدھی قیمت غاصب سے دوبارہ لے آیا ہے تو وہ والی آدھی قیمت بھی پہلی جنایت والا لے لے گا آکر۔ اور پہلی جنایت والے نے یہ آدھی قیمت بھی لے لی آقا سے، تو یہ پھر کس کی وجہ سے لی اس نے؟ غاصب کی وجہ سے کیونکہ جنایت غاصب کے پاس ہوئی تھی۔ تو شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ آقا دوبارہ غاصب پر رجوع کرے گا اور مزید آدھی قیمت اس سے لے آئے گا، اور یہ والی جو دوسری دفعہ آدھی قیمت لایا ہے یہ آقا ہی کے پاس رہے گی، یہ آقا ہی کی ہو گئی۔

جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب آقا نے قیمت تقسیم کر دی، آدھی قیمت پہلی جنایت والے کو دے دی اور آدھی قیمت دوسری جنایت والے کو، اس کے بعد جب آقا نے غاصب پر رجوع کیا اور اس سے آدھی قیمت لے آیا، تو یہ آدھی قیمت عوض ہے اس آدھی قیمت کا جو آقا نے پہلی جنایت والے کو دی تھی۔ آقا نے پوری قیمت تقسیم کی تھی کس میں؟ دونوں جنایت والوں میں، آدھی قیمت پہلی جنایت والے کو اور آدھی قیمت دوسری کو، اور یہ پہلی والے کو آدھی قیمت کیوں دینا پڑی؟ اس کا سبب کون بنا تھا؟ غاصب، لہٰذا آقا جائے گا اور اس سے آدھی قیمت لے آئے گا اس قیمت کے عوض میں جو اس نے پہلی جنایت والے کو دی۔ تو پہلی جنایت والے کو جو دی وہ ہوا مبدل، اور جو غاصب سے لے کر آیا وہ ہے اس کا بدل، لہٰذا اب یہ بدل جو ہے وہ پہلی جنایت والے کو نہیں دیں گے ورنہ تو بدل اور مبدل منہ کا ایک ہی شخص کی ملکیت میں جمع ہونا لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ایک ہی شخص کو دونوں کا مالک بنا دیا جائے؟ نہیں بھائی، یا تو وہ بدل کا مالک بن سکتا ہے یا مبدل کا، دونوں کا مالک نہیں بن سکتا۔ اور یہ جو بدل لایا ہے یہ کس سے لایا؟ غاصب سے، یہ کس کا بدل ہے؟ جو پہلی جنایت والے کو آدھی قیمت دی تھی، تو یہ اسی کا بدل ہے تو مبدل بھی

اس کے پاس ہے اور بدل بھی اس کو دے دیں یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں، تو یہ مالک ہی کے پاس رہے گا۔ تو فرق کیا کیا آیا؟ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک پہلی جنایت والے کو بھی آدھی قیمت ہی ملے گی اور دوسرے کو بھی آدھی قیمت ہی ملے گی، اور نیز آقا ایک ہی دفعہ رجوع کرے گا، دوبارہ رجوع نہیں کرے گا غاصب پر۔ جبکہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک پہلی جنایت والے کو پوری قیمت ملے گی اور دوسری جنایت والے کو آدھی قیمت، اور نیز شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک آقا دو دفعہ رجوع کرے گا غاصب پر، پہلے بھی آدھی قیمت لائے گا اور دوبارہ بھی، لیکن پہلی آدھی قیمت وہ پھر پہلی جنایت والا لے گا اور دوسری آدھی قیمت جو ہے وہ آقا کے پاس ہی رہے گی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

جبکہ دوسری صورت یہ تھی کہ جب غلام نے پہلی جنایت جو ہے وہ آقا کے پاس کی ہے اور دوسری جنایت کس کے پاس کی ہے؟ غاصب کے پاس کی ہے۔ تو اس صورت میں شیخین رحمہما اللہ بھی فرماتے ہیں کہ غاصب پر ایک ہی دفعہ رجوع کیا جائے گا یعنی اس سے آدھی قیمت لے آئیں گے۔ کیوں؟ کیونکہ دوسری جنایت غاصب کے پاس ہوئی اور دوسری جنایت والا تو صرف آدھی قیمت کا مستحق ہے، تو صرف ایک ہی دفعہ رجوع کر کے آدھی قیمت لے آئیں گے۔ لیکن یہ آدھی قیمت پھر جو ہے پہلی جنایت والا ہی لے لے گا۔ کیوں لے گا؟ کیونکہ آقا نے ایک دفعہ، پھر دیکھیں، پہلی جنایت کس کے پاس کی ہے؟ آقا کے پاس، دوسری کس کے پاس کی ہے؟ غاصب کے پاس۔ یہ دوسری صورت ہم ذکر کر رہے ہیں، پہلی صورت تھی جب پہلی جنایت تھی غاصب کے پاس اور دوسری تھی آقا کے پاس، اب وہ صورت کر رہے ہیں جب پہلی جنایت آقا کے پاس ہے اور دوسری جنایت غاصب کے پاس، اور پہلی جنایت والا مستحق ہوتا ہے پوری قیمت کا اور دوسری جنایت والا مستحق ہوتا ہے آدھی قیمت کا۔ تو لہٰذا جب آقا ضامن ہوا اس نے پوری قیمت نکالی، آدھی پہلی جنایت والے کو دے دی اور آدھی دوسری جنایت والے کو، اور یہ دوسری جنایت والے کو آدھا کیوں دینا پڑا؟ غاصب کی وجہ سے، تو لہٰذا غاصب پر رجوع کرے گا اور اس سے آدھی قیمت لے آئے گا۔ اور جب آدھی قیمت لے آیا تو پہلی جنایت والے نے تو ابھی تک آدھی وصول کی ہے اور اس کا حق تو پوری قیمت ہے، تو یہ والی آدھی بھی پہلی جنایت والا لے لے گا، لیکن اب آقا دوبارہ غاصب پر رجوع نہیں کر سکتا کیونکہ پہلی جنایت آقا کے پاس ہوئی تھی، غاصب کے پاس نہیں ہوئی تھی۔ فرق سمجھ میں آ گیا؟

اب آگے یہی مسئلہ ذکر کر رہے ہیں عام غلام میں۔ کس میں؟ عام غلام میں۔ مدبر کو تو آقا نے کہا ہے تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو، وہ تو کسی کے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن عام غلام میں تو آپ نے پڑھا ہے آقا کو اختیار ہوتا ہے کہ جنایت کی صورت میں جنایت والے کو وہ غلام دے دے یا ارش دے دے۔ تو جب عام غلام میں مسئلہ ہے تو یہاں پر پھر غلام کی قیمت دینے کے بجائے غلام دے دے گا آقا بھائی۔ باقی وہی صورت اور پھر آدھی قیمت کے اندر اسی طرح رجوع وغیرہ ہوگا، رجوع جو ہوگا وہ قیمت کے ساتھ ہی ہوگا لیکن ضمان جو آقا پر آئے گا وہ قیمت نہیں دینی پڑے گی بلکہ کیا دینا پڑے گا؟ غلام دینا پڑے گا۔ فرق سمجھ میں آیا؟ مدبر میں ضمان کے طور پر قیمت دینی پڑی، آغاز سے ہی، شروع سے ہی قیمت دینا

پڑی، مدبر نہیں دینا پڑا کیونکہ مدبر کا مالک کسی اور کو نہیں بنایا جا سکتا، لیکن عام غلام کو تو دیا جا سکتا ہے، لہٰذا یہاں وہ عام غلام دے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے مزید میں تفصیل ذکر کرتا ہوں۔

تو کہتے ہیں: وَالْقِنُّ فِي الْفَصْلَيْنِ كَالْمُدَبَّرِ۔ قِنٌّ کہتے ہیں عام غلام کو، کہتے ہیں اور عام غلام جو ہے فِي الْفَصْلَيْنِ دونوں فصلوں میں یعنی دونوں صورتوں میں، کون سی دو صورتیں؟ پہلی صورت جب پہلی جنایت غاصب کے پاس اور دوسری جنایت آقا کے پاس، اور دوسری صورت کہ پہلی جنایت آقا کے پاس اور دوسری جنایت غاصب کے پاس۔ کہتے ہیں: وَالْقِنُّ فِي الْفَصْلَيْنِ اور عام غلام جو ہے دونوں فصلوں یعنی دونوں صورتوں میں كَالْمُدَبَّرِ وہ مدبر کی طرح ہے یعنی اسی طرح مسئلہ رہے گا۔ صرف کیا آئے گا، فرق کیا آئے گا وہ بتلانے لگے ہیں: لٰكِنَّ السَّيِّدَ يَدْفَعُ الْقِنَّ وَقِيمَةَ الْمُدَبَّرِ، لیکن آقا حوالے کرے گا قِنّ یعنی عام غلام کو وَقِيمَةَ الْمُدَبَّرِ اور مدبر کی قیمت کو، مدبر میں قیمت دے گا اور عام غلام میں وہ عام غلام ہی دے دے گا۔

تو کہتے ہیں: أَيْ إِذَا كَانَ مَقَامَ الْمُدَبَّرِ قِنٌّ فِي الْفَصْلَيْنِ يَدْفَعُ الْقِنَّ۔ اب اس کی بھی ذرا صورت بنا لو، عام غلام دے گا کس طرح صورت بنے گی؟ پہلی جنایت غلام نے کس کے پاس کی؟ عام غلام ہے مدبر نہیں ہے، اس کو کسی نے غصب کر لیا، پہلی جنایت اس نے غاصب کے پاس کی اور دوسری جنایت آقا کے پاس۔ تو اب آقا پر ضمان آیا، دو جنایتیں ہیں آقا وہ پورا غلام حوالے کر دے گا، آدھا غلام پہلی جنایت والے کا ہو گیا اور آدھا غلام دوسری جنایت والے کا ہو گیا۔ اور یہ جو پہلی جنایت والے کو آدھا غلام دینا پڑا اس کا سبب کون بنا تھا؟ غاصب، لہٰذا آقا جائے گا اور جا کر رجوع کرے گا کس پر؟ غاصب پر، اور اس سے آدھی قیمت لے آئے گا۔ جب وہ لے کر آئے گا تو پہلی جنایت والا تو پورے غلام کا حقدار ہے اور دوسری والا آدھے کا حقدار ہے، لیکن پہلی والے کو تو ابھی آدھا غلام ملا ہے، لہٰذا وہ یہ آدھی قیمت بھی اس سے لے لے گا۔ اور یہ جو آدھی قیمت جو وہ غاصب سے لایا تھا یہ دوبارہ پہلی جنایت والے کو دینا پڑی، کس کی وجہ سے دینا پڑی؟ غاصب کی وجہ سے، لہٰذا آقا دوبارہ رجوع کرے گا غاصب پر اور مزید آدھی قیمت لے آئے گا، اور یہ پھر آقا ہی کی رہے گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یعنی بعینہ وہی صورت ہے بس صرف غلام دینا ہے، فرق سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں: أَيْ إِذَا كَانَ مَقَامَ الْمُدَبَّرِ قِنٌّ فِي الْفَصْلَيْنِ اور اگر مدبر کی جگہ پر عام غلام ہوا دونوں مسئلوں کے اندر، تو يَدْفَعُ الْقِنَّ تو آقا جو ہے وہ عام غلام حوالے کر دے گا۔ ثُمَّ يَرْجِعُ بِنِصْفِ قِيمَتِهِ عَلَى الْغَاصِبِ پھر آقا رجوع کرے گا نصف قیمت کے ساتھ غاصب پر، اس غلام کی جو نصف قیمت ہے اس کے ساتھ غاصب پر رجوع کرے گا۔ وَيُسَلَّمُ لِلْمَالِكِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ اور یہ جو آدھی قیمت ہے یہ خاص رہے گی آقا کے لیے یعنی یہ آقا ہی کی ہو جائے گی عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک۔ وَعِنْدَهُمَا لَا يُسَلَّمُ لَهُ اور شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ آقا کی نہیں ہوگی بَلْ يَدْفَعُهُ إِلَى الْأَوَّلِ بلکہ یہ آدھی قیمت بھی پہلی جنایت والے کو دے دے گا آقا۔ آقا یہ آدھی قیمت جو غاصب سے لایا ہے یہ بھی پہلی جنایت والے

کو دے دے گا۔ فَإِذَا دَفَعَهُ إِلَى الْأَوَّلِ پس جب آقا یہ آدھی قیمت حوالے کر دے پہلی جنایت والے کو، يَرْجِعُ فِي الْفَصْلِ الْأَوَّلِ عَلَى الْغَاصِبِ تو دوبارہ رجوع کرے گا پہلی فصل میں یعنی پہلے مسئلے کے اندر، دوبارہ رجوع کرے گا عَلَى الْغَاصِبِ کس پر؟ غاصب پر۔ پہلا مسئلہ کون سا؟ جب پہلی جنایت کہاں کی تھی؟ غاصب کے پاس، تو اس میں وہ آقا دوبارہ رجوع کرے گا عَلَى الْغَاصِبِ غاصب پر۔ وَفِي الثَّانِي لَا اور دوسری صورت میں دوبارہ رجوع نہیں کرے گا۔

آگے دیکھیے: مُدَبَّرٌ غُصِبَ مَرَّتَيْنِ فَجَنَى فِي كُلِّ مَرَّةٍ ضَمِنَ سَيِّدُهُ قِيمَتَهُ لَهُمَا۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک غلام کو غصب کیا گیا اور اس نے غاصب کے پاس پہلی جنایت کی، پھر غاصب نے واپس کر دیا آقا کو، پھر دوبارہ غاصب نے غصب کیا اور غلام نے غاصب کے پاس پھر دوبارہ دوسری جنایت کر دی۔ تو اب دیکھو دونوں جنایتیں اس غاصب کے پاس ہیں۔ تو اب کیا کیا جائے گا؟ کہتے ہیں مسئلہ بالکل اسی طرح ہوگا۔ اب یہ ہے کہ اب دونوں جنایتوں کی قیمت غاصب سے وصول ہوگی۔ فرق صرف یہ آئے گا کہ کیونکہ دونوں جنایتیں کس کے پاس ہوئی ہیں؟ غاصب کے پاس۔ تو یہاں تو ایک ہی صورت بنے گی بھائی، دو صورتیں بھی نہیں بنیں گی کیونکہ دونوں جنایتیں کس کے پاس ہیں؟ غاصب کے پاس۔ اور پہلی جنایت والا کتنے کا مستحق ہے؟ پوری قیمت کا، اور دوسری جنایت والا آدھی قیمت کا۔ لہٰذا جب وہ مدبر واپس آیا آقا کے پاس، اس نے دوسری جنایت جب کر دی، اس نے واپس لوٹا دیا، تو اب آقا ضامن ہے دونوں جنایتوں کا۔ چنانچہ آقا اس مدبر کی پوری قیمت نکالے گا، آدھی قیمت پہلی جنایت والے کو دے دے گا اور آدھی قیمت دوسری کو۔ بات سمجھ، جی، کیونکہ آقا ایک ہی قیمت کا ضامن ہوگا نا، ایک سے زیادہ کا تو ضامن نہیں، اس نے جو مدبر بنایا تو غلام کو روک لیا، دینا تو غلام چاہیے تھا لیکن یہ آقا مانع بن گیا غلام کو دینے سے کیونکہ اس نے اس کو مدبر بنایا ہوا ہے۔ تو جب مدبر کے لیے مانع بنا ہے تو مدبر کی قیمت اس کا قائم مقام ہو جائے گی، اب وہ دینا پڑے گی، تو وہ ایک ہی قیمت نکالے گا آقا اور آدھی پہلی جنایت والے کو دے دے گا اور آدھی دوسری جنایت والے کو دے دے گا۔[1]

تو یہ جو پہلی جنایت والے کو آدھی قیمت دینا پڑی اس کا سبب کون؟ غاصب۔ اور دوسری والے کو بھی آدھی قیمت دینا پڑی، اس کا سبب بھی کون؟ غاصب۔ تو لہٰذا اس دفعہ اب پوری قیمت کے ساتھ رجوع کرے گا آقا، پہلے آدھی قیمت کے ساتھ رجوع کرتا تھا کیونکہ ایک جنایت اس کے پاس ہوئی تھی اور اس کو آدھی قیمت ہی شروع میں دی تھی، تو یہاں پر دونوں کو جو آدھی آدھی قیمت دی ہے اس کا سبب کون بن رہا ہے؟ غاصب۔ لہٰذا پوری قیمت کے ساتھ غاصب پر رجوع کرے گا، اور جائے گا اور جا کر اس سے پوری قیمت لے آئے گا۔ جب پوری قیمت لے آیا تو پہلی جنایت والے نے دیکھا کہ آقا کے پاس پھر غلام کا بدل آگیا ہے اور میرا حق تو پوری قیمت تھا اور مجھے تو ابھی آدھی قیمت ملی ہے، وہ پھر آقا کے

[1] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۸۵):** صوتی درس کی قراءت میں «مُدَبَّرٌ غُصِبَ مَرَّتَيْنِ فَجَنَى فِي كُلِّ مَرَّةٍ ضَمِنَ سَيِّدُهُ قِيمَتَهُ لَهُمَا» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «مدبَّرٌ غُصِبَ مرَّتيْن، فجنى في كلِّ مرَّة، ضَمِنَ سيِّدُه قيمةً لهما،» منقول ہے۔

پاس آئے گا اور مزید آدھی قیمت لے جائے گا۔ اور یہ آدھی قیمت پہلی جنایت والے کو جو آقا کو دوبارہ دینی پڑی، یہ کس کی وجہ سے دینی پڑی؟ غاصب کی وجہ سے، تو آقا دوبارہ رجوع کرے گا غاصب پر اور اس سے پھر آدھی قیمت مزید لے آئے گا، اور یہ آقا ہی کی ہو جائے گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: مُدَبَّرٌ غُصِبَ مَرَّتَيْنِ ایسا مدبر جس کو دو مرتبہ غصب کیا گیا، فَجَنَى فِي كُلِّ مَرَّةٍ پس اس مدبر نے جنایت کی ہر مرتبہ میں، یعنی پہلی دفعہ غصب میں بھی ایک دفعہ جنایت کی اور دوسری مرتبہ غصب میں بھی ایک جنایت کی۔ تو ضَمِنَ سَيِّدُهُ قِيمَتَهُ تو اس کا آقا ضامن ہوگا اس کی قیمت کا، لَهُمَا ان دونوں جنایت والوں کے لیے، تو قیمت کا ضامن ہوگا آدھی آدھی دونوں جنایت والوں کو دے دے گا۔ وَرَجَعَ بِقِيمَتِهِ عَلَى الْغَاصِبِ اور رجوع کرے گا اس مدبر کی پوری قیمت کے ساتھ غاصب پر کیونکہ دونوں جنایتیں اس کے پاس ہوئی تھیں۔ وَدَفَعَ نِصْفَهَا إِلَى الْأَوَّلِ اور یہ جو آدھی قیمت لے آیا غاصب سے وہ پھر حوالے کر دے گا وہ نصفِ قیمت إِلَى الْأَوَّلِ پہلی جنایت والے کو۔ وَرَجَعَ بِهِ عَلَى الْغَاصِبِ اور پھر دوبارہ رجوع کرے گا غاصب پر اور یہ آدھی قیمت اس سے دوبارہ لے آئے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

صورت خودبیان کر رہے ہیں: أَيْ مُدَبَّرٌ غَصَبَهُ الْغَاصِبُ ایک مدبر جس کو غصب کیا غاصب نے، فَجَنَى عِنْدَهُ پھر اس مدبر نے اس غاصب کے پاس جنایت کی، ثُمَّ رَدَّهُ عَلَى الْمَالِكِ پھر غاصب نے واپس کر دیا وہ مدبر مالک کو، ثُمَّ غَصَبَهُ پھر دوبارہ غاصب نے غصب کر لیا اس مدبر کو، فَجَنَى عِنْدَهُ پھر مدبر نے دوبارہ جنایت کی اس کے پاس، فَعَلَى الْمَالِكِ قِيمَتُهُ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ تو اس مدبر کے مالک پر اس مدبر کی پوری قیمت ہے بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ جو ان دونوں جنایت والوں کے درمیان آدھی آدھی تقسیم ہوگی، لِأَنَّهُ مَنَعَ رَقَبَةً وَاحِدَةً بِالتَّدْبِيرِ اس لیے کیونکہ آقا نے روکا ایک رقبے کو بِالتَّدْبِيرِ مدبر بنانے کی وجہ سے۔ مدبر بنانے سے ایک رقبہ روکا ہے تو ایک ہی قیمت آئے گی، یعنی ڈیڑھ گنا قیمت نہیں آئے گی کہ ایک کو پوری جنایت دے اور ایک کو آدھی دے، نہیں، قیمت ایک ہی مدبر کی آئے گی اولاً آقا پر۔ تو کہتے ہیں فَتَجِبُ عَلَيْهِ قِيمَتُهُ تو پس آقا پر اس مدبر کی قیمت واجب ہو جائے گی، اور وہ ان دونوں کو اس نے دے دی۔ ثُمَّ يَرْجِعُ بِتِلْكَ الْقِيمَةِ عَلَى الْغَاصِبِ پھر آقا رجوع کرے گا اس قیمت کے ساتھ غاصب پر کیونکہ پوری قیمت آقا کے ہاتھ سے نکلی اور کس کی وجہ سے نکلی؟ اس غاصب کی وجہ سے کیونکہ دونوں جنایتیں غاصب کے پاس ہوئی ہیں، پہلی جنایت والے کو جو آدھی قیمت دی وہ بھی غاصب کی وجہ سے اور دوسری جنایت والے کو جو آدھی قیمت دی وہ بھی غاصب کی وجہ سے۔ تو لہٰذا ثُمَّ يَرْجِعُ بِتِلْكَ الْقِيمَةِ عَلَى الْغَاصِبِ پھر آقا رجوع کرے گا اس قیمت کے ساتھ غاصب پر لِأَنَّ الْجِنَايَتَيْنِ كَانَتَا عِنْدَهُ اس لیے کیونکہ وہ دونوں جنایتیں غاصب کے پاس تھیں۔ فَيَدْفَعُ نِصْفَهَا إِلَى الْأَوَّلِ پھر یہ جو پوری قیمت آقا لے آیا اس کا آدھا پھر کس کو دے دے گا؟ پہلی جنایت والے کو۔ یہ معنی ہے فَيَدْفَعُ نِصْفَهَا إِلَى الْأَوَّلِ پھر اس قیمت کا آدھا دے دے گا پہلی جنایت والے کو، وَيَرْجِعُ بِهِ عَلَى الْغَاصِبِ اور رجوع پھر کرے گا کس پر؟ غاصب پر، یعنی دوبارہ آدھی قیمت اس سے لے آئے گا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

آگے ہے: قَبْلَ دَفْعِ النِّصْفِ إِلَى الْأَوَّلِ۔ قَبْلَ دَفْعِ النِّصْفِ إِلَى الْأَوَّلِ، یہ عبارت یہاں جڑتی نہیں ہے اگر اس کو قَبْلَ

ہی رکھا جائے، قَبْلَ، اور جتنے میں نے نسخے اور بھی دیکھے سب جگہ یہاں قَبْلَ کا لفظ ہی ہے، اور معنی نہیں بنتا دیکھو وَيَرْجِعُ بِهِ عَلَى الْغَاصِبِ اور آقا اس آدھے میں بھی رجوع کرے گا غاصب پر قَبْلَ دَفْعِ النِّصْفِ إِلَى الْأَوَّلِ پہلی جنایت والے کو وہ آدھا دینے سے پہلے۔ آدھا دینے سے پہلے رجوع کرے گا! یہ بات بنتی ہی نہیں ہے۔ آدھا دینے کے بعد رجوع کیا جاتا ہے، پہلے رجوع نہیں۔ جب دے دیا تو نقصان ہو گیا اور غاصب کی وجہ سے ہوا، پھر رجوع کیا جاتا ہے اس سے پہلے نہیں۔ تو یہ عبارت جڑتی نہیں ہے۔ ہاں، ایک صورت میں یہ عبارت بہترین ہو جاتی ہے، وہ یہ کہ یہ قَبْلَ نہ پڑھیں اس کو قِيلَ پڑھیں، اب عبارت بہترین ہو گئی۔ تو یہ قَبْلَ کا لفظ نہیں ہے بلکہ قِيلَ ہے، درمیان میں یا ہے یا، قِيلَ کہا گیا ہے: دَفَعَ النِّصْفَ إِلَى الْأَوَّلِ وَهٰذَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ بھائی اوپر جو متن آیا تھا نا، متن کے آخر میں، وَدَفَعَ نِصْفَهَا إِلَى الْأَوَّلِ، یہ جو آدھی قیمت ہے اس کا نصف کس کو دے دے گا پھر؟ پہلے، یہ جو قیمت لے کر آیا ہے اس کا آدھا پھر کس کو دے دے گا؟ پہلے، پہلی جنایت والے کو۔ یہ جو متن میں آیا، تو کہا قِيلَ اس سے اس کی طرف اشارہ ہے، قِيلَ کہا گیا ہے دَفَعَ النِّصْفَ إِلَى الْأَوَّلِ، دیکھا یہ وہی عبارت ہے اوپر کیا تھی؟ وَدَفَعَ نِصْفَهَا إِلَى الْأَوَّلِ اور نیچے کیا ہے؟ دَفَعَ النِّصْفَ إِلَى الْأَوَّلِ، تو یہ اسی عبارت کی طرف اشارہ ہے۔

دراصل یہاں کیا انہوں نے کہا؟ دیکھو امام محمد رحمہ اللہ پچھلے مسئلے میں فرماتے تھے کہ غاصب سے جا کر جب آدھی قیمت لے آئے گا مالک تو یہ پھر پہلی جنایت والے کو نہیں دے گا، ورنہ کیا خرابی لازم آئے گی؟ بدل اور مبدل منہ کا ایک ہی شخص کی ملکیت میں جمع ہونا لازم آئے گا اور یہ تو درست نہیں ہے۔ لیکن یہاں پر فرما رہے ہیں کہ یہاں پر جو ہے وَدَفَعَ النِّصْفَ إِلَى الْأَوَّلِ کہ جو قیمت وصول کر کے لایا ہے اس کا آدھا پہلی جنایت والے کو دے دے گا۔ آگے کہہ رہے ہیں وَهٰذَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ یہ کیا ہے؟ متفق علیہ ہے یعنی یہاں امام محمد بھی فرماتے ہیں کہ یہ جو قیمت پوری وصول کر کے لایا ہے اس کا آدھا کس کو دے دے؟ پہلی جنایت والے کو دے دے بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو قِيلَ کہا گیا ہے کہ جو ماتن نے اوپر فرمایا دَفَعَ النِّصْفَ إِلَى الْأَوَّلِ کہ یہ آدھی قیمت پہلی جنایت والے کو دے دے، وَهٰذَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے، یعنی شیخین رحمہما اللہ کے ساتھ امام محمد رحمہ اللہ بھی یہاں پر فرماتے ہیں کہ یہ والا آدھا کس کو دے دے؟ پہلی جنایت والے کو، اور پچھلے مسئلے میں کیا فرماتے تھے؟ کہ وہ آدھا پہلی جنایت والے کو نہیں دینا ورنہ بدل اور مبدل منہ کا ایک ہی شخص کی ملکیت میں جمع ہونا لازم آئے گا۔ تو بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ هٰذَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔ وَقِيلَ اور کہا گیا ہے یعنی بعض علماء فرماتے ہیں کہ فِيهِ خِلَافُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ كَمَا فِي تِلْكَ الْمَسْأَلَةِ کہ اس کے اندر بھی امام محمد رحمہ اللہ کا اختلاف ہے جیسے کہ اس پچھلے مسئلے میں تھا۔ تو یہاں گویا دو قول آ گئے، بعض علماء نے کیا کہا کہ اس مسئلے میں بھی امام محمد رحمہ اللہ اختلاف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آقا جو قیمت غاصب سے وصول کر کے لایا ہے وہ آدھی، اب وہ آدھی قیمت پہلی جنایت والے کو نہیں دے گا جیسے پچھلے مسئلے میں تھا۔ بھائی اگر نہیں دیتا پھر تو بات ٹھیک ہے، پچھلے مسئلے میں بھی وہ فرما رہے تھے نہیں دینی کیونکہ بدل اور مبدل منہ کا ایک ہی شخص کے پاس جمع ہونا لازم آ رہا ہے، تو پھر تو بات ٹھیک ہے، لیکن اگر یہ پہلا قول لیا جائے کہ یہ متفق علیہ ہے امام محمد رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ یہاں پر جو قیمت وصول کر کے لایا

ہے اس کا آدھا پہلے والے کو دے دے، پہلی جنایت والے کو دے دے، تو یہ فرق کیوں کیا امام محمد رحمہ اللہ نے؟ یہاں اشکال ہوتا ہے امام محمد رحمہ اللہ پر۔ دو قول ذکر کیے نا کہ امام محمد رحمہ اللہ بعض فرماتے ہیں یہ مسئلہ بھی پہلے مسئلے جیسا ہے اور وہ اختلاف کرتے ہیں، اور دوسرا قول کہ یہ مسئلہ کیا ہے؟ متفق علیہ۔ تو اگر وہ اختلاف کرتے ہیں پھر تو کوئی اشکال نہیں امام محمد رحمہ اللہ پر، پچھلے مسئلے میں بھی اختلاف تھا اور یہاں بھی اختلاف۔ اور اگر وہ اتفاق کرتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے، کیا فرق ہے اس مسئلے کا پچھلے مسئلے سے؟ تو اس کا جواب صاحبِ ہدایہ پھر دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہاں امام محمد رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ آدھی قیمت وہ پہلے والے کو دے دے گا۔ وجہ اس کی یہ کہ یہاں دونوں جنایتیں کس کے پاس ہوئی ہیں؟ غاصب کے پاس ہوئی ہیں، غاصب کے پاس ہوئی ہیں۔ لہٰذا سنو، توجہ سے سنو، دونوں جنایتیں ہوئی ہیں غاصب کے پاس، تو آقا پر ضمان آگیا، آقا نے آدھی قیمت پہلی جنایت والے کو دی اور آدھی قیمت دوسری جنایت والے کو۔ تو پہلی جنایت والے کو آدھی جو دینا پڑی کس کی وجہ سے دینا پڑی؟ غاصب، اور دوسری جنایت والے کو بھی جو آدھی دینا پڑی کس کی وجہ سے؟ غاصب۔ تو آقا رجوع کرے گا اور پوری قیمت لے آئے گا غاصب سے۔ اب جب غاصب سے لے کر آیا، تو یہ جو پوری قیمت لایا اس میں سے آدھا عوض ہے اس کا جو پہلی جنایت والے کو دیا تھا اور آدھا عوض ہے کس کا؟ جو دوسری جنایت والے کو آدھی قیمت دی تھی۔ لیکن اس میں سے آدھی پھر کس کو دے دے؟ پہلی جنایت والے کو۔ بھائی پھر تو عوض اور معوض جمع ہو رہے ہیں ایک آدمی کے پاس؟ فرماتے ہیں نہیں، یہ جو آدھی پہلی جنایت والے کو دے گا اس کو دوسری جنایت والے کا عوض قرار دے سکتے ہیں۔ یوں سمجھیں گے یہ جو اب دوبارہ دے رہا ہے اس کو، یہ اسی کا جو عوض لے کر آیا تھا وہ نہیں ہے، یہ اس کا عوض ہے جو پہلی جنایت والے کو دینا پڑا تھا، بات سمجھ میں آگئی؟ پوری قیمت لایا ہے نا، آقا پوری قیمت کس سے لایا ہے؟ غاصب سے، اور اس پوری قیمت میں سے آدھی کس کی وجہ سے لانی پڑی؟ پہلی جنایت والے کی وجہ سے، اور آدھی کس کی وجہ سے؟ دوسری جنایت والے کی وجہ سے۔ تو اب جب دوبارہ پہلی جنایت والے کو آدھی دے گا تو یہ وہ والی آدھی نہ قرار دو جو پہلی جنایت والے کے عوض میں لایا تھا، بلکہ اس کو دوسری جنایت والے کا عوض قرار دے دو، تو گویا دوسری جنایت والے کا جو آدھا اس کے عوض میں لایا ہے وہ کس کو دے دے؟ پہلی جنایت والے کو، تو اب عوض اور معوض ایک آدمی کے پاس جمع نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟[٢]

تو یہ معنی ہے: قِيلَ کہا گیا ہے دَفَعَ النِّصْفَ إِلَى الْأَوَّلِ کہ آدھی قیمت دے دے گا پہلی جنایت والے کو وَهٰذَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے ہمارے تینوں ائمہ میں یعنی امام محمد رحمہ اللہ وہ بھی یہاں پر ان کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں۔ وَقِيلَ اور کہا گیا ہے فِيهِ خِلَافُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ كَمَا فِي تِلْكَ الْمَسْأَلَةِ کہ اس کے اندر بھی امام محمد رحمہ اللہ اختلاف

[٢] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ١٨٤):** صوتی درس کی قراءت میں «وَدَفَعَ النِّصْفَ إِلَى الْأَوَّلِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «ودفعَ إلى الأوَّل،» منقول ہے۔

کرتے ہیں جیسے اس پچھلے مسئلے میں تھا۔

آگے دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: وَمَنْ غَصَبَ صَبِيًّا حُرًّا فَمَاتَ مَعَهُ فَجْأَةً أَوْ بِحُمًّى لَمْ يَضْمَنْ، وَإِنْ مَاتَ بِصَاعِقَةٍ أَوْ نَهْشِ حَيَّةٍ ضَمِنَ عَاقِلَتُهُ الدِّيَةَ.

صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے ایک بچے کو غصب کر لیا، آزاد بچے کو کسی شخص نے غصب کر لیا، اور وہ بچہ اس کے پاس مر گیا اچانک یعنی طبعی موت مر گیا، اس نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا، بچہ اس کے پاس ویسے ہی مر گیا، أَوْ بِحُمًّى یا بخار کی وجہ سے بچہ مر گیا، تو اس صورت میں اس غصب کرنے والے پر ضمان نہیں آئے گا۔ اور اگر ایک شخص نے ایک آزاد بچے کو غصب کیا اور پھر اس بچے پر آسمانی بجلی گری اور وہ ہلاک ہوا، یا سانپ نے اس کو ڈس لیا اور وہ بچہ ہلاک ہوا، تو اس صورت میں وہ شخص یعنی اس کی عاقلہ ضامن ہوگی اور ان کو پوری دیت دینا پڑے گی۔ بخار سے بچہ ہلاک ہوا یا ویسے ہلاک ہوا پھر تو دیت نہیں، ضمان نہیں، لیکن اگر آسمانی بجلی سے ہلاک ہوا ہے یا سانپ کے ڈسنے سے ہلاک ہوا ہے تو اس پر ضمان آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے وجہ بیان کرتا ہوں آگے۔

کہتے ہیں: وَمَنْ غَصَبَ صَبِيًّا حُرًّا اور جس نے غصب کر لیا ایک آزاد بچے کو، فَمَاتَ مَعَهُ تو بچہ مر گیا اس کے پاس فَجْأَةً، فَجْأَةً اچانک بھائی اچانک، فَجْأَةً اچانک، أَوْ بِحُمًّى یا بخار کی وجہ سے، حُمًّى بخار کو کہتے ہیں، أَوْ بِحُمًّى یا بخار کی وجہ سے بچہ مر گیا، لَمْ يَضْمَنْ تو اس صورت میں وہ شخص ضامن نہیں ہوگا۔ وجہ اس کی یہ بھائی کیونکہ اس بچے کی موت میں اس آدمی کا دخل نہیں ہے بھائی۔ اچانک موت تو اپنے گھر میں بھی بچے کو آسکتی ہے، اور بخار کی وجہ سے موت جو ہے وہ تو اس کے اپنے گھر پر بھی آسکتی ہے، لہٰذا اس بچے کی ہلاکت میں اس آدمی کا کوئی دخل نہیں، لہٰذا اس پر ضمان نہیں ہے۔ اس کا جرم غصب تو ہو سکتا ہے لیکن بچے کی ہلاکت میں تو اس کا دخل نہیں ہے بھائی۔

وَإِنْ مَاتَ بِصَاعِقَةٍ أَوْ نَحْشِ حَيَّةٍ، میری کتاب میں ہے بِهَشِّ حَيَّةٍ، یہ غلط ہے بھائی، أَوْ نَحْشِ، نَحْشٌ کہتے ہیں نَحَشَ يَنْحَشُ کا معنی ہے سانپ کا کسی کو ڈس لینا۔ أَوْ نَحْشِ حَيَّةٍ یا سانپ کے ڈسنے کی وجہ سے وہ بچہ مر گیا۔ وَإِنْ مَاتَ بِصَاعِقَةٍ أَوْ نَحْشِ حَيَّةٍ اور اگر وہ بچہ مر گیا آسمانی بجلی کی وجہ سے أَوْ نَحْشِ حَيَّةٍ یا سانپ کے ڈسنے کی وجہ سے، ضَمِنَ عَاقِلَتُهُ الدِّيَةَ تو ضامن ہوگی اس شخص کی عاقلہ دیت کی۔ عاقلہ دیت کی ضامن ہوگی۔ بھائی کیوں؟ وجہ یہ کہ یہاں پر وہ آدمی اس کی موت کا سبب بن گیا ہے۔ اس لیے کیونکہ آسمانی بجلی ہر جگہ زیادہ نہیں گرتی بھائی، بعض علاقوں میں آسمانی بجلی زیادہ گرتی ہے اور بعض علاقوں میں کم، یا جیسے پہاڑی علاقہ ہے پہاڑی علاقے میں آسمانی بجلیاں زیادہ گرتی ہیں، تو یہ شخص اس بچے کی موت کا سبب بن گیا کیونکہ یہ لے گیا اس کو اس علاقے میں، اس پہاڑی علاقے میں جہاں پر بجلیاں زیادہ گرتی ہیں، اور بچہ ہلاک ہو گیا، تو یہ سبب بن گیا اس لیے اس پر دیت آئے گی۔ اور اسی طرح سانپ کے ڈسنے سے بھی یہ ضامن ہوگا اس لیے کیونکہ سانپ بھی ہر جگہ نہیں ہوتے زیادہ بھائی، بعض علاقوں میں سانپ زیادہ ہوتے ہیں بعض میں بہت کم ہوتے ہیں، تو معلوم ہوا

یہ اس بچے کو ایسی جگہ لے گیا جہاں پر سانپ زیادہ ہوتے ہیں اور اس کی وجہ سے بچہ ہلاک ہوا تو یہ بچے کی موت کا سبب بن گیا، اس لیے ضامن ہوگا۔ ضابطہ سمجھ میں آیا؟ معلوم ہوا جب کوئی کسی کو غصب کر لے اور بچہ وغیرہ اس کے پاس ہلاک ہوا تو سبب کو دیکھیں گے کیسا سبب ہے، یہ ہر جگہ پایا جاتا ہے یا جہاں یہ لے کر چلا گیا تھا وہاں زیادہ پایا جاتا ہے؟ اگر ہر جگہ پایا جاتا ہے تو وہ موت کا ذمہ دار نہیں، ضمان نہیں آئے گا موت کا۔ غصب وغیرہ کی وجہ سے جو قاضی سزا دے وہ الگ ہے بھائی۔ اور اگر سبب خاص ہے جو ہر جگہ نہیں ہوتا، یہ اس کو وہاں لے گیا اور وہ موت کا سبب بنا تو یہ ذمہ دار ہے موت کا، تو اس صورت میں اس پر ضمان آئے گا۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟[3]

دیکھیے کہتے ہیں: وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَضْمَنَ بِالْغَصْبِ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ شخص غصب کی وجہ سے ضامن نہ ہو، وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللهُ اور یہی قول امام زفر اور امام شافعی رحمہما اللہ کا بھی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیوں؟ کہتے ہیں لِأَنَّ الْغَصْبَ فِي الْحُرِّ لَا يَتَحَقَّقُ اس لیے کیونکہ غصب جو ہے وہ آزاد آدمی میں نہیں پایا جاتا بھائی۔ آزاد آدمی میں غصب نہیں ہوتا، غصب تو مال کو کیا جاتا ہے، آزاد آدمی کو غصب نہیں کیا جاتا۔ لیکن استحساناً ضمان آئے گا۔ اب وہ ذکر کر رہے ہیں وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ استحسان کی وجہ یہ ہے۔ بھائی میں بار بار ذکر کرتا ہوں ایک ہے قیاس، ایک ہے استحسان، تاکہ آپ کے خوب ذہن نشین ہو جائے بھائی، اگلے درجوں میں بھی ان باتوں کو ساتھ ساتھ دہراتے رہا کریں کبھی تاکہ خوب ذہن نشین ہو جائیں۔ ایک ہے قیاس، ایک ہے استحسان۔ قیاس جو ہے وہ عقلی دلیل کو کہتے ہیں، اور استحسان جو ہے ہر وہ شرعی دلیل جو قیاس کے مقابلے میں آجائے اس کو استحسان کہتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص ایک مسئلے کے اندر قیاس پیش کرتا ہے اور آپ قرآن کی آیت ذکر کرتے ہیں تو یہ آیت استحسان کہلائے گی کیونکہ اس کے مقابلے میں کیا موجود ہے؟ قیاس۔ تو قیاس مقابلے میں ہو تو مقابل دلیل کو استحسان کہتے ہیں، اگر مقابلے میں قیاس نہ ہو تو پھر اس کو استحسان نہیں کہتے۔ یا ایک شخص ایک مسئلے میں دلیل ذکر کرتا ہے عقلی دلیل بھائی، قیاس ذکر کرتا ہے، اور آپ مقابلے میں حدیث ذکر کر دیتے ہیں تو یاد رکھو آپ کی جو دلیل ہے وہ قیاس کے مقابلے میں ہے، اگرچہ حدیث ہے لیکن اس کو استحسان کہیں گے۔ لیکن البتہ زیادہ تر استحسان کا جو ہے وہ اطلاق قیاسِ خفی پر ہوتا ہے۔ ایک قیاسِ جلی ہے ایک قیاسِ خفی۔ قیاسِ جلی، جلی نام سے ہی ظاہر ہے جو ظاہر ہو، اور خفی جو پوشیدہ ہو۔ جو قیاسِ جلی ہے یعنی جو بات جو ظاہر ہے فوراً ہی عقل جہاں تک پہنچ جاتی ہے اس کو قیاسِ جلی کہتے ہیں، اور جو ذرا گہری بات ہو فوراً ذہن وہاں تک نہیں پہنچتا غور و فکر کرنا پڑتا ہے اس کو قیاسِ خفی کہتے ہیں۔ اور استحسان کا اطلاق زیادہ تر قیاسِ خفی پر ہوتا ہے، قیاسِ خفی پر۔ لیکن قیاسِ خفی کو بھی تب استحسان کہیں گے جب اس کے مقابلے میں قیاسِ جلی موجود ہو، پھر کہیں گے یہ استحسان ہے، اور اگر مقابلے میں قیاسِ جلی نہیں

[3] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ١٨٥): صوتی درس کی قراءت میں «وَإِنْ مَاتَ بِصَاعِقَةٍ أَوْ نَحْشِ حَيَّةٍ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وإن ماتَ بصاعقةٍ أو نهشِ حيَّةٍ» منقول ہے۔

ہے پھر قیاس جتنا بھی خفی ہو اس کو قیاس ہی کہیں گے استحسان نہیں کہیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں بھی دیکھو قیاس موجود ہے اس لیے استحسان ذکر کیا، اس کے مقابلے میں جو قیاسِ خفی ہے اس کو استحسان کہا۔

کہتے ہیں: وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ استحسان کی وجہ یہ ہے، أَنَّهُ لَا يَضْمَنُ بِالْغَصْبِ کہ یہ جو غصب کرنے والا ہے یہ غصب کی وجہ سے ضامن نہیں کیونکہ آزاد میں تو غصب ہوتا ہی نہیں ہے، بَلْ بِالْإِتْلَافِ بلکہ یہ اس کو ہلاک کرنے کی وجہ سے ضامن ہے، تَسْبِيبًا بِنَقْلِهِ إِلَى مَكَانٍ فِيهِ الصَّوَاعِقُ أَوِ الْحَيَّاتُ۔ تَسْبِيب، سَبَّبَ يُسَبِّبُ تَسْبِيبٌ کا معنی ہے سبب بنانا۔ تَسْبِيبًا سبب بننے کی وجہ سے، کہ یہ آدمی کیا بن گیا؟ اس کے قتل کا سبب، تَسْبِيبًا بِنَقْلِهِ إِلَى مَكَانٍ سبب بننے کی وجہ سے بوجہ نقل کرنے اس بچے کو إِلَى مَكَانٍ ایسی جگہ میں فِيهِ الصَّوَاعِقُ جس میں آسمانی بجلیاں ہوتی ہیں أَوِ الْحَيَّاتُ یا جہاں سانپ ہوتے ہیں۔ تو یہ سبب بن گیا، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ پھر ترجمہ دیکھیں: وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهُ لَا يَضْمَنُ بِالْغَصْبِ بَلْ بِالْإِتْلَافِ تَسْبِيبًا بِنَقْلِهِ إِلَى مَكَانٍ فِيهِ الصَّوَاعِقُ أَوِ الْحَيَّاتُ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ وہ شخص غصب کی وجہ سے ضامن نہیں ہوگا، بَلْ بِالْإِتْلَافِ بلکہ اس کو ہلاک کرنے کی وجہ سے سبب بنتے ہوئے بوجہ اس کو نقل کرنے کے ایسی جگہ کی طرف جس کے اندر آسمانی بجلیاں اور سانپ ہوتے ہیں۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟

آگے دیکھیے: كَمَا فِي صَبِيٍّ أُودِعَ عَبْدًا فَقَتَلَهُ فَإِنْ أَتْلَفَ مَالًا بِلا إِيدَاعٍ ضَمِنَ وَإِنْ أَتْلَفَ بَعْدَهُ لَا۔

صورتِ مسئلہ یہ ہے: ایک شخص بچے کے پاس اپنا کوئی مال رکھوا دیتا ہے اور بچہ اس کو ہلاک کر دیتا ہے، ضائع کر دیتا ہے، تو بچے پر ضمان نہیں آئے گا۔ بھائی کیوں نہیں آئے گا؟ بچے نے اس کا مال تلف کیا ہے، مال ہلاک کیا، بچے نے اس کا مال ضائع کیا ہے، کہتے ہیں اس آدمی کا مال مالِ محترم تھا، مالِ محفوظ تھا، مالِ محفوظ تھا، لیکن اس نے خود بچے کے حوالے کر دیا ہے، بچہ تو ناسمجھ ہے بھائی، بچے کے حوالے کر کے گویا اس نے خود اپنے مال کی حفاظت ختم کر دی، اب یہ مالِ محفوظ رہا ہی نہیں، اور جب مالِ محفوظ نہیں تو اس کو ضائع کرنے کی وجہ سے بچے پر ضمان بھی نہیں آئے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ لیکن اس کے مقابلے میں اگر کسی نے اپنا غلام کسی بچے کے پاس بطورِ امانت کے رکھوایا اور بچے نے اس کو قتل کر دیا، مثلاً بچہ بارہ سال کا تھا غلام چار سال کا چھوٹا بچہ تھا ابھی، اس نے اس کے پاس غلام اپنا رکھوایا اور بچے نے اس کو قتل کر دیا، تو اس صورت میں بچے کی عاقلہ پر ضمان آئے گا۔ بھائی کیوں؟ اس نے بچے کی حفاظت میں دیا ہے تو پہلے تو غلام محفوظ تھا لیکن اب تو غیر محفوظ بن گیا، ابھی آپ نے ہمیں بتایا کہ مال محفوظ تھا لیکن جب بچے کو دے دیا تو خود ہی اس کی حفاظت کیا کر دی؟ ختم کر دی، خود ہی ہلاکت والی جگہ پہ مال پہنچا دیا، تو یہ آدمی ذمہ دار ہے بچہ تو ذمہ دار نہیں، لیکن یہاں غلام میں آپ کہتے ہیں کہ بچے پر دیت آئے گی۔ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ وہ جو مال ہوتا ہے اس کی عصمت مالک کا حق ہوتا ہے، عصمت حفاظت، حفاظت۔ مال محفوظ ہوتا ہے کس کے حق کی وجہ سے؟ مالک کے حق کی وجہ سے، اور مالک نے جب خود بچے کے حوالے کیا ہے تو اس نے خود اس کی حفاظت کیا کر دی مال کی؟ ختم کر دی، اس کا حق تھا نا۔ لیکن

غلام کی جو حفاظت ہوتی ہے، غلام کی جو عصمت ہوتی ہے، وہ غلام کے اپنے حق کی وجہ سے ہوتی ہے، مالک کے حق کی وجہ سے نہیں، لہٰذا جب غلام بچے کو دیا تو غلام ابھی بھی معصوم ہے بھائی، معصوم الدم ہے، کیونکہ اس کی عصمت مالک کی وجہ سے ہے ہی نہیں، اپنی ذات کی وجہ سے ہے، لہٰذا اس کی عصمت ختم نہیں، جب وہ مالِ محفوظ ابھی تک ہے تو اب بچہ جب اس کو ضائع کرے گا قتل کرے گا تو اس پر ضمان آئے گا اور اس غلام کی قیمت دے گی بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

کہتے ہیں: كَمَا فِي صَبِيٍّ۔ پچھلے مسئلے میں کیا تھا؟ اگر بچہ مرا آسمانی بجلی سے أَوْ نَحْشِ حَيَّةٍ یا سانپ کے ڈسنے سے، ضَمِنَ عَاقِلَتُهُ الدِّيَةَ تو اس غاصب کی عاقلہ دیت کی ضامن ہوگی، كَمَا فِي صَبِيٍّ جیسے اس مسئلے میں ہے کہ یہاں پر بھی بچے کی عاقلہ ضامن ہوگی۔ تو کہتے ہیں كَمَا فِي صَبِيٍّ جیسے کہ اس بچے کے اندر، أُودِعَ عَبْدًا کہ امانت رکھوایا گیا اس بچے کے پاس عَبْدًا کسی غلام کو، فَقَتَلَهُ پھر بچے نے اس کو قتل کر دیا، تو جیسے اس میں بچے کی عاقلہ کیا ہوگی؟ ذمہ دار ہوگی۔ اس صورت میں عاقلہ ضامن ہوگی اور اس غلام کی قیمت دے گی بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ یہ مقتول غلام تھا اور غلام کے اندر دیت نہیں آتی اس کی قیمت آتی ہے، تو عاقلہ اس غلام کی قیمت ادا کریں گے بھائی۔

فَإِنْ أَتْلَفَ مَالًا بِلا إِيدَاعٍ ضَمِنَ۔ ہاں، ایک اور بات یاد رکھنا، یہ تو وہ صورت تھی جب مال بچے کے پاس بطورِ امانت کے رکھوایا اور پھر بچے نے ہلاک کر دیا مال کو ضائع کر دیا تو بچے پر ضمان نہیں، کیونکہ مال محفوظ تھا کس کا حق تھا؟ مالک کا، اور مالک نے خود اس کو تباہی کے کنارے پہنچا دیا بچے کے حوالے کر دیا اور بچہ تو ناسمجھ ہے تو اب ضمان نہیں آئے گا۔ لیکن اگر ویسے ہی بچے نے کسی کی چیز تلف کر دی، چلتے چلتے کسی کی کوئی چیز توڑ دی خراب کر دی ضائع کر دی، بچے کے پاس تو امانت نہیں رکھوائی تھی ویسے ہی اس نے کوئی چیز ضائع کر دی، تو اس صورت میں ضمان آئے گا بھائی۔ تو کہتے ہیں: فَإِنْ أَتْلَفَ مَالًا اگر بچے نے کوئی مال تلف کر دیا بِلا إِيدَاعٍ بغیر امانت رکھوائے ہی، ضَمِنَ تو اس صورت میں وہ ضامن ہوگا۔ وَإِنْ أَتْلَفَ بَعْدَهُ لَا اور اگر اس نے مال کو ہلاک کیا بَعْدَهُ أَيْ بَعْدَ الْإِيدَاعِ امانت رکھوانے کے بعد، تو لَا اس صورت میں وہ ضامن نہیں ہوگا۔

کہتے ہیں: الْإِيدَاعُ يَتَعَدَّى إِلَى الْمَفْعُولَيْنِ۔ اوپر متن میں آیا تھا نا كَمَا فِي صَبِيٍّ أُودِعَ عَبْدًا، أُودِعَ عَبْدًا، تو اشکال ہوتا ہے کہ أُودِعَ امانت رکھوائی گئی، عَبْدٌ اس کو نائب فاعل ہونا چاہیے، کس کو امانت رکھوایا گیا؟ غلام کو۔ تو آپ کو بتلا رہے ہیں نہیں بھائی، یہ عَبْدًا مفعول ہے یہ اسی طرح ہے، یہ دراصل أَوْدَعَ يُودِعُ کا معنی ہے امانت کسی کے پاس رکھوانا اور یہ دو مفعول چاہتا ہے۔ کتنے مفعول چاہتا ہے؟ دو مفعول۔ اور پھر جب اس کو ہم فعلِ مجہول بنائیں گے تو ایک مفعول ہے وہ تو نائب فاعل بن جائے گا اور دوسرا مفعول اسی طرح مفعول کا مفعول رہے گا، تو أُودِعَ کے اندر هُوَ ضمیر ہے وہ نائب فاعل ہے اور وہ بچے کو راجع ہے کہ اس بچے کے پاس امانت رکھوائی گئی عَبْدًا ایک غلام کو، بات سمجھ میں؟ بچے کے پاس امانت رکھوایا گیا عَبْدًا ایک غلام کو، تو یہی اب بیان کریں گے۔

کہتے ہیں: الْإِيدَاعُ يَتَعَدَّى إِلَى الْمَفْعُولَيْنِ کہ إِيدَاع کا فعل جو ہے یہ متعدی ہوتا ہے دو مفعولوں کی طرف، يُقَالُ عربی میں کہتے ہیں أَوْدَعْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا، أَوْدَعْتُ میں نے امانت رکھوایا زَيْدًا زید کے پاس دِرْهَمًا ایک درہم، تو یہ دو مفعول چاہتا ہے۔ پھر جب اس کو مجہول بنائیں گے تو کیسے کریں گے؟ أُودِعَ زَيْدٌ دِرْهَمًا امانت رکھوائی گئی زید کے پاس دِرْهَمًا ایک درہم، تو زید تو نائب فاعل بن جائے گا لیکن دِرْهَمًا اسی طرح مفعول رہے گا۔ فَالْفِعْلُ الْمَجْهُولُ وَهُوَ أُودِعَ پس فعلِ مجہول جو ہے اور وہ أُودِعَ ہے جو متن میں آیا، أُسْنِدَ إِلَى الْمَفْعُولِ الْأَوَّلِ اس کا اسناد کیا گیا مفعولِ اول کی طرف وَهُوَ الصَّبِيُّ اور وہ صَبِي ہے یعنی اس کے اندر هُوَ ضمیر ہے جو صَبِي کو راجع ہے، فَالْوَدِيعَةُ عِنْدَهُ إِنْ كَانَ عَبْدًا پس امانت اگر اس بچے کے پاس جو تھی اگر وہ غلام تھا، ضَمِنَهُ بِالْقَتْلِ تو بچہ اس کا ضامن ہوگا قتل کرنے کی وجہ سے، وَإِنْ كَانَ مَالًا غَيْرَهُ لَا يَضْمَنُهُ اور اگر کوئی مال تھا غلام کے علاوہ تو بچہ ضامن نہیں ہوگا، عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک۔ وَيَضْمَنُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللهُ اور ضامن ہوگا امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک، وہ فرماتے ہیں کوئی اور مال بچے کے پاس رکھوایا ہے تو بھی ضمان آئے گا۔ لِأَنَّهُ أَتْلَفَ مَالًا مَعْصُومًا اس لیے کیونکہ بچے نے تلف کر دیا، ہلاک کر دیا مَالًا مَعْصُومًا ایسا مال جو محفوظ تھا، معصوم کا کیا معنی؟ محفوظ، جو محفوظ تھا۔ قُلْنَا ہم جواب میں کہتے ہیں: غَيْرُ الْعَبْدِ مَعْصُومٌ لِحَقِّ السَّيِّدِ کہ غلام کے علاوہ جو اور مال ہے وہ معصوم ہے یعنی محفوظ ہے لِحَقِّ السَّيِّدِ آقا کے حق کی وجہ سے، وَقَدْ فَوَّتَهُ اور آقا نے خود اس کی عصمت فوت کر دی، اس کی حفاظت فوت کر دی، حَيْثُ وَضَعَهُ فِي يَدِ صَبِيٍّ اس حیثیت سے کہ آقا نے اس کو رکھوا دیا بچے کے قبضے میں، بچے کے ہاتھ میں۔ وَأَمَّا الْعَبْدُ فَعِصْمَتُهُ لِحَقِّهِ اور باقی غلام جو ہے اس کی عصمت جو ہے وہ اس غلام کے اپنے حق کی وجہ سے ہے، یعنی وہ اپنی ذات کی وجہ سے وہ معصوم الدم ہے، آقا کی وجہ سے وہ معصوم الدم نہیں، تو آقا نے دے بھی دیا تو اب بھی وہ معصوم الدم ہی ہے، آقا کے فعل سے اس کا معصوم الدم ہونا ختم نہیں۔ لیکن مال جب آقا نے دیا تو آقا نے گویا خود ہی اس کی حفاظت ختم کر دی۔

تو کہتے ہیں: وَأَمَّا الْعَبْدُ فَعِصْمَتُهُ لِحَقِّهِ اور باقی غلام جو ہے تو اس کی عصمت اس کی حفاظت جو ہے اس کے اپنے حق کی وجہ سے ہے، إِذْ هُوَ مُبْقًى عَلَى أَصْلِ الْحُرِّيَّةِ فِي حَقِّ الدَّمِ اس لیے کیونکہ غلام جو ہے اس کو باقی رکھا گیا ہے اصلِ حریت پر فِي حَقِّ الدَّمِ اس کے خون کے حق میں۔ یاد رکھو غلام ویسے تو مال ہے، مال، لیکن اس، اپنے خون کے اعتبار سے، اپنے خون کے لحاظ سے اس کو اصلِ حریت پر باقی رکھا گیا ہے۔ اصل، انسان میں اصل ہے حریت، غلام جو بنتا ہے وہ کسی عارض کی وجہ سے بنتا ہے، اصل انسان میں کیا ہے؟ اللہ نے اس کو آزاد پیدا کیا ہے، اپنے خون کے لحاظ سے غلام جو ہے وہ اصلِ حریت پر اس کو باقی رکھا گیا ہے، یعنی جیسے آزاد آدمی معصوم الدم ہوتا ہے تو یہ بھی آزاد کی طرح کیا ہے؟ معصوم الدم۔ اس کے، ذات کے اعتبار سے یہ ٹھیک ہے یہ غلام ہے لیکن اپنے خون کے اعتبار سے یہ کیا ہے؟ معصوم الدم ہے۔ یہ معنی ہے إِذْ هُوَ مُبْقًى عَلَى أَصْلِ الْحُرِّيَّةِ اس لیے کیونکہ غلام جو ہے اس کو باقی رکھا گیا ہے عَلَى أَصْلِ الْحُرِّيَّةِ اصلِ حریت

پر، حریت کی اصل پر اس کو باقی رکھا گیا ہے فِي حَقِّ الدَّمِ اس کے خون کے حق میں۔ چنانچہ اسی لیے، یہ تو آقا کا مال ہے، اس سے جو خدمت وغیرہ آقا لینا چاہے لے سکتا ہے، لیکن اگر آقا کہے، آقا اقرار کرے میرے اس غلام نے فلاں کو قتل کیا ہے، تو اس کے لیے اقرار کر رہا ہے، کس پر؟ غلام پر، تو آقا کا یہ قول غلام پر نافذ نہیں ہوگا، اس آقا کے اقرار سے غلام پر، غلام پر دیت یا قصاص نہیں آسکتا کیونکہ غلام اپنی ذات کے اعتبار سے تو غلام ہے لیکن اپنے خون کے اعتبار سے وہ آزاد ہی ہے، آقا اس پر قصاص یا دیت کو واجب نہیں کر سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ٦١: باب القسامۃ وکتاب المعاقل: قسامت کی شرائط، پچاس قسمیں، محلہ و مشترک مکان کے احکام اور عاقلہ کا بیان

شرح الوقایہ صفحہ: ١٤١ – بتاریخ: ٤ مارچ ٢٠٢٠ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق:[1]

بَابُ الْقَسَامَةِ

مَيِّتٌ بِهِ جُرْحٌ أَوْ أَثَرُ ضَرْبٍ أَوْ خَنْقٍ أَوْ خُرُوجُ دَمٍ مِنْ أُذُنِهِ أَوْ عَيْنِهِ وُجِدَ فِي مَحَلَّةٍ أَوْ بَدَنُهُ بِلَا رَأْسِهِ أَوْ أَكْثَرُهُ أَوْ نِصْفُهُ مَعَ رَأْسِهِ لَا يُعْلَمُ قَاتِلُهُ وَادَّعَى وَلِيُّ الْقَتِيلِ عَلَى أَهْلِهَا أَوْ بَعْضِهِمْ.

بَابُ الْقَسَامَةِ۔ یاد رکھیے قسامت اسم ہے بمعنیٰ قسم کے۔ یعنی قسامت کا معنیٰ ہے قسم بھائی، قسامت کا معنیٰ ہے

[1]

جدول – باب القسامۃ وکتاب المعاقل – قسامت اور عاقلہ کے شرعی ضوابط:

باب / عنوان	شرائط و کیفیت	شرعی حکم و مقدار
قسامت کی شرائط	مقتول کا کسی محلے میں زخم یا اثرِ قتل کے ساتھ پایا جانا اور قاتل کا مجہول ہونا	ولیِ مقتول کے دعوے پر محلے کے ۵۰ مردوں سے ۵۰ قسمیں لی جائیں گی۔
قسامت کی قسم کے الفاظ	«واللہ! نہ ہم نے اسے قتل کیا اور نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں»	قسم کھانے کے بعد اہلِ محلہ کی عاقلہ پر دیت واجب ہوگی (قصاص نہیں)۔
عاقلہ کی تعریف	اہلِ دیوان (فوجی رجسٹر کے شرکاء) اور ان کے نہ ہونے پر قاتل کے عصبات (قبیلہ)	تین سال کی تین مساوی قسطوں میں دیت ادا کریں گے۔
کن اموال کو عاقلہ نہیں اٹھاتی؟	قتلِ عمد، اقرار سے ثابت شدہ دیت، صلح کا مال، اور نصف عشر سے کم ارش	یہ تمام اموال عاقلہ پر نہیں بلکہ خود جانی کے اپنے مال میں واجب ہوتے ہیں۔

قسم۔ تو یا تو یہ اسم ہے بمعنیٰ قسم کے، یا یہ مصدر ہے یعنی قسم کھانا، قسامت کا کیا معنیٰ؟ قسم کھانا، قسم کھانا۔ اور اسی طرح قسامت اس جماعت کو بھی کہتے ہیں جو قسم کھائے بھائی، جو قسم کھائے۔ یاد رکھیے قسامت یہ ہے کہ اگر کسی محلے یا مکان میں کوئی مقتول پایا جائے، کوئی آدمی ہے اس کو کسی نے قتل کر دیا ہے، کسی محلے میں وہ مقتول ملا ہے یا کسی مکان میں مرا ہوا ملا اور قاتل کا پتا نہ ہو تو وہاں قسامت پر عمل کیا جائے گا۔ اور اس صورت میں اس محلہ کے پچاس آدمی قسم کھائیں گے کہ نہ ہم نے قتل کیا ہے اور نہ ہمیں قاتل کا علم ہے۔ اس محلے والے، اس محلے کے پچاس افراد قسمیں کھائیں گے۔ کیا قسم کھائیں گے کہ نہ ہم نے قتل کیا ہے اسے اور نہ ہمیں اس کے قاتل کا علم ہے۔ اس کو کہتے ہیں قسامت بھائی، پچاس قسمیں لی جائیں گی اس مقتول کے قاتل کا پتا چلانے کے لیے۔

پھر اس میں تفصیل یاد رکھنا، تفصیل یاد رکھنا: وہاں اگر کوئی ادنیٰ اور معمولی کوئی ثبوت ہے، کسی قسم کا کوئی ثبوت ہے یا جو ولیِ مقتول ہے ان کو شک ہے کسی کے اوپر، تو جس کے بارے میں شک ہو، چاہے ایک آدمی ہو یا زیادہ آدمی ہوں، تو وہ قسم کھائیں گے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ وہ قسم کھائیں گے کہ ہم نے قتل نہیں کیا اور ہمیں اس کے قاتل کا علم نہیں، تو وہ قسم کھائیں گے بھائی۔ دیکھیے آگے تفصیل آ رہی ہے بھائی، مزید تفصیل میں آگے ذکر کرتا ہوں۔

بَابُ الْقَسَامَةِ، یہ باب ہے قسامت کے بیان میں۔ مَيِّتٌ بِهِ جُرْحٌ۔ بھائی میں نے کیا بتلایا قسامت کسے کہتے ہیں؟ کہیں پر کوئی مقتول ملے، اس کو کسی نے قتل کیا ہے اور قاتل کا پتا نہیں۔ وہی اب ذکر کرنے لگے ہیں کہ مقتول پورا مل جائے کہیں مرا ہوا، یا اگر کہیں اس کی ایک ٹانگ کٹی ہوئی مل گئی، یا ہاتھ کٹا ہوا مل گیا، یا سر کٹا ہوا ملا، تو کس صورت میں قسامت آئے گی؟ تو یاد رکھنا قسامت اس صورت میں اس محلے والوں پر آئے گی جب اس مقتول کا پورا بدن کہیں ملے، یا اکثرِ بدن اس کا ملے، اکثرِ بدن، یا نصف ملا لیکن اس کے ساتھ سر بھی ہے، سر بھی اسی حصے کے ساتھ ہے، پھر قسامت آئے گی۔ اگر اس سے کم بدن ملتا ہے، کہیں صرف ایک ٹانگ مل گئی، پھر ان پر قسامت نہیں۔ اس لیے کیونکہ اس طرح تو ہو سکتا ہے ایک ٹانگ دوسرے محلے میں ملے ان پہ بھی قسامت آجائے گی، ہاتھ کہیں اور ملے گا ان پر بھی قسامت آجائے گی، سر کہیں اور ملے گا ان پر بھی قسامت آجائے گی۔ ایسا نہیں ہے۔ لہٰذا قسامت صرف کس میں آئے گی؟ جب پورا بدن یا اکثرِ بدن یوں کہو اکثر مل جائے بھائی۔

تو خود بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں: مَيِّتٌ بِهِ جُرْحٌ، ایسی میت جس پر کوئی زخم ہو۔ بھائی کوئی کسی جگہ مرا ہوا ملا، تو صرف مرا ہوا ملنے سے ان محلے والوں پر قسامت نہیں آئے گی بلکہ کوئی علامت بھی ہو جس سے پتا چلے اس کو کسی نے قتل کیا ہے۔ اگر ویسے ہی کسی جگہ مرا ہوا ملا اور کوئی نشان نہیں ہے پورے بدن پر، پھر تو معلوم ہوا یہ طبعی موت مرا ہے، کسی نے اس کو مارا نہیں ہے بھائی۔ تو کوئی ایسی علامت ہونی چاہیے جس سے پتا چلے کہ کسی نے اس کو قتل کیا ہے، پھر قسامت پر عمل

ہوگا۔ اسی لیے کہا: مَيِّتٌ بِهِ جُرْحٌ، ایسی میت جس پر زخم ہو۔ أَوْ أَثَرُ ضَرْبٍ، یا اس پر کسی ضرب کا نشان ہو کہ کسی نے اس کو مارا ہے، کوئی چیز ماری ہے۔ أَوْ خَنْقٍ، خَنَقٍ نہیں بھائی نون ساکن پڑھیں، أَوْ خَنْقٍ، یا اس کا کسی نے گلا گھونٹا ہے، نشان گردن پر پڑے ہوئے ہیں، معلوم ہوا کسی نے گلا دبایا ہے۔ أَوْ خُرُوجُ دَمٍ مِنْ أُذُنِهِ أَوْ عَيْنِهِ، یا خون کا نکلنا اس پر پایا گیا مِنْ أُذُنِهِ أَوْ عَيْنِهِ اس کے کان یا آنکھ سے۔

ایک میت ملی ہے اور کانوں سے خون نکلا ہے، یا اس کی آنکھوں سے خون نکلا ہوا ہے، معلوم ہوا اس کو کسی نے ضرب لگائی ہے اور اس ضرب کی وجہ سے کان یا آنکھ سے خون نکلا ہے، کیونکہ آنکھ اور کان سے ویسے خون نہیں نکلتا۔ ہاں آگے چل کے بتائیں گے اگر کوئی شخص مرا ہوا ملا اور اس کی ناک سے خون نکلا ہوا ہے، یا منہ سے خون نکلا ہوا ہے، یا اس کے پاخانے کے مقام سے خون نکلا ہے، تو اس صورت میں قسامت نہیں۔ اس لیے کیونکہ یہ اس چیز کی علامت نہیں ہے کہ کسی نے اس کو مارا ہے، ان جگہوں سے تو بیماری وغیرہ کی وجہ سے بھی خون نکل آتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن آنکھ اور کان سے تو خون نہیں نکلتا۔ تو اگر آنکھ اور کان سے خون نکلا ہوا ہے، تو معلوم ہوا اس کو کسی نے ضرب لگائی ہے سر پر اور اس سے خون نکلا اور یہ مرگیا ہے، تو پھر قسامت آئے گی۔ یہ معنیٰ ہے أَوْ خُرُوجُ دَمٍ مِنْ أُذُنِهِ أَوْ عَيْنِهِ، یا اس میت پر جو ہے وہ خون کا نکلنا پایا گیا اس کے کان میں سے یا اس کی آنکھ میں سے۔

وُجِدَ فِي مَحَلَّةٍ، اور اس میت کو پایا گیا کسی محلے کے اندر۔ أَوْ بَدَنُهُ بِلَا رَأْسِهِ، یا پوری میت تو نہیں ہے، اس کا بدن ہے بِلَا رَأْسِهِ بغیر اس کے سر کے۔ بغیر سر کے ہے تو اکثرِ بدن ہے نا، اکثرِ بدن ہے، تو اس میں بھی قسامت آئے گی۔ أَوْ أَكْثَرُهُ، یا اس کے اکثر، اکثر بدن جو ہے وہ ملا یعنی اکثر حصہ، ایک ٹانگ نہیں ہے یا دونوں ہاتھ نہیں ہیں باقی پورا بدن ہے، اور لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ، اکثر کے لیے بھی کل والا حکم ہے، تو لہٰذا اس صورت میں بھی قسامت آئے گی۔ تو کہتے ہیں أَوْ أَكْثَرُهُ یا اس کا اکثرِ بدن ملا کسی محلے میں، أَوْ نِصْفُهُ مَعَ رَأْسِهِ، اور یا اس کا نصف دھڑ ملا ہے مَعَ رَأْسِهِ اس کے سر کے ساتھ، تو یہ بھی کیا ہوا اکثر کی طرح ہی ہوا، لہٰذا یہاں بھی قسامت آئے گی۔ اور لَا يُعْلَمُ قَاتِلُهُ، اور اس کے قاتل کا علم نہیں، اس حال میں کہ اس کے قاتل کا علم نہیں ہے۔ اور وَادَّعَى وَلِيُّ الْقَتِيلِ عَلَى أَهْلِهَا أَوْ بَعْضِهِمْ، اور دعویٰ کرتا ہے مقتول کا ولی، قَتِيل بمعنیٰ مقتول کے ہے۔ اور وَادَّعَى اور دعویٰ کرتا ہے وَلِيُّ الْقَتِيلِ مقتول کا ولی عَلَى أَهْلِهَا اس محلے والوں پر أَوْ بَعْضِهِمْ یا ان میں سے بعض پر۔ اس کا دعویٰ پورے محلے والوں پر ہے کہ یہ قاتل ہیں یا بعض پر ہے کہ یہ قاتل ہیں، تو پھر قسامت آئے گی۔ اگر دعویٰ ہی نہیں کرتے تو بغیر دعویٰ کے تو، بغیر دعویٰ کے تو قسامت نہیں آئے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: حُلِّفَ خَمْسُونَ رَجُلًا مِنْهُمْ، تو قسم دی جائے گی پچاس آدمیوں کو ان میں سے، ان میں سے، ان محلے والوں میں سے پچاس آدمیوں کو قسم دی جائے گی۔ لیکن جو بھی پچاس قسمیں اٹھا لیں ایسا نہیں ہے، يَخْتَارُهُمُ الْوَلِيُّ، ان کو ولی جو ہے وہ پسند کرے گا، ان میں سے چن لے گا کہ یہ والے جو ہیں یہ افراد قسمیں کھائیں۔ کیونکہ محلے میں ہر طرح

کے لوگ ہیں، کچھ لوگ ہیں وہ تو قسم کی پرواہ بھی نہیں کریں گے وہ تو اٹھا لیں گے، لیکن جو نیک اور متقی لوگ ہیں وہ قسم کبھی بھی جھوٹی قسم نہیں اٹھائیں گے۔ تو ولی اختیار کرے گا کہ یہ والے افراد ہیں یہ قسم اٹھائیں، یا یہ ہیں جن پر ہمیں شک ہے یہ قسم اٹھائیں بھائی۔ یہ معنیٰ ہے کہ حُلِّفَ خَمْسُونَ رَجُلًا مِنْهُمْ يَخْتَارُهُمُ الْوَلِيُّ، کہ قسم دی جائے گی ان میں سے پچاس آدمیوں کو جن کو ولی جو ہے وہ اختیار کرے گا۔ اور کیا قسم اٹھائیں گے؟ بِاللَّهِ مَا قَتَلْنَاهُ وَلَا عَلِمْنَا لَهُ قَاتِلًا، کہ بِاللَّهِ کہ اللہ کی قسم مَا قَتَلْنَاهُ اس مقتول کو ہم نے قتل نہیں کیا وَلَا عَلِمْنَا لَهُ قَاتِلًا اور نہ ہم اس کے قاتل کے بارے میں جانتے ہیں۔ یہ تو جمع کا صیغہ استعمال کیا نا سب کی نسبت سے، ورنہ ہر ایک اپنی اپنی قسم اٹھائے گا کہ واللہ میں نے اس کو قتل نہیں کیا اور میں اس کے قاتل کے بارے میں کچھ نہیں جانتا، تو ہر شخص یہ قسم اٹھائے گا۔

لَا الْوَلِيُّ، ولی قسم نہیں اٹھائے گا۔ ولیِ مقتول قسم نہیں اٹھائے گا بھائی، کیونکہ وہ تو دعویٰ کرنے والا ہے اور مدعی پر قسم نہیں آتی بلکہ مدعا علیہ پر آتی ہے قسم۔

ثُمَّ قُضِيَ عَلَى أَهْلِهَا بِالدِّيَةِ، پھر فیصلہ کر دیا جائے گا ان محلے والوں پر دیت کا، ان محلے والوں پر دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ بھائی دیکھو پچاس قسمیں وہ اٹھائیں گے اور پچاس قسمیں اٹھانے کے بعد بھی وہ بری نہیں ہوئے، ان کو دیت دینا پڑے گی۔ بھائی پھر قسامت کا کیا فائدہ؟ پچاس قسمیں دینے کا کیا فائدہ؟ کہتے ہیں بھائی قسامت کا فائدہ یہ ہے کہ ان سے قصاص دفع ہو جائے گا، قصاص دفع ہو جائے گا یا یہ قاتل کا پتا بتلا دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یا تو ان میں سے کوئی خود ہی اقرار کر لے گا، جھوٹی قسم اٹھانا گوارا نہیں کرے گا، قتل کا بے شک مان جائے گا کہ میں نے قتل کیا ہے۔

آج کل کیسا فتنے کا زمانہ آگیا کہ لوگ کسی بات کی، زبان کی تو پرواہ ہی نہیں کرتے، ہم بھی نہیں پرواہ کرتے کہ زبان سے کیا بول رہے ہیں اور کیا نہیں۔ کہتے ہیں بھائی زبان سے ہی کہا ہے نا کچھ کیا تو نہیں۔ بھائی یہ زبان اتنی خطرناک چیز ہے، یہ سب سے زیادہ انسان کو جہنم میں لے جانے والی ہے، یہ زبان۔ دیکھو کوئی کافر ہوتا ہے، زبان سے کہتا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، مسلمان ہو گیا یا نہیں؟ یہ اتنی طاقتور چیز ہے زبان بھائی، جہنم سے نکال کر اس کو جنت میں لے آئی، دیکھا۔ اور اسی زبان سے کوئی کلمۂ کفر کہہ دے تو کہاں پہنچ گیا؟ جہنمی بن گیا وہ، دیکھو زبان کتنی طاقتور چیز ہے۔ یہی زبان ہے بیوی اور خاوند یہ آپس میں نکاح کرتے ہیں، قبول کہتے ہیں، ساتھ ہی ان کا نکاح ہو جاتا ہے۔ اور اسی میں اگر زبان سے خاوند طلاق کہہ دے تو ساری عمر کے لیے جدائی ہو جاتی ہے۔ یہ زبان ایسی چیز ہے، لیکن ہم نے اس کو اتنا معمولی بنا دیا ہے کہ پرواہ ہی نہیں کرتے، کسی کو برا بھلا کہہ رہے ہیں، کسی کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں، کسی کو طعن و تشنیع ہو رہی ہے، طعنے دیے جاتے ہیں، طعنے تو تباہی کا باعث بن جاتے ہیں، خاندان کے خاندان اجڑ جاتے ہیں طعنوں کی وجہ سے، طعنے دیے جاتے ہیں، جھوٹ بولا جاتا ہے اور پرواہ بھی نہیں کی جاتی کہ ہم تو زبان، ہم نے کیا کیا ہے ہم نے تو زبان سے ہی

ایک بات کی ہے بھائی۔ اور یاد رکھو میں نے بتلایا حدیث میں آتا ہے سب سے زیادہ زبان انسان کو جو ہے جہنم میں گرانے والی ہے، لے جانے والی ہے۔ اور تو اپنے ایک ایک قول کا خیال رکھو بھائی، جو بھی زبان سے کہیں ایسی بات کہیں جس کو آپ ثابت کرنا پڑے تو آپ ثابت کر سکیں کسی کے پاس کسی پر، بات سمجھ میں آگئی؟ کسی کو برا بھلا کہتے ہیں یا کچھ، بہت بڑا گناہ ہے بھائی۔

اچھا جی، تو وہ دیکھو، تو قسامت کا فائدہ کیا ہوگا؟ یا تو کوئی اقرار کرلے گا، قاتل کا پتا چل جائے گا، جھوٹی قسم کھانا گوارا نہیں کرے گا اور قتل کا اقرار کرلے گا، یا قاتل کے بارے میں بتلا دیں گے کہ فلاں نے قتل کیا ہے جس کسی کو بھی پتا ہوگا، جھوٹی قسم نہیں کھائے گا لیکن قاتل کے بارے میں بتلا دے گا۔

تو کہتے ہیں: ثُمَّ قُضِيَ عَلَى أَهْلِهَا بِالدِّيَةِ، پھر فیصلہ کردیا جائے گا اس محلے والوں پر دیت کا، أَيْ بِدِيَتِهِ یعنی اس مقتول کی دیت کا ان پر فیصلہ کردیا جائے گا۔ بِالدِّيَةِ أَيْ بِدِيَتِهِ، یہ شارح ترجمہ کر رہے ہیں بِالدِّيَةِ کا۔ متن میں کیا آیا؟ بِالدِّيَةِ، اور ترجمہ کیا کیا؟ أَيْ بِدِيَتِهِ۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ الف لام عوض ہے مضاف الیہ سے۔ یاد رکھو علماء کے دو مذاہب ہیں اس میں، ایک ہے الف لام، ایک ہے مضاف الیہ۔ تو بعض علماء فرماتے ہیں یہ جو الف لام ہے یہ مضاف الیہ کا عوض ہو سکتا ہے۔ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں جَاءَنِي أَخُوهُ میرے پاس اس کا یعنی زید کا بھائی آیا۔ زید کا ذکر چل رہا تھا میں نے بار بار تو نام ذکر نہیں کرتے تو میں نے کیا ذکر کردیا ضمیر کو، جَاءَنِي أَخُوهُ، کیا ترجمہ؟ میرے پاس اس کا بھائی آیا یعنی زید کا بھائی آیا۔ اور اس کے بجائے بعض اوقات الف لام استعمال کرلیتے ہیں اور یوں کہتے ہیں: جَاءَنِي الْأَخُ میرے پاس وہ بھائی آیا، یہ الف لام کس لیے؟ کسی چیز کی طرف اشارہ ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ تو جَاءَنِي الْأَخُ آیا میرے پاس وہ بھائی، کون سا بھائی؟ یعنی وہ جو زید کا بھائی ہے۔ تو بعض علماء فرماتے ہیں یہ جو الف لام ہوتا ہے یہ مضاف الیہ کا عوض ہوتا ہے۔ مضاف الیہ تھا اس کو ختم کیا اور اس کی جگہ الف لام لے آئے۔ جیسے یہاں پر اصل میں کیا تھا بِدِيَتِهِ اس مقتول کی دیت، پھر ہا جو مضاف الیہ تھی اس کو ختم کیا اور اس کی جگہ الف لام لے آئے بِالدِّيَةِ، فیصلہ کردیا جائے گا اس دیت کا یعنی کون سی دیت کا؟ وہ جو مقتول کی دیت ہے، تو الف لام کے ذریعے کسی معین دیت کی طرف اشارہ ہوگیا۔ تو یہ الف لام عوض ہوا کس کا؟ مضاف الیہ کا۔ جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں نہیں الف لام مضاف الیہ کا عوض نہیں ہوتا، ہاں الف لام کے ذریعے کسی معین چیز کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ تو بِدِيَتِهِ کا کیا معنیٰ؟ اس کی دیت، اور الدِّيَة کا کیا معنیٰ؟

وہ والی دیت، کس، اس معین اسی دیت کی طرف اشارہ کردیا، تو مراد دونوں کی ایک ہی ہے۔ دِيَتِهِ سے بھی مراد جو دیت ہے، الدِّيَة سے بھی وہی دیت مراد ہے۔ تو بعض علماء نے کیا کہا یہ الف لام عوض ہے کس کا؟ مضاف الیہ کا۔ بعض فرماتے ہیں نہیں الف لام مضاف الیہ کا عوض نہیں ہو سکتا، ہاں اس کے ذریعے اشارہ ہوتا ہے کسی چیز کی طرف۔ تو اس کے ذریعے اسی کی طرف اشارہ تو ہو سکتا ہے لیکن خود الف لام اس مضاف الیہ کا عوض نہیں ہو سکتا۔ تو مآل یعنی

نتیجہ ایک ہی ہے بِدِيَتِهِ کہہ لیں یا بِالدِّيَةِ، دونوں علماء فرماتے ہیں اس سے وہی معین دیت مراد ہے جو یہاں ذکر ہو رہی ہے یعنی اس مقتول کی دیت۔ لیکن صرف اختلاف یعنی یوں کہو لفظی اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں یہ الف لام جو ہے مضاف الیہ کا عوض ہے اور بعض کہتے ہیں مضاف الیہ کا عوض نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: أَيْ بِدِيَتِهِ، یعنی اس مقتول کی جو دیت ہے اس کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔ فَالْأَلِفُ وَاللَّامُ يَقُومُ مَقَامَ ضَمِيرٍ يَعُودُ إِلَى الْمُبْتَدَأِ، تو یہ الف اور لام جو آیا الدِّيَةِ پر یہ قائم مقام ہے اس ضمیر کے جو لوٹ رہی ہے بتدا کی طرف، بات سمجھ میں آگئی؟ وہ جو میت پیچھے ذکر آیا تھا یا مقتول۔ وَهُوَ مَيِّتٌ، اور وہ بتدا کیا ہے؟ مَيِّتٌ ہے جو شروع میں آیا تھا۔ هَذَا عِنْدَنَا، یہ ہمارے نزدیک ہے، یہ جو متن میں ساری صورت تفصیل ذکر ہو گئی۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إِنْ كَانَ هُنَاكَ لَوْثٌ، اگر وہاں پر کوئی شبہ ہوا۔ لَوْثٌ کا معنیٰ ہے کوئی شبہ، کوئی یوں کہو غیر واضح ثبوت بھائی، غیر واضح ثبوت، کوئی معمولی ثبوت ہے، کسی کے کپڑوں پر ہلکا سا خون کا نشان مل گیا، یا کسی کی تلوار پر تھوڑا سا خون کا نشان مل گیا، یا کسی کے ساتھ اس مقتول کی دشمنی تھی اسی محلے کے اندر، تو دیکھو یہ شبہات ہیں جو کچھ نہ کچھ قاتل کی طرف رہنمائی کر رہے ہیں، واضح ثبوت تو نہیں لیکن معمولی ثبوت تو ہیں۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں إِنْ كَانَ هُنَاكَ لَوْثٌ اگر وہاں پر کوئی شبہ ہوا یعنی کوئی معمولی ثبوت ہوا۔ أَيْ عَلَامَةُ الْقَتْلِ عَلَى وَاحِدٍ بِعَيْنِهِ، یعنی کوئی قتل کی علامت تھی عَلَى وَاحِدٍ بِعَيْنِهِ کسی ایک معین پر، کسی ایک معین فرد پر کیا تھی؟ قتل کی علامت تھی۔ أَوْ ظَاهِرٌ يَشْهَدُ لِلْمُدَّعِي، یا ظاہرِ حال جو ہے وہ گواہی دے رہا ہے مدعی کے لیے۔ کیا معنیٰ؟ مِنْ عَدَاوَةٍ ظَاهِرَةٍ، یعنی ظاہری عداوت، ظاہری دشمنی تھی۔ کسی کے ساتھ اس مقتول کی ظاہری دشمنی تھی، تو یہ ظاہر دلالت کر رہا ہے کہ اس نے قتل کیا ہوگا، لیکن یہ کوئی بڑا ثبوت نہیں ہے البتہ ادنیٰ ثبوت ہے، یہ بالکل ساقط بھی نہیں۔ تو یہ معنیٰ ہے یا ظاہر گواہی دے رہا ہے مدعی کا مِنْ عَدَاوَةٍ ظَاهِرَةٍ یعنی کوئی ظاہری عداوت تھی کسی کے ساتھ۔ أَوْ شَهَادَةُ وَاحِدٍ عَدْلٍ، یا گواہی ہے ایک عادل آدمی کی۔ ایک گواہ موجود ہے، وہ کہہ رہا ہے اس نے قتل کیا ہے، لیکن ایک کی گواہی سے تو فیصلہ نہیں ہو سکتا بھائی، تو ایک عادل کی گواہی وہاں موجود ہے۔ أَوْ جَمَاعَةٌ غَيْرُ عُدُولٍ، یا ایک پوری جماعت ہے لیکن وہ عادل نہیں ہیں، قابلِ اعتماد نہیں ہیں، فاسق لوگ ہیں، ہے پوری جماعت لیکن فاسق لوگ ہیں، اور آپ نے پڑھا ہے گواہ کا عادل یعنی قابلِ اعتماد ہونا ضروری۔ تو اور ایک اور ضابطہ یاد رکھنا: فاسق لوگ گواہی دیں، آپ نے کیا پڑھا ہے گواہ کا عادل ہونا ضروری؟ بھائی یہ معنیٰ نہیں کہ فاسق کی گواہی قابلِ قبول ہی نہیں ہے۔ اگر گواہ عادل ہو، پھر تو قاضی پر لازمی ہے اس کی گواہی کو قبول کرنا اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا اس پر واجب ہے شرعاً بھائی، گویا اب قاضی مجبورِ محض بن گیا، اب اس کو وہی فیصلہ کرنا پڑے گا جو وہ عادل آدمی گواہی دے رہے ہیں۔ لیکن اگر فاسق ہیں گواہ، تو پھر قاضی احوال کو دیکھ لے گا کہ یہ کس قسم کے فاسق ہیں۔ بعض لوگ فاسق ہوتے ہیں، نیک امور کی طرف توجہ نہیں ہوتی، لیکن زبان کے پکے ہوتے ہیں، کسی کے سامنے جھوٹ

نہیں بولتے، انہوں نے اپنی ایک ساکھ بنائی ہوتی ہے لوگوں میں۔ جیسے آج کل آپ دیکھتے ہیں بعض لوگ کیا کرتے ہیں؟ ہاں کچھ نہ کچھ اس طرح کھل کر جھوٹ نہیں بولتے بھائی، تو اس صورت میں قاضی اس فاسق کی گواہی بھی قبول کر سکتا ہے۔ تو حاصلِ کلام یہ کہ عادل کی گواہی تو قبول کرنا قاضی پر لازم ہے، فاسق کی گواہی قاضی کی مرضی ہے قبول کرے یا قبول نہ کرے۔ بات سمجھ میں آئی؟ تو یہ آپ نہ سمجھ لینا کہ فاسق کی گواہی کبھی قبول ہی نہیں کر سکتا قاضی، نہیں نہیں، اس میں وہ اپنے اجتہاد کرے گا دیکھے گا کہ حالات کیا ہیں، کس قسم کا آدمی گواہی دے رہا ہے، اس کے قول کا اعتبار کیا جانا چاہیے یا نہیں کرنا چاہیے۔

تو کہتے ہیں اگر وہاں ایک ہی گواہ تھا عادل، اور ایک گواہ پر تو فیصلہ نہیں ہو سکتا، أَوْ جَمَاعَةٌ غَيْرُ عُدُولٍ یا ایک پوری جماعت تھی لیکن وہ عادل نہیں تھے، تو دیکھو اس سے اب قتل تو ثابت نہیں ہوگا کہ یہ شخص قاتل ہے، لیکن بہرحال یہ ظاہر دلالت کر رہا ہے کس کا؟ مدعی کا ساتھ دے رہا ہے۔ تو ایک نے گواہی دی یا پوری جماعت نے گواہی دی، کیا گواہی دی؟ أَنَّ أَهْلَ الْمَحَلَّةِ قَتَلُوهُ، کہ اس محلے والوں نے اس کو قتل کیا ہے، اس محلے والوں نے اس کو قتل کیا ہے۔ تو اسْتُحْلِفَ الْأَوْلِيَاءُ خَمْسِينَ يَمِينًا، تو پچاس قسمیں طلب کی جائیں گی اولیاء سے، اولیائے مقتول سے۔ پچاس قسمیں طلب کی جائیں گی وہ مقتول کے اولیاء سے کہ أَنَّ أَهْلَ الْمَحَلَّةِ قَتَلُوهُ، کہ وہ اس بات پر قسمیں اٹھائیں کہ اہلِ محلہ نے اس کو قتل کیا ہے۔ ثُمَّ يُقْضَى بِالدِّيَةِ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ، پھر فیصلہ کر دیا جائے گا دیت کا مدعا علیہ پر، پھر مدعا علیہ پر فیصلہ کر دیا جائے گا۔ جب وہ پچاس مقتول کے ولی پچاس قسمیں کھا لیں گے تو اب مدعا علیہ پر دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا، سَوَاءٌ كَانَ الدَّعْوَى بِالْعَمْدِ أَوْ بِالْخَطَإِ، برابر ہے کہ چاہے وہ دعویٰ قتلِ عمد کا ہو یا قتلِ خطا کا ہو۔

یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب بیان ہو رہا ہے۔ یاد رکھو عِنْدَ الْأَحْنَافِ، مشہور حدیث ہے: الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينُ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ۔ بینہ جو ہے مدعی کے ذمہ ہے اور قسم جو ہے وہ منکر کے ذمہ ہے یعنی مدعا علیہ کے ذمہ ہے۔ تو عِنْدَ الْأَحْنَافِ قاضی کے فیصلے کے دو ہی طریقے ہیں: یا تو مدعی گواہ پیش کر دے، یا اگر گواہ نہیں ہیں تو مدعا علیہ پر قسم آجائے گی وہ قسم اٹھا لے۔ تو ہمارے نزدیک مدعی کی قسم کا اعتبار نہیں ہے، اس کے ذمہ گواہ ہیں۔ اور مدعا علیہ یعنی منکر کے گواہوں کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اس پر گواہ نہیں بلکہ اس کے ذمہ قسم ہے۔ اور یہاں پر دیکھو پچاس قسمیں کس کو دی جائیں گی؟ اولیائے مقتول کو یعنی وہ جو مدعی ہیں، جن کا بندہ مارا گیا ہے، جو دعویٰ کر رہے ہیں محلے والوں پر۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ان کا مذہب بیان ہو رہا ہے، وہ فرماتے ہیں مقتول کے جو اولیاء ہیں ان سے پچاس قسمیں اٹھوائی جائیں گی، اور جب یہ پچاس قسمیں اٹھا لیں گے تو اس محلے والوں پر دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ یعنی قصاص یہاں نہیں آسکتا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک، چاہے دعویٰ ہو قتلِ عمد کا چاہے دعویٰ ہو قتلِ خطا کا۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں کہ پچاس قسمیں کون کھائیں گے؟ اولیائے مقتول۔ اگر انہوں نے قسمیں کھانے سے انکار کر دیا تو اب جو مدعا علیہ ہیں وہ جو محلے والے ہیں

ان کو پچاس قسمیں کھانا پڑیں گی۔ اگر وہ پچاس قسمیں کھا لیتے ہیں تو ان پر کچھ بھی نہیں آئے گا، دیت بھی ساقط ہو جائے گی۔ کس کا مذہب بیان ہو رہا ہے؟ امام شافعی رحمہ اللہ کا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قسامت کے اندر دیت آسکتی ہے قصاص آ ہی نہیں سکتا۔ اور اس میں پہلے پچاس قسموں کا کسے کہیں گے؟ مقتول کے اولیاء۔ اگر انہوں نے پچاس قسمیں کھا لیں تو محلے والوں پر دیت آجائے گی۔ اور اگر انہوں نے انکار کر دیا تو ابھی بھی دیت نہیں آئی، اب محلے والوں سے پچاس قسمیں کھلوائیں گے۔ اگر انہوں نے پچاس قسمیں اٹھا لیں تو دیت ان پر نہیں آئے گی، اگر انہوں نے نہیں اٹھائیں تو ان پر دیت آجائے گی۔ یہ کس کا مذہب ہے؟ امام شافعی رحمہ اللہ کا۔

یہ معنیٰ ہے پھر ترجمہ دیکھ لیں کہ اگر وہاں کوئی علامت تھی تو اسْتُحْلِفَ الْأَوْلِيَاءُ خَمْسِينَ يَمِينًا تو قسم لی جائے گی مقتول کے اولیاء میں سے پچاس قسمیں۔ کس بات پر قسم؟ أَنَّ أَهْلَ الْمَحَلَّةِ قَتَلُوهُ، کہ اس محلے والوں نے اس کو قتل کیا ہے۔ ثُمَّ يُقْضَى بِالدِّيَةِ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ، پھر فیصلہ کر دیا جائے گا دیت کا مدعا علیہ پر جب یہ پچاس قسمیں اٹھا لیں۔ سَوَاءٌ كَانَ الدَّعْوَى بِالْعَمْدِ أَوْ بِالْخَطَإِ، برابر ہے کہ وہ دعویٰ جو ہے وہ قتلِ عمد کا ہو یا قتلِ خطا کا ہو۔ یعنی یہاں قصاص آ ہی نہیں سکتا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک۔

وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ، اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: يُقْضَى بِالْقَوَدِ إِنْ كَانَ الدَّعْوَى بِالْعَمْدِ، کہ قصاص کا فیصلہ کر دیا جائے گا اگر دعویٰ قتلِ عمد کا تھا۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں قصاص آجائے گا، اگر دعویٰ کیا ہے؟ قتلِ عمد کا ہے۔ وَهُوَ أَحَدُ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ، اور یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قولوں میں سے ایک ہے، یعنی امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہی ہے کہ اس میں اگر قتلِ عمد کا دعویٰ ہے تو قصاص آجائے گا۔

وَإِنْ لَمْ يَكُنْ بِهِ لَوْثٌ، اور اگر وہاں پر کوئی نشان وغیرہ، کوئی ثبوت وغیرہ نہیں تھا، فَمَذْهَبُهُ مِثْلُ مَذْهَبِنَا، تو امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب بھی ہمارے مذہب کی طرح ہے۔ ہمارے نزدیک، ہمارے نزدیک یاد رکھو: ہمارے نزدیک مقتول کے اولیاء پر قسم ہے ہی نہیں کیونکہ وہ مدعی ہیں، اور مدعی کے ذمے گواہ ہوتے ہیں اس پر قسم نہیں ہوتی، بلکہ ہمارے نزدیک مدعا علیہ پر، جو محلے والے ہیں ان پر قسم آئے گی جن پر دعویٰ ہے، اور وہ پچاس قسمیں کھائیں گے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا اگر پچاس افراد پورے نہیں ہیں، چالیس افراد ہیں کل، تو پھر دس قسمیں مکرر لے لی جائیں گی، بعضوں سے دو دو قسمیں کھلوا لیں گے تاکہ پچاس قسمیں پوری ہو جائیں، پچاس قسمیں پوری ہو جائیں۔ اور ہمارے نزدیک پچاس قسمیں کھانے کے بعد بھی دیت نہیں ساقط ہوگی، دیت ان کو دینا ہی پڑے گی۔ ہاں فائدہ یہ ہوگا اس پچاس قسموں کا کہ قصاص ان سے ساقط ہو جائے گا اور قاتل کا ہو سکتا ہے کوئی قاتل کا پتا لگ جائے، کوئی بتلا دے یا قتل کا کوئی اقرار کر لے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَإِنْ لَمْ يَكُنْ بِهِ لَوْثٌ، اور اگر وہاں پر کوئی شبہ وغیرہ نہیں تھا، فَمَذْهَبُهُ مِثْلُ مَذْهَبِنَا تو امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب بھی ہمارے مذہب جیسا ہے، إِلَّا أَنَّهُ لَا يُكَرِّرُ الْيَمِينَ، مگر یہ کہ وہ قسم جو ہے اس کا تکرار نہیں کرتے۔ ہم نے تو کیا

کہا تھا؟ اگر افراد پورے نہیں ہیں تو مکرر قسمیں کھلوا لو، دو دو کھلوا لو، تین تین کھلوا لو، لیکن کتنی پوری کرو؟ پچاس پوری کرنی ہیں۔ إِلَّا أَنَّهُ لَا يُكَرِّرُ الْيَمِينَ مگر یہ کہ وہ قسموں کا تکرار نہیں فرماتے، قسموں کے تکرار نہیں کرتے، بَلْ يَرُدُّهَا عَلَى الْوَلِيِّ، بلکہ وہ اس کو لوٹاتے ہیں ولی پر، ولیِ مقتول جو ہے، ولیِ مقتول جو ہے ان پر لوٹاتے ہیں کہ باقی قسمیں وہ کھا لیں، باقی قسمیں وہ کھا لیں۔ تو وہ فرماتے ہیں بَلْ يَرُدُّهَا عَلَى الْوَلِيِّ بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ پھر قسم کو کس پر لوٹاتے ہیں؟ مقتول کے ولی پر کہ وہ مقتول کے اولیاء باقی قسمیں کھائیں گے تاکہ پچاس پوری ہو جائیں۔ وَإِنْ حَلَفُوا، اور اگر انہوں نے قسم اٹھا لی، فَلَا دِيَةَ عَلَيْهِمْ، تو ان پر کوئی دیت نہیں۔ یہ کس کے نزدیک ہے؟ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک۔ ہمارے نزدیک وہ قسمیں اٹھا لیں گے پھر بھی ان پر دیت آئے گی۔ ہاں ان سے قصاص دفع ہوا اور شاید اس قسمیں کھلانے میں قاتل کا بھی پتا لگ جائے، کوئی مان لے۔

وَلَنَا، ہماری دلیل یہ ہے کہ أَنَّ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينَ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ، کہ بینہ جو ہے وہ مدعی کے ذمے ہے اور قسم جو ہے انکار کرنے والے کے ذمہ ہے، لہٰذا مقتول کے اولیاء کو قسم نہیں دی جائے گی ہمارے نزدیک۔ فَالْيَمِينُ عِنْدَنَا لِيَظْهَرَ الْقَتْلُ بِتَحَرُّزِهِمْ عَنِ الْيَمِينِ الْكَاذِبَةِ، تو قسم جو ہے ہمارے نزدیک اس لیے ہے لِيَظْهَرَ الْقَتْلُ تاکہ قتل ظاہر ہو جائے بِتَحَرُّزِهِمْ عَنِ الْيَمِينِ الْكَاذِبَةِ، تَحَرُّز کا معنیٰ ہے بچنا، بوجہ ان کے بچنے کے جھوٹی قسم سے۔ جھوٹی قسم سے بچنے کی وجہ سے قاتل کا پتا چل جائے گا۔ کوئی جھوٹی قسم، یاد رکھو جھوٹی قسم بہت بڑا گناہ ہے، بہت بڑا گناہ ہے بھائی۔ تو ہمارے نزدیک فَالْيَمِينُ عِنْدَنَا قسم جو ہے ہمارے نزدیک لِيَظْهَرَ الْقَتْلُ اس لیے ہے تاکہ قتل ظاہر ہو جائے بِتَحَرُّزِهِمْ عَنِ الْيَمِينِ الْكَاذِبَةِ بوجہ ان کے بچنے کے جھوٹی قسم سے، فَيُقِرُّوا پس وہ اقرار کر لیں گے، فَيَجِبُ الْقِصَاصُ تو قصاص واجب ہو جائے گا۔ فَإِذَا حَلَفُوا پس جب وہ قسم اٹھا لیں گے تو حَصَلَتِ الْبَرَاءَةُ عَنِ الْقِصَاصِ، تو قصاص سے براءت حاصل ہو گئی، قصاص سے وہ بری ہو گئے۔

ہوئے۔ وَإِنَّمَا تَجِبُ الدِّيَةُ، اور دیت واجب ہو جائے گی لِوُجُودِ الْقَتِيلِ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ اس وجہ سے کیونکہ مقتول پایا گیا ہے بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ ان کے بیچ میں، ان کے درمیان میں۔ أَظْهُر جمع ہے ظَهْر، ظَهْر کہتے ہیں پشت، ان کی پشتوں کے بیچ یعنی ان کے بیچ میں پایا گیا ہے۔ لِوُجُودِ الْقَتِيلِ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ بوجہ مقتول پائے جانے کے ان کے درمیان۔ وَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ جَمَعَ بَيْنَ الدِّيَةِ وَالْقَسَامَةِ فِي حَدِيثٍ رَوَاهُ سَهْلٌ وَحَدِيثٍ رَوَاهُ ابْنُ زِيَادِ بْنِ مَرْيَمَ وَكَذَا جَمَعَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ، اور حدیث میں ہے کہ حضور نے جمع فرمایا دیت اور قسامت کو اس حدیث میں جس کو روایت کیا سہل نے اور اس حدیث میں جس کو روایت کیا ابن زیاد ابن مریم نے۔ وَكَذَا جَمَعَ عُمَرُ، اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہوں نے بھی جمع فرمایا یعنی دیت اور قسامت دونوں کو جمع فرمایا۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ قسامت کے بعد جب محلے والے قسمیں کھا لیں گے پھر ان پر دیت نہیں آئے گی، دیت اور قسامت جمع نہیں ہوگی۔ قسامت ہو گئی

تو دیت نہیں، اور قسامت نہ ہوئی تو دیت ہے۔ ہمارے نزدیک دونوں جمع ہوں گے۔

فَإِنِ ادَّعَى عَلَى وَاحِدٍ مِنْ غَيْرِهِمْ سَقَطَتِ الْقَسَامَةُ عَنْهُمْ، اگر دعویٰ کر دیا مقتول کے اولیاء نے عَلَى وَاحِدٍ کسی ایک شخص پر مِنْ غَيْرِهِمْ جو ان محلے والوں کے علاوہ تھا، تو سَقَطَتِ الْقَسَامَةُ عَنْهُمْ تو محلے والوں سے قسامت ساقط ہو جائے گی۔ ان سے، بھائی اگر مقتول کے اولیاء نے کسی ایک شخص پر دعویٰ کر دیا کہ اس نے قتل کیا ہے، اگر، اگر تو وہ محلے والوں میں سے ہی ہوا پھر تو قسامت ساقط نہیں ہوگی کیونکہ اس نے ایسی بات نہیں کی جس سے محلے والے بری ہو جائیں، کیونکہ محلے والوں پر ہی قسامت آرہی تھی اور انہی میں سے ایک شخص کے بارے میں دعویٰ ہے تو قسامت کے خلاف کوئی بات اس نے نہیں کی۔ اور اگر اس نے کسی اور پر انہوں نے دعویٰ کر دیا کہ اس نے قتل کیا ہے، تو پھر محلے والوں پر قسامت نہیں کیونکہ اس کا دعویٰ جب اس آدمی پر ہوا تو گویا محلے والوں کو اس نے بری کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے اگر فَإِنِ ادَّعَى عَلَى وَاحِدٍ مِنْ غَيْرِهِمْ سَقَطَتِ الْقَسَامَةُ عَنْهُمْ، اگر دعویٰ کر دیا کسی ایک پر ان کے علاوہ میں سے، تو قسامت ساقط ہو جائے گی ان سے۔[٢]

فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهَا أَيِ الْخَمْسُونَ فِي مَحَلَّةٍ كُرِّرَ الْحَلْفُ عَلَيْهِمْ إِلَى أَنْ يَتِمَّ، اگر نہ ہوئے ان میں أَيِ الْخَمْسُونَ فِي مَحَلَّةٍ پچاس افراد محلے میں، محلے میں اگر پچاس افراد نہ ہوئے، كُرِّرَ الْحَلْفُ تو قسم کا تکرار ہوگا یعنی دوبارہ دہرائی جائے گی بعض افراد پر، تو كُرِّرَ الْحَلْفُ عَلَيْهِمْ تو قسم جو ہے ان پر دوبارہ دہرائی جائے گی إِلَى أَنْ يَتِمَّ یہاں تک کہ پچاس پورے ہو جائیں، پچاس قسمیں پوری ہو جائیں۔[٣]

وَمَنْ نَكَلَ مِنْهُمْ حُبِسَ حَتَّى يَحْلِفَ، اور جس نے انکار کیا، نَكَلَ انکار کرنا، وَمَنْ نَكَلَ مِنْهُمْ اور جس نے انکار کیا ان محلے والوں میں سے، حُبِسَ تو اس کو قید میں ڈالا جائے گا حَتَّى يَحْلِفَ یہاں تک کہ وہ قسم اٹھا لے یا اقرار کر لے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَلَا قَسَامَةَ عَلَى صَبِيٍّ وَمَجْنُونٍ وَامْرَأَةٍ وَعَبْدٍ، اور قسامت نہیں ہے بچے پر اور مجنون پر اور عورت پر اور غلام پر۔ محلے والوں میں سے بچے، مجنون، عورت اور غلام جو ہیں ان پر قسامت نہیں ہوگی۔ وجہ یہ کہ یہ قسامت جو ہے اہلِ نصرت پر آتی ہے، کس پر؟ نصرت یعنی مدد کرنا۔ جو مدد کر سکتے تھے، تو یہ محلے والوں پر قسامت کیوں؟ کیونکہ ان کے محلے میں ایک شخص مرا

---

[٢] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ١٨٨):** صوتی درس کی قراءت میں «فَإِنِ ادَّعَى عَلَى وَاحِدٍ مِنْ غَيْرِهِمْ سَقَطَتِ الْقَسَامَةُ عَنْهُمْ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فإن ادَّعى على واحدٍ من غيرِهم سقطَ القسامةُ عنهم.» منقول ہے۔

[٣] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ١٨٨):** صوتی درس کی قراءت میں «فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهَا أَيِ الْخَمْسُونَ فِي مَحَلَّةٍ كُرِّرَ الْحَلْفُ عَلَيْهِمْ إِلَى» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فإن لم يكنْ فيها):أي الخمسونَ في المحلَّة،(كرِّرَ الحلفَ عليهم إلى» منقول ہے۔

ہوا ملا ہے اور یہ مدد کر سکتے تھے اس کی لیکن انہوں نے اس کی مدد نہیں کی اس کی جان نہیں بچائی، تو اہلِ نصرت پر آتی ہے جو مدد کے لائق ہیں جو مدد کر سکتے ہیں۔ اور بچہ اور مجنون اور عورت اور غلام یہ تو سب کمزور ہیں بھائی، یہ مدد نہیں کر سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور نیز بچہ اور مجنون ان کے تو قول کا بھی اعتبار نہیں ہے، اور یہاں قسمیں کھلائی جا رہی ہیں اور قسم کے لیے تو قول کا معتبر ہونا ضروری ہے، قول کا صحیح ہونا ضروری ہے۔ تو کہتے ہیں: وَلَا قَسَامَةَ عَلَى صَبِيٍّ وَمَجْنُونٍ وَامْرَأَةٍ وَعَبْدٍ، اور قسامت نہیں ہے بچے پر اور مجنون یعنی پاگل پر اور عورت پر اور غلام پر۔

وَلَا قَسَامَةَ وَلَا دِيَةَ فِي مَيِّتٍ لَا أَثَرَ بِهِ، اور قسامت بھی نہیں ہے اور دیت بھی نہیں ہے فِي مَيِّتٍ ایسی میت میں لَا أَثَرَ بِهِ جس پر کوئی نشان نہ ہو۔ معلوم ہوا وہ طبعی موت مرا ہے، کسی نے قتل نہیں کیا ورنہ کوئی زخم وغیرہ کچھ نشان تو ہوتا اگر کسی نے قتل کیا ہوتا۔ تو قسامت اور دیت نہیں ہے فِي مَيِّتٍ لَا أَثَرَ بِهِ ایسی میت میں جس پر کوئی نشان نہ ہو۔ أَوْ خَرَجَ دَمٌ مِنْ فَمِهِ أَوْ دُبُرِهِ أَوْ ذَكَرِهِ، اور اسی طرح قسامت اور دیت نہیں ہے ایسی میت میں کہ خَرَجَ دَمٌ کہ خون نکلا ہوا ہے مِنْ فَمِهِ اس کے منہ سے أَوْ دُبُرِهِ یا اس کے پاخانے کے مقام سے أَوْ ذَكَرِهِ یا اس کے آلہِ تناسل سے، تو اس صورت میں قسامت اور دیت نہیں۔ کیوں؟ فَإِنَّ الدَّمَ يَخْرُجُ مِنْ هَذِهِ الْأَعْضَاءِ بِلَا فِعْلٍ مِنْ أَحَدٍ، اس لیے کیونکہ خون نکل آتا ہے ان اعضاء سے بغیر کسی کے فعل کے یعنی بیماری وغیرہ کی وجہ سے، بِخِلَافِ الْأُذُنِ وَالْعَيْنِ، بخلاف کان اور آنکھ کے کہ وہاں سے ویسے کبھی خون نہیں نکلتا۔

وَمَا تَمَّ خَلْقُهُ كَالْكَبِيرِ، اور وہ جس کی خلقت تام ہو گئی ہو وہ بڑے کی طرح ہے۔ صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک محلے میں ایک جنین، حمل، کوئی بچہ گرا ہوا ملا بھائی، جنین بھائی، اور مرا ہوا ہے، اور اس پر ضرب کا نشان بھی ہے، ضرب کا نشان بھی ہے، تو دیکھیں گے کہ اس بچے کے اعضاء مکمل بن چکے ہیں یا نہیں۔ اگر اعضاء مکمل بن چکے ہیں، اور بچے کے جب اعضاء مکمل بن چکے ہوں تو وہ عموماً زندہ پیدا ہوتا ہے، تو معلوم ہوا یہ زندہ تھا کسی نے ضرب سے اس کو مارا ہے ضرب کا نشان بھی ہے۔ اور اگر جنین جو ہے اس کے اعضاء پورے نہیں بنے، ایسا بچہ جس کے اعضاء پورے نہ بنے ہوں وہ عموماً مردہ پیدا ہوتا ہے، معلوم ہوا مردہ ہی پیدا ہوا تھا، اب بے شک ضرب کا نشان بھی ہے لیکن یہ تو مردہ ہی اس کو مردہ ہی سمجھا جائے گا تو اس میں پھر قسامت نہیں آئے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے: وَمَا تَمَّ خَلْقُهُ اور وہ بچہ، وہ جنین جس کی خلقت جو ہے تام ہو چکی ہے یعنی اعضاء وغیرہ بن چکے ہیں، كَالْكَبِيرِ وہ بڑے آدمی کی طرح ہے یعنی اس میں قسامت آئے گی۔ أَيْ وُجِدَ سِقْطٌ یا سُقْطٌ یا سَقْطٌ، اس میں سین پر تینوں حرکتیں عرب سے سنی گئی ہیں، اور اس کو کہتے ہیں مثلثُ الفاء، مثلثُ الفاء، ایسا لفظ جس کے فا حرف پر، فا کلمے پر تینوں حرکتیں عرب سے سنی گئی ہوں اس کو مثلثُ الفاء کہتے ہیں۔ تو جگہ جگہ آپ کو کتابوں میں ملے گا، وہ صرف اتنا کہہ کر آگے نکل جائیں گے مثلثُ الفاء یا مثلثٌ کہہ کر آگے نکل جائیں گے، آپ سمجھ

جائیں کہ کیا مراد ہے؟ کہ پہلے حرف پر تینوں حرکتیں یہاں جائز ہیں: سَقْطٌ، سِقْطٌ اور سُقْطٌ۔ أَيْ وُجِدَ سُقْطٌ تَامُّ الْخَلْقِ بِهِ أَثَرُ الضَّرْبِ فَهُوَ كَالْكَبِيرِ، یعنی پایا گیا سُقْط کہتے ہیں وہ جنین جس کو گرا دیا گیا ہے جنین، کوئی گرا ہوا جنین ملا تَامُّ الْخَلْقِ جس کی خلقت پوری ہو چکی تھی یعنی اعضاء پورے ہو چکے تھے، بِهِ أَثَرُ الضَّرْبِ اور اس پر ضرب کا نشان تھا، فَهُوَ كَالْكَبِيرِ تو یہ بڑے فرد کی طرح ہے۔

وَفِي قَتِيلٍ وُجِدَ عَلَى دَابَّةٍ يَسُوقُهَا، صورت یہ: ایک شخص کچھ حیوانات کو ہانکتا ہوا لے کر جا رہا ہے اور ان میں سے ایک حیوان پر کوئی مرا ہوا شخص ملا اور اس پر کوئی ضرب، کوئی نشان وغیرہ موجود ہے، تو اس صورت میں یہ جو جانوروں کو ہانکنے والا ہے یہ ذمہ دار ہے کیونکہ یہ ایسے ہی ہے جیسے اس کے گھر کے اندر کوئی مردہ ملا ہے تو اب ذمہ داریہ ہوتا ہے، تو یہاں بھی یہ ذمہ دار ہوگا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور اسی طرح قائد کا بھی یہی حکم ہے، ایک شخص آگے چل رہا تھا جانور سارے اس کے پیچھے تھے اور ان پر ایک مردہ ملا، تو یہ شخص ضامن ہوگا بھائی یعنی اگر کوئی زخم وغیرہ کا نشان ہو وہ ضرور دیکھنا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ نہ ہو طبعی موت کوئی مرا ہو۔ اسی طرح اگر کوئی سوار ہے اس کی سواری پر جو ہے کوئی مردہ مل گیا، تو اس صورت میں بھی اس پر ضمان۔ آج کل اور بھی مسئلہ، کوئی گاڑی چلا رہا ہے اور اس کی گاڑی میں کوئی میت مل گئی، تو وہ ضامن ہے اس پر ضمان آئے گا بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَفِي قَتِيلٍ وُجِدَ عَلَى دَابَّةٍ، ایسے مقتول میں جس کو پایا گیا عَلَى دَابَّةٍ کسی ایسے جانور پر يَسُوقُهَا رَجُلٌ، دابہ ویسے سواری کے جانور یہ گدھا، خچر اور گھوڑے پر زیادہ یہ لفظ بولا جاتا ہے، ویسے تو زمین پر چلنے والے ہر جاندار کو دَابَّةٌ کہتے ہیں لیکن عام استعمال میں یہ سواری کے جانور پر بولا جاتا ہے گھوڑا، خچر اور گدھا بھائی۔ وَفِي قَتِيلٍ وُجِدَ عَلَى دَابَّةٍ اور ایسے مقتول میں جس کو پایا گیا ہے ایسے سواری کے جانور پر کہ يَسُوقُهَا رَجُلٌ جس کو ہانک رہا تھا کوئی آدمی، ضَمِنَ عَاقِلَتُهُ دِيَتَهُ تو ضامن ہوگی اس آدمی کی عاقلہ اس مقتول کی دیت کی، لَا أَهْلُ الْمَحَلَّةِ محلے والے، محلے والے ضامن نہیں ہوں گے۔ وہ ایک محلے میں سے گزر رہا تھا وہاں مقتول کا پتا چلا، بھائی وہ مقتول تو اس کی سواری پر ملا ہے، بے شک وہ سواری اس وقت محلے میں سے گزر رہی تھی لیکن محلے والوں پر ضمان نہیں ہے۔ یہ معنیٰ ہے لَا أَهْلُ الْمَحَلَّةِ نہ کہ محلے والوں پر۔ وَكَذَا لَوْ قَادَهَا أَوْ رَكِبَهَا، اور اسی طرح ہے اگر وہ آگے سے کھینچ رہا تھا سواری کو أَوْ رَكِبَهَا یا اس پر سوار تھا تو بھی وہ ضامن ہوگا۔ فَإِنِ اجْتَمَعُوا ضَمِنُوا، اگر یہ تینوں اکٹھے ہو گئے تو تینوں ضامن ہوں گے یعنی ایک سواری میں ایک سائق بھی تھا، ایک قائد بھی تھا، ایک سوار بھی تھا، تو تینوں ضامن ہوں گے۔ معنیٰ سمجھ میں آیا؟ فَإِنِ اجْتَمَعُوا ضَمِنُوا اگر یہ تینوں اکٹھے ہوئے تو تینوں ضامن ہوں گے۔ بھائی کون تینوں؟ أَيِ السَّائِقُ وَالْقَائِدُ وَالرَّاكِبُ، یعنی پیچھے سے ہانکنے والا، وَالْقَائِدُ اور آگے سے کھینچنے والا، وَالرَّاكِبُ اور سوار۔

وَفِي دَابَّةٍ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ عَلَيْهَا قَتِيلٌ عَلَى أَقْرَبِهِمَا، صورتِ مسئلہ یہ: ایک سواری کے جانور پر ایک مرا ہوا شخص ملا جس

پر زخم کا نشان بھی ہے اور وہ سواری دو بستیوں کے درمیان ہے، تو اب کیا کیا جائے گا؟ کہتے ہیں فاصلہ ناپا جائے گا، جو بستی زیادہ قریب ہے ان پر ضمان آجائے گا، ان پر ضمان آجائے گا، ان پر دیت آئے گی، ان پر قسامت آجائے گی اور پھر دیت آجائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن اس میں یاد رکھنا وہ بستیاں اتنی قریب ہوں کہ کوئی اونچی آواز دے تو وہاں تک آواز پہنچ سکے۔ معلوم ہوا یہ بالکل قریب بستیاں ہیں اور ان کے پاس ایک آدمی کو کسی نے مار دیا، یہ مدد کو کیوں نہیں پہنچے؟ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ اہلِ نصرت تھے لیکن انہوں نے نصرت نہیں کی، مدد نہیں کی۔ اور اگر دور تھی بستی، اتنی دور ہے کہ وہاں تک آواز ہی نہیں پہنچتی پھر ان پر قسامت نہیں ہے، پھر تو وہاں نہ چیخ کر بھی وہ کسی کو بلا نہیں سکتا تھا اور کوئی مدد کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَفِي دَابَّةٍ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ، اور ایسی سواری میں جو دو بستیوں کے درمیان تھی، عَلَيْهَا قَتِيلٌ اور جس کے اوپر کوئی مقتول تھا، عَلَى أَقْرَبِهِمَا اس بستی پر قسامت ہے جو اس کے زیادہ قریب ہے۔ عَلَى أَقْرَبِهِمَا، جن کے یہ زیادہ قریب ہے دونوں میں سے۔

فَإِنْ وُجِدَ فِي دَارِ رَجُلٍ فَعَلَيْهِ الْقَسَامَةُ، پس اگر مقتول پایا گیا کسی آدمی کے گھر میں، تو فَعَلَيْهِ الْقَسَامَةُ تو اس آدمی پر قسامت ہے، وہ پچاس قسمیں اٹھائے گا۔ وَتَدِي عَاقِلَتُهُ إِنْ ثَبَتَ أَنَّهَا لَهُ بِالْحُجَّةِ۔ تَدِي بھائی فعل ہے وَدَى يَدِي، وَدَى يَدِي۔ تو یہ یہاں سے واؤ گر گیا شروع سے، وَعَدَ يَعِدُ اصل میں کیا تھا؟ يَوْعِدُ۔ تو یہاں بھی تَدِي اصل میں کیا تھا؟ تَوْدِي، تَوْدِيُ، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو واؤ گر گیا مابین فتحہ اور کسرہ کے آیا۔ تو وَدَى يَدِي کا معنیٰ ہے دیت دینا۔ وَتَدِي عَاقِلَتُهُ اور دیت دے گی اس آدمی کی عاقلہ جس کے گھر میں مقتول ملا ہے، اس آدمی کی عاقلہ دیت دے گی، إِنْ ثَبَتَ أَنَّهَا لَهُ اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ أَنَّهَا یہ والا گھر جو ہے لَهُ وہ اس آدمی کا ہے بِالْحُجَّةِ دلیل کے ذریعے یعنی بینہ کے ذریعے، گواہوں کے ذریعے۔ ایک آدمی کے گھر کے اندر ایک مقتول ملا، تو اس آدمی پر قسامت ہوگی اور اس کی عاقلہ دیت ادا کرے گی، لیکن عاقلہ پر ویسے دیت نہیں آجائے گی، پہلے آپ کو بینہ کے ذریعے یہ

ثابت کرنا پڑے گا کہ یہ گھر اسی کا ہے۔ کیونکہ بے شک آپ اس آدمی کو اس گھر میں آتے جاتے دیکھتے تھے، لیکن ہو سکتا ہے اس نے کرایہ پر لیا ہو، یا ہو سکتا ہے کسی نے ویسے رہائش کے لیے اس کو دیا ہو، لہٰذا پہلے یہ ثابت کرو کہ یہ گھر اس کا تھا۔ جب اس کا گھر ہے، تو اب عاقلہ پر اس کے ضمان آجائے گا۔ یہ معنیٰ ہے وَتَدِي عَاقِلَتُهُ إِنْ ثَبَتَ أَنَّهَا لَهُ بِالْحُجَّةِ، اور دیت دے گی اس آدمی کی عاقلہ اگر یہ بات ثابت ہو جائے دلیل کے ذریعے یعنی بینہ کے ذریعے کہ یہ گھر اس آدمی کا ہے۔

وَعَاقِلَةُ وَرَثَتِهِ إِنْ وُجِدَ فِي دَارِ نَفْسِهِ، صورتِ مسئلہ یہ: ایک آدمی اپنے ہی گھر کے اندر مرا ہوا ملا، کسی نے اس کو قتل کر دیا تھا اپنے ہی گھر میں۔ تو اس صورت میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے وارث جو ہیں وارث، وارث کے جو عاقلہ ہیں ان پر دیت آجائے گی، ان پر دیت آجائے گی۔ تو اس کے وارثوں کے جو عاقلہ ہے وہ دیت ادا

کریں گے۔ کہتے ہیں وَعَاقِلَةُ وَرَثَتِهِ، اور مقتول کے جو وارث ہیں ان کی عاقلہ جو ہے وہ دیت ادا کرے گی، اس کا عطف پچھلی عاقلہ پر ہے، اور وہ فاعل تھا تَدِي کے لیے، تو یہ بھی فاعل ہے، أَيْ تَدِي عَاقِلَةُ وَرَثَتِهِ، اس مقتول کے وارثوں کے جو عاقلہ ہیں وہ دیت ادا کریں گے، إِنْ وُجِدَ فِي دَارِ نَفْسِهِ اگر وہ مقتول اپنے ذاتی گھر میں پایا گیا یعنی قتل کیا ہوا۔ هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، یہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ فَإِنَّ الدَّارَ حَالَ ظُهُورِ الْقَتِيلِ لِلْوَرَثَةِ، اس لیے کیونکہ وہ گھر جو ہے... جی دلیل سمجھ لیں، دلیل یہ امام صاحب فرماتے ہیں یہاں ظہورِ مقتول کا اعتبار ہے، کہ مقتول کب ظاہر ہوا، پتا چلا، مقتول کے ظہور کا اعتبار ہے۔ اور جب مقتول ہونا پتا چلا تو یہ گھر کس کی طرف منتقل ہو چکا تھا؟ وارثوں کی طرف، وہ تو مر چکا ہے۔ تو جب اس کے مقتول ہونے کا پتا چلا تو گھر منتقل ہو چکا ہے کس کی طرف؟ وارثوں کی طرف۔ تو کس وقت کا اعتبار ہے امام صاحب فرماتے ہیں؟ ظہورِ مقتول کا، یعنی یوں کہو ظہورِ قتل، ظہورِ قتل۔ جب اس کے قتل کا پتا چلا اس وقت کا اعتبار ہے۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں سببِ قتل کا اعتبار ہے، کس کا؟ سببِ قتل کا اعتبار ہے۔ اور سببِ قتل یعنی جس وقت کسی نے اس کو ضرب لگائی، اس وقت تو یہ زندہ تھا نا، اس وقت تو گھر اس کا اپنا تھا، لہٰذا گھر اس کا اپنا تھا تو لہٰذا یہ خون اس کا رائیگاں چلا گیا، کسی پر دیت نہیں آئے گی۔ اس گھر والے پر دیت آنی تھی، ابھی پچھلے مسئلے میں بتایا جس کے گھر میں مقتول مل جائے اس پر دیت آتی ہے، تو یہ اس کا اپنا گھر ہے، تو اس کے اپنے لیے اسی کے اوپر دیت تو واجب نہیں کی جا سکتی، تو لہٰذا صاحبین فرماتے ہیں سببِ قتل کا اعتبار۔ امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ ظہورِ قتل کا اعتبار، اور جب قتل ظاہر ہوا اس وقت تو یہ مر چکا تھا، وارث مالک تھے، تو وارثوں کی عاقلہ پر دیت آجائے گی۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں سببِ قتل کا اعتبار ہے جب قتل کیا گیا، اور جب قتل کیا گیا یعنی جب اس کو ضرب لگائی گئی اس وقت تو یہ زندہ تھا لہٰذا گھر اس کا اپنا تھا، تو اس صورت میں اس کا خون رائیگاں گیا اپنے ہی گھر میں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ فَإِنَّ الدَّارَ حَالَ ظُهُورِ الْقَتِيلِ لِلْوَرَثَةِ، اس لیے کیونکہ وہ گھر جو ہے مقتول کے ظاہر ہونے کی حالت میں وارثوں کے لیے ہو چکا تھا، فَالدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَتِهِمْ تو دیت بھی ان وارثوں کی عاقلہ پر ہوگی۔ وَعِنْدَهُمَا وَعِنْدَ زُفَرَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ لَا شَيْءَ فِيهِ، صاحبین اور امام زفر رحمہم اللہ کے نزدیک لَا شَيْءَ فِيهِ اس قتل میں کچھ بھی نہیں ہے یعنی اس کا خون رائیگاں گیا۔ وَالْحَقُّ هَذَا، صاحبِ شرح وقایہ فرماتے ہیں حق بھی یہی ہے، حق بھی یہی ہے، صاحبین اور امام زفر کا قول حق ہے، اس کا خون رائیگاں گیا کیونکہ اعتبار سببِ قتل کا ہے جب اس کو ضرب لگائی گئی، اور اس وقت تو یہ زندہ تھا تو یہ اسی پر دیت آنی تھی، اور اپنے اوپر تو کسی کے لیے کوئی دیت نہیں ہوتی، اپنے لیے کوئی اپنے لیے مال واجب کرتا ہے؟ نہیں بھائی۔ کہتے ہیں: وَالْحَقُّ هَذَا حق بھی یہی ہے، لِأَنَّ الدَّارَ فِي يَدِهِ حَالَ ظُهُورِ الْقَتْلِ اس لیے کیونکہ یہ گھر جو تھا اسی مقتول کے قبضے میں تھا حَالَ ظُهُورِ الْقَتْلِ جب قتل ظاہر ہوا یعنی جب زخم لگایا گیا جب اس کو مارا گیا، فَيُجْعَلُ كَأَنَّهُ قَتَلَ نَفْسَهُ تو اس کو ایسے ہی قرار دیا جائے گا گویا کہ اس نے خود اپنے آپ کو قتل کیا ہے، فَكَانَ هَدَرًا

تو یہ قتل رائیگاں ہوا، یہ اس کا خون رائیگاں ہوا۔ وَإِنْ كَانَتِ الدَّارُ لِلْوَرَثَةِ، اگرچہ گھر وارثوں کا ہے، اگرچہ گھر کس کا ہو گیا؟ وارثوں کے لیے ہو گیا، لیکن وہ تو ظہورِ مقتول کے وقت ہوا، ظہورِ قتل کے وقت تو نہیں ہوا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ظہورِ قتل سے وہی سببِ قتل مراد ہے، جب ضرب لگ گئی اسی وقت قتل ظاہر ہو گیا تھا کہ یہ اب مرنے لگا ہے، یہ اب مرنے لگا ہے، تو ظہورِ قتل سے وہ مراد ہے۔

تو کہتے ہیں: فَالْعَاقِلَةُ إِنَّمَا يَتَحَمَّلُونَ مَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ تَخْفِيفًا لَهُمْ. اب بتلانے لگے ہیں کہ خون رائیگاں کیوں گیا؟ خون رائیگاں کیوں گیا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ جو عاقلہ جو ہیں نا عاقلہ، عاقلہ دیت اٹھاتے ہیں، توجہ ہے؟ عاقلہ دیت اٹھاتے ہیں کس لیے؟ تاکہ قاتل کی مدد ہو جائے، اس سے غلطی سے ایک جرم ہوا ہے تو عاقلہ کیا کرتی ہے؟ اس کے بوجھ کو عاقلہ اٹھا لیتی ہے تاکہ وارثوں کی مدد ہو جائے۔ وارثوں پر مثلاً اگر دیت آتی ہے اس دیت کو کون اٹھاتے ہیں؟ عاقلہ اٹھاتے ہیں۔ تو اولاً گویا دیت آتی ہے اس مجرم پر، اور پھر اس مجرم کے بوجھ میں مدد کون کرتے ہیں؟ عاقلہ اس کی مدد کرتے ہیں۔ اور یہاں پر اگر وارثوں پر... امام صاحب نے کیا فرمایا؟ کہ مقتول کے جو وارث ہیں ان کی عاقلہ پر دیت آئے گی۔ اب اس کا جواب دینے لگے ہیں امام صاحب کو بھائی۔ وہ کہتے ہیں کہ مقتول کے عاقلہ پر دیت آنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ دیت کس پر آئی اولاً؟ اولاً وارثوں پر۔ اولاً وارثوں پر آئی اور پھر مقتول کے عاقلہ نے اس کی مدد کی، اس کو اٹھا لیا تاکہ اس کے لیے آسانی ہو جائے۔ تو اولاً دیت کس پر آئی؟ وارثوں پر، اور پھر کس نے مدد کی؟ عاقلہ نے۔ توجہ ہے؟ تو پھر سنو، اولاً کس پر آئی؟ وارثوں پر آئی، اور پھر کس نے لے لی، کس پر آگئی؟ عاقلہ پر۔ اور عاقلہ یہ مال دیں گے اور کس کو دیں گے؟ وارثوں کو۔ کس کو دیں گے؟ وارثوں کو۔ اچھا اب یہ مال دینا بھی وارثوں کو ہے اور اولاً واجب بھی کس پہ ہوا تھا؟ وارثوں پر، یہ تو بات ہی نہیں بنتی کہ وارثوں پر ہی مال واجب ہو انہی کی ذات کے لیے۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: فَالْعَاقِلَةُ إِنَّمَا يَتَحَمَّلُونَ مَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ کہ عاقلہ جو ہیں وہ اٹھاتے ہیں، برداشت کرتے ہیں وہ جو واجب ہوتا ہے عَلَيْهِمْ وارثوں پر تَخْفِيفًا لَهُمْ ان پر ہلکا کرنے کے لیے بوجھ کو، وَلَا يُمْكِنُ الْإِيجَابُ عَلَى الْوَرَثَةِ لِلْوَرَثَةِ اور ممکن نہیں ہے کہ دیت واجب کی جائے وارثوں پر لِلْوَرَثَةِ وارثوں کے لیے، ان کے اپنے لیے انہی پر دیت واجب کر دی جائے یہ تو ممکن نہیں۔ بات سمجھ میں آئی؟ یہ دیت دینی کس کو ہے؟ وارثوں کو، اور آپ فرما رہے ہیں کہ یہ دیت عاقلہ ان وارثوں کے عاقلہ پر آرہی ہے، اور عاقلہ پر تو براہِ راست نہیں آئی، اول کس پر آئی؟ وارثوں پر آئی پھر عاقلہ کی طرف چلی گئی، یعنی اولاً وارثوں پر آئی اور یہ لے کر دینی بھی کس کو ہے؟ وارثوں کو، تو وارثوں کے لیے وارثوں پر ہی مال واجب ہو جائے یہ تو ممکن نہیں ہے، لہٰذا ان پر نہیں آئے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ آگے دیکھیے۔

کہتے ہیں: وَالْقَسَامَةُ عَلَى أَهْلِ الْخِطَّةِ دُونَ السُّكَّانِ وَالْمُشْتَرِينَ۔ بھائی اہلِ خطہ، اہلِ خطہ یعنی زمینوں کے قدیم مالکان، پرانے مالکان۔ یہ خَطّ سے ہے خَطّ، خَطّ نشان کو کہتے ہیں۔ اہلِ خطہ یعنی جو بادشاہ جب زمین علاقے کو فتح کر لیتا تھا تو وہ

لوگوں میں زمینیں تقسیم کرتا تھا، اور زمینوں پر نشان لگائے جاتے تھے باقاعدہ کہ یہاں سے یہاں تک اس کی ہو گئی، یہاں سے یہاں تک اس کی ہو گئی، اس کی باقاعدہ ٹکڑے بنائے جاتے پھر ایک ایک آدمی کو دیے جاتے تھے۔ تو یہ جو قدیم مالکان ہیں یہ ہیں اہلِ خطہ، یہ کیا ہیں؟ جن کو بادشاہ نے فتح کے موقع پر زمین پر نشان لگا کر اس زمین کا مالک بنایا تھا۔ تو اب ایک علاقے میں ایک مقتول ملا، تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قسامت اہلِ خطہ پر ہے۔ جو لوگ بعد میں یہاں آکر زمینیں خریدیں انہوں نے اہلِ خطہ سے، یعنی جو مُشْتَرِینَ ہیں، خریدار ہیں، ان کے اوپر قسامت نہیں ہے۔ کیوں؟ ان پر کیوں نہیں؟ کہتے ہیں اس لیے کہ جو قدیم مالکان ہوتے ہیں وہ اس زمین اور اس علاقے کے انتظام وغیرہ سارا ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے، نئے آنے والوں کو وہ انتظامات حوالے نہیں کرتے۔ یا اسی طرح کوئی کرائے پر آکر وہاں رہنے لگے اس کو تو اور بھی معمولی سمجھا جاتا ہے، یہ انتظامات ان کے حوالے نہیں کرتے تھے، جو قدیم مالکان ہوتے تھے سارا کچھ ان کے قبضے میں ہوتا تھا۔ تو حفاظت کے ذمہ دار بھی وہ تھے، ان کے علاقے میں ایک مقتول ملا ہے حفاظت کے ذمہ دار بھی وہ تھے، لہٰذا قسامت ان کے اوپر آئے گی۔ یہ کس کے نزدیک؟ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ۔

تو کہتے ہیں: وَالْقَسَامَةُ عَلَى أَهْلِ الْخِطَّةِ دُونَ السُّكَّانِ وَالْمُشْتَرِينَ، قسامت جو ہے اس خطے والوں پر ہے یعنی جو قدیم اور پرانے مالکان ہیں ان پر ہے، دُونَ السُّكَّانِ وَالْمُشْتَرِينَ نہ کہ رہائش والوں پر اور نہ خریداروں پر۔ جو رہائش والے ہیں، کرائے پر رہتے ہیں، ان پر بھی نہیں اور خریداروں پر بھی نہیں ہے۔ فَإِنْ بَاعَ كُلُّهُمْ، اگر ان سب نے زمینوں کو بیچ دیا ہے یعنی پرانا ایک بھی نہیں ہے، سب زمینوں کو بیچ چکے ہیں، خریدار نئے آچکے ہیں، اب مشتریوں پر آجائے گی قسامت کیونکہ اب اول درجے والا کوئی ایک بھی نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں فَإِنْ بَاعَ كُلُّهُمْ اگر ان سب نے زمینوں کو بیچ دیا ہے، فَعَلَى الْمُشْتَرِينَ تو پھر اب قسامت خریداروں پر آئے گی۔ هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ، یہ طرفین رحمہم اللہ کے نزدیک ہے، فَإِنَّ النُّصْرَةَ الْبُقْعَةِ عَلَى أَهْلِ الْخِطَّةِ، نصرت مدد، بقعہ زمین کا ٹکڑا، اس لیے کیونکہ اس ٹکڑے کی مدد جو ہے وہ زمین والوں پر تھی، اہلِ خطہ جو ہے سارا انتظام ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے تو مدد بھی اس زمین والوں کی مدد بھی ان کی ذمہ داری تھی۔[۴]

وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ هِيَ عَلَيْهِمْ جَمِيعًا، اور جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں هِيَ عَلَيْهِمْ جَمِيعًا کہ قسامت ان سب پر آئے گی، چاہے وہ زمین کے مالکان ہوں پرانے، چاہے خریدار ہوں، چاہے رہائشی ہوں، سب پر قسامت آئے گی۔ اور فتویٰ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔ تو کہتے ہیں هِيَ عَلَيْهِمْ جَمِيعًا قسامت ان سب پر آئے گی، لِأَنَّ وِلَايَةَ التَّدْبِيرِ كَمَا يَكُونُ بِالْمِلْكِ يَكُونُ بِالسُّكْنَى اس لیے کیونکہ تدبیر کی ولایت، تدبیر کہتے ہیں انتظام، کیونکہ انتظامات کی جو ولایت ہوتی ہے جیسے وہ ملکیت کے ذریعے ہوتی ہے يَكُونُ بِالسُّكْنَى تو وہ رہائش کے ذریعے بھی ہوتی ہے، رہائشی لوگ بھی انتظامات

---

[۴] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۱۸۹): صوتی درس کی قراءت میں «فَإِنَّ النُّصْرَةَ الْبُقْعَةِ عَلَى أَهْلِ الْخِطَّةِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فإنَّ نصرةَ البقعةِ على أهلِ الخطّة،» منقول ہے۔

میں حصہ لیتے ہیں، لہٰذا ان پر قسامت آئے گی۔ وَالْمُشْتَرِي وَأَهْلُ الْخِطَّةِ سَوَاءٌ فِي التَّدْبِيرِ، نیز وہ فرماتے ہیں کہ نئے خریدار جو ہیں اور قدیم مالکان جو ہیں اہلِ خطہ، سَوَاءٌ یہ سارے برابر ہیں فِي التَّدْبِيرِ انتظامات میں، اس علاقے کے انتظامات میں سارے برابر ہیں سب حصہ لیتے ہیں۔ وَقِيلَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ بَنَى هَذَا عَلَى مَا شَاهَدَ بِالْكُوفَةِ، اور کہا گیا کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے بنیاد رکھی اس مسئلے کی اس پر جو انہوں نے مشاہدہ کیا تھا کوفہ میں۔ کوفہ میں جو انہوں نے دیکھا تھا اس کے مطابق انہوں نے فتویٰ دیا تھا اور وہاں سارا انتظام پرانے مالکوں کے پاس ہوتا تھا، نئے خریداروں کو یا رہائشیوں کو تو لوگ کچھ سمجھتے ہی نہیں تھے، کسی انتظام میں ان کو دخل نہیں ہوتا تھا۔ تو امام صاحب نے بھی اس کے مطابق کہا کہ قسامت اہلِ نصرت پر ہے کیونکہ اہلِ نصرت یہاں کون ہیں؟ پرانے مالکان ہیں، نئے کو تو کوئی کچھ سمجھتا ہی نہیں ہے، تو وہ تو کمزور سے لوگ سمجھتے ہیں ان کو تو ان پر... لیکن بعد میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے زمانے میں حالات بدل گئے، اب وہ مشتری اور بعد میں آنے والے رہائشی اور مشتری سارے حصہ لیا کرتے تھے تو انہوں نے اس کے مطابق فتویٰ دیا اور انہی کے قول پر فتویٰ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ قسامت سب پر آئے گی۔

آگے دیکھیے۔ کہتے ہیں: فَإِنْ وُجِدَ فِي دَارٍ بَيْنَ قَوْمٍ لِبَعْضٍ أَكْثَرُ، صورتِ مسئلہ یہ: ایک گھر کے اندر ایک مقتول ملا اور اس گھر کے پانچ شریک ہیں اس میں، لیکن کچھ کا حصہ زیادہ ہے کچھ کا حصہ کم ہے۔ مثلاً ایک کا آدھا، آدھا مکان ایک کا ہے اور باقی چار حصے چار کے ہیں، تو باقی آدھے کے چار حصے ہیں وہ چاروں کے درمیان ہیں۔ تو اب کیا قسامت

سب پر آئے گی یا صرف وہ زیادہ حصے والے پر آئے گی؟ کہتے ہیں سب پر آئے گی، افراد کا اعتبار ہے کیونکہ چاہے کسی کا حصہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو وہ انتظامات میں شرکت کرتا ہے، وہ جب شریک ہے تو وہ سارے انتظامات میں اپنا حصہ ڈالتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: فَإِنْ وُجِدَ فِي دَارٍ بَيْنَ قَوْمٍ لِبَعْضٍ أَكْثَرُ، اگر پایا گیا کوئی مقتول کسی گھر میں فِي دَارٍ بَيْنَ قَوْمٍ أَيْ فِي دَارٍ مُشْتَرَكٍ بَيْنَ قَوْمٍ، اگر کوئی مقتول پایا گیا ایسے گھر میں جو مشترک تھا کچھ لوگوں کے درمیان لِبَعْضٍ أَكْثَرُ اور ان میں سے بعض کا حصہ زیادہ تھا، فَهِيَ عَلَى الرُّؤُوسِ تو یہ قسامت جو ہے افراد پر ہوگی۔ یعنی کم یا زیادہ حصے کو نہیں دیکھیں گے بلکہ جتنے افراد ہوں گے سب پر ہوگا۔ لِأَنَّ صَاحِبَ الْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ سَوَاءٌ فِي الْحِفْظِ وَالتَّقْصِيرِ، اس لیے کیونکہ تھوڑے حصے والا اور زیادہ حصے والا سب برابر ہیں حفاظت کے اندر بھی وَالتَّقْصِيرِ اور کوتاہی جو انہوں نے کی، یعنی مقتول پایا گیا ان کے علاقے میں، ان کے گھر میں کسی کو قتل کر دیا گیا اور انہوں نے مدد نہیں کی، تو کوتاہی میں سب برابر ہیں۔ تو یہ سب برابر ہیں فِي الْحِفْظِ وَالتَّقْصِيرِ حفاظت میں بھی اور کوتاہی میں بھی۔

فَإِنْ بِيعَتْ وَلَمْ تُقْبَضْ فَعَلَى عَاقِلَةِ الْبَائِعِ، صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے اپنا مکان بیچ دیا اور مشتری نے ابھی اس

گھر پر قبضہ نہیں کیا کہ اس گھر کے اندر ایک مقتول پایا گیا۔ مشتری مالک تو بن چکا ہے لیکن ابھی اس نے مکان کا قبضہ نہیں لیا۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں اعتبار قبضے کا ہے، جو صاحبِ قبضہ ہوگا اس پر قسامت اور دیت آئے گی۔ اسی طرح اگر کسی نے اپنا مکان بیچ دیا لیکن اختیار رکھ لیا، آپ نے پڑھا ہے کہ مشتری اور بائع دونوں کو خیار رکھنے کا حق ہوتا ہے، خیار رکھنے کا حق، یعنی تین دن تک۔ آپ گئے کسی آدمی کے پاس اور آپ نے کہا یہ اپنا مکان مجھے بیچ دو میں خریدنا چاہتا ہوں۔ اب وہ تیار نہیں ہو رہا، اس نے کہا نہیں بھائی مجھے مشورہ کرنے دو اپنے ساتھیوں سے۔ آپ نے کہا بیع میرے ساتھ کر لو، آپ تین دن تک اختیار ہے آپ مشورہ کر لیں، اگر آپ کا ذہن بن گیا تو دے دینا نہیں تو واپس لے لینا، بیع تو کر لو میرے ساتھ۔ چنانچہ بیع ہو گئی اور اس نے تین دن کا اختیار رکھ لیا۔ یا آپ کو کسی نے کہا کہ میرا یہ مکان خرید لو، آپ کہتے ہیں بھائی میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر لوں، تو وہ کہتا ہے بھائی خرید لو، تین دن تک آپ کو اختیار ہے آپ مشورہ کر لو، تین دن کے اندر فیصلہ کر لو لینا ہے یا نہیں لینا پھر فیصلہ بتا دینا، لیکن بیع تو کم از کم کر لو۔ تو یہ خیارِ بیع کہلاتا ہے، اور یہ تین دن تک ہوتا ہے، اور یہ مشتری بھی رکھ سکتا ہے اور بائع بھی، اور پھر اس کے بعد وہ چاہے تو اس کو بیع کو فسخ کر دے اور چاہے تو برقرار رکھے۔ تو اس کے اندر بھی امام صاحب فرماتے ہیں کہ قبضے والے کو دیکھا جائے گا، اس خیار کے دوران جس میں مقتول ملا ہے یہ مکان کس کے قبضے میں تھا؟ اگر بائع کے قبضے میں تھا تو اس پر قسامت، اگر مشتری کے قبضے میں تھا تو اس پر قسامت ہے۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں قبضے کا کوئی اعتبار نہیں، ملکیت کا اعتبار ہے، آگے دیکھتے ہیں فیصلہ کیا ہوتا ہے۔ اگر وہ بیع کو نافذ کر دیتا ہے مشتری تو پھر مشتری مالک ہوا معلوم ہوا، تو لہٰذا مشتری جو ہے اس پر قسامت آئے گی۔ اور اگر بائع بیع کو فسخ کر دیتا ہے ان تین دنوں میں، تو معلوم ہوا مالک کون بن گیا؟ مالک کون رہا؟ بائع رہا، لہٰذا بائع کے اوپر جو ہے قسامت آجائے گی۔ تو دیکھیں گے کس کی طرف یہ مکان جاتا ہے وہی مالک ہے، تو مالک کا اعتبار ہے قبضے کا اعتبار نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: فَإِنْ بِيعَتْ اگر گھر کو بیچ دیا گیا وَلَمْ تُقْبَضْ اور اس پر قبضہ نہیں کیا گیا، فَعَلَى عَاقِلَةِ الْبَائِعِ تو دیت جو ہے اس بیچنے والے کی عاقلہ پر ہوگی کیونکہ قبضہ ابھی نہیں ہوا۔ قبضہ ابھی بائع ہی کا قبضہ ہے، تو امام صاحب کے نزدیک قبضے کا اعتبار ہے اور قبضہ تو بائع کا ہے تو بائع کی عاقلہ پر دیت ہوگی۔ وَفِي الْبَيْعِ بِخِيَارٍ عَلَى عَاقِلَةِ ذِي الْيَدِ، اور وہ بیع جو خیار کے ساتھ ہو عَلَى عَاقِلَةِ ذِي الْيَدِ وہ صاحبِ قبضہ کی عاقلہ پر ہوگا۔ وہاں پر قسامت کس پر آئے گی؟ جس کا قبضہ ہوگا، تو امام صاحب قبضے کا اعتبار کرتے ہیں۔ هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ وَقَالَا، اور صاحبین فرماتے ہیں: إِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ خِيَارٌ فَعَلَى عَاقِلَةِ الْمُشْتَرِي، اگر اس بیع کے اندر خیار نہ ہوا تو فَعَلَى عَاقِلَةِ الْمُشْتَرِي تو پھر مشتری کی عاقلہ پر قسامت اور دیت آئے گی۔ کیوں؟ کیونکہ خیار تو ہے نہیں، بیع ہوتے ہی کون مالک بن چکا؟ مشتری، تو اس کی عاقلہ پر۔ وَإِنْ كَانَ، اور اگر اس بیع کے اندر خیار تھا، فَعَلَى عَاقِلَةِ مَنْ تَصِيرُ لَهُ تو پھر اس شخص کی عاقلہ پر قسامت اور دیت ہوگی تَصِيرُ لَهُ جس کا وہ

گھر ہو جاتا ہے۔ سَوَاءٌ كَانَ الْخِيَارُ لِلْبَائِعِ أَوْ لِلْمُشْتَرِي، برابر ہے چاہے خیار بائع کا ہو چاہے مشتری کا۔

وَفِي الْفُلْكِ عَلَى مَنْ فِيهِ، صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک مقتول ایک کشتی کے اندر ملا، چلتی ہوئی کشتی میں، تو اس کشتی میں جتنے سوار ہیں اور جو اس کو چلانے والے اور منتظمین ہیں، ساروں پر قسامت آجائے گی۔ اسی طرح اگر کسی مسجد کے اندر کوئی مقتول ملا تو جس محلے کی یہ مسجد ہے ان سارے محلے والوں پر قسامت اور دیت آجائے گی۔ اور اگر دو بستیوں کے درمیان کوئی ملا تو جو بستی زیادہ قریب ہے۔ پہلے مسئلہ تھا بستیوں کے درمیان سواری پر مقتول ملا تھا، وہاں بھی جو قریب بستی تھی اس کا لحاظ تھا، تو یہاں پر بھی جب دو بستیوں کے درمیان مقتول ملا ہے تو جو قریبی بستی ہے زیادہ تو ان پر قسامت اور دیت آئے گی۔ اور یہ بھی یاد رکھنا میں نے پہلے بیان کیا کہ بستی اتنی قریب ہو کہ آواز اونچی دی جائے تو وہاں تک پہنچ سکے، پھر ہی وہ اہلِ نصرت ہیں، ورنہ اگر آواز ہی نہیں پہنچ سکتی تو پھر اہلِ نصرت بھی وہ نہیں ہو سکتے، تو ان پر قسامت اور دیت بھی نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: وَفِي الْفُلْكِ عَلَى مَنْ فِيهِ، اور کشتی کے اندر عَلَى مَنْ فِيهِ قسامت ان لوگوں پر ہے جو اس کشتی میں ہیں، تمام بھائی، مسافر بھی اور چلانے والے بھی۔ وَفِي مَسْجِدِ مَحَلَّةٍ، اور محلے کی مسجد کے اندر اگر مقتول ملتا ہے، تو عَلَى أَهْلِهَا تو ان محلے والوں پر جو ہے وہ قسامت اور دیت ہے۔ وَبَيْنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَلَى أَقْرَبِهِمَا، اور دو بستیوں کے درمیان اگر مقتول ہوا تو ان دو بستیوں میں سے جو زیادہ قریب ہے ان پر قسامت اور دیت ہے۔

وَفِي سُوقٍ مَمْلُوكٍ عَلَى الْمَالِكِ، بھائی ایک بازار ہے، کوئی ایک شخص مالک ہے یا دو مالک ہیں یا چار مالک ہیں یا دس مالک ہیں، باقی انہوں نے کرائے پر دکانیں دی ہوئی ہیں، تو وہ جو مالکین ہیں ان کے اوپر قسامت اور دیت آئے گی، وہ جو کرایہ دار ہیں ان پر نہیں بھائی۔ تو کہتے ہیں وَفِي سُوقٍ مَمْلُوكٍ اور ایسے بازار میں جو مملوک ہے عَلَى الْمَالِكِ مالک پر قسامت اور دیت ہوگی۔ هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ، یہ طرفین رحمہم اللہ کے نزدیک ہے۔ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَى السُّكَّانِ، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک جو رہائشی ہیں ان سب پر قسامت آجائے گی یعنی سارے دکانداروں پر۔

وَفِي غَيْرِ مَمْلُوكٍ وَالشَّارِعِ وَالسِّجْنِ وَالْجَامِعِ لَا قَسَامَةَ وَالدِّيَةُ عَلَى بَيْتِ الْمَالِ، صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک بازار میں ایک مقتول ملا اور وہ بازار کسی کا مملوک نہیں، کسی کا مملوک نہیں، مثلاً سرکاری زمین وغیرہ پڑی ہے اور اس پر لوگ دکانیں بنا لیتے ہیں، یا شارعِ عام پر یعنی مین روڈ کے اوپر جو ہے، تو مین روڈ بھی کسی خاص محلے والوں کی نہیں ہوتی اس پر سے تو ہر ایک گزرتا ہے، یا اسی طرح جامع مسجد یعنی شہر کی جو بڑی مسجد ہے وہ بھی کسی ایک محلے والی کی تو نہیں ہے اس میں تو سارے ہر طرف سے لوگ آکر نماز پڑھتے ہیں، تو اس صورتوں میں قسامت نہیں ہوگی کیونکہ کس سے قسامت لیں؟ کوئی خاص لوگوں کی وہ جگہ ہے ہی نہیں، پورے شہر کے مسلمانوں سے تو قسم نہیں لی جا سکتی، تو لہٰذا قسامت نہیں ہوگی، البتہ وہ مقتول کا خون رائیگاں نہیں گیا، دیت لی جائے گی اور وہ دیت جو ہے بیت المال سے ادا کی جائے گی۔

تو کہتے ہیں: وَفِي غَيْرِ مَمْلُوكٍ، اور ایسے بازار میں جو مملوک نہ ہو یعنی اس کا کوئی مالک نہ ہو، وَالشَّارِعِ اور شارع کے اندر یعنی راستہ جو ہے شارعِ عام جو ہے یعنی مین روڈ جو ہے، وَالسِّجْنِ اور جیل میں، جیل کے اندر کوئی مقتول ملا تو جیل والے جو قیدی ہیں ان پر قسامت نہیں، یہ امام صاحب فرماتے ہیں، وَالْجَامِعِ اسی طرح جامع مسجد ہے جو بڑی مسجد ہے، لَا قَسَامَةَ ان سب میں قسامت نہیں ہوگی، وَالدِّيَةُ عَلَى بَيْتِ الْمَالِ اور دیت جو ہے وہ بیت المال پر آئے گی۔ أَمَّا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ، جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ وہ فرماتے ہیں فَالْقَسَامَةُ عَلَى أَهْلِ السِّجْنِ قسامت جو ہے وہ جیل والوں پر آئے گی لِأَنَّهُمْ سُكَّانٌ کیونکہ وہ رہائشی ہیں وہاں کے، تو ان کا کام تھا مدد کرنا وہاں ایک بندے کو قتل کیا گیا، تو ان پر قسامت بھی آئے گی اور دیت بھی آئے گی بھائی، یعنی جیل کے جتنے قیدی ہیں ان پر قسامت اور دیت ان کی عاقلہ پر آئے گی بھائی، ان کی عاقلہ پر آجائے گی۔

وَفِي قَوْمٍ الْتَقَوْا بِالسُّيُوفِ وَأَجَلُوا عَنْ قَتِيلٍ، اِلْتَقٰى يَلْتَقِي کا معنیٰ ہے آمنا سامنا کرنا، مڈبھیڑ ہونا، ایک دوسرے سے ٹکرانا۔ دو صفیں آپس میں، گروہ لوگوں کے آپس میں تلواروں کے ساتھ ٹکرائے، ایک دوسرے کا آمنا سامنا کیا، اور پھر وہ جب وہاں سے ہٹے تو وہاں ایک مقتول پڑا ہوا ملا۔ تو اس صورت میں ان محلے والوں پر قسامت بھی ہے اور دیت بھی ہے۔ وہ وہاں موجود تھے انہوں نے کیوں نہیں مدد کی؟ کیوں نہیں روکا اس ٹکراؤ کو اور لڑائی کو؟ ان پر قسامت ہے۔ لیکن یہ وہ صورت ہے جب وہ محلے والوں پر دعویٰ کریں کیونکہ آپ پڑھ چکے ہیں دعوے کے بغیر قسامت نہیں ہوگی۔ ہاں اگر وہ ان دو پارٹیوں میں سے کسی ایک پر دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے قتل کیا ہے تو ان پر قسامت آجائے گی محلے والوں پر نہیں آئے گی۔

کہتے ہیں: وَفِي قَوْمٍ الْتَقَوْا بِالسُّيُوفِ، اور ایسے لوگوں کے اندر جنہوں نے ایک دوسرے کا آمنا سامنا کیا تلواروں کے ساتھ، وَأَجَلُوا عَنْ قَتِيلٍ، اَجِلَ يَأْجَلُ کا معنیٰ ہے ملتوی ہونا، ٹل جانا، تو أَجَلُوا وہ ٹل گئے عَنْ قَتِيلٍ مقتول سے یعنی ہٹ گئے وہاں سے ایک مقتول کو چھوڑ کر۔ معنیٰ سمجھ میں آرہا ہے؟ خود بتلا رہے ہیں: أَيِ انْكَشَفُوا عَنْهُ، وہ کھل گئے، ہٹ گئے وہاں سے عَنْهُ أَيْ عَنِ الْمَقْتُولِ یعنی مقتول کو چھوڑ کر وہاں سے ہٹ گئے۔ تو اس صورت میں عَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ محلے والوں پر قسامت اور دیت ہے، إِلَّا أَنْ يَدَّعِيَ الْوَلِيُّ عَلَى الْقَوْمِ أَوْ عَلَى مُعَيَّنٍ مِنْهُمْ، الا یہ کہ دعویٰ کردے مقتول کا ولی ان لوگوں پر یا ان میں سے کسی معین پر، پھر محلے والوں پر نہیں۔

فَإِنْ وُجِدَ فِي بَرِّيَّةٍ لَا عِمَارَةَ بِقُرْبِهَا أَوْ مَاءٍ يَمُرُّ بِهِ فَهَدَرٌ۔ بَرِّيَّة، بَرِّيَّة یاد رکھیں یہ را بھی مشدد ہے اور یا بھی مشدد، بَرِّيَّةٌ۔ ایک لفظ ہے بَرِّيَّةٌ جس میں را بھی مشدد اور یا بھی مشدد، اور ایک لفظ ہے بَرِيَّةٌ را کی تخفیف کے ساتھ۔ را کی تخفیف کے ساتھ ہو بَرِيَّةٌ تو اس کا معنیٰ ہے مخلوق، اور را کی تشدید کے ساتھ ہو بَرِّيَّةٌ تو اس کا معنیٰ ہے جنگل، جنگل۔ تو یہ عموماً انسان بھول جاتا ہے کون سے کا معنیٰ کیا، کس لفظ کا کیا معنیٰ ہے، تو اس میں یاد رکھو بَرِّيَّة جو را مشدد ہے نا وہ بَرٌّ سے ہے، بَرٌّ، اور بَرٌّ خشکی کو کہتے ہیں، آپ نے پڑھا ہے یا نہیں بَرّ و بَحر بھائی؟ تو بَرٌّ یہ خشکی سے ہے تو بَرِّيَّة جب را مشدد ہو تو اس کا معنیٰ

جنگل ہوتا ہے۔ یہاں بھی را مشدد ہونی چاہیے بھائی۔

فَإِنْ وُجِدَ فِي بَرِّيَّةٍ، اگر مقتول پایا گیا کسی جنگل میں لَا عِمَارَةَ بِقُرْبِهَا، عِمَارَة کہتے ہیں آبادی کو، لَا عِمَارَةَ بِقُرْبِهَا کہ جس کے قریب کوئی آبادی نہیں ہے، أَوْ مَاءٍ يَمُرُّ بِهِ یا وہ کوئی مقتول پانی میں پایا گیا يَمُرُّ بِهِ جو اس کو لے کر چل رہا تھا، پانی اس کو بہا کر لے جا رہا تھا دریا میں یا وغیرہ، تو فَهَدَرٌ تو اس کا خون رائیگاں ہے کیونکہ یہ پانی تو پتا نہیں کہاں کہاں سے گزر کر آتا ہے اب کہا نہیں جا سکتا کہ کس نے اس کو قتل کیا ہے۔

وَمُسْتَحْلَفٌ قَالَ، مُسْتَحْلَف جس سے قسم طلب کی گئی بھائی۔ بھائی دیکھو قسامت آئی تھی محلے والوں پر اور وہ قسم اٹھاتے ہیں، ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ زید نے اس کو قتل کیا ہے۔ آپ قسامت لے رہے تھے پچاس قسمیں، ان میں سے اب ایک آدمی کیا کہتا ہے؟ زید نے، فلاں آدمی نے اس کو قتل کیا ہے۔ تو کیا اب قسامت چھوڑ دیں گے؟ کہتے ہیں نہیں، قسم تو لی جائے گی، لیکن اب اس آدمی کا استثنا کروا دیں گے، کیا کروا دیں گے؟ استثنا کروا دیں گے۔ پہلے کیا تھا؟ قسم کیا اٹھاتا تھا؟ کہ میں نے قتل نہیں کیا اور مجھے قاتل کا پتا بھی نہیں۔ اب یہ قسم تو نہیں اٹھا سکتا کیونکہ وہ تو کہہ رہا ہے مجھے قاتل کا پتا ہے۔ تو اب قسم یوں اٹھوائیں گے اس سے کہ واللہ میں نے اس کو قتل نہیں کیا اور میں اس کا قاتل زید کے علاوہ کسی اور کو نہیں جانتا۔ زید کے علاوہ اور کوئی قاتل مجھے اس کا معلوم نہیں ہے، تو زید کا استثنا کروا کر قسم اٹھوائیں گے۔ اور نیز قسم پھر بھی کھلوائیں گے تاکہ پتا چل جائے کہیں یہ خود تو ساتھ شریک نہیں تھا، کہیں اور آدمی بھی تو ساتھ شریک نہیں تھے، پوری بات تو تاکہ پتا چل جائے، لہٰذا زید کا استثنا کر کے اس سے قسم کھلوائیں گے۔

وا دیں گے۔

تو کہتے ہیں: وَمُسْتَحْلَفٌ قَالَ قَتَلَهُ زَيْدٌ، اور وہ شخص جس سے قسم طلب کی گئی تھی اس نے کہا: قَتَلَهُ زَيْدٌ کہ زید نے اس مقتول کو قتل کیا ہے۔ حُلِّفَ، تو اس کو قسم دی جائے گی کہ یوں قسم اٹھائے: بِاللَّهِ مَا قَتَلْتُ وَلَا عَرَفْتُ لَهُ قَاتِلًا غَيْرَ زَيْدٍ، کہ اللہ کی قسم میں نے اس کو قتل نہیں کیا اور نہ میں جانتا ہوں اس کا کوئی قاتل زید کے علاوہ، یہ قسم دی جائے گی۔

وَبَطَلَتْ شَهَادَةُ بَعْضِ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ بِقَتْلِ غَيْرِهِمْ أَوْ وَاحِدٍ مِنْهُمْ، صورتِ مسئلہ یہ: قسامت پر عمل ہو رہا تھا، محلے والوں سے قسمیں لینے لگے، تو محلے والوں میں سے دو یا چار گواہ اٹھے اور انہوں نے کہا ہم چاروں گواہی دیتے ہیں کہ اس مقتول کو فلاں آدمی نے قتل کیا ہے، کسی ایک کے بارے میں گواہی دے دی۔ تو کیا ان کی گواہی معتبر ہے؟ کہتے ہیں نہیں، ان کی گواہی معتبر نہیں۔ بھائی کیوں نہیں معتبر؟ کہتے ہیں وجہ یہ کیونکہ یہ خود فریقِ مخالف ہیں، اور گواہ فریقین کے علاوہ ہونا چاہیے، فریقین کی گواہی کا اعتبار نہیں۔ نہیں سمجھے؟ دیکھو نا میں آپ پر مقدمہ کرتا ہوں، میں ہوا مدعی آپ ہوئے مدعا علیہ، تو میں یا آپ گواہی دیں ہماری گواہی کا کوئی اعتبار نہیں، ہم دونوں تو فریقین ہیں گواہ تو ہمارے علاوہ کوئی دو افراد ہونے چاہئیں۔ تو

یہاں پر بھی یہ اہلِ محلہ فریق بن چکے ہیں یہ مدعا علیہ ہیں ان کی گواہی کا اعتبار نہیں، گواہ کوئی اور ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: وَبَطَلَتْ شَهَادَةُ بَعْضِ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ بِقَتْلِ غَيْرِهِمْ، اور باطل ہے گواہی بعض اہلِ محلہ کی بِقَتْلِ غَيْرِهِمْ کسی دوسرے کے قتل کی یعنی کسی دوسرے کے قتل کرنے کے بارے میں اہلِ محلہ کی گواہی باطل ہے۔ پھر سنو ترجمہ: وَبَطَلَتْ شَهَادَةُ بَعْضِ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ بِقَتْلِ غَيْرِهِمْ، اور باطل ہے گواہی بعض اہلِ محلہ کی ان کے علاوہ کسی اور کے قتل کرنے کے بارے میں، کسی اور کے قتل کرنے کے بارے میں ان کی گواہی باطل ہے أَوْ وَاحِدٍ مِنْهُمْ یا ان میں سے ایک کے بارے میں گواہی جو ہے ان کی باطل ہے کیونکہ فریقِ مخالف بن چکے ہیں۔

وَمَنْ جُرِحَ فِي حَيٍّ فَنُقِلَ فَبَقِيَ ذَا فِرَاشٍ حَتَّى مَاتَ فَالْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ عَلَى الْحَيِّ، صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص ہے اس کو کسی محلے میں زخمی کیا گیا، پھر زخمی ہو گیا لیکن کچھ جان ابھی اس میں باقی تھی، پھر اس کو منتقل کر دیا گیا اور گھر پہنچا دیا گیا، وہاں یہ کچھ دن بستر پر ہی پڑا رہا بھائی زخموں کی حالت میں اور پھر اس کا انتقال ہو گیا۔ تو کہتے ہیں کہ وہ جو قبیلے والے ہیں، وہ جو محلے والے ہیں جن کے درمیان یہ زخمی ملا تھا ان پر قسامت آئے گی۔

وَمَنْ جُرِحَ فِي حَيٍّ، اور وہ شخص جس کو زخمی کر دیا گیا کسی قبیلے میں یا کسی محلے میں فَنُقِلَ پھر اس کو نقل کر دیا گیا، حَيٌّ قبیلے کو بھی کہتے ہیں اور محلے کو بھی، تو حَيٌّ، حَيٌّ محلے کو بھی کہتے ہیں اور قبیلے کو بھی کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: وَمَنْ جُرِحَ فِي حَيٍّ اور وہ شخص جس کو زخمی کر دیا گیا کسی محلے میں یعنی محلے میں زخمی ملا فَنُقِلَ پھر اس کو منتقل کر دیا گیا فَبَقِيَ ذَا فِرَاشٍ پھر وہ باقی رہا بستر والا ہو کر ہی یعنی بستر ے پر ہی پڑا رہا حَتَّى مَاتَ یہاں تک کہ وہ مر گیا، فَالْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ عَلَى الْحَيِّ تو قسامت اور دیت جو ہے وہ اس محلے والوں پر ہے۔

وَفِي رَجُلَيْنِ فِي بَيْتٍ بِلَا ثَالِثٍ وُجِدَ أَحَدُهُمَا قَتِيلًا ضَمِنَ الْآخَرُ دِيَتَهُ، صورتِ مسئلہ یہ: ایک گھر میں دو افراد رہتے تھے ان میں سے ایک مقتول ملا، کسی نے اس کو قتل کیا ہے، تو اس صورت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دوسرا جو ہے وہ دیت کا ضامن ہوگا، دوسرا کیا ہے؟ دوسرا فرد دیت کا ضامن ہوگا۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں ہو سکتا ہے اس نے خود اپنے آپ کو قتل کیا ہو، خودکشی کی ہو، لہٰذا اس دوسرے پر ضمان نہیں آئے گا۔

تو کہتے ہیں: وَفِي رَجُلَيْنِ فِي بَيْتٍ بِلَا ثَالِثٍ، ایسے دو آدمی جو کسی گھر میں ہوں بِلَا ثَالِثٍ بغیر کسی تیسرے آدمی کے یعنی صرف یہ دو ہوں، وُجِدَ أَحَدُهُمَا قَتِيلًا ان دونوں میں سے کوئی ایک مقتول پایا گیا، ضَمِنَ الْآخَرُ دِيَتَهُ تو دوسرا جو ہے وہ اس کی دیت کا ضامن ہوگا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک، خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ بخلاف امام محمد رحمہ اللہ کے، فَإِنَّهُ لَا يَضْمَنُ عِنْدَهُ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ دوسرا آدمی ضامن نہیں ہوگا ان کے نزدیک، لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ قَتَلَ نَفْسَهُ کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے خود اپنے آپ کو قتل کیا ہو یعنی خودکشی کی ہو۔ وَلِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ

أَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ الْإِنْسَانَ لَا يَقْتُلُ نَفْسَهُ، امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ انسان جو ہے وہ اپنے آپ کو خود قتل نہیں کرتا، عموماً انسان خودکشی نہیں کرتا، لہٰذا دوسرا شخص ضامن ہوگا۔

وَفِي قَتِيلِ قَرْيَةِ امْرَأَةٍ كُرِّرَ الْحَلْفُ عَلَيْهَا وَتَدِي عَاقِلَتُهَا، صورتِ مسئلہ یہ: ایک گاؤں ہے اس کی مالکن ایک عورت ہے، عورت ہے، گاؤں میں لوگ تو رہتے ہیں لیکن مالک کون ہے؟ ایک عورت ہے۔ اور وہاں پر ایک مقتول ملا، تو کیا اب مالکن عورت پر کیا قسامت اکیلی پر آئے گی یا اس کی عاقلہ پر آئے گی؟ تو طرفین فرماتے ہیں مالک پر آتی ہے قسامت تو اس عورت پر قسامت آئے گی اور اس سے پچاس قسمیں لی جائیں گی بھائی۔ جبکہ امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قسامت یہاں اس عورت پر نہیں بلکہ اس کی عاقلہ پر آئے گی اس لیے کیونکہ قسامت جو ہے وہ اہلِ نصرت پر ہوتی ہے جو مدد کر سکیں اور عورت تو اہلِ نصرت میں سے ہے ہی نہیں لہٰذا اس پر قسامت نہیں آئے گی اس کی عاقلہ پر آئے گی۔

وَفِي قَتِيلِ قَرْيَةِ امْرَأَةٍ، اور کسی عورت کی بستی کے مقتول میں كُرِّرَ الْحَلْفُ عَلَيْهَا حلف کو یعنی قسم کو دہرایا جائے گا اس عورت پر یعنی وہی پچاس قسمیں کھائے گی، وَتَدِي عَاقِلَتُهَا اور دیت دے گی اس عورت کی عاقلہ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ طرفین رحمہم اللہ کے نزدیک۔ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ الْقَسَامَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ أَيْضًا، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک وہ فرماتے ہیں کہ دیت تو آئے گی عاقلہ پر، قسامت بھی کس پر آئے گی؟ عاقلہ پر۔ وہ فرماتے ہیں: الْقَسَامَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ أَيْضًا کہ قسامت بھی عاقلہ پر آئے گی اس عورت کے، لِأَنَّ الْقَسَامَةَ عَلَى أَهْلِ النُّصْرَةِ اس لیے کیونکہ قسامت جو ہے وہ اہلِ نصرت پر ہوتی ہے وَالْمَرْأَةُ لَيْسَتْ مِنْ أَهْلِهَا اور عورت تو اہلِ نصرت میں سے نہیں ہے وہ تو کمزور ہے کسی کی مدد نہیں کر سکتی۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔

كِتَابُ الْمَعَاقِلِ۔ كِتَابُ الْمَعَاقِلِ، مَعَاقِل جمع ہے مَعْقُلَةٌ کی، اور مَعْقُلَة دیت کو کہتے ہیں، کس کو؟ دیت کو کہتے ہیں۔ تو مَعَاقِل جمع ہے مَعْقُلَةٌ کی اور مَعْقُلَةٌ یہ دیت کو کہتے ہیں۔ تو كِتَابُ الْمَعَاقِلِ دیتوں کی کتاب، اور یہاں مضاف محذوف ہے، أَيْ كِتَابُ أَهْلِ الْمَعَاقِلِ دیتوں والے جو ہیں ان کی کتاب، یعنی اس میں دیتوں والے جو ہیں ان کا بیان ہوگا کہ دیت دینے میں کون شریک ہوں گے۔ وہ جو عاقلہ لفظ آرہا تھا نا بار بار عاقلہ، وہ عاقلہ کون ہوں گے؟ میں نے بتلایا تھا کہ عاقلہ جو ہے وہ اس کے قبیلے والے ہوتے ہیں اور اگر وہ کسی پیشے سے تعلق رکھتا ہے تو وہ پیشے والے اس کے سارے عاقلہ ہوں گے، پیشے والے سارے کیا ہوں گے اس کے؟ عاقلہ۔ اور یہ آپ کو بتلائیں گے کہ عاقلہ جو ہے وہ اس کے اہلِ رجسٹر ہیں۔ وہ آدمی جس کا نام جس رجسٹر میں لکھا ہوا ہے وہ رجسٹر والے جو ہیں وہ سارے اس کی عاقلہ ہیں۔ مثلاً تاجروں کی تنظیم ہوتی ہے اس میں باقاعدہ ساروں کے نام لکھے جاتے ہیں جتنے ارکان ہوتے ہیں، تو ان کا رجسٹر میں جس رجسٹر میں اس کا نام ہے وہ سارے اس کی عاقلہ ہیں، وہ سارے اگر اس سے خطاً کوئی قتل ہو گیا تو وہ سارے دیت ادا کریں گے۔ اور آپ دیکھتے بھی ہیں یہ ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں، ابھی پچھلے دنوں وکیلوں کا مسئلہ بنا تھا سارے وکیل ایک دوسرے کی مدد کے لیے کھڑے ہو

گئے تھے، ڈاکٹروں کا مسئلہ بنا تھا سارے ڈاکٹر مدد کے لیے ایک دوسرے کی مدد کے لیے کھڑے ہو گئے تھے، ججوں کا مسئلہ بنا تھا تو سارے جج جو ہیں وہ اکٹھے ہو گئے تھے ایک دوسرے کی مدد کے لیے۔ تو یہ جو ایک پیشے والے ہوتے ہیں ایک رجسٹر والے ہوتے ہیں یہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، تو یہ اہلِ نصرت ہیں تو یہ عاقلہ ہیں تو اگر ان کے ساتھی میں سے کسی سے غلطی ہوئی ہے تو یہ سب مل کر اس کی مدد کریں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: الْعَاقِلَةُ أَهْلُ الدِّيوَانِ، کہ عاقلہ جو ہے وہ رجسٹر والے ہیں، دِيوَان کہتے ہیں رجسٹر کو، وہ رجسٹر والے ہیں لِمَنْ اس آدمی کے هُوَ مِنْهُمْ جن میں سے یہ آدمی ہے۔ یہ آدمی جن رجسٹر والوں میں سے ہے تو وہ رجسٹر والے اس کی عاقلہ ہیں۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ الْعَاقِلَةُ أَهْلُ الدِّيوَانِ لِمَنْ هُوَ مِنْهُمْ کہ عاقلہ جو ہیں کسی کی وہ رجسٹر والے ہیں لِمَنْ اس شخص وہ شخص جو کہ هُوَ مِنْهُمْ جو ان میں سے ہے، جو ان میں سے ہے وہ رجسٹر والے اس کی عاقلہ ہیں۔ أَيِ الْجَيْشُ الَّذِي كُتِبَ أَسَامِيهِمْ فِي الدِّيوَانِ، یعنی وہ لشکر کہ جن کے نام لکھے جاتے ہیں رجسٹر میں وہ سارے اس کی عاقلہ ہیں۔ یہ دراصل حضرت عمر رضی الله تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو مجاہدین جہاد پر بھیجے جاتے تھے، جو لوگ جو صحابہ جاتے تھے جو لوگ جاتے تھے جہاد پر، ان کے نام رجسٹر میں لکھے جاتے تھے تو وہ اہلِ دیوان ہوتے تھے اہلِ دیوان، ان پر حضرت عمر رضی الله تعالیٰ عنہ دیت واجب فرماتے تھے۔ تو یہ اس لیے کہا أَيِ الْجَيْشُ الَّذِي كُتِبَ أَسَامِيهِمْ فِي الدِّيوَانِ یعنی وہ لشکر کہ جن کے نام لکھے جاتے ہیں فِي الدِّيوَانِ اس رجسٹر میں، تو وہ لشکر والے ہوتے تھے۔ وَهَذَا عِنْدَنَا اور یہ ہمارے نزدیک ہے۔

وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ هُمْ أَهْلُ الْعَشِيرَةِ، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وہ قبیلے والے ہیں، عاقلہ کون ہیں؟ قبیلے والے ہیں۔ لِأَنَّهُ كَانَ كَذَلِكَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اس لیے کیونکہ حضور صلی الله علیہ وسلم کے زمانے میں ایسا ہی تھا قبیلے والے عاقلہ ہوتے تھے، وَلَا نَسْخَ اور حضور کے بعد تو نسخ نہیں ہے، لہٰذا حضرت عمر رضی الله تعالیٰ عنہ نے گویا حضور کے فیصلے کو منسوخ کر دیا اور حضور کے فیصلے کو کوئی منسوخ نہیں کر سکتا، تو وہ قبیلے والے ہی جو ہیں وہ عاقلہ ہوں گے رجسٹر والے عاقلہ نہیں ہوں گے۔ یہ معنیٰ ہے وہ فرماتے ہیں: لِأَنَّهُ كَانَ كَذَلِكَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نَسْخَ بَعْدَهُ، کیونکہ اسی طرح تھا حضور صلی الله علیہ وسلم کے زمانے میں وَلَا نَسْخَ بَعْدَهُ اور حضور کے بعد نسخ نہیں ہو سکتا۔

وَلَنَا ہماری دلیل یہ ہے کہ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ لَمَّا دَوَّنَ الدَّوَاوِينَ، کہ حضرت عمر رضی الله تعالیٰ عنہ نے جب مرتب فرمائے رجسٹر، جَعَلَ الْعَقْلَ عَلَى أَهْلِ الدِّيوَانِ، عَقْل کہتے ہیں دیت کو، تو انہوں نے مقرر فرما دیا دیت کو عَلَى أَهْلِ الدِّيوَانِ رجسٹر والوں پر بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ صحابہ کی موجودگی میں، تمام صحابہ کی موجودگی میں آپ نے رجسٹر والوں کو اہلِ دیت بنا دیا کہ یہ دیت ادا کیا کریں گے اور کسی نے انکار نہیں کیا، تو گویا صحابہ کا اس پر اجماع ہو گیا۔ فَهَذَا لَا يَكُونُ نَسْخًا، تو یہ نسخ نہیں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تو فرما رہے ہیں یہ تو حضرت عمر نے نسخ کر دیا حضور کے فیصلے

کو منسوخ کر دیا، ہم کہتے ہیں نہیں فَهَذَا لَا يَكُونُ نَسْخًا یہ نسخ نہیں ہوگا، بَلْ يَكُونُ تَقْرِيرَ الْمَعْنَى بلکہ یہ اثبات، تَقْرِیر کا معنیٰ اثبات، بلکہ یہ اس معنیٰ کا اثبات ہے، اس معنیٰ کا کس معنیٰ کا اثبات ہے؟ کہ أَنَّ الْعَقْلَ عَلَى أَهْلِ النُّصْرَةِ کہ دیت جو ہے وہ اہلِ نصرت پر ہوتی ہے۔ دیت قبیلے والوں پر حضور نے کیوں دیت ان پر لگائی تھی؟ وہ اہلِ نصرت تھے، تو یہ رجسٹر والے بھی چونکہ اہلِ نصرت ہیں تو حضرت عمر نے ان پر دیت لازم کر دی، تو یہ اسی معنیٰ کو پکا کر دیا اسی معنیٰ کو کہ اہلِ دیت وہ اہلِ نصرت ہوا کرتے ہیں، قبیلے والا ہونا ضروری نہیں۔ جو اس زمانے میں قبیلے والے تھے بعد میں رجسٹر والے بھی ہو گئے، اسی طرح پیشوں والے سب ایک دوسرے کے اہلِ نصرت ہیں، تو یہ اسی معنیٰ کو پکا کرنا ہے یہ اس معنیٰ کو منسوخ کرنا نہیں۔

تو یہ معنیٰ ہے فَهَذَا لَا يَكُونُ نَسْخًا تو یہ نسخ نہیں ہوگا، بَلْ يَكُونُ تَقْرِيرَ الْمَعْنَى بلکہ یہ اسی معنیٰ کو پکا کرنا ہے کہ أَنَّ الْعَقْلَ عَلَى أَهْلِ النُّصْرَةِ کہ دیت جو ہے وہ نصرت کرنے والوں پر ہے، وَقَدْ كَانَتْ بِالْأَنْوَاعِ بِالْقَرَابَةِ وَنَحْوِهَا اور یہ نصرت جو ہے یہ تو مختلف اقسام پر تھی، بِالْقَرَابَةِ قرابت اور رشتہ داری کی وجہ سے یعنی قبیلے کی وجہ سے بھی تھی وَنَحْوِهَا اور اس جیسی اور چیزوں سے بھی تھی، فَصَارَتْ فِي عَهْدِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِالدِّيوَانِ تو یہ نصرت ہو گئی حضرت عمر کے زمانے میں رجسٹر کے ذریعے، وَكَذَا لَوْ كَانَتْ بِالْحِرَفِ اور اسی طرح اگر یہ نصرت جو ہے وہ پیشوں والوں کے ذریعے ہوئی، حِرْفَةٌ کہتے ہیں پیشے کو اور حِرَف اس کی جمع ہے، اسی طرح اگر یہ نصرت پیشوں والوں کے ذریعے ہوگی فَالْعَاقِلَةُ عَلَى أَهْلِ الْحِرْفَةِ تو عاقلہ کون ہوں گے؟ اہلِ حرفہ۔

پیشہ والے ہو جائیں گے، اگر مدد، نصرت پیشوں کے ذریعے ہو تو پھر اہلِ حرفت جو ہے وہ عاقلہ ہوں گے۔

وَتُؤْخَذُ مِنْ عَطَايَاهُمْ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ، اور یہ دیت لی جائے گی ان کے عطیوں میں سے تین سال میں۔ ان کو جو عطیے ملتے ہیں حکومت کی طرف سے تنخواہ ملتی ہے اس میں سے لیے جائیں گے۔ اس وقت سال میں ایک عطیہ ملتا تھا، پورے سال کا خرچہ اکٹھا ملتا تھا ہر جہاد پر جانے والوں کو، تو تین سال میں تین عطایا مل گئے، گویا ہر عطیے میں سے ثلثِ دیت لیں گے، ثلثِ دیت۔ تو اگر یہ تین عطایا ان کو تین سال میں ملے تو ٹھیک ہے تین سال میں لے لیں گے، اور اگر بیت المال میں پیسے کم ہیں تو ان کو تین کے بجائے چھ سال میں یہ خرچہ ملا، یعنی تین عطایا دو دو سال بعد ملے تو پھر چھ سال میں ان سے دیت لے لیں گے، اور اگر مال زیادہ تھا، ایک ہی سال میں ان کو تین عطیے مل گئے، تو ہر عطیے میں سے ثلث لیتے جائیں گے تو ایک ہی سال میں دیت وصول کر لیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنیٰ ہے: وَتُؤْخَذُ مِنْ عَطَايَاهُمْ اور لی جائے گی دیت ان رجسٹر والوں کے عطیوں میں سے فِي ثَلَاثِ سِنِينَ تین سال میں۔ وَكَذَا مَا يَجِبُ فِي مَالِ الْقَاتِلِ، اور اسی طرح وہ جو واجب ہو قاتل کے مال میں۔ بھائی کبھی کبھار دیت قتلِ عمد کی وجہ سے آتی ہے اور وہ کس پر آتی ہے؟ قاتل پر، وہ عاقلہ پر نہیں، تو وہ بھی تین سال میں ہی دے گا، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے: وَكَذَا مَا يَجِبُ فِي مَالِ الْقَاتِلِ اور اسی طرح وہ دیت جو واجب ہو کسی قاتل کے مال میں، یعنی وہ بھی تین سال

میں ادا کرے گا۔ فَإِنْ قَتَلَ الْأَبُ ابْنَهُ تُؤْخَذُ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ عِنْدَنَا، اگر باپ قتل کر دے اپنے بیٹے کو تو آپ نے پڑھا ہے قصاص نہیں آتا بلکہ دیت آتی ہے، تو یہ بھی تین سال میں لے کر اس بیٹے کے وارثوں کو دیں گے۔ فَإِنْ قَتَلَ الْأَبُ ابْنَهُ اگر باپ نے اپنے بیٹے کو قتل کر دیا تو تُؤْخَذُ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ عِنْدَنَا تو دیت لی جائے گی تین سال میں ہمارے نزدیک۔ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَجِبُ حَالًّا، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ فی الحال واجب ہوگی، یعنی قاتل سے جو دیت لینی ہے وہ اسی وقت لی جائے گی اس میں تین سال کی مدت نہیں دیں گے۔

فَإِنْ خَرَجَتْ لِأَكْثَرَ مِنْهَا أَوْ أَقَلَّ أُخِذَ مِنْهُ، اگر عطایا نکلے لِأَكْثَرَ مِنْهَا یہ تین عطایا اگر نکلے لِأَكْثَرَ مِنْهَا تین سال سے زیادہ میں أَوْ أَقَلَّ یا تین سال سے کم میں تین عطایا نکلے أُخِذَ مِنْهُ تو اسی سے لے لیں گے۔ چھ سال میں نکلے تو چھ سال میں لے لیں گے، ایک ہی سال میں تین عطایا نکلے تو ایک ہی سال میں لے لیں گے۔ أَيْ إِنْ أُعْطِيَتْ عَطَايَاهُمْ ثَلَاثَ سِنِينَ بَعْدَ الْقَضَاءِ بِالدِّيَةِ فِي سَنَةٍ وَاحِدَةٍ مَثَلًا، سنو بھائی ترجمہ: أَيْ إِنْ أُعْطِيَتْ عَطَايَاهُمْ ثَلَاثَ سِنِينَ اگر دے دیے گئے ان کے وہ عطایا جو تین سال میں ہوتے ہیں، وہ دے دیے گئے بَعْدَ الْقَضَاءِ بِالدِّيَةِ دیت کا فیصلہ ہونے کے بعد، وہ عطایا جو ان کو تین سال میں دیے جاتے ہیں وہ دیت کا فیصلہ ہونے کے بعد ان کو دے دیے گئے فِي سَنَةٍ وَاحِدَةٍ ایک ہی سال میں مَثَلًا مثال کے طور پر، أَوْ فِي أَرْبَعِ سِنِينَ یا ان کو یہ تین عطایا چار سال میں دیے گئے، تو يُؤْخَذُ فِي سَنَةٍ وَاحِدَةٍ أَوْ أَرْبَعِ سِنِينَ تو دیت لے لی جائے گی ایک سال میں یا چار سال میں۔ یعنی تھوڑی مدت میں تین عطایا ملے تو تھوڑی مدت میں پوری دیت وصول کر لیں گے، اور اگر زیادہ مدت کے اندر تین عطایا ملے یعنی چار سال میں ملے تو چار سال میں لے لیں گے۔

وَحَيُّهُ لِمَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ، اور عاقلہ جو ہے وہ اس شخص کا قبیلہ ہوگا لِمَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ جو ان میں سے نہیں۔ جو رجسٹر والوں میں سے نہیں ہے تو پھر اس کا قبیلہ اور اس کی برادری وہ اس کی عاقلہ ہوگی، تو یہاں حَيٌّ کس معنیٰ میں ہے؟ قبیلے کے معنیٰ میں۔ تو کہتے ہیں وَحَيُّهُ اور عاقلہ جو ہے وہ اس قاتل کا قبیلہ ہوگا لِمَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ جو ان رجسٹر والوں میں سے نہیں ہے، أَيْ مِنْ أَهْلِ الدِّيوَانِ یعنی رجسٹر والوں میں سے نہیں ہے۔

تُؤْخَذُ مِنْ كُلٍّ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ أَوْ أَرْبَعَةٌ فَقَطْ، اچھا یاد رکھو یہ جو دیت ہے نا دیت، بہت معمولی مقدار ہے۔ آپ یہ نہ سمجھیں قبیلے پر دیت آئے گی سو اونٹ ہیں تو ہر آدمی پر پتا نہیں کتنا کتنا بوجھ پڑ جائے گا، نہیں۔ یہ زیادہ سے زیادہ ایک آدمی پر تین سال کے اندر وہ چار درہم آئے گا، یعنی ایک آدمی تین سال کے اندر کتنا دے گا؟ صرف چار درہم، صرف چار درہم، اور کم کی کوئی حد نہیں، اگر افراد زیادہ ہیں تو ہو سکتا ہے تین سال میں اس کو صرف ایک ہی درہم دینا پڑے، گویا ہر سال ثلثِ درہم پھر ثلثِ درہم پھر ثلثِ درہم، لیکن زیادہ سے زیادہ کتنی ہے؟ چار، تین یا چار، تین یا چار درہم۔ اگر چار درہم دیتا ہے تین سال میں تو ایک سال میں کتنا دے گا؟ ایک درہم اور ثلثِ درہم، ایک درہم اور ثلثِ درہم دے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور یہ چار درہموں کا میں حساب میں لگا رہا تھا، میں نے آپ کو بتلایا تھا ایک درہم کتنا ہے؟ تین ماشے ایک رتی اور

خمسِ رتی، تو چار درہم کتنے بن گئے؟ بارہ ماشے، چار تیا بارہ، بارہ ماشے بن گئے، بارہ ماشوں کا ایک تولہ ہوتا ہے، اور تھوڑا سا زائد بن گیا۔ تو یہ میرا خیال کوئی ہزار کے لگ بھگ بنتے ہیں تین سال میں، تقریباً ایک ہزار روپے دیت کے آئیں گے عاقلہ کے ایک فرد پر تین سال کے اندر، ایک ہزار روپے پاکستانی بھائی۔ تو ہر سال میں گویا تقریباً سوا تین سو روپے کے لگ بھگ اس کو دینا پڑے گا، اور یہ کتنا معمولی ہے بھائی کتنا معمولی ہے، آج کل تو ایک دن کی مزدوری بھی مزدور میرا خیال پانچ چھ سو روپے کم از کم وہ لیتے ہیں۔ تو یہ دیکھو سوا تین سو ایک سال میں دے گا، سوا تین سو... یوں کہو ساڑھے تین سو، ساڑھے تین سو تقریباً ایک سال میں دے گا، ساڑھے تین سو دوسرے سال میں اور ساڑھے تین سو تیسرے سال میں ادا کرے گا بھائی۔ ایک آدمی پر تین سال میں آج کے زمانے میں کتنا بنتا ہے؟ ایک ہزار، یعنی کوئی سوا تین سو ہر سال اس کو دینے پڑیں گے۔ تو یہ کوئی زیادہ ہے؟ نہیں بالکل معمولی سا ہے بھائی۔ تو اسلامی... اور دیکھو اس سے اس مقتول کے گھر والوں کی کتنی مدد ہو جائے گی، ان کا سہارا بن جائے گا، تو شریعت کے احکام عجیب ہیں بھائی، کسی پر بوجھ بھی نہیں اور آسانی بھی۔

تو کہتے ہیں: تُؤْخَذُ مِنْ كُلِّ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ لیا جائے گا ان میں سے ہر ایک سے فِي ثَلَاثِ سِنِينَ، ان میں سے ہر ایک سے فِي ثَلَاثِ سِنِينَ تین سالوں میں ہر فرد سے لیا جائے گا ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ تین درہم أَوْ أَرْبَعَةٌ فَقَطْ یا صرف چار درہم لیے جائیں گے۔ فِي كُلِّ سَنَةٍ دِرْهَمٌ ہر سال میں ایک درہم لیں گے أَوْ مَعَ ثُلُثٍ یا ایک مع ثلث کے لیں گے، ایک درہم پورا اور نیز ثلثِ درہم، هُوَ الْأَصَحُّ یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ کہتے ہیں بھائی زیادہ صحیح کیا معنیٰ؟ کہتے ہیں دراصل اس میں امام قدوری کی روایت ہے، قدوری میں ہے کہ ہر سال چار درہم لیں گے تو یہ تو بارہ درہم بن گئے، یا ہر سال تین درہم لیں گے تو یہ تو نو درہم بن گئے، تو بتلا رہے ہیں نہیں ہر سال چار درہم نہیں ہیں تینوں سالوں کا ملا کر کتنا ہے؟ چار درہم ہیں اور یہی صحیح قول ہے۔ کہتے ہیں: إِنَّمَا قَالَ هُوَ الْأَصَحُّ ماتن نے کہا یہی قول زیادہ صحیح ہے لِأَنَّ رِوَايَةَ الْقُدُورِيِّ اس لیے کیونکہ امام قدوری کی روایت یہ ہے کہ أَنَّهُ لَا يُزَادُ الْوَاحِدُ عَلَى أَرْبَعَةِ دَرَاهِمَ فِي كُلِّ سَنَةٍ کہ بڑھایا نہیں جائے گا کسی ایک پر بھی چار درہم سے ہر سال میں، ہر سال میں چار درہم سے زیادہ نہیں بڑھائیں گے ہر سال چار درہم لیں گے، تو یہ تو بن گئے بارہ درہم، حالانکہ تین سال میں بارہ درہم نہیں ہیں بلکہ تین سال کے ملا کر چار درہم ہیں۔ لَكِنَّ الْأَصَحَّ أَنَّهُ لَا يُزَادُ عَلَى أَرْبَعَةِ دَرَاهِمَ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ، لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ دیت جو ہے وہ بڑھائی نہیں جائے گی چار درہم سے تین سالوں میں ہر فرد پر، هَكَذَا نَصَّ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ اسی طرح تصریح کی ہے امام محمد رحمہ اللہ نے۔ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ يَجِبُ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ نِصْفُ دِينَارٍ، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر شخص پر واجب ہوگا نصفِ دینار، آدھا دینار۔ اور ایک دینار کتنا تھا؟ ساڑھے چار ماشے، تو آدھا دینار یعنی سوا دو ماشے ہر فرد پر سونا ہے کیونکہ دینار سونے کا ہوتا ہے، تو ہر شخص پر سوا دو ماشے سونے کے بقدر یہ آئے گی دیت بھائی تین سال میں۔

وَإِنْ لَمْ يَتَّسِعِ الْحَيُّ ضُمَّ إِلَيْهِ أَقْرَبُ الْأَحْيَاءِ نَسَبًا، بھائی اگر قبیلے والے افراد تھوڑے ہیں، اب ہم ان پر تین سال میں

دیت نافذ کرتے ہیں تو ہر آدمی پہ پچاس پچاس درہم آرہے ہیں، تو یہ تو بہت زیادہ ہے اور ہم نے کیا کہا؟ چار سے زیادہ نہیں کرنا تین سالوں میں ملا کر، ہر سال ایک ایک درہم دے گا یا زیادہ سے زیادہ ایک درہم پورا اور ایک تہائی درہم ساتھ یعنی ثلثِ درہم۔ تو پھر کیا کریں افراد تھوڑے ہیں؟ کہتے ہیں ان کے اور قریبی جو قبیلے ہیں ان کو بھی ساتھ ملاتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ یہ تین یا چار درہم تین سال میں ہر فرد پر بن جائیں۔ کہتے ہیں: وَإِنْ لَمْ يَتَّسِعِ الْحَيُّ اگر گنجائش نہ ہو قبیلے میں تو ضُمَّ إِلَيْهِ أَقْرَبُ الْأَحْيَاءِ نَسَبًا تو ملایا جائے گا ان کے ساتھ جو زیادہ قریبی قبیلے ہیں نسب کے اعتبار سے ان کو ساتھ ملائیں گے الْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ قریب والے درجہ بدرجہ ان کے ساتھ ملائے جائیں گے كَمَا فِي الْعَصَبَاتِ جیسے کس میں ہوتا ہے؟ عصبات میں۔ یاد رکھو عصبات جو ہے مالِ وراثت کی جب تقسیم کرتے ہیں تو پہلے درجے والے ذوی الفروض ہیں میں نے ابھی بیان کیا تھا ایک آدھ سبق پہلے، دوسرے درجے والے عصبات ہیں یعنی میت کے وہ مذکر رشتہ دار کہ درمیان میں عورت کا واسطہ نہ ہو، وہاں پر بھی درجہ بدرجہ ہے جو سب سے قریبی ہے پہلے اس کو دیتے ہیں، اگر وہ نہ ہو پھر اس سے اگلے درجے والے کو دیکھتے ہیں، اگر وہ نہ ہو تو پھر اس سے اگلے درجے والے کو دیکھتے ہیں، مثلاً اگر بیٹا ہے تو بیٹے کو دیں گے، اگر بیٹا نہیں پوتا ہے تو پھر پوتے کو دیں گے، پوتا بھی نہیں ہے پڑپوتا موجود ہے تو اس کو دے دیں گے، اگر نیچے کوئی بھی نہیں ہے تو اوپر کی طرف باپ کو دے دیں گے، باپ بھی نہیں ہے میت کا زندہ تو پھر دادا کو دے دیں گے، دادا نہیں ہے تو پردادا اوپر کی طرف چلے جائیں گے، اگر ان میں سے بھی کوئی نہیں تو جو میت کے برابر میں ہے یعنی اس کے بھائی ان کو دیں گے، اگر وہ بھی نہیں تو بھائیوں کے جو بیٹے ہیں پوتے ہیں پڑپوتے ہیں ان میں سے کوئی ہوا اس کو دیں گے، اگر بھائیوں میں سے بھی کوئی نہیں تو پھر باپ کے جو بھائی ہیں یعنی چچا اور چچوں کی اولاد، اگر ان میں سے بھی کوئی نہیں تو دادا کے جو بھائی ہیں اور ان کی جو اولاد ہیں ان کو دیں گے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو جیسے عصبات میں درجہ بدرجہ ہوتے ہیں یہاں پر بھی درجہ بدرجہ ساتھ قبیلے جوڑتے چلے جائیں گے جیسے عصبات میں جوڑتے ہیں۔

وَالْقَاتِلُ كَأَحَدِهِمْ، اور قاتل بھی ان میں سے ایک کی طرح ہوگا، یعنی ہمارے نزدیک قاتل بھی تین سال میں یہ جو حصہ اس پر بنتا ہے یعنی تین یا چار درہم کا وہ ادا کرے گا۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں قاتل پر کچھ بھی نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں نہیں اصل جرم تو اسی نے کیا ہے لہٰذا اس پر نہ ہو باقیوں پر ہو یہ مناسب نہیں، لہٰذا اس پر بھی باقیوں کے بقدر ہی ہوگا۔ تو کہتے ہیں: وَالْقَاتِلُ كَأَحَدِهِمْ اور قاتل بھی ان میں سے کسی ایک ہی کی طرح ہے هَذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَجِبُ عَلَى الْقَاتِلِ شَيْءٌ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قاتل پر کچھ بھی واجب نہیں ہے۔

وَلِلْمُعْتَقِ حَيُّ سَيِّدِهِ، ایک آدمی ہے اس کو کسی نے آزاد کر دیا وہ غلام تھا، اب اس پر دیت آرہی ہے تو یہ دیت کون ادا کرے گا؟ تو کہتے ہیں اس بیچارے کی تو اور کوئی عاقلہ نہیں، آقا جو ہے آقا، وہ اس کا... آقا وارث بنتا ہے یا نہیں بنتا؟ پہلے درجے والے ذوی الفروض، دوسرے درجے میں عصبات، اور تیسرے درجے پہ معتِق جو ہے اس کو ولا ملتی ہے، تو اس

صورت میں جو آقا ہے اور اس کی جو قبیلے والے ہیں وہ اس کی عاقلہ بن جائے گی کیونکہ وہی اس کے وارث ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے: وَلِلْمُعْتَقِ، مُعْتَق پڑھنا ہے اس کو بھائی جو آزاد شدہ ہے، اور آزاد شدہ کے لیے حَيُّ سَيِّدِهِ اس کے آقا کا جو قبیلہ ہے وہ اس کی عاقلہ ہے۔

وَلِمَوْلَى الْمُوَالَاةِ مَوْلَاهُ وَحَيُّهُ، عقدِ موالات بھائی یہ عربوں میں ہوتا تھا۔ کوئی شخص نیا مسلمان ہو جاتا تھا، اب اس کے تو کوئی رشتہ دار وغیرہ مسلمان ہیں ہی نہیں تو وہ کسی عرب سے عقدِ موالات کر لیتا تھا۔ عقدِ موالات یہ ہوتا تھا کہ دیکھو تم میرے ساتھ عقدِ موالات کر لو، میرے سے اگر کوئی جنایت ہو گئی تو تم اور تمہارا قبیلہ بوجھ اٹھاؤ گے، تم دیت ادا کرو گے، تم عاقلہ بن جاؤ گے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اور بدلے میں میں جب مرجاؤں تو میری ساری جائیداد کے وارث تم ہو۔ تو یہ تھا عقدِ موالات بھائی، تو اس میں پھر وہ عقدِ موالات جس سے اس آدمی نے کیا ہے وہ اور اس کا قبیلہ جو ہے وہ اس کی عاقلہ ہوگی۔ تو یہ عموماً نو مسلم کرتے تھے جو نئے نئے مسلمان ہوتے تھے، باقی سارے لوگ تو ان کے کافر ہوتے تھے تو یہ پھر کسی کے ساتھ عقدِ موالات کر لیتے تھے کہ کہیں اگر جنایت آئی تو میرے لیے ذرا آسانی ہو جائے گی۔ تو کہتے ہیں: وَلِمَوْلَى الْمُوَالَاةِ مَوْلَاهُ وَحَيُّهُ اور مولائے موالات یعنی وہ جو عقدِ موالات کرنے والا ہے اس کے لیے عاقلہ جو ہے مَوْلَاهُ اس کا وہ جو مولا ہے جس سے عقد کیا ہے وَحَيُّهُ اور اس کا جو قبیلہ ہے۔

وَتَتَحَمَّلُ الْعَاقِلَةُ مَا يَجِبُ بِنَفْسِ الْقَتْلِ، اور عاقلہ

عاقلہ اٹھاتے ہیں وہ جو واجب ہو نفسِ قتل سے۔ بھائی قتل کی وجہ سے جو دیت آئے وہ عاقلہ اٹھائیں گے، صلح کی وجہ سے اگر دیت آئے وہ عاقلہ نہیں اٹھائیں گے۔ یہ معنیٰ ہے: وَتَتَحَمَّلُ الْعَاقِلَةُ مَا يَجِبُ بِنَفْسِ الْقَتْلِ، اور عاقلہ جو ہے وہ اٹھائیں گے اس دیت کو جو واجب ہو نفسِ قتل کی وجہ سے، وَقَدْرَ أَرْشِ الْمُوضِحَةِ فَصَاعِدًا۔ پھر ایک اور بات یاد رکھنا، عاقلہ مدد کرتے ہیں، مدد تب کریں گے جب ذرا زیادہ مال ہو، اگر تھوڑا مال واجب ہوا ہے پھر اس مجرم کو خود ادا کرنا پڑے گا۔ مثلاً ایک شخص ہے اس سے غلطی سے کسی کو موضحہ زخم لگا دیا جس سے ہڈی ظاہر ہو گئی، اور آپ نے پڑھا ہے اس میں پانچ اونٹ آتے ہیں پانچ اونٹ آتے ہیں یا پانچ سو درہم آتے ہیں، تو یہ موضحہ یعنی جو نصفِ عشر ہے نا، نصفِ عشر، کل دیت کتنی؟ دس ہزار، اس کا عشر کتنا؟ ایک ہزار، اور اس کا نصف کتنا؟ پانچ سو، تو یہ نصفِ عشر۔ نصفِ عشر تک اگر دیت آئی تو عاقلہ مدد کرے گی، اگر نصفِ عشر سے کم ہو گئی دیت تو پھر یہ خود ادا کرے یہ اتنا زیادہ نہیں ہے یہ خود اس کو ادا کرنا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے کہ وَقَدْرَ أَرْشِ الْمُوضِحَةِ فَصَاعِدًا، أَيْ تَتَحَمَّلُ الْعَاقِلَةُ عاقلہ برداشت کریں گے قَدْرَ أَرْشِ الْمُوضِحَةِ موضحہ کا جو ارش ہے یعنی نصفِ عشر اس کی مقدار فَصَاعِدًا یا اس سے زیادہ، اس سے کم کو نہیں وہ برداشت کریں گے۔

لَا مَا يَجِبُ بِصُلْحٍ، عاقلہ نہیں اٹھائیں گے وہ جو مال واجب ہوا ہے صلح کی وجہ سے، أَوْ إِقْرَارٍ یا کس کی وجہ سے؟ اقرار۔

ایک قتل ہوا ہے قاتل کا پتا نہیں چل رہا تو ایک آدمی اقرار کر لیتا ہے کہ میں نے قتل کیا غلطی سے ہوا ہے، تو یہ سارا اس کو برداشت کرنا پڑے گا، عاقلہ کسی کے اقرار پر عاقلہ کا مواخذہ نہیں ہو سکتا وہ ذمہ دار نہیں بن سکتے۔ ہاں اگر عاقلہ بھی تصدیق کر دے کہ ہاں اسی سے قتل ہوا ہے پھر عاقلہ ساتھ شریک ہوں گے ورنہ شریک نہیں۔ یہ معنیٰ ہے کہ لَا مَا يَجِبُ بِصُلْحٍ عاقلہ وہ نہیں اٹھائیں گے جو مال واجب ہوا ہے صلح کی وجہ سے، أَوْ إِقْرَارٍ یا اس کے اقرار کی وجہ سے لَمْ تُصَدِّقْهُ الْعَاقِلَةُ، وہ اقرار جس کی عاقلہ نے تصدیق نہ کی ہو۔ اگر کی ہو پھر عاقلہ والے اٹھائیں گے، اگر تصدیق نہیں کرتے پھر وہ اکیلا اٹھائے اس کا اقرار اسی کے ذمے ہے۔

أَوْ عَمْدٍ سَقَطَ قَوَدُهُ بِشُبْهَةٍ، یا ایسا قتلِ عمد کہ ساقط ہو گیا اس کا قصاص شبہے کی وجہ سے۔ بھائی قتلِ عمد کی وجہ سے اگر دیت آجائے تو وہ عاقلہ نہیں اٹھاتے، وہ آدمی کو خود اٹھانا پڑتا ہے۔ خطا، غلطی ہوئی ہے عاقلہ مدد کریں گے، خود جرم کیا ہے تو پھر عاقلہ ساتھ شریک نہیں ہوں گے۔ یہ معنیٰ ہے أَوْ عَمْدٍ یا وہ مال جو واجب ہو قتلِ عمد کی وجہ سے، اور سَقَطَ قَوَدُهُ بِشُبْهَةٍ جہاں پر قصاص ساقط ہو گیا شبہے کی وجہ سے، أَوْ قَتْلِهِ ابْنَهُ عَمْدًا یا بوجہ قتل کرنے کسی شخص کے اپنے بیٹے کو جان بوجھ کر۔ باپ اپنے بیٹے کو جان بوجھ کر قتل کرے تو وہاں قصاص نہیں آتا شبہے کی وجہ سے ساقط ہوتا ہے، دیت آتی ہے، لیکن یہ قتلِ عمد ہے تو باپ کو خود ادا کرنی پڑے گی۔

وَلَا بِجِنَايَةِ عَبْدٍ أَوْ عَمْدٍ، اور اسی طرح غلام کی جنایت کی وجہ سے اگر مال واجب ہو تو وہ عاقلہ پر نہیں آئے گا بلکہ کس پر آئے گا؟ ہاں، مولا آقا پر آئے گا۔ وہ غلام جو جنایت کر دے، قتل کرتا ہے، تو وہ آقا کے اوپر وہ مال آئے گا عاقلہ پر نہیں۔ تو یہ معنیٰ ہے وَلَا بِجِنَايَةِ عَبْدٍ اور عاقلہ نہیں اٹھائے گی وہ جو مال آئے غلام کی جنایت کی وجہ سے، أَوْ عَمْدٍ یا قتلِ عمد کی وجہ سے، وَمَا دُونَ أَرْشِ الْمُوضِحَةِ اور اسی طرح وہ مال جو موضحہ کے ارش سے کم ہو یعنی نصفِ عشر سے کم ہو اس کو بھی عاقلہ نہیں اٹھائیں گے، بَلِ الْجَانِي بلکہ ان سب کو جنایت کرنے والا اٹھائے گا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور ایک اور چھوٹی سی بات بھی یاد رکھنا۔ یاد رکھو یہ جو دیت ہے تین سال میں ادا کرنی ہے، معلوم ہوا ایک سال میں کتنا آئے گا؟ ثلث، ثلث۔ لہٰذا اگر زخم کی دیت کسی پر آگئی تو اس میں بھی ثلث کا حساب رکھیں گے، زیادہ سے زیادہ ایک سال میں پوری دیت کا ثلث مال اس آدمی پر آئے گا۔ مثلاً دیکھو مثال سے بات سمجھ میں آئے گی: ایک آدمی نے کسی دوسرے کا ہاتھ کاٹ دیا اور پچاس اونٹ آگئے، تو سو اونٹ کتنے عرصے میں دیے جاتے تھے؟ تین سال میں، تو ایک سال میں گویا تینتیس اونٹ آتے ہیں کوئی سوا تینتیس اونٹ۔ تو لہٰذا یہاں پچاس اونٹ آئے ہیں تو پہلے سال میں صرف تینتیس اونٹ ادا کریں گے، اور باقی اگلے سال میں ادا کریں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو جتنی دیت آرہی ہوگی وہ ثلث کے اعتبار سے اس کی تقسیم بنا لیں گے اور ہر سال میں ثلث ثلث ادا کریں گے چاہے ایک سال میں ادا ہو چاہے دو میں چاہے تین میں۔

چلیے بس بھائی۔ هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

كِتَابُ الْوَصَايَا

وصیت کی مشروعیت، وصیت بالثلث، وصیت بمثل النصیب، عتق فی المرض اور وصیت بالسکنیٰ

سبق نمبر ٦٢: کتاب الوصایا: وصیت کی تعریف، مشروعیت، قبول و رد، وصیت لوارث و قاتل اور وصیتِ ذمی کے احکام

شرح الوقایہ صفحہ: ١٤٧ — بتاریخ: ٥ مارچ ٢٠٢٠ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

جی سبق دیکھیے بھئی ![1]

كِتَابُ الْوَصَايَا: هِيَ إِيجَابٌ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَنُدِبَتْ بِأَقَلَّ مِنَ الثُّلُثِ عِنْدَ غِنَى وَرَثَتِهِ أَوِ اسْتِغْنَائِهِمْ بِحِصَّتِهِمْ، كَتَرْكِهَا بِلَا أَحَدِهِمَا، أَيْ إِنْ لَمْ تَكُنِ الْوَرَثَةُ أَغْنِيَاءَ وَلَا يَصِيرُونَ الْأَغْنِيَاءَ بِحِصَّتِهِمْ مِنَ التَّرِكَةِ فَتَرْكُ الْوَصِيَّةِ أَفْضَلُ، وَصَحَّتْ لِلْحَمْلِ وَبِهِ إِنْ وُلِدَتْ لِأَقَلَّ مِنْ مُدَّتِهِ مِنْ وَقْتِهَا.[2]

[1]

جدول — کتاب الوصایا — وصیت کے ارکان، شرائط اور مراتبِ حکم:

صورتِ وصیت	شرعی حکم	فقہی ضابطہ و دلیل
ثلث (١/٣) یا اس سے کم کی وصیت	اجنبی کے حق میں ورثاء کی اجازت کے بغیر نافذ؛ ثلث سے کم مستحب	تاکہ ورثاء محتاج نہ رہیں؛ اگر ورثاء غنی ہوں تو ثلث تک مباح۔
ثلث سے زائد کی وصیت	ورثاء کی بعد الموت اجازت پر موقوف (حیات میں اجازت غیر معتبر)	اگر کوئی وارث نہ ہو تو کل مال کی وصیت بے اجازت نافذ ہوگی۔
وارث کے حق میں وصیت (لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ)	باقی بالغ ورثاء کی بعد الموت اجازت کے بغیر باطل	کیونکہ وارث کو میراث مل رہی ہے، بلا اجازت ترجیح سے قطع رحمی لازم آتی ہے۔
قاتل کے حق میں وصیت	مقتول کی اپنے قاتل (مباشر) کے لیے وصیت باطل ہے	حدیثِ نبوی ﷺ «لَا وَصِيَّةَ لِقَاتِلٍ» کی بنا پر۔

[2] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ١٩٣): صوتی درس کی قراءت میں «لَمْ تَكُنِ الْوَرَثَةُ أَغْنِيَاءَ وَلَا يَصِيرُونَ الْأَغْنِيَاءَ بِحِصَّتِهِمْ مِنَ التَّرِكَةِ فَتَرْكُ الْوَصِيَّةِ أَفْضَلُ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «لم تكنِ الورثةُ أغنياءَ ولا يصيرونَ أغنياءَ بحصَّتهم من التَّركة، فتركُ الوصيَّةِ أفضل.» منقول ہے۔

كِتَابُ الْوَصَايَا: وَصَايَا جمع ہے وَصِيَّةٌ کی، اور وصیت عربی زبان میں غیر سے کوئی فعل طلب کرنا تاکہ وہ اس کی غیر موجودگی میں سرانجام دے، چاہے زندگی میں ہو چاہے موت کے بعد۔ عربی زبان میں کسے کہتے ہیں؟ هِيَ طَلَبُ الْفِعْلِ عَنِ الْغَيْرِ لِيَفْعَلَهُ عَلَى غَيْبٍ مِنْهُ حَالَ حَيَاتِهِ وَبَعْدَ وَفَاتِهِ۔ تو کسی سے کوئی فعل طلب کرنا کہ اس کی غیر موجودگی میں سرانجام دے۔

اور اصطلاحِ شریعت میں کسے کہتے ہیں؟ یہ آپ کے حاشیے میں تعریف دی ہوئی ہے، کہتے ہیں: هِيَ تَمْلِيكٌ مُضَافٌ إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ بِطَرِيقِ التَّبَرُّعِ۔ کہ یہ تملیک ہے، کسی کو مالک بنانا ہے، مُضَافٌ إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ جس کی نسبت موت کے ما بعد کی طرف ہو۔ مثلاً کوئی شخص مرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد زید کو ایک لاکھ روپیہ دے دینا، تو دیکھو یہ مالک بنا رہا ہے ایک لاکھ روپے کا، اور نسبت کس وقت کی طرف کر رہا ہے؟ موت کے بعد کی طرف نسبت کر رہا ہے۔ تو یہ معنی ہے تَمْلِيكٌ مُضَافٌ إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ بِطَرِيقِ التَّبَرُّعِ۔ تبرع کے طریقے پر یعنی احسان کے طریقے پر۔ تبرع کہتے ہیں کوئی ایسی چیز جو کسی پر لازم نہ ہو، لازم نہ ہو۔ اب یہ زید کو ایک لاکھ روپیہ دینا اس پر لازم نہیں تھا، اپنی طرف سے وہ دے رہا ہے۔ تو یہاں پر جو تملیک ہے وہ تبرع کے طریقے پر ہے، بات سمجھ میں آ رہی ہے یعنی احسان کے طریقے پر ہے۔ سَوَاءٌ كَانَ عَيْنًا أَوْ مَنْفَعَةً، یہ الفاظ چاہے اب بڑھا لیں یا یاد رکھیں ان کو۔ کیا تعریف ہو گئی اصطلاحِ شریعت میں؟ تَمْلِيكٌ مُضَافٌ إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ بِطَرِيقِ التَّبَرُّعِ سَوَاءٌ كَانَ عَيْنًا أَوْ مَنْفَعَةً، یہ الفاظ چاہے اگر نہیں ہیں تو یہ بڑھا لیں۔ یعنی مالک بنانا چاہے عین کا مالک بنائے، چاہے نفع کا مالک بنائے موت کے بعد۔

عین کے مالک کی صورت میں نے بیان کر دی۔ کوئی شخص وصیت کرتا ہے میرے مرنے کے بعد زید کو ایک لاکھ روپیہ دے دینا، تو دیکھو یہ مالک بنا رہا ہے عین کا، وہ جو ایک لاکھ روپے ہیں ان کا مالک بنا رہا ہے۔ یا کوئی شخص کہتا ہے میرے مرنے کے بعد یہ گاڑی زید کو دے دینا، تو دیکھو یہ عین کا مالک بنا رہا ہے موت کے ما بعد۔ اور کبھی کبھار صرف نفع کا مالک بنایا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص کہتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرا یہ جو غلام ہے، ایک سال تک یہ زید کی خدمت کرے۔ تو دیکھا، غلام کا مالک نہیں بنا رہا، صرف ایک سال کے لیے اس کے منافع کا مالک بنا رہا ہے، اس کی خدمت کا مالک بنا رہا ہے۔ تو یہ بھی کیا ہے؟ وصیت۔ تو وصیت جیسے عین میں ہوتی ہے اسی طرح منافع میں بھی ہوتی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تعریف لکھ لی کہ تَمْلِيكٌ مُضَافٌ إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ بِطَرِيقِ التَّبَرُّعِ سَوَاءٌ كَانَ عَيْنًا أَوْ مَنْفَعَةً۔ اور عربی زبان میں کسے کہتے ہیں وہ بھی لکھ لیں بھئی: هِيَ طَلَبُ الْفِعْلِ عَنِ الْغَيْرِ لِيَفْعَلَهُ عَلَى غَيْبٍ مِنْهُ حَالَ حَيَاتِهِ وَبَعْدَ وَفَاتِهِ۔ یہ کسی فعل کو طلب کرنا ہے کسی غیر سے، کسی دوسرے سے تاکہ وہ اس فعل کو کرے اس شخص کی غیر موجودگی میں، حَالَ حَيَاتِهِ وَبَعْدَ وَفَاتِهِ اس کی زندگی میں اور اس کی موت کے بعد بھئی، وفات کے بعد۔

اچھا جی، دیکھیے بھئی کتاب پر۔ كِتَابُ الْوَصَايَا، تو یہ وَصَايَا وَصِيَّةٌ کی جمع ہے۔ کہتے ہیں هِيَ إِيجَابٌ بَعْدَ الْمَوْتِ، وصیت جو ہے یہ واجب کرنا ہے موت کے بعد، موت کے بعد واجب کرنا ہے۔ یعنی اس کا اثبات جو ہے موت کے بعد ہوتا ہے، موت کے بعد تملیک وغیرہ کی نسبت کرنا۔ هِيَ إِيجَابٌ بَعْدَ الْمَوْتِ، یہ واجب کرنا ہے موت کے بعد یعنی کسی کے لیے ملکیت کو یا نفع کو۔ یا یوں کہو کہ هِيَ إِثْبَاتٌ بَعْدَ الْمَوْتِ، یہ موت کے بعد ایک چیز کو ثابت کرنا ہے یعنی غیر کے لیے ملکیت کو یا اس کے لیے منفعت کو یعنی نفع کو۔ تو دیکھو وصیت کرنے والا ایک چیز کو واجب کرتا ہے: میرے مرنے کے بعد ایسا کرنا، تو یہ واجب کرنا ہے کسی چیز کو موت کے بعد۔ معنی سمجھ میں آگیا بھئی؟ اور پھر اس میں کسی شخص کو وصیت کی جاتی ہے، اس کو ذمہ دار بنایا جاتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد ایسا کر دینا، تو دیکھا اس پر واجب کر دیا موت کے بعد ایک فعل کو کہ میرے مرنے کے بعد میرے مال میں سے ایک لاکھ زید کو دے دینا، یا میری وہ فلاں گاڑی زید کو دے دینا، یا میرے غلام کی خدمت جو ہے وہ زید کے لیے کر دینا ایک سال میری موت کے بعد۔ یہ معنی ہے هِيَ إِيجَابٌ بَعْدَ الْمَوْتِ، یہ واجب کرنا ہے موت کے بعد یا یوں ترجمہ کر لیں: یہ ثابت کرنا ہے موت کے بعد یعنی کسی کے لیے عین کو یا منفعت کو۔[٣]

یا اور اس سے بہتر ترجمہ کر لیں: هِيَ إِيجَابٌ بَعْدَ الْمَوْتِ کہ وصیت جو ہے وہ موت کے بعد ایجاب ہے، موت کے بعد ایجاب ہے۔ بھئی آپ بیع کرتے ہیں، بیع میں آپ نے پڑھا ہے ایک ہوتا ہے ایجاب اور ایک ہوتا ہے قبول۔ جو پہلا قول کرے اس کو کہتے ہیں ایجاب، اور جو دوسرا قول کرے اس کو کہتے ہیں قبول۔ پہلا قول چاہے بائع کرے چاہے مشتری۔ مثلاً بائع نے کہا کہ یہ گاڑی میں نے آپ کو دس لاکھ میں بیچ دی، یہ ہے ایجاب، اور مشتری کہے گا مجھے منظور ہے، مجھے قبول ہے، تو یہ ہوا قبول۔ یا مشتری ایجاب کر سکتا ہے، مشتری کہتا ہے میں نے آپ کی گاڑی دس لاکھ میں خرید لی، تو یہ پھر ایجاب بن جائے گا اور بائع کہے گا مجھے منظور ہے، یہ کیا بن جائے گا؟ قبول۔ تو بیع میں کیا ہوتا ہے؟ ایجاب اور قبول ہوتا ہے۔ تو بیع میں ایجاب اور قبول ہوتا ہے، جو پہلا قول ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں ایجاب اور جو دوسرا قول ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں قبول۔

اسی طرح یاد رکھو وصیت میں آگے چل کر آپ کو بتائیں گے کہ وصیت کے اندر بھی مُوصَى لَهُ یعنی جس کے لیے وصیت کی گئی ہے، وہ شخص جس کے لیے، مثلاً ایک شخص کہتا ہے میرے مرنے کے بعد میرے مال میں سے دس لاکھ روپے زید کو دے دینا، تو زید ہوا مُوصَى لَهُ جس کے لیے وصیت کی ہے۔ اور آپ کو آگے چل کر بتائیں گے کہ مُوصَى لَهُ کا بھی وصیت کو قبول کرنا ضروری ہے، وہ قبول کرے گا تو اس کو دس لاکھ دیں گے، اگر وہ انکار کر دیتا ہے، رد کر دیتا ہے تو پھر اس کو وہ مال نہیں دیں گے۔ تو معلوم ہوا وصیت کے اندر بھی ایک ایجاب ہوتا ہے اور ایک قبول ہوتا ہے۔ ایجاب کس نے کیا ہے؟ وصیت کرنے والے نے جو مر گیا، اس نے زندگی میں ایجاب کیا تھا کہ میرے مرنے کے بعد زید کو

[٣] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ١٩٣): صوتی درس کی قراءت میں «هِيَ إِثْبَاتٌ بَعْدَ الْمَوْتِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «هي إيجابٌ بعد الموت،» منقول ہے۔

دس لاکھ دے دینا، تو یہ ایجاب ہے۔ اور پھر اس کے بعد زید اس کو قبول کرتا ہے یا رد کرتا ہے، وہ زید کی مرضی ہے۔ تو یہ مُوصِي کا ایجاب ہے، اور اس میں یہ بھی بتائیں گے کہ مُوصَی لَهُ جس کے لیے یعنی جیسے زید ہے جس کے لیے وصیت کی ہے، وصیت کرنے والے کی زندگی میں وہ اس کو قبول کرتا ہے یا رد کرتا ہے اس کا اعتبار نہیں، کیونکہ وصیت کب نافذ ہوتی ہے؟ موت کے بعد، تو موت کے بعد ہی پھر وہ قبول یا رد کر سکتا ہے۔ تو معلوم ہوا یہ جو وصیت ہوتی ہے یہ ایجاب کا نام ہے، لیکن کب ہوتا ہے یہ ایجاب؟ موت کے بعد، اور پھر اس کے بعد وہ جو مُوصَی لَهُ ہے اس کو قبول یا رد کا اختیار ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا وصیت کس چیز کا نام ہے؟ ایجاب کا، اور یہ ایجاب کب ہوتا ہے؟ موت کے بعد، موت سے پہلے نہیں۔ ایک آدمی نے کہا تھا میرے مرنے کے بعد زید کو دس لاکھ دے دینا، تو زندگی میں یہ ایجاب نہیں ہے، یہ ایجاب کب ہوگا اس کی طرف سے؟ موت کے بعد ہوگا، اور قبول اور رد بھی موت کے بعد ہی زید کر سکتا ہے۔ تو وصیت کس چیز کا نام ہے؟ موت کے بعد ایجاب کا نام ہے۔ یہ معنی ہے هِيَ إِيجَابٌ بَعْدَ الْمَوْتِ کہ وصیت جو ہے وہ موت کے بعد ایجاب کا نام ہے۔

تو یہ ترجمہ کر لیں کہ هِيَ إِيجَابٌ بَعْدَ الْمَوْتِ کہ وصیت جو ہے موت کے بعد اثبات کا نام ہے، یا یوں ترجمہ کر لیں کہ وصیت جو ہے موت کے بعد واجب کرنے کا نام ہے، یا یوں ترجمہ کر لیں کہ وصیت جو ہے موت کے بعد ایجاب کا نام ہے، جو بھی ترجمہ آپ کو بہتر لگے بھئی۔

وَنُدِبَتْ بِأَقَلَّ مِنَ الثُّلُثِ۔ یاد رکھیے بھئی! وصیت جو ہے زیادہ سے زیادہ ثلث مال میں کی جا سکتی ہے، ثلث مال میں کی جا سکتی ہے، اور ثلث مال سے زیادہ میں وصیت جائز نہیں کیونکہ باقی مال وارثوں کا حق ہے۔ ہاں اگر وارث اجازت دے دیں تو پھر ثلث سے زیادہ کی وصیت بھی درست ہے اور اس کو نافذ کر دیا جائے گا، کیونکہ مانع کیا چیز تھی؟ وارثوں کا حق۔ مثلاً ایک شخص کا کل مال ہے ساٹھ لاکھ روپے، اور وہ کہتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد تیس لاکھ روپے بکر کو دے دینا، تو یہ تیس لاکھ تو ساٹھ لاکھ کا نصف ہے، اور وصیت زیادہ سے زیادہ کتنے کی کی جا سکتی ہے؟ ثلث کی۔ تو لہٰذا ثلث کے اندر یہ وصیت نافذ ہوگی، یعنی اس شخص کے مرنے کے بعد ساٹھ کا ثلث، وہ کتنا بنا؟ بیس لاکھ۔ بیس لاکھ زید کو دیں گے، تیس لاکھ نہیں دیں گے۔ ہاں اگر وارث اجازت دے دیتے ہیں کہ ہاں نہیں دے دیں، اس کو تیس لاکھ ہی دے دیں، تو پھر تیس لاکھ اس وصیت جس کے لیے کی اس کو دے دیں گے اور باقی مال وارثوں کا ہو جائے گا۔ تو وصیت زیادہ سے زیادہ کتنے کی کی جا سکتی ہے؟ ثلث مال کی، ثلث مال کی۔

اب مستحب کیا ہے؟ مستحب یاد رکھو ثلث تو زیادہ سے زیادہ ہے، مستحب یہ ہے کہ ثلث سے کم کی وصیت کرے تاکہ زیادہ مال وارثوں کے لیے بچ جائے، تاکہ مُوَرِّث کے مرنے کے بعد وہ اپنی گزر بسر آرام سے کر لیں، وہ اپنی ضروریات پوری کر سکیں، اور جتنا مال زیادہ ان کے لیے چھوڑ دیں اتنا وہ آسانی سے گزر بسر کر سکیں گے بھئی۔ اور اگر وصیت ثلث کی

دوسرے کو دے دیتے ہیں پھر تو مال کم ہو گیا بھئی۔ تو بہر حال کر سکتے ہو وصیت لیکن ثلث تک جائز ہے، اور ثلث سے کم ہونی چاہیے یہ مستحب ہے، پورا ثلث نہیں بلکہ ثلث سے کم ہونا چاہیے مستحب ہے۔

اب یہاں دو صورتیں ہیں: یا تو جو اس کے وارث ہیں وہ پہلے سے ہی مالدار ہوں گے، یا جو حصہ ان کو ملے گا اس سے یہ مالدار ہو جائیں گے۔ پہلے تو نہیں مالدار لیکن حصہ ملے گا تو مالدار ہو جائیں گے یعنی اتنا مال یہ چھوڑ کر جا رہا ہے۔ تو دو صورتیں ہو گئیں، کیا؟ یا تو پہلے سے ہی مالدار ہوں گے یا مال ملنے سے، یہ وراثت ملنے سے وہ مالدار ہو جائیں گے۔ ایک یہ صورت ہو گئی بھئی، ایک صورت۔ دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے سے مالدار بھی نہیں ہیں اور یہ مال ملنے سے بھی کوئی وہ مالدار نہیں ہوں گے بھئی، تو دوسری صورت یہ ہے۔ تو اگر وہ پہلے سے مالدار ہیں یا یہ حصہ ملنے سے وہ مالدار ہو جائیں گے تو پھر ثلث سے کم وصیت کرنا مستحب ہے۔ ثلث پھر بھی نہیں کرنی، ثلث سے کم وصیت پھر مستحب ہے۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ ترکِ وصیت مستحب ہے، وصیت کرے ہی نہ، چھوڑ دے وصیت۔ اگر وہ وارث اس کے مالدار نہیں اور حصہ ملنے سے بھی مالدار نہیں ہوں گے تو مستحب یہ ہے کہ وصیت کرے ہی نہ، بالکل چھوڑ دے وصیت کو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

ثلث سے کم وصیت مستحب ہے، کب؟ جب وارث پہلے سے ہی مالدار ہوں یا مال ملنے سے وہ مالدار ہو جائیں گے، تو مستحب ہے وصیت کرنا لیکن ثلث سے کم کم۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ثلث سے کم وصیت۔ اور اگر وارث غریب ہیں، وہ مالدار نہیں اور یہ حصہ بھی اتنا نہیں ملے گا جس سے وہ مالدار ہو جائیں گے تو پھر ترکِ وصیت مستحب ہے۔ بھئی دیکھو وصیت اگر آپ کریں گے، وصیت جب انسان کرے گا کسی غریب محتاج کو مال مل جائے گا تو یہ صدقہ ہو جائے گا بھئی اور صدقے پر اس کو اجر و ثواب ملے گا، لہٰذا اس کو منع تو نہیں کیا جا سکتا کہ نہیں تم نے وصیت نہیں کرنی، کیونکہ وہ کیا کر رہا ہے اپنے لیے آخرت... بنا رہا ہے، زندگی میں تو وہ اگر زیادہ نہیں بھی بنا سکا لیکن کم از کم موت کے وقت وہ اپنی آخرت کچھ بہتر کرنا چاہتا ہے تو ممانعت کوئی نہیں، رکاوٹ کوئی نہیں۔ لہٰذا وہ صدقہ اپنا مال کر سکتا ہے، لیکن زیادہ سے زیادہ کتنا کر سکتا ہے؟ ثلث کر سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں، باقی وارثوں کا حق ہے بھئی۔ تو لہٰذا جب وصیت کرے گا، کسی کو مال ملے گا تو اس کو صدقے کا ثواب ملے گا۔ اور اگر وارثوں کو دے گا تو پھر وارثوں میں دو صورتیں ہیں، وارثوں کے لیے اگر چھوڑتا ہے: وارث یا تو مالدار ہیں یا مالدار نہیں۔

بھئی حصہ ملنے سے مالدار ہو جائیں یا پہلے سے مالدار ہوں بات ایک ہی ہے، تو اس کو مالدار ہی میں سمجھ لیں جب حصہ ملنے سے کیا ہو رہے ہیں؟ مالدار۔ تو چاہے پہلے سے مالدار ہوں یا حصہ ملنے سے مالدار ہو جائیں، تو اب اس وقت وصیت اگر یہ چھوڑ دیتا ہے، ثلث میں تو اس کا حق بن رہا ہے نا وصیت کر سکتا ہے، یہ اگر وصیت چھوڑ دے گا تو گویا یہ زائد مال بھی اپنے رشتہ داروں کو ہبہ کر رہا ہے۔ کیا کر رہا ہے؟ ہبہ کر رہا ہے۔ ایک ہوتا ہے ہبہ، ایک ہوتا ہے صدقہ۔ ہبہ ہوتا ہے تحفہ

دینا۔ جو مالدار کو مال دیا جائے نا، جو امیر ہے مالدار ہے یعنی اس کے پاس ٹھیک اچھی گزر بسر ہو رہی ہے جس کی، اس کو اگر کوئی شخص مال دیتا ہے تو یہ ہبہ ہے، ہبہ ہے۔ اور اگر کسی غریب اور محتاج کو دیتا ہے تو یہ صدقہ ہے۔ تو صدقہ جو ہوتا ہے وہ اللہ کی رضا کے لیے دیا جاتا ہے، اور ہبہ میں دوسرے کی دل جوئی مقصود ہوتی ہے کہ دل اس کا چلو خوش ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو ہبہ کسے کہتے ہیں؟ جو مالدار کو دیں، یعنی جو فقیر اور محتاج نہیں ہے اس کو آپ مال دیں تو یہ کیا ہے؟ ہبہ۔ آپ بے شک اس کو صدقے کا نام دے دیں لیکن یہ کیا ہے؟ ہبہ ہے۔ اور فقیر اور محتاج کو جب آپ مال دے رہے ہیں، آپ بے شک اس کو ہبہ کا نام دے دیں لیکن یہ کیا ہے؟ صدقہ۔ تو محتاج کو مال دینا یہ ہے صدقہ، اور مالدار کو مال دینا یہ ہے ہبہ۔

اب یہاں رشتہ داروں کے اندر بھی یہی صورت ہے۔ اگر وہ مالدار ہیں یا اس حصے سے مالدار ہو گئے، تو ان کے لیے اگر وصیت نہیں کرتا تو ثلث کس کے لیے چھوڑ رہا ہے؟ اپنے رشتہ داروں کے لیے، اور وہ تو مالدار ہیں یا مالدار ہو گئے حصہ ملنے سے۔ اب حصہ چھوڑنا گویا مالدار کو حصہ دینا، مالدار کو مال دے رہا ہے، تو گویا یہ ہبہ ہوا۔ یہ کیا ہوا؟ ہبہ۔ تو یہ رشتہ داروں پر ہبہ ہوا۔ اور اگر وصیت کرے گا تو غریب کو مال ملے گا، وہ کیا ہو جائے گا؟ صدقہ ہو جائے گا، کیا ہو جائے گا؟ صدقہ ہو جائے گا۔ لہٰذا ہبہ سے بہتر صدقہ ہے، ہبہ سے بہتر صدقہ ہے۔ بے شک رشتہ داروں کو ہبہ کر رہا ہے اور وہ عام مسلمان کو ہبہ سے زیادہ درجہ ہے اس کا، بات سمجھ میں آ گئی؟ ان کی دل جوئی ہو گی، لیکن صدقہ وہ تو خالص اللہ کی رضا کے لیے ہے۔ تو ایک ہے عام آدمی کو اگر، عام آدمی کے لیے وصیت کرے گا وہ کیا بنے گا غریب آدمی کے لیے؟ صدقہ۔ اور رشتہ دار جو مالدار ہو گئے یا مالدار ہیں ان کے لیے حصہ چھوڑ دے گا تو وہ کیا بن جائے گا؟ ہبہ۔ تو ثلث، یہ جو ثلث جس میں یہ وصیت کر سکتا ہے، تو وصیت مستحب یہ ہے کہ جب رشتہ دار مالدار ہیں یا مالدار ہو رہے ہیں تو مستحب یہ ہے کہ صدقہ کر دے۔ کیونکہ رشتہ داروں کے لیے چھوڑ دے گا تو وہ ہبہ بن جائے گا، اور یقیناً صدقہ جو ہے وہ ہبہ سے افضل ہے، لہٰذا مستحب یہ ہے کہ وصیت کر دے، لیکن ثلث سے کم کرے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اور اگر، اور اگر رشتہ دار جو ہیں وہ غریب ہیں محتاج ہیں اور یہ حصہ ملنے سے بھی وہ مالدار نہیں ہوں گے، تو پھر اس صورت میں وصیت کو ترک کرنا مستحب ہے۔ اس لیے کیونکہ اگر وصیت کرے گا تو غریب کو مال ملے گا صدقہ ہو جائے گا، اور اگر وصیت کو چھوڑے گا تو یہ رشتہ داروں کو مل جائے گا، اور رشتہ دار بھی غریب ہیں تو یہ بھی صدقہ ہو جائے گا اور نیز اس میں صلہ رحمی بھی ہے بھئی، رشتہ داروں کے ساتھ احسان ہے نیکی ہے بھئی، تو اس میں دو اجر مل جائیں گے۔ تو لہٰذا اگر وہ غریب اور محتاج ہیں تو کیا کرے؟ رشتہ داروں کے لیے ہی چھوڑ دے، وصیت دوسرے کے لیے نہ کرے کیونکہ رشتہ داروں کے لیے چھوڑ دے گا تو دو اجر ملیں گے، کسی دوسرے کے لیے وصیت کرے گا تو ایک اجر ملے گا۔

مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟ تو لہٰذا رشتہ دار مالدار ہوں یا حصہ ملنے سے مالدار ہو جائیں تو پھر وصیت کرنا مستحب ہے لیکن

ثلث سے کم۔ اور اگر رشتہ دار غریب ہیں اور حصہ ملنے سے بھی مالدار نہیں ہو رہے تو پھر مستحب کیا ہے؟ ترکِ وصیت، وصیت نہ کرے، سارا ان کے لیے ہی چھوڑ دے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے وَنُدِبَتْ بِأَقَلَّ مِنَ الثُّلُثِ، اور مندوب ہے وصیت بِأَقَلَّ مِنَ الثُّلُثِ ثلث سے کم میں، عِنْدَ غِنَى وَرَثَتِهِ جب کہ وارث جو ہیں وہ مالدار ہوں۔ غنی کہتے ہیں مالداری، مالداری۔ اردو میں ایک لفظ ہے امیر، عربی میں امیر کا معنی سربراہ کے ہوتے ہیں بھئی، سربراہ۔ بات سمجھ، امیر المؤمنین دیکھا، یہاں بھی یہ لفظ امیر آرہا ہے، تو یہ سربراہ کے معنی میں جو سردار ہوتا ہے۔ اور اردو میں امیر کا معنی ہے دولت مند۔ تو عربی میں امیر جو ہے وہ دولت مند کو نہیں کہتے بلکہ وہ سردار کو کہتے ہیں، تو عربی میں مالدار کو غنی کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ غنی، تو غنی کا معنی ہوا مالداری۔

تو کہتے ہیں وَنُدِبَتْ بِأَقَلَّ مِنَ الثُّلُثِ عِنْدَ غِنَى وَرَثَتِهِ أَوِ اسْتِغْنَائِهِمْ بِحِصَّتِهِمْ، اور مندوب ہے وصیت ثلث سے کم میں عِنْدَ غِنَى وَرَثَتِهِ جب کہ اس شخص کے وارث جو ہیں وہ مالدار ہوں، ان کی مالداری کے وقت، أَوِ اسْتِغْنَائِهِمْ یا ان کے مالدار ہو جانے کے وقت بِحِصَّتِهِمْ اپنے حصے سے، جب وہ اپنے حصے سے کیا ہو جائیں؟ مالدار ہو جائیں۔ تو اس وقت مستحب یہ ہے کہ ثلث سے اقل وصیت کر دے تاکہ صدقہ ہو جائے اور اس کو ثواب مل جائے۔ كَتَرْكِهَا أَيْ تَرْكِ الْوَصِيَّةِ، جیسے کہ ترکِ وصیت مستحب ہے بِلَا أَحَدِهِمَا جب ان دونوں میں سے کوئی چیز نہ ہو۔ وصیت مستحب ہے جب رشتہ دار کیا ہوں، جب وارث کیا ہوں؟ مالدار ہوں یا مالدار ہو جائیں حصہ ملنے سے۔ ان دو چیزوں کے ہوتے ہوئے ثلث سے اقل وصیت مستحب، جیسے کہ وصیت کو چھوڑنا مستحب ہے جب ان دونوں میں سے کوئی بھی چیز نہ ہو، نہ وہ پہلے سے مالدار ہیں اور نہ حصہ ملنے سے مالدار ہوں گے۔ یہ معنی ہے كَتَرْكِهَا جیسے کہ ترکِ وصیت جو ہے وہ مستحب ہے بِلَا أَحَدِهِمَا ان دونوں کے بغیر یعنی جب ان دونوں چیزوں میں سے کوئی بھی نہ ہو، نہ تو وہ مالدار ہوں پہلے سے اور نہ حصہ ملنے سے مالدار ہو رہے ہوں۔ أَيْ إِنْ لَمْ تَكُنِ الْوَرَثَةُ أَغْنِيَاءَ اگر وارث جو ہیں وہ مالدار نہ ہوں، وَلَا يَصِيرُونَ الْأَغْنِيَاءَ بِحِصَّتِهِمْ مِنَ التَّرِكَةِ اور وہ مالدار بھی نہیں بنتے اپنے حصے کی وجہ سے جو ترکے میں سے ہے، فَتَرْكُ الْوَصِيَّةِ أَفْضَلُ تو وصیت کو چھوڑ دینا افضل ہے۔ بات سمجھ میں آگئی یہاں تک؟

اب یہاں دو تین لفظ یاد رکھنا۔ وصیت کرنے والا، اس کو کہتے ہیں مُوصِي صاد کے ساتھ ہے، أَوْصَى يُوصِي إِيصَاءً بابِ افعال ہے، وصیت کرنا أَوْصَى يُوصِي إِيصَاءً۔ اسی سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے مُوصِي صاد کے ساتھ م و ص ی، وصیت کرنے والا۔ اور جس کے لیے وصیت کی ہے وہ ہے مُوصَى لَهُ، مُوصَى لَهُ۔ اور جو چیز وصیت کی ہے وہ ہے مُوصَى بِهِ، مُوصَى بِهِ۔ اور جس کو وصیت کی ہے، نگران مقرر کیا ہے، وہ ہے مُوصَى إِلَيْهِ، مُوصَى إِلَيْهِ، دیکھا اس کی طرف وصیت کی گئی ہے۔ مثلاً دیکھو ایک شخص مرنے لگا، اس نے زید کو وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد عمرو کو یہ گاڑی دے دینا میری۔ توجہ ہے؟ ایک شخص نے کس کو وصیت کی؟ زید کو، کہ میرے مرنے کے بعد یہ گاڑی عمرو کو دے دینا۔ تو عمرو کو گاڑی ملنی ہے، تو عمرو ہوا مُوصَى لَهُ، عمرو کیا ہوا؟ مُوصَى لَهُ جس کے لیے وصیت کی۔ اور وصیت کرنے والا کون ہوا؟

مُوصِي وصیت کرنے والا۔ اور جو گاڑی جو دینی ہے، جس کی وصیت کی ہے وہ ہے مُوصَى بِهِ، وہ مُوصَى بِهِ ہے، وہ مُوصَى بِهِ۔ اور زید کو نگران مقرر کیا، اس کو ذمہ دار بنایا، اس کو ذمہ دار، تو جس کو ذمہ دار بنایا ہے وہ ہے مُوصَى إِلَيْهِ، اور اسی مُوصَى إِلَيْهِ، مُوصَى إِلَيْهِ بھی کہہ دیتے ہیں اور زیادہ تر اس کے لیے لفظ وَصِيّ استعمال ہوتا ہے وَصِيٌّ، وص ی، یا مشدد ہے، وَصِيٌّ۔ تو زید کون ہے؟ وصی۔ وصیت کرنے والا مُوصِي، وہ گاڑی کیا ہے؟ مُوصَى بِهِ، جس چیز کی وصیت کی جائے وہ ہے مُوصَى بِهِ۔ اور جس کے لیے وصیت کی وہ ہے مُوصَى لَهُ، دیکھو ترجمے سے ہی پتہ چل رہا ہے مُوصَى لَهُ جس کے لیے وصیت کی گئی۔

اب دیکھیے آگے، کہتے ہیں وَصَحَّتْ لِلْحَمْلِ وَبِهِ، اور صحیح ہے وصیت کرنا لِلْحَمْلِ حمل کے لیے، وَبِهِ اور حمل کی وصیت کرنا یہ بھی صحیح ہے، إِنْ وُلِدَتْ لِأَقَلَّ مِنْ مُدَّتِهِ مِنْ وَقْتِهَا، اگر وہ حاملہ جنم دے دے اس مدت کے اندر جو کم ہو مِنْ مُدَّتِهِ مدتِ حمل سے، مِنْ وَقْتِهَا أَيْ مِنْ وَقْتِ الْوَصِيَّةِ وصیت کے وقت سے۔ یاد رکھو حمل کے لیے وصیت صحیح ہے۔ ایک شخص مرنے لگا اور اس نے مرتے وقت کہا کہ مثلاً، مثلاً زید نے اس کو بتایا تھا کہ میری بیوی حاملہ ہے اور دعا کریں اللہ مجھے بیٹا نصیب فرمائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ زید اس کا کوئی رشتہ دار نہیں ہے، تو وہ شخص جب مرنے لگا اس نے وصیت کی کہ زید کا جو حمل ہے، زید کا جو حمل ہے اس کی بیوی کے پیٹ میں، اس کو میری طرف سے، میرے مال میں سے اس کو دس لاکھ روپے دے دینا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اب یہ حمل کے لیے وصیت کر رہا ہے، کہتے ہیں حمل کے لیے یہ وصیت درست ہے، بشرطیکہ اس کی بیوی حاملہ ہو۔ اور پتہ کیسے چلے گا؟ کہتے ہیں کہ چھ ماہ سے پہلے وہ بچے کو جنم دے دے۔

کیونکہ اقل مدتِ حمل چھ ماہ ہے، ویسے تو بچے کی پیدائش عموماً نو ماہ میں ہوتی ہے، لیکن اقل مدتِ حمل، کم سے کم مدتِ حمل جس کے اندر پورے اعضاء والا صحیح سلامت بچہ پیدا ہو سکتا ہے وہ کتنی ہے؟ چھ ماہ۔ اس سے کم میں صحیح سلامت بچہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ چھ ماہ میں اعضاء وغیرہ سارے بن گئے، پیدائش ہو جاتی ہے آج کل بھی آپ سنتے ہیں دیکھتے ہیں، اگرچہ پھر اس کی زندگی کا بچتا ہے نہیں بچتا کمزور ہوتا ہے بڑا، لیکن بہرحال اتنے میں صحیح بچے کی پیدائش ممکن ہے، اس سے کم میں ممکن ہی نہیں۔ تو لہٰذا اقل مدتِ حمل جو ہے اس سے کم، چھ ماہ نہیں، چھ ماہ سے کم کے اندر وہ بچہ پیدا ہو جائے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ کیونکہ اول ایک دو تین ماہ تو حمل کا پتہ ہی نہیں چلے گا بھئی، دو تین ماہ تک تو حمل کا پتہ بھی نہیں چلے گا۔ تو تاکہ پتہ تو چلے کہ یہ جس وقت اس نے وصیت کی وہ حمل موجود بھی تھا یا نہیں تھا، یہ نہ ہو بعد میں اس کی بیوی حاملہ ہوئی ہو، اس وقت حمل ہی نہ ہو۔ لہٰذا کیا کہا؟ چھ ماہ سے کم میں اگر حمل کو اس نے جنم دے دیا، تو معلوم ہوا جس وقت اس نے وصیت کی تھی حمل موجود تھا، لہٰذا اس کو اس کا حصہ دے دیں گے۔ اور اگر اس کے بعد جنم دیتی ہے تو اس میں احتمال ہے ہو سکتا ہے یہ بعد میں حمل آیا ہو، جس وقت وصیت کی تھی اس وقت حمل تھا ہی نہیں، تو پھر تو وصیت ہی لغو ہو گئی، بات سمجھ میں آگئی؟ اسی لیے کیا قید لگا دی؟ چھ ماہ سے کم، چھ ماہ نہیں، چھ ماہ سے کم بھئی، کیونکہ حمل ہے تو

کچھ وقت تو پہلے ہی گزر چکا ہے، تو چھ ماہ تو کم سے کم ہے تو اس سے پھر کم ہو جائے گا بھئی۔

یا حمل کی کوئی وصیت کرتا ہے، حمل کی۔ مثلاً ایک شخص ہے اس کی باندی حاملہ ہے، باندی حاملہ ہے اور وہ وصیت کرتا ہے کہ یہ میری باندی کا جو حمل ہے یہ فلاں کو دے دینا، کس کو دے دینا؟ فلاں کو۔ تو دیکھو اب حمل کی وصیت کر رہا ہے، حمل کی، تو یہ بھی درست ہے، لیکن اس میں بھی وہی شرط ہے بشرطیکہ وہ جنم دے دے اس حمل کو مدتِ حمل یعنی چھ ماہ سے کم میں، چھ ماہ میں نہیں چھ ماہ سے کم میں جنم دے دے۔

تو کہتے ہیں وَصَحَّتْ لِلْحَمْلِ اور صحیح ہے وصیت لِلْحَمْلِ حمل کے لیے بھی، وَبِهِ، بھئی آیا تھا نا میں نے لفظ یاد کروایا تھا مُوصَى بِهِ کس کو کہتے تھے؟ جس چیز کی وصیت کی، وہ گاڑی کیا تھی؟ مُوصَى بِهِ، تو یہاں بِهِ آیا أَيْ بِالْحَمْلِ أَيْ صَحَّتْ بِالْحَمْلِ حمل کی وصیت بھی صحیح ہے کہ کسی کو دے دینا، إِنْ وُلِدَتْ لِأَقَلَّ مِنْ مُدَّتِهِ اگر وہ عورت جنم دے دے اس حمل کو لِأَقَلَّ مِنْ مُدَّتِهِ أَيْ مِنْ مُدَّتِ الْحَمْلِ مدتِ حمل سے کم کے اندر اس کو جنم دے دے، مِنْ وَقْتِهَا أَيْ مِنْ وَقْتِ الْوَصِيَّةِ جس وقت اس نے وصیت کی تھی اس وقت سے اعتبار کرنا ہے، موت کے وقت سے نہیں اعتبار کرنا، موت کے وقت سے نہیں بلکہ جس وقت اس نے وصیت کی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ وصیت کر...نے کے بعد دو مہینے زندہ رہا، ہو سکتا ہے اس کے بعد وہ عورت حاملہ ہو جائے، تو وصیت کے وقت تو حمل ہی نہیں تھا، لہٰذا وصیت کیا ہو جائے گی؟ باطل ہو جائے گی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وقت کا اعتبار کس وقت سے کریں؟ جب وہ وصیت کرے، موت سے نہیں بھئی۔

مِنْ وَقْتِهَا أَيْ مِنْ وَقْتِ الْوَصِيَّةِ، خود بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں إِنَّمَا تَصِحُّ الْوَصِيَّةُ إِنْ وُلِدَتْ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْ وَقْتِ الْوَصِيَّةِ کہ وصیت صحیح ہو گی اگر وہ حاملہ جنم دے دے لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ چھ ماہ سے کم کے اندر، مِنْ وَقْتِ الْوَصِيَّةِ وصیت کے وقت سے۔[4]

وَالْفَرْقُ بَيْنَ أَقَلِّ مُدَّةِ الْحَمْلِ وَبَيْنَ أَقَلَّ مِنْ مُدَّةِ الْحَمْلِ دَقِيقٌ۔ یہاں سے فرق بتلا رہے ہیں صاحبِ شرح وقایہ بھئی، کہتے ہیں ایک ہے أَقَلُّ مُدَّةِ الْحَمْلِ، توجہ ہے؟ أَقَلُّ مُدَّةِ الْحَمْلِ وہ کتنی ہے؟ چھ ماہ۔ اور ایک لفظ ہے أَقَلَّ مِنْ مُدَّةِ الْحَمْلِ، مدتِ حمل کے مقابلے میں کیا ہو؟ اقل ہو، تو وہ چھ ماہ سے بھی کم ہو جائے گا۔ تو اقل مدتِ حمل کتنی؟ چھ ماہ۔ اور مدتِ حمل سے اقل؟ یہ چھ ماہ سے بھی کم ہو جائے گا۔ تو کہتے ہیں وَالْفَرْقُ بَيْنَ أَقَلِّ مُدَّةِ الْحَمْلِ وَبَيْنَ أَقَلَّ مِنْ مُدَّةِ الْحَمْلِ دَقِيقٌ، ان دو لفظوں میں بڑا باریک فرق ہے۔ الْأَوَّلُ سِتَّةُ أَشْهُرٍ مِنْ وَقْتِ الْوَصِيَّةِ، پہلا جو ہے وہ چھ ماہ ہے وصیت کے وقت سے، اقل مدتِ حمل دیکھا، اقل مدتِ حمل کتنا ہے؟ چھ ماہ، تو وہ چھ ماہ ہو گا وصیت سے۔ وَالثَّانِي أَقَلُّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ، اور دوسرا جو

[4] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ١٩٣): صوتی درس کی قراءت میں «وُلِدَتْ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْ وَقْتِ الْوَصِيَّةِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «ولدت لأقلَّ من ستَّةِ أشهرٍ من الوصيَّة،» منقول ہے۔

ہے أَقَلُّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ وہ چھ ماہ سے کم ہے، چھ ماہ پورے نہیں ہیں۔

وَهِيَ وَالِاسْتِثْنَاءُ۔ پیچھے کیا آیا تھا؟ وَصَحَّتْ وصیت صحیح ہے، وصیت صحیح ہے، وَهِيَ اور وصیت بھی صحیح ہے، یہ اسی صَحَّتْ کے اندر جو هِيَ ضمیر آئی تھی، جو کس کو راجع تھی؟ وصیت، کیا صحیح ہے؟ وصیت، یہ هِيَ ضمیر اسی وصیت کو راجع ہے، وصیت بھی صحیح، وَالِاسْتِثْنَاءُ اور استثنا بھی صحیح۔

بھئی استثنا یہ ہے: ایک شخص حمل کی وصیت کرتا ہے کہ میری یہ جو باندی حاملہ ہے اس کا حمل زید کو دے دینا میرے مرنے کے بعد، تو کیا یہ وصیت صحیح ہے یا نہیں؟ ابھی انہوں نے آپ کو بتلایا کہ اگر چھ ماہ سے کم میں یہ حمل پیدا ہوا تو پھر یہ وصیت صحیح ہے۔ اور جس چیز کے بارے میں وصیت یا کوئی عقد صحیح ہوتا ہے، اس کا استثنا بھی صحیح ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک شخص کہتا ہے میرے مرنے کے بعد یہ میری باندی زید کو دے دینا، لیکن اس کے پیٹ میں جو حمل ہے وہ زید کا نہیں ہے، وہ زید کو نہ دینا۔ تو حمل کا استثنا کر رہا ہے، کیا استثنا کرنا صحیح ہے؟ کہتے ہیں ہاں بھئی، جب اکیلے حمل کی وصیت صحیح ہے تو اس کا استثنا کرنا بھی صحیح ہے۔

تو کہتے ہیں وَهِيَ وَالِاسْتِثْنَاءُ، اور صحیح ہے وصیت بھی وَالِاسْتِثْنَاءُ اور استثنا بھی۔ أَيْ إِنَّمَا تَصِحُّ الْوَصِيَّةُ وَالِاسْتِثْنَاءُ، وصیت اور استثنا دونوں صحیح ہیں، فِي وَصِيَّةٍ بِأَمَةٍ إِلَّا حَمْلَهَا، باندی کی وصیت میں سوائے اس کے حمل کے، باندی کی وصیت میں سوائے اس کے حمل کے، جیسے اس کے حمل کی وصیت صحیح تھی اسی طرح حمل کا استثنا بھی صحیح ہے۔ فَإِنَّ كُلَّ مَا يَصِحُّ إِفْرَادُهُ بِالْعَقْدِ يَصِحُّ اسْتِثْنَاؤُهُ مِنَ الْعَقْدِ۔ یہاں سے ایک ضابطہ بتلا رہے ہیں، ضابطہ یہ ہے کہ جس چیز پر عقد، اکیلی جس چیز پر عقد صحیح ہو اس کا استثنا بھی صحیح، اور جس کا اکیلے عقد صحیح نہیں اس کا استثنا بھی صحیح نہیں۔ فَإِنَّ كُلَّ مَا يَصِحُّ إِفْرَادُهُ بِالْعَقْدِ، کیونکہ ہر وہ چیز کہ صحیح ہے اس کو اکیلا کرنا بِالْعَقْدِ عقد کے ساتھ، یعنی عقد میں اکیلے اسی چیز پر عقد کرنا، فَإِنَّ كُلَّ مَا يَصِحُّ إِفْرَادُهُ بِالْعَقْدِ ہر وہ چیز کہ صحیح ہو اس کو اکیلا کرنا عقد میں، یعنی اکیلے اسی چیز پر عقد کرنا جب صحیح ہو، تو يَصِحُّ اسْتِثْنَاؤُهُ مِنَ الْعَقْدِ تو اس چیز کا استثنا بھی صحیح ہے عقد سے۔ فَإِذَا صَحَّتِ الْوَصِيَّةُ بِالْحَمْلِ صَحَّ اسْتِثْنَاءُ الْحَمْلِ مِنَ الْوَصِيَّةِ، پس جب وصیت صحیح ہو گئی حمل کی تو صحیح ہوا استثنا حمل کا وصیت سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَمِنَ الْمُسْلِمِ لِلذِّمِّيِّ وَعَكْسُهُ، اور وصیت صحیح ہے مِنَ الْمُسْلِمِ مسلمان سے لِلذِّمِّيِّ ذمی کے لیے۔ بھئی ایک مسلمان ہے وہ ایک غیر مسلم کے لیے وصیت کرتا ہے، وصیت صحیح ہے، کیونکہ غیر مسلموں سے بھی احسان کا نیک سلوک کا حکم دیا گیا ہے، تو وصیت کرنا صحیح ہے۔ یا اسی طرح کوئی غیر مسلم وصیت کرتا ہے مسلمان کے لیے، تو یہ وصیت بھی صحیح ہے۔ لیکن ذمی کہا، وہ غیر مسلم جو دار الاسلام میں رہتا ہے۔ اگر حربی ہے، دار الحرب میں رہتا ہے، ان سے تو ہم حالتِ جنگ میں ہیں، تو اس وصیت کا کوئی اعتبار نہیں، وہ باطل ہے۔ ہاں اگر حربی امان لے کر یہاں آیا ہوا ہے اور اب اس

کے لیے وصیت کر دی ہے اور اسی میں اس کا انتقال ہو جاتا ہے تو پھر اس کے لیے وصیت صحیح ہے، مستامن کے لیے یعنی صحیح ہے۔

وَمِنَ الْمُسْلِمِ لِلذِّمِّيِّ وَعَكْسُهُ، اور مسلمان کی وصیت صحیح ہے ذمی کے لیے، وَعَكْسُهُ اور اس کا برعکس بھی صحیح ہے، یعنی ذمی وصیت کر دے کس کے لیے؟ ذمی وصیت کر دے مسلمان کے لیے۔ قَيَّدَ بِالذِّمِّيِّ اس کو ماتن نے مقید کیا ذمی کے ساتھ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ لِلْحَرْبِيِّ لَا تَجُوزُ اس لیے کیونکہ حربی کے لیے وصیت جائز نہیں ہے، وہ جو دارالحرب میں رہتا ہے وہ کافر بھئی۔

وَبِالثُّلُثِ لِلْأَجْنَبِيِّ لَا فِي أَكْثَرَ مِنْهُ۔ جی، وصیت زیادہ سے زیادہ کتنے میں کی جا سکتی ہے؟ ثلث میں، ثلث سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ اسی طرح یاد رکھو، یاد رکھو، وارث کے لیے وصیت نہیں کر سکتا۔ ایک شخص ہے وہ اپنے کسی وارث کے لیے وصیت کرتا ہے، مثلاً چار پانچ بیٹے ہیں، ایک کے لیے وصیت کر دیتا ہے میرے مرنے کے بعد پانچ لاکھ روپے اس کو دے دینا۔ نہیں بھئی نہیں، پانچ لاکھ آپ کے اس بیٹے کو دیں گے تو باقی ساروں کے دیکھو وہ ناراض ہوں گے بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا وارث کے لیے شریعت نے منع کیا ہے، معلوم ہوا یہ اپنے اس بیٹے کو ترجیح دینا چاہتا ہے باقی بیٹوں پر، نہیں بھئی، اللہ نے ان کا حق مقرر کیا ہے، ان کو وہی حصہ ملے گا جو اللہ نے مقرر کیا ہے، آپ کسی کو زائد دینا چاہتے ہیں نہیں دے سکتے۔

ہاں زندگی میں، یہ تو مرض الموت وغیرہ میں، یہ تو وصیت کر رہا ہے موت کے بعد، زندگی میں دینا چاہتا ہے تو دے سکتا ہے کیونکہ یہ اپنے پورے مال کا مالک ہے۔ لیکن وہاں بھی فقہا لکھتے ہیں کہ مساوات کرے اولاد کے اندر، یہ ناراضگی کا باعث بنے گا بھئی، ان کے دل خراب ہوں گے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا وہاں مساوات کرے بھئی۔ اور زندگی میں یہ بھی یاد رکھنا، زندگی میں اگر مال تقسیم کرتا ہے تو موت کے بعد تو بیٹی کو نصف حصہ ملتا ہے بیٹے سے، لیکن زندگی میں مال تقسیم کرتا ہے تو فقہا فرماتے ہیں پھر برابر دے سب کو، بیٹیوں کو بھی اتنا ہی دے جتنا بیٹوں کو دے بھئی۔ بعض لوگ یہ مسائل آکر پوچھتے ہیں کہ زندگی میں ہی میں چاہتا ہوں سارا مال تقسیم کر دوں تو کیسے کروں گا؟ تو یاد رکھو یہ وہ چاہتا ہے میں اپنی میراث تقسیم کر دوں، تو فقہا جواب دیتے ہیں کہ میراث تو ابھی ہو ہی نہیں سکتی، میراث تو ہوتی ہی مرنے کے بعد ہے، آپ بس یوں کہیں آپ مال تقسیم کرنا چاہتے ہیں ابھی اولاد میں، تو پھر برابری کرنا پڑے گی آپ کو، مساوات کا خیال رکھنا پڑے گا۔ ویسے تو اس کی مرضی ہے جس کو جتنا بھی دے دے لیکن مساوات کا لحاظ رکھے سب کو برابر دے بھئی۔

تو ضابطہ کیا پڑھا؟ کہ کسی کے لیے ثلث سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں، اسی طرح وارث کے لیے وصیت جائز نہیں۔ اسی طرح یاد رکھیں قاتل کے لیے بھی وصیت جائز نہیں ہے۔ آپ نے پڑھا تھا کہ اگر وارث ہی مورث کو قتل کر دے

تو وہاں حرمانِ میراث آتا ہے، اس کو وراثت نہیں ملتی، جب وراثت نہیں ملتی تو وصیت بھی وراثت جیسی ہی ہے، تو وصیت کے ذریعے بھی مال اب اس کو نہیں دیا جائے گا۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟

کہتے ہیں وَبِالثُّلُثِ لِلْأَجْنَبِيِّ لَا فِي أَكْثَرَ مِنْهُ، أَيْ صَحَّتِ الْوَصِيَّةُ وصیت صحیح ہے ثلث کے ساتھ اجنبی شخص کے لیے، لَا فِي أَكْثَرَ مِنْهُ ثلث سے زیادہ میں وصیت صحیح نہیں۔ وَلَا لِوَارِثِهِ اور وصیت صحیح نہیں ہے اپنے وارث کے لیے، وَقَاتِلِهِ اور اپنے قاتل کے لیے، مُبَاشَرَةً۔ مباشر کا معنی میں نے کیا بتلایا تھا؟ کسی کام کو سرانجام دینے والا۔ تو کہتے ہیں وَقَاتِلِهِ مُبَاشَرَةً اور نہ اپنے قاتل کے لیے اس حال میں کہ وہ قتل کو سرانجام دینے والا ہو۔

بھئی دیکھو نا، ایک ہے قتلِ خطا، ایک ہے قتل بہ سبب، قتل بہ سبب۔ اور آپ نے پڑھا تھا قتلِ خطا کے اندر تو حرمانِ میراث آتا ہے، کسی نے تیر مارا تھا شکار کو اور پیچھے اپنے ہی مورث کو جا کر لگ گیا اور وہ مر گیا، تو یہاں حرمانِ میراث آئے گا کیونکہ دلوں میں بدگمانی آتی ہے کہ شاید اس نے بہانہ شکار کا کیا اور جان بوجھ کر اس کو قتل کیا تاکہ مجھے جلدی سے جلدی میراث مل جائے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ لہٰذا وہاں حرمانِ میراث آتا ہے۔ لیکن اگر قتل بہ سبب ہے، مثلاً اس نے راستے میں کوئی پتھر رکھ دیا تھا اور وہ گزرنے والا اس سے ٹھوکر کھا کر گر پڑا اور مر گیا، یا اس نے راستے میں کنواں کھودا تھا اور گزرنے والا اس میں گرا اور مر گیا، اور وہ اسی کا مورث تھا، کون تھا؟ مورث تھا۔ تو اس صورت میں تو اس نے یہ قتل کا فعل خود سرانجام نہیں دیا بھئی، لہٰذا اب وارث بنے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو قتل بہ سبب میں اس نے قتل کو خود سرانجام نہیں دیا، ہاں ایک فعل کیا تھا وہ قتل کا سبب بن گیا، تو یہاں حرمانِ میراث بھی نہیں اور یہاں حرمانِ وصیت بھی نہیں ہو گا۔ لیکن اگر کوئی قاتل خود سرانجام دیتا ہے، اس کو قتل کرتا ہے کسی بھی طریقے سے، تو وہاں حرمانِ میراث بھی ہو گا اور حرمانِ وصیت بھی ہو گا۔ تو کہتے ہیں وَقَاتِلِهِ اور وصیت صحیح نہیں ہے اپنے قاتل کے لیے بھی مُبَاشَرَةً، وہ قاتل جو کیا کرنے والا ہے؟ قتل کو سرانجام دینے والا ہے، یعنی جو سبب بننے والا ہے اس کی بات ہم نہیں کر رہے۔

إِلَّا بِإِجَازَةِ وَرَثَتِهِ، مگر اس کے وارثوں کی اجازت سے، اگر وہ اجازت دے دیں پھر یہ وارث بنیں گے، اگر وہ اجازت دے دیں پھر یہ وارث بنیں گے۔ دیکھو تین مسئلے یہاں ذکر ہوئے۔ کسی اجنبی کے لیے ثلث سے زائد وصیت کی، تو انہوں نے بتلایا ثلث سے زائد کی اجازت نہیں، ہاں اگر ورثا اجازت دے دیں تو پھر وہ زائد بھی ان کو دے دو، کیونکہ وارثوں کا حق تھا، انہوں نے اپنا حق خود ساقط کر دیا تو پھر اس کو جتنی وصیت ہے سارا مال دے دیں گے۔ دوسری صورت کیا تھی اس متن میں؟ اپنے وارث کے لیے کیا کی ہے؟ وصیت کی ہے، تو یہاں بھی دلوں میں بدگمانی آتی ہے کہ یہ اس کو ترجیح دے رہا ہے دوسروں پر، زیادہ مال دینا چاہتا ہے، اس کا تو حصہ اللہ نے مقرر فرمایا ہے وہ بھی اس کو ملے گا اور یہ اس کو زائد بھی دینا چاہ رہا ہے، تو اسی لیے شریعت نے منع کر دیا کہ وارث کے لیے وصیت جائز نہیں، لیکن اگر ورثا اجازت دے دیں پھر دے سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور اسی طرح قاتل کا مسئلہ ہے، قاتل میں البتہ اختلاف ہے۔ طرفین رحمہم اللہ

فرماتے ہیں اگر قاتل کے لیے اجازت دے دیں ورثا تو پھر اس کو وہ جو وصیت کی ہے وہ وصیت نافذ ہو جائے گی، اس کو وصیت دے دیں گے۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، قاتل نے قتل کیا ہے اور وارثوں کے اجازت دینے سے اس کا وہ جرم ختم نہیں ہو سکتا، وہ جرم ختم نہیں۔ باقیوں میں تو اور کوئی مانع نہیں تھا، باقیوں میں مانع کیا تھا؟ وارثوں کا حق۔ وارثوں نے اجازت دے دی تو ثلث سے زائد بھی دے دو، وارث کے لیے وصیت تھی مانع کون تھا؟ ورثا ہی تھے، ورثا نے اجازت دے دی تو دے دو۔ اور یہاں پر قاتل نے قتل کا فعل ایک جرم کیا ہے، لہٰذا امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر وارث اجازت دے دیں پھر بھی اس کو وصیت کا مال نہیں دیں گے، وصیت نافذ نہیں کریں گے، جبکہ طرفین فرماتے ہیں کہ پھر دے دیں گے بھئی۔

کہتے ہیں قَوْلُهُ، مصنف کا جو قول آیا نا مُبَاشَرَةً، کہتے ہیں احْتِرَازٌ عَنِ الْقَتْلِ تَسْبِيبًا یہ احتراز ہے اس قتل سے تَسْبِيبًا جو سبب بن کر ہو، كَحَفْرِ الْبِئْرِ جیسے کنواں کھود دینا یعنی راستے میں، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى تَجُوزُ الْوَصِيَّةُ لِلْقَاتِلِ، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاتل کے لیے وصیت جائز ہے۔ وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا أَوْصَى لِرَجُلٍ ثُمَّ إِنَّهُ قَتَلَ الْمُوصِيَ، اور اسی اختلاف پر ہے: ایک شخص نے ایک اجنبی کے لیے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد اس کو دس لاکھ روپے دے دینا، اور اسی اجنبی نے بعد میں اس کو قتل کر دیا، تو ہمارے نزدیک یہ قاتل ہے، وصیت اس کے حق میں نافذ نہیں ہو گی، اس کے لیے وصیت صحیح نہیں، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قاتل کے لیے وصیت صحیح ہے۔ یہ معنی ہے وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ اور اسی اختلاف پر ہے إِذَا أَوْصَى لِرَجُلٍ جب کسی شخص نے وصیت کی کسی آدمی کے لیے، ثُمَّ إِنَّهُ قَتَلَ الْمُوصِيَ پھر اسی اجنبی نے قتل کر دیا مُوصی کو، وصیت کرنے والے کو۔

وَلَا مِنْ صَبِيٍّ، اور بچے کی طرف سے بھی وصیت صحیح نہیں ہے، هَذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے۔ ہمارے نزدیک یہ وصیت جو ہے نا یہ تبرع ہے، احسان ہے، اپنی طرف سے مال دے رہا ہے اور بچہ تبرع کا اہل نہیں، بچہ تبرع کا اہل نہیں کیونکہ وہ تو ناسمجھ ہے، زندگی میں بھی اس کو مال دینے کا حکم نہیں ہے، شریعت نے کہا ہے مال اس کو کب دینا؟ جب یہ بالغ ہو جائے عاقل ہو جائے، اس سے پہلے اس کا مال اس کے حوالے نہ کرو، کیونکہ یہ ناسمجھ ہے اپنا مال اڑا... دے گا، ختم کر دے گا۔ تو بچہ اہلِ تبرع نہیں ہے، وہ کسی کو اپنا مال ویسے نہیں دے سکتا، اور یہ جو وصیت ہے یہ تو تبرع ہے، لہٰذا بچہ جب تبرع کا اہل نہیں تو وصیت کا اہل بھی نہیں ہے۔

اسی طرح مکاتب کے بارے میں بتلائیں گے۔ مکاتب بھی اہلِ تبرع نہیں ہے۔ مکاتب وہ ہے جس کو آقا نے کہہ دیا کہ تم مثلاً تین سال میں تیس لاکھ روپے لے آؤ تو پھر تم آزاد ہو۔ تو یہ مکاتب آزاد آدمی کی طرح ہوتا ہے، جائے گا پیسے کمائے گا، تجارت کرے گا اور لا کر ادائیگی کرے گا اور اپنے آپ کو آزاد کروائے گا۔ اب یہ مکاتب جو ہے یہ وصیت کرتا ہے، تو کہتے ہیں وصیت نہیں کر سکتا یہ، کیونکہ یہ اہلِ تبرع نہیں، اس نے مال اکٹھا کر کے لا کر اپنے آپ کو چھڑوانا ہے، یہ نہیں کہ

آقا نے اس کو چھوٹ دے دی ہے تو اب یہ مال خود ہی اڑانا شروع کر دے۔ اگرچہ یہ اتنا مال چھوڑ کر مرا ہے جس سے بدلِ کتابت کی ادائیگی ہو سکتی ہے، اس کے پاس مثلاً چالیس لاکھ روپے تھے جب یہ مرا اور بدلِ کتابت تو تیس لاکھ تھا اور وہ وصیت کر رہا ہے، تو وصیت نافذ نہیں۔ کیوں؟ اگرچہ بدلِ کتابت اس نے چھوڑا ہوا ہے لیکن پھر بھی ادائیگی تو ابھی تک نہیں کی نا، جب تک ادائیگی نہیں کی یہ اہلِ تبرع نہیں ہے، تو لہٰذا اس کی وصیت نافذ نہیں ہو گی۔

تو کہتے ہیں وَلَا مِنْ صَبِيٍّ، اور بچے کی وصیت بھی صحیح نہیں ہے، هَذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَجُوزُ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے، وَمُكَاتَبٍ اور مکاتب سے بھی وصیت صحیح نہیں ہے، وَإِنْ تَرَكَ وَفَاءً اگرچہ وہ وفا چھوڑے، وفا یعنی اتنا مال جس سے بدلِ کتابت ادا ہو سکے، یعنی پورا بدلِ کتابت چھوڑ کر مرے، تب بھی اس کی وصیت صحیح نہیں۔ یہ معنی ہے وَمُكَاتَبٍ وَإِنْ تَرَكَ وَفَاءً اور مکاتب کی وصیت بھی صحیح نہیں ہے اگرچہ وہ پورا بدلِ کتابت چھوڑ کر مرے۔

وَقُدِّمَ الدَّيْنُ عَلَيْهَا، اور دَین کو مقدم کیا جائے گا وصیت پر۔ بھئی میں نے بتلایا تھا جب کسی شخص کا انتقال ہوتا ہے تو سارا مال وارثوں کو فوراً نہیں دیتے، پہلے اس کے کفن دفن کا بندوبست کیا جاتا ہے، اس کے بعد اس کے جو قرضے ہیں وہ ادا کریں گے چاہے سارا مال ہی کیوں نہ خرچ ہو جائے، اور پھر اس کے بعد جو مال بچ جائے گا قرضوں کے بعد، اس کے ثلث میں وصیت نافذ کریں گے، اور باقی کے دو ثلث وارثوں کو دے دیں گے وہ اس کو آپس میں تقسیم کر لیں۔ تو یہ جو دَین ہے یہ مقدم ہے وصیت پر، کیونکہ دَین کی ادائیگی اس کے ذمے واجب تھی، فرض تھی بھئی، جن سے پیسے لیے ہیں پیسے ادا کرے، تو وہ فرض تھا اور وصیت یہ تو نفل کی طرح ہے، تبرع ہے، تو لہٰذا دَین کو مقدم کریں گے اس کے بعد پھر وصیت کو دیکھیں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے وَقُدِّمَ الدَّيْنُ عَلَيْهَا اور دَین جو ہے اس کو مقدم کیا جائے گا وصیت پر۔

وَتُقْبَلُ بَعْدَ مَوْتِهِ، وَبَطَلَ قَبُولُهَا أَوْ رَدُّهَا فِي حَيَاتِهِ۔ بھئی یاد رکھیے مُوصَی لَهُ جس کے لیے وصیت کی، مثلاً ایک شخص نے کہا میرے مرنے کے بعد دس لاکھ روپے زید کو دے دینا، تو زید ہوا مُوصَی لَهُ۔ تو مُوصَی لَهُ کے لیے بھی وصیت کو قبول کرنا ضروری ہے، اگر وہ رد کر دے گا تو رد ہو جائے گی۔ لیکن یہ قبول اور رد کا اعتبار موت کے بعد ہے، موت سے پہلے نہیں۔ مرنے سے پہلے اس نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد زید کو دس لاکھ دے دینا، زندگی کے اندر زید کہتا ہے مجھے قبول ہے وہ جو مُوصَی لَهُ ہے، یا کہتا ہے مجھے قبول نہیں، تو اس قبول اور رد کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ وصیت کا ثبوت کب ہوتا ہے؟ موت کے بعد ہوتا ہے، تو موت کے بعد اب دیکھیں گے وہ قبول کرتا ہے یا رد کرتا ہے۔ اگر قبول کر لے گا تو مالک بن جائے گا، اور اگر رد کرتا ہے، نہیں لینا چاہتا، تو پھر رد ہو جائے گی، پھر وہ وارث آپس میں تقسیم کر لیں گے۔

تو کہتے ہیں وَتُقْبَلُ بَعْدَ مَوْتِهِ، اور وصیت کو قبول کیا جائے گا مُوصی کی موت کے بعد، وَبَطَلَ قَبُولُهَا أَوْ رَدُّهَا فِي حَيَاتِهِ

اور باطل ہے وصیت کو قبول کرنا یا اس کو رد کرنا مُوصی کی زندگی میں۔ وَبِهِ أَيْ بِالْقَبُولِ يَمْلِكُ، یا يُمْلَكُ کہہ لیں، وَبِهِ أَيْ بِالْقَبُولِ، بِهِ کی هَا ضمیر کس کو راجع؟ قبول، اور قبول کے ذریعے يُمْلَكُ وہ جو مال ہو گا وہ مملوک ہو جائے گا، یا یوں پڑھ لیں يَمْلِكُ، وَبِهِ أَيْ بِالْقَبُولِ يَمْلِكُ اور قبول کرنے سے مُوصَى لَهُ مالک بن جائے گا۔

إِلَّا إِذَا مَاتَ مُوصِيهِ، ہاں ایک صورت ہے، ایک صورت میں مُوصَى لَهُ کے قبول کیے بغیر ہی وہ مالک بنے گا، باقی تمام صورتوں میں اس کا قبول کرنا ضروری ہے۔ وہ کون سی صورت؟ کہتے ہیں وہ صورت یہ کہ ایک شخص نے وصیت کی زید کے لیے کہ میرے مرنے کے بعد اس کو دس لاکھ روپے دے دینا، اور پھر وصیت کرنے والے کا انتقال ہوا، اور زید نے ابھی قبول نہیں کیا تھا کہ اس سے پہلے ہی زید کا بھی انتقال ہو گیا، تو اب یہ جو وصیت تھی یہ اب زید ہی کا مال شمار ہو کر اس کے وارثوں میں تقسیم ہو جائے گا، اوریوں سمجھا جائے گا کہ جیسے زید کو اس کو فسخ کرنے کا اختیار تھا، اس وصیت کو فسخ کرنے کا، لیکن اس نے اپنا حق استعمال نہیں کیا، فسخ استعمال نہیں کیا، تو چیز اس کی ہو گئی۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے مشتری ہے، مشتری کوئی چیز خریدتا ہے اور تین دن کے لیے خیار اپنے پاس رکھتا ہے۔ مثلاً آپ کو کسی نے مجبور کیا کہ یہ مکان آپ خرید لیں، آپ کہتے ہیں کہ بھئی مجھے مکانوں کا تجربہ نہیں ہے، لیکن دوسرے نے اتنی تعریف کی، آپ نے کہا میں خریدتا ہوں لیکن مجھے تین دن تک اختیار ہے، میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر لوں گا وہ دیکھ لیں گے، اگر انہوں نے تائید کر دی تو پھر میں بیع کو جائز قرار دے دوں گا، اور اگر انہوں نے کہا کہ یہ آپ نے اچھی بیع نہیں کی تو میں رد کر دوں گا۔ تو چنانچہ آپ مشتری ہیں، آپ نے اپنے خیار کے ساتھ ایک چیز کو خرید لیا۔ تو مشتری جب کوئی چیز کو خیار کے ساتھ خریدتا ہے تو اب اس کو اختیار ہے چاہے اس کو نافذ کرے اور چاہے رد کر دے، اور نافذ کرنے سے پہلے ہی اگر مشتری کا انتقال ہو جائے تو اب وہ چیز مشتری ہی کی شمار ہو گی، یوں سمجھیں گے اس کو حقِ فسخ تھا لیکن اس نے اس حق کو استعمال ہی نہیں کیا، تو حقِ فسخ ختم ہو گیا اس کے مرنے سے۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے، جب مُوصی کی وفات کے بعد مُوصَى لَهُ کا بھی انتقال ہو جائے اور ابھی اس نے قبول یا رد نہیں کیا تھا، تو خود بخود یہ چیز مُوصَى لَهُ کی شمار ہو کر اس کے وارثوں کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

وَبِهِ يَمْلِكُ اور قبول کرنے سے مُوصَى لَهُ مالک بن جائے گا، إِلَّا إِذَا مَاتَ مُوصِيهِ مگر اس صورت میں کہ جب وصیت کرنے والا مر جائے، ثُمَّ هُوَ أَيِ الْمُوصَى لَهُ پھر وہ یعنی مُوصَى لَهُ بھی مر جائے بِلَا قَبُولٍ بغیر قبول کیے ہی، فَهُوَ لِوَرَثَتِهِ تو پھر یہ چیز جو ہے یہ اس کے وارثوں کے لیے ہو گی، أَيْ لِوَرَثَةِ الْمُوصَى لَهُ یعنی مُوصَى لَهُ کے وارثوں کے لیے ہو گی۔

وَلَهُ أَنْ يَرْجِعَ عَنْهَا بِقَوْلٍ صَرِيحٍ، أَوْ فِعْلٍ يَقْطَعُ حَقَّ الْمَالِكِ عَمَّا غُصِبَ كَمَا مَرَّ۔ یاد رکھیے وصیت سے رجوع کرنا بھی مُوصی کے لیے جائز ہے۔ ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد یہ گاڑی زید کو دے دینا، لیکن دس دن بعد وہ رجوع کرتا ہے اور کہتا ہے میں نے جو وصیت کی تھی زید کے لیے اس گاڑی کی میں اس سے رجوع کرتا ہوں، یہ گاڑی زید

کو نہ دینا بھئی، تو رجوع بھی اس کے لیے جائز ہے، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ لیکن یہ رجوع یا تو صاف لفظوں میں رجوع کرے، صاف صریح الفاظ میں، جیسے میں نے ابھی ذکر کیا، کیا کہتا ہے؟ کہ میں نے زید کے لیے وصیت کی تھی یہ گاڑی دینے کی لیکن دینا نہیں اب اس کو، میں اس وصیت سے کیا کرتا ہوں؟ رجوع، یوں کہہ دے میں اس وصیت سے رجوع کرتا ہوں بس، یہ صاف لفظوں میں کیا کر رہا ہے؟ وصیت سے رجوع کر رہا ہے۔ یا کوئی ایسا کام کر لیتا ہے جو دلالت کر رہا ہے کہ یہ رجوع کر رہا ہے، جو کیا کر رہا ہے؟ دلالت کر رہا ہے، تو پھر اس صورت میں بھی چاہے زبان سے نہ کہا ہو پھر بھی وصیت سے رجوع اس کو شمار کیا جائے گا۔ مثلاً ایک شخص نے کیا کہا؟ میرے مرنے کے بعد یہ گاڑی کس کو دے دینا؟ زید کو، لیکن دو چار دن گزرے تھے اس نے وہ گاڑی اٹھا کر بیچ دی، تو جب گاڑی بیچ دی اس کا مطلب کیا ہے کہ وہ وصیت سے رجوع کر رہا ہے۔ تو صراحتاً بھی رجوع کر سکتا ہے اور کسی اپنے عمل کے ذریعے بھی۔

پھر کس عمل کے ذریعے رجوع ہو گا اور کس عمل کے ذریعے رجوع نہیں ہو گا؟ تو آپ کو ایک ضابطہ بتلائیں گے۔ کہتے ہیں کتاب الغصب میں ہم نے ذکر کیا تھا۔ ہم نے تو اس حصے میں نہیں پڑھی، لیکن اس کا جو پچھلا حصہ ہے کتاب الغصب اس شرح وقایہ کا اس میں کتاب الغصب میں ہے، وہاں تفصیل بیان کرتے ہیں کہ یاد رکھو جب کوئی شخص کسی کی چیز غصب کر لیتا ہے، غصب کیا معنی؟ چھین لی، اس پر قبضہ کر لیا، تو غصب کر لی تو اس غاصب پر لازم ہے کہ اس چیز کو واپس کرے، اور اگر یہ چیز اس کے پاس ہلاک ہو گئی تو پھر اس صورت میں اس کو ضمان دینا پڑے گا۔ اور بعض صورتوں میں وہ چیز موجود ہوتی ہے، لیکن غاصب اس میں اتنی تبدیلی کر دیتا ہے کہ اب اس کی واپسی ہو ہی نہیں سکتی۔ مثلاً اس میں ایسی تبدیلی پیدا کی کہ اس چیز کا نام ہی بدل گیا، نام ہی بدل گیا، مثلاً اس نے روئی غصب کی تھی اور اس نے روئی سے دھاگہ بنا لیا۔ دیکھو نام ہی بدل گیا، وہ جو پہلے غصب کی تھی اس چیز کو لوگ کیا کہتے تھے کہ یہ روئی ہے، اور یہ جو چیز نئی شکل دے دی اس کو لوگ روئی نہیں کہتے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ دھاگہ۔ روئی کے منافع اور ہیں، دھاگے کے منافع اور ہیں، روئی کے ذریعے آپ اور کام لیتے ہیں، رضائی کے اندر بھرتے ہیں اور تکیے میں بھرتے ہیں اور کام لیتے ہیں، اور جبکہ دھاگے کے فائدے اور ہیں، اس کے ذریعے آپ کپڑا سیتے ہیں، آپ اس کے ذریعے کپڑا بناتے ہیں، تو بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو روئی کے فائدے اور، دھاگے کے فائدے اور۔ تو دیکھا ایک چیز کو جب کوئی شخص غصب کر لے اور اس کا نام بدل جائے یا اس کے جو بڑے منافع ہیں وہ بدل جائیں، تو یاد رکھو اس صورت میں بھی غاصب اس چیز کا مالک بن گیا، اب واپس نہیں کر سکتا، اب ضمان دینا پڑے گا۔

یا اسی طرح ایک شخص نے دوسرے شخص کا دھاگہ غصب کیا، دھاگہ تھا بہت زیادہ اور لا کر اس سے کپڑا بنوا لیا۔ تو دیکھو غصب کیا کیا تھا؟ دھاگہ، اور چیز کیا بنا لی؟ کپڑا۔ تو دیکھو نام ہی بدل گئے، کپڑے کو لوگ دھاگہ نہیں کہتے اور دھاگے کو لوگ کپڑا نہیں کہتے، یہ الگ الگ چیزیں ہیں اور ان کے فائدے الگ الگ ہیں، کپڑا پہننے کے کام آتا ہے اور دھاگہ سلائی

کے کام آتا ہے پہننے کے کام نہیں آتا۔ تو جب بھی کوئی شخص کسی کی چیز غصب کرلے اور اس چیز میں اتنی تبدیلی کردے کہ اس کا نام ہی بدل جائے یا اس کے جو بڑے منافع ہیں وہ بدل جائیں، تو اس صورت میں غاصب اس کا مالک بن جاتا ہے، اب وہ چیز واپس نہیں کرسکتا بلکہ اب اس کو قیمت کا ضمان دینا پڑے گا۔

یا تیسری صورت، ایک شخص نے کسی کی بکری غصب کرلی اور لا کر اس کو ذبح کیا، پکایا اور اس کا سالن بنا دیا۔ دیکھو نام ہی بدل گیا، جو غصب کی تھی وہ بکری ہے اور جو اب حالت ہے اب اس کو لوگ کھانا کہیں گے سالن کہیں گے، اب اس کو کوئی بھی بکری نہیں کہے گا۔ اور بکری کے اور فائدے ہیں، اس سے تو دودھ وغیرہ حاصل ہوتا ہے اور کھانے کے اور فائدے اس کو تو کھایا جائے گا، تو دیکھو نام بھی بدل گیا اور بڑے منافع بھی بدل گئے۔ تو جب غاصب کسی چیز میں اتنی تبدیلی کردے کہ اس کا نام بدل جائے اور اس کے بڑے منافع بدل جائیں تو غاصب اس چیز کا مالک بن جاتا ہے، اور وہ چیز اب وہ واپس نہیں کرے گا بلکہ جو چیز غصب کی تھی اس کی قیمت دے دے گا۔

اسی طرح اگر غاصب جو ہے، وہ جو چیز اس نے غصب کی تھی اس کا نام تو نہیں بدلا لیکن اس میں اس نے ایسی چیز ملا دی کہ اب دونوں الگ نہیں ہو سکتے، اب دونوں الگ نہیں ہو سکتے، تو اس صورت میں بھی یہ مالک بن جائے گا اور اس کو وہ قیمت کا ضمان دینا پڑے گا۔ مثلاً اس نے ستو غصب کیا کسی آدمی کا، ستو لے آیا اور لا کر اس میں گھی ملا دیا، اب ستو میں جب گھی مل گیا اب اس ستو سے گھی کو علیحدہ کرنے کی کوئی صورت نہیں، لہٰذا اب بھی قیمت کا ضمان دے دے گا۔ تو دیکھو اب چیز کا نام تو نہیں بدلا لیکن اس میں ایسی چیز ملا دی، ایسا اضافہ کردیا جس کو اب جدا نہیں کیا جا سکتا۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یاد رکھنا، یاد رکھنا، اتنی لمبی تفصیل بیان کی کہ ایک شخص کسی کے لیے وصیت کرتا ہے تو وہ وصیت سے رجوع بھی کر سکتا ہے، اور رجوع کے لیے ضروری ہے کہ صاف لفظوں میں کہے میں رجوع کرتا ہوں، یا کوئی ایسا فعل کردے جیسا غاصب والی چیزوں میں تبدیلی کرنے سے وہ واپسی کے قابل نہیں رہتیں، اس جیسی کوئی تبدیلی یہاں کردے، یعنی کوئی ایسا فعل کردے جس سے اس چیز کا نام بدل جائے، اس کے منافع بدل جائیں، یا اس میں کوئی ایسی چیز ملا دی جو اس سے اب جدا نہیں ہو سکتی، تو اس کا مطلب ہے کہ یہ وہ کیا کر رہا ہے؟ وصیت سے رجوع کر رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَلَهُ اور مُوصی کے لیے جائز ہے أَنْ يَرْجِعَ عَنْهَا کہ وہ رجوع کرلے وصیت سے بِقَوْلٍ صَرِيحٍ قولِ صریح کہتے ہیں صاف لفظوں میں، صاف لفظوں میں کہ وہ اس سے رجوع کرلے صریح قول کے ساتھ یعنی صاف لفظوں میں، أَوْ فِعْلٍ یا ایسے فعل کے ذریعے، دیکھو فِعْلٍ کا لفظ نکرہ آیا اور اس کے بعد يَقْطَعُ فعل آرہا ہے تو یہ اس کی صفت بنے گا، أَوْ فِعْلٍ يَقْطَعُ حَقَّ الْمَالِكِ یا ایسے فعل کے ذریعے جو مالک کے حق کو کاٹ دے عَمَّا غُصِبَ مغصوب چیز سے، اس چیز سے جس کو غصب کیا گیا تھا اس سے ایسا فعل کرلے جو مغصوب چیز سے مالک کے حق کو کاٹ دیتا ہے، ایسا کوئی فعل کرلے تو اس کا مطلب

ہے یہ وصیت سے رجوع کر رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر ترجمہ دیکھ لیں۔ وَلَهُ اور مُوصی کے لیے جائز ہے أَنْ يَرْجِعَ عَنْهَا کہ وہ وصیت سے رجوع کر لے بِقَوْلٍ صَرِيحٍ صاف لفظوں کے ذریعے، أَوْ فِعْلٍ يَقْطَعُ حَقَّ الْمَالِكِ عَمَّا غُصِبَ كَمَا مَرَّ یا ایسے فعل کے ذریعے جو مالک کے حق کو کاٹ دیتا ہے اس چیز سے جس کو غصب کیا گیا تھا كَمَا مَرَّ جیسے کہ یہ بات گزر گئی ہے، یعنی کتاب الغصب میں، وہ پچھلی جلد کے اندر ہے بھئی۔

قَدْ مَرَّ فِي كِتَابِ الْغَصْبِ قَوْلُهُ، کہتے ہیں کتاب الغصب کے اندر مصنف کا یہ قول گزر چکا ہے کہ فَإِنْ غَصَبَ وَغَيَّرَ فَزَالَ اسْمُهُ وَأَعْظَمُ مَنَافِعِهِ ضَمِنَهُ وَمَلَكَهُ، کہ اگر کسی نے غصب کی کوئی چیز وَغَيَّرَ اور اس کو بدل دیا، فَزَالَ اسْمُهُ پس اس کا نام بھی زائل ہو گیا یعنی نیا نام آگیا، نام بدل گیا، وَأَعْظَمُ مَنَافِعِهِ اور اس کے بڑے منافع جو ہیں وہ بھی بدل گئے زائل ہو گئے، ضَمِنَهُ تو وہ غاصب اس کا ضامن ہو گا، وَمَلَكَهُ اور اس کا مالک بن جائے گا، اب قیمت دینا پڑے گی وہ چیز نہیں دے سکتا۔ فَهَذَا التَّغْيِيرُ رُجُوعٌ عَنِ الْوَصِيَّةِ، تو یہ تبدیلی یعنی اس طرح کی کوئی تبدیلی کر دینا مُوصی کی طرف سے رُجُوعٌ عَنِ الْوَصِيَّةِ یہ وصیت سے رجوع ہے۔

أَوْ يَزِيدَ فِي الْمُوصَى بِهِ مَا يَمْنَعُ تَسْلِيمَهُ إِلَّا بِهِ، یا وہ وصیت کرنے والا بڑھا دے فِي الْمُوصَى بِهِ کس میں؟ مُوصَى بِهِ، وہ چیز جس کی وصیت کی تھی، مثلاً کسی نے کیا کہا تھا؟ یہ ستو میرے مرنے کے بعد فلاں کو دے دینا، اور پھر اس میں خود ہی اس نے کیا کروا دیا؟ گھی ملوا دیا، تو معلوم ہوا یہ کیا کر رہا ہے؟ رجوع۔ یہ معنی ہے أَوْ يَزِيدَ فِي الْمُوصَى بِهِ یا وہ بڑھا دیتا ہے مُوصَى بِهِ کے اندر مَا وہ چیز يَمْنَعُ تَسْلِيمَهُ إِلَّا بِهِ جو مانع ہے اس کو سپرد کرنے سے مگر اس زائد چیز کے ساتھ ہی، اس کے ساتھ ہی دیا جا سکتا ہے علیحدہ نہیں۔

كَلَتِّ السَّوِيقِ بِالسَّمْنِ، سَوِيق کہتے ہیں ستو کو، لَتٌّ کا معنی ہے ملانا، سَمْنٌ کہتے ہیں گھی کو، كَلَتِّ السَّوِيقِ بِالسَّمْنِ جیسے کہ ستو ملا دینا گھی کے ساتھ۔ وَالْبِنَاءِ فِي دَارٍ أَوْصَى بِهَا، یا تعمیر کر لینا فِي دَارٍ ایسے گھر میں أَوْصَى بِهَا جس کی اس نے وصیت کی تھی۔ صورت یہ: ایک شخص نے دوسرے کے لیے وصیت کی تھی کہ یہ جو گھر ہے فلاں کو دے دینا، گھر یعنی وہ ایک زمین کا ٹکڑا تھا زمین، کہ یہ گھر کس کو دے دینا؟ زید کو دے دینا، اور پھر بعد میں کچھ عرصہ گزرا تو مُوصی نے خود ہی اس میں ایک گھر بنوانا شروع کر دیا، معلوم ہوا یہ کیا کر رہا ہے؟ وہ رجوع کر رہا ہے۔ یہ معنی ہے وَالْبِنَاءِ فِي دَارٍ أَوْصَى بِهَا اور جیسے کہ تعمیر کرنا ایسے گھر میں أَوْصَى بِهَا جس کی اس نے وصیت کی تھی۔

وَتَصَرُّفٍ يُزِيلُ مِلْكَهُ كَالْبَيْعِ وَالْهِبَةِ، یا کوئی ایسا تصرف کرنا جو اس مُوصی کی ملکیت ختم کر دے، كَالْبَيْعِ وَالْهِبَةِ جیسے کہ بیچ دینا یا ہبہ کر دینا۔ مُوصی نے وصیت کی تھی میرے مرنے کے بعد یہ گاڑی زید کو دے دینا، لیکن اس نے پھر گاڑی بیچ دی، تو یہ تو اس کی ملک سے ہی نکل گئی، لہٰذا یہ معلوم ہوا وہ وصیت سے رجوع کر رہا ہے، یا یہ گاڑی اس نے کسی اور کو تحفے

کے طور پر دے دی تو بھی اس کی ملک سے نکل گئی، معلوم ہوا وہ وصیت سے رجوع کر رہا ہے۔ تو یہ معنی ہے وَتَصَرُّفٍ يُزِيلُ مِلْكَهُ یا ایسا تصرف کرنا جو اس مُوصی کی ملکیت ختم کر دے كَالْبَيْعِ وَالْهِبَةِ جیسے کہ بیچ دینا اور تحفے کے طور پر دے دینا۔

لَا بِغَسْلِ أَثْوَابٍ أَوْصَى بِهِ، نہ کہ دھونے سے ایسے کپڑوں کو أَوْصَى بِهِ جس کی اس نے وصیت کی تھی۔ ایک شخص نے وصیت کی تھی کہ یہ جو چار کپڑے کے تھان پڑے ہیں یہ زید کو دے دینا میرے مرنے کے بعد، اور پھر چند دن کے بعد اس نے کہا یہ سارے تھان دھلوا لو، تو تھان دھلوانے سے یہ رجوع نہیں ہے، اس لیے کیونکہ کپڑے کو جب کسی کو دیا جاتا ہے تو صاف ستھرا ہی دیا جاتا ہے، تو یہاں ہم کہیں گے وہ دھو کر صاف کر کے ان کو دینا چاہتا ہے تو یہ رجوع نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لَا بِغَسْلٍ یعنی یہ رجوع نہیں ہے ایسے کپڑوں کو دھونا جن کے بارے میں وصیت کی تھی دینے کی۔

وَلَا بِجُحُودِهَا، اور وصیت کے انکار سے بھی رجوع نہیں ہوگا، وصیت کے انکار سے بھی رجوع نہیں ہوگا۔ بھئی ایک شخص نے وصیت کی تھی زید کے لیے کہ میرے مرنے کے بعد زید کو یہ گاڑی دے دینا، چند دن کے بعد اس کے پاس اس کا ایک دوست آیا بکر، بکر نے باتوں باتوں میں کہا میں نے سنا ہے تم نے یہ گاڑی کی زید کے لیے وصیت کی ہے، اس نے کہا نہیں، میں نے تو کوئی وصیت نہیں کی، انکار کر دیا۔ تو کیا اس انکار کو رجوع سمجھا جائے گا؟ تو امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، یہ انکار رجوع نہیں، رجوع کرنا ہے تو صاف لفظوں میں رجوع کرے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ صاف لفظوں میں۔ جبکہ امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انکار بھی رجوع ہے۔ لیکن فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے کہ انکار رجوع نہیں ہے۔ اس لیے کیونکہ ہو سکتا ہے وہ ہر ایک کو نہیں بتانا چاہتا، بکر نے پوچھا ہے انکار کا کیا معنی؟ وہ چھپانا چاہتا ہے وہ نہیں بتانا چاہتا کہ میں نے یہ وصیت کس کے لیے کی ہے؟ زید کے لیے، ہر ایک کو نہیں بتانا چاہتا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو انکار تو اور بھی کسی وجہ سے ہو سکتا ہے جیسے میں نے ایک ذکر کر دی کہ چھپانا ہوتا ہے بعض اوقات کہ ہر ایک کو ایک بات نہیں بتلانا چاہتا آدمی، رجوع کرنا ہے تو صاف لفظوں میں رجوع کرنا پڑے گا۔

تو امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انکار بھی رجوع ہے۔ اختلاف ہے بھئی، امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انکار سے بھی رجوع ہو جائے گا، انکار بھی کیا ہے دراصل رجوع ہے، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، انکار رجوع نہیں ہے، انکار اور چیز ہے رجوع اور چیز ہے۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جو رجوع ہوتا ہے اس میں حال کی نفی ہوتی ہے، توجہ ہے؟ یہ جو رجوع ہوتا ہے اس میں حال کی نفی ہوتی ہے، یعنی ماضی میں ایک چیز تھی، ایک وصیت تھی، اب آکر اس کی کیا کر دی؟ نفی کر دی، پہلے کہا تھا گاڑی دے دو، اب کہتا ہے گاڑی مت دینا، تو دیکھو ماضی میں تھا اثبات اور فی الحال کیا ہے اس کی نفی ہے، توجہ ہے؟ تو امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جو رجوع ہوتا ہے یہ حال کی نفی ہوتی ہے، حال کی نفی۔ اور یہ جو انکار ہوتا ہے، انکار کا کیا معنی؟ کہ میں نے پہلے بھی وصیت نہیں کی تھی ابھی بھی وصیت نہیں، تو یہ ماضی کی بھی نفی ہے اور حال کی بھی نفی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ رجوع کیا ہے صرف حال کی نفی، اور

انکار جو ہے حال اور ماضی دونوں کی نفی، تو جب رجوع کے اندر صرف حال کی نفی سے رجوع ہو جاتا ہے تو انکار کے اندر تو ماضی اور حال دونوں کی نفی ہے تو اس سے تو بطریقِ اولیٰ جو ہے رجوع ہونا چاہیے۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، کہ رجوع اور انکار کے اندر منافات ہے، دونوں اکٹھے جمع ہو ہی نہیں سکتے۔ رجوع کیا بتلاتا ہے کہ ماضی میں ایک چیز تھی اب نہیں ہے، اور انکار کیا بتلاتا ہے کہ ماضی میں بھی ایک چیز نہیں تھی اور فی الحال بھی نہیں، تو رجوع کے اندر اثباتِ ماضی ہے اور انکار کے اندر نفیِ ماضی ہے، ماضی کی نفی ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو رجوع میں کیا ہے؟ ماضی کی طرف صرف نظر کرو، رجوع کے اندر دیکھو رجوع میں فی الحال تو نفی کر رہا ہے کہ نہ دینا، لیکن ماضی میں گویا کیا کہتا ہے میں نے وصیت کی تھی، تو رجوع میں کیا ہے اثباتِ ماضی اور حال کی نفی ہے، جبکہ انکار کے اندر ماضی کی بھی نفی اور حال کی بھی نفی۔ تو دونوں میں منافات ہے، رجوع کا معنی ہے ماضی کے اندر اثبات اور انکار کا معنی ہے ماضی کے اندر بھی نفی، تو ایک میں ماضی کا اثبات ہے ایک میں ماضی کی نفی ہے، تو یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ رجوع چاہتا ہے ماضی میں تھا اب نہیں ہے، اور انکار بتلاتا ہے نہیں ماضی میں بھی نہیں تھا، تو یہ تو دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، رجوع اور چیز انکار اور چیز ہے، دونوں ایک وقت ہو ہی نہیں سکتے، یا تو ماضی میں ہو گا یا نہیں ہو گا۔ اگر ماضی میں تھا تو پھر تو یہ رجوع ہے، اور اگر ماضی میں بھی نہیں تھا پھر کیسے رجوع ہے بھئی؟ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ رجوع چاہتا ہے ماضی میں اثبات اور انکار تو ماضی میں اثبات نہیں چاہتا، تو رجوع تو تب ہی ہو گا جب پہلے ایک چیز ہو پھر کیا کریں انکار کریں، اور انکار کے اندر تو پہلے سے ایک چیز کو مان ہی نہیں رہے، جب مان ہی نہیں رہے تو پھر نفی کیسے ہو گی اس کی؟ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے وَلَا بِجُحُودِهَا اور وصیت کا انکار کرنے سے بھی رجوع نہیں ہو گا، خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ بخلاف امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے، فَإِنَّ الْجُحُودَ رُجُوعٌ عِنْدَهُ اس لیے کیونکہ انکار کرنا ان کے نزدیک رجوع ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَتَبْطُلُ هِبَةُ الْمَرِيضِ وَوَصِيَّتُهُ لِمَنْ نَكَحَهَا بَعْدَهَا۔ وَتَبْطُلُ هِبَةُ الْمَرِيضِ وَوَصِيَّتُهُ لِمَنْ نَكَحَهَا بَعْدَهَا، اور باطل ہے ہبہ کرنا مریض کا یعنی وہ جو مرض الموت میں ہے، وَوَصِيَّتُهُ اور اس کا وصیت کرنا لِمَنْ اس عورت کے لیے نَكَحَهَا بَعْدَهَا جس سے اس نے نکاح کر لیا وصیت کے بعد۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے ایک اجنبیہ عورت کے لیے وصیت کر دی، اور اجنبی کے لیے تو وصیت صحیح ہے، لیکن بعد میں اس نے اسی عورت سے نکاح کر لیا، اور یہ کس حالت میں سارا ہوا؟ مرض الموت میں، وصیت بھی کی اور نکاح بھی، وصیت کی کس میں؟ مرض الموت میں، اور پھر نکاح کر لیا۔ یا کوئی ہبہ کیا، کوئی چیز، کوئی گاڑی تحفے کے طور پر دے دی، وہ اجنبیہ تھی، اور پھر اسی عورت سے نکاح کر لیا۔ تو کہتے ہیں دونوں باطل ہیں، ہبہ بھی باطل اور وصیت بھی باطل، کیونکہ یہ مرض الموت میں ہے اور مرض الموت میں وارثوں کا حق مال کے ساتھ متعلق ہو

جاتا ہے۔ اور اس نے اگرچہ یہ جو ہبہ کیا ہے اور وصیت کی ہے یہ اجنبی کے لیے کی ہے اور اجنبی کے لیے وصیت صحیح ہے، لیکن بالآخر اس نے نکاح کر لیا اور جب نکاح کیا تو وہ عورت اس کی بیوی بن گئی، وہ اس کی وارثہ بن گئی، اور وارث کے لیے تو مرض الموت میں نہ ہبہ صحیح ہے نہ اس کے لیے وصیت صحیح ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَتَبْطُلُ هِبَةُ الْمَرِيضِ وَوَصِيَّتُهُ اور باطل ہے مریض کا ہبہ کرنا اور اسی طرح مریض کا وصیت کرنا لِمَنْ نَكَحَهَا بَعْدَهُ اس عورت سے جس کے ساتھ اس نے نکاح کر لیا وصیت کے بعد۔ أَيْ وَهَبَ الْمَرِيضُ لِامْرَأَةٍ شَيْئًا ہبہ کیا کسی مریض نے کسی عورت کو کوئی چیز، أَوْ أَوْصَى لَهَا بِشَيْءٍ یا وصیت کی اس کے لیے کسی چیز کی، ثُمَّ تَزَوَّجَهَا پھر اس عورت سے اس نے نکاح کر لیا، ثُمَّ مَاتَ پھر وہ شخص مر گیا، فَتَبْطُلُ الْهِبَةُ وَالْوَصِيَّةُ تو اس کا ہبہ اور وصیت دونوں باطل ہیں، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ إِيجَابٌ بَعْدَ الْمَوْتِ اس لیے کیونکہ وصیت جو ہے وہ اثبات بعد الموت ہے، موت کے بعد ایک چیز کو واجب کرنا ہے، وَعِنْدَ الْمَوْتِ هِيَ وَارِثَةٌ لَهُ اور موت کے وقت تو یہ عورت اجنبیہ نہیں ہے بلکہ اس کی وارثہ ہے۔

وَأَمَّا الْهِبَةُ اور باقی ہبہ جو ہے، فَهِيَ وَإِنْ كَانَتْ مُنْجَزَةً، مُنْجَزَة پڑھ لیں یا مُنَجَّزَة پڑھ لیں، بابِ افعال پڑھ لیں یا بابِ تفعیل، دونوں کا معنی ہے ایک چیز کو پورا کر دینا، کیا کر دینا؟ پورا یعنی تکمیل تک پہنچا دینا، تو کہتے ہیں فَهِيَ ہبہ جو ہے وَإِنْ كَانَتْ مُنْجَزَةً اگرچہ یہ تام ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو ہبہ جب کوئی شخص کسی کو تحفہ دیتا ہے تو جب وہ چیز اس کے قبضے میں چلی جائے گی تو ہبہ تام ہو گیا، ہبہ کیا ہو گیا؟ تام، صرف کہنے سے وہ مالک نہیں بنے گا۔ آپ نے ایک آدمی سے کہا یہ گاڑی آج سے آپ کی ہو گئی، تو آپ کے کہنے سے وہ گاڑی کا مالک نہیں بنا، ہاں جب گاڑی آپ اس کے قبضے میں دے دیں گے اب وہ مالک بن گیا۔ تو ہبہ تام ہوتا ہے مکمل ہوتا ہے کس کے ذریعے؟ قبضے کے ذریعے۔ تو یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں ہبہ جو ہے فَهِيَ وَإِنْ كَانَتْ مُنْجَزَةً اگرچہ وہ تام ہو گیا ہے، عورت نے اس چیز پر کیا کر لیا ہے قبضہ، تو وہ تو اسی وقت تام ہو گیا، لیکن پھر بھی یہ شخص مرض الموت میں ہے اور مرض الموت میں وارثوں کا حق اس کے مال کے ساتھ متعلق ہوتا ہے، لہٰذا اس لیے مرض الموت میں جو ہبہ ہے وہ بھی درست نہیں ہے جبکہ وہ عورت اب اس کی وارثہ بن گئی۔

تو کہتے ہیں وَأَمَّا الْهِبَةُ باقی ہبہ جو ہے فَهِيَ وَإِنْ كَانَتْ مُنْجَزَةً اگرچہ وہ تکمیل تک پہنچ گیا، نافذ ہو گیا، فَهِيَ كَالْمُضَافَةِ إِلَى الْمَوْتِ تو یہ ہبہ جو ہے موت کی طرف مضاف ہے، اگرچہ یہ پورا ہو گیا ہے پھر بھی یہ موت کی طرف مضاف ہے، موت کی طرف نسبت کی جائے گی کیونکہ کس حالت میں کر رہا ہے؟ مرض الموت میں کر رہا ہے۔ اور نیز یہ جو مرض الموت میں کر رہا ہے، تو مرض الموت میں تو وارثوں کا حق متعلق ہوتا ہے، تو یہ ہبہ اگرچہ تام ہو جاتا ہے لیکن یہاں اس ہبہ کا حکم موت کے وقت پکا ہو گا، موت کے وقت، اور موت کے وقت تو یہ کیا ہے؟ وارثہ ہے، تو یہ ہبہ بھی گویا وصیت سمجھا جائے گا۔ کیا سمجھا جائے گا؟ وصیت سمجھا جائے گا، اور ابھی بتا دیا وصیت تو وارث کے لیے درست نہیں، تو لہٰذا یہ ہبہ جو کس کے

درجے میں ہے؟ وصیت کے درجے میں ہے، یہ بھی صحیح نہیں ہو گا۔

تو کہتے ہیں وَأَمَّا الْهِبَةُ فَهِيَ وَإِنْ كَانَتْ مُنْجَزَةً فَهِيَ كَالْمُضَافَةِ إِلَى الْمَوْتِ، اور باقی ہبہ جو ہے تو وہ اگرچہ جو ہے وہ کامل ہو گیا ہے تکمیل تک پہنچ گیا ہے نافذ ہو گیا ہے، پھر بھی یہ مضاف ہے موت کی طرف یعنی اس کی نسبت کی جائے گی موت کی طرف، لِأَنَّ حُكْمَهَا يَتَقَرَّرُ عِنْدَ الْمَوْتِ اس لیے کیونکہ اس ہبہ کا حکم جو ہے وہ پختہ ہو گا وہ قرار پکڑ لے گا عِنْدَ الْمَوْتِ موت کے وقت۔ أَلَا تَرَى کیا آپ دیکھتے نہیں ہیں أَنَّهَا تَبْطُلُ بِالدَّيْنِ الْمُسْتَغْرِقِ کہ یہ ہبہ باطل ہو جاتا ہے اس دَین کی وجہ سے جو مستغرق ہو؟ بھئی دیکھیے، مرض الموت کے اندر وارثوں کا حق متعلق ہو گیا، اب کوئی شخص کسی کو ہبہ دینا چاہتا ہے تو یہ ہبہ ثلث سے معتبر ہو گا، یہ کس کے درجے میں ہے؟ وصیت کے درجے میں۔ تو ثلثِ مال سے اگر یہ ہبہ نکلتا ہے تو نکال لیں گے دے دیں گے اس کو، لیکن یہ اس کی وصیت کی طرح شمار کیا جائے گا، بات سمجھ میں آگئی؟ وصیت کی طرح، تو ثلث سے زیادہ میں نہیں نافذ کریں گے۔ اور اگر اس شخص پر اتنا دَین ہے جس نے اس کے سارے مال کا احاطہ کیا ہوا ہے، پھر تو اس کا مال ہی کچھ نہیں بنتا، تو پھر تو یہ ہبہ دینا ہی باطل ہو جائے گا۔ ہبہ دینا ہی باطل۔ معلوم ہوا یہ ہبہ کس کے درجے میں ہے؟ وصیت کے درجے میں ہے، جیسے دَین پورے مال کا احاطہ کر لے تو جیسے اس وقت وصیت باطل ہو جاتی ہے اسی طرح یہ ہبہ بھی باطل۔ معلوم ہوا یہ کس کے درجے میں؟ وصیت کے درجے میں۔ أَلَا تَرَى أَنَّهَا تَبْطُلُ بِالدَّيْنِ الْمُسْتَغْرِقِ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ یہ جو ہبہ جو ہے یہ باطل ہو جاتا ہے اس دَین کی وجہ سے الْمُسْتَغْرِقِ جو غرق کرنے والا ہے یعنی احاطہ کرنے والا ہے پورے مال کا، وَعِنْدَ عَدَمِ الدَّيْنِ يُعْتَبَرُ مِنَ الثُّلُثِ اور جس وقت دَین نہ ہو تو بھی یہ ہبہ معتبر ہو گا کتنے میں سے؟ ثلث میں سے، معلوم ہوا یہ کس کے درجے میں ہے؟ وصیت۔

بِخِلَافِ الْإِقْرَارِ، بخلاف اقرار کے بھئی، اقرار ان کے مخالف ہے، وہ نافذ ہو گا۔ مثلاً ایک شخص نے ایک اجنبیہ عورت کے لیے مرض الموت میں اقرار کیا اور کہا کہ میں نے اس کا دس لاکھ روپیہ دینا ہے، اور پھر بعد میں اسی عورت سے نکاح کر لیا، تو یہ اقرار لغو نہیں ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ جس وقت اقرار کیا تھا اس وقت یہ عورت وارثہ نہیں تھی۔ یہ معنی ہے بِخِلَافِ الْإِقْرَارِ، فَإِنَّهُ إِنْ أَقَرَّ لَهَا ثُمَّ تَزَوَّجَهَا حَيْثُ يَصِحُّ اس لیے کیونکہ اگر اس شخص نے اس عورت کے لیے اقرار کر لیا، ثُمَّ تَزَوَّجَهَا پھر اس سے نکاح کر لیا، حَيْثُ يَصِحُّ اس حیثیت سے کہ یہ جو اقرار ہے یہ صحیح ہو گا، پیچھے کہا نا بِخِلَافِ الْإِقْرَارِ بخلاف کس کے؟ اقرار کے، آگے کہہ رہے حَيْثُ يَصِحُّ اس حیثیت سے کہ یہ صحیح ہو گا یعنی یہ ان کے خلاف ہے، یہ باطل نہیں ہو گا، لِأَنَّهَا عِنْدَ الْإِقْرَارِ أَجْنَبِيَّةٌ اس لیے کیونکہ یہ عورت جو ہے اقرار کے وقت اجنبیہ تھی، وارثہ نہیں تھی۔

آگے دیکھیے كَإِقْرَارِهِ وَوَصِيَّتِهِ وَهِبَتِهِ لِابْنِهِ كَافِرًا أَوْ عَبْدًا إِنْ أَسْلَمَ أَوْ أُعْتِقَ بَعْدَ ذَلِكَ۔ بھئی یہی صورت، ایک شخص مرض الموت میں گرفتار ہے اور اس حالت میں وہ اپنے بیٹے کے لیے اقرار کرتا ہے یا وصیت کرتا ہے یا اس کو کوئی چیز تحفے کے

طور پر دیتا ہے یعنی ہبہ کرتا ہے، اور یہ بیٹا اس وقت کافر ہے یا غلام ہے، اور کافر اور غلام یہ دونوں مانعِ ارث ہیں۔ کافر ہے اگر بیٹا تو بھی وہ وارث نہیں بن سکتا کیونکہ دین الگ الگ ہیں، اور اگر بیٹا غلام ہے تو بھی وارث نہیں بن سکتا کیونکہ غلامی بھی مانعِ ارث ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ جیسے قتل مانعِ ارث ہے، قاتل وارث نہیں بن سکتا، اسی طرح دین کا الگ ہونا یہ بھی مانعِ ارث ہے، اسی طرح غلام ہونا یہ بھی مانعِ ارث ہے، غلام وارث نہیں بن سکتا کیونکہ غلام کو آپ جو کچھ بھی دیں گے وہ سارا وہ تو اس کے مالک کا ہو جائے گا، غلام تو کسی چیز کا مالک ہی نہیں بنتا، تو گویا مالک کو آپ مال دے رہے ہیں اور مالک تو وارث نہیں بنتا یہاں پر بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہی صورت ہے: بیٹا کافر ہے یا غلام ہے، معلوم ہوا وہ وارث نہیں بن سکتا۔ اس حال میں وہ جو مریض ہے مرض الموت کے اندر، بیٹے کے لیے اقرار کرتا ہے یا بیٹے کے لیے وصیت کرتا ہے یا اس کو کوئی چیز ہبہ کرتا ہے، اور پھر بعد میں بیٹا مسلمان ہو گیا مرنے سے پہلے، یا بیٹا آزاد ہو گیا مرنے سے پہلے، تو یہ سب چیزیں باطل ہیں۔ کیوں؟ تو پہلے اقرار کو دیکھ لیں۔ آپ کہیں گے بھئی اقرار جب اس نے بیٹے کے لیے کیا تھا اس وقت تو بیٹا وارث ہی نہیں بن رہا تھا، تو اقرار صحیح ہونا چاہیے جیسے پچھلے مسئلے میں عورت اجنبیہ تھی اس وقت وارثہ نہیں تھی تو اس کے لیے اقرار صحیح تھا، بے شک بعد میں اس سے نکاح کر لیا بیوی بن گئی موت کے وقت وہ وارثہ ہے، لیکن جب اقرار کیا تھا تب تو وہ اجنبیہ تھی۔ تو جواب یہ کہ یہاں بیٹا ہے، بے شک کافر ہے یا غلام ہے، لیکن اجنبی تو نہیں، بیٹے والا رشتہ تو ابھی بھی موجود ہے، لہٰذا اس کے لیے اقرار صحیح نہیں ہو گا بھئی۔

اور اسی طرح بیٹے کو وصیت بیٹے کے لیے کی ہے یا اس کو کوئی چیز دی ہے، وصیت کب نافذ ہوتی ہے؟ موت کے بعد، اور موت کے وقت تو بیٹا وارث ہے، اور وارث کے لیے تو وصیت صحیح نہیں۔ اور نیز بیٹے کو تحفے کے طور پر کوئی چیز دی ہے اور یہ جو ہبہ ہے مرض الموت میں یہ بھی کس کے درجے میں ہے؟ وصیت کے درجے میں ہے، اور جیسے بیٹے کے لیے وصیت صحیح نہیں تو یہ ہبہ بھی صحیح نہیں۔ تینوں مسئلے سمجھ میں آگئے؟

كَإِقْرَارِهِ وَوَصِيَّتِهِ وَهِبَتِهِ لِابْنِهِ كَافِرًا أَوْ عَبْدًا، جیسے کہ کسی مرض الموت والے کا اقرار کرنا اور اس کا وصیت کرنا اور اس کا ہبہ کرنا لِابْنِهِ اپنے بیٹے کے لیے كَافِرًا أَوْ عَبْدًا اس حال میں کہ وہ بیٹا کافر ہے یا غلام ہے، إِنْ أَسْلَمَ أَوْ أُعْتِقَ بَعْدَ ذَلِكَ اگر وہ اسلام لے آئے یا وہ آزاد کر دیا جائے اس کے بعد یعنی مرنے سے پہلے، تو یہ سب باطل ہیں۔ أَيْ إِنْ أَقَرَّ الْمَرِيضُ أَوْ أَوْصَى أَوْ وَهَبَ لِابْنِهِ الْكَافِرِ اگر اقرار کیا مریض نے یا وصیت کی یا ہبہ کیا اپنے کافر بیٹے کے لیے، ثُمَّ أَسْلَمَ الِابْنُ قَبْلَ مَوْتِ الْأَبِ پھر بیٹا مسلمان ہو گیا باپ کی موت سے پہلے، بَطَلَ ذَلِكَ كُلُّهُ تو یہ سب باطل ہو گئے، یہ سب کیا ہو گئے؟ باطل ہو گئے۔ ہاں اگر وہ مسلمان نہیں ہوتا تو پھر صحیح ہیں یہ، پھر اقرار بھی صحیح ہو جائے گا اور وصیت بھی صحیح، وصیت کیونکہ بیٹا وارث بن رہا ہے؟ نہیں، جب وارث نہیں بن رہا تو غیرِ وارث کے لیے وصیت ہوئی پھر صحیح ہو جائے گی، بات سمجھ میں آگئی؟

اور ہبہ وہ بھی وصیت کے درجے میں ہے، تو جب بیٹا وارث نہیں، بیٹے کے لیے وصیت صحیح ہے، تو پھر ہبہ بھی صحیح ہو جائے گا۔

تو یہ معنی ہے بَطَلَ ذَلِكَ كُلُّهُ تو اس وقت یہ سب باطل ہو جائیں گے۔ أَمَّا الْإِقْرَارُ فَلِأَنَّ الْبُنُوَّةَ قَائِمَةٌ وَقْتَ الْإِقْرَارِ تو اقرار جو ہے اس لیے کیونکہ بیٹا ہونا وہ تو موجود تھا اقرار کے وقت، فَاعْتُبِرَ فِي الْإِرْثِ تُهْمَةُ الْإِيثَارِ پس اعتبار کیا جائے گا وراثت کے اندر تُهْمَةُ الْإِيثَارِ، إيثَار کا معنی ہے ترجیح دینا، تُهْمَة کا معنی ہے بدگمانی بھئی، پس اعتبار کیا جائے گا وارث ہونے میں ترجیح کی تہمت کا۔ بیٹا وارث بن رہا ہے یا نہیں؟ جب اسلام لے آیا موت کے وقت، وصیت کی تھی نا، لیکن یہ بعد میں مسلمان ہو گیا، تو یہ وارث بن رہا ہے۔ اگر یہ وارث نہ بنتا کافر ہی رہتا پھر تو وصیت نافذ کرتے ہم ثلث میں، لیکن یہ تو مسلمان ہو گیا یہ وارث بن رہا ہے، اور آپ نے پڑھا ہے وارث کے لیے وصیت جائز نہیں۔ کیوں نہیں جائز وصیت؟ کیونکہ معلوم ہوا یہ بیٹے کو زیادہ مال دینا چاہتا ہے، ایثار کا معنی ہے ترجیح دینا، معلوم ہوا وہ اس بیٹے کو باقی بیٹوں اور باقی وارثوں پر ترجیح دے رہا ہے، تو یہ ترجیح دینے کی بدگمانی دلوں میں آتی ہے، ہر ایک کے دل میں آئے گا کہ یہ کیا کرنا چاہتا ہے، بیٹے کو ہم پر ترجیح دے رہا ہے، اس کو زیادہ مال دینا چاہتا ہے۔ تو وراثت کے اندر یہ ایثار کی بدگمانی جو ہے یہ بھی معتبر ہے، لہٰذا اس کو مال نہیں ملے گا وارث کو، وارث کے لیے وصیت نافذ نہیں ہو گی۔

یہ معنی ہے فَاعْتُبِرَ فِي الْإِرْثِ تُهْمَةُ الْإِيثَارِ پس اعتبار کیا جائے گا وراثت کے اندر ترجیح دینے کی تہمت کا۔ وَأَمَّا الْهِبَةُ وَالْوَصِيَّةُ فَلِمَا مَرَّ باقی ہبہ اور وصیت جو ہیں وہ تو اس وجہ سے جو گزر گئی، جو پچھلے مسئلے میں ہم نے بیان کیا تھا بھئی، کہ وصیت کا اعتبار کب کرتے ہیں؟ موت کے وقت، اور موت کے وقت تو یہ بیٹا اب مسلمان ہو چکا ہے وارث بن رہا ہے، تو یہ وصیت کس کے لیے ہوئی؟ وارث کے لیے، اور وارث کے لیے تو وصیت صحیح نہیں۔ اور نیز ہبہ بھی صحیح نہیں اس لیے کیونکہ یہ ہبہ جو ہے یہ بھی کس کے درجے میں ہے؟ وصیت کے درجے میں ہے، تو جیسے یہاں وصیت صحیح نہیں تو ہبہ بھی صحیح نہیں۔ یہ معنی ہے کہتے ہیں وَأَمَّا الْهِبَةُ وَالْوَصِيَّةُ فَلِمَا مَرَّ باقی ہبہ اور وصیت تو اس وجہ سے جو گزر گئی یعنی اس وجہ سے وہ صحیح نہیں۔

فَكَذَا إِنْ كَانَ الِابْنُ عَبْدًا أَوْ مُكَاتَبًا، یہ تو تھا بیٹا مسلمان نہیں تھا پھر مسلمان ہو گیا، اور متن میں تو غلام ہونے کا بھی ذکر تھا اب وہ بھی ذکر کر رہے ہیں، فَكَذَا اسی طرح ہے إِنْ كَانَ الِابْنُ عَبْدًا أَوْ مُكَاتَبًا اگر بیٹا جو تھا وہ غلام تھا یا مکاتب تھا، فَعَتَقَ تو پھر وہ آزاد ہو گیا، تو بھی مسئلہ اسی طرح ہے لِمَا بَيَّنَّا اس وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی۔

وَصَحَّ هِبَةُ مُقْعَدٍ وَمَفْلُوجٍ وَأَشَلَّ وَمَسْلُولٍ مِنْ كُلِّ مَالِهِ إِنْ طَالَتْ مُدَّتُهُ وَلَمْ يُخَفْ مَوْتُهُ، وَإِلَّا فَمِنْ ثُلُثِهِ۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک اپاہج یا معذور شخص ہے، معذور ہے بھئی ٹانگوں سے معذور ہے۔ دیکھو یہاں لفظ آ رہا ہے مُقْعَد، مُقْعَد کہتے ہیں جو ٹانگوں سے معذور ہو چل پھر نہیں سکتا، وہ ہے مُقْعَد، اپاہج بھئی اپاہج۔ مَفْلُوج، مفلوج وہ شخص جس کو فالج ہوا ہو، جس کے

جسم کا کچھ حصہ مفلوج ہے حرکت نہیں کر سکتا، عموماً جیسے فالج ہوتا ہے ایک ہاتھ اور پاؤں کیا ہو جاتے ہیں؟ شل ہو جاتے ہیں وہ حرکت نہیں کر سکتے بھئی، اللہ ہر مرض سے ہم سب کی حفاظت فرمائے بھئی۔ وَأَشَلَّ، اشل کہتے ہیں وہ شخص جس کا ہاتھ شل ہو جائے، حرکت نہ کر سکے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ اشل بھئی، لام مشدد ہے، أَشَلُّ۔ اور مَسْلُول، مسلول وہ آدمی جس کو سل کی بیماری ہو، سین اور لام مشدد ہے، سِلٌّ، سل کی بیماری جس شخص کو ہو اس کو مسلول کہتے ہیں، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ یہ عموماً غالباً یہ جو ٹی بی کی بیماری ہے، آج کل تو ٹی بی قابلِ علاج بن گیا ہے علاج ہو جاتا ہے، پہلے زمانے میں جس کو ٹی بی کا مرض ہو جاتا تھا وہ بیچارہ یہ جو سانس کی بیماری ہوتی ہے، کھانستا رہتا ہے، تکلیف میں رہتا ہے اور سوکھ کر کانٹا بن جاتا ہے، اور معذوروں کی طرح بستر پر سارا دن پڑا رہتا ہے، بمشکل حرکت کرتا ہے، بیت الخلا وغیرہ تک بھی لے جانا ہو بڑی مشکل سے اس کو لے کر جاتے، اور تو یہ مسلول ہے یہ جو سل کی بیماری والا۔

تو صورتِ مسئلہ یہ کہ کسی اپاہج نے یا مفلوج نے یا شل ہاتھ والے نے یا کسی سل کی بیماری والے نے کسی کے لیے وصیت کر دی نصفِ مال کی، ثلث کی نہیں کی، نصف کی کی۔ یہ تو اب ثلث سے زائد ہے، تو کیا، وصیت نہیں کی، ہبہ کیا، کیا کیا؟ ہبہ کیا، تو اس نے کل مال میں سے ہبہ کیا کہ مثلاً اس کو میرا آدھا مال دے دو۔ تو کیا یہ اس کا ہبہ نافذ کر دیں گے؟ کہتے ہیں دیکھیں گے کہ یہ موت کے قریب ہے یا نہیں۔ اگر موت کے قریب ہے معلوم ہوا یہ مرض الموت ہے، پھر نہیں دیں گے، پھر ثلث میں ہی نافذ کریں گے جیسے پیچھے مسئلے میں ذکر ہوا کہ ہبہ بھی کس کے درجے میں ہے؟ وصیت کے درجے میں جب مرض الموت میں ہو تو۔ اور اگر اس کے بعد بھی یہ بڑا عرصہ زندہ رہتا ہے، موت کی طرف جانے کے اس کے آثار نہیں ہیں، ایک تو یہ ہے نا بیمار ہے، آہستہ آہستہ روز اس کی حالت تھوڑی تھوڑی بگڑتی جا رہی ہے بگڑتی جا رہی ہے، ہر دو چار دن بعد اندازہ ہوتا ہے اس کی حالت اور بگڑ چکی ہے اس کی حالت اور، تو یہ جو اگر ایسی حالت ہے معلوم ہوا یہ مرض الموت ہے، اور اگر ویسے ہی یہ بیماری ہے اور عرصے سے بستر پر پڑا رہتا ہے لیکن حالت ایک جیسی برقرار ہے زیادہ بگڑ نہیں رہی، تو پھر معلوم ہوا یہ صحت کے اندر یہ کام کر رہا ہے، اور حالتِ صحت میں تو نصف سے زیادہ بھی وہ مال کسی کو دینا چاہے تو دے سکتا ہے، تو کل مال کے اندر بھی اس کا ہبہ وغیرہ صحیح ہو جائے گا، ثلث کا اعتبار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ معنی ہے وَصَحَّ هِبَةُ مُقْعَدٍ اور صحیح ہے ہبہ مقعد یعنی اپاہج آدمی کا، وَمَفْلُوجٍ اور اسی طرح مفلوج آدمی کا ہبہ بھی صحیح ہے، وَأَشَلَّ اور اسی طرح وہ آدمی جس کا ہاتھ شل ہو خشک ہو چکا ہو وہ حرکت نہ کر سکتا ہو اس کا ہبہ بھی صحیح ہے، وَمَسْلُولٍ اور مسلول کا ہبہ بھی صحیح ہے، مِنْ كُلِّ مَالِهِ اس کے سارے مال میں سے، یعنی ثلث نہیں بلکہ کل مال میں سے ہبہ صحیح ہے جتنا بھی دینا چاہے، نصف دینا چاہے دو ثلث دینا چاہے سارا دینا چاہے، یہ سارے مال میں سے ان کا ہبہ صحیح ہے، إِنْ طَالَتْ مُدَّتُهُ اگر ان کی مدت کیا ہو جائے؟ لمبی ہو جائے، وَلَمْ يُخَفْ مَوْتُهُ اور خوف نہ ہو اس کے مرنے کا، وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو کہ مدت لمبی نہیں ہے اور موت کا خوف ہے تو پھر فَمِنْ ثُلُثِهِ تو پھر ان کا ہبہ ثلث میں سے ہو گا۔

وَإِنِ اجْتَمَعَتِ الْوَصَايَا قُدِّمَ الْفَرْضُ وَإِنْ أَخَّرَ۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے کئی وصیتیں کر دیں، مثلاً اس نے یہ بھی کہا کہ میرے پر حج فرض تھا وہ میں نے نہیں کیا میری طرف سے حج بھی کروا دینا میرے مال میں سے، اور میرے ذمے اتنی زکوٰۃ باقی ہے وہ زکوٰۃ بھی ادا کر دینا، اور زید کو بھی دس لاکھ روپے دے دینا، اور فلاں مدرسے کے اندر بھی ایک کمرہ تعمیر کروا دینا، اور اس طرح اس نے کئی وصیتیں کیں۔ اور ثلث سے یہ ساری پوری نہیں ہو رہیں۔ اگر تو ساری پوری ہوتی ہیں پھر تو ساری پوری کریں گے پھر تو اشکال ہی کوئی نہیں، لیکن ثلث تھوڑا ہے ان سے ساری وصیتیں پوری نہیں ہو سکتیں۔ تو کہتے ہیں جو فرائض ہیں ان کو مقدم کر دیں گے نوافل پر، مثلاً حج فرض تھا، زکوٰۃ دینا فرض تھی ان کو مقدم کریں گے اور یہ دونوں ادا کر دیں گے، اور باقیوں کو مؤخر کر دیں گے اگر ان کے لیے مال بچا تو کریں گے ورنہ نہیں کریں گے۔

اور اگر اس نے جو وصیتیں کی ہیں وہ سب ایک ہی درجے والی ہیں، مثلاً اس نے کہا میری طرف سے حج بھی کروا دینا اور زکوٰۃ بھی ادا کر دینا میری طرف سے، تو اب یہ دونوں چیزیں فرض ہیں لیکن دونوں ثلث سے نہیں ہو سکتیں، تو پھر کہتے ہیں جو اس نے مقدم ذکر کیا ہے اس کو پہلے کروا دو اور دوسرے نمبر والے کو پھر چھوڑ دو اگر وہ نہیں ہو سکتا، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ اور یا اگر اس نے نفل ساری وصیتیں کیں، مثلاً میرے مال میں سے فلاں مدرسے کے اندر بھی ایک کمرہ بنوا دیں، فلاں کے اندر بھی ایک کمرہ بنوا دیں، فلاں مدرسے میں بھی ایک کمرہ بنوا دیں، یا زید کو بھی دس لاکھ دے دیں، یا بکر کو بھی بیس لاکھ دے دیں، کئی وصیتیں کیں لیکن ایک بھی ان میں سے فرض نہیں ہے سب تبرعات ہیں بھئی، پھر کہتے ہیں اس صورت میں اگر سارے پورے ہو سکتے ہیں پھر تو سارے کریں گے، لیکن ہم اس کی بات نہیں کر رہے، اگر سارے پورے نہیں ہو سکتے اور سب ایک ہی درجے کی ہیں فرض اور نفل کا فرق نہیں ہے ان میں، تو پھر جس کو اس نے پہلے ذکر کیا ہے ان کو پورا کرواتے جاؤ جتنی اس میں سے پوری ہو سکیں۔ ترتیب سمجھ میں آ گئی؟

کہتے ہیں وَإِنِ اجْتَمَعَتِ الْوَصَايَا اگر جمع ہو جائیں کئی وصیتیں، قُدِّمَ الْفَرْضُ وَإِنْ أَخَّرَ تو فرضوں کو مقدم کیا جائے گا وَإِنْ أَخَّرَ اگرچہ اس نے ان کو مؤخر ذکر کیا ہو۔ وَإِنْ تَسَاوَتْ قُوَّةً اور اگر وہ وصیتیں برابر ہیں قوت کے اعتبار سے، یعنی سارے فرض ہیں یا سارے نفل ہیں، تو قُدِّمَ مَا قَدَّمَ تو اس کو مقدم کریں گے جس کو اس وصیت کرنے والے نے مقدم کیا تھا۔

أَيْ إِنِ اجْتَمَعَ الْوَصَايَا اگر کئی وصیتیں جمع ہو گئیں، فَضَاقَ عَنْهَا ثُلُثُ الْمَالِ، ضَاقَ کا معنی ہے تنگ ہو جانا، فَضَاقَ عَنْهَا ثُلُثُ الْمَالِ تو اس سے ثلثِ مال تنگ ہو گیا یعنی اس میں یہ ساری نافذ نہیں ہو سکتیں، فَإِنْ كَانَ بَعْضُهَا فَرْضًا وَبَعْضُهَا نَفْلًا قُدِّمَ الْفَرْضُ اگر ان میں سے بعض وصیتیں فرض کی ہیں اور بعض جو ہیں نفل ہیں تو قُدِّمَ الْفَرْضُ تو فرض کو مقدم کیا جائے گا ان کو ادا کر دیں گے، وَإِنْ كَانَ كُلُّهَا فَرَائِضَ أَوْ كُلُّهَا نَوَافِلَ اور اگر وہ سارے ایک درجے کے ہیں یعنی کہ سارے کے سارے فرائض ہیں یا سارے نوافل ہیں، تو قُدِّمَ مَا قَدَّمَ الْمُوصِي تو مقدم کر دیا جائے گا جن کو مُوصی نے مقدم کیا تھا، جس کو اس نے پہلے ذکر کیا ہے تو ان کو نافذ کر دیں گے۔

فَإِنْ أَوْصَى بِحَجٍّ أُحِجَّ عَنْهُ رَاكِبًا مِنْ بَلَدِهِ إِنْ بَلَغَ نَفَقَتُهُ ذَلِكَ۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میرے مال میں سے حج کروا دینا، اس نے وصیت کیا کی کہ میری طرف سے حج کروا دینا، حج کروا دینا۔ تو یاد رکھیے اس صورت میں حج جو ہے اسی کے شہر سے کروایا جائے گا، جس شہر کا یہ رہنے والا تھا اسی شہر سے کسی حاجی کو بھیجا جائے گا اور سواری کا انتظام کر کے، سواری کا انتظام کر کے، یعنی اگر اتنا مال ہے کہ سواری کا انتظام کر کے حاجی کو بھیجا جا سکتا ہے اسی شہر سے تو اسی شہر سے بھجوایا جائے گا جہاں یہ رہتا تھا، اور اگر یہاں سے نہیں ہو سکتا سواری پر حج تو جہاں سے حج ہو سکتا ہے وہاں سے کروا دیں گے، مثلاً تھوڑے پیسے ہیں تو مکہ کے قریب کسی شہر سے کسی آدمی کو تیار کر کے وہاں سے اس کو حج کروا دیں گے تو پھر خرچہ کم ہو گا اس میں وہ حج ہو جائے گا۔

تو کہتے ہیں فَإِنْ أَوْصَى بِحَجٍّ اگر کسی شخص نے وصیت کی حج کے بارے میں، أُحِجَّ عَنْهُ، أَحَجَّ کا معنی ہوتا ہے کسی کو حج پر بھیجنا، أَحَجَّ زَيْدًا اس نے زید کو حج پر بھجوایا، تو یہ مجہول پڑھیں گے، تو أُحِجَّ عَنْهُ تو اس کی طرف سے حج پر بھجوایا جائے گا یعنی حج کروایا جائے گا اس مُوصی کی طرف سے رَاكِبًا کس طرح؟ سوار کر کے۔ بھئی سواری کی قید کیوں آپ لگا رہے ہیں؟ بھئی وجہ یہ کیونکہ حج اسی پر فرض ہے جس پر استطاعت ہو، اور استطاعت حج کی کس کے ساتھ ہے؟ زاد اور راحلہ دونوں ہونے چاہئیں بھئی، خرچہ بھی ہو اور سواری بھی ہو کیونکہ سینکڑوں میل کا سفر طے کر کے جانا ہے، استطاعت میں کیا ضروری؟ خرچہ بھی ہو اور سواری بھی ہو بھئی۔ تو وہ تو حج کی استطاعت میں ویسے ہی ضروری ہے، تو حج کروایا جائے گا اس کی طرف سے رَاكِبًا سوار کر کے مِنْ بَلَدِهِ اسی شخص کے شہر سے، إِنْ بَلَغَ نَفَقَتُهُ ذَلِكَ اگر وہ خرچہ جو ہے وہ پہنچتا ہو اس تک یعنی سواری کا انتظام ہو سکتا ہے اسی شہر سے، وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو خرچہ کم ہو فَمِنْ حَيْثُ تَبْلُغُ تو پھر جہاں سے وہ پہنچ سکے، جہاں سے سوار ہو کر کوئی آدمی پہنچ سکے یعنی مکہ کے کسی قریب والے شہر سے حج کروا دیں گے۔

فَإِنْ مَاتَ حَاجٌّ فِي طَرِيقِهِ، صورت یہ: ایک شخص حج کے لیے چلا اور راستے میں اس کا انتقال ہو گیا، اور انتقال سے پہلے اس نے وصیت کر دی کہ میری طرف سے حج کروا دینا۔ تو کہتے ہیں اب حج کہاں سے کروائیں گے؟ جہاں اس کا انتقال ہوا وہیں سے حج کروائیں گے پھر تو خرچہ کم آئے گا آدھا فاصلہ تو وہ طے کر چکا ہے، یا اسی کے شہر سے جہاں وہ رہتا تھا یہاں سے کسی کو بھیجیں سواری کے ساتھ تو پھر تو خرچہ زیادہ آئے گا؟ تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی کے شہر سے حج کروایا جائے گا اگر خرچہ اتنا ہے، اگر اتنا خرچہ نہیں پھر جہاں سے بھی کروا دو جہاں سے خرچہ پورا ہوتا ہے وہاں سے کسی کو بھجوا دو حج کروا دو۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس نے وصیت کی ہے راستے میں، تو لہٰذا جہاں اس کا انتقال ہوا اسی شہر اسی بستی سے کسی کو بھجوا کر حج کروا دیا جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

فَإِنْ مَاتَ حَاجٌّ فِي طَرِيقِهِ اگر حج کرنے والا مر گیا حج کے راستے میں، وَأَوْصَى بِالْحَجِّ عَنْهُ اور اس نے وصیت کی اپنی طرف سے حج کرنے کی، يُحَجُّ مِنْ بَلَدِهِ تو حج کروایا جائے گا اس کے شہر سے ہی، أَيْ يُحَجُّ مِنْ بَلَدِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ

اللَّهُ إِنْ بَلَغَ نَفَقَتُهُ ذَلِكَ حج کروایا جائے گا اسی کے شہر سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر اس کا خرچہ اس تک پہنچتا ہے، وَإِلَّا فَمِنْ حَيْثُ تَبْلُغُ اور اگر ایسا نہ ہو تو جہاں سے وہ پہنچتا ہے یعنی وہ خرچہ پورا ہوتا ہے وہاں سے بھیجیں گے۔ وَعِنْدَهُمَا اور صاحبین کے نزدیک يُحَجُّ مِنْ حَيْثُ مَاتَ کہ حج کروایا جائے گا اسی جگہ سے جہاں وہ مرا ہے، وَإِنْ لَمْ تَبْلُغِ النَّفَقَةُ ذَلِكَ فَمِنْ حَيْثُ تَبْلُغُ اور اگر وہاں سے جو ہے وہ خرچہ نہیں پہنچتا اس تک، خرچہ پورا نہیں ہوتا، فَمِنْ حَيْثُ تَبْلُغُ تو جہاں سے خرچہ پورا ہوتا ہے وہاں سے حج کروا دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ٦٣: باب الوصیۃ بالثلث: ثلث سے زائد وصیت میں محاصہ و منازعہ، اور وصیت بالحمل و الجنین کے مسائل

شرح الوقایہ صفحہ: ١٥١ — بتاریخ: ٧ مارچ ٢٠٢٠ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی سبق: بَابُ الْوَصِيَّةِ بِالثُّلُثِ۔[1]

فِي وَصِيَّتِهِ بِثُلُثِ مَالِهِ لِزَيْدٍ وَمِثْلِهِ لِآخَرَ وَلَمْ يُجِيزُوا يُنَصَّفُ ثُلُثُ بَيْنَهُمَا، وَبِثُلُثِ لَهُ وَسُدُسٍ لِآخَرَ يُثَلَّثُ، وَبِثُلُثِهِ لِبَكْرٍ وَكُلِّهِ لِآخَرَ يُنَصَّفُ، وَقَالَا يُرَبَّعُ۔ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً: الْوَصِيَّةُ بِأَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ إِذَا لَمْ يُجِزِ الْوَرَثَةُ قَدْ وَقَعَ بَاطِلًا، فَكَأَنَّهُ أَوْصَى بِالثُّلُثِ لِكُلِّ وَاحِدٍ، فَيُنَصَّفُ الثُّلُثُ بَيْنَهُمَا۔[2]

بَابُ الْوَصِيَّةِ بِالثُّلُثِ۔ یہ باب ہے ثلث کی وصیت کرنے کے بارے میں۔ بھئی آپ کو کئی مرتبہ میں بتلا چکا کہ زیادہ سے

[1]

جدول — باب الوصیۃ بالثلث — مزاحمتِ وصایا میں محاصہ اور منازعہ کا فرق:

طریقہ / مسئلہ	کب جاری ہوتا ہے؟	مثالی تطبیق (جب ورثاء اجازت نہ دیں)
طریقۂ محاصہ (عند أبی حنیفہؒ)	جب وصیت ثلث تک محدود رکھی جائے اور ثلث سے متجاوز حصے میں نزاع نہ کیا جائے	ایک کے لیے ثلث (١/٣) اور دوسرے کے لیے سدس (١/٦): ثلث کے ٣ حصے (٢ اور ١) ہوں گے۔
ایک کے لیے کل مال اور دوسرے کے لیے ثلث کی وصیت	امام ابو حنیفہؒ: محاصہ میں ثلث سے زیادہ کا اعتبار نہیں، دونوں ثلث میں برابر شریک (نصفاً)	صاحبینؒ: کل مال کی وصیت کا بھی محاصہ میں اعتبار ہوگا، لہٰذا ثلث چوتھائی اور تین چوتھائی پر بٹے گا۔
وصیت بالحمل (پیٹ کے بچے کی وصیت)	٦ ماہ سے کم میں زندہ پیدا ہو تو وصیت صحیح	لڑکی کے لیے ہو اور جڑواں لڑکا لڑکی پیدا ہوں تو صرف لڑکی کو ملے گی۔

[2] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ١٩٦):** صوتی درس کی قراءت میں «فِي وَصِيَّتِهِ بِثُلُثِ مَالِهِ لِزَيْدٍ وَمِثْلِهِ لِآخَرَ وَلَمْ يُجِيزُوا يُنَصَّفُ ثُلُثُ بَيْنَهُمَا» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «في وصيتِه بثُلُث مالِه لزيدٍ ومثلِهِ لآخر، ولم يجيزوا، بنصفِ ثُلُثٍ بينهما،» منقول ہے۔

زیادہ ثلث کے اندر وصیت کی جا سکتی ہے۔ اور اس میں بھی آپ نے گزشتہ سبق میں پڑھا تھا کہ اگر ورثاء جو ہیں وہ مالدار ہیں یا حصہ ملنے سے مالدار ہو جائیں گے، تو بھی مستحب یہ ہے کہ ثلث سے کم وصیت کرے بھئی۔ اور اگر ورثاء غریب ہیں اور حصہ ملنے سے بھی وہ مالدار نہیں ہوتے، تو اس صورت میں تو وصیت کو ترک کر دینا مستحب ہے بھئی، ترک کر دینا۔

تو اب اسی ثلث کی وصیت ہے، اس سے متعلقہ مسائل اور مزید تفصیلات بیان کریں گے بھئی۔ اچھا، اس کو سمجھنے سے پہلے کچھ چیزیں سمجھ لیں بھئی، کچھ چیزیں لکھ لیں، جو آگے مسلسل وہ ذکر کریں گے ثلث اور سدس وغیرہ، وہ ذرا آپ لکھ لیں اپنے سامنے کاغذ پر اور اس کو اچھی طرح سمجھ لیں بھئی۔

اچھا، کاغذ پر اپنے سامنے لکھیے بھئی: نصف۔ نصف حروف کے ساتھ نون، صاد، فا۔ نصف۔ یہ برابر ہے، برابر کی علامت ڈالیں بھئی دو نشان ایک دوسرے کے اوپر نیچے سیدھی لکیریں، برابر ہے ایک بٹا دو۔ ایک لکھیں اور نیچے چھوٹی سی لکیر لگائیں اور پھر اس لکیر کے نیچے دو لکھیں بھئی۔ طریقہ سمجھ میں آ رہا ہے بھئی؟ ایک بٹا دو۔ ایک لکھیں، ایک کے نیچے چھوٹی سی لکیر لگائیں اور اس لکیر کے نیچے دو لکھیں بھئی۔ تو ایک اوپر آ گیا اور دو نیچے آ گیا، اس کو کیسے پڑھتے ہیں؟ ایک بٹا دو۔ یہ ایک بٹا دو۔

اس سے نیچے لکھیں ثلث بھئی۔ ثا، لام اور ثا۔ ثلث۔ یہ برابر ہے ایک بٹا تین۔ ایک بٹا تین۔ ایک اوپر لکھیں اور تین نیچے لکھیں بھئی، ایک بٹا تین۔

اس سے نیچے لکھیں ربع۔ را، با اور عین بھئی۔ را، با اور عین۔ رُبُعٌ۔ رُبُعٌ۔ اور آگے لکھیں برابر ہے ایک بٹا چار۔ ایک بٹا چار۔ ایک اوپر لکھیں اور چار نیچے لکھیں بھئی، درمیان میں چھوٹی سی ایک لکیر ڈال دیں۔ ایک بٹا چار۔

اچھا، اس سے آگے نیچے لکھیں ثَلَاثَةُ أَرْبَاعٍ۔ ثَلَاثَةُ أَرْبَاعٍ۔ ثلاثہ لکھیں۔ ثَلَاثَةٌ بھئی تین بھئی تین، عربی کا جو ہے، ثَلَاثَةُ۔ ثَلَاثَةُ أَرْبَاعٍ۔ الف، را، با، الف، عین، أَرْبَاعٍ۔ ثَلَاثَةُ أَرْبَاعٍ۔ اور اس کے آگے لکھیں برابر ہے، برابر ہے تین بٹا چار۔ تین بٹا چار۔ تین اوپر لکھیں اور پھر تین کے نیچے چھوٹی سی لکیر، پھر اس کے نیچے چار بھئی۔ تین بٹا چار۔

اس کے نیچے لکھیے بھئی سدس۔ سدس، سین، دال، سین۔ سدس۔ برابر ہے ایک بٹا چھ۔

اب ان کو سمجھ لیں بھئی۔ دیکھیے نصف کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ آدھا، آدھا۔ آدھے کو کیسے لکھتے ہیں عدد کے اندر؟ ایک بٹا دو۔ یہ جو ایک بٹا دو آپ نے لکھا اس کو آدھا پڑھتے ہیں، یہ آدھا ہے بھئی، آدھا۔ ایک بٹا دو کا کیا معنیٰ ہے؟ دیکھو ایک بٹا دو کا مطلب یہ ہے، ذرا عدد پہ نظر رکھنا، ایک بٹا دو۔ یہ نیچے دو کا عدد ہے۔ معنیٰ یہ ہے ایک چیز کے آپ دو حصے کر دیں اور اس میں سے ایک حصہ لے لیں۔ اوپر کیا ہے؟ ایک۔ ایک۔ یعنی نیچے والے دو ہے اس کا مطلب ہے ایک چیز کے دو حصے کر دو، اور دو میں سے کتنے لے لو؟ اوپر کیا لکھا ہے؟ ایک۔ تو دو حصے کر دو اور اس میں سے ایک لے لو تو یہ آدھا ہوتا ہے۔ مثلاً

میں نے آپ کو سو روپیہ دیا، آپ نے سو روپے کے دو حصے کیے، ہر حصے میں کتنا آیا؟ پچاس۔ تو ایک پچاس یعنی ایک حصہ لے لیا تو دیکھو یہ سو کا آدھا ہے۔ حساب سمجھ میں آرہا ہے؟ یہ سو کا آدھا ہے۔ تو یہ ایک بٹا دو کا مطلب ہوتا ہے نصف۔

اس کے بعد نیچے کیا لکھا؟ ثلث۔ یعنی ایک بٹا تین، جس کو تہائی کہتے ہیں اردو میں، تہائی۔ ایک بٹا تین کا کیا معنیٰ؟ نیچے والے عدد کا کیا معنیٰ ہوتا ہے؟ کہ اتنے تین حصے کر دو، ایک چیز کے تین حصے کر دو اور اس میں سے اوپر کیا ہے؟ ایک۔ اور اتنے حصے لے لو۔ مثلاً تین سو ہے، تین سو کے تین حصے کرو، تین آدمیوں میں تقسیم کرو، ہر ایک کو کتنا ملے گا؟ سو سو۔ تو یہ ہے تہائی بھئی، تیسرا حصہ۔ دیکھا، تین سو کے کتنے حصے کیے؟ تین۔ تین میں سے ایک حصہ لیا تو وہ سو روپیہ ہے۔ یہ جو سو روپیہ ہے یہ تین سو کا، یہ تین سو کا ثلث ہے، یعنی ایک بٹا تین ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اس کو تہائی کہتے ہیں۔

اس کے نیچے آپ نے لکھا ربع۔ ربع کا معنیٰ ہوتا ہے ایک بٹا چار۔ ربع جو ہے اس طرح لکھتے ہیں ایک بٹا چار۔ جی۔ یعنی کسی چیز کے چار حصے کرو، اس میں سے ایک حصہ لے لو۔ یعنی یہ ایک پاؤ ہے۔ آپ جس کو پاؤ کہتے ہیں، یہ پاؤ کیا ہوتا ہے؟ ایک کلو کا ربع حصہ ہوتا ہے، چوتھا حصہ ہوتا ہے۔ تو نیچے چار ہے، اوپر ایک ہے، کیا معنیٰ؟ ایک چیز کے چار حصے کرو، ان چار میں سے ایک حصہ جو اوپر لکھا ہوا ہے وہ لے لو۔ یہ ہے، یہ ربع ہے بھئی، یہ اس چیز کا ربع کہلائے گا، ربع کہلائے گا۔

جب ایک چیز میں سے ایک بٹا چار حصہ لے لیں گے آپ تو باقی کیا بچے گا؟ باقی تین حصے۔ تین حصے۔ تو نیچے دیکھو ہے تین بٹا چار۔ جی۔ تین ربع بچ گئے۔ تین بٹا چار کا کیا معنیٰ؟ ایک چیز نیچے چار ہے نا، تو ایک چیز کے چار حصے کرو اور اوپر کیا ہے؟ تین۔ ان چار میں سے تین لے لو۔ یہ ہے ثَلَاثَةُ أَرْبَاعٍ، تین ربع ہیں یہ۔ جی۔ ایک حصہ کتنا تھا؟ ربع۔ تو باقی تین کیا ہیں؟ تین ربع۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ہے تین بٹا چار۔ یعنی تین پاؤ کہہ لیں، ایک کلو کے چار حصے کریں اور اس میں سے تین پاؤ لے لیں، تو یہ ہے تین بٹا چار۔ طریقہ سمجھ میں آرہا ہے؟ جی۔ کیا معنیٰ؟ یہ نیچے والے عدد کے ذریعے چیز کو تقسیم کرتے ہیں اور اوپر جتنے حصے ہوتے ہیں اتنے اس میں سے پھر لے لیتے ہیں۔ تو تین بٹا چار کا کیا معنیٰ؟ ایک چیز کے چار حصے کرو اور اس میں سے کتنے لے لو؟ تین لے لو کیونکہ اوپر تین ہے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ اچھا، تو یہ ہے سر، تو لہٰذا میں نے چار روپے دیے کہ یہ، یہ اس میں سے آپ ایک ربع لے لیں تو آپ کتنا لیں گے؟ ایک روپیہ۔ یہ کیا ہے؟ ایک بٹا چار۔ اگر آپ کو کوئی کہے کہ لکھیں آپ نے کتنا لیا تو آپ کیا لکھیں گے؟ ایک بٹا چار۔ میں نے چوتھا حصہ لے لیا۔ اور کوئی آپ سے کہے باقی کتنے بچ گئے؟ تو آپ کیا لکھیں گے؟ تین بٹا چار، یعنی تین بٹا چار حصے باقی بچ گئے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

اب اس سے نیچے ہے سدس۔ سدس کا کیا معنیٰ؟ چھٹا حصہ۔ یعنی ایک چیز کے چھ حصے کرو اور اس میں سے ایک لے لو۔ نیچے چھ ہے نا، تو کیا معنیٰ؟ ایک چیز کے کتنے حصے کر دو؟ چھ۔ اور اوپر کیا ہے؟ ایک۔ یعنی ان چھ میں سے ایک لے لو۔ معلوم ہوا چھ، چھ روپے ہیں، چھ افراد میں تقسیم کریں تو یہ ہر ایک کو جو حصہ ملا یہ کیا ہے؟ یہ سدس ہے، چھٹا حصہ ہے اس

کا۔ اور اس کو لکھتے کیسے ہیں؟ ایک بٹا چھ۔ اچھا، آپ کو میں نے چھ روپے دیے اور میں نے کہا اس میں سے سدس آپ لے لیں، آپ کتنے لیں گے؟ ایک۔ ایک۔ اور اس کو لکھیں گے کیسے؟ کتنا لیا میں نے؟ ایک بٹا چھ۔ ایک بٹا چھ آپ نے لے لیا، اور باقی کتنے بچے؟ پانچ بٹا چھ۔ پانچ بٹا چھ کیا معنیٰ؟ پانچ سدس بچ گئے۔ آپ نے ایک سدس لیا، چھ حصے کیے نا، ہر حصہ کیا ہے؟ چھ میں سے ہر ایک روپیہ کیا ہے؟ وہ سدس ہے۔ تو کل کتنے سدس بچ گئے؟ پانچ۔ پانچ سدس، تو پانچ سدس کو اس طرح لکھتے ہیں پانچ بٹا چھ۔ طریقہ سمجھ میں آگیا اچھی طرح؟ جی استاد۔

اب ایک بات یاد رکھنا، ایک اور دیکھ لیں بھئی۔ چھ کا عدد ہے۔ چھ کے ذرا تین حصے کریں۔ کتنا آئے گا ایک حصے میں؟ دو۔ دو۔ یہ چھ کا کیا کہلائے گا یہ دو؟ تہائی۔ تہائی، اور عدد میں کیا کہیں گے؟ بھئی تہائی ہے، تہائی ہے، تیسرا حصہ ہے، ثلث۔ میں نے ابھی لکھوایا کاغذ پہ نظر رکھو، ثلث کا کیا معنیٰ؟ ایک بٹا تین۔ ایک بٹا تین۔ یہ ایک بٹا تین حصہ ہے چھ کا۔ میں نے چھ کے چھ حصے نہیں کیے، چھ حصے کرتا پھر آپ ایک بٹا چھ کہتے۔ میں نے کیا کہا؟ چھ کے کتنے حصے کرو؟ تین۔ تین حصے کرو۔ کیا معنیٰ؟ اور تین میں سے ایک لے لو۔ تو تین حصے کیے تو ان، تو ہر حصے میں کتنا آیا؟ چھ روپے تین آدمیوں میں تقسیم کریں ہر آدمی کو کتنا ملے گا؟ دو دو روپے۔ تو یہ جو ایک آدمی کو دو روپے مل رہے ہیں یہ چھ کا ثلث ہے، تیسرا حصہ ہے، یعنی ایک بٹا تین ہے، چھ کا۔ کیونکہ چھ کے میں نے چھ حصے نہیں کیے میں نے چھ کے تین حصے کیے ہیں تو یہ چھ کا ثلث ہے۔ بات سمجھ میں آئی؟ ادھر دیکھو، یہ دو کیا ہے؟ چھ کا ثلث ہے۔

اچھا، اب چھ کے ذرا چھ حصے کرو۔ چھ آدمیوں میں چھ روپے تقسیم کرو، ہر آدمی کو کتنا ملے گا؟ ایک۔ ایک روپیہ۔ تو یہ ایک کیا ہے چھ کا؟ سدس۔ یہ سدس ہے، اس کو کیسے لکھیں گے؟ ایک بٹا چھ۔ یہ اس کو کیسے لکھیں گے؟ ایک بٹا چھ لکھیں گے۔ ایک آدمی کو ایک بٹا چھ مل رہا ہے چھ میں سے، توجہ ہے؟ جی۔ دوسرے کو بھی ملا ایک بٹا چھ۔ یہ ایک دو، یہ دو سدس ہو گئے۔ ان کو ذرا جمع کرو، ایک روپیہ اور ایک روپیہ کتنے ہو گئے؟ دو۔ اور یہ دو روپے چھ کا کیا ہے؟ تہائی۔ تہائی۔ چھ میں سے کتنے دو نکلتے ہیں؟ تین۔ تو یہ دو کیا ہے چھ کا؟ ثلث ہے۔ ثلث۔ توجہ ہے؟ جی۔ ایک تھا تو یہ چھ کا کیا تھا؟ سدس۔ چھ کو، ایک تھا، ایک، ایک۔ جی۔ چھ روپے میں سے ایک روپیہ یہ چھ کا کیا ہے؟ سدس۔ اور چھ میں سے دو روپے یہ چھ کا کیا ہے؟ ثلث۔ ثلث۔ اور چھ میں سے تین روپے لے لو یہ چھ کا کتنا ہے؟ نصف۔ نصف ہے۔ تو چھ کا نصف کتنا؟ تین۔ ہاں، چھ کا نصف کتنا؟ تین۔ عدد چھوڑیں، مجھے عدد، مقدار بتائیں بس۔ چھ کا نصف کتنا؟ تین۔ چھ کا ثلث کتنا؟ دو۔ اور چھ کا سدس کتنا؟ ایک۔ پھر دہراؤ۔ چھ کا سدس کتنا؟ ایک۔ چھ کا ثلث کتنا؟ تین۔ اِنَّا لِلّٰہِ، ثلث کہہ رہا ہوں نصف نہیں کہہ رہا۔ چھ کا سدس کتنا؟ ایک۔ ایک۔ کیوں سوچتے ہو؟ سدس نہیں سمجھ میں آرہا؟ چھٹا حصہ نہیں سمجھ میں آرہا؟ پھر پریشان کیوں ہو؟ پھر ادھر دیکھو۔ چھ کا سدس کتنا؟ ایک۔ چھ کا ثلث کتنا؟ دو۔ ثلث کا مطلب تیسرا حصہ۔ دو۔ ہاں، تین حصے کرو چھ کے۔ پھر بولو۔ چھ کا سدس کتنا؟ ایک۔ چھ کا ثلث کتنا؟ دو۔ اور چھ کا نصف کتنا؟ تین۔ یعنی چھ کا آدھا کرو تو وہ تین ہے،

چھ کے تین حصے کرو تو وہ ایک، دو بنتا ہے، اور چھ کے چھ حصے کرو تو ایک بنتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا چھ کا سدس کتنا؟ ایک۔ چھ کا ثلث کتنا؟ دو۔ اور چھ کا نصف کتنا؟ تین۔ توجہ ہے؟ جی۔

اچھا، اب دیکھو میں سمجھانا یہ چاہتا تھا: چھ کا سدس کتنا ادھر دیکھو؟ ایک۔ ایک سدس لے لیا میں نے۔ اب اس ایک سدس کے ساتھ میں نے ایک اور سدس جوڑ دیا۔ سدس کتنا تھا؟ ایک۔ تو اس کے ساتھ ایک اور سدس میں نے جوڑ دیا، کتنے بن گئے؟ دو۔ اور دو چھ کا کیا ہے؟ تہائی۔ تہائی یعنی ثلث ہے۔ دیکھا، بتانا یہ چاہتا ہوں سدس اور سدس کو جمع کریں تو ثلث بنتا ہے۔ جی۔ سدس اور سدس کو جمع کریں تو ثلث بنتا ہے۔ ایک اور ایک کو جمع کیا تو دو بن گیا، اور دو تو چھ کا ثلث ہے۔ تو سدس کے ساتھ سدس جمع کریں تو کیا بنتا ہے؟ ثلث۔ ثلث۔ اچھا، چھ کا ذرا ثلث لیں، ثلث کتنا ہے؟ دو۔ دو۔ اور چھ کا سدس کتنا ہے؟ ایک۔ یہ دو اور ایک کو جمع کرو کتنا بن گیا؟ نصف۔ تین، یہ چھ کا نصف ہے۔ ثلث کے ساتھ سدس جمع کریں تو کیا بنتا ہے؟ نصف۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح کہ سدس اور سدس کو جمع کریں تو یہ کیا بنتا ہے؟ ثلث۔ اور سدس اور...

ثلث کو جمع کریں تو یہ بنتا ہے، سدس اور ثلث کو جمع کریں تو یہ نصف بنتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی کہ اوپر سے گزر گئی؟

بھئی میں نے کہا چھ، کہ چھ کا ثلث کیا؟ چھ کا ثلث دو۔ دو۔ چھ کا، آپ ایک بٹا دو، ایک بٹا تین، ایک بٹا چھ وہ میں نے ویسے سمجھایا اس کو دماغ سے نکال دیں۔ چھ کا سدس کیا؟ ایک۔ ایک کو بس ذہن میں رکھو۔ چھ کا ثلث کیا؟ دو۔ اب اس دو کو ذہن میں رکھو۔ چھ کا نصف کیا؟ تین۔ تین۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر دہراؤ۔ چھ کا سدس کیا؟ ایک۔ چھ کا ثلث کیا؟ دو۔ چھ کا نصف کیا؟ تین۔ اب ان کو دیکھتے ہیں۔ چھ کا سدس کیا؟ ایک۔ ایک کے ساتھ ایک اور سدس ملا دو، دو سدس ہو گئے۔ کتنا بن گیا؟ دو۔ اور یہ دو تو چھ کا کیا تھا؟ ثلث۔ ثلث تھا۔ اچھا، اب سدس کتنا تھا؟ ایک۔ اور ثلث کتنا تھا؟ دو۔ دو اور ایک کو جمع کرو کتنا ہو گیا؟ نصف۔ تین، تین ہو گیا، یعنی نصف ہو گیا۔ تو ثلث اور سدس کو جمع کریں تو کیا بنتا ہے؟ نصف۔ اور سدس اور سدس کو جمع کریں تو ثلث بنتا ہے۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے بھئی۔

فِي وَصِيَّتِهِ بِثُلُثِ مَالِهِ لِزَيْدٍ وَمِثْلِهِ لِآخَرَ وَلَمْ يُجِيزُوا يُنَصَّفُ ثُلُثٌ بَيْنَهُمَا. صورتِ مسئلہ یہ ہے: ایک شخص نے زید کے لیے بھی ثلثِ مال کی وصیت کی اور ایک اور آدمی کے لیے بھی ثلثِ مال کی وصیت کی۔ زید کے بارے میں بھی اس نے کہا میرے مرنے کے بعد میرے مال کا تیسرا حصہ اس کو دے دینا۔ اور بکر کے لیے بھی تیسرے حصے کی وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد اس کو بھی ثلثِ مال دے دینا۔ تو دونوں کے لیے ثلث کی وصیت کی ہے۔ کتنے کی؟ ثلث۔ اور وصیت تو نافذ ہی ثلث میں ہوتی ہے، ثلث سے زیادہ میں تو وصیت نافذ ہی نہیں ہوتی، اِلَّا یہ کہ ورثاء اجازت دے دیں۔ اور زید کے لیے بھی ثلث ہے، دوسرے کے لیے بھی ثلث ہے، یہ تو دو ثلث بن گئے۔ اور دو ثلث تو ہم دے نہیں سکتے کیونکہ وارثوں کے لیے صرف ایک ثلث رہ جائے گا۔ تو لہٰذا وارثوں نے اجازت نہیں دی۔ تو وصیت صرف ثلث میں نافذ کریں گے۔ اب ثلث کے اندر دونوں کے لیے وصیت ہے۔ جب ایک کے لیے بھی ثلث کی وصیت، دوسرے کے لیے بھی ثلث کی

وصیت، معلوم ہوا وصیت کرنے والا دونوں کو برابر مال دینا چاہتا ہے، دونوں کو برابر مال۔ لہٰذا وہی ایک ثلث دونوں میں برابر آدھا آدھا تقسیم کر دیں گے۔ لہٰذا ایک کو بھی کتنا دے دیں گے؟ ثلث کا آدھا، اور دوسرے کو بھی دے دیں گے ثلث کا آدھا دے دیں گے۔

یہ معنیٰ ہے: فِي وَصِيَّتِهِ بِثُلُثِ مَالِهِ لِزَيْدٍ وَمِثْلِهِ لِآخَرَ، اور زید کے لیے ثلثِ مال کی وصیت کرنے میں، وَمِثْلِهِ لِآخَرَ، اور اسی کے مثل دوسرے کے لیے بھی یعنی اس کے لیے بھی ثلثِ مال کی وصیت کرنے میں، وَلَمْ يُجِيزُوا، اس حال میں کہ وارثوں نے اجازت نہیں دی زیادہ کی، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو يُنَصَّفُ، تنصیف کی جائے گی، ثُلُثٌ، ثلث کی، بَيْنَهُمَا، ان دونوں کے درمیان۔ ایک ہی ثلث لے لیں گے اور اس کو ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا کر دیں گے، آدھا آدھا ان کو دے دیں گے۔

وَبِثُلُثٍ لَهُ وَسُدُسٍ لِآخَرَ يُثَلَّثُ۔ دوسری صورت، ادھر دیکھیے: ایک شخص نے زید کے لیے ثلثِ مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لیے سدسِ مال کی وصیت کی۔ ثلث کی اور دوسرے کے لیے سدس کی۔ ثلث اور سدس کو ذرا جمع کریں، کتنا بنتا ہے؟ نصف۔ نصف بنتا ہے، ابھی میں نے آپ کو بتایا۔ تو گویا دونوں کے لیے وہ نصف مال کی وصیت کر رہا ہے لیکن ورثاء نے اجازت نہیں دی۔ تو وصیت ثلث میں ہی نافذ ہوگی۔ ایک ہی ثلث نکالیں گے اور اس ثلث کو ان دونوں میں تقسیم کریں گے۔ لیکن کس طرح تقسیم کرنا ہے؟ دیکھو ایک کے لیے وصیت کتنے کی کی ہے؟ ثلث، اور دوسرے کے لیے سدس۔ اور ثلث جو ہوتا ہے وہ سدس سے دگنا ہوتا ہے۔ دو سدس ملائیں تو کیا بنتا ہے؟ ایک ثلث بنتا ہے، ذہن میں ہے؟ ہاں، تو دو سدس ملائیں تو پھر ایک ثلث بنتا ہے۔ معلوم ہوا وصیت کرنے والا ایک شخص کو دوسرے کے مقابلے میں دگنا مال دینا چاہتا ہے، کیونکہ ایک کے لیے کہہ رہا ہے اس کو ثلث دینا، دوسرے کو کہہ رہا ہے سدس دینا، اور سدس تو ثلث کا نصف ہوتا ہے۔ معلوم ہوا وہ چاہتا ہے دونوں کو مال ملے، لیکن کس طرح؟ کہ پہلے کو دوسرے کے مقابلے میں دگنا ملے، دگنا ملے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو سدس اور ثلث کو جمع کریں وہ تو بنتا ہے نصف، لیکن وارث نصف مال کی اجازت نہیں دے رہے۔ تو پھر ایک ہی ثلث میں اس کو وصیت کو نافذ کریں گے، اور پھر اس ثلث کے تین حصے کر دیں گے۔ کیا کر دیں گے؟ تین حصے۔ ثلث کے جب تین حصے ہو جائیں گے، دو حصے دے دیں گے زید کو اور ایک حصہ دے دیں گے وہ دوسرے آدمی کو۔ تو دیکھو زید کو مل گئے دو اور دوسرے آدمی کو ملا ایک، تو زید کا حصہ اس سے دگنا ہے جیسا وصیت والا چاہتا تھا اسی طرح ہے۔ تو ثلث کے کتنے حصے کیے ہم نے یہاں پر؟ تین حصے۔ تین حصے کیے، اور تین میں سے دو زید کو دیے اور ایک حصہ دوسرے آدمی کو۔ یہ معنیٰ ہے: وَبِثُلُثٍ لَهُ وَسُدُسٍ لِآخَرَ، اور ثلث کی وصیت زید کے لیے اور سدس کی وصیت دوسرے کے لیے ہو تو يُثَلَّثُ، یہ بِثُلُثٍ نہیں ہے یہ یا ہے یا، يُثَلَّثُ، مال کے تین حصے کیے جائیں گے۔ مال کے نہیں، اس ثلث کے تین حصے کیے جائیں گے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ کس کے؟ ثلث کے تین حصے۔ وصیت کتنے میں نافذ کرنی ہے؟ ثلث میں۔ ثلث

سے زیادہ نہیں دے سکتے۔ وہ ثلث نکال لیں گے اور اس ثلث کے یُثَلَّثُ پھر اس ثلث کے کتنے حصے کریں گے؟ تین۔ تین حصے کریں گے۔ دو حصے کس کو؟ زید کو۔ اور ایک حصہ دوسرے کو۔ تو دیکھو زید کو اس کے مقابلے میں دگنا مل گیا۔

آگے دیکھیے: وَبِثُلُثِهِ لِبَكْرٍ وَكُلِّهِ لِآخَرَ يُنَصَّفُ، وَقَالَا يُرَبَّعُ۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے: ایک شخص نے بکر کے لیے ثلثِ مال کی وصیت کی کہ اس کو میرے مرنے کے بعد میرے مال کا تیسرا حصہ دے دینا، اور دوسرے کے لیے سارے مال کی وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد اس کو سارا مال دے دینا۔ مثلاً ایک مجلس میں بکر تھا، کہتا ہے بھئی بکر کو میرے مرنے کے بعد ثلث دے دینا۔ دو دن بعد پھر کوئی اور شخص پاس بیٹھا ہوا تھا، اس نے کہا بھئی میرے مرنے کے بعد میرا سارا مال اس کو دے دینا۔ تو ایک کے لیے وصیت کتنے کی؟ ثلث کی۔ دوسرے کے لیے وصیت کتنے کی؟ سارے مال کی۔ اب یہ تقسیم کیسے کریں گے؟ امامِ اعظم ابو حنیفہ رَحِمَهُ اللهُ فرماتے ہیں کہ ایک ہی ثلث، اور وارث اجازت نہیں دیتے۔ اچھا، تو وارث اجازت نہیں دے رہے، تو امام صاحب فرماتے ہیں ایک ہی ثلث نکالیں گے اور اس ثلث کے دو حصے کر دیں گے، آدھا بکر کو دے دیں گے جس کے لیے ثلث کی وصیت تھی اور آدھا دوسرے کو دے دیں گے جس کے لیے کل کی وصیت تھی۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ اس ثلث کے چار حصے کریں گے، چار میں سے ایک حصہ بکر کو دیں گے جس کے لیے ثلث کی وصیت تھی اور تین حصے اس کو دیں گے جس کے لیے کل کی وصیت تھی۔

فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ وہ جو ثلث نکالا ہے، وصیت تو ثلث ہی میں نافذ ہونی ہے اس سے زیادہ کی وارث اجازت نہیں دے رہے، تو ایک ہی ثلث نکال لو، اس کے دو حصے کر دو، آدھا بکر کو دے دو اور آدھا دوسرے کو دے دو۔ اور صاحبین فرماتے ہیں ایک ہی ثلث نکالو، اس کے چار حصے کرو، ایک حصہ بکر کو دو اور تین حصے دوسرے آدمی کو دو۔ وصیت کیا کی تھی؟ بکر کے لیے ثلث کی، دوسرے کے لیے کل مال کی۔ اب اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ سمجھ لو۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ ثلث سے زیادہ وصیت باطل ہے جب وارث اجازت نہ دیں۔ تو اس نے بکر کے لیے کتنے کی وصیت کی ہے؟ ثلث کی، تیسرا حصہ دینا۔ اور دوسرے آدمی کے لیے اس نے کل مال کی وصیت کی ہے، تو امام صاحب فرماتے ہیں کل مال کی تو وصیت جائز ہی نہیں ہے جب ورثاء اجازت نہ دیں، تو کل مال کی وصیت باطل ہو جائے گی جب ورثاء اجازت نہیں دیں گے۔ یعنی یوں سمجھیں گے دوسرے کے لیے اس کو بھی ثلث پہ لے آئیں گے۔ ثلث سے جو زائد ہے وہ لغو ہو جائے گا۔ وصیت کتنے کی کی ہے دوسرے کے لیے؟ کل کی۔ کل، اس کل میں سے ثلث مان لیں گے اور باقی باطل ہو جائے گا۔ باقی باطل ہو جائے گا۔ تو گویا اس دوسرے کے لیے بھی ثلث ہی کی وصیت کی ہے۔ بکر کے لیے بھی ثلث اور دوسرے کے لیے بھی ثلث کی وصیت کی ہے، جو زائد ہے وہ وصیت باطل ہو گئی۔ تو جب دونوں کے لیے ثلث کی وصیت ہے تو معلوم ہوا دونوں کو برابر حصہ ملنا چاہیے، تو ایک ہی ثلث جو نکلے گا اسی کو آدھا آدھا دونوں کو دے دیں گے، دونوں کا برابر حصہ۔ وجہ سمجھ میں آئی؟ بکر کو کیوں ملا؟ کیونکہ اس کے لیے وصیت تھی ثلث کی۔ اور دوسرے کے لیے وہ

زائد باطل ہو گئی تو گویا اس کے لیے بھی کتنے کی وصیت؟ ثلث کی۔ تو دونوں کے لیے جب ثلث کی وصیت ہے، معلوم ہوا دونوں کو برابر ملنا چاہیے۔ تو ایک ہی ثلث ہے اس کے دو برابر حصے کر دیں گے، آدھا ایک کو اور آدھا دوسرے کو دے دیں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَبِثُلُثِهِ لِبَكْرٍ وَكُلِّهِ لِآخَرَ يُنَصَّفُ، اور بکر کے لیے ثلث کی وصیت کرنے کی صورت میں اور دوسرے کے لیے پوری وصیت کرنے میں يُنَصَّفُ، اس ثلث کی تنصیف کی جائے گی، وہ جو ثلث نکلا ہے اس کی تنصیف کریں گے یعنی آدھا ایک کو اور آدھا دوسرے کو۔ وَقَالَا، اور صاحبین فرماتے ہیں يُرَبَّعُ، چار حصے کیے جائیں گے۔

وہ جو ثلث نکال لیا اس کے کتنے حصے کرو؟ چار۔ ایک دے دو بکر کو اور تین حصے دے دو دوسرے کو۔ وجہ کیا؟ امام صاحب تو کیا فرماتے تھے؟ اگر ورثاء اجازت نہ دیں تو ثلث سے زائد کی وصیت ہی باطل ہے اور اس کو بھی کیا شمار کر لیں گے؟ ثلث ہی شمار کر لیں گے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ یہاں دو چیزیں ہیں، یہاں دو چیزیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ مرنے والا چاہتا ہے دونوں کو مال ملے، بکر کو بھی ملے اور دوسرے کو بھی ملے، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ دونوں کو مال ملنا چاہیے۔ اور دوسری چیز وہ یہ چاہتا ہے کہ بکر کو اگر ثلث مل رہا ہے تو دوسرے کو کیا ملے؟ کل ملے، یعنی دوسرے کو بکر کے مقابلے میں زیادہ مال ملے۔ دوسرے کو بکر کے مقابلے میں زیادہ مال ملے۔ اور کتنا زیادہ ملے؟ دیکھو بکر کے لیے کہا ثلث، دوسرے کے لیے کہا کل، اور کل میں کتنے ثلث ہوتے ہیں؟ تین۔ گویا دوسرے کو بکر کے مقابلے میں تین گنا مال دینا چاہتا ہے۔ تو وہ جو ثلث ایک نکلا اس کے کل چار حصے کر دیں گے، اور چار میں سے ایک کس کو دے دیں گے؟ بکر کو۔ اور تین حصے کس کو دے دیں گے؟ دوسرے کو۔ دیکھا، اب اس کا حصہ بکر سے تین گنا زیادہ ہے، کیونکہ اس کو تین ربع مل گئے، بکر کو ایک۔ اسی ثلث کی تقسیم کر رہے ہیں ہم، بکر کو ایک ربع ملا اور دوسرے کو تین ربع مل گئے، تو بکر کے مقابلے میں تین گنا ہے اس کا مال۔ وصیت کرنے والا بھی کیا چاہتا تھا؟ دونوں کو مال ملے اور نیز دوسرے کو بکر کے مقابلے میں تین گنا زیادہ ملے، اور جو ہم نے، تو ہم نے بھی اس کا لحاظ رکھا، بکر کے مقابلے میں دوسرے کو تین گنا زیادہ دیا، اور اس کی یہی صورت ہے کہ وہ جو ثلث نکالا ہے اس کے چار حصے کرو، ایک حصہ بکر کو دے دو اور تین ربع کس کو دے دو؟ دوسرے کو دے دو۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: وَقَالَا، صاحبین فرماتے ہیں، يُرَبَّعُ، چار حصے کیے جائیں گے اس ثلث کے۔ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى، امامِ اعظم ابو حنیفہ رَحِمَهُ اللّٰهُ فرماتے ہیں: الْوَصِيَّةُ بِأَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ إِذَا لَمْ يُجِزِ الْوَرَثَةُ قَدْ وَقَعَ بَاطِلًا، کہ وصیت بِأَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ ثلث سے زیادہ کی جو وصیت ہے إِذَا لَمْ يُجِزِ الْوَرَثَةُ جب ورثاء اس کی اجازت نہ دیں، قَدْ وَقَعَ بَاطِلًا تو وہ باطل ہو جائے گی، کیا ہو جائے گی؟ باطل ہو جائے گی۔ فَكَأَنَّهُ أَوْصَى بِالثُّلُثِ لِكُلِّ وَاحِدٍ، تو گویا کہ اس نے ثلث ہی کی وصیت کی ہے دونوں کے لیے، فَيُنَصَّفُ الثُّلُثُ بَيْنَهُمَا، تو وہ جو ثلث ہے وہ ان دونوں کے درمیان اس کی تنصیف کر دی جائے گی یعنی آدھا

آدھا تقسیم کر دیا جائے گا۔ وَقَالَا، اور صاحبین فرماتے ہیں: إِنَّمَا يَبْطُلُ الزَّائِدُ عَلَى الثُّلُثِ. صاحبین بھی فرماتے ہیں، بھئی امام صاحب کا ضابطہ کیا ہے کہ ثلث سے زائد کی وصیت نہیں، وصیت ثلث میں ہی نافذ ہو گی۔ لیکن وہ فرماتے ہیں ثلث سے جو زائد ہے وہ بالکل لغو ہے، اس کا اعتبار ہی کوئی نہیں، یوں سمجھو وہ کی ہی نہیں اس نے وصیت۔ وصیت کیا تھی؟ بکر کے لیے ثلث، دوسرے کے لیے کل، اور وصیت تو ثلث سے زائد جائز ہی نہیں ہے، تو یوں سمجھو اس کے لیے بھی کل کی نہیں کی بلکہ کتنے کی کی ہے؟ ثلث، کیونکہ ثلث سے زیادہ تو جائز ہی نہیں۔ تو دونوں کے لیے جب ثلث ہے تو برابر ہوا، لہٰذا ایک ہی ثلث دونوں میں آدھا آدھا تقسیم کر دو۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ ہاں ثلث سے زائد وصیت کا اعتبار نہیں، وصیت تو ثلث ہی میں نافذ کریں گے اِلَّا یہ کہ ورثاء اجازت دے دیں۔ ثلث میں ہی نافذ کریں گے لیکن ثلث میں بھی جب وصیت نافذ کریں گے تو جس طرح کی تقسیم وہ چاہتا تھا وہ تقسیم اسی طرح کریں گے۔ وہ کیا چاہتا تھا؟ کہ دونوں کو مال بھی ملے اور ان میں سے ایک کا مال دوسرے کے مقابلے میں تین گنا زیادہ ہو، کیونکہ کل میں کتنے ثلث ہوتے ہیں؟ تین۔

تو گویا ایک کو دوسرے کے مقابلے میں تین گنا زیادہ ملے، تو وہ یہاں بھی ہم کریں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو دیکھو صاحبین بھی ثلث سے زائد کو باطل کرتے ہیں، ثلث سے زائد میں تو وصیت نہیں نافذ کر رہے، لیکن بایں لحاظ باطل کرتے ہیں کہ وہ جو حصوں میں جو نسبت ہے اس کو برقرار رکھتے ہیں، اس کو برقرار رکھتے ہیں۔ وَقَالَا، صاحبین فرماتے ہیں: إِنَّمَا يَبْطُلُ الزَّائِدُ عَلَى الثُّلُثِ، کہ ثلث سے زائد جو ہے وہ باطل ہو جاتا ہے بِمَعْنَى بایں معنیٰ، یعنی بایں معنیٰ وہ باطل ہوتا ہے کہ أَنَّ الْمُوصٰى لَهُ لَا يَسْتَحِقُّهُ حَقًّا لِلْوَرَثَةِ، کہ مُوصٰی لَهُ یعنی جس کے لیے وصیت کی گئی، بایں معنیٰ کہ مُوصٰی لَهُ اس کا مستحق نہیں ہوتا حَقًّا لِلْوَرَثَةِ ورثاء کا حق ہونے کی وجہ سے۔ ثلث سے زائد کی وصیت باطل ہے، وہ فرماتے ہیں اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ثلث سے زائد کا مستحق نہیں ہوتا کیونکہ وہ وارثوں کا حق ہے۔ اور ہم نے بھی ثلث سے زائد تو نہیں دیا، اسی ثلث کے ہم نے چار حصے بس کر دیے۔

یہ معنیٰ ہے، دوبارہ دیکھیں: وَقَالَا، صاحبین فرماتے ہیں: إِنَّمَا يَبْطُلُ الزَّائِدُ عَلَى الثُّلُثِ، کہ وہ جو ثلث سے زائد ہوتا ہے وہ باطل ہو جاتا ہے بِمَعْنَى أَنَّ الْمُوصٰى لَهُ لَا يَسْتَحِقُّهُ حَقًّا لِلْوَرَثَةِ، بایں معنیٰ کہ مُوصٰی لَهُ اس زائد کا مستحق نہیں ہوتا وارثوں کا حق ہونے کی وجہ سے، لٰكِنْ يُعْتَبَرُ فِي أَنَّ الْمُوصٰى لَهُ يَأْخُذُ مِنَ الثُّلُثِ بِحِصَّةِ ذٰلِكَ الزَّائِدِ، لیکن اس کا اعتبار کیا جائے گا، وہ جو زائد ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا، فِي أَنَّ الْمُوصٰى لَهُ اس صورت میں کہ مُوصٰی لَهُ جو ہے وہ يَأْخُذُ مِنَ الثُّلُثِ وہ لے لے گا اس ایک ہی ثلث میں سے بِحِصَّةِ ذٰلِكَ الزَّائِدِ اس زائد کے حصہ، اس زائد کا حصہ اسی ثلث میں سے وہ لے لے گا یعنی نسبت برقرار رکھیں گے، إِذْ لَا مُوجِبَ لِإِبْطَالِ هٰذَا الْمَعْنٰى، اس لیے کیونکہ کوئی مقتضیٰ نہیں ہے جو باطل کرے اس سبب کو، اس سبب کو باطل۔ وصیت والا کیا چاہتا تھا؟ بکر کو ایک ملے تو اس دوسرے کو اس کے مقابلے میں تین گنا ملے، تو اس زیادتی کو باطل کرنے کی کوئی چیز تقاضا نہیں کر رہی، اس کو باطل نہیں کرنا چاہیے۔ جبکہ امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟

زائد کو ہم بالکل باطل کر دیں گے۔ تو صاحبین فرماتے ہیں: إِذْ لَا مُوجِبَ، موجب مقتضیٰ جو تقاضا کرنے والا ہو، لِإِبْطَالِ جو باطل کر دے، هٰذَا الْمَعْنَى اس سبب کو، اس معنیٰ کو، وہ جو زائد حصہ بن رہا ہے اس تفضیل اور زیادتی کو کوئی چیز باطل کر دے ایسی کوئی چیز یہاں پر نہیں ہے۔ إِذْ لَا مُوجِبَ لِإِبْطَالِ هٰذَا الْمَعْنَى، اس لیے کیونکہ کوئی مقتضیٰ نہیں ہے جو اس معنیٰ اور اس سبب کو باطل کر دے یعنی اس زیادتی کو باطل کر دے۔ فَمَخْرَجُ الثُّلُثِ ثَلَاثَةٌ، تو ثلث کا مخرج ثلاثہ ہے، فَالثُّلُثُ وَاحِدٌ، تو ثلث ایک ہے، وَالْكُلُّ ثَلَاثَةٌ، اور کل جو ہیں وہ ثلاثہ ہیں۔ دیکھو وہی بات بیان کر رہے ہیں۔

ثلث کا مخرج ثلاثہ ہے۔ میں ایک آدمی کو ثلث دینا چاہتا ہوں، ثلث۔ تو ثلث کتنے میں سے پورا پورا نکلے گا؟ یہ جو ایک بٹا دو ہے نا اس کو کہتے ہیں کسر، ٹوٹن آگئی، عدد میں کیا آگئی؟ ٹوٹن آگئی۔ دیکھو ایک بٹا دو، دو حصے کرو اور اس میں سے ایک دے دو۔ ایک بٹا تین یہ بھی کیا ہے؟ ٹوٹن ہے، کسر ہے۔ تو یہ جو بیان کر رہے ہیں کسر نہ آئے۔ دیکھو میں ایک روپیہ آپ، مثلاً مثلاً ایک چائے کا کپ تین آدمیوں میں تقسیم کرو، تو ٹوٹن آئے گی، ایک کو بھی تھوڑا سا کپ دینا پڑے گا، دوسرے کو بھی تھوڑا سا، تیسرے کو بھی تھوڑا سا۔ ایسی صورت بناؤ کہ ہر ایک کو ایک ایک کپ ملے۔ میں ہر ایک کو تیسرا حصہ دینا چاہتا ہوں، زیادہ نہیں دینا چاہتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب اگر وہ ایک کپ میں دیتا ہوں، میں چاہتا ہوں ہر ایک کو تیسرا حصہ بھی ملے اور پورا کپ بھی ملے، تو پھر چائے کل کتنی ہونی چاہیے؟ تین، تین کپ۔ دیکھو ایک کپ ہو گا تو بھی ٹوٹن آئے گی، ایک کو بھی پاؤ کے قریب، دوسرے کو بھی پاؤ کے قریب، تیسرے کو بھی پاؤ کے قریب حصہ ملے گا۔ اگر میں دو کپ لے آتا ہوں چائے تو بھی ٹوٹن آئے گی، پورا پورا کپ ہر ایک کو نہیں ملے گا، ایک کو بھی آدھے کے قریب، دوسرے کو بھی آدھے کے قریب، تیسرے کو بھی۔ ہاں، اگر تین کپ چائے ہوں گے تو اب ٹوٹن نہیں آئے گی، ہر ایک کو ایک ایک کپ دے دوں گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا تہائی پورا پورا کتنے میں سے نکل سکتا ہے؟ تین میں سے، تین میں سے۔ اگر تین سے کم سے تہائی نکالو گے تو ٹوٹن آئے گی، بات بٹوں میں چلی جائے گی، ایک بٹا تین کہنا پڑے گا، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ جی۔ کہ نہیں سمجھ میں آرہی؟ کسر کہ ٹوٹن نہ آئے، پورا پورا عدد ہر ایک کو ملے۔ کوئی اور چیز لے لو، مثلاً ایک روٹی ہے، روٹی میں تقسیم کرنا چاہتا ہوں تین افراد میں، اور کتنی روٹیاں ہوں کہ کسر نہ آئے، ٹوٹن نہ آئے، ہر ایک کو پوری روٹیاں مل جائیں؟ تین۔ تین روٹیاں ہوں۔ تو جب تین روٹیاں ہوں گی، اب آپ کو میں نے ایک روٹی دی، یہ کیا ہے؟ یہ ثلث ہے۔ ایک روٹی دوسرے کو دی، یہ کیا ہے ان تین روٹیوں کا؟ ثلث ہے۔ تیسرے کو میں نے ایک روٹی دی، یہ بھی اس تین روٹیوں کا کیا ہے؟ ثلث۔ تو تین روٹیاں، تین چیزیں ہوں تو اس سے ثلث نکل سکتا ہے بغیر کسر کے۔ اور اگر تین سے کم ہوں، ثلث تو پھر بھی نکل آئے گا لیکن اس میں ٹوٹن آئے گی یعنی پورا پورا عدد ہر ایک کو نہیں ملے گا۔ تو معلوم ہوا ثلث کا مخرج کیا ہے؟ ثلث پورا پورا کس سے نکل سکتا ہے؟ تین سے، تین سے۔ تین سے کم ثلث نکل تو آئے گا لیکن کسر آجائے گی، ٹوٹن آجائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے فَمَخْرَجُ الثُّلُثِ ثَلَاثَةٌ، تو ثلث کا مخرج کیا ہے؟ تین، تین ہے۔ مخرج جس سے ایک چیز نکلے۔

بھئی میں ربع تقسیم کرنا چاہتا ہوں۔ ربع پورا پورا کس میں سے نکل سکتا ہے؟ چار سے، چار میں سے، چار میں سے ایک ایک روپیہ ہر ایک کو دے دیں گے، دیکھو ٹوٹن نہیں آئی۔ چار سے کم ہوں گے تو ٹوٹن آئے گی، ہر ایک کو کچھ ملے گا، صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ یا اچھا، خمس کا مخرج کیا ہے؟ خمس، پانچ۔ پانچ بھئی، وہی عدد جو ہوتا ہے وہ اس کا مخرج ہوتا ہے، یعنی پانچ روپے ہوں تو اس میں سے پانچ حصے کرو گے تو ایک ایک روپیہ پورا آئے گا، ٹوٹن نہیں آئے گی، کسر نہیں آئے گی۔ سدس کا مخرج کیا ہے؟ چھ۔ چھ۔ اچھا، سبع کا مخرج کیا ہے؟ سات۔ اچھا، ثمن، ثمن کا مخرج کیا ہے؟ آٹھ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے فَمَخْرَجُ الثُّلُثِ ثَلَاثَةٌ، تو ثلث کا مخرج کیا ہے؟ تین ہے یعنی ثلاثہ ہے۔ فَالثُّلُثُ وَاحِدٌ، تو ثلث ایک ہے، وَالْكُلُّ ثَلَاثَةٌ، اور کل کیا ہیں؟ ثلاثہ۔ ادھر دیکھو، اس شخص نے کیا وصیت کی؟ کہ زید کو کیا دے دینا؟ ثلث، اور دوسرے کو دے دینا کل۔ کل، اور کل میں کتنے ثلث ہوتے ہیں؟ تین۔ تین ثلث ہوتے ہیں، معلوم ہوا اس شخص کے کہنے کا مطلب یہ ہے: ایک زید کو دو تو تین کس کو دو؟ دوسرے شخص کو، یعنی اسی ثلث کے چار حصے کر دو، ایک حصہ کس کو دے دو؟ یعنی بکر، ایک حصہ کس کو دے دو؟ بکر کو، اور تین حصے کس کو دے دو؟ دوسرے آدمی کو دے دو۔ معنیٰ سمجھ، بات سمجھ میں، یہ معنیٰ ہے: فَالثُّلُثُ وَاحِدٌ، تو ثلث کیا ہوا؟ ایک، وَالْكُلُّ ثَلَاثَةٌ، اور پورا کیا ہوا؟ تین، یعنی اس میں تین ثلث ہیں۔ ہر ثلث کو اگر ایک فرض کرو، تو کل میں کتنے ثلث ہیں؟ تین۔ تین ثلث یہ ہو گئے اور ایک ثلث بکر والا ہو گیا، کتنے ہو گئے؟ چار۔ تو یہ معنیٰ ہے: فَالثُّلُثُ وَاحِدٌ، تو پس ثلث جو ہے وہ ایک ہے، وَالْكُلُّ ثَلَاثَةٌ، اور جو پورا ہے وہ ثلاثہ ہے، تین ہیں۔ فَصَارَتْ أَرْبَعَةً، تو کتنا ہو گیا؟ چار، چار ہو گیا یہ۔ فَيُقَسَّمُ الثُّلُثُ بِهٰذَا السِّهَامِ، تو ثلث کو تقسیم کر دیا جائے گا ان حصوں کے ساتھ، یعنی چار حصے کریں گے، ایک حصہ بکر کو دے دیں گے اور تین حصے دوسرے کو دے دیں گے۔ بات سمجھ آرہی ہے اچھی طرح؟ جی استاد۔ کہ کوئی اشکال تو نہیں ہے؟ نہیں آئی سمجھ میں؟ نہیں آئی؟ ہاں۔ نہیں آئی سمجھ میں؟ دیکھو پھر سمجھو۔ اس نے کیا کہا بکر کو کتنا دو؟ ثلث، اور دوسرے آدمی کو کتنا دو؟ کل۔ اور کل میں کتنے ثلث ہوتے ہیں؟ تین۔ تین ثلث، معلوم ہوا وہ دوسرے آدمی کو بکر کے مقابلے میں تین ثلث دینا چاہتا ہے۔ بکر کو ایک ثلث تو دوسرے کو تین ثلث، تو تین اور ایک کتنے ہو گئے؟ چار۔ تو وہ ثلث جو نکل آیا، وہ جو تقسیم کرنا ہے، اس کے چار حصے کر دو، ایک کس کو دے دو؟ بکر کو، اور تین کس کو دے دو؟ دوسرے آدمی کو۔ اب بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے: صَارَتْ أَرْبَعَةً، وہ کتنے ہو گئے کل؟ چار حصے ہو گئے، فَيُقَسَّمُ الثُّلُثُ بِهٰذَا السِّهَامِ، پس تقسیم کیا جائے گا ثلث کو ان حصوں کے ساتھ۔

فَهٰذَا مَبْنِيٌّ عَلَى أَصْلٍ مُخْتَلَفٍ بَيْنَهُمْ۔ امام صاحب نے کیا فرمایا تھا؟ اس ثلث کے دو حصے کرنے ہیں، آدھا آدھا دونوں کو دینا ہے۔ اور صاحبین کیا فرماتے ہیں؟ اس ثلث کے چار حصے کرنے ہیں، ایک حصہ بکر کو اور تین حصے دوسرے کو دینے ہیں، تو اس کی وجہ یہ کہ دونوں کے، صاحبین اور امام صاحب کے درمیان یہاں اصل مختلف ہے، ضابطہ مختلف ہے۔ تو امام صاحب کے ضابطہ اور، اور صاحبین کا ضابطہ اور ہے، اس لیے یہ اختلاف آیا۔ یہ معنیٰ ہے فَهٰذَا مَبْنِيٌّ عَلَى أَصْلٍ

مُخْتَلَفٍ بَيْنَهُمْ، کہ یہ جو اختلاف ہے یہ مبنی ہے یعنی اس کی بنیاد ہے عَلَى أَصْلٍ ایسے قانون پر مُخْتَلَفٍ بَيْنَهُمْ جو ان میں، جس میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔ وَهُوَ قَوْلُهُ، اور وہ امام صاحب کا یہ قول ہے۔ امام صاحب کا ضابطہ اب ذکر کرنے لگے ہیں، کہتے ہیں: وَلَا يَضْرِبُ الْمُوصٰى لَهُ بِأَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ۔ ضَرَبَ يَضْرِبُ کا معنیٰ ہے حصہ لینا، کیا معنیٰ ہے؟ حصہ۔ امام صاحب فرماتے ہیں: وَلَا يَضْرِبُ الْمُوصٰى لَهُ، کہ حصہ نہیں لے گا مُوصٰى لَهُ بِأَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ ثلث سے زیادہ، عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ امام صاحب کے نزدیک۔ امام صاحب کے نزدیک مُوصٰى لَهُ ثلث سے زیادہ حصہ نہیں لے گا۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ وَلَا يَضْرِبُ الْمُوصٰى لَهُ بِأَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، مُوصٰى لَهُ ثلث سے زیادہ حصہ نہیں لے گا امام صاحب کے نزدیک۔

ضَرَبَ يَضْرِبُ کا کیا معنیٰ؟ حصہ لینا۔ اب صاحبِ شرحِ وقایہ یہاں اور تقریر فرماتے ہیں، وہ فرماتے ہیں يَضْرِبُ کا معنیٰ ہے ضرب دینا، وہ جو حساب میں ضرب دیتے ہیں دو کو چار سے ضرب دی یا چار کو آٹھ سے ضرب دی، وہ والی ضرب مراد ہے۔ تو پھر کیا معنیٰ؟ پھر ترجمہ یوں ہوگا: وَلَا يَضْرِبُ الْمُوصٰى لَهُ، مُوصٰى لَهُ ضرب نہیں دے گا ثلث سے زیادہ میں، مُوصٰى لَهُ ثلث سے زیادہ کی ضرب نہیں دے گا امام صاحب کے نزدیک۔ بھئی کیا معنیٰ ضرب نہیں دے گا؟ اب اس کی تفصیل کرنے لگے ہیں، دیکھو کتاب پر۔ کہتے ہیں: الْمُرَادُ بِالضَّرْبِ الضَّرْبُ الْمُصْطَلَحُ بَيْنَ الْحُسَّابِ۔ حُسَّاب، حساب دان بھئی، ریاضی دان جو ہیں علمِ حساب جان کے، علمِ حساب کے ماہر۔ کہتے ہیں الْمُرَادُ بِالضَّرْبِ، کہتے ہیں یہ جو متن میں ضرب کا لفظ آیا اس سے مراد جو ہے الضَّرْبُ الْمُصْطَلَحُ وہ ضرب ہے جو اصطلاح ہے بَيْنَ الْحُسَّابِ حساب والوں کے درمیان، وہ اصطلاح مراد ہے۔ فَإِنَّهُ إِذَا أَوْصٰى بِالثُّلُثِ وَالْكُلِّ، اس لیے کیونکہ جب اس شخص نے وصیت کی ثلث کی اور کل کی، ایک کے لیے ثلث کی اور دوسرے کے لیے کل کی، فَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، تو امام صاحب کے نزدیک سِهَامُ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ، وصیت کے دو حصے ہوں گے، وصیت کے دو حصے۔ امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ ایک کے لیے ثلث کی وصیت کی ہے دوسرے کے لیے کل، امام صاحب فرماتے ہیں کل کی تو وصیت ہی جائز نہیں ہے جب، خصوصاً جب وارث اجازت نہیں دے رہے تو یہ ختم، اور اس کو بھی کیا سمجھیں گے؟ زیادہ سے زیادہ کتنا سمجھ سکتے ہیں؟ ثلث، تو اس کو بھی ثلث ہی سمجھیں گے، ثلث سے زیادہ ہم سمجھ ہی نہیں سکتے۔ تو ایک کے لیے بھی گویا ثلث کی وصیت دوسرے کے لیے بھی ثلث، گویا دونوں کو برابر مال ملنا چاہیے، جب برابر مال ملنا ہے تو ایک ہی ثلث لیں گے اور اس کو آدھا آدھا دونوں میں تقسیم کر دیں گے۔

تو کہتے ہیں فَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، امام صاحب کے نزدیک سِهَامُ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ، وصیت کے جو حصے ہیں وہ دو ہیں، لِكُلِّ وَاحِدٍ نِصْفٌ، ہر ایک کے لیے کتنا ہے؟ نصف ہے، نصف ہے۔ يُضْرَبُ النِّصْفُ فِي ثُلُثِ الْمَالِ، اب یہ ذرا کاغذ، کاغذ پر لکھیں ذرا، کاغذ پر لکھیں۔ جی، ایک بٹا دو۔ ایک بٹا دو لکھیں۔ ضرب، آگے ضرب کا نشان ڈالیں، ضرب کا نشان جانتے ہو بھئی؟ جی۔ ہاں، ضرب کا نشان ڈالیں وہ ایکس کی شکل میں، ضرب، اور اس کے آگے لکھیں ایک بٹا تین۔ ضرب یا، جی

ضرب کے آگے لکھیں ایک بٹا تین۔ اور آگے لکھیں برابر کی علامت۔ اب یہ جو ضرب، یاد رکھو جب بٹوں میں ضرب دیتے ہیں نا، ضرب، تو اوپر والے عدد کو اوپر والے سے ضرب دیتے ہیں اور نیچے والے کو نیچے والے عدد سے۔ تو اوپر دونوں میں ایک ہے، تو ایک کو ایک سے ضرب دی تو ایک ہی آیا، تو برابر کے آگے لکھیں اوپر ایک لکھیں۔ نیچے دو ہے اور ایک میں تین ہے، دو کو تین سے ضرب دی، دو تیا...

چھ۔ تو یہ ایک بٹا چھ جواب آگیا بھئی، ایک بٹا چھ جواب آگیا۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ بٹوں میں کیا کرتے ہیں؟ اوپر والے عدد کو اوپر سے ضرب، جب ضرب دینی ہو۔ اوپر والے عدد کو اوپر سے ضرب دیتے ہیں، نیچے والے کو نیچے سے۔ اوپر دونوں جگہ ایک ہے، ایک کو ایک سے ضرب دی تو ایک ہی آیا جواب۔ اور دو کو تین سے ضرب دی تو دو تیا چھ، تو جواب کیا بن گیا؟ ایک بٹا چھ۔ ایک بٹا چھ آگیا۔

اچھا، اب ذرا اس پہ نظر رکھو: ایک بٹا دو ضرب ایک بٹا تین برابر ہے ایک بٹا چھ۔ جی، یہ ایک بٹا دو کو کیا کہتے ہیں آپ؟ نصف کہتے ہیں۔ اور ایک بٹا تین کو کیا کہتے ہیں؟ ثلث کہتے ہیں۔ تو دیکھو نصف کو ضرب دی ثلث میں، اور جواب کیا آیا ایک بٹا چھ، اس کو کیا کہتے ہیں؟ سدس۔ سدس۔ بات سمجھ میں آگئی؟ نصف کو ثلث میں ضرب دو تو کیا آتا ہے؟ سدس۔ سدس۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

دیکھیے اب یہی بیان کر رہے ہیں کہ لِكُلِّ وَاحِدٍ نِصْفٌ، ہر ایک کے لیے نصف ہے۔ دیکھو یہ جو ضرب دی ذرا اس ضرب پہ پھر نظر رکھو: ایک بٹا دو ضرب ایک بٹا تین۔ ہر ایک کے لیے کتنا ہے؟ نصف۔ اس نصف کو ضرب دیں گے ہم ثلث میں کیونکہ ہر ایک کو ثلث ملنا ہے۔ ثلث ہی میں سے ہر ایک کو ملنا ہے، ثلث سے زائد تو وصیت نافذ ہی نہیں۔ تو امام صاحب کیا فرما رہے ہیں؟ ہر ایک کو کتنا ملنا ہے؟ اسی ثلث میں سے نصف ملنا ہے۔ اسی ایک ثلث، وصیت کتنے میں نافذ ہوتی ہے؟ ثلث میں، تو ایک ہی ثلث نکالا اور وہی ثلث ہر ایک کو آدھا آدھا دے دیا۔ وہ کیسے ہو گا؟ دیکھو آدھا ضرب ثلث دے دیا، نصف ضرب ثلث آرہا ہے یا نہیں؟ اب کتاب پہ نظر رکھو۔ تو کہتے ہیں: لِكُلِّ وَاحِدٍ نِصْفٌ، ہر ایک کے لیے کتنا ہے؟ نصف۔ تو يُضْرَبُ النِّصْفُ فِي ثُلُثِ الْمَالِ، تو نصف کو یعنی ایک بٹا دو کو ضرب دیں گے فِي ثُلُثِ الْمَالِ کتنے میں؟ ایک بٹا تین یعنی ثلثِ مال یعنی ایک بٹا تین میں۔ ایک بٹا دو کو ہم نے ایک بٹا تین سے ضرب دے دی۔ فَالنِّصْفُ فِي الثُّلُثِ، تو نصف فی الثلث، جب نصف کو ثلث میں ضرب دیں گے، تو يَكُونُ نِصْفَ الثُّلُثِ، تو وہ کتنا ہو جائے گا؟ ثلث کا نصف، ثلث کا نصف۔ اور ثلث کا نصف کتنا ہوتا ہے؟ ثلث کا نصف، ثلث کتنا تھا؟ مگر چھ میں دیکھو چھ میں، چھ کا نصف کتنا تھا؟ تین۔ چھ کا ثلث کتنا تھا؟ دو۔ اور چھ کا سدس کتنا تھا؟ ایک۔ اچھا، تو ثلث کتنا؟ ثلث دو۔ اس دو کو آدھا کرو کیا بنا؟ ایک۔ اور یہ ایک کیا ہے؟ سدس ہے۔ بات سمجھ میں؟ تو ثلث کا نصف کیا ہوتا ہے؟ سدس ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں فَالنِّصْفُ فِي الثُّلُثِ، یعنی نصف کو ثلث میں جب ضرب دیں گے، تو يَكُونُ نِصْفَ الثُّلُثِ، تو وہ نصفِ ثلث ہو

جائے گا۔ نصفِ ثلث، ثلث کا نصف۔ اور ثلث کتنا تھا چھ کا؟ دو۔ اور اس کا نصف کتنا؟ ایک۔ اور ایک یہ، ایک چھ کا کیا ہے؟ سدس ہے۔ یہ معنیٰ ہے فَيَكُونُ نِصْفَ الثُّلُثِ تو وہ نصفِ ثلث ہو جائے گا، وَهُوَ السُّدُسُ، اور وہ تو سدس ہے۔ فَلِلْكُلِّ سُدُسُ الْمَالِ، تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو سدسِ مال دے دیں گے۔ ایک کو بھی سدس، دوسرے کو بھی سدس۔ اور سدس اور سدس کو جمع کریں تو کیا بنتا ہے؟ تہائی یعنی ثلث۔ تو دونوں کو ثلث ملا ہے، زیادہ نہیں ملا۔

اچھا، اب ادھر دیکھو۔ سدس کس طرح لکھتے ہیں؟ ایک بٹا چھ۔ سدس کیسے لکھتے ہیں؟ ایک بٹا چھ۔ اچھا، ایک کو بھی ملا ایک بٹا چھ، دوسرے کو بھی ملا ایک بٹا چھ۔ تو وارثوں کے لیے کتنا بچ گیا؟ ایک بٹا چھ کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ چھ حصے کرو، چھ میں سے ایک دے دو۔ تو ایک بٹا چھ ایک کو ملا، ایک بٹا چھ دوسرے کو ملا، تو کتنے باقی بچے؟ چار بٹا چھ بچ گئے نا، چھ حصے کیے تھے، چھ میں سے ایک، ایک کو دیا، ایک دوسرے کو، اور کتنے بچ گئے؟ چار، تو چار بٹا چھ بچ گئے۔ یہ ہے، اور چار کیا ہے چھ کا؟ دو ثلث ہیں۔ دو، دو ثلث۔ چھ کا ثلث کتنا تھا؟ دو۔ اور دو اور دو کتنے ہو گئے؟ چار۔ تو یہ دو ثلث ہو گئے چھ کے، تو دو ثلث وارثوں کے، یعنی چار بٹا چھ کس کے لیے بچا؟ وارثوں کے لیے۔ اور سدس، سدس ان دونوں کو دے دیں گے۔ یہ کس کی بات چل رہی ہے؟ امام صاحب کی۔ تو ہم نے ایک بٹا دو یعنی نصف حصے کو ضرب دی کس سے؟ ایک بٹا تین یعنی ثلث کے ساتھ۔ امام صاحب فرماتے ہیں وارث کے حصے کو تہائی سے زیادہ ضرب نہیں دیں گے، ہم نے بھی ایک بٹا تین سے اس کو ضرب دے دی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: فَلِلْكُلِّ سُدُسُ الْمَالِ، تو ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہو جائے گا۔

اچھا، اب ایک اور بات سمجھو۔ دیکھو ایک کو کیا ملا؟ ایک بٹا چھ۔ دوسرے کو کیا ملا؟ ایک بٹا چھ۔ اور باقی وارثوں کو کیا ملا؟ چار بٹا چھ۔ اس کا معنیٰ یہ ہے، کل مال کے چھ حصے کر دو، چھ میں سے ایک حصہ کس کو دے دو ایک بٹا چھ؟ ایک وصیت والے کو۔ ایک بٹا چھ کس کو دے دو؟ دوسری وصیت۔ اور چار بٹا چھ وارثوں کے لیے بچ گئے۔ یہ کل مال کی تقسیم کر کے ہم نے آپ کو بتا دی۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

وَعِنْدَهُمَا، اور صاحبین کے نزدیک سِهَامُ الْوَصِيَّةِ أَرْبَعَةٌ، وصیت کے حصے جو ہیں وہ چار ہیں، لِصَاحِبِ الثُّلُثِ وَاحِدٌ، ثلث والے کے لیے ایک حصہ ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں وصیت کے حصے چار ہیں، ابھی اوپر میں نے بیان کیا تھا، کیسے؟ بکر کے لیے کتنی وصیت کی ہے؟ ثلث کی۔ اور دوسرے کے لیے وصیت کی ہے کل کی۔ اور کل میں کتنے ثلث ہوتے ہیں؟ تین۔ تین۔ تو گویا وہ بکر کے مقابلے میں دوسرے کو تین گنا دینا چاہتا ہے۔ تو بکر کا بھی ایک ثلث اور دوسرے کے لیے گویا تین ثلث کی وصیت ہے، ایک اور تین کتنے ہو گئے؟ چار۔ گویا اس ایک ہی ثلث کے چار حصے کر دو جو وصیت والوں کو ایک ثلث دیتے ہیں نا، اسی کے چار حصے کر دو۔ اور ہر حصہ ربع کہلائے گا۔ کیا کہلائے گا؟ ربع۔ اس ایک ربع کس کو دے دو؟ بکر کو۔ اور تین ربع کس کو دے دو؟ دوسرے کو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے بھئی: وَعِنْدَهُمَا، اور صاحبین کے نزدیک

سِهَامُ الْوَصِيَّةِ أَرْبَعَةٌ، وصیت کے حصے چار ہیں، لِصَاحِبِ الثُّلُثِ وَاحِدٌ، ثلث والے کا حصہ ایک ہے، اس کے لیے ایک ہے، وَالْوَاحِدُ مِنَ الْأَرْبَعَةِ رُبُعٌ، اور ایک چار میں سے ہو تو یہ ربع ہے۔ چار میں سے ایک لیا جائے تو یہ کیا ہوتا ہے؟ یہ اس کا ربع ہوتا ہے یعنی ایک بٹا چار۔ یہ کیا ہے؟ ایک بٹا چار۔ فَيُضْرَبُ الرُّبُعُ فِي ثُلُثِ الْمَالِ، تو پھر ضرب دی جائے گی اس ایک ربع کو، اس ربع کو کس میں ضرب دیں گے؟ ثلثِ مال میں۔ ربع کو ضرب دیں گے ثلثِ مال میں۔ ذرا کاپی پہ لکھیں۔ ربع لکھیں بھئی، ربع کیسے لکھتے ہیں؟ ایک بٹا چار۔ ایک بٹا چار ضرب، اس کو ضرب دینی ہے ثلث میں، ثلث کیسے لکھتے ہیں؟ ایک بٹا تین۔ ایک بٹا چار ضرب ایک بٹا تین برابر ہے، اوپر والے کو اوپر والے سے ضرب دی، ایک کو ایک سے ضرب دی ایک ہی آگیا، نیچے والے کو نیچے والے سے، چار کو تین سے ضرب دی چار تیا بارہ، برابر ہے ایک بٹا بارہ۔ ایک بٹا بارہ۔

اب دوسرے کا حصہ بھی یہیں ذرا کر لیں آپ۔ بھئی ادھر دیکھو، ثلث کے کتنے حصے کیے؟ چار۔ چار میں سے ایک کس کا؟ بکر کا۔ باقی کتنے بچے؟ تین۔ تو یہ ثَلَاثَةُ أَرْبَاعٍ بچ گئے، تین ربع بچ گئے۔ تین ربع بچ گئے، اس کو لکھیں گے کیسے؟ تین بٹا چار۔ ایک بٹا چار کا کیا مطلب تھا؟ ایک چیز کے چار حصے کرو اور ایک دے دو۔ جب چار میں سے ایک دے دیا تو بچ کتنے گئے؟ تین۔ تو کیا بن گیا؟ تین بٹا چار۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تین بٹا چار۔ اب نیچے لکھیں: تین بٹا چار ضرب ایک بٹا تین۔ تین بٹا چار، تین اوپر اور چار نیچے، ضرب ایک بٹا تین۔ جی، برابر ہے اوپر والے کو اوپر سے ضرب دیں، تین ایکم تین، اوپر تین آجائے گا جواب میں، اور نیچے والے کو نیچے سے ضرب دیں، چار تیا بارہ، تو نیچے بارہ آجائے گا۔ جواب کیا آیا؟ تین بٹا بارہ۔ جواب کیا آیا؟ تین بٹا بارہ۔ تین بٹا بارہ آیا۔ کیا معنیٰ؟ معنیٰ یہ ہے کل مال کے بارہ حصے کرو۔ کل مال کے بارہ حصے کرو۔ اور ایک بٹا چار ضرب ایک بٹا تین اوپر لکھا تھا نا ابھی آپ نے؟ جی۔ وہ جواب کیا آیا تھا؟ ایک بٹا چار ضرب ایک بٹا تین پہ کاغذ پہ نظر رکھو، ایک بٹا چار ضرب ایک بٹا تین ابھی لکھوایا تھا یہ کتنے کے برابر تھا؟ ایک بٹا بارہ۔ یہ ہے بکر کا حصہ۔ اور نیچے کیا آیا؟ تین بٹا چار ضرب ایک بٹا تین، یہ دوسرے آدمی کا حصہ ہے، یہ کتنا نکلا؟ تین بٹا بارہ۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کل مال کے بارہ حصے کر دینا۔ بارہ سے تقسیم کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ ایک چیز کے بارہ حصے کر دو۔ بارہ حصے کل مال کے کر دو۔ اس بارہ میں سے ایک حصہ کس کو دے دو؟ بکر کو۔ تین حصے کس کو دے دو؟ دوسرے آدمی کو۔ اور آٹھ حصے جو ہیں یہ وارثوں کے ہو گئے۔ کتنے ہو گئے؟ آٹھ حصے۔ وہ آٹھ، اب ادھر سنو، آٹھ حصے کس کے ہوئے؟ وارثوں کے۔ تین حصے اس آدمی کے، ایک حصہ بکر کا، تین اور ایک کتنے ہو گئے؟ چار۔ گویا چار میں وصیت نافذ کر دی۔ تو یہ ایک ثلث ہے۔ اور چار کو دگنا کرو کتنا بنتا ہے؟ آٹھ۔ یہ دو ثلث دیکھو وارثوں کے لیے بچ گئے۔ دو ثلث آٹھ ہیں نا؟ جی استاد۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو آسان لفظوں میں یوں کہو: کل مال کے تین حصے کیے، تین میں سے ایک حصہ ان دونوں میں تقسیم کر دیا اور دو ثلث کس کے لیے بچ گئے؟ وارثوں کے لیے۔ یا آپ پورا پورا حساب کرنا چاہتے ہو، تو وصیت والوں کے لیے اس ثلث کے کتنے حصے کیے تھے؟ چار۔ اور کل مال میں کتنے ثلث ہوتے ہیں؟ تین ثلث۔ اور ہر ثلث میں کتنے حصے ہم نے کیے؟ چار۔ تو چار تیا بارہ، کل مال میں گویا

کتنے حصے ہو گئے؟ بارہ حصے۔ ان بارہ میں سے ایک ثلث کتنا ہے؟ ایک ثلث ایک، بارہ کا ثلث، بارہ کو تین آدمیوں میں تقسیم کرو، چار۔ یہ ایک ثلث یہ ہم نے لیا، ان دونوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور اس چار میں سے بھی ایک حصہ ہم نے بکر کو دیا ہے اور تین حصے دوسرے آدمی کو دیے ہیں۔ صورت اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: فَيُضْرَبُ الرُّبُعُ فِي ثُلُثِ الْمَالِ، پس ضرب دی جائے گی ربع کو ثلثِ مال میں۔ ربع کیا؟ ایک بٹا چار، عبارت پہ نظر رکھیں، ربع کیا؟ ایک بٹا چار۔ اور اس کو ضرب دینی ہے ثلثِ مال میں، اور ثلث کیا ہے؟ ایک بٹا تین۔ تو ایک بٹا چار کو ایک بٹا تین سے ضرب دی: ایک بٹا بارہ۔ یہی جواب آئے گا، میں نے لکھوا دیا۔ آگے بتلا رہے ہیں: فَالرُّبُعُ فِي الثُّلُثِ، کہ ربع کو جب ثلث میں ضرب دیں گے، يَكُونُ رُبُعَ الثُّلُثِ، تو یہ کیا ہو جائے گا؟ ربعِ ثلث۔ یہ جو آپ نے نکالا نا ایک بٹا بارہ، یہ ربعِ ثلث ہے، ثلث کا چوتھا حصہ ہے۔ بارہ کے تین ثلث کرو: چار۔ یہ ایک ثلث ہے، اور اس ایک ثلث کے چار ربع کرو تو ایک، کیا بنے گا؟ یہ ایک اس کا ثلث کا ربع ہے۔ فَيَكُونُ رُبُعَ الثُّلُثِ، یہ ثلث کا ربع ہے، ایک بٹا بارہ کیا ہے؟ ثلث کا ربع ہے۔ بھئی ضرب سے میں نے آپ کو بتلا دیا۔ ثُمَّ لِصَاحِبِ الْكُلِّ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَرْبَعَةِ، پھر وہ صاحبِ کل یعنی جس کے لیے کل کی وصیت کی تھی، اس کے لیے تین ہیں مِنَ الْأَرْبَعَةِ کتنے میں سے؟ چار میں سے، وَهِيَ ثَلَاثَةُ أَرْبَاعٍ، یہ کتنے ہو گئے؟ تین چوتھائی، تین چوتھائی۔ عدد کیا تھا؟ تین بٹا چار۔ تین بٹا چار ہوا۔ تو فَيُضْرَبُ ثَلَاثَةُ الْأَرْبَاعِ فِي الثُّلُثِ، تو اس تین چوتھائی کو ضرب دیں گے ثلث میں۔ تین چوتھائی کو ضرب دیں گے ثلث میں۔ تین چوتھائی کیا؟ تین بٹا چار۔ اس کو ضرب دیں گے کس میں؟ ثلث یعنی ایک بٹا تین۔ ابھی میں نے بتلایا، تین بٹا چار کو ضرب ایک بٹا تین کیا، کیا آیا؟ تین بٹا بارہ۔ تو یہ جو ہے یہ ثَلَاثَةُ أَرْبَاعِ الثُّلُثِ ہے۔ یہ توجہ ہے؟ جی۔ یعنی ثَلَاثَةُ أَرْبَاعِ الثُّلُثِ، یعنی ثلث کے تین چوتھائی۔ ایک بٹا بارہ کیا تھا؟ پھر ذرا عبارت پہ نظر رکھو، پچھلی لائن میں آیا: فَالرُّبُعُ فِي الثُّلُثِ، ربع کو جب ثلث میں ضرب دی تو يَكُونُ رُبُعَ الثُّلُثِ تو کیا ہوا؟ ربعِ ثلث۔ اور ہمارا کیا جواب آیا تھا؟ ایک بٹا بارہ۔ ایک بٹا چار ضرب ایک بٹا تین برابر ہے ایک بٹا بارہ۔ یہ کیا ہے؟ رُبُعُ الثُّلُثِ۔ عبارت میں اس کو کیا کہہ رہے ہیں؟ ربعِ ثلث، ثلث کا ربع ہے۔ یعنی بارہ کے تین حصے...

کرو، ثلث نکالو اور ثلث کا ایک ربع نکالو تو یہ بنتا ہے۔ اور نیچے اب کیا کہہ رہے ہیں؟ يَعْنِي ثَلَاثَةَ أَرْبَاعِ الثُّلُثِ، ثلث کا تین چوتھائی۔ ثلث کا تین چوتھائی۔ اور ثلث کا تین چوتھائی ضربوں میں ہم نے نیچے کیا کیا؟ تین بٹا چار ضرب ایک بٹا تین برابر ہے تین بٹا بارہ۔ تو یہ ثَلَاثَةُ أَرْبَاعِ الثُّلُثِ ہے، ثَلَاثَةُ أَرْبَاعِ الثُّلُثِ۔

کہتے ہیں وَلِصَاحِبِ الثُّلُثِ، یہ پھر وہی عبارت ہے پتہ نہیں کیوں اس میں تکرار کیوں ہے بھئی، بہرحال یہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔ وہی جو پہلے کے لیے ذکر کیا نا، پہلے کو کتنا ملنا ہے؟ پہلے کو ایک بٹا، ایک بٹا چار، ثلث کا ایک بٹا چار، وہی پھر دوبارہ بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں وَلِصَاحِبِ الثُّلُثِ وَاحِدَةٌ مِنَ الْأَرْبَعَةِ، اور ثلث والے کے لیے، کہا تھا نا بکر کو ثلث دینا اور دوسرے کو کل دینا، تو صاحبِ ثلث کون ہوا؟ بکر۔ اس کے لیے ہے وَاحِدَةٌ مِنَ الْأَرْبَعَةِ چار میں سے ایک۔ فَيُضْرَبُ الْوَاحِدَةُ فِي الثُّلُثِ، پس ضرب دی جائے گی ایک کو ثلث میں۔ اچھا دیکھو، پھر وہی بات کر رہے ہیں دیکھو ادھر دیکھو۔ کہتے ہیں وَلِصَاحِبِ

الثُّلُثِ وَاحِدَةٌ مِنَ الْأَرْبَعَةِ۔ بکر کے لیے کتنے کی وصیت کی تھی؟ ثلث کی۔ اور دوسرے کے لیے؟ کل کی۔ تو بکر کے لیے، گویا وہ دوسرے کو بکر کے مقابلے میں تین گنا زیادہ مال دینا چاہتا ہے۔ گویا بکر کو اگر ایک دیں گے تو دوسرے کو تین دو، تین گنا دو۔ اور ایک اور تین کتنے ہو گئے؟ چار۔ تو چار میں سے گویا ایک بکر کو دینا چاہتا ہے اور تین دوسرے کو۔ تو چار میں سے ایک بکر کا جو حصہ بنا وہ کیا ہے؟ ربع ہے۔ وہ کیا ہے؟ ربع۔ وہی بات دوبارہ ذکر کر رہے ہیں، دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں وَلِصَاحِبِ الثُّلُثِ وَاحِدَةٌ مِنَ الْأَرْبَعَةِ، تین، تین والا یعنی جس کے لیے ثلث کی وصیت کی تھی، اس کے لیے ایک ہو گا چار میں سے، ایک ہو گا چار میں سے۔ اور یہ چار میں سے ایک کیا ہے؟ ربع۔ تو فَيُضْرَبُ الْوَاحِدَةُ فِي الثُّلُثِ، اس ایک کو ضرب دیں گے ثلث میں، اور یہ ایک تو کیا ہے وَهُوَ الرُّبُعُ، یہ ایک تو کیا ہے؟ ربع۔ تو گویا ربع کو ہم ضرب دیں گے کس میں؟[٤٣]

پھر دیکھو: فَيُضْرَبُ الْوَاحِدَةُ فِي الثُّلُثِ، یہ جو صاحبِ، پیچھے دیکھو، صاحبِ ثلث کو چار میں سے کتنا ملا؟ وَلِصَاحِبِ الثُّلُثِ وَاحِدَةٌ مِنَ الْأَرْبَعَةِ، صاحبِ ثلث کو چار میں سے کتنا ملا؟ ایک۔ پھر اس ایک کو ضرب دیں گے ثلث میں۔ فَيُضْرَبُ الْوَاحِدَةُ فِي الثُّلُثِ، اس ایک کو ضرب دیں گے ثلث میں۔ اور ادھر دیکھو، صاحبِ ثلث کو جو ایک ملا، تو چار میں سے ایک ملا ہے نا؟ جی۔ تو وہ تو ربع ہے، یہی بیان کر رہے ہیں وَهُوَ الرُّبُعُ، اور وہ جو ایک ہے وہ تو کیا ہے؟ ربع ہے۔ تو انہوں نے کیا کہا فَيُضْرَبُ الْوَاحِدَةُ فِي الثُّلُثِ، اس ایک کو ثلث میں ضرب دیں گے، اور وہ ایک تو ربع ہے یعنی ربع کو ثلث میں ضرب دیں گے۔ ربع کو ثلث میں، یعنی ایک بٹا چار کو ایک بٹا تین میں ضرب دیں گے، اور وہ ایک بٹا بارہ آیا تھا آپ نے دیکھا تھا۔ يَعْنِي رُبُعَ الثُّلُثِ، يَعْنِي رُبُعَ الثُّلُثِ، یعنی کہ ربعِ ثلث ہو جائے گا صاحبِ ثلث کے لیے۔ یعنی ایک بٹا بارہ۔ پھر وہی بات کر رہے ہیں جو پیچھے میں نے بیان کر دی تھی، آپ اس لیے چکرا گئے کہ شاید نئی بات کر رہے۔ نئی بات نہیں کر رہے، وہی بات کر رہے ہیں کہ صاحبِ ثلث، پھر دیکھو بکر کے لیے وصیت کی ثلث کی، دوسرے کے لیے وصیت کی کل کی، اور کل میں کتنے ثلث ہوتے ہیں؟ تین۔ گویا وہ دوسرے کو بکر کے مقابلے میں تین گنا دینا چاہتا ہے۔ تو ایک حصہ بکر کا اور تین اس کے، کتنے ہو گئے؟ چار۔ تو گویا اس ثلث کے کتنے حصے کریں گے؟ چار حصے۔ ایک حصہ کس کو دیں گے؟ بکر کو۔ اور تین حصے دیں گے دوسرے کو۔ تو بکر کو، بکر کا حصہ کتنا ہوا؟ ایک۔ ایک، ایک۔ اور لیکن یہ ایک تو ربع ہے، یہ ایک تو ابھی بتایا کیا ہے؟ ربع۔ ثلث کا ربع ہے۔ اس ربع کو ضرب دیں گے کس میں؟ ثلث میں۔ اور ربع کو ثلث میں ضرب دیں تو کیا آتا ہے؟ ایک بٹا چار ضرب ایک بٹا تین برابر ہے ایک بٹا بارہ۔ یہ ہے ربعِ ثلث، یہ اس کو دے دیں گے۔ یہ بات تو پیچھے بھی وہ ذکر کر چکے تھے،

---

[٣] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ١٩٧): صوتی درس کی قراءت میں «وَلِصَاحِبِ الثُّلُثِ وَاحِدَةٌ مِنَ الْأَرْبَعَةِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «ولصاحبِ الثُّلُثِ واحدٌ من الأربعة،» منقول ہے۔

[٤] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ١٩٧): صوتی درس کی قراءت میں «فَيُضْرَبُ الْوَاحِدَةُ فِي الثُّلُثِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فيضربُ الواحدَ في الثُّلُث،» منقول ہے۔

دوبارہ اسی کو ذکر کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ يَعْنِي رُبْعَ الثُّلُثِ، یعنی کہ ربعِ ثلث ہو گا اس صاحبِ ثلث کے لیے یعنی ایک بٹا بارہ۔

هٰذَا مَعْنَى الضَّرْبِ، یہ ہے ضرب کا معنیٰ۔ وَقَدْ تَحَيَّرَ فِيهِ كَثِيرٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ، اور تحقیق اس میں حیران ہیں بہت سے علماء۔ بہت سے علماء اس میں حیران ہیں کہ یہاں ضرب آیا، یہاں ضرب کا کیا معنیٰ ہے؟ کہتے ہیں ضرب کا معنیٰ وہ علمِ حساب والی ضرب ہے، اور ہم نے بتا دیا کہ کس طرح دیکھو ضربیں دیں گے۔ ایک بٹا دو کو ایک بٹا تین سے ضرب دی تو یعنی نصف کو ثلث سے ضرب دی تو سدس نکل آیا۔ اور ربع کو ثلث سے ضرب دی تو ربعِ ثلث نکل آیا یعنی ایک بٹا بارہ۔ اور ثلاثۃ ارباع کو ضرب دی ثلث میں، تین بٹا چار کو ایک بٹا تین سے، تو تین بٹا بارہ آیا یعنی ثلاثۃ ارباعِ ثلث نکل آیا۔ تو چونکہ یہ ضرب کا مسئلہ تھا، مشکل تھا، پیچیدہ تھا، اس لیے علماء اس میں حیران ہوتے ہیں بھئی، ہر ایک کے لیے اس کو حل کرنا آسان نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ جی۔ یہ معنیٰ ہے وَقَدْ تَحَيَّرَ فِيهِ كَثِيرٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ، اور تحقیق اس میں حیران ہیں بہت سے علماء یعنی اس مقام کو حل کرنے میں۔ حل ہوا کہ نہیں ہوا؟ ہو گیا۔ اچھا جی۔

آگے دیکھیے بھئی: إِلَّا فِي الْمُحَابَاةِ وَالسِّعَايَةِ وَالدَّرَاهِمِ الْمُرْسَلَةِ، مگر محابات کے مسئلے میں، اور سِعایہ کے مسئلے میں، اور دراہمِ مرسلہ کے مسئلے میں۔ دیکھیے، اس کا تعلق پچھلے متن سے ہے۔ پچھلے متن میں کیا آیا تھا؟ کہ وَلَا يَضْرِبُ الْمُوصٰى لَهُ بِأَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، امام صاحب کے نزدیک مُوصٰی لَهُ ثلث سے زیادہ حصے کو نہیں لے گا، اس میں ضرب نہیں دے گا۔ مگر محابات کے مسئلے میں، اور سِعایہ کے مسئلے میں، اور دراہمِ مرسلہ یہ تین مسئلے ہیں، ان میں امام صاحب بھی ثلث سے اگر زائد وصیت ہو اس کا بھی اعتبار کرتے ہیں۔ پچھلے مسئلے میں کیا تھا؟ ثلث سے زیادہ کا اعتبار ہی نہیں کیا، اس نے تو وصیت کی تھی کہ بکر کو ثلث دینا اور دوسرے کو کل دینا، امام صاحب فرماتے ہیں کل کا کوئی اعتبار نہیں اس کو بھی ثلث ہی سمجھو، ثلث سے زیادہ تو جائز ہی نہیں۔ لیکن یہ تین مسئلے ہیں، یہاں اگر وہ ثلث سے زائد کی بھی وصیت کرتا ہے امام صاحب اس کا اعتبار کرتے ہیں، اور اسی نسبت سے پھر دونوں کو حصہ دیتے ہیں جس نسبت سے دونوں میں فرق ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

محابات پہلے سمجھ لیں محابات کسے کہتے ہیں۔ یاد رکھو، محابات کا معنیٰ ہے سہولت دینا، کسی کے ساتھ نرمی کرنا، بیع وغیرہ میں۔ بیع وغیرہ کے مسئلے میں کسی کے ساتھ کیا کر دینا؟ نرمی کرنا، اس کو محابات کہتے ہیں۔ مثلاً آپ کی گاڑی ہے آپ اس کو بیچنا چاہتے ہیں، گاڑی کی قیمت ہے پانچ لاکھ روپے۔ اب آپ کا ایک ساتھی آپ سے خریدنے آیا، تو اب آپ کو بھی پتہ ہے میری گاڑی، میری گاڑی پانچ لاکھ کی ہے لیکن آپ اپنے اس ساتھی کو وہ گاڑی تین لاکھ میں دے دیتے ہیں۔ تو یہ آپ نے اس کے ساتھ نرمی کی بیع کے اندر۔ آپ کو بھی پتہ ہے آپ کی گاڑی پانچ لاکھ کی ہے لیکن چونکہ چلو ساتھی ہے بھئی چلو اس کا فائدہ ہو جائے گا، تو آپ نے اس کو پانچ لاکھ والی گاڑی تین لاکھ روپے میں دے دی، اس کو کہتے ہیں محابات، آپ نے بیع

میں اس کے ساتھ نرمی کر دی، پورے پیسے وصول کرنے کے بجائے تھوڑے سے وصول کر لیے۔ یا خریدنے کی صورت بنا لیں، آپ اپنے ساتھی کی گاڑی خریدنا چاہتے ہیں، اس کی گاڑی کی قیمت پانچ لاکھ روپے ہے لیکن آپ اس سے پانچ کے بجائے آٹھ لاکھ میں وہ گاڑی خرید لیتے ہیں۔ گاڑی کتنے کی ہے؟ پانچ لاکھ کی، لیکن آپ کتنے میں خرید لیتے ہیں؟ آٹھ لاکھ میں۔ دیکھو یہ آپ نے خریداری میں نرمی کی، چلو اس کا فائدہ ہو جائے گا، تو آپ نے پانچ کے بجائے کتنے ادا کر دیے؟ آٹھ لاکھ۔ یہ نہیں کہ آپ کو پتہ نہیں، پتہ آپ کو دونوں جگہ ہے۔ بیع، جب آپ پانچ لاکھ کی گاڑی تین لاکھ میں دے رہے ہیں تب بھی آپ کو پتہ ہے میری گاڑی کی قیمت پانچ لاکھ ہے لیکن آپ نرمی کر رہے ہیں، اور جب آپ اس سے گاڑی خرید رہے ہیں تو بھی آپ کو پتہ ہے کہ یہ گاڑی تو پانچ لاکھ کی ہے لیکن آپ آٹھ لاکھ میں خریدتے ہیں، نرمی کرتے ہیں چلو اس بیچارے کا فائدہ ہو جائے گا۔ اس کو کہتے ہیں محابات، بیع وغیرہ میں کسی کے ساتھ نرمی کرنا۔

اب محابات کی صورت یہ ہے: ایک شخص کے دو غلام ہیں، ایک غلام کی قیمت ہے تیس دینار اور دوسرے غلام کی قیمت ہے ساٹھ دینار۔ اور اس شخص نے مرنے سے پہلے وصیت کر دی کہ میرا یہ جو تیس دینار والا غلام ہے یہ زید کو دس دینار میں فروخت کر دینا میرے مرنے کے بعد، اور میرا جو ساٹھ دینار والا غلام ہے یہ بکر کو میرے مرنے کے بعد بیس دینار میں فروخت کر دینا۔ پہلے غلام کی قیمت کتنی ہے؟ تیس دینار۔ اور دوسرے غلام کی قیمت ساٹھ دینار۔ اور اس شخص نے کیا وصیت کی؟ کہ میرے مرنے کے بعد یہ جو میرا تیس دینار والا غلام ہے یہ زید کو دس دینار میں فروخت کر دینا۔ معلوم ہوا وہ زید کو بیس دینار دینا چاہتا ہے۔ تیس والا غلام دس میں دے رہا ہے تو معلوم ہوا وہ زید کو بیس دینار دینا چاہتا ہے۔ اور دوسرا غلام ہے ساٹھ دینار کا، اور اس نے کیا کہا؟ میرے مرنے کے بعد یہ بکر کو بیس دینار میں دے دینا۔ معلوم ہوا وہ بکر کو چالیس دینار دینا چاہتا ہے۔ توجہ ہے؟ غلام ساٹھ دینار کا اور وہ کیا وصیت کر رہا ہے، کتنے میں دے دینا بکر کو؟ بیس دینار میں۔ معلوم ہوا وہ بکر کو چالیس دینار کا نفع دینا چاہتا ہے، چالیس دینار اسے دینا چاہتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب اس شخص کا انتقال ہوا، انتقال کے بعد دیکھا گیا تو اس کی وراثت اور کچھ بھی نہیں تھی، صرف یہی دو غلام تھے۔ یعنی ایک غلام کی قیمت ہے تیس دینار، دوسرے کی ہے ساٹھ دینار، تیس اور ساٹھ نوے۔ گویا اس کا کل ترکہ یہ نوے دینار یہی دو غلام ہیں، نوے دینار۔ اب نوے دینار ہیں، تو گویا وصیت اس نے کیا کی ہے؟ زید کو کتنے کی وصیت کی ہے زید کے لیے؟ دس دینار، بیس، زید کے لیے بیس دینار کی۔ اور بکر کے لیے؟ چالیس دینار کی۔ اور بیس اور چالیس کتنے ہو گئے؟ ساٹھ، ساٹھ۔ اور کل مال کتنے ہیں؟ نوے۔ کل مال ہے نوے درہم، او کل مال ہے نوے دینار۔ تو زید کے لیے اس نے وصیت کی ہے بیس دینار کی، اور بکر کے لیے گویا اس نے وصیت کی ہے چالیس دینار کی، اور کل مال ہے نوے دینار۔ تو بیس اور چالیس کتنے ہو گئے؟ ساٹھ دینار۔ تو گویا اس نے ساٹھ دینار کی وصیت کی ہے، اور اس کا کل مال ہے نوے دینار۔ اور ساٹھ

دینار یہ تو نوے کا دو ثلث بنتا ہے، نوے کے تین حصے کریں تو تیس تیس بنیں گے۔ تو دو، تو یہ ثلث ہے اور دو ثلث کتنے؟ ساٹھ دینار۔ تو اس نے گویا دو ثلث کی وصیت کر دی ہے ان دونوں کے لیے، اور وارث اجازت نہیں دے رہے، تو پھر کتنے میں نافذ کریں گے؟ تہائی، ایک ثلث میں ہی نافذ کریں گے۔ تو ایک ثلث میں وصیت نافذ کر دیں گے۔ چنانچہ نوے کا ثلث کتنا؟ تیس دینار۔ تو تیس دینار میں یہ وصیت نافذ کریں گے، حالانکہ اس نے تو کہا، اس نے تو کتنے کی گویا وصیت کی ہے؟ ساٹھ دینار، لیکن نہیں، ساٹھ میں نہیں، وارث اجازت نہیں دے رہے، تیس دینار میں یہ وصیت نافذ کریں گے۔ اور کس طرح نافذ کریں گے؟ کہتے ہیں دیکھ لو، زید کو وہ کتنے کا نفع دینا چاہتا تھا؟ بیس دینار۔ اور بکر کو؟ چالیس دینار۔ تو گویا بکر کو زید کے مقابلے میں دگنا نفع دینا چاہتا ہے۔ بکر کو زید کے مقابلے میں دگنا نفع۔ لہٰذا وصیت نافذ کریں گے تیس دینار میں، اور اس تیس دینار کے تین حصے کر دیں گے یعنی تیس دینار کے تین حصے کر دیں گے، ایک حصہ نفع دے دیں گے زید کو اور دو حصے نفع دے دیں گے بکر کو۔ تو زید کا نفع کتنا ہو جائے گا؟ دس دینار۔ اور بکر کا نفع کتنا ہو جائے گا؟ بیس دینار۔ دیکھا اب بکر کو زید کے مقابلے میں دگنا مل رہا ہے نفع۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو جب زید کو دس دینار کا نفع دینا ہے تو غلام جو تھا وہ تیس دینار والا، اب اس کو کتنے میں بیچیں گے؟ بیس میں بیچیں گے، دس ہم نے رعایت کر دی۔ اور بکر کو جو ہم نے ساٹھ والا غلام دینا تھا اس نے تو کیا کہا تھا؟ بیس میں دینا، لیکن بیس میں نہیں دیں گے، بکر کا حصہ کتنا بنا تیس دینار میں سے؟ بیس دینار، تو وہ کم کر دیں گے، تو بکر کو کتنے کا دے دیں گے؟ چالیس، چالیس دینار کا۔ تو زید کو دے دیں گے تیس دینار والا غلام بیس دینار میں، اور بکر کو ساٹھ دینار والا غلام چالیس دینار میں دے دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھو، اب اس میں دیکھو پہلے مسئلے سے یہ مختلف کس طرح ہے۔ پچھلے مسئلے میں اس نے کیا وصیت کی تھی؟ کہ بکر کو ثلث دینا اور دوسرے کو کل دینا۔ اور امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ کل کا اعتبار نہیں کریں گے، وصیت تو زیادہ سے زیادہ ثلث کی ہو سکتی ہے تو ثلث ہی سمجھیں گے اس کو۔ یعنی ثلث سے زیادہ بالکل لغو کر دی تھی انہوں نے وہاں پر۔ لیکن یہاں دیکھو: ابتدا اس نے کیا وصیت کیا کی تھی؟ کہ میرا تیس والا غلام زید کو دس کا دینا، اور ساٹھ والا غلام بکر کو بیس کا دینا، بیس کا دینا۔ معلوم ہوا کہ وہ بکر کو کتنے دینار کا فائدہ دینا چاہ...

تا ہے چالیس۔ اور کل مال ہے نوے دینار۔ اور چالیس نوے کا ثلث بنتا ہے یا ثلث سے زیادہ بنتا ہے؟ ثلث سے زیادہ بنتا ہے۔ تو امام صاحب کے اصول کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ چالیس نہ سمجھو، اس کو بھی تیس ہی سمجھو، ثلث ہی سمجھو۔ کیونکہ ثلث سے زائد کی تو وصیت صحیح نہیں، کل مال ہے نوے دینار، تو زیادہ سے زیادہ ثلث کی وصیت اس کو سمجھنا چاہیے۔ لیکن امام صاحب، لیکن امام صاحب یہاں چالیس کی وصیت ہے تو چالیس ہی کا اعتبار کرتے ہیں، چنانچہ ان دونوں کے حصوں میں نسبت دیکھتے ہیں۔ زید کو کتنا نفع دینا چاہتا تھا؟ بیس کا۔ اور بکر کو کتنا نفع دینا چاہتا تھا؟ چالیس کا۔ وہ چالیس ہی کا اعتبار

کیا، تیس کا اعتبار وہاں نہیں کیا۔ بیس اور چالیس میں نسبت دیکھی، تو دیکھا کہ چالیس بیس کے مقابلے میں دگنا ہے، معلوم ہوا وہ بکر کو زید کے مقابلے میں دگنا نفع دینا چاہتا ہے، تو اب وہ ایک ہی ثلث میں اس طرح تقسیم کر دیں گے کہ بکر کو زید کے مقابلے میں دگنا حصہ مل جائے۔ چنانچہ ثلث کتنا بنا؟ تیس دینار۔ اس تیس دینار کو دونوں میں تقسیم کر دیا۔ دس کا نفع کس کو دے دیا؟ زید کا۔ اور بیس کا نفع بکر کو دے دیا۔ تو زید کے لیے صرف دس دینار کی رعایت کر دو، اور بکر کے لیے بیس دینار کی رعایت کر دو۔ زید کو تیس والا، تیس دینار والا غلام بیس میں دے دو، دس کی رعایت کر دو۔ اور بکر کے لیے ساٹھ دینار میں بیس کی رعایت کر دو اور اسے چالیس دینار میں وہ غلام دے دو۔ صورت سمجھ میں؟ تو امام صاحب نے دیکھو، محابات کے مسئلے میں ثلث سے زائد کا اعتبار کیا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ زائد، اس کے لیے زائد ہی وصیت، نافذ تو ثلث میں کی، لیکن زائد کا اعتبار کیا، جتنا وہ زیادہ دینا چاہتا تھا اتنا ہی زیادہ کر کے دے دیا یعنی ڈبل کر کے دے دیا ایک کو۔

دیکھیے بھئی: صُورَةُ الْمُحَابَاةِ، محابات کی صورت یہ ہے، أَنْ يَكُونَ لِلرَّجُلِ عَبْدَانِ، کہ ایک آدمی کے دو غلام ہیں، قِيمَةُ أَحَدِهِمَا ثَلَاثُونَ وَالْآخَرِ سِتُّونَ، ان میں سے ایک کی قیمت جو ہے تیس دینار ہے، وَالْآخَرِ اور دوسرے کی قیمت جو ہے سِتُّونَ ساٹھ دینار ہے، فَأَوْصٰى بِأَنْ يُبَاعَ الْأَوَّلُ مِنْ زَيْدٍ بِعَشَرَةٍ، پس اس نے وصیت کی کہ بیچ دیا جائے پہلے غلام کو مِنْ زَيْدٍ زید پر بِعَشَرَةٍ دس کے بدلے، کتنے کے بدلے؟ دس کے بدلے۔ بھئی یاد رکھو بَاعَ کا صلہ مِنْ آتا ہے مِنْ۔ جیسے میں کہتا ہوں اِشْتَرَيْتُ مِنْ عَمْرٍو میں نے خریدا، کس سے خریدا؟ عمرو سے۔ معلوم ہوا جس سے خریدا ہے اس پر مِنْ داخل ہوتا ہے۔ اسی طرح بَاعَ میں جس کے ہاتھ کوئی چیز بیچی جائے اس پر مِنْ داخل کرتے ہیں: بِعْتُ الْكِتَابَ میں نے کتاب کو بیچا مِنْ عَمْرٍو کس کے ہاتھ؟ عمرو کے ہاتھ۔ تو یہاں بَاعَ کا صلہ مِنْ آیا، کیوں آیا؟ کیونکہ اِشْتَرٰى کا صلہ مِنْ آتا ہے اس لیے بَاعَ کا صلہ بھی مِنْ استعمال کرتے ہیں عرب۔ فَأَوْصٰى بِأَنْ يُبَاعَ الْأَوَّلُ مِنْ زَيْدٍ بِعَشَرَةٍ، پس اس نے وصیت کی کہ بیچا جائے پہلے غلام کو زید کے ہاتھ دس دینار کے بدلے، وَالْآخَرُ مِنْ عَمْرٍو بِعِشْرِينَ، اور دوسرے غلام کو عمرو کے ہاتھ بیس دینار کے بدلے، وَلَا مَالَ لَهُ سِوَاهُمَا، اور اس شخص کا اور کوئی مال نہیں تھا ان دونوں کے علاوہ، فَالْوَصِيَّةُ فِي حَقِّ زَيْدٍ بِعِشْرِينَ وَفِي حَقِّ عَمْرٍو بِأَرْبَعِينَ، تو یہ وصیت ہو گئی زید کے حق میں بیس دینار کی اور عمرو کے حق میں چالیس دینار کی۔ تو چالیس دیکھو ثلث سے زائد ہے لیکن اس کا اعتبار کرتے ہیں امام صاحب۔ تو يُقَسَّمُ الثُّلُثُ بَيْنَهُمَا أَثْلَاثًا، تو ایک ثلث جو ہے وہ ان میں تقسیم کیا جائے گا تین حصے کر کے۔ فَيُبَاعُ الْأَوَّلُ مِنْ زَيْدٍ بِعِشْرِينَ، تو بیچا جائے گا پہلے غلام کو زید کے ہاتھ بیس دینار میں، وَالْعَشَرَةُ وَصِيَّةٌ لَهُ، اور دس اس کے لیے وصیت ہو جائے گی۔ وَيُبَاعُ الثَّانِي مِنْ عَمْرٍو بِأَرْبَعِينَ، اور دوسرا غلام بیچا جائے گا عمرو کے ہاتھ چالیس کے بدلے، وَالْعِشْرُونَ وَصِيَّةٌ لَهُ، اور بیس جو ہیں وہ اس کے لیے وصیت ہو جائے گی۔ فَأَخَذَ عَمْرٌو مِنَ الثُّلُثِ بِقَدْرِ وَصِيَّتِهِ، تو عمرو نے لے لیا ثلث میں سے وصیت کے بقدر یعنی دگنا، وَإِنْ كَانَتْ زَائِدَةً عَلَى الثُّلُثِ، اگرچہ وہ وصیت ثلث سے زائد تھی، اگرچہ وہ وصیت ثلث سے زائد تھی۔ امام صاحب کے قانون کا تقاضا تو یہ تھا کہ بکر کے لیے چالیس کی وصیت ہے، حالانکہ

نوے کا ثلث تو تیس ہے، تو چالیس کے بجائے تیس کا اعتبار کرنا چاہیے تھا، بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن یہاں امام صاحب بکر کے لیے پورے چالیس کا اعتبار کرتے ہیں یعنی جیسی نسبت ہے زید اور عمرو کے اندر، اسی کے مطابق ثلث کو بھی تقسیم کرتے ہیں۔

سِعایہ۔ سَعٰی یَسْعٰی کا معنیٰ ہے کوشش کرنا۔ کوشش کرنا یعنی مزدوری وغیرہ کرنا، کمائی کرنا۔ صورت یہ: وہی صورت، ایک شخص کے دو غلام ہیں، ایک تیس دینار کا ہے اور ایک ساٹھ دینار کا، اور اس نے مرض الموت میں ان دونوں کو آزاد کر دیا، یا وصیت کر دی میرے مرنے کے بعد دونوں کو آزاد کر دینا۔ تو مرض الموت کا بھی وہی حکم ہے اور وصیت کا بھی وہی حکم ہے کیونکہ مرض الموت میں بھی وارثوں کا حق مال کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔ تو چاہے وہ مرض الموت میں آزاد کرے، چاہے وہ وصیت کر دے کہ میرے مرنے کے بعد آزاد کرنا، ایک ہی صورت ہو گی۔ تو چنانچہ اس نے دونوں غلاموں کو آزاد کر دیا، لیکن یہ تو مرض الموت ہے، اور مرض الموت میں تو وارثوں کا حق مال سے متعلق ہو جاتا ہے، اور اس کے یہی دو غلام ہیں اور کوئی مال ہے ہی نہیں، تو معلوم ہوا کہ وہ ایک غلام کو تیس دینار کا نفع پہنچانا چاہتا ہے اور دوسرے غلام کو کتنا نفع پہنچانا چاہتا ہے؟ ساٹھ دینار کا۔ تو اب یہ سارا تو نہیں دیں گے کیونکہ سارا ترکہ ہی یہی ہے، تو وارثوں سے پوچھا انہوں نے کہا جی صرف ثلث میں وصیت نافذ کر رہے ہیں، زیادہ میں ہم اجازت نہیں دیتے۔ تو پھر اب کیا کریں گے؟ کہتے ہیں کہ یہاں دیکھو، کل مال کتنا؟ نوے دینار۔ ایک کے لیے وصیت کتنے کی ہے گویا؟ ثلث کی۔ دوسرے کے لیے وصیت کتنے کی ہے؟ ساٹھ کی۔ اور یہ ساٹھ نوے کا کیا ہے؟ دو ثلث ہیں۔ اور امام صاحب کے نزدیک تو ضابطہ ہے کہ ثلث سے زائد وصیت کیا ہوتی ہے؟ باطل۔ لہٰذا اس کو بھی ثلث سمجھنا چاہیے اور یوں سمجھنا چاہیے ایک غلام کے لیے بھی ثلث کی وصیت ہے دوسرے کے لیے بھی ثلث کی وصیت ہے اور پھر وہ ثلث دونوں میں آدھا آدھا ہونا چاہیے، لیکن نہیں، یہ سِعایہ کے مسئلے میں امام صاحب ثلث سے زائد کا بھی اعتبار کرتے ہیں۔ چنانچہ یہاں پر گویا ایک کے لیے اس نے کتنے کی وصیت کی ہے؟ تیس کی، دوسرے کے لیے ساٹھ کی، یعنی ایک کو دوسرے کے مقابلے میں دگنا دینا چاہتا ہے وہ۔ لہٰذا وصیت تو ایک ہی ثلث میں نافذ کریں گے، اور وہ ثلث کتنا ہے؟ تیس دینار۔ اس تیس دینار کے تین حصے کر دیں گے: ایک حصہ نفع دے دیں گے تیس والے غلام کو، اور دو حصے نفع دے دیں گے ساٹھ والے غلام کو۔ تو دیکھو تیس والا غلام، تیس والا غلام اس کو دس کا نفع دے دیا، اور ساٹھ والے کو بیس کا نفع دے دیا۔ جو تیس والا غلام تھا اس کا ایک ثلث آزاد ہو گیا۔ دس کا نفع دیا، ایک ثلث کیا ہوا؟ آزاد۔ اور دو ثلث باقی ہیں، اور وہ جائے گا، جا کر محنت مزدوری کرے گا، کمائی کر کے لائے گا اور بقیہ بیس دینار وارثوں کو دے گا اور پھر پورا آزاد ہو جائے گا۔ اور جب کہ ساٹھ والا غلام، اس کو کتنا حصہ دیا؟ بیس۔ بیس دیا۔ اور بیس ساٹھ کا کتنا ہے؟ ثلث۔ تو اس کا بھی ثلث آزاد ہو گیا، اور یہ چالیس دینار جا کر کما کر لائے گا اور اپنے آپ کو آزاد کروا لے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھا ایک کے لیے گویا تیس کی وصیت تھی، دوسرے کے لیے ساٹھ

کی۔ تیس اور ساٹھ میں کیا نسبت ہے؟ ایک کو دوسرے کے مقابلے میں دگنا مل رہا ہے۔ لہٰذا وہ جو تیس دینار کا ہم فائدہ دیں گے وہ جو ثلث کا، وہ بھی اس طریقے سے کہ ایک کو دوسرے کے مقابلے میں دگنا ملے، تو دس دینار کم والے کے لیے ہو گئے اور بیس دینار زیادہ والے کے لیے ہو گئے، اتنا اتنا حصہ آزاد ہو جائے گا۔ یعنی دونوں غلاموں کا ثلث ثلث آزاد ہو جائے گا، لیکن تیس دینار والا جو ہے وہ بیس دینار مزید کما کر لا کر دے گا، اور ساٹھ دینار والا چالیس دینار یعنی دو ثلث مزید کما کر لا کر وارثوں کو دے گا اور پھر دونوں آزاد ہو جائیں گے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہاں پر بھی دیکھو ثلث سے زائد کا امام صاحب نے اعتبار کیا، اس کو بالکل لغو نہیں کیا۔

دیکھیے بھئی: وَصُورَةُ السِّعَايَةِ، اور سِعایہ کی صورت یہ ہے، أَعْتَقَ عَبْدَيْنِ، کہ ایک شخص نے آزاد کیا دو غلاموں کو، قِيمَتُهُمَا مَا ذُكِرَ، ان کی قیمت وہ تھی جو ذکر کر دی گئی یعنی ایک تیس کا اور ایک ساٹھ کا، وَلَا مَالَ لَهُ سِوَاهُمَا، اور اس آدمی کا اس کے علاوہ اور کوئی مال نہیں ہے، اور کب آزاد کیا؟ مرض الموت میں۔ مرض الموت میں نہیں ہو تو پھر تو، پھر سارے میں نافذ ہو جائے گی۔ تو فَالْوَصِيَّةُ لِلْأَوَّلِ بِثُلُثِ الْمَالِ وَلِلثَّانِي بِثُلُثَيِ الْمَالِ، تو اس نے وصیت کی گویا پہلے کے لیے ثلثِ مال کی کیونکہ وہ تیس کا ہے اور اس کو آزاد کر رہا ہے تو ثلثِ مال کی، وَلِلثَّانِي بِثُلُثَيِ الْمَالِ، اور دوسرے کے لیے دو ثلث مال کی کیونکہ وہ ساٹھ کا ہے اور کل مال نوے ہے تو اس کے لیے گویا ساٹھ یعنی دو ثلث کی وصیت کر رہا ہے۔ فَسِهَامُ الْوَصِيَّةِ بَيْنَهُمَا أَثْلَاثٌ، تو وصیت کے حصے ان کے درمیان تین حصے کر کے تقسیم ہو جائیں گے یعنی ایک ہی ثلث کے تین حصے کر کے ان میں تقسیم کریں گے۔ وَاحِدٌ لِلْأَوَّلِ وَاثْنَانِ لِلثَّانِي، ایک حصہ جو ہے وہ پہلے کے لیے ہو جائے گا اور دو ثلث جو ہیں دوسرے کے لیے ہو جائیں گے۔ فَيُقَسَّمُ الثُّلُثُ بَيْنَهُمَا كَذٰلِكَ، تو ایک ہی ثلث کو تقسیم کر دیا جائے گا ان دونوں کے درمیان اسی طرح۔ فَيُعْتَقُ مِنَ الْأَوَّلِ ثُلُثُهُ، پہلے میں سے آزاد ہو جائے گا اس کا ثلث، وَهُوَ عَشَرَةٌ، اور اس کا ثلث تو کتنا ہے؟ عَشَرَةٌ ہے، وہ کل تیس کا ہے نا تو ثلث عَشَرَةٌ ہے وہ آزاد ہو گیا۔ وَيَسْعٰى فِي عِشْرِينَ، اور وہ سعی کرے گا یعنی مزدوری کرے گا فِي عِشْرِينَ کتنے میں؟ بیس میں یعنی دو ثلث میں وہ کما کر لا کر دے گا۔ وَيُعْتَقُ مِنَ الثَّانِي ثُلُثُهُ، ثانی میں سے بھی اس کا ثلث آزاد ہو جائے گا، وَهُوَ عِشْرُونَ، اور اس کا ثلث تو کتنا ہے؟ عِشْرُونَ، بیس ہے۔ وَيَسْعٰى فِي أَرْبَعِينَ، اور وہ سعی کرے گا چالیس میں یعنی وہ کما کر لا کر دے گا۔ فَيَضْرِبُ كُلٌّ بِقَدْرِ وَصِيَّتِهِ، فَيَضْرِبُ پس حصہ لے لے گا كُلٌّ ہر ایک بِقَدْرِ وَصِيَّتِهِ اپنی وصیت کے بقدر ہر ایک اپنا حصہ لے لے گا، وَإِنْ كَانَتْ زَائِدَةً عَلَى الثُّلُثِ، اگرچہ وہ وصیت ثلث سے زائد تھی لیکن اس کو لغو نہیں کیا، اس کا اعتبار کیا۔

وَصُورَةُ الدَّرَاهِمِ الْمُرْسَلَةِ، دراہمِ مرسلہ۔ مرسل کا معنیٰ ہے آزاد، آزاد جس میں کوئی قید نہ ہو۔ جس میں کوئی قید نہ ہو، اس کو آزاد۔ جانور کو آزاد چھوڑ دیا تو کہتے ہیں أَرْسَلَ الْبَهِيمَةَ، بات سمجھ میں آ گئی؟ آزاد چھوڑ دیا۔ اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں ہم تو ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دیتے ہیں

جیسے رکوع کے بعد ہم ہاتھوں کو باندھتے نہیں یا کھلا چھوڑ دیتے ہیں، تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز میں ہاتھوں کو باندھتے نہیں ہیں، کھلا چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں، اس کو ارسال کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ ارسال۔ اچھا جی، تو أَرْسَلَ يُرْسِلُ إِرْسَالاً۔ تو دراہمِ مرسلہ کا معنیٰ ہے آزاد درہم، یعنی جس میں ثلث ربع وغیرہ کی قید نہ ہو۔ ایک شخص نے زید کے لیے وصیت کی میرے مرنے کے بعد زید کو پچاس درہم دے دینا، پچاس دینار دے دینا۔ پچاس دینار، اور اس کا کل مال سو دینار ہے، تو گویا آدھے کی وصیت کر رہا ہے، کتنے کی؟ آدھے کی وصیت۔ لیکن امام صاحب فرماتے ہیں یہاں وصیت مطلب دو تین آدمیوں کے لیے وصیتیں کی ہیں، ایک کے لیے پچاس کی کی ہے، ایک کے لیے ساٹھ کی کی ہے، ایک کے لیے سو کی کی ہے، تو وہ فرماتے ہیں یہ اگرچہ اس کے ثلثِ مال سے زائد کی وصیتیں ہیں لیکن یہ لغو نہیں کیونکہ یہ دراہمِ مرسلہ ہیں، یہ کیا ہیں؟ دراہمِ مرسلہ۔ پچھلے مسئلے میں اس نے اپنی زبان سے کہا تھا میں اس کے لیے کل مال کی وصیت کرتا ہوں، اور اب کل کا لفظ نہیں بول رہا، کل یا نصف یا دو ثلث یہ لفظ نہیں وہ بول رہا بلکہ لفظ کیا بول رہا ہے؟ مقدار ذکر کر رہا ہے کہ اس کو میرے مرنے کے بعد پچاس دینار دے دینا۔ تو اب ہم مرنے کے بعد دیکھیں گے۔ مثلاً دو وارث سمجھ لو، بلکہ یہی صورت بنا لو: ایک شخص ہے اس نے وصیت کی میرے مرنے کے بعد تیس دینار زید کو دے دینا اور ساٹھ دینار بکر کو دے دینا۔ اور جب وہ مر گیا دیکھا تو اس کے پاس کل مال ہی نوے دینار ہیں، اس سے زیادہ مال ہی نہیں ہے۔ تو اب دیکھو، امام صاحب کا اصول تو کیا ہے؟ ثلث سے زائد وصیت لغو ہوتی ہے، اور بکر کے لیے تو اس نے ساٹھ دینار کی وصیت کی ہے، تو اصول کے مطابق تیس دینار کی وصیت بالکل لغو ہونی چاہیے اور یوں سمجھنا چاہیے زید کے لیے بھی تیس دینار کی وصیت اور بکر کے لیے بھی تیس دینار۔ لیکن نہیں، امام صاحب یہاں ثلث سے زائد کا بھی اعتبار کرتے ہیں کیونکہ یہ دراہمِ مرسلہ ہیں، یعنی ان میں ثلث ربع وغیرہ کی قید نہیں ہے۔ تو لہٰذا زید کے لیے کتنے کی وصیت؟ تیس۔ اور دوسرے کے لیے؟ ساٹھ۔ اور کل مال کتنا؟ نوے، نوے۔ تو نوے کا ثلث کتنا؟ تیس۔ تو صرف تیس دینار میں یہ وصیت نافذ ہو گی۔ اور اس تیس میں ہم پھر دیکھیں گے: پھر دیکھو زید کے لیے کتنی وصیت؟ تیس۔ اور دوسرے کے لیے؟ ساٹھ۔ معلوم ہوا وہ دوسرے کو زید کے مقابلے میں دگنا دینا چاہتا ہے۔ تو یہ جو تیس ثلث نکلا اس کے تین حصے کر دیں گے، ایک حصہ زید کے لیے اور دو حصے دوسرے کے لیے۔ تو...

یہ، زید کو دس دینار دے دیں گے اور دوسرے کو بیس دینار دے دیں گے۔ تو دیکھا یہاں بھی امام صاحب نے ثلث سے زائد کا اعتبار کیا، اس کو لغو نہیں کیا۔

تو کہتے ہیں: وَصُورَةُ الدَّرَاهِمِ الْمُرْسَلَةِ، اور دراہمِ مرسلہ کی صورت یہ ہے، أَوْصٰى لِزَيْدٍ بِثَلَاثِينَ دِرْهَمًا وَلِلْآخَرِ بِسِتِّينَ دِرْهَمًا، کہ وصیت کی زید کے لیے تیس درہموں کی اور دوسرے کے لیے ساٹھ درہم کی، وَمَالُهُ تِسْعُونَ دِرْهَمًا، اور اس کا کل مال نوے درہم ہے، يَضْرِبُ كُلٌّ بِقَدْرِ وَصِيَّتِهِ، حصہ لے لے گا ان میں سے ہر ایک اپنی وصیت کے بقدر، فَيَضْرِبُ الْأَوَّلُ الثُّلُثَ فِي ثُلُثِ مَالِهِ، تو حصہ لے لے گا پہلا شخص ثلث کا، ثلث حصہ لے گا فِي ثُلُثِ الْمَالِ کس میں سے؟ ثلثِ مال میں

سے ثلث لے لے گا، وَالثَّانِي الثُّلُثَيْنِ فِي ثُلُثِ الْمَالِ، اور دوسرا جو ہے وہ دو ثلث لے لے گا ثلثِ مال میں سے۔ وَالْمُرَادُ بِالْمُرْسَلَةِ مُطْلَقَةٌ، کہتے ہیں مرسلہ، دراہمِ مرسلہ سے مراد مطلق دراہم ہیں، أَيْ غَيْرُ مُقَيَّدَةٍ بِأَنَّهَا ثُلُثٌ أَوْ نِصْفٌ أَوْ نَحْوُهُمَا، یعنی جو مقید نہ ہوں کہ وہ ثلث ہیں یا نصف ہیں یا اس جیسا، ثلث ربع کی قید اس میں نہ ہو۔

وَإِنَّمَا فَرَّقَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ بَيْنَ هٰذِهِ الصُّوَرِ الثَّلَاثِ وَبَيْنَ غَيْرِهَا، امام صاحب نے فرق کیا ان تین صورتوں میں اور اس کے علاوہ باقی صورتوں میں، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ إِذَا كَانَتْ مُقَدَّرَةً بِمَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ صَرِيحًا، اس لیے کیونکہ وصیت جب وہ مقرر ہو اس کے ساتھ جو زائد ہے ثلث پر صَرِيحًا صاف لفظوں میں، جب وصیت ثلث سے زیادہ کے ساتھ مقرر ہو، ایک آدمی نے دوسرے کے لیے وصیت کی کہ اس کو میرا نصف مال دے دینا، تو دیکھو یہ وصیت مقرر ہے ثلث سے زیادہ کے ساتھ، یا ایک آدمی کہتا ہے میرے مرنے کے بعد زید کو سارا مال دے دینا، تو یہ وصیت بھی مقرر ہے کس کے ساتھ؟ ثلث سے زیادہ کے ساتھ۔ لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ إِذَا كَانَتْ مُقَدَّرَةً بِمَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ صَرِيحًا، اس لیے کیونکہ وصیت جب وہ مقرر ہو اس مقدار کے ساتھ جو زائد ہو ثلث پر صَرِيحًا صاف لفظوں میں، كَالنِّصْفِ وَالثُّلُثَيْنِ وَغَيْرِهِمَا، جیسے کہ نصف ہے اور دو ثلث وغیرہ ہیں، وَالشَّرْعُ أَبْطَلَ الْوَصِيَّةَ فِي الزَّائِدِ، اور شریعت نے تو باطل قرار دیا ہے وصیت کو زائد کے اندر، فَيَكُونُ ذِكْرُهُ لَغْوًا، تو امام صاحب کے نزدیک یہ زائد کا ذکر لغو ہوگا، اس کا اعتبار نہیں کریں گے، فَلَا يُعْتَبَرُ فِي حَقِّ الضَّرْبِ، لہٰذا اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا ضرب دینے میں یعنی یوں کہیں حصہ لینے میں۔ بِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يَكُنْ مُقَدَّرَةً، بخلاف اس صورت کے جب کہ وہ وصیت اس طرح مقرر نہ ہو، بِأَنَّهُ أَيُّ شَيْءٍ مِنَ الْمَالِ، بایں صورت کہ وہ کتنا حص، کتنا ہے مال میں سے، كَمَا فِي الصُّوَرِ الثَّلَاثِ، جیسے کہ ان تین صورتوں میں تھا۔

بھئی دیکھیے: امام صاحب فرماتے ہیں، جب دراہمِ مرسلہ یا محابات یا سِعایہ میں اس نے ذکر کیا، تو وہاں اس نے ثلثِ مال، ربعِ مال، نصفِ مال، ثلث، دو ثلث مال وغیرہ یا کل مال کی قید نہیں لگائی۔ اس نے کل مال کی قید نہیں لگائی۔ جب کل مال یا نصف یا ثلثان کی قید نہیں ہے یعنی ثلث سے زائد کی کوئی قید نہیں ہے، تو پھر ان کا اعتبار کریں گے، پھر ان کا اعتبار کریں گے۔ اور اگر کل کی اس نے قید لگائی ہے، تو پھر وہ لغو ہو جائے گا۔ مثلاً دیکھو مثال سے میں وضاحت کرتا ہوں۔ دیکھو ایک آدمی کا کل مال ہے نوے درہم، اور اس نے وصیت کی میرے مرنے کے بعد، میرے مرنے کے بعد تیس درہم زید کو دے دینا اور ساٹھ درہم کسی اور کے لیے وصیت کی اس کو دے دینا۔ تو یہ جو ساٹھ کی وصیت کر رہا ہے، یہ ساٹھ کل مال کا کتنا بنتا ہے؟ دو ثلث۔ لیکن اس نے کوئی کہا دو ثلث دے دینا؟ نہیں، اس نے دو ثلث نہیں کہا۔ اگر وہ دو ثلث کہہ دیتا تو پھر ہم نے ثلث کا اعتبار کرنا تھا کیونکہ ثلث سے زائد کو تو شریعت نے باطل قرار دیا ہے۔ اس نے دو ثلث نہیں کہا، اس نے ساٹھ کا لفظ بولا ہے، ساٹھ کا لفظ۔ اگر ثلث سے زائد والا کوئی لفظ بول دیتا پھر اس کی زائد لغو ہو جانی تھی، لیکن اس نے زائد کی بات نہیں کی، اس نے صرف اتنا کہا میرے ساٹھ درہم فلاں کو دے دینا۔ تو اب اس نے ثلث سے زائد کی بات ہی نہیں کی، اس نے مقدار ذکر کی، اب ہو سکتا ہے اس کے کہیں سے دینار نکل آئیں، اس نے کہیں چھپا کر

خزانہ رکھا تھا اور اس کا پتہ چل گیا۔ جب اس خزانے کا پتہ چل گیا مثلاً ایک جگہ سے اس کے پانچ سو دینار یا درہم نکل آئے، اب بتاؤ یہ ساٹھ اور نوے اس میں سے نافذ ہو سکتے ہیں یا نہیں ہو سکتے؟ نافذ ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر اس نے کہا ہوتا میرے مرنے کے بعد فلاں کو دو ثلث دے دینا، زید کو ثلث دینا اور بکر کو دو ثلث دینا، تو امام صاحب فرماتے ہیں زائد کی وصیت لغو ہے کیونکہ اب اس سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں۔ فرض کرو اس کا کل مال کتنا ہے ابھی ہم نے بتایا؟ نوے دینار، نوے درہم یا نوے دینار، اور پانچ سو دینار اور نکل آئے، تو کیا وصیت نافذ ہو سکتی ہے؟ ساٹھ اور نوے، اس نے ساٹھ اور تیس کی وصیت نہیں کی دوسری صورت ذکر کر رہا ہوں، جب اس نے کیا کہا؟ زید کو ثلث دے دینا اور بکر کو دو ثلث دے دینا۔ پھر نہیں ہو سکتا۔ پانچ سو دینار کہیں اور سے نکل آئیں، چاہے ہزار نکل آئیں، چاہے لاکھ نکل آئیں، اس نے تو کہا دو ثلث دینے ہیں تو وہ سارے بیچ میں آتے جائیں گے، بڑھتا چلا جائے گا وہ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ اب فرق سمجھ میں آگیا کہ اگر وہ مقدار ذکر کرتا ہے تو ثلث، نصف یا دو ثلث وغیرہ یا کل کی قید نہیں لگاتا تو پھر ان کا اعتبار کریں گے، لیکن اگر وہ نصف یا دو ثلث یا کل کہتا ہے تو پھر وہ لغو کیونکہ اس سے تو جان چھڑانے کی کوئی صورت نہیں، وہ شرعاً باطل ہیں تو ان کو لغو قرار دے دیں گے، ان کو پورا کیا ہی نہیں جا سکتا کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: بِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يَكُنْ مُقَدَّرَةً، بخلاف اس کے کہ جب وہ مقرر نہ ہو یعنی نصف اور ثلثان وغیرہ سے، بِأَنَّهُ أَيُّ شَيْءٍ مِنَ الْمَالِ، بایں صورت کہ وہ کتنا ہے مال میں سے یعنی نصف ہے یا دو ثلث ہے، كَمَا فِي الصُّوَرِ الثَّلَاثِ، جیسے کہ ان تین صورتوں میں تھا۔ ان میں کہیں بھی نصف یا ثلثان وغیرہ کا ذکر نہیں تھا، بس ایک مقدار ذکر تھی۔ فَإِنَّهُ لَيْسَ فِي الْعِبَارَةِ مَا يَكُونُ مُبْطِلًا لِلْوَصِيَّةِ، اس لیے کیونکہ عبارت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو باطل کر دے وصیت کو۔ یہاں عبارت میں کوئی چیز نہیں ہے جو وصیت کو باطل کر دے، ہاں اگر وہ کہہ دیتا نصف دے دینا، تو شریعت باطل کر دے گی ثلث سے زائد کو۔ وہ کہتا ہے کل دے دینا، تو لفظوں میں ہی ایسی چیز ہے جس کو شریعت کیا کر دیتی ہے؟ باطل۔ تو فَإِنَّهُ لَيْسَ فِي الْعِبَارَةِ مَا يَكُونُ مُبْطِلًا لِلْوَصِيَّةِ، اس لیے کیونکہ عبارت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو وصیت کو باطل کر دے، كَمَا إِذَا أَوْصٰى بِخَمْسِينَ دِرْهَمًا، جیسے کہ اس نے وصیت کی پچاس درہم کی، وَاتَّفَقَ مَالُهُ مِائَةُ دِرْهَمٍ، اور اتفاق ایسا ہوا کہ اس کا مال کتنا تھا؟ سو درہم تھا۔ فَإِنَّ الْوَصِيَّةَ غَيْرُ بَاطِلَةٍ بِالْكُلِّيَّةِ، تو پھر اس کی یہ وصیت باطل نہیں ہے پورے طور پر، لِإِمْكَانِ أَنْ يَظْهَرَ لَهُ مَالٌ فَوْقَ الْمِائَةِ، اس لیے کیونکہ امکان ہے کہ شاید اس کا مال ظاہر ہو جائے سو سے زیادہ، کہیں اور سے اس کا مال مل جائے۔ لیکن اگر یہ کیا کہہ دیتا؟ نصف مال دے دینا، پھر تو اور مال مل بھی جاتا وہ بھی اس کے اندر ہی آتا چلا جاتا اور نصف بڑھ جاتا، اس پر عمل کی کوئی صورت تھی ہی نہیں۔ وَإِذَا لَمْ تَكُنْ بَاطِلَةً بِالْكُلِّيَّةِ، اور جب یہ پورے طور پر باطل نہیں ہے، تَكُونُ مُعْتَبَرَةً فِي حَقِّ الضَّرْبِ، تو یہ جو تین صورتوں میں جو زائد ہو گا وہ معتبر ہو گا ضرب کے حق میں بھی۔ وَهٰذَا فَرْقٌ دَقِيقٌ شَرِيفٌ، اور یہ فرق جو ہے دَقِيقٌ باریک ہے، شَرِيفٌ بلند رتبے والا ہے۔ بلند، بڑا باریک فرق ہے اور بڑا شَرِيف یعنی بلند رتبہ فرق ہے، ہر ایک اس تک نہیں پہنچ سکتا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ سمجھ، حل ہو گیا کہ نہیں؟ جی۔

یہ پوچھ رہے ہیں بھئی کہ زیادہ کا اعتبار کیسے ہو گا؟ مل تو ان کو پھر بھی کس میں سے رہا ہے؟ ثلث میں سے رہا ہے۔ کیسے؟ بھئی دیکھو نا، پچھلے مسئلے میں اس نے زید کے لیے وصیت کی تھی ثلثِ مال کی، اور دوسرے کے لیے وصیت کی تھی کل مال کی۔ ہم نے کہا تھا دوسرے کے لیے بھی کل نہیں بلکہ اس کو بھی کیا سمجھو؟ ثلث ہی سمجھو، کیونکہ ثلث سے زائد کی تو شریعت اجازت نہیں دیتی۔ تو ثلث، تو دونوں کے لیے گویا ثلث کی اجازت، جب دونوں کے لیے ثلث تو گویا دونوں کے لیے برابر مال، جب دونوں کے لیے برابر مال تو آدھا ثلث ایک کو دے دو اور آدھا ثلث دوسرے کو۔ دینا تو ثلث میں سے ہی ہے لیکن اب برابر دو، حالانکہ اس نے ایک کے لیے ثلث کہا ہے دوسرے کے لیے کل کہا ہے اور یہ تو تقاضا کرتا ہے دوسرے کو زیادہ ملنا چاہیے، لیکن امام صاحب زیادہ کا اعتبار نہیں کرتے۔ زیادہ کا اعتبار نہیں کرتے۔ لیکن یہ محابات، سِعایہ، دراہمِ مرسلہ میں دیکھو، ایک کے لیے کم کی وصیت ہے، ایک کے لیے زیادہ کی ہے، اور وہ زیادہ ثلث سے زیادہ ہے، لیکن امام صاحب اعتبار کرتے ہیں، اور وہ جو ثلث جب دونوں میں تقسیم کرتے ہیں، تو ایک کو دوسرے کے مقابلے میں زیادہ دیتے ہیں۔ یہ ہے اعتبار کرنا، بات سمجھ میں آئی؟ زیادہ دے رہے ہیں، حالانکہ ایک کے لیے، مثلاً اس نے کیا کہا تھا؟ میرے مرنے کے بعد زید کو تیس دینار دے دینا اور بکر کو ساٹھ دینار دے دینا، اور اس کا کل مال ہی نوے دینار ہے۔ تو زید کے لیے کتنے کی وصیت ہوئی؟ تیس۔ بکر کے لیے کتنے کی ہوئی؟ ساٹھ۔ اور یہ ساٹھ تو ثلث سے زیادہ ہے، کل مال ہی نوے ہے، تو ہونا تو یہ چاہیے گویا بکر، تیس سے زائد کی وصیت لغو ہونی چاہیے، گویا زید کے لیے بھی تیس کی وصیت اور بکر کے لیے بھی تیس کی وصیت، اور جب دونوں کے لیے برابر کی وصیت ہے، تو جو ثلث نکلے گا دونوں کا وہ آدھا آدھا ملنا چاہیے، لیکن امام صاحب فرماتے ہیں آدھا آدھا نہیں دیں گے، ایک کو دوسرے سے دگنا دینا ہے، کیونکہ وہ جو زائد ہے اس کا بھی اعتبار کریں گے۔ وہ ہم دے تو نہیں سکتے کیونکہ دینا تو ثلث میں سے ہی ہے، لیکن اس کا اعتبار کریں گے، لہٰذا اب ثلث کے تین حصے کریں گے، زید کو ایک حصہ اور دوسرے کو دو حصے کا نفع دے دیں گے۔ اب بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ٦٤: وصیت بمثل نصیبِ ابن، وصیت بجزء شائع اور وصیت بالف و ثلث کے حساب و تصحیح کے قواعد

شرح الوقایہ صفحہ: ١٥٤ — بتاریخ: ٨ مارچ ٢٠٢٠ء

- **تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث**

آگے سبق دیکھیے بھئی۔

وَبِمِثْلِ نَصِيبِ ابْنِهِ صَحَّتْ وَبِنَصِيبِ ابْنِهِ لَا لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ بِمَا هُوَ حَقُّ الِابْنِ لَا تَصِحُّ لِغَيْرِهِ وَفِيهِ خِلَافُ زُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى وَلَهُ ثُلُثٌ إِنْ أَوْصَى مَعَ ابْنَيْنِ وَبِجُزْءٍ مِنْ مَالِهِ يُبَيِّنُهُ الْوَرَثَةُ أَيْ يُقَالُ لِلْوَرَثَةِ أَعْطُوهُ مَا شِئْتُمْ لِأَنَّهُ مَجْهُولٌ وَالْجَهَالَةُ لَا تَمْنَعُ صِحَّةَ الْوَصِيَّةِ فَالْبَيَانُ إِلَى الْوَرَثَةِ۔

وصیت کے مسائل بیان ہو رہے ہیں۔ اگلی صورت یہ کہتے ہیں: وَبِمِثْلِ نَصِيبِ ابْنِهِ صَحَّتْ وَبِنَصِيبِ ابْنِهِ لَا۔ ایک شخص جو ہے وہ وصیت کرتا ہے کسی دوسرے کے لیے کہ اس کو میرے بیٹے کا حصہ دے دینا بھئی۔ میرے مرنے کے بعد میرے بیٹے کا حصہ اس کو دے دینا۔ یاد رکھیے یہ وصیت درست نہیں ہے، کیونکہ وصیت وہ کس کی کر رہا ہے؟ بیٹے کے حصے کی، اور بیٹے کا حصہ وہ تو بیٹے کا ہے بھئی، وہ یہ کسی اور کو نہیں دے سکتا، وہ اللہ نے بیٹے کا حق مقرر فرمایا ہے، لہٰذا یہ وصیت باطل ہے۔ ہاں اگر یوں کہتا ہے: میرے بیٹے کے برابر حصہ اس کو دے دینا یا میرے بیٹے جیسا حصہ اس کو دے دینا، پھر وصیت صحیح ہے بھئی۔ کہتے ہیں: وَبِمِثْلِ نَصِيبِ ابْنِهِ صَحَّتْ، اور وصیت کرنے والے کے بیٹے کے حصے کے مثل، ترجمہ آخر سے ہو رہا ہے: بِمِثْلِ نَصِيبِ ابْنِهِ، وصیت کرنے والے کے بیٹے یا یوں کہیں اپنے بیٹے کے حصے کے برابر کی وصیت، صَحَّتْ یہ تو صحیح ہے، وَبِنَصِيبِ ابْنِهِ لَا، اور بیٹے کے حصے کی وصیت یہ صحیح نہیں ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے بھئی؟

لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ بِمَا هُوَ حَقُّ الِابْنِ لَا تَصِحُّ لِغَيْرِهِ، اس لیے کیونکہ وصیت کرنا اس چیز کی جو بیٹے کا حق ہے یہ صحیح نہیں ہے غیر کے لیے۔ لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ بِمَا هُوَ حَقُّ الِابْنِ، اس لیے کیونکہ وصیت کرنا اس حصے کی جو کہ بیٹے کا حق ہے، آگے آ رہا ہے لِغَيْرِهِ، کس کے لیے یہ وصیت کرنا؟ غیر کے لیے، لَا درمیان میں آ گیا لَا تَصِحُّ یہ صحیح نہیں۔ وہ جو بیٹے کا حصہ ہے اس کی وصیت

کرنا کسی دوسرے کے لیے یہ صحیح نہیں ہے بھئی۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ بِمَا هُوَ حَقُّ الِابْنِ لَا تَصِحُّ لِغَيْرِهِ، اس لیے کیونکہ وصیت کرنا اس حصے کی جو کہ بیٹے کا حق ہے غیر کے لیے یہ صحیح نہیں ہے۔ وَفِيهِ خِلَافُ زُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ، اور اس میں اختلاف ہے امامِ زفر رحمہ اللہ کا۔ امامِ زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بیٹے کے حصے کی بھی وصیت کسی کے لیے کرے گا تو یہ صحیح ہے، اس لیے کیونکہ اس وقت یہ بیٹے کا حصہ نہیں، اس وقت تو اس کا مال ہے، بیٹے کا حصہ کب بنے گا؟ مرنے کے بعد۔ تو اس وقت یہ وصیت صحیح ہے بھئی، وصیت صحیح ہے اس کا اپنا مال ہے اس کی وصیت کر رہا ہے، تو لہٰذا نافذ اسی طرح ہوگی ثُلُث کے اندر ہی، بات سمجھ میں آگئی؟ الا یہ کہ ورثاء اجازت دے دیں۔

وَلَهُ ثُلُثٌ إِنْ أَوْصَى مَعَ ابْنَيْنِ۔ وَلَهُ ثُلُثٌ إِنْ أَوْصَى مَعَ ابْنَيْنِ، اور وہ مُوصَى لَهُ کے لیے ثُلُث ہوگا إِنْ أَوْصَى مَعَ ابْنَيْنِ اگر اس مُوصِی نے وصیت کی اپنے دو بیٹوں کے ساتھ۔ وصیت کرنے والے کے دو بیٹے ہیں اور اس نے ایک شخص کے لیے وصیت کی کہ اس کو بھی میرے بیٹے کے برابر، میرے بیٹوں کے برابر حصہ دے دینا، میرے بیٹے جیسا حصہ اس کو بھی دے دینا۔ تو اب کہتے ہیں کہ اس کو ثُلُثِ مال ملے گا۔ گویا کل مال کے تین حصے کر دیں گے، دو ثُلُث بیٹوں کے ہو جائیں گے، ایک ایک ثُلُث ہر بیٹے کا، اور ایک ثُلُث اس کا ہو جائے گا۔ تو دیکھو اس کو بیٹوں جیسا حصہ مل گیا۔ ایک بیٹے کو بھی ثُلُث، دوسرے بیٹے کو بھی ثُلُث اور یہ مُوصَى لَهُ کو بھی ثُلُث مل گیا۔ دیکھو اس کو بھی بیٹوں جیسا حصہ مل گیا۔ یہ معنی ہے: وَلَهُ ثُلُثٌ إِنْ أَوْصَى مَعَ ابْنَيْنِ، اور مُوصَى لَهُ کے لیے ثُلُثِ مال ہوگا اگر وصیت کرنے والے نے وصیت کی مَعَ ابْنَيْنِ ساتھ اپنے دو بیٹوں کے۔ دوسری صورت: اگر ایک بیٹا تھا پھر کیسے ہوگا؟ اس نے کیا کہا؟ یہ اس کو بھی میرے بیٹے جیسا حصہ دے دینا، ضابطہ وہی جاری ہوگا۔ گویا اس کے لیے نِصْف کی وصیت کر رہا ہے، اور وصیت تو نِصْف سے، ثُلُث سے زائد میں جائز نہیں جب تک کہ ورثاء اجازت نہ دیں، تو لہٰذا اس کو ثُلُث ملے گا۔ ایک بیٹا ہے باقی سارا مال بیٹے کا ہو جائے گا، الا یہ کہ وہ بیٹا اجازت دے دے اور کوئی وارث نہیں صرف بیٹا ہے، تو بیٹا اجازت دے دیتا ہے تو پھر نِصْف اس کو دے دیں گے مُوصَى لَهُ کو اور نِصْف بیٹے کو دے دیں گے۔ تو یہ وصیت صحیح ہے، وصیت صحیح ہونے کا یہ معنی نہیں کہ اس کو سارا ہی دینا ہے، دینا اس کو ثُلُث ہی ہے الا یہ کہ ورثاء اجازت دیں۔

آگے دیکھیے: وَبِجُزْءٍ مِنْ مَالِهِ يُبَيِّنُهُ الْوَرَثَةُ۔ میری کتاب میں ہے بِنِيَّةِ الْوَرَثَةِ، یہ غلط ہے، کتابت کی غلطی ہے، يُبَيِّنُهُ الْوَرَثَةُ، اس کو بیان کریں گے ورثاء، اس کو بیان۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے وصیت کی کسی دوسرے کے لیے کہ اس کو میرے مال میں سے ایک جُزْء دے دینا۔ جُزْء کا کیا معنی؟ حصہ۔ اب یہ حصہ کتنا دیں بھئی؟ یہ تو مجہول ہو گیا۔ رُبْع وہ بھی حصہ ہوتا ہے، ثُلُث وہ بھی حصہ ہوتا ہے، نِصْف یہ بھی حصہ ہوتا ہے، خُمْس یہ بھی حصہ ہوتا ہے، سُدْس یہ بھی حصہ ہوتا ہے، سُبْع یہ بھی حصہ ہوتا ہے، ثُمْن یہ بھی حصہ ہے۔ جتنے حصے کر لو گے اس کے مطابق حصہ بن جائے گا، مال کے دو حصے کرتے ہو، چار کرتے ہو، چھ کرتے ہو، آٹھ کرتے ہو، دس کرتے ہو، تو ہر ایک ان میں سے ایک حصہ کہلائے گا۔ تو اس کو کون سا حصہ دیں بھئی؟ کون سا حصہ؟ کہتے ہیں کہ یہ چونکہ مجہول ہے لہٰذا وارثوں پر اس کا بیان ہو جائے گا، وارث اس کو

.بیان کر دیں گے، وہ جتنا دینا چاہیں دے دیں۔ وہ جتنا دینا چاہیں دے دیں، وہ دسواں حصہ دینا چاہتے ہیں، آٹھواں حصہ دینا چاہتے ہیں، جتنا دینا چاہتے ہیں وہ ان کی مرضی ہے، چاہے تھوڑا سا دینا چاہتے ہیں ان کی مرضی ہے۔ تو یہ معنی ہے: وَبِجُزْءٍ مِنْ مَالِهِ، اور اپنے مال کے ایک جُزء کی وصیت کی صورت میں يُبَيِّنُهُ الْوَرَثَةُ، ورثاء اس کو بیان کریں گے کہ کتنا دینا چاہتے ہیں۔ أَيْ يُقَالُ لِلْوَرَثَةِ، یعنی ورثاء کو کہا جائے گا أَعْطُوهُ مَا شِئْتُمْ کہ اس کو دے دو جو تم چاہتے ہو لِأَنَّهُ مَجْهُولٌ، اس لیے کیونکہ جُزء کیا ہے؟ مجہول ہے۔ وَالْجَهَالَةُ لَا تَمْنَعُ صِحَّةَ الْوَصِيَّةِ، اور مجہول ہونا یہ وصیت کے صحت کے، کو روکتا نہیں، یعنی یہ وصیت کے صحیح ہونے کے منافی نہیں ہے۔ مجہول ہونے کے باوجود وصیت صحیح ہو سکتی ہے، جیسے اس صورت میں ہے، وصیت مجہول حصے کی ہے لیکن صحیح ہے، اور پھر بیان چاہیے بھئی اس کے لیے کتنا حصہ مراد ہے، کہتے ہیں ورثاء بیان کر دیں گے، ان کا جتنا دل چاہے گا وہ دے دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنی ہے: وَالْجَهَالَةُ لَا تَمْنَعُ صِحَّةَ الْوَصِيَّةِ، اور مجہول ہونا یہ روکتا نہیں ہے صِحَّةَ الْوَصِيَّةِ وصیت کے صحیح ہونے کو فَالْبَيَانُ إِلَى الْوَرَثَةِ تو بیان جو ہے وہ وارثوں کی جانب ہو گا، وہ اس کو بیان کریں گے۔

وَبِسَهْمٍ السُّدْسُ فِي عُرْفِهِمْ۔ ایک شخص نے وصیت کی دوسرے کے لیے کہ اس کو میرے مال میں سے ایک سَهْم دے دینا، سَهْم۔ سَهْم بھی حصے کو کہتے ہیں، تو آپ کو بتلائیں گے امام صاحب فرماتے ہیں کہ سَهْم کا لفظ اگر کسی نے بولا، اب سَهْم، ثُلُث بھی سَهْم ہے، رُبْع بھی سَهْم ہے، سُدْس بھی سَهْم ہے، ثُمْن بھی سَهْم ہے، تو کون سا حصہ مراد ہو گا؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ سَهْم کا لفظ اگر مُوصِی نے بولا ہے تو اس کو پھر چھٹا حصہ دے دیں گے، کیونکہ اہلِ عرب کے ہاں، اہلِ عرب کے ہاں سُدْس کو جو ہے سَهْم کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ سَهْم، اور یہ بعض احادیث میں بھی ذکر ہے بھئی۔ کہتے ہیں: وَبِسَهْمٍ اور سَهْم کی وصیت میں السُّدْسُ سُدْس ہو گا فِي عُرْفِهِمْ أَيْ فِي عُرْفِ الْعَرَبِ، کن کے عرف میں؟ عرب کے عرف میں، یعنی ان کے ہاں سَهْم جو ہے سُدْس کو کہتے ہیں۔ وَهُوَ كَالْجُزْءِ فِي عُرْفِنَا، اور سَهْم بھی جُزْء کی طرح ہے ہمارے عرف میں۔ تو ماتن فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا تو قول یہ ہے کہ سُدْس دیا جائے جب سَهْم کی وصیت کی، لیکن ہمارے عرف میں یہ جُزْء کی طرح ہے۔ کس کی طرح؟ جُزْء، اور جُزْء جیسے مجہول تھا تو سَهْم بھی مجہول ہے، اور جُزْء میں جیسے وارث بیان کرتے تھے جتنا دل چاہتا تھا وہ دے دیں، تو سَهْم کے اندر بھی جتنا وارثوں کا دل چاہے وہ دے دیں بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَهُوَ كَالْجُزْءِ فِي عُرْفِنَا، اور سَهْم جو ہے وہ بھی جُزْء کی طرح ہے ہمارے عرف میں، فَالسُّدْسُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، پس سُدْس جو ہے یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے، وہ فرماتے ہیں سُدْس دے دینا بِنَاءً عَلَى عُرْفِ بَعْضِ النَّاسِ، بنا بر بعض لوگوں کے عرف کے۔ بعض لوگوں کے عرف میں سَهْم کس کو کہتے تھے؟ سُدْس، یعنی عرب۔ عرب سَهْم کس کو کہتے تھے؟ سُدْس کو، تو اس لیے امام صاحب نے یہ قول کیا بھئی۔ تو کہتے ہیں: بِنَاءً عَلَى عُرْفِ بَعْضِ النَّاسِ، بنا بر بعض لوگوں کے عرف کے وہ سَهْم سے سُدْس مراد لیتے ہیں۔ وَقَالَا اور صاحبین فرماتے ہیں: لَهُ مِثْلُ نَصِيبِ أَحَدِ الْوَرَثَةِ۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے

کسی کے لیے سَہْم کی وصیت کی کہ اس کو ایک سَہْم دے دینا، تو سَہْم کی صورت میں وارثوں کے حصوں میں سے ایک حصہ اس کو دے دیں گے۔ کس میں سے؟ وارثوں کے حصوں میں سے ایک حصہ دے دیں گے۔ اور وارثوں کے حصے، بھئی وارثوں کا حصہ تو ثُلُث بھی ہوتا ہے، ثُلُثَانِ یعنی دو ثُلُث بھی ہوتا ہے، رُبْع بھی ہوتا ہے، سُدْس بھی ہوتا ہے، ثُمْن بھی ہوتا ہے، تو کون سا حصہ دیں؟ فرماتے ہیں جو بھی حصہ دینا چاہیں دے سکتے ہیں، وارثوں کے حصوں میں سے جو بھی حصہ دینا، جو وارث بن رہے ہیں اس آدمی کے نا، جو اس شخص کے وارث بن رہے ہیں ان کے وارثوں کے جو جو حصے بن رہے ہیں، ان حصوں میں سے ایک حصہ اس کو بھی دے دیں گے۔ ایک حصہ اس کو دے دیں گے۔ لیکن یہ حصہ ثُلُث سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔ وارثوں کا حصہ تو ثُلُثَانِ بھی بنتا ہے بعض صورت میں، لیکن اس کو ثُلُثَانِ نہیں دیں گے ثُلُث ہی دیں گے کیونکہ ثُلُث سے زائد تو وصیت جائز نہیں، وہ ورثاء کا حق ہے، الا یہ کہ وارث اجازت دے دیں۔ وَقَالَا صاحبین فرماتے ہیں: لَهُ مِثْلُ نَصِيبِ أَحَدِ الْوَرَثَةِ کہ اس کے لیے وارثوں میں سے ایک کے حصے کے برابر جو ہے حصہ ہو گا، وَلَا يُزَادُ عَلَى الثُّلُثِ اور وہ بڑھایا نہیں جائے گا ثُلُث پر إِلَّا أَنْ يُجِيزَ الْوَرَثَةُ مگر یہ کہ وارث جو ہیں وہ اجازت دے دیں۔

فَإِنْ قَالَ سُدْسُ مَالِي لَهُ ثُمَّ قَالَ ثُلُثُهُ لَهُ وَأَجَازُوا لَهُ ثُلُثٌ۔ یہ مسئلہ سمجھ لیں بھئی۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے ایک مجلس میں کہا کسی آدمی کے بارے میں کہ اس کو میرے مال میں سے سُدْس دے دینا، سُدْس چھٹا حصہ۔ پھر دو چار دن بعد کسی اور مجلس میں بیٹھا تھا تو وہاں اسی آدمی کے بارے میں کہا: اس کو میرے مال میں سے ثُلُث دے دینا تیسرا حصہ۔ پہلے کیا وصیت کی تھی؟ چھٹے حصے کی۔ اب کتنے کی وصیت کر رہا ہے؟ ثُلُث تیسرے حصے کی، اور اسی ایک آدمی کے لیے یہ وصیت کر رہا ہے۔ تو اس صورت میں یاد رکھو اس آدمی کو ثُلُث ملے گا۔ کیا ملے گا؟ ثُلُث ملے گا، ثُلُث ملے گا۔ تو یوں سمجھیں گے گویا پہلے وصیت تھی چھٹے حصے کی اور اس کو اس نے بدل کر اب کیا کر دیا ہے؟ ثُلُث تیسرا حصہ کر دیا ہے، اسی کو بدل دیا ہے۔ یہ نہیں کہ دونوں کو جمع کر دیں گے، دونوں کو جمع نہیں کریں گے۔ اگر دونوں کو جمع کریں، کل میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ایک ہے ثُلُث، ایک ہے سُدْس، ایک ہے نِصْف۔ چھ کا نِصْف کتنا؟ تین۔ چھ کا نِصْف کتنا؟ تین۔ چھ کا ثُلُث کتنا؟ دو۔ چھ کا سُدْس کتنا؟ ایک۔ تو ایک کیا ہے چھ کا؟ سُدْس، اور دو کیا ہے چھ کا؟ ثُلُث، اور تین کیا ہے چھ کا؟ نِصْف ہے۔ اب دیکھو، سُدْس کیا؟ ایک، اور ثُلُث کیا؟ دو۔ ایک اور دو کو جمع کریں کیا بن گیا؟ تین، اور یہ تین چھ کا کیا ہے؟ نِصْف ہے۔ تو اگر دیکھا جائے تو پہلے سُدْس کی وصیت کی اب ثُلُث کی وصیت کی، تو دونوں کو جمع کریں تو کیا ہونا چاہیے؟ نِصْف ہونا چاہیے۔ کیا ہونا چاہیے؟ اب نِصْف مال اس کو ملنا چاہیے۔ تو آپ کو بتلائیں گے کہ نہیں اس کو ثُلُث ہی ملے گا چاہے وارث اجازت ہی کیوں نہ دے دیں۔ چاہے وارث اجازت ہی کیوں نہ دے دیں، پھر بھی اس کو ثُلُث ملے گا۔ تو کہتے ہیں: فَإِنْ قَالَ سُدْسُ مَالِي لَهُ، اگر وصیت کرنے والے نے کہا کہ میرے مال کا چھٹا حصہ فلاں کے لیے ہے مثلاً زید کے لیے ہے، ثُمَّ قَالَ ثُلُثُهُ لَهُ، پھر کہا کہ میرے مال کا ثُلُث اس کے لیے ہے، وَأَجَازُوا اور وارثوں نے اجازت دے دی، انہوں نے اجازت دے دی تو بھی لَهُ ثُلُثٌ اس کو کتنا ملے گا؟ ثُلُث ملے گا۔ حالانکہ سُدْس اور ثُلُث کو جمع کریں تو کتنا بنتا ہے؟ نِصْف بنتا ہے، تو وارثوں کی اجازت

دینے کا یہ معنی نہیں، کا یہ مطلب نہیں کہ اب آپ اس کو نِصْف دے دیں، نہیں بلکہ اس کو کتنا ملے گا؟ ثُلُث ہی ملے گا، بات سمجھ میں آگئی؟ گویا یوں سمجھا جائے گا اس نے پہلے اس کے لیے کتنے کی وصیت کی تھی؟ سُدْس کی، اور اب اس کو بدل کر کتنا کر دیا؟ ثُلُث کر دیا۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس کو سُدْس علیحدہ دو اور ثُلُث علیحدہ دو، یہ اس کا ارادہ۔

نہیں، بات سمجھ میں آگئی؟ بھئی بات سمجھ میں آگئی؟ وَأَجَازُوا، انہوں نے اجازت دے دی، اجازت دے دی۔ بھئی اجازت کے بغیر بھی تو اس کو ثُلُث ملنا تھا، توجہ ہے؟ اجازت کے بغیر بھی کتنا ملنا ہے؟ ثُلُث، تو اگر وہ اجازت دے دیں پھر تو نِصْف ملنا چاہیے؟ بتلا دیا کہ نہیں بھئی، بے شک وہ اجازت دے دیں کتنا دیں گے اس کو؟ ثُلُث ہی دیں گے۔ تو آپ یہ نہ کہیں وَأَجَازُوا کہنے کا تو کوئی فائدہ ہی نہیں ہے یہاں پر، کیونکہ چاہے اجازت دیں چاہے اجازت نہ دیں دونوں صورتوں میں ثُلُث ملنا ہے۔ بھئی اس کا فائدہ ہے، فائدہ یہ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ اجازت دینے سے آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ اب اس کو نِصْف دینا ہے، سُدْس اور ثُلُث کو جمع کر کے نِصْف دینا ہے، ایسا نہیں ہے۔ اجازت دے دیں پھر بھی ثُلُث دینا ہے، اجازت نہ دیں تو پھر تو بطریقِ اولیٰ ثُلُث ہی ملنا ہے، تو دونوں صورتوں میں ثُلُث ملے گا۔

أَيْ يَكُونُ السُّدْسُ دَاخِلًا فِي الثُّلُثِ، یعنی وہ جو سُدْس جس کی پہلے وصیت کی تھی وہ داخل ہو گا اس ثُلُث میں جس کی وصیت بعد میں کر دی، یہ علیحدہ شمار نہیں ہو گا۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ اس پر اب آگے اشکال کریں گے صاحبِ شرحِ وقایہ۔ ادھر دیکھیے، اشکال یہ کہ بھئی پہلے وصیت تھی سُدْس کی اور اب وصیت ہے ثُلُث کی۔ یہ جو وصیت ہے نا وصیت، یاد رکھو یہ انشاء ہے۔ یہ کیا ہے؟ انشاء۔ یہ خبر نہیں ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں میرے مرنے کے بعد زید کو میرے مال کا تیسرا حصہ دے دینا، تو یہ میں آپ کو کوئی خبر نہیں دے رہا، خبر نہیں دے رہا بلکہ میں انشاء کر رہا ہوں، اس کے لیے اپنے مال میں اپنے مرنے کے بعد ایک حصہ متعین کر رہا ہوں کہ یہ اس کو دے دینا، پہلے اس کے لیے یہ حصہ نہیں تھا اب میں نے اس حصے کو وجود دے دیا، تو یہ کیا ہے؟ انشاء ہے، توجہ ہے؟ یہ انشاء ہے۔ تو پہلے جب اس نے کہا سُدْس، تو وہ کیا تھا؟ انشاء، توجہ ہے؟ سُدْس، اس نے کوئی خبر دی تھی یا اس کے لیے حصہ نکال کر مقرر کر دیا تھا؟ مقرر کر دیا تھا تو وہ ہے انشاء۔ تو جب اس نے پہلے کہا کہ اس کو میرے مال میں سے سُدْس دے دینا، تو یہ تھا انشاء، یہ تھا انشاء۔ اس کے بعد اس نے کہا میرے مرنے کے بعد اس کو ثُلُث دے دینا، آپ نے کیا کہا؟ کہ ابھی بھی اب بھی اس کو کتنا ملے گا؟ ثُلُث، حالانکہ پچھلا سُدْس کیا تھا؟ انشاء تھا۔ یہ جو ثُلُث آیا آپ اس کو انشاء کہتے ہیں یا خبر کہتے ہیں؟ اگر آپ کہتے ہیں یہ خبر دے رہا ہے، انشاء نہیں ہے، کوئی نئی وصیت نہیں کر رہا بلکہ کیا کر رہا ہے؟ خبر دے رہا ہے، ایک۔ تو پھر تو یہ خبر جھوٹی ہے، کیونکہ اس نے اس کے لیے ثُلُث کی وصیت تو پہلے نہیں کی تھی، پہلے تو کتنے کی کی تھی؟ سُدْس کی، اور اب کیا کہہ رہا ہے؟ ثُلُث کی، تو یہ تو خبر ہی جھوٹی ہو گئی۔ خبر دینا چاہتا تھا پچھلی وصیت ہی کی خبر دینا چاہتا تھا کسی کو بتلانا چاہتا تھا تو کہتا اس کے لیے سُدْس ہے، لیکن وہ تو سُدْس نہیں کہہ رہا بلکہ کیا کہہ رہا ہے؟ ثُلُث کہہ رہا ہے، تو یہ تو جھوٹ ہو گیا۔ اگر اس ثُلُث کو آپ اخبار قرار دیتے ہیں تو یہ جھوٹ ہے۔ اور اگر آپ اس کو

انشاء قرار دیتے ہیں، تو پچھلا سُدْس بھی انشاء اور یہ والا ثُلُث بھی انشاء، تو پھر کتنا ہونا چاہیے؟ نِصْف ہونا چاہیے بھئی، نِصْف ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اشکال یہ کریں گے کہ وصیت والے نے یہ جو ثُلُث بعد میں کہا، اس ثُلُث کو آپ کیا قرار دیتے ہیں؟ آپ اس کو خبر قرار دینا چاہتے ہیں یا انشاء؟ خبر قرار دیں تو پھر یہ خبر جھوٹی ہے، یہ جھوٹ ہو گیا، اور اگر اس کو آپ انشاء قرار دینا چاہتے ہیں تو پھر حصہ ثُلُث کے بجائے نِصْف ہونا چاہیے۔

اور اگر آپ یہ کہتے ہیں، آپ یہ کہتے ہیں کہ پہلا سُدْس تھا انشاء، توجہ ہے؟ اور دوسرا جو ثُلُث کہا، دوسرا ثُلُث کہا، اور کل آپ نے پڑھا تھا کہ ثُلُث کے اندر دو سُدْس ہوتے ہیں، ثُلُث کے اندر دو سُدْس۔ ابھی میں نے آپ کو بتایا، چھ کا سُدْس کتنا؟ ایک۔ اور چھ کا ثُلُث کتنا؟ دو۔ اور چھ کا نِصْف کتنا؟ تین۔ تو ایک جو ہے وہ چھ کا سُدْس ہے، تو دو سُدْس ملائے ایک اور ایک کتنے ہو گئے؟ دو، اور یہ دو کیا ہے؟ چھ کا ثُلُث۔ تو سُدْس اور سُدْس مل جائیں تو کتنے ہوتے ہیں؟ ثُلُث ہوتے ہیں، توجہ ہے؟ پھر سنیں تقریر اشکال کی۔ اشکال یہ آپ نے کیا کہا اس کو کتنا حصہ ملے گا؟ ثُلُث ہی دینا ہے چاہے وارث اجازت دیں یا اجازت نہ دیں۔ یہ کیوں آپ کہہ رہے ہیں ثُلُث دینا ہے؟ اس ثُلُث سے آپ خبر مراد لیتے ہیں یا انشاء؟ اگر خبر مراد لے رہے ہیں تو پھر تو یہ جھوٹ ہے، کیونکہ خبر دیتا تو پہلے تو سُدْس حصہ مقرر کیا تھا تو سُدْس ہی کہنا چاہیے تھا کہ میں نے اس کے لیے سُدْس مقرر کیا ہے، تو یہ تو جھوٹ ہو جائے گا۔ اور اگر آپ اس سے کیا مراد لیتے ہیں؟ انشاء، تو پھر کتنا دینا چاہیے؟ پہلے سُدْس بھی انشاء اور یہ ثُلُث بھی انشاء، تو سُدْس اور ثُلُث کتنے ہو گئے؟ نِصْف ہو گئے تو اس کو تو نِصْف ملنا چاہیے۔ اور اگر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ جو ثُلُث بعد میں کہا، یہ جو ثُلُث کہا، اس ثُلُث کے اندر کتنے سُدْس ہیں؟ دو سُدْس ہیں، ہر ثُلُث میں کتنے سُدْس ہوتے ہیں؟ دو سُدْس ہوتے ہیں، دو سُدْس ملتے ہیں تو ایک ثُلُث بنتا ہے۔ تو اگر آپ، پھر سنو، پہلا سُدْس کیا تھا جو شروع میں کہا تھا؟ وہ تھا انشاء۔ یہ جو ثُلُث ہے، اس ثُلُث کے اندر گویا دو سُدْس ہیں، تو ایک سُدْس میں آپ کہہ رہے گویا آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے: یہ خبر ہے ایک سُدْس اور ایک سُدْس مزید انشاء ہے۔

پہلے کیا کہا تھا الگ مجلس میں؟ اس کے لیے کتنا ہے؟ سُدْس۔ کتنا ہو گیا اس کا وصیت میں حصہ؟ سُدْس ہو گیا۔ اب دوبارہ کہہ رہا ہے اس کے لیے ثُلُث ہے، اور آپ نے کیا کہا اب اس کو دینا بھی کتنا ہے؟ ثُلُث ہی دینا ہے۔ بھئی کیوں ثُلُث دینا ہے؟ سوال یہ ہے، یا یہ جو دوبارہ ثُلُث کہا یہ خبر ہے یا انشاء؟ خبر کا بناؤ تو یہ جھوٹ، اور انشاء بناؤ تو اس کو تو نِصْف ملنا چاہیے، یا آپ یوں کر رہے ہیں کہ اس ثُلُث کے دو حصے کر رہے ہیں، یہ جو اس نے بعد میں ثُلُث کہا نا اس ثُلُث کے لفظ کے اندر ہی گویا دو سُدْس چھپے ہوئے ہیں۔ کتنے سُدْس چھپے ہوئے ہیں؟ دو سُدْس۔ اور ان دو سُدْس میں آپ کہنا یہ چاہتے ہیں: ایک سُدْس خبر ہے اور ایک سُدْس مزید انشاء ہے۔ ایک سُدْس وہی پچھلے سُدْس کی خبر دے دی کہ اس کے لیے سُدْس ہے اور مزید ایک سُدْس کا انشاء، تو ایک سُدْس پہلے تھا ایک سُدْس یہ ہو گیا کتنا ہو گیا؟ دو سُدْس یعنی ثُلُث ہو گیا۔ نہیں توجہ، میرا خیال مسئلہ نہیں سمجھ میں آرہا۔ اپنے سامنے ذرا کاغذ پر لکھیں ذرا جلدی سے، جلدی کریں۔ جی جلدی لکھیں۔ سطر کے شروع میں لکھیں سُدْس، سطر کے شروع میں لکھیں سُدْس، درمیان میں کر کے کافی دوری سے لکھیں ثُلُث۔ توجہ ہے؟ جی۔

اب دیکھو یہ پہلا سُدْس یہ کیا ہے؟ انشاء۔ اس کے لیے کتنی وصیت کر دی؟ سُدْس کی۔ اور یہ دوسرا ثُلُث آپ نے کہا، اس ثُلُث کو آپ خبر بناتے ہو تو یہ بعد میں آیا تو پھر تو یہ خبر جھوٹی ہو گئی، پہلے تو اس نے ثُلُث نہیں کہا تھا اس نے تو کیا کہا تھا؟ سُدْس، اور یہ آپ اس کو خبر بنانا چاہتے ہو یہ تو جھوٹی خبر ہو جائے گی، لہٰذا معلوم ہوا یہ خبر نہیں۔ خبر نہیں ہے تو پھر اس کو کیا بناؤ گے؟ اس ثُلُث کو کیا بناؤ گے؟ انشاء، تو پہلے سُدْس کا انشاء ہوا تھا اب ثُلُث کا انشاء ہو گیا، سُدْس اور ثُلُث مل کر کتنے ہو گئے؟ نِصْف ہو گیا تو اس کو تو نِصْف ملنا چاہیے۔ اور اگر آپ کے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ یہ جو ثُلُث ہے، یہ جو آپ نے ثُلُث لکھا نا اس ثُلُث کے نیچے دو سُدْس لکھ دیں، سُدْس اور پھر سُدْس۔ سُدْس اور جمع سُدْس۔ جی یہ اسی ثُلُث کو آپ نے کھول دیا، اس ثُلُث کے اندر کتنے سُدْس ہیں؟ دو سُدْس ہیں۔ تو اگر آپ کے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ اس ثُلُث کے اندر دو سُدْس چھپے ہوئے ہیں، ایک سُدْس میں خبر دی یہ ایک سُدْس سے وہی پچھلا سُدْس مراد ہے جو سطر کے شروع میں آیا، اس کو ذرا کاٹ دیں یہ خبر ہے۔ ایک پہلے سُدْس کو کاٹ دیں، دیکھو یہ کٹ گیا، یہ نہیں یہ انشاء نہیں ہے یہ کیا تھا؟ پہلے کی خبر ہی دے دی، اور دوسرا سُدْس کیا ہے اسی کے اندر والا؟ ثُلُث کے اندر والا دوسرا سُدْس، وہ انشاء ہے، تو پہلے بھی ایک سُدْس کا انشاء تھا جو سطر کے شروع میں لکھا ایک یہ والا سُدْس بھی انشاء آگیا، سُدْس اور سُدْس کتنے ہو گئے؟ ثُلُث۔ تو گویا آپ کے کہنے کا یہ مطلب ہے۔ آپ نے کیا کہا؟ پہلے سُدْس کی وصیت کی پھر ثُلُث کی وصیت کی تو ملے گا کتنا؟ ثُلُث، تو آپ کے کہنے کا کیا مطلب ہے؟ ثُلُث کیوں ملے گا؟ اگر آپ اس ثُلُث کو خبر بنانا چاہتے ہیں پھر تو جھوٹ ہے، اگر آپ ثُلُث کو انشاء بنانا چاہتے ہیں پھر تو یہ اس کو نِصْف ملنا چاہیے، اور اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ ثُلُث کے اندر دو سُدْس چھپے ہوئے ہیں ان دو سُدْس میں سے ایک سُدْس کیا ہے؟ خبر، پہلے والے کی خبر ہے، لہٰذا وصیت ابھی بھی سُدْس ہی ہے اور دوسرا سُدْس انشاء ہے تو پہلے والا سُدْس اور یہ والا سُدْس مل کر کتنے ہو گئے؟ ثُلُث ہو گئے۔ تو اگر آپ کی یہ مراد ہے تو یہ تو مُمْتَنِع ہے، ایسا تو جائز ہی نہیں ہے۔ ایک ہی لفظ کے اندر آپ اس کے دو ٹکڑے کر دیں اور ایک میں خبر مان لیں اور ایک کو انشاء کر دیں یہ نہیں ہو سکتا۔ الگ الگ سُدْس سُدْس ہوتے پھر تو ہم ایک کو خبر بناتے ایک کو انشاء، لیکن اسی ثُلُث کے اندر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں ایک سُدْس خبر والا چھپا ہوا ہے اور ایک سُدْس انشاء والا ہے، یہ تو مُمْتَنِع ہے۔ لہٰذا کس طرح ثُلُث ہوا اس کا حصہ؟ بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھئی۔

کہتے ہیں: فَإِنْ قَالَ سُدْسُ مَالِي لَهُ، اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ میرے مال کا چھٹا حصہ اس کے لیے ہے فلاں آدمی کے لیے، ثُمَّ قَالَ ثُلُثُهُ لَهُ، پھر دوسری مجلس میں کہا کہ میرے مال کا ثُلُث اس کے لیے ہے، وَأَجَازُوا اور وارثوں نے اجازت بھی دے دی، تو لَهُ ثُلُثٌ تو بھی اس کو کتنا ملے گا؟ ثُلُث ہی ملے گا۔ أَيْ يَكُونُ السُّدْسُ دَاخِلًا فِي الثُّلُثِ، یعنی وہ والا جو پہلا سُدْس تھا وہ داخل ہو گا اسی ثُلُث کے اندر ہی، وہ اس سے کوئی علیحدہ نہیں ہے، اس کو علیحدہ شمار نہیں کریں گے۔ فَإِنْ قُلْتَ، اگر آپ یہ اعتراض کریں: قَوْلُهُ ثُلُثُ مَالِي لَهُ کہ جو وصیت کرنے والے نے کہا ثُلُثُ مَالِي لَهُ میرے مال کا ثُلُث اس کے لیے

ہے، إِنْ كَانَ إِخْبَارًا اگر اس سے وہ خبر دینا چاہتا ہے، اگر یہ اخبار ہے، فَكَاذِبٌ پھر تو یہ جھوٹی خبر ہے، وَإِنْ كَانَ إِنْشَاءً اور اگر اس ثُلُث سے مراد انشاء ہے، يَجِبُ أَنْ يَكُونَ لَهُ النِّصْفُ عِنْدَ إِجَازَةِ الْوَرَثَةِ، تو واجب ہے کہ اس کے لیے نِصف ہونا چاہیے جب وارث اجازت دے دیں، حالانکہ آپ نے تو کیا کہا وارث اجازت دے دیں پھر بھی کتنا دینا ہے؟ ثُلُث۔ وَإِنْ كَانَ فِي السُّدْسِ إِخْبَارًا وَفِي السُّدْسِ إِنْشَاءً، اور اگر یہی والا ثُلُث جو ہے سُدس کے اندر اخبار ہے اور سُدس میں انشاء، یعنی اسی ثُلُث میں کتنے سُدس چھپے ہیں؟ دو، تو ان دو میں سے ایک کو آپ اخبار بنانا چاہتے ہیں اور دوسرے کو انشاء بنا کر پہلے والے سُدس کے ساتھ جوڑنا چاہتے ہیں، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ فَهَذَا مُمْتَنِعٌ أَيْضًا تو یہ بھی مُمْتَنِع ہے یہ بھی ممکن نہیں، ایک ہی لفظ کے اندر اس کے ایک حصے کو انشاء قرار دے دیں ایک حصے کو خبر قرار دے دیں یہ تو جائز نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی سب کو کہ نہیں سمجھ میں آئی؟ قُلْتُ میں کہتا ہوں لَا جَوَابَ لِهَذَا السُّؤَالِ اس سوال کا کوئی جواب نہیں، صاحبِ شرحِ وقایہ فرما رہے ہیں۔[1]

اور علماء نے اس کا جواب یہ دیا کہ بھئی یہ تغییرِ قول ہے، تبدیلِ قول ہے، اپنے قول کو بدل رہا ہے، پہلے سُدس کہا تھا اور اب کیا کہہ دیا؟ ثُلُث کہہ دیا، یہ اسی طرح ہے جیسے آپ کہیں: جَاءَنِي زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو۔ آپ کہنا یہ چاہتے تھے میرے پاس عمر آیا، لیکن غلطی سے زید زبان پر آگیا جَاءَنِي زَيْدٌ، میرے پاس زید آیا، پھر ایک دم آپ چونک اٹھے کہ نہیں نہیں زید تو نہیں آیا تھا عمر آیا تھا، تو آپ نے جملے کو بدل دیا اور کہہ دیا بَلْ عَمْرٌو۔ جَاءَنِي زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو، کیا معنی؟ میرے پاس کون آیا ہے؟ عمر آیا ہے یعنی زید نہیں آیا، تو یہاں بھی اسی طرح ہے، گویا اس نے پہلے اس کے لیے کتنے کی وصیت کی؟ سُدس کی، اور پھر اس سے رجوع کر لیا کہ سُدس نہیں بلکہ اس کو کیا دے دینا؟ ثُلُث دے دینا، بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ بعض فرماتے ہیں کہ یہاں اس نے گویا اپنے قول کو ہی بدل دیا ہے، پہلے سے رجوع کر لیا اور اس کے لیے ثُلُث جو ہے وصیت کر دی۔ یا اس لیے، ثُلُث اس لیے کیونکہ ثُلُث یقینی ہے، بعضوں نے پھر یہ جواب دیا دوسرا جواب، کہ ثُلُث یقینی ہے، ثُلُث کیوں؟ اس لیے کیونکہ دیکھو جب اس نے کہا پہلے اس کے لیے سُدس ہے اور پھر دوبارہ کیا کہا اس کے لیے ثُلُث ہے، ثُلُث ہے، تو اب دیکھو یا تو اس کا ارادہ یہ ہو گا کہ سُدس نہ دینا بلکہ کیا دے دینا؟ ثُلُث دے دینا، یا اس کا معنی یہ ہو گا دونوں کو جمع کر دو، دونوں کو جمع، یا تو وہ بدل رہا ہے یا دونوں کو جمع کرنا چاہتا ہے۔ تو بدلنے کی صورت میں وصیت کتنے کی ہو گئی؟ ثُلُث کی، اور جمع کرنے کی صورت میں وصیت کتنے کی ہو گئی؟ نِصف کی، تو دونوں کا احتمال آگیا، ثُلُث کا بھی احتمال اور نِصف کا بھی احتمال، لیکن کم از کم ثُلُث تو ضرور ہے نا، ثُلُث سے کم تو نہیں، یا تو یہ وصیت ثُلُث کی ہے یا کس کی ہے؟ نِصف کی ہے، تو دونوں میں سے جو اقل ہوتا ہے وہ تو یقینی ہوتا ہے اس سے تو کم وصیت نہیں ہے، یا تو آپ کو ثُلُث ماننا پڑے گا یا نِصف، ثُلُث سے کم ماننے کی

---

[1] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ١٩٨): صوتی درس کی قراءت میں «وَإِنْ كَانَ فِي السُّدْسِ إِخْبَارًا وَفِي السُّدْسِ إِنْشَاءً» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «وإن كان في السُّدسِ إخبارٌ، وفي السُّدُسِ إنشاء،» منقول ہے۔

کوئی گنجائش ہے یہاں؟ نہیں، تو کم از کم وہ ثُلُث تو یقینی ہے جبکہ نِصْف کا احتمال ہے، تو احتمال کی وجہ سے نِصْف ثابت نہیں ہو گا بلکہ جو یقینی ہے یعنی ثُلُث وہ ثابت ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ دو جواب دیے بعضوں نے، کیا جواب پہلا کہ یہ تبدیل ہے، تغییر ہے۔

بدل دیا اپنے قول کو، اور دوسرا جواب یہ کیونکہ ثُلُث یہ اقل ہے اور وہ یقینی ہے اور نِصْف کا احتمال ہے، تو احتمال کی وجہ سے نِصْف کی وصیت نہیں کہیں گے بلکہ جو یقینی ہے یعنی ثُلُث اس کی وصیت قرار دیا جائے گا۔

آگے دیکھیے بھئی: وَفِي سُدْسٍ مَالِي مُكَرَّرًا لَهُ سُدْسٌ۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص ایک آدمی کے لیے وصیت کرتا ہے ایک مجلس میں کہ سُدْسُ مَالِي لَهُ، میرے مال کا چھٹا حصہ اس کا ہے یعنی اس کو دے دینا میرے مرنے کے بعد۔ دو دن بعد پھر کوئی مجلس ہوتی ہے، وہاں وہ پھر کہتا ہے: میرے مال کا سُدْس اس کو دے دینا۔ پھر اسی کو دہرایا اس نے۔ تو کیا سُدْس اور سُدْس ملا کر اس کو ثُلُث دیں گے؟ کہتے ہیں نہیں، سُدْسِ مال ہی اس کو ملے گا بھئی۔ بھئی اس نے دو دفعہ سُدْس کہا ہے، ایک آج کہا ایک دو دن پہلے کہا تھا، کہتے ہیں کہ جب معرفہ کا تکرار آ جائے تو ثانی سے عینِ اول ہی مراد ہوتا ہے۔ جَاءَنِي الرَّجُلُ، میرے پاس وہ آدمی آیا، میرے اور آپ کے درمیان ایک آدمی کے بارے میں بات ہو رہی تھی، میں نے کہا جَاءَنِي الرَّجُلُ، میرے پاس وہ آدمی آیا تھا، فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ، تو میں نے اس آدمی کا پھر اکرام کیا۔ دیکھا ایک دفعہ الرَّجُلُ آیا دوبارہ پھر الرَّجُلُ آیا، تو یہ بعینہ وہی اول الرَّجُلُ مراد ہو گا، معلوم ہوا جس آدمی کے آنے کی بات ہو رہی تھی اکرام بھی اسی کا کیا جا رہا ہے۔ تو کہتے ہیں: وَفِي سُدْسِ مَالِي مُكَرَّرًا، اور میرے مال کا چھٹا حصہ وصیت کرنے کی صورت میں مُكَرَّرًا یعنی تکرار کے ساتھ دو دفعہ، لَهُ سُدْسٌ اس آدمی کو سُدْس ملے گا چھٹا حصہ، لِأَنَّ الْمَعْرِفَةَ إِذَا أُعِيدَتْ مَعْرِفَةً اس لیے کیونکہ معرفہ کو جب دہرایا جائے معرفہ ہی کر کے، كَانَ الثَّانِي عَيْنَ الْأَوَّلِ تو دوسرا معرفہ وہ عینِ اول ہوتا ہے، دوسرا معرفہ بعینہ وہی اول معرفہ ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ ہاں بعض اوقات ثانی اول سے غیر بھی ہو سکتا ہے لیکن اس کے لیے کوئی دلیل چاہیے، اس کے لیے دلیل، کوئی اور دلیل الگ موجود ہو جو دلالت کر رہی ہو کہ اس ثانی سے وہ اول مراد نہیں ہے تو پھر اول مراد نہیں ہو گا، لیکن عام حالات میں جب معرفہ کا تکرار ہو تو ثانی سے وہی پہلے والا مراد ہوتا ہے۔ ضابطہ سمجھ میں آ گیا؟

آگے دیکھیے: وَبِثُلُثِ دَرَاهِمِهِ أَوْ غَنَمِهِ أَوْ ثِيَابِهِ مُتَفَاوِتَةً أَوْ عَبِيدِهِ إِنْ هَلَكَ ثُلُثَاهُ فَلَهُ مَا بَقِيَ فِي الْأَوَّلَيْنِ وَثُلُثُ الْبَاقِي فِي الْآخَرَيْنِ۔ صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میری بھیڑ بکریوں میں سے تیسرا حصہ زید کو دے دینا۔ یا اسی طرح درہموں کے بارے میں وصیت کی کہ میرے مال میں جتنے درہم ہیں میرے مرنے کے بعد اس کا تیسرا حصہ زید کو دے دینا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ مُوصِی کے مرنے کے بعد، جس نے وصیت کی تھی اس کا انتقال ہو گیا، اس کے مرنے کے بعد اب بھیڑ بکریاں ہیں اس کا ثُلُث کس کو دینا ہے؟ زید کو، اور دو ثُلُث کس کے ہیں؟ وارثوں کے۔ اتفاق

ایسا ہوا کہ ان بھیڑ بکریوں کے دو ثُلُث ہلاک ہو گئے، مر گئے، اب ایک ثُلُث باقی ہے، ایک ثُلُث باقی ہے۔ تو کیا اب اس ایک ثُلُث میں مُوصَی لَہٗ جس کے لیے وصیت کی تھی اس کا بھی حصہ ہو گا اور وارثوں کا بھی حصہ ہو گا؟ تو ہمارے ائمہ فرماتے ہیں، ہمارے تینوں ائمہ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ، ہمارے تینوں ائمہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں یہ جو ثُلُث بچا ہے یہ سارا زید کو دیں گے بشرطیکہ یہ کل مال کا ثُلُث بنتا ہو۔ اس آدمی کا اور بھی تو مال ہو گا، درہم ہوں گے، دینار ہوں گے، گائے بیل بکری گائے ہوں گے اونٹ وغیرہ ہوں گے، تو کل مال کے ثُلُث میں سے اگر یہ بھیڑ بکریوں والا ثُلُث اس کل مال کا ثُلُث بنتا ہے تو یہ اس کو دے دیں گے۔ جبکہ امامِ زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان بھیڑ بکریوں کے اندر وارثوں کا بھی حصہ تھا اور مُوصَی لَہٗ کا بھی حصہ تھا۔ مُوصَی لَہٗ کون ہے؟ مثلاً زید ہے۔ زید کا بھی حصہ ہے اور وارثوں کا بھی حصہ ہے، اور زید کا کتنا حصہ؟ ایک ثُلُث، وارثوں کے کتنے حصے؟ دو ثُلُث، اور یہ ایک ثُلُث اور دو ثُلُث جو ہیں کیا یہ الگ الگ ہیں یا پھیلے ہوئے ہیں؟ زید کا ایک ثُلُث بھی پوری بھیڑ بکریوں میں پھیلا ہوا ہے اور وارثوں کے دو ثُلُث بھی ساری بھیڑ بکریوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ تو یہ بھیڑ بکریاں ان میں مشترک ہوئیں، اور مشترک مال میں سے جتنا مال بھی ہلاک ہو جائے تو اس کو مشترکہ مال کی ہلاکت ہی سمجھا جاتا ہے۔ تو جب کل مال میں دو ثُلُث کس کے؟ وارثوں کے اور ایک ثُلُث کس کا؟ زید کا، اس کے دو ثُلُث ہلاک ہو گئے، تو یوں سمجھیں گے کہ جو ہلاک ہوا ہے وہ وارثوں کا اور ان کا مشترکہ حصہ ہلاک ہوا ہے، لہٰذا جو بچ جائے گا اس میں بھی وہ اسی طرح شریک ہوں گے۔ وہ جو ایک ثُلُث ہے اس ایک ثُلُث وہ سارا زید کو نہیں دیں گے بلکہ اس کا ایک ثُلُث زید کا ہو جائے گا اور دو ثُلُث وارثوں کے، کیونکہ مالِ مشترکہ ہلاک ہوا ہے اور جب مالِ مشترکہ ہلاک ہو تو اتنا ہی حصہ سب کا ہلاک ہو گیا۔ تو زید کے لیے کتنے کی وصیت کی تھی؟ ایک ثُلُث کی، لیکن دو ثُلُث ہلاک ہو گئے تو اس کے دو ثُلُث اس میں ہلاک ہو گئے اور اس میں سے اس کا ایک ثُلُث اب رہ گیا ہے اور باقی دو ثُلُث وارثوں کا حق ہو گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ کس کے نزدیک ہے؟ امامِ زفر رحمہ اللہ، وہ فرماتے ہیں کہ مشترکہ مال ہلاک ہوا لہٰذا اس کا حصہ بھی اتنا ہی ہلاک ہو گیا اور تھوڑا سا رہ گیا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ جبکہ ہمارے تینوں ائمہ فرماتے ہیں کہ یہ جو باقی بچا ہے یہ سارا زید کو دے دیں گے بشرطیکہ بشرطیکہ یہ ثُلُثِ مال بنتا ہو۔ ساری جائیداد کو ملا لو تو ثُلُث میں سے یہ ثُلُث بھیڑ بکریاں نکل سکتی ہیں تو یہ ساری کس کو دے دیں گے؟ مُوصَی لَہٗ کو۔ اور اسی طرح یاد رکھو درہموں میں بھی یہی مسئلہ ہے، درہموں میں بھی یہی مسئلہ ہے۔ اگر ایک شخص نے وصیت کی تھی کہ میرے جتنے دَرَاھِم ہیں اس کا ثُلُث زید کو دے دینا، اور اتفاق ایسا ہوا کہ بعد میں جب اس وصیت کرنے والا مر گیا، اب وصیت نافذ کرنی ہے لیکن نافذ کرنے سے پہلے ہی اس کے دَرَاھِم میں سے دو ثُلُث ہلاک ہو گئے، دو ثُلُث ہلاک ہو گئے، کوئی لوٹ کر لے گئے یا پانی میں دریا میں گر گئے ڈوب گئے، اب ایک ثُلُث رہ گیا ہے۔ امامِ زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سارے دَرَاھِم میں وارثوں کا وارثوں کا بھی حصہ تھا اور اس مُوصَی لَہٗ کا بھی حصہ تھا، تو لہٰذا جو ہلاک ہوئے اس میں بھی اتنا ہی حصہ دونوں کا ضائع ہو گیا، تو یہ جو ایک ثُلُث بچ گئے ہیں اس کا ایک ثُلُث کس کو دے دیں گے؟ مُوصَی لَہٗ کو یعنی

زید کو، اور دو ثُلُث کس کو دے دیں گے؟ وارثوں کو۔ جبکہ ہمارے ائمہ تینوں فرماتے ہیں کہ نہیں اگر یہ جو ثُلُث بچا ہے اگر یہ سارے مال کا ثُلُث بن جاتا ہے، اس کے علاوہ بھی اس کا مال دو ثُلُث مزید ہے، درہموں کے علاوہ دینار ہیں یا اور مال ہے، تو پھر اس صورت میں یہ سارا ثُلُث کس کو دے دیں گے؟ زید کو یعنی مُوصَی لَہٗ کو اور باقی کا مال وارث لے لیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

ہاں اگر اس کے بجائے اگر اس کے بجائے اگر مختلف قسم کے کپڑے ہوئے، مختلف قسم کے کپڑے۔ پہلے چونکہ کپڑے ہاتھ سے بنے جاتے تھے اور بڑی قیمتی چیز شمار ہوتے تھے، اب تو اللہ نے آسانی فرما دی بھئی۔ تو وہ کپڑے تھے اور وہ کپڑے مختلف قسم کے تھے، اعلیٰ بھی تھے بہت مہنگے کپڑے، متوسط درجے کے بھی تھے اور بڑے ادنیٰ یعنی کم قیمت والے بھی تھے۔ اب اس کی وصیت کی کسی نے کہ میرے مرنے کے بعد اس کا ثُلُث کس کو دے دینا؟ زید کو دے دینا۔ اور اتفاق ایسا ہوا کہ وصیت کرنے والے کے مرنے کے بعد ان کپڑوں میں سے دو ثُلُث ہلاک ہو گئے، تو اب جو ایک ثُلُث باقی بچا ہے تو اب بالاتفاق سب ائمہ کے نزدیک کہ یہاں جو کپڑے بچے ہیں وہ سارے کے سارے مُوصَی لَہٗ یعنی زید کو نہیں دیں گے بلکہ ایک ثُلُث کپڑوں کا زید کو دے دیں گے اور دو ثُلُث وارثوں کے ہو جائیں گے۔ یا اسی طرح غلام تھے بھئی، ایک شخص کے کئی غلام تھے اور اس نے وصیت کر دی میرے مرنے کے بعد ان غلاموں کا ثُلُث کس کو دے دینا؟ زید کو۔ اور پھر جب اس کا انتقال ہوا اب غلام تقسیم کرنے ہیں، وصیت والے کو ثُلُث دینا ہے لیکن اس سے پہلے دو ثُلُث غلاموں کے ہلاک ہو گئے، اب صرف ایک ثُلُث غلام باقی ہے، تو یہ ایک ثُلُث سارے کے سارے یہ مُوصَی لَہٗ کو نہیں دیں گے بلکہ یہ بلکہ یہ تقسیم کریں گے، دو ثُلُث کس کو دے دیں گے؟ وارثوں کو اور ایک ثُلُث کس کو دے دیں گے؟ مُوصَی لَہٗ کو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو حاصلِ کلام کیا ہوا کہ اگر دَرَاھِم یا بھیڑ بکریوں میں سے دو ثُلُث ہلاک ہو گئے تو جو باقی کا ایک ثُلُث ہو گا وہ سارا کس کے لیے ہو گا؟ مُوصَی لَہٗ کے لیے ہو گا بشرطیکہ وہ کل مال کا ثُلُث بنتا ہو۔ اور اگر وصیت جو ہے وہ مختلف قسم کے کپڑوں یا غلاموں کے بارے میں کی تھی کہ ان کا ثُلُث مُوصَی لَہٗ کو دے دینا، تو اس صورت میں اگر وہ مختلف کپڑے ان کے اگر دو ثُلُث ہلاک ہو گئے تو جو ایک ثُلُث باقی بچ گیا ہے وہ سارا مُوصَی لَہٗ کو نہیں دیں گے بلکہ ایک ثُلُث مُوصَی لَہٗ کو دیں گے اور دو ثُلُث وارثوں کو دیں گے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ میں مزید تفصیل آگے بیان کرتا ہوں۔

تو دیکھیے بھئی: وَبِثُلُثِ دَرَاھِمِهٖ أَوْ غَنَمِهٖ، اور وصیت کرنا اپنے دَرَاھِم کے ثُلُث کی أَوْ غَنَمِهٖ یا اپنی بھیڑ بکریوں کے ثُلُث کی، غَنَم بھیڑ بکریوں دونوں کو کہتے ہیں دونوں اس میں شامل ہیں۔ تو ثُلُث بھیڑ بکریوں کی وصیت کی، أَوْ ثِيَابِهٖ یا اپنے کپڑوں کے ثُلُث کی وصیت کی مُتَفَاوِتَةً اس حال میں کہ وہ مختلف ہیں، وہ کپڑے ایک جیسے نہیں ہیں بلکہ مختلف ہیں۔ أَوْ عَبِيدِهٖ یا اپنے

غلاموں کی وصیت کی کہ ان کا ثُلث دے دینا فلاں کو۔ إِنْ هَلَكَ ثُلُثَاهُ اگر ان کے دو ثُلث ہلاک ہو گئے، فَلَهُ مَا بَقِيَ فِي الْأَوَّلَيْنِ تو مُوصَى لَهُ کے لیے وہ جو باقی بچ گیا ہے پہلے دو میں سے، پہلے دو میں سے جو باقی بچ گیا وہ سارا کس کے لیے ہو گا؟ مُوصَى لَهُ کے لیے۔ وَثُلُثُ الْبَاقِي فِي الْآخَرَيْنِ اور باقی کا ثُلث دیں گے باقی دو کے اندر، دوسرے دو کے اندر، یعنی غلاموں میں اور مختلف کپڑوں میں جو باقی بچ گیا ہے وہ سارا مُوصَى لَهُ کو نہیں دیں گے بلکہ اس کا ثُلث، جبکہ پہلے دو کے اندر جو باقی بچ گیا ہے وہ سارا مُوصَى لَهُ کو دے دیں گے بشرطیکہ وہ ثُلث میں سے نکلتا ہو، یہ قید ساتھ یاد رکھنا۔

کہتے ہیں: هَذَا عِنْدَنَا یہ ہمارے نزدیک ہے، وَعِنْدَ زُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ ثُلُثُ الْبَاقِي فِي كُلِّ الصُّوَرِ، اور امامِ زفر رحمہ اللہ کے نزدیک باقی کا ثُلث جو ہے تمام صورتوں میں۔ تمام صورتوں میں وہ فرماتے ہیں باقی جو بچ گئیں بھیڑ بکریاں یا درہم ان کا ثُلث دینا ہے مُوصَى لَهُ کو، ساری بھیڑ بکریاں نہیں دینی نہ سارے درہم دینے ہیں بلکہ ان کا ثُلث دینا ہے۔ لِأَنَّ حَقَّ الْمُوصَى لَهُ شَائِعٌ فِي الْجَمِيعِ اس لیے کیونکہ مُوصَى لَهُ کا حق پھیلا ہوا تھا ساروں کے اندر۔ اس نے کیا کہا تھا؟ میری بھیڑ بکریوں میں سے کتنا دے دینا اس کو؟ ثُلث دے دینا، تو اس ثُلث اس کا کوئی علیحدہ نہیں ہے، اس کا ثُلث ساری بھیڑ بکریوں میں پھیلا ہوا ہے اور وارثوں کے دو ثُلث بھی پھیلے ہوئے ہیں۔ تو گویا یہ مالِ مشترک ہے، گویا یہ مال سارا کیا ہے؟ مشترک۔ اور فَإِذَا هَلَكَ ثُلُثَا الْمَالِ، میری کتاب میں ہے هَلَكَ ثُلُثُ الْمَالِ، ثُلث نہیں، کتنا ہلاک ہوا ہے؟ دو ثُلث ہلاک ہوئے ہیں، تو یہاں ثُلُثَا، الف ہونا چاہیے۔ فَإِذَا هَلَكَ ثُلُثَا الْمَالِ جب مال کے دو ثُلث ہلاک ہو گئے تو هَلَكَ ثُلُثَا حَقِّ الْمُوصَى لَهُ تو مُوصَى لَهُ کے بھی دو ثُلث ہلاک ہو گئے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ امامِ زفر رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں کہ بھیڑ بکریاں کیا ساری کیا تھیں؟ مالِ مشترک تھیں، اور ہر بھیڑ بکری کے اندر ایک ثُلث مُوصَى لَهُ کا ہے تو دو ثُلث وارثوں کے، اور جب اس میں سے دو ثُلث بھیڑ بکریاں ہلاک تو وہ صرف وارثوں کا حصہ ہلاک نہیں ہوا بلکہ سب کا مشترکہ حصہ ہلاک ہوا، تو جو ایک ثُلث بچ گیا ہے وہ بھی سب کا مشترکہ ہے۔ اس ایک ثُلث کا پھر ثُلث جو ہے مُوصَى لَهُ کو دے دیں گے اور دو ثُلث باقی وارثوں کے ہوں گے، یہ امامِ زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

لَنَا ہماری دلیل یہ ہے أَنَّ حَقَّ الْمُوصَى لَهُ مُقَدَّمٌ عَلَى حَقِّ الْوَرَثَةِ کہ مُوصَى لَهُ کا حق مقدم ہے وارثوں کے حق پر۔ فَكُلُّ مَا يَجْرِي فِيهِ الْجَبْرُ عَلَى الْقِسْمَةِ پس ہر وہ چیز جس کے اندر جبر جاری ہوتا ہے تقسیم کے اندر، وَيُمْكِنُ جَمْعُ حَقِّ أَحَدِ الْمُسْتَحِقِّينَ فِي الْوَاحِدِ اور ممکن ہو کہ مستحقین میں سے ایک کے حق کو جمع کر دیا جائے کسی ایک کے اندر، كَالدَّرَاهِمِ وَالْغَنَمِ جیسے کہ دَرَاهِم اور بھیڑ بکریاں ہیں، يُجْمَعُ حَقُّ الْمُوصَى لَهُ فِيهِ مُقَدَّمًا تو وہاں مُوصَى لَهُ کے حق کو جمع کر دیا جائے گا مقدم کرتے ہوئے، فَيُجْمَعُ فِي الْبَاقِي پس وہ جمع ہو جائے گا باقی جو بچ گیا ہلاکت سے اس کے اندر، بِخِلَافِ مَا لَيْسَ كَذَلِكَ بخلاف اس کے جو ایسا نہ ہو كَالثِّيَابِ الْمُتَفَاوِتَةِ وَالْعَبِيدِ جیسے مختلف قسم کے کپڑے اور غلام ہیں۔

اچھا یہ مسئلہ بھئی اب ہماری دلیل ہے۔ بھئی آپ نے كِتَابُ الْقِسْمَةِ پڑھی تھی۔ كِتَابُ الشُّفْعَةِ کے بعد تقسیم کے

مسائل بیان ہوئے تھے کہ مشترکہ چیزوں کو لوگوں کے درمیان کیسے تقسیم کرنا ہے۔ وہاں میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو تقسیم ہے، اس مثلاً آپ کے اور میرے درمیان زمین مشترک ہے، زمین کے ہر ہر جُزْء میں آپ کا۔ بھی حصہ اور میرا بھی حصہ۔ زمین کے کسی جُزْء کو الگ کر کے میں یہ نہیں کہہ سکتا یہ میرا حصہ ہے صرف، نہیں۔ ہر ہر حصے میں آپ بھی میرے ساتھ شریک ہیں، ہم دونوں نے مل کر یہ زمین خریدی ہے۔ اب ہم اس زمین کو علیحدہ کرتے ہیں، مطلب دو حصے کر دیتے ہیں، آدھا حصہ آپ لے لیتے ہیں اور آدھا حصہ میں لے لیتا ہوں، تو میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو تقسیم ہوتی ہے اس کے اندر افراز بھی ہوتا ہے اور اس کے اندر مبادلہ بھی ہوتا ہے۔ افراز کا معنی ہے حصہ لینا، اپنا حصہ الگ کرنا۔ اور مبادلہ کا معنی ہے تبادلہ کرنا، ایک حصہ دے کر دوسرا حصہ لے لینا۔ تو تقسیم کے اندر افراز بھی ہوتا ہے اور مبادلہ بھی ہوتا ہے۔ افراز بھی ہوتا ہے اور مبادلہ بھی۔ جب ہم، میں نے اور آپ نے زمین الگ کی تو یوں سمجھیں گے افراز بھی ہے، میں نے اپنا حصہ الگ کیا، اور یوں سمجھیں گے مبادلہ بھی ہے کہ میں نے آپ کی زمین میں جو حصہ تھا وہ دے کر یہ والا حصہ آپ سے لے لیا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

پھر سمجھو، مثلاً بھئی میں نے اور زید نے مل کر دس کنال زمین خریدی۔ پیسے ملائے اور دونوں نے مل کر زمین خرید لی۔ تو اب یہ دس کنال زمین میرے اور زید کے درمیان مشترکہ ہے۔ اس کے ایک ایک جُزْء کے اندر میں بھی شریک اور زید بھی شریک ہے۔ اب ہم دونوں نے اس زمین کی تقسیم کر دی۔ پانچ کنال زمین میں نے لے لی اور پانچ کنال زمین زید نے لے لی۔ تو دیکھو زمین کے ہر ہر جُزْء میں ہم دونوں شریک تھے لیکن اب ہم نے کیا کیا اپنا اپنا حصہ الگ کر لیا، پانچ کنال میں نے لے لیے اور پانچ کنال زید نے لے لیے۔ اب جو میرے حصے میں پانچ کنال آئے، تو کیا یہ سارا میرا ہی حصہ تھا اس کے اندر یا اس میں زید کا حصہ بھی تھا؟ اس میں زید کا بھی حصہ تھا۔ اسی طرح زید نے بھی پانچ کنال لے لیے، لیکن کیا وہ سارا زید ہی کا حصہ تھا یا اس کے ہر ہر جُزْء میں میرا بھی حصہ تھا؟ اس کے ہر ہر جُزْء میں میرا بھی حصہ تھا۔ تو یہاں پر دیکھو مبادلہ بھی ہے اور افراز بھی ہے، دونوں چیزیں پائی جا رہی ہیں۔ جو میرے حصے میں پانچ کنال آئے، توجہ ہے؟ پانچ کنال جو میرے حصے میں آئے، اس پانچ کنال کے ہر ہر جُزْء میں میرا بھی حصہ تھا اور زید کا بھی حصہ۔ گویا اس پانچ کنال میں بھی ڈھائی کنال میرے تھے اور ڈھائی کنال زید کے تھے۔ اسی طرح زید کے پاس جو پانچ کنال گئے ہیں، اس میں بھی ہر ہر جُزْء میں میرا حصہ تھا، گویا اس میں بھی ڈھائی کنال زید کے تھے اور ڈھائی کنال میرے تھے۔ توجہ ہے؟ میں نے پانچ کنال لیا ہے لیکن یہ پہلے سارا میرا نہیں تھا، اس میں ڈھائی کنال میرا تھا تو ڈھائی کنال زید کا تھا۔ اسی طرح زید کے پاس پانچ کنال گئے ہیں، لیکن وہ پانچ کنال سارے اس کے نہیں تھے، اس میں میری بھی شرکت تھی، تو ڈھائی کنال اس میں میرا تھا اور ڈھائی کنال زید کا تھا۔ تو جو میرے حصے میں پانچ کنال آیا میرے حصے میں، اس میں سے ڈھائی کنال میرے تھے اور زید کے پاس جو پانچ کنال گئے اس میں بھی زید کے ڈھائی کنال تھے۔ تو یہ دیکھو افراز ہے، ہر ایک نے اپنا اپنا حصہ الگ کر لیا۔ اس

میں ڈھائی کنال تھے ہی میرے وہ میں نے الگ کر لیے، اور زید کے پاس جو حصہ گیا اس میں ڈھائی کنال تھے ہی زید کے وہ اس نے کیا کر لیا؟ الگ، تو دیکھو افراز آیا۔ اور مبادلہ بھی ہے کیونکہ میں نے جو پانچ کنال لیے اس میں سے ڈھائی کنال تو میرے تھے لیکن ڈھائی کنال تو زید کے تھے۔ یہ زید والا حصہ میں نے لے لیا ڈھائی کنال والا بھی، ڈھائی تو تھے ہی میرے یہ زید والے ڈھائی کنال بھی میں نے لے لیے، اور بدلے میں جو اس کے پانچ کنال میں میرا ڈھائی کنال حصہ تھا وہ میں نے اس کو دے دیا۔ ادھر والے ڈھائی کنال جو زید کا حصہ تھا وہ میں نے لے لیا اور ادھر والا جو ڈھائی کنال میرا حصہ تھا وہ میں نے کس کو دے دیا؟ زید کو۔ تو دیکھو مبادلہ بھی ہے، ہم نے یہ اپنے ایک دوسرے کے حصے کا آپس میں تبادلہ کر لیا۔ تو پانچ کنال جو میرے حصے میں آئے اس میں ڈھائی کنال تو تھے ہی میرے اور ڈھائی کنال میں نے بدلے میں زید سے لے لیے، اور اپنا جو ڈھائی کنال تھا اس کے حصے میں وہ اس کو دے دیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو تقسیم کے اندر کیا ہوتا ہے؟ افراز بھی ہوتا ہے، اپنا حصہ بھی انسان الگ کرتا ہے اور مبادلہ بھی ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ جو پانچ کنال مجھے ملے اس میں سارا افراز ہے یا مبادلہ بھی ہے؟ اس میں افراز بھی ہے اور مبادلہ بھی ہے۔ اور زید کو جو پانچ کنال ملے اس کے اندر بھی، ڈھائی کنال تو تھے ہی اس کے وہ تو اس میں افراز ہوا، اور ڈھائی کنال میرا حصہ اس نے لے لیا اور بدلے میں اپنا حصہ مجھے دیا تو وہ ڈھائی کنال میں مبادلہ ہوا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو جب بھی مشترکہ چیزیں تقسیم کی جاتی ہیں تو وہاں افراز بھی ہوتا ہے اور مبادلہ بھی ہوتا ہے، مبادلہ بھی ہوتا ہے۔

اور پھر آپ نے وہاں مزید پڑھا تھا کہ چیزیں دو قسم پر ہیں: کچھ مثلیات ہیں اور کچھ ذواتُ القیم ہیں۔ مثلیات وہ ہیں جن کا مثل بازار سے مل جاتا ہے، یعنی مکیلات اور موزونات۔ وہ چیزیں جو ماپی جاتی ہیں، جیسے غلہ اور گندم وغیرہ ان کو ایک برتن میں ماپ کر بیچتے ہیں، اور اس کو ایک قفیز یا دو قفیز جتنے بھی انسان لینا چاہے۔ اور کچھ چیزیں موزونات ہیں، وزن کر کے ان کو بیچا جاتا ہے، جیسے درہم ہیں، دینار ہیں، ان کے باقاعدہ وزن ہوتے تھے میں نے آپ کو لکھوائے تھے کہ درہم کا وزن کتنا ہے؟ تین ماشے، ایک رتی اور خمسِ رتی، اور دینار کا وزن کتنا ہے؟ ساڑھے چار ماشے، تو دینار اور درہم ان کا باقاعدہ وزن ہوتا تھا۔ اسی طرح آپ بازار سے چیزیں لینے جاتے ہیں: چینی ہے، گھی ہے وغیرہ ان کو وزن کر کے آپ لیتے ہیں، تو یہ موزونات ہیں۔ تو چیزیں کتنی قسم کی ہو گئیں؟ کچھ مثلیات ہیں اور کچھ ذواتُ القیم۔ ذواتُ القیم وہ ہیں جن کا مثل بازار سے نہیں ملتا، یعنی وہ قیمت والی ہیں، جیسے بھیڑ بکریاں وغیرہ۔ ہر ایک بھیڑ بکری دوسری بھیڑ بکری سے الگ ہے، ہر گائے دوسری گائے سے الگ ہے۔ گائے وغیرہ کوئی آپ خریدنے جاتے ہیں تو وہ گن کر آپ کو نہیں بیچتا کہ ایک گائے پچاس ہزار کی ہے آپ نکال لیں جی پچاس جتنی آپ کو گائے چاہئیں، نہیں نہیں، وہ ہر گائے کا الگ ریٹ آپ کے ساتھ کرتے ہیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ الگ ریٹ کرتے ہیں، تو یہ ذواتُ القیم ہیں بھئی، ذواتُ القیم۔ اچھا تو ان کا مثل نہیں ملتا تو یہ ذواتُ القیم کہلاتی ہیں۔

اور یہ جو مثلیات ہیں نا مثلیات، ان کے اندر تقسیم جب ہو، تقسیم ہو، تو وہاں افراز سمجھا جاتا ہے، وہاں افراز غالب ہے۔ اور جو ذواتُ القیم ہوتی ہیں ان میں مبادلہ غالب ہے۔ توجہ ہے؟ یہ باتیں ساری پہلے ذکر، یہ سب باتیں پہلے ذکر ہو چکی ہیں۔ دیکھو مشترک چیزیں جب تقسیم کریں گے وہاں افراز بھی ہوتا ہے اور مبادلہ بھی، لیکن مثلیات کے اندر افراز غالب ہے، مثلیات میں جب تقسیم کریں گے تو یوں سمجھیں گے افراز ہوا ہے، مبادلہ ہوا ہی نہیں ہے۔ اور ذواتُ القیم کے اندر مبادلہ غالب ہے تو وہاں یوں سمجھیں گے مبادلہ ہی ہوا ہے، افراز ہوا ہی نہیں۔ مثلاً آپ کے اور میرے درمیان دس من گندم مشترک ہے بھئی، میں نے اور آپ نے مل کر آدھے آدھے پیسے ملائے اور دس من گندم خرید لی، اس گندم کے ہر ہر جُزْء میں میری اور آپ کی شرکت ہے، ایک گندم کا دانہ بھی ایسا نہیں کہ آپ کہہ سکیں یہ میرا ہے یا میں کہہ سکوں یہ میرا ہے، نہیں، ہر ہر جُزْء میں ہم دونوں شریک ہیں۔ اب ہم دونوں تقسیم کرتے ہیں، آدھی گندم آپ نے لے لی اور آدھی میں نے لے لی، تو اب یہاں افراز بھی ہوا اور مبادلہ بھی ہوا، لیکن اس کو افراز ہی سمجھیں گے کیونکہ گندم کس میں سے ہے؟ مثلیات میں سے، اور مثلیات کے اندر تقسیم کو کیا سمجھا جاتا ہے؟ افراز سمجھا جاتا ہے، یوں سمجھیں گے یہ جو دس من گندم تقسیم کی، پانچ من میرے حصے میں آئے پانچ من آپ کے حصے میں آئے، تو یوں سمجھیں گے میں نے اپنا ہی حصہ الگ کیا ہے اور آپ نے اپنا ہی حصہ الگ کیا ہے، یہاں مبادلہ ہوا ہی نہیں بلکہ افراز ہوا ہے، ہر ایک نے اپنا اپنا حصہ علیحدہ کر لیا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ بھئی ہوا تو افراز بھی ہے، ہوا تو مبادلہ بھی ہے کیونکہ جو میرے حصے میں گندم آئی اس میں آپ کا بھی حصہ تھا اور آپ کے پاس جو گندم آئی اس میں صرف آپ کا تو حصہ نہیں تھا اس میں میرا بھی حصہ تھا، تو افراز بھی ہوا ہے اور مبادلہ بھی ہوا ہے، لیکن اس کو سمجھیں گے کیا؟ کہ گویا کیا ہوا ہے؟ صرف افراز ہوا ہے، مبادلہ یہاں ہوا ہی نہیں۔

اور جو ذواتُ القیم ہوتی ہیں ان کے اندر جب تقسیم ہو تو اس کو مبادلہ سمجھا جاتا ہے۔ کیا سمجھا جاتا ہے؟ مبادلہ۔ وہاں بھی افراز بھی ہوتا ہے اور مبادلہ بھی ہوتا ہے لیکن وہاں مبادلہ غالب ہے، تو اس کو مبادلہ سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً میرے اور آپ کے درمیان دو بکریاں مشترک تھیں، پھر ہم نے تقسیم کر لی، ایک بکری آپ نے لے لی ایک بکری میں نے رکھ لی۔ اب دیکھو یہ جو ایک بکری آپ کے حصے میں آئی، یہ ساری آپ کی تھی یا اس میں میرا بھی حصہ تھا؟ اس میں آدھا میرا بھی حصہ تھا، اور میرے حصے میں جو بکری آئی وہ ساری میری تو نہیں تھی، اس میں آدھا میرا حصہ تھا تو آدھا آپ کا حصہ تھا، تو یہاں افراز بھی ہے اور مبادلہ بھی ہے، لیکن اس کو سمجھا کیا جائے گا؟ مبادلہ ہی سمجھا جائے گا اس کو، کیونکہ اس میں مبادلہ غالب ہے۔ پھر سمجھو، چیزوں کو جب تقسیم کیا جاتا ہے تو وہاں پر افراز بھی ہوتا ہے یعنی اپنا حصہ بھی انسان الگ کرتا ہے اور مبادلہ بھی ہوتا ہے بھئی، لیکن مثلیات کے اندر افراز غالب ہے، جو مثلیات میں سے ہیں یعنی مکیلات اور موزونات، ان کو جب علیحدہ کر دیں تو یوں سمجھا جائے گا ہم دونوں نے اپنا اپنا حصہ علیحدہ کر لیا ہے، مبادلہ ہوا ہی نہیں۔ اور ذواتُ

القیم کے اندر جب ہم تقسیم کر دیں اور آدھا آدھا حصہ دونوں شریک لے لیں، تو یہاں یوں سمجھیں گے افراز ہوا ہی نہیں بلکہ مبادلہ ہوا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مثلیات میں افراز غالب اور ذواتُ القیم میں مبادلہ غالب ہے۔

پھر ایک اور ضابطہ آپ نے پڑھا تھا کہ مبادلے پر کوئی کسی کو مجبور نہیں کر سکتا۔ افراز پر مجبور کیا جا سکتا ہے لیکن مبادلے پر کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ ایک قلم میری جیب میں ہے، ایک قلم آپ کے پاس ہے، میں آپ کو زبردستی آپ سے کہوں یہ قلم لو اور اپنا قلم مجھے دے دو، نہیں بھئی، یہ مبادلہ ہے، اور مبادلے میں جبر نہیں ہو سکتا، کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا، دونوں کی باہمی رضامندی ہوگی تو پھر ہی مبادلہ ہوگا، آپ اپنا قلم دے دیں اور میرا قلم لے لیں جب ہم دونوں کی رضامندی ہوگی۔ تو مبادلے پر کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

تو لہٰذا اگر دو آدمی کسی چیز میں شریک ہیں اور وہ دونوں میں سے ایک چاہتا ہے کہ اس چیز کو ہمارے درمیان تقسیم کر دیا جائے، میرا حصہ مجھے علیحدہ کر کے دے دیا جائے تاکہ میں اپنے حصے کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکوں، تو دیکھیں گے وہ چیز مثلیات میں سے ہے یا ذواتُ القیم میں سے۔ مثلیات میں سے ہو، تو مثلیات میں تقسیم کو کیا سمجھا جاتا ہے؟ افراز، حصہ علیحدہ کرنا، لہٰذا قاضی جبر کر سکتا ہے۔ قاضی کے پاس چلا جائے گا اور قاضی دوسرے کو مجبور کرے گا کہ اپنا حصہ علیحدہ کرو اور اس کا حصہ علیحدہ کر کے اس کو دے دو، کیونکہ وہ یہ مبادلہ نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ افراز ہے، اور افراز پر تو مجبور کیا جا سکتا ہے، مبادلے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن اگر کسی کی بھیڑ بکریاں تھیں، یعنی ذواتُ القیم چیزیں تھیں، لیکن تھیں وہ ایک ہی جنس کی، کس جنس کی؟ ایک ہی جنس کی چیزیں ہیں، تو پھر اس صورت میں یہاں پر بھی قاضی جبر کر سکتا ہے۔ مثلاً دو آدمیوں کی تیس بکریاں ہیں مشترکہ۔ اب ایک آدمی چاہتا ہے میری بکریاں علیحدہ کر دیں، میرا حصہ مجھے دے دیں، میں ان بکریوں کو اپنی مرضی کے مطابق بیچ سکوں یا جو بھی کرنا چاہوں۔ اور دوسرا ساتھی تیار نہیں ہو رہا۔ یہ دونوں کو جب الگ اپنا اپنا اگر حصہ لیں گے تو یہ مبادلہ کہلائے گا، یہ کیا ہے؟ مبادلہ، اور مبادلے پر تو قاضی مجبور نہیں کر سکتا، لیکن یہاں چونکہ جنس ایک ہے، ساری کیا ہیں؟ بھیڑ بکریاں ہیں، ایک ہی جنس ہے، تو یہاں قاضی مجبور کر سکتا ہے۔ اگر جنسیں ہی الگ الگ ہوں پھر قاضی مبادلے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ویسے تو اصول یہ ہے: مبادلے پر قاضی مجبور نہیں کر سکتا، لیکن اگر مالِ مشترکہ ہے اور مالِ مشترکہ ہے بھی ذواتُ القیم میں سے، لیکن جنس ان کی ایک ہی ہے، تو اس صورت میں بھی فقہاء فرماتے ہیں اب قاضی مجبور کر سکتا ہے کیونکہ جنس ایک ہے۔ کیونکہ جب تقسیم کرے گا تو پندرہ بکریاں ایک کو ملیں گی پندرہ دوسرے کو ملیں گی، تو ایک کو بھی کیا ملیں؟ بکریاں، وہی جنس، اور دوسرے کو بھی کیا ملیں؟ وہی بکریاں ہی مل گئیں، تو ایک جنس ہونے کی وجہ سے قاضی مجبور کر سکتا ہے۔ بھئی یہ تو مبادلہ ہوتا ہے مبادلہ، بھئی یوں سمجھیں گے یہاں بھی افراز ہی ہوا ہے۔ یوں

سمجھیں گے یہاں بھی افراز۔ بھئی کس طرح اس کو ہم افراز سمجھیں؟ کہتے ہیں ہم یوں سمجھیں گے کہ یہ جو ایک ساتھی ہے اس کا حصہ انہی پندرہ بکریوں میں تھا، اور دوسرے کا حصہ ان دوسری پندرہ بکریوں میں ہی تھا، یعنی اس کا، ویسے تو ہر بکری میں آدھا آدھا حصہ تھا دونوں کا، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اور مثلاً اس کو پندرہ ملیں اس کو پندرہ ملیں، تو اس پندرہ کے اندر ہر بکری کے اندر آدھا حصہ اس کا تھا اور آدھا حصہ دوسرے ساتھی کا، دوسرے ساتھی کو بھی پندرہ ملیں اس کی بھی ہر بکری کے اندر آدھا حصہ اس کا اور آدھا حصہ دوسرے ساتھی کا ہے، لیکن قاضی یہاں مجبور کرے گا اور یوں سمجھیں گے افراز کر دیا ہے، اور یہ جو اس فریق کو پندرہ بکریاں ملیں اس کے اندر آدھا حصہ تو تھا ہی اس کا، آدھا حصہ تو تھا اس کا، اور وہ جو آدھا حصہ دوسری بکریوں میں تھا وہ سمجھیں گے دوسری میں تھا ہی نہیں۔ وہ انہی کے اندر جمع ہو گیا سارا۔ یعنی یہ ساری بکریوں میں حصہ تھا ہی اس کا یوں سمجھ لیں گے۔ اس کا سارا حصہ ہی ان پندرہ بکریوں میں جمع ہو گیا اور دوسرے کا سارا حصہ ان پندرہ بکریوں میں جمع ہو گیا۔ یعنی یہاں مبادلہ ہوا ہی نہیں یوں سمجھو، افراز ہی افراز ہوا ہے۔ یعنی اس کا حصہ ان پندرہ بکریوں میں جمع ہو گیا، اس کا حصہ ان پندرہ بکریوں میں جمع ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ضابطہ کیا ہوا؟ کہ مبادلے پر کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا، لیکن اگر ایک جنس ہو پھر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اور پھر جب وہاں بھی یوں سمجھیں گے گویا وہ جو دوسرے کا حصہ پھیلا ہوا تھا وہ پھیلا ہوا تھا لیکن اب اکٹھا ہو کر سمٹ کر اسی کے حصے کے اندر جمع ہو گیا سارا، اور وہ ہم نے علیحدہ کر کے اس کو دے دیا۔ وہ پندرہ بکریوں میں سارا اس کا حصہ اکٹھا ہوا اور وہ پندرہ بکریاں ہم نے اس کو دے دیں، اور دوسری پندرہ بکریوں میں دوسرے کا سارا حصہ اکٹھا ہو گیا اور وہ پندرہ ہم نے اس کو دے دیں، کیونکہ جنس ایک ہے۔ اگر جنس الگ الگ ہو پھر قاضی بھی مجبور نہیں کر سکتا۔ مثلاً دو آدمی ہیں انہوں نے مل کر ایک بکری، ایک گائے اور ایک اونٹ خریدا۔ بکری، گائے اور اونٹ۔ اب دیکھا جائے تو بکری اور گائے کی قیمت ملا کر پچاس ہزار اور اونٹ کی قیمت بھی پچاس ہزار۔ ایک شخص چاہتا ہے تقسیم کر دیں تو وہ قاضی کے پاس چلا گیا، تو قاضی یوں نہیں کر سکتا: ایک کو بکری اور بھینس دے دے اور دوسرے کو اونٹ دے دے، اس لیے کیونکہ جنسیں الگ الگ ہیں، ایک بکری ہے، ایک بھینس ہے، ایک اونٹ ہے۔ ایک جنس ہوتی، ساری بکریاں ہوتیں تو بھی قاضی مجبور کر دیتا، ساری بھینسیں اور یا گائیں ہوتیں تو بھی قاضی مجبور کرتا، سارے اونٹ ہوتے تو بھی قاضی مجبور کرتا کیونکہ ایک جنس ہوتے، ایک کو بھی اونٹ ملتے دوسرے کو بھی اونٹ ملتے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ لیکن یہاں تو جنسیں ہی الگ الگ ہیں، جب جنسیں الگ الگ ہیں تو اس کو افراز ہم قرار دے ہی نہیں سکتے، اس کو ہر حال میں مبادلہ ہی قرار دینا پڑے گا۔ ایک کو اگر بکری اور بھینس دیں گے اور دوسرے کو اونٹ دیں گے تو یہ افراز ہوا یا مبادلہ ہوا؟ یہ مبادلہ ہی مبادلہ ہے بھئی ہر حال میں، کیونکہ اس کا حصہ اونٹ میں تھا وہ اونٹ کا حصہ گائے کے اندر تو سمٹ نہیں سکتا، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اور اس کا حصہ اس گائے میں بھی تھا اور اس بکری میں بھی تھا وہ سمٹ کر اونٹ میں تو جمع نہیں ہو سکتا کیونکہ جنسیں الگ الگ ہیں بھئی۔ تو ضابطہ کیا ہوا؟ اگر ایک جنس ہو

تو قاضی مبادلے پر تقسیم کے لیے مجبور کر سکتا ہے اور اگر جنسیں الگ الگ ہوں تو قاضی تقسیم پر مجبور نہیں کر سکتا کیونکہ وہاں مبادلہ ہی مبادلہ ہے۔

اسی طرح یاد رکھو یہ جو مختلف قسم کے کپڑے ہیں تو یہ مختلف جنسیں شمار ہوں گی، لہٰذا یہاں مبادلے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ اور اسی طرح غلام، یاد رکھو یہ جو غلام ہیں ہر غلام کی الگ صفات ہیں تو ہر غلام کو الگ جنس سمجھیں گے، الگ جنس سمجھیں گے، لہٰذا اگر پانچ چھ غلاموں میں دو آدمی شریک ہیں اور اب ایک چاہتا ہے میرا حصہ علیحدہ کر کے دے دیا جائے اور دوسرا نہیں مان رہا تو قاضی کے پاس جا کر وہ زبردستی بھی تقسیم نہیں کروا سکتا، اس لیے کیونکہ ہر غلام کیا ہے؟ الگ جنس۔ جب الگ جنس ہے تو جنس ایک نہ ہوئی۔ ایک جنس ہو تو قاضی مبادلے پر مجبور کر سکتا ہے، لیکن اگر جنسیں الگ ہوں تو پھر قاضی مبادلے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟ حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ جنسیں الگ ہوں تو قاضی مبادلے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اور اگر مثلیات ہوں یا ایک ہی جنس ہو تو قاضی مبادلے پر مجبور کر سکتا ہے اور اس میں کیا سمجھیں گے؟ افراز ہوا ہے یا مبادلہ ہوا ہے؟ افراز ہوا ہے، گویا اس دوسرے کا سارا حصہ اکٹھا ہو گیا اسی کے۔ تو اگر ایک جنس والے ہیں تو مثلاً جیسے میں نے مثال ذکر کی بکریاں آپس میں تقسیم کی ہیں تو پندرہ بکریاں ایک کو ملیں اور پندرہ دوسرے کو، تو کیا سمجھیں گے مبادلہ ہوا ہے یا افراز؟ افراز ہوا ہے کیونکہ جنس ایک ہے، یوں سمجھیں گے جو پہلا آدمی ہے اس کا سارا حصہ انہی پندرہ بکریوں میں اکٹھا ہو گیا، ان میں دوسرے کا حصہ تھا ہی نہیں، اور دوسری پندرہ جو دوسرے آدمی کو ملیں یوں سمجھیں گے یہ سارا اس کا حصہ انہی پندرہ بکریوں میں اکٹھا ہو گیا، دوسری بکریوں میں اس کا حصہ تھا ہی نہیں، کیونکہ جنس ایک ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

اسی پر یہ مسئلہ ہے کہ دیکھیں اس مسئلے کے اندر ایک شخص نے کیا وصیت کی؟ کہ میرے درہموں میں سے ثُلُثِ درہم فلاں کو دے دینا۔ ثُلُثِ درہم فلاں کو، اور درہم کس میں سے ہیں؟ مثلیات میں سے، موزونات میں سے ہیں۔ درہم اس کے مثلاً تین سو درہم تھے، ان تین سو درہموں میں سے دو سو درہم بعد میں ہلاک ہو گئے، تو ہمارے تینوں ائمہ فرماتے ہیں یہ جو سو کے سو درہم ہیں سارے مُوصَی لَہٗ کو دے دو، اور یوں سمجھو، اور یوں سمجھو کہ پہلے کتنے تھے؟ تین سو، تین سو، اور اس تین سو میں سے سو حصہ اس کا تھا وصیت اس کے بارے میں تھی اور دو سو کس کے تھے؟ وارثوں کے، اور یہ کیا ہے؟ مثلیات، اور مثلیات میں جب تقسیم ہوتی ہے تو اس کو کیا سمجھتے ہیں؟ افراز، وہاں مبادلہ سمجھتے ہی نہیں۔ اگر ہم دو سو وارثوں کو دیں گے تو یوں سمجھیں گے کہ یہ سارا حصہ اس میں تھا ہی وارثوں کا، مُوصَی لَہٗ کا اس میں کوئی حصہ تھا ہی نہیں، اور سو کس کو دے دیں گے؟ مُوصَی لَہٗ کو۔ بھئی مُوصَی لَہٗ کو جو سو درہم ملے اس میں وارثوں کا حصہ تھا یا نہیں تھا؟ ہر ہر

درہم میں سارے شریک تھے نا، تو لیکن یوں سمجھیں گے مُوصَی لَہٗ کا سارا حصہ سمٹ کر ان سو درہموں میں آگیا، یہ تھے ہی اس کے۔ اور وہ جو دو سو درہم وارثوں کو دیں گے تو گویا وہ سارا حصہ ان کا اکٹھا ہو کر دو سو درہموں میں آگیا وہ تھے ہی ان کے۔ معلوم ہوا یہ جو مثلیات ہیں یہ ایک جنس والی چیزیں ہیں، ان میں حصہ سمٹ کر اکٹھا ہو سکتا ہے، ان میں حصہ سمٹ کر، تو یہاں پر بھی جب اس نے کیا وصیت کی؟ میرے جتنے درہم ہیں اس کا ایک ثُلُث مُوصَی لَہٗ یعنی زید کو دے دینا، اور بعد میں دو ثُلُث ہلاک ہو گئے، تو یوں سمجھا جائے گا کہ یہ جو ایک ثُلُث ہے اس سارے کے اندر اس کا حصہ اکٹھا ہو گیا، یہ سارا اب کس کو دے دو؟ مُوصَی لَہٗ کو دے دو بشرطیکہ یہ کل مال کا ثُلُث بنتا ہو، کل مال کا ثُلُث اس کے علاوہ اور دینار وغیرہ ہیں۔

اور اسی طرح بھیڑ بکریاں ہیں، دو ثُلُث ہلاک ہو گئے ایک ثُلُث رہ گیا، تو یوں سمجھیں گے یہ سارا ثُلُث کس کا ہے؟ مُوصَی لَہٗ کا ہے، یعنی اس کا حصہ وہ جو دو ثُلُث ہلاک ہوئیں ان میں جو اس کا حصہ تھا وہ سمٹ کر اکٹھا ہو گیا انہی کے اندر اور اس کے اندر اب سارا اس کو دے دو، وہ وارثوں کو کچھ بھی نہ دو بشرطیکہ یہ ثُلُث میں سے نکلتا ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح؟

اب دیکھیے ہماری دلیل: لَنَا ہماری دلیل یہ ہے کہ أَنَّ حَقَّ الْمُوصَی لَہٗ مُقَدَّمٌ عَلَی حَقِّ الْوَرَثَةِ، کہ مُوصَی لَہٗ کا حق مقدم ہے وارثوں کے حق پر۔ پھر سنو ادھر دیکھو، کیا وصیت کی تھی اس نے؟ کہ میرے درہموں کا ثُلُث مُوصَی لَہٗ کو دے دینا یا میری بھیڑ بکریوں کا ثُلُث جو ہے مُوصَی لَہٗ کو دے دینا۔ تو دیکھو وہ ایک معین چیز کے اندر وصیت کر رہا ہے وصیت کرنے والا، پورے مال کی وصیت نہیں کر رہا بلکہ ایک معین چیز کے اندر وصیت کر رہا ہے۔ معلوم ہوا وہ چاہتا ہے کہ اس معین چیز کے اندر مُوصَی لَہٗ کا حق وارثوں پر مقدم ہو۔ توجہ سے، توجہ سے، اب مسئلہ حل ہونے والا ہے۔ اس نے کیا وصیت کی؟ میری بکریوں کا ثُلُث دے دینا زید کو، یا کہتا ہے میرے درہموں کا ثُلُث دے دینا زید کو، معلوم ہوا وہ چاہتا ہے کہ یہ جو معین میرا مال ہے یعنی یہ جو خاص درہم ہیں باقی مال نہیں، یا یہ جو خاص بکریاں ہیں باقی مال نہیں، اس مال کے اندر مُوصَی لَہٗ کا حق یعنی زید کا حق میرے وارثوں سے مقدم ہونا چاہیے۔ وہ کیا چاہتا ہے کہ مُوصَی لَہٗ کا حق کیا ہو؟ اس معین مال کے اندر وارثوں پر مقدم ہو۔ آپ کہیں گے یہ کیسے مقدم کیونکہ اس نے تو کوئی مقدم کا نہیں کہا۔ بھئی آپ کو نہیں پتا کہ جب کوئی شخص مرتا ہے سب سے پہلے کیا کرتے ہیں؟ کفن دفن، پھر کیا کرتے ہیں؟ قرضے ادا کرتے ہیں، پھر کیا کرتے ہیں؟ وصیت نافذ کرتے ہیں، اس کے بعد کس کو دیتے ہیں؟ وارثوں کو، تو معلوم ہوا مُوصَی لَہٗ کا حق کیا ہوتا ہے؟ وارثوں پر مقدم ہوتا ہے۔ تو یہاں بھی جب اس نے کہا خاص مال کی طرف اشارہ کیا، میری بکریاں جو ہیں ان کا ثُلُث دینا، معلوم ہوا وہ چاہتا ہے ان بکریوں کے اندر مُوصَی لَہٗ کا حق مقدم ہونا چاہیے کس پر؟ میرے وارثوں پر وہ یہ چاہتا ہے، وہ کہ مُوصَی لَہٗ کا حق مقدم ہو۔ تو اس کے اندر گویا مُوصَی لَہٗ کا حق اصل ہو اور وارثوں کا حق تابع ہو۔ وہ کیا چاہتا ہے کہ کس کو اول حق ملنا چاہیے اس معین میں؟ مُوصَی لَہٗ کو۔ تو مُوصَی لَہٗ کا حق اس میں اصل ہو جائے گا اور وارثوں کا حق تابع ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں

آرہی ہے؟ جب وہ مقدم کرنا چاہتا ہے تو معلوم ہوا وہ کیا بن جائے گا؟ وہ اصل بنا دیں گے ہم اس کو، اس کو مقدم کرنا چاہتا ہے وارثوں پر، اور وارثوں کا حق کیا ہو جائے گا؟ تابع ہو جائے گا۔ اور یاد رکھنا جب ایسا مال ہلاک ہوتا ہے جس میں کچھ اصل ہو اور کچھ تابع ہو، تو وہ جو ہلاک شدہ ہے اس کو تابع کی طرف پھیرتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں تابع ہلاک ہوا ہے، اصل ہلاک نہیں ہوا۔ تو یہ جو بھیڑ بکریاں تھیں اس میں مُوصَی لَہٗ کا بھی حصہ اور اس میں وارثوں کا بھی حصہ، لیکن مُوصَی لَہٗ کا حصہ اصل اور وارثوں کا حصہ تابع۔ اور کچھ حصہ ہلاک ہو گیا تو اس کو کس کی طرف پھیریں گے؟ کیا سمجھیں گے؟ اصل ہلاک ہوا ہے یا تابع ہلاک ہوا ہے؟ تابع ہلاک ہو گیا۔ تو جو دو ثُلُث ہلاک ہوئے یوں سمجھیں گے وہ وارثوں کے دو ثُلُث جو کہ تابع تھا وہ ہلاک ہو گئے ہیں اور یہ جو ایک ثُلُث رہ گیا ہے یہ تو کس کا حصہ ہے؟ مُوصَی لَہٗ کا جو کہ اصل ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ یہ کہتے ہیں ایسے ہی ہے جیسے مالِ مضاربت کے اندر۔ آپ نے ایک آدمی کو دس لاکھ روپے دیے کہ جاؤ بھئی آپ اس کے ساتھ کاروبار کرو، اور جو بھی نفع آئے گا ہم دونوں مل کر آدھا آدھا تقسیم کریں گے، تو مال آپ کا اور محنت دوسرے کی۔ وہ گیا اور اس نے کاروبار شروع کر دیا، اور کرتے کرتے پانچ لاکھ روپے اس نے کما لیے، پانچ لاکھ لا کر اس نے ڈھائی لاکھ خود رکھے وہ جو نفع تھا اور ڈھائی لاکھ آپ کو دے دیے۔ اب دس لاکھ کاروبار والے چلا رہا ہے ان سے کاروبار کر رہا ہے، لیکن پھر ایسا نقصان ہوا کہ اس دس لاکھ میں سے پانچ لاکھ جو ہیں وہ نقصان ہو گیا۔ تو ایک ہے اصل مال جو آپ نے دیا تھا دس لاکھ اور ایک ہے جو نفع ہوا پانچ لاکھ کا وہ تھا تابع، تو لہٰذا اب یہ جو پانچ لاکھ نقصان ہوا اس کو تابع کی طرف پھیر دیں گے، یعنی یوں سمجھیں گے یہ جو پانچ لاکھ نقصان ہوا ہے یہ آپ کا اصل رَأْسُ الْمَالِ وہ نہیں ہلاک ہوا وہ جو نفع تھا پانچ لاکھ وہ ہلاک ہوا ہے۔ وہ جو نفع تھا وہ ہلاک ہوا، اصل آپ کا دس لاکھ ابھی بھی موجود ہے۔ لہٰذا آپ کو جو ڈھائی لاکھ دیا تھا وہ بھی لے لیں گے اور اس کو جو ڈھائی لاکھ دیا تھا وہ بھی لے لیں گے اور پھر وہی دس لاکھ کے ساتھ کاروبار چلے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ آپ کا جو مال تھا وہ تھا اصل اور وہ جو نفع کیا تھا؟ تابع تھا، اور جب ایسا مال جو اصل اور تابع دونوں پر مشتمل ہو اس میں سے جب کچھ ہلاک ہو جائے تو اس ہلاکت کو کس کی طرف پھیرتے ہیں؟ تابع کی طرف۔ تو یہاں پر بھی ایسا ہے: وصیت کرنے والے نے وصیت کی، معلوم ہوا کہ وہ اس معین مال جو ہے یہ درہم یا یہ جو بھیڑ بکریاں ہیں ان کے اندر مُوصَی لَہٗ کا حق اپنے وارثوں پر مقدم رکھنا چاہتا ہے، تو معلوم ہوا مُوصَی لَہٗ کا حق اس میں کیا ہوا؟ اصل، اور وارثوں کا حق کیا ہوا؟ تابع، اور اس کے اندر سے جب کچھ ہلاک ہو گا تو اس کو تابع کی طرف پھیریں گے اور یوں سمجھیں گے کہ یہ وارثوں کا حق ہلاک ہو رہا ہے، اور وارثوں کا حق تو دو ثُلُث تھا اور دو ثُلُث ہی ہلاک ہو گیا مال، تو یوں سمجھیں گے وارثوں کا سارا حصہ چلا گیا ضائع ہو گیا اور یہ جو بچا ہے یہ سارا کس کا ہے؟ مُوصَی لَہٗ کا ہے۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟ اچھی طرح حل ہو گیا؟

دیکھیے: لَنَا ہماری دلیل یہ ہے کہ أَنَّ حَقَّ الْمُوصَی لَہٗ مُقَدَّمٌ عَلَی حَقِّ الْوَرَثَةِ، کہ مُوصَی لَہٗ کا حق مقدم ہے وارثوں کے حق

پر۔ فَكُلُّ مَا يَجْرِي فِيهِ الْجَبْرُ عَلَى الْقِسْمَةِ، پس ہر وہ چیز جس کے اندر جبر یعنی زبردستی چلتی ہے عَلَى الْقِسْمَةِ تقسیم میں، تقسیم پر جس چیز میں بھی زبردستی چلتی ہے، اور زبردستی کس میں جبر کس میں ہو سکتا ہے تقسیم کے اندر؟ مثلیات کے اندر بھی اور ذواتُ القیم اگر ایک جنس کے ہوں تو ان پر بھی جبر چل سکتا ہے۔ تو ہر وہ چیز جس کے اندر جبر چل سکتا ہے تقسیم میں، وَيُمْكِنُ جَمْعُ حَقِّ أَحَدِ الْمُسْتَحِقِّينَ فِي الْوَاحِدِ، اور ممکن ہو جمع کرنا مستحقین میں سے ایک کے حق کو فِي الْوَاحِدِ ایک میں، ایک مستحق کے حق کو ایک میں جمع کرنا ممکن ہو۔ جیسے میں نے ابھی بیان کیا تھا کہ دو ساتھیوں میں پندرہ بکریاں مشترکہ ہیں اور وہ قاضی کے پاس چلا گیا، تو اگرچہ یہ ذواتُ القیم ہیں لیکن جنس ایک ہے تو قاضی مجبور کر سکتا ہے، اور جب قاضی مجبور کرے گا تو پندرہ بکریاں ایک کو دے دے گا اور پندرہ بکریاں دوسرے کو، اور اس کو افراز سمجھا جائے گا مبادلہ نہیں۔ افراز کیسے سمجھیں گے؟ بھئی وہ جو پندرہ بکریاں دوسرے کے پاس گئیں اس میں سے آدھا حصہ اس کا تھا اور آدھا اس کا تھا، اور اس کے پاس جو پندرہ بکریاں آئیں اس میں بھی اس کا بھی حصہ تھا اور دوسرے کا بھی حصہ تھا، تو اس نے گویا ادھر جو دوسرے کا حصہ تھا وہ لے لیا اور دوسرے کی طرف جو اس کا حصہ تھا وہ اس نے چھوڑ دیا دوسرے کو دے دیا، تو یہ تو مبادلہ ہے، کہتے ہیں مبادلہ ہے لیکن اس کو افراز سمجھیں گے۔ یوں سمجھیں گے یہ جو پندرہ بکریاں اس کو ملیں ان میں آدھا حصہ تو تھا ہی اس کا، آدھا حصہ، اور دوسری پندرہ بکریوں میں بھی اس کا جو آدھا حصہ تھا وہ بھی ادھر ہی آگیا انہی کے اندر آگیا، تو یہ ساری کی ساری پندرہ بکریاں ہیں ہی اس کی، اس کا حصہ جمع ہو گیا، اس کا حصہ ان پندرہ بکریوں میں جمع ہو گیا، ان بکریوں میں اس کا حصہ گویا تھا ہی نہیں۔ بلکہ ایک بکری سے مثال سمجھو ذرا بات اور واضح ہو گی۔ بھئی دیکھو میرے اور زید میں دو بکریاں مشترکہ ہیں، ہم دونوں نے آدھے آدھے پیسے ملا کر خرید لیں۔ اب ہم دونوں اس کو تقسیم کرتے ہیں، تقسیم کرتے ہیں، ایک بکری میں نے لے لی اور دوسری بکری زید نے لے لی۔ اب دیکھو دیکھا جائے تو ہر بکری میں دونوں کا حصہ ہے، جب دونوں کا حصہ ہے تو میرے حصے میں جو بکری آئی آدھی میری تھی اور آدھی کس کی تھی؟ زید کی، لیکن یہ آدھی زید کا حصہ بھی میں نے لے لیا، اور بدلے میں جو زید کو بکری ملی اس میں آدھا حصہ میرا تھا وہ میں نے اس کو دے دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مبادلہ ہے، لیکن اس کو مبادلہ نہیں سمجھیں گے بلکہ کیا سمجھیں گے؟ افراز، کیونکہ جنس ایک ہے۔ آپ کو ابھی میں نے بتایا نا قاضی مجبور کر سکتا ہے، کن چیزوں میں تقسیم پر مجبور کر سکتا ہے؟ مثلیات پر بھی اور وہ ذواتُ القیم جن کی جنس ایک، تو یہ بھی دونوں کی جنس ایک ہے، بکریاں ہیں بھئی، تو یہاں پر بھی قاضی مجبور کر سکتا ہے اور اس کو کیا سمجھیں گے؟ افراز سمجھیں گے۔ میرے پاس جو بکری آئی، یوں سمجھیں گے میرا سارا حصہ اسی بکری کے اندر جمع ہو گیا، زید والی بکری میں میرا حصہ تھا ہی نہیں، اور زید کا حصہ سارا اس بکری میں جمع ہو گیا۔ نہیں سمجھ میں آرہی؟ میرے پاس جو بکری آئی اس میں آدھا حصہ تو تھا ہی میرا، اور آدھا میرا حصہ دوسری بکری میں تھا، یوں سمجھیں گے وہ اس بکری والا میرا حصہ ادھر ہی سمٹ کر آگیا اسی بکری میں، تو یہ گویا بکری ساری تھی ہی میری، اور وہ والی بکری ساری تھی ہی زید کی، اس

کا سارا حصہ اس کے اندر سمٹ گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے وَيُمْكِنُ جَمْعُ حَقِّ أَحَدِ الْمُسْتَحِقِّينَ فِي الْوَاحِدِ، اور ممکن ہو کہ مستحقین میں سے ایک کا حق جمع ہو جائے فِي الْوَاحِدِ کس کے اندر؟ ایک ہی کے اندر، ساروں ایک کا اپنا حق جو مختلف چیزوں میں پھیلا ہوا تھا وہ سمٹ کر جمع ہو گیا ایک ہی کے اندر، میرا حق جو تھا دو بکریوں میں جو پھیلا ہوا تھا وہ سمٹ کر ایک ہی بکری میں آگیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے۔

کہتے ہیں: فَكُلُّ مَا يَجْرِي فِيهِ الْجَبْرُ عَلَى الْقِسْمَةِ وَيُمْكِنُ جَمْعُ حَقِّ أَحَدِ الْمُسْتَحِقِّينَ فِي الْوَاحِدِ، پس ہر وہ چیز جس کے اندر تقسیم کے اندر جبر جاری ہوتا ہو اور جہاں ممکن ہو جمع کرنا کئی مستحقین میں سے ایک کے حق کو ایک ہی چیز کے اندر كَالدَّرَاهِمِ وَالْغَنَمِ جیسے کہ درہم ہیں اور بھیڑ بکریاں ہیں، يُجْمَعُ حَقُّ الْمُوصَى لَهُ فِيهِ مُقَدَّمًا تو وہاں مُوصَى لَهُ کے حق کو جمع کر دیا جائے گا مقدم کرتے ہوئے، تو جو باقی درہم یا بکریاں بچی ہیں اسی کے اندر گویا اس کا سارا حق جمع ہو گیا ہے اور یہ سارا اسی کا ہے، یہ سارا ثُلُث کیا ہے؟ اسی کا ہے۔ فَيُجْمَعُ فِي الْبَاقِي پس باقی کے اندر اس کا حصہ جمع کر دیا جائے گا، بِخِلَافِ مَا لَيْسَ كَذَلِكَ بخلاف اس کے جو ایسا نہ ہو، بخلاف اس کے جو ایسا نہ ہو یعنی جن کے اندر جبر جاری نہیں ہو سکتا اور جس میں ایک آدمی کا حق ایک چیز کے اندر اکٹھا کرنا ممکن نہ نہیں ہے، كَالثِّيَابِ الْمُتَفَاوِتَةِ وَالْعَبِيدِ جیسے مختلف کپڑے ہیں اور غلام ہیں۔ وہاں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایک ہی کپڑے کے اندر اس کا حق جمع ہو جائے کیونکہ ہر کپڑا الگ جنس ہے، یا اس یوں کہیں کہ اس کا حق ایک ہی غلام میں یا دو غلاموں میں اکٹھا ہو گیا ہے جو بچ گئے ہیں باقی تو ہلاک ہو گئے، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کا حق ان بچنے والے غلاموں میں جمع ہو گیا کیونکہ ہر غلام کیا ہے؟ الگ جنس ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی، بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، اللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ٦٥: عین اور دین (قرض) دونوں کی موجودگی میں وصیت کا نفاذ اور وصیت لفقراء و اقارب کے احکام

شرح الوقایہ صفحہ: ١٥٥ — بتاریخ: ٨ مارچ ٢٠٢٠ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: وَبِأَلْفٍ وَلَهُ عَيْنٌ وَدَيْنٌ، هُوَ عَيْنٌ إِنْ خَرَجَ مِنْ ثُلُثِ الْعَيْنِ، وَإِلَّا فَثُلُثُ الْعَيْنِ وَثُلُثُ مَا يُؤْخَذُ مِنَ الدَّيْنِ. وَبِثُلُثٍ لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو وَعَمْرٌو مَيِّتٌ كُلُّهُ لِزَيْدٍ.

وَبِأَلْفٍ وَلَهُ عَيْنٌ وَدَيْنٌ: صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص کا مال جو ہے کچھ نقد کی صورت میں ہے اور کچھ دَین کی صورت میں ہے۔ مثلاً اس کے پاس کچھ درہم و دینار نقد موجود ہیں اور کچھ اس کا جو مال ہے وہ دَین کی صورت میں ہے، یعنی لوگ اس سے قرضے وغیرہ لے کر گئے ہیں اب اس نے وہ واپس وصول کرنے ہیں۔ تو کچھ مال نقد ہوا اور کچھ مال دَین ہوا۔ اب اس شخص نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد زید کو میرے مال میں سے ایک ہزار درہم دے دیے جائیں۔ تو اب یہ جو وصیت ہے کس طرح زید کو دیے جائیں گے؟ کیا عین اور دَین دونوں سے دیے جائیں گے یا دَین میں سے دیے جائیں گے یا عین میں سے دیے جائیں گے؟

تو یاد رکھیے اس میں جو زید کے لیے جو ایک ہزار درہم کی وصیت کی تو اس وصیت کو سب سے پہلے عین سے پورا کرنے کی کوشش کی جائے گی، یعنی جو نقد موجود ہے۔ اگر اس آدمی کے پاس نقد مال اتنا تھا کہ جس کے ثُلث میں سے ایک ہزار درہم نکل سکتے ہیں، کیونکہ ہزار درہم کی وصیت ہے اور وصیت ثُلث میں نافذ ہوتی ہے، تو اگر جو نقد مال ہے اس میں سے اگر ایک ہزار درہم نکل سکتے ہیں تو اس کو پھر نقد میں سے ہی پورا ہزار دے دیں گے۔ مثلاً اس کے پاس پانچ ہزار درہم نقد تھے، اب پانچ ہزار میں سے تو ایک ہزار ثُلث میں آرام سے نکل آتے ہیں، تو چنانچہ ایک ہزار نقد میں سے جو ہے وہ وصیت نافذ کر دیں گے، وہ زید کو دے دیں گے اور باقی کا مال جو نقد ہے وہ اور جو دَین ہے وہ سارا وارثوں کا ہو جائے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اور اگر اس کا نقد مال اتنا نہیں ہے کہ جس کے ثُلُث میں سے ایک ہزار درہم نکل آئیں، مثلاً اس کا نقد مال صرف دو ہزار درہم ہے، تو پھر دو ہزار درہم کے ثُلُث میں سے تو ایک ہزار درہم نہیں نکل سکتے۔ تو اس صورت میں جو نقد مال ہوگا اس کا ثُلُث جو ہے، نقد مال کا ثُلُث جتنا بھی بنے وہ وصیت والے کو دے دیا جائے گا اور جو باقی اس کا حصہ رہ گیا وہ دَین میں سے لے لے گا۔ اور دَین تو تھوڑا تھوڑا کر کے وصول ہوتا ہے، تو جب بھی دَین وصول ہوا کرے اس دَین کا ثُلُث وہ لے لیا کرے گا اور باقی دو ثُلُث وارث لے لیا کریں گے۔ تو ہر دَین میں سے یہ ثُلُث لیتا رہے گا یہاں تک کہ اس کا ہزار پورا ہو جائے۔

تو مثلاً نقد مال کتنا تھا؟ دو ہزار۔ تو اس نقد کا ثُلُث اس کو دے دیں گے۔ دو ہزار کا ثُلُث کتنا بنتا ہے؟ تقریباً پونے سات سو کے لگ بھگ بنتا ہے۔ تو یہ پونے سات سو درہم جو ہے وہ وصیت والے کو نقد دے دیں گے اور جو سوا تین سو درہم اس کا حصہ باقی رہ گیا، کیونکہ اس کو ہزار دینے ہیں، تو وہ جو سوا تین سو ہیں وہ دَین میں سے لیں گے۔ جب بھی دَین کا کچھ حصہ وصول ہوا کرے گا اس کا ایک ثُلُث جو ہے وہ اس وصیت والے کو دے دیا کریں گے، اس مُوصٰی لَہٗ کو دے دیا کریں گے اور دو ثُلُث جو ہیں وہ وارث لے لیا کریں گے یہاں تک کہ اس کے ہزار درہم پورے ہو جائیں۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

دیکھیے، کہتے ہیں: وَبِأَلْفٍ، اور ایک ہزار کی وصیت میں، وَلَهُ عَيْنٌ وَدَيْنٌ، اور اس حال میں کہ وہ جو وصیت کرنے والا ہے اس کا کچھ مال تو عین ہے یعنی نقد ہے، عین کا کیا معنی؟ نقد، کچھ مال تو اس کا نقد ہے، وَدَيْنٌ، اور کچھ مال دَین ہے۔ هُوَ عَيْنٌ، تو وہ ایک ہزار جو ہیں وہ عین ہوں گے یعنی نقد میں سے دیں گے، إِنْ خَرَجَ مِنْ ثُلُثِ الْعَيْنِ، اگر وہ ایک ہزار نقد کے ثُلُث میں سے نکل آئیں۔ اگر وہ ایک ہزار نقد کے ثُلُث میں سے نکل آئیں تو اس کو نقد ہی میں سے ایک ہزار اس کو دے دیں گے۔ عبارت سمجھ میں آرہی ہے؟ وَبِأَلْفٍ، ایک ہزار کی وصیت کرنے کی صورت میں، هُوَ عَيْنٌ، درمیان میں حال ہے وَلَهُ عَيْنٌ وَدَيْنٌ ذرا اس کو ہٹا دیں، وَبِأَلْفٍ، اور ایک ہزار کی وصیت کی صورت میں، هُوَ عَيْنٌ، وہ ایک ہزار جو ہیں وہ نقد ہوں گے إِنْ خَرَجَ مِنْ ثُلُثِ الْعَيْنِ، اگر وہ نقد کے ثُلُث میں سے نکل آئیں۔ وَإِلَّا، اور اگر ایسا نہ ہو یعنی وہ نقد کے ثُلُث میں سے ایک ہزار نہیں پورے ہوتے، فَثُلُثُ الْعَيْنِ، تو نقد کا ثُلُث اس کو دے دیں گے جتنا بھی بن گیا۔

جتنا بھی بن گیا، مثلاً اگر نقد اس کے پاس کتنے ہیں؟ ستائیس سو، ستائیس سو درہم، تو ستائیس سو کا ثُلُث جو ہے نو سو درہم، تو نو سو درہم اس کو نقد دے دیں گے اور باقی کے سو درہم وہ کس سے لے لے گا؟ دَین میں سے لے لے گا۔ اور دَین میں سے بھی کس طرح لے گا؟ کہ دَین کا جو بھی حصہ وصول ہوا کرے گا اس کا ثُلُث اس مُوصٰی لَہٗ کو دے دیا کریں گے اور دو ثُلُث وارثوں کو دے دیا کریں گے یہاں تک کہ اس کے ہزار درہم پورے ہو جائیں۔ تو کہتے ہیں: وَإِلَّا، اور اگر ایسا نہ ہو یعنی نقد کے ثُلُث میں سے ایک ہزار پورے نہیں ہوتے، فَثُلُثُ الْعَيْنِ، تو اس کے لیے نقد کا ثُلُث ہوگا، وَثُلُثُ مَا يُؤْخَذُ مِنَ الدَّيْنِ، اور ثُلُث وہ جو لیا جائے گا دَین میں سے، یعنی دَین میں سے جب بھی وصولی ہوگی تو اس کا ثُلُث اس کو دے دیا کریں گے یہاں تک کہ اس کا مال پورا ہو جائے۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟

وَبِثُلُثٍ لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو وَعَمْرٌو مَيِّتٌ كُلُّهُ لِزَيْدٍ: صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد زید اور عمرو کو میرے مال کا تیسرا حصہ دے دینا، لیکن عمرو کا تو پہلے ہی انتقال ہو چکا ہے اور مردے کے لیے تو وصیت ہو ہی نہیں سکتی، مردہ تو اہل ہی نہیں ہے وصیت کا، لہٰذا یوں سمجھیں گے کہ یہ سارا ثُلُث کس کو دینا ہے؟ سارا ثُلُث زید کو دینا ہے، تو وہ سارا ثُلُث زید کو دے دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: وَبِثُلُثٍ لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو، اور ثُلُث کی وصیت زید اور عمرو دونوں کے لیے، وَعَمْرٌو مَيِّتٌ، اس حال میں کہ عمرو جو ہے وہ مر چکا ہو، كُلُّهُ لِزَيْدٍ، تو یہ ثُلُث سارا کا سارا زید کے لیے ہوگا، لِأَنَّ الْمَيِّتَ لَا يُزَاحِمُ الْحَيَّ، اس لیے کیونکہ میت وہ مقابل نہیں ہو سکتی زندہ کے۔ میت زندہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی، کیا معنی؟ یعنی بھئی میت میں اہلیت ہی نہیں ہے وصیت کی کہ وہ مُوصٰی لَهُ بنے۔ اس میں اہلیت ہی نہیں اور زندہ میں اہلیت ہے، تو ایک ہے اہلیت والا ایک ہے غیرِ اہلیت والا، دونوں ایک دوسرے کے مقابل نہیں ہو سکتے۔ تو یہاں میت کو کچھ بھی نہیں، میت کے لیے ہوگا اور سارا کس کو مل جائے گا؟ جس میں اہلیت ہے یعنی زید ہے۔ یہ معنی لِأَنَّ الْمَيِّتَ لَا يُزَاحِمُ الْحَيَّ، اس لیے کیونکہ میت جو ہے وہ مقابل نہیں ہو سکتی زندہ کے، كَمَا لَوْ قَالَ، جیسے کہ کہا اس نے، لِزَيْدٍ وَجِدَارٍ، گویا اس نے یوں کہا ہے کہ میرے مال کا ثُلُث زید کے لیے ہے اور دیوار کے لیے ہے۔ بھئی زید میں تو اہلیت ہے وہ تو مالک بن سکتا ہے مال کا، وہ زندہ ہے، اور دیوار، دیوار میں تو اہلیت ہی نہیں ہے، وہ تو مالک بن ہی نہیں سکتی مال کی، تو گویا دوسرے لفظوں میں وہ یہ ساری وصیت کس کے لیے کر رہا ہے؟ زید کے لیے، دیوار کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ زید کے لیے ہے، تو سارا ثُلُث کس کو مل جائے گا؟ زید کو مل جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: كَمَا لَوْ قَالَ، جیسے کہ اس نے کہا، لِزَيْدٍ وَجِدَارٍ، کہ زید اور دیوار کے لیے ہے یعنی یہ ثُلُث۔

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے، أَنَّهُ إِنْ لَمْ يُعْلَمْ بِمَوْتِهِ فَلَهُ نِصْفُ الثُّلُثِ لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ عِنْدَهُ صَحِيحَةٌ لِعَمْرٍو. امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص جس نے یہ وصیت کی تھی کہ میرے مال کا ثُلُث زید اور عمرو کو دے دینا، اگر اس کو علم نہیں تھا کہ عمرو مر چکا ہے تو پھر اس صورت میں زید کو نصف دیں گے، کیونکہ اس کو پتا ہی نہیں عمرو مر چکا ہے، وہ تو یہی سمجھ رہا ہے کہ عمرو زندہ ہے، تو اپنے حساب سے وہ زید کے لیے پورے کی وصیت کر رہا ہے یا آدھے کی وصیت کر رہا ہے؟ بھئی دیکھو نا وہ زید اور عمرو دونوں کے لیے وصیت کر رہا ہے اور اس کو نہیں پتا کہ عمرو مر چکا ہے، تو اپنے حساب سے وہ دو زندہ آدمیوں کے لیے وصیت کر رہا ہے۔ تو جب اس نے کہا میرے مال کا ثُلُث زید اور عمرو کو دے دینا گویا وہ کیا چاہتا ہے زید کو کتنا ملے؟ آدھا ملے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا اگر اس کو علم نہیں تھا عمرو کے مرنے کا، عمرو بے شک مر چکا ہے، لیکن اس صورت میں پھر پورا کا پورا ثُلُث زید کو نہیں دیں گے بلکہ نصفِ ثُلُث کس کو دے دیں گے؟ زید کو دے دیں گے۔

تو وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں، أَنَّهُ إِنْ لَمْ يُعْلَمْ بِمَوْتِهِ، اگر وصیت کرنے والے

کو علم نہ ہو عمرو کی موت کے بارے میں، فَلَهُ نِصْفُ الثُّلُثِ، تو زید کے لیے نصفِ ثُلث ہوگا، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ عِنْدَهُ صَحِيحَةٌ لِعَمْرٍو، اس لیے کیونکہ وصیت جو ہے وہ وصیت کرنے والے کے نزدیک صحیح تھی عمرو کے لیے، وصیت کرنا صحیح تھا اس کے نزدیک اور اس، اپنے لحاظ سے تو اس نے صحیح وصیت کی تھی، معلوم ہوا وہ آدھا آدھا دونوں کو دینا چاہتا ہے، لیکن عمرو تو مرچکا ہے لہٰذا عمرو کو تو آدھا نہیں ملے گا لیکن زید کو آدھا اس کے حصے کا مل جائے گا۔ تو کہتے ہیں: لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ عِنْدَهُ صَحِيحَةٌ لِعَمْرٍو، اس لیے کیونکہ وصیت جو ہے وہ وصیت کرنے والے کے نزدیک صحیح تھی عمرو کے لیے، کیونکہ اس کو تو پتا ہی نہیں تھا یہ مرچکا ہے، فَلَمْ يُوصِ لِلْحَيِّ إِلَّا بِنِصْفِ الثُّلُثِ، تو اس نے وصیت نہیں کی زندہ یعنی زید کے لیے مگر نصفِ ثُلث کی ہی، اس نے نصفِ ثُلث کی ہی وصیت کی ہے زید کے لیے۔ بِخِلَافِ مَا إِذَا عَلِمَ بِمَوْتِهِ، بخلاف اس صورت کے جب اس کو عمرو کی موت کا علم ہو، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ لِلْمَيِّتِ لَغْوٌ، اس لیے کیونکہ وصیت مردہ کے لیے وہ لغو ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر اس کو پتا تھا کہ عمرو مرچکا ہے اور پھر بھی کہتا ہے کہ میرے مال کا ثُلث زید اور عمرو کو دے دینا، تو عمرو تو مرچکا ہے اور مردہ کے لیے تو وصیت درست ہی نہیں ہے تو مردے کا ذکر لغو ہو گیا اور گویا وہ یوں کہنا چاہتا ہے کہ یہ سارا ثُلث کس کو دے دینا؟ زید کو دے دینا۔ یہ معنی ہے بِخِلَافِ مَا إِذَا عَلِمَ بِمَوْتِهِ، بخلاف اس کے جب اس کو علم ہو عمرو کی موت کا، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ لِلْمَيِّتِ لَغْوٌ، اس لیے کیونکہ وصیت مردہ کے لیے لغو ہے یعنی اس کا کوئی اعتبار نہیں، فَيَكُونُ رَاضِيًا بِتَمَامِ الثُّلُثِ لِزَيْدٍ، تو وہ راضی ہو گیا تمامِ ثُلث کا زید کے لیے، تو گویا وہ راضی ہے سارا ثُلث زید کو دینے پر، جب راضی ہے تو زید کو سارا ثُلث دے دیں گے۔[1]

فَإِنْ قَالَ بَيْنَهُمَا فَنِصْفُهُ لَهُ: صورتِ مسئلہ یہ: وصیت کرنے والا کہتا ہے، یہ الفاظ استعمال کرتا ہے، یوں کہتا ہے کہ میرے مال کا ثُلث زید اور عمرو کے درمیان ہے، یعنی ان میں تقسیم کر دینا، زید اور عمرو میں تقسیم کر دینا۔ تو اس صورت میں عمرو اگر مرچکا ہے تو پھر زید کو نصف ہی ملے گا سارا نہیں۔ بھئی کیوں؟ عمرو تو مرچکا ہے اور مردہ کے لیے تو وصیت صحیح نہیں تو سارا ثُلث کس کو ملنا چاہیے؟ زید کو۔ کہتے ہیں بھئی اس نے الفاظ کیا بولے آپ ذرا اس پر غور کریں۔ اس نے کیا کہا تھا؟ کہ یہ ثُلث ان دونوں کے درمیان ہے، کس کے؟ زید اور عمرو۔ معلوم ہوا اس ثُلث کو پورا کسی کو نہیں دینا چاہتا، دونوں کو آدھا آدھا دینا چاہتا ہے، تو گویا زید جو زندہ ہے اس کو کتنا ملے گا؟ آدھا ملے گا۔ فَإِنْ قَالَ، اگر وصیت کرنے والے نے کہا، بَيْنَهُمَا، کہ وہ جو ثُلث ہے وہ ان دونوں کے بیچ ہے یعنی دونوں کے درمیان ہے، فَنِصْفُهُ لَهُ، تو اس کا نصف جو ہوگا وہ زید کے لیے ہوگا۔ أَيْ إِنْ قَالَ ثُلُثُ مَالِي بَيْنَ زَيْدٍ وَعَمْرٍو، اگر کسی نے یوں کہا کہ میرے مال کا تیسرا حصہ عمرو اور زید کے درمیان ہے یعنی ان کے درمیان مشترک ہے، وَهُوَ مَيِّتٌ، اور اس حال میں کہ عمرو جو ہے وہ مرچکا ہے، فَلِزَيْدٍ نِصْفُ الثُّلُثِ، تو زید

[1] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ٢٠٠): صوتی درس کی قراءت میں «فَلَمْ يُوصِ لِلْحَيِّ إِلَّا بِنِصْفِ الثُّلُثِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فلم يرضَ للحيِّ إلاَّ بنصفِ الثُّلث» منقول ہے۔

کے لیے نصفِ ثُلث ہوگا، لِأَنَّهُ صَرِيحٌ فِي أَنَّ لِزَيْدٍ نِصْفَ الثُّلُثِ، اس لیے کیونکہ یہ الفاظ جو اس کے ہیں یہ صریح ہیں، صریح کا کیا معنی؟ صاف لفظ ہیں واضح، صاف واضح لفظوں میں وہ کیا کہہ رہا ہے کہ زید کے لیے نصفِ ثُلث ہے۔ تو کہتے ہیں: لِأَنَّهُ صَرِيحٌ، اس لیے کیونکہ یہ الفاظ اس کے صریح ہیں، فِي أَنَّ لِزَيْدٍ نِصْفَ الثُّلُثِ، اس بارے میں کہ زید کے لیے نصفِ ثُلث ہے بھئی، جب تقسیم کریں گے تو، جب مشترک ہے جب دونوں میں تو معلوم ہوا نصف ہے زید کے لیے۔

وَبِثُلُثِ وَهُوَ فَقِيرٌ لَهُ ثُلُثُ مَالِهِ عِنْدَ مَوْتِهِ: صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے وصیت کی زید کے لیے کہ میرے مرنے کے بعد میرا ثُلُثِ مال زید کو دے دینا۔ اور جس وقت اس نے وصیت کی اس کے پاس ایک پائی نہیں تھی، بالکل کنگال تھا بھئی، ایک روپیہ اس کے پاس نہیں ہے لیکن وصیت کیا کی؟ ثُلُثِ مال زید کو دے دینا۔ لیکن بعد میں اس کو اللہ نے مال دے دیا، اب جب وہ مرنے لگا تو اب اس کے پاس کروڑوں کی جائیداد ہے۔ تو کیا اب زید کو کچھ ملے گا؟ کہتے ہیں ہاں بھئی، وصیت نافذ کب ہوتی ہے؟ موت کے بعد نافذ ہوتی ہے زندگی میں نہیں۔ تو جب وصیت کی تھی بے شک اس وقت اس کے پاس ایک پائی نہیں تھی لیکن موت کے وقت جب نافذ ہوئی تو اس کے پاس مال ہے، تو اس کے مال کا ثُلث زید کو دے دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ وَبِثُلُثِ، اور ثُلث کی وصیت میں، وَهُوَ فَقِيرٌ، اس حال میں کہ یہ وصیت کرنے والا فقیر ہے یعنی اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے،

لَهُ ثُلُثُ مَالِهِ عِنْدَ مَوْتِهِ، تو زید کے لیے اس کا ثُلُثِ مال ہوگا اس وصیت کرنے والے کی موت کے وقت میں۔ أَيْ قَالَ، ایک شخص کہتا ہے، ثُلُثُ مَالِي لَهُ، میرا ثُلُثِ مال جو ہے زید کے لیے ہے، وَلَا مَالَ لِلْمُوصِي، اس حال میں کہ وصیت کرنے والے کے پاس کوئی مال نہیں ہے، فَاكْتَسَبَ مَالًا، پھر اس نے مال کمایا، فَلِلْمُوصٰى لَهُ ثُلُثُ مَالِ الْمُوصِي عِنْدَ مَوْتِهِ، تو مُوصٰی لَهُ یعنی جس کے لیے وصیت کی، لَهُ ثُلُثُ مَالِ الْمُوصِي، تو اس کے لیے وصیت کرنے والے کا ثُلُثِ مال ہوگا، عِنْدَ مَوْتِهِ، اس کی موت کے وقت۔

وَبِثُلُثِ غَنَمِهِ وَلَا غَنَمَ لَهُ أَوْ هَلَكَ قَبْلَ مَوْتِهِ بَطَلَتْ: صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے وصیت کی دوسرے کے لیے کہ میرے مرنے کے بعد میری بھیڑ بکریوں کا ثُلث زید کو دے دینا۔ کس کا؟ بھیڑ بکریوں کا ثُلث زید کو دے دینا، اور جس وقت اس نے یہ کہا اس وقت اس کے پاس ایک بھی بھیڑ بکری نہیں تھی۔ اور پھر موت تک اس نے خریدی بھی نہیں، مالک بھی نہیں بنا بھیڑ بکریوں کا، تو اس کی وصیت باطل ہو گئی کیونکہ اس نے عام مال میں سے وصیت نہیں کی، کس میں سے کی ہے؟ بھیڑ بکریوں میں سے، اور موت تک اس کے پاس کوئی بھیڑ بکریاں تھیں ہی نہیں۔

اس کے بجائے دوسری صورت: ایک شخص نے کہا کہ میری بھیڑ بکریوں میں سے ثُلث زید کو دے دینا اور اس کے پاس سینکڑوں بھیڑ بکریاں تھیں اس وقت، لیکن بعد میں کوئی آفت یا بیماری ایسی آئی کہ ساری ہلاک ہو گئیں۔ اب موت کے وقت ایک بھی بھیڑ بکری اس کے پاس نہیں ہے، تو اب زید کو کیا دیں گے؟ کہتے ہیں کچھ بھی زید کو نہیں ملے گا، اس

نے عام مال کی وصیت نہیں کی تھی، بھیڑ بکریوں کی وصیت کی تھی اور بھیڑ بکری تو اس وقت ایک بھی نہیں ہے، لہٰذا زید کو کچھ نہیں ملے گا۔ یعنی دوسرے لفظوں میں یوں کہو اس کی وصیت باطل ہو گئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَبِثُلُثِ غَنَمِهِ، اور ثُلُثِ غَنَم، غَنَم کہتے ہیں بھیڑ بکری کو، وَبِثُلُثِ غَنَمِهِ، اور اپنی بھیڑ بکریوں کے ثُلُث کی وصیت کی صورت میں، وَلَا غَنَمَ لَهُ، اس حال میں کہ اس کی کوئی بھیڑ بکری ہے ہی نہیں یعنی جب وصیت کی اس وقت سے ہی کچھ نہیں ہے، أَوْ هَلَكَ قَبْلَ مَوْتِهِ، یا دوسری صورت کہ بھیڑ بکریاں تو تھیں لیکن اس کے مرنے سے پہلے ہلاک ہو گئیں، بَطَلَتْ، تو دونوں صورتوں میں اس کی وصیت باطل ہے۔ قَوْلُهُ وَلَا غَنَمَ لَهُ، ماتن کا جو قول ہے وَلَا غَنَمَ لَهُ کہ اس کی کوئی بھیڑ بکری نہ ہو، کہتے ہیں مَعْنَاهُ، اس کا معنی یہ ہے کہ أَنَّهُ لَا غَنَمَ لَهُ عِنْدَ الْوَصِيَّةِ، کہ اس کے پاس کوئی بھیڑ بکری نہیں ہے وصیت کے وقت میں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ وَلَمْ يَسْتَفِدْ غَنَمًا، اور اس کے بعد بھی اس نے کوئی بھیڑ بکریاں حاصل نہیں کیں، حَتّٰى إِنِ اسْتَفَادَ غَنَمًا فَالصَّحِيحُ أَنَّ الْوَصِيَّةَ تَصِحُّ، یہاں تک کہ اگر اس نے، إِنِ اسْتَفَادَ غَنَمًا، اگر اس نے بھیڑ بکریاں حاصل کر لیں، فَالصَّحِيحُ أَنَّ الْوَصِيَّةَ تَصِحُّ، تو صحیح قول یہ ہے کہ وصیت صحیح ہو جائے گی۔ اگر وصیت کے وقت اگر کوئی بھیڑ بکری اس کی ملکیت میں نہیں لیکن بعد میں اس نے بھیڑ بکریاں حاصل کر لیں تو صحیح قول یہ ہے کہ اس کا ثُلُث پھر زید کو ملے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَبِشَاةٍ مِنْ مَالِي أَوْ غَنَمِي وَلَا شَاةَ لَهُ، قِيمَتُهَا فِي مَالِي، وَبَطَلَتْ فِي غَنَمِي: صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے دوسرے کے لیے وصیت کی اور کہا کہ زید کو ایک بھیڑ بکری دے دینا مِنْ مَالِي، میرے مال میں سے۔ زید کو ایک بھیڑ بکری دے دینا میرے مال میں سے، اور پھر اس آدمی کا انتقال ہو گیا اور اس کے پاس ایک بھی بھیڑ بکری نہیں تھی۔ جب اس نے وصیت کی اس وقت بھی نہیں تھی اور جب مرا اس وقت بھی نہیں تھی۔ جب وصیت کی اس نے کیا وصیت کی؟ میرے مال میں سے، اس کے لفظوں پر ذرا غور کرنا، میرے مال میں سے ایک بھیڑ بکری زید کو دے دینا میرے مرنے کے بعد۔ تو اس نے بھیڑ بکری کی نسبت کر دی مال کی طرف۔ اس کے پاس تو کوئی بھیڑ بکری نہیں ہے اور نسبت کر رہا ہے مال کی طرف، معلوم ہوا وہ بھیڑ بکری کی قیمت دینا چاہتا ہے، بھیڑ بکری نہیں دینا چاہتا بلکہ اس کی قیمت، کیونکہ بھیڑ بکری تو اس کے پاس ہے نہیں۔ توجہ ہے؟ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ میرے مال میں سے ایک بھیڑ بکری اس کو دے دینا۔ بھئی تمہارے پاس تو کوئی بھیڑ بکری ہے ہی نہیں تو پھر بھی وہ بھیڑ بکری کا ذکر کر رہا ہے اور اپنے مال کی طرف نسبت کر رہا ہے میرے مال میں سے دے دینا، معلوم ہوا وہ بھیڑ بکری کا ارادہ ہی نہیں ہے اس کا ارادہ کس کا ہے؟ قیمت کا ہے کہ ایک بھیڑ بکری کی قیمت اس کو دے دینا۔ لہٰذا اس کو ایک بھیڑ بکری کی قیمت دے دیں گے۔

اس کے بجائے اگر وہ یوں کہتا، یوں کہتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میری بھیڑ بکریوں میں سے ایک بھیڑ بکری زید کو دے دینا۔ اب معلوم ہوا وہ مال نہیں دینا چاہتا، بھیڑ بکری ہی دینا چاہتا ہے، اور حال یہ ہے اس کے پاس ایک بھی بھیڑ

بکری نہیں ہے اور نہ موت تک اس نے حاصل کیں، تو اس کی یہ وصیت باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ اس نے کیا کہا ہے؟ میری بھیڑ بکریوں میں سے ایک بکری دینا۔ تو معلوم ہوا وہ بھیڑ بکری ہی دینا چاہتا ہے، مال نہیں دینا چاہتا ہے کیونکہ کیا کہہ رہا ہے؟ میری بھیڑ بکریوں میں سے ایک بھیڑ بکری دینا، معلوم ہوا وہ بھیڑ بکری ہی دینا چاہتا ہے۔ اسی لیے بھیڑ بکریوں کی طرف نسبت کر رہا ہے کہ ان میں سے ایک اس کو دے دینا، مال کی طرف نسبت نہیں کر رہا۔ تو اس صورت میں وصیت باطل ہو جائے گی کیونکہ بھیڑ بکریاں ہیں ہی نہیں اس کے پاس، تو مُوصٰی لَهُ کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

کہتے ہیں: وَبِشَاةٍ مِنْ مَالِي أَوْ غَنَمِي، اور اگر وصیت کی ایک بھیڑ بکری کی، مِنْ مَالِي، میرے مال میں سے، أَوْ غَنَمِي، یا میری بھیڑ بکریوں میں سے، وَلَا شَاةَ لَهُ، اس حال میں کہ اس کی کوئی بھیڑ بکری نہیں تھی، وصیت کی اس حال میں کہ اس کے پاس کوئی بھیڑ بکری نہیں تھی اور پھر موت تک آئی بھی کوئی نہیں، تو قِيمَتُهَا، اس بھیڑ بکری کی قیمت ہوگی، فِي مَالِي، اس وقت جب اس نے فِي مَالِي کہا تھا، مال کی طرف نسبت کی تھی بھیڑ بکری کی۔ وَبَطَلَتْ فِي غَنَمِي، اور باطل ہو جائے گی اس کی وصیت فِي غَنَمِي کی صورت میں، یعنی جب اس نے بھیڑ بکری کی نسبت کس کی طرف کی تھی؟ اپنے بھیڑ بکریوں کی طرف کی تھی۔ فَإِنَّهُ إِذَا قَالَ لَهُ شَاةٌ مِنْ مَالِي وَلَا شَاةَ لَهُ، اس لیے کیونکہ جب اس نے کہا کہ ایک بھیڑ بکری میرے مال میں سے، وَلَا شَاةَ لَهُ، اس حال میں کہ اس کے پاس کوئی بھیڑ بکری نہیں ہے، اس کے پاس ایک بھی بھیڑ بکری نہیں ہے اور پھر بھی وہ اس سے کیا کہہ رہا ہے؟ شَاةٌ مِنْ مَالِي، میرے مال میں سے ایک بھیڑ بکری، فَعُلِمَ، تو معلوم ہوا کہ أَنَّ الْمُرَادَ مَالِيَّةُ الشَّاةِ، کہ اس کا ارادہ جو ہے بھیڑ بکری کی مالیت یعنی قیمت ہے۔ وَإِذَا قَالَ لَهُ شَاةٌ مِنْ غَنَمِي وَلَا غَنَمَ لَهُ، اور جب اس نے یہ کہا کہ اس کے لیے ایک بھیڑ بکری ہے میری بھیڑ بکریوں میں سے، وَلَا غَنَمَ لَهُ، اس حال میں کہ اس کے پاس تو کوئی بھیڑ بکریاں نہیں ہیں، فَيُرَادُ عَيْنُ الشَّاةِ، تو مراد جو ہے وہ عینِ شاۃ ہوگی، یعنی عین بھیڑ بکری مراد ہوگی اس کی قیمت مراد نہیں ہوگی۔ وَلَيْسَتْ مَوْجُودَةً، اور حال یہ ہے کہ بھیڑ بکری تو موجود ہی نہیں ہے، فَتَبْطُلُ الْوَصِيَّةُ، تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب یہاں سے فرق بیان کر رہے ہیں۔ اوپر متن میں کیا آیا تھا؟ متن پہ ذرا نظر رکھو۔ کیا کہا تھا؟ وَبِشَاةٍ مِنْ مَالِي أَوْ غَنَمِي وَلَا شَاةَ لَهُ۔ شَاةَ لَهُ، اس حال میں کہ اس کے پاس ایک بھی بھیڑ بکری نہیں ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا ایک لفظ ہے غَنَم، غَنَم کا معنی بھی بھیڑ بکری، اور شَاة کا معنی بھی بھیڑ بکری۔ طلباء میں عام کیا رائج ہے؟ وہ شَاة کا ترجمہ ہمیشہ بکری کے ساتھ کرتے ہیں، یہ درست نہیں بھئی۔ شَاة کا لفظ بھیڑ بکری دونوں پر بولا جاتا ہے۔ چاہے مذکر ہو چاہے مؤنث ہو، چاہے بھیڑ کی جنس سے ہو چاہے بکری کی جنس سے ہو، تو اس کو شَاة کہتے ہیں۔

اب فرق بیان کرنے لگے ہیں کہ متن میں کیا آیا؟ وَلَا شَاةَ لَهُ، اس حال میں کہ اس کے پاس بھیڑ بکری نہیں ہے۔ اور ہدایہ میں اسی مقام پر صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: وَلَا غَنَمَ لَهُ۔ ماتن نے کیا کہا؟ وَلَا شَاةَ لَهُ۔ اور صاحبِ ہدایہ نے کیا فرمایا؟ وَلَا غَنَمَ لَهُ۔

اب فرق بتلائیں گے کہ شَاۃ اور غَنَم میں فرق ہے۔ فرق یہ کہ غَنَم جو ہے وہ زیادہ بھیڑ بکریوں کو کہتے ہیں اور شَاۃ بھی بھیڑ بکری کو کہتے ہیں لیکن ایک فرد کو کہتے ہیں۔ ایک بھیڑ بکری ہو تو اس کو کہیں گے شَاۃٌ۔ اور زیادہ ہوں یعنی کم از کم تین ہوں یا تین سے زیادہ، تو کہیں گے غَنَمٌ۔ بولا دونوں پر جائے گا بھیڑ بکریوں پر ہی، چاہے بھیڑ ہو چاہے بکریاں ہوں چاہے دونوں جنسیں ہوں مکس ہوں جیسے بھی ہو، لیکن شَاۃ کہیں گے ایک فرد کو اور غَنَم کہیں گے جماعت کو پوری، بھیڑ بکریوں کی پوری جماعت کم از کم تین افراد۔

تو اب جب کہا وَلَا شَاۃَ لَہُ، اور اس حال میں کہ اس کے پاس شَاۃ بھی نہ ہو۔ شَاۃ کا کیا معنی؟ ایک بھیڑ بکری۔ وَلَا شَاۃَ لَہُ، اس حال میں کہ اس کے پاس ایک بھی بھیڑ بکری نہ ہو۔ تو متن کا ترجمہ یہ ہوا: اس نے وصیت کس کی کی؟ کہ میری بھیڑ بکریوں میں سے یا میرے مال میں سے ایک بھیڑ بکری اس کو دے دینا اس حال میں کہ اس کا ایک بھی بھیڑ بکری، وَلَا شَاۃَ لَہُ، اس حال میں اس کے پاس ایک بھی بھیڑ بکری نہیں ہے۔ اور صاحبِ ہدایہ نے یہاں فرمایا: وَلَا غَنَمَ لَہُ، اس حال میں کہ اس کے پاس بھیڑ بکریاں نہیں ہیں۔

تو صاحبِ ہدایہ کی عبارت میں دو صورتیں آگئیں۔ صاحبِ ہدایہ کی وَلَا غَنَمَ لَہُ، اس حال میں کہ اس کے پاس بھیڑ بکریاں نہ ہوں: ایک بھی نہ ہو پھر بھی کہہ سکتے ہیں لَا غَنَمَ لَہُ، ایک بھی بھیڑ بکری کسی کے پاس نہیں ہے، کیا کہہ سکتے ہیں؟ لَا غَنَمَ لَہُ، اس کے پاس کوئی بھیڑ بکری نہیں۔ اگر ایک بھیڑ بکری ہو تب بھی کہہ سکتے ہیں لَا غَنَمَ لَہُ، اس کے پاس بھیڑ بکریاں نہیں ہیں، کیونکہ ایک ہے نا جمع تو نہیں ہے اور ہم بھی کیا کہہ رہے ہیں؟ ہم نے تو ایک کی نفی نہیں کی ہم نے کیا کہا؟ بھیڑ بکریاں نہیں ہیں۔ تو لَا شَاۃَ لَہُ، اس میں ایک صورت داخل ہوئی جب ایک بھی نہ ہو۔ اگر ایک بھی بھیڑ بکری ہوئی تو یہ کلام غلط ہو جائے گا۔ اور صاحبِ ہدایہ نے کیا کہا؟ وَلَا غَنَمَ لَہُ، اس میں دو صورتیں داخل ہو گئیں، وہ صورت بھی آگئی جب کوئی بھیڑ بکری نہ ہو تب بھی آپ کہہ سکتے ہیں لَا غَنَمَ لَہُ، اس کے پاس کوئی بھیڑ بکری نہیں ہے۔ اور ایک اگر کسی کے پاس بھیڑ بکری ہو تو بھی آپ کہہ سکتے ہیں لَا غَنَمَ لَہُ، اس کے پاس بھیڑ بکریاں نہیں ہیں یعنی جمع نہیں ہے، ایک ہے، جمع نہیں۔ تو لہٰذا صاحبِ ہدایہ کی عبارت، وہ آگے بتلائیں گے، وہ عام ہے اس میں دو صورتیں آگئیں، وہ اشمل ہے وہ دو صورتوں کو شامل ہے، اور ماتن کی عبارت احوط ہے اس میں احتیاط زیادہ ہے کہ ایک ہی صورت ذکر کرنی چاہیے دوسری صورت کو داخل نہیں کرنا چاہیے۔ فرق سمجھ میں آیا؟

دیکھیے بھئی: وَاعْلَمْ، جان لے تو، أَنَّهُ قَالَ فِي الْهِدَايَةِ، کہ صاحبِ ہدایہ نے ہدایہ میں فرمایا ہے، وَلَا غَنَمَ لَهُ، وَقَالَ فِي الْمَتْنِ، اور متن کے اندر ماتن فرماتے ہیں، وَلَا شَاةَ لَهُ، وَبَيْنَهُمَا فَرْقٌ، اور ان دونوں کے درمیان فرق ہے، لِأَنَّ الشَّاةَ فَرْدٌ مِنَ الْغَنَمِ، اس لیے کیونکہ ایک بھیڑ بکری جو ہے وہ فرد ہے کس میں سے؟ مِنَ الْغَنَمِ، کئی بھیڑ بکریوں میں سے یعنی ان کی جماعت میں سے۔ فَإِذَا لَمْ تَكُنْ لَهُ شَاةٌ لَا يَكُونُ لَهُ غَنَمٌ، جب اس آدمی کے پاس کوئی بھیڑ بکری نہیں تو لَا يَكُونُ لَهُ غَنَمٌ، تو اس کے لیے

غَنَم بھی نہیں ہوگی۔ جب ایک نہیں ہے تو جماعت بھی نہیں ہوگی۔ لٰكِنْ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ غَنَمٌ، لیکن جب اس کے لیے بھیڑ بکریاں نہیں، جب اس نے کہا وَلَا شَاةَ لَهُ، اس حال میں کہ اس کے لیے بھیڑ بکری نہیں ہے، تو شَاة بھی نہیں معلوم ہوا اور غَنَم بھی نہیں۔ شَاة کی بھی نفی ہو گئی، شَاة کی تو صاف لفظوں میں ہو گئی وَلَا شَاةَ لَهُ، اور غَنَم کی بھی نفی ہو گئی۔ جب ایک نہیں ہے تو معلوم ہوا جماعت تو بطریقِ اولیٰ نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟[٢]

تو یہ معنی فَإِذَا لَمْ تَكُنْ لَهُ شَاةٌ لَا يَكُونُ لَهُ غَنَمٌ، جب اس کے لیے ایک بھیڑ بکری نہیں ہے تو اس کے لیے بھیڑ بکریوں کی جماعت بھی نہیں ہے۔ لٰكِنْ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ غَنَمٌ لَا يَلْزَمُ أَنْ لَا تَكُونَ لَهُ شَاةٌ، لیکن اگر اس کے پاس غَنَم نہ ہو، اگر ادھر دیکھو، اگر اس کے پاس غَنَم نہ ہو یعنی کئی بھیڑ بکریاں نہ ہوں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا اس کے پاس ایک بھی نہ ہو، ہو سکتا ہے ایک ہو اور جماعت نہ ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: لٰكِنْ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ غَنَمٌ، لیکن جب اس کے پاس بھیڑ بکریاں نہیں ہیں، تو لَا يَلْزَمُ أَنْ لَا تَكُونَ لَهُ شَاةٌ، تو یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے پاس ایک بھیڑ بکری بھی نہیں ہے، لِاحْتِمَالِ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَاحِدٌ لَا كَثِيرٌ، اس لیے کیونکہ یہ بھی احتمال ہے ہو سکتا ہے اس کے پاس ایک ہو زیادہ نہ ہوں۔ فَعِبَارَةُ الْهِدَايَةِ تَنَاوَلَتْ صُورَتَيْنِ، تو ہدایہ کی عبارت وہ شامل ہوئی دو صورتوں کو۔ ہدایہ میں کیا کہا تھا؟ لَا غَنَمَ لَهُ، اس کے لیے بھیڑ بکریاں نہیں۔ کوئی بھی نہ ہو پھر بھی کہہ سکتے ہیں لَا غَنَمَ لَهُ، اور ایک ہو پھر بھی کہہ سکتے ہیں لَا غَنَمَ لَهُ کیونکہ زیادہ تو نہیں ہیں۔ فَعِبَارَةُ الْهِدَايَةِ تَنَاوَلَتْ صُورَتَيْنِ، تو ہدایہ کی عبارت جو ہے وہ شامل ہے دو صورتوں کو: مَا إِذَا لَمْ تَكُنْ،[٣]

تَكُنْ لَهُ شَاةٌ أَصْلًا، اس صورت کو بھی جب اس کے پاس شَاة ہو ہی نہ سرے سے، وَمَا تَكُونُ لَهُ شَاةٌ لٰكِنْ لَا غَنَمَ لَهُ، اور اس صورت کو بھی شامل ہے کہ اس کے پاس شَاة تو ہو لیکن غَنَم نہ ہو۔ فَفِي الصُّورَتَيْنِ تَبْطُلُ الْوَصِيَّةُ، تو دونوں صورتوں کے اندر وصیت باطل ہو جائے گی۔ کس کے نزدیک؟ صاحبِ ہدایہ کے نزدیک۔ صاحبِ ہدایہ کے نزدیک۔ صاحبِ ہدایہ نے کیا کہا؟ وَلَا غَنَمَ لَهُ، اس حال میں کہ اس کے پاس غَنَم نہ ہو۔ اور اس میں کتنی صورتیں آئیں؟ دو۔ کون سی؟ ایک بھی نہ ہو اور دوسری صورت کہ ایک ہو۔ تو دونوں صورتوں میں وصیت کیا ہو جاتی ہے؟ باطل۔ یہ کس کے نزدیک؟ صاحبِ ہدایہ کے نزدیک۔

تو فَفِي الصُّورَتَيْنِ تَبْطُلُ الْوَصِيَّةُ، تو دونوں صورتوں میں وصیت باطل ہو جاتی ہے یعنی صاحبِ ہدایہ کے نزدیک۔ وَعِبَارَةُ الْمَتْنِ لَمْ تَتَنَاوَلْ إِلَّا الصُّورَةَ الْأُولٰى، اور متن کی جو عبارت ہے وہ شامل نہیں ہے مگر صرف پہلی صورت کو۔ کون سی

---

[٢] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ٢٠٠):** صوتی درس کی قراءت میں «فَإِذَا لَمْ تَكُنْ لَهُ شَاةٌ لَا يَكُونُ لَهُ غَنَمٌ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فإذا لم يكن له شاةٌ لا يكونُ له غنم،» منقول ہے۔

[٣] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ٢٠٠):** صوتی درس کی قراءت میں «لَا تَكُونَ لَهُ شَاةٌ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «لا يكون له شاة؛» منقول ہے۔

صورت؟ متن میں کیا آیا؟ وَلَا شَاةَ لَهُ، جب ایک بھی نہ ہو، ایک بھی نہ ہو، تو صرف اس کو شامل ہے۔ وَلَمْ يُعْلَمْ مِنْهَا الْحُكْمُ فِي الصُّورَةِ الثَّانِيَةِ، اور اس سے معلوم نہیں ہوتا دوسری صورت کا حکم۔ دوسری صورت کون سی تھی؟ جب ایک ہو۔ تو متن میں صرف وہ صورت ہے جب ایک بھی نہ ہو تو وصیت باطل۔ اگر ایک ہو پھر وصیت باطل ہوگی یا نہیں؟ متن میں اس کو چھیڑا ہی نہیں گیا، اس کو ذکر ہی نہیں کیا گیا۔ متن میں کیا کہا؟ ایک آدمی نے کیا وصیت کی؟ کہ میری بھیڑ بکریوں میں سے یا میرے مال میں سے ایک بھیڑ بکری کس کے لیے ہے؟ زید کے لیے، اس حال میں لَا شَاةَ لَهُ، اس آدمی کے پاس کوئی بھیڑ بکری نہیں۔ جب کوئی بھی نہ ہو تو پھر اس وقت اس کی وصیت باطل ہوگی۔ اگر ایک ہو پھر تو وصیت باطل نہیں ہوگی کیونکہ وہ تو متن میں ذکر ہی نہیں ہے۔ متن میں تو وہ صورت ذکر ہے جب ایک بھی نہ ہو تو وصیت کیا ہو جائے گی؟ باطل۔ تو جب ایک بھی نہ ہو، ادھر دیکھو، جب ایک بھی نہ ہو تب کیا ہوگی وصیت؟ باطل۔ اور اگر ایک ہو پھر وصیت باطل ہوگی، اس کو تو متن میں ذکر ہی نہیں کیا گیا۔ تو اس کے باطل ہونے کا پتا نہ چلا اس سے۔ اس دوسری صورت کے باطل ہونے کا پتا نہ چلا۔ تو کہتے ہیں صاحبِ ہدایہ کی عبارت اشمل ہے اس میں دو صورتیں داخل ہو گئیں، لیکن متن کی عبارت میں احتیاط زیادہ ہے کہ جب ایک بھی نہ ہو تب وصیت باطل ہونی چاہیے، دوسری صورت میں وصیت باطل نہیں ہونی چاہیے کیونکہ ایک موجود ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَلَمْ يُعْلَمْ مِنْهَا الْحُكْمُ فِي الصُّورَةِ الثَّانِيَةِ، تو اس سے معلوم نہیں ہوتا دوسری صورت کا حکم یعنی جب اس کے پاس ایک موجود ہو۔ فَعِبَارَةُ الْهِدَايَةِ أَشْمَلُ، تو ہدایہ کی جو عبارت ہے وہ أَشْمَل ہے، یعنی وہ زیادہ شامل ہے اس میں دو صورتیں شامل ہو رہی ہیں۔ وَلٰكِنْ هٰذِهِ أَحْوَطُ، لیکن یہ جو متن کی عبارت ہے یہ أَحْوَط ہے یعنی اس میں زیادہ احتیاط ہے۔ یہ اسمِ تفضیل ہے أَحْوَط احتیاط سے بھئی، لیکن اس میں زیادہ احتیاط ہے کہ ایک صورت جب ایک بھی بھیڑ بکری نہ ہو تب وصیت باطل ہونی چاہیے، دوسری صورت میں تو باطل نہیں ہونی چاہیے، اور ماتن نے بھی دوسری کو چھیڑا ہی نہیں، ذکر ہی نہیں کیا، صرف ایک صورت کو ذکر کیا۔

آگے دیکھیے بھئی: وَبِثُلُثِ مَالِهِ لِأُمَّهَاتِ أَوْلَادِهِ وَهُنَّ ثَلَاثٌ وَلِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ لَهُنَّ ثَلَاثَةُ أَخْمَاسٍ. جی، ایک اور فائدہ میں ذکر کرتا ہوں مجھے یاد کروانا، یہ اگلے مسئلے کے بعد بھئی، اگلے مسئلے کے بعد۔

وَبِثُلُثِ مَالِهِ لِأُمَّهَاتِ أَوْلَادِهِ وَهُنَّ ثَلَاثٌ وَلِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ لَهُنَّ ثَلَاثَةُ أَخْمَاسٍ: صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے وصیت کی کہ یہ جو میرا مال ہے اس کا ثُلُث میری جو امِ ولد ہیں ان کو دینا، اور وہ تین ہیں۔ کتنی ہیں امِ ولد اس کی؟ تین۔ یعنی تین باندیاں ہیں جس سے اس کی اولاد ہوئی ہے اور تینوں کا اس نے اقرار کیا ہے کہ یہ میری اولاد ہیں، تو یہ تینوں کیا بن گئیں؟ اس کی امِ ولد۔ تو ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مال کا ثُلُث جو ہے وہ میری ان امہاتِ اولاد کو بھی دے دینا اور فقراء کو دے دینا اور مساکین کو دے دینا۔ اب کس کس کو کتنی وصیت کا کتنا کتنا حصہ ملے گا؟ تو شیخین رحمہما اللہ فرماتے

ہیں کہ اس ثُلُث کے پانچ حصے کر دیں گے، کیونکہ اس نے کیا کیا ذکر کیا؟ امہاتِ اولاد کو ذکر کیا، فقراء کو ذکر کیا اور مساکین کو ذکر کیا۔ تو لہٰذا تین امہاتِ اولاد، ایک ایک حصہ تینوں کا، ایک حصہ فقراء کا اور ایک حصہ مساکین کا، تو پانچ حصے۔ گویا وہ جو ایک ثُلُث نکالیں گے جس میں وصیت نافذ کرنی ہے، اس ایک ثُلُث کے پانچ حصے کر دیں گے اور ہر حصہ خُمُس کہلائے گا۔ کیا کہلائے گا؟ خُمُس۔ تو تین خُمُس جو ہیں وہ امہاتِ اولاد کو دے دیں گے، ان باندیوں کو دے دیں گے، اور دو خُمُس جو ہیں فقراء اور مساکین کے ہوں گے، یعنی ایک ایک خُمُس: ایک خُمُس فقراء کا اور ایک خُمُس مساکین کا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَبِثُلُثِ مَالِهِ لِأُمَّهَاتِ أَوْلَادِهِ وَهُنَّ ثَلَاثٌ وَلِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ، اور ثُلُثِ مال کی وصیت جو ہے لِأُمَّهَاتِ أَوْلَادِهِ، اپنی امہاتِ اولاد کے لیے، وَهُنَّ ثَلَاثٌ، اس حال میں کہ وہ تین ہیں، یہ وہ کہنے والا نہیں کہہ رہا یہ ویسے حال بیان کر رہے ہیں کہ کس حال میں اس نے کہا اس کی کتنی تھیں امہاتِ اولاد؟ تین تھیں۔ دو تھیں تو دو کا حصہ نکل آئے گا، ایک ہے تو ایک کا حصہ نکل آئے گا، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو وَهُنَّ ثَلَاثٌ، اس حال میں کہ وہ تین ہیں، وَلِلْفُقَرَاءِ، اور فقراء کے لیے، وَالْمَسَاكِينِ، اور مساکین کے لیے۔ وہ شخص یوں کہتا ہے کہ ثُلُثُ، ادھر دیکھیے، ثُلُثُ مَالِي لِأُمَّهَاتِ أَوْلَادِي وَلِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ۔ ثُلُثُ مَالِي، میرے مال کا ثُلُث جو ہے لِأُمَّهَاتِ أَوْلَادِي، وہ میری امہاتِ اولاد کے لیے ہے وَلِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ اور فقراء اور مساکین کے لیے ہے۔ تو یہ وَهُنَّ ثَلَاثٌ یہ کون تشریح کر رہے ہیں؟ ماتن درمیان میں تشریح کر رہے ہیں۔

تو کہتے ہیں: وَبِثُلُثِ مَالِهِ لِأُمَّهَاتِ أَوْلَادِهِ وَهُنَّ ثَلَاثٌ وَلِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ، اور ثُلُثِ مال کی وصیت اپنی امہاتِ اولاد کے لیے اس حال میں کہ وہ تین ہیں، وَلِلْفُقَرَاءِ، اور فقراء کے لیے اور مساکین کے لیے، لَهُنَّ، وہ جو امہاتِ اولاد ہیں ان کے لیے ثَلَاثَةُ أَخْمَاسٍ، تین خُمُس ہیں۔ اس ثُلُث کے کتنے حصے کریں گے؟ پانچ۔ اور ہر حصہ کیا کہلائے گا؟ خُمُس۔ تو تین خُمُس ان امہاتِ اولاد کو ملیں گے اور ایک ایک خُمُس فقراء اور مساکین کو۔ یہ معنی ہے لَهُنَّ ثَلَاثَةُ أَخْمَاسٍ، ان باندیوں کے لیے جو ہیں تین خُمُس ہیں۔ هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللهُ، یہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔

وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ: ادھر دیکھیے، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو ثُلُث نکلے گا وصیت والا اس ثُلُث کے سات حصے کرنے ہیں، سات حصے۔ بھئی کیوں؟ سات حصے کیوں؟ کہتے ہیں تین حصے تو امہاتِ اولاد کے ہو گئے، اور دو حصے ہوں گے فقراء کے اور دو حصے ہوں گے مساکین کے، دو اور دو ہو گئے چار، چار اور تین سات، تو سات حصے نکالیں گے۔ یہ کون فرما رہے ہیں؟ امام محمد رحمہ اللہ۔ توجہ ہے؟ تین حصے کس کے؟ امہاتِ اولاد کے، دو حصے کس کے؟ فقراء کے، اور دو حصے کس کے؟ مساکین کے، تو دو اور دو ہو گئے چار اور امہاتِ اولاد کے تین یہ کتنے بن گئے؟ سات۔ تو سات حصے کریں گے۔ اس ایک ثُلُث کے جو کس کو دینا ہے وصیت والوں کو، اس کے سات حصے کریں گے، تین حصے امہاتِ اولاد کو اور دو دو حصے فقراء اور مساکین کو۔ بھئی اس کی وجہ کیا ہے؟

وجہ یہ: امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس نے لفظ فُقَرَاء بولا، جمع کا صیغہ بولا اور جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے۔ اسی طرح مَسَاكِين کا لفظ بھی جمع بولا اور جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے۔ لیکن بات چل رہی ہے وصیت کی، اور وصیت جو ہے یہ میراث کے مشابہ ہے۔ جیسے میراث مرنے کے بعد ملتی ہے اس طرح وصیت بھی کب نافذ ہوتی ہے؟ مرنے کے بعد۔ اور میراث کے اندر دو پر بھی جمع کا اطلاق ہوا ہے، یعنی میراث کے اندر دو کو بھی جمع شمار کرتے ہیں۔ میراث میں دو کو، یعنی یوں کہو ویسے تو جمع کے کم سے کم افراد تین ہوتے ہیں لیکن میراث کے مسئلے میں جمع کے کم سے کم افراد دو ہیں۔ جیسے دیکھو بھئی، اگر کسی شخص کی صرف ایک بیٹی ہو، بیٹا کوئی نہیں، تو اس بیٹی کو نصف ملتا ہے، اور اگر دو بیٹیاں ہیں تو اس کو ثُلُثَان ملتا ہے، دو ثُلُث ملتا ہے دو بیٹیوں کو۔ تین ہوں تب بھی دو ثُلُث، چار ہوں تب بھی دو ثُلُث، دس ہوں تب بھی دو ثُلُث ہی ان کو ملے گا اور اسی کو آپس میں تقسیم کریں گی۔ تو دو کو کتنا مل رہا ہے؟ ثُلُثَان، تین کو بھی کتنا؟ ثُلُثَان، چار کو بھی کتنا؟ ثُلُثَان۔ تو دیکھا جو جمع کو ثُلُثَان ملنا تھا کم سے کم افراد اس کے کتنے ہیں؟ دو۔ معلوم ہوا دو کو بھی جمع شمار کرتے ہیں علمِ میراث میں۔ دو کے لیے بھی جمع والا حصہ ہوتا ہے، جو تین والا حصہ ہے وہی دو والا بھی حصہ ہے۔ تو معلوم ہوا میراث میں جمع کے اقلِ افراد کتنے ہیں؟ دو۔ تو وصیت میں بھی جمع کے اقلِ افراد کتنے ہوں گے؟ دو۔ تو یہاں وصیت کے اندر وہ فُقَرَاء جمع کا صیغہ بول رہا ہے اور جمع کے افراد کم از کم کتنے ہوں گے یہاں؟ دو۔ اور مَسَاكِين بھی جمع کا صیغہ بولا، اس کے بھی کم از کم افراد کتنے ہوں گے؟ دو۔ تو دو اور دو کتنے ہو گئے؟ چار، اور تین حصے امہاتِ اولاد کے، تو سات حصے کر کے تقسیم کریں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو تین حصے امہاتِ اولاد کو دے دیں گے، دو حصے فقراء میں تقسیم کریں گے اور دو حصے مساکین میں تقسیم کریں گے۔ یہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

تو کہتے ہیں: وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ يُقَسَّمُ الثُّلُثُ عَلٰى سَبْعَةِ أَسْهُمٍ، کہ اس ثُلُث کو تقسیم کیا جائے گا سات حصوں پر، فَلِأُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ ثَلَاثَةٌ مِنْهَا، تو امہاتِ اولاد کے لیے ان سات میں سے تین حصے ہوں گے، لِأَنَّ الْمَذْكُورَ فِي الْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ لَفْظُ الْجَمْعِ، اس لیے کیونکہ وہ جو ذکر کیے گئے ہیں فقراء اور مساکین میں وہ جمع کے لفظ ہیں، وَأَقَلُّهُ فِي الْمِيرَاثِ اثْنَانِ، اور کم سے کم جمع کے افراد جو ہیں میراث کے اندر اثْنَانِ وہ دو ہیں، وَالْوَصِيَّةُ أُخْتُ الْمِيرَاثِ، اور وصیت جو ہے وہ بہن ہے میراث کی یعنی اس کے مشابہ ہے، میراث بھی موت کے بعد اور وصیت بھی موت کے بعد ملتے ہیں بھئی۔

لَهُمَا: اب شیخین رحمہما اللہ کی دلیل آئی۔ انہوں نے کیا فرمایا تھا؟ کہ اس ثُلُث کے پانچ حصے کرنے ہیں۔ تو ان پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ تو جمع کے صیغے ہیں اور واقعی جمع کے اقل افراد میراث میں کتنے ہیں؟ دو۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ جمع پر جب الف لام داخل ہو جائے تو اس کی جمعیت باطل ہو جاتی ہے اور وہ جنس کے معنی میں ہو جاتا ہے۔ کس کے معنی میں؟ جنس۔ تو الْفُقَرَاء کا معنی ہوا جنسِ فقیر، اور الْمَسَاكِين کا معنی ہوا جنسِ مسکین، تو جنس مراد ہوئی اور جنس کا اطلاق یاد رکھو قلیل اور

کثیر سب پر ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ جنس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے۔ مثلاً دیکھو اِنْسَان، انسان اسمِ جنس ہے۔ انسان کیا ہے؟ اسمِ جنس ہے۔ ایک آدمی کھڑا ہو آپ کہتے ہیں یہ انسان ہے، دو کھڑے ہوں آپ کہتے ہیں یہ انسان ہیں، دس کھڑے ہوں آپ کہتے ہیں یہ انسان ہیں، سو کھڑے ہوں آپ کہتے ہیں یہ انسان ہیں، تو دیکھا اسی لفظِ انسان کا اطلاق ایک پر بھی ہو رہا ہے اور سو اور لاکھ پر بھی ہو رہا ہے۔ تو یاد رکھو جنس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے، ایک پر بھی ہوتا ہے، دو پر بھی، تین پر بھی، چار پر بھی سب پر اطلاق ہوتا ہے۔ تو یہاں پر بھی الْفُقَرَاء جمع ہے اور جمع پر کیا آگیا؟ الف لام، تو اس سے کیا مراد لیں گے؟ جنسِ فقیر۔ اور جنسِ فقیر وہ تو ایک فقیر کو بھی، وہ بھی کیا ہے؟ جنسِ فقیر ہے۔ اسی طرح مَسَاكِين پر بھی الف لام آگیا تو مراد جنسِ مسکین ہے اور ایک مسکین بھی کیا ہے؟ جنسِ مسکین ہے، تو ایک ایک فرد مراد لے لیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ایک ایک فرد دونوں کا ہوا اور تین امہاتِ اولاد ہوئیں، تو پانچ افراد ہو گئے، تو ان میں پانچ حصے کر دو اس ثُلُث کے جو وصیت والا ثُلُث ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

لَهُمَا، شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ أَنَّ الْجَمْعَ الْمُحَلّٰى بِاللَّامِ، کہ وہ جمع جو مزین کی گئی ہو الف لام کے ساتھ، حِلْيٌ زیور کو کہتے ہیں، حِلْيَةٌ زیور کو کہتے ہیں اور مُحَلّٰى کا معنی ہے کسی کو مزین کرنا، جس کو مزین کیا گیا ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مُحَلّٰى۔ تو مُحَلّٰى بِاللَّام کا کیا معنی؟ وہ لفظ جس پر الف لام کو داخل کیا گیا ہو، اس کو کیا کہتے ہیں؟ مُحَلّٰى بِاللَّام۔ شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے: لَهُمَا، شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ أَنَّ الْجَمْعَ الْمُحَلّٰى بِاللَّامِ، کہ وہ جمع جو مُحَلّٰى بِاللَّام ہو یعنی جس کو لام کے ساتھ مزین کیا گیا ہو یا یوں کہو آسان لفظوں میں جس پر الف لام داخل کیا گیا ہو، يُرَادُ بِهِ الْجِنْسُ، اس سے جنس مراد ہوتی ہے، وَتَبْطُلُ الْجَمْعِيَّةُ، اور وہاں پر جمع ہونا باطل ہو جاتا

ہے، جمع مراد نہیں ہوتے بلکہ جنس۔ جب جنس ہو گئے تو اس کا اطلاق قلیل پر بھی ہوگا اور کثیر پر بھی ہوگا۔ كَقَوْلِهِ تَعَالٰى، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ، اللہ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حکم آگیا: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ، آپ کے لیے عورتیں حلال نہیں ہیں۔ النِّسَاءُ کا لفظ آیا، اور النِّسَاءُ کم از کم تین عورتیں ہوں تو ان کو نِسَاء کہیں گے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ لیکن چونکہ اس پر الف لام داخل ہے، اب یہ معنی نہیں کہ اے پیغمبر آپ کے لیے تین عورتیں حلال نہیں ہیں، تین سے کم کر سکتے ہیں، نہیں نہیں، یہاں الف لام جب آگیا تو جنسِ نِسَاء مراد ہے، معلوم ہوا ایک عورت بھی اب آپ کے لیے مزید حلال نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ اللہ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پابندی آگئی، آپ مزید نکاح نہیں کر سکتے۔ اگرچہ بعد میں پھر اس پابندی کو اٹھا لیا گیا، بعد میں اس پابندی کو اٹھا لیا گیا، لیکن حضور نے اور نکاح نہیں فرمائے بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ وہ امہات المؤمنین کو اختیار دیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو اسی مشکل اور تنگی کے اندر اور اگر چاہتی ہو تو میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔ ان سب نے حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دی کہ ہم آپ کے ساتھ ہر حال میں راضی ہیں ہم آپ سے۔ تو چنانچہ اللہ نے بھی خوش ہو کر ان کے لیے حکم نازل فرمایا کہ اے پیغمبر اب ان عورتوں کے بعد اور عورتوں سے آپ کو نکاح کی اجازت نہیں ہے، یعنی ایسی اعلیٰ ارفع عورتیں ہم نے آپ کو نصیب فرمائی ہیں اب آپ کے لیے اور عورتوں سے نکاح جائز نہیں ہے۔ لیکن پھر مفسرین حضرات فرماتے ہیں کہ بعد میں یہ پابندی ختم کر دی گئی، لیکن حضور علیہ السلام نے مزید نکاح نہیں فرمائے بھئی۔

تو اللہ کیا فرما رہے ہیں؟ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ، آپ کے لیے عورتیں حلال نہیں۔ فَيُرَادُ بِهِ الْوَاحِدُ، تو اس سے مراد کیا ہے؟ واحد ہے یعنی آپ کے لیے کوئی عورت حلال نہیں ہے۔ فَيُقَسَّمُ عَلٰى خَمْسَةٍ، پس اس ثُلُث کو تقسیم کیا جائے گا پانچ حصوں پر، پانچ افراد پر، وَلَهُنَّ ثَلَاثَةٌ مِنْهَا، اور ان امہاتِ اولاد کے لیے اس میں سے تین حصے ہوں گے، تین خُمُس ہوں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

میں نے بتلایا تھا ایک فائدہ آپ کو بتلاؤں گا بھئی۔ یہاں تک آپ کو پتا چل گیا کہ لَا شَاةَ لَهُ کا کیا معنی؟ ایک بھی بھیڑ بکری نہ ہو تو پھر کہیں گے لَا شَاةَ لَهُ۔ اور نیز یہ بھی آپ کو پتا چل گیا کہ جنس جو ہے اس کا اطلاق قلیل اور کثیر دونوں پر ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک نحوی فائدہ آپ کو ذکر کر دوں، نحوی فائدہ ذکر کر دوں، بعض طلباء نے سوال کیا یہ، انہوں نے کہا کہ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ اور لَا رَجُلٌ فِي الدَّارِ دونوں میں کیا فرق ہے؟ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ معلوم ہوا یہ لائے نفیِ جنس ہے، لائے نفیِ جنس: لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ۔ اور لَا رَجُلٌ فِي الدَّارِ معلوم ہوا یہ لَا مُشَابِه بِ لَيْسَ ہے۔ پڑھا ہے نا آپ نے؟ ایک لائے نفیِ جنس ہوتا ہے اور ایک لَا مُشَابِه بِ لَيْسَ ہوتا ہے۔ تو لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ اس میں اور لَا رَجُلٌ فِي الدَّارِ دونوں میں کیا فرق ہے؟

تو یاد رکھیے اس میں فرق بھئی: لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ یہ لائے نفیِ جنس ہے، یہ جنس کی نفی کرتا ہے، کیا معنی؟ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، گھر میں جنسِ رَجُل نہیں ہے۔ گھر میں جنسِ رَجُل نہیں۔ اگر ایک بھی ہو تو آپ کا کلام غلط ہے کیونکہ جنس تو موجود ہے۔ معلوم ہوا لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ کا معنی ہے گھر میں ایک بھی فرد نہیں ہے۔ اور لَا رَجُلٌ فِي الدَّارِ کا معنی یہ ہے: گھر میں ایک آدمی نہیں ہے، اگر دو یا تین ہوں تو آپ کا کلام صحیح ہے۔ فرق سمجھ میں آیا؟ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ میں نفی ہے کس سے؟ جنس سے، اور جنس سے تبھی نفی ہوگی جب جنس کا ایک بھی فرد وہاں موجود نہ ہو۔ اور لَا رَجُلٌ فِي الدَّارِ، رَجُل تو ایک آدمی کو کہتے ہیں، جب کہا لَا رَجُلٌ فِي الدَّارِ، گھر میں ایک آدمی نہیں ہے، تو اس سے دو اور تین کی نفی نہیں ہوئی۔ ہو سکتا ہے ایک بھی نہ ہو تب بھی کلام صحیح، ہو سکتا ہے دو یا تین ہوں پھر بھی آپ کا کہنا صحیح ہے لَا رَجُلٌ فِي الدَّارِ گھر میں ایک آدمی نہیں ہے بھئی۔ فرق سمجھ میں آگیا؟

آگے دیکھیے بھئی: وَبِثُلُثٍ لَهُ وَلِلْفُقَرَاءِ نِصْفٌ لَهُ وَنِصْفٌ لَهُمْ. صورتِ مسئلہ یہ، ادھر دیکھیے بھئی: ایک شخص نے وصیت کی میرا ثُلُثِ مال زید اور فقراء کو دے دینا۔ اب آپ کیا فتویٰ دیں گے؟ کیسے تقسیم کریں گے مال؟ ثُلُثِ مال زید اور فقراء

کو دے دینا۔ جی؟ وہی ضابطہ: شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک الْفُقَرَاء پر کیا داخل ہے؟ الف لام، تو اس سے جنس مراد ہوگی اور جنس کا اطلاق ایک پر بھی ہوتا ہے تو ایک فرد مراد لیں گے، تو ایک زید ہوا اور ایک فقیر ہوا، تو کتنے حصے ہو گئے؟ دو۔ دو حصے کر دیں گے، آدھا آدھا تقسیم کر دیں گے وہ والا جو ثُلُث ہے، وصیت والا ثُلُث۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک فقراء سے کتنے مراد لیں گے؟ دو۔ تو گویا اس ثُلُث کے تین حصے کریں گے، اور ایک حصہ زید کا ہوگا اور دو حصے فقراء کے۔

تو کہتے ہیں: وَبِثُلُثٍ لَهُ وَلِلْفُقَرَاءِ، اور ثُلُث کی وصیت ایک شخص کے لیے اور فقراء کے لیے، تو نِصْفٌ لَهُ وَنِصْفٌ لَهُمْ، تو نصف جو ہے وہ اس شخص کے لیے ہوگا اور نصف فقراء کے لیے ہوگا۔ هٰذَا عِنْدَهُمَا، یہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ يُقَسَّمُ الثُّلُثُ أَثْلَاثًا، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ثُلُث کو تقسیم کیا جائے گا تین حصے کر کے، وہ جو وصیت والا ثُلُث ہے اس کے تین حصے کریں گے، ایک حصہ مُوصٰی لَهُ کے لیے اور دو حصے فقراء کے لیے، اپنے اپنے اصول اور ضابطے کے مطابق دونوں نے حکم دیا، شیخین نے بھی اور امام محمد رحمہ اللہ نے بھی۔

وَبِمِائَةٍ لِزَيْدٍ وَمِائَةٍ لِعَمْرٍو أَوْ بِهَا لِزَيْدٍ وَخَمْسِينَ لِعَمْرٍو إِنْ أَشْرَكَ آخَرَ مَعَهُمَا: صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مال میں سے سو درہم زید کو دے دینا اور سو درہم عمرو کو دے دینا، اور پھر ایک تیسرے آدمی کو کہا میں تم کو زید اور عمرو کے ساتھ شریک کرتا ہوں۔ تو اب کتنا حصہ ملے گا؟ کہتے ہیں اس صورت میں زید، عمرو اور اس آدمی تینوں کو ثُلُث ثُلُث مل جائے گا۔ یعنی سو کس کے لیے ہے؟ زید کے لیے، اور سو کس کے لیے ہے؟ عمرو کے لیے، اور اس آدمی کو ان دونوں کے ساتھ شریک کر دیا۔ اور شرکت تقاضا کرتی ہے برابری کا۔ جب آپ کہتے ہیں میرے ساتھ کوئی آدمی اس چیز میں شریک ہے معلوم ہوا آدھا آپ کا حصہ ہے اور آدھا اس کا حصہ ہے، تو شرکت برابری کا تقاضا کرتی ہے۔ تو جب زید اور عمرو کے ساتھ اس آدمی کو شریک کر دیا تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ سب کا حصہ برابر ہونا چاہیے، اور اس کی صورت کیا ہے؟ کہ وہ جو دو سو ہے اس کے تین حصے کر دیں گے، ایک ثُلُث زید کو، ایک ثُلُث عمرو کو اور ایک ثُلُث اس آدمی کو ملے گا۔

دوسری صورت: زید کے لیے ایک شخص نے وصیت کی اسے سو درہم دے دینا، اور عمرو کے لیے وصیت کی کہ اس کو پچاس درہم دے دینا، اور پھر ایک آدمی کے بارے میں کہا کہ تم کو میں ان دونوں کے ساتھ شریک کرتا ہوں۔ کیا کرتا ہوں؟ شریک کرتا ہوں۔ اب کیا کریں گے؟ کس طرح تقسیم کریں گے؟ کہتے ہیں اب برابری نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کیونکہ زید کا حصہ ہے سو درہم تو عمرو کا حصہ اس سے آدھا ہے یعنی پچاس درہم، برابری نہیں ہو سکتی۔ پھر مساوات کیسے کریں گے؟ کہتے ہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ آدمی زید کے ساتھ بھی شریک ہو جائے گا تو وہ جو زید والا سو ہے آدھا آدھا دونوں میں تقسیم ہو جائے گا، اور وہ آدمی عمرو کے ساتھ بھی اس کے پچاس میں شریک ہو جائے گا اور وہ پچاس بھی آدھا آدھا ہو جائے گا۔ معلوم ہوا زید کو کتنا ملے گا؟ پچاس، اور عمرو کو پچاس کا آدھا یعنی پچیس، اور اس آدمی کو کتنا مل جائے گا کُل؟ پچھتر مل جائے

گا، پچاس کس سے ملا؟ زید سے، اور پچیس کس سے ملا؟ عمرو سے، تو اس کو پچھتر مل جائے گا۔ تقسیم سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَبِمِائَةٍ لِزَيْدٍ وَمِائَةٍ لِعَمْرٍو، اور سو کی وصیت زید کے لیے اور سو کی وصیت عمرو کے لیے، أَوْ بِهَا لِزَيْدٍ، بِهَا أَيْ بِالْمِائَةِ، هَا ضمیر کس کو راجع؟ مِائَة کو، یا مِائَة کی وصیت زید کے لیے وَخَمْسِينَ لِعَمْرٍو اور پچاس کی وصیت عمرو کے لیے، إِنْ أَشْرَكَ آخَرَ مَعَهُمَا، اگر شریک کر دیا کسی دوسرے آدمی کو ان دونوں کے ساتھ، فَلَهُ ثُلُثُ مَا لِكُلٍّ فِي الْأَوَّلِ، تو اس کے لیے ثُلُث ہوگا اس کا جو ہر ایک کے لیے ہے پہلی صورت میں۔ توجہ ہے؟ اس کے لیے ثُلُث ہوگا اس میں سے جو ہر ایک کا حصہ ہے۔ زید کا حصہ کتنا؟ سو، ثُلُث اس میں سے لے لے گا، اور عمرو کا حصہ کتنا؟ سو، ثُلُث اس کا لے لے گا۔ تو جب اس نے زید سے سو کا ثُلُث لیا تو زید کے پاس کتنے ثُلُث رہ گئے؟ دو ثُلُث۔ اور عمرو سے بھی جب اس نے ثُلُث لیا تو عمرو کے پاس کتنے رہ گئے؟ دو ثُلُث۔ اور اس کے پاس بھی دو ثُلُث ہو گئے، ایک زید سے لیا ایک عمرو سے۔ بات وہی ہے، تینوں میں برابر تقسیم ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے فَلَهُ ثُلُثُ مَا لِكُلٍّ فِي الْأَوَّلِ، وہ جو ہر ایک کے لیے ہے اس کا ثُلُث ہوگا اس کے لیے فِي الْأَوَّلِ پہلی صورت میں۔ وَنِصْفُهُ فِي الثَّانِي، اور نصف ہوگا فِي الثَّانِي دوسری صورت میں، یعنی ہر ایک کو جو ملا ہے اس کا نصف یہ لے لے گا دوسری صورت میں: زید سے بھی سو کا نصف لے لے گا اور عمرو سے پچاس کا نصف لے لے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

لِأَنَّ فِي الصُّورَةِ الْأُولٰى نَصِيبَيْ زَيْدٍ وَعَمْرٍو يَتَسَاوَيَانِ، اس لیے کیونکہ پہلی صورت میں، نَصِيبَيْ، تثنیہ ہے نون اضافت سے گر گیا، لِأَنَّ فِي الصُّورَةِ الْأُولٰى نَصِيبَيْ زَيْدٍ وَعَمْرٍو يَتَسَاوَيَانِ، اس لیے کیونکہ پہلی صورت میں زید اور عمرو دونوں کے حصے برابر ہیں، وَقَدْ أَشْرَكَ آخَرَ مَعَهُمَا، اور مُوصِي نے شریک کر دیا ان کے ساتھ ایک اور آدمی کو بھی، فَهُوَ شَرِيكٌ لِلِاثْنَيْنِ، تو وہ شریک ہوگا دونوں کا، فَلَهُ ثُلُثُ مَا لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا، تو اس کے لیے ثُلُث ہوگا وہ جو ہر ایک کے لیے ہے ان دونوں میں سے، ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے جو ہے اس کا ثُلُث وہ لے لے گا یعنی ہر سو کا ثُلُث لے لے گا۔ وَلَا يُمْكِنُ مِثْلُ هٰذَا فِي الصُّورَةِ الثَّانِيَةِ، اور اس کے مثل ممکن نہیں ہے دوسری صورت میں، کیونکہ سب کا حصہ برابر نہیں ہے، زید کا حصہ ہے سو تو عمرو کا حصہ ہے پچاس۔ تو کہتے ہیں وَلَا يُمْكِنُ مِثْلُ هٰذَا فِي الصُّورَةِ الثَّانِيَةِ، اور ممکن نہیں ہے مِثْلُ هٰذَا اس جیسا فِي الصُّورَةِ الثَّانِيَةِ دوسری صورت میں، لِتَفَاوُتِ نَصِيبِ زَيْدٍ وَعَمْرٍو، بوجہ مختلف ہونے زید اور عمرو کے حصے کے، زید اور عمرو کے حصے میں فرق ہونے کی وجہ سے یہ دوسری صورت میں ممکن نہیں ہے۔ شرکت کس کا تقاضا کرتی ہے؟ مساوات۔ اور پہلی صورت میں مساوات ممکن تھی کیونکہ دونوں کا حصہ برابر تھا زید اور عمرو کا، اور یہاں دونوں کا حصہ برابر نہیں لہٰذا مساوات تو ہو نہیں سکتی۔ تو لہٰذا ہر ایک کے ساتھ علیحدہ علیحدہ شریک ہو کر اس کا آدھا حصہ لے لے گا بھئی۔ تو فَهُوَ شَرِيكٌ لِكُلِّ وَاحِدٍ، تو وہ شریک ہو جائے گا ہر ایک کا، فَلَهُ نِصْفُ مَا لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا، تو اس کے لیے نصف ہوگا وہ جو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے ہے: زید کے سو کا نصف بھی یہ لے لے گا اور عمرو کے پچاس کا نصف بھی یہ لے لے گا۔ بات سمجھ

میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی: وَفِي لَهُ عَلَيَّ دَيْنٌ فَصَدِّقُوهُ صُدِّقَ إِلَى الثُّلُثِ: صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے اپنے وارثوں سے کہا، بیمار تھا مرنے والا تھا اس وقت اس نے اپنے وارثوں سے کہا کہ بھئی زید کا میرے اوپر قرضہ ہے، ہاں لیکن مجھے پتا نہیں ہے کتنا ہے، تو وہ جب آکر قرضے کا دعویٰ کرے تو تم اس کی تصدیق کر دینا، تم اس کی تصدیق کر دینا۔ چنانچہ وہ پھر مر گیا، بعد میں زید آیا اور زید نے آکر کہا کہ یہ جو میت تھی اس نے میرا دَین ادا کرنا تھا۔ تو کہتے ہیں کہ ورثاء اس کی تصدیق کریں گے ثُلُث تک۔ ورثاء تصدیق کریں گے ثُلُث تک، اس کی تصدیق کرنا پڑے گی ان کو۔ ثُلُث سے زیادہ کرنا چاہتے ہیں وہ ان کی مرضی ہے، لیکن ثُلُث تک ان کو تصدیق کرنا پڑے گی۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟ اور اتنا پھر اس کو ادا کرنا پڑے گا۔ مثلاً مرنے والے کا کل مال ہے دس ہزار، اور اس نے آکر کیا کہا کہ اس نے میرا پانچ ہزار درہم دینا ہے، تو ثُلُث دس ہزار کا جو ہے اس میں تو تصدیق کریں گے، زائد میں تصدیق کرنے میں ان کی مرضی ہے وہ لازمی نہیں ہے ان پر۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ تو جتنے میں تصدیق کریں گے وہ اس کو پھر ادا کر دیں گے۔ مثلاً اس کا کل مال جو تھا وہ نو ہزار درہم تھا، اور وہ جو زید آیا اس نے آ کر کہا کہ اس نے میرا پانچ ہزار درہم دینا ہے، تو نو ہزار کا ثُلُث تو تین ہزار بنتا ہے، تو تین ہزار میں تو اس کی تصدیق کریں گے، اس سے زائد وارثوں کی مرضی ہے۔ تو تین ہزار میں تصدیق کریں گے اور اس کو تین ہزار درہم دے دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن اس سے زائد دینا چاہتے ہیں سارا دینا چاہتے ہیں تو وہ وارثوں کی مرضی ہے بھئی۔

کہتے ہیں: وَفِي لَهُ عَلَيَّ دَيْنٌ، اور اس صورت میں کہ اس نے کہا لَهُ کہ فلاں آدمی کا عَلَيَّ دَيْنٌ میرے اوپر دَین ہے، فَصَدِّقُوهُ، پس تم لوگ اس کی تصدیق کرنا، صُدِّقَ إِلَى الثُّلُثِ، تو اس کی تصدیق کی جائے گی ثُلُث تک بھئی۔ کہاں تک؟ ثُلُث تک۔ أَيْ أَمَرَ الْوَرَثَةَ، وصیت کرنے والے نے حکم دیا اپنے وارثوں کو، بِأَنْ يُصَدِّقُوا الدَّائِنَ فِي مِقْدَارِ الدَّيْنِ، کہ وہ دَائن کی تصدیق کریں دَین کی مقدار میں، جو قرضہ دینے والا ہے اس کی تصدیق کریں دَین کی مقدار میں وہ جتنی بھی مانگے اس کو دے دینا، لیکن ان پر لازم نہیں ہے سارا دیں کتنے تک تصدیق کریں گے؟ ثُلُث تک۔ تو يَجِبُ عَلَيْهِمْ

يَجِبُ عَلَيْهِمْ، تو وارثوں پر واجب ہے کہ أَنْ يُصَدِّقُوهُ إِلَى الثُّلُثِ، کہ وہ اس دَائن کی تصدیق کریں ثُلُث تک۔ فَأَصْلُ الْحَقِّ دَيْنٌ، تو اصلِ حق کیا تھا اس آدمی کا؟ دَین ہے، اصلِ حق کیا ہے؟ دَین ہے۔ وَمِقْدَارُهُ يَثْبُتُ بِطَرِيقِ الْوَصِيَّةِ، اور اس دَین کی مقدار جو ثابت ہوگی وہ وصیت کے طریقے پر ثابت ہوگی۔ وَهٰذَا اسْتِحْسَانٌ، اور یہ استحسان ہے۔ وَفِي الْقِيَاسِ لَا يُصَدَّقُ، اور قیاس کے مطابق تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، لِأَنَّ الْمُدَّعِيَ لَا يُصَدَّقُ إِلَّا بِحُجَّةٍ، اس لیے کیونکہ مدعی کی تصدیق نہیں کی جاتی مگر حجت یعنی گواہوں کے ساتھ۔

بھئی دیکھیے، یہاں ایک ہے قیاس اور ایک ہے استحسان، اور استحسان کو استحسان کہتے ہی تب ہیں جب اس کے مقابلے میں کیا ہو؟ قیاس ہو۔ تو یہاں قیاس موجود ہے۔ قیاس تو تقاضا کرتا ہے کہ مدعی کی تصدیق نہیں کرنی چاہیے، اس

کو ایک روپیہ بھی نہیں دینا چاہیے، کیونکہ مدعی کا دعویٰ کس سے ثابت ہوتا ہے؟ بَیِّنَة سے، گواہ لے کر آئے۔ اور آنے والا جو زید تھا جو قرضے کا دعویٰ کر رہا ہے، اس کے پاس کوئی گواہ موجود ہیں؟ اس کے پاس کوئی گواہ موجود نہیں۔ تو قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس کی تصدیق کرنی ہی نہیں چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ گویا وہ جو وصیت کرنے والے نے کہا تھا کہ زید کی تصدیق کر دینا دَین میں، اس کا یہ حکم ہی شریعت کے خلاف ہے۔ کس کے خلاف ہے؟ شریعت کے اندر تو مدعی کے دعوے کی تصدیق صرف بَیِّنَة کی صورت میں کی جاتی ہے، ویسے تصدیق نہیں کی جاتی۔ لہٰذا قیاس یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ وصیت باطل ہونی چاہیے، ایک روپیہ بھی اس دَائن کو نہیں دینا چاہیے۔ لیکن استحساناً جو ہے اس دَائن کو اس کا قرضہ ادا کریں گے اور ورثاء پر لازم ہوگا کہ وہ تصدیق کریں اور تصدیق میں وہ ثُلُث کے پابند ہوں گے کہ ثُلُث تک تصدیق ان پر لازمی ہے، اس سے زیادہ ان پر لازمی نہیں، زیادہ میں ان کی مرضی ہے بھئی۔

استحسان یہ ہے کہ معلوم ہوا کہ وہ آدمی اپنا دَین ادا کرنا چاہتا ہے تاکہ اس کی آخرت اچھی ہو جائے، لیکن اس بیچارے کو یاد نہیں۔ اس کو اتنا تو یاد ہے میں نے زید سے کسی زمانے میں قرضہ لیا تھا لیکن میں نے ادا نہیں کیا تھا، اب اس کو بھول گیا ہے اور موت کا وقت قریب ہے، اس کو فکر ہے کہ میری آخرت اچھی ہو جائے۔ چنانچہ اس نے اپنے وارثوں سے کہا کہ زید اگر قرضہ لینے آیا تو قرضے کی مقدار میں اس کی تصدیق کر دینا، میں نے اس کا قرضہ دینا ہے۔ تو اصلِ دَین تو اس نے بتا دیا کہ ہاں قرضہ میں نے دینا ہے، لیکن مقدار مجہول ہے، اور مقدار کے لیے بیان چاہیے کیونکہ مجہول پر حمل نہیں ہو سکتا۔ تو کہتے ہیں مجہول ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے، بیان وہ ورثاء سے ہم کروا لیں گے۔ اس نے اصلِ حق قرضہ تو بتلا دیا نا، تو کیا کیا جائے گا؟ اصلِ حق کیا تھا اس کا؟ کہ قرضہ، اور قرضہ ہے اتنا تو پتا لگ گیا، مقدار کا پتا نہیں، مقدار مجہول ہے اور اس آدمی نے بیان بھی نہیں کیا کہ کتنا قرضہ ہے اور وہ مر گیا اس کو تو یاد ہی نہیں ہے، تو لہٰذا وصیت مجہول چیز کی ہو گئی، لیکن آپ پہلے پڑھ چکے کہ وصیت مجہول چیز کی بھی، اس سے وصیت پر اثر نہیں پڑتا کیونکہ یہاں ہم کس سے بیان لے لیں گے؟ ورثاء سے بیان لے لیں گے، یعنی وہ تصدیق کریں گے اس کی، اور کتنے تک تصدیق کریں گے؟ ثُلُث تک۔ مثلاً اس نے کل مال چھوڑا نو ہزار، اور وہ جو دَائن تھا وہ آیا اور اس نے آکر کہا کہ یہ مرنے والے نے میرا ایک ہزار درہم دینا تھا، یہ تو ثُلُث سے بھی تھوڑا ہے اور وہ پابند ہیں کہ کتنے تک تصدیق کریں؟ ثُلُث تک، تو یہ تو ثُلُث سے بھی کم ہے لہٰذا وہ لازم ہے ان پر کہ وہ تصدیق کریں اور ایک ہزار اس کو ادا کر دیں۔ اگر وہ دو ہزار کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ بھی ثُلُث سے کم ہے، پابند ہیں وہ تصدیق کریں گے اور حوالے کر دیں گے۔ اگر وہ تین ہزار آکر مانگتا ہے، پابند ہیں یہ ورثاء، یہ تصدیق کریں گے اور اس کو دے دیں گے۔ لیکن اگر وہ تین ہزار سے زیادہ کا دعویٰ کرتا ہے تو ورثاء کے لیے اس سے زیادہ دینا ان پر لازم نہیں، مرضی ہے دینا چاہیں دے دیں، لیکن تین ہزار تک وہ تصدیق کریں گے اور وہ اس کو دے دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو قیاس کیا تقاضا کرتا ہے کہ یہ بغیر گواہوں کے اس کی تصدیق ہی نہ کی جائے، کچھ بھی اس کو نہیں ملنا چاہیے۔ تو قیاس

تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ وصیت ہی باطل ہونی چاہیے کیونکہ مجہول چیز کی وصیت کر رہا ہے اور خلافِ شریعت ایک حکم دے رہا ہے کہ بَیِّنَة کے بغیر ہی اس کی تصدیق کر دینا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن استحساناً تصدیق کریں گے، کیونکہ وہ شخص کیا چاہتا ہے؟ دَین ادا کرنا چاہتا ہے، اپنی آخرت اچھی بنانا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس نے دَین تو بیان کر دیا لیکن دَین کی مقدار اس کو یاد نہیں ہے، تو کوئی حرج نہیں، وہ بیان کس کے ذریعے آجائے گا؟ وارثوں کے ذریعے، وارث اس کی تصدیق کر دیں گے۔ اصلِ دَین تو کس نے بیان کر دیا؟ میت نے کہ دَین ہے میرے اوپر، صرف مقدار مجہول ہے، کوئی حرج نہیں، مقدار کون بیان کر دیں گے؟ وارث جو تصدیق کر دیں گے۔ جب وہ آئے گا آکر کہے گا اس نے میرا ایک ہزار دینا تھا، وارث نے تصدیق کر دی، گویا وارثوں نے بیان کر دیا کہ ہاں جی ایک ہزار دینا تھا۔ اس نے آکر کہا دو ہزار دینا ہے تو وارثوں نے تصدیق کر دی، دیکھو بیان آگیا۔ اور اگر وہ تین ہزار سے زیادہ تھا پھر اس میں وارثوں پر تصدیق واجب نہیں زائد کی، ثُلُث تک وہ دے دیں گے اس کو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ استحساناً ہے تاکہ اس کا قرضہ اتر جائے، آخرت اس کی آسان ہو جائے۔

أَيْ أَمَرَ الْوَرَثَةَ بِأَنْ يُصَدِّقُوا الدَّائِنَ فِي مِقْدَارِ الدَّيْنِ، یعنی مُوصِي نے حکم دیا اپنے وارثوں کو کہ وہ تصدیق کریں دَائن کی دَین کی مقدار میں، يَجِبُ عَلَيْهِمْ أَنْ يُصَدِّقُوهُ إِلَى الثُّلُثِ، تو واجب ہے وارثوں پر کہ وہ تصدیق کریں اس دَائن کی ثُلُث تک، فَأَصْلُ الْحَقِّ دَيْنٌ، تو اصلِ حق جو تھا وہ تھا دَین تھا اور وہ دَین تو کس سے پتا لگ گیا؟ وصیت کرنے والے نے بتلا دیا، وَمِقْدَارُهُ يَثْبُتُ بِطَرِيقِ الْوَصِيَّةِ، اور اس دَین کی مقدار ثابت ہو جائے گی وصیت کے طریقے پر یعنی ثُلُث تک۔ کہاں تک؟ ثُلُث تک۔ کیونکہ وصیت بھی کتنے میں نافذ ہوتی ہے؟ ثُلُث میں۔ تو اس دَین کی مقدار جو ہے وہ ثابت ہو جائے گی وصیت کے طریقے پر۔ وَهٰذَا اسْتِحْسَانٌ، اور یہ استحسان ہے، وَفِي الْقِيَاسِ لَا يُصَدَّقُ، اور قیاس کے مطابق تو تصدیق نہیں کرنی چاہیے، لِأَنَّ الْمُدَّعِيَ لَا يُصَدَّقُ إِلَّا بِحُجَّةٍ، اس لیے کیونکہ مدعی کی تصدیق نہیں کی جاتی مگر بَیِّنَة کے ساتھ۔

آگے دیکھیے بھئی: فَإِنْ أَوْصٰى مَعَ ذٰلِكَ عُزِلَ ثُلُثٌ لَهَا وَثُلُثَاهُ لِلْوَرَثَةِ. صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے جیسے ابھی پیچھے ذکر ہوا، ایک شخص نے موت سے پہلے اپنے وارثوں کو حکم دیا کہ میں نے زید کا دَین ادا کرنا ہے لیکن مجھے یاد نہیں کہ دَین کتنا ہے، جب وہ آجائے تو اس کی تصدیق کر دینا اور دَین کی ادائیگی کر دینا۔ پچھلے مسئلے میں وارثوں کا تصدیق کرنا کتنی مقدار تک لازم تھا؟ ثُلُث تک۔ اب اس مسئلے میں فرق صرف اتنا ہے کہ اس نے یہ تصدیق کرنے کا حکم بھی دیا ہے، مقدار دَین کی مجہول ہے، اور ساتھ ساتھ اس شخص نے اور وصیتیں بھی کی ہوئی ہیں کہ مثلاً میرے مرنے کے بعد میرے مال کا ثُلُث بکر کو دے دینا۔ تو اب وہ دَائن کی تصدیق کرنے کا بھی کہہ رہا ہے، اس کا بھی حکم دے رہا ہے، اور ساتھ ساتھ اس نے ثُلُثِ مال کی وصیت بھی کی ہوئی ہے۔ اب کیا کریں گے بھئی؟ پہلے تو تھا ہم ثُلُث تک وہ نافذ کر دیتے تھے لیکن اب تو اس نے ثُلُث کی علیحدہ سے وصیت کی ہوئی ہے باقاعدہ۔ تو کہتے ہیں اس کی صورت پھر یہ ہے: آپ جانتے ہیں کہ ترکے کے ثُلُث کے اندر وصیت نافذ کرتے ہیں اور دو ثُلُث جو ہوتا ہے وہ وارثوں کا ہوتا ہے۔ ثُلُث میں وصیت نافذ کی جاتی ہے اور دو ثُلُث

کس کو دیے جاتے ہیں؟ وارثوں کو دیے جاتے ہیں۔ تو لہٰذا یہاں پر اب یوں کریں گے کہ اس نے دَین کی تصدیق کا کہا ہے لیکن دَین کی مقدار مجہول ہے، البتہ وصیت اور وارثوں کا حصہ معلوم ہے: وارثوں کا حصہ ہے دو ثُلُث اور وصیت والے کا حصہ ہے ایک ثُلُث۔ لہٰذا یوں کریں گے یہ جو ترکے کا مال ہے اس کے دو حصے کر دیں گے، علیحدہ کر دیں گے: ایک ثُلُث جو وصیت والے یعنی مُوصٰی لَھُمْ کا حق ہے اس کو الگ کر دیں گے اور جو دو ثُلُث وارثوں والا ہے اس کو الگ کر دیں گے۔ یہ الگ کر دیا۔ اب اس کے بعد جب وہ دَین والا آئے گا اور دعویٰ کرے گا کہ اس نے میرا دَین دینا تھا، تو اب دیکھو یہاں جو مال کے حصے دار ہیں پہلے صرف وارث تھے، پچھلے مسئلے میں ترکے کے حقدار کون تھے صرف؟ وارث تھے، ان سے انہوں نے تصدیق کی تھی، لیکن یہاں پر اب ترکے کے اندر مُوصٰی لَھُمْ یعنی جن کے لیے وصیت کی ہے ان کا بھی حصہ ہے ایک ثُلُث اور وارث بھی ہیں ان کا بھی حصہ ہے دو ثُلُث، تو اب دونوں سے تصدیق کروائیں گے۔ دونوں سے کیا کروائیں گے؟ تصدیق۔ اور دونوں سے جب ہم تصدیق کروائیں گے تو یہ نہ ہو باتوں کے اندر ان کے تضاد آجائے، مثلاً وہ جو مدعی تھا وہ آیا اور اس نے کہا کہ یہ جو مرنے والا تھا اس نے میرا پانچ ہزار درہم قرضہ دینا تھا، اور وہ جو ورثاء ہیں وہ کہیں نہیں جی پانچ ہزار نہیں دینا تھا دو ہزار درہم قرضہ دینا تھا ہم دو ہزار کی تصدیق کرتے ہیں، اور وہ جو مُوصٰی لَھُمْ ہے ہو سکتا ہے وہ کہے نہیں جی ایک ہزار صرف قرضہ دینا تھا، تو دونوں میں اختلاف کا بھی احتمال ہے۔ تصدیق دونوں سے کروانی ہے کیونکہ ترکے میں دونوں کا حصہ ہے۔ فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ ترکے میں چونکہ دونوں کا حصہ ہے اب تصدیق دونوں سے کروائیں گے اور پھر اس کے مطابق دَین کی ادائیگی کریں گے۔ لیکن چونکہ حصے دار دو قسم کے لوگ ہیں تو پہلے دونوں کا حصہ الگ کروا دیں گے، کیونکہ اگر اکٹھی تصدیق کروائیں گے پھر تو یہ نہ ہو اختلاف آجائے دونوں کے اندر، ایک کسی مقدار میں تصدیق کرے دوسرا کسی مقدار میں تصدیق کرے، پھر فیصلہ کیسے کریں گے ہم؟ لہٰذا یوں کرو دونوں کا حصہ ہی الگ کر دو، مُوصٰی لَھُمْ یعنی جن کے لیے وصیت کی تھی یعنی مثلاً بکر ہے یا اور بھی ساتھی تھے، ان کے لیے اس نے جس ثُلُث کی وصیت کی ہے اس کو الگ کر دو، اور وارثوں کے دو ثُلُث الگ کر دو۔ اب وہ آیا اور اس نے آکر دعویٰ کیا کہ مثلاً یہ مرنے والے نے میرا پانچ ہزار درہم دَین دینا تھا، تو اب مُوصٰی لَھُمْ جن کا ثُلُث ہے ان سے الگ تصدیق کروائیں گے اور وارثوں سے الگ تصدیق کروائیں گے۔ مُوصٰی لَھُمْ سے کہا جائے گا: ہاں بھئی یہ پانچ ہزار دَین کا دعویٰ کر رہا ہے آپ کتنے میں تصدیق کرتے ہیں اس کی؟ کیا آپ کو پتا ہے؟ ہو سکتا ہے ان میں سے کسی کو پتا ہو کہ مرنے والے نے اتنا قرضہ لیا تھا، اسی طرح وارثوں سے بھی الگ تصدیق کروائیں گے ہو سکتا ہے وارثوں میں سے کسی کو پتا ہو کہ اس نے کتنا قرضہ لیا تھا۔ تو پہلے مُوصٰی لَھُمْ یا جس سے بھی پہلے تصدیق کروا لیں، تو مُوصٰی لَھُمْ سے پہلے تصدیق کروائیں گے کہ ہاں بھئی یہ پانچ ہزار دَین کا دعویٰ کر رہا ہے، آپ کو علم ہے دَین کا؟ آپ کتنے میں اس کی تصدیق کرتے ہیں؟ تو مثلاً وہ کہتے ہیں کہ نہیں بھئی پانچ ہزار دَین نہیں ہے اس کا دَین صرف ایک ہزار درہم ہے۔ کتنا ہے؟ ایک ہزار درہم ہے۔ تو یاد رکھو جب انہوں نے ایک ہزار کی تصدیق کر دی تو

اب اس کو انہیں ادا کرنا پڑے گا، مُوصٰی لَھُمْ جن کے لیے وصیت کی تھی انہوں نے اب کیا کرنا ہے؟ ادا کرنا ہے۔ اور یہ جو ایک ہزار کی تصدیق کر رہے ہیں وہ قرضے کی، یہ ایک ہزار سارا اس ثُلُث میں آئے گا جو ان کا علیحدہ حصہ ہے یا پورے مال میں سے آئے گا؟ بھئی قرضہ تو قرضہ مطلب ہزار کی جو تصدیق کریں قرضہ تو سارے مال میں سے لیا جاتا ہے نا، صرف اس ثُلُث میں سے تو نہیں ہے قرضہ۔ تو معلوم ہوا ان کا حصہ کتنا ہے؟ ثُلُث، اور یہ تصدیق کتنے کی کر رہے ہیں؟ ایک ہزار کی، تو ان کے حصے میں سے ایک ہزار کا ثُلُث ان سے لے لیں گے۔ ان کا حصہ کل ترکے کا کتنا تھا؟ ثُلُث، تو قرضے کا بھی ان پر کتنا حصہ آئے گا؟ ایک ثُلُث، اور دو ثُلُث کس پر آئے گا؟ وارثوں پر آئے گا کیونکہ دو ثُلُث ان کے پاس ہیں۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو کیا کریں گے اس سے؟ جتنے کی انہوں نے تصدیق کر دی، مثلاً انہوں نے ایک ہزار کی تصدیق کر دی کہ قرضہ ایک ہزار درہم تھا، تو اس ایک ہزار کا ثُلُث ان کے ثُلُث میں سے لے کر دے دیا جائے گا دَائن کو۔ اور پھر جو وارث تھے، وارثوں سے تصدیق کروائیں گے کہ بھئی یہ پانچ ہزار دَین کا دعویٰ کر رہا ہے، کیا تمہیں کوئی علم ہے کتنا قرضہ لیا تھا مرنے والے نے؟ وہ کہتے ہیں جی کہ قرضہ دو ہزار درہم تھا۔ کتنا تھا؟ دو ہزار۔ تو ان کے ساتھ جس کی یہ تصدیق کریں اس کا معاملہ کریں گے۔ مُوصٰی لَھُمْ نے جتنے کی تصدیق کی تھی وہ سارا ان پر آیا یا اس کا ثُلُث آیا؟ اس کا ثُلُث آیا تھا۔ تو اب جتنے کی انہوں نے تصدیق کی تھی اس کو نہیں دیکھنا، وہ انہوں نے اپنے حق میں تصدیق کی تھی، اب وارثوں سے علیحدہ تصدیق کروائیں گے کہ آپ کتنے کی تصدیق کرتے ہیں یہ پانچ ہزار کا دعویٰ کر رہا ہے۔ تو مثلاً وہ کہتے ہیں جی ہم دو ہزار کی تصدیق کرتے ہیں، دو ہزار قرضہ تھا ہمارے علم کے مطابق اس سے زیادہ نہیں تھا۔ تو یہ جو دو ہزار ہے یہ سارا وارثوں سے نہیں لیں گے، وارثوں کے پاس تو مال کا کتنا حصہ آیا ہے؟ دو ثُلُث آیا ہے، تو ان پر قرضے کا بھی دو ثُلُث آ جائے گا، یعنی جس دو ہزار کی یہ تصدیق کر رہے ہیں اس دو ہزار کے تین حصے کر دیں گے اور اس تین میں سے دو حصے جو ہیں وہ ان وارثوں پر آ جائے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ حاصلِ کلام پھر سن لیں کہ ایک شخص نے مرنے سے پہلے اپنے وارثوں سے کہا کہ فلاں شخص کا میں نے دَین دینا ہے وہ آ جائے تو اس کی تصدیق کر دینا، تو اس صورت میں وارث جو ہیں وہ ثُلُث تک اس کی تصدیق کے پابند ہوتے ہیں آپ نے پچھلے مسئلے میں پڑھا، لیکن یہاں اس نے وصیت بھی کر رکھی ہے ثُلُثِ مال کی، تو گویا اب تصدیق صرف وارثوں سے نہیں کروانی بلکہ مُوصٰی لَھُمْ جو ہیں جن کے لیے وصیت کی ہے ثُلُثِ مال کی ان سے بھی تصدیق کروانی ہے۔ تو وارثوں سے بھی تصدیق کروانی ہے اور مُوصٰی لَھُمْ سے بھی، تو یہ نہ ہو کہیں دونوں آپس میں اختلاف کریں پھر ادائیگی میں دشواری ہوگی، لہٰذا ابھی سے کیا کر دو؟ دونوں کے حصے الگ کر دو: ایک ثُلُث کس کو دے دو، دینا نہیں، ایک ثُلُث علیحدہ کر دو کس کا؟ مُوصٰی لَھُمْ کا، اور دو ثُلُث کس کے علیحدہ کر دو؟ وارثوں کے۔ پھر جب وہ دَائن آیا اس نے قرضے کا دعویٰ کیا

تو پھر مُوصٰی لَھُمْ سے الگ کہا جائے گا کہ یہ اتنا دعویٰ کر رہا ہے آپ کتنے کی تصدیق کرنا چاہتے ہیں؟ پھر جتنے کی وہ تصدیق کر دیں اس کا ثُلُث ان سے لے لیا جائے گا ان کے مال میں سے۔ ان کے مال میں سے اس کا ثُلُث لے اس کو دے دیں گے، چاہے سارا ثُلُث ہی کیوں نہ اس کے اندر ختم ہو جائے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ اس کا صرف ثُلُث ان کے مال

میں سے لے لیں گے۔ پھر اس کے بعد وارثوں سے علیحدہ تصدیق کروائیں گے کہ آپ کتنے میں تصدیق کرتے ہیں؟ پھر جتنے کی وہ تصدیق کریں، اس تصدیق شدہ کے دو ثُلُث کس کے حصے میں سے لے لیے جائیں گے؟ وارثوں کے حصے میں سے لے کر اس کو ادا کر دیے جائیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور اگر اس کا دعویٰ زائد تھا، جیسے میں نے ابھی مثال ذکر کی کہ وہ پانچ ہزار کا دعویٰ کر رہا ہے اور یہ کتنے میں تصدیق کر رہے ہیں؟ دو ہزار میں۔ تو پھر اس صورت میں یاد رکھو قسم بھی کھلوائی جائے گی مُوصٰی لَهُمْ کو بھی اور وارثوں کو بھی۔

فرض کرو اگر وہ آیا تھا اور اس نے کہا تھا جی کہ میرا دَین ہی ایک ہزار ہے اور کل مال اس نے چھوڑا ہے چھ ہزار۔ کتنا مال چھوڑا ہے؟ چھ ہزار میں سے دو ہزار کس کا حصہ علیحدہ کر لیا ہم نے؟ مُوصٰی لَهُمْ کا، اور چار ہزار دو ثُلُث وہ جو ہے وہ کس کا حصہ علیحدہ کر لیا؟ وارثوں کا۔ تو اب مُوصٰی لَهُمْ کا حصہ ہے دو ہزار۔ اب وہ دَائن آیا اور اس نے آکر کہا جی کہ میرا قرضہ تو ایک ہزار درہم تھا۔ کتنا تھا؟ ایک ہزار۔ اور اب ہم نے سب سے پہلے کس سے پوچھنا ہے؟ مُوصٰی لَهُمْ سے، اور پھر کس سے پوچھنا ہے؟ وارثوں سے۔ تو مُوصٰی لَهُمْ سے ہم نے پوچھا کہ یہ ایک ہزار دَین کا دعویٰ کر رہا ہے آپ کتنے میں تصدیق کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا ہم سارے میں تصدیق کرتے ہیں، ایک ہزار درہم تو تھا۔ چنانچہ پورا ایک ہزار ان سے نہیں لیں گے بلکہ ایک ہزار کا ثُلُث لے لیں گے، وہ ادا کر دیں گے اور باقی ان کا ہو گیا۔ اور باقی پھر وارثوں کے پاس آئے، وارثوں کو بھی کہا یہ کتنے کا دعویٰ کر رہا ہے؟ ایک ہزار کا۔ تو انہوں نے کہا ہاں ٹھیک ہے ایک ہزار میں ہم بھی تصدیق کرتے ہیں۔ چنانچہ وارثوں کے جو چار ہزار ہیں اس میں سے باقی اس کے قرضے ایک ہزار کے جو دو ثُلُث باقی ہیں وہ ان کو ادا کر دیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اور اگر اس نے زیادہ کا دعویٰ کیا تھا، جیسے میں نے مثال ذکر کی پانچ ہزار کا مثلاً اس نے دعویٰ کیا ہے، تو اب مُوصٰی لَهُمْ کے پاس آئے اور ان سے کہا آپ کتنے میں تصدیق کرتے ہیں یہ دعویٰ تو پانچ ہزار کا کر رہا ہے۔ انہوں نے کہا نہیں پانچ ہزار نہیں تین ہزار دَین تھا۔ کتنا تھا؟ تین ہزار۔ تو اس تین ہزار کا ثُلُث کتنا بنتا ہے؟ ایک ہزار۔ یہ مُوصٰی لَهُمْ کے حصے میں سے لے کر ان کو دے دیا جائے گا۔ اور دعویٰ تو زیادہ کا ہے اور یہ تصدیق کم کی کر رہے ہیں، تو پھر ان سے قسم بھی لی جائے گی کیونکہ زائد کا گویا وہ انکار کر رہے ہیں۔ پانچ ہزار میں سے تین ہزار کا وہ اقرار کر رہے ہیں اور دو ہزار کا انکار کر رہے ہیں، اور مدعی کے ذمہ ہوتا ہے بَيِّنَة اور منکر کے ذمے ہوتی ہے قسم۔ تو دَائن تو ہے مدعی، اس کے پاس تو گواہ کوئی نہیں، تو لہٰذا اب ان کو قسم کھلوائیں گے جو منکر ہیں مُوصٰی لَهُمْ۔ وہ کتنے کی تصدیق کر رہے ہیں؟ تین ہزار کی، اور دعویٰ کتنے کا ہے؟ پانچ ہزار۔ گویا دو ہزار کا وہ انکار کر رہے ہیں، دو ہزار کا انکار۔ تو وہ منکر ہوئے اور منکر پر کیا آتی ہے؟ قسم۔ لہٰذا ان سے قسم کھلوائی جائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو قسم کھلوائیں گے، لیکن یاد رکھنا یہاں قسم جو ہے وہ قطعی قسم نہیں کھلوائیں گے بلکہ علم پر قسم کھلوائیں گے۔ مطلب ان کو یہ نہیں کہیں گے کہ قسم اٹھاؤ تین ہزار سے زیادہ قرضہ نہیں تھا، نہیں یہ قسم نہیں کھلوائیں گے، بلکہ یہ قسم کھلوائیں گے کہ تم قسم اٹھاؤ کہ تمہیں تین ہزار سے زیادہ قرضے کا علم نہیں ہے۔ یہ قسم نہیں کھلوائیں گے کہ قسم اٹھاؤ کہ اس سے زیادہ قرضہ نہیں تھا، یہ نہیں قسم اٹھوائیں گے۔ کیوں؟ کیونکہ قرضہ انہوں نے نہیں لیا، قرضہ میت نے لیا تھا بھئی۔ اگر انہوں نے قرضہ لیا ہوتا پھر تو ہم یہ قسم کھلواتے کہ قسم کھاؤ اتنا قرضہ تھا یا قرضہ نہیں تھا۔ اپنے فعل پر جب قسم اٹھاتا ہے انسان تو وہاں تو پھر نفی پہ قسم اٹھا لیتا ہے کہ اللہ کی قسم ایسا نہیں تھا، لیکن جب دوسرے کے بارے میں قسم اٹھاتا ہے وہاں تو صرف اپنے علم پر قسم اٹھا سکتا ہے کہ واللہ میرے علم کے مطابق اس سے زیادہ قرضہ نہیں تھا بھئی، میرے علم، کیونکہ میں نے خود یہ قرضہ نہیں لیا، قرضہ تو کس نے لیا تھا؟ میت نے لیا تھا، لیکن ہمارے علم کے مطابق اس سے زیادہ دَین نہیں تھا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہاں اگر زائد کا دعویٰ ہے تو پھر اس کی نفی پر قسم بھی کھلوائیں گے، لیکن قسم ان کے فعل کی نفی پر نہیں کھلوائیں گے کیونکہ فعل تو ان کا ہے ہی نہیں، فعل تو میت کا ہے، پھر کس چیز پر قسم کھلوائیں گے؟ ان کے علم کی نفی پر قسم کھلوائیں گے کہ قسم اٹھاؤ تمہارے علم کے مطابق اس سے زیادہ قرضہ نہیں تھا بھئی۔ چنانچہ وہ دے دیں گے۔

پھر اس کے بعد وارثوں کے پاس آئے بھئی، اور پھر وارثوں سے کہا کہ وہ مثلاً کتنا دعویٰ کر رہا ہے؟ پانچ ہزار کا، تم کتنے کی تصدیق کرتے ہو؟ انہوں نے بھی جتنی مقدار میں تصدیق کر دی اس کا دو ثُلُث دے دیں گے، اور پھر باقی اگر زائد ہے تو ان سے قسم کھلوائیں گے کہ تم قسم اٹھاؤ اپنے علم پر کہ ہمیں اس سے زیادہ قرضے کا علم نہیں ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو چنانچہ جتنے میں وہ تصدیق کریں، مُوصٰی لَهُمْ سے اس کا ثُلُث دلا دیں گے، اور وارث جتنے میں تصدیق کریں اس کے دو ثُلُث وارثوں سے اس کو دلوا دیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: فَإِنْ أَوْصٰى مَعَ ذٰلِكَ، اگر اس نے وصیت بھی کی مَعَ ذٰلِكَ اس دَین کے ساتھ۔ پچھلے مسئلے میں اس نے کس چیز کی تصدیق کا حکم دیا تھا؟ دَین کی۔ تو مَعَ ذٰلِكَ، ذٰلِكَ سے اشارہ ہے اس دَین کی طرف۔ فَإِنْ أَوْصٰى مَعَ ذٰلِكَ، اگر اس شخص نے وصیت بھی کی اس دَین کے ساتھ ساتھ، تو عُزِلَ ثُلُثٌ لَهَا، تو جدا کر دیا جائے گا ایک ثُلُث لَهَا أَيْ لِلْوَصِيَّةِ، هَا ضمیر کس کو راجع؟ وصیت کو۔ تو ایک ثُلُث جو ہے وہ جدا کر دیا جائے گا وصیت کی وجہ سے، کیونکہ ایک ثُلُث میں کیا نافذ کرنی ہے؟ وصیت۔ تو ایک ثُلُث جدا کر دیا جائے گا ترکے میں سے وصیت کے لیے، وَثُلُثَاهُ لِلْوَرَثَةِ، اور اس ترکے کے دو ثُلُث جو ہیں وہ وارثوں کے ہوں گے۔ یعنی ابھی دینے نہیں ہیں صرف جدا کر دیے، کیونکہ ابھی ہم نے اس میں سے دَین کی ادائیگی کرنی ہے، پھر اس کے بعد ترکہ وارثوں کے حوالے کریں گے اور وصیت مُوصٰی لَهُمْ کے حوالے کریں گے، ابھی صرف

ہم نے علیحدہ علیحدہ کر دیے۔ عُزِلَ، جدا کر دیا جائے گا ثُلُثُ لَهَا، ثُلث ترکے کی وجہ سے، وَثُلُثَاهُ لِلْوَرَثَةِ، اور دو ثُلث وارثوں کے لیے۔

وَقِيلَ لِكُلٍّ، اور پھر ان میں سے ہر ایک کو کہا جائے گا یعنی وارثوں کو بھی کہا جائے گا اور مُوصٰی لَهُمْ کو بھی کہا جائے گا: صَدِّقُوهُ فِيمَا شِئْتُمْ، کہ تم اس دَائن کی تصدیق کرو فِيمَا شِئْتُمْ جتنے میں تم چاہو، جتنی مقدار تمہارا دل کرے اس کی تصدیق کر دو۔ وَيُؤْخَذُ ذُو الثُّلُثِ بِثُلُثِ مَا أَقَرُّوا بِهِ، اور مأخوذ ہوگا، يُؤْخَذُ مأخوذ یعنی ذمہ دار ہوگا ذُو الثُّلُثِ تیسرے حصے والا، تیسرے حصے والا کون ہے؟ مُوصٰی لَهُمْ، وہ ذمہ دار ہوگا بِثُلُثِ مَا أَقَرُّوا بِهِ، اس کے ثُلث کا جس کا انہوں نے اقرار کیا۔ انہوں نے ہزار کا اقرار کیا تو سارا ہزار نہیں لیں گے بلکہ ثُلث لیں گے کیونکہ ان کو مال میں سے ثُلث ملا ہے۔ وَمَا بَقِيَ فَلَهُمْ، تو ایک ثُلث دے دیں گے اور جو ایک ثُلث کے بعد باقی بچ گیا ثُلث میں سے فَلَهُمْ وہ مُوصٰی لَهُمْ کا ہے۔ مُوصٰی لَهُمْ کے لیے ہم نے مال کا کتنا حصہ علیحدہ کیا تھا؟ ایک ثُلث۔ اس ایک ثُلث میں سے انہوں نے دَائن کی تصدیق کر دی ایک ہزار میں سے، اور جتنے کی تصدیق کی اس کا ثُلث کس کو دے دیا؟ دَائن کو دے دیا۔ اتنا دَائن کو دے دیں گے اور جو باقی بچے گا وہ پھر کس کا رہ جائے گا؟ وہ اب مُوصٰی لَهُمْ کو دے دیں گے۔ یہ بات کر رہے ہیں وَمَا بَقِيَ فَلَهُمْ، اور وہ جو باقی بچ جائے گا ثُلث میں سے تو وہ مُوصٰی لَهُمْ کا ہوگا۔

وَالْوَرَثَةُ بِثُلُثَيْ مَا أَقَرُّوا بِهِ، اور وارث جو ہوں گے وہ ذمہ دار ہوں گے دو ثُلث کا جس کا وہ اقرار کریں۔ جس کا وہ اقرار کریں اس کے دو ثُلث کے وہ ذمہ دار ہوں گے، وہ ان کے حصے میں سے دیا جائے گا۔ وَيُحَلَّفُ كُلٌّ عَلَى الْعِلْمِ بِدَعْوَى الزِّيَادَةِ، اور قسم کھلائی جائے گی، حَلَّفَ يُحَلِّفُ تَحْلِيفٌ کا معنی ہے دوسرے کو قسم کھلانا، اور قسم کھلائی جائے گی كُلٌّ ہر ایک کو یعنی مُوصٰی لَهُمْ کو بھی اور وارثوں کو بھی، ان کو قسم کھلائی جائے گی عَلَى الْعِلْمِ، کس چیز پر قسم؟ علم پر قسم کھلوائی جائے گی، فعل پر قسم نہیں کیونکہ وہ قرضہ لینے کا فعل انہوں نے نہیں کیا، تو علم پر قسم کھلوائی جائے گی بِدَعْوَى الزِّيَادَةِ، زیادتی کے دعوے کی صورت میں۔ جب اس نے جتنے کی وہ تصدیق کر رہے ہیں اس تصدیق سے زیادہ کا اس نے دعویٰ کیا ہے تو اس صورت میں پھر ان کو قسم بھی کھلوائیں گے ان کے علم پر بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

أَيْ أَوْصٰى مَعَ ذٰلِكَ الدَّيْنِ الَّذِي أَمَرَ بِتَصْدِيقِ مِقْدَارِهِ، یعنی وصیت کی وصیت کرنے والے نے اس دَین کے ساتھ، وہ دَین الَّذِي أَمَرَ بِتَصْدِيقِ مِقْدَارِهِ جس کا اس نے حکم دیا تھا اس کی مقدار کی تصدیق کرنے کا۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ پھر سنیں: أَيْ أَوْصٰى مَعَ ذٰلِكَ الدَّيْنِ الَّذِي أَمَرَ بِتَصْدِيقِ مِقْدَارِهِ، یعنی اس نے وصیت کی اس دَین کے ساتھ جس کی مقدار کی تصدیق کا اس نے حکم دیا تھا، بِثُلُثِ مَالِهِ لِقَوْمٍ، کیا وصیت کی؟ بِثُلُثِ مَالِهِ لِقَوْمٍ، اپنے ثُلث مال کی کچھ لوگوں کے لیے، تو يُعْزَلُ ثُلُثُ الْمَالِ لِلْوَصِيَّةِ، تو جدا کیا جائے گا ثُلث مال وصیت کے لیے، وَالثُّلُثَانِ لِلْوَرَثَةِ، اور دو ثُلث وارثوں کے لیے۔ وَقِيلَ لِلْمُوصٰى لَهُمْ، اور مُوصٰی لَهُمْ سے کہا جائے گا: صَدِّقُوهُ فِيمَا شِئْتُمْ، کہ تم اس دَائن کی تصدیق کرو جتنی مقدار میں تم چاہو، جتنی مقدار میں چاہتے ہو اس کی کیا کر دو؟ تصدیق کر دو۔ فَإِذَا أَقَرُّوا بِمِقْدَارٍ، جب وہ اقرار کر لیں کسی مقدار کا، فَثُلُثُ ذٰلِكَ

الْمِقْدَارِ يَكُونُ فِي حَقِّهِمْ، تو ثُلُث اس مقدار کا جو ہے وہ ان کے حق میں سے ہوگا۔ وہ جو انہوں نے اقرار کیا اس کا ثُلُث ان کے حق میں سے لے لیں گے۔ اور ان کا حق کتنا ہے؟ کہتے ہیں وَهُوَ ثُلُثُ الْمَالِ، وہ ثُلُثِ مال ہے۔ ان کا حق چونکہ ثُلُثِ مال، تو قرضے کا بھی ان کے مال میں سے ثُلُث دلایا جائے گا ان کو۔ وَمَا بَقِيَ مِنَ الثُّلُثِ فَلِلْمُوصٰى لَهُمْ، اور اس ثُلُث میں سے پھر جو باقی بچ گیا وہ مُوصٰی لَهُمْ کا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَيُقَالُ لِلْوَرَثَةِ، اور وارثوں سے کہا جائے گا: صَدِّقُوهُ فِيمَا شِئْتُمْ، کہ تم اس دَائن کی تصدیق کرو جتنی مقدار میں تم چاہو۔ فَإِذَا أَقَرُّوا بِشَيْءٍ، جب وہ اقرار کر لیں کسی چیز کا، فَثُلُثَا ذٰلِكَ الشَّيْءِ يَكُونُ فِي حَقِّهِمْ، تو اس چیز کے دو ثُلُث جو ہیں ان وارثوں کے حق میں سے لیں گے، اور ان کا حق کتنا ہے؟ وَهُوَ ثُلُثَا الْمَالِ، وہ بھی وہ دو ثُلُث ہے۔ جب ان کا حصہ دو ثُلُث تو قرضے کا بھی حصہ ان پر دو ثُلُث ہی آئے گا۔ وَالْبَاقِي لِلْوَرَثَةِ، اور جو باقی بچے گا وہ وارثوں کا ہوگا۔ وَحُلِّفَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُوصٰى لَهُ وَالْوَرَثَةِ عَلَى الْعِلْمِ بِدَعْوَى الزِّيَادَةِ، اور قسم کھلائی جائے گی ہر ایک کو مُوصٰی لَهُ اور وارث میں سے، ان میں سے ہر ایک کو قسم کھلائی جائے گی عَلَى الْعِلْمِ، ان کے علم پر بِدَعْوَى الزِّيَادَةِ، زائد کے دعوے کی صورت میں۔ جب زائد کا دعویٰ ہو پھر ان کے علم پر ان سے قسم کھلوائی جائے گی کہ وہ قسم اٹھائیں کہ واللہ یہ جو قرضہ تھا ان کے علم کے مطابق اس سے زیادہ نہیں تھا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَبِعَيْنٍ لِوَارِثٍ وَأَجْنَبِيٍّ لَهُ نِصْفٌ وَخَابَ الْوَارِثُ: صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے وصیت کی کہ مثلاً یہ دس لاکھ روپیہ زید کو اور میرے بیٹے کو دے دینا۔ دس لاکھ روپیہ معین مقدار کس کے لیے وصیت کی؟ زید جو ایک اجنبی ہے، اور اپنے بیٹے کے لیے جو کہ اس کا وارث ہے۔ تو اب یہ دس لاکھ کیسے تقسیم کریں گے؟ کہتے ہیں بھئی ہم آپ کو پہلے ضابطہ بتا چکے ہیں کہ وارث کے لیے وصیت جائز نہیں، لہٰذا یہ دس لاکھ ان دونوں کا حصہ بنتا ہے، وارث کا بھی اور اجنبی کا بھی، لیکن وارث کو تو ہم دے نہیں سکتے تو لہٰذا اجنبی کو آدھا حصہ دے دیں گے اور وارث کو کوئی کچھ بھی نہیں ملے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَبِعَيْنٍ لِوَارِثٍ وَأَجْنَبِيٍّ، کسی معین چیز کی وصیت وارث کے لیے اور اجنبی کے لیے کی، تو اس صورت میں لَهُ نِصْفٌ، اس اجنبی کے لیے اس معین مقدار کا نصف ہوگا، وَخَابَ الْوَارِثُ، خَابَ يَخِيبُ خَيْبَةً کا معنی ہے محروم ہونا، وَخَابَ الْوَارِثُ، اور وارث جو ہے وہ محروم ہوگا۔ کہتے ہیں وَإِنَّمَا يَكُونُ لِلْأَجْنَبِيِّ النِّصْفُ، یہ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ کہ پچھلے مسئلے میں آپ نے بتلایا تھا ایک شخص نے وصیت کی زید اور عمرو کے لیے اور عمرو مر چکا ہے، تو آپ نے کہا تھا سارا ثُلُث کس کو دے دو؟ زید کو دے دو۔ اور وہاں آپ نے کیا کہا تھا کہ چونکہ میت اہل نہیں ہے وصیت کی تو میت كَالْعَدَم ہے اس کو شمار ہی نہیں کریں گے اور یوں سمجھیں گے سارے ثُلُث کی وصیت گویا زید کے لیے کی ہے۔ اور یہاں پر بھی اسی طرح ہے، وارث جو ہے وہ وصیت کا اہل نہیں ہے تو لہٰذا سارا وہ مال کس کو ملنا چاہیے وصیت والا؟ اس اجنبی کو۔ تو جواب دیں گے کہ نہیں بھئی، کہ میت تو اہل نہیں ہے وصیت کی لیکن وارث تو اہل ہے، وارث کیا ہے؟

وصیت کا اہل ہے، لیکن وارث ہونے کی وجہ سے ممانعت آگئی، کیونکہ وارث زندہ تو ہے نا، زندہ انسان ہے، لیکن چونکہ وہ وارث بن رہا ہے یہ مانع آگیا اس لیے اس کو کچھ نہیں ملے گا۔ تو اہلیت ہے لیکن مانع آگیا، اور میت میں تو سرے سے اہلیت ہی نہیں تھی، تو دونوں بالکل الگ الگ صورتیں ہیں۔

تو کہتے ہیں: وَإِنَّمَا يَكُونُ لِلْأَجْنَبِيِّ النِّصْفُ، کہتے ہیں اجنبی کے لیے نصف ہوگا، لِأَنَّ الْوَارِثَ أَهْلُ الْوَصِيَّةِ، اس لیے کیونکہ وارث جو ہے وہ وصیت کا اہل ہے، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصٰى بِهِ لِلْحَيِّ وَالْمَيِّتِ، بخلاف اس کے

جَب وصیت کی ایک زندہ اور ایک مردہ کے لیے، فَإِنَّ الْمَيِّتَ لَيْسَ بِأَهْلٍ، کیونکہ میت جو ہے وہ تو اہل نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو وارث اہل ہے۔ چنانچہ اسی لیے یاد رکھو وارثوں میں مال تقسیم کرتے ہیں تو کچھ وارث محروم ہو جاتے ہیں۔ کچھ وارث کیا ہو جاتے ہیں؟ محروم۔ مثلاً ایک شخص کا انتقال ہوا، اس کے بیٹے بھی موجود اور باپ بھی موجود اور بھائی بھی موجود۔ تو یاد رکھو بیٹے اور باپ کے ہوتے ہوئے بھائیوں کو کچھ نہیں ملتا۔ ہاں اگر بیٹے اور باپ نہ ہوتے، باپ، دادا، پردادا اوپر تک، اور نیچے بیٹا، پوتا، پڑپوتا نیچے کوئی بھی نہ ہوتا، کوئی مذکر نہ نیچے کی طرف ہوتا نہ اوپر کی طرف، پھر بھائیوں کو ملنا تھا مال۔ تو بھائی وارث تو ہیں لیکن اس وقت ان کو حصہ مل رہا ہے جب باپ بیٹا موجود ہوں؟ کچھ نہیں مل رہا۔ لیکن وارث ہیں، شریعت ان کو وارث بناتی ہے یا نہیں بناتی بعض صورتوں میں؟ تو یہاں رکاوٹ آگئی، رکاوٹ نہ آتی تو انہوں نے وارث بننا تھا اور ان کو بھی حصہ ملنا تھا۔ تو ایسا وارث جو محروم ہو رہا ہو اس کے لیے وصیت جائز ہے۔ اس کے لیے وصیت جائز ہے۔ ہاں جس کو حصہ ملنا ہے اس کے لیے وصیت جائز نہیں ہے۔ تو بھائی اگر محروم ہو رہے ہیں اور مرنے والا ان کو کچھ مال دینا چاہتا ہے تو وصیت کر کے دے سکتا ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

وَبِثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ مُتَفَاوِتَةٍ لِكُلِّ الرَّجُلُ: صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے مرنے سے پہلے وصیت کی، تین مختلف قسم کے کپڑے تھے، ایک کپڑا اعلیٰ قسم کا، ایک کپڑا ادنیٰ قسم کا اور ایک کپڑا متوسط تھا۔ اس نے کہا یہ جو اعلیٰ کپڑا ہے یہ زید کو دے دینا، یہ جو متوسط کپڑا ہے یہ عمرو کو دے دینا، اور یہ جو ادنیٰ درجے کا کپڑا ہے یہ بکر کو دے دینا۔ پھر اس شخص کا انتقال ہو گیا اور وہ کپڑے ابھی ہم نے وصیت والوں کو نہیں دیے تھے کہ ان میں سے ایک کپڑا ہلاک ہو گیا، ضائع ہو گیا۔ اب یہ پتا نہیں یہ کپڑا کون سا ہلاک ہوا ہے؟ اعلیٰ والا ہلاک ہوا ہے یا متوسط والا ہلاک ہوا ہے یا ادنیٰ والا؟ اگر تعیین ہو جائے پھر تو پتا چل جائے گا کہ زید کا حصہ ہلاک ہوا ہے یا عمرو کا یا بکر کا، کیونکہ زید کے لیے سب سے اعلیٰ والا ہے، بکر کے لیے سب سے ادنیٰ والا اور عمرو کے لیے متوسط درجے والا ہے۔ تو اگر ہمیں پتا لگ جائے فلاں قسم کا کپڑا ہلاک ہوا ہے، سب سے اعلیٰ ہلاک ہوا ہے معلوم ہوا زید کا حصہ ہلاک ہو گیا باقیوں کو ان کا حصہ دے دو۔ لیکن اب یہاں پتا ہی نہیں ہے کہ کون سا کپڑا ہلاک ہوا ہے، تو اس صورت میں یاد رکھیں: ایک صورت یہ ہے کہ یہ وصیت ہی باطل ہو جائے۔ اور وہ کیا؟ مثلاً وہ

لینے آئے اپنا حصہ لینے آئے، اب وارثوں کو پتا نہیں چل رہا کہ کون سا کپڑا کس کا حق ہے، تو زید لینے آیا انہوں نے کہا بھئی آپ کا حصہ تو ہلاک ہو چکا ختم ہو چکا۔ پھر عمرو لینے آیا پھر ان کے ذہن میں آیا شاید اس کا حصہ ہلاک ہوا ہے، اس کو بھی کہا تمہارا حصہ ہلاک ہو چکا۔ پھر خیال آیا کہ نہیں شاید سب سے ادنیٰ ہلاک ہوا ہے، تو پھر اس کے بعد وہ بکر لینے آیا اس کو بھی انہوں نے کہہ دیا کہ تمہارا حصہ ہلاک ہو چکا ہے۔ تو یاد رکھیے اس صورت میں وصیت باطل ہو گئی۔ کیونکہ کون سا کس کا حصہ ہے یہ مجہول ہو گیا، اور مجہول ہونے کی وجہ سے اب کسی کو اس کا حق دینا ممکن نہ رہا، لہٰذا وصیت باطل ہو جائے گی۔ لیکن اگر وہ نیک لوگ تھے انہوں نے کہا بھئی جو کچھ بھی ہو ہمیں تو نہیں پتا چل رہا کون سا کس کا حصہ ہے لیکن بھئی تینوں آجاؤ یہ کپڑے ہیں یہ لے جاؤ بھئی۔

اب ظاہر سی بات ہے جو دو کپڑے بچ گئے ہیں ایک دوسرے کی بنسبت ایک اعلیٰ ہوگا اور دوسرا ادنیٰ ہوگا، ادنیٰ ہوگا۔ تو اب تقسیم کیسے کریں گے وہ مُوصٰی لَهُمْ آپس میں؟ تو کہتے ہیں: زید کے لیے چونکہ سب سے اعلیٰ کی وصیت تھی، لہٰذا ان دو کپڑوں میں سے جو اعلیٰ والا ہے اس کے دو ثُلُث زید کو دے دیں گے۔ اور جو بکر ہے اس کے لیے سب سے ادنیٰ کپڑے کی وصیت تھی، تو ان دو میں سے جو ادنیٰ والا ہے اس کے دو ثُلُث بکر لے لے گا۔ اور جو عمرو ہے اس کے لیے متوسط کپڑے کی وصیت تھی، تو وہ ایک ثُلُث اعلیٰ سے بچ گیا وہ لے لے گا اور ایک ثُلُث ادنیٰ سے بچ گیا وہ لے لے گا، تو اس کے لیے متوسط حصہ ہو گیا۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

دیکھیے بھئی: وَبِثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ مُتَفَاوِتَةٍ، اور تین مختلف کپڑوں کی وصیت لِكُلِّ الرَّجُلُ، ہر آدمی کے لیے، یعنی ہر آدمی کے لیے ایک ایک قسم کی ہے وصیت کی۔ إِنْ ضَاعَ ثَوْبٌ، اگر ایک کپڑا ضائع ہو گیا، وَلَمْ يُدْرَ أَيُّ هُوَ، اور یہ معلوم نہیں ہے کہ کون سا ہے وہ جو ہلاک ہوا ہے وہ کون سا والا ہلاک ہوا ہے، وَالْوَرَثَةُ تَقُولُ لِكُلٍّ، اور ورثاء جو ہیں وہ ہر ایک مُوصٰی لَهُمْ سے کہہ رہے ہیں: تَوِيَ حَقُّكَ، تَوِيَ يَثْوِي کا معنی ہے ہلاک ہونا برباد ہونا، تَوِيَ حَقُّكَ، تیرا حق برباد ہو گیا ہے ہلاک ہو چکا ہے، تو بَطَلَتْ، وصیت کیا ہو جائے گی؟ باطل ہو جائے گی کیونکہ حصہ مجہول ہو گیا ہر ایک کا۔ لٰكِنْ إِنْ سَلَّمُوا مَا بَقِيَ، لیکن اگر انہوں نے سپرد کر دیا وہ حصہ جو باقی ہے یعنی باقی دو کپڑے، أَخَذَ ذُو الْجَيِّدِ، عمدہ حصے والا یعنی کون تھا وہ؟ زید، زید لے لے گا ثُلُثَيِ الْأَعَزِّ، جو اعلیٰ کپڑا ہے اس کے دو ثُلُث لے لے گا۔ أَعَزّ کیا معنی؟ جو زیادہ عمدہ ہے اعلیٰ ہے، اس کے دو ثُلُث لے لے گا۔ وَذُو الرَّدِيءِ، اور وہ جو ردی حصے والا تھا یعنی بکر، وہ لے لے گا ثُلُثَيِ الْأَخَسِّ، جو سب سے خسیس اور سب سے گھٹیا کپڑا ہے اس کے دو ثُلُث لے لے گا۔ ان دو کپڑوں میں سے جو زیادہ خسیس ہے اس کے دو ثُلُث بکر لے لے گا۔ وَذُو الْمُتَوَسِّطِ ثُلُثَ كُلٍّ، اور متوسط حصے والا جو تھا متوسط کپڑے والا جو تھا، وہ ثُلُثَ كُلٍّ، وہ دونوں کپڑوں میں سے ہر ایک کا ثُلُث لے لے گا۔

دیکھیے خود تقریر کریں گے: أَيْ أَوْصٰى بِثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ مُتَفَاوِتَةٍ، ایک شخص نے وصیت کی تین مختلف قسم کے کپڑوں کی، جَيِّدٌ وَمُتَوَسِّطٌ وَرَدِيءٌ، وہ تین قسم کے کپڑے کیا ہیں؟ جَيِّدٌ عمدہ ہے وَمُتَوَسِّطٌ اور ایک متوسط ہے وَرَدِيءٌ اور ایک ردی

ہے یعنی گھٹیا ہے ادنیٰ ہے۔ وَقَالَ اور اس نے کہا: اَلْجَيِّدُ لِزَيْدٍ کہ جید جو ہے وہ عمدہ جو ہے وہ زید کے لیے ہے، وَالْمُتَوَسِّطُ لِعَمْرٍو اور متوسط کپڑا عمرو کے لیے ہے، وَالرَّدِيءُ لِبَكْرٍ اور ردی کپڑا جو ہے وہ بکر کے لیے ہے۔ فَهَلَكَ وَاحِدٌ، تو ان میں سے ایک کپڑا ہلاک ہو گیا ضائع ہو گیا، وَلَا يُدْرٰى أَيُّ هُوَ، اور یہ معلوم نہیں ہے کہ کون سا والا وہ کپڑا ہے یعنی کون سا کپڑا ہلاک ہوا ہے عمدہ یا متوسط۔ وَالْوَرَثَةُ تَقُولُ لِكُلِّ وَاحِدٍ، اور وارث جو ہیں وہ ہر ایک سے کہہ رہے ہیں: هَلَكَ حَقُّكَ، کہ آپ کا حق جو ہے وہ ہلاک ہو چکا ہے، فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ، تو وصیت باطل ہے کیونکہ کسی کے حق کا پتا ہی نہیں چل رہا مجہول ہو گیا۔ لٰكِنَّ الْوَرَثَةَ إِنْ تَسَامَحُوا، لیکن وارثوں نے اگر عفو و درگزر سے کام لیا، تَسَامُح کہتے ہیں چشم پوشی کرنا عفو و درگزر سے کام لینا، اگر انہوں نے عفو و درگزر سے کام لیا وَأَسْلَمُوا الثَّوْبَيْنِ، أَسْلَمُوا نہیں سَلَّمُوا ہونا چاہیے لیکن بہرحال دونوں کا معنی ایک ہی ہے حوالے کرنا لیکن زیادہ تر سَلَّمَ استعمال ہوتا ہے، وَأَسْلَمُوا الثَّوْبَيْنِ الْبَاقِيَيْنِ إِلٰى زَيْدٍ وَعَمْرٍو وَبَكْرٍ، لیکن انہوں نے عفو و درگزر سے کام لیا اور حوالے کر دیا باقی کے دو کپڑوں کو زید، عمرو اور بکر کے، تو أَخَذَ زَيْدٌ ثُلُثَيِ الْأَجْوَدِ مِنَ الثَّوْبَيْنِ، تو زید لے لے گا وہ جو عمدہ کپڑا ہے اس کے دو ثُلث، أَخَذَ زَيْدٌ لے لے گا زید ثُلُثَيِ الْأَجْوَدِ مِنَ الثَّوْبَيْنِ ان دو کپڑوں میں سے جو عمدہ والا ہے اس کے دو ثُلث وہ زید لے لے گا، وَأَخَذَ بَكْرٌ ثُلُثَيِ الرَّدِيءِ، اور بکر جو ہے اس ردی کپڑے کے دو ثُلث لے لے گا، وَعَمْرٌو ثُلُثَ كُلِّ وَاحِدٍ، اور عمرو جو ہے ان دونوں کپڑوں کا ایک ایک ثُلث لے لے گا۔

وَبِبَيْتٍ مُعَيَّنٍ مِنْ دَارٍ مُشْتَرَكَةٍ قُسِمَتْ فَإِنْ أَصَابَ الْمُوصِيَ فَهُوَ لِلْمُوصٰى لَهُ: صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص کا دوسرے شخص کے ساتھ مشترکہ گھر تھا، دونوں کا حصہ آدھا آدھا ہے اس گھر کے اندر۔ تقسیم نہیں کی کہ کون سا حصہ کس کا ہے، تقسیم کریں گے پتا نہیں کون سا حصہ اس کے حق میں، کون سا حصہ ایک کو ملتا ہے اور کون سا حصہ دوسرے کو ملتا ہے، کچھ پتا نہیں۔ تو اس وقت اس حالت میں جبکہ وہ مشترکہ گھر ہے، ایک شخص وصیت کرتا ہے زید کے لیے کہ اس گھر کا فلاں کمرہ جو ہے میرے مرنے کے بعد زید کو دے دینا۔ اس کے بعد تقسیم کی گئی گھر کی۔ وہ ہلاک ہو چکا، وہ وفات پا چکا، اب اس گھر کی تقسیم کی گئی، تو وہ جو کمرہ ہے وہ اس مُوصِي کے حق میں آگیا جس نے وصیت کی تھی، تو اس کو وہ والا کمرہ مل گیا، تو یہ کمرہ اب زید کو دیں گے اسی جس کے لیے اس نے وصیت کی تھی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ بشرطیکہ یہ ثُلث سے نکلتا ہو۔ یہ تو قید بار بار ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ ثُلث سے نکلے گا تو دیں گے ویسے نہیں، تو اگر ثُلث سے یہ کمرہ نکل آتا ہے تو یہ زید کو دے دیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور اگر یہ جو کمرہ ہے یہ دوسرے شخص کے حصے میں چلا گیا تقسیم کے بعد، وصیت کرنے والے کے حصے میں آیا ہی نہیں، تو پھر یہ معنی نہیں کہ اس کی وصیت باطل ہو گئی، نہیں زید کو اسی کمرے کے برابر کوئی دوسرا کمرہ یا جگہ دے دیں گے بھئی اس گھر میں سے۔

تو کہتے ہیں: وَبِبَيْتٍ مُعَيَّنٍ مِنْ دَارٍ مُشْتَرَكَةٍ، اور وصیت کی کسی معین کمرے کی، بَیْت کمرے کو کہتے ہیں، اور وصیت کی کسی معین کمرے کی مِنْ دَارٍ مُشْتَرَكَةٍ ایک مشترک گھر میں سے، تو قُسِمَتْ اس گھر کو کیا کیا گیا؟ تقسیم کیا گیا۔ فَإِنْ أَصَابَ

الْمُوصِيَ، تو اگر وہ کمرہ پہنچا وصیت کرنے والے کو یعنی اس کے حصے میں آیا، فَهُوَ لِلْمُوصٰى لَهُ، تو وہ مُوصٰى لَهُ کے لیے ہوگا۔ وَإِلَّا، اور اگر ایسا نہ ہو یعنی وہ کمرہ اس کے حصے میں نہیں آیا، فَلَهُ قَدْرُهُ، تو مُوصٰى لَهُ کے لیے اسی کے بقدر ہوگا یعنی اس جیسا ایک اور کمرہ یا اتنی جگہ دے دی جائے گی۔

أَوْصٰى زَيْدٌ لِعَمْرٍو بِبَيْتٍ مُعَيَّنٍ مِنْ دَارٍ مُشْتَرَكَةٍ بَيْنَ زَيْدٍ وَبَكْرٍ، وصیت کی زید نے عمرو کے لیے ایک معین کمرے کی ایک ایسے گھر میں سے جو مشترک تھا زید اور عمرو کے درمیان، تو يَجِبُ أَنْ تُقْسَمَ الدَّارُ، تو واجب ہے کہ اس گھر کو تقسیم کیا جائے۔ کیا ہے؟ اس گھر کو تقسیم کیا جائے۔ مر گیا نا وصیت کرنے والا تو مر گیا، بعد میں کیا کریں گے؟ گھر کو تقسیم کریں گے کیونکہ زید کو اس کا کمرہ دینا ہے بھئی، وصیت نافذ کرنی ہے، تو يَجِبُ أَنْ تُقْسَمَ الدَّارُ تو واجب ہے کہ اس گھر کو تقسیم کیا جائے۔ فَإِنْ وَقَعَ الْبَيْتُ فِي نَصِيبِ زَيْدٍ، اگر وہ کمرہ زید کے حصے کے اندر آیا، وصیت کس نے کی؟ زید نے، اچھا کمرہ کس کو دینا ہے؟ عمرو کو دینا ہے، تو وہ واجب ہے کہ تقسیم کریں گے تاکہ عمرو کو اس کا حصہ دیا جائے جو کمرے کی وصیت ہوئی تھی اس کے لیے۔ فَإِنْ وَقَعَ الْبَيْتُ فِي نَصِيبِ زَيْدٍ، اگر وہ کمرہ واقع ہو گیا زید کے حصے میں، فَهُوَ لِلْمُوصٰى لَهُ، تو وہ کمرہ مُوصٰى لَهُ یعنی عمرو کو دے دیں گے اس کے لیے ہو جائے گا۔ وَإِنْ وَقَعَ فِي نَصِيبِ الشَّرِيكِ، اور اگر وہ کمرہ جو ہے شریک کے حصے میں آگیا، تو فَلِلْمُوصٰى لَهُ مِثْلُ ذِرَاعِ ذٰلِكَ الْبَيْتِ مِنْ نَصِيبِ الْمُوصِي، تو مُوصٰى لَهُ یعنی جو عمرو ہے اس کے لیے مِثْلُ ذِرَاعِ ذٰلِكَ الْبَيْتِ اسی گھر کی پیمائش کے مثل ہوگا مِنْ نَصِيبِ الْمُوصِي کس کے حصے میں سے؟ مُوصِي یعنی زید جو وصیت کرنے والا ہے اس کے حصے میں جو گھر آگیا، گھر کا حصہ۔ ادھر دیکھیے: زید یعنی وصیت کرنے والا تھا، اس کو گھر کا جو حصہ مل گیا اس میں سے اس کمرے کی پیمائش جتنا ایک کمرہ یا اتنی زمین کیا کریں گے؟ دے دیں گے مُوصٰى لَهُ یعنی عمرو کو۔ وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللهُ، اور یہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔

وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ لَهُ مِثْلُ ذِرَاعِ نِصْفِ ذٰلِكَ الْبَيْتِ، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ کمرہ مُوصِي کے حصے میں آگیا، وصیت کرنے والے کے حصے میں آگیا، تو شیخین رحمہما اللہ کیا فرماتے تھے؟ پورا کمرہ مُوصٰى لَهُ کو دے دو۔ لیکن امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پورا کمرہ مُوصٰى لَهُ کو نہیں دیں گے، آدھا کمرہ دیں گے۔ اگر یہ پورا کمرہ بھی مُوصِي کے حصے میں آگیا تو بھی پورا کمرہ نہیں دیں گے بلکہ آدھا کمرہ، اور اگر یہ کمرہ دوسرے آدمی کے حصے میں چلا گیا تو اب جو عمرو کو حصہ دینا ہے تو پورے کمرے جتنا حصہ نہیں دیں گے بلکہ آدھے کمرے جتنا حصہ دیں گے۔ بھئی یہ کیا وجہ ہے؟ امام محمد رحمہ اللہ کیوں فرماتے ہیں آدھا کمرہ یا آدھا حصہ دیں گے؟ وجہ یہ: امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب مُوصِي نے وصیت کی تو اس وقت یہ کمرہ مشترکہ تھا، تو اس کمرے کے اندر آدھا حصہ مُوصِي یعنی زید کا تھا اور آدھا حصہ دوسرے آدمی دوسرے شریک کا ہے۔ تو زید کے لیے تو جائز ہی نہیں ہے پورے کمرے کی وصیت کرے کیونکہ یہ تو پورا کمرہ اس کا ہے ہی نہیں۔ تو اس کمرے میں اس کا آدھا حصہ ہے تو آدھے کے حصے کے اندر اس کی وصیت صحیح ہے اور آدھا دوسرے آدمی کا ہے وہ اس میں شریک

ہے تو اتنے حصے میں اس کی وصیت باطل ہو جائے گی۔ اس لیے نصف کمرہ دیں گے یا نصف کمرے جتنی پیمائش کی جگہ دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ لَهُ مِثْلُ

ذِرَاعِ نِصْفِ ذٰلِكَ الْبَيْتِ، کہ مُوصٰی لَهُ کے لیے اس کمرے کی نصف پیمائش کے برابر جگہ ہوگی اگر یہ اس کے حصے میں نہ آیا، اور اگر حصے میں آگیا تو نصف کمرہ ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ كَمَا فِي الْإِقْرَارِ، جیسے کس کے اندر ہوتا ہے؟ اقرار کے اندر۔

شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں، کہتے ہیں وصیت میں پورا کمرہ ملے گا جیسے اقرار کے اندر پورا کمرہ دیں گے۔ مثلاً ایک گھر تھا زید اور بکر کے درمیان مشترک تھا۔ اب وصیت والی صورت نہ بناؤ، اقرار والی صورت بناؤ۔ مکان ہے زید اور بکر کے درمیان مشترک، اور زید نے اقرار کیا لوگوں کے سامنے کہ اس گھر کا فلاں کمرہ جو ہے وہ عمرو کا ہے، وصیت نہیں ہے بلکہ کیا کر رہا ہے؟ اقرار کر رہا ہے۔ جب اقرار کر رہا ہے تو اب بعد میں اس گھر کی تقسیم کی گئی، اگر وہ کمرہ زید کے حصے میں آیا یعنی اقرار کرنے والے کے حصے میں، تو وہ کمرہ عمرو کو دینا پڑے گا کیونکہ زید نے کس کے لیے اقرار کیا تھا؟ عمرو کے لیے، تو عمرو کو یہ کمرہ دینا پڑے گا۔ اور اگر یہ کمرہ دوسرے آدمی یعنی بکر کے حصے میں چلا گیا تو پھر زید پر لازم ہوگا کہ گھر میں سے اس کمرے جتنی جگہ یا کوئی دوسرا کمرہ وہ عمرو کو دے دے، کیونکہ خود اس نے اقرار کیا ہے اور ہر آدمی اپنے اقرار کا ذمہ دار ہوتا ہے اس کا مواخذہ ہوتا ہے اس کے اقرار پر۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

اور پھر آگے آپ کو یہ بتلائیں گے کہ اس مسئلے میں امام محمد رحمہ اللہ بھی ایسا ہی فرماتے ہیں، اقرار کے اندر وہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر اسی کے حصے میں آیا زید کے حصے میں پورا کمرہ آیا تو پورا کمرہ اس کو عمرو کو دینا پڑے گا، اور اگر دوسرے آدمی کے حصے میں چلا گیا یہ کمرہ تو زید نے اقرار کیا ہے تو اس کو پورے کمرے جتنی جگہ دینی پڑے گی کیونکہ اس نے اقرار کیا ہے۔ اس میں وہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ تو بعض فرماتے ہیں اس مسئلے کے اندر وہ بھی شیخین رحمہما اللہ کے ساتھ ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ نہیں اس مسئلے میں بھی وہ اختلاف کرتے ہیں کہ اس اقرار کے اندر بھی آدھا ہی کمرہ دیں گے یا آدھے کمرے جتنی جگہ دیں گے بھئی۔

تو اس پر امام محمد رحمہ اللہ پر اشکال ہوتا ہے کہ اگر آدھا کمرہ دیں یا آدھے کمرے جتنی جگہ دیں تو پھر تو آپ کا یہ قول پچھلے قول جیسا ہی ہوا، اقرار میں بھی آپ کا وہی قول جو کس کے اندر تھا؟ وصیت کے اندر تھا، پھر تو کوئی فرق نہیں پھر تو آپ کا اصول ٹھیک ہے۔ لیکن اگر آپ کا وہ قول لے لیا جائے کہ آپ اس مسئلے میں کس کے ساتھ ہیں؟ شیخین رحمہما اللہ کے ساتھ، تو پھر کیا وجہ ہے؟ وصیت کے معاملے میں آپ نے کہا تھا آدھا کمرہ ملے گا یا آدھے کمرے جتنی جگہ ملے گی، اور اقرار کے مسئلے میں آپ کہتے ہیں پورا کمرہ ملے گا یا پورے کمرے جتنی جگہ، تو یہ آپ نے دونوں میں فرق کیوں کیا؟

تو اس کا جواب دیتے ہیں صاحبِ ہدایہ وغیرہ، وہ امام محمد رحمہ اللہ کی طرف سے جواب دیتے ہیں کہ وصیت اور اقرار میں فرق ہے۔ وصیت اپنے مال کے بارے میں تو کی جا سکتی ہے، دوسرے کے مال کے بارے میں وصیت نہیں کی جا سکتی۔ زید کی گاڑی ہے اور ایک شخص مرنے لگا اور اس نے کہا بھئی وہ جو زید کی گاڑی ہے اس کی میں وصیت کرتا ہوں کس کے لیے؟ بکر کے لیے۔ بھئی یہ گاڑی تو کس کی ہے؟ کسی اور کی ہے، یہ آپ کیسے وصیت کر سکتے ہیں؟ تو غیر کے مال کی وصیت تو نہیں کی جا سکتی، لیکن غیر کے مال کا اقرار کیا جا سکتا ہے۔ کیسے؟ مثلاً بکر کے پاس گاڑی تھی اور زید نے کہا کہ بھئی یہ گاڑی عمرو کی ہے، کس کی ہے؟ عمرو کی ہے۔ اب دیکھو یہ گاڑی کسی اور کی ہے اور زید اس کے لیے اقرار کر رہا ہے عمرو کے لیے اقرار کر رہا ہے۔ تو یہ معتبر ہے، چنانچہ اگر کسی وقت زید نے یہ گاڑی خرید لی تو عمرو یہ قاضی کے پاس جا کر مجبور کر سکتا ہے کہ قاضی صاحب اس نے اس گاڑی کا میرے لیے اقرار کیا تھا لہٰذا یہ گاڑی مجھے اب دلائی جائے۔ تو وصیت غیر کے مال کے بارے میں وہ تو صحیح نہیں لیکن اقرار غیر کے مال کے بارے میں صحیح ہے، اور وہ کب دلائیں گے؟ اگر وہ کبھی اس کا مالک بن گیا، پھر اس کے اقرار پر مواخذہ ہوگا، اگر مالک ہی نہیں ہے پھر مواخذہ نہیں۔

تو شیخین فرماتے ہیں کہ وصیت میں بھی مسئلہ جو ہے جیسے تھا، وصیت کے اندر کیا تھا اوپر؟ مُوصٰی لَهُ کو پورا کمرہ دیں گے یا پورے کمرے جتنی جگہ دیں گے، كَمَا فِي الْإِقْرَارِ، جیسے کس کے اندر ہے؟ اقرار کے اندر ہے۔ أَيْ إِنْ كَانَ مَكَانَ الْوَصِيَّةِ إِقْرَارٌ، یعنی اگر وصیت کی جگہ پر اقرار ہوا تو فَالْحُكْمُ كَذٰلِكَ، تب بھی حکم ایسا ہی ہے یعنی پورا کمرہ دیں گے یا کمرے جتنی جگہ دیں گے۔ قِيلَ بِالْإِجْمَاعِ، کہا گیا ہے یہ بالاجماع ہے یعنی ہمارے تینوں ائمہ کا اس پر اتفاق ہے، وَقِيلَ فِيهِ خِلَافُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ، اور کہا گیا ہے کہ اس میں امام محمد رحمہ اللہ کا اختلاف ہے، تو اس پر پھر اشکال ہوتا ہے کہ انہوں نے فرق اگر کیا تو فرق کیوں کیا؟ تو جواب دے دیا کیونکہ غیر کے مال کے بارے میں وصیت تو نہیں ہو سکتی لیکن اقرار ہو سکتا ہے، تو اقرار کے اندر پھر پورا کمرہ دیں گے یا پورے کمرے جتنی جگہ دیں گے۔

وَبِأَلْفِ عَيْنٍ مِنْ مَالِ غَيْرِهِ لَهُ الْإِجَازَةُ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوصِي وَالْمَنْعُ بَعْدَهَا: صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے غیر کے مال کے بارے میں وصیت کر دی، کس کے بارے میں؟ کسی غیر کے معین مال کے بارے میں وصیت کر دی۔ مثلاً ایک آدمی نے زید کے پاس ایک لاکھ روپیہ بطور امانت کے رکھوایا تھا، اور مرنے سے پہلے اس نے وصیت کر دی کہ یہ والے جو ایک لاکھ ہیں یہ خالد کو دے دینا میرے مرنے کے بعد۔ اب بھئی یہ مال تو کسی اور کا ہے، امانت ہے، آپ کیسے اس کے لیے وصیت کر رہے ہیں؟ کہتے ہیں یہ معین مال کی اس طرح اگر کوئی وصیت کرے تو وصیت صحیح ہوگی لیکن یہ اس اصل مالک کی اجازت پر موقوف ہے۔ اگر وہ اجازت دے دیتا ہے کہ ہاں بھئی چلو ٹھیک ہے اس کی وصیت نافذ کر دو جس کے لیے اس نے وصیت کی تھی اس کو دے دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ کس کی اجازت پر موقوف ہے؟ مالک کی اجازت پر۔

تو یہ معنی ہے: وَبِأَلْفِ عَيْنٍ مِنْ مَالِ غَيْرِهِ، اور وصیت کی ایک ایسے ایک ہزار کی عَيْنٍ جو معین ہیں مِنْ مَالِ غَيْرِهِ کس میں سے؟ غیر کے مال میں سے، ان کی وصیت کی، لَهُ الْإِجَازَةُ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوصِي، تو وہ جو مالک ہے وہ جو غیر ہے وہ اجازت دے سکتا ہے مُوصِي کی موت کے بعد، اس کے بعد وہ اجازت دے سکتا ہے۔ وَالْمَنْعُ بَعْدَهَا، اور نیز اس کے لیے منع کرنا بھی ہے بَعْدَهَا أَيْ بَعْدَ الْإِجَازَةِ اجازت کے بعد۔ اجازت کے بعد بھی وہ منع کر سکتا ہے۔ مثلاً اس نے کہا کہ ہاں ٹھیک ہے یہ ایک لاکھ دے دو جس کے بارے میں وصیت کی ہے اس کو دے دو، لیکن ابھی اس کے حوالے کیا نہیں اور اس سے پہلے ہی وہ انکار کرنا چاہتا ہے تو انکار پھر کر سکتا ہے۔ دینے کے بعد انکار نہیں کر سکتا، ہاں دینے سے پہلے انکار کر سکتا ہے۔ کیوں؟ بھئی یہ ہبہ بن جائے گا، گویا وہ ہبہ کر رہا ہے اپنی طرف سے، مالک کیا کر رہا ہے؟ ہبہ۔ بھئی وصیت تو نہیں ہے نا، وصیت کیونکہ یہ تو مال ہی کسی اور کا تھا لیکن اب مالک کہہ رہا ہے کہ ہاں ٹھیک ہے دے دو، تو گویا یہ مالک کیا کر رہا ہے اس کو؟ ہبہ، یعنی وہ تبرع اپنی طرف سے ایک احسان کر رہا ہے۔ اور تبرع کے اندر جب تک دوسرا اس چیز پر قبضہ نہ کر لے وہ لازم نہیں ہوتا۔ تو جب تک اس نے قبضہ نہیں کیا، اس نے اجازت دے دی ہے پھر بھی یہ کیا کر سکتا ہے؟ رجوع کر سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ معنی ہے کہ لَهُ الْإِجَازَةُ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوصِي، اور اس غیر کے لیے جائز ہے کہ وہ اجازت دے دے وصیت کرنے والے کی موت کے بعد، وَالْمَنْعُ بَعْدَهَا، اور اس کے لیے جائز ہے روکنا بَعْدَهَا أَيْ بَعْدَ الْإِجَازَةِ اجازت کے بعد۔ بھئی کیوں؟ روک کیوں سکتا ہے بعد میں؟ کہتے ہیں: فَإِنَّهُ إِنْ أَجَازَ فَإِجَازَتُهُ تَبَرُّعٌ، اس لیے کیونکہ اگر اس نے اجازت دے بھی دی تو فَإِجَازَتُهُ تَبَرُّعٌ تو اس کی اجازت تبرع ہے۔ تبرع کہتے ہیں اپنی طرف سے کوئی چیز دینا احسان کے طور پر یعنی جو اس پر لازم نہ ہو۔ تو فَإِجَازَتُهُ تَبَرُّعٌ، تو اس کی اجازت جو ہے وہ تبرع ہے احسان ہے، تو ہبہ میں بھی کیا ہوتا ہے؟ تبرع ہوتا ہے نا کوئی چیز لازمی تو نہیں ہوتی آپ پر دینا، تحفہ دے رہے ہیں۔ تو تبرع ہے، اور تبرع کے اندر یاد رکھو جب تک دوسرے کے قبضے میں چیز نہیں پہنچی اس میں رجوع کیا جا سکتا ہے۔ فَإِجَازَتُهُ تَبَرُّعٌ، تو اس کا اجازت دینا تبرع یعنی احسان ہے، فَلَهُ أَنْ يَمْتَنِعَ مِنَ التَّسْلِيمِ، تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ رک جائے سپرد کرنے سے، حوالے ہی نہ کرے، وہ حوالے کرنے سے رک جائے۔

فَإِنْ أَقَرَّ أَحَدُ الْابْنَيْنِ بَعْدَ الْقِسْمَةِ بِوَصِيَّةِ أَبِيهِ بِالثُّلُثِ: صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص کا انتقال ہوا، اس کے دو بیٹے تھے۔ ان دونوں بیٹوں نے مال کو آپس میں تقسیم کر لیا، آدھا حصہ مال کا ایک بیٹے نے لے لیا اور آدھا حصہ دوسرے بیٹے نے لے لیا۔ بعد میں ان میں سے ایک بیٹا جو ہے وہ تبلیغ میں گیا، اس کا ذہن ٹھیک ہو گیا اور اس نے پھر اقرار کیا کہ میرے ابا جان نے وصیت کی تھی کہ اس مال کا ثُلُث جو ہے وہ بکر کو دے دینا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس نے اقرار کر لیا کہ میرے باپ نے کیا کہا تھا؟ میرے مال کا ثُلُث کس کو دے دینا؟ بکر کو دے دینا، بکر۔ تو اب کیا کریں گے؟

تو کہتے ہیں کہ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ والا بیٹا جس نے اقرار کیا ہے، جو اس کو حصہ ملا ہے اس کا آدھا حصہ بکر کو

دے دے، کس کو دے دے؟ بکر کو دے دے۔ کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس کے باپ نے بکر کے لیے ثُلُثِ مال کی وصیت کی ہے۔ تو دو بیٹے ہیں اور وہ ایک وصیت ہے، وصیت والے کو ثُلُث دے دیا باقی کتنے بچے؟ دو ثُلُث، اور وہ دو ثُلُث دو بیٹوں کو ملے تو ایک ثُلُث ایک بیٹے کو اور ایک ثُلُث دوسرے بیٹے کو۔ گویا بکر کا حصہ دونوں بیٹوں کے برابر ہے۔ ہر ہر بیٹے کو بھی ثُلُث اور بکر کو بھی ثُلُث، تو بکر کا حصہ بیٹوں کے برابر ہے۔ اور تو جب اس بیٹے نے اقرار کر لیا بکر کے لیے تو اب اس کا اور بکر کا حصہ برابر ہونا چاہیے، اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ اس بیٹے کو جتنا مال ملا ہے آدھا بکر کو دے دے، دیکھو اس کا اور بکر کا حصہ برابر ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

لیکن استحساناً، استحساناً یہ اپنے مال کا ثُلُث دے گا بکر کو۔ قیاس تو تقاضا کرتا ہے کہ اس اقرار کرنے والے کو اپنے مال کا نصف دینا چاہیے، اپنے حصے کا نصف دینا چاہیے، لیکن استحساناً نصف نہیں دے گا بلکہ ثُلُث دے گا۔ بھئی کیوں؟ کہتے ہیں استحساناً۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اس نے جب اقرار کیا کہ میرے ابا جان نے کیا کہا تھا کہ بکر کو میرے ترکے میں سے کتنا دے دینا؟ ثُلُث دے دینا۔ تو اس نے بکر کے لیے جس ثُلُث کا اقرار کیا وہ صرف اس کے حصے میں اس نے اقرار کیا یا وہ ثُلُث پھیلا ہوا ہے دونوں بھائیوں کے حصوں میں؟ وہ پھیلا ہوا ہے دونوں بھائیوں کے حصوں میں، وہ ثُلُث پھیلا ہوا ہے۔ تو اس نے اس کے لیے اقرار کیا ایسے ثُلُث کا جو پھیلا ہوا ہے دونوں بھائیوں کے حصوں میں، تو لہٰذا اس کے حصے کے اندر بھی ثُلُث اور دوسرے کے حصے کے اندر بھی ثُلُث، وہ ثُلُث پھیلا ہوا تھا، تو اپنے حصے میں سے یہ ثُلُث دے دے گا اور دو ثُلُث اس کے پاس رہ جائیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی کہ نہیں آئی سمجھ میں؟

اس کو نصف ملا تھا نا، اور قیاس تو کیا تقاضا کرتا ہے؟ قیاس کیا تقاضا کر رہا تھا؟ کہ اپنے حصے کا نصف دینا چاہیے، کیونکہ باپ نے جب ثُلُث کی وصیت کی ہے تو اس وصیت کا تقاضا کیا ہے؟ ہر بھائی کو ثُلُث ثُلُث اور وصیت والے کو بھی ثُلُث، تو دیکھو تینوں کا حصہ برابر ہے، تینوں کا حصہ برابر ہے۔ اور یہاں اب ایک اقرار کر رہا ہے دوسرے نے اقرار نہیں کیا، جب دوسرے نے اقرار نہیں کیا تو اس سے تو ہم مال نہیں لے سکتے، اس نے اقرار کیا ہے اور ہر آدمی اپنے اقرار پر مأخوذ ہے ذمہ دار ہے، تو اس سے اقرار کے مطابق سلوک ہونا چاہیے۔ اور اقرار تو تقاضا کرتا ہے کہ وصیت والے کا حصہ بیٹوں کے برابر ہے، اور یہاں برابری کیسے ہو سکتی ہے؟ کہ یہ اپنا آدھا حصہ اس کو دے دے آدھا یہ رکھ لے، اب دونوں میں کیا ہو گئی؟ برابری۔ نہیں سمجھ میں آرہی؟ بھئی اگر وصیت کو نافذ کرتے اور دونوں بیٹے مان لیتے، دونوں بیٹے مان لیتے اور وصیت کو نافذ کرتے تو اس کو کتنا ملتا وصیت والے کو؟ ثُلُث، اور دونوں بیٹوں کو ملتے دو ثُلُث، تو ہر بیٹے کو گویا ثُلُث، تو ایک بیٹے کو بھی ثُلُث دوسرے کو بھی ثُلُث، وصیت والے کو بھی ثُلُث، تو دیکھو تینوں کا حصہ برابر برابر بنتا ہے۔ تو یہ تقاضا کر رہا ہے کہ یہاں بھی حصہ برابر ہونا چاہیے جب ایک بیٹے نے اقرار کیا ہے، اور برابر ہونے کی کیا صورت ہے؟ کہ یہ بیٹا اپنا آدھا حصہ اس کو دے دے اور آدھا خود رکھ لے، اب دیکھو دونوں کا حصہ کیا ہو گیا؟ برابر ہو گیا۔ لیکن استحساناً ہم یہ نہیں کہیں گے کہ یہ والا بیٹا

اپنا آدھا حصہ اس کو دے، بلکہ ہم کہیں گے یہ اپنے حصے کا ثُلُث دے دے، کیا کرے؟ ثُلُث دے دے۔ اس لیے کیونکہ جب اس نے اقرار کیا کہ میرے والد صاحب نے اس کے لیے ثُلُث کی وصیت کی تھی، تو یہ ثُلُث اس نے صرف اپنے حصے میں اقرار کیا یا دونوں بھائیوں کے حصے میں ثُلُث کا اقرار ہو گیا؟ دونوں بھائیوں یعنی وہ جو مُوصٰی لَهُمْ کا ثُلُث پھیلا ہوا ہے دونوں کے حصوں کے اندر، جب دونوں کے حصوں میں ثُلُث ہے تو اس کے حصے میں ثُلُث، یعنی اس کے حصے

میں سے بھی ثُلُث نکالا جائے اور اس کے حصے میں سے بھی ثُلُث، لیکن اس نے تو اقرار کیا نہیں، تو اس کے حصے میں سے ثُلُث نکال لیں گے اور وہ اس کو دے دیں گے بھئی، اور باقی دو ثُلُث جو ہیں وہ اس کے پاس رہ گئے۔ دیکھو مثلاً اگر کل ترکہ ہوتا چھ ہزار، چھ ہزار میں سے تین ہزار ایک بھائی نے لے لیا اور تین ہزار دوسرے بھائی نے لے لیا۔ اب اگر دونوں بھائی اقرار کر لیتے پھر ہم تقسیم کس طرح کرتے؟ دو ہزار وصیت والے کو، دو ہزار ایک بھائی کو اور دو ہزار دوسرے بھائی کو، دو دو ہزار سب کو ملنے تھے۔ لیکن اب تقسیم ہو چکی ہے، تین ہزار ایک بھائی کو ملا ہے تین ہزار دوسرے بھائی کو۔ اب یہ والا بھائی اقرار کرتا ہے کہ میرے والد صاحب نے وصیت کی تھی اس کے بارے میں ثُلُث کی، تو اب قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ اپنا آدھا مال اس کو دے دے، یعنی ڈیڑھ ہزار درہم اس کو دے دے وصیت والے کو اور ڈیڑھ ہزار خود رکھ لے، یہ قیاس تقاضا کر رہا ہے۔ کیونکہ ہر ایک کا حصہ برابر ہونا چاہیے تھا نا، تو اس کا بھی حصہ اس کے ساتھ برابر ہونا چاہیے، اور برابری کی یہی صورت ہے: آدھا حصہ اس کو دے دے اور آدھا حصہ خود رکھ لے۔ جس بھائی نے اقرار نہیں کیا اس کو نہ دیکھیں، اس نے تو اقرار نہیں کیا وہ اپنا پورا حصہ رکھے گا۔ جس بھائی نے اقرار کیا قیاس یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کا اور وصیت والے کا حصہ برابر ہونا چاہیے، لہٰذا آدھا یہ رکھے اور آدھا وہ رکھے۔ چنانچہ امام زفر یہی فرماتے ہیں کہ آدھا اس کو رکھنا چاہیے اور آدھا دوسرے کو دینا چاہیے۔

لیکن استحساناً ہم کہتے ہیں کہ یہ اپنے حصے کا یعنی تین ہزار کا آدھا نہیں دے گا، تین ہزار کا ثُلُث دے دے گا، اور تین ہزار کا ثُلُث کتنا؟ ایک ہزار، تو ایک ہزار مُوصٰی لَهُ کو دے دے گا اور دو ہزار یعنی دو ثُلُث یہ بیٹا رکھ لے گا۔ بھئی کیوں؟ وجہ کیا؟ وجہ یہ کہ اس نے کیا کہا تھا؟ میرے ابا جان نے اس کے لیے وصیت کی ہے ثُلُث کی، اور جس ثُلُث کی وصیت کا یہ اقرار کر رہا ہے وہ ثُلُث کتنا بنتا تھا؟ دو ہزار، اور صرف اس کے حصے میں سے تھا یا دونوں بھائیوں کے حصے میں تھا؟ جب دونوں بھائیوں کے حصے میں دو ہزار تھا تو اس کے حصے میں کتنا آنا چاہیے؟ ایک ہزار آنا چاہیے، ہم نے بھی یہی کہا ایک ہزار یہ دے دے اور دو ہزار خود رکھ لے۔ تو اس نے جس ثُلُث کا اقرار کیا وہ صرف اپنے حصے میں اقرار نہیں کیا بلکہ ایسے ثُلُث کا اقرار کیا جو پھیلا ہوا ہے دونوں بھائیوں کے حصے میں، اور جب دونوں بھائیوں کے حصے میں پھیلا ہے تو اس کا نصف اس پر آجائے گا اور اس کے حصے کا ثُلُث صرف دے دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح؟

کہتے ہیں: فَإِنْ أَقَرَّ أَحَدُ الْإِبْنَيْنِ بَعْدَ الْقِسْمَةِ بِوَصِيَّةِ أَبِيهِ بِالثُّلُثِ، اگر اقرار کر لیا دو بیٹوں میں سے ایک نے تقسیم کے بعد

اپنے والد کی وصیت کا، اپنے والد کی ثُلث کی جو وصیت تھی اس کا اقرار کر لیا، صورت سمجھ میں آگئی؟ دَفَعَ ثُلُثَ نَصِيبِهِ، تو وہ دے دے گا اپنے حصے کا ثُلث، اپنے حصے کا ثُلث دے گا نصف نہیں دے گا۔ هٰذَا عِنْدَنَا، یہ ہمارے نزدیک ہے۔ وَالْقِيَاسُ أَنْ يُعْطِيَهُ نِصْفَ مَا فِي يَدِهِ، اور قیاس تو یہ ہے کہ یہ دے دے نِصْفَ مَا فِي يَدِهِ نصف اس کا جو اس کے قبضے میں ہے، نصف دے دے، وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ رَحِمَهُ اللهُ، اور یہی قول ہے امام زفر رحمہ اللہ کا۔ لِأَنَّ إِقْرَارَهُ بِالثُّلُثِ يُوجِبُ مُسَاوَاتَهُ إِيَّاهُ، اس لیے کیونکہ اس نے جو ثُلث کا اقرار کیا وہ واجب کرتا ہے مُسَاوَاتَهُ إِيَّاهُ کہ اس کے ساتھ برابری ہو، اس مُوصٰى لَهُ کی اس کے ساتھ برابری ہو۔ کیوں؟ کیونکہ والد نے کیا کہا تھا؟ ثُلث دینا، اور ہر بھائی کو بھی کتنا ملتا؟ ثُلث ثُلث، تو برابری ہونی چاہیے تھی۔ لِأَنَّ إِقْرَارَهُ بِالثُّلُثِ يُوجِبُ مُسَاوَاتَهُ إِيَّاهُ، اس لیے کیونکہ اس کا ثُلث کا اقرار کر لینا یہ واجب کرتا ہے مُسَاوَاتَهُ إِيَّاهُ کہ وہ مُوصٰى لَهُ جو ہے وہ اس کے ساتھ برابر ہو، یعنی آدھا آدھا مال کر لینا چاہیے۔ وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ، استحسان کی وجہ یہ ہے کہ أَنَّهُ أَقَرَّ بِثُلُثٍ شَائِعٍ، کہ اس نے ثُلُثِ شائع کا اقرار کیا ہے اس ثُلث کا جو پھیلا ہوا ہے یعنی دونوں بھائیوں کے حصے میں پھیلا ہوا ہے اس کا اقرار کیا ہے، فَيَكُونُ مُقِرًّا بِثُلُثِ مَا فِي يَدِهِ، تو یہ اقرار کرنے والا ہے اس ثُلث کا جو اس کے قبضے میں ہے، جب دونوں کے حصوں میں سے ثُلث نکل رہا ہے تو اس کے حصے میں سے بھی صرف کتنا نکلنا چاہیے؟ ثُلث ہی نکلنا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

فَإِنْ وَلَدَتِ الْمُوصٰى بِهَا بَعْدَ مَوْتِهِ فَهُمَا لَهُ: صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص کی ایک باندی تھی، اس نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد یہ باندی زید کو دے دینا۔ اس شخص کا جب انتقال ہوا تو اس کے بعد ابھی باندی حوالے نہیں کی تھی کہ باندی نے ایک بچے کو جنم دیا، تو اس باندی نے ایک بچے کو جنم دیا۔ تو یاد رکھو ہمارے تینوں ائمہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں یہ بچہ جو ہے یہ باندی کے تابع ہے، لہٰذا اگر یہ بچہ اور باندی دونوں ثُلث میں سے نکل آتے ہیں تو یہ دونوں اس وصیت والے کے حوالے کر دیے جائیں گے اگر یہ ثُلث میں سے نکل آتے ہیں۔ اور اگر یہ دونوں ثُلث میں سے نہیں نکلتے تو پھر کیا کریں گے؟ تو اس میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر دونوں ثُلث میں سے نہیں نکلتے تو ثُلث کے بقدر اول باندی کو دے دیں گے، اگر ثُلث میں سے باندی نکل آتی ہے باندی کو دے دیں گے اور بچے کو نہیں دیں گے۔ اور اگر ثُلث جو ہے وہ باندی سے بڑھ گیا تو پھر باندی تو پوری دے دیں گے اور بچے میں سے جتنا حصہ زائد ہے وہ بچے میں سے دے دیں گے، کس میں سے دے دیں گے؟ بچے میں سے۔

دیکھو آگے وہ مثال بھی بیان کریں گے: فرض کریں ایک آدمی ہے اس کا کل مال ہے چھ سو درہم، اور اس کے پاس یہ باندی بھی ہے اس باندی کی قیمت تھی تین سو درہم، اور پھر اس باندی نے بچے کو جنم دیا اور اس بچے کی قیمت بھی ہے تین سو درہم کیونکہ وہ لڑکا ہے اور لڑکوں کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ تو باندی کی قیمت بھی تین سو درہم، لڑکے کی قیمت بھی تین سو درہم، اور اس کے علاوہ اس کا مال بھی ہے چھ سو درہم، تو کل بارہ سو درہم ہو گئے، بارہ سو درہم ہو گئے۔ اب اس شخص نے کیا وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد میری یہ باندی زید کو مثلاً دے دینا۔ اب ہم نے دیکھا تو باندی کی قیمت

ہے تین سو، بچے کی قیمت ہے تین سو، تین اور تین ہو گئے چھ سو۔ تو ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ دونوں دے دیں، لیکن یہ دونوں ثُلُث میں سے نکلتے نہیں، تو بارہ سو کا ثُلُث کتنا ہے؟ ثُلُث چار سو۔ تو اس چار سو میں سے باندی جو اصل ہے وہ تو پوری، باندی تو اس کو دے دیں گے، اور باقی کتنا بچا؟ سو درہم رہ گئے، وہ اس بچے کی قیمت کتنی ہے؟ تین سو، تو اس بچے کا ایک ثُلُث اس کو دے دیں گے۔ پوری باندی بھی دے دیں گے اور بچے کا ایک ثُلُث بھی دے دیں گے۔ معلوم ہوا وصیت اصلاً جو ہے باندی کے اندر نافذ کریں گے اور تبعاً کس کے اندر؟ بچے کے اندر نافذ کریں گے۔

جبکہ صاحبین فرماتے ہیں نہیں، باندی اور بچہ دونوں کے اندر وصیت اکٹھی برابر نافذ ہوگی، اس لیے کیونکہ جب اس نے باندی کے بارے میں وصیت کی تو باندی کے پیٹ میں بچہ بھی تھا تو وہ بچے کے بارے میں بھی وصیت ہو گئی، لہٰذا دونوں برابری کے ساتھ وصیت دونوں پر نافذ کریں گے۔ تو باندی کتنے کی؟ تین سو کی، بچہ کتنے کا؟ تین سو کا، کل کتنے ہوئے؟ چھ سو۔ لیکن وصیت ثُلُث میں نافذ کرنی ہے اور ثُلُث کتنا ہے؟ بارہ سو کل مال ہے نا تو بارہ سو کا ثُلُث کتنا؟ چار سو۔ تو یہ چار سو میں سے دو سو جو ہے باندی کے اندر وہ حصہ دے دیں گے وصیت والے کو، اور دو سو بچے میں سے حصہ دے دیں گے وصیت والے کو۔ تو معلوم ہوا وہ جو وصیت والا ہے باندی کے بھی دو ثُلُث کا مالک ہو گیا اور بچے کے بھی دو ثُلُث کا مالک ہو گیا۔ امام صاحب کے نزدیک باندی پوری دیں گے اور بچے کا ایک ثُلُث، اور صاحبین فرماتے ہیں باندی کے بھی دو ثُلُث دے دیں گے اور بچے کے بھی دو ثُلُث دے دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی دیکھیے بھئی آگے مزید تفصیل آرہی ہے، کہتے ہیں: فَإِنْ وَلَدَتِ الْمُوصٰی بِهَا، اگر بچے کو جنم دیا مُوصٰی بِهَا نے، میں نے آپ کو بتلایا تھا وصیت کرنے والے کو کیا کہتے ہیں؟ مُوصِي، اور جس کے لیے وصیت کی اس کو کیا کہتے ہیں؟ مُوصٰی لَهُ، اور جس چیز کی وصیت کی اس کو کیا کہتے ہیں؟ مُوصٰی بِهِ، تو یہ اب اسی کا ذکر آرہا ہے۔ فَإِنْ وَلَدَتِ الْمُوصٰی بِهَا، مُوصٰی بِهَا نے بچے کو جنم دیا یعنی وہ باندی جس کی وصیت کی گئی تھی اس نے بچے کو جنم دیا بَعْدَ مَوْتِهِ مُوصِي کے مرنے کے بعد، فَهُمَا لَهُ، تو یہ دونوں مُوصٰی لَهُ کے لیے ہوں گے۔ کون دونوں؟ أَيِ الْأَمَةُ الْمُوصٰی بِهَا وَوَلَدُهَا، یعنی مُوصٰی بِهَا باندی اور اس کا بچہ دونوں مُوصٰی لَهُ کے ہو جائیں گے۔ یہ تینوں ائمہ کے نزدیک ہیں بشرطیکہ یہ ثُلُث میں سے نکلیں۔ دونوں ہوں گے إِنْ خَرَجَا مِنَ الثُّلُثِ اگر یہ دونوں ثُلُث میں سے نکل آئیں۔ وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو یعنی دونوں ثُلُث سے نہیں نکلتے، تو أَخَذَ الثُّلُثَ مِنْهَا ثُمَّ مِنْهُ، تو ثُلُث لے لے گا مِنْهَا کس میں سے؟ پہلے باندی میں سے، ثُمَّ مِنْهُ پھر کس میں سے؟ بچے میں سے، امام صاحب کے نزدیک کیونکہ باندی اصل ہے پہلے اسی کے اندر پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔ هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، یہ امام صاحب کے نزدیک ہے، لِأَنَّ التَّبَعَ لَا يُزَاحِمُ الْأَصْلَ، اس لیے کیونکہ جو تابع ہوتا ہے وہ اصل کا مقابل نہیں ہو سکتا، اور باندی کیا ہے وصیت میں؟ اصل، اور بچہ کیا ہے؟ تابع، تو پہلے وصیت کس میں پوری کریں گے؟ اصل میں، اس کے بعد تابع میں۔

وَعِنْدَهُمَا اور صاحبین کے نزدیک يَأْخُذُ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ بِالْحِصَّةِ، کہ وہ مُوصٰى لَهُ لے لے گا ان دونوں میں سے ہر ایک سے حصے کے بقدر، ہر ایک سے حصے کے بقدر لے لے گا۔ فَإِذَا كَانَ لَهُ سِتُّمِائَةِ دِرْهَمٍ، پس اگر مرنے والے کے پاس چھ سو درہم تھے، وَأَمَةٌ تُسَاوِي ثَلَاثَمِائَةٍ، اور ایسی باندی تھی جو تین سو کے برابر ہے، فَوَلَدَتْ وَلَدًا يُسَاوِي ثَلَاثَمِائَةِ دِرْهَمٍ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوصِي، پھر اس باندی نے جنم دیا ایک بچے کو جو برابر تھا تین سو درہم کے مُوصِي کی موت کے بعد، حَتّٰى صَارَ مَالُهُ أَلْفًا وَمِائَتَيْنِ، یہاں تک کہ اس مُوصِي کا مال جو ہے بارہ سو درہم ہو گیا، فَثُلُثُ الْمَالِ أَرْبَعُمِائَةٍ، تو اس مال کا ثُلُث جو ہے وہ چار سو ہے، فَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تو امام صاحب کے نزدیک لِلْمُوصٰى لَهُ الْأُمُّ وَثُلُثُ الْوَلَدِ، مُوصٰى لَهُ کے لیے ماں ہوگی اور ثُلُث ہوگا ولد کا، ماں یعنی باندی وہ تین سو درہم کی ہے اور بچے کا ایک سو درہم یعنی ثُلُث ہو جائے گا۔ وَعِنْدَهُمَا اور صاحبین کے نزدیک ثُلُثَا كُلٍّ مِنْهُمَا، ان دونوں میں سے ہر ایک کے دو ثُلُث جو ہیں وہ مُوصٰى لَهُ کے ہو جائیں گے، دو سو کس میں سے؟ باندی میں سے یعنی دو ثُلُث، اور دو سو حصہ کس میں سے؟ بچے میں سے یعنی اس کے بھی دو ثُلُث۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ٦٦: باب العتق فی المرض: مرض الموت کے تصرفات، محابات، عتق و تدبیر اور تداخلِ ثلث کے پیچیدہ مسائل

شرح الوقایہ صفحہ: ١٦٠ — بتاریخ: ٩ مارچ ٢٠٢٠ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی کتاب پر:[1]

بَابُ الْعِتْقِ فِي الْمَرَضِ

الْعِبْرَةُ لِحَالِ الْعَقْدِ فِي التَّصَرُّفِ الْمُنَجَّزِ، فَإِنْ كَانَ فِي الصِّحَّةِ فَمِنْ كُلِّ مَالِهِ وَإِلَّا فَمِنْ ثُلُثِهِ، وَالْمُضَافُ إِلَى مَوْتِهِ مِنَ الثُّلُثِ وَإِنْ كَانَ فِي الصِّحَّةِ.

بَابُ الْعِتْقِ فِي الْمَرَضِ، یہ باب ہے آزادی کے بیان میں مرض الموت میں۔ مرض سے کیا مراد ہے؟ مرض الموت۔ تو مرض الموت میں اگر کوئی غلام کو آزاد کرتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے اب وہ بیان کرنے لگے ہیں۔

میں نے آپ کو پہلے بھی بتلایا تھا کہ انسان کو اپنے پورے مال کا اختیار ہے۔ وہ چاہے تو اپنا سارا مال کسی کو دینا چاہے سارا مال کسی کو دے سکتا ہے۔ لیکن جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوا، مرض الموت میں یعنی وہ مرض جس کے اندر اس کا

[1]

جدول — باب العتق فی المرض — مرض الموت کے تبرعات اور صحت کے تصرفات کا فرق:

نوعِ تصرف	حالتِ صحت میں حکم	مرض الموت میں حکم
منجز تصرفات (فوری عتق، ہبہ، محابات)	کل مال (راس المال) سے نافذ	وصیت کے حکم میں ہو کر ثلثِ مال سے نافذ ہوں گے۔
مضاف الی الموت (تدبیر، وصیت)	ہمیشہ ثلثِ مال سے نافذ	ہمیشہ ثلثِ مال سے نافذ (اعتبار وقتِ موت کا ہے)۔
ترتیب عند ضیق الثلث	مرض الموت کے منجز تصرفات وصیت پر مقدم ہیں	عتق اور محابات جمع ہوں تو عند أبی حنیفہؒ عتق مقدم، عند الصاحبینؒ محاصہ۔

انتقال ہوا، اور مرض الموت کا پتا مرنے کے بعد چلتا ہے کہ یہ مرض الموت تھا۔ اور اگر وہ تندرست ہو گیا اس بیماری سے، چاہے جتنا بھی بیمار ہو گیا، تو اس مرض کو مرض الموت نہیں کہیں گے، وہ بھی صحت ہی کے حکم میں ہے۔ وہ بھی کس کے حکم میں ہے؟ صحت۔ اور تو جیسے صحت کے اندر انسان اپنا سارا مال کسی کو دے سکتا ہے، اسی طرح ایک شخص بہت بیمار ہو گیا، مرنے والا ہو گیا، اس نے اپنا سارا مال زید کو دے دیا، اور پھر بعد میں وہ صحت مند ہو گیا، اس بیماری سے اس کو موت نہیں آئی، تو معلوم ہوا یہ جو اس نے سارا مال دیا کس حالت میں دیا ہے؟ صحت کی حالت میں۔ اور صحت کی حالت میں تو انسان اپنے پورے مال کا مالک ہے اور پورے مال میں جیسا بھی تصرف کرنا چاہے کر سکتا ہے، تو وہ سارے کا مالک زید بن جائے گا۔

لیکن اگر وہ مرض الموت ہو تو پھر وارثوں کا حق بھی مال کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے، تو اس کا حکم جو ہے وصیت والا ہو جائے گا اور وہ ثلث مال میں نافذ ہو گی۔ یعنی زید کو اب سارا مال نہیں دیں گے بلکہ کتنا دیں گے؟ ثلث دے دیں گے اور باقی وارثوں کا ہو جائے گا۔

دیکھیے بھئی کتاب پر: اَلْعِبْرَةُ لِحَالِ الْعَقْدِ فِي التَّصَرُّفِ الْمُنَجَّزِ، فَإِنْ كَانَ فِي الصِّحَّةِ فَمِنْ كُلِّ مَالِهِ وَإِلَّا فَمِنْ ثُلُثِهِ، وَالْمُضَافُ إِلَى مَوْتِهِ مِنَ الثُّلُثِ وَإِنْ كَانَ فِي الصِّحَّةِ.

سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیں ایک تصرفِ مُنَجَّز ہے، مُنَجَّز پڑھ لیں یا مُنْجَز پڑھ لیں، بابِ إِفْعَال سے بھی استعمال ہوتا ہے اور بابِ تَفْعِیْل سے بھی۔ أَنْجَزَ يُنْجِزُ إِنْجَازًا یا اسی طرح نَجَّزَ يُنَجِّزُ تَنْجِيْزًا کا معنی ہے کسی چیز کو تکمیل تک پہنچانا یعنی کسی چیز کا پورا کر دینا۔ تو مُنَجَّز جو پورا ہو گیا۔ تو تصرفِ مُنَجَّز اس تصرف کو کہتے ہیں جو فوراً پورا ہو جاتا ہے یعنی جس کا حکم فوراً ہی ثابت ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص اپنے غلام کو کہتا ہے: تم آزاد ہو۔ دیکھو یہ ایسا تصرف ہے فوراً نافذ ہو جاتا ہے، فوراً وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ تو تصرفِ مُنَجَّز وہ ہے جس کا حکم فوراً ہی ثابت ہو جاتا ہے۔ اور ایک وہ تصرف ہے جس کی نسبت موت کی طرف ہے، مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرا یہ غلام آزاد ہے، تو یہ غلام ابھی نہیں آزاد ہو گا بلکہ کب آزاد ہو گا؟ موت کے بعد آزاد ہو گا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو تصرفِ مُنَجَّز کون سا تصرف؟ جو فوراً ہی ثابت ہو جائے جس کا حکم۔ اور وہ تصرف جس کی نسبت موت کی طرف ہو وہ کب ثابت ہوتا ہے؟ موت کے بعد۔

اب تفصیل بیان کرنے لگے ہیں، تفصیل آپ کو بتلائیں گے۔ کہتے ہیں جب شخص کوئی ایسا تصرف کرے جس کا حکم فوراً ثابت ہو جاتا ہے، فوراً ثابت ہو جاتا ہے، تو اس شخص کی حالت کو دیکھیں گے۔ تصرفِ مُنَجَّز میں تصرف کرنے والے کی حالت کا اعتبار ہے۔ توجہ ہے؟ تصرفِ مُنَجَّز میں تصرف کرنے والے کی حالت کا اعتبار ہے۔ اگر اس نے یہ تصرف صحت کی حالت میں کیا ہے تو پھر پورے مال میں سے یہ نافذ ہو جائے گا۔ ایک آدمی نے کہا اپنے غلام سے: تو آزاد ہے، تو یہ کون سا تصرف کر رہا ہے؟ تصرفِ مُنَجَّز، کیونکہ یہ فوراً اپنا حکم ثابت کرے گا۔ تو اس میں اس آدمی کی حالت کو دیکھیں گے

کہ یہ اس وقت صحت کی حالت میں ہے یا مرض الموت میں ہے۔ اگر صحت کی حالت میں یہ تصرف کر رہا ہے تو پھر پورے مال کے اندر جو ہے وہ نافذ ہو جائے گا۔ چنانچہ فرض کرو اس کے پاس صرف یہی غلام ہے اور کچھ بھی نہیں ہے، تو بھی پورے مال میں یہ تصرف نافذ ہوتا ہے حالتِ صحت میں، پورا غلام آزاد ہو جائے گا۔

لیکن یہی تصرف، تصرفِ مُنَجَّز جو ہے، اگر کوئی شخص مرض الموت میں کرتا ہے تو پھر پورا غلام آزاد نہیں ہو گا اگر اس کا صرف یہی مال ہے، تو پھر پورا غلام آزاد نہیں ہو گا، اس کا ثلث آزاد ہو جائے گا اور دو ثلث اس میں وہ سعی کرے گا، جا کر پیسے کما کر لائے گا، وارثوں کو دے گا اور پھر وہ بھی حصہ آزاد ہو جائے گا۔

کیا حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ تصرفِ مُنَجَّز میں تصرف کرنے والے کی حالت کا اعتبار ہے۔ اگر وہ تندرست ہے اور صحت کی حالت میں ہے تو پھر یہ پورے مال میں نافذ ہو گا، اور اگر وہ مرض الموت میں ہے تو پھر یہ ثلث میں نافذ ہو گا، پورے میں نافذ نہیں ہو گا۔

اور اگر کوئی تصرف ایسا ہے جس کی نسبت موت کی طرف کی گئی، میرے مرنے کے بعد یہ آزاد ہے، یا میرے مرنے کے بعد دس لاکھ زید کو دے دینا، یا میرے مرنے کے بعد سارا مال زید کو دے دینا، تو یہ ایسا تصرف ہے جو مُنَجَّز نہیں بلکہ اس کی نسبت وہ کس کی طرف کر رہا ہے؟ موت کے وقت کی طرف کر رہا ہے، تو یاد رکھیے اس صورت میں وہ ثلث ہی سے معتبر ہو گا، اس میں پھر صحت اور مرض کو نہیں دیکھنا۔ جب ایک تصرف کی نسبت وہ کس کی طرف کرے؟ موت کی طرف، تو اس میں ثلث سے ہی وہ نافذ ہو گا، چاہے حالتِ صحت میں وہ کہے چاہے حالتِ مرض میں کہے۔

صحت کی حالت میں ایک آدمی نے کہا کہ میرے مرنے کے بعد یہ غلام آزاد ہے، دیکھو موت کی طرف نسبت کر رہا ہے، کب آزاد ہے؟ میرے مرنے کے بعد۔ تو لہٰذا جب یہ مر جائے گا تو اس وقت یہ غلام دیکھیں گے ثلث میں سے نکلتا ہے یا نہیں۔ اگر ثلث میں سے نکل رہا ہے پھر تو پورا آزاد ہو جائے گا، اور اگر ثلث میں سے پورا نہیں نکلتا تو جتنا ثلث بنتا ہے اتنا آزاد ہو جائے گا اور باقی میں سعی کرے گا، پیسے لا کر کما کر دے گا وارثوں کو اور پھر باقی بھی آزاد ہو جائے گا۔

تو دیکھا، تو یہ تصرفِ مُنَجَّز تھا لیکن اس نے اس کی نسبت کس کی طرف کر دی؟ موت کی طرف۔ اور جب موت کی طرف ایک تصرف کی نسبت کر دی جائے تو وہ کتنے میں نافذ ہوتا ہے؟ ثلث میں۔ وہ ثلث میں معتبر ہوتا ہے، اس میں تصرف کرنے والے کی حالت کو نہیں دیکھنا کہ اس نے یہ تصرف حالتِ صحت میں کیا ہے یا حالتِ مرض میں کیا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

پھر سن لو، حاصلِ کلام کیا ہوا؟ اگر ایک تصرفِ مُنَجَّز ہے، موت کی طرف نسبت نہیں کرتا، عام تصرفِ مُنَجَّز ہے، تو پھر اس کے اندر وہ تصرف کرنے والے کی حالت کا اعتبار ہے۔ اگر وہ صحت کی حالت میں کر رہا ہے تو وہ پورے مال میں نافذ ہو جائے گا، اور اگر وہ مرض الموت میں کر رہا ہے تصرفِ مُنَجَّز، تو پھر اس صورت میں کتنے میں معتبر ہو گا؟ ثلث میں۔

معلوم ہوا یہاں کس کی حالت معتبر ہے؟ تصرف کرنے والے کی حالت۔ دیکھیں گے یہ حالتِ صحت میں ہے یا حالتِ مرض میں۔ کس تصرف کے بارے میں؟ جو تصرفِ مُنَجَّز ہو۔ اور اگر وہ ایک تصرف کی نسبت موت کی طرف کر رہا ہے تو پھر اس صورت میں، جب اس نے خود ہی اپنے منہ سے موت کی طرف نسبت کر دی، تو اب یہ نہیں دیکھیں گے کہ یہ حالتِ صحت میں ہے یا حالتِ مرض میں ہے۔ کچھ دیکھنے کی ضرورت نہیں، جب موت کی طرف نسبت کی ہے تو وہ کتنے میں نافذ ہو گا؟ ثلث کے اندر۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟

اب دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: اَلْعِبْرَةُ لِحَالِ الْعَقْدِ فِي التَّصَرُّفِ الْمُنَجَّزِ، تصرفِ مُنَجَّز میں عقد کی حالت کا اعتبار ہے یعنی عقد کرنے والے کی حالت کا اعتبار ہے۔ فَإِنْ كَانَ فِي الصِّحَّةِ، پس اگر یہ تصرفِ مُنَجَّز جو ہے صحت کی حالت میں ہوا، فَمِنْ كُلِّ مَالِهِ، تو یہ نافذ ہو گا کل مال میں سے۔ وَإِلَّا، اور اگر ایسا نہ ہو یعنی حالتِ صحت میں نہ ہو، فَمِنْ ثُلُثِهِ، تو پھر ثلثِ مال میں سے نافذ ہو گا، تہائی مال میں سے۔ وَالْمُضَافُ إِلَى مَوْتِهِ مِنَ الثُّلُثِ، اور وہ تصرف جس کی نسبت اپنی موت کی طرف کرے تصرف کرنے والا، مِنَ الثُّلُثِ، وہ کتنے میں نافذ ہو گا؟ ثلث میں نافذ ہو گا، وَإِنْ كَانَ فِي الصِّحَّةِ، اگرچہ وہ صحت کی حالت میں ہو۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟

اب شارح یہی تفصیل بیان کریں گے۔ کہتے ہیں: اَلتَّصَرُّفُ الْمُنَجَّزُ هُوَ الَّذِيْ أَوْجَبَ حُكْمَهُ فِي الْحَالِ، کہ تصرفِ مُنَجَّز، هُوَ الَّذِيْ، وہ تصرف ہے، أَوْجَبَ حُكْمَهُ، أَيْ أَثْبَتَ حُكْمَهُ، جو ثابت کر دیتا ہے اپنے حکم کو، فِي الْحَالِ، فی الحال۔ تصرفِ مُنَجَّز وہ ہے جو اپنا حکم فی الحال یعنی اسی وقت ثابت کر دیتا ہے۔ ایک آدمی نے اپنے غلام سے کہا: أَنْتَ حُرٌّ، یہ کون سا تصرف ہے؟ تصرفِ مُنَجَّز، کیونکہ یہ فوراً اپنا حکم ثابت کرے گا۔ أَنْتَ حُرٌّ، اس کا حکم کیا ہے؟ غلام آزاد ہو جائے گا۔ تو یہ اس کا حکم فوراً ثابت ہو جاتا ہے۔ تو یہ تصرفِ مُنَجَّز اپنا حکم یعنی آزادی کو فوراً ہی ثابت کر دے گا، بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: اَلتَّصَرُّفُ الْمُنَجَّزُ هُوَ الَّذِيْ أَوْجَبَ حُكْمَهُ فِي الْحَالِ، کہ تصرفِ مُنَجَّز وہ تصرف ہے جو ثابت کر دیتا ہے اپنے حکم کو فی الحال ہی یعنی اسی حالت میں ہی۔ وَالْمُضَافُ إِلَى الْمَوْتِ، اور وہ تصرف جو موت کی طرف مضاف ہو، مَا، وہ تصرف ہے، أَوْجَبَ حُكْمَهُ بَعْدَ مَوْتِهِ، جو ثابت کرتا ہے اپنے حکم کو بَعْدَ مَوْتِهِ، اس تصرف کرنے والے کی موت کے بعد۔ كَأَنْتَ حُرٌّ بَعْدَ مَوْتِيْ، جیسے کوئی شخص یہ کہے اپنے غلام سے کہ تو آزاد ہے میرے مرنے کے بعد، تو دیکھو اس کی نسبت کس کی طرف کر دی؟ اپنی موت کی طرف۔ أَوْ هٰذَا لِزَيْدٍ بَعْدَ مَوْتِيْ، یا یوں کہتا ہے کہ یہ جو میرا مال ہے یہ زید کے لیے ہے میرے مرنے کے بعد۔ فَفِي الْمُنَجَّزِ تُعْتَبَرُ حَالَةُ التَّصَرُّفِ، پس مُنَجَّز تصرف کے اندر تصرف کرنے والے کی حالت معتبر ہے۔ فَإِنْ كَانَ صَحِيْحًا فِيْ تِلْكَ الْحَالِ، پس اگر وہ تصرف کرنے والا تندرست تھا اس حالت میں، يَنْفُذُ مِنْ كُلِّ مَالِهِ، تو یہ تصرف نافذ ہو جائے گا اس کے سارے مال میں سے۔ وَإِنْ كَانَ مَرِيْضًا، اور اگر وہ تصرف کرنے والا مریض تھا، يَنْفُذُ مِنَ الثُّلُثِ، تو یہ

تصرف نافذ ہو گا اس کے ثلثِ مال میں سے۔[٢]

فَالْمُرَادُ التَّصَرُّفُ الَّذِيْ هُوَ إِنْشَاءٌ، پس یہاں جو تصرف ذکر ہو رہا ہے اس سے مراد وہ تصرف ہے اَلَّذِيْ هُوَ إِنْشَاءٌ، جو انشاء ہو، جو کیا ہو؟ انشاء ہو، یعنی جس میں کسی ایک چیز کو وجود دے رہا ہو۔ دیکھو وہ کیا کہہ رہا ہے اپنے غلام سے؟ أَنْتَ حُرٌّ، تو کیا ہے؟ آزاد ہے، آزاد۔ تو دیکھو آزادی کو وہ وجود دے رہا ہے، خبر نہیں دے رہا، کیونکہ خبر دے گا پھر تو جھوٹی خبر ہے وہ تو غلام ہے آزاد تو نہیں ہے، بلکہ یہاں وہ کیا کر رہا ہے؟ آزادی کو وجود دے رہا ہے یعنی غلام کو آزاد کر رہا ہے۔ تو کہتے ہیں: فَالْمُرَادُ التَّصَرُّفُ الَّذِيْ هُوَ إِنْشَاءٌ، تو مراد اس سے وہ تصرف ہے جو کہ انشاء ہو، وَيَكُوْنُ فِيْهِ مَعْنَى التَّبَرُّعِ، اور اس کے اندر تَبَرُّع والا معنیٰ بھی ہو۔ اس کے اندر، اس میں تبرع والا معنیٰ بھی ہو۔ تبرع کا معنیٰ ہے کوئی کام ثواب کی نیت سے کرنا، کوئی کام احسان کے طور پر کسی پر کرنا۔ دیکھو غلام کو آزاد کر رہا ہے، اب یہ اس پر لازم تو نہیں تھا۔ تو جو کام لازم نہ ہو اور انسان کرے اس کو کیا کہتے ہیں؟ تبرع، بھئی اپنی طرف سے ثواب کی نیت سے جو کام کرتا ہے، احسان کے طور پر جو کرتا ہے وہ کیا ہے؟ تبرع۔ اپنے غلام کو آزاد کر رہا ہے، دیکھو اس پر لازم نہیں ہے اپنے غلام کو آزاد کرے اور نیز یہ کیا کر رہا ہے؟ ثواب کی نیت سے کر رہا ہے، احسان کے طور پر کر رہا ہے۔

تو کہتے ہیں تصرف سے مراد وہ تصرف ہے هُوَ إِنْشَاءٌ، جو انشاء ہو، وَيَكُوْنُ فِيْهِ مَعْنَى التَّبَرُّعِ، اور اس کے اندر تبرع والا معنیٰ بھی ہو یعنی احسان والا معنیٰ بھی ہو۔ حَتّٰى أَنَّ الْإِقْرَارَ بِالدَّيْنِ فِي الْمَرَضِ يَنْفُذُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ، انہوں نے کیا بتلایا؟ کہ تصرف سے وہ تصرف مراد ہے جو انشاء کے قبیل سے ہو، انشاء کے قبیل سے ہو۔ اگر انشاء کے قبیل سے نہیں ہے، اِخبار کے قبیل سے ہے، تو پھر وہ سارے مال میں بھی نافذ ہو جائے گا۔ جیسے ایک شخص اقرار کرتا ہے، اقرار کرتا ہے مرض الموت کے اندر، کہ میں نے زید کا دس لاکھ روپیہ دینا ہے، تو یاد رکھیے اب یہ سارا دس لاکھ روپے دینا پڑے گا، کیونکہ یہ انشاء نہیں کر رہا، زید کو دس لاکھ دینے کا اعلان نہیں کر رہا، یہ صرف خبر دے رہا ہے کہ معلوم ہوا میرے ذمے پرانے، میرے ذمے پہلے سے ہی زید کے کتنے ہیں؟ دس لاکھ روپے، وہ میرے ذمے میں ہیں، تو خبر دے رہا ہے۔ تو اخبار کی صورت میں سارے مال کے اندر وہ نافذ ہو جائے گا، اب دس لاکھ دینے پڑیں گے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ اقرار ہے، دَین کا اقرار کر رہا ہے، اور دَین کیا ہوتا ہے؟ وصیت پر مقدم ہوتا ہے۔ آپ کو میں نے بتلایا تھا، جب کسی شخص کا انتقال ہو جائے تو سب سے پہلے اس کے کفن دفن کا بندوبست کیا جاتا ہے اس کے مال میں سے، پھر اس کے دُیُون ادا کرتے ہیں چاہے سارا مال ہی کیوں نہ ختم ہو جائے، پھر جو مال بچ جائے اس کے ثلث میں وصیت نافذ کرتے ہیں، پھر جو باقی دو ثلث بچ جائیں وہ وارثوں کو دے دیتے ہیں۔ تو دَین کا درجہ کون سا ہے؟ دوسرا درجہ ہے، اور وہ وصیت

[٢] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ٢٠٤): صوتی درس کی قراءت میں «فَفِي الْمُنَجَّزِ تُعْتَبَرُ حَالَةُ التَّصَرُّفِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «ففي المنجزِ يعتبرُ حالةُ التَّصرُّف،» منقول ہے۔

پر بھی مقدم اور وہ وارثوں پر بھی مقدم۔ تو دَین سب پر مقدم ہے۔ لیکن اس دَین میں پھر یاد رکھنا، ایک وہ دَین ہے جس کا اقرار وہ صحت کی حالت میں کرتا ہے، یا ایک وہ دَین ہے جس پر گواہ موجود ہیں، یا ایک وہ دَین ہے جس کا سب کو پتا ہے، پہلے سے ہی سب کے سامنے ایک معاملہ ہوا تھا، تو وہ دَین جس کا اقرار وہ صحت کی حالت میں کر

تے، یا وہ دَین جس پر گواہ موجود ہوں، یا وہ دَین جس کا سب کو پتا ہو، یہ والے جو دُیُون ہیں یہ دُیُونِ صحت کہلاتے ہیں۔ اور مرض الموت میں جس دَین کا وہ اقرار کرے وہ دَینِ مرض کہلاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو پھر ان دُیُون میں فرق کیا جائے گا: سب سے پہلے جو دُیُونِ صحت ہیں، جن کا صحت کی حالت میں اقرار کیا، یا جس پر گواہ ہیں، یا جس کا سب کو پتا ہے، تو پہلے ان دُیُونِ صحت کو ادا کیا جائے گا۔ اور جب وہ ادا ہو جائیں گے، پھر دَینِ مرض کی طرف آئیں گے، پھر وہ ادا کریں گے۔ اب جو باقی مال بچ گیا اس میں وصیت بھی نافذ کریں گے اور وارثوں کو بھی دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بتلانے کا مقصد یہ تھا کہ دَینِ صحت مقدم ہے دَینِ مرض پر۔ دَینِ مرض بھی کل مال میں آتا ہے اور دَینِ صحت بھی کل مال میں، لیکن اگر دونوں جمع ہو جائیں تو ترجیح کس کو ہے؟ دَینِ صحت کو ترجیح ہے بھئی۔ نافذ دونوں کو کرنا ہے لیکن ان دونوں میں سے پھر پہلے دَینِ صحت کو نافذ کرنا ہے۔

اور اگر مرض الموت میں کوئی شخص اقرار کرتا ہے کہ میں نے زید کا دس لاکھ روپیہ دینا ہے، تو آپ فوراً یہ نہ حکم لگا دیں کہ یہ دَینِ مرض ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے مرض الموت میں وہ اقرار کر رہا ہے لیکن اس پر گواہ بھی موجود ہیں۔ جب گواہ موجود ہیں پھر تو یہ کیا ہوا؟ دَینِ صحت ہوا بھئی۔ اقرار تو وہ ہے نا جس میں کوئی گواہ وغیرہ نہیں ہوتے، اور یہاں تو گواہ موجود ہیں، تو اس کو تو دَینِ صحت ہی شمار کریں گے۔ یا وہ مرض الموت میں کہتا ہے میں نے زید کے دس لاکھ روپے دینے ہیں، لیکن یہ ایسا دَین ہے جس کا سب لوگوں کو پتا ہے، تو اس کو پھر دَینِ مرض نہیں شمار کریں گے یہ تو سب کو پتا ہے، یہ دَینِ صحت ہی شمار ہو گا۔ دَینِ مرض وہ ہے جس کا اقرار اس نے پہلے نہیں کیا تھا، کسی کو پتا نہیں اس کا، کوئی گواہ وغیرہ نہیں، لوگوں کو نہیں پتا، اب وہ مرض الموت میں اقرار کرتا ہے، تو یہ ہے دَینِ مرض۔ اور اگر دَین کا اس نے صحت کی حالت میں اقرار کیا، یا اس پر گواہ موجود ہیں، یا سب لوگوں کو پتا ہے، تو وہ دَینِ صحت کہلائے گا، چاہے مرض الموت میں بھی اس پر تکلم وہ کیوں نہ کر دے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنیٰ ہے: حَتّٰى أَنَّ الْإِقْرَارَ بِالدَّيْنِ فِي الْمَرَضِ يَنْفُذُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ، یہاں تک کہ دَین کا جو اقرار ہے، فِي الْمَرَضِ، مرض الموت میں، يَنْفُذُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ، وہ نافذ ہو گا سارے مال کے اندر۔ وَالنِّكَاحَ فِي الْمَرَضِ بِمَهْرِ الْمِثْلِ يَنْفُذُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ، اور اسی طرح نکاح جو ہے، نکاح جو ہے مرض الموت میں مہرِ مثل کے بدلے، یہ نافذ ہو جائے گا پورے مال میں سے، کیونکہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ نکاح کیا ہے؟ انسان کی حاجتِ اصلی ہے، اور حاجتِ اصلی کے اندر چاہے سارا مال ہی کیوں نہ لگ جائے، وہ لگانا پڑے گا۔ تو یہاں پر بھی نکاح جب وہ کرتا ہے تو جتنے مال پر وہ نکاح کر رہا ہے مرض الموت میں، وہ مال

نہیں دیں گے عورت کو بلکہ مہرِ مثل کا اعتبار کریں گے، مہرِ مثل کا۔ ہاں اگر عورت سے نکاح مہرِ مثل سے کم میں کیا ہے، پھر تو کم دیں گے اس عورت کو جو کم ہے، کیونکہ زائد کو اس نے خود ہی چھوڑ دیا ہے۔ اور اگر اس نے مہرِ مثل سے زیادہ پر نکاح کیا ہے، تو پھر عورت کو مہرِ مثل دیں گے، زائد نہیں دیں گے۔ کیونکہ یہاں وہ اس کو اپنی حاجتِ اصلی میں لگا رہا ہے، نکاح انسان کی حاجتِ اصلی ہے، لیکن حاجتِ اصلی میں اتنا ہی لگائیں گے جتنی ضرورت ہے، اور ضرورت یہاں مہرِ مثل سے پوری ہو رہی ہے، تو زائد نہیں دیں گے اس عورت کو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَالنِّكَاحَ فِي الْمَرَضِ بِمَهْرِ الْمِثْلِ يَنْفُذُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ، اور اسی طرح نکاح جو ہے مرض الموت کے اندر مہرِ مثل کے ساتھ یہ نافذ ہو گا پورے مال میں۔ وَأَمَّا الْمُضَافُ إِلَى الْمَوْتِ، اور باقی وہ تصرف جس کی نسبت کی گئی ہو موت کی طرف، فَيُعْتَبَرُ مِنَ الثُّلُثِ، تو اس کا اعتبار کیا جائے گا ثلثِ مال میں سے، سَوَاءٌ كَانَ فِيْ زَمَنِ الصِّحَّةِ أَوْ زَمَنِ الْمَرَضِ، برابر ہے کہ وہ صحت کے زمانے میں ہو یا مرض کے زمانے میں ہو، یعنی دونوں برابر ہیں اس کے اندر، جب موت کی طرف نسبت کی ہے تو ثلث سے ہی معتبر ہو گا۔[٣]

وَمَرَضٌ صَحَّ مِنْهُ كَالصِّحَّةِ، اور ایسا مرض جس سے وہ شخص تندرست ہو گیا، كَالصِّحَّةِ، وہ صحت کی طرح ہے۔ میں نے بتلایا مرض الموت کا پتا کس سے چلے گا؟ مرنے سے۔ جب وہ مرے گا تب ہمیں پتا چلے گا یہ مرض الموت تھا، اس پہ اب مرض الموت والے احکام جاری ہوں گے سارے۔ اور اگر وہ تندرست ہو گیا، تو پھر اس کو مرض نہیں شمار کریں گے، اس مرض کے اندر جتنے اس نے اقرار وغیرہ کیے ہیں وہ صحت والے اقرار شمار ہوں گے، کیونکہ وہ تندرست ہو گیا ہے، وہ اس مرض سے مرا نہیں۔ تو یہ مرض جس سے انسان تندرست ہو جائے وہ بھی کس کے درجے میں ہے؟ صحت کے درجے میں ہے۔ یہ معنیٰ ہے: وَمَرَضٌ صَحَّ مِنْهُ، اور ایسا مرض جس سے وہ تندرست ہو جائے، كَالصِّحَّةِ، وہ بھی کس کی طرح ہے؟ صحت کی طرح ہے یعنی اس کا بھی وہی حکم ہے۔

وَإِعْتَاقُهُ وَمُحَابَاتُهُ وَهِبَتُهُ وَضَمَانُهُ وَصِيَّةٌ، مرض الموت کے اندر اگر کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کرے تو یاد رکھو یہ اعتاق وصیت کے درجے میں ہے۔ آزادی کس میں، کس حالت میں آزاد کر رہا ہے؟ مرض الموت میں، اور مرض الموت کے اندر جو تصرف کیا جائے وہ کتنے میں نافذ ہوتا ہے؟ ثلث میں۔ تو گویا یہ اعتاق وصیت ہے، یہ اعتاق کیا ہے؟ وصیت کے درجے میں ہے۔

اسی طرح محابات، محابات پہلے بھی یہ لفظ گزرا ہے میں نے بتلایا تھا بھئی، محابات کہتے ہیں سہولت دینا، کسی کے ساتھ

---

[٣] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ٢٠٤): صوتی درس کی قراءت میں «سَوَاءٌ كَانَ فِيْ زَمَنِ الصِّحَّةِ أَوْ زَمَنِ الْمَرَضِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «سواءٌ في زمنِ الصِّحَّةِ أو زمنِ من المرض.» منقول ہے۔

نرمی کرنا، یعنی بیع وغیرہ میں کسی کے ساتھ نرمی کرنا۔ اور مثلاً میں نے اس کی مثال بھی ذکر کی تھی: آپ کے پاس دس لاکھ کی گاڑی ہے اور آپ کو بھی پتا ہے اس کی قیمت دس لاکھ ہے، اور آپ وہ اپنے ساتھی کو پانچ لاکھ میں دے دیتے ہیں، تو یہ محابات ہے، آپ نے اس کے ساتھ بیع میں نرمی کر دی۔ آپ کو بھی پتا تھا گاڑی دس لاکھ کی ہے، لیکن آپ نے پانچ لاکھ میں گاڑی زید کو فروخت کر دی، گویا آپ اس کو پانچ لاکھ کا ویسے ہی فائدہ دینا چاہتے ہیں، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ محابات، یعنی بیع وغیرہ میں کسی کے ساتھ نرمی کرنا۔ تو محابات جب اگر کوئی شخص کرے مرض الموت میں، یعنی کوئی چیز قیمت سے کم پر کسی کو دے، تو یہ مرض الموت میں تصرف کر رہا ہے اور اپنا زائد مال دوسرے کو دینا چاہ رہا ہے، تو یہ بھی وصیت ہے، اس کا اعتبار بھی کس سے کریں گے؟ ثلث میں سے۔ مثلاً ایک شخص نے میں نے بتلایا زید کو دس لاکھ والی گاڑی کتنے کی دے دی؟ پانچ لاکھ میں، تو گویا وہ پانچ لاکھ زید کو دے رہا ہے، تو اس پانچ لاکھ کو وصیت شمار کریں گے، اور دیکھیں گے یہ ثلثِ مال میں سے نکل آتے ہیں یا نہیں۔ اگر نکل آتے ہیں تو پھر ٹھیک ہے زید کو دے دیں گے وہ دس لاکھ والی گاڑی پانچ لاکھ میں، اور اگر نہیں نکلتے تو پھر جتنا ثلث کے بقدر ہو گا اتنا زید کے لیے کمی کر دیں گے اور باقی اس سے لے لیں گے۔

وَهِبَتُهُ، اور اسی طرح کسی کو ہبہ کرنا، تحفے کے طور پر کوئی چیز دینا۔ جیسے مثلاً ایک شخص نے مرض الموت کے اندر زید کو دس لاکھ روپے تحفے کے طور پر دے دیے، تو یہ دس لاکھ سارے زید کو نہیں دیں گے، کیونکہ یہ مرض الموت میں تحفہ دے رہا ہے، وہ وصیت کے حکم میں ہے، تو ثلث کے اندر وصیت نافذ ہو گی۔ تو ثلث میں سے جتنے لاکھ بنتے ہیں وہ دے دیں گے زید کو اور باقی اس سے واپس لے لیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اسی طرح وَضَمَانُهُ، کوئی شخص مرض الموت میں کسی کو ضمانت دیتا ہے کہ مثلاً یہ چیز خرید لو، اگر اس میں نقصان ہوا تو میں ضامن ہوں میرے سے پیسے لے لینا۔ تو یہ کس حالت میں کر رہا ہے یہ عقد؟ مرض الموت میں۔ تو اس صورت میں یہ بھی ثلث سے معتبر ہو گا، تو اگر اس کو ضمان ادا کرنا پڑ گیا تو ثلث میں سے جتنا نکلتا ہے وہ دے دیا جائے گا، باقی نہیں دیا جائے گا۔ یہ معنیٰ ہے: وَإِعْتَاقُهُ وَمُحَابَاتُهُ وَهِبَتُهُ وَضَمَانُهُ وَصِيَّةٌ، مرض الموت میں مبتلا شخص کا اپنے غلام کو آزاد کرنا، یا محابات کرنا مرض الموت میں، یا ہبہ کرنا، یا ضمانت دینا، وَصِيَّةٌ، یہ سب کیا ہیں؟ وصیت ہیں یعنی ان کا حکم وصیت والا ہے، کیونکہ یہ مرض الموت میں یہ تصرفات کر رہا ہے۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

فَإِنْ حَابَى فَأَعْتَقَ فَهِيَ أَحَقُّ، وَهُمَا فِيْ عَكْسِهِ سَوَاءٌ.

صورتِ مسئلہ یہ ہے: ایک شخص نے مرض الموت میں محابات بھی کی اور اپنا ایک غلام بھی آزاد کیا۔ پہلے محابات کی

اور پھر غلام آزاد کیا، اور وہ دونوں ثلث میں سے پورے نہیں ہوتے۔ محابات اور اعتاق ہم دونوں کو نافذ کرنا چاہتے ہیں، لیکن دونوں تصرفات کس حالت میں ہیں؟ مرض الموت میں۔ ثلث میں سے دونوں پورے نہیں ہوتے تو پھر کیا کریں گے؟ کہتے ہیں بھئی محابات مقدم ہے اعتاق پر۔ امام صاحب کے نزدیک محابات، اس کو ترجیح ہے کس پر؟ اعتاق پر، اس لیے کیونکہ محابات عقدِ معاوضہ کے ضمن میں ہوا ہے۔بیع ہوتی ہے نا اس میں، تو اس میں کیا ہوتا ہے عقدِ معاوضہ۔ اور اعتاق وہ تو تبرع ہے، اپنی طرف سے آزاد کر رہا ہے، اس پر تو کوئی لازم نہیں تھا۔ تو ایک ہے عقدِ معاوضہ اور ایک ہے عقدِ تبرع، تو عقدِ معاوضہ کو ترجیح ہے بھئی اس کو پورا کرنا اب ضروری ہے بھئی کیونکہ اس میں کچھ چیز آپ دے رہے ہیں تو عوض میں دوسرے سے بھی کچھ لے رہے ہیں، تو وہ ضروری ہے۔ اور اعتاق وہ تو تبرع ہے، وہ تو کیا ہے؟ تبرع ہے بھئی۔ وہ جو عقدِ معاوضہ ہوتا ہے وہ تو آپ پر لازم ہوتا ہے، وہ آپ کو کرنا پڑتا ہے، اور یہ جو اعتاق ہے یہ تو لازم نہیں ہے یہ کیا ہے؟ تبرع۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ محابات کو ترجیح ہے کس پر؟ اعتاق پر۔

لہٰذا اب مسئلہ کیا ہے؟ وہ شخص مرض الموت میں بتلا، اس نے پہلے محابات کی اور اس کے بعد اعتاق کیا۔ محابات میں بھی کچھ پیسے اس نے چھوڑے ہیں اور اعتاق کے اندر پورا غلام ہاتھ سے نکل رہا ہے، تو یہ ثلث کے اندر دیکھیں گے۔ کس میں؟ ثلث میں سے اگر یہ دونوں چیزیں ہو سکتی ہیں تو دونوں کر دی جائیں گی، محابات بھی جتنی اس نے کی ہے وہ کر دی جائے گی اور غلام بھی آزاد ہو جائے گا۔ اور اگر ثلث میں سے یہ دونوں پورے نہیں ہوتے، ایک پورا ہوتا ہے یا محابات ہو سکتی ہے یا اعتاق، تو امام صاحب کے نزدیک محابات کو ترجیح ہے، لہٰذا محابات کر لیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟

پھر سنو، پہلے کیا کیا ہے اس نے؟ محابات۔ ترتیب بھی یاد رکھنا۔ پہلے محابات کی ہے، پھر اعتاق کیا ہے۔ تو امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ ترجیح کس کو ہے؟ محابات کو۔ اور نیز محابات اس نے پہلے بھی کی ہے تو اس کی دو وجہیں ہو گئیں ترجیح کی۔ لہٰذا ثلث میں سے اگر دونوں نہیں نکلتے پھر کس کو کر دو؟ محابات کر دو۔ اور اعتاق، اعتاق پھر مفت میں نہیں ہو گا، اعتاق بھی ہم کر دیں گے لیکن غلام جائے گا اور جا کر اپنی ساری قیمت لا کر کما کر دے گا، نافذ تو ہم کر دیں گے لیکن وہ اپنی قیمت لا کر کما کر دے گا بھئی۔

اور اگر اس نے اعتاق پہلے کیا مرض الموت میں اور اس کے بعد محابات کی، تو ترجیح کس کو ہے؟ محابات کو، امام صاحب کے نزدیک محابات کو ترجیح ہے، لیکن یہاں اعتاق کی بھی وجہِ ترجیح آگئی کیونکہ پہلے اعتاق کیا ہے۔ تو مقدم کرنا بھی تو ترجیح ہے نا، معلوم ہوا وہ کس کو ترجیح دے رہا ہے؟ اعتاق کو۔ تو چونکہ اس نے ایک تصرف پہلے کیا ہے تو تقدیم کی وجہ سے ایک وجہِ ترجیح آگئی، تو اعتاق کی بھی وجہِ ترجیح آگئی اور محابات کی بھی۔ اعتاق کی وجہِ ترجیح کیا؟ کہ اس نے پہلے

اعتاق کیا ہے، اور محابات کی وجہِ ترجیح کیا؟ کہ یہ عقدِ معاوضہ ہے اور اس کو ترجیح ہوتی ہے۔ تو دونوں کی وجہِ ترجیح آگئی تو دونوں برابر ہو گئے، دونوں کیا ہو گئے؟ برابر ہو گئے۔ لہٰذا اس صورت میں اس ثلث میں سے نصف غلام کے حق میں چلا جائے گا اور نصف محابات کے حق میں چلا جائے گا۔ تو نصف رعایت غلام میں کر دیں گے اور باقی کے اندر وہ سعایہ کرے گا، جا کر کما کر لا کر دے گا، مفت نہیں آزاد ہو گا۔ اور نصف وہ رعایت کس میں کر دیں گے؟ محابات میں کر دیں گے اور جو باقی ہو گا وہ وصول کر لیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

پھر سنو، اگر محابات مقدم ہو اور اعتاق بعد میں ہو تو محابات کو تو ویسے بھی ترجیح ہے، پھر وہ مقدم بھی ہو گیا، لہٰذا اعتاق اس کے مقابلے میں نہیں آئے گا، سارا ثلث کس میں نافذ کر دیں گے؟ محابات ہی کے اندر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور اگر اعتاق مقدم کیا ہے اور محابات بعد میں کیا ہے، تو اعتاق کی وجہِ ترجیح بھی آگئی اور محابات کی وجہِ ترجیح بھی موجود ہے، تو دونوں برابر ہو گئے۔ تو اب وہ نصف، آدھا آدھا دونوں کی طرف کر دیں گے۔

آگے تفصیل وہ خود بھی بیان کر رہے ہیں، دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: فَإِنْ حَابٰى فَأَعْتَقَ، پس اگر اس مریض نے محابات کی، فَأَعْتَقَ، پھر اعتاق کیا، فَهِيَ أَحَقُّ، تو محابات زیادہ لائق ہے۔ هِيَ ضمیر کس کو راجع؟ محابات کو، کیونکہ ایک ہے اِعْتَاق، بھئی اعتاق کے آخر میں تو کوئی گول تا نہیں ملی ہوئی، اور مُحَابَاة کے آخر میں گول تا ہے، تو اس کے لیے کہا فَهِيَ، واحد مؤنث کی ضمیر راجع کر دی، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو فَهِيَ أَحَقُّ، تو محابات جو ہے وہ زیادہ لائق ہے یعنی اس میں وہ ثلث اس کے اندر نافذ کر دیں گے۔ وَهُمَا فِيْ عَكْسِهِ سَوَاءٌ، اور یہ دونوں جو ہیں یعنی اعتاق اور محابات، فِيْ عَكْسِهِ، اس کے برعکس صورت میں، سَوَاءٌ، برابر ہیں۔ اگر پہلے کیا اعتاق اور پھر کیا محابات، پھر دونوں برابر۔ اعتاق کی وجہِ ترجیح کیا؟ وہ مقدم ہے۔ محابات کی وجہِ ترجیح کیا؟ کہ وہ عقدِ معاوضہ ہے، تو دونوں کی وجہِ ترجیح موجود، دونوں برابر ہو گئے۔

صُوْرَةُ الْمُحَابَاةِ ثُمَّ الْإِعْتَاقِ، اب بیان کرنے لگے ہیں، کہتے ہیں محابات اور پھر اعتاق کی جو صورت ہے وہ یہ ہے: بَاعَ عَبْدًا

کہ ایک شخص نے بیچا ایسا غلام، قِيْمَتُهُ مِائَتَانِ، جس کی قیمت کتنی تھی؟ دو سو تھی۔ بھئی عَبْدًا نکرہ آیا اور قِيْمَتُهُ مِائَتَانِ یہ پورا جملہ ہے، قِيْمَتُهُ مبتدا اور مِائَتَانِ اس کی خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ۔ اور جملہ اسمیہ آگیا نکرہ کے بعد، اور جملہ اسمیہ کس کے حکم میں ہوتا ہے؟ نکرہ کے حکم میں، تو نکرہ کے بعد نکرہ آیا تو یہ اس کی صفت بنے گا۔ تو عَبْدًا موصوف اور قِيْمَتُهُ مِائَتَانِ اس کی صفت۔ اب ترجمہ سنو: بَاعَ عَبْدًا قِيْمَتُهُ مِائَتَانِ، بیچا مریض نے، مرض الموت والے نے، اس نے بیچا ایسا غلام قِيْمَتُهُ مِائَتَانِ جس کی قیمت دو سو درہم تھی، اس غلام کو اس نے بیچا بِمِائَةٍ، سو کے بدلے میں۔

دو سو والا، ادھر دیکھو بھئی صورت سمجھ لو۔ ایک شخص کے دو غلام ہیں، وہ جو مریض ہے مرض الموت میں اس کے دو

غلام ہیں بس، اور کوئی مال اس کا ہے ہی نہیں۔ دو غلام ہیں اور ان دونوں میں سے ایک غلام دو سو درہم والا ہے اور ایک غلام سو درہم والا ہے۔ توجہ ہے؟ مریض ہے مرض الموت میں، اس کا اور کوئی مال نہیں، صرف دو غلام ہیں، ایک غلام ہے دو سو درہم والا اور ایک غلام ہے سو درہم والا۔ اب اس نے کیا کیا؟ دو سو درہم والا غلام وہ کسی کو بیچ دیا سو درہم میں، معلوم ہوا وہ اس کو سو درہم ویسے دینا چاہتا ہے، وہ خریدار کو وہ سو درہم ویسے دینا چاہتا ہے، اور سو درہم والے غلام کو اس نے آزاد کر دیا۔ پہلے محابات کی ہے اور اس کے بعد اعتاق کیا ہے۔

دوبارہ دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: صُوْرَةُ الْمُحَابَاةِ ثُمَّ الْإِعْتَاقِ، محابات اور پھر اعتاق کی صورت جو ہے: بَاعَ عَبْدًا قِيْمَتُهُ مِائَتَانِ بِمِائَةٍ، کہ بیچا اس مرض الموت والے نے ایسے غلام کو جس کی قیمت دو سو درہم تھی، اس کو بِمِائَةٍ، سو درہم کے بدلے بیچ دیا۔ ثُمَّ أَعْتَقَ عَبْدًا قِيْمَتُهُ مِائَةٌ، پھر اس نے آزاد کیا ایسا غلام جس کی قیمت ایک سو درہم تھی، وَلَا مَالَ لَهُ سِوَاهُمَا، اور اس شخص کا ان دونوں کے علاوہ اور کوئی مال نہیں ہے۔ تو يُصْرَفُ الثُّلُثُ إِلَى الْمُحَابَاةِ، ترجیح کس کو ہے؟ محابات کو۔ تو يُصْرَفُ الثُّلُثُ إِلَى الْمُحَابَاةِ، تو وصیت والے ثلث کو پھیرا جائے گا إِلَى الْمُحَابَاةِ، کس کی طرف؟ محابات کی طرف۔ محابات کی طرف پھیر دیا۔

کل مال کتنے درہم ہو گیا؟ ایک غلام دو سو والا ہے، ایک سو والا ہے، کل مال کتنا؟ تین سو درہم ہو گیا، اور تین سو درہم کا ثلث کتنا؟ ایک سو درہم۔ اور ایک سو درہم سے تو یہ دونوں نہیں ہو سکتے۔ محابات بھی سو درہم کی کی ہے اور غلام بھی سو درہم والا آزاد کیا ہے، تو تصرف جو کیے وہ دو سو درہم والے کیے، اور ثلث کتنا بنتا ہے؟ سو درہم بنتا ہے۔ تو وہ ثلث کس کی طرف پھیر دیں گے؟ محابات کی طرف، تو محابات ٹھیک ہو گئی، اس نے دو سو کا غلام کتنے میں دے دیا؟ سو میں۔ البتہ جو دوسرا غلام آزاد کیا، اب وہ مفت آزاد نہیں ہو گا، وہ جا کر پوری قیمت کما کر لا کر دے گا کیونکہ ثلث میں سے اس کے حصے میں کچھ بھی نہیں آیا، پھر وہ آزاد ہو جائے گا جب ادائیگی کر دے گا۔

تو کہتے ہیں: يُصْرَفُ الثُّلُثُ إِلَى الْمُحَابَاةِ، تو پھیر دیا جائے گا اس ثلث کو محابات کی طرف۔ وَيَسْعَى الْمُعْتَقُ فِيْ كُلِّ قِيْمَتِهِ، اور سعی کرے گا یعنی کوشش کرے گا، کمائی کرے گا، یا یوں کہیں مزدوری کرے گا، اَلْمُعْتَقُ، وہ جو آزاد کیا ہوا غلام ہے، فِيْ كُلِّ قِيْمَتِهِ، اپنی پوری قیمت میں۔ پوری قیمت لا کر کما کر دے گا۔ آزاد وہ ہو گیا لیکن پابند ہے، جائے گا اور جا کر پوری قیمت کی ادائیگی کرے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

وَصُوْرَةُ الْعَكْسِ، اور اس کی برعکس صورت بھئی، کہ پہلے اعتاق ہو اور پھر محابات ہو۔ کہتے ہیں اس کی برعکس صورت جو ہے کہ أَعْتَقَ الْعَبْدَ الَّذِيْ قِيْمَتُهُ مِائَةٌ، کہ اس نے آزاد کیا اپنے اس غلام کو جس کی قیمت ایک سو درہم تھی، ثُمَّ بَاعَ الْعَبْدَ الَّذِيْ قِيْمَتُهُ مِائَتَانِ بِمِائَةٍ، پھر اس نے بیچ دیا اس غلام کو جس کی قیمت دو سو درہم تھی، اس کو بیچ دیا سو درہم کے بدلے۔

تو یُقَسَّمُ الثُّلُثُ، تو اب دونوں برابر ہو گئے نا! پہلے کیا کیا؟ اعتاق، اور پھر کیا کیا؟ محابات، تو دونوں کی وجہِ ترجیح آگئی تو دونوں برابر۔ تو اب وہ جو وصیت والا ثلث ہے، وہ اب صرف محابات یا صرف اعتاق کی طرف نہیں پھیریں گے بلکہ دونوں میں تقسیم کر دیں گے۔ تو ثلث کتنا تھا؟ سو درہم۔ تو پچاس درہم کا فائدہ کس کو دے دیں گے؟ محابات والے کو، اور پچاس درہم کا فائدہ اعتاق یعنی وہ غلام کو دے دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو معلوم ہوا غلام کی قیمت ہے سو درہم، تو پچاس اس میں سے مفت آزاد ہو گیا، اور پچاس میں جا کر وہ سعایہ کرے گا، کما کر لا کر دے گا۔ غلام تو آزاد ہو گیا لیکن پچاس درہم کما کر لا کر دے گا۔ اور محابات والا، اس کو دو سو درہم والا غلام کتنے کا دیا تھا؟ سو درہم کا، لیکن اس کے حصے میں کتنے آئے؟ پچاس درہم، تو اب اس کو سو درہم کی رعایت نہیں ہو گی بلکہ کتنے درہم کی رعایت ہو گی؟ پچاس درہم کی رعایت ہو گی۔ جب پچاس درہم کی رعایت ہوئی تو دو سو والا غلام کتنے کا دے دیں گے اس کو؟ ڈیڑھ سو میں دے دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: یُقَسَّمُ الثُّلُثُ وَهُوَ الْمِائَةُ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ، تو تقسیم کر دیا جائے گا اس ثلث کو یعنی وہ جو کل مال کا ثلث ہے وَهُوَ الْمِائَةُ اور وہ ایک سو درہم ہے، بَيْنَهُمَا، ان دونوں کے درمیان، نِصْفَيْنِ، آدھا کر کے۔ فَالْعَبْدُ الْمُعْتَقُ يَعْتِقُ نِصْفُهُ مَجَّانًا، پس وہ غلام جو ہے جس کو آزاد کیا گیا، يَعْتِقُ نِصْفُهُ مَجَّانًا، اس کا نصف تو آزاد ہو جائے گا مفت ہی، مَجَّانًا، مفت، مفت ہی۔ وَيَسْعٰى فِيْ نِصْفِ قِيْمَتِهِ، اور باقی آدھی قیمت میں وہ سعی کرے گا یعنی پچاس درہم کما کر لا کر دے گا۔ وَصَاحِبُ الْمُحَابَاةِ، اور محابات والا جو ہے، يَأْخُذُ الْعَبْدَ الْآخَرَ، وہ دوسرے غلام کو لے لے گا یعنی وہ جو دو سو درہم والا غلام ہے اس کو لے لے گا، بِمِائَةٍ وَخَمْسِيْنَ، ایک سو پچاس درہم کے بدلے میں۔[۴]

وَقَالَا عِتْقُهُ أَوْلٰى فِيْهِمَا، اور صاحبین فرماتے ہیں: عِتْقُهُ أَوْلٰى فِيْهِمَا۔ صاحبین فرماتے ہیں ان دونوں صورتوں میں آزادی اولیٰ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ عِتْقُ اولیٰ ہے، عِتْقُ۔ کیوں بھئی؟ عِتْقُ کیوں اولیٰ؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اعتاق جو ہے وہ فسخ کو قبول نہیں کرتا۔ ایک آدمی اپنے غلام کو آزاد کر دے، اب یہ آزادی فسخ نہیں کر سکتا، اب وہ آزاد ہو گیا، اب کوئی صورت نہیں آزادی کو فسخ کرنے کی۔ جبکہ محابات فسخ ہو سکتی ہے، کیسے؟ کیونکہ محابات بیع کے ضمن میں ہوتی ہے۔ کس کے ضمن میں؟ بیع کے۔ اور بیع کبھی کبھار فسخ ہو جاتی ہے یا نہیں؟ بیع تو کبھی کبھار فسخ بھی ہو جایا کرتی ہے، تو محابات میں تو فسخ کا احتمال ہے لیکن اعتاق میں فسخ کا احتمال نہیں، تو اعتاق اولیٰ ہوا۔ تو اعتاق کو ترجیح دیں گے۔ لہٰذا محابات بھی کی ہے اور اعتاق بھی کیا ہے، تو پھر ترجیح کس کو ہو گی؟ اعتاق کو ترجیح ہو گی۔

---

[۴] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۲۰۵):** صوتی درس کی قراءت میں «يُقَسَّمُ الثُّلُثُ وَهُوَ الْمِائَةُ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «يَقْسِمُ الثُّلُث، وهو المئةُ بينهما نصفين،» منقول ہے۔

تو کہتے ہیں: وَقَالَا عِتْقُهُ أَوْلٰى فِيْهِمَا، صاحبین فرماتے ہیں کہ اس غلام کی آزادی جو ہے وہ اولیٰ ہے دونوں صورتوں میں، لِأَنَّهُ لَا يَلْحَقُهُ الْفَسْخُ، اس لیے کیونکہ آزادی جو ہے اس کو فسخ لاحق نہیں ہو سکتا، اس کے ساتھ فسخ نہیں مل سکتا۔ لَهُ، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ أَنَّ الْمُحَابَاةَ أَقْوٰى، کہ محابات جو ہے وہ زیادہ قوی ہے، لِأَنَّهَا فِيْ ضِمْنِ عَقْدِ الْمُعَاوَضَةِ، اس لیے کیونکہ محابات جو ہے وہ عقدِ معاوضہ کے ضمن میں ہے، عقدِ معاوضہ کے ضمن میں ہے، اس کے اندر ہے۔ لٰكِنْ إِنْ وُجِدَ أَوَّلًا، لیکن اگر وہ آزادی پہلے پائی گئی، امام صاحب کے نزدیک ترجیح کس کو ہے؟ محابات کو، لیکن اگر آزادی پہلے پائی گئی، اعتاق پہلے ہوا، پھر اس کی بھی وجہِ ترجیح آجائے گی اور پھر وہ محابات کے برابر ہو جائے گا، اور پھر وہ جو ثلث ہے دونوں میں آدھا آدھا تقسیم ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

لٰكِنْ إِنْ وُجِدَ أَوَّلًا، لیکن اگر اعتاق جو ہے وہ پہلے پایا گیا، وَهُوَ لَا يَحْتَمِلُ الدَّفْعَ، اور وہ دفع کرنے کا احتمال بھی نہیں رکھتا کہ وہ محابات کو دفع کر دے، محابات پر غالب آجائے، اور سارا مال ہم کس کی طرف پھیر دیں؟ اعتاق کی طرف، ایسا نہیں کر سکتے۔ کیوں نہیں کر سکتے؟ کیونکہ اعتاق بے شک مقدم ہو گیا، اس کو ترجیح ہو گئی، لیکن محابات میں بھی تو ایک وجہِ ترجیح موجود ہے! اگر اس میں وجہِ ترجیح بالکل نہ ہوتی، پھر اعتاق اس کو ختم کر دیتا اور اس کو دفع کر دیتا اور سارا ثلث کس میں آجاتا؟ اعتاق میں آجاتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن اعتاق محابات کو دفع نہیں کر سکتا، اس کو ختم نہیں کر سکتا، کیونکہ اس میں بھی وجہِ ترجیح موجود ہے۔ یہ معنیٰ ہے، کہتے ہیں: وَلٰكِنْ إِنْ وُجِدَ أَوَّلًا، لیکن اعتاق اگر پہلے پایا گیا، وَهُوَ لَا يَحْتَمِلُ الدَّفْعَ، اور وہ محابات کو دفع کرنے کا احتمال بھی نہیں رکھتا، فَيُزَاحِمُ الْمُحَابَاةَ، تو پھر یہ مقابل ہو جائے گا محابات کے، تو پھر یہ محابات کے مقابل ہو جائے گا، دونوں برابر ہو جائیں گے، دونوں میں آدھا آدھا حصہ تقسیم کر دیں گے۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

فَفِيْ عِتْقِهِ بَيْنَ الْمُحَابَتَيْنِ نِصْفٌ لِلْأُوْلٰى وَنِصْفٌ لِلْآخِرَيْنِ.

صورتِ مسئلہ یہ ہے: ایک آدمی نے مرض الموت میں محابات کی کسی کے ساتھ، پھر اس کے بعد اس نے غلام کو آزاد کیا، اور اس کے بعد پھر دوبارہ محابات کی۔ تو یہ عِتق آگیا دو محابات کے درمیان۔ توجہ ہے؟ تو اب کیا کریں گے؟ کہتے ہیں کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ محابات جو ہے وہ اولیٰ ہے عِتق کے مقابلے میں۔ تو جب پہلے محابات آئی، ترتیب سمجھ میں آرہی ہے؟ پہلے بھی محابات ہے، آخر میں بھی محابات ہے، درمیان میں کیا ہے؟ عِتق ہے۔ اب صورت بنا لو کہ امام صاحب فرماتے ہیں جو محابات پہلے آئی، جو محابات پہلے آئی، اس کے مقابلے میں عِتق اس کا مقابل نہیں بن سکتا، کیونکہ عِتق کدھر ہے؟ عِتق بعد میں ہے، اس پہلی کے۔ عِتق بعد میں ہے، محابات میں وجہِ ترجیح بھی، ایک تو وجہِ ترجیح ہے کہ وہ عقدِ معاوضہ

کے ضمن میں ہے اور دوسری وجہِ ترجیح کیا آگئی؟ کہ وہ مقدم بھی ہے، لہٰذا عِتق جو اس کے بعد آرہا ہے وہ اس کا مقابل نہیں بن سکتا۔ ہاں، اس کے بعد ایک اور محابات ہے، ایک اور محابات ہے۔ توجہ ہے؟ اور اس دوسری محابات سے پہلے اعتاق ہے، تو اعتاق اس دوسری محابات کا مقابل بن جائے گا۔ کیوں بنے گا؟ کیونکہ اعتاق مقدم ہے تو اس میں وجہِ ترجیح ہے، اور محابات وہ عقدِ معاوضہ ہے لہٰذا اس میں بھی وجہِ ترجیح ہے۔ تو دونوں ایک دوسرے کے برابر ہو گئے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو لہٰذا نصفِ ثلث جو ہے وہ اس پہلی محابات میں نافذ کر دیں گے، اور نصفِ ثلث جو ہے دوسری محابات اور عِتق کے بیچ آدھا آدھا کر دیں گے۔ ترتیب سمجھ میں آرہی ہے؟ پہلی محابات تو مقدم، اس کے مقابلے میں کوئی نہیں، لہٰذا آدھا حصہ اس کا ہو جائے گا، اور آدھا حصہ دوسری محابات کے ساتھ جو عِتق برابر ہے ان دونوں کا ہو جائے گا، اور اس کو پھر وہ آدھا آدھا کر لیں گے۔ مثلاً کل ثلث کتنا ہے؟ سو درہم۔ تو سو میں سے پچاس درہم پہلی محابات والے کے حصے میں آجائیں گے، اور پچاس دوسری محابات اور اعتاق دونوں میں آجائیں گے، یعنی پچیس پچیس ان دونوں کے درمیان آجائیں گے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

یہ معنیٰ ہے: فَفِيْ عِتْقِهِ بَيْنَ الْمُحَابَتَيْنِ، پس اس عِتق کے، جو دو محاباتین کے درمیان ہو، نِصْفٌ لِلْأُوْلٰى، نصفِ ثلث کس کے لیے ہو گا؟ پہلی محابات کے لیے، وَنِصْفٌ لِلْآخِرَيْنِ، اور نصفِ ثلث جو ہے بعد والے دونوں کے لیے ہو گا۔ ترتیب سمجھ میں آرہی ہے؟

وَفِيْ مُحَابَاةٍ بَيْنَ عِتْقَيْنِ، بھئی اس کے برعکس اگر صورت ہوئی: پہلے اعتاق کیا، پھر محابات کی، پھر اعتاق کیا۔ اب محابات آگئی دو اعتاقوں کے درمیان۔ توجہ ہے؟ کیا ترتیب ہے؟ پہلے اعتاق، پھر محابات، پھر دوبارہ اعتاق۔ تو پہلا اعتاق جو ہے وہ مقدم ہوا، وجہِ ترجیح اس میں ہے۔ اور اس کے بعد محابات آرہی ہے اور اس میں بھی وجہِ ترجیح ہے کیونکہ وہ عقدِ معاوضہ ہے، تو پہلا اعتاق اور محابات یہ ایک دوسرے کے برابر ہو گئے۔ جب برابر ہو گئے تو مال کے دو حصے کر دیں گے، وہ جو ثلث ہے، وصیت والا ثلث ہے، اس کے دو حصے کر دیں گے۔ تو مثلاً وہ سو درہم ہیں تو پچاس درہم کس کے حصے میں آجائیں گے؟ اعتاق کے، اور پچاس درہم کس کے حصے میں آجائیں گے؟ محابات کے، کیونکہ اعتاق اور محابات برابر ہو گئے نا، اعتاق مقدم ہے اور محابات عقدِ معاوضہ ہے، تو دونوں میں وہ تقسیم کر دیا، پچاس کس کے حصے میں آگئے؟ پہلے اعتاق کے، اور پچاس کس کے حصے میں آگئے؟ محابات کے حصے میں۔ پھر آخر میں ایک اور اعتاق بھی تو ہے! وہ اعتاق محابات کے مقابلے میں تو نہیں آسکتا، کیونکہ اس میں کوئی وجہِ ترجیح نہیں، وہ مؤخر بھی ہے اور دوسری بھی کوئی وجہِ ترجیح نہیں۔ وہ مؤخر ہے نا محابات سے؟ تو وہ محابات کا مقابل بن سکتا ہے؟ نہیں۔ تو محابات کے مقابلے میں تو اس کا کوئی اثر نہیں۔ لیکن پہلے اعتاق کے مقابلے میں تو وہ مقابل بنے گا، پہلا بھی اعتاق ہے اور آخر میں بھی کیا ہے؟ اعتاق۔ تو یہاں پر جو ہے دونوں اعتاق ہیں چونکہ، لہٰذا وہ جو پچاس درہم کس کے حصے میں آئے تھے؟ پہلے اعتاق کے، وہ دونوں اعتاقوں میں

نصف نصف کر دیں گے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ تو سو میں سے پچاس درہم کس کے حصے میں آگئے؟ محابات کے حصے میں آ گئے، اور باقی کا پچاس دونوں اعتاقوں میں آدھا آدھا یعنی پچیس پچیس

پچیس درہم ان کے حصے میں آجائیں گے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ تو کہتے ہیں: وَفِيْ مُحَابَاةٍ بَيْنَ عِتْقَيْنِ، اور وہ محابات جو دو عتقوں کے درمیان ہو، اس کے اندر لَهَا نِصْفُ الثُّلُثِ، اس محابات کے لیے اس ثلث کا نصف ہو گا، کون سا ثلث؟ وہ جو وصیت والا ثلث ہوتا ہے، اس ثلث کے اندر ہم نافذ کر رہے ہیں یہ سارا کچھ نا، تو اس ثلث کا نصف کس کو مل جائے گا؟ اس محابات کو۔ وَلَهُمَا نِصْفٌ، اور وہ جو دونوں اعتاق ہیں ان کے لیے نصف ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَالْعِتْقُ أَوْلٰى عِنْدَهُمَا فِيْهِمَا، اور آزادی اولیٰ ہے صاحبین کے نزدیک ان دونوں میں، ان دونوں صورتوں میں بھی صاحبین کیا فرماتے ہیں؟ آزادی اولیٰ ہے محابات کے مقابلے میں۔

وَوَصِيَّتُهُ بِأَنْ يُعْتَقَ بِهٰذِهِ الْمِائَةِ عَبْدٌ لَا يَنْفُذُ بِمَا بَقِيَ إِنْ هَلَكَ دِرْهَمٌ بِخِلَافِ الْحَجِّ.

صورتِ مسئلہ یہ ہے: ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد یہ جو سو درہم ہیں ان کے بدلے ایک غلام آزاد کر دینا۔ ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد یہ جو سو درہم ہیں، علیحدہ مقرر کیے، یہ جو سو درہم ہیں ان کے بدلے ایک غلام آزاد کر دینا۔ اور اب اتفاق ایسا ہوا کہ ان سو درہموں میں سے ایک درہم گم ہو گیا، یا کسی نے چرا لیا، ننانوے درہم رہ گئے، تو کیا اب باقی ننانوے درہموں سے کوئی غلام خرید کر آزاد کریں گے؟ امام صاحب فرماتے ہیں: نہیں، اب اس کی وصیت نافذ نہیں ہو سکتی، اب اس کی وصیت نافذ نہیں ہو سکتی۔ بھئی کیوں، وصیت نافذ کیوں نہیں ہو سکتی؟ یعنی وصیت بس ختم ہو گئی، اب نافذ ہی نہیں ہو سکتی۔ کیوں نہیں نافذ ہو سکتی؟ امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ جو، اس نے کیا کہا تھا؟ اس سو کا غلام لے کر، خرید کر آزاد کر دینا۔ تو ایک غلام ہے سو درہم والا اور ایک غلام ہے ننانوے درہم والا، امام صاحب فرماتے ہیں وہ غلام جو سو درہم کا ہو وہ الگ ہے اور جو ننانوے کا خریدا جائے گا وہ کیا ہو گا؟ الگ ہو گا۔ اور اس نے تو کیا وصیت کی تھی؟ کون سا غلام آزاد کرنا ہے؟ سو درہم والا، اور سو درہم والا تو اب ننانوے سے لیا ہی نہیں جا سکتا، ننانوے درہم سے جو بھی غلام لیا جائے گا وہ سو والے کے علاوہ ہو گا۔ تو لہٰذا اب وہ وصیت اس کی نافذ ہو ہی نہیں سکتی، کیونکہ اس نے غلام کے آزاد کرنے کا کہا ہے، یعنی یوں سمجھو کہ مُوْصٰى لَهُ وہ غلام ہے۔ کس کے لیے وصیت کی ہے؟ غلام کے لیے گویا وصیت کر دی نا، غلام آزاد ہو جائے گا سو درہم کے بدلے کیا ہو جائے گا؟ آزاد۔ تو مُوْصٰى لَهُ کون ہوا؟ غلام۔ تو مُوْصٰى لَهُ ہوا غلام۔ تو اس نے کیا وصیت کی تھی؟ کہ یہ سو درہم میں ایک غلام آزاد کر دینا، گویا مُوْصٰى لَهُ کون؟ غلام، غلام ہے۔ اور ایک غلام ہے سو درہم والا، اور ایک غلام ہے ننانوے درہم والا، تو سو درہم والا غلام اور، ننانوے درہم والا غلام اور۔ اس نے تو مُوْصٰى لَهُ بنایا اس غلام کو جو سو درہم والا ہو، اور اب ایک درہم ختم ہو گیا، اب

آپ مُوْصٰی لَہٗ بنانا چاہتے ہیں ننانوے والے کو؟ نہیں بھئی، وہ مُوْصٰی لَہٗ ہے ہی نہیں! مُوْصٰی لَہٗ تو کون تھا؟ سو والا غلام تھا، یہ تو مُوْصٰی لَہٗ ہے ہی نہیں، آپ کسی اور کو بنانا چاہتے ہیں؟ آپ نہیں بنا سکتے بھئی! آپ کون ہیں بنانے والے؟ وہ جس نے وصیت کی تھی، اس کی وصیت۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے اس نے وصیت کی تھی میرا مال زید کو دے دینا، اور آپ پکڑ کر عمر کو دے دیں۔ آپ نہیں دے سکتے عمر کو، کیونکہ اس نے مُوْصٰی لَہٗ کس کو بنایا ہے؟ زید، سو والے غلام کو، تو وہ سو والا غلام اور، اب اس پر عمل ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ایک درہم گم ہو گیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

ہاں، اس کے برخلاف اگر حج ہو، حج، ایک آدمی نے سو درہم الگ نکالے کہ میرے ذمے حج فرض باقی ہے میں نے ادا نہیں کیا، اب میں مرنے والا ہوں میرے سو درہم میں حج کروا دینا، اور اس سو درہم میں حج آرام سے ہو جاتا ہے، لیکن اس سو میں سے ایک درہم کھو گیا، ایک درہم کھو گیا، گم ہو گیا، تو کہتے ہیں ننانوے درہم سے حج کروا دیا جائے گا، جہاں سے بھی ہوتا ہے، اگر یہاں سے نہیں ہوتا تو کسی قریب والے شہر سے کروا دو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ وجہ یہ، کیونکہ امام صاحب فرماتے ہیں جو حج ہے نا حج، یہ اللہ کا حق ہے، یہ خالص اللہ کا حق ہے۔ تو جب اس نے سو درہم نکالے، تو یہ سو درہم حج کے لیے لگنے ہیں، گویا یہ مستحق کون ہے؟ اللہ کی ذات ہے۔ خالص اللہ کا حق ہے نا! توجہ نہیں ہے میرا خیال۔ یہ حج کس کا حق ہے؟ اللہ کا، یہ عبادت ہے، یہ اللہ کا حق ہے، عبادت کس کا حق ہے؟ اللہ کا حق، تو یہ حج بھی ایک عبادت ہے تو یہ اللہ کا حق ہے، گویا سو درہم اس نے اللہ کے حق میں دینے کی وصیت کی ہے۔ اور اب اگر سو سے، ایک درہم گم بھی ہو گیا تو کتنے رہ گئے؟ ننانوے، تو کسی قریب والے شہر سے حج کروا دو، تو پھر بھی کرنا کیا ہے؟ حج ہی کرنا ہے، تو کیا مستحق میں تبدیلی آئی؟ اس حج کا مستحق پہلے کون تھا؟ اللہ کی ذات، اور اب بھی مستحق کون؟ اللہ کی ذات ہے، تو یہاں مستحق نہیں بدل رہا۔ اور وہاں مُوْصٰی لَہٗ بدل رہا تھا، اس نے کیا کہا تھا؟ سو والا غلام آزاد کرنا، تو سو والا غلام اور، گویا مُوْصٰی لَہٗ وہ سو والا غلام ہے، اور اب آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ ننانوے میں ایک غلام خرید کر آزاد کرنا چاہتے ہیں، تو ننانوے والا غلام تو مُوْصٰی لَہٗ نہیں ہے، اس نے تو مُوْصٰی لَہٗ کس کو بنایا ہے؟ سو والے، تو دیکھو مستحق ہی بدل رہا ہے یہاں پر۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ جو مستحق تھا، مُوْصٰی لَہٗ تھا، جس کے لیے وصیت کی تھی وہی بدل رہا ہے۔ حج کے مسئلے میں وہ جو مستحق ہے وہ بدل نہیں رہا، لیکن سو والا غلام آزاد کرنے کی صورت میں مستحق بدل رہا ہے۔ میں نے مثال ذکر کر دی یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی نے وصیت تو زید کے لیے کی اور آپ دینا کس کو چاہتے ہیں؟ عمر کو۔ بھئی مستحق تو زید ہے، عمر تو مستحق ہی نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَوَصِيَّتُهُ بِأَنْ يُعْتَقَ بِهٰذِهِ الْمِائَةِ عَبْدٌ لَا يَنْفُذُ بِمَا بَقِيَ إِنْ هَلَكَ دِرْهَمٌ، اور یہ وصیت کرنا کہ آزاد کر دیا جائے ان سو درہموں کے بدلے کسی غلام کو، لَا يَنْفُذُ یہ وصیت نافذ نہیں ہو گی، بِمَا بَقِيَ إِنْ هَلَكَ دِرْهَمٌ، یہ وصیت نافذ نہیں ہو گی

وہ جو باقی بچ گیا ہے اس کے ساتھ، إِنْ هَلَكَ دِرْهَمٌ، اگر ایک درہم ہلاک ہو جائے۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ اگر ایک درہم ہلاک ہو جائے تو باقی کے ساتھ یہ وصیت نافذ نہیں ہو سکتی، کیونکہ مستحق بدل جائے گا۔ دیکھو، عبارت پہ ذرا پھر نظر رکھو: وَوَصِيَّتُهُ، اور اس کی یہ والی وصیت، آگے آرہا ہے: لَا يَنْفُذُ بِمَا بَقِيَ، یہ ما بقیہ کے ساتھ نافذ نہیں ہو سکتی۔ کون سی وصیت؟ درمیان میں ذکر کیا: وَوَصِيَّتُهُ بِأَنْ يُعْتَقَ بِهٰذِهِ الْمِائَةِ عَبْدٌ لَا يَنْفُذُ بِمَا بَقِيَ إِنْ هَلَكَ دِرْهَمٌ، اور یہ وصیت کہ آزاد کر دیا جائے ان سو کے بدلے کسی غلام کو یہ نافذ نہیں ہو سکتی باقی بچنے والے مال کے ذریعے اگر ایک درہم ہلاک ہو گیا۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟

بِخِلَافِ الْحَجِّ، بخلاف کس کے؟ حج کے، کہ وہ ادا ہو سکتا ہے، ایک درہم گم ہو جائے چاہے دس گم ہو جائیں، لیکن باقی سے اگر حج کہیں سے بھی ہو سکتا ہے وہاں سے کروا دیں گے، کیونکہ وہاں مستحقِ حج جو ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آرہی، اور یہاں پر مستحق میں تبدیلی آرہی ہے۔

هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ وَعِنْدَهُمَا يَنْفُذُ الْعِتْقُ بِمَا بَقِيَ كَمَا فِي الْحَجِّ، اور صاحبین کے نزدیک: يَنْفُذُ الْعِتْقُ بِمَا بَقِيَ كَمَا فِي الْحَجِّ، کہ اعتاق نافذ ہو جائے گا ما بقیہ مال کے ساتھ جیسے کہ حج کے اندر تھا، جو مال بچ گیا اس کے ساتھ بھی اعتاق نافذ ہو جائے گا۔ صاحبین فرماتے ہیں جو مال باقی بچ گیا ہے اسی کے ساتھ ایک غلام خرید کر آزاد کر دو۔ ایک درہم گم ہو گیا ہے کتنے رہ گئے؟ ننانوے، دس فرض کرو دس گم ہو گئے ہیں، کتنے رہ گئے؟ نوے، تو صاحبین فرماتے ہیں تو نوے والا ایک غلام خرید کر آزاد کر دو، جیسے حج کے اندر اگر کچھ پیسے گم بھی ہو جائیں باقیوں کے ذریعے حج کر، باقی پیسوں سے حج کروا دیں گے جہاں سے بھی چاہیں۔ تو صاحبین اس کو کس پر قیاس کرتے ہیں؟ حج پر۔ حج کے اندر تو بالاتفاق اگر پیسے کچھ گم بھی ہو جائیں تو بھی حج کروا دیا جائے گا۔ لیکن امام صاحب فرماتے ہیں اگر غلام کی آزادی کا اس نے کہا ہے پھر جو ہے وہ وصیت نافذ نہیں ہو سکتی اگر کچھ پیسے گم ہو گئے۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

لَهُ أَنَّ الْقُرْبَةَ تَتَفَاوَتُ بِتَفَاوُتِ قِيْمَةِ الْعَبْدِ بِخِلَافِ الْحَجِّ.

امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ أَنَّ الْقُرْبَةَ، قربت کہتے ہیں عبادت کو، ثواب کی نیت، جو ثواب کی نیت سے جو کام کیا جائے، کہ أَنَّ الْقُرْبَةَ، کہ قربت جو ہے یعنی وہ کام جو اللہ کے قرب کے لیے کیا جائے، اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے، کہ أَنَّ الْقُرْبَةَ، کہ قربت جو ہے یعنی یا یوں کہیں نیکی کہہ لیں، کہ نیکی جو ہے تَتَفَاوَتُ بِتَفَاوُتِ قِيْمَةِ الْعَبْدِ، کہ وہ بدل جاتی ہے غلام کی قیمت کے بدلنے سے، وہ غلام کی قیمت کے بدلنے سے وہ نیکی بدل جاتی ہے، بِخِلَافِ الْحَجِّ، بخلاف کس کے؟ حج کے، وہ

نہیں بدلتا وہ اسی طرح رہتا ہے۔

کہتے ہیں دراصل، کہتے ہیں اس مسئلے میں جو اختلاف آیا امام صاحب اور صاحبین کا، وہ دراصل اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ جو غلام کو آزاد کیا جاتا ہے یہ حق اللہ ہے یا حق العبد ہے؟ کوئی شخص کسی غلام کو آزاد کرتا ہے تو یہ حق اللہ ہے اللہ کا حق ہے، یا اس غلام کا بندے کا حق ہے؟ تو صاحبین کے نزدیک یہ بھی اللہ کا حق ہے۔ یہ بھی کس کا حق ہے؟ اللہ کا حق ہے۔ چنانچہ جب یہ بھی اللہ کا حق اور حج بھی کس کا حق ہے؟ اللہ کا حق ہے، تو پیسوں میں اگر کمی آ بھی گئی تو مستحق کون ہے؟ اللہ کی ذات ہے دونوں مسئلوں میں، اور مستحق میں کوئی تبدیلی نہیں آ رہی، تو دونوں صورتوں میں وصیت نافذ ہو جائے گی۔ جبکہ امام صاحب کے نزدیک یہ جو آزاد کرنا ہے غلام کو یہ حق العبد ہے، یہ حق اللہ نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ یہ حق العبد ہے، غلام ہے انسان ہے وہ بھی آزادی چاہتا ہے، تو آپ جو اس کو آزاد کر رہے ہیں یہ کیا ہے؟ حق العبد۔ تو یہ حق العبد ہے اور حج کیا ہے؟ حق اللہ ہے بھئی۔ حج کے اندر اگر پیسوں میں تبدیلی آ بھی جائے تو بھی حج اللہ ہی کے لیے ہو گا تو وہاں مستحق میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، لیکن یہاں پر یہ جو آزادی ہے یہ تو حق العبد ہے، کس کا حق ہے؟ حق العبد ہے، لہٰذا یہاں پر مستحق بدل جاتا ہے۔ کس طرح مستحق بدلتا ہے؟ ابھی میں نے بیان کیا کہ ایک سو والا غلام ہے ایک ننانوے والا غلام ہے، اس نے جو وصیت کی ہے کس کے لیے کی ہے؟ سو والے غلام کے لیے، گویا مُوْصٰی لَهُ وہ سو والا غلام ہے، وہ اس سو درہم کا مستحق ہے، اور آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ مُوْصٰی لَهُ کس کو بنانا چاہتے ہیں ننانوے والے غلام کو؟ تو یہ تو مستحق ہی بدل دیا، بدل جائے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی اچھی طرح؟ یہ معنیٰ ہے امام صاحب کے قول کا کہ أَنَّ الْقُرْبَةَ تَتَفَاوَتُ بِتَفَاوُتِ قِيْمَةِ الْعَبْدِ، کہ قربت جو ہے وہ بدل جاتی ہے غلام کی قیمت کے بدلنے سے کیونکہ وہ حق العبد ہے بھئی، بِخِلَافِ الْحَجِّ، بخلاف کس کے؟ حج کے کہ وہ نہیں بدلتا۔

وَتَبْطُلُ الْوَصِيَّةُ بِعِتْقِ عَبْدِهِ إِنْ جَنٰى بَعْدَ مَوْتِهِ فَدُفِعَ، وَإِنْ فُدِيَ لَا.

صورتِ مسئلہ یہ ہے: ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے اس غلام کو آزاد کر دینا میرے مرنے کے بعد، میرے مرنے کے بعد اس غلام کو آزاد کر دینا۔ اور اس کے مرنے کے بعد ابھی غلام کو آزاد نہیں کیا گیا تھا، جائیداد وغیرہ کی ابھی تقسیم نہیں ہوئی تھی کہ اس سے پہلے ہی اس غلام نے ایک جنایت کر دی۔ اور آپ جانتے ہیں غلام جنایت کر لے تو پھر مالک کو اختیار ہوتا ہے وہ چاہے تو غلام دے دے اور چاہے ارش دے دے۔ تو یہاں اب دو صورتیں ہیں: کہ وہ جنایت والے کو یہ غلام دیتے ہیں یا ارش دیتے ہیں؟ اگر انہوں نے غلام دے دیا جنایت کے اندر، تو پھر وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ غلام کا مالک وہ جنایت والا بن گیا۔ اب تو غلام کو آزاد کرنے کی کوئی صورت ہی نہ رہی، تو وصیت کیا ہو جائے گی؟ باطل۔ اور اگر، اور اگر وہ جو ورثا ہیں انہوں نے غلام دینے کے بجائے ارش دینا قبول کر لیا، انہوں نے ارش ادا کر دیا، تو کہتے ہیں یاد

رکھنا اس صورت میں جو ارش وارثوں نے دیا ہے یہ اپنی جانب سے دیا ہے یوں سمجھیں گے، وہ یہ ثلث میں سے نہیں شمار کریں گے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ ثلث میں سے نہیں شمار کریں گے، یوں شمار کریں گے یہ انہوں نے اپنی طرف سے ارش خود دیا ہے۔ بھئی کیوں دیا؟ آپ تو غلام دے سکتے تھے، آپ غلام دے سکتے تھے لیکن آپ نے غلام نہیں دیا بلکہ کیا کیا؟ ارش دے دیا، تو یہ گویا آپ نے اپنی جیب سے دیا ہے، وہ ثلث ابھی بھی اپنی جگہ پر ہے اور اس ثلث میں سے اب کیا کرنا پڑے گا؟ اس غلام کو آزاد کرنا پڑے گا۔

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَتَبْطُلُ الْوَصِيَّةُ بِعِتْقِ عَبْدِهِ، اور وصیت باطل ہو جائے گی بِعِتْقِ عَبْدِهِ، کون سی وصیت؟ غلام کو آزاد کرنے کی۔ وَتَبْطُلُ الْوَصِيَّةُ بِعِتْقِ عَبْدِهِ، اور اپنے غلام کو آزاد کرنے کی وصیت باطل ہو جائے گی، إِنْ جَنٰى بَعْدَ مَوْتِهِ، اگر اس غلام نے جنایت کر لی اس وصیت کرنے والے کی وفات کے بعد، فَدُفِعَ، پھر اس غلام کو جنایت والے کے حوالے کر دیا گیا، تو اس صورت میں وصیت کیا ہو جائے گی؟ باطل۔ وَإِنْ فُدِيَ لَا، اور اگر اس کا فدیہ دے دیا گیا، مال دے دیا گیا، لَا، پھر یہ وصیت باطل نہیں ہو گی۔

صورت خودیان کر رہے ہیں: أَوْصٰى بِأَنْ يُعْتِقَ الْوَرَثَةُ عَبْدَهُ بَعْدَ مَوْتِهِ، کہ وصیت کی ایک شخص نے کہ اس کے وارث جو ہیں آزاد کر دیں اس کے غلام کو اس کے مرنے کے بعد، فَجَنَى الْعَبْدُ، پس اس غلام نے جنایت کر دی، فَدُفِعَ، پھر اس غلام کو حوالے کر دیا گیا جنایت میں، بَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ، تو وہ وصیت باطل ہو جائے گی، لِأَنَّ الدَّفْعَ

فَقَدْ صَحَّ، اس لیے کیونکہ غلام کو حوالے کرنا صحیح ہو گیا، فَخَرَجَ عَنْ مِلْكِهِ، تو وہ اس وصیت کرنے والے کی ملک سے نکل گیا۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ اس کی ملک سے نکل گیا۔ آپ کہیں گے بھئی وصیت کرنے والا تو مر چکا ہے، اس کی ملک سے اب کیا مطلب نکلا؟ بھئی آپ نے پڑھا نہیں تھا کہ کوئی شخص مر بھی جائے مال اس کی ملک سے نہیں نکلتا بھئی، کیونکہ ابھی اس کا کفن دفن کرنا ہے، اس کے دیون ادا کرنے ہیں، اس کی وصیت نافذ کرنی ہے، پھر آخر میں اس کی ملک سے نکلے گا اور ورثا مالک بنیں گے بھئی۔ تو وہ غلام ابھی ملک سے نکلا ہی نہیں تھا، لیکن جب دے دیا گیا اب اس کی ملک سے نکل گیا۔ یہ معنیٰ ہے: فَخَرَجَ عَنْ مِلْكِهِ، تو غلام جو ہے وہ اس میت کی ملک سے نکل گیا، اس وصیت کرنے والے کی ملک سے نکل گیا۔ فَبَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ، تو وصیت باطل ہو گئی۔

أَمَّا إِنْ فَدَى الْوَرَثَةُ كَانَ الْفِدَاءُ فِيْ مَالِهِمْ، باقی اگر وارثوں نے فدیہ دے دیا یعنی مال دے کر اس کو چھڑا لیا، تو كَانَ الْفِدَاءُ فِيْ مَالِهِمْ، تو وہ جو فدیہ ہے وہ وارثوں کے مال میں سے ہو گا یعنی ان کی طرف سے شمار ہو گا، یہ ثلث کے اندر شمار نہیں ہو گا۔ کیوں؟ کہتے ہیں: لِأَنَّهُمُ الْتَزَمُوْهُ، کیونکہ انہوں نے اس کا التزام کیا۔ ان پر تو ارش دینا واجب نہیں تھا، وہ تو غلام دے سکتے تھے، لیکن خود انہوں نے اپنے اوپر ایک چیز کو لازم کر لیا اور ارش دے دیا تو یہ ان کی جیب سے گیا ہے مالِ وراثت میں سے نہیں گیا۔ لِأَنَّهُمُ الْتَزَمُوْهُ، اس لیے کیونکہ ان وارثوں نے اس کا اپنے اوپر التزام کیا یعنی اپنے اوپر لازم کیا۔

فَجَازَتِ الْوَصِيَّةُ، تو وصیت جائز ہے یعنی صحیح ہے، لِأَنَّهُ طَهُرَ عَنِ الْجِنَايَةِ، اس لیے کیونکہ غلام جو ہے وہ جنایت سے پاک ہو گیا، غلام کیا ہے؟ جنایت سے پاک ہو گیا، اب یہ غلام جنایت والا ہے ہی نہیں، تو اب اس کو آزاد کیا جا سکتا ہے، تو اب اس میں وصیت نافذ کریں گے اور ثلث کے بقدر اس کو آزاد کرنا پڑے گا بھئی۔

فَإِنْ أَوْصٰى لِزَيْدٍ بِثُلُثِ مَالِهِ وَتَرَكَ عَبْدًا فَادَّعٰى زَيْدٌ عِتْقَهُ فِيْ صِحَّتِهِ وَالْوَارِثُ فِيْ مَرَضِهِ، صُدِّقَ الْوَارِثُ وَحُرِمَ زَيْدٌ إِلَّا أَنْ يَّفْضُلَ عَنْ ثُلُثِهِ شَيْءٌ أَوْ يُبَرْهِنَ عَلٰى دَعْوَاهُ.

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے زید کے بارے میں وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد زید کو میرے مال کا ثلث دے دینا، یہ اس نے صحت کی حالت میں وصیت کی ہے۔ کب کی ہے وصیت؟ صحت کی حالت میں۔ اور اس کے بعد اس نے ایک غلام کو بھی آزاد کیا اور اس کے بعد اس شخص کا انتقال ہو گیا۔ اب وہ جو زید ہے، مُوْصٰى لَهُ، جس کے لیے ثلثِ مال کی وصیت ہوئی ہے، اس نے بعد میں دعویٰ کر دیا کہ یہ جو اس نے غلام کو آزاد کیا ہے یہ بھی صحت کی حالت میں آزاد کیا ہے۔ اور جو وارث ہیں وہ کہتے ہیں: نہیں، اس کو مرض الموت میں اس نے آزاد کیا ہے۔ توجہ ہے؟ زید کے لیے کتنے کی وصیت کی حالتِ صحت میں؟ ثلث کی۔ اور پھر اس کے بعد اس نے ایک غلام بھی آزاد کر دیا۔ اب وارث کیا کہہ رہے ہیں یہ غلام اس نے کب آزاد کیا ہے؟ وارث، وارث: مرض الموت میں۔ اور زید کیا کہہ رہا ہے؟ صحت۔ بھئی دراصل زید اس لیے کہہ رہا ہے کہ اگر حالتِ صحت میں غلام آزاد کیا ہے وہ تو سارے مال میں سے شمار ہو گا، وہ تو وصیت شمار ہی نہیں ہو گی، لہٰذا جب وصیت وہ شمار نہیں تو بعد میں جب وصیت نافذ کریں گے تو سارا ثلث زید کو مل جائے گا۔ اور اگر مرض الموت میں اس غلام کی آزادی کو شمار کریں پھر تو اس کو بھی وصیت میں سے نافذ کرنا پڑے گا، تو پھر وصیت جو ہے زید کو سارا ثلث تو نہیں ملے گا، کچھ حصہ کس کے حق میں آجائے گا؟ اس غلام کے حق میں، اور کچھ زید کو مل جائے گا۔ تو لہٰذا زید جس کے لیے ثلث کی وصیت تھی اس نے کیا کہا: یہ غلام میت نے کب آزاد کیا ہے؟ حالتِ صحت میں، تاکہ یہ ثلث کے اندر نہ آئے بھئی۔ اور وارث کیا کہتے ہیں: یہ غلام اس نے کب آزاد کیا ہے؟ حالتِ مرض الموت میں اس نے آزاد کیا ہے، تاکہ یہ بھی ثلث کے اندر آجائے، باقی زیادہ مال ہمارے لیے بچ جائے۔ تو اس صورت کے اندر کہتے ہیں کہ وارثوں کے قول کی تصدیق کی جائے گی۔ زید کے ذمے بینہ ہے، وہ دعویٰ کر رہا ہے نا کہ حالتِ صحت میں اس نے غلام آزاد کیا ہے، تو اس کے ذمے بینہ ہے اور بینہ تو اس کے پاس ہے نہیں، تو پھر جو وارث ہیں ان پر قسم آجائے گی تو ان کی تصدیق قسم کے ساتھ کی جائے گی۔ زید کی تصدیق کس کے ساتھ کریں گے؟ بینہ کے ساتھ، اور وارثوں کی تصدیق قسم کے ساتھ۔ تو گویا قول وارثوں کا معتبر ہے، زید کے قول کا کوئی اعتبار نہیں۔

کہتے ہیں: فَإِنْ أَوْصٰى لِزَيْدٍ بِثُلُثِ مَالِهِ، اگر وصیت کی کسی شخص نے زید کے لیے اپنے ثلثِ مال کی، وَتَرَكَ عَبْدًا، اور

اس نے ایک غلام چھوڑا، فَادَّعٰى زَيْدٌ عِتْقَهُ فِيْ صِحَّتِهِ، تو دعویٰ کیا زید نے اس غلام کی آزادی کا صحت کی حالت میں، وَالْوَارِثُ فِيْ مَرَضِهِ، اور وارث نے دعویٰ کیا اس کے مرض الموت میں اس کی آزادی کا، صُدِّقَ الْوَارِثُ، وارث کی تصدیق کی جائے گی، وَحُرِمَ زَيْدٌ، اور زید کو محروم کیا جائے گا، إِلَّا أَنْ يَّفْضُلَ عَنْ ثُلُثِهِ شَيْءٌ، الا یہ کہ کچھ بچ جائے عَنْ ثُلُثِهِ اس کے ثلث میں سے، شَيْءٌ، کوئی چیز۔ فَضَلَ يَفْضُلُ کا ایک معنیٰ ہے زائد ہونا اور اس کا ایک معنیٰ ہے بچ جانا، یہاں اس کا ترجمہ کر لیں بچ جائے۔ إِلَّا أَنْ يَّفْضُلَ عَنْ ثُلُثِهِ شَيْءٌ، مگر یہ کہ اس کے ثلث میں سے کچھ بچ جائے۔ بھئی کس کی تصدیق کرنی ہے؟ وارثوں کی، لہٰذا غلام کو کس میں سے آزاد مانیں گے؟ غلام کی آزادی کب مانیں گے؟ مرض الموت میں۔ تو اور اس کو کتنے میں نافذ کرتے ہیں؟ ثلثِ مال۔ تو لہٰذا ثلثِ مال میں سے غلام آزاد ہو جائے گا اور اگر کچھ نہ بچا باقی ثلث میں سے تو زید محروم ہو جائے گا۔ اور اگر کچھ مال ابھی بھی بچ گیا ہے ثلث میں سے تو پھر وہ زید کو دے دیں گے۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟

یہ معنیٰ ہے کہ وَحُرِمَ زَيْدٌ، اور زید محروم ہو جائے گا، إِلَّا أَنْ يَّفْضُلَ عَنْ ثُلُثِهِ شَيْءٌ، مگر یہ کہ کچھ بچ جائے ثلث میں سے کوئی چیز، أَوْ يُبَرْهِنَ عَلٰى دَعْوَاهُ، یا زید جو ہے وہ بینہ قائم کر دے اپنے دعوے پر، پھر ہم زید کی تصدیق کر لیں گے۔

أَيْ أَوْصٰى لِزَيْدٍ بِثُلُثِ مَالِهِ، یعنی وصیت کی ایک شخص نے زید کے لیے اپنے ثلثِ مال کی، وَأَعْتَقَ عَبْدًا، اور اس نے ایک غلام کو آزاد کر دیا، فَادَّعٰى زَيْدٌ أَنَّ الْمَيِّتَ قَدْ أَعْتَقَ الْعَبْدَ فِي الصِّحَّةِ، پس دعویٰ کر دیا زید نے کہ میت نے غلام کو آزاد کیا ہے صحت کی حالت میں، لِئَلَّا يَكُوْنَ وَصِيَّةً، تاکہ یہ غلام وصیت نہ بنے، یہ ثلث کے اندر نہ آئے بھئی، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ فَتَنْفُذُ وَصِيَّتُهُ مِنْ ثُلُثِ الْمَالِ، پس اس کی وصیت نافذ ہو جائے گی ثلثِ مال میں۔ یہ کون چاہتا ہے؟ یہ ساری زید کی بات ہو رہی ہے کہ زید یہ چاہتا ہے لِئَلَّا يَكُوْنَ وَصِيَّةً، تاکہ یہ غلام وصیت، یہ اعتاق وصیت نہ بنے، اور جب یہ اعتاق وصیت نہیں بنے گا فَتَنْفُذُ وَصِيَّتُهُ مِنْ ثُلُثِ الْمَالِ، تو زید کی جو وصیت ہے وہ ثلثِ مال میں ساری کی ساری نافذ ہو جائے گی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

وَقَالَ الْوَارِثُ أَعْتَقَهُ فِيْ مَرَضِهِ، اور وارث نے کہا کہ اس شخص نے اس غلام کو اپنے مرض الموت میں آزاد کیا تھا، وَالْعِتْقُ فِي الْمَرَضِ مُقَدَّمٌ عَلَى الْوَصِيَّةِ بِثُلُثِ الْمَالِ، اور وہ جو آزادی ہے مرض الموت میں، وہ مقدم ہوتی ہے وصیت بثلث المال پر۔ ادھر دیکھیے: ایک ہے وصیت بثلث المال، تیسرے حصے کی کسی کے لیے وصیت کرنا، اور ایک ہے اعتاقِ عبد۔ یاد رکھو جب یہ دونوں چیزیں جمع ہو جائیں تو اعتاقِ عبد مقدم ہوتا ہے۔ اعتاقِ عبد مقدم۔ لہٰذا پہلے غلام کی آزادی کو پورا کریں گے، اگر اس ثلث کے اندر وہ پورا آزاد ہو جاتا ہے تو غلام کو آزاد کر دیں گے اور وصیت بثلث المال والے کو کچھ نہیں ملے گا۔ اور اگر غلام کو آزاد کرنے کے بعد بھی ثلث میں سے کچھ بچ گیا ہے تو پھر وہ وصیت بثلث المال والے کو وہ دے دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَقَالَ الْوَارِثُ أَعْتَقَهُ فِيْ مَرَضِهِ، اور وارث نے کہا کہ اس شخص نے اس غلام کو اپنے مرض میں آزاد کیا تھا، وَالْعِتْقُ فِي الْمَرَضِ مُقَدَّمٌ عَلَى الْوَصِيَّةِ بِثُلُثِ الْمَالِ، اور مرض کے اندر جو آزادی ہے وہ مقدم ہوتی ہے ثلثِ مال کی وصیت پر۔ فَالْقَوْلُ لِلْوَارِثِ، تو قول کس کا معتبر؟ وارث کا یعنی قسم کے ساتھ۔ لِأَنَّهُ يُنْكِرُ اسْتِحْقَاقَ زَيْدٍ، اس لیے کیونکہ وہ منکر ہے زید کے مستحق ہونے کا۔ فَيُحْرَمُ زَيْدٌ، تو زید کو محروم کیا جائے گا، إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ ثُلُثُ الْمَالِ زَائِدًا عَلٰى قِيْمَةِ الْعَبْدِ، مگر یہ کہ اگر وہ جو ثلثِ مال ہے وہ غلام کی قیمت سے زائد ہو، فَتَنْفُذُ الْوَصِيَّةُ لِزَيْدٍ، تو پھر وصیت نافذ ہو جائے گی زید کے لیے فِيْمَا زَادَ الثُّلُثُ عَلَى الْقِيْمَةِ، وہ جو ثلث زائد ہے قیمت پر، وہ ثلث جو غلام کی قیمت پر زائد ہے وہ کس کو دے دیں گے؟ زید کو۔ مثلاً اس نے کہا تھا میرے مال کا ثلثِ مال زید کو دینا اور ثلث مثلاً دس لاکھ بنتا ہے، اور غلام ہے نو لاکھ کا، تو پھر نو لاکھ کا غلام آزاد ہو جائے گا اور ایک لاکھ ثلث میں سے بچ گیا وہ کس کو دے دیں گے؟ زید کو دے دیں گے۔ یہ معنیٰ ہے کہ فَتَنْفُذُ الْوَصِيَّةُ لِزَيْدٍ فِيْمَا زَادَ الثُّلُثُ عَلَى الْقِيْمَةِ، کہ وصیت نافذ کر دی جائے گی زید کے لیے وہ جو ثلث زیادہ ہے قیمت پر۔ ثلث کتنا ہے؟ دس۔ تو اور قیمت کتنی ہے غلام کی؟ نو۔ تو وہ ثلث جو قیمت پر زیادہ ہے وہ کتنا ہے؟ ایک لاکھ نا! پھر سنو ثلث کتنا نکلتا ہے کل؟ دس لاکھ، اور غلام کتنے کا ہے؟ نو لاکھ، تو وہ جو ثلث قیمت پر زیادہ ہے کتنا زیادہ ہے؟ ایک لاکھ، یہ زید کو دے دیں گے۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟ یہ معنیٰ ہے فِيْمَا زَادَ الثُّلُثُ عَلَى الْقِيْمَةِ، وہ جو ثلث زیادہ ہے قیمت پر وہ زید کو، اس میں زید کے لیے وصیت نافذ کر دیں گے۔

أَوْ يُبَرْهِنَ زَيْدٌ عَلٰى أَنَّ الْعِتْقَ كَانَ فِي الصِّحَّةِ، یا بینہ قائم کر دے زید اس بات پر کہ آزادی جو تھی وہ صحت کی حالت میں ہوئی تھی، فَتُقْبَلُ بَيِّنَتُهُ، تو اس کی بینہ قبول کی جائے گی، لِأَنَّهُ خَصْمٌ فِيْ إِثْبَاتِ ذٰلِكَ، اس لیے کیونکہ وہ فریقِ مخالف ہے اس کو ثابت کرنے میں، وہ کیا ہے؟ وہ مدعی ہے نا، تو وہ مدعی ہے، فریقِ مخالف ہے، اور مدعی کے لیے کیا چاہیے؟ بینہ، بینہ ہوگی تو اس کے ذریعے وہ اپنے دعوے کو ثابت کر دے گا، تو یہاں بھی اسی طرح ہے۔ لِأَنَّهُ خَصْمٌ فِيْ إِثْبَاتِ ذٰلِكَ، اس لیے کیونکہ وہ خصم ہے یعنی فریقِ مخالف ہے یعنی دعویٰ کرنے والا ہے فِيْ إِثْبَاتِ ذٰلِكَ اس کو ثابت کرنے میں یعنی وہ آزادی کو صحت کے اندر ثابت کرنے کا مدعی ہے، لِيُثْبِتَ لَهُ الْوَصِيَّةَ بِالثُّلُثِ، تاکہ وہ ثابت کرے اپنے لیے وصیت بالثلث کو۔ ترجمہ سن لیں: لِيُثْبِتَ لَهُ الْوَصِيَّةَ بِالثُّلُثِ، تاکہ وہ ثابت کرے لَهُ اپنے لیے اَلْوَصِيَّةَ بِالثُّلُثِ، کس کو ثابت کرے؟ وصیت بالثلث کو۔ بھئی وہ مدعی ہے تو اس کے لیے بینہ چاہیے، بینہ کے ذریعے وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ ثلث لینا چاہتا ہے، تو ثلث لینا چاہتا ہے تو اس کے لیے بینہ چاہیے، بینہ کے ذریعے وہ ثابت کرے گا اپنے لیے وصیت بالثلث کو کہ میرے لیے یہ ثلث کی وصیت میرے لیے ہے، یہ ساری مجھے ملنی چاہیے، غلام کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے: لِأَنَّهُ خَصْمٌ فِيْ إِثْبَاتِ ذٰلِكَ لِيُثْبِتَ لَهُ الْوَصِيَّةَ بِالثُّلُثِ، اس لیے کیونکہ وہ خصم ہے اس دعوے کو ثابت کرنے میں تاکہ وہ اپنے لیے ثلث کی وصیت کو ثابت کر سکے۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

فَإِنِ ادَّعٰى رَجُلٌ دَيْنًا عَلٰى مَيِّتٍ وَعَبْدُهُ إِعْتَاقَهُ فِيْ صِحَّتِهِ وَصَدَّقَهُمَا وَارِثُهُ سَعَى الْعَبْدُ فِيْ قِيْمَتِهِ.

صورتِ مسئلہ یہ ہے: ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس نے ترکے میں صرف ایک غلام چھوڑا، اور اس کا کوئی مال نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ صرف ایک غلام اس نے ترکے کے طور پر چھوڑا ہے۔ اور اس شخص کے مرنے کے بعد اس کے غلام نے دعویٰ کر دیا کہ اس مرنے والے نے مجھے صحت کی حالت میں آزاد کیا تھا، کس حالت میں؟ صحت کی حالت میں آزاد کیا تھا۔ اور ایک شخص آیا اس نے آکر دعویٰ کر دیا کہ مرنے والے پر میرا ایک ہزار درہم دَین ہے۔ تو دعویٰ کرنے والے دو افراد ہو گئے: ایک شخص نے آکر دَین کا دعویٰ کیا ہے، ایک ہزار درہم دَین تھا میرا مرنے والے پر، اور جبکہ غلام نے، وہ جو ایک ہی غلام اس نے جو چھوڑا ہے ترکے کے طور پر، اس نے دعویٰ کر دیا کہ اس مرنے والے نے مجھے صحت کی حالت میں آزاد کیا تھا۔ اور وارث نے دونوں کی تصدیق کر دی، دَین والے کی بھی تصدیق کر دی کہ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مرنے والے پر آپ کا ایک ہزار درہم قرض تھا، اور اس غلام کی بھی تصدیق کر دی کہ میرے والد نے آپ کو صحت کی حالت میں آزاد کیا تھا۔ تو یاد رکھیے اس صورت میں صاحبین اور امام صاحب کا اختلاف ہے۔ تو امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ غلام مفت میں آزاد نہیں ہو گا، کیونکہ اس شخص پر دَین بھی ہے، لہٰذا یہ غلام آزاد تو ہو جائے گا لیکن جا کر پیسے کمائے گا اور اپنی قیمت لا کر دے گا، اپنی قیمت کے بقدر کوشش کرے گا اور پیسے کما کر لا کر دے گا، اور اس کے ذریعے پھر اس دَین کی ادائیگی کی جائے گی بھئی۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ غلام جو ہے مفت میں آزاد

آزاد ہو گیا، اس پر کوئی سعی وغیرہ لازم نہیں ہے کہ جائے اور جا کر پیسے کما کر لا کر دے بھئی۔

پھر صورت سمجھ لو کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس کے مرنے کے بعد ایک شخص نے آکر دعویٰ کیا کہ اس شخص پر میرا ایک ہزار درہم دَین تھا۔ اور اس شخص کے غلام، جو ایک ہی غلام تھا ترکے میں، اس غلام نے دعویٰ کیا کہ اس مرنے والے نے مجھے صحت کی حالت میں آزاد کیا تھا۔ اور وارث نے دونوں کی اکٹھی تصدیق کر دی کہ آپ دونوں صحیح کہہ رہے ہیں، یہ قید یاد رکھنا، وارث نے دونوں کی تصدیق اکٹھی کی ہے کہ آپ دونوں ٹھیک کہہ رہے ہیں، غلام کو بھی کہا اور اس قرض خواہ کو بھی کہہ دیا۔ تو اس صورت میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ غلام مفت میں آزاد نہیں ہو گا، جائے گا، سعی کرے گا اور پیسے کما کر لا کر دے گا اور اس کے ذریعے دَین کی ادائیگی کی جائے گی۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ غلام مفت میں آزاد ہو جائے گا، اس کو اپنی قیمت کے اندر سعی نہیں کرنا پڑے گی بھئی۔ فرق سمجھ میں آیا؟

اب یہ دیکھیے آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ایک شخص جب کسی غلام کو آزاد کرتا ہے، اگر وہ صحت کی حالت میں غلام کو آزاد

کرے، تو پھر اس صورت میں غلام پر سعی نہیں ہوتی، وہ کل مال میں سے اس کی آزادی شمار ہوتی ہے، یعنی کل مال میں سے وہ ویسے ہی آزاد ہو جائے گا اس پر کوئی سعی وغیرہ نہیں۔ لیکن جب کوئی شخص مرض الموت میں ہوتا ہے تو اس کے مال کے ساتھ وارثوں کا حق بھی وابستہ ہو جاتا ہے۔ اور لہٰذا اس اعتاق کا حکم وصیت والا ہو جاتا ہے، یہ جو اعتاق ہوا ہے اس کا حکم وصیت، اور وصیت ثلثِ مال میں نافذ ہوتی ہے، لہٰذا ثلثِ مال کے بقدر غلام کا حصہ آزاد ہو جائے گا اور باقی کے اندر وہ سعی کرے گا اور پیسے کما کر لا کر دے گا اور پھر پورا آزاد ہو جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر دیکھو یہ غلام دعویٰ کر رہا ہے، وہ کس حالت میں؟ وہ صحت کی حالت میں اعتاق کا دعویٰ کر رہا ہے کہ مرنے والے نے مجھے صحت کی حالت میں آزاد کیا تھا تاکہ مجھے سعی نہ کرنا پڑے، میں مفت میں آزاد ہو جاؤں، کوئی مجھے مزدوری محنت کر کے پیسے کما کر لا کر نہ دینے پڑیں بھئی۔ تو صاحبین کیا فرماتے ہیں کہ یہ غلام آزاد ہو جائے گا اور اس پر کوئی سعی وغیرہ نہیں۔ اور امام صاحب کیا فرماتے ہیں کہ اس کو سعی کرنا پڑے گی اور اپنی قیمت لا کر دے گا بھئی، قیمت لا کر، اور اس کے ذریعے پھر دَین کی ادائیگی ہو گی۔

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: فَإِنِ ادَّعٰى رَجُلٌ دَيْنًا عَلٰى مَيِّتٍ، اگر دعویٰ کر دیا کسی شخص نے دَین کا مرنے والے پر، وَعَبْدُهُ، اور دعویٰ کر دیا مرنے والے کے غلام نے، إِعْتَاقَهُ، اس مرنے والے کے آزاد کرنے کا، مرنے والے کا اس کو آزاد کرنے کا دعویٰ کر دیا، فِيْ صِحَّتِهِ، کس حالت میں؟ اس کی صحت کی حالت میں کہ اس نے مجھے آزاد کیا تھا۔ وَصَدَّقَهُمَا وَارِثُهُ، اور وارث نے ان دونوں کی تصدیق کر دی، مرنے والے کے وارث نے ان دونوں کی تصدیق کر دی، تو سَعَى الْعَبْدُ فِيْ قِيْمَتِهِ، تو غلام سعی کرے گا اپنی قیمت کے اندر یعنی محنت مزدوری کرے گا اور اپنی قیمت کے بقدر پیسے لا کر دے گا اور پھر آزاد ہو جائے گا۔ هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ وَقَالَا يَعْتِقُ وَلَا يَسْعٰى فِيْ شَيْءٍ، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ وہ غلام آزاد ہو جائے گا اور کوشش نہیں کرے گا کسی بھی چیز میں، یعنی مزدوری وغیرہ ذرا بھی نہیں کرے گا، کوئی پیسے ادا کرنے کی ضرورت نہیں، مفت میں آزاد ہو جائے گا۔ صاحبین کیا فرماتے ہیں؟ مفت میں آزاد ہو جائے گا۔

اب دلیل آگے آ رہی ہے: لِأَنَّ الدَّيْنَ وَالْعِتْقَ فِي الصِّحَّةِ ظَهَرَا مَعًا بِتَصْدِيْقِ الْوَارِثِ فِيْ كَلَامٍ وَاحِدٍ، اس لیے کیونکہ دَین اور اعتاق، عِتْقُ فِي الصِّحَّةِ، عِتْقُ فِي الصِّحَّةِ، اعتاق کے ساتھ یہ صحت والی قید یاد رکھنا، اس لیے کیونکہ دَین اور اعتاق فی الصحۃ جو ہیں، یہ ظَهَرَا مَعًا، یہ دونوں اکٹھے ظاہر ہوئے ہیں، بِتَصْدِيْقِ الْوَارِثِ، وارث کی تصدیق کرنے کی وجہ سے، فِيْ كَلَامٍ وَاحِدٍ، ایک ہی کلام میں۔ فَصَارَ كَأَنَّهُمَا وَقَعَا مَعًا، تو یہ ایسے ہی ہو گیا گویا کہ یہ دونوں اکٹھے واقع ہوئے ہیں، یہ دونوں اکٹھے واقع ہوئے ہیں بھئی۔

بھئی دیکھو صاحبین فرماتے ہیں کہ وارث نے دونوں کے دعوے کی تصدیق ایک ہی کلام سے کی ہے۔ ایک ہی وقت

میں کہا تم دونوں ٹھیک کہہ رہے ہو، دونوں کی تصدیق کر دی۔ تو دونوں کا ظہور ہوا، دَین کا بھی اور اعتاق کا بھی، غلام کی آزادی کا ظہور بھی ہوا۔ بھئی دَین ویسے تو نہیں آتا نا، دَین کے لیے کوئی بینہ چاہیے نا، بینہ چاہیے۔ لیکن یہاں وارث، جو ترکے کا مالک ہے، وہ کیا کر رہا ہے؟ اقرار کر رہا ہے، وہ تصدیق کر رہا ہے۔ وہ تصدیق کر رہا ہے گویا دوسرے لفظوں میں وہ اقرار کر رہا ہے، اور اقرار کی وجہ سے اب دَین کیا ہو جائے گا؟ لازم۔ اور کیا اقرار سے پہلے یہ دَین لازم تھا؟ نہیں، اس سے پہلے تو یہ ثابت ہی نہیں تھا۔ اسی طرح یہ جو غلام کا اعتاق فی الصحۃ کا دعویٰ ہے کہ صحت کی حالت میں مجھے آزاد کیا تھا، تو غلام کا یہ اعتاق فی الصحۃ کا دعویٰ کیا یہ پہلے ثابت تھا؟ نہیں، اس کے پاس بھی کوئی بینہ نہیں۔ یہ وارث نے تصدیق کی ہے تو اعتاق فی الصحۃ بھی کیا ہو گیا؟ ظاہر ہو گیا۔ تو وارث کے اقرار کر لینے سے، وارث کے تصدیق کر لینے سے دونوں چیزیں ظاہر ہوئیں، اس سے پہلے تو دونوں ظاہر ہی نہیں تھیں، ثابت ہی نہیں تھیں۔

صاحبین کی دلیل چل رہی ہے، صاحبین کیا فرماتے ہیں کہ دونوں کا ظہور اکٹھا، یا یوں کہیں دونوں کا ثبوت اکٹھا ہوا ہے۔ جب دونوں کا ثبوت اکٹھا ہوا تو یوں سمجھیں گے کہ یہ دونوں چیزیں اکٹھی ہوئی تھیں، یہ دونوں چیزیں اکٹھی ہوئی تھیں۔ اور جب دونوں چیزیں اکٹھی ہوئیں تو معلوم ہوا کہ یہ جو اعتاق جو ہے یہ کس حالت میں ہوا؟ صحت کی حالت میں۔ اور یہ مسلمہ ضابطہ ہے، صحت کی حالت میں جب اعتاق کیا جاتا ہے تو غلام پر سعی لازم نہیں ہوتی، غلام کے ذمے سعی نہیں ہوتی کہ وہ پیسے کما کر لا کر دے۔ تو صاحبین فرماتے ہیں غلام مفت میں آزاد ہو جائے گا، غلام کیا ہو جائے گا؟ مفت میں آزاد ہو جائے گا۔

ہاں، جو دَین ہے یاد رکھو، دَین کے جب کوئی شخص اقرار کر لیتا ہے، تو وہ دَین اس کے ذمے لازم ہو جاتا ہے، چاہے صحت میں دَین کا اقرار کرے چاہے مرض الموت میں دَین کا اقرار۔ ایک شخص ہے حالتِ صحت میں اقرار کرتا ہے کہ میں نے زید کا دس لاکھ روپیہ دینا ہے، وہ اس پر لازم ہو گیا، اب اس کو دینا پڑے گا، اور اگر وہ نہیں دیتا تو پھر اس کے مرنے کے بعد ترکے میں سے وصول کریں گے چاہے سارا ہی ترکہ کیوں نہ ختم ہو جائے۔ اسی طرح مرض الموت میں بھی اگر کوئی دَین کا اقرار کر لے تو وہ دَین لازم ہو جائے گا، اور اس کی ادائیگی وصیت اور وارثوں پر مقدم ہے، وصیت سے بھی مقدم اور وارثوں کے حق سے بھی مقدم، چاہے اس میں سارا مال ہی کیوں نہ ختم ہو جائے، سارا ترکہ ہی کیوں نہ ختم ہو جائے۔ اور یہ ضابطہ ہے کہ جب ایک شخص مدیون ہو، اس پر قرضہ ہو، قرضہ ہو، تو وہ اپنے غلام کو آزاد نہیں کر سکتا مرض الموت میں، اپنے غلام کو مفت میں آزاد کر ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ کیا ہے؟ مدیون ہے، مقروض ہے، اس پر قرضہ ہے بھئی۔ قرضہ نہ ہوتا، اور صرف ایک غلام ہوتا تو ثلث کے اندر ہم نافذ کر دیتے، لیکن یہاں تو وہ پہلے سے ہی مقروض ہے۔ جب پہلے سے مقروض ہے تو پھر لہٰذا غلام کو مفت آزاد نہیں کر سکتا۔

لیکن یہ وہ صورت ہے جب وہ پہلے سے مقروض ہے اور پھر اس کے بعد کیا کرنا چاہتا ہے؟ غلام کو آزاد کرنا چاہتا ہے۔

لیکن صاحبین فرماتے ہیں یہاں پر یہ جو دَین اور یہ جو اعتاق کا ظہور ہوا یہ اکٹھا ہوا وارث کی تصدیق کی وجہ سے۔ جس وقت وارث نے کہا کہ آپ دونوں ٹھیک کہہ رہے ہیں، میں اب دونوں کی تصدیق کرتا ہوں، تو یہ تصدیق کرتے ہی دونوں کا ظہور ہوا۔ گویا دَین اور اعتاق فی الصحۃ کا ظہور اکٹھا ہوا ہے۔ اگر دَین مقدم ہوتا پھر تو اعتاق جو ہے نہیں ہو سکتا تھا، ہم کیا سمجھتے یہ اعتاق ہے مرض الموت میں، کس میں؟ مرض الموت میں ہم سمجھتے کیونکہ ایک شخص مقروض ہے اور اب اس کا غلام دعویٰ کر رہا ہے اپنی آزادی کا، تو لہٰذا یہ مفت نہیں ہو سکتی یہ آزادی، اس کو سعی کرنا پڑے گی۔ لیکن صاحبین کیا فرماتے ہیں؟ دونوں کا ثبوت، دونوں کا ظہور اکٹھا ہوا یعنی دونوں کا ثبوت اکٹھا ہوا ہے۔ معلوم ہوا جس وقت دَین کا ظہور ہوا اسی لمحے کے اندر اعتاق کا بھی ظہور ہوا۔ اگر دَین پہلے ہوتا تو پھر اعتاق مفت نہ ہوتا، لیکن یہ تو دونوں اکٹھے ثابت ہو رہے ہیں، اکٹھے ظاہر ہو رہے ہیں، تو گویا دونوں اکٹھے ہوئے۔ گویا ایک ایسا شخص اپنے غلام کو آزاد کر رہا ہے جو پہلے مدیون نہیں، ابھی ساتھ ساتھ مدیون بن رہا ہے، ادھر غلام آزاد کر رہا ہے اور ساتھ ہی کیا بن رہا ہے؟ مدیون بھی بن رہا ہے۔ ہاں اگر پہلے سے مدیون ہوتا پھر اس اعتاق کی نسبت ہم صحت کی طرف کر ہی نہیں سکتے تھے، بلکہ پھر ہم کس میں قرار دیتے؟ مرض میں، اور مرض میں مدیون شخص جب غلام کو، مدیون شخص مرض میں غلام کو آزاد کرے تو اس پر کیا لازم ہو جاتی ہے؟ سعی لازم ہو جاتی ہے۔ لیکن یہاں دونوں کو اکٹھا سمجھیں گے، گویا ایک غیر مدیون شخص جو ہے صحت کی حالت میں اپنے غلام کو آزاد کر رہا ہے، اور صحت کی حالت میں تو مدیون بھی ہو، مدیون بھی ہو وہ بھی اپنے پورے غلام کو آزاد کر سکتا ہے بغیر، چاہے وہ مدیون ہی کیوں نہ ہو، بغیر سعی کے ہی اس کا غلام آزاد ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ میرا خیال نہیں سمجھ میں آئی، پھر سمجھیں۔

دیکھو غلام کس چیز کا دعویٰ کر رہا ہے؟ اعتاق فی الصحۃ کا۔ اور اعتاق فی الصحۃ، اگر وہ شخص مقروض ہوتا، کیا ہوتا؟ تو پھر اس اعتاق کی نسبت صحت کی طرف ہم کر ہی نہیں سکتے تھے کیونکہ مانع آگیا، کیونکہ مرنے کے بعد دعویٰ کر رہا ہے نا، وارث مان رہا ہے، اقرار کر رہا ہے، لیکن ماننے کے باوجود صحت کی طرف اس کی نسبت نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ شخص مدیون ہے، ایک مانع موجود ہے، لہٰذا اس غلامی کو کس کی طرف نسبت کرنا پڑے گی؟ مرض الموت میں۔ کیونکہ اگر صحت کی طرف نسبت کرتے ہیں تو وہ غلام مفت کا آزاد ہو جائے گا اور اس شخص کا دَین ہے بھئی، دَین اب کہاں سے ادا کریں گے؟ وہ تو ترکہ ختم ہو گیا، وہی غلام ہی تو ہے اور تو کچھ ہے ہی نہیں، تو اس کا تو دَین چلا جائے گا، بھئی ڈوب جائے گا۔ لہٰذا یہاں ایک مانع آگیا، تو لہٰذا اعتاق فی الصحۃ کا دعویٰ جو کر رہا ہے وہ صحت میں قبول ہی نہیں کیا جا سکتا وہ اگر وہ شخص کیا ہو؟ مدیون ہو، کیا ہو؟ اگر وہ شخص مدیون ہوتا تو پھر اعتاق کی نسبت صحت کی طرف کر ہی نہیں سکتے تھے، ہمیں کس کی طرف کرنا پڑتی؟ مرض کی طرف۔ وارث تصدیق کر رہا ہے، مان تو ہم لیتے، وارث نے تصدیق کر دی، مان تو ہم لیتے کہ

مرنے والے نے کیا کیا ہے؟ آزاد کیا ہے، لیکن صحت کی طرف نسبت نہیں کر سکتے، کیونکہ صحت کی طرف نسبت کرتے ہیں تو غلام مفت میں آزاد ہوتا ہے، حالانکہ ایک مانع موجود ہے اور وہ کیا؟ وہ قرضہ ہے، اسی غلام سے ہم نے وہ قرضہ ادا کرنا ہے۔ تو اگر وہ مدیون ہوتا، لیکن صاحبین فرماتے ہیں یہاں دونوں کا ظہور اکٹھا ہوا ہے، دونوں کا؟ جب اس نے تصدیق کی اسی لمحے میں دَین کا بھی ثبوت ہوا اور اسی لمحے میں اعتاق کا بھی ثبوت ہوا، تو دونوں کا ثبوت کیا ہوا؟ اکٹھا۔ اور اب مدیون ہے وہ شخص جب یہ اعتاق کر رہا ہے؟ نہیں۔ جب مدیون نہیں ہے تو اب اعتاق کی نسبت صحت کی طرف کرنا صحیح ہوئی، تو معلوم ہوا اعتاق بھی کس میں ہوا؟ صحت میں، اور دَین بھی کب ہے؟ صحت میں، اور جب اعتاق صحت میں ہو تو غلام پر سعی نہیں ہوتی۔ معلوم ہوا اس شخص کا دَین ڈوب گیا، اس کو کچھ بھی نہیں دیا جائے گا کیونکہ ترکہ تھا ہی ایک غلام، وہ آزاد ہو گیا صاحبین کے نزدیک۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

ہاں اگر، اگر وہ تصدیق اکٹھی نہ کرتا، تصدیق اکٹھی نہ کرتا، تقدیم و تاخیر کے ساتھ تصدیق کرتا، مثلاً دَین کی اگر پہلے تصدیق کر لیتا، تو پھر اعتاق کی نسبت صحت کی طرف نہیں کر سکتے تھے۔ کیوں؟ کیونکہ وارث نے پہلے کس کی تصدیق کر دی ہے؟ دَین کی۔ دَین کی تصدیق کر لی، معلوم ہوا مرنے والے پر کیا تھا؟ قرضہ تھا۔ اب غلام کے دعوے کی بھی تصدیق کرتا ہے کہ مرنے والے نے تمہیں کب آزاد کیا تھا؟ صحت میں، لیکن صحت کی تصدیق وہ کر ہی نہیں سکتا، ہمیں کس حال میں اس کو ماننا پڑے گا؟ مرض کی حالت میں اعتاق کو ماننا پڑے گا۔ ٹھیک ہے وارث نے تصدیق کر لی، اعتاق کو ہم مان لیں گے لیکن یہ اعتاق فی الصحۃ نہیں مانیں گے بلکہ فی مرض الموت ہم مانیں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اور اس صورت میں پھر غلام کو سعی کرنا پڑے گی، غلام کو بھی آزادی مل جائے گی اور دَین والے کو دَین کی بھی ادائیگی ہو جائے گی، غلام جا کر سعی کرے گا، پیسے کما کر لا کر دے گا اور دَین والے کو ادا کر دے گا۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟

اور اگر اعتاق مقدم ہوتا پھر؟ اگر وہ آ کر اعتاق کا دعویٰ کر دیتا غلام کہ جی میرے، آپ کے والد صاحب نے مجھے صحت کی حالت میں آزاد کیا تھا اور وارث نے تصدیق کر دی، اس کے بعد دَین والا آیا اور اس نے آ کر کہا کہ مرنے والے پر میرا ایک ہزار درہم دَین تھا، تو یاد رکھو اعتاق کی وہ پہلے تصدیق کر چکا ہے، وہ اعتاق نافذ ہو گیا اور ایک ہی تو غلام تھا وہ آزاد ہو چکا ہے، لہٰذا اب، لہٰذا اب دَین، ہاں اب دَین کی تصدیق، دَین کا مال ہی کوئی نہیں ہے، لہٰذا اب دَین ڈوب گیا، ختم ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو صاحبین کیا فرماتے ہیں؟ اگر اعتاق مقدم ہوتا تو دَین کا کوئی اعتبار نہ ہوتا، اور اگر دَین مقدم ہوتا تو اعتاق کس حالت میں ماننا پڑتا؟ مرض کی حالت میں ہمیں ماننا پڑتا۔ لیکن یہاں وا

وارث نے دونوں کی اکٹھی تصدیق کی ہے، تو دونوں اکٹھے ثابت ہوئے۔ جب اکٹھے ثابت ہوئے، معلوم ہوا اعتاق کس حالت میں ثابت ہوا؟ جب اس شخص پر کوئی بھی دَین نہیں۔ جب کوئی بھی دَین نہیں تو اس اعتاق کو صحت کی حالت میں

فرض کرنے میں کوئی مانع نہیں، لہٰذا ہم اس اعتاق کو صحت کی حالت میں مان لیں گے، اور اسی وقت دَین بھی آیا، تو لہٰذا وہ اعتاق کیا ہوگا؟ وہ اعتاق جو ہے بغیر سعی کے ہو جائے گا، مفت میں پورا غلام آزاد ہو جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھئی کتاب پر، آگے امام صاحب کی بھی دلیل آرہی ہے۔

کہتے ہیں: فَإِنِ ادَّعٰى رَجُلٌ دَيْنًا عَلٰى مَيِّتٍ، اگر دعویٰ کیا کسی آدمی نے دَین کا مرنے والے پر، وَعَبْدُهُ إِعْتَاقَهُ فِيْ صِحَّتِهِ، اور اس کے غلام نے اس کے آزاد کرنے کا دعویٰ کیا فِيْ صِحَّتِهِ اس کی صحت کی حالت میں، وَصَدَّقَهُمَا وَارِثُهُ، اور ان دونوں کی تصدیق کر دی اس کے وارث نے، سَعَى الْعَبْدُ فِيْ قِيْمَتِهِ، تو غلام سعی کرے گا اپنی قیمت میں۔ هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ وَقَالَا يَعْتِقُ وَلَا يَسْعٰى فِيْ شَيْءٍ، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ وہ آزاد ہو جائے گا اور کسی بھی چیز میں سعی نہیں کرے گا، لِأَنَّ الدَّيْنَ وَالْعِتْقَ فِي الصِّحَّةِ ظَهَرَا مَعًا، اس لیے کیونکہ دَین اور آزادی فی الصحۃ جو ہے یہ اکٹھے ظاہر ہوئے ہیں، بِتَصْدِيْقِ الْوَارِثِ فِيْ كَلَامٍ وَاحِدٍ، بوجہ وارث کے تصدیق کرنے کے ایک ہی کلام سے۔ ایک ہی کلام سے جب تصدیق کی تو دونوں کا ظہور اکٹھا ہوا۔ اگر تقدیم و تاخیر ہوتی تو جو مقدم ہوتا وہ ثابت ہو جاتا، جو مؤخر ہوتا وہ تو یا تو ثابت ہی، اگر وہ دَین ہوتا وہ ثابت ہی نہ ہوتا، اور اگر وہ اعتاق ہوتا تو وہ سعی کے ساتھ ثابت ہوتا، بات سمجھ میں آگئی؟ فَصَارَ كَأَنَّهُمَا وَقَعَا مَعًا، تو یہ ایسے ہی ہو گیا گویا دونوں اکٹھے واقع ہوئے ہیں، وَالْعِتْقُ فِي الصِّحَّةِ لَا يُوْجِبُ السِّعَايَةَ، اور صحت کی حالت میں آزادی جو ہے یہ سِعایہ کو واجب نہیں کرتی، سِعایہ وہی غلام سعی کرے گا، پیسے کما کر لا کر دے گا، تو کہتے ہیں صحت کی حالت میں آزادی یہ سِعایہ کو واجب نہیں کرتا، اس کی وجہ سے غلام پر سعی واجب نہیں ہوتی کہ وہ جائے اور جا کر اپنی قیمت کے برابر پیسے لے کر آئے۔ تو غلام صحت میں آزاد ہوا، لہٰذا وہ مفت میں آزاد ہو گیا اور تو کوئی ترکہ ہی نہیں تھا، لہٰذا وہ دَین اس کا ڈوب گیا، بات سمجھ میں آگئی؟ ہاں اور اگر اور مال ہو پھر وہ ثلث کا حساب لگایا جائے گا، بات سمجھ میں آگئی؟ ہاں، لیکن یہاں بات چل رہی ہے کہ صرف وہی غلام ہے بھئی۔

لَهُ، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ أَنَّ الْإِقْرَارَ بِالدَّيْنِ أَقْوٰى، کہ اقرار بالدین زیادہ قوی ہے، لِأَنَّهُ فِي الْمَرَضِ يُعْتَبَرُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ، اس لیے کیونکہ اقرار بالدین جو ہے اس کا اعتبار کیا جاتا ہے سارے مال میں سے، اقرار بالدین مرض الموت میں بھی ہو تو اس کا اعتبار سارے مال میں سے کیا جاتا ہے، چاہے سارا مال ہی کیوں نہ ختم ہو جائے وہ دَین ادا کیا جائے گا۔ وَالْإِقْرَارُ بِالْعِتْقِ فِي الْمَرَضِ يُعْتَبَرُ مِنَ الثُّلُثِ، اور اقرار بالعتق جو ہے مرض کی حالت میں یعنی مرض الموت میں يُعْتَبَرُ مِنَ الثُّلُثِ اس کا اعتبار ثلث میں سے ہوتا ہے۔

امام صاحب بھئی! صاحبین نے تو کیا فرمایا؟ دونوں کا ظہور اکٹھا ہوا گویا دونوں اکٹھے ہوئے اور جب اکٹھے ہوئے تو گویا غلام صحت کی حالت میں آزاد ہوا اور جب صحت کی حالت میں آزاد ہوا ہے تو غلام پر کوئی سعی واجب نہیں، کیونکہ صحت

کی حالت میں جب غلام آزاد کیا جائے تو وہ پورے مال میں سے شمار ہوتا ہے اور اس غلام پر سعی لازم نہیں ہوتی۔ جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ غلام سعی کرے گا اور اپنی پوری قیمت لا کر کما کر دے گا اور اس کے ذریعے اس دَین کی ادائیگی کی جائے گی۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ دیکھیے ایک ہے اقرار بالدین اور ایک ہے اقرار بالعتق۔ ایک ہے اقرار بالدین اور ایک ہے اقرار بالعتق۔ یاد رکھیے اقرار بالدین امام صاحب فرماتے ہیں یہ قوی ہے اقرار بالعتق کے مقابلے میں۔ صحت کی حالت میں تو ٹھیک ہے، اقرار بالدین بھی کرے گا تو سارا دَین اس پر لازم ہو جائے گا، صحت کی حالت میں اقرار بالعتق بھی کرے گا تو غلام کیا ہو جائے گا؟ آزاد ہو جائے گا، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ لیکن مرض الموت میں دیکھا جائے وہاں جا کر پتہ چلتا ہے کہ اقرار بالدین قوی ہے اور اقرار بالعتق جو ہے وہ ضعیف ہے۔ اس لیے کیونکہ مرض الموت کے اندر اگر کوئی شخص دَین کا اقرار کر لے تو پھر وہ سارے مال میں سے معتبر ہوتا ہے، ثلث میں نہیں بلکہ سارے مال میں سے، چاہے اس دَین کی ادائیگی میں سارا مال ہی کیوں نہ خرچ ہو جائے وہ دَین ادا کیا جائے گا۔ کون سا دَین؟ جو مرض میں جس کا اقرار کر لے وہ بھی۔ صحت والے میں تو چاہے سارا مال ختم ہو جائے وہ تو ہے ہی، مرض الموت کے اندر جس دَین کا اقرار کر لے وہ بھی کیا ہے؟ وصیت اور وارثوں کے حق پر مقدم ہے، تو وہ بھی سارا مال ہی چاہے اس کے اندر کیوں نہ ختم ہو جائے، تو اقرار بالدین فی المرض جو ہے وہ پورے مال میں سے معتبر ہوتا ہے، وہ مقدم ہوتا ہے چاہے پورا ترکہ ہی اس کے اندر ختم کیوں نہ ہو جائے۔ لیکن اقرار بالعتق فی مرض الموت جو ہوتا ہے وہ صرف ثلثِ مال میں سے معتبر ہوتا ہے، مرض الموت کے اندر ایک شخص اگر اقرار کرتا ہے کہ میں نے اپنے غلام کو آزاد کر دیا ہے یا میں نے اپنے غلام کو آزاد کر دیا تھا تو یاد رکھیے یہ وصیت کے درجے میں ہے، اور وصیت کتنے مال میں نافذ ہوتی ہے؟ ثلثِ مال کے اندر، تو ثلثِ مال میں۔ تو اقرار بالدین فی المرض وہ کل مال میں معتبر ہے، اور اقرار بالعتق فی المرض جو ہے یہ ثلث میں معتبر ہے، معلوم ہوا اقرار بالدین قوی ہے کہ وہ کل مال میں معتبر ہے۔

تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ وہاں اگرچہ وارث نے دونوں چیزوں کی اکٹھی تصدیق کی ہے، لیکن ان میں سے اقرار بالدین قوی ہے اور اقرار بالعتق ضعیف ہے۔ توجہ ہے؟ اقرار بالعتق کیا ہے؟ اقرار بالدین کیا ہے؟ قوی ہے، اور اقرار بالعتق کیا ہے؟ ضعیف ہے۔ جب یہ قوی ہے، تو قوی ثابت ہو جاتا ہے اور ضعیف کو وہ باطل کر دیتا ہے، ضعیف کو کیا کر دیتا ہے؟ باطل کر دیتا ہے۔ لہٰذا یہ تو تقاضا کر رہا تھا کہ اقرار بالدین ثابت ہو جائے، دَین ثابت ہو جائے اور اعتاق بالکل ہی باطل ہو جائے بھئی۔ لیکن اعتاق ایک دفعہ جب نافذ ہو جائے پھر اس کو باطل نہیں کیا جا سکتا، تو لہٰذا صورتاً تو اعتاق کو باطل نہیں کیا جا سکتا تھا، ہاں ہم نے معنوی طور پر اس کو باطل کر دیا۔ اور معنوی طور پر باطل یہ کیا کہ یہ غلام جائے گا اور اپنی پوری قیمت کے بقدر کمائی لا کر دے گا اور پھر آزاد ہو جائے گا، پوری قیمت لا کر کما کر دے گا۔ صورت سمجھ میں آ

گئی؟ امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ اقرار بالدین قوی ہے کس کے مقابلے میں؟ اقرار بالعتق کے مقابلے میں، تو قوی جو ہے وہ ضعیف کو دفع کر دیتا ہے، اس کو باطل کر دیتا ہے۔ لہٰذا اس کا تقاضا کیا تھا؟ کہ دَین ثابت ہو جائے اور اعتاق باطل ہو جائے۔ لیکن اعتاق ایک دفعہ ہو چکا تو اس کی تصدیق وارث نے کر دی ہے، تو اعتاق کو فسخ نہیں کیا جا سکتا۔ جب اس کو فسخ نہیں کیا جا سکتا تو ہم نے صورتاً تو اس کو باقی رکھا لیکن معنوی طور پر ہم نے اس کو باطل کر دیا۔ صورتاً کیا باقی رکھا؟ کہ وہ آزاد ہو جائے گا، اور معنوی طور پر ہم نے اس کو باطل کیا بایں لحاظ کہ وہ جا کر پورے پیسے کما کر لا کر دے گا اپنی قیمت کے بقدر۔

اور نیز امام صاحب فرماتے ہیں کہ اقرار بالدین قوی ہے اور اقرار بالعتق ضعیف ہے، تو وہ قوی ہے وہ ثابت ہوا اور وہ شخص کیا بن گیا؟ مدیون۔ اور اس کے بعد اعتاق فی الصحۃ آیا، لیکن یہاں ایک مانع موجود ہے اور وہ کیا؟ کہ وہ شخص کیا ہے؟ مدیون ہے۔ اور جب کوئی شخص مدیون ہو تو پھر وہاں پر اعتاق کی نسبت صحت کی طرف نہیں کی جا سکتی، لہٰذا اس کی نسبت کس کی طرف کرنا پڑے گی؟ مرض الموت کی طرف کرنا پڑے گی۔ اگر یہ دَین نہ ہوتا تو ہم اس کی نسبت صحت کی طرف کر دیتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو امام صاحب کی یہ دلیل ہے کہ اقرار بالدین قوی ہے تو وہ ایک مانع موجود ہے، لہٰذا اعتاق کی نسبت صحت کی طرف اب نہیں کی جا سکتی۔ جب صحت کی طرف نہیں تو غلام کو اب کیا کرنا پڑے گی؟ سعی کرنا پڑے گی، وہ دَین ثابت ہے تو اب یہ غلام جو ہے جائے گا پیسے کما کر لا کر دے گا اور اس کے ذریعے دَین کی ادائیگی کی جائے گی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا اچھی طرح؟

دیکھیے بھئی: لَهُ، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ أَنَّ الْإِقْرَارَ بِالدَّيْنِ أَقْوٰى، کہ اقرار بالدین جو ہے وہ زیادہ قوی ہے، لِأَنَّهُ فِي الْمَرَضِ يُعْتَبَرُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ، اس لیے کیونکہ اقرار بالدین جو ہے مرض الموت میں بھی اس کا اعتبار کیا جاتا ہے سارے مال میں سے، وَالْإِقْرَارُ بِالْعِتْقِ فِي الْمَرَضِ يُعْتَبَرُ مِنَ الثُّلُثِ، اور اقرار بالعتق جو ہے مرض الموت میں یہ اعتبار کیا جاتا ہے ثلثِ مال میں سے، فَيَجِبُ أَنْ يُبْطِلَ الْعِتْقَ، یا تو یوں پڑھ لیں پس واجب ہوا کہ یہ عِتق کو کیا کر دے گا؟ باطل کر دے گا۔ أَنْ يُبْطِلَ الْعِتْقَ، یہ اقرار بالدین کیا کر دے گا؟ عِتق کو باطل کر دے گا، یا اس کو یوں پڑھ لیں فَيَجِبُ أَنْ يَّبْطُلَ الْعِتْقُ، پس واجب ہوا کہ عِتق جو ہے، پس ثابت ہوا کہ عِتق جو ہے وہ باطل ہو جائے گا۔ فَيَجِبُ کس معنیٰ میں کر لیں؟ يَثْبُتُ، پس ثابت ہوا کہ عِتق جو ہے وہ باطل ہو جائے گا۔ لٰكِنَّهُ لَا يَحْتَمِلُ الْبُطْلَانَ، لیکن عِتق تو ایک دفعہ جب آجائے وہ تو پھر بطلان کا احتمال نہیں رکھتا، پھر تو اس کو فسخ نہیں کیا جا سکتا، اس کو باطل نہیں کیا جا سکتا، تو فَيَبْطُلُ مَعْنًى، تو معنوی طور پر عِتق باطل ہو جائے گا، بِإِيْجَابِ السِّعَايَةِ، کس طرح؟ بایں صورت کہ سِعایہ واجب کر دی جائے گی، غلام پر سِعایہ کہ وہ جائے محنت مزدوری کرے اور اپنی قیمت کے بقدر پیسے لا کر دے اور اس کے ذریعے پھر دَین کی ادائیگی ہو گی، یا یوں کہو کہ وہ غلام جو ہے، وہ غلام جو ہے دائن کے حوالے کر دیا جائے گا اور پھر وہ غلام جا کر پوری اپنی قیمت، وہ جا کر محنت مزدوری کرے گا اور پیسے لا کر دائن

کو دے گا اور پھر آزاد ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

حاصلِ کلام پھر سن لیں بھئی: صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس کے مرنے کے بعد ایک شخص نے آکر دعویٰ کیا کہ اس شخص پر میرا ایک ہزار درہم دَین ہے، دوسری طرف اس شخص نے ترکے میں صرف ایک غلام چھوڑا ہے اور کوئی مال نہیں چھوڑا۔ اس غلام نے دعویٰ کر دیا کہ اس مرنے والے نے مجھے صحت کی حالت میں آزاد کیا تھا، اور وارث نے دونوں کی اکٹھی تصدیق کر دی ایک ہی کلام کے ساتھ۔ تو اس صورت میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ غلام مفت میں آزاد نہیں ہو گا، یہ جائے گا اور جا کر پیسے کما کر لائے گا اپنی قیمت کے بقدر اور اس کے ذریعے دَین کی ادائیگی ہو گی اور یہ آزاد ہو جائے گا۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ غلام جو ہے مفت میں آزاد ہو گیا، اس کو اپنی قیمت کے بقدر سعی نہیں کرنا پڑے گی بھئی۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہاں پر وارث نے جو ہے دونوں کی تصدیق ایک ہی کلام سے کی ہے، اگر وہ دونوں میں سے ایک کی تصدیق کو مقدم کر دیتا اور ایک کی تصدیق کو مؤخر، تو جو مقدم ہوتا وہ ثابت ہو جاتا اور مؤخر... مثلاً اگر دَین مقدم ہوتا تو دَین ثابت ہو جاتا اور اعتاق جو ہے وہ پھر اعتاق اس نے کس چیز کا دعویٰ کیا؟ اعتاق کا یا اعتاق فی الصحۃ کا؟ اس نے اعتاق فی الصحۃ کا دعویٰ کیا ہے، تو اگر وہ وارث جو ہے پہلے دَین کا اقرار کر لیتا، دَین کی تصدیق کر لیتا اور اس کے بعد اعتاق فی الصحۃ کی تصدیق کرتا، تو پھر یہ اعتاق فی الصحۃ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ مانع موجود ہے دَین بھئی۔ اقرار فی الصحۃ تو تقاضا کرتا ہے غلام مفت میں آزاد ہو جائے، حالانکہ مرنے والا مدیون ہے، مدیون ہے، اور مدیون جو ہے وہ اپنے غلام کو مفت میں آزاد نہیں کر سکتا۔ تو لہٰذا اس اعتاق کی نسبت کس کی طرف کرنا پڑے گی؟ مرض کی طرف کرنا پڑے گی، لہٰذا اس کو سعی کرنا پڑے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور اگر وارث پہلے اعتاق فی الصحۃ کی تصدیق کر دیتے تو پھر اس صورت میں اعتاق فی الصحۃ ثابت ہو جاتا اور وہ تو غلام کے علاوہ اور تو کوئی مال تھا ہی نہیں، وہ تو مال ختم ہو گیا، اب آکر وہ دَین کا دعویٰ بھی کرتا تو اب تو کوئی مال بچا ہی نہیں تو اس کا دَین کا دعویٰ کیا ہوتا؟ وہ دَین کا دعویٰ ویسے ہی ہوتا کوئی مال وغیرہ اس کو نہ ملتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن یہاں پر وارث نے دونوں کی اکٹھی تصدیق کی ہے، جب اکٹھی تصدیق کی ہے تو دَین اور اعتاق فی الصحۃ دونوں کا ظہور اکٹھا ہوا۔ معلوم ہوا جس وقت اعتاق کا ظہور ہوا اس وقت دَین نہیں تھا، جب دَین نہیں تھا تو کوئی مانع نہیں، لہٰذا اعتاق کی نسبت صحت کی طرف کر دیں گے، اور صحت کی حالت میں جب اعتاق ہوتا ہے تو اس میں غلام پر کوئی سعی وغیرہ نہیں ہوتی، غلام مفت میں آزاد ہو جاتا ہے۔

جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں ایک ہے یہاں پر اقرار بالدین اور ایک ہے اقرار بالعتق بھئی، اقرار بالدین قوی ہے اس لیے کیونکہ مرض الموت میں بھی اقرار بالدین جو ہے وہ کل مال میں معتبر ہوتا ہے، جبکہ اقرار بالعتق جو ہے وہ ضعیف ہے کیونکہ مرض الموت میں وہ ثلثِ مال میں سے معتبر ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں وارث نے تصدیق کی

دو چیزوں کی، ایک قوی ہے اور ایک ضعیف ہے، اور قوی چیز جو ہے وہ ضعیف کو باطل کر دیتی ہے۔ تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہاں پر جو اعتاق ہے وہ بالکل باطل ہو جائے، لیکن اعتاق ایک دفعہ جب آجائے پھر اس کو باطل نہیں کیا جا سکتا، تو ہم نے اس کو صورتاً تو باطل نہیں کیا کیونکہ اعتاق کو صورتاً باطل کرنے کی کوئی صورت نہیں، ہاں ہم نے اس کو معنوی طور پر باطل قرار دے دیا بایں لحاظ کہ غلام کو اپنی پوری قیمت میں سعی کرنا پڑے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی: بَابُ الْوَصِيَّةِ لِلْأَقَارِبِ وَغَيْرِهِمْ.

اقارب کہتے ہیں رشتہ داروں کو، بَابُ الْوَصِيَّةِ لِلْأَقَارِبِ وَغَيْرِهِمْ، یہ باب ہے رشتہ داروں وغیرہ کے لیے وصیت کے بارے میں۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

جَارُهُ مَنْ لَّصِقَ بِهِ، هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، وَعِنْدَهُمَا الْمُلَاصِقُ وَغَيْرُهُ سَوَاءٌ.

بھئی ایک شخص اپنے پڑوسیوں کے لیے وصیت کرتا ہے تو پڑوسی کس کو کہیں گے؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں جس کا گھر اس کے گھر کے ساتھ جڑا ہوا ہے، جن جن کا گھر اس کے گھر کے ساتھ جڑا ہوا ہے وہ ہیں پڑوسی۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں نہیں، محلے کے اندر رہنے والے سب پڑوسی ہیں بھئی، سب کیا ہیں؟ پڑوسی، لہٰذا اس وصیت میں سب کو حصہ ملے گا، جبکہ امام صاحب کے نزدیک صرف جن کے گھر کی دیوار اس کے ساتھ ملی ہوئی ہے ان کو حصہ ملے گا۔

تو کہتے ہیں: جَارُهُ مَنْ لَّصِقَ بِهِ، کہ کسی کا پڑوسی جو ہے وہ ہوتا ہے لَّصِقَ بِهِ جو اس کے ساتھ جڑا ہوتا ہے، لَصِقَ يَلْصَقُ کا کیا معنیٰ؟ جڑا ہونا، جو اس کے ساتھ یعنی جس کا گھر اس کے گھر کے ساتھ جڑا ہوتا ہے۔ هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ وَعِنْدَهُمَا الْمُلَاصِقُ وَغَيْرُهُ سَوَاءٌ، اور صاحبین کے نزدیک وہ جو اس کے ساتھ جڑا ہوا ہے وہ اور غیر جڑے ہوئے سَوَاءٌ سب برابر ہیں، یعنی محلے والے سارے کیا ہیں اس کے پڑوسی ہیں بھئی۔ تو یہ الفاظ کی تحقیق کریں گے، پڑوسی کسے کہتے ہیں؟ یہ رشتہ دار کس کو کہتے ہیں؟ فلاں رشتہ دار کس کو کہتے ہیں؟ فلاں رشتہ دار کس کو کہتے ہیں؟ تو یہ دراصل وصیت کے بارے میں تحقیق کر رہے ہیں کہ اگر کوئی پڑوسی کے لیے وصیت کرے تو امام صاحب کے نزدیک جن کے گھر کی دیواریں ساتھ جڑی ہوئی ہیں ان کو ملے گا باقیوں کو نہیں۔ اور یا فلاں رشتہ دار کے بارے میں وصیت کرے تو کس کس کو دیں گے وہ بیان ہوگا، لیکن وصیت نہیں ذکر کریں گے بس وہ رشتہ داروں کے جو، اس سے کون کون مراد ہوتے ہیں وہ ذکر کرتے چلے جائیں گے۔

آگے دیکھیے: وَصِهْرُهُ كُلُّ ذِيْ رَحِمٍ مَّحْرَمٍ مِّنْ عِرْسِهِ.

وَصِهْرُهُ، صِهْرٌ اور جمع ہے أَصْهَارٌ صاد کے ساتھ، صِهْرٌ اور أَصْهَارٌ، یہ سسرالیوں کو کہتے ہیں، سسرالی رشتہ دار، بیوی کی طرف سے رشتہ دار۔ اب ایک آدمی وصیت کرتا ہے میرے مرنے کے بعد میرے مال کا ثلث میرے سسرالیوں کو دے دینا، أَصْهَار کو دے دینا، کس کس کو دیں گے؟ تو کہتے ہیں اس شخص کی جو بیوی ہے، اس بیوی کے جو قریبی محرم رشتہ دار ہیں ان کو دیں گے۔ بیوی کے قریبی محرم رشتہ دار، دو شرطیں ہیں: بیوی کے قریبی رشتہ دار بھی ہوں اور محرم بھی ہوں جن کے ساتھ بیوی کے نکاح کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ مثلاً بیوی کا بھائی ہے، بیوی کا باپ ہے، بیوی کا بچہ ہے اگر پچھلے خاوند سے کوئی بچہ تھا، بیوی کا ماموں ہے، ماموں کے ساتھ نکاح حرام ہے نا؟ ماموں ہے، چچا ہے، تو یہ جو قریبی رشتہ دار ہیں جو بیوی پر حرام ہیں، جو بیوی کے محرم، قریبی رشتہ دار بھی ہیں اور محرم بھی ہیں، یہ وصیت میں داخل ہوں گے ان کو مال دیں گے باقیوں کو نہیں دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنیٰ ہے: وَصِهْرُهُ، اور اس کے سسرالی رشتہ دار جو ہیں کسی آدمی کے، كُلُّ ذِيْ رَحِمٍ، ذِيْ رَحِمٍ رشتے والا، رَحِم رشتے کو کہتے ہیں، كُلُّ ذِيْ رَحِمٍ ہر رشتے والا، مَّحْرَمٍ، اور جو کیا ہو؟ محرم بھی ہو۔ دیکھو ایک ہے رشتہ دار ہونا وہ الگ چیز ہے محرم ہونا الگ چیز ہے، جیسے چچا کی بیٹی بھی آپ کی رشتہ دار ہے، قریبی رشتہ دار ہے لیکن آپ کا نکاح اس کے ساتھ جائز ہے، تو وہ قریبی رشتہ دار ذی رحم تو ہے لیکن محرم نہیں ہے، تو دونوں شرطیں جس میں ہوں گی بیوی کے وہ قریبی رشتہ دار، وہ داخل ہوں گے اس وصیت میں۔ تو کہتے ہیں: وَصِهْرُهُ كُلُّ ذِيْ رَحِمٍ مَّحْرَمٍ مِّنْ عِرْسِهِ، عِرْسٌ بیوی کو کہتے ہیں عِرْسٌ، کسی آدمی کے سسرالی رشتہ دار جو ہیں كُلُّ ذِيْ رَحِمٍ ہر وہ قریبی رشتہ دار ہے مَّحْرَمٍ مِّنْ عِرْسِهِ جو اس کی بیوی کا محرم ہو۔ بلکہ یوں ترجمہ کرو: كُلُّ ذِيْ رَحِمٍ مَّحْرَمٍ مِّنْ عِرْسِهِ کہ کسی شخص کے سسرالی رشتہ دار جو ہیں وہ اس کی بیوی کا ہر وہ قریبی رشتہ دار ہے جو اس کا محرم ہو، ہر وہ قریبی رشتہ دار بیوی کا جو اس کا محرم ہو۔

وَخَتَنُهُ زَوْجُ كُلِّ ذَاتِ رَحِمٍ مَّحْرَمٍ مِّنْهُ.

بھئی خَتَن کس کو کہتے ہیں؟ خَتَن۔ کوئی آدمی کہہ دیتا ہے کہ میرے مال کا ثلث میرے أَخْتَان کو دے دینا۔ عربی زبان کے الفاظ ذکر ہو رہے ہیں، أَخْتَان عربی زبان میں کن کو کہتے ہیں؟ کون کون اس میں داخل ہوں گے؟ تو بتلائیں گے کہ یہ جو وصیت کرنے والا ہے اس کی جو قریبی محرم عورتیں ہیں ان کے جو خاوند ہیں وہ داخل ہوں گے۔ بھئی خَتَن ویسے داماد کو کہتے ہیں، کس کو؟ داماد، لیکن اردو میں تو داماد صرف بیٹی کے خاوند کو کہتے ہیں، لیکن عربی میں لفظِ خَتَن کا مفہوم وسیع ہے بھئی، اس میں اور بھی بہت سے رشتہ دار داخل ہو جاتے ہیں، اب کون کون سے رشتہ دار داخل ہوں گے بتلا دیا کہ جب کسی آدمی نے کیا کہا: میرا ثلثِ مال کس کو دے دینا میرے مرنے کے بعد؟ میرے أَخْتَان کو دے دینا، تو کون ہیں أَخْتَان؟ کہتے ہیں اس شخص کی جو قریبی محرم عورتیں ہیں، قریبی رشتہ دار ہیں اور اس آدمی کے لیے حرام ہیں، یعنی بہن ہے، بیٹی

ہے، پھوپھی ہے، خالہ ہے، یہ ساری کیا ہیں اس آدمی پر حرام۔ یہ جو اس کی قریبی محرم رشتہ دار عورتیں ہیں ان کے جو خاوند ہیں وہ سارے اس میں داخل ہو جائیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ان کے جو خاوند ہیں وہ داخل ہوں گے۔

یہ معنیٰ ہے: وَخَتَنُهُ، اور کسی آدمی کے خَتَن جو ہوتے ہیں، زَوْجُ كُلِّ ذَاتِ رَحِمٍ مَّحْرَمٍ مِّنْهُ، ذَاتِ رَحِمٍ پیچھے آیا تھا ذُوْ رَحِمٍ، ذُوْ رَحِمٍ، ذُوْ کیا معنیٰ؟ ذُوْ مَالٍ کا کیا معنیٰ؟ مال والا، اور مؤنث کے لیے کہتے ہیں ذَاتُ مَالٍ، مال والی، تو ذُوْ کی مؤنث کیا ہے؟ ذَاتُ۔ توجہ ہے؟ تو یہاں آیا كُلِّ ذَاتِ رَحِمٍ مَّحْرَمٍ مِّنْهُ، اس آدمی کی وہ قریبی رشتہ دار محرم عورتوں کے خاوند۔ زَوْجُ كُلِّ ذَاتِ رَحِمٍ مَّحْرَمٍ مِّنْهُ، ترجمہ آخر سے ہو گا: اس آدمی کی محرم قریبی رشتہ دار عورتوں کے خاوند، اس آدمی کی قریبی رشتہ دار محرم عورتوں کے خاوند، تو ان تمام عورتوں کے خاوند جو ہیں وہ خَتَن میں داخل ہوں گے۔

وَأَهْلُهُ عِرْسُهُ، هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، وَعِنْدَهُمَا كُلُّ مَنْ يَّعُوْلُهُمْ وَيُصِيْبُهُمْ نَفَقَتُهُ، لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿وَأْتُوْنِيْ بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِيْنَ﴾. وَلَهُ أَنَّهُ حَقِيْقَةٌ فِي الزَّوْجَةِ، قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿وَسَارَ بِأَهْلِهِ﴾. وَيُقَالُ تَأَهَّلَ فُلَانٌ.

ایک آدمی نے وصیت کی کہ میرے مال کا ثلث أَهْلِ زَيْدٍ کو دے دینا، کس کو دے دینا؟ أَهْلِ زَيْدٍ، أَهْل کا لفظ استعمال کیا، تو أَهْل سے کون مراد ہوتا ہے؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں اس کی بیوی، أَهْلِ رَجُلٍ سے مراد اس کی بیوی ہوتی ہے۔ تو کہتے ہیں: وَأَهْلُهُ عِرْسُهُ، اور کسی آدمی کے أَهْل جو ہیں وہ اس کی بیوی ہے، هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ وَعِنْدَهُمَا، اور صاحبین کے نزدیک كُلُّ مَنْ يَّعُوْلُهُمْ وَيُصِيْبُهُمْ نَفَقَتُهُ، صاحبین فرماتے ہیں أَهْلِ زَيْدٍ سے مراد زید کی بیوی صرف نہیں مراد بلکہ وہ تمام افراد ہیں جن کا خرچہ زید اٹھاتا ہے، یعنی بیوی بھی اور اس کے بچے بھی اور اگر کوئی ملازم وغیرہ ہے جن کا وہ خرچہ اٹھاتا ہے وہ سارے اس کے اندر آجائیں گے۔ تو صاحبین فرماتے ہیں كُلُّ مَنْ يَّعُوْلُهُمْ، وہ سارے افراد جن کی وہ کفالت کرتا ہے یعنی ان کے اخراجات برداشت کرتا ہے، وَيُصِيْبُهُمْ نَفَقَتُهُ، اور جن کو اس کا خرچہ پہنچتا ہے بھئی، کھانے پینے کپڑوں کا جو خرچہ جن کو ملتا ہے۔ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى، بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے، وہ دلیل ذکر کر رہے ہیں صاحبین، کہتے ہیں قرآن میں اللہ نے ذکر فرمایا ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے میں کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام جو ہیں وہ مصر کے بادشاہ بن گئے اور مصر میں قحط واقع ہوا اور ان کے بھائی بھی غلہ لینے کے لیے پہنچے، تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو غلہ دیا اور کہا کہ اگلی دفعہ جب آؤ تو اپنے گھر والوں کو بھی لانا، تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے فرمایا تھا: ﴿ وَأْتُوْنِيْ بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴾، اور تم لے آؤ اپنے گھر والوں کو أَجْمَعِيْنَ سب کے سب، تم اپنے سارے گھر والوں کو لے آؤ۔ تو یہاں أَهْلِكُمْ آیا، أَهْل کا لفظ آیا، اور یقیناً اس سے خاص طور پر ان کی بیویاں ہی نہیں مراد تھیں کہ صرف اپنی بیویوں کو لے آؤ، بلکہ سارے جن کی وہ جو ان کی کفالت میں تھے، بچے وغیرہ سب مراد تھے، معلوم ہوا

أَهْل سے صرف بیوی مراد نہیں بلکہ وہ تمام افراد جن کی وہ شخص کفالت کرتا ہو۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

لَهُ، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ أَنَّهُ حَقِيْقَةٌ فِي الزَّوْجَةِ، امام صاحب فرماتے ہیں کہ ہاں أَهْل کا لفظ بیوی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور جو کفالت میں ہوتے ہیں ان پر بھی بولا جاتا ہے، لیکن بیوی کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے یہ حقیقت ہے، یہ لفظ کیا ہے؟ حقیقت، یعنی یہ وضع ہی بیوی کے لیے ہے، اور باقی رشتہ دار اس میں داخل ہو جاتے ہیں جو کفالت میں ہوتے ہیں لیکن وہ مجازاً داخل ہوتے ہیں، وہ مجازاً داخل ہوتے ہیں۔ چنانچہ دیکھیے بھئی وہ فرماتے ہیں: لَهُ، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ أَنَّهُ حَقِيْقَةٌ فِي الزَّوْجَةِ، کہ یہ جو أَهْل کا لفظ ہے یہ حقیقت ہے بیوی کے بارے میں، باقیوں کے بارے میں مجاز اور بیوی کے بارے میں حقیقت ہے۔ اور دلیل قرآن سے بھی دیتے ہیں: قَالَ اللهُ تَعَالٰى، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَسَارَ بِأَهْلِهِ ﴾، حضرت موسیٰ علیہ السلام چل پڑے بِأَهْلِهِ اپنی بیوی کو لے کر، حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی کو لے کر چل پڑے، دیکھو یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیوی مراد ہے أَهْل سے۔ اور نیز وَيُقَالُ، عربی زبان میں کہتے ہیں: تَأَهَّلَ فُلَانٌ، جب کوئی شخص شادی کر لیتا ہے تو کہتے ہیں تَأَهَّلَ فُلَانٌ، یعنی شادی شدہ ہو گیا یعنی أَهْل والا ہو گیا، اور ابھی بچے ہیں؟ نہیں، ابھی تو بچے ہیں ہی نہیں، یعنی بیوی والا ہو گیا، تو معلوم ہوا أَهْل سے کیا مراد ہے؟ بیوی مراد ہے۔ یہ امام صاحب کی دلیل ہے۔

آگے دیکھیے: وَآلُهُ أَهْلُ بَيْتِهِ وَأَبُوْهُ وَجَدُّهُ مِنْهُمْ.

بھئی ایک شخص کہتا ہے کہ میرے مال کا ثلث آلِ زید کو دے دینا، آل کا لفظ استعمال کرتا ہے، تو اس سے کون کون مراد ہوں گے؟ کہتے ہیں کہ اس میں زید کے گھر والے مراد ہوں گے بیوی بچے وغیرہ، اور اسی طرح اس کے باپ دادا وغیرہ بھی اس کے اندر داخل ہوں گے۔ تو کہتے ہیں: وَآلُهُ، اور کسی شخص کی آل جو ہے أَهْلُ بَيْتِهِ اس کے گھر والے ہوتے ہیں، وَأَبُوْهُ وَجَدُّهُ مِنْهُمْ، اور اس کا باپ اور دادا بھی ان میں سے ہیں۔ یہ لفظِ آل اور اہل بھئی، اس کی تحقیق والد صاحب رحمہ اللہ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ، ان کی اس موضوع پر ایک کتاب ہے: النہج السہل، النہج السہل، نہج راستے کو کہتے ہیں، النہج السہل آسان راستہ، النہج السہل إلی مباحث الآل والأهل، یعنی آل اور اہل کے مباحث کی طرف آسان راستہ۔ تو یہ بہرحال کتاب کا نام ہے، اور عجیب بدیع کتاب ہے بھئی، یہ صرف آل اور اہل ان دو لفظوں پر یہ کتاب لکھی گئی ہے، اور تقریباً ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل ہے، اس میں آل اور اہل کے فرق ذکر کیے گئے ہیں کہ ان دونوں میں کیا کیا فرق ہیں بھئی۔

اچھا دیکھیے بھئی آگے، کہتے ہیں: وَأَقَارِبُهُ وَأَقْرِبَاؤُهُ وَذُوْ قَرَابَتِهِ وَأَنْسَابُهُ مَحْرَمَاهُ فَصَاعِدًا مِّنْ ذَوِيْ رَحِمِهِ الْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ غَيْرَ الْوَالِدَيْنِ وَالْوَلَدِ.

بھئی ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میرے مال کا ثلث میرے أَقَارِب کو دے دینا، میرے قریبی

رشتہ داروں کو، یا وہ کہتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرے مال کا ثلث میرے أَقْرِبَاء کو دے دینا، یہ بھی اسی کی طرح ہے میرے قریبی رشتہ داروں کو دے دینا، یا کہتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرے مال کا ثلث میرے ذُوْ قَرَابَتوں کو دے دینا یعنی میرے رشتہ داروں کو، معنیٰ وہی ہے ذُوْ قَرَابَت قرابت رشتے کو کہتے ہیں، قرابت والوں کو دے دینا، یا وہ کہتا ہے میرے مرنے کے بعد میرے مال کا ثلث میرے أَنْسَاب کو دے دینا، أَنْسَاب جمع ہے نَسِيْب کی ن س ي ب، نَسِيْب، اور نَسِيْب بھی رشتہ دار کو کہتے ہیں۔ تو سب کا معنیٰ ایک ہی ہے چاہے أَقَارِب کہے، أَقْرِبَاء کہے، ذُوْ قَرَابَة کہے یا أَنْسَاب، تو یہ لفظ اس نے استعمال کیا، ان میں سے کوئی ایک لفظ استعمال کیا اور کہا ان کو میرے مرنے کے بعد میرے مال کا ثلث دے دینا۔ تو اب اس سے کون سے رشتہ دار مراد ہوں گے؟ کہتے ہیں کہ جو قریبی محرم رشتہ دار ہیں وہ مراد ہوں گے، قریبی محرم رشتہ دار، کیونکہ رشتہ دار تو بہت سارے ہیں تو ان میں سے جو قریبی محرم رشتہ دار ہیں وہ مراد ہوں گے اور دو افراد مراد ہوں گے، کیونکہ اس نے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے اور میراث کے مسئلے میں جمع کا اطلاق کم از کم کتنے افراد پر ہوتا ہے؟ دو افراد پر ہوتا ہے۔ میں نے پہلے بھی ذکر ک

کیا تھا میراث کے مسئلے میں، ایک بیٹی ہو کسی شخص کی تو اس کو ثلث ملتا ہے، لیکن اگر دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو ان کو ثلثان ملتا ہے۔ تو دیکھو ثلثان زیادہ بیٹیوں کا حصہ ہے لیکن دو کو بھی ثلثان ہی دے رہے ہیں۔ معلوم ہوا میراث کے مسئلے میں دو کو بھی کیا سمجھا جاتا ہے؟ جمع ہی سمجھا جاتا ہے حالانکہ ویسے تو جمع کم از کم تین افراد ہوتے ہیں، لیکن میراث میں دو پر بھی جمع کا اطلاق ہوتا ہے۔ تو یہاں بھی اس نے جمع کے لفظ بولے ہیں: أَقَارِب، أَقْرِبَاء، ذُوْ قَرَابَت، أَنْسَاب، یہ سب جمع کے لفظ ہیں، تو لہٰذا دو محرم جو اس کے قریبی محرم رشتہ دار ہیں ان میں سے دو افراد کو دے دیں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ کم از کم دو افراد، کم از کم دو افراد۔

تو کہتے ہیں: وَأَقَارِبُهُ وَأَقْرِبَاؤُهُ وَذُوْ قَرَابَتِهِ وَأَنْسَابُهُ، ان الفاظ کی صورت میں ان سے مراد جو ہیں مَحْرَمَاهُ، اصل میں تھا مَحْرَمَانِ تثنیہ ہے بھئی نون اضافت سے گر گیا، مَحْرَمَاهُ اس کے دو محرم جو ہیں فَصَاعِدًا دو یا زیادہ، میں نے کہا نا کم سے کم دو کو دینا ہے زیادہ ہوں تو زیادہ کو دے دیں گے۔ تو مَحْرَمَاهُ دو محرم اس کے فَصَاعِدًا یا دو سے زیادہ، مِنْ ذَوِيْ رَحِمِهِ کس میں سے؟ اس کے قریبی رشتہ داروں میں سے جو محرم ہیں اس کے۔ بھئی محرم قریبی رشتہ دار ہونا ضروری نہیں ہوتا محرم کا۔ ایک آدمی ہے اس نے ایک اجنبیہ عورت کا دودھ بچپن میں پیا تھا، اب وہ اس کی کوئی رشتہ دار نہیں لیکن محرم ہے۔ اور اس کی بیٹی وہ اس کی بہن کی طرح ہے وہ بھی اس کی محرم ہے۔ تو بات سمجھ میں آ گئی؟ تو محرم ہونے کے ساتھ رشتہ دار ہونا ضروری نہیں، لیکن یہاں بتایا کہ دو محرم ہوں گے یا دو سے زیادہ مِنْ ذَوِيْ رَحِمِهِ اس کے قریبی رشتہ داروں میں سے، الْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ قریب والے پھر اس کے بعد جو قریب والے ہیں یعنی درجہ بدرجہ، غَيْرَ الْوَالِدَيْنِ وَالْوَلَدِ علاوہ والدین کے اور اولاد کے۔ اولاد اور والدین نہیں اس میں داخل ہوں گے۔ کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اولاد اور والدین کے لیے

رشتہ دار کا لفظ استعمال نہیں کرتے۔ کیا آپ نے سنا ہے کسی کو کہ وہ اپنے باپ کے بارے میں کہے یہ میرا رشتہ دار ہے؟ یا بیٹے کے بارے میں کہے یہ میرا رشتہ دار ہے؟ نہیں۔ باپ کے لیے کبھی رشتہ دار کا لفظ استعمال نہیں کرتے، کیونکہ رشتہ دار وہ ہے جس کے ساتھ رشتہ واسطے کے ذریعے ہو، واسطہ بیچ میں آرہا ہو تو پھر وہاں رشتہ دار کا لفظ استعمال کرتے ہیں، اور باپ اور اولاد کے ساتھ تو براہِ راست تعلق ہے وہاں تو درمیان میں واسطہ نہیں ہے بھئی۔ تو لہٰذا اسی لیے کہا کہ قریبی رشتہ دار ہوں گے درجہ بدرجہ غَيْرَ الْوَالِدَيْنِ وَالْوَلَدِ والدین اور اولاد کے علاوہ بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور وَلَد کا لفظ بولا، یاد رکھو وَلَد کا اطلاق مذکر اور مؤنث دونوں پر ہوتا ہے، بیٹا بھی اس میں داخل اور بیٹی بھی اس میں داخل ہے بھئی، تو یہ داخل نہیں ہوں گے۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

وَإِنَّمَا قَالَ مَحْرَمَاهُ لِأَنَّ أَقَلَّ الْجَمْعِ هٰهُنَا اِثْنَانِ، فَاعْتُبِرَ الْأَقْرَبِيَّةُ كَمَا فِي الْمِيْرَاثِ، وَهٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

او بھئی ماتن نے مَحْرَمَاهُ کیوں فرمایا؟ دو، اس کے دو محرم ہوں گے؟ وجہ میں نے ذکر کر دی کیونکہ اس نے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے اور میراث کے اندر اقلِ جمع کتنی ہے؟ دو ہے۔ کہتے ہیں: وَإِنَّمَا قَالَ مَحْرَمَاهُ، ماتن نے مَحْرَمَاهُ کا لفظ استعمال فرمایا یعنی تثنیہ ذکر فرمایا، لِأَنَّ أَقَلَّ الْجَمْعِ هٰهُنَا اِثْنَانِ، اس لیے کیونکہ جمع کے کم سے کم افراد یہاں پر دو ہوں گے، کیونکہ یہ وصیت ہے اور وصیت بھی کس کی طرح ہے؟ میراث کی طرح ہے، تو میراث میں جمع کا اطلاق کم از کم دو افراد پر ہوتا ہے تو وصیت میں بھی کم از کم دو افراد پر ہو گا۔ فَاعْتُبِرَ الْأَقْرَبِيَّةُ، لہٰذا قریب ہونے کا اعتبار کیا جائے گا، كَمَا فِي الْمِيْرَاثِ، جیسا کہ کس کے اندر ہوتا ہے؟ جیسا کہ میراث میں ہوتا ہے۔ وَهٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، اور یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔

وَقَالَا الْوَصِيَّةُ لِكُلِّ مَنْ يُّنْسَبُ إِلٰى أَقْصٰى أَبٍ لَّهُ أَدْرَكَ الْإِسْلَامَ، وَعِنْدَ بَعْضِ الْمَشَايِخِ رَحِمَهُمُ اللهُ إِلٰى أَقْصٰى أَبٍ لَّهُ أَسْلَمَ، وَيَدْخُلُ الْأَبْعَدُ مَعَ وُجُوْدِ الْأَقْرَبِ، ثُمَّ لَا يَدْخُلُ قَرَابَةُ الْوِلَادَةِ، وَقَدْ قِيْلَ مَنْ قَالَ لِلْوَالِدِ قَرِيْبًا فَهُوَ عَاقٌّ.

بھئی یہ جو اس نے لفظ ذکر کیے کہ وصیت کرتا ہوں اپنے أَقَارِب کے لیے یا أَقْرِبَاء کے لیے یا ذُوْ قَرَابَة کے لیے یا أَنْسَاب کے لیے، امام صاحب تو فرماتے ہیں اس کے جو قریبی محرم رشتہ دار ہیں وہ، دو یا دو سے زیادہ جو ہیں وہ اس سے مراد ہوں گے، دو، کم از کم دو افراد ہوں، اور جو قریب والے ہیں درجہ بدرجہ یعنی قریبی اگر ہیں تو پھر دور والے کو نہیں دیں گے، اور

قریب والے کم از کم دو افراد ہوں یا دو سے زیادہ ہوں ان میں وہ تقسیم کریں گے۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس صورت میں جو وصیت ہوگی، دیکھیے کتاب پر: الْوَصِيَّةُ یہ وصیت ہوگی لِكُلِّ مَنْ يُنْسَبُ إِلَى أَقْصَى أَبٍ ہر وہ شخص جو کہ منسوب ہے إِلَى أَقْصَى أَبٍ أَقْصَى کہتے ہیں آخری کنارہ، دور کا کنارہ، إِلَى أَقْصَى أَبٍ اس کا جو دور کا باپ ہے اس کی طرف، أَقْصَى أَبٍ لَهُ اس کا جو دور کا باپ ہے اس کی طرف، أَدْرَكَ الْإِسْلَامَ جس نے اسلام پایا ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ أَقَارِب اور أَقْرِبَاء وغیرہ کی صورت میں یا أَنْسَاب وغیرہ کی صورت میں اس وصیت میں وہ سارے افراد داخل ہوں گے جو اس کے قوم والے ہیں، جن کی نسبت اوپر ایک دادا کی طرف ہے سب کی۔ جیسے بنو ہاشم، حضور علیہ السلام کا خاندان، بنو ہاشم، دیکھو یہ حضور کے دادا پردادا اوپر ہاشم گزرے تھے ان کی طرف نسبت ہے، تو اس میں وہ سارے نیچے جو ان کی اولاد ہیں داخل ہو گئیں۔ یا اسی طرح بنو تمیم ہے قبیلہ، وہ ان کا کوئی اوپر باپ دادا تمیم نامی گزرا، اس کی طرف سارے منسوب ہیں۔ تو اسی طرح قبیلے جو ہیں وہ اوپر ان کے کسی باپ دادا کی طرف ان کی نسبت ہوتی ہے۔ تو اگر اس نے أَقَارِب یا أَقْرِبَاء کا لفظ استعمال کیا کسی شخص نے، تو اس میں کون کون داخل ہوں گے؟ کن کن کو یہ مال ملے گا؟ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس شخص نے کیا کہا؟ میرے أقارب، یا کہا زید کے أقارب کو دے دینا، جس کے لیے أقارب کی بات کی، اس شخص کا جو سب سے اوپر دور جو دادا پردادا، دادا پردادا جس نے اسلام کو پایا ہو، جس نے اسلام کو پایا ہو اور چاہے خود اسلام نہ لایا ہو، چاہے خود اسلام نہ لایا ہو، ہاں وہ جو دادا پردادا ہے جس نے اسلام کو پایا، اس دادا کی طرف جتنے بھی منسوب ہیں وہ سارے اس کے اندر داخل ہو جائیں گے۔ اور جبکہ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ وہ دادا یا پردادا جس نے اسلام کو پایا ہو نہیں، پایا نہ ہو بلکہ جس نے اسلام کو قبول کیا ہو، وہ آخری دادا جس نے اسلام کو قبول کیا ہو اس کی اولاد داخل ہوگی اس میں۔

توجہ ہے؟ تھوڑا سا فرق ہے: ایک شخص ہے وہ اسلام کو پاتا ہے لیکن اسلام قبول نہیں کرتا اور اس کی اولاد کیا کرتی ہے؟ اسلام کو قبول کر لیتی ہے۔ تو اب دونوں میں دیکھو ایک نے اسلام کو پایا لیکن قبول نہیں کیا، اور دوسرے نے اسلام کو پایا بھی اور کیا کر لیا؟ قبول بھی کر لیا۔ تو صاحبین کیا فرماتے ہیں کہ اس کا سب سے اوپر جو دادا گزرا ہے جس کی طرف یہ لوگ اپنی نسبت کرتے ہیں اور جس نے اسلام کو پایا ہو، یعنی اس سے پیچھے والا دادا مراد نہیں بلکہ وہ والا دادا جس نے اسلام کو پایا ہو، صرف اس دادا کی نیچے جتنی اولاد ہے وہ ساری داخل ہو جائے گی۔ جبکہ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ نہیں جس نے اسلام کو پایا نہ ہو بلکہ اسلام کو قبول کیا ہو، تو وہ پھر یعنی اس کے نیچے جس بچے نے اسلام قبول کیا ہے ان کی اولاد صرف اس کے اندر داخل ہو جائے گی۔

بھئی یہ مثال سے بات سمجھ میں آئے گی: دیکھو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کی ایک زوجہ تو تھیں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ان کی، حضرت فاطمہ سے حضرت علی کی اولاد جو ہے وہ سب وہ سید کہلاتے ہیں، وہ کیا کہلاتے ہیں؟

سید کہلاتے ہیں کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہیں، سید کہلاتے ہیں۔ اچھا سید کی بات آئی، میں نے ذکر کیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ مبارکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کا تو جلدی انتقال ہو گیا تھا اور تو ان کی جو اولاد ہے وہ سید کہلاتے ہیں، سید ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد میں اور شادیاں کیں اور ان سے ان کی اور بھی اولاد ہوئی، تو وہ جو اولاد ہے حضرت علی کی وہ علوی کہلاتے ہیں، حضرت علی کی طرف نسبت کرتے ہوئے، عَلَوِيٌّ یعنی کس کی طرف منسوب ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف۔ اب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ بیٹے ہیں حضرت ابو طالب کے، اور حضرت ابو طالب نے اسلام کو پایا لیکن اسلام کو قبول نہیں کیا۔ تو حضرت ابو طالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے انتہا مدد کی، لیکن اسلام نہیں لے کر آئے بھئی، اور اسی طرح ان کا انتقال ہوا، اور حضور علیہ السلام بہت زیادہ دکھی تھے ان کے انتقال پر کہ وہ اسلام لائے بغیر ہی دنیا سے چلے گئے۔

اب کوئی شخص تھا اور وہ علوی تھا، کیا تھا؟ علوی تھا، اور اس نے وصیت کی کہ میرے اَقارب کو میرے مرنے کے بعد ثلثِ مال دے دینا۔ اب جن مشائخ کا یہ قول ہے کہ جو سب سے اوپر دادا پردادا گزرا جس نے اسلام کو پایا بھی اور اسلام کو قبول بھی کیا، تو اس علوی کی گویا وصیت ہو جائے گی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو اولاد ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو ساری اولاد ہے ساری بیویوں سے، وہ ساری اس کے اندر داخل ہو جائے گی۔ اور وہ مشائخ وہ فقہا جو یہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ اوپر کا دادا ہے جس نے اسلام کو پایا ہو بے شک اسلام قبول نہ کیا ہو، تو اس صورت میں اس علوی کی وصیت میں حضرت ابو طالب جو ہیں ان کی ساری اولاد داخل ہو جائے گی، اور حضرت ابو طالب کے تو اور بھی بیٹے تھے: حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ بھی بیٹے تھے، حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ بھی بیٹے تھے، تو ان کی بھی اولاد اس وصیت کے اندر داخل ہو جائے گی۔

فرق سمجھ میں آ رہا ہے؟ اگر کس کا اعتبار کریں؟ وہ دادا جس نے اسلام کو پایا بے شک اسلام قبول نہیں کیا، تو وہ جو علوی نے وصیت کی تو اس کی نسبت سب سے اوپر کون سا دادا ہے؟ حضرت ابو طالب ہیں، تو ان کی ساری اولاد اس میں داخل ہو جائے گی، تو اس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد بھی آ گئی، حضرت عقیل اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد بھی ساری اس میں داخل ہو گئی۔ اور اگر ان مشائخ کا قول لیا جائے کہ جن کے نزدیک وہ سب سے اوپر کا باپ جس نے اسلام قبول کیا ہو، تو پھر اس میں صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد داخل ہو گی اور ان کے بھائیوں کی اولاد اس میں داخل نہیں ہو گی۔ فرق سمجھ میں آ گیا؟

وَقَالَا، اور صاحبین فرماتے ہیں: الْوَصِيَّةُ لِكُلِّ مَنْ يُّنْسَبُ إِلٰى أَقْصٰى أَبٍ لَّهُ أَدْرَكَ الْإِسْلَامَ، کہ یہ وصیت ہو گی ہر اس شخص کے لیے جو منسوب ہو إِلٰى أَقْصٰى أَبٍ لَّهُ اس وصیت کرنے والے کے آخری کنارے کا جو باپ ہے یعنی سب سے اوپر

جو باپ ہے، أَدْرَكَ الْإِسْلَامَ جس نے اسلام کو پایا، جو بھی اس باپ کی طرف منسوب ہیں وہ سارے اس وصیت کے اندر داخل ہیں۔ وَعِنْدَ بَعْضِ الْمَشَايِخِ رَحِمَهُمُ اللهُ، اور بعض مشائخ بعض فقہا کے نزدیک إِلٰى أَقْصٰى أَبٍ لَّهُ أَسْلَمَ، کہ وہ داخل ہوں گے جو منسوب ہیں اس وصیت کرنے والے کے اس آخری باپ کی طرف أَسْلَمَ جو کہ اسلام لے کر آیا تھا۔

وَيَدْخُلُ الْأَبْعَدُ مَعَ وُجُوْدِ الْأَقْرَبِ، اور داخل ہو جائے گا دور والا بھی قریب والے کے پائے جاتے ہوئے۔ توجہ ہے؟ وَيَدْخُلُ الْأَبْعَدُ، صاحبین کا مذہب چل رہا ہے، امام صاحب کا مذہب تو یہ تھا قریب والے درجہ بدرجہ ہوں گے، جب سب سے قریبی ہے تو دور والے کو نہیں دیں گے اور اگر قریب والا نہیں تو اس سے اگلے درجے والے کو دے دیں گے، اگر وہ بھی نہیں تو پھر اس سے اگلے درجے والے کو دیں گے۔ صاحبین کیا فرماتے ہیں؟ وَيَدْخُلُ الْأَبْعَدُ مَعَ وُجُوْدِ الْأَقْرَبِ، کہ جو دور والا ہے وہ بھی داخل ہو جائے گا مَعَ وُجُوْدِ الْأَقْرَبِ قریب والے کے ہوتے ہوئے، قریب والے کے ہوتے ہوئے دور والا بھی داخل ہو جائے گا۔

ثُمَّ لَا يَدْخُلُ قَرَابَةُ الْوِلَادَةِ، پھر قرابتِ ولادت اس کے اندر داخل نہیں۔ قرابتِ ولادت یعنی جن کے درمیان ولادت والا رشتہ ہو، جیسے باپ اور بیٹے میں کون سا رشتہ ہے؟ ولادت کا رشتہ ہے، تو ولادت والی قرابت اس قرابت... اوپر کہا نا میرے اقارب کو دے دینا یا میرے اقربا کو دے دینا یا میرے انساب کو دے دینا، اس میں ولادت والا رشتہ داخل نہیں ہے، لہٰذا والدین بھی داخل نہیں، اولاد بھی داخل نہیں۔ ابھی متن میں گزرا، والدین کو بھی رشتہ دار کہتا ہے کوئی؟ نہیں، بات سمجھ میں آگئی؟ تو وہ اس میں داخل نہیں۔ تو یہ معنیٰ ہے: وَلَا يَدْخُلُ قَرَابَةُ الْوِلَادَةِ، کہ ولادت والی قرابت یعنی جن میں رشتہ ولادت ہو باپ بیٹا وغیرہ، یہ داخل نہیں ہوں گے اس میں۔ وَقَدْ قِيْلَ، اور تحقیق کہا گیا ہے: مَنْ قَالَ لِلْوَالِدِ قَرِيْبًا فَهُوَ عَاقٌّ، جس نے اپنے والد کو قریبی کہا، قریبی یعنی رشتہ دار، جس نے اپنے والد کو رشتہ دار کہا فَهُوَ عَاقٌّ تو وہ بدسلوکی کرنے والا ہے، وہ کیا ہے؟ والد کا نافرمان ہے، والد کے ساتھ بدسلوکی کرنے والا ہے۔ بھئی والد کو کیسے قریبی کہا؟ بھئی قریبی تو وہ ہوتا ہے جہاں درمیان میں واسطہ ہو، اور باپ میں اور اس کے درمیان تو کوئی واسطہ نہیں ہے، تو یہ گویا اس نے بدسلوکی کی یوں کہو والد کے ساتھ بدتمیزی کی ہے اس نے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو کہتے ہیں: وَقَدْ قِيْلَ، تحقیق کہا گیا ہے مَنْ قَالَ لِلْوَالِدِ قَرِيْبًا جس نے اپنے والد کو قریبی کہا فَهُوَ عَاقٌّ تو وہ والد کے ساتھ بدسلوکی کرنے والا ہے، یا یوں ترجمہ کر لیں فَهُوَ عَاقٌّ تو وہ نافرمان ہے۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

فَإِنْ كَانَ لَهُ عَمَّانِ وَخَالَانِ

فَذَا لِعَمَّيْهِ، هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

جی، اب دیکھیے مسئلہ: ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس نے وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد میرے مال کا ثلث میرے قریبی رشتہ داروں کو دے دینا۔ اور مرنے کے بعد دیکھا گیا کہ اس کے قریبی رشتہ داروں میں دو چچا ہیں اور دو ماموں ہیں، دو چچا اور دو ماموں۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں دو جو چچا ہیں ان کو یہ ثلث دے دیں گے اور ماموؤں کو کچھ نہیں ملے گا۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں نہیں، چاروں کو ملے گا، تو چار حصے کر دو اس ثلث کے: ایک حصہ ایک چچا کو، ایک دوسرے چچا کو، ایک حصہ ایک ماموں کو، اور ایک حصہ دوسرے ماموں کو۔ جبکہ امام صاحب کیا فرماتے ہیں کہ سارا ثلث کس کو دے دو؟ چچوں کو دے دو، وہ اس کو آدھا آدھا تقسیم کر لیں گے۔ تو فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ بھئی کیا وجہ، کیوں فرق؟ بھئی ابھی تو ضابطہ آپ کو بتلایا: امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ پہلے قریبی کو دو پھر بعد میں دور والوں کو دو، اور صاحبین کیا فرماتے ہیں؟ قریب اور دور والے برابر ہیں، قریب اور دور والے برابر۔ تو امام صاحب نے اپنے ضابطے اور اصول کے مطابق جو ہے وہ فرمایا کہ صرف چچا کو دو کیونکہ چچا قریبی ہے اور ماموں دور کا ہے۔ آپ کہیں گے چچا کیسے قریبی، ماموں کیسے دور کا؟ تو آپ کہیں گے کہ یہ دونوں قریب اور بعید کیسے؟ دونوں بالکل قریبی ہیں کیونکہ چچا اگر باپ کا بھائی ہے تو ماموں جو ہے وہ ماں کا بھائی ہے، تو دونوں قریبی ہونے چاہئیں، لیکن آپ چچا کو قریبی قرار دے رہے ہیں اور ماموں کو بعید والا قرار دے رہے ہیں حالانکہ دونوں برابر ہیں۔ بھئی دونوں برابر نہیں ہیں، اس لیے کیونکہ نسب باپ کی طرف سے چلتا ہے، تو چنانچہ یہ چچا اور ماموں ان میں سے چچا کو قریبی قرار دیا گیا ہے، حکم اس پر قریب ہونے کا لگایا گیا ہے کیونکہ نسب کس کی طرف سے چلتا ہے؟ باپ کی طرف سے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے اگر ایک بچی ہے اور اس کے باقی رشتہ دار مر گئے صرف ایک ماموں ہے اور ایک چچا ہے، ماموں ہے اور چچا، تو شریعت چچا کو ولایتِ نکاح دیتی ہے، وہ نکاح کروا سکتا ہے اس بچی کا، ماموں نہیں کروا سکتا اس کو ولایتِ نکاح حاصل نہیں۔ معلوم ہوا شریعت کے اندر بھی قریبی کون ہے؟ چچا ہے۔ تو اس لیے جب امام صاحب کیا فرماتے ہیں جب قریب والا ہو تو دور والے کو نہیں دینا، تو قریب والے جب دو چچا ہیں تو ان دونوں کو وہ ثلث دے دو اس کو آدھا آدھا تقسیم کر لیں گے۔ اور صاحبین کیا فرماتے ہیں قریب کے ساتھ ساتھ بعید والے کو بھی دینا ہے، تو دو چچا ہیں اور دو ماموں ہیں، تو ثلث کے چار حصے کر دو اور ایک ایک ربع سب کو دے دو۔ فرق سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں: فَإِنْ كَانَ لَهُ عَمَّانِ وَخَالَانِ فَذَا لِعَمَّيْهِ، پس اگر اس شخص کے، وصیت کرنے والے کے دو چچا ہیں اور دو ماموں ہیں، فَذَا لِعَمَّيْهِ تو وہ ثلث جو ہے اس کے دو چچوں کے لیے ہو گا۔ هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ وَقَالَا يُقَسَّمُ بَيْنَهُمْ أَرْبَعًا، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ اس ثلث کو تقسیم کیا جائے گا ان کے درمیان چار حصے کر کے، لِعَدَمِ اعْتِبَارِ الْأَقْرَبِيَّةِ، اس لیے کیونکہ قریب ہونے کا کوئی اعتبار نہیں، صاحبین کے نزدیک قریب ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔

وَفِيْ عَمٍّ وَخَالَيْنِ نِصْفٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمَا، لِأَنَّ أَقَلَّ الْجَمْعِ إِذَا كَانَ اثْنَيْنِ فَلِلْوَاحِدِ النِّصْفُ، بَقِيَ النِّصْفُ

الْآخَرُ فَيَكُوْنُ لِلْخَالَيْنِ، وَعِنْدَهُمَا يُقَسَّمُ أَثْلَاثًا بَيْنَهُمْ.

اب مجھے آپ بتائیے بھئی، ایک آدمی نے وصیت کی کہ میرے قریبی رشتہ داروں کو یہ مال، کا ثلث دے دینا، اس کا انتقال ہوا ایک چچا ہے اور دو ماموں ہیں، ایک چچا ہے دو ماموں ہیں، اب مال کیسے تقسیم کریں گے؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ نصف چچا کو دے دو، کیونکہ اس نے جمع کا صیغہ بولا ہے تو کم از کم کتنے افراد ہونے چاہئیں؟ دو افراد۔ تو چچا تو ایک ہے، تو چچا کو پورا ثلث نہیں دیں گے، نصف چچا کو دے دیں گے، اور نصف پھر ماموؤں کو دیں گے، اور ماموں چونکہ دو ہیں تو وہ اس نصف کو آپس میں آدھا آدھا تقسیم کر لیں گے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

یہ معنیٰ ہے: وَفِيْ عَمٍّ وَخَالَيْنِ، اور ایک چچا اور دو ماموؤں کی صورت میں نِصْفٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمَا آدھا جو ہے وہ اس چچا اور ان ماموؤں کے درمیان ہو گا، آدھا کس کو مل جائے گا؟ چچا کو، اور آدھا ان ماموؤں کے درمیان تقسیم ہو گا۔ لِأَنَّ أَقَلَّ الْجَمْعِ إِذَا كَانَ اثْنَيْنِ، وجہ بیان کر رہے ہیں کہ چچا کو آدھا کیوں دیا؟ وجہ تو میں نے ذکر کر دی، کیا وجہ؟ چچا کو آدھا کیوں دیا؟ کیونکہ میراث اور وصیت کے مسئلے میں اقلِ جمع کتنا ہے؟ دو۔ تو جب اس نے جمع کا صیغہ بولا معلوم ہوا کم از کم کتنے افراد کو دینا ہے؟ دو کو۔ جب اقل دو ہیں تو ایک کو کتنا ملنا چاہیے؟ نصف، تو نصف اس کو دے دیا، بات سمجھ میں آگئی؟ لِأَنَّ أَقَلَّ الْجَمْعِ إِذَا كَانَ اثْنَيْنِ، اس لیے کیونکہ اقلِ جمع جب وہ دو ہو فَلِلْوَاحِدِ النِّصْفُ تو ایک کے لیے نصف بنے گا، تو بَقِيَ النِّصْفُ الْآخَرُ تو دوسرا نصف بچ گیا فَيَكُوْنُ لِلْخَالَيْنِ تو وہ دو ماموؤں کے لیے ہو جائے گا۔ وَعِنْدَهُمَا يُقَسَّمُ أَثْلَاثًا بَيْنَهُمْ، اور صاحبین کے نزدیک وہ جو ثلث ہے اس کے تین حصے کر کے تقسیم کیا جائے گا، تین حصے کر دیں گے چچا اور دو ماموں، سب کو ایک ایک ثلث دے دیں گے، یہ صاحبین کے نزدیک۔

وَفِيْ عَمٍّ لَّهُ النِّصْفُ، أَيْ أَوْصٰى لِلْأَقَارِبِ وَلَهُ عَمٌّ وَّاحِدٌ فَلَهُ النِّصْفُ لِمَا ذَكَرْنَا آنِفًا.

دوسری صورت: ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس نے یہی وصیت کی کہ میرے رشتہ داروں کو یہ مال دے دینا اور اس کا صرف ایک چچا ہے، تو کہتے ہیں ایک چچا کو نصف ہی دیں گے پورا ثلث نہیں دیں گے، کیونکہ اس نے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے اور جمع کا اطلاق یہاں کم از کم کتنے پر ہو گا؟ دو پر، جب دو ہوں گے جمع تو ایک کو نصف ہی مل سکتا ہے۔ وَفِيْ عَمٍّ، اور ایک چچا کے اندر لَهُ النِّصْفُ اس کے لیے نصف ہو گا، أَيْ أَوْصٰى لِلْأَقَارِبِ ایک شخص نے وصیت کی اپنے قریبی رشتہ داروں کے لیے وَلَهُ عَمٌّ وَّاحِدٌ اور اس کا ایک ہی چچا تھا، فَلَهُ النِّصْفُ تو چچا کے لیے نصف ہو گا، لِمَا ذَكَرْنَا آنِفًا وہ جو ہم نے ذکر کیا ابھی، آنِفًا کا کیا معنیٰ؟ ابھی۔

بھئی یاد رکھو، ابھی کا لفظ ہم استعمال کرتے ہیں اردو میں، عربی میں ابھی کے لیے ایک لفظ ہے الْآنَ، الْآنَ، الْآنَ، اور ایک لفظ ہے آنِفًا، اس کا معنیٰ بھی ابھی اور الْآنَ کا معنیٰ بھی ابھی، لیکن دونوں میں عربی میں فرق ہے: الْآنَ کا معنیٰ ہے جو

حال فی الحال یعنی فی الحال، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اور آنِفًا کا معنیٰ ہے ابھی جو ماضی میں تھا، ماضی کی طرف نسبت ہوتی ہے۔ مثلاً زید کسی کی پٹائی کر رہا ہے، تو آپ سے میں نے پوچھا زید کیا کر رہا ہے؟ آپ کہتے ہیں زید ابھی پٹائی کر رہا ہے، یہ ابھی کون سا والا ہے؟ حال والا یا ماضی والا؟ حال والا، تو یہاں میں کہوں گا: اَلْآنَ زَيْدٌ يَضْرِبُ، اَلْآنَ زَيْدٌ يَضْرِبُ، تو یہاں اَلْآنَ استعمال کروں گا۔ اور وہ جو ابھی جو ماضی والا ہو وہاں آنِفًا بولتے ہیں، مثلاً میں کہتا ہوں زید نے ابھی پٹائی کی، کیا معنیٰ؟ کر رہا ہے یا کر لی؟ کر لی، تو یہ ماضی والا ہوا، تو اب میں کہوں گا: ضَرَبَ زَيْدٌ آنِفًا، زید نے ابھی پٹائی کی۔ فرق سمجھ میں آگیا؟ تو یہاں آنِفًا آیا۔ تو لَهُ النِّصْفُ اس چچا کے لیے آدھا حصہ ہوگا، لِمَا ذَكَرْنَا آنِفًا اس وجہ سے جو ہم نے ابھی ذکر کیا۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

وَالْعَمُّ وَالْعَمَّةُ سَوَاءٌ فِيْهَا.

کہتے ہیں چچا اور پھوپھی برابر ہیں اس کے اندر۔ ایک شخص نے وصیت کی میرے رشتہ داروں کو یہ مال دے دینا اور اس کا ایک چچا ہے اور ایک پھوپھی ہے، تو کہتے ہیں چچا اور پھوپھی برابر ہیں دونوں کو آدھا آدھا حصہ دے دیں گے۔ یہ معنیٰ ہے: وَالْعَمُّ وَالْعَمَّةُ سَوَاءٌ فِيْهَا، چچا اور پھوپھی برابر ہیں اس کے اندر، کیونکہ دونوں رشتے میں قریبی ہیں دونوں، بھائی بہن ہیں نا؟ تو جتنا رشتہ قریبی چچا سے ہے اتنا قریبی رشتہ پھوپھی سے بھی ہے۔

وَفِيْ وَلَدِ زَيْدٍ الذَّكَرُ وَالْأُنْثٰى سَوَاءٌ، وَفِيْ وَرَثَتِهِ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَيَيْنِ، لِأَنَّهُ اعْتَبَرَ الْوِرَاثَةَ وَحُكْمُ الْإِرْثِ هٰذَا.

میں نے ابھی آپ کو بتلایا تھا کہ وَلَد کا لفظ مذکر اور مؤنث دونوں کو شامل ہوتا ہے۔ ایک شخص نے وصیت کی کہ میرا یہ مال کا ثلث وَلَدِ زَيْدٍ کو دے دینا، اردو میں وَلَد کا ترجمہ ہوگا اولاد سے، یعنی اولادِ زید کو میرا یہ مال دے دینا، تو اس صورت میں اس کے بیٹے اور بیٹیوں سب کو ملے گا اور برابر برابر تقسیم کریں گے۔ کہتے ہیں: وَفِيْ وَلَدِ زَيْدٍ، اور زید کی اولاد کے لیے وصیت کی صورت میں الذَّكَرُ وَالْأُنْثٰى سَوَاءٌ مذکر اور مؤنث برابر ہیں، وَفِيْ وَرَثَتِهِ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَيَيْنِ۔

صورت یہ: ایک شخص نے کہا کہ میرا یہ مال، پہلے کیا کہا تھا؟ زید کی اولاد کو دے دینا، اور اولاد جیسے بیٹا اس کی اولاد اسی طرح بیٹی بھی اولاد، تو دونوں کو برابر برابر دیں گے، ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے تو ثلث کا آدھا بیٹے کو دے دیں گے اور آدھا بیٹی کو۔ لیکن اس کے بجائے اگر اس نے یہ کہا کہ میرا یہ مال کا ثلث زید کے وارثوں کو دے دینا، کس کو دے دینا؟ زید کے وارثوں کو۔ اب زید کے صرف ایک بیٹا اور بیٹی ہیں اور کوئی بھی وارث نہیں ہے، تو پھر بیٹے کو بیٹی سے دگنا دیں گے، بیٹے کو بیٹی سے دگنا۔ بھئی کیوں؟ دگنا کیوں دیں گے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس نے وارث کا لفظ استعمال کیا، تو معلوم ہوا وہ اس طریقے پر حصہ دینا چاہتا ہے جیسے وارثوں کو ملتا ہے، اور وراثت کے اندر بھائی بہن کے ساتھ اکٹھا ہو تو بھائی کو بہن سے دگنا ملتا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس لیے بھائی کو بہن سے دگنا ملے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آیا کہ نہیں آیا؟ نہیں آیا؟ پھر

سنو: پہلے مسئلے میں اس نے کہا تھا کہ میرے مال کا ثلث زید کی اولاد کو دے دینا، وَلَد کا لفظ بولا ہے، اور وَلَد کا اطلاق مذکر اور مؤنث پر ہوتا ہے تو دونوں شامل ہوئے، اور دونوں کو برابر برابر حصہ دیں گے کیونکہ ایک کو زیادہ ایک کو کم دینے کی کوئی اس نے تصریح نہیں کی۔ لیکن یہاں اس نے کہا کہ میرے مرنے کے بعد میرے مال کا ثلث زید کے وارثوں کو دے دینا، کس کو دے دینا؟ زید کے وارثوں کو دے دینا، تو اس نے وارث کا لفظ ذکر کیا، اور وارثوں کو مال کیسے تقسیم کرتے ہیں؟ بھائی کو بہن سے دگنا دیتے ہیں، تو اس لیے یہاں بھی اب وہ ثلث جو ہے بھائی کو بہن کے مقابلے میں دگنا ملے گا۔ جی، تو کہتے ہیں: وَفِيْ وَلَدِ زَيْدٍ الذَّكَرُ وَالْأُنْثٰى سَوَاءٌ، اور زید کی اولاد کی صورت میں مذکر اور مؤنث برابر ہوں گے، وَفِيْ وَرَثَتِهِ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَيَيْنِ، اور زید کے وارثوں کے لیے وصیت کی صورت میں الذَّكَرُ كَالْأُنْثَيَيْنِ ایک مذکر جو ہے وہ دو مؤنث کے برابر ہو گا یعنی اس کو دگنا ملے گا، لِأَنَّهُ اعْتَبَرَ الْوِرَاثَةَ اس لیے کیونکہ وصیت کرنے والے نے وراثت کا اعتبار کیا، اس نے وراثت کا لفظ بولا ہے نا؟ تو اس نے وراثت کا اعتبار کیا، وَحُكْمُ الْإِرْثِ هٰذَا اور وراثت کا حکم تو یہی ہے کہ مذکر کو دو مؤنث کے برابر حصہ ملتا ہے۔

وَفِيْ أَيْتَامِ بَنِيْهِ وَعُمْيَانِهِمْ وَزَمْنَاهُمْ وَأَرَامِلِهِمْ دَخَلَ فَقِيْرُهُمْ وَغَنِيُّهُمْ وَذَكَرُهُمْ وَإِنَاثُهُمْ إِنْ أُحْصُوْا، وَإِلَّا فَلِلْفُقَرَاءِ مِنْهُمْ.

صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے وصیت کی کہ میرا یہ جو مال ہے اس کا ثلث بنو زید کے یتیموں کو دے دینا، بنو زید کے یتیموں کو۔ بنو زید یعنی زید کی جو اولاد ہے، کوئی قبیلہ ہے کوئی خاندان ہے، دادا کی طرف منسوب ہیں، زید کوئی ان کا دادا پہلے گزرا تھا، تو اس نے کیا کہا بنو زید جو ہے یعنی فلاں جو قبیلہ ہے اس کے یتیموں کو دے دینا۔ یا وہ وصیت کرتا ہے کہتا ہے کہ بنو زید کے جو اندھے ہیں ان کو یہ میرا مال دے دینا۔ یا وہ کہتا ہے کہ بنو زید کے جو اپاہج ہیں ان کو یہ مال دے دینا۔ یا کہتا ہے بنو زید کی جو بیوائیں ہیں، جو بیوہ عورتیں ہیں ان کو دے دینا۔ تو اس صورت میں کن کو ملے گا؟ کیا بنو زید کے یتیم، بنو زید کے یتیم دو قسم کے ہیں: کچھ مالدار ہیں اور کچھ غریب ہیں، تو کیا صرف غریبوں کو دیں گے یا مالداروں کو بھی؟ کہتے ہیں بھئی اس نے کیا کہا تھا؟ بنو زید کے یتیموں کو دینا، اس نے کوئی غریب اور امیر کا فرق کیا؟ نہیں، لہٰذا فقیر و غنی سب یتیم اس میں آجائیں گے۔ اسی طرح اگر وہ جو اندھے ہیں بنو زید کے، اس نے کہا بنو زید کے اندھوں کو دے دینا اور اندھے دو طرح کے ہیں وہاں، کچھ غریب ہیں اور کچھ امیر ہیں، تو کیا صرف غریب کو دیں گے؟ کہتے ہیں نہیں، اس نے کوئی امیر غریب کی قید نہیں لگائی، اس نے تو کیا کہا تھا؟ اندھوں کو دینا، تو بنو زید کے سب اندھوں کو دے دیں گے چاہے غریب ہو چاہے امیر، ان میں برابر تقسیم کریں گے۔ اور اگر اس نے کہا تھا بنو زید کے جو اپاہج ہیں ان کو دینا اور اپاہج دو قسم کے ہیں کچھ غریب ہیں اور کچھ امیر ہیں، تو کہتے ہیں سب کو دیں گے۔ اسی طرح اگر اس نے کہا کہ بنو زید کی بیواؤں کو دینا اور بیوائیں دو قسم کی ہیں کچھ غریب ہیں کچھ امیر ہیں، تو کہتے ہیں سب کو دیں گے کیونکہ اس نے کوئی تخصیص نہیں کی۔

یہ وہ صورت ہے کہ جب یہ لوگ تھوڑے ہوں جن کو ہم شمار کر سکیں، یہ جو یتیم ہیں یا یہ جو اپاہج ہیں یا جو اندھے ہیں، یہ تھوڑے سے ہیں، یہ کیا ہیں؟ دو چار ہیں، دس ہیں، پندرہ ہیں، بیس ہیں، چالیس ہیں، تھوڑے سے ہیں، تو پھر اس صورت میں غریب اور امیر کا فرق نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر یہ بہت زیادہ ہیں، مطلب سو یا سو سے بھی اوپر چلے گئے ہیں اتنے زیادہ ہو گئے ہیں، تو پھر اس صورت میں معلوم ہوا وہ سب کو نہیں دینا چاہتا وہ صرف جو غریب غرباء ہیں ان کو دینا چاہتا ہے، تو جو ان میں سے غریب ہوں گے ان کو دیں گے۔ مثلاً اس نے کیا کہا تھا کہ بنو زید کے یتیموں کو دینا، تو ان یتیموں میں سے جو غریب غریب ہیں جو فقیر ہیں ان کو دیں گے جو امیر یتیم ہیں ان کو نہیں دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَفِيْ أَيْتَامِ بَنِيْهِ، أَيْتَام جمع ہے يَتِيْم کی۔ آگے آرہا ہے عُمْيَان، عُمْيَان جمع ہے أَعْمٰى کی، أَعْمٰى کی ایک جمع آتی ہے عُمْيٌ، عُمْيٌ، اور ایک جمع کیا آتی ہے عُمْيَانٌ، تو عُمْيَان ہے بھئی یہ اندھے۔ وَزَمْنَاهُمْ، زَمْنٰى یہ جمع ہے زَمِن کی، زَمِن کہتے ہیں اپاہج کو اور جمع آتی ہے زَمْنٰى۔ وَأَرَامِلِهِمْ، أَرَامِل جمع ہے أَرْمَل کی، أَرْمَل بیوہ کو کہتے ہیں، اسی طرح وہ شخص جس کی بیوی فوت ہو جائے اس کو بھی أَرْمَل کہتے ہیں بھئی، أَرْمَل۔ تو کہتے ہیں: وَفِيْ أَيْتَامِ بَنِيْهِ وَعُمْيَانِهِمْ وَزَمْنَاهُمْ وَأَرَامِلِهِمْ، اور کسی کے بَنِيْهِ یعنی کسی مطلب خاندان ہے بنو زید ہے، مثلاً بنو زید کے یتیموں کی...

لیے، اور اس کے اندھوں کے لیے، اور ان کے اپاہجوں کے لیے، اور ان کے ارامل کے لیے وصیت کرنے کی صورت میں دَخَلَ فَقِيْرُهُمْ وَغَنِيُّهُمْ، داخل ہوں گے اس میں ان کے فقیر بھی یعنی غریب بھی، وَغَنِيُّهُمْ اور مالدار بھی، وَذَكَرُهُمْ وَإِنَاثُهُمْ، اور ان کے مذکر بھی اور مؤنث بھی، سب داخل ہو جائیں گے، إِنْ أُحْصُوْا، اگر ان کو شمار کیا جا سکے، اگر یہ تھوڑے ہوں۔ وَإِلَّا، اور اگر ایسا نہ ہو، فَلِلْفُقَرَاءِ مِنْهُمْ، تو پھر جو ان میں سے فقراء اور محتاج ہوں گے صرف ان کو دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

صورت خودبیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: أَوْصٰى لِأَيْتَامِ بَنِيْ زَيْدٍ، ایک شخص نے وصیت کی بنو زید کے یتیموں کے لیے، أَوْ عُمْيَانِهِمْ، یا ان کے اندھوں کے لیے، إِلٰى آخِرِهِ، آخر تک۔ فَإِنْ كَانُوْا قَوْمًا يُّحْصَوْنَ، اگر وہ ایسے لوگ ہیں يُحْصَوْنَ جو شمار کیے جا سکتے ہیں، أَحْصٰى يُحْصِيْ کا معنی ہے شمار کرنا، شمار کرنا۔ فَإِنْ كَانُوْا قَوْمًا يُّحْصَوْنَ، اگر وہ ایسے لوگ تھے جو شمار کیے جا سکتے ہیں، تو دَخَلَ الْفَقِيْرُ وَالْغَنِيُّ، تو فقیر اور غنی یعنی غریب اور مالدار دونوں داخل ہو جائیں گے وصیت میں، فَإِنَّهُ يَكُوْنُ تَمْلِيْكًا لَّهُمْ، تو یہ جو وصیت ہے یہ ان کو مالک بنانا ہے۔ معلوم ہوا وہ صدقے کا ارادہ نہیں ہے، ویسے وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ ان سب کو مالک بنانا چاہتا ہے، غریب اور امیر سب داخل ہو جائیں گے، تو یہ وصیت کیا ہوئی؟ ان کو مالک بنانا ہے۔ تو فَإِنَّهُ يَكُوْنُ تَمْلِيْكًا لَّهُمْ، تو یہ جو وصیت ہے یہ ان کو مالک بنانا ہو گا۔

وَإِنْ كَانُوْا قَوْمًا لَّا يُحْصَوْنَ، اور اگر وہ ایسے لوگ ہوئے کہ جو شمار نہیں ہو سکتے یعنی زیادہ ہیں، لَا يَكُوْنُ تَمْلِيْكًا لَّهُمْ، تو یہ ان کو مالک بنانا نہیں ہے، کیونکہ بہت زیادہ لوگ ہیں، تو بَلْ يُرَادُ بِهِ الْقُرْبَةُ، تو پھر اس کے ذریعے مراد قربت ہو گی، یعنی

ثواب کے لیے ہو گا یہ۔ وَهِيَ فِيْ دَفْعِ الْحَاجَةِ، اور قربت کس میں ہوتی ہے؟ کہ کسی کی حاجت پوری کی جائے، حاجت دور کی جائے، تو فَيُصْرَفُ إِلَى الْفُقَرَاءِ مِنْهُمْ، تو اس وصیت کو پھیرا جائے گا ان کے فقراء کی طرف یعنی محتاجوں کی طرف، أَيْ فُقَرَاءِ أَيْتَامِ بَنِيْ زَيْدٍ، یعنی بنو زید کے یتیموں کے جو فقراء ہیں ان کی طرف پھیرا جائے گا، أَوْ فُقَرَاءِ عُمْيَانِهِمْ، اور یا ان کے اندھوں کے جو فقراء ہیں ان کی طرف پھیرا جائے گا، وَكَذَا فِي الْبَاقِيْ، اور اسی طرح باقی میں بھی ہے۔

اب کس کو ہم قلیل سمجھیں اور کس کو کثیر سمجھیں؟ قلیل ہیں تو پھر امیر غریب سب داخل، اور کثیر ہیں تو صرف فقراء داخل۔ کہتے ہیں اس کو عرف کے سپرد ہے، اس کی کوئی خاص تعداد معین نہیں۔ البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک سو، اگر سو سے تجاوز کر جائیں تو یہ بہت زیادہ ہیں، لہٰذا اب صرف کس کو دو؟ فقراء کو دو۔

وَفِيْ بَنِيْ فُلَانٍ الْأُنْثٰى مِنْهُمْ، ایک شخص نے وصیت کی کہ بنو زید کو یہ مال دے دینا۔ بنو زید، یہ اصل میں تھا بَنُوْنَ زَيْدٍ، یہ اِبْنٌ کی جمع ہے۔ کس کی جمع ہے؟ اِبْنٌ کی، اور اِبْنٌ جیسے مُسْلِمٌ، مُسْلِمُوْنَ واؤ نون کے ساتھ، تو اِبْنٌ کی جمع کیا؟ بَنُوْنَ، با، نون، واؤ، نون آخر میں آگیا، بَنُوْنَ۔ تو یہ بَنُوْ زَيْدٍ کہا اس نے، تو نون اضافت سے گر گیا تو کیا بن گیا؟ بَنُوْ زَيْدٍ، اور ترجمہ کیا بنا؟ زید کے بیٹے۔ تو لفظی ترجمہ تو یہ بن رہا ہے: بنو زید، زید کے بیٹے۔ تو کیا اس میں مؤنث بھی داخل ہوں گی یا نہیں؟ کہتے ہیں بھئی بنو زید جب قبیلے میں نسبت کی جاتی ہے تو وہاں مذکر کا لفظ بولا جاتا ہے، لیکن مراد سب ہوتے ہیں، چاہے عورتیں ہوں، چاہے مرد ہوں۔ کہتے نہیں: یہ عورت بنو تمیم میں سے ہے، کیا معنی؟ حالانکہ یہ تو عورت ہے، یہ تو بیٹا ہے ہی نہیں، لیکن پھر بھی عورتیں تابع ہو کر اس میں داخل ہو جائیں گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: وَفِيْ بَنِيْ فُلَانٍ، اور بنی فلاں کی وصیت کے اندر الْأُنْثٰى مِنْهُمْ، مؤنث بھی انہی میں سے ہو گی یعنی وہ بھی تابع ہو کر داخل ہو گی، اور اس کو بھی وصیت میں سے حصہ ملے گا۔

وَبَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ لِمَوَالِيْهِ فِيْمَنْ لَّهُ مُعْتِقُوْنَ وَمُعْتَقُوْنَ، صورتِ مسئلہ یہ ہے: ایک شخص جو ہے اس نے وصیت کی اپنے موالی کے لیے۔ مَوَالِيْ جمع ہے مَوْلٰی کی، کس کی؟ مَوْلٰی کی۔ اور یاد رکھو مَوْلٰی کا لفظ مُعْتِق پر بھی بولا جاتا ہے، جو آزاد کرنے والا ہے، زید نے اپنا غلام آزاد کیا تو زید کو مَوْلٰی کہیں گے کہ یہ اس غلام کا مَوْلٰی ہے، اور مُعْتَق کو بھی مَوْلٰی کہتے ہیں، جس کو آزاد کر دیا گیا، وہ بھی کیا کہلاتا ہے؟ مَوْلٰی۔ تو مُعْتِق بھی مَوْلٰی اور مُعْتَق بھی مَوْلٰی۔ اب اس شخص نے کیا کہا؟ کہ میرے مرنے کے بعد میرے مال کا ثلث میرے موالی کو دے دینا، یعنی جو میرے مَوْلٰی ہیں ان کو دے دینا۔ اور اس کے مُعْتِق بھی ہیں اس شخص کے اور کچھ مُعْتَق بھی ہیں۔ اس شخص کو بھی کسی نے آزاد کیا تھا تو وہ اس کا مولائے اعتاق ہے، وہ کیا ہے اس کا مولائے اعتاق، اس کو کسی نے آزاد کیا، اور اس نے بھی پھر آگے کئی غلاموں کو خرید کر آزاد کیا ہے تو وہ غلام بھی اس کے مَوْلٰی ہیں۔ تو اب کس کو دیں؟ اس نے تو کہا ہے یہ مال، یہ میرے مال کا ثلث کس کو دینا؟ میرے موالی کو دینا، تو کس کو دیں گے یہ مال؟ تو کہتے ہیں اب یہاں ترجیح کی کوئی صورت نہیں، لہٰذا یہ وصیت جو ہے یہ باطل ہو جائے

گی۔

کیونکہ کسی ایک کو بھی نہیں دے سکتے کیونکہ کوئی ترجیح کی وجہ نہیں، اور دونوں کو بھی نہیں دے سکتے کیونکہ دونوں کو دیں گے یہ تو آپ عمومِ مشترک پر عمل کر رہے ہیں، ایک ہی لفظ کے دو معنی ہوں اور آپ ایک ہی وقت میں دونوں معنی مراد لے لیں، یہ نہیں کر سکتے۔ یا مُعْتِق مراد لے سکتے ہیں، یا مُعْتَق مراد لے سکتے ہیں، دونوں نہیں مراد لے سکتے۔ اور ایک کو تو ترجیح دینے کی کوئی صورت نہیں، اور دونوں بھی مراد نہیں لے سکتے، تو پھر یہ وصیت کیا ہو جائے گی؟ باطل ہو جائے گی۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَبَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ لِمَوَالِيْهِ، اور باطل ہو جائے گی وصیت اپنے موالی کے لیے، فِيْمَنْ لَّهُ مُعْتِقُوْنَ وَمُعْتَقُوْنَ، اس شخص میں کہ جس کے مُعْتِق بھی ہیں اور مُعْتَق بھی ہیں۔ لِأَنَّ اللَّفْظَ مُشْتَرَكٌ، اس لیے کیونکہ یہ مَوْلٰی کا لفظ مشترک ہے، وَلَا عُمُوْمَ لَهُ، اور مشترک میں عموم نہیں ہوتا۔ مشترک لفظ جس کے ایک سے زیادہ معانی آجائیں، جیسے مُشْتَرِيْ کا ایک معنی خریدار بھی اور مُشْتَرِيْ کا ایک معنی آسمان کا ایک سیارہ بھی ہے، تو اب لفظِ مُشْتَرِيْ بولیں اور آپ دونوں معنی مراد لے لیں تو اس کو کہتے ہیں عمومِ مشترک، اور عمومِ مشترک تو جائز نہیں ہے، ایک وقت میں ایک معنی مراد لے سکتے ہیں، دونوں معنی مراد نہیں لے سکتے۔ تو کہتے ہیں: لِأَنَّ اللَّفْظَ مُشْتَرَكٌ، اس لیے کیونکہ مَوْلٰی کا لفظ جو ہے وہ مشترک ہے، وَلَا عُمُوْمَ لَهُ، اور مشترک میں تو عموم نہیں ہوتا، یعنی دونوں معنی مراد نہیں لیے جا سکتے، وَلَا قَرِيْنَةَ تَدُلُّ عَلٰى أَحَدِهِمَا، اور کوئی ایسا قرینہ بھی نہیں ہے جو دلالت کر رہا ہو کسی ایک معنی پر کہ کون سا معنی مراد ہے، کوئی ایسا قرینہ نہیں۔

قرینہ کسے کہتے ہیں؟ قرینہ جو مطلوب کی طرف اشارہ کر دے، کس کی طرف؟ مطلوب کی طرف۔ مطلوب کی طرف اشارہ کر دے، یعنی جس سے پتہ چل جائے کہ اس آدمی کا کیا ارادہ ہے، مُعْتِق کا ارادہ ہے یا مُعْتَق کا ارادہ ہے، لیکن یہاں کوئی ایسا قرینہ نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں: وَلَا قَرِيْنَةَ تَدُلُّ عَلٰى أَحَدِهِمَا، اور کوئی ایسا قرینہ بھی نہیں ہے جو ان دونوں میں سے کسی ایک پر دلالت کر رہا ہو۔ وَفِيْ بَعْضِ كُتُبِ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ، اور امام شافعی رحمہ اللہ کی بعض کتابوں میں ہے کہ أَنَّ الْوَصِيَّةَ لِلْكُلِّ، کہ یہ وصیت سب کے لیے ہو جائے گی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک، ان کے نزدیک عمومِ مشترک جائز ہے، دونوں معنی مراد لے سکتے ہیں ایک ہی وقت میں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں اس وصیت میں مُعْتِق اور مُعْتَق دونوں داخل ہو جائیں گے۔

تو قرینہ کسے کہتے ہیں، سمجھ میں آگیا؟ قرینہ: اَلْقَرِيْنَةُ هِيَ أَمْرٌ يُّشِيْرُ إِلَى الْمَطْلُوْبِ، تعریف لکھنا چاہیں تو لکھ لیں، یہ آپ کو کام آئے گی، قرینہ وہ چیز ہے جو مطلوب اور مقصود کی طرف اشارہ کر دے۔ اور یہاں کوئی قرینہ نہیں جس سے پتہ چلے کہ اس کا ارادہ مُعْتِق ہے یا مُعْتَق ہے بھئی۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ٦٧: باب الوصیۃ بالسکنیٰ والخدمۃ: خدمتِ عبد، سکنائے دار اور غلہ و ثمرہ کی وصیت اور وصیتِ حج کے احکام

شرح الوقایہ صفحہ: ١٦٥ — بتاریخ: ١٠ مارچ ٢٠٢٠ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی کتاب پر:

بَابُ الْوَصِيَّةِ بِالسُّكْنٰى وَالْخِدْمَةِ. تَصِحُّ الْوَصِيَّةُ بِخِدْمَةِ عَبْدِهٖ وَسُكْنٰى دَارِهٖ مُدَّةً مُّعَيَّنَةً وَّاَبَدًا وَّبِغَلَّتِهِمَا، فَاِنْ خَرَجَتِ الرَّقَبَةُ مِنَ الثُّلُثِ سُلِّمَتْ اِلَيْهِ لَهَا، اَيْ اِلَى الْمُوْصٰى لَهٗ لِاَجْلِ الْوَصِيَّةِ، وَاِلَّا قُسِّمَتِ الدَّارُ اَثْلَاثًا وَّيُهَايَأُ الْعَبْدُ.

بَابُ الْوَصِيَّةِ بِالسُّكْنٰى وَالْخِدْمَةِ. وصیت کے مسائل ذکر ہو رہے ہیں بھئی۔ اگلا باب ہے بَابُ الْوَصِيَّةِ بِالسُّكْنٰى وَالْخِدْمَةِ. سکنیٰ کہتے ہیں رہائش کو بھئی، رہائش، کوئی شخص کسی گھر میں رہتا ہے۔ اور خدمت، یعنی کوئی غلام یا باندی کسی کو خدمت کے لیے دیتا ہے، اس کی وصیت کرتا ہے۔

بھئی ابھی تک جو آپ نے وصیتیں پڑھیں اس میں موصی لہ کو مالک بنایا جاتا تھا۔ کوئی شخص مرنے لگا اور اس نے کہا میرے مرنے کے بعد میرے مال کا تیسرا حصہ زید کو دے دینا۔ تو دیکھو اس کے اندر تیسرے حصے کا مالک بنا دیا ہے زید کو یعنی موصی لہ کو۔ لیکن اب اس باب میں ذکر ہوگا کہ مالک نہیں بنائے گا بلکہ منافع کا مالک بنائے گا۔ عین کا مالک نہیں بنائے گا، اس چیز کا مالک نہیں بنائے گا بلکہ اس چیز کے منافع کا مالک بنائے گا۔ جیسے گھر ہوتا ہے، ایک گھر کی ملکیت ہے اور ایک گھر کے منافع ہیں۔ گھر کا کیا نفع ہے، کیا فائدہ ہے؟ کہ اس میں رہائش رکھی جاتی ہے، رہائش رکھی جاتی ہے۔ اور اسی طرح غلام یا باندی ہے، ان سے خدمت لی جاتی ہے۔ تو یہاں پر کوئی شخص اگر کسی کے لیے کسی گھر کی رہائش کی وصیت کرے، یا اپنے کسی غلام کی خدمت کی وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد میرا یہ غلام جو ہے وہ ایک سال تک بکر کی خدمت کرتا رہے یا تمام زندگی بکر کی خدمت کرتا رہے، یا یہ جو میرا مکان ہے میرے مرنے کے بعد یہ رہائش کے لیے زید کو دے دیا جائے، وہ تین سال تک اس میں رہائش رکھ سکتا ہے، یا یوں کہے کہ تمام زندگی اس کو رہائش کے لیے یہ گھر دے دیا جائے، تو کس چیز کی وصیت ہوئی یہ؟ ملکیت کی وصیت نہیں ہے بلکہ منافع کی وصیت ہے۔

اور منافع، منافع کا تو دوسرے کو مالک بنانا جائز ہے بدل کے ساتھ بھی اور بغیر بدل کے بھی۔ بھئی کوئی شخص ہے وہ اپنی گاڑی کرایہ پر دیتا ہے، دیکھو کرایہ پر دے سکتا ہے یا نہیں دے سکتا؟ کرایہ پر دے سکتا ہے۔ تو دیکھو اس نے گاڑی کا مالک دوسرے کو نہیں بنایا بلکہ گاڑی کے منافع اس کو دیے ہیں اور بدلے میں عوض لیا ہے۔ منافع کا مالک کسی دوسرے کو بنانا کسی بدل کے بدلے میں یہ بھی درست ہے اور بغیر بدل کے کسی کو منافع کا مالک بنانا یہ بھی صحیح ہے۔ مثلاً آپ اپنے ساتھی کو گاڑی دے دیتے ہیں ویسے ہی استعمال کے لیے دو تین دن یا چار دن کے لیے، تو آپ نے گویا چار دن تک گاڑی کے منافع کا مالک اس کو بنا دیا اور کوئی عوض بھی نہیں لیا۔ تو جب ویسے عام زندگی کے اندر منافع کا مالک بنانا جائز ہے دوسرے کو بدل کے ساتھ بھی اور بغیر بدل کے بھی، تو اسی طرح وصیت کے ذریعے بھی کسی کو منافع کا مالک بنانا جائز ہے، چاہے کوئی معلوم اور متعین مدت ہو، چاہے ہمیشہ کے لیے ہو۔ جب معلوم اور متعین مدت ہو تو اتنی مدت کے لیے وہ منافع وہ اس کے ہو جائیں گے۔ اور اگر ہمیشہ کی وصیت کرتا ہے تو پھر جب تک وہ شخص زندہ ہے وہ منافع حاصل کرے گا اس چیز کے، اور جب اس کا انتقال ہو جائے گا تو پھر وہ چیز واپس وارثوں کے پاس آجائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے اب کتاب پر: بَابُ الْوَصِيَّةِ بِالسُّكْنٰى وَالْخِدْمَةِ، یہ باب ہے رہائش اور خدمت کی وصیت کے بارے میں۔ تَصِحُّ الْوَصِيَّةُ بِخِدْمَةِ عَبْدِهٖ وَسُكْنٰى دَارِهٖ، صحیح ہے وصیت کرنا اپنے غلام کی خدمت کی اور اپنے گھر کی رہائش کی، مُدَّةً مُّعَيَّنَةً کسی معین مدت کے لیے، وَاَبَدًا اور ہمیشہ کے لیے۔ معین مدت کے لیے بھی منافع کا مالک بنا سکتا ہے کہ ایک سال یا دو سال یا تین سال مدت متعین کر دے، اور ہمیشہ کے لیے بھی مالک بنا سکتا ہے منافع کا۔ اور ہمیشہ کے لیے جب مالک بنائے گا تو وہ کب تک مالک رہے گا؟ جب تک موصی لہ زندہ ہے۔ جب موصی لہ مر جائے گا تو پھر یہ چیز واپس وارثوں کو مل جائے گی۔

تو صحیح ہے وصیت کرنا اپنے غلام کی خدمت کی، وَسُكْنٰى دَارِهٖ اور اپنے گھر کی رہائش کی، مُدَّةً مُّعَيَّنَةً معین مدت کے لیے، وَاَبَدًا اور ہمیشہ کے لیے، وَبِغَلَّتِهِمَا اور ان دونوں کی آمدنی کی۔ ان دونوں کی آمدنی کی وصیت کرنا بھی صحیح ہے۔ میں نے بتلایا تھا بھئی غلہ کا لفظ پہلے بھی آیا تھا۔ غلہ زمین سے جو پیداوار حاصل ہو یا زمین کی جو آمدنی ہو، اسی طرح زمین کوئی کرائے پر دی ہے اس سے جو آمدنی حاصل ہوئی، یا اسی طرح غلام وغیرہ ہے، وہ کاریگر ہیں کوئی کام وغیرہ کرتے ہیں، تو ان سب کو غلہ کہتے ہیں۔ زمین کی آمدنی ہو یا مکان کا کرایہ ہو یا غلام کی جو کمائی ہو یا باندی کی جو کمائی ہو، تو یہ سب کیا کہلاتے ہیں؟ غَلَّةٌ۔ تو ان دونوں کی جو کمائی ہے اس کا مالک بھی کسی کو بنانا صحیح ہے۔ مثلاً ایک شخص وصیت کرتا ہے کہ میرا وہ جو فلاں مکان ہے جو میں نے کرایہ پر دیا ہوا ہے، میرے مرنے کے بعد پانچ سال تک اس کا کرایہ زید کو دینا۔ تو دیکھو اس نے پانچ سال تک مکان کی جو آمدنی ہے، مکان کا جو غلہ ہے اس کا مالک زید کو بنا دیا۔ یا اسی طرح غلام کاریگر ہے بھئی، وہ کوئی کام جانتا ہے، کمائی کرتا ہے، تو کسی کو مالک بنا دیا کہ پانچ سال تک میرا یہ غلام جتنی کمائی کرے وہ زید کو دے دینا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو آمدنی کا مالک بنانا بھی صحیح ہے۔ یہ معنی ہے وَبِغَلَّتِهِمَا، اور یہ مکان اور غلام کی کمائی جو ہے یا اس کی آمدنی جو

ہے اس کی وصیت بھی صحیح ہے۔

فَاِنْ خَرَجَتِ الرَّقَبَةُ مِنَ الثُّلُثِ سُلِّمَتْ اِلَيْهِ لَهَا۔ صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے غلام کی خدمت کی وصیت کی، اور یا گھر کی رہائش کی وصیت کی، تو فوراً ہی غلام اٹھا کر اس کو نہیں دے دیں گے خدمت کے لیے، بلکہ دیکھیں گے کہ یہ غلام ثلث میں سے نکلتا ہے یا نہیں۔ اگر یہ غلام ثلث میں سے نکل آتا ہے پھر تو یہ غلام اس کو دے دیں گے، خدمت کرتا رہے گا اس کی۔ اور جب وہ مدت پوری ہو جائے گی پھر واپس وارثوں کو مل جائے گا۔ اور اسی طرح اگر وہ گھر جس کی رہائش کی وصیت کی ہے، اگر وہ گھر ثلث میں سے نکل سکتا ہے پھر تو ٹھیک ہے رہائش کے لیے اس شخص کو دے دیں گے، جتنی مدت وصیت کی ہے اس وقت تک وہ اس میں رہائش رکھ سکے گا۔ لیکن اگر یہ غلام یا یہ گھر ثلث میں سے نہیں نکل سکتا تو پھر کیا کیا جائے گا؟ تو کہتے ہیں پھر اس ثلث کے اندر اس مکان کا جتنا حصہ آتا ہے اس میں تقسیم کر دی جائے گی، اور اتنا حصہ جو ہے موصی لہ کو رہائش کے لیے دے دیا جائے گا۔ مکان کی کیا کر دیں گے؟ تقسیم کر دیں گے، اور پوری جائیداد میں سے ثلث کے بقدر حصہ جو مکان کا ہوگا وہ اس کو پھر رہائش کے لیے دے دیں گے۔ اور غلام کے اندر کیا کریں؟ غلام میں تو تقسیم نہیں ہو سکتی۔ کہتے ہیں وہاں پر جو ہے وہ آپس میں باری مقرر کر لیں۔ باری مقرر کر لیں، اور ثلث میں سے جتنا حصہ بنتا ہے اتنے کے بقدر وہ غلام ان کی خدمت کرے گا اور باقی پھر وارثوں کی خدمت کرے گا۔ فرض کرو اس نے غلام کی وصیت کی کہ میرا یہ غلام زید کی خدمت کرے گا، اور اس کا یہی ایک غلام ہے اور کوئی غلام ہے ہی نہیں، اور کوئی مال ہے ہی نہیں، تو پھر اس غلام میں سے کتنے حصے میں وصیت نافذ کی جاتی ہے؟ ثلث میں۔ تو لہٰذا اس غلام کو باری باری سے خدمت لیں گے۔ ہر تین دن میں سے ایک دن جو ہے وہ موصی لہ کی خدمت کیا کرے، اور دو حصے یعنی دو ثلث، دو دن جو ہے وہ پھر وارثوں کی خدمت کیا کرے۔ تو دیکھا وارثوں کے لیے دو ثلث خدمت ہو گئی اور موصی لہ کے لیے ایک ثلث خدمت ہو گئی۔ ایک دن موصی لہ کی خدمت کیا کرے اور دو دن وارثوں کی خدمت کیا کرے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

تو دیکھیے یہی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: فَاِنْ خَرَجَتِ الرَّقَبَةُ مِنَ الثُّلُثِ، اگر اس غلام کی ذات جو ہے وہ نکل آئے ثلث میں سے، سُلِّمَتْ اِلَيْهِ تو وہ رقبہ جو ہے اس موصی لہ کے سپرد کر دیا جائے گا، لَهَا اَيْ لِلْوَصِيَّةِ، ہا ضمیر راجع ہے وصیت کو، وصیت کی وجہ سے۔ اس غلام کا ثلث حوالے کر دیا جائے گا، لَهَا اَيْ لِلْوَصِيَّةِ، وصیت کی وجہ سے۔ دیکھیے خود ضمیروں کا مرجع بتلا رہے ہیں۔ اِلَيْهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ بتلایا: اَيْ اِلَى الْمُوْصٰى لَهٗ، یعنی کس کے سپرد کیا جائے گا؟ موصی لہ کے۔ یہ موصی لہ کو ضمیر راجع ہے۔ اور لَهَا آگے کہہ رہے ہیں لِاَجْلِ الْوَصِيَّةِ، لام جو ہے وہ علت بیان کر رہا ہے۔ اَيْ لِاَجْلِ الْوَصِيَّةِ، وہ غلام اس کے سپرد کر دیا جائے گا وصیت کی وجہ سے بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ یہ معنی ہے۔

دوبارہ دیکھیے: تو سُلِّمَتْ اِلَيْهِ لَهَا، وہ جو رقبہ ہے وہ موصی لہ کے سپرد کر دی جائے گی لَهَا اس وصیت کی وجہ سے۔ اَيْ اِلَى

الْمُوْصٰی لَهٗ لِاَجْلِ الْوَصِيَّةِ، یعنی موصی لہ کے سپرد کی جائے گی وصیت کی وجہ سے۔ وَاِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو یعنی ثلث میں سے وہ رقبہ اور وہ مکان نہیں نکل سکتا، قُسِّمَتِ الدَّارُ اَثْلَاثًا تو تقسیم کر دیا جائے گا گھر کو تین حصے کر کے۔ تین حصے۔ مثلاً وہی ایک مکان ہے اور کوئی مال ہے ہی نہیں، تو تین حصے کر دو، ایک حصہ کس کو دے دو؟ موصی لہ کو رہائش کے لیے، اور دو حصے وارثوں کے لیے ہو جائیں گے۔ وَيُهَايَأُ الْعَبْدُ۔ هَايَأَ يُهَايِئُ مُهَايَأَةً، اس کا معنی ہے کسی چیز پر اتفاق کر لینا، کسی چیز پر اتفاق کر لینا۔ تو غلام پر بھی کیا کر لیں گے؟ اتفاق، یعنی باریاں مقرر کر لیں گے آپس میں۔ باری میں کیا ہوتا ہے؟ اتفاق کر کے ہی باریاں مقرر ہوں گی نا، تو یہ معنی ہے کہ اتفاق کر کے باری باری ان کی خدمت کرے گا۔ وَيُهَايَأُ الْعَبْدُ اور غلام میں اتفاق کر لیا جائے گا یعنی باریوں پر۔ اَيْ يُقَسَّمُ الدَّارُ یعنی گھر کو تقسیم کر دیا جائے گا، وَيُسَلَّمُ اِلَى الْمُوْصٰی لَهٗ مِقْدَارُ ثُلُثِ الْمَالِ اور سپرد کر دیا جائے گا موصی لہ کے ثلث مال کے بقدر، لِيَسْكُنَ فِيْهِ تاکہ اس میں رہائش اختیار کرے۔ وَالْعَبْدُ يَخْدِمُ الْمُوْصٰی لَهٗ بِمِقْدَارِ مَا صَحَّتْ فِيْهِ الْوَصِيَّةُ اور غلام جو ہے وہ خدمت کرے گا موصی لہ کی اتنی مقدار کہ جس کے اندر وصیت صحیح ہو، اور وصیت کتنے میں صحیح ہے؟ ثلث میں۔ وَيَخْدِمُ الْوَرَثَةَ مِقْدَارَ مَا لَمْ تَصِحَّ اور وارثوں کی غلام خدمت کرے گا اتنی مقدار جس میں وصیت صحیح نہیں۔ وصیت کتنے میں نہیں صحیح؟ دو ثلث میں۔ ایک ثلث میں تو صحیح ہے، دو ثلث میں صحیح نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟[1]

بھئی انہوں نے یہ دیکھو، انہوں نے کہا کہ غلام موصی لہ کی خدمت کرے گا اتنی مقدار جتنے میں وصیت صحیح ہو، ثلث نہیں کہا۔ کہنا کیا چاہیے تھا؟ ثلث۔ اور اتنی خدمت کرے گا وارثوں کی جتنے میں وصیت صحیح نہیں۔ اس لیے کیونکہ ہو سکتا ہے غلام کے ساتھ اور بھی مال ہو بھئی، اور ثلث کے اندر غلام کا نصف نکل رہا ہے۔ کتنا؟ نصف۔ تو دیکھو نصف میں وصیت صحیح اور نصف میں صحیح نہیں، تو اب باریاں کس طرح مقرر کریں گے؟ ایک دن جو ہے وہ موصی لہ کی خدمت کرے گا اور ایک دن وارثوں کی خدمت کرے گا کیونکہ آدھا آدھا غلام ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اس لیے انہوں نے ثلث نہیں کہا، یہ کہا جتنی مقدار میں وصیت صحیح ہو، وہ کچھ بھی ہو سکتی ہے اور مال کے اعتبار سے۔ اور باقی جتنے میں وصیت صحیح نہیں ہوگی اتنے میں وہ وارثوں کی خدمت کرے گا۔

آگے دیکھیے: وَبِمَوْتِهٖ فِيْ حَيَاةِ مُوْصِيْهِ تَبْطُلُ۔ وَبِمَوْتِهٖ آگے شرح میں بتلا رہے ہیں: اَيْ بِمَوْتِ الْمُوْصٰی لَهٗ۔ ہا ضمیر کس کو راجع؟ موصی لہ کو۔ موصی لہ کے، بھئی دیکھیے ادھر دیکھیے۔ موصی لہ اگر موصی کی زندگی میں ہی مر جائے تو پھر وصیت باطل ہو گئی۔ مثلاً ایک شخص نے کہا تھا میرے مرنے کے بعد زید کو میرے مال کا ثلث دے دینا، لیکن وصیت کرنے والے

[1] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ٢٠٩): صوتی درس کی قراءت میں «وَيَخْدِمُ الْوَرَثَةَ مِقْدَارَ مَا لَمْ تَصِحَّ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «ويخدمُ الورثةُ بمقدارِ ما لم تصحّ.» منقول ہے۔

کے مرنے سے پہلے ہی زید کا انتقال ہو گیا، اور وصیت تو موت کے وقت نافذ ہوتی ہے اور موت کے وقت تو زید موجود ہی نہیں، وہ تو پہلے ہی مر چکا ہے۔ تو وصیت تو موصی کی موت کے بعد نافذ کی جاتی ہے اور اس وقت تو زید زندہ ہی نہیں ہے، لہٰذا یہ وصیت باطل ہو جائے گی۔ وجہ یہ کہ جو وصیت ہے یہ آپ پڑھ چکے یہ ایجاب کا نام ہے۔ کس چیز کا نام ہے؟ اِیْجَابٌ بَعْدَ الْمَوْتِ کا نام ہے، موت کے بعد ایجاب کا نام ہے۔ اور موت کے بعد ایجاب آئے گا لیکن موصی لہ موجود ہی نہیں ہے، تو ایجاب بھی لغو ہو جائے گا۔ بھئی آپ نے پڑھا ہے، آپ نے پڑھا ہے کہ ایک بیع کے اندر ایک ہوتا ہے ایجاب اور ایک ہوتا ہے قبول۔ اسی طرح وصیت کے اندر بھی ایجاب ہے اور قبول ہے، موصی لہ قبول کرتا ہے وصیت کو۔ آپ نے پڑھا تھا موصی لہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ وصیت کو قبول کرے یا رد کرے، اس کی مرضی ہے۔ قبول کرے گا

تو وہ چیز اس کو دے دیں گے، اگر رد کرے گا پھر اس کو نہیں دیں گے۔ تو اس میں بھی ایجاب بھی ہوتا ہے، یعنی وہ جو وصیت کرنے والا ہے اس کی طرف سے گویا موت کے بعد ایجاب آگیا کہ یہ مال کا تیسرا حصہ زید کو دے دو، اور زید پھر کیا کرتا ہے؟ اس کو قبول کرتا ہے یا رد کرتا ہے۔ جیسے بیع کے اندر ہوتا ہے، بیچنے والا ایجاب کرتا ہے، جو اول قائل ہوتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ایجاب۔ وہ ایک ایجاب کرتا ہے اور پھر مشتری کی مرضی ہے اس کو قبول کرے یا رد کرے۔ تو یہاں پر بھی وصیت میں بھی کیا ہوتا ہے؟ ایجاب ہوتا ہے اور موصی لہ کی طرف سے قبول ہوگا تو پھر ہی وصیت نافذ ہوگی، اور یہاں تو ایجاب ہی باطل ہو گیا کیونکہ موصی لہ ہی زندہ نہیں ہے۔ تو جیسے بائع نے ایجاب کرنا ہے بیع کے اندر بھئی، اور قبول یا رد مشتری نے کرنا ہے، اور اگر مشتری ایجاب کرنے سے پہلے ہی مر جائے تو پھر تو ایجاب، ایجاب کس سے کیا جائے گا بھئی؟ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَبِمَوْتِهٖ فِيْ حَيَاةِ مُوْصِيْهِ تَبْطُلُ، اور موصی لہ کی موت کی وجہ سے فِيْ حَيَاةِ مُوْصِيْهِ، موصی کی زندگی میں ہی۔ موصی کی زندگی میں ہی موصی لہ کے مرنے کی صورت میں تَبْطُلُ، وصیت باطل ہو جائے گی۔ وَبَعْدَ مَوْتِهٖ يَعُوْدُ اِلَى الْوَرَثَةِ، اور موصی لہ کی موت کے بعد وہ چیز واپس آجائے گی وارثوں کے پاس۔ وَبَعْدَ مَوْتِهٖ اَيْ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوْصٰى لَهٗ۔ بھئی ادھر دیکھیے، ایک تو صورت یہ بیان کی: اگر موصی لہ زندگی میں ہی فوت ہو گیا۔ ایک شخص نے وصیت کی میرے مرنے کے بعد میرا یہ مکان جو ہے رہائش کے لیے زید کو دے دینا دس سال کے لیے، تو اس وصیت کو ہم نے موصی کے مرنے کے بعد نافذ کرنا ہے، لیکن موصی کا ابھی انتقال نہیں ہوا تھا کہ اس سے پہلے ہی زید کا انتقال ہو گیا، تو اس صورت میں وصیت کیا ہو جائے گی؟ باطل ہو جائے گی۔ اور اگر باطل نہیں ہوئی اور موصی لہ زندہ تھا تو وہ مکان، اس کو وہ قبول کر لیتا ہے، تو پھر وہ اس کو مکان دے دیں گے، وہ اس میں رہائش رکھے گا۔ اور جب وہ مر جائے گا، مثلاً اس نے کیا کہا تھا؟ اس نے کہا تھا یہ مکان ہمیشہ کے لیے کس کو دے دینا؟ زید کے لیے رہائش، اس مکان کی رہائش ہمیشہ کے لیے زید کو دے دینا، تو اس کی رہائش ہمیشہ زید کے لیے رہے گی یہاں تک کہ زید کا انتقال ہو جائے۔ اور جب زید کا انتقال ہو جائے گا تو اب مکان واپس وارثوں کے پاس آجائے گا کیونکہ مکان کا مالک اس نے زید کو نہیں بنایا تھا، صرف مکان کی رہائش کا مالک بنایا تھا، اور مکان

تو ابھی بھی وارثوں کا ہے، تو وہ مکان واپس موصی کے وارثوں کو مل جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: وَبَعْدَ مَوْتِهٖ يَعُوْدُ اِلَى الْوَرَثَةِ، اور وہ جو مکان یا غلام ہے وہ موصی لہ کے مرنے کے بعد واپس آجائے گا وارثوں کے پاس۔ کس کے وارثوں کے پاس؟ موصی کے وارثوں کے پاس بھئی۔ کیونکہ منافع کا مالک بنایا ہے، مالکیت کا نہیں۔ اگر مالک بنایا ہوتا پھر تو موصی لہ کے وارثوں کو یہ مکان ملنا تھا کیونکہ موصی لہ اس کا مالک بن جاتا، بات سمجھ میں آ گئی؟ اور موصی لہ کے بعد یہ مکان پھر کس کو ملتا؟ اس کے وارثوں کو، لیکن یہاں تو مکان کا مالک نہیں بنایا، صرف اس کی رہائش کا مالک بنایا ہے۔ فرق سمجھ میں آرہا ہے؟

اَيْ بِمَوْتِ الْمُوْصٰى لَهٗ بَعْدَ مَوْتِ مُوْصِيْهِ تَعُوْدُ اِلٰى وَرَثَةِ الْمُوْصِيْ۔ اَيْ بِمَوْتِ الْمُوْصٰى لَهٗ، یعنی جب موصی لہ مرجائے بَعْدَ مَوْتِ مُوْصِيْهِ، موصی کے انتقال کے بعد۔ موصی کا تو انتقال ہو چکا ہے نا، اور اس کے بعد موصی لہ کا بھی کیا ہو گیا؟ انتقال ہو گیا۔ تو پھر تَعُوْدُ اِلٰى وَرَثَةِ الْمُوْصِيْ، تو وہ مکان لوٹ آئے گا موصی کے وارثوں کے پاس۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ پھر دیکھ لیں: اَيْ بِمَوْتِ الْمُوْصٰى لَهٗ بَعْدَ مَوْتِ مُوْصِيْهِ تَعُوْدُ اِلٰى وَرَثَةِ الْمُوْصِيْ، وصیت کرنے والے کی موت کے بعد موصی لہ کی موت پر وہ مکان واپس لوٹ آئے گا موصی کے وارثوں کی طرف۔ لِاَنَّهٗ اَوْصٰى بِاَنْ يَّنْتَفِعَ الْمُوْصٰى لَهٗ عَلٰى مِلْكِ الْمُوْصِيْ، اس لیے کیونکہ وصیت کرنے والے نے یہ وصیت کی تھی کہ موصی لہ وہ نفع اٹھائے اس سے عَلٰى مِلْكِ الْمُوْصِيْ، کس کی ملکیت پر؟ موصی کی ملکیت پر، یعنی ملکیت موصی ہی کی رہے گی اور موصی لہ صرف اس سے نفع اٹھائے گا رہائش کا یا خدمت کا۔ فَاِذَا مَاتَ الْمُوْصٰى لَهٗ، پھر جب موصی لہ مرگیا، يَعُوْدُ اِلٰى وَرَثَةِ الْمُوْصِيْ تو وہ چیز پھر لوٹ آئے گی موصی کے وارثوں کی طرف، بِحُكْمِ الْمِلْكِ ملکیت کے حکم کی وجہ سے، کیونکہ مالک تو کون تھا؟ موصی تھا، اور موصی کے بعد کون مالک؟ اس کے وارث مالک ہیں، تو اب ان کو مل جائے گی یہ چیز۔

وَبِثَمَرَةِ بُسْتَانِهٖ اِنْ مَاتَ وَفِيْهِ ثَمَرَةٌ لَّهٗ هٰذِهٖ فَقَطْ۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے دوسرے کے لیے وصیت کی کہ میرے باغ کے پھل کا مالک یہ ہے، میرے باغ کا پھل زید کو دے دینا۔ تو کیا یہ یہی پھل دیں گے جو اس وقت لگا ہوا ہے یا آئندہ سالوں کا پھل بھی اسی کو ملے گا؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، پھل کا لفظ عرف میں جو موجود ہوتا ہے اس پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ لہٰذا جو موجودہ پھل ہے، موصی کے مرنے کے وقت جو پھل درختوں پر ہے، وہ پھل موصی لہ کو دے دیں گے، اور اگلے سالوں کا پھل اس کو نہیں دیں گے۔ الا یہ کہ موصی نے اَبَدًا کا لفظ ساتھ لگا دیا، کہ میرے اس باغ کا پھل ہمیشہ زید کو دینا۔ تو اب اس نے یہ اَبَدًا یا یوں کہیں ہمیشہ کی قید لگا دی، تو اب اگلے سالوں کا پھل بھی ہمیشہ کس کو ملے گا؟ زید ہی کو ملتا رہے گا، یہاں تک کہ زید کا انتقال ہو جائے۔ جب انتقال ہو گیا تو اب جو ہے یہ پھل موصی کے وارثوں کو ملا کرے گا کیونکہ باغ ان کا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَبِثَمَرَةِ بُسْتَانِهٖ، اور اپنے باغ کے پھل کی وصیت کی صورت میں، اِنْ مَاتَ اگر موصی مرگیا، وَفِيْهِ ثَمَرَةٌ اس حال میں کہ باغ کے اندر پھل تھا، لَهٗ هٰذِهٖ فَقَطْ، تو موصی لہ کے لیے صرف یہی پھل ہوگا۔ لَهٗ موصی لہ کے لیے ہوگا، هٰذِهٖ یہ والا پھل،

فَقَطْ صرف۔ صرف یہ والا پھل کس کو ملے گا؟ موصی لہ کو، کیونکہ اس نے کوئی اَبَدًا کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ اَبَدًا کا معنی ہے ہمیشہ۔ اَيْ لِلْمُوْصٰى لَهٗ الثَّمَرَةُ الْكَائِنَةُ حَالَ مَوْتِ الْمُوْصِيْ، موصی لہ کے لیے وہ پھل ہوگا، الْكَائِنَةُ (كَائِنَة اَيِ الثَّابِتَةُ) وہ پھل جو ثابت ہو یعنی موجود ہو حَالَ مَوْتِ الْمُوْصِيْ موصی کی موت کے وقت۔ موصی نے کیا کہا تھا میرے اس باغ کا پھل کس کو دے دینا؟ زید کو۔ تو موصی کا جب انتقال ہوا تو جو پھل موجود ہے صرف وہی پھل زید کو دیا جائے گا، بعد والے سالوں کا پھل نہیں دیں گے۔ یہی بیان کر رہے ہیں: اَيْ لِلْمُوْصٰى لَهٗ الثَّمَرَةُ الْكَائِنَةُ حَالَ مَوْتِ الْمُوْصِيْ، کہ موصی لہ کے لیے وہ پھل ہوگا جو موجود ہے موصی کی موت کی حالت میں، لَا مَا يَحْدُثُ بَعْدَهٗ نہ کہ وہ پھل جو بعد میں نیا آئے۔ حَدَثَ يَحْدُثُ کا معنی نئی چیز کا پیش آنا، اس کے بعد جو نیا پھل آئے وہ نہیں دیا جائے گا۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

وَاِنْ ضَمَّ اَبَدًا، اور اگر وہ اس کے ساتھ اَبَدًا کا لفظ ملا دے، کہ میرے اس باغ کا پھل زید کو دینا اَبَدًا ہمیشہ کے لیے، فَلَهٗ هٰذِهٖ وَمَا يَحْدُثُ، تو زید کے لیے یہ والا پھل بھی ہوگا وَمَا يَحْدُثُ اور جو آگے اگلے سالوں میں اور پھل آئے گا وہ بھی زید کے لیے ہوگا، كَمَا فِيْ غَلَّةِ بُسْتَانِهٖ جیسے کہ غلۂ بستان کی وصیت میں۔ بھئی ایک شخص ہے اس نے وصیت کی کہ میرے اس باغ کی آمدنی زید کو دینا، تو اس صورت میں یاد رکھنا یہ آمدنی اس سال کی بھی ہوگی اور آئندہ سالوں کی بھی ہوگی، کیونکہ آمدنی کا لفظ موجودہ آمدنی پر بھی ہوتا ہے اور آنے والے سالوں کی آمدنی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ کہتے ہیں نا کوئی دیکھو عام استعمال بھی ہوتا ہے: آپ گھر کا خرچہ کیسے چلاتے ہیں؟ آپ کہتے ہیں میں باغ کی آمدنی سے گھر کا خرچہ چلاتا ہوں۔ میں باغ کی آمدنی سے گھر کا خرچہ چلاتا ہوں، تو دیکھو یہ آمدنی سے ساری آمدنی جو جو ہر سال آرہی ہے وہ سب مراد ہوتی ہے۔ تو یہاں پر بھی جو آمدنی موجودہ ہوگی وہ بھی داخل ہو جائے گی اور اگلے سالوں کی بھی آجائے گی۔ یہاں چاہے وہ اَبَدًا کا لفظ بڑھائے یا نہ بڑھائے کوئی فرق نہیں پڑتا، جب کیا کہا اس نے؟ میرے اس باغ کی آمدنی زید کے لیے ہے، تو بس اب تمام سالوں کی، اگلے سالوں کی آمدنی اس میں آجائے گی، موجودہ سال کی بھی اور اگلے سالوں کی بھی۔ آمدنی کے ساتھ اَبَدًا کا لفظ بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے بھئی۔

تو جیسے پچھلے مسئلے میں تھا دیکھو، انہوں نے کیا کہا: كَمَا فِيْ غَلَّةِ بُسْتَانِهٖ، جیسے کہ اس کے باغ کے غلے میں ہے، جیسے کہ اس کے باغ کی آمدنی میں ہے مسئلہ۔ پیچھے کیا بتایا؟ وَاِنْ ضَمَّ اَبَدًا اگر اَبَدًا کا لفظ بڑھا دیا اس نے، وَاِنْ ضَمَّ اَبَدًا اور اگر اس نے ساتھ اَبَدًا کا لفظ بھی ملا دیا، فَلَهٗ هٰذِهٖ وَمَا يَحْدُثُ تو موصی لہ کے لیے یہ والا پھل بھی ہوگا اور نئے سالوں میں، اگلے سالوں میں آنے والا پھل بھی ہوگا، كَمَا فِيْ غَلَّةِ بُسْتَانِهٖ جیسے کہ اپنے باغ کی آمدنی کی وصیت میں ہے۔ جیسے کہ اپنے باغ کی آمدنی کی صورت میں جیسے مسئلہ ہے کہ وہاں یہ موجودہ آمدنی بھی ہوتی ہے اور اگلے سالوں والی آمدنی بھی ہوتی ہے۔ جیسے پچھلے مسئلے میں اَبَدًا بڑھانے سے موجودہ اور مستقبل کے سارے پھل داخل ہو گئے تھے، تو غلۂ بستان کے اندر بھی ساری آمدنی آجائے گی بھئی۔ اَيْ اَوْصٰى بِغَلَّةِ بُسْتَانِهٖ، یعنی وصیت کی کسی شخص نے اپنے باغ کی کمائی کی، اپنی باغ کی آمدنی کی، سَوَاءٌ ضَمَّ لَفْظَ الْاَبَدِ اَوْ لَا برابر ہے کہ وہ ابد کا لفظ بڑھائے یا نہ بڑھائے، فَلَهٗ هٰذِهٖ وَمَا يَحْدُثُ تو اس آدمی کے لیے یہ والی

آمدنی بھی ہوگی اس سال والی بھی وَمَا يَحْدُثُ اور جو آگے آئے، نئی آئے یعنی اگلے سالوں میں آئے وہ بھی اس کے لیے ہوگی۔

وَبِصُوْفِ غَنَمِهٖ وَوَلَدِهَا وَلَبَنِهَا لَهٗ مَا فِيْ وَقْتِ مَوْتِهٖ ضَمَّ اَبَدًا اَوْ لَا۔ اس کے بجائے ایک شخص وصیت کرتا ہے کہ یہ جو زید ہے اس کو میری بھیڑ بکریوں کی اون دے دینا، اون۔ صوف آرہا ہے، صوف جو ہے یہ بھیڑ بکریوں پر جو بال ہوتے ہیں جس سے دھاگہ اور بنایا جاتا ہے گرم کپڑے بنائے جاتے ہیں۔ تو کسی نے کیا وصیت کی؟ کہ میری بھیڑ بکریوں کی اون زید کو دے دینا، یا کہتا ہے میری بھیڑ بکریوں کے جو بچے ہیں وہ زید کو دے دینا، یا کہتا ہے میری بھیڑ بکریوں کا جو دودھ ہے وہ زید کو دے دینا۔ تو کہتے ہیں کہ جو موصی کی موت کے وقت جو اون بھیڑ بکریوں پر موجود ہوگی صرف وہ زید کو ملے گی۔ موصی کی موت کے وقت جو بھیڑ بکریوں کے بچے ہیں صرف وہ ملیں گے زید کو۔ موصی کی موت کے وقت جو بھیڑ بکریوں کا دودھ ہے وہ صرف ملے گا۔ مستقبل والی اون بھی نہیں ملے گی، مستقبل والے بچے بھی نہیں ملیں گے اور مستقبل والا دودھ بھی نہیں ملے گا، چاہے وہ اَبَدًا کا لفظ لگا ہی کیوں نہ دے ساتھ۔ وہ یہ کہہ دے: میری بھیڑ بکریوں کی اون ہمیشہ زید کو دینا، میری بھیڑ بکریوں کے بچے ہمیشہ زید کو دینا، یا میری بھیڑ بکریوں کا دودھ ہمیشہ زید کو دینا۔ نہیں بھئی، یہاں چاہے آپ ہمیشہ کا لفظ لگائیں یا نہ لگائیں، ہر حال میں صرف موت کے وقت جو موجود ہے وہ دے دیں گے، بعد میں اور نہیں دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بھئی کیا وجہ، کیوں نہیں دیں گے بعد میں؟ کہتے ہیں اس لیے کہ بعد میں جو آنے والے اون ہے یا بچے ہیں اور یا دودھ ہیں وہ معدوم ہیں، ابھی ان کا وجود ہی نہیں ہے۔ اور یاد رکھو شریعت کا اصول ہے، شریعت کا اصول ہے کہ جو چیز معدوم ہو اس پر عقد نہیں کیا جا سکتا۔ وصیت بھی تو ایک عقد ہے نا جس میں ایجاب ہوتا ہے اور دوسرا اس کو کیا کرتا ہے؟ قبول کرتا ہے، اس کی ملکیت میں چیز کو دے رہا ہے یا اس کے منافع کسی کو مالک بنا رہا ہے منافع کا، تو اس میں بھی قبول ہوتا ہے، تو یہ ایک عقد کا نام ہے۔ اور عقد کے اندر وہ جو معقود علیہ ہے، جس پر عقد کیا جا رہا ہے وہ موجود چیز ہونی چاہیے، معدوم چیز نہیں ہونی چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جیسے بیع کے اندر آپ کسی شخص کو کہتے ہیں، کسی شخص کو کہتے ہیں کہ مثلاً کہ میں اس دفعہ دریا میں جال پھینکوں گا، جتنی مچھلیاں پکڑی گئیں وہ ہزار روپے میں خریدتے ہو تو خرید لو، چنانچہ ایجاب و قبول کرتے ہیں کہ ہاں میں نے خرید لی اور وہ قبول کر لیتا ہے، نہیں بھئی یہ بیع درست نہیں اس لیے کیونکہ مچھلی ابھی آپ کے قبضے میں نہیں، قابو میں نہیں ہے تو آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ یا اور مثال بنا لو۔ ہاں ایک شخص سے آپ بیع کرتے ہیں کہ میری بکری آئندہ جس بچے کو جنم دے گی وہ بچہ اگر خریدنا چاہتے ہو تو مجھ سے خرید لو ایک ہزار روپے میں۔ نہیں بھئی اس بچے کی بیع جائز نہیں کیونکہ ابھی تو اس کا وجود ہی نہیں ہے اور معدوم کی بیع جائز نہیں ہے، وہ چیز موجود ہونی چاہیے پھر ہی بیع ہوگی۔ تو شریعت کا اصول کیا؟ کہ معدوم چیز پر عقد جائز نہیں ہے، اور یہاں پر بھی، یہاں پر بھی جو موجودہ اون ہوگی وہ تو موجود ہے لیکن اگلے سالوں والی اون وہ تو ابھی موجود

ہی نہیں۔ جو اس وقت بچے موجود ہیں وہ تو دے دیں گے لیکن اگلے سالوں کے بچے تو ابھی موجود ہی نہیں لہٰذا وہ عقد میں داخل نہیں ہوں گے۔ یا اسی طرح جو اس وقت دودھ موجود ہے وہ تو دے دیا جائے گا، جو کل کا دودھ ہے وہ تو ابھی موجود ہی نہیں ہے لہٰذا وہ نہیں دیں گے۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ ابھی آپ نے ہمیں بتایا کہ اگر باغ کے پھلوں کے اندر وہ وصیت کرتا ہے کہ اس کو اس باغ کے پھل دینا ہمیشہ، تو اس سال والے پھل بھی دینے پڑیں گے، اگلے سالوں کے پھل بھی دینے پڑیں گے، حالانکہ اگلے سالوں کے پھل تو معدوم ہیں۔ وہاں تو آپ نے معدوم چیز پر عقد کی اجازت دے دی اور یہاں آپ نے معدوم چیز پر عقد کی اجازت نہیں دی۔ تو اس کا جواب دیں گے کہ بھئی کچھ معدوم چیزیں ہیں ان پر شریعت نے عقد کی اجازت دی ہے، لہٰذا انہی میں اجازت ہوگی اور کسی چیز میں نہیں۔ تو کچھ چیزوں کے اندر معدوم چیزوں پر بھی عقد کرنے کی شریعت نے اجازت دی ہے جیسے مزارعت ہے اور مساقات ہے۔ مزارعت آپ پڑھ چکے ہیں، زمین کو بٹائی پر دینا کہ یہ زمین ہے میری، آپ اس میں محنت کریں اور جو پیداوار حاصل ہوگی وہ ہم آدھی آدھی تقسیم کر لیں گے۔ تو دیکھو یہاں عقد کس پر ہو رہا ہے؟ پیداوار پر، اور پیداوار تو ابھی موجود ہی نہیں ہے۔ لیکن چونکہ شریعت نے اس کی اجازت دی ہے اور ہمیشہ سے لوگ یہ کرتے چلے آئے ہیں تو لہٰذا یہ جائز ہے، یہاں معدوم چیز پر عقد جائز ہے۔ اسی طرح مساقات آپ نے پڑھا، باغات کو بٹائی پر دینا۔ کسی کو باغ کوئی دیتا ہے کہ میرے اس باغ کی دیکھ بھال کرو اور درختوں کا خیال رکھو، پھل آئیں گے ان کا خیال رکھو، اور جب پھل تیار ہو جائے گا تو آدھا پھل آپ کا ہو جائے گا اور آدھا میرا ہو جائے گا۔ تو دیکھو یہاں پر بھی عقد کر رہے ہیں پھلوں پر، حالانکہ وہ پھل تو ابھی موجود ہی نہیں ہیں، ان کا تو وجود ہی نہیں ہے، تو لیکن شریعت نے اس کی اجازت دی ہے اور آپ نے پورا ایک باب مساقات کا اور اسی طرح مزارعت کا پڑھا بھئی۔ تو کچھ معدوم چیزوں پر شریعت نے اجازت دی ہے، تو پھل بھی ان میں سے ایک ہے، اس لیے ہم نے پھلوں پر کیا کہا کہ اس میں اَبَدًا کی قید لگائے گا تو مستقبل کے پھل بھی وصیت میں داخل ہو جائیں گے۔ لیکن باقی چیزیں جو اون وغیرہ ہے وہ اپنی اصل پر باقی رہیں گے اور ان میں اصل یہی ہے کہ معدوم چیز پر عقد جائز نہیں، تو لہٰذا ان پر بھی عقد جائز نہیں ہوگا۔

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَبِصُوْفِ غَنَمِهٖ اور اپنی بھیڑ بکریوں کی اون کی وصیت، وَوَلَدِهَا اور اپنی بھیڑ بکریوں کے بچوں کی وصیت، وَلَبَنِهَا اور اپنی بھیڑ بکریوں کے دودھ کی وصیت کی صورت میں، لَهٗ اس موصی لہ کے لیے ہوگا مَا فِيْ وَقْتِ مَوْتِهٖ جو موصی کی موت کے وقت موجود ہے وہ موصی لہ کے لیے ہوگا، ضَمَّ اَبَدًا اَوْ لَا چاہے وہ اَبَدًا کا لفظ ساتھ ملائے یا نہ ملائے۔

وَالْفَرْقُ بَيْنَ الثَّمَرَةِ وَالْغَلَّةِ وَالصُّوْفِ اَنَّ الْغَلَّةَ تُطْلَقُ عَلَى الْمَوْجُوْدِ وَعَلٰى مَا يُوْجَدُ مَرَّةً بَعْدَ أُخْرٰى۔ اور فرق جو ہے وہ پھل کے اندر اور آمدنی کے اندر اور اون کے درمیان کہ غلہ جو ہے اس کا اطلاق ہوتا ہے موجودہ پر بھی، آمدنی کا اطلاق موجودہ آمدنی پر بھی ہوتا ہے وَعَلٰى مَا يُوْجَدُ مَرَّةً بَعْدَ أُخْرٰى اور وہ جو پائی جائے گی اس ایک مرتبہ کے بعد دوبارہ، اس مرتبہ کے

بعد دوبارہ یعنی مستقبل میں جو پائی جائے گی اس کو بھی آمدنی کہتے ہیں۔ تو لہٰذا جب آمدنی کا لفظ بولا تو خود بخود مستقبل والی آمدنی بھی اس میں داخل ہو گئی۔ وَالثَّمَرَةُ وَالصُّوْفُ لَا يُطْلَقَانِ اِلَّا عَلَى الْمَوْجُوْدِ، اور پھل اور اون جو ہے ان کا اطلاق نہیں ہوتا مگر موجود پر ہی۔ اطلاق یعنی عرف میں موجود پھلوں کو ہی پھل کہتے ہیں، مستقبل والے پھلوں کو جب پھل کہا جائے تو موجودہ پھل مراد ہوتے ہیں، مستقبل والے مراد نہیں ہوتے، مستقبل والوں پر پھل کے لفظ کا یا اسی طرح اون کے لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اِلَّا اَنَّهٗ اِذَا ضَمَّ اَبَدًا۔ تو دیکھو پھل اور اون، پیچھے دیکھ رہے ہیں عبارت: وَالثَّمَرَةُ وَالصُّوْفُ لَا يُطْلَقَانِ اِلَّا عَلَى الْمَوْجُوْدِ، پھل اور اون جو ہیں ان کا اطلاق نہیں ہوتا مگر موجودہ چیزوں پر ہی، موجودہ پھلوں پر اور موجودہ اون پر ہی۔ تو صرف وہی مراد ہوں گے۔ اِلَّا اَنَّهٗ اِذَا ضَمَّ اَبَدًا مگر جب اس نے اَبَدًا کا لفظ ساتھ ملا دیا یعنی ہمیشہ کا لفظ ملا دیا، صَارَ قَرِيْنَةً دَالَّةً عَلٰى تَنَاوُلِ الْمَعْدُوْمِ تو یہ جو لفظ ہے اَبَدًا یہ ایک ایسا قرینہ بن گیا دَالَّةً جو دلالت کر رہا ہے عَلٰى تَنَاوُلِ الْمَعْدُوْمِ معدوم چیز کے بھی شامل ہونے پر۔ وہ جو مستقبل کا ہے اس کو بھی شامل ہونے پر یہ دلالت کر رہا ہے کیونکہ کیا کہا؟ ہمیشہ، تو ہمیشہ میں تو مستقبل والا بھی آئے گا اور وہ تو معدوم ہے تو اَبَدًا نے کیا کیا؟ معدوم کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ یہ معنی ہے کہ اَنَّهٗ اِذَا ضَمَّ اَبَدًا صَارَ قَرِيْنَةً دَالَّةً عَلٰى تَنَاوُلِ الْمَعْدُوْمِ کہ جب وصیت کرنے والے نے اَبَدًا کا لفظ ساتھ جوڑ دیا تو یہ ایسا قرینہ بن گیا جو دلالت کر رہا ہے اس معدوم چیز کے شامل ہونے پر۔ فَتَصِحُّ فِي الثَّمَرَةِ دُوْنَ الصُّوْفِ، تو پھر وصیت صحیح ہو جائے گی پھل کے اندر نہ کہ اون میں، اون میں صحیح نہیں ہوگی، پھل میں صحیح ہو جائے گی۔ لِاَنَّ الْعَقْدَ عَلَى الثَّمَرَةِ الْمَعْدُوْمَةِ يَصِحُّ شَرْعًا كَالْمُسَاقَاةِ، اس لیے کیونکہ عقد کرنا ایسے پھل پر جو معدوم ہے وہ شرعاً صحیح ہے كَالْمُسَاقَاةِ جیسے کہ مساقات ہے۔ لَا عَلَى الصُّوْفِ وَالْوَلَدِ وَنَحْوِهِمَا نہ کہ صوف اور ان کے بچے اور ان جیسی چیزوں پر۔ ان پر عقد کرنا صحیح نہیں تو ان پر صحیح نہیں ہوگا اور پھل کے اندر معدوم پر بھی عقد صحیح ہے تو وہ عقد صحیح ہو جائے گا۔ فرق سمجھ میں آگیا؟

آگے دیکھیے: وَتُوْرَثُ بِيْعَةٌ وَّكَنِيْسَةٌ جُعِلَتَا فِي الصِّحَّةِ۔ بِيْعَةٌ کہتے ہیں یہودیوں کی عبادت گاہ بھئی، کلیسا اس کو کہتے ہیں کلیسا، اردو میں کلیسا کہتے ہیں۔ اور كَنِيْسَةٌ، کنیسہ یہ یہودیوں کی عبادت گاہ کو بھی کہتے ہیں اور یہ عیسائیوں کی عبادت گاہ یعنی گرجے کو بھی کہتے ہیں گرجا، یعنی جو ان کا چرچ ہوتا ہے۔ لیکن یہاں پر کنیسہ سے مراد عیسائیوں کی عبادت گاہ ہے کیونکہ اس سے پہلے بیعہ جو یہودیوں کی عبادت گاہ ہے اس کا علیحدہ ذکر آگیا۔ ویسے تو کنیسہ دونوں کو کہتے ہیں لیکن پیچھے یہودیوں کی عبادت گاہ کا الگ ذکر آگیا تو اب کنیسہ سے صرف عیسائیوں کی عبادت گاہ مراد لیں گے۔ صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے اپنی زندگی میں صحت کے اندر کوئی بیعہ یا کنیسہ بنایا تھا۔ یہودی تھا اس نے اپنا کلیسا بنایا تھا یا اسی طرح کوئی عیسائی تھا اس نے اپنا کنیسہ یعنی کوئی گرجا بنایا تھا۔ تو کیا ان میں وراثت جاری ہوگی؟ کہتے ہیں ہاں یہ جب مر جائیں گے تو ان کی جو اولاد ہوگی وہ، جو ان کے وارث ہوں گے وہ اس کے مالک بن جائیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ وہ اس کے مالک بن جائیں گے۔

مسئلہ سمجھ میں آرہا ہے؟ دیکھیے میں تفصیل بیان کرتا ہوں۔ کہتے ہیں: وَتُوْرَثُ اور موروث ہوگا یعنی وراثت جاری ہوگی،

بِيْعَةٌ وَّكَنِيْسَةٌ.بیعہ بھی اور کنیسہ بھی یعنی کلیسا اور گرجا دونوں موروث ہوں گے۔ موروث ہوں گے یعنی اس میں وراثت جاری ہوگی۔ ایسے بیعہ اور ایسے کنیسہ جُعِلَتَا فِي الصِّحَّةِ جن کو بنایا گیا ہے صحت کی حالت میں۔ اس نے کب بنایا تھا بنانے والے نے؟ صحت کی حالت میں زندگی میں بنایا تھا تو یہ بیعہ اور یہ کنیسہ یہ موروث ہوں گے، ان میں وراثت جاری ہوگی۔ اور یاد رکھنا یہ مسئلہ بالاتفاق ہے ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک، امام صاحب بھی اور صاحبین بھی، وہ سب کیا فرماتے ہیں؟ کہ وہ بیعہ، وہ کنیسہ جو صحت کی حالت میں بنایا گیا اس میں وراثت جاری ہوگی اور وہ جو اس کے وارث ہوں گے بنانے والے کے وہ اس کے مالک بن جائیں گے۔

لِاَنَّ هٰذَا بِمَنْزِلَةِ الْوَقْفِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَالْوَقْفُ يُوْرَثُ عِنْدَهٗ.کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ وقف کے درجے میں ہے امام صاحب کے نزدیک۔ جب اس نے ایک کلیسا یا گرجا بنایا تو یہ کس کے درجے میں ہے؟ وقف کے درجے میں ہے امام صاحب کے نزدیک۔ وَالْوَقْفُ يُوْرَثُ عِنْدَهٗ اور وقف جو ہے وہ موروث ہوتا ہے امام صاحب کے نزدیک یعنی اس میں وراثت جاری ہوتی ہے۔ بھئی وقف کے مسئلے میں یاد رکھو، وقف یاد رکھو وقف کسے کہتے ہیں؟ مختصر بیان کر دیتا ہوں بھئی۔ وقف کہتے ہیں بھئی اپنا مکان، باغ وغیرہ یا زمین جو ہے جو غیر منقولہ جائیداد ہے، غیر منقولہ جس کو نقل نہیں کیا جا سکتا۔ کچھ چیزیں ہماری منقولی ہیں اور کچھ غیر منقولی۔ منقولی وہ چیزیں ہیں جن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل کیا جا سکتا ہے جیسے یہ ساری چیزیں ہیں، کتابیں ہیں، قلم ہیں، یہ کرسی ہے، میز ہے، گاڑی ہے، بس ہے، یہ مشینری ہے، یہ سارا کچھ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتی ہے، یہ ہیں منقولات۔ اور کچھ چیزیں غیر منقولات ہیں جیسے زمین ہے، مکان ہے، فیکٹری ہے، ان کو، دیکھو پوری زمین کو آپ اٹھا کر دوسری جگہ منتقل نہیں کر سکتے تو یہ ہیں غیر منقولات۔ اور یہ یاد رکھنا یہ وقف جو ہے صرف غیر منقولات میں جاری ہوتا ہے، منقولات میں جاری نہیں ہوتا۔ اور وقف کسے کہتے ہیں؟ کہ کوئی شخص اپنا مکان، باغ، زمین وغیرہ اللہ کی راہ میں وقف کر دے، اللہ کی راہ میں وقف کر دے کہ میرا یہ مکان وقف ہے، میرے مرنے کے بعد اس کی ساری آمدنی غریبوں پر خرچ کرنا، تو یہ مکان وقف ہو جائے گا اور یہ چیز اللہ کی ہو گئی، لہٰذا اب اس کو نہ بیچنا صحیح ہے، نہ ہبہ کرنا صحیح ہے، نہ اس کے اندر وراثت جاری ہوگی کیونکہ یہ چیز کس کی ہو گئی؟ اللہ کی ہو گئی بھئی، اور یہ بڑے ثواب کا کام ہے۔ جب تک وہ چیز موجود ہے اور اس کی آمدنی اور اس کا نفع جو ہے وہ غریبوں پر یا جن لوگوں کے بارے میں وصیت کی ہے ان پر خرچ ہوتا رہے گا اس شخص کو ثواب ملتا رہے گا۔ تو یہ صدقۂ جاریہ ہے بھئی، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو بڑے ثواب کا کام ہے۔

اور اس میں یاد رکھو، اس میں یہ ضروری ہے جس کام کے لیے وقف کیا جائے اس سے وہی کام لیا جائے گا، کوئی دوسرا کام نہیں لیا جائے گا۔ مثلاً ایک شخص نے کہا تھا کہ میں یہ مکان وقف کرتا ہوں، اس کی جتنی بھی آمدنی ہو وہ اس فلاں مدرسے پر خرچ کی جائے، تو وہ ہمیشہ اس مدرسے پر ہی خرچ کی جائے گی۔ اس کے بجائے اگر وہ جو متولی ہیں وہ اس

کو غریبوں پر دینا چاہتے ہیں، غریبوں پر خرچ کرنا چاہتے ہیں، نہیں بھئی یہ مکان اس نے وقف کیا تھا مالک نے اس مدرسے کے طلبہ کے لیے اور مدرسے کے رہنے والوں کے لیے، تو یہ انہی پر خرچ کیا جائے گا، اب آپ اس میں تبدیلی نہیں کر سکتے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور اس میں شرط وغیرہ لگانا بھی جائز ہے۔ مثلاً ایک آدمی کہتا ہے کہ جب تک میں زندہ ہوں اس کی آمدنی میں کھاؤں گا اور جب میں مرجاؤں گا تو میرے مرنے کے بعد پھر یہ مدرسے والوں کو دے دینا۔ ایک تو صورت یہ ہے ابھی سے وقف کر دیا کہ آج سے ہی اس مکان کی جتنی آمدنی ہو وہ مدرسے والوں کو دی جائے، اور ایک صورت یہ کہ میرے مرنے کے بعد جو ہے وہ مدرسے والوں کو دی جائے تو پھر اس صورت میں وہ وقف ہوگا لیکن پھر وہ وصیت والا حکم ہے ثلث کے اندر سے اگر وہ مکان نکلتا ہے تو پھر اس میں اس کے مطابق اس کو وقف کر دیا جائے گا۔ اور جب کوئی چیز وقف ہو گئی تو کس کی ملک میں آگئی؟ اللہ کی ملک میں۔ ویسے تو اللہ ہی ہر چیز کے مالک ہیں حقیقت میں تو، لیکن مجازاً دنیا میں کہتے ہیں یہ چیز زید کی ہے، یہ بکر کی ہے، یہ خالد کی ہے، تو مجازاً دوسرے بھی مالک کہلاتے ہیں، حقیقت میں تو مالک اللہ ہی ہے لیکن یہاں وقف میں اب یہاں کسی غیر کی طرف نسبت بھی نہیں کی جائے گی، بس یہ چیز اللہ کی ہو گئی یہ اللہ ہی اس کے مالک ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور نیز اس میں یہ بھی مثلاً شرط لگا سکتا ہے کہ اس مکان کی جتنی آمدنی ہو اس میں سے آدھی جو ہے وہ میری اولاد پہ خرچ کرنا اور آدھی جو ہے وہ غربا اور مساکین پر خرچ کرنا، تو ہمیشہ اسی طرح کیا جائے گا، آدھی آمدنی اس کی اولاد کا حصہ ہوگا اور آدھی جو ہے اس غربا اور مساکین پر خرچ کی جائے گی۔ لیکن پھر اگر اس نے مرنے کے بعد کی بات کی ہے تو پھر دیکھیں گے ثلث میں وہ وصیت نافذ کریں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب اس وقف کے مسئلے میں یاد رکھنا، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، توجہ سے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص کسی چیز کو وقف کر دے، وقف کر دے، تو وقف کرنے سے اس آدمی کی ملکیت ختم نہیں ہوتی، یہ چیز کا مالک ابھی بھی یہی ہے۔ اس چیز کا مالک ابھی بھی یہ وقف کرنے والا ہے، امام صاحب فرماتے ہیں۔ ہاں دو صورتوں میں اس کی ملکیت ختم ہو سکتی ہے: یا تو قاضی اس کا فیصلہ کر دے، کوئی شخص مقدمہ اٹھا کر قاضی کے پاس لے گیا اور قاضی نے پھر کیا فیصلہ کر دیا کہ آج سے یہ زمین، یہ جو زمین ہے وقف ہے، قاضی نے جب فیصلہ کر دیا اس نے بھی وقف کی تھی لیکن ملکیت ابھی باقی تھی، تو جب قاضی فیصلہ کر دے گا اب یہ اس شخص کی ملکیت سے نکل گئی۔ اس سے پہلے اس کا مالک وہی تھا، تھی چیز وقف، اس کی آمدنی تو اسی جگہ خرچ کرنی تھی جہاں اس نے وقف کر دی ہے لیکن ابھی بھی وہ مالک تھا، لیکن جب قاضی فیصلہ کر دے گا اب اس کی ملکیت سے چیز نکل گئی، اب وہ مالک نہ رہا۔ یا اس کی نسبت اپنی موت کی طرف کرتا ہے کہ اگر میں مرگیا تو اس مکان کی آمدنی غریبوں پر خرچ کرنا، تو اب اس نے موت کی طرف نسبت کی ہے اور موت کے بعد تو پھر یہ مالک نہیں بن سکتا، تو لہٰذا اس صورت میں بھی پھر وہ چیز اس کی ملک سے نکل جائے گی، اور جب ملک سے نکل جائے گی تو پھر اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟ امام صاحب کے نزدیک کوئی

چیز وقف کر دی

جائے تو کیا وقف کرنے والے کی ملکیت سے وہ چیز نکلے گی؟ نہیں نکلے گی۔ کب نکلے گی؟ یا تو قاضی فیصلہ کر دے، یا وہ اس کی نسبت اس نے کس کی طرف کی ہو؟ اپنی موت کی طرف کی ہو، پھر ہی وہ چیز اس کی ملک سے نکل جائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جبکہ امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کے زمین کو وقف کرتے ہی زمین اس کی ملک سے نکل جائے گی۔ امام صاحب تو فرماتے ہیں ملکیت سے نہیں نکلے گی الا یہ کہ قاضی فیصلہ کر دے یا یہ کس کی طرف نسبت کر دے؟ اپنی موت کی طرف کہ میرے مرنے کے بعد وقف ہے، تو پھر نکلے گی۔ جبکہ امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جیسے ہی وہ وقف کرے گا، وقف کی بات زبان سے جیسے ہی نکالے گا، فوراً زمین اس کی ملک سے نکل جائے گی بھئی۔

جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص کسی چیز کو وقف کرے گا تو اس وقت تک اس کی ملک سے نہیں نکلے گی جب تک کوئی متولی مقرر کر کے اس کے قبضے میں وہ چیز نہ دے دے۔ مثلاً ایک آدمی نے کیا کہا؟ یہ میرا یہ مکان غریبوں اور فقیروں کے لیے وقف ہے، اس کی آمدنی ہمیشہ غریبوں اور فقیروں پر خرچ کی جائے۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے یہ کہتے ہی مکان اس کی ملک سے نکل گیا اور وقف ہو گیا، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مکان ابھی بھی اس کی ملک کے اندر ہے۔ ہاں اگر یہ کسی کو متولی بناتا ہے، اس کا نگران مقرر کرتا ہے اور اس کے قبضے میں پھر یہ مکان دے دیتا ہے کہ یہ لو بھئی یہ مکان اب تمہارے حوالے ہے اور جہاں میں نے کہا ہے اس کی آمدنی خرچ کرتے رہو، تو جب متولی کے قبضے میں دے دے گا تو پھر امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اب مالک کی ملکیت سے یہ مکان نکل گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک کہتے ہی، وقف کرتے ہی ملکیت ختم، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک متولی مقرر کر کے اس کے قبضے میں باقاعدہ دے دے تو پھر ملکیت ختم ہوگی۔ یہاں تک مسائل سمجھ میں آگئے؟

اب آئیے کتاب کے مسئلے کی طرف بھئی۔ انہوں نے کیا کہا کہ کسی شخص نے اپنی زندگی میں گرجا یا کلیسا بنوایا اور صحت کے اندر، تو کیا اس میں وراثت جاری ہوگی یا نہیں؟ تو بالاتفاق ہمارے تینوں ائمہ فرماتے ہیں کہ اس میں وراثت جاری ہوگی، لیکن وراثت کیوں جاری ہوگی اس میں وجہ میں اختلاف ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں یہ وقف کے درجے میں ہو گیا کیونکہ اس نے کوئی اپنے رہنے کے لیے مکان نہیں بنایا بلکہ اپنی عبادت گاہ بنائی ہے۔ کیا بنائی ہے؟ گویا اس نے یہ اللہ کی رضا کے لیے بنائی ہے، اپنے عقیدے کے مطابق انہوں نے یہ مکان کس لیے بنایا؟ اللہ کی رضا کے لیے۔ بے شک ان کا عقیدہ غلط ہے لیکن انہوں نے اپنے عقیدے کے مطابق اللہ کی رضا کے لیے یہ مکان بنایا ہے تو یہ وقف کے درجے میں ہو گیا، یہ عبادت گاہ کس درجے میں ہو گئی؟ وقف کے درجے میں ہو گئی۔ اور وقف میں ابھی آپ کو بتلایا امام صاحب کے

نزدیک وراثت جاری ہوتی ہے جب تک قاضی فیصلہ نہ کردے یا موت کی طرف نسبت نہ کردے، اور اس نے تو کوئی موت کی طرف نسبت نہیں کی، اس نے تو زندگی میں بنایا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ وقف کے درجے میں ہو گیا امام صاحب کے نزدیک وقف کے درجے میں، اور وقف کے اندر امام صاحب کے نزدیک اس میں وراثت جاری ہوتی ہے۔

جبکہ صاحبین فرماتے ہیں، صاحبین فرماتے ہیں کہ بھئی یہ وقف ہی نہیں ہے، وقف ہی نہیں ہے، اس لیے کیونکہ وقف تو کیا جاتا ہے جس میں جو اللہ کی رضا کا باعث ہو بھئی، اور یہ تو گناہ کا کام ہے لہٰذا یہ وقف ہی نہیں ہے۔ جب وقف ہی نہیں ہے تو ابھی بھی مالک کی ہی ملکیت میں ہے، جب مالک کی ملکیت میں ہے تو اس میں وراثت جاری ہوگی۔ فرق سمجھ میں آ گیا؟

یہ معنی ہے، پھر دیکھیے: وَتُوْرَثُ بِيْعَةٌ وَّكَنِيْسَةٌ جُعِلَتَا فِي الصِّحَّةِ، اور موروث ہوگا وہ کلیسا اور وہ گرجا جن کو بنایا گیا تھا صحت کی حالت میں، لِاَنَّ هٰذَا بِمَنْزِلَةِ الْوَقْفِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، اس لیے کیونکہ یہ وقف کے درجے میں ہے امام صاحب کے نزدیک، وَالْوَقْفُ يُوْرَثُ عِنْدَهٗ، اور جو وقف ہوتا ہے وہ موروث ہوتا ہے امام صاحب کے نزدیک، اس میں وراثت جاری ہوتی ہے۔ وَاَمَّا عِنْدَهُمَا اور باقی صاحبین جو ہیں ان کے نزدیک لَا یہ وقف نہیں ہے، یہ وقف کے درجے میں نہیں ہے، لِاَنَّ هٰذِهٖ مَعْصِيَةٌ اس لیے کیونکہ یہ تو معصیت ہے، گناہ کا کام ہے، فَلَا تَصِحُّ لہٰذا اس کا وقف بنانا صحیح نہیں ہے۔ جب وقف بنانا صحیح نہیں، جب یہ وقف نہ ہوا، اللہ کے لیے نہ ہوا تو مالک ابھی بھی بنانے والا ہے، جب بنانے والا مالک ہے تو اس میں وراثت جاری ہوگی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بیعہ اور کنیسہ میں وراثت جاری ہوگی بالاتفاق، البتہ وراثت کیوں جاری ہوگی اس میں اختلاف ہے: امام صاحب کے نزدیک چونکہ وقف کے درجے میں ہے اور وقف میں وراثت جاری ہوتی ہے اس لیے اس میں وراثت جاری ہوگی، اور صاحبین کے نزدیک اس لیے جاری ہوگی وراثت کیونکہ یہ وقف کے درجے میں نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اس پر ایک اشکال آپ کے ذہنوں میں آئے گا۔ اشکال یہ کہ امام صاحب کیا فرماتے ہیں کہ یہ وقف کے درجے میں ہے، تو وقف تو مسجد بھی ہوتی ہے، مسجد کا کوئی مالک نہیں ہوتا، مسجد خالص کس کے لیے ہوتی ہے؟ اللہ کے لیے ہوتی ہے، اور مسجد کے اندر تو وراثت جاری نہیں ہوتی، مسجد کو تو بیچنا اور ہبہ کرنا جائز نہیں ہے۔ تو جب امام صاحب کے نزدیک یہ وقف کے درجے میں ہے تو وقف تو مسجد بھی ہے، تو مسجد کو تو بیچنا اور ہبہ کرنا جائز نہیں، اس میں وراثت جائز نہیں، تو اس میں پھر وہ کیسے فرماتے ہیں وراثت جاری ہوگی؟ اعتراض سمجھ میں آیا؟

تو جواب یاد رکھنا بھئی: دیکھیے مسجد، مسجد جو ہے وہ خالص اللہ کی رضا کے لیے ہوتی ہے، اس میں حق العبد کوئی نہیں ہوتا، اس میں حق العبد کوئی نہیں ہوتا۔ جبکہ یہ جو گرجا اور کنیسہ ہوتے ہیں نا اس میں باقاعدہ یہ کمرے بناتے ہیں جس کے اندر ان کے پادری اور خدمت کرنے والے رہتے ہیں بھئی، ان کی رہائش ہوتی ہے۔ اسی طرح جو ان میں سے مرجاتے ہیں اندر

ہی اگر بڑی جگہ ہو اس گرجے کے اندر ہی وہ قبرستان وغیرہ بھی چھوٹا سا بنا لیتے ہیں اور وہاں ان کو دفن کرتے ہیں۔ تو دیکھو اس سے تو حق العبد متعلق ہو گیا، یہ تو خالص حق اللہ نہیں ہے بھئی۔ تو مسجد تو خالص حق اللہ ہے، مسجد کے اندر آپ رہائش کے لیے کمرہ نہیں رکھ سکتے، مسجدوں کے ساتھ یاد رکھیں جو کمرے ہوتے ہیں رہائش کے لیے وہ مسجد کی حدود سے باہر ہوتے ہیں، وہ مسجد کے اندر داخل نہیں ہوتے، مسجد کی حدود کے اندر کسی کے لیے رہائش نہیں رکھی جا سکتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مسجد چونکہ خالص اللہ کا حق ہے اس لیے اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی، اس کو بیچنا جائز نہیں، اس کو ہبہ کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ کس کا حق ہے؟ اللہ کا حق ہے۔ جبکہ یہ جو گرجا ہے اس سے تو حق العبد بھی متعلق ہے، چونکہ اس میں حق العبد بھی متعلق ہے کیونکہ اندر وہ رہتے بھی ہیں اور قبریں بھی بناتے ہیں تو اس لیے حق العبد بھی متعلق ہے چونکہ، اس لیے اس کا بیچنا بھی جائز اور اس کا ہبہ کرنا بھی ان کے لیے جائز۔ اگر مسجد ایسی ہوتی کہ اس میں رہنا بھی جائز ہوتا، قبریں بنانا بھی جائز ہوتا، حق العبد بھی اس میں ہوتے، تو پھر اس کو بھی بیچنا جائز ہوتا لیکن اس میں چونکہ ایسا نہیں، وہ خالص کس کے لیے ہے؟ اللہ کے حق کے لیے، اس لیے وہاں پر یہ چیزیں جائز نہیں۔ فرق سمجھ میں آگیا دونوں میں؟

آگے دیکھیے بھئی: وَالْوَصِيَّةُ بِجَعْلِ اِحْدٰىهُمَا سَمّٰى قَوْمًا اَوْ لَا تَصِحُّ۔ اور وصیت کرنا بِجَعْلِ اِحْدٰىهُمَا، ان دونوں میں سے ایک کر دینے کی۔ مثلاً ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس نے کہا میرے مرنے کے بعد میرے اس گھر کو، میرے مرنے کے بعد میرے اس گھر کا کلیسا بنا دینا تاکہ اس میں اور یہودی عبادت کریں، مثلاً مرنے والا یہودی تھا۔ یا ایک شخص نے کہا میرے مرنے کے بعد میرے اس گھر سے گرجا بنا دینا تاکہ اس میں اور عیسائی عبادت کریں، اور عیسائی کیا کریں؟ عبادت کریں۔ تو کیا یہ وصیت صحیح ہے جو اس نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میرے گھر سے کلیسا بنا دیا جائے یا اس کو گرجا بنا دیا جائے؟ تو اس میں یاد رکھیے دو صورتیں ہیں: یا تو وہ کچھ معین لوگوں کا نام لے گا کہ فلاں محلے والوں کے لیے جو ہے اس کو گرجا بنا دیا جائے یا کلیسا بنا دیا جائے، یا معین قوم کو ذکر نہیں کرے گا، یعنی ویسے ہی کہہ دے گا میرے گھر کو کیا بنا دینا؟ کلیسا بنا دینا یا گرجا بنا دینا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں دونوں صورتوں میں وصیت صحیح ہے۔ چاہے وہ کسی معین لوگوں کے لیے اس کو کلیسا اور گرجا بنانے کی وصیت کرے، چاہے غیر معین کے لیے کیا کرے؟ وصیت کرے، یعنی کسی کا نام ہی نہیں ذکر کیا بس صرف اتنا کہا میرے گھر کو کیا بنا دینا؟ کلیسا یا گرجا بنا دینا۔ تو دونوں صورتوں میں امام صاحب فرماتے ہیں اس کی وصیت صحیح ہے۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں اگر معین لوگوں کے لیے وصیت کی پھر تو کلیسا اور گرجا بنانا یہ والی وصیت صحیح ہو جائے گی، اور اگر اس نے کسی کا نام نہیں لیا، کوئی معین لوگوں کا ذکر نہیں کیا تو پھر اس کی یہ وصیت باطل ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ توجہ ہے؟ امام صاحب کیا فرماتے ہیں کہ جب وہ یہ وصیت کرے تو چاہے معین لوگوں کے لیے کرے چاہے غیر معین لوگوں کے لیے کرے یہ وصیت جائز ہے، صحیح ہے، جبکہ صاحبین فرماتے ہیں اگر معین لوگوں کے لیے اس نے یہ وصیت کی ہے کہ ان کے لیے گرجا یا کلیسا اس سے بنا دینا پھر تو وصیت صحیح ہے، اور

اگر معین لوگوں کے لیے نہیں بناتا تو پھر یہ وصیت صحیح نہیں ہے۔[٢]

بھئی کیا وجہ، یہ فرق کیوں ہے؟ فرق سمجھ لیں۔ وجہ یہ، صاحبین فرماتے ہیں ابھی مسئلہ گزر گیا، امام صاحب کے نزدیک یہ کس کے درجے میں تھا؟ وقف کے درجے میں، اور صاحبین کے نزدیک یہ وقف کے درجے میں نہیں ہے بھئی۔ تو جب اس نے کیا کہا کہ میرے مرنے کے بعد میرا اس مکان کا کلیسا یا گرجا بنا دینا اور معین لوگوں کا ذکر کیا کہ فلاں محلے والوں کے لیے اسے کلیسا بنا دینا، تو یہ وصیت ہوئی۔ وصیت ہوئی اور وصیت میں کیا کیا جاتا ہے؟ دوسرے کو اپنے مال کے اندر جانشین بنایا جاتا ہے اور مالک بنایا جاتا ہے، یوں کہو دوسرے کو اپنے مال کا مالک بنایا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ مالک بنایا جاتا ہے اور یہاں پر بھی جب اس نے معین قوم کا ذکر کیا کہ ان کے لیے کلیسا بنا دینا تو معلوم ہوا یہ ان کو مالک بنا رہا ہے۔ کیا کر رہا ہے ان کو؟ مالک بنا رہا ہے، اور کیا وصیت کرنے والا اپنے مال کے ثلث کا دوسرے کو مالک بنا سکتا ہے یا نہیں بنا سکتا؟ بنا سکتا ہے، تو یہ بھی اسی طرح کر رہا ہے وصیت کر کے ان محلے والوں کے لیے کلیسا بنانے کا کہہ رہا ہے، گویا ان کو اپنے اس مکان کا مالک بنا رہا ہے، لہٰذا اس کی یہ وصیت صحیح ہو جائے گی۔

اور امام صاحب کے نزدیک، امام صاحب کے نزدیک، بھئی امام صاحب تو کیا فرماتے تھے؟ وقف کس کو کہتے تھے وقف؟ وقف کوئی چیز کرے تو ملکیت ختم نہیں ہوتی، بنانے والا پھر بھی مالک رہتا ہے، لیکن دو صورتوں میں ملکیت ختم ہو جاتی ہے، کون سی؟ ایک قاضی فیصلہ کرے، دوسرا موت کی طرف نسبت کرے۔ اور یہاں وہ وصیت کر رہا ہے، معلوم ہوا نسبت کس کی طرف کر رہا ہے؟ موت کی طرف نسبت کر رہا ہے، اور موت کی طرف نسبت کر رہا ہے تو پھر یہ چیز کیا ہو جائے گی؟ وقف ہو جائے گی، وقف ہو جائے گی۔ تو امام صاحب کے نزدیک یہ وقف کی طرح ہی ہے اور یہاں پر ان کے اعتقاد کا اعتبار ہوگا۔ وہ اپنی طرف سے اس کو کس لیے دے رہے ہیں؟ نیک کام میں لگا رہے ہیں، اللہ کی رضا کے لیے دے رہے ہیں، لہٰذا یہاں ان کے دین کے مطابق معاملہ کیا جائے گا اور اپنے دین کے اعتبار سے وہ کس میں دے رہے ہیں؟ اللہ کے لیے مکان کو وقف کر رہے ہیں، تو یہ گرجا وقف ہو جائے گا۔ امام صاحب کے نزدیک کیونکہ ان کو ان کے اعتقاد پر چھوڑا گیا ہے، وہ جیسا اپنا مذہب جس طرح عمل کرتے ہیں وہ اس پر کریں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہ امام صاحب کے نزدیک وقف ہو جائے گا چاہے کسی معین کے لیے وقف کرے چاہے غیر معین کے لیے وقف کرے۔ امام صاحب کے نزدیک موت کی طرف نسبت کی تو یہ کیا ہو جائے گا؟ وقف ہو جائے گا۔ اور اس پر اشکال ہوتا ہے وقف تو وہ ہوتا ہے جو اللہ کی رضا کے لیے ہو اور یہ تو گناہ ہے، یہ کیا ہے؟ گناہ ہے، تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ بھئی یہ اپنے اعتقاد

---

[٢] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ٢١٠):** صوتی درس کی قراءت میں «وَالْوَصِيَّةُ بِجَعْلِ اِحْدٰىهُمَا سَمّٰى قَوْمًا اَوْ لَا تَصِحُّ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «والوصيةُ بجعلِ أحدِهما سمّي قومًا، أو لا تصحّ،» منقول ہے۔

کے مطابق وہ کیا کر رہے ہیں؟ نیکی کر رہے ہیں، اپنے اعتقاد کے مطابق وہ نیکی والا کام کر رہے ہیں اور ان کو ان کے اعتقاد پر، ان کے دین جیسا وہ دین ہے ان کا، ان کو اپنے دین پر چھوڑا گیا ہے، تو لہٰذا جب وہ اس کو وقف کر رہے ہیں تو یہ وقف ہو جائے گا کیونکہ ان کا یہی اعتقاد ہے کہ اس میں اللہ کی رضا ہے، تو ان کے اعتقاد کے مطابق یہاں اس کو وقف ہی قرار دیا جائے گا۔ یہ کس کے نزدیک؟ امام صاحب کے نزدیک، چاہے کسی معین کو ذکر کرے یا معین کو ذکر نہ کرے، کہ فلاں محلے والوں کے لیے ہے ذکر کر دے یا کسی بھی محلے کا نام نہ لے، دونوں صورتوں میں ان کے نزدیک یہ وقف ہو جائے گا امام صاحب کے نزدیک۔ جبکہ صاحبین فرق کرتے ہیں، وہ کیا فرماتے ہیں کہ جب معین قوم کا جب نام لیا اس نے کہ فلاں محلے والوں کے لیے یہ گرجا یا کلیسا بنانا، تو معلوم ہوا یہ ان کو مالک بنانا چاہتا ہے اور مالک تو بنا سکتا ہے ثلث کے بقدر ان کو، وصیت کا حکم ہے، تو لہٰذا وہ مالک بن جائیں گے اگر یہ ثلث میں سے نکلتا ہے۔ اور اگر وہ کسی کا بھی نام نہیں لیتا، توجہ ہے؟ اگر وہ کسی کا بھی نام نہیں لیتا تو صاحبین فرماتے ہیں معلوم ہوا یہ وقف کرنا چاہتا ہے، کیا کرنا چاہتا ہے؟ اللہ کے لیے کرنا چاہتا ہے، اور یہ تو گناہ کا کام ہے یہ تو وقف نہیں ہو سکتا، لہٰذا اس صورت میں یہ وصیت صحیح نہیں ہے۔ فرق سمجھ میں آگیا؟ امام صاحب کے نزدیک کسی معین قوم کا نام لے یا نہ لے دونوں صورتوں میں وقف ہو جائے گا، ان کے اعتقاد کے مطابق ہم عمل کریں گے۔ اور صاحبین کے نزدیک کہ جب معین قوم کا ذکر

کر رہا ہے تو پھر گویا ان کو مالک بنا رہا ہے لہٰذا پھر تو یہ وصیت صحیح ہے، اور اگر کسی کا نام نہیں لیتا معلوم ہوا وقف کرنا چاہتا ہے تو وقف تو صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ تو گناہ کا کام ہے لہٰذا اس صورت میں وصیت باطل ہو جائے گی۔ فرق سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں: وَالْوَصِيَّةُ بِجَعْلِ اِحْدٰىهُمَا سَمّٰى قَوْمًا اَوْ لَا تَصِحُّ، اور وصیت کرنا بِجَعْلِ اِحْدٰىهُمَا ان دونوں میں سے ایک کے بنا دینے کی، یعنی کہ میرے گھر کو ان دونوں میں سے ایک چیز بنا دو، مثلاً جو اس نے وصیت کی ہے اس نے کہا اس کا کلیسا بنا دو یا اس نے وصیت کی ہے اس کا گرجا بنا دو۔ پھر دیکھیے: وَالْوَصِيَّةُ بِجَعْلِ اِحْدٰىهُمَا، اور وصیت کر دینا ان دونوں میں سے کسی ایک کے بنا دینے کی، سَمّٰى قَوْمًا اَوْ لَا (سَمّٰى کا معنی ہے معین کرنا، نام ذکر کرنا) سَمّٰى قَوْمًا اَوْ لَا، کسی قوم کو، کچھ لوگوں کو معین کرے یا نہ کرے، دونوں صورتوں میں تَصِحُّ یہ وصیت امام صاحب کے نزدیک صحیح ہے، کیونکہ یہ کیا ہے؟ ان کے نزدیک وہ وقف کر رہا ہے اور وہ وقف اپنے اعتقاد کے مطابق چونکہ اللہ کی رضا کے لیے کر رہا ہے اور ان کو ان کے اعتقاد کے مطابق معاملہ کیا جائے گا اور اس کو وقف ہی سمجھا جائے گا۔

جبکہ صاحبین اختلاف کرتے ہیں، متن میں صرف امام صاحب کا مذہب ذکر ہوا، آگے صاحبین کی بات بھی آئے گی۔

فَاِنْ اَوْصٰى يَهُوْدِيٌّ اَوْ نَصْرَانِيٌّ اَنْ يُّجْعَلَ لِقَوْمٍ مُسَمَّيْنَ بِيْعَةٌ اَوْ كَنِيْسَةٌ تَصِحُّ، اگر وصیت کی کسی یہودی نے اَوْ نَصْرَانِيٌّ یا

کسی عیسائی نے کہ اَنْ یُّجْعَلَ بنا دیا جائے لِقَوْمٍ مُسَمَّیْنَ کسی معین قوم کے لیے، معین لوگوں کے لیے بنا دیا جائے، کیا بنایا جائے؟ بِیْعَۃٌ اَوْ کَنِیْسَۃٌ کوئی کلیسا یا گرجا، تَصِحُّ تو یہ وصیت صحیح ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے یعنی دونوں کے نزدیک صحیح ہے۔ یہ امام صاحب کے نزدیک تو دونوں حالتوں میں صحیح تھا لیکن اگر قوم معین کر دے تو پھر تو صاحبین کے نزدیک بھی صحیح ہے کیونکہ وہ ان کو مالک بنا رہا ہے۔ وَلِقَوْمٍ غَیْرِ مُسَمَّیْنَ تَصِحُّ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ لَا عِنْدَھُمَا، اور غیر معین قوم کے لیے، غیر معین لوگوں کے لیے صحیح ہے امام صاحب کے نزدیک، لَا عِنْدَھُمَا نہ کہ صاحبین کے نزدیک۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ صاحبین کے نزدیک صحیح نہیں ہے، فَاِنَّ الْوَصِیَّۃَ بِالْمَعْصِیَۃِ لَا تَصِحُّ، اس لیے کیونکہ گناہ کی وصیت کرنا درست نہیں ہے صاحبین کے نزدیک۔ وہ فرماتے ہیں وقف کرنا چاہتا ہے اور گناہ کے لیے وصیت کر رہا ہے، یہ تو صحیح نہیں ہے بھئی، کیونکہ عیسائی اور یہودی مذہب تو صحیح نہیں ہے، تو جب صحیح نہیں ہے تو ان کی عبادت کے لیے ایک جگہ کو وقف کرنا یہ گناہ کا کام ہے لہٰذا یہ صحیح نہیں۔ لَہٗ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ اَنَّہٗ قُرْبَۃٌ فِیْ مُعْتَقَدِھِمْ، کہ یہ قربت ہے، عبادت ہے ان کے اعتقاد میں، وَھُمْ مَتْرُوْکُوْنَ عَلٰی مَا یَدِیْنُوْنَ، اور ان کو چھوڑ دیا گیا ہے عَلٰی مَا اسی چیز پر یَدِیْنُوْنَ جس کو وہ مذہب بناتے ہیں، یعنی ان کو ان کے مذہب پر چھوڑ دیا گیا ہے وہ جس طرح بھی مذہب پر چلتے ہیں ان کو چلنے دیا جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟[3]

اچھا یہاں لفظ آیا بھئی لِقَوْمٍ مُسَمَّیْنَ، لِقَوْمٍ مُسَمَّیْنَ بِیْعَۃٌ اَوْ کَنِیْسَۃٌ اَوْ لِقَوْمٍ غَیْرِ مُسَمَّیْنَ تَصِحُّ عِنْدَہٗ۔ بھئی یہاں لفظ آیا مُسَمَّیْنَ۔ یہ، یہاں پر بھی میں نے دیکھا اس کو انہوں نے مُسَمِّیْنَ لکھا ہوا ہے اور ہدایہ وغیرہ میں بھی میں نے دیکھا انہوں نے اس کو مُسَمِّیْنَ لکھا ہوا ہے، یعنی اعراب باقاعدہ ڈلے ہوئے ہیں، لیکن مُسَمِّیْنَ درست بنتا نہیں ہے بھئی، مُسَمَّیْنَ ہونا چاہیے، مُسَمَّیْنَ۔ یہ جمع مذکر سالم ہے، جمع مذکر سالم وہ کیا ہوتا ہے؟ مُسْلِمُوْنَ اور مُسْلِمِیْنَ۔ دیکھو یا اور نون کے ساتھ آئے تو ماقبل کسرہ آتا ہے مُسْلِمِیْنَ، اس لیے انہوں نے کہا مُسَمِّیْنَ۔ وہاں انہوں نے کیا لکھا ہے؟ مُسَمِّیْنَ۔ لیکن درست نہیں بنتا بھئی، درست اس لیے نہیں بنتا، اس لیے کیونکہ یہ جمع ہے مُسَمًّی کی۔ سَمّٰی یُسَمِّیْ تَسْمِیَۃً فَھُوَ مُسَمٍّ، سُمِّیَ یُسَمّٰی تَسْمِیَۃً فَذَاكَ مُسَمًّی۔ تو مُسَمًّی کہتے ہیں متعین، اور مُسَمٍّ کہتے ہیں متعین کرنے والا۔ تو لِقَوْمٍ مُسَمِّیْنَ ہونا چاہیے، وہ قوم جو متعین کرنے والی ہے یا ان کو متعین کیا گیا ہے؟ ان کو متعین کیا گیا ہے! تو لہٰذا اسم مفعول کا صیغہ ہونا چاہیے، اور اسم مفعول تو ہے مُسَمًّی، توجہ ہے؟ مُسَمًّی۔ اور مُسَمًّی کا جمع مذکر سالم کیسے آئے گا؟ مُسَمَّوْنَ، مُسَمَّوْنَ۔ تثنیہ آئے گا مُسَمًّی، مُسَمَّیَانِ، اور مُسَمَّوْنَ، مُسَمَّوْنَ، میم پر فتحہ ہی پڑھیں گے۔ ویسے تو مُسْلِمُوْنَ، واؤ سے ماقبل ضمہ ہوتا ہے، لیکن اگر آخر میں الف ہو، جیسے اس کی مثال باقاعدہ ہدایۃ النحو کے اندر متن کے اندر وہاں دی ہوئی ہے مُصْطَفٰی۔ مصطفیٰ کے آخر میں کیا ہے؟ الف ہے

[3] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ٢١٠): صوتی درس کی قراءت میں «یُجْعَلَ لِقَوْمٍ مُسَمَّیْنَ بِیْعَۃٌ اَوْ کَنِیْسَۃٌ تَصِحُّ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «یجعلَ القومَ مسمِّین بِیعة أو کنیسة تصحّ،» منقول ہے۔

جو یا سے بدل کر آیا ہے، الف ہے، آخر میں الف ہے اور جب الف کو گرا کر واوٗ لائیں گے تو پھر ماقبل کے فتحہ کو برقرار رکھیں گے تاکہ پتہ چلے کہ یہاں سے الف گرا ہے، تو مُصْطَفٰی اس کی جمع مذکر سالم مُصْطَفُوْنَ نہیں آئے گی بلکہ مُصْطَفَوْنَ، مُصْطَفَوْنَ، اور حالت نصبی جری میں کہیں گے مُصْطَفَیْنَ، مُصْطَفَیْنَ، اور نون پر زبر پڑھنا ہے یہ خیال رکھنا، نون پر زبر کیونکہ جمع مذکر سالم کے نون پر کیا ہوتا ہے؟ زبر ہوتا ہے، فتحہ ہے۔ تو یہاں بھی مُسَمَّیْنَ ہونا چاہیے، ہے جمع مذکر سالم ہی لیکن اس کے آخر میں چونکہ الف تھا اس لیے یا اور واوٗ سے ماقبل فتحہ پڑھیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ معنی ہے کہ اَنْ یُّجْعَلَ لِقَوْمٍ مُسَمَّیْنَ بِیْعَۃٌ اَوْ کَنِیْسَۃٌ تَصِحُّ وَلِقَوْمٍ غَیْرِ مُسَمَّیْنَ تَصِحُّ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ لَا عِنْدَھُمَا۔ مسئلہ حل ہو گیا؟ دیکھیے بھئی تو یہاں انہوں نے دو مسئلے ذکر کیے: ایک وہ صورت کہ جب کسی غیر مسلم نے اپنی صحت کی حالت میں بیعہ اور کنیسہ بنایا تو اس میں وراثت جاری ہوگی، انہوں نے بتلایا۔ اور اگر وصیت کی تو پھر اس کے اندر اختلاف ذکر کر دیا میں نے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کتنے مسئلے ذکر ہوئے؟ ایک تو کہا وَتُوْرَثُ بِیْعَۃٌ، کہ موروث ہوگا بیعہ اور کنیسہ جس کو صحت کی حالت میں بنایا گیا۔ اور دوسرا مسئلہ وصیت والا ذکر کیا۔ تو یہ جو پہلا مسئلہ ہے وَتُوْرَثُ بِیْعَۃٌ وَّکَنِیْسَۃٌ اس کا اس باب سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ اس میں صرف وراثت کی بات ذکر کی ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ اور یہ باب تو وصیتوں کا چل رہا ہے، وصیتوں کے مسائل ہیں، لیکن چونکہ اگلے مسئلے میں وصیت تھی لہٰذا اس وصیت کی وجہ سے دونوں میں فرق بتلانے کے لیے کہ ایک ہے ویسے کلیسا اور گرجا بنانا اور ایک ہے کلیسا اور گرجا کی وصیت کرنا، دونوں میں فرق ہے، تو تاکہ دونوں کا فرق بھی پتہ چل جائے اور وصیت کا بھی پتہ چل جائے جو کہ اس باب سے متعلق ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: کَوَصِیَّۃِ مُسْتَأْمِنٍ لَا وَارِثَ لَہٗ ھُنَا بِکُلِّ مَالِہٖ لِمُسْلِمٍ اَوْ ذِمِّیٍّ۔ صورتِ مسئلہ یہ کہ دارالحرب سے ایک شخص امان لے کر دارالاسلام میں آیا۔ اور یہ پہلے حربی تھا لیکن اب جب یہ دارالاسلام میں یہ غیر مسلم آگیا تو اب اس کو مستامن کہیں گے، مستامن امان کو طلب کرنے والا، تو یہ بھی امان طلب کر کے دارالاسلام میں آیا ہے۔ اب اس مستامن جو ہے اس کا یہاں دارالاسلام میں کوئی وارث نہیں، چنانچہ اس نے وصیت کر دی کہ میرا سارا مال میرے مرنے کے بعد فلاں مسلمان کو دے دینا یا فلاں غیر مسلم کو دے دینا۔ تو کیا سارے مال کی وصیت اس کی درست ہے؟ کہتے ہیں ہاں، اگر یہاں اس کا انتقال ہو جائے اور یہاں اس کا کوئی اور وارث نہ ہو تو پھر اس کی سارے مال کی وصیت کرنا صحیح ہے بھئی۔ اس لیے کیونکہ جو اس کے باقی رشتے دار ہیں وہ دارالحرب میں ہیں اور دارالحرب کے ساتھ تو ہم حالتِ جنگ میں ہیں بھئی، لہٰذا ان کا کوئی اعتبار نہیں، یوں سمجھا جائے گا کہ وہ سب مر چکے ہیں، ان کا کوئی اعتبار ہی نہیں، کیا سمجھیں گے؟ گویا وہ سب مر چکے ہیں۔ جب سب مر چکے ہیں پھر تو پورے مال کے اندر بھی وصیت نافذ کر دی جاتی ہے تو لہٰذا یہاں پر بھی اس کی وصیت کرنا صحیح ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن اگر اس کا کوئی یہاں رشتے دار ہے، کوئی اور مستامن ہے یا کوئی ذمی ہے، پھر پورے مال کی وصیت نہیں کر سکتا، پھر صرف ثلث میں ہی وصیت نافذ ہوگی۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟

کہتے ہیں: كَوَصِيَّةِ مُسْتَأْمِنٍ، جیسے کہ وصیت کرنا کسی مستامن کا، لَا وَارِثَ لَهٗ هٰهُنَا جس کا کوئی وارث یہاں پر یعنی دارالاسلام میں نہیں ہے، اس کا وصیت کرنا بِكُلِّ مَالِهٖ اپنے سارے مال کی، لِمُسْلِمٍ اَوْ ذِمِّيٍّ کسی مسلمان کے لیے یا ذمی کے لیے۔ فَاِنَّ الْوَصِيَّةَ بِكُلِّ الْمَالِ اِنَّمَا لَا تَصِحُّ لِحَقِّ الْوَرَثَةِ، اس لیے کیونکہ سارے مال کی وصیت جو ہے وہ صحیح نہیں ہوتی وارثوں کے حق کی وجہ سے، اور یہاں تو اس کا کوئی وارث ہی نہیں، کیونکہ سارے مال کی وصیت صحیح نہیں ہوتی وارثوں کے حق کی وجہ سے، وَاَمَّا الْمُسْتَأْمِنُ فَوَرَثَتُهٗ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ اور باقی جو مستامن ہے اس کے وارث تو دارالحرب میں، وہ تو دارالحرب میں ہیں، وَهُمْ فِيْ حُكْمِ الْاَمْوَاتِ اور وہ مردوں کے حکم میں ہیں۔ کیا معنی مردوں کے حکم میں؟ یعنی ان کا کوئی اعتبار نہیں، جیسے ہیں ہی نہیں بھئی، تو مردوں کے حکم میں ہیں، فَلَا مَانِعَ مِنَ الصِّحَّةِ تو کوئی مانع نہیں ہے اس وصیت کے صحیح ہونے سے، یعنی کل مال کی وصیت کے صحیح ہونے سے کوئی مانع نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ، اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔

آگے دیکھیے بھئی: بَابُ الْوَصِيِّ، یہ باب ہے وصی کے بیان میں۔ بھئی میں نے آپ کو بتلایا تھا وصیت کرنے والے کو موصی کہتے ہیں صاد کے ساتھ، اَوْصٰى يُوْصِيْ اِيْصَاءً فَهُوَ مُوْصٍ، تو موصی ہے وصیت کرنے والا۔ اور موصی لہ جس کے لیے وصیت کی گئی، اور موصی بہ جس چیز کی وصیت کی گئی، اور موصی الیہ جس کو وصیت کی گئی۔ مثلاً ایک شخص مرنے لگا اس نے زید سے کہا کہ دیکھو میرے مرنے کے بعد میرے مال کا ثلث بکر کو دے دینا، تو یہ اس نے وصیت کس کو کی؟ زید کو، اور کس کے لیے کی؟ بکر کے لیے، اور کتنے مال کی وصیت کی؟ ثلث مال کی۔ تو جو وصیت کرنے والا ہے وہ ہے موصی، اور کس کے لیے وصیت کی؟ بکر کے لیے، تو بکر ہوا موصی لہ، اور ثلث مال جس کی وصیت کی وہ ہوا موصی بہ، اور جس کو وصیت کی، جس کو نگران بنایا، ذمہ دار بنایا یعنی زید، وہ ہے موصی الیہ، وہ کیا ہے؟ موصی الیہ۔ اور اسی موصی الیہ کو وصی کہتے ہیں، وَصِيٌّ یا مشدد ہے۔ تو موصی الیہ کے بجائے وصی کا لفظ بولا جاتا ہے کیونکہ یہ مختصر ہے بھئی۔ تو اب اس باب میں اس وصی کا بیان ہوگا جس کو کوئی شخص ذمہ دار بناتا ہے، اپنے کاموں کا نگران بناتا ہے، اس کو وصیت کرتا ہے، وہ ہے وصی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی یہی تفصیل بیان کر رہے ہیں: يُقَالُ، عربی میں کہتے ہیں اَوْصٰى اِلٰى فُلَانٍ کہ فلاں کی طرف وصیت کی، کیا معنی؟ اَيْ فَوَّضَ اِلَيْهِ التَّصَرُّفَ فِيْ مَالِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ (فَوَّضَ کا معنی سپرد کرنا) اَيْ فَوَّضَ اِلَيْهِ یعنی اس نے سپرد کر دیا اس کے، کس چیز کو سپرد کیا؟ التَّصَرُّفَ فِيْ مَالِهٖ اپنے مال میں تصرف کو، بَعْدَ مَوْتِهٖ اپنی موت کے بعد۔ بات سمجھ میں آئی؟ تو یہ دیکھو يُقَالُ عربی میں کہتے ہیں اَوْصٰى اِلٰى فُلَانٍ کہ فلاں کی طرف وصیت کی، اَيْ فَوَّضَ اِلَيْهِ التَّصَرُّفَ فِيْ مَالِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ، یعنی اپنی موت کے بعد اپنے مال کے اندر جو تصرف ہے وہ اس کے سپرد کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ وَالْاِسْمُ مِنْهُ الْوِصَايَةُ بِالْكَسْرِ وَالْفَتْحِ، اور اسم جو آتا ہے اس اَوْصٰى يُوْصِيْ سے وہ وصایہ ہے بِالْكَسْرِ وَالْفَتْحِ کسرہ اور فتحہ کے ساتھ، یعنی اس میں واؤ پر

کسرہ بھی عربوں سے ہم نے سنا ہے اور فتحہ بھی سنا ہے، وِصَایَۃٌ بھی صحیح اور وَصَایَۃٌ بھی صحیح ہے۔ تو وِصایہ اور وَصایہ کا معنی ہے وصی بننا، وصی ہونا، کسی کا جانشین بننا، یا یوں کہو جانشینی۔ وِصایہ کا کیا معنی ہے؟ جانشینی۔ بھئی دیکھو نا یہ جو وصی بناتا ہے، کوئی اپنے معاملات دوسرے کے سپرد کرتا ہے موت کے بعد، تو گویا اس کو اپنا جانشین بنا رہا ہے، اپنا خلیفہ بنا رہا ہے۔ تو وِصایہ کا معنی ہے خلیفہ بنانا یا یوں کہو خلافت اور جانشینی بھئی۔ وَالْمُفَوَّضُ اِلَیْہِ الْوَصِیُّ، اور وہ جس کے سپرد کیا گیا، الْوَصِیُّ وہ وصی ہے، اس کو وصی کہتے ہیں۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

وَمَنْ اَوْصٰی اِلٰی زَیْدٍ۔ بھئی دیکھیے یہاں پر اب اَوْصٰی اِلٰی زَیْدٍ یہ لفظ آئیں گے بار بار۔ مَنْ اَوْصٰی لِزَیْدٍ جس نے وصیت کی زید کو، جس نے، ترجمے پہ نظر رکھو، وَمَنْ اَوْصٰی اِلٰی زَیْدٍ جس نے وصیت کی زید کو، دیکھو اَوْصٰی لَہٗ نہیں ہے، اَوْصٰی لِزَیْدٍ نہیں ہے، اِلٰی لایا اِلٰی، مُوْصًی اِلَیْہِ وہاں پر بھی دیکھو اِلٰی آتا ہے۔ تو اَوْصٰی اِلٰی زَیْدٍ کا کیا معنی؟ زید کو وصیت کی، یا بہتر ترجمہ یوں کریں: زید کو وصی بنایا۔ زید کو وصی بنایا۔ وَمَنْ اَوْصٰی اِلٰی زَیْدٍ اور جس نے زید کو وصی بنایا، وَقَبِلَ عِنْدَہٗ۔ اچھا یہ سمجھ لیں پہلے۔ یاد رکھیے یہ جب کوئی شخص کسی کو وصی بناتا ہے تو اس کو اپنا جانشین بناتا ہے، اس کو اپنے کاموں کا ذمہ دار بناتا ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ وہ دوسرا شخص وہ جو وصی ہے وہ بھی قبول کرے اس کو۔ اگر وہ قبول نہیں کرتا وہ رد بھی کر سکتا ہے، تو لیکن اس کا قبول کرنا ضروری ہے پھر وہ وصی بن جائے گا۔ لہٰذا ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ میں مرنے لگا ہوں میرے مرنے کے بعد تم میرے مال کا ثلث اس اس طرح فلاں فلاں کو دے دینا، اور اس نے قبول کر لیا تو یہ وصی بن گیا۔ لیکن اگر اس نے اس کو کہا کہ تم ایسا کرنا اور اس نے قبول یا انکار ابھی نہیں کیا تھا اس سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو گیا، تو ابھی بھی اس پر وصی بننا لازم نہیں، وہ موت کے بعد بھی قبول بھی کر سکتا ہے اور رد بھی کر سکتا ہے۔ لیکن اگر ایک دفعہ زندگی میں اس کے سامنے قبول کر لیا پھر اس کے بعد اس کی غیر موجودگی میں رد کرنا صحیح نہیں ہے۔ مثلاً ایک شخص کو زید نے وصی بنایا کہ میرے مرنے کے بعد میرے مال کے ثلث میں اس اس طرح اس کو لوگوں کو دے دینا، اور اس شخص نے قبول کر لیا زید کے سامنے کہ ٹھیک ہے میں یہ کام کر لوں گا، تو وہ وصی بن گیا۔ اب بعد میں وہ زید کی غیر موجودگی میں وہ رد کرتا ہے اس کو کہ میں کوئی وصی نہیں ہوں، نہیں بھئی غیر موجودگی میں آپ اس کو رد نہیں کر سکتے، آپ وصی ہیں، آپ اب بھی کیا ہیں؟ وصی۔ ہاں زید کے سامنے آکر رد کر دو پھر آپ وصی نہیں رہیں گے کیونکہ اب زید کسی اور کو مقرر کر دے گا، لیکن اگر آپ لاعلمی کے اندر ہی رد کرتے ہیں یہ تو آپ اس آدمی کو نقصان دینا چاہتے ہیں، وہ بیچارہ آپ پر اعتماد کر کے مطمئن ہو گیا کہ یہ میرے بعد یہ سارا کچھ میرے مال کو سنبھالے گا اور اس کی تقسیم کر دے گا، اور آپ گویا اس کو دھوکہ دے رہے ہیں، اس کی غیر موجودگی میں انکار کر رہے ہیں، اس کے سامنے ہاں کہا تھا اور اب آپ اس کو رد کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا رد بھی کرنا ہے تو سامنے ہی کرنا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَمَنْ اَوْصٰی اِلٰی زَیْدٍ اور جس نے زید کو وصی بنایا، وَقَبِلَ عِنْدَهٗ اور زید نے اس کے پاس قبول کر لیا، فَاِنْ رَدَّ عِنْدَهٗ رَدَّ وَّاِلَّا لَا۔ پس اگر زید نے رد کیا اس کے پاس ہی یعنی اس کے سامنے ہی، تو رَدٌّ تو پھر تو یہ رد ہے، وَّاِلَّا لَا ورنہ یہ رد نہیں ہے۔ وَاِنَّمَا لَا یَصِحُّ الرَّدُّ بِغَیْبَتِهٖ اور موصی کی غیر موجودگی میں رد کرنا صحیح نہیں ہے، لِاَنَّهٗ اعْتَمَدَ عَلَیْهِ اس لیے کیونکہ اس نے اس آدمی پر اعتماد کیا، حَیْثُ قَبِلَهٗ بِحُضُوْرِهٖ اس حیثیت سے کہ اس یعنی زید نے قبول کر لیا تھا اس کی موجودگی میں، فَاِنْ صَحَّ الرَّدُّ بِغَیْبَتِهٖ پس اگر صحیح ہو جائے اس کی غیر موجودگی میں رد کرنا، یَلْزَمُ الْغُرُوْرُ پھر تو دھوکہ لازم آتا ہے، معلوم ہوا یہ زید تو اس کو دھوکہ دے رہا ہے، تو یہ درست نہیں ہے، رد کرنا ہے تو اس کے سامنے ہی رد کرنا پڑے گا۔

فَاِنْ سَکَتَ فَمَاتَ مُوْصِیْهِ۔ اچھا صورت یہ کہ ایک شخص نے زید کو اپنا وصی بنایا کہ میرے مرنے کے بعد میرے مال کے ثلث کو اس اس جگہ لگا دینا۔ زید خاموش رہا، کوئی جواب نہیں دیا، اور اتنے میں اس آدمی کا انتقال ہو گیا، تو ابھی بھی زید وصی نہیں بنا، ابھی بھی اس کو قبول اور رد کرنے کا اختیار ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: فَاِنْ سَکَتَ اگر وہ زید جو ہے وہ خاموش رہا، فَمَاتَ مُوْصِیْهِ تو اس کو وصیت کرنے والا جو ہے وہ مر گیا، فَلَهٗ رَدُّهٗ وَضِدُّهٗ تو زید کے لیے جائز ہے رَدُّهٗ اس کو رد کرنا، اس وصیت کو تو زید کے لیے جائز ہے اس کو رد کرنا بھی، وَضِدُّهٗ اور رد کی ضد جو ہے یعنی قبول کرنا بھی جائز ہے۔ تو فَلَهٗ رَدُّهٗ وَضِدُّهٗ تو زید کے لیے رد بھی جائز ہے اور ضد بھی جائز ہے، بھئی ضد کیا معنی؟ بھئی اَیِ الْقَبُوْلُ یعنی کہ قبول کرنا بھی جائز ہے۔

وَلَزِمَ بَیْعُ شَیْءٍ مِّنَ التَّرِکَةِ وَاِنْ جَهِلَ بِهٖ۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے زید کو اپنا وصی بنایا۔ زید وہاں نہیں تھا، زید کی غیر موجودگی میں اس نے کیا کہا؟ زید میرا وصی ہے، میرے مرنے کے بعد میرے کام وہ سرانجام دے گا۔ تو زید کو علم نہیں ہے۔ تو زید کو ابھی علم نہیں تھا کہ میت نے مجھے اپنا وصی مقرر کیا ہے، اور اسی لاعلمی کی حالت میں زید نے ترکے میں سے کوئی چیز بیچ دی، ترکے میں سے کوئی چیز بیچ دی، تو کہتے ہیں کہ یہ بیع لازم ہو جائے گی یعنی صحیح ہو جائے گی، صحیح ہو جائے گی۔ بھئی کیوں، صحیح کیوں ہوگی؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ زید اس کا وصی ہے۔ بھئی ابھی تو زید کو پتہ ہی نہیں ہے کہ میں وصی ہوں، تو لہٰذا یہ بیع صحیح نہیں ہونی چاہیے، یہ تو غیر کے مال کو بیچ رہا ہے؟ کہتے ہیں کہ وصی کے اندر علم ضروری نہیں ہے۔ وصی کا معنی ہے جانشین اور خلیفہ، جانشین اور خلیفہ، اور جانشین اور خلیفہ تب بنتا ہے جب جو اصل ہے وہ موجود نہ ہو۔ جب اصل موجود نہ ہو تو دوسرا اس کا جانشین بن جاتا ہے اور چاہے اس کو علم ہو چاہے علم نہ ہو۔ تو یہاں پر بھی جب وہ شخص مر گیا تو اس نے زید کو وصی بنایا تھا تو زید خود بخود وصی بن جائے گا چاہے اس کو علم ہو یا علم نہ ہو بھئی۔ جبکہ اس کے مقابلے میں وکیل اگر، ایک آدمی نے دوسرے کو وکیل بنایا وکیل، کہ تم میری یہ گاڑی بیچ دو، لیکن ابھی اس کو پتہ نہیں ہے وکیل غائب ہے، غیر موجودگی میں اس نے اس کو وکیل بنا دیا، بعد میں وکیل نے اس کی گاڑی بیچ دی تو یہ وکیل کا بیچنا جائز نہیں کیونکہ ابھی اس کو علم ہی نہیں ہے وہ وکیل بنا ہی نہیں ہے۔ تو وکیل جو ہوتا ہے نا وہ دراصل نائب ہوتا ہے کسی

کا، خلیفہ نہیں ہوتا، اس کا فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ وصی کیا ہوتا ہے؟ خلیفہ، جانشین، جب اصل نہ رہا، مرگیا تو خود بخود کون بن گیا اس کی جگہ جانشین؟ جانشین اس کی جگہ پر آگیا چاہے اس کو علم ہو یا علم نہ ہو، لیکن نائب جو ہوتا ہے نا نائب وہ اس میں علم ضروری ہے۔ اور وکیل موکل کا نائب ہوتا ہے اس کا جانشین نہیں ہوتا، کیونکہ موکل بھی زندہ ہوتا ہے یا نہیں؟ جب کسی کو، میں نے ایک آدمی سے کہا جاؤ بھئی میرے لیے گاڑی خرید کر لے آؤ، تو دیکھو موکل بھی زندہ ہے، وکیل بھی زندہ ہے، تو یہ اس کا جانشین نہیں ہے اس کا نائب ہے، حتیٰ کہ جب میں نے کسی کو وکیل بنا دیا تو میرے سامنے کھڑے ہو کر وہ کسی شخص کے ساتھ گاڑی کی خرید و فروخت کا معاملہ کرتا ہے تو اس کے لیے جائز ہے، حالانکہ دیکھو یہاں تو اصل موجود ہے، اصل کے ہوتے ہوئے تو جانشین اس کی جگہ نہیں کام کر سکتا، لیکن یہاں جانشین وکیل ہوتا ہی نہیں ہے وہ تو نائب ہے، ایک تصرف کے اندر اس کو کیا بنا دیا؟ اپنا نائب بنا دیا کہ میری طرف سے آپ کر لو چاہے میری موجودگی میں ہی کر لو لیکن آپ میرے نائب ہو کر یہ کر لو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو وکالت جو ہے وہ نیابت ہے، وہ نائب بننا ہے، نائب ہونا ہے، اور نیابت کے اندر علم ضروری ہے۔ لہٰذا اگر وکیل نے کسی کی کوئی چیز بیچ دی اور ابھی اس کو توکیل کا علم نہیں تھا تو یہ بیع اس کی صحیح نہیں ہے بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ یعنی یہ بیع لازم نہیں ہے، یہ بیع لازم نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: وَلَزِمَ بَيْعُ شَيْءٍ مِّنَ التَّرِكَةِ، اور لازم ہو جائے گی کسی چیز کی بیع مِنَ التَّرِكَةِ ترکہ میں سے، ترکہ میں سے کسی چیز کی بیع لازم ہو جائے گی جب کون کرے یہ بیع؟ وصی کرے۔ وَاِنْ جَهِلَ بِهٖ اگرچہ وہ اس سے لاعلم ہو، اگرچہ وہ وصی بنانے سے، وصی بننے سے لاعلم ہو۔ وَاِنْ جَهِلَ بِهٖ اگرچہ وہ اس سے لاعلم ہو، بھئی کس چیز سے لاعلم ہو؟ اَيْ بِالْاِيْصَاءِ ایصاء سے یعنی وصی بنانے سے لاعلم ہو۔ فَاِنَّ الْوَصِيَّ اِذَا بَاعَ شَيْئًا مِّنَ التَّرِكَةِ مِنْ غَيْرِ عِلْمٍ بِالْاِيْصَاءِ يَنْفُذُ الْبَيْعُ، اس لیے کیونکہ وصی جب وہ بیچ دیتا ہے کسی چیز کو ترکے میں سے مِنْ غَيْرِ عِلْمٍ بِالْاِيْصَاءِ بغیر وصیت کے علم کے ہی، تو يَنْفُذُ الْبَيْعُ تو بیع نافذ ہو جائے گی یعنی لازم ہو جائے گی۔ بِخِلَافِ الْوَكِيْلِ اِذَا بَاعَ شَيْئًا بِلَا عِلْمٍ بِالْوَكَالَةِ، بخلاف وکیل کے جب وہ کسی چیز کو بیچ دے وکالت کے علم کے بغیر ہی، تو پھر وہ بیع لازم نہیں، بیع تو ہو جائے گی لیکن وہ موکل کی اجازت پر موقوف ہے، اجازت دے گا تو ہو جائے گی، اجازت نہیں دے گا تو نہیں ہوگی بھئی۔ جبکہ پہلی صورت میں بیع لازم ہو گئی اب اس کو کوئی فسخ نہیں کر سکتا بھئی۔

آگے دیکھیے: فَاِنْ رَدَّ بَعْدَ مَوْتِهٖ ثُمَّ قَبِلَ صَحَّ اِلَّا اِذَا اَنْفَذَ قَاضٍ رَدَّهٗ۔ ایک شخص کو دوسرے نے وصی بنایا، وصی بنایا، اور وصی کے لیے قبول کرنا ضروری ہے، اس نے قبول ابھی نہیں کیا تھا کہ موصی کا انتقال ہو گیا۔ موصی کے مرنے کے بعد اس وصی نے رد کر دیا، وصی بننے کو رد کر دیا کہ میں نہیں وصی بنتا۔ بھئی اس کو اختیار تھا کہ چاہے قبول کرے چاہے رد کرے، اس نے رد کر دیا۔ پھر ایک آدھ دن بعد اس کو خیال آیا کہ نہیں مجھے کر لینا چاہیے بھئی، چنانچہ اس نے بعد میں پھر

قبول کر لیا۔ تو کیا ایک دفعہ رد کے بعد وہ دوبارہ قبول کر سکتا ہے؟ کہتے ہیں ہاں، ایک دفعہ رد کے بعد بھی وہ دوبارہ قبول کر سکتا ہے، الایہ، الایہ کہ قاضی فیصلہ کر دے اس کے بارے میں، قاضی کیا کر دے؟ فیصلہ کر دے۔ مثلاً اس نے کہا تھا میں وصی نہیں بنتا، رد کر دیا تھا، اور پھر کوئی اس مسئلے کو قاضی کے پاس لے گیا کہ جی قاضی صاحب اس نے تو انکار کر دیا ہے کوئی اور وصی مقرر کریں، تو چنانچہ قاضی نے فیصلہ کر دیا کہ ہاں بھئی یہ وصی نہیں ہے اس نے انکار کر دیا ہے۔ جب قاضی نے فیصلہ کر دیا تو اب یہ وصی نہیں ہے، اب یہ دوبارہ قبول نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر قاضی نے فیصلہ نہیں کیا تو ایک دفعہ رد کرنے کے بعد بھی یہ دوبارہ قبول کر سکتا ہے۔

فَاِنْ رَدَّ بَعْدَ مَوْتِهٖ اگر وصی نے رد کر دیا موصی کی موت کے بعد، ثُمَّ قَبِلَ پھر دوبارہ قبول کر لیا، صَحَّ تو یہ قبول کرنا صحیح ہے، اِلَّا اِذَا اَنْفَذَ قَاضٍ رَدَّهٗ مگر یہ کہ نافذ کر دے قاضی اس کے رد کو۔ اس وصی نے جو رد کیا ہے اس رد کو اگر قاضی کیا کر دے؟ نافذ کر دے، فیصلہ کر دے کہ ہاں بھئی اس نے رد کر دیا ہے، تو بس اب وہ پکا نکل گیا اب وہ وصی نہیں بن سکتا۔ اِذْ بِمُجَرَّدِ الرَّدِّ لَا تَبْطُلُ الْوِصَايَةُ، اس لیے کیونکہ صرف رد کر دینے سے وصایہ باطل نہیں ہوتی، جانشینی باطل نہیں ہوتی۔ کیوں؟ بھئی رد کرنے سے کیوں نہیں باطل ہوتی؟ کہتے ہیں: لِاَنَّ فِيْ بُطْلَانِهٖ ضَرَرًا بِالْمَيِّتِ اس لیے کیونکہ اس کو باطل کرنے میں میت کا نقصان ہے، کیونکہ میت تو اس دنیا سے جا چکا ہے وہ کسی اور کو تو وصی بنا ہی نہیں سکتا بھئی، تو اس صورت میں کیا ہوگا؟ میت کو، میت کا نقصان ہو جائے گا، میت کا تو اسی پر اعتماد تھا اسی لیے نا اس نے اس کو اپنا وصی بنایا تھا، تو لہٰذا صرف رد کر دے تو ہم کہہ دیں نہیں اب دوبارہ قبول کر ہی نہیں سکتا، نہیں نہیں اس میں میت کا نقصان ہے۔ لہٰذا صرف اس کے رد سے اس کی وصایہ باطل نہیں ہوگی، ابھی بھی قبول کر سکتا ہے، الایہ کہ مسئلہ کہاں تک چلا گیا؟ قاضی کے پاس، اور پھر قاضی نے فیصلہ کر دیا باقاعدہ اور اس نے پوچھا باقاعدہ اس کو بلا کر کہ ہاں بھئی تم نے رد کیا ہے؟ اس نے کہا ہاں جی میں رد کر، میں نے کر دیا ہے، تو اب جب قاضی نے فیصلہ نافذ کر دیا تو بالکل رد ہو گیا گویا، اب وہ نہیں آ سکتا، اب قبول نہیں کر سکتا۔ تو کہتے ہیں: لِاَنَّ فِيْ بُطْلَانِهٖ ضَرَرًا بِالْمَيِّتِ اس لیے کیونکہ ایصاء کو باطل کرنے میں میت کا ضرر ہے، نقصان ہے، اِلَّا اِذَا تَاَكَّدَ ذٰلِكَ بِحُكْمِ الْقَاضِيْ مگر یہ کہ جب وہ رد پکا ہو جائے قاضی کے فیصلے سے، پھر قبول نہیں کر سکتا۔

وَاِلٰى عَبْدٍ اَوْ كَافِرٍ اَوْ فَاسِقٍ بَدَّلَهُ الْقَاضِيْ بِغَيْرِهٖ۔ اور اگر کسی نے وصی بنایا غلام کو، اَوْ كَافِرٍ یا کافر کو، اَوْ فَاسِقٍ یا کسی فاسق آدمی کو جس کے گناہ زیادہ اور نیکیاں کم، جو دینی چیزوں، دینی امور کا لحاظ نہیں رکھتا تو وہ فاسق ہے، تو کسی نے غلام، کافر یا فاسق کو وصی بنایا تو بَدَّلَهُ الْقَاضِيْ بِغَيْرِهٖ تو بدل دے گا اس کو قاضی بِغَيْرِهٖ اس کے علاوہ سے، کسی اور کو اس کی جگہ پر قاضی وصی بنائے گا، ان کو بدل دے گا۔

تو غلام، کافر یا فاسق کو اگر کوئی وصی مقرر کرتا ہے تو قاضی ان کو بدل دے گا۔ غلام کو تو اس لیے بدلے گا کیونکہ غلام کو ولایت حاصل نہیں ہے تو یہاں پر تو ہر طرح کے تصرفات کی ضرورت پڑے گی، تو جب اس کو ولایت حاصل نہیں ہے

تو وہ کیسے سارے تصرفات کر سکے گا؟ اور نیز پتہ نہیں غلام کو اس کا آقا اجازت دیتا ہے یا نہیں، آقا تو اسے اپنے خدمت کے کاموں میں

مصروف رکھے گا، اور پتہ نہیں یہ جو وصیت کے معاملات ہیں ان کو نافذ کرنا اس سارے کی آقا اس کو اجازت پتہ نہیں دیتا ہے یا اجازت نہیں دیتا۔ اور نیز کافر کو بھی بدل دے گا قاضی، اس لیے کیونکہ کافر جو ہے وہ اگرچہ اس کو ولایت تو حاصل ہے لیکن اس کا دین تو الگ ہے، اور یہ جو وصی ہوتا ہے یہاں شفقت مقصود ہوتی ہے کہ وہ سب پر شفقت کرے گا، ساروں کا خیال رکھے گا تصرفات کرتے ہوئے، کسی کے حق میں کوئی کمی وغیرہ نہ ہو، کسی کا کوئی نقصان نہ ہو۔ تو جو کافر ہے اس کا تو دین الگ ہے بھئی، تو کہیں ایسا نہ ہو وہ دین الگ ہونے کی وجہ سے مسلمان کے حق میں اس کی چیزوں کا خیال نہ رکھے، شفقت پوری طرح نہ کرے بھئی۔ اور نیز فاسق کو بھی بدل دے گا قاضی، اس لیے کیونکہ فاسق وہ تو دینی چیزوں کا لحاظ نہیں رکھتا تو کہیں ایسا نہ ہو وہ یہاں پر مال کے اندر خیانت شروع کر دے، اور اس نے تو ہر طرح کے تصرفات کرنے ہیں تو کہیں ایسا نہ ہو وہ خیانت کرنا شروع کر دے اور اپنے لیے مال اس میں سے نکالنا شروع کر دے، خیانت کرے، لہٰذا ان تینوں کو قاضی بدل دے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو قِيْلَ، تو کہا گیا ہے: اَلْوِصَايَةُ صَحِيْحَةٌ وَّاِنَّمَا تَبْطُلُ بِاِخْرَاجِ الْقَاضِيْ، کہا گیا ہے، اس میں اب کئی اقوال ہیں، کہتے ہیں کہا گیا ہے کہ اَلْوِصَايَةُ صَحِيْحَةٌ یہاں وصی بنانا تو صحیح ہے وَاِنَّمَا تَبْطُلُ بِاِخْرَاجِ الْقَاضِيْ اور یہ وصایہ باطل ہو جائے گا قاضی کے نکالنے سے، یعنی غلام کو، کافر کو یا فاسق کو وصی بنانا تو صحیح، اور قاضی کے باطل کرنے سے پھر ان کی وصایہ کیا ہو جائے گا؟ ان کی جانشینی باطل ہو جائے گی، ویسے صحیح ہے۔ ویسے صحیح، اس لیے کیونکہ کیا کہا؟ بَدَّلَهُ الْقَاضِيْ، قاضی ان کو بدل دے گا، معلوم ہوا وصی بن گئے تھے یہ لیکن پھر قاضی کیا کرے گا؟ بدل دے گا۔

تو کہتے ہیں: وَقِيْلَ فِي الْعَبْدِ بَاطِلَةٌ وَفِيْ غَيْرِهٖ صَحِيْحَةٌ، اور کہا گیا ہے کہ غلام کے اندر جو ایصاء ہے یہ باطل ہے، وَفِيْ غَيْرِهٖ صَحِيْحَةٌ اور غلام کے علاوہ باقی دونوں کے اندر وصایہ صحیح۔ بھئی بات یہ آئی نا متن کے اندر، متن کے اندر آیا کہ کسی نے غلام کو یا کافر کو یا فاسق کو وصی بنایا تو قاضی ان کو بدل دے گا، تو بعضوں نے کہا کہ معنی یہ ہے کہ ان کو وصی بنانا ٹھیک ہی نہیں ہے، یہ وصی بن ہی نہیں سکتے، لیکن بتلا دیا کہ بعضوں نے کہا ہے کہ وصایہ صحیح ہے اس لیے کیونکہ ماتن نے کیا فرمایا؟ قاضی ان کو بدل دے گا، جب بدلنے کا معنی یہ ہے یہ وصی بن سکتے ہیں اور بن گئے ہیں لیکن قاضی ان کو بدل دے گا۔ جبکہ بعض کہتے ہیں کہ غلام کے اندر تو وصایہ باطل ہے وَفِيْ غَيْرِهٖ صَحِيْحَةٌ اور باقیوں میں صحیح ہے۔ غلام میں وصایہ، غلام کو تو وصی بنا ہی نہیں سکتے کیونکہ اس کو ولایت حاصل نہیں ہے تو وہ سارے تصرفات کیسے کرے گا یہاں پر جب ولایت اس کو نہیں ہے؟ تو غلام میں وصایہ باطل اور باقیوں میں وصایہ صحیح تو ہے لیکن قاضی ان کو بدل دے گا بھئی۔

وَقِيْلَ اور کہا گیا ہے: فِي الْكَافِرِ بَاطِلَةٌ کہ صرف کافر کے اندر وصایہ جو ہے وہ باطل ہے، باقیوں کے اندر وصایہ صحیح

ہے لیکن قاضی ان کو بدل دے گا، جبکہ کافر کے اندر تو وصایہ صحیح ہی نہیں، یہ بعض کا قول ہے۔ تو کہتے ہیں: وَقِيْلَ فِي الْكَافِرِ بَاطِلَةٌ اور کافر میں وصایہ باطل ہے، بھئی کیوں؟ کافر میں کیوں باطل ہے؟ کہتے ہیں: لِعَدَمِ وِلَايَتِهٖ عَلَى الْمُسْلِمِ اس لیے کیونکہ کافر کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں ہے کہ مسلمان پر اس کو ولایت دے دی جائے، اس کے تصرفات یہ کرے، کافر کو یہ ولایت حاصل نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں کافر کے اندر یہ وصایہ باطل ہے کیونکہ اس کو ولایت نہیں ہے مسلمان پر، وَفِيْ غَيْرِهٖ صَحِيْحَةٌ اور باقی غلام اور فاسق کے اندر یہ وصایہ صحیح ہے لیکن ان کو بھی قاضی بدل دے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: وَاِلٰى عَبْدِهٖ صَحَّ اِنْ كَانَ وَرَثَتُهٗ صِغَارًا وَّاِلَّا لَا۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص کا انتقال ہونے لگا، اس کے بچے چھوٹے چھوٹے ہیں، اس کے وارث بھئی، وارث کیا ہیں اس کے؟ چھوٹے، یعنی نابالغ ہیں نابالغ ہیں، تو اس نے اپنے ہی غلام کو وصی بنا دیا۔ تو کیا اپنے ہی غلام کو نابالغوں پر وصی بنانا صحیح ہے؟ کہتے ہیں ہاں بھئی، اگر وارث چھوٹے ہیں تو ان پر اپنے ہی غلام کو وصی بنا سکتا ہے، لیکن اگر وہ ورثہ سارے چھوٹے نہیں ہیں بلکہ ان میں بڑے بھی ہیں، بالغ بھی ہیں، پھر اپنے غلام کو ان پر وصی نہیں بنا سکتا۔ دیکھیے بھئی کہتے ہیں: وَاِلٰى عَبْدِهٖ، دیکھا؟ اَوْصٰى اِلٰى عَبْدِهٖ، اور اَوْصٰى اِلٰى عَبْدِهٖ کیا ترجمہ کریں میں نے بتلایا؟ اپنے غلام کو وصیت کی یوں ترجمہ کر لیں یا اپنے غلام کو وصی بنایا۔ وَاِلٰى عَبْدِهٖ اور اپنے غلام کو کسی نے وصی بنایا تو صَحَّ یہ صحیح ہے، اِنْ كَانَ وَرَثَتُهٗ صِغَارًا اگر اس کے وارث جو ہیں وہ نابالغ ہیں، وَّاِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو یعنی وارث سارے نابالغ نہیں ہیں کچھ بڑے بھی ہیں، تو لَا پھر اس کو وصی بنانا صحیح نہیں۔

هٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ یہ امام صاحب کے نزدیک ہے، وَقَالَا اور صاحبین فرماتے ہیں لَا تَصِحُّ کہ اگر صرف نابالغ ہوں سارے پھر بھی غلام کو وصی نہیں بنا سکتا، اپنے غلام کو ان پر وصی نہیں بنا سکتا۔ تو وَقَالَا صاحبین فرماتے ہیں لَا تَصِحُّ اپنے غلام کو اپنے وارثوں پر وصی بنانا صحیح نہیں، وَاِنْ كَانَتِ الْوَرَثَةُ صِغَارًا اگرچہ وارث جو ہیں وہ چھوٹے ہوں نابالغ ہوں، وَهُوَ الْقِيَاسُ اور یہی قیاس بھی ہے، یہی قیاس بھی ہے، لِاَنَّهٗ قَلْبُ الْمَشْرُوْعِ اس لیے کیونکہ یہ تو قلبِ مشروع ہے، ایک چیز جو مشروع ہے جو شریعت نے بتلائی ہے یہ تو اس کو الٹا دینا ہے۔ قلب کا معنی پلٹا دینا، الٹ دینا، کیونکہ یہ تو قلبِ مشروع ہے۔ مشروع کا معنی جو چیز جائز ہو، کیا ہو؟ جائز ہو، جو شریعت نے بتلائی ہے تو وہ مشروع ہے، جائز ہے۔ تو یہ تو یہ قلبِ مشروع ہے، ایک مشروع چیز کو پلٹا دینا ہے۔ مشروع تو کیا ہے؟ کہ مالک کو مملوک پر ولایت ہوتی ہے۔ توجہ ہے؟ غلام ہے اور باندی ہے نا تو ان پر ولایت کس کو حاصل ہے؟ مالک کو، تو مالک کو ولایت ہوتی ہے مملوک پر۔ اور یہاں پر وہ جو ورثہ ہیں وہ اس غلام کے مالک ہیں، اور اس غلام کو اگر آپ وصی بنا دیتے ہیں تو وصی کو تو ولایت حاصل ہو گئی ان نابالغوں پر، تو یہ تو قلب المشروع ہوا مملوک کو ولایت دے دی آپ نے مالکوں پر! تو ہوتا تو کیا ہے؟ مالکوں کو ولایت ہوتی ہے مملوک پر، اور آپ نے جب وصی بنا دیا اور باقی بچے وہ نابالغ ہیں تو آپ نے کیا کیا؟ قلبِ مشروع کیا یعنی مملوک کو ولایت دے دی مالکوں پر۔ تو اس لیے کہتے ہیں قیاس کے اعتبار سے یہ جائز نہیں۔ صاحبین کی دلیل کیا ہے؟ قیاس۔ تو کہتے ہیں وَهُوَ الْقِيَاسُ

اور یہی قیاس بھی ہے لِاَنَّهٗ قَلْبُ الْمَشْرُوْعِ اس لیے کیونکہ یہ تو قلبِ مشروع ہے، ایک مشروع چیز کو پلٹ دینا ہے، الٹا دینا ہے۔

لَهٗ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ اَنَّ لِعَبْدِهٖ مِنَ الشَّفَقَةِ مَا لَا يَكُوْنُ لِغَيْرِهٖ، امام صاحب فرماتے ہیں کہ جو اپنا غلام ہوتا ہے کسی آدمی کا اپنا غلام، اس غلام کی مالک کے بچوں پر وہ شفقت ہوتی ہے جو کسی اور کی نہیں ہو سکتی، کیونکہ غلام کو پتہ ہے یہ میرا مالک ہے اور یہ میرے مالک کے بچے ہیں تو وہ ان کا بہت زیادہ خیال رکھتا ہے، ان پر بہت زیادہ شفقت کرتا ہے۔ اور کوئی ملازم کی بات نہیں ہو رہی، ملازم بھی ہوتا ہے دیکھو کسی آدمی کا ملازم وہ جس کا ملازم ہوتا ہے اس کے بچوں پر شفقت کرتا ہے، ان کا خیال رکھتا ہے، اور غلام، غلام تو مملوک ہے آقا اس کا مالک ہے، تو وہاں تو شفقت بہت زیادہ ہوتی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لَهٗ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ اَنَّ لِعَبْدِهٖ مِنَ الشَّفَقَةِ مَا لَا يَكُوْنُ لِغَيْرِهٖ کہ غلام کے لیے وہ شفقت ہے جو کسی اور کی نہیں ہو سکتی، یعنی ان بچوں پر غلام کی اتنی شفقت ہوتی ہے جو کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔

وَالصِّغَارُ وَاِنْ كَانُوْا مُلَّاكًا، صاحبین نے کیا فرمایا تھا؟ کہ یہ تو قلبِ مشروع ہے، آپ نے مملوک کو ولایت دے دی کس پر؟ مالک پر، آپ نے مملوک کو ولایت دے دی مالک پر، تو اس کا بھی اب جواب دے رہے ہیں۔ کہتے ہیں: وَالصِّغَارُ اور نابالغ جو ہیں، وَاِنْ كَانُوْا مُلَّاكًا (مُلَّاكٌ جمع ہے مالک کی) نابالغ جو ہیں وہ اگرچہ مالک ہیں، لَيْسَ لَهُمْ وِلَايَةُ الْمَنْعِ لیکن ان کو منع کرنے کی ولایت نہیں ہے، منع کرنے کی ولایت، فَلَا مُنَافَاةَ لہٰذا اس میں کوئی منافات نہیں۔ بھئی دیکھو نا مالک جو ہوتا ہے نا اس کو غلام پر ولایت حاصل ہوتی ہے، اس کی مرضی ہے غلام کو ایک کام کرنے دے، ایک کام نہ کرنے دے، اسے منع کر دے، توجہ ہے؟ تو مالک کو غلام پر ولایت حاصل ہوتی ہے وہ اس کو جس کام سے مرضی روکنا چاہے روک سکتا ہے۔ تو یہاں پر اب جب ہم نے ولایت کس کو دے دی؟ غلام کو اور وہ جو نابالغ ہیں ان کے اوپر ولایت دے دی اگرچہ وہ مالکین ہیں، لیکن پھر بھی یہ صحیح ہے اس لیے کیونکہ دونوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں، کوئی منافات نہیں۔ غلام کو ولایت حاصل ہو گئی بچوں پر اور بچوں کو اس کو روکنے کی ولایت نہیں ہے۔ اگر روکنے کی ولایت ہوتی تو پھر تو بچوں کو بھی ولایت ہو جاتی اور غلام کو بھی ولایت ہو جاتی، غلام کو ان پہ ولایت ہے اور ان کو غلام پہ ولایت ہے پھر تو منافات آجاتا، دو ضدین جمع ہو جاتیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ وہ تو اس کو روک سکتے تھے، منع کر سکتے تھے، لیکن یہاں ایسا نہیں ہے، غلام کو تو ولایت مل گئی لیکن بچوں کو روکنے اور منع کرنے کی ولایت نہیں، تو ولایت صرف ایک طرف سے ہے، جب صرف ایک طرف سے ہے تو کوئی منافات اور کوئی ٹکراؤ اور کوئی ضد نہیں، لہٰذا یہ وصی بن سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَالصِّغَارُ وَاِنْ كَانُوْا مُلَّاكًا لَيْسَ لَهُمْ وِلَايَةُ الْمَنْعِ اور نابالغ جو ہیں اگرچہ وہ مالکین ہیں لیکن ان کو روکنے کی ولایت حاصل نہیں ہے کہ کسی تصرف سے روکیں کہ ایسا نہ کرو، فَلَا مُنَافَاةَ تو کوئی منافات نہیں۔ غلام کو ولایت حاصل

ہے اور ان کو ولایت حاصل نہیں ہے تو کوئی منافات نہیں۔ بِخِلَافِ مَا اِذَا کَانَ الْبَعْضُ کِبَارًا بخلاف اس کے کہ اگر بعض جو ہیں وارث وہ بڑے ہوں بالغ ہوں، اِذْ لَهُمُ الْمَنْعُ اس لیے کیونکہ ان کو منع کرنے کی بھی ولایت حاصل ہے، وَبَيْعُ نَصِيْبِهِمْ مِّنْ هٰذَا الْعَبْدِ اور ان کو اپنا حصہ اس غلام میں سے بیچنے کی بھی ولایت حاصل ہے، تو پھر ان پر اس غلام کو وصی نہیں بنایا جا سکتا، کیونکہ اگر آپ غلام کو ان پر وصی بنائیں گے تو غلام کو آپ نے ولایت دے دی ایک کام کرنے کی، اپنے تصرفات کرنے کی، اور وہ جو وارث ہیں وہ بھی کیا ہیں بعض؟ بالغ ہیں، تو ان کو منع کرنے کی ولایت ہو گئی، ان کو منع کرنے اور روکنے کی ولایت ہے، ان کو حکم دینے کی ولایت ہے، تو وہ تو تصرف کرنے ہی نہیں دیں گے وہ تو منع کر دیں گے، روک دیں گے، یہ تو ٹکراؤ آ گیا غلام کو ان پر ولایت دے دی اور ان کو غلام پر ولایت حاصل ہے تو ٹکراؤ آ گیا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ معنی ہے اِذْ لَهُمُ الْمَنْعُ اس لیے کیونکہ ان کو منع کرنے کا بھی حق حاصل ہے کسی بھی تصرف سے، اور ان کو حق ہے بَيْعُ نَصِيْبِهِمْ مِّنْ هٰذَا الْعَبْدِ کہ وہ اپنا حصہ اس غلام میں سے بیچ بھی سکتے ہیں، جب اس غلام کو بیچ دیں گے تو مشتری مالک بن جائے گا تو پتہ نہیں مشتری پھر یہ تصرف کرنے دیتا ہے یا نہیں کرنے دیتا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ دیکھو نا اس غلام کو اگر آپ وصی بناتے ہیں اگر صرف نابالغ ہیں وارث پھر تو ٹھیک ہے غلام کو ولایت حاصل ہوگی اور نابالغوں کو روکنے کی ولایت تو ہے نہیں، نہ وہ اس کو بیچ سکتے ہیں نہ اس کو منع کر سکتے ہیں، تو یہ تصرفات کرے گا اور ان کے سارے انتظامات وغیرہ کرے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ ان کے کھانے پینے کا خرچہ، جو مال میں تصرف ضرورت ہے ان کے لیے وہ کرتا رہے گا اور وہ روک بھی نہیں سکتے تو معاملہ ٹھیک چلتا رہے گا، اور غلام کی اپنے آقا کے بچوں پر بے انتہا شفقت ہوتی ہے لہٰذا ظاہر یہی ہے کہ وہ سب کا خیال رکھے گا حد سے زیادہ۔ لیکن اگر کچھ بڑے ہوں وارثوں میں سے پھر ان بڑوں کو تو روکنے کا اختیار ہے وہ کسی تصرف کرنے دیں گے کہیں نہیں کرنے دیں گے تو غلام کر ہی نہیں سکے گا، اور نیز ان کو تو یہ بھی حق ہے کہ اس غلام کو پکڑ کر ان کا جو حصہ اس میں بنتا ہے اس کو بیچ ہی دیں اور غلام کسی اور کا مملوک ہو جائے، جب کسی اور کا مملوک ہو جائے وہ پتہ نہیں پھر ان کے لیے ان کے کام سارے سرانجام دینے یعنی تصرفات کرنے کی وہ اجازت دیتا ہے یا اجازت نہیں دیتا، تو اس لیے جب بڑے ہوں پھر تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ وہ وصی نہیں بنا سکتے، اور صرف نابالغ ہوں تو پھر وصی بنا سکتے ہیں۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ کسی صورت میں بھی اپنے غلام کو نابالغ یا بالغ وارثوں پر وصی نہیں بنا سکتے۔

آگے دیکھیے: وَاِلٰى عَاجِزٍ عَنِ الْقِيَامِ بِهَا ضُمَّ اِلَيْهِ غَيْرُهٗ۔ بھئی ایک شخص ہے اس کو کسی نے وصی بنایا کہ میرے مرنے کے بعد میرے معاملات سارے آپ اس کے ذمہ دار ہیں، میرے بعد آپ سرانجام دینا۔ لیکن وہ شخص عاجز ہے، اس میں اتنی صلاحیت ہی نہیں ہے کہ وہ ان سارے کاموں کو سرانجام دے سکے، وہ عاجز آ گیا۔ تو کیا اب کسی اور کو اس کے ساتھ

ملایا جا سکتا ہے؟ کہتے ہیں ہاں، اگر اس کے بس میں نہیں ہے یہ کام تو قاضی کسی اور کو بھی اس کے ساتھ ملا دے گا، اس کو ہٹائے گا نہیں اس کے ساتھ کسی اور کو ملا دے گا تاکہ وہ مدد کرے۔ یہ معنی ہے: وَاِلٰی عَاجِزٍ عَنِ الْقِیَامِ بِهَا اور وہ وصی بنانا ایسے شخص کو جو کہ عاجز ہے عَنِ الْقِیَامِ بِهَا کہ وہ وصیت کو قائم کرنے سے عاجز ہے، اور وصی بنانا ایسے شخص کو جو وصیت قائم کرنے سے عاجز ہے، تو ضُمَّ اِلَیْهِ غَیْرُهٗ ملایا جائے گا اس کے ساتھ اس کے علاوہ کو، اس کے علاوہ کو اس کے ساتھ ملایا جائے گا۔ تو کیا معنی؟ کون ملائے گا؟ خود بتلا رہے ہیں: اَیْ یَضُمُّ الْقَاضِیْ اِلَیْهِ غَیْرَهٗ یعنی قاضی اس کے ساتھ ملا دے گا کسی اور کو بھئی۔ معنی سمجھ میں آیا؟

وَیَبْقٰی اَمِیْنٌ یَّقْدِرُ، اور باقی رہے گا ایسا امانت دار یَقْدِرُ جو قدرت رکھتا ہے۔ ایک شخص نے دوسرے شخص کو اپنا وصی بنایا اور جس کو وصی بنایا وہ امانت دار بھی ہے اور نیز اس میں صلاحیت بھی ہے، وہ اس پر قادر بھی ہے، وہ یہ سارے تصرفات وغیرہ یہ ساری وصیتیں نافذ کر سکتا ہے، تو پھر قاضی اس کو نہ بدلے بھئی، تو قاضی کے لیے اس کو بدلنا جائز نہیں ہے۔ وَیَبْقٰی اَمِیْنٌ یَّقْدِرُ اور باقی رہے گا ایسا امانت دار جو قدرت رکھتا ہے، اَیْ اِذَا کَانَ الْوَصِیُّ اَمِیْنًا قَادِرًا عَلَی التَّصَرُّفِ یعنی جب وصی جو ہے وہ ایسا امانت دار آدمی ہے جو قدرت رکھتا ہے تصرف پر، تو لَا یَجُوْزُ لِلْقَاضِیْ اِخْرَاجُهٗ تو قاضی کے لیے جائز نہیں ہے اس کو نکالنا، یعنی ایصاء سے اس کو نکالنا جائز نہیں ہے، بَلْ یَجِبُ تَبْقِیَتُهٗ بلکہ واجب ہے اس کو باقی رکھنا۔

وَاِلَی اثْنَیْنِ لَا یَتَفَرَّدُ اَحَدُهُمَا اِلَّا بِشِرَاءِ کَفَنِهٖ وَتَجْهِیْزِهٖ وَالْخُصُوْمَةِ فِیْ حُقُوْقِهٖ۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے دو آدمیوں کو اپنا وصی بنایا۔ زید اور عمرو کو اپنا وصی بنایا کہ میرے مرنے کے بعد میرے سارے تصرفات میرے کاموں کی آپ نے نگرانی کرنی ہے اور یہ مال وغیرہ کو تقسیم وغیرہ سارا آپ لوگوں نے کرنا ہے۔ تو کیا اب ان دونوں میں سے ایک اکیلا یہ تصرفات کر سکتا ہے یا نہیں؟ تو طرفین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب اس نے دونوں کو وصی بنایا ہے تو ضروری ہے، لازمی ہے کہ تصرفات کے وقت یہ دونوں موجود ہوں تاکہ کوئی بھی تصرف وغیرہ کریں تو مشورہ کر لیں، اور چونکہ اس نے دونوں کو وصی بنایا ہے معلوم ہوا اس کا اکیلے ایک کی رائے پر اعتماد نہیں ہے لیکن دونوں کی مشترکہ رائے پر اس کا اعتماد ہے، تو وہ دونوں مل کر تصرفات کریں گے، اکیلے اکیلے تصرف نہیں کر سکتے، الا چند تصرفات ہیں وہ اکیلا بھی ان میں سے کوئی کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ مثلاً میت کا کفن دفن کرنا ہے، اس نے دو کو وصی بنایا تھا، ایک کراچی سفر پر گیا ہوا ہے تو اب اس کے آنے تک پتہ نہیں کتنے گھنٹے گزرتے، یہ تو ادھر تو میت خراب ہونے کا خدشہ ہے پتہ نہیں وہ آج پہنچتا ہے کل پہنچتا ہے، تو لہٰذا یہ کفن دفن یہ ایک کرے گا کیونکہ یہاں تاخیر کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح کچھ اور چیزیں ہیں دیکھیے آگے ذکر کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں: وَاِلَی اثْنَیْنِ اور دو کو وصی بنانے کی صورت میں، لَا یَتَفَرَّدُ اَحَدُهُمَا ان دونوں میں سے کوئی اکیلا نہیں ہوگا، یعنی تصرف کرنے میں اکیلا نہیں ہوگا، اِلَّا بِشِرَاءِ کَفَنِهٖ مگر اس میت کے لیے کفن خریدنے میں، کفن خریدنے میں وہاں پر

دونوں کا ہونا ضروری نہیں ہے، وَتَجْهِيْزِهٖ، تجہیز کہتے ہیں کہ تجہیز و تکفین، تجہیز کہتے ہیں کہ میت کے مرنے سے لے کر دفن تک سارے معاملات اس میں آ گئے، کفن پہنانا بھی ہے، غسل دینا، کفن پہنانا اور قبر کھدوانا اور پھر دفن کرنا، یہ ساری چیزیں اس تجہیز میں آجاتی ہیں، تو تجہیز بھی جو ہے اس میں بھی ایک ہو تو کافی ہے وہ تصرف کر سکتا ہے، اس لیے کیونکہ دوسرا اگر سفر پر گیا ہوا ہے تو انتظار نہیں کیا جا سکتا ادھر میت کے خراب ہونے کا خدشہ ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں جب دو کو وصی بنایا ہے تو ان دونوں میں سے کوئی متفرد نہیں ہو سکتا، اکیلا نہیں ہو سکتا یعنی تصرف میں، اِلَّا بِشِرَاءِ كَفَنِهٖ وَتَجْهِيْزِهٖ مگر کفن کی خریداری میں وَتَجْهِيْزِهٖ اور میت کی تجہیز و تکفین میں، وَالْخُصُوْمَةِ فِيْ حُقُوْقِهٖ اور اسی طرح خصومت کرنا میت کے حقوق میں۔ میت کے حقوق کے بارے میں خصومت کرنا یعنی قاضی کے پاس مقدمہ لڑنا، اس میں بھی کوئی ایک بھی ہو تو وہ کافی ہے، اس لیے کیونکہ قاضی کے پاس مقدمہ جب لڑا جائے گا، کسی چیز کا جواب وغیرہ دینا ہے یا ذکر کر، کوئی چیز ذکر کرنی ہے، تو دونوں اگر ہوں بھی بولنا تو ایک ہی کو پڑے گا بھئی دونوں تو اکٹھے نہیں بول سکتے کیونکہ اگر دونوں اکٹھے بولیں گے تو قاضی کو تو کچھ سمجھ میں ہی نہیں آئے گا، تو لہٰذا جب بولنا ایک نے ہے تو موجودگی بھی ایک کی کافی ہے۔ یہ معنی ہے: وَالْخُصُوْمَةِ فِيْ حُقُوْقِهٖ اور خصومت کرنا یعنی مقدمہ لڑنا فِيْ حُقُوْقِهٖ اس مرنے والے کے حقوق میں۔

وَقَضَاءِ دَيْنِهٖ وَطَلَبِهٖ، اور مرنے والے کے دین کو ادا کرنا، وَطَلَبِهٖ اور دین کو طلب کرنا۔ مرنے والے کے ذمے دین تھے اب اس دین کو ادا کرنا ہے تو ایک بھی ادا کر دے کافی ہے، دوسرے کی موجودگی کی ضرورت نہیں، اس لیے کیونکہ یہاں کسی مشورے کی ضرورت نہیں ہے صرف دین ادا کرنا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو وہ تو ایک بھی ادا کرے دونوں ادا کریں بات تو ایک ہی ہے، لہٰذا وہاں ایک بھی ادا کر سکتا ہے۔ یا مرنے والے کے قرضے لوگوں کے ذمے ہیں جو اس نے وصول کرنے تھے، تو ان کا مطالبہ کرنے میں بھی ایک کافی ہے دونوں کا ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ یہاں بھی کسی مشورے وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ معنی ہے: وَقَضَاءِ دَيْنِهٖ وَطَلَبِهٖ اور میت کا دین ادا کرنے میں، قضا کا معنی ہے ادا ادا، وَقَضَاءِ دَيْنِهٖ اور میت کا دین ادا کرنے میں، وَطَلَبِهٖ اور دین کو طلب کرنے میں۔

وَشِرَاءِ حَاجَةِ الطِّفْلِ، اور بچے کی حاجت کی خریداری میں۔ بچے کی حاجت کی خریداری میں۔ بھئی مرنے والے کے بچے ہیں تو ان بچوں کے لیے کھانے پینے لباس وغیرہ اور چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، تو اب یہ ایک بھی یہ خریداری کر سکتا ہے، فرض کرو اگر ایک گیا ہوا ہے کراچی چلا گیا ہے یا کہیں سفر پر گیا ہے تو اب اگر ہم اس کا انتظار کریں تو ادھر تو بچے ہیں بھئی بچوں کو نقصان پہنچے گا، لہٰذا ان کے کھانے پینے اور لباس وغیرہ اس طرح کے جو خرچے ہوں گے ایک بھی کر سکتا ہے۔ یہ معنی ہے: وَشِرَاءِ حَاجَةِ الطِّفْلِ اور اس کے بچے کی حاجت کی خریداری میں یعنی بچے کی ضرورت کی خریداری میں۔

وَالْاِتِّهَابِ لَهٗ، اتہاب ہبہ سے ہے ہبہ، تحفہ، اتہاب کا معنی ہے ہبہ قبول کرنا، تحفہ وصول کرنا کسی سے، تحفہ قبول کرنا۔ مرنے والے کے بچوں کو کوئی شخص تحفہ دیتا ہے تو یہ جو ایک وصی ہے وہ بھی اس تحفے کو قبول کر سکتا ہے، اس تحفے کو قبول

کر سکتا ہے، کیونکہ اس میں بھی کسی مشورے وغیرہ کی ضرورت نہیں اور اس میں بھی اگر تاخیر کریں گے اب وہ شخص بچوں کو تحفہ دے رہا ہے پتہ نہیں بعد میں پھر وہ تحفہ دیتا ہے یا نہیں دیتا، تاخیر نہیں کریں گے ایک بھی اس کو لے سکتا ہے، قبول کر سکتا ہے بچوں کے لیے۔ یہ معنی ہے: وَالْاِتِّهَابِ لَهٗ اور ہبہ قبول کرنا لَهٗ اس بچے کے لیے۔

وَاِعْتَاقِ عَبْدٍ عَيْنٍ، اور اسی طرح آزاد کرنا کسی معین غلام کو۔ مرنے والے نے کہا تھا کہ میرے مرنے کے بعد میرا فلاں غلام آزاد کر دینا، معین غلام کے بارے میں کہا تھا، تو اس میں بھی کسی مشورے کی ضرورت نہیں کوئی ایک بھی اس کو آزاد کر سکتا ہے جبکہ وہ ثلث، جبکہ وہ ثلثِ مال میں سے نکل رہا ہے۔ ہاں اگر اس نے غیر معین غلام ذکر کیا تھا کہ میرے کسی ایک غلام کو آزاد کر دینا، پھر یہ تصرف اس میں مشورے کی ضرورت ہے تو اس میں پھر دونوں کا ہونا ضروری ہے کوئی اکیلا اس تصرف کو نہیں کر سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: وَاِعْتَاقِ عَبْدٍ عَيْنٍ اور آزاد کرنا ایسے غلام کو جو متعین ہے۔ اَيْ اِذَا اَوْصٰى بِاِعْتَاقِ عَبْدٍ مُعَيَّنٍ فَاَحَدُ الْوَصِيَّيْنِ يَمْلِكُ اِعْتَاقَهٗ، جب وصیت کی موصی نے ایک معین غلام کو آزاد کرنے کی، فَاَحَدُ الْوَصِيَّيْنِ تو دونوں وصیوں میں سے ایک بھی يَمْلِكُ اِعْتَاقَهٗ وہ مالک ہے اس کو آزاد کرنے کا، لِعَدَمِ الْاِحْتِيَاجِ اِلَى الرَّأْيِ اس لیے کیونکہ ضرورت نہیں ہے رائے کی یعنی مشورے کی، دوسرے کی رائے کی یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بِخِلَافِ اِعْتَاقِ الْعَبْدِ الْغَيْرِ الْمُعَيَّنِ، بخلاف آزاد کرنا ایسے غلام کو جو معین نہیں ہے، ہاں اس میں مشورے کی ضرورت ہے تو اس میں دونوں کا ہونا ضروری ہے۔

وَرَدِّ وَدِيْعَةٍ وَّتَنْفِيْذِ وَصِيَّةٍ مُعَيَّنَتَيْنِ، اور لوٹانا ایسی امانت کو، وَتَنْفِيْذِ وَصِيَّةٍ اور نافذ کرنا ایسی وصیت کو، مُعَيَّنَتَيْنِ اس حال میں کہ دونوں معین ہوں، دونوں کیا ہوں؟ یعنی ودیعت بھی معین ہے اور وصیت بھی معین ہے۔ صورت یہ: ایک شخص ہے اس کے پاس کسی کی گاڑی ہے امانت کے طور پر، تو دیکھو اب یہ معین امانت ہے اس کو اگر ایک وصی بھی لوٹانا چاہے تو واپس لوٹا سکتا ہے کیونکہ یہاں کسی مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اسی طرح کسی کی معین وصیت کو نافذ کرنا ہے، مثلاً اس نے کیا کہا تھا؟ کہ یہ والی میری گاڑی بکر کو دے دینا، تو دیکھو اب معین وصیت کو کیا کر رہا ہے؟ نافذ کر رہا ہے اور وہ گاڑی ثلث سے آرام سے نکل آتی ہے تو یہاں بھی کسی مشورے کی ضرورت نہیں، تو یہاں بھی ایک وصی تصرف کر سکتا ہے۔ یہ معنی ہے: وَرَدِّ وَدِيْعَةٍ وَّتَنْفِيْذِ وَصِيَّةٍ مُعَيَّنَتَيْنِ اور واپس کرنا کسی ودیعت کو اور نافذ کرنا کسی وصیت کو اس حال میں کہ یہ دونوں متعین ہوں۔

وَجَمْعِ اَمْوَالٍ ضَائِعَةٍ، اور اسی طرح جمع کرنا ایسے مالوں کو جو ضائع ہونے والے ہیں، ایسے مال جن میں ضائع ہونے کا خطرہ ہے، اگر ان کو جمع نہیں کریں گے، اکٹھا کر کے نہیں رکھیں گے تو وہ تو ضائع ہو جائیں گے، تو ایسے مالوں کو جمع کرنا یہ بھی اکیلا ایک کر سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بلکہ یہ تو لوگ بھی ایک دوسرے کے لیے کرتے ہیں، وصی ہونا ضروری نہیں ہے، آپ بھی دیکھتے ہیں آپ کے ساتھی کی کوئی چیز ضائع ہونے والی ہے، ضائع نہ ہو جائے، وہ موجود نہیں ہے تو آپ

اس کے لیے سنبھال لیتے ہیں اور جب آتا ہے پھر اس کے حوالے کر دیتے ہیں، تو یہ وصی اس میں تو وصی ہونا بھی ضروری نہیں۔ تو وَجَمْعِ اَمْوَالِ ضَائِعَةٍ اور جمع کرنا ایسے مالوں کو جو ضائع ہونے والے ہیں، یعنی جن میں ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔

وَبَيْعِ مَا يُخَافُ تَلَفُهٗ، اور بیچنا ایسی چیز کو کہ خوف ہو اس کے ہلاک ہونے کا۔ بھئی دو وصیوں میں سے ایک سفر پر گیا ہوا ہے اور ادھر اس کی فصل مثلاً ٹماٹر ہے، ٹماٹر کی فصل تیار ہو گئی۔ اب اگر انتظار کریں گے دو چار دن تو یہ ٹماٹر تو کہیں خراب نہ ہو جائیں! تو ایسی چیز جس کے تلف ہو جانے کا خوف ہو تو ایک وصی بھی اس کو بیچ سکتا ہے۔ یہ معنی ہے: وَبَيْعِ مَا يُخَافُ تَلَفُهٗ اور بیچنا ایسی چیز کا جس کے ہلاک ہونے کا خوف ہو، جس کے ہلاک ہونے کا خوف ہو۔ فَاِنَّ بَعْضَ هٰذِهِ الْاُمُوْرِ مِمَّا لَا يَحْتَاجُ اِلَى الرَّاْيِ، اس لیے کیونکہ ان امور میں سے بعض جو ہیں وہ تو محتاج ہی نہیں ہیں کسی رائے کے یعنی مشورے وغیرہ کے، وَبَعْضَهَا مِمَّا يَضُرُّ فِيْهِ التَّوَقُّفُ اور بعض ان میں سے وہ ہیں کہ جن میں تاخیر جو ہے، توقف جو ہے وہ نقصان دیتا ہے، اگر دیر کی جائے گی تو نقصان ہوگا، بچوں کے کھانے پینے کا معاملہ ہے اگر دیر کریں گے تو بچوں کا تو بچوں کا نقصان ہوگا، یا یہ جیسے اگر دیر کریں گے تو اس کا وہ مال ہلاک ہو جائے گا، تو فَلَا يُشْتَرَطُ الْاِجْتِمَاعُ، تو پس اجتماع جو ہے دونوں وصیوں کا وہ شرط نہیں ہوگا اس میں۔ وَالْاِجْتِمَاعُ فِي الْخُصُوْمَةِ شَغَبٌ، اور اجتماع خصومت کے اندر وہ تو ہنگامہ ہے! بھئی قاضی کے ساتھ مقدمہ لڑنے میں بتلایا کہ ایک بھی کافی ہے اس لیے کیونکہ اگر دونوں جمع ہو جائیں گے قاضی کے پاس پھر تو شور و شغب ہوگا، ہنگامہ ہوگا بھئی قاضی کو تو کچھ سمجھ میں ہی نہیں آئے گا، بولنا تو ایک ہی نے ہے لہٰذا ایک بھی خصومت کر سکتا ہے۔ یہ معنی ہے: وَالْاِجْتِمَاعُ فِي الْخُصُوْمَةِ شَغَبٌ اور دونوں وصیوں کا جمع ہونا خصومت میں یہ تو ہنگامہ ہوگا۔

وَهٰذَا قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ، اور یہ طرفین رحمہما اللہ کا قول ہے۔ وہ فرماتے ہیں یہ چند چیزیں ہم نے ذکر کر دیں، اس طرح کی چیزوں کے اندر تو ایک کو ولایت حاصل ہوگی اور باقی جگہ دونوں کا اکٹھا ہونا ضروری ہے۔ وَعِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَتَفَرَّدُ كُلٌّ بِالتَّصَرُّفِ فِيْ جَمِيْعِ الْاَشْيَاءِ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو وصی ہوتا ہے یہ جانشین ہوتا ہے میت کا، اور جب اس نے دو وصی بنائے ہیں تو ہر وصی جانشین ہے اور ہر وصی کو پورا پورا اختیار ہے، کہیں بھی دونوں کے اجتماع کی ضرورت نہیں ہے، ہر وصی اپنے اپنے طور پر تصرف کر سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ وَعِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک يَتَفَرَّدُ كُلٌّ ہر ایک ان میں سے جو ہے وہ اکیلا ہوگا یعنی تنہا ہی کرے گا، ہر ایک ان میں سے تنہا ہوگا بِالتَّصَرُّفِ تصرف میں فِيْ جَمِيْعِ الْاَشْيَاءِ تمام چیزوں میں، يَتَفَرَّدُ كُلٌّ بِالتَّصَرُّفِ فِيْ جَمِيْعِ الْاَشْيَاءِ کہ ان دونوں وصیوں میں سے ہر ایک تنہا ہوگا ہر تصرف میں ان تمام چیزوں کے اندر یعنی وہ اکیلا ہی تصرف کر سکتا ہے ہر ایک بھئی۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

وَوَصِيُّ الْوَصِيِّ اَوْصٰى اِلَيْهِ فِيْمَا

اس کے مال میں یا اپنے موصی کے مال میں وصی بنایا گیا ہو، وہ ان دونوں میں وصی ہے۔

بھئی یاد رکھیے، ایک وصی آگے دوسرا وصی بنا سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص مرنے لگا، اس نے زید کو وصی بنایا کہ تم میرے کاموں کے سرپرست اور نگران ہو میرے بعد، اور زید نے بعد میں بکر کو وصی بنا دیا تو یہ وصی کا وصی ہوا، تو یہ زید کے لیے جائز ہے، وصی کیا کر سکتا ہے؟ کسی دوسرے کو وصی بنا سکتا ہے۔ اور وصی اپنے مال میں بھی کسی دوسرے کو وصی بنا سکتا ہے اور موصی کے مال میں بھی۔ مثلاً ایک شخص نے زید کو اپنا وصی بنایا، زید جب مرنے لگا تو اس نے اپنے مال کے اندر بھی بکر کو وصی بنایا اور موصی کے مال میں بھی بکر کو وصی بنا دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو صرف اپنے مال میں کسی کو وصی بنائے یہ بھی ٹھیک، اور موصی کے مال میں اور اپنے مال دونوں میں وصی بنائے یہ بھی ٹھیک، اور صرف موصی کے مال میں کسی کو وصی بنائے یہ بھی ٹھیک ہے بھئی۔

وَوَصِيُّ الْوَصِيِّ، اور وصی کا ایسا وصی، اَوْصٰى اِلَيْهِ فِيْ مَالِهٖ جس کو اس نے وصی بنایا ہے اپنے مال میں، وصی نے اپنے مال میں کسی کو وصی بنایا ہے، اَوْ مَالِ مُوْصِيْهِ یا اپنے موصی کے مال میں کسی کو وصی بنایا ہے، تو وہ وَصِيٌّ فِيْهِمَا وہ ان دونوں میں وصی ہوگا یعنی دونوں میں وصی بن سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو چاہے تو کیا کرے؟ ایک آدمی مرنے لگا اس نے کس کو وصی بنایا تھا؟ زید۔ تو زید چاہے تو بکر کو وصی بنا دے، اور بکر کو پھر وصی بنا رہا ہے تو زید چاہے اپنے مال کا وصی بنا دے، چاہے موصی کے مال کا وصی بنا دے، چاہے دونوں کے مال کا وصی بنا دے، تینوں صورتیں جائز ہیں۔ یہ معنی ہے کہ وہ وَصِيٌّ فِيْهِمَا ان دونوں میں وصی ہوگا۔

وَقِسْمَةُ الْوَصِيِّ عَنِ الْوَرَثَةِ مَعَ الْمُوْصٰى لَهٗ تَصِحُّ فَلَا تَرْجِعُ عَلَيْهِ اِنْ ضَاعَ قِسْطُهُمْ مَعَهٗ۔ صورتِ مسئلہ یہ کہ جو وصی ہے نا وصی، وہ مال تقسیم کرتا ہے، اور جو وارث ہیں وہ موجود نہیں، وہ کہیں سفر پر گئے ہوئے ہیں، چاہے بالغ ہیں چاہے نابالغ ہیں وہ سفر پر گئے ہوئے ہیں، اور موصیٰ لہ جس کے لیے وصیت کی تھی مرنے والے نے وہ آگیا آکر کہ میرا حصہ مجھے اب دے دو۔ تو وصی وارثوں کی طرف سے اس کے ساتھ مال تقسیم کر سکتا ہے، ایک ثلث اس کو دے دے اور دو ثلث خود رکھ لے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ تقسیم کر سکتا ہے یہ تقسیم صحیح ہو جائے گی۔ اس کے بعد ایسا ہوا اس نے تقسیم کر لی، وصی کو ثلث دے دیا اور وارثوں کے دو ثلث اس نے خود رکھ لیے، پھر اتفاق ایسا ہوا کہ وہ وارثوں کا حصہ وصی کے پاس ہلاک ہو گیا، وارثوں کا حصہ وصی کے پاس ہلاک ہو گیا۔ اب وارث جب واپس آئے پتہ کیا تو وصی نے بتایا کہ میں نے آپ کا حصہ الگ کیا تھا لیکن وہ میرے سے ہلاک ہو گیا، آگ لگ گئی یا گم ہو گیا یا ضائع ہو گیا یا دریا میں ڈوب گیا، کوئی صورت کوئی حادثہ پیش آگیا۔ تو کیا اب وارث موصیٰ لہ کے پاس جائیں گے کہ تم نے ثلثِ مال لیا تھا ہم وہ تقسیم نہیں مانتے، اب دوبارہ تقسیم کرو اور یہ جو مال ہے اس کا ثلث تم لے لو اور باقی ہمیں دے دو؟ کہتے ہیں نہیں، ایسا وہ نہیں کر

سکتے، کیونکہ وصی نے جو وارثوں کی طرف سے تقسیم کی تھی وہ صحیح تھی، یعنی وصی وارثوں کا قائم مقام ہو گیا تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بھئی کیوں؟ یہ وصی وارثوں کا قائم مقام کیسے ہو گیا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ وارث بھی میت کے جانشین ہوتے ہیں، وارث بھی میت کے جانشین ہوتے ہیں، اور وصی بھی میت کا جانشین ہوتا ہے، لہٰذا چونکہ دونوں جانشین ہیں تو ایک جانشین نے دوسرے جانشین کی جگہ پر کوئی تصرف کیا ہے تو وہ صحیح ہے نافذ ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے دیکھیے بھئی: وَقِسْمَةُ الْوَصِيِّ عَنِ الْوَرَثَةِ، اور تقسیم کر لینا وصی کا عَنِ الْوَرَثَةِ کس کی طرف سے؟ وارثوں کی طرف سے وصی کا، تو وارثوں کی طرف سے وصی کا تقسیم کر لینا مَعَ الْمُوْصٰى لَهٗ کس کے ساتھ؟ موصیٰ لہ کے ساتھ، تَصِحُّ یہ صحیح ہے۔ فَلَا تَرْجِعُ عَلَيْهِ لہٰذا وارث رجوع نہیں کریں گے موصیٰ لہ پر اِنْ ضَاعَ قِسْطُهُمْ مَعَهٗ اگر ضائع ہو گیا وارثوں کا حصہ مَعَهٗ اَيْ مَعَ الْوَصِيِّ کس کے پاس؟ وصی کے پاس۔ اَيْ قِسْمَةُ الْوَصِيِّ التَّرِكَةَ مَعَ الْمُوْصٰى لَهٗ عَنِ الْوَرَثَةِ الصِّغَارِ اَوِ الْكِبَارِ الْغَائِبِيْنَ تَصِحُّ، یعنی وصی کا تقسیم کر لینا ترکے کو موصیٰ لہ کے ساتھ عَنِ الْوَرَثَةِ الصِّغَارِ اَوِ الْكِبَارِ نابالغ اور بالغ وارثوں کی طرف سے الْغَائِبِيْنَ، ان نابالغ اور بالغ وارثوں کی طرف سے الْغَائِبِيْنَ جو غائب ہیں، تَصِحُّ یہ تقسیم صحیح ہے۔ ترجمے پہ نظر ہے؟ پھر دیکھیں: وصی جو تقسیم کر لیتا ہے ترکے کو موصیٰ لہ کے ساتھ ان وارثوں کی طرف سے جو صغار یا کبار اور ہیں اور غائب ہیں سفر پر گئے ہوئے ہیں، تو یہ تقسیم تَصِحُّ یہ تقسیم صحیح ہے۔ حَتّٰى لَوْ قَبَضَ الْوَصِيُّ نَصِيْبَ الْوَرَثَةِ وَضَاعَ فِيْ يَدِهٖ، حتیٰ کہ اگر وصی نے قبضہ کر لیا وارثوں کے حصے پر وَضَاعَ فِيْ يَدِهٖ اور وہ وارثوں کا حصہ ضائع ہو گیا اس وصی کے قبضے میں، تو لَا يَكُوْنُ لِلْوَرَثَةِ الرُّجُوْعُ عَلَى الْمُوْصٰى لَهٗ بِشَيْءٍ تو جائز نہیں ہے وارثوں کے لیے کہ وہ رجوع کریں موصیٰ لہ پر کسی چیز کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَقِسْمَتُهٗ عَنِ الْمُوْصٰى لَهٗ مَعَهُمْ لَا فَيَرْجِعُ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ۔ اس کا برعکس بھئی، پہلی صورت کیا تھی؟ وصی نے تقسیم کی تھی کس کی طرف سے؟ وارثوں کی طرف سے، اور کس کے ساتھ کی تھی؟ موصیٰ لہ کے۔ اب اس کا برعکس کر لیں: وصی موصیٰ لہ کی طرف سے تقسیم کرتا ہے وارثوں کے ساتھ۔ موصیٰ لہ کہیں سفر پر گیا ہوا ہے اور وصی نے وارثوں کے ساتھ تقسیم کی، موصیٰ لہ کا حصہ نکالا اور اس کو اپنے پاس رکھ لیا کہ جب موصیٰ لہ آئے گا تو میں اس کو دے دوں گا، اور اتفاق سے وہ حصہ موصیٰ لہ کا حصہ وصی کے پاس ہلاک ہو گیا، ضائع ہو گیا۔ تو کہتے ہیں کہ یہ تقسیم وہ نہیں کر سکتا، یہ وصی یہ تقسیم نہیں کر سکتا، اور اس کے پاس اگر وہ حصہ ہلاک ہو گیا ہے تو موصیٰ لہ دوبارہ وارثوں کے پاس جائے گا اور کہے گا کہ تم نے کیسے تم نے میرا حصہ وصی کو دیا تھا میں وہ نہیں تسلیم کرتا، مجھے یہ موجودہ مال میں سے ثلث دو، تو وارثوں کو دینا پڑے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَقِسْمَتُهٗ عَنِ الْمُوْصٰی لَهٗ مَعَهُمْ، اور وصی کا تقسیم کرنا موصیٰ لہ کی طرف سے مَعَهُمْ ان وارثوں کے ساتھ، لَا یہ صحیح نہیں ہے، فَیَرْجِعُ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ پس موصیٰ لہ رجوع کرے گا ما بقیہ کے ثلث میں۔ اگر وہ مال کس کے پاس ہلاک ہو گیا؟ وصی کے پاس جو ثلث اس کے لیے نکالا تھا وہ تو ضائع ہو گیا، تو یہ پھر جو مال باقی بچا ہے اس کے ثلث کے ساتھ پھر وارثوں پر رجوع کرے گا۔ معنی سمجھ میں آیا؟ یہ معنی ہے: فَیَرْجِعُ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ پس وہ موصیٰ لہ رجوع کرے گا ما بقیہ مال کے ثلث میں۔ دیکھو اب پوری تفصیل بیان کریں گے: اَيْ قِسْمَةُ الْوَصِيِّ عَنِ الْمُوْصٰی لَهٗ الْغَائِبِ مَعَ الْوَرَثَةِ الْكِبَارِ الْحَاضِرِيْنَ لَا تَصِحُّ، یعنی وصی کا تقسیم کرنا اس موصیٰ لہ کی طرف سے جو کہ غائب ہے مَعَ الْوَرَثَةِ الْكِبَارِ الْحَاضِرِيْنَ ان بڑے وارثوں کے ساتھ جو کہ حاضر ہیں، تو وصی کا یہ تقسیم کرنا لَا تَصِحُّ یہ صحیح نہیں ہے، حَتّٰی لَوْ قَبَضَ نَصِيْبَ الْمُوْصٰی لَهٗ الْغَائِبِ وَهَلَكَ فِيْ يَدِهٖ، یہاں تک کہ اگر وصی نے قبضہ کر لیا اس موصیٰ لہ کے حصے پر جو کہ غائب ہے وَهَلَكَ فِيْ يَدِهٖ اور یہ حصہ وصی کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا، رَجَعَ الْمُوْصٰی لَهٗ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ تو موصیٰ لہ رجوع کرے گا وہ جو ما بقیہ مال ہے اس کے ثلث میں اور پھر دوبارہ اس میں سے ثلث لے لے گا۔

اَمَّا عَنِ الْمُوْصٰی لَهٗ الْحَاضِرِ، اچھا یہ تو وہ موصیٰ لہ تھا جو غائب تھا، توجہ ہے؟ وصی نے تقسیم کی تھی وارثوں کے ساتھ کس کی طرف سے؟ موصیٰ لہ غائب کی طرف سے۔ اگر موصیٰ لہ حاضر کی طرف سے تقسیم کرتا ہے، مثلاً موصیٰ لہ بھی موجود ہے مجلس میں اور وارث بھی ہیں اور ان کے ساتھ تقسیم کرتا ہے کون؟ وصی، موصیٰ لہ کی طرف سے تقسیم کر رہا ہے اور موصیٰ لہ بھی موجود ہے، تو کیا یہ تقسیم صحیح ہے؟ کہتے ہیں دیکھیں گے کہ موصیٰ لہ نے اس کو اجازت دی ہے یا اجازت نہیں دی۔ اگر اجازت نہیں دی تو پھر بھی موصیٰ لہ کیا کر سکتا ہے؟ دوبارہ رجوع کر سکتا ہے اگر اس کا مال اس کے پاس ہلاک ہو جائے۔ اور اگر اس نے اجازت دی ہے، اجازت دی ہے، تو پھر یہ جو وصی ہے یہ موصیٰ لہ کا وکیل بن جائے گا، کیا بن جائے گا؟ وکیل بالقبض کہ جاؤ میرا حصہ لے کر اس پر قبضہ کر لو اور پھر مجھے لا کر دے دو۔ تو یہ وصی جب اس کی اجازت سے تقسیم کر رہا ہے تو یہ وصی کیا بن گیا؟ موصیٰ لہ کا وکیل بالقبض بن گیا۔ اس صورت میں جب وصی نے اس کا حصہ لیا اور اس پر قبضہ کر لیا اور اس کے پاس وہ چیز ہلاک ہو گئی تو پھر اب رجوع نہیں کرے گا کیونکہ اس نے خود اس کو وکیل بنایا تھا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: اَمَّا عَنِ الْمُوْصٰی لَهٗ الْحَاضِرِ اور باقی وہ موصیٰ لہ جو کہ حاضر ہے اس کی طرف سے، تو فَقَبْضُ الْوَصِيِّ نَصِيْبَهٗ تو وصی کا قبضہ کر لینا اس موصیٰ لہ کے حصے پر، اِنْ كَانَ بِاِذْنِهٖ اگر یہ موصیٰ لہ کی اجازت سے تھا فَهُوَ وَكِيْلٌ عَنِ الْمُوْصٰی لَهٗ بِالْقَبْضِ تو وہ موصیٰ لہ کا وکیل بالقبض ہے، یا یوں ترجمہ کر لیں: فَهُوَ وَكِيْلٌ عَنِ الْمُوْصٰی لَهٗ بِالْقَبْضِ تو وہ وصی جو ہے وہ موصیٰ لہ کا وکیل ہے قبضے کا، فَلَا يَكُوْنُ لَهٗ حَقُّ الرُّجُوْعِ لہٰذا موصیٰ لہ کو رجوع کا حق نہیں ہوگا اگر یہ مال وصی کے پاس ہلاک

ہو گیا، کیونکہ وصی کی اجازت سے وہ کر رہا ہے تو وہ اس کا وکیل ہو گیا اور اس کے وکیل نے جب قبضہ کر لیا تو گویا موصیٰ لہ نے قبضہ کر لیا، جب موصیٰ لہ نے قبضہ ایک دفعہ گویا کر لیا تو اب مال ہلاک ہو جائے تو دوبارہ وہ وارثوں پر رجوع نہیں کر سکتا۔ یہ معنی ہے فَلَا یَکُوْنُ لَہٗ حَقُّ الرُّجُوْعِ تو لہٰذا موصیٰ لہ کو رجوع کا حق نہیں ہوگا۔ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ بِاِذْنِہٖ فَلَہُ الرُّجُوْعُ، اور اگر یہ جو وصی نے قبضہ کیا تھا موصیٰ لہ کے حصے پر اگر یہ موصیٰ لہ کی اجازت کے بغیر تھا فَلَہُ الرُّجُوْعُ تو موصیٰ لہ کو رجوع کا حق ہے۔ موصیٰ لہ بھی حاضر ہے اور اس کی اجازت کے بغیر ہی وصی نے وارثوں کے ساتھ تقسیم کی اور موصیٰ لہ کے حصے پر قبضہ کر لیا، اور یہ بغیر اجازت کے اس نے اس حصے پر قبضہ کیا ہے، اب اگر یہ حصہ وصی کے پاس ہلاک ہو گیا تو موصیٰ لہ دوبارہ وارثوں پر رجوع کر کے اپنا ما بقیہ کا ثلث لے لے گا کہ تم نے میرا حصہ وصی کو کیوں دیا تھا میری اجازت کے بغیر، تو ان سے دوبارہ وصول کر لے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی: وَصَحَّتْ لِلْقَاضِیْ وَاَخْذُہٗ قِسْطَہٗ۔ وَصَحَّتْ لِلْقَاضِیْ اور صحیح ہے تقسیم قاضی کے لیے، قاضی کے لیے تقسیم کرنا صحیح ہے، وَاَخْذُہٗ، یہ اَخْذُہٗ کا عطف ہے، بھئی یہ دیکھو صَحَّتْ کے اندر ھِیَ ضمیر ہے اور یہ راجع ہے تقسیم کو، تقسیم صحیح ہے، قسمت کو راجع ہے، کس کو راجع ہے؟ قسمت یعنی وہی تقسیم۔ تقسیم صحیح ہے قاضی کے لیے۔ وَاَخْذُہٗ، یہ اس کا عطف ہے اس صَحَّتْ کے اندر جو ھِیَ ضمیر تھی۔ صَحَّتْ کے اندر جو ھِیَ ضمیر تھی اس پر اَخْذُہٗ کا عطف ہے، اور ھِیَ ضمیر فاعل تھی مرفوع تھی، اسی لیے اَخْذُہٗ بھی یہ مرفوع ہے فاعل کے درجے میں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن یہ عطف کیا انہوں نے ضمیرِ مرفوع متصل پر، کس پر؟ ھِیَ ضمیر مرفوع ضمیر ہے فاعل کی ہے اور متصل ہے فعل کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، اس کے اندر چھپی ہوئی ہے، اور یاد رکھو ضابطہ یہ ہے کہ ضمیرِ مرفوع متصل پر جب بھی عطف کرنا ہو تو اس ضمیرِ مرفوع کی پہلے تاکید لانا پڑے گی پھر عطف کریں گے یا درمیان میں فصل ہونا چاہیے، کیا ہونا چاہیے؟ فصل۔ دیکھو یوں ہونا چاہیے یہ لِلْقَاضِیْ کو اگر ہٹا دیں، صَحَّتْ ھِیَ وَاَخْذُہٗ، صَحَّتْ ھِیَ، یہ ھِیَ تاکید بنا دیں وہ جو صَحَّتْ کے اندر ھِیَ ہے، وہ بھی ھِیَ اور یہ ھِیَ اس کی تاکید، اب اس پر وَاَخْذُہٗ کا عطف صحیح ہوتا۔ لیکن ھِیَ تو یہاں ہے نہیں، ہاں فصل ہے درمیان میں لِلْقَاضِیْ کا لفظ ہے جس نے کچھ جدائی ڈال دی، کچھ فرق دونوں میں کر دیا، دوری ڈال دی، تو اب بھی عطف صحیح۔ تو ضمیرِ مرفوع (یہ ضابطہ پہلے بھی گزر چکا ہے) ضمیرِ مرفوع متصل پر جب عطف کیا جائے تو دو چیزوں میں سے ایک کا ہونا ضروری: یا تو اس ضمیر کی تاکید لائی جائے یا درمیان میں فصل ہونا چاہیے۔ تو یہاں تاکید تو نہیں ہے لیکن فصل تو ہے اس لیے یہ عطف صحیح ہے، اَخْذُہٗ کا عطف ھِیَ پر صحیح ہے کیونکہ درمیان میں لِلْقَاضِیْ کا لفظ آگیا فصل آگیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کیا ترجمہ ہوا؟ وَصَحَّتْ لِلْقَاضِیْ قاضی کے لیے قسمت بھی صحیح ہے یعنی تقسیم کرنا بھی صحیح ہے، وَاَخْذُہٗ اور قاضی کے لیے لے لینا، اَخْذُہٗ اَیْ اَخْذُ الْقَاضِیْ قاضی کے لیے لے لینا، قِسْطَہٗ اَیْ قِسْطَ الْمُوْصٰی لَہٗ موصیٰ لہ کے حصے کو لے

لینا۔ صورت یہ کہ قاضی نے تقسیم کروا دی، وراثت کی تقسیم کس نے کروائی؟ قاضی نے، اور موصیٰ لہ نہیں تھا تو قاضی نے موصیٰ لہ کے حصے پر قبضہ کیا، اپنے پاس رکھ لیا کہ جب وہ آئے گا تو اس کو اس کا حصہ دے دیں گے۔ تو قاضی کا یہ تقسیم کرنا اور اس کے حصے پر قبضہ کرنا یہ صحیح ہے، کیونکہ قاضی کو اسی لیے مقرر کیا گیا ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنی ہے: وَصَحَّتْ لِلْقَاضِيْ وَاَخْذُهٗ قِسْطَهٗ اور صحیح ہے قاضی کے لیے تقسیم کرنا بھی اور صحیح ہے قاضی کے لیے حصہ لینا موصیٰ لہ کا۔

اَيْ صَحَّتْ لِلْقَاضِيْ قِسْمَةُ التَّرِكَةِ عَنِ الْمُوْصٰى لَهٗ مَعَ الْوَرَثَةِ، صحیح ہے قاضی کے لیے ترکے کو تقسیم کرنا موصیٰ لہ کی طرف سے وارثوں کے ساتھ، وارث تو تھے موصیٰ لہ نہیں تھا لیکن قاضی نے موصیٰ لہ کی طرف سے تقسیم کر دی تو یہ صحیح ہے۔ وَاَخْذُ الْقَاضِيْ، دیکھا؟ متن میں کیا آیا تھا؟ وَاَخْذُهٗ، اور شرح میں کیا کہا؟ وَاَخْذُ الْقَاضِيْ، بتلا دیا یہ اَخْذُهٗ کی ھا ضمیر کس کو راجع؟ قاضی کو۔ اور صحیح ہے قاضی کا لینا نَصِيْبَ الْمُوْصٰى لَهٗ، متن میں کیا آیا تھا؟ قِسْطَهٗ، قسط کا کیا معنی؟ نصیب، اور قِسْطَهٗ ھا ضمیر کس کو راجع؟ بتلا دیا موصیٰ لہ کو راجع ہے۔ وَاَخْذُ الْقَاضِيْ نَصِيْبَ الْمُوْصٰى لَهٗ اور صحیح ہے قاضی کے لیے موصیٰ لہ کے حصے کو لینا۔ فَقَوْلُهٗ پس ماتن کا جو قول ہے وَاَخْذُهٗ، توجہ ہے؟ ماتن کا قول جو متن میں آیا وَاَخْذُهٗ، عَطْفٌ عَلَى الضَّمِيْرِ فِيْ صَحَّتْ یہ عطف ہے اس ضمیر پر جو کہ صَحَّتْ کے اندر ہے، وَيَجُوْزُ اور یہ عطف جائز ہے لِوُجُوْدِ الْفَصْلِ بَيْنَهُمَا کیونکہ ان دونوں کے درمیان فصل ہے۔

آگے دیکھیے: فَاِنْ قَاسَمَهُمْ فِي الْوَصِيَّةِ بِحَجٍّ حُجَّ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ اِنْ هَلَكَ فِيْ يَدِهٖ اَوْ فِيْ يَدِ مَنْ يُّحَجُّ۔ صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد میرے لیے حج کروا دینا، میرے پر حج فرض تھا لیکن میں کر نہیں سکا اب میری طرف سے حج کروا دینا۔ تو اس کے مرنے کے بعد جو وصی تھا اس نے وارثوں کے ساتھ تقسیم کی اور حج کے لیے مال الگ کر لیا۔ وصی نے کیا کیا؟ مال تقسیم کیا اور حج کے لیے حصہ نکال لیا بھئی، ثلث میں سے حصہ نکال لیا۔ اس کے بعد یہ جو حصہ تھا یہ وصی کے پاس ہلاک ہو گیا، کوئی چور لے گئے اس سے یہ پیسے یا سفر کے دوران جو ہے وہ ضائع ہوا، ہلاک ہوا، جل گیا وہ مال بھئی۔ یا وصی نے یہ مال لے لیا تھا ثلث اور پھر اس نے ایک آدمی کو حج پر تیار بھی کر لیا تھا، اس کو یہ مال دے دیا کہ اب تم یہ مال مل گیا تمہیں اب تم حج پر چلے جانا، حج کر لینا موصی کی طرف سے۔ لیکن پھر وہ جو وہ آدمی جس کو حج پر بھجوانا تھا اس کے پاس وہ مال ہلاک ہو گیا۔

تو چاہے وصی کے پاس ہلاک ہوا ہو، چاہے وصی کے پاس ہلاک ہوا ہو چاہے اس آدمی کے پاس ہلاک ہوا ہو جس کو حج پر بھیجنا تھا، دونوں صورتوں میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس مال کو یوں سمجھیں گے گویا تھا ہی نہیں اور جو ما بقیہ مال بچا ہے پھر اس کے ثلث میں سے حج کے لیے مال علیحدہ کر لیں گے۔ توجہ ہے؟ جو مال وارثوں کو دے دیا ہے

وہ جو ما بقیہ مال ہے پھر دوبارہ اس کے ثلث میں سے حج کے لیے پیسے نکال لیں گے۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پھر باقی کے سارے کے ثلث کو نہیں دیکھیں گے بلکہ یہ جو حج کے لیے پیسے نکالے گئے تھے کیا یہ کل مال کا ثلث تھا یا ثلث سے کم تھا؟ فرض کرو ثلث بنتا تھا دس لاکھ اور یہ جو حج کے لیے علیحدہ کیے یہ کتنے تھے؟ چھ لاکھ، تو ابھی بھی چار لاکھ ثلث میں باقی ہیں۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر یہ جو حج کے پیسے نکالے تھے یا تو یہ پورا ثلث تھا یا ثلث سے کم، اگر پورا ثلث تھا پھر اور لینے کی ضرورت نہیں بس حج ختم ہو گیا، حج نہیں کروا سکتے، پیسے ختم ہو گئے۔ اور اگر ابھی بھی کچھ ثلث باقی ہے یعنی مثلاً چار لاکھ فرض کرو ابھی بھی باقی ہیں تو وہ جو باقی ثلث ہے اب وہ لے لیں گے اور اس کے ذریعے حج کروا دیں گے جہاں سے بھی حج ہو سکا، یہاں سے نہیں ہو سکتا تو کسی قریب والے شہر سے کروا دیں گے جہاں سے چار لاکھ میں حج ہو جائے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، حج کے پیسے ختم ہوئے تو اب بس حج بھی ختم ہو گیا، اب کوئی اور حصہ نہیں لیا جائے گا۔ اس لیے کیونکہ وصی نے جب ایک دفعہ پیسے علیحدہ کر لیے تھے تو وصی کا علیحدہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے موصی نے خود پیسے علیحدہ کیے ہوں، اور جب موصی خود پیسے علیحدہ کر کے دے مرنے سے پہلے کہ میری جائیداد ساری اتنی ہے اس میں سے یہ لو یہ والے دس لاکھ میں تمہیں دے رہا ہوں اس میں میرے لیے حج کروا دینا، اور پھر یہ جو دس لاکھ اس نے حج کے لیے علیحدہ کیے تھے اگر یہ ہلاک ہو گئے تو پھر باقی مال میں سے حج کروانا وارثوں کے ذمے نہیں ہوتا۔ کب؟ جب موصی نے خود مال کیا کیا ہو؟ الگ کر کے دیا ہو حج کے لیے، جب وہ ہلاک ہو جائے تو وارثوں پر لازم نہیں کہ وہ باقی مال میں سے کیا کروا دیں؟ حج کروا دیں۔ تو یہاں پر وصی کس کے قائم مقام؟ موصی کے، تو وصی کا الگ کرنا بھی کس کی طرح ہوا؟ موصی کی طرح، اور موصی کا حج کے لیے جدا کیا ہوا مال جب ہلاک ہوتا تھا تو وارثوں پر باقی مال میں سے حج کروانا ضروری نہیں ہوتا تھا، تو یہاں پر بھی وارثوں پر دوبارہ حج کروانا ضروری نہیں، وہ اس کے لیے پیسے اور نہیں دیں گے یعنی ان پر لازم نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

دیکھیے بھئی تفصیل آگے آ رہی ہے اور دلائل بھی آ رہے ہیں: فَاِنْ قَاسَمَهُمْ فِي الْوَصِيَّةِ، اگر وصی نے مال کو تقسیم کر لیا فِي الْوَصِيَّةِ بِحَجٍّ کس چیز کی وصیت میں؟ حج کی وصیت میں۔ پھر دیکھیں: فَاِنْ قَاسَمَهُمْ فِي الْوَصِيَّةِ بِحَجٍّ اگر وصی نے وارثوں کے ساتھ تقسیم کر لیا مال کو فِي الْوَصِيَّةِ بِحَجٍّ حج کی وصیت میں، وصی نے وارثوں کے ساتھ حج کی وصیت میں مال تقسیم کر لیا، تو حُجَّ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ اِنْ هَلَكَ فِيْ يَدِهٖ تو حج کروایا جائے گا ما بقیہ کے ثلث سے، ما بقیہ ثلث نہیں، جتنا مال امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ جو مال بچ گیا ہے اس سارے کا پھر ثلث نکالیں گے، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ یہ معنی ہے بِثُلُثِ مَا بَقِيَ ما بقیہ مال کے ثلث سے حج کروایا جائے گا اِنْ هَلَكَ فِيْ يَدِهٖ اگر یہ مال ہلاک ہو گیا وصی کے قبضے میں، اَوْ فِيْ

يَدِ مَنْ يُّحَجُّ یا اس شخص کے قبضے میں جس کو حج پر بھجوایا جائے گا۔

اَيْ قَسَّمَ الْوَصِيُّ مَعَ الْوَرَثَةِ فِي الْوَصِيَّةِ بِحَجٍّ، تقسیم کر لیا وصی نے وارثوں کے ساتھ فِي الْوَصِيَّةِ بِحَجٍّ وصیت بالحج کے اندر مال کو تقسیم کر لیا، فَهَلَكَ الْمَالُ فِيْ يَدِ الْوَصِيِّ پھر وہ مال ہلاک ہو گیا وصی کے قبضے میں، اَوْ فِيْ يَدِ مَنْ يُّحَجُّ یا اس شخص کے قبضے میں جس کو حج پر بھجوایا جائے گا، تو حُجَّ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تو حج کروایا جائے گا ما بقیہ مال کے ثلث میں سے یعنی دوبارہ ایک نیا ثلث نکالیں گے ما بقیہ مال میں سے امام صاحب کے نزدیک۔

وَعِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اِنْ كَانَ مَا اُفْرِزَ لِلْحَجِّ ثُلُثَ الْمَالِ، اگر وہ جو جدا کیا گیا تھا (اَفْرَزَ يُفْرِزُ کا معنی الگ کرنا) اگر وہ جو الگ کیا گیا تھا حج کے لیے ثُلُثَ الْمَالِ اگر وہ کل مال کا ثلث تھا، تو لَا يُؤْخَذُ مِنَ الْبَاقِيْ شَيْءٌ لِلْحَجِّ تو پھر باقی مال میں سے کوئی چیز حج کے لیے نہیں لی جائے گی کیونکہ ثلث پورا ہو چکا۔ وَاِنْ كَانَ اَقَلَّ اور اگر وہ جو حج کے لیے نکالا گیا تھا وہ تھوڑا تھا ثلث سے، تو يُؤْخَذُ اِلٰى تَمَامِ الثُّلُثِ تو پھر مال لیا جائے گا ثلث کے پورا ہونے تک کہ ثلث پورا ہو جائے، یہاں تک کہ ثلث پورا ہو جائے اور پھر اس سے حج کروائیں گے۔

وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک لَا يُؤْخَذُ شَيْءٌ فِي الْحَالَيْنِ کہ کوئی بھی چیز اور نہیں لی جائے گی دونوں حالتوں میں، چاہے ثلث پورا لیا تھا چاہے کم لیا تھا، کسی صورت میں اور کوئی چیز نہیں لیں گے۔ لِاَنَّ اِفْرَازَ الْوَصِيِّ كَاِفْرَازِ الْمَيِّتِ اس لیے کیونکہ وصی کا وہ حصہ علیحدہ کرنا حج کے لیے كَاِفْرَازِ الْمَيِّتِ وہ میت کے علیحدہ کرنے کی طرح ہے، وَلَوْ اَفْرَزَ الْمَيِّتُ شَيْئًا مِّنْ مَّالِهٖ لِلْحَجِّ اگر میت کوئی چیز علیحدہ کر دیتا اپنے مال میں سے حج کے لیے، فَضَاعَ بَعْدَ مَوْتِهٖ پھر وہ ضائع ہو جاتا اس موصی کے مرنے کے بعد، تو لَا يُحَجُّ مِنَ الْبَاقِيْ تو حج نہیں کروایا جاتا کس میں سے؟ باقی کے مال میں سے کیونکہ حج والا مال تو ختم ہو گیا، ضائع ہو گیا۔ تو اس لیے یہاں وصی بھی اس کے قائم مقام ہے، تو جب اس نے ایک دفعہ مال علیحدہ کر لیا اور وہ ضائع ہو گیا تو اب باقی مال میں سے حج نہیں کروائیں گے یعنی لازمی نہیں ہے، ورثہ کروانا چاہیں تو اچھی بات ہے۔

وَلِاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اَنَّ مَحَلَّ الْوَصِيَّةِ الثُّلُثُ کہ وصیت کا محل جو ہے وہ ثلث ہے، ثلث میں وصیت نافذ کی جاتی ہے، فَتَنْفُذُ اِنْ بَقِيَ مِنَ الثُّلُثِ شَيْءٌ تو وصیت نافذ ہوگی اگر ثلث میں سے کوئی چیز باقی ہے یعنی کچھ حصہ ثلث کا باقی ہے۔

وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، امام صاحب کیا فرماتے تھے؟ کہ پھر دوبارہ مال میں سے ثلث، پورے مال کا دوبارہ پورا ثلث نکالو۔ وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ اَنَّ تَمَامَ الْقِسْمَةِ بِالتَّسْلِيْمِ اِلَى الْجِهَةِ الْمُسَمَّاةِ کہ تقسیم پوری ہوگی بِالتَّسْلِيْمِ سپرد کرنے سے اِلَى الْجِهَةِ الْمُسَمَّاةِ اس جہت میں جس کو ذکر کیا گیا، جس کو متعین کیا گیا تھا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ تقسیم یوں سمجھیں گے تقسیم ہوئی ہی نہیں، دوبارہ ثلث نکالو۔ بھئی کیوں نہیں ہوئی تقسیم؟ وہ فرماتے ہیں

اس لیے کیونکہ جب مال اس جگہ خرچ نہیں ہوا جہاں وصیت کی گئی تھی تو یوں سمجھیں گے گویا تقسیم ہوئی ہی نہیں، تو ان کے نزدیک ضروری ہے کہ مال علیحدہ کر کے اس جگہ پر خرچ بھی ہو جائے جس کے بارے میں وصیت کی تھی، پھر جو ہے پھر جو ہے وہ تقسیم پوری ہوگی، پھر کیا ہوگی؟ پھر کہیں گے اب تقسیم پوری ہو گئی ہے، لیکن اگر بے شک علیحدہ کر لیا لیکن وہاں لگا تو نہیں حج پر خرچ تو نہیں ہوا تو یوں سمجھیں گے ابھی تقسیم پوری ہی نہیں ہوئی، دوبارہ نئے سرے سے تقسیم کرو بھئی۔ تو امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ اَنَّ تَمَامَ الْقِسْمَةِ بِالتَّسْلِيْمِ اِلَى الْجِهَةِ الْمُسَمَّاةِ کہ قسمت کا پورا ہونا جو ہے وہ اس معینہ جہت کے اندر سپرد کرنے سے ہوگا، فَاِذَا لَمْ يُصْرَفْ اِلٰى تِلْكَ الْجِهَةِ پس جب اس کو خرچ نہیں کیا گیا اس جہت میں صَارَ كَهَلَاكِهٖ قَبْلَ الْقِسْمَةِ تو یہ ایسے ہی ہو گیا جیسے کہ وہ ہلاک ہوا ہو تقسیم سے پہلے، تقسیم سے پہلے ہی گویا ایک حصہ ہلاک ہوا ہے اور تقسیم سے پہلے ایک حصہ ہلاک ہو جائے پھر تو بالاتفاق دوبارہ ثلث پورا نکالتے ہیں بھئی۔

بس کریں بس بھئی، هذا هو المرام، والله أعلم بحقيقة الكلام۔

كِتَابُ الْخُنْثٰى وَمَسَائِلُ شَتّٰى

تصرفاتِ وصی، خنثیٰ مشکل کے احکام و میراث اور اشارۂ اخرس و مسائلِ شتیٰ

سبق نمبر ٦٨: باب الوصایۃ وکتاب الخنثیٰ: وصی کے اختیارات، خنثیٰ مشکل کے احکام اور میراثِ خنثیٰ (قولِ امام ابو حنیفہؒ — نقشہ ١)

شرح الوقایہ صفحہ: ١٧٠ — بتاریخ: ١١ مارچ ٢٠٢٠ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی کتاب پر:

وَصَحَّ بَيْعُ الْوَصِيِّ عَبْدًا مِنَ التَّرِكَةِ بِغَيْبَةِ الْغُرَمَاءِ، أَيْ يَجُوزُ لِلْوَصِيِّ أَنْ يَبِيعَ لِقَضَاءِ الدَّيْنِ عَبْدًا مِنَ التَّرِكَةِ بِغَيْبَةِ الْغُرَمَاءِ، وَضَمِنَ وَصِيٌّ بَاعَ مَا أُوصِيَ بِبَيْعِهِ وَتَصَدُّقِ ثَمَنِهِ فَاسْتُحِقَّ بَعْدَ هُلْكِ ثَمَنِهِ مَعَهُ وَرَجَعَ فِي التَّرِكَةِ.

وَصَحَّ بَيْعُ الْوَصِيِّ عَبْدًا مِنَ التَّرِكَةِ بِغَيْبَةِ الْغُرَمَاءِ. صورتِ مسئلہ یہ کہ مرنے والے پر قرضے بھی تھے بھائی، دُیُون تھے، اور جو وصی اس نے مقرر کیا، وصی نے بعد میں ایک غلام کو بیچ دیا، غلام کو بیچا دُیُون کو ادا کرنے کے لیے اور قرض خواہوں کی غیر موجودگی میں۔ تو کیا یہ اس کا بیچنا صحیح ہے؟ وہ وصی بیچ سکتا ہے اس طرح قرض خواہوں کی غیر موجودگی میں؟ کیونکہ ان کا حق وابستہ ہے ترکے کے ساتھ، انہوں نے اپنا دَیْن وصول کرنا ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں ہاں بھائی، وصی جو ہے وہ میت کے قائم مقام ہے، یعنی یوں کہیں مُوصِي کے قائم مقام ہے، اور جیسے مُوصِي کے لیے جائز تھا قرض خواہوں کی غیر موجودگی میں اپنے غلام کو بیچ کر قرضے وغیرہ ادا کرے، تو اسی طرح وصی کو بھی اختیار ہے وہ قرض خواہوں کی غیر موجودگی میں غلام کو، غلام وغیرہ یا کوئی چیز بیچ کر قرضے ادا کر سکتا ہے۔ تو یہ قرض خواہ یہ اعتراض نہیں کر سکتے کہ ہمارے سامنے بیچنا تھا، پتہ نہیں تم نے کس قیمت پر بیچا ہے، کس طرح بیچا ہے، ہمارا حق وابستہ تھا، نہیں بھائی، قرض خواہ اعتراض نہیں کر سکتے۔ اِلَّا یہ کہ اس نے کوئی زیادہ ہی جان بوجھ کر کوئی نقصان پہنچانے کی نیت سے مہنگا غلام بہت ہی سستے داموں فروخت کر دیا ہے جس میں واضح جو ہے نقصان ہے، تو پھر اس صورت میں وہ اعتراض کر سکتے ہیں لیکن عام حالت میں نہیں کر سکتے بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَصَحَّ بَيْعُ الْوَصِيِّ عَبْدًا مِنَ التَّرِكَةِ بِغَيْبَةِ الْغُرَمَاءِ، اور صحیح ہے وصی کا بیچنا کسی غلام کو ترکے میں سے بِغَيْبَةِ الْغُرَمَاءِ قرض خواہوں کی غیر موجودگی میں۔ أَيْ يَجُوزُ لِلْوَصِيِّ أَنْ يَبِيعَ لِقَضَاءِ الدَّيْنِ عَبْدًا مِنَ التَّرِكَةِ بِغَيْبَةِ الْغُرَمَاءِ، یعنی جائز ہے وصی کے لیے کہ وہ بیچ دے قرضے کو ادا کرنے کے لیے غلام کو ترکے میں سے بِغَيْبَةِ الْغُرَمَاءِ قرض خواہوں کی غیر موجودگی میں۔

وَضَمِنَ وَصِيٌّ بَاعَ مَا أُوصِيَ بِبَيْعِهِ وَتَصَدُّقِ ثَمَنِهِ فَاسْتُحِقَّ بَعْدَ هُلْكِ ثَمَنِهِ مَعَهُ وَرَجَعَ فِي التَّرِكَةِ. اچھا، یہاں تَرِکَة کا لفظ آیا، ویسے ایک بات ذہن میں آئی آپ کو بتلا دوں، یاد رکھیے اس کو تَرْکَة پڑھنا بھی صحیح اور تَرِکَةٌ پڑھنا بھی صحیح، یعنی را کو ساکن پڑھنا بھی صحیح اور را پر کسرہ بھی صحیح، بلکہ را پر کسرہ پڑھنا افصح ہے، اعلیٰ لغت ہے بھائی۔ اعلیٰ لغت ہے کہ آپ اس کو اَلتَّرِكَةِ پڑھیں، جیسے کیا ہے عبارت میں: وَرَجَعَ فِي التَّرِكَةِ، اس طرح پڑھیں تو زیادہ بہتر ہے۔ تو بہرحال جائز دونوں ہیں، دونوں لغتیں ہیں بھائی، تو تَرْکَة ذرا را ساکن ہے پڑھنے میں آسانی ہے اس لیے میں تو اسی طرح پڑھ لیتا ہوں، تو وَرَجَعَ فِي التَّرِكَةِ۔

اچھا، صورتِ مسئلہ یہ کہ مُوصِي نے وصیت کی تھی وصی کو، کوئی وصی مقرر کیا تھا اور اس کو وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد اس غلام کو بیچ دینا اور جتنے پیسے وصول ہوں، جتنے اس کے ثمن وصول ہوں وہ سارے صدقہ کر دینا۔ اور وہ غلام ثُلُث میں سے نکل سکتا ہے۔ چنانچہ بعد میں مُوصِي کے مرنے کے بعد وصی نے اس غلام کو بیچا اور غلام کو بیچنے کے بعد ثمن وصول کر لیے، لیکن وہ ثمن اتفاق ایسا ہوا کہ وصی کے پاس ہلاک ہو گئے، ضائع ہو گئے، دریا میں گر گئے یا کوئی چرا کر لے گیا، تو وہ اس کے پاس ہلاک ہو گئے، ضائع ہو گئے بھائی۔ اور اِدھر وہ جو غلام اس نے بیچا تھا، اس کا بھی کوئی مستحق نکل آیا، پتہ چلا وہ تو کسی اور کا غلام تھا، چنانچہ وہ آیا اور وہ مشتری سے آ کر اپنا غلام لے گیا۔ اور مشتری نے تو ثمن دے کر غلام خریدا تھا، چنانچہ اس نے پھر وصی پر رجوع کیا، اور اس کے پاس ثمن بے شک ہلاک ہو چکے ہیں لیکن اس نے وصول تو کیے تھے، چنانچہ وہ ضَمَان لے کر اس سے چلا گیا۔ مشتری نے پورے غلام کے ثمن کس سے وصول کر لیے؟ وصی سے، وصی سے وصول کر لیے۔

اور اب وصی رجوع کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا، یعنی ترکے پر، ترکے میں سے وہ کیا کرے باقی پیسے لے لے؟ تو چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہ رَحِمَهُ اللهُ کا اول قول تو یہی تھا کہ وصی جو ہے رجوع نہیں کر سکتا، اس لیے کیونکہ جب وصی نے غلام کو بیچنے کے بعد ثمن پر قبضہ کر لیا تھا تو اب یہ ثمن کا ضَمَان وصی پر ہی آئے گا، یہ اب ترکے میں سے وصول نہیں کر سکتا۔ لیکن بعد میں امام صاحب نے اس قول سے رجوع کیا اور امام صاحب کا آخری قول یہ تھا، دوسرا قول، کہ وصی رجوع کر سکتا ہے، چنانچہ وہ رجوع کرے گا اور جتنا ضَمَان اس کا نقصان ہوا ہے وہ سارا ضَمَان وصول کر لے گا، چاہے سارا ترکہ ہی اس میں کیوں نہ ختم ہو جائے۔ چاہے سارا ترکہ ہی کیوں نہ ختم ہو جائے، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ فرض کرو وہ غلام ثُلُث سے بھی زیادہ تھا لیکن وارثوں نے اجازت دے دی تھی کہ بھئی ٹھیک ہے آپ وصیت نافذ کر دیں، تو چنانچہ اب باقی ترکہ غلام کے

بقدر ہی رہ گیا ہے اور اس نے وہ اس میں رجوع کرے گا اور چاہے سارا ترکہ ہی کیوں نہ ختم ہو جائے اپنا ضَمَان وصول کر لے گا۔ جبکہ امام محمد رَحِمَهُ اللهُ فرماتے ہیں کہ صرف ثُلُث کے بقدر رجوع کرے گا، ثُلُث سے زائد میں رجوع نہیں کر سکتا، اس لیے کیونکہ وصیت جو ہے وہ ثُلُث میں نافذ کی جاتی ہے، تو اور یہ جو ضَمَان آیا کس کی وجہ سے آیا؟ وہ وصیت کی وجہ سے آیا، اس نے وصیت کی تھی کہ غلام کو بیچ کر اس کے ثمن صدقہ کر دو، تو لہٰذا محلِ وصیت کتنا ہے؟ ثُلُث۔ تو ثُلُث کے بقدر جو ہے اپنا ضَمَان لے سکتا ہے، ثُلُث سے زیادہ نہیں لے سکتا۔

دیکھیے بھائی: وَضَمِنَ وَصِيٌّ، اور ضامن ہوگا وصی، بَاعَ، اس کے بعد فعل آیا نکرہ کے بعد فعل تو یہ اس کی صفت بنے گا، وَضَمِنَ وَصِيٌّ، اور ضامن ہوگا ایسا وصی بَاعَ مَا أُوصِيَ بِبَيْعِهِ، کہ جس نے بیچ دیا مَا، مَا سے مراد وہ غلام ہے، اس غلام کو أُوصِيَ بِبَيْعِهِ کہ جس کی وصیت کی گئی تھی اس کو بیچنے کی وَتَصَدُّقِ ثَمَنِهِ اور اس کے ثمن صدقہ کرنے کی، یعنی اس کے بیچنے اور اس کے ثمن کو صدقہ کرنے کی اس کو وصیت کی گئی تھی، فَاسْتُحِقَّ بَعْدَ هُلْكِ ثَمَنِهِ مَعَهُ، پھر اس غلام کا کوئی اور مستحق نکل آیا بَعْدَ هُلْكِ ثَمَنِهِ بعد اس کے کہ جب اس غلام کے ثمن ہلاک ہو چکے تھے مَعَهُ وصی کے پاس، وَرَجَعَ فِي التَّرِكَةِ، دیکھا؟ شروع میں بتا دیا وَضَمِنَ وَصِيٌّ یہ وصی کیا ہوگا؟ ضامن ہوگا، یہ وصی، دوبارہ سنیں کہ ضامن ہوگا وہ وصی جس نے بیچا اس غلام کو جس کی وصیت کی گئی تھی اسے بیچنے کی اور اس کے ثمن صدقہ کرنے کی اور پھر اس غلام کا کوئی مستحق نکل آیا بعد اس کے جبکہ اس کے ثمن ہلاک ہو گئے تھے وصی کے پاس، تو یہ وصی ضامن ہوگا۔ وَرَجَعَ فِي التَّرِكَةِ، اور پھر رجوع کرے گا ترکے میں یعنی پورا اپنا ضَمَان وصول کر لے گا جتنے پیسے اس نے مشتری کو دیے تھے۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

أَوْصَى الْمَيِّتُ بِأَنْ يُبَاعَ هٰذَا الْعَبْدُ، میت نے وصیت کی کہ اس غلام کو بیچ دیا جائے وَيُتَصَدَّقَ بِثَمَنِهِ اور اس کے ثمن کو صدقہ کر دیا جائے، فَبَاعَ الْوَصِيُّ الْعَبْدَ وَقَبَضَ الثَّمَنَ، پس اس وصی نے اس غلام کو بیچ دیا اور اس کے ثمن پر قبضہ کر لیا، فَهَلَكَ فِي يَدِهِ، پھر وہ ثمن ہلاک ہو گئے وصی کے قبضے میں، فَاسْتُحِقَّ الْعَبْدُ فِي يَدِ الْمُشْتَرِي، پھر غلام کا کوئی مستحق نکل آیا فِي يَدِ الْمُشْتَرِي مشتری کے قبضے میں، فَضَمِنَ الْوَصِيُّ الثَّمَنَ، تو ضامن ہوگا وصی ثمن کا، ثمن تو ہلاک ہو چکے ہیں لیکن اس کو دینے پڑیں گے۔ أَيْ يَرْجِعُ الْمُشْتَرِي بِالثَّمَنِ عَلَى الْوَصِيِّ، یعنی مشتری رجوع کرے گا ثمن کے ساتھ وصی پر اور اس سے ثمن لے لے گا، ثمن تو ہلاک ہو گئے یعنی اس کے بقدر اس سے لے لے گا مال۔ ثُمَّ الْوَصِيُّ يَرْجِعُ فِي التَّرِكَةِ، پھر وصی رجوع کرے گا ترکے میں جو ترکہ باقی بچا ہے، اور اس میں نے بتلایا سارے ترکے میں رجوع کرے گا تو یہ ترکے میں رجوع کرے گا، لِأَنَّهُ عَامِلٌ لِلْمَيِّتِ، کیونکہ یہ میت کے لیے عمل کرنے والا تھا، یہ سارا عمل اس نے کس کے لیے کیا تھا؟ میت کے لیے کیا تھا کہ غلام کو بیچا تھا اور اس کے ثمن پر قبضہ کیا، لیکن اب ترکے میں رجوع کرے گا اور سارے ثمن لے لے گا۔ بھائی کیوں؟ رجوع کیوں کرے گا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ دھوکہ میت کی طرف سے تھا، مُوصِي کی طرف سے تھا، غلام کسی اور کا تھا اور مُوصِي نے کیا کہا تھا میری طرف سے اس کو صدقہ کر دینا، تو یہ دھوکہ کس کی طرف سے ہوا؟ مُوصِي

کی طرف سے، لہٰذا یہ دَیْن کی طرح ہو جائے گا، میت پر گویا دَیْن ہو گیا اور دَیْن تو سارے ترکے میں سے ادا کیا جاتا ہے، تو یہاں بھی سارے ترکے میں سے وہ ضَمَان وصول کر لے گا۔

وَكَانَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ يَقُولُ أَوَّلًا: لَا يَرْجِعُ فِي التَّرِكَةِ، اور امام اعظم ابو حنیفہ رَحِمَهُ اللهُ پہلے فرماتے تھے کہ لَا يَرْجِعُ فِي التَّرِكَةِ کہ وصی جو ہے ترکے میں رجوع نہیں کرے گا، لِأَنَّهُ ضَمِنَ بِقَبْضِهِ، اس لیے کیونکہ وصی جو ہے وہ ضامن ہو گیا ہے بِقَبْضِهِ أَيْ قَبْضِ الثَّمَنِ، ثمن پر قبضہ کرنے کی وجہ سے اب ثمن کا ضامن ہو چکا ہے، اس کے ذمے ہیں وہ ثمن۔ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى مَا ذُكِرَ، پھر امام صاحب نے رجوع کیا اس قول کی طرف جو ذکر کر دیا گیا۔

وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ: يَرْجِعُ فِي الثُّلُثِ، اور امام محمد رَحِمَهُ اللهُ کے نزدیک يَرْجِعُ فِي الثُّلُثِ کہ وہ رجوع کرے گا ثُلُث میں، لِأَنَّ مَحَلَّ الْوَصِيَّةِ الثُّلُثُ، کیونکہ وصیت کا محل ثُلُث ہے، وصیت ثُلُث میں نافذ ہوتی ہے اور یہ جو رجوع کر رہا ہے کس کی وجہ سے کر رہا ہے؟ وصیت ہی کی وجہ سے تو کر رہا ہے، اس نے کیا کہا تھا؟ وصیت کی تھی نا یہ غلام صدقہ کرو، تو یہ رجوع کس کی وجہ سے کرنا پڑا؟ وصیت کی وجہ سے، تو وصیت تو ثُلُث میں نافذ ہوتی ہے لہٰذا صرف ثُلُث کے بقدر مقدار میں رجوع کرے گا ترکے کے ثُلُث میں، جو باقی ترکہ ہے اس کے ثُلُث کے بقدر رجوع کرے گا۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ يَرْجِعُ فِي الثُّلُثِ امام محمد رَحِمَهُ اللهُ فرماتے ہیں ثُلُث میں رجوع کرے گا، لِأَنَّ مَحَلَّ الْوَصِيَّةِ الثُّلُثُ، کیونکہ محلِ وصیت جو ہے وہ ثُلُث ہے۔

كَمَا يَرْجِعُ فِي مَالِ الطِّفْلِ وَصِيٌّ بَاعَ مَا أَصَابَهُ مِنَ التَّرِكَةِ وَهَلَكَ مَعَهُ ثَمَنُهُ فَاسْتُحِقَّ، وَالطِّفْلُ عَلَى الْوَرَثَةِ بِحِصَّتِهِ.
صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ وصی نے ترکہ تقسیم کر دیا، میراث تقسیم کر دی، ان میں ایک نابالغ بچہ بھی تھا وارثوں میں، اس کے حصے میں ایک غلام آگیا۔ پھر وصی نے اس بچے کے غلام کو بیچا اور ثمن پر قبضہ کر لیا، اور پھر وہ ثمن وصی کے پاس ہلاک ہو گئے۔ توجہ ہے؟ وہی صورت ہے تقریباً۔ پھر وہ ثمن جو ہے وصی کے پاس ہلاک ہو گئے، اِدھر اس غلام کا کوئی اور مستحق نکل آیا، چنانچہ وہ اپنا غلام لے گیا۔ اب مشتری واپس آیا اور اس نے تو وصی کو ثمن دیے تھے، وہ ثمن تو وصی کے پاس ہلاک ہو چکے، لیکن اس سے اتنے ہی ثمن کے بقدر مال لے جائے گا، یعنی واپس لے لے گا اپنے ثمن۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اب وصی کا تو نقصان ہو گیا بھائی، غلام کے بقدر اس کا مال چلا گیا اس میں۔ پھر دوبارہ وہ وصی جو ہے وہ اس بچے کے مال میں رجوع کرے گا، بچے کے مال میں، کیونکہ وہ بچے کے لیے یہ کام کر رہا تھا، کام کس کے لیے کر رہا تھا؟ بچے کے لیے، اس کے غلام کو فروخت کر رہا تھا، تو وہ بچے کے مال میں رجوع کرے گا۔ اور بچہ، بچہ پھر اپنے حصے کے بقدر وارثوں پر رجوع کرے گا، کیوں؟ کیونکہ بچے کے حصے میں غلام آیا تھا اور وہ غلام تو پتہ چلا کسی اور کا تھا، معلوم ہوا یہ ترکے کا حصہ ہی نہیں تھا اور اس کو ترکے میں سے باقاعدہ حساب کر کے غلام سمیت اس کو ترکہ دیا گیا تھا، تو معلوم ہوا یہ تو غلام تو ترکہ ہی نہیں تھا، لہٰذا معلوم ہوا غلام کے بقدر گویا اس کو حصہ کم ملا ہے، تو دوبارہ وارثوں پر رجوع کرے گا اور وہ پھر دوبارہ

جتنی اس کے حصے میں کمی آئی ہے اس کے بقدر وارثوں سے وصول کرلے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یعنی دوبارہ سارے ترکے کا حساب لگا لیں گے، غلام کے بغیر اب دوبارہ حساب لگا لیں گے تو سب وارثوں کو کچھ کچھ زیادہ چلا گیا ہے اس کا مطلب ہے، تھوڑا تھوڑا حصہ سب کو زیادہ چلا گیا ہے، چنانچہ پھر دوبارہ حساب لگا لیں گے اور بچے کے حصے میں جتنی کمی تھی اس کو پورا کر دیا جائے گا، اور جن جن وارثوں کو جتنا زیادہ تھوڑا تھوڑا ملا تھا وہ سب کے حصوں میں کمی ہو جائے گی، وہ ان سے لے لیا جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھائی: كَمَا يَرْجِعُ فِي مَالِ الطِّفْلِ جیسے کہ وصی رجوع کرے گا بچے کے مال میں، پچھلے مسئلے میں بتلایا تھا نا کہ وہ ترکے میں رجوع کرے گا، تو یہاں بھی بتلایا كَمَا يَرْجِعُ فِي مَالِ الطِّفْلِ جیسے کہ رجوع کرے گا بچے کے مال میں وَصِيٌّ ایسا وصی بَاعَ مَا أَصَابَهُ مِنَ التَّرِكَةِ جس نے بیچ دیا اس غلام کو جو بچے کو ملا تھا ترکے میں سے وَهَلَكَ مَعَهُ ثَمَنُهُ اور اس وصی کے پاس اس غلام کے ثمن ہلاک ہو گئے۔

ہلاک ہو گئے، فَاسْتُحِقَّ، اس کے بعد اس غلام کا کوئی مستحق نکل آیا، اچھا تو یہ رجوع کرے گا۔ اس صورت میں یہ رجوع کرے گا۔ وَالطِّفْلُ عَلَى الْوَرَثَةِ بِحِصَّتِهِ، اور بچہ وارثوں پر رجوع کرے گا بِحِصَّتِهِ اپنے حصے کے بقدر۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟

دیکھیے بھائی خود پھر پورا مسئلہ بیان کریں گے: أَيْ قُسِّمَ الْمِيرَاثُ، یعنی تقسیم کیا گیا میراث کو، فَأَصَابَ الطِّفْلَ عَبْدٌ، پس بچے کو جو ہے ایک غلام ملا یعنی اس کے حصے میں آیا، فَبَاعَهُ الْوَصِيُّ، تو اس غلام کو وصی نے بیچ دیا، وَقَبَضَ ثَمَنَهُ، اور وصی نے اس غلام کے ثمن پر قبضہ کر لیا، فَهَلَكَ الْعَبْدُ فِي يَدِهِ. اسی طرح ہے عبارت آپ کی کتابوں میں؟ جی؟ جی یہ عبارت درست کر لیں، یہ الْعَبْدُ کا لفظ یہاں غلط ہے، غلام نہیں ہلاک ہوا، ثمن ہلاک ہوئے ہیں ثمن۔ تو یہ عَبْد کا لفظ کتابت کی غلطی ہے، اس کو کاٹ دیں یہاں نہیں ہونا چاہیے۔ اب دیکھو عبارت یوں بن گئی: وَقَبَضَ ثَمَنَهُ، اور اس نے، وصی نے ثمن پر قبضہ کر لیا، فَهَلَكَ فِي يَدِهِ، پھر وہ ثمن وصی کے پاس، وصی کے قبضے میں ہلاک ہو گئے، فَاسْتُحِقَّ الْعَبْدُ، پھر اس کے بعد غلام کا کوئی مستحق نکل آیا، وَأَخَذَ الْمُشْتَرِي الثَّمَنَ مِنَ الْوَصِيِّ، اور مشتری نے رجوع کیا اور اس نے ثمن وصی سے لے لیے، وَرَجَعَ الْوَصِيُّ فِي مَالِ الطِّفْلِ، اور رجوع کیا وصی نے بچے کے مال میں، لِأَنَّهُ عَامِلُهُ، اس لیے کیونکہ وصی جو ہے بچے کے لیے عمل کرنے والا تھا، یعنی بچے کا کارندہ تھا، اس کے لیے کام کر رہا تھا، وَيَرْجِعُ الطِّفْلُ عَلَى الْوَرَثَةِ بِنَصِيبِهِ مِمَّا بَقِيَ فِي أَيْدِيهِمْ، اور رجوع کرے گا بچہ وارثوں پر بِنَصِيبِهِ اپنے حصے کے ساتھ مِمَّا بَقِيَ فِي أَيْدِيهِمْ اس میں وہ جو باقی ہے ان کے قبضے میں، جو ان کے ہاتھوں میں باقی ہے اس کے اندر جو ہے رجوع کرلے گا، لِأَنَّ الْقِسْمَةَ قَدِ انْتَقَضَتْ، اس لیے کیونکہ تقسیم جو ہے وہ ٹوٹ گئی۔ معلوم ہوا وہ غلام تو ورثے میں تھا ہی نہیں، ترکے میں تھا ہی نہیں، اور اس کے ساتھ سارا حساب کتاب کیا گیا اس کو ملا کر، معلوم ہوا وہ حساب درست نہیں تھا۔ تو لِأَنَّ الْقِسْمَةَ قَدِ انْتَقَضَتْ، اس لیے کیونکہ تقسیم

جو ہے وہ ٹوٹ گئی، وَصَارَ كَأَنَّ الْعَبْدَ لَمْ يَكُنْ، اور ایسے ہی ہو گیا جیسے کہ وہ غلام تھا ہی نہیں، وہ ترکے میں تھا ہی نہیں، اس کے بغیر حساب کریں گے۔

وَلَا يَبِيعُ وَصِيٌّ وَلَا يَشْتَرِي إِلَّا بِمَا يُتَغَابَنُ بِهِ. وصی جو ہے وصی، جس کو میت نے نگران بنایا اپنے بعد اپنے تمام امور کا اور اس کو وصیت وغیرہ بھی کی، ترکہ تقسیم کرنے کا بھی کہا، تو یہ وصی، اس کو ضرورت پیش آتی ہے چیزوں کو بیچنے کی یا خریدنے کی۔ تو کیا یہ چیزوں کو بیچ سکتا ہے، چیزوں کو خرید سکتا ہے؟ مثلاً، مثلاً ابھی جیسے اوپر مسئلہ گزرا کہ وہ غلام کو بیچتا ہے قرضے ادا کرنے کے لیے، نقد مال ہے نہیں اور قرضے ادا کرنے ہیں تو غلام کو بیچنے کی ضرورت پیش آگئی، تو آپ کو بتلائیں گے کہ ہاں ضرورت پیش آجائے تو وصی جو ہے وہ بیع و شراء کر سکتا ہے، لیکن بیع و شراء میں اتنا ہی نقصان اٹھانے کی گنجائش ہے جتنا عام لوگ نقصان وغیرہ اٹھاتے ہیں۔ جتنا عام لوگ بیع و شراء میں نقصان اٹھاتے ہیں، اتنے نقصان کے ساتھ وہ چیزوں کی خرید و فروخت کر سکتا ہے۔ جتنا عام لوگ نقصان اٹھاتے ہیں، مثلاً بھائی آپ بھی لوگ چیزیں کبھی خریدتے ہیں یا بیچتے ہیں، بعض اوقات ایسا ہوتا ہے آپ ایک چیز ایک سو دس یا پندرہ کی لے کر آئے، بعد میں ساتھی نے بتایا کہ بھئی یہ تو سو روپے کی مل جاتی ہے، تو دیکھا یہ دس پندرہ آپ نے زائد دے دیے۔ تو جب بھی انسان چیزیں خریدتا ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے، کبھی تھوڑی سی مہنگی چیز مل جاتی ہے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ ہاں، یہ وہ معمولی مقدار جتنی لوگ عموماً بیع و شراء میں ہوتی ہی رہتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو وہ اتنے، اتنے نقصان کے ساتھ اس کو بیع و شراء کی اجازت ہوگی، غبنِ فاحش کے ساتھ اس کو بیع و شراء کی اجازت نہیں ہوگی۔ غبن: نقصان، فاحش: بہت زیادہ۔ بہت زیادہ نقصان کے ساتھ اس کو بیع و شراء کی اجازت نہیں ہوگی۔ مثلاً وہ سو کی چیز ہے اور یہ دو سو میں خریدتا ہے ان کے لیے، یہ تو غبنِ فاحش ہے بھائی بہت زیادہ نقصان کے ساتھ آپ چیز خریدیں۔ دو چار پانچ روپے دس روپے کا تو ٹھیک ہے فرق پڑ سکتا ہے، ایک جگہ بیچنے والا کچھ مہنگی دے رہا ہے، دوسرا کچھ سستی دے رہا ہے، لیکن اتنا تو نہیں کہ قیمت ڈبل ہو جائے، بات سمجھ میں آگئی؟ یا اسی طرح ایک غلام کو بیچنا چاہتا ہے، وہ غلام ہے مثلاً پانچ لاکھ کا، پانچ لاکھ کا غلام ہے، اب کوئی خریدار نہیں مل رہا، تو وہ پونے پانچ میں بیچ دے گا، بھئی ٹھیک ہے یہ پانچ لاکھ کے اندر پندرہ بیس ہزار، بیس پچیس ہزار اوپر نیچے اتنا تو ہو جاتا ہے، لیکن اگر یہ پانچ لاکھ والا غلام ہے اور اس کو وہ تین لاکھ میں بیچ رہا ہے، بھئی یہ تو غبنِ فاحش ہے، یہ تو آپ نقصان کر رہے ہیں وارثوں کا، تو اس کی اجازت نہیں ہوگی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور غبنِ فاحش کس کو کہیں گے؟ میں نے ویسے بطورِ مثال کے ذکر کر دیا، بھئی جس کو عرف میں غبنِ فاحش سمجھا جاتا ہو، جو بیع و شراء کرتے ہوں اور ان کو پتہ ہو کہ اتنا، اتنا زیادہ فرق بھئی اتنا زیادہ فرق، جس کو عرف میں غبنِ فاحش سمجھا جاتا ہو، یہ میں نے ویسے مثال ذکر کر دی بھئی یہی ضروری نہیں کہ یہی غبنِ فاحش ہو، لیکن عرف میں دیکھا جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَلَا يَبِيعُ وَصِيٌّ وَلَا يَشْتَرِي إِلَّا بِمَا يُتَغَابَنُ بِهِ، اور وصی بیچ نہیں سکتا وَلَا يَشْتَرِي اور خرید نہیں سکتا إِلَّا بِمَا مگر اتنی قیمت کے بدلے، اتنے ثمن کے بدلے یا اتنے مال کے بدلے يُتَغَابَنُ بِهِ جتنا لوگ غبن کرتے ہیں، جتنا لوگ غبن کرتے ہیں یعنی یوں کہیں دھوکہ دیتے ہیں یا نقصان کرتے ہیں، اتنے میں، اتنے کے بقدر بیچ سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں بھائی، غبنِ فاحش کے ساتھ نہیں بیچ سکتا۔ تو یہ معنیٰ ہے کہ وَلَا يَبِيعُ وَصِيٌّ وَلَا يَشْتَرِي إِلَّا بِمَا يُتَغَابَنُ بِهِ کہ وصی بیچ نہیں سکتا اور خرید نہیں سکتا مگر اتنے مال میں جتنا لوگوں میں غبن ہوتا ہے۔

اعْلَمْ أَنَّهُ يَجُوزُ لِلْوَصِيِّ أَنْ يَبِيعَ مَالَ الصَّبِيِّ وَهُوَ مِنَ الْمَنْقُولَاتِ مِنَ الْأَجْنَبِيِّ بِمِثْلِ الْقِيمَةِ وَبِمَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيهِ. جان لے کہ جائز ہے وصی کے لیے أَنْ يَبِيعَ مَالَ الصَّبِيِّ کہ وہ بیچ دے بچے کے مال کو وَهُوَ مِنَ الْمَنْقُولَاتِ اس حال میں کہ وہ مال کس میں سے ہو؟ منقولات میں سے ہو۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کچھ چیزیں منقولی ہیں کچھ غیر منقولی، منقولی وہ چیزیں جن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل کیا جا سکتا ہے، گاڑی ہے، الماری ہے، میز ہے، کرسی ہے، مشینری ہے، یہ ساری چیزیں منقولات ہیں جن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے، جبکہ اس کے مقابلے میں جو زمین ہے، گھر ہے، فیکٹری ہے اور یہ چیزیں غیر منقولات میں سے ہیں، ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ تو یہاں جو کہہ رہے ہیں کہ بچے کے مال کو بیچ سکتا ہے وصی، اس سے منقولات مراد ہیں، غیر منقولات یعنی زمین اور جائیداد مراد نہیں، اس کا حکم وہ آگے بیان کریں گے۔

تو کہتے ہیں: اعْلَمْ جان لے تو أَنَّهُ يَجُوزُ لِلْوَصِيِّ کہ جائز ہے وصی کے لیے أَنْ يَبِيعَ مَالَ الصَّبِيِّ کہ وہ بیچ دے بچے کے مال کو وَهُوَ مِنَ الْمَنْقُولَاتِ اس حال میں کہ وہ مال جو ہے منقولات میں سے ہو، تو وصی کے لیے جائز ہے کہ وہ بچے کے مال کو بیچ دے مِنَ الْأَجْنَبِيِّ اجنبی شخص کے ہاتھ یعنی اس کو فروخت کر دے بِمِثْلِ الْقِيمَةِ، کتنے کے بدلے میں؟ مثلِ قیمت کے بدلے میں، یعنی اس جیسی چیزوں کی جو قیمت ہوتی ہے اتنے ہی میں بیچے، نقصان کے ساتھ بیچنے کی اجازت نہیں ہے، تو اس کو بیچے بِمِثْلِ الْقِيمَةِ اس کی مثلِ قیمت کے بدلے میں وَبِمَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيهِ اور جتنا لوگ غبن کرتے ہیں اتنے کے بدلے میں بیچے۔ جتنا لوگوں میں غبن ہوتا ہے اتنے کے بدلے میں بیچ سکتا ہے، غبنِ فاحش یعنی بہت زیادہ نقصان یا فرق کے ساتھ نہیں بیچ سکتا۔ یعنی اگر اس میں بچے کا فائدہ ہے پھر تو مہنگا بھی بیچ سکتا ہے، تو مہنگا تو جتنے کا بھی بیچ دے، لیکن نقصان کے ساتھ بیچنے کی اجازت نہیں اِلَّا یہ کہ وہ اتنا لوگوں میں غبن ہوتا ہے اتنے کے بقدر بیچے۔

کہتے ہیں: وَبِمَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيهِ اور اتنے مال کے بدلے کہ جتنا لوگوں میں غبن ہوتا ہے۔ بھئی لوگوں میں کتنا غبن ہوتا ہے؟ کتنا نقصان وغیرہ یا دھوکہ ہو جاتا ہے؟ تو وہ بتلانے لگے ہیں، کہتے ہیں: وَهُوَ مَا يَدْخُلُ تَحْتَ تَقْوِيمِ الْمُقَوِّمِينَ. مُقَوِّم کہتے ہیں قیمت لگانے والا، یہ قیمت سے ہے، مُقَوِّم کس کو کہتے ہیں؟ قیمت لگانے والا۔ بھئی جو قیمت لگانے والوں کے تحت آئے، وہ قیمت جو قیمت لگانے والے ایک چیز کی لگاتے ہوں، وہ ہے مَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيهِ جتنا لوگوں میں غبن ہوتا ہے۔ اور اگر اتنے ریٹ پر، اتنی قیمت میں بیچا جو قیمت لگانے والا کوئی بھی وہ قیمت نہیں لگاتا، تو اس کا مطلب ہے یہ غبنِ

فاحش ہے، یہ کیا ہے؟ غبنِ فاحش۔ مثلاً آپ گاڑی فروخت کرنے جاتے ہیں، آپ مختلف لوگوں کے پاس جاتے ہیں گاڑی ان کو دکھاتے ہیں، کوئی دیکھے گا تو کہے گا بھئی یہ آٹھ لاکھ کی گاڑی ہے، کوئی دیکھے گا وہ کہے گا یہ ساڑھے آٹھ لاکھ کی ہے، کوئی کہے گا یہ ساڑھے سات لاکھ کی ہے، دیکھا؟ معلوم ہوا اس گاڑی کی قیمت ساڑھے سات سے ساڑھے آٹھ تک کے بیچ میں ہو تو یہ ٹھیک ہے، ساڑھے سات سے ساڑھے آٹھ لاکھ کے درمیان ہو تو یہ ٹھیک ہے کیونکہ یہ قیمت لگانے والے اس کی قیمت اتنی لگا رہے ہیں، بھئی قیمت جو لگاتے ہیں ایک قیمت تو نہیں نا لگاتے، آپ موبائل بیچنے جاتے ہیں دکاندار کے پاس، ایک کو دکھاتے ہیں وہ کہتا ہے میں پانچ ہزار میں لے لوں گا، دوسرے کے پاس جاتے ہیں وہ کہے گا میں صرف ساڑھے چار ہزار میں لے سکتا ہوں، تیسرے کے پاس جاتے ہیں وہ آپ کو کہے گا بھئی میں باون ترپن سو میں یعنی سوا پانچ ہزار میں بھی آپ سے خریدنے کو تیار ہوں، تو یہ جو قیمت لگانے والے ہوتے ہیں نا ان کی قیمتیں قریب قریب ہوتی ہیں، کیا ہوتی ہیں؟ قریب قریب ہوتی ہیں، ان کو چیزوں کے ریٹ کا پتہ ہوتا ہے، تو جو قیمت لگانے والوں کے ریٹ کے اندر جو چیز آرہی ہو، معلوم ہوا یہ غبنِ فاحش نہیں ہے، یہ وہ قیمت ہے جتنا لوگوں میں اتنا غبن ہوتا ہے، اتنا نقصان اوریا اتنی کمی بیشی ہوتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کیا بتلایا کہ وہ وصی بیچ سکتا ہے بچے کے مال کو کسی اجنبی کے ہاتھ بِمِثْلِ الْقِيمَةِ وَبِمَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيهِ، مثلِ قیمت کے بدلے بھی بیچ سکتا ہے اور اس قیمت کے بدلے بھی یعنی اتنے مال کے بدلے بھی جتنا لوگوں میں غبن ہوتا ہے، اور وہ لوگوں میں غبن کتنا ہوتا ہے وہ آگے بیان کر رہے ہیں: وَهُوَ مَا يَدْخُلُ تَحْتَ تَقْوِيمِ الْمُقَوِّمِينَ، وہ مقدار ہے، وہ قیمت ہے جو داخل ہو قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت۔ تَقْوِيم کا معنیٰ قیمت لگانا، جو داخل ہو قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت داخل ہو، وہ جو قیمت لگاتے ہیں اسی کے اندر جو قیمت بنتی ہے وہ معلوم ہوا یہ يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيهِ یہ وہ مقدار ہے جتنے میں لوگ غبن کرتے ہیں۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں: وَهُوَ مَا يَدْخُلُ تَحْتَ تَقْوِيمِ الْمُقَوِّمِينَ، کہ یہ وہ قیمت ہے جو داخل ہو قیمت لگانے والوں کی قیمت لگانے کے تحت۔ وَيَجُوزُ أَنْ يَشْتَرِيَ لَهُ مِنَ الْأَجْنَبِيِّ كَذٰلِكَ، اور اسی طرح وصی کے لیے جائز ہے کہ وہ بچے کے لیے کوئی چیز خریدے مِنَ الْأَجْنَبِيِّ کسی اجنبی آدمی سے كَذٰلِكَ اسی طرح، یعنی مثلِ قیمت کے ساتھ خرید سکتا ہے یا بِمَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ کے ساتھ خرید سکتا ہے، ان کے بدلے خرید سکتا ہے، لَا بِالْغَبَنِ الْفَاحِشِ، غبنِ فاحش کے ساتھ نہیں خرید سکتا، نہ بیچ سکتا ہے نہ خرید سکتا ہے، اور غبنِ فاحش کسے کہیں گے اب وہ آپ کو سمجھ میں آگیا، جو قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت نہ ہو بھئی، اس سے بہت زیادہ ہو یا بہت کم ہو۔

وَأَمَّا الْاِشْتِرَاءُ مِنْ نَفْسِهِ، اور باقی خریدنا مِنْ نَفْسِهِ اپنے آپ سے، بھئی صورت یہ کہ کیا وصی بچے کی چیز اپنے لیے خرید سکتا ہے؟ یہ تصرف کون کر رہا ہے بچے کے لیے؟ وصی۔ اب وصی خود ہی اپنی ذات کے لیے خریدنا چاہتا ہے، خریدنا چاہتا ہے، تو کہتے ہیں اس صورت میں دیکھیں گے کہ یہ وصی باپ نے مقرر کیا یا قاضی نے مقرر کیا ہے، اگر باپ نے وصی

مقرر کیا ہے پھر یہ خرید سکتا ہے لیکن اس کی ایک شرط ہے وہ آگے ذکر کریں گے، لیکن اگر یہ وصی قاضی نے مقرر کیا ہے پھر یہ نہیں خرید سکتا۔ باپ کا وصی خرید سکتا ہے لیکن اس میں بھی ایک شرط ہے، شرط آگے بتلائیں گے کہ اس میں بچے کا فائدہ ہو، بچے کا فائدہ ہو۔ مثلاً کیسے؟ کہتے ہیں چیز دس کی ہو اور یہ پندرہ کی خریدنا چاہتا ہے، یہ تو بچے کو کتنے کا فائدہ ہو رہا ہے؟ پانچ کا، لہٰذا اس طرح خرید سکتا ہے۔ یا اسی طرح اپنی کوئی چیز بچے کو بیچنا چاہتا ہے، کہتے ہیں ہاں بچے کو اپنی چیز بیچ سکتا ہے لیکن اس میں بھی بچے کا نفع ہونا چاہیے، مثلاً پندرہ کی چیز اس کو دس میں دے دیتا ہے، چیز پندرہ کی ہے اور بیچتا کتنے ہے بچے کے ہاتھ؟ دس۔ یہ سارا خود کر رہا ہے، بچہ نہیں کر رہا، بچے کو پتہ بھی نہیں ہے، لیکن یہ اس کی طرف سے بیع و شراء کر رہا ہے اور اپنے ساتھ کر رہا ہے، تو اپنے ساتھ جب بیع و شراء کرے تو تا کہ کہیں دلوں میں بدگمانی نہ آئے کہ بھئی یہ تو بچے کا مال کھانا چاہتا ہے، تو اگر خریدنا چاہتا ہے، خریدنا چاہتا

تو مثلِ قیمت سے زیادہ ادا کرے، دس کی چیز کتنے میں خریدے؟ پندرہ میں، تا کہ بچے کو پندرہ مل جائیں، کسی اور کو بیچتے دس ملتے، اب کتنا مل گیا؟ پندرہ۔ اب دلوں میں بدگمانی نہیں آئے گی کہ دیکھو اس نے تو بڑا مہنگا خریدا ہے، بچے کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ یا اپنی کوئی چیز بچے کے ہاتھ بیچنا چاہتا ہے تو اس میں بھی یہی ہے کہ مثلِ قیمت جو ہے اس سے کم میں بیچے اس کو، مثلاً چیز ہے پندرہ کی، تو پندرہ کی بچے کو نہ دے بلکہ دس کی دے دے، دیکھو اس میں بچے کا نفع ہے۔ یہ جب باپ کا وصی ہو تب اس کے لیے یہ گنجائش ہے۔ لیکن اگر قاضی کا وصی ہے اس کے لیے اپنے لیے خریدنا یا بیچنا جائز نہیں ہے۔ کیوں نہیں؟ اپنے لیے کیوں نہیں خرید سکتا؟ کہتے ہیں وجہ یہ کہ اس کو قاضی نے مقرر کیا ہے، تو یہ قاضی کا وکیل ہوا، اور وکیل جو کچھ کرتا ہے وہ موکل کی طرف نسبت کی جاتی ہے کہ گویا موکل نے کیا ہے۔ میں نے کسی کو بھیجا جاؤ میرے لیے گاڑی خرید لاؤ، وہ میرے لیے گاڑی خرید لایا تو کیا کہیں گے اس نے گاڑی خریدی ہے یا میرے لیے کہیں گے کہ اس نے یہ گاڑی خرید لی ہے؟ موکل کے باری، موکل کی طرف نسبت کی جاتی ہے کہ اس نے یہ فعل کیا ہے، تو یہاں پر بھی جو قاضی کا وصی ہوگا وہ قاضی کا وکیل ہے اور وکیل جو فعل کرتا ہے اس کی نسبت کس کی طرف ہوتی ہے؟ موکل کی طرف، تو گویا یہ قاضی اب خرید رہا ہے، قاضی کیا کر رہا ہے؟ قاضی۔ اور قاضی تو فیصلہ کرنے والا ہے، معلوم ہوا قاضی اپنے لیے ایک چیز کا فیصلہ کر رہا ہے اور قاضی کے لیے تو اپنی ذات کے لیے، اپنے نفع کے لیے کوئی فیصلہ کرنے کی اجازت اس کو نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَأَمَّا الْاِشْتِرَاءُ مِنْ نَفْسِهِ، بھائی میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا، شَرٰی کا صلہ مِنْ آتا ہے، اِشْتَرَيْتُ مِنْ زَيْدٍ، کیا معنیٰ؟ میں نے زید سے خریدا، معلوم ہوا آپ مشتری ہیں تو وہ بائع ہے۔ اور اسی طرح بَاعَ کا صلہ بھی مِنْ آتا ہے، مثلاً میں کہتا ہوں بِعْتُ مِنْ زَيْدٍ، کیا معنیٰ؟ میں نے زید کے ہاتھ بیچا، معلوم ہوا وہ ہے مشتری، آپ ہیں بائع تو وہ ہے مشتری۔ تو جو مِنْ ہوتا ہے نا یہ اگر شراء ہو تو شراء میں مِنْ بائع پر داخل ہوگا اور اگر بیع، بیع کا ذکر ہو اور تو مِنْ جو ہے وہ پھر مشتری پر داخل

ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں کیا کہہ رہا ہے: وَأَمَّا الْاِشْتِرَاءُ مِنْ نَفْسِهِ، کیا معنیٰ؟ ہاں خریدا اپنے آپ سے، یعنی اپنے لیے خریدا، کیا کر رہا ہے؟ اپنے آپ سے خرید رہا ہے یعنی اپنے لیے خرید رہا ہے، کوئی اور خریدار نہیں ہے۔ کہتے ہیں وَأَمَّا الْاِشْتِرَاءُ مِنْ نَفْسِهِ، اور باقی خریدنا اپنے لیے، فَإِنْ كَانَ الْوَصِيُّ وَصِيَّ الْأَبِ يَجُوزُ، اگر وہ وصی جو ہے وہ باپ کا وصی ہے تو پھر تو جائز ہے، لَا إِنْ كَانَ وَصِيَّ الْقَاضِي، اور جائز نہیں ہے اگر وہ قاضی کا وصی ہے۔ لٰكِنْ بِشَرْطِ أَنْ يَكُونَ لِلصَّغِيرِ فِيهِ مَنْفَعَةٌ ظَاهِرَةٌ، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس میں اس بچے کے لیے، اس نابالغ کے لیے ظاہری نفع ہو، اس بچے کا۔ پھر وہ جو باپ کا وصی ہے اس کے لیے یہ شرط ہے کہ پھر وہ خرید سکتا ہے۔

وَفُسِّرَ، اور اس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ بھئی بچے کا اس میں ظاہری نفع ہو کیا معنیٰ؟ اب کہتے ہیں اس کی تفسیر کی گئی ہے، وَفُسِّرَ بِأَنْ يَبِيعَ مَالَهُ مِنَ الصَّغِيرِ، یہاں عَنْ ہے آپ کی کتابوں میں؟ عَنْ نہیں بھائی یہ کتابت کی غلطی ہے، یہ مِنْ ہے، میں نے ابھی بتایا کہ دوسرے جس شخص کے ساتھ عقد کیا جا رہا ہے اس پر مِنْ داخل ہوتا ہے۔ وَفُسِّرَ بِأَنْ يَبِيعَ مَالَهُ مِنَ الصَّغِيرِ، اور اس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ بیچے اپنا مال بچے پر، وَهُوَ يُسَاوِي خَمْسَةَ عَشَرَ بِعَشَرَةٍ، اس حال میں کہ وہ مال جو ہے وہ پندرہ کا ہو، اس کو بیچے بچے پر بِعَشَرَةٍ دس کے بدلے، أَوْ يَشْتَرِيَ مَالَ الصَّغِيرِ لِأَجْلِ نَفْسِهِ، یا خریدے بچے کے مال کو اپنی ذات کی وجہ سے یعنی اپنی ذات کے لیے، وَهُوَ يُسَاوِي عَشَرَةً بِخَمْسَةَ عَشَرَ، اور اس حال میں کہ وہ مال دس کے برابر ہے تو اس کو خریدے بِخَمْسَةَ عَشَرَ پندرہ کے بدلے میں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ یہ پیچھے جو بِعَشَرَةٍ آیا تھا اس کا تعلق تھا يَبِيعُ سے، پیچھے يَبِيعُ آیا تھا۔ جی سر۔ اور یہاں جو بِخَمْسَةَ عَشَرَ آیا اس کا تعلق يَشْتَرِي سے ہے، خریدے بِخَمْسَةَ عَشَرَ کتنے کے بدلے میں؟ پندرہ کے بدلے میں دس کی چیز بھائی۔

هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ، یہ شیخین رَحِمَهُمَا اللهُ کے نزدیک ہے، وَأَمَّا عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ فَلَا يَجُوزُ بِكُلِّ حَالٍ، اور امام محمد رَحِمَهُ اللهُ کے نزدیک جائز نہیں ہے بِكُلِّ حَالٍ تمام احوال میں، یعنی کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے۔ کسی بھی حال میں جائز نہیں، خود کوئی اس کی چیز نہیں خرید سکتا اور کوئی چیز اپنی اس کو نہیں بیچ سکتا، کیونکہ دلوں میں بدگمانی آتی ہے کہ وہ فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ فَلَا يَجُوزُ پس جائز نہیں ہے ان کے نزدیک بِكُلِّ حَالٍ تمام احوال میں۔ تو ترجمہ یوں نہیں کرنا، اس سے شبہ پڑتا ہے شاید تمام احوال میں جائز نہیں ہے، بعض میں جائز ہے۔ تمام احوال میں جائز نہیں کیا معنیٰ؟ معلوم ہوا بعض احوال میں جائز ہے، لہٰذا ترجمہ یوں نہیں کریں گے کہ جائز نہیں ہے تمام احوال میں، ترجمہ یوں کریں گے: فَلَا يَجُوزُ بِكُلِّ حَالٍ کہ جائز نہیں ہے کسی بھی حال میں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یعنی یوں کہو، یوں دیکھو، جواز کی نفی کر دی بِكُلِّ حَالٍ ہر حال سے، ہر حال سے جواز کی نفی کر دی، معلوم ہوا کسی بھی حال میں جائز نہیں، اب ترجمہ سمجھ میں آگیا؟

وَأَمَّا بَيْعُ الْأَبِ مَالَ الصَّغِيرِ مِنْ نَفْسِهِ فَيَجُوزُ بِمِثْلِ الْقِيمَةِ وَبِمَا يُتَغَابَنُ فِيهِ. بھائی بچے کا مال ہے، اس کو کسی نے

وصیت کر دی بچے کو مال مل گیا، تو وہ بچہ اس مال کا مالک ہے اور باپ ابھی زندہ ہے بچے کا، تو بچے کا سرپرست باپ ہوتا ہے، وہ اس کے لیے اس سے چیزیں وغیرہ خریدتا ہے، تو کیا باپ بچے کے مال کو فروخت کر سکتا ہے اپنے اوپر؟ یعنی خود خرید لے۔ بچے کے مال کو فروخت کرتا ہے کس پر؟ اپنے اوپر، اپنی ذات پر یعنی خرید لیتا ہے، تو کہتے ہیں ہاں بچے کے مال کی بیع کر سکتا ہے باپ اپنے لیے، لیکن شرط وہی ہے یا تو مثلِ قیمت کے بدلے خریدے یعنی جتنی قیمت ہوتی ہے اس جیسی چیزوں کی یا بِمَا يُتَغَابَنُ النَّاسُ جتنا لوگوں میں غبن ہوتا ہے، بس اس سے غبنِ فاحش نہیں ہونا چاہیے۔ تو کہتے ہیں: وَأَمَّا بَيْعُ الْأَبِ مَالَ الصَّغِيرِ مِنْ نَفْسِهِ، اور باقی بیچنا باپ کا بچے کے مال کو مِنْ نَفْسِهِ اپنے اوپر، فَيَجُوزُ پس وہ جائز ہے بِمِثْلِ الْقِيمَةِ مثلِ قیمت کے بدلے بھی وَبِمَا يُتَغَابَنُ فِيهِ اور اتنے مال کے بدلے جتنا لوگوں میں غبن ہوتا ہے۔

وَأَمَّا عَقَارُ الصَّغِيرِ، اور باقی بچے کی جو جائیداد ہے، عَقَار کہتے ہیں غیر منقولہ جائیداد جس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل نہیں کیا جا سکتا، یعنی گھر ہے، فیکٹری ہے، زمین ہے، کھیت ہے، باغ ہے، یہ سارے کیا ہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل نہیں ہو سکتے، تو اس کو عَقَار کہتے ہیں عَقَار، یعنی جائیداد۔ کہتے ہیں: وَأَمَّا عَقَارُ الصَّغِيرِ، اور باقی نابالغ کی جو جائیداد ہے، فَإِنْ بَاعَهُ الْوَصِيُّ مِنْ أَجْنَبِيٍّ بِمِثْلِ الْقِيمَةِ يَجُوزُ، اگر وصی اس کو بیچتا ہے کسی اجنبی کے ہاتھ مثلِ قیمت کے بدلے میں تو پھر جائز ہے، هٰذَا جَوَابُ الْمُتَقَدِّمِينَ، یہ جواب ہے متقدمین کا۔ یہ کس کا جواب ہے؟ متقدمین، یعنی متقدمین فقہا جو ہیں وہ فرماتے تھے کہ بچے کی جائیداد جو ہے یعنی غیر منقولہ زمین وغیرہ اس کو بھی وصی بیچ سکتا ہے، لیکن شرط کیا ہے؟ مثلِ قیمت کے بدلے بیچے اس کو، اس جیسی زمین کی جو قیمت ہوتی ہے اتنے کے بدلے بیچے۔ جبکہ متاخرین فرماتے ہیں نہیں، کہ یہ جو غیر منقولہ جائیداد ہوتی ہے، زمین ہوتی ہے، یہ سب سے عمدہ مال ہے۔ یہ کیا ہے؟ سب سے عمدہ مال ہے، آپ زمین خریدتے ہیں پڑی رہے، دو چار پانچ سال بعد خود ہی اس کی قیمت زیادہ ہو جاتی ہے، دس پندرہ بیس سال گزر گئے تو پھر دگنی سے بھی زیادہ اس کی قیمت ہو جائے گی اور لوگ اس میں بہت زیادہ حرص کرتے ہیں زمین کے اندر بھائی، تو یہ سب سے نفیس مال ہے، لہٰذا اس کو مثلِ قیمت کے ساتھ بیچنے کی بھی اجازت نہیں ہے کیونکہ یہ بہت عمدہ مال ہے۔ ہاں، اگر بہت کوئی ضرورت پیش آ گئی پھر بیچ سکتے ہیں، وہ آگے بیان کریں گے کوئی ضرورت کیا پیش آتی ہے، یا وہ جو خریدار ہے وہ دگنی قیمت دینا چاہتا ہے پھر ٹھیک ہے، پھر تو دگنی قیمت مل رہی ہے بچے کا فائدہ ہے پھر بیچ سکتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ متاخرین فرماتے ہیں، متقدمین تو کیا فرماتے تھے مثلِ قیمت کے ساتھ بھی بیچ سکتا ہے کیونکہ وہ زمانہ اچھا تھا، کسی کے بارے میں دلوں میں کوئی بدگمانی نہیں آتی تھی، پھر جوں جوں زمانہ بگڑتا گیا تو اب پتہ نہیں وصی کیسا ہے وہ زمین کو بیچ رہا ہے، کہیں ایسا نہ ہو وہ بچے کی ساری جائیداد جو ہے کسی طرح فروخت کر دے گا اور اس طرح بچے کا نقصان ہوگا بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: فَإِنْ بَاعَهُ الْوَصِيُّ مِنْ أَجْنَبِيٍّ بِمِثْلِ الْقِيمَةِ يَجُوزُ، اگر بیچا وصی نے کسی اجنبی کے ہاتھ بچے کی جائیداد کو مثلِ قیمت کے بدلے میں تو جائز ہے، هٰذَا جَوَابُ الْمُتَقَدِّمِينَ، یہ متقدمین فقہا کا جواب ہے، وَاخْتِيَارُ الْمُتَأَخِّرِينَ أَنَّهُ إِنَّمَا يَجُوزُ إِنْ

رَغِبَ الْمُشْتَرِي بِضِعْفِ الْقِيمَةِ، اور متاخرین فقہا کا اختیار یہ ہے انہوں نے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ یہ اسی وقت جائز ہے اگر راغب ہو مشتری، رغبت کرے یعنی مائل ہو مشتری بِضِعْفِ الْقِيمَةِ دگنی قیمت کے ساتھ، أَوْ لِلصَّغِيرِ حَاجَةٌ إِلَى ثَمَنِهِ، یا بچے کو حاجت ہو اس کے ثمن کی، اس کے ثمن کی حاجت ہو، اس کے بغیر اس کا مال ہی کچھ نہیں بیچارے کے پاس، اس کے لیے ضروریات تو چاہئیں بھائی کھانے پینے کا خرچہ ہے اور کپڑوں وغیرہ کا خرچہ ہے تو اس صورت میں، یہ معنیٰ أَوْ لِلصَّغِيرِ حَاجَةٌ إِلَى ثَمَنِهِ یا بچے کو، اس نابالغ کو حاجت ہو اس کے ثمن کی، أَوْ عَلَى الْمَيِّتِ دَيْنٌ لَا يُقْضَى إِلَّا بِثَمَنِهِ، یا میت پر ایسا دَیْن ہے کہ وہ ادا نہیں کیا جا سکتا اِلَّا بِثَمَنِهِ مگر اس جائیداد کے ثمن کے ساتھ ہی۔ جائیداد کے ثمن، بھئی باپ مر گیا ہے اور جائیداد اب کس کو ملنی ہے؟ بچے کو، بچہ اکیلا وارث ہے، نابالغ ہے، لیکن باپ پر دَیْن ہے، اب وہ زمین کو بیچے بغیر وہ دَیْن ادا نہیں ہو سکتا تو اس صورت میں پھر مجبوری ہے، تو اب وصی کو بیچنے کی اجازت ہے بھائی، لیکن بات وہی ہے مثلِ قیمت کے ساتھ یا بِمَا يُتَغَابَنُ النَّاسُ کے ساتھ بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے أَوْ عَلَى الْمَيِّتِ دَيْنٌ لَا يُقْضَى إِلَّا بِثَمَنِهِ یا میت پر ایسا دَیْن ہے جو ادا نہیں ہو سکتا مگر اس عَقار کے ثمن کے ساتھ۔ قَالُوا وَبِهِ يُفْتَى، فقہا فرماتے ہیں وَبِهِ يُفْتَى اسی پر فتویٰ دیا جائے گا، اسی پر فتویٰ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ یہ متاخرین کے قول پر، کہ بغیر ضرورت کے نہیں بیچیں گے۔

وَأَمَّا الْأَبُ إِنْ بَاعَ عَقَارَ صَغِيرِهِ بِمِثْلِ الْقِيمَةِ إِنْ كَانَ مَحْمُودًا عِنْدَ النَّاسِ أَوْ مَسْتُورَ الْحَالِ يَجُوزُ. بھائی بچے کی جائیداد ہے، کیا باپ اس کو بیچ سکتا ہے؟ باپ زندہ ہے، کسی نے بچے کے لیے وصیت کر دی تھی کہ میرے مرنے کے بعد اس کو دس کنال کا پلاٹ اس بچے کو دے دینا، تو اب وہ بچہ مالک بن گیا ہے، باپ اس کا زندہ ہے، تو کیا باپ کے لیے بچے کی یہ جائیداد بیچنا جائز ہے؟ کہتے ہیں کہ اگر بچے کا باپ مثلِ قیمت کے بدلے یہ زمین بیچتا ہے، اس جیسی زمینوں کی جو قیمت ہوتی ہے اتنی ہی قیمت کے بدلے بیچتا ہے، اور یہ بھی دیکھا جائے گا کہ لوگ اس کے باپ کے بارے میں کیا کہتے ہیں، یہ نیک آدمی ہے یا نیک نہیں ہے۔ اگر باپ لوگوں کے نزدیک نیک ہے، لوگ کہتے ہیں یہ اچھا آدمی ہے اور یا لوگوں کو پتہ ہی نہیں اس کے حال کے بارے میں، مَسْتُورُ الْحَال ہے، مستور یعنی چھپا ہوا، مَسْتُورُ الْحَال ہے جس کا حال کیا ہے لوگوں پر چھپا ہوا ہے، لوگوں کو پتہ ہی نہیں ہے، مثلاً باپ جو ہے وہ بیس سال جو ہے باہر کے ممالک نوکری کرتا رہا اور اب واپس آیا ہے، تو اب لوگوں کو تو اس کے بارے میں کوئی زیادہ پتہ ہی نہیں ہے، تو باپ اگر مَحْمُودُ الْحَال ہو یعنی لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں، تو یا مَحْمُودُ الْحَال ہو یا مَسْتُورُ الْحَال ہو اور وہ بچے کی جائیداد بیچ رہا ہے مثلِ قیمت کے بدلے میں تو پھر جائز ہے، ورنہ جائز نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: وَأَمَّا الْأَبُ إِنْ بَاعَ عَقَارَ صَغِيرِهِ بِمِثْلِ الْقِيمَةِ، تو باپ جو ہے اگر اس نے بیچا بچے کی جائیداد کو مثلِ قیمت کے بدلے میں، إِنْ كَانَ مَحْمُودًا عِنْدَ النَّاسِ، مَحْمُود جس کی تعریف کی جائے، إِنْ كَانَ مَحْمُودًا عِنْدَ النَّاسِ اگر وہ مَحْمُود ہے لوگوں کے نزدیک یعنی لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں، أَوْ مَسْتُورَ الْحَالِ یا باپ مَسْتُورُ الْحَال ہے لوگوں کو پتہ ہی نہیں کہ یہ

کس قسم کا آدمی ہے، تو یَجُوزُ تو ان دونوں صورتوں میں جائز ہے۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

فَالْقَوْلُ بِأَنَّ بَيْعَ الْعَقَارِ مِنَ الْأَجْنَبِيِّ إِنَّمَا يَجُوزُ عِنْدَ تَحَقُّقِ الشَّرَائِطِ الْمَذْكُورَةِ

کہتے ہیں یہ جو قول کیا نا، انہوں نے کیا کہا؟ انہوں نے کیا کہا؟ متاخرین نے کیا فرمایا؟ کہ اگر بچے کی جائیداد فروخت کرنا چاہتا ہے یعنی زمین، پلاٹ وغیرہ، تو اس صورت میں پھر دیکھیں گے کہ بچہ یا تو اس کو پیسوں کی ضرورت ہے، محتاج ہے اس کے بغیر اب گزارا نہیں چل سکتا، اس کا مال باقی ختم ہو گیا ہے، یا مشتری دگنی قیمت میں خریدنا چاہتا ہے، یا کوئی دَیْن وغیرہ کی ادائیگی کرنی ہے میت پر جو ہے، تو کہتے ہیں جو یہ شرطیں لگا دیں، ان شرطوں سے پتہ چلتا ہے کہ وصی خود، وصی خود اس زمین کو نہیں خرید سکتا۔ منقولات میں تو اجازت تھی بشرطیکہ اس میں بچے کا نفع ہو، لیکن جائیداد خود نہیں خرید سکتا چاہے بچے کا ظاہر میں نفع ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ میں نے بتلایا یہ جو جائیداد ہوتی ہے، یہ زمین وغیرہ، یہ سب سے عمدہ مال شمار ہوتا ہے، تو اس میں ظاہری تہمت آتی ہے بھائی، دلوں میں بدگمانی آتی ہے، معلوم ہوا اس نے جان بوجھ کر یہ اپنے نفع کے لیے، اس نے اپنے نفع کے لیے یہ زمین خریدی ہے کیونکہ اس کو پتہ لگ رہا تھا زمینوں کے ریٹ بڑھتے جا رہے ہیں تو یہ اب خود اس سے نفع اٹھانا چاہتا تھا، لہٰذا خود نہیں خرید سکتا بچے کی جائیداد، کون نہیں خرید سکتا؟ وصی، وصی۔

دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: فَالْقَوْلُ، پس یہ جو قول ہے کہ بِأَنَّ بَيْعَ الْعَقَارِ مِنَ الْأَجْنَبِيِّ کہ اس بچے کی جائیداد کو بیچنا اجنبی کے ہاتھ إِنَّمَا يَجُوزُ عِنْدَ تَحَقُّقِ الشَّرَائِطِ الْمَذْكُورَةِ یہ جائز ہے جس وقت یہ مذکورہ شرائط پائی جائیں، كَرَغْبَةِ الْمُشْتَرِي بِضِعْفِ الْقِيمَةِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ جیسے مشتری کی رغبت کرنا دگنی قیمت کے ساتھ یا اس جیسے جو شرائط ذکر کی گئیں، یہ قول يُؤْذِنُ یہ خبر دیتا ہے، آذَنَ يُؤْذِنُ کا معنیٰ خبر دینا، اطلاع دینا، بتلانا، تو پیچھے آیا تھا فَالْقَوْلُ یہ والا جو قول ہے، کون سا قول؟ کہ بچے کی جائیداد اجنبی کے ہاتھ وصی تب ہی بیچ سکتا ہے جب ان شرائط میں سے کوئی شرط پائی جائے، یہ قول بتلاتا ہے بِأَنَّ بَيْعَهُ مِنْ نَفْسِهِ لَا يَجُوزُ کہ وصی کا بیچنا اس عَقار کو مِنْ نَفْسِهِ اپنے ہاتھ یعنی اپنے اوپر یہ جائز نہیں ہے کہ خود اپنے اوپر بیچ دے اور خرید لے اس کو، یہ جائز نہیں۔ عبارت سمجھ میں آ گئی؟ پیچھے پھر دیکھو: فَالْقَوْلُ، یہ جو قول ہے پھر آگے وہ قول ذکر کیا، یہ جو قول ہے يُؤْذِنُ، یہ قول بتلاتا ہے بِأَنَّ بَيْعَهُ مِنْ نَفْسِهِ لَا يَجُوزُ کہ وصی کا اس عَقار کو بیچنا مِنْ نَفْسِهِ اپنے اوپر یہ جائز نہیں ہے کہ خود خرید لے یہ جائز نہیں، لِأَنَّ الْعَقَارَ مِنْ أَنْفَسِ الْأَمْوَالِ، اس لیے کیونکہ جائیداد جو ہے وہ سب سے نفیس مالوں میں سے ہے، أَنْفَس ہے بھائی، میری کتاب میں أَنْفُس فا پر پیش ہے، نہیں بھائی أَنْفَس نہیں ہے، أَنْفُس تو نَفْس کی جمع ہے اور یہ نَفِیس کا اسمِ تفضیل ہے أَنْفَس، کیونکہ یہ مِنْ أَنْفَسِ الْأَمْوَالِ یہ سب سے نفیس مالوں میں سے ہے، فَإِذَا بَاعَ مِنْ نَفْسِهِ جب وہ اس کو بیچے گا اپنے نفس کے اوپر فَالتُّهْمَةُ ظَاهِرَةٌ تو پھر بدگمانی ظاہر ہے بھائی، دلوں میں کیا آئے گی؟ بدگمانی آئے گی کہ یہ دیکھا موقع ملا تو بچے کی جائیداد

یہ کھانا چاہتا ہے، فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔

آگے دیکھیے بھائی: وَيَدْفَعُ مَالَهُ مُضَارَبَةً وَشِرْكَةً وَبِضَاعَةً وَيَحْتَالُ عَلَى الْأَمْلَإِ لَا عَلَى الْأَعْسَرِ. وَيَدْفَعُ اور وصی دے سکتا ہے مَالَهُ بچے کے مال کو مُضَارَبَةً بطورِ مضاربت کے بھی وَشِرْكَةً اور بطورِ شرکت کے بھی وَبِضَاعَةً اور بطورِ بضاعت کے بھی۔ مضاربت کے طور پر بچے کا مال دیتا ہے۔ باپ مر گیا اس نے ایک آدمی کو اپنے بچے کا سرپرست مقرر کر دیا، نابالغ بچہ ہے اس کا، تو وصی اس کے مال کو مضاربت کے طور پر کسی کو دیتا ہے، مضاربت یعنی مال اس بچے کا ہوگا اور محنت دوسرے آدمی کی ہوگی اور نفع آدھا آدھا تقسیم کریں گے، تو کہتے ہیں یہ دے سکتا ہے کیونکہ مضاربت کی وجہ سے بچے کا مال بڑھے گا بھائی، تو مضاربت کے طور پر بچے کا مال دے سکتا ہے وصی۔ اسی طرح شرکت کے طور پر دیتا ہے کسی کو، مالِ مضاربت میں تو کیا تھا؟ مال بچے کا تھا اور محنت دوسرے آدمی کی تھی، لیکن شرکت میں مال بھی دونوں کا ہوتا ہے اور محنت بھی دونوں کی، لہٰذا وصی بچے کے مال کو کسی دوسرے کے مال کے ساتھ ملا کر دونوں پھر کاروبار کرتے ہیں، وصی بھی کر رہا ہے بچے کی طرف سے کاروبار اور وہ دوسرا آدمی بھی کر رہا ہے، تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ یہ جتنی کمائی آئے گی وہ کس کا مال ہوگا؟ بچے کا مال ہوگا، بچے کا مال بڑھے گا، تو وہ بچے کے مال کو شرکت کے طور پر بھی دے سکتا ہے۔ وَبِضَاعَةً، بضاعت کہتے ہیں پونجی کو یعنی سرمایہ، سرمایہ۔ سرمائے کے طور پر بھی بچے کا مال کسی کو دے سکتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی کاروبار کر رہا ہے اور اس کا کاروبار اچھا چل رہا ہے، اور یہ وصی بچے کا مال جو ہے وہ پانچ لاکھ پڑا ہے اس کو دیتا ہے کہ اس کو بھی اپنے کاروبار میں اپنے ساتھ شامل کر لیں اور جتنا پھر ہمارے حصے کا نفع ہوا کرے وہ ہمیں دے دیا کریں ہر مہینے کے اندر۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ عام لوگ اس طرح کرتے رہتے ہیں، تو یہ کہ اس کو کہتے ہیں کہ سرمائے کے طور پر گویا اپنا مال دوسرے کو دے رہا ہے کہ سرمائے کے طور پر اپنے کاروبار میں لگا لے، اور اس میں بھی بچے کا نفع ہے لہٰذا ایسا بھی کر سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَيَدْفَعُ مَالَهُ مُضَارَبَةً وَشِرْكَةً وَبِضَاعَةً، اور وصی حوالے کر سکتا ہے بچے کے مال کو مضاربت کے طور پر بھی اور شرکت کے طور پر بھی اور بضاعت یعنی پونجی کے طور پر بھی، یعنی یوں کہیں سرمائے کے طور پر بھی۔

وَيَحْتَالُ عَلَى الْأَمْلَإِ لَا عَلَى الْأَعْسَرِ. حوالہ بھائی حوالہ، حوالہ اس کو کہتے ہیں مثلاً میرے اوپر کسی کا دس لاکھ روپے دَیْن تھا، تو میرے لیے ادائیگی مشکل ہو گئی تو میں نے اس کو کسی دوسرے آدمی پر حوالہ کر دیا، مثلاً میں نے کہا کہ میرا یہ قرضہ زید ادا کر دے گا، زید مالدار آدمی ہے، اس نے کہا ہاں ٹھیک ہے مجھے منظور ہے آپ کا قرضہ میں ادا کر دوں گا۔ تو اب دیکھو وہ جو قرض خواہ ہے قرض خواہ، اس نے قبول کر لیا، تو اس کو کہتے ہیں حوالہ، دیکھو اب میں نے اپنے قرض کو دوسرے کے حوالے کر دیا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو اب وہ کس سے آکر وصول کرلے گا؟ زید سے آکر وہ میرا قرضہ وصول کر لے گا۔ اس کو کہتے ہیں حوالہ۔ ایک ہے نا کفالت، کفالت میں ضمانت دیتے ہیں صرف، کہ آپ کا یہ قرضہ ادا کر دے گا میں

ضمانت دیتا ہوں، اگر اس نے نہ دیا تو مجھ سے آکر لے لینا۔ اور ایک ہے حوالہ جس میں یہ نہیں کہتے کہ اگر اس نے نہ دیا تو پھر مجھ سے آکر وصول کرنا، بلکہ اس میں کہتے ہیں بھئی اس کا قرضہ میں ادا کردوں گا سارا، اب مجھ سے آکر مطالبہ کرو اس سے مطالبہ نہ کرو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اس کو کہتے ہیں حوالہ۔ اب صورت یہ، بچے کا دَیْن ہے کسی کے اوپر دَیْن ہے، وہ وصول کرنا ہے، تو وہ جو مدیون ہے وہ حوالہ کرتا ہے، کہتا ہے میرے بجائے یہ زید جو ہے یہ دَیْن ادا کردے گا۔ تو کیا وصی یہ حوالہ قبول کر سکتا ہے؟ اس میں ضروری ہے نا کہ وہ جو دائن ہے وہ بھی قبول کرے اس کو، حوالے کو قبول کرے، تو کیا وصی بچے کے لیے اس حوالے کو قبول کر سکتا ہے؟ تو جواب دیں گے کہ اگر جس پر حوالہ کیا جا رہا ہے اگر وہ زیادہ مالدار ہے مدیون کے مقابلے میں، مدیون کے مقابلے میں زیادہ مالدار ہے یعنی وہ زیادہ قادر ہے کہ قرضہ ادا کردے گا، پھر تو یہ حوالہ قبول کر سکتا ہے، لیکن اگر وہ تنگدست ہے جس پر حوالہ کیا جا رہا ہے پھر یہ حوالہ قبول نہیں کر سکتا کیونکہ تنگدست جو ہے، غریب جو ہے اس کی تو اپنی گزر بسر مشکل سے ہو رہی ہے کسی دوسرے کا قرضہ وہ کیسے ادا کرے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو وَیَحْتَالُ، یہ حوالہ سے ہے، اِحْتَالَ یَحْتَالُ کا معنیٰ حوالہ قبول کرنا، حوالہ قبول کرنا۔ أَمْلَأُ بھائی أَمْلَأُ، یہ اسمِ تفضیل ہے، مَلُؤَ یَمْلُؤُ مَلَاءً وَمَلَاءَۃً، مَلُؤَ یَمْلُؤُ مَلَاءً وَمَلَاءَۃً اس کا معنیٰ ہے مالدار ہونا، اور جو مالدار ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں مَلِیءٌ، صفتِ مشبہ ہے شَرِیفٌ کے وزن پر مَلِیءٌ، اور اسی سے اسمِ تفضیل ہے أَمْلَأُ، أَمْلَأُ جو زیادہ مالدار ہے، جو کس کے مقابلے میں؟ مدیون کے مقابلے میں، کس کے مقابلے میں؟ مدیون کے مقابلے میں۔ اور آگے لفظ آرہا ہے أَعْسَرُ، أَعْسَرُ کا معنیٰ ہے تنگدست، غریب، محتاج، مال وغیرہ جس کے پاس نہ ہو، تو یہ اسمِ تفضیل نہیں ہے بھائی۔ أَعْسَرُ کا معنیٰ زیادہ تنگدست نہیں ہے بلکہ اس کا کیا معنیٰ ہے؟ تنگدست۔ تو کہتے ہیں: وَیَحْتَالُ عَلَی الْأَمْلَإِ لَا عَلَی الْأَعْسَرِ، اور وہ وصی حوالہ قبول کر سکتا ہے زیادہ مالدار پر یعنی جو مدیون کے مقابلے میں زیادہ مالدار ہو اس پر حوالہ قبول کر سکتا ہے، لَا عَلَی الْأَعْسَرِ تنگدست پر حوالہ قبول نہیں کر سکتا۔ تنگدست پر حوالہ قبول نہیں کر سکتا۔ تو یہ أَعْسَر اسمِ تفضیل نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تنگدست یعنی اس کے مقابلے میں زیادہ تنگدست ہو، نہیں نہیں یہ نہیں کہنا چاہتے، بس تنگدست جو بھی ہو اس پر حوالے کو وہ قبول نہیں کر سکتا۔ اچھا بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو یہ معنیٰ ہے وَیَحْتَالُ عَلَی الْأَمْلَإِ لَا عَلَی الْأَعْسَرِ اور وہ حوالہ قبول کر سکتا ہے زیادہ مالدار پر، لَا عَلَی الْأَعْسَرِ تنگدست پر نہیں۔ وَلَا یُقْرِضُ، اور قرضہ بھی نہیں دے سکتا، بچے کا مال کسی کو قرضے کے طور پر نہیں دے سکتا اس لیے کیونکہ قرضے میں، اس میں تو بچے کا نقصان ہے بھائی، مال ہاتھ سے نکل جائے گا پھر پتہ نہیں کب وصول ہوتا ہے کب وصول نہیں ہوتا، لہٰذا قرضہ نہیں دے سکتا۔ یہ معنیٰ ہے وَلَا یُقْرِضُ اور قرضہ نہیں دے سکتا۔

أَوْ یَبِیعُ، آپ کی کتابوں میں أَوْ ہے؟ جی۔ یہ أَوْ نہیں بھائی، وَاو ہے یہاں پر صرف وَاو بھائی وَاو، وَیَبِیعُ ہونا چاہیے۔ اور نسخوں کے اندر یہاں وَاو ہے وَیَبِیعُ. وَیَبِیعُ عَلَی الْکَبِیرِ الْغَائِبِ إِلَّا الْعَقَارَ، اور وہ بیچ سکتا ہے اس کبیر کی طرف سے جو غائب

ہے إِلَّا الْعَقَارَ سوائے جائیداد کے۔ وصی کیا کیا تصرفات کر سکتا ہے وہ بیان ہو رہے ہیں، بتلا دیا بچے کے مال کو مضاربت کے طور پر بھی دے سکتا ہے، شرکت کے طور پر بھی دے سکتا ہے، بضاعت کے طور پر بھی دے سکتا ہے اور مالدار پر حوالہ بھی قبول کر سکتا ہے لیکن قرضے کے طور پر نہیں دے سکتا۔ اور اسی طرح اگر کوئی بڑا ہے، بچہ نہیں ہے بڑا ہے، اور وہ بڑا کہیں سفر پر گیا ہوا ہے غائب ہے، تو کیا اس کے مال وغیرہ کو بیچ سکتا ہے اس کی غیر موجودگی میں وصی؟ کہتے ہیں ہاں بیچ سکتا ہے سوائے جائیداد کے، جو غیر منقولی جائیداد ہے وہ نہیں بیچ سکتا، اور چیزوں کو وہ بیچ سکتا ہے بنا بر ضرورت کے، ویسے نہیں، ویسے نہیں۔ کیونکہ مالک گیا ہوا ہے، بڑا ہے مالک ہے لیکن وہ سفر پر گیا ہوا ہے لیکن پیچھے کوئی چیز ایسی ہے جس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے تو یہ بیچ سکتا ہے کیونکہ وہ حفاظت نہیں ہو سکتی اس چیز کی تو بیچ سکتا ہے، لیکن زمین کو بیچنے کی اجازت نہیں کیونکہ زمین تو خود ہی محفوظ ہے بھائی، اس کے تو خراب ہونے یا تباہ ہونے کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا، تو زمین نہیں بیچ سکتا، اور چیز جس میں نقصان کا خطرہ ہے وہ بیچ سکتا ہے۔

تو کہتے ہیں: أَوْ يَبِيعُ عَلَى الْكَبِيرِ الْغَائِبِ إِلَّا الْعَقَارَ، اور بیچ سکتا ہے کسی ایسے کبیر کی یعنی بالغ کی جو غائب ہے اس کی چیز بیچ سکتا ہے إِلَّا الْعَقَارَ سوائے جائیداد کے، لِأَنَّ بَيْعَ مَالِهِ إِنَّمَا يَجُوزُ لِلْحِفْظِ، اس لیے کیونکہ بڑے کے مال کو بیچنا جو ہے وہ حفاظت کے لیے جائز ہے، وَالْعَقَارُ مُحْصَنٌ بِنَفْسِهِ، اور جائیداد تو خود ہی محفوظ ہے، زمین کے تو تباہ ہونے کا خطرہ نہیں ہے بھائی، تو اس کو نہیں بیچ سکتا۔

وَلَا يَتَّجِرُ فِي مَالِهِ، اور تجارت نہیں کر سکتا بچے کے مال میں، بچے کے مال میں بچہ ہو یا بڑا اس کے مال میں بیچ تو سکتا ہے لیکن تجارت نہیں کر سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ آج کل اکثر لوگ اس طرح کرتے ہیں اکثر لوگ، عجیب بھائی عجیب زمانہ آگیا۔ کسی کے پاس مال رکھوا دو، مال رکھوا دو، آپ نے امانت کے طور پر مال رکھوایا ہوگا، اور وہ اس مال سے تجارت شروع کر دیتا ہے، کاروبار وغیرہ کوئی شروع کر دیتا ہے، کہ چلو اس نے میرے پاس بیس لاکھ روپے رکھوائے ہیں پھر میں اس کو بیس لاکھ دے دوں گا اور خود اس کے مال سے تجارت کر کے چالیس پچاس لاکھ بنا لے گا اور اس کو پھر بیس لاکھ دے دے گا۔ بھئی کیسے بھئی آپ اس کے مال سے تجارت کر رہے ہیں؟ یہ تو پھر جتنا نفع آگیا وہ بھی سارا اسی کا ہونا چاہیے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَلَا يَتَّجِرُ فِي مَالِهِ، اور اس کے مال میں تجارت نہیں کر سکتا، لِأَنَّ الْمُفَوَّضَ إِلَيْهِ الْحِفْظُ لَا التِّجَارَةُ، اس لیے کیونکہ وہ جو اس کے سپرد کیا گیا ہے وہ حفاظت ہے تجارت نہیں۔ وصی کے سپرد مال کی حفاظت کی گئی ہے کہ مال کی حفاظت کرنا، اس سے تجارت کرنے کی اس کے لیے اجازت نہیں۔ ہاں، اگر وہ بچے کے لیے تجارت کرتا ہے پھر جائز ہے، کہ جو کماؤں گا سارا کس کا ہوگا؟ بچے کا ہوگا، پھر ٹھیک ہے، لیکن ایسے کون کرتا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

وَوَصِيُّ أَبِ الطِّفْلِ أَحَقُّ بِمَالِهِ مِنَ الْجَدِّ. صورتِ مسئلہ

یہ، ایک شخص کا انتقال ہونے لگا اس نے ایک وصی مقرر کر دیا، بچے کا سرپرست مقرر کر دیا، اور پھر اس شخص کا انتقال ہوا۔ اب یہ وصی بھی ہے اور بچے کا دادا بھی زندہ ہے، تو کس کو زیادہ، کون زیادہ حقدار ہے بچے کے مال میں تصرف کا؟ کہتے ہیں بھئی باپ کا جو وصی ہے، باپ نے جو وصی مقرر کیا ہے وہ زیادہ حقدار ہے کیونکہ باپ کی شفقت دادا کی شفقت سے زیادہ، باپ کی شفقت اپنی اولاد پر بچوں کے دادا سے زیادہ ہے، تو جب باپ کی شفقت زیادہ تو باپ کے وصی کی شفقت بھی دادا سے زیادہ ہی ہوگی بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَوَصِيُّ أَبِ الطِّفْلِ أَحَقُّ بِمَالِهِ مِنَ الْجَدِّ، اور بچوں کے باپ کا وصی جو ہے وہ زیادہ حقدار ہے بچوں کے مال کا مِنَ الْجَدِّ دادا کے مقابلے میں، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَصِيٌّ فَالْجَدُّ، اگر اس بچے کا کوئی وصی نہ ہو تو پھر دادا زیادہ حقدار ہے، وہ پھر اس کے مال میں تصرف کر سکتا ہے، اس کے لیے بیع و شراء ضرورت کے بقدر کر سکتا ہے۔[1]

وَلَغَتْ شَهَادَةُ الْوَصِيَّيْنِ لِصَغِيرٍ بِمَالٍ أَوْ كَبِيرٍ بِمَالِ الْمَيِّتِ وَصَحَّتْ لِغَيْرِهِ. اور لغو ہے شہادت دو وصیوں کی کسی صغیر کے لیے بِمَالٍ کسی مال کی أَوْ كَبِيرٍ یا کبیر کے لیے بِمَالِ الْمَيِّتِ میت کے مال کی وَصَحَّتْ لِغَيْرِهِ اور اس کے علاوہ میں صحیح ہے۔ صورتِ مسئلہ یہ، باپ مرنے لگا اور اس نے دو وصی مقرر کر دیے، دو نگران مقرر کر دیے کہ میری وصیت بھی نافذ کرنا اور یہ جو میرے نابالغ ہیں ان پر بھی ضرورت کے بقدر خرچ کرنا جب ان کے حصے میں جو جو کچھ آجائے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ اس کے بعد وہ جو دو وصی ہیں انہوں نے کسی مال کے بارے میں گواہی دی کہ یہ بھی اس صغیر کا ہے، کسی مال کے بارے میں گواہی دیتے ہیں قاضی کے پاس کہ قاضی صاحب یہ جو مال ہے یہ بھی اسی بچے کا ہے۔ کہتے ہیں اس گواہی کا کوئی اعتبار نہیں، یہ گواہی لغو ہے۔ بھئی کیوں؟ لغو کیوں ہے؟ کہتے ہیں اس لیے کہ بچے کے مال میں ان کو تصرف کا حق حاصل ہے، معلوم ہوا یہ اس مال میں بھی تصرف کا حق چاہتے ہیں۔ بچے کو تو جو بھی مال ملے گا اس میں ان جو یہ جو دو وصی ہیں ان کو تصرف کا حق ہوگا یا نہیں ہوگا؟ یہ تو سرپرست ہیں بچے کے، تو معلوم ہوا یہ اس مال کو بھی اپنے تصرف میں لانا چاہتے ہیں، دلوں میں یہ بدگمانی آتی ہے لہٰذا یہ جائز نہیں۔

ہاں اگر یہ بڑے کے لیے کسی مال کی گواہی دیتے ہیں، باپ مرنے لگا اس نے دو وصی مقرر کر دیے کہ میرے مرنے کے بعد میری جائیداد بھی تقسیم کرنا اور میری وصیت بھی نافذ کرنا، تو اب جو یہ جو دو وصی ہیں یہ گواہی دیتے ہیں کسی مال کے

[1] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ٢١٥): صوتی درس کی قراءت میں «وَوَصِيُّ أَبِ الطِّفْلِ أَحَقُّ بِمَالِهِ مِنَ الْجَدِّ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «ووصيُّ أبِ الطفلِ أحقُّ بما له من الجدّ،» منقول ہے۔

بارے میں کہ قاضی صاحب یہ جو فلاں مال ہے یہ فلاں جو وارث کبیر ہے جو بالغ ہے اس کا مال ہے۔ توجہ ہے؟ وہ دو وصی انہی کے وصی ہیں جنہوں نے کیا کرنا ہے؟ وصیت بھی نافذ کرنی ہے، جائیداد کو بھی ان میں تقسیم کرنا ہے، وراثت کو تقسیم کرنا ہے، تو وہ نگران مقرر کیے ہیں باپ نے۔ اب یہ جو دو وصی ہیں یہ کسی بچے کے لیے اگر گواہی دیتے ہیں پھر تو ان کی گواہی لغو ہے کیونکہ معلوم ہوا یہ اس مال میں تصرف کا حق چاہتے ہیں، کیونکہ بچے کے وصی تو یہ ہیں، اگر بچے کو وہ مال ملے گا بھی تو تصرف کا حق تو ان کو مل جائے گا، معلوم ہوا یہ اس مال میں کیا کرنا چاہتے ہیں؟ خود تصرف کا حق لینا چاہتے ہیں، اس لیے گواہی دے رہے ہیں، دلوں میں بدگمانی آتی ہے لہٰذا بچے کے مال کے لیے ان کی گواہی لغو ہے۔ لیکن بڑے کے لیے اگر وہ گواہی دیتے ہیں کوئی بالغ ہے کہ قاضی صاحب فلاں مال اس وارث کا ہے، تو دیکھیں گے کہ جس مال کی گواہی دے رہے ہیں وہ ترکہ ہے یا غیرِ ترکہ؟ ترکہ ہے یا غیرِ ترکہ؟ اگر تو وہ ترکہ ہے تو پھر ان کی گواہی لغو ہے، اور اگر وہ غیرِ ترکہ ہے پھر ان کی گواہی صحیح ہے۔ بھئی کیوں؟ ترکے میں کیوں لغو اور غیر میں کیوں صحیح؟ کہتے ہیں وجہ یہ، کیونکہ یہ دونوں وصی ہیں اور جب یہ گواہی دے رہے ہیں کہ یہ مال کس میں سے ہے؟ ترکے میں سے ہے، ہے بڑوں کا، بڑوں کے لیے لیکن ہے کس میں سے؟ ترکے میں سے، تو بھئی ترکے کے اندر تو ان کو تصرف کا حق حاصل ہے ان دونوں وصی کو، ترکے میں تو ان کو تصرف کا حق حاصل ہے، انہوں نے جائیداد تقسیم کرنی ہے یعنی سارے قرضے وغیرہ سارا کچھ ادا کرنا ہے، تو معلوم ہوا یہ جس چیز کی گواہی دے رہے ہیں اس میں تصرف کا حق حاصل کرنا چاہتے ہیں، تصرف کا حق حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور اگر وہ ترکے کے علاوہ کوئی مال ہے پھر ان کی گواہی ٹھیک ہے، کیونکہ جو ترکے کے علاوہ مال ہوگا اس میں تو ان کو تصرف کا کوئی حق نہیں ہے، اس میں تو وہ بالغ خود تصرف کر سکتا ہے، لہٰذا اس صورت میں ان کی گواہی قبول ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھائی کہتے ہیں: وَلَغَتْ شَهَادَةُ الْوَصِيَّيْنِ لِصَغِيرٍ، اور لغو ہے یعنی باطل ہے گواہی دو وصیوں کی لِصَغِيرٍ کس کے لیے گواہی؟ کسی نابالغ کے لیے، کسی نابالغ کے لیے دو وصیوں کی گواہی لغو ہے بِمَالٍ اور کس چیز کی گواہی دے رہے ہیں؟ کسی مال کی۔ تو کہتے ہیں لغو ہے دو وصیوں کی گواہی کسی مال کی کسی بچے کے لیے نابالغ کے لیے أَوْ كَبِيرٍ بِمَالِ الْمَيِّتِ یا کبیر کے لیے میت کے مال کی، کبیر کے لیے گواہی دیتے ہیں میت کے مال کی معلوم ہوا اس میں تصرف کرنا چاہتے ہیں تو وہ بھی لغو ہے، وَصَحَّتْ لِغَيْرِهِ اور اس کے علاوہ اور مال کے اندر ان کی گواہی صحیح ہے، یعنی کبیر کے لیے مالِ میت کے علاوہ میں گواہی دیتے ہیں تو ان کی گواہی صحیح کیونکہ اس مال میں ان کو تصرف کا حق حاصل نہیں۔

کہتے ہیں: لِأَنَّ التَّصَرُّفَ فِي مَالِ الصَّغِيرِ لِلْوَصِيِّ سَوَاءٌ كَانَ مِنَ التَّرِكَةِ أَوْ لَمْ يَكُنْ، اس لیے کیونکہ نابالغ کے مال میں تصرف جو ہے وصی کے لیے جائز ہے سَوَاءٌ كَانَ مِنَ التَّرِكَةِ أَوْ لَمْ يَكُنْ چاہے وہ مال ترکے میں سے ہو یا ترکے میں سے نہ ہو، تو لہٰذا صغیر کے لیے تو مطلقاً شہادت ان کی باطل۔ وَأَمَّا مَالُ الْكَبِيرِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ مِنَ التَّرِكَةِ فَلَا تَصَرُّفَ لِلْوَصِيِّ فِيهِ، اور باقی بالغ کا جو مال ہے اگر وہ ترکے میں سے نہیں ہے تو اس میں وصی کا تصرف نہیں یعنی اس کے تصرف کا کوئی حق نہیں،

فَيَجُوزُ الشَّهَادَةُ تو شہادت جائز ہوگی۔ وَإِنْ كَانَ مِنَ التَّرِكَةِ لَا يَجُوزُ الشَّهَادَةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، اور اگر وہ مال جس کی وہ گواہی دے رہے ہیں بڑے کے لیے اگر وہ ترکے میں سے ہے تو پھر ان کی شہادت جائز نہیں امام صاحب کے نزدیک، وَيَجُوزُ عِنْدَهُمَا اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے۔ صاحبین کے نزدیک بڑے کے لیے جب گواہی دے رہے ہیں تو چاہے وہ مالِ میت میں گواہی ہو چاہے اس کے علاوہ میں ہو گواہی صحیح ہے۔ کیوں صحیح؟ کہتے ہیں: لِأَنَّهُ لَا تَصَرُّفَ لِلْوَصِيِّ فِي مَالِ الْكَبِيرِ، اس لیے کیونکہ وصی کا کوئی تصرف نہیں ہے بڑے کے مال میں، وہ کوئی تصرف نہیں کر سکتا بالغ کے مال میں، بالغ خود تصرف کرے گا، تو لہٰذا صاحبین فرماتے ہیں وصی کے لیے جائز ہے گواہی۔ صاحبین کیا فرماتے ہیں؟ کہ وصی کے لیے گواہی جائز ہے بڑے کے مال کی چاہے وہ ترکہ ہو چاہے غیرِ ترکہ ہو۔

قُلْنَا، ہم کہتے ہیں: لَهُ وِلَايَةُ الْحِفْظِ وَوِلَايَةُ الْبَيْعِ إِذَا كَانَ الْكَبِيرُ غَائِبًا. امام صاحب کیا فرماتے تھے؟ بڑے کا مال ترکے میں سے ہو وہ مال جس کی وہ گواہی دے رہے ہیں، وہ بڑے کے لیے گواہی دے رہے ہیں، اگر وہ مال ترکے میں سے ہے تو پھر ان کی گواہی قبول نہیں اور اگر ترکے کے علاوہ ہے پھر قبول ہے۔ صاحبین کی طرف سے اشکال ہوتا ہے کہ بڑے کے مال میں تو یہ تصرف ہی نہیں کر سکتے ان کی گواہی قبول ہونی چاہیے، تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ بڑے کے مال میں بھی ان کو تصرف کا حق ہوتا ہے اگر وہ بڑا کہیں سفر پر چلا جائے اور وہ غائب ہو تو حفاظت کی ذمہ داری بھی وصی کی ہوتی ہے اور ضرورت کی وجہ سے اس کو بیچنے کی بھی ذمہ داری، بیچنا بھی اس کے لیے جائز ہوتا ہے، تو ولایت تو حاصل ہو جائے گی تو لہٰذا جائز نہیں ہے اس کے لیے۔ قُلْنَا ہم کہتے ہیں لَهُ وِلَايَةُ الْحِفْظِ وَوِلَايَةُ الْبَيْعِ إِذَا كَانَ الْكَبِيرُ غَائِبًا کہ وصی کے لیے حفاظت کی بھی ولایت ہوتی ہے اور بیچنے کی بھی ولایت ہوتی ہے جس وقت وہ کبیر غائب ہو۔ آپ نے کیا کہا تھا کہ بڑے کے مال میں وصی کو ولایت ہی حاصل نہیں اس لیے جائز ہے؟ ہم کہتے ہیں نہیں ولایت تو حاصل ہے جیسے ہم نے بیان کر دیا، معلوم ہوا یہ خود تصرف اس میں کچھ کرنا چاہتے ہیں تو لہٰذا یہ جائز نہیں ہے بھائی، بڑے کے لیے شہادت مالِ ترکہ میں ان کے لیے جائز نہیں ہے۔

آگے دیکھیے: كَشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ لِآخَرَيْنِ بِدَيْنِ أَلْفٍ عَلَى مَيِّتٍ وَالْآخَرَيْنِ لِلْأَوَّلَيْنِ بِمِثْلِهِ، بِخِلَافِ الشَّهَادَةِ بِوَصِيَّةِ أَلْفٍ، أَوِ الْأَوَّلَيْنِ بِعَبْدٍ وَالْآخَرَيْنِ بِثُلُثِ مَالِهِ. صورتِ مسئلہ یہ، دو آدمیوں نے گواہی دی کہ یہ جو مرنے والا تھا اس نے زید اور بکر کا قرضہ دینا تھا ایک ہزار درہم۔ توجہ ہے؟ دو آدمیوں نے گواہی دی کہ مرنے والے نے زید اور عمرو کا ایک ہزار درہم قرضہ دینا تھا، اور زید اور عمرو نے بھی گواہی دی ان گواہوں کے بارے میں کہ مرنے والے نے ان کا بھی ہزار دینا تھا۔ توجہ ہے؟ دو گواہوں نے گواہی دی کس کے لیے؟ زید کے لیے اور عمرو کے لیے کہ مرنے والے نے ان دونوں کا ہزار درہم قرضہ دینا ہے، اور زید اور عمرو نے بھی گواہی دی ایک ہزار درہم کے قرضے کی میت پر کس کے بارے میں؟ ان دو گواہوں کے بارے میں۔ گویا ان دو گواہوں نے ان کے لیے گواہی دی اور انہوں نے ان کے لیے گواہی دے دی۔ صورت سمجھ میں

آگئی؟ تو کہتے ہیں اس صورت میں دونوں گواہیاں صحیح ہیں، میت کے ذمے میں سب کے پیسے آجائیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟[٢]

ہاں اس کے بجائے اگر وہ یہ گواہی دیتے ہیں، دو آدمی گواہی دیتے ہیں کہ یہ جو مرنے والا تھا اس نے وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد ایک ہزار زید اور عمرو کو دے دینا۔ پہلے دَیْن کی گواہی دی تھی، اب کیا صورت ہے؟ وصیت کی گواہی دے رہے ہیں۔ دو گواہ گواہی دیتے ہیں کہ مرنے والے نے ہمیں وصیت کی تھی کہ اس کے مال میں سے ایک ہزار درہم زید اور عمرو کو دے دینا، اور زید اور عمرو انہوں نے بھی گواہی دی کہ مرنے والے نے ہم دونوں کو وصیت کی تھی کہ تم دونوں ان دونوں آدمیوں کو، یہ جو گواہ تھے، ان دونوں آدمیوں کو ہزار درہم میرے مال میں سے میرے مرنے کے بعد دے دینا۔ تو انہوں نے ان کے لیے وصیت کی گواہی دی اور انہوں نے ان کے لیے وصیت کی گواہی دی۔

تیسری صورت: ان دو آدمیوں نے گواہی دی کہ مرنے والے نے ہم دونوں کو وصیت کی تھی کہ یہ زید اور عمرو کو میرے مرنے کے بعد میرا غلام دے دینا۔ توجہ ہے؟ زید اور عمرو کو میرے مرنے کے بعد میرا غلام دے دینا، اور زید اور عمرو نے گواہی دی کہ ہمیں مرنے والے نے وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد میرا ثلث مال ان دونوں کو دے دینا وہ جو دو گواہ تھے۔ توجہ ہے؟ کتنی صورتیں ہو گئیں؟ تین صورتیں۔ پہلی صورت کیا تھی کہ یہاں دیکھو دو ہی گواہ ہیں اور دو مشہود لہ ہیں جن کے لیے گواہی دے رہے ہیں اس کو کیا کہتے ہیں مشہود لہ، تو گواہ دو اور مشہود لہ دو، اور پھر بعد میں وہ مشہود لہ گواہی دیتے ہیں ان دو گواہوں کے لیے۔ گواہوں نے کیا گواہی دی کہ ہزار درہم کس کا دَیْن ہے؟ زید اور عمرو کا، اور زید اور عمرو مشہود لہ ہیں انہوں نے بھی گواہی دے دی کہ یہ جو دو گواہ ہیں ان کا میت کے ذمے میں ایک ہزار درہم دَیْن۔ تو پہلی صورت کیا؟ دونوں نے ایک دوسرے کے لیے دَیْن کی گواہی دی۔ دوسری صورت دونوں نے ایک دوسرے کے لیے وصیت کی گواہی دی۔ تیسری صورت یہ کہ پہلے نے دوسرے کے لیے غلام کی وصیت کی گواہی دی اور دوسروں نے پہلے کے لیے ثلث مال کی گواہی دی۔ تو یاد رکھو، پہلی صورت جو وہ جو دَیْن والی ہے، دَیْن والی ہے، وہ جائز ہے، اس میں گواہی جائز ہے اور مرنے والے پر ہزار ہزار درہم دَیْن ہو جائے گا ہر ایک کا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو پہلی صورت کون سی صورت تھی؟ جب دونوں نے دَیْن کی گواہی دی ہے تو وہ گواہیاں صحیح ہو جائیں گی، لہٰذا مرنے والے کے ترکے سے ایک ہزار درہم زید اور عمرو کو دے دیے جائیں گے اور ایک ہزار درہم وہ گواہوں کو دے دیے جائیں گے جن کے لیے زید اور عمرو نے گواہی دی تھی۔ جبکہ دوسری دو صورتیں جس میں وصیت والی گواہیاں دی ہیں وہ گواہیاں باطل، دونوں۔ اور نیز وہ جو گواہی دی تھی کہ وہ

[٢] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ٢١٦):** صوتی درس کی قراءت میں «كَشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ لِآخَرَيْنِ بِدَيْنِ أَلْفٍ عَلَى مَيِّتٍ وَالْآخَرَيْنِ لِلْأَوَّلَيْنِ بِمِثْلِهِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «كشهادةِ رجلينِ للآخرينِ بدينٍ ألف على ميْت، والآخرينِ للأوّلينِ بمثلِه» منقول ہے۔

ایک کے لیے غلام کی وصیت کی ہے دوسرے کے لیے ثلث مال کی، وہ گواہیاں بھی باطل ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

چلو اب ایک ایک صورت کر لیتے ہیں۔ پہلی کون سی صورت تھی؟ دو گواہوں نے گواہی دی کہ مرنے والے نے زید اور عمرو کا ایک ہزار درہم دینا ہے، اور زید اور عمرو نے گواہی دی کہ مرنے والے نے ان دونوں کا ایک ہزار درہم دینا ہے، امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ گواہیاں صحیح ہیں لہٰذا یہ ایک ایک ہزار دونوں کے لیے میت کے مال میں سے نکال لیں گے، اس لیے کیونکہ یہ دَیْن کی گواہی دے رہے ہیں اور دَیْن جو ہے کسی کے ذمے میں ہوتا ہے، دَیْن کیا ہوتا ہے؟ کسی کے ذمے میں ہوتا ہے، اب ایک ہی آدمی پر دس آدمیوں کے دَیْن ہو سکتے ہیں یا نہیں ہو سکتے؟ دس آدمیوں کے

دَیْن ہو سکتے ہیں کیونکہ دَیْن ذمے میں ہوتا ہے، اور اس میں شرکت نہیں ہوتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اس میں شرکت نہیں ہوتی۔ تو جب ایک آدمی پر کئی افراد کا دَیْن اس کے ذمے میں ہو سکتا ہے، تو یہاں وہ دَیْن کی گواہی دے رہے ہیں تو وہ دَیْن ہوا گویا میت کے ذمے میں، جب میت کے ذمے میں ہے تو ان کا بھی دَیْن میت کے ذمے میں، ان کا بھی دَیْن میت کے ذمے میں، تو کہیں شرکت نہیں آئی۔ توجہ ہے؟ شرکت نہیں آئی۔ اگر یہاں شرکت آجاتی تو گواہیاں باطل ہو جاتیں جیسے اگلی دو صورتوں میں شرکت آئے گی دیکھنا ابھی۔ اگلی صورتوں میں شرکت آئے گی۔ یہاں شرکت نہیں، کیوں نہیں شرکت؟ کیونکہ یہ کسی خاص مال کی گواہی نہیں دے رہے کہ یہ فلاں والا مال زید اور عمرو کا ہے اور زید اور عمرو کہیں یہی والا مال ان دونوں کا ہے، پھر تو یہ گویا مال میں کیا بن رہے ہیں؟ شریک بن رہے ہیں۔ ایک ہی مال کے بارے میں اگر گواہیاں دیں، مثلاً مرنے والے کا ایک ہزار درہم موجود ہے پڑا ہوا ہے سامنے، اور وہ کیا کہتے ہیں؟ یہ دونوں گواہ کہتے ہیں یہ پیسے کس کے ہیں؟ زید اور عمرو کے ہیں، اور زید اور عمرو کہتے ہیں یہ والے جو پیسے ہیں یہ ان دو گواہوں کے ہیں، تو پھر تو ایک ہی مال کے بارے میں گواہی دے رہے ہیں اور اس میں تو پھر یہ دونوں شریک ہو جائیں گے، جب شریک ہو جائیں گے تو اس میں سے جو بھی وصولی ہوگی سارے اس میں شریک ہوں گے تو اس میں ان کا اپنا نفع ہو جائے گا۔ اور آپ کو میں نے ضابطہ بتلایا تھا کہ ہر وہ گواہی جس میں گواہ کا اپنا فائدہ ہو وہ گواہی باطل ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیا ضابطہ بتلایا تھا؟ ہر وہ گواہی جس میں گواہ کا اپنا فائدہ ہو وہ گواہی باطل ہے!

تو یہاں پر بھی امام صاحب فرماتے ہیں یہ پہلی صورت میں یہ دونوں دَیْن کی گواہیاں دے رہے ہیں، دونوں فریقین دَیْن، اور دَیْن تو ایک آدمی کے ذمے دس آدمیوں کا دَیْن ہو سکتا ہے اس سے شرکت نہیں آتی مال کے اندر، لہٰذا اس کا الگ ایک ہزار درہم میت کے ذمے ثابت ہو جائے گا اور دوسرے کا ایک ہزار الگ ثابت ہو جائے گا اور کوئی شرکت نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا دونوں کی گواہیاں صحیح، ان زید اور عمرو کو بھی ایک ہزار دے دیں گے درہم اور وہ دوسرے گواہوں کو بھی ایک ہزار درہم دے دیں گے۔

لیکن اس کے بجائے اگر انہوں نے وصیت کی گواہی دی، مثلاً ان دو گواہوں نے کیا کہا کہ مرنے والے نے ہمیں

وصیت کی تھی کہ زید اور عمرو کو ایک ہزار درہم دے دینا، اور زید اور عمرو نے کہا کہ ہمیں مرنے والے نے وصیت کی تھی کہ ان دو یہ جو گواہی دے رہے ہیں یہ دو افراد ان کو ایک ہزار درہم دے دینا، تو اس صورت میں یہ دونوں گواہیاں باطل۔ کیوں؟ کیونکہ یہ وصیت کی گواہی دے رہے ہیں، وصیت، اور وصیت جو ہے وہ تو ترکے کے اندر ہوتی ہے، مال کے اندر ہوتی ہے، تو وصیت جو ہوتی ہے وہ کسی کے ذمے میں نہیں آتی وہ کس کے اندر آتی ہے؟ مال کے اندر آتی ہے یعنی ترکے کے اندر۔ بھائی پہلے تھا دَیْن، دَیْن کسی کے ذمے میں ہوتا ہے، اور وصیت جو ہوتی ہے وہ کس کے اندر ہوتی ہے؟ ترکے کے اندر، اور ترکے کے کتنے حصے میں نافذ کی جاتی ہے؟ ثلث کے اندر نافذ کی جاتی ہے، تو معلوم ہوا یہ بھی ثلث کے اندر ایک ہزار کی گواہی ان کے لیے دے رہے ہیں اور وہ ثلث کے اندر ہی ایک ہزار کی گواہی ان کے لیے دے رہے ہیں، معلوم ہوا وہ ثلث کے اندر یہ دونوں شرکت چاہتے ہیں، ایک دوسرے کو شریک بنا رہے ہیں، معلوم ہوا اس ثلث میں دونوں شریک ہیں، معلوم ہوا اس ثلث میں دونوں شریک ہیں، تو اس میں دیکھو گواہوں کا نفع آگیا۔ بھائی دیکھو نا اگر ان کی گواہی قبول کر لی جائے، کس کے بارے میں گواہی دی ہے؟ وصیت کے بارے میں۔ فرض کرو ان کی گواہی اگر ہم مان لیتے ہیں فرض کر لو، تو میت کے ترکے میں سے فرض کرو ایک ہزار درہم ہم نے نکالے اور زید عمرو کو دے دیے، کس کو دے دیے؟ زید اور عمرو کو دے دیے، تو یاد رکھو یہ جو دوسرے دو گواہ ہیں یہ ان کو قاضی کے پاس لے جا سکتے ہیں کہ قاضی صاحب یہ ان کو ایک ہزار دے دیا گیا، اور یہ کس میں سے دیا گیا؟ ثلث، اور ثلث کے اندر تو ہماری بھی شرکت ہے لہٰذا اس ایک ہزار میں سے ہم دونوں کا بھی حصہ نکال کر دیں۔ تو جو بھی مال وصول ہوگا اس میں دونوں کی کیا ہوگی؟ شرکت ہوگی۔ توجہ ہے؟ دونوں کی شرکت ہوگی، معلوم ہوا اس گواہی میں دونوں گواہوں کا فائدہ تھا۔ پہلے دو گواہوں نے زید اور عمرو کے لیے گواہی دی لیکن زید اور عمرو کے لیے جو بھی مال نکلے گا اس میں یہ دونوں بھی کیا ہوں گے؟ شریک ہوں گے، تو معلوم ہوا ان کا بھی نفع ہوا، اور ایسی گواہی جس میں گواہ کا اپنا نفع ہو وہ باطل ہوتی ہے، لہٰذا یہ گواہی باطل ہے، دونوں کی گواہی باطل ہے۔

ہاں اگر ایسی گواہی دی جس میں شرکت نہیں آتی پھر صحیح ہو جائے گی، پھر چاہے وصیت کے بارے میں ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً دیکھو ان دونوں نے گواہی دی کہ مرنے والے نے ہمیں وصیت کی تھی کہ میرا یہ غلام زید اور عمرو کو دے دینا، اور زید اور عمرو نے آکر گواہی دی کہ مرنے والے نے کہا تھا میری یہ باندی جو ہے ان دو گواہوں کو دے دینا۔ تو دیکھو اب دونوں کا محل ہی الگ الگ ہو گیا، ایک فریق گواہی دے رہا ہے غلام کی اور دوسرا فریق گواہی دے رہا ہے باندی کی، معلوم ہوا دونوں کا مال الگ الگ ہے اس میں شرکت نہیں ہے، تو پھر گواہی ٹھیک ہو جائے گی، پھر گواہی ٹھیک۔ لیکن یہاں پر کیا صورت ہے؟ ایک، ایک ہزار درہم کی گواہی دے رہا ہے، دوسرا بھی ایک ہزار درہم کی گواہی دے رہا ہے وصیت کے اندر، معلوم ہوا ایک ہزار درہم وہ تو کوئی متعین نہیں ہے، معلوم ہوا جو بھی درہم الگ کریں گے چاروں کا اس میں حصہ بنے گا، تو لہٰذا شرکت آرہی ہے، گویا اس میں گواہوں کا اپنا نفع ہے اس گواہی کے اندر، تو لہٰذا یہ گواہی باطل ہے۔ بات سمجھ

میں آگئی؟

تیسری صورت بھائی: پہلے دو گواہوں نے کیا کہا کہ زید اور عمرو کے لیے اس نے غلام کی وصیت کی ہے، اور زید اور عمرو نے کہا کہ اس مرنے والے نے ان دو گواہوں کے لیے ثلث مال کی وصیت کی ہے، تو اس صورت میں بھی شرکت آ رہی ہے، گواہی باطل ہے۔ کیونکہ بات کس کی کر رہے ہیں؟ وصیت کی، اور وصیت کتنے میں نافذ ہوتی ہے؟ ثلث میں، اور زید اور عمرو کیا کہہ رہے ہیں؟ ثلث ان دونوں کا ہے، اور یہ دونوں کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ غلام زید... تو یہ غلام جو دیا جائے گا یہ بھی ثلث میں سے ہی نکالیں گے یا کہیں الگ؟ ثلث میں سے ہی نکالیں گے، تو معلوم ہوا اسی ثلث میں دونوں کی کیا آ رہی ہے؟ شرکت آ رہی ہے، لہٰذا اس شرکت کی وجہ سے یہ... فرض کرو اگر ثلث کے اندر صرف یہی غلام نکلا پھر؟ پھر غلام میں شرکت آئے گی یا نہیں دونوں کی؟ تو دیکھا یہاں شرکت آجائے گی دونوں کی، اور شرکت میں تو گواہوں کا بھی فائدہ ہوگا، تو اس گواہی کی وجہ سے دلوں میں بدگمانی آتی ہے کہ شاید یہ اپنے نفع کے لیے گواہی دے رہے ہیں، اس لیے یہ دونوں گواہیاں باطل ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھائی: كَشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ لِآخَرَيْنِ بِدَيْنِ أَلْفٍ عَلَى مَيِّتٍ وَالْآخَرَيْنِ لِلْأَوَّلَيْنِ بِمِثْلِهِ، جیسے گواہی دینا دو آدمیوں کا لِآخَرَيْنِ دوسرے دو آدمیوں کے لیے بِدَيْنِ أَلْفٍ ایک ہزار دَیْن کی عَلَى مَيِّتٍ کسی میت پر وَالْآخَرَيْنِ لِلْأَوَّلَيْنِ بِمِثْلِهِ اور دوسرے دو کا گواہی دینا ان پہلے دو کے لیے بِمِثْلِهِ اسی جیسے کا، اسی کے مثل یعنی ایک ہزار دَیْن کا۔ تو یہ، کیا کہا كَشَهَادَةِ، پیچھے کیا تھا؟ وَصَحَّتْ لِغَيْرِهِ، اور غیر کے لیے یہ گواہی شہادت، یہ شہادت صحیح ہوگی جیسے یہ والی شہادت صحیح ہے یہ جو دَیْن کی شہادت دے رہے ہیں ایک دوسرے کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بِخِلَافِ الشَّهَادَةِ بِوَصِيَّةِ أَلْفٍ، بخلاف شہادت ایک ہزار کی وصیت کی، ایک ہزار کی وصیت کی شہادت دیں تو اس صورت میں پھر یہ گواہی صحیح نہیں ہے، أَوِ الْأَوَّلَيْنِ بِعَبْدٍ وَالْآخَرَيْنِ بِثُلُثِ مَالِهِ یا پہلے دو جو ہیں وہ گواہی دیتے ہیں غلام کی اور دوسرے دو گواہی دیتے ہیں ثلث مال کی، تو اس صورت میں یہ گواہی باطل ہے۔ کتنی صورتیں ذکر ہوئیں اس متن میں؟ تین۔ تین میں سے پہلی صورت کی، میں شہادت جائز ہے جب دَیْن کی شہادت دیں، اور دوسری دو صورتیں جن میں وصیت کی گواہی دے رہے ہیں وہ دونوں صورتیں جائز نہیں ہیں۔ اس کو یاد رکھنا، اب ذرا آگے دیکھو۔

فَإِنَّهُ يَجُوزُ الشَّهَادَةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ، کیونکہ شہادت جائز ہے طرفین رَحِمَهُمَا اللهُ کے نزدیک، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ لَا يَجُوزُ، اور امام ابو یوسف رَحِمَهُ اللهُ کے نزدیک جائز نہیں۔ یہ عبارت یاد رکھو اس کا تعلق پہلی صورت سے ہے، بظاہر لگتا ہے شاید اس کا تعلق آخری دو صورتوں سے ہے، نہیں بھائی آخری دو صورتیں تو بالاتفاق جائز نہیں، آخری دو صورتیں بالاتفاق، صرف پہلی جو صورت ہے دَیْن والی اس میں اختلاف ہے، امام صاحب اور امام محمد رحمۃ اللہ ان دونوں کے نزدیک وہ جائز اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ کے نزدیک وہ صورت بھی جائز نہیں ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ

اللہ کے نزدیک تینوں میں سے ایک بھی صورت جائز نہیں اور طرفین کے نزدیک پہلی صورت جائز ہے باقی دو صورتیں جائز نہیں۔ پہلی صورت کیوں جائز؟ کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ وہاں دَیْن کی شہادت دے رہے ہیں اور دَیْن میت کے ذمے میں ہوتا ہے تو وہاں پر شرکت نہیں، ایک ہی آدمی پر کئی آدمیوں کے دَیْن ہو سکتے ہیں اس میں شرکت نہیں ہوتی۔ لیکن جو بعد والے گواہی دے رہے ہیں وہ وصیت کے بارے میں دے رہے ہیں اور وصیت جو ہے وہ ذمے میں نہیں ہوتی وہ تو ترکے کے اندر ہوتی ہے تو گویا وہاں شرکت آرہی ہے دونوں کی، اور شرکت کی وجہ سے دلوں میں بدگمانی پیدا ہوتی ہے کہ شاید یہ اپنے فائدے کے لیے گواہی دے رہا ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ فرماتے ہیں تینوں صورتیں ہی جائز نہیں ہیں، آخری دو تو جائز ہی نہیں وجہ بتا دی کیونکہ وصیت ہے اور وصیت میں کیا آئے گی؟ شرکت آئے گی، جبکہ پہلی صورت بھی وہ فرماتے ہیں جائز نہیں اس لیے کیونکہ یہ دَیْن کی بات کر رہے ہیں، دَیْن واقعی کسی کے ذمے میں ہوتا ہے لیکن یہاں وہ شخص مر چکا ہے، میت کیا ہے؟ مر چکا ہے، تو اس کے ذمے میں تو دَیْن نہیں ہو سکتا تو دَیْن تو پھر بھی ترکے ہی کے اندر آئے گا، اور جب ترکے میں آئے گا تو پھر تو اس کے اندر شرکت آجائے گی لہٰذا یہ جائز نہیں۔ لیکن طرفین فرماتے ہیں نہیں، دَیْن کیا ہے ذمے میں آتا ہے تو وہاں وہ جائز ہے بھائی پہلی صورت، باقی دو جائز نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھائی:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ

كِتَابُ الْخُنْثَىٰ

هُوَ ذُو فَرْجٍ وَذَكَرٍ، فَإِنْ بَالَ مِنْ ذَكَرِهِ فَذَكَرٌ، وَإِنْ بَالَ مِنْ فَرْجِهِ فَأُنْثَىٰ، وَإِنْ بَالَ مِنْهُمَا حُكِمَ بِالْأَسْبَقِ، وَإِنِ اسْتَوَيَا فَمُشْكِلٌ، وَلَا تُعْتَبَرُ الْكَثْرَةُ.

كِتَابُ الْخُنْثَىٰ بھائی۔ خنثیٰ جس کو ہیجڑا کہتے ہیں جو نہ مرد ہے اور نہ عورت بھائی، اس سے متعلقہ مسائل اب ذکر ہوں گے۔ تو بتلانے لگے ہیں کہ وہ کہتے کسے ہیں خنثیٰ؟ کہتے ہیں: هُوَ ذُو فَرْجٍ وَذَكَرٍ، وہ شخص ہے ذُو فَرْجٍ، فرج کہتے ہیں عورت کی شرمگاہ کو، ذکر مرد کی شرمگاہ، هُوَ ذُو فَرْجٍ وَذَكَرٍ جو مرد اور عورت دونوں کی شرمگاہ والا ہو یعنی اس میں دونوں شرمگاہیں موجود ہوں۔ پتہ کیسے چلے گا اس کو مرد سمجھیں گے یا عورت سمجھیں گے؟ تو نشانیاں بتلائیں گے۔ کچھ نشانیاں ہیں بلوغت سے پہلے کی، کچھ نشانیاں ہیں بلوغت کے بعد کی۔ بلوغت سے پہلے اگر آپ پتہ لگانا چاہتے ہیں کہ یہ مرد ہے یا عورت، تو پھر یہ نشانیاں بیان کرنے لگے ہیں کہ اگر وہ جو اس کے دونوں طرح کے اعضاء ہیں اگر وہ ذکر سے پیشاب کرتا ہے معلوم ہوا وہ مرد ہے، اگر وہ فرج سے پیشاب کرتا ہے معلوم ہوا وہ عورت ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو کہتے ہیں: هُوَ ذُو فَرْجٍ وَذَكَرٍ، وہ شخص ہے جو فرج و ذکر دونوں والا ہو، فَإِنْ بَالَ مِنْ ذَكَرِهِ فَذَكَرٌ، اگر وہ پیشاب کرتا ہے ذکر سے تو وہ مذکر ہے، وہ کیا ہے؟ مذکر، فَإِنْ بَالَ مِنْ ذَكَرِهِ فَذَكَرٌ۔ یہ ذکر کا لفظ یاد رکھو آلہ تناسل کو بھی کہتے ہیں اور مرد کو بھی کہتے ہیں، مِنْ ذَكَرِهِ اس سے آلہ تناسل مراد اور فَذَكَرٌ اس سے کیا مراد؟ مرد مراد ہے۔ کہتے ہیں: فَإِنْ بَالَ مِنْ ذَكَرِهِ فَذَكَرٌ، اگر وہ پیشاب کرتا ہے اپنے ذکر سے فَذَكَرٌ تو وہ مرد ہے۔ بھائی پیشاب ذکر سے کرے تو مرد کیوں؟ کہتے ہیں معلوم ہوا کہ جس سے یہ پیشاب کر رہا ہے معلوم ہوا یہ عضوِ اصلی ہے اور دوسرا ویسے عیب کے طور پر بن گیا ہے، جیسے ہاتھ کے اندر بھائی کبھی شخص کی چھ انگلیاں ہوتی ہیں تو چھٹی انگلی ویسے عیب کے طور پر بڑھ جاتی ہے، معلوم ہوا جس عضو سے یہ پیشاب کر رہا ہے وہ ہے اصلی اور دوسرا عضو ویسے عیب کے طور پر نمودار ہو گیا ہے۔ تو کہتے ہیں: فَإِنْ بَالَ مِنْ ذَكَرِهِ فَذَكَرٌ، اگر وہ پیشاب کر رہا ہے اپنے ذکر سے تو وہ مرد ہے، وَإِنْ بَالَ مِنْ فَرْجِهِ فَأُنْثَىٰ، اور اگر وہ پیشاب کرتا ہے اپنے فرج سے فَأُنْثَىٰ تو وہ مؤنث ہے یعنی عورت ہے، وَإِنْ بَالَ مِنْهُمَا اور اگر وہ ان دونوں سے پیشاب کرتا ہے، تو کہتے ہیں حُكِمَ بِالْأَسْبَقِ تو فیصلہ کیا جائے گا جو اسبق ہو یعنی جس سے پہلے پیشاب نکلتا ہے، جس سے پہلے پیشاب نکلتا ہے اس کے ذریعے فیصلہ کر دیا جائے گا، وَإِنِ اسْتَوَيَا اور اگر دونوں برابر ہوں، پیشاب بھی دونوں سے کرتا ہے اور پیشاب بھی اکٹھا دونوں سے نکلتا ہے کوئی ایک بھی مقدم نہیں ہے، تو کہتے ہیں فَمُشْكِلٌ پھر یہ خنثیٰ مشکل ہے۔

بھائی دیکھو اگر ذکر سے پیشاب کرتا ہے تو مرد والے سارے احکام جاری کریں گے، وہ مرد ہے، وہ کیا ہے مرد ہے ہاں عیب ہے اس میں ایک۔ اور اگر فرج سے پیشاب کرتا ہے معلوم ہوا یہ عورت ہے اور عورت والے سارے احکام جاری ہوں گے۔ تو وَإِنِ اسْتَوَيَا، اور پھر دیکھیں گے بھائی اگر دونوں سے پیشاب کرتا ہے تو جس عضو سے پہلے پیشاب نکلے معلوم ہوا وہ عضوِ اصلی ہے اور دوسرا عیب کے طور پر ہے، تو لہٰذا وہ حکم لگا دیں گے۔ اور اگر سبقت میں بھی دونوں برابر ہیں پھر یہ خنثیٰ مشکل ہے، یعنی اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا، فیصلہ نہیں ہو سکتا اس کو مرد قرار دیں یا اس کو عورت قرار دیں۔ یہ معنیٰ ہے وَإِنِ اسْتَوَيَا اگر دونوں برابر ہوں یعنی سبقت کے اندر بھی دونوں اعضاء یعنی پیشاب کے نکلنے میں بھی دونوں اعضاء برابر ہیں فَمُشْكِلٌ تو پھر وہ خنثیٰ مشکل ہے۔

وَلَا تُعْتَبَرُ الْكَثْرَةُ. صاحبین فرماتے ہیں اگر دونوں سے اکٹھا پیشاب نکلتا ہے پھر پیشاب کی کثرت کو دیکھ لیں، جس عضو سے زیادہ پیشاب نکلتا ہے معلوم ہوا یہ عضوِ اصلی ہے تو اس کے مطابق حکم لگا دیں، امام صاحب فرماتے ہیں نہیں، قلت و کثرت کا اعتبار نہیں ہے

یا تو یہ دیکھو جس عضو سے پیشاب کرتا ہے اگر دونوں سے کرتا ہے پھر سبقت کو دیکھ لو لیکن کثرت کو نہیں دیکھنا بھائی۔ تو کہتے ہیں: وَلَا تُعْتَبَرُ الْكَثْرَةُ، اور کثرتِ پیشاب کا اعتبار نہیں ہے، هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، یہ امام صاحب کے

نزدیک ہے، وَقَالَا اور صاحبین فرماتے ہیں تُعْتَبَرُ الْكَثْرَةُ کثرت کا اعتبار کیا جائے گا۔

فَإِنْ بَلَغَ وَخَرَجَ لَهُ لِحْيَةٌ، جی اب بلوغت کے بعد نشانیاں بیان کر رہے ہیں۔ اگر بچہ تھا تو اس پر کون سا حکم لگانا ہے وہ بیان ہو گیا۔ اب کوئی بالغ ہے، کوئی بالغ ہے کوئی مسلمان ہوتا ہے، اب اس پر مرد کے احکام لگانے ہیں یا عورت کے تو پھر اب اس بالغ کی بھی علامتیں بتلا رہے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کہتے ہیں: فَإِنْ بَلَغَ، اگر وہ بالغ ہو گیا وَخَرَجَ لَهُ لِحْيَةٌ اور اس کی داڑھی نکل آئی، أَوْ وَطِئَ امْرَأَةً فَرَجُلٌ، یا اس نے صحبت کر لی کسی عورت کے ساتھ فَرَجُلٌ تو یہ مرد ہے، یہ معلوم ہوا مرد ہے۔ وَإِنْ ظَهَرَ لَهُ ثَدْيٌ، اور اگر اس کی چھاتی ظاہر ہو گئی یعنی عورت کی طرح اس کی چھاتی ابھر آئی، أَوْ نَزَلَ لَهُ لَبَنٌ یا اس کی چھاتی کے اندر دودھ اتر آیا، أَوْ حَاضَ یا اس کو حیض آگیا، أَوْ حَبِلَ یا یہ حاملہ ہو گیا، کسی نے صحبت کی اور یہ حاملہ ہوا، أَوْ وُطِئَ یا اس کے ساتھ وطی کی گئی کسی مرد نے وطی کی، فَأُنْثَىٰ تو پھر یہ عورت ہے، مؤنث ہے۔[3]

أَيْ إِنْ ظَهَرَتْ تِلْكَ الْعَلَامَاتُ فَقَطْ فَذَكَرٌ، وَإِنْ ظَهَرَتْ هٰذِهِ الْعَلَامَاتُ فَقَطْ فَأُنْثَىٰ، یعنی اگر وہ والی علامتیں صرف ظاہر ہوئیں تو وہ مذکر ہے، وَإِنْ ظَهَرَتْ هٰذِهِ الْعَلَامَاتُ اور اگر یہ والی جو آخر میں ذکر ہوئیں یہ والی علامتیں صرف ظاہر ہوئیں فَأُنْثَىٰ تو مؤنث ہے، عورت ہے۔ وَإِلَّا فَمُشْكِلٌ، اور اگر ایسا نہ ہو فَمُشْكِلٌ تو پھر وہ خنثیٰ مشکل ہے بھائی، یعنی یا تو دونوں علامتیں ظاہر ہو گئیں یا دونوں میں سے ایک بھی نہیں ظاہر ہوئی، تو معلوم ہوا یہ خنثیٰ مشکل ہے۔ کہتے ہیں وَإِلَّا اگر ایسا نہ ہو، کیا معنیٰ؟ خود تفصیل کر رہے ہیں: أَيْ إِنْ لَمْ يَكُنْ كَذٰلِكَ بِأَنْ لَمْ يَظْهَرْ شَيْءٌ مِنَ الْعَلَامَاتِ الْمَذْكُورَةِ، یعنی اگر ایسا نہ ہوا اگر کوئی بھی چیز ظاہر نہ ہوئی ان مذکورہ علامتوں میں سے، أَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَامَاتُ الذُّكُورِ مَعَ عَلَامَاتِ الْإِنَاثِ یا اکٹھی ہو گئیں مذکر کی علامتوں کے ساتھ مؤنث کی علامتیں یعنی دونوں علامتیں ظاہر ہو گئیں، كَمَا إِذَا خَرَجَتْ لِحْيَةٌ وَظَهَرَ لَهُ ثَدْيٌ فَمُشْكِلٌ، جیسے کہ اس کی داڑھی بھی نکل آئی اور اس کی چھاتی بھی ظاہر ہو گئی فَمُشْكِلٌ تو پھر یہ خنثیٰ مشکل ہے۔

اب خنثیٰ مشکل کے احکام بیان کرنے لگے ہیں۔ آگے یہ خنثیٰ مشکل کے احکام ہیں، اس لیے کیونکہ یہ علامتوں سے طے ہو جائے گا، پتہ لگ جائے گا یہ مرد ہے تو مردوں والے سارے احکام تمام زندگی کے لیے، اور اگر عورت ہے تو عورت والے تمام احکام تمام زندگی کے لیے، لیکن اگر وہ خنثیٰ مشکل ہے پھر کیا کریں گے؟ تو اب وہ احکام بیان کرنے لگے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ مرد یا عورت کے ہونے کا پتہ چل جائے پھر تو احکام کا بھی پتہ چل گیا، وہ مرد نکلا ہے تو مرد کے احکام، عورت نکلا تو عورت کے احکام، لیکن اگر خنثیٰ مشکل ہو پھر اس کے پھر کیا کریں گے؟ تو اب صرف یہ خنثیٰ مشکل کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔

---

[3] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ٥، ص ٢١٧): صوتی درس کی قراءت میں «فَإِنْ بَلَغَ وَخَرَجَ لَهُ لِحْيَةٌ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «فإن بَلَغَ وخرجَ لحيةٌ،» منقول ہے۔

تو کہتے ہیں: وَيَقِفُ بَيْنَ صَفِّ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ، اور یہ کھڑا ہوگا مردوں اور عورتوں کی صف کے بیچ میں، اس کی الگ صف ہوگی، نہ مردوں کے ساتھ کھڑا ہوگا نہ عورتوں کے۔ کون؟ خنثیٰ مشکل۔ بھئی کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ مرد اور عورت اکٹھے نماز پڑھیں تو مرد کی نماز نہیں ہوتی بھائی۔ تو اگر یہ عورتوں کی صف میں کھڑا ہوا اور اس نے نماز پڑھی، اور ہو سکتا ہے یہ مرد ہو تو پھر اس کی نماز نہیں ہوگی۔ توجہ ہے؟ تو پھر تو اس کی نماز ہی نہیں ہوگی۔ اور اگر یہ حقیقت میں کیا ہو؟ عورت ہو اور یہ مردوں کی صف میں کھڑا ہو جائے، تو پھر تو اس کے دائیں بائیں جو مرد ہیں ان کی بھی نماز نہیں ہوگی، جو اس کے بالکل پیچھے ہے اس کی بھی نماز نہیں ہوگی، تو لہٰذا مردوں یا عورتوں میں نہ کھڑا ہو، اگر مردوں یا عورتوں میں کھڑا ہوگا یا تو اس کی اپنی نماز نہیں ہوگی یا اس کے ساتھ والوں اور پیچھے والوں کی نماز نہیں ہوگی، لہٰذا اپنی الگ صف بنا کر کھڑا ہو۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں: وَيَقِفُ بَيْنَ صَفِّ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ، یہ مردوں اور عورتوں کی صف کے بیچ میں کھڑا ہوگا، فَإِنْ قَامَ فِي صَفِّهِنَّ أَعَادَ، اگر یہ عورتوں کی صف میں کھڑا ہوا أَعَادَ تو پھر اپنی نماز لوٹائے گا، پھر دہرائے گا کیونکہ مرد کی نماز عورت کے ساتھ کھڑے ہو کر نہیں ہوتی، ہو سکتا ہے یہ مرد ہو۔ وَفِي صَفِّهِمْ يُعِيدُ مَنْ بِجَنْبَيْهِ وَمَنْ خَلْفَهُ بِحِذَائِهِ، اور مردوں کی صف میں اگر یہ ہوا تو نماز لوٹائیں گے مَنْ بِجَنْبَيْهِ وہ مرد جو اس کے دونوں جانب میں ہیں، وَمَنْ خَلْفَهُ بِحِذَائِهِ اور وہ جو اس کے پیچھے ہے اس کے برابر میں یعنی جو اس کے بالکل پیچھے ہے وہ بھی کیا کریں گے؟ اپنی نمازیں دہرائیں گے کیونکہ ہو سکتا ہے یہ عورت ہو بھائی۔

وَصَلَّىٰ بِقِنَاعٍ، اور یہ نماز پڑھے گا قناع کے ساتھ، قناع کہتے ہیں دوپٹے کو، اوڑھنی، عورت کی جو اوڑھنی ہوتی ہے دوپٹہ، وَصَلَّىٰ بِقِنَاعٍ اور یہ اوڑھنی کے ساتھ نماز پڑھے گا، وَلَا يَلْبَسُ حَرِيرًا وَحُلِيًّا، اور یہ ریشم اور زیور نہیں پہنے گا، یہ ریشم اور زیور نہیں پہنے گا کیونکہ ہو سکتا ہے یہ مرد ہو اور مرد کے لیے تو ریشم اور زیور حرام ہے۔

وَلَا يَكْشِفُ عِنْدَ رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ، اور اپنا بدن نہیں کھولے گا کسی مرد یا عورت کے پاس، اپنا بدن نہیں کھولے گا کسی مرد یا عورت کے پاس۔ بھائی آپ نے کتاب الکراہیہ میں پڑھا تھا کہ مرد دوسرے مرد کا کتنا بدن دیکھ سکتا ہے اور ایک عورت دوسری عورت کا کتنا بدن دیکھ سکتی ہے، اور باقی کتنا حصہ ستر میں داخل ہے، وہ تفصیل آپ وہاں پڑھ چکے ہیں، تو یہ، یہ نہ مرد کے سامنے اب اپنا بدن کھولے کیونکہ ہو سکتا ہے یہ عورت ہو، اور نہ عورت کے سامنے اپنا بدن کھولے کیونکہ یہ ہو سکتا ہے مرد ہو بھائی۔ تو جو حصہ عورت کا عورت کے لیے دیکھنا جائز ہے وہ بھی وہاں نہ کھولے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ شرمگاہ کی بات نہیں ہو رہی کہ اس کو ڈھانپ... شرمگاہ کا تو ڈھانپنا فرض ہے وہ تو کرے گا ہی، اس کے علاوہ جس حصے کا دیکھنا مرد کا مرد کے بدن کے جتنا حصہ دیکھنا جائز ہے یا عورت کا عورت کے بدن کا جتنا حصہ دیکھنا جائز ہے وہ حصہ بھی کہیں نہ کھولے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے وَلَا يَكْشِفُ عِنْدَ رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ اور اپنا بدن نہ کھولے کسی مرد یا عورت کے پاس۔

وَلَا يَخْلُو بِهِ غَيْرُ مَحْرَمٍ رَجُلٌ أَوِ امْرَأَةٌ، اور خلوت نہ کرے اس کے ساتھ محرم کے علاوہ کوئی مرد یا عورت، خلوت یعنی اکیلا بھی اس کے ساتھ محرم کے علاوہ کوئی نہ رہے، محرم کے علاوہ کوئی نہ رہے، کیونکہ اگر اکیلا اس کے ساتھ کوئی رہتا ہے مثلاً کسی مرد کے ساتھ رہتا ہے تو ہو سکتا ہے یہ عورت ہو پھر تو یہ خلوت حرام ہو گئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ خلوت نہ کرے علاوہ محرم کے کسی مرد یا عورت کے ساتھ۔ وَلَا يُسَافِرُ بِلَا مَحْرَمٍ، اور یہ سفر نہ کرے بغیر محرم کے، کوئی نہ کوئی محرم اس کے ساتھ سفر کرے کیونکہ ہو سکتا ہے یہ عورت ہو اور عورت کے لیے تو بغیر محرم کے سفر جائز نہیں، تو احتیاط اسی میں ہے کہ محرم کے ساتھ سفر کرے۔

وَكُرِهَ لِلرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ خَتْنُهُ، اور مکروہ ہے مرد کے لیے بھی اور عورت کے لیے بھی اس کا ختنہ کرنا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ بھائی مثلاً ایک خنثیٰ مشکل ہے بالغ ہونے کے بعد اب بڑا ہے اب مسلمان ہوا ہے، اب وہ ختنے کی سنت پر عمل کرنا چاہتا ہے۔ بچہ ہے، بچے کا تو کوئی بھی ختنہ کر لے اس میں تو بات سمجھ میں آ گئی، اس کی بات نہیں ہو رہی، بڑا ہے بالغ ہے ختنہ نہیں کیا وہ ختنہ کروانا چاہتا ہے، تو نہ کوئی مرد اس کا ختنہ کر سکتا ہے اور نہ عورت۔ مرد اس لیے نہیں کہ ہو سکتا ہے یہ عورت ہو، اور عورت اس لیے نہیں کہ ہو سکتا ہے یہ کیا ہو؟ مرد ہو۔ یہ معنیٰ ہے وَكُرِهَ لِلرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ خَتْنُهُ اور مکروہ ہے مرد کے لیے اور عورت کے لیے اس کا ختنہ کرنا۔ پھر کیا کریں بھائی؟ کہتے ہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے لیے ایک باندی خریدی جائے، کیا کیا جائے؟ باندی خریدی جائے اور پھر وہ باندی جو ہے وہ اس کا ختنہ کرے کیونکہ باندی اس کی، اس کے لیے خریدی ہے تو گویا اس کی مملوک ہو گئی، اور باندی، باندی کے ساتھ تو مرد کے لیے ازدواجی تعلقات قائم کرنا جائز ہوتا ہے، ایک دوسرے کی شرمگاہ دیکھ سکتے ہیں، تو لہٰذا باندی اس کی شرمگاہ دیکھ سکتی ہے لہٰذا وہ اس کا ختنہ کر دے گی، اور پھر اب باندی کی ضرورت نہ رہی، یہ بیت المال سے باندی خریدیں گے، کس سے؟ بیت المال، پھر باندی کو دوبارہ بیچ کر پیسے واپس بیت المال میں جمع کروا دیں گے۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟

تو کہتے ہیں: وَتُبْتَاعُ أَمَةٌ تَخْتِنُهُ إِنْ مَلَكَ مَالًا، کہ خریدی جائے گی ایک ایسی باندی جو اس کا ختنہ کرے اگر یہ مالک ہے مال کا یعنی اگر خود مالدار ہے، وَإِلَّا فَمِنْ بَيْتِ الْمَالِ اور اگر ایسا نہیں یعنی یہ مالدار نہیں ہے تو بیت المال سے باندی خریدی جائے گی اور پھر اس کے بعد ثُمَّ تُبَاعُ پھر اس باندی کو بعد میں بیچ دیا جائے گا۔

فَإِنْ مَاتَ قَبْلَ ظُهُورِ حَالِهِ لَمْ يُغَسَّلْ وَيُتَيَمَّمُ. اگر یہ مر گیا اپنی حالت کے ظاہر ہونے سے پہلے ہی یعنی طے ہی نہیں ہو سکا یہ مرد ہے یا عورت، اب اس یہ مر گیا اب غسل دینا ہے کیا کریں؟ کہتے ہیں غسل نہیں دیا جائے گا، اس کو تیمم کروا دیں گے، اس لیے کیونکہ غسل اگر مرد دیتے ہیں تو ہو سکتا ہے یہ عورت ہو، اور اگر عورتیں غسل دیتی ہیں تو ہو سکتا ہے یہ مرد ہو اور اس صورت میں تو جائز نہیں ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں فَإِنْ مَاتَ قَبْلَ ظُهُورِ حَالِهِ لَمْ يُغَسَّلْ وَيُتَيَمَّمُ، اگر یہ مر گیا اپنی حالت کے ظاہر ہونے سے پہلے ہی تو اس کو غسل نہیں دیا جائے گا وَيُتَيَمَّمُ اور اس کو تیمم کروایا جائے گا۔

يُتَيَمَّمُ فعل بھائی اس کا کیا معنیٰ؟ خود بتلا رہے ہیں: مِنَ التَّيَمُّمِ، یہ فعل کس سے ہے؟ تیمم سے ہے، وَهُوَ جَعْلُ الْغَيْرِ ذَا تَيَمُّمٍ اور وہ دوسرے کو تیمم والا بنانا، دوسرے کو... ہاں یعنی اس کو تیمم والا بنا دیا جائے گا یعنی اس کو تیمم کروا دیا جائے گا۔ کہتے ہیں وَيُتَيَمَّمُ مِنَ التَّيَمُّمِ، یہ تیمم سے فعل ہے، وَهُوَ جَعْلُ الْغَيْرِ ذَا تَيَمُّمٍ اور وہ کسی دوسرے کو تیمم والا بنانا یعنی کسی دوسرے کو تیمم کروانا۔

وَإِنَّمَا لَا يُشْتَرَىٰ لَهُ جَارِيَةٌ تَغْسِلُهُ. بھائی سوال، آپ نے کہا اس کو غسل نہ دیں اس کو تیمم کروا دیں، بھائی آپ نے خنثیٰ کے لیے کہا تھا باندی خرید لیں، یہاں بھی ایک باندی خرید لیتے ہیں اور وہ باندی اس کو غسل دے دے۔ کہتے ہیں نہیں، یہ اب مر گیا اور مرنے کے بعد اب باندی کے لیے جائز نہیں ہوتا اپنے آقا کے بدن کو دیکھنا، لہٰذا باندی غسل نہیں دے سکتی۔ کہتے ہیں: وَإِنَّمَا لَا يُشْتَرَىٰ لَهُ جَارِيَةٌ تَغْسِلُهُ، اور اس کے لیے ایسی باندی نہیں خریدی جائے گی جو اس کو غسل دے دے لِأَنَّ الْجَارِيَةَ لَا تَكُونُ مَمْلُوكَةً لَهُ بَعْدَ الْمَوْتِ، اس لیے کیونکہ باندی جو ہے وہ اس کی موت کے بعد اس کی مملوک نہیں ہو سکتی، إِذْ لَوْ كَانَتْ لَجَازَ غُسْلُ الْجَارِيَةِ لِسَيِّدِهَا إِذَا لَمْ يَكُنْ خُنْثَىٰ، اس لیے کیونکہ اگر ایسا ہوتا اگر باندی موت کے بعد بھی کیا ہوتی؟ مملوک ہوتی، إِذْ لَوْ كَانَتْ یعنی لَوْ كَانَتْ كَذٰلِكَ، إِذْ لَوْ كَانَتْ یعنی اگر ایسا ہوتا، کیا معنیٰ ایسا ہوتا؟ کہ موت کے بعد بھی باندی آقا کی مملوکہ ہوتی تو لَجَازَ غُسْلُ الْجَارِيَةِ لِسَيِّدِهَا تو باندی کا اپنے آقا کو غسل دینا جائز ہوتا إِذَا لَمْ يَكُنْ خُنْثَىٰ جب وہ خنثیٰ نہ ہوتا، کوئی اور مالک بھائی عام مالک ہوتا جو خنثیٰ نہیں ہے عام مالک ہے، عام مالک ہے، اگر باندی مرنے کے بعد بھی مملوک ہوتی تو باندی کے لیے جائز ہوتا وہ اپنے آقا کو غسل دے سکتی ہے، حالانکہ غسل دینا اس کے لیے جائز نہیں کیونکہ آقا کے مرنے کے بعد اب وہ آقا کی مملوکہ نہ رہی کیونکہ وہ مر چکا ہے، اب وہ مالک بننے کی صلاحیت نہیں ہے اس میں، بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: إِذْ لَوْ كَانَتْ لَجَازَ غُسْلُ الْجَارِيَةِ لِسَيِّدِهَا إِذَا لَمْ يَكُنْ خُنْثَىٰ، اگر ایسا ہوتا تو باندی کے لیے بھی اپنے آقا کو غسل دینا جائز ہوتا جب وہ خنثیٰ نہ ہوتا، وَكَانَ هٰذَا أَوْلَىٰ مِنْ غُسْلِ الرَّجُلِ الرَّجُلَ اور یہ زیادہ لائق ہوتا مرد کو مرد سے غسل دینے کے مقابلے میں۔ ویسے تو مرد کو مرد غسل دیتے ہیں، اگر یہ جائز ہوتا تو مرد کے بجائے ہم کہتے باندی غسل دیا کرے کیونکہ یہ زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ باندی کے لیے تو اپنے آقا کی شرمگاہ دیکھنا جائز ہوتا، لیکن یہ ایسا جائز نہیں ہے اس لیے یہ باندی نہیں خریدیں گے۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ دوبارہ ترجمہ دیکھ لیں إِذْ لَوْ كَانَتْ سے، اگر ایسا ہوتا تو باندی کے لیے جائز ہوتا اپنے آقا کو غسل دینا جب وہ خنثیٰ نہ ہوتا اور یہ بہتر ہوتا مرد کا مرد کو غسل دینے سے۔

وَلَا يَحْضُرُ مُرَاهِقًا غُسْلَ مَيِّتٍ. مُرَاهِق کہتے ہیں جو قریب البلوغ ہو، بالغ ہونے کے جو قریب ہے بالغ ابھی نہیں ہوا اس کو مراہق کہتے ہیں۔ کہتے ہیں: وَلَا يَحْضُرُ مُرَاهِقًا غُسْلَ مَيِّتٍ، اور حاضر نہ ہو یہ خنثیٰ مشکل مُرَاهِقًا مراہق ہونے کی حالت میں غُسْلَ مَيِّتٍ میت کے غسل میں۔ جب کسی میت کو غسل دیا جا رہا ہو اور یہ خنثیٰ مشکل مراہق ہے بالغ ہونے کے قریب ہے، تو یہ کسی بھی غسلِ میت میں حاضر نہ ہو، یعنی کسی کو میت کو غسل دینے میں وہاں موجود نہ ہو کیونکہ یہ بالغ ہونے

کے قریب ہے تو یہ بالغ کی طرح ہی ہے تقریباً تو اس کے لیے وہاں حاضر نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اگر مرد کو غسل دیا جا رہا ہے ہو سکتا ہے یہ عورت ہو اور ہو

اگر عورت کو غسل دیا جا رہا ہے تو ہو سکتا ہے یہ مرد ہو لہٰذا اس کو وہاں نہیں ہونا چاہیے غسل دیتے وقت۔ یہ معنیٰ ہے وَلَا يَحْضُرُ مُرَاهِقًا غُسْلَ مَيِّتٍ، اور حاضر نہ ہو خنثیٰ مشکل مراہق ہوتے ہوئے میت کے غسل میں۔

وَنُدِبَ تَسْجِيَةُ قَبْرِهِ، اور مستحب ہے پردہ کرنا اس کی قبر کا یعنی ڈھانپنا اس کی قبر کا۔ تسجیہ، تسجیہ کہتے ہیں، سَجّٰى يُسَجِّى تَسْجِيَةً، تسجیہ کہتے ہیں کہ جب عورت کو قبر میں دفناتے ہیں تو چادروں کے ساتھ ارد گرد پردہ کر لیتے ہیں، جی کیا کرتے ہیں؟ پردہ کر لیتے ہیں، اس کو تسجیہ کہتے ہیں کہ اس کو ڈھانپ لیا تاکہ کسی بے پردگی نہ ہو، کہ اس کے احترام کے طور پر کہ جیسے زندگی میں وہ مردوں سے پردہ کرتی تھی اپنے آپ کو چھپا کر رکھتی تھی تو مرنے کے بعد بھی اس کے احترام میں تاکہ وہ چھپی رہے سب نظروں سے ہر اعتبار سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس کو تسجیہ کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: وَنُدِبَ تَسْجِيَةُ قَبْرِهِ، اور مستحب ہے خنثیٰ مشکل کی قبر پر کو ڈھانپنا اور پردہ کرنا۔ قَدْ مَرَّ مَعْنَى التَّسْجِيَةِ فِي بَابِ الْجَنَائِزِ، کہتے ہیں تسجیہ کا معنیٰ گزر چکا ہے باب الجنائز کے اندر، یہ باب الجنائز بھائی دوسری کسی اور جلد میں جو گزرا ہے وہاں اس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

وَيُوضَعُ الرَّجُلُ بِقُرْبِ الْإِمَامِ، ثُمَّ هُوَ، ثُمَّ الْمَرْأَةُ إِذَا صُلِّيَ عَلَيْهِمْ. صورت یہ کہ تین جنازے اکٹھے آگئے، ایک مرد کا جنازہ ہے، ایک عورت کا جنازہ ہے اور ایک خنثیٰ مشکل کا ہے، اب ان کو کس ترتیب سے رکھیں؟ ایک ہی جنازہ پڑھیں گے نا تینوں کا ملا کر اکٹھا، تو ان کو رکھیں کس ترتیب سے؟ کہتے ہیں امام کے سب سے قریب مرد کو رکھیں، اس سے آگے خنثیٰ کو رکھیں اور اس سے آگے عورت کو رکھیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تاکہ عورت مردوں کی نظر سے سب سے دور ہو اور خنثیٰ اس کے بعد ہو اور جو مرد ہے وہ سب سے قریب ہو۔

کہتے ہیں: وَيُوضَعُ الرَّجُلُ بِقُرْبِ الْإِمَامِ، اور مرد کو رکھا جائے گا امام کے قریب، ثُمَّ هُوَ پھر خنثیٰ مشکل کو، ثُمَّ الْمَرْأَةُ پھر عورت کو إِذَا صُلِّيَ عَلَيْهِمْ جب ان پر نماز پڑھی جائے یعنی جب ان کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے، لِيَكُونَ جَنَازَةُ الْمَرْأَةِ أَبْعَدَ مِنْ عُيُونِ النَّاسِ، تاکہ عورت کا جنازہ لوگوں کی نظر میں سے سب سے زیادہ دور ہو، ثُمَّ الْخُنْثَىٰ پھر خنثیٰ کا جنازہ دور ہو۔

فَإِنْ تَرَكَهُ أَبُوهُ وَابْنًا فَلَهُ سَهْمٌ وَلِلِابْنِ سَهْمَانِ. بھائی اب میراث کے مسائل خنثیٰ مشکل کے میراث کے مسائل بیان کرنے لگے ہیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ خنثیٰ مشکل کو میراث میں سے کتنا حصہ ملے گا۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ خنثیٰ کو مرد فرض کریں اور پھر حساب لگائیں اس کو کتنا حصہ ملتا ہے، پھر خنثیٰ کو مؤنث فرض کر کے دوبارہ حساب لگائیں کتنا حصہ ملتا ہے، تو جو اقل ہوگا جو کم حصہ بنے گا جس صورت میں وہ حصہ اس کو دے دیا جائے گا۔ توجہ ہے؟ کیا مسئلہ کیا امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ کہ خنثیٰ کو مرد فرض کر کے ایک دفعہ حساب لگا لو پورے میراث کا، اور پھر اس کو

عورت فرض کر کے دوبارہ میراث کا حساب لگا لو، جس صورت میں خنثیٰ کو کم مل رہا ہے وہ صورت اختیار کر لو۔ اگر اس کو مرد فرض کرنے کی صورت میں کم ملتا ہے تو اس کو مرد فرض کر کے وراثت تقسیم کر دو، اور اگر اس کو عورت فرض کرنے کی صورت میں حصہ کم ملتا ہے تو اس کو عورت فرض کر کے میراث تقسیم کر دو اور اس کو تھوڑا حصہ دے دو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب اس کے بعد یاد رکھیے ادھر دیکھیے، ایک شخص کا انتقال ہوتا ہے میراث کے مسائل بھائی، ایک شخص کا انتقال ہوتا ہے اس کے صرف دو بیٹے وارث ہیں اور کوئی وارث نہیں، تو یاد رکھو اس جتنی جائیداد ہے اس کے دو حصے کر دیں گے، آدھا حصہ ایک بیٹے کو اور آدھا حصہ دوسرے بیٹے کو۔ دوسری صورت: ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس کا ایک بیٹا ہے اور ایک بیٹی ہے اور کوئی وارث نہیں ہے، تو یاد رکھیے اس صورت میں لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ، مذکر کو دو مؤنث جتنا حصہ ملے گا یعنی یہ جو بیٹا ہے اس کو دو بیٹیوں کو فرض کر لیں گے، تو گویا کل تین بیٹیاں ہو گئیں اس آدمی کی، اور تین میں سے تین بیٹیاں ہیں تو کل مال کے تین حصے کر دیں گے، ایک حصہ ایک بیٹی کو دے دیں گے اور دو حصے وہ بیٹے کو دے دیں گے کیونکہ وہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ اچھی طرح؟ دو بیٹے ہوں تو تقسیم کس طرح کرتے ہیں جائیداد؟ آدھا آدھا۔ اور اگر ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو تو بیٹے کو بیٹی سے دوگنا ملتا ہے، تو تین حصے کریں گے بیٹے کو دو حصے اور بیٹی کو ایک حصہ۔

لہٰذا اب صورت یہ، ادھر دیکھیے ایک شخص کا انتقال ہوا اس کا ایک بیٹا ہے اور ایک خنثیٰ ہے، ایک بیٹا اور ایک خنثیٰ مشکل۔ اب اس خنثیٰ مشکل کو کون سا حصہ دیں گے؟ ابھی بتلایا امام صاحب فرماتے ہیں کہ خنثیٰ کو اقل حصہ دیں گے، پہلے اس کو مرد فرض کر لو اور پھر عورت فرض کر لو، جس صورت میں اس کا حصہ کم بنتا ہے وہ اس کو دے دو۔ تو اب کون کون ہے وارث؟ ایک بیٹا اور ایک خنثیٰ ہے۔ اس خنثیٰ کو بیٹا فرض کرو، تو دو بیٹے ہو گئے، دو بیٹوں کو کتنا ملتا ہے؟ آدھا آدھا، گویا خنثیٰ کو آدھا ملے گا اگر اس کو مرد فرض کریں۔ دوسری صورت بناؤ، اس خنثیٰ کو عورت فرض کرو، گویا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہیں، ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہیں، تو اب کس طرح تقسیم کریں گے؟ بیٹے کو دوگنا اور بیٹی کو ایک گنا، گویا تین حصے کر دیں گے، گویا بیٹی ہونے کی صورت میں خنثیٰ کو ثلث ملے گا۔ کیا ملے گا؟ ثلث ملے گا۔ تو بیٹے ہونے کی صورت میں نصف مل رہا تھا اور بیٹی ہونے کی صورت میں ثلث یعنی تیسرا حصہ مل رہا ہے، معلوم ہوا یہ کم ہے، تو لہٰذا اس کو ثلث دے دیں گے۔ کیا دے دیں گے؟ ثلث۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں: فَإِنْ تَرَكَهُ أَبُوهُ وَابْنًا، اگر اس خنثیٰ کو چھوڑا اس کے باپ نے وَابْنًا اور ایک بیٹے کو، فَلَهُ سَهْمٌ تو اس خنثیٰ کے لیے ایک حصہ ہوگا وَلِلِابْنِ سَهْمَانِ اور بیٹے کے لیے دو حصے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ کیونکہ اس کو اقل حصہ دیا۔

وَعِنْدَ الشَّعْبِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ لَهُ نِصْفُ النَّصِيبَيْنِ. اور امام شعبی رَحِمَهُ اللهُ، یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے اساتذہ میں سے

ہیں، ان کے نزدیک لَهُ نِصْفُ النَّصِيبَيْنِ اس کے لیے دونوں حصوں کا نصف ہوگا۔ دونوں حصوں کا نصف یعنی مرد ہونے کی صورت میں اس کو کیا ملتا ہے وہ بھی آپ نوٹ کر لیں، پھر اس کو عورت فرض کر کے حساب لگائیں اور دونوں حصوں کو جمع کر لیں اور اس کو پھر آدھا دے دیں۔ توجہ ہے؟ ادھر دیکھیں، ابھی ہم نے صورت بنائی خنثیٰ کو مرد فرض کیا تھا لڑکا فرض کیا تھا تو کتنا مل رہا تھا؟ نصف۔ اور اس کو مؤنث فرض کیا تو کتنا مل رہا ہے؟ ثلث۔ تو امام شعبی فرماتے ہیں دونوں کو جمع کر لو، آدھا اور ثلث جمع کر لو، آدھے کو اور ثلث کو جمع کر لو، اور اس آدھے اور ثلث کو جمع کر کے اس کا آدھا دے دو، اس کا آدھا دے دو۔ یوں سمجھو، دوبارہ سنو دوبارہ سنو: ایک شخص کے دو بیٹے ہوں تو جائیداد کس طرح تقسیم کرتے ہیں؟ آدھا آدھا۔ اور اگر ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو تو بیٹے کو بیٹی سے دوگنا ملتا ہے یعنی بیٹی کو آدھا ملتا ہے بیٹے کے مقابلے میں آدھا، آدھا ملتا ہے۔ تو دونوں حصوں کو جمع کر لیں گے مذکر کے فرض کرنے کی صورت میں جو حصہ ملا اور پھر مؤنث فرض کرنے کی جو صورت میں ملا، ان دونوں کو جمع کرو اور اس کا آدھا خنثیٰ کو دے دو، اس کا آدھا خنثیٰ کو، وہ کس طرح ہوگا آگے ہم حساب کرتے ہیں بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَعِنْدَ الشَّعْبِيِّ رَحِمَهُ اللهُ، اور امام شعبی رحمۃ اللہ کے نزدیک لَهُ نِصْفُ النَّصِيبَيْنِ اس کے لیے دونوں کے حصوں کا آدھا ہوگا یعنی خنثیٰ مشکل کے لیے۔ اور وہ کتنا ہوگا بھائی دونوں حصوں کا آدھا؟ دونوں حصوں کا آدھا وہ کتنا بنتا ہے؟ کہتے ہیں: وَذَا، ذَا اسمِ اشارہ ہے وہ، وہ۔ آپ کہتے ہیں نا هٰذَا، یہ ہاتنبیہ کی ہوتی ہے اور ذَا کیا ہوتا ہے اسمِ اشارہ، تو یہ اشارہ ہے اس کی طرف کہ وہ دو حصوں کا نصف کیا ہوگا؟ کہتے ہیں: وَذَا اور وہ جو ہے ثَلَاثَةٌ مِنْ سَبْعَةٍ سات میں سے تین ہوگا۔ دونوں حصوں کا نصف کتنا بنے گا؟ سات میں سے تین، یعنی کل مال کے سات حصے کر دیں گے، تین دے دیں گے خنثیٰ کو اور چار دے دیں گے بیٹے کو۔ یہ کون فرما رہے ہیں؟ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ۔

بھائی امام شعبی رحمۃ اللہ نے کیا فرمایا تھا؟ دونوں حصوں کا نصف دو۔ اب اس دونوں حصوں کا نصف کیسے دینا ہے؟ آگے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ بھی اس کی تشریح کرتے ہیں اور امام محمد رحمۃ اللہ بھی اس کی تشریح کرتے ہیں کہ امام شعبی رحمۃ اللہ کا یہ جو قول ہے دونوں حصوں کا نصف اس کا کیا مطلب ہے؟ کتنا دیں گے؟ تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ امام شعبی کے قول کا مطلب یہ ہے کہ سات میں سے تین حصے دے دو خنثیٰ کو، چار حصے کس کو دے دو؟ بیٹے کو اور تین حصے کس کو دے دو؟ خنثیٰ کو دے دو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے کہ وَذَا ثَلَاثَةٌ مِنْ سَبْعَةٍ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ، اور دونوں حصوں کا نصف جو ہے وہ سات میں سے تین ہے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ کے نزدیک، وَخَمْسَةٌ مِنِ اثْنَيْ عَشَرَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ اور وہ جو ہے بارہ میں سے پانچ ہے امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک۔

امام شعبی نے کیا فرمایا؟ دونوں حصوں کا نصف دے دو۔ صاحبین نے امام شعبی کے قول کو لیا ہے۔ امام صاحب تو کیا فرماتے تھے؟ آسان قول تھا، دونوں حصوں میں سے جو اقل ہے وہ دے دو، خنثیٰ کو مذکر فرض کر کے بھی اس کا حصہ

نکال لو پھر مؤنث فرض کر کے بھی اس کا حصہ نکال لو، جونسا والا اقل ہو وہ اس کو دے دو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جبکہ دوسرا قول امام شعبی کا ہے وہ کیا فرماتے ہیں؟ دونوں حصوں کا نصف دے دو۔ اب دونوں حصوں کا نصف کیسے ہوگا؟ تو وہ کتنا ہوگا؟ تو امام ابویوسف رحمۃ اللہ نے اس کی تفسیر کی اور فرمایا وہ سات میں سے تین ہے، جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ نے اس کی تفسیر کی اور فرمایا امام شعبی رحمۃ اللہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ اس خنثیٰ کو بارہ میں سے پانچ حصے دے دو، بارہ میں سے پانچ خنثیٰ کو دے دو اور سات حصے بیٹے کو دے دو۔ توجہ ہے؟ جائیداد کے بارہ حصے کر لو، پانچ حصے کس کو دے دو خنثیٰ کو اور سات حصے بیٹے کو دے دو۔ یہ معنیٰ ہے وَخَمْسَةٌ مِنِ اثْنَيْ عَشَرَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ اور پانچ ہوں گے بارہ میں سے امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے اب اسی کی تفصیل ساری جو میں نے تفصیل بیان کی یہ صاحبِ شرح وقایہ بیان کر رہے ہیں۔ دیکھیے کتاب پر: اعْلَمْ جان لے تو أَنَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ لَهُ أَقَلُّ النَّصِيبَيْنِ، کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک خنثیٰ مشکل کے لیے دو حصوں میں سے کم حصہ ہوگا، أَيْ يُنْظَرُ إِلَىٰ نَصِيبِهِ إِنْ كَانَ ذَكَرًا یعنی دیکھا جائے گا اس کے حصے کی طرف اگر وہ مذکر ہو، وَإِلَىٰ نَصِيبِهِ إِنْ كَانَ أُنْثَىٰ اور اس کے حصے کی طرف اگر وہ مؤنث ہو یعنی دونوں صورتوں میں حساب کر کے نکال لیں گے، فَأَيٌّ مِنْهُمَا يَكُونُ أَقَلَّ فَلَهُ ذٰلِكَ پس ان دونوں میں سے جو کمتر ہوا وہ اس خنثیٰ مشکل کے لیے ہوگا، تو وہ کمتر اس کے لیے ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور یہ بھی یاد رکھنا فتویٰ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے قول پر ہے بھائی۔

فَفِي هٰذِهِ الصُّورَةِ مِيرَاثُهُ عَلَىٰ تَقْدِيرِ الْأُنُوثَةِ أَقَلُّ فَلَهُ ذٰلِكَ، پس اس صورت کے اندر اگر اس خنثیٰ کی میراث مؤنث ہونے کی تقدیر پر اقل ہوئی تو فَلَهُ ذٰلِكَ تو وہ اس کے لیے ہوگی، تو وہ اس کے لیے یعنی اقل، اگر مؤنث ہونے کی تقدیر پر اس کی میراث کم ہے تو وہ کم اس کو دے دیں گے۔ اب اس کی صورت بھی بیان کرنے لگے ہیں: فَإِنْ تَرَكَتْ زَوْجًا وَجَدَّةً وَأَخًا لِأَبٍ وَأُمٍّ وَخُنْثَىٰ۔ بھائی یہ نقشہ بناؤ بھائی، کتاب لکھیں بھائی کاپی پر، میراث کے مسائل ہیں یہ تو تب بہتر حل ہوتے اگر آپ کو علمِ میراث آتا بھائی، لیکن علمِ میراث آپ ان شاء اللہ سادسہ میں جا کے تفصیل کے ساتھ پڑھیں گے، یہاں بس کچھ میں سوالات کروا دیتا ہوں جو یہاں وہ ذکر کر رہے ہیں۔ کاغذ قلم نکال لیا بھائی؟

سب سے اوپر لکھیں عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، یہ امام صاحب کے نزدیک ہے عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ۔ اب ایک لکیر کھینچیں بھائی تین چار انچ کی لکیر صفحے کے اوپر سیدھی لکیر کے اوپر سیدھی، دائیں سے بائیں، دائیں سے بائیں ایک چھوٹی سی لکیر کھینچ دیں تین چار انچ کی۔ اس لکیر کے نچلے پہلے کنارے پر جو دائیں طرف ہے اس کنارے کے ساتھ ہی نیچے لکھ دیں زَوْجٌ، زَوْجٌ۔ درمیان میں لکیر کے لکھیں جَدَّةٌ نیچے لکیر کے نیچے جَدَّةٌ۔ اور آخری کنارے پر لکھیں لکیر کے نیچے خُنْثَىٰ،

خُنثیٰ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب اس خنثیٰ کے ساتھ بریکٹ میں رَجُلٌ لکھ دیں، اب ہم اس کو رَجُلٌ فرض کر کے مسئلہ نکالتے ہیں، خنثیٰ کے ساتھ بریکٹ میں رَجُلٌ لکھ دیں بین القوسین رَجُلٌ لکھ دیں بھائی۔ اب وارث کون کون ہیں؟ خاوند ہے زوج خاوند کو کہتے ہیں، جَدَّۃٌ دادی ہے اور خنثیٰ ہے ایک، اس خنثیٰ کو ہم نے رَجُلٌ فرض کر لیا۔

خنثیٰ، اور یہ کون ہے؟ دیکھو کتاب پر: فَإِنْ تَرَكَتْ زَوْجًا وَجَدَّةً، اگر مرنے والے نے ایک خاوند چھوڑا یعنی مرنے والی بیوی کا انتقال ہوا ہے، خاوند چھوڑا، وَجَدَّةً اور دادی کو چھوڑا، وَأَخًا لِأَبٍ وَأُمٍّ، أَخًا لِأَبٍ وَأُمٍّ یعنی حقیقی بھائی۔ ایک ہوتا ہے حقیقی بھائی یعنی حقیقی بھائی کس کو کہتے ہیں؟ ماں باپ دونوں کے ایک ہوں۔ ماں باپ دونوں کے ایک ہوں تو یہ حقیقی بھائی ہے۔ اگر صرف باپ ایک ہے مائیں الگ الگ ہیں تو اس کو علاتی بھائی کہتے ہیں۔ اور اگر صرف ماں ایک ہے اور باپ الگ الگ ہیں تو اس کو اخیافی بھائی کہتے ہیں۔ مثلاً دیکھو ایک آدمی نے دو شادیاں کی ہیں تو ایک بیوی سے ایک بیٹا، دوسری بیوی سے دوسرا بیٹا، یہ دونوں کا باپ تو ایک ہے لیکن مائیں الگ، یہ دونوں علاتی بھائی کہلائیں گے۔ اور اگر ماں ایک ہے اور باپ الگ ہیں، ایک عورت نے زید سے شادی کی تھی اس سے ایک بیٹا ہوا، پھر زید مر گیا، اس عورت نے بعد میں عمرو سے شادی کر لی، اب عمرو سے اس کا دوسرا بیٹا ہوا، اب یہ دونوں کی، ان دونوں کی ماں تو ایک ہے لیکن باپ الگ الگ ہیں، ان کو کہتے ہیں اخیافی بھائی، اخیافی بھائی بہن۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور اگر ماں اور باپ دونوں ہی ایک ہوں تو ان کو کہتے ہیں حقیقی بھائی بہن۔

یہاں جو ذکر ہو رہا ہے: وَأَخًا لِأَبٍ وَأُمٍّ یعنی ماں باپ شریک بھائی یعنی حقیقی بھائی، دونوں کے باپ بھی ایک اور ماں بھی ایک ہے۔ تو اس کو ہم نے کیا فرض کیا؟ رَجُلٌ یعنی یہ بھائی ہے، یہ کیا ہے؟ رَجُلٌ کے ساتھ آگے لکھ لیں بھائی تاکہ آپ کو بعد میں اشکال نہ ہو کہ یہاں رشتہ کون سا ہے، بھائی بھائی۔ یا رَجُلٌ کے بجائے یوں لکھ لیتے أَخٌ، لیکن چلیں جو بھی کر لیں، چاہے رَجُلٌ لکھ لیں چاہے أَخٌ لکھ دیں یا دونوں لکھ لیں۔ اچھا جی تو یہ بھائی بنتا ہے اگر ہم نے اس کو مرد فرض کیا۔

یاد رکھو جب خاوند ہو اور بیوی کی کوئی اولاد نہیں تو خاوند کو ملتا ہے نصف، خاوند کے نیچے لکھیں نصف نون صاد فا۔ جلدی جلدی لکھیے بھائی نصف نون صاد فا، نصف۔ اور جدہ دادی جو ہے، دادی کا حصہ ہوتا ہے سدس چھٹا حصہ، اس کے نیچے سدس لکھیں، سدس حروف کے ساتھ لکھیں سین دال سین سدس۔ اور یہ جو بھائی ہوتا ہے یہ عصبہ ہوتا ہے، اس کے نیچے لکھیں عَصَبَۃٌ عین صاد با اور گول تا، عَصَبَۃٌ۔

دیکھیے بھائی خاوند کو مل رہا ہے نصف اور جدہ کو مل رہا ہے سدس، اور عصبہ جو ہے وہ باقی بچنے والا سارا مال لے جاتا ہے۔ عصبہ کیا کرتا ہے؟ باقی بچنے والا سارا مال لے جاتا ہے۔ یہ جن کے حصے مقرر ہیں نا ان کو ذوی الفروض کہتے ہیں حصوں والے، یہ زوج بھی حصے والا ہے اس کا حصہ نصف ہے، جدہ بھی حصے والی ہے اس کا حصہ سدس ہے، اور جو بھائی ہوتا ہے وہ عصبہ ہوتا ہے۔ تو جب نصف اور سدس جمع ہو گئے تو مسئلہ بنے گا چھ سے، یہ جائیداد کس سے تقسیم ہوگی؟ چھ یعنی کل

جائیداد کے چھ حصے کریں گے۔ تو یہ جو زوج ہے نا زوج، زوج کے اوپر جو لکیر کا حصہ ہے شروع کا، اس حصے کے اوپر چھ لکھ دیں، واضح سا تاکہ نظر آئے، یہ چھ سے ہم مسئلہ بنا رہے ہیں یہ خاوند کا حصہ نہیں ہے، خاوند کا حصہ اس کے نیچے لکھیں گے، یہ چھ سے ہم مسئلہ بنا رہے ہیں۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

چھ کا نصف کتنا؟ تین۔ دیکھو زوج کو نصف دینا ہے نا تو چھ میں سے تین زوج کا حصہ، تو زوج کے نصف لکھا تھا نیچے اس نصف کے نیچے تین لکھ لیں۔ اس نصف کے نیچے تین لکھ لیں یہ زوج کا حصہ۔ اچھا چھ کا سدس کتنا؟ ایک۔ یہ ایک دادی کا حصہ، تو جدہ کے نیچے ایک لکھ لیں۔ تین اور ایک کتنے ہو گئے؟ چار۔ چھ میں سے چار نکل گئے کتنے رہ گئے؟ دو۔ یہ باقی کا مال ہے یہ سارا بھائی کا ہو گیا، یہ خنثیٰ کا حصہ ہو گیا، اس کے نیچے دو لکھیں۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

اب نیچے ذرا دو لکیریں چھوڑ کر پھر یہی مسئلہ دوبارہ لکھیں۔ پھر لکیر لگائیں، پھر لکیر لگائیں، نیچے لکھیں زَوْجٌ، جَدَّۃٌ، جَدَّۃٌ اور خُنْثَیٰ لکھیں آگے۔ اب خنثیٰ کے ساتھ بین القوسین یوں کریں أُخْتٌ لکھ لیں۔ أُخْتٌ. امراۃ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ بس أُخْتٌ لکھ لیں۔

اب ان کو کتنا ملے گا؟ یاد رکھو خاوند کو اسی طرح نصف ملے گا، خاوند کے نیچے نصف لکھیں۔ جدہ کو سدس ملے گا، جدہ کے نیچے سدس لکھیں۔ اور خنثیٰ جب یہ بہن ہو، بہن ایک ہو تو اس کو نصف ملتا ہے، تو اس کے نیچے نصف لکھیں۔ نصف لکھیں، جی۔

مسئلہ اسی طرح پھر چھ سے بنے گا۔ چھ سے مسئلہ بنائیے اوپر چھ لکھیں۔ زوج کے اوپر چھ واضح کر کے لکھیں۔ چھ کا نصف کتنا؟ تین، یہ زوج کا حصہ تو نصف کے نیچے تین لکھ لیں۔ چھ کا سدس کتنا؟ ایک، یہ جدہ کا حصہ لہٰذا سدس کے نیچے ایک لکھ لیں۔ اور پھر چھ کا نصف دینا ہے خنثیٰ کو وہ کتنا ہے؟ تین، تو ادھر بھی تین لکھ دیں نصف کے نیچے پھر تین لکھ دیں۔

اب ان کو ذرا جمع کریں: تین اور ایک چار، چار اور تین سات۔ مسئلہ بنایا تھا چھ سے اور حصے ہو گئے سات، تو یہاں عول ہوگا، تو چھ کے ساتھ اوپر جہاں چھ لکھا تھا اس کے ساتھ لکھیں عول۔ چھ کے ساتھ لکھیں عول۔ اور اس عول کے آگے اب نیچے کتنے حصے ہیں؟ سات، تو عول کے ساتھ سات لکھ دیں، یہ چھ کا عول ہو گیا سات سے یعنی مسئلہ سات سے بن جائے گا۔ مسئلہ کس سے بن جائے گا؟ سات سے۔

اب مجھے بتائیے دیکھیے بھائی خنثیٰ کو اگر، خنثیٰ کو اگر مرد فرض کریں تو کتنا مل رہا ہے؟ چھ میں سے دو یعنی ثلث مل رہا ہے۔ توجہ ہے؟ چھ میں سے دو مل رہا ہے۔ اور خنثیٰ کو اگر عورت فرض کریں تو کتنا مل رہا ہے؟ سات میں سے تین۔ سات کا نصف کتنا ہوتا ہے؟ ساڑھے تین، گویا نصف کے قریب قریب ہے، نصف تو نہیں لیکن نصف کے قریب قریب ہے۔ تو

کس صورت میں خنثیٰ کو کم مل رہا ہے؟ مرد کی صورت میں۔ جی؟ مرد فرض کرنے کی صورت میں کم مل رہا ہے لہٰذا یہاں اس کو مرد والا حصہ دے دیں گے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ جی، اب دیکھیے کتاب پر۔

تو کہتے ہیں: فَإِنْ تَرَكَتْ زَوْجًا وَجَدَّةً وَأَخًا لِأَبٍ وَأُمٍّ هُوَ خُنْثَىٰ، اگر مرنے والی بیوی نے چھوڑا خاوند کو اور دادی کو اور حقیقی بھائی کو جو کہ خنثیٰ ہے، فَعَلَىٰ تَقْدِيرِ الْأُنُوثَةِ لَهُ ثَلَاثَةٌ مِنْ سَبْعَةٍ، تو اس کو مؤنث فرض کرنے کی تقدیر پر اس کے لیے تین ہوں گے کتنے میں سے؟ سات میں سے۔ آپ دیکھ رہے ہیں مؤنث فرض کرنے کی صورت میں سات میں سے کتنے مل رہے تھے ابھی آپ نے کاپی پر کیا؟ سات میں سے تین ہوں گے، یہ معنیٰ ہے کہ فَعَلَىٰ تَقْدِيرِ الْأُنُوثَةِ لَهُ ثَلَاثَةٌ مِنْ سَبْعَةٍ کہ مؤنث فرض کرنے کی صورت میں اس کے لیے سات میں سے تین ہوں گے۔ وَعَلَىٰ تَقْدِيرِ الذُّكُورَةِ اثْنَانِ مِنْ سِتَّةٍ، اور مذکر فرض کرنے کی صورت میں اس کے لیے دو ہیں چھ میں سے، چھ میں سے دو ہیں۔ فَلَهُ هٰذَا لِأَنَّهُ أَقَلُّ ذٰلِكَ، تو خنثیٰ کے لیے یہ ہوگا یہ دو چھ میں سے دو اس لیے کیونکہ یہ اس سے کم ہے۔

لِأَنَّ الثُّلُثَ أَقَلُّ مِنْ ثَلَاثَةِ الْأَسْبَاعِ. معلوم ہوا مرد فرض کرو تو کتنا ملا؟ چھ میں سے دو اور یہ چھ کا ثلث ہے۔ اور سات میں سے تین دو وہ نصف کے قریب ہے۔ سات کا ثلث کتنا ہوگا ذرا مجھے یہ بتائیں؟ دیکھو دیکھو اس طرح کرو سات، ذرا ایک کو الگ کر لو، چھ۔ چھ کا ثلث کتنا؟ دو۔ اور ایک زائد ہے، ایک کا ثلث کتنا ہوگا؟ ایک بٹا تین یعنی یوں کہو سات ہے نا، سات کے دو حصے کرو، ایک کو ذرا الگ کر لو اور چھ کو الگ، چھ کا ثلث کتنا ہوا؟ دو، اور یہ جو ایک رہ گیا تھا اس کا بھی ثلث نکالو، تو سات کا ثلث گویا کیا بنا؟ دو اور ایک ثلث۔ نہیں سمجھ میں آیا؟ سات کے دو حصے کرو بھائی سات کے ثلث نکالنا مشکل ہے، سات میں سے چھ علیحدہ کرو اس کا ثلث علیحدہ نکالو اور ایک جو ساتواں ہے اس کا ثلث علیحدہ، چھ علیحدہ کیا اس کا ثلث کتنا بنا؟ دو، اور ایک کا ثلث وہ ایک ثلث بن گیا، ایک ثلث بن گیا تو دو اور ایک ثلث، یہ سات کا ثلث ہے۔ سات کا ثلث کتنا؟ دو اور ایک ثلث۔ نہیں سمجھ میں آیا، نہیں سمجھ میں آیا۔ ذرا کاپی پہ لکھیں۔ کاپی پہ ذرا جلدی کریں لکھیں، ذرا نیچے کر کے لکھیں دو سوالوں سے ذرا ایک دو لکیریں چھوڑ کر۔ سات لکھو، سات، سات، ہندسوں میں لکھو ہندسوں میں، سات، برابر ہے، برابر ہے لکھو برابر ہے کی علامت ڈالو اس کے سامنے، برابر ہے ایک جمع چھ۔ ایک اور پھر بیچ میں جمع کی علامت لگاؤ، جمع کی علامت اور پھر چھ، لکھ لیا؟ دیکھا یہ ایک جمع چھ کیا ہے؟ وہی سات ہے نا؟ ہاں تو اس چھ کے نیچے چھ کا ثلث لکھ دو دو، اور ایک کا ثلث کتنا ہے؟ ایک بٹا تین، ایک بٹا تین۔ تو دیکھا یہ دو صحیح ایک بٹا تین، دو پورا اور ایک ثلث یہ ہے سات کا ثلث۔ تو دیکھو اوپر جب اس کو مرد فرض کریں اب وہ کاپی پہ نظر رکھو، اس کو مرد فرض کریں تو چھ میں سے دو مل رہا ہے یعنی ثلث مل رہا ہے، اور سات میں سے اس کو تین مل رہا ہے، معلوم ہوا یہ ثلث سے زیادہ ہے کیونکہ سات کا ثلث تو ابھی ہم نے نکالا کتنا ہے؟ دو صحیح ایک بٹا تین یعنی دو پورا اور ایک ثلث، اور اس کو دو پورا ایک ثلث مل رہا ہے یا تین مل رہا ہے؟ تین مل رہا ہے تو یہ تو زیادہ ہے، معلوم ہوا اس صورت میں زیادہ مل رہا ہے اور وہ مرد فرض کرنے کی صورت

میں اقل مل رہا ہے تو وہ صورت اختیار کر لیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنیٰ ہے، کہتے ہیں: لِأَنَّ الثُّلُثَ أَقَلُّ مِنْ ثَلَاثَةِ الْأَسْبَاعِ، اس لیے کیونکہ ثلث جو ہے وہ کم ہے کس سے؟ ثَلَاثَةِ الْأَسْبَاعِ سے۔ سات میں سے تین کا کیا معنیٰ؟ ادھر دیکھو، سات میں سے تین کا کیا معنیٰ؟ ایک چیز کے سات حصے کرو اور اس میں سے تین لے لو، یہی معنیٰ ہے نا؟ تو ایک چیز کے جب سات حصے کرو گے تو ہر حصہ کیا کہلائے گا؟ سُبْعٌ، سُبُعٌ۔ کیا کہلائے گا؟ سُبُعٌ کہلائے گا، سُبُعٌ با پر بھی ضمہ ہے سُبُعٌ، یہ ساتواں حصہ۔ تو سات میں سے تین کا کیا معنیٰ؟ تین سُبُع، تین سُبُع یعنی ثَلَاثَةُ أَسْبَاعٍ۔ ایک صورت میں کیا مل رہا ہے اس کو؟ ثلث، ایک صورت میں ثَلَاثَةُ أَسْبَاعٍ مل رہا ہے، اور ثلث ثَلَاثَةُ أَسْبَاعٍ سے کم ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: لِأَنَّ الثُّلُثَ أَقَلُّ مِنْ ثَلَاثَةِ الْأَسْبَاعِ، اس لیے کیونکہ ثلث جو ہے وہ ثَلَاثَةُ الْأَسْبَاعِ سے کم ہوتا ہے، لِأَنَّ ثُلُثَ السَّبْعَةِ اس لیے کیونکہ سات کا ثلث جو ہے، کتنا تھا سات کا ثلث ابھی ہم نے نکالا؟ دو اور ایک ثلث، دو اور ایک، خود بتلا رہے ہیں: اثْنَانِ وَثُلُثٌ وَاحِدٌ، دو اور ایک ثلث ہے۔ جی پھر دیکھو: لِأَنَّ ثُلُثَ السَّبْعَةِ اثْنَانِ وَثُلُثٌ وَاحِدٌ، اس لیے کیونکہ سات کا ثلث جو ہے وہ دو اور ایک ثلث ہے، وَثَلَاثَةُ أَسْبَاعِ السَّبْعَةِ ثَلَاثَةٌ اور سات کے ثَلَاثَةُ الْأَسْبَاعِ وہ تین ہے، وہ کیا ہے؟ تین ہے۔ ثَلَاثَةُ الْأَسْبَاعِ سات میں سے کتنا دیا؟ تین، سات میں سے کتنا دیا؟ تین، یہ کیا ہے؟ ثَلَاثَةُ الْأَسْبَاعِ، کس کا ثَلَاثَةُ الْأَسْبَاعِ ہے؟ سات کا، یہ سات کا ثَلَاثَةُ الْأَسْبَاعِ۔ یہ معنیٰ ہے وَثَلَاثَةُ أَسْبَاعِ السَّبْعَةِ، اور سات کا جو ثَلَاثَةُ الْأَسْبَاعِ ہے ثَلَاثَةٌ وہ کتنا ہے؟ تین ہے۔ ادھر دیکھو، سات کا ثلث کتنا؟ دو پورا اور ایک ثلث، اور سات کا ثَلَاثَةُ الْأَسْبَاعِ کتنا؟ تین، تو معلوم ہوا یہ زیادہ ہے، وہ بھی سات کا ثلث نکالا تھا اور یہ بھی سات کا ثَلَاثَةُ الْأَسْبَاعِ ہے، سات سے ہی دونوں نکال رہے ہیں تو یہ زیادہ ہے، تو ثلث معلوم ہوا اقل ہوا تو وہ والی صورت اختیار کر لیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

بلکہ اس میں ایک اور چھوٹا سا عمل کر لیں، ایک چھوٹا سا عمل، ابھی بھی آپ کو پتہ نہیں چل رہا ہوگا کہ کون سا حصہ زیادہ ہے وہ جو آپ نے سوالات کیے ذرا ان پہ نظر رکھیں، تو یہاں ہم ایک اور عمل کر لیتے ہیں اس سے آپ کو سمجھ میں آجائے گا کہ کس صورت میں خنثیٰ کو زیادہ مل رہا ہے اور کس صورت میں خنثیٰ کو کم مل رہا ہے۔ کہ ان دونوں مسئلوں کو ہم ایک ہی عدد سے بنا لیتے ہیں۔ اوپر والے مسئلے میں کل مال کے چھ حصے کیے تھے اور اس میں سے خنثیٰ کو دو ملے، نیچے والے مسئلے میں کل مال کے سات حصے کیے تھے اور خنثیٰ کو تین ملے۔ اب ہم یوں کرتے ہیں کہ ایک ہی عدد سے دونوں مسئلے بنا لیتے ہیں یعنی دونوں کو ایک ہی جنس والا بنا لیتے ہیں، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اوپر والے مسئلے سے نیچے والے مسئلے کو ضرب دے دیں اور نیچے والے مسئلے سے اوپر والے مسئلے کو ضرب دے دیں۔ اوپر والا مسئلہ بنایا ہے چھ سے، اس چھ کے ساتھ نیچے والے سارے مسئلے کو ضرب دے دیں گے، اور نیچے والا مسئلہ بنایا ہے سات سے، اس کے ساتھ اوپر والے سارے مسئلے کو ضرب دے دیں گے۔ تو پھر آپ کو فرق واضح نظر آجائے گا بھائی۔ کیا کرنا ہے؟ اوپر والا مسئلہ

جس عدد سے بنایا ہے اس عدد کے ساتھ نیچے والے سارے مسئلے کو

ضرب دینی ہے، اور نیچے والا مسئلہ جس عدد سے بنایا ہے اس کے ساتھ اوپر والے سارے مسئلے کو ضرب دینی ہے۔ تو دونوں مسئلے ایک ہی عدد سے بن جائیں گے اور آپ کو دونوں میں اس طرح فرق کا پتہ چل جائے گا کہ کس صورت میں خنثیٰ کو کم مل رہا ہے اور کس صورت میں خنثیٰ کو زیادہ مل رہا ہے۔

دوسرا سوال کس سے بنا؟ عول کر کے سات سے۔ عول کرنے کے بعد وہ سات سے بنا ہے، ذرا یوں کریں اس سات کے ساتھ اوپر والے سارے مسئلے کو ہم ضرب دیتے ہیں۔ ٹھیک ہے؟ کس کے ساتھ؟ سات۔ کیوں؟ سات سے کیوں ضرب دے رہے ہیں؟ کیونکہ نیچے والا مسئلہ کس سے بنا ہے؟ سات سے۔ تو اب ہم دیکھتے ہیں دونوں کو ایک جیسا کر لیتے ہیں، ایک جیسا کر لیتے ہیں۔ سات کے ساتھ چھ کو اوپر ضرب دو جو مسئلہ بنایا تھا۔ سات چھکے؟ بیالیس۔ چھ کے ساتھ تھوڑا سا الگ کر کے بیالیس لکھ لیں۔ سات چھکے بیالیس، جلدی جلدی کریں بھائی چھ کے ساتھ لکھ لیں بیالیس، علیحدہ پتہ لگے مکس نہ ہو بھائی چار سو چھبیس نہ بن جائے، بیالیس لکھ لیا؟ ہاں اسی سات کے ساتھ نیچے زوج کا حصہ تین ہے اس کو بھی ضرب دیں سات تیا اکیس، تین کے نیچے اکیس لکھ لیں، تین کے نیچے اکیس لکھ لیں۔ زوج کا حصہ نیچے لکھا تھا نا؟ جی۔ ہاں اس زوج کے نیچے اکیس لکھ دیں۔ جدہ کا حصہ ایک تھا اس کو سات ایکم سات، اس کے نیچے سات لکھ لیں۔ خنثیٰ کا حصہ دو تھا سات دونی چودہ، دو کے نیچے چودہ لکھ لیں۔ کیا معنیٰ؟ کل مال کے بیالیس حصے کرو، اکیس حصے کس کو دے دو؟ زوج کو، سات حصے کس کو دے دو؟ جدہ کو، اور چودہ حصے کس کو دے دو؟ خنثیٰ کو۔

اب ذرا نچلے والے سوال پہ آئیے۔ اوپر والا مسئلہ کس سے بنا تھا اول؟ چھ سے۔ اس چھ کے ساتھ اب اس سارے مسئلے کو ضرب دیتے ہیں۔ یہ مسئلہ دوسرا کس سے بنا ہے؟ سات سے۔ ہاں سات سے بنا ہے نا عول کرنے کے بعد سات سے بنا ہے، اوپر والے مسئلے کو کس سے ضرب دی؟ اس سات سے۔ اب اوپر والے مسئلے سے اس کو ضرب دے دو، اوپر والا مسئلہ پہلے کس سے بنا تھا؟ چھ سے۔ اب چھ کے ساتھ اس کو ضرب دو۔ سات چھکے بیالیس، سات کے آگے بیالیس لکھ دو، دیکھو یہ بھی اسی سے بن گیا۔ نیچے چھ سے تین کو بھی ضرب دیں، چھ تیا اٹھارہ، زوج کا حصہ ہو گیا اٹھارہ۔ سدس، جدہ کے حصے کو بھی دیں چھ کا ضرب دیں چھ ایکم چھ، جدہ کا حصہ ہو گیا چھ۔ اور خنثیٰ کا حصہ تین ہے چھ تیا اٹھارہ، اس کو بھی ضرب دے دیں۔

بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھا اگر مرد فرض کریں تو اوپر والی صورت میں بیالیس میں سے چودہ دینے پڑتے ہیں، اور عورت فرض کریں تو نیچے والے حصے میں بیالیس میں سے اٹھارہ دینے پڑتے ہیں، دیکھو وہی صورت ہے اب بیالیس حصے اوپر بھی کیے بیالیس ہی نیچے بھی کیے، اور کس صورت میں کم مل رہا ہے؟ اوپر والی صورت میں، اب فرق سمجھ میں آگیا دونوں کا؟ تو

اس لیے اوپر والی صورت اختیار کریں گے مرد والی صورت اور اس کو اتنے حصے دے دیں گے۔

شرح وقایہ اخیرین جلد ثانی (جزء رابع) سبق نمبر ٦٨

نقشۂ فقہی (١١): صورتِ مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق

مسئلہ: ٦ ⟵ ٤٢ — جب خنثیٰ کو مرد فرض کیا گیا

میِّت

زوج	جدہ	خنثیٰ (أخ یعنی بھائی)
نصف	سدس	عصبہ
٣	١	٢
٢١	٧	١٤

مسئلہ: ٦ عول ٧ ⟵ ٤٢ — جب خنثیٰ کو عورت فرض کیا گیا

میِّت

زوج	جدہ	خنثیٰ (أُخت یعنی بہن)
نصف	سدس	نصف
٣	١	٣
١٨	٦	١٨

خلاصۂ حکم: مرد فرض کرنے میں خنثیٰ کو ١٤ اور عورت فرض کرنے میں ١٨ ملتے ہیں، لہٰذا اقل النصیبین (احوط) کے تحت خنثیٰ کو ١٤ ملیں گے۔

چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، اللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ٦٩: تتمۂ میراثِ خنثیٰ: امام شعبیؒ کے قول «نصف النصیبین» کی تفسیر (قولِ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ — نقشہ ٢) اور مراجحہ

شرح الوقایہ صفحہ: ١٧٥ — بتاریخ: ١١ مارچ ٢٠٢٠ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی سبق:

وَعِنْدَ الشَّعْبِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى لَهُ نِصْفُ النَّصِيبَيْنِ أَيْ يُجْمَعُ بَيْنَ نَصِيبِهِ إِنْ كَانَ ذَكَرًا وَبَيْنَ نَصِيبِهِ إِنْ كَانَ أُنْثَى، فَلَهُ نِصْفُ ذَلِكَ الْمَجْمُوعِ، فَفَسَّرَهُ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى بِأَنَّهُ ثَلَاثَةٌ مِنْ سَبْعَةٍ.

گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا خنثیٰ مشکل کی میراث کے بارے میں۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خنثیٰ مشکل کے لیے اقل میراث ہوگی، یعنی اس کو مرد فرض کر کے اس کا حصہ نکالیں اور پھر اس کو عورت فرض کر کے اس کا حصہ نکالیں، اور جو کم تر ہو ان دونوں میں سے، وہ حصہ اس کو دیا جائے گا۔ اور اس کی ایک مثال بھی ہم نے کر لی تھی کہ ایک عورت کا انتقال ہوا، اس کا خاوند ہے اور اس کی دادی ہے اور خنثیٰ ہے بھئی خنثیٰ۔ اور اس کو ہم نے مرد فرض کیا تو وہ عورت کا بھائی ہوا اور یہ عصبہ بنتا ہے، اور اس صورت میں اس کو مابقیہ ملا اور وہ ثلث تھا۔ اور پھر ہم نے اسی خنثیٰ کو مؤنث فرض کیا، یعنی اس مرنے والی کی بہن فرض کیا، تو اس صورت میں بہن کا جو حصہ ہوتا ہے، بہن کا وہ نصف حصہ ہوتا ہے۔ اس صورت میں چھ سے مسئلہ بنا اور اس کا عول ہوا سات تک، اور اس سات میں سے تین جو ہے وہ خنثیٰ کو مل گیا۔ تو ایک صورت میں ثلث مل رہا تھا اور ایک صورت میں سات میں سے تین مل رہا تھا۔ اب یہ سات میں سے جو تین ہے، یہ سات کے ثلث سے زیادہ ہے۔ تو ایک صورت میں ثلث مل رہا ہے اور ایک صورت میں ثَلَاثَةٌ أَسْبَاعٍ مل رہے ہیں یعنی سات میں سے تین۔ اور سات کا ثلث ہوتا ہے دو صحیح ایک بٹا تین۔ سات کا ثلث کیا؟ دو صحیح ایک بٹا تین۔ سات میں سے ثلث نکالیں تو دو صحیح ایک بٹا تین، اور سات میں سے ثَلَاثَةٌ أَسْبَاعٍ نکالیں تو وہ تین۔ تو ظاہر سی بات ہے کہ تین زیادہ ہے اور دو صحیح ایک بٹا تین کم ہے، تو معلوم ہوا اس صورت میں اس کو ثلث سے زیادہ مل رہا ہے۔ تو وہی مرد فرض کرنے کی صورت میں جو ثلث مل رہا تھا، اس پر عمل کر لیں گے۔

اب آگے امام شعبی رحمہ اللہ کے قول کی تفسیر کریں گے۔ امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خنثیٰ مشکل کے لیے دونوں حصوں کا نصف ہوگا، یعنی مرد فرض کرنے کی صورت میں جو حصہ ملے اور عورت فرض کرنے کی صورت میں جو حصہ ملے، ان دونوں حصوں کا نصف جو ہے وہ خنثیٰ مشکل کو دیا جائے گا۔ نصف دیا جائے گا۔ اب اس قول کی تفسیر کیا ہے؟ کس طرح یہ نصف نکالیں گے؟ تو امام ابویوسف رحمہ اللہ ایک طریقہ اختیار کرتے ہیں اور امام محمد رحمہ اللہ دوسرا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے لیے سات میں سے تین حصے ہو جائیں گے۔ خنثیٰ مشکل کے لیے سات میں سے تین حصے۔ یہ کس کی تفسیر کر رہے ہیں؟ امام شعبی کا جو قول تھا کہ نِصْفُ النَّصِيبَيْنِ۔ خنثیٰ کو کتنا ملے گا؟ نِصْفُ النَّصِيبَيْنِ، دونوں کے حصوں کا نصف یعنی مرد اور عورت کے حصے کا نصف۔ اب اس کی کیا تفسیر؟ امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے قول کا معنیٰ یہ ہے کہ خنثیٰ مشکل کو سات میں سے تین حصے ملیں گے، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام شعبی کے قول کا معنیٰ یہ ہے کہ خنثیٰ مشکل کو بارہ میں سے پانچ حصے ملیں گے اور باقی حصے بیٹے کے ہو جائیں گے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟

تو اب اسی کو بیان کرنے لگے ہیں، دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَعِنْدَ الشَّعْبِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَهُ نِصْفُ النَّصِيبَيْنِ، اور امام شعبی رحمہ اللہ کے نزدیک خنثیٰ مشکل کے لیے دونوں کے حصوں کا نصف ہوگا۔ أَيْ يُجْمَعُ بَيْنَ نَصِيبِهِ إِنْ كَانَ ذَكَرًا وَبَيْنَ نَصِيبِهِ إِنْ كَانَ أُنْثَى فَلَهُ نِصْفُ ذَلِكَ الْمَجْمُوعِ، یعنی جمع کیا جائے گا اس خنثیٰ کے حصے کو اگر وہ مذکر ہو اور اس کے حصے کو اگر وہ مؤنث ہو، تو یہ دونوں کو جمع کریں گے، فَلَهُ نِصْفُ ذَلِكَ الْمَجْمُوعِ، تو اس خنثیٰ کے لیے اس مجموعے کا نصف ہوگا۔ یہ ان کا قول ہے۔ تو فَفَسَّرَهُ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ، تو اس قول کی تفسیر کی امام ابویوسف رحمہ اللہ نے، بِأَنَّهُ ثَلَاثَةٌ مِنْ سَبْعَةٍ، کہ یہ سات میں سے تین ہوں گے۔ یہ نِصْفُ النَّصِيبَيْنِ کتنا بنے گا؟ سات میں سے تین۔

اب توجہ سے بیٹھنا ہے، سارا حساب چلے گا، خوب توجہ سے بیٹھیں گے تو بات سمجھ میں آئے گی۔ تو امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کے قول کی تفسیر کرتے ہوئے کہ نِصْفُ النَّصِيبَيْنِ جو ہے وہ ثَلَاثَةٌ مِنْ سَبْعَةٍ، سات میں سے تین ہے۔ لِأَنَّ لَهُ الْكُلَّ عَلَى تَقْدِيرِ الذُّكُورَةِ، اس لیے کیونکہ خنثیٰ مشکل کے لیے کل ہوگا مذکر فرض کرنے کی صورت میں، وَالنِّصْفَ عَلَى تَقْدِيرِ الْأُنُوثَةِ، اور نصف ہوگا مؤنث فرض کرنے کی صورت میں۔ دیکھیے بھئی، امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں، تفسیر کر رہے ہیں امام شعبی کے قول کی۔ امام شعبی کیا فرماتے تھے؟ نِصْفُ النَّصِيبَيْنِ ملے گا۔ اب یہ نِصْفُ النَّصِيبَيْنِ کا کیا معنیٰ؟ امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میت کا اگر ایک بیٹا ہو تو اس کو سارا مال مل جاتا ہے، توجہ ہے؟ اور کوئی رشتہ دار نہیں، تو بیٹا سارا مال لے جاتا ہے۔ اور اگر میت کی ایک بیٹی ہے تو پھر وہ نصف کی حقدار ہوتی ہے۔ نصف کی۔ تو بیٹے کا حصہ ہوا ایک، بیٹی کا حصہ ہوا نصف۔ ان دونوں کو جمع کرو، کتنا بن گیا؟ ڈیڑھ بن گیا، یعنی ایک اور نصف۔ اس ڈیڑھ کا آدھا کرو، کتنا بن گیا؟ تین پاؤ۔ تین پاؤ بن گیا بھئی۔ کتنا بن گیا؟ تین پاؤ۔ دیکھو نا، ڈیڑھ کا آدھا نکالنا ہے۔ ایک کا آدھا کتنا، ایک

کا نصف کتنا ہوگا؟ نصف۔ اور نصف کا نصف کتنا ہوگا؟ ربع۔ تو نصف اور ربع کو ملاؤ کتنا ہو گیا؟ تین پاؤ، یعنی تین ارباع بھئی۔ تین ربع بھئی۔ تین ربع ہو جائے گا خنثیٰ مشکل کا حصہ۔

پھر سنو، اگر کسی شخص کا صرف ایک بیٹا ہو تو اس کو کتنا ملتا ہے؟ کل مال۔ اور بیٹی ہو تو نصف۔ نصف۔ تو ان دونوں کا حصہ جمع کر لو، کتنا ہو گیا؟ ڈیڑھ۔ اور ڈیڑھ، تو ایک کے اندر کتنے ربع ہوتے ہیں؟ چار۔ تو ڈیڑھ کے اندر کتنے ربع ہوں گے؟ چھ۔ اور اس چھ میں سے نصف دینا ہے، اس کا نصف کر دیں وہ کتنا ہوا؟ تین۔ تو تین ربع ہو گئے، تو خنثیٰ مشکل کو کتنا ملے گا؟ تین ربع ملے گا۔ بیٹا اکیلا ہو تو کل مال، بیٹی اکیلی ہو تو نصف مال، اور خنثیٰ مشکل کو تین ربع ملے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی، فَفَسَّرَهُ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ بِأَنَّهُ ثَلَاثَةٌ مِنْ سَبْعَةٍ، تو امام شعبی کے اس قول کی تفسیر کی ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کہ یہ نِصْفُ النَّصِيبَيْنِ جو ہے وہ ثَلَاثَةٌ مِنْ سَبْعَةٍ، وہ سات میں سے تین ہے۔ لِأَنَّ لَهُ الْكُلَّ عَلَى تَقْدِيرِ الذُّكُورَةِ، اس لیے کیونکہ خنثیٰ مشکل کے لیے کل ہوگا اس کو مذکر فرض کرنے کی صورت پر، وَالنِّصْفَ عَلَى تَقْدِيرِ الْأُنُوثَةِ، اور اس کے لیے نصف ہوگا اس کو مؤنث فرض کرنے کی صورت پر۔ فَصَارَ وَاحِدًا وَنِصْفًا، تو یہ مجموعہ کیا ہو گیا؟ ایک اور نصف۔ مجموعہ کیا بن گیا؟ ایک اور نصف، یعنی ڈیڑھ بن گیا۔ یعنی ڈیڑھ۔ فَنِصْفُهُ ثَلَاثَةُ الْأَرْبَاعِ، تو اس ڈیڑھ کا جو نصف ہے وہ ثَلَاثَةُ الْأَرْبَاعِ ہے یعنی تین ربع ہے۔ فَيَكُونُ لِلِابْنِ الْكُلُّ، تو بیٹے کے لیے سارا ہوگا إِنْ كَانَ مُنْفَرِدًا، اگر وہ اکیلا ہو، وَلِلْخُنْثَى ثَلَاثَةُ الْأَرْبَاعِ، اور خنثیٰ کے لیے تین ربع ہوں گے۔ خنثیٰ کے لیے تین ربع ہوں گے۔

فَالْمَخْرَجُ أَرْبَعَةٌ۔ اچھا، یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ اب ذرا کاغذ قلم نکالیں بھئی، یہ لکھیں بھئی صورتِ مسئلہ۔ جی جلدی کیجیے بھئی۔ اب لکھیں بھئی اوپر: عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ۔ جلدی جلدی لکھیے بھئی، عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ۔ لکھ لیا؟ اب امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ مسئلہ کیسے ہوگا وہ ذکر ہونے لگا ہے۔ جی، اب اس سے نیچے ایک لکیر کھینچیں دائیں سے بائیں بھئی، جیسے پہلے کھینچی تھی، اسی طرح دائیں سے بائیں ایک لکیر کھینچ لیں۔ اس لکیر کے نیچے ایک کنارے پر لکھ دیں اِبْنٌ، اِبْنٌ، اور اس لکیر کے دوسرے کنارے پر اس کے نیچے لکھ دیں خُنْثَىٰ بھئی، خُنْثَىٰ۔ لکھ لیا؟ اچھا، بیٹا ایک ہو تو اس کو کتنا ملتا ہے؟ کل۔ اور خنثیٰ کو کتنا ملتا ہے؟ ابھی انہوں نے بتایا، تین پاؤ۔ کتنا ملتا ہے؟ تین پاؤ یعنی تین ربع۔ تو بیٹے کو ملے گا کل، اور کل میں کتنے ربع ہوتے ہیں؟ اور کل میں کتنے ربع ہوتے ہیں؟ چار۔ چار ربع ہوتے ہیں۔ تو نیچے بیٹے کے نیچے لکھیں چار، یعنی کل اس کو دے رہے ہیں۔ اور خنثیٰ کو کتنا دے رہے ہیں؟ تین ربع، تو خنثیٰ کے نیچے لکھیں تین۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اور مسئلہ بنا چار سے کہ کیوں، کیونکہ کل کتنا مال ہے؟ کل کے کتنے ربع ہیں؟ چار ہیں نا، تو چار سے ہی مسئلہ بنے گا۔ لہٰذا اوپر لکھ دیں، اِبْنٌ کے اوپر، لکیر کے اوپر، چار لکھیں بھئی۔ چار سے مسئلہ بنا، چار کل تھا، یہ کل کا کل کس کو دے دیا؟ بیٹے کو، یعنی چار ربع بیٹے کو دے دیے اور تین ربع خنثیٰ کو دے دیے۔ تو مسئلہ بنایا چار سے اور نیچے جب

ہم نے شمار کیا تو چار اور تین سات۔ حصے ہو گئے سات۔ جب حصے زیادہ ہوں پھر عول کرتے ہیں، اور جتنے حصے ہوں وہاں تک عول لے جاتے ہیں۔ تو چار کے آگے لکھیں عَوْلٌ، اوپر جہاں چار لکھا تھا نا، جہاں مسئلہ بنایا تھا، اس کے ساتھ لکھیں عول، عین واؤ لام، عَوْلٌ۔ اور کہاں تک عول کرنا ہے اب؟ کتنے حصے ہیں؟ سات، تو عول کے آگے لکھ دیں سات۔ یعنی کل مال کے سات حصے کر دیں گے اور چار حصے بیٹے کو دے دیں گے اور تین حصے خنثیٰ کو دے دیں گے۔ یہ کس کے نزدیک ہے؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک۔ دیکھو خنثیٰ کو بیٹے اور بیٹی کا نصف ملا، یعنی تین پاؤ ملا یعنی تین ربع۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

پھر آئیے کتاب پر۔ کہتے ہیں: فَيَكُونُ لِلِابْنِ الْكُلُّ، تو بیٹے کے لیے سارا ہوگا إِنْ كَانَ مُنْفَرِدًا، اگر وہ اکیلا ہو، وَلِلْخُنْثَى ثَلَاثَةُ الْأَرْبَاعِ، اور خنثیٰ کے لیے تین ربع ہوں گے۔ فَالْمَخْرَجُ أَرْبَعَةٌ، تو مخرج کیا ہے؟ چار، یعنی مسئلہ کس سے بنے گا؟ چار سے۔ یہ مخرج جس سے مسئلہ نکلتا ہے۔ فَالْمَخْرَجُ أَرْبَعَةٌ، تو مخرج جو ہے وہ چار ہوگا۔ ہم نے بھی مسئلہ کس سے بنایا؟ چار سے۔ فَالْكُلُّ أَرْبَعَةٌ، تو کل کتنا ہے؟ چار۔ چار ہے۔ تو وہ، وہ بیٹے کا حصہ ہوا۔ تو اچھا، تو مخرج چار بنایا، تو اب اس چار کا کل، چار کا کل کسی کو دینا ہو تو کتنا دیں گے؟ چار ہی دیں گے نا، تو فَالْكُلُّ أَرْبَعَةٌ، تو اس کا کل جو ہے وہ أَرْبَعَةٌ ہے۔ وَثَلَاثَةُ الْأَرْبَاعِ ثَلَاثَةٌ، اور اس کے تین ربع جو ہیں وہ تین ہیں، تو چار بیٹے کو دے دیں گے اور تین کس کو؟ خنثیٰ کو۔ فَصَارَ سَبْعَةً، تو یہ کتنے حصے ہو گئے؟ سات۔ فَصَارَ سَبْعَةً بِطَرِيقِ الْعَوْلِ، تو یہ سات ہو گئے کس طریقے پر؟ عول کے طریقے پر۔ ہم نے بھی کیا کیا؟ عول کر دیا سات تک۔ لِلِابْنِ أَرْبَعَةٌ وَلِلْخُنْثَى ثَلَاثَةٌ، بیٹے کے لیے چار ہوں گے وَلِلْخُنْثَى ثَلَاثَةٌ، اور خنثیٰ کے لیے تین ہوں گے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

اب اسی کو دوسرے لفظوں میں وہ بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں: وَإِنْ شِئْتَ، اور اگر آپ چاہیں تو، تَقُولُ یوں کہیں: لَهُ النِّصْفُ إِنْ كَانَ أُنْثَى، کہ خنثیٰ کے لیے نصف ہوگا اگر اس کو کیا فرض کریں؟ مؤنث۔ اس کے لیے نصف ہوگا اگر وہ مؤنث ہو، وَالْكُلُّ إِنْ كَانَ ذَكَرًا، اور خنثیٰ کے لیے کل کا کل ہوگا اگر وہ مذکر ہو۔ فَالنِّصْفُ مُتَيَقَّنٌ، تو نصف تو کیا ہے؟ یقینی۔ اقل تو یقینی ہوتا ہے نا، مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں کہ زید کو یا پندرہ روپے دے دینا یا بیس دے دینا، معلوم ہوا پندرہ سے کم تو بالکل نہیں دینے، اور بیس دینا چاہیں تو آپ کی مرضی ہے۔ تو اقل جو ہوتا ہے وہ یقینی ہے، اور زائد میں کیا ہوتا ہے؟ احتمال۔ یہ تو میں ویسے سمجھانے کے لیے بتا رہا تھا۔ یہاں پر جو ہے کہ ہم نے خنثیٰ کو دینا ہے، تو ایک صورت ہے اس کو مذکر فرض کریں تو اس کو ملتا ہے کتنا؟ چار۔ مؤنث فرض کریں تو نصف۔ معلوم ہوا نصف سے تو کم کسی صورت، کوئی صورت نہیں ہے۔ معلوم ہوا نصف تو یقینی ہے۔ نصف کیا ہے؟ یقینی۔ اور دوسرے نصف میں شک ہے، اگر پورا دیں گے۔ پھر سنو، خنثیٰ کو اگر وہ مذکر ہو تو کتنا دینا چاہیے؟ کل۔ اگر مؤنث ہو تو دینا چاہیے نصف۔ تو معلوم ہوا یہ نصف تو یقینی ہے۔ کل میں سے نصف تو یقینی، اور بقیہ نصف کے اندر، بقیہ نصف کے اندر شک ہے۔ شک ہے۔ تو اس بقیہ نصف کا آدھا اس کو دے

دیں گے۔ اور نصف کا نصف کتنا ہوتا ہے؟ ربع۔ تو نصف یقینی تھا اور ایک ربع ساتھ اور بھی مل گیا، کتنا بن گیا؟ تین ربع بن گیا۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟

پھر دیکھیے، کہتے ہیں: وَإِنْ شِئْتَ تَقُولُ، اور اگر آپ چاہیں تو یوں کہیں کہ لَهُ النِّصْفُ إِنْ كَانَ أُنْثَى وَالْكُلُّ إِنْ كَانَ ذَكَرًا، کہ خنثیٰ کے لیے نصف ہوگا اگر وہ مؤنث ہو، اور کل ہوگا اور سارا ہوگا إِنْ كَانَ ذَكَرًا، اگر وہ مذکر ہو۔ فَالنِّصْفُ مُتَيَقَّنٌ، تو نصف تو یقینی ہے۔ کل میں سے نصف تو یقینی ہے۔ وَوَقَعَ الشَّكُّ فِي النِّصْفِ الْآخَرِ، دوسرے نصف میں شک آگیا۔ کل میں کتنے نصف ہوتے ہیں؟ دو نصف۔ تو نصف تو ایک یقینی، باقی جو ایک نصف ہے اس میں شک ہے کہ وہ دینا ہے یا نہیں دینا۔ تو جب شک آگیا تو اس کو نصف کر دو۔ نصف کر دو، تو نصف کا نصف کتنا ہوا؟ ربع۔ تو وہ نصف یقینی اور ساتھ ایک ربع بھی مل گیا، تو کتنے ہو گئے؟ تین ربع ہو گئے۔ تو کہتے ہیں: وَوَقَعَ الشَّكُّ فِي النِّصْفِ الْآخَرِ، اور شک واقع ہو گیا دوسرے نصف میں، فَالنِّصْفُ صَارَ رُبْعًا، تو وہ نصف کیا بن گیا؟ ربع، یعنی اس کا آدھا ہو گیا۔ تو فَالنِّصْفُ وَالرُّبْعُ ثَلَاثَةُ أَرْبَاعٍ، تو نصف اور ربع جو ہیں وہ تین ربع ہو گئے، ثَلَاثَةُ أَرْبَاعٍ ہو گئے، تین ربع ہو گئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَفَسَّرَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ، اب امام محمد رحمہ اللہ تفسیر کرتے ہیں نِصْفُ النَّصِيبَيْنِ کی، جو امام شعبی رحمہ اللہ کا قول ہے۔ وَفَسَّرَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ، اور امام محمد رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر کی ہے بِأَنَّهُ خَمْسَةٌ مِنْ اثْنَيْ عَشَرَ، کہ وہ پانچ ہوں گے بارہ میں سے۔ کل مال کے بارہ حصے کر دینا اور اس میں سے کتنے دے دینا؟ پانچ دے دینا۔ لِأَنَّهُ يَسْتَحِقُّ النِّصْفَ مَعَ الِابْنِ إِنْ كَانَ ذَكَرًا، اس لیے کیونکہ خنثیٰ جو ہے وہ نصف کا مستحق ہے مَعَ الِابْنِ، بیٹے کے ساتھ، إِنْ كَانَ ذَكَرًا، اگر وہ مذکر ہو۔ ادھر دیکھیے، میت کے اگر دو بیٹے ہوں، خنثیٰ کو بھی ہم نے کیا فرض کر لیا؟ بیٹا، تو دو بیٹے ہوں، ان میں مال کس طرح تقسیم کرتے ہیں؟ آدھا آدھا دے دیتے ہیں۔ کتنا دیتے ہیں؟ آدھا آدھا۔ اور اگر خنثیٰ کو مؤنث فرض کریں تو میت کا ایک بیٹا ہوا، ایک بیٹی ہوئی، تو پھر اس صورت میں لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ، بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ ملتا ہے۔ تو گویا تین بیٹیاں ہیں اس ٹائم، تو بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر اور بیٹی، خنثیٰ کو ایک ملے گا۔ تو کل مال کے گویا تین حصے ہو جائیں گے اور خنثیٰ کو ثلث دے دیں گے اور دو ثلث کس کو دے دیں گے؟ بیٹے کو۔

وہ تفسیر کر رہے ہیں امام محمد رحمہ اللہ کہ لِأَنَّهُ يَسْتَحِقُّ النِّصْفَ مَعَ الِابْنِ إِنْ كَانَ ذَكَرًا، کہ خنثیٰ جو ہے وہ آدھے کا مستحق ہوگا بیٹے کے ساتھ إِنْ كَانَ ذَكَرًا، اگر خنثیٰ کیا ہو؟ مذکر ہو، مرد ہو۔ وَالثُّلُثَ، اور خنثیٰ ثلث کا مستحق ہوگا إِنْ كَانَ أُنْثَى، اگر وہ مؤنث ہو، اس کے ساتھ بھائی بھی ہے نا، تو دو ثلث اس کے اور ایک ثلث اس کا۔ اب ادھر دیکھیے، بھائی ہونے کی صورت میں خنثیٰ کتنے کا مستحق؟ نصف کا۔ اور بہن ہونے کی صورت میں خنثیٰ کتنے کا مستحق؟ ثلث کا۔ ثلث کا۔ تو نصف اور ثلث، نصف اور... بھائی ہو، اس کو مرد فرض کریں تو کتنا حصہ؟ نصف۔ اور بہن فرض کریں تو کتنا حصہ؟ ثلث۔ اب چھ کا عدد لے لیں۔ چھ کا نصف کتنا؟ تین۔ اور چھ کا ثلث کتنا؟ دو۔ تین اور دو کتنے ہو گئے؟ پانچ۔ نصف اور ثلث کو جمع کیا،

یہ کتنے ہو گئے؟ پانچ، یعنی چھ میں سے پانچ ہو گئے۔ اور ان دونوں کا نصف دینا ہے خنثیٰ کو۔ توجہ ہے؟ پھر سنیں، خنثیٰ کو لڑکا فرض کریں تو کتنا حصہ؟ نصف۔ اور خنثیٰ کو لڑکی فرض کریں تو کتنا حصہ؟ ثلث۔ نصف اور ثلث، یہ اگر کل مال کے چھ حصے کر دیں ہم، تو چھ کا نصف کتنا؟ تین۔ اور چھ کا ثلث کتنا؟ دو۔ یہ نصف اور ثلث کو جمع کرو، کتنا ہوا؟ پانچ۔ تو یہ دونوں کے حصے ہو گئے، لڑکے کا بھی اور لڑکی کا بھی۔ اور یہ سارا دینا ہے یا اس کا آدھا دینا ہے؟ آدھا دینا ہے، دونوں کے حصوں کا آدھا، نِصْفُ النَّصِيبَيْنِ، دونوں کے حصوں کا آدھا۔ تو یہ کل پانچ ہے، اس پانچ کا آدھا، وہ کتنا بن گیا؟ ڈھائی بن گیا، اڑھائی بھئی، دو اور آدھا، دو اور آدھا۔

دیکھیے بھئی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: لِأَنَّهُ يَسْتَحِقُّ النِّصْفَ مَعَ الِابْنِ، اس لیے کیونکہ خنثیٰ جو ہے وہ نصف کا مستحق ہے بھائی کے ساتھ، إِنْ كَانَ ذَكَرًا، اگر وہ مذکر ہو، وَالثُّلُثَ إِنْ كَانَ أُنْثَى، اور خنثیٰ جو ہے ثلث کا مستحق ہے اگر وہ مؤنث ہو۔ وَالنِّصْفُ وَالثُّلُثُ خَمْسَةٌ مِنْ سِتَّةٍ، اور نصف اور ثلث جو ہیں یہ پانچ ہو جاتے ہیں، یہ پانچ ہیں مِنْ سِتَّةٍ، چھ میں سے۔ فَلَهُ نِصْفُ ذَلِكَ، تو خنثیٰ کے لیے اس پانچ کا نصف ہوگا۔ پانچ کا نصف، اور پانچ کا نصف کتنا ہے؟ دو اور آدھا یعنی اڑھائی بھئی۔ وَهُوَ اثْنَانِ وَنِصْفٌ مِنْ سِتَّةٍ، اور وہ دو اور نصف ہے چھ میں سے یعنی اڑھائی ہے۔

شرح وقایہ اخیرین جلد ثانی (جزء رابع)　　سبق نمبر ٦٩

نقشۂ فقہی (١٢): امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول «لِلْخُنْثَى نِصْفُ النَّصِيبَيْنِ» کی تفسیر

صورتِ مسئلہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق

مسئلہ: ٤　عول ٧ ⟵ ٨٤

میِّت

ابن	خنثیٰ
٤	٣
٤٨	٣٦

صورتِ مسئلہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق

مسئلہ: ٦　تصحیح ١٢ ⟵ ٨٤

میِّت

ابن	خنثیٰ
٣ ١/٢	٢ ١/٢
٧	٥
٤٩	٣٥

تقابلی خلاصہ (از ٨٤ سہام): امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ابن کو ٤٨ اور خنثیٰ کو ٣٦ | امام محمدؒ کے نزدیک ابن کو ٤٩ اور خنثیٰ کو ٣٥۔

وَوَقَعَ الْكَسْرُ بِالنِّصْفِ۔ اچھا، اب کسر آگئی۔ اب کیا آگئی؟ کسر آگئی۔ یاد رکھو علمِ میراث میں کسر کی گنجائش نہیں۔ جس کو بھی حصہ دینا ہے پورا پورا عدد کے ساتھ ہونا چاہیے۔ آدھا نہیں، ڈیڑھ دے دو؟ نہیں۔ ڈھائی دے دو؟ نہیں۔ ساڑھے تین دے دو، پونے چار دے دو؟ نہیں نہیں نہیں۔ پورا پورا حصہ، دو دے دو یا تین دے دو یا چار دے دو یا چھ دے دو۔ لیکن ساڑھے چھ دے دو یا پونے سات دے دو؟ نہیں، یہ تو کسر آرہی ہے، عدد کو توڑنا پڑ رہا ہے۔ پورا پورا عدد ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جب یہاں کسر آرہی ہے تو مجبوراً اب ہم ضرب دیں گے۔ کیا کریں گے؟ ضرب دیں گے تاکہ کسر ختم ہو جائے۔ اب ڈھائی کو دو سے ضرب دے دو، یعنی اڑھائی کو دوگنا کر دو کتنا بن گیا؟ پانچ۔ اور چھ سے مسئلہ بنا تھا، چھ کو بھی دوگنا کر دو کتنا ہوا؟ بارہ۔ تو دیکھو بارہ میں سے پانچ ہو گئے۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟

اور ایک اور بات یاد رکھنا، ضرب دینے سے، ضرب دینے سے کوئی چیز بڑھتی نہیں ہے، اس کے اجزا بڑھ جاتے ہیں۔ ضرب دینے سے چیز نہیں بڑھتی، اس کے اجزا بڑھتے ہیں۔ دیکھو، دیکھو پچھلے سبق میں آپ نے مسئلہ کیا تھا، مسئلہ کس سے بنایا تھا؟ چھ سے، اور پھر ہم نے اس کو سات سے ضرب دی تھی تو مسئلہ کس سے بن گیا تھا؟ بیالیس سے۔ توجہ ہے؟ ذرا کاغذ پر نظر رکھیں، پچھلے مسئلے میں جو سوال کیا تھا آپ نے، پہلا مسئلہ کس سے بنایا تھا؟ چھ سے۔ چھ سے، اور پھر ہم نے اس کو سات سے ضرب دے دی تھی تو مسئلہ کس سے بن گیا؟ بیالیس سے۔ تو بیالیس سے کوئی یہ معنیٰ نہیں ہے کہ اب اس آدمی کا مال زیادہ ہو گیا، نہیں نہیں۔ پہلے تھا مسئلہ چھ سے کہ کل مال کے چھ حصے کر دو۔ اس سوال پہ نظر ہے؟ چھ میں سے تین کس کو دے دو؟ زوج کو، ایک کس کو دے دو؟ جدہ کو، اور دو کس کو دے دو؟ خنثیٰ کو۔ اب اس کے بعد جب آپ نے ضربیں دے دیں، تو کل مال کے اب ہم نے کہا چھ حصے نہ کرو، بیالیس حصے کر دو، اور بیالیس میں سے اکیس کس کو دے دو؟ خاوند کو، سات حصے کس کو دے دو؟ جدہ کو، اور چودہ حصے کس کو دے دو؟ خنثیٰ کو دے دو۔ یہ کوئی مال اس کا زیادہ ہو گیا یا مال کے ٹکڑے زیادہ ہو گئے؟ ٹکڑے زیادہ ہو گئے۔ پہلے تھا چھ حصے صرف کرو اور چھ میں سے تین، ایک اور دو کر کے تقسیم کر دو۔ اب ہے اسی مال کے بیالیس ٹکڑے کر دو، بیالیس حصے کر دو۔ تو دیکھو چھ کو سات سے ضرب دی تو بیالیس آیا، اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ چھ بڑھ کے بیالیس ہو گیا، نہیں، اس چھ کے ٹکڑے زیادہ ہو گئے۔ چھ کے بجائے بیالیس ٹکڑے ہو گئے مال کے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ اسی طرح ہے جیسے ایک روٹی میں آپ کو دوں اور آپ کو کہوں یہ چھ آدمیوں میں تقسیم کر دو۔ کتنے آدمیوں میں؟ چھ۔ تو آپ اس کے چھ ٹکڑے کر کے تقسیم کر دیں گے۔ اور اگر میں آپ کو کہوں کہ نہیں، یوں کرو چھ کو سات سے ضرب دے دو اور اتنے ٹکڑے اس کے کر دو، تو آپ کیا کرتے ہیں؟ اس کے... آپ اس کے بیالیس ٹکڑے کرتے ہیں۔ کیا روٹی بڑھ گئی یا اس کے ٹکڑے بڑھ گئے؟ ٹکڑے بڑھ گئے، اجزا بڑھ گئے۔ تو ضرب سے اجزا بڑھتے ہیں، وہ چیز نہیں بڑھتی۔ تو ہم چاہے چھ حصے کریں مال کے اور پھر تقسیم کریں جیسے اس سوال میں تھا، پہلے سوال میں، چاہے ہم اس کے بیالیس ٹکڑے کر کے تقسیم کریں، مال اتنا ہی ہے بس ٹکڑے زیادہ کر دیے آپ نے۔ اور حصہ بھی ہر

ایک کو اتنا ہی اتنا مل رہا ہے۔ چھ کی صورت میں خاوند کو کتنا مل رہا تھا؟ تین۔ تین، تو اور تین چھ میں سے کتنا ہے؟ نصف، گویا نصف مال مل رہا ہے، اور بیالیس میں سے خاوند کو ہم نے کتنے حصے دیے تھے؟ اکیس، اس صورت میں بھی دیکھو اس کو نصف مل رہا ہے۔ تو حصے نہیں بڑھتے ضرب دینے سے بلکہ اجزا بڑھتے ہیں۔ تو میں نے اس لیے یہ تفصیل بیان کی، کیونکہ ابھی امام محمد رحمہ اللہ نے کیا فرمایا تھا کہ خنثیٰ کو پانچ کا نصف دینا ہے اور پانچ کا نصف کتنا؟ اڑھائی۔ اور اڑھائی کو ہم نے کسر ختم کرنی ہے، پھر ہم اس کو دو سے ضرب دیں گے، تو اڑھائی ضرب دو کتنا ہو گیا؟ پانچ ہو گیا۔ تو آپ یہ نہ کہیں کہ یہ دو سے ضرب دی تو یہ مال بڑھ گیا، مال نہیں بڑھا، اس کے حصے بڑھ گئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھیے، کہتے ہیں: وَوَقَعَ الْكَسْرُ بِالنِّصْفِ، اور کسر واقع ہو گئی نصف کے ساتھ، یعنی آدھا آگیا اور آدھا تو کسر ہے۔ معنیٰ سمجھ میں آرہا ہے؟ تو کہتے ہیں: وَوَقَعَ الْكَسْرُ بِالنِّصْفِ، اور کسر واقع ہو گئی نصف کے ساتھ، فَضُرِبَ فِي اثْنَيْنِ، تو اس کو ضرب دے دی گئی دو کے اندر، فَصَارَ خَمْسَةً مِنْ اثْنَيْ عَشَرَ، تو یہ پانچ ہو گیا بارہ میں سے۔ وَهُوَ نَصِيبُ الْخُنْثَىٰ، اور یہ خنثیٰ کا حصہ ہے۔ وَالْبَاقِي، اور جو باقی ہے، بارہ میں سے پانچ خنثیٰ کو دے دیے کتنے رہ گئے؟ بارہ میں سے پانچ خنثیٰ کو دے دیے کتنے رہ گئے؟ سات۔ سات جو ہے وہ بیٹے کا حصہ ہے۔ تو کہتے ہیں: وَالْبَاقِي، اور جو باقی ہے، وَهُوَ السَّبْعَةُ، اور وہ سات ہے، نَصِيبُ الِابْنِ، وہ بیٹے کا حصہ ہے۔

ذرا یہ سوال کیجیے بھئی۔ لکھ کاپی پر کیجیے، لکھ لیا تھا: عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ، عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ۔ اسی طرح لکیر کھینچیں۔ ایک طرف لکیر کے نیچے لکھیں اِبْنٌ، دوسری طرف لکھیں خُنْثَىٰ، خُنْثَىٰ۔ اچھا، امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک خنثیٰ کو کتنا دینا ہے؟ مسئلہ کس سے بنانا ہے؟ چھ سے۔ اول جب حساب کیا تھا کہ خنثیٰ کو کتنا دینا ہے؟ چھ میں، چھ کا نصف تین اور چھ کا ثلث دو، تین اور دو پانچ، اور پانچ کا نصف دینا ہے وہ کتنا ہے؟ اڑھائی۔ تو مسئلہ گویا بنائیں گے چھ سے، تو اِبْنٌ کے اوپر لکیر کے اوپر لکھیں چھ، یہ مسئلہ بنا چھ سے۔ چھ کا، چھ میں سے اڑھائی، اڑھائی کیسے لکھتے ہیں؟ دو صحیح ایک بٹا دو۔ دو صحیح ایک بٹا دو۔ دو لکھیں، دو کے ساتھ لکیر لگائیں دائیں طرف اور لکیر کے اوپر ایک لکھیں اور لکیر کے نیچے دو لکھیں، دو صحیح ایک بٹا دو۔ دو صحیح ایک بٹا دو کا کیا معنیٰ؟ دو پورے، دو پورے اور آدھا۔ اچھا، تو چھ میں سے اڑھائی نکل گئے، باقی کتنے بچے؟ چھ میں سے ڈھائی نکال دیں کتنے رہ جاتے ہیں؟ ساڑھے تین۔ ساڑھے تین رہ گئے نا، تو ساڑھے تین بیٹے کا حصہ ہو گیا، اس کے نیچے لکھیں تین صحیح ایک بٹا دو۔ تین، تین کے ساتھ لکیر اور لکیر کے اوپر ایک اور نیچے دو، تین صحیح ایک بٹا دو۔ میں نے آپ کو بتایا تھا نصف کو کیسے لکھتے ہیں؟ ایک بٹا دو۔ ثلث کو کیسے لکھتے ہیں؟ ایک بٹا تین۔ ربع کو کیسے لکھتے ہیں؟ ایک بٹا چار۔ ابھی ایک دو سبق قبل میں نے لکھوایا تھا۔ تو یہاں پر، تو بیٹے کا حصہ کتنا ہوا چھ میں سے؟ ساڑھے تین۔ اور خنثیٰ کا حصہ کتنا ہوا؟ اڑھائی ہوا۔ تو اب کسر آرہی ہے اور علمِ میراث میں کسر کی گنجائش نہیں، لہٰذا کسر کو ختم کریں گے۔ اور نیچے

جو عدد ہوتا ہے اسی سے ضرب دیتے ہیں۔ تو تین صحیح ایک بٹا دو، تو نیچے کیا ہے؟ دو۔ اور دو صحیح ایک بٹا دو، یہاں بھی نیچے کیا ہے؟ دو۔ تو لہٰذا دو کے ساتھ ضرب دیں گے، دو کے ساتھ۔ اوپر چھ لکھا تھا؟ چھ۔ چھ کے آگے لکھیں تَصْحِیحٌ، ساتھ بالکل جوڑ کر لکھیں تَصْحِیحٌ۔ تا صادیا حا، پھر یا اور پھر حا، تصحیح بھئی، کسی چیز کو صحیح کرنا۔ ہم تصحیح کر رہے ہیں مسئلے کی۔ تو چھ کو، چھ کو دو سے ضرب دی تو کتنا بنا؟ بارہ، تو تصحیح کے آگے لکھ دیں بارہ۔ اور دو کے ساتھ ضرب دی ہے تو سارے مسئلے کو دو سے ضرب دینا پڑے گی۔ ساڑھے تین کو دو سے ضرب دیں، ساڑھے تین کو دوگنا کریں؟ سات۔ تو ساڑھے تین کے نیچے لکھ دیں سات بھئی، سات۔ اور ڈھائی کو بھی دو سے ضرب دیں، ڈھائی کو دوگنا کریں کتنا ہوا؟ پانچ، تو ڈھائی کے نیچے پانچ لکھ لیں۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مسئلہ کس سے بنا؟ بارہ سے، اور بیٹے کو کتنے؟ سات، اور خنثیٰ کو پانچ مل گئے۔ یہ ہے جو وہ فرماتے تھے کہ خنثیٰ کو پانچ ملیں گے بارہ میں سے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

دیکھیے کتاب پر، کہتے ہیں: وَالْبَاقِي وَهُوَ السَّبْعَةُ نَصِيبُ الِابْنِ، اور باقی جو ہے اور وہ سات ہے، وہ بیٹے کا حصہ ہے۔

وَإِنْ شِئْتَ تَقُولُ، اور اگر آپ چاہیں تو یوں کہہ لیں، دوسرے طریقے سے امام محمد رحمہ اللہ کے قول کی تفسیر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: وَإِنْ شِئْتَ تَقُولُ، اور اگر آپ چاہیں تو یوں کہیں، الثُّلُثُ إِنْ كَانَ أُنْثَىٰ وَالنِّصْفُ إِنْ كَانَ ذَكَرًا، کہ خنثیٰ کے لیے ثلث ہوگا اگر وہ مؤنث ہو، اور نصف ہوگا اگر وہ مذکر ہو۔ وَمَخْرَجُهُمَا سِتَّةٌ، اور اس کا مخرج چھ ہے۔ اس کا مخرج کیا ہے؟ چھ۔ کیوں؟ یاد رکھو، جب مسئلے کے اندر نصف اور ثلث اکٹھے ہو جائیں، میں نے آپ کو بتلایا تھا بھئی ایک دو سبق قبل کہ مسئلے میں اگر نصف آئے تو مسئلہ دو سے بناتے ہیں، مسئلے میں اگر ثلث آئے تو مسئلہ تین سے بناتے ہیں، مسئلے میں اگر ربع آئے تو مسئلہ چار سے بناتے ہیں، مسئلے کے اندر اگر سدس آئے تو مسئلہ چھ سے، مسئلے میں اگر ثمن آئے تو مسئلہ آٹھ سے بناتے ہیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اسی طرح یاد رکھنا جب مسئلے کے اندر میراث میں نصف اور ثلث جمع ہو جائیں، نصف اور ثلث، تو پھر مسئلہ چھ سے بنتا ہے۔ اسی لیے امام محمد رحمہ اللہ نے کیا فرمایا؟ مسئلہ کس سے بناؤ؟ چھ سے۔ ضابطہ سمجھ میں آیا؟

تو کہتے ہیں: وَإِنْ شِئْتَ تَقُولُ، اور اگر آپ چاہیں تو یوں کہیں: الثُّلُثُ إِنْ كَانَ أُنْثَىٰ وَالنِّصْفُ إِنْ كَانَ ذَكَرًا، کہ ثلث ہوگا خنثیٰ کے لیے اگر وہ مؤنث ہو، اور نصف ہوگا اگر وہ مذکر ہو۔ وَمَخْرَجُهُمَا سِتَّةٌ، اور ثلث اور نصف، ان دونوں کا مخرج تو چھ ہے۔ یہ کس سے پورا نکلتے، پورا پورا کس سے نکلتے ہیں؟ چھ سے۔ فَالثُّلُثُ اثْنَانِ، تو چھ کا ثلث کتنا ہے؟ دو۔ اور نصف کتنا ہے؟ تین۔ وہی بیان کر رہے ہیں: فَالثُّلُثُ اثْنَانِ، تو ثلث چھ کا جو ہے وہ دو ہے، وَالنِّصْفُ ثَلَاثَةٌ، اور نصف جو ہے چھ کا وہ تین ہے۔ فَاثْنَانِ مُتَيَقَّنٌ، تو دو تو پکا ہے۔ جو اقل ہے وہ تو پکا، وہ تو یقینی ہے۔

خنثیٰ کو اگر مؤنث فرض کریں تو کتنا ملتا ہے؟ ثلث۔ اور مذکر فرض کریں تو نصف۔ اور چھ کا ثلث کتنا؟ دو۔ اور چھ کا نصف کتنا؟ تین۔ تو اس تین اور دو میں سے کم کیا ہے؟ دو، تو دو تو یقینی ہے اس سے کم تو نہیں دینا۔ دو تو یقینی، تین میں سے

دو نکال دو کتنے رہ گئے؟ ایک۔ دو تو یقینی اور اس ایک میں شک ہے، یہ ایک زائد بھی دیں یا نہ دیں، تو اس کا نصف دے دیں گے۔ اس کا نصف، تو دو اور آدھا کتنا ہو گیا؟ اڑھائی ہو گیا، بات وہی ہو گئی۔ تو کہتے ہیں: فَاثْنَانِ مُتَيَقَّنٌ، تو دو متیقن ہیں، یقینی ہیں۔ وَقَعَ الشَّكُّ فِي الْوَاحِدِ الْآخَرِ، شک واقع ہو گیا فِي الْوَاحِدِ الْآخَرِ، دوسرے ایک میں۔ لڑکی ہو تو کتنا؟ دو، لڑکا ہو تو تین۔ یعنی کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ تین۔ تو تین میں سے دو تو پکے ہیں نا، جو لڑکے والا حصہ ہے تین، اس میں سے دو تو یقینی، اور تیسرا والا یہ جو ایک اور بھی ہے جس سے یہ تین ہو جاتا ہے، اس میں شک آ رہا ہے، اس کو آدھا کر دیں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنیٰ ہے: فَاثْنَانِ مُتَيَقَّنٌ وَقَعَ الشَّكُّ فِي الْوَاحِدِ الْآخَرِ، تو دو یقینی ہیں، شک واقع ہو گیا دوسرے ایک میں۔ فَالنِّصْفُ صَارَ اثْنَيْنِ وَنِصْفًا، پس نصف جو ہے اس ایک کا، صَارَ اثْنَيْنِ وَنِصْفًا، تو وہ جو دو تھا اب کیا بن گیا؟ دو تو یقینی تھے اور نصف اور بھی ملا دیا، کتنا ہو گیا؟ اڑھائی۔ یہ معنیٰ ہے: فَالنِّصْفُ، تو وہ جو نصف تھا، صَارَ اثْنَيْنِ وَنِصْفًا، وہ اڑھائی ہو گیا یعنی دو پورا اور آدھا۔ وَوَقَعَ الْكَسْرُ بِالنِّصْفِ، اور کسر واقع ہوئی نصف کے ساتھ، تو اس کو دوگنا کریں گے تو کتنا ہو جائے گا؟ پانچ۔ فَصَارَ خَمْسَةً مِنْ اثْنَيْ عَشَرَ، تو یہ پانچ ہو گیا بارہ میں سے۔ پانچ ہو گیا بارہ میں سے۔

اچھا جی، وَإِنْ أَرَدْتَ أَنْ تَعْرِفَ أَنَّ ثَلَاثَةً مِنْ سَبْعَةٍ أَكْثَرُ أَمْ خَمْسَةً مِنْ اثْنَيْ عَشَرَ۔ صاحبِ شرحِ وقایہ معلوم ہوا ریاضی کے بھی بڑے ماہر ہیں بھئی۔ وہ فرماتے ہیں، وہ جو دو سوال کیے ان پہ ذرا نظر رکھو بھئی۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک خنثیٰ کو سات میں سے تین دینے ہیں، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک بارہ میں سے پانچ دینے ہیں۔ اب آپ حیران ہوں گے کہ یہ بارہ میں سے پانچ اور سات میں سے تین، یہ ایک جیسے ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے؟ ایک صورت کیا ہے؟ کل مال کے سات حصے کرو اور تین دے دو، سات میں سے تین یعنی آدھے کے قریب دے دو۔ سات کا آدھا کتنا ہے؟ ساڑھے تین۔ لیکن ساڑھے تین نہیں دو بلکہ کیا دو؟ تین دو۔ تو آدھے کے قریب مال کس کو دے دو؟ خنثیٰ کو۔ اور امام محمد کے قول میں دیکھیں، بارہ میں سے پانچ دے دو۔ بارہ کا نصف کتنا؟ چھ۔ تو گویا نصف کے قریب دے دو، نصف نہ دو۔ تو ادھر بھی ہے نصف کے قریب دے دو، ادھر بھی ہے نصف کے قریب دے دو، تو دونوں میں کیا فرق ہے؟ بات توجہ ہے؟ اب وہ فرق بیان کریں گے۔

ذرا آپ یوں کریں، کاپیوں پر دیکھ، کاپیاں سامنے رکھیں بھئی۔ ہم یوں کرتے ہیں، ایک میں مسئلہ بنایا ہے سات سے اور ایک میں مسئلہ بنایا ہے بارہ سے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک مسئلہ کس سے بنا؟ سات سے۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مسئلہ کس سے بنا؟ بارہ سے۔ یوں کرتے ہیں دونوں مسئلے ایک ہی عدد سے بنا لیتے ہیں، پھر پتا لگ جائے گا۔ اس کا کیا طریقہ ہے؟ پہلے بھی ہم نے عمل دہرایا تھا۔ اوپر کاپی میں کیا لکھا؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک مسئلہ کس سے ہے؟ سات سے۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مسئلہ کس سے ہے؟ بارہ سے۔ یوں کرو، اس بارہ سے اس اوپر امام ابو یوسف رحمہ اللہ والے سارے مسئلے کو ضرب دے دو۔ نیچے والا مسئلہ کس سے ہے؟ بارہ سے۔ اس بارہ کے ساتھ

اوپر والے سارے مسئلے کو ضرب دے دیں گے۔ اور اوپر والا مسئلہ کس سے بنا ہے؟ سات۔ اس سات سے نیچے والے سارے مسئلے کو ضرب دے دیں گے۔ دیکھنا مسئلہ حل ہو جائے گا، آپ کے سامنے آجائے گی صورتِ حال۔ جی، سب سے پہلے اوپر والے مسئلے کو ضرب دیتے ہیں۔ کس سے ضرب دینی ہے؟ بارہ سے۔ جی، بارہ ستے چوراسی۔ سات کے آگے تھوڑے سے فاصلے پر چوراسی لکھ دیں۔ سات کے آگے تھوڑے سے فاصلے پر لکھ دیں چوراسی۔ کس سے ضرب دی؟ بارہ سے، تو نیچے حصوں کو بھی بارہ سے ضرب دیں گے۔ بیٹے کا حصہ کتنا ہے؟ چار۔ تو بارہ چوکے اڑتالیس، چار کے نیچے اڑتالیس لکھ لیں۔ اچھا، خنثیٰ کے حصے کو بھی بارہ سے ضرب دیں۔ بارہ تیے چھتیس، خنثیٰ کا حصہ چھتیس ہو گیا۔ مسئلہ بن گیا چوراسی سے، چوراسی میں سے اڑتالیس حصے کس کے ہو گئے؟ بیٹے کے، اور خنثیٰ کے کتنے حصے ہو گئے؟ چھتیس۔ اب مجھے بتاؤ، پہلے مسئلہ بن رہا تھا سات سے، اب مسئلہ بن رہا ہے چوراسی سے۔ کوئی مال زیادہ ہو گیا؟ نہیں، مال کے حصے زیادہ کر دیے۔ سات کے بجائے چوراسی حصے کر دیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب ذرا آؤ نیچے والے مسئلے پہ۔ اس کو کس سے ضرب دینی ہے؟ سات کے ساتھ، اوپر والے مسئلہ جس سے بنایا تھا۔ تو اس بارہ کو سات سے ضرب دیں، بارہ ستے چوراسی۔ تو بارہ کے آگے تھوڑے سے فاصلے پر چوراسی لکھ لیں، یہ مسئلہ بھی چوراسی سے بن گیا۔ اور کس سے ضرب دی؟ سات کے ساتھ، تو نیچے حصوں کو بھی سات سے ضرب دیں۔ سات ستے انچاس، بیٹے کا حصہ انچاس ہو گیا۔ اور خنثیٰ کا حصہ پانچ ہے، سات پنجے پینتیس، اس کا حصہ کتنا ہو گیا؟ پینتیس ہو گیا۔ دونوں مسئلے چوراسی سے بنے ہیں۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کے مطابق مال کے چوراسی حصے کریں تو خنثیٰ کو چھتیس ملتے ہیں، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مال کے چوراسی حصے کریں تو خنثیٰ کو پینتیس ملتے ہیں۔ اور باقی سارے بیٹے کے ہو گئے، تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بیٹے کے اڑتالیس ہو گئے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک بیٹے کے انچاس ہو گئے۔ فرق سمجھ میں آیا؟ معلوم ہوا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کے مطابق خنثیٰ کو کچھ زیادہ مل رہا ہے، چھتیس حصے مل رہا ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک خنثیٰ کو پینتیس مل رہے ہیں چوراسی میں سے۔ فرق سمجھ میں آگیا اچھی طرح؟ جی، اب دیکھیے کتاب پر۔

اب یہی بیان کریں گے صاحبِ شرحِ وقایہ بھی۔ کہتے ہیں: وَإِنْ أَرَدْتَ أَنْ تَعْرِفَ أَنَّ ثَلَاثَةً مِنْ سَبْعَةٍ أَكْثَرُ أَمْ خَمْسَةً مِنْ اثْنَيْ عَشَرَ، اگر آپ کا یہ ارادہ ہے کہ آپ جان لیں کہ سات میں سے تین زیادہ ہیں یا بارہ میں سے پانچ۔ سات میں سے تین زیادہ ہیں یا بارہ میں سے پانچ۔ فَلَا بُدَّ مِنَ التَّجْنِيسِ، تو تجنیس ضروری ہے، یعنی ان کو ایک ہی جنس کا بنا دو۔ ایک ہی جنس کا بنا دو۔ ہم نے بھی کیا کیا تھا؟ ایک جنس کے بنا دیے یا نہیں؟ ایک بھی چوراسی سے، دوسرا بھی چوراسی سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یعنی ایک دوسرے جیسا بنا دو مسئلے کو۔ کہتے ہیں: وَهُوَ جَعْلُ الْكَسْرَيْنِ مِنْ مَقَامٍ وَاحِدٍ، اور وہ یہ کہ دونوں کسریں آپ کر دیں ایک ہی جگہ سے۔ دونوں کیا کر دیں؟ یعنی ایک ہی عدد سے سارا مسئلہ بناؤ، ایک بھی چوراسی سے بن گیا جیسے،

دوسرا بھی چوراسی سے بن گیا، تو وہاں آپ کو فرق پتا چل جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنیٰ ہے: وَهُوَ جَعْلُ الْكَسْرَيْنِ مِنْ مَقَامٍ وَاحِدٍ، کہ دونوں کسریں جو ہیں ان کو آپ ایک ہی مقام سے کر لیں۔

فَاضْرِبِ السَّبْعَةَ فِي اثْنَيْ عَشَرَ، تو آپ سات کو ضرب دے دیں بارہ میں، صَارَ أَرْبَعَةً وَثَمَانِينَ، تو یہ چوراسی ہو گیا۔ ثُمَّ اضْرِبِ الثَّلَاثَةَ فِي اثْنَيْ عَشَرَ، پھر آپ تین کو ضرب دے دیں بارہ میں۔ خنثیٰ کا حصہ کتنا تھا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک؟ تین تھا۔ اس تین کو بھی بارہ سے ضرب دی، کیا بن گیا؟ چھتیس۔ وہی بیان کر رہے ہیں کہ ثُمَّ اضْرِبِ الثَّلَاثَةَ فِي اثْنَيْ عَشَرَ، پھر آپ تین کو ضرب دے دیں بارہ میں، صَارَ سِتَّةً وَثَلَاثِينَ، تو یہ چھتیس ہو گیا۔ فَذَلِكَ هُوَ الثَّلَاثَةُ مِنَ السَّبْعَةِ، تو یہ ہے ثَلَاثَةٌ مِنَ السَّبْعَةِ، یہ ہے سات میں سے تین۔ سات میں سے تین، کتنا؟ چوراسی میں سے چھتیس۔ چوراسی میں سے چھتیس یہ کیا ہے؟ سات میں سے تین ہے دراصل۔

وَاضْرِبِ الْخَمْسَةَ فِي سَبْعَةٍ، اور پھر دوسرے مسئلے میں، امام محمد رحمہ اللہ والے مسئلے میں بھی، وَاضْرِبِ الْخَمْسَةَ فِي سَبْعَةٍ، وہاں جو خنثیٰ کا پانچ ہے اس کو ضرب دے دیں سات میں، تو صَارَ خَمْسَةً وَثَلَاثِينَ، تو وہ پینتیس ہو گیا خنثیٰ کا حصہ۔ فَهَذَا هُوَ الْخَمْسَةُ مِنْ اثْنَيْ عَشَرَ، تو یہ ہے بارہ میں سے پانچ۔ یہ بھی کتنے میں سے بن گیا؟ بارہ میں سے پانچ دے دو یا چوراسی میں سے پینتیس دے دو، ایک ہی بات ہے نا، تو یہ بھی لہٰذا بارہ میں سے پانچ ہو گیا۔

وَالْأَوَّلُ، اور پہلا جو ہے، وَهُوَ سِتَّةٌ وَثَلَاثُونَ، وہ چھتیس جو ہے، زَائِدٌ عَلَى هَذَا، وہ اس پر زیادہ ہے، أَيْ عَلَى خَمْسَةٍ وَثَلَاثِينَ، یعنی پینتیس پر وہ زیادہ ہے، بِوَاحِدٍ، ایک بھئی۔ ایک زیادہ ہے مِنْ أَرْبَعَةٍ وَثَمَانِينَ، چوراسی میں سے۔ جو چھتیس ہے وہ پینتیس پر ایک زیادہ ہے، کتنے میں سے؟ چوراسی میں سے۔ یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: وَالْأَوَّلُ، اور پہلا جو ہے، وَهُوَ سِتَّةٌ وَثَلَاثُونَ زَائِدٌ عَلَى هَذَا، وہ چھتیس جو ہے وہ زائد ہے اس یعنی أَيْ عَلَى خَمْسَةٍ وَثَلَاثِينَ، اس پینتیس پر، بِوَاحِدٍ، کتنا زیادہ ہے؟ ایک، مِنْ أَرْبَعَةٍ وَثَمَانِينَ، کتنے میں سے؟ چوراسی میں سے۔ فَهَذَا هُوَ التَّفَاوُتُ بَيْنَ مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَمَا ذَهَبَ إِلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ، تو یہ ہے وہ فرق جو درمیان میں ہے اس کے جس کی طرف امام ابو یوسف گئے ہیں اور جس کی طرف امام محمد گئے ہیں۔ یعنی یہ فرق ہے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہ اللہ کے قول میں۔ دونوں کی تفسیروں کے مطابق یہ فرق نکلتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۷۰: مسائلِ شتیٰ: گونگے کی کتابت و اشارہ، غنمِ مذبوحہ کا مسلوخہ سے اختلاط اور متفرق فقہی فوائد و خاتمۂ کتاب

شرح الوقایہ صفحہ: ۱۷۷ — بتاریخ: ۱۲ مارچ ۲۰۲۰ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی کتاب پر۔ مَسَائِلُ شَتّٰی: كِتَابَةُ الْأَخْرَسِ وَإِيمَاؤُهُ وَبِمَا يُعْرَفُ بِهِ نِكَاحُهُ وَطَلَاقُهُ وَبَيْعُهُ وَشِرَاؤُهُ وَقَوَدُهُ كَالْبَيَانِ. أَمَّا الْكِتَابَةُ فَهِيَ إِمَّا غَيْرُ مُسْتَبِينٍ كَالْكِتَابَةِ عَلَى الْهَوَاءِ أَوْ عَلَى الْمَاءِ فَلَا اعْتِبَارَ لَهَا، وَإِمَّا مُسْتَبِينٌ غَيْرُ مَرْسُومٍ نَحْوَ أَنْ يَكْتُبَ عَلَى وَرَقٍ شَجَرٍ أَوْ عَلَى جِدَارٍ أَوْ عَلَى كَاغَذٍ لٰكِنْ لَا عَلَى رَسْمِ الْكُتُبِ بِأَنْ لَا يَكُونَ مُعَنْوَنًا، فَهُوَ كَالْكِنَايَةِ لَا بُدَّ مِنَ النِّيَّةِ أَوِ الْقَرِينَةِ كَالْإِشْهَادِ مَثَلًا۔[۲۱]

مَسَائِلُ شَتّٰی، متفرق قسم کے کچھ مسائل بھئی۔ شَتّٰی جمع ہے شَتِیتٌ کی اور شَتِیتٌ کا معنیٰ ہے متفرق، متفرق یعنی

[۱]

جدول — مسائلِ شتیٰ — اشارۂ اخرس (گونگے کی کتابت و اشارہ) اور متفرق فقہی قواعد:

مسئلہ	شرعی حکم	شرائط و استثنائی صورتیں
پیدائشی گونگے (اخرس) کا اشارہ و کتابت	اس کا معہود اشارہ اور مستبین تحریر بیانِ ناطق کی طرح معتبر ہے	نکاح، طلاق، بیع، شراء، اقرار اور قصاص سب میں نافذ۔
کس چیز میں اشارۂ اخرس معتبر نہیں؟	حدود (جیسے حدِ قذف یا زنا کا اقرار) اور شہادت میں معتبر نہیں	کیونکہ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں اور اشارے میں احتمالِ شبہ ہے۔
عارضی زبان بند ہونا (اعتقال اللسان)	فالج یا بیماری سے بولنا بند ہو تو موت تک یا ایک سال گزرنے تک انتظار	اگر پہلے سے معہود اشارہ معلوم ہو تو بعض فقہاء کے نزدیک فوراً معتبر۔
مذبوحہ اور میتہ بکریوں کا اختلاط	اگر مذبوحہ کی تعداد غالب (اکثر) ہو تو تحری کر کے کھانا جائز	اگر برابر ہوں یا مردار غالب ہوں تو اضطرار کے بغیر تحری جائز نہیں۔

[۲] حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۲۲۰): صوتی درس کی قراءت میں «كِتَابَةُ الْأَخْرَسِ وَإِيمَاؤُهُ وَبِمَا يُعْرَفُ بِهِ نِكَاحُهُ وَطَلَاقُهُ وَبَيْعُهُ وَشِرَاؤُهُ وَقَوَدُهُ كَالْبَيَانِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «كتابةُ الأخرس وايماؤه بما يعرفُ به نكاحُه وطلاقُه وبيعُه وشراؤه وقَوَدُه كالبيان،» منقول ہے۔

یوں کہیں مکس، مکس بھئی۔ تو متفرق قسم کے کچھ مسائل۔ ہمارے مصنفین کا طریقہ ہے کہ وہ جب تمام مسائل کو ترتیب دے دیتے ہیں، لیکن کچھ مسائل ایسے ہوتے ہیں جو کسی خاص باب کے تحت داخل نہیں ہوتے، تو پھر ان کو آخر میں علیحدہ ذکر کر دیتے ہیں عموماً اسی طرح مسائلِ شتیٰ یا مسائلِ متفرقہ وغیرہ کے عنوان سے بھئی۔ تو یہاں پر بھی صاحبِ کتاب جو ہیں کچھ مسائل کو الگ ذکر کریں گے جو کسی باب کے تحت داخل نہیں ہوتے۔

دیکھیے بھئی: كِتَابَةُ الْأَخْرَسِ وَإِيمَاؤُهُ وَبِمَا يُعْرَفُ بِهِ نِكَاحُهُ وَطَلَاقُهُ وَبَيْعُهُ وَشِرَاؤُهُ وَقَوَدُهُ كَالْبَيَانِ۔ أَخْرَسُ کہتے ہیں گونگے کو بھئی، گونگا جو بول نہیں سکتا۔ وَإِيمَاؤُهُ، إِيمَاءٌ کہتے ہیں اشارے کو بھئی، اشارے کو۔ تو کہتے ہیں كِتَابَةُ الْأَخْرَسِ، بھئی یاد رکھیے گونگے کا لکھنا یا اشارے کے ذریعے نکاح، طلاق، بیع، شراء وغیرہ اور قصاص ان چیزوں کو ذکر کرنا کس طریقے پر؟ کتابت کے ذریعے یعنی لکھ کر یا اشاروں کے ذریعے، تو کہتے ہیں كَالْبَيَانِ گونگے کی یہ کتابت اور یہ اشارہ وغیرہ بیان کی طرح ہے، جیسے عام انسان زبان کے ذریعے کسی چیز کو بیان کرتا ہے۔ تو گونگے کا لکھنا یا اس کا اشارہ جو ہے وہ بھی بیان کے درجے میں ہے بھئی۔ کیونکہ وہ تو معذور ہے، بول نہیں سکتا، تو لہٰذا اب اس کی کتابت اس کے بیان کی طرح ہے، اسی طرح اس کے اشارات جو ہیں وہ بیان کی طرح ہیں۔ لیکن اس میں پھر یہ خیال رہے کہ اس کے اشارات ایسے ہوں جس کا کوئی سمجھنے والا ہو۔ گونگا جو ہے جب زندگی گزارتا ہے بول تو سکتا نہیں، تو اس کے اشارات ہوتے ہیں ہر چیز کے، اور اس کے ساتھ رہنے والے آس پاس کے جو لوگ ہیں وہ اس کے اشارات کو سمجھتے ہیں، جانتے ہیں۔ تو کوئی ایسا شخص ہو جو اس کے اشارات کو جاننے والا ہو، سمجھنے والا ہو، اور وہ بیان کر سکے قاضی کے سامنے کہ یہ اس وقت یہ کہہ رہا ہے بھئی۔ تو گونگے کا جو اشارہ ہے اور کتابت ہے وہ بھی کس کے درجے میں ہے؟ بیان کے درجے میں ہے، بیان۔ تو دیکھو یہ شروع میں جو آیا نا كِتَابَةُ الْأَخْرَسِ وَإِيمَاؤُهُ آخر میں آرہا ہے اسی سطر کے كَالْبَيَانِ یہ خبر ہے بھئی۔ تو یہ گونگے کی کتابت اور اس کا اشارہ جو ہے یہ بیان کی طرح ہے ان تمام مسائل میں جو ذکر فرما رہے ہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں كِتَابَةُ الْأَخْرَسِ وَإِيمَاؤُهُ گونگے کی کتابت یعنی گونگے کا لکھنا اور اس کا اشارہ جو ہے، وَبِمَا يُعْرَفُ بِهِ اور وہ چیز جس کے ذریعے جانا جائے، نِكَاحُهُ اس کے نکاح کو، وَطَلَاقُهُ اور اس کی طلاق کو، وَبَيْعُهُ اور اس کی بیع کو، وَشِرَاؤُهُ اور اس کی شراء کو اس کی بیع و شراء یعنی اس کی خرید و فروخت کو، وَقَوَدُهُ اور اس کے قصاص کو، كَالْبَيَانِ یہ کس کی طرح ہے؟ بیان کی طرح ہے۔

دیکھیے بھئی: أَمَّا الْكِتَابَةُ باقی کتابت جو ہے، فَهِيَ إِمَّا غَيْرُ مُسْتَبِينٍ كَالْكِتَابَةِ عَلَى الْهَوَاءِ أَوْ عَلَى الْمَاءِ۔ جی، اب آپ کو بتلائیں گے صاحبِ شرحِ وقایہ کہ یہ جو کتابت ہے نا کتابت، گونگے کی کتابت تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقے پر ہو سکتی ہے۔ یا تو کتابت جو ہے وہ غیرِ مستبین ہو گی، یعنی غیرِ واضح ہو گی۔ غیرِ واضح جیسے مثلاً وہ ہوا کے اندر لکھتا ہے، انگلی کے ذریعے انگلی ہوا میں اس طرح ہلاتا ہے جیسے کوئی چیز لکھ رہا ہو، تو یہ ہوا میں لکھنا ہے۔ یا اسی طرح پانی کے اوپر کوئی لکھتا

ہے، انگلی کے ذریعے یا کسی لکڑی کے ذریعے پانی کے اوپر لکھتا ہے۔ اب دیکھو ہوا کے اندر تو کوئی حروف باقی نہیں رہیں گے، پانی کے اندر تو کوئی حروف باقی نہیں رہیں گے، تو لہٰذا اس کتابت کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ کتابتِ غیرِ مستبین ہے۔ یہ کتابتِ غیرِ مستبین، مُسْتَبِینٌ کا معنیٰ واضح، تو یہ غیرِ واضح کتابت کی طرح ہے بھئی، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کتابت ہو تو مُسْتَبِینٌ، واضح تو ہو، لیکن غَیْرُ مَرْسُومٍ ہو، غَیْرُ مَرْسُومٍ ہو۔ کیا معنیٰ غَیْرُ مَرْسُومٍ؟ معنیٰ یہ ہے کہ وہ کسی دیوار پر لکھ دیتا ہے، یا کسی درخت کے پتے پر لکھ دیتا ہے، یا کاغذ پر لکھتا ہے لیکن اوپر عنوان وغیرہ نہیں دیتا، یعنی نسبت نہیں کرتا کہ لکھنے والا کون ہے اور کس کو لکھ رہا ہے۔ جیسے عربی میں کوئی خط وغیرہ یا کوئی چیز لکھتے ہیں تو اوپر لکھتے ہیں مِنْ فُلَانٍ إِلٰی فُلَانٍ مثلاً لکھنے والا زید ہے اور عمرو کو خط لکھ رہا ہے تو لکھتا ہے اوپر مِنْ زَیْدٍ إِلٰی عَمْرٍو زید کی طرف سے کس کو؟ عمرو کو۔ تو یہ ہے کتابت کا طریقہ، یہ ہے مرسوم طریقہ۔ یہ کیا ہے؟ مرسوم طریقہ۔ مرسوم طریقہ کیا ہے؟ کس پر لکھا جائے؟ کاغذ پر لکھا جائے اور اوپر عنوان ہو، منسوب کر رہا ہو کہ میں یہ کس کو لکھ رہا ہوں، لکھنے والا کون ہے اور وہ کس کی جانب لکھ رہا ہے، کس کو یہ کہہ رہا ہے۔ تو یہ کتابت جو اس نے درخت کے پتے پر کی، یا دیوار پر کی، یا اس نے کاغذ پر تو کی لیکن اوپر عنوان وغیرہ نہیں دیا، نسبت نہیں کی کہ یہ لکھنے والا کون ہے اور کس کو لکھ رہا ہے، تو اس کو کہیں گے کتابتِ مُسْتَبِینٌ غَیْرُ مَرْسُومٍ۔ یعنی وہ جو مرسوم طریقہ ہے جس طریقے پر لکھا جاتا ہے اس پر یہ نہیں ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ دوسری قسم ہے۔ کس پر لکھا؟ دیوار پر یا درخت کے پتے پر یا اس جیسی اور کسی چیز پر لکھا، یا کاغذ پر لکھا ہے لیکن اوپر نسبت نہیں کی لکھنے والا کون اور کس کو لکھ رہا ہے۔ تو اس یاد رکھیے یہ پھر کنائے کی طرح ہے۔ یہ کس کی طرح ہے؟ کنائے کی طرح ہے۔ کنائے کی طرح۔ کنایہ جانتے ہو بھئی؟ کنایہ۔ ایک ہے صریح لفظ کے ساتھ ایک بات کرنا، ایک صریح لفظ، تو وہ کہلائے گا صریح۔ اور ایک وہ لفظ جو صاف لفظوں میں نہیں ہے، جس کا ایک معنیٰ بھی نکل سکتا ہے دوسرا معنیٰ بھی نکل سکتا ہے، اس کو کہیں گے کنایہ، کنایہ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ مثلاً خاوند اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تجھے طلاق ہے، دیکھو یہ تو صریح لفظوں میں اس کو طلاق دے رہا ہے۔ اور ایک ہے کنایہ الفاظ بھئی، ایسا لفظ جس میں اور بھی معانی آجاتے ہیں اور بھی مفہوم آجاتے ہیں، جس میں اور بھی احتمال آجاتے ہیں۔ مثلاً خاوند بیوی سے کہتا ہے أَنْتِ بَائِنٌ، بَائِنٌ کا معنیٰ جدا۔ اب تو جدا ہے بھئی کیا معنیٰ؟ دیکھو اس میں طلاق کا بھی احتمال ہے، ہو سکتا ہے اس کی نیت یہ ہو کہ تجھے طلاق ہے اب تو مجھ سے جدا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کی مراد یہ ہو کہ أَنْتِ بَائِنٌ تو جدا ہے یعنی اور عورتوں سب سے جدا ہے حسن و جمال کے اندر، تیرے جیسی حسن و جمال والی کوئی بھی نہیں ہے۔ معنیٰ سمجھ میں آرہا ہے؟

تو دیکھو یہ ہے کنایہ، کنایہ۔ اور یاد رکھو کنائے میں طلاق کے علاوہ دوسرے معنیٰ کا بھی احتمال ہوتا ہے، لہٰذا اس کا دارومدار نیت پر ہے، اس کے لیے کوئی قرینہ چاہیے، کیا چاہیے؟ قرینہ۔ کوئی قرینہ چاہیے جس سے ہمیں پتہ چلے کہ اس کا ارادہ طلاق کا تھا۔ اگر تو طلاق کا ارادہ تھا، کوئی قرینہ ہے، مثلاً لڑائی ہو رہی ہے میاں بیوی میں، اس لڑائی کے دوران وہ کہتا ہے

أَنْتِ بَائِنٌ معلوم ہوا ارادہ ہی کس چیز کا ہے؟ طلاق کا ہے۔ یا وہ نیت کر لیتا ہے، اگر اس نے نیت کر لی تو اس صورت میں اس سے طلاق ہو جائے گی، اور اگر اس نے نیت نہیں کی تو پھر اس سے طلاق نہیں ہو گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ایک ہوتا ہے صریح صاف لفظوں میں ایک بات کرنا، اور ایک ہے کنائے کے انداز میں ذکر کرنا، یعنی ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کرنا، ملزوم بول کر لازم کا ارادہ۔

تو یہ جو کتابت اس نے کی، کتابت اس نے کی درخت کے پتے پر یا اس نے دیوار پر لکھا، مثلاً درخت کے پتے پر لکھا ہے کہ أَنْتِ بَائِنٌ یا دیوار پر لکھا ہے أَنْتِ بَائِنٌ، یا کاغذ پر لکھا ہے لیکن یہ نہیں لکھا کس کو لکھ رہا ہے اور کیا لکھا أَنْتِ بَائِنٌ، اب پتہ نہیں اس کا کیا ارادہ ہے؟ تو اس سے پوچھا جائے گا، اس کی نیت کا پتہ چلایا جائے گا، یا کوئی گواہ ہوں جو بتائیں کہ اس نے کس کے لیے یہ لکھا تھا؟ اپنی بیوی کے لیے لکھا تھا۔ ورنہ ہو سکتا ہے کسی کو سمجھا رہا ہو، کسی کو سمجھا رہا ہو کہ یہ جو أَنْتِ بَائِنٌ ہوتا ہے یہ کنایہ ہوتا ہے جیسے میں ابھی آپ کو سمجھا رہا ہوں۔ تو لہٰذا وہاں کیا چاہیے؟ یا تو کس پر دارومدار ہے؟ نیت یا کوئی گواہ وغیرہ ہوں پھر اس کے بعد یہ ہو گا۔ اور نیز أَنْتِ بَائِنٌ کہہ رہا ہے، پتہ نہیں یہ جو اس کی ایک بیوی یہاں ہے یہ والی اس بیوی کو کہہ رہا ہے یا دوسری بیوی اس کی اسلام آباد میں ہے اس کو اس کا ارادہ ہے، پتہ نہیں کس کا ارادہ کر رہا ہے؟ تو لہٰذا یہاں یہ کنائے کے درجے میں ہے، کیونکہ اس نے اوپر یہ نہیں لکھا کہ فلاں کی طرف سے فلاں کو یعنی فلاں بیوی کو میں کہہ رہا ہوں، نہیں اس نے یہ لکھا ہی نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ کتابت تھی مُسْتَبِينٌ غَيْرُ مَرْسُومٍ۔ مُسْتَبِينٌ واضح تو تھی لیکن غیرِ مرسوم تھی، یعنی جیسا طریقہ ہے لکھنے وغیرہ کا اس طریقے پر نہیں تھی۔ بھئی اس نے درخت کے پتے پر لکھا ہے یا دیوار پر لکھا ہے یا کاغذ پر لکھا ہے اور کوئی عنوان وغیرہ کچھ بھی نہیں دیا، اوپر کچھ بھی نہیں لکھا، معلوم ہوا اس نے ویسے ہی بے پروائی کے اندر کوئی چیز لکھی ہے اور جو خاص طریقہ ہے اس پر نہیں لکھی، تو یہ پھر کس کے درجے میں ہو گیا؟ کنائے کے درجے میں، معلوم ہوا اس نے اس کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی، اہتمام کے ساتھ اس کو نہیں لکھا۔

اور تیسری صورت ہے کہ کتابت مُسْتَبِينٌ بھی ہو، واضح بھی ہو اور مَرْسُومٌ بھی ہو، یعنی جو طریقہ ہے لکھنے کا اس طریقے پر ہو کہ لکھنے والا فلاں ہے یعنی مِنْ فُلَانٍ إِلٰى فُلَانٍ کہ لکھنے والا فلاں ہے اور فلاں کو یہ لکھ رہا ہے، پورے طریقے کے مطابق ہو، تو پھر اس صورت میں یہ کتابت کیا ہے؟ مُسْتَبِينٌ بھی ہے اور مَرْسُومٌ بھی ہے، اور یاد رکھیے یہ بیان کے درجے میں ہے۔ کس کے درجے میں ہے؟ بیان۔ بھئی عربی کے اندر تو شروع میں ہی لکھتے ہیں نا مِنْ فُلَانٍ إِلٰى فُلَانٍ۔ اور اردو میں طریقہ کیا رائج ہے؟ اوپر اس کا نام لکھتے ہیں جس کی طرف بھیج رہا ہے اور آخر میں کس کا نام لکھتے ہیں؟ بھیجنے والے کا۔ تو بہرحال جس طریقے سے بھی ہو جس سے پتہ چل جائے کہ یہ لکھنے والا کون اور کس کی جانب لکھ رہا ہے، کس کو خطاب کر رہا ہے، تو

پھر ہی اس کا اعتبار ہو گا، پھر وہ مَرْسُومٌ ہے، اور مرسوم بیان کے درجے میں ہے، جیسے کوئی شخص زبان سے کوئی چیز بیان کرتا ہے، تو یہ کتابتِ مُسْتَبِينٌ مَرْسُومٌ جو ہے یہ بھی بیان کے درجے میں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں أَمَّا الْكِتَابَةُ فَهِيَ إِمَّا غَيْرُ مُسْتَبِينٍ کتابت جو ہے وہ یا تو غیرِ مستبین ہو گی یعنی واضح نہیں ہو گی، كَالْكِتَابَةِ عَلَى الْهَوَاءِ جیسے ہوا پر لکھنا، أَوْ عَلَى الْمَاءِ یا پانی پر لکھنا، فَلَا اعْتِبَارَ لَهَا پس اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ وَإِمَّا مُسْتَبِينٌ غَيْرُ مَرْسُومٍ یا کتابت مستبین ہو گی لیکن غیرِ مرسوم ہو گی جو یعنی بغیر عنوان کے اور بغیر نسبت کے ہو گی، نَحْوَ أَنْ يَكُونَ عَلَى وَرَقِ شَجَرٍ أَوْ عَلَى جِدَارٍ جیسے کہ وہ درخت کے پتے پر ہو أَوْ عَلَى جِدَارٍ یا دیوار پر ہو، أَوْ عَلَى كَاغَذٍ لٰكِنْ لَا عَلَى رَسْمِ الْكُتُبِ یا کاغذ پر ہو لیکن کتابت کے طریقے پر نہ ہو، خطوط وغیرہ کے طریقے پر نہ ہو۔ كُتُبٌ جمع ہے كِتَابٌ کی، کتاب جیسے کتاب کو کہتے ہیں اسی طرح خط کو بھی کہتے ہیں۔ تو لَا عَلَى رَسْمِ الْكُتُبِ وہ خطوط کے طریقے پر نہ ہو۔ بِأَنْ لَا يَكُونَ مُعَنْوَنًا، بھئی کیا معنیٰ کہ خطوط کے طریقے پر نہ ہو؟ یہ باء تصویریہ ہے، صورت بتلا رہے ہیں، بِأَنْ لَا يَكُونَ مُعَنْوَنًا بایں صورت کہ وہ بغیر عنوان کے ہو۔ مُعَنْوَنٌ وہ چیز جس کے اوپر عنوان دیا گیا ہو، یا اسی طرح مُعَنْوَنٌ وہ چیز جس میں نسبت کی گئی ہو مِنْ فُلَانٍ إِلٰى فُلَانٍ، بات سمجھ میں آگئی؟ اس کو بھی مُعَنْوَنٌ کہتے ہیں۔ بِأَنْ لَا يَكُونَ مُعَنْوَنًا بایں صورت کہ وہ مُعَنْوَنٌ نہ ہو یعنی اس پر عنوان نہ دیا گیا ہو، فَهُوَ كَالْكِنَايَةِ تو یہ کتابت جو ہے یہ کنایہ کی طرح ہے، لَا بُدَّ مِنَ النِّيَّةِ أَوِ الْقَرِينَةِ ضروری ہے اس کے لیے نیت کا ہونا یا کسی قرینے کا ہونا، كَالْإِشْهَادِ مَثَلًا جیسے کہ گواہ بنانا مثال کے طور پر، کسی کو اس نے اس پر گواہ بنایا تھا۔ وَإِمَّا مُسْتَبِينٌ مَرْسُومٌ یا وہ کتابت جو ہے مستبین مرسوم ہو گی۔ واضح ہو گی، اور جو طریقہ ہے لکھنے کا اس طریقے پر ہو گی۔ بِأَنْ يَكُونَ عَلٰى كَاغَذٍ بایں صورت کہ وہ کاغذ پر ہو گی، وَيَكُونُ مُعَنْوَنًا اور مُعَنْوَنٌ بھی ہو گی۔ بھئی کیا معنیٰ مُعَنْوَنٌ؟ کہتے ہیں نَحْوُ مثال کے طور پر مِنْ فُلَانٍ إِلٰى فُلَانٍ، مِنْ فُلَانٍ إِلٰى فُلَانٍ کے ساتھ ہو گی، فَهٰذَا مِثْلُ الْبَيَانِ تو یہ کتابت بیان کی طرح ہے، سَوَاءٌ كَانَ مِنَ الْغَائِبِ أَوْ مِنَ الْحَاضِرِ چاہے یہ کسی غائب کی طرف سے ہو یا حاضر کی طرف سے۔ کوئی غائب ہے سفر پر گیا ہوا ہے اس نے وہاں سے خط لکھا ہے، یا کوئی حاضر ہے وہ لکھ کر دے دیتا ہے، تو دونوں بیان کے درجے میں ہیں۔ چاہے غائب ہو پھر بھی بیان کے درجے میں یہ، اور حاضر ہو تو پھر بھی یہ بیان کے درجے میں ہے۔ اب آپ یہ نہ کہیں یہ آدمی تو خود موجود ہے لہٰذا اس کی زبان سے کہلوانا ضروری ہے، نہیں، کتابت بھی کس کے درجے میں ہے؟ بیان کے درجے میں ہے۔[۳]

وَلَا يُحَدُّ اور حد نہیں لگائی جائے گی، گونگے پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ أَيْ إِذَا أَقَرَّ بِمَا يُوجِبُ الْحَدَّ جب گونگے نے اقرار کر لیا اس چیز کا جو حد کو واجب کرتا ہے، بِطَرِيقِ الْإِشَارَةِ اور کس طریقے پر اقرار کیا؟ اشارے کے طریقے پر۔ أَوْ قَذَفَ بِطَرِيقِ الْإِشَارَةِ یا اس نے تہمت لگائی کسی پر اشارے کے طریقے سے۔ گونگے نے اشارے کے طریقے سے اقرار کر لیا

[۳] **حاشیہ (تقابلِ عبارت از نسخۂ مکتبۃ الشاملہ، ج ۵، ص ۲۲۰):** صوتی درس کی قراءت میں «سَوَاءٌ كَانَ مِنَ الْغَائِبِ أَوْ مِنَ الْحَاضِرِ» ہے، جبکہ محقق نسخۂ شرح الوقایہ (مکتبۃ الشاملہ، تحقیق: دکتور صلاح محمد ابو الحاج) میں «سواءٌ من الغائب، أو من الحاضر.» منقول ہے۔

ایسی چیز کا جو حد واجب کرتی ہے، یا اس نے کسی پر تہمت لگائی زنا وغیرہ کی اور اشارے کے ذریعے، اشارے کے ذریعے، تو یاد رکھیے اس صورت میں اس پر حد نہیں جاری کی جائے گی، کیونکہ حدود کا معاملہ بڑا نازک ہے بھئی۔ وہ انتہا درجے کی سخت سزائیں ہیں اللہ کی جانب سے مقرر ہیں، تو لہٰذا وہ ادنیٰ شبہے سے بھی ساقط ہو جاتی ہیں۔ وہ انتہا درجے کی سزائیں ہیں لہٰذا وہ ادنیٰ شبہات سے بھی ساقط ہو جاتی ہیں۔ اَلْحُدُودُ تَنْدَرِئُ بِالشُّبُهَاتِ، حدود جو ہیں وہ ساقط ہو جاتی ہیں شبہات کی وجہ سے۔ تو یہاں پر بھی وہ اشارے کے ذریعے بیان کر رہا ہے، تو اشارے کے اندر وہ واضح بیان نہیں آ سکتا، لہٰذا اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔

وَقَالُوا فِي مُعْتَقَلِ اللِّسَانِ إِنِ امْتَدَّ ذٰلِكَ وَعُلِمَ إِشَارَاتُهُ فَكَذَا وَإِلَّا فَلَا۔ اعْتَقَلَ يَعْتَقِلُ، اعْتَقَلَ يَعْتَقِلُ کا معنیٰ ہے بند ہونا، اور اسی طرح اس کا معنیٰ ہے بند کرنا بھی، یعنی لازمی بھی ہے اور متعدی بھی۔ عربی میں کہتے ہیں بعض اوقات بھئی کسی کی بوڑھا ہو گیا، بیمار ہو گیا، کسی کی زبان کبھی بند ہو جاتی ہے، وہ باتیں ہی نہیں کر سکتا، تو عربی میں کہتے ہیں اعْتَقَلَ لِسَانُهُ اس کی زبان بند ہو گئی۔ اور کبھی مجہول پڑھتے ہیں اُعْتُقِلَ لِسَانُهُ اس کی زبان بند ہو گئی۔ تو یہ بہرحال لازمی بھی ہے اور متعدی بھی ہے۔ لہٰذا یہ جو لفظ آیا مُعْتَقَلُ اللِّسَانِ اسمِ مفعول بھی پڑھ سکتے ہیں اور مُعْتَقِلُ اللِّسَانِ اسمِ فاعل بھی پڑھ سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو مُعْتَقَلُ اللِّسَانِ وہ شخص جس کی زبان بند ہو گئی، وہ بول ہی نہیں سکتا، تو کیا اس کے اشارے بھی گونگے کی طرح بیان کے درجے میں ہیں؟ کہتے ہیں نہیں۔ جس کی زبان بند ہو جائے اس کے اشارے گونگے کی طرح بیان نہیں سمجھے جائیں گے، اس لیے کیونکہ گونگا تو معذور ہے بھئی، اس تو من جانب اللہ وہ بول ہی نہیں سکتا اور نہ ہی آگے زندگی میں کوئی اس کے بولنے کا احتمال ہے، جبکہ جس شخص کی زبان بند ہوئی ہے اس کا ہو سکتا ہے کچھ عرصے بعد پھر زبان اس کی ٹھیک ہو جائے وہ بولنے لگ پڑے، لہٰذا مُعْتَقَلُ اللِّسَانِ کے اشاروں کا اعتبار نہیں ہے۔ الا یہ کہ ہاں جب عرصہ گزر گیا اس کی زبان بند ہے اور لوگ اب اس کے اشاروں کو سمجھتے ہیں، اب لوگ اس کے اشاروں کو سمجھتے ہیں یہ کیا کہنا چاہتا ہے، تو پھر اس صورت میں اس کے اشارے معتبر ہوں گے۔ لیکن اس میں پھر کہتے ہیں کہ کتنے عرصے تک اس کے اشارے اس کی زبان بند ہو پھر اس کو مُعْتَقَلُ اللِّسَانِ سمجھا جائے گا؟ تو بعض فقہاء فرماتے ہیں ایک سال تک۔ ایک سال اگر گزر جائے اور زبان بند ہے تو اب اور اب لوگ اس کے اشارے سمجھتے ہیں تو اب اس کے اشارے بیان کے درجے میں ہو گئے۔ جبکہ بعض کہتے ہیں نہیں، کہ مُعْتَقَلُ اللِّسَانِ جو ہے وہ جب مر جائے، مر جائے، تو پھر اب جو ہیں اس کے اشارے معتبر ہوں گے، معلوم ہوا موت تک اس کو پھر یہ بول نہ سکا، تو اب جو اگر اس نے کوئی اشارے کیے تھے اور اس پر گواہ موجود ہیں تو اس کے مطابق حکم مثلاً وصیت وغیرہ یا کوئی چیز کی ہے تو اس پر حکم نافذ کر دیا جائے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں وَقَالُوا فِي مُعْتَقَلِ اللِّسَانِ اور فقہاء فرماتے ہیں اس شخص کے بارے میں جس کی زبان بند ہو گئی، کہ إِنِ امْتَدَّ ذٰلِكَ اگر یہ زبان کا بند ہونا لمبا ہو گیا، طویل ہو گیا، وَعُلِمَ إِشَارَاتُهُ اور اس کے اشارات معلوم ہو گئے یعنی اب لوگ اس

کے اشارات کو پہچانتے ہیں، فَكَذَا تو بھی حکم اسی طرح ہے یعنی اب اس کے اشارات بیان کے درجے میں ہیں، وَإِلَّا فَلَا اور اگر ایسا نہ ہو یعنی اس کی زبان کی بندش طویل نہیں ہوئی، فَلَا پھر اس کے اشارات کا کوئی اعتبار نہیں، وہ بیان کی طرح نہیں ہے۔ کہتے ہیں الْمُعْتَقَلُ اللِّسَانُ هُوَ الَّذِي عَرَضَ لَهُ احْتِبَاسُ اللِّسَانِ مُعْتَقَلُ اللِّسَانِ وہ شخص ہے جس کو پیش آجائے احْتِبَاسُ اللِّسَانِ زبان کی بندش، حَتّٰى لَا يَقْدِرَ عَلَى الْكَلَامِ یہاں تک کہ وہ کلام پر قادر نہ ہو، بات نہ کر سکے۔ فَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى حُكْمُهُ حُكْمُ الْأَخْرَسِ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مُعْتَقَلُ اللِّسَانِ کا حکم جو ہے گونگے کے حکم کی طرح ہے، یعنی جیسے گونگے کی کتابت اور اشارات جو تھے وہ بیان تھے، تو اسی طرح مُعْتَقَلُ اللِّسَانِ کی کتابت اور اشارات بھی کیا ہوں گے؟ بیان۔ تو ہم کہتے ہیں کتابت تو اور چیز ہے ٹھیک ہے، کتابت میں تو ایک واضح اس نے سارا کچھ لکھا ہے پھر تو کتابت تو بیان ہے، لیکن اشارات اس کے گونگے کی طرح نہیں ہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں وَعِنْدَ أَصْحَابِنَا رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالٰى إِنِ امْتَدَّ ذٰلِكَ وَعُلِمَ إِشَارَاتُهُ كَانَ حُكْمُهُ حُكْمَ الْأَخْرَسِ ہمارے فقہائے کرام رحمہم اللہ کے نزدیک اگر اس کی یہ زبان کی بندش لمبی ہو گئی اور اس کے اشارات معلوم ہو گئے یعنی ان سب کو پتہ چل گیا کہ اس کے اشارات یہ کیا کیا اشارے کرتا ہے لوگ اس کو سمجھنے لگ گئے، تو كَانَ حُكْمُهُ حُكْمَ الْأَخْرَسِ تو پھر اس مُعْتَقَلُ اللِّسَانِ کا حکم گونگے کا حکم ہو گا، وَإِلَّا فَلَا اور اگر ایسا نہیں تو پھر اس کا حکم گونگے جیسا نہیں ہو گا۔ وَقُدِّرَ الِامْتِدَادُ بِسَنَةٍ اور اندازہ لگایا گیا ہے اس امتداد کا ایک سال تک، کہ ایک سال تک زبان بند رہے تو پھر یہ طویل زمانہ گزر گیا، اب جو ہے وہ کس کے حکم میں ہے؟ گونگے کے حکم میں۔ وَقِيلَ اور کہا گیا ہے بِأَنْ يَبْقٰى إِلٰى زَمَانِ الْمَوْتِ کہ وہ باقی رہے موت کے زمانے تک، موت تک اسی طرح اس کی زبان بند رہے تو پھر وہ گونگے کے حکم میں ہے، وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى اور اسی پر فتویٰ ہے۔ یعنی موت تک اگر پھر وہ دوبارہ بول نہ سکا تو اب اس کے جو اشارات تھے اور اس نے کوئی گواہ تھے ان پر تو پھر وہ کس کے درجے میں ہیں؟ بیان کے درجے میں ہیں۔

وَفِي غَنَمٍ مَذْبُوحَةٍ فِيهَا مَيْتَةٌ وَهِيَ أَقَلُّ تَحَرّٰى وَأَكَلَ فِي الِاخْتِيَارِ۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک جگہ پر بہت سی، بہت سی بکریاں ذبح شدہ ہیں بھئی، بہت سی بکریاں ہیں کچھ ذبح شدہ ہیں اور کچھ ان میں مردار ہیں، کچھ ذبح شدہ ہیں اور کچھ مردار ہیں۔ یوں کہو کچھ مسلمانوں نے ذبح کی ہوئی ہیں اور کچھ غیر مسلموں نے ذبح کی ہیں بھئی۔ لیکن یہ جو مردار ہیں وہ قلیل ہیں، تھوڑی ہیں، قلیل ہیں۔ تو اب کیا مسلمان کے لیے ان کو کھانا جائز ہے؟ کیونکہ پتہ ہی نہیں چل رہا کون سی بکری جو ہے وہ حلال ہے اور ان میں سے کون سی حرام ہے؟ تو کہتے ہیں کہ اگر وہ حرام جو ہیں وہ مردار بکریاں تھوڑی ہیں اور جو ذبح شدہ ہیں وہ زیادہ ہیں، تو پھر جو مسلمان ہے وہ تحری کر کے ان میں سے کھا سکتا ہے حالتِ اختیار میں بھی۔ ایک تو حالتِ اضطرار ہے نا، مجبوری کی حالت میں جب بھوک سے انسان مرنے والا ہو گیا تو اس وقت تو حرام بھی حلال ہو جاتا ہے، اس وقت

تو حرام بھی حلال ہو جاتا ہے۔ اور یہاں جب غالب حلال ہیں تو مسلمان تحری کرلے اور تحری کر کے تحری کرلے، تحری کہتے ہیں غور و فکر کرلے، غور و فکر کرلے، اگر اس کے ذہن اس کا غالب گمان یہ ہو جائے کہ یہ بکری حلال ہے تو بس اس کو کھالے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ کس حالت میں ہے؟ حالتِ اختیار میں یعنی حالتِ اضطرار میں نہیں، عام حالت کے اندر۔ حالتِ اضطرار میں میں نے بتایا اس میں تو حرام بھی حلال ہو جاتا ہے، جان بچانے کے لیے اس کا کھانا جائز ہے، بلکہ ضروری ہے جان بچانے کے لیے ضروری ہے بھئی۔

وَفِي غَنَمٍ مَذْبُوحَةٍ فِيهَا مَيْتَةٌ اور ایسی بھیڑ بکریاں جو ذبح کی گئی ہیں اور ان میں مردار ہیں، وَهِيَ أَقَلُّ اس حال میں کہ یہ جو مردار ہیں أَقَلُّ یہ تھوڑی ہیں، تَحَرّٰی تو وہ شخص تحری کرلے، وَأَكَلَ اور کھالے، فِي الِاخْتِيَارِ کس حالت میں؟ حالتِ اختیار میں۔ کہتے ہیں إِنَّمَا قَالَ فِي الِاخْتِيَارِ ماتن نے فِي الِاخْتِيَارِ کہا، لِأَنَّهُ يَحِلُّ أَكْلُ الْمَيْتَةِ فِي حَالِ الِاضْطِرَارِ اس لیے کیونکہ مردار کا کھانا حلال ہے اضطرار کی حالت میں، اور یہ تو ساری مردار بھی نہیں ہیں بس مشکوک ہیں، کیا ہیں؟ مشکوک۔ تو اضطرار کی حالت میں تو حرام کا کھانا جائز ہے تو مشکوک کا کھانا تو بطریقِ اولیٰ جائز ہو گا بھئی۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں لَا يُبَاحُ التَّنَاوُلُ کہ مباح نہیں ہے اس کا کھانا، لِأَنَّ التَّحَرِّيَ دَلِيلٌ ضَرُورِيٌّ وَلَا ضَرُورَةَ هُنَا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کا کھانا جائز نہیں۔ کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ جو تحری کی جاتی ہے وہ ضرورت کی بنا پر کی جاتی ہے۔ جب کیا ہو؟ تحری۔ مثلاً آپ کسی جنگل میں ہیں اور آپ کو قبلے کی سمت کا پتہ نہیں ہے، کوئی بتانے والا نہیں ہے، تو آپ تحری کریں گے غور و فکر کریں گے ضرورت کی بنا پر اور کوئی چارہ ہی نہیں ہے اس کے علاوہ۔ اور پھر جس طرف ذہن کہے غالب گمان ہو جائے کہ قبلہ اس طرف ہو گا تو اس رخ پر نماز پڑھ لے، بس نماز ہو گئی، بعد میں بے شک کسی نے آکر بتایا کہ قبلہ تو دوسری طرف کو ہے لیکن نماز ہو گئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تحری تو دلیل کیا ہے؟ دلیلِ ضروری ہے بھئی۔ یا اسی طرح پانی موجود ہے اب پتہ نہیں یہ پاک ہے یا ناپاک ہے کوئی بتانے والا نہیں ہے تو تحری کرلے اور جو غالب گمان بن جائے اس کے مطابق عمل کرلے۔ تو یہ جو تحری کی جاتی ہے امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ضرورت کی بنا پر کی جاتی ہے، لہٰذا جہاں ضرورت ہو وہاں تحری کی گنجائش ہو گی اور جہاں ضرورت نہیں وہاں تحری کی گنجائش بھی نہیں۔ اور یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ حالتِ اختیار میں ہے، یہ بھیڑ بکریاں چھوڑ دے کوئی اور چیز کھالے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ مجبوری کی حالت تو نہیں ہے نا، اضطراری حالت تو نہیں ہے، اختیاری حالت کی آپ بات کر رہے ہیں، تو اختیاری حالت میں تحری کی گنجائش نہیں۔ یہ کس کی دلیل؟ امام شافعی رحمہ اللہ کی بھئی۔

تو کہتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں لَا يُبَاحُ التَّنَاوُلُ کہ مباح نہیں ہے اس کو کھانا، لِأَنَّ التَّحَرِّيَ دَلِيلٌ ضَرُورِيٌّ

اس لیے کیونکہ تحری جو ہے وہ دلیلِ ضروری ہے ایسی دلیل ہے جو ضرورت کی بنا پر ہوتی ہے، وَلَا ضَرُورَةَ هُنَا اوریہاں پر کوئی ضرورت نہیں۔ قُلْنَا ہم کہتے ہیں التَّحَرِّي يُصَارُ إِلَيْهِ لِدَفْعِ الْحَرَجِ کہ تحری جو ہے اس کی طرف جایا جاتا ہے حرج کو دور کرنے کے لیے۔ شریعت میں حرج نہیں، تنگی نہیں، کسی معاملے میں بھی شریعت نے لوگوں پر تنگی نہیں ڈالی، معاملات میں آسانی فرمائی ہے شریعت نے۔ چنانچہ اسی لیے یہاں پر بھی تحری کریں گے تاکہ تنگی دور ہو جائے۔ قُلْنَا ہم کہتے ہیں التَّحَرِّي يُصَارُ إِلَيْهِ لِدَفْعِ الْحَرَجِ کہ تحری جو ہے اس کی طرف جاتے ہیں لِدَفْعِ الْحَرَجِ حرج کو دور کرنے کے لیے، تنگی کو دور کرنے کے لیے۔ اوریہاں بھی اگر یہ حکم لگا دیا جائے کہ ان بھیڑبکریوں میں سے جن میں اکثر حلال ہیں اور کچھ مردار ہیں، اگر یہ حکم لگا دیا جائے کہ ان کو کھانا ہی جائز نہیں ہے، تو پھر تو لوگ تنگی میں پڑ جائیں گے، تو شریعت میں تنگی کہیں بھی نہیں ہے۔ جیسے مسلمانوں کے بازار ہیں بھئی، مسلمانوں کے بازار میں لوگ چوری کا مال بھی لے آتے ہیں اور آکر فروخت کرتے ہیں، لیکن خریداروں کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ یہ چوری کا مال ہم خرید رہے ہیں۔ اور اسی طرح دوسرے لوگوں سے کچھ چھین کر لے آتے ہیں کبھی اور وہ بازار میں بیچ دیتے ہیں اور خریداروں کو پتہ ہی نہیں ہوتا۔ اسی طرح مسلمانوں کے بازار میں کبھی کوئی حرام چیز لے آتے ہیں مثلاً حرام گوشت وغیرہ لے آتے ہیں اور کوئی جانور مر گیا ہے لیکن وہ جلدی سے اس کا گوشت بنا لیتے ہیں تو وہ مردار کا گوشت بیچ دیتے ہیں، تو مسلمانوں کے بازار بھی ان چیزوں سے خالی نہیں ہیں، لیکن یہ چیزیں قلیل ہوتی ہیں، بازار میں اس طرح کی چیزیں قلیل ہوتی ہیں اور کثیر چیزیں جو ہوتی ہیں وہ حلال ہوتی ہیں، تو کثیر کا اعتبار کرتے ہوئے بازار کی چیزیں کھانا اور ان کو استعمال کرنا جائز قرار دیا ہے، کسی نے بھی پابندی نہیں لگائی۔ معلوم ہوا، معلوم ہوا کہ غالب کا اعتبار کیا جائے گا، جو چیز غالب ہو، جو چیز کثیر ہو، اس کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔ اور ان بھیڑبکریوں کے اندر بھی چونکہ غالب اور کثیر جو ہیں وہ ذبح شدہ حلال بکریاں ہیں، تو لہٰذا یہ حلال ہو گا، لیکن تحری کر لے، کیا کر لے؟ تحری کر لے، اور جو غالب گمان بنے اس پر عمل کر لے۔ اگر اس کا غالب گمان یہ ہے کہ یہ والی بکری ذبح شدہ ہے، تو اس کو کھا لے اس کے لیے کھانا جائز۔ اور اگر اس کا غالب گمان یہ بنے کہ یہ والی بکری تو مردار ہے، تو اس کو چھوڑ دے نہ کھائے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنیٰ ہے قُلْنَا التَّحَرِّي يُصَارُ إِلَيْهِ لِدَفْعِ الْحَرَجِ کہ تحری جو ہے اس کی طرف جاتے ہیں حرج کو دور کرنے کے لیے، کیونکہ شریعت کے کسی حکم میں تنگی نہیں ہے، شریعت نے معاملات میں بڑی آسانی رکھی ہے۔ وَأَسْوَاقُ الْمُسْلِمِينَ لَا تَخْلُو عَنِ الْمَسْرُوقِ وَالْمَغْصُوبِ وَالْمُحَرَّمِ اور مسلمانوں کے بازار جو ہیں وہ خالی نہیں ہوتے عَنِ الْمَسْرُوقِ چوری کی چیزوں سے، چوری شدہ چیزوں سے، وَالْمَغْصُوبِ اور غصب شدہ یعنی چھینی گئی چیزوں سے، وَالْمُحَرَّمِ اور حرام چیزوں سے۔ وَمَعَ ذٰلِكَ يُبَاحُ التَّنَاوُلُ اور اس کے باوجود جو ہے ان کو کھانا مباح ہوتا ہے، جائز ہوتا ہے، اعْتِمَادًا عَلَى الْغَالِبِ اعتماد کرتے ہوئے غالب پر، کہ اکثر چیزیں جب حلال ہیں تو جو چیز لینے لگے ہیں آپ اس کو بھی کیا سمجھیں گے؟ حلال ہی ہے بھئی، غالب پر

اعتماد کرتے ہوئے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔ چلیے الحمدللہ جی کتاب ختم ہوئی۔ آپ سب کو بھی مبارک ہو۔ چلیے جی الحمدللہ۔ آئیے بھئی دعا کر لیں اب آخر میں۔ اور دعا کا طریقہ ہمیشہ یاد رکھنا کہ دعا اللہ تعالیٰ سے آپ مانگ رہے ہیں تو سب سے پہلے اللہ کی حمد وثناء ہونی چاہیے، لہٰذا دعا کے شروع میں الحمدللہ پڑھیں، اور پھر اس کے بعد تین مرتبہ کم از کم درود شریف پڑھ لیں، اور دعا کے آخر میں بھی آمین بھی ہو اور چند مرتبہ درود شریف بھی ہو۔ اس سے دعا قبولیت کے قریب ہو جاتی ہے بھئی، قریب تر ہو جاتی ہے۔ آئیے بھئی ہم بھی اب دعا کر لیں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

اے اللہ! ہمارے اس پڑھنے اور پڑھانے کو قبول فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ہمارے اس پڑھنے اور پڑھانے کو قبول فرما۔ آمین۔ اے اللہ! اس کتاب کے پڑھنے میں اور پڑھانے میں اے اللہ ہم سے بے انتہا کوتاہیاں ہوئی ہوں گی۔ اے اللہ! اس کتاب کا حق صحیح طور پر ہم ادا نہ کر سکے ہوں گے۔ اے اللہ! ہماری تمام لغزشات سے درگزر فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ہمیں ادب کرنے والا بنا۔ آمین۔ اے اللہ! ہمارا شمار ادب کرنے والوں میں فرما۔ آمین۔ اے اللہ! بے ادب لوگوں میں ہمارا شمار نہ فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ہر شر اور فتنے سے ہماری حفاظت فرما۔ آمین۔ اے اللہ! نیک اعمال کرنے کی توفیق نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ہمیں اپنے محبوب بندوں میں شامل فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ہم سب کی قبروں کو منور فرما۔ آمین۔ اے اللہ! قیامت تک ہماری آنے والی نسلوں کے ایمان کی بھی حفاظت فرما۔ آمین۔ اے اللہ! سب کے ایمان کی حفاظت فرما۔ آمین۔

اے اللہ! آج کل ہر طرف فتنہ و فساد کا دور ہے، اے اللہ! تمام مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت فرما۔ آمین۔ اے اللہ! مسلمان بے خبری کے عالم میں کفر کی طرف دوڑتے ہوئے جا رہے ہیں، اے اللہ! وہ ناسمجھ ہیں، اے اللہ! وہ ناسمجھ ہیں، اے اللہ! ان کے ایمان کی حفاظت فرما۔ آمین۔ اے اللہ! آپ تو قادر ہیں، اے اللہ! آپ تو قادر ہیں، اے اللہ! ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ہماری تمام مشکلات حل فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ہمیں اپنے محبوب بندوں میں شامل فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ہمیں اپنے ان بندوں میں شامل فرما، اے اللہ جن سے آپ بھی محبت فرماتے ہیں، آمین، اے اللہ جن سے آپ کے فرشتے بھی محبت فرماتے ہیں، آمین، اے اللہ جن سے آپ کے انسان بھی محبت فرماتے ہیں، آمین، اے اللہ جن سے آپ کی تمام مخلوقات بھی محبت فرماتی ہیں۔ آمین۔

اے اللہ! ہم کمزور ہیں، اے اللہ! ہماری لغزشات سے درگزر فرما۔ آمین۔ اے اللہ! یقیناً ہماری غلطیاں اور ہماری

خطائیں بہت زیادہ، لیکن اے اللہ آپ کی رحمت تو بڑی وسیع ہے۔ آمین۔ اے اللہ! آپ کی وسیع رحمت کا واسطہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ہمارے دلوں کو اپنی طرف پھیر دے۔ آمین۔ اے اللہ! ہمارے دلوں کو اے اللہ انوارات سے منور فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ہمیں سنتوں پر چلنے والا بنا۔ آمین۔ اے اللہ! ہمیں سنتوں کو پھیلانے والا بنا۔ آمین۔ اے اللہ! شرک و بدعات اور گمراہیوں سے ہماری حفاظت فرما۔ آمین۔ اے اللہ! شرک و بدعات اور گمراہیوں کو ہمیں مٹانے والا بنا۔ آمین۔

اے اللہ! اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ آمین۔ اے اللہ! تمام مشکلات حل فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ہم آپ کے کمزور بندے مشکلات برداشت نہیں کر سکتے۔ اے اللہ! ہمیں زندگی میں آسانیاں نصیب فرما۔ آمین۔ اور اے اللہ! جو مشکلات آپ نے ہمارے لیے لکھ دی ہوں، اے اللہ جن کا آپ نے فیصلہ فرما دیا ہو، اے اللہ ان مشکلات سے اے اللہ ان مشکلات میں ہمیں کامیابی نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! اس میں ناکامیوں سے ہماری حفاظت فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ناکامیوں سے ہماری حفاظت فرما۔ آمین۔ اے اللہ! اے اللہ! زندگی کے ہر امتحان میں ہمیں کامیابی نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! آخرت میں جب ہم آپ کے دربارِ جلال و جمال میں حاضر ہوں تو اس حال میں حاضر ہوں کہ اے اللہ آپ بھی ہم سے راضی ہوں، آمین، اے اللہ آپ کے پیغمبر بھی ہم سے راضی ہوں، آمین، اے اللہ آپ کے نیک بندے بھی ہم سے راضی ہوں۔ آمین۔

اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ہماری تمام حاجات پوری فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ہماری تمام مشکلات حل فرما۔ آمین۔ اے اللہ! اے اللہ! میرے جتنے تلامذہ ہیں، اے اللہ سب کو دین کی خدمت کرنے والا بنا۔ آمین۔ اے اللہ! سب کو وسیع حلال رزق نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! حرام کے ذرے ذرے سے ہم سب کی حفاظت فرما۔ آمین۔ اے اللہ! قیامت تک ہماری آنے والی نسلوں کی بھی حفاظت فرما۔ آمین۔ اے اللہ! اے اللہ! ہم سب کو وسیع حلال رزق نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! قیامت تک ہماری آنے والی نسلوں کو بھی وسیع حلال رزق نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! اے اللہ! آپ کے خزانے تو بڑے وسیع ہیں، اے اللہ آپ کے خزانے تو بڑے وسیع ہیں، آپ نے خود فرمایا ہے کہ اگر سارے جن و انس جمع ہو جائیں اور ہر ایک مجھ سے مانگے اور میں ہر ایک کی منہ مانگی مراد پوری کر دوں تو بھی میرے خزانوں میں ایک ذرے کے برابر کمی نہیں آئے گی۔ اے وہ عظیم خزانوں والے! اے اللہ ہماری تو یہ چھوٹی سی جماعت ہے، اے اللہ ہمارے ہاتھوں کو خالی نہ لوٹا، آمین، اے اللہ ہماری دعائیں قبول فرما، آمین، اے اللہ ہماری حاجتیں پوری فرما، آمین، اے اللہ ہماری حاجتیں پوری فرما۔ آمین۔

اے اللہ! ان طلباء میں سے یا ان کے گھر والوں میں، حاضرین میں سے کوئی بیمار ہو یا ان کے گھر والوں میں سے کوئی بیمار ہو، اے اللہ ان دینی علوم کی برکت سے، ان کتابوں کی ان دینی کتابوں کی برکت سے، اے اللہ سب کو شفا نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! اس ختمِ کتاب کے موقع مبارک موقع پر اے اللہ سب کو شفا نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! سب کو صحت نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! سب کو عافیت نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! آج کل جو بیماری نئی وبا پھیلی ہوئی

ہے پوری دنیا میں اور ہزاروں لوگ اس میں بتلا ہیں اور وہ مر رہے ہیں، اے اللہ سب کو شفا نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! اے اللہ یقیناً، اے اللہ یقیناً ہم بہت گناہگار، لیکن اے اللہ آپ کی رحمت تو بڑی وسیع ہے۔ اے اللہ! سب کی لغزشات سے درگزر فرما۔ آمین۔ اے اللہ! اپنی اس پکڑ کو اور عذاب کو دور فرما۔ آمین۔ اے اللہ! تمام لوگوں کی حفاظت فرما۔ آمین۔ اے اللہ! بالخصوص تمام مسلمانوں کی حفاظت فرما۔ آمین۔

اے اللہ! مسلمان اس زمانے کے اندر بے انتہا تکلیف میں، پوری دنیا میں ہر ہر جگہ پر ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ اے اللہ! تمام مسلمانوں کی مدد فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ان کی نصرت فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ان کی حفاظت فرما۔ آمین۔ اے اللہ! چین کے اندر مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں، اے اللہ ان کی ہزاروں مسجدیں ختم کر دی گئیں چند سال کے اندر اندر، اے اللہ ان کے بچوں کو ان سے چھین کر دور دراز علاقوں میں دوسروں غیر مسلموں کے حوالے کر دیا گیا تاکہ وہ ان کو غیر مسلموں کے طور پر ان کی پرورش کریں، اے اللہ اور مسلمان مردوں عورتوں کو بند کر دیا گیا لاکھوں کی تعداد میں، اے اللہ اتنا عظیم ظلم تو تاریخ میں نہ کبھی ہم نے سنا اور نہ پڑھا۔ اے اللہ! اے اللہ! مسلمانوں کی ان کی مدد فرما، آمین، اے اللہ ان کی مدد فرما، آمین، اے اللہ ظالموں کو تباہ و برباد فرما۔ آمین۔ اے اللہ! اسی طرح چین کے ساتھ ساتھ کشمیر میں، اے اللہ فلسطین میں، برما میں، شام میں، ہر جگہ مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں، اے اللہ تمام مسلمانوں کی مدد فرما، آمین، اے اللہ ان کی نصرت فرما، آمین، اے اللہ ان کی حفاظت فرما، آمین، اے اللہ ان کو ہمت اور قوت نصیب فرما، آمین، اور اے اللہ جو دشمن کی قید میں ہیں ان کی رہائی کے لیے غیب سے اسباب بنا، آمین، اے اللہ غیب سے اسباب بنا۔ آمین۔ اے اللہ! مجاہدین کی خصوصی مدد و نصرت فرما، آمین، اے اللہ ان کو ہمت اور قوت نصیب فرما، آمین، اے اللہ جو دشمن کی قید میں ہیں ان کی رہائی کے لیے غیب سے اسباب بنا۔ آمین۔

اے اللہ! ہماری دعائیں قبول فرما۔ آمین۔ اے اللہ! اے اللہ! مسلمانوں کی حفاظت فرما۔ آمین۔ اے اللہ! مسلمانوں کو اور اسلام کو دنیا میں پھر عروج نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! مسلمانوں کو پھر دین کی طرف لوٹا دے۔ آمین۔ اے اللہ! ہمیں دین پر چلنے والا بنا دے۔ آمین۔ اے اللہ! سنتوں پر اب چلنے والا بنا دے۔ آمین۔ اے اللہ! ہمارے نشست و برخاست میں دین کا بول بالا ہو۔ آمین۔ اے اللہ! ہمارے گھروں میں دین کا بول بالا ہو۔ آمین۔ اے اللہ! ہماری مجلسوں میں دین کا بول بالا ہو۔ آمین۔ اے اللہ! ہماری اس مملکتِ پاکستان کی بھی حفاظت فرما۔ آمین۔ اے اللہ! یہاں پر اے اللہ کچھ ناسمجھ لوگ جو ہیں وہ اے اللہ اس ملک کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں دین کو بھی، دین کو بھی اور اس ملک کو بھی، اے اللہ ان کو ان کو سمجھ نصیب فرما، آمین، اے اللہ سمجھ نصیب فرما، آمین، اور جو سازشیں کر رہے ہیں اللہ ان کو تباہ و برباد فرما، آمین، اے اللہ ان کو ذلیل و رسوا فرما، آمین، اے اللہ ان کے مکر و فریب کو انہی پر لوٹا دے۔ آمین۔

اے اللہ! ہم اے اللہ جتنے حاضرین ہیں، جس کا جو جو عزیز و اقارب میں سے کوئی وفات پا چکے ہوں، اے اللہ ان

دینی کتب کی برکت سے سب کی مغفرت فرما۔ آمین۔ اے اللہ! سب کی مغفرت فرما۔ آمین۔ اے اللہ! سب کی لغزشات سے درگزر فرما۔ آمین۔ اے اللہ! سب کے درجات بلند فرما۔ آمین۔ حضرتِ شیخ رحمہ اللہ میرے والدِ محترم حضرتِ شیخ رحمہ اللہ ان کے لیے بھی خصوصی دعا فرمائیں کہ یا اللہ ان کے کروڑہا اربہا درجات بلند فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ہمیں بھی ان کے جیسا تقویٰ نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ہمیں بھی ان جیسا علم نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ہمیں بھی ان جیسا حسنِ خاتمہ نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! اے اللہ! اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ آمین۔ اے اللہ! تمام مشکلات حل فرما۔ آمین۔

اے اللہ! ہم سب کو جنت الفردوس نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! جہنم سے ہماری حفاظت فرما۔ آمین۔ حدیث میں آتا ہے جو شخص تین مرتبہ جہنم سے پناہ مانگ لیتا ہے تو جہنم خود کہتی ہے کہ اے اللہ اس کو مجھ سے دور کر دے، اور جو شخص تین مرتبہ جنت کو مانگ لیتا ہے تو جنت خود کہتی ہے اے اللہ اس کو میرے اندر لے آ۔ تو آپ سب بھی تین مرتبہ جہنم سے پناہ مانگ لیں: اے اللہ! جہنم سے ہماری حفاظت فرما۔ آمین۔ اے اللہ! جہنم سے ہماری حفاظت فرما۔ آمین۔ اے اللہ! جہنم سے ہماری حفاظت فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ہمیں جنت الفردوس نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ہمیں جنت الفردوس نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ہمیں جنت الفردوس نصیب فرما۔ آمین۔

اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ آمین۔ اے اللہ! تمام مشکلات حل فرما۔ آمین۔ بہت سے لوگوں نے بھی دعاؤں کا کہا ہے اور دعاؤں کا کہتے رہتے ہیں، اے اللہ آپ تو عالم الغیب ہیں سب کو جانتے ہیں، اے اللہ سب کی مشکلات حل فرما، آمین، اے اللہ سب کی حاجات پوری فرما، آمین، اے اللہ سب کو وسیع حلال رزق نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! بہت سے لوگ مقدمات میں پھنسے ہوئے ہیں اس ظالمانہ نظام کے اندر جہاں فیصلے کرنے میں سالہا سال گزر جاتے ہیں، اے اللہ بہت سے لوگوں نے مقدمات کے سلسلے میں دعاؤں کی درخواست کی ہے، اے اللہ سب کے مقدمات اے اللہ بہترین ان کے حق میں فیصلہ فرما، آمین، اے اللہ ظالموں کو دور فرما، آمین، اے اللہ ہم سب کے جتنے کوئی مقدمات وغیرہ یا کوئی معاملات ہوں اے اللہ ان سب میں کامیابی نصیب فرما، آمین، اے اللہ ظالموں کے شر کو دور فرما، آمین، اے اللہ ہر شر اور فتنے سے ہماری حفاظت فرما۔ آمین۔

میرے لیے بھی آپ حضرات سے دعاؤں کی خصوصی درخواست ہے، کچھ صحت بھی ٹھیک نہیں رہتی۔ خصوصاً اے اللہ، اے اللہ صحت نصیب فرما، آمین، عافیت نصیب فرما، آمین، اے اللہ یہ درس و تدریس کے سلسلے کو تادیر صحت اور عافیت خوشی مسرت کے ساتھ قائم و دائم فرما، آمین، اے اللہ آئندہ زندگی میں بھی ہر قسم کی رکاوٹوں سے حفاظت فرما، آمین، آسانیاں نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! یہ اے اللہ میرے جتنے تلامذہ ہیں اے اللہ ان کو اطمینان و سکون اور راحت کے ساتھ دین کی خدمت کرنے کی توفیق نصیب فرما، آمین، اے اللہ ان میں سے ہر ایک کو ایسی شمع بنا دے جس سے آگے مزید لاکھوں شمعیں روشن ہوں، آمین، اے اللہ ہر ایک کو اے اللہ ہر طرف دین کی اور سنتوں کی خوشبوئیں پھیلانے والا بنا

دے، آمین۔ آمین۔ اے اللہ! ہر طرف فتنہ اور فساد کو ختم کرنے والا بنا دے۔ آمین۔ اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ آمین۔ اے اللہ! تمام مشکلات حل فرما۔ آمین۔ میری کچھ مشکلات بھی ہیں ان کے لیے بھی دعا کریں۔ اے اللہ! تمام مشکلات حل فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ہر قسم کے شر اور فتنے کو دور فرما۔ آمین۔ اے اللہ! اطمینان سکون اور راحت نصیب فرما۔ آمین۔ اور اے اللہ! خاتمہ بالخیر نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! اس مدرسے کے لیے بھی دعا کریں، اے اللہ! اس مدرسے کو بھی تاقیامت جاری و ساری فرما۔ آمین۔ اے اللہ! اس کو تاقیامت دین کا عظیم مرکز بنا دے۔ آمین۔ اے اللہ! اس کو دین کا ایسا عظیم مرکز بنا جو اس پورے خطے کے اندر جس سے آگے مزید لاکھوں مدارس بنیں۔ آمین۔ اے اللہ! اور ہر ایک دین کی روشنی پھیلانے والا ہو۔ آمین۔ اے اللہ! ہر ایک سنتوں کو پھیلانے والا ہو۔ آمین۔ اے اللہ! ہر ایک اے اللہ آپ کی اے اللہ اطاعت کو پھیلانے والا ہو۔ آمین۔ اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ آمین۔ اور اس مدرسے کے تمام اساتذہ کے لیے بھی دعا کریں، تمام طلباء کے لیے بھی۔ اے اللہ! اس مدرسے کے تمام طلباء اور تمام اساتذہ، اے اللہ تمام امتحانات میں ان کو کامیابی نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! سب کو وسیع حلال رزق نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! بعض نے مشکلات بعض اساتذہ نے طلباء نے ذکر کیں، اے اللہ آپ تو سب کی مشکلات جانتے ہیں، اے اللہ غیب سے مدد فرما۔ آمین۔ اے اللہ! تکلیف اور پریشانیاں دور فرما۔ آمین۔ اے اللہ! اطمینان سکون اور راحت کے ساتھ دین کے پڑھنے اور پڑھانے کی توفیق نصیب فرما۔ آمین۔

اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ آمین۔ میری والدہ کے لیے بھی آپ حضرات سے دعاؤں کی درخواست ہے، وہ بیمار رہتی ہیں ضعیف ہیں۔ اے اللہ! ان کو صحت اور عافیت نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! خوشی اور مسرت کے ساتھ تادیر ان کا سایہ ہمارے سروں پر قائم و دائم فرما۔ آمین۔ اے اللہ! میرے تلامذہ میں سے بھی جن کے والدین زندہ ہوں یا ان میں سے کوئی زندہ ہو، اے اللہ ان کا سایہ خوشی اور مسرت کے ساتھ تادیر ان کے سروں پر قائم و دائم فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ آمین۔ اے اللہ! جو دین کے کام جاری ہیں ان میں برکتیں نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ہمارے تمام دینی اور دنیاوی منصوبوں میں برکتیں نصیب فرما۔ آمین۔ وسیع حلال رزق نصیب فرما۔ آمین۔ آسانیاں نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ! تمام عالم کے مسلمانوں کی مدد فرما۔ آمین۔ اے اللہ! تمام ہر جگہ پر اے اللہ مسلمان بہت تکلیف میں، اللہ سب کی مدد فرما۔ آمین۔ سب کو دین کی طرف پھیر دے۔ آمین۔ سب کو دین پر چلنے والا بنا دے۔ آمین۔ اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ آمین۔ اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ آمین۔

اب ایک دو منٹ تک اپنی اپنی حاجات دل میں مانگ لیں۔

میرے بڑے بھائی مولانا زبیر روحانی بازی مدظلہ، ان کے لیے بھی خصوصی دعا کریں۔ اے اللہ ان کو صحت ان کو بھی صحت اور عافیت نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ وہ جو یہ دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور جس کی وجہ سے یہ سارے سلسلے جاری ہیں، اے اللہ ان کو صحت اور عافیت اور مسرتیں نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ ہر قسم کی مشکلات

سے حفاظت فرما۔ آمین۔ اے اللہ ہمارے اس مدرسے کو بھی وسیع اسباب نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ طلباء کے لیے آسانیاں فرما۔ آمین۔ اے اللہ بہترین اے اللہ اساتذہ نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ بہترین طلباء نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ اچھے نیک محنتی اور دین کی خدمات کے لیے جن کو آپ قبول فرمانے والے ہوں اے اللہ ایسے طلباء ہمیں نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ ایسے طلباء ہمیں نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ اس کے لیے اسباب بھی نصیب فرما، آسانیاں بھی نصیب فرما، اور اے اللہ طلباء کی خدمت کرنے کی توفیق بھی نصیب فرما۔ آمین۔ اے اللہ ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ آمین۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔ آمین، آمین، ثُمَّ آمین۔ وَصَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہِ مُحَمَّدٍ۔ چلیے جی، الحمدللہ، مبارک ہو جی، مبارک۔

تفصیلی فہرستِ مضامین، کتب، ابواب اور ذیلی عناوین

(مکمل ۷۰ اسباق مع حرفِ آغاز، ذیلی سرخیاں، تقابلِ عبارات، ۱۲ ویکٹر نقشہ جات و ۲۴ فقہی جداول)

حرفِ آغاز و دعائے افتتاحیہ ۳

كِتَابُ الشُّفْعَةِ (شفعہ کی تعریف، اسباب، مراتبِ طلب، دعویٰ اور مسقطات و حیل) ۵

(۱) سبق نمبر ۱: تمہیدِ جزء رابع، دعائے افتتاحیہ اور کتاب الشفعہ و اسبابِ شفعہ کا اجمالی تعارف ... ۶

(۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۶

(۲) سبق نمبر ۲: کتاب الشفعہ: شفعہ کی تعریف، اسبابِ استحقاق (خلیط، شریک فی الحق، جارِ ملاصق) اور طلبِ مواثبت و اشہاد ۱۵

(۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۵

(۳) سبق نمبر ۳: طلبِ خصومت و تملیک، مجلسِ قضا میں دعویٰ شفعہ اور مشتری سے استفسار کے احکام ۴۶

(۳.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۶

(۴) سبق نمبر ۴: اقرار یا بینہ سے قضاءِ شفعہ، ادائیگیِ ثمن، عیب و رؤیت اور وکالت فی الشراء کے مسائل ۵۷

(۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۵۷

(۵) سبق نمبر ۵: ثمنِ مثلی و قیمی، عقار بعقار، ثمنِ مؤجل اور مشتری کے تصرفات (بناء و غرس) کا حکم ۷۵

(۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۷۵

(۶) سبق نمبر ۶: باب ما هي فيه أو لا وما يبطلها: کن اشیاء میں شفعہ واجب ہوتا ہے اور کن میں نہیں؟ .. ۹۷

(۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۹۷

(۷) سبق نمبر ۷: عبدِ ماذون مدیون، مالِ مضاربت، بیعِ فاسد اور خیارِ شرط و رؤیت میں شفعہ کے احکام ۱۲۲

(۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۲۲

(۷.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۱۲۵

(۸) سبق نمبر ۸: تفاوتِ ثمن پر صلح، اسقاطِ شفعہ کے شرعی حیلے اور مسقطاتِ شفعہ کا بیان ۱۳۱
(۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۳۱
(۹) سبق نمبر ۹: عوض پر صلحِ شفعہ، موتِ شفیع یا مشتری، اور بیعِ بشرطِ خیار میں بطلانِ شفعہ کے مسائل ۱۴۸
(۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۴۸
كِتَابُ الْقِسْمَةِ (تقسیمِ مشترکات کے شرائط، قسام کے فرائض، قرعہ اندازی اور استحقاق) ۱۶۳
(۱۰) سبق نمبر ۱۰: کتاب القسمۃ: تقسیم کی ماہیت، افراز و مبادلہ، قسام کا تقرر اور اجرتِ قسام ... ۱۶۴
(۱۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۶۴
(۱۱) سبق نمبر ۱۱: طالبِ قسمت کے شرائط، ورثاء میں صغیر یا غائب کی موجودگی اور تقسیمِ عقار و منقولات ۱۹۱
(۱۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۹۱
(۱۱.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۱۹۸
(۱۱.۳) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۲۰۱
(۱۱.۴) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۲۰۴
(۱۲) سبق نمبر ۱۲: فصل فی کیفیۃ القسمۃ: تعدیلِ سہام، ذرع و تقویم، قرعہ اندازی اور خیارِ شرط و رؤیت و عیب ۲۰۷
(۱۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۰۷
(۱۲.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۲۲۱
(۱۲.۳) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۲۲۵
(۱۳) سبق نمبر ۱۳: تقسیم کے بعد بعض حصے میں استحقاق (شائع یا معین) اور دعویٰ ہلاک و عدمِ قبض کے احکام ۲۲۸
(۱۳.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۲۸
كِتَابُ الْمُزَارَعَةِ وَالْمُسَاقَاةِ (مزارعت و مساقات کی شرائطِ صحت، صورتیں اور فساد و اخراجات کے احکام) ۲۴۳
(۱۴) سبق نمبر ۱۴: کتاب المزارعۃ: مزارعت کی تعریف، امام ابو حنیفہ و صاحبین کا اختلاف اور شرائطِ صحت ۲۴۴
(۱۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۴۴

(۱۵) سبق نمبر۱۵: مزارعت کی چار صورتیں (صحیح اور باطل صورتوں کا فرق) اور مزارعتِ فاسدہ کے احکام ۲۶۴
(۱۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۶۴
(۱۶) سبق نمبر۱۶: مزارعت میں مدت کا گزرنا، اخراجاتِ زرع (حصاد، دیاس، تصفیہ)، موتِ احد المتعاقدین اور اجرِ مثل ۲۷۹
(۱۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۷۹
(۱۷) سبق نمبر۱۷: کتاب المساقاۃ: مساقات کی تعریف، شرائطِ صحت، مزارعت سے مناسبت اور فساد و فسخ کے مسائل ۲۹۸
(۱۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۹۸
كِتَابُ الذَّبَائِحِ وَالْأُضْحِيَةِ (ذبحِ اختیاری و اضطراری، قطعِ عروق، ماکول اللحم حیوانات اور قربانی کے مسائل) ۳۱۱
(۱۸) سبق نمبر۱۸: کتاب الذبائح: ذکوۃِ اختیاری و اضطراری، تسمیہ کے احکام اور چار رگوں (حلقوم، مری، ودجین) کا قطع ۳۱۲
(۱۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۱۲
(۱۸.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۳۳۲
(۱۹) سبق نمبر۱۹: ذابح کی شرائط (مسلم، کتابی، صبی، اخرس)، آلۂ ذبح (سن و ظفر) اور ذبح من القفا کے احکام ۳۳۳
(۱۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۳۳
(۱۹.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۳۴۶
(۲۰) سبق نمبر۲۰: فصل فیما یحل أکلہ وما لا یحل: حلال و حرام حیوانات، ذو ناب و مخلب، خیل، جلالہ اور جنین کے مسائل ۳۵۸
(۲۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۵۸
(۲۱) سبق نمبر۲۱: کتاب الأضحیۃ: قربانی کے وجوب کی شرائط، وقتِ تضحیہ، قربانی کے جانوروں کی عمریں اور عیوب ۳۸۴
(۲۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۸۴
(۲۱.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۳۹۰
(۲۱.۳) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۳۹۹

(۲۲) سبق نمبر ۲۲: قربانی میں شرکتِ سبعہ، ایک شریک کی موت، کھال و گوشت کے مصارف اور ہدی و نذر کے احکام ۴۰۰
(۲۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۰۰
(۲۲.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۴۰۷

كِتَابُ الْكَرَاهِيَةِ (مکروہِ تحریمی و تنزیہی، لباس، ستر و نظر، استبراء اور کسب و معاملات کے آداب) ... ۴۲۰

(۲۳) سبق نمبر ۲۳: کتاب الکراہیۃ: مکروہ کی حقیقت (تحریمی و تنزیہی)، سونے چاندی کے برتن اور ریشمی لباس کے احکام ۴۲۱
(۲۳.۱) متنِ وقایہ و شرح الوقایہ کی قراءت ۴۲۱

(۲۴) سبق نمبر ۲۴: زیورات، عزل، احتکار، اسراف فی الاکل، دعوتِ ولیمہ میں لہو و لعب اور آدابِ معاشرت ۴۴۳
(۲۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۴۳

(۲۵) سبق نمبر ۲۵: فصل فی النظر واللمس: مرد و عورت، محارم، اجنبیہ اور امہات و باندیوں کے ستر و نظر کے احکام ۴۶۱
(۲۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۶۱

(۲۶) سبق نمبر ۲۶: فصل فی الاستبراء: باندی کے استبرائے رحم کے احکام، شرائط اور وطی و عزل کے مسائل ۴۸۹
(۲۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۸۹

(۲۷) سبق نمبر ۲۷: فصل فی الکسب والمعاملات: تزیینِ مساجد و مصاحف، ذمی کا مسجد میں داخلہ، اور بیعِ عصیر و سلاح ۵۱۵
(۲۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۵۱۵

(۲۸) سبق نمبر ۲۸: سواد و امصار میں غیر مسلم عبادت گاہ کے لیے اجارہ، تصویر کشی، شطرنج اور سلام و عیادت کے احکام ۵۳۰
(۲۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۵۳۰

كِتَابُ إِحْيَاءِ الْمَوَاتِ وَالْأَشْرِبَةِ وَالصَّيْدِ (احیائے موات، حریمِ آبار و انہار، حقِ شرب، اشربۂ محرمہ اور شکار کے احکام) ۵۴۷

(۲۹) سبق نمبر ۲۹: کتاب إحیاء الموات: موات کی تعریف، اذنِ امام، تحجیر کی تین سالہ مدت اور حریمِ بئر و عین کے فاصلے ۵۴۸
(۲۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۵۴۸
(۳۰) سبق نمبر ۳۰: فصل فی الشرب: حقِ شرب اور حقِ شفہ، اقسامِ انہار، کریِ نہر اور تقسیمِ آب کے شرعی ضوابط ۵۶۷
(۳۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۵۶۷
(۳۱) سبق نمبر ۳۱: کتاب الأشربۃ: خمر کی حقیقت، اشربۂ محرمہ کی چار اقسام (خمر، عصیر، نقیع، مثلث) اور نبیذ کے احکام ۵۸۴
(۳۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۵۸۴
(۳۲) سبق نمبر ۳۲: کتاب الصید: شکار کے آلات (کلبِ معلم، باز، تیر)، معلم ہونے کی علامات اور تسمیہ عند الارسال ۶۰۹
(۳۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۶۰۹
(۳۳) سبق نمبر ۳۳: شکار میں مسلم و مجوسی یا غیر معلم کتے کی شرکت، تیر کے زخم اور صیدِ البحر کے احکام ۶۳۳
(۳۳.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۶۳۳
(۳۳.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۶۴۰
كِتَابُ الرَّهْنِ (عقدِ رہن، ضمانِ مرہون، مؤنتِ حفظ، رہن عند العدل اور تصرف و جنایت فی الرہن) ۶۴۳
(۳۴) سبق نمبر ۳۴: کتاب الرہن: رہن کی تعریف، شرائطِ انعقاد و لزوم، اور ضمانِ مرہون (أقل من قیمۃ الرہن ومن الدین) ۶۴۴
(۳۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۶۴۴
(۳۵) سبق نمبر ۳۵: مرتہن کا مطالبۂ دین، حبسِ رہن، جنایت علی الرہن اور مرہون سے انتفاع کے احکام ۶۷۲
(۳۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۶۷۲
(۳۶) سبق نمبر ۳۶: مرہون کی حفاظت و نفقہ کی ذمہ داری، زیادتِ متصلہ و منفصلہ اور ہلاکِ بعضِ مرہون کے مسائل ۶۸۸
(۳۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۶۸۸

(۳۷) سبق نمبر ۳۷: باب ما یصح رہنہ والرہن بہ: مشاع کا رہن، راس المال السلم و ثمن الصرف کے بدلے رہن کے احکام ۷۱۷
(۳۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۷۱۷
(۳۸) سبق نمبر ۳۸: بدلِ صلح عن انکار، درکِ مبیع اور عہدو کے بدلے رہن، اور امانات و مضمونات میں رہن کا حکم ۷۳۵
(۳۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۷۳۵
(۳۹) سبق نمبر ۳۹: شرطِ رہن و کفیل کے ساتھ بیع، دو قرضوں کے بدلے ایک رہن اور رہن بالزیادۃ کے مسائل ۷۵۹
(۳۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۷۵۹
(۳۹.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۷۷۹
(۴۰) سبق نمبر ۴۰: باب الرہن عند عدل: عدل کے قبضے سے تکمیلِ رہن، تعدیِ عدل، اور تسلیطِ عدل علی البیع کے احکام ۷۹۱
(۴۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۷۹۱
(۴۱) سبق نمبر ۴۱: باب التصرف والجنایۃ فی الرہن: راہن کا مرہون کو بیچنا، ہبہ کرنا، آزاد کرنا یا ہلاک کرنا ۸۱۸
(۴۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۸۱۸
(۴۲) سبق نمبر ۴۲: عاریتِ مال برائے رہن، مستعیر کی مخالفت اور راہن و مرتہن و معیر کے باہمی حقوق و ضمان ۸۴۳
(۴۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۸۴۳
(۴۳) سبق نمبر ۴۳: فصل فی المتفرقات: عصیرِ مرہون کا خمر و سرکہ بننا، جنایتِ عبدِ مرہون اور اقرارِ غصب کے مسائل ۸۷۸
(۴۳.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۸۷۸
کِتَابُ الْجِنَایَاتِ (قتل کی پانچ اقسام، قصاص فی النفس و ما دون النفس، صلح و عفو اور شہادت فی القتل) ۸۹۳

(۴۴) سبق نمبر ۴۴: کتاب الجنایات: قتل کی پانچ اقسام (عمد، شبہِ عمد، خطا، جاری مجریٰ الخطا، قتل بالسبب) اور ان کے احکام ۸۹۴
(۴۴.۱) متنِ وقایہ و شرح الوقایہ کی قراءت ۸۹۴
(۴۴.۲) عبارت کی تشریح، فقہی ضوابط اور تفصیلی مسائل ۸۹۴
(۴۵) سبق نمبر ۴۵: باب ما یوجب القود وما لا یوجب: قصاص فی النفس کی شرائط، مساوات و عصمت اور شرکت فی القتل ۹۱۴
(۴۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۹۱۴
(۴۵.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۹۳۴
(۴۶) سبق نمبر ۴۶: ولیِ قصاص کے اختیارات (قود، صلح، عفو)، صغیر و معتوہ کی ولایت اور عفوِ بعض اولیاء کا حکم ۹۳۵
(۴۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۹۳۵
(۴۷) سبق نمبر ۴۷: باب القود فیما دون النفس: اطراف و اعضاء میں قصاص کی شرائط، مماثلت اور سرایتِ جرح کے مسائل ۹۵۸
(۴۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۹۵۸
(۴۸) سبق نمبر ۴۸: عبد کا اقرارِ قود، اشہاد علی القصاص، اور قطعِ عضو میں اجتماعِ اطراف و حکومتِ عدل ۹۸۴
(۴۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۹۸۴
(۴۸.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۹۸۶
(۴۹) سبق نمبر ۴۹: قطعِ ید سے عفو کے بعد سرایت سے موت، رمیٔ سہم کے مسائل اور حائطِ مائل کے ضمان کے احکام ۱۰۰۵
(۴۹.۱) متنِ وقایہ و شرح الوقایہ کی قراءت ۱۰۰۵
(۴۹.۲) عبارت کی تشریح، فقہی ضوابط اور تفصیلی مسائل ۱۰۰۵
(۵۰) سبق نمبر ۵۰: باب الشہادۃ فی القتل واعتبار حالتہ: ثبوتِ قود ابتداءً للورثۃ، جرح کے بعد شہادت و عفو کے مسائل ۱۰۴۱
(۵۰.۱) متنِ وقایہ و شرح الوقایہ کی قراءت ۱۰۴۱

(۵۱) سبق نمبر ۵۱: شاہدینِ قتل کا زمان، مکان یا آلۂ قتل میں اختلاف اور اقرارِ قتل میں اختلاف کے احکام ۱۰۷۳

(۵۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۰۷۳

(۵۱.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۱۰۸۷

كِتَابُ الدِّيَاتِ وَالْمَعَاقِلِ (مقاديرِ ديت، اسنانِ ابل، احكامِ شجاج، جنايتِ رقيق و بہيمہ، قسامت اور معاقل) ۱۰۸۹

(۵۲) سبق نمبر ۵۲: کتاب الدیات: دیت کی مقادیر (ذہب، ورق، ابل)، دیتِ مغلظہ (اربعاً) و مخففہ (خمساً) اور اطراف کی دیات ۱۰۹۰

(۵۲.۱) متنِ وقایہ و شرح الوقایہ کی قراءت ۱۰۹۰

(۵۳) سبق نمبر ۵۳: فصل فی أحکام الشجاج: شجاج کی گیارہ اقسام، موضحہ میں قصاص، حکومتِ عدل اور جنایت علی الجنین (غرہ) ۱۱۱۳

(۵۳.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۱۱۳

(۵۴) سبق نمبر ۵۴: باب مایحدث فی الطریق: راستے میں تصرفات اور راکب، قائد، سائق اور دابہ کے جنایات و ضمان ۱۱۴۵

(۵۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۱۴۵

(۵۵) سبق نمبر ۵۵: باب جنایۃ الرقیق وعلیہ: غلام کی جنایتِ خطا، دفعِ عبد یا فداء بارش اور تکرارِ جنایت کے احکام ۱۱۷۹

(۵۵.۱) متنِ وقایہ و شرح الوقایہ کی قراءت ۱۱۷۹

(۵۵.۲) عبارت کی تشریح، فقہی ضوابط اور تفصیلی مسائل ۱۱۷۹

(۵۵.۳) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۱۱۸۵

(۵۶) سبق نمبر ۵۶: ماذونِ مدیون کی جنایت، عتقِ سید قبل العلم بالجنایۃ اور قطعِ یدِ عبد کے بعد استحقاق کے مسائل ۱۲۰۱

(۵۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۲۰۱

(۵۶.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۱۲۰۵

(۵۶.۳) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۱۲۱۱

(۵۷) سبق نمبر ۵۷: عبدِ محجور یا صبی کا امر بالقتل، دیوار گرانے سے ہلاکت اور سفینہ کے تصادم کے مسائل ۱۲۲۲

(۵۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۲۲۲

(۵۷.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۱۲۲۵

(۵۷.۳) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۱۲۳۰

(۵۷.۴) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۱۲۴۳

(۵۸) سبق نمبر ۵۸: فصل فی دیۃ العبد والمدبر: غلام کی دیت (قیمت)، مدبر و ام ولد پر جنایت اور اسقاطِ جنینِ امۃ ۱۲۴۶

(۵۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۲۴۶

(۵۸.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۱۲۵۶

(۵۸.۳) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۱۲۶۲

(۵۸.۴) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۱۲۶۵

(۵۹) سبق نمبر ۵۹: فصل فی جنایۃ المدبر وأم الولد: مدبر یا ام ولد کی جنایت پر سید پر ضمان (اقل من القیمۃ والارش) ۱۲۷۰

(۵۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۲۷۰

(۶۰) سبق نمبر ۶۰: تکرارِ جنایتِ مدبر اور قن و مدبر کے احکام کا تقابلی بیان اور دعویٰ اولیاء و اقرارِ مولیٰ ۱۲۹۳

(۶۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۲۹۳

(۶۱) سبق نمبر ۶۱: باب القسامۃ وکتاب المعاقل: قسامت کی شرائط، پچاس قسمیں، محلہ و مشترک مکان کے احکام اور عاقلہ کا بیان ۱۳۰۷

(۶۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۳۰۷

كِتَابُ الْوَصَايَا (وصیت کی مشروعیت، وصیت بالثلث، وصیت بمثل النصیب، عتق فی المرض اور وصیت بالسکنیٰ) ۱۳۳۷

(۶۲) سبق نمبر ۶۲: کتاب الوصایا: وصیت کی تعریف، مشروعیت، قبول و رد، وصیت لوارث و قاتل اور وصیتِ ذمی کے احکام ۱۳۳۸

(۶۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۳۳۸

(۶۳) سبق نمبر ۶۳: باب الوصیۃ بالثلث: ثلث سے زائد وصیت میں محاصہ و منازعہ، اور وصیت بالحمل و الجنین کے مسائل ۱۳۶۶

(۶۳.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۳۶۶

(۶۴) سبق نمبر ۶۴: وصیت بمثل نصیبِ ابن، وصیت بجزء شائع اور وصیت بالف و ثلث کے حساب و تصحیح کے قواعد ۱۳۹۳

(۶۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۳۹۳

(۶۵) سبق نمبر ۶۵: عین اور دین (قرض) دونوں کی موجودگی میں وصیت کا نفاذ اور وصیت لفقراء و اقارب کے احکام ۱۴۱۵

(۶۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۴۱۵

(۶۶) سبق نمبر ۶۶: باب العتق فی المرض: مرض الموت کے تصرفات، محابات، عتق و تدبیر اور تداخلِ ثلث کے پیچیدہ مسائل ۱۴۵۲

(۶۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۴۵۲

(۶۶.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۱۴۵۹

(۶۶.۳) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۱۴۶۴

(۶۶.۴) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۱۴۶۸

(۶۶.۵) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۱۴۷۴

(۶۶.۶) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۱۴۸۳

(۶۶.۷) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۱۴۸۸

(۶۶.۸) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۱۴۹۱

(۶۶.۹) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۱۴۹۴

(۶۷) سبق نمبر ۶۷: باب الوصیۃ بالسکنیٰ والخدمۃ: خدمتِ عبد، سکنائے دار اور غلہ و ثمرہ کی وصیت اور وصیتِ حج کے احکام ۱۴۹۹

(۶۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۴۹۹

(۶۷.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۱۵۳۰

كِتَابُ الْخُنْثٰى وَمَسَائِلُ شَتّٰى (تصرفاتِ وصی، خنثیٰ مشکل کے احکام و میراث اور اشارۃ اخرس و مسائلِ شتیٰ) ۱۵۳۹

(۶۸) سبق نمبر ۶۸: باب الوصایۃ وکتاب الخنثیٰ: وصی کے اختیارات، خنثیٰ مشکل کے احکام اور میراثِ خنثیٰ (قولِ امام ابو حنیفہؒ — نقشہ ۱) ۱۵۴۰
(۶۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۵۴۰
(۶۸.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۱۵۵۲
(۶۸.۳) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۱۵۵۵
(۶۸.۴) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ فقہیہ ۱۵۶۳
(۶۹) سبق نمبر ۶۹: تتمۂ میراثِ خنثیٰ: امام شعبیؒ کے قول «نصف النصیبین» کی تفسیر (قولِ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ — نقشہ ۲) اور مراجحہ ۱۵۷۹
(۶۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۵۷۹
(۷۰) سبق نمبر ۷۰: مسائلِ شتیٰ: گونگے کی کتابت و اشارہ، غنمِ مذبوحہ کا مسلوخہ سے اختلاط اور متفرق فقہی فوائد و خاتمۂ کتاب ۱۵۹۱
(۷۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۵۹۱
تفصیلی فہرستِ مضامین و عناوین ۱۶۰۶